هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ

یہ قرآن لوگوں کے لیے صاف پیغام اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے

قرآن کریم

ترجمہ: شیخ الہند مولانا محمود الحسن

تفسیر: علامہ شبیر احمد عثمانی

Free E-Quran & Quranic Fonts

www.noorehidayat.org

quran@noorehidayat.org

سرٹیفکیٹ

بندہ نے اس قرآن کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق اسکی
درستگی کا اہتمام کیا ہے لہٰذا بندہ اسکی تصدیق کرتا ہے کہ اس نسخہ کے
متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے انشاء اللہ العزیز

فقط ۔ مفتی حافظ محمد طاہر حبیب
فاضل وفاق المدارس العربیہ ملتان پاکستان
متخصص جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی پاکستان

Certificate

I have carefully read over the Arabic text of Quran word by word composed by www.noorehidayat.org and made necessary corrections. Now this is to certify that it has no error / omission and correct in all aspects, InshaAllah.

فقط ۔ مفتی حافظ محمد طاہر حبیب
فاضل وفاق المدارس العربیہ ملتان پاکستان
متخصص جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر عثمانی کے ترکیبی عناصر

از محمد ولی رازی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

تفسیر عثمانی پچھلے ساٹھ برسوں سے برصغیر کی اردو تفاسیر میں ایک نہایت مقبول اور انتہائی معتبر نام رہا ہے۔ اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ اس تفسیر کی وہ بعض خصوصیات تو ہیں ہی جو دوسری تفاسیر میں مفقود ہیں اور جن کا مختصر ذکر ان سطور میں ان شاء اللہ آگے آئے گا لیکن میرے خیال میں اس کی اصل وجہ ان تین اکابر کا علم و فضل، اخلاص وللّٰہیت اور کمال اور احتیاط و ادب کے ساتھ قرآن کریم کی خدمت کی دھن ہے جو اصل تفسیر عثمانی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ تین بڑے نام حضرت شاہ عبد القادر دہلوی، حضرت شیخ مولانا محمود حسن صاحب اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہم کے ہیں۔ تفسیر عثمانی کے افادیت، خصوصیات اور اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے اس کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔ اس پس منظر میں قارئین کے لیے اس تفسیر کے اصل مقام کو متعین کرنے میں سہولت ہوگی۔

موضح القرآن:

حضرت شاہ عبد القادرؒ کا اردو ترجمہ "موضح القرآن" اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں "الہامی ترجمہ" کے نام سے مشہور رہا ہے۔ اور حقیقت میں یہ قرآن کریم کا واحد ترجمہ ہے جو اردو میں پہلا با محاورہ ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ کی ترتیب اور اس کے معانی و مفہوم سے حیرت انگیز طور پر قریب ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس ترجمہ کی تکمیل میں تقریباً چالیس سال جو محنت شاقہ اٹھائی ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کا یہ ترجمہ اردو زبان کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ جس کی حفاظت ہندو پاک کے مسلمانوں کے لیے ایک دینی فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس ترجمہ میں متعدد خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

"حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کا ترجمہ جیسے استعمال محاورات میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے ویسے ہی باوجود پابندی محاورہ، قلت تغیر اور خفت تبدل میں بھی بے مثل ہے"۔ (مقدمہ ترجمہ شیخ الہند۔ دارالتصنیف۔ کراچی)

چودھویں صدی کے آغاز تک اردو میں قرآن کریم کے متعدد ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ ان میں بعض ترجمے با محاورہ اور مروج زبان میں اہل علم و اہل ذہانت حضرات کے تھے۔ اور اس کے مقابلے میں بعض تراجم ایسے بھی آئے جو آزاد خیال حضرات نے کیے تھے اور جن میں گوناگوں اغلاط و مفاسد پائے جاتے تھے۔ اور ان میں قرآن کریم کے مفاہیم پر زبان کے تقاضوں کو ترجیح دی گئی تھی آسان اور با محاورہ زبان کی وجہ سے یہ ترجمے عوام میں مقبول ہونے لگے۔

دوسری طرف حضرت شاہ عبد القادرؒ کے ترجمے سے استفادہ عام میں کچھ دشواریاں پیش آنے لگیں اول تو یہ کہ اس ترجمے کے بعض الفاظ اور محاورات وقت گزرنے کے ساتھ یا تو متروک ہو گئے یا ان کا استعمال بہت کم ہو گیا۔

دوسری دشواری ترجمہ کی وجہ سے نہیں بلکہ طبیعتوں کی سہل پسندی کی وجہ سے پیدا ہوئی یعنی اس ترجمہ کی جو سب سے نمایاں اور ممتاز خوبی تھی کہ کم سے کم الفاظ میں قرآن کریم کے مفہوم و منشاء کی تعبیر۔ یہی خوبی ان طبیعتوں پر گراں گزرنے لگی جو غور و فکر کی عادی نہیں رہیں۔ اس وجہ سے بھی ان کا میلان ان جدید ترجموں کی طرف زیادہ ہونے لگا۔ ان ترجموں کی غلطیوں اور مفاسد سے لوگوں کو بچانے کیلئے اس وقت کے علمائے کرام کو اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک نیا ترجمہ سہل اور آسان اردو میں ایسا کیا جائے جو ایک طرف ان

مفاسد سے بھی پاک ہو اور دوسری طرف مروجہ محاورے کے مطابق سہل اور آسان ہو۔

ترجمہ شیخ الہند:

اس وقت کے اہل علم نے حضرت شیخ الہندؒ سے ایسا ترجمہ کرنے کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے غور وفکر کے بعد فرمایا کہ پہلی ضرورت یعنی زبان و محاورے کی سہولت تو بعض نئے ترجموں سے پوری ہو گئی جو اہل علم و فہم حضرات نے کئے ہیں۔ البتہ یہ ترجمے ان خوبیوں سے محروم ہیں جو موضح القرآن میں موجود ہیں۔ اب اگر کوئی نیا ترجمہ کیا جائے گا تو وہ آسان اور بامحاورہ تو ہو گا مگر حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی خوبیاں کہاں سے آئیں گی؟ فرمایا کہ اب یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ نئے ترجموں کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحب کی یہ بے مثال قرآنی خدمت کہیں رفتہ رفتہ معدوم ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں۔

"اس چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیر الٰہی سے یہ بات دل میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا افضل و مقبول و مفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ نہ ہو جائے۔ یہ کس قدر نادانی بلکہ کفران نعمت ہے۔ اور وہ بھی سرسری عذر کی وجہ سے اور عذر بھی وہ جس میں ترجمہ کا کوئی قصور نہیں اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے"

اسلئے حضرت شیخ الہندؒ نے جدید ترجمہ کا ارادہ تو اسلئے نہیں فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی حفاظت ضروری تھی۔ البتہ اس ترجمے سے استفادہ کرنے میں مذکورہ بالا دشواریاں تھیں انکو دور کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ چنانچہ اس ارادے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں۔

"اس لئے ننگ خلائق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو کل دو خلجان ہیں یعنی ایک بعض الفاظ و محاورات کا متروک ہو جانا دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہونا۔ جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر بنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاق طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آگئی کہ جس سے ایسے مفید اور قابل ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ سو اگر غور و احتیاط کے ساتھ ان الفاظ متروکہ کی جگہ الفاظ مستعملہ لے لئے جائیں اور اختصار و اجمال کے موقعوں کو تدبر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے تو پھر ان شاء اللہ حضرت شاہ صاحب کا یہ صدقہ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے۔" (مقدمہ ترجمہ شیخ الہند)

اس للّٰہیت و اخلاص اور احتیاط و تدبر کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ نے مذکورہ بالا دو مقاصد سامنے رکھ کر حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمے موضح القرآن میں نظر ثانی اور ترمیم کا کام شروع فرما دیا۔ اور آخر ۱۳۳۶ھ میں اس عظیم خدمت کو مکمل فرمایا۔ اور اس میں بھی جس احتیاط و ادب سے کام لیا ہے وہ حقیقت میں انہی حضرات کا حصہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اپنے ترجمے کے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"جس موقع پر ہم کو لفظ بدلنے کی نوبت آئی وہاں ہم نے یہ نہیں کیا کہ اپنی طرف سے جو مناسب سمجھا بڑھا دیا۔ نہیں بلکہ حضرات اکابر کے تراجم میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ خود موضح القرآن میں دوسری جگہ کوئی لفظ مل گیا۔ یا حضرت مولانا رفیع الدین کے ترجمے میں یا فتح الرحمٰن میں۔ حتی الوسع ان میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ ایسا تغیر جسکی نظیر مقدس حضرات کے تراجم میں نہ ہو۔ ہم نے کل ترجمہ میں جائز نہیں رکھا"۔

اللہ اکبر! ان حضرات کی بے نفسی، خوف خدا اور اپنے بزرگوں کا احترام و ادب کا یہ نمونہ کتنا مفید اور سبق آموز ہے؟ تمام تراجم میں تلاش و جستجو کی یہ محنت شاقہ اسلئے اٹھائی کہ اپنی جانب سے ایک آدھ لفظ کا اضافہ بھی گوارا نہ تھا۔ اسی اخلاص وللّٰہیت ہی کا ثمرہ ہے کہ ترجمہ شیخ الہند کو جو مقام آج حاصل ہے وہ کسی دوسرے ترجمے کو حاصل نہیں۔ اس ترجمے کو موضح القرآن سے ممتاز رکھنے کیلئے آپ نے اس کا نام "موضح فرقان" تجویز فرمایا تھا۔ مگر یہ ترجمہ شیخ الہند ہی کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے چھ اشعار پر مشتمل ایک قطعہ میں اس ترجمہ کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔ اس قطعہ کا آخری شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے۔ یہ ہے ؎

بے شش وپنج بگفتہ محمود سال اُو موضح فرقان حمید

اس شعر سے تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ بے شش وپنج (یعنی چھ اور پانچ۔ کل گیارہ اعداد) کم کر دیں تو "موضح فرقان حمید" کے اعداد سے سال ۱۳۳۶ھ نکل آئے گا۔

فوائد عثمانی:

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ عبد القادرؒ نے اپنے ترجمہ کے ساتھ کچھ مختصر حواشی بھی تحریر فرمائے تھے جن میں اختصار کے ساتھ انتہائی مفید تفسیری توضیحات شامل تھیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمہ کی تکمیل کے بعد ایک اہم کام یہ بھی شروع فرمایا کہ ان حواشی کو دوبارہ اپنی زبان میں اس طرح تحریر کرنا شروع کیا کہ جہاں جہاں ضرورت سمجھی وہاں اجمال کی تفصیل فرمادی اور مفید تفسیری وضاحتوں کا اضافہ بھی فرمایا۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ کی حیات میں یہ کام صرف سورہ آل عمران تک ہو سکا۔ اور اس طرح تفسیری فوائد کا کام ادھورا رہ گیا۔

اس کام کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو منتخب فرمایا اور انہوں نے اپنے مشفق استادؒ کے اس ادھورے کام کی تکمیل کا ارادہ فرمایا۔ اور انہی مقاصد کو سامنے رکھ کر نہایت ادب واحترام کے ساتھ جانفشانی سے اس کام کی طرف متوجہ ہوئے ۔ حضرت علامہ عثمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس علم و فضل، بصیرت و حکمت اور عصر حاضر کی مزاج شناسی عطا فرمائی تھی۔ انکے تحریر کردہ تفسیری فوائد میں جگہ جگہ ان کا اظہار ہوا۔ اور اس طرح فوائد عثمانی نے ایک ایسی مختصر مگر جامع اور عصر حاضر کی ضرورتیں پوری کرنے والی تفسیر کی جگہ لے لی۔ جسکی مثال اردو میں موجود نہ تھی۔ حضرت علامہ عثمانیؒ نے خاص یوم عرفہ کو وقوف عرفات کے وقت ۱۳۵۰ھ کو دیوبند میں اس کام کی تکمیل فرمائی۔

حضرت علامہ عثمانیؒ کے تبحر علمی اور تقریر و تحریر کی سحر انگیزی کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ تحریک پاکستان میں علمائے کرام کی جماعت کے سر خیل حضرت علامہ عثمانیؒ ہی تھے۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت عثمانی کے دست راست اور سب سے زیادہ معتمد علیہ تھے۔

احقر کو اپنی نوجوانی میں والد ماجدؒ کے ساتھ حضرت عثمانیؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت کثرت سے حاصل رہی۔ اگرچہ اس بے فکری کے زمانے میں نہ حضرتؒ کے علمی مقام کا کوئی شعور تھا اور نہ اس باکمال شخصیت کے کمالات کا کوئی اندازہ۔ البتہ کراچی کے پر ہجوم جلسوں میں حضرت عثمانیؒ کی سحر انگیز تقاریر کی اہمیت کا اثر آج بھی قلب میں محسوس ہوتا ہے۔

تفسیر عثمانی کی بعض خصوصیات:

تفسیر عثمانی کی اصل علمی خصوصیات کا اندازہ کرنا تو اہل علم کا کام ہے۔ لیکن اسکی خصوصیات جو مجھ جیسے ایک عام آدمی کو بھی بسہولت نظر آجاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مختصر ہونے کے باوجود قرآن کریم کے منشاء و مفہوم کی تعبیر میں اتنی جامع ہے کہ اکثر مقامات پر قرآن کریم کے طالب علم کو بڑی تفسیر سے مستغنی کر دیتی ہے۔

۲۔ قرآن کریم کی آیات کا باہمی ربط اتنا واضح ہے کہ مسلسل ترجمہ پڑھنے والے کو کہیں ربط کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔

۳۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں جہاں جہاں ظاہری تعارض معلوم ہوتا ہے ان آیات کی طرف مراجعت کر کے رفع تعارض کی سہل تقریر کی گئی ہے۔

۴۔ عصر حاضر میں پیدا ہونے والے اشکالات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔ اور اکثر مقامات پر اپنے دلنشیں انداز میں عقلی دلائل بھی مہیا کئے گئے ہیں۔

۵۔ جن مقامات پر ایک سے زائد تفسیری آراء پائی جاتی ہیں وہاں راجح تفسیر کو ترجیحی وجوہات کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔

۶۔ اہل علم کیلئے اکثر مقامات پر ایسے لطیف علمی اشارات کر دیئے گئے ہیں جن سے ان مقامات پر متوقع دشواریوں کے حل کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔

۷۔ زبان کی سہولت اور جدید محاورات کی مطابقت کا اتنا غیر معمولی اہتمام فرمایا کہ ساٹھ سال گزر جانے پر بھی اس تفسیر کی زبان آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

تفسیری عنوانات کا اضافہ:

زمانے کے ساتھ ساتھ ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ اب تک تفسیر عثمانی قرآن کریم کے حاشیے ہی پر طبع ہوتی رہی ہے۔ اس زمانے میں طبیعتوں کی سہل پسندی اور بڑھ گئی۔ اور حاشیوں کا رواج رفتہ رفتہ ختم ہونے لگا۔ اب تک جس انداز میں تفسیر عثمانی چھپتی رہی ہے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ بین السطور ترجمے میں جہاں تفسیری فائدہ دینا ہے۔ اس کا نمبر دیدیا جاتا ہے اور پھر وہی نمبر حاشیہ پر دے کر اسکے تحت تفسیر لکھ دی جاتی ہے اور پھر صفحہ کے فوائد کا نمبر ایک سے شروع ہوتا ہے اس صورت میں قباحت یہ ہے کہ ہر صفحہ کے تفسیری فوائد کو اسی صفحہ تک محدود رکھنا اکثر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح ایک آیت کا تفسیری فائدہ اگر دیکھنا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ مضمون اسی صفحہ پر مل جائے۔ وہ کسی اگلے صفحہ پر دیکھنا ہوتا ہے اور اس طرح استفادہ
میں دشواری پیش آتی ہے۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ حاشیہ میں جگہ کی کمی کی وجہ سے قلم باریک ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو ایک الجھن سی محسوس ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس زمانے میں اشاعت و طباعت کی سہولتوں کی وجہ سے جدید کتابیں بہت صاف اور سہل ہوتی ہیں۔ اس لئے اس قدیم طرز کے حاشیوں کو دیکھ کر ہی عام پڑھنے والا گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ خود مجھے بھی جب کبھی استفادہ کی ضرورت پیش آئی تو معارف القرآن کی آٹھ جلدوں پر مشتمل تفسیر سے استفادہ نسبتاً زیادہ آسان معلوم ہوا۔ ان وجوہات کی وجہ سے تفسیر عثمانی کی افادیت بھی متاثر ہونے لگی۔ اب پھر یہ ضرورت پیش آئی کہ جدید تقاضوں کے مطابق اسکی نئی کتابت و طباعت ہو اور حاشیہ کی بجائے یہ تفسیری فوائد باقاعدہ تفسیر کے متن کے طور پر شائع کئے جائیں۔

جس وقت احقر نے یہ مضمون تحریر کیا تھا برادر محترم ہمارے درمیان موجود تھے اور اس کام کی تکمیل پر بے اندازہ خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور مجھے انعام سے بھی سرفراز فرمایا۔ تقریباً دس ماہ کی تکلیف دہ علالت کے بعد اللہ کا حکم پورا ہوا اور وہ ۱۱ اگست ۱۹۹۰ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ انہیں وہاں اپنی رضا اور مغفرت کے انعامات سے نوازے۔ آمین

میرے برادر محترم مولانا محمد رضی عثمانیؒ (مالک دارالاشاعت کراچی) کی ایک طویل عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ وہ اسکے تفسیری فوائد پر عنوانات کا اضافہ کرواکے اسکو جدید طرز کے مطابق از سر نو شائع کریں۔ میرے بھتیجے اور برادر محترم کے صاحبزادے عزیزم خلیل اشرف سلمہٗ نے شعبان ۱۴۰۴ھ کے آخر میں مجھ سے اس خواہش کا اظہار بھی کیا اور درخواست بھی کہ تفسیری عنوانات کا کام میں کر دوں۔ اس کام کی اہمیت اور افادیت میں تو کوئی شبہ نہیں تھا لیکن اس کا کبھی وہم بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھ جیسے بے علم و عمل آدمی کے بارے میں بھی

سوچا جاسکتا ہے کہ تفسیر عثمانی کی اس علمی خدمت کی کوئی اہلیت اس میں موجود ہے۔ پھر یونیورسٹی میں اپنی تدریسی مصروفیات کے علاوہ پچھلے تقریباً ڈھائی سال سے بائبل سے قرآن تک (اردو ترجمہ اظہار الحق) جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اسکے انگریزی ترجمے کے کام میں مصروف تھا اور اس وقت تیسری جلد کا آغاز ہی کیا تھا۔ اسکے علاوہ بھی کچھ دوسرے تحریری کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس نئے کام کو شروع کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ لالچ بھی قوت کے ساتھ دل میں پیدا ہوا کہ اگر حق تعالیٰ شانہ' مدد فرمائیں اور اس احقر سے قرآن کریم کی یہ خدمت ہوسکے تو یہ ایک ایسی نعمت اور سعادت ہوگی کہ جس کا تصور بھی احقر نہیں کرسکتا۔ برادر عزیز جسٹس مولانا تقی عثمانی سلمہٗ اللہ تعالیٰ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی اصرار سے اس کام کی تائید کی اور اس طرح اس خدمت کیلئے کچھ ہمت پیدا ہونے لگی۔ رمضان المبارک شروع ہوگئے اور آخر یہ ہمت ارادے کی شکل اختیار کرگئی چنانچہ ۹ رمضان المبارک ۱۲ اپریل ۱۹۸۹ء کی شب میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے سے احقر نے اس کام کی ابتداء کردی۔ اور دوسرے تحریری کاموں کو فی الحال ملتوی کردیا۔ اس کام کی ابتداء میں ایک طرف تو یہ خیال انتہائی مسرور کن تھا کہ اس تفسیر میں جن اکابر کے نام شامل ہیں انکے نام کے ساتھ اس سراپا خطاکار و روسیاہ کا نام بھی شامل ہوگیا تو کیا بعید ہے کہ ان حضرات کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ' اس احقر کے ساتھ بھی آخرت میں رحمت کا معاملہ فرمادیں اور جس طرح گندم کے ساتھ خس و خاشاک بھی اسی قیمت پر تل کر چلے جاتے ہیں اسی طرح شائد حق تعالیٰ شانہ' ان بڑے ناموں کے ساتھ احقر کو بھی خس و خاشاک کی طرح قبول فرمالیں۔ دوسری طرف اپنی بے بضاعتی، بے علمی اور بے عملی کے پیش نظر یہ خوف بھی طاری رہا کہ اپنی نااہلی کے باوجود اس کام کی جرأت پر کہیں مواخذہ نہ جائے۔

الحمدللہ ۹ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ ۱۱ اپریل ۱۹۸۹ء کو شروع کرکے ۹ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ ستمبر ۱۹۸۹ء کو پورے پانچ ماہ میں اسکی تکمیل ہوگئی۔ اگر یہ کوئی مفید کام ہوا ہے تو حق تعالیٰ شانہ' کی دی ہوئی توفیق اور سعادت کے شکر کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں، ورنہ میرے لئے یہ بھی بڑی کامیابی ہوگی کہ آخرت میں حق تعالیٰ شانہ کا یہ مواخذہ نہ ہو کہ تونے یہ جرأت کیوں کی؟ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔

تفسیر عثمانی میں اس وقت احقر نے جو کام کئے ہیں وہ دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سورت کے فوائد کے نمبر مسلسل لگائے گئے ہیں اور وہی نمبر بین السطور ترجمے میں دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ میں جتنے فوائد ہیں، جو تین سو سے زائد ہیں ان کے نمبر ایک سے شروع کرکے آخر تک مسلسل لگائے گئے ہیں۔ اس سے قرآنی آیت یا الفاظ کے متعلقہ فائدے کو دیکھنا پہلے کے مقابلے میں بہت سہل ہو جائے گا۔ دوسرا اصل کام تفسیری عنوانات قائم کرنے کا ہے اس کام کی مشکلات اور دشواریوں کا اندازہ احقر کو کام شروع کرنے کے بعد ہی ہوا۔ مثلاً ایک عام دشواری تو یہ ہی تھی کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں متعدد مضامین ہوتے ہیں ان میں سے کس مضمون کو عنوان بنایا جائے اس کا یہ فیصلہ اکثر مقامات پر سخت دشوار ہوا۔ اسکے علاوہ بھی اس کام میں کیا نزاکتیں اور عملی دشواریاں ہیں اس کا اندازہ اہل علم کرسکتے ہیں۔ ان کا تذکرہ غیر ضروری طوالت کا سبب ہوگا۔

تفسیری عنوانات قائم کرنے کے وقت جو امور احقر کے پیش نظر رہے یا جو فوائد اور سہولتیں اس اضافے سے متوقع ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کل تفسیری عنوانات کی تعداد لگ بھاگ پانچ ہزار ہے۔

۲۔ ان تفسیری عنوانات کی فہرست درحقیقت تفسیر عثمانی کا ایک تفصیلی انڈکس ہے جو خود مستقل افادہ کی چیز ہے۔

۳۔ ہر سورت کے تفسیری عنوانات پر نظر ڈالنے سے اس سورت کے مضامین سے اجمالی واقفیت چند لمحوں میں حاصل ہو جاتی ہے۔

۴۔ احقر نے عنوانات قائم کرنے کے وقت حضرت مولانا عثمانیؒ کے فوائد ہی کو بنیاد بنایا ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا ہے مثلاً قرآن

کے ظاہری الفاظ سے ایک عنوان بظاہر متعین معلوم ہوتا ہے مگر تفسیر میں اس طرف التفات نہیں کیا گیا تو تفسیر ہی کے مطابق عنوان اختیار کیا گیا ہے۔

۵۔ ایک تفسیری فائدے میں اگر ایک سے زائد مضامین بیان ہوئے ہیں تو اس موقع کے مناسب اگر تفسیر میں واضح طور پر کسی ایک مضمون پر زور ہے تو وہاں اسی مضمون کو عنوان بنایا گیا ہے۔

٦۔ بعض تفسیری فوائد میں حضرت علامہؒ نے طویل کلام کیا ہے۔ اس میں اگر کوئی اہم علمی نکتہ یا کوئی مفید مضمون آیت کی تفسیر کے ذیل میں آ گیا ہے تو اس جگہ کوئی نیا نمبر لگائے بغیر ایک نیا عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔ اسلئے یہ ضروری نہیں کہ ایک فائدہ کا صرف ایک ہی عنوان ہو۔

۷۔ قصص اور واقعات کی تکرار میں اکثر مقامات پر قرآن کریم نے کہیں کہیں معمولی فرق کیا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ، حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے واقعات مختلف جگہوں پر بار بار آئے ہیں۔ ان میں جہاں کوئی نئی تفصیل یا نئی اطلاع موجود ہے اسکے عنوان میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح واقعات کی مختلف تفصیلات فہرست مضامین سے آسانی سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

۸۔ یہ اہتمام نہیں کیا گیا کہ صرف ان تفسیری فوائد پر عنوان لگایا جائے جنکی عبارت کچھ طویل ہو، بلکہ اگر کسی جگہ صرف ایک سطر کا فائدہ ہے اور اس کا مضمون عنوان کا متقاضی ہے تو وہاں بھی عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔

۹۔ حتی الوسع احتیاط کے باوجود اس کام میں بہت جگہوں پر احقر سے سہو و خطا کا صدور یقیناً ہوا ہوگا۔ اسکے لئے درخواست ہے کہ احقر کو یا ناشر کو ان مقامات کی نشاندہی فرما دیں تو انکو آئندہ طباعت میں درست کر لیا جائے۔ آخر میں بارگاہ رب العالمین میں دست بدعا ہوں کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرما کر اسکو پڑھنے والوں کیلئے مفید اور احقر کیلئے دین و دنیا کا سرمایہ بنا دے۔ آمین۔

محمد ولی رازی

۴۲۷۔ بی اشرف منزل۔ گارڈن ایسٹ کراچی نمبر ۵

مورخہ یکم ربیع الاول ۱۴۱۰ھ ۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء

شیخ العالم المعرف بہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی مختصر سوانح حیات

قرآن کریم کا پیش نظر اردو ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ عبد القادرؒ کے اردو ترجمے کو بامحاورہ اپنے دور کی روزمرہ زبان میں ڈھال کر مرتب کیا ہے۔ لہٰذا اس ترجمہ کلام پاک کے سلسلہ میں شیخ الہند کی مختصر سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔

پیدائش:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ ۱۲۶۸ھ میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان ایام میں یہاں پر آپکے والد ماجد جناب مولانا ذوالفقار علیؒ صاحب بحثیت ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقیم تھے۔ آپ کا اصلی وطن دیوبند ضلع سہارنپور رہے۔

تعلیم اور اساتذہ:

آپ نے قرآن پاک میانجی منگلوری سے پڑھا۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبد الطیف صاحبؒ سے پڑھیں۔ کتب فارسی کی تکمیل اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے پڑھیں۔ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کا افتتاح ہوا تو آپ اسکے سب سے پہلے طالب علم ہوئے اور سب سے پہلے استاد ملا محمودؒ مقرر ہوئے۔ ۱۲۸۶ء میں صحاح ستہ کی کتابیں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے پڑھیں، حدیث میں آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول دارالعلوم دیوبند کے بھی شاگرد رہے۔ ۱۹ ذیعقد ۱۲۹۰ھ کو سند فراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات:

آپ نے ۱۲۸۸ھ سے دارالعلوم دیوبند میں مدرس چہارم کی حیثیت سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا اور ۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس یعنی شیخ الحدیث کے درجہ پر فائز ہوئے۔ آپ ۱۲۸۹ھ تا ۱۳۰۵ھ یعنی ۱۶ سال تک بحثیت مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۳۳ھ تک شیخ الحدیث کی حیثیت سے بحسن وخوبی طلباء دارالعلوم کو فیضیاب فرماتے رہے۔ ۴۴ سال کی اس مدت میں ہزاروں تشنگان علم نے آپ کے فیوض سے سیراب ہو کر دنیا کے کونہ کونہ میں علم کی شمعیں روشن کیں۔

سیاسی زندگی:

ایک طرف آپکی زندگی کا مقصد اشاعت دین تھا تو دوسری طرف آپ آزادی ہند کے دل و جان سے خواہاں تھے یعنی آپ چاہتے تھے کہ ہندوستان سے انگریز کا تسلط ختم کیا جائے۔ جنگ بلقان ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ میں آپ نے بڑھ چڑھ کر ترکوں کی مدد کی اور کافی رقم چندہ کی شکل میں اکٹھی کر کے انکو بھیجی۔ یہاں تک کہ دارالعلوم کے طلباء اور اساتذہ کو بھی اس کام میں مصروف کر کے کچھ دنوں کیلئے مدرسہ بند کر دیا۔ آپ کی ذات علم و سیاست کی محور تھی، ۱۳۲۷ھ میں آپ نے جمعیۃ الانصار کی بنیاد ڈالی جس کے امیر آپ اور مولانا عبید اللہ صاحبؒ سندھی سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اسکے اجلاس اپریل ۱۳۲۹ھ میں بمقام مرادآباد ۱۳۳۰ھ میں بمقام میرٹھ اور ۱۳۳۱ھ میں بمقام شملہ منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں کی ہندوستان میں دھوم مچ گئی۔ اور حکومت برطانیہ بھی چونک پڑی، آپ نے سلاطین اسلام کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اسکیم بھی تیار کی اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو کابل روانہ کیا تا کہ اس کو عملی جامہ پہنایا جائے اور خود حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ وہاں پر غالب

پاشا، انور پاشا اور ترکی کے دیگر وزرا کو اسکیم سے آگاہ کیا۔

اسیری مالٹا اور تکمیل ترجمہ قرآن کریم:

آپ اپنی اسکیم سے آگاہ کرنے کیلئے خود ترکی جانے کا عزم رکھتے تھے مگر طائف میں آپکو گرفتار کرادیا گیا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ بروز جمعہ کسی انسپکٹر کی نگرانی میں روانہ کرکے ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو مالٹا پہنچائے گئے۔ آپ پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور ۱۳۳۵ھ میں مالٹا ہی میں قید کردیا گیا۔ آپ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو مالٹا پہنچے اور شوال ۱۳۳۵ھ سے ترجمہ کلام پاک کا سلسلہ شروع کیا۔ اس طرح دو شوال ۱۳۳۶ھ کو ایک سال کی قلیل مدت میں اسکی تکمیل ہوئی۔ سورہ نساء تک تفسیری حواشی بھی انہی ایام میں لکھے گئے۔ چند سال بعد رہائی ہوئی اور ۱۳۳۸ھ کو دیوبند پہنچ کر تحریک خلافت میں زور و شور سے حصہ لیا۔

وفات:

ہندوستان میں تحریک خلاف اور حریت کے شعلے بھڑک رہے تھے اسی دوران آپ جامعہ ملی کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ واپسی میں سخت بیمار ہوگئے اور دہلی پہنچے۔ جہاں پر ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے علاج کیا، آرام ہوا تو ملیریا کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاگرد:

ویسے تو آپ سے ہزاروں طلباء کو شرف تلمذ حاصل ہوا لیکن ان میں استاد الاستاد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کشمیری، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ سندھی، مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ شاہجہانپوری ثم دہلوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحبؒ امرتسری اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب کاکاخیلی وہ قابل ذکر ہستیاں ہیں جنکے فیوض آج بھی عالم اسلام میں جاری و ساری ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مختصر سوانح حیات

شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے اردو ترجمہ پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تفسیری حواشی تحریر فرمائے ہیں جنکو تفسیر عثمانی کے نام سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے۔ اسکی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے یہ نسخے ہزاروں کی تعداد میں ہندوپاک میں شائع ہوچکے ہیں۔ اور ان شاءاللہ یہ صدقہ جاریہ قیامت تک قائم ودائم رہے گا۔ آپکی مختصر سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔

پیدائش:

آپ ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ میں بمقام بجنور پیدا ہوئے۔ جہاں پر آپکے والد جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔

نام اور سلسلہ نسب:

آپ کا نام انکے والد صاحب نے فضل اللہ رکھا اور بعد میں گھر والے شبیر احمد کہنے لگے جو غالبًا عشرہ محرم میں پیدائش کی نسبت سے ہوگا۔ آپ اسی نام سے مشہور ومعروف ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے تینتالیس ویں پشت میں ملتا ہے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند آپکے علاتی بھائی تھے۔

تعلیم اور اساتذہ:

آپکی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۲ھ میں جناب حافظ محمد عظیم صاحبؒ سے ہوا۔ آپ نے ان سے اردو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں فارسی کی تعلیم ۱۳۱۴ھ میں منشی منظور احمد صاحبؒ اور مولانا محمد یٰسین صاحبؒ صدر مدرس شعبہ فارسی دارالعلوم دیوبند والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان سے حاصل کی۔ عربی تعلیم ۱۳۱۹ھ میں دارالعلوم دیوبند ہی میں شروع کی جہاں پر آپکے اساتذہ میں مولانا غلام رسول صاحبؒ، مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ اور بالخصوص حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ صاحب تھے۔ ۱۳۲۵ھ میں دورہ حدیث درجہ اول میں پاس کرکے سند فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات:

ویسے تو آپ دوران تعلیم ہی میں طلباء کو پڑھایا کرتے تھے مگر باقاعدہ پڑھانے کی ابتداء ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس کی حیثیت سے دہلی تشریف لے گئے ۱۳۲۸ھ میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اصرار پر آپ دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے گئے اور وہاں تفسیر وحدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۳۵۲ھ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کشمیری کی وفات کے بعد آپ
شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ میں اراکین دارالعلوم دیوبند کے اصرار پر صدر مہتمم کی حیثیت سے اعزازی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم سے علیحدگی اختیار فرمائی اور ڈابھیل والوں کی درخواست پر دوبارہ ڈابھیل تشریف لے آئے۔

سیاسی زندگی:

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ متبحر عالم، فقیہ، محدث ومفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے سیاسی رہنما بھی تھے۔ درس وتدریس ہی کے ساتھ آپ نے اپنی سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔ آپ کو تحریر وتقریر کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے ۱۳۲۹ھ

سے ۱۳۳۱ھ تک جمعیۃ الانصار کے جلسوں میں تقریریں کیں اور مقالے پڑھے۔ تحریک خلافت کے دوران جمعیۃ العلماء ہند کے اکثر جلسوں میں تقریریں کیں۔ اور ملکی و مذہبی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۹ھ میں اپنا مقالہ ترک موالات، جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس میں پڑھا جو آپ کا علمی شاہکار تھا۔ آپ ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۶ھ تک جمعیۃ العلماء ہند میں شریک رہے۔ ۱۳۶۶ھ میں مسلم لیگ میں شریک ہو کر تحریک پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی۔ آپ نے اپنی تحریروں، تقریروں اور خطبوں کے کے ذریعہ مسلم لیگ میں جان ڈال دی۔ قیام پاکستان میں مولانا عثمانیؒ کا بڑا ہاتھ ہے۔ ۱۳۶۶ھ میں سرحد ریفرنڈم کے سلسلہ میں آپ نے اپنے شاگرد علماء کے ذریعہ اہل سرحد کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا جسکے نتیجے میں اہل سرحد نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ قائد اعظم کے بعد آپ ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں ۱۴ رجب ۱۳۶۶ ھ کو قیام پاکستان کا اعلان ہوا۔ اور ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ شب قدر میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔

آپ ۱۳۶۹ھ کو تقریبات پاکستان میں شریک ہونے کیلئے دیوبند سے کراچی پہنچ گئے تھے۔ قائد اعظم نے رسم پرچم کشائی آپ ہی کے دست مبارک سے کرائی اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاح بھی آپ ہی نے فرمایا۔ آپ ہی کی کوششوں سے دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد پاس ہوئی۔

انتقال:

آپ ۱۳۶۹ھ کو وزیر اعظم بہاولپور کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے افتتاح کیلئے تشریف لے گئے۔ ۲۱ صفر کی شب کو بخار ہوا اور صبح تک طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ لیکن ۹ بجے صبح سینہ میں تکلیف ہو گئی اور ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ بروز منگل ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر ۶۴ سال ۱ ماہ ۱۲ یوم کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

رموز اوقاف قرآن مجید

ہر زبان کے اہل زباں جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں، کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں، جن کو رموز اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں:

۝ جہاں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سا دائرہ لگا دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول (ت) جو بصورت (ۃ) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیئے، اب (ۃ) تو نہیں لکھی جاتی۔ چھوٹا سا دائرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اسکو آیت کہتے ہیں۔ دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رک جائیں ورنہ علامت کے مطابق عمل کریں۔

ہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کوفیین کے نزدیک آیت ہے۔ وقف کریں تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

م وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیئے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز علامت وقف مجوّز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص علامت وقف مرخص کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑنا چاہیئے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ (ص) پر ملا کر پڑھنا (ز) کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق قبل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔

صل قَدیوصل کا مخفف ہے۔ یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

قف یہ لفظ قِف ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ۔ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے، جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

سکتة سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہرنا چاہیئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفة لمبے سکتہ کہ علامت ہے۔ یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیئے لیکن سانس نہ توڑیں۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتی میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے، وقفہ میں زیادہ۔

لا لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ٹھہرنا چاہیئے بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیئے لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

ک کذلک کا مخفف ہے، اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے، اس کا حکم اس پر بھی ہے۔

اٰیاتھا ٧ ١ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ٥ رکوعھا ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے [١]

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ ﴿١﴾

١۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں [٢] جو پالنے والا سارے جہان کا [٣]

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ ﴿٢﴾

٢۔ بے حد مہربان نہایت رحم والا

مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِؕ ﴿٣﴾

٣۔ مالک روز جزا کا [٤]

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُؕ ﴿٤﴾

٤۔ تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں [٥]

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَۙ ﴿٥﴾

٥۔ بتلا ہم کو راہ سیدھی۔

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ﴿٧﴾ ع

٦۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا [٦] جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے [٧]

١۔ رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے ترجمہ میں، ان سب باتوں کا لحاظ ہے۔

٢۔ ہر تعریف اللہ کی ہے: یعنی سب تعریفیں عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی خدا ہی کو لائق ہیں۔ کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے خواہ بلاواسطہ عطا فرمائے یا بالواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا نور پہنچے تو حقیقت میں آفتاب کا فیض ہے۔ شعر، حمد را با تو نسبتے ست درست بر در ہر کہ رفت بر در تست۔ تو اب اس کا ترجمہ کرنا کہ (ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے) بڑی کوتاہی کی بات ہے جس کو اہل فہم خوب سمجھتے ہیں۔

٣۔ عالمین کے معنی: مجموعہ مخلوقات کو عالم کہتے ہیں اور اسی لئے اس کی جمع نہیں لاتے۔ مگر آیت میں عالم سے مراد ہر جنس (مثلاً عالم جن، عالم ملائکہ، عالم انس وغیرہ وغیرہ)۔ اس لئے جمع لائے تاکہ جملہ افراد عالم کا مخلوق جناب باری ہونا خوب ظاہر ہو جائے۔

٤۔ اس کے خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس دن بڑے بڑے امور پیش آئیں گے ایسا خوفناک روز نہ پہلے ہوا نہ آگے کو ہو دوسرے اس روز بجز ذات پاک حق تعالیٰ کے کسی کو ملک و حکومت ظاہری بھی تو نصیب نہ ہو گی لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ؕ لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ

٥۔ صرف اللہ سے استعانت: اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر

کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

۶۔ اہل انعام اور اہل غضب: جن پر انعام کیا گیا وہ چار فرقے ہیں نبیین و صدیقین و شہداء و صالحین کلام اللہ میں دوسرے موقع پر اس کی تصریح ہے اور الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ دیگر آیات و روایات اس پر شاہد ہیں اور صراط مستقیم سے محرومی کل دو طرح پر ہوتی ہے۔ عدم علم یا جان بوجھ کر کوئی فرقہ گمراہ ان دو سے خارج نہیں ہو سکتا سو نصاریٰ تو وجہ اول میں اور یہود دوسری میں ممتاز ہیں۔

۷۔ قرآن میں سورہ فاتحہ کی حیثیت: یہ سورت خدا تعالیٰ نے بندوں کی زبان سے نازل فرمائی کہ جب ہمارے دربار میں حاضر ہو تو ہم سے یوں سوال کیا کرو اس لئے اس سورت کا ایک نام تعلیم مسئلہ بھی ہے۔ اس سورت کے ختم پر لفظ اٰمین کہنا مسنون ہے۔ اور یہ لفظ قرآن شریف سے خارج ہے۔ معنی اس لفظ کے یہ ہیں الٰہی ایسا ہی ہو یعنی مقبول بندوں کی پیروی اور نافرمانوں سے علیحدگی میسر ہو اس سورت کے اول نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور صفت اور دوسرے حصے میں بندہ کے لئے دعا ہے۔ فائدہ: غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ الخ الَّذِیْنَ کا بدل ہے یا اس کی صفت ہے اس لئے اس کے مناسب ترجمہ کیا گیا۔ بعض تراجم دہلویہ میں جو اس کا ترجمہ کیا ہے خلاف ترکیب و خلاف مقصود ہے۔

۲ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۸۷

اٰیاتھا ۲۸۶ رکوعاتھا ۴۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾

۱۔ الم [۱]

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

۲۔ اس کتاب میں کچھ شک نہیں [۲] راہ بتلاتی ہے [۳] ڈرنے والوں کو [۴]

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

۳۔ جو کہ یقین کرتے ہیں بن دیکھی چیزوں کا [۵] اور قائم رکھتے ہیں نماز کو [۶] اور جو ہم نے روزی دی ہے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں [۷]

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

۴۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں [۸]

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

۵۔ وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے [۹]

۱۔ حروف مقطعات: ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں ان کے اصلی معنی تک اوروں کی رسائی نہیں۔ بلکہ یہ بھید ہے اللہ اور رسول کے درمیان جو بوجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا۔ اور بعض اکابر سے جو ان کے معنی منقول ہیں اس سے صرف تمثیل و تنبیہ و تسہیل مقصود ہے یہ نہیں کہ مراد حق تعالیٰ یہ ہے تو اب اس کو رائے شخصی کہہ کر تغلیط کرنا محض شخصی رائے ہے جو تحقیق علماء کے بالکل خلاف ہے۔

۲۔ قرآن میں شک نہ ہونے کا مطلب: یعنی اس کے کلام الہٰی ہونے اور اس کے جملہ مضامین کے واقعی ہونے میں کچھ شک نہیں جاننا چاہیئے کہ کسی کلام میں اشتباہ ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو خود اس کلام میں کوئی غلطی اور خرابی ہو یا سننے والے کے فہم میں خلل ہو۔ اول صورت میں محل ریب یہ کلام ہے اور دوسری صورت میں محل ریب حقیقت میں سمجھنے والے کا فہم ہے۔ کلام بالکل حق ہے گو اس کو اپنی نافہمی سے وہ کلام محل ریب معلوم ہو۔ سو اس آیت میں ریب کی صورت اول کی نفی فرمائی ہے تو اب یہ شبہ کہ کلام اللہ کے کلام الہٰی اور حق ہونے میں تو سب کفار کو ریب و انکار تھا پھر

اس نفی کے کیا معنی۔ بالکل جاتا رہا۔ باقی رہی صورت ثانی اس کو آگے چل کر فرما دیا گیا وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ الخ

۳۔ یہاں سے اخیر قرآن تک جواب ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا جو سوال بندوں کی طرف سے ہوا تھا۔

۴۔ مومنین کی صفات: یعنی جو بندے اپنے خدا سے ڈرتے ہیں اُن کو یہ کتاب راستہ بتلاتی ہے کیونکہ جو اپنے خدا سے خائف ہو گا اس کو امور مرضیہ اور غیر مرضیہ یعنی طاعت و معصیت کی ضرور تلاش ہو گی اور جس نافرمان کے دل میں خوف ہی نہیں اس کو اطاعت کی کیا فکر اور معصیت سے کیا اندیشہ۔

۵۔ یعنی جو چیزیں انکے عقل و حواس کے مخفی ہیں (جیسے دوزخ۔ جنت۔ ملائکہ وغیرہ) ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان امور غائبہ کا منکر ہدایت سے محروم ہے۔

۶۔ اقامت صلوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ رعایت حقوق کے ساتھ وقت پر ادا کرتے ہیں۔

۷۔ سب طاعتوں کی اصل تین ہیں۔ اول جو باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں، دوسری بدن سے، تیسری مال سے سو اس آیت میں ہر سہ اصول کو ترتیب وار لے لیا۔

۸۔ اس سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا بیان تھا جن مشرکین نے ایمان قبول کیا (یعنی اہل مکہ) اور اس آیت میں ان کا بیان ہے جو اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) مشرف با اسلام ہوئے۔

۹۔ یعنی اہل ایمان کے دونوں گروہ مذکورہ بالا دنیا میں ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں ان کو ہر طرح کی مراد ملے گی جس سے معلوم ہو گیا کہ جو نعمت ایمان اور اعمال حسنہ سے محروم رہے ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہیں اب ان دونوں فریق مومنین سے فارغ ہو کر اس کے آگے کفار کی حالت بیان کی جاتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ
لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

۶۔ بیشک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے [۱۰]

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰٓى
اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۷﴾ ع ۱

۷۔ مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور انکے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے [۱۱] اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے

۱۰۔ کفار کی حالت: ان کفار سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جن کے لئے کفر مقرر ہو چکا اور دولت ایمان سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے (جیسے ابوجہل، ابولہب وغیرہ) ورنہ ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ جو کافر تھے مشرف با اسلام ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

۱۱۔ منافقین کی صفات: ان کے دلوں پر مہر کر دی (یعنی حق بات کو نہیں سمجھتے) اور کانوں پر مہر کر دی (یعنی سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے) اور آنکھوں پر پردہ ہے (یعنی راہ حق کو نہیں دیکھتے) کفار کا بیان ختم ہو گیا اب منافقوں کا حال اس کے بعد تیرہ آیتوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ

۸۔ اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مومن نہیں [۱۲]

الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٨

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩

٩۔ دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور دراصل کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سوچتے[١٣]

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠

١٠۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے انکی بیماری[١٤] اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے[١٥]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا
نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝١١

١١۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں[١٦]

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝١٢

١٢۔ جان لو وہی ہیں خرابی کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے[١٧]

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا
اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۗ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣

١٣۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں[١٨] کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف[١٩] جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن نہیں جانتے[٢٠]

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوْا
اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٤

١٤۔ اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس[٢١] تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں[٢٢] ہم تو ہنسی کرتے ہیں[٢٣] (یعنی مسلمانوں سے)

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۝١٥

١٥۔ اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے[٢٤] اور ترقی دیتا ہے انکو ان کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں[٢٥]

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ ۠ فَمَا
رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

۱۶۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نافع نہ ہوئی ان کی سوداگری[۲۶] اور نہ ہوئے راہ پانے والے[۲۷]

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ
أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُۥ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي
ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

۱۷۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے[۲۸]

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ ۙ

۱۸۔ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے[۲۹]

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ
يَجْعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمْ فِيٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ الصَّوَٰعِقِ حَذَرَ
الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌۢ بِالْكَٰفِرِينَ ﴿١٩﴾

۱۹۔ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا[۳۰]

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَٰرَهُمْ ۖ كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم
مَّشَوْا فِيهِ ۙ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَآءَ
اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَٰرِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ ع ۳

۲۰۔ قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لیجائے ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۳۱]

۱۲۔ یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے صرف زبان سے فریب دینے کے لئے اظہار ایمان کرتے ہیں۔

۱۳۔ یعنی ان کی فریب بازی نہ خدا تعالیٰ کے اوپر چل سکتی ہے وہ عالم الغیب ہے اور نہ مومنین پر کہ حق تعالیٰ مومنین کو بواسطہ پیغمبر ﷺ اور دیگر دلائل و قرائن کے منافقین کے فریب سے آگاہ فرما دیتا ہے بلکہ انکی فریب بازی کا وبال اور اسکی خرابی حقیقت میں ان ہی کو پہنچتی ہے مگر وہ اس کو اپنی غفلت اور جہالت اور شرارت سے نہیں سوچتے اور نہیں سمجھتے اگر غور کریں تو سمجھ لیں کہ اس فریب بازی سے مسلمانوں کو نقصان

نہیں پہنچتا بلکہ اس کا نتیجہ خراب ہم کو پہنچ رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ (شاہ عبدالقادر صاحبؒ) کے فہم کی نزاکت ہے کہ یہاں یَشْعُرُوْنَ کا ظاہر ترجمہ چھوڑ کر اس کا ترجمہ بوجھنا یعنی سوچنا فرمایا۔

۱۴۔ یعنی ان کے دلوں میں نفاق اور دین اسلام سے نفرت اور مسلمانوں سے حسد اور عناد، یہ مرض پہلے سے موجود تھے اب نزول قرآن اور ظہور شوکت اسلام اور ترقی و نصرت اہل اسلام کو دیکھ دیکھ کر اُن کی وہ بیماری اور بڑھ گئی۔

۱۵۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ: اس جھوٹ کہنے سے اسلام کا جھوٹا دعویٰ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ مراد ہے جو اوپر گذر چکا۔ یعنی عذاب الیم حقیقت میں اُنکے نفاق کی سزا ہے نہ مطلق جھوٹ بولنے کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو اسی باریک فرق پر متنبہ فرمانا منظور ہے جو یکذبون کا ترجمہ جھوٹ بولنے کی جگہ جھوٹ کہنا فرماتے ہیں فجزاہ اللہ ما اودق نظرہ۔

۱۶۔ فساد فی الارض: خلاصہ یہ ہے کہ منافقین بچند وجوہ فساد پھیلاتے تھے، اول تو خواہش نفسانیہ میں منہمک تھے اور انقیاد و احکام شریعہ سے کاہل اور متنفر تھے دوسرے مسلمانوں اور کافروں دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کو ہر ایک کی باتیں دوسرے تک پہنچاتے رہتے تھے۔ تیسرے کفار سے نہایت مدارات و مخالطت سے پیش آتے تھے اور امور دین کی مخالفت پر کفار پر اصلاً مزاحمت نہ کرتے تھے اور کفار کے اعتراضات و شبہات کو جو دین کی باتوں پر ہوتے تھے مسلمانوں کے روبرو نقل کرتے تھے تاکہ ضعیف الاعتقاد اور ضعیف الفہم احکام شریعہ میں متردد ہو جائیں اور جب کوئی ان فسادات سے اُن کو منع کرتا تو جواب دیتے تھے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام قوم اور ملک مثل زمانہ سابق شیر و شکر ہو کر رہیں اور دین جدید کی وجہ سے جو مخالفت بڑھ گئی ہے بالکل جاتی رہے چنانچہ ہر زمانہ میں دنیا طلب ہوا پرست ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔

۱۷۔ یعنی اصلاح تو حقیقت میں یہ ہے کہ دین حق جملہ ادیان پر غالب ہو اور جملہ اغراض و منافع دینوی سے احکام شریعہ کی رعایت زیادہ کی جائے اور دربارہ دین کسی کی موافقت اور مخالفت کی پرواہ نہ ہو۔ خاک بر دلداری اغیار پاش منافقین بجبلہ مصالحت و مصلحت اندیشی جو کچھ کرتے ہیں وہ حقیقت میں فساد محض ہے مگر اُن کو اُس کا شعور نہیں۔

۱۸۔ یعنی اپنے دلوں میں یہ کہتے ہیں یا آپس میں یا اُن ضعفائے مسلمین سے جو کسی وجہ سے اُن کے رازدار بن رہے تھے۔

۱۹۔ سفہاء کہا سچے مسلمانوں کو کہ احکام خداوندی پر دل سے ایسے فدا تھے کہ لوگوں کی مخالفت اور اسکے نتائج بد سے اور انقلاب زمانہ کی مضرات گوناں گوں سے اپنا بچاؤ نہ کرتے تھے بخلاف منافقین کے کہ مسلمان و کفار سب سے ظاہر بنا رکھا تھا اور اغراض نفسانی کے سبب آخرت کا کچھ فکر نہ تھا مصلحت بینی اس درجہ غالب تھی کہ ایمان و پابندی احکام شرع کی ضرورت نہ سمجھتے تھے فقط دعویٰ زبانی اور ضروری اعمال بمجبوری ادا کر لینے پر قناعت تھے۔

۲۰۔ منافقین ہی بے وقوف ہیں: یعنی بیوقوف حقیقت میں منافقین ہی ہیں کہ مصالح و اغراض دینوی پا در ہوا کی وجہ سے آخرت کا خیال نہ کیا فانی کو لینا اور باقی کو چھوڑنا کس قدر حماقت ہے اور مخلوقات سے ڈرنا کہ جن سے ہزار طرح اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور علام الغیوب سے نہ ڈرنا کہ جہاں کسی طرح کوئی امر پیش ہی نہ جا سکے کتنی جہالت ہے اور صلح کل کیسے کہ جس میں احکم الحاکمین اور اس کے مقبول بندوں سے مخالفت کی جاتی ہے۔ مگر منفافقین اس درجہ بیوقوف ہیں کہ ایسی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔

۲۱۔ شیاطین (یعنی شریر لوگ) مراد ان سے یا تو وہ کفار ہیں جو اپنے کفر کو سب پر ظاہر کرتے تھے یا وہ منافقین مراد ہیں جو ان میں رئیس سمجھے جاتے تھے۔

۲۲۔ یعنی کفر و اعتقاد دین کے معاملے میں ہم بالکل تمہارے ساتھ ہیں تم سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتے۔

۲۳۔ مومنین سے استہزاء: یعنی ظاہری موافقت جو ہم مسلمانوں سے کرتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقعی میں اُن کے موافق ہیں ہم تو اُن سے تمسخر کرتے ہیں اور اُن کی بیوقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مخالف ہیں مگر وہ اپنی بیوقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد سے ہمارا نکاح کر دیتے ہیں اور ہم اُن کے راز کی باتیں اڑالاتے ہیں اور وہ اس پر بھی ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔

۲۴۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو فرمادیا کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرو ان کے جان و مال سے ہرگز تعرض نہ کرو اس سے منافقین اپنی حماقت سے سمجھ جائیں گے کہ ایمان لانے سے جو فائدہ مسلمانوں کو ہوا وہ سب فوائد ہم کو بھی صرف زبانی اظہار اسلام سے حاصل ہو گئے اس وجہ سے بالکل مطمئن ہو گئے حالانکہ انجام کار یہ امر منافقین کو سخت بلا میں پھنسانے والا ہے اُس کا انجام نہایت خراب ہے۔ تو اب انصاف کیجئے کہ حقیقت تمسخر مسلمانوں کا ہوا یا منافقین کا اور تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا اُن کو دے گا۔

۲۵۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ڈھیل دی گئی حتیٰ کی انہوں نے سرکشی میں خوب ترقی کی اور ایسے بہکے کہ اس کا انجام کچھ نہ سوچا اور خوش ہوئے کہ ہم مسلمانوں سے ہنسی کرتے ہیں حالانکہ معاملہ بالعکس تھا جاننا چاہئے کہ آیت میں فی طغیانہم فعل یمدّھم کے متعلق ہے۔ مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اس کو یعمھون کے متعلق کر دیا (جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق اور اہل سنت کے خلاف اور استعمال عرب کے مخالف ہو گئے) جو غلط ہے اور جاننے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔

۲۶۔ گھاٹے کی تجارت: تجارت سے مراد وہی گمراہی کا ہدایت کے بدلے مول لینا ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے۔

۲۷۔ یعنی منافقین نے بظاہر ایمان قبول کیا اور دل میں کفر کو رکھا جس کی وجہ سے آخرت میں خراب اور دنیا میں خوار ہوئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اُن کے احوال پر سب کو مطلع فرمادیا۔ ایمان لاتے تو دارین میں سرخرو ہوتے۔ تو اب اُنکی تجارت نے کوئی نفع اُن کو نہ پہنچایا نہ دنیا کا اور نہ آخرت کا۔ اور وہ کچھ نہ سمجھے کہ مجرد ایمان زبانی کو کافی اور نافع سمجھ کر اس خرابی اور رسوائی میں گرفتار ہوئے۔ اب منافقین کے مناسب حال دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

۲۸۔ منافقین کی پہلی مثال: یعنی منافقوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اندھیری گھنگھور رات میں آگ روشن کرے جنگل میں راستہ دیکھنے کو اور جب آگ روشن ہوگئی اور راستہ نظر آنے کو ہوا تو خدا تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا اور اندھیری رات میں جنگل میں کھڑا رہ گیا کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسے ہی منافقین نے مسلمانوں کے خوف سے کلمہ شہادت کی روشنی سے کام لینا چاہا مگر سردست کچھ فائدہ حقیر (مثل حفظ جان و مال) اٹھانے پائے تھے کہ نور کلمہ شہادت اور منافع سب نیست و نابود ہو گئے اور مرتے ہی عذاب الیم میں مبتلا ہو گئے۔

۲۹۔ یعنی بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے۔ اندھے ہیں جو اپنے نفع و نقصان کو نہیں دیکھتے سو جو شخص بہرا بھی ہو اور گونگا بھی ہو وہ کس طرح راہ پر آئے صرف اندھا ہو تو کسی کو پکارے یا کسی کی بات سنے تو اب ان سے ہرگز توقع نہیں کہ گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں۔

۳۰۔ دوسری مثال: ان منافقین کی مثال ان لوگوں کی سی ہے کہ اُن پر آسمان سے مینہ شدت کے ساتھ پڑ رہا ہو اور کئی طرح کی تاریکی اس میں ہو۔ مثلاً بادل بھی تہ بر تہ بہت غلیظ اور کثیف ہے اور قطرات ابر کی بھی بہت کثرت اور ہجوم ہے اور بھی اندھیری ہے اور تاریکی شدید کے ساتھ بجلی کی کڑک اور چمک بھی ایسی ہولناک ہے کہ وہ لوگ موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں کہ آواز کی شدت سے دم نہ نکل جائے۔ اسی طرح پر منافقین تکالیف و تہدیدات شرعیہ کو سن کر اور اپنی خواری و رسوائی کو دیکھ کر اور اغراض مصالح دینوی کو خیال کر کر عجب کشمکش اور خوف و پریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی بیہودہ تدبیروں سے اپنا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کی قدرت سب طرف سے کفار کا احاطہ

کئے ہوئے ہے اُس کی گرفت و عذاب سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکتے۔

۳۱۔ حاصل یہ ہے کہ منافقین اپنی ضلالت اور ظلماتی خیال میں مبتلا ہیں لیکن جب غلبہ نور اسلام اور ظہور معجزات کو یہ دیکھتے ہیں اور تاکید و تہدید شرع سنتے ہیں تو متنبہ ہو کر ظاہر میں صراط مستقیم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب کوئی اذیت و مشقت دینوی نظر آتی ہے تو کفر پر اڑ جاتے ہیں جیسے شدت باراں اور تاریکی میں بجلی چمکی تو قدم رکھ لیا پھر کھڑے ہو گئے مگر چونکہ اس کو سب کا علم ہے اور اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تو ایسے حیلوں اور تدبیروں سے کیا کام نکل سکتا ہے فائدہ سورت کے اول سے یہاں تک تین طرح کے لوگوں کا ذکر فرمایا اول مومنوں کا پھر کافروں کا (جن کے دلوں پر مہر ہے کہ ہر گز ایمان نہ لائیں گے) تیسرے منافقوں کا جو دیکھنے میں مسلمان ہیں مگر دل اُن کا ایک طرف نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَۙ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ

الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ‌ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ‏ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو[۳۲]

۳۲۔ تمام انسانوں کو توحید کا پیغام: اب سب بندوں کو مومن ہوں یا کافر یا منافق خطاب فرما کر توحید جناب باری سمجھائی جاتی ہے جو ایمان کے لئے اصل الاصول ہے۔ خلاصہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو پیدا کیا اور تمہاری ضروریات اور کل منافع کو بنایا۔ پھر اُس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود بنانا جو تم کو نہ نفع پہنچا سکے نہ مضرت (جیسے بت) کس قدر حماقت اور جہالت ہے حالانکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس جیسا کوئی نہیں۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ‏ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی[۳۳] اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو[۳۴]

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ

۲۴۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہر گز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی

الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾

ہوئی ہے کافروں کے واسطے[۳۵]

۳۳۔ کفار کو چیلنج: یہ بات گذر چکی ہے کہ اس کلام پاک میں شبہہ کی وجہ یا یہ ہو سکتی تھی کہ اس کلام میں کوئی بات کھٹکے کی ہو سو اس کے دفعیہ کے لئے لاریب فیہ فرما چکے ہیں اور یا یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی کے دل میں اپنی کوتاہی فہم یا زیادت عناد سے شبہ پیدا ہو تو یہ صورت چونکہ ممکن بلکہ موجود تھی تو اس کے رفع کرنے کی عمدہ اور سہل صورت بیان فرما دی کہ اگر تم کو اس کلام کے کلام بشری ہونے کا خیال ہو تو تم بھی تو ایک سورت ایسی فصیح و بلیغ تین آیات کی مقدار بنا دیکھو اور جب تم باوجود کمال فصاحت و بلاغت چھوٹی سی سورت کے مقابلہ سے بھی عاجز ہو جاؤ تو پھر سمجھ لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے کسی بندہ کا نہیں اس آیت میں آپ کی نبوت کو مدلل فرما دیا۔

۳۴۔ قرآن معجزہ ہے: یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بندہ کا کلام ہے تو جس قدر قابل اور شاعر اور فصحاء و بلغاء موجود ہیں خدائے تعالیٰ کے سوا سب سے مدد لے کر ہی چھوٹی سے سورت ایسی بنا لاؤ یا یہ مطلب ہے کہ خداوند کریم کے سوا تمہارے جتنے معبود ہیں سب سے تضرع اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگو کہ اس مشکل بات میں تمہاری کچھ مدد کریں۔

۳۵۔ پھر اس پر بھی اگر تم ایسی ایک سورت نہ بنا سکو اور یہ بات یقینی ہے کہ ہر گز نہ بنا سکو گے تو پھر ڈرو اور بچو نار دوزخ سے جو سب آگوں سے تیز ہے اُس کا ایندھن کافر اور پتھر ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور بچنے کو صورت یہی ہے کہ کلام الٰہی پر ایمان لاؤ اور وہ آگ کافروں کے واسطے تیار کی ہوئی ہے جو کہ قرآن شریف اور نبی کریم کو جھوٹا بتلاتے ہیں۔

وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَ اُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں جب ملے گا ان کو وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے اور دیئے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے[۳۶] اور انکے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے[۳۷]

۳۶۔ جنّت کے پھل: جنّت کے میوے دنیا کے میووں کی سی شکل و صورت میں ملتے جلتے ہوں گے مگر لذت میں زمین و آسمان کا فرق ہو گا یا جنّت کے میوے باہم ایک شکل و صورت کے ہوں گے اور مزا جدا جدا تو جب کسی میوے کو دیکھیں گے تو کہیں گے وہی قسم ہے جو پہلے دنیا میں یا جنّت میں کھا چکے ہیں اور چکھیں گے تو مزہ اور ہی پائیں گے۔

۳۷۔ جنّت کی عورتیں: جنّت کی عورتیں نجاسات ظاہرہ و باطنہ (اخلاق رذیلہ) سے پاک و صاف ہوں گی فائدہ: یہاں تک تین چیزیں جن کا جاننا ضروری تھا بیان فرمائیں اوّل مبداء (یعنی ہم کہاں سے آئے اور کیا تھے) دوسرے معاش (کہ کیا کھائیں اور کہاں رہیں) تیسرے معاد (کہ

ہمارا انجام کیا ہے)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً
فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَا
ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ
بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾

۲۶۔ بیشک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھکر ہے [۳۸] سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی انکے رب کی طرف سے اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے گمراہ کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو [۳۹] اور گمراہ نہیں کرتا اس مثل سے مگر بدکاروں کو

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۖ
وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ
فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو [۴۰] اور فساد کرتے ہیں ملک میں [۴۱] وہی ہیں ٹوٹے والے [۴۲]

۳۸۔ **کفّار کے ایک اعتراض کا جواب:** اس آیت میں اس معارضہ کا جواب دیا گیا ہے جو کفار کی طرف سے پہلی آیت پر ہوا خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب چھوٹی سی سورت بھی اس کلام جیسی ان سے نہ ہو سکی جس سے اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو چکا تو کفار نے کہا ہر چند ہم اس کلام کے مقابلہ سے عاجز ہیں مگر ہم دوسری دلیل سے اس کا کلام الٰہی نہ ہونا اور کلام بشری ہونا ثابت کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ بڑے بڑے بزرگ عظیم الشان اپنے کلام میں ذلیل و حقیر چیزوں کے ذکر سے اجتناب کیا کرتے ہیں حق تعالیٰ جو سب بزرگوں سے برتر اور اعظم ہے اس نے کیسے اپنے کلام میں مکھی اور مکڑی کا ذکر فرمایا۔ اس معارضہ کا جواب دیا گیا اس میں کوئی شرم اور عار کی بات نہیں کہ حق تعالیٰ مچھر یا اس سے بڑی چیز مکھی اور مکڑی کی مثال بیان فرمائے کیونکہ مثال سے تو توضیح و تفصیل ممثل لہٗ کی مطلوب ہوتی ہے حقارت اور عظمت سے کیا بحث اور یہ مطلوب جبھی حاصل ہو گا کہ مثال اور ممثل لہ میں پوری مطابقت ہو ممثل لہ حقیر ہو گا تو اس کی مثال بھی حقیر ہونی چاہیئے ورنہ تمثیل ہی بیہودہ سمجھی جائے گی ہاں اگر تمثیل میں یہ ہوتا کہ مثال اور مثال دینے والے میں موافقت ضروری ہوتی تو بیوقوفوں کا یہ اعتراض چل سکتا۔ مگر اس کا تو کوئی بیوقوف بھی قائل نہ ہو گا اور توریت و انجیل و کلام حکماء و سلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت اور عناد کی بات ہے اور مافوقھا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مچھر سے حقارت اور چھوٹائی میں زیادہ ہو جیسے مچھر کے بازو کہ بعض احادیث میں اس کو دنیا کی تمثیل میں ذکر فرمایا ہے۔

۳۹۔ یعنی ایمان والے تو ان مثالوں کو حق اور مفید سمجھتے ہیں اور کفار بطور تحقیر کہتے ہیں کہ ایسی حقیر مثالوں سے خدا کی مراد اور غرض کیا ہو گی جواب دیا گیا کہ اس کلام سراپا ہدایت سے بہتیروں کو گمراہی میں ڈالنا اور بہتیروں کو راہ راست دکھلانا منظور ہے (یعنی اہل حق اور اہل باطل میں

تمیز تام منظور ہے جو نہایت مفید اور ضروری ہے)۔

۴۰۔ جیسے قطع رحم کرنا، انبیاء اور علماء اور واعظین اور مومنین اور نماز اور دیگر جملہ امور خیر سے اعراض کرنا۔

۴۱۔ فساد فی الارض کے معنیٰ: فساد سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ایمان سے نفرت دلاتے تھے اور مخالفان اسلام کو ورغلا کر مسلمانوں سے مقاتلہ کراتے تھے اور حضرات صحابہ اور صلحائے امت کے عیوب نکال کر تشہیر کرتے تھے تاکہ آپ کی اور دین اسلام کی بے وقعتی لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور مسلمانوں کا راز مخالفوں تک پہنچاتے تھے اور طرح طرح کی رسوم وبدعات خلاف طریقہ اسلام پھیلانے میں سعی کرتے تھے۔

۴۲۔ مطلب یہ کہ ان حرکات ناشائستہ سے اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں، توہین اسلام اور تحقیر صلحائے امت کچھ بھی نہ ہو سکے گی۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ کس طرح کافر ہوتے ہو خدا تعالیٰ سے حالانکہ تم بیجان تھے[۴۳] پھر جلایا تم کو[۴۴] پھر مارے گا تم کو[۴۵] پھر جلائے گا تم کو[۴۶] پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے[۴۷]

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۖ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع

۲۹۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا انکو سات آسمان اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے[۴۸]

۳ ع ۹ ۳

۴۳۔ کفر کرنا عقل کے خلاف ہے: یعنی اجسام بے جان کہ حس و حرکت کچھ بھی نہ تھی اول عناصر تھے اس کے بعد والدین کی غذا بنے، پھر نطفہ پھر خون بستہ پھر گوشت۔

۴۴۔ یعنی حالات سابقہ کے بعد نفخ روح کیا گیا جس سے رحم مادر میں اور اس کے بعد دنیا میں زندہ رہے۔

۴۵۔ یعنی جب دنیا میں وقت مرنے کا آئے گا۔

۴۶۔ یعنی قیامت کو زندہ کئے جاؤ گے حساب لینے کے واسطے۔

۴۷۔ یعنی قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب وکتاب کے واسطے کھڑے کئے جاؤ گے، سو اب انصاف کرو کہ جب تم اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کے احسانات کے مرہون ہو اور ہر حالت میں اور حاجت میں اس کے محتاج ہو اور اس کے متوقع ہو۔ پھر اس پر بھی کفر کرنا اور اس کی نافرمانی کرنا کس قدر تعجب خیز امر ہے۔

۴۸۔ اس آیت میں دوسری نعمت بیان فرمائی یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری بقا اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں (مطعومات اور مشروبات اور ملبوسات اور ہر چیز کے لئے آلات و سامان) اس کے بعد متعدد آسمان بنائے گئے جس میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۗ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ

۳۰۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانیوالا ہوں زمین میں ایک نائب[۴۹] کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اسکو جو فساد کرے اس میں

يَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَ
نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾

اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو[۵۰] فرمایا بیشک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے[۵۱]

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی
الۡمَلٰٓئِکَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ
کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور سکھلا دیے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ
اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا[۵۲]

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ
بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا
کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ فرمایا اے آدم بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیے اس نے ان کے نام فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو[۵۳]

۴۹۔ خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش: اب ایک بڑی نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے جو جملہ بنی آدم پر کی گئی اور وہ حضرت آدمؑ کی آفرینش کا قصہ ہے جو تفصیل سے بیان کیا گیا اور اُن کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ پہلی آیت میں جو خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا فرمایا تھا اس میں کسی کو انکار پیش آئے تو قصہ حضرت آدمؑ سے اُس کا جواب بھی بخوبی ہو گیا۔

۵۰۔ ملائکہ کا سوال اور اُس کا جواب: ملائکہ کو جب یہ خلجان ہوا کہ ایسی مخلوق کہ جس میں مفسد اور خونریز تک ہوں گے ہم ایسے مطیع اور فرمانبردار کے ہوتے اُن کو خلیفہ بنانا اس کی وجہ کیا ہو گی؟ تو بطریق استفادہ یہ سوال کیا۔ اعتراض ہرگز نہ تھا۔ رہا یہ امر کہ ملائکہ کو بنی آدم کا حال کیونکر معلوم ہوا اس میں بہت سے احتمال ہیں۔ جنّات پر قیاس کیا یا حق تعالیٰ نے پہلے بتا دیا تھا یا لوح محفوظ پر لکھا دیکھا۔ یا سمجھ گئے کہ حاکم و خلیفہ کی ضرورت جب ہی ہو گی جب ظلم و فساد ہو گا یا حضرت آدمؑ کے قالب کو دیکھ کر بطور قیافہ سمجھ گئے ہوں (جیسا ابلیس نے حضرت آدمؑ کو دیکھ کر کہا تھا کہ بھکول ہوں گے) اور ایسا ہی ہوا۔

۵۱۔ فرشتوں کو سر دست بالاجمال یہ جواب دیا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں اس کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں۔ تم کو ابھی تک وہ حکمتیں معلوم نہیں ورنہ اس کی خلافت اور افضلیت میں شبہ نہ کرتے۔

۵۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت علم: خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع اور نقصان کے تعلیم فرما دیا اور یہ علم ان کے دل میں بلاواسطہ کلام القا کر دیا کیونکہ بدون اس کلام علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے اس کے بعد ملائکہ کو اس حکمت پر مطلع کرنے کی وجہ سے ملائکہ سے امور مذکورہ کا سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنی اس بات میں کہ تم کار خلافت انجام دے سکتے ہو، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام و احوال بتاؤ لیکن انہوں نے اپنے عجز و قصور کا اقرار کیا اور خوب سمجھ گئے کہ بدون اس علم عام کے کوئی کار خلافت زمین میں نہیں کر سکتا اور اس علم عام سے قدر قلیل ہم کو اگر حاصل ہوا بھی تو اتنی بات سے ہم قابل خلافت نہیں ہوسکتے۔ یہ سمجھ کر کہہ اٹھے کہ تیرے علم و حکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

۵۳۔ عبادت پر علم کی فضیلت: اس کے بعد حضرت آدمؑ سے جو تمام اشیائے عالم کی نسبت سوال ہوا تو فر فر سب امور ملائکہ کو بتا دئے کہ وہ بھی سب دنگ رہ گئے اور حضرت آدمؑ کے احاطہ علمی پر عش عش کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ کہو ہم نہ کہتے تھے کہ ہم جملہ مخفی امور آسمان و زمین کے جاننے والے ہیں اور تمہارے دل میں جو باتیں مکنون ہیں وہ بھی سب ہم کو معلوم ہیں فائدہ اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ثابت ہوئی۔ دیکھئے عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم، مگر علم میں چونکہ انسان سے کم ہیں اس لئے مرتبہ خلافت انسان ہی کو عطا ہوا اور ملائکہ نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور ہونا بھی یوں ہی چاہئیے کیونکہ عبادت تو خاصہ مخلوقات ہے خدا کی صفت نہیں، البتہ علم خدائے تعالیٰ کی صفت اعلیٰ ہے اس لئے قابل خلافت یہی ہوئے۔ کیونکہ ہر خلیفہ میں اپنے مستخلف عنہ کا کمال ہونا ضروری ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٭ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان [۵۴] اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں کا [۵۵]

۵۴۔ سجدے کا حکم اور ابلیس کی نافرمانی: جب حضرت آدمؑ کا خلیفہ ہونا مسلم ہو چکا تو فرشتوں کو اور ان کے ساتھ جنات کو حکم ہوا کہ حضرت آدمؑ کی طرف سجدہ کریں اور ان کو قبلہ سجود بنائیں جیسا سلاطین اپنا اول ولی عہد مقرر کرتے ہیں پھر ارکان دولت کو نذریں پیش کرنے کا حکم کرتے ہیں تا کہ کسی کو سرتابی کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ سب نے سجدہ مذکورہ ادا کیا سوائے ابلیس کے کہ اصل سے جنات میں تھا اور ملائکہ کے ساتھ کمال اختلاط رکھتا تھا اور سبب اس سرکشی کا یہ ہوا کہ جنات چند ہزار سال سے زمین میں متصرف تھے اور آسمان پر بھی جاتے تھے جب ان کا فساد اور خونریزی بڑھی تو ملائکہ نے بحکم الٰہی بعض کو قتل کیا اور بعض کو جنگل پہاڑ اور جزائر میں منتشر کر دیا۔ ابلیس ان میں بڑا عالم و عابد تھا اس نے جنات کے فساد سے اپنی بے لوثی ظاہر کی، فرشتوں کی سفارش سے یہ بچ گیا اور ان ہی میں رہنے لگا اور اس طمع میں کہ تمام جنات کی جگہ اب صرف میں زمین میں متصرف بنایا جاؤں عبادت میں بہت کوشش کرتا رہا اور خلافت ارض کا خیال پکاتا رہا جب حکم الٰہی حضرت آدمؑ کی نسبت خلافت کا ظاہر ہوا تو ابلیس مایوس ہوا اور عبادت ریائی کے رائگاں جانے پر جوش حسد میں سب کچھ کیا اور ملعون ہوا۔

۵۵۔ سجدے کا حکم اور ابلیس کی نافرمانی: یعنی علم الٰہی میں پہلے ہی کافر تھا اوروں کو گو اب ظاہر ہوا یا یوں کہو کہ اب کافر ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ

حکم الٰہی کا بوجہ تکبر انکار کیا اور حکم الٰہی کو خلاف حکمت و مصلحت اور موجب عار سمجھا یہ نہیں کہ فقط سجدہ ہی نہیں کیا۔

وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور ہم نے کہا اے آدم رہا کر تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم[۵۶]

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر ہلا دیا انکو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا انکو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے[۵۷] اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے[۵۸] اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک[۵۹]

۵۶۔ شجر ممنوعہ: مشہور ہے کہ وہ درخت گیہوں کا تھا یا بقول بعض انگور یا انجیر یا ترنج وغیرہ کا واللہ اعلم۔

۵۷۔ کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ اور حوا بہشت میں رہنے لگے اور شیطان کو اس کی عزت کی جگہ سے نکال دیا شیطان کو اور حسد بڑھا بالآخر مور اور سانپ سے مل کر بہشت میں گیا اور بی بی حوا کو طرح طرح سے ایسا پھسلایا اور بہکایا کہ انہوں نے وہ درخت کھالیا اور حضرت آدمؑ کو بھی کھلایا اور ان کو یقین دلا دیا تھا کہ اس کے کھانے سے اللہ کے ہمیشہ کو مقرب ہو جاؤ گے اور حق تعالیٰ نے جو ممانعت فرمائی تھی اس کی توجیہ گھڑ دی۔ آئندہ یہ قصہ مفصل آئے گا۔

۵۸۔ ہبوط آدم علیہ السلام: اس خطا کی سزا میں حضرت آدمؑ اور حوا اور جو اولاد پیدا ہونے والی تھی سب کی نسبت یہ حکم ہوا کہ بہشت سے زمین پر جا کر رہو باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے جس کی وجہ سے تکلیفیں پیش آئیں گی۔ بہشت دار العصیان اور دار العداوۃ نہیں ان امور کے مناسب دار دنیا ہے جو تمہارے امتحان کے لئے بنایا گیا ہے۔

۵۹۔ یعنی دنیا میں ہمیشہ نہ رہو گے بلکہ ایک وقت معین تک وہاں رہو گے اور وہاں کی چیزوں سے بہرہ مند ہو گے اور پھر ہمارے ہی روبرو آؤ گے اور وہ وقت معین ہر ہر شخص کی نسبت تو اس کی موت کا وقت ہے اور تمام عالم کے حق میں قیامت کا۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان[۶۰]

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

۳۸۔ ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب[۶۱] پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے[۶۲]

وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ
النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾ ع ۴

۳۹۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

۶۰۔ جب حضرت آدمؑ نے حق تعالیٰ کا حکم عتاب آمیز سنا اور جنت سے باہر آ گئے تو بحالت ندامت و انفعال گریہ زاری میں مصروف تھے۔ اس حالت میں حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چند کلمات ان کو القا اور الہام کے طور پر بتلائے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا (اعراف۔۲۳) آخر آیت تک۔

۶۱۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ تو قبول فرمائی مگر فی الفور جنت میں جانے کا حکم نہ فرمایا بلکہ دنیا میں رہنے کا جو حکم ہوا تھا اسی کو قائم رکھا کیونکہ مقتضائے حکمت و مصلحت یہی تھا ظاہر ہے کہ زمین کے لئے خلیفہ بنائے گئے تھے نہ کہ جنت کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ جو ہمارے مطیع ہوں گے ان کو دنیا میں رہنا مضر نہ ہو گا بلکہ مفید، ہاں جو نافرمان ہیں ان کے لئے جہنم ہے اور اس تفریق و امتحان کے لئے بھی دنیا ہی مناسب ہے۔

۶۲۔ خوف اور حزن کے معنیٰ: جو صدمہ اور اندیشہ کسی مصیبت پر اس کے ہونے سے پہلے ہوتا ہے اس کو خوف کہتے ہیں اور اس کے واقع ہو چکنے کے بعد جو غم ہوتا ہے اس کو حزن کہتے ہیں۔ مثلاً کسی مریض کے مر جانے کے خیال پر جو صدمہ ہے وہ خوف ہے اور مر جانے کے بعد جو صدمہ ہے وہ حزن ہے۔ اس آیت میں جو خوف و حزن کی نفی فرمائی اس سے اگر خوف و حزن دینوی مراد لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ جو لوگ ہماری ہدایت کے موافق چلیں گے۔ اس میں اس اندیشہ کی گنجائش نہیں کہ شاید یہ ہدایت حقہ نہ ہو شیطان کی طرف سے دھوکہ اور مغالطہ ہو اور نہ وہ اس وجہ سے کہ ان کے باپ سے بالفعل بہشت چھوٹ گئی محزون ہوں گے کیونکہ ہدایت والوں کو عنقریب جنت ملنے والی ہے اور اگر خوف و حزن آخرت مراد ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ قیامت کا اہل ہدایت کو نہ خوف ہو گا نہ حزن مگر حزن کا نہ ہونا تو بے شک مسلم لیکن خوف کی نفی فرمانے پر ضرور یہ خلجان ہوتا ہے کہ اس روز خوف تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک کو ہو گا۔ کوئی بھی خوف سے خالی نہ ہو گا۔ تو بات یہ ہے کہ خوف دو طرح ہوتا ہے کبھی تو خوف کا باعث اور مرجع خائف (یعنی ڈرنے والے) میں پایا جاتا ہے جیسے مجرم بادشاہی جو بادشاہ سے ڈرتا ہے تو موجب خوف جرم ہے جو مجرم کی طرف رجوع ہوتا ہے اور کبھی مرجع خوف مخوف منہ یعنی جس سے ڈرتے ہیں اس میں کوئی امر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بادشاہ صاحب جاہ و جلال کے روبرو یا شیر کے روبرو ہو تو اس کے خائف ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اس نے بادشاہ یا شیر کا جرم کیا ہے بلکہ قہر و جلال سلطانی اور ہیبت اور غضب و درندگی شیر موجب خوف ہے جس کا مرجع ذات سلطانی اور خود شیر ہے۔ آیت سے پہلی قسم کی نفی ہوئی نہ دوسری قسم کی شبہ تو جب ہو سکتا تھا کہ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ کی جگہ لا خوف فیھم یا لا یخافون فرماتے۔

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ
عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ‌ۚ وَاِيَّاىَ
فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اے بنی اسرائیل [۶۳] یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے [۶۴] اور تم پورا کرو میرا اقرار تو میں پورا کروں تمہارا اقرار [۶۵] اور مجھ ہی سے ڈرو [۶۶]

وَ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ وَ لَا تَکُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِہٖ ۪ وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۫ وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے [۶۷] اور مت ہو سب میں اول منکر اس کے [۶۸] اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی سے بچتے رہو۔

وَ لَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَکۡتُمُوا الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور مت لاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر

۶۳۔ بنی اسرائیل سے خطاب: اول یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا خطاب عام تھا اور ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو تمام بنی آدمؑ پر عام تھیں مثلاً زمین و آسمان و جملہ اشیاء کا پیدا کرنا۔ پھر حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے ان کو خلیفہ بنانا اور بہشت میں داخل کرنا وغیرہ۔ اب ان میں سے خاص بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا اور خاص نعمتیں جو وقتاً فوقتاً پشت در پشت ان پر ہوتی چلی آئیں اور انہوں نے جو کفران نعمت کیا ان سب باتوں کو مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل تمام فرقوں بنی آدمؑ میں ممتاز اور اہل علم و کتاب و نبوت اور انبیاء کو پہچاننے والے سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک چار ہزار نبی ان میں آچکے تھے تمام عرب کی نظریں انکی طرف تھیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے ان انعامات اور خرابیوں کو بسط کے ساتھ ذکر فرمایا کہ شرما کر ایمان لائیں ورنہ اور لوگ انکی حرکات سے واقف ہو کر انکی بات کا اعتبار نہ کریں اور اسرائیل نام ہے حضرت یعقوبؑ کا اس کے معنی ہیں عبداللہ۔

۶۴۔ بنی اسرائیل کی نعمتیں: ہزاروں انبیاء ان میں بھیجے گئے۔ توریت وغیرہ کتابیں نازل فرمائیں فرعون سے نجات دے کر ملک شام میں تسلط دیا، من و سلویٰ نازل ہوا۔ ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کئے جو نعمتیں اور خوارق عادات کسی فرقہ کو نصیب نہیں ہوئیں۔

۶۵۔ توریت کا عہد پورا کرو: توریت میں یہ اقرار کیا کہ تم توریت کے حکم پر قائم رہو گے۔ اور جس پیغمبر کو بھیجوں اس پر ایمان لا کر اس کے رفیق رہو گے تو ملک شام تمہارے قبضہ میں رہے گا (بنی اسرائیل نے اس کو قبول کر لیا تھا) مگر پھر اقرار پر قائم نہ رہے بدنیتی کی رشوت لے کر مسئلے غلط بتائے حق کو چھپایا، اپنی ریاست جمائی پیغمبر کی اطاعت نہ کی بلکہ پیغمبروں کو قتل کیا، توریت میں جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفت تھی اس کو بدل ڈالا اس لئے گمراہ ہوئے۔

۶۶۔ یعنی منافع دنیوی کے فوت ہونے سے مت ڈرو۔

۶۷۔ توریت کے مطابق قرآن پر ایمان لاؤ: توریت میں بتا دیا گیا تھا کہ جو نبی آئے اگر توریت کی تصدیق کرے تو اس کو جانو سچا ہے نہیں تو جھوٹا ہے جاننا چاہیئے کہ احکام قرآنی دربارہ اعتقادات اور اخبار انبیاء و احوال آخرت و اوامر و نواہی توریت وغیرہ کتب سابقہ کے موافق ہیں۔ ہاں بعض اوامر و نواہی میں نسخ بھی کیا گیا ہے مگر وہ تصدیق کے مخالف نہیں تصدیق کے مخالف تکذیب ہے اور تکذیب کسی کتاب الٰہی کی ہو بالکل کفر ہے منسوخ تو بعض آیات قرآنی بھی ہیں مگر اس کو نعوذ باللہ کون تکذیب کہہ سکتا ہے۔

۶۸۔ یعنی قرآن کی دیدہ و دانستہ تکذیب کرنے والوں میں اول مت ہو کہ قیامت تک کے منکرین کا وبال تمہاری گردن پر ہو اور مشرکین مکہ

نے جو انکار کیا ہے وہ جہل اور بیخبری کے سبب کیا ہے دیدہ و دانستہ ہر گز نہ تھا اس میں تو اول تم ہی ہو گے اور یہ کفر پہلے کفر سے سخت تر ہے۔

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور قائم کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ [۶۹]

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَ تَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو [۷۰]

وَ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ ؕ وَ اِنَّہَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ ﴿ۙ۴۵﴾

۴۵۔ اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے [۷۱] اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی عاجزوں پر

الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ ع ۵/۷ ۵

۴۶۔ جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ انکو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے [۷۲]

۶۹۔ **نماز باجماعت کا حکم:** یعنی باجماعت نماز پڑھا کرو پہلے کسی دین میں باجماعت نماز نہیں تھی اور یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ صرف امور مذکورہ بالا نجات کے لئے تم کو کافی نہیں بلکہ تمام اصول میں نبی آخر الزماں کی پیروی کرو۔ نماز بھی ان کے طور پر پڑھو جس میں جماعت بھی ہو اور رکوع بھی۔

۷۰۔ **صرف تبلیغ کافی نہیں عمل بھی ضروری ہے:** بعض علمائے یہود یہ کمال کرتے تھے اپنے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ دین اسلام اچھا ہے اور خود مسلمان نہ ہوتے تھے۔ اور نیز علمائے یہود بلکہ اکثر ظاہر بینوں کو اس موقع پر یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ جب ہم تعلیم احکام شریعت میں قصور نہیں کرتے اور حق پوشی بھی نہیں کرتے تو اس کی ضرورت نہیں کہ ہم خود بھی احکام پر عمل کریں جب ہماری ہدایت کے موافق بہت سے آدمی اعمال شریعت بجالاتے ہیں تو بحکم قاعدہ اَلدَّالُّ عَلَی الۡخَیۡرِ کَفَاعِلِہٖ وہ ہمارے ہی اعمال ہیں تو اس آیت میں دونوں کا بطلان فرما دیا گیا اور آیت سے مقصود یہ ہے کہ واعظ کو اپنے وعظ پر ضرور عمل کرنا چاہیئے یہ غرض نہیں کہ فاسق کسی کو نصیحت نہ کرے۔

۷۱۔ علمائے اہل کتاب جو بعد وضوح حق بھی آپ پر ایمان نہ لاتے تھے اس کی بڑی وجہ حب جاہ اور حب مال تھی اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتا دیا صبر سے مال کی طلب اور محبت جائے گی اور نماز سے عبودیت و تذلل آئے گا۔ اور حب جاہ کم ہو گی۔

۷۲۔ **عاجزی کرنے والوں پر نماز بھاری نہیں:** یعنی صبر اور نماز حضور دل سے بہت بھاری ہے مگر ان پر آسان ہے جو عاجزی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں جن کا خیال اور دھیان یہ ہے کہ ہم کو خدا کے روبرو ہونا اور اس کی طرف پھر جانا ہے (یعنی نماز میں خدا کا قرب اور گویا اس سے ملاقات ہے) یا قیامت میں حساب و کتاب کے لئے روبرو جانا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے احسان جو میں نے تم پر کیئے اور اسکو کہ میں نے تم کو بڑائی دی تمام عالم پر[۴۳]

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی اور قبول نہ ہو اسکی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے اس کی طرف سے بدلہ اور نہ ان کو مدد پہنچے[۴۴]

۴۳۔ بنی اسرائیل کی فضیلت کا مطلب: چونکہ تقوٰی اور کمال ایمان کا حاصل کرنا صبر و حضور و استغراق عبادات کے ذریعہ سے دشوار تھا۔ اس لئے اس کا سہل طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور وہ شکر ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ اپنے احسانات و انعامات جو ان پر وقتاً فوقتاً ہوئے تھے۔ ان کو یاد دلاتا ہے اور انکی بدکرداریاں بھی ظاہر فرماتا ہے۔ انسان بلکہ حیوانات تک میں یہ مضمون موجود ہے کہ اپنے منعم کی محبت اور اسکی اطاعت دل نشین ہو جاتی ہے اور چند رکوع میں اس مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ فائدہ: اہل عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک تمام فرقوں سے افضل رہے کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا جب انہوں نے نبی آخر الزماں اور قرآن کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور مغضوب علیھم اور ضلال کا لقب عنایت ہوا۔ اور حضور کے متبعین کو کنتم خیر امۃ کا خلعت ملا۔

۴۴۔ آخرت میں باپ دادا کی سفارش نہیں ہو گی: جب کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے رفیق اکثر یہی کیا کرتے ہیں کہ اول تو اس کے ادائے حق لازم میں کوشش کرتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا تو سعی سفارش سے بچانے کی تدبیر کرتے ہیں یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر تاوان و فدیہ دے کر چھڑاتے ہیں اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو بالآخر اپنے مددگاروں کو جمع کر کے بزور پرخاش اس کی نجات کی فکر کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اسی ترتیب کے موافق ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص گو کیسا ہی مقرب خداوندی ہو مگر کسی نافرمان عدو اللہ کافر کو منجملہ چاروں صورتوں کے کسی صورت سے نفع نہیں پہنچا سکتا۔ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں ہم پر عذاب نہ ہو گا۔ ہمارے باپ دادا جو پیغمبر ہیں ہمیں بخشوالیں گے سو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ خیال تمہارا غلط ہے اس سے اس شفاعت کا انکار نہیں نکلتا جس کے اہل سنت قائل ہیں اور جو دیگر آیات میں مذکور ہے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو کرتے تھے تم پر بڑا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو[۴۵] اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی[۴۶]

۷۵۔ بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم: فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ نجومیوں نے اس کی تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہو گا۔ جو تیرے دین اور سلطنت کو غارت کر دے گا۔ فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بیٹا پیدا ہو اس کو مار ڈالو اور جو بیٹی ہو اس کو خدمت کے لئے زندہ رہنے دو خدائے تعالیٰ نے موسیٰؑ کو پیدا کیا اور زندہ رکھا۔

۷۶۔ بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذٰلکم کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لئے جائیں گے۔

وَ اِذۡ فَرَقۡنَا بِکُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ
فِرۡعَوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا دیا ہم نے تم کو اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے [۷۷]

وَ اِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ
الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَ اَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم نے بنالیا بچھڑا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے [۷۸]

۷۷۔ دریا کا دو حصوں میں بٹ جانا: یعنی یاد کرو اے بنی اسرائیل اس نعمت عظیم کو کہ جب تمہارے باپ دادا فرعون کے ڈر سے بھاگے اور آگے دریا اور پیچھے فرعون کا لشکر تھا اور ہم نے تمکو بچا لیا اور فرعون اور اسکے لشکر کو غرق کر دیا۔ یہ قصہ آئندہ مفصل آئے گا۔

۷۸۔ بچھڑے کی پرستش: اور یہ قصہ اور احسان بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ ہم نے توریت عطا فرمانے کا وعدہ موسیٰؑ سے چالیس دن رات کا کیا اور ان کے طور پر تشریف لے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اور تم بڑے بے انصاف ہو کہ بچھڑے کو خدا بنالیا۔ مفصل یہ قصہ آئندہ آئے گا۔

ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمۡ
تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی تاکہ تم احسان مانو [۷۹]

۷۹۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود اس شرک جلی کے ہم نے تم سے درگذر فرمائی اور تمہاری توبہ منظور کی اور تم کو فی الفور ہلاک نہ کیا (جیسے آل فرعون کو اس سے کم قصور پر ہلاک کر دیا تھا) کہ تم ہمارا شکر ادا کرو اور احسان مانو۔

وَ اِذۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ الۡفُرۡقَانَ لَعَلَّکُمۡ
تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ [۸۰]

۸۰۔ فرقان کیا چیز ہے؟ کتاب تو توریت ہے اور فرقان فرمایا ان احکام شریعہ کو جن سے جائز ناجائز معلوم ہو یا فرقان کہا حضرت موسیٰؑ کے معجزوں کو جن سے جھوٹے سچے اور کافر و مومن کی تمیز ہو یا توریت ہی کو کہا کہ وہ کتاب ہی ہے اور اس سے حق اور ناحق بھی جدا ہوتا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ
اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ
فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٤﴾

۵۴۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے [۸۱] اے قوم تم نے نقصان کیا اپنا یہ بچھڑا بنا کر سو اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان [۸۲] یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر [۸۳] بیشک وہی ہے معاف کرنے والا نہایت مہربان

۸۱۔ قوم سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا۔

۸۲۔ ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم: یعنی جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ نہ کیا تھا وہ سجدہ کرنے والوں کو قتل کریں اور بعض کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں تین گروہ تھے ایک وہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی اور دوسروں کو بھی روکا۔ دوسرے وہ جنہوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا تیسرے وہ جنہوں نے خود تو سجدہ نہ کیا مگر دوسروں کو منع بھی نہ کیا۔ فریق دوم کو حکم ہوا کہ مقتول ہو جاؤ۔ تیسرے فریق کو حکم ہوا کہ ان کو قتل کرو تاکہ ان کے سکوت کرنے کی توبہ ہو جائے۔ اور فریق اول اس توبہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کو توبہ کی حاجت نہ تھی۔

۸۳۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مقتول ہو جانا ہی توبہ تھی یا توبہ کا تتمہ تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں قاتل عمد کی توبہ کے مقبول ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے آپ کو وارثان مقتول کے حوالے کر دے انکو اختیار ہے بدلہ لیں یا معاف کریں۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ
جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾

۵۵۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے پھر آلیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

۵۶۔ پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے تاکہ تم احسان مانو [۸۴]

۸۴۔ توریت کو ماننے سے انکار اور اس کی سزا: اس وقت کو بھی ضرور یاد کرو کہ باوجود اس قدر احسانات کے کہ جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جب تک آنکھوں سے صریحاً خدائے تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں۔ اس پر بجلی نے تم کو ہلاک کیا اس کے بعد موسیٰؑ کی دعا سے ہم نے تم کو زندہ کیا اور یہ اس وقت کا حال ہے کہ حضرت موسیٰؑ ستر آدمیوں کو منتخب فرما کر کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کی غرض سے لے گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے کلام الٰہی کو سنا تو انہی ستر نے کہا اے موسیٰؑ پردے میں سننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے آنکھوں سے خدا کو دکھاؤ۔ اس پر ان ستر آدمیوں کو بجلی نے ہلاک کر دیا تھا۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ

۵۷۔ اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور

السَّلۡوٰی ؕ کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ ؕ وَ مَا
ظَلَمُوۡنَا وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

سلوٰی[۸۵] کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دیں[۸۶] اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے[۸۷]

۸۵۔ من و سلوٰی: جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل بحکم الٰہی مصر سے شام کو چلے جنگل میں ان کے خیمے پھٹ گئے اور گرمی آفتاب کی ہوئی تو تمام دن ابر رہتا اور اناج نہ رہا تو من و سلوٰی کھانے کے لئے اترتا من ایک چیز تھی شیریں دھنیے کے سے دانے ترنجبین کے مشابہ رات کو اوس میں برستے لشکر کے گرد ڈھیر لگ جاتے صبح کو ہر ایک اپنی حاجت کے موافق اٹھالیتا اور سلوٰی ایک پرندہ ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں۔ شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جمع ہو جاتے۔ اندھیرا ہوئے بعد پکڑ لاتے کباب کر کے کھاتے مدتوں تک یہی کھایا کئے۔

۸۶۔ یعنی اس لطیف و لذیذ غذا کو کھاؤ اور اس پر اکتفا کرو، نہ آگے کے لئے ذخیرہ جمع کر کے رکھو اور نہ دوسری غذا سے مبادلہ کی خواہش کرو۔

۸۷۔ اول ظلم یہ کیا کہ ذخیرہ کر کے رکھا تو گوشت سڑنا شروع ہو گیا اور دوسرے مبادلہ چاہا کہ مسور، گیہوں، ککڑی، پیاز وغیرہ ملے۔ جس سے طرح طرح کی تکلیف و مشقت میں مبتلا ہوئے۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا ادۡخُلُوۡا ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃَ فَکُلُوۡا مِنۡہَا حَیۡثُ
شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ
نَّغۡفِرۡ لَکُمۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ وَ سَنَزِیۡدُ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں[۸۸] اور کھاتے پھرو اسمیں جہاں چاہو فراغت سے اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے[۸۹] اور کہتے جاؤ بخشدے تو معاف کر دیں گے ہم تمہارے قصور اور زیادہ بھی دیں گے نیکی والوں کو[۹۰]

۸۸۔ جب جنگل مذکورہ بالا میں پھرتے پھرتے تنگ آگئے اور من و سلوٰی کھاتے کھاتے اکتا گئے تو بنی اسرائیل کو ایک شہر میں داخل ہونے کا حکم ہوا اس کا نام ریحا تھا اس میں قوم عمالقہ جو قوم عاد سے تھی مقیم تھی اور بعض نے بیت المقدس فرمایا ہے۔

۸۹۔ بستی میں داخل ہونے کا حکم اس شہر کے دروازہ میں سے سجدہ شکر کرتے ہوئے جاؤ (اور یہ شکر بدنی ہوا) اور بعض فرماتے ہیں کہ براہ تواضع کمر کو جھکا کر جاؤ۔

۹۰۔ بستی میں داخل ہونے کا حکم اور زبان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے جاؤ (یہ شکر زبانی ہوا) جو یہ دونوں باتیں کرے گا اس کی خطائیں ہم معاف کر دیں گے اور نیک بندوں کے لئے ثواب بڑھا دیں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَیۡرَ الَّذِیۡ قِیۡلَ لَہُمۡ
فَاَنۡزَلۡنَا عَلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ
بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ ع ۶ ۱۳ ۶

۵۹۔ پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اسکے جو کہہ دی گئی تھی ان سے پھر اتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے ان کی عدول حکمی پر[۹۱]

۹۱۔ حکم الٰہی سے تمسخر: تبدیلی یہ کی کہ بجائے حِطَّۃٌ براہ تمسخر حِنۡطَۃٌ کہنے لگے (یعنی گیہوں) اور سجدہ کی جگہ اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا

جب شہر میں پہنچے تو ان پر طاعون پڑا، دو پہر میں ستر ہزار یہود مر گئے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ
الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ
عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ
اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۶۰﴾

٦٠۔ اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو بہہ نکلے اس سے بارہ چشمے [۹۲] پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کی روزی اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے [۹۳]

۹۲۔ پانی کے بارہ چشموں کا ظہور: یہ قصہ بھی اسی جنگل کا ہے پانی نہ ملا تو ایک پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے نکلے اور بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے کسی قوم میں آدمی زیادہ کسی میں کم ہر قوم کے موافق ایک چشمہ تھا اور وجہ شناخت بھی یہی موافقت تھی۔ یا یہ مقرر کر رکھا تھا کہ پتھر کی فلاں جہت فلاں جانب سے جو چشمہ نکلے گا وہ فلاں قوم کا ہو گا اور جو کوتاہ نظر ان معجزات کا انکار کرتے ہیں نیستند آدم غلاف آدم اند دیکھو مقناطیس تو لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس پتھر نے پانی کھینچ لیا تو انکار کی کیا وجہ۔

۹۳۔ یعنی پھر فرمایا حق تعالیٰ نے کھاؤ من وسلویٰ اور پیو ان چشموں کا پانی اور عالم میں فساد مت پھیلاؤ۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ
فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ
مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا
وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى
بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا
سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ
بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ
الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

٦١۔ اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے جو اگتا ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز [۹۴] کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے [۹۵] اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو [۹۶] اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے اللہ کا غضب لے کر [۹۷] یہ اس لئے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے [۹۸]

۹۴۔ من وسلوٰی کی جگہ سبزیوں کا مطالبہ: یہ قصہ بھی اسی جنگل کا ہے بنی اسرائیل طعام آسمانی من وسلوٰی کھاتے کھاتے اکتا گئے تو کہنے لگے ہم سے ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا۔ ہم کو تو زمین کا اناج، ترکاری، ساگ، سبزی چاہیئے۔

۹۵۔ یعنی من وسلوٰی جو ہر طرح بہتر ہے۔ لہسن اور پیاز وغیرہ سے بدلتے ہو۔

۹۶۔ اگر یہی جی چاہتا ہے تو کسی شہر میں جاؤ تمہاری مطلوب چیزیں تم کو سب ملیں گی۔ پھر ایسا ہی ہوا۔

۹۷۔ بنی اسرائیل کی دائمی ذلت: ذلت یہ کہ ہمیشہ مسلمان اور نصاریٰ کے محکوم اور رعیت رہتے ہیں کسی کے پاس مال ہوا تو کیا۔ حکومت سے بالکل محروم ہو گئے جو موجب عزت تھی اور محتاجی یہ کہ اول تو یہود میں مال کی قلت اور جن کے پاس مال ہو بھی تو حکام وغیرہ کے خوف سے اپنے آپ کو مفلس اور حاجت مند ہی ظاہر کرتے ہیں شدت حرص اور بخل کے باعث محتاجوں سے بدتر نظر آتے ہیں اور یہ بھی درست کہ تونگری بدل است نہ بمال اس لئے مالدار ہو کر بھی محتاج ہی رہے اور عظمت اور عزت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس سے رجوع کر کے اس کے غضب وقہر میں آ گئے۔

۹۸۔ یعنی اس ذلت اور مسکنت وغضب الٰہی کا باعث ان کا کفر اور انبیاءؑ کا قتل کرنا تھا اور اس کفر وقتل کا باعث احکام کی نافرمانی اور حدود شرع سے خروج تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ بیشک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صائبین جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک تو انکے لئے ہے انکا ثواب انکے رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۹۹]

۹۹۔ صابئین کون ہیں: یعنی کسی فرقہ خاص پر موقوف نہیں یقین لانا شرط ہے اور عمل نیک سو جس کو یہ نصیب ہوا ثواب پایا۔ یہ اس واسطے فرمایا کہ بنی اسرائیل اس بات پر مغرور تھے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ہم ہر طرح اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔

فائدہ: یہود کہتے ہیں حضرت موسیٰؑ کی امت کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی امت کو۔ صابئین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کر لیا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ اور جب لیا ہم نے تم سے قرار اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو کہ پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تا کہ تم ڈرو [۱۰۰]

۱۰۰۔ کوہ طور کو معلق کرنے کی وجہ: کہتے ہیں کہ توریت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل شرارت سے کہنے لگے کہ توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ہم سے نہیں ہو سکتے تب خدائے تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم کیا جو ان سب کے سروں پر آن کر اترنے لگا اور سامنے آگ پیدا ہوئی گنجائش سر تابی اصلاً نہ رہی مجبوراً احکام توریت کو قبول کیا۔ باقی یہ شبہ کہ پہاڑ سروں پر معلق کر کے تسلیم کرانا توریت کا یہ تو صریح اجبار و اکراہ ہے جو آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ۔ ۲۵۶) اور نیز قاعدہ تکلیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بنائے تکلیف تو اختیار پر ہے اور اکراہ مناقض اختیار ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ دربارۂ قبول دین ہرگز نہیں۔ دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کئے ہوئے تھے اور بار بار حضرت موسیٰؑ سے تقاضا کرتے تھے کہ کوئی کتاب متضمن احکام ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب توریت ان کو دی گئی تو عہد شکنی پر کمربستہ ہوئے تو اب پہاڑ کا معلق کرنا نقض عہد سے روکنے کے لئے تھا نہ کہ قبول دین کے لئے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اسکی مہربانی تو ضرور تم تباہ ہوتے [۱۰۱]

۱۰۱۔ یعنی عہد و میثاق کر کے پھر گئے۔ سو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو بالکل تباہ ہو جاتے۔ یعنی اسی وقت ہلاک کر دیئے جاتے یا یہ کہ توبہ و استغفار بھی کرتے اور نبی آخر الزمان کی متابعت بھی کرتے تو بھی تمہاری تقصیرات معاف نہ کی جاتیں۔

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ

۶۵۔ اور تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے کہ تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل [۱۰۲]

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے [۱۰۳]

۱۰۲۔ بنی اسرائیل کو مسخ صورت کا عذاب: بنی اسرائیل کو توریت میں حکم ہوا تھا کہ شنبہ کا دن خالص عبادت کے لئے مقرر ہے اس دن مچھلی کا شکار مت کرو وہ لوگ فریب اور حیلہ سے ہفتہ کے دن شکار کرنے لگے تو اللہ نے ان کو مسخ کر کے ان کی صورت بندر کی سی کر دی۔ فہم و شعور انسانی موجود تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھتا تھا اور روتا تھا۔ مگر کلام نہیں کر سکتا تھا۔ تین دن کے بعد سب مر گئے اور یہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے عہد میں ہوا۔ مفصل سورۂ اعراف میں آئے گا۔

۱۰۳۔ یعنی اس واقعہ اور اس عقوبت کو ہم نے باعث خوف و عبرت بنا دیا اگلے اور پچھلے لوگوں کے واسطے یعنی جنہوں نے اس عذاب کا مشاہدہ کیا اور جو آئندہ پیدا ہوں گے یا جو بستیاں شہر کے آگے اور اس کے پیچھے آباد تھیں۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ

۶۷۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے [۱۰۴] وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے [۱۰۵] کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں

بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

میں[۱۰۶]

۱۰۴۔ بنی اسرائیل کو گائے ذبحہ کرنے کا حکم: یعنی یاد کرو اس وقت کو کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا۔ اور اس کا قاتل معلوم نہ ہوتا تھا تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اللہ کا یہ حکم ہے کہ ایک گائے ذبحہ کر کے اس کا ایک ٹکڑا مردے پر مارو تو وہ جی اٹھے اور آپ اپنے قاتل کو بتادے اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مردے کو جلایا اور اس نے قاتل کو بتادیا کہ اس کے وارثوں نے ہی بطمع مال قتل کیا تھا۔

۱۰۵۔ کیونکہ یہ تو دیکھا نہ سنا کہ گائے کے ٹکڑا مارنے سے مردہ زندہ ہو جائے۔

۱۰۶۔ یعنی ٹھٹھا کرنا احمق جاہل کا کام ہے اور وہ بھی احکام شرعیہ میں پیغمبر سے یہ ہرگز ممکن نہیں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾

۶۸۔ بولے کہ دعا کرو ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے[۱۰۷] کہا وہ فرماتا کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیاہی درمیان میں ہے بڑھاپے اور جوانی کے اب کر ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے[۱۰۸]

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾

۶۹۔ بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کیسا ہے اس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے اس کی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾

۷۰۔ بولے دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس قسم میں ہے وہ[۱۰۹] کیونکہ اس گائے میں شبہہ پڑا ہے ہم کو اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور راہ پالیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ ع ۸

۷۱۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں کہ جوتتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیتی کو بے عیب ہے کوئی داغ اسمیں نہیں[۱۱۰] بولے اب لایا تو ٹھیک بات پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کر لیں گے[۱۱۱]

۱۰۷۔ بنی اسرائیل کی کج بحثی: یعنی اس کی عمر کتنی ہے اور اس کے حالات کیا ہیں نو عمر ہے یا بوڑھی۔

۱۰۸۔ یعنی اس گائے کو ذبح کر ڈالو۔

۱۰۹۔ یعنی واضح کر کے بتادے کہ وہ گائے کس قسم اور کس کام کی ہے۔

۱۱۰۔ یعنی اس کے اعضاء میں کوئی نقصان نہیں اور اسکے رنگ میں دوسرے رنگ کا داغ و نشان نہیں بلکہ ساری زرد ہے۔

۱۱۱۔ وہ گائے ایک شخص کی تھی جو اپنی ماں کی خدمت بہت کرتا تھا اور نیک بخت تھا۔ اس شخص سے وہ گائے مول لی اتنے مال کو جتنا اس گائے کی کھال میں سونا بھر سکے پھر اس کو ذبحہ کیا اور ایسے لگتے نہ تھے کہ اتنی بڑی قیمت کو لے کر ذبحہ کریں گے۔

وَاِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ فِيۡهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے[۱۱۲]

فَقُلۡنَا اضۡرِبُوۡهُ بِبَعۡضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحۡىِ اللّٰهُ الۡمَوۡتٰىۙ وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا[۱۱۳] اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو[۱۱۴]

۱۱۲۔ یعنی تمہارے اگلے بزرگوں نے عامیل کو مار ڈالا تھا۔ پھر ایک دوسرے پر دھرنے لگا اور تم جس چیز کو چھپاتے تھے (یعنی اپنے ضعف ایمانی یا قاتل کے حال کو) اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرمانا چاہتا ہے۔

۱۱۳۔ یعنی جب ایک ٹکڑا اس گائے کا اس کے مارا تو وہ بحکم الٰہی زندہ ہو گیا اور لہو زخم سے بہنے لگا اور اپنے قاتل کا نام بتادیا جو اسی مقتول کے بھتیجے تھے۔ بطمع مال چچا کو جنگل میں لے جا کر مار ڈالا تھا پھر وہ ان کا نام بتا کر گر پڑا اور مر گیا۔

۱۱۴۔ حیات بعد الممات پر استدلال: یعنی اسی طرح زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنی قدرت کی نشانیاں تم کو دکھلاتا ہے کہ شاید تم غور کرو اور سمجھ لو کہ خدائے تعالیٰ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الۡحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد[۱۱۵] سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے[۱۱۶]

۱۱۵۔ یعنی عامیل کے جی اٹھنے کے بعد مطلب یہ کہ ایسی نشانی قدرت دیکھ کر بھی تمہارے دل نرم نہ ہوئے۔

۱۱۶۔ یہودیوں کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں: یعنی بعض پتھروں سے بڑا نفع پہنچتا ہے کہ انہار اور پانی بکثرت ان سے جاری ہوتا ہے۔ اور بعض پتھروں سے پانی کم نکلتا ہے اور اول قسم کی نسبت نفع کم ہوتا ہے اور بعض پتھروں سے گو کسی کو نفع نہ پہنچے مگر خود ان میں ایک اثر اور تاثر تو موجود ہے مگر ان کے قلوب ان تینوں قسموں کے پتھر سے سخت تر ہیں نہ ان سے کسی کو نفع اور نہ ان میں کوئی مضمون خیر موجود۔ اور اللہ اے یہودیو تمہارے اعمال سے بے خبر ہرگز نہیں۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَ قَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اب کیا تم اے مسلمانو توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے[۱۱۷]

۱۱۷۔ توریت میں تحریف: فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کلام الٰہی سننے کے لئے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں سے آکر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تمام کلام کے آخر میں ہم نے یہ بھی سنا کہ (کرسکو تو ان احکام کو کر لینا ورنہ ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے) اور بعض نے فرمایا کہ کلام الٰہی سے مراد توریت ہے اور تحریف سے مراد یہ ہے کہ (اس کی آیات میں تحریف لفظی و معنوی کرتے تھے) کبھی آپ کی نعت کو بدلا کبھی آیت رجم کو اُڑا دیا وغیرہ۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ لِیُحَآجُّوۡکُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے[۱۱۸]

۱۱۸۔ توریت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر: یہود میں جو لوگ منافق تھے وہ بطور خوشامد اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزمان کی باتیں مسلمانوں سے بیان کرتے اور دوسرے لوگ ان میں سے ان کو اس بات پر ملامت کرتے کہ اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑے گا۔

اَوَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں[۱۱۹]

وَ مِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور انکے پاس کچھ نہیں مگر خیالات [۱۲۰]

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ وَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تا کہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے [۱۲۱]

۱۱۹۔ یعنی اللہ کو تو ان کے سب امور ظاہر ہوں یا مخفی بالکل معلوم ہیں ان کی کتاب کی سب حجتوں کی خبر مسلمانوں کو دے سکتا ہے اور جا بجا مطلع فرما بھی دیا۔ آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے ظاہر فرما کر ان کو فضیحت کیا یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے۔

۱۲۰۔ اور جو جاہل ہیں ان کو تو کچھ بھی خبر نہیں کہ توریت میں کیا لکھا ہے مگر چند آرزوئیں جو اپنے عالموں سے جھوٹی باتیں سن رکھی ہیں (مثلاً بہشت میں یہودیوں کے سوا کوئی نہ جائے گا اور ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوا لیں گے) اور یہ ان کے خیالات بے اصل ہیں جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔

۱۲۱۔ مال کے عوض توریت میں تحریف: یہ وہ لوگ ہیں جو ان عوام جاہلوں کے موافق باتیں اپنی طرف سے بنا کر لکھ دیتے تھے اور خدا کی طرف ان باتوں کو منسوب کرتے۔ مثلاً توریت میں لکھا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان خوبصورت پیچواں بال، سیاہ آنکھیں، میانہ قد، گندم رنگ پیدا ہوں گے انہوں نے پھیر کر یوں لکھا لنبا قد، نیلی آنکھیں، سیدھے بال تا کہ عوام آپ کی تصدیق نہ کر لیں اور ہمارے منافع دینوی میں خلل نہ آ جائے۔

وَ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور کہتے ہیں ہم کو ہر گز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے [۱۲۲] کہدو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار کہ اب ہر گز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے کیوں نہیں [۱۲۳]

۱۲۲۔ بنی اسرائیل کی خوش فہمی: بعض نے کہا سات دن اور بعض نے چالیس دن (جتنے روز بچھڑے کو پوجا کی تھی) اور بعض نے چالیس سال (جتنی مدت تیہ میں سر گرداں رہے تھے) اور بعض نے کہا ہر ایک جتنی مدت دنیا میں زندہ رہا۔

۱۲۳۔ یعنی یہ بات غلط ہے کہ یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے۔ کیونکہ خلود فی النار اور خلود فی الجنۃ کا جو قاعدہ کلیہ آگے بیان فرمایا

ہے اسی کے مطابق سے معاملہ ہو گا۔ یہودی اس سے نکل نہیں سکتے۔

بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓـَٔتُہٗ
فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے[۱۲۴] سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے

۱۲۴۔ گناہ کسی کا احاطہ کر لیں: اس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کر لیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو۔ حتّٰی کی دل میں ایمان و تصدیق باقی ہو گی تو بھی احاطہ مذکور محقق نہ ہو گا۔ تو اب کافر ہی پر یہ صورت صادق آسکتی ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ
اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹ ۱۱

۸۲۔ اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ
اِلَّا اللّٰہَ ۟ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ
الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ قُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّ
اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ اِلَّا
قَلِیۡلًا مِّنۡکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور جب ہم نے لیا اقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رکھیو زکٰوۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے[۱۲۵]

۱۲۵۔ یعنی احکام الٰہی سے اعراض کرنا تو تمہاری عادت بلکہ طبعیت ہو گئی ہے۔

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَ لَا
تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَ
اَنۡتُمۡ تَشۡہَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور جب لیا ہم نے وعدہ تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم مانتے ہو[۱۲۶]

۱۲۶۔ یعنی نہ اپنی قوم کو قتل کرو اور نہ انکو جلاوطن کرو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ پھر تم وہ لوگ ہو کہ ایسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے[۱۲۷] اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا بدلا دیکر چھڑاتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر انکا نکال دینا بھی تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو[۱۲۸] سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے[۱۲۹]

۱۲۷۔ بنی اسرائیل کی بداعمالیاں: مدینہ میں دو فریق یہودیوں کے تھے ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر یہ دونوں آپس میں لڑا کرتے تھے اور مشرکوں کے بھی مدینے میں دو فرقے تھے ایک اوس دوسرے خزرج یہ دونوں بھی آپس میں دشمن تھے بنی قریظہ تو اوس کے موافق ہوئے اور بنی نضیر نے خزرج سے دوستی کی تھی۔ لڑائی میں ہر کوئی اپنے موافقوں اور دوستوں کی حمایت کرتا۔ جب ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوتا تو کمزوروں کو جلاوطن کرتے، ان کے گھر ڈھاتے اور اگر کوئی قید ہو کر پکڑا آتا تو سب رل مل کر مال جمع کر کے اس کا بدلہ دے کر قید سے اس کو چھڑاتے جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔

۱۲۸۔ یعنی اپنی قوم غیر کے ہاتھ میں پھنستی تو چھڑانے کو مستعد اور خود ان کے ستانے اور گلا کاٹنے تک کو موجود۔ اگر خدا کے حکم پر چلتے ہو تو دونوں جگہ پر چلو۔

۱۲۹۔ شریعت کے سب احکام پر عمل ضروری ہے: ایسا کرے یعنی بعض احکام کو مانے اور بعض کا انکار کرے اس لئے کہ ایمان کا تجزیہ تو ممکن نہیں تو اب بعض احکام کا انکار کرنے والا بھی کافر مطلق ہو گا۔ صرف بعض احکام پر ایمان لانے سے کچھ بھی ایمان نصیب نہ ہو گا۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص بعض احکام شرعیہ کی تو متابعت کرے اور جو حکم کہ اس کی طبعیت یا عادت یا غرض کے خلاف ہو اس کے قبول میں قصور کرے تو بعض احکام کی متابعت اس کو کچھ نفع نہیں دے سکتی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع ۱۰

۸۶۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا ہو گا ان پر عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی[۱۳۰]

۱۳۰۔ یعنی مفاد دنیوی کو آخرت کے مقابلہ میں قبول کیا اس لئے کہ جن لوگوں سے عہد کیا تھا اس کو دنیا کے خیال سے نبھایا اور اللہ کے جو احکام تھے ان کی پرواہ نہ کی تو پھر اللہ کے ہاں ایسوں کی کون سفارش یا حمایت کر سکتا ہے۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ قَفَّیۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَ اٰتَیۡنَا عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ الۡبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدۡنٰہُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَہۡوٰۤی اَنۡفُسُکُمُ اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ ۚ فَفَرِیۡقًا کَذَّبۡتُمۡ ۫ وَ فَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور بیشک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے پیچھے رسول اور دئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح پاک سے[۱۳۱] پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا[۱۳۲] اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا[۱۳۳]

۱۳۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے: مردوں کو زندہ کرنا۔ اکمہ و ابرص وغیرہ مریضوں کا صحت یاب ہونا۔ غیب کی خبریں بتانا یہ حضرت عیسیٰؑ کے کھلے معجزے ہیں اور روح القدس کہتے ہیں حضرت جبرئیل کو جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے یا اسم اعظم کہ جس کی برکت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

۱۳۲۔ انبیاء کی تکذیب اور قتل: جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کو جھوٹا کہا۔

۱۳۳۔ جیسا کہ حضرت زکریاؑ اور یحییٰؑ کو قتل کیا۔

وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے انکے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں[۱۳۴]

۱۳۴۔ بنی اسرائیل پر اللہ کی لعنت: یہود اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں بجز اپنے دین کے کسی کی بات ہم کو اثر نہیں کرتی۔ ہم کسی کی چاپلوسی، سحر بیانی یا کرشمے اور دھوکے کی وجہ سے ہرگز اس کی متابعت نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ بالکل جھوٹے ہیں بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان کو ملعون اور اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لئے کسی طرح دین حق کو نہیں مانتے اور بہت کم دولت ایمان سے مشرف ہوتے ہیں۔

وَ لَمَّا جَآءَہُمۡ کِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَہُمۡ ۙ وَ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا

۸۹۔ اور جب پہنچی انکے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو انکے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جسکو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر[۱۳۵]

بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

۱۳۵۔ بنی اسرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے: ان کے پاس جو کتاب آئی وہ قرآن ہے اور جو کتاب ان کے پاس پہلے سے تھی وہ توریت ہوئی۔ قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوئے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہو گی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ جب حضور ﷺ پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور ملعون ہوئے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ بری چیز ہے وہ جسکے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپکو کہ منکر ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے [۱۳۶] سو کما لائے غصہ پر غصہ [۱۳۷] اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا [۱۳۸]

۱۳۶۔ یعنی جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ کفر اور انکار ہے قرآن کا اور انکار بھی محض ضد اور حسد کے سبب۔

۱۳۷۔ ایک غضب تو یہ کہ قرآن بلکہ اس کے ساتھ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو کر کافر ہوئے دوسرے محض حسد اور ضد سے پیغمبر وقت سے انحراف اور خلاف کیا۔

۱۳۸۔ کافروں اور مسلمانوں کے عذاب میں فرق: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہو گا گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہو گا نہ بغرض تذلیل البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے بھیجا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اترا ہے ہم پر اور نہیں مانتے اس کو جو سوا اس کے ہے حالانکہ وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو انکے پاس ہے [۱۳۹] کہدو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے [۱۴۰]

۱۳۹۔ جو اللہ نے بھیجا یعنی انجیل و قرآن اور جو اترا ہم پر یعنی توریت مطلب یہ ہوا کہ بجز توریت اور کتابوں کا صاف انکار کرتے ہیں اور انجیل و قرآن کو نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ کتابیں بھی سچی اور توریت کی تصدیق کرنے والی ہیں۔

۱۴۰۔ انبیاء کا قتل توریت پر ایمان کے منافی ہے: ان سے کہدو کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا کیونکہ

توریت میں یہ حکم ہے کہ جو نبی توریت کو سچا کہنے والا آئے اس کی نصرت کرنا۔ اور اس پر ضرور ایمان لانا ۔ اور قتل بھی ان انبیاء کو کیا جو پہلے گذر چکے ہیں (جیسے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحیٰیؑ) جو احکام توریت پر عمل کرتے تھے اس کی ترویج کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان کے مصدق توریت ہونے میں تو بیوقوف کو بھی تامل نہیں ہو سکتا (یہ بات لفظ قبلُ سے مفہوم ہوئی)۔

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾

٩٢۔ اور آ چکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لیکر پھر بنالیا تم نے بچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو[١٤١]

١٤١۔ بنی اسرائیل ظالم ہیں: یعنی حضرت موسیٰؑ کہ جن کی شریعت پر قائم ہو اور انکی شریعت کی وجہ سے اور شرائع حقہ کا انکار کرتے ہو۔ خود انہوں نے کھلے کھلے معجزے تم کو دکھائے (جیسے عصا، ید بیضا اور دریا کا پھاڑنا وغیرہ) مگر جب چند دن کے لئے کوہ طور پر گئے تو اتنے ہی میں بچھڑے کو تم نے خدا بنالیا۔ حالانکہ موسیٰؑ اپنے درجہ نبوت پر قائم زندہ موجود تھے تو اس وقت تمہارا موسیٰؑ اور انکی شریعت پر ایمان کہا جاتا رہا تھا اور رسول آخر الزمان کے بغض اور حسد میں آج شریعت موسوی کو ایسا پکڑ رکھا ہے کہ خدا کا حکم بھی نہیں سنتے۔ بے شک تم ظالم، تمہارے باپ دادا ظالم۔ یہ حال تو بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھا۔ آگے توریت کی نسبت جو انکے ایمان کی حالت تھی اس کو بتاتے ہیں۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْاؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَاۗ وَ اُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

٩٣۔ اور جب ہم نے لیا قرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے سنا ہم نے اور نہ مانا اور پلائی گئی انکے دلوں میں محبت اسی بچھڑے کی بسبب انکے کفر کے[١٤٢] کہدے کہ بری باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو

١٤٢۔ یعنی احکام توریت کی جو تکلیف دی گئی اس کو پوری ہمت و استقلال سے مضبوط پکڑو چونکہ پہاڑ سر پر معلق تھا جان کے اندیشے سے زبان سے (یا اس وقت تو کہہ لیا سَمِعْنَا یعنی احکام توریت ہم نے سن لئے اور دل سے (یا بعد میں) کہا عَصَيْنَا یعنی ہم نے قبول نہیں کیا احکام کو اور وجہ اس کی یہ تھی کہ صورت پرستی ان کے دل میں راسخ ہو چکی تھی ان کے کفر کے باعث وہ زنگ بالکل ان کے دل سے زائل نہیں ہوا بلکہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٤﴾

٩٤۔ کہدے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں تنہا سوا اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو[١٤٣]

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾

۹۵۔ اور ہر گز آرزو نہ کریں گے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے ہیں انکے ہاتھ اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو

۱۴۳۔ بنی اسرائیل کے ایک دعوٰے کی تردید: یہود کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا اور ہم کو عذاب نہ ہو گا اللہ تعالی نے فرمایا کہ اگر یقینی بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ
الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ
بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ع

۹۶۔ اور تو دیکھے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی چاہتا ہے ایک ایک ان میں کا کہ عمر پاوے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں [۱۴۴]

ع ١١

۱۴۴۔ یعنی یہودیوں نے ایسے برے کام کئے ہیں کہ موت سے نہایت سے بچتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ مرتے ہی خیر نظر نہیں آتی حتٰی کہ مشرکین سے بھی زیادہ جینے پر حریص ہیں۔ اس سے ان کے داغوں کی تغلیط خوب ہو گئی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى
قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

۹۷۔ تو کہدے جو کوئی ہووے دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اسکے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ
وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

۹۸۔ جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اسکے فرشتوں کا اور اسکے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا [۱۴۵]

۱۴۵۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہودیوں کی دشمنی: یہود کہتے تھے کہ جبرئیل فرشتہ اس نبی کے پاس وحی لاتا ہے اور وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے اگلے بڑوں کو اس سے بہت تکلیفیں پہنچی۔ اگر جبرئیلؑ کے بدلے اور فرشتہ وحی لائے تو ہم محمد ﷺ پر ایمان لائیں اس پر اللہ تعالی نے فرمایا کہ فرشتے جو کچھ ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے جو ان کا دشمن ہے اللہ بے شک ان کا دشمن ہے۔

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَ مَا یَكۡفُرُ بِهَاۤ
اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کریں گے ان کا مگر وہی جو نافرمان ہیں

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ
اَكۡثَرُهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں سے بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے [۱۴۶]

۱۴۶۔ یعنی ان کی عادت قدیم ہے کہ جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد مقرر کرتے ہیں تو انہی کی ایک جماعت اس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بہت یہودی ایسے ہیں جو توریت پر ایمان ہی نہیں رکھتے ایسوں کی عہد شکنی میں کیا باک ہو سکتا ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
مَعَهُمۡ نَبَذَ فَرِیۡقٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ ۙ
كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور جب پہنچا انکے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو انکے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں [۱۴۷]

۱۴۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے توریت سے انحراف: رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ اور مَا مَعَهُمۡ سے مراد توریت اور کتاب اللہ سے بھی توریت مراد ہے۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حالانکہ وہ توریت وغیرہ کتب کے مصدق تھے تو یہود کی ایک جماعت نے خود توریت کو پس پشت ایسا ڈال دیا کہ گویا جانتی ہی نہیں کہ یہ کیا کتاب ہے اور اس میں کیا کیا حکم ہیں۔ سو انکو جب اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو ان سے آگے کو کیا امید کی جائے۔

وَ اتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوا الشَّیٰطِیۡنُ عَلٰی مُلۡكِ
سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ مَا كَفَرَ سُلَیۡمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ
كَفَرُوۡا یُعَلِّمُوۡنَ النَّاسَ السِّحۡرَ ٭ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ عَلَی
الۡمَلَكَیۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَ مَارُوۡتَ ؕ وَ مَا
یُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوۡلَاۤ اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ فَلَا

۱۰۲۔ اور پیچھے ہو لئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت [۱۴۸] اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو پھر ان سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اسکی عورت میں اور وہ اس سے نقصان نہیں کر

تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ
الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا
يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى
الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛؕ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ
اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

سکتے کس کا بغیر حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا اور فائدہ نہ کرے اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ اور بہت ہی بری چیز ہے جسکے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپکو اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

۱۴۸۔ شیطانوں سے جادو کی تعلیم: یعنی ان احمقوں نے کتاب الٰہی تو پس پشت ڈالی اور شیطانوں سے جادو سیکھا اور اسکی متابعت کرنے لگے۔

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۲ ۱۲

۱۰۳۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدلا پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی [۱۴۹]

۱۴۹۔ ہاروت ماروت اور علم سحر: خلاصہ یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر کے تابع ہو گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا۔ ایک حضرت سلیمانؑ کے عہد میں۔ چونکہ جنات اور آدمی ملے جلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطانوں سے سحر سیکھا (اور نسبت کر دیا حضرت سلیمانؑ کی طرف) کہ ہم کو انہی سے پہنچا ہے اور انکو حکم جن اور انس پر اسی کے زور سے تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان کا نہیں۔ دوسرے پھیلا ہاروت ماروت کی طرف سے وہ دو فرشتے تھے شہر بابل میں بصورت آدمی رہتے تھے ان کو علم سحر معلوم تھا۔ جو کوئی طالب اس کا جاتا اول اس کو روک دیتے کہ اس میں ایمان جاتا رہے گا اس پر بھی باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ذریعے سے بندوں کی آزمائش منظور تھی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے علموں سے آخرت کا کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر رہے اور بغیر حکم خدا کے کچھ نہیں کر سکتے اور علم دین اور علم کتاب سیکھتے تو اللہ کے ہاں ثواب پاتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا
انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک [۱۵۰]

۱۵۰۔ صحابہ کو راعنا کہنے کی ممانعت: یہودی آکر آپ کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کی باتیں سنتے۔ بعضی بات جو اچھی طرح نہ سنتے اس کو مکرر تحقیق کرنا چاہتے تو کہتے راعِنَا (یعنی ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو) یہ کلمہ ان سے سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ

نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو انظُرۡنَا کہو (اس کے معنی بھی یہی ہیں) اور ابتداء ہی سے متوجہ ہو کر سنتے رہو تو مکرر پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود اس لفظ کو بدنیتی اور فریب سے کہتے تھے اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو رَاعِینا ہو جاتا (یعنی ہمارا چرواہا) اور یہود کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں۔

مَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ لَا الۡمُشۡرِکِیۡنَ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسکو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے[۱۵۱]

۱۵۱۔ یعنی کفار (یہود ہوں یا مشرکین مکہ) قرآن کے نزول کو تم پر ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ یہود تمنا کرتے ہیں کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں پیدا ہوں اور مشرکین مکہ چاہتے ہیں کہ ہماری قوم میں سے ہو مگر یہ تو اللہ کے فضل کی بات ہے کہ اُمّی لوگوں میں نبی آخر الزماں کو پیدا فرمایا۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اسکے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۱۵۲]

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار[۱۵۳]

۱۵۲۔ نسخ پر اعتراض کا جواب: یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔

۱۵۳۔ یعنی ادھر تو اللہ کی قدرت و ملکیت سب پر شامل ادھر اس کے اپنے بندوں پر اعلیٰ درجے کی عنایت۔ تو اب مصالح اور منافع بندوں کی اطلاع اور ان پر قدرت کس کو ہو سکتی ہے اور اس کے برابر بندوں کی خیر خواہی کون کر سکتا ہے۔

اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ مَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسٰی سے اس سے پہلے اور جو کوئی کفر لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے [۱۵۴]

۱۵۴۔ ایمان والو! یہودیوں کی طرح سوال نہ کرو: یعنی یہودیوں کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہ کرنا جس کسی کو یہودیوں کے شبہ ڈالنے سے شبہ پڑ گیا وہ کافر ہوا۔ اس کی احتیاط رکھو۔ اور یہود کے کہنے سے تم اپنے نبی کے پاس شبہے نہ لاؤ جیسے وہ اپنے نبی کے پاس لاتے تھے۔

وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَ اصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنا دیں بسبب اپنے دلی حسد کے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ان پر حق [۱۵۵] سو تم در گذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم [۱۵۶] بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۱۵۷]

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے واسطے بھلائی پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے [۱۵۸]

۱۵۵۔ یعنی بہت سے یہودیوں کو آرزو ہے کہ کسی طرح تم کو اے مسلمانو پھیر کر پھر کافر بنا دیں حالانکہ ان کو واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین ان کی کتاب ان کا نبی سب سچے ہیں۔

۱۵۶۔ یعنی جب تک ہمارا حکم کوئی نہ آئے اس وقت تک یہود کی باتوں پر صبر کرو۔ سو آخر کو حکم آ گیا کہ یہود کو مدینہ کے گرد سے نکال دو۔

۱۵۷۔ یعنی اپنے ضعف سے تردد مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تم کو عزیز اور یہود کو ذلیل کرے گا یا یہ کہ تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں کی جاتی۔

۱۵۸۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو: یعنی ان کی ایذا پر صبر کرو اور عبادات میں مشغول رہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل ہرگز نہیں تمہاری کوئی نیک بات ضائع نہیں ہو سکتی۔

وَ قَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّۃَ اِلَّا مَنۡ کَانَ ہُوۡدًا اَوۡ

۱۱۱۔ اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی [۱۵۹] یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں

نَصٰرٰى ؕ تِلۡكَ اَمَانِيُّهُمۡ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ
كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿١١١﴾

انہوں نے کہدے لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو

بَلٰى ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ
عِنۡدَ رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿١١٢﴾

۱۱۲۔ کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اس کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے [۱۶۰]

ع ١٣ / ١٣

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىۡءٍ ۖ وَّ
قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيۡسَتِ الۡيَهُوۡدُ عَلٰى شَىۡءٍ ۙ وَّهُمۡ
يَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ
مِثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ۚ فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ
فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿١١٣﴾

۱۱۳۔ اور یہود تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نہیں کسی راہ پر باوجودیکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب [۱۶۱] اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ان ہی کی سی بات اب اللہ حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے [۱۶۲]

۱۵۹۔ یعنی یہودی تو کہتے ہیں کہ بجز ہمارے کوئی جنت میں نہ جائے گا اور نصاریٰ کہتے تھے کہ بجز ہمارے کوئی بہشت میں نہ جائے گا۔

۱۶۰۔ یعنی جس نے خدا کے احکام کو مانا اور اس کا اتباع کیا وہ احکام خواہ کسی نبی کے ذریعہ سے معلوم ہوں اور اپنی قومیت اور آئین پر تعصب نہ کیا جیسا کہ یہود کرتے ہیں تو ان کے لئے اجر نیک ہے اور نہ کوئی امر ان میں ایسا ہے جس کی وجہ سے خوف ہو اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۱۶۱۔ یہودیوں نے توریت پڑھ کو سمجھ لیا کہ جب نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا تو بیشک وہ کافر ہو گئے اور نصرانیوں نے انجیل میں صاف دیکھ لیا کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔

۱۶۲۔ **کفار و مشرکین کے بے دلیل دعوے**: ان جاہلوں سے مشرکین عرب اور بت پرست مراد ہیں یعنی جیسے یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو گمراہ جانتے ہیں اسی طرح بت پرست بھی اپنے سوا سب فرقوں کو گمراہ اور بے دین بتلاتے ہیں۔ سو دنیا میں کہے جائیں قیامت کو فیصلہ ہو جائے گا {فائدہ} یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب کذٰلك فرما دیا تو پھر مثل قولهم فرمانے کی کیا حاجت۔ بعض مفسرین نے جواب دیا کہ مثل قولهم توضیح اور تاکید ہے کذٰلك کے لئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں دو تشبیہ جدا جدا ہیں اس لئے دو لفظ لائے ایک تشبیہ سے تو یہ غرض ہے کہ ان کا اور ان کا مقولہ باہم مشابہ ہے (یعنی جیسے وہ دوسروں کو گمراہ کہتے ہیں ایسا ہی یہ بھی) اور ایک تشبیہ سے یہ غرض ہے کہ جیسا اہل کتاب یہ دعویٰ بے دلیل اپنی ہوائے نفس اور عداوت سے کرتے تھے ایسے ہی بت پرست بھی بے دلیل محض خواہش نفسانی سے ایسا دعویٰ کرتے ہیں۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَ سَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَآ اِلَّا خَآئِفِيۡنَ ؕ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی انکے اجاڑنے میں [۱۶۳] ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے [۱۶۴] انکے لئے دنیا میں ذلت ہے [۱۶۵] اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

وَ لِلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ۚ فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ [۱۶۶] بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے [۱۶۷]

۱۶۳۔ مساجد کا احترام: اس کے شان نزول نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقاتلہ کر کے توریت کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب وعناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا۔ باقی جو شخص کسی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے۔

۱۶۴۔ یعنی ان کفار کو لائق یہی تھا کہ مساجد اللہ میں خوف و تواضع اور ادب و تعظیم کے ساتھ داخل ہوتے کفار نے جو وہاں کی بے حرمتی کی یہ صریح ظلم ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس ملک میں حکومت اور عزت کے ساتھ رہنے کے لائق نہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ملک شام اور مکہ اللہ نے مسلمانوں کو دلوا دیا۔

۱۶۵۔ یعنی دنیا میں مغلوب ہوئے، قید میں پڑے اور مسلمانوں کے باجگذار ہوئے۔

۱۶۶۔ اللہ جہت سے منزہ ہے: یہ بھی یہود و نصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ مخصوص کسی طرف نہیں بلکہ تمام مکان اور جہت سے منزہ۔ البتہ اس کے حکم سے جس طرف منہ کرو گے وہ متوجہ ہے تمہاری عبادت قبول کرے گا۔ بعض نے کہا سفر میں سواری پر نوافل پڑھنے کی بابت یہ آیت اتری، یا سفر میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا جب اتری۔

۱۶۷۔ یعنی اس کی رحمت سب جگہ عام ہے ایک مکان کے ساتھ مخصوص نہیں اور بندوں کے مصالح اور ان کی نیتوں کو اور انکے اعمال کو سب کو خوب جانتا ہے کہ بندوں کے حق میں کون سی شے مفید ہے اور کون سی مضر اسی کے موافق حکم دیتا ہے اور جو اس کی موافقت کرے گا اس کو جزا اور مخالف کو سزا دے گا۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد وہ تو سب باتوں سے پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سب اسی کے تابعدار ہیں

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ نیا پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے[۱۶۸]

۱۶۸۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی ذات سب باتوں سے پاک ہے بلکہ سب کے سب اس کے مملوک اور مطیع اور مخلوق ہیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی آیت[۱۶۹] اسی طرح کہ چکے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات ایک سے ہیں دل ان کے بیشک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں[۱۷۰]

۱۶۹۔ یعنی اہل کتاب اور بت پرستوں میں جو جاہل ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بلاواسطہ بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی کیوں نہیں بھیجتا کہ رسالت کی تصدیق کر لیں ۔

۱۷۰۔ اللہ اولاد سے پاک ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی جہالت کی بات کہی تھی یہ نئی بات نہیں اور جو یقین لانے والے ہیں ان کے لئے ہم نے نبی کے برحق ہونے کی نشانیاں بیان کر دی ہیں اور جو ضد اور عداوت پر اڑ رہے ہیں وہ انکار کریں تو یہ محض عناد ہے ان کا ۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دیکر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ میں رہنے والوں کی[۱۷۱]

۱۷۱۔ یعنی تجھ پر الزام نہیں کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں کیا۔

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اور ہر گز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا[۱۷۲] تو کہدے جو راہ اللہ بتلاوے وہی راہ سیدھی ہے[۱۷۳] اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے انکی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار[۱۷۴]

۱۷۲۔ یعنی یہود اور نصاریٰ کو امر حق سے سروکار نہیں۔ اپنی ضد پر اڑ رہے ہیں وہ کبھی تمہارا دین قبول نہ کریں گے۔ بالفرض اگر تم ہی ان کے تابع ہو جاؤ تو خوش ہو جاویں گے اور یہ ممکن نہیں تو اب ان سے موافقت کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔

۱۷۳۔ یعنی ہر زمانے میں معتبر وہی ہدایت ہے جو اس زمانے کا نبی لائے سو اب وہ طریقہ اسلام ہے نہ طریقہ یہود و نصاریٰ۔

۱۷۴۔ یہ بات بطریق فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر آپ ایسا کریں تو قہر الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یا منظور تنبیہ ہے امت کو کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر قرآن کو سمجھ کر دین سے پھرے گا تو اس کو عذاب سے کوئی نہ چھڑا سکے گا۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ
اُولٰٓئِكَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَ مَنۡ یَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴ ۹ ۱۴

۱۲۱۔ وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اسکو پڑھتے ہیں جو حق ہے اسکے پڑھنے کا وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہو گا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں [۱۷۵]

۱۷۵۔ مخلص اہل یہود: یہود میں تھوڑے آدمی منصف بھی تھے کہ اپنی کتاب کو پڑھتے تھے سمجھ کر وہ قرآن پر ایمان لائے (جیسے حضرت عبداللہ ابن سلامؓ اور ان کے ساتھی) یہ آیت انہی لوگوں کے بارہ میں ہے۔ یعنی انہوں نے توریت کو غور سے پڑھا انہی کو ایمان نصیب ہوا اور جس نے انکار کیا کتاب کا یعنی اس میں تحریف کی وہ خائب و خاسر ہوئے۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ
عَلَیۡكُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے تم پر کئے اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر

وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّ
لَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا
هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جاوے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے [۱۷۶]

۱۷۶۔ بنی اسرائیل کو جو باتیں شروع میں یاد دلائی گئیں تھیں اب ان کے سب حالات ذکر کرنے کے بعد پھر وہی امور بغرض تاکید و تنبیہ یاد دلائے گئے کہ خوب دلنشین ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں اور معلوم ہو جائے کہ اصل مقصود اس قصہ سے یہ ہے۔

وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ
جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ

۱۲۴۔ اور جب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے کئی باتوں میں [۱۷۷] پھر اسنے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا [۱۷۸] بولا اور میری اولاد میں

قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا اقرار ظالموں کو[۱۷۹]

۱۷۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش اور امامت: جیسے حج کے افعال اور ختنہ اور حجامت اور مسواک وغیرہ سو حضرت ابراہیمؑ ان احکام کو اللہ کے ارشاد کے موافق اخلاص کے ساتھ بجالائے اور سب کو پوری طرح سے ادا کیا جس پر لوگوں کے پیشوا بنائے گئے۔

۱۷۸۔ یعنی تمام انبیاء تیری متابعت پر چلیں گے۔

۱۷۹۔ وعدۂ نبوت ظالموں کے لئے نہیں تھا: بنی اسرائیل اس پر بہت مغرور تھے کہ ہم اولاد ابراہیمؑ میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ کیا ہے کہ نبوت و بزرگی تیری اولاد میں رہے گی۔ اور ہم حضرت ابراہیمؑ کے دین پر ہیں۔ اور ان کے دین کو سب مانتے ہیں۔ اور اب اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو وعدہ تھا وہ ان سے تھا جو نیک راہ پر چلیں اور حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے ایک مدت تک حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں پیغمبری اور بزرگی رہی اب اسمٰعیلؑ کی اولاد میں پہنچی (اور انہوں نے دونوں بیٹوں کے حق میں دعا کی تھی) اور فرماتا ہے کہ دین اسلام ہمیشہ ایک ہے سب پیغمبر اور سب امتیں اس پر گذریں (وہ یہ کہ جو حکم اللہ بھیجے پیغمبر کے ہاتھ اس کو قبول کرنا) اب یہ طریقہ مسلمانوں کا ہے اور تم اس سے پھرے ہوئے ہو۔ پہلی آیات میں اپنے انعامات بتلائے تھے اب ان کے اس شبہے کو دفع کیا کہ بنی اسرائیل اپنے آپ کو سارے عالم کا امام اور متبوع اور سب سے افضل سمجھ کر کسی کا اتباع نہ کرتے تھے۔ فائدہ: بنی اسرائیل کے واقعات میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اور انکی منقبت مذکور ہوئی۔ اب ان کے ذکر کے ذیل میں خانہ کعبہ کی حالت اور فضیلت ان آیات میں ذکر فرمائی اور انکے ضمن میں یہود و نصاریٰ پر الزامات بھی ہیں جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا۔

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی[۱۸۰] اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ[۱۸۱] اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو[۱۸۲] واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے

۱۸۰۔ بیت اللہ امن کا مقام ہے: یعنی ہر سال بغرض حج وہاں لوگ مجتمع ہوتے ہیں اور جو وہاں جا کر ارکان حج بجالاتے ہیں وہ عذاب دوزخ سے مامون ہو جاتے ہیں یا وہاں کوئی کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔

۱۸۱۔ مقام ابراہیم علیہ السلام: مقام ابراہیمؑ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ اس میں حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کا نشان ہے اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی دعوت دی تھی اور وہ جنت سے لایا گیا تھا جیسے حجر اسود۔ اب اس پتھر کے پاس نماز پڑھنے کا حکم ہے اور یہ حکم استحبابی ہے۔

۱۸۲۔ یعنی وہاں برا کام نہ کرے اور ناپاک اس کا طواف نہ کرے اور تمام آلودگیوں سے صاف رکھا جاوے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

۱۲۶۔ اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو

وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ
اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

شہر امن کا [۱۸۳] اور روزی دے اسکے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت کے دن پر [۱۸۴] فرمایا اور جو کفر کریں اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اسکو جبرًا بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی [۱۸۵]

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ
اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور یاد کرو جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل اور دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا [۱۸۶]

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً
مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان

۱۸۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: حضرت ابراہیمؑ نے بوقت بنائے کعبہ یہ دعا کی کہ یہ میدان ایک شہر آباد اور باامن ہو سو ایسا ہی ہوا۔

۱۸۴۔ یعنی اس کے رہنے والے جو اہل ایمان ہوں ان کو روزی دے میووں کی اور کفار کے لئے دعا نہ کی تاکہ وہ مقام لوث کفر سے پاک رہے۔

۱۸۵۔ کفار کو بھی رزق کا وعدہ: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں کفار کو بھی رزق دیا جائے گا اور رزق کا حال امامت جیسا نہیں کہ اہل ایمان کے سوا کسی کو مل ہی نہ سکے۔

۱۸۶۔ قبول کر ہم سے اس کام کو (کہ تعمیر خانہ کعبہ ہے) تو سب کی دعا سنتا ہے اور نیت کو جانتا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۸ ۱۵

۱۲۹۔ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا [۱۸۷]

۱۸۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل: یہ دعا حضرت ابراہیمؑ اور انکے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ دونوں نے مانگی کہ ہماری جماعت میں

ایک جماعت فرمانبردار اپنی پیدا کر اور ایک رسول ان میں بھیج جو ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ایسا نبی جو ان دونوں کی اولاد میں ہو بجز سرور کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کوئی نہیں آیا اس کی وجہ سے یہود کے گذشتہ خیال کا پورا رد ہو گیا۔ علم کتاب سے مراد معانی ومطالب ضرور یہ ہیں جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں اور حکمت سے مراد اسرار مخفیہ اور رموز لطیفہ ہیں۔

وَ مَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّۃِ اِبۡرٰہٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِہَ نَفۡسَہٗ ؕ وَ لَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰہُ فِی الدُّنۡیَا ۚ وَ اِنَّہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو اور بیشک ہم نے انکو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں میں ہیں

اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ حکم برداری کر تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا

وَ وَصّٰی بِہَاۤ اِبۡرٰہٖمُ بَنِیۡہِ وَ یَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ

۱۳۲۔ اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بیشک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان[۱۸۸]

۱۸۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو وصیت: جس ملت ومذہب کا شرف مذکور ہو چکا اسی ملت کی وصیت حضرت ابراہیمؑ وحضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو فرمائی تو جو اس کو نہ مانے گا وہ ان کا بھی مخالف ہوا۔ اور یہود کہتے تھے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت فرمائی سو وہ جھوٹے ہیں جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔

اَمۡ کُنۡتُمۡ شُہَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِیۡہِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰہَکَ وَ اِلٰـہَ اٰبَآئِکَ اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق ہیں وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں[۱۸۹]

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا
كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی انکے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی [۱۹۰]

۱۸۹۔ یعنی تم حضرت یعقوبؑ کی وصیت کے وقت تو موجود بھی نہ تھے۔ انہوں نے تو ملت انبیائے موصوفین کا ارشاد فرمایا تھا تم نے یہ کیا کہ یہود اپنے سواسب کو اور نصاریٰ اپنے سواسب کو بے دین بتلانے لگے (اور مذہب حق (یعنی اسلام کے) دونوں کے مخالف ہوگئے) یہ تمہارا افتراء ہے۔

۱۹۰۔ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے: یہودیوں کو اور نصرانیوں کو یقین تھا کہ ماں باپ کے گناہوں میں اولاد گرفتار ہوگی اور ان کے ثواب میں بھی اولاد شریک ہوگی۔ سو یہ غلط ہے، اپنا کیا اپنے آگے آئے گا بھلا یا برا۔

۱۹۱۔ مطلب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور نصرانی کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو تم کو ہدایت نصیب ہو۔

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ
اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پالو گے راہ راست [۱۹۱] کہدے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں [۱۹۲]

قُوۡلُوۡٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى
اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ وَ
الۡاَسۡبَاطِ وَ مَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَ عِيۡسٰى وَ مَآ اُوۡتِىَ
النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۖ
وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو انکے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں [۱۹۳]

۱۹۲۔ صرف مسلمان ملّت ابراہیمی پر ہیں: یعنی کہدو اے محمد ﷺ کہ تمہارا کہنا ہرگز منظور نہیں بلکہ ہم موافق ہیں ملت ابراہیمؑ کے جو سب برے مذہبوں سے علیحدہ ہے۔ نہیں تھا وہ شرک کرنے والوں میں اشارہ ہے کہ تم دونوں فریق شرک میں مبتلا ہو۔ بلکہ مشرکین عرب بھی مذہب ابراہیمی کے مدعی تھے مگر وہ بھی مشرک تھے تو اس میں ان پر بھی رد ہو گیا۔ اب ان فرقوں میں بروئے انصاف کوئی بھی ملت ابراہیمی پر نہ رہا صرف اہل اسلام ملت ابراہیمی میں ہیں۔ فائدہ: ہر شریعت میں تین باتیں ہوتی ہیں، اول عقائد (جیسے توحید و نبوت وغیرہ) سو اس میں تو سب دین والے شریک اور موافق ہیں اختلاف ممکن ہی نہیں دوسرے قواعد کلیہ شریعت کہ جن سے جزئیات و فروع مسائل حاصل ہوتے ہیں

اور تمام جزئیات میں وہ کلیات ملحوظ رہتے ہیں اور ملت فی الحقیقت انہی اصول اور کلیات کا نام ہے اور ملت محمدی اور ملت ابراہیمی کا توافق و اتحاد انہی کلیات میں ہے۔ تیسرے مجموعہ کلیات و جزئیات و جمیع اصول و فروع (جس کو شریعت کہتے ہیں) جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت ایک ہے اور شریعت جدا جدا۔

۱۹۳۔ پچھلی کتابوں اور انبیاء پر مسلمانوں کا ایمان: یعنی ہم سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور سب کو حق سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے زمانہ میں سب واجب الاتباع ہیں اور ہم خدا کے فرمانبردار ہیں جس وقت جو نبی ہو گا اس کے ذریعے سے جو احکام خداوندی پہنچیں گے اس کا اتباع ضروری ہے بخلاف اہل کتاب کے کہ اپنے دین کے سوا سب کی تکذیب کرتے ہیں چاہے ان کا دین منسوخ ہی ہو چکا ہو اور انبیاء کے احکام کو جھٹلاتے ہیں جو خدا کے احکام ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ہدایت پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا[۱۹۴]

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں[۱۹۵]

۱۹۴۔ یعنی ان کی دشمنی اور ضد سے خوف مت کرو۔ اور ان کے شر اور مضرت سے تمہارا حافظ ہے۔ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ خدا سب کی باتوں کو سنتا اور سب کے حال اور نیت کو جانتا ہے۔

۱۹۵۔ اللہ کا رنگ سب رنگوں سے بہتر ہے: یہودی ان آیتوں سے پھر گئے اور اسلام قبول نہ کیا۔ اور نصرانیوں نے بھی انکار کر دیا اور شیخی میں آ کر کہنے لگے کہ ہمارے یہاں ایک رنگ ہے جو مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ نصرانیوں نے ایک زرد رنگ بنا رکھا تھا اور یہ دستور تھا کہ جب ان کے بچہ پیدا ہوتا یا کوئی ان کے دین میں آتا تو اس کو اس رنگ میں غوطہ دے کر کہتے کہ خاصہ پاکیزہ نصرانی ہو گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو کہو کہ ہم نے خدا کا رنگ یعنی دین حق قبول کیا کہ اس دین میں آ کر سب طرح کی ناپاکی سے پاک ہوتا ہے۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ کہدے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور ہم تو خالص اسی کے ہیں[۱۹۶]

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ

۱۴۰۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے یا نصرانی کہدے

وَ يَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ قُلۡ
ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ
شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٤٠﴾

کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی اس کو اللہ کی طرف سے اور اللہ بیخبر نہیں تمہارے کاموں سے [۱۹۷]

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَ لَكُمۡ مَّا
كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٤١﴾ ع

۱۴۱۔ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی [۱۹۸]

۱۹۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت تمہارا نزاع کرنا اور تمہارا یہ سمجھنا کہ اس کی عنایت و رحمت کا ہمارے سوا کوئی مستحق نہیں لغو بات ہے۔ وہ جیسا تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے اور ہم جو کچھ اعمال کرتے ہیں خالص اسی کے لئے کرتے ہیں تمہاری طرح زعم آباؤ اجداد اور تعصب و نفسانیت سے نہیں کرتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اعمال وہ مقبول نہ فرمائے اور تمہارے اعمال مقبول ہوں۔

۱۹۷۔ یہود و نصاریٰ کے دعوے کارد: حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور دیگر انبیاءؑ کی بابت یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے دروغ صریح ہے علاوہ ازیں حق تعالیٰ تو فرماتا ہے مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّ لَا نَصۡرَانِيًّا (آل عمران۔٦٧) تو اب بتلاؤ تم کو علم زیادہ ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔

۱۹۸۔ آخرت میں باپ دادا کام نہیں آئیں گے: یہی آیت عنقریب گذر چکی ہے مگر چونکہ اہل کتاب کے دل میں اپنی بزرگ زادگی کی وجہ سے خوب جم رہا تھا کہ ہمارے اعمال کیسے ہی برے ہوں بالآخر ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوائیں گے۔ اس لئے اس بیہودہ خیال کے روکنے کے لئے تاکیداً اس آیت کو مکرر بیان فرمایا یا یوں کہو کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کو خطاب تھا اور اس آیت میں آپ کی امت کو ہے کہ اس بیہودہ خیال میں ان کا اتباع نہ کریں کیونکہ ایسی توقع اپنے بزرگوں سے ہر کسی کے دل میں آ ہی جاتی ہے جو سراسر بے وقوفی ہے اس کے بعد یہود وغیرہ کی دوسری بے وقوفی کی اطلاع دی جاتی ہے جو بہ نسبت تحویل قبلہ عنقریب ظاہر ہونے والی ہے۔

سَيَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰٮهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ
الَّتِىۡ كَانُوۡا عَلَيۡهَا ؕ قُلۡ لِّلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ؕ
يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿١٤٢﴾

۱۴۲۔ اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو انکے قبلہ سے جس پر وہ تھے [۱۹۹] تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ [۲۰۰]

۱۹۹۔ تحویل قبلہ پر اعتراضات کا جواب: حضرت محمد ﷺ جب مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ مہینے بیت المقدس ہی کی طرف نماز

پڑھتے رہے۔ اس کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آگیا تو یہود و مشرکین اور منافقین اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکانے سے شبہے ڈالنے لگے کہ یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے جو قبلہ تھا پہلے انبیاء کا اب انہیں کیا ہوا جو اس کو چھوڑ کر کعبہ کو منہ کرنے لگے کسی نے کہا کہ یہود کی عداوت و حسد سے ایسا کیا کسی نے کہا کہ یہ اپنے دین میں متردد و متحیر ہیں جن سے ان کا نبی اللہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ مخالفوں کے اس اعتراض اور اس کے جواب کی جو آگے ہے اللہ نے اطلاع فرما دی کہ کسی کو اس وقت کوئی تردد نہ ہو اور جواب میں تامل نہ ہو۔

۲۰۰۔ یعنی اے محمد ﷺ کہدو کہ نہ ہم نے یہود کے حسد سے اور نہ کسی نفسانی تعصب اور اپنی رائے کے اتباع سے قبلہ کو بدلا بلکہ محض اتباع فرمان خداوندی سے جو کہ ہمارا اصل دین ہے ہم نے ایسا کیا پہلے بیت المقدس کو منہ کرنے کا حکم تھا اس کو ہم نے تسلیم کیا اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آیا اس کو دل سے قبول کیا ہم سے اس کی وجہ پوچھنا اور ہم پر اعتراض کرنا سخت حماقت ہے غلام تابعدار پر یہ اعتراض کرنا کہ تو پہلے وہ کام کرتا تھا اب یہ کام کیوں کرنے لگا عاقل کا کام نہیں اور اگر ان احکام مختلفہ کے اسرار دریافت کرتے ہو تو اس کے تمام اسرار کون سمجھے اور تم بیوقوفوں کو کون سمجھائے البتہ اتنی بات ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور ہر ایک کو سمجھا سکتا ہے کہ قبلے کا معین فرمانا تو طریقہ عبادت کو بتلانے کی غرض سے ہے اصل عبادت ہرگز نہیں اور اس بارہ میں حق تعالیٰ کا معاملہ جدا جدا ہے کسی کو اپنی حکمت و رحمت کے مطابق ایک خاص رستہ بتلایا جاتا ہے کسی کو دوسرا تمام مواقع اور جملہ جہات کا وہ مالک ہے۔ جس کو جس وقت چاہتا ہے اس کو ایسا رستہ بتلا دیتا ہے جو نہایت سیدھا اور سب رستوں سے مختصر اور قریب تر ہو چنانچہ ہم کو اس وقت اس قبلے کی ہدایت فرمائی جو سب قبلوں میں افضل اور بہتر ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ؕ وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِىۡ كُنۡتَ عَلَيۡهَآ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ ؕ وَاِنۡ كَانَتۡ لَكَبِيۡرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴۳﴾

۱۴۳۔ اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تا کہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا [۲۰۱] اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں [۲۰۲] اور بیشک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے [۲۰۳] اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان بیشک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے [۲۰۴]

۲۰۱۔ اُمّت محمدیہ کے فضائل: یعنی تمہارا جیسا قبلہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ اور تمام قبلوں سے افضل ہے ایسا ہی ہم نے تم کو سب امتوں سے افضل اور تمہارے پیغمبر کو سب پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا تا کہ اس فضیلت اور کمال کی وجہ سے تم تمام امتوں کے مقابلے میں گواہ مقبول الشہادۃ قرار دیئے جاؤ اور محمد رسول اللہ ﷺ تمہاری عدالت و صداقت کی گواہی دیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ جب پہلی امتوں کے کافر اپنے پیغمبروں کے دعوے کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو کسی نے بھی دنیا میں ہدایت نہیں کی اس وقت آپ کی امت انبیاء کے دعوے کی صداقت پر گواہی دے گی اور رسول اللہ ﷺ جو اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں ان کی صداقت و عدالت

پر گواہ ہوں گے اس وقت وہ امتیں کہیں گی کہ انہوں نے تو نہ ہمارا زمانہ پایا نہ ہم کو دیکھا پھر گواہی کیسے مقبول ہو سکتی ہے اس وقت آپ کی امت جواب دے گی کہ ہم کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بتلانے سے اس امر کا علم یقینی ہوا اس کی وجہ سے ہم گواہی دیتے ہیں۔ فائدہ: وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط و تفریط سے بالکل بری ہے۔

۲۰۲۔ تحویل قبلہ کی حکمت اور اللہ کے علم کی تحقیق: یعنی اصلی قبلہ تمہارا تو کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے چلا آتا ہے اور چند روز کے لئے جو بیت المقدس مقرر کر دیا تھا وہ تو صرف امتحان کے لئے تھا کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون دین سے پھر جاتا ہے سو اس میں جو لوگ ایمان پر قائم رہے ان کا بڑا درجہ ہے۔ فائدہ اس آیت میں لِنَعۡلَمَ جو صیغہ استقبال ہے اور دیگر آیات میں جو حَتّٰی نَعۡلَمَ اور فَلَیَعۡلَمَنَّ اور لَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ اور لِیَبۡلُوَنَّکُمۡ اور اِلَّا لِنَعۡلَمَ وغیرہ کلمات موجود ہیں ان سب سے بظاہر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ ان اشیاء کا علم بعد کو ہوا ان چیزوں کے وجود سے پہلے علم نہ تھا۔ حالانکہ اس کا علم ہر چیز کے ساتھ قدیم ہے کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا علماء نے کئی طرح سے اس کا جواب دیا ہے بعض نے علم سے متمیز اور جدا جدا کر دینا مراد لیا ہے بعض نے امتحان کے معنی لئے کسی نے علم کو بمعنی رویتہ لیا کسی نے مستقبل کو بمعنی ماضی فرمایا بعض نے حدوث علم کو نبی اور مومنین کی طرف رجوع کیا یا مخاطبین کی طرف لوٹایا بعض اکابر محققین نے علم حالی جو بعد وجود معلوم متحقق ہوتا ہے جس پر جزا اور سزا مدح و ذم مترتب ہوتی ہے مراد لیا اور اسی کو پسند فرمایا بعض راسخین مدققین نے اس کے متعلق دو باتیں نہایت دقیق و انیق بیان فرمائیں۔ اول کا خلاصہ یہ ہے کہ حسب ارشاد اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا (الطلاق۔ ۱۲) تمام چیزیں اول سے آخر تک حقیر عظیم قلیل و کثیر خدا کے سامنے ہیں اور سب کا علم اس کو ایک ساتھ ہے اس کے علم میں تقدم و تاخر ہرگز نہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کی نسبت بیشک مقدم اور موئخر گنی جاتی ہے سو علم خداوندی کے حساب سے تو سب کی سب بمنزلہ شے واحد موجود ہیں اس لئے وہاں ماضی حال استقبال نکالنا بالکل غلط ہو گا البتہ تقدم و تاخر باہمی کی وجہ سے یہ تینوں زمانے بالبداہت جدا جدا نکلیں گے سو جناب باری کبھی تو حسب موقع باحکمت اپنے معلوم ہونے کے لحاظ سے کلام فرماتا ہے اور کبھی ان وقائع کے تقدم و تاخر کا لحاظ ہوتا ہے پہلی صورت میں تو ہمیشہ بلحاظ ایک فرق دقیق کے ہمیشہ ماضی کا صیغہ یا حال کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے استقبال کا صیغہ مستعمل نہیں ہو سکتا اور دوسری صورت میں ماضی کے موقع میں ماضی اور حال کے موقع میں حال اور استقبال کی جگہ استقبال لایا جاتا ہے سو جہاں کہیں وقائع آیندہ کو ماضی کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے جیسا ونادیٰ اصحاب الجنۃ وغیرہ تو وہاں اس کا لحاظ ہے کہ حق تعالیٰ کو سب مستحضر اور پیش نظر ہے اور جہاں امور گذشتہ کو صیغہ استقبال سے بیان فرمایا ہے جیسا اسی آیت میں الا لنعلم ہے اور اس کے سوا وہاں تو یہ مد نظر ہے کہ بہ نسبت اپنے، قبل کے مستقبل ہے علم الٰہی کے لحاظ سے استقبال نہیں جو اس کے علم میں حدوث کا وہم ہو۔ دوسری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو علم اشیاء دو طریق سے حاصل ہوتا ہے ایک تو بلاواسطہ دوسرا بواسطہ مثلاً آگ کو کبھی تو آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی آگ تو ہم سے کسی آڑ میں ہوتی ہے مگر دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا یقین ہو جاتا ہے اور بسا اوقات یہ دونوں علم ایک جگہ ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں مثلاً آگ کو پاس سے دیکھئے تو دھواں بھی اس کے ساتھ ہی نظر آئے گا۔ سو اس صورت میں آگ کا علم دونوں طرح حاصل ہو گا ایک تو بلاواسطہ کیونکہ آنکھ سے آگ کو دیکھ رہے ہیں دوسرا بواسطہ یعنی آگ کا علم دھوئیں کے واسطہ سے اور یہ دونوں علم ہر چند ایک ساتھ ہیں آگے پیچھے پیدا نہیں ہوئے مگر علم بواسطہ علم بلاواسطہ میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اس کا دھیان بھی نہیں گذرتا۔ علیٰ ہذا القیاس کبھی دو چیزوں کا علم بلاواسطہ بھی ایک ساتھ حاصل ہوتا ہے مثلاً آگ اور دھوئیں کو ایک ساتھ دیکھئے اسی طرح کبھی ایک شے کا علم بلاواسطہ اور دوسری شے کا علم پہلی شے کے واسطہ سے ایک ساتھ حاصل ہوتے ہیں مثلاً دھوئیں کا علم بلاواسطہ اور آگ کا علم دھوئیں کے واسطے سے یا آگ کا علم بلاواسطہ اور دھوئیں کا علم آگ کے واسطہ سے دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں مگر جیسا قلم کو ہاتھ میں لے کر لکھیں تو ہر چند ہاتھ اور قلم ساتھ ہی ہلتے ہیں لیکن پھر یوں کہتے ہیں کہ ہاتھ پہلے ہلا تو قلم ہلا اسی طرح پر عقل سلیم باوجود ایک ساتھ

ہونے کے ایک شے کے علم بلاواسطہ کو دوسری شے کے علم بالواسطہ سے جو بواسطہ پہلی شے کے حاصل ہوا ہے ایک طرح پر ضرور مقدم سمجھتی ہے جب یہ باتیں معلوم ہو چکیں تو اب سنیئے کہ خداوند علیم کو بھی تمام اشیاء کا علم دونوں طرح پر ہے بلاواسطہ اور بواسطہ یکد گر یعنی لوازم کا ملزومات سے اور ملزومات کا لوازم سے اور دونوں علم ازل سے برابر ساتھ ہیں گو علم بواسطہ کسی چیز کا اس کے علم بلاواسطہ میں محو اور مضمحل ہو اور ایسا ہی ایک چیز کا علم بلاواسطہ اور دوسری چیز کا علم بالواسطہ برابر ساتھ ہے اور دونوں قدیم ہیں گو علم بلاواسطہ کو بطریق مذکور مقدم اور علم بالواسطہ کو موخر کہیں سو جہاں کہیں علم خداوندی کے ذکر میں صیغہ استقبال کا یا معنی استقبال کے پائے جاتے ہیں وہ علم بالواسطہ کے لحاظ سے ہے زمانہ کے اعتبار سے کچھ تفاوت نہیں اور جہاں کہیں ماضی یا حال مستعمل ہے وہاں علم بلاواسطہ مراد ہے اور علم بالواسطہ کے اعتبار سے کلام فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ کلام الٰہی کے مخاطب آدمی ہیں اور ان کو اکثر اشیاء کا علم بالواسطہ ہوتا ہے اور جہاں کہیں جناب باری نے اپنے علم میں صیغہ استقبال استعمال فرمایا ہے وہ وہی امور ہیں جو بنی آدم کو بلاواسطہ معلوم نہیں ہو سکتے اگر ایسے مواقع میں بنی آدم سے باعتبار علم بلاواسطہ کلام کیا جاتا تو ان پر پورا الزام نہ ہوتا اور جہاں یہ مصلحت نہیں وہاں باعتبار علم بلاواسطہ صیغہ ماضی میں یا حال کا استعمال کیا جاتا ہے مگر بنی آدم کو چونکہ ان اشیاء کا علم بلاواسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور ان واسطوں کا علم قبل ان کے وجود کے بنی آدم کو ممکن نہیں اور اس وجہ سے ان کے تمام علوم برابر حاصل نہیں ہوتے تو وہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کر کے صیغہ استقبال سے حدوث سمجھ جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ علم الٰہی میں تو حدوث ثابت ہو گیا مگر فہمیدہ اشخاص جو نکتہ مذکورہ سے واقف ہیں سب کو مطابق یکد گر سمجھتے ہیں، والحمد للہ۔

۲۰۳۔ **استقبال بیت المقدس کی حکمت:** اول سے آپ کے لئے خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہوا تھا بیچ میں چند عرصہ کے لئے امتحاناً بیت المقدس کو قبلہ مقرر فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر دشوار ہو سو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک بجائے کعبہ بیت المقدس کو قبلہ بنانا لوگوں کو بھاری معلوم ہوا عوام مسلمین کو تو اس وجہ سے کہ وہ عموماً عرب اور قریش تھے اور کعبہ کی افضلیت کے معتقد تھے ان کو اپنے خیال اور رسم وعادت کے خلاف کرنا پڑا اور خواص کے گھبرانے کی یہ وجہ تھی کہ ملت ابراہیمی کے خلاف تھا جس کی موافقت کے مامور تھے اور اخص الخواص جن کو ذوق سلیم اور تمیز مراتب کی لیاقت عطا ہوئی تھی وہ کعبہ کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کو ترقی معکوس خیال کرتے تھے۔ مگر جن حضرات کو حکمت واسرار تک رسائی تھی اور حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کو بنور فراست جدا جدا مع فرق مراتب سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور آپ کی رسالت جملہ عالم اور تمام امتوں کے لئے شامل ہے اس لئے ضرور ہے کہ استقبال بیت المقدس کی بھی نوبت آئے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء سابقین سے ملاقات بھی ہوئی اور اس کے بعد استقبال بیت المقدس کا بھی حکم ہوا واللہ اعلم۔

۲۰۴۔ یہود نے کہا کہ کعبہ قبلہ اصلی ہے تو اتنی مدت کی نماز جو بیت المقدس کی طرف پڑھی تھی ضائع ہوئی بعض مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ بیت المقدس جب قبلہ اصلی نہ تھا تو جو مسلمان اسی حالت پر مر گئے ان کے ثواب میں نقصان رہا باقی زندہ رہنے والے تو آئندہ کو مکافات اور اس کا تدارک کر لیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب تم نے بیت المقدس کی طرف نماز محض مقتضائے ایمانی اور اطاعت حکم خداوندی کے سبب پڑھی تو تمہارے اجر وثواب میں کسی طرح کا نقصان نہ ڈالا جائے گا۔

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ

۱۴۴۔ بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے [۲۰۵] اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے [۲۰۶] اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی

الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ
وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

طرف[۲۰۷] اور جن کو ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے انکے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں[۲۰۸]

۲۰۵۔ استقبال کعبہ کا حکم: چونکہ آپ کا اصلی قبلہ اور آپ کے کمالات کے مناسب خانہ کعبہ تھا اور سب قبلوں سے افضل اور حضرت ابراہیمؑ کا بھی قبلہ وہی تھا ادھر یہود طعن کرتے تھے کہ یہ نبی شریعت میں ہمارے مخالف اور ملت ابراہیمی کے موافق ہو کر ہمارا قبلہ کیوں اختیار کرتے ہیں ان وجوہ سے جس زمانے میں آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو دل یہی چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آجائے اور اس شوق میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر ہر طرف کو دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ حکم لاتا ہو اس پر یہ آیت اتری اور استقبال کعبہ کا حکم آگیا۔

۲۰۶۔ یعنی کعبے کی طرف مسجد الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں مقاتلہ کرنا اور شکار کرنا جانوروں کا اور درخت اور گھاس کا کاٹنا وغیرہ امور حرام ہیں اور کسی مسجد کی اتنی حرمت وعزت نہیں جس قدر مسجد الحرام کی حرمت ہے جب تحویل قبلہ کا یہ حکم نازل ہوا تو آپ باجماعت مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے نماز ہی میں آپ نے اور سب مقتدیوں نے کعبے کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں پوری کیں اس مسجد کا نام مسجد القبلتین اور ذو قبلتین ہو گیا یعنی دو قبلہ والی۔

۲۰۷۔ یعنی حضر میں یا سفر میں مدینہ میں یا دوسرے شہر میں جنگل میں یا دریا میں یا خود بیت المقدس میں جہاں کہیں ہو کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

۲۰۸۔ توریت میں دو قبلوں کا ذکر تھا: یعنی اہل کتاب جو تحویل قبلہ کی نسبت اعتراض کریں اس کی ہرگز پرواہ نہ کرنا کیونکہ انکو اپنی کتاب سے معلوم ہے کہ پیغمبر آخر الزماں بیت المقدس کی طرف کچھ دنوں نماز پڑھیں گے اور آخر کو کعبہ کی طرف پڑھیں گے۔ اور یہ بھی ان کو معلوم ہے کہ اصلی اور دائمی ان کا ملت ابراہیمی کے موافق ہو گا اس لئے اس تحویل قبلہ کو وہ بھی حق سمجھتے ہیں محض حسد سے جو چاہیں کہیں سو حق تعالیٰ ان کی باتوں کو خوب جانتا ہے جس کا نتیجہ ان کو ایک دن معلوم ہو جائے گا۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا
تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا
بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ
اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵۔ اور اگر تو لائے اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ[۲۰۹] اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو بیشک تو بھی ہوا بے انصافوں میں[۲۱۰]

۲۰۹۔ استقبال کعبہ کا حکم دائمی ہے: یعنی جب یہ بات ہے کہ اہل کتاب استقبال قبلہ کو حق جان کر بوجہ حسد وعناد حق پوشی کرتے ہیں تو ان سے اپنے قبلہ کی موافقت کی ہرگز توقع مت رکھو وہ تو ایسے متعصب ہیں کہ اگر ان کو تمام نشانیاں جو ممکن الوقوع ہیں دکھلا دو گے جب بھی تمہارے قبلے کو نہ مانیں گے وہ تو اس ہوس میں ہیں کہ کسی طرح تم کو اپنا تابع بنالیویں اسی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے قبلے پر قائم رہتے تو ہم سمجھتے کہ تم نبی موعود ہو کہ شاید پھر ہمارے قبلہ کی طرف رجوع کر لیں سو یہ ان کا خیال باطل اور طمع خام ہے تم کسی وقت میں بھی ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کر سکتے اب استقبال کعبہ کا حکم قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتا اور دوسروں کے تابع بنانے کا ارادہ تو بعد میں کریں پہلے اہل کتاب تو آپس میں دربارۂ امر قبلہ موافق ہو جائیں یہود کا قبلہ صخرۂ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس کی شرقی جانب ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کا نفخ روح ہوا تھا جب وہ ہی باہم موافق نہیں ہو سکتے تو پھر مسلمانوں سے اس متابعت نقیضین کی توقع کرنی محض حماقت ہے۔

۲۱۰۔ یعنی ان دلائل سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر کے لئے اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ نعوذ باللہ اہل کتاب کے قبلہ کی متابعت نزول وحی اور علم یقینی کے خلاف بھی کر لیویں تو اس تقدیر محال پر بیشک آپ بھی بے انصافوں میں شمار ہوں اور نبی سے یہ امر شنیع کسی طرح ممکن نہیں تو معلوم ہو گیا کہ قبلہ اہل کتاب کی متابعت آپ سے ہرگز ممکن نہیں کہ سراسر علم کے خلاف یعنی جہل اور گمراہی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ
اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ
هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بیشک ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷/۱

۱۴۷۔ حق تو وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا [۲۱۱]

۲۱۱۔ اہل کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا یقین تھا: یعنی اگر تم کو یہ خیال ہو کہ کاش کعبہ کا مسلمانوں کے لئے قبلہ ہونا اہل کتاب بھی کسی طرح تسلیم کر لیں اور دوسرے لوگوں کو شبہ میں ڈالتے نہ پھریں تو میرے نبی موعود ہونے میں خلجان باقی نہ رہے تو جان لو کہ اہل کتاب کو تمہارا بہت پورا علم ہے آپ کے نسب و قبیلہ و مولد و مسکن و صورت و شکل و اوصاف و احوال سب کو جانتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو آپ کا علم اور آپ کے نبی موعود ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا بہت سے لڑکوں میں اپنے بیٹوں کو بلا تامل و تردد پہچانتے ہیں مگر اس امر کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں اور بعض دیدہ و دانستہ امر حق کو چھپاتے ہیں لیکن ان کے چھپانے سے کیا ہوتا ہے حق بات تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہو اہل کتاب مانیں یا نہ مانیں ان کی مخالفت سے کسی قسم کا تردد مت کرو۔

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ
اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۸۔ اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہو گے کر لائے گا تم کو اللہ اکٹھا بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے [۲۱۲]

وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹۔ اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور بیشک یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بیخبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ حَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡكُمۡ حُجَّةٌ ٭ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ٭ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَ اخۡشَوۡنِیۡ ٭ وَ لِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡكُمۡ وَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ۙ

۱۵۰۔ اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو اسی کی طرف[۲۱۳] تا کہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سو ان سے (یعنی انکے اعتراضوں سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو[۲۱۴] اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تا کہ تم پاؤ راہ سیدھی[۲۱۵]

۲۱۲۔ ہر امت کا ایک قبلہ ہے: یعنی اللہ نے ہر امت کے لئے ایک ایک قبلہ کا حکم فرمایا جس کی طرف بوقت عبادت اپنا منہ کیا کریں یا ہر ایک قوم مسلمان کعبہ سے جدا جدا سمت میں واقع ہے کوئی مشرق میں کوئی مغرب میں سو اس میں جھگڑنا فضول اور اپنے قبلہ یا اپنی سمت پر ضد کرنا عبث ہے جو نیکیاں مقصود و مطلوب ہیں انکی طرف البتہ پیش قدمی کرو اور اس بحث کو چھوڑو جس جگہ اور جس قبلہ اور جس سمت کعبہ کی طرف تم ہو گے لائے گا تم سب کو اللہ میدان حشر میں اور تمہاری نمازیں ایسی سمجھی جائیں گی گویا ایک ہی جہت کی طرف ہوئی ہیں۔ پھر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو۔

۲۱۳۔ تحویل قبلہ کے حکم میں تکرار کی وجہ: تحویل قبلہ کا حکم مکرر یا تو اس واسطے بیان فرمایا کہ اس کی علل متعدد تھیں تو ہر علت کو بتلانے کے لئے اس حکم کا اعادہ فرمایا قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ الخ سے معلوم ہوا کہ اپنے رسول کی رضا جوئی اور اظہار تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا اور لِكُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّیۡهَا سے معلوم ہوا کہ عادت اللہ یہی ہے کہ ہر ملت اور ہر ایک رسول صاحب شریعت مستقل کے لئے اس کے مناسب ایک قبلہ مقرر ہونا چاہئے لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡكُمۡ حُجَّةٌ سے معلوم ہوا کہ حکم مذکور کی علت یہ ہے کہ مخالف کا الزام عائد نہ ہو سکے یا اس تکرار کی یہ وجہ ہے کہ اول تو قبلہ قابل اہتمام دوسرے احکام الٰہیہ میں نسخ ہونا بے وقوفوں کے سمجھ سے باہر پھر تحویل قبلہ اول نسخ ہے جو شریعت محمدی میں ظاہر ہوا اس لئے اس کی تاکید در تاکید عین حکمت و بلاغت ہے یا یہ وجہ ہے کہ اول آیت میں تعمیم احوال اور دوسری آیت میں تعمیم امکنہ اور تیسری میں تعمیم ازمنہ مراد ہے۔

۲۱۴۔ تحویل قبلہ حکم ضروری تھا: یعنی کعبہ کو منہ کرنے کا حکم اس واسطے ہوا کہ توریت میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور نبی آخر الزماں کو بھی اسی کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہو جائے گا تو آپ کو تحویل الی الکعبہ کا حکم نہ ہوتا تو یہود ضرور الزام لگاتے ادھر مشرکین مکہ یہ کہتے

کہ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ تو کعبہ تھا یا نبی ملت ابراہیمی کا دعویٰ کر کے پھر قبلہ میں خلاف کیوں کرتے ہیں تو آپ دونوں کو حجت کرنے کا حق نہ رہا۔ مگر بے انصاف اب بھی کچھ نہ کچھ الزام لگائے ہی جائیں گے مثلاً قریش کہیں گے کہ ان کو ہمارے قبلہ کا حق ہونا اب معلوم ہوا تو اس کو اختیار کیا اسی طرح ہمارے اور احکام بھی رفتہ رفتہ منظور کر لیں گے اور یہود کہیں گے ہمارے قبلہ کی حقانیت ظاہر ہونے اور تسلیم کر لینے کے بعد محض حسد اور نفسانیت کے باعث اپنی رائے سے اس کو چھوڑ دیا تو ایسے بے انصافوں کے اعتراض کی کچھ پرواہ مت کرو اور ہمارے حکم کے تابع رہو۔

۲۱۵۔ یعنی یہ قبلہ ہم نے تمہارے لئے اس واسطے مقرر فرمایا کہ دشمنوں کے طعن سے بچو اور اس کے سبب سے ہمارے انعام و اکرام و برکات و انوار اور ہدایت کے پورے مستحق ہو۔

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيۡكُمۡ وَ يُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۱۵۱﴾

۱۵۱۔ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھلاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے [۲۱۶]

فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾ ۱۸ ع ۵ ۲

۱۵۲۔ سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو [۲۱۷]

۲۱۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد: یعنی یہ اتمام نعمت اور تکمیل ہدایت تم پر ایسی ہوئی جیسی ابتداء میں تم پر یہ اتمام نعمت و ہدایت ہو چکی ہے کہ تم ہی سے ایک رسول ایسا بھیجا جو تم کو احکام خداوندی سمجھادے اور تم کو بری باتوں سے پاک کرے یعنی علماً اور عملاً تم کو کامل بنادے۔

۲۱۷۔ جب ہماری طرف سے تم پر اتمام نعمت مقرر ہو چکا تو اب تم کو لازم ہے کہ ہم کو زبان سے دل سے ذکر سے فکر سے ہر طرح سے یاد کرو اور اطاعت کرو ہم تم کو یاد کریں گے یعنی نئی نئی رحمتیں اور عنائتیں تم پر ہوتی رہیں گی اور ہماری نعمتوں کا شکر خوب ادا کرتے رہو اور ہماری ناشکری اور معصیت سے بچتے رہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ اے مسلمانو مدد لو صبر اور نماز سے بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [۲۱۸]

۲۱۸۔ چونکہ ذکر اور شکر اور ترک کفران جو پہلے مذکور ہوئے اور تمام طاعات اور منہیات شرعیہ کو محیط ہیں جن کا انجام دینا دشوار امر ہے اس کی سہولت کے لئے یہ طریقہ بتلایا گیا کہ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لو کہ ان کی مداومت سے تمام امور تم پر سہل کر دیئے جائیں گے اور اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جہاد میں محنت اٹھاؤ جس کا ذکر آگے آتا ہے کہ اس میں صبر اعلیٰ درجے کا ہے۔

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾

۱۵۴۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں [۲۱۹]

وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے [۲۲۰] اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو

الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ؕ

۱۵۶۔ کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

اُولٰٓئِكَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ ۟ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷۔ ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر [۲۲۱]

۲۱۹۔ حیات شہداء: یعنی جس نے اللہ کے لئے جان دی وہ اُس جہاں میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اسکی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

۲۲۰۔ صبر کی اہمیت اور فضائل: پہلے تو ان کا ذکر تھا جنہوں نے صبر کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا یعنی شہداء اب فرماتے ہیں کہ تمہارا اعلیٰ العموم تھوڑی تھوڑی تکلیف اور مصیبت میں وقتاً فوقتاً امتحان لیا جائے گا اور تمہارے صبر کو دیکھا جائے گا صابرین میں داخل ہونا کچھ سہل نہیں اسی واسطے پہلے سے متنبہ فرما دیا۔

۲۲۱۔ یعنی جن لوگوں نے ان مصائب پر صبر کیا اور کفران نعمت نہ کیا بلکہ مصائب کو وسیلہ ذکر و شکر بنایا تو انکو اے پیغمبر ہماری طرف سے بشارت سنا دو۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنۡ حَجَّ الۡبَیۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡهِ اَنۡ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸۔ بیشک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی [۲۲۲] سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا [۲۲۳]

۲۲۲۔ صفا و مروہ شعائر ہیں: پہلے ذکر تھا تحویل الی الکعبہ کا اور کعبہ کے سب قبلوں سے افضل ہونے کا اب اس کے محل ادائے حج و عمرہ ہونے کو بیان فرماتے ہیں تاکہ وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡكُمۡ کی تصدیق اور تکمیل خوب ہو جائے یا یوں کہئے کہ اس سے پہلے صبر کی فضیلت مذکور تھی اب یہ فرمایا گیا کہ دیکھو صفا و مروہ جو شعائر اللہ میں داخل ہوئیں اور ان میں سعی کرنا حج و عمرہ میں ضروری ہوا اس کی وجہ یہی تو ہے کہ یہ فعل صابرین یعنی حضرت ہاجرہ اور انکے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیلؑ کے آثار میں سے ہے حدیث و تفسیر و تاریخ میں یہ قصہ مصرح مذکور و مشہور ہے جس کے

دیکھنے سے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ کی تصدیق ہوتی ہے۔

۲۲۳۔ صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں مکہ میں، اہل عرب حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہمیشہ حج کرتے رہے اور حج کرتے تو ان دو پہاڑیوں کا بھی طواف کرتے کفر کے زمانے میں ان دو پہاڑیوں پر کفار نے دو بت رکھے تھے ان کی تعظیم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لئے ہے جب لوگ مسلمان ہوئے اور بت پرستی سے تائب ہوئے تو خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو ان بتوں کی تعظیم کے لئے تھا جب بتوں کی تعظیم حرام ہوئی تو صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہئے یہ انکو معلوم نہ تھا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو اصل میں حج کے لئے تھا کفار نے اپنی جہالت سے بت رکھ چھوڑے تھے وہ دور ہو گئے اور انصار مدینہ چونکہ کفر کے زمانے میں بھی صفا و مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے تو اسلام کے بعد بھی انکو اس طواف میں خلجان ہوا اور آپ سے عرض کیا کہ ہم پہلے سے اسکو مذموم جانتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فریق اول اور ثانی دونوں کو بتلا دیا گیا کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کوئی گناہ اور خرابی نہیں یہ تو اصل سے اللہ کی نشانیاں ہیں اور ان کا طواف کرنا چاہئیے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ
الۡہُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ
اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰہُ وَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ۙ
اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ بَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِکَ
اَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۶۰﴾
اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ
لَعۡنَۃُ اللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾ۙ
خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا
ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۱۶۲﴾

۱۵۹۔ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم انکو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں [۲۲۴] ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے [۲۲۵]

۱۶۰۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق بات کو تو انکو معاف کرتا ہوں [۲۲۶] اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان

۱۶۱۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی [۲۲۷]

۱۶۲۔ ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہو گا ان پر سے عذاب اور نہ انکو مہلت ملے گی [۲۲۸]

۲۲۴۔ یہود پر لعنت کی جاتی ہے: اس سے مراد ہیں یہود کہ توریت میں جو آپ کی تصدیق تھی اس کو اور تحویل قبلہ وغیرہ امور کو چھپاتے تھے اور جس نے غرض دنیا کے واسطے اللہ کے حکم کو چھپایا وہ سب اس میں داخل ہیں۔

۲۲۵۔ لعنت کرنے والے یعنی جن وانس و ملائکہ بلکہ اور سب حیوانات کیونکہ انکی حق پوشی کے وبال میں جب عالم کے اندر قحط وباطرح طرح کی بلائیں پھیلتی ہیں تو حیوانات بلکہ جمادات تک کو تکلیف ہوتی ہے اور سب ان پر لعنت کرتے ہیں۔

۲۲۶۔ یعنی اگرچہ انکی حق پوشی کے باعث بعض آدمی گمراہی میں پڑ گئے لیکن جنہوں نے حق پوشی سے توبہ کر کے اظہار حق پوری طرح کر دیا تو اب بجائے لعنت ہم ان پر رحمت نازل فرماتے ہیں کیونکہ ہم تواب و رحیم ہیں۔

۲۲۷۔ یعنی جس نے خود حق پوشی کی یا کسی دوسرے کی حق پوشی کے باعث گمراہ ہوا اور اخیر تک کافر ہی رہا اور توبہ نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ کو ملعون اور جہنمی ہوا مرنے کے بعد توبہ مقبول نہیں، بخلاف اول فریق مذکور سابق کے کہ توبہ نے ان کی لعنت کو مقطع کر دیا کہ زندگی ہی میں تائب ہو گئے۔

۲۲۸۔ یعنی ان پر عذاب یکساں اور متصل رہے گا یہ نہ ہو گا کہ عذاب میں کسی قسم کی کمی ہو جائے یا کسی وقت ان کو عذاب سے مہلت مل جائے۔

وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع ۱۹ / ۱۱ / ۳

۱۶۳۔ اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا [۲۲۹]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے [۲۳۰]

۲۲۹۔ توحید اور اس کے دلائل: یعنی معبود حقیقی تم سب کا ایک ہی ہے اس میں تعدد کا احتمال بھی نہیں سو اب جس نے اس کی نافرمانی کی بالکل مردود اور غارت ہوا دوسرا معبود ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے نفع کی توقع باندھی جاتی یہ آقائی اور پادشاہی یا استادی اور پیری نہیں کہ ایک جگہ موافقت نہ آئی تو دوسری جگہ چلے گئے یہ تو معبودی اور خدائی ہے نہ اُس کے سوا کسی کو معبود بنا سکتے ہو اور نہ کسی سے اس کے علاوہ خیر کی توقع کر سکتے ہو۔ جب آیہ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ نازل ہوئی تو کفار مکہ نے تعجب کیا کہ تمام عالم کا معبود اور سب کا کام بنانے والا ایک کیسے ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل کیا ہے اس پر آیہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں۔

۲۳۰۔ مخلوقات میں اللہ کی نشانیاں: یعنی آسمان کے اس قدر وسیع اور اونچا اور بے ستون پیدا کرنے میں اور زمین کے اتنی وسیع اور مضبوط پیدا

کرنے اور اس کے پانی پر پھیلانے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے اور ان کے گھٹانے اور بڑھانے میں اور کشتیوں کے دریا میں چلنے میں اور آسمان سے پانی برسانے اور اس سے زمین کو سرسبز و تازہ کرنے میں اور جملہ حیوانات میں اُس سے توالد و تناسل نشو و نما ہونے میں اور جہات مختلفہ سے ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں معلق کرنے میں دلائل عظیمہ اور کثیرہ ہیں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت اور حکمت اور رحمت پر ان کے لئے جو صاحب عقل اور فکر ہیں۔ فائدہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں توحید ذات کا اور الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ میں توحید صفات کا ثبوت تھا اور اِنَّ فِيْ خَلْقِ الخ میں توحید افعال کا ثبوت ہوا جس سے مشرکین کے شبہات بالکلیہ مندفع ہو گئے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

۱۶۵۔ اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو [۲۳۱] انکی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی [۲۳۲] اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی [۲۳۳] اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب کہ قوۃ ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے [۲۳۴]

۲۳۱۔ یعنی آدمیوں میں جو کہ شعور و عقل میں جمیع مخلوقات سے افضل ہیں بعضے ایسے بھی ہیں کہ باوجود دلائل ظاہرہ سابقہ کے پھر غیر اللہ کو حق تعالیٰ کا شریک اور اس کے برابر بناتے ہیں۔

۲۳۲۔ باطل معبودوں کی محبت: یعنی صرف اقوال و اعمال جزئیہ ہی میں ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے بلکہ محبت قلبی جو کہ صدور اعمال کی اصل ہے اس تک شرک اور مساوات کی نوبت پہنچار کھی ہے جو شرک کا اعلیٰ درجہ ہے اور شرک فی الاعمال اس کا خادم اور تابع ہے۔

۲۳۳۔ مومنین کو اللہ سے زیادہ محبت ہے: یعنی مشرکین کو جو اپنے معبودوں سے محبت ہے مومنین کو اپنے اللہ سے اس سے بھی بہت زیادہ اور مستحکم محبت ہے کیونکہ مصائب دنیا میں مشرکین کی بسا اوقات زائل ہو جاتی ہے اور عذاب آخرت دیکھ کر تو بالکل تبرّی اور بیزاری ظاہر کریں گے جیسا کہ اگلی آیہ میں آتا ہے بخلاف مومنین کے کہ ان کی محبت اپنے اللہ کے ساتھ ہر ایک رنج و راحت مرض و صحت دنیا و آخرت میں برابر باقی اور پائدار رہنے والی ہے اور نیز اہل ایمان کو جو اللہ سے محبت ہے وہ اس محبت سے بھی بہت زیادہ ہے جو محبت کہ اہل ایمان ماسوٰی اللہ یعنی انبیاء و اولیاء و ملائکہ و عبّاد و علماء یا اپنے آباو اجداد اور اولاد و مال وغیرہ سے رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو اس کی عظمت شان کے موافق بالاصالہ اور بالاستقلال محبت رکھتے ہیں اور اوروں سے بالواسطہ اور حق تعالیٰ کے حکم کے موافق ہر ایک کے اندازہ کے مطابق محبت رکھتے ہیں گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی خدا اور غیر خدا کو محبت میں برابر کر دینا خواہ وہ کوئی ہو یہ مشرکین کا کام ہے۔

۲۳۴۔ یعنی جن ظالموں نے خدا کے لئے شریک بنائے اگر وہ اس آنے والے وقت کو دیکھ لیں کہ جس وقت ان کو عذاب الٰہی کا مشاہدہ ہو گا کہ زور سارا اللہ ہی کے لئے ہے عذاب خداوندی سے کوئی نہیں بچا سکتا اور اللہ کا عذاب سخت ہے تو ہرگز اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہوں اور نہ ان سے امید منفعت رکھیں۔

اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا وَ رَاَوُا
الۡعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتۡ بِهِمُ الۡاَسۡبَابُ ﴿١٦٦﴾

١٦٦۔ جبکہ بیزار ہو جاویں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ جو انکے پیرو ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب علاقے[٢٣٥]

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا لَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ
مِنۡهُمۡ کَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا ؕ کَذٰلِکَ یُرِیۡهِمُ اللّٰهُ
اَعۡمَالَهُمۡ حَسَرٰتٍ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَ مَا هُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ
مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ ع ٢٠ ٤

١٦٧۔ اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے[٢٣٦] اسی طرح پر دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہر گز نکلنے والے نہیں مار سے[٢٣٧]

٢٣٥۔ مشرکین کی اپنے معبودوں سے بیزاری: یعنی وہ وقت ایسا ہو گا کہ بیزار ہو جائیں گے متبوع اپنے تابعداروں سے اور بت پرست اور بتوں میں کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے گا عذاب الٰہی دیکھ کر۔

٢٣٦۔ اور مشرکین اس وقت کہیں گے کہ اگر کسی طرح ہم کو پھر دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے اپنا انتقام لیں اور جیسا یہ آج ہم سے جدا ہو گئے ہم بھی ان کو جواب دے کر جدا ہو جائیں لیکن اس آرزو محال سے بجز افسوس کچھ نفع نہ ہو گا۔

٢٣٧۔ مشرکوں کے اعمال حسرت بن جائیں گے: یعنی جیسے مشرکین کو عذاب الٰہی اور اپنے معبودوں کی بیزاری دیکھ کر سخت حسرت ہو گی اسی طرح پر اُن کے جملہ اعمال کو حق تعالیٰ اُن کے لئے موجب حسرت بنا دے گا کیونکہ حج و عمرہ اور صدقات و خیرات جو اچھی باتیں کی ہوں گی وہ سب تو بسبب شرک مردود ہو جائیں گی اور شرک و گناہ جس قدر کئے ہوں گے ان کا بدلہ عذاب ملے گا تو اب ان کے بھلے اور برے اعمال سب کے سب موجب حسرت ہوں گے کسی عمل سے کچھ نفع نہ ہو گا اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، بخلاف موحدین اور اہل ایمان کے کہ اگر بسبب معاصی دوزخ میں جائیں گے تو انجام کار نجات پائیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوۡا مِمَّا فِی الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۫ۖ وَّ
لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ
مُّبِیۡنٌ ﴿١٦٨﴾

١٦٨۔ اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی[٢٣٨] بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح

اِنَّمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ الۡفَحۡشَآءِ وَ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا
عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿١٦٩﴾

١٦٩۔ وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو کہ برے کام اور بیحیائی کرو اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جنکو تم نہیں جانتے[٢٣٩]

۲۳۸۔ اہل عرب بت پرستی کرتے تھے اور بتوں کے نام پر سانڈ بھی چھوڑتے تھے اور اُن جانوروں سے نفع اٹھانا حرام سمجھتے تھے اور یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے کیونکہ تحلیل و تحریم کا منصب اللہ کے سوا کسی کو نہیں اس بارہ میں کسی کی بات ماننی گویا اس کو اللہ کا شریک بنانا ہے اس لئے پہلی آیات میں شرک کی خرابی بیان فرما کر اب تحریم حلال سے ممانعت کی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے اس میں سے کھاؤ بشرطیکہ وہ شرعاً حلال و طیب ہو نہ تو فی نفسہ حرام ہو جیسے مردار اور خنزیر اور مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (جن جانوروں پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے اور اس کی قربت مقصود ان جانوروں کے ذبح سے ہو) اور نہ کسی امر عارضی سے اُس میں حرمت آگئی ہو جیسے غصب چوری رشوت سود کا مال کہ ان سب سے اجتناب ضروری ہے اور شیطان کی پیروی ہرگز نہ کرو کہ جس کو چاہا حرام کر لیا جیسے بتوں کے نام کے سانڈ وغیرہ اور جس کو چاہا حلال کر لیا جیسے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وغیرہ۔

۲۳۹۔ یعنی مسئلے اور احکام شرعیہ اپنی طرف سے بنا لو جیسا کہ بہت سے مواقع میں دیکھا جاتا ہے کہ مسائل جزئیہ سے گذر کر امور اعتقادیہ تک نصوص شرعیہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے احکام تراشے جاتے ہیں اور نصوص قطعیہ اور اقوال سلف کی تحریف اور تغلیط کرتے ہیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۷۰

۱۷۰۔ اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ ہی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ[۲۴۰/۱]

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۱

۱۷۱۔ اور مثال ان کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے اور چلانے کے[۲۴۰/۲] بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے[۲۴۱]

۲۴۰/۱۔ باپ دادوں کا اتباع: یعنی حق تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کا اتباع کرتے ہیں اور یہ بھی شرک ہے چنانچہ بعض جہال مسلمان بھی ترک نکاح بیوگان وغیرہ رسوم باطلہ میں ایسی بات کہہ گذرتے ہیں اور بعض زبان سے گو نہ کہیں مگر عمل درآمد سے ان کے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے سو یہ بات اسلام کے خلاف ہے۔

۲۴۰/۲۔ کفار کی مثال: یعنی ان کافروں کو راہ ہدایت کی طرف بلانا ایسا ہے جیسے کوئی جنگل کے جانوروں کو بلائے کہ وہ سوائے آواز کے کچھ نہیں سمجھتے یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو خود علم نہ رکھیں اور نہ علم والوں کی بات قبول کریں۔

۲۴۱۔ یعنی یہ کفار گویا بہرے ہیں جو حق بات بالکل نہیں سنتے گونگے ہیں جو حق بات نہیں کہتے اندھے ہیں جو راہ مستقیم نہیں دیکھتے سو وہ کچھ نہیں سمجھتے کیونکہ جب اُن کے ہر سہ قویٰ مذکورہ فاسد ہو گئے تو تحصیل علم و فہم کی اب کیا صورت ہو سکتی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ
وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١٧٢﴾

۱۷۲۔ اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو[۲۴۲]

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ
وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا
عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾

۱۷۳۔ اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور[۲۴۳] اور لہو[۲۴۴] اور گوشت سور کا[۲۴۵] اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا[۲۴۶] پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں[۲۴۷] بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان[۲۴۸]

۲۴۲۔ مسلمانوں کو اکل حلال کا حکم: اکل طیبات کا حکم اوپر گذر چکا تھا لیکن مشرکین چونکہ شیطان کی پیروی سے باز نہیں آتے اور احکام اپنی طرف سے بنا کر اللہ کے اوپر لگاتے ہیں اور اپنے رسوم باطلہ آبائی کو نہیں چھوڑتے اور حق بات سمجھنے کی ان میں گنجائش ہی نہیں تو اب ان سے اعراض فرما کر خاص مسلمانوں کو اکل طیبات کا حکم فرمایا گیا اور اپنا انعام ظاہر کر کے ادائے شکر کا امر کیا گیا اس میں اہل ایمان کے مقبول اور مطیع ہونے کی جانب اور مشرکین کے مردود و معتوب و نافرمان ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا۔

۲۴۳۔ حرام چیزوں کی تفصیل: مردار وہ ہے کہ خود بخود مر جائے اور ذبح کی نوبت نہ آئے یا خلاف طریقہ شرعیہ اس کو ذبح یا شکار کیا جائے مثلاً گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل و بندوق سے مارا جائے یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے یا درندہ پھاڑ ڈالے یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو ترک کیا جائے کہ یہ سب مردار اور حرام ہیں البتہ دو جانور مردار بحکم حدیث شریف اس حرمت سے مستثنیٰ اور ہم کو حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی۔

۲۴۴۔ حرام چیزوں کی تفصیل: اور خون سے مراد وہ خون ہے جو رگوں سے بہتا ہے اور ذبح کے وقت نکلتا ہے اور جو خون کہ گوشت پر لگا رہتا ہے وہ حلال اور پاک ہے اگر گوشت کو بغیر دھوئے ہوئے پکا لیا جائے تو اس کا کھانا درست ہے البتہ نظافت کے خلاف ہے اور کلیجی اور تلی کہ خون منجمد ہیں بحکم حدیث شریف حلال ہیں۔

۲۴۵۔ حرام چیزوں کی تفصیل: اور خنزیر زندہ ہو یا مردہ باقاعدہ شریعت کے موافق ذبح کر لیا جائے ہر حال میں حرام ہے اور اس کے تمام اجزاء گوشت پوست چربی ناخن بال ہڈی پٹھا ناپاک اور ان سے نفع اٹھانا اور کسی کام میں لانا حرام ہے اس موقع پر چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے اس لئے فقط گوشت کا حکم بتلایا گیا مگر اس پر سب کا اجماع ہے کہ خنزیز جو کہ بے غیرتی اور بے حیائی اور حرص اور رغبت الی النجاسات میں سب جانوروں میں بڑھا ہوا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت فانہ رجس فرمایا بلاشک نجس العین ہے نہ اس کا کوئی جزو پاک اور نہ کسی قسم کا انتفاع اس سے جائز جو لوگ کثرت سے اس کو کھاتے ہیں اور اس کے اجزاء سے نفع اٹھاتے ہیں اُن تک میں اوصاف مذکورہ واضح طور پر مشاہدہ ہوتے ہیں۔

۲۴۶۔ حرام ذبیحہ کی تفصیل: مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا یہ مطلب ہے کہ ان جانوروں پر اللہ کے سوا بت وغیرہ کا نام پکارا جائے یعنی اللہ کے سوا کسی بت یا جن یا کسی روح خبیث یا پیغمبر کے نام نامزد کر کے اور اس جانور کی جان ان کی نذر کر کے ان کے تقرب یا رضا جوئی کی نیت سے ذبح کیا

جائے اور محض ان کی خوشنودی کی غرض سے اس کی جان نکالنی مقصود ہو کہ ان سب جانوروں کا کھانا حرام ہے گو بوقت ذبح تکبیر پڑھی ہو اور اللہ کا نام لیا ہو کیونکہ جان کو جان آفرین کے سوا کسی دوسرے کے لئے نذر و نیاز کرنا ہرگز درست نہیں اس لئے جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر کی جائے تو اس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مردار میں تو یہی خرابی تھی کہ اس کی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی اور اس کی جان تو غیر اللہ کے نام نامزد کر دی گئی جو عین شرک ہے سو جیسے خنزیر اور کتے پر بوقت ذبح تکبیر کہنے سے حلت نہیں آسکتی اور مردار پر اللہ کا نام لینے سے کوئی نفع نہیں ہو سکتا ایسے ہی جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر اور ان کے نام نامزد کر دی ہو اس پر ذبح کے وقت نام الٰہی لینے سے ہرگز ہرگز کوئی نفع اور حلت اس میں نہیں آسکتی البتہ اگر غیر اللہ کے نام نامزد کرنے کے بعد اپنی نیت سے ہی توبہ اور رجوع کر کے ذبح کرے گا تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں علماء نے تصریح فرما دی ہے کہ اگر کسی بادشاہ کے آنے پر اس کی تعظیم کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے یا کسی جن کی اذیت سے بچنے کے لئے اس کے نام کا جانور ذبح کیا جائے یا توپ کے چلنے اور اینٹوں کے پزاوہ کے پکنے کے لئے بطور بھینٹ جانور ذبح کیا جائے تو وہ جانور بالکل مردار اور حرام اور کرنے والا مشرک ہے اگرچہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ یعنی جو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کی نیت سے جانور کو ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے ذبح کے وقت اللہ کا نام پاک لے یا نہ لے البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے فقراء کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب یا پیر اور بزرگ کر پہنچا دے یا کسی مردہ کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہیئے کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ کے لئے ہرگز نہیں بعضے اپنی کجروی سے یہ حیلہ ایسے مواقع میں بیان کرتے ہیں کہ پیروں کی نیاز وغیرہ میں ہم کو تو یہی مقصود ہوتا ہے کہ کھانا پکا کر مردہ کے نام سے صدقہ کر دیا جائے تو اول تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ کے سامنے جھوٹے حیلوں سے بجز مضرت کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا دوسرے ان سے پوچھا جائے کہ جس جانور کی تم نے غیر خدا کے لئے نذر مانی ہے اگر اسی قدر گوشت اس جانور کے عوض خرید کر اور پکا کر فقیروں کو کھلا دو تو تمہارے نزدیک بے کھٹکے وہ نذر ادا ہو جاتی ہے یا نہیں اگر بلا تامل تم اس کو کر سکتے ہو اور اپنی نذر میں کسی قسم کا خلل تمہارے دل میں نہیں رہتا تو تم سچے ورنہ تم جھوٹے اور تمہارا یہ فعل شرک اور وہ جانور مردار اور حرام۔ فائدہ: یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیت میں حکم حرمت کو اشیاء مذکورہ میں منحصر کر کے بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشیائے مذکورہ کے سوا کوئی جانور حرام نہیں حالانکہ جملہ درندے اور گدھا اور کتا وغیرہ سب کا کھانا حرام ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ اس حصر سے حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ میں منحصر کرنا ہرگز مراد نہیں کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو بلکہ حکم حرمت کو صحت و صداقت کے ساتھ مخصوص فرما کر اس حکم کی جانب مخالف کا ابطال منظور ہے یعنی بس بات یہی ہے کہ یہ چیزیں اللہ پاک نے تم پر حرام فرما دیں اس میں دوسرا احتمال ہی نہیں یعنی ان کا حلال سمجھنا بالکل باطل اور غلط ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ ہی میں منحصر مانا جائے مگر اس حصر کو اضافی یعنی خاص انہی چیزوں کے لحاظ سے تسلیم کیا جائے جن کو مشرکین نے اپنی طرف سے حرام کر لیا تھا جیسے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تو تم پر فقط میت اور خنزیر وغیرہ کو حرام کیا تھا تم جو سانڈ وغیرہ کی تحریم اور تعظیم کے قائل ہو یہ محض تمہارا افتراء ہے باقی رہے درندے اور خبیث جانور ان کے حرام ہونے میں مشرکین کبھی نزاع نہ کرتے تھے۔ سو یہ حصر انہی جانوروں کے لحاظ سے ہے جن کو مشرکین نے خلاف حکم الٰہی اپنی طرف سے حرام ٹھہرا لیا تھا تمام جہان کے جانوروں سے اس کو کیا تعلق جو اعتراض مذکور کی نوبت آئے۔

۲۴۷۔ مضطر کا حکم: یعنی اشیائے مذکورہ حرام ہیں لیکن جب کوئی بھوک سے مرنے لگے تو اس کو لاچاری کی حالت میں کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ نافرمانی اور زیادتی نہ کرے نافرمانی یہ کہ مثلاً نوبت اضطرار کی نہ پہنچے اور کھانے لگے اور زیادتی یہ کہ قدر ضرورت سے زائد خوب پیٹ بھر کر کھالے بس اتنا ہی کھائے جس سے مرے نہیں۔

۲۴۸۔ یعنی اللہ پاک تو بڑا بخشنے والا ہے بندوں کے ہر قسم کے گناہوں کو بخش دیتا ہے پھر ایسے لاچار اور مضطر کی بخشش کیسے نہ فرمائے گا اور اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ مجبوری کی حالت میں صاف اجازت دیدی کہ جس طرح بن پڑے اپنی جان بچالو اصلی حکم ممانعت کا لاچاری کی حالت میں تم پر سے اٹھالیا گیا ورنہ اس مالک الملک کا حق تھا کہ فرما دیتا تمہاری جان جائے یا رہے مگر ہمارے حکم کے خلاف ہرگز نہ کرنا۔ ایک خلجان یہاں یہ بھی ہوتا تھا کہ بھوک سے مرتے ہوئے مضطر بدحواس کو یہ اندازہ کرنا کہ اتنے لقموں سے سدرمق ہو جائے گا اور اس سے زائد ایک لقمہ نہ کھائے محال نہیں تو دشوار تو بہت ہے اس لئے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرما کر اس میں سہولت کر دی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ
يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ
بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ
لَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ کیا نازل اللہ نے کتاب [۲۴۹] اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول [۲۵۰] وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ [۲۵۱] اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن [۲۵۲] اور نہ پاک کرے گا ان کو [۲۵۳] اور انکے لئے ہے عذاب دردناک [۲۵۴]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ
الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵۔ یہی ہیں جنہوں نے خرید ا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے [۲۵۴/۱] سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں وہ دوزخ پر [۲۵۴/۲]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
۲۱ ع ۵ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع

۱۷٦۔ یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بیشک ضد میں دور جا پڑے [۲۵۵]

۲۴۹۔ حلال و حرام میں یہودیوں کی تعریف: یعنی اللہ نے جو کتاب آسمانی میں حلال و حرام کا حکم بھیجا یہود نے اس کو چھپایا اور اپنی طرف سے بڑھایا گھٹایا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا ایسے ہی حضرت محمد ﷺ کی صفات جو اس میں لکھی تھیں ان کو بھی چھپاتے اور بدلتے تھے اور یہ دونوں سخت گناہ ہیں کیونکہ ان کا مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت اور طریقہ حق کسی کو نصیب نہ ہو سب گمراہ رہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے تو کتاب اور رسول کو ہدایت خلق کے لئے بھیجا تھا سو انہوں نے خدا کے بھی خلاف کیا اور خلق اللہ کو بھی جاہل اور گمراہ بنانا چاہا۔

۲۵۰۔ یعنی اللہ کی نافرمانی اور خلق اللہ کی گمراہی پر بس نہیں کی بلکہ اس حق پوشی کے عوض میں جن کو گمراہ کرتے تھے ان سے الٹا رشوت میں مال بھی لیتے تھے جس کا نام ہدیہ اور نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا حالانکہ یہ حرام خوری مردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی حرکات شنیعہ کی سزا بھی سخت ہو گی جس کو آگے بتلایا جاتا ہے۔

۲۵۱۔ یعنی گو ظاہر نظر میں ان کو وہ مال لذیذ اور نفیس معلوم ہو رہا ہے مگر حقیقت میں وہ آگ ہے جس کو خوش ہو کر اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں جیسا طعام لذیذ میں زہر قاتل ملا ہوا ہو کہ کھاتے وقت لذت معلوم ہوتی ہے اور پیٹ میں جا کر آگ لگا دے۔

۲۵۲۔ کفار سے اللہ کے کلام نہ کرنے کا مطلب: اس میں یہ شبہہ کسی کو ہو سکتا ہے کہ دیگر آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب باری قیامت کو ان سے خطاب فرمائے گا سو کلام نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ لطف ورحمت کے ساتھ ان سے کلام نہ کیا جائے گا اور بطور تخویف وتذلیل وتہدید و وعید جناب باری ان سے کلام کرے گا۔ جس سے ان کو سخت صدمہ اور غم ہو گا یا یوں کہیے کہ بلاواسطہ ان سے کلام نہ کیا جائے گا اور کلام کرنے کا جو ذکر ہے وہ ملائکہ عذاب کی وساطت سے ہو گا۔ فائدہ: يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ کی دھمکی سے یہ امر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر کسی کے دل میں محبت الٰہی خوب راسخ ہے اگر سر دست محسوس نہ ہو تو اس کو ہیچو اخگر بزیر خاکستر سمجھنا چاہیے قیامت کو جب کل موانع دور ہوں گے تو اس کا ظہور کامل ہو گا کیونکہ اگر یہ نہ ہو تا تو پھر کفار کو یہ دھمکی ایسی ہو گی کہ کوئی اپنے دشمن کو ناخوشی اور اعراض سے ڈرانے لگے جو بالکل بے سود ہے محبان جاں نثار اعراض محبوب کو دور جانگذار سمجھتے ہیں نہ اعدا بس معلوم ہوا کہ قیامت کو ہر سینہ اللہ کی محبت سے ایسا لبریز ہو گا کہ یہ بے التفاتی عذاب دوزخ سے بھی بدرجہا زیادہ ان کو جانکاہ معلوم ہو گی۔

۲۵۳۔ مومن اور کافر کی سزا کا فرق: یعنی اہل ایمان گو کتنے ہی گنہگار ہوں مگر دوزخ میں زمانہ معین تک رہ کر اور گناہوں سے پاک ہو کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے بخلاف کفار کے کہ وہ ہمیشہ نار میں رہیں گے اور کبھی پاک ہو کر جنت میں جانے کے قابل نہ ہوں گے امور شرکیہ نے ان کو بمنزلہ نجس العین کے بنا دیا ہے کہ نجاست ان کی کسی طرح دور نہیں ہو سکتی اور مسلمان عاصی کا حال ایسا سمجھئے کہ پاک چیز پر نجاست واقع ہو گئی نجاست زائل ہو کر پھر پاک ہو گیا۔

۲۵۴۔ واقعی اس سے زیادہ اور کیا عذاب الیم ہو گا کہ ظاہر بدن سے بڑھ کر ان کے باطن میں بھی آگ ہو گی اور محبوب حقیقی ان سے ناخوش ہو گا پھر اس مصیبت جانکاہ سے کبھی نجات نہ ملے گی۔ نعوذ باللہ۔

۱/۲۵۴۔ یعنی وہ لوگ بے شک اسی قابل ہیں کیونکہ انہوں نے خود سرمایہ نجات کو غارت کیا اور گمراہی کو ہدایت کے مقابلہ میں پسند اور اختیار کیا اور اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو منظور کیا۔

۲/۲۵۴۔ یعنی اپنی خوشی سے موجبات دخول نار کو اختیار کرتے ہیں گویا آگ ان کو نہایت مرغوب اور محبوب ہے کہ اپنی جان ومال کے بدلے اس کو خرید رہے ہیں ورنہ سب جانتے ہیں کہ عذاب نار پر صبر کرنا کیسا ہے۔

۲۵۵۔ یعنی ضلالت کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خریدنے کی دلیل یا ان پر عذابات مذکورہ سابقہ کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب سچی نازل فرمائی انہوں نے اس کے خلاف کیا اور طرح طرح کے اختلاف اس میں ڈالے اور خلاف اور دشمنی میں دور جا پڑے یعنی بڑا اخلاف کیا یا طریقہ حق سے دور ہو گئے ایک صورت یہ بھی ہے کہ اُن کا صابر علی النار ہونا چونکہ بدیہی البطلان نظر آتا تھا۔ اس لئے لفظ ذٰلك سے اخیر تک اس کے جواب کی طرف اشارہ فرما دیا فافہم۔

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ وَ الۡكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَ

۱۷۷۔ نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی [۲۵۶] لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے

الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي
الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ
الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ
وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت [۲۵۷] یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیز گار [۲۵۸]

۲۵۶۔ جب آیات سابقہ اپنی برائی میں سنیں تو یہود و نصاریٰ کہنے لگے کہ ہم میں تو بہت سے اسباب و آثار ہدایت و مغفرت موجود ہیں ایک کھلی بات یہی ہے کہ ہم جس قبلہ کی طرف منہ کرنے کے مامور ہیں اس کی طرف متوجہ ہو کر نماز جو افضل عبادت ہے اس کو اللہ کے حکم کے موافق ادا کرتے ہیں پھر ان خرابیوں اور عذاب کے ہم کیسے مستحق ہو سکتے ہیں اس خیال کی تردید میں فرمایا جاتا ہے کہ بڑی نیکی جو مغفرت اور ہدایت کے لئے کافی ہو یہ نہیں کہ تم صرف اپنا منہ نماز میں مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا کرو اور عقائد و اعمال ضروریہ کی پروا بھی نہ کرو۔

۲۵۷۔ نیکی اور برّ کے جواب: یعنی نیکی اور بھلائی جو اثر ہدایت اور سبب مغفرت ہو یہ ہے کہ اللہ اور روز قیامت اور جملہ ملائکہ اور کتاب آسمانی اور انبیاء پر دل سے ایمان لائے اور ان پر یقین کرے اور باوجود محبت اور رغبت کے اپنے مال کو علاوہ زکوٰۃ کے قریبوں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں اور سائلوں کو جو کہ محتاج ہوں دے اور گردنیں چھڑانے میں یعنی مسلمان جس کو کفار نے ظلمًا قید کر لیا ہو اس کی رہائی میں یا مقروض کو قرض خواہ سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرانے میں یا غلام مکاتب کو خلاصی دلانے میں مال دیوے اور نماز کو خوب درستی کے ساتھ پڑھے اور چاندی اور سونے اور جملہ اموال تجارت میں سے زکوٰۃ دے اور اپنے عہد و قرار کو پورا کرے اور فقر و فاقہ اور بیماری اور تکلیف اور خوف کی حالت میں صبر و استقلال سے رہے اور یہود و نصاریٰ چونکہ ان عقائد اور اعمال و اخلاق میں قاصر اور ناقص تھے اور طرح طرح سے ان میں خلل اندازی کرتے تھے جیسا کہ آیات قرآنی میں اس کا ذکر ہے تو اب یہود یا نصاریٰ کا صرف اپنے استقبال قبلہ پر ناز کرنا اور اپنے آپ کو طریقہ ہدایت پر مستقیم سمجھنا اور مستحق مغفرت کہنا بیہودہ خیال ہے تاوقتیکہ ان اعتقادات اور اخلاق و اعمال پر قائم نہ ہوں گے جو اس آیہ کریمہ میں بالتفصیل مذکور ہیں صرف استقبال قبلہ سے نہ ہدایت نصیب ہو سکتی ہے نہ عذاب الٰہی سے نجات مل سکتی ہے۔

۲۵۸۔ یعنی جو لوگ اعتقادات و اخلاق و اعمال مذکورہ کے ساتھ متصف ہیں وہی لوگ سچے ہیں اعتقادات اور ایمان اور دین میں یا اپنے قول و قرار میں اور وہی لوگ پرہیز گار اور متقی ہیں اپنے اخلاق اور اعمال میں یا بچنے والے ہیں گناہ اور بری باتوں سے یا عذاب الٰہی سے اہل کتاب کہ جن کو ان خوبیوں میں سے ایک بھی میسر نہیں ان کا اپنی نسبت ایسا خیال کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي
الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى
بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ

۱۷۸۔ اے ایمان والو فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں [۲۵۹] آزاد کے بدلے آزاد [۲۶۰] اور غلام کے بدلے غلام [۲۶۱] اور عورت کے بدلے عورت [۲۶۲] پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی

بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیئے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیئے اس کو خوبی کے ساتھ [۲۶۳] یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی [۲۶۴] پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک [۲۶۵]

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹۔ اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو [۲۶۶] تاکہ تم بچتے رہو [۲۶۷]

۲۵۹۔ قصاص میں برابری کا حکم: زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے حق تعالیٰ نے اس آیہ میں حکم دیا کہ اے ایمان والو ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر دیا قصاص کے معنی لغت میں برابری اور مساوات کے ہیں تم نے یہ دستور نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو یہ لغو ہے جانیں سب کی برابر ہیں غریب ہو یا امیر شریف ہو یا رذیل عالم و فاضل ہو یا جاہل جوان ہو یا بوڑھا اور بچہ تندرست ہو یا بیمار قریب المرگ صحیح الاعضا ہو یا اندھا لنگڑا۔ فائدہ پہلی آیہ میں نیکی اور برّ کے اصول مذکور تھے جن پر مدار ہدایت و مغفرت تھا اور اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اہل کتاب ان خوبیوں سے بے بہرہ ہیں اور بالتصریح فرما دیا تھا کہ دین میں سچا اور متقی بدون ان خوبیوں کے کوئی نہیں ہو سکتا تو اب اہل اسلام کے سوا نہ اہل کتاب اس کے مصداق بن سکتے ہیں نہ جہال عرب، اس لئے اب سب سے اعراض فرما کر خاص اہل ایمان کو مخاطب بنایا جاتا ہے اور نیکی و برّ کے مختلف فروع عبادات جانی و مالی اور معاملات مختلفہ ان کو بتلاتے ہیں کہ ان فروع کو وہی کر سکتا ہے جو اصول مذکورہ سابقہ پر پختہ ہو گویا اور لوگ اس خطاب کے قابل بھی نہ سمجھے گئے جو ان کو سخت عار کا باعث ہونا چاہیئے اب جو احکام فروعی بالتفصیل بیان کئے جاتے ہیں۔ درحقیقت تو ان سے اہل ایمان کی ہدایت اور تعلیم مقصود ہے مگر ضمناً کہیں صاف کہیں تعریضاً دوسروں کی خرابی پر بھی متنبہ کیا جائے گا مثلاً كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہود وغیرہ نے جو قصاص میں دستور کر لیا ہے یہ ان کا ایجاد بے بنیاد خلاف حکم الٰہی ہے جس سے ظاہر ہو گیا کہ اصول فرمودہ سابقہ میں سے نہ ان کو ایمان بالکتاب صحیح طور سے حاصل ہے نہ ایمان بالانبیاء نہ عہد خداوندی کو انہوں نے وفا کیا اور نہ سختی اور مصیبت کی حالت میں انہوں نے صبر سے کام لیا ورنہ اپنے کسی عزیز و قریب کے مقتول ہونے پر اس قدر بے صبری اور نفسانیت نہ کرتے کہ فرمان خداوندی اور ارشاد انبیاء اور حکم کتاب سب کو چھوڑ کر بے گناہوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔

۲۶۰۔ قصاص کے احکام: یہ توضیح ہے اس برابری کی جس کا حکم ہوا مطلب یہ ہے کہ ہر مرد آزاد کے قصاص میں صرف وہی ایک آزاد مرد قتل کیا جا سکتا ہے جو اس کا قاتل ہے یہ نہیں کہ ایک کے عوض قاتل کے قبیلہ سے کیف ما اتفق دو کو یا زیادہ کو قتل کرنے لگو۔

۲۶۱۔ یعنی ہر غلام کے بدلے میں وہی غلام قتل کیا جائے گا جو قاتل ہے یہ نہ ہو گا کہ کسی شریف کے غلام کے قصاص میں قاتل کو جو کہ غلام ہے اس کو چھوڑ کر ان رذیل لوگوں میں سے کہ جن کے غلام نے قتل کیا ہے کسی آزاد کو قتل کیا جائے۔

۲۶۲۔ یعنی ہر ایک عورت کے قصاص میں صرف وہی عورت قتل کی جا سکتی ہے جس نے اس کو قتل کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شریف النسب عورت

کے قصاص میں رذیل عورت کو چھوڑ کر جو کہ قاتلہ ہے کسی مرد کو ان میں سے قتل کرنے لگیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر آزاد دوسرے آزاد کے اور ہر غلام دوسرے غلام کے برابر ہے سو حکم قصاص میں مساوات چاہیئے اور تعدی جو اہل کتاب اور جہال عرب کرتے تھے ممنوع ہے۔ فائدہ: اب باقی رہا یہ امر کہ آزاد کسی غلام کو یا مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا یا نہیں سو یہ آیہ کریمہ اس سے ساکت ہے اور ائمہ کا اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ آیہ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اور حدیث المسلمون تتکا فؤاد ماءھم سے اس کے قائل ہیں کہ ہر دو صورت مذکورہ میں قصاص ہو گا اور جیسے قوی اور ضعیف صحیح اور مریض معذور اور غیر معذور وغیرہ حکم قصاص میں برابر ہیں ایسے ہی آزاد اور غلام مرد اور عورت کو امام ابو حنیفہؒ قصاص میں برابر فرماتے ہیں بشرطیکہ غلام مقتول قاتل کا غلام نہ ہو کہ وہ حکم قصاص سے ان کے نزدیک مستثنیٰ ہے اور اگر کوئی مسلمان کافر ذمی کو قتل کر ڈالے تو اس پر بھی قصاص ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک البتہ مسلمان اور کافر حربی میں کوئی قصاص کا قائل نہیں۔

۲۶۳۔ یعنی مقتول کے وارثوں میں سے اگر بعض بھی خون کو معاف کر دیں تو اب قاتل کو قصاص میں قتل تو نہیں کر سکتے بلکہ دیکھیں گے کہ ان وارثوں نے معاف کس طرح پر کیا ہے بلا معاوضہ مالی محض ثواب کی غرض سے معاف کیا ہے یا دیت شرعی اور بطور مصالحت کسی مقدار مال پر راضی ہو کر صرف قصاص سے دست برداری کی ہے اول صورت میں قاتل ان وارثوں کے مطالبہ سے بالکل سبکدوش ہو جائے گا اور دوسری صورت میں قاتل کو چاہیئے کہ وہ معاوضہ اچھی طرح ممونیت اور خوشدلی کے ساتھ ادا کرے۔

۲۶۴۔ یہ اجازت کہ قتل عمد میں چاہو تو قصاص لو چاہو دیت لو چاہو معاف کر دو اللہ کی طرف سے سہولت اور مہربانی ہے قاتل اور وارثان مقتول دونوں پر جو پہلے لوگوں پر نہ ہوئی تھی کہ یہود پر خاص قصاص اور نصاریٰ پر دیت یا عفو مقرر تھا۔

۲۶۵۔ یعنی اس تخفیف اور رحمت کے بعد بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا اور دستور جاہلیت پر چلے گا یا معافی اور دیت قبول کر لینے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا تو اس کے لئے سخت عذاب ہے آخرت میں یا ابھی اس کو قتل کیا جائے گا۔

۲۶۶۔ قصاص میں زندگی ہے: یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگرچہ بھاری معلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رکے گا تو دونوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اس کو قتل کر ڈالتے تھے اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قصاص قاتل کے حق میں باعث حیات اخروی ہے۔

۲۶۷۔ یعنی بچتے رہو قصاص کے خوف سے کسی کو قتل کرنے سے یا بچو قصاص کے سبب عذاب آخرت سے یا اس لئے کہ تم کو حکم قصاص کی حکمت معلوم ہو گئی ہے تو اس کی مخالفت یعنی ترک قصاص سے بچتے رہو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۱۸۰

۱۸۰۔ فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر [۲۶۸]

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ؕ‏ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱۔ پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے جو سن چکا تو اس کا گناہ انہی پر جنہوں نے اس کو بدلا بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۲۶۹]

فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲۔ پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں [۲۷۰] بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے [۲۷۱]

ع ۲۲ ۶

۲۶۸۔ وصیت کی فرضیت کا بیان: پہلا حکم قصاص یعنی مردہ کی جان کے متعلق تھا یہ دوسرا حکم اس کے مال کے متعلق ہے اور کلیات مذکورہ سابقہ میں جو وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى ارشاد ہوا تھا اس کی تشریح ہے لوگوں میں دستور تھا کہ مردہ کا تمام مال اسکی بیوی اور اولاد بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا ماں باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ دینا چاہیئے مرنے والے پر اسی کے موافق وصیت فرض ہوئی اور یہ وصیت اس وقت فرض تھی جس وقت تک آیت میراث نہیں اتری تھی جب سورہ نساء میں احکام میراث نازل ہوئے سب کا حصہ خدا تعالیٰ نے آپ معین فرما دیا اب ترکہ میت میں وصیت فرض نہ رہی اس کی حاجت ہی جاتی رہی البتہ مستحب ہے مگر وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اور تہائی ترکہ سے زائد نہ ہو ہاں اگر کسی شخص کے متعلق دیون اور ودائع وغیرہ دادوستد کا جھگڑا ہو اس پر وصیت اب بھی فرض ہے۔

۲۶۹۔ وصیت کے احکام: یعنی مردہ تو وصیت انصاف کے ساتھ مرا تھا مگر دینے والوں نے اس کی تعمیل نہ کی تو مردہ پر کوئی گناہ نہیں وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوا وہی لوگ گناہگار ہوں گے بیشک حق تعالیٰ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔

۲۷۰۔ یعنی اگر کسی کو مردہ کی طرف سے یہ اندیشہ یا علم ہوا کہ اس نے کسی وجہ سے غلطی کھائی اور کسی کی بے جا رعایت کی یا دیدہ و دانستہ خلاف حکم الٰہی دے گیا۔ پس اس شخص نے اہل وصیت اور وارثوں میں حکم شریعت کے مطابق صلح کرا دی تو اس کو کچھ گناہ نہ ہو گا وصیت میں یہ تغیر و تبدل جائز اور بہتر ہے۔

۲۷۱۔ یعنی حق تعالیٰ تو گنہگاروں کی بھی مغفرت فرماتا ہے تو جس نے اصلاح کی غرض سے ایک برائی سے سب کو ہٹایا اس کی مغفرت تو ضرور فرمائے گا یا یوں کہو کہ بخشنے والا ہے وصیت کرنے والے کو جس نے وصیت ناجائز کی تھی مگر پھر سمجھ کر اس وصیت سے اپنی زندگی ہی میں پھر گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَۙ‏ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳۔ اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر [۲۷۲] تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ [۲۷۳]

اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ‌ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ‌ؕ وَعَلَى الَّذِيۡنَ

۱۸۴۔ چند روز ہیں گنتی کے [۲۷۴] پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے [۲۷۵] اور جن کو طاقت ہے روزہ کی انکے ذمہ بدلا ہے

يُطِيقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ایک فقیر کا کھانا[۲۷۶] پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اسکے واسطے [۲۷۷] اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو[۲۷۸]

۲۷۲۔ روزہ کی فرضیت اور حکمت: یہ حکم روزہ کے متعلق ہے جو ارکان اسلام میں داخل ہے اور نفس کے بندوں ہوا پرستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے اس لئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور یہ حکم حضرت آدمؑ کے زمانہ سے اب تک برابر جاری ہے گو تعین ایام میں ہو اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اس کا ایک بڑا رکن ہے حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔

۲۷۳۔ روزہ کی فرضیت اور حکمت: یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اس کو ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکو گے اور روزہ سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف آئے گا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل ہو جائے اور متقی بن جاؤ، جاننا چاہیئے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کے موافق ان میں اپنی رائے سے تغیر و تبدل کیا تو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں ان پر تعریض ہے معنی یہ ہونگے کہ اے مسلمانو تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود و نصاریٰ کے اس حکم میں خلل نہ ڈالو۔

۲۷۴۔ روزے کے احکام: یعنی چند روز گنتی کے جو زیادہ نہیں روزہ رکھو اور اس سے رمضان کا مہینہ مراد ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔

۲۷۵۔ پھر اس مدت قلیل میں بھی اتنی سہولت اور فرمادی گئی کہ جو بیمار ایسا ہو کہ روزہ رکھنا دشوار ہو یا مسافر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ روزے نہ رکھے اور جتنے روزے کھائے اتنے ہی رمضان کے سوا اور دنوں میں روزے رکھ لے خواہ ایک ساتھ یا متفرق کر کے۔

۲۷۶۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی تو طاقت رکھتے ہیں مگر ابتدا میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی اس لئے ایک ماہ کامل پے در پے روزے رکھنا ان کو نہایت شاق تھا تو ان کے لئے یہ سہولت فرمادی گئی تھی کہ اگرچہ تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر صرف عادت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو اب تم کو اختیار ہے چاہو روزہ رکھو چاہو روزہ کا بدلہ دو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ کیونکہ جب اس نے ایک دن کا کھانا دوسرے کو دے دیا تو گویا اپنے نفس کو ایک روز کے کھانے سے روک لیا اور فی الجملہ روزہ کی مشابہت ہو گئی پھر جب وہ لوگ روزہ کے عادی ہو گئے تو یہ اجازت باقی نہ رہی جس کا بیان اس سے اگلی آیت میں آتا ہے اور بعض اکابر نے طعام مسکین سے صدقۃ الفطر بھی مراد لیا ہے معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کے کھانے کی مقدار اس کو دے دیں جس کی مقدار شرع میں گیہوں کا آدھا صاع اور جو کا پورا صاع ہے تو اب یہ آیت منسوخ نہ ہو گی اور جو لوگ اب بھی یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے روزہ رمضان میں رکھ لے اور جس کا جی چاہے فدیہ پر قناعت کرے خاص روزہ ہی رکھے یہ حکم نہیں وہ یا جاہل ہیں یا بے دین۔

۲۷۷۔ یعنی اگر ایک دن کے کھانے سے زیادہ ایک مسکین کو دے یا کئی مسکینوں کا پیٹ بھر دے تو سبحان اللہ بہت ہی بہتر ہے۔

۲۷۸۔ یعنی اگر تم کو روزہ کی فضیلت اور حکمت اور منافع معلوم ہوں تو جان لو کہ روزہ رکھنا فدیہ مذکورہ کے دینے سے بہتر ہے اور روزہ رکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی
لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ
شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ ؕ وَ مَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا
اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیۡدُ اللّٰهُ
بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫ وَ لِتُکۡمِلُوا
الۡعِدَّۃَ وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ
تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵۔ مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کو اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی [۲۷۹] سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اسکے [۲۸۰] اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیئے اور دنوں سے [۲۸۱] اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو [۲۸۲]

۲۷۹۔ رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے: حدیث میں آیا ہے کہ صحف ابراہیمی اور توریت اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا اور قرآن شریف بھی رمضان کی چوبیسویں رات میں لوح محفوظ سے اول آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسب احوال آپ پر نازل ہوتا رہا اور ہر رمضان میں جبرئیلؑ قرآن نازل شدہ آپ کو مکرر سناجاتے تھے ان سب حالات سے مہینے رمضان کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت اور خصوصیت خوب ظاہر ہو گئی اس لئے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئی پس قرآن کی خدمت اس مہینے میں خوب اہتمام سے کرنی چاہیئے کہ اسی واسطے مقرر اور معین ہوا ہے۔

۲۸۰۔ روزے کے مسائل: یعنی جب اس ماہ مبارک کے فضائل مخصوصہ عظیمہ تم کو معلوم ہو چکے تو اب جس کسی کو یہ مہینہ ملے اس کو روزہ ضرور رکھنا چاہیئے اور بغرض سہولت ابتداء میں جو فدیہ کی اجازت برائے چندے دی گئی تھی وہ موقوف ہو گئی۔

۲۸۱۔ اس حکم عام سے یہ سمجھ میں آتا تھا کہ شاید مریض اور مسافر کو بھی افطار و قضا کی اجازت باقی نہیں رہی اور جیسے روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والوں کو اب افطار کی ممانعت کر دی گئی ایسے ہی مسافر اور مریض کو بھی ممانعت ہو گئی ہو اس لئے مریض و مسافر کی نسبت پھر صاف فرمادیا کہ ان کو رمضان میں افطار کرنے اور اور دنوں میں اس کے قضا کرنے کی اجازت اسی طرح باقی ہے جیسے تھی۔

۲۸۲۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو اول رمضان میں روزہ کا حکم فرمایا اور بوجہ عذر پھر مریض اور مسافر کو افطار کرنے کی اجازت دی اور دیگر اوقات میں ان دنوں کے شمار کے برابر روزوں کا قضا کرنا تم پر پھر واجب فرمایا ایک ساتھ ہونے یا متفرق ہونے کی ضرورت نہیں تو اس میں اس کا لحاظ ہے کہ تم پر سہولت رہے دشواری نہ ہو اور یہ بھی منظور ہے کہ تم اپنے روزوں کا شمار پورا کر لیا کرو ثواب میں کمی نہ آجائے اور یہ بھی مدنظر ہے کہ تم اس طریقہ سراسر خیر کی ہدایت پر اپنے اللہ کی بڑائی بیان کرو اور اس کو بزرگی سے یاد کرو اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان نعمتوں پر تم شکر کرو اور شکر کرنے والوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ سبحان اللہ روزہ جیسی مفید عبادت ہم پر واجب فرمائی اور مشقت و تکلیف کی حالت میں سہولت بھی فرمادی اور فراغت کے وقت میں اس نقصان کے جبر کا طریقہ بھی بتلادیا۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَ
لْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۶۔ اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں[۲۸۳]

۲۸۳۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے قریب ہے: شروع میں یہ حکم تھا کہ رمضان میں اول شب میں کھانے پینے اور عورتوں کے پاس جانے کی اجازت تھی مگر سو رہنے کے بعد ان چیزوں کی ممانعت تھی بعض لوگوں نے اس کے خلاف کیا اور سونے کے بعد عورتوں سے قربت کی پھر آپ ﷺ سے آکر عرض کیا اور اپنے قصور کا اقرار اور ندامت کا اظہار کیا اور توبہ کی نسبت آپ سے سوال کیا تو اس پر یہ آیت اتری کہ تمہاری توبہ قبول کی گئی اور احکام خداوندی کی اطاعت کی تاکید فرمادی گئی اور حکم سابق منسوخ فرما کر آئندہ کو اجازت دے دی گئی کہ تمام شب رمضان میں صبح صادق سے پہلے کھانا وغیرہ تم کو حلال ہے جس کا ذکر اس کے بعد کی آیت میں آتا ہے اور آیت سابقہ میں جو بندوں پر سہولت اور عنایت کا ذکر تھا اس قرب واجابت واباحت سے اس کی بھی خوب تاکید ہوگئی۔ اور ایک تعلق کی وجہ یہ بھی ہے کہ پہلی آیت میں تکبیر اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم تھا آپ ﷺ سے بعض نے پوچھا کہ ہمارا رب دور ہے تو ہم اس کو پکاریں یا نزدیک ہے تو آہستہ بات کریں۔ اس پر یہ آیت اتری یعنی وہ قریب ہے ہر ایک بات سنتا ہے آہستہ ہو یا پکار کر اور جن موقعوں میں پکار کر تکبیر کہنے کا حکم ہے وہ دوسری وجہ سے ہے یہ نہیں کہ وہ آہستہ بات کو نہیں سنتا۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ
اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا
كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ
لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا
تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ

۱۸۷۔ حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے[۲۸۴] وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو انکی[۲۸۵] اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے[۲۸۶] سو معاف کیا تم کو اور درگذر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے[۲۸۷] اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے[۲۸۸] پھر پورا کرو روزہ کو رات تک[۲۸۹] اور نہ ملو عورتوں سے جب تک تم اعتکاف کرو مسجدوں میں[۲۹۰] یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو انکے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں[۲۹۱]

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

۲۸۴۔ رمضان کی راتوں میں مباشرت کی اجازت: رمضان کی رات میں جو نیند کے بعد کھانا پینا عورت کے پاس جانا حرام تھا اس میں بھی سہولت کر دی گئی اب تمام رات میں جب چاہو عورتوں کے ساتھ اختلاط کرو۔

۲۸۵۔ لباس اور پوشاک سے غرض غایت اتصال و اختلاط ہے یعنی جس طرح بدن سے کپڑے لگے اور ملے ہوتے ہیں اسی طرح مرد اور عورت آپس میں ملتے ہیں۔

۲۸۶۔ اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سونے کے بعد عورتوں کے پاس جا کر بوجہ مخالفت حکم الٰہی تم اپنے آپ کو گنہگار بناتے ہو جس سے تمہارے نفس مستحق عتاب ہوتے ہیں اور ان کے ثواب میں نقصان پڑتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم کو معاف فرمایا اور آئندہ کو اجازت فرمادی۔

۲۸۷۔ مجامعت کی غرض و غایت: یعنی لوح محفوظ میں جو اولاد اللہ نے مقدر فرمادی ہے عورتوں کی مباشرت سے وہ مطلوب ہونی چاہیئے محض شہوت رانی مقصود نہ ہو اور اس میں عزل کی کراہت اور لواطت کی ممانعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۲۸۸۔ روزے اور اعتکاف کے مسائل: یعنی جیسے رات بھر مجامعت کی اجازت دی گئی اسی طرح رمضان کی رات میں تم کو کھانے اور پینے کی بھی اجازت ہے صبح صادق تک۔

۲۸۹۔ یعنی طلوع صبح صادق سے رات تک روزہ کو پورا کرو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کئی روزے متصل رکھنے اس طرح پر کہ رات کو بھی افطار کی نوبت نہ آئے مکروہ ہے۔

۲۹۰۔ یعنی روزہ میں تو رات کو مباشرت کی اجازت ہے مگر اعتکاف میں رات دن کسی وقت عورت کے پاس نہ جائے۔

۲۹۱۔ روزہ اور اعتکاف کے متعلق جو حکم دربارۂ حلت و حرمت مذکور ہوئے یہ قاعدے اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں ان سے ہر گز باہر نہ ہونا بلکہ ان کے قریب بھی نہ جانا یا یہ مطلب ہے کہ اپنی رائے یا کسی حجت سے ان میں سر مو تفادت نہ کرنا۔

وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا
بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳

۱۸۸۔ اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق [۲۹۲] اور نہ پہنچاؤ انکو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے [۲۹۳]

۲۹۲۔ مال ناحق کی ممانعت: روزہ سے طہارت نفس مقصود تھی اب تطہیر اموال کا ارشاد ہے اور معلوم ہو گیا کہ مال حلال تو صرف روزہ میں اس کا کھانا منع ہے اور مال حرام سے روزہ مدت العمر کے لئے ہے اس کے لئے کوئی حد نہیں جیسے چوری یا خیانت یا دغا بازی یا رشوت یا زبردستی یا قمار یا بیوع ناجائز یا سود وغیرہ ان ذریعوں سے مال کمانا بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

۲۹۳۔ رشوت کی ممانعت: نہ پہنچاؤ حاکموں تک یعنی کسی کے مال کی خبر نہ دو۔ ظالم حاکموں کو یا اپنا مال بطریق رشوت حاکم تک نہ پہنچاؤ کہ حاکم کو موافق بنا کر کسی کا مال کھالو یا جھوٹی گواہی دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹا دعویٰ کر کے کسی کا مال نہ کھاؤ اور تم کو اپنے ناحق پر ہونے کا علم بھی ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ
لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ
مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا
الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

۱۸۹۔ تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا[۲۹۴] کہہ دے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے[۲۹۵] اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ انکی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو[۲۹۶]

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا
تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

۱۹۰۔ اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے[۲۹۷] اور کسی پر زیادتی مت کرو[۲۹۸] بیشک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو

وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ
حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا
تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ
فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ
الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾

۱۹۱۔ اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا[۲۹۹] اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے[۳۰۰] اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو یہی ہے سزا کافروں کی[۳۰۱]

۲۹۴۔ رویت ہلال کی اہمیت: آفتاب ہمیشہ ایک صورت ایک حالت پر رہتا ہے اور چاند کی صورت بدلتی اور اس کی مقدار بڑھتی گھٹتی رہتی ہے اس لئے لوگوں نے چاند کے کم زیادہ ہونے کی وجہ آپ سے پوچھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی پہلی آیات میں شہر رمضان اور روزہ کا ذکر تھا اس آیت میں ہلال کا ذکر ہے اور روزہ اور رویت ہلال میں تعلق ظاہر ہے کہ ایک دوسرے پر موقوف ہے اور آگے چل کر حج اور اس کے احکام کا ذکر ہے ذکر ہلال اس کے بھی مناسب ہے۔

۲۹۵۔ ایّامِ حج: یعنی ان سے کہدو کہ چاند کا اس طرح پر نکلنا اس سے لوگوں کے معاملات اور عبادات مثل قرض اجارہ عدت مدت حمل و رضاعت روزہ زکوٰۃ وغیرہ کے اوقات ہر ایک کو بے تکلف معلوم ہو جاتے ہیں بالخصوص حج کہ روزہ وغیرہ کی قضا تو ان کے غیر ایام میں ہوتی ہے حج کی تو قضا بھی ایام مقررہ حج کے سوا دوسرے ایام میں نہیں کر سکتے اور حج کے خاص بیان فرمانے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ذیقعدہ ذی الحج محرم رجب یہ چار مہینے اشہر حرام تھے مثلاً ذی الحج یا محرم میں لڑائی پیش آتی تو اس کو تو صفر بنا لیتے اور جب صفر آتا تو اس کو ذی الحج یا محرم ٹھہرا لیتے انکے اس خیال کے ابطال کی غرض سے یہاں حج کی تصریح فرمائی کہ جو ایام حج کے لئے اللہ نے مقرر فرمائے ان میں تقدم تاخر ہر گز جائز نہیں اب یہاں سے حج کے متعلقات اور اس کے احکام دور تک ذکر ہوں گے۔

۲۹۶۔ گھروں میں داخل ہونے کا حکم: زمانہ جاہلیت کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب گھر سے نکل کر حج کا احرام باندھتے پھر کوئی ضرورت گھر میں جانے کی پیش آتی تو دروازہ سے نہ جاتے چھت پر چڑھ کر گھر کے اندر اترتے یا گھر کی پشت کی جانب نقب دے کر گھستے اور اس کو نیکی کی بات سمجھتے اللہ نے اس کو غلط فرما دیا۔ فائدہ پہلے جملہ میں حج کا ذکر تھا اور یہ حکم بھی حج کے متعلق تھا اس مناسبت سے اس حکم کو یہاں بیان فرمایا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں اھلّہ سے مراد شہر حج یعنی شوال اور ذیقعدہ اور دس راتیں ذی الحجہ کی ہیں کہ احرام حج ان میں ہونا چاہیئے لوگوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ حج کے یہی ایام ہیں یا اور ایام میں بھی حج ہو سکتا ہے اللہ نے جواب دیا کہ حج کے لئے اشہر حج مقرر اور معین ہیں اور اسی کی مناسبت سے احرام کے اندر گھر میں جانے کی کیفیت ذکر فرما دی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنی طرف سے کسی جائز اور مباح امر کو نیکی بنا لینا اور دین میں داخل کر لینا مذموم اور ممنوع ہے جس سے بہت سی باتوں کا بدعت اور مذموم ہونا معلوم ہو گیا۔

۲۹۷۔ حرم میں قتال کا حکم: حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے مکہ دارالامن تھا، کوئی اپنے دشمن کو بھی مکہ میں پاتا تو کچھ نہ کہتا اور اشہر حرام یعنی ذی القعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب یہ چار مہینے بھی امن کے تھے ان میں تمام ملک عرب میں لڑائی موقوف ہو جاتی اور کوئی کسی کو کچھ نہ کہتا ذی القعدہ ۰۶ ہجری میں حضرت ﷺ جماعت صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے قصد سے مکہ کی زیارت کو تشریف لائے جب آپ مکہ کے نزدیک پہنچے تو مشرکین جمع ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے اور مسلمانوں کو روک دیا آخر کو اس پر صلح ہوئی کہ اب تو بدون زیارت واپس ہو جائیں اور اگلے برس آن کر عمرہ کریں اور تین روز اطمینان سے مکہ میں رہیں جب دوسرے برس ذی القعدہ ۰۷ ہجری میں آپ ﷺ نے مکہ کا قصد فرمایا تو آپ ﷺ کے اصحاب کو یہ اندیشہ تھا کہ اہل مکہ اگر اب بھی وعدہ خلافی کر کے لڑنے بھڑنے کو تیار ہو گئے تو پھر ہم کیا کریں گے لڑیں تو شہر حرام اور حرم مکہ میں کیونکر لڑیں اور نہ لڑیں تو عمرہ کیسے کریں اس پر حکم الٰہی آیا کہ اگر وہ اس مہینہ حرام خلاف عہد تم سے لڑیں تو تم بھی بلا تامل ان سے لڑو ہاں تمہاری طرف سے ابتداء اور زیادتی نہ ہونی چاہیئے۔ حج کے ذیل میں عمرہ حدیبیہ کی مناسبت سے قتال کفار کا ذکر آیا اس لئے جہاد کے بعض احکام و آداب مناسب مقام مذکور فرمائے جاتے ہیں اس کے بعد پھر حج کے احکام بیان ہوں گے۔

۲۹۸۔ زیادتی مت کرو اس کے معنی یہ کہ لڑائی میں لڑکے اور عورتیں اور بوڑھے قصداً نہ مارے جائیں اور حرم کے اندر اپنی طرف سے لڑائی شروع نہ کی جائے۔

۲۹۹۔ جس جگہ پاؤ یعنی حرم میں ہوں خواہ غیر حرم میں جہاں سے تم کو نکالا یعنی مکہ سے۔

۳۰۰۔ فتنہ پھیلانا قتل سے بڑا گناہ ہے: یعنی دین سے پھر جانا یا دوسرے کو پھرانا مہینہ حرام کے اندر مار ڈالنے سے بہت بڑا گناہ ہے مطلب یہ کہ حرم مکہ میں کفار کا شرک کرنا اور کرانا زیادہ قبیح ہے حرم میں مقاتلہ کرنے سے تو اب اے مسلمانو تم کچھ اندیشہ نہ کرو اور جواب ترکی بہ ترکی دو۔

۳۰۱۔ یعنی مکہ ضرور جائے امن ہے لیکن جب انہوں نے ابتداء کی اور تم پر ظلم کیا اور ایمان لانے پر دشمنی کرنے لگے کہ یہ بات مار ڈالنے سے

بھی سخت ہے تو اب ان کو امان نہ رہی جہاں پاؤ مارو آخر جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے یہی فرمادیا کہ جو ہتھیار سامنے کرے اسی کو مارو اور باقی سب کو امن دیا۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

۱۹۲۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے[۳۰۲]

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

۱۹۳۔ اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر[۳۰۳]

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

۱۹۴۔ حرمت والا مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے[۳۰۴]

وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَ اَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

۱۹۵۔ اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں[۳۰۵] اور نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو

۳۰۲۔ یعنی باوجود ان سب باتوں کے اگر اب بھی مسلمان ہوں اور شرک سے باز آئیں تو توبہ قبول ہے۔

۳۰۳۔ یعنی کافروں سے لڑائی اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور کسی کو دین سے گمراہ نہ کرسکیں اور خاص اللہ ہی کا حکم جاری رہے سو وہ جب شرک سے باز آجائیں تو زیادتی سوائے ظالموں کے اور کسی پر نہیں یعنی جو بدی سے باز آگئے وہ اب ظالم نہ رہے تو اب ان پر زیادتی بھی مت کرو ہاں جو فتنہ سے باز نہ رہیں ان کو شوق سے قتل کرو۔

۳۰۴۔ حرمت کا مہینہ: یعنی ذیقعدہ کہ جس میں عمرہ کی قضا کرنے جا رہے ہو بدلا ہے اس حرمت کے مہینہ یعنی ذیقعدہ کا کہ سال گذشتہ میں اسی مہینہ کے اندر کفار مکہ نے تم کو عمرہ سے روک دیا تھا اور مکہ میں جانے نہ دیا تھا یعنی اب شوق سے ان سے تم بدلہ لو کیونکہ ادب اور حرمت

رکھنے میں تو برابری ہے یعنی اگر کوئی کافر ماہ حرام کی حرمت کرے اور اس مہینہ میں تم سے نہ لڑے تو تم بھی ایسا ہی کرو مکہ والے جو سال گذشتہ میں تم پر ظلم کر چکے اور نہ ماہ حرام کی حرمت کی نہ حرم مکہ کی نہ تمہارے احرام کا لحاظ کیا اور تم نے اس پر بھی صبر کیا اگر اس دفعہ بھی سب حرمتوں سے قطع نظر کر کے آمادہ جنگ ہوں تو تم بھی کسی کی حرمت کا خیال مت کرو بلکہ اگلی پچھلی سب کسر مٹالو مگر جو کرو خدا سے ڈر کر کرو اس کی خلاف اجازت ہر گز نہ ہو اور اللہ تعالی پرہیز گاروں کا بیشک ناصر و مددگار ہے۔

۳۰۵۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں یعنی جہاد وغیرہ میں اپنے مال کو صرف کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی جہاد کو چھوڑ بیٹھو یا اپنے مال کو جہاد میں صرف نہ کرو کہ اس سے تم ضعیف اور دشمن قوی ہوگا۔

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا
اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ
اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٚ فَمَنْ تَمَتَّعَ
بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ
سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ
لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۱۹۶ ع ۲۴ ع ۸

۱۹۶۔ اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے [۳۰۶] پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر [۳۰۷] پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا قربانی [۳۰۸] پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے [۳۰۹] پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے [۳۱۰] یہ حکم اس کے لئے ہے جسکے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس [۳۱۱] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ
فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ؕ وَ مَا

۱۹۷۔ حج کے چند مہینے ہیں معلوم [۳۱۲] پھر جس نے لازم کر لیا ان میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ

تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ
الزَّادِ التَّقۡوٰى ۚ وَاتَّقُوۡنِ يٰٓاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾

تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے[۲۱۳] اور زاد راہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر فائدہ زاد راہ کا بچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو[۳۱۴]

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ
رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ
عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۖ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ ۚ وَ
اِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۱۹۸﴾

۱۹۸۔ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا[۳۱۵] پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے[۳۱۶] اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقف[۳۱۷]

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ
اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾

۱۹۹۔ پھر طواف کے لئے پھرو جہاں سے سب لوگ پھریں اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان[۳۱۸]

فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ
اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ
رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ
خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

۲۰۰۔ پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو[۳۱۹] پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً
وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

۲۰۱۔ اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچالے ہم کو دوزخ کے عذاب سے

اُولٰٓٮِٕكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ
الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

۲۰۲۔ انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے[۳۲۰] اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے[۳۲۱]

وَ اذۡکُرُوا اللّٰہَ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ۚ وَ مَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

۲۰۳۔ اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں [۳۲۲] پھر جو کوئی جلد چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے [۳۲۳] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسکے پاس جمع ہو گے [۳۲۴]

۳۰۶۔ حج کے ضمن میں جہاد کا ذکر جو مناسب تھا اس کو بیان فرما کر اب احکام حج و عمرہ بتلائے جاتے ہیں۔

۳۰۷۔ حج کا اور عمرے کے احکام: مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے حج یا عمرہ شروع کیا یعنی اس کا احرام باندھا تو اس کا پورا کرنا لازم ہو گیا بیچ میں چھوڑ دے اور احرام سے نکل جائے یہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر کوئی دشمن یا مرض کی وجہ سے بیچ میں ہی رک گیا اور حج و عمرہ نہیں کر سکتا تو اس کے ذمہ پر ہے قربانی جو اس کو میسر آئے جس کا ادنیٰ مرتبہ ایک بکری ہے اس قربانی کو کسی کے ہاتھ مکہ کو بھیجے اور یہ مقرر کر دے کہ فلاں روز اس کو حرم مکہ میں پہنچ کر ذبح کر دینا اور جب اطمینان ہو جائے کہ اب اپنے ٹھکانے یعنی حرم میں پہنچ کر اس کی قربانی ہو چکی ہو گی اس وقت سر کی حجامت کرا دے اس سے پہلے ہر گز نہ کرائے اس کو دم احصار کہتے ہیں کہ حج یا عمرہ سے رکنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔

۳۰۸۔ احرام کے مسائل: یعنی اگر حالت احرام میں کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں درد یا زخم ہو تو اس کو بضرورت حالت احرام میں حجامت کرنا سر کا جائز ہے مگر بدلا دینا پڑے گا تین روزے یا چھ محتاجوں کو کھانا کھلانا یا ایک دنبہ یا بکرے کی قربانی کرنا۔ یہ دم جنایت ہے کہ حالت احرام میں بضرورت مرض لاچار ہو کر امور مخالف احرام کرنے پڑے۔

۳۰۹۔ یعنی جو محرم کہ دشمنی کی طرف سے اور مرض سے مطمئن ہو خواہ اس کو کسی قسم کا اندیشہ پیش ہی نہ آیا یا دشمن کا خوف یا بیماری کا کھٹکا پیش تو آیا مگر جلد زائل ہو گیا یا احرام حج و عمرہ میں اس سے خلل نہ آنے پایا تو اس کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے حج اور عمرہ دونوں ادا کئے یعنی قران یا تمتع کیا اِفراد نہیں کیا تو اس پر قربانی ایک بکرا یا ساتواں حصہ اونٹ یا گائے کا لازم ہے اس کو دم قران اور دم تمتع کہتے ہیں امام ابو حنیفہؒ اس کو دم شکر کہتے ہیں اور اس کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور امام شافعیؒ اس کو دم جبر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔

۳۱۰۔ یعنی جس نے قران یا تمتع کیا اور اس کو قربانی میسر نہ ہوئی تو اس کو چاہیئے کہ تین روزے رکھے حج کے دنوں میں جو کہ یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ پر ختم ہوتے ہیں اور سات روزے جب رکھے کہ حج سے بالکل فارغ ہو جائے دونوں کا مجموعہ دس روزے ہو گیا۔

۳۱۱۔ یعنی قران و تمتع اسی کے لئے ہے جو مسجد حرام یعنی حرم مکہ کے اندر یا اس کے قریب نہ رہتا ہو بلکہ حِل یعنی خارج از میقات کا رہنے والا ہو اور جو حرم مکہ کے رہنے والے ہیں وہ صرف اِفراد کریں۔

۳۱۲۔ اشہرِ حج: شوال کے غرّہ سے لے کر بقر عید کی صبح یعنی ذی الحجہ کی دسویں رات تک ان کا نام اشہرِ حج ہے اس لئے کہ احرام حج ان کے اندر ہوتا ہے۔ اگر اس سے پہلے کوئی احرام حج کا باندھے گا تو وہ ناجائز یا مکروہ ہو گا۔ یعنی حج کے لئے چند مہینے مقرر ہیں اور سب کو معلوم ہیں مشرکین عرب جو اپنی ضرورت میں ان میں تغیر و تبدل کرتے تھے جس کو دوسری آیت میں انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر فرمایا گیا ہے یہ بالکل بے

اصل اور باطل ہے۔

۳۱۳۔ زاد راہ لینا بہتر ہے: حج لازم کیا یعنی احرام حج کا باندھا اس طرح پر کہ دل سے نیت کی اور زبان سے تلبیہ پڑھا۔

۳۱۴۔ ایک غلط دستور کفر میں یہ بھی تھا کہ بغیر زادہ راہ خالی ہاتھ حج کو جانا ثواب سمجھتے اور اس کو توکل کہتے اور وہاں جا کر ہر ایک سے مانگتے پھرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مقدور ہو وہ خرچ ہمراہ لے کر جائیں تاکہ خود تو سوال سے بچیں اور لوگوں کو حیران نہ کریں۔

۳۱۵۔ حج میں تجارت کی اجازت: حج کے سفر میں اگر سوداگری بھی کرو تو گناہ نہیں بلکہ مباح ہے لوگوں کو اس میں شبہ ہوا تھا کہ شاید تجارت کرنے سے حج میں نقصان آئے اب جس کو مقصود اصلی حج ہو اور اس کے ذیل میں تجارت بھی کر لے تو اس کے ثواب میں نقصان نہ آئے گا۔

۳۱۶۔ مزدلفہ میں قیام کا حکم: مشعر الحرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے جس پر امام وقوف کرتا ہے اس پہاڑ پر قیام کرنا افضل ہے اور تمام مزدلفہ میں جہاں قیام کرے جائز ہے سوا وادی محسر کے۔

۳۱۷۔ یعنی کفار بھی اللہ کا ذکر تو کرتے تھے مگر شرک کے ساتھ وہ ذکر نہ چاہیئے بلکہ توحید کے ساتھ جس کی تم کو ہدایت فرمائی۔

۳۱۸۔ عرفات میں واپس آنے کا حکم: زمانہ کفر کی ایک غلطی یہ بھی تھی کہ مکہ کے لوگ عرفات تک نہ جاتے کہ عرفات حرم سے باہر ہے بلکہ حرم کی حد یعنی مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور قریش مکہ کے سوا اور سب عرفات تک پہنچتے اور پھر وہاں سے طواف کے لئے مکہ کو واپس آتے سو اس لئے فرما دیا کہ جہاں سے سب لوگ طواف کو آئیں تم بھی وہیں سے جا کر لوٹو یعنی عرفات سے اور اگلی تقصیر پر نادم ہو۔

۳۱۹۔ منیٰ میں ذکر اللہ کا اہتمام: یعنی دسویں ذی الحجہ کو جب افعال حج رمی جمرہ اور ذبح قربانی اور سر منڈانے اور طواف کعبہ اور سعی صفا مروہ سے فراغت پا چکو تو زمانہ قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو جیسے کفر کے زمانے میں اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرنا چاہیئے۔ ان کا قدیم دستور تھا کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں تین روز قیام کرتے اور بازار لگاتے اور اپنے باپ دادا کی بڑائی اور فضائل بیان کیا کرتے سو اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور فرما دیا کہ ان دنوں میں خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

۳۲۰۔ دعا مانگنے کے آداب: پہلے یہ فرمایا تھا کہ اللہ کا ذکر کرو اوروں کا مت کرو اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے اور اس سے دعا مانگنے والے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ جن کا مطلوب صرف دنیا ہے ان کی دعا یہی ہے کہ ہم کو جو کچھ دولت عزت وغیرہ دی جائے دنیا ہی میں دے دی جائے سو یہ لوگ تو آخرت کی نعمتوں سے بے بہرہ ہیں دوسرے وہ کہ طالب آخرت ہیں جو دنیا کی خوبی یعنی توفیق بندگی وغیرہ اور آخرت کی خوبی یعنی ثواب و رحمت و جنت دونوں کو طلب کرتے ہیں سو ایسوں کو آخرت میں ان کے حج اور دعا جملہ حسنات سے پورا حصہ ملے گا۔

۳۲۱۔ یعنی قیامت کو سب سے ایک دم میں حساب لے گا یا یوں کہو کہ قیامت کو دور مت سمجھو بلکہ جلد آنے والی ہے اس سے کسی طرح بچاؤ ممکن نہیں اس کی فکر سے غافل مت ہو۔

۳۲۲۔ ایام معدودات سے مراد ذی الحجہ کی گیارہویں بارہویں تیرہویں تاریخیں ہیں جن میں حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام کا حکم ہے ان دنوں میں رمی جمار یعنی کنکریوں کے مارنے کے وقت اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم ہے اور دیگر اوقات میں بھی ان دنوں میں چاہیئے کہ تکبیر اور ذکر الٰہی کثرت سے کرے۔

۳۲۳۔ منیٰ میں قیام کی مدت: یعنی گناہ تو یہ ہے کہ ممنوعات شرعیہ سے پرہیز نہ کرے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے اور زمانہ حج میں پرہیزگاری کرے تو پھر اس بات میں کچھ گناہ نہیں کہ منیٰ میں دو دن قیام کیا کہ تین دن کہ اللہ نے دونوں باتیں جائز رکھیں مگر افضل یہی ہے کہ تین روز قیام کرے۔

۳۲۴۔ یعنی حج کی خصوصیت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے ہر کام میں اور ہر وقت ڈرتے رہو کہ تم سب کو قبروں سے اٹھ کر اس کے پاس جمع ہونا ہے حساب دینے کو حج کا ذکر تو تمام ہو چکا مگر حج کے ذیل میں جو لوگوں کی دو قسموں کا ذکر آگیا تھا فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اور مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ یعنی

کافر اور مومن کا ثواب اس کی مناسبت سے تیسری قسم یعنی منافق کا بھی حال بیان کیا جاتا ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

۲۰۴۔ اور بعضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات دنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

۲۰۵۔ اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

۲۰۶۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اس کو دوزخ اور وہ بیشک برا ٹھکانہ ہے[۳۲۵]

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

۲۰۷۔ اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں[۳۲۶] اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر[۳۲۷]

۳۲۵۔ یہ حال ہے منافق کا کہ ظاہر میں خوشامد کرے اور اللہ کو گواہ کرے کہ میں سچا ہوں اور میرے دل میں اسلام کی محبت ہے اور جھگڑے کے وقت کمی نہ کرے اور قابو پاوے تو لوٹ مار مچادے اور منع کرنے سے اس کو زیادہ ضد چڑے اور گناہ میں ترقی کرے کہتے ہیں ایک شخص اخنس ابن شریق تھا منافق فصیح و بلیغ جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں آتا تو غایت اخلاص اور محبت اسلام ظاہر کرتا اور جب چلا جاتا تو کسی کی کھیتی جلا دیتا کسی کے جانوروں کے پیر کاٹ ڈالتا اس پر منافقین کی برائی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۲۶۔ پہلی آیت میں اس منافق کا ذکر تھا جو دین کے بدلے دنیا لیتا تھا اس کے مقابلے میں اب اس آیت میں اس مخلص کامل الایمان کا ذکر ہے جو دنیا اور جان و مال کو طلب دین میں صرف کرتا ہے۔ کہتے ہیں حضرت صہیب رومیؓ بارادہ ہجرت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں آتے تھے۔ رستہ میں مشرکین نے ان کو گھیر لیا صہیبؓ نے کہا کہ میں اپنا گھر اور تمام مال تم کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ مجھ کو مدینہ جانے دو اور ہجرت سے نہ روکو اس پر وہ راضی ہو گئے اور صہیبؓ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں چلے گئے اس پر یہ آیت مخلصین کی تعریف میں نازل ہوئی۔

۳۲۷۔ اُس کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کو توفیق دی جو اس کی خوشی میں اپنی جان اور مال حاضر کر دیتے ہیں نیز ہر ایک کی جان و مال تو اللہ کی ملک ہے پھر جنت کے بدلے اس کو خریدنا یہ محض اس کا احسان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً ۖ وَ
لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ
مُّبِيۡنٌ ﴿۲۰۸﴾

۲۰۸۔ اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے[۳۲۸] اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے[۳۲۹]

فَاِنۡ زَلَـلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡكُمُ الۡبَيِّنٰتُ
فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۰۹﴾

۲۰۹۔ پھر اگر تم بچلنے لگو اس کے بعد اس کہ پہنچ چکے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا[۳۳۰]

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ
الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۲۱۰﴾ ع ۲۵

۲۱۰۔ کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور طے ہو جاوے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام[۳۳۱]

۳۲۸۔ اسلام پر پورا پورا عمل کرو اور بدعت سے بچو: پہلی آیت میں مومن مخلص کی مدح فرمائی تھی جس سے نفاق کا ابطال منظور تھا اب فرماتے ہیں کہ اسلام کو پورا پورا قبول کرو یعنی ظاہر اور باطن اور عقیدہ اور عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو یہ نہ ہو کہ اپنی عقل یا کسی دوسرے کے کہنے سے کوئی حکم تسلیم کر لو یا کوئی عمل کرنے لگو سو اس سے بدعت کا قلع قمع مقصود ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کو کسی وجہ سے مستحسن سمجھ کر اپنی طرف سے دین میں شمار کر لیا جائے مثلاً نماز اور روزہ جو کہ افضل عبادات ہیں اگر بدون حکم شریعت کوئی اپنی طرف سے مقرر کرنے لگے جیسے عید کے دن عید گاہ میں نوافل کو پڑھنا یا ہزارہ روزہ رکھنا یہ بدعت ہو گا خلاصہ ان آیات کا یہ ہوا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور بدعات سے بچتے رہو چند حضرات یہود سے مشرف با اسلام ہوئے مگر احکام اسلام کے ساتھ احکام تورات کی بھی رعایت کرنی چاہتے تھے مثلاً ہفتہ کے دن کو معظم سمجھنا اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام ماننا اور تورات کی تلاوت کرنا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس سے بدعت کا انسداد کامل فرمایا گیا۔

۳۲۹۔ کہ اپنے وسوسہ سے بے اصل چیزوں کو تمہارے دلنشیں کر دیتا ہے اور دین میں بدعات کو شامل کرا کر تمہارے دین کو خراب کرتا ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو۔

۳۳۰۔ شریعت سے انحراف موجب عذاب ہے: یعنی شریعت محمدی کے صاف صاف احکام معلوم ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اس پر قائم نہ ہو بلکہ دوسری طرف بھی نظر رکھے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ سب پر غالب ہے جس کو چاہے سزا دے کوئی اس کے عذاب کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے جو کرتا ہے حق اور مصلحت کے موافق کرتا ہے خواہ عذاب دے یا کچھ ڈھیل دے یعنی نہ جلد باز ہے نہ بھولنے والا نہ خلاف

انصاف اور غیر مناسب امر کرنے والا۔

۳۳۱۔ شریعت سے انحراف موجب عذاب ہے: یعنی جو لوگ حق تعالیٰ کے صاف صاف احکام کے بعد بھی اپنی کجروی سے باز نہیں آتے تو ان کو رسول اور قرآن پر تو یقین اور اعتماد نہ ہوا اب صرف اس کی کسر ہے کہ خدائے پاک خود اور اس کے فرشتے ان پر آئیں اور جزا اور سزا کا قصہ جو قیامت کو ہونے والا ہے آج ہی فیصل کیا جائے سو آخر کار سب امور حساب اور عذاب وغیرہ کا مرجع اللہ ہی کی طرف ہے تمام حکم اسی کے حضور سے صادر ہوں گے اس میں کوئی تردد کی بات نہیں گھبراتے کیوں ہو۔

سَلْ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

۲۱۱۔ پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر عنایت کیں ہم نے انکو نشانیاں کھلی ہوئیں [۳۳۲] اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ کا عذاب سخت ہے [۳۳۳]

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

۲۱۲۔ فریفتہ کا ہے کافروں کو دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں کو [۳۳۴] اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار [۳۳۵]

۳۳۲۔ بنی اسرائیل کے حال سے استدلال: اس سے پہلے فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ کے صاف حکم کے بعد اس کی مخالفت کرنا موجب عذاب ہے اب اسی کی تائید میں فرماتے ہیں کہ خود بنی اسرائیل ہی سے پوچھو کہ ہم نے ان پر کتنی آیات واضحات اور صریح احکام بھیجے جب ان سے انحراف کیا تو مبتلائے عذاب ہوئے یہ نہیں کہ ہم نے اول ہی ان کو عذاب دیا ہو۔

۳۳۳۔ یعنی یہ قاعدہ البتہ محقق ہے کہ جو کوئی اللہ کے احکام سراپا ہدایت کو بدلے اور اس کے انعامات اور احسانات کا کفران کرے تو پھر اس کا عذاب سخت ہے آیات کے بدلنے والے پر کہ دنیا میں مارا جائے اور لوٹا جائے یا جزیہ دے اور ذلیل ہو اور قیامت کو دوزخ میں جائے ہمیشہ کے لئے۔ فائدہ نعمت کے پہنچ چکنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا علم حاصل ہو جائے یا بے تکلف حاصل ہو سکے۔

۳۳۴۔ دنیا کفار کی جنت ہے: یعنی کافر جو اللہ کے صاف احکام اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہو چکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نظروں میں دنیا کی محبت اور اس کی خوبی ایسی سما گئی ہے کہ اس کے مقابلے میں آخرت کے رنج و راحت کو خیال ہی میں نہیں لاتے بلکہ مسلمان جو فکر آخرت میں مصروف اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں مشغول ہیں الٹا ان کو ہنستے ہیں اور ذلیل سمجھتے ہیں سو ایسے احمق نفس کے بندوں سے تعمیل احکام الٰہی ہو تو کیونکر ہو۔ رؤسائے حضرت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور فقرائے مہاجرین کو دیکھ کر تمسخر کرتے کہ ان فقیروں محتاجوں کی امداد سے عرب کے سرداروں پر غالب آنا اور دنیا بھر کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

۳۳۵۔ اللہ کے نزدیک مومنین کا مقام: اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ ان کی جہالت اور خام خیالی ہے کہ دنیا پر ایسے غش

ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہی غرباء اور فقراء قیامت کو ان سے اعلیٰ اور برتر ہوں گے اور اللہ دنیا و آخرت میں جس کو چاہے بے شمار روزی عطا فرمائے چنانچہ انہی غریبوں کو جن پر کافر ہنستے تھے اموال بنی قریظہ اور نضیر اور سلطنت فارس اور روم وغیرہ پر اللہ نے مسلط کر دیا۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۖ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

۲۱۳۔ تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری انکے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ [۳۳۶]

۳۳۶۔ پیغمبروں اور کتابوں کے بھیجنے کی حکمت: حضرت آدمؑ کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا ایک مدت تک اس کے بعد دین میں لوگوں نے اختلاف ڈالا تو خدا تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب کی بشارت دیتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی بھیجی تاکہ لوگوں کا اختلاف اور نزاع دور ہو اور دین حق ان کے اختلاف سے محفوظ اور قائم رہے اور احکام الٰہی میں انہی لوگوں نے اختلاف ڈالا جن کو وہ کتاب ملی تھی جیسے یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں اختلاف و تحریف کرتے تھے اور یہ نزاع بے سمجھی سے نہیں کرتے تھے بلکہ خوب سمجھ کر محض حب دنیا اور ضد اور حسد سے ایسا کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو طریقہ حق کی تعلیم ہدایت فرمائی اور گمراہوں کے اختلافات سے بچا لیا جیسے آپ کی امت کو ہر عقیدہ اور ہر عمل میں امر حق کی تعلیم فرمائی اور یہود و نصاریٰ کے اختلاف اور افراط و تفریط سے ان کو محفوظ رکھا۔ فائدہ: اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ اللہ نے جو کتابیں اور نبی متعدد بھیجے تو اس واسطے نہیں کہ ہر فرقہ کو جدا طریقہ بتلایا ہو بلکہ سب کے لئے اللہ نے اصل میں ایک ہی رستہ مقرر کیا جس وقت اس راہ سے بچلے تو اللہ نے نبی کو بھیجا اور کتاب اتاری کہ اس کے موافق چلیں اس کے بعد پھر بہکے تو دوسرا نبی اور کتاب اللہ پاک نے اسی ایک راہ کے قائم کرنے کو بھیجا اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بے شمار جب ایک مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز فرمایا جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ فرما دیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے اور وہ طریقہ اسلام ہے جس کے لئے پیغمبر آخر الزماں ﷺ اور قرآن شریف بھیجے گئے۔ دوسری بات یہ معلوم ہو گئی کہ سنت اللہ یہی جاری ہے کہ برے لوگ ہر نبی مبعوث کے خلاف اور ہر کتاب الٰہی میں اختلاف کو پسند کرتے رہے اور اس میں ساہی رہے تو اب اہل ایمان کو کفار کی بد سلوکی اور فساد سے تنگدل ہونا نہ چاہیئے۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾

۲۱۴۔ کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی انکو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے[۳۳۷]

۳۳۷۔ تکالیف میں صبر کی حکیمانہ تاکید: پہلے مذکور ہوا کہ دشمنوں کے ہاتھ سے انبیاء اور ان کی امتوں کو ہمیشہ ایذائیں ہوئیں تو اب اہل اسلام کو ارشاد ہے کہ کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگلی امتوں کو جو ایذائیں پیش آئیں وہ تم کو پیش نہیں آئیں کہ ان کو فقر وفاقہ اور مرض اور خوف کفار اس درجہ کو پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہو کر نبی اور ان کی امت بول اٹھی کہ دیکھئے اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آئے گی یعنی بمقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے۔ انبیاء اور مومنین کا یہ کہنا کچھ شک کی وجہ سے نہ تھا حضرت مولانا اسی کی بابت مثنوی میں فرماتے ہیں در گماں اُفتاد جان انبیاء ز اتفاق منکری اشقیاء۔ بلکہ بحالت اضطرار بقتضائے بشریت اس کی نوبت آئی جس میں کوئی ان پر الزام نہیں جب نوبت یہاں تک پہنچی تو رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ اللہ کی مدد آ گئی گھبراؤ نہیں سوائے مسلمانو تکالیف دنیوی سے اور دشمنوں کے غلبہ سے گھبراؤ نہیں تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَا ذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ وَ الۡيَتٰمٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَ ابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱۵﴾

۲۱۵۔ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں[۳۳۸] کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے[۳۳۹]

۳۳۸۔ آیات سابقہ میں کلیۃً یہ مضمون بہت تاکید سے بیان ہوا کہ کفر ونفاق کو چھوڑو اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو حکم الٰہی کے مقابل کسی کی مت سنو اللہ کی خوشی میں جان ومال خرچ کرو اور ہر طرح کی شدت اور تکلیف پر تحمل کرو اب یہاں سے اسی کلیہ کے متعلق جزئیات کی تفصیل بیان ہوتی ہے جو کہ مال اور جان اور دیگر معاملات مثل نکاح وطلاق وغیرہ کے متعلق ہیں تاکہ اس کلیہ کی تحقیق وتاکید خوب ذہن نشین ہو جائے۔

۳۳۹۔ انفاقِ مال کے مصارف: بعض اصحاب جو مالدار تھے انہوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ مال میں سے کیا خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں

اس پر یہ حکم ہوا کہ قلیل خواہ کثیر جو کچھ خدا کے لئے خرچ کرو وہ والدین اور اقارب اور یتیم اور محتاج اور مسافروں کے لئے ہے یعنی حصول ثواب کے لئے خرچ کرنا چاہو تو جتنا چاہو کرو اس کی کوئی تعین و تحدید نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ جو مواقع ہم نے بتلائے اُن میں صرف کرو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶ ۱۰

۲۱۶۔ فرض ہوئی تم پر لڑائی [۳۴۰] اور وہ بری لگتی ہے تم کو [۳۴۱] اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۳۴۲]

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

۲۱۷۔ تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا [۲۴۳] کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے [۳۴۴] اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اسکے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک [۳۴۵] اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے [۳۴۶] اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں [۳۴۷] اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [۳۴۸]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ

۲۱۸۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت

سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ يَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۱۸﴾

کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۳۳۹]

۳۴۰۔ جہاد کی فرضیت: یعنی دین کے دشمنوں سے لڑنا فرض ہوا۔ فائدہ: جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو مقاتلہ کی اجازت نہ ہوئی۔ جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تو مقاتلہ کی اجازت ہوئی مگر صرف ان کفار سے کہ جو خود اہل اسلام سے مقاتلہ کریں اس کے بعد علی العموم کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہوگئی اور جہاد فرض ہوا اگر دشمنان دین مسلمانوں پر چڑھائی کریں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ بشرطیکہ جملہ شرائط جہاد جو کتب فقہ میں مذکور ہیں پائی جائیں البتہ جن لوگوں سے مسلمان مصالحت اور معاہدہ کرلیں یا ان کی امن اور حفاظت میں آ جائیں تو ان سے لڑائی کرنا یا ان کے مقابلہ میں ان کے کسی مخالف کو مدد دینا ہرگز مسلمانوں کو جائز نہیں۔

۳۴۱۔ جہاد کے فضائل: برے لگنے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو دشوار اور گراں معلوم ہوتا ہے یہ نہیں کہ قابل ردو انکار نظر آئے اور مخالف حکمت و مصلحت سمجھا جائے اور موجب ناخوشی و تنفر ہو سو اتنی سے بات میں کوئی الزام نہیں جب انسان کو بالطبع زندگی سے کوئی چیز مرغوب نہیں تو ضرور مقاتلہ سے زیادہ دشوار کوئی شے نہ ہونی چاہیئے۔

۳۴۲۔ یعنی یہ بات ضروری نہیں کہ جس چیز کو تم اپنے حق میں نافع یا مضر سمجھو وہ واقع میں بھی تمہارے حق میں ویسی ہی ہوا کرے بلکہ ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لئے مضر سمجھو اور وہ مفید ہو اور کسی چیز کو مفید خیال کرلو اور وہ مضر ہو تم نے تو سمجھ لیا کہ جہاد میں جان و مال سب کا نقصان ہے اور ترک جہاد میں دونوں کی حفاظت اور یہ نہ جانا کہ جہاد میں دنیا و آخرت کے کیا کیا منافع ہیں اور اس کے ترک میں کیا کیا نقصان ہیں تمہارے نفع و نقصان کو خدا ہی خوب جانتا ہے تم اسے نہیں جانتے اس لئے وہ جو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اپنے اس خیال کو چھوڑو۔

۳۴۳۔ شہر حرام میں قتال کی ممانعت: حضرت فخر عالم ﷺ نے اپنی ایک جماعت کافروں کے مقابلہ کو بھیجی انہوں نے کافروں کو مارا اور مال لوٹ لائے مسلمان تو جانتے تھے کہ وہ اخیر دن جمادی الثانی کا ہے اور وہ رجب کا غرہ تھا جو کہ اشہر حرم میں داخل ہے کافروں نے اس پر بہت طعن کیا کہ محمد ﷺ نے حرام مہینہ کو بھی حلال کر دیا اور اپنے لوگوں کو حرام مہینہ میں لوٹ مار کی اجازت دے دی مسلمانوں نے حاضر ہو کر آپ ﷺ سے پوچھا کہ ہم سے شبہ میں یہ کام ہوا اس کا کیا حکم ہے تب یہ آیت اتری۔

۳۴۴۔ یعنی شہر حرام میں قتال کرنا بیشک گناہ کی بات ہے لیکن حضرات صحابہ نے تو اپنے علم کے موافق جمادی الثانی میں جہاد کیا تھا شہر حرم یعنی رجب میں نہیں کیا اس لئے مستحق عفو ہیں ان پر الزام لگانا بے انصافی ہے۔

۳۴۵۔ یعنی لوگوں کو اسلام لانے سے روکنا اور خود دین اسلام کو تسلیم نہ کرنا اور زیارت بیت اللہ سے لوگوں کو روکنا اور مکہ کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ باتیں شہر حرام میں مقاتلہ کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہیں اور کفار برابر یہ حرکات کرتے تھے خلاصہ یہ کہ شہر حرام میں بلاوجہ اور ناحق لڑنا بیشک اشد گناہ ہے مگر جو لوگ کہ حرم میں بھی کفر پھیلائیں اور بڑے بڑے فساد کریں اور اشہر حرم میں بھی مسلمانوں کے ستانے میں قصور نہ کریں ان سے لڑنا منع نہیں علاوہ ازیں جب مشرکین ایسے امور شنیعہ میں سرگرم ہیں تو ایک تھوڑے قصور پر مسلمانوں کی نسبت طعن کرنا جو ان سے بوجہ لاعلمی صادر ہوا بڑی شرم کی بات ہے۔

۳۴۶۔ فتنہ انگیزی قتل سے بڑا جرم ہے: یعنی دین میں فتنہ اور فساد ڈالنا کہ لوگ دین حق کو قبول نہ کریں اس قتل سے بدرجہا مذموم ہے جو مسلمانوں سے شہر حرام میں واقع ہوا مشرکین کی عادت تھی کہ دین اسلام کی باتوں میں طرح طرح سے خدشات کیا کرتے تھے تاکہ لوگ شبہ

میں پڑ جائیں اور اسلام کو قبول نہ کریں چنانچہ اسی قصہ میں کہ مسلمانوں سے شہر حرام میں بوجہ لاعلمی قتل واقعہ ہوا اس پر مشرکین نے جو زبان درازی کی تو اس سے مقصود یہی تھا کہ لوگ قبول اسلام سے متنفر ہو جائیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں سے جو قتل صادر ہوا اس پر مشرکین کا طعن کرنا اس وجہ سے کہ لوگ دین حق سے بچل جائیں قتل مذکور سے بدرجہا مذموم و شنیع ہے۔

۳۴۷۔ یعنی جب تک تم دین حق پر قائم رہو گے یہ مشرکین کسی حالت اور کسی موقع پر بھی تمہارے مقاتلہ اور مخالفت میں کمی نہیں کریں گے حرم مکہ اور شہر حرام ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ عمرہ حدیبیہ میں پیش آیا نہ حرم مکہ کی حرمت کی اور نہ شہر حرام کی بلاوجہ محض عناد سے مارنے مرنے کو مستعد ہو گئے اور مسلمانوں کے مکہ میں جانے اور عمرہ کرنے کے روادار نہ ہوئے پھر ایسے معاندین کے طعن تشنیع کی کیا پروا کی جائے اور ان سے مقاتلہ کرنے میں شہر حرم کی وجہ سے کیوں رکا جائے۔

۳۴۸۔ یعنی دین اسلام سے پھر جانا اور اسی حالت پر اخیر تک قائم رہنا ایسی سخت بلا ہے کہ عمر بھر کے نیک کام ان کے ضائع ہو جاتے ہیں کہ کسی بھلائی کے مستحق نہیں رہتے دنیا میں نہ ان کی جان و مال محفوظ رہے نہ نکاح قائم رہے نہ ان کو میراث ملے نہ آخرت میں ثواب ملے اور نہ کبھی جنت سے نجات نصیب ہو ہاں اگر پھر اسلام قبول کر لے تو صرف اس اسلام کے بعد کے اعمال حسنہ کی جزا پوری ملے گی۔

۳۴۹۔ مخلصین کی غلطیوں کا حکم: آیات سابقہ سے جماعت اصحاب مذکورہ بالا کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہمارے اوپر اس بارہ میں کوئی مواخذہ نہیں مگر یہ تردد ان کو تھا کہ دیکھئے اس جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں اس پر یہ آیت اتری کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے واسطے اس کے دشمنوں سے لڑے اپنی کوئی غرض اس لڑائی میں نہ تھی وہ بیشک اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے مستحق ہیں اور اللہ اپنے بندوں کی خطائیں بخشنے والا اور ان پر انعام فرمانے والا ہے وہ ایسے تابعداروں کو محروم نہ کرے گا۔

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَ الۡمَيۡسِرِ ؕ قُلۡ فِيۡهِمَاۤ اِثۡمٌ
كَبِيۡرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ
وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ۬ قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ۙ ﴿۲۱۹﴾

۲۱۹۔ تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا[۳۵۰] کہدے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے[۳۵۱] اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہدے جو بچے اپنے خرچ سے[۳۵۲] اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم فکر کرو

فِى الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ
قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ وَ
اللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ
لَاَعۡنَتَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۰﴾

۲۲۰۔ دنیا و آخرت کی باتوں میں[۳۵۳] اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم[۳۵۴] کہدے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو[۳۵۵] اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا[۳۵۶] بیشک اللہ زبردست ہے تدبیر والا[۳۵۷]

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ
مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا
تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ
مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ
يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ
الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
ع ۲۷ ۵ ۱۱ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

۲۲۱۔ اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کردو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے [۳۵۸] وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف [۳۵۹] اور اللہ بلاتا ہے جنت کی اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں

۳۵۰۔ شراب اور جوئے کا بیان: شراب اور جوئے کے حق میں کئی آیتیں اتریں ہر ایک میں ان کی برائی ظاہر کی گئی آخر سورۃ مائدہ کی آیت میں صاف ممانعت کر دی گئی۔ اب جو چیزیں نشہ لاویں وہ سب حرام ہیں اور جو شرط بدی جائے کسی چیز پر جس میں ہار اور جیت ہو وہ محض حرام ہے اور ایک طرف کی شرط حرام نہیں۔

۳۵۱۔ شراب پینے سے عقل جاتی رہتی ہے جو تمام امور شنعیہ سے بچاتی ہے اور لڑائی اور قتل وغیرہ طرح طرح کی خرابیوں کی نوبت آتی ہے اور مختلف قسم کے امراض روحانی اور جسمانی پیدا ہوتے ہیں جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتے ہیں اور جوا کھیلنے میں حرام مال کا کھانا اور سرقہ اور تضیع مال اور عیال باہم دشمنی وغیرہ طرح طرح کے مفاسد ظاہری و باطنی پیش آتے ہیں ان میں سر سری نفع بھی ہے مثلاً شراب پی کر لذت و سرور ہو گیا اور جوا کھیل کر بلا مشقت مال ہاتھ آ گیا۔

۳۵۲۔ مال خرچ کرنے کے آداب: لوگوں نے پوچھا تھا کہ مال اللہ کے واسطے کس قدر خرچ کریں حکم ہوا کہ جو اپنے اخراجات ضروری سے افزود (زائد) ہو کیونکہ جیسا آخرت کا فکر ضرور ہے دنیا کا فکر بھی ضرور ہے اگر سارا سامان اٹھا ڈالو تو اپنی ضروریات کیونکر پوری کرو جو حقوق تم پر لازم ہیں ان کو کیونکر ادا کرو معلوم نہیں کس کس خرابی دینی اور دینوی میں پھنسو۔

۳۵۳۔ یعنی دنیا فانی مگر محل حوائج ہے اور آخرت باقی اور دار ثواب ہے اس لئے سوچ سمجھ کر ہر ایک امر میں اس کے مناسب حال خرچ کرنا چاہیئے اور مصلحت دنیا اور آخرت دونوں کو پیش نظر رکھنا مناسب ہے اور احکام کو واضح طور پر بیان فرمانے سے یہی مطلوب ہے کہ تم کو فکر کرنے کا موقع ملے۔

۳۵۴۔ یتیموں کے مال کا حکم: بعض لوگ یتیم کے مال میں احتیاط نہ کرتے تھے تو اس پر حکم ہوا تھا وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (الانعام۔۱۵۲) اور اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا (النساء۔۱۰) لخ اس پر جو لوگ یتیموں کی پرورش کرتے تھے وہ ڈر گئے اور یتیموں کے کھانے اور خرچ کو بالکل جدا کر دیا کیونکہ شرکت کی حالت میں یتیم کا مال کھانا پڑتا تھا اس میں یہ دشواری ہوئی کہ ایک چیز یتیم کے واسطے تیار

کی اب جو کچھ بچتی وہ خراب جاتی اور پھینکنی پڑتی اس احتیاط میں یتیموں کا نقصان ہونے لگا تو آپ سے عرض کیا تو اس پر اب یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۵۵۔ یتیموں کے مال کا حکم: یعنی مقصود تو صرف یہ بات ہے کہ یتیم کے مال کی درستی اور اصلاح ہو سو جس موقع میں علیحدگی میں یتیم کا نفع ہو تو اس کو اختیار کرنا چاہیئے اور جہاں شرکت میں بہتری نظر آئے تو ان کا خرچ شامل کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ ایک وقت ان کی چیز کھالی تو دوسرے وقت اپنی چیز ان کو کھلا دی کیونکہ وہ یتیم بچے تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہیں اور بھائیوں میں شرکت اور کھانا اور کھلانا بیجا نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ یتیموں کی اصلاح کی رعایت پوری رہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس شرکت سے کس کو خیانت اور افساد مال یتیم مقصود ہے اور کس کو یتیموں کی اصلاح اور ان کی نفع رسانی منظور ہے۔

۳۵۶۔ مشقت ڈالتا یعنی کھانے پینے میں یتیموں کی شرکت علیٰ وجہ الاصلاح بھی مباح نہ فرماتا یہ کہ بلا علم و بلا قصد مجبوراً ابھی اگر کچھ کمی یا بیشی ہو جاتی تو اس پر بھی مواخذہ کرتا۔

۳۵۷۔ یعنی بھاری سے بھاری حکم دے سکتا ہے اس لئے کہ وہ زبردست ہے لیکن ایسا نہ کیا بلکہ سہولت کا حکم دیا اس لئے کہ وہ حکمت اور مصلحت کے موافق کرنے والا ہے۔

۳۵۸۔ مشرک عورتوں سے نکاح کا حکم: پہلے مسلمان مرد اور کافر عورت اور اس کے برعکس دونوں صورتوں میں نکاح کی اجازت تھی اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اگر مرد یا عورت مشرک ہو تو اس کا نکاح مسلمان سے درست نہیں یا نکاح کے بعد ایک مشرک ہو گیا تو نکاح سابق ٹوٹ جائے گا اور شرک یہ کہ علم یا قدرت یا کسی اور صفت خداوندی میں کسی کو خدا کا مماثل سمجھے یا خدا کے مثل کسی کی تعظیم کرنے لگے مثلاً کسی کو سجدہ کرے یا کسی کو مختار سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگے۔ باقی اتنی بات دیگر آیات سے معلوم ہوئی کہ یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے وہ ان مشرکین میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ اپنے دین پر قائم ہوں دہریہ اور ملحد نہ ہوں جیسے کہ اکثر نصاریٰ آج کل کے نظر آتے ہیں خلاصہ تمام آیت کا یہ ہے کہ مسلمان مرد کو مشرک عورت سے نکاح کرنا درست نہیں تاوقتیکہ مسلمان نہ ہو جائے بیشک لونڈی مسلمان کافر عورت سے بہتر ہے گو وہ آزاد بی بی ہی کیوں نہ ہو اگرچہ مشرک بی بی بسبب مال اور جمال اور شرافت تم کو پسند آئے اور ایسے ہی مسلمان عورت کا نکاح مشرک مرد سے نہ کرو کہ مسلمان غلام بھی مشرک مرد سے بہت بہتر ہے گو وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو اگرچہ مشرک مرد بسبب صورت اور دولت کے تم کو پسند ہوں یعنی مسلمان ادنیٰ سے ادنیٰ بھی مشرک سے بہت افضل ہے گو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہی کیوں نہ ہوں۔

۳۵۹۔ یعنی مشرکین اور مشرکات جن کا ذکر ہوا ان کے اقوال ان کے افعال ان کی محبت ان کے ساتھ اختلاط کرنا شرک کی نفرت اور اس کی برائی کو دل سے کم کرتا ہے اور شرک کی طرف رغبت کا باعث ہوتا ہے جس کا انجام دوزخ ہے اس لئے ایسوں کے ساتھ نکاح کرنے سے اجتناب کلی لازم ہے۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ

۲۲۲۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا کہدے وہ گندگی ہے سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت [۳۶۰] اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہوویں [۳۶۱] پھر جب خوب پاک ہو جاویں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے [۳۶۲] بیشک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے [۳۶۳]

الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿٢٢٢﴾

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٢٣﴾

۲۲۳۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو [۳۶۴] اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے [۳۶۵] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو

۳۶۰۔ حیض کے احکام: حیض کہتے ہیں اس خون کو جو عورتوں کی عادت ہے اس حالت میں مجامعت کرنا نماز روزہ سب حرام ہیں اور خلاف عادت جو خون آئے وہ بیماری ہے اس میں مجامعت نماز روزہ سب درست ہیں اس کا حال ایسا ہے جیسا زخم یا فصد سے خون نکلنے کا یہود اور مجوس حالت حیض میں عورت کے ساتھ کھانے اور ایک گھر میں رہنے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے اور نصاریٰ مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو اس پر یہ آیت اتری آپ ﷺ نے اس پر صاف فرما دیا کہ مجامعت اس حالت میں حرام ہے ان کے ساتھ کھانا پینا رہنا سہنا سب درست ہیں یہود کا افراط اور نصاریٰ کی تفریط دونوں مردود ہو گئیں۔

۳۶۱۔ پاک ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حیض اپنی پوری مدت یعنی دس دن تک موقوف ہوا ہو تو اسی وقت سے مجامعت درست ہے اور اگر دس دن سے پہلے ختم ہو گیا مثلاً چھ روز کے بعد اور عورت کی عادت بھی چھ روز کی تھی تو مجامعت خون کے موقوف ہوتے ہی درست نہیں بلکہ جب عورت غسل کرلے یا نماز کا وقت ختم ہو جائے اس کے بعد مجامعت درست ہو گی اور اگر عورت کی عادت سات یا آٹھ دن کی تھی تو ان دنوں کے پورا کرنے کے بعد مجامعت درست ہو گی۔

۳۶۲۔ مجامعت کے احکام: جس موقع سے مجامعت کی اجازت دی ہے یعنی آگے کی راہ سے کہ جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا موقع یعنی لواطت حرام ہے۔

۳۶۳۔ یعنی جو توبہ کرتے ہیں گناہ سے جو ان سے اتفاقیہ صادر ہوا مثلاً حالت حیض میں وطی کا مرتکب ہوا اور ناپاکی یعنی گناہوں اور وطی حالت حیض میں اور وطی موقع نجس سے احتراز کرتے ہیں۔

۳۶۴۔ یہود عورت کی پشت کی طرف ہو کر وطی کرنے کو ممنوع کہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس سے بچہ احول پیدا ہوتا ہے آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو اس پر یہ آیت اتری یعنی تمہاری عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں جس میں نطفہ بجائے تخم اور اولاد بمنزلہ پیداوار کے ہے یعنی اس سے مقصود اصلی صرف نسل کا باقی رہنا اور اولاد کا پیدا ہونا ہے سو تم کو اختیار ہے آگے سے یا کروٹ سے یا پشت سے پڑ کر یا بیٹھ کر جس طرح چاہو مجامعت کرو مگر یہ ضرور ہے کہ تخم ریزی اُسی خاص موقع میں ہو جہاں پیداواری کی امید ہو۔ یعنی مجامعت خاص فرج ہی میں ہو لواطت ہرگز ہرگز نہ ہو یہود کا خیال غلط ہے کہ اس سے بچہ احول پیدا ہوتا ہے۔

۳۶۵۔ یعنی اعمال صالحہ اپنے لئے کرتے رہو یا یہ کہ وطی سے اولاد صالح مطلوب ہونی چاہیئے محض حظ نفس مقصود نہ ہو۔

وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ

۲۲۴۔ اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ اپنی قسمیں کھانے کے لئے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیزگاری سے اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ [۳۶۶] اور اللہ سب کچھ

عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۴﴾

سنتا جانتا ہے[۳۶۷]

۳۶۶۔ لغو قسم کھانے کا بیان: یعنی کسی اچھے کام نہ کرنے پر خدا کی قسم کھا بیٹھے مثلاً ماں باپ سے نہ بولوں گا یا فقیر کو کچھ نہ دوں گا یا باہم کسی میں مصالحت نہ کراؤں گا ایسی قسموں میں خدا کے نام کو برے کاموں کے لئے ذریعہ بنانا ہوا سو ایسا ہرگز مت کرو اور اگر کسی نے ایسی قسم کھائی تو اس کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔

۳۶۷۔ یعنی اگر کوئی قسم کھاتا ہے تو اللہ اس کو سنتا ہے اور اگر کوئی عظمت و جلال خداوندی کی وجہ سے قسم کھانے سے رکتا ہے تو اللہ اس کی نیت کو خوب جانتا ہے تمہاری کوئی بات ظاہری اور باطنی اس سے مخفی نہیں اس لئے نیت قلبی اور قول لسانی دونوں میں احتیاط لازم ہے۔

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۲۵﴾

۲۲۵۔ نہیں پکڑتا تم کو اللہ بیہودہ قسموں پر تمہاری[۳۶۸] لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر کہ جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے[۳۶۹] اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے[۳۷۰]

۳۶۸۔ لغو اور بیہودہ قسم وہ ہے کہ منہ سے عادت اور حروف کے موافق بیساختہ اور ناخواستہ نکل جائے اور دل کو خبر تک نہ ہو ایسی قسم کا نہ کفارہ ہے نہ اس میں گناہ ہے البتہ اگر کوئی بالقصد الفاظ قسم مثل واللہ اور باللہ کہے اور اس سے محض تاکید مقصود ہو قسم کا قصد نہ ہو تو اس پر ضرور کفارہ لازم ہو گا اور کفارہ کا بیان آگے آجائے گا۔

۳۶۹۔ یعنی جو قسم جان بوجھ کر کھائے کہ جس میں دل بھی زبان کے موافق ہو اس قسم کے توڑنے پر کفارہ لازم ہو گا۔

۳۷۰۔ غفور ہے کہ لغو اور بیہودہ قسموں پر مواخذہ نہ فرمایا حلیم ہے کہ مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا شاید بندہ توبہ کر لے۔

لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَۃِ اَشۡہُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۲۶﴾

۲۲۶۔ جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے انکے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۷﴾

۲۲۷۔ اور اگر ٹھہرا لیا چھوڑ دینے کو تو بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے[۳۷۱]

۳۷۱۔ ایلاء کے احکام: یعنی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں اپنی عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو اگر چار مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ دے گا اور عورت اس کے نکاح میں رہے گی اور اگر چار مہینے گذر گئے اور اس کے پاس نہ گیا تو عورت پر طلاق بائن ہو جائے گی۔ فائدہ: ایلاء شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ عورت کے پاس جانے سے چار مہینے یا زائد کے لئے یا بلا قید مدت قسم کھا لے اور چار مہینے سے کم ایلاء نہ ہو گا۔ ایلاء کی تینوں صورتوں میں چار مہینے کے اندر عورت کے پاس جائے گا تو کفارہ قسم کا دینا پڑے گا ورنہ چار ماہ کے ختم ہونے پر بلا طلاق دیے عورت مطلقہ بائنہ ہو جائے گی اور اگر چار مہینے سے کم پر قسم کھائے مثلاً قسم کھائی کہ تین مہینے عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو یہ ایلاء شرعی نہیں اس کا یہ حکم ہے کہ اگر قسم کو توڑا مثلاً صورت مذکورہ میں تین مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ لازم ہو گا اور اگر قسم کو پورا کیا یعنی تین مہینے

تک مثلاً اس کے پاس نہ گیا تو نہ عورت پر طلاق پڑے گی نہ کفارہ لازم ہو گا۔

وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾

۲۲۸۔ اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر [۳۷۲] اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں انکے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا [۳۷۳] اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے [۳۷۴] اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا

ع ۲۸ / ۱۲

۳۷۲۔ طلاق اور عدت کے احکام: جب مرد نے عورت کو طلاق دی تو ابھی اس عورت کو کسی دوسرے سے نکاح روا نہیں جب تک تین حیض پورے نہ ہو جائیں تا کہ حمل ہو تو معلوم ہو جائے اور کسی کی اولاد کسی کو نہ مل جائے اس لئے عورت پر فرض ہے کہ جو ان کے پیٹ میں ہو اس کو ظاہر کر دیں خواہ حمل ہو یا حیض آتا ہو اور اس مدت کو عدت کہتے ہیں۔ فائدہ: معلوم کرنا چاہیئے کہ یہاں مطلقات سے خاص وہ عورتیں مراد ہیں کہ ان سے نکاح کے بعد صحبت یا خلوت شرعیہ کی نوبت خاوند کو آچکی ہو اور ان عورتوں کو حیض بھی آتا ہو اور آزاد بھی ہوں کسی کی لونڈی نہ ہوں کیونکہ جس عورت سے صحبت یا خلوت کی نوبت نہ آئے اس کے اوپر طلاق کے بعد عدت بالکل نہیں اور جس عورت کو حیض نہ آئے مثلاً صغیر سن ہے یا بہت بوڑھی ہو گئی یا اس کو حمل ہے تو پہلی دونوں صورتوں میں اس کی عدت تین مہینے ہیں اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور جو عورت آزاد نہ ہو بلکہ کسی کی شرعی قاعدہ کے موافق لونڈی ہو اگر اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت دو حیض اور حیض نہ آئے تو اگر وہ صغیرہ یا بڑھیا ہے تو اس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہے اور حاملہ ہے تو وہی وضع حمل ہے۔ دوسری آیتوں اور حدیثوں سے یہ تفصیل ثابت ہے۔

۳۷۳۔ طلاق سے رجوع کرنے کا حکم: یعنی عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر رکھ لے اگرچہ عورت کی خوشی نہ ہو مگر اس لوٹانے سے مقصود سلوک اور اصلاح ہو عورت کو ستانا یا اس دباؤ میں اس سے مہر کا معاف کرانا منظور نہ ہو یہ ظلم ہے اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہو گا گو رجعت بھی صحیح ہو جائے گی۔

۳۷۴۔ مردوں کی عورتوں پر فضیلت: یعنی یہ امر تو حق ہے کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں ایسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں جن کا قاعدہ کے موافق ادا کرنا ہر ایک پر ضروری ہے اب مرد کو عورت کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی ہر قسم کی حق تلفی ممنوع ہو گی مگر یہ بھی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور فوقیت ہے تو اس لئے رجعت میں اختیار مرد ہی کو دیا گیا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ

۲۲۹۔ طلاق رجعی ہے دو بار تک اسکے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے [۳۷۵] اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جبکہ خاوند

اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ
اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا
جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ
فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے حکم اللہ کا[۳۷۶] پھر اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کا حکم تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دیکر چھوٹ جاوے[۳۷۷] یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ہیں ظالم[۳۷۸]

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ
زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ
یَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ یُبَیِّنُهَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

۲۳۰۔ پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اسکے سوا پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ پھر باہم مل جاویں اگر خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان فرماتا ہے ان کو واسطے جاننے والوں کے[۳۷۹]

۳۷۵۔ صرف دو طلاقیں: اسلام سے پہلے دستور تھا کہ دس بیس جتنی بار چاہتے زوجہ کو طلاق دیتے مگر عدت کے ختم ہونے سے پہلے رجعت کر لیتے پھر جب چاہتے طلاق دیتے اور رجعت کر لیتے اور اس صورت سے بعض شخص عورتوں کو اسی طرح بہت ستاتے اس واسطے یہ آیت اتری کہ طلاق جس میں رجعت ہو سکے کل دو بار ہے ایک یا دو طلاق تک تو اختیار دیا گیا کہ عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر دستور کے موافق رکھ لے یا بھلی طرح سے چھوڑ دے پھر بعد عدت کے رجعت باقی نہیں رہتی ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور اگر تیسری بار طلاق دے گا تو پھر ان میں نکاح بھی درست نہیں ہو گا جب تک دوسرا خاوند اس سے نکاح کر کے صحبت نہ کر لیوے۔ فائدہ: اِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اور تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ سے غرض یہ ہے کہ رجعت کرے تو موافقت اور حسن معاشرت کے ساتھ رہے۔

۳۷۶۔ یعنی مردوں کو یہ روا نہیں کہ عورتوں کو جو مہر دیا ہے اس کو طلاق کے بدلہ میں واپس لینے لگیں البتہ یہ جب روا ہے کہ ناچاری ہو اور کسی طرح دونوں میں موافقت نہ آئے اور ان کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ بوجہ شدت مخالفت ہم احکام خداوندی کی پابندی معاشرت باہمی میں نہ کر سکیں گے اور مرد کی طرف سے ادائے حقوق زوجہ میں قصور بھی نہ ہو ورنہ مال لینا زوج کو حرام ہے۔

۳۷۷۔ خلع کا بیان: یعنی اے مسلمانو اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ خاوند اور بیوی میں ایسی بیزاری ہے کہ اُنکی گذران موافقت سے نہ ہو گی تو پھر ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت مال دے کر اپنے آپ کو نکاح سے چھڑا لے اور مرد وہ مال لے لے۔ اس کو خلع کہتے ہیں اور جب اس ضرورت کی حالت میں زوجین کو خلع کرنا درست ہوا تو سب مسلمانوں کو اس میں سعی کرنا ضرور درست ہو گی۔ فائدہ: ایک عورت آپ ﷺ کی

خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی آپ ﷺ نے تحقیق کیا تو عورت نے کہا کہ وہ میرے حقوق میں کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اس کے اخلاق و تدین پر مجھ کو اعتراض ہے لیکن مجھ کو اس سے منافرت طبعی ہے آپ نے عورت سے مہر واپس کرادیا اور زوج سے طلاق دلوادی اس پر یہ آیت اتری۔

۳۷۸۔ یہ سب احکام مذکورہ یعنی طلاق اور رجعت اور خلع حدود اور قواعد مقرر فرمودہ حق تعالیٰ ہیں ان کی پوری پابندی لازم ہے کسی قسم کا خلاف اور تغیر اور کوتاہی ان میں نہ کرنی چاہیئے۔

۳۷۹۔ تیسری طلاق کا حکم: یعنی اگر زوج اپنی عورت کو تیسری بار طلاق دے گا تو پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اور دوسرا خاوند اس سے صحبت کرکے اپنی خوشی سے طلاق نہ دیوے اس کی عدت پوری کرکے پھر زوج اول سے نکاح جدید ہو سکتا ہے اس کو حلالہ کہتے ہیں اور حلالہ کے بعد زوج اول کے ساتھ نکاح ہونا جب ہی ہے کہ ان کو حکم خداوندی کے قائم رکھنے یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال اور اس پر اعتماد ہو ورنہ ضرور نزاع باہمی اور اتلاف حقوق کی نوبت آئے گی اور گناہ میں مبتلا ہوں گے۔

وَ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۠ وَ لَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۟ وَّ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَ الۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۳۱﴾

۲۳۱۔ اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک [۳۸۰] تو رکھ لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو بھلی طرف سے اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی کرو [۳۸۱] اور جو ایسا کرے گا وہ بیشک اپنا ہی نقصان کرے گا اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اسکے ساتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے [۳۸۲]

ع ۲۹ ۱۳

وَ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى

۲۳۲۔ اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو آپ نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے [۳۸۳] یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر [۳۸۴] اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۳۸۵]

لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۲﴾

۳۸۰۔ یعنی عدت ختم ہونے کو آئی۔

۳۸۱۔ رجعت کے آداب: یعنی عدت کے ختم ہونے تک خاوند کو اختیار ہے کہ اس عورت کو موافقت اور اتحاد کے ساتھ پھر ملا لے یا خوبی اور رضامندی کے ساتھ بالکل چھوڑ دے یہ ہر گز جائز نہیں کہ قید میں رکھ کر اس کو ستانے کے قصد سے رجعت کرے جیسا کہ بعض اشخاص کیا کرتے تھے۔ فائدہ: آیت سابقہ یعنی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ میں یہ بتلایا تھا کہ دو طلاق تک زوج کو اختیار ہے کہ عورت کو عمدگی سے پھر ملا لے یا بالکل چھوڑ دے اب اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ یہ اختیار صرف عدت تک ہے عدت کے بعد زوج کو اختیار مذکورہ حاصل نہ ہوگا اس لئے کوئی تکرار کا شبہ نہ کرے۔

۳۸۲۔ نکاح طلاق ایلاء خلع رجعت حلالہ وغیرہ میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان میں حیلے کرنے اور بیہودہ اغراض کو دخل دینا مثلاً کوئی رجعت کرے اور اس سے مقصود عورت کو تنگ کرنا ہے تو گویا اللہ کے احکام کے ساتھ ٹھٹھے بازی ٹھہری نعوذ باللہ من ذٰلک اللہ کو سب کچھ روشن ہے ایسے حیلوں سے بجز مضرت اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

۳۸۳۔ معروف طریقے کے معنٰی: ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیام دیا عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے بھائی کو غصہ آیا اور نکاح کو روک دیا اس پر یہ حکم اترا کہ عورت کی خوشنودی اور بہبودی کو ملحوظ رکھو اسی کے موافق نکاح ہونا چاہیئے اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو اور یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والوں کو سب کو خواہ زوج اول جس نے کہ طلاق دی ہے وہ دوسری جگہ عورت کو نکاح کرنے سے روکے یا عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے مانع ہوں سب کو روکنے سے ممانعت آگئی ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً غیر کفو میں عورت کا نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے۔ بِالۡمَعۡرُوۡفِ فرمانے کا یہی مطلب ہے۔

۳۸۴۔ یہ سب احکام حکمت سے پر ہیں: یعنی حکم جو مذکور ہوئے ان سے اہل ایمان کو نصیحت دی جاتی ہے کیونکہ اس نصیحت سے وہی منتفع ہوتے ہیں اور یوں تو نصیحت سبھی کے لئے ہے کسی کی خصوصیت نہیں اور مومنین کے خاص کرنے سے دوسروں پر تہدید اور ان کی تحقیر بھی مفہوم ہوتی ہے یعنی جو لوگ ان حکموں پر عمل نہیں کرتے گویا ان کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہی نہیں۔

۳۸۵۔ یہ سب احکام حکمت سے پر ہیں: یعنی عورت کو نکاح سے نہ روکنے اور اس کے نکاح ہو جانے میں وہ پاکیزگی ہے جو نکاح سے روکنے میں ہر گز نہیں اور عورت جب کہ پہلے خاوند کی طرف راغب ہو تو اسی کے ساتھ نکاح ہو جانے میں وہ پاکیزگی ہے کہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے میں ہر گز نہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں اور نفع و نقصان آئندہ کو خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الۡمَوۡلُوۡدِ لَهٗ رِزۡقُهُنَّ وَكِسۡوَتُهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفۡسٌ

۲۳۳۔ اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو دو برس پوری جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت [۳۸۶] اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق نہ نقصان دیا جاوے ماں کو

اِلَّا وُسۡعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ لَّهٗ
بِوَلَدِهٖ ۚ وَ عَلَى الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنۡ اَرَادَا
فِصَالًا عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيۡهِمَا ؕ وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡٓا اَوۡلَادَكُمۡ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّآ اٰتَيۡتُمۡ
بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۳﴾

اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو کہ جس کا وہ بچہ ہے یعنی باپ کو اسکے بچہ کی وجہ سے [۳۸۷] اور وارثوں پر بھی یہ لازم ہے [۳۸۸] پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑا لیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں [۳۸۹] اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ حوالہ کر دو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے [۳۹۰] اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

۳۸۶۔ رضاعت کے احکام: یعنی ماں کو حکم ہے کہ اپنے بچہ کو دو برس تک دودھ پلائے اور یہ مدت اس کے لئے ہے جو ماں باپ بچہ کے دودھ پینے کی مدت کو پورا کرنا چاہیں ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے جیسا آیت کے اخیر میں آتا ہے اور اس حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا ان کی عدت بھی گذر چکی ہو ہاں اتنا فرق ہو گا کہ کھانا کپڑا منکوحہ اور معتدہ کو دینا زوج کو ہر حال میں لازم ہے دودھ پلائے یا نہ پلائے اور عدت ختم ہو چکے گی تو پھر صرف دودھ پلانے کی وجہ سے دینا ہو گا اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دودھ کی مدت کو جس ماں سے پورا کرانا چاہیں یا جس صورت میں باپ سے دودھ پلانے کی اجرت ماں کو دلوانا چاہیں تو اس کی انتہا دو برس کامل ہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ علی العموم دودھ پلانے کی مدت دو برس سے زیادہ نہیں۔

۳۸۷۔ یعنی باپ کو بچہ کی ماں کو کھانا کپڑا ہر حال میں دینا پڑے گا۔ اول صورت میں تو اس لئے کہ وہ اس کے نکاح میں ہے دوسری صورت میں عدت میں ہے اور تیسری صورت میں دودھ پلانے کی اجرت دینی ہو گی اور بچہ کے ماں باپ بچہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں مثلاً ماں بلاوجہ دودھ پلانے سے انکار کرے یا باپ بلا سبب ماں سے بچہ جدا کر کے کسی اور سے دودھ پلوائے یا کھانے کپڑے میں تنگی کرے۔

۳۸۸۔ یعنی اگر باپ مر جاوے تو بچہ کے وارثوں پر بھی یہی لازم ہے کہ دودھ پلانے کی مدت میں اس کی ماں کے کھانے کپڑے کا خرچ اٹھائیں اور تکلیف نہ پہنچائیں اور وارث سے مراد وہ وارث ہے جو محرم بھی ہو۔

۳۸۹۔ یعنی اگر ماں باپ کسی مصلحت کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی بچہ کی مصلحت کا لحاظ کر کے باہمی مشورہ اور رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں گناہ نہیں مثلاً ماں کا دودھ اچھا نہ ہو۔

۳۹۰۔ یعنی اے مردو اگر تم کسی ضرورت و مصلحت سے ماں کے سوا کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی گناہ نہیں مگر اس کی وجہ سے ماں کا کچھ حق نہ کاٹ رکھے بلکہ دستور کے مطابق جو ماں کو دینا ٹھہرایا تھا وہ دیدے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دودھ پلانے والی کا حق نہ کاٹے۔

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا
يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا
بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ
اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

۲۳۴۔ اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن [۳۹۱] پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق [۳۹۲] اور اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی خبر ہے

وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ
النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ
سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ
تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُ مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع ۳۰ ع ۱۴

۲۳۵۔ اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر یہی کہ کہدو کوئی بات رواج شریعت کے موافق اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو [۳۹۳] اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے [۳۹۴]

۳۹۱۔ موت کی عدت: پہلے گذر چکا ہے کہ طلاق کی عدت میں تین حیض انتظار کرے اب فرمایا کہ موت کی عدت میں چار مہینے دس دن انتظار کرے سو اس مدت میں اگر معلوم ہو گیا کہ عورت کو حمل نہیں تو عورت کو نکاح کی اجازت ہو گی ورنہ وضع حمل کے بعد اجازت ہو گی اس کی تشریح سورۂ طلاق میں آئے گی حقیقت میں تین حیض یا چار مہینے دس دن حمل کے انتظار اور اس کے دریافت کرنے کے لئے مقرر فرمائے۔

۳۹۲۔ بیوہ کا نکاح: جب بیوہ عورتیں اپنی عدت پوری کر لیں یعنی غیر حاملہ چار ماہ دس روز اور حاملہ مدت حمل تو ان کو دستور شریعت کے موافق نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہیں اور زینت اور خوشبو سب حلال ہیں۔

۳۹۳۔ خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ عورت خاوند کے نکاح سے جدا ہوئی تو جب تک عدت میں ہے تو کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ اس سے نکاح کر لے یا صاف وعدہ کرا لے یا صاف پیام بھیجے لیکن اگر دل میں نیت رکھے کہ بعد عدت اس سے نکاح کروں گا یا اشارۃً اپنے مطلب کو اسے سنا دے تا کہ کوئی دوسرا اس سے پہلے پیام نہ دے بیٹھے مثلاً عورت کو سنا دے کہ تجھ کو ہر کوئی عزیز رکھے گا یا کہے کہ میرا ارادہ کہیں نکاح کرنے کا ہے تو کچھ گناہ نہیں مگر صاف پیام ہر گز نہ دے۔

۳۹۴۔ یعنی حق تعالیٰ تمہارے جی کی باتیں جانتا ہے سو ناجائز ارادہ سے بچتے رہو اور ناجائز ارادہ ہو گیا تو اس سے توبہ کرو اللہ بخشنے والا ہے اور گنہگار پر عذاب نہ ہوا تو اس سے مطمئن نہ ہو جائے کیونکہ وہ حلیم ہے عقوبت میں جلدی نہیں فرماتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

۲۳۶۔ کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے کچھ مہر اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے لازم ہے نیکی کرنے والوں پر [۳۹۵]

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

۲۳۷۔ اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ درگذر کریں عورتیں یا درگذر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے گرہ نکاح کی یعنی خاوند اور تم مرد درگذر کرو تو قریب ہے پرہیز گاری سے اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے [۳۹۶]

۳۹۵۔ مہر کا بیان: اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ آیا اور بلا مہر ہی نکاح کر لیا تو بھی نکاح درست ہے مہر بعد میں مقرر ہو رہے گا لیکن اس صورت میں اگر ہاتھ لگانے سے پہلے یعنی مجامعت اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دے دی تو مہر کچھ لازم نہ ہو گا لیکن زوج کو لازم ہے کہ اپنے پاس سے عورت کو کچھ دیدے کم سے کم یہی کہ تین کپڑے کرتہ، سربند، چادر اپنی حالت کے موافق اور خوشی سے دیدے۔

۳۹۶۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی تو آدھا مہر دینا لازم ہے مگر عورت یا مرد کہ جس کے اختیار میں ہے نکاح کا قائم رکھنا اور توڑنا اپنے حق سے درگذر کریں تو بہتر ہے عورت کی تو درگذر یہ کہ آدھا بھی معاف کر دے اور مرد کی درگذر یہ کہ جو

مہر مقرر ہوا تھا پورا حوالہ کر دے یا تمام مہر ادا کر چکا تھا تو آدھا نہ لوٹاوے بلکہ سب مہر چھوڑ دے پھر فرمایا کہ مرد در گذر کرے تو تقویٰ کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کو بڑائی دی اور مختار کیا نکاح باقی رکھنے کا اور طلاق دینے کا اور نفس نکاح سے تمام مہر لازم ہو جاتا ہے اب بدون ہاتھ لگائے طلاق دے کر زوج نصف مہر کو اپنے ذمہ سے ٹلاتا ہے یہ تقویٰ کے مناسب نہیں اور زوجہ کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی جو کچھ کیا زوج نے کیا ان وجوہ سے زوج کو زیادہ مناسب ہے کہ در گذر کرے۔ فائدہ: طلاق کی مہر اور وطی کے لحاظ سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ نہ مہر ہو نہ وطی۔ دوسری یہ کہ مہر تو مقرر ہو مگر وطی کی نوبت نہ آئے ان دونوں صورتوں کا حکم دونوں آیتوں میں معلوم ہو چکا۔ تیسری یہ کہ مہر مقرر ہو اور وطی کی نوبت آوے اس میں جو مہر مقرر کیا ہے پورا دینا ہوگا۔ یہ صورت کلام اللہ میں دوسرے موقع پر مذکور ہے۔ چوتھی یہ کہ مہر نہ ٹھہرایا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی اس میں مہر مثل پورا دینا پڑے گا یعنی جو اس عورت کی قوم میں رواج ہے اور یہی چاروں صورتیں موت زوج میں نکلیں گی مگر موت کا حکم طلاق کے حکم سے جدا ہے اگر مہر مقرر نہ کیا تھا اور ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا کہ زوج مر گیا یا ہاتھ لگانے کے بعد مرا ان دونوں صورتوں میں مہر مثل پورا لازم ہوگا اور اگر مہر مقرر کیا اور ہاتھ لگایا یا ہاتھ نہ لگایا تو ان دونوں صورتوں میں جو مہر مقرر ہوا تھا وہ پورا دینا ہوگا۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

۲۳۸۔ خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے [۳۹۷]

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

۲۳۹۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ پڑھ لو یا سوار پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے [۳۹۸]

۳۹۷۔ عصر کی نماز کی اہمیت: بیچ والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے اس کی تاکید زیادہ فرمائی کہ اس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے اور فرمایا کھڑے رہو ادب سے یعنی نماز میں ایسی حرکت نہ کرو جس سے معلوم ہو جائے کہ نماز نہیں پڑھتے ایسی باتوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جیسے کھانا یا پینا یا کسی سے بات کرنا یا ہنسنا۔ فائدہ: طلاق کے حکموں میں نماز کے حکم کو بیان فرمانے کی یا یہ وجہ ہے کہ دنیا کے معاملات اور باہمی نزاعات میں پڑ کر کہیں خدا کی عبادت کو نہ بھلا دو اور یا یہ وجہ ہے کہ ہوا اور ہوس کے بندوں کو بوجہ غلبہ حرص و بخل عدل کو پورا کرنا اور انصاف سے کام لینا اور وہ بھی رنج اور طلاق کی حالت میں بہت دشوار ہے پھر وَاَنْ تَعْفُوْٓا اور لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ پر اور اس حالت میں ان سے عمل کرنے کی توقع بیشک مستبعد نظر آتی تھی سو اس کا علاج فرما دیا گیا کہ نماز کی محافظت اور اس کی پابندی اور اس کے حقوق کی رعایت عمدہ علاج ہے کہ نماز کو ازالہ رذائل اور تحصیل فواضل میں بڑا اثر ہے۔

۳۹۸۔ خوف کی نماز کی بیان: یعنی لڑائی اور دشمن سے خوف کا وقت ہو تو ناچاری کو سواری پر اور پیادہ بھی اشارہ سے نماز درست ہے گو قبلہ کی طرف بھی منہ نہ ہو۔

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

۲۴۰۔ اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے [۳۹۹] پھر

فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِىۡ مَا فَعَلۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۴۰﴾

اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا[۴۰۰]

وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ؕ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۴۱﴾

۲۴۱۔ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق لازم ہے پرہیزگاروں پر[۴۰۱]

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

۲۴۲۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو[۴۰۲]

۳۱ ع ۱۵

۳۹۹۔ یہ حکم اول تھا اس کے بعد جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا بھی حصہ مقرر ہو چکا ادھر عورت کی عدت چار مہینے دس دن ٹھہرا دی گئی تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔

۴۰۰۔ یعنی اگر وہ عورتیں اپنی خوشی سے سال کے ختم ہونے سے پہلے گھر سے نکلیں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اے وارثو اس کام میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں شریعت کے موافق یعنی چاہیں خاوند کریں یا اچھی پوشاک اور خوشبو کا استعمال کریں کچھ حرج نہیں۔

۴۰۱۔ طلاق والی عورتوں کو جوڑا دینا: پہلے خرچ یعنی جوڑا دینے کا حکم اس طلاق پر آ چکا ہے کہ نہ مہر ٹھہرا ہو نہ زوج نے ہاتھ لگایا ہو اب اس آیت میں وہ حکم سب کے لئے آ گیا مگر اتنا فرق ہے کہ سب طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے ضروری نہیں اور پہلی صورت میں ضروری ہے۔

۴۰۲۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں نکاح طلاق عدت کے احکام بیان فرمائے ایسے ہی اپنے احکام و آیات کو واضح فرماتا ہے کہ تم سمجھ لو اور عمل کر سکو۔ یہاں نکاح و طلاق کے احکام ختم ہو چکے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾

۲۴۳۔ کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا بیشک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے[۴۰۳]

وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۴﴾

۲۴۴۔ اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بیشک خوب سنتا جانتا ہے

۴۰۳۔ پچھلے لوگوں کا ایک قصہ: یہ پہلی امت کا قصہ ہے کہ کئی ہزار شخص گھر بار کو ساتھ لے کر وطن سے بھاگے ان کو ڈر ہوا تھا غنیم کا اور لڑنے سے جی چھپایا یا ڈر ہوا تھا دبا کا اور تقدیر پر توکل اور یقین نہ کیا پھر ایک منزل پر پہنچ کر بحکم الٰہی سب مر گئے پھر سات دن کے بعد پیغمبر کی دعا سے زندہ ہوئے کہ آگے کو توبہ کریں اس حال کو یہاں اس واسطے ذکر فرمایا کہ کافروں سے لڑنے یا فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے میں جان اور مال کی محبت کے باعث دریغ نہ کریں اور جان لیویں کہ اللہ موت بھیجے تو چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں اور زندگی چاہے تو مردہ کو دم کے دم میں زندہ کر دے زندہ کو موت سے بچا لینا تو کوئی چیز ہی نہیں پھر اس کی تعمیل حکم میں موت سے ڈر کر جہاد سے بچنا یا افلاس سے بچ کر صدقہ اور دوسروں پر احسان یا عفو اور فضل سے رکنا بد دینی کے ساتھ حماقت بھی پوری ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

۲۴۵۔ کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض پھر دوگنا کر دے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کر دیتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے [۴۰۴]

۴۰۴۔ انفاق مال کے فضائل: یعنی جب معلوم ہو چکا کہ اللہ کے حکم میں تمہاری جان اور مال ہے تو اب تم کو چاہیئے کہ لڑو کافروں سے اللہ کے واسطے دین کے لئے اور جان لو کہ خدا تعالیٰ سنتا ہے بہانہ کرنے والوں کی باتیں اور جانتا ہے ان کے منصوبوں کو اور چاہیئے کہ خرچ کرو اللہ کے رستے میں مال اور تنگی سے مت ڈرو کہ کشائش اور تنگی سب اس کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے قرض حسنہ اسے کہتے ہیں جو قرض دے کر تقاضا نہ کرے اور اپنا احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اسے حقیر نہ سمجھے اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

۲۴۶۔ کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعت بنی اسرائیل کو موسیٰ کے بعد [۴۰۵] جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کر دو ہمارے لئے ایک بادشاہ تا کہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں پیغمبر نے کہا کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو وہ بولے ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو نکال دیے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے سے ان میں کے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو [۴۰۶]

وَ قَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوۡتَ
مَلِكًا ؕ قَالُوۡۤا اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَ نَحۡنُ
اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَ لَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ ؕ
قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮهُ عَلَيۡكُمۡ وَ زَادَهٗ بَسۡطَةً فِى
الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ
اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۷﴾

۲۴۷۔ اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرمادیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اس کو حکومت ہم پر اور ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے اور اس کو نہیں ملی کشائش مال میں پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ہے فضل کرنے والا سب کچھ جاننے والا[۴۰۷]

وَ قَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ
التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا
تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ؕ اِنَّ
فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۴۸﴾ ع ۳۲ ۱۶

۲۴۸۔ اور کہا بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسٰیؑ اور ہارونؑ کی اولاد اٹھالاویں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو[۴۰۸]

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُنُوۡدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
مُبۡتَلِيۡكُمۡ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ فَلَيۡسَ مِنِّىۡ ۚ
وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡۤ اِلَّا مَنِ اغۡتَرَفَ غُرۡفَةًۢ
بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوۡا مِنۡهُ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ ؕ فَلَمَّا
جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۙ قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا

۲۴۹۔ پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر کہا بیشک اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ میرا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بیشک میرا ہے مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھر پی لیا سب نے اس کا پانی مگر تھوڑوں نے ان میں سے پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے ساتھ اس کے تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے

الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے[۴۰۹]

وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ ﴿۲۵۰﴾

۲۵۰۔ اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

۲۵۱۔ پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر[۴۱۰]

۴۰۵۔ اس قصہ سے حق تعالیٰ کا بسط و قبض جو ابھی مذکور ہوا خوب ثابت ہوتا ہے یعنی فقیر کو بادشاہ بنانا اور بادشاہ سے بادشاہت چھین لینا اور ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف کر دینا۔

۴۰۶۔ طالوت بادشاہ کا واقعہ: حضرت موسیٰؑ کے بعد کچھ عرصہ تک بنی اسرائیل کا کام درست رہا پھر جب ان کی نیت بگڑی تب ان پر ایک غنیم کافر بادشاہ جالوت مسلط ہوا ان کو شہر سے نکال دیا اور لوٹا اور ان کو پکڑ کر بندی بنایا بنی اسرائیل بھاگ کر بیت المقدس میں جمع ہوئے اس وقت حضرت اشموئیلؑ پیغمبر تھے ان سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کر دو کہ اس کے ساتھ ہو کر ہم جہاد کریں فی سبیل اللہ۔

۴۰۷۔ طالوت کی قوم میں آگے سے سلطنت نہ تھی غریب محنتی آدمی تھے ان کی (بنی اسرائیل) نظر میں سلطنت کے قابل نظر نہ آئے اور بوجہ مال و دولت اپنے آپ کو سلطنت کے لائق خیال کیا نبی نے فرمایا کہ سلطنت کسی کا حق نہیں اور سلطنت کی بڑی لیاقت ہے عقل اور بدن میں زیادتی اور وسعت ہونی جس میں طالوت تم سے افضل ہے۔ فائدہ: بنی اسرائیل نے جب یہ سنا تو پھر کہا پیغمبر سے کہ اس کے سوا کوئی اور دلیل

بھی ان کی بادشاہت پر دکھلا دو تاکہ ہمارے دل میں کوئی اشتباہ نہ رہے نبی نے دعا کی جناب الٰہی میں اور طالوت کی سلطنت کی دوسری نشانی بیان فرمادی گئی۔

۴۰۸۔ بنی اسرائیل کا تابوت: بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں تبرکات تھے۔ حضرت موسیٰؑ وغیرہ انبیاء کے بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے اللہ اس کی برکت سے فتح دیتا جب جالوت غالب آیا ان پر تو یہ صندوق بھی وہ لے گیا تھا جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے ہیں وہیں وبا اور بلا آتی پانچ شہر ویران ہو گئے ناچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کی اور موسم نہایت گرم تھا۔

۴۰۹۔ جالوت کے خلاف طالوت کا جہاد: ہوس سے طالوت کے ساتھ چلنے کو سب تیار ہو گئے طالوت نے کہ دیا کہ جو کوئی جوان زور آور اور بے فکر ہو وہ چلے ایسے بھی اسی ہزار نکلے پھر طالوت نے ان کو آزمانا چاہا ایک منزل میں پانی نہ ملا دوسری میں ایک نہر ملی طالوت نے حکم کر دیا کہ جو ایک چلو سے زیادہ پانی پیوے وہ میرے ساتھ نہ چلے صرف تین سو تیرہ ان کے ساتھ رہ گئے اور سب جدا ہو گئے۔ جنہوں نے ایک چلو سے زیادہ نہ پیا ان کی پیاس بجھی اور جنہوں نے زیادہ پیا ان کو اور پیاس لگی اور آگے نہ چل سکے۔

۴۱۰۔ جالوت کی شکست: جب سامنے ہوئے جالوت کے یعنی وہی تین سو تیرہ آدمی اور انہی تین سو تیرہ میں حضرت داؤدؑ کے والد اور ان کے چھ بھائی اور خود حضرت داؤدؑ بھی تھے، حضرت داؤدؑ کو راہ میں تین پتھر ملے اور بولے کہ اٹھالے ہم کو ہم جالوت کو قتل کریں گے جب مقابلہ ہوا جالوت خود باہر نکلا اور کہا میں اکیلا تم سب کو کافی ہوں میرے سامنے آتے جاؤ حضرت اشموئیل نے حضرت داؤدؑ کے باپ کو بلایا کہ اپنے بیٹے مجھ کو دکھلا اس نے چھ بیٹے دکھائے جو قد آور تھے حضرت داؤدؑ کو نہیں دکھایا ان کا قد چھوٹا تھا اور بکریاں چراتے تھے پیغمبر نے ان کو بلوایا اور پوچھا کہ تو جالوت کو مارے گا انہوں نے کہا ماروں گا پھر جالوت کے سامنے گئے اور انہی تین پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر مارا جالوت کا صرف ماتھا کھلا تھا اور تمام بدن لوہے میں غرق تھا تینوں پتھر اس کے ماتھے پر لگے اور پیچھے کو نکل گئے۔ جالوت کا لشکر بھاگا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی پھر طالوت نے حضرت داؤدؑ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور طالوت کے بعد یہ بادشاہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ حکم جہاد ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور اس میں اللہ کی بڑی رحمت اور احسان ہے نادان کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

۲۵۲۔ یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک اور تو بیشک ہمارے رسولوں میں ہے [۴۱۱]

۴۱۱۔ اس واقعے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت: یہ قصہ جو بنی اسرائیل کا گذرا یعنی ہزاروں کا نکلنا اور ان کا دفعۃً مرنا اور جینا اور طالوت کا بادشاہ ہونا یہ سب اللہ کی آیتیں ہیں جو تجھ کو سنائی جاتی ہیں اور تم بے شک اللہ کے رسولوں میں ہو یعنی جیسے پہلے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ویسے ہی تم بھی یقیناً رسول ہو کہ ان قصص قرون ماضیہ کو ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہو حالانکہ نہ کسی کتاب میں آپ نے دیکھا اور نہ کسی آدمی سے سنا۔

تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۘ
مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ وَ
اٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدۡنٰهُ
بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلَ الَّذِيۡنَ
مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ
وَلٰكِنِ اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ
كَفَرَ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا ۚ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ﴿۲۵۳﴾

۲۵۳۔ یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے اور بلند کئے بعضوں کے درجے اور دیے ہم نے عیسیٰؑ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح القدس یعنی جبریل سے [۴۱۲] اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے پیچھے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف حکم لیکن ان میں اختلاف پڑ گیا پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر رہا اور اگر چاہتا اللہ تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے [۴۱۳]

۳۳ ع ۵ ۱

۴۱۲۔ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت: یہ پیغمبر جن کا ذکر ہوا ان میں فضیلت دی ہم نے بعض کو بعض پر بعضے ان میں ایسے ہیں کہ ان سے بات کی خدا تعالیٰ نے جیسے آدمؑ اور موسیٰؑ اور بلند کیا بعضوں کا درجہ جیسے کوئی ایک قوم کا نبی کوئی ایک گاؤں کا کوئی ایک شہر کا کوئی تمام جہان کا جیسے محمد رسول اللہ ﷺ اور عنایت ہوئے حضرت عیسیٰؑ کو کھلے معجزے جیسے احیائے موتیٰ اور ابراء اکمہ اور ابرص وغیرہ اور قوت دی ان کو روح پاک سے یعنی حضرت جبرئیلؑ کو ان کی مدد کو بھیج کر۔

۴۱۳۔ امتوں کا اختلاف: جو لوگ ان انبیاء پر ایمان لائے اور صاف حکم اور روشن نشانیاں ہمارے پیغمبر ﷺ کے نبی ہونے کی دیکھ سن چکے اگر خدا چاہتا تو یہ باہم نہ لڑتے اور مخالفت نہ کرتے اور کوئی ان میں مومن اور کوئی کافر نہ ہوتا لیکن حق تعالیٰ مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی فعل اس کا حکمت سے خالی نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ
قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا
شَفَاعَةٌ ؕ وَالۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۵۴﴾

۲۵۴۔ اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ آشنائی اور نہ سفارش [۴۱۴] اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم [۴۱۵]

۴۱۴۔ انفاق مال کا حکم: اس سورت میں عبادات و معاملات کے متعلق احکام کثیرہ بیان فرمائے جن سب کی تعمیل نفس کو ناگوار اور بھاری ہے اور تمام اعمال میں زیادہ دشوار انسان کو جان اور مال کا خرچ کرنا ہوتا ہے اور احکام الٰہی اکثر جو دیکھے جاتے ہیں یا جان کے متعلق ہیں یا مال کے اور

گناہ میں بندہ کو جان یا مال کی محبت اور رعایت ہی اکثر مبتلا کرتی ہے گویا ان دونوں کی محبت گناہوں کی جڑ اور اس سے نجات جملہ طاعات کی سہولت کا منشاء ہے اس لئے ان احکامات کو بیان فرما کر قتال اور انفاق کو بیان فرمانا مناسب ہوا وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ (البقرہ ۱۹۰) اول کا بیان تھا تو مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ (البقرہ۔۲۴۵) دوسرے کا ذکر ہے اس کے بعد قصہ طالوت سے اول کی تاکید ہوئی تو اب اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ الخ سے دوسرے کی تاکید منظور ہے اور چونکہ انفاق مال پر بہت سے امور عبادات و معاملات کے موقوف ہیں تو اس کے بیان میں زیادہ تفصیل اور تاکید سے کام لیا چنانچہ اب جو رکوع آتے ہیں ان میں اکثروں میں امر ثانی یعنی انفاق مال کا ذکر ہے۔ خلاصہ معنی یہ ہوا کہ عمل کا وقت ابھی ہے آخرت میں تو نہ عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے جب تک پکڑنے والا نہ چھوڑے۔

۴۱۵۔ یعنی کفار نے اپنے اوپر ظلم کیا جس کی شامت سے ایسے ہوگئے کہ آخرت میں نہ کسی کی دوستی سے ان کو نفع ہو سکے اور نہ سفارش سے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

۲۵۵۔ اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا[۴۱۶] نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اجازت سے جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کو تھامنا ان کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا[۴۱۷]

۴۱۶۔ آیۃ الکرسی کی فضیلت اور عظمت: پہلی آیت سے حق سبحانہ کی عظمت شان بھی مفہوم ہوتی ہے اب اس کے بعد اس آیت کو جس میں توحید ذات اور اس کا تقدس و جلال غایت عظمت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے نازل فرمائی اور اسی کا لقب آیۃ الکرسی ہے اسی کو حدیث میں اعظم آیات کتاب اللہ فرمایا ہے اور بہت فضیلت اور ثواب منقول ہے اور اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رلا ملا کر تین قسم کے مضمون کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے علم توحید و صفات، علم احکام، علم قصص و حکایات سے بھی توحید و صفات کی تقریر و تائید مقصود ہوتی ہے یا علم احکام کی تاکید و ضرورت اور علم توحید و صفات اور علم احکام بھی باہم ایسے مربوط ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے علت اور علامت ہے صفات حق تعالیٰ احکام شرعیہ کے حق میں منشاء اور اصل ہیں تو احکام شرعیہ صفات کے لئے بمنزلہ ثمرات اور فروع ہیں تو اب ظاہر ہے کہ علم قصص اور علم احکام سے علم توحید کو ضرور اعانت اور تقویت پہنچے گی اور علم قصص اور علم توحید و صفات سے ضرور علم احکام کی تاکید اور اس کی ضرورت بلکہ حقیقت اور اصلیت ثابت ہوگی اور یہ طریقہ جو تین طریقوں سے مرکب ہے بغایت احسن اور اسہل اور قابل قبول ہے اول تو اس

وجہ سے کہ ایک طریقہ کہ پابندی موجب ملال ہوتی ہے اور ایک علم سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جانا ایسا ہو جاتا ہے جیسا ایک باغ کی سیر کر کے دوسرے باغ کی سیر کرنے لگے دوسرے تینوں طریقوں سے مل کر حقیقت منشاء ثمرہ نتیجہ سب ہی معلوم ہو جائے گا اور اس میں تعمیل احکام نہایت شوق و مستعدی اور رغبت و بصیرت کے ساتھ ہو گی۔ اس لئے طریقہ مذکورہ بغایت عمدہ اور مفید اور قرآن مجید میں کثیر الاستعمال ہے اس جگہ دیکھ لیجئے کہ اول احکام کو کس کثرت و تفصیل سے بیان فرمایا اس کے بعد بقدر مصلحت قصص کو بیان کر کے تمام احکامات مذکورہ کے فوائد و نتائج گویا ہم کو آنکھوں سے دکھلا دیئے ان سب کے بعد آیۃ الکرسی جو کہ دربارہ توحید و صفات ممتاز آیت ہے اس کو بیان فرما کر جملہ احکامات کی جڑ کو دلوں میں ایسا مستحکم فرما دیا کہ اکھاڑے نہ اکھڑے۔

۴۱۷۔ توحید و صفات باری تعالیٰ: اس آیت میں توحید ذات اور عظمت صفات حق تعالیٰ کو بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ موجود ہے ہمیشہ سے اور کوئی اس کا شریک نہیں تمام مخلوقات کا موجد وہی ہے تمام نقصان اور ہر طرح کے تبدل اور فتور سے منزہ ہے سب چیزوں کا مالک ہے تمام چیزوں کا کامل علم اور سب پر پوری قدرت اور اعلیٰ درجے کی عظمت اس کو حاصل ہے کسی کو نہ اتنا استحقاق نہ اتنی مجال کہ بغیر اس کے حکم کے کسی کی سفارش بھی اس سے کر سکے کوئی امر ایسا نہیں جس کے کرنے میں اس کو دشواری اور گرانی ہو سکے۔ تمام چیزوں اور سب کی عقلوں سے برتر ہے اس کے مقابلہ میں سب حقیر ہیں۔ اس سے دو مضمون اور خوب ذہن نشین ہو گئے ایک تو حق تعالیٰ کی ربوبیت اور حکومت اور اپنی محکومیت اور عبدیت جس سے حق تعالیٰ کے تمام احکامات مذکورہ اور غیر مذکورہ کا بلا چون و چرا واجب التصدیق اور واجب التعمیل ہونا اور اس کے احکام میں کسی قسم کے شک و شبہ کا معتبر نہ ہونا معلوم ہو گیا دوسرے عبادات و معاملات کثیرہ مذکورہ سابقہ کو اور ان کے ساتھ تنعیم و تعذیب کو دیکھ کر کسی کو خلجان ہو سکتا تھا کہ ہر ہر فرد کے اس قدر معاملات و عبادات کثیرہ ہیں کہ جن کا مجموعہ اتنا ہوا جاتا ہے کہ ان کا ضبط اور حساب کتاب محال معلوم ہوتا ہے پھر اس کے مقابلہ میں ثواب و عقاب یہ بھی عقل سے باہر غیر ممکن معلوم ہوتا ہے سو اس آیت میں حق سبحانہ نے چند صفات مقدسہ اپنی ایسی ذکر فرمائیں کہ وہ تمام خیالات بسہولت دور ہو گئے یعنی اس کا علم و قدرت ایسا کامل ہے کہ ایک چیز بھی ایسی نہیں جو اس سے باہر ہو جس کا علم اور قدرت ایسا غیر متناہی اور ہمیشہ یکساں رہنے والا ہو اس کو تمام جزئیات عالم کے ضبط رکھنے اور ان کا عوض عطا فرمانے میں کیا دقت ہو سکتی ہے۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ۫ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾

۲۵۶۔ زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں بیشک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے [۴۱۸] اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے [۴۱۹]

۴۱۸۔ دین میں جبر نہیں: جب دلائل توحید بخوبی بیان فرما دی گئیں جس سے کافر کا کوئی عذر باقی نہ رہا تو اب زور سے کسی کو مسلمان کرنے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے عقل والوں کو خود سمجھ لینا چاہیئے اور نہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس۔ ۹۹) خود نص موجود ہے اور جو جزیہ کو قبول کرے گا اس کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا۔

۴۱۹۔ یعنی جب ہدایت و گمراہی میں تمیز ہو گئی تو اب جو کوئی گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت کو منظور کرے گا تو اس نے ایسی مضبوط چیز کو پکڑ لیا جس میں ٹوٹنے چھوٹنے کا ڈر نہیں اور حق تعالیٰ اقوال ظاہرہ کو خوب سنتا ہے اور نیت حالت قلبی کو خوب جانتا ہے اس سے کسی کی خیانت اور فساد نیت چھپا نہیں رہ سکتا۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ
يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع ۳۴ ۲

۲۵۷۔ اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے رفیق ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ
الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۙ
قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ
فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾

۲۵۸۔ کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کی بابت اسی وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اس کو سلطنت جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے کہ بیشک اللہ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے اب تو لے آ اس کو مغرب کی طرف سے تب حیران رہ گیا وہ کافر اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو[۴۲۰]

۴۲۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مکالمہ: پہلی آیت میں اہل ایمان و اہل کفر اور ان کے نور ہدایت اور ان کے ظلمت کفر کا ذکر تھا اب اس کی تائید میں چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔ نظیر اول میں نمرود بادشاہ کا ذکر ہے وہ اپنے آپ کو سلطنت کے غرور سے سجدہ کرواتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اس کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا نمرود نے دریافت کیا تو فرمایا میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا اس نے کہا رب تو میں ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ میں حاکم کو رب نہیں کہتا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے نمرود نے دو قیدی منگا کر بے قصور کو مار ڈالا اور قصوروار کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھا میں جس کو چاہوں مارتا ہوں جسے چاہوں نہیں مارتا اس پر حضرت ابراہیمؑ نے آفتاب کی دلیل پیش فرما کر اس مغرور احمق کو لاجواب کیا اور اس کو ہدایت نہ ہوئی یعنی لاجواب ہو کر بھی ارشاد ابراہیمؑ پر ایمان نہ لایا۔ یا یوں کہو کہ حضرت ابراہیمؑ کی دوسری بات کا کچھ جواب نہ دے سکا۔ حالانکہ جیسا جواب پہلے ارشاد کا دیا تھا ویسا جواب دینے کی یہاں بھی گنجائش تھی۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى
عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ
فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ
لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ
بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ
شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ
لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ
نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ
اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

۲۵۹۔ یا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گذرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ مر گئے پیچھے پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو [۴۲۱] کہا تو کتنی دیر یہاں رہا بولا میں رہا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم [۴۲۲] کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت [۴۲۳] پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۴۲۴]

۴۲۱۔ حضرت عزیز علیہ السلام کا عجیب واقعہ: وہ شخص حضرت عزیزؑ پیغمبر تھے اور تمام توریت ان کو یاد تھی۔ بخت نصر کافر بادشاہ تھا اس نے بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی اسرائیل سے بہت لوگوں کو قید کر کے لے گیا ان میں حضرت عزیزؑ بھی تھے جب قید سے چھوٹ آئے تب حضرت عزیزؑ نے راہ میں ایک شہر دیکھا ویران اس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے جی میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیونکر حق تعالیٰ ان کو پھر جلاوے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اسی جگہ ان کی روح قبض ہوئی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آ کر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی اس مدت میں بخت نصر بھی مر گیا اور کسی بادشاہ نے اس مدت میں بیت المقدس کو آباد کیا اور اس شہر کو بھی خوب آباد کیا پھر سو برس کے بعد حضرت عزیزؑ زندہ کئے گئے ان کا کھانا اور پینا اسی طرح ان کے پاس دھرا ہوا تھا ان کا گدھا جو مر چکا تھا اور اس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں وہ ان کے روبرو زندہ کیا گیا اور اس سو برس میں بنی اسرائیل قید سے خلاص ہو کر شہر میں آباد بھی ہو چکے تھے حضرت عزیزؑ نے زندہ ہو کر آباد ہی دیکھا۔

۴۲۲۔ جب حضرت عزیزؑ مرے تھے اس وقت کچھ دن چڑھا تھا اور جب زندہ ہوئے ابھی شام نہ ہوئی تھی تو یہ سمجھے کہ اگر میں یہاں نکل آیا تھا تو ایک دن ہوا اور اگر آج ہی آیا تھا تو دن سے بھی کم رہا۔

۴۲۳۔ حضرت عزیزؑ کے سامنے وہ سب ہڈیاں موافق ترکیب بدن کے جمع کی گئیں پھر ان پر گوشت پھیلایا گیا اور چمڑا درست ہوا پھر خدا کی قدرت سے ایکبارگی اس میں جان آئی اور اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بولی بولا۔

۴۲۴۔ حضرت عزیزؑ نے اس تمام کیفیت کو ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا کہ مجھ کو خوب یقین ہوا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی میں جو جانتا تھا کہ مردہ کو جلانا خدا تعالیٰ کو آسان ہے سو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا یہ مطلب نہیں کہ پہلے یقین میں کچھ کمی تھی ہاں مشاہدہ نہ ہوا تھا پھر حضرت عزیزؑ یہاں سے اٹھ کر بیت المقدس میں پہنچے کسی نے ان کو نہ پہچانا کیونکہ یہ تو جوان رہے اور ان کے آگے کے بچے بوڑھے ہو گئے جب انہوں نے توریت حفظ سنائی تب لوگوں کو ان کا یقین آیا بخت نصر بنی اسرائیل کی تمام کتابیں جلا گیا تھا جن میں توریت بھی تھی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ
اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ
فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ
عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ
سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳۵ ع ۳

۲۶۰۔ اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار میرے دکھلا دے مجھ کو کہ کیونکر زندہ کرے گا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے میرے دل کو[۴۲۵] فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اڑنے والے پھر انکو ہلا لے اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے[۴۲۶] اور جان لے کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا[۴۲۷]

۴۲۵۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یقین پورا تھا صرف عین الیقین کے خواستگار تھے جو مشاہدہ پر موقوف ہے۔

۴۲۶۔ **حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مردہ پرندوں کا زندہ ہونا:** حضرت ابراہیمؑ حسب ارشاد الٰہی چار جانور لائے ایک مور ایک مرغ ایک کوا ایک کبوتر اور چاروں کو اپنے ساتھ ہلایا تا کہ پہچان رہے اور بلانے سے آنے لگیں پھر چاروں کو ذبح کیا پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے ایک پر پر رکھے ایک پر سب کے دھڑ رکھے ایک پر پاؤں رکھے پہلے بیچ میں کھڑے ہو کر ایک کو پکارا اس کا سر اٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا پھر دھڑ ملا پھر پر لگے پھر پاؤں پھر وہ دوڑتا چلا آیا پھر اسی طرح چاروں آ گئے۔

۴۲۷۔ **اس واقعہ پر اشکال کا جواب:** یہاں دو خلجان گذرنے کا قوی احتمال ہے اول تو جسم بے جان متفرق الاجزاء کا زندہ ہونا ناقابل انکار دوسرے ان خصوصیات کو کہ وہ پرندے ہوں اور چار بھی ہوں اور چار بھی فلاں فلاں ہوں اور اس طرح ان کے اجزاء کو متفرق کر کے بلایا جائے تو زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اس کا کوئی دخل اور ان قیود کا کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا اس لئے اول خلجان کے جواب میں عزیز اور دوسرے کے جواب میں حکیم فرما کر دونوں شبہوں کا قلع قمع فرما دیا یعنی اس کو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست قدرت والا ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کے ہر حکم میں اس قدر حکمتیں ہوتی ہیں کہ جن کا ادراک اور احاطہ اگر ہم کو نہ ہو تو یہ ہمارے نقصان علم کی بات ہے اس کی حکمت کا انکار ایسے امور سے ہرگز ممکن نہیں واللہ اعلم آیۃ الکرسی میں علم وقدرت وغیرہ صفات الٰہی کو ذکر فرمایا اس کے بعد یہ تین قصے بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت کر سکتا ہے اور جس کو چاہے گمراہ کر سکتا ہے اور مارنا جلانا سب اس کے اختیار میں ہے اب جہاد اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور اس کے متعلق قیود وشرائط بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر کسی قدر گذر بھی چکا ہے کیونکہ جہاد و انفاق مال میں جو مواقع نظر آتے ہیں حق تعالیٰ کے علم وقدرت کے یقین کر لینے کے بعد اور اس کی عجائب قدرت کے حالات معلوم ہونے کے بعد ان کا ازالہ ہو گا ورنہ نقصان تو ان میں ضرور آنا چاہیئے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ
مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

۲۶۱۔ مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے سب کچھ جانتا ہے [۴۲۸]

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا
يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

۲۶۲۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہی کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ غمگین ہوں گے [۴۲۹]

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ
يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

۲۶۳۔ جواب دینا نرم اور درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا اور اللہ بے پروا ہے نہایت تحمل والا [۴۳۰]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ
الْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

۲۶۴۔ اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر [۴۳۱] سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو [۴۳۲]

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ

۲۶۵۔ اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی

مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثۡبِيۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ كَمَثَلِ
جَنَّةٍۢ بِرَبۡوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُكُلَهَا
ضِعۡفَيۡنِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يُصِبۡهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۶۵﴾

خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کر ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوچند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے [۴۳۳]

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ
اَعۡنَابٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ لَهٗ فِيۡهَا مِنۡ
كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الۡكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ
فَاَصَابَهَاۤ اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۶۶﴾ ع ٣٦ ٤

۲۶۶۔ کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہووے اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں اس کو اس باغ میں اور بھی سب طرح کا میوہ حاصل ہو اور آگیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہیں ضعیف تب آپڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل گیا یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ آیتیں تاکہ تم غور کرو [۴۳۴]

۴۲۸۔ انفاق مال کے فضائل: یعنی اللہ کی راہ میں تھوڑے مال کا بھی ثواب بہت ہے جیسا ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑھائے جس کے واسطے چاہے اور سات سو سے سات ہزار اور اس سے بھی زیادہ کردے اور اللہ بہت بخشش کرنے والا اور ہر ایک خرچ کرنے والے کی نیت اور اس کے خرچ کی مقدار اور مال کی کیفیت کو خوب جانتا ہے یعنی ہر ایک سے اس کے مناسب معاملہ فرماتا ہے۔

۴۲۹۔ احسان جتانے کی ممانعت: جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کئے پر نہ زبان سے احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں طعن سے اور نہ خدمت لینے سے اور نہ تحقیر کرنے سے انہی کے لئے ہے ثواب کامل اور نہ ڈر ہے ان کو ثواب کم ہونے کا اور نہ غمگین ہوں گے ثواب کے نقصان سے۔

۴۳۰۔ سائل کے جواب دینے کا طریقہ: یعنی مانگنے والے کو نرمی سے جواب دینا اور اس کے اصرار اور بدخوئی پر درگذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے کہ بار بار اس کو شرمائے یا احسان رکھے یا طعنہ دے اور اللہ غنی ہے کسی کے مال کی اس کو حاجت نہیں جو صدقہ اس کی راہ میں کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے اور حلیم ہے کہ ستانے پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا۔

۴۳۱۔ ریاکاری صدقہ کو باطل کر دیتی ہے: یعنی صدقہ دے کر محتاج کو ستانے اور اس پر احسان رکھنے سے صدقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے یا اوروں کو دکھا کر اس لئے صدقہ دیتا ہے کہ لوگ سخی جانیں اس طرح کی بھی خیرات کا ثواب کچھ نہیں ہوتا باقی یہ فرمانا کہ وہ یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ ابطال صدقہ کے لئے قید و شرط نہیں ہیں کیونکہ صدقہ تو صرف ریا سے ہی باطل ہو سکتا ہے اگرچہ خرچ کرنے والا مومن

ہی کیوں نہ ہو مگر اس قید کو صرف اس نفع کی غرض سے بڑھایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ریاکاری مومن کی شان سے بعید ہے بلکہ یہ امر منافقین کے مناسب حال ہے۔

۴۳۲۔ دکھاوے کی مثال: اوپر مثال بیان فرمائی تھی خیرات کی کہ ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا اور اس سے سات سو دانے پیدا ہو گئے اب فرماتے ہیں کہ نیت شرط ہے اگر کسی نے ریا اور دکھاوے کی نیت سے صدقہ کیا تو اس کی مثال ایسی سمجھو کہ کسی نے دانہ بویا ایسے پتھر پر کہ جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی جب مینہ برسا تو بالکل صاف رہ گیا اب اس پر دانہ کیا اگے گا ایسے ہی صدقات میں ریاکاروں کو کیا ثواب ملے گا۔

۴۳۳۔ اخلاص سے مال خرچ کرنے کی مثال: زور کے مینہ سے مراد بہت مال خرچ کرنا اور پھوار سے مراد تھوڑا مال خرچ کرنا اور دلوں کو ثابت کرنے سے مراد یہ ہے کہ ثابت کریں دلوں کو ثواب پانے میں یعنی ان کو یقین ہے کہ خیرات کا ثواب ضرور ملے گا سو اگر نیت درست ہے تو بہت خرچ کرنے میں بہت ثواب ملے گا اور تھوڑی خیرات میں بھی فائدہ ہو گا جیسے خالص زمین پر باغ ہے تو جتنا مینہ برسے گا اتنا ہی باغ کو فائدہ پہنچے گا اور نیت درست نہیں تو جس قدر زیادہ خرچ کرے اتنا ہی مال ضائع ہو گا اور نقصان پہنچے گا کیونکہ زیادہ مال دینے میں ریا اور دکھاوا بھی زیادہ ہو گا۔ جیسا پتھر پر دانہ اگے گا تو جتنا زور کا مینہ برسے گا اتنا ہی ضرر زیادہ ہو گا۔

۴۳۴۔ ایذا اور دکھاوے کی ایک اور مثال: یہ مثال ان کی ہے جو لوگوں کو دکھانے کو صدقہ خیرات کرتے ہیں یا خیرات کر کے احسان رکھتے ہیں اور ایذا پہنچاتے ہیں یعنی جیسے کسی شخص نے جوانی اور قوت کے وقت باغ تیار کیا تاکہ ضعیفی اور بڑھاپے میں اس سے میوہ کھائے اور ضرورت کے وقت کام آئے۔ پھر جب بڑھاپا آیا اور میوے کی پوری حاجت ہوئی تب وہ باغ عین حالت احتیاج میں جل گیا یعنی صدقہ مثل باغ میوہ دار کے ہے کہ اس کا میوہ آخرت میں کام آئے۔ جب کسی کی نیت بری ہے تو وہ باغ جل گیا پھر اس کا میوہ جو ثواب ہے کیونکر نصیب ہو حق سبحانہ اسی طرح کھول کر سمجھاتا ہے تم کو آیتیں تاکہ غور کرو اور سمجھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

۲۶۷۔ اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا [۴۳۵]

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ۖۙ

۲۶۸۔ شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے [۴۳۶]

يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ
فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ‌ؕ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا
الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾

۲۶۹۔ عنایت کرتا ہے سمجھ جس کسی کو چاہے اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں[۴۳۷]

وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ‌ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

۲۷۰۔ اور جو خرچ کرو گے تم خیرات یا قبول کرو گے کوئی منت تو بیشک اللہ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مدگار نہیں[۴۳۸]

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ‌ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَ
تُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ‌ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ
سَيِّاٰتِكُمۡ ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۷۱﴾

۲۷۱۔ اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے[۴۳۹]

لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ
يَّشَآءُ ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ‌ؕ وَمَا
تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ
خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾

۲۷۲۔ تیرا ذمہ نہیں انکو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کرو گے تم مال سو اپنے ہی واسطے جب تک کہ خرچ کرو گے اللہ ہی کی رضاجوئی میں اور جو کچھ خرچ کرو گے خیرات سو پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا[۴۴۰]

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا
يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ
اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ‌ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ‌ۚ لَا
يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ

۲۷۳۔ خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں سمجھے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے ان کو انکے چہرہ سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر[۴۴۱] اور جو کچھ خرچ کرو گے کام کی چیز وہ بیشک اللہ کو معلوم ہے[۴۴۲]

ع ٣٧ ٥

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۲۷۳﴾

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾

۲۷۴۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو انکے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۴۴۳]

۴۳۵۔ اللہ کی راہ میں عمدہ اور پاک مال خرچ کرو: یعنی عند اللہ صدقہ کے مقبول ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ مال حلال کمائی کا ہو۔ حرام کا مال اور شبہ کا مال نہ ہو اور اچھی سے اچھی چیز اللہ کی راہ میں دے بری چیز خیرات میں نہ لگائے کہ اگر کوئی ایسی ویسی چیز دے تو جی نہ چاہے لینے کو مگر شرما شرمائی۔ پر خوشی سے ہر گز نہ لے اور جان لو کہ اللہ بے پرواہ ہے تمہارا محتاج نہیں اور خوبیوں والا ہے اگر بہتر سے بہتر چیز دل کے شوق اور محبت سے دے تو پسند فرماتا ہے۔

۴۳۶۔ شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے: جب کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر خیرات کروں گا تو مفلس رہ جاؤں گا اور حق تعالیٰ کی تاکید سن کر بھی یہی ہمت ہو اور دل چاہے کہ اپنا مال خرچ نہ کرے اور وعدہ الٰہی سے اعراض کر کے وعدہ شیطانی پر طبیعت کو میلان اور اعتماد ہو تو اس کو یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے ہے یہ نہ کہے کہ شیطان کی تو ہم نے کبھی صورت بھی نہیں دیکھی حکم کرنا تو در کنار رہا اور اگر یہ خیال آوے کہ صدقہ خیرات سے گناہ بخشے جاویں گے اور مال میں بھی ترقی اور برکت ہو گی تو جان لیوے کہ یہ مضمون اللہ کی طرف سے آیا ہے اور خدا کا شکر کرے اور اللہ کے خزانے میں کمی نہیں سب کے ظاہر و باطن، عمل کو خوب جانتا ہے۔

۴۳۷۔ سمجھ بڑی نعمت ہے: یعنی جس کو چاہتا ہے دین کی باتوں میں دانائی اور خیرات کرنے میں سمجھ عنایت کرتا ہے کہ کس نیت سے اور کس مال سے اور کس کو اور کس طرح محتاج کو دینا چاہیئے اور جس کو سمجھ عنایت ہوئی اس کو بڑی نعمت اور بڑی خوبی ملی۔

۴۳۸۔ منت اور نذر کا بیان: یعنی جو کچھ خیرات کی جائے تھوڑی یا بہت بھلی نیت سے یا بری نیت سے چھپا کر یا لوگوں کو دکھا کر یا منت مانی جائے کسی طرح کی تو بیشک خدا تعالیٰ کو پورا علم ہے سب کا اور جو لوگ انفاق مال اور نذر میں حکم الٰہی کے خلاف کرتے ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں اللہ جو چاہے ان پر عذاب کرے منت قبول کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اب اگر ادا نہ کی تو گنہگار ہو گا اور نذر اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلانے شخص کو دوں گا یا اس نذر کا ثواب فلاں کو پہنچے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۴۳۹۔ اگر لوگوں کو دکھانے کی نیت نہ ہو تو خیرات کرنا لوگوں کے روبرو بھی بہتر ہے تاکہ اوروں کو بھی شوق اور رغبت ہو اور چھپا کر خیرات کرنا بھی بہتر ہے تاکہ لینے والا نہ شرمائے خلاصہ یہ کہ اظہار و اخفا دونوں بہتر ہیں مگر ہر موقع اور مصلحت کا لحاظ ضروری بات ہے۔

۴۴۰۔ صدقہ دینے میں مسلمان کی تخصیص نہیں جب آپ ﷺ نے صحابہ کو مسلمانوں کے سوا اوروں پر صدقہ کرنے سے روکا اور اس میں یہ مصلحت تھی کہ مال ہی کی غرض سے دین حق کی طرف راغب ہوں گے آگے یہ فرما دیا کہ یہ ثواب جب ہی تک ملے گا کہ اللہ کی خوشی مطلوب ہو گی تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں عام حکم آ گیا کہ اللہ کی راہ میں جس کو مال دو گے تم کو اس کا ثواب دیا جائے گا مسلم غیر مسلم کسی کی تخصیص نہیں یعنی جس پر صدقہ کرو اس میں مسلم کی تخصیص نہیں البتہ صدقہ میں یہ ضرور ہے کہ محض لوجہ اللہ ہو۔

۴۴۱۔ اللہ والے اہل حاجت کی مدد: یعنی ایسوں کو دینا بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے کھانے

کمانے سے رک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرت ﷺ کے اصحاب تھے اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کر حضرت ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی علم دین سیکھنے کو اور مفسدین فتنہ پر جہاد کرنے کو اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں اور چہرہ سے ان کو پہچاننا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے چہرے زرد اور بدن دبلے ہو رہے ہیں اور آثار جدوجہد ان کی صورت سے نمودار ہیں۔

۴۴۲۔ علی العموم اور خاص کر ایسے لوگوں پر جن کا ذکر ہوا۔

۴۴۳۔ **خیرات و صدقات کے فائدے:** یہاں تک خیرات کا بیان اور اس کی فضیلت اور اسکی قیود و شرائط کا مذکور تھا اور چونکہ خیرات کرنے سے ادھر تو معاملات سہولت و تسہیل کی عادت ہوتی ہے اور بے مروتی و سخت گیری کی برائی دلنشین ہوتی ہے اور ادھر یہ ہوتا ہے کہ معاملات و اعمال میں جو گناہ ہو جاتا ہے خیرات سے اس کا کفارہ کر دیا جاتا ہے اور نیز خیرات کرنے سے اخلاق و مروت و خیر اندیشی و نفع رسانی خلق اللہ میں ترقی ہوتی ہے تو ان وجوہ سے ان آیات متعددہ میں اس کا ذکر فرمایا گیا تھا اب سود لینا چونکہ خیرات کی ضد ہے وہاں مروت و نفع رسانی تھی تو سود میں محض بے مروتی اور ضرر رسانی اور ظلم ہے۔ اس لئے خیرات کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور اسکی ممانعت کا ذکر بہت مناسب ہے اور جس قدر خیرات میں بھلائی ہے اتنی ہی سود میں برائی ہونی ضروری بات ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

۲۷۵۔ جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیے ہوں جن نے لپٹ کر یہ حالت انکی اس واسطے ہو گی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری اور حرام کیا ہے سود کو[۴۴۴] پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے[۴۴۵]

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

۲۷۶۔ مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو[۴۴۶] اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گنہگار سے[۴۴۷]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا

۲۷۷۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ انکے لئے ہے ثواب ان کا

الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَ
لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾

اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے[۴۴۸]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوۡا مَا بَقِىَ
مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۷۸﴾

۲۷۸۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تمکو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا[۴۴۹]

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ
وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَ
لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾

۲۷۹۔ پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر[۴۵۰]

وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ وَاَنۡ
تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۰﴾

۲۸۰۔ اور اگر ہے تنگدست تو مہلت دینی چاہیئے کشائش ہونے تک اور بخش دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہو[۴۵۱]

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ
نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ٣٨ ٢

۲۸۱۔ اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا[۴۵۲]

۴۴۴۔ مذمت اور حقیقت: یعنی ربٰو کھانے والے قیامت کو قبروں سے ایسے اٹھیں گے جیسے آسیب زدہ اور مجنون اور یہ حالت اس واسطے ہو گی کہ انہوں نے حلال و حرام کو یکساں کر دیا اور صرف اس وجہ سے کہ دونوں میں نفع مقصود ہوتا ہے دونوں کو حلال کہا حالانکہ بیع اور ربٰو میں بڑا فرق ہے کہ بیع کو حق تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ فائدہ بیع میں جو نفع ہوتا ہے وہ مال کے مقابلہ میں ہوتا ہے جیسے کسی نے ایک درہم کی قیمت کا کپڑا دو درہم کو فروخت کیا اور سود وہ ہوتا ہے جس میں نفع بلا عوض ہو جیسے ایک درہم سے دو درہم خرید لیوے اول صورت میں چونکہ کپڑا اور درہم دو جدی جدی قسم کی چیزیں ہیں اور نفع اور غرض ہر ایک کی دوسرے سے علیحدہ ہے اس لئے ان میں فی نفسہ موازنہ اور مساوات غیر ممکن ہے۔ بضرورت خرید و فروخت موازنہ کرنے کی کوئی صورت اپنی اپنی ضرورت اور حاجت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی اور ضرورت اور رغبت ہر ایک کی از حد مختلف ہوتی ہے کسی کو ایک درہم کی اتنی حاجت ہوتی ہے اور دس روپیہ کی قیمت کے کپڑے کی بھی اس قدر نہیں ہوتی اور کسی کو ایک کپڑے کی جو بازار میں ایک درہم کا شمار ہوتا ہے اتنی حاجت ہو سکتی ہے کہ دس درہم کی بھی اتنی احتیاج اور رغبت نہیں ہوتی تو اب

ایک کپڑے کو درہم میں کوئی خریدے گا تو اس میں سود یعنی نفع خالی عن العوض نہیں اور اگر بالفرض اسی کپڑے کو ایک ہزار درہم کو خریدے گا تو سود نہیں ہو سکتا کیونکہ فی حد ذاتہ تو ان میں موازنہ اور مساوات ہو ہی نہیں سکتی اس کے لئے اگر پیمانہ ہے تو اپنی اپنی رغبت اور ضرورت اور اس میں اتنا تفاوت ہے کہ خدا کی پناہ، تو سود متعین ہو تو کیونکر ہو اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت کرے گا تو یہاں فی نفسہ مساوات ہو سکتی ہے جس کے باعث ایک درہم کے مقابلہ میں معین ہو گا اور دوسرا درہم خالی عن العوض ہو کر سود ہو گا اور شرعاً یہ معاملہ حرام ہو گا۔

۴۴۵۔ یعنی سود کی حرمت سے پہلے تم نے جو سود لیا دیا میں اس کو مالک کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا یعنی تم کو اس سے مطالبہ کا حق نہیں اور آخرت میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے اپنی رحمت سے اس کو بخش دے لیکن حرمت کے بعد بھی اگر کوئی باز نہ آیا بلکہ برابر سود لئے گیا تو وہ دوزخی ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی عقلی دلیلوں کو پیش کرنے کی سزا وہی سزا ہے جو فرمائی۔

۴۴۶۔ اللہ سود کو گھٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے: اللہ سود کے مال کو مٹاتا ہے یعنی اس میں برکت نہیں ہوتی بلکہ اصل مال بھی ضائع ہو جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ سود کا مال کتنا ہی بڑھ جائے انجام اس کا افلاس ہے اور خیرات کے مال کو بڑھانے سے یہ مطلب ہے کہ اس مال میں زیادتی ہوتی ہے اور اللہ برکت دیتا ہے اور اس کا ثواب بڑھایا جاتا ہے چنانچہ احادیث میں وارد ہے۔

۴۴۷۔ مطلب یہ کہ سود لینے والے نے مالدار ہو کر اتنا بھی نہ کیا کہ محتاج کو قرض ہی بلا سود دے دیتا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بطریق خیرات حاجتمند کو دیتا تو اب اس سے زیادہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کیا ہو گی۔

۴۴۸۔ اس آیت میں سود لینے والے کے مقابلہ میں اہل ایمان کے اوصاف اور ان کا انعام ذکر کر دیا جو سود خوار کے اوصاف و حالات اور اس کے حکم کے خلاف اور ضد ہیں جس سے سود خوار کی پوری تہدید و تشنیع بھی ظاہر ہو گئی۔

۴۴۹۔ یعنی ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے سو لے چکے لیکن ممانعت کے بعد جو چڑھا اس کو ہرگز نہ مانگو۔

۴۵۰۔ پچھلا سود معاف ہے: یعنی پہلے سود جو تم لے چکے ہو اس کو اگر تمہارے اصل مال میں محسوب کریں اور اس میں سے کاٹ لیویں تو تم پر ظلم ہے اور ممانعت کے بعد کا سود چڑھا ہوا اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے۔

۴۵۱۔ یعنی جب سود کی ممانعت آ گئی اور اس کا لینا دینا موقوف ہو گیا تو اب تم مدیون مفلس سے تقاضا کرنے لگو یہ ہرگز نہ چاہیئے بلکہ مفلس کو مہلت دو اور توفیق ہو تو بخش دو۔

۴۵۲۔ یعنی قیامت کو تمام اعمال کی جزاء اور سزا ملے گی تو اب ہر کوئی اپنی فکر کر لے اچھے کام کرے یا برے سود لے یا خیرات کرے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى
اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ
بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ
اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ

٢٨٢۔ اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیوے جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہئے کہ لکھ دے اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ [۴۵۳] پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلاوے کارگذار اس کا انصاف

كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا
یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ
وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ
یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ
مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی ؕ وَ لَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا
دُعُوْا ؕ وَ لَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا
اِلٰۤی اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَایَعْتُمْ ۪ وَ
لَا یُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِیْدٌ ؕ۬ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ
فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ یُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۲﴾

سے [۴۵۴] اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلاوے اس کو وہ دوسری [۴۵۵] اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو [۴۵۶] مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو اور گواہ کر لیا کرو جب تم سودا کرو اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ گواہ [۴۵۷] اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے

وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ
مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ

۲۸۳۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گرو ہاتھ میں رکھنی چاہیئے پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہیئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا اپنی

الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَ لْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَ مَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹ ۷

امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپاوے تو بیشک گنہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے[۴۵۸]

۴۵۳۔ قرض کا لین دین اور اس کے احکام: پہلے صدقہ خیرات کی فضیلت اور اس کے احکام بیان فرمائے اس کے بعد رٰبو اور اس کی حرمت اور برائی مذکور ہوئی اب اس معاملہ کا ذکر ہے جس میں قرض ہو اور آئندہ کسی مدت کا وعدہ ہو اس کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ ایسا معاملہ جائز ہے مگر چونکہ معاملہ آئندہ مدت کے لئے ہوا ہے بھول چوک خلاف نزاع کا احتمال ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ اس کا تعین اور اہتمام ایسا کیا جائے کہ آئندہ کوئی قضیہ اور خلاف نہ ہو اس کی صورت یہی ہے کہ ایک کاغذ لکھو جس میں مدت کا تقرر ہو اور دونوں معاملہ والوں کا نام اور معاملہ کی تفصیل سب باتیں صاف صاف کھول کر لکھی جاویں کاتب کو چاہیئے بلا انکار جس طرح شرع کا حکم ہے اس کے موافق انصاف میں کوتاہی نہ کرے اور چاہئے کہ مدیون اپنے ہاتھ سے لکھے یا کاتب کو اپنی زبان سے بتلائے اور دوسرے کے حق میں ذرا نقصان نہ ڈالے۔

۴۵۴۔ یعنی جو دیندار اور مدیون ہے وہ اگر بے عقل بھولا یا سست اور ضعیف ہے مثلاً بچہ ہے یا بہت بوڑھا ہے کہ معاملہ کو سمجھنے کی سمجھ ہی نہیں ہے یا معاملہ کو کاتب کو بتلا نہیں سکتا تو ایسی صورتوں میں مدیون کے مختار اور وارث اور کارگذار کو چاہیئے کہ معاملہ کو انصاف سے بلا کم وکاست لکھوا دے۔

۴۵۵۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی: اور تم کو چاہیئے کہ اس معاملہ پر کم سے کم دو گواہ مردوں میں سے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں اور گواہ قابل پسند یعنی لائق اعتبار اور اعتماد ہوں۔

۴۵۶۔ یعنی گواہ کو جس وقت گواہ بنانے کے لئے یا ادائے شہادت کے لئے بلائیں تو اس کو کنارہ یا انکار نہ کرنا چاہیئے اور کاہلی اور سستی نہ کرو اس کے لکھنے لکھانے میں معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا کہ انصاف پورا اس میں ہے اور گواہی پر بھی کامل اعتماد اسی لکھ لینے میں ہے اور بھول چوک اور کسی کے حق ضائع ہونے سے اطمینان بھی اس میں ہے۔

۴۵۷۔ تحریری معاہدے کا بیان: یعنی اگر سوداگری کا معاملہ دست بدست ہو جنس کے بدلے جنس یا نقد کی طرح معاملہ ہو مگر ادھار کا قصہ نہ ہو تو اب نہ لکھنے میں گناہ نہیں مگر گواہ بنا لینا اس وقت بھی چاہیئے کہ اس معاملہ کے متعلق کوئی نزاع آئندہ پیش آئے تو کام آئے اور لکھنے والا اور گواہ نقصان نہ کرے یعنی مدعی اور مدعا علیہ میں سے کسی کا بھی نقصان نہ کرے بلکہ جو حق واجبی ہو وہ ہی ادا کریں۔

۴۵۸۔ یعنی اگر سفر میں قرض اور ادھار کا معاملہ کرو اور دستاویز کے لئے کوئی کاتب نہ ملے تو قرض کے عوض کوئی چیز مدیون کو رہن رکھ دینی چاہیئے۔ فائدہ: سفر میں رہن کی حاجت بہ نسبت حضر زیادہ ہو گی کیونکہ حضر میں کتابت وشہادت سے بھی بسہولت صاحب دین کا اطمینان ممکن ہے اس لئے سفر میں رہن کا حکم ہوا۔ ورنہ حضر میں اور کاتب کی موجودگی میں بھی رہن درست ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے اور اگر صاحب دین کو مدیون پر اعتماد اور اس کا اعتبار ہو اور اس لئے رہن کا طالب نہ ہو تو مدیون کو لازم ہے کہ صاحب دین کا حق تمام وکمال ادا کر دے اور خدا سے ڈرتا رہے صاحب حق کے حق میں امانت سے معاملہ کرے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

۲۸۴۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۴۵۹]

۴۵۹۔ ایک اہم تنبیہ: اس سورت میں اصول و فروع عبادات و معاملات جانی ومالی ہر قسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو اس لئے مناسب ہے کہ بندوں کو پوری تاکید وہ تہدید بھی ہر طرح سے فرمادی جائے تاکہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں سو اسی غرض کے لئے آخر سورت میں احکام کو بیان فرما کر اس آیت کو بطور تہدید و تنبیہ ارشاد فرما کر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کر دیا اور طلاق و نکاح قصاص وزکوٰۃ بیع و ربٰو جو اکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خود رائی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں ان کو بھی اس میں پوری تنبیہ ہو گئی دیکھئے جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہو گا اس کا مالک ہونا چاہیئے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیاء کا محاسبہ کر سکے اس کو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہر ایک کے مقابلہ میں جزا و سزا دے سکے اس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے سو انہی تین کمالات یعنی ملک اور علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور انہی کا آیۃ الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہ تمام چیزوں کی مالک اور خالق اس کا علم سب کو محیط اس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اس کی نافرمانی کسی امر ظاہر یا مخفی میں کر کے بندہ کیونکر نجات پا سکتا ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۨ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۨ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

۲۸۵۔ مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے[۴۶۰]

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

۲۸۶۔ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے اس کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلے لوگوں پر اے رب

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا
طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ
اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾ ع ٤٠ ٨

ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور در گذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہمارا رب ہے مدد کر ہماری کافروں پر [۴۶۱]

۴۶۰۔ ارکان ایمان اور مسلمانوں کی تسلی: پہلی آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر حضرات صحابہ گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی آیت پر نہ ہوا تھا آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا قولوا سمعنا واطعنا یعنی اشکال نظر آئے یا دقت مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنیٰ توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا عرض کر دو آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ یہ کلمات زبان پر بیساختہ جاری ہو گئے مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں آیتیں اتریں اول یعنی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ اس میں رسول کریم ﷺ اور انکے بعد صحابہ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی جس سے ان کے دلوں میں اطمینان ترقی پاوے اور خلجان سابق زائل ہو اس کے بعد دوسری آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا الخ میں فرمادیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرمادیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے برے کام کا خیال خطرہ یا بھول چوک ان پر مواخذہ نہیں ہاں جو باتیں بندہ کے ارادے اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہو گا اب آیت سابقہ کو سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کے معنی بھی اسی پچھلے قاعدہ کے موافق لینے چاہئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلجان مذکورہ کا اب ایسا قلع قمع ہو گیا کہ سبحان اللہ۔ فائدہ: جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں کہ کسی پیغمبر کو مانا اور کسی پیغمبر کو نہ مانا۔

۴۶۱۔ ایک جامع اور موثر دعا: اول آیت پر حضرات صحابہ کو بڑی تشویش ہوئی تھی ان کی تسلی کے لئے یہ دو آیتیں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا الخ نازل ہوئیں اب اس کے بعد رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ آخر سورت تک نازل فرما کر ایسا اطمینان دیا گیا کہ کسی صعوبت اور دشواری کا اندیشہ بھی باقی نہ چھوڑا کیونکہ جن دعاؤں کا ہم کو حکم ہوا ہے ان کا مقصود یہ ہے کہ بیشک ہر طرح کا حق حکومت اور استحقاق عبادت تجھ کو ہم پر ثابت ہے مگر اے ہمارے رب اپنی رحمت و کرم سے ہمارے لئے ایسے حکم بھیجے جائیں جن کے بجالانے میں ہم پر صعوبت اور بھاری مشقت نہ ہو نہ بھول چوک میں ہم پکڑے جائیں نہ مثل پہلی امتوں کے ہم پر شدید حکم اتارے جائیں نہ ہماری طاقت سے باہر کوئی حکم ہم پر مقرر ہو اس سہولت پر بھی ہم سے جو قصور ہو جائے اس سے در گذر اور معافی اور ہم پر رحم فرمایا جائے حدیث میں ہے کہ یہ سب دعائیں مقبول ہوئیں۔ اور جب اس دشواری کے بعد جو حضرات صحابہ کو پیش آچکی تھی اللہ کی رحمت سے اب ہر ایک دشواری سے ہم کو امن مل گیا تو اب اتنا بھی ہونا چاہیئے کہ کفار پر ہم کو غلبہ عنایت ہو ورنہ انکی طرف سے مختلف دقتیں دینی اور دنیوی ہر طرح کی مزاحمتیں پیش آکر جس صعوبت سے اللہ اللہ کر کے اللہ کے فضل سے جان بچی تھی کفار کے غلبہ کی حالت میں پھر وہی کھٹکا موجب بے اطمینانی ہو گا۔

تم سورۃ البقرۃ بمنہ وحسن توفیقہ۔ فلہ الحمد والمنہ وعلیٰ رسولہ الف الف سلام وتحیہ۔

اٰیاتھا ٢٠٠ ٣ سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ٨٩ رکوعاتھا ٢٠

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾

١۔ الم

اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ؕ﴿۲﴾

٢۔ اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا [١]

نَزَّلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ
يَدَيۡهِ وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰٮةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ۙ﴿۳﴾

٣۔ اتاری تجھ پر کتاب سچی [٢] تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور اتارا توریت اور انجیل کو

مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ؕ اِنَّ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ‌ؕ وَ
اللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ‏ ﴿۴﴾

٤۔ اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے [٣] اور اتارے فیصلے [٤] بیشک جو منکر ہوئے اللہ کی آیتوں سے انکے واسطے سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست ہے بدلا لینے والا [٥]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخۡفٰى عَلَيۡهِ شَىۡءٌ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى
السَّمَآءِ ؕ‏ ﴿۵﴾

٥۔ اللہ پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں [٦]

هُوَ الَّذِىۡ يُصَوِّرُكُمۡ فِى الۡاَرۡحَامِ كَيۡفَ يَشَآءُ ‌ؕ لَاۤ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ‏ ﴿۶﴾

٦۔ وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا زبردست ہے حکمت والا [٧]

١۔ الوہیت مسیح کارد: نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک مؤقر و معزز وفد نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں تین شخص عبدالمسیح عاقب بحیثیت امارت و سیادت کے، ایہم السید بلحاظ رائے و تدبیر کے اور ابو حارثہ بن علقمہ باعتبار سب سے بڑے مذہبی عالم اور لاٹ پادری ہونے کے عام شہرت اور امتیاز رکھتے تھے۔ یہ تیسرا شخص اصل میں عرب کے مشہور قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر پکا نصرانی بن گیا۔

سلاطین روم نے اس کی مذہبی صلابت اور مجد و شرف کو دیکھتے ہوئے بڑی تعظیم و تکریم کی۔ علاوہ بیش قرار مالی امداد کے اس کے لئے گرجے تعمیر کئے اور امور مذہبی کے اعلیٰ منصب پر مامور کیا۔ یہ وفد بارگاہ رسالت میں بڑی آن بان سے حاضر ہوا اور متنازع فیہ مسائل میں حضور ﷺ سے گفتگو کی جس کی پوری تفصیل محمد بن اسحاق کی سیرۃ میں منقول ہے۔ سورۂ آل عمران کا ابتدائی حصہ تقریباً اسی نوے آیات تک اسی واقعہ میں نازل ہوا۔ عیسائیوں کا پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ بعینہ خدا یا خدا کے بیٹے یا تین خداؤں میں کے ایک ہیں۔ سورۂ ہذا کی پہلی آیت میں توحید خالص کا دعویٰ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی جو صفات حیّ قیوم بیان کی گئیں وہ عیسائیوں کے اس دعوے کو صاف طور پر باطل ٹھہراتی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دوران مناظرہ میں ان سے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ حیّ (زندہ) ہے جس پر کبھی موت طاری نہیں ہوسکتی۔ اسی نے تمام مخلوقات کو وجود عطا کیا اور سامان بقاء پیدا کرکے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے تھام رکھا ہے۔ برخلاف اس کے عیسیٰؑ پر یقیناً موت و فنا آکر رہے گی۔ اور ظاہر ہے جو شخص خود اپنی ہستی کو برقرار نہ رکھ سکے دوسری مخلوقات کی ہستی کیا برقرار رکھ سکتا ہے۔ نصاریٰ نے سن کر اقرار کیا (کہ بیشک صحیح ہے) شاید انہوں نے غنیمت سمجھا ہوگا کہ آپ اپنے اعتقاد کے موافق عیسیٰ یاتی علیہ الفناء کا سوال کر رہے ہیں یعنی عیسیٰ پر فنا ضرور آئے گی، اگر جواب نفی میں دیا تو آپ ہمارے عقیدہ کے موافق کہ حضرت عیسیٰؑ کو عرصہ ہوا موت آچکی ہے۔ ہم کو اور زیادہ صریح طور پر ملزم اور مفحم کرسکیں گے۔ اس لئے لفظی مناقشہ میں پڑنا مصلحت نہ سمجھا۔ اور ممکن ہے یہ لوگ ان فرقوں میں سے ہوں جو عقیدہ اسلام کے موافق مسیحؑ کے قتل و صلب کا قطعاً انکار کرتے تھے اور رفع جسمانی کے قائل تھے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح اور الفارق بین المخلوق والخالق کے مصنف نے تصریح کی ہے کہ شام و مصر کے نصاریٰ عموماً اسی عقیدہ پر تھے۔ مدت کے بعد پولس نے عقیدہ صلب کی اشاعت کی۔ پھر یہ خیال یورپ سے مصر و شام وغیرہ پہنچا بہرحال نبی کریم ﷺ کا انّ عیسیٰ اتی علیہ الفناء کے بجائے یاتی علیہ الفناء فرمانا، درآں حالیکہ پہلے الفاظ تردید الوہیۂ مسیح کے موقع پر زیادہ صاف اور مسکت ہوتے۔ ظاہر کرتا ہے کہ موقع الزام میں بھی مسیحؑ پر موت سے پہلے لفظ موت کا اطلاق آپ نے پسند نہیں کیا۔

۲۔ یعنی قرآن کریم جو عین حکمت کے موافق نہایت بروقت سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اترا۔

۳۔ قرآن پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے یعنی قرآن اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اگلی کتابیں (تورات اور انجیل وغیرہ) پہلے سے قرآن اور اس کے لانے والے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کررہی تھیں اور اپنے اپنے وقت میں مناسب احکام و ہدایات دیتی تھیں۔ گویا بتلادیا کہ الوہیت یا ابنیت مسیح کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا۔ کیونکہ اصول دین کے اعتبار سے تمام کتب سماویہ متفق و متحد ہیں۔ مشرکانہ عقائد کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی۔

۴۔ یعنی ہر زمانہ کے مناسب ایسی چیزیں اتاریں جو حق و باطل، حلال و حرام اور جھوٹ سچ کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہوں۔ اس میں قرآن کریم، کتب سماویہ، معجزات انبیاء سب داخل ہوگئے اور ادھر بھی اشارہ ہوگیا کہ جن مسائل میں یہود و نصاریٰ جھگڑتے چلے آرہے ہیں ان اختلافات کا فیصلہ بھی قرآن کے ذریعہ سے کردیا گیا۔

۵۔ اللہ ہی قادر مطلق ہے: یعنی ایسے مجرموں کو نہ سزا دیے بغیر چھوڑے گا نہ وہ اس کے زبردست اقتدار سے چھوٹ کر بھاگ سکیں گے۔ اس میں بھی الوہیت مسیح کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہوگیا۔ کیونکہ جو اختیار و اقتدار کلی خدا کے لئے ثابت کیا گیا ظاہر ہے وہ مسیح میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ نصاریٰ کے نزدیک مسیحؑ کسی کو سزا تو کیا دے سکتے خود اپنے کو باوجود سخت تضرع والحاح کے ظالموں کے پنجہ سے نہ چھڑا سکے۔ پھر خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بن سکتے ہیں؟ بیٹا وہ ہی کہلاتا ہے جو باپ کی نوع سے ہو۔ لہٰذا خدا کا بیٹا خدا ہی ہونا چاہیئے۔ ایک عاجز مخلوق کو حقیقۃً قادر مطلق کا بیٹا کہنا، باپ اور بیٹے دونوں پر سخت عیب لگانا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۶۔ اللہ کا علم محیط ہے: یعنی جس طرح اس کا اقتدار و اختیار کامل ہے۔ علم بھی محیط ہے۔ عالم کی کوئی چھوٹی بڑی چیز ایک سیکنڈ کے لئے اس سے غائب نہیں۔ سب مجرم و بری۔ اور تمام جرموں کی نوعیت و مقدار اس کے علم میں ہے۔ مجرم بھاگ کر روپوش ہونا چاہے تو کہاں ہو سکتا ہے؟ یہیں سے تنبیہ کر دی گئی مسیحؑ خدا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسا علم محیط ان کو حاصل نہ تھا۔ وہ اسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ ان کو بتلا دیتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے جواب میں خود نصاریٰ نجران نے اقرار کیا اور آج بھی اناجیل مروجہ سے ثابت ہے۔

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت سب کا خالق اللہ ہے: یعنی اپنے علم و حکمت کے مطابق کمال قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بنایا مذکر، مونث، خوبصورت، بدصورت، جیسا پیدا کرنا تھا کر دیا۔ ایک پانی کے قطرہ کو کتنی پلٹیاں دے کر آدمی کی صورت عطا فرمائی۔ جس کی قدرت وصنعت کا یہ حال ہے کیا اس کے علم میں کمی ہو سکتی ہے یا کوئی انسان جو خود بھی بطن مادر کی تاریکیوں میں رہ کر آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھاتا، پیتا، پیشاب، پاخانہ کرتا ہو۔ اس خداوند قدوس کا بیٹا یا پوتا کہلایا جا سکتا ہے کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا عیسائیوں کا سوال تھا کہ جب مسیحؑ کا ظاہری باپ کوئی نہیں تو بجز خدا کے کس کو باپ کہیں یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ میں اس کا جواب بھی ہو گیا۔ یعنی خدا کو قدرت ہے رحم میں جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ تیار کر دے۔ خواہ ماں باپ دونوں کے ملنے سے یا صرف ماں کی قوت منفعلہ سے اسی لئے آگے فرمایا هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ یعنی زبردست ہے جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کر سکتا۔ اور حکیم ہے جہاں جیسا مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ حوا کو بدون ماں کے، مسیح کو بدون باپ کے، آدم کو بدون ماں باپ دونوں کے پیدا کر دیا۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ ۚ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۷﴾

۷۔ وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم یعنی انکے معنیٰ واضح ہیں وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں متشابہ یعنی جنکے معنیٰ معلوم یا معین نہیں سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے [۸]

۸۔ آیات محکمات اور متشابہات کی تشریح: نصاریٰ نجران نے تمام دلائل سے عاجز ہو کر بطور معارضہ کہا تھا کہ آخر آپ حضرت مسیحؑ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ مانتے ہیں۔ بس ہمارے اثبات مدعا کے لئے یہ الفاظ کافی ہیں۔ یہاں اس کا تحقیقی جواب ایک عام اصول اور ضابطہ کی صورت میں

دیا۔ جس کے سمجھ لینے کے بعد ہزاروں نزاعات ومناقشات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں ایک وہ جن کی مراد معلوم ومتعین ہو، خواہ اس لئے کہ لغت وترکیب وغیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام واجمال نہیں نہ عبارت کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے۔ اور یا اس لئے کہ عبارت والفاظ میں گو لغۃً کئی معنی کا احتمال ہو سکتا تھا، لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع معصوم یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے قطعًا متعین ہو چکا کہ متکلم کی مراد وہ معنی نہیں، یہ ہے۔ ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہ ہی آیات ہوتی ہیں۔ دوسری قسم آیات کی متشابہات کہلاتی ہیں۔ یعنی جن کی مراد معلوم ومتعین کرنے میں کچھ اشتباہ والتباس واقع ہو جائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیئے۔ جو معنی اس کے خلاف پڑیں ان کی قطعًا نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے مخالف نہ ہو۔ اگر باوجود اجتہاد وسعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعین نہ کر سکیں تو دعویٰ ہمہ دانی کر کے ہم کو حد سے گذرنا نہیں چاہیئے۔ جہاں قلت علم اور قصور استعداد کی وجہ سے بہت سے حقائق پر ہم دسترس نہیں پاسکتے اس کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیں۔ مگر زنہار ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذہب کے اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہوں مثلًا قرآن حکیم نے مسیحؑ کی نسبت تصریح کر دی اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ (الزخرف۔۵۹) یا اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ‌ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ (آل عمران۔۵۹) یا ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ۚ قَوۡلَ الۡحَـقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ يَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ‌ ۙ سُبۡحٰنَهٗ‌ ؕ (مریم۔۳۵،۳۴) اور جا بجا ان کہ الوہیت وابنیت کا رد کیا۔ اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے كَلِمَتُهٗ‌ ۚ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ‌ (النساء۔۱۷۱) وغیرہ متشابہات کو لے دوڑے اور اس کے وہ معنی چھوڑ کر جو محکمات کے موافق ہوں، ایسے سطحی معنی لینے لگے جو کتاب کی عام تصریحات اور متواتر بیانات کے منافی ہوں یہ کجروی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہوگی۔ بعض قاسی القلب تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسادیں اور بعض کمزور عقیدہ والے ڈھلمل یقین ایسے متشابہات سے اپنی رائے وہوا کے مطابق کھینچ تان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہ ہی اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات ومتشابہات سب کو حق جانتے ہیں انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں جن میں تناقض وتہافت کا امکان نہیں۔ اسی لئے وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر مطلب سمجھتے ہیں۔ اور جو حصہ ان کے دائرہ فہم سے باہر ہوتا ہے اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے (تنبیہ) بندہ کے نزدیک اس آیت کا مضمون سورہ حج کی آیت وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰٓى (الحج۔۵۲) الیٰ آخرہا کے مضمون سے بیحد مشابہ ہے جسے ان شاءاللہ اس کے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ‌ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۸﴾

۸۔ اے رب نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت تو ہی ہے سب کچھ دینے والا [۹]

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۹﴾ ع ۱ ۹ ۹

۹۔ اے رب تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں کچھ شبہ نہیں بیشک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ [۱۰]

۹۔ اہل علم کی دعا: یعنی راسخین فی العلم اپنے کمال علمی اور قوت ایمانی پر مغرور و مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ حق تعالیٰ سے استقامت اور مزید فضل و عنایت کے طلبگار رہتے ہیں تاکہ کمائی ہوئی پونجی ضائع نہ ہو جائے اور خدانکردہ دل سیدھے ہونے کے بعد کج نہ کر دیئے جائیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (امت کو سنانے کے لئے) اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ۔

۱۰۔ فیصلہ کا دن ضرور آئے گا: وہ دن ضرور آکر رہے گا اور زائغین (کجرو) جن مسائل میں جھگڑتے تھے سب کا دوٹوک فیصلہ ہو جائے گا پھر ہر ایک مجرم کو اپنی کجروی اور ہٹ دھرمی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اسی خوف سے ہم ان کے راستہ سے بیزار اور آپ کی رحمت و استقامت کے طالب ہوتے ہیں۔ ہمارا زائغین کے خلاف راستہ اختیار کرنا کسی بدنیتی اور نفسانیت کی بنیاد پر نہیں محض اخروی فلاح مقصود ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِۙ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ بیشک جو لوگ کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے سامنے کچھ اور وہی ہیں ایندھن دوزخ کے [۱۱]

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پھر پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر اور اللہ کا عذاب سخت ہے [۱۲]

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ کہہ دے کافروں کو کہ اب تم مغلوب ہو گے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور کیا برا ٹھکانہ ہے [۱۳]

۱۱۔ کفار کا مال و دولت کام نہیں آئے گا: قیامت کے ذکر کے ساتھ کافروں کا انجام بھی بتلا دیا کہ ان کو کوئی چیز دنیا و آخرت میں خدائی سزا سے نہیں بچا سکتی جیسا کہ میں ابتداء سورہ میں لکھ چکا ہوں۔ ان آیات میں اصلی خطاب وفد نجران کو تھا جسے عیسائی مذہب و قوم کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت کہنا چاہیئے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے محمد بن اسحٰقؒ کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جس وقت یہ وفد نجران سے بقصد مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابو حارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا۔ خچر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا تَعِسَ الْاَبْعَدُ (ابعد سے مراد محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تھے۔ العیاذ اللہ) ابو حارثہ نے کہا تَعَسَتْ اُمُّكَ کرز نے حیران ہو کر اس کلمہ کا سبب پوچھا۔ ابو حارثہ نے کہا واللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ (محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) وہ ہی نبی منتظر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی تھی۔ کرز نے کہا پھر مانتے کیوں نہیں؟ بولا لِاَنَّ هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكَ اَعْطَوْنَا اَمْوالًا كَثِيْرَةً وَّاَكْرَمُوْنَا فَلَوْ آمَنَّا بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَاَخَذُوْا مِنَّا كُلَّ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ (اگر محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ایمان لے آئے تو یہ بادشاہ جو بے شمار دولت

ہم کو دے رہے ہیں اور اعزاز و اکرام کر رہے ہیں سب واپس کر لیں گے) کرز نے اس کلمہ کو اپنے دل میں رکھا اور آخر کار یہ ہی کلمہ ان کے اسلام کا سبب ہوا رضی اللہ عنہ وارضا۔ میرے نزدیک ان آیات میں ابو حارثہ کے ان ہی کلمات کا جواب ہے۔ گویا دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ان کے فاسد عقیدہ کا رد کر کے متنبہ فرمادیا کہ وضوح حق کے بعد جو لوگ محض دینوی متاع (اموال و اولاد وغیرہ) کی خاطر ایمان نہیں لاتے وہ خوب سمجھ لیں کہ مال و دولت اور جتھے نہ ان کو دنیا میں خدائی سزا سے بچا سکتے ہیں نہ آخرت میں عذاب عظیم سے۔ چنانچہ اس کی تازہ مثال ابھی بدر کے موقع پر مسلمان اور مشرکین کی لڑائی میں دیکھ چکے ہو۔ دنیا کی بہار محض چند روزہ ہے۔ مستقبل کی کامیابی ان ہی کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ دور تک یہ مضمون چلا گیا ہے اور عموم الفاظ کے اعتبار سے یہود و مشرکین وغیرہ دوسرے کفار کو بھی خطاب میں لپیٹ لیا گیا۔ گو اصلی مخاطب نصاریٰ نجران تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۔ یعنی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا اور جس طرح وہ پکڑے گئے تم بھی خدا کی پکڑ میں آنے والے ہو۔

۱۳۔ کفار و مشرکین کے مغلوب ہونے کی پیشگوئی: یعنی وقت آگیا ہے کہ تم سب، کیا یہود، کیا نصاریٰ اور کیا مشرکین عنقریب خدائی لشکر کے سامنے مغلوب ہو کر ہتھیار ڈالو گے، یہ تو دنیا کی ذلت ہوئی اور آخر میں جو گرم مکان تیار ہے وہ الگ رہا بعض روایات میں ہے کہ بدر سے فاتحانہ واپسی کے بعد حضور ﷺ نے یہود کو فرمایا کہ تم حق کو قبول کر لو، ورنہ جو حال قریش کا ہوا، تمہارا ہو گا۔ کہنے لگے۔ اے محمد ﷺ اس دھوکہ میں نہ رہیئے کہ تم نے قریش کے چند ناتجربہ کاروں پر فتح حاصل کر لی۔ ہم سے مقابلہ ہوا تو پتہ لگ جائے گا ہم (جنگ آزمودہ سپاہی اور بہادر) آدمی ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر کی فتح دیکھ کر یہود کچھ تصدیق کی طرف مائل ہونے لگے تھے پھر کہا جلدی مت کرو۔ دیکھو آئندہ کیا ہوتا ہے۔ دوسرے سال احد کی عارضی پسپائی دیکھ کر ان کے دل سخت ہو گئے اور حوصلے بڑھ گئے حتیٰ کہ عہد شکنی کر کے مسلمانوں سے لڑائی کا سامان کیا۔ کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کے ساتھ مکہ معظمہ جا کر ابو سفیان وغیرہ سرداران قریش سے ملا اور کہا ہم تم ایک ہیں۔ متحدہ محاذ قائم کر کے محمد ﷺ کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال تھوڑے ہی دنوں بعد خدا نے دکھلا دیا کہ جزیرۃ العرب میں مشرک کا نام نہ رہا۔ قریظہ کے بدعہد یہود تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ بنی نضیر جلاوطن ہوئے۔ نجران کے عیسائیوں نے ذلیل ہو کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کی بڑی بڑی مغرور و متکبر قومیں مسلمانوں کی بلندی و برتری کا اعتراف کرتی رہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

قَدۡ كَانَ لَكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ اُخۡرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَيۡهِمۡ رَاۡىَ الۡعَيۡنِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ ابھی گذر چکا ہے تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں میں جن میں مقابلہ ہوا ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے اسی میں عبرت ہے دیکھنے والوں کو [۱۴]

۱۴۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تائید و نصرت: جنگ بدر میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے۔ جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے جن کے پاس کل ستر اونٹ۔ دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اور

تماشہ یہ تھا کہ ہر ایک فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے دل مسلمانوں کی کثرت کا تصور کر کے مرعوب ہوتے تھے اور مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد دیکھ کر اور زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور کامل توکل اور استقلال سے خدا کے وعدہ فَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ (الانفال۔٦٦) پر اعتماد کر کے فتح و نصرت کی امید رکھتے تھے۔ اگر ان کی پوری تعداد جو تگنی تھی منکشف ہوتی تو ممکن تھا خوف طاری ہو جاتا۔ اور یہ فریقین کا دوگنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا۔ ورنہ بعض احوال وہ تھے جب ہر ایک کو دوسرے فریق کی جمعیت کم محسوس ہوئی۔ جیسا کہ سورۂ انفال میں آئے گا۔ بہر حال ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کو ایسی مضبوط جمعیت کے مقابلہ میں ان پیشن گوئیوں کے موافق جو مکہ میں کی گئیں تھیں، اس طرح مظفر و منصور کرنا، آنکھیں رکھنے والوں کے لئے بہت بڑا اعبرتناک واقعہ ہے۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِیۡنَ وَ الۡقَنَاطِیۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الۡفِضَّةِ وَ الۡخَیۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں[۱۵] اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے[۱۶] اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ[۱۷]

قُلۡ اَؤُنَبِّئُكُمۡ بِخَیۡرٍ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا وَ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۚ﴿۱۵﴾

۱۵۔ کہدے کیا بتاؤں میں تمکو اس سے بہتر پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری[۱۸] اور رضامندی اللہ کی[۱۹] اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے[۲۰]

اَلَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۶﴾

۱۶۔ وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے[۲۱]

اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَ الۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے اور حکم بجا لانے والے اور خرچ کرنے والے اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں[۲۲]

۱۵۔ مرغوبات کی محبت آزمائش ہے: یعنی جب ان میں پھنس کر آدمی خدا سے غافل ہو جائے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا۔ ما ترکت بعدی فتنۃ اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ من النساء (میرے بعد مردوں کے لئے کوئی ضرر رساں فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں) ہاں اگر عورت سے مقصود اعفاف اور کثرت اولاد ہو۔ تو وہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب و مندوب ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے کہ اگر اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو، حکم دے تو فرمانبردار پائے، کہیں غائب ہو تو پیٹھ پیچھے شوہر کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں اس کی حفاظت کرے۔ اسی طرح جتنی چیزیں آگے متاع دنیا کے سلسلے میں بیان ہوئیں سب کا محمود و مذموم ہونا نیت اور طریق کار کے تفاوت سے متفاوت ہوتا رہے گا۔ مگر چونکہ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے جو عیش و عشرت کے سامانوں میں پھنس کر خدا تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں، اس لئے زُیِّنَ لِلنَّاسِ میں سطح کلام کی عام رکھی گئی ہے۔

۱۶۔ یعنی جن پر نمبر یا نشان لگائے جائیں یا پنچ کلیان گھوڑے جن کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی پر قدرتی نشان ہوتے ہیں یا جو گھوڑے چراگاہ میں چرنے کے لئے چھوڑے گئے ہوں۔

۱۷۔ یعنی ابدی فلاح ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی محض دنیا میں چند روز فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کامیاب مستقل اور اچھا ٹھکانہ چاہتے ہو تو خدا کے پاس ملے گا۔ اس کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کی فکر کرو۔ اگلی آیت میں بتلاتے ہیں کہ وہ اچھا ٹھکانہ کیا ہے اور کن لوگوں کو ملتا ہے

۱۸۔ یعنی ہر قسم کی صوری و معنوی گندگی سے پاک وصاف ہوں گی۔

۱۹۔ کہ اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے بلکہ جنت بھی فی الحقیقت اس لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضا ہے۔

۲۰۔ اللہ بندوں کی نگرانی کرتا ہے: بندوں کے تمام اعمال واحوال اس کے سامنے ہیں جو جس جزاء و سزا کا مستحق ہو گا بلا کم وکاست دی جائے گی دنیا کی بہار پر مرنے والے اور اس کے فانی مزوں سے پرہیز کرنے والے سب اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیئے جائیں گے۔ یا یہ مطلب لیا جائے کہ پرہیزگار بندوں پر خدا کی نگاہ لطف و کرم ہے جو دنیا کی ابلہ فریب سحر کاریوں سے ان کو محفوظ رکھتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جب خدا کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اسی طرح دنیا سے اس کا پرہیز کرا دیتا ہے جیسے تم اپنے مریض کو پانی (وغیرہ) سے پرہیز کراتے ہو۔

۲۱۔ معلوم ہوا کہ گناہ معاف ہونے کے لئے ایمان لانا شرط ہے۔

۲۲۔ اچھے بندوں کے اوصاف: یعنی اللہ کے راستہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر بھی اس کی فرمانبرداری پر جمے رہتے اور معصیت سے رکے رہتے ہیں۔ زبان کے، دل کے، نیت کے، معاملہ کے سچے ہیں۔ پوری تسلیم و انقیاد کے ساتھ خدا کے احکام بجالاتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی دولت کو اس کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرتے ہیں۔ اور پچھلی رات میں اٹھ کر (جو طمانیت و اجابت کا وقت ہوتا ہے لیکن اٹھنا اس وقت سہل نہیں ہوتا) اپنے رب سے گناہ اور تقصیرات معاف کراتے ہیں۔ کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ۔ وَ بِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (ذاریات۔ ۱۷،۱۸) یعنی اکثر رات عبادت میں گذارتے اور سحر کے وقت استغفار کرتے کہ خداوند! عبادت میں جو تقصیر رہ گئی اپنے فضل سے معاف فرمانا۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ؕ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا[۲۳] اور فرشتوں نے[۲۴] اور علم والوں نے بھی[۲۵] وہی حاکم انصاف کا ہے کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے زبردست ہے حکمت والا[۲۶]

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَ مَا اخْتَلَفَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ
اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾

١٩۔ بیشک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری ہے [٢٧] اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب ان کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد اور حسد سے [٢٨] اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے [٢٩]

٢٣۔ توحید پر اللہ کی فرشتوں کی اور اہل علم کی گواہی: ابتداء میں نصاریٰ نجران سے خطاب تھا اور نہایت لطیف انداز سے الوہیت مسیح کے عقیدہ کا ابطال اور توحید خالص کا اعلان کر کے ایمان لانے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں ان مواقع کا ذکر فرمایا جو انسان کو وضوح حق کے باوجود شرف ایمان سے محروم رکھتے ہیں۔ یعنی مال و اولاد اور سامان عیش و عشرت۔ ان آیات میں مومنین کی صفات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون توحید وغیرہ کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی توحید خالص کے ماننے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔ جب کہ خود حق تعالیٰ اپنی تمام کتابوں میں برابر اس مضمون کی گواہی دیتا رہا ہے۔ اور اس کی فعلی کتاب (صحیفہ کائنات) کا ایک ایک ورق بلکہ ایک ایک نقطہ شہادت دیتا ہے کہ بندگی کے لائق ربّ العالمین کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَه، اٰیَةٌ تَدُلُ عَلٰی اَنَّه، وَاحِدٌ (سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ) (حم سجدہ۔٥٦)

٢٤۔ ظاہر ہے فرشتوں کی گواہی خدا کی گواہی کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔ فرشتہ تو نام ہی اس مخلوق کا ہے جو صدق و حق کے راستہ سے سرتابی نہ کر سکے۔ چنانچہ فرشتوں کی تسبیح و تمجید تمامتر توحید و تفرید باری پر مشتمل ہے۔

٢٥۔ علم والے ہر زمانے میں توحید کی شہادت دیتے رہے ہیں اور آج تو عام طور پر توحید کے خلاف ایک لفظ کہنا جہل محض کا مترادف سمجھا جاتا ہے مشرکین بھی دل میں مانتے ہیں کہ علمی اصول کبھی مشرکانہ عقائد کی تائید نہیں کر سکتے۔

٢٦۔ انصاف کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، زبردست ہو کہ اس کے فیصلے سے کوئی سرتابی نہ کر سکے اور حکیم ہو کہ حکمت و دانائی سے پوری طرح جانچ تول کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے کوئی حکم بے موقع نہ دے۔ چونکہ حق تعالیٰ عزیز و حکیم ہے لہٰذا اس کے منصف علی الاطلاق ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے غالبًا اس لفظ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ کا بھی رد ہو گیا۔ بھلا کہاں کا انصاف ہو گا کہ ساری دنیا کے جرائم ایک شخص پر لاد دیے جائیں اور وہ تنہا سزا پا کر سب مجرموں کو ہمیشہ کے لئے بری اور پاک کر دے۔ خدائے عادل و حکیم کی بارگاہ ایسی گستاخیوں سے کہیں بالا و برتر ہے۔

٢٧۔ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے: (لفظ اسلام کی تشریح) اسلام کے اصلی معنی سونپ دینے کے ہیں۔ مذہب اسلام کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے واحد کے سپرد کر دینے اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے گویا اسلام انقیاد و تسلیم کا اور مسلمانی حکم برداری کا دوسرا نام ہوا۔ یوں تو شروع سے اخیر تک تمام پیغمبر یہ ہی مذہب اسلام لے کر آئے اور اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو مناسب وقت احکام پہنچا کر طاعت فرمانبرداری اور خالص خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے رہے ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام دنیا کو جو اکمل، جامع ترین، عالمگیر اور ناقابل تنسیخ ہدایات دیں وہ تمام

شرائع سابقہ حقہ پر مع شے زائد مشتمل ہونے کی وجہ سے خصوصی رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم وملقب ہوئیں۔ بہر حال اس آیت میں نصاریٰ نجران کے سامنے خصوصًا اور تمام اقوام وملل کے سامنے عمومًا اعلان کیا گیا ہے کہ دین ومذہب صرف ایک ہی چیز کا نام ہو سکتا ہے وہ یہ کہ بندہ دل وجان سے اپنے کو خداوند قدوس کے سپرد کر دے اور جس وقت جو حکم اس کی طرف سے پائے بے چون وچرا اس گردن تسلیم جھکا دے۔ اب جو لوگ خدا کے لئے بیٹے پوتے تجویز کریں، مسیح ومریم کی تصویروں اور صلیب کی لکڑی کو پوجیں، خنزیر کھائیں آدمی کو خدا یا خدا کو آدمی بناویں۔ انبیاء و اولیاء کو قتل کر ڈالنا معمولی بات سمجھیں، دین حق کو مٹانے کی ناپاک کوشش میں لگے رہیں، موسیٰؑ ومسیحؑ کی بشارات کے موافق جو پیغمبر دونوں سے بڑھ کر شان ونشان دکھلاتا ہوا آیا، جان بوجھ کر اس کی تکذیب کی اور اس کے لائے ہوئے کلام واحکام سے ٹھٹھا کریں۔ یا جو بے وقوف پتھروں، درختوں، ستاروں اور چاند سورج کے آگے سجدہ کریں اور حلال وحرام کا معیار محض ہوائے نفس کو ٹھہرالیں، کیا ان میں کوئی جماعت اس لائق ہے کہ اپنے کو مسلم اور ملت ابراہیمی کا پیرو کہہ سکے۔ العیاذ باللہ۔ وفی روایۃ محمد بن اسحاق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلموا۔ فقالوکد اسلمنا۔ فقال صلی اللہ علیہ وسلم کذبتم کیف یصح اسلامکم وانتم تثبتون للہ ولدًا او تعبدون الصلیب وتاکلون الخنزیر (تفسیر کبیر)۔

۲۸۔ اہل کتاب کی مخالفت کی حقیقت: یعنی اسلام ایک واضح اور روشن چیز ہے جس قسم کے دلائل سے موسیٰؑ ومسیحؑ کی رسالت تورات وانجیل کا کتاب سماوی ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے، اس سے بہتر، مضبوط اور زندہ دلائل محمد ﷺ کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے موجود ہیں۔ بلکہ خود وہ کتابیں آپ کی حقانیت کی شہادت دے رہی ہیں۔ توحید خالص ایک صاف مضمون ہے جس کے خلاف باپ بیٹے کا نظریہ محض ایک بے معنی چیستاں ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس کی کوئی علمی اصول تائید نہیں کرتا، اب جو اہل کتاب مخالف اسلام ہو کر ان روشن حقائق کو جھٹلائیں اور حق تعالیٰ کی حکمبرداری سے سرتابی کریں بجز اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ محض ضد، حسد، عناد اور جاہ ومال کی حرص میں ایسا کر رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ الخ کے فوائد میں خود ابو حارثہ ابن علقمہ رئیس وفد نجران کا اقرار واعتراف نقل کیا جا چکا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی قدیم عادت ہے یہود ونصاریٰ کے باہم جو اختلافات ہوئے یا ہر ایک مذہب میں جو بہت سے فرقے بنے۔ پھر مخالفت باہمی خوفناک محاربات اور خونریزیوں پر منتہی ہوئی۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس کا منشاء عمومًا غلط فہمی یا جہل نہ تھا۔ بلکہ اکثر حالات میں محض سیم وزر کی محبت اور جاہ پرستی سے یہ فرقہ وار اختلافات پیدا ہوئے۔

۲۹۔ دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِىَ لِلّٰهِ وَ مَنِ
اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ
ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع ۱۱/۱۰

۲۰۔ پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے حکم پر اور انہوں نے بھی کہ جو میرے ساتھ ہیں[۳۰] اور کہہ دے کتاب والوں کو اور ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی سیدھی اور اگر منہ پھریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے[۳۱]

٣٠۔ اسلام کا عملی نمونہ: جیسا کہ دو فوائد پہلے نقل کیا جا چکا۔ وہ جھگڑتے تھے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہاں ان کو بتلایا گیا کہ ایسا (فرضی) اسلام کس کام کا آؤ دیکھو اسلام اسے کہتے ہیں جو محمد ﷺ اور ان کے جانثار ساتھیوں کے پاس ہے۔ ابھی بیان ہو چکا کہ اسلام نام ہے تسلیم و انقیاد کا۔ یعنی بندہ ہمہ تن اپنے کو خدا کے ہاتھ میں دیدے سو محمد ﷺ اور مہاجرین و انصار کو دیکھ لو کس طرح انہوں نے شرک، بت پرستی، بداخلاقی، فسق و فجور، اور ظلم و عدوان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان، مال، وطن، کنبہ، بیوی بچے غرض تمام مرغوب و محبوب چیزیں حق تعالیٰ کی خوشنودی پر نثار کر دیں اور کس طرح ان کا چہرہ اور آنکھیں ہر وقت حکم الٰہی کی طرف لگی رہتی ہیں۔ کہ ادھر سے حکم آئے اور ہم تعمیل کریں۔ اس کے بالمقابل تم اپنا حال دیکھو کہ خود اپنی خلوتوں میں اقرار کرتے ہو کہ محمد ﷺ حق پر ہیں، مگر ان پر ایمان لائیں تو دنیا کا مال و جاہ چھنتا ہے۔ بہر حال اگر باوجود وضوح حق کے اسلام کی طرف نہیں آتے، تم جانو، ہم تو اپنے کو ایک خدا کے سپرد کر چکے ہیں۔

٣١۔ یعنی سوچ لو کیا تم بھی ہماری طرح خدا کے تابعدار بندے بنے ہو یا اب بنتے ہو، ایسا ہو تو سمجھ لو سیدھے رستہ پر لگ گئے اور ہمارے بھائی بن گئے ورنہ ہمارا کام سمجھا دینا اور نشیب و فراز بتلا دینا تھا، وہ کر چکے۔ آگے سب بندے اور ان کے اعمال ظاہری و باطنی خدا کی نظر میں ہیں، وہ ہر ایک کا بھگتان کر دے گا۔ (تنبیہ) ان پڑھ کہتے تھے عرب کے مشرکوں کو کہ ان کے پاس کتب سماویہ کا علم نہ تھا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾

٢١۔ جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے سو خوشخبری سنا دے انکو عذاب دردناک کی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ یہی ہیں جن کی محنت ضائع ہوئی دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار [٣٢]

٣٢۔ بنی اسرائیل کے جرائم اور سزا: حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں تینتالیس نبی اور ایک سو ستر یا ایک سو بارہ صالحین کو شہید کیا یہاں نصاریٰ نجران اور دوسرے کفار کو سنایا جا رہا ہے کہ احکام الٰہی سے منکر ہو کر انبیاء اور انصاف پسند ناصحین سے مقابلہ کرنا اور پرلے درجے کی شقاوت و سنگدلی سے ان کے خون میں ہاتھ رنگنا معمولی چیز نہیں۔ ایسے لوگ سخت دردناک عذاب کے مستحق اور دونوں جہان کی کامیابی سے محروم ہیں۔ ان کی محنت برباد اور ان کی کوششیں اکارت ہوں گی اور دنیا و آخرت میں جب سزا ملے گی تو کوئی بچانے والا اور مدد کرنے والا نہ ملے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جن کو ملا کچھ ایک حصہ کتاب کا [٣٣] ان کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تا کہ وہ کتاب ان میں حکم کرے پھر منہ پھیرتے ہیں بعضے ان میں سے تغافل کر کے [٣٤]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ‌ ۖ وَغَرَّهُمۡ فِىۡ دِيۡنِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں وہ ہم کو ہر گز نہ لگے گی آگ دوزخ کی مگر چند دن گنتی کے اور بہکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر[۳۵]

فَكَيۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ۙ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ پھر کیا ہو گا حال جب ہم انکو جمع کریں گے ایک دن کہ اسکے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا پاوے گا ہر کوئی اپنا کیا[۳۶] اور انکی حق تلفی نہ ہو گی[۳۷]

۳۳۔ یعنی تھوڑا بہت حصہ تورات و انجیل وغیرہ کا جو ان کی تحریفات لفظی و معنوی سے بچ بچا کر رہ گیا ہے یا جو تھوڑا بہت حصہ فہم کتاب کا ملا۔

۳۴۔ یہودیوں کا کتاب اللہ سے اعراض: یعنی جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ قرآن کریم کی طرف آؤ جو خود تمہاری تسلیم کردہ کتابوں کی بشارات کے موافق آیا اور تمہارے اختلافات کا ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے، تو ان کے علماء کا ایک فریق تغافل برت کر منہ پھیر لیتا ہے حالانکہ قرآن کی طرف دعوت فی الحقیقت تورات و انجیل کی طرف دعوت دینا ہے۔ بلکہ کچھ بعید نہیں کہ اس جگہ کتاب اللہ سے مراد تورات و انجیل ہی ہو۔ یعنی لو ہم تمہارے نزاعات کا فیصلہ تمہاری ہی کتاب پر چھوڑتے ہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور پست اغراض کے سامنے خود اپنی کتاب کی ہدایات سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں۔ نہ اس کی بشارات سنتے ہیں نہ احکام پر کان دھرتے ہیں۔ چنانچہ رجم زانی کے مسئلہ میں تورات کے حکم منصوص سے صریح روگردانی کی۔ جیسا کہ آگے سورۂ مائدہ میں آئے گا۔

۳۵۔ یہودیوں کے من گھڑت عقائد کی تردید: یعنی ان کے تمرد و طغیان اور گناہوں پر جری ہونے کا سبب یہ ہے کہ سزا کی طرف سے بے خوف ہیں ان کے بڑے جھوٹ بنا کر کہہ گئے کہ ہم میں اگر کوئی سخت گنہگار بھی ہو گا تو گنتی کے چند روز سے زیادہ عذاب نہ پائے گا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا۔ اور اسی طرح کی بہت سے باتیں گھڑ رکھی ہیں۔ مثلاً کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے چہیتے بیٹے ہیں۔ یا انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ یعقوبؑ سے وعدہ کر چکا ہے کہ ان کی اولاد کو سزا نہ دے گا مگر یوں ہی برائے نام قسم کھانے کو۔ اور نصاریٰ نے تو کفار کا مسئلہ نکال کر گناہ و معصیت کا سارا حساب ہی بے باق کر دیا۔ اللہم اعذ بامن شرور انفسنا۔

۳۶۔ یعنی اس وقت پتہ چلے گا کہ کس اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔ جب محشر میں تمام اولین و آخرین اور خود اپنے بزرگوں کے سامنے رسوا ہوں گے اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ نہ کفارہ کا مسئلہ یاد آئے گا نہ نسبی تعلقات اور من گھڑت عقیدے کام دیں گے۔

۳۷۔ یعنی فرضی جرائم پر سزا نہ ہو گی۔ ان کاموں پر ہو گی جن کا جرم ہونا خود تسلیم کریں گے اور جس قدر سزا کا استحقاق ہو گا، اس سے زیادہ نہ دی جائے گی نہ کسی کی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی ضائع ہو سکے گی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِى الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَ

۲۶۔ تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے تیرے

تُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۶﴾

ہاتھ ہے سب خوبی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے [۳۸]

تُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَتُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ وَ تُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَتُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرے دن کو رات میں [۳۹] اور تو نکالے زندہ مردہ سے اور نکالے مردہ زندہ سے [۴۰] اور تو رزق دے جس کو چاہے بے شمار [۴۱]

۳۸۔ ملک و سلطنت اور عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے: جیسا کہ پہلے نقل کیا جاچکا ہے وفد نجران کے رئیس ابو حارثہ علقمہ نے کہا تھا کہ ہم محمد ﷺ پر ایمان لائیں تو روم کے بادشاہ جو ہماری عزت اور مالی خدمت کرتے ہیں سب بند کر لیں گے۔ شاید یہاں دعاء و مناجات کے رنگ میں اس کا جواب دیا کہ جن بادشاہوں کی سلطنت اور انکی دی ہوئی عزتوں پر تم مفتون ہو رہے ہو، تو خوب سمجھ لو کہ کل سلطنت و عزت کا اصلی مالک خداوند قدوس ہے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے سلب کر لے کیا یہ امکان نہیں کہ روم و فارس کی سلطنتیں اور عزتیں چھین کر مسلمانوں کو دے دی جائیں، بلکہ وعدہ ہے کہ ضرور دی جائیں گی آج مسلمانوں کی موجودہ بے سروسامانی اور دشمنوں کی طاقت کو دیکھتے ہوئے بیشک یہ چیز تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اسی لئے یہود و منافقین مذاق اڑاتے تھے کہ قریش کے حملہ سے ڈر کر مدینہ کے گرد خندق کھودنے والے مسلمان قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت پر قبضہ پانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ نے چند ہی سال میں دکھلا دیا کہ روم و فارس کے جن خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنے پیغمبر کے ہاتھ میں دی تھیں۔ فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں وہ کس طرح مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم ہوئے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مادی سلطنت و عزت کیا چیز ہے جب خداوند قادر و حکیم نے روحانی سلطنت و عزت کا آخری مقام (یعنی منصب نبوت و رسالت) بنی اسرائیل سے منتقل کر کے بنی اسمٰعیلؑ میں پہنچا دیا۔ تو روم و عجم کی ظاہری سلطنت کا عرب کے خانہ بدوشوں کی طرف منتقل کر دینا کیا مستبعد ہے۔ گویا یہ دعا ایک طرح کی پیشینگوئی تھی کہ عنقریب دنیا کی کایا پلٹ ہونے والی ہے۔ جو قوم دنیا سے الگ تھلگ پڑی تھی۔ عزتوں اور سلطنتوں کی مالک ہو گی۔ اور جو بادشاہت کر رہے تھے ان کو اپنی بداعمالیوں کی بدولت پستی و ذلت کے غار میں گرایا جائے گا۔ (تنبیہ) بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ بیشک خدا کے ہاتھ میں ہر قسم کی خیر و خوبی ہے اور شر کا پیدا کرنا بھی اس کے اعتبار سے خیر ہی ہے۔ کیونکہ مجموعہ عالم کے اعتبار سے اس میں ہزارہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ فی الحدیث الصحیح الخیر کلہ فی یدیك والشر لیس الیك۔

۳۹۔ اللہ کی قدرت کی نشانیاں: یعنی کبھی رات کو گھٹا کر دن کو بڑھا دیتا ہے، کبھی اس کا عکس کرتا ہے۔ مثلاً ایک موسم میں چودہ گھنٹے کی رات اور دس گھنٹہ کا دن ہے۔ چند ماہ بعد رات کے چار گھنٹہ کاٹ کر دن میں داخل کر دیے۔ اب رات دس گھنٹہ کی رہ گئی اور دن چودہ گھنٹہ کا ہو گیا۔ یہ سب الٹ پھیر تیرے ہاتھ میں ہیں۔ کیونکہ شمس و قمر وغیرہ تمام سیارات بدون تیرے ارادہ کے ذرا حرکت نہیں کر سکتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی رات۔

۴۰۔ یعنی بیضہ کو مرغی سے، مرغی کو بیضہ سے، آدمی کو نطفہ سے نطفہ کو آدمی سے، جاہل کو عالم سے، عالم کو جاہل سے، کامل کو ناقص سے، ناقص کو کامل سے نکالنا تیری ہی قدرت کا کام ہے۔

۴۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہود جانتے تھے کہ پہلے جو بزرگی ہم میں تھی وہ ہی ہمیشہ رہے گی۔ اللہ کی قدرت سے غافل ہیں، جس کو چاہے عزیز کرے اور سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور ذلیل کر دے۔ اور جاہلوں میں کامل پیدا کرے (جیسے عرب کے امیوں میں سے کئے) اور کاملوں میں سے جاہل (جیسے بنی اسرائیل میں ہوا) اور جس کو چاہے (حسی و معنوی) رزق بے حساب دیوے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ
فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ
اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ[۴۲] اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے[۴۳]

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ
اللّٰهُ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے جی کی بات یا اسے ظاہر کرو گے جانتا ہے اس کو اللہ[۴۴] اور اس کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۴۵]

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ
مُّحْضَرًا ۖۚ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ
بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ
نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع

ع ۳ ۱۱

۳۰۔ جس دن موجود پاوے گا ہر شخص جو کچھ کہ کی ہے اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کہ کی ہے اس نے برائی آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جاوے دور کا[۴۶] اور اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر[۴۷]

۴۲۔ کفار سے مسلمانوں کی دوستی کی مذمت: یعنی جب حکومت و سلطنت، جاہ و عزت، اور ہر قسم کے تقلبات و تصرفات کی زمام اکیلے خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہوئی تو مسلمانوں کو جو صحیح معنی میں اس پر یقین رکھتے ہیں، شایاں نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اخوۃ و دوستی پر اکتفا نہ کر کے خواہ مخواہ دشمنان خدا کی موالاۃ و مدارات کی طرف قدم بڑھائیں خدا اور رسول کے دشمن ان کے دوست کبھی نہیں بن سکتے۔ جو اس خبط میں پڑے

گا سمجھ لو کہ خدا کی محبت و موالات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں اور خوف صرف خداوند رب العزت سے وابستہ ہونے چاہئیں۔ اور اس کے اعتماد و وثوق اور محبت و مناصرت کے مستحق وہ ہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں تدبیر و انتظام کے درجہ میں کفار کے ضرر عظیم سے اپنے ضروی بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول و مشروع طریقہ پر اختیار کرنا، ترک موالات کے حکم سے اسی طرح مستثنیٰ ہیں جیسے سورۂ انفال میں وَ مَنۡ یُّوَلِّہِمۡ یَوۡمَئِذٍ دُبُرَہٗۤ (الانفال۔۱۶) سے مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جس طرح وہاں تحرف و تحیز کی حالت میں حقیقۃً فرار من الزحف نہیں ہوتا، محض صورۃً ہوتا ہے، یہاں بھی اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡہُمۡ تُقٰىۃً کو حقیقت موالات نہیں، فقط صورت موالات سمجھنا چاہئیے۔ جس کو ہم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل سورۂ مائدہ کی آیت یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَہُوۡدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ (المائدۃ۔۵۱) الخ کے فوائد میں ملاحظہ کر لی جائے۔ اور بندہ کا مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر چھپا ہوا ہے جو حضرت الاستاذ (مترجم محقق) قدس اللہ روحہ کی ایما پر لکھا گیا تھا۔ فلیراجع۔

۴۳۔ یعنی مومن کے دل میں اصلی ڈر خدا کا ہونا چاہئیے۔ کوئی ایسی بات نہ کرے جو اس کی ناراضی کا سبب ہو، مثلاً جماعت اسلام سے تجاوز کر کے بے ضرورت کفار کے ساتھ ظاہری یا باطنی موالات کرے یا ضرورت کے وقت صورت اختیالات اختیار کرنے میں حدود شرع سے گذر جائے۔ یا محض موہوم و حقیر خطرات کو یقینی اور اہم خطرات ثابت کرنے لگے اور اسی قسم کی مستثنیات یا شرعی رخصتوں کو ہوائے نفس کی پیروی کا حیلہ بنا لے۔ اسے یاد رکھنا چاہئیے کہ سب کو خداوند قدوس کی عدالت عالیہ میں حاضر ہونا ہے وہاں جھوٹے حیلے حوالے کچھ پیش نہ جائیں گے۔ مومن قوی کی شان تو یہ ہونی چاہئیے کہ رخصت سے گذر کر عزیمت پر عمل پیرا ہو۔ اور مخلوق سے زیادہ خالق سے خوف کھائے۔

۴۴۔ یعنی ممکن ہے آدمی اپنی نیت اور دل کی بات آدمیوں سے چھپا لے لیکن وہ اس طرح خدا کو فریب نہیں دے سکتا۔ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ۔

۴۵۔ جب علم اس قدر محیط اور قوت ایسی عام و تام ہے تو مجرم کے لئے اخفاجرم یا سزا سے بچ کر بھاگ جانے کی کوئی صورت نہیں۔

۴۶۔ آخرت میں نیک و بد اعمال کا حاضر ہونا: یعنی قیامت کے دن ہر نیکی بدی، آدمی کے سامنے حاضر ہو گی۔ عمر بھر کا اعمال نامہ آدمی کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔ اس وقت مجرمین آرزو کریں گے کہ کاش یہ دن ہم سے دور ہی رہتا۔ یا ہم میں اور ان برے اعمال میں بڑی دور کا فاصلہ ہوتا تاکہ ان کے قریب بھی نہ جاتے۔

۴۷۔ یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ تم کو اس خوفناک دن کے آنے سے پہلے ڈراتا اور آگاہ کرتا ہے۔ تاکہ برائی کے طریقے خصوصًا موالات کفار ترک کر کے اور بھلائی کے راستہ پر چل کر اپنے کو خداوند قہار کے غصہ سے بچا لینے کا قبل از وقت انتظام کر رکھو۔ قرآن کریم کا یہ خاص طرز ہے کہ عمومًا خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کا مضمون سناتا ہے۔ یہاں بھی مضامین ترہیب کو معتدل بنانے کے لئے اخیر میں وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ فرما دیا۔ یعنی خدا سے ڈر کر اگر برائی چھوڑ دو گے تو اس کی مہربانی پھر تمہارا استقبال کرنے کو تیار ہے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ آؤ! تم کو ایسا دروازہ بتائیں جس سے داخل ہو کر مغفرت و رحمت کے پورے مستحق بلکہ خدا تعالیٰ کے محبوب بن سکتے ہو۔ قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۴۸]

قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ‌ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۳۲

۳۲۔ تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے [۴۹]

۴۸۔ اللہ کی محبت کا معیار، رسول کی محبت: دشمنان خدا کی موالات و محبت سے منع کرنے کے بعد خدا سے محبت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں۔ یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیب خدا محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہئیے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچا ہو گا۔ اتنا ہی حضور ﷺ کی پیروی میں مضبوط اور مستعد پایا جائے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا۔ اور اللہ کی محبت اور حضور ﷺ کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔ گویا توحید وغیرہ کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے نبوت کا بیان شروع کیا گیا اور پیغمبر آخر الزماں کی اطاعت کی دعوت دی گئی۔

۴۹۔ یہود و نصاریٰ کہتے تھے نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المائدۃ۔۱۸) (ہم خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں) یہاں بتلا دیا گیا کہ کافر کبھی خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ اگر واقعی محبوب بننا چاہتے ہو تو اس کے احکام کی تعمیل کرو، پیغمبر کا کہا مانو۔ اور خدا کے سب سے بڑے محبوب کے نقش قدم پر چلے آؤ۔ وفد نجران نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم مسیحؑ کی تعظیم و عبادت اللہ کی محبت و تعظیم کے لئے کرتے ہیں، اس کا بھی جواب ہو گیا۔ آگے خدا تعالیٰ کے چند محب و محبوب بندوں کا حال سنایا گیا اور وفد نجران کی رعایت سے حضرت مسیحؑ کی سوانح زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے جو تمہید ہے خاتم الانبیاء ﷺ کے ذکر مبارک کی۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَۙ ۝۳۳

۳۳۔ بیشک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے گھر کو اور عمران کے گھر کو [۵۰] سارے جہان سے

ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌۚ ۝۳۴

۳۴۔ جو اولاد تھے ایک دوسرے کی [۵۱] اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۵۲]

۵۰۔ آل عمران: عمران دو ہیں ایک حضرت موسیٰؑ کے والد، دوسرے حضرت مریمؑ کے والد، اکثر سلف و خلف نے یہاں عمران ثانی مراد لیا ہے کیونکہ آگے اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ الخ سے اسی دوسرے عمران کے گھرانے کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اور غالباً سورۃ کا نام آل عمران اسی بناء پر ہوا کہ اس میں عمران ثانی کے گھرانے (یعنی مریم و مسیحؑ) کا واقعہ بہت بسط و تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

۵۱۔ حضرت آدم علیہ السلام و نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیات: خدا کی مخلوقات میں زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، فرشتے، جن، شجر، حجر سب ہی شامل تھے مگر اس نے اپنے علم محیط اور حکمت بالغہ سے ملکات روحانیہ اور کمالات جسمانیہ کا جو مجموعہ ابوالبشر آدمؑ میں ودیعت کیا وہ مخلوقات میں سے کسی کو نہ دیا۔ بلکہ آدمؑ کو مسجود ملائکہ بنا کر ظاہر فرما دیا کہ آدمؑ کا اعزاز و اکرام اس کی بارگاہ میں ہر مخلوق سے زیادہ ہے۔ آدمؑ کا یہ انتخابی اور اصطفائی فضل و شرف جسے ہم نبوت سے تعبیر کرتے ہیں کچھ ان کی شخصیت پر محدود و مقصود نہ تھا،

بلکہ منتقل ہو کر ان کی اولاد میں نوحؑ کو ملا پھر منتقل ہوتا ہوا نوحؑ کی اولاد حضرت ابراہیمؑ تک پہنچا۔ یہاں سے ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ آدمؑ و نوحؑ کے بعد جتنے انسان دنیا میں آباد رہے تھے وہ سب ان دونوں کی نسل سے تھے۔ کوئی خاندان دونوں کی ذریت سے باہر نہ تھا۔ برخلاف اس کے ابراہیمؑ کے بعد ان کی نسل کے علاوہ دنیا میں دوسرے بہت خاندان موجود رہے۔ لیکن جس خدا نے اپنی بے شمار مخلوقات میں سے منصب نبوت کے لئے آدم کا انتخاب کیا تھا اسی کے علم محیط اور اختیار کامل نے آئندہ کے لئے ہزاروں گھرانوں میں سے اس منصب جلیل کے واسطے ابراہیمؑ کے گھرانے کو مخصوص فرما دیا۔ جس قدر انبیاء و رسل ابراہیمؑ کے بعد آئے ان ہی کے دو صاحبزادوں اسحاقؑ و اسمٰعیلؑ کی نسل سے آئے۔ چونکہ عموماً نسب کا سلسلہ باپ کی طرف سے چلتا ہے اور حضرت مسیحؑ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لحاظ سے وہم ہو سکتا تھا کہ ان کو نسل ابراہیمی سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آل عمران اور ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ فرما کر متنبہ کر دیا کہ حضرت مسیحؑ جب صرف ماں سے پیدا ہوئے تو ان کا سلسلہ نسب بھی ماں ہی کی طرف سے لیا جائے گا۔ نہ کہ معاذ اللہ خدا کی طرف سے اور ظاہر ہے کہ ان کی والدہ مریم صدیقہ کے باپ عمران کا سلسلہ آخر حضرت ابراہیمؑ پر منتہی ہوتا ہے تو آل عمران، آل ابراہیمؑ کی ایک شاخ ہوئی اور کوئی پیغمبر خاندان ابراہیمی سے باہر نہ ہوا۔

۵۲۔ سب کی دعاؤں اور باتوں کو سنتا اور سب کے ظاہری و باطنی احوال و استعداد کو جانتا ہے۔ لہذا یہ وہم نہ کرنا چاہیئے کہ یوں ہی کیف ما اتفق انتخاب کر لیا ہو گا۔ وہاں کا ہر کام پورے علم و حکمت پر مبنی ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے رب میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد رکھ کر سو تو مجھ سے قبول کر بیشک تو ہی ہے اصل سننے والا جاننے والا[۵۳]

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر جب اس کو جنا بولی اے رب میں نے تو اس کو لڑکی جنی[۵۴] اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا اور بیٹا نہ ہو جیسی وہ بیٹی[۵۵] اور میں نے اس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے[۵۶]

۵۳۔ حضرت مریم کی والدہ کی منت اور دعا: عمران کی عورت کا نام ہے حنہ بنت فاقوذا اس نے اپنے زمانے کے رواج کے موافق منت مانی تھی کہ خداوندا! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے میں اسے محرر (تیرے نام پر آزاد) کرتی ہوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمام دنیوی مشاغل اور قید نکاح وغیرہ سے آزاد رہ کر ہمیشہ خدا کی عبادت اور کلیسا کی خدمت میں لگا رہے گا۔ اے اللہ تو اپنی مہربانی سے میری نذر قبول فرما۔ تو میری عرض

کو سنتا اور میری نیت و اخلاص کو جانتا ہے۔ گویا لطیف طرف میں استدعاء ہوئی کہ لڑکا پیدا ہو کیونکہ لڑکیاں اس خدمت کے لئے قبول نہیں کی جاتی تھیں۔

۵۴۔ یہ حسرت و افسوس سے کہا، کیونکہ خلاف توقع پیش آیا۔ اور لڑکی قبول کرنے کا دستور نہ تھا۔

۵۵۔ یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ یعنی اسے معلوم نہیں کیا چیز جنی۔ اس لڑکی کی قدر و قیمت کو خدا ہی جانتا ہے جس طرح کے بیٹے کی اسے خواہش تھی وہ اس بیٹی کو کہاں پہنچ سکتا تھا۔ یہ بیٹی بذات خود مبارک و مسعود ہے اور اس کے وجود میں ایک عظیم الشان مبارک و مسعود بیٹے کا وجود منطوی ہے۔

۵۶۔ **دعا کی قبولت اور مَسّ شیطان کی حدیث:** حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ آدمی کے بچہ کو، ولادت کے وقت جب ماں سے جدا ہو کر زمین پر آرہتا ہے، شیطان مس کرتا ہے۔ مگر عیسیٰؑ و مریم مستثنیٰ ہیں۔ اس کا مطلب دوسری احادیث کے ملانے سے یہ ہوا کہ بچہ اصل فطرت صحیحہ پر پیدا کیا جاتا ہے جس کا ظہور بڑے ہو کر عقل و تمیز آنے کے بعد ہوگا۔ لیکن گردوپیش کے حالات اور خارجی اثرات کے سامنے بسا اوقات اصل فطرۃ دب جاتی ہے جس کو حدیث میں فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ سے تعبیر کیا ہے پھر جس طرح ایمان و طاعت کا بیج اس کے جوہر فطرت میں غیر مرئی طور پر رکھ دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت اس کو ایمان تو کیا، موٹی موٹی محسوسات کا ادراک و شعور بھی نہیں تھا۔ اسی طرح خارجی اثر اندازی کی ابتداء بھی ولادت کے بعد ایک قسم کے مس شیطانی سے غیر محسوس طور پر ہوگئی۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص اس مس شیطانی کا اثر قبول کرے یا قبول کرلے تو آئندہ چل کر وہ برابر باقی رہے۔ تمام انبیاءؑ کی عصمت کا تکفل چونکہ حق تعالیٰ نے کیا ہے اس لئے اگر فرض کرو ابتدائے ولادت میں یہ صورت ان کو پیش آئی ہو اور مریم و عیسیٰؑ کی طرح اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہ ہوں تو اس میں پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان مقدس و معصوم بندوں پر شیطان کی اس حرکت کا کوئی مضر اثر قطعاً نہیں پڑ سکتا۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ مریم و عیسیٰؑ کو کسی مصلحت سے یہ صورت سرے سے پیش ہی نہ آئی ہو۔ اوروں کو پیش آئی مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس قسم کے جزئی امتیازات فضیلت کلی ثابت کرنے کا موجب نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں ہے کہ دو بچیاں کچھ اشعار گا رہی تھیں۔ حضور ﷺ نے ادھر سے منہ پھیر لیا۔ ابو بکرؓ آئے مگر لڑکیاں بدستور مشغول رہیں اس کے بعد عمرؓ آئے، لڑکیاں اٹھ کر بھاگ گئیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ جس راستہ پر چلتا ہے شیطان وہ رستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ کیا اس سے کوئی خوش فہم مطلب لے سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کو اپنے سے افضل ثابت کر رہے ہیں۔ ہاں ابوہریرہؓ کا مس شیطان کی حدیث کو آیت ہذا کی تفسیر بنانا بظاہر چسپاں نہیں ہوتا الا یہ کہ آیت وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَابِكَ الخ میں واؤ عطف کو ترتیب کے لئے نہ سمجھا جائے۔ یا حدیث میں استثناء سے صرف مسیحؑ کے مریم سے پیدا ہونے کا واقعہ مراد ہو۔ مریم و مسیحؑ الگ الگ مراد نہ ہوں۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں صرف حضرت عیسیٰؑ کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى

۳۷۔ پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اسکو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کی زکریا کو [۵۷] جس وقت آتے اس کے پاس زکریا حجرے میں پاتے اس کے پاس کچھ کھانا [۵۸] کہا اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اللہ

لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس[۵۹]

۵۷۔ حضرت مریم حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت: میں یعنی گو لڑکی تھی مگر حق تعالیٰ نے لڑکے سے بڑھ کر اسے قبول فرمایا۔ بیت المقدس کے مجاورین کے دلوں میں ڈال دیا کہ عام دستور کے خلاف لڑکی کو قبول کر لیں۔ اور ویسے بھی مریم کو قبول صورت بنایا اور اپنے مقبول بندہ زکریاؑ کی کفالت میں دیا اور اپنی بارگاہ میں حسن قبول سے سرفراز کیا۔ جسمانی، روحانی، علمی، اخلاقی ہر حیثیت سے غیر معمولی طور پر بڑھایا۔ جب مجاورین میں اس کی پرورش کے متعلق اختلاف ہوا تو قرعہ انتخاب حضرت زکریاؑ کے نام نکال دیا۔ تاکہ لڑکی اپنی خالہ کی آغوش شفقت میں تربیت پائے اور زکریاؑ کے علم و دیانت سے مستفید ہو۔ زکریاؑ نے پوری مراعاۃ اور جدوجہد کی۔ جب مریم سیانی ہوئیں تو مسجد کے پاس ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا۔ مریم دن بھر وہاں عبادت وغیرہ میں مشغول رہتی اور رات اپنی خالہ کے گھر گذارتی۔

۵۸۔ حضرت مریم کی برکات کا ظہور: اکثر سلف کے نزدیک رزق سے مراد ظاہری کھانا ہے۔ کہتے ہیں مریم کے پاس بے موسم میوے آتے گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے گرمی میں اور مجاہد سے ایک روایت ہے کہ رزق سے مراد علمی صحیفے ہیں جن کو روحانی غذا کہنا چاہیئے۔ بہرحال اب کھلم کھلا مریم کی برکات و کرامات اور غیر معمولی نشانات ظاہر ہونے شروع ہوئے، جن کا بار بار مشاہدہ ہونے پر زکریاؑ سے نہ رہا گیا اور ازراہ تعجب پوچھنے لگے کہ مریم! یہ چیزیں تم کو کہاں سے پہنچتی ہیں۔

۵۹۔ یعنی خدا کی قدرت ایسی طرح مجھ کو یہ چیزیں پہنچاتی ہے جو قیاس و گمان سے باہر ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بیشک تو سننے والا ہے دعا کا[۶۰]

۶۰۔ اولاد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا: حضرت زکریاؑ بالکل بوڑھے ہو چکے تھے ان کی بیوی بانجھ تھی اولاد کی کوئی ظاہری امید نہ تھی۔ مریم کی نیکی و برکت اور یہ غیر معمولی خوارق دیکھ کر دفعتًا قلب میں ایک جوش اٹھا اور فوری تحریک ہوئی کہ میں بھی اولاد کی دعا کروں۔ امید ہے مجھے بھی بے موسم میوہ مل جائے۔ یعنی بڑھاپے میں اولاد مرحمت ہو۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تجھکو خوشخبری دیتا ہے یحیٰی کی[۶۱] جو گواہی دے گا اللہ کے ایک حکم کی[۶۲] اور سردار ہو گا اور عورت کے پاس نہ جائے گا[۶۳] اور نبی ہو گا صالحین سے[۶۴]

۶۱۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کی بشارت: دعا قبول ہوئی۔ بشارت ملی کہ لڑکا ہو گا جس کا نام یحیٰیؑ رکھا گیا۔

۶۲۔ ایک حکم سے یہاں حضرت مسیحؑ مراد ہیں جو خدا کے حکم سے بدون باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت یحیٰیؑ لوگوں کو پہلے سے خبر دیتے تھے

کہ مسیحؑ پیدا ہونے والے ہیں۔

۶۳۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے اوصاف: یعنی لذات وشہوات سے بہت زیادہ رکنے والا ہو گا، اللہ کی عبادت میں اس قدر مشغول رہے گا کہ عورت کی طرف التفات کرنے کی نوبت نہ آئے گی۔ یہ حضرت یحیٰیؑ کا مخصوص حال تھا، جس سے امت محمدیہ کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بن سکتا۔ ہمارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اعلیٰ امتیاز یہ ہے کہ کمال معاشرت کے ساتھ کمال عبادت کر جمع فرمایا۔

۶۴۔ یعنی صلاح ورشد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گا جسے نبوت کہتے ہیں یا صالح کے معنی شائستہ کے لئے جائیں یعنی نہایت شائستہ ہو گا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ کہا اے رب کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے[۶۵]

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۴ / ۱۲

۴۱۔ کہا اے رب مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی[۶۶] فرمایا نشانی تیرے لئے یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے[۶۷] اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح[۶۸]

۶۵۔ غیر معمولی واقعات کی توجیہہ: یعنی اس کی قدرت ومشیت سلسلہ اسباب کی پابند نہیں۔ گو اس عالم میں اس کی عادت یہ ہے کہ اسباب عادیہ سے مسببات کو پیدا کرے لیکن کبھی کبھی اسباب عادیہ کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے کسی چیز کا پیدا کر دینا بھی اس کی خاص عادت ہے۔ اصل یہ ہے کہ مریم صدیقہ کے پاس خوارق عادت طریقہ سے رزق کا پہنچنا اور بہت سے غیر معمولی واقعات کا ظہور پذیر ہونا یہ دیکھ کر مریم کے حجرہ میں بے ساختہ حضرت زکریاؑ کا دعا مانگنا، پھر ان کو اور ان کی بانجھ عورت کو بڑھاپے میں غیر معتاد طور پر اولاد ملنا ان سب نشانات کو قدرت کی طرف سے اس عظیم الشان آیت الٰہیہ کی تمہید سمجھنا چاہیئے جو مریم کے وجود سے بدون قربان زوج مستقبل قریب میں ظاہر ہونے والی تھی۔ گویا حضرت یحیٰیؑ کی غیر معتاد ولادت پر كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ فرمانا تمہید تھی كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ کی جو آگے حضرت مسیحؑ کی غیر معتاد ولادت کے سلسلہ میں آیا چاہتا ہے۔

۶۶۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے حمل کی نشانی: جس سے معلوم ہو جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے تاکہ قرب ولادت کے آثار دیکھ کر مسرت تازہ حاصل ہو۔ اور شکر نعمت میں بیش از بیش مشغول رہوں۔

۶۷۔ یعنی جب تجھ کو یہ حالت پیش آئے کہ تین دن رات لوگوں سے بجز اشارہ کے کوئی کلام نہ کر سکے اور تیری زبان خالص ذکر الٰہی کے لئے وقف ہو جائے تو سمجھ لینا کہ اب استقرار حمل ہو گیا۔ سبحان اللہ نشانی بھی ایسی مقرر کی کہ نشانی کی نشانی ہو اور اطلاع پانے کی جو غرض تھی (شکر نعمت) وہ علیٰ وجہ الکمال حاصل ہو جائے۔ گویا خدا کے ذکر وشکر کے سوا چاہیں بھی تو زبان سے دوسری بات نہ کر سکیں۔

۶۸۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو کثرت ذکر کا حکم: یعنی اس وقت خدا کو بہت کثرت سے یاد کرنا اور صبح وشام تسبیح وتہلیل میں لگے رہنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدمیوں سے کلام نہ کر سکنا گو اضطراری تھا، تاکہ ان دنوں میں محض ذکر وشکر کے لئے فارغ کر دیئے جائیں لیکن خود ذکر وفکر میں

مشغول رہنا اضطراری نہ تھا۔ اسی لئے اس کا امر فرمایا گیا۔

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر[۶۹]

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِىْ وَ ارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر[۷۰] اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے[۷۱]

۶۹۔ حضرت مریم علیہ السلام سے فرشتوں کا خطاب: حضرت زکریاؑ و یحیٰیؑ کا قصہ جو ضمنی مناسبات سے درمیان میں آ گیا تھا اور جس میں اصطفاء آل عمران کی تاکید اور حضرت مسیحؑ کے قصہ کی تمہید تھی یہاں ختم کر کے پھر مریمؑ و مسیحؑ کے واقعات کی طرف کلام منتقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ مسیحؑ سے پہلے ان کی والدہ کا فضل و شرف ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی فرشتوں نے مریمؑ سے کہا کہ اللہ نے تجھے پہلے دن سے چھانٹ لیا کہ باوجود لڑکی ہونے کے اپنی نیاز میں قبول کیا۔ طرح طرح کے احوال رفیعہ اور کرامات سنیہ عنایت فرمائیں۔ ستھرے اخلاق، پاک طبیعت اور ظاہری و باطنی نزاہت عطا فرما کر اپنی مسجد کی خدمت کے لائق بنایا۔ اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو بعض وجوہ سے فضیلت بخشی۔ مثلاً ایسی استعداد رکھی کہ بدون مسّ بشر تنہا اس کے وجود سے حضرت مسیحؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوں۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔

۷۰۔ یعنی خدا نے جب ایسی عزت اور بلند مرتبہ تجھ کو عطا فرمایا تو چاہیئے کہ ہمیشہ اخلاص و تذلل کے ساتھ اپنے پروردگار کے آگے جھکی رہے اور وظائف عبودیت کے انجام دینے میں بیش از بیش سرگرمی دکھلائے تاکہ حق تعالیٰ نے تجھے جس امر عظیم کے لئے بروئے کار لانے کا ذریعہ تجویز کیا ہے وہ ظہور پذیر ہو۔

۷۱۔ جیسے راکعین خدا کے آگے رکوع کرتے ہیں۔ تو بھی اسی طرح رکوع کرتی رہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کر اور چونکہ کم از کم رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہونے والا اس رکعت کو پانے والا سمجھا جاتا ہے، شاید اس لئے نماز کو بعنوان رکوع تعبیر کیا گیا۔ کما یفہم من کلام ابن تیمیہ فی فتاواہ۔ واللہ اعلم۔ اس تقدیر پر اگر اقنتی میں قنوت سے قیام مراد لیں تو قیام رکوع، سجود تینوں ہئیات صلوٰۃ کا ذکر آیت میں ہو جائے گا۔ (تنبیہ) ممکن ہے اس وقت عورتوں کو عام طور پر جماعت میں شریک ہونا جائز ہو یا خاص فتنہ سے مامون ہونے کی صورت میں اجازت ہو یا مریمؑ کی خصوصیت ہو یا مریمؑ اپنے حجرہ میں رہ کر تنہا یا دوسری عورتوں کے ہمراہ امام کی اقتداء کرتی ہوں سب احتمالات ہیں۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو[۷۲] اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پرورش میں لے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے[۷۳]

۷۲۔ یہ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہیں: یعنی ظاہری حیثیت سے آپ کچھ پڑھے لکھے نہیں پہلے سے اہل کتاب کی

کوئی معتد بہ صحبت نہیں رہی جن سے واقعات ماضیہ کی ایسی تحقیقی معلومات ہو سکیں۔ اور صحبت رہتی بھی تو کیا تھا، وہ لوگ خود ہی اوہام و خرافات کی اندھیریوں میں پڑے بھٹک رہے تھے۔ کسی نے عداوت میں اور کسی نے حد سے زیادہ محبت میں آکر صحیح واقعات کو مسخ کر رکھا تھا پھر اندھے کی آنکھ سے روشنی حاصل ہونے کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ اندریں حالات مدنی اور مکی دونوں قسم کو سورتوں میں ان واقعات کو ایسی صحت اور بسط و تفصیل سے سنانا جو بڑے بڑے مدعیان علم کتاب کی آنکھوں میں چکا چوند کر دیں اور کسی کو مجال انکار باقی نہ رہے اس کی کھلی دلیل ہے کہ بذریعہ وحی آپ ﷺ کو یہ علم دیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ نے نہ بچشم خود ان حالات کا معائنہ کیا، اور نہ علم حاصل کرنے کا کوئی خارجی ذریعہ آپ ﷺ کے پاس موجود تھا۔

۷۳۔ حضرت مریم علیہ السلام کی پرورش کے لئے قرعہ اندازی: جب حضرت مریمؑ نذر میں قبول کر لی گئیں تو مسجد کے مجاورین میں جھگڑا ہوا کہ انہیں کس کی پرورش میں رکھا جائے آخر قرعہ اندازی کی نوبت آئی۔ سب نے اپنے اپنے قلم جن سے تورات لکھتے تھے چلتے پانی میں چھوڑ دیئے کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ پر نہ بہے۔ بلکہ الٹا پھر جائے اسی کو حقدار سمجھیں۔ اس میں بھی قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا اور حق حقدار کو پہنچ گیا۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾

۴۵۔ جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ کے مقربوں میں [۷۴]

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٦﴾

۴۶۔ اور باتیں کرے گا لوگوں سے جبکہ ماں کی گود میں ہو گا اور جبکہ پوری عمر کا ہو گا اور نیک بختوں میں ہے [۷۵]

۷۴۔ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی بشارت کلمۃ اللہ کی تشریح: حضرت مسیحؑ کو یہاں اور قرآن و حدیث میں کئی جگہ کلمۃ اللہ فرمایا ہے اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (نساء۔۱۷۱) یوں تو اللہ کے کلمات بے شمار ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (کہف۔۱۰۹) لیکن بالتخصیص حضرت مسیحؑ کو کلمۃ اللہ (اللہ کا حکم) کہنا اس حیثیت سے ہے کہ ان کی پیدائش باپ کے توسط کے بدون عام سلسلہ اسباب کے خلاف محض خدا کے حکم سے ہوئی۔ اور جو فعل عام اسباب عادیہ کے سلسلہ سے خارج ہو، عموماً اس کی نسبت براہ راست حق تعالیٰ کی طرف کر دی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال۔۱۷) (تنبیہ) مسیح اصل میں عبرانی میں ماشیح یا مشیحا تھا۔ جس کے معنی مبارک کے ہیں۔ معرب ہو کر مسیح بن گیا باقی دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے بالاجماع عربی لفظ ہے جس کی وجہ تسمیہ اپنے موقع پر کئی طرح بیان کی گئی ہے۔ مسیح کا دوسرا نام یا لقب عیسیٰ ہے۔ یہ اصل عبرانی میں ایشوع تھا۔ معرب ہو کر عیسیٰ بنا جس کے معنی سیّد کے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے یہاں ابن مریم کو حضرت مسیحؑ کے لئے بطور جزء علم کے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ خود مریمؑ کو بشارت سناتے وقت یہ کہنا کہ تجھے کلمۃ اللہ کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ عیسیٰ کا پتہ بتلانے کے لئے نہ تھا۔ بلکہ اس پر متنبہ کرنا تھا کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نسبت صرف ماں ہی کی طرف ہوا کرے گی۔ حتیٰ کہ لوگوں کو خدا کی یہ آیت عجیبہ ہمیشہ یاد دلانے اور

مریمؑ کی بزرگی ظاہر کرنے لے لئے گویا نام کا جزبنادی گئی۔ ممکن تھا کہ حضرت مریمؑ کو بمقتضائے بشریت یہ بشارت سن کر تشویش ہو کہ دنیا کس طرح باور کرے گی کہ تنہا عورت سے لڑکا پیدا ہو جائے۔ ناچار مجھ پر تہمت رکھیں گے۔ اور بچے کو ہمیشہ برے لقب سے مشہور کر کے ایذا پہنچائیں گے۔ میں کس طرح برات کروں گی، اس لئے آگے وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کہہ کر اطمینان کر دیا کہ خدا اس کو نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی بڑی عزت و وجاہت عطا کرے گا۔ اور دشمنوں کے سارے الزام جھوٹے ثابت کر دے گا۔ وجیہ کا لفظ یہاں ایسا سمجھو جیسے موسیٰؑ کے متعلق فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (احزاب۔۶۹) گویا جو لوگ وجیہ کہلاتے ہیں ان کو حق تعالیٰ خصوصی طور پر جھوٹے طعن و تشنیع یا الزامات سے بری کرتا ہے حضرت مسیحؑ کے نسب پر جو خبیث باطن طعن کریں گے یا خدا کو یا کسی انسان کو جھوٹ موٹ ان کا باپ بتلائیں گے یا خلاف واقع ان کو مصلوب و مقتول یا بحالت زندگی مردہ کہیں گے یا الوہیت وابنیت وغیرہ کے باطل عقائد کی مشرکانہ تعلیم ان کی طرف منسوب کریں گے۔ اس طرح کے تمام الزامات سے حق تعالیٰ دنیا و آخرت میں علانیہ بری ظاہر کر کے ان کی وجاہت و نزاہت کا علیٰ روس الاشہاد اظہار فرمائے گا۔ جو وجاہت ان کو ولادت و بعثت کے بعد دنیا میں حاصل ہوئی اس کی پوری پوری تکمیل نزول کے بعد ہو گی۔ جیسا کہ اہل اسلام کا اجمالی عقیدہ ہے پھر آخرت میں خصوصیت کے ساتھ ان سے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ (المائدہ۔۱۱۶) الخ کا سوال کر کے اور انعامات خصوصی یاد دلا کر تمام اولین و آخرین کے روبرو وجاہت و کرامت کا اظہار ہو گا۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ میں مذکور ہے اور نہ صرف یہ کہ دنیا و آخرت میں باوجاہت ہوں گے بلکہ خدا تعالیٰ کے اخص خواص مقربین میں ان کا شمار ہو گا۔

۷۵۔ گود میں باتیں کرنے کی پیشگوئی: یعنی نہایت شائستہ اور اعلیٰ درجے کے نیک ہوں گے اور اول ماں کی گود میں پھر بڑے ہو کر عجیب و غریب باتیں کریں گے۔ ان الفاظ سے فی الحقیقت مریمؑ کی پوری تسکین کر دی گئ۔ گذشتہ بشارات سے ممکن تھا یہ خیال کرتیں کہ وجاہت تو جب کبھی حاصل ہو گی، مگر یہاں تو ولادت کے بعد ہی طعن و تشنیع کا ہدف بنا پڑے گا۔ اس وقت برأت کی کیا صورت ہو گی۔ اس کا جواب دے دیا کہ گبھراؤ نہیں، تم کو زبان ہلانے کی ضرورت نہ پڑے گی، بلکہ تم کہہ دینا کہ میں نے آج روزہ رکھ چھوڑا ہے کلام نہیں کر سکتی۔ بچہ خود جواب دہی کرلے گا۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں پوری تفصیل آئے گی۔ بعض محرفین نے کہا ہے کہ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا الخ سے صرف مریم کی تسلی کرنی تھی کہ لڑکا گونگا نہ ہو گا۔ تمام لڑکوں کی طرح بچپن اور کہولت میں کلام کرے گا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ محشر میں بھی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو یوں خطاب کریں گے۔ یا عیسٰی أنت رسول اللّٰہ و کلمۃ القاھا الی مریم و روحٍ منہ و کلمت الناس فی المھد صبیاً اور خود حق تعالیٰ بھی قیامت کے دن فرمائیں گے اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا (المائدۃ۔۱۱۰) کیا وہاں بھی اس خاص نشان کا بیان فرمانا اسی لئے ہے کہ مریمؑ کو اطمینان ہو جائے کہ لڑکا گونگا نہیں، عام لڑکوں کی طرح بولنے والا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من الغوایۃ والضلالۃ۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ بولی اے رب کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے [۷۶] فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے [۷۷]

۷۶۔ معلوم ہوا کہ وہ بشارت سے یہ ہی سمجھیں کہ لڑکا بحالت موجود ہونے والا ہے۔ ورنہ تعجب کا کیا موقع تھا۔

۷۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوں گے: یعنی اسی طرح بدون مَسّ بشر کے ہو جائے گا۔ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے تعجب نہ کر حق تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کر دے اس کی قدرت کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ ایک کام کا ارادہ کیا اور ہو گیا۔ نہ وہ مادہ کا محتاج نہ اسباب کا پابند۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور سکھاوے گا اس کو کتاب اور تہ کی باتیں اور تورات اور انجیل [۷۸]

وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور کرے گا اس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف بیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس نشانیاں لے کر تمہارے رب کی طرف سے [۷۹] کہ میں بنا دیتا ہوں تم کو گارے سے پرندہ کی شکل پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو ہو جاتا ہے وہ اڑتا جانور اللہ کے حکم سے [۸۰] اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے [۸۱] اور بتا دیتا ہوں تم کو جو کھا کر آؤ اور جو رکھ آؤ اپنے گھر میں [۸۲] اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم یقین رکھتے ہو

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے اور اس واسطے کہ حلال کر دوں تم کو بعضی وہ چیزیں جو حرام تھیں تم پر [۸۳] اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو [۸۴]

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو یہی راہ سیدھی ہے [۸۵]

۷۸۔ یعنی لکھنا سکھائے گا، یا عام کتب ہدایت کا عموماً اور تورات و انجیل کا خصوصاً علم عطا فرمائے گا۔ اور بڑی گہری حکمت کی باتیں تلقین کرے گا۔ اور بندہ کے خیال میں ممکن ہے کتاب و حکمت سے مراد قرآن و سنت ہو کیونکہ حضرت مسیحؑ نزول کے بعد قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق حکم کریں گے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں کا علم دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۷۹۔ یعنی پیغمبر ہو کر اپنی قوم بنی اسرائیل سے یہ فرمائیں گے۔

۸۰۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے عجیب و غریب معجزات: محض شکل و صورت بنانے کو خلق سے تعبیر کرنا صرف ظاہری حیثیت سے ہے۔ جیسے حدیث صحیح میں معمولی تصویر بنانے کو خلق سے تعبیر فرمایا احیوا ما خلقتم یا خدا کو اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ فرما کر بتلا دیا کہ محض ظاہری صورت کے لحاظ سے غیر اللہ پر بھی یہ لفظ بولا جا سکتا ہے۔ اگرچہ حقیقت تخلیق کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں کہلا سکتا۔ شاید اسی لئے یہاں یوں نہ فرمایا انی اخلق لکم من الطین طیراً (میں مٹی سے پرندہ بنا دیتا ہوں) یوں کہا کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں، پھر وہ پرندہ اللہ کے حکم سے بن جاتا ہے۔ بہرحال یہ معجزہ آپ نے دکھلایا اور کہتے ہیں بچپن میں ہی بطور اِرہاص آپ سے یہ خرق عادت ظاہر ہوا۔ تاکہ تہمت لگانے والوں کو ایک چھوٹا سا نمونہ قدرت خداوندی کا دکھلا دیں کہ جب میرے نفخہ (پھونکنے) پر خدا تعالیٰ مٹی کی بے جان صورت کو جاندار بنا دیتا ہے، اسی طرح اگر اس نے بدن مس بشر محض روح القدس کے نفخہ سے ایک برگزیدہ عورت کے پانی پر روح عیسوی فائز کر دی تو کیا تعجب ہے۔ بلکہ حضرت مسیحؑ چونکہ نفخہ جبرئیلیہ سے پیدا ہوئے ہیں اس مسیحائی نفخہ کو اسی نوعیت ولادت کا ایک اثر سمجھنا چاہئے۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں حضرت مسیحؑ کے ان معجزات و خوارق پر دوسرے رنگ میں کلام کیا جائے گا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت مسیحؑ پر کمالات ملکیہ و روحیہ کا غلبہ تھا۔ اسی کے مناسب آثار ظاہر ہوتے تھے۔ لیکن اگر بشر کو ملک پر فضیلت حاصل ہے اور اگر ابو البشر کو مسجود ملائکہ بنایا گیا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ جس میں تمام کمالات بشریہ (جو عبارت ہے مجموعہ کمالات روحانیہ اور جسمانیہ سے) اعلیٰ درجہ پر ہونگے اس کو حضرت مسیحؑ سے افضل ماننا پڑے گا۔ اور وہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

۸۱۔ منکرین معجزات کا رد: اس زمانہ میں اطباء و حکماء کا زور تھا، حضرت مسیحؑ کو ایسے معجزات مرحمت ہوئے جو لوگوں پر ان کے سب سے زیادہ مایہ ناز فن میں حضرت مسیحؑ کا نمایاں تفوق ثابت کریں۔ بلاشبہ مردہ کو زندہ کرنا حق تعالیٰ کی صفت ہے جیسا کہ بِاِذۡنِ اللّٰہِ کی قید سے صاف ظاہر ہے۔ مگر مسیحؑ اس کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے توسعاً اپنی طرف نسبت کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ حق تعالیٰ قرآن کریم میں یا نبی کریم ﷺ احادیث میں اعلان کر چکے ہیں کہ ازل سے ابد تک کسی مردہ کو دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ نرا دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر اس نے قرآن میں فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ (الزمر۔ ۴۲) فرما کر یہ بتلایا کہ مرنے والے کی روح خدا تعالیٰ روک لیتا ہے اور سونے والے کی اس طرح نہیں روکتا۔ تو یہ کب کہا ہے کہ اس روک لینے کے بعد دوبارہ اسے چھوڑ دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ یاد رکھو! معجزہ وہ ہی ہے جو حق تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف مدعی نبوت کی تصدیق کے لئے ظاہر کیا جائے۔ پس ایسی نصوص کو لے کر جو کسی چیز کی نسبت خدا کی عام عادت بیان کرتی ہوں یہ استدلال کرنا کہ ان سے معجزات کی نفی ہوتی ہے سرے سے معجزہ کے وجود کا انکار اور اپنی حماقت و غباوت کا اظہار ہے۔ معجزہ اگر عام قانون عادت کے موافق آیا کرے تو اسے معجزہ کیوں کہیں گے حضرت مسیحؑ کا بن باپ پیدا ہونا یا ابراء اکمہ و ابرص و احیاء موتٰی وغیرہ معجزات دکھلانا، اہل اسلام میں تمام سلف و خلف کے نزدیک مسلم رہا ہے۔ صحابہ و تابعین میں ایک قول بھی اس کے انکار میں دکھلایا نہیں جا سکتا آج جو ملحد یہ دعویٰ کرے کہ ان خوارق کا ماننا محکمات قرآنی کے خلاف ہے۔ گویا وہ ایسی چیزوں کو محکمات بتلاتا ہے جن کا صحیح مطلب سمجھنے سے تمام امت عاجز رہی؟ یا سب کے سب محکمات کو چھوڑ کر اور متشابہات کے پیچھے پڑ کر فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ کے مصداق بن گئے؟ آج کل کے ملحدین کے سوا متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی؟ العیاذ باللہ۔ حق یہ ہے کہ وہ آیات جن کے ظاہری معنی کو ساری

امت مانتی چلی آئی ہے۔ محکمات ہیں۔ اور ان کو توڑ موڑ کر محض استعارات و تمثیلات پر عمل کرنا اور معجزات کی نفی پر عموم عادت سے دلیل لانا یہ ہی زائغین کا کام ہے۔ جن سے حذر کرنے کی حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے۔

۸۲۔ آئندہ کے لئے۔ یعنی بعض مغیبات ماضیہ و مستقبلہ پر تم کو مطلع کر دیتا ہوں عملی معجزات کے بعد یہ ایک علمی معجزہ ذکر کر دیا۔

۸۳۔ یعنی تورات کی تصدیق کرتا ہوں کہ خدا کی کتاب ہے اور اس کے اہم اصول واحکام کو بحالہ قائم رکھتے ہوئے زمانہ کے مناسب حق تعالیٰ کے حکم سے چند جزوی و فرعی تغیرات کروں گا۔ مثلاً بعض احکام میں پہلے جو سختی تھی وہ اب اٹھا دی جائے گی۔ اس کا نام خواہ نسخ رکھ لو یا تکمیل اختیار ہے۔

۸۴۔ یعنی میری صداقت کے نشان جب دیکھ چکے تو اب خدا سے ڈر کر میری باتیں ماننی چاہئیں۔

۸۵۔ یعنی سب باتوں کی ایک بات اور ساری جڑوں کی اصل جڑ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو میرا اور اپنا دونوں کا یکساں رب سمجھو (باپ بیٹے کے رشتے قائم نہ کرو) اور اسی کی بندگی کرو۔ سیدھا راستہ رضائے الٰہی تک پہنچنے کا یہ ہی توحید، تقویٰ، اور اطاعت رسول ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر [۸۶] بولا کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں [۸۷] کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کی [۸۸] ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے حکم قبول کیا [۸۹]

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم تابع ہوئے رسول کے سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں [۹۰]

۸۶۔ یعنی یہ میرا دین قبول نہ کریں گے بلکہ دشمنی اور ایذا رسانی کے درپے رہیں گے۔

۸۷۔ یعنی میرا ساتھ دے اور دین الٰہی کو رواج دینے میری مدد کرے۔

۸۸۔ اللہ کی مدد کرنا یہ ہی ہے کہ اس کے دین و آئین اور پیغمبروں کی مدد کی جائے۔ جس طرح انصار مدینہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام اور دین حق کی مدد کر کے دکھائی۔

۸۹۔ حواری کون تھے؟ حواری کون لوگ تھے اور یہ لقب ان کا کس وجہ سے ہوا۔ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں مشہور یہ ہے کہ پہلے دو شخص جو حضرت عیسیٰؑ کے تابع ہوئے دھوبی تھے اور کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلاتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان کو کہا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو آؤ میں تم کو دل دھونے سکھا دوں۔ وہ ساتھ ہو لئے۔ پھر ایسے سب ساتھیوں کا یہی لقب پڑ گیا۔

۹۰۔ پیغمبر کے سامنے اقرار کرنے کے بعد پروردگار کے سامنے یہ اقرار کیا کہ انجیل پر ایمان لا کر تیرے رسول کا اتباع کرتے ہیں۔ آپ اپنے فضل و توفیق سے ہمارا نام ماننے والوں کی فہرست میں ثبت فرما دیں۔ گویا ایمان کی رجسٹری ہو جائے کہ پھر لوٹنے کا احتمال نہ رہے۔

ع ۵ ۱۳

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ؑ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے[۹۱]

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ جس وقت کہا اللہ نے اے عیسٰی میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھا لوں گا اپنی طرف اور پاک کروں گا تجھ کو کافروں سے اور رکھوں گا ان کو جو تیرے تابع ہیں غالب ان سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک پھر میری طرف ہے تم سب کو پھر آنا پھر فیصلہ کردوں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑتے تھے

۹۱۔ مکر اور ماکر کے معنٰی: مکر کہتے ہیں لطیف و خفیہ تدبیر کو۔ اگر وہ اچھے مقصد کے لئے ہو۔ اچھا ہے۔ اور برائی کے لئے ہو تو برا ہے اسی لئے و لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ (فاطر۔۴۳) میں مکر کے ساتھ سَیِّئُ کی قید لگائی۔ اور یہاں خدا کو خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ کہا۔ مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسٰیؑ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کردیں۔ حتیٰ کہ بادشاہ کے کان بھر دیئے کہ یہ شخص معاذ اللہ ملحد ہے۔ تورات کو بدلنا چاہتا ہے سب کو بد دین بنا کر چھوڑے گا۔ اس نے مسیحؑ کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر حق تعالٰی کی لطیف و خفیہ تدبیر ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ بیشک خدا کی تدبیر سب سے بہتر اور مضبوط ہے جسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ سو وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام نیک کئے سو انکو پورا دے گا ان کا حق اور اللہ کو خوش نہیں آتے بے انصاف[۹۲]

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ یہ پڑھ کو سناتے ہیں ہم تجھ کو آیتیں اور بیان تحقیق

۹۲۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آسمان پر اٹھانا اور دوبارہ دنیا میں نزول: بادشاہ نے لوگوں کو مامور کیا کہ مسیحؑ کو پکڑیں صلیب (سولی) پر چڑھائیں اور ایسی عبرت ناک سزائیں دیں جسے دیکھ کر دوسرے لوگ ان کا اتباع کرنے سے رک جائیں۔ فبعثَ فِي طلبه من يأخذه ويصلبه وينكل به (ابن کثیر) خداوند قدوس نے اس کے جواب میں مسیحؑ کو مطمئن فرما دیا کہ میں ان اشقیاء کے ارادوں اور منصوبوں کو خاک میں ملا

دوں گا۔ یہ چاہتے ہیں کہ تجھے پکڑ کر قتل کر دیں اور پیدائش و بعثت سے جو مقصد ہے پورا نہ ہونے دیں اور اس طرح خدا کی نعمت عظیمہ کی بے قدری کریں۔ لیکن میں ان سے اپنی یہ نعمت لے لوں گا تیری عمر مقدر اور جو مقصد عظیم اس سے متعلق ہے پورا کر کے رہوں گا۔ اور تجھ کو پورے کا پورا صحیح و سالم لے جاؤں گا کہ ذرا بھی تیرا بال بیکا نہ کر سکیں۔ بجائے اس کے کہ وہ لے جائیں، خدا تجھ کو اپنی پناہ میں لے جائے گا۔ وہ صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں خدا تجھ کو آسمان پر چڑھائے گا۔ ان کا ارادہ ہے کہ رسوا کن اور عبرتناک سزائیں دے کر لوگوں کو تیرے اتباع سے روک دیں۔ لیکن خدا ان کے ناپاک ہاتھ تیرے تک نہ پہنچنے دے گا بلکہ اس گندے اور نجس مجمع کے درمیان سے تجھ کو بالکل پاک و صاف اٹھا لے گا۔ اور اس کے بجائے کہ تیری بے عزتی ہو اور لوگ ڈر کر تیرے اتباع سے رک جائیں، تیرا اتباع کرنے والوں اور نام لینے والوں کو قرب قیامت تک منکروں پر غالب و قاہر رکھے گا۔ جب تک تیرا انکار کرنے والے یہود اور اقرار کرنے والے مسلمان یا نصاریٰ دنیا میں رہیں گے ہمیشہ اقرار کرنے والے منکرین پر فائق و غالب رہیں گے۔ بعدہٗ ایک وقت آئے گا جب تجھ کو اور تیرے موافق و مخالف سب لوگوں کو میرے حکم کی طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت میں تمہارے سب جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ کر دوں گا اور سب اختلافات ختم کر دیئے جائیں گے یہ فیصلہ کب ہو گا؟ اس کی جو تفصیل فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا الخ سے بیان کی گئی ہے وہ بتلاتی ہے کہ آخرت سے پیشتر دنیا ہی میں اس کا نمونہ شروع کر دیا جائے گا۔ یعنی اس وقت تمام کافر عذاب شدید کے نیچے ہوں گے کوئی طاقت ان کی مدد اور فریاد کو نہ پہنچ سکے گی۔ اس کے بالمقابل جو ایمان والے رہیں گے ان کو دنیا و آخرت میں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور بے انصاف ظالموں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ امت مرحومہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جب یہود نے اپنی ناپاک تدبیریں پختہ کر لیں تو حق تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ نبی کریم ﷺ کی متواتر احادیث کے موافق قیامت کے قریب جب دنیا کفر و ضلالت اور دجل و شیطنت سے بھر جائے گی۔ خدا تعالیٰ خاتم انبیاء بنی اسرائیل (حضرت مسیحؑ) کو خاتم الانبیاء علی الاطلاق حضرت محمد ﷺ کے ایک نہایت وفادار جنرل کی حیثیت میں نازل کر کے دنیا کو دکھلا دے گا کہ انبیاء سابقین کو بارگاہ خاتم النبیین کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے۔ حضرت مسیحؑ دجال کو قتل کریں گے۔ اور اس کے اتباع یہود کو چن چن کر ماریں گے کوئی یہودی جان نہ بچا سکے گا۔ شجر و حجر تک پکاریں گے کہ ہمارے پیچھے یہ یہودی کھڑا ہے قتل کرو! حضرت مسیحؑ صلیب کو توڑیں گے۔ نصاریٰ کے باطل عقائد و خیالات کی اصلاح کر کے تمام دنیا کو ایمان کے راستے پر ڈال دیں گے اس وقت تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہو کر اور مذہبی اختلافات مٹ مٹا کر ایک خدا کا سچا دین (اسلام) رہ جائے گا اسی وقت کی نسبت فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (نساء۔ ۱۵۹) جس کی پوری تقریر اور رفع مسیحؑ کی کیفیت سورہ نساء میں آئے گی۔

لفظ موت اور توفی کی تحقیق : بہر حال میرے نزدیک ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ الخ صرف آخرت سے متعلق نہیں بلکہ دنیا و آخرت دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ آگے تفصیل کے موقع پر فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے۔ اور یہ اس کا قرینہ ہے کہ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے معنی قرب قیامت کے ہیں چنانچہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے کہ قیامت سے پہلے ایک مبارک وقت ضرور آنے والا ہے جب سب اختلافات مٹ مٹا کر ایک دین باقی رہ جائے وللہ الحمد اولاً و آخراً۔ چند امور اس آیت کے متعلق یاد رکھنے چاہئیں۔ لفظ توفی کے متعلق کلیات ابو البقاء میں ہیں التوفی الامانۃ وقبض الروح وعلیہ استعامل العامۃ اولا ستیفاء واخذ الحق وعیلہ استعمال البلغاء توفی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا گویا ان کے نزدیک موت پر بھی توفی کا اطلاق اسی حیثیت سے ہوا کہ موت میں کوئی عضو خاص نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پوری جان وصول کر لی جاتی ہے۔ اب اگر فرض کرو خدا تعالیٰ نے کسی کی جان بدن سمیت لے لی تو اسے بطریق اولیٰ توفی کہا جائے گا۔ جن اہل لغت نے توفی کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں انہوں نے یہ

نہیں کہا کہ قبض روح مع البدن کو توفی نہیں کہتے۔ نہ کوئی ایسا ضابطہ بتلایا ہے کہ جب توفی کا فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو تو بجز موت کے کوئی معنی نہیں ہو سکیں۔ ہاں چونکہ عموماً قبض روح کا وقوع بدن سے جدا کر کے ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت وعادت کے لحاظ سے اکثر موت کا لفظ اس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں ورنہ لفظ کا لغوی مدلول قبض روح مع البدن کو شامل ہے۔ دیکھئے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۔(زمر۔۴۲) میں توفی نفس (قبض روح) کی دو صورتیں بتلائیں موت اور نیند، اس تقسیم سے نیز توفی کو انفس پر وارد کر کے اور حین موتہا کی قید لگا کر بتلادیا کہ توفی اور موت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قبض روح کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک درجہ وہ ہے جو موت کی صورت میں پایا جائے دوسرا وہ جو نیند کی صورت میں ہو۔ قرآن کریم نے بتلادیا کہ وہ دونوں پر توفی کا لفظ اطلاق کرتا ہے۔ کچھ موت کی تخصیص نہیں۔ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (انعام۔٦٠) اب جس طرح اس نے دو آئتوں میں نوم پر توفی کا اطلاق جائز رکھا حالانکہ نوم میں قبض روح بھی پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر آل عمران اور مائدہ کی دو آیتوں میں توفی کا لفظ قبض روح مع البدن پر اطلاق کر دیا گیا تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ بالخصوص جب یہ دیکھا جائے کہ موت یا نوم میں لفظ توفی کا استعمال قرآن کریم ہی نے شروع کیا ہے۔ جاہلیت والے تو عموماً اس حقیقت سے ناآشنا تھے کہ موت یا نوم میں خدا تعالیٰ کوئی چیز آدمی سے وصول کر لیتا ہے اسی لئے توفی کا استعمال موت اور نوم پر ان کے یہاں شائع نہ تھا۔ قرآن کریم نے موت وغیرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے اول اس لفظ کا استعمال شروع کیا۔ تو اسی کو حق ہے کہ موت و نوم کی طرح اخذ روح مع البدن کے نادر مواقع میں بھی اسے استعمال کرے بہر حال آیت حاضرہ میں جمہور کے نزدیک توفی سے موت مراد نہیں۔ اور ابن عباس سے بھی صحیح ترین روایت یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ کما فی روح المعانی وغیرہ۔ زندہ اٹھائے جانے یا دوبارہ نازل ہونے کا انکار سلف میں کسی سے منقول نہیں۔ بلکہ تلخیص العبیر میں حافظ ابن حجر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے احادیث نزول کو متواتر کہا ہے اور اکمال اکمال المعلم میں امام مالکؒ سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔ پھر جو معجزات حضرت مسیحؑ نے دکھلائے ان میں علاوہ دوسری حکمتوں کے ایک خاص مناسبت آپ کے رفع الی السماء کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ آپ نے شروع ہی سے متنبہ کر دیا کہ جب ایک مٹی کا پتلا میرے پھونک مارنے سے باذن اللہ پرند بن کر اوپر اڑا چلا جاتا ہے کیا وہ بشر جس پر خدا نے روح اللہ کا لفظ اطلاق کیا اور روح القدس کے نفخہ سے پیدا ہوا، یہ ممکن نہیں کہ خدا کے حکم سے اڑ کر آسمان تک چلا جائے۔ جس کے ہاتھ لگانے یا دو لفظ کہنے پر حق تعالیٰ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی اچھے اور مردے زندہ ہو جائیں اگر وہ اس موطن کون وفساد سے الگ ہو کر ہزاروں برس فرشتوں کی طرح آسمان پر زندہ اور تندرست رہے تو کیا استبعاد ہے۔ قال قتادۃ قطار مع الملائکۃ فھو معھم حول العرش و صار انسیًا ملکیًا سماویًا ارضیًا (بغوی) اس موضوع پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر میں اہل علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقید النظیر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اطال اللہ بقائہ نے رسالہ عقیدۃ الاسلام میں جو علمی لعل وجواہر ودیعت کئے ہیں ان سے متمتع ہونے کی ہمت کریں میری نظر میں ایسی جامع کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ بیشک عیسٰی کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا [۹۳]

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

٦٠۔ حق وہ ہے جو تیرا رب کہے پھر تو مت رہ شک لانے والوں سے [۹۴]

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ
نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ
فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آچکی تیرے پاس خبر سچی تو تو کہدے آؤ بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں [۹۵]

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا
اللّٰهُ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ بیشک یہی ہے بیان سچا اور کسی کی بندگی نہیں ہے سوا اللہ کے [۹۶] اور اللہ جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا [۹۷]

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع ۶/۹ ۱۴

۶۳۔ پھر اگر قبول نہ کریں تو اللہ کو معلوم ہے فساد کرنے والے [۹۸]

۹۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی طرح بغیر باپ کے پیدا ہوئے: نصاریٰ اس بات سے حضرت سے بہت جھگڑے کہ عیسیٰؑ بندہ نہیں۔ اللہ کا بیٹا ہے۔ آخر کہنے لگے کہ وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو تم بتاؤ کس کا بیٹا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ آدمؑ کے تو نہ باپ تھا نہ ماں۔ عیسیٰؑ کے باپ نہ ہوں تو کیا عجب ہے (موضح القرآن) اس حساب سے تو آدمؑ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے پر زیادہ زور دینا چاہیئے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

۹۴۔ یعنی مسیحؑ کے متعلق جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ ہی حق ہے جس میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو بات تھی بلا کم وکاست سمجھا دی گئی۔

۹۵۔ نجران کے عیسائیوں کو دعوت مباہلہ: اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نصاریٰ نجران اس قدر سمجھانے پر بھی اگر قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ مباہلہ کرو جس کی زیادہ موثر اور مکمل صورت یہ تجویز کی گئی کہ دونوں فریق اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں اور خوب گڑ گڑا کر دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت اور عذاب پڑے۔ یہ مباہلہ کی صورت پہلے ہی قدم پر اس بات کا اظہار کر دے گی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں اپنی صداقت و حقانیت پر وثوق و یقین رکھتا ہے چنانچہ دعوت مباہلہ سن کر وفد نجران نے مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ آخر مجلس مشاورت میں ان کے ہوشمند تجربہ کار ذمہ داروں نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیحؑ کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسمٰعیلؑ میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں۔ پس ایک نبی سے مباہلہ وملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہ ہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ یہ ہی تجویز پاس کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ حضرت حسن، حسین، فاطمہ، علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے باہر تشریف لا رہے تھے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو۔ ورنہ ایک نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ آخر

انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی۔ اور خدا تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال کر دیتا۔ ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ (تنبیہ) قرآن نے یہ نہیں بتلایا کہ مباہلہ کی صورت نبی کریم ﷺ کے بعد بھی اختیار کی جاسکتی ہے اور یہ کہ مباہلہ کا اثر کیا ہمیشہ وہی ظاہر ہونا چاہیئے۔ جو آپ کے مباہلہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔ بعض سلف کے طریق عمل اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے مگر ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی ہو یہ ضروری نہیں کہ مباہلہ میں بچوں عورتوں کو بھی شریک کیا جائے۔ نہ مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری ہے جو پیغمبر ﷺ کے مباہلہ پر آتا۔ بلکہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث و جدال سے الگ ہو جانا ہے۔ اور میرے خیال میں مباہلہ ہر ایک کاذب کے ساتھ نہیں۔ صرف کاذب معاند کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ابن کثیر کہتے ہیں ثم قال تعالیٰ اٰمرًا رسوله صلی الله علیه وسلم ان یباھل من عاند الحق فی امر عیسٰی بعد ظهور البیان والله اعلم۔

۹۶۔ دعوت مباہلہ کے ساتھ بتلا دیا کہ مباہلہ اس پر کیا جاتا تھا کہ جو کچھ حضرت مسیحؑ کے متعلق قرآن میں بیان ہوا وہ ہی سچا بیان ہے اور خدا کی بارگاہ ہر قسم کے شرک اور باپ بیٹے وغیرہ کے تعلقات سے پاک ہے۔

۹۷۔ اپنی زبردست قدرت و حکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو اس کے حسب حال ہو۔

۹۸۔ اگر نہ دلائل سے مانیں نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ احقاق حق مقصود نہیں نہ دل میں اپنے عقائد کی صداقت پر وثوق ہے محض فتنہ و فساد پھیلانا ہی پیش نظر ہے تو خوب سمجھ لیں کہ سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہراویں اس کا کسی کو اور نہ بناوے کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے [۹۹] پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں [۱۰۰]

۹۹۔ اہل کتاب کو مشترک کلمے توحید کی دعوت پہلے نقل کیا جاچکا کہ حضور ﷺ نے جب وفد نجران کو کہا اَسْلِمُوْا (مسلم بن جاؤ) تو کہنے لگے ۔ اَسْلَمْنَا (ہم مسلم ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی طرح ان کو بھی مسلم ہونے کا دعویٰ تھا اسی طرح جب یہود و نصاریٰ کے سامنے توحید پیش کی جاتی تو کہتے کہ ہم بھی خدا کو ایک کہتے ہیں۔ بلکہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ بڑا خدا ایک ہی ہے۔ یہاں اسی طرف توجہ دلائی گئی کہ بنیادی عقیدہ (خدا کا ایک ہونا اور اپنے کو مسلم ماننا) جس پر ہم دونوں متفق ہیں۔ ایسی چیز ہے جو ہم سب کو ایک کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ آگے چل کر اپنے تصرف اور تحریف سے اس کی حقیقت بدل نہ ڈالیں۔ ضرورت اُس کی ہے کہ جس طرح زبان سے مسلم و موحد کہتے ہو۔ حقیقۃً و عملًا بھی اپنے آپ کو تنہا خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سپرد کر دو۔ نہ اس کے سوا کسی کی بندگی کرو نہ اس کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہراؤ۔ کہ کسی اور عالم، فقیر، پیر، پیغمبر کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو صرف رب قدیر کے ساتھ کیا جانا چاہیئے۔ مثلًا کسی کو اس کا بیٹا پوتا بنانا، یا نصوص شریعت سے قطع نظر کر کے محض کسی کے حلال و حرام کر دینے پر اشیاء کی حلت و حرمت کا مدار رکھنا۔ جیسا کہ

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ۔۳۱) کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سب امور دعویٰ اسلام و توحید کے منافی ہیں۔

۱۰۰۔ اہل کتاب کو مشترک کلمے توحید کی دعوت: یعنی تم دعویٰ اسلام و توحید کر کے پھر گئے، ہم الحمد اللہ اس پر قائم ہیں کہ اپنے کو محض خدائے واحد کے سپرد کر دیا ہے اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کی بابت اور توریت اور انجیل تو اتریں اس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ سنتے ہو تم لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے[۱۰۱]

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا مشرک[۱۰۲]

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو تھی جو ساتھ اس کے تھے اور اس نبی کو اور جو ایمان لائے اس نبی پر[۱۰۳] اور اللہ والی ہے مسلمانوں کا[۱۰۴]

۱۰۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی نہیں ہو سکتے: جیسے دعوئے اسلام و توحید سب میں مشترک تھا اسی طرح حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی تعظیم و تکریم میں بھی سب شریک تھے اور یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک فرقہ دعویٰ کرتا تھا کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھے۔ یعنی معاذ اللہ یہودی تھے یا نصرانی۔ اس کا جواب دیا کہ تورات و انجیل میں جن کے پیرو یہودی یا نصرانی کہلائے ابراہیمؑ سے سینکڑوں برس بعد اتری۔ پھر ابراہیمؑ کو نصرانی یا یہودی کیسے کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ جس طرح کے تم یہودی یا نصرانی ہو اس معنی سے تو خود موسیٰؑ یا عیسیٰؑ کو بھی یہودی یا نصرانی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت ہمارے مذہب کے زیادہ قریب تھی تو یہ بھی غلط ہے۔ اس کا علم تم کو کہاں سے ہوا؟ تمہاری کتابوں میں مذکور نہیں۔ نہ خدا نے خبر دی نہ تم کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو۔ پھر ایسی بات میں جھگڑنا جس کا کچھ علم آدمی کو نہ ہو، حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ جن چیزوں کی تمہیں کچھ تھوڑی بہت خبر تھی۔ گو محض ناتمام اور سرسری تھی۔ مثلاً مسیحؑ کے واقعات یا نبی

آخر الزماں کی بشارات وغیرہ۔ ان میں تم جھگڑا کر چکے، لیکن جس چیز سے تمہیں بالکل مس نہیں نہ اس کی کبھی ہوا لگی، اسے تو خدا کے سپرد کر دو۔ وہ ہی جانتا ہے کہ ابراہیمؑ کیا تھے اور آج دنیا میں کونسی جماعت کا مسلک اس سے قریب تر ہے۔

۱۰۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف اور مسلم تھے: یعنی ابراہیمؑ نے اپنے تئیں حنیف یا مسلم کہا ہے۔ حنیف کے معنی جو کوئی ایک راہ حق پکڑے اور سب باطل راہیں چھوڑ دے اور مسلم کے معنی حکم بردار اب خود اندازہ کر لو کہ آج کس نے سب سے ٹوٹ کر خدا کی راہ پکڑی اور اپنے کو خالص اسی کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ ہی ابراہیمؑ سے زیادہ اقرب واشبہ ہو گا۔ (تنبیہ) یہاں مسلمًا میں اسلام سے خاص شریعت محمدیہ مراد لینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ تسلیم و تفویض اور فرمانبرداری کے معنی ہیں۔ جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے اور ابراہیمؑ نے خصوصیت سے اس نام و لقب کو بہت زیادہ روشن کیا۔ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (بقرہ۔۱۳۱) حضرت ابراہیمؑ کی سوانح حیات کا ایک ایک حرف بتلاتا ہے کہ وہ ہمہ تن اسلام اور تسلیم ورضا کے پیکر مجسم تھے۔ ذبح اسمٰعیلؑ کے واقع میں فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ (الصافات۔۱۰۳) کا لفظ ان کی شان اسلام کو بہت وضاحت سے نمایاں کرتا ہے۔ صلی اللہ علیٰ نبینا وعلیہ وبارک وسلم۔

۱۰۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ قریب ہیں: اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ زیادہ مناسبت ابراہیمؑ سے اس وقت کی امت کو تھی یا پچھلی امتوں میں اس نبی کی امت کو ہے۔ تو یہ امت نام میں بھی اور راہ میں بھی ابراہیمؑ سے مناسبت زیادہ رکھتی ہے۔ اور اس امت کا پیغمبر خلقًا وخُلقًا صورۃً وسیرۃً حضرت ابراہیمؑ سے اشبہ ہے اور ان کی دعاء کے موافق آیا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ میں گذرا رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ (البقرۃ۔۱۲۹) الخ اسی لئے حبشہ کا نصرانی بادشاہ (نجاشی) مسلمان مہاجرین کو حزب ابراہیمؑ کہتا تھا۔ شاید اسی قسم کی مناسبات کی وجہ سے درود شریف میں کَمَا صَلَّيۡتَ عَلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ فرمایا۔ یعنی اس نوعیت اور نمونہ کی صلوٰۃ نازل فرمائے جو ابراہیمؑ و آل ابراہیمؑ پر کی تھی۔ جامع ترمذی میں حدیث ہے اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وَلَاةً مِنَ النَّبِيِّيۡنَ وَاِنَّ وَلِيِّىۡ اَبِىۡ وَخَلِيۡلُ رَبِّىۡ اس مضمون کی تفصیل آئندہ کسی سورت میں آئے گی ان شاء اللہ۔

۱۰۴۔ یعنی اپنے راہ کے حق ہونے پر محض کسی کی موافقت ومشابہت سے دلیل جب پکڑے کہ اپنے اوپر وحی نہ آتی ہو۔ سو اللہ والی ہے مسلمانوں کا کہ (یہ براہ راست) اس کے حکم پر چلتے ہیں (موضح القرآن)۔

وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿٦٩﴾	٦٩۔ آرزو ہے بعضے اہل کتاب کو کہ کسی طرح گمراہ کریں تم کو اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے[۱۰۵]
يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿٧٠﴾	٧٠۔ اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کے کلام کا اور تم قائل ہو[۱۰٦]
يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿٧١﴾ ع	٧١۔ اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو سچ میں جھوٹ اور چھپاتے ہو سچی بات جان کر[۱۰۷]

ع ۸/۱۵

۱۰۵۔ پہلے کہا تھا وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ یہاں بتلایا کہ جب مومنین کا ولی اللہ ہے تو تمہارا داؤ ان پر کیا چل سکتا ہے۔ بیشک بعض اہل کتاب چاہتے ہیں کہ جس طرح خود گمراہ ہیں مسلمانوں کو بھی راہ حق سے ہٹا دیں۔ لیکن مسلمان تو ان کے جال میں پھنسنے والے نہیں البتہ یہ لوگ اپنی گمراہی کے وبال میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ ان کی مغویانہ کوششوں کا ضرر خود ان ہی کو پہنچے گا۔ جسے وہ فی الحال نہیں سمجھتے۔

۱۰۶۔ **اہل کتاب کا انکار بے وجہ ہے:** یعنی تم تورات وغیرہ کے قائل ہو۔ جس میں پیغمبر عربی ﷺ اور قرآن کریم کے متعلق بشارات موجود ہیں۔ جن کو تمہارے دل سمجھتے ہیں اور اپنی خلوتوں میں ان چیزوں کا اقرار بھی کرتے ہو۔ پھر کھلم کھلا قرآن پر ایمان لانے اور خاتم الانبیاء کی صداقت کا اقرار کرنے سے کیا چیز مانع ہے۔ خوب سمجھ لو قرآن کا انکار کرنا تمام پچھلی کتب سماویہ کا انکار کرنا ہے۔

۱۰۷۔ تورات کے بعض احکام تو اغراض دنیوی کی خاطر سرے سے موقوف ہی کر ڈالے تھے بعض آیات میں تحریف لفظی کی تھی، بعض کے معنی بدل دئے تھے اور بعض چیزیں چھپا رکھی تھیں۔ ہر کسی کو خبر نہ کرتے تھے۔ جیسے بشارات پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی۔

وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ
اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا
اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۚۖ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور کہا بعضے اہل کتاب نے مان لو جو کچھ اترا مسلمانوں پر دن چڑھے اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جاویں[۱۰۸]

وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى
هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ
یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ
یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚۙ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور نہ مانیو مگر اسی کی جو چلے تمہارے دین پر[۱۰۹] کہدے کہ بیشک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے[۱۱۰] اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اور کسی کو بھی کیوں مل گیا جیسا کچھ تم کو ملا تھا یا وہ غالب کیوں آ گئے تم پر تمہارے رب کے آگے[۱۱۱] تو کہہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ بہت گنجائش والا ہے خبردار

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے[۱۱۲]

۱۰۸۔ **اہل کتاب کی سازشیں:** ان آیتوں میں اہل کتاب کی چالاکیاں اور خیانتیں ذکر کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے کچھ آدمی صبح کے وقت بظاہر مسلمان بن جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور شام کو یہ کہہ کر کہ ہم کو اپنے بڑے بڑے علماء سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ نبی نہیں جن کی بشارت دی گئ تھی اور تجربہ سے ان کے حالات بھی اہل حق کی طرح کے ثابت نہ ہوئے اسلام سے پھر جایا کریں نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے ضعیف الایمان ہماری یہ حرکت دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں گے۔ اور سمجھ لیں گے کہ مذہب اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقص

دیکھا ہو گا جو یہ لوگ داخل ہونے کے بعد اس سے نکلے۔ نیز عرب کے جاہلوں میں اہل کتاب کے علم وفضل کا چرچا تھا۔ اس بناء پر یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ یہ جدید مذہب اگر سچا ہوتا تو ایسے اہل علم اسے رد نہ کرتے بلکہ سب سے آگے بڑھ کر قبول کرتے۔

۱۰۹۔ یعنی جو یہود مسلمانوں کے سامنے جا کر نفاق سے اپنے کو مسلمان ظاہر کریں۔ انہیں یہ برابر ملحوظ رہے کہ وہ سچ مچ مسلمان نہیں بن گئے بلکہ بدستور یہودی ہیں۔ اور سچے دل سے انہی کی بات مان سکتے ہیں جو ان کے دین پر چلتا ہو اور شریعت موسوی کے اتباع کا دعویٰ رکھتا ہو۔ بعض نے وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ظاہری طور پر جو ایمان لاؤ اور اپنے کو مسلمان بتاؤ، وہ محض ان لوگوں کی وجہ سے جو تمہارے دین پر چلنے والے ہیں۔ یعنی اس تدبیر سے اپنے ہم مذہبوں کی حفاظت مقصود ہونی چاہیئے کہ وہ مسلمان نہ بن جائیں یا جو بن چکے ہیں اس تدبیر سے واپس آ جائیں۔

۱۱۰۔ یعنی ہدایت تو اللہ کے دیے سے ملتی ہے جس کے دل میں خدا نے ہدایت کا نور ڈال دیا، تمہاری ان پر فریب چالبازیوں سے وہ گمراہ ہونے والا نہیں۔

۱۱۱۔ اہل کتاب کی سازشوں کی وجہ: یعنی یہ مکاریاں اور تدبیریں محض ازراہ حسد اس جلن میں کی جاتی ہیں کہ دوسروں کو اس طرح کی شریعت اور نبوت ورسالت کیوں دی جا رہی ہے جیسی پہلے تم کو دی گئی تھی۔ یا مذہبی و دینی جدوجہد میں دوسرے لوگ تم پر غالب آ کر کیوں آگے نکلے جا رہے ہیں اور خدا کے آگے تمہیں ملزم گردان رہے ہیں۔ یہود ہمیشہ اس خیال کی اشاعت کرتے رہے تھے کہ دنیا میں تنہا ہماری ہی قوم علم شریعات کی اجارہ دار ہے۔ تورات ہم پر اتری۔ موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر ہم میں آئے۔ پھر عرب کے امیوں کو اس فضل و کمال سے کیا واسطہ؟ لیکن تورات سفر استثناء کی عظیم الشان پیشین گوئی غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ جس میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسمٰعیلؑ) میں سے ایک موسیٰؑ جیسا (صاحب شریعت مستقلہ) نبی اٹھائے گا۔ اپنا کلام (قرآن کریم) اس کے منہ میں ڈالے گا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل۔۱۵) چنانچہ بنی اسمٰعیل کو یہ دولت ملی اور وہ علم و فضل حجت وبرہان اور مذہبی جدوجہد کے میدان مقابلہ میں نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ دنیا کی تمام اقوام سے گوئے سبقت لے گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ (تنبیہ) اس آیت کی تقریر کئی طرح سے کی گئی ہے لیکن ہم نے وہی تقریر اختیار کی جس کی طرف مترجم محقق قدس اللہ روحہ کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

۱۱۲۔ یعنی اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں: اور اسی کو خبر ہے کہ کس کو کیا بڑائی ملنی چاہیئے۔ نبوت، شریعت، ایمان واسلام اور ہر قسم کی مادی و روحانی فضائل و کمالات کا تقسیم کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے جس وقت جسے مناسب جانے عطا کرتا ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام۔۱۲۴)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور بعضے اہل کتاب میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ڈھیر مال کا تو ادا کر دیں تجھ کو اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ اگر تو انکے پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک کہ تو رہے اس کے سر پر کھڑا[۱۱۳] یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر امی لوگوں کے حق لینے میں کچھ گناہ[۱۱۴] اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہیں[۱۱۵]

۱۱۳۔ اہل کتاب کی خیانت اور امانت: اہل کتاب کی دینی خیانت و نفاق کے سلسلہ میں دنیوی خیانت کا ذکر آگیا۔ جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ جو لوگ چار پیسہ پر نیت خراب کر لیں اور امانتداری نہ برت سکیں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ دینی معاملات میں امین ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ان میں بہت سے وہ ہیں جن کے پاس زیادہ تو کیا، ایک اشرفی بھی امانت رکھی جائے تو تھوڑی دیر بعد مکر جائیں۔ اور جب تک کوئی تقاضہ کے لئے ہر وقت ان کے سر پر کھڑا نہ رہے اور پیچھا کرنے والا نہ ہو۔ امانت ادا نہ کریں۔ بیشک ان میں سب کا حال ایسا نہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر سونے کا ڈھیر رکھ دیا جائے تو ایک رتی خیانت نہ کریں۔ لیکن یہ ہی خوش معاملہ اور امین لوگ ہیں جو یہودیت سے بیزار ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہ۔

۱۱۴۔ یعنی پرایا حق کھانے کو یہ مسئلہ بنا لیا کہ عرب کے امی جو ہمارے مذہب پر نہیں، ان کا مال جس طرح ملے روا ہے۔ غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں۔ خصوصًا وہ عرب جو اپنا آبائی دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں۔ خدا نے ان کا مال ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔

۱۱۵۔ اہل کتاب اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں: یعنی جان بوجھ کر خدا کی طرف جھوٹی بات منسوب کر رہے ہیں۔ امانت میں خیانت کرنے کی خدا نے ہرگز اجازت نہیں دی۔ آج بھی اسلامی فقہ کا مسئلہ یہ ہی ہے کہ مسلم ہو یا کافر، کسی کی امانت میں خیانت جائز نہیں۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا قرار اور پرہیز گار ہے تو اللہ کو محبت ہے پرہیز گاروں سے[۱۱۶]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر تھوڑا سا مول[۱۱۷] ان کا کچھ حصہ نہیں آخرت میں اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا انکی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور انکے واسطے عذاب ہے دردناک[۱۱۸]

۱۱۶۔ اللہ کے عہد پر معاوضہ لینے والے: یعنی خیانت و بد عہدی میں گناہ کیوں نہیں۔ جب کہ خدا تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جو کوئی خدا کے اور بندوں کے جائز عہد پورے کرے اور خدا سے ڈر کر تقویٰ کی راہ چلے یعنی فاسد خیالات مذموم اعمال اور پست اخلاق سے پرہیز کرے، اسی سے خدا محبت کرتا ہے۔ اس میں امانت داری کی خصلت بھی آگئی۔

۱۱۷۔ یعنی جو لوگ دنیا کی متاع قلیل لے کر خدا کے عہد اور آپس کی قسموں کو توڑ ڈالتے ہیں، نہ باہمی معاملات درست رکھتے ہیں۔ نہ خدا سے جو قول و قرار کیا تھا اس پر قائم رہتے ہیں۔ بلکہ مال و جاہ کی حرص میں احکام شرعیہ کو بدلتے اور کتب سماویہ میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ ان کا انجام آگے مذکور ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ یہود میں صفت تھی کہ اللہ نے ان سے اقرار لیا تھا اور قسمیں دی تھیں کہ ہر نبی کے

مددگار رہیو۔ پھر غرض دنیا کے واسطے پھر گئے اور جو کوئی جھوٹی قسم کھائے دنیا لینے کے واسطے اس کا یہ ہی حال ہے۔

١١٨۔ اس قسم کی آیت سورۂ بقرہ کے اکیسویں رکوع میں گذر چکی، وہاں کے فوائد میں الفاظ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

وَ اِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَ هُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور ان میں ایک فریق ہے کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب تا کہ تم جانو کہ وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب میں اور کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہے اور وہ نہیں اللہ کا کہا[١١٩] اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان کر

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ اللّٰهُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحُكۡمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوۡلَ لِلنَّاسِ كُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّىۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰكِنۡ كُوۡنُوۡا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ ۙ﴿۷۹﴾

۷۹۔ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر[١٢٠] لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے[١٢١]

وَ لَا يَاۡمُرَكُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓـئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرۡبَابًا ‌ؕ اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۰﴾ ع ۸/۹ ١٦

۸۰۔ اور نہ یہ کہے تم کو کہ ٹھہرالو فرشتوں کو اور نبیوں کو رب[١٢٢] کیا تم کو کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو[١٢٣]

١١٩۔ کلام اللہ کی عبارت میں تحریف: یہ اہل کتاب کی تحریف کا حال بیان فرمایا۔ یعنی آسمانی کتاب میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھا گھٹا کر ایسے انداز اور لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف سننے والا دھوکہ میں آجائے۔ اور یہ سمجھے کہ یہ بھی آسمانی کتاب کی عبارت ہے یہ ہی نہیں بلکہ زبان سے دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے۔ حالانکہ نہ وہ مضمون کتاب میں موجود ہے اور نہ خدا کے پاس سے آیا ہے بلکہ خود اس تحریف شدہ کتاب کو بھی بہیأت مجموعی خدا کی کتاب نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس میں طرح طرح کے تصرفات اور جعلسازیاں کی گئی ہیں۔ آج بائبل کے جو نسخے دنیا میں موجود ہیں ان میں باہم شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض ایسے مضامین درج ہیں۔ جو قطعاً خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتے۔ اس کی کچھ تفصیل روح المعانی میں موجود ہے اور اثبات تحریف پر ہمارے علماء نے مبسوط بحثیں کی ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

۱۲۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا بیان: وفد نجران کی موجودگی میں بعض یہود و نصاریٰ نے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری اسی طرح پرستش کرنے لگیں؟ جیسے نصاریٰ عیسٰی بن مریمؑ کو پوجتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ کہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں۔ یا دوسروں کو اس کی دعوت دیں۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اس کام کے لئے نہیں بھیجا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی جس بشر کو حق تعالیٰ کتاب و حکمت اور قوت فیصلہ دیتا اور پیغمبری کے منصب جلیل پر فائز کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک پیغام الٰہی پہنچا کر لوگوں کو اس کی بندگی اور وفاداری کی طرف متوجہ کرے اس کا یہ کام کبھی نہیں ہو سکتا کہ ان کو خالص ایک خدا کی بندگی سے ہٹا کر خود اپنا یا کسی دوسری مخلوق کا بندہ بنانے لگے۔ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ خداوند قدوس نے جس کو جس منصب کا اہل جان کر بھیجا تھا، فی الواقع وہ اس کا اہل نہ تھا۔ دنیا کی کوئی گورنمنٹ بھی اگر کسی شخص کو ایک ذمہ داری کے عہدہ پر مامور کرتی ہے تو پہلے دو باتیں سوچ لیتی ہے۔ (۱) یہ شخص گورنمنٹ کی پالیسی کو سمجھنے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کی لیاقت رکھتا ہے یا نہیں (۲) گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل کرنے اور رعایا کو جادۂ وفاداری پر قائم رکھنے کی کہاں تک اس سے توقع کی جاسکتی ہے؟ کوئی بادشاہ یا پارلیمنٹ ایسے آدمی کو نائب السلطنت یا سفیر مقرر نہیں کر سکتی جس کی نسبت حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے یا اس کی پالیسی اور احکام سے انحراف کرنے کا ادنیٰ شبہ ہو بیشک یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کی قابلیت یا جذبہ وفاداری کا اندازہ حکومت صحیح طور پر نہ کر سکی ہو۔ لیکن خداوند قدوس کے یہاں یہ بھی احتمال نہیں۔ اگر کسی فرد کی نسبت اس کو علم ہے کہ یہ میری وفاداری اور طاعت شعاری سے بال برابر تجاوز نہ کرے گا تو محال ہے کہ وہ آگے چل کر اس کے خلاف ثابت ہو سکے۔ ورنہ علم الٰہی کا غلط ہونا لازم آتا ہے۔ العیاذ باللہ یہیں سے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ سمجھ میں آجاتا ہے (کما نبہ علیہ ابو حیان فی البحر و فصلہ مولانا قاسم العلوم و الخیرات فی تصانیفہ) پھر جب انبیاء علیہم السلام ادنیٰ عصیان سے پاک ہیں تو شرک اور خدا کے مقابلہ میں بغاوت کرنے کا امکان کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اس میں نصاریٰ کے اس دعوے کا بھی رد ہو گیا جو کہتے تھے کہ ابنیت و الوہیت مسیحؑ کا عقیدہ ہم کو خود مسیحؑ نے تعلیم فرمایا ہے۔ اور ان مسلمانوں کو بھی نصیحت کر دی گئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ہم سلام کے بجائے آپ کو سجدہ کریں تو کیا حرج ہے۔ اور اہل کتاب پر بھی تعریض ہو گئی جنہوں نے اپنے احبار و رہبان کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا۔ (العیاذ باللہ) تنبیہ مَا كَانَ لِبَشَرٍ الخ میں ابو حیان کے نزدیک اسی طرح کی نفی ہے جیسے مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل۔۶۰) میں یا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران۔۱۴۵) میں۔ وہو اصوب عندی۔

۱۲۱۔ موضح القرآن میں ہے جس کو اللہ نبی بنائے اور وہ لوگوں کو کفر و شرک سے نکال کر مسلمانی میں لائے، پھر کیونکر ان کو کفر سکھلائے گا۔ ہاں تم کو (اے اہل کتاب!) یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی۔ کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ نہیں رہی۔ اب میری صحبت میں پھر وہی کمال حاصل کرو۔ اور عالم، حکیم، فقیہہ، عارف، مدبر، متقی اور پکے خدا پرست بن جاؤ۔ اور یہ بات اب قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۲۲۔ جیسے نصاریٰ نے مسیحؑ و روح القدس کو بعض یہود نے عزیرؑ اور بعض مشرکین نے فرشتوں کو ٹھہرالیا تھا۔ جب فرشتے اور پیغمبر خدائی میں شریک نہیں ہو سکتے تو پتھر کے بت اور صلیب کی لکڑی تو کس شمار میں ہے۔

۱۲۳۔ یعنی پہلے تو ربانی (اللہ والا) اور مسلم موحد بنانے میں کوشش کی، جب لوگوں نے قبول کر لیا تو کیا پھر انہیں شرک و کفر کی طرف لے جا کر اپنی ساری محنت اور کمائی اپنے ہاتھ سے برباد کر دے گا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ
كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا
مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ
اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ
فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا[۱۲۴] فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں[۱۲۵]

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ پھر جو کوئی پھر جاوے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان[۱۲۶]

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اب کوئی اور دین ڈھونڈھتے ہیں سوا دین اللہ کے اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے[۱۲۷] اور اسی کی طرف سب پھر جاویں گے[۱۲۸]

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا
نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اترا ہم پر اور جو کچھ اترا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسٰی کو اور عیسٰی کو اور جو ملا سب نبیوں کو انکے پروردگار کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے ان میں کسی کو اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں[۱۲۹]

۱۲۴۔ انبیاء سے اللہ تعالیٰ کا عہد : یعنی کوئی نبی اپنی بندگی کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ بندگی صرف ایک خدا کی سکھائی جاتی ہے۔ البتہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں ان کا کہا مانیں، اور ہر قسم کی مدد کریں۔ عام لوگوں کا تو کیا ذکر ہے، حق تعالیٰ نے خود پیغمبروں سے بھی یہ پختہ عہد لے چھوڑا ہے کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے (جو یقیناً پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں کی اجمالاً یا تفصیلاً تصدیق کرتا ہوا آئے گا) تو ضروری ہے کہ پہلا نبی پچھلے کی صداقت پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔ اگر اس کا زمانہ پائے تو بذات خود بھی اور نہ پائے تو اپنی امت کو پوری طرح ہدایت و تاکید کر جائے کہ بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لا کر اس کی اعانت و نصرت کرنا، کہ یہ وصیت کر جانا بھی اس کی مدد کرنے میں داخل ہے۔ اس عام قاعدہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور انکی مدد کرنے کا

عہد بلا استثناء تمام انبیائے سابقین سے لیا گیا ہو گا اور انہوں نے اپنی اپنی امتوں سے یہ ہی قول و قرار لئے ہوں گے۔ کیونکہ ایک آپ ہی کی مخزن الکمالات ہستی تھی جو عالم غیب میں سب سے پہلے اور عالم شہادت میں سب انبیاء کے بعد جلوہ افروز ہونے والی تھی، اور جس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا اور آپ ہی کا وجود باجود تمام انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ اس قسم کا عہد انبیاء سے لیا گیا۔ اور خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آج موسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بدون چارہ نہ ہوتا۔ اور فرمایا کہ عیسیٰؑ جب نازل ہوں گے تو کتاب اللہ (قرآن کریم) اور تمہارے نبی کی سنت پر فیصلے کریں گے۔ محشر میں شفاعت کُبریٰ کے لئے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدمؑ کا آپ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء کی امامت کرانا، حضور ﷺ کی اسی سیادت عامّہ اور امامت عظمیٰ کے آثار میں سے ہے۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد وبارک وسلم۔

۱۲۵۔ یہ الفاظ محض عہد کی تاکید و اہتمام کے لئے فرمائے۔ کیونکہ جس عہد نامہ پر خدا تعالیٰ اور پیغمبروں کی گواہی ہو اس سے زیادہ پکی دستاویز کہاں ہو سکتی ہے۔

۱۲۶۔ جس چیز کا عہد خدا نے تمام انبیاء سے لیا اور انبیاء نے اپنی اپنی امتوں سے۔ اب اگر دنیا میں کوئی شخص اس سے روگردانی کرے تو بلا شبہ پرلے درجہ کا بدعہد اور نافرمان ہوگا۔ بائبل، اعمال رسل، باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی سے شروع کیا، اپنی حالت پر آویں، کیونکہ موسیٰؑ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اسکی سب سنو۔

۱۲۷۔ اسلام کے سوا کوئی دین نہیں: یعنی ہمیشہ سے خدا کا دین اسلام رہا ہے، جس کے معنی ہیں حکمبرداری مطلب یہ ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ کا جو حکم کسی راست باز اور صادق القول پیغمبر کے توسط سے پہنچے اس کے سامنے گردن جھکا دو۔ پس آج جو احکام و ہدایت سید المرسلین خاتم الانبیاء لے کر آئے وہ ہی خدا کا دین ہے۔ کیا اسے چھوڑ کر نجات و فلاح کا کوئی اور راستہ ڈھونڈتے ہیں؟ خوب سمجھ لیں کہ خدا کا دین چھوڑ کر کہیں ابدی نجات اور حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ آدمی کو سزاوار نہیں کہ اپنی خوشی اور شوق و رغبت سے اس خدا کی حکمبرداری اختیار نہ کرے جس کے حکم تکوینی کے نیچے تمام آسمان و زمین کی چیزیں ہیں۔ خواہ وہ حکم تکوینی ان کے ارادہ اور خوشی کے توسط سے ہو جیسے فرشتے اور فرمانبردار بندوں کی اطاعت میں، یا مجبوری ولاچاری سے، جیسے عالم کا ذرہ ذرہ ان آثار و حوادث میں جن کا وقوع و ظہور بدون مخلوق کی مشیت و ارادہ کے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے تابع ہے۔

۱۲۸۔ سب کو آخر کار جب وہیں لوٹ کر جانا ہے تو عقلمند کو چاہئے کہ پہلے سے تیاری کر رکھے۔ یہاں نافرمانیاں کیں تو وہاں کیا منہ دکھلائے گا۔

۱۲۹۔ تمام انبیاء برحق تھے: یعنی جو کچھ جس زمانہ میں خدا کی طرف سے اترا یا کسی پیغمبر کو دیا گیا، ہم بلا تفریق سب کو حق مانتے ہیں ایک مسلم فرمانبردار کا یہ وتیرہ نہیں کہ خدا کے بعض پیغمبروں کو مانے بعض کو نہ مانے، گویا اخیر میں وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کہہ کر اسلام کی حقیقت بتلادی اور آگاہ کر دیا کہ اسلام کسی نبی برحق اور کسی آسمانی کتاب کی تکذیب کا روادار نہیں۔ اس کے نزدیک جس طرح قرآن کریم اور پیغمبر عربی ﷺ کا نہ ماننا کفر ہے ایسے ہی کسی ایک نبی یا کتاب سماوی کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ بیشک پیغمبر آخر الزماں کی یہ ہی شان ہونی چاہئے کہ وہ تمام پہلی کتابوں اور نبوتوں کا مصدق ہو، اور اس طرح کی تمام اقوام کو جن کے پاس مقامی نذیر و ہادی آتے رہے تھے، جامعیت کبریٰ کے سب سے بڑے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کا راستہ بتلائے (تنبیہ) اسی قسم کی آیت پارۂ الٓمٓ کے آخر میں آچکی ہے اس کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہر گز قبول نہ ہو گا[۱۳۰] اور وہ آخرت میں خراب ہے[۱۳۱]

۱۳۰۔ *اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں:* یعنی جب خدا کا دین (اسلام) اپنی مکمل صورت میں آ پہنچا تو کوئی جھوٹا یا نامکمل دین قبول نہیں کیا جا سکتا۔ طلوع آفتاب کے بعد مٹی کے چراغ جلانا یا گیس بجلی اور ستاروں کی روشنی تلاش کرنا محض لغو اور کھلی حماقت ہے۔ مقامی نبوتوں اور ہدایتوں کا عہد گذر چکا۔ اب سب سے بڑی اور عالمگیر نبوت و ہدایت سے ہی روشنی تلاش کرنی چاہئے کہ یہ ہی تمام روشنیوں کا خزانہ ہے جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں۔

فانک شمس والملوک کواکب اذا طلعت لم یبد منہن کوکب۔

۱۳۱۔ یعنی ثواب و کامیابی سے قطعًا محروم ہے۔ اس سے بڑا خسارہ کیا ہو گا کہ راس المال ہی کھو بیٹھا۔ حق تعالیٰ نے جس صحیح فطرت پر پیدا کیا تھا اپنے سوٗ اختیار اور غلط کاری سے اسے بھی تباہ کر ڈالا۔

کَیۡفَ یَہۡدِی اللّٰہُ قَوۡمًا کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ وَ شَہِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّ جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ کیونکر راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لا کر اور گواہی دے کر کہ بیشک رسول سچا ہے اور آئیں ان کے پاس نشانیاں روشن اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو[۱۳۲]

اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمۡ اَنَّ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃَ اللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿ۙ۸۷﴾

۸۷۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی[۱۳۳]

خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿ۙ۸۸﴾

۸۸۔ ہمیشہ رہیں گے اس میں[۱۳۴] نہ ہلکا ہو گا ان سے عذاب اور نہ ان کو فرصت ملے[۱۳۵]

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡا ۟ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور نیک کام کئے تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے[۱۳۶]

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّنۡ

۹۰۔ جو لوگ منکر ہوئے مان کر پھر بڑھتے رہے انکار میں

تُقۡبَلَ تَوۡبَتُهُمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴿٩٠﴾

ہرگز قبول نہ ہو گی ان کی توبہ اور وہی ہیں گمراہ[۱۳۷]

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ يُّقۡبَلَ
مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰى
بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ وَّمَا لَهُمۡ مِّنۡ
نّٰصِرِيۡنَ ﴿٩١﴾ ع

۹۱۔ جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہرگز قبول نہ ہو گا کسی ایسے سے زمین بھر کو سونا[۱۳۸] اور اگرچہ بدلا دیوے اس قدر سونا ان کو عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ان کا مددگار[۱۳۹]

ع ٩ ١١ ١٧

۱۳۲۔ جھٹلانے والوں کا دردناک انجام: جن لوگوں نے وضوع حق کے بعد جان بوجھ کر کفر اختیار کیا۔ یعنی دل میں یقین رکھتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ سچا رسول ہے۔ اس کی حقانیت و صداقت کے روشن دلائل، کھلے نشانات اور صاف بشارات ان کو پہنچ چکی ہیں۔ اس پر بھی کبر و حسد اور حب جاہ و مال، اسلام قبول کرنے اور کفر و عدوان کے چھوڑنے سے مانع ہے۔ جیسا کہ عموماً یہود و نصاریٰ کا حال تھا۔ ایسے ہٹ دھرم، ضدی معاندین کی نسبت کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ باوجود اس طرح کا رویہ قائم رکھنے کے خدا تعالیٰ ان کو نجات و فلاح اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر لے جائے گا یا جنت پہنچنے کی راہ دے گا۔ اس کی عادت نہیں کہ ایسے بے انصاف متعصب ظالموں کو حقیقی کامیابی کی راہ دے۔ اسی پر ان بدبختوں کو قیاس کر لو جو قلبی معرفت و یقین کے درجہ سے بڑھ کر ایک مرتبہ مسلمان بھی ہو چکے تھے۔ پھر دنیوی اغراض اور شیطانی اغواء سے مرتد ہو گئے۔ یہ ان پہلوں سے بھی زیادہ کجرو اور بے حیا واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے ان سے بڑھ کر لعنت و عقوبت کے مستحق ہوں گے۔

۱۳۳۔ یعنی خدا، فرشتے اور مسلمان لوگ سب ان پر لعنت بھیجتے ہیں، بلکہ ہر انسان حتّٰی کہ وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت کرتے ہیں جب کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ گو اس وقت سمجھتے نہیں کہ یہ لعنت خود ان ہی پر واقع ہو رہی ہے۔

۱۳۴۔ یعنی اس لعنت کا اثر ہمیشہ رہے گا۔ دنیا میں پھٹکار اور آخرت میں خدا کی مار۔

۱۳۵۔ یعنی انہیں نہ کسی وقت عذاب کی شدت میں کمی محسوس ہو گی اور نہ ذرا سی دیر کے لئے عذاب ملتوی کر کے آرام دیا جائے گا۔

۱۳۶۔ ایسے سخت بے حیا مجرموں اور شدید ترین باغیوں کو کون بادشاہ معافی دے سکتا ہے؟ لیکن یہ اس غفور رحیم ہی کی بارگاہ ہے کہ اس قدر شدید جرائم اور بغاوتوں کے بعد بھی اگر مجرم نادم ہو کر سچے دل سے توبہ اور نیک چال چلن اختیار کر لے تو سب گناہ ایک قلم معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اللھم اغفر ذنوبی فانك غفور رحیم الخ

۱۳۷۔ رسمی توبہ سے معافی نہیں ہو گی: یعنی جو لوگ حق کو مان کر اور سمجھ بوجھ کر منکر ہوئے پھر اخیر تک انکار میں ترقی کرتے رہے، نہ کبھی کفر سے ہٹنے کا نام لیا، نہ حق اور اہل حق کی عداوت ترک کی، بلکہ حق پرستوں کے ساتھ بحث و مناظرہ اور جنگ و جدل کرتے رہے۔ جب مرنے کا وقت آیا اور فرشتے جان نکالنے لگے تو توبہ کی سوجھی۔ یا کبھی کسی مصلحت سے ظاہر طور پر رسمی الفاظ توبہ کے کہہ لئے یا کفر پر برابر قائم رہتے ہوئے

بعض دوسرے اعمال سے توبہ کرلی جنہیں اپنے زعم میں گناہ سمجھ رہے تھے۔ یہ توبہ کسی کام کی نہیں بارگاہ رب العزت میں اس کے قبول کی کوئی امید نہ رکھیں۔ ایسے لوگوں کو سچی توبہ نصیب ہی نہ ہو گی جو قبول ہو۔ ان کا کام ہمیشہ گمراہی کی وادیوں میں پڑے بھٹکتے رہنا ہے۔

۱۳۸۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں: یعنی دنیا کی حکومتوں کی طرح وہاں سونے چاندی کی رشوت نہ چلے گی، وہاں تو صرف دولت ایمان کام دے سکتی ہے۔ فرض کرو ایک کافر کے پاس اگر اتنا ڈھیر سونے کا ہو جس سے ساری زمین بھر جائے اور وہ سب کا سب پُن خیرات کر دے تو خدا کے یہاں اس کی ذرہ برابر وقعت نہیں نہ آخرت میں یہ عمل کچھ کام دے گا۔ کیونکہ عمل کی روح ایمان ہے جو عمل روح ایمان سے خالی ہو مردہ عمل ہو گا۔ جو آخرت کی ابدی زندگی میں کام نہیں دے سکتا۔

۱۳۹۔ یعنی اگر فرض کرو کافر کے پاس وہاں اتنا مال ہو اور خود اپنی طرف سے درخواست کرکے بطور فدیہ پیش کرے کہ یہ لے کر مجھے چھوڑ دو تب بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اور بدون پیش کئے تو پوچھتا ہی کون ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ اَنَّ لَہُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا وَّ مِثۡلَہٗ مَعَہٗ لِیَفۡتَدُوۡا بِہٖ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡہُمۡ ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (مائدہ۔۳۶)۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ ہرگز حاصل نہ کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو معلوم ہے [۱۴۰]

۱۴۰۔ محبوب چیزیں خرچ کرنے کی فضیلت: یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ کیسی چیز خرچ کی، کہاں خرچ کی اور کس کے لئے خرچ کی۔ جتنی محبوب اور پیاری چیز جس طرح کے مصرف میں جس قدر اخلاص و حسن نیت سے خرچ کرو گے اسی کے موافق خدا تعالیٰ کے یہاں سے بدلہ ملنے کی امید رکھو اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہو تو اپنی محبوب و عزیز ترین چیزوں میں سے کچھ خدا کے راستہ میں نکالو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہوا ہو اس کے خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے، یوں ثواب ہر چیز میں ہے شاید یہود (و نصاریٰ) کے ذکر میں یہ آیت اس واسطے نازل فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت عزیز تھی جسکے تھامنے کو نبی کے تابع نہ ہوتے تھے۔ تو جب تک وہ ہی اللہ کے راستہ میں نہ چھوڑیں درجہ ایمان نہ پائیں گے۔ پہلی آیت سے یہ مناسبت ہوئی کہ وہاں کافر کا مال خرچ کرنا بیکار بتلایا تھا، اب اس کے بالمقابل بتلا دیا کہ مومن جو خرچ کرے اس سے نیکی میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىۃُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىۃِ فَاتۡلُوۡہَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر وہ جو حرام کر لی تھی اسرائیل نے اپنے اوپر توریت نازل ہونے سے پہلے [۱۴۱] تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو [۱۴۲]

فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ؔ

۹۴۔ پھر جو کوئی جوڑے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بڑے بے انصاف [۱۴۳]

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک ہی کا ہو رہا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا[۱۴۴]

۱۴۱۔ تحریم حلال کی نذر کا مسئلہ: یہود آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے کو دین ابراہیمؑ پر کیسے بتلاتے ہو جبکہ وہ چیزیں کھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے گھرانے پر حرام کی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیمؑ کے وقت میں حلال تھیں۔ جب تک تورات نازل ہوئی، بیشک تورات میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اونٹ تورات سے پہلے حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کو عرق النساء کا درد تھا، اس وقت نذر کی کہ اگر صحت پائی تو جو چیز میری رغبت کی ہے اسے چھوڑ دوں گا۔ ان کو یہ ہی (اونٹ کا گوشت اور دودھ) بہت مرغوب تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔ اس قسم کی نذر جو تحریم حلال پر مشتمل ہو ہماری شریعت میں روا نہیں کما قال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (تحریم۔ ۱) اگر کرلی تو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔ (تنبیہ) پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا۔ اس آیت میں یعقوبؑ کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینا مذکور ہے۔ اس طرح دونوں آیتوں میں لطیف مناسبت ہوگئی۔ نیز ان آیات میں متنبہ کیا گیا ہے کہ پہلی شرائع میں نسخ واقع ہوا ہے جو چیز ایک زمانہ میں حلال تھی بعد میں حرام ہوگئی۔ اگر اسی طرح شریعت محمدیہ اور شرائع سابقہ میں حلال و حرام کے اعتبار سے تفاوت ہو تو انکار و استبعاد کی کوئی وجہ نہیں۔

۱۴۲۔ یہودیوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چیلنج: یعنی اگر تم سچے ہو کہ یہ چیزیں ابراہیمؑ کے زمانہ سے حرام تھیں تو لاؤ یہ مضمون خود اپنی مسلم کتاب تورات میں دکھلا دو۔ اگر اس میں بھی نہ نکلا تو تمہارے کاذب و مفتری ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ روایات میں ہے کہ یہود نے یہ زبردست چیلنج منظور نہ کیا۔ اور اس طرح نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صداقت پر ایک اور دلیل قائم ہوگئی۔

۱۴۳۔ یعنی بڑی بے انصافی ہوگی اگر اس کے بعد بھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ گاتے رہو کہ نہیں، یہ چیزیں ابراہیمؑ کے زمانہ سے حرام ہیں اور دین ابراہیمؑ کے اصلی پیرو ہم ہیں۔

۱۴۴۔ یعنی خدا تعالیٰ نے حرام و حلال کے متعلق نیز اسلام اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے باب میں سچی سچی اور کھری کھری باتیں تم کو سنا دیں جن کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اب چاہیئے کہ تم بھی مسلمانوں کی طرح اصلی دین ابراہیمؑ کی پیروی اور اس کے اصول کا اتباع کرنے لگو۔ جن میں سب سے بڑی چیز توحید خالص تھی۔ چاہیئے کہ تم بھی عزیزؑ و مسیحؑ اور احبار و رہبان کی پرستش چھوڑ کر پکے موحد مسلم بن جاؤ۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹۶﴾

۹۶۔ بیشک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے[۱۴۵] برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو

۱۴۵۔ سب سے پہلا گھر کعبہ: مسلمانوں کے اس دعوے پر کہ ہم سب سے زیادہ ابراہیمؑ سے اشبہ و اقرب ہیں، یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ ابراہیمؑ نے وطن اصلی (عراق) چھوڑ کر شام کو ہجرت کی، وہیں رہے وہیں وفات پائی، بعدہٗ ان کی اولاد شام میں رہی، کتنے انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے سب کا قبلہ بیت المقدس رہا کیا، پھر تم حجاز کے رہنے والے جنہوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے۔ اور سرزمین شام سے دور ایک طرف پڑے ہو کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہو کہ ابراہیمؑ و ملت ابراہیمؑ سے تم کو زیادہ قرب و مناسبت حاصل

ہے۔ اس آیت میں معترضین کو بتلایا گیا کہ بیت المقدس وغیرہ مقامات مقدسہ تو بعد میں تعمیر ہوئے ہیں دنیا میں سب سے پہلا متبرک گھر جو لوگوں کی توجہ الی اللہ کے لئے مقرر کیا گیا اور بطور ایک عبادت گاہ اور نشان ہدایت کے بنایا گیا، وہ یہ ہی کعبہ شریف ہے جو اس مبارک شہر مکہ معظمہ میں واقع ہوا ہے۔

فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ‌ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ‌ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا[۱۴۶] اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اسکی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی[۱۴۷]

۱۴۶۔ بیت اللہ کی برکات اور اہمیت: حق تعالیٰ نے شروع سے اس گھر کو ظاہری و باطنی، حسّی و معنوی برکات سے معمور کیا اور سارے جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ روئے زمین پر جس کسی مکان میں برکت و ہدایت پائی جاتی ہے اسی بیت المقدس کا ایک عکس اور پرتو سمجھنا چاہئے۔ یہیں سے رسول الثقلین کو اٹھایا، مناسک حج ادا کرنے کے لئے سارے جہان کو اسی کی طرف دعوت دی، عالمگیر مذہب اسلام کے پیروؤں کو مشرق و مغرب میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس کے طواف کرنے والوں پر عجیب و غریب برکات و انوار کا افاضہ فرمایا۔ انبیائے سابقین بھی حج ادا کرنے کے لئے نہایت شوق و ذوق سے تلبیہ پکارتے ہوئے اسی شمع کے پروانے بنے اور طرح طرح کی ظاہر و باہر نشانیاں قدرت نے بیت اللہ کی برکت سے اس سرزمین میں رکھ دیں۔ اسی لئے ہر زمانہ میں مختلف مذاہب اس کی غیر معمولی تعظیم و احترام کرتے رہے اور ہمیشہ وہاں داخل ہونے والے کو مامون سمجھا گیا اس کے پاس مقام ابراہیم کی موجودگی پتہ دے رہی ہے کہ یہاں ابراہیمؑ کے قدم آئے ہیں۔ اور اس کی تاریخ جو تمام عرب کے نزدیک بلانکیر مسلم چلی آرہی ہے بتلاتی ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیمؑ نے کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر کا وجود ایک ٹھوس دلیل اس کی ہے کہ یہ گھر طوفان نوح کی تباہی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے پاک ہاتھوں سے تعمیر ہوا جن کی مدد کے لئے حضرت اسمٰعیلؑ شریک کار رہے جیسا کہ پارہ الٓمّ کے آخر میں گذر چکا ہے۔

۱۴۷۔ بیت اللہ کے حج کا حکم: اس پاک گھر میں جمال خداوندی کی کوئی خاص تجلی ہے جس کی وجہ سے ادائے حج کے لئے اسے مخصوص کیا گیا۔ کیونکہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی ہر ادا اس جمیل مطلق اور محبوب برحق کے عشق و محبت کے جذبہ کا اظہار کرتی ہے پس ضروری ہے کہ جسے اس کی محبت کا دعویٰ ہو اور بدنی و مالی حیثیت سے بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیار محبوب میں حاضری دے اور دیوانہ وار وہاں کا چکر لگائے (اس مضمون کو حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ نے قبلہ نما میں بڑے شرح و بسط سے لکھا ہے) جو مدعی محبت اتنی تکلیف اٹھانے سے بھی انکار کرے سمجھ لو کہ جھوٹا عاشق ہے۔ اختیار ہے جہاں چاہے دھکے کھاتا پھرے خود محروم و مہجور رہے گا۔ اس محبوب حقیقی کو کسی کی کیا پرواہ ہے کوئی یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اس کا کیا بگڑتا ہے۔ (احکام حج کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھنی چاہئے)

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ‌ۖ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ تو کہہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور اللہ کے روبرو ہے جو تم کرتے ہو[۱۴۸]

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّ اَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ تو کہہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو کہ ڈھونڈتے ہو اس میں عیب اور تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے [۱۴۹]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے بعضے اہل کتاب کا تو پھر کر دیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر [۱۵۰]

وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ‌ؕ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

۱۰۱۔ اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو تو اس کو ہدایت ہوئی سیدھے رستہ کی [۱۵۱]

ع ۱۰ / ۱

۱۴۸۔ **اہل کتاب کو تنبیہ**: پہلے سے خطاب یہود و نصاریٰ کو کیا جا رہا تھا، درمیان میں ان کے بعض شبہات کا جواب دیا گیا۔ یہاں سے پھر ان کو تنبیہ و توبیخ کی گئی۔ یعنی حق و صداقت کے واضح دلائل اور قرآن کریم کی ایسی سچی اور پکی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں کیا ہوا کہ باوجود اہل کتاب کہلانے کے برابر کلام اللہ اور اس کے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو۔ یاد رکھو تمہاری سب کارروائیاں خدا کے سامنے ہیں تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے، جس وقت پکڑے گا رتی رتی کا حساب لے کر چھوڑے گا۔

۱۴۹۔ یعنی نہ صرف یہ کہ خود ایمانی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہو، دوسروں کو بھی چاہتے ہو کہ اللہ کے راستہ سے روک دو اور جو سعید روحیں مشرف بہ ایمان ہو چکی ہیں۔ ان کو اسلام کے فرضی عیب بتلا کر دین اسلام سے واپس لے آؤ۔ پھر یہ حرکتیں محض جہل و بیخبری سے نہیں کر رہے بلکہ سمجھ بوجھ کر سیدھی باتوں کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی فکر میں رہتے ہو، تمہارے اس ہیر پھیر سے خدا بے خبر نہیں۔ مناسب وقت پر اکھٹی سزا دے گا۔

۱۵۰۔ **مومنین کو نصیحتیں**: پہلے اہل کتاب کو ڈانٹا گیا تھا کہ جان بوجھ کر کیوں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہو۔ یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ تم ان مفسدین کے بھرے میں نہ آنا، اگر ان کے اشاروں پر چلو گے تو اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ نور ایمان سے نکل کر کفر کے تاریک گڑھے میں دوبارہ نہ جا گرو۔

۱۵۱۔ یعنی بہت بعید ہے کہ وہ قوم ایمان لائے پیچھے کافر بن جائے یا کافروں جیسے کام کرنے لگے، جس کے درمیان خدا کا عظیم الشان پیغمبر جلوہ

افروز ہو، جو شب و روز ان کو اللہ کا روح پرور کلام اور اس کی تازہ بتازہ آیتیں پڑھ کر سنتا رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس نے ہر طرف سے قطع نظر کر کے ایک خدا کو مضبوط پکڑ لیا اور اسی پر دل سے اعتماد و توکل کیا اسے کوئی طاقت کامیابی کے سیدھے رستے سے ادھر ادھر نہیں ہٹا سکتی۔
(تنبیہ) انصار مدینہ کے دو خاندانوں اوس و خزرج کے باہم اسلام سے قبل سخت عداوت اور دشمنی تھی، ذرا ذرا بات پر لڑائی اور خونریزی کا بازار گرم ہو جاتا تھا جو برسوں تک سرد نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ بعاث کی مشہور جنگ ایک سو بیس سال تک رہی آخر پیغمبر عربی ﷺ کی ہجرت پر ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسلام کی تعلیم اور نبی کریم ﷺ کے فیض صحبت نے دونوں قبیلوں کو جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے ملا کر شیر و شکر کر دیا اور نہایت مضبوط برادرانہ تعلقات قائم کر دیے۔ یہود مدینہ کو ان دونوں حریف خاندانوں کا اس طرح مل بیٹھنا اور متفقہ طاقت سے اسلام کی خدمت و حمایت کرنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ایک اندھے یہودی شماس بن قیس نے کسی فتنہ پرداز شخص کو بھیجا کہ جس مجلس میں دونوں خاندان جمع ہوں وہاں کسی ترکیب سے بعاث کی لڑائی کا ذکر چھیڑ دے۔ چنانچہ اس نے مناسب موقع پا کر بعاث کی یاد تازہ کرنے والے اشعار سنانے شروع کر دیے۔ اشعار کا سننا تھا کہ ایک مرتبہ بجھی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں۔ زبانی جنگ سے گذر کر ہتھیاروں کی لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ نبی کریم ﷺ جماعت مہاجرین کو ہمراہ لئے ہوئے موقع پر پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے گروہ مسلمین! اللہ سے ڈرو، میں تم میں موجود ہوں۔ پھر یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ خدا نے تم کو ہدایت دی۔ اسلام سے مشرف کیا۔ جاہلیت کی تاریکیوں کو محو فرما دیا۔ کیا ان ہی کفریات کی طرف پھر الٹے پاؤں لوٹنا چاہتے ہو۔ جن سے نکل کر آئے تھے۔ اس پیغمبرانہ آواز کا سننا تھا کہ شیطانی جال کے سب حلقے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ اوس و خزرج نے ہتھیار پھینک دیے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ سب نے سمجھ لیا کہ یہ سب ان کے دشمنوں کی فتنہ انگیزی تھی۔ جس سے آئندہ ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ کئی آیتیں نازل ہوئیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیئے اس سے ڈرنا اور نہ مریو مگر مسلمان[۱۵۲]

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۖ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو[۱۵۳] اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی[۱۵۴] اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی[۱۵۵] اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ[۱۵۶]

۱۵۲۔ تقویٰ اختیار کرو: یعنی ہر مسلمان کے دل میں پورا ڈر خدا کا ہونا چاہیئے کہ اپنے مقدور بھر پرہیز گاری و تقویٰ کی راہ سے نہ ہٹے اور ہمیشہ اس سے استقامت کا طالب رہے۔ شیاطین چاہتے ہیں کہ تمہارا قدم اسلام کے راستہ سے ڈگمگا دیں۔ تم کو چاہئے کہ انہیں مایوس کر دو۔ اور مرتے دم تک کوئی حرکت مسلمانی کے خلاف نہ کرو۔ تمہارا جینا اور مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہئے۔

۱۵۳۔ اللہ کی رسی کو تھامے رہو: یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔ اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے، کوئی شیطان شر انگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی۔ قرآن کریم سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے۔ لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء و ہواء کا تختہ مشق بنا لیا جائے بلکہ قرآن کریم کا مطلب وہ ہی معتبر ہو گا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو۔

۱۵۴۔ اسلامی اخوت و اتحاد: یعنی صدیوں کی عداوتیں اور کینے نکال کر خدا نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی برکات سے تم کو بھائی بھائی بنا دیا۔ جس سے تمہارا دین اور دنیا دونوں درست ہوئے۔ اور ایسی ساکھ قائم ہو گئی جسے دیکھ کر تمہارے دشمن مرعوب ہوتے ہیں یہ برادرانہ اتحاد خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے جو روئے زمین کا خزانہ خرچ کر کے بھی میسر نہ آسکتی تھی۔

۱۵۵۔ یعنی کفر و عصیان کی بدولت دوزخ کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے کہ موت آئی اور اس میں گرے۔ خدا نے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اس سے بچایا اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعے سے ایمان و ایقان کی روشنی سینوں میں ڈالی۔ حق تعالیٰ کے ان عظیم الشان دینی و دنیوی احسانات کو یاد رکھو گے تو کبھی گمراہی کی طرف واپس نہ جاؤ گے۔

۱۵۶۔ یعنی یہ باتیں اس قدر کھول کھول کر سنانے سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ٹھیک راستہ پر چلتے رہو۔ ایسی مہلک و خطرناک غلطی کا پھر اعادہ نہ کرو اور کسی شیطان کے اغواء سے استقامت کی راہ نہ چھوڑو۔

وَ لۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اور چاہیئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو[۱۵۷]

وَ لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَ اخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۰۵﴾ۙ

۱۰۵۔ اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے[۱۵۸]

۱۵۷۔ علماء کی جماعت کی ضرورت: یعنی تقویٰ، اعتصام بحبل اللہ، اتحاد و اتفاق قومی زندگی، اسلامی مواخات، یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جبکہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد کے لئے قائم رہے۔ اس کا وظیفہ یہ ہی ہو کہ اپنے قول و عمل سے دنیا کو قرآن و

سنت کی طرف بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے، اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہ ہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف و منکر کا علم رکھنے اور قرآن و سنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں، ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کر دے یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے۔ جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے حدوث کا موجب ہو جائے۔ یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے۔ شاید اسی لئے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو۔ حدیث میں ہے کہ جب لوگ منکرات میں پھنس جائیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔ باقی یہ کہ کن احوال و اوقات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک میں آدمی معذور سمجھا جا سکتا ہے اور کن مواقع میں واجب یا مستحب ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ابو بکر رازیؒ نے احکام القرآن میں اس پر نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

۱۵۸۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف میں نہ پڑو: یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام و اہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہو گئے۔ آخر فرقہ بندیوں نے ان کے مذہب و قومیت کو تباہ کر ڈالا۔ اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے۔ (تنبیہ) اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم و مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کئے جائیں افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف و صریح ار مسلم و محکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں تاہم اسی طوفان بے تمیزی میں اللہ و رسول ﷺ کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بحمد اللہ خدا کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے۔ ما انا علیہ واصحابی کے مسلک پر قائم ہے اور تا قیام قیامت تک قائم رہے گی۔ باقی فروعی اختلافات جو صحابہؓ اور آئمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں۔ ان کو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف میں کافی و شافی بحث کی ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۱۰۶

۱۰۶۔ جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے منہ اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ [۱۵۹] سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے منہ ان کے ان سے کہا جائے گا کیا تم کافر ہو گئے ایمان لا کر [۱۶۰] اب چکھو عذاب بدلا اس کفر کرنے کا

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۷

۱۰۷۔ اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے منہ ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [۱۶۱]

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۸

۱۰۸۔ یہ حکم ہیں اللہ کے ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر [۱۶۲]

وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ
تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

۱۰۹۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ کی طرف رجوع ہے ہر کام کا[۱۶۳]

۱۵۹۔ یعنی بعضوں کے چہرہ پر ایمان و تقویٰ کا نور چمکتا ہوگا اور عزت و وقار کے ساتھ شاداں و فرحاں نظر آئیں گے۔ ان کے برخلاف بعضوں کے منہ کفر و نفاق یا فسق و فجور کی سیاہی سے کالے ہوں گے، صورت سے ذلت و رسوائی ٹپک رہی ہوگی۔ گویا ہر ایک کا ظاہر باطن کا آئینہ بن جائے گا۔

۱۶۰۔ اس آیت کے مخاطبین: یہ الفاظ مرتدین، منافقین، اہل کتاب، عام کفار یا بدعتین و فساق و فجار سب کو کہے جاسکتے ہیں۔ مرتد تو اسی کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے۔ منافق زبان سے اقرار کرنے کے بعد دل سے کافر رہتا ہے۔ اہل کتاب اپنے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بشارتوں کو جو نبی کریم ﷺ کے متعلق دی گئی تھیں، تسلیم کریں اور ان کی ہدایات کے موافق حضور ﷺ پر ایمان لائیں مگر وہ انکار میں سب سے آگے رہتے ہیں گویا اپنے نبی اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد کافر بن رہے ہیں۔ بدعتین کا دعویٰ زبان سے یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن و سنت کے متبع ہیں اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لاچکے ہیں مگر اس کے بعد بہت سی بے اصل اور باطل چیزیں دین میں ڈال کر کے یا بعض ضروریات دین کا انکار کر کے اصلی دین سے نکل جاتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی ایک درجہ میں اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ کے مخاطب ہوئے۔ رہے فساق جن کا عقیدہ صحیح ہو اگر ان سے یہ خطاب ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ ایمان لانے کے بعد کافروں جیسے عمل کیوں کئے۔ گویا کفر سے عملی کفر مراد ہوگا۔ اور اگر عام کفار کے حق میں یہ خطاب مانا جائے تو یہ حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے سب کو دین فطرت پر پیدا کیا اس فطرت ایمانی کو ضائع کر کے کافر کیوں بنے۔ باقی سیاق آیات سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کفر سے کفر فعلی یعنی اختلاف و تفریق مذموم مراد ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۶۱۔ یعنی جنت میں۔ کیونکہ جنت محض عمل سے نہیں ملتی۔ عمل کے بعد خدا کی رحمت سے ملتی ہے اور وہ ہی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی رحمت کے سامان کئے ہیں۔ ؎ بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد۔

۱۶۲۔ حقیقی معنی میں ظلم تو وہاں ممکن ہی نہیں لیکن ظاہری طور پر جسے تم ظلم کہہ سکتے ہو۔ اس کا صدور بھی خدا تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ مثلاً ایسے سخت احکام بندوں کو بھیجے جن سے غرض محض ستانا اور دق کرنا ہو۔ یا مستحق رحمت پر عذاب کرنے لگے یا تھوڑی سزا کی جگہ زائد سزا جاری کر دے، یا کسی کی ادنیٰ ترین نیکی کا صلہ نہ دے وغیر ذٰلک۔ خوب سمجھ لو، اس کا جو حکم ہے خاص بندوں کی تربیت کے لئے اور جو معاملہ کسی کے ساتھ ہے عین حکمت و مصلحت کے موافق ہے۔

۱۶۳۔ جب ہر چیز اللہ کی مملوک و مخلوق اور ہر کام کا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے تو ظلم کیونکر اور کس لئے کیا جائے گا۔

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ
بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ تَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ
بِاللّٰہِ ؕ وَ لَوۡ اٰمَنَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ
مِنۡہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ اَکۡثَرُہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں[۱۶۴] حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے[۱۶۵] اور ایمان لاتے ہو اللہ پر[۱۶۶] اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا کچھ تو ان میں سے ہیں ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں[۱۶۷]

۱۶۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے بہتر امت ہے: گذشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ الخ درمیان میں اسی کے مناسب کچھ اوامر ونواہی اور وعدو وعید آ گئی، یہاں سے اسی اول مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے یعنی اے مسلمانو! خدا تعالیٰ نے تم کو تمام امتوں میں بہتریں امت قرار دیا ہے۔ اس کے علم ازلی میں پہلے سے یہ ہی مقدر ہو چکا تھا۔ جس کی خبر بعض انبیائے سابقین کو بھی دیدی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہونگے آپ کی امت بھی جملہ امم واقوام پر گوئے سبقت لی جائے گی۔ کیونکہ اس کو سب سے اشرف واکرم پیغمبر نصیب ہو گا۔ ادوم واکمل شریعت ملے گی۔ علوم ومعارف کے دروازے اس پر کھول دیے جائیں گے۔ ایمان وعمل وتقویٰ کی تمام شاخیں اس کی محنت اور قربانیوں سے سرسبز وشاداب ہوں گی وہ کسی خاص قوم ونسب یا مخصوص ملک واقلیم میں محصور نہ ہو گی بلکہ اس کا دائرہ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہو گا گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہو گا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے۔ اور جہاں تک ممکن ہو۔ انہیں جنت کے دروازوں پر لا کر کھڑا کر دے۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (تنبیہ) اس سورت کے نویں رکوع میں وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الخ سے نبی کریم ﷺ کی امامت وجامعیت کبریٰ کا بیان ہوا تھا۔ دسویں رکوع میں اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ الخ سے امت کے قبلہ کی برتری دکھلائی گئی۔ گیارہویں رکوع میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا الخ سے اس امت کی کتاب وشریعت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔ اب یہاں بارہویں رکوع کے آغاز سے خود امت مرحومہ کی فضیلت وعظمت کا اعلان کیا جارہا ہے۔

۱۶۵۔ منکر (برے کاموں) میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق وفجور اور ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنا بھی کئی طرح ہو گا۔ کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے کبھی قلم سے، کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گیا یہ صفت جس قدر عموم واہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

۱۶۶۔ خیر الامہ کی ذمہ داریاں: اللہ پر ایمان لانے میں، اس کی توحید پر، اس کے رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ توحید خالص وکامل کا اتنا شیوع واہتمام کبھی کسی امت میں نہیں رہا جو بحمد اللہ اس امت میں رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جو شخص تم میں سے چاہتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو چاہئے کہ اللہ کی شرط پوری کرے یعنی امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ، جس کا حاصل ہے خود درست ہو کر دوسروں کو درست کرنا۔ جو شان حضرات صحابہؓ کی تھی۔

۱۶۷۔ یعنی اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو وہ بھی اس خیر الامم میں شامل ہو سکتے تھے۔ جس سے دنیا میں عزت بڑھتی اور آخرت میں دہرا اجر ملتا مگر افسوس ہے ان میں سے چند افراد کے سوا (مثلاً عبد اللہ بن سلام یا نجاشی وغیرہ) کسی نے حق کو قبول نہ کیا باوجود وضوح حق کے نافرمانی ہی پر اڑے رہے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا مگر ستانا زبان سے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دیں گے پھر ان کی مدد نہ ہو گی [۱۶۸]

۱۶۸۔ اہل کتاب پر مسلمانوں کے غلبہ کی پیشگوئی: یعنی اگر اکثر نافرمان ہیں تو ہونے دو، تم کو ان کی اکثریت یا مادی سازوسامان سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں (اے خیر الامم!) خدا کا وعدہ ہے کہ یہ شیطانی لشکر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ (بشرطیکہ تم اپنے کو خیر الامم ثابت کرو) بس یہ اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ زبان سے گالی دیں اور نامردوں کی طرح تم کو برا بھلا کہتے پھریں۔ یا کوئی چھوٹی موٹی عارضی تکلیف پہنچائیں، باقی تم پر غالب و

مسلط ہو جائیں، یا کوئی بڑا قومی نقصان پہنچا سکیں یہ کبھی نہ ہو گا۔ اگر لڑائی میں تمہارے مقابلہ پر آئے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے اور کسی طرف سے ان کو مدد نہ پہنچے گی جو ان کی ہزیمت کو روک سکے یہ پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ صحابہ‎ؓ کے عہد میں اہل کتاب کا یہی حشر ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر دیا مگر بال بیکا نہ کر سکے۔ جہاں مقابلہ ہوا حُمُر مستنفرہ کی طرح بھاگے۔ ہر موقع پر خدا کی نصرت و امداد خیر الامم کے شامل حال رہی اور دشمن بد حواسی اور بے کسی کی حالت مقہور و مخذول ہو کر بھاگے یا قید ہوئے یا رعیت بن کر رہے یا جہنم میں پہنچ گئے۔

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے [۱۶۹] اور کمایا انہوں نے غصہ اللہ کا اور لازم کر دی گئی انکے اوپر حاجت مندی یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں اللہ کی آیتوں سے اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے نکل گئے [۱۷۰]

۱۶۹۔ یہ آیتیں اہل کتاب میں سے خاص یہود کے متعلق معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ سیاق کلام اور قرآن کی دوسری آیات سے ظاہر ہے، یعنی یہود پر ہمیشہ کے لئے ذلت کی مہر کر دی گئی۔ یہ بدبخت جہاں کہیں پائے جائیں، ذلت کا نقش ان سے محو نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی یہود بھی آزادی و خود مختاری سے اپنے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی آزاد حکومت کسی جگہ نہیں سوائے دستاویز اللہ کے یعنی بعض بچی کھچی رسمیں تورات کی عمل میں لاتے ہیں اس کے طفیل سے پڑے ہیں اور سوائے دستاویز لوگوں کے یعنی کسی کی رعیت میں ہیں اس کی پناہ میں پڑے ہیں۔ (کذافی الموضح) بعض مفسرین نے حبل من اللہ و حبل من الناس سے اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا عہد مراد لیا ہے۔ یعنی بجز اس کے کہ مسلمانوں سے عہد کر کے خدا کے ذمہ میں آجائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حبل من اللہ سے مراد اسلام ہے۔ یعنی اسلام لا کر اس ذلت سے نکل سکتے ہیں یا معاہد بن کر، کیونکہ معاہدہ بھی جان و مال کی طرف سے مامون کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۰۔ یعنی نافرمانی کرتے کرتے حد سے نکل گئے۔ جس کا انتہائی اثر یہ تھا کہ اللہ کی صریح آیتوں کے انکار اور معصوم پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ اسی مضمون کی آیت بقرہ پارہ الم میں گذر چکی ہے وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ وہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں

يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ يَاۡمُرُوۡنَ

۱۱۴۔ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم

بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾

کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں برے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہی لوگ نیک بخت ہیں[۱۷۱]

وَ مَا یَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلَنۡ یُّکۡفَرُوۡہُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام اس کی ہرگز ناقدری نہ ہو گی [۱۷۲] اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی[۱۷۳]

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ وہ لوگ جو کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے ان کو ان کے مال اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ اور وہی لوگ رہنے والے ہیں آگ میں دوزخ کی وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے

مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَثَلِ رِیۡحٍ فِیۡہَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَاَہۡلَکَتۡہُ ؕ وَ مَا ظَلَمَہُمُ اللّٰہُ وَ لٰکِنۡ اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں اس کی مثال جیسے ایک ہوا کہ اس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو اس قوم کی کہ انہوں نے اپنے حق میں برا کیا تھا پھر اس کو نابود کر گئی[۱۷۴] اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں[۱۷۵]

۱۷۱۔ مومنین اہل کتاب: یعنی سب اہل کتاب کا حال یکساں نہیں اتنے بروں میں کچھ اچھے بھی ہیں۔ ان ہی ممسوخ اشقیاء کے درمیان چند سعید روحیں ہیں جن کو حق تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی اور اسلام کی آغوش میں آ گئے اور جادہ حق پر ایسے مستقیم ہو گئے کہ کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی۔ وہ رات کی تاریکی میں میٹھی نیند اور نرم بسترے چھوڑ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، اپنے مالک کے سامنے خضوع و تذلل اختیار کرتے ہیں جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں، نماز میں اس کا کلام پڑھتے ہیں۔ اللہ پر اور یوم آخر پر ٹھیک ٹھیک ایمان لاتے ہیں۔ خالص توحید کے قائل ہیں، قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور جب کسی نیک کام کی طرف پکارا جائے دوڑ کر دوسروں سے آگے نکلنا چاہتے ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ خود راہ راست پر ہیں دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر لانا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ ان یہود میں سے یہ لوگ ہیں جن کو خدا نے نیک بختی اور صلاح و رشد کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہ عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھیوں کا ذکر ہوا۔

۱۷۲۔ بلکہ دگنا اجر ملے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ اُولٰٓئِکَ یُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَہُمۡ مَّرَّتَیۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا (قصص۔۵۴) اور حدیث صحیح میں نبی

کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اس کی تشریح فرمادی۔

۱۷۳۔ اسی لئے جب یہود کی برائیوں کا ذکر آتا ہے حق تعالیٰ ان پرہیزگاروں کو مستثنیٰ کر دیتا ہے اور پرہیزگاری کے موافق دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ معاملہ بھی بالکل ممتاز کیا جائے گا۔

۱۷۴۔ کفار کا بغض و حسد: صالحین و متقین کے بالمقابل یہاں کافروں کا حال و انجام ذکر فرماتے ہیں پہلے فرمایا تھا وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ یعنی مومنین کی ادنیٰ ترین نیکی بھی کام آئے گی۔ ان کے کسی بھلے کام کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ اس کے برخلاف کافر جو کچھ مال و قوت دنیا میں خرچ کرے، خواہ اپنے نزدیک بڑا ثواب اور خیرات کا کام سمجھ کر کرتا ہو، آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت اور پرسش نہیں۔ کیونکہ ایمان و معرفت صحیحہ کی روح نہ ہونے سے اس کا ہر ایک عمل بے جان اور مردہ ہے۔ اس کی جزاء بھی ایسی ہی فانی و زایل اس دار فانی میں مل رہی ہے گی۔ عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان و ایقان ہے اس کے بدون عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا اور اس کو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا چند روز اس کی سرسبزی و شادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ امیدیں باندھتا رہا۔ یکا یک اس کی شرارت و بدبختی سے سرد ہوا چلی برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری لہلہاتی کھیتی جلا کر رکھ دی آخر اپنی کلی تباہی و بربادی پر کف افسوس ملتارہ گیا، نہ امیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اس کی پیداوار سے متنفع ہوا۔ اور چونکہ یہ تباہی ظلم و شرارت کی سزا تھی۔ اس لئے اس مصیبت پر کوئی اجر اخروی بھی نہ ملا۔ جیسا کہ مومنین کو ملتا ہے۔ بعینہ یہ مثال ان کفار کی ہے جو کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے اپنے خیال میں بہت پن خیرات کرتے ہیں، باقی وہ بدبخت جن کا زور و قوت اور پیسہ حق اور اہل حق کی دشمنی یا فسق و فجور میں خرچ ہوتا ہو ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ وہ نہ صرف بے کار خرچ کر رہے ہیں بلکہ روپیہ خرچ کر کے اپنے لئے اور زیادہ وبال خرید رہے ہیں ان سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مال ہو یا اولاد کوئی چیز عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گی اور نہ متقین کے مقابلہ پر وہ اپنی توقعات میں کامیاب ہوں گے۔ (تنبیہ) ریح کا لفظ مفرد قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔ رِیۡحٌ فِیۡهَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (الاحقاف۔ ۲۴) الخ وَلَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا رِیۡحًا (الروم۔ ۵۱) الخ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا (القمر۔ ۱۹) اور رحمت کے موقع پر جمع کا لفظ ریاح لائے ہیں۔ یُّرۡسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ (الروم۔ ۵۶) وَاَرۡسَلۡنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ (الحجر۔ ۲۲) یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًا (النمل۔ ۶۳) کذا ذکرہ ابوحیان۔

۱۷۵۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی تو اس پر معاذ اللہ خدا کی طرف سے ظلم ہوا، نہیں ظلم تو انہوں نے اپنی جانوں خود اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔ نہ کفر اختیار کرتے نہ یہ روز بد دیکھنا پڑتا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں انکی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے دشمنی انکی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے انکے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتادیے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے [۱۷۶]

هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ
بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا
خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ
قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ سن لو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو [۱۷۷] اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں [۱۷۸] اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے [۱۷۹] تو کہہ مرو تم اپنے غصہ میں [۱۸۰] اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں [۱۸۱]

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ
سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا
یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ
مُحِیْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۲ ۱۱ ۳

۱۲۰۔ اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوں اس سے [۱۸۲] اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے بیشک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے [۱۸۳]

۱۷۶۔ یہ آیتیں بعض کہتے ہیں یہود کے متعلق نازل ہوئیں کیونکہ بعض مسلمان جوار (ہمسائیگی) حلف (دوستانہ معاہدہ) وغیرہ کی بناء پر جو تعلقات قبل از اسلام ان سے رکھتے چلے آرہے تھے، بعد از اسلام بھی بدستور ان پر قائم رہے اور دوستی پر اعتماد کر کے ان سے مسلمانوں کے بعض رازدارانہ مشوروں کے اخفاء کا بھی اہتمام نہ کیا اور بعض کے نزدیک یہ آیتیں منافقین کے حق میں نازل ہوئیں، کیونکہ عام طور پر لوگ ظاہر میں مسلمان سمجھ کر ان سے پوری احتیاط نہ کرتے تھے جس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا حق تعالیٰ نے یہاں صاف صاف آگاہ کر دیا کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو بھیدی اور رازدار نہ بنائیں کیونکہ یہود ہوں یا نصاریٰ منافقین ہوں یا مشرکین، ان میں کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیر خواہ نہیں۔ بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہیں پاگل بنا کر نقصان پہنچائیں اور دینی و دنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں۔ ان کی خواہش اسی میں ہے کہ تم تکلیف میں رہو اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یا دنیوی ضرر پہنچ جائے جو دشمنی اور بغض ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن بسا اوقات عداوت وغیظ کے جذبات سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا ایسی باتیں کر گزرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ مارے دشمنی اور حسد کے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے خبیث باطن دشمنوں کو اپنا رازدار بنائے۔ خدا تعالیٰ نے دوست و دشمن کے پتے اور موالات وغیرہ کے احکام کھول کر بتلا دیے ہیں جس میں عقل ہو گی ان سے کام لے گا۔ (موالات کفار کے متعلق کچھ تفصیل پہلے اسی سورت میں گذر چکی اور کچھ مائدہ وغیرہ میں آئے گی)

۱۷۷۔ کفار مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے: یعنی یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ تم ان کی دوستی کا دم بھرتے ہو، اور وہ تمہارے دوست نہیں

بلکہ جڑ کاٹنے والے دشمن ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو۔ خواہ وہ کسی قوم کی ہوں اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں (جن کے خدا نے نام بتلا دیئے ان پر علی التعیین اور جن کے نام نہیں بتلائے ان پر بالاجمال ایمان رکھتے ہو) اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے، بلکہ خود اپنی کتابوں پر بھی ان کا ایمان صحیح نہیں، اس لحاظ سے چاہئے تھا کہ وہ تم سے قدرے محبت کرتے اور تم ان سے سخت نفور و بیزار رہتے۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔

۱۷۸۔ منافقین تو کہتے ہی تھے، عام یہود و نصاریٰ بھی بحث و گفتگو میں آمنا (ہم مسلمان ہیں) کہہ کر یہ مطلب لے لیتے تھے کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

۱۷۹۔ اہل کتاب کا مسلمانوں پر غم و غصہ: یعنی اسلام کا عروج اور مسلمانوں کی باہمی الفت و محبت دیکھ کر یہ لوگ جلے مرتے ہیں۔ اور چونکہ اس کے خلاف کچھ بس نہیں چلتا۔ اس لئے فرط غیظ و غضب سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔

۱۸۰۔ یعنی خدا تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو اور زیادہ ترقیات و فتوحات عنایت فرمائے گا۔ تم غیظ کھا کھا کر مرتے رہو۔ اگر ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ گے تب بھی تمہاری آرزوئیں پوری نہ ہونگی، خدا اسلام کو غالب اور سربلند کر کے رہے گا۔

۱۸۱۔ اسی لئے مسلمانوں کو ان شریروں کے باطنی حالات اور قلبی جذبات پر مطلع کر دیا اور سزا بھی ان کو ایسی دے گا جو اندرونی شرارتوں اور خفیہ عداوتوں کے مناسب ہو۔

۱۸۲۔ اگر تمہاری ذرا سی بھلائی دیکھتے ہیں مثلاً مسلمانوں کا اتحاد و یک جہتی یا دشمنوں پر غلبہ، تو حسد کی آگ میں بھننے لگتے ہیں۔ اور جہاں تم پر کوئی مصیبت نظر آئی، خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے۔ بھلا ایسی کمینہ قوم سے ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا توقع ہو سکتی ہے جو دوستی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا جائے۔

۱۸۳۔ کفار کے شر سے مسلمانوں کی حفاظت: ممکن تھا کسی کو یہ خیال گذرے کہ جب ہم ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ زیادہ غیظ و غضب میں آ کر ہمارے خلاف تدبیریں کریں گے اور بیش از بیش نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ تم صبر و استقلال اور تقویٰ و طہارت پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو گے تو ان کا کوئی داؤ فریب تم پر کارگر نہ ہو گا۔ جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہیں اور اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار و پود بکھیر کر رکھ دے تم اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھو، پھر تمہارے راستہ سے سب کانٹے صاف کر دیے جائیں گے۔ آگے غزوہ احد کا واقعہ یاد دلاتے ہیں کہ اس میں بعض مسلمان منافقین کی مغویانہ حرکات سے کچھ اثر پذیر ہو گئے تھے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو قبیلے صبر و تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں جس سے منافقین کو خوش ہونے کا موقع ہاتھ آئے۔ مگر خدا نے دستگیری فرمائی اور ان قبیلوں کو سخت مہلک ٹھوکر سے بچا لیا۔

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہیئے بھروسہ کریں مسلمان

وَ لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّ اَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ تم احسان مانو [۱۸۴]

۱۸۴۔ غزوہ احد میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کا واقعہ: اس آیت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا ہے۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ رمضان المبارک ۰۲ ھجری میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں مڈ بھیڑ ہوگئی جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے قریش کا شعلہ انتقام بھڑک اٹھا۔ جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے (کہ وہی باعث جنگ بدر کا ہوا تھا) سب اسی مہم کی نذر کر دیں تا کہ ہم محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں سب نے منظور کیا اور ۰۳ ھجری میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتیٰ کی عورتیں بھی ساتھ آئیں تا کہ موقع پیش آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔ جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خیمہ زن ہوا۔ تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا آپ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اسی کی تائید آپ کے ایک خواب سے ہوئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی سے بھی رائے لی گئی جو حضور ﷺ کی رائے سے موافق تھی۔ مگر بعض پرجوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی۔ اور شوق شہادت بے چین کر رہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے تا کہ دشمن ہماری نسبت بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے۔ کثرت رائے اسی طرف ہوگئی۔ اسی حیص وبیص میں آپ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر لڑائی کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کا منشاء نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے۔ فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگالے پھر بدون قتال کئے بدن سے اتارے۔ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر عبد اللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کو (جن میں بعض مسلمان بھی تھے) ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں، کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔ بعض بزرگوں نے سمجھایا بھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔ آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لیکر میدان جنگ میں پہنچ گئے آپ نے بنفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں۔ ہر ایک دستہ کو اس کے مناسب ٹھکانہ پر بٹھلایا۔ اور فرمایا جب تک میں حکم نہ دوں کوئی قتال نہ کرے۔ اسی اثنا میں عبد اللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی۔ مسلمانوں کی قلیل جمعیت پر نظر کر کے دل چھوڑنے لگے اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کی مدد اور دستگیری فرمائی دلوں کو مضبوط کر دیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تنہا خدائے واحد کی اعانت و نصرت پر ہونا چاہئے۔ تعداد اور سامان وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ جب وہ مظفر و منصور کرنا چاہے تو سب سامان رکھے رہ جاتے ہیں اور غیبی تائید سے فتح مبین حاصل ہو جاتی ہے جیسے معرکہ بدر میں ہوا۔ پس مسلمانوں کو صرف اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ تا کہ اس کی طرف سے مزید انعام واحسان ہو اور مزید شکر گذاری کا موقع ملے۔ (غزوہ بدر کی پوری تفصیل سورۂ انفال میں آئے گی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں) تنبیہ دو فرقوں سے مراد وہی بنو سلمہ و بنو حارثہ ہیں۔ گو اس آیت میں ان پر چشمک کی گئی۔ لیکن ان میں کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے۔

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ
رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ؕ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے [۱۸۵]

بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ يَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ
هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ
مُسَوِّمِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر [۱۸۶]

وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى لَـكُمۡ وَ لِتَطۡمَئِنَّ
قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ؕ وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ
الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۙ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تاکہ تسکین ہو تمہارے دلوں کو اس سے اور مدد ہے صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے حکمت والا [۱۸۷]

لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ
فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ تاکہ ہلاک کرے بعضے کافروں کو یا انکو ذلیل کرے تو پھر جاویں محروم ہو کر [۱۸۸]

لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ
يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ تیرا اختیار کچھ نہیں یا انکو توبہ دیوے خدائے تعالیٰ یا انکو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں [۱۸۹]

وَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ
يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۳ ۹ ۴

۱۲۹۔ اور اللہ ہی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۹۰]

۱۸۵۔ غزوہ بدر میں ملائکہ کا نزول: یعنی جو آسمان سے خاص اسی کام کے لئے اتارے گئے ہوں۔ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے جب کفار کی جمعیت اور تیاری دیکھ کر مسلمانوں کو تشویش ہوئی تو آپ نے تسلی کے لئے ایسا فرمایا۔ چنانچہ فرشتوں کی کمک آسمان

سے پہنچی۔ سورۂ انفال میں اس کا مفصل بیان آئے گا۔ وہیں نزول ملائکہ کی حکمت اور عدد ملائکہ کے ظاہری تعارض پر کلام کیا جائے گا۔

۱۸۶۔ یعنی تین ہزار بیشک کافی ہیں۔ تاہم اگر تم نے صبر واستقلال کا ثبوت دیا اور تقویٰ اختیار کر کے نافرمانی سے بچتے رہے اور کفار کی فوج ایک دم تم پر ٹوٹ پڑی تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیجدیے جائیں گے جن کی خاص علامتیں ہوں گی اور ان کے گھوڑوں پر بھی خاص نشان ہوں گے۔ چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اولاً اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جیسا کہ سورۂ انفال میں آئے گا۔ پھر مسلمانوں کی گھبراہٹ دور فرمانے کے لئے تعداد تگنی کر دی گئی۔ کیونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی۔ اس کے بعد شعبی کی روایت کے موافق جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر بڑی کمک لے کر مشرکین کی مدد کے لئے آرہا ہے تو ایک جدید اظطراب پیدا ہو گیا، اس وقت مزید تسکین کے لئے وعدہ فرمایا کہ اگر تم صبر و تقویٰ سے کام لوگے تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیجدیں گے۔ اگر مشرکین کی کمک بالکل ناگہانی طور پر آپہنچے۔ تب بھی فکر مت کرو۔ خدا تعالیٰ بروقت تمہاری مدد کرے گا۔ شاید پانچ ہزار کا عدد اس لئے رکھا ہو کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے تھے۔ ہر ایک حصہ کو ایک ایک ہزار کی کمک پہنچادی جائے گی۔ چونکہ کرز بن جابر کی مدد مشرکین کو نہ پہنچی اس لئے بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہزار کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا (آل عمران۔ ۱۲۵) پر معلق تھا اور بعض کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ واللہ اعلم۔ اس کا مزید بیان انفال میں دیکھو۔

۱۸۷۔ نزول ملائکہ کی وجہ: یعنی یہ سب غیبی سامان غیر معمولی طور پر ظاہری اسباب کی صورت میں محض اس لئے مہیا کئے گئے کہ تمہارے دلوں سے اضطراب وہراس دور ہو کر سکون واطمینان نصیب ہو۔ ورنہ خدا کی مدد کچھ ان چیزوں پر محدود ومقصود نہیں نہ اسباب کی پابند ہے وہ چاہے تو محض اپنی زبردست قدرت سے بدون فرشتوں کے تمہارا کام بنادے۔ یا بدون تمہارے توسط کے کفار کو خائب وخاسر کر دے۔ یا ایک فرشتہ سے وہ کام لے لے جو پانچ ہزار سے لیا جاتا ہے۔ فرشتے بھی جو امداد پہنچاتے ہیں وہ اسی خداوند قدیر کی قدرت ومشیت سے پہنچا سکتے ہیں۔ مستقل طاقت واختیار کسی میں نہیں۔ آگے یہ اس کی حکمت ہے کہ کس موقع پر کس قسم کے اسباب و سائط سے کام لینا مناسب ہے تکوینیات کے رازوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

حدیث از مطرب دمے گو دراز دہر کمتر جو کل کس نکشو و نکشاید بحکمت این معمارا۔

۱۸۸۔ یعنی فرشتے بھیجنے سے مقصود تمہاری مدد کرنا تھا کہ تمہارے دل مضبوط ہوں اور خدا کی طرف سے بشارت وطمانیت پاکر پوری دلجمعی اور پامردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو۔ جس سے یہ غرض تھی کہ کافروں کا زور ٹوٹے۔ ان کا بازو کٹ جائے۔ پرانے نامور مشرک کچھ مارے جائیں کچھ ذلیل وخوار ہوں اور بقیۃ السیف بہزار رسوائی وناکامی واپس ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ ستر سردار جن میں اس امت کا فرعون ابو جہل بھی تھا، مارے گئے ستر قید ہوئے۔ اور نہایت ذلیل ونامراد ہو کر مکہ واپس جانا پڑا۔

۱۸۹۔ غزوہ احد کا تفصیلی بیان: اُحد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے جن میں حضور ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ بھی تھے، مشرکین نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مثلہ کیا (ناک کان وغیرہ کاٹے) پیٹ چاک کئے حتّٰی کہ حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر ہندہ نے چبایا۔ مفصل واقعہ آگے آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو بھی اس لڑائی میں چشم زخم پہنچا۔ سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دانت شہید ہوا خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہان تھا۔ اسی حالت میں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ کفار نے مشہور کر دیا اِنَّ محمدًا قد قُتِلَ (محمد ﷺ مارے گئے) اس سے مجمع بدحواس ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ اس وقت زبان مبارک سے نکلا کہ وہ قوم کیوں کر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا جو ان کو خدا کی طرف بلاتا تھا ۔ مشرکین کے وحشیانہ شدائد ومظالم کو دیکھ کر آپ سے رہا نہ گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ نے بددعا کا ارادہ کیا یا شروع

کر دی جس میں ظاہر ہے۔ آپ ہر طرح حق بجانب تھے مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں۔ وہ ظلم کرتے جائیں، آپ خاموش رہیں۔ جتنی بات کا آپ کو حکم ہے (مثلاً دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ) اسے انجام دیتے رہیں۔ باقی ان کا انجام خدا کے حوالے کر دیں۔ اس کی جو حکمت ہو گی کرے گا آپ کی بد دعا سے وہ ہلاک کر دیئے جائیں، کیا اس کی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ کا جاں نثار بنا دیا جائے؟ چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بد دعا کرتے تھے چند روز کے بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ کے قدموں پر لا ڈالا اور اسلام کا جانباز سپاہی بنا دیا غرض لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ میں آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے۔ اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں، لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بد دعا نہ کرو۔ بعض روایات سے ان آیات کی شان نزول کچھ اور معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں فتح الباری میں کئی جگہ اس پر شافی کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

١٩٠۔ یعنی تمام زمین آسمان میں خدائے واحد کا اختیار چلتا ہے سب اسی کی مملوک و مخلوق ہے۔ وہ جس کو مناسب جانے ایمان کی توفیق دے کر بخش دے اور جسے چاہے کفر کی سزا میں پکڑ لے۔ شاید اخیر میں وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرما کر ارشاد کر دیا کہ ان لوگوں کو جن کے حق میں آپ بد دعا کرنا چاہتے تھے، ایمان دے کر مغفرت و رحمت کا مورد بنا دیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ١٣٠

١٣٠۔ اے ایمان والو مت کھاؤ سود [١٩١] دونے پر دونا [١٩٢] اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو [١٩٣]

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ١٣١

١٣١۔ اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے [١٩٤]

١٩١۔ **سود کی ممانعت:** جنگ احد کے تذکرہ میں سود کی ممانعت کا ذکر بظاہر بے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاید یہ مناسبت ہو کہ اوپر اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا میں جہاد کے موقع پر نامردی دکھلانے کا ذکر ہوا تھا۔ اور سود کھانے سے نامردی پیدا ہوتی ہے دو سبب سے۔ ایک یہ کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے، دوسرے یہ کو سود لینا انتہائی بخل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سود خوار چاہتا ہے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے اور بیچ میں کسی کا کام نکلا۔ یہ بھی مفت نہ چھوڑے اس کا علیحدہ معاوضہ وصول کرے۔ تو جس کو مال میں اتنا بخل ہو کہ خدا کے لئے کسی کی ذرہ بھر ہمدردی نہ کر سکے۔ وہ خدا کی راہ میں جان کب دے سکے گا ابو حیان نے لکھا ہے کہ اس وقت یہود وغیرہ سے مسلمانوں کے سودی معاملات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ اسی لئے ان سے تعلقات قطع کرنا مشکل تھا۔ چونکہ پہلے لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً کا حکم ہو چکا ہے اور احد کے قصہ میں بھی منافقین یہود کی حرکات کو بہت دخل تھا اس لئے متنبہ فرمایا کہ سودی لین دین ترک کرو۔ ورنہ اسکی وجہ سے خواہی نہ خواہی ان ملعونوں کے ساتھ تعلقات قائم رہیں گے جو آئندہ نقصان اٹھانے کا موجب ہونگے۔

١٩٢۔ **سود کی ممانعت:** اس کا مطلب یہ نہیں کہ تھوڑا سود لے لیا کرو دونے پر دونا مت لو۔ بات یہ ہے کہ جاہلیت میں سود اسی طرح لیا جاتا تھا۔ جیسے ہمارے یہاں کے بنیے لیتے ہیں۔ سو روپے دیے اور سود در سود بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سو روپے میں ہزاروں روپیہ کی جائدادوں کے مالک بن بیٹھے۔ اسی صورت کو یہاں اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً سے تعبیر فرمایا۔ یعنی اول تو سود مطلقاً حرام و قبیح، اور یہ صورت تو بہت ہی زیادہ شنیع و قبیح ہے جیسے کوئی کہے میاں مسجد میں گالیاں مت بکو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد سے باہر بکنے کی اجازت ہے بلکہ مزید تقبیح و تشنیع کے موقع پر

ایسے الفاظ بولتے ہیں۔

۱۹۳۔ یعنی سود کھانے میں بھلا نہیں۔ بلکہ تمہار بھلا اس میں ہے کہ خدا سے ڈر کر سود کھانا چھوڑ دو۔

۱۹۴۔ یعنی سود کھانے والا دوزخ میں جاتا ہے جو اصل میں کافروں کے واسطے بنائی گئی ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو[۱۹۵]

وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف[۱۹۶] جس کا عرض ہے آسمان اور زمین[۱۹۷] تیار ہوئی ہے واسطے پرہیز گاروں کے

۱۹۵۔ اطاعت رسول کا مطلب: رسول کا حکم ماننا بھی فی الحقیقت خدا ہی کا حکم ماننا ہے کیونکہ اس نے حکم دیا ہے کہ ہم پیغمبر کا حکم مانیں اور ان کی پوری اطاعت کریں۔ جن احمقوں کو اطاعت اور عبادت میں فرق نظر نہ آیا وہ اطاعت رسول کو شرک کہنے لگے۔ چونکہ جنگ احد میں رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تھی (جیسا کے آگے آتا ہے) اس لئے آئندہ کے لئے ہشیار کیا جاتا ہے کہ خدا کی رحمت اور فلاح و کامیابی کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے، جب اللہ و رسول کے کہنے پر چلو۔

۱۹۶۔ یعنی ان اعمال و اخلاق کی طرف جھپٹو جو حسب وعدہ خداوندی اس کی بخشش اور جنت کا مستحق بناتے ہیں۔

۱۹۷۔ جنت کا عرض چونکہ آدمی کے دماغ میں آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت نہیں آسکتی تھی، اس لئے سمجھانے کے لئے جنت کے عرض کو اسی سے تشبیہ دی گئی۔ گویا بتلا دیا کہ جنت کا عرض زیادہ سے زیادہ سمجھو پھر جب عرض اتنا ہے تو طول کا حال خدا جانے کیا کچھ ہو گا۔

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ جو خرچ کئے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں[۱۹۸] اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو[۱۹۹]

وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں[۲۰۰] تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور اڑتے نہیں اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ انہی کی جزاء ہے بخشش ان کے رب کی اور باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ ان باغوں میں اور کیا خوب مزدوری ہے کام کرنے والوں کی[۲۰۱]

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا[۲۰۲]

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کو[۲۰۳]

۱۹۸۔ محسنین کی صفات: یعنی نہ عیش و خوشی میں خدا کو بھولتے ہیں نہ تنگی و تکلیف کے وقت خرچ کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ہر موقع پر اور ہر حال میں حسب مقدرت خرچ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں سود خواروں کی طرح بخیل اور پیسہ کے پجاری نہیں۔ گویا جانی جہاد کے ساتھ مالی جہاد بھی کرتے ہیں۔

۱۹۹۔ غصہ کو پی جانا ہی بڑا کمال ہے اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتی یا غلطیوں کو بالکل معاف کر دیتے ہیں اور نہ صرف معاف کرتے ہیں بلکہ احسان اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔ غالباً پہلے جن لوگوں کی نسبت بد دعا کرنے سے روکا تھا۔ یہاں ان کے متعلق غصہ دبانے اور عفو و درگذر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے نیز بعض صحابہ نے جنگ احد میں عدول حکمی کی تھی، یا فرار اختیار کیا تھا، ان کی تقصیر معاف کرنے اور شان وعفو و احسان اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

۲۰۰۔ یعنی کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کر گذریں جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو یا کسی اور بری حرکت کے مرتکب ہو جائیں جس کا ضرر ان ہی کی ذات تک محدود رہے۔

۲۰۱۔ یعنی خدا کی عظمت و جلال، اس کے عذاب و ثواب، اس کے حقوق و احکام، اس کی عدالت کی پیشی اور وعدہ وعید کو دل سے یاد کر کے زبان سے بھی اسکی یاد شروع کر دی۔ خوف زدہ اور مضطرب ہو کر اسے پکارا اس کے سامنے سربسجود ہوئے (جیسا کہ صلوٰۃ التوبہ کی حدیث میں آیا ہے) پھر جو شرعی طریقہ گناہوں کے معاف کرانے کا ہے اس کے موافق معافی اور بخشش طلب کی، مثلاً اہل حقوق کے حقوق ادا کئے یا ان سے معاف کرائے اور خدا کے سامنے توبہ و استغفار کیا (کیونکہ اصل بخشنے والا تو وہی ہے) جو گناہ بمقتضائے بشریت ہو گیا تھا۔ اس پر اڑے نہیں، بلکہ یہ جان کر کہ حق تعالیٰ بندوں کی سچی توبہ قبول کرتا ہے، ندامت و اقلاع کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے اس کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ یہ لوگ بھی دوسرے درجہ کے متقین میں ہیں جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔ حق تعالیٰ ان تائبین کے گناہ معاف کر کے اپنی جنت میں جگہ دے گا۔ اور جو توبہ یا اور عمل نیک کئے ہونگے ان کا بہترین معاوضہ ملے گا۔

۲۰۲۔ماضی کے واقعات سے سبق لو : یعنی تم سے بہت قومیں اور ملتیں گذر چکیں۔ بڑے بڑے واقعات پیش آ چکے، خدا تعالیٰ کی عادت بھی بار بار معلوم کرا دی گئی کہ ان میں سے جنہوں نے انبیاءؑ کی عداوت اور حق کی تکذیب پر کمر باندھی اور خدا اور رسول کی تصدیق و اطاعت سے منہ پھیر کر حرامخوری اور ظلم و عصیان پر اصرار کرتے رہے، ان کا کیسا برا انجام ہوا۔ یقین نہ ہو تو زمین میں چل پھر کر ان کی تباہی کے آثار دیکھ لو جو آج بھی تمہارے ملک کے قریب موجود ہیں۔ ان واقعات میں غور کرنے سے معرکہ احد کے دونوں حریفوں کو سبق لینا چاہیئے۔ یعنی مشرکین جو پیغمبر خدا کی عداوت میں حق کو کچلنے کے لئے نکلے، اپنی تھوڑی سی عارضی کامیابی پر مغرور نہ ہوں کہ ان کا آخری انجام بجز ہلاکت و بربادی کے کچھ نہیں۔ اور مسلمان کفار کی سختیوں اور وحشیانہ دراز دستیوں یا اپنی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس نہ ہوں کہ آخر حق غالب و منصور ہو کر رہے گا۔ قدیم سے سنت اللہ یہ ہی ہے جو ٹل نہیں سکتی۔

۲۰۳۔ یعنی عام لوگوں کے کان کھولنے کے لئے قرآن میں یہ مضامین بیان کئے جا رہے ہیں جن کو سن کر خدا سے ڈرنے والے ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ باقی جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو ناصحانہ تنبیہات سے کیا منتفع ہو سکتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ اور سست نہ رہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو[۲۰۴]

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ۙ

۱۴۰۔ اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں[۲۰۵] اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے[۲۰۶] اور کرے تم میں سے شہید اور اللہ کو محبت نہیں ظلم کرنے والوں سے[۲۰۷]

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۱۔ اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دیوے کافروں کو[۲۰۸]

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو[۲۰۹]

وَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ
تَلۡقَوۡهُ ۖ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴ ۱۴ ۵

۱۴۳۔ اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے [۲۱۰]

۲۰۴۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کی تسلی: یہ آیات جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں۔ پیغمبر ﷺ کو بھی اشقیاء نے مجروح کر دیا تھا اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آ رہے تھے۔ اس ہجوم شدائد و یاس میں خداوند قدوس کی آواز سنائی دی۔ وَ لَا تَهِنُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (دیکھنا! سختیوں سے گھبرا کر دشمنان خدا کے مقابلہ میں نامردی اور سستی پاس نہ آنے پائے، پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہر کر بیٹھ رہنا مومن کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھو آج بھی تم ہی معزز و سربلند ہو کہ حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے اور جانیں دے رہے ہو اور یقیناً آخری فتح بھی تمہاری ہے انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔ بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستہ پر مستقیم رہو اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر کامل وثوق رکھتے ہوئے اطاعت رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ) اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پر مژدہ جسموں میں حیات تازہ پھونک دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آ چکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگے۔

۲۰۵۔ مسلمانوں کو جنگ میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا اس سے سخت شکستہ خاطر تھے۔ مزید برآں منافقین اور دشمنوں کے طعنے سن کر اور زیادہ اذیت پہنچتی تھی۔ کیونکہ منافقین کہتے تھے کہ محمد ﷺ سچے پیغمبر ہوتے تو یہ نقصانات کیوں پہنچتے۔ یا تھوڑی دیر کے لئے بھی عارضی ہزیمت کیوں پیش آتی۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا یا تکلیف اٹھانی پڑی تو اس طرح کے حوادث فریق مقابل کو پیش آ چکے ہیں احد میں تمہارے پچھتر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے، تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستر جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں۔ اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداءً ان کے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے جیسا کہ وَ لَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پھر بدر میں ان کے ستر آدمی ذلت کے ساتھ قید ہوئے۔ تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذلت قبول نہ کی۔ بہرحال اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے مقابلہ کرو تو غم و افسوس کا کوئی موقع نہیں۔ نہ ان کے لئے کبر و غرور سے سر اٹھانے کی جگہ ہے۔ باقی ہماری عادت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ سختی نرمی دکھ سکھ تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں پھر جب وہ دکھ اٹھا کر باطل کی حمایت میں ہمت نہیں ہارے، تو تم حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہو۔

۲۰۶۔ یعنی سچے ایمان والوں کو منافقوں سے الگ کر دے۔ دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے۔

۲۰۷۔ ظالمین سے مراد اگر مشرکین ہیں جو احد میں فریق مقابل تھے۔ تو یہ مطلب ہو گا کہ ان کی عارضی کامیابی کا سبب یہ نہیں کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے۔ بلکہ دوسرے اسباب ہیں۔ اور منافقین مراد ہوں جو عین موقع پر مسلمانوں سے الگ ہو گئے تھے۔ تو یہ بتلا دیا کہ خدا کے نزدیک مبغوض تھے، اس لئے ایمان و شہادت کے مقام سے انہیں دور پھینک دیا گیا۔

۲۰۸۔ یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا مقام بلند عطا فرمانا تھا۔ مومن و منافق کا پرکھنا مسلمانوں کو سدھانا یا ذنوب سے پاک کرنا، اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا منظور تھا کہ جب وہ عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور و مغرور ہو کر کفر و طغیان میں بیش از بیش غلو کریں گے۔ خدا کے قہر و غضب کے اور زیادہ مستحق ہوں گے اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی۔ نہیں تو اللہ کافروں سے راضی نہیں۔

۲۰۹۔ صبر اور مجاہدہ کے بغیر جنت نہیں ملتی: یعنی جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر خدا تم کو پہنچانا چاہتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں جا پہنچیں گے اور خدا تمہارا امتحان لے کر یہ نہ دیکھے گا کہ تم میں کتنے خدا کی راہ میں لڑنے والے اور کتنے لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ ایسا خیال نہ کرنا۔ مقامات عالیہ پر وہ ہی لوگ فائز کئے جاتے ہیں جو خدا کے راستہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں۔

۲۱۰۔ جو صحابہ بدر کی شرکت سے محروم رہ گئے تھے، شہداء بدر کے فضائل سن سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ خدا پھر کوئی موقع لائے جو ہم بھی خدا کی راہ میں مارے جائیں اور شہادت کے مراتب حاصل کریں۔ انہی حضرات نے احد میں یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے۔ ان کو فرمایا کہ جس چیز کی پہلے تمنا رکھتے تھے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آچکی اب آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنا کیا؟ حدیث میں ہے کہ لقاءِ عدوّ کی تمنا مت کرو اور جب ایسا موقع پیش آجائے تو ثابت قدم رہو۔

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى
اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ
اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

۱۴۴۔ اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہر گز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گذاروں کو[۲۱۱]

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا
مُّؤَجَّلًا ؕ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ
مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَ سَنَجْزِى
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵۔ اور کوئی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر[۲۱۲] اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا دیویں گے ہم اس کو دنیا ہی سے[۲۱۳] اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا اس میں سے دیویں گے ہم اسکو[۲۱۴] اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو[۲۱۵]

۲۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر مسلمانوں سے خطاب: واقعہ یہ ہے کہ احد میں نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بنفس نفیس نقشہ جنگ قائم کیا۔ تمام صفوف درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی رہ گیا۔ جہاں سے اندیشہ تھا کہ دشمن لشکر اسلام کے عقب پر حملہ آور ہو جائے اس پر آپ نے پچاس تیر اندازوں کو جن کے سردار حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ تھے مامور فرما کر تاکید کر دی کہ ہم خواہ کسی حالت میں ہوں تم یہاں سے مت ٹلنا۔ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب، حتّٰی کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ان کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ وانا لن نزال غالبین ما ثبتم مکانکم (بغوی) ہم برابر اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے الغرض فوج کو پوری

ہدایت دینے کے بعد جنگ شروع کی گئی۔ میدان کارزار گرم تھا، غازیان اسلام بڑھ بڑھ کر جوہر شجاعت دکھا رہے تھے ابو دجانہ، علی مرتضیٰ اور دوسرے مجاہدین کی بسالت و بے جگری کے سامنے مشرکین قریش کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں۔ ان کو راہ فرار کے سوا اب کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ کفار کو شکست فاش ہوئی۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ ان کی عورتیں جو غیرت دلانے کو آئی تھیں پائینچے چڑھا کر ادھر ادھر بھاگتی نظر آئیں۔ مجاہدین نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ منظر جب تیر اندازوں نے دیکھا تو سمجھے کہ اب فتح کامل ہو چکی دشمن بھاگ رہا ہے، یہاں بیکار ٹھہرنا کیا ضروری ہے چل کر دشمن کا تعاقب کریں اور غنیمت میں حصہ لیں۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ان کو یاد دلایا وہ سمجھے کہ آپ کے ارشاد کا اصلی منشا ہم پورا کر چکے ہیں۔ یہاں ٹھہرنے کی حاجت نہیں۔ یہ خیال کر کے سب غنیمت پر جا پڑے۔ صرف عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔ مشرکین کے سواروں کا رسالہ خالد بن الولید کے زیر کمان تھا (جو اس وقت تک حضرت خالدؓ نہیں بنے تھے) انہوں نے پلٹ کر درہ کی طرف سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیر انداز ڈھائی سو سواروں کی یلغار کو کہاں روک سکتے تھے، تاہم عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے رفقاء نے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور اسی میں جان دے دی۔ مسلمان مجاہدین اپنے عقب سے مطمئن تھے کہ ناگہاں مشرکین کا رسالہ ان کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج جو بھاگی جا رہی تھی، پیچھے پلٹ پڑی، مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور بہت زور کا رن پڑا۔ کتنے ہی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی افراتفری میں ابن قمیہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم ﷺ پر پھینکا۔ جس سے دندان مبارک شہید اور چہرہ انور زخمی ہوا۔ ابن قمیہ نے چاہا کہ آپ کو قتل کرے، مگر مصعب بن عمیرؓ نے (جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا) مدافعت کی۔ نبی کریم ﷺ زخم کی شدت سے زمین پر گرے۔ کسی شیطان نے آواز لگا دی کہ آپ ﷺ قتل کر دیئے گئے، یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہوش خطا ہو گئے اور پاؤں اکھڑ گئے بعض مسلمان ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ بعض ضعفاء کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان سے امن حاصل کر لیں۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ جب محمد ﷺ قتل کر دیے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب میں واپس چلا جانا چاہئے اس وقت انس بن مالک کے چچا انس ابن النضر نے کہا کہ اگر محمد ﷺ مقتول ہو گئے تو رب محمد ﷺ تو مقتول نہیں ہوا حضور ﷺ کے بعد تمہارا زندہ رہنا کس کام کا ہے۔ جس چیز پر آپ ﷺ قتل ہوئے تم بھی اسی پر کٹ مرو اور جس چیز پر آپ ﷺ نے جان دی ہے۔ اسی پر تم بھی جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے، حملہ کیا، لڑے اور مارے گئے رضی اللہ عنہ۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ نے آواز دی اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہ (اللہ کے بندو ادھر آؤ میں خدا کا پیغمبر ہوں) کعب بن مالک آپ کو پہچان کر چلائے یا معشر المسلمین مسلمانو! بشارت حاصل کرو!! رسول اللہ ﷺ یہاں موجود ہیں آواز کا سننا تھا کہ مسلمان ادھر ہی سمٹنا شروع ہو گئے۔ تیس صحابہ نے آپ ﷺ کے قریب ہو کر مدافعت کی اور مشرکین کی فوج کو منتشر کر دیا۔ اس موقع پر سعد بن ابی وقاص طلحہ، ابو طلحہ، اور قتادہ بن النعمان وغیرہ نے بڑی جانبازیاں دکھلائیں آخر مشرکین میدان چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہوئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ یعنی محمد ﷺ بھی آخر خدا تو نہیں۔ ایک رسول ہیں ان سے پہلے کتنے رسول گزر چکے جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان و مال فدا کر کے قائم رکھا۔ آپ کا اس دنیا سے گذرنا بھی کچھ اچنبھا نہیں۔ اس وقت نہ سہی۔ اگر کسی وقت آپ کی وفات ہو گئی یا شہید کر دیے گئے۔ تو کیا تم دین کی خدمت و حفاظت کے راستہ سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دو گے (جیسے اس وقت محض خبر قتل سن کر بہت سے لوگ حوصلہ چھوڑ کر بیٹھنے لگے تھے) یا منافقین کے مشورہ کے موافق العیاذ باللہ سرے سے دین کو خیرباد کہہ دو گے۔ تم سے ایسی امید ہرگز نہیں۔ اور کسی نے ایسا کیا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ خدا کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ وہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں بلکہ تم شکر کرو اگر اس نے اپنے دین کی خدمت میں لگا لیا۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

اور شکر یہی ہے کہ ہم بیش از بیش خدمت دین میں مضبوط و ثابت قدم ہوں۔ اس میں اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت کی وفات پر بعضے لوگ دین سے پھر جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے۔ صدیق اکبرؓ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعض مارے گئے۔

ایک علمی تحقیق: قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ میں خلت خلو سے مشتق ہے جس کے معنی ہو چکنے گذرنے اور چھوڑ کر چلے جانے کے ہیں۔ اس کے لئے موت لازم نہیں جیسے فرمایا وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ یعنی جب تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہوتے ہیں۔ نیز الرسل میں لام استغراق نہیں، لام جنس ہے۔ کیونکہ اثبات مدعا میں استغراق کو کوئی دخل نہیں بعینہ اسی قسم کا جملہ حضرت مسیحؑ کی نسبت فرمایا مَا الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ (المائدۃ۔۷۵) کیالام استغراق لیکر اس کے یہ معنی ہونگے کہ تمام پیغمبر مسیحؑ سے پہلے گذر چکے۔ کوئی ان کے بعد آنے والا نہ رہا۔ لامحالہ لام جنس لینا ہوگا۔ وہ ہی یہاں لیا جائے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف اور ابن عباس کی قرات میں الرسل نہیں رسل نکرہ ہے باقی خلو کی تفصیل میں صرف موت یا قتل کا ذکر اس لئے کیا کہ موت طبعی بہر حال آنے والی تھی اور قتل کی خبر اس وقت مشہور کی گئی تھی۔ اور چونکہ صورت موت کا وقوع میں آنا مقدر تھا اس لئے اس کو قتل پر مقدم کیا گیا۔ ابوبکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب صحابہ کے مجمع میں یہ پوری آیت الشّٰكِرِيۡنَ تک بلکہ آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمۡ مَّيِّتُوۡنَ (الزمر۔۳۰) بھی پڑھی تو لوگ قَدۡخَلَتۡ اور اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ سے خلو اور موت کے جواز و عدم استبعاد پر متنبہ ہو گئے۔ جو صدیق اکبرؓ کی غرض تھی۔ موت کے واقع ہو چکنے پر نہ صدیق اکبرؓ نے اس سے استدلال کیا نہ کسی اور نے سمجھا۔ اگر یہ الفاظ موت واقع ہو چکنے کی خبر دیتے تو چاہئے تھا کہ نزول آیت کے وقت یعنی وفات کے سات برس پہلے ہی سمجھ لیا جاتا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے۔ اس تقریر سے بعض محرفین کی سب تحریفات ہباءً منثورا ہو جاتی ہیں۔ بخوف تطویل ہم زیادہ بسط نہیں کر سکتے۔ اہل علم کے لئے اشارے کر دیے ہیں۔

۲۱۲۔ موت کا وقت معین ہے: جب کوئی شخص بدون حکم الٰہی کے نہیں مر سکتا خواہ کتنے ہی اسباب موت کے جمع ہوں اور ہر ایک کی موت وقت مقدر پر آنی ضرور ہے خواہ بیماری سے ہو یا قتل سے یا کسی اور سبب سے تو خدا پر توکل کرنے والوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کو سن کر مایوس و بددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے۔

۲۱۳۔ یعنی اگر چاہیں كَمَا قَالَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ (بنی اسرائیل۔۱۱۸)

۲۱۴۔ یعنی اس کو آخرت میں یقیناً بدلہ ملے گا۔ اس آیت کے پہلے جملہ میں ان لوگوں پر تعرض ہے جنہوں نے مال غنیمت کی طمع میں عدول حکمی کی۔ اور دوسرے میں ان کا ذکر ہے جو برابر فرمانبرداری پر ثابت قدم رہے۔

۲۱۵۔ شدائد میں صبر کی تلقین: یعنی جو لوگ اس دین پر ثابت قدم رہیں گے ان کو دین بھی ملے گا اور دنیا بھی۔ لیکن جو کوئی اس نعمت کی قدر جانے (کذافی الموضح)

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶۔ اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے [۲۱۶]

وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۷۔ اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر[۲۱۷]

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

۱۴۸۔ پھر دیا اللہ نے ان کو ثواب دنیا کا اور خوب ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے[۲۱۸]

ع ۱۵ ۵ ۶

۲۱۶۔ شدائد میں صبر کی تلقین: یعنی تم سے پہلے بہت اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی ہے۔ جس میں بہت تکلیفیں اور سختیاں اٹھائیں لیکن ان شدائد و مصائب سے نہ ان کے ارادوں میں سستی ہوئی نہ ہمت ہارے نہ کمزوری دکھائی۔ نہ دشمن کے سامنے دبے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ثابت قدم رہنے والوں سے خاص محبت کرتا ہے۔ یہ ان مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور غیرت دلائی جنہوں نے احد میں کمزوری دکھائی تھی حتیٰ کہ بعض نے یہ کہہ دیا تھا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن حاصل کر لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی امتوں کے حق پرستوں نے مصائب و شدائد میں اس قدر صبر و استقلال کا ثبوت دیا تو اس امت کو (جو خیر الامم ہے) ان سے بڑھ کر صبر و استقامت کا ثبوت دینا چاہئے۔

۲۱۷۔ صابرین کی دعا: یعنی مصائب و شدائد کے ہجوم میں نہ گھبراہٹ کی کوئی بات کہی نہ مقابلہ سے ہٹ جانے اور دشمن کی اطاعت قبول کرنے کا ایک لفظ زبان سے نکالا۔ بولے تو یہ بولے کہ خداوندا! تو ہم سب کی تقصیرات اور زیادتیوں کو معاف فرما دے۔ ہمارے دلوں کو مضبوط و مستقل رکھ۔ تا ہمارا قدم جادۂ حق سے نہ لڑکھڑائے اور ہم کو کافروں کے مقابلہ میں مدد پہنچا وہ سمجھے کہ بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو دخل ہوتا ہے۔ اور ہم میں کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی تقصیر نہ ہوئی ہوگی۔ بہر حال بجائے اس کے کہ مصیبت سے گھبرا کر مخلوق کی طرف جھکتے اپنے خالق و مالک کی طرف جھکے۔

۲۱۸۔ یعنی دنیا میں ان کی فتح و ظفر کا سکہ بٹھا دیا وجاہت و قبول عطا کیا اور آخرت کا جو بہترین ثواب ملا اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے دیکھو جو لوگ خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھیں اور نیک کام کریں ان سے خدا ایسی محبت کرتا ہے اور ایسا پھل دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹۔ اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے تم نقصان میں[۲۱۹]

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

۱۵۰۔ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے[۲۲۰]

۲۱۹۔ کفار کے مشورہ پر عمل نہ کرو: یعنی جنگ احد میں مسلمانوں کے دل ٹوٹے تو کافروں اور منافقوں نے موقع پایا۔ بعض الزام اور طعنے دینے

لگے۔ بعض خیر خواہی کے پردہ میں سمجھانے لگے تا آئندہ لڑائی پر دلیری نہ کریں حق تعالیٰ خبر دار کرتا ہے کہ دشمن کے فریب مت کھاؤ۔ اگر خدانہ کردہ ان کے چکموں میں آؤ گے تو جس ظلمت سے خدا نے نکالا ہے پھر الٹے پاؤں اسی میں جا گرو گے اور رفتہ رفتہ دین حق کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ جس کا نتیجہ دنیا و آخرت کے خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ پہلے اللہ والوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی تھی۔ یہاں بد باطن شریروں کا کہنا ماننے سے منع کیا تا مسلمان ہوشیار رہیں اور اپنا نفع نقصان سمجھ سکیں۔

۲۲۰۔ لہٰذا اسی کا کہنا ماننا چاہیئے اور اسی کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہیئے جس کی مدد پر خدا ہو اس کو کیا حاجت ہے کہ دشمنان خدا کی مدد کا منتظر رہے یا ان کے سامنے گردن اطاعت خم کرے۔ حدیث میں ہے کہ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیان نے ہبل کی جے پکاری اور کہا لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم آپ ﷺ نے فرمایا جواب دو اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم۔

سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

۱۵۱۔ اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ظالموں کا [۲۲۱]

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

۱۵۲۔ اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے انکو اسکے حکم سے [۲۲۲] یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی [۲۲۳] بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں چاہتا تھا آخرت [۲۲۴] پھر تم کو الٹ دیا ان پر سے تاکہ تم کو آزماوے [۲۲۵] اور وہ تو تم کو معاف کر چکا [۲۲۶] اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر [۲۲۷]

۲۲۱۔ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب: یعنی یہ تو تمہارا امتحان تھا۔ اب ہم کافروں کے دلوں میں ایسی ہیبت اور رعب ڈالدیں گے کہ وہ باوجود تمہارے زخمی اور کمزور ہونے اور نقصان اٹھانے کے تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرآت نہ کر سکیں۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ ابو سفیان اپنی فوج لے کر بے نیل ونرام میدان سے بھاگا۔ راستہ میں ایک مرتبہ خیال بھی آیا کہ ایک تھکی ماندی زخم خوردہ فوج کو ہم یوں ہی آزاد چھوڑ کر چلے آئے چلو پھر واپس ہو کر ان کا کام تمام کر دیں۔ مگر ہیبت حق اور رعب اسلام کے اثر سے ہمت نہ ہوئی کہ اس خیال کو عمل میں لا سکے۔ برخلاف اس کے مسلمان مجاہدین نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ اور اس کے بعد کبھی موقع نہ دیا کہ احد کے واقعات کا اعادہ ہو سکے۔ (تنبیہ)

مشرک خواہ کتنا ہی زور دکھلائے اس کا دل کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کمزور مخلوق کی عبادت کرتا ہے۔ بس جیسا معبود ویسے عابد ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ (الحج۔۷۳) اور ویسے بھی اصلی زور و قوت تو فی الحقیقت خدا کی تائید و امداد سے ہے جس سے کفار مشرکین یقیناً محروم ہیں اسی لئے جب تک مسلمان مسلمان رہے ہمیشہ کفار ان سے خائف و مرعوب رہے۔ بلکہ ہم آج تک مشاہدہ کرتے ہیں کہ باوجود مسلمانوں کے سخت انتشار و تشتت اور ضعف و تنزل کے دنیا کی تمام کافر طاقتیں اس سوئے ہوئے زخمی شیر سے ڈرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ فکر رکھتی ہیں کہ یہ قوم بیدار ہونے نہ پائے۔ علمی اور مذہبی مناظروں میں بھی اسلام کا یہ ہی رعب مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت سے دشمنوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے بیشک اسی کا اثر ہے جو امت مسلمہ کو ملا۔ فللہ الحمد علی ذلک ولہ المنۃ۔

۲۲۲۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ اگر صبر و استقلال سے کام لوگے، حق تعالیٰ تم کو غالب کرے گا۔ چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ ابتدائے جنگ میں سچا کر دکھایا، انہوں نے خدا کے حکم سے کفار کو مار مار کر ڈھیر کر دیا۔ سات یا نو آدمی جن کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا یکے بعد دیگرے دیا گیا تھا، سب وہیں کھیت ہوئے آخر بدحواس ہو کر بھاگے مسلمان فتح و کامرانی کا چہرہ صاف دیکھ رہے تھے اور اموال غنیمت ان کے سامنے پڑے تھے کہ تیر اندازوں کی غلطی سے خالد بن الولید نے فائدہ اٹھایا اور یک بیک لڑائی کا نقشہ بدل دیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

۲۲۳۔ نافرمانی مسلمانوں کی کمزوری ہے: یعنی پیغمبر ﷺ نے جو حکم تیر اندازوں کو دیا تھا اس کے خلاف کیا اور آپس میں جھگڑنے لگے کوئی کہتا تھا کہ ہم کو یہیں جمے رہنا چاہئے۔ اکثر نے کہا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں چل کر غنیمت حاصل کرنی چاہئے آخر اکثر تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ مشرکین نے اسی راستہ سے دفعۃً حملہ کر دیا۔ دوسری طرف حضور ﷺ کے قتل کی خبر مشہور ہوگئی۔ ان چیزوں نے قلوب میں کمزوری پیدا کر دی جس کا نتیجہ فشل و جبن کی صورت میں ظاہر ہوا۔ گویا فشل کا سبب تنازع اور تنازع کا سبب عصیان تھا۔

۲۲۴۔ یعنی بعضے لوگ دنیوی متاع (مال غنیمت) کی خوشی میں پھسل پڑے۔ جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے میں نے کبھی محسوس نہ کیا تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے۔

۲۲۵۔ یعنی یا تو وہ تمہارے سامنے سے بھاگ رہے تھے، اب تم ان کے آگے بھاگنے لگے۔ تمہاری غلطی اور کوتاہی سے معاملہ الٹا اور اس میں بھی تمہاری آزمائش تھی۔ تا پکے اور کچے صاف ظاہر ہو جائیں۔

۲۲۶۔ یعنی جو غلطی ہوئی تھی خدا تعالیٰ اسے بالکل معاف کر چکا۔ اب کسی کو جائز نہیں کہ ان پر اس حرکت کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے۔

۲۲۷۔ کہ ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے اور عتاب میں بھی لطف و شفقت کا پہلو ملحوظ رکھتا ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾	۱۵۳۔ جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے [۲۲۸] پھر پہنچا تم کو غم عوض میں غم کے تا کہ تم غم نہ کیا کرو اس پر جو ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر کہ جو کچھ پیش آ جاوے [۲۲۹] اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی [۲۳۰]
ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا	۱۵۴۔ پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو جو اونگھ تھی کہ

يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ
يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ
الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ
لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا
هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا
فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

ڈھانک لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے [۲۳۱] اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا [۲۳۲] خیال کرتے تھے

اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے [۲۳۳] کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں [۲۳۴] تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ [۲۳۵] وہ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ [۲۳۶] تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر [۲۳۷] اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور صاف کرنا تھا اس کا جو تمہارے دل میں ہے اور اللہ جانتا ہے دلوں کے بھید [۲۳۸]

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ
اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ
لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع ۱۶ ۷

۱۵۵۔ جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں سو انکو بہکا دیا شیطان نے ان کے گناہ کی شامت سے اور ان کو بخش چکا اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا [۲۳۹]

۲۲۸۔ غزوہ احد میں عارضی شکست کے اسباب: یعنی تم بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں کو چڑھے چلے جارہے تھے اور گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اس وقت خدا کا پیغمبر بدستور اپنی جگہ کھڑا ہوا تم کو اس قبیح حرکت سے روکتا تھا۔ اور اپنی طرف بلارہا تھا۔ مگر تم تشویش واضطراب میں آواز کہاں سننے والے تھے، آخر جب کعب بن مالک چلائے تب لوگوں نے سنا اور واپس آکر اپنے نبی کے گرد جمع ہو گئے۔

۲۲۹۔ یعنی تم نے رسول کا دل تنگ کیا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی۔ غم کا بدلہ غم ملا۔ تا آگے کو یاد رکھو کہ ہر حالت میں رسول کے حکم پر چلنا چاہئے۔ خواہ کوئی نفع کی چیز مثلاً غنیمت وغیرہ ہاتھ سے جائے، یا کچھ بلا سامنے آئے۔ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ کے معنی یوں کئے ہیں کہ خدا نے تم کو غم پر غم دیا۔ یعنی ایک غم تو ابتدائی فتح وکامیابی کے فوت ہونے کا تھا، دوسرا اپنے آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی

ہونے اور نبی کریم ﷺ کی خبر شہادت مشہور ہونے سے پہنچا، بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ فتح و کامرانی کے فوت ہونے، غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے، اور نقصان جانی و بدنی اٹھانے کا جو غم تھا، اس کے عوض میں ایک ایسا بڑا غم دے دیا گیا۔ جس نے پہلے سب غموں کو بھلا دیا۔ نبی کریم ﷺ کے مقتول ہونے کی افواہ، اسی غم کی شدت میں آگے پیچھے کا کچھ ہوش نہ رہا حتٰی کہ حضور ﷺ کی آواز بھی نہ سنی جیسا کہ ایک طرف ہمہ تن ملتفت ہونے کے وقت دوسری طرف سے ذہول و غفلت پیش آ جاتی ہے۔

۲۳۰۔ یعنی تمہارے احوال و نیتوں کو جانتا ہے اور اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔

۲۳۱۔ احد میں صحابہ پر اونگھ کا طاری ہونا: یعنی اس جنگ میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے، اور جن کو لٹنا تھا لٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر حق تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے حضرت طلحہؓ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار چھوٹ کر زمین پر گری۔ یہ ایک حسی اثر اس باطنی سکون و اطمینان کا تھا جو ایسے ہنگامہ رستخیز میں مومنین کے قلوب پر محض خدا کے فضل و رحمت سے وارد ہوا اس کے بعد دشمن کا خوف و ہراس سب کافور ہو گیا۔ یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب لشکر مجاہدین میں نظم و ضبط قائم نہ رہا تھا۔ بیسیوں لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں۔ سپاہی زخموں سے چور چور ہو رہے تھے۔ حضور ﷺ کے قتل کی افواہ نے رہے سہے ہوش و حواس کھو دیے تھے، گویا یہ سونا بیدار ہونے کا پیام تھا۔ غنودگی طاری کر کے ان کی ساری تھکن دور کر دی گئی اور متنبہ فرما دیا کہ خوف و ہراس اور تشویش و اضطراب کا وقت جا چکا۔ اب مامون و مطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو۔ فوراً اصحابہ نے حضور ﷺ کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مطلع صاف تھا۔ دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا۔ (تنبیہ) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ عین لڑائی کے موقع پر نعاس (اونگھ کا طاری ہونا اللہ کی طرف سے (فتح و ظفر کی علامت ہے) حضرت علیؓ کی فوج کو صفین میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

۲۳۲۔ منافقین پر اونگھ کے بجائے جانوں کا خوف: یہ بزدل اور ڈرپوک منافقین ہیں جن کو نہ اسلام کی فکر تھی، نہ نبی کریم ﷺ کی، محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہو گا۔ اس خوف و فکر میں اونگھ یا نیند کہاں؟

۲۳۳۔ منافقین کے طعنے: یعنی وہ اللہ کے وعدے کہاں گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ ختم ہوا۔ اب پیغمبر اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں۔ سب یہیں کام آئیں گے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا (فتح۔ ۱۱۲)

۲۳۴۔ یعنی کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا۔ یا یہ کہ ہم محمد ﷺ کا ساتھ دینے والوں کے ہاتھ میں کچھ بھی فتح و ظفر آئی۔ یا یہ معنٰی کہ اللہ نے جو چاہا سو کیا۔ ہمارا یا کسی کا کیا اختیار؟ یہ تو الفاظ کے ظاہری معنی تھے، لیکن جو دل میں نیت تھی وہ آگے آتی ہے۔

۲۳۵۔ یعنی منافقین کا یہ قول هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ "کلمة حق ارید بها الباطل" ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہے بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام۔ ایک ہی واقعہ کو ایک قوم کے حق میں رحمت اور دوسری کے لئے نقمت بنا دے۔ سب اس کے قبضہ میں ہے۔ مگر تم اس قول سے اپنے دل میں جو معنی لے رہے ہو خدا تمہارے دل کے چور سے واقف ہے جسے آگے بیان کیا جائے گا۔

۲۳۶۔ اصل چور دل کا یہ تھا هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ کہہ کر دل میں یہ مطلب لیتے تھے اور پکے مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں بھی کہتے ہونگے کہ میاں شروع میں ہماری رائے نہ مانی۔ چند جوشیلے ناتجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے چلے گئے۔ آخر منہ کی کھائی اگر کچھ ہمارے اختیار میں ہوتا اور ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان کیوں اٹھانا پڑتا۔ ہماری برادری کے اتنے آدمی مارے گئے، یہ کیوں مارے جاتے (اکثر منافقین نسبًا انصار مدینہ کی برادری میں شامل تھے، اس لئے مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا میں ان کے مارے جانے کو اپنا مارا جانا کہا) یا یہ مطلب ہے کہ اگر محمد ﷺ کے کہنے کے موافق فتح و ظفر اور غلبہ مسلمانوں کے لئے ہوتا تو یہ قتل و جرح کی مصیبت ہم پر کیوں ٹوٹتی۔ (تنبیہ)

بظاہر یہ باتیں منافقین نے مدینہ میں کہیں۔ کیونکہ عبد اللہ بن ابی جنگ شروع ہونے سے پیشتر اپنی جمعیت کو ساتھ لے کر واپس ہو گیا تھا۔ اس صورت میں یہنا کا اشارہ قرب کی وجہ سے احد کی طرف ہو گا۔ لیکن بعض روایات سے ایک منافق معتب بن قشیر کا میدان جنگ میں یہ کلمات کہنا ثابت ہوتا ہے۔ تو شائد بعض منافقین عبد اللہ بن ابی کے ہمراہ کسی مصلحت سے واپس نہ ہوئے ہونگے۔ واللہ اعلم۔

۲۳۷۔ یعنی اس طعن و تشنیع یا حسرت و افسوس سے کچھ حاصل نہیں۔ اللہ تعالٰی نے ہر ایک کی جو اجل، موت کی جگہ، سبب اور وقت لکھ دیا ہے کبھی ٹل نہیں سکتا۔ اگر تم گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری ہی رائے سنی جاتی تب بھی جن کی قسمت میں احد کے قریب جس پڑاؤ پر مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ضرور ادھر نکلتے اور وہیں مارے جاتے یہ خدا کا انعام ہے کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے، مگر اللہ کے راستہ میں خوشی کے ساتھ بہادروں کی موت شہید ہوئے۔ پھر اس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے مردان خدا کو اپنے پر قیاس مت کرو۔

۲۳۸۔ یعنی اللہ تعالٰی تو دلوں کے پوشیدہ بھید جانتا ہے، اس سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ مقصود یہ تھا کہ تم سب کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے۔ تا جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل پڑے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہو جائے۔ مخلصین کامیابی کا صلہ پائیں اور ان کے قلوب آئندہ کے لئے وساوس اور کمزوریوں سے پاک و صاف ہوں۔ منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور لوگ صاف طور پر ان کے خبث باطن کو سمجھنے لگیں۔

۲۳۹۔ مخلصین سے بھی بعض اوقات کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق بڑھتی ہے ایک گناہ کی نحوست سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ دوسری غلطیوں اور لغزشوں کی طرف آمادہ کرے۔ جنگ احد میں بھی جو مخلص مسلمان ہٹ گئے تھے، کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر ان کا قدم ڈگمگا دیا۔ چنانچہ ایک گناہ تو یہ ہی تھا کہ تیر اندازوں کی بڑی تعداد نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی پابندی نہ کی مگر خدا کا فضل دیکھو کہ اس کی سزا میں کوئی تباہ کن شکست نہیں دی بلکہ ان حضرات پر اب کوئی گناہ بھی نہیں رہا، حق تعالٰی کلیۃً ان کی تقصیر معاف فرما چکا ہے، کسی کو طعن و ملامت کا حق نہیں۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّى لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَ مَا قُتِلُوۡا ۚ لِيَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰ لِكَ حَسۡرَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ‌ؕ وَ اللّٰهُ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶۔ اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے [۲۴۰] اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو [۲۴۱] جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے افسوس ان کے دلوں میں [۲۴۲] اور اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے [۲۴۳] اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا ہے [۲۴۴]

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷۔ اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے [۲۴۵] تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اسکی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں

وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کے آگے اکٹھے ہو گے تم سب[۲۴۶]

۲۴۰۔ یعنی تم ان کافر منافقوں کی طرح ایسے لغو خیالات کو زنہار دل میں جگہ نہ دینا کہ گھر میں بیٹھے رہتے تو نہ موت آتی نہ مارے جاتے۔

۲۴۱۔ چونکہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے اس لئے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہا، یا اس لئے کہ نسبی طور پر وہ اور انصار مدینہ برادری کے بھائی بند تھے۔ اور چونکہ یہ بات خیر خواہی و ہمدردی کے پیرایہ میں کہتے تھے اس لئے لفظ اخوان سے تعبیر کیا گیا۔

۲۴۲۔ منافقین کی حسرت: یعنی خواہ مخواہ باہر نکل کر مرے، ہمارے پاس اپنے گھر پڑے رہتے تو کیوں مرتے یا کیوں مارے جاتے، یہ کہنا اس غرض سے تھا کہ سننے والے مسلمانوں کے دل میں حسرت و افسوس پیدا ہو کہ واقعی بے سوچے سمجھے نکل کھڑے ہونے اور لڑائی کی آگ میں کود پڑنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ گھر رہتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔ مگر مسلمان ایسے کچے نہ تھے جو ان چکموں میں آ جاتے، ان باتوں سے الٹا منافقین کا بھرم کھل گیا۔ بعض مفسرین نے لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ میں لام عاقبت لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ منافقین کے زبان اور دل پر یہ باتیں اس لئے جاری کی گئیں کہ خدا ان کو ہمیشہ اسی حسرت و افسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے۔ اور دوسری حسرت ان کو یہ رہے کہ مسلمان ہماری طرح نہ ہوئے اور ہماری باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا، گویا اس طرح لیجعل کا تعلق لا تکونوا سے بھی ہو سکتا ہے۔

۲۴۳۔ صحابہ کرام کو اصولی نصیحت: یعنی مارنا جلانا اللہ کا کام ہے۔ بہتیرے آدمی عمر بھر سفر کرتے لڑائیوں میں جاتے ہیں مگر موت گھر میں بستر پر آتی ہے اور کتنے ہی آدمی گھر کے کونے میں پڑے رہنے کے خوگر ہیں، لیکن اخیر میں خدا کوئی سبب کھڑا کر دیتا ہے کہ وہ باہر نکلیں اور وہیں مریں یا مارے جائیں۔ بندہ کی روک تھام سے یہ چیز ٹلنے اور بدلنے والی نہیں۔ حضرت خالد بن الولیدؓ نے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں، مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح (گھر میں) مر رہا ہوں فلا نامت اعین الجبناء (خدا کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں)

۲۴۴۔ کہ منافقین و کفار کس راستہ پر جا رہے ہیں اور مسلمان کہاں تک ان کے تشبہ اور پیروی سے علیحدہ رہتے ہیں۔ ہر ایک کو اس کی حالت کے مناسب بدلہ دے گا۔

۲۴۵۔ یعنی اسی کی راہ میں۔

۲۴۶۔ یعنی فرض کرو تم سفر یا جہاد میں نہ نکلے اور فی الحال موت سے بچ گئے مگر ضروری ہے کہ کبھی نہ کبھی مرو گے یا مارے جاؤ گے، پھر بہر حال خدا کے سامنے سب کو جمع ہونا ہے۔ اس وقت پتہ چل جائے گا کہ جو خوش قسمت اللہ کی راہ میں نیک کام کرتے ہوئے مرے یا مارے گئے تھے ان کو خدا تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے کیسا وافر حصہ ملا، جس کے سامنے تمہاری دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت و ثروت سب ہیچ ہے الحاصل اگر منافقین ہی کا قول تسلیم کر لیا جائے کہ گھر سے نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے، تب بھی سراسر خسارہ تھا۔ کیونکہ اس صورت میں اس موت سے محروم رہ جاتے جس پر ایسی ایسی لاکھوں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ جو حقیقت میں موت نہیں حیات ابدی ہے فنا فی اللہ کی تہ میں بقاء کا راز مضمر ہے۔ جو جینا ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ

۱۵۹۔ سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش

عَنۡهُمۡ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَ شَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ﴿۱۵۹﴾

مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے[۲۴۷]

۲۴۷۔ تجھ جیسا نرم خو نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اللہ کی رحمت سے ملا: مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں پر متنبہ فرمانے اور معافی کا اعلان سنانے کے بعد نصیحت کی تھی کہ آئندہ اس مار آستین جماعت کی باتوں سے فریب مت کھانا۔ اس آیت میں ان کے عفو تقصیر کی تکمیل کی گئی ہے۔ چونکہ جنگ احد میں سخت خوفناک غلطی اور زبردست کوتاہی مسلمانوں سے ہوئی تھی، شاید آپ کا دل خفا ہوا ہو گا اور چاہا ہو گا کہ آئندہ ان سے مشورہ لے کر کام نہ کیا جائے، اس لئے حق تعالیٰ نے نہایت عجیب و غریب پیرایہ میں ان کی سفارش کی اول اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر دیا کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ آپ کا غصہ اور رنج خالص اپنے پروردگار کے لئے ہوتا ہے، پھر فرمایا فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ یعنی اللہ کی کتنی بڑی رحمت آپ پر اور ان پر ہے کہ آپ کو اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو بنا دیا۔ کوئی اور ہوتا تو خدا جانے ایسے سخت معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرتا، یہ کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ تجھ جیسا شفیق و نرم دل پیغمبر ان کو مل گیا، فرض کیجئے اگر خدا نہ کردہ آپ کا دل سخت ہوتا اور مزاج میں شدت ہوتی تو یہ قوم آپ کے گرد کہاں جمع رہ سکتی تھی، ان سے کوئی غلطی ہوتی اور آپ سخت پکڑتے تو شرم و دہشت کے مارے پاس بھی نہ آسکتے، اس طرح یہ لوگ بڑی خیر و سعادت سے محروم رہ جاتے اور جمعیۃ اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو نرم دل اور نرم خو بنایا۔ آپ اصلاح کے ساتھ ان کی کوتاہیوں سے اغماض کرتے رہتے ہیں۔ سو کوتاہی بھی جہاں تک آپ کے حقوق کا تعلق ہے معاف کر دیجئے اور گو خدا اپنا حق معاف کر چکا ہے تاہم ان کی مزید دلجوئی اور تطییب خاطر کے لئے ہم سے بھی ان کے لئے معافی طلب کریں، تا یہ شکستہ دل آپکی خوشنودی اور انبساط محسوس کر کے بالکل مطمئن و منشرح ہو جائیں۔

صحابہ کرام سے مشاورت کا حکم: اور صرف معاف کر دینا ہی نہیں، آئندہ بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں، مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لیا جائے، پھر خدا پر توکل کر کے اس کو بلا پس و پیش کر گذریئے۔ خدا تعالیٰ متوکلین کو پسند کرتا اور ان کے کام بنا دیتا ہے (تنبیہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا عزم کیا ہے؟ فرمایا مشاورۃ اہل الرائے ثم اتباعہم (ابن کثیر) اور مجمع الزوائد میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے یا رسول اللہ جو بات ہم کتاب و سنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ استعمال کریں؟ فرمایا فقہاء عابدین (سمجھ دار خدا پرستوں) سے مشورہ کرو ولا تمضوا فیہ رای خاصۃٍ (اور کسی اکے دوکے کی رائے مت جاری کرو)

اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

۱۶۰۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے گا اور اگر مدد نہ کرے تمہاری تو پھر ایسا کون ہے جو مدد کر سکے تمہاری اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسا چاہئے مسلمانوں کو[۲۴۸]

وَ مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ؕ وَ مَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا
غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ
وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپاوے گا وہ لائے گا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے پھر پورا پاوے گا ہر کوئی جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا[۲۴۹]

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۲۔ کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اسکے جس نے کمایا غصہ اللہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پہنچا[۲۵۰]

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا
یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۳۔ لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں[۲۵۱]

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ
یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا
مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا[۲۵۲] پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے انکو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے انکو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے[۲۵۳]

اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ
قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دوچند تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی[۲۵۴] تو کہہ دے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی طرف سے[۲۵۵] بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ
لِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۙ ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶۔ اور جو کچھ تم کو پیش آیا اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو

وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ
قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ
مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ﴿١٦٧﴾

١٦٧۔ اور تاکہ معلوم کرے ان کو جو منافق تھے[۲۵٦] اور کہا گیا ان کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو[۲۵۷] بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں[۲۵۸] وہ لوگ اس دن کفر کے قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے[۲۵۹] کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں[۲٦۰]

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا
قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾

١٦٨۔ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے[۲٦۱] تو کہہ دے اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو[۲٦۲]

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿١٦٩﴾

١٦٩۔ اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ
يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ
خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ﴿١٧٠﴾

١٧٠۔ خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں انکی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ انکو غم

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴿١٧١﴾ ع ۱۷ ۸

١٧١۔ خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی[۲٦۳]

۲۴۸۔ اللہ پر بھروسہ نیت سے بڑی طاقت ہے: پہلے آپ کو فرمایا تھا بھروسہ کر اللہ پر یہاں بتلایا کہ بھروسہ کے لائق ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو سب سے زبردست اور غالب ہو سب مسلمانوں کو اس کی امداد پر توکل کرنا چاہیئے۔ گویا مسلمانوں کی تقصیر خود معاف کرنے اور اپنے پیغمبر سے معاف کرا دینے کے بعد ان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ کسی کے کہنے سننے میں نہ آئیں، خالص خدا پر بھروسہ رکھیں اس کی مدد ہو گی تو کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آسکتی۔ جیسے بدر میں دیکھ چکے اور کسی مصلحت سے وہ مدد نہ کرے تو پھر کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ احد میں تجربہ ہو گیا۔

۲۴۹۔ نبی خیانت نہیں کر سکتا: اس سے غرض یا تو مسلمانوں کی پوری طرح خاطر جمع کرنا ہے تا یہ وسوسہ نہ لائیں کہ شائد حضرت نے ہم کو بظاہر معاف کر دیا اور دل میں خفا ہیں پھر کبھی خفگی نکالیں گے؟ یہ کام نبیوں کا نہیں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ یا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ حضرت کی عظمت اور عصمت و امانت کو پوری طرح مستحضر رکھیں، آپ کی نسبت کبھی کوئی لغو اور بیہودہ خیال نہ لائیں۔ مثلاً یہ گمان نہ کریں کہ غنیمت کا کچھ مال چھپا رکھیں گے؟ (العیاذ باللہ) شاید یہ اس واسطے فرمایا کہ وہ تیر انداز غنیمت کے لئے مورچہ چھوڑ کر دوڑے تھے، کیا حضرت ان کو حصہ نہ دیتے؟ یا بعضی چیزیں چھپا رکھتے؟ اور بعض روایات میں ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک چیز (چادر یا تلوار) غنیمت میں سے گم ہو گئی تھی، کسی نے کہا شاید حضرت نے اپنے واسطے رکھی ہو گی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، بہر حال مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر حضور ﷺ اپنی نرم خوئی اور خوش خلقی سے تمہاری غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تو تم کو حضور ﷺ کی عظمت شان اور عصمت و نزاہت کا بہت زیادہ پاس رکھنا چاہیئے، کسی قسم کا کمزور اور رکیک خیال مومنین کے پاس نہ آنے پائے، دوسری طرف چونکہ آپ کی شفقت و نرم دلی یاد دلا کر جنگ احد کے متعلق مسلمانوں کی کوتاہی کو معاف کرایا جا رہا تھا، اسی ذیل میں ایک دوسری کوتاہی بھی یاد دلا دی جو بدر سے متعلق تھی آپ اپنی نرم خوئی سے اس پر بھی کچھ دھیان نہ کریں۔ (تنبیہ) غلول کے اصلی معنی غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں۔ لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات محض ایک چیز کے چھپا لینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے ابن مسعودؓ نے فرمایا غُلُّوْا مَصَاحِفَكُمْ۔

۲۵۰۔ یعنی جو پیغمبر ہر حال میں خدا کی مرضی کا تابع بلکہ دوسروں کو بھی اس کی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے، کیا ان لوگوں کے ایسے کام کر سکتا ہے جو خدا کے غضب کے نیچے اور دوزخ کے مستحق ہیں؟ ممکن نہیں۔

۲۵۱۔ یعنی نبی اور سب خلقت برابر نہیں، طمع وغیرہ کے پست اور ذلیل کام نبیوں سے نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ سب کو جانتا ہے کہ کون کس درجہ کا ہے اور سب کے کام دیکھتا ہے کیا وہ ایسی پست طبیعت والوں کو منصب نبوت پر سرفراز فرمائے گا؟ العیاذ باللہ۔

۲۵۲۔ رسول اللہ کی بعثت اللہ کا احسان ہے: یعنی انہی کی جنس اور قوم کا ایک آدمی رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس بیٹھنا بات چیت کرنا، زبان سمجھنا اور ہر قسم کے انوار و برکات کا استفادہ کرنا آسان ہے، اس کے احوال، اخلاق سوانح زندگی، امانت و دیانت خدا ترسی اور پاکبازی سے وہ خوب طرح واقف ہیں۔ اپنی ہی قوم اور کنبے کے آدمی سے جب معجزات ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں تو یقین لانے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ فرض کرو کوئی جن یا فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا تو معجزات دیکھ کر یہ خیال کر لینا ممکن تھا کہ چونکہ جنس بشر سے جداگانہ مخلوق ہے شاید یہ خوارق اس کی خاص صورت نوعیہ اور طبیعت ملکیہ و جنیہ کا نتیجہ ہوں، ہمارا اس سے عاجز رہ جانا دلیل نبوت نہیں بن سکتا بہر حال مومنین کو خدا کا احسان ماننا چاہیئے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا جس سے بے تکلف فیض حاصل کر سکتے ہیں اور وہ باوجود معزز ترین اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے ان ہی کے مجمع میں نہایت نرم خوئی اور ملاطفت کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے ﷺ۔

۲۵۳۔ بعثت رسول کے بنیادی مقاصد: اس مضمون کی آیت سورۂ بقرہ میں دو جگہ گذر چکی ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی چار شانیں بیان کی گئیں۔

۱۔ تلاوت آیات: (اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا) جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔

۲۔ تزکیہ نفوس: (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صقیل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے، حضور کی صحبت اور قلبی توجہ و تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی۔

۳۔ تعلیم کتاب: (کتاب اللہ کی مراد بتلانا) اس کی ضرورت خاص خاص مواقع میں پیش آتی تھی۔ مثلاً ایک لفظ کے کچھ معنی عام تبادر اور محاورہ کے لحاظ سے سمجھ کر صحابہ کو کوئی اشکال پیش آیا، اس قت آپ کتاب اللہ کی اصلی مراد جو قرائن مقام سے متعین ہوتی تھی بیان فرما کر شبہات کا ازالہ فرمادیتے تھے، جیسے اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ (الانعام۔ ۸۲) الخ اور دوسرے مقامات میں ہوا۔

۴۔ تعلیم حکمت: (حکمت کی گہری باتیں سکھلانا) اور قرآن کریم کے غامض اسرار و لطائف اور شریعت کی دقیق و عمیق علل پر مطلع کرنا خواہ تصریحاً یا اشارۃً۔

آپ نے خدا کی توفیق و اعانت سے علم و عمل کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چندروزہ تعلیم و صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ اس نعمت عظمٰی کی قدر پہچانیں۔ اور کبھی بھولے سے ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ کا دل متالم ہو۔

۲۵۴۔ احد کی تکلیف پر مسلمانوں کے شکوے کا جواب: پہلے سے احد کا قصہ چلا آتا تھا، درمیان میں جو کوتاہی ہوئی تھی اس کے عفو کا ذکر ہوا اور اسی کی مناسبت سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق و حقوق یاد دلائے گئے۔ اب پھر احد کے قصہ کی طرف عود کیا جاتا ہے یعنی جنگ احد میں جو تکلیف اور نقصان اٹھانا پڑا کیا اس پر تم تعجب سے کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں آگئی، ہم تو مسلمان مجاہد تھے جو خدا کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے تھے۔ خدا تعالیٰ پیغمبر کی زبانی نصرت و امداد کا وعدہ فرما چکا تھا۔ پھر یہ مصیبت ہم پر کیونکر اور کدھر سے نازل ہوئی۔ ایسا کہتے وقت سوچنا چاہئے کہ جس قدر تکلیف تم کو پہنچی اس سے دوچند تکلیف ان کو تم سے پہنچ چکی ہے۔ احد میں تمہارے تقریباً ستر آدمی شہید ہوئے بدر میں ان کے ستر مارے جا چکے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا چاہتے تو قتل کر ڈالتے۔ پھر احد میں بھی ابتداءً ان کے بیس سے زائد قتل ہو چکے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے تم کو ہزیمت ہوئی تو بدر میں ان کو تباہ کن ہزیمت مل چکی اور احد میں بھی جب تم جم کر لڑے وہ منہزم ہوئے۔ پھر آخر میں میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسی صورت میں انصافاً تم کو اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے اور زیادہ بد دل ہونے کا موقع نہیں۔

۲۵۵۔ اگر غور کرو تو تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو۔ تم نے جوش میں آکر پیغمبر کی اور بہت سے تجربہ کاروں کی رائے قبول نہ کی اپنی پسند اور اختیار سے مدینہ کے باہر محاذ جنگ قائم کیا۔ پھر باوجود نہی شدید تیر اندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ کر مرکز خالی کر دیا۔ اور ایک سال پہلے جب اُساریٰ بدر کے متعلق تم کو اختیار دیا گیا تھا کہ یا انہیں قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو اس شرط پر کہ آئندہ اتنے ہی آدمی تم سے لئے جائیں گے تو تم نے فدیہ کی صورت اختیار کی اور شرط کو قبول کر لیا، اب وہ ہی شرط پوری کرائی گئی تو تعجب و انکار کا کیا موقع ہے یہ چیز تو خود اپنی طرف سے تم قبول کر چکے تھے (اُساریٰ بدر کا پورا قصہ سورۂ انفال میں آئے گا)

۲۵۶۔ احد میں عارضی شکست کی حکمت: جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کر دے۔ مغلوب کرنا اس لئے نہیں کہ وہ اس وقت غالب کرنے پر قادر نہ تھا، بلکہ اس لئے ہے کہ تمہارے کسب و اختیار سے صورت حال ایسی پیدا ہو گئی کہ کلی غلبہ عطا کرنے میں مصلحت نہ تھی بہر حال جو کچھ ہوا اس کے حکم و مشیت سے ہوا جس کا سبب تم تھے اور حکمت یہ تھی ایک طرف ہر مومن مخلص کے ایمان و اخلاص کا اور

دوسری جانب ہر منافق کے نفاق کا درجہ ظاہر ہو جائے، کھرے کھوٹے اور کچے پکے میں کسی کو کچھ التباس نہ رہے۔

۲۵۷۔ احد میں منافقین کی علیحدگی کا بیان: جنگ شروع ہونے سے پہلے جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا اس وقت کہا گیا تھا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو، آؤ اگر دعویٰ اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو۔ ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے میں حصہ لو یعنی مجمع میں شریک رہو تا کہ کثرت تعداد کا اثر دشمن پر پڑے یا یہ کہ خدا کی راہ میں دین کی خاطر نہیں لڑتے تو حمیت وطنی و قومی یا اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو۔ کیونکہ دشمن اگر کامیاب ہوا تو انتقام لینے میں مومنین و منافقین کی تمیز نہ کرے گا۔ عام مسلمانوں کی طرح تم بھی نقصان اٹھاؤ گے، غرض ان پر ہر طرح ان کے مذاق کے موافق اتمام حجت کیا گیا۔ تا جو کچھ دلوں میں ہے علانیہ ظاہر ہو جائے۔

۲۵۸۔ یعنی لڑائی ہوتی نظر نہیں آتی خوامخواہ کا ڈھونگ ہے اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی ہونے والی ہے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے جب لڑائی دیکھیں گے شامل ہو جائیں گے یا یہ مطلب تھا کہ کوئی ڈھنگ کا مقابلہ ہوتا تو ہم ساتھ رہتے۔ بھلا یہ کوئی مقابلہ ہے کہ ایک طرف تین ہزار کا لشکر اور دوسری طرف صرف ایک ہزار بے سروسامان آدمی یہ لڑائی کیا ہے محض اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا لو نعلم قتالا سے یہ ظاہر کرتے تھے کہ صاحب! ہم فنون جنگ اور لڑائی کے قاعدوں سے واقف ہوتے تو آپ کے ساتھ رہتے۔ گویا دل میں طعن دیا کہ ہمارے مشورہ پر چلے نہیں اوروں کی رائے پر عمل کیا۔ تو ہم کو لڑائی کے قاعدوں سے ناواقف سمجھے اور آپ واقف بنے، پھر ہمیں ساتھ کیوں لیتے ہو۔ بہر حال جھوٹے حیلے حوالے کر کے چلے گئے۔

۲۵۹۔ منافقین دل سے کافر اور زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اسی زبانی اسلام کی بناء پر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے تھے اس روز عین موقع پر پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے جانے اور جھوٹے حیلے تراشنے سے اچھی طرح نفاق کی قلعی کھل گئی۔ اب ظاہر میں بھی بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہو گئے اور اپنے فعل سے مسلمانوں کو نقصان اور کافروں کو تقویت پہنچائی۔

۲۶۰۔ یعنی زبان سے لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعۡنٰكُمۡ کہتے ہیں اور جو دل میں ہے صاف نہیں کہتے۔ دل میں یہ تھا کہ اچھا ہے مسلمان مغلوب و ذلیل ہوں اور ہم خوشی سے بغلیں بجائیں۔

۲۶۱۔ یعنی خود نامرد بن کر بیٹھ رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں (انصار مدینہ) کو کہتے ہیں کہ ہماری بات مان کر گھر میں بیٹھے رہتے تو مارے نہ جاتے۔

۲۶۲۔ یعنی اگر گھر میں بیٹھ رہنے سے جان بچ سکتی ہے تو دیکھیں موت کو گھر میں کس طرح نہ آنے دیں گے۔ اگر یہاں رہ کر بھی موت پیچھا نہیں چھوڑتی تو پھر بہادروں کی طرح میدان میں عزت کی موت کیوں نہ مریں۔

۲۶۳۔ شہید مردہ نہیں زندہ ہیں: یعنی گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے بجائے حیات جاودانی کہنا چاہئے۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مُردوں کو نہیں ملتی، ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے۔ جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح جو اصل طیور خضر میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں۔ ان طیور خضر کی کیفیت و کلانی کو اللہ ہی جانے، وہاں کی چیزیں ہمارے احاطۂ خیال میں کہاں آ سکتی ہیں اس وقت شہداء بیحد مسرور و مبتہج ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی۔ اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا، جو وعدے شہیدوں کے لئے پیغمبر ﷺ کی زبانی کئے گئے تھے انہیں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں۔ اور دیکھتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ خیال و گمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے۔ پھر نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہو گا نہ پیچھے کا غم مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔

شہدائے احد کی ایک تمنا: بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بیر معونہ نے خدا کے ہاں پہنچ کر تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے اس عیش و تنعم کی خبر کوئی ہمارے بھائیوں کو پہنچا دے، تا وہ بھی اس زندگی کی طرف جھپٹیں اور جہاد سے جان نہ چرائیں، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پہنچاتا ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل کیں اور ان کو مطلع کر دیا گیا کہ ہم نے تمہاری تمنا کے موافق خبر پہنچا دی، اس پر وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ ﴿۱۷۲﴾

۱۷۲۔ جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم جو ان میں نیک ہیں اور پرہیز گار ان کو ثواب بڑا ہے

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۳۔ جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کو سو تم ان سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا ان کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے [۲۶۴]

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ پھر چلے آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کچھ نہ پہنچی ان کو برائی اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے اور اللہ کا فضل بڑا ہے [۲۶۵]

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵۔ یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو [۲۶۶]

۲۶۴۔ صحابہ کرام کا اللہ پر بے مثال بھروسہ: ابوسفیان جب احد سے مکہ کو واپس گیا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی، ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یونہی چھوڑ کر چلے آئے، مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصہ تمام کر دیں آپ کو خبر ہوئی تو اعلان فرما دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اللہ اور رسول کی پکار پر نکل پڑے۔ آپ ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام حمراء الاسد تک (جو مدینہ سے آٹھ میل ہے) پہنچے ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں سخت رعب و دہشت طاری ہو گئی۔ دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔ عبد القیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آرہا تھا۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کو کچھ دیکر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سن کر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب وخوف زدہ ہو جائیں انہوں نے مدینہ پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کے استیصال کی غرض سے تیار کیا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوش ایمان بڑھ گیا اور کفار کی جمعیۃ کا حال سن کر کہنے لگے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ساری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے، اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں، بعض کہتے ہیں کہ جنگ احد تمام ہونے پر ابوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال بدر پر پھر لڑائی ہے۔ حضرت نے قبول کر لیا۔ جب اگلا سال آیا حضرت نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے چلو۔ اگر کوئی نہ جائے گا تب بھی اللہ کا رسول تنہا جائے گا۔ ادھر سے ابوسفیان فوج لے کر مکہ سے نکلا۔ تھوڑ دور چل کر ہمت ٹوٹ گئی رعب چھا گیا۔ قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ واپس جائے۔ مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر رہے۔ ایک شخص مدینہ جاتا تھا اس کو کچھ دینا کیا کہ وہاں پہنچ کر اس طرف کی ایسی خبریں مشہور کرنا جن کو سن کو مسلمان خوف کھائیں اور جنگ کو نہ نکلیں وہ مدینہ پہنچ کر کہنے لگا کہ مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے، تم کو لڑنا بہتر نہیں مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے استقلال دیا، انہوں نے یہ ہی کہا کہ ہم کو اللہ کافی ہے۔ آخر مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے۔ وہاں بڑا بازار لگتا تھا۔ تین روز رہ کر تجارت کر کے خوب نفع کما کر مدینہ واپس آئے۔ اس غزوہ کو بدر صغریٰ کہتے ہیں اس وقت جن لوگوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے ان کو یہ بشارت ہے کہ احد میں زخم کھا کر اور نقصان اٹھا کر پھر ایسی جرات کی۔ مسلمانوں کی اس جرأت و مستعدی کی خبر سن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے۔ چنانچہ مکہ والوں نے اس مہم کا نام جیش السویق رکھ دیا، یعنی وہ لشکر جو محض ستو پینے گیا تھا، پی کر واپس آ گیا۔ (تنبیہ) یہ جو فرمایا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا محض ان کی مدح سرائی اور تنویہ شان کے لئے ہے ورنہ وہ سب کے سب ایسے ہی تھے۔

۲۶۵۔ مسلمانوں کو مالی منافع: یعنی اللہ کا فضل دیکھو، نہ کچھ لڑائی کرنی پڑی نہ کانٹا چبھا، مفت میں ثواب کمایا تجارت میں نفع حاصل کر کے اور دشمنوں پر دھاک بٹھلا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی لئے ہوئے صحیح سلامت گھر واپس آ گئے۔ (تنبیہ) بدر صغریٰ کی طرح غزوہ حمراء الاسد میں بھی ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ سامان کی خرید وفروخت ہوئی تھی اور مسلمانوں نے بھاری نفع کمایا تھا غالبًا وَفَضْلٍ سے یہ ہی مالی منافع مراد ہے۔

۲۶۶۔ یعنی جو ادھر سے آکر مرعوب کن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے یا شیطان کے اغواء سے ایسا کر رہا ہے جس کی غرض یہ ہے کہ اپنے چیلے چانٹوں اور بھائی بندوں کا رعب تم پر بٹھلا کر خوفزدہ کر دے، سو تم اگر ایمان رکھتے وہ (اور ضرور رکھتے ہو جس کا ثبوت عملًا دے چکے) تو ان شیطانوں سے اصلًا مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرتے رہو کہ۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسید ازو جن و انس و ہر کہ دید۔

وَ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّھُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَھُمْ

۱۷۶۔ اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور ان کے لئے عذاب ہے

حَظًّا فِی الۡاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۶﴾

بڑا[۲۶۷]

اِنَّ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡكُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیۡـًٔا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷۔ جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اور انکے لئے عذاب ہے دردناک[۲۶۸]

وَ لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَهُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَهُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸۔ اور یہ نہ سمجھیں کافر کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں ان کو کچھ بھلا ہے ان کے حق میں ہم تو مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں اور ان کے لئے عذاب ہے خوار کرنے والا[۲۶۹]

۲۶۷۔ یعنی شیطان کی دھمکیوں سے مومن نہیں ڈرتے، ہاں منافق اس کی باتیں سن کر کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ ان ملعون منافقوں کی حرکات سے کچھ غمگین اور فکرمند نہ ہوں، یہ اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ ان کا حد سے زیادہ نفاق وشقاق پتہ دے رہا ہے کہ حق تعالیٰ انہیں انجام کار حقیقی کامیابی اور فوائد سے محروم رکھے گا اور بہت سخت سزا دے گا جو لوگ ایسے معاند اور شریر کجرو ہوں اللہ کی عادت ان کے ساتھ یہ ہی ہے۔ ایسوں کے غم میں اپنے کو زیادہ گھلانے کی ضرورت نہیں۔

۲۶۸۔ یعنی جنہوں نے ایمانی فطرت کو بدل کر کفر اختیار کیا خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین، یا منافقین، یا کوئی اور وہ سب مل کر بھی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہاں اپنے پاؤں پر خود اپنے ہاتھ سے کلہاڑی مار رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔

۲۶۹۔ دنیا کی دولت کفار کے لئے ڈھیل ہے: یعنی ممکن ہے کافروں کو اپنی لمبی عمریں، خوشحالی اور دولت وثروت وغیرہ کی فراوانی دیکھ کر خیال گزرے کہ ایسے مغضوب و مطرود ہوتے تو ہم کو اتنی فراخی اور مہلت کیوں دی جاتی اور ایسی بھلی حالت میں کیوں رکھے جاتے؟ سو واضح رہے کہ یہ مہلت دینا ان کے حق میں کچھ بھلی بات نہیں، مہلت دینے کا نتیجہ تو یہ ہی ہو گا کہ جن کو گناہ سمیٹ کر کفر پر مرنا ہے وہ اپنے اختیار اور آزادی سے خوب جی بھر کر ارمان نکال لیں اور گناہوں کا ذخیرہ فراہم کر لیں وہ سمجھتے رہیں کہ ہم بڑی عزت سے ہیں حالانکہ ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ان کے لئے تیار ہے اب سوچ لیں کہ مہلت دینا ان جیسوں کے حق میں بھلا ہوا یا برا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلٰی مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطۡلِعَكُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنۡ

۱۷۹۔ اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کر دے ناپاک کو پاک سے اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے[۲۷۰] سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تو تم کو بڑا ثواب ہے[۲۷۱]

تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

۲۷۰۔ یعنی جس طرح خوشحالی اور مہلت دینا کفار کے حق میں مقبولیت کی دلیل نہیں، اسی طرح اگر مخلص مسلمانوں کو مصائب اور ناخوشگوار حوادث پیش آئیں (جیسے جنگ احد میں آئے) یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے مغضوب ہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گول مول حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر اب تک رہے ہیں۔ یعنی بہت سے کافر ازراہ نفاق کلمہ پڑھ کر دھوکہ دینے کے لئے ان میں ملے جلے رہتے تھے جن کے ظاہر حال پر منافق کا لفظ کہنا مشکل تھا۔ لہذا ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے واقعات و حالات بروئے کار لائے جو کھرے کو کھوٹے سے اور پاک کو ناپاک سے کھلے طور پر جدا کر دیں۔ بیشک خدا کو آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدون امتحان میں ڈالے منافقوں کے ناموں اور کاموں سے مطلع کر دیتا۔ لیکن اس کی حکمت و مصلحت مقتضی نہیں کہ سب لوگوں کو اس قسم کے غیوب سے آگاہ کر دیا کرے۔ ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی یقینی اطلاع دینا چاہے دے دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے۔ مگر جس قدر خدا چاہے۔

۲۷۱۔ یعنی خدا کا جو خاص معاملہ پیغمبروں سے ہے، اور پاک و ناپاک کو جدا کرنے کی نسبت جو عام عادت حق تعالیٰ کی رہی ہے اس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتوں پر یقین رکھو اور تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم رہو۔ یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا۔

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ ۹

۱۸۰۔ اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے انکو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے انکے حق میں بلکہ یہ بہت برا ہے انکے حق میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا انکے گلوں میں وہ مال جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن[۲۷۲] اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا[۲۷۳] اور اللہ جو کرتے ہو سو جانتا ہے[۲۷۴]

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱۔ بیشک اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار[۲۷۵] اب لکھ رکھیں گے ہم انکی بات اور جو خون کئے ہیں انہوں نے انبیاء کے ناحق اور کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا[۲۷۶]

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

۱۸۲۔ یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر[۲۷۷]

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ ج

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ
لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ
قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ
قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾

۱۸۳۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ کریں کسی رسول کا جب تک نہ لاوے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جائے اس کو آگ [۲۷۸] تو کہہ تم میں آ چکے کتنے رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر ان کو کیوں قتل کیا تم نے اگر تم سچے ہو [۲۷۹]

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿١٨٤﴾

۱۸۴۔ پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلاویں تو پہلے تجھ سے جھٹلائے گئے بہت رسول جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن [۲۸۰]

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ
الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ
الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾

۱۸۵۔ ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو پورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن [۲۸۱] پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اس کا کام تو بن گیا اور نہیں زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی [۲۸۲]

لَتُبْلَوُنَّ فِىْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾

۱۸۶۔ البتہ تمہاری آزمائش ہو گی مالوں میں اور جانوں میں اور البتہ سنو گے تم اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں [۲۸۳]

۲۷۲۔ بخیل کا مال قیامت میں اس کے گلے کا طوق ہوگا: ابتدائے سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا۔ درمیان میں خاص مناسبات وجوہ کی بنا پر غزوہ احد کی تفصیلات آ گئیں۔ انہیں بقدر کفایت تمام کر کے یہاں سے پھر اہل کتاب کی شنائع بیان کی جاتی ہیں۔ چونکہ ان میں سے یہود کا معاملہ بہت مضرت رساں اور تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر ان ہی میں کے تھے اور اوپر کی آیت میں آگاہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اب خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہے گا سو یہ جدائی جس طرح جانی و بدنی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی تھی اسی طرح مالی جہاد کے وقت بھی کھرا کھوٹا اور کچا پکا صاف طور پر الگ ہو جاتا تھا۔ اس لئے بتلا دیا کہ یہود منافقین جیسے جہاد کے موقع سے بھاگے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے بچ کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں ایسے ہی بخل کر کے بہت مال اکٹھا کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش نہ بھی آئی تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔ اس میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص بخل و حرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود منافقین کی روش اختیار کرے گا، اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اژدہے کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ نعوذ باللہ منہ۔

۲۷۳۔ یعنی آخر تم مر جاؤ گے اور سب مال اسی کا ہو رہے گا جس کا حقیقت میں پہلے سے تھا انسان اپنے اختیار سے دے تو ثواب پائے۔

۲۷۴۔ یعنی بخل یا سخاوت جو کچھ کرو گے اور جیسی نیت سے کرو گے خدا تعالیٰ سب کی خبر رکھتا ہے اسی کے موافق بدلہ دے گا۔

۲۷۵۔ یہودیوں کا گستاخانہ قول اور اس کا جواب: یعنی محض اتنا ہی نہیں کہ یہود انتہائی بخل کی وجہ سے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے بلکہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخانہ کلمات بکنے سے بھی نہیں شرماتے۔ چنانچہ جب آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرۃ۔ ۲۴۵) نازل ہوئی۔ کہنے لگے اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ تو اللہ فقیر محتاج ہے اور ہم غنی مالدار ہیں حالانکہ ایک غبی اور کوڑ مغز بھی سمجھ سکتا ہے کہ انفاق فی وجوہ الخیر کو قرض سے تعبیر فرمانے میں انتہائی رحمت و شفقت کا اظہار تھا۔ ظاہر ہے کہ خدا اپنا دیا ہوا مال ہم سے ہماری مصالح میں ہمارے ہی دینوی و اخروی فائدہ کے لئے خرچ کراتا ہے۔ اس کو ہمارے خرچ سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا اور بفرض محال پہنچے بھی تو مال اور ہر چیز اسی کی مملوک ہے۔ پھر حقیقی معنی میں اس کو قرض حسنہ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ اس کا کمال کرم احسان ہے کہ اس خرچ کا بہترین معاوضہ دینا بھی اپنے ذمہ لازم کر لیا اور اس کو لفظ قرض سے ادا کر کے اس لزوم کو بیحد موکد و مسجل کر دیا۔ مگر یہود اپنی کور چشمی اور خبث باطن سے احسان ماننے کے بجائے ان لفظوں کی ہنسی اڑانے لگے اور اللہ تعالیٰ کی جناب رفیع میں مسخرا پن کرنے سے باز نہ رہے، اس کو فرمایا کہ اللہ نے تمہاری یہ باتیں سن لیں۔ اس پر جو کارروائی ہو گی اس کے منتظر رہو۔

۲۷۶۔ یعنی عام ضابطہ کے موافق یہ ملعون اور ناپاک اقوال تمہارے دفتر سئیات میں درج کرائے دیتے ہیں۔ جہاں تمہاری قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک افعال درج ہیں مثلاً معصوم نبیوں کا ناحق خون بہانا کیونکہ جس طرح یہ نالائق جملہ ایک نمونہ ہے تمہاری خدا شناسی کا، وہ نالائق کام نمونہ ہے تمہاری تعظیم انبیاء کا، جب یہ پوری مسل پیش ہو گی اس وقت کہا جائے گا کہ لو اپنی شرارتوں کا مزہ چکھو اور جس طرح تم نے طعن و تمسخر سے اولیاء اللہ کے دل جلائے تھے، اب عذاب الٰہی کی بھٹی میں جلتے رہو۔

۲۷۷۔ یعنی جو کمایا تھا سامنے آیا۔ خدا کے یہاں ذرہ برابر ظلم نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ (نساء۔ ۴۰) اگر بفرض محال ظلم کرنا خدا کی صفت ہوتی تو اس کی دوسری صفات کی طرح وہ بھی کامل ہی ہوتی۔ اس لئے اگر معاذ اللہ خدا کو ظالم فرض کیا جائے تو پھر ظالم کیا ظلام ہی کہنا پڑے گا۔ اس کا ایک رتی ظلم بھی پہاڑوں سے کم نہیں ہو سکتا گویا ظلام کا صیغہ لا کر متنبہ کر دیا کہ اس کی بارگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ ظلم تجویز کرنا،

انتہائی ظالم قرار دینے کا مترادف ہے تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

۲۷۸۔ آگ والی قربانی کا مطالبہ: بعضے رسولوں سے یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ نام کی نیاز کی، تو آسمان سے آگ آ کر اس کو کھا گئی، یہ علامت تھی اس کے قبول ہونے کی چنانچہ موجودہ بائبل میں بھی حضرت سلیمانؑ کے متعلق ایسا واقعہ مذکور ہے۔ اب یہود بہانہ پکڑتے تھے کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ جس سے یہ معجزہ نہ دیکھیں اس پر یقین نہ لاویں اور یہ محض جھوٹے بہانے تھے اس قسم کا کوئی حکم ان کی کتابوں میں موجود نہ تھا نہ آج موجود ہے اور نہ ہر ایک نبی کی نسبت یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس کو یہ معجزہ ملا تھا۔ ہر پیغمبر کو حق تعالیٰ نے اوقات و احوال کے مناسب معجزات دیئے ہیں۔ لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلائے تو سچا ثابت ہو۔

۲۷۹۔ یعنی اگر واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر تمہارا ایمان لانا موقوف ہے تو پہلے ایسے نبیوں کو تم نے کیوں قتل کیا جو اپنی صداقت کی کھلی نشانیوں کے ساتھ خاص یہ معجزہ بھی لے کر آئے تھے تمہارے اسلاف کا یہ فعل جس پر تم بھی آج تک راضی ہو کیا اس کی دلیل نہیں کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے کہ کوئی پیغمبر جب تک خاص یہ ہی معجزہ نہ دکھائے گا ہم نہ مانیں گے۔

۲۸۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: آپ ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان ملعونوں کی کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے ملول و دلگیر نہ ہوں اور نہ دوسرے مکذبین کی پروا کریں۔ آپ سے پہلے کتنے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو صاف نشانیاں (معجزات) چھوٹے صحیفے اور بڑی روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ انبیائے صادقین کی تکذیب، معاندین کی قدیم عادت رہی ہے آپ ﷺ کو کچھ انوکھی بات پیش نہیں آئی۔

۲۸۱۔ یعنی موت کا مزہ سب کو چکھنا ہے، اس کے بعد قیامت کے دن ہر جھوٹے سچے اور مصدق و مکذب کو اپنے کیئے کا پورا بدلہ مل رہے گا پورے کا یہ مطلب کہ کچھ تھوڑا سا ممکن ہے قیامت سے پہلے ہی مل جائے۔ مثلاً دنیا میں یا قبر میں۔

۲۸۲۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ دھوکا ہے: یعنی دنیا کی عارضی بہار اور ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے جس پر مفتون ہو کر اکثر بے وقوف آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی اصلی کامیابی یہ ہے کہ یہاں رہ کر انجام کو سوچے اور وہ کام کرے جو عذاب الٰہی سے بچانے والا اور جنت تک پہنچانے والا ہو۔ (تنبیہ) آیت میں ان بعض متصوفین کا بھی رد ہو گیا جو دعوے کیا کرتے ہیں کہ ہمیں نہ جنت کی طلب، نہ دوزخ کا ڈر، معلوم ہوا کہ دوزخ سے دور رہنا اور جنت میں داخل ہو جانا ہی اصل کامیابی ہے۔ کوئی اعلیٰ ترین کامیابی جنت سے باہر رہ کر نصیب نہیں ہو سکتی۔ وفی الحدیث وَحَوْلَهَا نُدَنْدِنُ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہم کو بھی یہ کامیابی عنایت فرمائے۔

۲۸۳۔ جان و مال سے مسلمانوں کی آزمائش: یہ خطاب مسلمانوں کو ہے کہ آئندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہو گی اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف اٹھانا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب کا چھوٹنا اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننا پڑیں گی، ان سب کا علاج صبر و تقویٰ ہے۔ اگر صبر و استقلال اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کرو گے تو یہ بڑی ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہو گا جس کی تاکید حق تعالیٰ نے فرمائی۔ (تنبیہ) ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بدر سے پہلے نازل ہوئی۔ قتال کا حکم اس کے بعد ہوا، تاہم صبر و تقویٰ کا حکم مشروعیت قتال کے باوجود بھی فی الجملہ باقی ہے۔ جس پر اخیر تک عمل ہوتا رہا ہے۔ ہاں صبر و عفو اور تغلیظ و تشدید کے مواقع کا پہچاننا ضروری ہے جو نصوص شرعیہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کو یہاں رکھنے سے شاید یہ غرض ہے کہ تم ان کفار و منافقین کی گستاخیوں اور شرارتوں پر حد سے زیادہ طیش مت کھاؤ۔ ابھی بہت کچھ سننا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی۔ صبر و استقلال سے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو۔ نیز دنیا کی زندگانی میں پڑ کر جو محض دھوکہ کی ٹٹی ہے، اس بات سے غافل نہ ہونا کہ خدا تعالیٰ جان اور مال دونوں میں تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ٘ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

۱۸۷۔ اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے پھر پھینک دیا انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس کے بدلے تھوڑا سا مول سو کیا برا ہے جو خریدتے ہیں [۲۸۴]

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۸۔ تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر سو مت سمجھ ان کو کہ چھوٹ گئے عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک [۲۸۵]

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

۱۸۹۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۲۸۶]

ع ۱۹ / ۱۰

۲۸۴۔ اہل کتاب نے اللہ کا عہد توڑا ہے: یعنی علمائے اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارت کتاب اللہ میں ہیں انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے نہ ہیر پھیر کر کے ان کے معنی بدلیں گے، مگر انہوں نے ذرہ برابر پروانہ کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے، آیات اللہ میں لفظی و معنوی تحریفات کیں جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ یعنی پیغمبر آخر الزماں کی بشارت، اسی کو سب سے زیادہ چھپایا۔ جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے اس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی۔ اور اس کنجوسی کا منشاء بھی مال و جاہ اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہاں ضمناً مسلمان اہل علم کو متنبہ فرمادیا کہ تم دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کرنا۔

۲۸۵۔ یہود مسئلے غلط بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر ﷺ کی صفات و بشارات جان بوجھ کر چھپاتے تھے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت سے خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی۔ جب حضور ﷺ جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں۔ ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں۔ اول تو ایسے لوگ دنیا ہی میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔ (تنبیہ) آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ

ہوں، بھلا کر کے اترائیں نہیں اور جو کچھ اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں۔ بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں۔

۲۸۶۔ جب آسمان و زمین میں اسی کی سلطنت ہے تو مجرم بھاگ کر پناہ کہاں لے سکتا ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے اس کے نفوذ و اختیار سے کون باہر ہو سکتا ہے۔

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ
وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۚۙ ﴿۱۹۰﴾

۱۹۰۔ بیشک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو[۲۸۷]

الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى
جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ
الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ
فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

۱۹۱۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے[۲۸۸] اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے[۲۸۹]

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ ؕ وَمَا
لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

۱۹۲۔ اے رب ہمارے جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کر دیا[۲۹۰] اور نہیں کوئی گنہگاروں کا مددگار[۲۹۱]

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ
اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ
كَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۚ ﴿۱۹۳﴾

۱۹۳۔ اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر[۲۹۲] سو ہم ایمان لے آئے[۲۹۳] اے رب ہمارے اب بخش دے گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ[۲۹۴]

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا
يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾

۱۹۴۔ اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطہ سے اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن[۲۹۵] بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا[۲۹۶]

۲۸۷۔ اہل عقل کے لئے آسمان وزمین میں نشانیاں: یعنی عقلمند آدمی جب آسمان وزمین کی پیدائش اور ان کے عجیب وغریب احوال وروابط اور دن رات کے مضبوط ومحکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب ومنظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت واختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے۔ اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت واختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل ومحکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

۲۸۸۔ یعنی کسی حال خدا سے غافل نہیں ہوتے اس کی یاد ہمہ وقت ان کے دل میں اور زبان پر جاری رہتی ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کان یذکر اللہ علیٰ کل احیانہ نماز بھی خدا کی بہت بڑی یاد ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر اور جو بیٹھ نہ سکے لیٹ کر پڑھ لے بعض روایات میں ہے کہ جس رات میں یہ آیات نازل ہوئیں نبی کریم ﷺ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں اللہ کو یاد کر کے روتے رہے۔

۲۸۹۔ مخلوقات میں غور وفکر : یعنی ذکر وفکر کے بعد کہتے ہیں کہ خداوندا! یہ عظیم الشان کارخانہ آپ نے بیکار پیدا نہیں کیا جس کا کوئی مقصد نہ ہو، یقیناً ان عجیب وغریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم وجلیل نتیجہ پر منتہی ہونا چاہئے۔ گویا یہاں سے ان کا ذہن تصور آخرت کی طرف منتقل ہو گیا جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے اسی لئے آگے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کی اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہہ بیان کر کے اشارہ کر دیا کہ جو احمق قدرت کے ایسے صاف وصریح نشان دیکھتے ہوئے تجھ کو نہ پہچانیں یا تیری شان کو گھٹائیں یا کارخانہ عالم کو محض عبث ولعب سمجھیں تیری بارگاہ ان سب کی ہزلیات وخرافات سے پاک ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الٰہیہ میں غور وفکر کرنا وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں بڑا محقق اور سائنس داں کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولوا الالباب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ پرلے درجہ کے جاہل واحمق ہیں۔

۲۹۰۔ جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اسی قدر رسوائی سمجھو۔ اس قاعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کے لئے ہے۔ جن آیات میں عامۃً مومنین سے خزی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہ ہی معنی سمجھنے چاہئیں۔

۲۹۱۔ یعنی جس کو خدا دوزخ میں ڈالنا چاہے کوئی حمایت کر کے بچا نہیں سکتا۔ ہاں جن کو ابتداء میں یا آخر میں چھوڑنا اور معاف کر دینا ہی منظور ہو گا (جیسے عصاۃ مومنین) ان کے لئے شفعاء کو اجازت دی جائے گی کہ سفارش کر کے بخشوائیں۔ وہ اس کے مخالف نہیں بلکہ آیات واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

۲۹۲۔ مومنین کی ایک جامع دعا : یعنی نبی کریم ﷺ جنہوں نے بڑی اونچی آواز سے دنیا کو پکارا۔ یا قرآن کریم جس کی آواز گھر گھر پہنچ گئی۔

۲۹۳۔ ایمان عقلی کا ذکر تھا، یہ ایمان سمعی ہوا جس میں ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن بھی درج ہو گیا۔

۲۹۴۔ یعنی ہمارے بڑے بڑے گناہ بخش دے اور چھوٹی موٹی برائیوں پر پردہ ڈال دے اور جب اٹھانا ہو نیک بندوں کے زمرہ میں شامل کر کے دنیا سے اٹھالے۔

۲۹۵۔ دعا یعنی پیغمبروں کی زبانی، ان کی تصدیق کرنے پر جو وعدے آپ نے کئے ہیں (مثلاً دنیا میں آخر کار اعداء اللہ پر غالب ومنصور کرنا اور آخرت میں جنت ورضوان سے سرفراز فرمانا) ان سے ہم کو اس طرح بہرہ اندوز کیجئے کہ قیامت کے دن ہماری کسی قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ رسوائی بھی نہ ہو۔

۲۹۶۔ یعنی آپ کے ہاں تو وعدہ خلافی کا احتمال نہیں، ہم میں احتمال ہے کہ مبادا ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جو آپ کے وعدوں سے مستفید نہ ہو سکیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ ہم کو ان اعمال پر مستقیم رہنے کی توفیق دیجئے جن کی آپ کے وعدوں سے متمتع ہونے کے لئے ضرورت ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ
مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ
فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا
فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

۱۹۵۔ پھر قبول کی ان کی دعا انکے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو [۲۹۷] پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ دور کروں گا میں ان سے برائیاں ان کی اور داخل کروں گا ان کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں [۲۹۸] یہ بدلہ ہے اللہ کے ہاں سے اور اللہ کے ہاں ہے اچھا بدلہ [۲۹۹]

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ؕ

۱۹۶۔ تجھ کو دھوکا نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں

مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

۱۹۷۔ یہ فائدہ ہے تھوڑا سا پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے [۳۰۰]

لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

۱۹۸۔ لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے انکے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں [۳۰۱] مہمانی ہے اللہ کے ہاں سے [۳۰۲] اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کے واسطے

وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ
اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا

۱۹۹۔ اور کتاب والوں میں بعضے وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اترا انکی طرف عاجزی کرتے ہیں اللہ کے آگے نہیں خریدتے اللہ کی

يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

آیتوں پر مول تھوڑا ہی ہیں جن کے لئے مزدوری ہے ان کے رب کے ہاں[۳۰۳] بیشک اللہ جلد لیتا ہے حساب[۳۰۴]

۲۹۷۔ کسی کا عمل ضائع نہیں ہوتا: یعنی مرد ہو یا عورت ہمارے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی۔ جو کام کرے گا اس کا پھل پائے گا۔ یہاں عمل شرط ہے۔ نیک عمل کر کے ایک عورت بھی اپنی استعداد کے موافق آخرت کے وہ درجات حاصل کر سکتی ہے جو مرد حاصل کر سکتے ہیں۔ جب تم مرد و عورت ایک نوع انسانی کے افراد ہو ایک آدم سے پیدا ہوئے ہو۔ ایک رشتہ اسلامی میں منسلک ہو ایک اجتماعی زندگی اور امور معاشرت میں شریک رہتے ہو تو اعمال اور ان کے ثمرات میں بھی اپنے کو ایک ہی سمجھو۔ روایات میں ہے کہ ام سلمہؓ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! ﷺ قرآن میں کہیں ہم عورتوں کی ہجرت وغیرہ اعمال حسنہ کا بالتخصیص ذکر نہیں آتا۔ اس کا جواب اس آیت سے دیا گیا۔

۲۹۸۔ یعنی جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوتا پھر ان مردان خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے کفر و عصیان چھوڑنے کے ساتھ دارالکفر بھی چھوڑ دیا، وطن، خویش و اقارب، اہل و عیال اور مال و منال سب کو خیر باد کہہ کر دارالاسلام کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ کفار نے ان پر وہ ظلم و ستم توڑے کہ گھروں میں ٹھہرنا محال ہو گیا۔ وطن چھوڑنے اور گھر بار ترک کرنے پر بھی دشمنوں نے چین نہ لینے دیا۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ میرا نام لیتے تھے۔ اور میرا کلمہ پڑھتے تھے يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ (الممتحنہ۔۱) وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (بروج۔ ۸) آخر وہ میرے راستہ میں لڑے اور لڑ کر جان دیدی۔ یہ بندے ہیں جن کی تمام تقصیرات معاف کر دی گئیں اور جنت ان کا انتظار کر رہی ہے۔

۲۹۹۔ یعنی اچھا بدلہ تو خدا ہی کے پاس ہے اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ یا یہ مطلب ہو کہ اس بدلہ سے بھی اچھا بدلہ خدا کے پاس ہے۔ یعنی اس کا دیدار مبارک۔ رزقنا اللہ و سائر المومنین۔

۳۰۰۔ کفار کی موجودہ حالت سے دھوکہ نہ کھاؤ: یعنی کفار جو ادھر ادھر تجارت وغیرہ کر کے دولت کماتے اور اکڑتے پھرتے ہیں مسلمان کو چاہئے کہ ان سے دھوکہ نہ کھائے۔ یہ محض چند روز کی بہار ہے۔ اگر ایک شخص کو چار دن پلاؤ قورمے کھلانے کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش ہوا۔ خوش عیش وہ ہے جو تھوڑی سے محنت اور تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کے لئے اعلیٰ درجہ کی راحت و آسائش کا سامان مہیا کر لے۔

۳۰۱۔ اب اس عیش و کامیابی کا اس چند روزہ بہار سے مقابلہ کرو کہ یہ بہتر ہے یا وہ؟

۳۰۲۔ مہمان اس لئے کہا کہ مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر کرنی نہیں پڑتی عزت و آرام سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز تیار ملتی ہے۔

۳۰۳۔ اہل کتاب کے متقین کا تذکرہ: اوپر عام متقین کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اہل کتاب میں جو متقی ہوں ان کا خصوصیت سے ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی جو اہل کتاب اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان لائے، قرآن کو مانا اور چونکہ قرآن تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے ان کو بھی مانا، مگر اس طرح نہیں جیسے دنیا پرست احبار مانتے تھے کہ تھوڑے سے دنیوی فائدہ کی خاطر آیات اللہ کو چھپا لیا یا بدل ڈالا، بلکہ خدا کے آگے عاجزی اور اخلاص سے گرے اور جس طرح اس نے کتابیں اتاری تھیں ٹھیک ٹھیک اسی اصلی رنگ میں ان کو تسلیم کیا نہ بشارات کو چھپایا نہ احکام کو بدلا۔ ایسے پاکباز حق پرست اہل کتاب کے لئے اللہ کے ہاں مخصوص اجر ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا۔

۳۰۴۔ یعنی حساب کا دن کچھ دور نہیں، جلد آنے والا ہے اور جب حساب شروع ہو گا تمام دنیا کا پائی پائی حساب بہت جلد بے باق کر دیا جائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾ ع ۲۰ ۱۱

۲۰۰۔ اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو[۳۰۵]

۳۰۵۔ مسلمانوں کو ایک جامع نصیحت: خاتمہ پر مسلمانوں کو ایک نہایت جامع ومانع نصیحت فرمادی جو گویا ساری سورت کا ماحصل ہے یعنی اگر کامیاب ہونا اور دنیا آخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو معصیت سے رکو دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال۔۶۰) اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ کرلیا تو سمجھو مراد کو پہنچ گئے۔ اللهم اجعلنا مفلحين و فائزين بفضلك و رحمتك في الدنيا والاخرة اٰمين حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تہجد کے لئے اٹھتے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ گیارہ آیتیں اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ختم سورۃ تک تلاوت کرتے تھے۔

تم سورۂ آل عمران بمنہ وحسن توفیقہ۔ فلہ الحمد والمنہ وعلیٰ رسولہ الف الف سلام وتحیہ۔

اٰیاتها ۱۷۶ ۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ
نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ
مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ
تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
رَقِيْبًا ﴿۱﴾

۱۔ اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں [۱] اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطے سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے [۲] بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے [۳]

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ
بِالطَّيِّبِ ۪ وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ
كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿۲﴾

۲۔ اور دے ڈالو یتیموں کو ان کا مال اور بدل نہ لو برے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بڑا وبال [۴]

۱۔ اے انسانو! تم ایک جان سے پیدا کئے گئے ہو: یعنی حضرت آدمؑ سے اول تو حضرت حوا کو ان کی بائیں پسلی سے نکالا پھر ان دونوں سے تمام مرد اور عورتوں کو پیدا کیا اور دنیا میں پھیلایا تو حقیقت میں تمام آدمی ایک جان اور ایک شخص سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے مطلب یہ ہے کہ جب تم سب کو عدم سے وجود میں لانے والا اور پھر تم کو باقی اور قائم رکھنے والا وہی ہے تو اس سے ڈرنا اور اس کی فرمانبرداری ضروری بات ہے۔ اس سے اشارہ ہو گیا دو مضمونوں کی طرف اول یہ کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا خالق اور موجد ہے دوسرے یہ کہ تمام آدمیوں کے لئے سبب وجود کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا ایک ہی جان یعنی ابو البشر آدمؑ ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ ہمارا اصلی تعلق تو اللہ سے ہے کیونکہ علت تامہ اور اس کے معلول میں جس قدر تعلق اور قرب اور علاقہٗ احتیاج ہوتا ہے وہ کسی میں ممکن نہیں اس کے بعد وہ تعلق اور قرب ہے جو افراد انسانی میں باہم پایا جاتا ہے کیونکہ ان کا سبب وجود اور مخلوق منہ بالکل شے واحد ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ اول تو ہمارے ذمہ پر خدا تعالیٰ کی اطاعت لازم ہونی چاہئے کہ وہ ہمارا خالق ہے اس کے بعد تمام مخلوقات میں خاص اپنے بنی نوع کی رعایت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہم پر

ضروری ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے لئے مخلوق منہ اور سبب وجود ایک چیز کو مقرر فرمایا تو جو قرب اور جو اتحاد افراد انسانی میں باہم موجود ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ حاصل نہیں اسی وجہ سے شرعًا اور عقلاً آدمیوں میں باہم حسن سلوک ایسا ضروری اور بدسلوکی اس قدر مذموم ہے جو اوروں کے ساتھ نہیں جس کی تفصیل نصوص اور احکام شرعیہ میں برابر موجود ہے شیخ علیہ الرحمہ نے اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔ قطعہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند چو بعضے زبعضے اگر کمتر اند
چو عضو لے بدرد آور در وزگاز د گر عضور ہار انماند قرار

اس موقع میں حق تعالیٰ نے اپنی خالقیت ظاہر فرما کر اپنی اطاعت کا حکم دیا اور بنی آدمؑ کے اتحاد اصلی کو جتلا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ باہم ایک ہو کر رہو چنانچہ آیت کے آئندہ حصے میں اس اشارہ کو ظاہر کر دیا۔

۲۔ رشتہ داروں کے حقوق: خالق اور رب یعنی موجد اور مبقی ہونے کے علاوہ اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کے وجوب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ تم اس کا واسطہ دے کر آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق اور فوائد طلب کرتے ہو اور آپس میں اس کی قسمیں دیتے ہو اور ان پر اطمینان حاصل کرتے کراتے ہو یعنی اپنے باہمی معاملات اور حاجات عارضہ میں بھی اسی کا ذریعہ پکڑتے ہو مطلب یہ ہوا کہ وجود اور بقاہی میں احتیاج منحصر نہیں بلکہ تمام حاجتوں اور کاموں میں بھی اس کے محتاج ہو اس لئے اس کی اطاعت کا ضروری ہونا اور بھی محقق ہو گیا اس کے بعد تم کو یہ حکم ہے کہ قرابت سے بھی ڈرو یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع رحم اور بدسلوکی سے بچو۔ بنی نوع یعنی تمام افراد انسانی کے ساتھ علی العموم سلوک کرنا تو آیت کے پہلے حصہ میں آچکا تھا۔ اہل قرابت کے ساتھ چونکہ قرب و اتحاد مخصوص اور بڑھا ہوا ہے اس لئے ان کی بدسلوکی سے اب خاص طور پر ڈرایا گیا۔ کیونکہ ان کے حقوق دیگر افراد انسانی سے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ حدیث قدسی قال اللّٰہ تبارك و تعالیٰ انا اللّٰہ و انا لرحمٰن خلقت الرحم و شفقت لھا من اسمی فمن و صلھا و صلتہ و من قطعھا قطعتہ اور حدیث خلق اللّٰہ الخلق فلما فرغ منہ قامت الرحم فاخذت بحقوی الرحمٰن فقال مہ قالت ھذا مقام العائذ منك من القطیعة قال الا ترضین ان اصل من و صلك واقطع من قطعك قالت بلیٰ یا رب قال فذاك اور حدیث الرحم شجنة من الرحمٰن فقال اللّٰہ من و صلك و صلتہ ومن قطعك قطعتہ اور حدیث الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلنی و صلہ اللّٰہ و من قطعنی قطعہ اللّٰہ اس پر شاہد ہیں اور رحم کے اختصاص مذکور اور تعلق کی طرف مشیر ہیں تو اب نتیجہ یہ نکلا کہ معدن وجود اور منشائے وجود کے اتحاد کے باعث تو تمام بنی آدم میں رعایت حقوق اور حسن سلوک ضروری ہے اس کے بعد اگر کسی موقع میں کسی خصوصیت کی وجہ سے اتحاد میں زیادتی ہو جائے گی جیسے اقارب میں یا کسی موقع میں شدت احتیاج پائی جائے گی جیسے یتامیٰ اور مساکین وغیرہ تو وہاں رعایت حقوق میں بھی ترقی ہو جائے گی ان کے علاوہ جب حکم خداوندی بھی صاف آگیا کہ ارحام کے حقوق کی رعایت اور حفاظت رکھو تو اب تو اس کی تاکید انتہا کو پہنچ گئی۔ چنانچہ اس سورت میں اکثر احکام اسی تعلق عام اور دیگر تعلقات خاصہ کے متعلق مذکور ہیں گویا وہ احکام اس امر کلی کے جو کہ یہاں مذکور ہوا تفصیل ہیں۔

۳۔ یعنی تمہارے تمام احوال و اعمال سے واقف ہے اس کے حکم کی متابعت کرو گے تو ثواب پاؤ گے ورنہ مستحق عذاب ہو گے اور تمہارے تعلقات ارحام اور ان کے مراتب اور ہر ایک کے مناسب اس کے حقوق کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق جو تم کو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اس پر عمل کرو۔

۴۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کے احکام: یعنی یتیم بچے جن کا کہ باپ مر گیا ہو ان کے متعلق ان کے ولی اور سرپرست کو یہ حکم ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دے اور زمانہ تولیت میں یتیموں کی کسی اچھی چیز کو لے کر اس کے معاوضہ میں بری اور گھٹیا چیز ان کے

مال میں شامل نہ کر دے اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاوے مثلاً ولی کو اجازت ہے کہ اپنا اور یتیم کا کھانا مشترک اور شامل رکھے مگر یہ ضرور ہے کہ یتیم کا نقصان نہ ہونے پائے یہ نہ ہو کہ اس شرکت کے بہانے سے یتیم کا مال کھا جاوے اور اپنا نفع کر لے کیونکہ یتیم کا مال کھانا سخت گناہ ہے۔ احکام متعلقہ ارحام میں یتیموں کے حکم کو شاید اس لئے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور مجبوری اور بے چارگی اور بے کسی کے باعث رعایت و حفاظت اور شفقت کا نہایت محتاج ہے اور اسی اہتمام کی وجہ سے تبدیل اور شرکت کے نقصان کی بھی کھول کر ممانعت فرمادی اور آئندہ متعدد آیات میں بھی یتیموں کے متعلق چند احکام ارشاد ہوئے جن سے اہتمام مذکور ظاہر و باہر معلوم ہوتا ہے اور یہ تمام احکام اور تاکیدات جملہ یتیموں کے حق میں ہیں البتہ وہ یتیم جو قرابت دار ہیں ان کے بارہ میں تاکید میں زیادہ شدت ہوگی اور وہی شان نزول اور سبب ربط بین الآیات ہیں اور عادت و عرف کے بھی موافق ہیں کیونکہ یتیم کا ولی اکثر اس کا کوئی قریب ہی ہوتا ہے۔

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؕ﴿۳﴾

۳۔ اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو تین تین چار چار[۵] پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے[۶] اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے[۷]

۵۔ احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ یتیم لڑکیاں جو اپنے ولی کی تربیت میں ہوتی تھیں اور وہ لڑکی اس ولی کے مال اور باغ میں بوجہ قرابت باہمی شریک ہوتی تو اب دو صورتیں پیش آتیں کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو اس کا جمال اور مال دونوں مرغوب ہوتے تو وہ ولی اس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا کیونکہ دوسرا شخص اس کی لڑکی کا حق مانگنے والا تو کوئی ہے ہی نہیں اور کبھی یہ ہوتا کہ یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ دوسرے سے نکاح کروں گا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جاوے گا۔ اس مصلحت سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا۔

چار شادیوں کی اجازت: اس پر یہ آیت اتری اور اولیا کو ارشاد ہوا کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ تم یتیم لڑکیوں کی بابت انصاف نہ کر سکو گے اور ان کے مہر اور ان کے ساتھ حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہوگی تو تم ان سے نکاح مت کرو بلکہ اور عورتیں جو تم کو مرغوب ہوں ان سے ایک چھوڑ چار تک کی تم کو اجازت ہے قاعدہ شریعت کے موافق ان سے نکاح کر لو تاکہ یتیم لڑکیوں کو بھی نقصان نہ پہنچے کیونکہ تم ان کے حقوق کے حامی رہو گے اور تم بھی کسی خرابی اور گناہ میں نہ پڑو جاننا چاہئے کہ مسلمان آزاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار نکاح تک اور غلام کے لئے دو تک کی اجازت ہے اور حدیثوں میں بھی اسی کی تصریح ہے اور ائمہ دین کا بھی اسی پر اجماع ہے اور تمام امت کے لئے یہی حکم ہے صرف رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خصوصیت اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا امتیاز ہے کہ اس سے زائد کی اجازت ہے۔ فائدہ یتیم لڑکیوں کے نکاح کی تیسری صورت یہ بھی حدیث میں ہے کہ جس یتیم لڑکی کی طرف صورت اور مال دونوں وجہ سے بے رغبتی ہوتی تھی اس کا نکاح ولی دوسری جگہ کر دیتا تھا مگر ظاہر ہے کہ اس آیت کو اس صورت سے تعلق نہیں۔

۶۔ ایک سے زائد نکاح کے لئے انصاف کی شرط: یعنی اگر تم کو اس کا ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں انصاف اور مساوات کے مطابق معاملہ نہ کر سکو

گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف لونڈیوں پر ایک ہو یا زیادہ بس کرو یا چاہو تو ایک منکوحہ کے کے ساتھ ایک یا چند لونڈیوں کو جمع کر لو۔

۷۔ یعنی صرف ایک عورت سے نکاح کرنے میں یا فقط اپنی لونڈی یا اپنی لونڈیوں پر قناعت کرنے میں یا ایک نکاح کے ساتھ ایک لونڈی یا چند لونڈیوں کو جمع کرنے میں اس بات کی توقع ہے کہ تم بے انصافی اور خلاف عدل سے محفوظ رہو کیونکہ زوجات کے جو حقوق ہیں وہ اپنی مملوکہ لونڈی کے نہیں کہ ان میں عدل نہ ہونے سے تم پر مواخذہ ہو، نہ ان کے لئے مہر ہے نہ معاشرت کے لئے کوئی حد مقرر ہے فائدہ جس کے کئی عورتیں ہوں تو اس پر واجب ہے کہ کھانے پینے اور لینے دینے میں ان کو برابر رکھے اور رات کو ان کے پاس رہنے میں باری برابر باندھے اگر برابری نہ کرے گا تو قیامت کو وہ مفلوج ہو گا ایک کروٹ گھسٹتی چلے گی اور کسی کے نکاح میں ایک حرہ اور ایک لونڈی ہو تو لونڈی کو حرہ سے نصف باری ملے گے اور جو لونڈی اپنی ملک میں ہو اس کا باری میں کوئی حق مقرر نہیں مالک کی خوشی پر ہے۔

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ﴿۴﴾

۴۔ اور دے ڈالو عورتوں کو مہران کے خوشی سے [۸] پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے تو اس کو کھاؤ رچتا پچتا [۹]

۸۔ مہر کی ادائیگی کا حکم: یعنی جن عورتوں سے نکاح کرو ان کے مہر خوشدلی اور رغبت کے ساتھ خود ادا کر دو ان کا کوئی حامی اور تم سے تقاضا کر کے وصول کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ ایسا کرو تو پھر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج ہی نہیں حرج تو جب ہے کہ مہر دینے میں یا ان کے کسی حق کے ادا کرنے میں روگردانی ہو۔

۹۔ یعنی اگر عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کوئی مقدار زوج کو معاف کر دے یا لے کر پھر زوج کو ہبہ کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں زوج اس کو خوشی سے کھا لے جو کھانا لذیذ ہو اور طبیعت اس کو رغبت کے ساتھ قبول کر لے اس کو ہنی کہتے ہیں اور جو کھانا ہضم ہو کر بخوبی جزو بدن اور موجب صحت و قوت ہو وہ مری ہے۔

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

۵۔ اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب اور ان کو اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول [۱۰]

وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِیْرًا

۶۔ اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو ان کے مال ان کو [۱۱] اور کھا نہ جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے پہلے کہ یہ بڑے نہ ہو جائیں [۱۲] اور جس کو حاجت نہ ہو تو مال یتیم سے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہو تو کھاوے موافق دستور کے [۱۳] پھر جب ان کو حوالہ کرو ان کے مال تو گواہ کر لو اس پر اور اللہ کافی ہے حساب لینے

فَلۡيَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِمۡ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ﴿۶﴾

کو[۱۴]

۱۰۔ یتیموں کی پرورش کے مسائل: یعنی بے سمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں ان کا وہ مال مت دے دو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے لئے سامان معیشت بنایا ہے بلکہ اس کی پوری حفاظت رکھو اور اندیشہ ہلاکت سے بچاؤ اور جب تک ان کو نفع نقصان کا ہوش نہ آئے اس وقت تک ان کو اس میں کھلاؤ پہناؤ اور تسلی کرتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے ہم تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں جب سمجھ دار ہو جاؤ گے تو تم کو ہی دے دیں گے۔

۱۱۔ یعنی یتیموں کو سدھاتے اور آزماتے رہو بلوغ کے وقت تک پھر بلوغ کے بعد اگر ان میں اپنے نفع نقصان کی سمجھ اور حفاظت و انتظام مال کا سلیقہ پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو۔ یتیموں کے سدھانے اور آزمانے کی عمدہ صورت یہی ہے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کی ان سے خرید و فروخت کرائی جائے اور اس کا طریقہ ان کو بتایا جائے اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کی بیع و شرا ولی کی اجازت سے جو ہو گی وہ درست ہو گی امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور اگر بالغ ہو کر بھی اس میں ہوشیاری نہ آئے تو امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ پچیس برس کی عمر تک انتظار کرو اس درمیان میں جب اس کو سمجھ آ جائے مال اسکے حوالہ کر دو ورنہ پچیس سال پر ہر حال میں اس کا مال اس کو دے دو۔ پوری سمجھ آئے یا نہ آئے۔

۱۲۔ یعنی یتیم کے مال کو ضرورت سے زیادہ صرف کرنا منع ہے مثلاً ایک پیسہ کی جگہ دو پیسے صرف کر دو اور یہ بھی منع ہے کہ اس بات سے گھبرا کر کہ یتیم بڑے ہو کر اپنا مال ہم سے لے لیں گے خرچ کرنے میں جلدی کرنے لگو خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم کے مال کو بقدر ضرورت اور بروقت ضرورت صرف کرنا چاہئے۔

۱۳۔ یعنی یتیم کا مال ولی اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنے والا محتاج ہو تو البتہ اپنی خدمت کرنے کے موافق یتیم کے مال میں سے درماہہ لے لیوے۔ مگر غنی کو کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔

۱۴۔ یتیموں کا مال گواہوں کی موجودگی میں ادا کرو: جب کسی بچہ کا باپ مر جائے تو چاہئے کہ چند مسلمانوں کے روبرو یتیم کا مال لکھ کر امانتدار کو سونپ دیں جب یتیم بالغ ہوشیار ہو جائے تو اس تحریر کے موافق اس کا مال اس کے حوالہ کر دیں اور جو کچھ خرچ ہوا ہو وہ اس کو سمجھا دیں اور جو کچھ یتیم کے حوالے کیا جائے شاہدوں کو دکھلا کر حوالہ کریں۔ شاید کسی وقت اختلاف ہو تو بسہولت طے ہو سکے اور اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کی حفاظت کرنے والا اور حساب سمجھنے والا کافی ہے اس کو کسی حساب یا شہادت کی حاجت نہیں یہ سب باتیں تمہاری سہولت اور صفائی کی وجہ سے مقرر فرمائیں۔ جاننا چاہئے کہ یتیم کا مال لینے اور دینے کے وقت گواہ کرنا اور اس کو لکھ لینا مستحب ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ﴿۷﴾

۷۔ مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے[۱۵]

وَ اِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنُ فَارۡزُقُوۡهُمۡ مِّنۡهُ وَ قُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿۸﴾

۸۔ اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو اس میں سے اور کہہ دو ان کو بات معقول[۱۶]

وَلۡیَخۡشَ الَّذِیۡنَ لَوۡ تَرَکُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَیۡهِمۡ ۪ فَلۡیَتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡیَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ﴿۹﴾

۹۔ اور چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑی ہے اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو ان پر اندیشہ کریں یعنی ہمارے پیچھے ایسا ہی حال انکا ہو گا تو چاہئے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی[۱۷]

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾ ع ۱۲

۱۰۔ جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں[۱۸]

۱۵۔ ترکے اور میراث کے احکام: حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو چھوٹی ہوں یا بڑی میراث نہیں دیتے تھے اور بیٹے جو نابالغ ہوتے تھے ان کو بھی میراث نہیں ملتی تھی صرف مردوں کو جو بڑے اور دشمنوں سے مقاتلہ کے کام کے ہوتے تھے وہ وارث سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ بھی نہ ملتا تھا ان کے بارہ میں یہ آیت اتری جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ اور دیگر قرابت والوں کے مال متروکہ میں سے مردوں یعنی بیٹوں کو خواہ وہ بچے ہوں یا جوان اُن کا حصہ ملے گا اور عورتوں یعنی بیٹیوں کو بھی بالغ ہوں یا نابالغ ماں باپ وغیرہ اقارب کے ترکہ میں سے ان کا حصہ دیا جائے گا اور یہ حصے مقرر کئے ہوئے ہیں جن کا دینا ضروری ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا بہت اس سے اہل جاہلیت کی رسم مذموم کا ابطال ہو گیا اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت فرما کر ان کی حق تلفی کو روک دیا۔ فائدہ اس آیت میں حق والوں کا حق اور اس کا تقرر بالاجمال بتلایا گیا آئندہ رکوع میں وارثوں کے حصہ کی تفصیل آتی ہے۔

۱۶۔ تقسیم میراث کے وقت غریب رشتہ داروں سے سلوک: یعنی تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دے دو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے میت نے وصیت بھی نہیں اس لئے ہم مجبور ہیں۔ ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور یتامیٰ اور مساکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں۔

۱۷۔ یہ ارشاد اصل میں تو یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ اوروں کو بھی اس کا خیال رہے مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور برائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہئے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو یعنی جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔

۱۸۔ **یتیموں کے مال میں خیانت کی سزا:** آیات متعددہ سابقہ میں یتیموں کے مال کے متعلق مختلف طرح سے احتیاط کرنے کا حکم تھا اور ان کے مال میں خیانت کو بڑا گناہ بتایا گیا ہے اب اخیر میں مال یتیم میں خیانت کرنے پر وعید شدید بیان فرما کر اس حکم کو خوب موکد کر دیا کہ جو کوئی یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے یعنی اس کھانے کا انجام ہو گا۔ اور جملہ اخیر میں اس کو ظاہر کر دیا گیا۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ
الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ
ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ
وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ
اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ
فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ
مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَ
اَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً
مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝11

۱۱۔ حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر ہے دو عورتوں کے [۱۹] پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لئے ہے دو تہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے [۲۰] اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کے لئے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کے اولاد ہے [۲۱] اور اگر اس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اسکے ماں باپ تو اس کی ماں کا ہے تہائی [۲۲] پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کا ہے چھٹا حصہ [۲۳] بعد وصیت کے جو کر مرا یا بعد ادائے قرض کے [۲۴] تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون نفع پہنچائے تم کو زیادہ حصہ مقرر کیا ہوا اللہ کا ہے بیشک اللہ خبردار ہے حکمت والا [۲۵]

۱۹۔ **میراث میں اولاد کے حصے:** اوپر اقارب میت کے وارث ہونے کا ذکر ہوا تھا اور ان کے حصوں کے تقرر اور تعین کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا تھا اب اقارب اور ان کے حصوں کی تفصیل بتلائی جاتی ہے اور اس سے پہلے سے یتیموں کے حق میں تشددات اور تاکیدات کا ذکر چلا آ رہا تھا جس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اقارب میت میں اگر کوئی یتیم ہو تو اس کا حصہ دینے میں بہت ہی احتیاط اور اہتمام کرنا چاہئے اہل عرب کی قدیم رسم کے موافق ان کو میراث سے محروم کر دینا سخت ظلم اور بڑا گناہ ہے اب اقارب میں سب سے پہلے اولاد کے حصہ کو بیان فرمایا کہ اگر کسی میت کی اولاد بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو ان کی میراث دینے کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کے برابر حصہ پائے گا مثلاً ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں

تو نصف مال بیٹے کا اور نصف دونوں بیٹیوں کا ہو گا اور اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو گی تو دو ثلث بیٹے کا ایک ثلث بیٹی کا ہو گا۔

۲۰۔ بیٹیوں کی وراثت کے احکام: یعنی اور اگر کسی میت نے اولاد میں صرف عورتیں یعنی بیٹیاں ہی چھوڑیں بیٹا نہیں چھوڑا تو وہ اگر دو سے زیادہ ہوں تب بھی ان کو دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک ہی بیٹی چھوڑی تو اس کو میت کے ترکہ کا نصف ملے گا۔ جاننا چاہئے کہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایک بیٹی کو ایک بیٹے کے ساتھ ایک ثلث ملے گا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک بیٹی کو دوسری بیٹی کے ساتھ بطریق اولیٰ ایک ثلث ملے گا کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹی سے زائد ہے تو جب بیٹے کی وجہ سے اس کا حصہ ایک ثلث سے کم نہیں ہوا تو دوسری بیٹی کی وجہ سے کیسے گھٹ سکتا ہے۔ سو دو بیٹیوں کا حکم چونکہ پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اس لئے اس آیت میں دو بیٹیوں سے زائد کا حکم بتلا دیا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ دو بیٹیوں کا حق جب ایک بیٹی سے زائد ہے تو شائد تین یا چار بیٹیوں کا حق دو بیٹیوں سے زائد ہو گا سو یہ بات ہرگز نہیں بلکہ بیٹیاں جب ایک سے زائد ہوں گی دو ہوں یا دس ان کو دو ثلث ملے گا۔ فائدہ اولاد کے وارث ہونے کی دو صورتیں آیت میں مذکور ہوئیں اول یہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں طرح کی اولاد ہو دوسری یہ کہ صرف دختری اولاد ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک لڑکی ہو یا ایک سے زائد تو اب صرف ایک صورت باقی رہ گئی وہ یہ کہ صرف پسری اولاد ہو سو اس کا حکم یہ ہے کہ تمام میراث اس کو مل جائے گی خواہ ایک بیٹا ہو یا زائد۔

۲۱۔ ماں باپ کی میراث: اب ماں باپ کی میراث کی تین صورتیں بیان فرماتے ہیں صورت اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد ہو بیٹا یا بیٹی تو میت کے ماں باپ کو ترکہ میت میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

۲۲۔ ماں باپ کی میراث دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد کچھ نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک ثلث ملے گا یعنی باقی دو ثلث اس کے باپ کو ملیں گے۔

۲۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا صرف باپ یا صرف ماں میں شریک ہوں اور اولاد کچھ نہیں تو اب اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی باقی سب اس کے باپ کو ملے گا بھائی بہن کو کچھ نہ ملے گا اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو گی تو ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دو ثلث ملیں گے جیسا کہ دوسری صورت مذکورہ بالا میں تھا۔

۲۴۔ میت کے قرض اور وصیت کا حکم: یعنی جس قدر وارثوں کے حصے گذر چکے یہ سب میت کی وصیت اور اس کے قرض کو جدا کر لینے کے بعد وارثوں کو دیے جائیں گے اور وارثوں کا مال وہی ہو گا جو مقدار وصیت و قرض کے نکال لینے کے بعد باقی رہے گا اور نصف اور ثلث وغیرہ اسی کا مراد ہے نہ تمام مال کا۔ فائدہ میت کا مال اول اس کے کفن اور دفن کو لگایا جائے جو اس سے بچے وہ اس کے قرض میں دیا جائے پھر جو باقی رہے اس کو میت کی وصیت میں ایک تہائی تک صرف کیا جائے اس کے بعد جو رہے وارثوں پر تقسیم کیا جائے۔

۲۵۔ اس آیت میں دو میراث بیان فرمائیں اولاد کی اور ماں باپ کی اب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ بات تم کو معلوم نہیں کہ کس سے تم کو نفع پہنچے گا اور کتنا نفع پہنچے گا اس لئے تم کو اس میں دخل نہ دینا چاہئے جو کچھ کسی کا حصہ حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے اس کی پابندی کرو کہ اس کو تمام چیزوں کی خبر بھی ہے اور بڑا حکمت والا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ
وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ

۱۲۔ اور تمہارا ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کے اولاد اور اگر ان کے اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں بعد وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے [۲۶] اور عورتوں

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَ لَهُنَّ
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ
لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ
وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَ اِنۡ كَانَ رَجُلٌ
يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ
ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ
يُّوۡصٰى بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہارے اولاد اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کر مرو یا قرض کے [۲۷] اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے [۲۸] اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو [۲۹] یہ حکم ہے اللہ کا اور اللہ ہی سب کچھ جاننے والا تحمل کرنے والا [۳۰]

۲۶۔ **زوجین کی میراث:** اب زوجین کی میراث کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ مرد کو اس کی عورت کے مال میں سے آدھا مال ملے گا اگر عوت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر عورت کے اولاد ہے خواہ ایک ہی بیٹا یا بیٹی ہو اور اسی مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے تو مرد کو عورت کے مال میں سے ایک چوتھائی مال ملے گا قرض اور وصیت کے بعد۔

۲۷۔ اسی طرح عورت کو اس کے خاوند کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا اگر مرد کی اولاد کچھ نہ ہو اور اگر مرد کی اولاد ہے خواہ اسی عورت سے یا دوسری عورت سے تو عورت کو آٹھواں حصہ ملے گا خاوند کے اس مال میں سے جو وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد بچ رہے گا مال کی ہر قسم میں سے نقد ہو یا جنس سلاح ہو یا زیور حویلی ہو یا باغ، باقی رہا عورت کا مہر وہ میراث سے جدا ہے وہ قرض میں داخل ہے۔ یہ کل دو صورتیں ہوئیں۔ جیسا کہ مرد کی میراث میں یہی دو صورتیں تھیں۔

۲۸۔ **اخیافی بھائی بہن کی میراث:** یہاں سے اخیافی بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے جو کہ صرف ماں میں شریک ہوں سو جاننا چاہئے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے ہوئے تو بھائی اور بہن کو کچھ نہیں پہنچتا ہاں اگر باپ اور بیٹا نہ ہو گا تو بھائی اور بہن کو میراث ملے گی۔ بھائی اور بہن تین طرح کے ہیں۔ سگے جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں جن کو عینی کہتے ہیں یا وہ سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہوں جن کو علاتی کہتے ہیں یا وہ سوتیلے جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں اس آیت میں قسم اخیر کا ذکر ہے چنانچہ متعدد صحابہ کی قرآۃ میں ولہ اخ او اخت کے بعد من الام کا کلمہ صریح موجود ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ماں باپ بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو

اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن اخیافی ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور مرد اور عورت یعنی اخیافی بھائی اور بہن کا برابر حصہ ہے کمی یا زیادتی نہیں باقی رہے دو قسم کے بھائی بہن یعنی عینی اور علاتی سو ان دونوں قسموں کا حکم مثل اولاد کے ہے بشرطیکہ میت کے باپ بیٹا کچھ نہ ہو۔ مقدم عینی ہے وہ نہ ہو تو پھر علاتی، اسی سورت کے اخیر میں ان دونوں کی میراث کا ذکر آئے گا۔ فائدہ یہ جاننا چاہئے کہ کلالہ کی تفسیر جو یہ کی گئی ہے کہ اس کے باپ بیٹا نہ ہو یہ سب کو مسلم ہے مگر امام ابو حنیفہؒ دادی اور پوتی کی بھی نفی کرتے ہیں اور جو حکم باپ بیٹے کا ہے وہی دادی پوتی کا فرماتے ہیں اور حضرات صحابہ کے وقت سے یہ اختلاف علماء میں چلا آتا ہے۔

۲۹۔ تقسیم میراث سے پہلے قرض اور وصیت کا لحاظ: یعنی اگر اخیافی بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو ایک تہائی مال میراث میں ملے گا اور پہلی صورت میں سدس اور دوسری صورت میں ثلث جو دیا جائے گا تو وصیت اور دین کے بعد جو باقی رہے گا اس کا سدس اور ثلث دیا جائے گا اور وصیت میراث پر مقدم جب ہو گی جب اوروں کو نقصان نہ پہنچایا ہو اور نقصان کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ہو دوسری یہ کہ جس وارث کو میراث میں سے حصہ ملے گا اس کے لئے کچھ وصیت بھی کر جائے یہ دونوں صورتیں درست نہیں البتہ اگر سب وارث اس کو قبول کر لیں تو خیر ورنہ یہ وصیتیں مردود ہیں۔ فائدہ وارثوں سے چونکہ اندیشہ تھا کہ ترکہ میت میں سے میت کا دین اور وصیت ادا نہ کریں بلکہ تمام مال آپ ہی رکھ لیں اس لئے میراث کے ساتھ بار بار دین اور وصیت کا حکم تاکیداً بیان کیا گیا اور وصیت چونکہ تبرع اور احسان ہے اور بسا اوقات کوئی شخص معین اس کا مستحق نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس کے ضائع ہونے کا احتمال قوی تھا تو اس لئے بغرض اہتمام و احتیاط وصیت کو ہر جگہ دین سے پہلے ذکر فرمایا حالانکہ وصیت کا درجہ دین کے بعد ہے جیسا پہلے گذرا نیز وصیت حق مورث ہے جیسے تجہیز و تکفین بخلاف وراثت اور دین کے کہ وہ دوسروں کا حق ہے تو اس حیثیت سے وصیت دین سے مقدم ہو گی گو دوسری وجہ سے دین وصیت پر مقدم ہے اور یہاں جو غیر مضار کی قید لگائی یہی قید مقامات سابقہ میں بھی معتبر ہو گی۔

۳۰۔ وارثوں کی تین قسمیں: شروع رکوع سے یہاں تک جو میراثیں بیان فرمائیں وہ پانچ ہیں، بیٹا بیٹی اور ماں باپ اور زوج اور زوجہ اور اخیافی بھائی بہن ان پانچوں کو ذوی الفروض اور حصہ دار کہتے ہیں ان پانچوں میراث کو بیان فرما کر بطور تاکید فرما دیا کہ یہ حکم ہے اللہ کا اس کی تعمیل ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے کس نے اطاعت کی اور کس نے نافرمانی کی کس نے میراث و وصیت و دین میں حق اور انصاف کے موافق کیا کس نے بے انصافی کی اور ضرر پہنچایا باقی ظلم و بے انصافی کی سزا میں تاخیر ہونے سے کوئی دھوکا نہ کھائے کیونکہ حق تعالیٰ کا حلم بھی بہت کامل ہے۔ فائدہ جاننا چاہئے کہ ذوی الفروض کے سوا جن کا بیان اس رکوع میں گذرا ایک دوسری قسم کے وارث ہیں جن کو عصبہ کہتے ہیں ان کے لئے کوئی حصہ مثل نصف ثلث وغیرہ کے مقرر نہیں بلکہ ذوی الفروض سے جو فاضل ہو گا وہ ان کو ملے گا مثلاً اگر کسی کے عصبہ ہو اور ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا مال تمام عصبہ کو ملے گا اور جو دونوں ہوں تو ذوی الفروض کو دے کر جو مال بچے گا عصبہ کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ بچا تو عصبہ کو کچھ نہ ملے گا اور عصبہ اصل میں تو وہ ہے جو مرد ہو عورت نہ ہو اور اس میں اور میت میں عورت کا واسطہ بھی نہ ہو اور اس کے چار درجے ہیں اول درجہ میں بیٹا اور پوتا ہے دوسرے درجہ میں باپ اور دادا تیسرے درجہ میں بھائی اور بھتیجا چوتھے درجہ میں چچا اور چچا کا بیٹا یا اس کا پوتا اگر کئی شخص ہوں تو جو میت سے قریب ہے وہ مقدم ہو گا جیسے پوتے سے بیٹا یا بھتیجے سے بھائی مقدم ہے پھر سوتیلے سے سگا مقدم ہے اور ان چاروں کے سوا اولاد میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے یعنی بیٹے کے ساتھ بیٹی اور بھائی کے ساتھ بہن بھی عصبہ ہو گی یہ عصبہ اصلی نہیں بلکہ غیر اصلی ہیں اور اولاد اور بھائیوں کے سوا عورت عصبہ نہ ہو گی مثلاً چچا کا بیٹا عصبہ ہے مگر اس کے ساتھ ہو کر چچازاد بہن عصبہ نہیں ہو سکتی۔ فائدہ ان دونوں قسم مذکورہ بالا یعنی ذوی الفروض اور عصبہ کے سوا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وارث کی تیسری قسم

ذوی الارحام ہیں یعنی ایسے قرابت والے کہ ان میں اور میت میں عورت کا واسطہ ہو اور ذوی الفروض میں نہ ہو اور عصبہ بھی نہ ہو جیسے نواسا اور نانا اور بھانجا اور ماموں اور خالہ اور پھوپھی اور ان کی اولاد جب کسی میت کے ذوی الفروض اور عصبہ کوئی بھی نہ ہو گا تو اس کی میراث ذوی الارحام کو ملے گی۔ تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اس کو داخل کرے گا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہ ہے بڑی مراد ملنی

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ
نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۲ ۱۳

۱۴۔ اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اسکے رسول کی اور نکل جاوے اس کی حدوں سے ڈالے گا اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے [۳۱]

۳۱۔ **ان احکام کی حکمت و اہمیت:** یعنی تمام احکام مذکورہ سابقہ متعلق حقوق یتامٰی اور وصیت اور میراث اللہ کے مقرر فرمودہ ضابطے اور قاعدے ہیں اور جو کوئی اطاعت کرے گا احکام الٰہی کی جن میں حکم وصیت و میراث بھی داخل ہے اس کے لئے ہمیشہ کو جنت ہے اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اور حدود خداوندی سے بالکل خارج ہو جائے گا وہ ہمیشہ کو ذلت کے ساتھ عذاب جہنم میں گرفتار رہے گا۔

وَ الّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ
فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ
شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ
الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیویں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالیوے ان کو موت یا مقرر کر دے اللہ ان کے لئے کوئی راہ [۳۲]

وَ الَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ
اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا
رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جو دو مرد کریں تم میں سے وہی بدکاری تو ان کو ایذا دو [۳۳] پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان کا خیال چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے [۳۴]

۳۲۔ زنا و لواطت کے احکام: یتامٰی اور مواریث کو بیان فرما کر اب دیگر احکام متعلقہ اقارب کو بتلایا جاتا پہلے عورتوں کے متعلق چند باتیں ارشاد ہوتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی تادیب اور سیاست ضروری امر ہے اور ان پر کسی قسم کی تعدی اور ظلم بھی نہ کیا جائے اہل جاہلیت کے یہاں عورتوں کی بابت دونوں باتوں میں بہت بے اعتدالیاں ہوتی تھیں اور س آیت میں تادیب کے متعلق حکم ہے کہ اگر کسی کی زوجہ کا مرتکب زنا ہونا معلوم ہو تو اس کے لئے چار گواہ مسلمانوں میں سے عاقل بالغ آزاد رائے قائم ہونے چاہئیں اگر چار آدمی گواہی دیں تو اس عورت کو گھر میں مقید رکھنا چاہیے گھر سے باہر جانا اور کسی سے ملنا انتظاماً بالکل روک دیا جائے یہاں تک کہ وہ عورت مر جائے یا اللہ اس کے لئے کوئی حکم اور سزا مقرر فرمائے اس وقت تک زانیہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کا وعدہ کیا چنانچہ کچھ عرصہ بعد سورہ نور میں اس کی حد نازل فرما دی کہ باکرہ کے لئے سو کوڑے اور ثلبیہ کے واسطے سنگسار کرنا ہے۔

۳۳۔ یعنی دو شخص خواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو خواہ دونوں مرد ہوں اگر فعل بد کریں تو ان کی سزا مجملاً ایذا دینا ارشاد فرمایا زبان سے ہاتھ سے بقدر مناسب ان کو تنبیہ و تادیب کرنے کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک زنا اور لواطت دونوں کا یہی حکم تھا کہ حاکم اور قاضی کے نزدیک زجر و عبرت کے لئے جتنی سزا اور شتم و ضرب مناسب ہو اتنی سزا دی جائے اس کے بعد حسب وعدہ حد زنا جب نازل ہوئی تو لواطت کے لئے کوئی جدا حد بیان نہ فرمائی اس میں علماء کا اختلاف رہا کہ لواطت کی بھی وہی حد ہے جو زنا کے لئے بیان ہوئی یا لواطت کی وہی سزا باقی رہی جو پہلے تھی یا اس کی سزا تلوار سے قتل کرنا یا کسی دوسرے طریقہ سے مار ڈالنا ہے۔ فائدہ اس آیت کو بہت سے علماء نے زنا پر حمل کیا ہے اور بعض نے لواطت پر اور بعض نے دونوں کو شامل رکھا ہے۔

۳۴۔ یعنی اس کے بعد اگر وہ بدکاری سے توبہ کر لیں اور آئندہ کو اپنے اعمال کی درستی کر لیں تو اب ان کے پیچھے مت پڑو اور زجر و ملامت سے ستانا چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو انکی ہے جو کرتے ہیں برا کام جہالت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو ان کو اللہ معاف کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا[۳۵]

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ
حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ
الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ
اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برے کام یہاں تک کہ جب سامنے آ جائے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں ان کے لئے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک[۳۶]

۳۵۔ وہ لوگ جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی: یعنی توبہ تو بیشک ایسی چیز ہے کہ زنا اور لواطت جیسے سنگین جرم بھی اس سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا

ہے جیسا کہ آیت سابقہ سے مفہوم ہوا لیکن اس کا بھی ضرور لحاظ رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے فضل سے قبول توبہ کا ذمہ لے لیا ہے وہ اصل میں ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر لیتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر متنبہ اور مطلع ہوتے ہیں تو جبھی نادم ہوتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں سو ایسوں کی خطائیں اللہ ضرور معاف فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ کس نے نادانی سے گناہ کیا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی اور حکمت والا ہے جس توبہ کا قبول کرنا موافق حکمت ہوتا ہے اس کو قبول فرماتا ہے۔ فائدہ قید جہالت اور قید قریب سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص گناہ تو کرے نادانی سے اور تنبیہ کے بعد توبہ کر لے جلدی سے تو بقاعدہ عدل و حکمت اس کی توبہ مقبول ہونی ضرور ہے اور جس نے جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ اللہ کی نافرمانی پر جرأت کی یا اطلاع کے بعد اس نے توبہ میں تاخیر کی اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو بقاعدہ عدل و انصاف اس کی خطا اصل میں معافی کے قابل نہیں اس کا قبول کر لینا اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان دونوں توبہ کو بھی قبول کر لیتا ہے یہ اس کا احسان ہے۔ مگر ذمہ داری صرف اول صورت میں ہے باقی میں نہیں۔

۳۶۔ یعنی اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برابر گناہ کئے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے یہاں تک کہ جب موت ہی نظر آ گئی تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی توبہ قبول ہو گی جو کفر پر مر گئے اور اس کے بعد عذاب اخروی کو دیکھ کر توبہ کریں۔ ایسے لوگوں کے واسطے عذاب شدید تیار ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ دونوں آیتیں جو دربارۂ قبول توبہ اور عدم قبول توبہ یہاں مذکور ہیں ہم نے جو ان کا مطلب بیان کیا یہ بعض اکابر محققین کی تحقیق کے موافق ہے اور اس میں یہ خوبی ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں اپنے ظاہری معنی پر قائم رہے اور علی اللہ کے معنی بھی سہولت سے بن گئے اور اس موقع پر قبول اور عدم قبول توبہ کے ذکر فرمانے سے جو مقصد ہے یعنی توبہ کیف ما اتفق مقبول نہیں اور توبہ کی چند صورتیں ہیں اور ان کی مقبولیت میں باہم فرق ہے تاکہ کوئی توبہ کے اعتماد پر معاصی پر جری نہ ہو جائے یہ مقصد بھی اس صورت میں خوب حاصل ہو جاتا ہے مگر مفسرین حضرات نے علی العموم جو ان آیتوں کا مطلب ارشاد فرمایا ہے تو قید جہالت کو احترازی اور شرطی نہیں لیتے بلکہ قید واقعی فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گناہ ہمیشہ جہل اور حماقت سے ہوتا ہے اور قریب کے معنی یہ لیتے ہیں کہ حضور موت سے پہلے جس قدر وقت ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ دنیا کی زندگی قلیل ہے اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کا توبہ قبول فرمانے کا وعدہ ان سے ہے کہ سفاہت اور عدم انجام بینی سے گناہ کر لیتے ہیں اور پھر موت کے آنے سے پہلے تائب ہو جاتے ہیں اور جو لوگ کہ موت کو مشاہدہ کر چکے اور نزع کی حالت کو پہنچ چکے یا جو لوگ کہ کفر پر مر چکے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی اس تقریر کے موافق توبہ کرنے والوں کی وہ دو صورتیں بین بین جو تقریر اول میں مذکور ہوئیں شق اول یعنی قبول توبہ کے اندر شمار ہوں گی۔ فائدہ جب موت کا یقین ہو چکے اور دوسرا عالم نظر آنے لگے تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں اور عالم آخرت کے دیکھنے سے پہلے کی توبہ البتہ قبول ہوتی ہے۔ اتنا فرق ہے کہ حسب تقریر اول صورت اول میں تو قبول توبہ قاعدہ عدل و انصاف کے موافق ہے اور دوسری صورتوں میں قبول توبہ اس کا محض فضل ہے کما مرّ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

۱۹۔ اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو ان سے کچھ اپنا دیا ہوا مگر کہ وہ کریں بے حیائی صریح[۳۷] اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی[۳۸]

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ

خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ

اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ

اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال تو مت پھیر لو اس میں سے کچھ کیا لیا چاہتے ہو اس کو ناحق اور صریح گناہ سے [۳۹]

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ

وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور کیونکہ اس کو لے سکتے ہو اور پہنچ چکا ہے تم میں کا ایک دوسرے تک اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد پختہ [۴۰]

۳۷۔ عائلی زندگی کے احکام: حسب بیان سابق عورتوں کی بدافعالی کی بابت تادیب و سیاست کا حکم دے کر اب اہل جاہلیت کے اس ظلم و تعدی کو روکا جاتا ہے جو تعدی عورتوں پر وہ طرح طرح سے کیا کرتے تھے سو منجملہ ان صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا اور کوئی وارث لے لیتا پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اس کا مہر کل یا بعض لے لیتا یا ساری عمر اس کو اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث ہوتا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مر جائے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے میت کے بھائی اور اس کے کسی وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے ورثہ سے جو اس کو ملا تھا کچھ پھیر دے ہاں اگر صریح بدچلنی کریں تو ان کو روکنا چاہیئے۔

۳۸۔ عورتوں سے حسن سلوک: یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں اخلاق اور سلوک سے معاملہ رکھو جاہلیت میں جیسا ذلت اور سختی کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا تھا اس کو چھوڑ دو پھر اگر تم کو کسی عورت کی کوئی خو اور عادت خوش نہ آئے تو صبر کرو شاید اس میں کوئی خوبی بھی ہو اور ممکن ہے کہ تم کو ناپسندیدہ ہو کوئی چیز اور اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے کوئی بڑی منفعت دینی یا دنیوی رکھ دے سو تم کو تحمل کرنا چاہیئے اور بدخو کے ساتھ بدخوئی نہ چاہیئے۔

۳۹۔ پہلی بیوی سے سلوک: اسلام سے پہلے یہ بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی چاہتا کہ پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرے تو عورت پر تہمت لگاتا اور مختلف طرح سے اس پر زیادتی اور سختی کرتا کہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے اور نکاح جدید میں کام آئے یہ آیت اس کی ممانعت میں نازل ہوئی کہ جب پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری کرو اور پہلی کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اب اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو کیا تم بہتان باندھ کر اور صریح ظلم کر کے زوجہ اولیٰ سے وہ مال لینا چاہتے ہو یہ ہرگز جائز نہیں۔

۴۰۔ مہر کی ادائیگی کا حکم: یعنی جب مرد اور عورت نکاح کے بعد مل چکے اور صحبت کی نوبت آچکی تو اس کے معاوضہ میں تمام مہر دینا مرد پر واجب

ہو چکا تو اب کس وجہ سے مرد اس مہر کو واپس لے سکتا ہے اور در صورت مہر ادا نہ کرنے کے کیسے اس کے مہر کو دبا سکتا ہے۔ اب تو بجز اس کے کہ عورت ہی اپنی خوشی سے معاف کر بیٹھے کوئی صورت رستگاری کی نہیں ہو سکتی اور وہ عورتیں تو بہت مضبوط اور گاڑھا اقرار تم سے لے چکیں جس کی وجہ سے وہ تمہارے قبضہ اور تصرف میں آچکیں اور تم ان سے پورے متنفع ہو چکے نہیں تو تم کو ان پر تصرف کا کیا اختیار تھا۔ اب اس قدر تکمیل اور قبضہ کامل اور تصرف تام کے بعد عورتوں کے مہر کو واپس لینا یا ان کا مہر نہ دینا کیسے ہو سکتا ہے۔ فائدہ جاننا چاہئے کہ جیسا مجامعت کے بعد تمام مہر زوج کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے ایسا ہی اگر مجامعت کی تو نوبت نہ آئے مگر خلوت صحیحہ ہو گئی تو بھی پورا مہر واجب الادا ہو گا ہاں اگر خلوت صحیحہ کی بھی نوبت نہ آئی اور زوج نے طلاق دے دی تو پھر نصف مہر ادا کرنا ہو گا۔

وَ لَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا
قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقۡتًا ؕ وَ سَآءَ
سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾ ع ۳ ١ ١٤

۲۲۔ اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو پہلے ہو چکا یہ بے حیائی ہے اور کام ہے غضب کا اور برا چلن ہے [۴۱]

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَ بَنٰتُكُمۡ وَ اَخَوٰتُكُمۡ وَ
عَمّٰتُكُمۡ وَ خٰلٰتُكُمۡ وَ بَنٰتُ الۡاَخِ وَ بَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَ
اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَ اَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ
الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ
حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ ۫ فَاِنۡ
لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ ۫ وَ
حَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَ اَنۡ
تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۙ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی [۴۲] اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں [۴۳] اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو کہ جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے جن سے تم نے صحبت کی اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہو چکا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۴۴]

وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ
اَيۡمَانُكُمۡ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا
وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ
مُسٰفِحِيۡنَ ؕ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ
اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا
تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر [۴۵] اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو انکو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو [۴۶] پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے [۴۷] اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کیے پیچھے بیشک اللہ ہے خبردار حکمت والا [۴۸]

۴۱۔ باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح: میں ممانعت جاہلیت والے اپنی سوتیلی ماں اور بعض دیگر محرمات سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ جس کا تذکرہ ابھی گذرا اس کی ممانعت کی جاتی ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح مت کرو یہ بے حیائی اور اللہ کے غضب اور نفرت کرنے کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے زمانہ جاہلیت میں بھی سمجھ دار لوگ اس کو مذموم سمجھتے تھے اور اس نکاح کو نکاح مقت اور اس نکاح سے جو اولاد ہوتی اس کو مقتی کہتے تھے سو ایسے نکاح جو ہو چکے ہو چکے آئندہ کو ہرگز ایسا نہ ہو۔ فائدہ باپ کی منکوحہ کا جو حکم ہے اس حکم میں دادا اور نانے کی منکوحہ بھی داخل ہے کتنا ہی اوپر کا دادا اور نانا کیوں نہ ہو۔

۴۲۔ دوسری محرمات کا بیان: سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرما کر اب جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں ان سب کو بیان فرماتے ہیں وہ عورتیں چند قسم ہیں اول انکو بیان کیا جاتا ہے جو علاقہ نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ سات ہیں ماں بیٹی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں۔ فائدہ ماں کے حکم میں دادی نانی اوپر تک کی سب داخل ہیں ایسے ہی بیٹی میں پوتی اور نواسی نیچے تک کی سب داخل ہیں اور بہن میں عینی اور علاتی اور اخیافی سب داخل ہیں اور پھوپھی میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا سوتیلی سب آ گئیں اور خالہ میں ماں اور نانی اور نانی کی سب کی بہن تینوں قسم کی داخل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد الاولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد الاولاد داخل ہیں۔

۴۳۔ محرمات نسبی کے بعد اب محرمات رضاعی کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ دو ہیں ماں اور بہن اور اس میں اشارہ ہے کہ ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے رضاعت میں بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں چنانچہ حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے۔

۴۴۔ سسرالی محرمات: اب محرمات مصاہرۃ کا ذکر ہے یعنی علاقہ نکاح کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے اور وہ زوجہ کی ماں اور اس زوجہ کی بیٹی ہے جس زوجہ سے کہ تم نے صحبت کی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں ہیں اور اس میں نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی

عورتیں داخل ہیں کہ ان سے کبھی تمہارا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی ان قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی جب اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ مرگئی تو ان سے نکاح درست ہو جائے گا اور وہ زوجہ کی بہن ہے کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا اور بعد میں درست ہے اور یہی حکم ہے زوجہ کی پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی کا۔ فائدہ یہ جو فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو کہ تمہاری پشت سے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بیٹے یا پوتے نسبی ہوں منہ بولے یعنی لے پالک نہ ہوں جس کو متبنّٰی کہتے ہیں رضاعی سے احتراز نہیں اور اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کا یہ مطلب ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے وہ معاف ہے اور فِیْ حُجُوْرِکُمْ فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اور ان کی پرورش کرتے ہو یعنی اولاد جیسا ان سے معاملہ کرتے ہو اور گویا اولاد ہی سمجھتے ہو اس سے ان کے نکاح کی حرمت اور ظاہر ہوگئی یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرمت کے لئے گود میں رکھنا ضروری ہے۔

۴۵۔ دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کی ممانعت: محرمات کا ذکر فرما کر اخیر میں اب ان عورتوں کی حرمت بیان فرمائی جو کسی کے نکاح میں ہوں یعنی جو عورت کسی کے نکاح میں ہے اس کا نکاح اور کسی سے نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ بذریعہ طلاق یا وفات زوج نکاح سے جدا نہ ہو جائے اور عدت طلاق یا عدت وفات پوری نہ کرلے اس وقت تک کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی عورت خاوند والی تمہاری مِلک میں آجائے تو وہ اس حکم حرمت سے مستثنٰی ہے اور وہ تم پر حلال ہے گو اس کا خاوند زندہ ہے اور اس نے طلاق بھی اس کو نہیں دی اور اس کی صورت یہ ہے کہ کافر مرد اور کافر عورت میں باہم نکاح ہو اور مسلمان دارالحرب پر چڑھائی کر کے اس عورت کو قید کر کے دارالاسلام میں لے آئیں تو وہ عورت جس مسلمان کو ملے گی اس کو حلال ہے گو اس کا زوج دارالحرب میں میں زندہ موجود ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی اب سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں تاکید فرمادی کہ یہ اللہ کا حکم اس کی پابندی تم پر لازم ہے۔ فائدہ جو عورت کافرہ دارالحرب سے پکڑی ہوئی آئے اس کے حلال ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گذر جائے اور وہ عورت مشرک بت پرست نہ ہو بلکہ اہل کتاب میں سے ہو۔

۴۶۔ دوسری عورتوں سے نکاح کی شرائط: یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سوا سب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب و قبول دونوں طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان عورتوں کو قید میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کے لئے وہ اس کی زوجہ ہو جائے چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر اہل حق کا اجماع ہے چوتھی شرط جو دوسری آیتوں میں مذکور ہے یہ ہے کہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو یعنی کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت اس معاملہ کی گواہ ہوں اگر بدون دو گواہوں کے ایجاب و قبول ہو گا تو وہ نکاح درست نہ ہو گا زنا سمجھا جائے گا۔

۴۷۔ مہر کو وجوب: یعنی جس عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد زوج نے اس سے کسی مدت معین یا طویل تک نفع بھی حاصل کر لیا کم سے کم یہ کہ ایک ہی دفعہ وطی یا خلوت صحیحہ کی نوبت آئی تو اب اس عورت کا پورا مہر دینا لازم ہے بدون عورت کے بخشے کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا البتہ جب تک عورت بالکل کام میں نہ آوے اور زوج طلاق دیدے تو مہر مقررہ کا آدھا دینا ہو گا اور اگر عورت نے انتفاع سے پہلے کوئی ایسی بات کی کہ نکاح ٹوٹ گیا تو زوج کے ذمہ سے سب مہر اتر جائے گا کچھ دینا نہ پڑے گا۔

۴۸۔ یعنی اگر زوجین مہر مقرر کر لینے کے بعد کسی بات پر راضی ہو جائیں۔ مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ کم کردے یا مرد اپنی رضا سے مہر مقرر سے کچھ زیادہ دے تو وہ مختار ہیں اس میں کچھ گناہ نہیں یہ نہیں کہ مہر مقررہ سے زوج کچھ کم دے یا عورت اس سے کچھ زیادہ لے تو ناجائز ہے ہاں رضائے باہمی ضرور ہونی چاہئے، اخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور ہر طرح کے نفع و نقصان کو خوب جانتا ہے اور جو

حکم فرماتا ہے وہ سراسر حکمت آمیز ہوتا ہے اس کی متابعت میں تمہارے لئے دارین کی خوبی اور بہبودی ہے اور مخالفت میں سراسر نقصان اور خرابی ہے۔

وَ مَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِكُمۡ ؕ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَ اٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۴

۲۵۔ اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان تو نکاح کر لے ان سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں جو کہ تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان[۴۹] اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو[۵۰] سو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے مہر موافق دستور کے قید میں آنے والیاں ہوں نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں[۵۱] پھر جب قید نکاح میں آ چکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے بیبیوں کی سزا سے[۵۲] یہ اس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۵۳]

۴۹۔ لونڈی سے نکاح کے احکام: یعنی جس کو اس بات کا مقدور نہ ہو کہ آزاد عورت سے نکاح کر سکے اور اس کے مہر اور نفقہ کا تحمل کر سکے تو بہتر ہے کہ ایسا شخص آپس میں کسی کی مسلمان لونڈی سے نکاح کر لے کہ اس کا مہر کم ہوتا ہے اور نفقہ میں بھی یہ سہولت ہے کہ اگر مالک نے اس کو اپنے یہاں رکھا جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو زوج اس کے نفقہ سے فارغ البال رہے گا اور اگر زوج کے حوالہ کر دیا تو بھی بہ نسبت نفقہ حرہ تخفیف ضرور رہے گی۔ فائدہ جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی مقدرت ہو اس کو لونڈی سے نکاح کرنا امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک حرام ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں مکروہ تنزیہی ہے ایسے ہی صحبت نکاح کے لئے لونڈی کا مسلمان ہونا اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک افضل ہے اگر لونڈی کتابیہ سے نکاح کر لے گا تو وہ بھی امام کے نزدیک جائز ہو گا ہاں اگر کسی کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو اس کو لونڈی سے نکاح کرنا سب کے نزدیک حرام ہے۔

۵۰۔ لونڈی سے نکاح کے احکام: یعنی اللہ تعالیٰ کو تم سب کے ایمان کی اصلی کیفیت معلوم ہے تم کو تو ظاہر پر اکتفا کرنا چاہئے بعضی لونڈی کا

ایمان اللہ کے نزدیک بعضی آزاد عورت کے ایمان سے بہتر اور افضل ہو سکتا ہے تو اب حیثیت ایمانی سے لونڈی کے ساتھ نکاح کر لینے میں قباحت اور انکار نہ ہونا چاہئے اور آپس میں تم سب ایک ہو ایک اصل سے پیدا ہوئے ہو ایک دین میں شریک ہو پھر لونڈیوں سے نکاح کرنے کو کیوں معیوب اور ننگ و عار سمجھتے ہو اس کلام سے لونڈیوں کے نکاح کی طرف توجہ دلانا اور ان سے نفرت کو دور کرنا مطلوب ہے۔

۵۱۔ یعنی تو اب مناسب ہے کہ حسب بیان بالا ان لونڈیوں سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں سے اجازت لے کر اور قاعدہ اور دستور کے موافق ان کا مہر دیدیا کرو جبکہ وہ خوشی سے قید نکاح میں آئیں مستی نکالنے والیاں اور چھپی اور مخفی یاری کرنے والیاں ہر گز نہ ہوں یعنی زنا نہ ہو کہ اس میں مہر ہر گز لازم نہ ہو سکے گا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ زنا میں مہر لازم نہیں ہوتا اور نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

۵۲۔ شادی شدہ لوگوں کے لئے زنا کی سزا: یعنی جو آزاد مرد یا عورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے یعنی مجامعت کی نوبت آچکی ہو اور پھر وہ زنا کرے تو وہ سنگسار کیا جائے گا اور اگر نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح سے پہلے ہی زنا کیا تو اس کے لئے سو کوڑوں کا حکم ہے اور لونڈی اور غلام کے لئے قبل نکاح اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں۔

۵۳۔ صبر لونڈیوں کے نکاح سے بہتر ہے: یعنی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ارشاد اور استحسان اسی کے حق میں ہے جو کوئی شخص تم میں ڈرتا ہو مشقت یعنی زنا میں مبتلا ہونے سے اور اگر تم صبر کرو اور باندیوں سے نکاح نہ کرو تو بہت اچھا ہے تمہارے حق میں کیونکہ اولاد آزاد ہو گی ہاں جس کو صبر و تحمل میں کھٹکا ہو تو اس کو بہتر ہے کہ ایسی حالت میں کسی کی لونڈی سے نکاح کر لے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے صبر کرنے والوں پر۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو پہلوں کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا [۵۴]

وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہووے اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دور [۵۵]

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور [۵۶]

۵۴۔ ان احکام کی اہمیت و حکمت: یعنی اللہ تعالیٰ کو ان احکام کے ارشاد سے مطلوب یہی ہے کہ تم کو حلال اور حرام کا حال معلوم ہو جائے اور تم کو پہلے انبیاء کا رستہ نصیب ہو جیسے حضرت ابراہیمؑ وغیرہ اور مغفرت کرے تمہاری اور اللہ کو تمہارے مصالح اور تمام حالات کا پورا علم ہے اور اس کے ہر حکم اور ہر تدبیر میں حکمت ہے تو اب اگر اس کے حکم کی اطاعت نہ کرو گے تو ہدایت سے محروم اور پہلوں کے بھی مخالف اور اللہ کی

رحمت اور مغفرت سے محروم رہو گے۔ فائدہ پہلے سے زنا اور لواطت کی حرمت اور ان سے توبہ کرنا اور عورتوں کے متعلق بعضے احکام اور جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا ذکر اور نکاح کے متعلق مہر وغیرہ قیود و شرائط کا تذکرہ اور بدکاری سے ممانعت اور اس پر سزا کا ذکر تھا اور بچند وجوہ لوگوں کو ان حکموں کی اطاعت دشوار تھی۔ اس لئے اس آیت میں اور آئندہ کی دو آیتوں میں ان احکام کی پابندی کو خوب موکد اور مستحکم کر کے مخالفت سے روک دیا۔ واللہ اعلم۔

۵۵۔ یعنی یہ مختلف قیدیں جو پہلے گذریں اس سے مطلوب تم پر رحمت فرمانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان قیدوں کی نسبت حکم فرمایا اور جو لوگ اپنی شہوتوں پر فریفتہ ہیں وہ البتہ یہی چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے دور جا پڑو یعنی انہی کی طرح تم بھی اپنی شہوات کا اتباع کرو اور گمراہ ہو جاؤ تو اب جو کچھ کرو سمجھ کر کرو۔

۵۶۔ شریعت کے احکام سہل ہیں: یعنی انسان کو اللہ نے ضعیف بنایا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اپنی شہوات و مرغوبات سے کہاں تک صبر کر سکتا ہے تو اس لئے ہر حکم میں تخفیف کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے یہ نہیں ہوا کہ انسان کے حق میں جو مفید دیکھا وہ اس کے ذمہ لگا دیا سہل ہو یا دشوار مثلاً عورتوں اور شہوت سے صبر کرنا آدمی کو بہت دشوار تھا اس لئے اس کی خواہش پورا کر لینے کے طریقے جائز اللہ نے بتلا دیے کہ اس سے اپنا مطلب حاصل کر سکے یہ نہیں کہ قضائے شہوت سے بالکل روک دیا گیا ہو۔ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شریعت میں تنگی نہیں فرمائی کہ کوئی حلال کو چھوڑے اور حرام کی طرف دوڑے۔ خلاصہ ان آیتوں کا یہ نکلا کہ نفس کو شہوات سے بچانا اور ان تمام قیدوں کا پابند ہونا جو عورتوں کے بارے میں مذکور ہوئیں ہر گز دشوار امر نہیں اور انکی پابندی نہایت ضروری اور سراسر مفید ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے [۵۷] اور نہ خون کرو آپس میں بیشک اللہ تم پر مہربان ہے [۵۸]

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے [۵۹]

۵۷۔ اکل حلال کی تاکید: مطلب یہ ہے کہ کسی کو کسی کا مال ناحق کھا لینا مثلاً جھوٹ بول کر یا دغابازی سے یا چوری سے ہر گز درست نہیں ہاں اگر سوداگری یعنی بیع و شراء کر و تم باہمی رضامندی سے تو اس میں کچھ حرج نہیں اس مال کو کھالو جس کا خلاصہ یہی نکلا کہ جائز طریقہ سے لینے کی ممانعت نہیں جو مال کو ترک کرنا تم پر دشوار ہو۔

۵۸۔ قتل کی ممانعت: یعنی آپس میں ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے کہ بلا وجہ کسی کے مال یا جان میں

تصرف کرنے کو منع فرمادیا اور تم پر ایسے احکام بھیجے جن میں سراسر تمہارے لئے بہبودی اور خیریت ہے۔

۵۹۔ یعنی اور جو کوئی ظلم اور زیادتی سے باز نہ آئے بلکہ ناحق اوروں کا مال کھائے یا ظلمًا کسی کو قتل کر ڈالے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کو آگ میں ڈال دینا خدا تعالیٰ کو دشوار نہیں بالکل سہل اور آسان ہے تو اب کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو مسلمان ہیں دوزخ میں کیسے جا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اس کو عدل و انصاف سے کون چیز روک سکتی ہے۔

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں [۶۰]

۶۰۔ **ارتکاب کبائر و سیّات میں معتزلہ کا جواب:** پہلی آیت میں مذکور تھا کہ جو کوئی ظلمًا کسی کے مال یا جان کو نقصان پہنچائے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس سے معلوم ہو گیا تھا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی بندہ کے لئے موجب عذاب ہے اب اس آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کرنے پر وعدہ مغفرت اور جنت کی توقع اور طمع دلائی جاتی ہے تا کہ اس کو معلوم کر کے ہر ایک گناہوں سے احتراز کرنے میں کوشش کرے اور معلوم ہو جائے کہ جو کبیرہ گناہ مثلاً کسی کا مال غصب یا سرقہ کرنے یا کسی کو ظلمًا قتل کرنے سے بچ گیا جن کا ذکر ابھی گزرا تو اس کے وہ تمام صغیرہ گناہ بخشے جائیں گے جن کا مرتکب بغرض تحصیل و تکمیل سرقہ اور قتل ہوا تھا۔ اس آیت میں چند باتیں بحث طلب ہیں مگر اصل سب کی یہی ہے کہ آیت کا اصلی اور عمدہ مطلب معلوم ہو جائے جس سے تمام امور کا جان لینا سہل ہو جائے۔ سو معتزلہ اور ان کے موافقین نے سرسری طور پر اس آیت کا یہ مضمون سمجھ لیا کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر محض صغیرہ گو کتنے ہی ہوں ضرور معاف کر دیے جائیں گے اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ کیف ما اتفق ایک یا دو بھی شامل ہو گیا تو اب معافی ممکن نہیں بلکہ سب کی سزا ضروری ہو گئی اور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور محقق ہے اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی بدفہمی اور کم فہمی ہے اور اس آیت کے ظاہری الفاظ اور سرسری مضمون سے جو معتزلہ کا مذہب راجح نظر آتا ہے اس کا جواب کسی نے تو یہ دیا کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں کسی نے یہ کہا کہ لفظ کبائر سے جو آیت میں مذکور ہے اکبر الکبائر یعنی خاص شرک مراد لے لیا اور لفظ کبائر کی جمع لانے کی وجہ تعدد انواع شرک کو قرار دیا اور اسی کے ذیل میں چند اور باتیں بھی زیر بحث آ گئیں مگر ہم ان سب امور کو نظر انداز کر کے صرف اس آیت کے محقق اور عمدہ معنی ایسے بیان کئے دیتے ہیں جو نصوص اور عقل کے مطابق اور قواعد اور ارشاد محققین کے موافق ہوں اور بشرط فہم و انصاف معنی مذکور کے بعد تمام ضمنی باتیں خود بخود حل ہو جائیں اور خلاف معتزلہ خود بخود مضمحل ہو کر معتزلہ کے عدم تدبر اور کم فہمی پر حجت قوی بن جائے اور اہل حق کو اس کے ابطال و تردید کی طرف توجہ فرمانے کی حاجت ہی نہ رہے سو غور سے سنئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ارشاد اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ جو کہ یہاں مذکور ہے اور ارشاد اَلَّذِيۡنَ يَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ جو سورۂ نجم۔ ۳۲ میں موجود ہے ان ہر دو ارشاد کا مدعٰی ایک ہے صرف لفظوں میں تھوڑا سا فرق ہے تو اب جو مطلب ایک آیت کا ہو گا وہی دوسری آیت کا لیا جائے گا سو سورۂ نجم کی آیت کی نسبت حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد بخاری وغیرہ کتب حدیث میں صاف موجود ہے عن ابن عباس قال مارأیت شیئا اشبہ باللمم مما قال ابوھریرۃ عن النبی ﷺ ان اللہ کتب علی ابن ادم حظہ من الزنی ادرك ذٰلك لا محالۃ فزنی العین النظر و زنی اللسان المنطق والنفس تمنی و تشتھی والفرج یصدق ذٰلك و یکذبہ انتھی۔ بشرط فہم اس حدیث سے ہر دو آیات سابقہ کے واقعی اور

تحقیقی مطلب کا پورا سراغ لگ گیا اور حضرت ابن عباسؓ جبر الامۃ اور لسان القرآن کے فرمانے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لمم اور علیٰ ہذا القیاس سیّات کے معنی اس سے بہتر نہیں ملے تو اب اس مطلب کے مقابلہ میں کوئی دوسری تقریر مضمون آیت کے متعلق کیونکر قابل ترجیح اور لائق پسند ہو سکتی ہے بالخصوص معتزلہ کی ہرزہ گوئی کیسے قابل التفات اور لائق جواب سمجھی جاسکتی ہے اور واقعی حدیث مذکور کا مطلب اور حضرت ابن عباس نے جو اس سے بات نکالی ایسی عجیب اور قابل قبول تحقیق ہے کہ جس سے مضمون ہر دو آیت خوب محقق ہو گیا اور معتزلہ کے خرافات کی گنجائش اور اہل حق کو اس کی تردید کی ضرورت بھی نہ رہی اور ذیلی اور ضمنی اقوال واختلافات بھی بہت خوبی سے طے ہو گئے۔ چنانچہ اہل فہم ادنی تامل سے سمجھ سکتے ہیں بغرض توضیح ہم بھی حدیث مذکور کا خلاصہ عرض کئے دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آیت سورۂ نجم میں جو لفظ لمم فرمایا گیا ہے جس کی کہ معافی کا وعدہ کیا ہے اس کی تعیین اور تحقیق کے متعلق حدیث ابی ہریرۃ سے بہتر ہم کو کوئی چیز معلوم نہیں ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے ذمہ پر جو زنا کا حصہ مقرر فرمادیا ہے وہ ضرور اس کو مل کر رہے گا سو فعل زنا میں آنکھ کا حصہ تو دیکھنا ہے

اور زبان کا حصہ یہ ہے کہ اس سے وہ باتیں کی جائیں جو فعل زنا کے لئے مقدمات اور اسباب ہوں اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور اس کی خواہش کرے لیکن فعل زنا کا تحقق اور اس کا بطلان دراصل فرج یعنی شرمگاہ پر موقوف ہے یعنی اگر فرج سے زنا کا صدور ہو گیا تو آنکھ زبان دل سب کا زانی ہونا محقق ہو گیا اور اگر باوجود تحصیل جملہ اسباب وذرائع صرف فعل فرج کا تحقق نہ ہوا بلکہ زنا سے توبہ اور اجتناب نصیب ہو گیا تو اب تمام وسائل زنا جو کہ فی نفسہ مباح تھے فقط زنا کی تبعیت کے باعث گناہ قرار دیے گئے تھے وہ سب کے سب لائق مغفرت ہو گئے یعنی ان کا زنا ہونا باطل ہو گیا اور گویا ان کا قلب ماہیت ہو کر بجائے زنا عبادت بن گئی کیونکہ فی نفسہ تو وہ افعال نہ معصیت تھے نہ عبادت بلکہ مباح تھے صرف اس وجہ سے کہ وہ زنا کا وسیلہ بنتے تھے معصیت میں داخل ہو گئے تھے جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہو چکا تو اب ان وسائل کا زنا کے ذیل میں شمار ہونا اور ان کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح مخالف ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں پہنچا چوری کے خیال سے مگر وہاں جا کر عین موقع پر تنبہ پیش آیا اور چوری سے توبہ کی اور رات بھر اللہ کے واسطے نماز پڑھتا رہا تو ظاہر ہے کہ جو رفتار سرقہ کا ذریعہ نظر آتا تھا وہ اب توبہ اور نماز کا ذریعہ ہو گیا تو اس حدیث ابوہریرہ کو سن کر عبداللہ بن عباس سمجھ گئے کہ لمم وہ باتیں ہیں جو دراصل گناہ نہیں مگر گناہ کا سبب ہو کر گناہ بن جاتی ہیں تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگ بڑے گناہ اور کھلے گناہ سے تو بچتے ہیں ہاں صدور لمم کی نوبت آجاتی ہے مگر بڑے اور اصلی گناہ کے صدور سے پہلے ہی وہ اپنے قصور سے تائب اور مجتنب ہو جاتے ہیں تو اب ابن عباس نے جیسے حدیث ابوہریرہ سے آیت سورۂ نجم کا مطلب سمجھ لیا ہم کو چاہئے کہ وہی معنی حسب ارشاد ابن عباس ہم آیت سورۂ نساء کے بے تکلف سمجھ لیں جس کے بعد بحمد اللہ نہ ہم کو اس کی ضرورت ہو گی کہ اس آیت کی توضیح میں گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی مختلف تفسیریں نقل کریں اور نہ معتزلہ کے استدلال کے جواب کا فکر ہو گا اور تکفیر سیآت کی وجہ اور دخول جنت کا سبب بھی بسہولت مطابق قواعد معلوم ہو جائے گا اور اجتناب کے معنی بھی ظاہر ہو جائیں گے اور چھوٹی چھوٹی باتیں انشاء اللہ بشرط تدبر طے ہو جائیں گی خلاصہ ہر دو آیت مذکور کا حسب ارشاد حدیث وبیان ابن عباس یہ ہوا کہ جو لوگ ان گناہوں سے رکیں گے اور ان کے ارتکاب سے اپنے نفس کو ہٹاتے رہیں گے جو گناہ کہ گناہوں کے سلسلہ میں مقصود اور بڑے سمجھے جاتے ہیں تو اس اجتناب اور رک جانے کی وجہ سے ان کے وہ برے کام جو انہوں نے کسی بڑے گناہ کے حصول کی طمع میں کئے ہیں معاف کر دیئے جائیں گے اور حسب ارشاد وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى (عبس۔ ۴۱،۴۰) وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ زنا کے صغائر کسی دوسرے سلسلہ کے بڑے گناہ مثلاً شراب خواری نہ کرنے سے فروگذاشت ہو جائیں گے یا شراب خواری کی وجہ سے ان کا مواخذہ لازم اور واجب ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ ؕ وَسۡـئَلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر[۶۱] مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے اس کا فضل بیشک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے[۶۲]

وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ وَالَّذِيۡنَ عَقَدَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَاٰ تُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿۳۳﴾ ع

۳۳۔ اور ہر کسی کے لئے ہم نے مقرر کر دیے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا ان کو دے دو ان کا حصہ بیشک اللہ کے روبرو ہے ہر چیز[۶۳]

ع ۵ / ۲

۶۱۔ ایک دوسرے کی فضیلت کی حرص نہ کرو: یعنی حق تعالیٰ جو کسی کو کسی پر کسی امر میں شرافت و فضیلت اور اختصاص و امتیاز عنایت فرمائے تو تم اس کی ہوس اور حرص مت کرو کیونکہ یہ بھی گویا ایسا ہی ہے کہ کسی کے خاص مال اور جان میں بلاوجہ دست اندازی کی جائے جس کی حرمت ابھی گذر چکی اور نیز اس سے باہم تحاسد و تباغض پیدا ہوتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ بعض عورتوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا سبب ہے کہ ہر جگہ حق تعالیٰ مردوں کو خطاب فرماتا ہے اور ان کو حکم کرتا ہے عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا اور میراث میں مرد کو دوہرا حصہ دیا جاتا ہے عورت سے اس آیت میں ان سب کا جواب ہو گیا۔

۶۲۔ یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے حصہ مقرر ہے جیسا کچھ وہ کام کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلا پورا ملتا ہے اس میں ہرگز کمی نہیں کی جاتی جو کسی کو شکایت کا موقع ملے ہاں یہ بات دوسری ہے کہ وہ اپنی حکمت اور رحمت کے مطابق کسی کو خاص بڑائی اور فضیلت عنایت کرے اس کی حرص اور شکایت کرنی بیجا ہوس ہے۔ البتہ اپنے عمل کے معاوضہ سے اور زیادہ ثواب و انعام مانگو تو بہتر اور مناسب ہے اس میں کچھ خرابی نہیں تو اب جو فضل کا طالب ہو اس کو لازم ہے کہ عمل کے ذریعہ سے طلب کرے حسد اور تمنی سے فضل کا طالب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک چیز کا پورا علم ہے ہر ایک کے درجے اور اس کے استحقاق کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب شان اس سے معاملہ کرتا ہے تو اب جس کو فضیلت عطا کرتا ہے سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے کوئی اپنی لاعلمی کی وجہ سے کیوں اس میں خلجان کرے۔

۶۳۔ مرنے والے کے ورثاء کا حق ادا کرو: یعنی مرد ہو یا عورت ہر ایک کے لئے تم میں سے اے مسلمانو ہم نے وارث مقرر کر دیے اس مال کے جس کو چھوڑ مریں والدین اور قرابت والے کسی کو اس سے محروم نہیں رکھا اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حصہ ضرور پہنچا دو اللہ تعالیٰ کو تمام امور کا علم ہے کہ وارثوں کا کیا حصہ ہونا چاہئے اور جن سے معاہدہ ہوا ہے ان کو کیا ملنا چاہئے اور ہمارے ان احکام کو کون بجالاتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔ فائدہ اکثر لوگ حضرت ﷺ کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقربا کافر چلے

آتے تھے تو اس وقت حضرت ﷺ نے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی کر دیا تھا وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقربا بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اتری کہ میراث تو اقربا اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کے لئے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

۳۴۔ مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں نے اپنے مال [۶۴] پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے [۶۵] اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو [۶۶] پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بیشک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا [۶۷]

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے [۶۸] اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے [۶۹]

۶۴۔ **مردوں کی فضیلت اور اس کی حکمت:** پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ مرد اور عورتوں کے حقوق کی پوری رعایت فرمائی گئی اگر رعایت حقوق میں فرق ہوتا تو عورتوں کو شکایت کا موقع ہوتا۔ اب آیت میں مرد اور عورت کے درجہ کو بتلاتے ہیں کہ مرد کا درجہ بڑھا ہوا ہے عورت کے درجہ سے اس لئے فرق مدارج کے باعث جو احکام میں فرق ہو گا وہ سراسر حکمت اور قابل رعایت ہو گا۔ اس میں عورت اور مرد بقاعدہ حکمت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے عورتوں کو اس کی خواہش کرنی بالکل بے جا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے حاکم اور نگراں حال بنایا دو وجہ سے اول بڑی اور وہبی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں پر علم و عمل میں کہ جن دونوں پر تمام کمالات کا مدار ہے فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے دوسری وجہ جو کسبی ہے یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک اور پوشاک جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی حکم

برداری چاہئے۔ فائدہ ایک صحابیہ نے اپنے خاوند کی نافرمانی بہت کی آخر کو مرد نے ایک طمانچہ مارا عورت نے اپنے باپ سے فریاد کی عورت کے باپ نے حضرت ﷺ کی خدمت میں آکر احوال ظاہر کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ خاوند سے بدلہ لیوے اتنے میں یہ آیت اتری اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہی خیر ہے۔

۶۵۔ یعنی جو عورتیں نیک ہیں وہ مردوں کی تابعداری کرتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق خاوند کی پیٹھ پیچھے اس کی رضا کے موافق اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اپنے نفس اور مال زوج میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔

۶۶۔ عورتوں کی تادیب کا طریقہ: یعنی اگر کوئی عورت خاوند سے بدخوئی کرے تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد اس کو زبانی فہمائش کرے اور سمجھا دے اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ جدا سووے لیکن اسی گھر میں اس پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اس کو مارے بھی پر نہ ایسا کہ جس کا نشان باقی رہے یا ہڈی ٹوٹے ہر تقصیر کا ایک درجہ ہے اس کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے جس کے تین درجے ترتیب وار آیت میں مذکور ہیں اور مارنا پیٹنا آخر کا درجہ ہے سرسری قصور پر نہ مارے ہاں قصور زیادہ ہو پھر مارنے میں حرج نہیں جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے کہ جس کا نشان باقی رہ جائے۔

۶۷۔ یعنی وہ عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب و تادیب کے بعد اگر بدخوئی اور نافرمانی سے باز آجائیں اور بظاہر مطیع ہو جائیں تو تم بھی بس کر جاؤ اور ان کے قصوروں کی کھود کرید مت کرو اور خواہ مخواہ ان کے ملزم بنانے میں خدا سے ڈرو بیشک اللہ تم سب سے غالب اور سب پر حاکم ہے نہ عورتوں کے معاملہ میں بدگمانی سے کام لو اور نہ تھوڑے قصور پر اخیر کی سزا دینے لگو بلکہ ہر قصور کی ایک حد ہے اور مارنا اخیر کا درجہ ہے۔

۶۸۔ گھریلو جھگڑوں میں منصف بنانے کا حکم: یعنی اے مسلمانو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ خاوند اور عورت میں مخالفت اور ضد ہے وہ اپنے باہمی نزاع کو خود نہ سلجھا سکیں گے تو تم کو چاہئے کہ ایک منصف مرد کے اقارب میں سے اور ایک منصف عورت کے اقارب میں سے مقرر کر کے بغرض فیصلہ زوجین کے پاس بھیجو کیونکہ اقارب کو ان کے حالات بھی زیادہ معلوم ہوں گے اور ان سے خیر خواہی کی بھی زیادہ امید ہے یہ دونوں منصف احوال کی تحقیق کریں گے اور جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر باہم موافقت کرا دینگے۔

۶۹۔ یعنی اگر دونوں منصف اصلاح بین الزوجین کا قصد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے حسن نیت اور حسن سعی سے زوجین میں موافقت کرا دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم اور اطلاع ہے۔ رفع نزاع اور حصول اتفاق کے اسباب اور کیفیات اس کو خوب معلوم ہیں اس لئے نزاع زوجین کے رفع ہونے میں کوئی دشواری نہ ہو گی ان شاء اللہ۔

وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَ الۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَ ابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ

۳۶۔ اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو[۷۰] اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ بیشک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا بڑائی کرنے والا[۷۱]

مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ﴿۳۶﴾

ۣالَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَ یَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿ۚ۳۷﴾

۳۷۔ جو کہ بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے عذاب ذلت کا[۷۲]

وَ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَ مَنۡ یَّکُنِ الشَّیۡطٰنُ لَہٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور وہ لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت برا ساتھی ہے[۷۳]

۷۰۔ یعنی عبادت اور نیک عمل خدا پر یقین کر کے اور ثواب آخرت کی توقع سے کرو فخر اور ریا سے مال دینا یہ بھی شرک ہے گو کم درجہ کا ہے۔

۷۱۔ حقوق العباد اور انکی ترتیب: یتامٰی اور نساء اور ورثہ اور زوجین کے حقوق اور انکے ساتھ حسن معاملہ کو بیان فرما کر اب یہ ارشاد ہے کہ ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجتمندی کے مناسب ادا کرو سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر ماں باپ کا پھر درجہ بدرجہ سب واسطہ داروں اور حاجتمندوں کا اور ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب و بعد نسبی ہے یا قرب و بُعد مکانی صورت اولیٰ میں یہ مطلب ہو گا کہ ہمسایہ قرابتی کا حق ہمسایہ اجنبی سے زیادہ ہو گا اور صورت ثانیہ کا مدعا یہ ہو گا کہ پاس کا ہمسایہ کا حق بعید یعنی جو کہ فاصلہ سے رہتا ہے اس سے زیادہ ہے اور پاس بیٹھنے والے میں رفیق سفر اور پیشہ کے اور کام کے شریک اور ایک آقا کے دو نوکر اور ایک استاد کے دو شاگرد اور دوست اور شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر میں مہمان غیر مہمان دونوں آ گئے اور مال مملوک غلام اور لونڈی کے علاوہ دیگر حیوانات کو بھی شامل ہے آخر میں فرما دیا کہ جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے برابر نہ سمجھے اپنے مال پر مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتا سو اس سے احتراز رکھو اور جدا رہو۔

۷۲۔ بخل کی مذمت: یعنی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خود پسند اور تکبر کرنے والوں کو جو کہ بخل کرتے ہیں اور اپنے مال اور علم خداداد کو لوگوں سے چھپاتے ہیں کسی کو نفع نہیں پہنچاتے اور قولاً اور عملاً دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دلاتے ہیں اور ان کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ فائدہ یہ آیت یہودیوں کے بارہ میں نازل ہوئی جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اوصاف جو توریت میں مذکور تھے اور حقانیت اسلام کی آیات جو موجود تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ سو مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے۔

۷۳۔ دکھاوے کے لئے خرچ کرنے والے: اور وہ خود پسند متکبر وہ لوگ ہیں کہ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے لئے خرچ کرنے میں تو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں لیکن لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں

اور ان کو نہ اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر کہ حصول رضائے حق تعالیٰ اور تحصیل ثواب اخروی ان کو مقصود ہو۔ اور اللہ کے یہاں مقبول اور پسندیدہ یہ ہے کہ ان حقداروں کو دیا جائے جن کا اول ذکر ہو چکا اور دینے میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی توقع ہو اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں جیسا بخل کرنا برا ہے ویسا ہی لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرنا برا ہے اور ایسا کام وہی کرتے ہیں جن کا رفیق شیطان ہے جو ان کو ایسے کام پر آمادہ کرتا ہے۔

وَ مَاذَا عَلَيۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ
اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ عَلِيۡمًا ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور کیا نقصان تھا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیے ہوئے میں سے اور اللہ کو ان کی خوب خبر ہے [۷۴]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً
يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۴۰﴾

۴۰۔ بیشک اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کر دیتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے بڑا ثواب [۷۵]

فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيۡدٍ وَّ جِئۡنَا
بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا ؕ﴿۴۱﴾

۴۱۔ پھر کیا حال ہو گا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا [۷۶]

يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ عَصَوُا الرَّسُوۡلَ
لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَ لَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ
حَدِيۡثًا ﴿۴۲﴾ ع ۶ ۹ ۲

۴۲۔ اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ برابر ہو جاویں زمین کے اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات [۷۷]

۷۴۔ یعنی ان کافروں کا کچھ نقصان نہ تھا اگر وہ بجائے کفر اللہ اور دن قیامت پر ایمان لاتے اور بجائے بخل وریا اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرتے بلکہ ان کا سراسر نفع ضرور تھا ضرر تو اس میں ہے جس کو وہ اختیار کر رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا اور کس نیت سے کر رہے ہیں اسی کا عوض ان کو ملے گا۔ پہلی آیت میں يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فرمایا تھا مال کو ان کی طرف منسوب کیا تھا۔ اب وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ فرمایا اس میں لطیف اشارہ ہے کہ وہ لوگ اپنا مال سمجھ کر جس طرح جی چاہتا ہے خرچ کرتے ہیں انکو چاہئے تھا کہ اللہ کا مال سمجھ کر اس کے حکم کے موافق خرچ کرتے۔

۷۵۔ سزا میں انصاف اور جزا میں رحمت: یعنی اللہ تعالیٰ کسی کا حق ایک ذرہ کے برابر بھی ضائع نہیں فرماتا سو ان کافروں پر جو عذاب ہو گا وہ عین انصاف اور ان کی بد اعمالی کا بدلہ ہے اور اگر ذرہ برابر بھی کسی کی نیکی ہو گی تو اضعاف مضاعف اس کا اجر دے گا اور اپنی طرف سے ثواب عظیم بطور انعام اس کو عنایت کرے گا۔

۷۶۔ آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی: یعنی ان کافروں کا کیا برا حال ہوگا۔ جس وقت کہ بلائیں گے ہم ہر امت اور ہر قوم میں سے گواہ ان کے حالات بیان کرنے والا اور ان کے واقعی معاملات ظاہر کرنے والا اس سے مراد ہر امت کا نبی اور ہر عہد کے صالح اور معتبر لوگ ہیں کہ وہ قیامت کو نافرمانوں کی نافرمانی اور فرمانبرداروں کی فرمانبرداری بیان کریں گے اور سب کے حالات کی گواہی دیں گے۔ اور تم کو اے محمد ﷺ ان پر یعنی تمہاری امت پر مثل دیگر انبیاءؑ کے احوال بتانے والا اور گواہ بنا کر لاویں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ھٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ انبیائے سابقین یا کفار مذکورہ بالا کی طرف ہو اول صورت میں انبیاء مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ انبیائے سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے جبکہ ان کی امتیں ان کی تکذیب کریں گی اور دوسرے احتمال سے کفار مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ انبیائے سابقین جیسا اپنی اپنی امت کے کفار فساق کے کفر وفسق کی گواہی دیں گے تم بھی اے محمد ﷺ ان سب کی بداعمالی پر گواہ ہوگے جس سے ان کی خرابی اور برائی خوب محقق ہوگی۔

۷۷۔ آخرت میں نافرمانوں اور کفار کا پچھتاوا: یعنی جس دن ہر امت میں سے ان کے حالات بیان کرنے والا بلایا جائے گا اس دن کافر اور نافرمان لوگ اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین میں ملا دیے جاتے اور مٹی میں مل کر نیست ونابود ہو جاتے آج پیدا نہ ہوتے اور ہم سے حساب و کتاب نہ ہوتا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفا نہ کر سکیں گے اور ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔ شروع سورت سے مسلمانوں کو اقارب اور زوجین وغیرہ کے ادائے حقوق کی تاکید اور کسی کی حق تلفی کرنے اور جانی مالی نقصان پہنچانے کی ممانعت اور معاصی کی خرابی پر مطلع کر کے اس کے بعد وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا فرما کر اقارب اور یتامٰی اور مساکین اور ہمسایوں وغیرہ کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کا ارشاد کر کے اسی کے ذیل میں تکبر اور خود پسندی اور بخل وریا سے ڈرایا تھا جو ایسے عیب ہیں کہ دوسروں کے حق ادا کرنے اور کسی کے ساتھ سلوک کرنے سے روکتے بھی ہیں اور روپیہ پیسہ دینے والوں اور لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے والوں کی طبیعت میں خوانخواہ آنے بھی لگتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کر لو[۷۸] اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو[۷۹] بیشک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا[۸۰]

۷۸۔ نشے اور جنابت میں نماز کی ممانعت: پہلی آیات میں مسلمانوں کو خطاب تھا وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا الی آخر الآیات اور اسی کے ذیل میں کفار کی مذمت بیان فرمائی تھی جو کہ امور مذکورہ سابقہ کی مخالفت کرتے تھے اب اس کے بعد پھر مسلمانوں کو دربارہ صلوٰۃ بعض خاص ہدایتیں کی جاتی ہیں اور ان ہدایات کو ماقبل کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ اس سے پہلے کفار اور اہل کتاب کی دو خرابیوں کا خاص طور پر ذکر تھا ایک اللہ پر ایمان نہ لانا دوسرے اپنا مال اللہ کے لئے خرچ نہ کرنا بلکہ لوگوں کے دکھانے کو اور اپنی عزت بڑھانے کو مال خرچ کرنا اور ظاہر ہے کہ پہلی خرابی کا منشاء تو علم کا نقصان اور جہل کا غلبہ ہے اور دوسری خرابی کی وجہ ہوائے نفس اور اپنی خواہش ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ گمراہی کے بڑے سبب دو ہیں اول جہل جس میں حق و باطل کی تمیز ہی نہیں ہوتی دوسرے خواہش و شہوت جس سے باوجود تمیز حق و باطل حق کے موافق عمل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شہوات سے قوت ملکی ضعیف اور قوت بہیمیہ قوی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب ہے جو بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے تو اب اس مناسبت سے حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے اول منع فرمایا کہ یہ جہل کی حالت ہے اس کے بعد جنابت میں نماز پڑھنے سے روکا کہ یہ حالت ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب کی حالت ہے حدیث میں وارد ہے کہ جہاں جنبی ہوتا ہے وہاں ملائکہ نہیں آتے واللہ اعلم اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو جب تم کو کفر اور ریا کی خرابی معلوم ہو چکی اور ان کے اضداد کی خوبی واضح ہو چکی تو اس سے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی خرابی کو بھی خوب سمجھ لو کہ ان کا منشاء بھی وہی ہے جو کفر و ریا کا منشا تھا اس لئے نشہ میں نماز کے نزدیک نہ جانا چاہئے تاوقتیکہ تم کو اس قدر ہوش نہ آجائے کہ جو منہ سے کہو اس کو سمجھ بھی سکو اور نہ حالت جنابت میں نماز کے نزدیک جانا چاہئے تاوقتیکہ غسل نہ کر لو مگر حالت سفر میں اس کا حکم آگے مذکور ہے۔ فائدہ یہ حکم اس وقت تھا کہ نشہ اس وقت تک حرام نہ ہوا تھا۔ لیکن نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی تھی روایات میں منقول ہے کہ ایک جماعت صحابہ کی دعوت میں جمع تھی چونکہ شراب اس وقت تک حرام نہ ہوئی تھی اس لئے انہوں نے شراب پی تھی مغرب کا وقت آگیا تو سب اسی حالت میں نماز کو کھڑے ہو گئے امام نے سورۂ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ میں لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ کی جگہ اعبد ما تعبدون بے ہوشی میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل خلاف اور غلط ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب اگر نیند یا غلبہ یا بیماری کی وجہ سے کسی کا ایسا حال ہو جائے کہ اس کی خبر نہ رہے کہ میں نے کیا کہا تو ایسی حالت کی نماز بھی درست نہ ہو گی جب ہوش آئے تو اس کی قضا ضرور کر لے۔

۷۹۔ تیمم کا حکم: یعنی حالت جنابت میں نماز کا پڑھنا تاوقتیکہ غسل نہ کر لے یہ حکم جب ہے کہ کوئی عذر نہ ہو اور اگر کوئی ایسا عذر پیش آئے کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو اور طہارت کا حاصل کرنا ضروری ہو تو ایسے وقت زمین سے تیمم کر لینا کافی ہے۔ اب پانی کے استعمال سے معذوری کی تین صورتیں بتلائیں ایک بیماری کہ اس میں پانی ضرر کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ سفر در پیش ہے اور پانی اتنا موجود ہے کہ وضو کر لے تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے دور دور تک پانی نہ ملے گا۔ تیسری یہ کہ پانی بالکل موجود ہی نہیں اس پانی پر موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ دو صورتیں طہارت کے ضروری ہونے کی بیان فرمائیں ایک یہ کہ کوئی جائے ضرور سے فارغ ہو کر آیا اس کو وضو کی حاجت ہے دوسری یہ کہ عورت سے صحبت کی ہو تو اس کو غسل کی ضرورت ہے۔ فائدہ تیمم کی صورت یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لیوے پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لے مٹی طاہر ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر بھی ہے مثلاً خُف، تلوار، آئینہ وغیرہ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے اور نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں تذلل اور عجز بھی پورا ہے جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے۔ سو جب مٹی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے تو اس لئے بوقت معذوری پانی کی قائم مقام کی گئی اس کے سوا مقتضائے آسانی و سہولت جس پر حکم تیمم مبنی ہے یہ ہے کہ پانی کی

قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو سو زمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے۔ علاوہ ازیں خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔ کافر بھی آرزو کریں گے کہ کسی طرح خاک میں مل جائیں جیسا پہلی آیت میں مذکور ہوا۔

۸۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے وقت تیمم کی اجازت دیدی اور مٹی کو پانی کے قائم مقام کر دیا اس لئے کہ وہ سہولت اور معافی دینے والا ہے اور بندوں کی خطائیں بخشنے والا ہے اپنے بندوں کے نفع و آسائش کو پسند فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں نشہ کی حالت میں جو کچھ کا کچھ پڑھا گیا تھا وہ بھی معاف کر دیا گیا۔ جس سے یہ خلجان نہ رہا کہ آئندہ کو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھیں گے مگر جو پہلے غلطی ہو گئی شاید اس کی نسبت مواخذہ ہو۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِيۡلَ ؕ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب سے خرید کرتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بہک جاؤ اپنی راہ سے

وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۟ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ کافی ہے مددگار [۸۱]

مِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَ عَصَيۡنَا وَ اسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَـيًّۢا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَ طَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا وَ اسۡمَعۡ وَ انۡظُرۡنَا لَـكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَ اَقۡوَمَ ۙ وَ لٰـكِنۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ بعضے لوگ یہودی پھیرتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے [۸۲] اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا [۸۳] اور کہتے ہیں کہ سن نہ سنایا جائیو [۸۴] اور کہتے ہیں راعنا [۸۵] موڑ کر اپنی زبان کو اور عیب لگانے کو دین میں [۸۶] اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم [۸۷]

۸۱۔ یہودیوں کے تین گستاخانہ قول: ان آیات میں یہود کے بعض قبائح اور ان کے مکر و فریب کا بیان ہے اور ان کی ضلالت اور کفر پر خود ان کو

اور نیز دوسروں کو مطلع کرنا ہے تاکہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا سے لے کر یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ تک یہود کے قبائح مذکور ہو چکے ہیں۔ بیچ میں ایک خاص مناسبت سے نشہ اور جنابت میں نماز سے ممانعت فرما کر پھر یہود کے قبائح کا بیان ہے۔ یہود کو کتاب سے کچھ حصہ ملا یعنی لفظ پڑھنے کو ملے اور عمل کرنا جو اصل مقصود تھا نہیں ملا اور گمراہی خرید کرتے ہیں یعنی پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے حالات اور اوصاف کو دنیا کی عزت اور رشوت کے واسطے چھپاتے ہیں اور جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی دین سے پھر کر گمراہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ اے مسلمانو تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے تم ایسا ہرگز نہیں جانتے سو اللہ کے فرمانے پر اطمینان کرو اس ان سے بچو اور اللہ تعالیٰ تم کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کے لئے کافی ہے اس لئے دشمنوں سے اس قسم کا اندیشہ مت کرو اور دین پر قائم رہو۔

۸۲۔ یعنی یہود میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو توریت میں نازل فرمایا اس کو اپنے ٹھکانے سے پھیرتے اور بدلتے ہیں یعنی تحریف لفظی اور معنوی کرتے ہیں۔

۸۳۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ ان کو کوئی حکم سناتے تو یہود جواب میں کہتے ہم نے سن لیا مطلب یہ ہوا کہ قبول کر لیا لیکن آہستہ سے کہتے تھے کہ نہ مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سنا دل سے نہیں مانا۔

۸۴۔ یعنی اور جب یہود حضرت سے خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سن نہ سنایا جائیو تو۔ یعنی ایسے کلام بولتے ہیں جس کے دو معنی ہوں ایک معنی کے اعتبار سے دعا یا تعظیم ہو تو دوسرے معنی کی رو سے بد دعا اور تحقیر ہو سکے چنانچہ یہ کلام بظاہر دعائے خیر ہے مطلب یہ کہ تو ہمیشہ غالب اور معزز ہے کوئی تجھ کو بری اور خلاف بات نہ سنا سکے اور دل میں نیت یہ رکھے کہ تو بہرا ہو جائیو۔

۸۵۔ یعنی حضرت کی خدمت میں آتے تو یہود راعنا کہتے اس کے بھی دو معنی ہیں ایک اچھے ایک برے جن کا بیان سورۂ بقرہ میں گذر چکا اچھے معنی تو یہ کہ ہماری رعایت کرو اور شفقت کی نظر کرو کہ تمہارا مطلب سمجھ لیں اور جو پوچھنا ہو پوچھ سکیں اور برے معنی یہ کہ یہود کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر راعینا کہتے یعنی تو ہمارا چرواہا ہے اور یہ ان کی محض شرارت تھی کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ اور دیگر پیغمبروں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

۸۶۔ یعنی یہود ان کلمات کو اپنے کلام میں رلا ملا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سننے والے اچھے ہی معنوں پر حمل کرتے اور برے معنوں کی طرف دھیان بھی نہ جاتا اور دل میں برے معنی مراد لیتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمار فریب ضرور معلوم کر لیتا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب کھول دیا۔

۸۷۔ حق تعالیٰ یہود کے تین قول مذموم بیان فرما کر اب بطور ملامت و ہدایت ارشاد کرتے ہیں کہ اگر یہود عصینا کی جگہ اطعنا کہتے اور بجائے اسمع غیر مسمع کے صرف اسمع کہتے اور راعنا کے عوض انظرنا کہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ بات درست اور سیدھی ہوتی اور اس بیہودگی اور شرارت کی گنجائش نہ ہوتی جو کلمات سابقہ سے یہود برے معنی اپنے دل میں مراد لیا کرتے تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے کفر کے باعث اپنی رحمت اور ہدایت سے دور کر دیا اس لئے وہ مفید اور سیدھی باتوں کو نہیں سمجھتے اور ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے آدمی کہ وہ ان خباثتوں اور شرارتوں سے مجتنب رہے اور اس وجہ سے اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْھًا

۴۷۔ اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں بہت سے چہروں کو پھر الٹ دیں

فَنَرُدَّهَا عَلٰۤی اَدۡبَارِهَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ کَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۴۷﴾

انکو پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں ان پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے[۸۸]

۸۸۔ یہودیوں کی انذار: آیات سابقہ میں یہود کی ضلالت اور مختلف قبائح کا ذکر فرما کر اب ان کو بطور خطاب ایمان اور تصدیق قرآن کا حکم کیا جاتا ہے اور اس کی مخالفت سے ڈرایا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ قرآن پر جس کے احکام مصدق اور موافق ہیں توریت کے ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ مٹا ڈالیں ہم تمہارے چہروں کے نشانات یعنی آنکھ ناک وغیرہ مطلب یہ کہ تمہاری صورتیں بدل دی جائیں پھر الٹ دیں تمہارے چہروں کو پیٹھ کی طرف یعنی چہرہ کو مطموس اور ہموار کر کے پیچھے کی طرف اور گدی کو آگے کی طرف کر دیں یا ہفتہ کے دن والوں کی طرح تم کو مسخ کر کے جانور بنا دیں اصحاب سبت کا قصہ سورہ اعراف میں مذکور ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۴۸﴾

۴۸۔ بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا[۸۹]

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا تاگے برابر[۹۰]

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ ؕ وَ کَفٰی بِهٖۤ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۰﴾ ع

۵۰۔ دیکھ کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ صریح[۹۱]

۸۹۔ مشرک کی بخشش نہیں: یعنی مشرک کبھی نہیں بخشا جاتا بلکہ اس کی سزا دائمی ہے البتہ شرک سے نیچے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب قابل مغفرت ہیں اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت چاہے اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے کچھ عذاب دے کر یا بلا عذاب دیے اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہود چونکہ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں۔

۹۰۔ یہودیوں کی شیخی: یعنی یہود باوجود اس قدر خرابیوں کے پھر اپنے آپ کو پاک صاف اور مقدس کہتے ہیں حتٰی کہ اپنے آپ کو ابناء اللہ اور احباء اللہ بتلاتے ہیں جو بالکل لغو بات ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کو پاکیزہ اور مقدس کرتا ہے یہود کے کہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا اور ان جھوٹی شیخی کرنے والوں پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہو گا یعنی یہ لوگ اپنے عذاب بے نہایت میں گرفتار ہوں گے ان پر ناحق عذاب ہرگز نہ ہو گا۔
فائدہ یہود جو گوسالہ پوجتے تھے اور حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے انہوں نے جب آیت سابقہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ الخ کو سنا تو کہنے لگے کہ ہم مشرک نہیں بلکہ ہم تو خاص بندے اور پیغمبر زادے ہیں اور پیغمبری ہماری میراث ہے خدا تعالیٰ کو ان کی یہ شیخی پسند نہ آئی اس پر یہ

آیت نازل فرمائی۔

۹۱۔ یعنی کیسی تعجب کی بات ہے کہ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور باوجود ارتکاب کفر و شرک کے اپنے آپ کو اللہ کا دوست کہتے ہیں اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کے مدعی ہیں اور ایسی سخت تہمت صریح گنہگار ہونے کے لئے بالکل کافی ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ وَ يَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ﴿۵۱﴾

۵۱۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو کہ یہ لوگ زیادہ راہ راست پر ہیں مسلمانوں سے [۹۲]

اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا ﴿۵۲﴾ؕ

۵۲۔ یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پاوے گا تو اس کا کوئی مددگار [۹۳]

۹۲۔ اس آیت میں بھی یہود کی شرارت اور خباثت کا اظہار ہے قصہ یہ ہے کہ یہودیوں کو حضرت ﷺ سے عداوت بڑھی تو مشرکین مکہ سے ملے اور ان سے متفق ہوئے اور ان کی خاطرداری کی ضرورت سے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے اور اس کی وجہ صرف حسد تھا اس پر کہ نبوت اور دین کی ریاست ہمارے سوا دوسروں کو کیوں مل گئی اس پر اللہ تعالیٰ ان کو الزام دیتا ہے۔ ان آیات میں اسی کا مذکور ہے۔

۹۳۔ یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہے: یعنی یہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب ہو کر اغراض نفسانی کی وجہ سے بتوں کی تعظیم کی اور طریقہ کفر کو طریقہ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر لعنت کرے اللہ اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی حامی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔ سو اب انہوں نے اپنی اعانت کی طمع میں جو مشرکین مکہ سے موافقت کی بالکل لغو ہے۔ چنانچہ دنیا میں یہود نے از حد ذلتیں اٹھائیں اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ فَاِذًا لَّا يُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِيۡرًا ﴿۵۳﴾ۙ

۵۳۔ کیا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر [۹۴]

اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ فَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا ﴿۵۴﴾

۵۴۔ یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا اس پر جو دیا ہے انکو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان میں کتاب اور علم اور انکو دی ہے ہم نے بڑی سلطنت [۹۵]

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ﴿۵۵﴾

۵۵۔ پھر ان میں سے کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے ہٹا رہا اور کافی ہے دوزخ کی بھڑکتی آگ [۹۶]

۹۴۔ یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے اور ہمیں کو لائق ہے اس لئے عرب کے پیغمبر کی متابعت سے عار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ رہے گی برائے چندے اوروں کو بھی مل جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی مطلب آیت کا یہ ہے کہ کیا یہود کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں یعنی ہرگز نہیں۔ اگر یہ حاکم ہو جائیں تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں یعنی ایسے بخیل ہیں کہ بادشاہت میں فقیر کو تِل برابر بھی نہ دیں۔

۹۵۔ یہودیوں کا حسد بلاوجہ ہے: یعنی کیا یہود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب پر اللہ کے فضل و انعام کو دیکھ کر حسد میں مرے جاتے ہیں سو تو یہ بالکل ان کی بے ہودگی ہے کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے میں کتاب اور علم اور سلطنت عظیم عنایت کی ہے پھر یہود آپ ﷺ کی نبوت اور عزت پر کیسے حسد اور انکار کرتے ہیں اب بھی تو ابراہیمؑ ہی کے گھر میں ہے۔

۹۶۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے میں خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ سے بزرگی دی ہے اور اب بھی اسی کے گھرانے میں ہے سو جو کوئی بلاوجہ محض حسد سے اس کو نہ مانے اس کے جلانے کے لئے دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ بیشک جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں [۹۷] جس وقت جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیویں گے ان کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب [۹۸] بیشک اللہ ہے زبردست حکمت والا [۹۹]

وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِيۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک البتہ انکو ہم داخل کریں گے باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ ان کے لئے وہاں عورتیں ہیں ستھری اور انکو ہم داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں [۱۰۰]

۹۷۔ پہلی آیت میں مومن و کافر کا ذکر تھا اب مطلق مومن اور کافر کی جزا و سزا بطور قاعدہ کلیہ کے ذکر فرماتے ہیں تاکہ ایمان کی طرف پوری ترغیب اور کفر سے پوری ترہیب ہو جائے۔

۹۸۔ عذاب کے لئے کفار کی کھال بدل دی جائے گی: یعنی کافروں کے عذاب میں نقصان اور کمی نہ آنے کی غرض سے ان کی کھال کے جل

جانے کے وقت دوسری کھال بدل دی جائے گی مطلب یہ ہوا کہ کافر ہمیشہ عذاب میں یکساں مبتلا رہیں گے۔

۹۹۔ یعنی اللہ تعالیٰ بے شک زبردست اور غالب ہے کافروں کو ایسی سزا دینے میں کوئی دقت اور دشواری نہیں اور حکمت والا ہے کافروں کو یہ سزا دینی عین حکمت کے موافق ہے۔

۱۰۰۔ جنت کی عورتیں اور باغات: یعنی مومن ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ان کو عورتیں ایسی ملیں گی جو حیض اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی اور انکو گہری اور گنجان چھاؤں میں داخل کریں گے جو آفتاب کی دھوپ سے بالکل محفوظ ہوگی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

۵۸۔ بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے [۱۰۱] اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا [۱۰۲]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع

۵۹۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں [۱۰۳] پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر [۱۰۴] یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام [۱۰۵]

ع ۸/۹ ۵

۱۰۱۔ امانتوں کی ادائیگی اور عدل کا حکم: یہود میں عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فیصل خصومات میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے کسی کی خاطر اور رعایت کر کے خلاف حق حکم دیتے اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں سے اس آیت میں روکا گیا۔ منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ نے کنجی دینے سے انکار کیا تو حضرت علی نے اس سے چھین کر دروازہ کھول دیا۔ آپ ﷺ فارغ ہو کر جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ کنجی مجھ کو مل جائے اس پر آیت نازل ہوئی اور کنجی عثمان بن طلحہ ہی کے حوالہ کی گئی۔

۱۰۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو تم کو ادائے امانت اور عدل کے موافق حکم دینے کا حکم فرماتا ہے تمہارے لئے سراسر مفید ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری کھلی اور چھپی اور موجودہ اور آئندہ باتوں کو خوب جانتا ہے تو اب اگر تم کو کہیں ادائے امانت یا عدل مفید معلوم نہ ہو تو حکم الٰہی کے مقابلہ میں اس کا

اعتبار نہ ہو گا۔

۱۰۳۔ اولی الامر کی اطاعت کا حکم: پہلی آیت میں حکام کو عدل کا حکم فرما کر اب اوروں کو حکام کی متابعت کا حکم دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت جبھی واجب ہوگی جب وہ حق کی اطاعت کریں گے۔ فائدہ حاکم اسلام بادشاہ یا اسکا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک وہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف حکم نہ دیں اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس حکم کو ہرگز نہ مانے۔

۱۰۴۔ اختلاف کی صورت میں شریعت سے رجوع کرو: یعنی اور اگر تم میں اور اولو الامر میں باہم اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا یہ حکم اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کر کے طے کر لیا کرو کہ وہ حکم فی الحقیقت اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف اور جو بات محقق ہو جائے اسکو بلا اتفاق مسلم اور معمول بہ سمجھنا چاہئے اور اختلاف کو دور کر دینا چاہئے اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے کیونکہ جس کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہو گا وہ ضرور اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرے گا اور ان کے حکم کی مخالفت سے بے حد ڈرے گا جس سے معلوم ہو گیا کہ جو اللہ اور رسول کے حکم سے بھاگے گا وہ مسلمان نہیں اس لئے اگر دو مسلمان آپس میں جھگڑیں ایک نے کہا چلو شرع کی طرف رجوع کریں دوسرے نے کہا میں شرع کو نہیں سمجھتا یا مجھ کو شرع سے کام نہیں تو اس کو بیشک کافر کہیں گے۔

۱۰۵۔ یعنی اپنے متنازعات اور اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنا اور اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرنی مفید ہے آپس میں جھگڑنے یا اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرنے سے اس رجوع کا انجام بہتر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ
وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾

۶۰۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے انکو کہ اس کو نہ مانیں اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہلا کر دور جا ڈالے [۱۰۶]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى
الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ
صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ ج

۶۱۔ اور جب ان کو کہے کہ آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو دیکھے تو منافقوں کو کہ ہٹتے ہیں تجھ سے رک کر [۱۰۷]

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

۶۲۔ پھر کیا ہو کہ جب ان کو پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں

اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا ﴿۶۲﴾

کے کئے ہوئے سے پھر آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ[۱۰۸]

اُولٰٓٮِٕكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلْ لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ﴿۶۳﴾

۶۳۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ ان کے حق میں بات کام کی[۱۰۹]

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ‌ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان[۱۱۰]

۱۰۶۔ ایک یہودی اور منافق کے واقعہ میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ: یہود فیصل خصومات میں رعایت و رشوت کے عادی تھے اس لئے جو لوگ جھوٹے اور منافق اور خاین ہوتے وہ اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ خاطر کریں گے اور آپ کے پاس ایسے لوگ اپنا معاملہ لانا پسند نہ کرتے کہ آپ حق کی رعایت کریں گے اور کسی کی اصلًا رعایت نہ کریں گے سو مدینے میں ایک یہودی اور ایک منافق کہ ظاہر میں مسلمان تھا کسی امر میں دونوں جھگڑ پڑے یہودی جو سچا تھا اس نے کہا کہ چل محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس اور منافق جو جھوٹا تھا اس نے کہا کہ چل کعب بن اشرف کے پاس جو یہودیوں میں عالم اور سردار تھا۔ آخر دونوں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں جھگڑا لے کر آئے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہودی کا حق ثابت فرمایا منافق جو باہر نکلا تو کہنے لگا کہ اچھا حضرت عمرؓ کے پاس چلو جو وہ فیصلہ کر دیں وہی منظور اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا غالبًا یہ سمجھا ہوگا کہ میں مدعی اسلام ہوں اس لئے یہودی کے مقابلہ میں میری رعایت کریں گے اور حضرت عمرؓ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم سے مدینہ میں جھگڑے فیصل کیا کرتے تھے چنانچہ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے جب حضرت عمرؓ نے یہ جھگڑا سنا اور یہودی کے بیان سے ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ قضیہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں جا چکا ہے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس معاملہ میں یہودی کو سچا اور غالب کر چکے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو کوئی ایسے قاضی کے فیصلہ کو نہ مانے اس کا فیصلہ یہی ہے اس کے وارث حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں آئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ حضرت عمرؓ کے پاس تو صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شاید وہ اس معاملہ میں باہم صلح کرا دیں یہ وجہ نہ تھی کہ حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیصلہ سے انکار تھا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان آیات میں اصل

حقیقت ظاہر فرما دی گئی اور حضرت عمرؓ کا لقب فاروق فرمایا۔

۱۰۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف بنانے میں منافقین کی روگردانی: یعنی جب کسی جھگڑے میں منافقوں سے کہا جائے کہ اللہ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اس کی طرف آؤ اور اس کے رسول کے روبرو اپنے جھگڑے کو لاؤ تو ظاہر میں چونکہ مدعی اسلام ہیں اس لئے صاف طور پر تو انکار کر نہیں سکتے مگر آپ کے پاس آنے سے اور حکم الٰہی پر چلنے سے بچتے ہیں اور رکتے ہیں کہ کسی ترکیب سے جان بچ جائے اور رسول کو چھوڑ کر جہاں ہمارا جی چاہے اپنا جھگڑا لے جائیں۔

۱۰۸۔ حضرت عمرؓ کے فیصلے کی توثیق: یعنی یہ تو سب کچھ ہوا مگر یہ منافق لوگ اس وقت کیا کریں گے جس وقت پہنچنے لگے ان کو عذاب ان کے کوتوت کا یعنی فیصل خصومات میں آپ کے پاس آنے سے جو رکتے اور بچتے ہیں جب اس کا عذاب ان پر آنے لگے تو پھر یہ منافق اس وقت کیا کر سکتے ہیں اس کے سوا کہ آئیں رسول کی خدمت میں قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہم تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شائد وہ باہم صلح اور ملاپ کرا دیں رسول کے ارشاد سے اعراض کرنا اور جان بچانا ہرگز ہم کو منظور نہ تھا۔

۱۰۹۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی قسم اور ان کی معذرت سابقہ کی تکذیب فرمائی کہ منافقین جو کچھ زبانی باتیں بنائیں بنانے دو اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کی باتیں خوب معلوم ہیں یعنی ان کے نفاق اور ان کے جھوٹ کو خوب جانتا ہے سو آپ بھی علم خداوندی پر بس کر کے منافقوں کی بات سے تغافل کیجئے اور ان کی بات کی پروانہ کیجئے مگر ان کو نصیحت کرنے اور کام کی باتیں بتانے میں ہرگز کوتاہی نہ فرمائیں اور ان کی ہدایت سے مایوس نہ ہو جایئے۔

۱۱۰۔ ہر رسول کا فیصلہ قطعی ہوتا ہے: یعنی اللہ تعالیٰ جس رسول کو اپنے بندوں کی طرف بھیجتا ہے سو اسی غرض کے لئے بھیجتا ہے کہ اللہ کے حکم کے موافق بندے ان کے کہنے کو مانیں تو اب ضرور تھا کہ یہ لوگ رسول کے ارشاد کو بلا تامل پہلے ہی سے دل و جان سے تسلیم کرتے اور اگر گناہ اور برا کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کی معافی کی دعا کرتا تو پھر بھی حق تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ اول تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جو بعینہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ہٹے اور بچے پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا تو اب بھی متنبہ اور تائب نہ ہوئے بلکہ لگے جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے پھر ایسوں کی مغفرت ہو تو کیونکر ہو۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿۶۵﴾

۶۵۔ سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے [۱۱۱]

۱۱۱۔ رسول اللہ کو حکم بنائے بغیر ایمان ممکن نہیں: یعنی منافق لوگ کس بیہودہ خیال میں ہیں اور کیسے بیہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلہ اور حکم سے ان کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کر لیں گے اس وقت تک ہرگز ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا اب جو کرنا ہو سوچ سمجھ کر کریں۔

وَ لَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِيَارِكُمۡ مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِيۡلٌ مِّنۡهُمۡ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا مَا يُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِيۡتًا ۙ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر تو ایسا نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر یہ لوگ کریں وہ جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ انکے حق میں بہتر ہو اور زیادہ ثبات رکھنے والا ہو دین میں

وَّاِذًا لَّاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّـاۤ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۙ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور اس وقت البتہ دیں ہم انکو اپنے پاس سے بڑا ثواب

وَّلَهَدَيۡنٰهُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور چلاویں ان کو سیدھی راہ[۱۱۲]

۱۱۲۔ منافقین کو نصیحت: یعنی سب کی جانوں کا مالک چونکہ خدا تعالیٰ ہے اس لئے اس کے حکم میں تو کسی کو جان سے بھی دریغ نہ کرنا چاہیئے سو اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو کہیں اپنی جانوں کے ہلاک کر ڈالنے اور جلاوطن ہو جانے کا حکم فرما دیتا جیسے کہ بنی اسرائیل پر حکم کر دیا تھا تو بجا نہ لاتے اس حکم کو مگر گنے چنے صرف سچے اور پکے ایمان والے یہ منافق ایسے حکم پر کیسے عمل کر سکتے تھے اب ان کو سمجھنا چاہیئے کہ ان کو ہم نے جو حکم دے رکھے ہیں وہ محض ان کی نصیحت اور خیر خواہی کے ہیں نہ جان کی ہلاکت کا حکم دیا گیا نہ جلاوطن ہونے کا اگر انہی آسان اور سہل حکموں پر چلیں تو نفاق بالکل جاتا رہے اور خالص مسلمان ہو جائیں مگر افسوس سمجھتے نہیں اور حالت موجودہ کو غنیمت نہیں سمجھتے کہ ذرا سی بات میں دین و دنیا دونوں درست ہوئے جاتے ہیں۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا ؕ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت[۱۱۳]

ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا ﴿۷۰﴾ ع ۹

۷۰۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا[۱۱۴]

۱۱۳۔ انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین: نبی وہ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی آئے یعنی فرشتہ ظاہر میں آ کر پیغام کہہ جائے اور صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے اور بلا دلیل اسکی تصدیق کرے اور شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پر جان دینے کو حاضر ہیں اور صالح اور نیک بخت وہ کہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے۔ اوپر کی باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چار قسمیں مذکورہ جو امت کے باقی افراد سے افضل ہیں ان کے ماسوا جو مسلمان ہیں اور

درجہ میں ان کے برابر نہیں لیکن اللہ اور رسول کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں وہ لوگ بھی ان ہی کی شمار اور ذیل میں لئے جائیں گے اور ان حضرات کی رفاقت بہت ہی خوبی اور فضیلت کی بات ہے اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے۔ فائدہ اس آیت میں اشارہ ہو گیا کہ منافقین جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے وہ اس رفاقت اور معیت سے محروم ہیں۔

۱۱۴۔ یعنی اللہ اور رسول کے حکم ماننے والوں کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آنی اللہ کا بڑا انعام اور اس کا محض فضل ہے ان کی اطاعت کا معاوضہ نہیں جس سے منافقین بالکل محروم ہیں اور اللہ کافی ہے جاننے والا اور خبر رکھنے والا وہ ہر ایک مخلص اور منافق اور ہر مطیع کی طاعت اور اس کے استحقاق اصلی اور مقدار فضل کو بالتفصیل جانتا ہے تو اب کسی کو ان امور کی تفاصیل کی وجہ سے وعدہ الٰہی کے پورا ہونے میں خلجان پیدا نہ ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا
ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اے ایمان والو لے لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جدی جدی فوج ہو کر یا سب اکٹھے [۱۱۵]

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ
مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ
شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور تم میں بعضا ایسا ہے کہ البتہ دیر لگا دے گا [۱۱۶] پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہے اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ [۱۱۷]

وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ
تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ
فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں ہوتا انکے ساتھ تو پاتا بڑی مراد [۱۱۸]

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

۷۴۔ سو چاہئے لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے تو ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب [۱۱۹]

۱۱۵۔ جہاد کا بیان: یہاں سے جہاد کا ذکر ہے اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے گا اس کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت انعام میں ملے گی اور احکام خداوندی میں حکم جہاد چونکہ شاق اور دشوار ہے خصوصًا منافقین پر جن کا ذکر اوپر سے آرہا ہے اس لئے جہاد کا حکم فرمایا کہ ہر کوئی حضرات انبیاء صدیقین وغیرہ ہم کی رفاقت اور معیت کی امید نہ کرنے لگے منقول ہے کہ شروع اسلام میں بہت سے ضعیف الاسلام بھی دعوت اسلامی کو قبول کر چکے تھے پھر جب جہاد فرض ہو گیا تو بعض متزلزل ہو گئے اور بعض کفار کے ہمزبان ہو کر آپ ﷺ کی مخالفت کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو منافقوں کی کیفیت تو تم کو پہلے سے معلوم ہو چکی اب خیر اسی میں ہے کہ تم اپنا ہر طرح سے بچاؤ اور اپنی خبر داری اور احتیاط کر لو ہتھیاروں سے ہو یا تدبیر سے عقل سے ہو یا سامان سے اور دشمنوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے گھر سے باہر نکلو متفرق طور پر یا سب اکٹھے ہو کر جیسا موقع ہو۔

۱۱۶۔ جہاد میں منافقین کا رویہ: یعنی اے مسلمانو تمہاری جماعت میں بعضے ایسے بھی گھسے ہوئے ہیں کہ جہاد کو جانے میں دیر لگاتے ہیں اور رکتے ہیں اور حکم خداوندی کی تعمیل نہیں کرتے بلکہ نفع دینوی کو تکتے رہتے ہیں اور اس سے مراد منافق ہیں جسے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی کہ یہ لوگ ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر ان کی سب باتوں سے مقصود صرف دنیا کا نفع تھا حق تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کوئی غرض ان کو نہ تھی۔

۱۱۷۔ پہلے گذر چکا کہ منافق لوگ نکلنے میں دیر لگاتے ہیں اور جہاد میں جانے والوں کی حالت کو تکتے رہتے ہیں کہ کیا گذری اب فرماتے ہیں کہ جانے کے بعد اگر مسلمانوں کو جہاد میں کوئی صدمہ پہنچ گیا مثلاً مقتول ہو گئے یا شکست پیش آ گئی تو منافق بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ ہم لڑائی میں ان کے ساتھ نہ تھے ورنہ ہماری بھی خیر نہ تھی الحمدللہ خوب بچے۔

۱۱۸۔ یعنی اور اگر مسلمانوں پر اللہ کا فضل ہو گیا مثلاً فتح ہو گئی یا مال غنیمت بہت سا ہاتھ آ گیا تو منافق سخت پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبہ حسد سے کہتے ہیں ہائے افسوس میں جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی لوٹ کا مال ہاتھ آتا یعنی منافقوں کو فقط اپنی محرومی پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ اپنی محرومی سے زیادہ مسلمانوں کی کامیابی پر حسد اور قلق ہوتا ہے۔

۱۱۹۔ مجاہدین کے فضائل: یعنی اگر منافق لوگ جہاد سے رکیں تو رکیں اور اپنے نشیب و فراز دنیوی کو تکتے رہیں تو تکتے رہیں مگر جو لوگ کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں بے تامل لڑیں اور دنیا کی زندگی اور اسکے مال و دولت پر نظر نہ رکھیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم برداری میں ہر طرح نفع ہے غالب ہوں یا مغلوب مال ملے یا نہ ملے۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۟ﶅ ۷۵

۷۵۔ اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار [۱۲۰]

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع ۱۰

۷۶۔ جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں سو لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے بیشک فریب شیطان کا سست ہے[۱۲۱]

۱۲۰۔ جہاد کے دو مقاصد: یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمان کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور خلاصی دینے کی وجہ سے مکہ میں بہت لوگ تھے کہ حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تاکہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔

۱۲۱۔ جہاد کی ترغیب: یعنی جب یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں سو پھر تو مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں کے ساتھ لڑنا بلا تامل ضروری ہوا اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے۔ کسی قسم کا تردد نہ چاہئے اور سمجھ لو کہ شیطان کا حیلہ اور فریب کمزور ہے مسلمانوں پر نہ چل سکے گا۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلانا اور ہمت بندھانا ہے جس کا ذکر آیات آئندہ میں بالتصریح آتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

۷۷۔ کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ تھامے رکھو اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ[۱۲۲] پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا اسی وقت ان میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کی ہم پر لڑائی کیوں نہ چھوڑے رکھا ہم کو تھوڑی مدت تک[۱۲۳] کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگے برابر[۱۲۴]

اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ
بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَ اِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا
هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا
هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ
هٰٓؤُلَاۤءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ﴿۷۸﴾

۷۸۔ جہاں کہیں تم ہوگے موت تم کو آ پکڑے گی اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں [۱۲۵] اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو پہنچے کچھ برائی تو کہیں یہ تیری طرف سے ہے [۱۲۶] کہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا حال ہے ان لوگوں کا ہرگز نہیں لگتے کہ سمجھیں کوئی بات [۱۲۷]

مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۖ وَمَاۤ اَصَابَكَ
مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ؕ وَ اَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ
رَسُوۡلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ﴿۷۹﴾

۷۹۔ جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو برائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے ہے [۱۲۸] اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ کافی ہے سامنے دیکھنے والا [۱۲۹]

۱۲۲۔ مکی زندگی میں جہاد کی ممانعت: مکہ میں ہجرت کرنے سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے۔ مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور رخصت مانگتے کہ ہم کفار سے مقاتلہ کریں اور ان سے ظلم کا بدلہ لیں آپ مسلمانوں کو لڑائی سے روکتے کہ مجھ کو مقاتلہ کا حکم نہیں ہوا بلکہ صبر اور درگذر کرنے کا حکم ہے اور فرماتے کہ نماز اور زکوٰۃ کا جو حکم تم کو ہو چکا ہے اس کو برابر پورا کئے جاؤ کیونکہ جب تک آدمی اطاعت خداوندی میں اپنے نفس پر جہاد کرنے کا اور تکالیف جسمانی کا خوگر نہ ہو اور اپنے مال خرچ کرنے کا عادی نہ ہو تو اس کو جہاد کرنا اور اپنی جان کا دینا بہت دشوار ہے اس بات کو مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔

۱۲۳۔ جہاد فرض ہونے پر بعض لوگوں کا تردد: یعنی ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کا حکم ہوا تو ان کو تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ ہماری درخواست قبول ہوئی اور مراد ملی مگر بعضے کچے مسلمان کافروں کے مقاتلہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ اور آرزو کرنے لگے کہ تھوڑی مدت اور بھی قتال کا حکم نہ آتا اور ہم زندہ رہتے تو خوب ہوتا۔

۱۲۴۔ یعنی چونکہ حیات اور منافع دنیوی کی رغبت کے باعث ان لوگوں کو حکم جہاد بھاری معلوم ہوا تو اس لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ دنیا کے تمام منافع حقیر اور سریع الزوال ہیں اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں سو تم کو چاہئے کہ منافع دنیا کا لحاظ نہ کرو اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرو اور جہاد کرنے سے نہ ڈرو اور اطمینان رکھو کہ تمہاری محنت اور جانفشانی کا ثواب ادنیٰ سا بھی ضائع نہ ہوگا سو تم کو ہمت اور شوق کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہئے۔

۱۲۵۔ موت یقینی ہے: یعنی کیسے ہی مضبوط اور محفوظ اور مامون مکان میں رہو مگر موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی کہیں ہو۔ سو اگر جہاد میں نہ جاؤ گے تو بھی موت سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو اب جہاد

سے گھبرانا اور موت سے ڈرنا اور کافروں کے مقاتلہ سے خوف کرنا بالکل نادانی اور اسلام میں کچے ہونے کی بات ہے۔

۱۲۶۔ منافقین: یعنی ان منافقین کا اور عجیب حال سنو اگر تدبیر لڑائی کی درست آئی اور فتح ہوئی اور غنیمت کا مال ہاتھ آ گیا تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے یعنی اتفاقی بات ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور اگر تدبیر بگڑ جاتی اور ہزیمت و نقصان پیش آ جاتا تو الزام رکھتے آپ کی تدبیر پر۔

۱۲۷۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ ان کو جواب دے دو کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے سب باتوں کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر ﷺ کی تدبیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کا الہام ہے۔ تمہارا الزام رکھنا نبی پر غلط اور سراسر کم فہمی ہے اور بگڑی کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے وہ تم کو سدھاتا ہے اور آزماتا ہے تمہارے قصوروں پر یہ جواب اجمالی ہوا منافقین کے الزام کا اگلی آیت میں اس کی تفصیل آتی ہے۔

۱۲۸۔ ہر بھلائی برائی اللہ کی طرف سے ہے: یعنی اصل بات یہ ہے کہ جملہ بھلائی برائی کا موجد ہر چند اللہ ہے مگر بندہ کو چاہئے کہ نیکی اور بھلائی کو حق تعالیٰ کا فضل اور احسان سمجھے اور سختی اور برائی کو اپنے اعمال کی شامت جانے اس کا الزام پیغمبر ﷺ پر نہ رکھے پیغمبر ان امور کے لئے نہ موجد ہے نہ سبب بلکہ موجد یعنی ان باتوں کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے اور سبب تمہارے اعمال۔

۱۲۹۔ آنحضرت پوری انسانیت کے لئے نبی ہیں: حق تعالیٰ رسول سے منافقوں کے الزام کو دور فرما کر ارشاد کرتا ہے کہ ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے رسول کر کے بھیجا اور ہم کو سب کچھ معلوم ہے ہم سب کے اعمال کا بدلہ دے لیں گے تم کسی کے بیہودہ انکار و الزام کی پروانہ کرو اپنا کار رسالت کئے جاؤ۔

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے تجھ نہیں بھیجا ان پر نگہبان [۱۳۰]

۱۳۰۔ آنحضرت پوری انسانیت کے لئے نبی ہیں: آپ کی رسالت کو محقق فرما کر اب خدا تعالیٰ آپ کے متعلق یہ حکم سناتا ہے کہ جو ہمارے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا وہ بیشک ہمارا تابعدار ہے اور جو اس سے روگردانی کرے گے تو ہم نے تجھ کو اے رسول ان لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کو گناہ نہ کرنے دے ہم انکو دیکھ لیں گے تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے آگے ثواب یا عقاب یہ ہمارا کام ہے۔

وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۖ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآٮِٕفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور کہتے ہیں کہ قبول ہے پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے تو مشورہ کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں سے رات کو اس کے خلاف جو تجھ سے کہہ چکے تھے اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں سو تو تغافل کر ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز [۱۳۱]

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

۸۲۔ کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت [۱۳۲]

۱۳۱۔ منافقین کی ایک اور مکاری: ان منافقین کی اور مکاری سنو آپ کے روبرو آکر تو کہہ جاتے ہیں ہم نے قبول کیا حکم تیرا اور باہر جاکر مشورہ کرتے ہیں اس کے خلاف یعنی تیری نافرمانی اور مخالفت کا مشورہ کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں ان کے سب مشورے لکھے جاتے ہیں ان کو سزا دینے کے لئے سو اے نبی ان سے منہ پھیر لے اور کسی بات کی پروا مت کر اور اپنے سب کام اللہ کے حوالے کر دے وہ تیرے لئے کافی ہے۔

۱۳۲۔ قرآن اللہ کا کلام ہے تدبر کی دعوت: پہلی آیات سے حضرت محمد ﷺ کا رسول اللہ ہونا اور ان کی اطاعت بعینہ خدا کی اطاعت ہونی اور ان کے نافرمانوں پر حق تعالیٰ کا عذاب ہونا تو خوب ظاہر ہو گیا مگر منافق اور آپ کے مخالف یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی گواہی اور اس کے ارشادات کی تسلیم و تصدیق میں تو ہم کو تامل ہرگز نہیں مگر یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ خدا کا کلام ہے بشر کا بنایا ہوا نہیں تو حق تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے جس سے صاف معلوم ہو جائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے دیکھو اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو تو ضرور قرآن میں بہت سے مواقع میں طرح طرح کے اختلافات ملتے دیکھو آدمی ہر حالت میں اسی حالت کے موافق کلام کرتا ہے جو حالت پیش ہوتی ہے دوسری حالت کا دھیان نہیں ہوتا غصہ میں مہربانی والوں کا دھیان نہیں رہتا اور مہربانی میں غصہ والوں کا، دنیا کے بیان میں آخرت کا لحاظ نہ رہے اور آخرت کے بیان میں دنیا کا۔ بے پروائی میں عنایت کا ذکر نہیں اور عنایت میں بے پروائی کا بالجملہ ایک حال کا کلام دوسرے حال کے کلام سے مختلف نظر آئے گا لیکن قرآن شریف چونکہ خالق کا کلام ہے یہاں ہر چیز کے بیان میں دوسری جانب بھی نظر رہتی ہے غور و فہم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہر مقام میں ایک انداز پر ہے دیکھئے یہاں منافقوں کا مذکور تھا جو سخت عتاب کے مستحق ہیں سو یہاں بھی ان کی باتوں پر اسی قدر الزام ہے جتنا چاہئے اور جو الزام ان کی ایک خاص جماعت پر تھا وہ خاص انہی پر لگایا گیا اور فرمادیا کہ بعضے ان میں سے ایسا کرتے ہیں یہ نہیں کہ غصہ وغیرہ کی حالت میں کلام اپنی حد سے نکل جائے اور دوسری حالت کے کلام سے مختلف نظر آئے اور نیز یہ مطلب بھی ہے کہ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کوئی کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح کوئی غیر فصیح کوئی صحیح کوئی غلط کوئی سچا کوئی کاذب کوئی موافق کوئی باہم متناقض ضرور معلوم ہوتا ہے اور قرآن اتنی بڑی کتاب ان جملہ اختلافات سے پاک ہے جو طاقت بشر سے باہر ہے۔ فائدہ اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جو تدبر اور فہم سے کام نہ لے وہ قرآن میں شبہات اور اختلافات کا وہم چلا سکتا ہے مگر فہیم ایسا نہیں کر سکتا دیکھو جو اسی مقام میں تدبر نہ کرے وہ کہہ سکتا ہے کہ اول تو فرمادیا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ پھر فرمادیا وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ سو یہ تو تناقض اور اختلاف ہو گیا واللہ اعلم۔

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ

۸۳۔ اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اسکو مشہور کر دیتے ہیں [۱۳۳] اور اگر اسکو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی [۱۳۴] اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہربانی تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے

اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّیۡطٰنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۸۳﴾

شیطان کے مگر تھوڑے [۱۳۵]

۱۳۳۔ افواہ پھیلانے کی مذمت: یعنی ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سننا یا کوئی خبر خوفناک سن لیتے ہیں جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا تو ان کو بلا تحقیق کئے مشہور کرنے لگتے ہیں اور اس میں اکثر فساد و نقصان مسلمانوں کو پیش آ جاتا ہے۔ منافق ضرر رسانی کی غرض سے اور کم سمجھ مسلمان کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

۱۳۴۔ یعنی کہیں سے کچھ خبر آئے تو چاہئے کہ اول پہنچائیں سردار تک اور اس کے نائبوں تک جب وہ اس خبر کو تحقیق اور تسلیم کر لیویں تو ان کے کہنے کے موافق اس کو کہیں نقل کریں اور اس پر عمل کریں۔ فائدہ حضرت نے ایک شخص کو ایک قوم کے یہاں زکوٰۃ لینے کو بھیجا وہ قوم اس کے استقبال کو باہر نکلی اس نے خیال کیا کہ میرے مارنے آئے ہیں لوٹ کو مدینہ میں آ گیا اور مشہور کر دیا کہ فلاں قوم مرتد ہو گئی تمام شہر میں شہرت ہو گئی آخر کو غلط نکلی۔

۱۳۵۔ یعنی اگر اللہ اپنے فضل سے تمہاری اصلاح اور تربیت کے لئے احکام نہ بھیجتا اور تم کو وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ہدایت اور تنبیہ نہ فرماتا رہتا جیسا کہ اس موقع پر رسول اور سرداروں کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا تو تم گمراہ ہو جاتے مگر چند خواص جو کامل العقل اور کامل الایمان ہیں۔ ان تنبیہات کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھو اور شکر کرو اور پوری تعمیل کرو۔

فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَکَ وَ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّکُفَّ بَاۡسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ وَ اللّٰہُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّ اَشَدُّ تَنۡکِیۡلًا ﴿۸۴﴾

۸۴۔ سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ بند کر دے لڑائی کافروں کی [۱۳۶] اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں [۱۳۷]

۱۳۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا خصوصی حکم: یعنی اگر کافروں کی لڑائی سے منافق اور کچے مسلمان جن کا ذکر اوپر گذرا ڈرتے ہیں تو اے رسول تو تنہا اپنی ذات سے جہاد کرنے میں توقف مت کر اللہ تعالیٰ تیرا مددگار ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی تاکید کر دے جو ساتھ نہ دے اس کی پروا مت کر۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دے گا۔ فائدہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں ضرور جہاد کے لئے جاتا ہوں اگرچہ ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کل ستر ہمراہیوں کے ساتھ بدر صغریٰ کو بغرض جہاد تشریف لے گئے جس کا وعدہ ابوسفیان سے غزوہ احد میں ہوا تھا جس کا ذکر پہلی سورت میں گذر چکا ہے حق تعالیٰ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور وعدے سے جھوٹے ہوئے اور حق سبحانہ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند کر دیا اور آپ ہمراہیوں سمیت خیر اور سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

۱۳۷۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی لڑائی اور اس کا عذاب کافروں کے ساتھ لڑنے سے بہت سخت ہے سو جو لوگ کافروں کے ساتھ لڑنے اور ان کو مارنے

اور ان کے ہاتھ سے مارے جانے سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب کا کیونکر تحمل کرسکتے ہیں۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

۸۵۔ جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کو بھی ملے گا اس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے بری بات میں اس پر بھی ہے ایک بوجھ اس میں سے [۱۳۸] اور اللہ ہے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا [۱۳۹]

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر بیشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا [۱۴۰]

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

۸۷۔ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں بیشک تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن اس میں کچھ شبہ نہیں اور اللہ سے سچی کس کی بات [۱۴۱]

ع ۱۱/۸

۱۳۸۔ سفارش کرنے کا بیان: یعنی اگر کوئی نیک کام میں سعی سفارش کرے جیسا نبی ﷺ کا مسلمانوں کو جہاد کی تاکید فرمانا یا کوئی بری بات میں ساعی ہو جیسا منافق اور سست مسلمانوں کا جہاد سے ڈر کر دوسروں کو بھی ڈرانا تو اول صورت میں ثواب کا اور دوسری صورت میں گناہ کا حصہ ملے گا ایسے ہی اگر کوئی محتاج کی سفارش کر کے دولت مند سے کچھ دلوا دے تو یہ بھی خیرات کے ثواب میں شریک ہو گا۔ اور جو کوئی کافر مفسد یا سارق کو سفارش کر کے چھڑا دے پھر وہ فساد اور چوری کرے تو یہ بھی شریک ہو گا فساد اور چوری میں۔

۱۳۹۔ یعنی خدا تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر اور ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا ہے تو نیکی اور بدی کے حصہ دینے میں اس کو کوئی دشواری نہیں۔

۱۴۰۔ سلام کے آداب: یعنی کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا درحقیقت اللہ سے اس کی شفاعت کرنا ہے تو حق تعالیٰ شفاعت حسنہ کی ایک خاص صورت کو جو مسلمانوں میں شائع ذائع ہے صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ جب کوئی اے مسلمانو تم کو دعا دے یا سلام کرے تو تم کو بھی اس کا جواب دینا ضرور چاہئے یا تو وہی کلمہ تم بھی اس کو کہو یا اس سے بہتر مثلاً اگر کسی نے کہا السلام علیکم تو واجب ہے تم پر کہ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہو اور زیادہ ثواب چاہو تو ورحمۃ اللہ بھی بڑھا دو اور اگر اس نے یہ لفظ بڑھایا ہو تو تم "وبرکاتہ" زیادہ کر دو۔ اللہ کے یہاں ہر چیز کا حساب ہو گا اور اس کی جزا ملے گی سلام اور اس کا جوب بھی اس میں آ گیا۔ فائدہ اس سے شفاعت حسنہ کی پوری ترغیب ہو گئی اور شفاعت سیئہ کی خرابی اور مضرت معلوم ہو گئی کیونکہ جو شفاعت حسنہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور جس کی شفاعت کی ہے اس پر اس کے ساتھ حسن سلوک اور مکافات کا حکم فرما دیا بخلاف شفاعت سیئہ کے کہ بجز معصیت اور محرومی کے کچھ نہ ملے گا۔

۱۴۱۔ یعنی قیامت کا آنا اور ثواب و عقاب کے سب وعدوں کا پورا ہونا سب سچ ہے اس میں تخلف نہیں ہو گا ان باتوں کو سرسری خیال نہ کرو۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا
كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

۸۸۔ پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو رہے ہو اور اللہ نے انکو الٹ دیا بسبب ان کے اعمال کے کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ ہر گز نہ پاوے گا تو اس کے لئے کوئی راہ[۱۴۲]

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا
تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ
لَا نَصِيْرًا ۙ﴿۸۹﴾

۸۹۔ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر اس کو قبول نہ کریں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مدد گار[۱۴۳]

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ
يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ
لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

۹۰۔ مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ تنگ ہو گئے ہیں دل ان کے تمہاری لڑائی سے اور اپنی قوم کی لڑائی سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دے دیتا تو ضرور لڑتے تم سے سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ[۱۴۴]

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ
يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا

۹۱۔ اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں وہ فساد کی طرف تو اسکی طرف لوٹ

فِيۡهَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَ
يَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَ اقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ
ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَ اُولٰٓٮِٕكُمۡ جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ
سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ۙ ﴿۹۱﴾ ع ۱۲ ۹

جاتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور نہ پیش کریں تم پر صلح اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور ان پر ہم نے تم کو دی ہے کھلی سند[۱۴۵]

۱۴۲۔ منافقین کے متعلق مسلمانوں کو ہدایت: ان منافقوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے بلکہ ظاہر و باطن کفر پر قائم تھے لیکن حضرت ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ظاہری میل جول اور محبت کا معاملہ رکھتے تھے اور غرض ان کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج ہم پر چڑھائی کرے تو ہمارے جان و مال اس حیلہ سے محفوظ رہیں جب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کا آنا جانا اس غرض سے ہے دلی محبت سے نہیں تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ ان شریروں سے ملنا ترک کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ہم سے جدا ہو جائیں اور بعضوں نے کہا ان سے ملے جایئے شاید ایمان لے آئیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے قبضہ میں ہے تم اس کا ہرگز فکر مت کرو اور ان لوگوں سے بالاتفاق وہ معاملہ کرنا چاہیئے جو آئندہ مذکور ہے دو فریق مت بنو۔

۱۴۳۔ منافقوں سے قتال کا حکم: یعنی یہ منافق لوگ تو کفر پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ خود تو اسلام کیا قبول کریں گے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انکی مثل کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ سو اب تم کو چاہیئے کہ وہ جب تک ایمان قبول کر کے اپنا وطن چھوڑ کر تمہارے پاس نہ چلے آئیں اس وقت تک ان کو دوست نہ بناؤ۔ نہ اپنے کسی کام میں ان کو دخل دو اور نہ ان کی حمایت اور اعانت کرو اور اگر وہ لوگ ایمان اور ہجرت کو قبول نہ کریں تو ان کو قید کرو اور قتل کرو جہاں قابو پاؤ اور اجتناب کلی رکھو اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔

۱۴۴۔ معاہد قوموں سے قتال کی ممانعت: یعنی اس ظاہری ملنے جلنے سے ان کو قید اور قتل سے مت بچاؤ مگر کل دو طرح سے ایک تو یہ کہ جن لوگوں سے تمہاری صلح ہے ان سے ان کا بھی معاہدہ اور مصالحت ہو تو وہ بھی صلح میں داخل ہو گئے دوسری طرح یہ کہ جو لوگ لڑائی سے عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرفدار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اور اس عہد پر قائم رہیں تو ایسے لوگوں سے بھی مت لڑو اور ان کی مصالحت کو منظور کر لو اور اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ تمہاری لڑائی سے باز آئے اللہ چاہتا تو ان کو تم پر جری اور غالب تر کر دیتا۔

۱۴۵۔ یعنی بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم سے عہد کر جاتے ہیں کہ نہ تم سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے تاکہ تم سے اور اپنی قوم دونوں سے امن میں رہیں لیکن اس عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ جب اپنی قوم کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں سے تم بھی درگذر مت کرو تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آگئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ يَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَـئًا ۚ وَ
مَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـئًا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّ

۹۲۔ اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے [۱۴۶] اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچائے

دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ
مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

اسکے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھے دو مہینے کے برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[۱۴۷]

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ
خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ
عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اسکے واسطے تیار کیا بڑا عذاب[۱۴۸]

۱۴۶۔ **مومن کے قتل خطاء کا بیان:** اس موقع پر قتل خطاء کے احکام بیان فرمائے جاتے ہیں اور یہ کہ کلمہ اسلام کہنے والے کو قتل کرنا گناہ عظیم ہے۔ ہاں اگر غلطی سے مارا گیا تو مجبوری کی بات ہے اور اس کے احکام یہ ہیں اور اسی کے ذیل میں مجاہدین کی فضیلت اور دار کفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے۔ فائدہ قتل خطا یعنی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دینے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً غلطی سے مسلمان کو شکار سمجھ کر مار ڈالا یا تیر اور گولی شکار پر چلائی چوک کر کسی مسلمان کے جا لگے ایک صورت قتل خطا کی یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کافروں میں ہو اور اس کو کوئی مسلمان کافر سمجھ کر بوجہ لاعلمی قتل کر ڈالے اور یہاں اسی صورت کا بیان فرمانا مقصود ہے مجاہدین کو یہ بات اکثر پیش آ جاتی ہے اور آیات سابقہ کے یہی مناسب ہے گو قتل خطا کی اور صورتوں کا بھی حکم یہی ہے وہ صورتیں بھی اس میں آ گئیں۔

۱۴۷۔ اس آیت میں قتل خطا کے دو حکم بتائے گئے ایک تو آزاد کرنا بردہ مسلمان کا اور اس کا مقدور نہ ہو تو دو مہینے متصل روزے رکھنا یہ کفارہ ہے خدا تعالیٰ کی جناب میں اپنی خطا کا دوسرے مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا یہ ان کا حق ہے۔ ان کے معاف کرنے سے معاف بھی ہو سکتا

ہے اور کفارہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا اس کے متعلق تین صورتیں ہو سکتی ہیں کیونکہ جس مسلمان کو غلطی سے قتل کیا اس کے وارث مسلمان ہوں گے یا کافر اگر کافر ہیں تو ان سے مصالحت ہے یا دشمنی اول دونوں صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا پڑے گا۔ تیسری صورت میں خون بہا لازم نہ ہوگا اور کفارہ سب صورتوں میں ادا کرنا ہوگا۔ فائدہ خون بہا مذہب حنفی میں تخمیناً دو ہزار سات سو چالیس روپے ہوتے ہیں یہ روپیہ قاتل کی برادری کو تین برس میں متفرق طور پر دینا ہوگا مقتول کے وارثوں کو۔

۱۴۸۔ قتل عمد کی سزا: یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے نہیں بلکہ قصداً اور مسلمان معلوم کرنے کے بعد قتل کرے گا تو اس کے لئے آخرت میں جہنم اور لعنت اور عذاب عظیم ہے کفارہ سے اس کی رہائی نہیں ہوگی۔ باقی رہی دنیوی سزا وہ سورۂ بقرہ میں گذر چکی۔ فائدہ جمہور علماء کے نزدیک خلود اس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا وہ شخص مستحق تو اسی سزا کا ہے آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں [۱۴۹] تم بھی تو ایسے ہی تھے اس سے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کر لو [۱۵۰] بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے [۱۵۱]

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى

۹۵۔ برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں

الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ۙ

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ع

۹۶۔ جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے [۱۵۲] اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۱۵۳]

۱۳ ع۵ ۱۰

۱۴۹۔ بلا تحقیق کسی کو کافر نہ کہو: حضرت ﷺ نے ایک فوج کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا اس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا جو اپنا مال و اسباب اور مواشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ کافر ہے اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کو مار ڈالا اور اس کے مواشی اور اسباب سب لے لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو بے سوچے سمجھے کام مت کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو اللہ کے پاس بہت کچھ غنیمتیں ہیں ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔

۱۵۰۔ تم ایسے ہی تھے اس سے پہلے یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی غرض سے ناحق خون کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمان ہو کر ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ جس پر مسلمان ہونے کا احتمال بھی ہو تو اس کے قتل سے بچو یا یہ مطلب ہے کہ اس سے پہلے شروع زمانہ اسلام میں تم بھی کافروں کے شہر میں رہتے تھے تمہاری مستقل حکومت اور مستقل بود و باش نہ تھی تو جیسا اس حالت میں تمہارا اسلام معتبر سمجھا گیا اور تمہارے جان و مال کی حفاظت و رعایت کی گئی ایسا ہی اب تم کو بھی اس طرح کے مسلمانوں کی رعایت و حفاظت لازم ہے بلا تحقیق ان کو قتل مت کرو احتیاط اور غور سے کام کرنا چاہئے۔

۱۵۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر اعمال اور دلی اغراض سب پر مطلع ہے تو اب جس کو قتل کرو محض اللہ کے حکم کے موافق قتل کرو اپنی کسی غرض کا اصلاً دخل نہ ہو اور یہ بھی مقصد ہے کہ اگر کوئی کافر فقط اپنے جان و مال کے خوف سے تمہارے روبرو اسلام ظاہر کرے اور دھوکا دے کر اپنی جان بچالے تو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا مگر تم اس کو کچھ مت کہو یہ تمہارے کرنے کی بات نہیں ہم دیکھ لیں گے۔

۱۵۲۔ مجاہدین کے درجات: اس سے پہلے مسلمان کو نادانستگی اور چوک سے قتل کر دینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آ ہی جاتی ہے اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے لنجے اندھے بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں باقی سب مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہ کرنے والوں کے نہیں اگرچہ جنتی وہ بھی ہیں جو جہاد نہیں کرتے۔

جہاد فرض کفایہ ہے: اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

۱۵۳۔ یعنی حق تعالیٰ غفور رحیم ہے جہاد کرنے والوں کے بارہ میں اجر و مغفرت و رحمت کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ ضرور پورے فرمائے گا یا یہ کہ مجاہد کے ہاتھ سے نادانستگی میں اگر کوئی مسلمان قتل ہو گیا تو حق تعالیٰ معاف فرما دے گا اس اندیشہ سے جہاد سے مت رکو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا
فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ
قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا
فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ
مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ۙ

۹۷۔ وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس اس ملک میں کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور وہ بہت بری جگہ پہنچے

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ
الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ
سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ۙ

۹۸۔ مگر جو ہیں بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ

فَاُولٰٓىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

۹۹۔ سو ایسوں کو امید ہے کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا [۱۵۴]

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا
كَثِيْرًا وَّ سَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى
اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ع ۱۴ ۱۱

۱۰۰۔ اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے گا اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف پھر آ پکڑے اس کو موت تو مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ہاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۱۵۵]

۱۵۴۔ دارالکفر سے ہجرت کی فضیلت: بعضے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ جہاد کی تعمیل کر سکتے ہیں سو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت

کریں اس رکوع میں اسی کا ذکر ہے آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرنے کے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف و کمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے سو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور عورتیں اور بچے کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کر سکتے ہیں نہ ان کو کوئی ہجرت کا رستہ معلوم ہے وہ قابل معافی ہیں۔ فائدہ اس سے معلوم ہو گیا کہ مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

۱۵۵۔ مہاجر کے لئے کشائش کا وعدہ اور دیگر فضائل: اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اس کو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہو گی تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید رستہ میں موت آ جائے تو ادھر کے ہوں نہ اُدھر کے کیونکہ اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور موت تو اپنے وقت ہی پر آتی ہے وقت مقرر سے پہلے نہیں آ سکتی۔

وَ اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ٭ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر البتہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں[۱۵۶]

وَ اِذَا کُنۡتَ فِیۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَۃٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ ۟ قف فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ ۪ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡا حِذۡرَهُمۡ وَ اَسۡلِحَتَهُمۡ ۚ وَدَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِکُمۡ وَ اَمۡتِعَتِکُمۡ

۱۰۲۔ اور جب تو ان میں موجود ہو پھر نماز میں کھڑا کرے تو چاہئے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیویں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہٹ جاویں تیرے پاس سے اور آوے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تا کہ تم پر حملہ کریں یکبارگی[۱۵۷] اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو اپنا بچاؤ[۱۵۸] بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے عذاب ذلت کا[۱۵۹]

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ
مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲
فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا
وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝۱۰۳
وَ لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ
فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ
مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۰۴ ع ۱۵ ۱۲

۱۰۳۔ پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے[۱۶۰] پھر جب خوف جاتا رہے تو درست کرو نماز کو بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں[۱۶۱]

۱۰۴۔ اور ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جس طرح تم ہوتے ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے[۱۶۲]

۱۵۶۔ قصر نماز کا حکم: یعنی جب تم جہاد وغیرہ کے لئے سفر کرو اور کافروں سے جو کہ تمہارے صریح دشمن ہیں اس کا خوف ہو کہ وہ موقع پا کر ستائیں گے تو نماز کو مختصر رکھو یعنی جو نماز حضر میں چار رکعت کی ہو اس کی دو رکعت پڑھو۔ فائدہ ہمارے یہاں سفر تین منزل کا ہونا ضروری ہے اس سے کم ہو گا تو قصر جائز نہ ہو گا اور کافروں کے ستانے کا ڈر اس وقت موجود تھا جب یہ حکم نازل ہوا جب یہ ڈر جاتا رہا تو اس کے بعد بھی آپ سفر میں دو رکعت ہی پڑھتے رہے اور صحابہ کو بھی اسی کی تاکید فرمائی اب ہمیشہ سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے خوف مذکور ہو یا نہ ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے شکریہ کے ساتھ قبول کر لینا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔

۱۵۷۔ نماز خوف کا بیان: پہلے نماز سفر کا بیان تھا یہ نماز خوف کا بیان ہے یعنی کافروں کی فوج مقابلہ میں ہو تو مسلمانوں کی فوج دو حصے ہو جائے ایک حصہ امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے دوسرا حصہ آ کر امام کے ساتھ نصف پڑھ لے امام کے سلام کے بعد دونوں جماعتیں اپنی آدھی نماز رہی ہوئی جُدی جُدی پڑھ لیں اگر مغرب کی نماز ہو تو اول جماعت دو رکعت اور دوسری جماعت ایک

رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور اس حالت میں نماز کے اندر آمد و رفت معاف ہے اور تلوار زرہ سپر وغیرہ کے اپنے ساتھ رکھنے کا بھی ارشاد فرمایا تاکہ کفار موقع پاکر یکبارگی حملہ نہ کردیں۔

۱۵۸۔ یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے لیکن اپنا بچاؤ کرلینا چاہئے مثلاً زرہ سپر خود ساتھ لے لو۔ فائدہ اگر دشمن کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کرسکیں تو جماعت موقوف کرکے تنہا تنہا نماز پڑھ لیں پیادہ ہوکر اور سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں۔ اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضا کردیں۔

۱۵۹۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تدبیر اور احتیاط اور اہتمام کے ساتھ کام کرو اور اللہ کے فضل سے امید رکھو وہ کافروں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل وخوار کرادے گا کافروں سے خوف مت کرو۔

۱۶۰۔ ہمہ وقت ذکر اللہ کا حکم: یعنی خوف کے وقت بوجہ تنگی اور بے اطمینانی اگر نماز میں کسی طرح کی کوتاہی ہوگئی تو نماز خوف سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں کھڑے ہو یا بیٹھے یا لیٹے اللہ کو یاد کرو حتّٰی کہ عین ہجوم اور مقاتلہ کے وقت بھی کیونکہ وقت کی تعین اور دیگر قیود کی پابندی تو بحالت نماز تھی جن کی وجہ سے تنگی اور بے اطمینانی پیش آنے کا موقع ہے اس کے سوا ہر حالت میں بلا وقت اللہ کو یاد کرسکتے ہو کسی حالت میں اس کی یاد سے غافل نہ رہو عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ صرف وہ شخص کہ جس کے عقل وحواس کسی وجہ سے مغلوب ہوجائیں البتہ معذور ہے ورنہ کوئی شخص اللہ کی یاد نہ کرنے میں معذور نہیں۔

۱۶۱۔ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں: یعنی جب خوف مذکور جاتا رہے اور خاطر جمع ہوجائے تو پھر نماز پڑھو اطمینان اور تعدیل ارکان اور رعایت شروط اور محافظت آداب کے ساتھ پڑھو جیسا کہ امن کی حالت میں پڑھنی چاہئے اور جن حرکات زائدہ کی اجازت دی گئی وہ حالت خوف کے ساتھ مخصوص ہے بیشک نماز فرض ہے وقت معین میں سفر حضر اطمینان خوف ہر حالت میں اسی وقت میں ادا کرنا ضرور ہے یہ نہیں کہ جب چاہو پڑھ لو یا مطلب ہے کہ نماز کے متعلق حق تعالیٰ نے پورا ضبط اور تعین فرمادیا ہے کہ حضر میں کیا ہونا چاہئے اور سفر میں کیا اطمینان میں کیا کرنا چاہئے اور خوف میں کیا سو ہر حالت میں اس کی پابندی چاہئے۔

۱۶۲۔ کفار کے تعاقب میں سستی نہ کرو: یعنی کفار کی جستجو اور ان کے تعاقب میں ہمت سے کام لو اور کوتاہی نہ کرو اگر تم کو ان کی لڑائی سے زخم اور درد پہنچا تو اس تکلیف میں تو وہ بھی شریک ہیں اور آئندہ تم کو حق تعالیٰ سے وہ امیدیں ہیں جو ان کو نہیں یعنی دنیا میں کفار پر غلبہ اور آخرت میں ثواب عظیم اور اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح اور تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اس کو جو حکم ہے اس میں تمہارے لئے بڑے منافع اور حکمتیں ہیں دین اور دنیا دونوں کے لئے سو اس کے امتثال کو غنیمت اور بڑی نعمت سمجھو۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ‏ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ بیشک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھاوے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا [۱۶۳]

وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۚ‏ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ اور بخشش مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۶۴]

وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚۙ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں اللہ کو پسند نہیں جو کوئی ہو دغاباز گنہگار

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ
اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ
الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے اور وہ انکے ساتھ ہے جبکہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے [۱۶۵]

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟
فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ
يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ سنتے ہو تم لوگ جھگڑا کرتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پھر کون جھگڑا کرے گا ان کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن یا کون ہو گا ان کا کارساز [۱۶۶]

وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ
اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشوا دے تو پاوے اللہ کو بخشنے والا مہربان [۱۶۷]

وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ
كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور جو کوئی کرے گناہ سو کرتا ہے اپنے ہی حق میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۶۸]

وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا
فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ؑ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۶/۱۳

۱۱۲۔ اور جو کوئی کرے خطا یا گناہ پھر تہمت لگاوے کسی بے گناہ پر تو اس نے اپنے سر دھرا طوفان اور گناہ صریح [۱۶۹]

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ

۱۱۳۔ اور اگر نہ ہوتا تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو قصد کر ہی چکی تھی ان میں ایک جماعت کہ تجھ کو بہکاویں

مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ﴿۱۱۳﴾

اور بہکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ کو اور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے [۱۷۰]

۱۶۳۔ ایک مسلمان چور اور یہودی کا قصہ: منافق اور ضعیف الاسلام لوگوں میں جب کوئی کسی گناہ اور خرابی کا مرتکب ہوتا تو سزا اور بدنامی سے بچنے کے لئے حیلہ گھڑتے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایسے انداز سے اس کا اظہار کرتے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کو بری سمجھ جائیں بلکہ کسی بری الذمہ کے ذمہ تہمت لگا کر اس کے مجرم بنانے میں سعی کرتے اور رل مل کر باہم مشورہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ یہ ہوا کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب دیا ایک تھیلا آٹے کا اور اس کے ساتھ کچھ ہتھیار چرا کر لے گیا۔ اس تھیلے میں اتفاقاً سوراخ تھا چور کے گھر تک رستہ میں آٹا گرتا گیا چور نے یہ تدبیر کی کہ مال اپنے گھر میں نہ رکھا بلکہ رات ہی میں لے جا کر ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا جو اس کا واقف تھا۔ صبح کو مالک نے آٹے کے سراغ پر چور کو جا پکڑا مگر تلاشی پر اس کے گھر میں کچھ نہ نکلا ادھر چور نے قسم کھالی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں آٹے کا سراغ آگے کو چلتا نظر آیا تو مالک نے اسی سراغ پر یہودی کو جا پکڑا اس نے مال کا اقرار کر لیا کہ میرے گھر میں موجود ہے مگر میرے پاس تو رات فلاں شخص امانت رکھ گیا ہے میں چور نہیں ہوں مالک نے یہ قضیہ حضرت فخر عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں پہنچایا چور کی قوم اور اس کی جماعت نے اتفاق کیا کہ جس طرح ہو سکے اس پر چوری ثابت نہ ہونے دو یہودی کو چور بناؤ چنانچہ یہودی سے جھگڑے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں چور کی برأت پر جھوٹی قسمیں کھائیں گواہی دی قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جائے اور مجرم قرار دیا جائے اس پر حق سبحانہ نے متعدد آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت رسول مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اور سب کو متنبہ فرما دیا کہ چور یہی مسلمان ہے یہودی اس میں سچا اور بے قصور ہے۔ اور ہمت کے لیے ایسے لوگوں کی قلعی کھول کر سب کو متنبہ کر دیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہم نے اپنی سچی کتاب تجھ پر اس لئے اتاری کہ ہمارے سمجھانے اور بتلانے کے موافق تمام لوگوں میں نیک ہوں یا بد مومن ہوں یا کافر حکم اور انصاف کیا جائے اور جو دغاباز ہیں ان کی بات کا اعتبار اور ان کی طرفداری ہرگز مت کرو اور ان کی قسم اور ان کی گواہی پر کسی بے قصور کو مجرم مت بناؤ یعنی ان دغابازوں کی طرف ہو کر یہودی سے مت جھگڑو۔

۱۶۴۔ یعنی قبل تحقیق صرف ظاہر حال کو دیکھ کو چور کو بری اور یہودی مذکور کو چور خیال کر لینا تمہاری عصمت اور عظمت شان کے مناسب نہیں اس سے استغفار چاہئے اس میں کامل تنبیہ ہو گئی ان مخلصین کو جو بوجہ تعلق اسلامی یا قومی وغیرہ چور پر حسن ظن کر کے یہودی کے چور بنانے میں ساعی ہوئے۔

۱۶۵۔ گنہگاروں کی سفارش سے ممانعت: پہلی آیت میں جب ان لوگوں کی دغا اور برائی صاف بتلا دی گئی تو شاید رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بوجہ غلبہ شفقت جو آپ کو تمام خلق بالخصوص اپنی امت پر تھا حق تعالیٰ سے ان خطاواروں کی معافی چاہی اس پر ارشاد ہوا کہ ان دغابازوں کی طرف ہو کر اللہ سے کیوں جھگڑتے ہو ایسے لوگ اللہ کو خوش نہیں آتے یہ تو لوگوں سے چھپ چھپ کر راتوں کو ناجائز مشورہ کرتے ہیں اور اللہ سے نہیں

شرماتے جو ہر وقت انکے ساتھ ہے اور ان کے تمام امور پر حاوی ہے اور اگر آپ نے ان کی معافی نہ بھی مانگی ہو تو آپ کی معافی مانگنے کا احتمال تو بالیقین موجود تھا دیکھئے دوسری جگہ حضرت ابراہیمؑ کی بابت یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ۔ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ (ہود۔۷۵، ۷۴) ارشاد صریح موجود ہے سو اس کی پیش بندی کے لئے حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر ان لوگوں کی سفارش سے آپ کو روک دیا۔ واللہ اعلم۔

۱۶۶۔ اس میں خطاب ہے چور کی قوم اور ان لوگوں کو جو چور کے طرفدار ہوئے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس بے جا حمایت سے چور کو قیامت میں کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔

۱۶۷۔ **سُوء اور ظلم کا فرق:** سوء اور ظلم سے بڑے اور چھوٹے گناہ مراد ہیں یا سوء سے وہ گناہ مراد ہے جس سے دوسرے کو درد پہنچے جیسے کسی پر تہمت لگانی اور ظلم وہ ہے کہ اس کی خرابی اپنے ہی نفس تک رہے یعنی گناہ کیسا ہی ہو اس کا علاج استغفار اور توبہ ہے توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ البتہ معاف فرما دیتا ہے اگر آدمیوں نے جان بوجھ کر فریب سے کسی مجرم کی برأت ثابت کر دی یا غلطی سے مجرم کو بے قصور سمجھ گئے تو اس سے اس کے جرم میں تخفیف بھی نہیں ہو سکتی البتہ توبہ سے بالکل معاف ہو سکتا ہے اس میں اس چور اور اس کے سب طرفداروں کو جو دیدہ و دانستہ طرفدار بنے ہوں یا غلطی سے سبھی کو توبہ اور استغفار کا ارشاد ہو گیا اور اشارہ لطیف اس طرف بھی ہو گیا کہ اب بھی اگر کوئی اپنی بات پر جما رہے گا اور توبہ نہ کرے گا تو اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت سے محروم ہو گا۔

۱۶۸۔ یعنی جو اپنے قصد سے گناہ کرے گا اس کا وبال تو اسی پر پڑے گا اور اس کی سزا خاص اسی کو دی جائے گی کسی دوسرے کو سزا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسا تو وہ کر سکتا ہے جس کو واقعی بات کی خبر نہ ہو یا حکمت سے بے بہرہ ہو مگر حق سبحانہ تعالیٰ تو بلا مبالغہ بصیغہ مبالغہ علیم و حکیم وہاں اس کی گنجائش کہاں تو اب خود چوری کر کے یہودی کے سر لگانے سے کیا نفع ہو سکتا ہے۔

۱۶۹۔ **بہتان تراشی کی مذمت:** یعنی جس نے چھوٹا یا بڑا گناہ کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ لگایا تو اس پر تو دو گناہ لازم ہو گئے ایک جھوٹی تہمت دوسرا وہ اصلی گناہ تو ظاہر ہو گیا کہ خود چوری کر کے یہودی پر تہمت دھرنے سے اور وبال بڑھ گیا نفع خاک بھی نہ ہوا اور معلوم ہو گیا کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا توبہ خالص کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔

۱۷۰۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا خاص فضل:** اس میں خطاب ہے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف اور اظہار ہے ان خائنوں کے فریب کا اور بیان ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عظمت شان و عصمۃ کا اور اس کا کہ آپ کمال علمی میں جو کہ تمام کمالات سے افضل اور اول ہے سب سے فائق ہیں اور اللہ کا فضل آپ پر بے نہایت ہے جو ہمارے بیان اور ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آپ کو جو چور کی برأت کا خیال ہوا تھا وہ ظاہر حال کو دیکھ کر اور اقوال و شہادت کو سن کر اور اس کو سچ سمجھ کر ہو گیا تھا۔ میلان عن الحق یا مداہنت فی الحق ہرگز ہرگز اس کا باعث نہ تھا اور اتنی بات میں کچھ برائی نہ تھی بلکہ یہی ہونا ضروری تھا جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقۃ الامر ظاہر ہو گئی کوئی خلجان باقی نہ رہا اور ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ کو وہ فریب باز تو آپ کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے رک جائیں اور مایوس ہو جائیں اور آپ اپنی عظمت اور تقدس کے موافق غور اور احتیاط سے کام لیں۔ واللہ اعلم۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ

۱۱۴۔ کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں اور جو کوئی یہ کام کرے اللہ کی خوشی کے لئے تو ہم اس کو دیں گے بڑا ثواب [۱۷۱]

نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۱۴﴾

وَ مَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۷ / ۱۴

۱۱۵۔ اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا[۱۷۲]

۱۷۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کا بیان: منافق اور حیلہ گر آکر آپ سے کان میں باتیں کرتے تاکہ لوگوں میں اپنا اعتبار بڑھائیں اور مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بیہودہ سرگوشی کیا کرتے کسی کی عیب جوئی کسی کی غیبت کسی کی شکایت کرتے اس پر ارشاد ہوا کہ جو لوگ باہم کانوں میں مشورت کرتے ہیں اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں صاف اور سچی بات کو چھپانے کی حاجت نہیں نہ اُس میں کوئی فریب ہوتا ہے البتہ چھپاوے تو صدقہ اور خیرات کی بات کو چھپائے تاکہ لینے والا شرمندہ نہ ہو یا کسی ناواقف کو غلطی سے بچائے اور اس کو اچھی بات اور صحیح مسئلہ بتائے تو چھپا کر بتائے تاکہ اس کو ندامت نہ ہو یا دو میں لڑائی ہو اور غصہ والا جوش میں صلح نہیں کرتا تو اول کوئی تدبیر بنا کر پھر اس کو سمجھائے حتٰی کہ توریہ کی بھی اجازت ہے۔ آخر میں فرما دیا کہ جو کوئی امور مذکورہ کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرے گا اس کو بڑا عظیم الشان ثواب عنایت ہو گا یعنی ریاکاری یا کسی اور غرض دنیاوی کے لئے نہ ہونا چاہئے۔

۱۷۲۔ رسول اور مومنین کی مخالفت کا عذاب: یعنی جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے پھر اس کے بعد بھی رسول کے حکم کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جُدی راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جیسا کہ اس چور نے کیا جس کا ذکر ہو چکا بجائے اس کے کہ قصور کا اعتراف کر کے توبہ کرتا یہ کیا کہ ہاتھ کٹنے کے خوف سے بھاگ گیا اور مشرکین میں مل گیا۔ فائدہ اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ اجماع امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے یعنی اجماع امت کو ماننا فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جُدی راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَ يَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے[۱۷۳] اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر دور جا پڑا[۱۷۴]

اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰـثًا ۚ وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا ۙ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا
مَّفۡرُوۡضًا ۙ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ جس پر لعنت کی اللہ نے[۱۷۵] اور کہا شیطان نے کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے حصہ مقررہ[۱۷۶]

وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ
اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ ؕ
وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ
خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ؕ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ اور انکو بہکاؤں گا اور انکو امیدیں دلاؤں گا اور انکو سکھلاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان اور انکو سکھلاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی [۱۷۷] اور جو کوئی بناوے شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر تو وہ پڑا صریح نقصان میں

يَعِدُهُمۡ وَيُمَنِّيۡهِمۡ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا
غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ انکو وعدہ دیتا ہے اور انکو امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے انکو شیطان سو سب فریب ہے

اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوۡنَ عَنۡهَا
مَحِيۡصًا ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور نہ پاویں گے وہاں سے کہیں بھاگنے کو جگہ [۱۷۸]

۱۷۳۔ **شرک ناقابل معافی گناہ ہے:** یعنی شرک سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے گا اللہ بخش دے گا مگر شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا مشرک کے لئے عذاب ہی مقرر فرما چکا تو چوری کرنا اور تہمت جھوٹی لگانا اگرچہ گناہ کبیرہ تھے مگر یہ بھی احتمال تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس چور کو بخش دیتا لیکن جب وہ چور رسول کے حکم سے بھاگا اور مشرکوں میں جا ملا تو اب اس کی مغفرت کا احتمال بھی نہ رہا۔ فائدہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک یہی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرے بلکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو پسند کرنا یہ بھی شرک ہے۔

۱۷۴۔ دور جا پڑا اس لئے کہ وہ شخص تو اللہ ہی سے صریح منحرف ہو گیا اور اللہ کے مقابلہ میں دوسرا معبود بنا کر شیطان کا پورا مطیع ہو چکا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رحمت سب سے مستغنی ہو بیٹھا اور جو اتنی دور جا پڑا تو اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے بلکہ ایسے شخص کی مغفرت تو خلاف حکمت ہونی چاہئے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مغفرت سے صاف مایوس فرما دیا گیا اور مسلمان کتنا ہی سخت گنہگار ہو چونکہ اس کی خرابی صرف اعمال تک ہے اس کا عقیدہ اور تعلق اور توقع سب جوں کی توں موجود ہیں اس کی مغفرت ضرور ہو گی جلدی یا دیر کے بعد اللہ جب چاہے گا بخش دے گا۔

۱۷۵۔ **مشرکوں کی جہالت:** یعنی ان مشرکوں نے اللہ کے سوا جو اپنا معبود بنایا تو ان بتوں کو جن کو عورتوں کے نام سے نامزد کر رکھا ہے۔ جیسے

عزیٰ اور مناۃ اور نائلہ وغیرہ اور حقیقۃ الامر دیکھئے تو یہ مشرکین شیطان سرکش ملعون الٰہی کی عبادت کرتے ہیں اسی نے تو بہکا کر ایسا کرایا اور بت پرستی کرنے میں اس کی اطاعت اور اس کی عین خوشی ہے۔ اس سے مشرکین کی پرلے سرے کی ضلالت اور جہالت ظاہر فرمانی مقصود ہے دیکھئے اول تو اللہ کے سوا کسی کو معبود بنانا اس سے بڑھ کر ضلالت کیا ہو سکتی ہے پھر بنایا تو کس کو پتھروں کو جن میں کسی قسم کی حس و حرکت بھی نہیں اور عورتوں کے نام سے موسوم ہیں اور کس کے بتلانے سے شیطان مردود ملعون خداوندی کے بہکانے سے کیا اس ضلالت اور جہالت کی نظیر مل سکتی ہے اور کوئی احمق سے احمق بھی اس کو قبول کر سکتا ہے۔

۱۷۶۔ **شیطان کی انسان دشمنی اور اس کے عزائم:** یعنی جب شیطان سجدہ نہ کرنے پر ملعون اور مردود کیا گیا تو اس نے تو اسی وقت کہا تھا کہ میں تو غارت ہو ہی چکا مگر میں بھی تیرے بندوں اور اولاد آدم میں سے اپنے لئے ایک مقدار معلوم اور بڑا حصہ لوں گا یعنی ان کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں گا جیسا کہ سورہ حجر اور بنی اسرائیل وغیرہ میں مذکور ہے مطب یہ ہوا کہ متمرد اور ملعون ہونے کے علاوہ شیطان تو جملہ بنی آدم کا اول روز سے سخت دشمن اور بدخواہ ہے اور اس دشمنی کو صاف ظاہر کر چکا ہے۔ تو اب یہ احتمال بھی نہ رہا کہ گو شیطان ہر طرح سے خبیث و گمراہ ہے مگر شاید کسی کو خیر خواہانہ کوئی نفع کی بات بتلادے بلکہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دشمن ازلی تو بنی آدم کو جو کچھ بتلائے گا ان کی گمراہی اور بربادی ہی کی بات بتلائے گا پھر ایسے گمراہ اور بدخواہ کی اطاعت کرنی کس قدر جہالت اور نادانی ہے۔ حصہ مقررہ لینے کے ایک معنٰی یہ بھی ہیں کہ تیرے بندے اپنے مال میں میرا حصہ ٹھہرائیں گے جیسا کہ لوگ بت یا جن وغیرہ غیر اللہ کی نذر اور نیاز کرتے ہیں۔

۱۷۷۔ یعنی جو لوگ میرے حصہ میں آئیں گے ان کو طریق حق سے گمراہ کروں گا اور ان کو حیات دنیوی اور خواہشات دنیوی کے حصول کی قیامت اور حساب و کتاب امور اخروی کے نہ ہونے کی آرزو دلاؤں گا اور اس بات کی تعلیم دوں گا کہ جانوروں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر ان کو چھوڑیں گے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو اور اس کی مقرر کی ہوئی باتوں کو بدل ڈالیں گے۔ فائدہ کافروں کا دستور تھا گائے بکری اونٹ کا بچہ بت کے نام کا کر دیتے اور اس کا کان چیر کر یا اس کے کان میں نشانی ڈال کر چھوڑ دیتے اور صورت بدلنا جیسے خوجہ کرنا یا بدن کو سوئی سے گود کر تل بنانا یا نیلا داغ دینا یا بچوں کے سر پر چوٹیاں رکھنی کسی کے نام کی۔ مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا ضرور ہے داڑھی منڈوانا بھی اسی تغیر میں داخل ہے اور اللہ کے جتنے احکام ہیں کسی میں تغیر کرنا بہت سخت بات ہے جو چیز اس نے حلال کر دی اس کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا اسلام سے نکال دیتا ہے تو جو کوئی ان باتوں میں مبتلا ہو اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ میں شیطان کے مقررہ حصہ میں داخل ہوں جس کا ذکر گذرا۔

۱۷۸۔ یعنی جب شیطان کی خباثت و شرارت اور اس کی عداوت کی کیفیت خوب معلوم ہو چکی تو اب اس میں کچھ شک نہ رہا کہ اپنے سچے معبود سے منحرف ہو کر جو کوئی اس کی موافقت کرے گا سخت نقصان میں پڑے گا اس کے تمام وعدے اور امیدیں محض فریب ہیں نتیجہ یہ ہو گا کہ ان سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیۡلًا ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے انکو ہم داخل کریں گے باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہی ہمیشہ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور اللہ سے سچا کون ہے [۱۷۹]

لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ؕ مَنۡ
يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۲۳﴾

١٢٣۔ نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا پاوے گا اور نہ پاوے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ
مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓـئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ
نَقِيۡرًا ﴿۱۲۴﴾

١٢٤۔ اور جو کوئی کام کرے اچھے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور ان کا حق ضائع نہ ہوگا تل بھر[180]

وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ
مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَاتَّخَذَ
اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا ﴿۱۲۵﴾

١٢٥۔ اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک ہی طرف کا تھا اور اللہ نے بنا لیا ابراہیم کو خالص دوست[181]

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ١٨ ع ١١ ١٥

١٢٦۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور سب چیزیں اللہ کے قابو میں ہیں[182]

١٧٩۔ یعنی اور وہ لوگ جو شیطان کی خرابی سے محفوظ ہیں اور ارشاد خداوندی کے موافق ایمان لائے اور اچھے عمل کئے وہ ہمیشہ کے لئے باغ و بہار میں رہیں گے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے جس سے سچی کسی کی بات نہیں ہو سکتی پھر ایسے سچے وعدہ کو چھوڑ کر شیطان کی جھوٹی باتوں میں آنا کس قدر گمراہی اور کتنی بڑی مضرت کو سر پر لینا ہے۔

١٨٠۔ جنت امیدوں سے نہیں عمل سے ملے گی: کتاب والوں یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کو خیال تھا کہ ہم خاص بندے ہیں جن گناہوں پر خلقت پکڑی جائے گی ہم نہ پکڑے جائیں گے ہمارے پیغمبر حمایت کر کے ہم کو بچا لیں گے اور نادان اہل اسلام بھی اپنے حق میں یہی خیال کر لیا کرتے ہیں سو فرما دیا کہ نجات اور ثواب کسی کی امید اور خیال پر موقوف اور منحصر نہیں جو برا کرے گا پکڑا جائے گا کوئی ہو اللہ کے عذاب کے وقت کسی کی حمایت کام نہیں آسکتی اللہ جس کو پکڑے وہی چھوڑے تو چھوڑے دنیا کی مصیبت اور بیماری کو دھیان کر لو اور جو کوئی عمل نیک کرے گا بشرطیکہ ایمان بھی رکھتا ہو سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اپنی نیکیوں کا پورا ثواب پائیں گے خلاصہ یہ کہ ثواب وعقاب کا تعلق

اعمال سے ہے کسی کی امید اور آرزو سے کچھ نہیں ہوتا سو ان امیدوں پر لات مارو اور نیک کاموں میں ہمت کرو۔

۱۸۱۔ ملت ابراہیمی کا اتباع سب سے اچھا دین ہے: پہلے معلوم ہو چکا کہ اللہ کے نزدیک اعمال کا اعتبار ہے بیہودہ آرزو کا کوئی نتیجہ نہیں۔ اہل کتاب وغیرہ سب کے لئے یہی قاعدہ مقرر ہے جس میں اشارہ تھا اہل اسلام یعنی حضرت صحابہ کی تعریف اور فضیلت کی طرف اور اہل کتاب کی مذمت اور برائی کی طرف اب کھول کر فرماتے ہیں کہ دینداری میں ایسے شخص کا مقابلہ کون کر سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم پر سر رکھے ہوئے ہو اور نیک کاموں میں دل سے لگا ہوا ہو اور حضرت ابراہیمؑ کے دین کی سچی پیروی کرتا ہو جو سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو گیا تھا اور اس کو اللہ نے اپنا دوست بنا لیا ظاہر ہے کہ یہ تینوں خوبیاں حضرات صحابہ میں علی وجہ الکمال موجود تھیں نہ اہل کتاب میں اب اس سے اہل کتاب کی وہ آرزو جو پہلے گذری لغو محض اور باطل ہو گئی۔

۱۸۲۔ اللہ کی ملکیت اور قدرت: یعنی زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اس کے بندے اور اس کی مخلوق اور مملوک ہیں اور اس کے قبضہ میں ہیں اپنی رحمت اور حکمت سے جس کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے اس کو کسی کی حاجت نہیں خلیل بنانے سے کوئی دھوکا نہ کھائے اور اہل عالم کے جملہ اعمال خیر و شر کی جزا اور سزا میں تردد نہ کرے۔

وَ یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِیۡہِنَّ ۙ وَ مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ فِیۡ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیۡ لَاتُؤۡ تُوۡنَہُنَّ مَا کُتِبَ لَہُنَّ وَ تَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡکِحُوۡہُنَّ وَ الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الۡوِلۡدَانِ ۙ وَ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ ؕ وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیۡمًا ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ اور حکم ہے ناتوان لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر [۱۸۳] اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ کو معلوم ہے [۱۸۴]

وَ اِنِ امۡرَاَۃٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِہَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَاۤ اَنۡ یُّصۡلِحَا بَیۡنَہُمَا صُلۡحًا ؕ وَ الصُّلۡحُ خَیۡرٌ ؕ وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

۱۲۸۔ اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سو تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کر لیں آپس میں کسی طرح صلح اور صلح خوب چیز ہے [۱۸۵] اور دلوں کے سامنے موجود ہے حرص [۱۸۶] اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیز گاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے [۱۸۷]

خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ
حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا
كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹۔ اور تم ہر گز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک عورت کو جیسے ادھر میں لٹکتی [۱۸۸] اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیز گاری کرتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان [۱۸۹]

وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ
اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اور اگر دونوں جدا ہو جاویں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا کر دے گا اپنی کشائش سے اور اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا ہے [۱۹۰]

۱۸۳۔ یتیم لڑکیوں کے نکاح کا بیان: اس سورت کے اول میں تاکید فرمائی تھی یتیموں کے حق ادا کرنے کی اور فرمایا تھا کہ یتیم لڑکی جس کا والی مثلاً چچا کا بیٹا ہو اگر جانے کہ میں اس کا حق پورا ادا نہ کر سکوں گا تو خود اس لڑکی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دے اور آپ اس کا حمایتی بنا رہے اس پر مسلمانوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا موقوف کر دیا تھا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعضی جگہ لڑکی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کا والی ہی اپنے نکاح میں لائے جیسی رعایت وہ کرے گا غیر نہ کرے گا تب مسلمانوں نے حضرت ﷺ سے نکاح کی اجازت مانگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رخصت مل گئی اور فرمایا کہ وہ جو پہلی ممانعت سنائی گئی تھی وہ خاص اس صورت میں تھی کہ ان کا حق پورا ادا نہ کرو اور یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی اور جو یتیموں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کرنے کے ارادہ سے ایسا نکاح کیا جائے تو اجازت ہے۔ فائدہ عرب والے عورتوں بچوں یتیموں کو بعض حقوق میں محروم رکھتے تھے میراث نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑائی کرے یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ اور مہر میں کمی اور ان کے مال میں بے جا تصرف کرتے تھے چنانچہ اس سورت کے اول میں ان باتوں کی تاکیدات گذر چکیں اب اس موقع پر چند رکوع پہلے سے جو ارشاد چلا آرہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الاتباع حکم الٰہی ہے کسی کی عقل کسی کا دستور کسی کا حکم کسی کی آرزو اور قیاس قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کسی کی بات سننے اور اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا صریح کفر اور گمراہی ہے اور اس مضمون کو طرح طرح سے تاکیدات بلیغہ کے ساتھ ظاہر کر کے دکھلایا ہے اب اس کے بعد آیات سابقہ کا حوالہ دے کر بعضے اور مسائل عورتوں اور یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق بتلائے جاتے ہیں تا کہ ان تاکیدات کے بعد کسی کو عورتوں کے حقوق دینے میں کوئی بات باقی نہ رہے روایت ہے کہ جب عورتوں کے متعلق حضرت ﷺ نے حکم میراث ظاہر فرمایا تو بعض عرب کے سردار آپ کی خدمت میں آئے اور تعجب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہن اور بیٹی کو میراث دلواتے ہیں حالانکہ میراث تو ان کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑیں اور غنیمت کا مال لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک حق تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ ان کو میراث

دی جائے۔ نیز اشارہ ہے اس طرف کہ وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ کے مصداق حضرات صحابہؓ ہیں کہ نکاح مہر نفقہ معاملات میں اپنے زیر دستوں کی اصلا پروا نہیں کرتے یہی حکم الٰہی کی مخالفت کے احتمال سے بھی پرہیز کرتے ہیں جو کرتے ہیں صاف اجازت لینے کے بعد کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۸۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری ذرہ ذرہ بھلائی معلوم ہے سو یتیموں اور عورتوں کے حق میں جو بھلائی کرو گے اس کا ثواب ضرور پاؤ گے۔

۱۸۵۔ زوجین کے درمیان صلح کا بیان: یعنی اگر کوئی عورت خاوند کا دل اپنے سے پھرا دیکھے اور اس کو خوش اور متوجہ کرنے کو اپنے مہر یا نفقہ وغیرہ سے کچھ چھوڑ کر اس کو راضی کرلے تو اس مصالحت میں کسی کے ذمے کچھ گناہ نہیں زوجین میں مصالحت اور موافقت بہت ہی اچھی بات ہے البتہ بے وجہ عورت کو تنگ کرنا اور بلا رضا اس کے مال میں تصرف کرنا گناہ ہے۔

۱۸۶۔ یعنی اپنے نفع اور مال کی حرص اور بخیلی ہر ایک کے جی میں گھسی ہوئی ہے سو نظر بر مصلحت اگر عورت مرد کو کچھ نفع پہنچائے گی تو مرد خوش ہو جائے گا۔

۱۸۷۔ یعنی اگر عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو گے اور بد سلوکی اور لڑائی سے پرہیز رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تو تمہاری سب باتوں سے خبر دار ہے اس نیکی کا ثواب ضرور عنایت کرے گا ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ اعراض اور ناخوشی کی نوبت آئے گی اور نہ راضی کرنے اور اپنے کسی حق کو چھوڑنے کی ضرورت ہو گی۔

۱۸۸۔ بیویوں کے درمیان مساوات: یعنی اگر کئی عورتیں نکاح میں ہوں تو یہ تو تم سے نہ ہو سکے گا کہ محبت قلبی اور ہر ہر امر میں بالکل مساوات اور برابری رکھو مگر ایسا ظلم بھی نہ کرو کہ ایک کی طرف تو بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو درمیان میں لٹکتی رکھو نہ خود ہی آرام سے رکھو نہ بالکل علیحدہ ہی کرو جو دوسرے سے نکاح کر سکے۔

۱۸۹۔ یعنی اگر اصلاح اور مصالحت کا معاملہ کرو گے اور تعدی اور حق تلفی سے تابمقدور بچتے رہو گے تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔

۱۹۰۔ زوجین میں جدائی: یعنی اگر زوجین جدائی ہی کو پسند کریں اور طلاق کی نوبت آئے تو کچھ حرج نہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک کا کارساز ہے اور سب کی حاجات کا پورا کرنے والا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ زوجہ کو راحت سے رکھے اور ایذا نہ دے اور اس پر قادر نہ ہو تو پھر طلاق دے دینا مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ لَقَدۡ وَصَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیۡدًا ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہم نے حکم دیا ہے پہلے کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ ہے بے پرواسب خوبیوں والا

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز [۱۹۱]

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ اگر چاہے تو تم کو دور کر دے اے لوگو اور لے آئے اور لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے [۱۹۲]

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

۱۳۴۔ جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا [۱۹۳] اور اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے [۱۹۴]

۱۹ ع ۸ ۱۶

۱۹۱۔ اوپر سے ترغیب و ترہیب کا ذکر چلا آتا تھا یعنی حکم خداوندی کی اطاعت کرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا سب کو ضرور ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کی طرف کان رکھنا ہرگز جائز نہیں بیچ میں چند حکم یتیموں اور عورتوں کے متعلق جن میں لوگ مبتلا تھے بیان فرما کر پھر اسی ترغیب و ترہیب کا بیان ہے ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو یہ حکم سنا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی نہ کرو تو اب اگر کوئی اس کے حکم کو نہ مانے تو وہ سب چیزوں کا مالک ہے اس کو کسی کی پروا نہیں یعنی اپنا ہی کچھ بگاڑے گا اس کا کچھ نقصان نہیں اور فرمانبرداری کرو گے تو سمجھ لو کہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ تمہارے سب کام بنا سکتا ہے۔ تین دفعہ فرمایا کہ اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اول سے کشائش اور وسعت مقصود ہے کہ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں دوسری سے بے نیازی اور بے پروائی کا بیان مقصود ہے کہ اس کو کسی کی پروا نہیں اگر تم منکر ہو۔ تیسری دفعہ میں رحمت اور کارسازی کا اظہار ہے بشرطیکہ تقویٰ کرو۔

۱۹۲۔ اللہ چاہے تو تمہاری جگہ دوسرے لوگ پیدا کر دے: یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور دنیا سے اٹھا لے اور دوسرے لوگ مطیع و فرمانبردار پیدا کر دے اس سے بھی حق تعالیٰ کا استغنا اور بے نیازی خوب ظاہر ہو گئی اور نافرمانوں کو پوری تہدید اور تخویف بھی ہو گئی۔

۱۹۳۔ یعنی اگر اس کی تابعداری کرو تو تم کو دنیا بھی دے اور آخرت بھی پھر صرف دنیا کے پیچھے پڑنا اور اس کی نافرمانی کر کے آخرت سے محروم رہنا بڑی نادانی ہے۔

۱۹۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام دیکھتا ہے اور سب باتیں سنتا ہے۔ جس کے طالب ہو گے وہی ملے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی

۱۳۵۔ اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا [۱۹۵] اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں [۱۹۶] اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ

بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ
تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے[۱۹۷]

۱۹۵۔ سچی گواہی کی تاکید: یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہئے اگرچہ اس میں تمہارا یا تمہارے کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو جو حق ہو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہئے دنیوی نفع کے لئے آخرت کا نقصان نہ لو۔

۱۹۶۔ یعنی سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ بیٹھو جو حق ہو سو کہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح سے واقف ہے اور اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔

۱۹۷۔ زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی مگر زبان داب کر اور پیچ سے کہ سننے والے کو شبہ پڑ جائے یعنی صاف صاف سچ نہ بولا اور بچا جانا یہ کہ پوری بات نہ کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھ لی سو ان دونوں صورتوں میں گو جھوٹ تو نہیں بولا مگر بوجہ عدم اظہار حق گنہگار ہو گا۔ گواہی سچی اور صاف اور پوری دینی چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ
الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ
اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ
كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ
بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا[۱۹۸]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا
ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا
لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے ان کو راہ[۱۹۹]

۱۹۸۔ ارکان ایمان: یعنی جو اسلام قبول کرے اس کو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں پر دل سے یقین لائے اس کے ارشادات میں سے اگر کسی ایک ارشاد پر بھی یقین نہ لائے گا تو وہ مسلمان نہیں صرف ظاہری اور زبانی بات کا اعتبار نہیں۔

۱۹۹۔ منافقین و یہود کی گمراہی: یعنی ظاہر میں تو مسلمان ہوئے اور دل میں مذبذب رہے اور آخر کو بے یقین لائے ہی مر گئے ان کو نجات کا رستہ

نہیں ملے گا وہ کافر ہیں۔ ظاہر کی مسلمانی کچھ کام نہ آئے گی۔ اس سے مراد منافقین ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کی شان میں ہے کہ اول ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کر کے کافر ہو گئے پھر توبہ کر کے مومن ہوئے پھر عیسیٰؑ کے منکر ہو کر کافر ہوئے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًاۙ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ خوشخبری سنادے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے عذاب دردناک

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈھتے ہیں ان کے پاس عزت سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری[۲۰۰]

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَاۙ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۰۔ اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ[۲۰۱]

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۧ ﴿۱۴۱﴾ ع ۲۰ ۱۷

۱۴۱۔ وہ منافق جو تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر تم کو فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر نصیب ہو کافروں کو تو کہیں کیا ہم نے گھیر نہ لیا تھا تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے[۲۰۲] سو اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ[۲۰۳]

۲۰۰۔ یعنی منافق لوگ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا یہ خیال کہ کافروں کے پاس بیٹھ کر ہم کو دنیا میں عزت ملے گی بالکل غلط ہے سب عزت اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اس کو عزت ملے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں ذلیل وخوار ہوں گے۔

۲۰۱۔ اسلام کا مذاق اڑانے والوں کی مجالس میں نہ بیٹھو: یعنی اے مسلمانو خدا تعالیٰ پہلے قرآن شریف میں تم پر حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں احکام خداوندی کا انکار اور تمسخر کیا جاتا ہو وہاں ہر گز نہ بیٹھو ورنہ تم بھی ویسے ہی سمجھے جاؤ گے البتہ جس وقت دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو اس وقت ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔ منافقوں کی مجالس میں آیات واحکام الٰہی پر انکار واستہزاء ہوتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ جو فرمایا کہ حکم اتار چکا تم پر یہ اشارہ ہے آیت وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (الانعام۔۶۸) الیٰ آخرہ کی طرف جو پہلے نازل ہو چکی تھی۔ فائدہ اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سنے اور پھر انہی میں بیٹھا سنا کرے اگرچہ آپ کچھ نہ کہے وہ منافق ہے۔

۲۰۲۔ یعنی یہ منافق وہ ہیں جو برابر تمہاری تاک اور انتظار میں لگے رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح ہو تو تم سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں مال غنیمت میں ہم کو بھی شریک کرو اور اگر کافروں کو لڑائی میں کچھ حصہ مل گیا یعنی وہ غالب ہوئے تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہ لیا تھا اور تمہاری حفاظت نہیں کی اور ہم نے کیا تم کو مسلمانوں کے ضرر سے نہیں بچایا۔ لوٹ میں ہم کو بھی حصہ دو۔ فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ دین حق پر ہو کر گمراہوں سے بھی بنائے رکھنا یہ بھی نفاق کی بات ہے۔

۲۰۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں حکم فیصل فرمادے گا کہ تم کو جنت دے گا اور ان کو جہنم میں ڈالے گا۔ دنیا میں جو کچھ ان سے ہو سکے کر دیکھیں مگر اہل ایمان کی بیخ کنی ہر گز نہ کر سکیں گے جو انکی دلی تمنا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا[۲۰۴] اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے لوگوں کے دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا[۲۰۵]

مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖۗ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾

۱۴۳۔ ادھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف اور نہ اُن کی طرف اور جس کو گمراہ کرے اللہ تو ہر گز نہ پاوے گا تو اسکے واسطے کہیں راہ[۲۰۶]

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾

۱۴۴۔ اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح

۲۰۴۔ منافقین کی علامات: یعنی دل سے کافر ہیں اور ظاہر میں مسلمان تاکہ دونوں طرف کی مضرت اور ایذا سے محفوظ رہیں اور دونوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں حق تعالیٰ نے ان کی اس دغابازی کی یہ سزا دی کہ ان کی تمام شرارتوں اور مخفی خباثتوں کو اپنے نبی پر ظاہر فرما کر ایسا ذلیل کیا کہ کسی قابل نہ رہے اور سب دغابازی مسلمانوں پر کھل گئی اور آخرت میں جو اس کی سزا ملے گی وہ بھی ظاہر فرما دی چنانچہ آیات آئندہ میں ذکر آتا ہے خلاصہ یہ کہ ان کی دھوکہ بازی سے تو کچھ نہ ہوا اور اللہ نے ان کو ایسا دھوکہ میں ڈالا کہ دنیا و آخرت دونوں غارت ہوئیں۔

۲۰۵۔ یعنی نماز جو نہایت ضروری اور خالص عبادت ہے اس کے ادا کرنے میں جانی مالی کسی مضرت کا بھی اندیشہ نہیں منافق لوگ اس سے بھی جان چراتے ہیں بمجبوری لوگوں کے دکھانے کو اور دھوکہ دینے کو پڑھ لیتے ہیں کہ ان کے کفر کی کسی کو اطلاع نہ ہو اور مسلمان سمجھے جاویں پھر ایسوں سے اور کسی بات کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور وہ کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں۔

۲۰۶۔ یعنی منافقین تو بالکل تردد اور حیرت میں گرفتار ہیں نہ ان کو اسلام پر اطمینان ہے نہ کفر پر سخت پریشانی میں مبتلا ہیں کبھی ایک طرف جھکتے ہیں کبھی دوسری طرف اور اللہ جو بھٹکانا اور گمراہ کرنا چاہے اس کو نجات کا راستہ کہاں مل سکتا ہے۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ لَہُمۡ نَصِیۡرًا ﴿۱۴۵﴾ۙ	۱۴۵۔ بیشک منافق ہیں سب سے نیچے درجہ میں دوزخ کے اور ہرگز نہ پاوے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار[۲۰۷]
اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ اعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰہِ وَ اَخۡلَصُوۡا دِیۡنَہُمۡ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ وَ سَوۡفَ یُؤۡتِ اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۴۶﴾	۱۴۶۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم بردار ہوئے اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب[۲۰۸]
مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَ اٰمَنۡتُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیۡمًا ﴿۱۴۷﴾	۱۴۷۔ کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو اور اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا[۲۰۹]

۲۰۷۔ کافروں سے دوستی کی ممانعت: یعنی مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا دلیل ہے نفاق کی جیسا کہ منافقین کرتے ہیں۔ سو تم اے مسلمانو ایسا ہرگز مت کرنا ورنہ خداوند تعالیٰ کا صریح الزام اور پوری حجت تم پر قائم ہو جائے گی کہ تم بھی منافق ہو اور منافقوں کے لئے دوزخ کا سب سے نیچا طبقہ مقرر ہے اور کوئی ان کا مددگار بھی نہیں ہو سکتا کہ اس طبقہ سے ان کو نکالے یا عذاب میں کچھ تخفیف کرا دے مسلمانوں کو ایسی بات سے دور رہنا چاہئے۔

۲۰۸۔ نفاق سے توبہ کرنے والے: یعنی جو منافق اپنے نفاق سے توبہ کرے اور اپنے اعمال کی درستی کرے اور اللہ کے پسندیدہ دین کو مضبوط پکڑ لے اور اللہ پر توکل کرے اور ریا وغیرہ خرابیوں سے دین کو پاک وصاف رکھے تو وہ خالص مسلمان ہے دین و دنیا میں ایمان والوں کے ساتھ ہو گا اور ایمان والوں کو بڑا ثواب ملنے والا ہے ان کے ساتھ ان کو بھی ملے گا جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کی۔

٢٠٩۔ یعنی اللہ تعالیٰ نیک کاموں کا قدردان ہے اور بندوں کی سب باتوں کو خوب جانتا ہے سو جو شخص اس کے حکم کو مومنیت اور شکر گذاری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اللہ عادل رحیم کو ایسے شخص پر عذاب کرنے سے کوئی تعلق نہیں یعنی ایسے شخص کو ہر گز عذاب نہ دے گا وہ تو سرکش اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ
ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾

١٤٨۔ اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا[٢١٠]

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾

١٤٩۔ اگر تم کھول کر کرو کوئی بھلائی یا اسکو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو تو اللہ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے[٢١١]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ
اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ
بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا
بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ ﴿١٥٠﴾

١٥٠۔ جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اسکے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اسکے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾

١٥١۔ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب[٢١٢]

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ
٢١ ع ١١ ١ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۧ ﴿١٥٢﴾

١٥٢۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دے گا انکے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان[٢١٣]

٢١٠۔ کسی کی برائی مشہور نہ کرو: یعنی اگر کسی میں دین یا دنیا کا عیب معلوم ہو تو اس کو مشہور نہ کرنا چاہئے خدا تعالیٰ سب کی بات سنتا ہے اور سب

کے کام کو جانتا ہے ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اسی کو غیبت کہتے ہیں البتہ مظلوم کو رخصت ہے کہ ظالم کا ظلم لوگوں سے بیان کرے ایسے ہی بعضی اور صورتوں میں بھی غیبت روا ہے اور یہ حکم شاید اس لئے فرمایا کہ مسلمان کو چاہئے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اس کو بدنام نہ کرے اس میں وہ بگڑ کر شاید بے باک ہو جائے بلکہ مبہم نصیحت کرے منافق آپ سمجھ لے گا یا تنہائی میں نصیحت کرے اس طرح شاید ہدایت قبول کرلے چنانچہ حضرت ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے کسی کا نام لے کر مشہور نہیں فرماتے تھے۔

۲۱۱۔ برائی کو معاف کرنا بہتر ہے: اس آیت میں مظلوم کو معافی کی رغبت دلانی منظور ہے کہ حق تعالیٰ زبردست اور قدرت والا ہو کر خطاوالوں کی خطا بخشتا ہے بندۂ زیر دست عاجز کو بطریق اولی دوسروں کا قصور معاف کر دینا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مظلوم کو ظالم سے بدلا لینا جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ صبر کرے اور بخش دے۔ آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو ان کی ایذا اور شرارت پر صبر کرو اور نرمی اور پردہ سے ان کو سمجھاؤ ظاہر کی طعن اور لعن سے بچو اور کھلا مخالف مت بناؤ۔

۲۱۲۔ یہودی اصل کافر ہیں: یہاں سے ذکر ہے یہود کا چونکہ یہود میں نفاق کا مضمون بہت تھا اور آپ کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ یہود تھے یا یہودیوں سے ربط اور محبت رکھنے والے اور ان کے مشورہ پر چلنے والے تھے اس لئے قرآن شریف میں اکثر ان دونوں فریق کا ذکر اکٹھا فرمایا ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسولوں سے منکر ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں یعنی اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتے اور بعض رسولوں کو تو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے بیچ میں ایک نیا مذہب اپنے لئے نکالیں ایسے ہی لوگ اصل اور ٹھیٹ کافر ہیں ان کے لئے خواری اور ذلت کا عذاب تیار ہے۔ فائدہ اللہ کا ماننا جبھی معتبر ہے کہ اپنے زمانہ کے پیغمبر کی تصدیق کرے اور اس کا حکم مانے بدون تصدیق نبی کے اللہ کا ماننا غلط ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ ایک نبی کی تکذیب اللہ کی اور تمام رسولوں کی تکذیب سمجھی جاتی ہے یہود نے جب رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی تو حق تعالیٰ اور تمام انبیاء کی تکذیب کرنے والے قرار دیے گئے اور کٹر کافر سمجھے گئے۔

۲۱۳۔ جو تمام انبیاء کو مانتے ہیں ان کا انعام: یعنی اور جن لوگوں نے کسی نبی کو جدا نہیں کیا بلکہ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو بڑے ثواب عطا فرمائے گا اس سے مراد مسلمان ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور سب پر ایمان لائے۔

يَسۡـَٔلُكَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَيۡهِمۡ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰٓى اَكۡبَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ‌ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ‌ ۚ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہل کتاب کہ تو ان پر اتار لاوے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بھی بڑی چیز اور کہا ہم کو دکھا دے اللہ کو بالکل سامنے سو آ پڑی ان پر بجلی انکے گناہ کے باعث پھر بنا لیا بچھڑے کو بہت کچھ نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا [۲۱۴] اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح [۲۱۵]

وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَ قُلۡنَا لَهُمُ
ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِى
السَّبۡتِ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾

۱۵۴۔ اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ قرار لینے کے واسطے[۲۱۶] اور ہم نے کہا داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے[۲۱۷] اور ہم نے کہا کہ زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن میں اور ہم نے ان سے لیا قول مضبوط[۲۱۸]

۲۱۴۔ یہودیوں کا گستاخانہ مطالبہ: یہودیوں کے چند سردار آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر تم سچے پیغمبر ہو تو ایک کتاب لکھی لکھائی یکبارگی آسمان سے لادو جیسے کہ حضرت موسٰیؑ توریت لائے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس تمام رکوع میں الزامات کو ان کے جواب میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد تحقیقی جواب دیا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محمد ﷺ یہودی جو تم سے عناداً ایسی کتاب طلب کرتے ہیں ان کی یہ بیباکی اور سرکشی تعجب کی بات نہیں ان کے بزرگوں نے تو اس سے بھی بڑی اور سخت بات اپنے نبی موسٰیؑ سے طلب کی تھی کہ خداوند تعالیٰ کو آشکارا ہم کو دکھا دو ورنہ ہم تمہارا یقین نہ کریں گے جیسا کہ سورہ بقرہ میں گذرا اس پر یہ ہوا کہ ان کہنے والوں پر بجلی آپڑی اور سب مر گئے پھر حق تعالیٰ نے حضرت موسٰیؑ کی دعا سے ان کو زندہ کر دیا۔ ایسی عظیم الشان نشانیاں دیکھ کر پھر یہ کیا کہ بچھڑے کو پوجنے لگے بالآخر حق تعالیٰ نے اس سے بھی درگذر فرمائی سورہ بقرہ میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے۔

۲۱۵۔ غلبہ یہ کہ حضرت موسٰیؑ نے اس بچھڑے کو تو ذبح کر کے آگ میں جلا دیا اور اس کی راکھ ہوا میں دریا پر اڑا دی اور ستر ہزار آدمی بچھڑے کو سجدہ کرنے والے قتل کئے گئے۔

۲۱۶۔ رفع طور: یعنی جب یہود نے کہا تھا کہ توریت کے حکم سخت ہیں ہم نہیں مانتے تو اس وقت کوہ طور کو زمین سے اٹھا کر ان کے سروں پر معلق قائم کر دیا تھا کہ ان حکموں کو قبول کرو اور مضبوطی سے پکڑو ورنہ پہاڑ ڈالا جاتا ہے۔

۲۱۷۔ یہود کی نافرمانیاں: یہود کو حکم ہوا تھا کہ شہر میں داخل ہو سجدہ کر کے اور سر جھکائے ہوئے انہوں نے سجدہ کے بدلے سرین پر سرکنا اور پھسلنا شروع کیا۔ جب شہر میں پہنچے تو ان پر طاعون پڑا دوپہر میں قریب ستر ہزار کے مر گئے۔

۲۱۸۔ حرمت سبت: یہودیوں کو حکم تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کریں اور سب دنوں سے زیادہ ہفتہ ہی کے دن مچھلیاں دریا میں بکثرت نظر آتیں یہودیوں نے یہ حیلہ کیا کہ دریا کے پاس حوض بنائے ہفتہ کے دن جب مچھلیاں دریا سے حوضوں میں آتیں تو ان کو بند کر رکھتے پھر دوسرے دن حوضوں سے شکار کرتے اس فریب اور عہد شکنی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر کر دیا جو جانوروں میں بہت خسیس اور مکار ہے۔

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَ كُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ
قَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّ قَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا
غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا
يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۖ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ ان کو جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے مہر کر دی انکے دل پر کفر کے سبب سو ایمان نہیں لاتے مگر کم[۲۱۹]

وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ۙ﴿۱۵۶﴾
وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ
رَسُوۡلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ
شُبِّهَ لَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ
مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا
قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۙ﴿۱۵۷﴾
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۵۸﴾
وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ۚ
وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ۚ﴿۱۵۹﴾

۱۵۶۔ اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر

۱۵۷۔ اور انکے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسٰی مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا[۲۲۰] اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا و لیکن وہی صورت بن گئی انکے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بیشک

۱۵۸۔ بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا[۲۲۱]

۱۵۹۔ اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو عیسٰی پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہو گا ان پر گواہ[۲۲۲]

۲۱۹۔ یہودیوں کے دلوں پر مہر ہے: یعنی یہود نے اس عہد کو توڑ دیا تو حق تعالیٰ نے ان کی اس عہد شکنی پر اور آیات الٰہی سے منکر ہونے پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہمارے دل تو غلاف میں ہیں ان پر سخت سخت عذاب مسلط فرمائے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو ہدایت کی تو کہنے لگے ہمارے دل پردہ میں ہیں تمہاری بات وہاں تک پہنچ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بات نہیں بلکہ کفر کے سبب ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے جس کے باعث ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا مگر تھوڑے لوگ اس سے مستثنٰی ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی۔

۲۲۰۔ یعنی نیز اس وجہ سے کہ حضرت عیسٰیؑ سے منکر ہو کر دوسرا کفر کمایا اور حضرت مریم پر طوفان عظیم باندھا اور ان کے اس قول پر کہ فخر سے کہتے تھے، ہم نے مار ڈالا عیسٰیؑ مریم کے بیٹے کو جو رسول اللہ تھا ان تمام وجوہ سے یہود پر عذاب اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔

۲۲۱۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو پھانسی نہیں دی گئی: اللہ تعالیٰ ان کے قول کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہودیوں نے نہ عیسٰیؑ کو قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا یہود جو مختلف باتیں اس بارہ میں کہتے ہیں اپنی اپنی اٹکل سے کہتے ہیں اللہ نے ان کو شبہ میں ڈال دیا۔ خبر کسی کو بھی نہیں۔

حضرت عیسٰیؑ آسمان پر اٹھا لئے گئے: واقعی بات یہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے قصہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا حق تعالیٰ نے ان کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیحؑ کی صورت کے مشابہ کر دی جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیحؑ سمجھ کر قتل کر دیا پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیحؑ کے چہرہ کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا کہ یہ

مقتول مسیحؑ ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور ہمارا آدمی ہے تو مسیحؑ کہاں ہے اب صرف اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا علم کسی کو بھی نہیں حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ نے اٹھالیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا۔

۲۲۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں: حضرت عیسیٰؑ زندہ موجود ہیں آسمان پر۔ جب دجال پیدا ہوگا تب اس جہان میں تشریف لا کر اسے قتل کریں گے اور یہود اور نصاریٰ ان پر ایمان لائیں گے کہ بیشک عیسیٰؑ زندہ ہیں مرے نہ تھے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ ان کے حالات اور اعمال کو ظاہر کریں گے کہ یہود نے میری تکذیب اور مخالفت کی اور نصاریٰ نے مجھ کو خدا کا بیٹا کہا۔

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ﴿۱۶۰﴾

۱۶۰۔ سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سے پاک چیزیں جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے اور ان کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو ان میں ہیں عذاب دردناک [۲۲۳]

۲۲۳۔ شریعت موسوی کی سختی کی وجہ: یہود کی اگلی پچھلی سخت سخت شرارتیں ذکر فرما کر جس سے ان کی سرکشی اور ان کا گناہوں پر دلیر ہونا ظاہر ہو گیا اب فرماتے ہیں کہ اسی واسطے ہم نے ان پر شریعت بھی سخت رکھی کہ ان کی سرکشی ٹوٹے تو اب یہ شبہ نہ رہا کہ تحریم طیبات تو ان پر توریت میں کی گئی تھی اور حضرت عیسیٰؑ سے مخالفت کرنا اور حضرت مریمؑ پر تہمت لگانا نزول توریت کے بہت بعد میں ہوا تو سزا جرم سے مقدم کیسے ہو گئی۔ اس تمام رکوع کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ سے اہل کتاب برابر ایک سے ایک زائد شرارت اور نافرمانی اور عہد شکنی اور حضرات انبیاء کو ایذا رسانی کرتے چلے آئے ہیں اب اگر اے محمد رسول اللہ ﷺ تم سے عناداً توریت جیسی کتاب دفعۃً واحدۃً طلب کریں اور قرآن شریف جو سب کتابوں سے افضل ہے اس پر کفایت نہ کریں تو ان متعصب نالائقوں سے کیا مستبعد ہے ان کی اس قسم کی ناشائستہ حرکات سے تعجب مت کرو اور متحیر نہ ہو ان کی تمام حرکات چھوٹی بڑی اگلی پچھلی ہم کو خوب معلوم ہیں ہم نے بھی شریعت سخت ان کے لئے دنیا میں رکھی اور آخرت میں عذاب شدید ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

۱۶۲۔ لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں اور ایمان والے سو مانتے ہیں اسکو جو نازل ہوا تجھ پر اور جو نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آفریں ہے نماز پر قائم رہنے والوں کو اور جو دینے والے ہیں زکوٰۃ کے اور یقین رکھنے والے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو ایسوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب [۲۲۴]

ع ۲۲ ۲

سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٦٢﴾ ع

۲۲۴۔ یہود مومنین کا تذکرہ: یعنی بنی اسرائیل میں جن کا علم مضبوط ہے جیسے عبد اللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی اور جو لوگ کہ صاحب ایمان ہیں وہ مانتے ہیں قرآن اور توریت و انجیل سب کو اور نماز کو قائم رکھنے والوں کا تو کیا کہنا ہے اور دینے والے زکوٰۃ کے اور ایمان رکھنے والے اللہ پر اور قیامت پر ایسے لوگوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب بخلاف اول فریق کے کہ ان کے لئے عذاب سخت موجود ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ
بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ
وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ
وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ ج

۱۶۳۔ ہم نے وحی بھیجی تیری طرف[۲۲۵] جیسے وحی بھیجی نوح پر اور ان نبیوں پر جو اسکے بعد ہوئے[۲۲۶] اور وحی بھیجی ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اسکی اولاد پر اور عیسٰی پر اور ایوب پر اور یونس پر اور ہارون پر اور سلیمان پر اور ہم نے دی داؤد کو زبور

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ
نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ ج

۱۶۴۔ اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے سنایا تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسٰی سے بول کر[۲۲۷]

رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ
عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

۱۶۵۔ بھیجے پیغمبر خوشخبری اور ڈر سنانے والے تا کہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست ہے حکمت والا[۲۲۸]

لَّٰكِنِ ٱللَّهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ۖ ج
وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ ط

۱۶۶۔ لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ پر نازل یا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور اللہ کافی ہے حق ظاہر کرنے والا[۲۲۹]

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَصَدُّوا۟ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ قَدْ
ضَلُّوا۟ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾

۱۶۷۔ جو لوگ کافر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک کر دور جا پڑے

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَظَلَمُوۡا لَمۡ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَـغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِيَـهۡدِيَهُمۡ طَرِيۡقًا ۱٦۸

۱٦۸۔ جو لوگ کافر ہوئے اور حق دبا رکھا ہر گز اللہ بخشنے والا نہیں ان کو اور نہ دکھلا دے گا ان کو سیدھی راہ

اِلَّا طَرِيۡقَ جَهَـنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ۱٦۹

۱٦۹۔ مگر راہ دوزخ کی رہا کریں اس میں ہمیشہ اور یہ اللہ پر آسان ہے [۲۳۰]

۲۲۵۔ وحی کی عظمت واہمیت: اہل کتاب اور مشرکین مکہ جملہ کفار قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت میں طرح طرح سے بیہودہ شبہ پیدا کرتے دیکھئے اس موقع میں یہی کہدیا کہ جیسے توریت سب کی سب ایک دفعہ اتری تھی ایسے ہی تم بھی ایک کتاب آسمان سے لا دو تو ہم تم کو سچا جانیں بقول شخصے خوئے بدرا بہانہ بسیار سو حق تعالیٰ نے اس جگہ چند آیتیں نازل فرما کر اس کی حقیقت واضح کر دی اور وحی کی عظمت اور کفار کے سب خیالات اور شبہات بیہودہ کو رد کر دیا اور وحی الٰہی کی متابعت کو عامۃً اور قرآن مجید کی اطاعت کو تخصیص کے ساتھ بیان فرما کر بتلا دیا کہ حکم الٰہی کا ماننا سب پر فرض ہے۔ کسی کا کوئی عذر اس میں نہیں چل سکتا جو اس کے تسلیم کرنے میں تردد یا تامل یا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے اب یہاں سے تحقیقی جواب دیا جاتا ہے۔

۲۲٦۔ انبیائے سابقین اور ان کا پیغام: اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی خاص اللہ کا حکم اور اس کا پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے اور انبیائے سابقین پر جیسے وحی الٰہی نازل ہوئی ویسے ہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہئے اور جس نے اس کا انکار کیا گویا ان سب کا منکر ہو گیا اور حضرت نوحؑ اور ان سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے وقت سے جو وحی شرع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی۔ حضرت نوحؑ پر اس کی تکمیل ہو گئی گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے چنانچہ انبیائے اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوحؑ سے ہی شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوحؑ کے وقت سے شروع ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے حکم الٰہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کو معذور سمجھ کر ان کو ڈھیل دی جاتی تھی اور سمجھانے ہی میں کوشش کی جاتی تھی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا۔ اول حضرت نوحؑ کے زمانہ میں طوفان آیا اس کے بعد حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت شعیبؑ وغیرہ کے زمانہ میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ کی وحی کو حضرت نوحؑ اور ان سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کر دی گئی کہ جو آپ کی وحی یعنی قرآن کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہو گا۔

۲۲۷۔ وحی کی مختلف صورتیں: حضرت نوحؑ کے بعد جو انبیاء ہوئے ان سب کو بالاجمال ذکر فرما کر جو ان میں اولوالعزم ہیں اور جو مشہور اور جلیل القدر ہیں ان کو تخصیص اور تفصیل کے ساتھ ذکر فرما دیا جس سے خوب معلوم ہو گیا کہ آپ کے اوپر جو وحی نازل ہوئی اس کا حق ہونا اور اس کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا تمام اولوالعزم اور مشاہیر انبیاء کی وحی کو اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انبیاء پر جو وحی آتی ہے کبھی فرشتہ پیغام لے کر آتا ہے کبھی کتاب لکھی ہوئی مل جاتی ہے کبھی بغیر پیغام اور بدون واسطہ کے خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بات کرتا ہے مگر ان سب صورتوں میں چونکہ وہ اللہ کا ہی حکم ہے کسی دوسرے کا حکم نہیں تو بندوں پر اس کی اطاعت یکساں فرض ہے بندوں تک پہنچنے کا طریقہ تحریر ہو خواہ تقریر

ہو خواہ پیغام ہو تو اب یہود کا یہ کہنا کہ توریت کی طرح پوری کتاب ایک دفعہ آسمان سے لاؤ گے تو ہم تم کو سچا جانیں گے ورنہ نہیں کتنی بے ایمانی اور حماقت ہے جب وحی حکم الٰہی ہے اور اس کے نازل ہونے کی صورتیں البتہ متعدد ہیں تو پھر کسی صورت میں آوے اس کے ماننے میں تردد اور انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فلاں خاص طریقہ سے آئے گی تو مانوں گا ورنہ نہیں صریح کفر ہے اور کھلی حماقت۔

۲۲۸۔ تمام پیغمبر اللہ کی حجت ہیں: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو برابر بھیجا کہ مومنین کو خوشخبری سنائیں اور کافروں کو ڈرائیں تا کہ لوگوں کو قیامت کے دن اس عذر کی جگہ نہ رہے کہ ہم کو تیری مرضی اور غیر مرضی معلوم نہ تھی معلوم ہوتی تو ضرور اس پر چلتے سو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو معجزے دے کر بھیجا اور پیغمبروں نے راہ حق بتلائی تو اب دین حق کے قبول نہ کرنے میں کسی کا کوئی عذر نہیں سنا جا سکتا۔ وحی الٰہی ایسی قطعی حجت ہے کہ اس کے روبرو کوئی حجت نہیں چل سکتی بلکہ سب حجتیں قطع ہو جاتی ہیں اور یہ اللہ کی حکمت اور تدبیر ہے اور زبردستی کرے تو کون روک سکتا ہے مگر اس کو پسند نہیں۔

۲۲۹۔ قرآن کریم کی عظمت: یعنی وحی ہر پیغمبر کو آتی رہی یہ کچھ نئی بات نہیں سب کو معلوم ہے لیکن اس قرآن میں اللہ نے اپنا خاص علم اتارا اور اللہ اس حق کو ظاہر کر دے گا چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو علوم اور حقائق قرآن مجید میں سے حاصل ہوئے اور برابر حاصل ہوتے رہیں گے وہ کسی کتاب سے نہیں ہوئے اور جس قدر ہدایت لوگوں کو حضرت ﷺ سے ہوئی اور کسی سے نہیں ہوئی۔

۲۳۰۔ قرآن مجید اور حضرت پیغمبر ﷺ کی تصدیق اور توثیق کے بعد فرماتے ہیں کہ اب جو لوگ آپ سے منکر ہوئے اور توریت میں جو آپ کے اوصاف اور حالات موجود تھے ان کو چھپا لیا اور لوگوں پر کچھ کا کچھ ظاہر کر کے ان کو بھی دین حق سے باز رکھا سو ایسوں کو نہ مغفرت نصیب ہو نہ ہدایت جس سے خوب واضح ہو گیا کہ ہدایت آپ کی متابعت میں منحصر ہے اور گمراہی آپ کی مخالفت کا نام ہے جس سے یہود کو پوری سرزنش ہو گئی اور ان کے خیالات کی تغلیط واضح ہو گئی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰۔ اے لوگو تمہارے پاس رسول آ چکا ٹھیک بات لیکر تمہارے رب کی سو مان لو تا کہ بھلا ہو تمہارا اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا [۲۳۱]

۲۳۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل بنی نوع انسان کے نبی ہیں: آپ کی اور آپ کی کتاب کی تصدیق اور آپ کے مخالفین یعنی اہل کتاب کی تغلیط اور تضلیل بیان فرما کر اب عام سب لوگوں کو منادی کی جاتی ہے کہ اے لوگو ہمارا رسول سچی کتاب اور سچا دین لے کر تمہارے پاس پہنچ چکا اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اس کی بات مانو اور نہ مانو گے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور تمہارے احوال اور افعال سے خبردار ہے تمہارے اعمال کا پورا حساب و کتاب ہو کر اس کا بدلہ ملے گا۔ فائدہ اس ارشاد سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ وحی جو پیغمبر پر نازل ہو اس کا ماننا فرض اور اس کا انکار کفر ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ

۱۷۱۔ اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات بیشک مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام ہے

مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَ
رُوۡحٌ مِّنۡهُ ۫ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚۛ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا
ثَلٰثَةٌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّكُمۡ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ
سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ
مَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۷۱﴾ ع ٢٣ ٣

جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اسکے رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑ دو بہتر ہو گا تمہارے واسطے بیشک اللہ معبود ہے اکیلا اسکے لائق نہیں ہے کہ اس کے اولاد ہو[٢٣٢] اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز[٢٣٣]

٢٣٢۔ اہل کتاب کا غلو فی الدّین: اہل کتاب اپنے انبیاء کی تعریف میں غلو سے کام لیتے اور حد سے نکل جاتے خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگتے سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کی بات میں مبالغہ مت کرو اور جس سے اعتقاد ہو۔ اس کی تعریف میں حد سے نہ بڑھنا چاہئے۔ جتنی بات تحقیق ہو اس سے زیادہ نہ کہے اور حق تعالیٰ کی شان مقدس میں بھی وہی بات کہو جو سچی اور محقق ہو اور اپنی طرف سے کچھ مت کہو۔

تثلیث کارد: تم نے یہ کیا غضب کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو جو کہ رسول اللہ ہیں اور اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے تھے ان کو وحی کے خلاف خدا کا بیٹا کہنے لگے اور تین خدا کے معتقد ہو گئے ایک خدا دوسرے حضرت عیسیٰؑ تیسرے حضرت مریمؑ ان باتوں سے باز آؤ اللہ تعالیٰ واحد اور یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہو سکے اس کی ذات پاک اس سے منزہ اور مقدس ہے یہ تمام خرابی اس کی ہے کہ تم نے وحی کی اطاعت اور پابندی نہ کی وحی کی متابعت کرتے تو خدا کے لئے بیٹا نہ مانتے اور تین خدا کے قائل ہو کر صریح مشرک نہ ہوتے اور محمد رسول اللہ سید الرسل اور قرآن مجید افضل الکتب کی تکذیب کر کے آج ڈبل کافر نہ بنتے۔ فائدہ اہل کتاب کے ایک فریق نے تو حضرت عیسیٰؑ کو رسول بھی نہ مانا اور قتل کرنا پسند کیا جن کا ذکر پہلے گذرا دوسرے فریق نے ان کو خدا کا بیٹا کہا دونوں کافر ہو گئے۔ دونوں فریق کی گمراہی کا سبب یہی ہوا کہ وحی کا خلاف کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ نجات وحی کی متابعت میں منحصر ہے۔

٢٣٣۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں نیچے سے اوپر تک جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق اور اس کی مملوک اور اس کے بندے ہیں۔ پھر کہئے اس کا شریک یا اس کا بیٹا کون اور کیونکر ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کام بنانے والا ہے اور سب کی کارسازی کے لئے وہی کافی اور بس ہے کسی دوسرے کی حاجت نہیں پھر بتلائیے اس کو شریک یا بیٹے کی حاجت کیسے ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نہ کسی مخلوق میں اس کے شریک بننے کی قابلیت اور لیاقت اور نہ اس کی ذات پاک میں اس کی گنجائش اور نہ اس کو اس کی حاجت۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک یا بیٹا کہنا اس کا کام ہے جو ایمان اور عقل دونوں سے محروم ہو۔ فائدہ مضمون بالا سے یہ سمجھ میں آگیا کہ جو کوئی حق تعالیٰ کے لئے بیٹا یا کسی کو اس کا شریک مانتا ہے وہ حقیقت میں جمیع موجودات کو مخلوق باری اور باری تعالیٰ کو خالق جملہ موجودات نہیں مانتا اور نیز اللہ تعالیٰ کو سب کی حاجت برابری اور کارسازی کے لئے کافی نہیں جانتا گویا خدا کو خدائی سے نکال کر مخلوقات اور ممکنات میں داخل کر دیا تو اب ارشاد سبحانہ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ میں جس ناپاکی کی طرف اشارہ خفی تھا اس کا پتہ چل گیا اور فرزند حقیقی اور فرزند مجازی اور ظاہری دونوں میں وہ ناپاکی چونکہ برابر موجود ہے تو خوب سمجھ میں آگیا کہ اس کی ذات مقدس جیسے اس سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا پیدا ہو ایسا ہی اس سے بھی پاک اور برتر ہے کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنائے۔

لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ وَ لَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَ مَنۡ یَّسۡتَنۡکِفۡ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَ یَسۡتَکۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُہُمۡ اِلَیۡہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۷۲﴾

۱۷۲۔ مسیح کو اس سے ہر گز عار نہیں کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں [۲۳۴] اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَ یَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡکَفُوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۬ۙ وَّ لَا یَجِدُوۡنَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷۳﴾

۱۷۳۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے تو انکو پورا دے گا ان کا ثواب اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو انکو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ پاویں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار [۲۳۵]

۲۳۴۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بندہ ہونے میں عار نہیں: یعنی اللہ کا بندہ ہونا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کے حکموں کو بجالانا تو اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے حضرت مسیحؑ اور ملائکہ مقربین سے اس نعمت کی قدر اور ضرورت پوچھئے ان کو اس سے کیسے ننگ اور عار آسکتا ہے البتہ ذلت اور غیرت تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی بندگی میں ہے جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ اور معبود مان لیا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کو ان کی اور بتوں کی عبادت کرنے لگے سو ان کے لئے ہمیشہ کو عذاب اور ذلت ہے۔

۲۳۵۔ سرکشی اور غرور کی سزا: یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھاوے گا اور سرکشی کرے گا تو وہ یونہی نہ چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ایک روز سب کو اللہ کے سامنے جمع ہونا ہے اور حساب دینا ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے یعنی اللہ کی بندگی پوری بجالائے ان کو ان کے کاموں کا پورا ثواب ملے گا بلکہ اللہ کے فضل سے بڑی نعمتیں ان کے ثواب سے زیادہ بھی ان کو عنایت ہوں گی اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھائی اور سرکشی کی وہ عذاب عظیم میں گرفتار ہوں گے اور کوئی ان کا خیر خواہ اور مددگار نہ ہو گا جن کو اللہ کی بندگی میں شریک کر کے عذاب میں پڑے وہ بھی کام نہ آئیں گے سو اب نصاریٰ خوب سمجھ لیں کہ ان دونوں صورتوں میں سے ان کے مناسب حال کیا ہے اور حضرت مسیحؑ کے موافق شان کیا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمۡ بُرۡہَانٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ اے لوگو تمہارے پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ اعۡتَصَمُوۡا بِہٖ

۱۷۵۔ سو جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اپنی رحمت میں اور فضل میں اور

فَسَيُدۡخِلُهُمۡ فِىۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ ۙ وَّيَهۡدِيۡهِمۡ اِلَيۡهِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ؕ ﴿۱۷۵﴾

پہنچاوے گا ان کو اپنی طرف سیدھے راستہ پر [۲۳۶]

۲۳۶۔ قرآن کے اتباع کے بغیر نجات نہیں: پہلے سے وحی الٰہی اور بالخصوص قرآن مجید کی عظمت اور اس کی حقانیت کا بیان اور اس کی متابعت اور اتباع کی تاکیدات کا ذکر تھا اسی کے ذیل میں حضرت مسیحؑ کی الوہیت اور ان کے ابن اللہ ہونے کا ذکر کیا تھا جسکے قائل نصاریٰ تھے اس کی تردید اور ابطال کے بعد اب اخیر میں پھر اسی اصلی اور ضروری بات کی سب کو تاکید فرمائی جاتی ہے کہ اے لوگو تمہارے پاس رب العلمین کی طرف سے حجۃ کامل اور نور روشن پہنچ چکا جو ہدایت کے لئے کافی اور وافی ہے یعنی قرآن مجید اب کسی تامل اور تردد کی گنجائش نہیں سو جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا اور اس مقدس کتاب کو مضبوط پکڑے گا وہ اللہ کی رحمت اور فضل میں داخل ہو گا اور براہ راست اس تک پہنچے گا جو اس کے خلاف کرے اس کی گمراہی اور خرابی اسی سے سمجھ لیجئے۔

يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنۡ كَانَتَا اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

۱۷۶۔ حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا [۲۳۷] اگر کوئی مرد مر گیا اور اس کے بیٹا نہیں اور اس کے ایک بہن ہے تو اس کو پہنچے آدھا اس کا جو چھوڑ مرا [۲۳۸] اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اس کے بیٹا [۲۳۹] پھر اگر بہنیں دو ہوں تو انکو پہنچے دو تہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا [۲۴۰] اور اگر کئی شخص ہوں اسی رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے [۲۴۱] بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تا کہ تم گمراہ نہ ہو [۲۴۲] اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے [۲۴۳]

۲۴ ع ۵ ۴

۲۳۷۔ میراث میں کلالہ کا حکم: شروع سورت میں آیت میراث میں کلالہ کا ذکر گذر چکا ہے اس کے بعد جو بعض صحابہؓ نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کلالہ کے معنی کمزور اور ضعیف۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں جس کے یہ نہیں تو اس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو یہی حکم سوتیلوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہن ہوں تو دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہرا ملے گا اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو بہن کے مال کے وارث ہونگے یعنی ان کا کوئی حصہ معین نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہیں جیسا کہ آیت میں آگے یہ سب صورتیں مذکور ہیں اب باقی رہ گئے وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں جنکو

اخیافی کہتے ہیں سو ان کا حکم شروع سورت میں فرما دیا گیا ان کا حصہ معین ہے۔

۲۳۸۔ میراث کے مزید احکام: یعنی اگر کوئی مرد مر گیا اور اس نے ایک بہن چھوڑی نہ بیٹا چھوڑا نہ باپ تو اس کو میراث میں نصف مال ملے گا۔

۲۳۹۔ یعنی اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی کوئی عورت لاولد مر گئی اور اس نے بھائی اعیانی یا علاتی چھوڑا تو وہ بہن کے مال کا وارث ہو گا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر اس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا اور لڑکی چھوڑی تو لڑکی سے جو بچے گا وہ اس بھائی کو ملے گا اور بھائی یا بہن اخیافی چھوڑے گی تو اس کے لئے چھٹا حصہ معین ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔

۲۴۰۔ اور اگر دو سے زیادہ بہنیں چھوڑے تو ان کو بھی دو تہائی دیا جائے گا۔

۲۴۱۔ کچھ مرد اور کچھ عورتیں یعنی کچھ بھائی اور کچھ بہنیں چھوڑیں تو بھائی کا دوہرا اور بہن کا اکہرا حصہ ہے جیسا کہ اولاد کا حکم ہے۔

۲۴۲۔ یہ احکام گمراہی سے بچانے کے لئے ہیں: یعنی اللہ رحیم و کریم محض اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اور ان کو گمراہی سے بچانے کی غرض سے اپنے احکام حقہ صادقہ بیان فرماتا ہے جیسا یہاں میراث کلالہ کو بیان فرما دیا۔ اس کی اس میں کوئی غرض نہیں وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے تو اب جو اس مہربانی کی قدر نہ کرے بلکہ اس کے حکم سے انحراف کرے اس کی شقاوت کا کیا ٹھکانہ اس سے معلوم ہو گیا کہ بندہ کو جملہ احکام کی تابعداری لازم ہے اگر ایک معمولی اور جزوی امر میں بھی خلاف کرے گا تو گمراہی ہے پھر جو لوگ اس کی ذات پاک اور اس کی صفات کمال میں اس کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اور اپنی عقل اور اپنی خواہش کو اس کے مقابلہ میں اپنا مقتدا بناتے ہیں ان کی ضلالت اور خباثت کو اسی سے سمجھ لیجئے کہ کس درجہ کی ہو گی۔

۲۴۳۔ مسائل دینی پوچھنے کے فوائد: اس سے پہلے معلوم ہوا تھا کہ حق سبحانہ اپنے بندوں کی ہدایت کو پسند فرماتا ہے اب فرمایا کہ اس کو سب چیزیں معلوم ہیں تو مطلب یہ نکلا کہ مسائل دینیہ میں جو ضرورت پیش آئے اس کو پوچھ لو سو اس ارشاد میں صحابہ نے جو کلالہ کے مسئلہ میں استفسار فرمایا تھا اس کی تحسین کی طرف اور آئندہ ایسے سوالات کرنے کی ترغیب کی طرف اشارہ سمجھ میں آتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے یعنی تم نہیں جانتے تم تو یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ کلالہ اور اس کے سوا دیگر صورتوں میں جو حصہ مقرر فرمایا گیا اس کی وجہ حقیقت میں کیا ہے پھر آدمی کی عقل اس قابل کب ہو سکتی ہے کہ اسکے بھروسے حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات صفات میں وحی کے خلاف پر جرأت کرے جو اپنے تعلقات اور اپنے اقارب کے فرق اور امتیاز سے عاجز ہو وہ ذات بیچون و بیچگون اور اس کی صفات کو بدون اس کے بتلائے کیا سمجھ سکتا ہے۔

کلالہ کے حکم سے ملنے والے فوائد: اس جگہ کلالہ کے حکم اور اس کے سبب نزول کو بیان فرمانے سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جیسا پہلے وَ اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ فرما کر اس کے بعد بطریق تمثیل اہل کتاب کا حال ذکر فرمایا تھا ایسے ہی ارشاد فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ اعۡتَصَمُوۡا بِہٖ الی آخر الآیۃ کے بعد اصحاب رسول اللہ ﷺ کو بطریق تمثیل ذکر فرمایا تاکہ وحی سے انحراف کرنے والوں کی گمراہی اور برائی اور وحی کا اتباع کرنے والوں کی حقانیت اور بھلائی خوب سمجھ میں آجائے اسی کے ذیل میں دوسری بات یہ بھی ظاہر ہو گئی کہ اہل کتاب نے تو یہ غضب کیا کہ ذات اقدس سبحانہ و تعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد جیسے شنیع امر کو اپنا ایمان بنا لیا اور وحی الٰہی کا خم ٹھونک کر خلاف کیا اور اصحاب رسول ﷺ کی یہ حالت ہے کہ اصول ایمان اور عبادات تو در کنار معاملات جزئیہ اور معمولی مسائل متعلقہ میراث نکاح وغیرہ میں بھی وحی کے متجسس اور منتظر رہتے ہیں اور ہر امر میں رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے منہ کو تکتے ہیں اپنی عقل اور خواہش کو حاکم نہیں سمجھتے اگر ایک دفعہ میں تشفی نہ ہوئی تو مکرر حاضر خدمت ہو کر دریافت کرتے ہیں۔ مصرعہ، ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت سید المرسلین بھی بلا حکم وحی اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے تھے اگر کسی امر میں حکم وحی موجود نہ ہوتا تو حکم فرمانے میں نزول وحی کا انتظار فرماتے

جب وحی آتی تب حکم فرماتے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ذات پاک وحدہٗ لاشریک لہ کے سوا کوئی حاکم نہیں چنانچہ آیات متعددہ میں ان الحکم الا للہ وغیرہ صاف مذکور ہے باقی جو ہیں وہ سب واسطہ ہیں ان کے ذریعہ سے اوروں کو حکم الٰہی پہنچایا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ کوئی واسطہ قریب ہے کوئی بعید جیسا حکم سلطانی پہنچانے لئے وزیر اعظم اور دیگر مقربین شاہی اور حکام اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ بدرجہ سب واسطہ ہوتے ہیں پھر اس سے زیادہ گمراہی کیا ہو گی کہ کسی امر میں وحی الٰہی کے مقابلہ میں کوئی گمراہ کسی کی بات سنے اور اس پر عمل کرے شعر آنانکہ زروئے تو بجائے نگر آنند۔ کوتہ نظر آنند چہ کوتہ نظر آنند۔ نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ایک دفعہ تمام کتاب کے نازل ہونے میں جیسا کہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں وہ خوبی نہیں جو حسب حاجت اور حسب موقع متفرق نازل ہونے میں ہے کیونکہ ہر کوئی اپنی ضرورت کے موافق اس صورت میں سوال کر سکتا ہے اور بذریعہ وحی متلو اس کو جواب مل سکتا ہے جیسا کہ اس موقع میں اور قرآن مجید کے بہت سے مواقع میں موجود ہے اور یہ صورت مفید تر ہونے کے علاوہ بوجہ شرافت ذکر خداوندی و عزت خطاب حق عزوجل ایسے فخر عظیم پر مشتمل ہے جو کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔ واللہ ذوالفضل العظیم اس صحابی کی بھلائی یا اس کے سوال کے جواب میں کوئی آیت نازل ہوئی وہ اس کے مناقب میں شمار ہوتی ہے اور اختلاف کے موقع میں جس کی رائے یا جس کے قول کے موافق وحی متلو اتری قیامت تک ان کی خوبی اور نام نیک رہے گا۔ سو کلالہ کے متعلق سوال و جواب کا ذکر فرما کر اس طرح کے بالعموم سوالات اور جوابات کی طرف اشارہ فرما دیا اور شاید اسی اشارہ کی غرض سے سوال کو مطلق رکھا مسئول عنہ کو سوال کے ساتھ ذکر نہ فرمایا بلکہ جواب میں اس کی تصریح فرمائی جس کی دوسری نظیر قرآن شریف میں نہیں اور نیز جواب کو بالتصریح حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا واللہ اعلم واللہ الھادی الحاصل جملہ احکام کے لئے وحی الٰہی منشاء اور اصل ہے اور ہدایت اسی کی متابعت پر موقوف ہے اور کفر و ضلالت اسی کی مخالفت میں منحصر ہے اور چونکہ آپ کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ اور جملہ مشرکین اور جملہ اہل ضلالت کی گمراہی کی جڑ یہی مخالفت تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بہت جگہ وحی کی متابعۃ کی خوبی اور اس کی مخالفت کی خرابی پر متنبہ فرمایا بالخصوص اس موقع میں تو دو رکوع اس مہتم بالشان مضمون کے لئے نازل فرمائے اور تفصیل اور تمثیل کے ساتھ بیان فرمایا شاید اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں باب "کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ" منعقد فرما کر آیت اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ کو ترجمۃ الباب میں داخل کیا اور ان دونوں رکوع کی طرف اشارہ کر گئے گویا مطلب یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ الی اٰخر مضمون الوحی واللہ اعلم۔

تم سورۃ النساء بمنہ و حسن توفیقہ۔ فلہ الحمد والمنہ و علیٰ رسولہ الف الف سلام و تحیہ۔

اٰیاتھا ۱۲۰ ۵ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۲ رکوعاتھا ۱٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱

۱۔ اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو [۱] حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی [۲] سوائے انکے جو تم کو آگے سنائے جاویں گے [۳] مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں [۴] اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے [۵]

۱۔ ایفائے عہد عقود کی تشریح: ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم و انقیاد یعنی خدا اور رسول کے جملہ ارشادات کو صحیح و صادق سمجھ کر تسلیم و قبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقۃ تمام قوانین و احکام الٰہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے گویا حق تعالیٰ کی ربوبیۃ کاملہ کا وہ اقرار جو عہد الست کے سلسلہ میں لیا گیا تھا جس کا نمایاں اثر انسان کی فطرت اور سرشت میں آج تک موجود ہے۔ اسی کی تجدید و تشریح ایمان شرعی سے ہوتی ہے پھر ایمان شرعی میں جو کچھ اجمالی عہد و پیمان تھا اسی کی تفصیل پورے قرآن و سنت میں دکھلائی گئی ہے اس صورت میں دعوئ ایمان کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ تمام احکام الٰہیہ میں خواہ ان کا تعلق براہ راست خدا سے ہو یا بندوں سے، جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے ہو یا اخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اس کا عہد کرتا ہے کہ ہر نہج سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا۔ نبی کریم ﷺ جو عہد ایمانی کی ایک محسوس صورت تھی۔ اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالیٰ کے جلال و جبروت کی صحیح معرفت اور اس کی شان انصاف و انتقام اور وعدوں کی سچائی کا پورا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ بد عہدی اور غداری کے مہلک عواقب سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو جو خدا سے یا بندوں سے یا خود اپنے نفس سے کئے ہوں، اس طرح پورا کرے کہ مالک حقیقی کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آنے پائے اس تقریر کے موافق عقود (عہدوں) کی تفسیر میں جو مختلف چیزیں سلف سے منقول ہیں ان سب میں تطبیق ہو جاتی ہے اور آیت میں "ایمان والو" کے لفظ سے خطاب فرمانے کا لطف مزید حاصل ہوتا ہے۔"

۲۔ حلال جانوروں کی تفصیل: "سورہ نساء" میں گزر چکا کہ یہود کو ظلم و بد عہدی کی سزا میں بعض حلال و طیب چیزوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ (نساء۔۱٦۰) جن کی تفصیل "سورہ انعام" میں ہے جس امۃ مرحومہ کو ایفائے عہد کی ہدایت کے ساتھ ان چیزوں سے بھی منتفع ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ یعنی اونٹ، گائے، بکری اور اسی جنس کے تمام اہل اور وحشی (پالتو اور جنگلی) چوپائے مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ تمہارے لئے ہر حالت میں حلال کئے گئے بجز ان حیوانات یا حالات کے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریم ﷺ کی زبانی تمہاری جسمانی یا روحانی یا اخلاقی مصلحت کے لئے ممانعت فرما دی ہے۔

۳۔ غالباً اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اسی رکوع کی تیسری آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ سے ذٰلِكُمْ فِسْقٌ تک۔

۴۔ احرام کی حالت میں شکار کی حرمت: محرم کو صرف خشکی کے جانور کا شکار جائز نہیں۔ دریائی شکار کی اجازت ہے۔ اور جب حالت احرام کی رعایت اس قدر ہے کہ اس میں شکار کرنا ممنوع ٹھہرا تو خود حرم شریف کی حرمت کا لحاظ اس سے کہیں زیادہ ہونا چاہئے۔ یعنی حرم کے جانور کا شکار محرم وغیرہ سب کے لئے حرام ہو گا۔ جیسا کہ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ کے عموم سے مترشح ہوتا ہے۔

۵۔ جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمال حکمت سے ان میں باہم فرق مراتب رکھا ہر نوع میں اس کی استعداد کے موافق جدا جدا فطری خواص و قویٰ ودیعت کئے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلاشبہ اسی خدا کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کامل، علم محیط، اور حکمت بالغہ کے اقتضا سے جس چیز کو جس کے لئے جن حالات میں چاہے، حلال یا حرام کر دے لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (الانبیاء۔ ۲۳)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

۲۔ اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو[۶] اور نہ ادب والے مہینہ کو[۷] اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور نہ جنکے گلے میں پٹا ڈال کر لیجاویں کعبہ کو[۸] اور نہ آنے والوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے رب کا اور اسکی خوشی[۹] اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر لو[۱۰] اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی حرمت والی مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرنے لگو[۱۱] اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر[۱۲] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے[۱۳]

۶۔ شعائر کا احترام: یعنی جو چیزیں حق تعالیٰ کی عظمت و معبودیت کے لئے علامات اور نشانات خاص قرار دی گئ ہیں ان کی بے حرمتی مت کرو۔ ان میں حرم محترم، بیت اللہ شریف، جمرات، صفا مروہ، ہدی، احرام، مساجد، کتب سماویہ وغیرہ تمامی حدود و فرائض اور احکام دینیہ شامل ہیں۔ آگے ان نشانیوں میں سے بعض مخصوص چیزوں کا جو مناسک سے متعلق ہیں۔ ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں بھی محرم کے بعض احکام ذکر کئے گئے تھے۔

۷۔ محترم مہینے: ادب والے مہینے چار ہیں مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (توبہ۔ ۳۶) ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب ان کی تعظیم و احترام یہ ہے کہ دوسرے مہینوں سے بڑھ کر ان میں نیکی اور تقویٰ کو لازم پکڑے اور شر و فساد سے بچنے کا اہتمام کیا جائے خصوصًا حجاج کو ستا کر اور دق کر کے حج بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ گو یہ امور سال کے بارہ مہینوں میں واجب العمل ہیں لیکن ان محترم مہینوں میں بالخصوص بہت زیادہ موکد قرار دیے

گئے۔ باقی دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ہاجمانہ اقدام، تو جمہور کا مذہب یہ ہی ہے بلکہ ابن جریر نے اجماع نقل کیا ہے کہ اس کی ان مہینوں میں ممانعت نہیں رہی اس کا بیان سورہ توبہ میں آئے گا ان شاء اللہ۔

۸۔ بعض دوسرے شعائر: "قلائد" قلادہ کی جمع ہے۔ جس سے مراد وہ ہار یا پٹا ہے جو ہدی کے جانور کے گلے میں نشان کے طور پر ڈالتے تھے تاکہ ہدی کا جانور سمجھ کر اس سے تعرض نہ کیا جائے اور دیکھنے والوں کو اسی جیسا عمل کرنے کی ترغیب بھی ہو قرآن کریم نے ان چیزوں کی تعظیم و حرمت کو باقی رکھا۔ اور ہدی یا اس کی علامات سے تعرض کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

۹۔ بظاہر یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے۔ یعنی جو مخلص مسلمان حج و عمرہ کے لئے جائیں ان کی تعظیم و احترام کرو۔ اور ان کی راہ میں روڑے مت اٹکاؤ۔ اور جو مشرکین حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے، اگر وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں کیونکہ وہ بھی اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق خدا کے فضل و قرب اور خوشنودی کے طالب ہوتے تھے، تو کہنا پڑے گا کہ یہ حکم اس وقت سے پہلے کا ہے جبکہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا (توبہ۔۲۸) کی منادی کرائی گئی۔

۱۰۔ یعنی حالت احرام میں شکار کی جو ممانعت کی گئی تھی وہ احرام کھول دینے کے بعد باقی نہیں رہی۔

۱۱۔ دشمنی کے جوش میں زیادتی نہ کرو: پچھلی آیت میں جن شعائر کو حق تعالیٰ نے معظم و محترم قرار دیا تھا ٦ ہجری میں مشرکین مکہ نے ان سب کی اہانت کی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ ماہ ذیقعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے اس مذہبی وظیفہ کی بجا آوری سے روک دیا۔ نہ حالت احرام کا خیال کیا، نہ کعبہ کی حرمت کا نہ محترم مہینہ کا، نہ ہدی و قلائد کا مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فرائض سے روک دیئے جانے پر ایسی ظالم اور وحشی قوم کے مقابلہ میں جس قدر بھی غیظ و غضب اور بغض و عداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے اور جوش انتقام سے برافروختہ ہو کر جو کارروائی بھی کر بیٹھتے وہ ممکن تھی۔ لیکن اسلام کی محبت و عداوت دونوں جچی تلی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے جابر و ظالم دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا۔ عموماً آدمی زیادہ محبت یا زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔

۱۲۔ تعاون علی البرّ: اگر کوئی شخص بالفرض جوش انتقام میں زیادتی کر بیٹھے تو اس کے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ جماعت اسلام اس کے ظلم و عدوان کی اعانت نہ کرے۔ بلکہ سب مل کر نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کریں۔ اور اشخاص کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں۔

۱۳۔ یعنی حق پرستی انصاف پسندی اور تمام عمدہ اخلاق کی جڑ خدا کا خوف ہے۔ اور اگر خدا سے ڈر کر نیکی سے تعاون اور بدی سے ترک تعاون نہ کیا گیا تو عام عذاب کا اندیشہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّیَةُ وَ النَّطِیْحَةُ وَ مَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ ۫ وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَ اَنْ

۳۔ حرام ہوا تم پر مردہ جانور [۱۴] اور لہو [۱۵] اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا کسی تھان پر [۱۶] اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے [۱۷] یہ گناہ کا کام ہے آج ناامید ہو گئے کافر تمہارے دین سے سو

تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ؕ ذٰلِكُمۡ فِسۡقٌ ؕ اَلۡيَوۡمَ
يَئِسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡنِكُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَ
اخۡشَوۡنِ ؕ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ
عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ
فَمَنِ اضۡطُرَّ فِىۡ مَخۡمَصَةٍ غَيۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ ۙ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ‏ ﴿۳﴾

ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو [١٨] آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا [١٩] اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا [٢٠] اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین [٢١] پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے بھوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے [٢٢]

١٤۔ حرام جانور: اس آیت سے جن چیزوں کا کھانا حرام ہوا ان میں اول مَیْتَہ (مردار جانور) ہے۔ جو واجب الذبح جانور ذبح کئے بدون خود اپنی موت سے مر جائے اس کا خون اور حرارت غریزیہ گوشت ہی میں محتقن اور جذب ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس کی سمیّت اور گندگی سے کئی قسم کے بدنی اور دینی مضار لاحق ہوتے ہیں (ابن کثیر) شاید اسی تعلیل پر متنبہ فرمانے کے لئے میتہ (مردہ جانور) کے بعد دَم (خون) کی حرمت مذکور ہوئی۔ اس کے بعد حیوانات کی ایک خاص نوع (خنزیر) کی تحریم کا ذکر کیا۔ جس کی بے انتہا نجاست خوری اور بے حیائی مشہور عام ہے۔ شاید اسی لئے شریعت حقہ نے دم (خون) کی طرح اس کو نجس العین قرار دیا۔ ان تین چیزوں کے ذکر کے بعد جن کی ذوات میں مادی گندگی اور خباثت پائی جاتی تھی، محرمات کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا یعنی وہ جانور جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال وطیب ہے مگر مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی نیاز کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہو اس کا کھانا بھی نیت کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی بنا پر حرام ہے۔ کسی جاندار کی جان صرف اسی مالک وخالق کے حکم اور نام پر لی جاسکتی ہے جس کے حکم اور ارادہ سے اس پر موت وحیات طاری ہوتی ہے۔ باقی "منخنقہ" وغیرہ غیر مذبوح جانور سب میتہ کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ، مَآ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ کے ساتھ ملحق ہے۔ جاہلیت میں ان سب چیزوں کے کھانے کی عادت تھی اسی لئے اس قدر تفصیل سے ان کا بیان فرمایا۔

١٥۔ یعنی بہتا ہوا خون اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا (انعام۔١٤٥)

١٦۔ "تھوڑا سا پہلے ہدی کے ادب واحترام کا ذکر فرمایا تھا۔ یعنی وہ جانور جو تقرب الی اللہ کی غرض سے خدائے واحد کی سب سے پہلی عبادت گاہ کی نیاز کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے اس کے بالمقابل اس جانور کا بیان فرمایا جسے خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے۔ (موضح القرآن) اس دوسری صورت میں بھی فی الحقیقۃ نیت نذر غیر اللہ ہی کی ہوتی ہے گو ذبح کے وقت زبان سے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا جائے۔ اس تقریر کے موافق مَآ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ اور مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا فرق واضح ہو گیا (ابن کثیر)

١٧۔ جوئے کے تیر: "بعض مفسرین نے ازلام سے تقسیم کے تیر مراد لئے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لحم ذبیحہ وغیرہ کے بانٹنے میں استعمال ہوتے تھے اور وہ ایک صورت قمار (جوئے) کی تھی جیسے آج کل چٹھی ڈالنے کی رسم ہے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ وغیرہ محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ازلام سے مراد وہ تیر ہیں جن سے مشرکین مکہ کسی اشکال اور تردد کے وقت اپنے ارادوں اور کاموں کا فیصلہ کرتے تھے یہ تیر خانہ کعبہ

میں قریش کے سب سے بڑے بت "ہبل" کے پاس رکھے تھے۔ ان میں سے کسی پر "امرنی ربی" لکھا تھا (میرے پروردگار نے حکم دیا) کسی پر "نہانی ربی" تحریر تھا (میرے رب نے مجھ کو منع کر دیا) اسی طرح ہر تیر پر یوں ہی اٹکل پچو باتیں لکھ چھوڑی تھیں۔ جب کسی کام میں تذبذب ہوا تو تیر نکال کر دیکھ لئے۔ اگر "امرنی ربی" والا تیر نکل آیا تو کام شروع کر دیا اور اس کے خلاف نکلا تو رک گئے وعلیٰ ہذا القیاس۔ گویا بتوں سے یہ ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی۔ چونکہ اس رسم کا مبنیٰ خالص جہل، شرک، اوہام پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھا اس لئے قرآن کریم نے متعدد مواقع میں نہایت تغلیظ و تشدید کے ساتھ اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا ہے اس تقریر کے موافق "ازلام" کا ذکر "نصب" کی مناسبت سے ہوا اور مردار، خون، خنزیر وغیرہ نہایت ہی خبیث اور گندی چیزوں کی تحریم کے سلسلے میں منسلک کر کے بتلا دیا کہ اس کی معنوی اور اعتقادی نجاست و خباثت ان چیزوں سے کم نہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں "رجس" کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱۸۔ اسلام کے غلبہ سے کفار کو مایوسی: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ زندگی کے ہر شعبہ اور علم ہدایت کے ہر باب کے متعلق اصول و قواعد ایسی طرح ممہد ہو چکے تھے اور فروع جزئیات کا بیان بھی اتنی کافی تفصیل اور جامعیت سے کیا جا چکا تھا کہ پیروان اسلام کے لئے قیامت تک قانون الٰہی کے سوا کوئی دوسرا قانون قابل التفات نہیں رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی تربیت سے ہزاروں سے متجاوز خدا پرست جانباز اور سرفروش ہادیوں اور معلموں کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار ہو چکی تھی۔ جس کو قرآنی تعلیم کا مجسم نمونہ کہا جا سکتا تھا، مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا، صحابہؓ کامل وفاداری کے ساتھ خدا سے عہد و پیمان پورے کر رہے تھے نہایت گندی غذائیں اور مردار کھانے والی قوم مادی اور روحانی طیبات کے ذائقہ سے لذت اندوز ہو رہی تھی، شعائر الٰہیہ کا ادب و احترام قلوب میں راسخ ہو چکا تھا۔ ظنون و اوہام اور انصاب و ازلام کا تار و پود بکھر چکا تھا، شیطان جزیرۃ العرب کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیا گیا تھا کہ دوبارہ وہاں اس کی پرستش ہو سکے، ان حالات میں ارشاد ہوا اَلۡیَوۡمَ یَىِٕسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡہُمۡ وَ اخۡشَوۡنِ ۔ یعنی آج کفار اس بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ تم کو تمہارے دین قیم سے ہٹا کر پھر "انصاب" و "ازلام" وغیرہ کی طرف لے جائیں یا دین اسلام کو مغلوب کر لینے کی توقعات باندھیں، یا احکام دینیہ میں کسی تحریف و تبدیل کی امید قائم کر سکیں آج تم کو کامل مذہب مل چکا جس میں کسی ترمیم کا آئندہ امکان نہیں۔ خدا کا انعام تم پر پورا ہو چکا جس کے بعد تمہاری جانب سے اس کے ضائع کر دینے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ خدا نے ابدی طور پر اسی دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا اس لئے اب کسی ناسخ کے آنے کا احتمال نہیں ایسے حالات میں تم کو کفار سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ اس محسن جلیل اور منعم حقیقی کی ناراضی سے ہمیشہ ڈرتے رہو جسکے ہاتھ میں تمہاری ساری نجات و فلاح اور کل سود و زیاں ہے۔ گویا فَلَا تَخۡشَوۡہُمۡ وَ اخۡشَوۡنِ میں اس پر متنبہ فرمایا کہ آئندہ مسلم قوم کو کفار سے اس وقت تک کوئی اندیشہ نہیں جب تک ان میں خشیۃ الٰہی اور تقویٰ کی شان موجود رہے۔

۱۹۔ دین اسلام کی تکمیل اور حقانیت: یعنی اس کے اخبار و قصص میں پوری سچائی، بیان میں پوری تاثیر، اور قوانین و احکام میں پورا توسط و اعتدال موجود ہے۔ جو حقائق کتب سابقہ اور دوسرے ادیان سماویہ میں محدود نا تمام تھیں ان کی تکمیل و تعمیم اس دین قیم سے کر دی گئی قرآن و سنت نے "حلت" و "حرمت" وغیرہ کے متعلق تنصیصًا یا تعلیلاً جو احکام دیے ان کا اظہار و ایضاح تو ہمیشہ ہوتا رہے گا لیکن اضافہ یا ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔

۲۰۔ سب سے بڑا احسان تو یہ ہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاء جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا مزید براں اطاعت و استقامت کی توفیق بخشی۔ روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دستر خوان تمہارے لئے بچھا دیا، حفاظت قرآن، غلبہ اسلام اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرما دیے۔

۲۱۔ یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے "اسلام" جو تفویض و تسلیم کا مرادف ہے۔ اس کے سوا

مقبولیت اور نجات کو کوئی دوسرا ذریعہ نہیں (تنبیہ) اس آیت اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ الخ کا نازل فرمانا بھی مجملہ نعمائے عظیمہ کے ایک نعمت ہے۔ اسی لئے بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ امیر المومنین! اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے معلوم نہیں کہ جس روز ہم پر یہ نازل کی گئ مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ یہ آیت ۱۰ ہجری میں "حجۃ الوداع" کے موقع پر "عرفات" کے روز "جمعہ" کے دن "عصر" کے وقت نازل ہوئی جبکہ میدان عرفات میں نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیاء وابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا۔ اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضور ﷺ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔

۲۲۔ مضطر کے احکام: یعنی حلال و حرام کا قانون تو مکمل ہو چکا، اس میں اب کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ البتہ مضطر جو بھوک پیاس کی شدت سے بیتاب اور لاچار ہو وہ اگر حرام چیز کھا پی کر جان بچالے بشرطیکہ مقدار ضرورت سے تجاوز نہ کرے اور لذت مقصود نہ ہو (غیر باغ ولا عاد) تو حق تعالیٰ اس تناول محرم کو اپنی بخشش اور مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ گویا وہ چیز تو حرام ہی رہی مگر اسے کھا پی کر جان بچانے والا خدا کے نزدیک مجرم نہ رہا۔ یہ بھی اتمام نعمت کا ایک شعبہ ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾

۴۔ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لئے حلال ہے کہہ دے تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں [۲۳] اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو کہ ان کو سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اس پر [۲۴] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب [۲۵]

۲۳۔ حلال چیزوں کا سوال اور اس کا جواب: پچھلی آیات میں بہت سی حرام چیزوں کی فہرست دی گئی تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال چیزیں کیا کیا ہیں؟ اس کا جواب دے دیا کہ حلال کا دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان تھا دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہی ہیں۔ اور چونکہ شکاری جانور سے شکار کرنے کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا اس لئے آیت کے اگلے حصے میں اس کو تفصیلاً بتلا دیا گیا۔

۲۴۔ شکار کے احکام: شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور ان شروط سے حلال ہے (۱) شکاری جانور سدھا ہوا ہو (۲) شکار پر چھوڑا جائے (۳) اسے اس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے۔ یعنی کتے کو سکھلایا جائے کہ شکار کو پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً چلا آئے اگر کتا شکار کو خود کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب اس کے کہنے میں نہیں تو شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے۔ اسی کو حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جب اس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا آدمی نے ذبح کیا" (۴) چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لو یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ ان چار شرطوں کی تصریح تو نص قرآنی میں ہو گئی۔ پانچویں شرط جو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک معتبر ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے، اس کی طرف لفظ

"جوارح" اپنے مادہ "جرح" کے اعتبار سے مشعر ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔ ہاں اگر مرا نہ ہو اور ذبح کرلیا جائے تو وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے قاعدہ سے حلال ہو گا۔

۲۵۔ یعنی ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو کہیں "طیبات" کے استعمال اور شکار وغیرہ سے متنفع ہونے میں حدود و قیود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائے۔ عموماً آدمی دنیوی لذتوں میں منہمک ہو کر اور شکار وغیرہ کے مشاغل میں پڑ کر خدا اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، اس لئے تنبیہ کی ضرورت تھی کہ خدا کو مت بھولو اور یاد رکھو کہ حساب کا دن کچھ دور نہیں۔ خدا کے انعامات اور تمہاری شکر گذاری کا موازنہ اور عمر عزیز کے ایک ایک لمحہ کا حساب ہونے والا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع ۱

۵۔ آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں [۲۶] اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے [۲۷] اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے [۲۸] اور حلال ہیں تم کو پاکدامن عورتیں مسلمان [۲۹] اور پاکدامن عورتیں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب [۳۰] تم سے پہلے جب دو ان کو مہر ان کے قید میں لانے کو [۳۱] نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو [۳۲] اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی اور آخرت میں وہ ٹوٹے والوں میں ہے [۳۳]

۲۶۔ یعنی جیسے آج دین کامل تم کو دیا گیا، دنیا کی تمام پاکیزہ نعمتیں بھی تمہارے لئے دائمی طور پر حلال کر دی گئیں جو کبھی منسوخ نہ ہوں گی۔

۲۷۔ اہل کتاب کا کھانا حلال ہے: یہاں طعام (کھانے) سے مراد "ذبیحہ" ہے یعنی کوئی یہودی یا نصرانی (بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو) اگر حلال جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے تو اس کا کھانا مسلمان کو حلال ہے مرتد کے احکام جداگانہ ہیں۔

۲۸۔ اس مقام پر اس کا ذکر بطور مجازات و مکافات کے استطراداً فرما دیا۔ یعنی احادیث میں جو آیا ہے لَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ (تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار) اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پرہیزگاروں کے لئے تمہارا کھانا حرام ہے۔ جب مسلمان کے لئے کافر کتابی کے ذبیحہ کی اجازت ہوگئی تو ایک مواحد مسلم کا ذبیحہ اور کھانا دوسروں کے لئے کیوں حرام ہو گا۔

۲۹۔ "پاکدامن" کی قید شاید ترغیب کے لئے ہو۔ یعنی ایک مسلمان کو چاہئے کہ نکاح کرتے وقت پہلی نظر عورت کی عفت اور پاکدامنی پر ڈالے یہ مطلب نہیں کہ پاکدامن کے سوا کسی اور سے نکاح صحیح نہیں ہو گا۔

۳۰۔ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی حلت: اہل کتاب کو ایک مخصوص حکم کے ساتھ دوسرا مخصوص حکم بھی بیان فرما دیا۔ یعنی یہ کہ کتابی عورت سے نکاح کرنا شریعت میں جائز ہے۔ مشرکہ سے اجازت نہیں۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (بقرہ۔۲۲۱) مگر یہ یاد رہے کہ

ہمارے زمانہ کے "نصاریٰ" عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں۔ لیکن اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی موجودہ زمانے میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا پینا، بے ضرورت اختلاط کرنا، ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں۔ لہذا ابدی اور بد دینی کے اسباب وذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

۳۱۔ یعنی قید نکاح میں لانے کو۔ گویا اس طرف اشارہ ہوگیا کہ نکاح بظاہر قید ہے لیکن یہ قید ان آزادیوں اور ہوس رانیوں سے بہتر ہے جن کی طلب میں انسان نما بہائم سلسلہ ازدواج ہی کو معدوم کردینا چاہتے ہیں۔

۳۲۔ جس طرح پہلے عورت کی پاکدامنی کا ذکر کیا تھا یہاں مرد کو پاکباز اور عفیف رہنے کی ہدایت فرمادی الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ وَ الطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ (نور۔۲۶) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی نظر میں نکاح کی غرض گوہر عصمت کو محفوظ اور مقصد تزویج کو پورا کرنا ہے۔ شہوت رانی اور ہوا پرستی مقصود نہیں۔

۳۳۔ جن کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہوئی۔ اس کا فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ مومن قانت کی حقانیت عورت کے دل میں گھر کر جائے نہ یہ کہ کتابیات پر مفتوں ہو کر الٹا اپنی متاع ایمانی ہی کو گنوا بیٹھے اور "خسر الدنیا والآخرۃ" کا مصداق ہو کر رہ جائے۔ چونکہ کافر عورت سے نکاح کرنے میں اس فتنہ کا قوی احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ کی تہدید نہایت ہی برمحل ہے۔ یہ میرا خیال ہے۔ باقی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اہل کتاب کو کفار سے دو حکم میں مخصوص کیا یہ فقط دنیا میں ہے اور آخرت میں ہر کافر خراب ہے اگر عمل نیک بھی کرے تو قبول نہیں"۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَ اَیۡدِیَكُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ اِلَی الۡكَعۡبَیۡنِ ؕ وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا ؕ وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَ اَیۡدِیۡكُمۡ

٦۔ اے ایمان والو[۳۴] جب تم اٹھو[۳۵] نماز کو تو دھو لو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو[۳۶] اور پاؤں ٹخنوں تک[۳۷] اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو[۳۸] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا کوئی تم میں آیا ہے جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو مٹی پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اس سے[۳۹] اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے[۴۰] لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے[۴۱] اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تاکہ تم احسان مانو[۴۲]

مِّنۡهُ ؕ مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّ
لٰـكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَ لِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ
لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝۶

وَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ مِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ
وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۡ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۷

۷۔ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا[۴۳] اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات[۴۴]

۳۴۔ نماز کے لئے وضو کا حکم: امت محمدیہ پر جو عظیم الشان احسانات کئے گئے ان کا بیان سن کر ایک شریف اور حق شناس مومن کا دل شکر گذاری اور اظہار وفاداری کے جذبات سے لبریز ہو جائے گا اور فطری طور پر اس کی یہ خواہش ہو گی کہ اس منعم حقیقی کی بارگاہ رفیع میں دست بستہ حاضر ہو کر جبین نیاز خم کرے اور اپنی غلامانہ منت پذیری اور انتہائی عبودیت کا عملی ثبوت دے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ جب ہمارے دربار میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز کے لئے اٹھو تو پاک وصاف ہو کر آؤ۔ جن لذائذ دنیوی اور مرغوبات طبعی سے متمتع ہونے کی آیت وضو سے پہلی آیت میں اجازت دی گئی۔ (یعنی طیبات اور محصنات) وہ ایک حد تک انسان کو ملکوتی صفات سے دور اور بہیمیت سے نزدیک کرنے والی چیزیں اور کل احداث (موجبات وضو وغسل) ان ہی کے استعمال سے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا مرغوبات نفسانی سے یکسو ہو کر جب ہماری طرف آنے کا قصد کرو تو پہلے بہیمیت کے اثرات اور "اکل وشرب" وغیرہ کے پیدا کئے ہوئے تکدرات سے پاک ہو جاؤ یہ پاکی "وضو" اور "غسل" سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وضو کرنے سے مومن کا بدن پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ جب وضو باقاعدہ کیا جائے تو پانی کے قطرات کے ساتھ گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں۔

۳۵۔ یعنی سو کر اٹھو یا دنیا کے مشاغل چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو تو پہلے وضو کر لو۔ لیکن وضو کرنا ضروری اس وقت ہے جبکہ پیشتر سے باوضو نہ ہو۔ آیت کے آخر میں ان احکام کی جو غرض وَّ لٰكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ سے بیان فرمائی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ہاتھ منہ وغیرہ دھونے کا وجوب اسی لئے ہے کہ حق تعالیٰ تم کو پاک کر کے اپنے دربار میں جگہ دے۔ اگر یہ پاکی پہلے سے حاصل ہے اور کوئی ناقص وضو پیش نہیں آیا تو پاک کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کو ضروری قرار دینے سے "امت" حرج میں پڑتی ہے جس کی نفی مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ میں کی گئی۔ ہاں مزید نظافت، نورانیت اور نشاط حاصل کرنے کے لئے اگر تازہ وضو کر لیا جائے تو مستحب ہو گا۔ شاید اسی لئے اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ الآیۃ میں سطح کلام کی ایسی رکھی ہے جس سے ہر مرتبہ نماز کی طرف جانے کے وقت تازہ وضو کی ترغیب ہوتی ہے۔

۳۶۔ یعنی تر ہاتھ سر پر پھیر لو۔ نبی کریم ﷺ سے مدۃ العمر میں مقدار ناصیہ سے کم کا مسح ثابت نہیں ہوتا۔ "مقدار ناصیہ" چوتھائی سر کے

قریب ہے۔ حنفیہ اس قدر "مسح" کو فرض کہتے ہیں۔ باقی اختلافات اور دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

۳۷۔ مترجم محقق نے پاؤں کے بعد لفظ "کو" نہ لکھ کر نہایت لطیف اشارہ فرمادیا کہ "ارجلکم" کا عطف مغسولات پر ہے یعنی جس طرح منہ ہاتھ دھونے کا حکم ہے پاؤں بھی ٹخنوں تک دھونے چاہئیں سر کی طرح مسح کافی نہیں۔ چنانچہ اہل السنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے اور احادیث کثیرہ سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر پاؤں میں موزے نہ ہوں تو دھونا فرض ہے۔ ہاں "موزوں" پر ان شرائط کے موافق جو کتب فقہ میں مذکور ہیں مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تک مسح کر سکتا ہے۔

۳۸۔ جنابت کے لئے غسل: یعنی جنابت سے پاک ہونے میں صرف اعضائے اربعہ کا دھونا اور مسح کرنا کافی نہیں۔ سطح بدن کے جس حصہ تک پانی بدون تضرر کے پہنچ سکتا ہو وہاں تک پہنچانا ضروری ہے۔ اسی لئے حنفیہ غسل میں "مضمضہ" اور "استنشاق" (کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) کو بھی ضروری کہتے ہیں۔ وضو میں ضروری نہیں۔ سنت ہے۔

۳۹۔ بعض صورتوں میں تیمم کا حکم: یعنی مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال مضر ہو یا سفر میں پانی بقدر کفایت نہ ملے یا مثلاً کوئی قضائے حاجت کر کے آیا اور وضو کی ضرورت ہے یا جنابت کی وجہ سے غسل ناگزیر ہے مگر پانی کے حاصل کرنے یا استعمال کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہیں تو ان صورتوں میں وضو یا غسل کی جگہ پر تیمم کرلے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ تیمم کی مشروعیت سے جو غرض ہے۔ وہ بہر صورت یکساں طور پر حاصل ہوتی ہے۔ "تیمم" کے اسرار و مسائل اور اس آیت کے فوائد "سورہ نساء" کے ساتویں رکوع میں مفصل گذر چکے۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس سرہ نے لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ کا جو ترجمہ کیا ہے (پاس گئے ہو عورتوں کے) وہ محاورہ کے اعتبار سے حالت جنابت ہی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ترجمہ ابن عباسؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی تفسیر کے موافق ہے جسے ابن مسعودؓ نے بھی سکوتاً تسلیم کیا ہے (کمافی البخاری) نیز مترجم علام نے فَتَيَمَّمُوۡا کے ترجمہ میں "قصد کرو" کہہ کر اشارہ فرمادیا کہ اصل لغت کے اعتبار سے "تیمم" کے معنی میں "قصد" معتبر ہے اور اس لغوی معنیٰ کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے "تیمم شرعی" میں بھی قصد یعنی نیت کو علماء نے ضروری قرار دیا ہے۔

۴۰۔ احکام میں سہولتیں: اسی لئے جو احداث کثیر الوقوع تھے ان میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا۔ صرف وہ اعضا (منہ، ہاتھ، پاؤں، سر) جن کو اکثر بلاد متمدنہ کے رہنے والے عموماً کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ان کا دھونا اور مسح کرنا ضروری بتلایا تاکہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو۔ ہاں "حدث اکبر" یعنی "جنابت" جو احیاناً پیش آتی ہے اور اس حالت میں نفس کو ملکوتی خصال کی طرف ابھارنے کے لئے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اس کے ازالہ کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض کیا۔ پھر "مرض" اور "سفر" وغیرہ حالات میں کسی قدر آسانی فرمادی۔ اول تو پانی کی جگہ "مٹی" کو مطہر بنادیا۔ پھر اعضائے وضو میں سے نصف کی تخفیف اس طرح کردی کہ جہاں پہلے ہی سے تخفیف تھی یعنی سر کا مسح اسے بالکل اڑا دیا اور پاؤں کو شاید اس لئے ساقط کردیا کہ وہ عموماً مٹی میں یا مٹی کے قریب رہتے ہیں اور تمام اعضائے بدن کی نسبت سے گردوغبار میں ان کا تلوث شدید تر ہے۔ لہٰذا ان پر مٹی کا ہاتھ پھیرنا بیکار سا تھا۔ بس دو عضو رہ گئے "منہ" اور "ہاتھ" ان ہی کو ملنے سے وضو اور غسل دونوں کا "تیمم" ہو جاتا ہے۔

۴۱۔ کیونکہ وہ خود پاک ہے تو پاکی ہی پسند کرتا ہے۔

۴۲۔ آسانیوں پر اللہ کا شکر: "پچھلے رکوع میں جو نعمائے عظیمہ بیان ہوئی تھیں ان کو سن کر بندہ کے دل میں جوش اٹھا کہ اس منعم حقیقی کی بندگی کے لئے فوراً اٹھ کھڑا ہو جائے۔ اسے بتلا دیا کہ ہماری طرف آؤ تو کس طریقہ سے پاک ہو کر آؤ۔ یہ بتلانا خود ایک نعمت ہوئی اور بدن کی سطح ظاہر پر پانی ڈالنے یا مٹی لگانے سے اندرونی پاکی عطا فرمادینا۔ یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بندہ ابھی پچھلی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکا تھا قصد ہی کر رہا تھا کہ یہ جدید انعامات فائض ہو گئے۔ اس لئے ارشاد ہوا لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ یعنی ان پہلی نعمتوں کو یاد کرنے سے پہلے ان جدید نعمتوں کا جو

"احکام وضو" وغیرہ کے ضمن میں مبذول ہوئیں، شکر ادا کرنا چاہئے۔ شاید اسی لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ سے حضرت بلالؓ نے تحیۃ الوضو کا سراغ لگایا ہو۔ اس درمیانی نعمت کے شکریہ پر متوجہ کرنے کے بعد اگلی آیت میں ان سابق نعمتوں اور احسانات عظیمہ کو پھر اجمالاً یاد دلاتے ہیں جن کی شکر گذاری کے لئے بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہونا چاہتا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الخ"

۴۳۔ مومنوں کے عہد کی تذکیر: غالبًا یہ عہد وہ ہی ہے جو "بقرہ" کے آخر میں مومنین کی زبان سے نقل فرمایا تھا وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (بقرہ۔۲۸۵) جب صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے اس وقت بھی یہ اقرار کرتے تھے کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق آپ کی ہر بات کو سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہمارے منشاء اور طبیعت کے موافق ہو یا خلاف۔ یہ تو عام عہد تھا اس کے بعد بعض ارکان اسلام یا مناسب حال اہم چیزوں کے متعلق خصوصیت سے بھی عہد لیا جاتا تھا۔ گویا اس صورت کے شروع میں جو اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ فرمایا تھا درمیان میں بہت سے احسانات کا ذکر کر کے جن کو سن کر ایفائے عہد کی مزید ترغیب ہوتی ہے پھر وہ ہی اصلی سبق یاد دلایا گیا۔

۴۴۔ ایک شریف اور حیادار آدمی کی گردن اپنے محسن اعظم کے سامنے جھک جانی چاہئے۔ مروت و شرافت اور آیندہ مزید احسانات کی توقع اسی کو مقتضی ہے کہ بندہ اس منعم حقیقی کا بالکل تابع فرمان بن جائے۔ خصوصًا جبکہ زبان سے اطاعت و وفاداری کا پختہ عہد و اقرار بھی کر چکا ہے۔ ممکن ہے حق تعالیٰ کی بے انتہا مہربانیاں دیکھ کر بندہ مغرور ہو جائے اس کی نعمتوں کی قدر اور اپنے قول و قرار کی کوئی پروانہ کرے اس لئے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی خدا سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ وہ ایک لمحہ میں تم سے سب نعمتیں چھین سکتا ہے اور ناشکری اور بدعہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ سکتا ہے۔ بہر حال مروت، شرافت، امید اور خوف ہر چیز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی مخلصانہ اطاعت اور وفاداری میں پوری مستعدی دکھلائیں۔ آگے وہ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔ ہم جو کچھ کریں گے وہ ہمارے اخلاص یا نفاق، ریاکاری یا قلبی نیاز مندی کو خوب جانتا ہے۔ فقط زبان سے "سمعنا و اطعنا" کہنے یا شکر گذاری کی رسمی اور ظاہری نمائش سے ہم اس کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

۸۔ اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی [۴۵] اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو [۴۶] عدل کرو یہ بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے [۴۷] اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو [۴۸]

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹

۹۔ وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں کہ انکے واسطے بخشش اور بڑا ثواب ہے [۴۹]

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٠﴾

۱۰۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے [۵۰]

۴۵۔ انصاف کی گواہی کا حکم: اس سے پہلی آیت میں مومنین کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد و پیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں بتلا دیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں، بلکہ عملی رنگ میں ان سے اس کا ثبوت مطلوب ہے۔ اس آیت میں اسی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے بے شمار احسانات اور اپنے عہد و اقرار کو بھلا نہیں دیا تو لازم ہے کہ اس محسن حقیقی کے حقوق ادا کرنے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے ولی نعمت کی طرف سے ملے تو فورًا تعمیل حکم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی پوری جدوجہد اور اہتمام کرو۔ چنانچہ قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ میں حقوق اللہ کی اور شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی ایک آیت والمحصنات کے آخر میں گذر چکی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں "بالقسط" کو "للہ" پر مقدم کر دیا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہاں دور سے "حقوق العباد" کا ذکر چلا آ رہا تھا اور یہاں پہلے سے "حقوق اللہ" پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے وہاں "بالقسط" کی اور یہاں "للہ" کی تقدیم مناسب ہوئی۔ نیز یہاں لحاق میں مبغوض دشمن سے معاملہ کرنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ "قسط" کو یاد دلانے کی ضرورت ہے اور "سورۂ نساء" کے لحاق میں محبوب چیزوں کا ذکر ہے اس لئے وہاں سب سے بڑے محبوب (اللہ) کو یاد دلایا گیا۔

۴۶۔ عدل و انصاف کی تاکید: "عدل" کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلوں میں سے کسی پلہ کو جھکا نہ سکے۔

۴۷۔ عدل و انصاف سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے: "جو چیزیں شرعًا مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہیں ان سے بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام "تقویٰ" ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب قریبہ و بعیدہ بہت سے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ اور خصال خیر کو اس کے اسباب و معدات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "عدل و قسط" یعنی دوست و دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت و عداوت سے قطعًا مغلوب نہ ہونا، یہ خصلت حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى فرمایا (یعنی عدل جس کا حکم دیا گیا تقویٰ سے نزدیک تر ہے) کہ اس کی مزاولت کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

۴۸۔ یعنی ایسا عدل و انصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اس کی شان انتقام کا خوف ہے۔ اور یہ خوف اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہو گا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ تو اس کا قلب خشیہ الٰہی سے لرزنے لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے گا۔ اور احکام الٰہیہ کے امتثال کے لئے غلامانہ تیار رہے گا۔ پھر اس نتیجہ پر ثمرہ وہ ملے گا جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ

۴۹۔ یعنی نہ صرف یہ کہ ان کوتاہیوں کو معاف کر دیں گے جو بمقتضائے بشریت رہ جاتی ہیں بلکہ عظیم الشان اجر و ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

۵۰۔ یہ پہلے فریق کے بالمقابل اس جماعت کی سزا ذکر کی گئی جس نے قرآن کریم کے ان صاف و صریح حقائق کو جھٹلایا یا ان نشانات کی تکذیب کی جو سچائی کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے خدا کی طرف سے دکھلائے جاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ
اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ يَّبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ فَكَفَّ
اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ‌ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾ ع ٢ ٦

١١۔ اے ایمان والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں پھر روک دیے تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہیئے بھروسہ ایمان والوں کو[٥١]

وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ‌ۚ وَ
بَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَىۡ عَشَرَ نَقِيۡبًا ‌ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىۡ
مَعَكُمۡ‌ ؕ لَـئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيۡتُمُ الزَّكٰوةَ وَ
اٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِىۡ وَعَزَّرۡتُمُوۡهُمۡ وَاَقۡرَضۡتُمُ اللّٰهَ
قَرۡضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَ
لَاُدۡخِلَـنَّكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ‌ۚ
فَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ
السَّبِيۡلِ ﴿۱۲﴾

١٢۔ اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے[٥٢] اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ سردار[٥٣] اور کہا اللہ نے میں تمہارے ساتھ ہو[٥٤] اگر تم قائم رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے ان کی[٥٥] اور قرض دو گے اللہ کو[٥٦] اچھی طرح کا قرض[٥٧] تو البتہ دور کروں گا میں تم سے گناہ تمہارے اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں[٥٨] پھر جو کوئی کافر رہا تم میں سے اس کے بعد تو وہ بیشک گمراہ ہوا سیدھے راستہ سے[٥٩]

٥١۔ مومنوں پر اللہ کا احسان: عمومی احسانات یاد دلانے کے بعد بعض خصوصی احسان یاد دلاتے ہیں یعنی قریش مکہ اور ان کے پٹھوؤں نے حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو صدمہ پہنچانے اور اسلام کو مٹانے کے لئے کس قدر ہاتھ پاؤں مارے مگر حق تعالیٰ کے فضل و رحمت نے ان کا کوئی داؤ چلنے نہ دیا۔ اس احسان عظیم کا اثر یہ ہونا چاہیئے کہ مسلمان غلبہ اور قابو حاصل کر لینے کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے محفوظ رکھیں اور جوش انتقام میں عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں جیسا کہ پچھلی آیات میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ ممکن ہے کسی کو یہ شبہ گذرے کہ ایسے معاند دشمنوں کے حق میں اس قدر رواداری کی تعلیم کہیں اصول سیاست کے خلاف تو نہ ہو گی کیونکہ ایسا نرم برتاؤ دیکھ کر مسلمانوں کے خلاف شریروں اور بد باطنوں کی جرأت بڑھ جانے کا قوی احتمال ہے اس کا ازالہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ سے فرما دیا یعنی مومن کی سب سے بڑی سیاست "تقویٰ" اور "توکل علی اللہ" (خدا سے ڈرنا اور اسی پر بھروسہ کرنا) ہے خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ

ظاہر و باطن میں اس سے اپنا معاملہ صاف رکھو اور جو عہد و اقرار کئے ہیں ان میں پوری وفاداری دکھلاتے رہو۔ پھر بحمد اللہ کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگلی آیت میں ہماری عبرت کے لئے ایک ایسی قوم کا ذکر فرمادیا۔ جس نے خدا سے نڈر ہو کر بد عہدی اور غداری کی تھی، وہ کس طرح ذلیل و خوار ہوئی۔

۵۲۔ یعنی کچھ امت محمدیہ ہی کی خصوصیت نہیں پہلی امتوں سے بھی عہد لئے جا چکے ہیں۔

۵۳۔ بنی اسرائیل کے بارہ سردار: بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے بارہ سردار حضرت موسیٰؑ نے چن لئے تھے جن کے نام بھی مفسرین نے تورات سے نقل کئے ہیں، ان کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی قوم پر عہد پورا کرنے کی تاکید اور ان کے احوال کی نگرانی رکھیں۔ عجب اتفاق یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے جب "انصار" نے "لیلۃ العقبہ" میں نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں سے بھی بارہ ہی "نقیب" نامزد ہوئے ان ہی بارہ آدمیوں نے اپنی قوم کی طرف سے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ جابر بن سمرۃ کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس امت کے متعلق جو بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی تھی ان کا عدد بھی "نقبائے بنی اسرائیل" کے عدد کے موافق ہے اور مفسرین نے تورات سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تیری ذریت میں سے بارہ سردار پیدا کروں گا" غالباً یہ وہی "بارہ" ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرہ کی حدیث میں ہے۔

۵۴۔ یا تو یہ خطاب بارہ سرداروں کو ہے یعنی تم اپنا فرض ادا کرو میری حمایت اور امداد تمہارے ساتھ ہے۔ یا سب بنی اسرائیل کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی کسی وقت تم مجھے اپنے سے دور مت سمجھو جو کچھ معاملہ تم سرًا یا علانیۃً کرو گے وہ ہر جگہ اور ہر وقت میں دیکھ رہا اور سن رہا ہوں۔ اس لئے جو کچھ کرو خبردار ہو کر کرو۔

۵۵۔ بنی اسرائیل سے اللہ کا عہد: یعنی جو رسول حضرت موسیٰؑ کے بعد آتے رہیں گے ان سب کی تصدیق کرو گے اور دلی تعظیم سے پیش آؤ گے اور دشمنان حق کے مقابلہ پر ان کا پورا ساتھ دو گے جان سے بھی اور مال سے بھی۔

۵۶۔ خدا کو قرض دینے سے مراد اس کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں مال خرچ کرنا ہے جس طرح روپیہ قرض دینے والا اس امید پر دیتا ہے کہ اس کا روپیہ مل جائے گا اور قرض لینے والا اس کے ادا کرنے کو اپنے ذمہ پر لازم کر لیتا ہے۔ اسی طرح خدا ہی کی دی ہوئی جو چیز یہاں اسی کے راستے میں خرچ کی جائے گی۔ وہ ہرگز گم یا کم نہیں ہو گی۔ حق تعالیٰ نے کسی مجبوری سے نہیں محض اپنے فضل و رحمت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے کہ وہ چیز تم کو عظیم الشان نفع کی صورت میں واپس کر دے۔

۵۷۔ "اچھی طرح" سے مراد یہ ہے کہ اخلاص سے دو اور اپنے محبوب و مرغوب اور پاک و صاف مال میں سے دو۔

۵۸۔ یعنی نیکیاں جب کثرت سے ہوں تو وہ برائیوں کو دبا لیتی ہیں۔ جب آدمی خدا کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہے تو حق تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو دور کر کے اپنی خوشنودی اور قرب کے مکان میں جگہ دیتا ہے۔

۵۹۔ یعنی ایسے صاف اور پختہ عہد و پیمان کے بعد بھی جو شخص خدا کا وفادار ثابت نہ ہوا اور غدر و خیانت پر کمربستہ ہو گیا تو سمجھ لو کہ اس نے کامیابی اور نجات کا سیدھا راستہ گم کر دیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہلاکت کے کس گڑھے میں جا کر گرے گا۔ بنی اسرائیل سے جن باتوں کے عہد لینے کا یہاں ذکر ہے وہ یہ ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، پیغمبروں پر ایمان لانا، ان کی جان و مال سے مدد کرنا۔ ان میں سے پہلی عبادت بدنی ہے، دوسری مالی، تیسری قلبی مع لسانی چوتھی فی الحقیقت تیسری کی اخلاقی تکمیل ہے۔ گویا ان چیزوں کو ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ جان و مال اور قلب و قالب ہر چیز سے خدا کی اطاعت اور وفاشعاری کا اظہار کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے چن چن کر ایک ایک عہد کی خلاف ورزی کی۔ کسی قول و قرار پر قائم نہ رہے ان عہد شکنیوں کا جو نتیجہ ہوا اسے اگلی آیت میں بیان فرماتے ہیں۔

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَ جَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَ اصۡفَحۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾

١٣۔ سو ان کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی [٦٠] اور کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت پھیرتے ہیں کلام کو اسکے ٹھکانے سے [٦١] اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو انکو کی گئی تھی [٦٢] اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے ان کی کسی دغا پر [٦٣] مگر تھوڑے لوگ ان میں سے [٦٤] سو معاف کر اور درگذر کر ان سے اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو [٦٥]

وَ مِنَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَهُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ ۖ فَاَغۡرَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَ الۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَ سَوۡفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۴﴾

١٤۔ اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ [٦٦] ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو انکو کی گئی تھی [٦٧] پھر ہم نے لگا دی آپس میں انکی دشمنی اور کینہ [٦٨] قیامت کے دن تک [٦٩] اور آخر جتا دے گا ان کو اللہ جو کچھ کرتے تھے [٧٠]

٦٠۔ یہودیوں پر نقص عہد کی وجہ سے لعنت: لعن کے معنی طرد و ابعاد کے ہیں۔ یعنی عہد شکنی اور غداری کی وجہ سے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور پھینک دیا۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ کے لفظ سے ظاہر فرما دیا کہ ان کے ملعون اور سنگدل ہونے کا سبب عہد شکنی اور بے وفائی ہے جو خود انہی کا فعل ہے۔ اسباب پر مسبب کا مرتب کرنا چونکہ خدا ہی کا کام تھا اس لحاظ سے جَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔

٦١۔ یہودیوں کی کلام اللہ میں تحریف: یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں کبھی اس کے الفاظ میں کبھی معنی میں کبھی تلاوت میں۔ تحریف کی یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ جس کا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔

٦٢۔ یہودیوں کی محرومی: یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ ان قیمتی نصیحتوں سے فائدہ اٹھاتے جو مثلاً نبی آخر الزماں کی آمد اور دوسرے مہمات دینیہ کے متعلق ان کی کتابوں میں موجود تھیں۔ مگر اپنی غفلتوں اور شرارتوں میں پھنس کر یہ سب بھول گئے بلکہ نصیحتوں کا وہ ضروری حصہ ہی گم کر دیا اور اب بھی جو نصیحتیں اور مفید باتیں خاتم النبیین ﷺ کی زبان سے ان کو یاد دلائی جاتی ہیں ان کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے کہ "نقض عہد" کے سبب سے ان میں دو بایتں آئیں۔ "ملعونیت" اور "قسوۃ قلب" ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں "تحریف کلام اللہ" اور "عدم انتفاع بالذکر" یعنی لعنت کے اثر سے ان کا دماغ ممسوخ ہو گیا۔ حتیٰ کہ نہایت بے باکی اور بد عقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف جب عہد شکنی کی نحوست سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت سے متاثر ہونے کا مادہ نہ

رہا۔ اس طرح علمی اور عملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے۔

٦٣۔ یعنی ان کی دغابازی اور خیانت کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔ اور آیندہ بھی چلتا رہے گا۔ اسی لئے ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی دغابازی اور مکر وفریب پر آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں۔

٦٤۔ یعنی عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اسلام میں داخل ہو چکے۔

٦٥۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو و درگذر کا حکم: یعنی جب ان کی عادت قدیمہ ہی یہ ہے تو ایسے لوگوں سے ہر جزئی پر الجھنے اور ان کی ہر خیانت کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو چھوڑیے اور درگذر کیجئے اور ان کی برائی کا بدلہ عفو و احسان سے دیجئے۔ شاید اسی سے کچھ متاثر ہوں۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (توبہ۔۲۹) الخ سے مگر اس کی کچھ حاجت نہیں۔ قتال کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت اور کسی موقع پر بھی ایسی قوم کے مقابلہ میں عفو و درگذر اور تالیف قلب سے کام نہ لیا جاسکے۔

٦٦۔ لفظ نصاریٰ کی تشریح: ""نصاریٰ" کا ماخذ یا تو "نصر" ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور یا "ناصرہ" کی طرف نسبت ہے۔ جو ملک شام میں اس بستی کا نام ہے جہاں حضرت مسیحؑ رہے تھے۔ اسی لئے ان کو "مسیح ناصری" کہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے کو "نصاریٰ" کہتے تھے وہ گویا اس بات کے مدعی تھے کہ ہم خدا کے سچے دین اور پیغمبروں کے حامی و ناصر اور حضرت "مسیح ناصری" کے متبع ہیں اس زبانی دعوے اور لقبی تفاخر کے باوجود دین کے معاملہ میں جو رویہ تھا وہ آگے ذکر کیا گیا ہے۔

٦٧۔ یعنی یہود کی طرح ان سے بھی عہد لیا گیا۔ لیکن یہ بھی عہد شکنی اور بے وفائی میں اپنے پیشرؤوں سے کچھ کم نہیں رہے انہوں نے بھی ان بیش بہا نصائح سے جن پر نجات و فلاح ابدی کا مدار تھا کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ "بائبل" میں نصیحتوں کا وہ حصہ باقی ہی نہ چھوڑا۔ جو حقیقۃً مذہب کا مغز تھا۔

٦٨۔ اہل کتاب کی آپس میں دائمی بغض وعداوت: یعنی باہم "نصاریٰ" میں یا "یہود" اور "نصاریٰ" دونوں میں عداوتیں اور جھگڑے ہمیشہ کے لئے قائم ہو گئے۔ آسمانی سبق کو ضائع کرنے اور بھلا دینے کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا یعنی جب وحی الٰہی کی اصلی روشنی ان کے پاس نہ رہی تو اوہام واہواء کی اندھیریوں میں ایک دوسرے سے الجھنے لگا۔ مذہب تو نہ رہا پر مذہب کے جھگڑے رہ گئے۔ بیسیوں فرقے پیدا ہو کر اندھیرے میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ یہ ہی فرقہ وار تصادم آخر کار آپس کی شدید ترین عداوت و بغض پر منتہی ہوا۔ کوئی شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی بے حد تفرق و تشتت اور مذہبی تصادم موجود ہے لیکن چونکہ ہمارے پاس وحی الٰہی اور قانون سماوی بحمد اللہ بلا کم وکاست محفوظ ہے اس لئے اختلافات کی موجودگی میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت برابر مرکز حق و صداقت پر قائم رہی ہے اور رہے گی۔ اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ کے اختلافات یا مثلاً پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک وغیرہ فرقوں کی باہم مخالفت میں کوئی ایک فریق بھی نہ آج شاہراہ حق و صداقت پر قائم ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وحی الٰہی کی رشنی کو جس کے بدون کوئی انسان خدا تعالیٰ اور اس کے قوانین کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتا اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے ضائع کر چکے ہیں اب جب تک وہ اس محرف "بائبل" کے دامن سے وابستہ رہیں گے محال ہے کہ قیامت تک ان کورانہ اور محض بے اصول اختلافات اور فرقہ وار بغض و عناد کی ظلمت سے نکل کر حق کا راستہ دیکھ سکیں اور نجات ابدی کی شاہراہ پر چل سکیں۔ باقی جو لوگ آج نفس مذہب خصوصاً عیسائیت کا مذاق اڑاتے ہیں اور جنہوں نے لفظ مسیحیت یا موجود بائبل کو محض سند سیاسی ضرورتوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس آیت میں ان نصاریٰ کا ذکر نہیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ وہ بھی آیت کے تحت میں داخل ہیں تو ان کی باہمی عداوتیں اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں اور علانیہ محاربات بھی باخبر اصحاب پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

٦٩۔ یعنی جب تک وہ رہیں گے اختلاف اور بغض وعناد بھی ہمیشہ رہے گا۔ یہاں "قیامت تک" کا لفظ ایسا ہے۔ جیسے ہمارے محاورات میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص تو قیامت تک بھی فلاں حرکت سے باز نہ آئے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ شخص قیامت تک زندہ رہے گا اور یہ حرکت کرتا رہے گا مراد یہ ہے کہ اگر قیامت تک بھی زندہ رہے تو اس بات کو نہ چھوڑے گا۔ اسی طرح آیت میں اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ کا لفظ آنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہود ونصاریٰ کا وجود قیامت تک رہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بعض مبطلین نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔

٧٠۔ یعنی آخرت میں پوری طرح اور دنیا میں بھی بعض واقعات کے ذریعہ سے ان کو اپنے کرتوت کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ
كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَ يَعۡفُوۡا
عَنۡ كَثِيۡرٍ‌ ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ
مُّبِيۡنٌ ۙ‏ ﴿۱۵﴾

١٥۔ اے کتاب والو تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے [٧١] بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی

يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ
وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَ
يَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ‏ ﴿۱۶﴾

١٦۔ جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اسکی رضا کا سلامتی کی راہیں اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ[٧٢]

لَـقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ
مَرۡيَمَ‌ ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًـا اِنۡ اَرَادَ
اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى
الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا‌ ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ
مَا بَيۡنَهُمَا‌ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏ ﴿۱۷﴾

١٧۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا[٧٣] تو کہہ دے پھر کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو[٧٤] اور اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ درمیان ان دونوں کے ہے پیدا کرتا ہے جو چاہے[٧٥] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے[٧٦]

وَ قَالَتِ الۡیَهُوۡدُ وَ النَّصٰرٰی نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا ۫ وَ اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اسکے پیارے [۷۷] تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر [۷۸] کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اسکی مخلوق میں [۷۹] بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے [۸۰] اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو کچھ دونوں کے بیچ میں ہے اور اسکی کی طرف لوٹ کر جانا ہے [۸۱]

۷۱۔ یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت: یہ سب "یہود" و "نصاریٰ" کو خطاب ہے کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ جن کی آمد کی بشارات تمہاری کتابوں میں اس قدر تحریف ہونے پر بھی کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہیں تشریف لے آئے، جن کے منہ میں خدا نے اپنا کلام ڈالا ہے اور جنہوں نے ان حقائق کی تکمیل کی جو حضرت مسیحؑ ناتمام چھوڑ گئے تھے۔ "توراۃ" و "انجیل" کی جن باتوں کو تم چھپاتے تھے اور بدل سدل کر بیان کرتے تھے ان میں کی سب ضروری باتیں اس نبی آخر الزماں نے ظاہر فرمادیں اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہ تھی ان سے در گزر کیا۔

۷۲۔ شاید "نور" سے خود نبی کریم ﷺ اور "کتاب مبین" سے قرآن کریم مراد ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ جو وحی الٰہی کی روشنی کو ضائع کر کے اہواء اور آراء کی تاریکیوں اور باہمی خلاف و شقاق کے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے ہیں، جس سے نکلنے کا بحالت موجود قیامت تک امکان نہیں ان سے کہدو کہ خدا کی سب سے بڑی روشنی آگئی۔ اگر نجات ابدی کے صحیح راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو اس روشنی میں حق تعالیٰ کی رضا کے پیچھے چل پڑو۔ سلامتی کی راہیں کھلی پاؤ گے اور اندھیرے سے نکل کر اجالے میں بے کھٹکے چل سکو گے اور جس کی رضا کے تابع ہو کر چل رہے ہو اسی کی دستگیری سے صراط مستقیم کو بے تکلف طے کر لو گے۔

۷۳۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا ابطال: یعنی مسیحؑ کے علاوہ خدا کوئی اور چیز نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں سے "فرقہ یعقوبیہ" کا ہے جن کے نزدیک مسیحؑ کے قالب میں خدا حلول کئے ہوئے ہے (معاذ اللہ) یا یوں کہا جائے کہ جب "نصاریٰ" حضرت مسیحؑ کی نسبت "الوہیت" کے قائل ہیں اور ساتھ ہی توحید کا بھی زبان سے اقرار کرتے جاتے ہیں یعنی خدا ایک ہی ہے تو ان دونوں دعووں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مسیحؑ کے سوا کوئی خدا نہ ہو۔ بہر حال کوئی صورت لی جائے اس عقیدہ کے کفر صریح ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

۷۴۔ یعنی اگر فرض کرو خدائے قادر و قہار یہ چاہے کہ حضرت مسیحؑ اور مریم اور اگلے پچھلے کل زمین پر بسنے والوں کو اکٹھا کر کے ایک دم میں ہلاک کر دے تو تم ہی بتلاؤ کہ اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے یعنی ازل و ابد کے سارے انسان بھی اگر فرض کرو مجتمع کر دیے جائیں اور خدا ایک آن میں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو سب کی اجتماعی قوت بھی خدا کے ارادہ کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مخلوقات کی قدرت جو عطائی اور محدود ہے۔ خدا کی ذاتی اور لامحدود قوت کے مقابلہ میں عاجز محض ہے جس کا اعتراف خود وہ لوگ بھی کرتے ہیں جن کے رد میں یہ خطاب کیا جا رہا ہے بلکہ خود مسیحؑ بن مریم بھی جن کو یہ لوگ خدا بنا رہے ہیں، اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ مرقس کی انجیل میں حضرت مسیحؑ کا یہ مقولہ موجود ہے "اے باپ ہر چیز تیری قدرت کے تحت میں ہے تو مجھ سے یہ (موت) کا پیالہ ٹلا دے اس طرح نہیں جو میں چاہتا ہوں بلکہ

اس طرح جیسے تیرا ارادہ ہے"۔ پس جب حضرت مسیحؑ جن کو تم خدا کہتے ہو اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ جو تمہارے زعم میں خدا کی ماں ہوئیں وہ دونوں بھی تمام من فی الارض کے ساتھ ملکر خدا کی مشیت وارادہ کے سامنے عاجز ٹھہرے تو خود سوچ لو کہ ان کی یا ان کی والدہ یا کسی اور مخلوق کی نسبت خدائی کا دعویٰ کرنا کس قدر گستاخی اور شوخ چشمی ہو گی۔ آیۃ کی اس تقریر میں ہم نے "ہلاک" کو "موت" کے معنی میں لیا ہے مگر "جمیعًا" کے لفظ کی تھوڑی سی وضاحت کر دی۔ جو مدلول لفظ "جمیعًا" کا ہم نے بیان کیا وہ ائمہ عربیۃ کی تصریحات کے عین موافق ہے۔ اس کے سوا یہ بھی ممکن ہے کہ آیۃ میں "ہلاک" کے معنی "موت" کے نہ لئے جائیں جیسا کہ راغب نے لکھا ہے کبھی "ہلاک" کے معنی ہوتے ہیں "کسی چیز کا مطلقًا اور نیست ونابود ہو جانا"۔ مثلاً كُلُّ شَيۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ (القصص۔۸۸) یعنی خدا کی ذات کے سوا ہر چیز نابود ہونے والی ہے۔ اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر خدائے قدیر حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ اور تمام من فی الارض کو قطعًا نیست ونابود اور بالکلیہ فنا کر ڈالنے کا ارادہ کر لے تو کون ہے جو اس کے ارادہ کو روک دے گا۔ اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند، عالمے را در دمے ویراں کند۔ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا ان کی امت بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھادے۔ والا نبی اس لائق کاہے کو ہیں کہ ان کے مرتبہ عالی اور وجاہت عند اللہ کا خیال کرتے ہوئے ایسا خطاب کیا جاتا۔

۷۵۔ جو چاہے اور جس طرح چاہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ کو بدون باپ کے حضرت حواؑ کو بدون ماں کے اور حضرت آدمؑ کو بدون ماں اور باپ کے پیدا کر دیا۔

۷۶۔ کسی کا زور اس کے سامنے نہیں چل سکتا۔ سب اخیار وابرار بھی وہاں مجبور ہیں۔

۷۷۔ یہود ونصاریٰ کا ابناء اللہ ہونے کا دعویٰ: شاید اپنے کو "بیٹے" یعنی اولاد اس کے لئے کہتے ہوں کہ ان کی "بائبل" میں خدا نے اسرائیل (یعقوبؑ) کو اپنا پہلوٹا بیٹا اور اپنے کو اس کا باپ کہا ہے۔ ادھر نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو "ابن اللہ" مانتے ہیں تو اسرائیل کی اولاد اور حضرت مسیحؑ کی امت ہونے کی وجہ سے غالبًا "ابناء اللہ" کا لفظ اپنی نسبت استعمال کیا ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ "بیٹا" کہنے سے مراد یہ ہو کہ ہم خدا کے خواص اور محبوب ہونے کی وجہ سے گویا اولاد ہی جیسے ہیں۔ اس صورت میں "ابناء" کا حاصل وہی ہو جائے گا جو لفظ "احبار" کا ہے۔

۷۸۔ چونکہ کسی مخلوق کا حقیقۃً "ابن اللہ" ہونا بالکل محال اور بدیہی البطلان ہے اور خدا کا محبوب بن جانا ممکن تھا يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ (مائدہ۔۵۴) اس لئے اس جملہ میں اول محبوبیت (پیارے ہونے) کے دعوے کا رد کیا گیا یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کئی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی اور آخرت میں بھی حبس دوام کی سزا کا عقلًا ونقلًا استحقاق رکھتی ہے۔ کیا ایسی باغی وعاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہو گی؟ خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں۔ اس کا پیار اور اسکی محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے ایسے کٹر مجرموں کو جو سخت سے سخت سزا کے مستحق اور مورد بن چکے ہوں شرمانا چاہئے کہ وہ نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کا دعویٰ کریں۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کو باوجودیکہ ان کا صلبی بیٹا تھا خدا نے فرمادیا اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ (ہود۔۴۶)

۷۹۔ "بشر" اصل لغت میں کھال کی اوپر والی سطح کو کہتے ہیں۔ تھوڑی سی مناسبت سے آدمی کو بشر کہنے لگے۔ شاید اس لفظ کے یہاں اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہو کہ تم کو خدا کا بیٹا اور پیارا تو درکنار، شریف اور ممتاز انسان بھی نہیں کہا جا سکتا۔ صرف بشرہ اور شکل وصورت کے لحاظ سے خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک معمولی آدمی کہلائے جا سکتے ہو جن کی پیدائش بھی اسی معتاد طریقہ سے ہوئی ہے جس طرح عام انسانوں کی ہوتی ہے پھر بھلا ابنیت کا وہم کدھر سے راہ پا سکتا ہے۔

۸۰۔ کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ کون بخشنے کے لائق ہے اور کسے سزا دی جائے۔

۸۱۔ تو جسے وہ اپنی رحمت اور حکمت سے معاف کرنا چاہے یا عدل و انصاف سے سزا دینا چاہے اس میں کون مزاحم ہو سکتا ہے نہ کسی مجرم کے لئے یہ گنجائش ہے کہ اس کے قلمرو آسمان و زمین سے باہر نکل جائے اور نہ یہ کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کہیں اور بھاگ جائے۔

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ
عَلٰى فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا جَآءَنَا مِنۡۢ
بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ‌ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ‌ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اے کتاب والو آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر[۸۲] رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا سو آ چکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا[۸۳] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۸۴]

ع ۳ ۸

۸۲۔ اہل کتاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم: یعنی ہمارے احکام و شرائع نہایت توضیح کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اس رکوع کے شروع سے بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کی مختلف قسم کی شرارتوں اور حماقتوں کو بیان فرما کر یہ بتلایا تھا کہ اب ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا جو تمہاری غلط کاریوں کو واضح کرتا ہے اور تم کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اس پر متنبہ فرمایا کہ اب نور ہدایت کی طرف جانا دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرو اور مخلوق و خالق کے تعلق کے متعلق غلط عقیدے مت جماؤ۔ لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ سے یہاں تک اس جز کا بیان تھا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ نبی الانبیاء ﷺ پر ایمان لاؤ جو تمام انبیائے سابقین کے کمالات کے جامع اور شرائع الٰہیہ کے سب سے بڑے اور آخری شارع ہیں اس جزو کا بیان اس آیت يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ عَلٰى فَتۡرَةٍ الخ میں کیا گیا ہے۔

۸۳۔ حضرت مسیحؑ کے بعد تقریباً چھ سو برس سے انبیاء کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ ساری دنیا الا ماشاء اللہ جہل، غفلت اور اوہام و اہواء کی تاریکیوں میں پڑی تھی۔ ہدایت کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ ظلم و عدوان فساد و الحاد کی گھٹا تمام آفاق پر چھا رہی تھی اس وقت سارے جہان کی اصلاح کے لئے خدا نے سب سے بڑا ہادی اور نذیر و بشیر بھیجا جو جاہلوں کو فلاح دارین کے راستے بتلائے غافلوں کو اپنے انذار و تخویف سے بیدار کرے اور پست ہمتوں کو بشارتیں سنا کر ابھارے۔ اسطرح ساری مخلوق پر خدا کی حجت تمام ہو گئی۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔

۸۴۔ یعنی تم اگر اس پیغمبر کی بات نہ مانو گے تو خدا کو قدرت ہے کہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اس کے پیغمبر کو پوری طرح قبول کرے گی اور پیغمبر کا ساتھ دے گی خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ
عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَـكُمۡ مُّلُوۡكًا ۖ
وَّاٰتٰٮكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر[۸۵] جب پیدا کئے تم میں نبی[۸۶] اور کر دیا تم کو بادشاہ[۸۷] اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں[۸۸]

يٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِىۡ كَتَبَ
اللّٰهُ لَـكُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰۤى اَدۡبَارِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا
خٰسِرِيۡنَ ﴿۲۱﴾

٢١۔ اے قوم داخل ہو زمین پاک میں جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے واسطے [٨٩] اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر جا پڑو گے نقصان میں [٩٠]

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ ‌ۖ وَاِنَّا لَنۡ
نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا ۚ فَاِنۡ يَّخۡرُجُوۡا
مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ﴿۲۲﴾

٢٢۔ بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست [٩١] اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے یہاں تک کہ وہ نکل جاویں اس میں سے پھر اگر وہ نکل جاویں گے اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہوں گے [٩٢]

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ
عَلَيۡهِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَيۡهِمُ الۡبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ
فَاِنَّكُمۡ غٰلِبُوۡنَ ۙ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ
مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۳﴾

٢٣۔ کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی ان دو پر [٩٣] گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں پھر جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے [٩٤] اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو [٩٥]

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا
فِيۡهَا فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا
قٰعِدُوۡنَ ﴿۲۴﴾

٢٤۔ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں [٩٦]

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِىۡ وَاَخِىۡ فَافۡرُقۡ
بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾

٢٥۔ بولا اے رب میرے میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی [٩٧] سو جدائی کر دے تو ہم میں اور اس نافرمان قوم میں [٩٨]

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ ع

۲۶۔ فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر چالیس برس سر مارتے پھریں گے ملک میں سو تو افسوس نہ کر نافرمان لوگوں پر

ع ۴/۸

۸۵۔ موضح القرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آکر ٹھہرے اور مدت تک ان کے اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام انکو دوں گا اور نبوت، دین کتاب اور سلطنت ان میں رکھوں گا۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے وقت وہ وعدہ پورا کیا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور اس کو غرق کیا اور ان کو فرمایا کہ جہاد کرو عمالقہ سے ملک شام فتح کر لو پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰؑ نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے ان کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاویں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے ان کا زور و قوت بیان کیا حضرت موسیٰؑ نے ان کو کہا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی بیان کرو اور دشمن کی قوت کا ذکر مت کرو۔ ان میں سے دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نے خلاف کیا۔ قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگی اور چاہا کہ پھر الٹے مصر چلے جائیں۔ اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح میں دیر لگی۔ اس قدر مدت جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے رہے۔ جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہ ہی حضرت موسیٰؑ کے بعد خلیفہ ہوئے ان کے ہاتھ سے فتح ہوئی۔

۸۶۔ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا ذکر: یعنی تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر آج تک کتنے نبی تم میں پیدا کئے۔ مثلاً حضرت اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، اور خود موسیٰؑ و ہارونؑ پھر ان کے بعد بھی یہ ہی سلسلہ مدت دراز تک ان میں قائم رکھا۔

۸۷۔ یعنی فرعونیوں کی ذلیل ترین غلامی سے آزادی دلا کر انکے اموال و املاک پر قابض کیا اور اس سے پہلے تم ہی میں سے حضرت یوسفؑ کو مصر کے خزائن اور سلطنت پر کیسا تسلط عطا فرمایا۔ پھر مستقبل میں بھی حضرت سلیمان وغیرہ نبی اور بادشاہ پیدا کئے۔ گویا دین اور دنیا دونوں کی اعلیٰ نعمتوں سے تم کو سرفراز کیا کیونکہ دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب نبوت اور دنیوی اقبال کی آخری حد آزادی اور بادشاہت ہے یہ دونوں چیزیں مرحمت کی گئیں۔

۸۸۔ یعنی اس وقت جب موسیٰؑ کو یہ خطاب فرما رہے تھے بنی اسرائیل پر تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ خدا کی نوازشیں ہوئیں اور اگر اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ کو عموم پر حمل کیا جائے تو یہ اس لئے صحیح نہ ہو گا کہ امت محمدیہ کی نسبت خود قرآن میں تصریح ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران۔ ۱۱۰) اور وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ۔ ۱۴۳)۔

۸۹۔ یہودیوں کو ارض مقدس میں داخلے کا حکم اور انکی بزدلی: یعنی خدا نے پیشتر حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیری اولاد کو یہ ملک دوں گا۔ وہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔ خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جن کے ہاتھوں پر پورا ہو۔

۹۰۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں بزدلی اور پست ہمتی دکھا کر غلامی کی زندگی کی طرف مت بھاگو۔

۹۱۔ یعنی بہت قوی ہیکل، تنومند اور پر رعب۔

۹۲۔ یعنی مقابلہ کی ہمت ہم میں نہیں۔ ہاں بدون ہاتھ پاؤں ہلائے پکی پکائی کھالیں گے۔ آپ معجزہ کے زور سے انہیں نکال دیں۔

۹۳۔ وہ دو شخص حضرت یوشع بن نون اور کالب ابن یوقنا تھے جو خدا سے ڈرتے تھے۔ اسی لئے عمالقہ وغیرہ کا کچھ ڈر ان کو نہ رہا ہر کہ ترسید از حق

وتقویٰ گزید۔ ترسد ازوے جن وانس وہر کہ دید۔

۹۴۔ یعنی ہمت کر کے شہر کے پھاٹک تک تو چلو۔ پھر خدا تم کو غالب کرے گا۔ خدا اسی کی مدد کرتا ہے جو خود بھی اپنی مدد کرے۔

۹۵۔ توکل کا مفہوم: معلوم ہوا کہ اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔ "توکل" یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے پھر اس کے مثمر و منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے۔ اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے۔

۹۶۔ یہ اس قوم کا مقولہ ہے جو نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ کا دعویٰ رکھتی تھی۔ مگر یہ گستاخانہ کلمات انکے مستمر تمرد وطغیان سے کچھ بھی مستبعد نہیں۔

۹۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: حضرت موسیٰؑ نے سخت دلگیر ہو کر یہ دعا فرمائی۔ چونکہ تمام قوم کی عدول حکمی اور بزدلانہ عصیان کو مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اسلئے دعا میں بھی اپنے اور ہارونؑ کے سوا کہ وہ بھی نبی معصوم تھے اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ یوشع اور کالب بھی دونوں کے ساتھ تبعًا آگئے۔

۹۸۔ مسلمانوں اور یہود کا اس حکم میں موازنہ: یعنی جدائی کی دعا حسّی اور ظاہری طور پر تو قبول نہ ہوئی ہاں معنوی جدائی ہو گئی کہ وہ سب تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر حیران و سرگرداں پھرتے تھے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام پیغمبرانہ اطمینان اور پورے قلبی سکون کے ساتھ اپنے منصب ارشاد و اصلاح پر قائم رہے۔ جیسے کسی بستی میں عام وبا پھیل پڑے اور ہزاروں بیماروں کے مجمع میں دو چار تندرست اور قوی القلب ہوں جو ان کے معالجہ، چارہ سازی اور تفقد احوال میں مشغول رہیں۔ اگر فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا کا ترجمہ "جدائی کر دے" کی جگہ "فیصلہ کر دے" ہوتا تو یہ مطلب زیادہ واضح ہو جاتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ سب قصہ اہل کتاب کو سنایا اس پر کہ تم پیغمبر آخر الزمان کی رفاقت نہ کرو گے جیسے تمہارے اجداد نے حضرت موسیٰؑ کی رفاقت چھوڑ دی تھی اور جہاد سے جان چرا بیٹھے تھے۔ تو یہ نعمت اوروں کو نصیب ہو گی۔ چنانچہ نصیب ہوئی۔ ایک لمحہ کے لئے اس سارے رکوع کو سامنے رکھ کر امت محمدیہ کے احوال پر غور کیجئے ان پر خدا کے انعامات ہوئے جو نہ پہلے کسی امت پر ہوئے نہ آئندہ ہوں گے ان کے لئے خاتم الانبیاء سید الرسل ﷺ کو ابدی شریعت دے کر بھیجا۔ ان میں وہ علماء اور ائمہ پیدا کئے جو باوجود غیر نبی ہونے کے انبیاء کے وظائف کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ایسے ایسے خلفاء نبی علیہ السلام کے بعد امت کے قائد بنے جنھوں نے سارے جہان کو اخلاق اور اصول سیاست وغیرہ کی ہدایت کی۔ اس امت کو بھی جہاد کا حکم ہوا۔ عمالقہ کے مقابلہ میں نہیں روئے زمین کے تمام جبارین کے مقابلہ میں۔ محض سرزمین شام فتح کرنے کے لئے نہیں بلکہ شرق و غرب میں کلمۃ اللہ بلند کرنے اور فتنہ کی جڑ کاٹنے کے لئے بنی اسرائیل سے خدا نے ارض مقدسہ کا وعدہ کیا تھا لیکن اس امت سے یہ فرمایا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا (نور۔۵۵) اگر بنی اسرائیل کو موسیٰؑ نے جہاد میں پیٹھ پھیرنے سے منع کیا تھا تو اس امت کو بھی خدا نے اس طرح خطاب کیا یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡہُمُ الۡاَدۡبَارَ (انفال۔۱۵) انجام یہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے رفقاء تو عمالقہ سے ڈر کر یہاں تک کہہ گذرے کہ فَاذۡہَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوۡنَ تم اور تمہارا پروردگار جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن اصحاب محمد ﷺ نے یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر آپ سمندر کی موجوں میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم میں سے علیحدہ نہیں رہے گا۔ امید ہے کہ خدا آپ کو ہماری طرف سے وہ چیز دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ ہو کر اس کے داہنے اور بائیں آگے اور پیچھے ہر طرف جہاد کریں گے خدا کے فضل سے ہم وہ نہیں ہیں جنھوں نے موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا فَاذۡہَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّکَ

فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰهُنَا قٰعِدُوْنَ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جتنی مدت بنی اسرائیل فتوحات سے محروم ہو کر وادی تیہ میں بھٹکتے رہے اس سے کم مدت میں محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اصحاب نے مشرق و مغرب میں ہدایت وارشاد کا جھنڈا اگاڑ دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذٰلک لمن خشی ربہ۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا
قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ
الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ
مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور سنا ان کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا[۹۹] جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے کی[۱۰۰] کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا[۱۰۱] وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیز گاروں سے[۱۰۲]

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ
يَّدِیَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اگر تو ہاتھ چلادے گا مجھ پر مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو[۱۰۳] میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا[۱۰۴]

اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ
اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ۚ

۲۹۔ میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ[۱۰۵] پھر ہو جاوے تو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا ظالموں کی[۱۰۶]

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ پھر اس کو راضی کیا اسکے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے[۱۰۷] پھر اسکو مار ڈالا سو ہو گیا نقصان اٹھانے والوں میں[۱۰۸]

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ
كَيْفَ يُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤی
اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ
سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ۚۛ

۳۱۔ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کرید تا تھا زمین کو تا کہ اس کو دکھلا دے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی بولا اے افسوس مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس کوے کی کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی[۱۰۹] پھر لگا پچتانے[۱۱۰]

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ
مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا
فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ
رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ
ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اسی سبب سے لکھا ہم نے [۱۱۱] بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں [۱۱۲] تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو [۱۱۳] اور لا چکے ہیں انکے پاس رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم [۱۱۴] پھر بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی ملک میں دست درازی کرتے ہیں [۱۱۵]

۹۹۔ قابیل اور ہابیل کا قصہ: یعنی آدمؑ کے دو صلبی بیٹوں قابیل وہابیل کا قصہ ان کو سناؤ کیونکہ اس قصہ میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی کی مقبولیت اور تقویٰ پر حسد کرنے اور اسی غیظ میں اس کو ناحق قتل کر ڈالنے کا ذکر ہے اور ناحق خون کرنے کے عواقب بیان کئے ہیں پچھلے رکوع میں یہ بتلایا تھا کہ بنی اسرائیل کو جب یہ حکم دیا گیا کہ ظالموں اور جابروں سے قتال کرو تو خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اب ہابیل و قابیل کا قصہ سنانا اس کی تمہید ہے کہ متقی اور مقبول بندوں کا قتل جو شدید ترین جرائم میں سے ہے اور جس سے ان لوگوں کو بے انتہا تہدید و تشدید کے ساتھ منع کیا گیا تھا اس کے لئے یہ ملعون ہمیشہ کیسے مستعد اور تیار نظر آتے ہیں پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف ازراہ بغض و حسد کیسے کیسے منصوبے گانٹھتے رہتے ہیں۔ گویا ظالموں اور شریروں کے مقابلہ سے جان چرانا اور بے گناہ معصوم بندوں کے خلاف قتل و اسر کی سازشیں کرنا یہ اس قوم کا شیوہ رہا ہے اور اس پر نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں۔ اس تقریر کے موافق قابیل وہابیل کا قصہ پھر اس پر مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الآیۃ کی تفریع یہ سب تمہید ہو گی اس مضمون کی جو اس قصہ اور تفریع کے ختم پر فرمایا۔ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ الخ

۱۰۰۔ یعنی آدمؑ دستور کے موافق جو لڑکی ہابیل کے نکاح میں دینا چاہتے تھے قابیل اس کا طلبگار ہوا۔ آخر حضرت آدمؑ کے اشارہ سے دونوں نے خدا کے لئے کچھ نیاز کی کہ جس کی نیاز مقبول ہو جائے لڑکی اس کو دے دی جائے۔ آدمؑ کو غالباً یہ یقین تھا کہ ہابیل ہی کی نیاز مقبول ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آتش آسمانی ظاہر ہوئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی۔ یہ علامت اس وقت قبول عند اللہ کی تھی۔

۱۰۱۔ قابیل یہ دیکھ کی آتش حسد میں جلنے لگا اور بجائے اس کے کہ مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا غیظ و غضب میں اپنے حقیقی بھائی کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا۔

۱۰۲۔ یعنی ہابیل نے کہا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ خدا کے یہاں کسی کی زبردستی نہیں چلتی تقویٰ چلتا ہے گویا میری نیاز جو قبول کر لی گئی اس کا سبب تقویٰ ہے۔ تو بھی اگر تقویٰ اختیار کر لے تو خدا کو تجھ سے کوئی ضد نہیں۔

۱۰۳۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی ناحق کسی کو مارنے لگے اس کو رخصت ہے کہ ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے" اور یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہے۔ ورنہ جہاں انتقام و مدافعت میں شرعی مصلحت و ضرورت ہو وہاں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں۔ مثلاً کافروں یا باغیوں سے قتال کرنا۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (شوریٰ۔۳۹)۔

۱۰۴۔ ہابیل کا خوف خدا: یعنی میں تجھ سے ڈر کر نہیں بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ جہاں تک شرعاً گنجائش ہے بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کروں ایوب سختیانی فرماتے تھے کہ امت محمدیہ میں سے پہلا شخص جس نے اس آیت پر عمل کر کے دکھلایا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے (ابن کثیر) جنھوں نے اپنا گلا کٹوا دیا لیکن اپنی رضا سے کسی مسلمان کی انگلی نہ کٹنے دی۔

۱۰۵۔ یعنی میرے قتل کا گناہ بھی دوسرے گناہوں کے ساتھ حاصل کرلے۔ ابن جریر نے مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے کہ "باثمی" کے معنی یہی ہیں۔ باقی جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے وہ مضمون بھی ایک حیثیت سے صحیح ہے مگر محققین کے نزدیک وہ اس آیت کی تفسیر نہیں۔ اب ہابیل کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ اگر تو نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ میرے قتل کا وبال اپنے سر رکھے تو میں نے بھی ارادہ کرلیا ہے کہ کوئی مدافعت اپنی جانب سے نہ کروں حتٰی کہ ترک عزیمت کا حرف بھی مجھ پر نہ آنے پائے۔

۱۰۶۔ یعنی تیرے عمر بھر کے گناہ تجھ پر ثابت رہیں اور میرے خون کا گناہ چڑھے اور مظلومیت کی وجہ سے میرے گناہ اتریں (موضح القرآن)

۱۰۷۔ شاید ابتداء میں کچھ جھجک ہوگی۔ شدہ شدہ نفس امارہ نے خیال پختہ کر دیا اور یہ ہی کیفیت عموماً معاصی کی ابتداء ہوتی ہے۔

۱۰۸۔ ظلم اور قطع رحم کی سزا دنیا میں: دنیوی خسران تو یہ کہ ایسا نیک بھائی جو قوت بازو بنتا ہاتھ سے کھویا اور خود پاگل ہو کر مرا۔ حدیث میں ہے کہ ظلم اور قطع رحم دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا آخرت سے پہلے یہاں بھی ملتی ہے۔ اور اخروی خسران یہ کہ ظلم، قطع رحم، قتل عمد اور بدامنی کا دروازہ دنیا میں کھول دینے سے ان سب گناہوں کی سزا کا مستوجب ہوا اور آیندہ بھی جتنے اس نوعیت کے گناہ دنیا میں کئے جائیں گے سب میں بانی ہونے کی وجہ سے اس کی شرکت رہی جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے۔

۱۰۹۔ ہابیل کی لاش کی تدفین: چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لئے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے۔ آخر ایک کوے کو دیکھا کہ زمین کرید رہا ہے یا دوسرے مردہ کوے کو مٹی ہٹا کر زمین میں چھپا رہا ہے اسے دیکھ کر کچھ عقل آئی کہ میں بھی اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دوں اور افسوس بھی ہوا کہ میں عقل و فہم اور بھائی کی ہمدردی میں اس جانور سے بھی گیا گذرا ہوا شاید اسی لئے حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ جانور کے ذریعہ سے اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ اپنی وحشت اور حماقت پر کچھ شرمائے۔ جانوروں میں کوے کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کھلا چھوڑ دینے پر بہت شور مچاتا ہے۔

۱۱۰۔ پچھتانا وہ نافع ہے جس کے ساتھ گناہ سے معذرت و انکسار اور فکر و تدارک بھی ہو۔ اس موقع پر اس کا پچھتانا حق عالیٰ کے عصیان پر نہیں بلکہ اپنی بدحالی پر تھا جو قتل کے بعد اسے لاحق ہوئی۔

۱۱۱۔ یعنی ناحق قتل میں جو دنیوی اور اخروی خسران ہے اور جو بدنتائج اس پر مرتب ہوتے ہیں حتٰی کہ خود قاتل بھی اس حرکت کے بعد بسا اوقات پچھتاتا اور کف افسوس ملتا ہے۔ اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ ہدایت کی کہ الخ

۱۱۲۔ ایک بے گناہ قتل تمام انسانوں کا قتل ہے: ملک میں فساد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً اہل حق کو دین حق سے روکے یا پیغمبروں کی اہانت کرے یا العیاذ باللہ مرتد ہو کر اپنے وجود سے دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے۔ وقس علیٰ ذٰلک۔

۱۱۳۔ یعنی اول روئے زمین پر بڑا گناہ یہ ہی ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ اس کے بعد رسم پڑ گئی اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ "ایک کو مارا جیسے سب کو مارا" یعنی ایک کے ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو

قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور عام بدامنی کا دروازہ کھول رہا ہے اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کے بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔"

١١٤۔ مترجمؒ نے بینات سے کھلے ہوئے حکم مراد لئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بینات سے وہ کھلے کھلے نشان مراد لئے جائیں جن سے کسی پیغمبر کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہو۔

١١٥۔ یعنی بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ ایسے کھلے نشان دیکھ کر اور ایسے کھلے احکام سن کر بھی اپنے ظلم وطغیان اور دست درازیوں سے باز نہ آئے انبیائے معصومین کو قتل اور آپس میں ناحق خون کرنا ان کا ہمیشہ سے وتیرہ رہا ہے اور آج بھی خاتم الانبیاء ﷺ کے (معاذ اللہ) قتل یا ایذا رسانی اور مسلمانوں کی تذلیل کے لئے ہر قسم کی ناپاک سازشیں کرتے رہتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جب حکم تورات کے موافق کیف ما اتفق کسی ایک آدمی کا ناحق مار ڈالنا اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا اس کا قاتل تمام دنیا کے انسانوں کا قاتل ہے تو دنیا کے سب سے زیادہ کامل و اکمل انسان اور سب سے زیادہ مقبول و مقدس جماعت کے قتل و ایذا رسانی کے درپے ہونا اور ان سے لڑائی اور مقابلہ کے لئے کمر باندھنا خدا کے نزدیک کتنا بھاری جرم ہو گا۔ خدا کے سفراء سے لڑائی تو درحقیقت خدا ہی سے لڑائی کرنا ہے۔ شاید اسی لئے اگلی آیت میں ان لوگوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا اور پیغمبر سے لڑائی کرتے ہیں یا دنیا میں طرح طرح کے فساد پھیلا کر مسرفون فی الارض کے مصداق بنتے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۳۳﴾

٣٣۔ یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اسکے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو[١١٦] ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے[١١٧] یا دور کر دیے جاویں اس جگہ سے[١١٨] یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے[١١٩]

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ ع ٥ ٨ ٩

٣٤۔ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے[١٢٠]

١١٦۔ بدامنی پھیلانے والوں کی سزا: یعنی بدامنی کرنے کو اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اس کی مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے۔ "اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا" یا "زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا" یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

۱۱۷۔ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں۔

۱۱۸۔ کہیں اور لے جا کر انہیں قید کر دیں کما ہو مذہب الامام ابی حنیفہؒ

۱۱۹۔ ڈاکوؤں کے احوال چار ہو سکتے تھے (۱) قتل کیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی (۲) قتل بھی کیا اور مال بھی لیا (۳) مال چھین لیا مگر قتل نہیں کیا (۴) نہ مال چھین سکے نہ قتل کر سکے قصد اور تیاری کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے۔ چاروں حالتوں میں بالترتیب یہ ہی چار سزائیں ہیں جو بیان ہوئیں۔

۱۲۰۔ توبہ سے حقوق اللہ کی معافی: یعنی مذکورہ بالا سزائیں جو حدود اور حق اللہ کے طور پر تھیں وہ گرفتاری سے قبل توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ مثلاً اگر کسی کا مال لیا تھا تو ضمان دینا ہو گا، قتل کیا تھا تو قصاص لیا جائے گا۔ ہاں ان چیزوں کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہے (تنبیہ) اس حد کے سوا باقی حدود مثلاً حد زنا، حد شرب خمر، حد سرقہ، حد قذف توبہ سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝۳۵

۳۵۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ [۱۲۱] اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا بھلا ہو [۱۲۲]

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لِيَفۡتَدُوۡا بِهٖ مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ‏ ۝۳۶

۳۶۔ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تاکہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہو گا اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے [۱۲۳]

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنۡهَا ۖ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ‏ ۝۳۷

۳۷۔ چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے [۱۲۴]

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَـكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ‏ ۝۳۸

۳۸۔ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو انکے ہاتھ [۱۲۵] سزا میں ان کی کمائی کی تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے [۱۲۶] اور اللہ غالب ہے حکمت والا [۱۲۷]

فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوۡبُ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ‏ ۝۳۹

۳۹۔ پھر جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے پیچھے اور اصلاح کی تو اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۲۸]

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے[۱۲۹]

۱۲۱۔ لفظ وسیلہ کی تفسیر: وسیلہ کی تفسیر ابن عباس، مجاہد، ابووائل، حسن وغیرہ ہم اکابر سلف نے قربت سے کی ہے۔ تو وسیلہ ڈھونڈنے کے معنی یہ ہونگے کہ اس کا قرب و وصول تلاش کرو۔ قتادہ نے کہا ای تقربوا الیہ بطاعۃ والعمل بما یرضیہ خدا کی نزدیکی حاصل کرو اس کی فرمانبرداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعہ سے ایک شاعر کہتا ہے اذا غفل الواشون عدنا لوصلنا۔ وعاد التصافی بیننا والوسائل۔ اس میں یہ ہی معنی قرب واتصال کے مراد ہیں۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک نہایت ہی اعلیٰ منزل ہے جو دنیا میں سے کسی ایک بندہ کو ملے گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اذان کے بعد میرے لئے خدا سے وہی مقام طلب کیا کرو۔ تو اس مقام کا نام بھی وسیلہ اسی لئے رکھا گیا کہ جنت کی تمام منزلوں میں وہ سب سے زیادہ عرش رحمٰن کے قریب ہے اور حق تعالیٰ کے مقامات قرب میں سب سے بلند واقع ہوا ہے۔ بہر حال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھیڑیے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔ اسی لئے اتَّقُوا اللّٰہَ کے بعد وَ ابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ فرمایا یعنی اس کی ناخوشی اور بعد و ہجر سے ڈر کر قرب ووصول حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز سے قریب ہم اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ درمیانی راستہ قطع کرلیں جس پر چل کر اس کے پاس پہنچ سکتے ہوں۔ اسی کو فرمایا وَ جَاہِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ جہاد کرو اس کی راہ میں۔ یعنی اس پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ تاکہ تم اس کی نزدیکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکو۔

۱۲۲۔ پچھلے رکوع کے آخر میں ان لوگوں کی دنیوی واخروی سزا بیان فرمائی تھی جو خدا اور رسول سے جنگ کرتے اور ملک میں بدامنی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو ان سزاؤں سے ڈرا کر بتلایا گیا کہ جب شقی اور بدبخت لوگ خدا اور رسول سے جنگ کریں تو تم خدا اور رسول کی طرف ہو کر جہاد کرو۔ وہ اگر زمین پر فساد پھیلاتے ہیں تو تم اپنی کوشش اور حسن عمل سے امن وسکون قائم کرنے کی فکر کرو۔

۱۲۳۔ نجات مال سے حاصل نہیں ہوتی: پچھلی آیت میں بتلایا تھا کہ انسان خدا سے ڈرنے اس کا قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے ہی سے فلاح وکامیابی کی امید کر سکتا ہے۔ اس آیت میں متنبہ فرمادیا کہ جن لوگوں نے خدا سے روگردانی کی وہ آخرت میں اگر روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد خرچ کر ڈالیں گے اور فدیہ دے کر عذاب الٰہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہو گا۔ غرض وہاں کی کامیابی تقویٰ، ابتغائے وسیلہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتی ہے رشوت اور فدیہ سے نہیں ہو سکتی۔

۱۲۴۔ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ بہت سے گنہگار مومنین ایک مدت تک دوزخ میں رہ کر پھر نکالے جائیں گے اور حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ یہ آیت ان احادیث کے مخالف نہیں کیونکہ یہاں شروع آیت سے صرف کفار کا حال بیان کیا گیا ہے۔ مومنین کے متعلق اس آیت میں کوئی حرف نہیں۔

۱۲۵۔ چوری کی سزا: یعنی پہلی مرتبہ چوری کرے تو داہنا ہاتھ گٹے پر سے کاٹ دو۔ باقی تفاصیل کتب فقہ میں ملیں گی پچھلے رکوع میں ڈکیتی وغیرہ کی سزا ذکر کی گئی تھی۔ درمیان میں بعض مناسبات کی وجہ سے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں مومنین کو چند ضروری نصائح کی گئیں۔ اب پھر اسی

پچھلے مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یعنی وہاں ڈکیتی کی سزا مذکور ہوئی تھی اس آیت میں چوری کی سزا بتلا دی۔

۱۲٦۔ سخت سزاؤں کی حکمت: یعنی جو سزا چور کو دی جا رہی ہے وہ مال مسروق کا بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل سرقہ کی سزا ہے تاکہ اسے اور دوسرے چوروں کو تنبیہ ہو جائے۔ بلاشبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں دوچار ہی کی سزایابی کے بعد چوری کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے۔ آج کل مدعیان تہذیب اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں لیکن چوری کرنا اگر ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا؟ اس غیر مہذب وستر بد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جاسکتے ہوں تو حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہئے کہ ان کے تہذیبی مشن میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے۔ بعض نام نہاد مفسر بھی اس کوشش میں ہیں کہ قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو چوری کی انتہائی سزا قرار دے کر اس سے ہلکی سزا دہی کا اختیار شریعت حقہ سے حاصل کر لیں مگر مشکل یہ ہے کہ نہ تو چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآن کریم میں کہیں موجود ہے اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ میں اس کی کوئی نظیر پائی گئی۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں جتنے چور پکڑے گئے ان میں ایک بھی ابتدائی چور نہ تھا جس پر کم از کم بیان جواز ہی کے طور پر قطع ید سے ہلکی کوئی ابتدائی سزا جاری کی جاتی۔ کسی ملحد نے پرانے زمانہ میں اس حد سرقہ پر یہ بھی شبہ کیا تھا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کٹنے پر پانسو دینار واجب ہوں دس پانچ روپیہ کہ چوری میں کس طرح کاٹا جاسکتا ہے ایک عالم نے اس کے جواب میں کیا خوب فرمایا انھا لما کانت امینۃ ثمینۃ فلما خانت ھانت یعنی جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا جب چوری کر کے خائن ہوا تو ذلیل ہوا۔

۱۲۷۔ چونکہ غالب ہے اس لئے اسے حق ہے کہ جو چاہے قانون نافذ کر دے کوئی چون وچرا نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ حکمت والا بھی ہے اس لئے یہ احتمال نہیں کہ محض اپنے اختیار کامل سے کام لے کر کوئی قانون بے موقع نافذ کرے۔ نیز وہ اپنے ناتواں بندوں کے اموال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کر سکے یہ اس کی عزت اور غلبہ کے منافی ہے اور چوروں ڈاکوؤں کو یونہی آزاد چھوڑ دے یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

۱۲۸۔ چور کی توبہ قابل قبول ہے: یعنی توبہ اگر ٹھیک ٹھیک ہو جس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کا مال مالک کو واپس کرے اور اگر تلف ہو گیا ہو تو ضمان دے اور ضمان نہ دے سکے تو معاف کرائے۔ اور اپنے فعل پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے اس سے مجتنب رہنے کا عزم رکھے۔ تو اس طرح کی توبہ سے امید ہے کہ حق تعالیٰ اخروی عقوبت جس کے مقابلہ میں دنیوی سزا کی کچھ حقیقت نہیں اس پر سے اٹھا لے۔

۱۲۹۔ جب حقیقی سلطنت و حکومت اسی کی ہے تو بلاشبہ اسی کو یہ اختیار ہو گا کہ جسے مناسب جانے معاف کر دے اور جسے اپنے حکمت و عدل کے موافق سزا دینا چاہے سزا دے اور نہ صرف یہ کہ اسے معاف کرنے اور سزا دینے کے کلی اختیارات حاصل ہیں بلکہ ان اختیارات کے استعمال سے کوئی روکنے والا بھی نہیں کیونکہ ہر چیز پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ

۴۱۔ اے رسول غم نہ کر ان کو جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں[۱۳۰] وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں[۱۳۱] جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے[۱۳۲] بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانہ چھوڑ کر[۱۳۳] کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور یہ

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ
اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَ
مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ
قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

حکم نہ ملے تو بچتے رہنا[١٣٤] اور جس اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں[١٣٥] یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کے[١٣٦] ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑا عذاب ہے

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ
عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾

٤٢۔ جاسوسی کرنے والے جھوٹ بولنے کے لئے اور بڑے حرام کھانے والے سو اگر آویں وہ تیرے پاس تو فیصلہ کر دے ان میں یا منہ پھیر لے ان سے[١٣٧] اور اگر تو منہ پھیر لے گا ان سے تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف سے بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو[١٣٨]

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا
حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ
اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ ع ٦ ١٠

٤٣۔ اور وہ تجھ کو کس طرح منصف بنائیں گے اور ان کے پاس تو توریت ہے جس میں حکم ہے اللہ کا پھر اس کے پیچھے پھرے جاتے ہیں اور وہ ہرگز ماننے والے نہیں ہیں[١٣٩]

١٣٠۔ **حدود اللہ میں تحریف کا ایک واقعہ:** پچھلی آیات میں ڈکیتی اور چوری وغیرہ کی حدود بیان کی گئی تھیں۔ اب بعض ان اقوام کا حال سناتے ہیں جنہوں نے حدود اللہ میں تحریف کر کے اپنے کو عذاب عظیم کا مستحق ٹھہرایا۔ ان کا مفصل واقعہ بغوی نے یہ لکھا ہے کہ خیبر کے ایک یہودی مرد اور عورت نے جو کنوارے نہ تھے زنا کیا۔ باوجودیکہ تورات میں اس جرم کی سزا رجم (سنگسار کرنا) تھی مگر ان دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے۔ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو یثرب میں ہے (یعنی محمد ﷺ) ان کی کتاب میں زانی کے لئے رجم کا حکم نہیں کوڑے مارنے کا ہے تو بنی قریظہ کے یہود میں سے کچھ آدمی ان کے پاس بھیجو کیونکہ وہ ان کے ہمسایہ ہیں اور ان سے صلح کا معاہدہ بھی کر چکے ہیں۔ وہ ان

کا خیال معلوم کرلیں گے چنانچہ ایک جماعت اس کام کے لئے روانہ کی گئی کہ نبی کریم ﷺ کا عندیہ معلوم کرلے کہ زانی محض کی کیا سزا تجویز کرتے ہیں۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو ان پر رکھ کر قبول کرلو۔ اور رجم کا حکم دیں تو مت مانو۔ ان کے دریافت کرنے پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلہ پر رضامند ہو گے انہوں نے اقرار کرلیا خدا کی طرف سے جبرئیل رجم کا حکم لے آئے مگر وہ لوگ اپنے اقرار سے پھر گئے آخر حضور ﷺ نے فرمایا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریا تم میں کیسا شخص ہے؟ سب نے کہا کہ آج روئے زمین پر شرائع موسویہ کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے اس کو بلوایا اور نہایت ہی شدید حلف دے کر پوچھا کہ تورات میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے جس کا پردہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ذریعہ سے فاش ہو چکا تھا۔ تاہم ابن صوریا نے جو ان کا مسلم معتمد تھا کسی نہ کسی وجہ سے اس کا اقرار کرلیا کہ وہ بیشک تورات میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے۔ بعدہ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو اڑا کر زنا کی سزا یہ رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور کالا منہ کرکے اور گدھے پر الٹا سوار کرا کر گشت کرایا جائے۔ الحاصل حضور پر نور ﷺ نے ان دونوں مرد وعوت پر رجم کی سزا جاری کی۔ اور فرمایا کہ اے اللہ آج میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو دنیا میں زندہ کیا اس کے بعد کہ وہ اسے مردہ کر چکے تھے۔ یہ واقعہ ہے۔

۱۳۱۔ یعنی منافقین اور یہود بنی قریظہ۔

۱۳۲۔ سَمّٰعُون کے معنی: سماعون کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے پھر بہت زیادہ سننا کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں بہت زیادہ قبول کرنے والا جیسے سمع اللہ لمن حمدہ میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم ؒ نے یہاں پہلے معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے سَمّٰعُوۡنَ لِلۡکَذِبِ یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ یعنی دوسری جماعت جس نے ان کو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی ان کی بات بہت زیادہ ماننے والے۔

۱۳۳۔ یعنی خدا کے احکام میں تحریف کرتے ہیں یا کہیں کی بات کہیں لگا دیتے ہیں۔

۱۳۴۔ یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرو ورنہ نہیں۔ گویا خدا کی شریعت کو اپنی ہوا کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔

۱۳۵۔ خیر اور شر کا خالق اللہ ہی ہے: ہدایت وضلالت، خیر وشر کوئی چیز بھی بدون ارادہ خداوندی کے عالم وجود میں نہیں آسکتی یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس کا انکار کرنا اس کے تسلیم کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص چوری کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن خدا کا ارادہ یہ ہے کہ چوری نہ کرے اب وہ شخص اگر اپنے ارادہ میں کامیاب رہا تو لازم آتا ہے کہ خدا اس کے مقابلہ میں معاذاللہ عاجز ہو اور اگر خدا ہی کا ارادہ بندہ کے ارادہ پر غالب رہتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں کہیں چوری وغیرہ کسی شر کا وجود نہ رہے اور اگر خدا تعالیٰ خیر وشر میں سے کسی کا بھی ارادہ نہیں کرتا تو اس سے معاذاللہ اس کا تعطل یا غفلت وسفاہت لازم آتی ہے۔ تعالیٰ اللہ عن کل الشرور وتقدس۔ ان تمام شقوق پر غور کرنے کے بعد ناچار وہ ہی ماننا پڑے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے ارادہ تخلیق کے بدون موجود نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ نہایت مہم اور طویل الذیل۔ ہمارا مقصد ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ واللہ الموفق۔

۱۳۶۔ یہود کی دائمی گمراہی وذلت: اول منافقین اور یہود کا طرز عمل بیان فرمایا جس میں یہ چند اعمال بالخصوص ذکر کئے گئے۔ ہمیشہ جھوٹ اور باطل کی طرف جھکنا اہل حق کے خلاف جاسوسی کرنا بدباطن اور شریر جماعتوں کو مدد پہنچانا۔ ہدایت کی باتوں کو تحریف کرکے بدل ڈالنا۔ اپنی خواہش اور مرضی کے خلاف کسی حق بات کو قبول نہ کرنا۔ جس قوم میں یہ خصال پائی جائیں اس کی مثال ایسے مریض کی سمجھو جو نہ دوا استعمال کرے نہ مہلک اور مضر چیزوں سے پرہیز قائم رکھ سکے اطباء اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے فہمائش کرنے والوں کو گالیاں دے نسخہ پھاڑ کر پھینک دے یا اپنی رائے سے اس کے اجزاء بدل ڈالے اور یہ عہد بھی کرلے کہ جو دوا میری خواہش اور مذاق کے خلاف ہو گی کبھی استعمال نہ کروں گا۔

ان حالات کی موجودگی میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب خواہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو اگر معالجہ سے دست بردار ہو کر یہ ہی ارادہ کر لے کہ ایسے مریض کو اب اس کی بے اعتدالیوں، غلط کاریوں، ضد اور ہٹ کا خمیازہ بھگتنے دو تو کیا یہ طبیب کی بے رحمی یا بے اعتنائی کا ثبوت ہو گا یا خود مریض کی خودکشی سمجھی جائے گی۔ اب اگر مریض اس بیماری سے ہلاک ہو گیا تو طبیب کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ اس نے علاج نہ کیا اور تندرست کرنا نہ چاہا۔ بلکہ بیمار خود ملزم ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے کو تباہ کیا اور طبیب کو موقع نہ دیا کہ وہ اس کی صحت واپس لانے کی کوشش کرتا۔ ٹھیک اسی طرح یہاں یہود کی شرارت، ہوا پرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان فرما کو جو یہ لفظ فرمائے وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ الخ (جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا) اور اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے) اس کا یہ ہی مطلب ہے کہ خدا نے ان کی سوء استعداد اور بدکاریوں کی وجہ سے اپنی نظر لطف و عنایت ان پر سے اٹھالی۔ جس کے بعد ان کے راہ پر آنے اور پاکی قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ آپ ان کے غم میں اپنے کو نہ گھلائیں لقولہ تعالیٰ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ الخ باقی یہ شبہ کہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ ان کی سب شرارتوں اور غلط کاریوں کو جبرًا روک دیتا اور مجبور کر دیتا کہ وہ کوئی ضد اور ہٹ کر ہی نہ سکیں۔ تو بیشک میں تسلیم کرتا ہوں کہ خدا کی قدرت کے سامنے یہ چیز کچھ مشکل نہ تھی وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس۔ ۹۹) لیکن اس دنیا کا سارا نظام ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ بندوں کو خیر و شر کے اکتساب میں مجبور محض نہ بنایا جائے۔ اگر صرف خیر کے اختیار پر سب کو مجبور کر دیا جاتا تو تخلیق عالم کی حکمت و مصلحت پوری نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ایسی رہ جاتیں کہ ان کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملتا۔ مثلاً عفو، غفور، حلیم، منتقم، ذوالبطش الشدید، قائم، بالقسط، مالک یوم الدین وغیرہ۔ حالانکہ عالم کے پیدا کرنے سے غرض ہی یہ ہے کہ اس کی تمامی صفات کمالیہ کا مظاہرہ ہو۔ کوئی مذہب یا کوئی انسان جو خدا کو فاعل مختار مانتا ہے انجام کار اس کے سوا کوئی دوسری غرض نہیں بتلا سکا۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ملک۔ ۲) اس سے زائد تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں بلکہ اس قدر بھی ہمارے موضوع سے زائد ہی ہے۔

۱۳۷۔ فیصلہ میں انصاف کا حکم: ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ وغیرہ اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کو یہ اختیار ابتداء میں تھا آخر میں جب اسلام کا تسلط اور نفوذ کامل ہو گیا تو ارشاد ہوا وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی ان کے نزاعات کا فیصلہ قانون شریعت کے موافق کر دیا کرو۔ مطلب یہ کہ اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔

۱۳۸۔ قرآن کریم نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر ظالم اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر اس کے حق میں بھی تمہارا دامن عدالت ناانصافی کے چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے۔ یہ ہی وہ خصلت ہے جس کے سہارے زمین و آسمان کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔

۱۳۹۔ یہود تورات پر بھی یقین نہیں رکھتے: یعنی تعجب کی بات ہے کہ آپ ﷺ کو حکم ٹھہراتے ہیں اور جس تورات کو کتاب آسمانی مانتے ہیں اس کے فیصلہ پر بھی راضی نہیں۔ تو حقیقت میں ان کا ایمان کسی پر بھی نہیں۔ نہ قرآن پر نہ تورات پر اگلے رکوع میں تورات و انجیل کی مدح فرما کر متنبہ کیا ہے کہ کیسی عمدہ کتاب اور کیسے علوم ہدایت تھے جن کی ان نالائقوں نے بے قدری کی اور انہیں ایسا ضائع کیا کہ آج اصل چیز کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو گیا۔ آخر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے بالکل آخر میں وہ کتاب بھیجی جو ان سب پہلی کتابوں کے مطالب اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے۔ اور جس کی ابدی حفاظت کا انتظام نازل کرنے والے نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ فلہ الحمد والمنہ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ

۴۴۔ ہم نے نازل کی توریت کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے [۱۴۰] اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم [۱۴۱]

الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ
اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ
اخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ
يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾

اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے [١٤٢] سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور مت خرید و میری آیتوں پر مول تھوڑا [١٤٣] اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر [١٤٤]

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ
الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ
بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ
فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾

٤٥۔ اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلا انکے برابر [١٤٥] پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا [١٤٦] اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم [١٤٧]

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ
فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؕ ﴿٤٦﴾

٤٦۔ اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسٰی مریم کے بیٹے کو [١٤٨] تصدیق کرنے والا توریت کی جو آگے سے تھے اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرتی تھی اپنے سے اگلی کتاب توریت کی اور راہ بتلانے والی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو [١٤٩]

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ
مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

٤٧۔ اور چاہئے کہ حکم کریں انجیل والے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان [١٥٠]

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ
يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ فَاحۡكُمۡ
بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا
جَآءَكَ مِنَ الۡحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّ
مِنۡهَاجًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ
لٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ
ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ
فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۙ ۝٤٨

٤٨۔ اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامیں پر نگہبان [١٥١] سو تو حکم کر ان میں موافق اسکے جو کہ اتارا اللہ نے [١٥٢] اور انکی خوشی پر مت چل چھوڑ کر سیدھا راستہ جو تیرے پاس آیا [١٥٣] ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم نے ایک دستور اور راہ [١٥٤] اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کر دیتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے اپنے دیے ہوئے حکموں میں [١٥٥] سو تم دوڑ کر لو خوبیاں [١٥٦] اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتا دے گا جس بات میں تم کو اختلاف تھا [١٥٧]

وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ
اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ
اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ
اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا
مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ۝٤٩

٤٩۔ اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی اسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر [١٥٨] پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچا دے انکو کچھ سزا ان کے گناہوں کی [١٥٩] اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان [١٦٠]

اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ
اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ۝٥٠ ع ١١

٥٠۔ اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے [١٦١]

۱۴۰۔ یعنی وصول الی اللہ کے طالبین کے لئے ہدایت کا اور شبہات ومشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کے لئے روشنی کا کام دیتی ہے۔

۱۴۱۔ تورات نور وہدایت تھی: یعنی تورات میں ایسا عظیم الشان دستور العمل اور آئین ہدایت تھا کہ کثیر التعداد پیغمبر اور اہل اللہ اور علماء برابر اسی کے موافق حکم دیتے اور نزاعات کے فیصلے کرتے رہے۔

۱۴۲۔ یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ قرآن کریم کی طرح اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر۔۹) کا وعدہ نہیں ہوا۔ تو جب تک علماء و احبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا تورات محفوظ ومعمول رہی آخر دنیا پرست علمائے سوء کے ہاتھوں سے تحریف ہو کر ضائع ہوئی۔

۱۴۳۔ اللہ کے کلام میں تحریف نہ کرو: یعنی لوگوں کے خوف یا دنیوی طمع کی وجہ سے آسمانی کتاب میں تبدیل وتحریف مت کرو۔ اس کے احکام واخبار کو مت چھپاؤ اور خدا کی تعذیب وانتقام سے ڈرتے رہو۔ تورات کی عظمت شان اور مقبولیت جتلانے کے بعد یہ خطاب یا تو ان رؤسا وعلماء یہود کو کیا گیا ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے کیونکہ انہوں نے حکم رجم سے انکار کر دیا تھا اور نبی کریم ﷺ کے متعلق پیشن گوئیوں کو چھپاتے اور ان کے معنی میں عجیب طرح کے ہیر پھیر کرتے تھے۔ اور یا درمیان میں امت مسلمہ کو نصیحت ہے کہ تم دوسری قوموں کی طرح کسی سے ڈر کر یا حب مال وجاہ میں پھنس کر اپنی آسمانی کتاب کو ضائع مت کرنا چنانچہ اس امت نے بحمد اللہ ایک حرف بھی اپنی کتاب کا کم نہیں کیا اور آج تک اس کو مبطلین کی تعبیر وتحریف سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

۱۴۴۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے موافق حکم نہ کرنے سے غالبًا یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور اس کی جگہ دوسرے احکام اپنی رائے اور خواہش سے تصنیف کر لے۔ جیسا کہ یہود نے حکم رجم کے متعلق کیا تھا۔ تو ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کو عقیدۃً ثابت مان کر پھر فیصلہ عملًا اس کے خلاف کرے تو کافر سے مراد عملی کافر ہوگا۔ یعنی اس کی عملی حالت کافروں جیسی ہے۔

۱۴۵۔ تورات میں قصاص کا حکم: قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا۔ اور بہت سے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ جو پچھلی شرائع قرآن کریم یا ہمارے پیغمبر ﷺ نے نقل فرمائیں بشرطیکہ ان کی نسبت کسی جگہ حضور ﷺ نے کوئی انکار یا ترمیم نہ فرمائی ہو تو اس امت کے حق میں بھی تسلیم کی جائیں گی۔ گویا بدون رد وانکار کے ان کو سنانا تلقی بالقبول کی دلیل ہے۔

۱۴۶۔ یعنی جروح کے قصاص کو معاف کر دینا مجروح کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے اور بعض مفسرین نے اس آیت کو جارح کے حق میں رکھا ہے یعنی اگر مجروح نے جارح کو معافی دے دی تو اس کا گناہ معاف ہو جائے گا والراجح ہو الاول۔

۱۴۷۔ حکم قصاص میں یہود کی بے اعتدالی: "یہود نے حکم قصاص کے خلاف بھی تعامل قائم کر لیا تھا۔ ان میں "بنی نضیر" جو زیادہ معزز اور قوی سمجھے جاتے تھے بنو قریظہ سے پوری دیت وصول کرتے اور جب ان کو دینے کی نوبت آتی تو نصف دیت ادا کرتے بنی قریظہ نے اپنی کمزوری کی وجہ سے اس طرح کا معاہدہ کر رکھا تھا اتفاقًا بنی قریظہ کے ہاتھ سے بنی نضیر کا آدمی مارا گیا۔ انہوں نے دستور سابق کے موافق ان سے پوری دیت طلب کی بنی قریظہ نے جواب دیا کہ جاؤ وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت سے مجبور ہو کر یہ ظلم منظور کر لیا تھا۔ اب محمد ﷺ مدینہ میں آچکے ہیں ان کا دور دورہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم جو دیت تم سے لیتے ہیں اس سے دگنی ادا کریں۔ اس سے غرض یہ تھی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں محال ہے کہ کوئی قوی ضعیف کو کچل سکے یا دبا سکے۔ کیونکہ سب کو یقین تھا کہ آپ ﷺ ہر ضعیف وقوی کے ساتھ یکساں انصاف کرتے ہیں اور اقویاء کے مظالم کے مقابلہ میں ضعفاء کی دستگیری فرماتے ہیں۔ انجام کار یہ معاملہ حضور ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا اور بنی قریظہ نے جو خیال اس پیکر عدل وانصاف کی نسبت ظاہر کیا تھا بلا کم وکاست صحیح نکلا۔ حکم قصاص کے بعد وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ الخ فرمانے سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ رجم کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صریحًا انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپس کی مفاہمت

سے خلاف حکم شرعی ایک دستور قائم کر لیا تھا تو قانون عدل کی یہ اعتقادی نہیں صرف عملی مخالفت ہوئی۔ اسی لئے یہاں کافرون کی جگہ ظالمون فرمایا۔ یعنی یہ ظلم صریح ہے کہ قوی سے کم اور ضعیف سے زیادہ دیت لی جائے۔

۱۴۸۔ یعنی ان کے نقش قدم پر یہ بھی چلتے تھے۔

۱۴۹۔ انجیل اور حضرت عیسٰی علیہ السلام تورات کی تصدیق کرتے تھے: یعنی حضرت عیسٰیؑ خود اپنی زبان سے تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب (انجیل) ان کو دی گئی تھی وہ بھی تورات کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل کی نوعیت بھی نور و ہدایت ہونے میں تورات کی طرح تھی۔ احکام و شرائع کے اعتبار سے دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ (آل عمران۔ ۵۰) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ فرق تورات کی تصدیق کے منافی نہیں جیسے آج ہم قرآن کو ماننے اور صرف اسی کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود بحمد اللہ تمام کتب سماویہ کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

۱۵۰۔ اہل انجیل سے خطاب: یا تو عیسائی جو نزول انجیل کے وقت موجود تھے انکو یہ حکم دیا گیا تھا اسی کو یہاں نقل فرما رہے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت جو عیسائی مخاطب تھے ان سے کہا گیا ہو کہ جو کچھ انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس کے موافق ٹھیک ٹھیک حکم کریں۔ یعنی ان پیشن گوئیوں کو چھپانے یا لغو اور مہمل تاویلات سے بدلنے کو کوشش نہ کریں جو انجیل میں پیغمبر آخر الزماں اور مقدس فارقلیط کی نسبت حضرت مسیحؑ کی زبانی کی گئی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی سخت نافرمانی ہو گی کہ جس ہادی جلیل اور مصلح عظیم کے متعلق حضرت مسیحؑ یہ فرمائیں کہ جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں سچائی کی ساری راہیں بتائے گی۔ اسی کی تکذیب پر کمر بستہ ہو کر اپنے لئے ابدی خسران قبول کرو۔ کیا مقدس مسیحؑ اور اس کے پروردگار کی فرمانبرداری کے یہ ہی معنی ہیں۔

۱۵۱۔ قرآن مہیمن ہے، مہیمن کی تشریح: مہیمن کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ امین، غالب، حاکم، محافظ و نگہبان اور ہر معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کا کتب سابقہ کے لئے مہیمن ہونا صحیح ہے۔ خدا کی جو امانت تورات و انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں ودیعت کی گئی تھی وہ مع شے زاید قرآن میں محفوظ ہے۔ جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی۔ اور جو بعض فروعی چیزیں ان کتابوں میں اس زمانہ یا ان مخصوص مخاطبین کے حسب حال تھیں ان کو قرآن نے منسوخ کر دیا اور جو حقائق ناتمام تھیں۔ ان کی پوری تکمیل فرما دی ہے اور جو حصہ اس وقت کے اعتبار سے غیر مہم تھا اسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

۱۵۲۔ یہودیوں کے نزاعات میں رسول اللہ کا فیصلہ: یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گئی تھی۔ ایک فریق جس میں ان کے بڑے بڑے مشہور علماء اور مقتدا شامل تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فصل نزاع کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود ہمارے اختیار و اقتدار میں ہے۔ اگر آپ ﷺ فیصلہ ہمارے موافق کر دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے اسلام لانے سے جمہور یہود اسلام قبول کر لیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اور ان کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار فرما دیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر)

۱۵۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عصمت اور عصمت انبیاء: گذشتہ فائدہ میں ان آیات کی جو شان نزول ہم لکھ چکے ہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ آیت کا نزول بعد اس کے ہوا کہ آپ ﷺ ان کی خوشی اور خواہش پر چلنے سے انکار فرما چکے تھے۔ تو یہ آیات آپ ﷺ کی استقامت کی تصویب اور آیندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کے لئے نازل ہوئیں۔ جو لوگ اس قوم کی آیات کو نبی ﷺ کی شان عصمت کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ نہایت ہی قاصر الفہم ہیں۔ اول تو کسی چیز سے منع کرنا اس کی دلیل نہیں کہ جس کو منع کیا جا رہا ہے وہ اس ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معصومیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی معصیت ان

سے صادر نہیں ہو سکتی یعنی کسی کام کو یہ سمجھتے ہوئے کہ خدا کو ناپسند ہے ہر گز اختیار نہیں کر سکتے۔ اور اگر اتفاقاً کسی وقت بھول چوک یا رائے و اجتہاد کی غلطی سے راجح و افضل کی جگہ مرجوح و مفضول کو اختیار کر لیں یا غیر مرضی کو سمجھ کر عمل کر گذریں جس کو اصطلاح میں زلۃ کہتے ہیں تو اس طرح کے واقعات مسئلہ، عصمت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ حضرت آدمؑ اور بعض دیگر انبیاءؑ کے واقعات شاہد ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ اور وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ اور اسی طرح کی دوسری آیات کا مطلب سمجھنے میں کوئی خلجان نہیں رہتا۔ کیونکہ ان میں صرف اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ ان ملعونوں کی تلمیع اور سخن سازی سے قطعًا متاثر نہ ہوں اور کوئی ایسی رائے قائم نہ فرمالیں جس میں بلا قصد ان کی خواہشات کے اتباع کی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً اسی قصہ میں جو ان آیات کی شان نزول ہے یہود نے کیسی عیارانہ اور پر فریب صورت حضور ﷺ کے سامنے پیش کی تھی کہ اگر آپ ﷺ ان کے حسب منشاء فیصلہ کر دیں تو سب یہود مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز آپ ﷺ کے نزدیک محبوب اور عزیز نہیں۔ ایسے موقع پر امکان تھا کہ بڑے سے بڑا مستقیم انسان بھی یہ رائے قائم کر لے کہ ان کی ایک چھوٹی سے خواہش کے قبول کر لینے میں جب کہ اتنی عظیم الشان دینی منفعت کی توقع ہو کیا مضائقہ ہے۔ اس طرح کے خطرناک اور مزلۃ الاقدام موقع پر قرآن کریم پیغمبر ﷺ کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو بھول کر بھی کوئی ایسی رائے قائم نہ کر لیجیے جو آپ ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہ ہو۔ حضور ﷺ کا کمال تقویٰ اور انتہائی فہم و تدبر تو نزول آیت سے پہلے ہی ان ملاعین کے مکر و فریب کو رد کر چکا تھا۔ لیکن فرض کر لیجئے اگر ایسا نہ ہو چکا ہوتا تب بھی آیت کا مضمون جیسا کہ ہم تقریر کر چکے ہیں حضور ﷺ کی شان عصمت کے اصلا مخالف نہیں۔

۱۵۴۔ شریعتوں کے اختلاف کی حقیقت: یعنی خدا نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اس کے احوال و استعداد کے مناسب جداگانہ رکھا ہے اور باوجودیکہ تمام انبیاء اور ملل سماویہ اصول دین اور مقاصد کلیہ میں جن پر نجات ابدی کا مدار ہے باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدق رہے ہیں۔ پھر بھی جزئیات و فروع کے لحاظ سے ہر امت کو ان کے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص احکام و ہدایات دی گئیں۔ اس آیت میں اس فرعی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو سب انبیاءؑ کو علاتی بھائی فرمایا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں اس کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ اصول سب کے ایک ہیں اور فروع میں اختلاف ہے اور چونکہ بچہ کو تولید میں باپ فاعل و مفیض اور ماں قابل اور محل افاضہ بنتی ہے اس سے نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت و استعداد پر مبنی ہے ورنہ مبداء فیاض میں کوئی اختلاف و تعدد نہیں۔ سب شرائع و ادیان سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اور اس کا علم ازلی ہے۔

۱۵۵۔ یعنی کون تم میں سے خدا کی مالکیت مطلقہ، علم محیط اور حکمت بالغہ پر یقین کر کے ہر نئے حکم کو حق و صواب سمجھ کر بطوع و رغبت قبول کرتا ہے اور ایک وفادار غلام کی طرح ہر جدید حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔

۱۵۶۔ یعنی شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر خواہ مخواہ کی قیل و قال اور کج بحثیوں میں پڑ کر وقت نہ گنواؤ۔ وصول الی اللہ کا ارادہ کرنے والوں کو عملی زندگی میں اپنی دوڑ دھوپ رکھنی چاہئے اور جو عقائد، اخلاق اور اعمال کی خوبیاں شریعت سماویہ پیش کر رہی ہے ان کے لینے میں چستی دکھلانی چاہئے۔

۱۵۷۔ تو انجام کا خیال کر کے حسنات و خیرات کی تحصیل میں مستعدی دکھاؤ۔ اختلافات کی سب حقیقت وہاں جا کر کھل جائے گی۔

۱۵۸۔ یعنی آپس کے اختلافات میں خواہ دنیا کیسی ہی دست و گریباں رہے آپ ﷺ کو یہ ہی حکم ہے کہ ما انزل اللہ کے موافق حکم دیتے رہیں اور کسی کے کہنے سننے کی کوئی پروا نہ کریں۔

۱۵۹۔ گناہوں کی کچھ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے: پوری سزا تو قیامت میں ملے گی لیکن کچھ تھوڑی سی سزا دے کر یہاں بھی مجرم کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو ایک گونہ تنبیہ کر دی جاتی ہے۔

۱۶۰۔ یعنی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ ان لوگوں کے اعراض و انحراف سے زیادہ ملول نہ ہوں۔ دنیا میں فرمانبردار بندے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں وَمَآ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ (یوسف۔۱۰۳)

۱۶۱۔ یعنی جو لوگ خدا کی شہنشاہیت رحمت کاملہ اور علم محیط پر یقین کامل رکھتے ہیں ان کے نزدیک دنیا میں کسی کا حکم خدا کے حکم کے سامنے لائق التفات نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا یہ لوگ احکام الٰہیہ کی روشنی آجانے کے بعد ظنون و اہواء اور کفر و جاہلیت کے اندھیرے ہی کی طرف جانا پسند کرتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَ
النَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ ۘ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَمَنۡ
يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى
الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست [۱۶۲] وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے [۱۶۳] اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں ہے [۱۶۴] اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو [۱۶۵]

فَتَرَى الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوۡنَ فِيۡهِمۡ
يَقُوۡلُوۡنَ نَخۡشٰٓى اَنۡ تُصِيۡبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ
اَنۡ يَّاۡتِىَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَيُصۡبِحُوۡا
عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ نٰدِمِيۡنَ ؕ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے دوڑ کر ملتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی [۱۶۶] سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرماوے فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر پچتانے [۱۶۷]

وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمُوۡا
بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ۙ اِنَّهُمۡ لَمَعَكُمۡ ؕ حَبِطَتۡ
اَعۡمَالُهُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں برباد گئے ان کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ
فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ

۵۴۔ اے ایمان والو جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ انکو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ
لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے [۱۶۸] یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبر دار [۱۶۹]

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں [۱۷۰]

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع ٨ ١٢

۵۶۔ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے [۱۷۱]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جو کتاب دیے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو [۱۷۲] اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے [۱۷۳]

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں [۱۷۴]

۱۶۲۔ **اہل کتاب سے موالات کی ممانعت:** اولیاء ولی کی جمع ہے ولی دوست کو بھی کہتے ہیں قریب کو بھی ناصر اور مددگار کو بھی غرض یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ بلکہ تمام کفار سے جیسا کہ سورہ نساء میں تصریح کی گئی ہے مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ موالات مروت و حسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل و انصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر

سے صلح اور عہد وپیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ (انفال۔۶۱) عدل وانصاف کا حکم جیسا کہ گذشتہ آیات سے معلوم ہو چکا مسلم وکافر ہر فرد بشر کے حق میں ہے۔ مروت اور حسن سلوک یارواداری کا برتاؤان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ جیسا کہ سورہ ممتحنہ میں تصریح ہے۔ باقی موالات یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت ومعاونت تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات جو اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً (آل عمران۔۲۸) کے تحت میں داخل ہو اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی برا اثر نہ پڑے اس کی اجازت ہے۔ بعض خلفائے راشدین سے اس بارہ میں جو غیر معمولی تشدید وتضییق منقول ہے اس کو محض سد ذرائع اور مزدی احتیاط پر مبنی سمجھنا چاہئے۔

۱۶۳۔ کفار تمام ایک دوسرے کے دوست ہیں: یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض وعداوت کے باوجود باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں یہودی یہودی کا، نصرانی نصرانی کا دوست بن سکتا ہے اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں۔ الکفر ملۃ واحدۃ۔

۱۶۴۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کا کفر: یعنی ان ہی کے زمرہ میں شامل ہے یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے باب میں نازل ہوئی تھیں۔ یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا اس کا گمان تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی اور پیغمبر ﷺ کی جماعت مغلوب ہو گئی تو یہود سے ہماری یہ دوستی کام آئے گی۔ اسی واقعہ کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تو فی الحقیقت یہود کے ساتھ منافقین کی موالات کا اصلی منشا یہ تھا کہ یہود جماعت اسلام کے مدمقابل اور مذہب اسلام کے بدترین دشمن تھے ظاہر ہے کہ جو شخص یہود ونصاریٰ یا کسی جماعت کفار کے ساتھ اس نیت اور حیثیت سے موالات کرے کہ وہ دشمن اسلام ہے۔ اس کے کفر میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ منافقین میں کچھ لوگ اور بھی تھے جنہوں نے جنگ احد میں لڑائی کا پانسہ بدلا ہوا دیکھ کر کہنا شروع کیا تھا کہ ہم تو اب فلاں یہودی یا فلاں نصرانی سے دوستانہ گانٹھیں گے اور ضرورت پیش آنے پر ان ہی کا مذہب اختیار کر لیں گے اس قماش کے لوگوں کی نسبت بھی وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ کا ظاہری مدلول علانیہ صادق ہے۔ رہے وہ مسلمان جو اس قسم کی نیت اور منشا سے خالی ہو کر یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں چونکہ ان کی نسبت بھی قوی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کفار کی حد سے زیادہ ہم نشینی اور اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ ان ہی کا مذہب اختیار کر لیں۔ یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے کارہ اور نفور نہ رہیں۔ اس اعتبار سے فانہ منھم کا اطلاق ان کے حق میں بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث المرأ مع من احب نے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۱۶۵۔ یعنی جو لوگ کہ دشمنان اسلام سے موالات کر کے خود اپنی جان پر اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جماعت اسلام کے مغلوب ومقہور ہونے کا انتظار کر رہے ہیں ایسی بدبخت معاند اور دغاباز قوم کی نسبت یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کبھی راہ ہدایت پر آئے گی۔

۱۶۶۔ منافقین اور یہود کے تعلقات: یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں اسی لئے دوڑ دوڑ کر کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح سے متمتع ہو سکیں۔ اور ان کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں ان سے محفوظ رہیں۔ نَخۡشٰۤى اَنۡ تُصِيۡبَنَا دَآٮِٕرَةٌ کے یہ ہی معنی ان کے دلوں میں مکنون تھے۔ لیکن یہ ہی الفاظ نَخۡشٰۤى اَنۡ تُصِيۡبَنَا دَآٮِٕرَةٌ جب پیغمبر ﷺ اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض ودام لے لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے۔ ان ہی خیالات کا جواب آگے دیا گیا ہے۔

۱٦۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کی پیشگوئی: یعنی وہ وقت نزدیک ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے اور مکہ معظمہ میں بھی جو تمام عرب کا مسلمہ مرکز تھا حضور ﷺ کو فاتحانہ داخل کرے یا اس کے ماسوا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور امور بروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو اور انہیں منکشف ہو جائے کہ دشمنان اسلام کی موالات کا نتیجہ دنیوی ذلت اور رسوائی اور اخروی عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ جب فضیحت و خسران کے یہ نتائج سامنے آجائیں گے اس وقت بجز پچھتانے اور کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ الاٰن قد ندمت وماینفع الندم چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام کے عام غلبہ اور فتح مکہ وغیرہ کو دیکھ کر تمام اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہو گئے۔ بہت سے یہود مارے گئے۔ بہت سے جلاوطن ہوئے۔ منافقین کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا مسلمانوں کے سامنے صریح طور پر جھوٹے ثابت ہوئے موالات یہود میں جو کوششیں کی تھیں وہ اکارت گئیں اور خسران دنیوی اور ہلاکت ابدی کا طوق گلے میں پڑا۔ اگلی آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

۱٦۸۔ اسلام کی بقا اور حفاظت کی پیشگوئی: اس آیت میں اسلام کی ابدی بقا اور حفاظت کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی کی گئی ہے۔ پچھلی آیات میں کفار کی موالات سے منع کیا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی شخص یا قوم موالات کفار کی بدولت صریحًا اسلام سے پھر جائے جیسا کہ وَمَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ میں تنبیہ کی گئی ہے قرآن کریم نے نہایت قوت اور صفائی سے آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگ اسلام سے پھر کر کچھ اپنا ہی نقصان کریں گے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے حق تعالیٰ مرتدین کے بدلے میں یا ان کے مقابلہ پر ایسی قوم لے آئے گا جن کو خدا کا عشق ہو اور خدا ان سے محبت کرے وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہوں گے۔ یہ پیشن گوئی بحول اللہ و قوتہ ہر قرن میں پوری ہوتی رہی۔ ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے دور میں پھیلا۔ کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی جرأت اور اعلیٰ تدبر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدمات اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور سارے عرب کو متحد کر کے از سر نو اخلاص و ایمان کے راستہ پر گامزن کر دیا۔ آج بھی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب کبھی چند جاہل اور طامع افراد اسلام کے حلقہ سے نکلنے لگتے ہیں تو ان سے زیادہ اور ان سے بہتر تعلیم یافتہ اور محقق غیر مسلموں کو اسلام فطری کشش سے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے خدا ایسے وفادار اور جان نثار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کے راستہ میں کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پروا نہیں ہوتی۔

۱٦۹۔ انسان پر بڑی سعادت اور اس پر خدا کا بڑا فضل یہ ہے کہ وہ فتنہ کے وقت خود جادہ حق پر ثابت قدم رہ کر دوسروں کو ہلاکت سے بچانے کی فکر کرے۔ خدا جن بندوں کو چاہے اس سعادت کبریٰ اور فضل عظیم سے حصہ وافر عطا فرماتا ہے۔ اس کا فضل غیر محدود ہے اور وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون سا بندہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔

۱۷۰۔ مسلمانوں کے اصلی دوست: پچھلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی موالات اور رفاقت سے مسلمانوں کو منع کیا گیا تھا جس کو سننے کے بعد طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کے تعلقات محبت و وداد اور معاملات رفاقت کن سے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ ان کا رفیق اصلی خدا اور پیغمبر ﷺ اور مخلص مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

۱۷۱۔ کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد کو دیکھتے ہوئے ممکن تھا کہ کوئی ضعیف القلب اور ظاہر بین مسلمان اس تردد میں پڑ جاتا کہ تمام دنیا سے موالات منقطع کرنے اور چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کر لینے کے بعد غالب ہونا تو درکنار کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقا کی حفاظت بھی دشوار ہے ایسے لوگوں کی تسلی کے لئے فرمادیا کہ مسلمانوں کی قلت اور ظاہری بے سروسامانی پر نظر مت کرو۔ جس طرف خدا اور اس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہوں گے وہ ہی پلہ بھاری رہے گا۔ یہ آیتیں خصوصیت سے حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی منقبت میں نازل

ہوئی ہیں۔ یہود بنی قینقاع سے ان کے بہت زیادہ دوستانہ تعلقات تھے۔ مگر خدا اور رسول کی موالات اور مومنین کی رفاقت کے سامنے انہوں نے اپنے سب تعلقات منقطع کر دیے۔

۱۷۲۔ کفار سے مراد یہاں مشرکین ہیں۔ جیسا کہ عطف سے ظاہر ہے۔

۱۷۳۔ کفار سے ترک موالات کی وجہ: گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالات کفار سے منع فرمایا تھا۔ اس آیت میں ایک خاص موثر عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اسے بتایا گیا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن و استہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنعیہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ کفار کی ان احمقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فرد مسلم جس کے دل میں خشیئہ الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستانہ راہ و رسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کے لئے گوارا کرے گا۔ اگر ان کے کفر و عناد اور عداوت اسلام سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو دین قیم کے ساتھ ان کا یہ تمسخر و استہزاء ہی علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے۔

۱۷۴۔ اذان کے ساتھ استہزاء: "یعنی جب اذان کہتے ہو تو اس سے جلتے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہیں جو ان کی کمال حماقت اور بے عقلی کی دلیل ہے۔ کلمات اذان میں خداوند قدوس کی عظمت و کبریا کا اظہار، توحید کا اعلان، نبی کریم ﷺ جو تمام انبیاء سابقین اور کتب سماویہ کے مصدق ہیں ان کی رسالت کا اقرار، نماز جو تمام اوضاع عبودیت کو جامع اور غایت درجہ کی بندگی پر دال ہے اس کی طرف دعوت، فلاح دارین اور اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے لئے بلاوا ان چیزوں کے سوا اور کیا ہوتا ہے پھر ان میں کون سی چیز ہے جو ہنسی اڑانے کے قابل ہو۔ ایسی نیکی اور حق و صداقت کی آواز پر مسخرا پن کرنا اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کا دماغ عقل سے یکسر خالی ہو اور جسے نیک و بد کی قطعاً تمیز باقی نہ رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی جب اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ سنتا تو کہتا "قد حرق الکاذب" (جھوٹا جل گیا یا جل جائے) اس کی نیت تو ان الفاظ سے جو کچھ ہو مگر یہ بات بالکل اس کے حسب حال تھی کیونکہ وہ خبیث جھوٹا تھا اور اسلام کا عروج و شیوع دیکھ کر آتش حسد میں جل جاتا تھا اتفاقاً ایک شب میں کوئی چھوکری آگ لے کر اس کے گھر میں آئی وہ اور اس کے اہل و عیال سو رہے تھے ذرا سی چنگاری نادانستہ اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ جس سے سارا گھر مع سونے والوں کے جل گیا۔ او اس طرح خدا نے دکھلا دیا کہ جھوٹے لوگ دوزخ کی آگ سے پہلے ہی دنیا کی آگ میں کس طرح جل جاتے ہیں۔ اذان کے ساتھ استہزاء کرنے کا ایک اور واقعہ صحیح روایات میں منقول ہے وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ میں حضرت بلالؓ نے اذان کہی، چند نو عمر لڑکے جن میں ابو محذورہ بھی تھے۔ اذان کی ہنسی اور نقل کرنے لگے آپ ﷺ نے سب کو پکڑ کر بلوایا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ابو محذورہ کے دل میں خدا نے اسلام ڈال دیا اور حضور ﷺ نے ان کو مکہ کا موذن مقرر فرما دیا۔ اس طرح خدا کی قدرت نقل سے اصل بن گئی۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ تو کہہ اے کتاب والو کیا ضد ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں [۱۷۵]

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾

٦٠۔ تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں کس کی بری جزا ہے اللہ کے ہاں وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سور اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بہکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے [۱۷۶]

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾

٦١۔ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور حالت یہ ہے کہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائے ہوئے تھے [۱۷۷]

۱۷٦۔ یہودی مغضوب اور ملعون ہیں: یعنی اگر ایمان باللہ پر مستقیم ہونا اور ہر اس چیز کی جو خدا کی طرف سے کسی زمانہ میں نازل ہو سچے دل سے تصدیق کرنا ہی تمہارے زعم میں مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی برائی ہے اور اسی وجہ سے تم ان کو مورد طعن و بلام بناتے ہو۔ تو آؤ میں تم کو ایک ایسی قوم کا پتہ بتلاؤں جو اپنی شرارت اور گندگی کی وجہ سے بدترین خلائق ہے۔ جن پر خدا کی لعنت اور غضب کا اثر آج بھی نمایاں طور پر آشکارا ہے۔ جس کے بہت سے افراد اپنی مکاری اور بے حیائی اور حرص دنیا کی سزا میں بندر اور سور بنائے جا چکے ہیں اور جس نے خدا کی بندگی سے نکل کر شیطان کی غلامی اختیار کر لی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ بدترین خلائق اور گم کردہ راہ قوم ہی اصلی معنی میں تمہارے طعن واستہزاء کی مستحق ہو سکتی ہے اور وہ خود تم ہی ہو۔

۱۷۷۔ یہود و نصاریٰ کی سیاہ کاریاں: یہاں ان ہی استہزاء کرنے والوں کے بعض مخصوص افراد کا بیان ہے جو غائبانہ تو مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے لیکن جب نبی کریم ﷺ یا مخلص مسلمانوں سے ملتے تو ازراہ نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے حالانکہ شروع سے آخر تک ایک منٹ کے لئے بھی انہیں اسلام سے تعلق نہیں ہوا نہ پیغمبر ﷺ کے ربانی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر انہوں نے قبول کیا۔ کیا محض لفظ ایمان واسلام زبان سے بول کر وہ خدا کو معاذ اللہ دھوکہ دے سکتے ہیں۔ اگر اس "عالم الغیب والشہادۃ" کی نسبت جو ہر قسم کے ضمائر و سرائر پر مطلع ہے ان کا گمان یہ ہو کہ محض لفظی ایمان سے اسے خوش کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر کون سی حرکت قابل استہزاء و تمسخر ہو سکتی ہے۔ گویا اس آیت سے یہود و نصاریٰ کے ان مضحکہ انگیز افعال و حرکات کا بیان شروع ہوا۔ جن پر متنبہ کیے جانے کے بعد مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے بجائے انہیں خود اپنا استہزاء کرنا چاہئے۔ اگلی آیات میں بھی اسی مضمون کی تمتیم و تکمیل ہے۔

وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾

٦٢۔ اور تو دیکھے گا بہتوں کو ان میں سے کہ دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم اور حرام کھانے پر بہت برے کام ہیں جو کر رہے ہیں [۱۷۸]

لَوۡ لَا يَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ
الۡاِثۡمَ وَ اَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا
يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ کیوں نہیں منع کرتے انکے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو کر رہے ہیں[۱۷۹]

۱۷۸۔ غالباً "اثم" سے لازمی اور "عدوان" سے متعدی گناہ مراد ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بہت شوق اور رغبت سے ہر قسم کے گناہوں کی طرف جھپٹے ہیں۔ خواہ ان کا اثر اپنی ذات تک محدود ہو یا دوسروں تک پہنچے۔ جن کی اخلاقی حالت ایسی زبوں ہو اور حرام خوری ان کا شیوہ ٹھہر گیا ہو، ان کی برائی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ تو ان کے عوام کا حال تھا۔ آگے خواص کا بیان کیا گیا ہے۔

۱۷۹۔ یہودی علماء کو سرزنش: "جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے تو اس کے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہو جاتے ہیں اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا حال یہ ہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات و شہوات میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کے قوانین اور احکام کو بھلا بیٹھے۔ اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انہوں نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ ترک کر دیا۔ کیونکہ دنیا کی حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے۔ مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔ اسی لئے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کو قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص میں بہت ہی سخت تاکید و تہدید کی گئی ہے کہ کسی وقت اور کسی شخص کے مقابلہ میں اس "فرض امر بالمعروف" کے ادا کرنے سے تغافل نہ برتیں۔

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ
وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا ۘ بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ يُنۡفِقُ
كَيۡفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ
اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ؕ وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ
الۡعَدَاوَةَ وَ الۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَاۤ
اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسۡعَوۡنَ فِى
الۡاَرۡضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا[۱۸۰] انہی کے ہاتھ بند ہو جاویں[۱۸۱] اور لعنت ہے انکو اس کہنے پر بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں[۱۸۲] خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے[۱۸۳] اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور انکار[۱۸۴] اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر قیامت کے دن تک[۱۸۵] جب کبھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لئے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے ہوئے اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو[۱۸۶]

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾
وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ
اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ
سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع
يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ
وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ
يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

ع ۹ ۱۳

٦٥۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے نعمت کے باغوں میں [۱۸۷]

٦٦۔ اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اس کو جو کہ نازل ہوا ان پر انکے رب کی طرف سے [۱۸۸] تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے [۱۸۹] کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھی راہ پر [۱۹۰] اور بہت سے ان میں برے کام کر رہے ہیں

٦٧۔ اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچا لے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو [۱۹۱]

۱۸۰۔ حق تعالیٰ کی شان میں یہودیوں کی گستاخیاں: "نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت اہل کتاب کے قلوب انکی شرارت، کفر و طغیان، بدکاری، حرامخوری وغیرہ کی ممارست سے اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ بارگاہ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی ان کو کچھ باک نہ ہوتا تھا خداوند قدوس کا رتبہ انکے یہاں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زیادہ نہ رہا تھا۔ حق تعالیٰ کی جناب میں بے تکلف ایسے واہی تباہی کلمات بک دیتے تھے جنہیں سنکر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ کبھی کہتے "ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء" کبھی یہ الفاظ منہ سے نکالتے "ید اللہ مغلولۃ" (خدا کا ہاتھ بند ہو گیا) اس سے مراد یا تو وہ ہی ہو گی جو "ان اللہ فقیر" سے تھی کہ خدا معاذ اللہ تنگدست ہو گیا۔ اس کے خزانہ میں کچھ رہا نہیں اور یا "غل ید" کنایہ بخل و امساک سے ہو یعنی تنگدست تو نہیں مگر آج کل بخل کرنے لگا ہے (العیاذ باللہ) بہر حال کوئی معنی لو اس کلمہ کفر کا منشاء یہ تھا کہ جب تمرد و طغیان کی پاداش میں حق تعالیٰ نے ان ملاعین پر ذلت و نکبت، ضیق عیش، بدحالی اور تنگ میدانی مسلط فرما دی تو بجائے اس کے کہ اپنی سیہ کاریوں اور شرارتوں پر متنبہ اور نادم ہوتے الٹے حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگے۔ شاید یہ خیال ہوا ہو گا کہ ہم تو پیغمبروں کی اولاد بلکہ خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے تھے۔ پھر یہ کیا معاملہ ہونے لگا کہ آج بنی اسمٰعیلؑ تو دنیا میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ زمینی فتوحات اور آسمانی برکات ان پر کشادہ کر دی گئی ہیں اور ہم بنی اسرائیل کہ خدا صرف ہمارا اور ہم اس کے تھے۔ اس طرح ذلیل و مغلوب اور تنگ حال ہو کر در بدر

بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ہم تو وہ ہی اسرائیل کی اولاد اور "ابناء اللہ واحباءہ" آج بھی ہیں جو پہلے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس خدا کی ہم اولاد اور محبوب تھے (معاذ اللہ) اس کے خزانے میں کمی آگئی یا آج کل بخل وامساک نے اس کا ہاتھ بند کر دیا ہے۔ احمق اتنا تو نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کے خزائن تو لا محدود اور اس کے کمالات غیر متبدل اور غیر متناہی ہیں۔ اگر معاذ اللہ اس کے خزانہ میں کچھ نہ رہتا یا مخلوق کی تربیت واعانت سے وہ ہاتھ کھینچ لیتا تو دنیا کا نظام کس طرح قائم رہ سکتا تھا اور جو روز افزوں عروج و فروغ پیغمبر ﷺ اور ان کے رفقا کا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ یہ کس کے خزانہ اور دست کرم کا رہین منت ہوتا۔ لہٰذا تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا ہاتھ بند نہیں ہوا البتہ گستاخیوں اور شرارتوں کی نحوست سے خدا کی جو لعنت اور پھٹکار تم پر پڑی ہے اس نے تمہارے حق میں خدا کی زمین باوجود وسعت کے تنگ کر دی ہے اور آیندہ اور زیادہ تنگ ہونے والی ہے۔ اپنی تنگ حالی کو خدا کی تنگ دستی سے منسوب کرنا تمہاری انتہائی سفاہت ہے۔"

۱۸۱۔ یہ دعا کے رنگ میں پیشین گوئی یا ان کی حالت واقعی کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ واقع میں بخل وجبن نے ان کے ہاتھ بالکل بند کر دیے تھے۔

۱۸۲۔ حق تعالیٰ کے اعضائے جسمانی کی نسبت: حق تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ پاؤں، آنکھ وغیرہ نعوت ذکر کی گئی ہیں ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضائے جسمانی رکھتا ہے۔ بس جس طرح خدا کی ذات اور وجود، حیات، علم وغیرہ تمامی صفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا بیان نہیں ہو سکتی۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم

منزل تمام گشت وبپایاں رسید عمر ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اسی طرح ان نعوت وصفات کو خیال کرو۔ خلاصہ یہ کہ جیسے خدا کی ذات بے چون وبیچگون ہے۔ اس کے سمع، بصر، ید وغیرہ نعوت وصفات کے معانی بھی اس کی ذات اور شان اقدس کے لائق اور ہمارے کیف وکم اور تعبیر وبیان کے احاطہ سے بالکل وراء الوراء ہیں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (شوریٰ۔۱۱) حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان آیات پر جو فائدہ لکھا ہے اس میں دو ہاتھوں سے مراد "مہر" کا اور "قہر" کا ہاتھ لیا ہے۔ یعنی آج کل خدا کی مہر کا ہاتھ "امت محمدیہ" پر اور قہر کا بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیتوں میں اشارہ فرمایا۔

۱۸۳۔ یعنی اس کو وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس وقت کس پر کس قدر خرچ کیا جائے۔ کبھی ایک وفادار کو امتحان یا اصلاح حال کی غرض سے تنگی اور عسرت میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اس کی وفاداری کے صلہ میں نعمائے آخرت سے پہلے دنیوی برکات کے دروازے بھی کھول دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل ایک مجرم متمرد پر کبھی آخرت کی سزا سے پہلے تنگ حالی، ضیق عیش اور مصائب وآفات دنیوی کی سزا بھیجتا ہے۔ اور کسی وقت دنیوی سازوسامان کو فراغ کر کے مزید مہلت دیتا ہے کہ یا خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر اپنے فسق وفجور پر کچھ شرمائے اور یا اپنی شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر کے انتہائی سزا کا مستحق ہو ان مختلف احوال واغراض اور متنوع حکمتوں کی موجودگی میں کسی شخص کے مقبول ومردود ہونے کا فیصلہ خدا کی اطلاع یا قرائن واحوال خارجیہ کی بناء پر کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح ایک چور کا ہاتھ کاٹا جائے، یا ڈاکٹر کسی مریض کا ہاتھ کاٹے، دونوں کی نسبت ہم احوال خارجہ اور قرائن سے سمجھ لیتے ہیں کہ ایک بطور سزا اور دوسرا ازراہ شفقت وعلاج کاٹا گیا ہے۔

۱۸۴۔ ان کی گستاخی کا جواب دیا جا چکا ہے لیکن قرآن کے ایسے حکیمانہ جوابات سے ان معاندین اور سفہاء کو تسکین نہیں ہو گی بلکہ یہ کلام الٰہی سن کر شرارت اور انکار میں اور زیادہ ترقی کریں گے۔ اگر غذائے صالح ایک بیمار کے معدہ میں پہنچ کر اس کے مرض کو زیادہ کر دیتی ہے تو اس میں غذا کا قصور نہیں۔ مریض کے مزاج کی خرابی ہے۔

۱۸۵۔ اگرچہ قریب میں خاص یہود کا مقولہ نقل کیا تھا۔ لیکن اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ سے مراد غالبًا وہ اور ان کے بھائی بند سب ہیں یعنی یہود ونصاریٰ سب اہل کتاب کا حال بیان فرمایا ہے جیسا کہ پہلے اسی سورۃ میں گذر چکا اور اگلی آیت میں بھی سب اہل کتاب کو خطاب فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہوا

کہ جوں جوں ان کی شرارت اور انکار کو ترقی ہو گی اسی قدر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور منصوبے گانٹھیں گے اور لڑائی کی آگ سلگانے کے لئے تیار ہوں گے۔ لیکن ان کے آپس میں پھوٹ پڑ چکی ہے جو مٹ نہیں سکتی۔ اس سبب سے اسلامی برادری کے خلاف ان کی جنگی تیاریاں کامیاب نہیں ہوئیں۔

۱۸۶۔ اہل کتاب کی فتنہ پروری: اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں جب تک باہمی محبت اور اخوت مستحکم رہے گی اور رشد و صلاح کے طریق پر گامزن ہو کر فتنہ اور فساد سے مجتنب رہنے کا اہتمام رہے گا جیسا کہ صحابہؓ میں تھا۔ اس وقت تک اہل کتاب کی سب کوششیں ان کے مقابلہ میں بیکار ثابت ہوں گی۔

۱۸۷۔ یعنی باوجود ایسے شدید جرائم اور سخت شرارتوں کے اگر اب بھی اہل کتاب اپنے رویہ سے تائب ہو کر نبی کریم ﷺ اور قرآن پر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو دروازہ توبہ کا بند نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ کمال فضل و رحمت سے ان کو اخروی و دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرما دیتا۔ اس کی رحمت بڑے سے بڑے مجرم کو بھی جب وہ شرمسار اور معترف ہو کر آئے مایوس نہیں کرتی۔

۱۸۸۔ قرآن پر عمل تورات و انجیل پر عمل ہے: یعنی قرآن کریم جو تورات و انجیل کے بعد ان کی تنبیہ اور ہدایت کے لئے نازل ہوا اس کو قائم کرتے کیونکہ اس کی تسلیم کے بدون تورات و انجیل کی بھی صحیح معنی میں اقامت نہیں ہو سکتی بلکہ تورات و انجیل اور جملہ کتب سماویہ کی اقامت کا مطلب ہی اب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ جو کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق بھیجے گئے ہیں۔ ان کو قبول کیا جائے گویا اقامت تورات و انجیل کو حوالہ دے کر آگاہ فرما دیا کہ اگر قرآن کو انہوں نے قبول نہ کیا تو اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ اپنی کتابوں کے قبول کرنے سے بھی منکر ہو گئے۔

۱۸۹۔ یعنی تمام ارضی و سماوی برکات سے ان کو متمتع کیا جاتا۔ اور ذلت بدحالی اور ضیق عیش کی جو سزا ان کے عصیان و تمرد پر دی گئی تھی وہ اٹھا لی جاتی۔

۱۹۰۔ یہ وہ معدود افراد ہیں جنہوں نے فطری سعادت سے توسط و اعتدال کی راہ اختیار کی اور حق کی آوز پر لبیک کہا۔ مثلاً عبداللہ بن سلام اور ملک حبشہ نجاشی وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

۱۹۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم اور وعدہ حفاظت: "پچھلی آیات میں اہل کتاب کی شرارت کفر اور سیہ کاریوں کا ذکر کر کے تورات، انجیل، قرآن اور کل کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی۔ آئندہ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس اقامت کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر اور لاشے محض ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الخ میں اسی دوٹوک اعلان کے لئے حضور کو تیار کیا گیا ہے۔ یعنی آپ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ بے خوف و خطر اور بلا تامل پہنچاتے رہیے۔ اگر بفرض محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدائی پیغامبر) ہونے کے رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے سمجھا جائے گا کہ آپ نے اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کے حق میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی پر بیش از بیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی موثر عنوان نہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جد و کد اور صبر و استقلال سے فرض رسالت و تبلیغ کو ادا کیا وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت و بلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔ حضور کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام و تثبت کی تاکید کے موقع پر موثر ترین عنوان یہ ہی ہو سکتا تھا کہ حضور کو يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بفرض محال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے

ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں۔ عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے۔ یا تو اسے اپنے فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو۔ یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچنے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام ترد و طغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے مثمر اور منتج ہونے سے مایوسی ہو پہلی وجہ کا جواب یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوۡلُ سے فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ تک دوسری کا وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ میں اور تیسری کا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ میں دے دیا گیا۔ یعنی تم اپنا فرض ادا کئے جاؤ خدا تعالیٰ آپ کی جان اور عزت و آبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلائے گا، باقی ہدایت وضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ایسی قوم جس نے کفر وانکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑو۔ نبی کریم ﷺ نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔ نوع انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی آپ نے بلاکم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی اور وفات سے دو ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمان اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا آپ نے علیٰ رؤس الاشہاد اعلان فرمادیا کہ "اے خدا تو گواہ رہ میں (تیری امانت) پہنچا چکا"۔

قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ وَ لَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا ۚ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ کہہ دے اے کتاب والو تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اترا تمہارے رب کی طرف سے [۱۹۲] اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور کفر سو تو افسوس نہ کر اس قوم کفار پر [۱۹۳]

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَ الصّٰبِـُٔوۡنَ وَ النَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ بیشک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہوں گے [۱۹۴]

۱۹۲۔ یعنی کل کتب سماویہ جن کا خاتم اور مہیمن قرآن کریم ہے۔ پچھلے رکوع میں اس آیت کی تفسیر گذر چکی۔

۱۹۳۔ یعنی اس غم اور افسوس میں پڑ کر تنگدل نہ ہوں اپنا فرض امن واطمینان سے ادا فرماتے رہیں۔

۱۹۴۔ فلاح و کامیابی کا دائمی معیار: "یعنی جو قوم مسلمان کہلاتی ہے یا یہود یا نصاریٰ یا صابی (یا اور کچھ تمثیلاً چند مشہور مذاہب کا ذکر کیا گیا) کوئی شخص ان ناموں کی بدولت یا نسل، رنگ، پیشہ، وطن وغیرہ احوال و خصائص کے لحاظ سے حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ کامیاب اور مامون و مصئون ہونے کا ایک اور صرف ایک معیار ہے یعنی ایمان و عمل صالح جس قوم کو اپنے مقرب الٰہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ ہو وہ اسی کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لے۔ اگر اس میں کھری اترے تو بے خوف و خطر مفلح اور کامیاب ہے۔ ورنہ ہر وقت اپنے کو خدا کے غضب و قہر کے نیچے سمجھے۔ پچھلی آیات میں خاص اہل کتاب کو تبلیغ تھی اس آیت میں تمام اقوام و ملل کے سامنے بلا رورعایت ایسا عجیب و غریب، معقول اور منصفانہ قانون پیش کیا گیا ہے جس کے بعد کسی سلیم الفطرت انسان کو اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص جب تک خدا (یعنی اس کے وجود، وحدانیت، صفات کمالیہ، نشانہائے قدرت، تمام احکام و قوانین، کل نائبین و سفراء) پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور نیکی اختیار نہ کرے کیا عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ وہ نعیم دائم رضائے حق اور سرور ابدی سے ہمکنار ہو سکے گا۔ ایمان باللہ کے تحت میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ فرض کرو ایک شخص روشن دلائل نبوت کی موجودگی میں کسی پیغمبر کی توہین کرتا ہے (اور اس کو دعوے نبوت میں جھوٹا کہنا یہی اس کی توہین ہے) تو کیا کسی حکومت کے سفیر کی توہین اور اس کے صاف و صریح اسناد سفارت کی تکذیب اس حکومت کی توہین و تکذیب نہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی ایک سچے پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے اور اس کو قبول نہیں کرتا وہ فی الحقیقت خدا کے ان صاف و صریح نشانات و دلائل کو جھٹلا رہا ہے جو اس نے تصدیق نبوت کے لئے اتارے تھے۔ فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰـكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ (انعام۔۳۳) کیا اللہ کی آیات اور صریح و علانیہ نشانات کو جھٹلانے کے بعد بھی "ایمان باللہ" کا دعویٰ رہ سکے گا۔ قرآن کریم نے جن تفصیلات کی طرف "ایمان باللہ و عمل صالح" کے اجمالی عنوان سے یہاں اشارہ فرمایا ہے دوسرے مواضع میں وہ شرح و بسط سے مذکور ہیں۔

صائبین کون تھے: میرے نزدیک زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ صائبین عراق میں ایک فرقہ تھا جن کے مذہبی اصول عموماً حکمائے اشراقیین اور فلاسفہ طبیعین کے اصول سے ماخوذ تھے۔ یہ لوگ روحانیت کے متعلق نہایت غلو رکھتے بلکہ ان کی پرستش کرتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ ارواح مجردہ اور مدبرات فلکیہ وغیرہ کی استعانت و استمداد سے ہی ہم رب الارباب (یعنی بڑے معبود تک پہنچ سکتے ہیں لہذا ریاضات شاقہ اور کسر شہوات سے روح میں تجرد اور صفائی پیدا کر کے عالم روحانیات کے ساتھ ہم کو اپنا رشتہ پیدا کرنا چاہئے۔ پھر ان کی خوشنودی اور دستگیری سے خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اتباع انبیاء کی ضرورت نہیں۔ کواکب کی ارواح مدبرہ اور اسی طرح دوسری روحانیات کو اپنے سے خوش رکھنے کے لئے ہیاکل بناتے تھے اور انہی ارواح کے لئے نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حنفاء کے مقابلہ میں صائبین کی جماعت تھی جن کا سب سے بڑا حملہ نبوت اور اس کے لوازم و خواص پر ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم حنیف ؑ کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابی العقیدہ تھی جس کے رد و ابطال میں خدا کے خلیل ؑ نے جانبازی دکھلائی۔

لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى اَنۡفُسُهُمۡ ۙ فَرِيۡقًا كَذَّبُوۡا وَفَرِيۡقًا يَّقۡتُلُوۡنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے [۱۹۵] اور بھیجے ان کی طرف رسول جب لایا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم جو خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کر ڈالتے تھے [۱۹۶]

وَ حَسِبُوۡۤا اَلَّا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ فَعَمُوۡا وَ صَمُّوۡا ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ثُمَّ عَمُوۡا وَ صَمُّوۡا کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہو گی سو وہ اندھے ہو گئے اور بہرے پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی پھر اندھے اور بہرے ہوئے ان میں سے بہت [۱۹۷] اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں [۱۹۸]

۱۹۵۔ گذشتہ آیت میں جو معیار قبول عند اللہ کا بیان ہوا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح۔ یہاں یہ دکھلانا ہے کہ یہود اس معیار پر کہاں تک پورے اترتے ہیں۔

۱۹۶۔ غلام کی وفاداری کا امتحان اس میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کر گذرے اور اپنی رائے یا خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنادے۔ ورنہ صرف ان چیزوں کا مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں، یہ کونسا کمال ہے۔

۱۹۷۔ یہودیوں کی اللہ سے غداری: یعنی پختہ عہد و پیمان توڑ کر خدا سے غداری کی اس کے سفراء میں سے کسی کو جھٹلایا کسی کو قتل کیا۔ یہ تو ان کے ایمان باللہ اور عمل صالح کا حال تھا۔ ایمان بالیوم الآخر کا اندازہ اس سے کر لو کہ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کا ارتکاب کر کے بالکل بے فکر ہو بیٹھے۔ گویا ان حرکات کا کوئی خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا اور ظلم و بغاوت کے خراب نتائج کبھی سامنے نہ آئیں گے۔ یہ خیال کر کے خدائی نشانات اور خدائی کلام کی طرف سے بالکل ہی اندھے اور بہرے ہو گئے اور جو نا کردنی کام تھے وہ کئے حتیٰ کی بعض انبیاء کو قتل اور بعض کو قید کیا۔ آخر خدا تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط فرمایا۔ پھر ایک مدت دراز کے بعد بعض ملوک فارس نے بخت نصر کی قید ذلت و رسوائی سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کو واپس کیا اس وقت ان لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوئے۔ خدا نے توبہ قبول کی۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد پھر وہی شرارتیں سوجھیں اور بالکل اندھے بہرے ہو کر حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کے قتل کی جرات کی اور حضرت عیسیٰؑ کے قتل پر تیار ہو گئے۔

۱۹۸۔ یعنی وہ اگرچہ خدا کے غضب و قہر کی طرف سے اندھے ہو گئے ہیں لیکن خدا ان کی تمام حرکات کو برابر دیکھتا رہا ہے چنانچہ ان حرکات کی سزا اب امت محمدیہ کے ہاتھوں سے دلوا رہا ہے۔

لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ وَ قَالَ الۡمَسِیۡحُ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَ مَاۡوٰىہُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی رب ہے میرا اور تمہارا بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا [۱۹۹]

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ‌ ۘ وَمَا
مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ‌ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهُوۡا عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ
لَيَمَسَّنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک[۲۰۰] حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے اور اگر نہ باز آویں گے اس بات سے کہ کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو عذاب دردناک

اَفَلَا يَتُوۡبُوۡنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَهٗ‌ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان[۲۰۱]

مَا الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ‌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ
قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيۡقَةٌ‌ ؕ كَانَا يَاۡكُلٰنِ
الطَّعَامَ‌ ؕ اُنْظُرۡ كَيۡفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرۡ
اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول گذر چکے اس سے پہلے بہت رسول[۲۰۲] اور اسکی ماں ولی ہے[۲۰۳] دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسے بتلاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں الٹے جا رہے ہیں[۲۰۴]

قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَـكُمۡ
ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا‌ ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ تو کہہ دے کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا[۲۰۵]

۱۹۹۔ نصاریٰ کا کفر و شرک: یہاں سے نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت دکھلائی گئی ہے کہ وہ کہاں تک حقانیت کے اس معیار پر پورے اترے۔ ان کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ عقل کے خلاف فطرت سلیمہ کے خلاف اور خود حضرت مسیحؑ کی تصریحات کے خلاف مسیح ابن مریمؑ کو خدا بنا دیا۔ "ایک تین اور تین ایک" کی بھول بھلیاں تو محض برائے نام ہے۔ حقیقتًا سارا زور و قوت صرف حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیحؑ خدا کے رب ہونے اور دوسرے آدمیوں کی طرح اپنے مربوب ہونے کا علانیہ اعتراف فرما رہے ہیں۔ اور جس شرک میں ان کی امت مبتلا ہونے والی تھی اس کی برائی کس زور و شور سے بیان کر رہے ہیں پھر بھی ان اندھوں کو عبرت نہیں ہوتی۔

۲۰۰۔ یعنی حضرت مسیحؑ، روح القدس اور اللہ، یا مسیحؑ، مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں (العیاذ باللہ) ان میں کا ایک حصہ دار اللہ ہوا۔ پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین ہیں۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ یہ ہی ہے اور اس خلاف عقل و بداہت عقیدہ کو عجیب گول مول اور پیچدار عبارتوں سے ادا کرتے

ہیں اور جب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو ایک ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے لن یصلح العطّارُ ما افسدہ الدّھر

۲۰۱۔ نصاریٰ کا کفر و شرک: یہ اسی غفور رحیم کی شان ہے کہ ایسے ایسے باغی اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اور اصلاح کا عزم کر کے حاضر ہوں تو ایک منٹ میں عمر بھر کے جرائم معاف فرما دیتا ہے۔

۲۰۲۔ یعنی اسی مقدس و معصوم جماعت کے یہ بھی ایک فرد ہیں انہیں خدا بنا لینا تمہاری سفاہت ہے۔

۲۰۳۔ حضرت مریم نبی نہیں تھیں: جمہور امت کی تحقیق یہ ہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی۔ یہ منصب رجال ہی کے لئے مخصوص رہا ہے۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی (یوسف۔۱۰۹) حضرت مریم بتول بھی ایک ولی بی بی تھیں۔ نبی نہیں۔

۲۰۴۔ الوہیت مسیح علیہ السلام و مریم کا ابطال: غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے۔ زمین، ہوا، پانی، سورج، حیوانات حتیٰ کہ میلے اور کھاد سے بھی اسے استغنا نہیں ہو سکتا۔ غلہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال کرو بالواسطہ یا بلاواسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے پھر کھانے سے جو اثرات و نتائج پیدا ہوں گے ان کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے۔ احتیاج و افتقار کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح و مریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کر سکتے ہیں کہ مسیح و مریم اکل و شرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو اکل و شرب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر بن سکتی ہے۔ یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے۔ اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں معاذ اللہ۔

۲۰۵۔ یعنی جب مسیحؑ کو خدا کہا تو لازم ہے کہ معبود بھی کہو۔ مگر معبود بننا صرف اسی ذات کے ساتھ مختص ہے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک اور پورا با اختیار ہو۔ کیونکہ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے اور انتہائی تذلل اسی کے سامنے اختیار کر سکتے ہیں جو انتہائی عزت اور غلبہ رکھنے والا ہر آن سب کی سننے والا اور سب کے احوال کا پوری طرح جاننے والا ہو۔ اس میں تثلیث کے عقیدہ شرکیہ کے ساتھ تمام مشرکین کا رد ہو گیا۔

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَ اَضَلُّوۡا كَثِیۡرًا وَّ ضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴿۷۷﴾ ع ۱۰

۷۷۔ تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق کا [۲۰۶] اور مت چلو خیالات پر ان لوگوں کے جو گمراہ ہو چکے پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے سیدھی راہ سے [۲۰۷]

لُعِنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّ كَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے مریم کے یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے [۲۰۸]

كَانُوۡا لَا يَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡكَرٍ فَعَلُوۡهُ ‌ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے[۲۰۹] کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے

تَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يَتَوَلَّوۡنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَفِى الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ تو دیکھتا ہے ان میں کہ بہت سے لوگ دوستی کرتے ہیں کافروں سے[۲۱۰] کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں[۲۱۱]

وَلَوۡ كَانُوۡا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی پر اترا تو کافروں کو دوست نہ بناتے[۲۱۲] لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں[۲۱۳]

۲۰٦۔ نصاریٰ کا غلو فی الدین: عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولود بشری کو خدا بنا دیا اور عمل میں غلو وہ ہے جسے رہبانیت کہتے ہیں۔ وَرَهۡبَانِيَّةَ ۨابۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ (الحدید۔۲۷) یہود کی جو قبائح بیان کی جا چکیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پرستی میں غرق ہونے کی وجہ سے دین اور دینداروں کی ان کے یہاں کوئی عظمت و وقعت نہ تھی۔ حتٰی کہ انبیاءؑ کی اہانت و قتل وغیرہ ان کا خاص شعار تھا۔ برخلاف اس کے نصاریٰ نے تعظیم انبیاء میں اس قدر غلو کیا کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اور ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔

۲۰۷۔ یعنی اصل انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں اس عقیدہ شرکیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بعد میں یونانی بت پرستوں کی تقلید میں پولوس نے ایجاد کیا اسی پر سب چل پڑے اور اسی پر جمے رہے۔ ایسی اندھی تقلید سے نجات کی توقع رکھنا کسی عاقل کو زیبا نہیں۔

۲۰۸۔ یہودیوں پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی لعنت: یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان و تمرد میں حد سے گذر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا اور نہ غیر مجرم مجرم کو روکتا تھا بلکہ شیر و شکر ہو کر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بنے ہوئے تھے۔ منکرات و فواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترشروئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا۔ تب خدا نے حضرت داؤدؑ اور حضرت مسیحؑ کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ جیسے گناہوں پر ان کی جسارت حد سے گذر چکی تھی۔ یہ لعنت کہ جو ایسے جلیل القدر انبیاء کے توسط سے کی گئی۔ غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔ غالبًا اسی لعنت کے نتیجہ میں ان میں کے بہت سے افراد ظاہرًا و باطنًا بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے اور باطنی مسخ کا دائرہ تو اس قدر وسیع ہوا کہ ان کے بہت سے لوگ آج بھی ان مسلمانوں کو چھوڑ کر جو خدا کی تمام کتب سماویہ تمام انبیاء کی تصدیق و تعظیم کرتے ہیں مشرکین مکہ سے جو خالص بت پرست اور نبوات وغیرہ سے جاہل محض ہیں مسلمانوں کے خلاف دوستی گانٹھتے ہیں۔ اگر ان اہل کتاب کو خدا پر،

نبی پر اور وحی الٰہی پر واقعی اعتقاد ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس قوم کی ضد میں جو ان تمام چیزوں کو مکمل طور پر مانتے ہیں بت پرستوں سے ساز باز کرتے۔ یہ بے حسی، بدمذاقی اور خدا پرستوں سے بھاگ کر بت پرستوں سے دوستی کرنا، اسی لعنت اور پھٹکار کا اثر ہے جس نے انہیں خدا کی رحمت عظیمہ سے کوسوں دور پھینک دیا ہے۔ پچھلی آیات میں ان کی گذشتہ کفریات اور جرائم کو بیان کر کے غلو فی الدین اور گمراہوں کی کورانہ تقلید سے منع فرمایا تھا تاکہ اب بھی اپنی ملعون حرکات سے تائب ہو کر حق وصداقت کے راستہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ اس رکوع میں ان کی موجودہ حالت پر متنبہ کرتے ہوئے بتلایا کہ جو لعنت داوٗدؑ اور مسیحؑ کی زبانی ہوئی تھی اس کے آثار آج تک موجود ہیں۔ اہل اللہ اور عارفین سے نفرت وعداوت اور جاہل مشرکوں سے محبت یہ کھلی دلیل اس کی ہے کہ ان کے قلوب خدائی لعنت کے اثر سے بالکل ممسوخ ہو چکے ہیں۔ اگر اب بھی انہوں نے اپنی حالت کو نہ سنبھالا اور حق کی طرف رجوع نہ کیا تو ایسی شدید لعنت کے مورد بنیں گے جو خدا تعالیٰ سید الانبیاء خاتم الرسل ﷺ کی زبان سے ان پر بھیجے گا۔

۲۰۹۔ برائی سے نہ روکنا بڑا جرم ہے: "لَا یَتَنَاھَوْنَ کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) "نہیں رکتے تھے" کما فی روح المعانی (۲) "نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو" کما ھو المشہور۔ جب بدی کسی قوم میں پھیلے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہ ہو تو عذاب عام کا اندیشہ ہے۔

۲۱۰۔ کافروں سے مراد مشرکین ہیں اور ان آیات کا مصداق یہود مدینہ تھے۔ جنہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ سازش کر کے مسلمانوں سے لڑائی کی ٹھانی تھی۔

۲۱۱۔ یعنی جو ذخیرہ اعمال کا کرنے سے پہلے آخرت کے لئے بھیج رہے ہیں وہ ایسا ہے جو ان کو غضب الٰہی اور عذاب ابدی کا مستحق بناتا ہے۔

۲۱۲۔ "النبی" سے بعض مفسرین نے حضرت موسیٰؑ کو اور بعض نے رسول کریم ﷺ کو مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ان یہود کو واقع یقین حضرت موسیٰؑ کی صداقت اور تعلیمات پر ہوتا تو نبی آخر الزماں کے مقابلہ میں جن کی بشارت خود موسیٰؑ دے چکے ہیں مشرکین سے دوستی نہ کرتے یا یہ کہ اگر نبی کریم ﷺ پر مخلصانہ ایمان لے آتے تو ایسی حرکت ان سے سرزد نہ ہوتی کہ دشمنان اسلام سے ساز باز کریں۔ اس دوسری تقدیر پر آیت منافقین یہود کے حق میں ہو گی۔

۲۱۳۔ خدا کی اور خود اپنے تسلیم کردہ پیغمبر کی نافرمانی کرتے کرتے یہ حالت ہو گئی کہ اب موحدین پر مشرکین کو ترجیح دیتے ہیں افسوس کہ آج ہم بہت سے نام نہاد مسلمانوں کی حالت بھی یہ ہی پاتے ہیں کہ مسلمان اور کفار کے مقابلہ کے وقت کافروں کو دوست بناتے اور انہی کی حمایت و وکالت کرتے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے

وَ اِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَی الرَّسُوۡلِ تَرٰۤی اَعۡیُنَهُمۡ
تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ ۚ
یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور جب سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر تو دیکھے تو ان کی آنکھوں کو کہ ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ

وَ مَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الۡحَقِّ ۙ
وَ نَطۡمَعُ اَنۡ یُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور اس چیز پر جو پہنچی ہم کو حق سے اور توقع رکھیں اسکی کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ
تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ
الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ پھر انکو بدلے میں دیے اللہ نے اس کہنے پر ایسے باغ کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہی اور یہ ہے بدلا نیکی کرنے والوں کا

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ
الۡجَحِیۡمِ ﴿۸۶﴾ ع ١١/٩

۸٦۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے رہنے والے [۲۱۴]

۲۱۴۔ **نصاریٰ یہود اور مشرکین سے بہتر ہیں:** ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود کا مشرکین سے دوستی کرنا محض اسلام اور مسلمانوں کی عداوت و بغض کی وجہ سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جن اقوام سے زیادہ سابقہ پڑتا تھا ان میں یہ دونوں قومیں یہود اور مشرکین علی الترتیب اسلام و مسلمین کی شدید ترین دشمن تھیں۔ مشرکین مکہ کی ایذارسانیاں تو اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن ملعون یہود نے بھی کوئی کمینہ سے کمینہ حرکت اٹھا کر نہیں رکھی۔ حضور ﷺ کو بے خبری میں پتھر کی چٹان گرا کر شہید کرنا چاہا کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی، سحر اور ٹوٹکے کرائے غرض غضب اور لعنت پر لعنت حاصل کرتے رہے۔ اس کے بالمقابل نصاریٰ باوجودیکہ وہ بھی کفر میں مبتلا تھے اسلام سے جلتے تھے مسلمانوں کا عروج ان کو ایک نظر نہ بھاتا تھا تاہم ان میں قبول حق کی استعداد ان دونوں گروہوں سے زیادہ تھی ان کے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبتاً جلد مائل ہو جاتے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک عیسائیوں میں علم دین کا چرچا دوسری قوموں سے زائد تھا اپنے طریقہ کے موافق ترک دنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے ان میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ نرم دلی اور تواضع ان کی خاص صفت تھی۔ جس قوم میں یہ خصال کثرت سے پائی جائیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ اس میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ قبول حق سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں جہل، حب دنیا یا حسد و تکبر وغیرہ۔ نصاریٰ میں قسیسین کا وجود جہل کو، رہبان کی کثرت حب دنیا کو،

نرمی دل اور تواضع کی صفت کبر ونخوت وغیرہ کو کم کرتی تھی۔ چنانچہ قیصر روم، مقوقس مصر اور نجاشی ملک حبشہ نے جو کچھ برتاؤ نبی کریم ﷺ کے پیغام رسالت کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد ہے کہ اس وقت نصاریٰ میں قبول حق اور مودۃ مسلمین کی صلاحیت نسبتاً دوسری قوموں سے زائد تھی۔ مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر جب ایک جماعت صحابہؓ نے حبشہ کو ہجرت کی اور مشرکین نے وہاں بھی ملک حبشہ کے دربار تک اپنا پروپیگنڈا نہ چھوڑا تو بادشاہ نے ایک روز مسلمانوں کو بلا کر کچھ سوالات کئے اور حضرت مسیحؑ کی نسبت بھی ان کا عقیدہ دریافت کیا، حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی آیات پڑھیں اور اپنا عقیدہ صاف صاف بیان فرمایا۔ بادشاہ بے انتہا متاثر ہوا اور اقرار کیا کہ جو کچھ قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کی نسبت عقیدہ ظاہر کیا ہے وہ بلا کم وکاست صحیح ہے۔ اس نے کتب سابقہ کی بشارات کے موافق حضور پرنور ﷺ کو نبی آخر الزماں تسلیم کیا۔ قصہ طویل ہے۔

عیسائیوں کے وفد پر قرآن کی اثر انگیزی: انجام کار ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر نو مسلم عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور قرآن کریم کے سماع سے لذت اندوز ہوئے تو کلام الٰہی سن کر گریہ وبکا ہوگئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر رَبَّنَآ اٰمَنَّا الخ یہ کلمات جاری تھے۔ ان آیات میں اسی جماعت کا حال بیان فرمایا ہے۔ قیامت تک کے لئے کوئی خبر نہیں دی گئی کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود و مشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام و مسلمین کے ساتھ یہ ہی رہے گی۔ آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان میں کتنے قسیسین و رہبان اور متواضع و منکسر المزاج ہیں اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الٰہی سن کر آنسو ٹپک پڑتے ہیں جب اقربھم مودۃ کی علت ہی جو ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا سے بیان کی گئی ہے، موجود نہیں تو معلول یعنی "قرب مودت" کیوں موجود ہوگا۔ بہر حال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود و مشرکین کے بیان ہوئے، وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہوں گے، اسی نسبت سے اسلام و مسلمان کی محبت وعداوت کو خیال کر لیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کردیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور کھاؤ اللہ کے دیے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو[۲۱۵]

۲۱۵۔ اسلام کا بے نظیر اعتدال: آغاز سورت میں ایفائے عہود کی تاکید کے بعد حلال و حرام کا بیان شروع ہوا تھا۔ اسی ضمن میں خاص خاص مناسبات سے جن کا ذکر موقع بہ موقع ہم کر چکے ہیں دوسرے مفید مضامین کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ "الشیٔ بالشیٔ یذکر" بات میں سے بات نکلتی رہی۔ تاہم استطرادی مضامین کو تمام کر کے اس پارہ کے پہلے رکوع سے پھر اصل موضوع بحث کی طرف عود کیا گیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس رکوع سے متصل پہلے رکوع میں جو مضمون گذرا اس سے بھی رکوع حاضر کا مضمون پوری طرح مربوط ہے۔ کیونکہ پچھلے رکوع میں یہود و نصاریٰ

کی جو فضائح بیان کی گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں یعنی یہود کا لذات و شہوات دنیا اور حرام خوری میں انہاک جو تفریط فی الدین کا سبب ہوا اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر منتہی ہوا۔ بلاشبہ رہبانیت جسے دینداری یا روحانیت کا ہیضہ کہنا چاہئے، نیت اور منشائے اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہو سکتی تھی اسی لئے ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَرُهۡبَانًا کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔ لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد و ترک دنیا اس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مرعی رکھا ہے۔ اس لئے وہ عالمگیر مذہب جو ابدی طور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح دارین اور اصلاح معاش و معاد کا متکفل ہو کر آیا ہے ضروری تھا کہ اس طرح کے مبتدعانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے۔ آسمانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش نہیں کر سکتی، جو قرآن کریم نے ان دو آیتوں میں پیش کی ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِىۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ وَلٰـكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الۡاَيۡمَانَ‌ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَهۡلِيۡكُمۡ اَوۡ كِسۡوَتُهُمۡ اَوۡ تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ‌ ؕ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ‌ ؕ ذٰ لِكَ كَفَّارَةُ اَيۡمَانِكُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ‌ ؕ وَاحۡفَظُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ‌ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ نہیں پکڑتا اللہ تم کو تمہاری بیہودہ قسموں پر [۲۱۶] لیکن پکڑتا ہے اس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا سو اس کا کفارہ کھانا دینا ہے دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو [۲۱۷] یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو [۲۱۸] یا ایک گردن آزاد کرنی [۲۱۹] پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے [۲۲۰] یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی [۲۲۱] اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے حکم تاکہ تم احسان مانو [۲۲۲]

۲۱۶۔ بیہودہ قسموں کا بیان: یعنی ان پر دنیا میں کفارہ نہیں۔ جیسا کہ یمین منعقدہ میں واجب ہے لغو و بیہودہ قسم کی تفسیر پارہ سیقول کے اواخر میں گذر چکی چونکہ اوپر تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم یمین بھی ہے اس لئے یمین کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

۲۱۷۔ کفارہ یمین: یعنی قسم توڑنے کے بعد یہ کفارہ دیا جائے گا۔ کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ دس مساکین کو گھر بٹھلا کر کھانا کھلا دے یا صدقہ فطر کے برابر ہر مسکین کو غلہ یا اس کی قیمت ادا کر دے۔

۲۱۸۔ اس قدر جس سے بدن کا اکثر حصہ ڈھک جائے۔ مثلاً کرتہ اور پاجامہ یا لنگی اور چادر۔

۲۱۹۔ یعنی ایک بردہ آزاد کرنا۔ اس میں مومن ہونا شرط نہیں۔

۲۲۰۔ یعنی متواتر روزے تین دن کے رکھے اور میسر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ صاحب نصاب نہ ہو کما فی روح المعانی۔

۲۲۱۔ قسموں کی حفاظت یہ ہے کہ بے ضرورت بات بات پر قسمیں نہ کھائے۔ یہ عادت بھلی نہیں۔ اور اگر قسم کھائی تو تا مقدور پوری کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے توڑے تو کفارہ ادا کرے۔ یہ سب چیزیں حفاظت یمین میں داخل ہیں۔

۲۲۲۔ کتنا بڑا احسان ہے کہ ہم نے طیبات سے گریز کیا تو اس گریز سے منع فرمایا۔ اور اگر کسی نے غلطی سے طیبات کو اپنے اوپر حرام ہی کر لیا تو اس کو حفاظت یمین کے ساتھ اس سے حلال ہونے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ
الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے [۲۲۳] سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ [۲۲۴]

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ
وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ
اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو اب بھی تم باز آؤ گے [۲۲۵]

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ
تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر [۲۲۶]

۲۲۳۔ "انصاب" و "ازلام" کی تفسیر اسی سورت کی ابتداء میں وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ کے تحت میں گذر چکی۔

۲۲۴۔ شراب کی حرمت: اس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اول یہ آیت نازل ہوئی۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (بقرہ۔۲۱۹) گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے سن کر کہا اللّٰھم بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شافيًا اس کے بعد دوسری آیت آئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (نساء۔۴۳) اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا ذکر تھا کہ غالبًا یہ چیز عنقریب کلیۃً حرام ہونے والی ہے۔ مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے اللّٰھم بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شافيًا آخرکار "مائدہ" کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا سے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک نازل کی گئیں۔ جس میں

صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ سنتے ہی چلا اٹھے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیے۔ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔ سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت و اطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور ﷺ کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے اتنی شدت سے روکا تھا آج سب سے بڑے شراب خوار ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں فللہ الحمد والمنتہ۔

۲۲۵۔ شیطانی کام: شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑ پڑتے ہیں حتیٰ کہ نشہ اترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ یہ ہی حال بلکہ کچھ بڑھ کر جوئے کا ہے اس میں ہار جیت پر سخت جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں۔ جس سے شیطان کو اودھم مچانے کا خوب موقع ملتا ہے۔ یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادت الٰہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ شطرنج کھیلنے والوں ہی کو دیکھ لو۔ نماز تو کیا کھانے پینے اور گھر بار کی بھی خبر نہیں رہتی۔ جب یہ چیز اس قدر ظاہری و باطنی نقصانات پر مشتمل ہے تو کیا ایک مسلمان اتنا سن کر بھی باز نہ آئے گا۔

۲۲۶۔ اگر کسی چیز کے منافع و مضار کا احاطہ نہ کر سکو تب بھی خدا اور رسول کے احکام امتثال کرو اور قانون کی خلاف ورزی سے بچتے رہو۔ اگر نہ بچو گے تو ہمارے پیغمبر تم کو قانون و احکام الٰہی کھول کر پہنچا چکے۔ نتیجہ خلاف ورزی کا خود سوچ لو کیا ہو گا؟

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۟ ﴿۹۳﴾ ع ۱۲ ۲

۹۳۔ جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کئے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جب کہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور عمل نیک کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو[۲۲۷]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اے ایمان والو البتہ تم کو آزماوے گا اللہ ایک بات سے اس شکار میں کہ جس پر پہنچے ہیں ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے[۲۲۸] تا کہ معلوم کرے اللہ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے[۲۲۹] پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّيۡدَ وَ اَنۡتُمۡ
حُرُمٌ ؕ وَ مَنۡ قَتَلَهٗ مِنۡكُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ
مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحۡكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ
مِّنۡكُمۡ هَدۡيًا بٰلِغَ الۡكَعۡبَةِ اَوۡ كَفَّارَةٌ طَعَامُ
مَسٰكِيۡنَ اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوۡقَ وَبَالَ
اَمۡرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَيَنۡتَقِمُ
اللّٰهُ مِنۡهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ اے ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام میں[۲۳۰] اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر[۲۳۱] تو اس پر بدلا ہے اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے جو تجویز کریں دو آدمی معتبر تم میں سے اس طرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز پہنچایا جاوے کعبہ تک یا اس پر کفارہ ہے چند محتاجوں کو کھلانا یا اس کے برابر روزے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی[۲۳۲] اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا[۲۳۳] اور جو کوئی پھر کرے گا اس سے بدلا لے گا اللہ اور اللہ زبردست ہے بدلا لینے والا[۲۳۴]

اُحِلَّ لَكُمۡ صَيۡدُ الۡبَحۡرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمۡ وَ
لِلسَّيَّارَةِ ۚ وَ حُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ صَيۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ
حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ حلال ہوا تمہارے لئے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ کے واسطے اور سب مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم جمع ہو گے[۲۳۵]

۲۲۷۔ شراب کے بارے میں ایک سوال کا جواب: نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم خمر کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان مسلمانوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ جو جنگ احد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ہوں یا مردہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں ان کے لئے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی خصال سے متصف ہوں پھر ان خصال میں برابر ترقی کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدراج تقویٰ و ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے ہوں جو ایک مومن کے لئے روحانی ترقیات کا انتہائی مقام ہو سکتا ہے جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خصوصی محبت کرتا ہے۔ وفی حدیث جبریل الاحسان ان تعبد اللہ کانك تراہ پس جو پاکباز صحابہ ایمان و تقویٰ میں عمر گذار کر اور نسبت احسان حاصل کر کے خدا کی راہ میں شہید ہو چکے ان کی نسبت اس طرح کے خلجان اور توہمات پیدا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ایک ایسی چیز کا استعمال کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو اس وقت حرام نہیں تھی مگر بعد کو حرام ہوئی۔

صحابہ کے فضائل: محققین نے لکھا ہے کہ تقویٰ (یعنی مضار دینی سے مجتنب ہونے کے) کئی درجے ہیں اور ایمان و یقین کے مراتب بھی بلحاظ

قوت وضعف متفاوت ہیں تجربہ اور نصوص شرعیہ سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی ذکر وفکر، عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں ترقی کرتا ہے اسی قدر خدا کے خوف اور اس کی عظمت وجلال کے تصور سے قلب معمور اور ایمان ویقین مضبوط ومستحکم ہوتا رہتا ہے مراتب سیر الی اللہ کی اسی ترقی وعروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کی تکرار سے اشارہ فرمایا اور سلوک کے آخری مقام "احسان" اور اس کے ثمرہ پر بھی تنبیہ فرمادی۔ اور جن حضرات صحابہ کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس کا جواب ایک عام وتام ضابطہ بیان فرما کر ایسے عنوان سے دے دیا گیا جس میں ان مرحومین کی فضیلت ومنقبت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہوگیا۔ ذخیرہ احادیث صحیحہ میں دو مواقع ایسے ہیں جہاں صحابہؓ نے اس قسم کا سوال کیا ہے۔ ایک موقع تو یہی تحریم خمر کے متعلق ہے اور دوسرا تحویل قبلہ کے وقت سوال کیا گیا تھا کہ یارسول اللہ جو لوگ حکم تحویل سے پہلے وفات پاگئے اور ایک نماز بھی کعبہ کی طرف نہیں پڑھی ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا۔ اس پر آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرۃ۔۱۴۳) نازل ہوئی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہی دو مسئلے ایسے تھے جن میں صاف صاف دوٹوک حکم نازل ہونے سے پہلے نہایت ہی واضح آثار وقرائن ایسے موجود تھے جن کو دیکھ کر صحابہؓ ہر آن نزول حکم صحیح کا انتظار کر رہے تھے۔ خمر کے متعلق تو ابھی چند فوائد پہلے ہم ایسی روایات نقل کر چکے ہیں جن سے ہمارے اس دعوے کا کافی سے زائد ثبوت ملتا ہے۔ اور تحویل قبلہ کے باب میں قرآن کریم کی آیات قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا (البقرۃ۔۱۴۴) جو سیقول کے شروع میں گذریں خبر دے رہی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت منتظر تھے کہ کب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے واضح حالات صحابہ پر مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے تحویل قبلہ کا حکم جب ایک آدمی نے کسی محلہ کی مسجد میں جا کر سنایا تو سارے نمازی محض خبر واحد کو سن کر بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے۔ حالانکہ بیت المقدس کا استقبال قطعی طور پر انہیں معلوم تھا اور خبر واحد ظنی قطعی کے لئے ناسخ نہ ہوسکتی تھی اس لئے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ یہ خبر واحد محفوف بالقرائن ہونے کی وجہ سے قطع سمجھی گئی پس جو قرآئن وآثار حتمی طور پر خبر دے رہے تھے کہ تحریم خمر یا تحویل قبلہ کا حکم امروز فردا میں پہنچنے والا ہے۔ گویا وہ ایک طرح سے صحابہ کو نزول حکم سے پہلے مرضی الٰہی پر فی الجملہ مطلع کر رہے تھے اسی لئے ان دو مسئلوں میں نزول حکم سے قبل کی حالت کے متعلق سوال کرنا محل استبعاد نہیں ہوسکتا۔ خصوصًا خمر کی نسبت جس کی ممانعت کے نہایت واضح اشارات وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرۃ۔۲۱۹) وغیرہ میں موجود تھے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲۸۔ **احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت:** پچھلے رکوع میں تحریم طیبات اور اعتداء سے منع فرما کر بعض چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا تھا جو دائمی طور پر حرام ہیں اس رکوع میں بعض ایسی اشیاء کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے جن کی حرمت دائمی نہیں بلکہ بعض احوال واوضاع سے مخصوص ہے، یعنی بحالت احرام شکار کرنا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے مطیع وفرمانبردار بندوں کا یہ امتحان ہے کہ وہ حالت احرام میں جبکہ شکار ان کے سامنے ہو اور بسہولت اس کے مارنے یا پکڑنے پر بھی قادر ہوں کون ہے جو بن دیکھے خدا سے ڈر کر اس کے حکم کا امتثال کرتا اور اعتداء (احکام خداوندی سے تجاوز کرنے) کی خدائی سزا سے خوف کھاتا ہے۔ اصحاب سبت کا قصہ سورہ بقرہ میں گذر چکا کہ ان کو حق تعالیٰ نے خاص شنبہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت فرمائی تھی۔ مگر انہوں نے مکاری اور حیلہ بازی سے اس حکم کی مخالفت کی اور حد سے تجاوز کر گئے۔ خدا نے ان پر نہایت رسوا کن عذاب نازل فرمایا اسی طرح حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کا تھوڑا سا امتحان اس مسئلہ میں لیا کہ حالت احرام میں شکار نہ کریں۔ حدیبیہ کے موقع پر جب یہ حکم بھیجا گیا تو شکار اس قدر کثیر اور قریب تھا کہ ہاتھوں اور نیزوں سے مار سکتے تھے۔ مگر اصحاب رسول اللہ ﷺ نے ثابت کر دکھایا کہ خدا کے امتحان میں ان کے برابر دنیا کی کوئی قوم کامیاب نہیں ہوسکی۔

۲۲۹۔ لیعلم اللہ کے لفظ سے جو حدوث علم باری کا وہم گذرتا ہے اس کے ازالہ کے لئے پارہ سیقول کے شروع میں اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ (البقرۃ۔۱۴۳) کا فائدہ ملاحظہ کرو۔

۲۳۰۔ اس کے متعلق بعض احکام سورہ مائدہ کے شروع میں گذر چکے۔

۲۳۱۔ احرام میں شکار کرنے کی سزا: "جان کر مارنے کا یہ مطلب ہے کہ اپنا محرم ہونا یاد ہو اور یہ بھی مستحضر ہو کہ حالت احرام میں شکار جائز نہیں۔ یہاں صرف "متعمد" کا حکم بیان فرمایا کہ اس کے فعل کی جزا یہ ہے اور خدا جو انتقام لے گا وہ الگ رہا۔ جیسا کہ وَمَنۡ عَادَ فَيَنۡتَقِمُ اللّٰهُ مِنۡهُ سے تنبیہ فرمائی۔ اور اگر بھول کر شکار کیا تو جزا تو یہ ہی رہے گی یعنی ہدی یا طعام یا صیام البتہ خدا اس سے انتقامی سزا اٹھالے گا۔

۲۳۲۔ احرام میں شکار کرنے کی سزا: حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر احرام میں شکار پکڑا تو فرض ہے کہ چھوڑ دے۔ اگر مار دیا تو دو صاحب بصیرت اور تجربہ کار معتبر آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگوائے۔ اسی قدر و قیمت کا مواشی میں سے ایک جانور لے کر (مثلاً بکری، گائے، اونٹ وغیرہ) کعبہ کے نزدیک یعنی حدود حرم میں پہنچا کر ذبح کرے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔ یا اسی قیمت کا غلہ لے کر محتاجوں کو فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یا جس قدر محتاجوں کو پہنچتا، اتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لے۔

۲۳۳۔ یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس سے اب خدا تعرض نہیں کرتا۔ حالانکہ اسلام سے پہلے بھی عرب حالت احرام میں شکار کو نہایت برا جانتے تھے اس لئے اس پر مواخذہ ہونا بے جا نہ تھا کہ جو چیز تمہارے زعم کے موافق جرائم میں داخل تھی اس کا ارتکاب کیوں کیا گیا۔

۲۳۴۔ یعنی نہ کوئی مجرم اس کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ اور بہ مقتضائے عدل و حکمت جو جرائم سزا دینے کے قابل ہیں نہ خدا ان سے درگذر کرنے والا ہے۔

۲۳۵۔ احرام میں دریا کے شکار کی اجازت: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں احرام میں دریا کا شکار یعنی مچھلی حلال ہے اور دریا کا کھانا یعنی جو مچھلی پانی سے جدا ہو کر مر گئی اس نے نہیں پکڑی وہ بھی حلال ہے۔ فرمایا یہ تمہارے فائدہ کو رخصت دی پھر کوئی نہ سمجھے کہ حج کے طفیل سے حلال ہے فرمایا کہ اور سب مسافروں کے فائدہ کو مچھلی اگرچہ تالاب میں ہو وہ بھی شکار دریا ہے۔ یہ حکم شکار کا معلوم ہوا احرام کے اندر اور احرام میں قصد ہے مکہ کا اس شہر مکہ اور گرد و پیش میں ہمیشہ شکار مارنا حرام ہے بلکہ شکار کو ڈرانا اور بھگانا بھی۔

جَعَلَ اللّٰهُ الۡكَعۡبَةَ الۡبَيۡتَ الۡحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَ الۡهَدۡىَ وَ الۡقَلَآٮِٕدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے اور بزرگی والے مہینوں کو اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جنکے گلے میں پٹہ ڈال کر لیجاویں کعبہ کو[۲۳۶] یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے[۲۳۷]

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ؕ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۲۳۸]

مَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ رسول کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو[۲۳۹]

قُلۡ لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوۡ اَعۡجَبَكَ كَثۡرَةُ الۡخَبِیۡثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۳ / ۲

۱۰۰۔ تو کہہ دے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقلمندو تاکہ تمہاری نجات ہو[۲۴۰]

۲۳۶۔ کعبہ کے قیاماً للناس ہونے کا مطلب: "کعبہ شریف دینی اور دنیوی دونوں حیثیت سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حج و عمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے۔ لیکن نماز کے لئے بھی استقبال قبلہ شرط ہے اس طرح کعبہ لوگوں کی دینی عبادات کے قیام کا سبب ہو گیا۔ پھر حج وغیرہ کے موقع پر تمام بلاد اسلامیہ سے لاکھوں مسلمان جب وہاں جمع ہوتے ہیں تو بے شمار تجارتی سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے اس جگہ کو "حرم آمن" بنایا۔ اس لئے انسانوں بلکہ بہت جانوروں تک کو وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں جبکہ ظلم و خونریزی اور فتنہ و فساد محض معمولی بات تھی ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی حرم شریف میں تعرض نہ کر سکتا تھا مادی حیثیت سے انسان یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اتنی افراط سے سامان خورد و نوش اور نفیس قسم کے پھل اور میوے کہاں سے کھنچے چلے آتے ہیں یہ سب حیثیات قِیٰمًا لِّلنَّاسِ میں معتبر ہو سکتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسان کے لئے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا اور مصلح اعظم سید کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کے مولد و مسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہو گا۔ ان سب وجوہ سے کعبہ کو قِیٰمًا لِّلنَّاسِ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ کعبہ تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق، تکمیل روحانیت اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے اور کسی چیز کا قیام اپنے مرکز کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ محققین کے نزدیک قِیٰمًا لِّلنَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقاء کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اسی وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے جس وقت خدا کا ارادہ یہ ہو گا کہ کارخانہ عالم کو ختم کیا جائے تو سب کاموں سے پہلے اسی مبارک مکان کو جسے بیت اللہ شریف کہتے ہیں اٹھالیا جائے گا جیسا کہ بنانے کے وقت بھی زمین پر سب سے پہلا مکان یہ ہی بنایا گیا تھا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَكَّةَ (آل عمران۔ ۹۶) الخ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک سیاہ فام حبشی (جسے ذوالسویقتین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) عمارت کعبہ کا ایک پتھر اکھیڑ کر ڈال دے گا۔ جب تک خدا کو اس دنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو ہدم کرنا ہو اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اصحاب فیل کا قصہ تو ہر شخص نے سنا ہے لیکن ان کے بعد بھی ہر زمانہ میں کتنی قوموں اور شخصوں نے ایسے منصوبے باندھے ہیں اور باندھتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدائی حفاظت اور اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ باوجود سامان و اسباب ظاہرہ کے فقدان کے آج تک کوئی شخص اس ابلیسانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا اور جب عمارت کعبہ کے گرا دینے میں قدرت کی طرف

سے مزاحمت نہ رہے گی تو سمجھ لو کہ عالم کی ویرانی کا حکم آن پہنچا۔ دنیا کی حکومتیں اپنے دارالسلطنت اور قصر شاہی کی حفاظت کے لئے لاکھوں سپاہی کٹوا دیتی ہیں۔ لیکن اگر کبھی خود ہی قصر شاہی کو کسی مصلحت سے تبدیل یا ترمیم کرنا چاہیں تو معمولی مزدوروں سے اس کے گرا دینے کا کام لے لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے امام بخاریؒ نے باب جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس لاٰیۃ میں "ذوالسویقتین" کی حدیث درج کر کے قِیٰمًا لِّلنَّاسِ کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ (نبہ علیہ شیخنا المترجم قدس اللہ روحہ، فی دروس البخاری) بہرحال آیت زیر بحث میں احکام "محرم" بیان فرمانے کے بعد کعبہ شریف کی عظمت و حرمت بیان کرنا مقصود ہے پھر کعبہ اور احرام کی مناسبت سے شہر حرام اور ہدی و قلائد کا بھی ذکر فرما دیا۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (المائدہ۔۱) کے ساتھ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ (المائدۃ۔۲) الخ کو ملحق فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۳۷۔ یعنی کعبہ وغیرہ کے قِیٰمًا لِّلنَّاسِ بنانے میں جن مصالح دینی و دنیوی کی رعایت فرمائی اور بظاہر بالکل خلاف قیاس جو عظیم الشان پیشین گوئی کی گئی وہ اس کی دلیل ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز حق تعالیٰ کے غیر محدود علم کے احاطہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔

۲۳۸۔ یعنی جو احکام حالت احرام یا احترام کعبہ وغیرہ کے متعلق دیے گئے اگر ان کی عمداً خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔ اور بھول چوک سے کچھ تقصیر ہو جائے پھر کفارہ وغیرہ سے اس کی تلافی کر لو تو بیشک وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔

۲۳۹۔ پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خدا کا قانون اور پیغام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو چکی اب ظاہر و باطن میں جیسا عمل کرو گے وہ سب خدا کے سامنے ہے۔ حساب و جزا کے وقت ذرہ ذرہ تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

۲۴۰۔ اس رکوع سے پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ طیبات کو حرام مت ٹھہراؤ بلکہ ان سے اعتدال کے ساتھ تمتع کرو۔" اس مضمون کی تکمیل کے بعد خمر وغیرہ چند ناپاک اور خبیث چیزوں کی حرمت بیان فرمائی۔ اسی سلسلے میں محرم کے شکار کو حرام کیا یعنی جس طرح خمر، میتہ وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو سمجھو۔ محرم کی مناسبت سے چند ضمنی چیزوں کا بیان فرمانے کے بعد اب متنبہ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوڑی چیز اگر طیب و حلال ہو وہ بہت سی خبیث و حرام چیز سے بہتر ہے عقلمند کو چاہئے کہ ہمیشہ طیب و حلال کو اختیار کرے گندی اور خراب چیزوں کی طرف خواہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اٹھائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اے ایمان والو مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی [۲۴۱] اللہ نے ان سے درگذر کی ہے [۲۴۲] اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ ایسی باتیں پوچھ چکی ہے ایک جماعت تم سے پہلے پھر ہو گئے ان باتوں سے منکر [۲۴۳]

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰـكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ‌ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ولیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر بہتان اور ان میں اکثروں کو عقل نہیں [۲۴۲]

۲۴۱۔ بے ضرورت سوالات کی ممانعت: "پچھلے دور کوع کا حاصل احکام دینیہ میں غلو اور تساہل سے روکنا تھا یعنی جو طیبات خدا نے حلال کی ہیں انکو اپنے اوپر حرام مت ٹھہراؤ۔ اور جو چیزیں خبیث و حرام ہیں خواہ دائمی طور پر یا خاص احوال و اوقات میں ان سے پوری طرح اجتناب کرو۔ ان آیات میں تنبیہ فرمادی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحًا بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائے گا۔ بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریح کا باب مفتوح ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے۔ پھر یہ سخت شرم کی بات ہو گی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نبھا نہ سکیں۔ سنت اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ شقوق و احتمالات نکالے جائیں تو ادھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں کہ گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم ملے گا اس کے اٹھانے کے لئے وہ بہمہ وجوہ تیار ہیں۔ اس قسم کا دعویٰ جو بندہ کے ضعف و افتقار کے مناسب نہیں مستحق بنا دیتا ہے کہ ادھر سے حکم میں کچھ سختی ہو اور جتنا یہ اپنے کو قابل ظاہر کرتا ہے اسی کے موافق امتحان بھی سخت ہو چنانچہ بنی اسرائیل کے "ذبح بقرہ" والے قصہ میں ایسا ہی ہوا حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یا رسول اللہ فرمایا اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادا نہ کر سکتے۔ جس چیز میں میں تم کو آزاد چھوڑ دوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو ایک حدیث میں مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سوالات کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی۔ بہرحال یہ آیت احکام شرعیہ کے باب میں اس طرح کے دور از کار اور بے ضرورت سوالات کا دروازہ بند کرتی ہے۔ باقی بعض احادیث میں جو یہ مذکور ہے کہ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جزئی واقعات کے متعلق لغو سوال کرتے تھے ان کو روکا گیا وہ ہماری تقریر کے مخالف نہیں۔ ہم لَا تَسۡــَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ میں "اشیاء" کو عام رکھتے ہیں جو واقعات و احکام دونوں کو شامل ہے اور "تسؤکم" میں بھی جو برا لگنے کے معنی پر مشتمل ہے تعمیم رکھی جائے۔ حاصل یہ ہو گا کہ نہ احکام کے باب میں فضول سوالات کیا کرو اور نہ واقعات کے سلسلہ میں کیونکہ ممکن ہے جو جواب آئے وہ تم کو ناگوار ہو مثلًا کوئی سخت حکم آیا یا کوئی قید بڑھ گئی یا ایسے واقعہ کا اظہار ہوا جس سے تمہاری فضیحت ہو یا بیہودہ سوالات پر ڈانٹ بتلائی گئی یہ سب احتمالات تسؤکم کے تحت میں داخل ہیں۔ باقی ضروری بات پوچھنے یا شبہ ناشی عند دلیل کے رفع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲۴۲۔ یا تو مراد یہ ہے کہ ان اشیاء سے درگذر کی یعنی جب خدا نے انکے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان ان کے بارہ میں آزاد ہے خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا۔ چنانچہ اسی سے بعض علمائے اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یا یہ کہ ان فضول سوالات سے جو

پہلے کر چکے ہو اللہ نے در گذر کی آیندہ احتیاط رکھو۔

۲۴۳۔ حدیث صحیح میں ہے کہ پہلی قومیں کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بدولت ہلاک ہوئیں۔

۲۴۴۔ جاہلیت کے بعض رسوم و شعائر کارد: "بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی یہ سب زمانہ جاہلیت کے رسوم و شعائر سے متعلق ہیں۔ مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت اختلاف کیا ہے۔ ممکن ہے ان میں سے ہر ایک لفظ کا اطلاق مختلف صورتوں پر ہوتا ہو ہم صرف سعید بن المسیب کی تفسیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں۔ "بحیرہ" جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ "سائبہ" جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈھ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔ "وصیلہ" جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ "حامی" نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ یہ چیزیں شعائر شرک میں سے تھیں جس جانور کے گوشت یا دودھ یا سواری وغیرہ سے منتفع ہونے کو حق تعالیٰ نے جائز رکھا اس کی حلت و حرمت پر اپنی طرف سے قیود لگانا گویا اپنے لئے منصب تشریع تجویز کرنا تھا اور بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنی ان مشرکانہ رسوم کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ تصور کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ نے ہرگز یہ رسوم مقرر نہیں کیں۔ ان کے بڑوں نے خدا پر یہ بہتان باندھا اور اکثر بے عقل عوام نے اسے قبول کر لیا۔ الغرض یہاں تنبیہ کی گئی کہ جس طرح فضول و بیکار سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کرانا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کی یہ جرم ہے کہ بدون حکم شارع کے محض اپنی آراء و اہواء سے حلال و حرام تجویز کر لئے جائیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اسکی طرف جو کہ اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر انکے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے [۲۴۵]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر [۲۴۶] اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے تم سب کو پھر وہ جتلاوے گا تمکو جو کچھ تم کرتے تھے [۲۴۷]

۲۴۵۔ آباء کی اندھی تقلید: "جاہلوں کی سب سے بڑی حجت یہ ہی ہوتی ہے کہ جو کام باپ دادا سے ہوتا آیا ہے اس کا خلاف کیسے کریں۔ ان کو بتلایا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قعر ہلاکت میں جا گرے ہوں تو کیا پھر بھی تم ان ہی کی راہ چلو گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "باپ کا حال معلوم ہو کہ حق کا تابع اور صاحب علم تھا تو اس کی راہ پکڑے نہیں تو عبث ہے"۔ یعنی کیف ما اتفق ہر کسی کی کورانہ تقلید جائز نہیں۔

۲۴۶۔ مسلمانوں کو ایک نصیحت: یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ اور آباء اجداد کی اندھی تقلید سے باوجود اس قدر نصیحت و فہمائش کے باز نہیں آتے تو تم زیادہ اس غم میں مت پڑو۔ کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو۔ سیدھی راہ یہ ہی ہے کہ آدمی

ایمان و تقویٰ اختیار کرے خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے۔ پھر بھی اگر لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ جب ایک شخص اپنا نماز روزہ ٹھیک کرلے تو "امر بالمعروف" چھوڑ دینے سے اسے کوئی مضرت نہیں ہوتی، سخت غلطی ہے لفظ "اہتداء" امر بالمعروف وغیرہ تمام وظائف ہدایت کو شامل ہے۔ اس آیت میں گو روئے سخن بظاہر مسلمانوں کی طرف ہے۔ لیکن ان کفار کو بھی متنبہ کرنا ہے جو باپ دادا کی کورانہ تقلید پر اڑے ہوئے تھے۔ یعنی اگر تمہارے باپ دادا راہ حق سے بھٹک گئے تو ان کی تقلید میں اپنے کو جان بوجھ کر کیوں ہلاک کرتے ہو۔ انہیں چھوڑ کر تم اپنی عاقبت کی فکر کرو۔ اور نفع و نقصان کو سمجھو۔ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد ان کے خلاف راہ حق پر چلنے لگے تو آباؤ اجداد کی یہ مخالفت اولاد کو قطعاً مضر نہیں۔ یہ خیالات محض جہالت کے ہیں کہ کسی حال بھی آدمی باپ دادا کے طریقہ سے قدم باہر نہ رکھے۔ رکھے گا تو ناک کٹ جائے۔ عقلمند کو چاہیئے کہ انجام کا خیال کرے سب اگلے پچھلے جب خدا کے سامنے اکٹھے پیش ہوں گے تب ہر ایک کو اپنا عمل اور انجام نظر آجائے گا۔"

۲۴۷۔ یعنی جو گمراہ رہا اور جس نے راہ پائی سب کے نیک و بد اعمال اور ان کے نتائج سامنے کر دیے جائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ اے ایمان والو گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو تم میں موت وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں[۲۴۸] تم میں سے[۲۴۹] یا دو شاہد اور ہوں تمہارے سوا[۲۵۰] اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی تو کھڑا کرو ان دونوں کو بعد نماز کے[۲۵۱] وہ دونوں قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں کہ ہم نہیں لیتے قسم کے بدلے مال اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم بیشک گنہگار ہیں[۲۵۲]

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں ان کی جگہ[۲۵۳] ان میں سے کہ جن کا حق دبا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے پھر قسم کھاویں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے اور ہم نے زیادتی نہیں کی نہیں تو ہم بیشک ظالم ہیں[۲۵۴]

ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجۡهِهَاۤ اَوۡ
يَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَيۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۱۰۸ ع ۱۴/۴

۱۰۸۔ اس میں امید ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر اور ڈریں کہ الٹی پڑے گی قسم ہماری ان کی قسم کے بعد[۲۵۵] اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو اور اللہ نہیں چلاتا سیدھی راہ پر نافرمانوں کو[۲۵۶]

۲۴۸۔ وصیت کے احکام: یعنی بہتر یہ ہے۔ باقی اگر دو نہ ہوں یا معتبر نہ ہوں تب بھی وصی بنا سکتا ہے اور گواہ سے مراد یہاں وصی ہے اس کے اقرار واظہار کو گواہی سے تعبیر فرمادیا۔

۲۴۹۔ یعنی مسلمانوں میں سے۔

۲۵۰۔ یعنی غیر مسلم۔

۲۵۱۔ یعنی نماز عصر کے بعد کہ وہ وقت اجتماع اور قبول کا ہے شاید ڈر کر جھوٹی قسم نہ کھائیں۔ یا کسی نماز کے بعد یا وصی جس مذہب کے ہوں ان کی نماز کے بعد۔

۲۵۲۔ یعنی جب خدا کے پاس سب کو جانا ہے تو جانے سے پہلے سب کام ٹھیک کر لو۔ اسی میں سے ایک اہم کام ضروری امور کی وصیت اور اس کے متعلقات ہیں۔ ان آیات میں وصیت کا بہترین طریقہ تلقین فرمایا ہے۔ یعنی مسلمان اگر مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالہ کرے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کرے۔ مسلمان اگر نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہو جاتا ہے تو دو کافروں کو وصی بنائے۔ پھر اگر وارثوں کو شبہ پڑ جائے کہ ان شخصوں نے کچھ مال چھپالیا اور وارث دعویٰ کر دیں اور دعویٰ کے ساتھ شاہد موجود نہ ہو تو وہ دونوں شخص قسم کھائیں کہ ہم نے نہیں چھپایا اور ہم کسی طمع یا قرابت کی وجہ سے جھوٹ نہیں کہہ سکتے اگر کہیں تو گنہگار ہیں۔

۲۵۵۔ یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اول ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں۔ یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں۔ جانیں کہ آخر ہماری قسم الٹی پڑے گی۔ کذا فی موضح القرآن۔

۲۵۶۔ خدا کی نافرمانی کرنے والا انجام کار رسوا اور ذلیل ہی ہوتا ہے حقیقی کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھتا۔

۲۵۳۔ ایک ہو تب بھی مضائقہ نہیں۔

۲۵۴۔ آیات وصیت کی شان نزول: "یعنی اگر قرائن و آثار سے اوصیاء کی قسم کا جھوٹ ہونا معلوم ہو اور وہ بذریعہ شہادت شرعی اپنی سچائی ثابت نہ کر سکیں تو میت کے وارثوں کو قسم دی جائے گی کہ ان کو اوصیاء کے دعوے کی واقعیت کا کوئی علم نہیں اور یہ کہ ان کی گواہی اوصیاء کی گواہی سے زیادہ احق بالقبول ہے۔ ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص "بدیل" نامی جو مسلمان تھا۔ دو شخصوں تمیم وعدی کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے۔ بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی رفقا کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش و نگار تھے اس میں سے نکال لیا۔ وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں کچھ خرچ ہوا ہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آخر معاملہ نبی کریم ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو

ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی نہ کوئی چیز اس کی چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لئے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے۔ میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مرافعہ کیا اب پہلی صورت کے برعکس اوصیاء خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا۔ (ایک ہزار درہم) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَا ذَآ اُجِبْتُمْ ؕ
قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾
اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ
عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ
عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ
الْاِنْجِيْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ
بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ
الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى
بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ
جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

۱۰۹۔ جس دن اللہ جمع کرے گا سب پیغمبروں کو پھر کہے گا تم کو کیا جواب ملا تھا [۲۵۷] وہ کہیں گے ہم کو خبر نہیں [۲۵۸] تو ہی ہے چھپی باتوں کو جاننے والا

۱۱۰۔ جب کہے گا اللہ [۲۵۹] اے عیسٰی مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان جو ہوا ہے تجھ پر اور تیری ماں پر [۲۶۰] جب مدد کی میں نے تیری روح پاک سے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور تہ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا تھا گارے سے جانور کی صورت میرے حکم سے پھر پھونک مارتا تھا اسمیں تو ہو جاتا اڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا مردوں کو میرے حکم سے [۲۶۱] اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لے کر آیا انکے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں اور کچھ نہیں یہ تو جادو ہے صریح [۲۶۲]

۲۵۷۔ یہ سوال محشر میں امتوں کے روبرو پیغمبروں سے کیا جائے گا کہ دنیا میں جب تم ان کے پاس پیغام حق لے کر گئے تو انھوں نے کیا جواب

دیا اور کہاں تک دعوت الٰہی کی اجابت کی؟ گذشتہ رکوع میں بتلایا تھا کہ خدا کے یہاں جانے سے پہلے بذریعہ وصیت وغیرہ یہاں کا انتظام ٹھیک کر لو۔ اب متنبہ فرماتے ہیں کہ وہاں کی جوابدہی کے لئے تیار رہو۔

۲۵۸۔ حشر میں انبیاء سے اللہ کا سوال: "محشر کے ہولناک دن میں جب خدائے قہار کی شان جلالی کا انتہائی ظہور ہو گا اکابر و اعاظم کے ہوش بجا نہ رہیں گے اولوالعزم انبیاء کی زبان پر نفسی نفسی ہو گا۔ اس وقت انتہائی خوف و خشیت سے حق تعالیٰ کے سوال کا جواب لَا عِلۡمَ لَنَا (ہمیں کچھ خبر نہیں) کے سوا نہ دے سکیں گے۔ پھر جب نبی کریم ﷺ کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف و رحمت ہو گی تب کچھ عرض کرنے کی جرأت کریں گے۔ حسن و مجاہد وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے۔ لیکن ابن عباس کے نزدیک لَا عِلۡمَ لَنَا کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا! تیرے علم کامل و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔ گویا یہ الفاظ "تادّب مع اللہ" کے طور پر کہے۔ ابن جریج کے نزدیک لَا عِلۡمَ لَنَا سے یہ مراد ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کچھ کیا۔ ہم صرف ان ہی افعال و احوال پر مطلع ہو سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہری طور پر پیش آئے تھے۔ بواطن و سرائر کا علم علام الغیوب ہی کو ہے۔ آئندہ رکوع میں حضرت مسیحؑ کی زبانی جو جواب نقل فرمایا ہے وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا الخ اس سے آخری معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب حوض پر بعض لوگوں کی نسبت حضور فرمائیں گے هٰؤلاء اصحابي تو جواب ملے گا لا تدری ما احدثوا بعدك یعنی آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پیچھے انہوں نے کیا حرکات کیں۔

۲۵۹۔ حشر میں انبیاء سے اللہ کا سوال: غالباً یہ پورا رکوع آنے والے رکوع کی تمہید ہے۔ احسانات یاد دلا کر وہ سوال ہو گا جو آئندہ رکوع میں مذکور ہے۔

۲۶۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کا خطاب: اول تو اولاد پر احسان کرنا من وجہ ماں پر احسان ہے۔ دوسرے ظالم لوگ جو تہمت مریم صدیقہ پر لگاتے تھے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو ان کی برات و نزاہت کے لئے برہان مبین بنا دیا اور تولد مسیحؑ سے پہلے اور بعد عجیب و غریب نشانات حضرت مریم کو دکھلائے جو ان کی تقویت و تسکین کا باعث ہوئے۔ یہ احسانات بلاواسطہ ان پر تھے۔

۲۶۱۔ روح القدس کی تائید: "گود میں جو کلام کیا اس کا ذکر "سورہ مریم" میں آئے گا۔ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الۡكِتٰبَ (مریم۔۳۰) الی آخرہ تعجب ہے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کے تکلم فی المہد کا کچھ ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں یہود کے سامنے انہوں نے ایسی حکیمانہ دلائل و براہین بیان فرمائیں کہ تمام علماء عاجز و مبہوت رہ گئے اور سامعین عش عش کرنے لگے۔ یوں تو روح القدس سے حسب مراتب سب انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض مومنین کی بھی تائید ہوتی ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کو جن کا وجود ہی نفخۂ جبریلیہ سے ہوا کوئی خاص قسم کی فطری مناسبت اور تائید حاصل ہے جسے تفصیل انبیاء کے صدد میں بیان فرمایا گیا۔ تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ‌ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ (بقرہ۔۲۵۳) روح القدس کی مثال عالم ارواح میں ایسی سمجھو جیسے عالم مادیات میں قوت کہربائیہ (بجلی) کا خزانہ، جس وقت اس خزانہ کا مدبر معین اصول کے موافق کرنٹ چھوڑتا اور جن اشیاء میں بجلی کا اثر پہنچاتا ہے۔ ان کا کنکشن درست کر دیتا ہے تو فوراً خاموش اور ساکن مشینیں بڑے زور سے گھومنے لگتی ہیں اگر کسی مریض پر بجلی کا عمل کیا گیا تو مشلول اعضاء اور بے حس ہو جانے والے اعصاب میں بجلی کے پہنچنے سے حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات ایسے بیمار کے حلقوم میں جس کی زبان بالکل بند ہو گئی ہو قوت کہربائیہ کے پہنچانے سے قوت گویائی واپس کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض غالی ڈاکٹروں نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ ہر قسم کی بیماری کا علاج قوت کہربائیہ سے کیا جا سکتا ہے (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جب اس معمولی مادی کہربائیہ کا حال یہ ہے تو اندازہ کر لو کہ عالم ارواح کی کہربائیہ میں جس کا خزانہ روح القدس ہے کیا کچھ طاقت ہو گی حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے

کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبہ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان کا "روح اللہ" سے ملقب ہونا، بچپن، جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا کے حکم سے افاضہ حیات کے قابل کالبد خاکی تیار کر لینا، اس میں باذن اللہ روح حیات پھونکنا مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو باذن اللہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کارآمد اور بے عیب بنا دینا، حتیٰ کہ مردہ لاشہ میں باذن اللہ دوبارہ روح حیات کو واپس لے آنا، بنی اسرائیل کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا کر آپ کا آسمان پر اٹھالیا جانا اور آپ کی حیات طیبہ پر اس قدر طول عمر کا کوئی اثر نہ ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب آثار اسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوئے ہیں جو رب العزت نے کسی مخصوص نوعیت واصول سے آپ کے اور روح القدس کے مابین قائم فرمایا ہے ہر پیغمبر کے ساتھ کچھ امتیازی معاملات خدا تعالیٰ کے ہوتے ہیں، ان کے علل و اسرار کا احاطہ اسی علام الغیوب کو ہے ان ہی امتیازات کو علماء کی اصطلاح میں فضائل جزیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایسی چیزوں سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ الوہیت ثابت ہو۔ "واذ تخلق من الطین" میں خلق کا لفظ محض صوری اور حسی لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے ورنہ خالق حقیقی احسن الخالقین کے سوا کوئی نہیں۔ اسی لئے باذنی کا بار بار اعادہ کیا گیا اور آل عمران میں حضرت مسیحؑ کی زبان سے باذن اللہ کی تکرار کرائی گئی۔ بہر حال جو خوارق ان آیات میں اور ان سے پہلی آل عمران میں حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب ہوئے ہیں ان کا انکار یا تحریف صرف اسی ملحد کا کام ہو سکتا ہے جو آیات اللہ کو اپنی عقل شخصی کے تابع کرنا چاہے۔ باقی جو لوگ قانون قدرت کا نام لے کر معجزات وخوارق کا انکار کرنا چاہتے ہیں ان کا جواب ہم نے ایک مستقل مضمون میں دیا ہے اس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ تمام شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔

۲۶۲۔ معجزات اور فوق العادت تصرفات کو جادو کہنے لگے اور انجام کار حضرت مسیحؑ کے قتل کے درپے ہوئے۔ حق تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھالیا۔ اس طرح یہود کو ان کے ناپاک مقصد میں کامیاب ہونے سے روک دیا گیا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ جب کہا حواریوں نے اے عیسٰی مریم کے بیٹے تیرا رب کر سکتا ہے [۲۶۳] کہ اتارے ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے [۲۶۴] بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے [۲۶۵]

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اس میں سے اور مطمئن ہو جاویں ہمارے دل اور جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا اور رہیں ہم اس پر گواہ [۲۶۶]

قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا
مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا
وَاٰيَةً مِّنۡكَ‌ ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہماری پہلوں اور پچھلوں کے واسطے [۲۶۷] اور نشانی ہو تیری طرف سے [۲۶۸] اور روزی دے ہم کو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا [۲۶۹]

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىۡ مُنَزِّلُهَا عَلَيۡكُمۡ‌ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بَعۡدُ
مِنۡكُمۡ فَاِنِّىۡۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ
الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۵/۷ ۵

۱۱۵۔ کہا اللہ نے میں بیشک اتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے گا اس کے بعد تو میں اس کو وہ عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دوں گا جہان میں [۲۷۰]

۲۶۳۔ "کر سکتا ہے" اس لئے کہا کہ آپ کی رعایت اور دعا سے ہمارے لئے بطور خرق عادت نہ معلوم ایسا کرے یا نہ کرے۔"

۲۶۴۔ یعنی آسمان کی طرف سے بے محنت روزی پہنچ جایا کرے۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ خوان جنت ہی کا ہو۔

۲۶۵۔ یعنی ایماندار بندہ کو لائق نہیں کہ ایسی غیر معمولی فرمائشیں کر کے خدا کو آزمائے خواہ اس کی طرف سے کتنی ہی مہربانی کا اظہار ہو روزی ان ہی ذرائع سے طلب کرنا چاہئے جو قدرت نے اس کی تحصیل کے لئے مقرر فرما دیے ہیں۔ بندہ جب خدا سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرے اور اسی پر ایمان و اعتماد رکھے تو حق تعالیٰ ایسی جگہ سے اس کو رزق پہنچائے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ وَ مَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا۔ وَّ يَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ الخ (طلاق۔ ۲،۳)

۲۶۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کا مطالبہ: یعنی آزمانے کو نہیں مانگتے بلکہ برکت کی امید پر مانگتے ہیں کہ غیب سے بے محنت روزی ملتی رہے تا اطمینان قلب اور دلجمعی سے عبادت میں لگے رہیں۔ اور آپ نے جو غیبی خبریں نعمائے جنت وغیرہ کے متعلق دی ہیں، ایک چھوٹا سا نمونہ دیکھ کر ان کا بھی یقین کامل ہو جائے۔ اور ایک عینی شاہد کے طور پر ہم اس کی گواہی دیں جس سے یہ معجزہ ہمیشہ مشہور رہے۔ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم خدا کے لئے تیس دن کے روزے رکھ کر جو کچھ طلب کرو گے وہ دیا جائے گا۔ حواریین نے روزے رکھ لئے اور مائدہ طلب کیا وَنَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا سے یہ ہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۶۷۔ نزول مائدہ کی دعاء: یعنی وہ دن جس میں مائدہ آسمانی نازل ہو، ہمارے اگلے پچھلے لوگوں کے حق میں عید ہو جائے کہ ہمیشہ ہماری قوم اس دن کو بطور یادگار تہوار منایا کرے۔ اس تقریر کے موافق تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا کا اطلاق ایسا ہوا جیسا کہ آیہ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ (المائدۃ۔ ۳) کے متعلق بخاری میں یہود کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔ انکم تقرؤن اٰیة لو نزلت فینا لا تخذ ناھا عیدًا جس طرح آیۃ کو عید بنانے کا مطلب اس کے یوم نزول کو عید بنانا ہے۔ کما ھو مصرح فی الروایات الاخر۔ اسی پر مائدہ کے عید ہونے کو بھی قیاس کر لو کہتے ہیں کہ وہ خوان اترا اتوار کو جو نصاریٰ کے یہاں ہفتہ کی عید ہے جیسے مسلمانوں کے یہاں جمعہ۔

۲۶۸۔ یعنی تیری قدرت کی اور میری نبوت و صداقت کی نشانی ہو۔

۲۶۹۔ یعنی بدون تعب وکسب کے روزی عطا فرمائے۔ آپ کے یہاں کیا کمی ہے اور کیا مشکل ہے۔

۲۷۰۔ ناشکروں کے لئے عذاب کی دھمکی: جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہوگی تو اس کی شکر گذاری کی تاکید بھی معمول سے بہت بڑھ کر ہونی چاہئے اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔ موضح القرآن میں ہے "بعضے کہتے ہیں وہ خوان اترا چالیس روز تک پھر بعضوں نے ناشکری کی۔ یعنی حکم ہوا تھا کہ فقیر اور مریض کھاویں۔ محظوظ اور چنگے بھی لگے کھانے۔ پھر قریب اسی آدمی کے سور اور بندر ہو گئے۔ یہ عذاب پہلے یہود میں ہوا تھا۔ پیچھے کسی کو نہیں ہوا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ نہیں اترا۔ یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے، نہ مانگا، لیکن پیغمبر کی دعاء عبث نہیں اور اس کلام میں نقل کرنا بے حکمت نہیں۔ شاید اس دعاء کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی امت میں آسودگی مال ہمیشہ رہی جو کوئی ان میں ناشکری کرے۔ یعنی دل کے اطمینان سے عبادت میں نہ لگے بلکہ گناہ میں خرچ کرے تو شاید آخرت میں سب سے زیادہ عذاب پاوے۔ اس میں مسلمانوں کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا خرق عادت کی راہ سے نہ چاہے کہ پھر اس کی شکر گذاری بہت مشکل ہے۔ اسباب ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔ اس قصہ میں بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کے آگے حمایت پیش نہیں جاتی۔

وَ اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ ؕ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ‌ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ‌ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرالو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوا اللہ کے [۲۷۱] کہا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا [۲۷۲]

مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ‌ ۚ وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ‌ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ‌ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ میں نے کچھ نہیں کہا انکو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا [۲۷۳] اور میں ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا ان کی اور تو ہر چیز سے خبردار ہے [۲۷۴]

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اگر تو انکو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا [۲۷۵]

۲۷۱۔ حق تعالیٰ کا حضرت عیسٰی علیہ السلام سے سوال: پچھلا رکوع حقیقت میں اس رکوع کی تمہید تھی۔ پچھلے رکوع کی ابتدا میں یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ (المائدۃ۔۱۰۹) الخ فرما کر آگاہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تمام مرسلین سے ان کی امتوں کے مواجہ میں علیٰ رؤس الاشہاد سوال و جواب ہوں گے۔ پھر ان میں سے خاص حضرت مسیحؑ کا ذکر فرمایا جن کو کروڑوں آدمیوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے کہ ان سے بالخصوص اس عقیدہ باطلہ کی نسبت دریافت کیا جائے گا لیکن اول وہ عظیم الشان احسانات اور ممتاز انعامات یاد دلائیں گے جو ان پر اور ان کی والدہ ماجدہ پر فائض ہوئے۔ بعدہٗ ارشاد ہو گا ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ الخ (کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود مانو) حضرت مسیحؑ اس سوال پر کانپ اٹھیں گے اور وہ عرض کریں گے جو آگے آتا ہے۔ آخر میں ارشاد ہو گا ھٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ الصّٰدِقِیۡنَ صِدۡقُھُمۡ ہذا کا اشارہ اسی یوم کی طرف ہے جو یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ (المائدۃ۔۱۰۹) میں مذکور تھا۔ بہر حال یہ سب واقعہ روز قیامت کا ہے۔ جسے متیقن الوقوع ہونے کی وجہ سے قرآن حدیث میں بصیغہ ماضی (قال) تعبیر فرمایا ہے۔

۲۷۲۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا جواب: یعنی میں ایسی گندی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔ آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ الوہیت وغیرہ میں کسی کو اس کا شریک کیا جائے۔ اور جس کو آپ پیغمبری کا منصب جلیل عطا فرمائیں، اس کی یہ شان نہیں کہ کوئی ناحق بات منہ سے نکالے۔ پس آپ کی سبوحیت اور میری عصمت دونوں کا اقتضاء یہ ہے کہ میں ایسی ناپاک بات کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اور سب دلائل کو چھوڑ کر آخری بات یہ ہے کہ آپ کے علم محیط سے کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اگر فی الواقع میں ایسا کہتا تو آپ کے علم میں ضرور موجود ہوتا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میں نے خفیہ یا علانیہ کوئی ایسا حرف منہ سے نہیں نکالا۔ بلکہ میرے دل میں اس طرح کے گندے خیال کا خطور بھی نہیں ہوا۔ آپ سے میرے یا کسی کے دل کے چھپے ہوئے ہوا جس و خواطر بھی پوشیدہ نہیں۔

۲۷۳۔ میں نے آپ کے حکم سے سر مو تجاوز نہیں کیا۔ اپنی الوہیت کی تعلیم تو کیسے دے سکتا تھا۔ اس کے بالمقابل میں نے ان کو صرف تیری بندگی کی طرف بلایا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ میرا اور تمہارا سب کا رب (پروردگار) وہ ہی ایک خدا ہے جو تنہا عبادت کے لائق ہے۔ چنانچہ آج بھی بائیبل میں صریح نصوص اس مضمون کی بکثرت موجود ہیں۔

۲۷۴۔ نہ صرف یہ کہ میں نے مخلوق کو تیری توحید اور عبودیت کی طرف دعوت دی، بلکہ جب تک ان کے اندر قیام پذیر رہا، برابر ان کے احوال کی نگرانی اور خبر گیری کرتا رہا کہ کوئی غلط عقیدہ یا بے موقع خیال قائم نہ کر لیں البتہ ان میں قیام کرنے کی جو مدت آپ کے علم میں مقدر تھی، جب وہ پوری کر کے آپ نے مجھ کو ان میں سے اٹھالیا (کما یظہر من مادۃ التوفی و مقابلۃ مادمت فیہم) تو پھر صرف آپ ہی ان کے احوال کے نگراں اور خبر دار ہو سکتے تھے، میں اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا (تنبیہ) حضرت مسیحؑ کی موت یا رفع الی السماء وغیرہ کی بحث آل عمران میں زیر فائدہ اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (آل عمران۔۵۵) ملاحظہ کیجئے۔ مترجم محقق قدس سرہٗ نے یہاں فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کا جو ترجمہ "تو نے مجھ کو اٹھالیا" سے کیا یہ باعتبار محاورات "موت" اور "رفع الی السماء" دونوں پر صادق آسکتا ہے۔ گویا متنبہ کر دیا کہ نہ لفظ "توفی" کے لئے موت لازم ہے اور نہ خاص توفی بصورت موت کو مضمون زیر بحث میں کسی قسم کا مدخل ہے حدیث میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کی نسبت میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح بندہ صالح (عیسٰیؑ) نے کہا وَکُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡہِمۡ اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کی اور حضرت مسیحؑ کی "توفی" بھی بہمہ وجوہ یکساں اور ہمرنگ ہونی چاہیئے، عربیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے مشرکین مکہ ایک درخت (ذات انماط) پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے لئے بھی "ذات انماط" مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہاں ہے۔ آپ نے فرمایا ھذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ (یہ تو ایسا ہوا جیسے موسیٰؑ کی قوم نے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود تجویز کر دو جیسا ان بت پرستوں کا ہے) کیا کوئی

مسلمان اس تشبیہ کو سن کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ نے معاذاللہ بت پرستی کی درخواست کی تھی؟ اس طرح کی تشبیہات سے نصوص محکمہ اور اجماع امت کے مخالف عقائد پر تمسک کرنا صرف اسی جماعت کا حصہ ہو سکتا ہے جن کی نسبت یہ ارشاد ہوا فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ (آل عمران۔۷)۔

۲۷۵۔ ایک مفید نکتہ: یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بے جا سختی نہیں کر سکتے اس لئے اگر ان کو سزا دیں گے تو عین عدل و حکمت پر مبنی ہو گی اور فرض کیجئے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی ازراہ عجز و سفہ نہ ہو گی۔ چونکہ آپ "عزیز" (زبردست اور غالب) ہیں اس لئے کوئی مجرم آپکے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اس پر قابو نہ پا سکیں۔ اور چونکہ "حکیم" (حکمت والے) ہیں اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یوں ہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہر حال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہو گا۔ حضرت مسیحؑ کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہو گا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہو سکتی، اسی لئے حضرت مسیحؑ نے عزیز و حکیم کی جگہ غفور رحیم وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا۔ برخلاف اس کے حضرت ابراہیمؑ نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (ابراہیم۔۳۶) (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرے تابع ہوا وہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آئندہ ان کو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرمادے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کے ان کا سچ [۲۷۶] انکے لئے ہیں باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں گے انہی میں ہمیشہ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہے بڑی کامیابی [۲۷۷]

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

۱۲۰۔ اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [۲۷۸]

ع ۱۶/۶

۲۷۶۔ جو لوگ اعتقاداً اور قولاً و عملاً سچے رہے ہیں (جیسے حضرت مسیحؑ) ان کی سچائی کا پھل آج ملے گا۔

۲۷۷۔ بڑی کامیابی حق تعالیٰ کی رضا ہے اور جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضائے الٰہی ہے۔

۲۷۸۔ یعنی ہر وفادار اور مجرم کے ساتھ وہ ہی معاملہ ہو گا۔ جو ایک شہنشاہ مطلق کی عظمت و جلال کے مناسب ہے۔

تم سورۃ المائدۃ

اٰیاتھا ۱۶۵ — ۶ سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ ۵۵ — رکوعاتھا ۲۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ
جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّہِمْ
یَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾

۱۔ [۱] سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی یہ کافر اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کئے دیتے ہیں[۲]

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ
اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾

۲۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کر دیا ایک وقت اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم شک کرتے ہو[۳]

وَ ھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَ
جَھْرَکُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ ﴿۳﴾

۳۔ اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں [۴] جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو[۵]

وَ مَا تَاْتِیْھِمْ مِّنْ اٰیَۃٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّھِمْ اِلَّا کَانُوْا
عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۴﴾

۴۔ اور نہیں آتی انکے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر کرتے ہیں اس سے تغافل[۶]

فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَھُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْھِمْ
اَنْۢبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ﴿۵﴾

۵۔ سو بیشک جھٹلایا انہوں نے حق کو جب ان تک پہنچا سو اب آئی جاتی ہے انکے آگے حقیقت اس بات کی جس پر ہنستے تھے[۷]

۱۔ سورہ انعام کا نزول: یہ سورت مکی ہے۔ صرف چند آیات کو بعض علماء نے مستثنٰی کیا ہے۔ روایات میں ہے کہ پوری سورت بیک وقت بے شمار فرشتوں کے جلو میں نازل ہوئی۔ مگر ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں ان روایات کی صحت سے انکار کیا ہے جو پوری سورت کے دفعۃً نزول پر وال ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابو اسحٰق اسفرائنی کہتے ہیں کہ توحید کے تمام اصول و قواعد پر یہ سورت مشتمل ہے۔

۲۔ توحید کے دلائل تخلیق کائنات: "مجوس" دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں۔ "یزداں" جو خالق خیر ہے اور "اہرمن" جو خالق شر ہے۔ اور دونوں کو نور ظلمت سے ملقب کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ آریہ سماج باوجود ادعائے توحید "مادہ" اور "روح" کو خدا کی طرح غیر مخلوق اور انادی کہتے اور خدا کو اپنی صفت تکوین و تخلیق وغیرہ میں ان دونوں کا محتاج بتلاتے ہیں۔ عیسائیوں کو باپ بیٹے کا توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے آخر تین ایک اور ایک تین کا مشہور عقیدہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف اس کا ہمسر بلکہ اس سے برتر ہو سکتا ہے عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ شاید ان کے نزدیک پہاڑ کا ہر پتھر، نوع انسانی کا معبود بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر، حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا اور عبادت و استعانت وغیرہ کے وقت اسے خدا کے برابر نہ بٹھایا ہو حالانکہ وہ ذات پاک جو تمام صفات کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کا منبع ہونے کی وجہ سے سب تعریفوں اور ہر طرح کی حمد و ثناء کی بلا شرکت غیرے مستحق ہے جس نے آسمان و زمین یعنی کل علویات و سفلیات کو پیدا کیا اور رات دن، اندھیرا، اجالا علم و جہل، ہدایت و ضلالت، موت و حیات، غرض متقبل کیفیات اور متضاد احوال ظاہر فرمائے اسے اپنے افعال میں نہ کسی حصہ دار یا مددگار کی ضرورت ہو سکتی ہے نہ بیوی اور اولاد کی نہ اس کی معبودیت اور الوہیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے نہ ربوبیت میں نہ اس کے ارادہ پر کوئی غالب آ سکتا ہے اور نہ اس پر کسی کا دباؤ اور زور چل سکتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ ان حقائق کو سمجھنے کے بعد بھی کس طرح لوگ کسی چیز کو خدائی کا مرتبہ دے دیتے ہیں۔

۳۔ تخلیق انسانی: اوپر "عالم کبیر" کی پیدائش کا ذکر تھا یہاں "عالم صغیر" (انسان) کی خلقت کو بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو شروع میں بے جان مٹی سے آدمؑ کا پتلا تیار کر کے کس طرح حیات اور کمالات انسانی فائض کئے اور آج بھی مٹی سے غذائیں نکلتی ہیں، غذاؤں سے نطفہ اور نطفہ سے انسان بنتے رہتے ہیں۔ غرض اس طرح تم کو عدم سے وجود میں لائے پھر ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر کر دیا جبکہ آدمی دوبارہ اسی مٹی میں جا ملتا ہے جس سے پیدا کیا گیا تھا۔ اسی پر قیاس کر سکتے ہو کہ "عالم کبیر" کی فنا کا بھی ایک وقت مقرر ہے جسے "قیامت کبریٰ" کہتے ہیں۔ "قیامت صغریٰ" یعنی شخصی موتیں چونکہ ہمیں پیش آتی رہتی ہیں۔ ان کا علم بھی لوگوں کو ہوتا رہتا ہے لیکن "قیامت کبریٰ" کی ٹھیک مدت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے تعجب ہے کہ "عالم صغیر" یعنی انسانوں میں زندگی اور فنا کا سلسلہ دیکھتے ہوئے بھی "عالم کبیر" کی فنا میں کوئی آدمی تردد کرتا ہے۔

۴۔ اللہ کی قدرت اور علم کا بیان: یعنی تمام آسمانوں اور زمینوں میں تنہا وہ ہی معبود، مالک بادشاہ، متصرف اور مدبر ہے اور یہ نام مبارک (اللہ) بھی صرف اسی کی ذات متعالی الصفات کے لئے مخصوص رہا ہے۔ پھر اوروں کے لئے استحقاق معبودیت کہاں سے آیا۔

۵۔ جب تمام زمین و آسمان میں اسی کی حکومت ہے اور وہ بلاواسطہ ہر کھلی چھپی چیز اور انسان کے ظاہر و باطن اور چھوٹے بڑے عمل پر مطلع ہے تو عابد کو اپنی عبادت و استعانت وغیرہ میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی ضرورت نہیں رہتی مشرکین جو مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی (الزمر۔۳) کہا کرتے تھے۔ یہ ان کا اور ان کے ہمنواؤں کا جواب ہوا۔ اور پہلے وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ سے جو قیامت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہاں سلسلہ مجازات پر متنبہ فرما دیا کہ زمین و آسمان میں حکومت ہماری ہے اور تمہارے سب کھلے چھپے نیک و بد اعمال بھی ہمارے علم میں موجود ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم یوں ہی مہمل چھوڑ دیے جاؤ۔

۶۔ "آیات" میں احتمال ہے کہ تکوینی آیات مراد ہوں یا تنزیلی۔

۷۔ مکذبین اور ان کا انجام: حق سے مراد غالباً قرآن کریم ہے۔ جو نشانہائے قدرت سے تغافل برتنے والوں کی بد انجامی اور دنیوی و اخروی سزا کو بیان کرتا ہے۔ اسے سن کر منکرین تکذیب و استہزاء کرتے تھے۔ انہیں جتلا دیا کہ جس بات پر تم ہنستے اور آوازے کستے ہو وہ حقیقت ثابتہ بن کر عنقریب تمہارے سامنے آ جائے گی۔ آگے ان اقوام کا حوالہ دیا جو آیات اللہ کی تکذیب و استہزاء اور بداعمالیوں کی بدولت ہلاک کی گئیں۔

اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ
مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَکِّنۡ لَّکُمۡ وَ اَرۡسَلۡنَا
السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۪ وَّ جَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ
تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَکۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَ
اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ ﴿٦﴾

٦۔ کیا دیکھتے نہیں کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے امتیں جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے انکو انکے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد اور امتوں کو[٨]

وَ لَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ کِتٰبًا فِیۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ
بِاَیۡدِیۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ
مُّبِیۡنٌ ﴿٧﴾

٧۔ اور اگر اتاریں ہم تجھ پر لکھا ہوا کاغذ میں پھر چھو لیویں وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے البتہ کہیں گے کافر یہ نہیں ہے مگر صریح جادو[٩]

وَ قَالُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡهِ مَلَکٌ ؕ وَ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا مَلَکًا
لَّقُضِیَ الۡاَمۡرُ ثُمَّ لَا یُنۡظَرُوۡنَ ﴿٨﴾

٨۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اترا اس پر کوئی فرشتہ[١٠] اور اگر ہم اتاریں فرشتہ تو طے ہو جاوے قصہ پھر ان کو مہلت بھی نہ ملے[١١]

وَ لَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَکًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسۡنَا
عَلَیۡهِمۡ مَّا یَلۡبِسُوۡنَ ﴿٩﴾

٩۔ اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور انکو اسی شبہہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں[١٢]

وَ لَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیۡنَ
سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿١٠﴾ ع

١٠۔ اور بلاشبہ ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا ان سے ہنسی کرنے والوں کو اس چیز نے کہ جس پر ہنسا کرتے تھے[١٣]

ع ١ ٧

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ انۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ
عَاقِبَةُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿١١﴾

١١۔ تو کہہ دے کہ سیر کرو ملک میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا[١٤]

۸۔ عاد و ثمود ہلاکت: یعنی عاد و ثمود وغیرہ جن کو تم سے بڑھ کر طاقت اور سامان دیا گیا تھا۔ بارشوں اور نہروں کی وجہ سے ان کے باغ اور کھیت شاداب تھے، عیش و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جب انہوں نے بغاوت و تکذیب پر کمر باندھی اور نشانہائے قدرت کی ہنسی اڑانے لگے، تو ہم نے ان کے جرموں کی پاداش میں ایسا پکڑا کہ نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا پھر ان کے بعد دوسری امتیں پیدا کیں اور منکرین و مکذبین کے ساتھ یہ ہی سلسلہ جاری رہا کیا۔ مجرمین تباہ ہوتے رہے اور دنیا کی آبادی میں کچھ خلل نہیں پڑا۔

۹۔ مشرکین مکہ کے قرآن پر شبہات: بعض مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ اگر آپ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب لے آئیں اور اس کے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں جو ہمارے سامنے ہو کر گواہی دیں کہ بیشک یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ تو ہم ایمان لے آئیں گے اس کا جواب دیا کہ جو لوگ بحالت موجودہ قرآن کو جادو اور اس کے لانے والے کو جادوگر بتلاتے ہیں اگر واقعی ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی آسمان سے اتار دیں جسے یہ ہاتھوں سے چھو کر معلوم کر لیں کہ کوئی تخیل یا نظر بندی نہیں ہے۔ تب بھی یہ ہی کہیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے جس بدبخت کے حصہ میں ہدایت نہیں ہوتی اس کا شبہ کبھی نہیں مٹتا۔

۱۰۔ فرشتہ بھیجنے کا مطالبہ: یعنی جو ہمارے روبرو ہو کر ان کے صدق کی گواہی دیتا۔

۱۱۔ مشرکین کے مطالبوں کو پورا نہ کرنے کی حکمت: اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لئے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاءؑ ہی کا ظرف ہوتا ہے جو اصلی صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے عمر میں دو مرتبہ حضرت جبرئیلؑ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں۔ دوسرے اگر ان لوگوں کی ایسی عظیم الشان خارق عادت فرمائش پوری کر دی جائے اور اس پر بھی نہ مانے جیسا کہ ان کے معاندانہ احوال و طور سے ظاہر ہے تو سنت اللہ کے موافق پھر قطعاً مہلت نہ دی جائے گی اور ایسا عذاب آئے گا جو فرمائش کرنے والوں کو بالکل نیست و نابود کر دے گا۔ اس لحاظ سے اس طرح کی فرمائشوں کا پورا نہ کرنا بھی عین رحمت سمجھنا چاہئے۔

۱۲۔ چونکہ فرشتہ کو اصلی صورت میں بھیجنے کی نفی تو پہلی آیت میں ہو چکی اب دوسرے احتمال کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں بھیجا جائے کیونکہ اسی صورت میں مجانست صوری کی بناء پر لوگ اس کے نمونہ اور تعلیم سے منتفع ہو سکتے ہیں لیکن اس تقدیر پر منکرین کے شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ جو شکوک و شبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے تھے وہ ملک بصورت بشر آنے پر بھی بدستور کرتے رہیں گے۔

۱۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: معاندین کی فرمائشوں کا جواب دینے کے بعد حضور ﷺ کی تسلی کی جاتی ہے کہ آپ ان کے استہزاء اور تمسخر سے دلگیر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ انبیائے سابقین کو بھی ان ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ پھر جو ان کے مکذبیں اور دشمنوں کا حشر ہوا سب کے سامنے ہے۔ ان کو بھی خدا اسی طرح سزا دے سکتا ہے جو اگلے مجرموں کو دی گئی۔

۱۴۔ سیاحت کا مقصد: یعنی ملک کی سیر و سیاحت اور تباہ زدہ اقوام کے آثار کا ملاحظہ کرنے کے بعد اگر نظر عبرت سے واقعات ماضیہ کو دیکھو گے تو انبیاء کی تکذیب کرنے والی قوموں کو جو انجام دنیا میں ہوا وہ صاف نظر آجائے گا اسی سے قیاس کر لو کہ جب تکذیب کرنے والوں کا یہ حشر ہوا تو استہزاء کرنے والوں کا کیا حشر ہو گا۔

قُلۡ لِّمَنۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلۡ لِّلّٰهِ ؕ
كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ؕ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ

۱۲۔ پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں کہہ دے اللہ کا ہے اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی البتہ تم کو اکٹھا کر دے گا قیامت کے دن تک کہ اس میں

الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

کچھ شک نہیں جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے[۱۵]

وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ
اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ تو کہہ دے کیا اور کسی کو بناؤں اپنا مددگار اللہ کے سوا جو بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا[۱۶] اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسکو کوئی نہیں کھلاتا[۱۷] کہہ دے مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں[۱۸] اور تو ہرگز نہ ہو شرک والا

۱۵۔ قیامت برحق ہے: جب تمام آسمان و زمین میں اسی خدا کی حکومت ہے جیسا کہ مشرکین کو بھی اقرار تھا تو مکذبین و مستہزئین کو فوری سزا سے کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ یہ صرف اس کی رحمت عامہ ہے کہ جرائم کو دیکھ کر فوراً سزا جاری نہیں کرتا اور قیامت کے دن بھی جو بلاشبہ آنے والا ہے محض ان ہی بدبختوں کو بے ایمانی کی سزا دے گا جو با اختیار خود جان بوجھ کر اپنے کو نقصان و ہلاکت کے گڑھے میں ڈال چکے ہیں۔

۱۶۔ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں: قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں مکان کی تعمیم تھی لَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَ النَّهَارِ میں زمانہ کے اعتبار سے تعمیم ہے یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اسی کی حکومت اور قبضہ و اقتدار ہے۔ ہر وہ چیز جو رات میں یا دن میں آرام سے زندگی بسر کرتی اور کتنے معلوم و نامعلوم دشمنوں سے مامون و محفوظ رہتی ہے۔ یہ اسی کی رحمت کاملہ کے آثار میں سے ہے قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (انبیاء۔ ۴۲) وہ ہی ہے جو دن کے شور و غل اور رات کے اندھیرے اور سناٹے میں ہر ایک کی پکار سنتا اور سب کی حوائج و ضروریات کو بخوبی جانتا ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ ایسے پروردگار کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد طلب کرنا کہاں تک موزوں ہو گا۔

۱۷۔ کھلانا اشارہ ہے سامان بقاء کی طرف یعنی ایجاد و ابقاء دونوں میں اسی کے سب محتاج ہیں اس کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں بھی ہماری احتیاج نہیں پھر اس سے علیحدہ ہو کر کسی کو مددگار بنانا انتہائی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت کا حکم: ایسے پروردگار کے احکام کے سامنے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں ضروری ہے کہ سب بندے بلا شرکت غیرے گردن ڈال دیں اور سب سے پہلے اس اکمل ترین بندہ کو انتہائی انقیاد و تسلیم کو حکم ہے جو تمام دنیا کے لئے نمونہ طاعت و عبودیت بنا کر بھیجا گیا تھا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی ایک بڑے دن کے عذاب سے[۱۹]

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

١٦۔ جس پر سے ٹل گیا وہ عذاب اس دن تو اس پر رحم کر دیا اللہ نے اور یہی ہے بڑی کامیابی [٢٠]

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ
اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

١٧۔ اور اگر پہنچاوے تجھ کو اللہ کچھ سختی تو کوئی اسکو دور کرنے والا نہیں سوا اسکے اور اگر تجھ کو پہنچاوے بھلائی تو وہ ہر چیز پر قادر ہے

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ
الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

١٨۔ اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا [٢١]

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ
بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ
مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا
هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

١٩۔ تو پوچھ سب سے بڑا کون ہے گواہ کہہ دے اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان [٢٢] اور اترا ہے مجھ پر یہ قرآن تاکہ تم کو اس سے خبردار کر دوں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں تو کہہ دے میں تو گواہی نہ دوں گا کہہ دے وہی ہے معبود ایک اور میں بیزار ہوں تمہارے شرک سے [٢٣]

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ
اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع ٢ ٨

٢٠۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اسکو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے [٢٤]

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ
كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

٢١۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر یا جھٹلا دے اسکی آیتوں کو بلاشک بھلائی نصیب نہیں ہوتی ظالموں کو [٢٥]

۱۹۔ یہ آپ ﷺ پر رکھ کر اوروں کو سنایا گیا ہے یعنی بفرض محال اگر خدا کے معصوم و برگزیدہ ترین بندے سے بھی کسی طرح کا عصیان سرزد ہو تو عذاب الٰہی کا اندیشہ ہوتا ہے پھر کسی دوسرے کو کب لائق ہے کہ باوجود شرک و کفر اور تکذیب انبیاء وغیرہ ہزاروں طرح کے جرائم میں مبتلا ہونے کے عذاب الٰہی سے بے فکر اور مامون ہو کر بیٹھ رہیں۔

۲۰۔ اللہ کے عذاب سے مامون ہونا ہی اصل کامیابی ہے: جنت اور رضائے الٰہی کے اعلیٰ مدارج کا حاصل کرنا تو بہت اونچا مقام ہے۔ اگر آدمی سے قیامت کے دن کا عذاب ٹل جائے تو یہ ہی بہت بڑی کامیابی سمجھو۔ کما قال عمرؓ کفافًا لالی ولا علی۔

۲۱۔ نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے: دنیا یا آخرت میں جو تکلیف یا راحت خدا کسی کو پہنچانا چاہے، نہ کوئی مقابلہ کر کے روک سکتا ہے اور نہ اس کے غلبہ و اقتدار کے نیچے سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ وہ ہی پوری طرح خبر دار ہے کہ کس بندے کے کیا حالات ہیں اور ان حالات کے مناسب کس قسم کی کارروائی قرین حکمت ہو گی۔

۲۲۔ جب یہ فرمایا کہ خدا ہی سب نفع و ضرر کا مالک تمام بندوں پر غالب و قاہر اور رتی رتی سے خبر دار ہے تو اس کی شہادت سے زبردست اور بے لوث شہادت کس کی ہو سکتی ہے۔ پس میں بھی اپنے تمہارے درمیان اس کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ کیونکہ میں نے دعویٰ رسالت کر کے جو کچھ اس کے پیغامات تم کو پہنچائے اور جو کچھ تم نے اس کے جواب میں میرے ساتھ اور خود پیغام ربانی کے ساتھ برتاؤ کیا وہ سب اس کی آنکھ کے سامنے ہے وہ خود اپنے علم محیط کے موافق میرا اور تمہارا فیصلہ کر دے گا۔

۲۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرک سے برأت کا اعلان: یعنی اگر سمجھو تو میرے صدق پر خدا کی یقینی اور کھلی ہوئی شہادت یہ قرآن موجود ہے جو اپنے کلام الٰہی ہونے پر خود ہی اپنی دلیل ہے آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ میرا کام یہ ہے کہ تم کو اور ہر اس شخص کو جسے یہ کلام پہنچے خدائی پیغام سے خبر دار کر دوں جس میں توحید و معاد وغیرہ تمام اصول دین کی ہدایت کی گئی ہے کیا اس قدر اتمام حجت ہو چکنے اور ایسا قطعی اور صریح پیغام توحید سننے کے بعد بھی تم یہ ہی کہتے رہو گے کہ خدا کے سوا اور بھی معبود ہیں۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو کہو۔ میں تو کبھی ایسا حرف زبان پر نہیں لا سکتا بلکہ صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ لائق عبادت صرف وہ ہی ایک خدا ہے۔ باقی جو کچھ تم شرک کرتے ہو میں اس سے قطعًا بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا ہوں۔ (تنبیہ) وَمَنۡۢ بَلَغَ نے بتلا دیا کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت تمام جن و انس اور مشرق و مغرب کے لئے ہے۔

۲۴۔ اہل کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین: یعنی اس کے علاوہ کہ میری صداقت کا خدا گواہ ہے اور قرآن کریم اس کی ناطق اور ناقابل تردید شہادت دے رہا ہے وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی جن کی طرف کتب سماویہ کا عالم سمجھ کر تم میرے معاملہ میں رجوع کرتے ہو اپنے دلوں میں پورا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ میں وہ ہی نبی آخر الزماں ہوں جس کی بشارت انبیائے سابقین دیتے چلے آئے ہیں۔ ان کو جس طرح بہت سے بچوں میں سے اپنی اولاد کو شناخت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ایسے ہی نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت کے معلوم کرنے میں بھی کوئی شبہ اور دھوکہ نہیں ہے۔ البتہ حسد، کبر، تقلید آباء اور حب جاہ و مال وغیرہ اجازت نہیں دیتے کہ مشرف بہ ایمان ہو کر اپنی جانوں کو نقصان دائمی اور ہلاکت ابدی سے بچائیں۔

۲۵۔ یعنی نبی نہ ہو اور خدا پر افتراء کر کے دعویٰ نبوت کر بیٹھے یا سچے نبی سے جس کی صداقت کے دلائل واضحہ موجود ہوں خدائی پیام سن کر تکذیب پر کمربستہ ہو جائے ان دونوں سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور سنت اللہ یہ ہے کہ ظالم کو انجام کار کامیابی اور بھلائی نصیب نہیں ہوتی۔ پس اگر فرض کرو۔ معاذ اللہ میں مفتری ہوں تو ہرگز کامیاب نہ ہوں گا اور تم مکذب ہو جیسا کہ دلائل سے ظاہر ہے تو تمہاری خیریت نہیں۔ لہٰذا حالات میں غور کر کے اور انجام سوچ کر عاقبت کی فکر کرو۔ اور اس دن سے ڈرو جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ابن کثیرؒ نے آیت کے یہ ہی معنی لئے ہیں اور بعض مفسرین نے افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ سے مشرکین کا شرک مراد لیا جیسا کہ آگے وَضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم کو دعویٰ تھا[۲۶]

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ پھر نہ رہے گا انکے پاس کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم نہ تھے شرک کرنے والے[۲۷]

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں ان سے وہ باتیں جو بنایا کرتے تھے[۲۸]

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور بعضے ان میں کان لگائے رہتے ہیں تیری طرف اور ہم نے ان کے دلوں پر ڈال رکھے ہیں پردے تاکہ اس کو نہ سمجھیں اور رکھ دیا انکے کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیاں تو بھی ایمان نہ لاویں ان پر[۲۹] یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس تجھ سے جھگڑنے کو تو کہتے ہیں وہ کافر نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی

وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور یہ لوگ روکتے ہیں اس سے اور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے[۳۰]

۲۶۔ آخرت میں مشرکین کی حالت: یعنی جن کی نسبت تم کو دعویٰ تھا کہ وہ خدائی کے حصہ دار اور شدائد میں تمہارے شفیع و مددگار ہیں، آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت کہاں چلے گئے کہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آتے۔

۲۷۔ یعنی بجز انکار واقعات کے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے گی۔ باطل معبودین کی جس عقیدت و محبت میں مفتوں ہو رہے تھے۔ اس کی حقیقت صرف اتنی رہ جائے گی کہ ساری عمر کے عقیدے اور تعلق سے بھی انکار کر بیٹھیں گے۔

۲۸۔ یعنی اس صریح جھوٹ سے مشرکین کی انتہائی بدحواسی اور شرکاء کی غایت بے چارگی اور درماندگی کا اظہار ہوگا۔ کاش مشرکین اس رسوا

کن انجام کو دنیا ہی میں سمجھ لیں۔

۲۹۔ معترفین کی ہدایت سے محرومی: یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بغرض اعتراض وعیب جوئی قرآن کریم اور حضور ﷺ کی باتوں کی طرف کان لگاتے تھے۔ ہدایت سے منتفع ہونا اور حق کو قبول کرنا مقصود نہ تھا۔ نصیحت وہدایت سے ممتد اعراض اور کانشنس کی مسلسل تعطیل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل و قویٰ انجام کار ماؤف ہو کر رہ گئے۔ حق کے سمجھنے سے ان کے دل محروم کر دیے گئے۔ پیغام ہدایت کا سننا کانوں کو بھاری معلوم ہونے لگا آنکھیں نظر عبرت سے ایسے خالی ہو گئیں کہ ہر قسم کے نشانات دیکھ کر بھی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حالت موت پر قانع و مسرور بھی ہیں۔ بلکہ فخر کے لہجہ میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ سورہ حٰم السجدہ میں ہے فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ (حم السجدۃ۔۴،۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سماع آیات سے منتفع نہ ہونا اور دلوں پر پردہ پڑ جانا خود ان کے اعرض کا نتیجہ تھا اور یہ اعراض ہی اس کیفیت کے حدوث کا سبب ہوا ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا (لقمان۔۷) اسباب پر مسببات کا مرتب کرنا چونکہ خالق جل علاکے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا اسی لئے آیت حاضرہ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً میں پردے وغیرہ ڈالنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر دی گئی۔

۳۰۔ مشرکین ناسمجھ ہیں: یعنی ان میں نہ فہم رہا ہے نہ انصاف۔ ایمان لانا اور ہدایت ربانی سے منتفع ہونا تو کجا، ان کی غرض تو حضور ﷺ کی خدمت میں آنے سے صرف مجادلہ (جھگڑنا) اور پھبتیاں اڑانا ہے۔ چنانچہ قرآنی حقایق وبیانات کو معاذ اللہ اساطیر الاولین کہتے ہیں۔ پھر اس تکذیب اور جدل و تمسخر پر اکتفاء نہیں کوشش یہ ہے کہ دوسروں کی طرف بھی اپنی بیماری کا تعدیہ کریں چنانچہ لوگوں کو حق سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں تاکہ انہیں دیکھ کر دوسرے قبول حق سے نفور وبیزار ہو جائیں مگر ان تمام ناپاک کوششوں سے نہ بحمد اللہ دین حق کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے وہ تو غالب ہو کر رہے گا اور نہ رسول اللہ ﷺ کو کہ ان کی عصمت ورفعت کا تکفل حق تعالیٰ فرما چکا ہے۔ ہاں یہ احمق خود اپنے لئے ہلاکت ابدی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے بھی نہیں کہ ہم اپنے ہاتھ سے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جاویں گے وہ دوزخ پر پس کہیں گے اے کاش ہم پھر بھیجدیے جاویں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جاویں ہم ایمان والوں میں [۳۱]

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ کوئی نہیں بلکہ ظاہر ہو گیا جو چھپاتے تھے پہلے [۳۲] اور اگر پھر بھیجے جاویں تو پھر بھی وہی کام کریں جس سے منع کئے گئے تھے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں [۳۳]

وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور کہتے ہیں ہمارے لئے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں زندہ ہونا [۳۴]

وَ لَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا
بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ٣ / ٩

۳۰۔ اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جاویں گے اپنے رب کے سامنے فرمائے گا کیا یہ سچ نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے اپنے رب کی فرمائے گا تو چکھو عذاب بدلے میں اپنے کفر کے [۳۵]

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا
جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا
فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَ هُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی
ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی ہم نے اس میں کی اور وہ اٹھاویں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھاویں گے [۳۶]

وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ
الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے [۳۷]

۳۱۔ آخرت میں مشرکین کا افسوس وندامت: یعنی آیات اللہ کی تکذیب واستہزاء وغیرہ ساری فوں فاں اس وقت تک ہے جب تک خدائی سزا کا ہولناک وہوشربا منظر سامنے نہیں۔ جس وقت دوزخ کی ذراسی ہوا بھی لگ جائے گی تو ساری شیخی کرکری ہو جائے گی اور ہزار تمنا یہ درخواست کریں گے کہ ہم کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے۔ تاکہ آئندہ کبھی اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور پکے ایماندار بن کر رہیں۔ "الآن قد ندمت وما ینفع الندم"

۳۲۔ آخرت میں مشرکین کا افسوس وندامت: یعنی اب بھی دنیا میں واپس جانے کی تمنا عزم صحیح اور ایمانی رغبت وشوق سے نہیں بلکہ جب مجازاۃ ومکافات عمل کا وہ منظر سامنے آگیا جسے باوجود وضوح ادلہ انکار کے پردہ میں چھپایا کرتے تھے عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھ لیا تمام اعمال شنیعہ کا جو چھپ چھپ کر کئے جاتے تھے راز فاش ہو گیا، ابھی ابھی جو وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ کہہ چکے تھے اس جھوٹ کی بھی قلعی کھل گئی۔ غرضیکہ بدی کے جو اثرات مخفی اور غیر مرئی طور پر اندر ہی اندر ان نالائقوں کے دلوں میں پرورش پا رہے تھے وہ دردناک عذاب کی صورت میں ممثل ہو کر سامنے آ گئے۔ تو محض جان بچانے کے لئے دوبارہ دنیا میں واپس کئے جانے کی تمنا کرنے لگے۔

۳۳۔ مشرکین جھوٹے ہیں: یعنی اب بھی جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں واپس ہو کر پکے ایماندار بن جائیں گے اور ہرگز آیات اللہ کی تکذیب نہ کریں گے یہ اشقیاء اگر دنیا میں واپس کر دیے جائیں تو بدی اور شرارت کی جو قوتیں ان میں رکھی ہیں پھر انہی کو کام میں لائیں گے اور جس مصیبت سے گھبرا کر واپس جانے کی تمنا کر رہے ہیں اسے خواب وخیال کی طرح فراموش کر دیں گے۔ جیسا کہ بسا اوقات دنیوی مصائب ومہالک میں پھنس کر آدمی انابت وتوبہ اختیار کر لیتا ہے پھر جہاں چند روز گذرے کچھ بھی یاد نہیں رکھتا کہ اس وقت کیا عہد وپیمان کئے تھے۔ کان

لم یدعنا الی ضر مسہ۔

۳۴۔ یعنی خوب مزے اڑالو۔ دنیوی عیش کو خواہ مخواہ فکر آخرت سے منغض مت کرو۔ یہ ہی حال آج کل یورپ کے مادہ پرستوں کا ہے۔

۳۵۔ یعنی جب حقیقت آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور "بعث بعد الموت" وغیرہ کے اقرار سے چارہ نہ رہے گا تب کہا جائے گا کہ انکار حقیقت اور "کفر بالمعاد" کا مزہ چکھو۔

۳۶۔ انسان کی بڑی شقاوت اور بدبختی یہ ہے کہ "لقاء اللہ" سے انکار کرے اور زندگی کے اس بلند ترین مقصد کو جھوٹ سمجھے۔ یہاں تک کہ جب موت یا قیامت سر پر آکھڑی ہو تب بے فائدہ کف افسوس ملتا رہ جائے کہ ہائے میں نے اپنی دنیوی زندگی میں یا یوم قیامت کے لئے تیاری کرنے میں کیسی ناقابل تلافی کوتاہی کی اس وقت اس افسوس و حسرت سے کچھ نہ ہوگا۔ جرموں اور شرارتوں کے بار گراں کو جس سے اس کی پشت خمیدہ ہوگی یہ ناوقت کا تاسف و تحسر ذرا بھی ہلکا نہ کر سکے گا۔

۳۷۔ کفار تو یہ کہتے تھے کہ دنیوی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فانی اور مکدر زندگانی حیات اخروی کے مقابلہ میں محض ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ یہاں کی زندگی کے صرف ان ہی لمحات کو زندگی کہا جا سکتا ہے جو آخرت کی درستی میں خرچ کئے جائیں بقیہ تمام اوقات جو آخرت کی فکر و تیاری سے خالی ہوں ایک عاقبت اندیش کے نزدیک لہو لعب سے زائد وقعت نہیں رکھتے۔ پرہیزگار اور سمجھدار لوگ جانتے ہیں کہ ان کا اصلی گھر آخرت کا گھر اور ان کی حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا
يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ ہم کو معلوم ہے کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں

وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى
مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر یہاں تک کہ پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے [۳۸]

وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ
اَنْ تَبْتَغِىَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ
فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى
الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور اگر تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لاوے انکے پاس ایک معجزہ اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی راہ پر سو تو مت ہو نادانوں میں [۳۹]

اِنَّمَا يَسۡتَجِيۡبُ الَّذِيۡنَ يَسۡمَعُوۡنَ ؕؔ وَ الۡمَوۡتٰى
يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۶﴾

٣٦۔ مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرے گا اللہ پھر اسکی طرف لائے جاویں گے [۴۰]

وَ قَالُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قُلۡ اِنَّ
اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنۡ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۷﴾

٣٧۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر کوئی نشانی اسکے رب کی طرف سے [۴۱] کہہ دے کہ اللہ کو قدرت ہے اس بات پر کہ اتارے نشانی لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے [۴۲]

وَ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَ لَا طٰۤـئِرٍ يَّطِيۡرُ
بِجَنَاحَيۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُكُمۡ ؕ مَا فَرَّطۡنَا فِى
الۡـكِتٰبِ مِنۡ شَىۡءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ يُحۡشَرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

٣٨۔ اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری طرح ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر سب اپنے رب کے سامنے جمع ہوں گے [۴۳]

وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكۡمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ
مَنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضۡلِلۡهُ ؕ وَمَنۡ يَّشَاۡ يَجۡعَلۡهُ عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۳۹﴾

٣٩۔ اور جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں [۴۴] جسکو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے ڈال دے سیدھی راہ پر [۴۵]

قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ
اَوۡ اَتَتۡكُمُ السَّاعَةُ اَغَيۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ
صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۰﴾

٤٠۔ تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر تم سچے ہو

بَلۡ اِيَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَيَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ
شَآءَ وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۱﴾ ع ٤/١١/١٠

٤١۔ بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کے لئے اسکو پکارتے ہو اگر چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جنکو شریک کرتے تھے [۴۶]

۳۸۔ خلائق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت: خلائق کے حال پر شفقت و ہمدردی سارے جہان سے زیادہ نبی کریم ﷺ کے دل میں ڈالی گئی تھی۔ آپ ﷺ ان بدبختوں کی تکذیب و اعراض، مستقبل کی تباہی اور مشرکانہ و ملحدانہ کلمات سے سخت رنج اور صدمہ محسوس فرماتے تھے۔ ان آیات میں آپ ﷺ کو تسلی اور ان اشقیاء کو دھمکی دی گئی ہے کہ آپ ﷺ ان کے اعراض و تکذیب سے اس قدر دلگیر اور بے چین نہ ہوں یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں فی الحقیقت آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کو تو پہلے سے بالاتفاق صادق و امین سمجھتے تھے بلکہ خدا کی آیات و نشانات کا جو پیغمبر ﷺ کی تصدیق و تبلیغ کے لئے بھیجی گئی ہیں جان بوجھ کر ازراہ ظلم و عناد انکار کر رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ بھی ان ظالموں کا معاملہ خدا کے سپرد کر کے مطمئن ہو جایئے۔ وہ خود ان کے ظلم اور آپ ﷺ کے صبر کا پھل دینے والا ہے۔ انبیائے سابقین کے ساتھ بھی جن کے کچھ حالات آپ کو سنائے جا چکے ہیں ان کی قوموں نے تکذیب و ایذاء رسانی کا برتاؤ کیا جس پر خدا کے معصوم پیغمبر نہایت اولوالعزمی سے صبر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ حسب وعدہ خدا کی مدد پہنچی اور بڑے زبردست متکبرین کے مقابلہ میں ان کو مظفر و منصور کیا گیا۔ آپ ﷺ سے جو نصر و ظفر کے وعدے کئے گئے ہیں ایک ایک کر کے پورے ہوں گے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر خدا کا وعدہ نہیں ٹل سکتا۔ کس کی طاقت ہے جو خدا کی باتوں کو بدل ڈالے یعنی جو اس نے کہا ہے اسے واقع نہ ہونے دے۔ مکذبین کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی جنگ حقیقتًا محمد ﷺ کی ذات سے نہیں بلکہ رب محمد ﷺ سے ہے جس نے ان کو اپنا سفیر اعظم بنا کر کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا ہے محمد ﷺ کی تکذیب ان خدائی نشانات کی تکذیب ہے۔

۳۹۔ کفار کا مطالبہ معجزات: کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسا نشان رہنا چاہئے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ تمام دنیا کی ہدایت پر حریص تھے شاید آپ ﷺ کے دل نے چاہا ہو گا کہ ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے، اس لئے حق تعالیٰ نے یہ تربیت فرمائی کہ تکوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہو۔ تکوینی مصالح اس کو مقتضی نہیں کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے ورنہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ بدون توسط پیغمبروں اور نشانوں کے شروع ہی سے سب کو سیدھی راہ پر جمع کر دیتا۔ جب خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھلانے کو مقتضی نہیں تو مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین یا آسمان میں سے سرنگ یا سیڑھی لگا کر ایسا فرمائشی اور مجبور کن معجزہ نکال کر دکھلا دے۔ خدا کے قوانین حکمت و تدبیر کے خلاف کسی چیز کے وقوع کی امید رکھنا نادانوں کا کام ہے۔

۴۰۔ یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانیں گے جن کے دل کان بہرے ہو گئے وہ سنتے ہی نہیں۔ پھر مانیں کس طرح؟ ہاں یہ کافر جو قلبی و روحانی حیثیت سے مُردوں کی طرح ہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے اور ان چیزوں کو مانیں گے۔ جن کا انکار کرتے تھے۔

۴۱۔ یعنی ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری جن کی وہ فرمائش کرتے تھے۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا۔ اَوۡ تَکُوۡنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡہٰرَ خِلٰلَہَا تَفۡجِیۡرًا۔ اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا اَوۡ تَاۡتِیَ بِاللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیۡلًا۔ اَوۡ یَکُوۡنَ لَکَ بَیۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا نَّقۡرَؤُہٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا (بنی اسرائیل۔ ۹۳۔ ۹۰) ورنہ ویسے تو آپ پر بے شمار علمی و عملی معجزات و نشانات بارش کی طرح اترتے رہتے تھے۔

۴۲۔ یعنی خدا فرمائشی معجزات دکھلانے سے عاجز نہیں۔ لیکن جن قوانین حکمت و رحمت پر نظام تکوین کی بنیاد ہے، تم میں سے اکثر ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان قوانین کا اقتضا یہ ہی ہے کہ تمام فرمائشی معجزات نہ دکھلائے جائیں۔

۴۳۔ فرمائشی معجزات نہ دکھلانے کی حکمت: ان آیات میں بعض حکمتوں پر متنبہ کیا گیا ہے جو فرمائشی نشانات نہ دکھلائے جانے میں مرعی ہیں۔

یعنی تمام حیوانات خواہ زمین پر رینگتے ہوں یا ہوا میں اڑتے ہوں وہ بھی انسانوں کی طرح ایک امت ہیں ان میں سے ہر نوع کو حق تعالیٰ نے ایک خاص وضع اور فطرت پر پیدا کیا جو ان کے معین خواص و افعال کے دائرہ میں کام کرتی ہے۔ کوئی جانور اپنے افعال و حرکات کے محدود حلقہ سے جو قدرت نے باعتبار اس کی فطرت و استعداد کے مشخص کر دیے ہیں ایک قدم باہر نہیں نکال سکتا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی حیوان نے اپنی نوع کے محدود دائرہ عمل میں کسی طرح کی ترقی نہیں کی اسی طرح ہر چیز کی استعداد و فطرت کو خیال کر لیجئے حق تعالیٰ کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں تمام انواع و اجناس کی تدبیر و تربیت کے اصول و فروع منضبط ہیں۔ کوئی چیز نہ اس زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد اس مکمل انضباط و انتظام سے باہر جاسکتی ہے انسان جنس حیوان میں "بااختیار اور ترقی کن" حیوان ہے اسی کسب و اختیار اور ترقی کن عقل و تمیز کی موجودگی نے اس کے نظام تکوینی اور قانون حیات کو دوسرے تمام حیوانات سے ایسا اعلیٰ اور ممتاز بنا دیا ہے کہ اب اسے حیوان کہتے بھی شرم آتی ہے۔ وہ برخلاف باقی حیوانات کے دیکھنے سننے اور پوچھنے سے نئی نئی معلومات حاصل کرتا اور قوت فکریہ سے ان کو ترتیب دے کر حیات جدید کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے وہ نیک و بد میں تمیز کرنے، نافع و ضار کے پہنچانے، آغاز و انجام سمجھنے پر قادر اور کسی عمل کے کرنے یا چھوڑنے میں فی الجملہ آزاد ہے۔ اسی لئے اس کو خدا کی جانب سے ایسے نشانات دکھلائے جاتے ہیں جن میں غور و فکر کرنے کا موقع مل سکے اور فکر و کسب کی فطری آزادی کو سلب کرنے والے نہ ہوں۔ اور اگر وہ خدا کے دیے ہوئے قوائے عقلیہ سے ٹھیک طور پر ان میں غور کرے تو اسے حق و باطل اور نیک و بد کی تمیز کرنے میں کچھ دقت نہ ہو۔ پس ایسے فرمائشی نشانات و معجزات کی درخواست کرنا جو بہمہ وجوہ ایمان لانے پر مجبور کر دیں، انسان کی فطری آزادی اور اس کے نظام ترکیبی کو تباہ کرنے بلکہ انسان کو عام حیوانات کی صف میں اتار لانے کا مرادف ہے۔ اور اگر فرمائشی نشان بہمہ وجوہ مجبور کن نہ ہوں تو ان کا دکھلانا بیکار ہے۔ کیونکہ ان میں بھی وہی غیر ناشی عن دلیل شکوک و شبہات پیدا کر لئے جائیں گے جو ہزاروں غیر فرمائشی نشانات میں کئے جاچکے۔

۴۴۔ نہ کہنے والے کی سنتے ہیں نہ خود دوسرے سے پوچھتے ہیں اور نہ اندھیرے میں کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ جب سب قویٰ اپنی بے اعتدالیوں سے بیکار کر لئے تو حق کی تصدیق و قبول کا کیا ذریعہ ہو؟

۴۵۔ گمراہ کرنا اسی کو چاہتا ہے جو خود ذرائع ہدایت کو اپنے اوپر مسدود کر لیتے ہیں وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (الاعراف۔۱۷۶)

۴۶۔ مشرکین مصیبت میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں: جب اندھے بہرے گونگے ہو کر آیات اللہ کو جھٹلایا اور گمراہی کے عمیق غار میں جا پڑے۔ اس پر اگر دنیا میں یا قیامت میں خدا کا سخت عذاب نازل ہو تو سچ سچ بتلاؤ کہ خدا کے سوا اس وقت کسے پکارو گے۔ دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں بھی جب گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر اسی خدائے واحد کو پکارتے ہو اور سب شرکاء کو بھول جاتے ہو فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (العنکبوت۔۶۵) جس پر اگر خدا چاہتا ہے تو اس مصیبت کو دور بھی کر دیتا ہے۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ نزول عذاب یا ہول قیامت سے بچانے والا بجز خدا کے اور کون ہو سکتا ہے پھر یہ کس قدر حماقت اور اندھا پن ہے کہ اس خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر کے اس کی نازل کی ہوئی آیات کی تکذیب اور فرمائشی آیات کا مطالبہ کرتے ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت سی امتوں پر تجھ سے پہلے پھر ان کو پکڑا ہم نے سختی میں اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑاویں

فَلَوۡلَاۤ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَلٰـكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۴۳

۴۳۔ پھر کیوں نہ گڑگڑائے جب آیا ان پر عذاب ہمارا لیکن سخت ہو گئے دل انکے اور بھلے کر دکھلائے ان کو شیطان نے جو کام وہ کر رہے تھے

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ ۝۴۴

۴۴۔ پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو انکو کی گئی تھی کھول دیے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر جو انکو دی گئیں پکڑ لیا ہم نے انکو اچانک پس اس وقت وہ رہ گئے ناامید[۴۷]

فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۴۵

۴۵۔ پھر کٹ گئی جڑ ان ظالموں کی اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا[۴۸]

۴۷۔ پچھلی امتوں کا انجام: گذشتہ آیت میں عذاب آنے کا احتمال بیان ہوا تھا اب واقعات کا حوالہ دیتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں اس طرح کے عذاب آچکے ہیں۔ نیز متنبہ فرما دیا کہ جب مجرم کو ابتداً ہلکی تنبیہ کی جائے تو اس کو معًا خدا کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ سخت دلی اور اغوائے شیطانی سے اسے ہلکانہ سمجھے موضح القرآن میں ہے کہ گنہگار کو اللہ تعالیٰ تھوڑا سا پکڑتا ہے اگر وہ گڑگڑایا اور توبہ کی تو بچ گیا اور اگر اتنی پکڑ نہ مانی تو پھر بھلاوا دیا اور وسعت عیش کے دروازے کھولے۔ جب نعمتوں کی شکر گذاری اور انعام و احسان سے متاثر ہونے کے بجائے خوب گناہ میں غرق ہوا تو دفعتًا بے خبر پکڑا گیا یہ ارشاد ہے کہ آدمی کو گناہ پر تنبیہ پہنچے تو شتاب توبہ کرلے۔ یہ راہ نہ دیکھے کہ اس سے زیادہ پہنچے تو یقین کروں۔

۴۸۔ ظالموں کا استیصال بھی اس کی ربوبیت عامہ کا اثر اور مجموعہ عالم کے لئے رحمت عظیم ہے اسی لئے یہاں حمد و شکر کا اظہار فرمایا۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَ اَبۡصَارَكُمۡ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ مَّنۡ اِلٰـهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِهٖ ؕ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ هُمۡ يَصۡدِفُوۡنَ ۝۴۶

۴۶۔ تو کہہ دیکھو تو اگر چھین لے اللہ تمہارے کان اور آنکھیں اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر[۴۹] تو کون ایسا رب ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ چیزیں لا دیوے[۵۰] دیکھ ہم کیونکر طرح طرح سے بیان کرتے ہیں باتیں پھر بھی وہ کنارہ کرتے ہیں

قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ بَغۡتَةً اَوۡ جَهۡرَةً هَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۷﴾	۴۷۔ تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا اچانک [۵۱] یا ظاہر ہو کر تو کون ہلاک ہو گا ظالم لوگوں کے سوا[۵۲]
وَ مَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَ مُنۡذِرِيۡنَ‌ ۚ فَمَنۡ اٰمَنَ وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۸﴾	۴۸۔ اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوشی اور ڈر سنانے کو پھر جو کوئی ایمان لایا اور سنور گیا تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں
وَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الۡعَذَابُ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۴۹﴾	۴۹۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو انکو پہنچے گا عذاب اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے [۵۳]

۴۹۔ کہ نہ تم سن سکو نہ دیکھ سکو نہ دل سے سمجھ سکو۔

۵۰۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "یعنی توبہ میں دیر نہ کرے۔ جو کان اور آنکھ اور دل اس وقت ہے شاید پھر نہ ملے" اور اس لئے توبہ و استغفار کی توفیق نہ ہو سکے۔

۵۱۔ "اچانک" یعنی وہ عذاب جس کی کچھ علامات پہلے سے ظاہر نہ ہوں۔ ولہذا جَهۡرَةً سے مراد وہ عذاب ہو گا جسکے آنے سے قبل علامات ظاہر ہونے لگیں۔

۵۲۔ یعنی توبہ میں دیر نہ کرنا چاہیئے۔ شاید اس دیر میں عذاب پہنچ جائے جس کا خمیازہ صرف ظالموں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر پہلے ہی ظلم و عدوان سے توبہ کر چکا ہو گا تو اس عذاب سے بچ رہے گا۔

۵۳۔ **بعثت انبیاء کا مقصد:** یعنی تم جو عذاب الٰہی سے نڈر اور بے فکر ہو کر بے ہودہ فرمائشیں اور دور از کار سوالات کر کے پیغمبر ﷺ کو دق کرتے اور ان کی تصدیق کے لئے خود ساختہ معیار تراشتے ہو خوب سمجھ لو کہ پیغمبر دنیا میں اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ تمہاری ایسی واہی تباہی فرمائشیں پوری کرتے رہا کریں۔ ان کی بعثت کی غرض صرف "تبشیر و انذار" اور "تبلیغ و ارشاد" ہے۔ وہ خدا کی طرف سے اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ فرمانبرداروں کو بشارات سنائیں اور نافرمانوں کو ان کے انجام بد پر متنبہ کر دیں آگے ہر شخص کی کمائی اس کے ساتھ ہے جس نے انبیاءؑ کی باتوں پر یقین کیا اور اعتقاداً و عملاً اپنی حالت درست کر لی حقیقی امن اور چین اس کو نصیب ہوا اور جس نے خدا کی آیات کو جھٹلا کر ہدایت الٰہی سے رو گردانی کی وہ نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے سخت تباہی اور عذاب عظیم کے نیچے آ گیا۔ العیاذ باللہ۔

قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآٮِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ‌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا	۵۰۔ تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں [۵۴] میں تو اسی پر چلتا

ع ۵ ۱۱

مَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ
الْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے تو کہہ دے کب برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا سو کیا تم غور نہیں کرتے [۵۵]

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ
لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور خبر دار کر دے اس قرآن سے ان لوگوں کو جن کو ڈر ہے اسکا کہ وہ جمع ہونگے اپنے رب کے سامنے اس طرح پر کہ اللہ کے سوا نہ کوئی انکا حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا [۵۶] تاکہ وہ بچتے رہیں [۵۷]

۵۴۔ منصب رسالت کی حقیقت: اس آیت میں منصب رسالت کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو وہ فوراً ابتلا دیا کرے۔ یا نوع بشر کے علاوہ وہ کوئی اور نوع ہے جو لوازم و خواص بشریہ سے اپنی برأت و نزاہت کا ثبوت پیش کرے۔ جب ان باتوں میں سے وہ کسی چیز کا مدعی نہیں تو فرمائشی معجزات اس سے طلب کرنا یا ازراہ تعنت و عناد اس قسم کا سوال کرنا کہ "قیامت کب آئے گی"۔ یا یہ کہنا کہ "یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے جاتے ہیں" اور ان ہی امور کو معیار تصدیق و تکذیب ٹھہرانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔"

۵۵۔ نبی اور غیر نبی کا فرق: یعنی اگرچہ پیغمبر نوع بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں۔ لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں علمی و عملی۔ قوت علمیہ کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں اعمٰی و بصیر (اندھے اور سوانکھے) کا تفاوت سمجھنا چاہئے۔ نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیات الٰہی اور تجلیات ربانی کے دیکھنے کے لئے کھلی رہتی ہیں جس کے بلاواسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں۔ اور قوت عملیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول و فعل اور ہر ایک حرکت و سکون میں رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے تابع و منقاد ہوتے ہیں وحی سماوی اور احکام الٰہیہ کے خلاف نہ کبھی ان کا قدم اٹھ سکتا ہے نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ ان کی مقدس ہستی اخلاق و اعمال اور کل واقعات زندگی میں تعلیمات ربانی اور مرضیات الٰہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور و فکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔

۵۶۔ یعنی جو لوگ فرمائشی معجزات دکھلائے جانے پر اپنے ایمان کو موقوف رکھتے اور ازراہ تعنت و عناد آیات اللہ کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں ان سے قطع نظر کیجئے۔ کیونکہ تبلیغ کا فرض ادا ہو چکا اور ان کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں اب وحی الٰہی (قرآن) کے ذریعہ سے ان لوگوں کو متنبہ کرنے کا مزید اہتمام فرمایئے جن کے دلوں میں محشر کا خوف اور عاقبت کی فکر ہے۔ کیونکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ نصیحت سے متاثر اور ہدایات قرآنی سے منتفع ہوں۔

۵۷۔ یعنی یہ سن کر گناہ سے بچتے رہیں۔

وَ لَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَ الۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ‌ ؕ مَا عَلَيۡكَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ وَّمَا مِنۡ حِسَابِكَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَتَطۡرُدَهُمۡ فَتَكُوۡنَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۲﴾	۵۲۔ اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور چاہتے ہیں اسی کی رضا[۵۸] تجھ پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو دور کرنے لگے پس ہو جاوے گا تو بے انصافوں میں[۵۹]
وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لِّيَقُوۡلُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰكِرِيۡنَ ﴿۵۳﴾	۵۳۔ اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعضے لوگوں کو بعضوں سے تا کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو[۶۰]
وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۵۴﴾	۵۴۔ اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو کہہ دے تو سلام ہے تم پر لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو کہ جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جائے تو بات یہ ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان
وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلِتَسۡتَبِيۡنَ سَبِيۡلُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۵﴾ ع	۵۵۔ اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو اور تا کہ کھل جاوے طریقہ گنہگاروں کا[۶۱]

ع ۶ ۵ ۱۲

۵۸۔ یعنی رات اور دن اس کی عبادت میں حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔

۵۹۔ یعنی جب ان کا ظاہر حال یہ بتلا رہا ہے کہ شب و روز خدا کی عبادت اور رضا جوئی میں مشغول رہتے ہیں تو اسی کے مناسب ان سے معاملہ کیجئے۔ ان کا باطنی حال کیا ہے یا آخری انجام کیا ہو گا اس کی تفتیش و محاسبہ پر معاملات موقوف نہیں ہو سکتے۔ یہ حساب نہ آپ کا ان کے ذمہ ہے نہ ان کا آپ کے۔ لہذا اگر بالفرض آپ دولتمندوں کی ہدایت کی طمع میں ان غریب مخلصین کو اپنے پاس سے ہٹانے لگیں تو یہ بات بے انصافی کی ہو

گی۔ موضح القرآن میں ہے کافروں میں بعض سرداروں نے حضرت ﷺ سے کہا کہ تمہاری بات سننے کو ہمارا دل چاہتا ہے لیکن تمہارے پاس بیٹھتے ہیں رذیل لوگ۔ ہم ان کے برابر نہیں بیٹھ سکتے اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی خدا کے طالب اگرچہ غریب ہیں۔ ان ہی کی خاطر مقدم ہے۔

۶۰۔ یعنی دولت مندوں کو غریبوں سے آزمایا ہے کہ ان کو ذلیل دیکھتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ کیا لائق ہیں اللہ کے فضل کے اور اللہ ان کے دل دیکھتا ہے کہ اللہ کا حق مانتے ہیں۔

۶۱۔ مومنین کو خوشخبری: پہلے فرمایا تھا کہ پیغمبر تبشیر و انذار کے لئے آتے ہیں چنانچہ اس رکوع کے شروع میں وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الخ سے شان انذار کا استعمال تھا۔ اب مومنین کے حق میں شان تبشیر کا اظہار ہے یعنی مومنین کو کامل سلامتی اور رحمت و مغفرت کی بشارت سنا دیجئے تاکہ ان غریبوں کا دل بڑھے اور دولت مند متکبرین کے طعن و تشنیع اور تحقیر آمیز برتاؤ سے شکستہ خاطر نہ رہیں۔ اسی لئے ہم احکام و آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ نیز اس لئے کہ مومنین کے مقابلہ میں مجرمین کا طریقہ بھی واضح ہو جائے (تنبیہ) یہ جو فرمایا کہ "جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے" اس سے شاید یہ غرض ہو کہ مومن جو برائی اور معصیت کرتا ہے خواہ نادانستہ ہو یا جان بوجھ کر وہ فی الحقیقت اس برائی اور گناہ کے انجام بد سے ایک حد تک ناواقف اور بے خبر ہی ہو کر کرتا ہے۔ اگر گناہ کے تباہ کن نتائج کا پوری طرح اندازہ اور استحضار ہو تو کون شخص ہے جو اس پر اقدام کی جرأت کرے گا۔

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ تو کہہ دے مجھ کو روکا گیا ہے اس سے کہ بندگی کروں انکی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر بیشک اب تو میں بہک جاؤں گا اور نہ رہوں گا ہدایت پانے والوں میں [۶۲]

قُلْ اِنِّىْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِىْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ تو کہہ دے کہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اسکو جھٹلایا [۶۳] میرے پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو [۶۴] حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے بیان کرتا ہے حق بات اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِىْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِىَ الْاَمْرُ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ تو کہہ اگر ہوتی میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو طے ہو چکا ہوتا جھگڑا درمیان میرے اور درمیان تمہارے [۶۵] اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

۶۲۔ مشرکین کو انذار: گذشتہ آیت میں وہ چیزیں بیان ہوئیں جو مومنین سے کہنے کے لائق ہیں۔ اس رکوع میں ان امور کا تذکرہ ہے جو مجرمین اور مکذبین کے حق میں قابل خطاب ہیں۔ یعنی آپ فرما دیجئے کہ میرا ضمیر، میری فطرت، میری عقل میرا نور شہود اور وحی الٰہی جو مجھ پر اترتی ہے یہ سب مجھ کو اس سے روکتے ہیں کہ میں توحید کامل کے جادہ سے ذرا بھی قدم ہٹاؤں۔ خواہ تم کتنے ہی حیلے اور تدبیریں کرو میں کبھی تمہاری

خوشی اور خواہش کی پیروی نہیں کر سکتا۔ بفرض محال اگر پیغمبر کسی معاملہ میں وحی الٰہی کو چھوڑ کر عوام کی خواہشات کا اتباع کرنے لگیں تو خدا نے جنہیں ہادی بنا کر بھیجا تھا معاذ اللہ وہ ہی خود بہک گئے پھر ہدایت کا بیج دنیا میں کہاں رہ سکتا ہے۔

۶۳۔ یعنی میرے پاس خدا کی صاف و صریح شہادت اور واضح دلائل پہنچ چکے جن کے قبول سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔ تم اس کو جھٹلاتے ہو تو اس کا انجام سوچ لو۔

۶۴۔ یعنی عذاب الٰہی چنانچہ کفار کہتے تھے اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ (الانفال۔ ۳۲) (اگر یہ حق ہے جس کی ہم تکذیب کر رہے ہیں تو آپ آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش کر دیجئے یا ہم پر اور کوئی سخت عذاب بھیج دیجئے)

۶۵۔ عذاب دینا اور فیصلہ کرنا رسول کا کام نہیں: یعنی جس پر چاہے جب چاہے اور جس قسم کا چاہے عذاب بھیجے یا نہ بھیجے ویسے ہی توبہ کی توفیق مرحمت فرما دے یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ کسی کا حکم اور زور اس کے سوا نہیں چلتا وہ دلائل و براہین کے ساتھ حق کو بیان کر دیتا ہے۔ پھر جو نہ مانیں ان کے متعلق بہترین فیصلہ کرنے والا بھی وہ ہی ہے۔ اگر ان کا فیصلہ کرنا یا سزا دینا میرے قبضہ اختیار میں ہوتا۔ اور یہ نزول عذاب میں جلدی چاہنے والے مجھ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تو اب تک کبھی کا جھگڑا ختم ہو چکا ہوتا۔ یہ تو خدا ہی کے علم محیط، حلم عظیم، حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا پرتو ہے کہ بے شمار مصالح و حکم کی رعایت کرتے ہوئے باوجود پوری طرح جاننے اور قدرت رکھنے کے ظالموں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ آئندہ آیات میں اس کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے تا کہ ثابت ہو کہ تاخیر عذاب جہل یا عجز کی بناء پر نہیں۔

وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ
يَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ
اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ
وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور اُسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ انکو کوئی نہیں جانتا اسکے سوا اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اسکو اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے [۶۶]

وَهُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ
بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ فِيۡهِ لِيُقۡضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ
ثُمَّ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۰﴾ ع ۱۳/۵/۷

۶۰۔ اور وہ ہی ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں [۶۷] اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر چکے ہو دن میں [۶۸] پھر تم کو اٹھا دیتا ہے اُس میں تا کہ پورا ہو وہ وعدہ جو مقرر ہو چکا ہے [۶۹] پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے پھر خبر دے گا تم کو اس کی جو کچھ تم کرتے ہو [۷۰]

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان [۷۱] یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضہ میں لے لیتے ہیں اسکو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے [۷۲] اور وہ کوتاہی نہیں کرتے [۷۳]

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی طرف جو مالک انکا ہے سچا سن رکھو حکم اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے [۷۴]

۶۶۔ اللہ کا علم ازلی اور لوح محفوظ: یعنی لوح محفوظ میں ہے۔ اور لوح محفوظ میں جو چیز ہو گی وہ علم الٰہی میں پہلے ہو گی اس اعتبار سے مضمون آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عالم غیب و شہادت کی کوئی خشک و تر اور چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہو سکتی۔ بناءً علیہ ان ظالموں کے ظاہری و باطنی احوال اور ان کی سزا دہی کے مناسب وقت و محل کا پورا پورا علم اسی کو ہے (تنبیہ) "مفاتح" کو جن علماء نے مفتح بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے انہوں نے "مفاتح الغیب" کا ترجمہ "غیب کے خزانوں" سے کیا اور جن کے نزدیک مفتح بکسر المیم کی جمع ہے وہ "مفاتح الغیب" کا ترجمہ مترجمؒ کے موافق کرتے ہیں یعنی "غیب کی کنجیاں" مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پا سکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کر لے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو۔ تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو "مفاتح غیب" کہنا چاہیئے حق تعالیٰ نے اپنے ہی لئے مخصوص رکھا ہے۔

۶۷۔ معاد کا بیان: یعنی شب میں سوتے وقت ظاہری احساس و شعور باقی نہیں رہتا۔ اور آدمی اپنے گردو پیش بلکہ اپنے جسم کے احوال تک سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ گویا اس وقت یہ قوتیں اس سے لے لی گئیں۔

۶۸۔ یعنی دن میں جو کچھ چلنا پھرنا، نقل و حرکت اور کسب و اکتساب واقع ہوتا ہے وہ سب کامل تفصیل کے ساتھ خدا کے علم میں موجود ہے۔

۶۹۔ یعنی اگر وہ چاہتا تو تم سوتے کے سوتے رہ جاتے لیکن موت کا وعدہ پورا ہونے تک ہر نیند کے بعد تم کو بیدار کرتا رہتا ہے۔

۷۰۔ اعمال کی نگرانی: دن میں کاروبار کر کے رات کو سونا پھر سو کر اٹھنا یہ روز مرہ کا سلسلہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے دنیا کی زندگی پھر موت پھر دوبارہ زندہ کئے جانے کا۔ اسی لئے نیند اور بیداری کے تذکرہ کے ساتھ مسئلہ معاد پر متنبہ کر دیا گیا۔

۷۱۔ یعنی وہ فرشتے جو تمہاری اور تمہارے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۷۲۔ یعنی جو فرشتے روح قبض کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔

۷۳۔ یعنی جس وقت اور جس طرح جان نکالنے کا حکم ہوتا ہے اس میں وہ کسی طرح کی رعایت یا کوتاہی نہیں کرتے۔

۷۴۔ یعنی ایک لحظہ میں آدمی کی عمر بھر کی بھلائی برائی واضح کر دے۔

قُلۡ مَنۡ يُّنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡيَةً‌ ۚ لَـئِنۡ اَنۡجٰٮنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ تو کہہ کون تم کو بچا لاتا ہے جنگل کے اندھیروں سے اور دریا کے اندھیروں سے اس وقت میں کہ پکارتے ہو تم اسکو گڑگڑا کر اور چپکے سے کہ اگر ہم کو بچا لیوے اس بلا سے تو البتہ ہم ضرور احسان مانیں گے

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡهَا وَمِنۡ كُلِّ كَرۡبٍ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ تو کہہ دے اللہ تم کو بچاتا ہے اس سے اور ہر سختی سے پھر بھی تم شرک کرتے ہو[۷۵]

۷۵۔ مشرکین کی ناشکری: یعنی حق تعالیٰ باوجود علم محیط اور قدرت کاملہ کے جس کا بیان اوپر ہوا تمہاری بداعمالیوں اور شرارتوں کی سزا فوراً نہیں دیتا۔ بلکہ جب مصائب و شدائد کی اندھیریوں میں پھنس کر تم اس کو عاجزی سے پکارتے ہو اور پختہ وعدے کرتے ہو کہ اس مصیبت سے نکلنے کے بعد کبھی شرارت نہ کریں گے اور ہمیشہ احسان کو یاد رکھیں گے تو بسا اوقات وہ تمہاری دستگیری کر کے ان مہالک اور ہر قسم کی سختیوں سے نجات دے دیتا ہے لیکن تم پھر بھی اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتے اور مصیبت سے آزاد ہوتے ہی بغاوت شروع کر دیتے ہو۔

قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَـعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ‌ ؕ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب[۷۶] اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھاوے ایک کو لڑائی ایک کی[۷۷] دیکھ کس کس طرح ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ وہ سمجھ جاویں[۷۸]

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوۡمُكَ وَهُوَ الۡحَـقُّ‌ ؕ قُلْ لَّسۡتُ عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ؕ‏ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اور اسکو جھوٹ بتلایا تیری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے تو کہہ دے کہ میں نہیں تم پر داروغہ

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسۡتَقَرٌّ‌ ۖ وَّسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور قریب ہے کہ اس کو جان لو گے[۷۹]

۷۶۔ یعنی خدا کے امہال و درگذر کو دیکھ کر مامون اور بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ جس طرح وہ شدائد و مصائب سے نجات دے سکتا ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ کسی قسم کا عذاب تم پر مسلط کر دے۔

۷۷۔ پچھلی امتوں اور اس امت کے عذاب میں فرق: اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ (۱) جو اوپر سے آئے جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش (۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ۔ یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب ہیں جو اگلی قوموں پر مسلط کئے گئے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گذشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہو گا۔ جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں تو اسکی نفی نہیں ہاں تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہیئے۔ اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا۔ یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور ان کو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضرت نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہ ہی ہو گا۔ اکثر عذاب الیم اور عذاب مہین اور عذاب شدید اور عذاب عظیم ان ہی باتوں کو فرمایا ہے۔ اور آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔

۷۸۔ یعنی قرآن کو یا عذاب کے آنے کو۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں عذاب وغیرہ کچھ نہیں آتا۔

۷۹۔ یعنی میرا یہ منصب نہیں کہ تمہاری تکذیب پر خود عذاب نازل کر دوں یا اس کے وقت اور نوعیت وغیرہ کی تفصیل بتلاؤں میرا کام صرف باخبر اور متنبہ کر دینا ہے۔ آگے ہر چیز کے وقوع کا علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہے۔ جب وقت آجائے گا تم خود جان لوگے کہ میں جس چیز سے ڈراتا تھا وہ کہاں تک سچ ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو کہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ [۸۰]

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور پرہیزگاروں پر نہیں ہے جھگڑنے والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن انکے ذمہ نصیحت کرنی ہے تاکہ وہ ڈریں [۸۱]

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ

۷۰۔ اور چھوڑ دے انکو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشا [۸۲] اور دھوکا دیا انکو دنیا کی زندگی نے [۸۳] اور نصیحت کر انکو قرآن سے تاکہ گرفتار نہ ہو جاوے کوئی اپنے کئے میں کہ نہ ہو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر بدلے میں

وَّ لَا شَفِيْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ
مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع ٨ ١٤

دے سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے [۸۴] وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں انکو پینا ہے گرم پانی اور عذاب ہے دردناک بدلے میں کفر کے [۸۵]

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا
يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ
كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ص
لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ
هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ لا

۷۱۔ تو کہہ دے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع پہنچا سکیں ہم کو اور نہ نقصان اور کیا پھر جاویں ہم الٹے پاؤں اسکے بعد کہ اللہ سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو مثل اس شخص کے کہ رستہ بھلا دیا ہو اسکو جنوں نے جنگل میں جبکہ وہ حیران ہے اس کے رفیق بلاتے ہیں اسکو رستہ کی طرف کہ چلا آ ہمارے پاس [۸۶] تو کہہ دے کہ اللہ نے جو راہ بتلائی وہی سیدھی راہ ہے [۸۷] اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ تابع رہیں پروردگار عالم کے

وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾

۷۲۔ اور یہ کہ قائم رکھو نماز کو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کے سامنے تم سب اکٹھے ہو گے

وَ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَ
يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَ لَهُ
الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾

۷۳۔ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر اور جس دن کہے گا کہ ہو جا [۸۸] تو وہ ہو جائے گا اسی کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن پھونکا جائے گا صور [۸۹] جاننے والا چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا [۹۰]

۸۰۔ استہزاء کرنے والوں کے ساتھ مت بیٹھو: یعنی جو لوگ آیات اللہ پر طعن واستہزاء اور ناحق کی نکتہ چینی میں مشغول ہو کر اپنے کو مستحق عذاب بنا رہے ہیں تم ان سے خلط ملط نہ کرو کہیں تم بھی ان کے زمرہ میں داخل ہو کر مورد عذاب نہ بن جاؤ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے اِنَّکُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ ایک مومن کی غیرت کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ ایسی مجلس سے بیزار ہو کر کنارہ کرے اور کبھی بھول کر شریک ہو گیا تو یاد آنے کے بعد فوراً وہاں سے اٹھ جائے۔ اسی میں اپنی عاقبت کی درستی، دین کی سلامتی اور طعن واستہزاء کرنے والوں کے لئے عملی نصیحت اور تنبیہ ہے۔

۸۱۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر پرہیز گار لوگ جھگڑنے اور طعن کرنے والوں کی مجلس سے اٹھ کر چلے آئے تو طاعنین کے گمراہی میں پڑے رہنے کا کوئی مواخذہ اور ضرور ان متقین پر عائد نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان کے ذمہ بقدر استطاعت اور حسب موقع نصیحت کرتے رہنا ہے۔ شاید وہ بدبخت نصیحت سن کر اپنے انجام سے ڈر جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ پرہیز گار اور محتاط لوگوں کو اگر کسی واقعی معتدبہ دینی یا دنیوی ضرورت سے ایسی مجلس میں جانے کا اتفاق ہو جائے تو ان کے حق میں طاعنین کے گناہ اور باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ ہاں ان کے ذمہ بشرط قدرت نصیحت کر دینا ہے ممکن ہے کسی وقت ان پر بھی نصیحت کا اثر پڑ جائے۔

۸۲۔ یعنی اپنے اس دین کو جس کا قبول کرنا ان کے ذمہ فرض تھا اور وہ مذہب اسلام ہے۔

۸۳۔ دنیا کی لذتوں میں مست ہو کر عاقبت کو بھلا بیٹھے۔

۸۴۔ یعنی ایسے لوگوں کو جو تکذیب واستہزاء کی کوتوت میں پکڑے گئے ہوں نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے زبردستی عذاب الٰہی سے چھڑا لے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہو گا جو سعی وسفارش سے کام نکال دے۔ اور نہ کسی قسم کا فدیہ اور معاوضہ قبول کیا جائے گا اگر بالفرض ایک مجرم دنیا بھر کے معاوضے دے کر چھوٹنا چاہے تو نہ چھوٹ سکے گا۔

۸۵۔ گذشتہ آیت میں خاص اس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم تھا جہاں آیات اللہ کے متعلق طعن واستہزاء اور ناحق کے جھگڑے کئے جا رہے ہوں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی عام مجالست وصحبت ترک کر دینے کا ارشاد ہے۔ مگر ساتھ ہی حکم ہے کہ ان کو نصیحت کر دیا کرو۔ تاکہ وہ اپنے کئے کے انجام سے آگاہ ہو جائیں۔

۸۶۔ مسلمان کی شان: یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ گمراہوں کو نصیحت کر کے سیدھی راہ پر لائے اور جو خدا سے بھاگ کر غیر اللہ کی چوکھٹ پر سر رکھے ہوئے ہیں ان کو خدائے واحد کے سامنے سربسجود کرنے کی فکر کرے۔ اس سے یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی ایسی ہستی کے آگے سر جھکائے گا جس کے قبضہ میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ یا اہل باطل کی صحبت میں رہ کر توحید وایمان کی صاف سڑک چھوڑ دے گا اور شرک کی بھول بھلیاں کی طرف الٹے پاؤں پھرے گا۔ اگر معاذ اللہ ایسا ہو تو اس کی مثال اس مسافر کی سی ہو گی جو اپنے راہ جاننے والے رفقاء کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا کہ ناگاہ غول بیابانی (خبیث جنات) نے اسے بہکا کر راستہ سے الگ کر دیا۔ وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے اور اس کے رفقاء ازراہ خیر خواہی اسے آوازیں دے رہے ہیں کہ ادھر آ‎ؤ راستہ اس طرف ہے۔ مگر وہ حیران ومخبوط الحواس ہو کر نہ کچھ سمجھتا ہے نہ ادھر آتا ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ مسافر آخرت کے لئے سیدھی راہ اسلام وتوحید کی ہے اور جن کی رفاقت ومعیت میں یہ سفر طے ہوتا ہے وہ پیغمبر اور اس کے متبعین ہیں۔ جب یہ بدبخت شیاطین ومضلین کے پنجہ میں پھنس کر صحرائے ضلالت میں بھٹکتا پھرتا ہے اس کے ہادی اور رفقاء ازراہ ہمدردی جادۂ حق کی طرف بلا رہے ہیں مگر یہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ تو اے گروہ اشرار کیا تمہاری یہ غرض ہے کہ ہم اپنی ایسی مثال بنا لیں یہ آیت ان مشرکین کے جواب میں اتری ہے جنہوں نے مسلمانوں سے ترک اسلام کی درخواست کی تھی۔

۸۷۔ ہم سے یہ امید مت رکھو کہ اسے چھوڑ کر ہم شیطان کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلیں گے۔

۸۸۔ یعنی حشر ہو جا۔

۸۹۔ یعنی اس روز ظاہری اور مجازی طور پر بھی خدا کے سوا کسی کی سلطنت نہ رہے گی۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن۔۱۶)

۹۰۔ جو خدا یہ صفات رکھتا ہے جن کا ذکر ان دو تین آیات میں ہوا وہ ہی اس لائق ہے کہ ہم اس کے تابع فرمان ہوں اس کے سامنے انتہائی عبودیت اختیار کریں اور ہر آن اس سے ڈرتے رہیں۔ اسی کا ہم کو حکم ہوا ہے۔ جس سے ہم کسی حال منہ نہیں موڑ سکتے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْۤ اَرٰٮكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے[۹۱] اپنے باپ آزر کو[۹۲] تو کیا مانتا ہے بتوں کو خدا میں دیکھتا ہوں کہ تو اور تیری قوم صریح گمراہ ہیں[۹۳]

وَكَذٰلِكَ نُرِىْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو عجائبات آسمانوں اور زمینوں کے اور تاکہ اس کو یقین آ جاوے[۹۴]

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ پھر جب اندھیرا کر لیا اس پر رات نے دیکھا اس نے ایک ستارہ بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہو جانے والوں کو[۹۵]

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۤلِّيْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو رب میرا تو بیشک میں رہوں گا گمراہ لوگوں میں[۹۶]

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْۤءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا یہ سب سے بڑا ہے[۹۷] پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اے میری قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو[۹۸]

اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا[۹۹]

وَ حَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّیۡ فِی اللّٰهِ وَ قَدۡ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیۡ كُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور اس سے جھگڑا کیا اسکی قوم نے بولا کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے ایک ہونے میں اور وہ مجھ کو سمجھا چکا[۱۰۰] اور میں ڈرتا نہیں ہوں ان سے جنکو تم شریک کرتے ہو اس کا مگر یہ کہ میرا رب ہی کوئی تکلیف پہنچانی چاہے احاطہ کر لیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا کیا تم نہیں سوچتے[۱۰۱]

وَ كَیۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ وَ لَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَیۡكُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور میں کیونکر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ شریک کرتے ہو اللہ کا انکو جسکی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل[۱۰۲] اب دونوں فرقوں میں کون مستحق ہے دل جمعی کا بولو اگر تم سمجھ رکھتے ہو

۹۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ: گذشتہ آیات میں جو توحید کا اثبات، شرک کی نفی اور مسلمانوں کے ارتداد سے مایوس کیا گیا تھا۔ یہاں موحد اعظم حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے اسکی تاکید مقصود ہے اور ضمناً مسلمانوں کو یہ بھی سمجھنا ہے کہ مکذبین و معاندین کو کس طرح نصیحت و فہمائش کی جائے، کس طرح ان سے علیحدگی اور بیزاری کا اظہار ہونا چاہئے اور کس طرح ایک مومن قانت کو خدا پر اور صرف اکیلے خدا پر بھروسہ رکھنا اسی سے ڈرنا اور اسی کا تابع فرمان ہونا چاہئیے۔

۹۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام: علمائے انساب نے حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام "تارخ" لکھا ہے ممکن ہے "تارخ" نام اور "آزر" لقب ہو۔ ابن کثیرؒ نے مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ "آزر" بت کا نام تھا شاید اس بت کی خدمت میں زیادہ رہنے سے خود ان کا لقب آزر پڑ گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۹۳۔ اس سے زیادہ صریح و صاف گمراہی کیا ہوگی کہ اکرم المخلوقات انسان اپنے ہاتھ سے تراشے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سربسجود ہو جائے اور انہی سے مرادیں مانگنے لگے۔

۹۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کائنات کے عجائبات کا علم: یعنی جس طرح بت پرستی کی شناعت و قبح ہم نے ابراہیمؑ پر ظاہر کر کے اس کی قوم کو قائل کیا اسی طرح علویات و سفلیات کے نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام ترکیبی کی گہرائیوں پر بھی اس کو مطلع کر دیا تا کہ اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کے وجود و حدانیت وغیرہ پر اور تمام مخلوقات سماوی و اراضی کے محکومانہ عجز و بیچارگی پر استدلال اور اپنی قوم کے عقیدہ کواکب پرستی و ہیاکل سازی کو علیٰ وجہ البصیرت رد کر سکے۔ اور خود بھی حق الیقین کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو۔ بلاشبہ عالم کا یہ اکمل و احکم اور بہترین نظم و نسق ہی ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر بلبداہت اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کا بنانے اور چلانے والا۔ اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب و سلیقہ

سے جوڑنے والا اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز پر اس کی حفاظت کرنے والا بڑا زبردست حکیم و قدیر صانع ہے۔ جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ و اقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ باہر نہیں جاسکتا۔ یہ کام یوں ہی بخت و اتفاق یا بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے نہیں ہو سکتا یورپ کا مشہور و معروف حکیم نیوٹن کہتا ہے کہ "کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض عام قوت جاذبہ کے فعل کا نتیجہ ہوں۔ یہ قوت جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کہ کوئی خدائی ہاتھ ہو۔ جو باوجود قوت جاذبہ کی عام کشش کے ان کو اپنے مدارات پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبیعی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگاتے وقت ہمیشہ معین مدارات پر اور ایک خاص جہت ہی

میں حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے۔ کوئی سبب طبعی نہیں جس سے ہم ان منظم و محفوظ نوامیس کو وابستہ کر سکیں ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم و علیم کے ماتحت ہے جو ان تمام سماویہ کے مواد اور ان کی کمیات سے پورا پورا واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوت جاذبہ صادر ہو گی۔ اسی نے اپنے زبردست انداز سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تصادم و تزاحم نہ ہو۔ اور عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جائے۔ ہر چھوٹا بڑا سیارہ نہایت مضبوط نظام کے ماتحت معین وقت پر طلوع و غروب ہوتا ہے۔ جب کوئی ستارہ غروب ہو کر دنیا کو اپنے اس فیض و تاثیر سے محروم کر دے جو طلوع کے وقت حاصل تھا۔ تو نہ اس ستارہ کی اور نہ کسی مخلوق کی قدرت میں ہے کہ ایک منٹ کے لئے اسے واپس لے آئے یا غروب سے روک دے۔ یہ رب العالمین ہی کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے افاضہ سے عاجز نہیں۔ وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ۔ وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِيۡمِ۔ لَا الشَّمۡسُ يَنۡۢبَغِىۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّيۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ (یٰس۔۴۰-۳۸) یہ علویات کا حال ہے تو سفلیات کا اسی سے اندازہ کر لو۔ یہ ہی تکوینی عجائب اور ملکوت السمٰوات والارض ہیں جن کے دیکھنے سے ابراہیمؑ کی زبان پر لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ ۔اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ الخ بے ساختہ جاری ہو گیا۔ جو اگلی آیات میں مذکور ہے (کما تدل علیہ الفاء فی قولہ تعالیٰ فلما جن الخ)

۹۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نجوم سے توحید پر استدلال: کہ انہیں اپنا رب بنالوں۔ کیا ایک مجبور قیدی اور بیگاری کو شہنشاہی کے تخت پر بٹھلانا کوئی پسند کر سکتا ہے۔ باقی ابراہیمؑ کا ھٰذا ربی کہنا یا تو استفہام انکاری کے لہجہ میں ہے یعنی کیا یہ ہے رب میرا؟ اور یا بطریق تہکم و تبکیت ہے۔ یعنی یہ ہے رب میرا تمہارے عقیدہ اور گمان کے موافق جیسے موسیٰؑ نے فرمایا وَانۡظُرۡ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِىۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا (طٰہٰ۔۹۷) ۔ اس کے سوا مفسرین کے اور اقوال بھی ہیں مگر ہمارے خیال میں یہ ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۶۔ چاند چونکہ بہت حسین اور چمکدار سیارہ ہے۔ اگر خدا دستگیری نہ فرمائے تو بیشک انسان اسی کی چمک دمک پر مفتون ہو کر رہ جائے۔

۹۷۔ یعنی نظام فلکی میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ فیض رسا سیارہ ہے۔ شاید ہی عالم مادی کی کوئی چیز اس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض تاثر سے مستغنی ہو؟

۹۸۔ یہ تو سب خدا کے مزدور ہیں جو وقت معین پر آتے اور چلے جاتے ہیں۔ ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر قادر نہیں پھر ان کو خدائی کے حقوق میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابل نفرت فعل ہے۔

۹۹۔ یعنی ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف خالق جل و علا کا دروازہ پکڑ لیا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں سب علویات و سفلیات ہیں۔

۱۰۰۔ یعنی جس کو خدا سمجھا چکا اور ملکوت السمٰوت والارض کی علیٰ وجہ البصیرت سیر کرا چکا کیا اس سے یہ امید رکھتے ہو کہ وہ تمہارے جھگڑنے اور

بیہودہ جدول و بحث کرنے سے بہک جائے گا کبھی نہیں۔

۱۰۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم کہتی تھی کہ تم جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہو۔ ڈرتے رہو کہیں اس کے وبال میں تم معاذ اللہ مجنون اور پاگل نہ بن جاؤ یا اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ اس کا جواب دیا کہ میں ان سے کیا ڈروں گا جن کے ہاتھ میں نفع و نقصان اور تکلیف و راحت کچھ بھی نہیں۔ ہاں میرا پروردگار مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس سے دنیا میں کون مستثنیٰ ہے۔ وہ ہی اپنے علم محیط سے جانتا ہے کہ کس شخص کو کن حالات میں رکھنا مناسب ہو گا۔

۱۰۲۔ یعنی میں تمہارے معبودوں سے کیوں ڈروں حالانکہ نہ ان کے قبضہ میں نفع و ضرر ہے اور نہ توحید کو اختیار کرنا کوئی جرم ہے۔ جس سے اندیشہ ہو۔ ہاں تم خدا کے باغی اور مجرم بھی ہو اور خدا مالک نفع و ضرر بھی ہے لہٰذا تم کو اپنے جرائم کی سزا سے ڈرنا چاہیے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دل جمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر[۱۰۳]

ع ۹/۱۲ ۱۵

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کے چاہیں تیرا رب حکمت والا ہے جاننے والا[۱۰۴]

وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور بخشا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب سب کو ہم نے ہدایت دی[۱۰۵] اور نوح کو ہدایت کی ہم نے ان سب سے پہلے[۱۰۶] اور اسکی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب اور یوسف کو اور موسٰی اور ہارون کو[۱۰۷] اور ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو

وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور زکریا اور یحیٰی اور عیسٰی اور الیاس کو سب ہیں نیک بختوں میں

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور اسمٰعیل اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے جہان والوں پر[۱۰۸]

وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ‌ۚ وَاجۡتَبَيۡنٰهُمۡ
وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور ہدایت کی ہم نے بعضوں کو انکے باپ دادوں میں سے اور انکی اولاد میں سے اور بھائیوں میں سے اور انکو ہم نے پسند کیا اور سیدھی راہ چلایا

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ
عِبَادِهٖ‌ؕ وَلَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا
يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر چلاتا ہے جسکو چاہے اپنے بندوں میں سے [۱۰۹] اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا [۱۱۰]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَ
النُّبُوَّةَ‌ ۚ فَاِنۡ يَّكۡفُرۡ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدۡ وَكَّلۡنَا بِهَا
قَوۡمًا لَّيۡسُوۡا بِهَا بِكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ یہ لوگ تھے جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں مکہ والے تو ہم نے ان باتوں کے لئے مقرر کر دیے ہیں ایسے لوگ جو ان سے منکر نہیں [۱۱۱]

۱۰۳۔ احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہاں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی جیسا کہ سورہ لقمان میں ہے اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ (لقمان۔۱۳) گویا ظلم کی تنوین عظیم کے لئے ہوئی۔ تو حاصل مضمون یہ ہو گا کہ مامون و مہتدی صرف وہ ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو یقین لائے اس طرح کہ اس میں شرک کی ملاوٹ بالکل نہ ہو۔ اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرع ہے نہ اس کے ذریعہ سے امن و ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔ وہو کما قال وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ (یوسف ۔۱۰۶) چونکہ ایمان و شرک کا جمع ہونا بظاہر مستبعد تھا اس لئے مترجم محقق قدس سرہٗ نے بغرض تسہیل و تفہیم ایمان کا ترجمہ یقین سے اور ظلم کا نقصان سے کیا جو لغت عرب کے عین مطابق ہے۔ کمافی قولہ تعالیٰ لَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـئًا (الکھف۔۳۳) اور اس نقصان سے مراد شرک ہی لیا جائے گا۔ جیسا کہ احادیث میں تصریح ہو چکی اور خود نظم کلام میں لفظ لَبس اس کا قرینہ ہے۔ اس کی مفصل تحقیق خود مترجمؒ مقدمہ میں فرما چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

۱۰۴۔ یعنی ابراہیمؑ کو ایسے دلائل قاہرہ دے کر ان کی قوم پر غالب فرمانا اور دنیا و آخرت میں سر بلند کرنا اسی علیم و حکیم کا کام ہو سکتا ہے جو ہر شخص کی استعداد و قابلیت کو جانتا ہے اور اپنی حکمت سے ہر چیز کو اس کے مناسب موقع و مقام پر رکھتا ہے۔

۱۰۵۔ **انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ:** یعنی نہ صرف یہ کہ ہم نے ابراہیمؑ کو ذاتی علم و فضل سے سر فراز کیا بلکہ بڑھاپے میں اسحٰق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ یعقوب وہ ہی اسرائیل ہیں جن کی طرف دنیا کی ایک عظیم الشان قوم "بنی اسرائیل" منسوب ہیں جن میں سے ہزاروں نبی اٹھائے گئے بلکہ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ مذکور ہے ابراہیمؑ کے بعد حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے ان ہی کی نسل میں نبوت اور پیغمبری رکھ دی۔

۱۰۶۔ پہلے ابراہیمؑ کے بعض فروع کا ذکر تھا اب بعض اصول کو ذکر فرمایا کیونکہ نوحؑ حضرت ابراہیمؑ کے اجداد میں سے ہیں اور جس طرح ابراہیمؑ کے بعد نبوت و کتاب کا انحصار صرف ان کی ذریت میں کر دیا گیا تھا اسی طرح نوحؑ کے بعد نوع انسانی کا انحصار نوحؑ کی نسل میں ہو گیا۔ گویا

طوفان کے بعد وہ دنیا کے لئے آدم ثانی ہوئے۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ (الصّٰفّٰت۔ ۷۷)۔

۱۰۷۔ "ظاہری ملک و سلطنت کے اعتبار سے انبیاءؑ میں داوٗدؑ و سلیمانؑ ہم رنگ ہیں اور مصائب و شدائد پر صبر کرنے کے لحاظ سے ایوبؑ و یوسفؑ میں خاص مشابہت ہے باقی موسیٰؑ اور ہارونؑ کے قریبی تعلقات کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ خود حضرت موسیٰؑ نے ہارونؑ کو بطور اپنے وزیر کے حق تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ان میں سے ہر دو ناموں کے بعد لفظ "کو" لا کر شاید اسی قسم کے لطائف پر متنبہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۸۔ یعنی اپنے اپنے زمانہ کے جہان والوں پر۔

۱۰۹۔ یعنی خالص توحید اور معرفت و اطاعت خداوندی کا راستہ ہی وہ ہے جس پر حق تعالیٰ اپنے فضل و توفیق سے مقبول بندوں کو چلاتا ہے۔ پھر اس کے صلہ میں حسب استعداد درجات بلند کرتا ہے۔

۱۱۰۔ یہ ہم کو سنایا گیا کہ شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے۔ اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے اگر بفرض محال انبیاء و مقربین سے معاذ اللہ ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔

۱۱۱۔ اگر مکہ کے کافر یا دوسرے منکرین ان باتوں (کتاب، شریعت اور نبوت) سے انکار کریں تو خدا کا دین ان پر موقوف نہیں، ہم نے دوسری قوم یعنی مہاجرین و انصار اور ان کے اتباع کو ان چیزوں کی تسلیم و قبول اور حفاظت و ترویج کے لئے مسلط فرما دیا ہے جو ہماری کسی بات سے بھی منہ موڑنے والے نہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

۹۰۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقہ پر [۱۱۲] تو کہہ دے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کو [۱۱۳]

ع ۱۰/۱۶

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو پورا پہچاننا جب کہنے لگے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز [۱۱۴] پوچھ تو کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آیا تھا روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے جس کو تم نے ورق ورق کر کے لوگوں کو دکھلایا اور بہت سی باتوں کو تم نے چھپا رکھا اور تم کو سکھلا دیں جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے [۱۱۵] تو کہہ دے کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے ان کو اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں [۱۱۶]

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ
یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ
الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ
عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جو کہ ہم نے اتاری برکت والی تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلی ہیں[۱۱۷] اور تاکہ تو ڈرا دے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو[۱۱۸] اور جن کو یقین ہے آخرت کا وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ہیں اپنی نماز سے خبر دار[۱۱۹]

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ
اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ
سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ
الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا
اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ
عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ
الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا کہے مجھ پر وحی اتری اور اس پر وحی نہیں اتری کچھ بھی اور جو کہے کہ میں بھی اتارتا ہوں مثل اسکے جو اللہ نے اتارا[۱۲۰] اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں[۱۲۱] اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں[۱۲۲] آج تم کو بدلے میں ملے گا ذلت کا عذاب[۱۲۳] اس سبب سے کہ تم کہتے تھے اللہ پر جھوٹی باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے[۱۲۴]

وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَ مَا نَرٰی
مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ
شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

۹۴۔ اور البتہ تم ہمارے پاس آ گئے ایک ایک ہو کر جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے تم کو دیا تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے[۱۲۵] اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارش والوں کو جن کو تم بتلایا کرتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے البتہ منقطع ہو گیا تمہارا علاقہ اور جاتے رہے جو دعوے کہ تم کیا کرتے تھے[۱۲۶]

ع ۱۱ / ۱۷

۱۱۲۔ تمام انبیاء کا طریقہ ایک ہی ہے: تمام انبیاء علیہم السلام عقائد، اصول دین، اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں، سب کا دستور اساسی ایک ہے ہر نبی کو اسی پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریقہ مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیائے سابقین کے راستہ سے جدا نہیں۔ رہا فروع کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت و استعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔ (فائدہ) علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو وہ اس امت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اس پر کلی یا جزئی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔

۱۱۳۔ یعنی اگر تم نہیں مانتے تو میرا کوئی نفع فوت نہیں ہوتا کیونکہ میں تم سے کسی طرح کے اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو خدا کے یہاں ثابت ہے۔ ہاں تم نصیحت سے انحراف کر کے خود اپنا نقصان کرو گے۔ سارے جہان میں سے ایک نہیں تو دوسرا نصیحت کو قبول کرے گا۔ جو انکار کرے گا اسے اپنی محرومی اور بدبختی کا ماتم کرنا چاہئے۔

۱۱۴۔ کفار کا نزول وحی سے انکار: پچھلے رکوع میں منصب نبوت اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کا نام بنام تذکرہ تھا اور یہ کہ نبی عربی ﷺ بھی توحید و معرفت کی اسی صراط مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں جس پر انبیائے سابقین کو چلایا گیا تھا۔ پیغمبروں کا ہدایت خلق اللہ کے لئے بھیجنا حق تعالیٰ کی قدیم عادت رہی ہے۔ آیات حاضرہ میں ان جاہلوں اور معاندوں کا رد کیا گیا ہے جو بدفہمی جہل و غباوت یا نبی کریم ﷺ کی عداوت کے جوش اور غصہ میں بے قابو ہو کر حق تعالیٰ کی اس صفت ہی کا انکار کرنے لگے کہ وہ کسی انسان کو اپنی وحی و مکالمہ خاص سے مشرف فرمائے۔ گویا انزال کتب وارسال رسل کے سلسلہ ہی کی سرے سے نفی کر دی گئی۔

۱۱۵۔ تورات کے وجود سے استدلال: یعنی اگر واقعی خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری تو تورات مقدس جیسی عظیم الشان کتاب جو احکام و مرضیات الٰہیہ پر بندوں کو مطلع کرتی اور رشد و ہدایت کی عجیب و غریب روشنی اپنے اندر رکھتی اور ان چیزوں کا علم تم کو عطا کرتی تھی جنہیں تم اور تمہارے باپ دادا بلکہ کل بنی آدم بھی بدون اعلام الٰہی محض اپنی عقل و حواس سے دریافت نہیں کر سکتے تھے وہ کہاں سے آگئی اور کس نے موسیٰ پر اتاری۔ مانا کہ آج تم اسے ورق ورق اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں کو اپنی خواہش کے موافق دکھلاتے اور اس کے بہت سے اخبار و احکام کو چھپائے بیٹھے ہو۔ اور اس طرح اس کی اصل روشنی تم نے باقی نہیں چھوڑی۔ تاہم جو حصہ آج باقی رہ گیا ہے وہ ہی پتہ دے رہا ہے کہ جس محل کے کھنڈرات یہ ہیں وہ اپنے زمانہ عروج میں کیسا عظیم الشان ہو گا۔

۱۱۶۔ یعنی ایسا نور و ہدایت بجز خدا کے اور کس خزانہ سے آ سکتا ہے؟ اگر ایسی صاف اور بدیہی چیز کو بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ تبلیغ و تنبیہ کر کے سبکدوش ہو جائیے۔ اور ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی خرافات اور لہو و لعب میں مشغول رہیں جب وقت آئے گا خدا خود ان کو بتلا دے گا۔

۱۱۷۔ یعنی اگر خدا نے کوئی چیز نہیں اتاری تو یہ مبارک کتاب کہاں سے آئی جس کا نام قرآن ہے اور جو تمام پچھلی کتابوں کے مضامین کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اگر یہ آسمانی کتاب نہیں تو بتلاؤ کس کی تصنیف ہے جس کا مثل لانے پر جن و انس قادر نہ ہوں کیا اسے ایک اُمّی کی تصنیف کہہ سکتے ہیں۔

۱۱۸۔ اُمّ القریٰ: "اُمّ القریٰ" بستیوں کی اصل اور جڑ کو کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ تمام عرب کا دینی و دنیوی مرجع تھا اور جغرافیائی حیثیت سے بھی قدیم دنیا کے وسط میں مرکز کی طرح واقع ہے اور جدید دنیا (امریکہ) اس کے نیچے ہے اور روایات حدیثیہ کے موافق پانی سے زمین بنائی گئ تو اول یہ ہی جگہ کھلی تھی۔ ان وجوہ سے مکہ کو "اُمّ القریٰ" فرمایا۔ اور آس پاس سے مراد یا عرب ہے کیونکہ دنیا میں قرآن کے اول مخاطب وہ ہی تھے ان کے ذریعہ سے باقی دنیا کو خطاب ہوا اور یا سارا جہان مراد ہو جیسے فرمایا لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان۔۱)۔

۱۱۹۔ جسے آخرت کی زندگی پر یقین اور بعد الموت کا خیال ہو گا اسی کو ہدایت اور طریق نجات کی تلاش ہو گی وہ ہی پیغام الٰہی کو قبول اور نماز وغیرہ عبادات کی حفاظت کرے گا۔

۱۲۰۔ ظالموں پر موت کی سختی: خدا پر بہتان باندھنے سے شاید یہ مراد ہے کہ خدا کی طرف ان باتوں کی نسبت کرے جو اس کی شان رفیع کے لائق نہیں۔ مثلاً کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے یا بیوی بچے تجویز کرے یا یوں کہے "ماانزل اللہ علی بشر من شی" یعنی اس نے بندوں کی ہدایت کو کوئی سامان نہیں کیا۔ ایسا کہنے والا سخت ظالم ہے اسی طرح جو شخص نبوت و پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کرے یا یہ ڈینگ مارے کہ خدا کے جیسا کلام تو میں لا سکتا ہوں۔ جیسے بعض مشرکین کہتے تھے لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (الانفال۔۳۱) یہ سب باتیں انتہائی ظلم اور دیدہ دلیری کی ہیں جس کی سزا کا تھوڑا سا حال آگے مذکور ہے۔

۱۲۱۔ یعنی موت کی باطنی اور روحانی سختیوں میں۔

۱۲۲۔ آخرت میں کفار کا حال: یعنی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مزید تشدید اور اظہار غیظ کے لئے کہتے جاتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں (جنہیں بہت دنوں سے بانواع حیل بچاتے پھرتے تھے)

۱۲۳۔ یعنی سخت تکلیف کے ساتھ ذلت ورسوائی بھی ہو گی۔

۱۲۴۔ یعنی ازراہ تکبر آیات اللہ کو جھٹلاتے تھے۔

۱۲۵۔ یعنی نہ سر پہ ٹوپی نہ پاؤں میں جوتی تہی دست چلے آ رہے ہو اور جس سازوسامان پر فخر وناز تھا اسے ہمراہ نہیں لائے کہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

۱۲۶۔ یعنی جن کو تم سمجھتے تھے کہ آڑے وقت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے اور مصیبت میں ساتھ ہوں گے وہ کہاں چلے گئے آج ہم ان کو تمہاری سفارش اور حمایت پر نہیں دیکھتے۔ حمایت ونصرت کے وہ علاقے آج ٹوٹ گئے اور جو لمبے چوڑے دعوے تم کیا کرتے تھے سب رفو چکر ہو گئے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور نکالنے والا ہے زندہ سے مردہ یہ ہے اللہ پھر تم کدھر بہکے جاتے ہو[۱۲۷]

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾

۹٦۔ پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی کا[۱۲۸] اور اسی نے رات بنائی آرام کو اور سورج اور چاند حساب کے لئے یہ اندازہ رکھا ہوا ہے زورآور خبردار کا[۱۲۹]

وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ اور اسی نے بنا دیے تمہارے واسطے ستارے کہ انکے وسیلہ سے راستے معلوم کرو اندھیروں میں جنگل اور دریا کے[۱۳۰] البتہ ہم نے کھول کر بیان کر دیے پتے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّ مُسۡتَوۡدَعٌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ اور وہی ہے جس نے تم کو سب کو پیدا کیا ایک شخص سے [۱۳۱] پھر ایک تو تمہارا ٹھکانہ ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ [۱۳۲] البتہ ہم نے کھول کر سنا دیے پتے اس کو جو سوچتے ہیں

۱۲۷۔ توحید کے دلائل: یعنی زمین میں دبائے جانے کے بعد گٹھلی اور دانہ کو پھاڑ کو سبز پودا اگانا یا جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالنا (مثلاً آدمی کو نطفہ سے، نطفہ کو آدمی سے پیدا کرنا) اسی خدا کا کام ہے۔ پھر اسے چھوڑ کر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟ کیا اور کوئی ہستی تمہیں ایسی مل سکتی ہے جو ان کاموں کو انجام دے سکے۔

۱۲۸۔ یعنی رات کی تاریکی میں سے جو پہلی پھٹ کر صبح صادق نمودار ہوتی ہے اس کا نکالنے والا بھی وہ ہی ہے۔

۱۲۹۔ نجوم سے راستوں کا علم: رات دن اور چاند سورج کا جو حکیمانہ نظام اور ان کی رفتار کا جو حساب مقرر فرما دیا اس میں ذرا بھی تخلف یا کم و بیش نہیں ہوتا۔

۱۳۰۔ یعنی بلاواسطہ ان سے راستہ معلوم کرو یا بواسطہ۔ مثلاً قطب نما کے ذریعہ سے۔

۱۳۱۔ یعنی حضرت آدمؑ سے۔

۱۳۲۔ انسانوں کے ٹھکانے: "مستقر" ٹھہرنے کی جگہ جسے ٹھکانا کہا۔ اور مستودع سپرد کئے جانے اور امانت رکھے جانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ تو لغوی معنی ہوئے۔ آگے دونوں کے مصداق کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے موضح القرآن میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم کو پسند ہے یعنی "اول سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ میں کہ آہستہ آہستہ دنیا کے اثر پیدا کرے پھر آ کر ٹھہرتا ہے دنیا میں پھر سپرد ہو گا قبر میں کہ آہستہ آہستہ اثر آخرت کے پیدا کرے پھر جا ٹھہرے گا جنت میں یا دوزخ میں۔"

وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ یَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز [۱۳۳] پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے [۱۳۴] اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی [۱۳۵] دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اسکے پکنے کو [۱۳۶] ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے [۱۳۷]

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ اس نے انکو پیدا کیا ہے[۱۳۸] اور تراشتے ہیں اسکے واسطے بیٹے اور بیٹیاں جہالت سے[۱۳۹] وہ پاک ہے اور بہت دور ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں[۱۴۰]

ع ۱۲ ۱۸

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ نئی طرح پر بنانے والا آسمان اور زمین کا[۱۴۱] کیونکر ہو سکتا ہے اسکے بیٹا حالانکہ اس کی کوئی عورت نہیں اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے[۱۴۲]

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ یہ اللہ تمہارا رب ہے نہیں ہے کوئی معبود سوا اسکے پیدا کرنے والا ہر چیز کا سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے[۱۴۳]

۱۳۳۔ نباتات سے توحید کے دلائل: یعنی آسمان کی طرف سے بادل برسایا جو سبب ہے نباتات کے اگانے کا۔

۱۳۴۔ یعنی بسبب بوجھل ہونے کے نیچے کو جھکے ہوئے۔

۱۳۵۔ یعنی صورت شکل، مقدار، رنگ، بو اور مزہ کے اعتبار سے بعضے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، بعضے نہیں۔

۱۳۶۔ یعنی ابتداً جب پھل آتا ہے تو کچا بدمزہ اور ناقابل انتفاع ہوتا ہے۔ پھر پکنے کے بعد کیسا لذیذ خوش ذائقہ اور کارآمد بن جاتا ہے۔ یہ سب خدا کی قدرت کا ظہور ہے۔

۱۳۷۔ انسان کی جسمانی اور روحانی کفالت: اس رکوع میں حق تعالیٰ کے جن افعال و صفات اور مظاہر قدرت کا بیان ہوا ان سے خدا کے وجود وحدانیت اور کامل الصفات ہونے پر استدلال تو واضح ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو وحی و نبوت کا مسئلہ بھی بڑی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ہماری دنیوی زندگی اور مادی حوائج کے انتظام و انصرام کے لئے اس قدر اسباب ارضی و سماوی مہیا فرمائے ہیں تو یہ کہنا کس قدر لغو اور غلط ہو گا کہ ہماری حیات اخروی اور روحانی ضروریات کے انجام پانے کا اس نے کوئی سامان نہیں کیا۔ یقیناً جس رب کریم نے ہماری جسمانی غذاؤں کی نشوونما کے لئے آسمان سے پانی اتارا ہے۔ ہمارے روحانی تغذیہ کے لئے بھی اسی نے سحابہائے نبوت سے وحی والہام کی بارش نازل فرمائی۔ جب وہ بر و بحر کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے ظاہری رہنمائی کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ باطنی رہنمائی کے لئے اس نے ایک ستارہ بھی آسمان روحانیت پر روشن نہ کیا ہو۔ رات کی تاریکی کے بعد اس نے صبح صادق کا اجالا کیا اور مخلوق کو موقع دیا کہ وہ اپنے دنیوی کاروبار میں چاند اور سورج کی روشنی سے ایک معین حساب کے ماتحت متمتع و مستفید ہوتی رہے پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کفر و شرک، ظلم و عدوان اور فسق و فجور کی شب دیجور میں اس کی طرف سے کوئی چاند نہ چمکا، نہ صبح صادق کا نور پھیلا، نہ رات ختم ہو کر کوئی آفتاب طلوع ہوا؟

خدا کی ساری مخلوق ابد الآباد کے لئے جہل و ضلالت کی گھٹاٹوپ اندھیری میں پڑی چھوڑ دی گئی۔ کیا گیہوں کے دانہ اور کھجور کی گٹھلی کو پھاڑ کر خدائے کریم سر سبز درخت اگاتا ہے پر انسان کے قلب میں معرفت ربانی کی استعداد کا جو بیج فطرتاً بکھیرا گیا تھا وہ یوں ہی بیکار ضائع کر دیا گیا کہ نہ ابھرا نہ پھلا نہ پکا نہ تیار ہوا۔ جب جسمانی حیثیت سے دنیا میں حیّ و میّت کا

سلسلہ قائم ہے خدا زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتا رہتا ہے تو روحانی نظام میں خدا کی اس عادت کا کیوں انکار کیا جائے بیشک روحانی طور پر بھی وہ بہت دفعہ ایک زندہ قوم سے مردہ اور مردہ قوم سے زندہ افراد پیدا کرتا ہے۔ اور جس طرح اس نے ہماری دنیوی زندگی کے مستقر و مستودع کا حکیمانہ بندوبست کیا ہے حیات اخروی کے مستقر و مستودع کے سامان اس سے کہیں بڑھ کر مہیا فرمائے۔ فللہ الحمد والمنۃ و بہ الثقۃ والعصمۃ یہیں سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح ہم خدا تعالیٰ کو اس کے کاموں سے پہچانتے ہیں یعنی جو کام وہ اپنی قدرت کاملہ سے کرتا ہے کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ ویسا کام کر سکے۔ ٹھیک اسی طرح اس کے کلام کو بھی ہم اسی معیار پر جانچ سکتے ہیں کہ خدا کا کلام وہ ہی ہو سکتا ہے کہ اس جیسا کلام ساری مخلوق مل کر بھی نہ بنا سکے۔ پھر "سانزل مثل ما انزل اللہ" کا ادعا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ گویا اس رکوع میں حق تعالیٰ کی صفات و افعال بیان کر کے ان تمام مسائل کی حقیقت پر متنبہ کر دیا گیا جن کی تغلیط گذشتہ رکوع میں کی گئی تھی۔

۱۳۸۔ **جنوں کو شریک ٹھہرانے کا مطلب:** یا تو جن سے مراد یہاں شیاطین ہیں چونکہ کفر و شرک کا ارتکاب شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اس لئے اس کے اغواء و اضلال سے غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا اسی کی عبادت ہوئی۔ ابراہیمؑ نے بت پرستی کا رد کرتے ہوئے فرمایا یٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ (مریم۔۴۴) دوسری جگہ ارشاد ہے اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ (یٰس۔۶۰) ملائکہ قیامت میں فرمائیں گے۔ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ اَنۡتَ وَلِيُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ‌ۚ بَلۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ (سبا۔۴۱) اور یا جن سے مراد قوم جن لی جائے جنکے بعض سرداروں سے اہل جاہلیت استعانت و تعوذ کیا کرتے تھے۔ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ يَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡهُمۡ رَهَقًا (جن۔۶) بہر حال وہ خود ہماری طرح خدا کی عاجز مخلوق ہے پھر مخلوق ہو کر خالق کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

۱۳۹۔ نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو بعض یہود حضرت عزیزؑ کو خدا کا بیٹا اور مشرکین ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

۱۴۰۔ یعنی پاک ہے شرکت سے اور اس کی شان بہت بلند ہے ترکیب و تحلیل سے پھر باپ بیٹے کا تصور وہاں کیسے ہو سکتا ہے۔

۱۴۱۔ **اللہ شرکت سے پاک ہے:** جس نے تنہا تمام آسمان و زمین بدون کسی نمونہ اور توسط آلات وغیرہ ایسے انوکھے طرز پر پیدا کر دیئے آج اس کو شرکاء کی امداد اور بیٹے پوتے کا سہارا ڈھونڈے کی کیا ضرورت ہے۔

۱۴۲۔ تعجب ہے کہ جب کسی مخلوق کو تم حقیقتاً خدا کی اولاد قرار دیتے ہو تو ان بچوں کی ماں کسے تجویز کرو گے اور اس ماں کا تعلق خدا کے ساتھ کس قسم کا مانو گے۔ عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ لیکن یہ جسارت وہ بھی نہیں کر سکے کہ مریم صدیقہ کو (العیاذ باللہ) خدا کی بیوی قرار دے کر تعلقات زناشوئی کے قائل ہو جائیں۔ جب ایسا نہیں تو مریمؑ کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ خدا کا بیٹا کیونکر بن گیا۔ دنیا کے دوسرے بچوں کو بھی خدا تعالیٰ ان کی ماؤں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے اور وہ معاذ اللہ خدا کی نسلی اولاد نہیں کہلاتے۔ یہ فرق کہ کوئی بچہ محض نفخہ جبرئیلیہ سے بدون توسط اسباب عادیہ کے پیدا کر دیا جائے اور دوسروں کو عام اسباب کے سلسلہ میں پیدا فرمائیں، ابوت و نبوت کے مسئلہ پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسباب و مسببات ہوں یا خوارق عادات، سب کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت کس طرح پیدا کرنا مصلحت و حکمت ہے۔

۱۴۳۔ اس کی عبادت اس لئے کرنی چاہئے کہ مذکورہ بالا صفات کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر استحقاق معبود بننے کا رکھتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمام مخلوق کی کارسازی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ
اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف اور خبر دار ہے [۱۴۴]

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ
فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَ مَآ اَنَا
عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ تمہارے پاس آ چکیں نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے پھر جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا سو اپنے نقصان کو اور میں نہیں تم پر نگہبان [۱۴۵]

وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ
لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور یوں طرح طرح سے سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے کسی سے پڑھا ہے اور تاکہ واضح کر دیں ہم اسکو واسطے سمجھ والوں کے [۱۴۶]

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ
اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ تو چل اس پر جو حکم تجھ کو آوے تیرے رب کا کوئی معبود نہیں سوا اسکے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے [۱۴۷]

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ۚ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ شرک نہ کرتے [۱۴۸] اور ہم نے نہیں کیا تجھ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہے تو ان پر داروغہ [۱۴۹]

۱۴۴۔ **رویت باری تعالیٰ:** حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ لے ہاں وہ خود ازراہ لطف و کرم اپنے کو دکھانا چاہے تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی پیدا فرما دے گا مثلاً آخرت میں مومنین کو حسب مرادت رویت ہو گی جیسا کہ نصوص کتاب و سنت سے ثابت یا بعض روایات کے موافق نبی کریم ﷺ کو لیلۃ الاسراء میں رویت ہوئی علیٰ اختلاف الاقوال۔ باقی مواضع میں چونکہ کوئی نص موجود نہیں لہذا عام قاعدہ کی بناء پر نفی رویت ہی کا اعتقاد رکھا جائے۔ مفسرین سلف میں سے بعض نے ادراک کو احاطہ کے معنی میں لیا ہے یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ آخرت میں بھی رویت ہو گی احاطہ نہ ہو گا۔ ہاں اس کی شان یہ ہے کہ وہ تمام ابصار و مبصرات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس وقت لطیف کا تعلق لاتدرکہ سے اور خبیر کا وہو یدرک سے ہو گا۔

۱۴۵۔ یعنی اگرچہ خدا ہمیں دکھائی نہیں دیتا مگر اس کے بصیرت افروز نشانات و دلائل ہمارے سامنے ہیں۔ جو آنکھ کھول کر دیکھے گا خدا کو پا لے گا اور جو اندھا بن گیا اس نے اپنا نقصان کیا۔ میرے ذمہ یہ نہیں کہ کسی کو دیکھنے پر مجبور کر دوں۔

۱۴۶۔ یعنی اپنی آیتوں کو مختلف پہلوؤں اور عجیب وغریب انداز سے اس لئے سمجھاتے ہیں کہ آپ سب لوگوں کو پہنچادیں اور ان میں استعداد و احوال کے اختلاف سے دو فریق ہو جائیں۔ ضدی اور بد فہم تو یہ کہیں کہ ایسے علوم و معارف اور موثر مضامین ایک امّی سے کیسے بن پڑتے ضرور مختلف اوقات میں کسی سے سیکھتے رہے ہوں گے۔ پھر پڑھ پڑھا کر ہمارے سامنے پیش کر دیئے لیکن سمجھدار اور انصاف پسند لوگوں پر حق واضح ہو جائے گا اور شیطانی شکوک و شبہات زائل ہو جائیں گے۔

۱۴۷۔ آپ خدائے واحد پر بھروسہ کر کے اس کے حکم پر چلتے رہیں اور مشرکین کے جہل و عناد کی طرف خیال نہ فرمائیں جو ایسے روشن دلائل و بیانات سننے کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے۔

۱۴۸۔ یعنی حق تعالی کی تکوینی حکمت اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ وہ ساری دنیا کو زبر دستی مومن بنادے۔ بیشک وہ چاہتا تو روئے زمین پر ایک مشرک کو باقی نہ چھوڑتا۔ لیکن شروع سے انسانی فطرت کا نظام ہی اس نے ایسا رکھا ہے کہ آدمی کوشش کرے تو یقیناً ہدایت قبول کر سکے۔ تاہم قبول کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو۔ پہلے اس مسئلہ کی تقریر گذر چکی۔

۱۴۹۔ آپ کا فرض تبلیغ اور احکام الٰہی کا اتباع ہے۔ ان کے اعمال کے ذمہ دار اور جوابدہ آپ نہیں ہیں۔

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جنکی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے [۱۵۰] اسی طرح ہم نے مزین کر دیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں انکے اعمال کو پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس پہنچنا ہے تب وہ جتلاوے گا انکو جو کچھ وہ کرتے تھے [۱۵۱]

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے کہ اگر آوے انکے پاس کوئی نشانی تو ضرور اس پر ایمان لاویں گے [۱۵۲] تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تم کو اے مسلمانو کیا خبر ہے کہ وہ نشانیاں آئیں گی تو یہ لوگ ایمان لے ہی آویں گے [۱۵۳]

وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ ۱۹

۱۱۰۔ اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے کہ ایمان نہیں لائے نشانیوں پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں گے انکو انکی سرکشی میں بہکتے ہوئے [۱۵۴]

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ
حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾

۱۱۱۔ اور اگر ہم اتاریں ان پر فرشتے اور باتیں کریں ان سے مردے اور زندہ کر دیں ہم ہر چیز کو ان کے سامنے تو بھی یہ لوگ ہر گز ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن ان میں اکثر جاہل ہیں[۱۵۵]

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ
وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ
غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا
يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾

۱۱۲۔ اور اسی طرح کر دیا ہم نے[۱۵۶] ہر نبی کے لئے دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو جو کہ سکھلاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لئے اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور انکا جھوٹ[۱۵۷]

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

۱۱۳۔ اور اس لئے کہ مائل ہوں ان کی ملمع کی باتوں کی طرف ان لوگوں کے دل جنکو یقین نہیں آخرت کا اور وہ اسکو پسند بھی کر لیں اور کئے جاویں جو کچھ برے کام کر رہے ہیں[۱۵۸]

۱۵۰۔ دوسروں کے معبودوں کو برا نہ کہو: یعنی تم تبلیغ و نصیحت کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے۔ اب جو کفر و شرک یہ لوگ کریں اس کے خود ذمہ دار ہیں۔ تم پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ تم اپنی جانب سے بلا ضرورت ان کے مزید کفر و تعنت کا سبب نہ بنو۔ مثلاً فرض کیجئے ان کے مذہب کی تردید یا بحث و مناظرہ کے سلسلہ میں تم غصہ ہو کر ان کے معبودوں اور مقتداؤں کو سب و شتم کرنے لگو جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جواب میں تمہارے معبود برحق اور محترم بزرگوں کی بے ادبی کریں گے اور جہالت سے انہیں گالیاں دیں گے۔ اس صورت میں اپنے واجب التعظیم معبود اور قابل احترام بزرگوں کی اہانت کا سبب تم بنے۔ لہذا اس سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیئے۔ کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقہ سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اس کی کمزوری اور رکاکت پر تحقیقی و الزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جداگانہ چیز ہے۔ لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔

۱۵۱۔ یعنی دنیا چونکہ دار الامتحان ہے۔ اس کا نظام ہم نے ایسا رکھا ہے اور ایسے اسباب جمع کر دیئے ہیں کہ یہاں ہر قوم اپنے اعمال اور طور طریقوں پر نازاں رہتی ہے، انسانی دماغ کی ساخت ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف سچائی کے قبول اور پسند کرنے پر مجبور ہو غلطی کی طرف گنجائش ہی نہ رکھے۔ ہاں خدا کے یہاں جا کر جب تمام حقائق سامنے ہوں گے، پتہ چلے جائے گا کہ جو کام دنیا میں کرتے تھے وہ کیسے تھے۔

۱۵۲۔ یعنی بعض فرمائشی نشانیاں کو وہ صفا خالص سونے کا بن جائے۔

۱۵۳۔ فرمائشی معجزات کا مطالبہ اور اس کا جواب: بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اچھا ہو اگر ان کی یہ حجت بھی پوری کر دی جائے۔ اس پر فرما

دیا کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ یہ سرکش ضدی لوگ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر سنت اللہ کے موافق اس کے مستحق ہوں گے کہ فوراً تباہ کر دیئے جائیں۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

۱۵۴۔ یعنی جب کفر و سرکشی میں تمادی ہو گی تو نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے پھر حق کے سمجھنے اور دیکھنے کی توفیق نہ ملے گی۔ موضح القرآن میں ہے کہ "اللہ جن کو ہدایت دیتا ہے اول ہی حق سن کر انصاف سے قبول کرتے ہیں اور جس نے پہلے ہی ضد کی اگر نشانیاں بھی دیکھے تو کچھ حیلہ بنالے"۔

۱۵۵۔ فرمائشی معجزات کا مطالبہ اور اس کا جواب: یعنی اگر ان کی فرمائش کے موافق بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرض کیجئے آسمان سے فرشتے اتر کر آپ کی تصدیق کریں اور مردے قبروں سے اٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور تمام امتیں جو گذر چکی ہیں دوبارہ زندہ کر کے ان کے سامنے لا کھڑی کی جائیں تب بھی سوء استبداد اور تعنت و عناد کی وجہ سے یہ لوگ حق کو ماننے والے نہیں۔ بیشک اگر خدا چاہے تو زبردستی منوا سکتا ہے۔ لیکن ایسا چاہنا اس کی حکمت اور تکوینی نظام کے خلاف ہے جس کو ان میں سے اکثر لوگ اپنے جہل کی وجہ سے نہیں سمجھتے۔ اس کی تشریح پچھلے فوائد میں گذر چکی۔

۱۵۶۔ یعنی پیدا کر دیا ہم نے۔

۱۵۷۔ خیر و شر کے وجود میں حکمت ہے: چونکہ خدا کی حکمت بالغہ تکویناً اسی کو مقتضی ہے کہ نظام عالم کو جب تک قائم رکھنا منظور ہے خیر و شر کی قوتوں میں سے کوئی قوت بھی بالکل مجبور اور نیست و نابود نہ ہو۔ اس لئے نیکی بدی اور ہدایت و ضلالت کی حریفانہ جنگ ہمیشہ سے قائم رہی ہے۔ جس طرح آج یہ مشرکین و معاندین آپ کو بیہودہ فرمائشوں سے دق کرتے اور بانواع حیل لوگوں کو جادہ حق سے ڈگمگانا چاہتے ہیں اسی طرح ہر پیغمبر کے مقابل شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں کہ پیغمبروں کو ان کے پاک مقصد (ہدایت خلق اللہ) میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اسی غرض فاسد کے لئے شیاطین الجن اور شیاطین الانس باہم تعاون کرتے اور ایک دوسرے کو فریب دہی اور ملمع سازی کی چکنی چپڑی باتیں سکھاتے ہیں اور ان کی یہ عارضی آزادی اسی عام حکمت اور نظام تکوینی کے ماتحت ہے جو تخلیق عالم میں حق تعالیٰ نے مرعی رکھی ہے اس لئے آپ اعداء اللہ کی فتنہ پردازی اور مغویانہ فریب دہی سے زیادہ فکر و غم میں نہ پڑیں۔ ان سے اور ان کے کذب و افتراء سے قطع نظر کر کے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔

۱۵۸۔ شیاطین کی پر فریب باتیں: یعنی شیاطین ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی فریب کی باتیں اس لئے سکھلاتے ہیں کہ انہیں سن کر جو لوگ دنیا کی زندگی میں غرق ہیں اور دوسری زندگی کا یقین نہیں رکھتے ان ابلہ فریب باتوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ اور ان کو دل سے پسند کرنے لگیں اور پھر کبھی برے کاموں اور کفر و فسق کی دلدل سے نکلنے نہ پائیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾	۱۱۴۔ سو کیا اب اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اسی نے اتاری تم پر کتاب واضح اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے ٹھیک سو تو مت ہو شک کرنے والوں میں سے

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اور تیرے رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو اور وہی ہے سننے والا جاننے والا[۱۵۹]

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ اور اگر تو کہنا مانے گا ان لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وہ سب تو چلتے ہیں اپنے خیال پر اور سب اٹکل ہی دوڑاتے ہیں[۱۶۰]

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ تیرا رب خوب جاننے والا ہے اس کو جو بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہی خوب جاننے والا ہے انکو جو اس کی راہ پر ہیں

۱۵۹۔ مومن شیاطین کی باتوں میں نہیں آتے: یعنی "شیاطین الانس والجن" کی تلبیس و تلمیع پر بد عقیدہ اور جاہل ہی کان دھر سکتے ہیں۔ ایک پیغمبر یا اس کے متبعین جو ہر مسئلہ اور ہر معاملہ میں خدائے واحد ہی کو اپنا منصف اور حکم مان چکے ہیں کیا ان سے یہ ممکن ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی چکنی چپڑی باتوں کی طرف کان لگائیں۔ یا معاذ اللہ غیر اللہ کے فیصلے کے آگے گردن جھکا دیں۔ حالانکہ ان کے پاس خدا کی طرف سے ایسی معجز اور کامل کتاب آچکی جس میں تمام اصولی چیزوں کی ضروری توضیح و تفصیل موجود ہے جس کی نسبت علمائے اہل کتاب بھی کتب سابقہ کی بشارات کی بناء پر خوب جانتے ہیں کہ یقیناً یہ آسمانی کتاب ہے جس کی تمام خبریں سچی اور تمام احکام معتدل اور منصفانہ ہیں جن میں کسی کی طاقت نہیں کہ تبدیل و تحریف کر سکے ایسی کتاب اور محفوظ و مکمل قانون کی موجودگی میں کیسے کوئی مسلمان وساوس و اوہام یا محض عقلی قیاسات کی مغویانہ مغالطات کا شکار ہو سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو ہم نے اپنا حکم اور جس کی کتاب مبین کو دستور العمل تسلیم کیا ہے وہ ہماری ہر بات کو سننے والا اور ہر قسم کے مواقع و احوال اور ان کے مناسب احکام و نتائج کی موزونیت کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

۱۶۰۔ حق کے معاملے میں اکثریت کا اعتبار نہیں: مشاہدہ اور تاریخ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ فہیم، محقق اور با اصول آدمی تھوڑے رہے ہیں۔ اکثریت ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو محض خیالی، بے اصول اور اٹکل پچو باتوں کی پیروی کرنے والے ہوں۔ اگر تم اسی اکثریت کا کہنا ماننے لگو اور بے اصول باتوں پر چلنا شروع کر دو تو خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ سے یقیناً بہک جاؤ گے۔ یہ آپ پر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ سو تم کھاؤ اس جانور میں سے جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اگر تم کو اس کے حکموں پر ایمان ہے[۱۶۱]

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ قَدْ

۱۱۹۔ اور کیا سبب کہ تم نہیں کھاتے اس جانور میں سے کہ

فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ
وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اور وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ کہ اس نے تم پر حرام کیا ہے مگر جب کہ مجبور ہو جاؤ اسکے کھانے پر [۱۶۲] اور بہت لوگ بہکاتے پھرتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو [۱۶۳]

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ
الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب سزا پاویں گے اپنے کئے کی [۱۶۴]

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ
لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ
لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴ ۱۱ ۱

۱۲۱۔ اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا [۱۶۵] اور یہ کھانا گناہ ہے اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے انکا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہوئے [۱۶۶]

۱۶۱۔ اللہ کے نام کا ذبیحہ: جاہل عوام کی ان ہی بے اصول اور اٹکل پچو باتوں میں سے ایک وہ تھی جو انہوں نے ذبیحہ کے مسئلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو جانور طبعی موت سے مر جائے (یعنی میتہ) اسے مسلمان حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو خود ان کے ہاتھ کا مارا ہوا ہو اسے حلال سمجھتے ہیں یہ عجیب بات ہے اس کا جواب اگلی آیتوں میں فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ سے دیا گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ "یہ کئی آیتیں اس پر اتریں کہ کافر کہنے لگے مسلمان اپنا مارا کھاتے ہیں اور اللہ کا مارا نہیں کھاتے، فرمایا کہ ایسی ملمع فریب کی باتیں انسانوں کو شبہ میں ڈالنے کے لئے شیطان سکھاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو حلال و حرام وغیرہ میں حکم اللہ کا چلتا ہے۔ محض عقلی ڈھکوسلوں کا اعتبار نہیں۔ آگے کھول کر سمجھا دیا کہ مارنے والا سب کا اللہ ہے لیکن اس کے نام کو برکت ہے جو اس کے نام پر ذبح ہوا سو حلال ہے جو بغیر اس کے مر گیا سو مردار" تبغیر یسیر۔

۱۶۲۔ یعنی اضطرار اور مجبوری کی حالت کو مستثنیٰ کر کے جو چیزیں حرام ہیں ان کی تفصیل کی جا چکی۔ ان میں وہ حلال جانور داخل نہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے پھر اس کے نہ کھانے کی کیا وجہ؟

۱۶۳۔ ذبیحہ اور مردار کا فرق: مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کو بلواسطہ یا بلاواسطہ خدا ہی پیدا کرتا اور خدا ہی مارتا ہے۔ پھر جس طرح اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں بعض کا کھانا ہم کو مرغوب اور مفید ہے جیسے سیب انگور وغیرہ اور بعض چیزوں سے ہم نفرت کرتے ہیں یا مضر سمجھتے ہیں جیسے ناپاک گندی چیزیں اور سنکھیا وغیرہ۔ اسی طرح اس کی ماری ہوئی چیزیں بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن سے فطرت سلیمہ نفرت کرے یا ان کا کھانا ہماری بدنی یا روحی صحت کے لئے خدا کے نزدیک مضر ہو۔ مثلاً وہ حیوان دموی جو اپنی طبعی موت سے مرے اور اس کا خون وغیرہ گوشت میں جذب ہو کر رہ جائے۔ دوسرے وہ حلال وطیب جانور جو باقاعدہ خدا کے نام پر ذبح ہو یہ بھی خدا ہی کا مارا ہوا ہے جس پر مسلمان کی چھری

کے توسط سے اس نے موت طاری کی۔ مگر عمل ذبح اور خدا کے نام کی برکت سے اس کا گوشت پاک وصاف ہو گیا۔ پس جو شخص دونوں قسموں کو ایک کرنا چاہے ہو وہ معتدی (حد سے بڑھنے والا) ہو گا۔

۱۶۴۔ یعنی کافروں کے بہکانے پر نہ ظاہر میں عمل کرو نہ دل میں شبہ رکھو۔ کذافی موضح القرآن۔

۱۶۵۔ یعنی نہ حقیقتاً نہ حکماً۔ حنفیہ متروک التسمیہ عمداً کے مسئلہ میں ذکر حکمی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۱۶۶۔ احکام کا شرک: یعنی شرک فقط یہ ہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے۔ بلکہ شرک حکم میں بھی ہے کسی چیز کی تحلیل و تحریم میں مستند شرعی کو چھوڑ کر محض آراء واہواء کا تابع ہو جائے۔ جیسا کہ اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (التوبۃ۔۳۱) کی تفسیر میں مرفوعاً منقول ہے کہ اہل کتاب نے وحی الٰہی کو چھوڑ کر صرف احبار ورہبان ہی پر تحلیل و تحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا۔

اَوَ مَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اسکے کہ جس کا حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح مزین کر دیے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام[۱۶۷]

۱۶۷۔ مومن اور کافر کا فرق: پہلے فرمایا تھا کہ شیاطین اپنے رفقاء کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ مسلمان سے جھگڑا کریں یعنی بحث وجدل تلبیس و تلمیع اور وسوسہ اندازی کر کے ان کو طریق حق سے ہٹا دیں۔ لیکن ان کو یہ ہوس خام اپنے دلوں سے نکال دینا چاہیئے وہ گروہ یا وہ شخص جو جہل و ضلال کی موت سے مر چکا تھا۔ پھر اس کو حق تعالیٰ نے ایمان وعرفان کی روح سے زندہ کیا اور قرآن کی روشنی عطا فرمائی جسے لے کر وہ لوگوں کے ہجوم میں بے تکلف راہ راست پر چل رہا ہے کیا اس کا حال اغواء شیطانی کے قبول کرنے میں ان اولیاء الشیطان جیسا ہو سکتا ہے جو جہل و ضلالت کی اندھیریوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ کیونکہ اسی ظلمت کو نور اور برائی کو بھلائی سمجھتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ مُجۡرِمِيۡهَا لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا ؕ وَمَا يَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ اور اسی طرح کئے ہیں ہم نے ہر بستی میں گنہگاروں کے سردار کہ حیلے کیا کریں وہاں اور جو حیلہ کرتے ہیں سو اپنی ہی جان پر اور نہیں سوچتے[۱۶۸]

وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ

۱۲۴۔ اور جب آتی ہے انکے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ نہ دیا جاوے ہم کو جیسا کچھ کہ دیا گیا ہے اللہ کے رسولوں کو اللہ خوب جانتا ہے

رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ
اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

اس موقع کو کہ جہاں بھیجے اپنے پیغام عنقریب پہنچے گی گنہگاروں کو ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے [۱۶۹]

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ
وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ
الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اسکے سینہ کو واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے کر دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر [۱۷۰] اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب کو ایمان نہ لانے والوں پر

۱۶۸۔ کفار کی تدابیر خود ان کے خلاف ہوتی ہیں: یعنی کچھ آج روسائے مکہ ہی نہیں ہمیشہ کافروں کے سردار حیلے نکالتے رہے ہیں تا کہ عوام الناس پیغمبروں کے مطیع نہ ہو جائیں۔ جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر کے زور سے سلطنت لینا چاہتا ہے۔ لیکن ان کے یہ حیلے اور داؤ پیچ بحمد اللہ پکے ایمانداروں پر نہیں چلتے حیلہ کرنے والے اپنی عاقبت خراب کر کے خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں جس کا احساس انہیں اس وقت نہیں ہوتا۔

۱۶۹۔ کفار کا گستاخانہ مطالبہ: ان کی مکاری اور متکبرانہ حیلہ جوئی کی ایک مثال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق کا جب کوئی نشان دیکھتے تو کہتے کہ ہم ان دلائل ونشانات کو نہیں جانتے۔ ہم تو اس وقت یقین کر سکتے ہیں جب ہمارے اوپر فرشتے نازل ہوں اور پیغمبروں کی طرح ہم بھی خدا کا پیغام سنیں یا خود حق تعالیٰ ہی ہمارے سامنے آ جائیں۔ وَقَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةُ اَوۡ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسۡتَكۡبَرُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ وَعَتَوۡ عُتُوًّا كَبِيۡرًا (فرقان۔۲۱) خیر یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کہ منصب پیغمبری پر سرفراز کیا جائے اور اس عظیم الشان امانت الٰہیہ کا حامل بن سکے۔ یہ نہ کوئی کسبی چیز ہے کہ دعا یا ریاضت یا دنیوی جاہ و دولت وغیرہ سے حاصل ہو سکے اور نہ ہر کس و ناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ ہاں ایسے گستاخ، متکبر، حیلہ جو مکاروں کو آگاہ رہنا چاہئے کہ عنقریب اس معزز منصب کی طلب کا جواب ان کو سخت ذلت اور عذاب شدید کی صوت میں دیا جائے گا۔

۱۷۰۔ یعنی زور سے آسمان پر چڑھنا چاہتا ہے مگر چڑھ نہیں سکتا اس لئے سخت تنگ دل ہوتا ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسۡتَقِيۡمًا ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا
الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ اور یہ رستہ ہے تیرے رب کا سیدھا ہم نے واضح کر دیا نشانیوں کو غور کرنے والوں کے واسطے [۱۷۱]

لَهُمۡ دَارُ السَّلٰمِ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَهُوَ وَلِيُّهُمۡ بِمَا كَانُوۡا

۱۲۷۔ انہی کے لئے ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور وہ انکا مددگار ہے بسبب انکے اعمال کے [۱۷۲]

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو فرمائے گا اے جماعت جنات کی تم نے بہت کچھ تابع کر لئے اپنے آدمیوں میں سے [۱۷۳] اور کہیں گے ان کے دوستدار آدمیوں میں سے اے رب ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے اور ہم پہنچے اپنے اس وعدہ کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا [۱۷۴] فرماوے گا آگ ہے گھر تمہارا رہا کرو گے اسی میں مگر جب چاہے اللہ [۱۷۵] البتہ تیرا رب حکمت والا خبردار ہے [۱۷۶]

۱۷۱۔ ہدایت و اضلال اللہ کے ہاتھ میں ہے: "جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے ان پر اسی طرح عذاب اور تباہی ڈالی جاتی ہے کہ رفتہ رفتہ ان کا سینہ اس قدر تنگ کر دیا جاتا ہے کہ اس میں حق کے گھسنے کی قطعًا گنجائش نہیں رہتی۔ پھر یہ ہی ضیق صدر عذاب ہے جو قیامت میں بشکل محسوس سامنے آجائے گا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "رجس" کا ترجمہ جو عذاب سے کیا ہے اس کے موافق یہ تقریر ہے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے "رجس" کے معنی عذاب ہی کے لئے ہیں۔ مگر ابن عباس نے یہاں "رجس" سے مراد شیطان لیا ہے۔ شاید اس لئے کہ "رجس" ناپاک کو کہتے ہیں اور شیطان سے بڑھ کر کون ناپاک ہوگا۔ بہرحال اس تفسیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح خدا تعالیٰ ایمان سے گھبرانے والوں کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان پر بے ایمانیوں کی وجہ سے شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے کہ کبھی رجوع الی الحق کی توفیق نہیں ہوتی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اول فرمایا تھا کہ کافر قسمیں کھاتے ہیں کہ آیت دیکھیں تو البتہ یقین لاویں اور اب فرمایا کہ ہم نہ دیں گے ایمان تو کیونکر لاویں گے۔ بیچ میں مردہ حلال کرنے کے حیلے نقل کئے اب اس بات کا جواب فرمایا کہ جس کی عقل اس طرف چلے کہ اپنی بات نہ چھوڑے جو دلیل دیکھے کچھ حیلہ بنا لے وہ نشان ہے گمراہی کا اور جو کوئی عقل چلے انصاف پر اور حکم برداری پر وہ نشان ہدایت ہے۔ ان لوگوں میں نشان ہیں گمراہی کے ان پر کوئی آیت اثر نہ کرے گی"۔ باقی اللہ تعالیٰ کی طرف ارادہ ہدایت و اضلال کی نسبت کرنا اس کے متعلق متعدد مواضع میں ہم کلام کر چکے ہیں اور آئندہ بھی حسب موقع لکھا جائے گا۔ مگر یہ مسئلہ طویل الذیل اور معرکۃ الآراء ہے اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے وباللہ التوفیق۔

۱۷۲۔ یعنی جو اسلام و فرمانبرداری کے سیدھے راستہ پر چلے گا وہ ہی سلامتی کے گھر پہنچے گا۔ اور خدا اس کا ولی و مددگار ہوگا۔ یہ حال تو ان کا ہوا جن کا ولی خدا ہے (یعنی اولیاء الرحمٰن) آگے اولیاء الشیطان کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

۱۷۳۔ شیاطین جن سے خطاب: یعنی اے شیاطین الجن تم نے بہت سے بدبخت انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اپنی راہ پر لگا لیا۔

۱۷۴۔ اطاعت شیاطین کا انجام: دنیا میں جو انسان بت وغیرہ پوجتے ہیں وہ فی الحقیقت خبیث جن (شیاطین) کی پوجا ہے۔ اس خیال پر کہ وہ

ہمارے کام نکالیں گے ان کو نیازیں چڑھاتے ہیں اور ویسے بھی بہت سے اہل جاہلیت تشویش و اضطراب کے وقت جنوں سے استعانت کرتے تھے۔ جیسا کہ سورہ جن میں اشارہ کیا گیا ہے اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے روایت نقل کی ہے جب آخرت میں وہ شیاطین الجن اور انسان برابر پکڑے جائیں گے اور حقائق کا انکشاف ہو گا تب مشرک لوگ یوں عذر کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے پوجا نہیں کی۔ لیکن آپس میں وقتی کارروائی کر لی تھی اور موت کا وعدہ آنے سے پہلے پہلے دنیوی کاروبار میں ہم ایک دوسرے سے کام نکالنے کی کچھ ترکیب کر لیا کرتے تھے ان کی عبادت مقصود نہ تھی۔

۱۷۵۔ الا ماشاء اللہ کا مطلب: یہ جو فرمایا "مگر جب چاہے اللہ" اس واسطے کہ دوزخ کا عذاب دائم ہے تو اسی کے چاہنے سے ہے وہ جب چاہے موقوف کرنے پر قادر ہے۔ لیکن ایک چیز چاہ چکا اور اس کی خبر پیغمبروں کی زبانی دی جاچکی وہ اب ٹل نہیں سکتی۔

۱۷۶۔ یعنی مجرموں کے جرائم، سے پوری طرح خبردار ہے اور حکمت بالغہ سے ہر جرم کی برمحل اور مناسب سزا دیتا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

۱۲۹۔ اور اسی طرح ہم ساتھ ملاویں گے گنہگاروں کو ایک کو دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب[۱۷۷]

ع ۱۵/۸ ۲

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تمہی میں سے کہ سناتے تھے تم کو میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے پیش آنے سے[۱۷۸] کہیں گے کہ ہم نے اقرار کر لیا اپنے گناہ کا اور ان کو دھوکا دیا دنیا کی زندگی نے[۱۷۹] اور قائل ہو گئے اپنے اوپر اس بات کے کہ وہ کافر تھے[۱۸۰]

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو انکے ظلم پر اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں انکے عمل کے اور تیرا رب بےخبر نہیں ان کے کام سے[۱۸۱]

۱۷۷۔ دوزخ میں ظالموں کے طبقات: جیسے تم نے شیاطین الجن اور ان کے اولیاء انسی کا حال سنا۔ اسی طرح تمام ظالموں اور گنہگاروں کو ان کے ظلم اور سیہ کاریوں کے تناسب سے دوزخ میں ہم ایک دوسرے کے قریب کر دیں گے۔ اور جو جس درجہ کا ظالم و گنہگار ہو گا اس کو اسی کے طبقہ عصاۃ میں ملا دیں گے۔

۱۷۸۔ ایک اشکال اور اس کا جواب: اوپر جن وانس کی شرارتوں اور سزا کا بیان تھا اور اولیاء الجن کی زبانی فی الجملہ معذرت بھی نقل کی گئی تھی۔ اب بتلایا جاتا ہے کہ ان کا کوئی عذر معقول اور قابل سماعت نہیں۔ دنیا میں خدا کی حجت تمام ہو چکی تھی جس کا خود انہیں بھی اقرار کرنا پڑے گا۔ یہ خطاب یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ کا قیامت کے دن ہو گا اور مخاطب جن وانس کا یعنی کل مکلفین کا مجموعہ ہے ہر جماعت الگ الگ مخاطب نہیں جو یہ اعتراض ہو کہ رسول تو ہمیشہ انسانوں میں آئے قوم جن میں سے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ پھر رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ (رسول تم ہی میں کے) کہنا کیسے صحیح ہو گا۔ اصل یہ کہ مجموعہ مخاطبین میں سے اگر کسی نوع میں بھی ایتان رسل متحقق ہو جائے جس کی غرض تمام مخاطبین کو بلا تخصیص فائدہ پہنچانا ہو تو مجموعہ کو خطاب کرنے میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی یہ کہے "اے عرب و عجم کے باشندو اور پورب پچھم کے رہنے والو کیا تم ہی میں سے خدا نے محمد ﷺ جیسے کامل انسان کو پیدا نہیں کیا۔" اس عبارت کا مطلب کسی کے نزدیک یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک محمد ﷺ تو عرب میں پیدا کئے گئے اور دوسرے عجم میں ہونے چاہئیں اسی طرح پورب کے علیحدہ اور پچھم کے علیحدہ محمد ہوں تب یہ عبارت صحیح ہو گی، علیٰ ہذا القیاس یہاں سمجھ لیجئے کہ یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ الخ کا مدلول صرف اس قدر ہے کہ جن وانس کے مجموعہ میں سے پیغمبر بھیجے گئے۔ باقی یہ تحقیق کہ ہر نوع میں سے الگ الگ آئے یا ہر ایک پیغمبر کل افراد جن وانس کی طرف مبعوث ہوا یہ آیت اس کے بیان سے ساکت ہے دوسری نصوص سے جمہور علماء نے یہی قرار دیا ہے کہ نہ ہر ایک پیغمبر کی بعثت عام ہے اور نہ کسی جن کو اللہ نے مستقل رسول بنا کر بھیجا۔

جنات انسان کے تابع بنائے گئے ہیں: اکثر معاشی و معادی معاملات میں ان کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے تابع بنا رکھا ہے جیسا کہ سورہ جن کی آیات اور نصوص حدیثیہ وغیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ کوئی ضابطہ نہیں کہ مخلوق کی ہر نوع کے لئے اسی نوع کا کوئی شخص رسول ہوا کرے باقی انسانوں کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے سے جو قرآن کے متعدد مواضع میں انکار کیا گیا ہے اس کا اصلی منشاء یہ ہے کہ عام انسان بہیئت الاصلیہ اس کی رویت کا تحمل نہیں کر سکتے اور بے اندازہ خوف و ہیبت کی وجہ سے مستفید نہیں ہو سکتے اور بصورت انسان آئیں تو بے ضرورت التباس رہتا ہے۔ اسی پر قیاس کر لو کہ اگر قوم جن میں منصب نبوت کی اہلیت ہوتی تو بھی انسانوں کے لئے مبعوث نہیں کئے جا سکتے تھے۔ کیونکہ وہاں بھی یہی اشکال تھا۔ ہاں رسول انسی کا جن کی طرف مبعوث ہونا اس لئے مشکل نہیں کہ جنوں کے حق میں انسان کی رویت نہ تو ناقابل تحمل ہے اور نہ انسان کا صوری خوف و رعب استفادہ سے مانع ہو سکتا ہے۔ ادھر پیغمبر کو حق تعالیٰ وہ قوت قلبی عطا فرما دیتا ہے کہ اس پر جن جیسی ہیبتناک مخلوق کا کوئی رعب نہیں پڑتا۔

۱۷۹۔: یعنی دنیا کی لذات و شہوات نے انہیں آخرت سے غافل بنا دیا۔ کبھی خیال بھی نہ آیا کہ اس احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے جو ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔

۱۸۰۔ کفار کا آخرت میں اقرار کفر: اس سورت میں اوپر مذکور ہوا کہ اول کافر اپنے کفر کا انکار کریں گے۔ پھر حق تعالیٰ تدبیر سے ان کو قائل کرے گا۔

۱۸۱۔ یعنی خدا کی یہ عادت نہیں کہ بدون آگاہ اور خبردار کئے کسی کو اس کے ظلم و عصیان پر دنیا یا آخرت میں پکڑ کر ہلاک کر دے اسی لئے رسول اور نذیر بھیجے کہ وہ خوب کھول کر تمام جن وانس کو ان کے بھلے برے اور آغاز و انجام سے خبردار کر دیں۔ پھر جس درجہ کا کسی کا عمل ہو گا حق تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ
يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ
مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ اور تیرا رب بے پرواہ ہے رحمت والا اگر چاہے تو تم کو لے جاوے اور تمہارے پیچھے قائم کر دے جس کو چاہے جیسا تم کو پیدا کیا اوروں کی اولاد سے

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے[۱۸۲]

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ تو کہہ دے اے لوگو تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں سو عنقریب جان لوگے تم کہ کس کو ملتا ہے عاقبت کا گھر بالیقین بھلا نہ ہوگا ظالموں کا[۱۸۳]

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا
فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ
لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ
يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کی طرف کیا ہی برا انصاف کرتے ہیں[۱۸۴]

۱۸۲۔ بندوں کے کفر و ایمان سے اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے: خدا نے رسول بھیج کر اپنی حجت تمام کر دی۔ اب اگر تم نہ مانو اور سیدھے راستہ پر نہ چلوگے تو وہ غنی ہے اسے تمہاری کچھ پرواہ نہیں۔ وہ چاہے تو تم کو ایک دم میں لے جائے اور اپنی رحمت سے دوسری قوم کو تمہاری جگہ کھڑا کر دے جو خدا کی مطیع و وفادار ہو اور تم کو لے جا کر دوسری قوم کا لے آنا خدا کے لئے کیا مشکل ہے۔ آج تم اپنے جن آباء و اجداد کے جانشین بنے بیٹھے ہو۔ آخر ان کو اٹھا کر تم کو دنیا میں اسی خدا نے جگہ دی ہے۔ بہر حال خدا کا کام رک نہیں سکتا۔ تم نہ کروگے دوسرے کھڑے کئے جائیں گے۔ یہاں یہ سوچ رکھو کہ یہ ہی بغاوت و شرارت رہی تو خدا کا عذاب اٹل ہے تم اگر سمجھو کہ بھاگ کر یا کسی کی پناہ لے کر سزا سے بچ جاؤ گے تو یہ محض حماقت ہے۔ خدا کو ساری مخلوق مل کر بھی اس کی مشیت کے نفاذ سے عاجز نہیں کر سکتی۔

۱۸۳۔ یعنی ہم سب نیک و بد اور نفع و ضرور سے آگاہ کر چکے۔ اس پر بھی اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آئے تو تم جانو۔ تم اپنا کام کئے جاؤ میں اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔ عنقریب کھل جائے گا کہ اس دنیا کا آخری انجام کس کے ہاتھ رہتا ہے بلاشبہ ظالموں کا انجام بھلا نہیں ہو

سکتا۔ آگے ان کے چند اعتقادی اور عملی ظلم بیان کئے جاتے ہیں جو ان میں رائج تھے اور سب سے بڑا ظلم وہ ہی ہے جسے فرمایا۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمٰن۔۱۳)

۱۸۴۔ مشرکین کے جاہلانہ عقائد: حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "کافر اپنی کھیتی میں سے اور مواشی کے بچوں میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعضا جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا تو بتوں کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کی طرف کا اللہ کی طرف نہ کرتے اس سے زیادہ ڈرتے۔" اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے اگر بتوں کے نام کا اتفاقاً اللہ کے حصہ میں مل گیا تو پھر جدا کر کے بتوں کی طرف لوٹا دیتے اور اللہ نام کا بتوں کے حصہ میں جا پڑا تو اسے نہ لوٹاتے۔ بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا کم ہو جائے تو کیا پرواہ ہے بخلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں تماشہ یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو معبود و مستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلندی ہے۔ بہرحال ان آیات میں سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ سے مشرکین کی اس تقسیم کا رد کیا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی وغیرہ میں سے اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔

وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں ان کی اولاد کے قتل کو انکے شریکوں نے تاکہ ان کو ہلاک کریں اور رلا ملا دیں ان پر انکے دین کو[۱۸۵] اور اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور انکا جھوٹ[۱۸۶]

وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ٭ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ اور کہتے ہیں کہ یہ مواشی اور کھیتی ممنوع ہے اس کو کوئی نہ کھاوے مگر جس کو ہم چاہیں انکے خیال کے موافق اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر چڑھنا حرام کیا اور بعض مواشی کے ذبح کے وقت نام نہیں لیتے اللہ کا اللہ پر بہتان باندھ کر عنقریب وہ سزا دے گا انکو اس جھوٹ کی[۱۸۷]

وَ قَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ

۱۳۹۔ اور کہتے ہیں جو بچہ ان مویشی کے پیٹ میں ہے اس کو تو خاص ہمارے مرد ہی کھاویں اور وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر اور جو بچہ مردہ ہو تو اس کے کھانے میں سب برابر ہیں وہ سزا دے گا ان کو ان تقریروں کی وہ حکمت والا جاننے والا ہے[۱۸۸]

إِنَّهُۥ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۹﴾

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوٓا أَوْلَٰدَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَآءً عَلَى اللَّهِ ۚ
قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۰۔ بیشک خراب ہوئے جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے اور حرام ٹھہرا لیا اس رزق کو جو اللہ نے انکو دیا بہتان باندھ کر اللہ پر بیشک وہ گمراہ ہوئے اور نہ آئے سیدھی راہ پر [۱۸۹]

۱۶ ع ۱۱ ۳

۱۸۵۔ قتل اولاد: یہاں "شرکاء" کی تفسیر مجاہد نے "شیاطین" سے کی ہے۔ مشرکین کی انتہائی جہالت اور سنگدلی کا ایک نمونہ یہ تھا کہ بعض اپنی بیٹیوں کو سسر بننے کے خوف سے اور بعض اس اندیشہ پر کہ کہاں سے کھلائیں گے حقیقی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض اوقات منت مانتے تھے کہ اگر اتنے بیٹے ہو جائیں گے یا فلاں مراد پوری ہو گی تو ایک بیٹا فلاں بت کے نام پر ذبح کریں گے۔ پھر اس ظلم و بے رحمی کو بڑی عبادت اور قربت سمجھتے تھے۔ شاید یہ رسم شیطان نے سنت خلیل اللہ کے جواب میں سجھائی ہو گی۔ یہود میں بھی مدت تک قتل اولاد کی رسم بطور عبادت و قربت کے جاری رہی ہے جس کا انبیاء بنی اسرائیل نے بڑی شد و مد سے رد کیا۔ بہر حال اس آیت میں قتل اولاد کی ان تمام صورتوں کی شناعت بیان فرمائی ہے جو جاہلیت میں رائج تھیں۔ یعنی شیاطین قتل اولاد کی تلقین و تزئین اس لئے کرتے ہیں کہ اس طرح لوگوں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ تباہ و برباد کر کے چھوڑیں اور ان کے دین میں گڑبڑ ڈال دیں کہ جو کام ملت ابراہیمی و اسماعیلی کے بالکل مضاد و منافی ہے اسے ایک دینی کام اور قربت و عبادت باور کرائیں والعیاذ باللہ کجا سنت ابراہیمی و کجا یہ حماقت و جہالت؟

۱۸۶۔ اسی طرح کی آیت "ولوانناٗ" کے شروع میں گذر چکی۔ وہاں جو کچھ ہم نے لکھا ہے نیز اسی مضمون کی دوسری آیات کے تحت میں لکھا گیا ہے۔ اسے ملاحظہ کیا جائے۔

۱۸۷۔ مزید جاہلانہ عقائد: مثلاً مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا صرف مہنت کھا سکیں جو بت خانوں کے مجاور تھے۔ یہ قیود اپنے خیال میں بعض مواشی اور کھیتوں کے متعلق عائد کر رکھی تھیں جو بتوں کے نام پر وقف کئے جاتے تھے اسی طرح بعض جانوروں کی پیٹھ پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے بعض جانوروں کی نسبت یہ قرار دیا تھا کہ ذبح کرنے یا سواری لینے یا دودھ نکالنے کے وقت ان پر خدا کا نام نہ لیا جائے کہیں بتوں کی چیز میں خدا کی شرکت نہ ہو جائے۔ پھر غضب یہ تھا کہ ان خرافات اور جہالتوں کو خدا کی طرف نسبت کرتے تھے گویا اس نے معاذ اللہ یہ احکام دیے ہیں اور ان ہی طریقوں سے اس کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ایسی بدعنوانیوں کے ساتھ یہ افترا و بہتان۔ عنقریب ان گستاخیوں کی سزا سے ان کو دوچار ہونا پڑے گا۔

۱۸۸۔ ایک مسئلہ یہ بنا رکھا تھا کہ بحیرہ اور سائبہ کو اگر ذبح کیا اور اس کے پیٹ میں سے زندہ بچہ نکلا تو اسے مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں اور مردہ نکلے تو سب کھا سکتے ہیں۔ اس طرح کے بے سند مسئلے گھڑنے والوں کے جرائم سے خدا بے خبر نہیں۔ ہاں وہ اپنی حکمت کے موافق مناسب وقت میں ان کو مناسب سزا دے گا۔

۱۸۹۔ اس سے بڑی خرابی، گمراہی اور نقصان و خسران کیا ہو گا کہ بیٹھے بٹھائے بلا وجہ دنیا میں اپنی اولاد و اموال سے محروم اور سنگدلی بد اخلاقی و جہل میں مشہور ہوئے اور آخرت کا دردناک عذاب سر پر رکھا۔ نہ عقل سے کام لیا نہ شرع کو پہچانا پھر سیدھی راہ پر آتے تو کیسے آتے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّ غَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّ النَّخۡلَ وَ الزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُکُلُہٗ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِہًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِہٍ ؕ کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ اٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ ۫ۖ وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۱۔ اور اسی نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے[۱۹۰] اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں انکے پھل اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا بھی[۱۹۱] کھاؤ انکے پھل میں سے جس وقت پھل لاویں اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو اور بیجا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے[۱۹۲]

وَ مِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَۃً وَّ فَرۡشًا ؕ کُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ اور پیدا کئے مواشی میں بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے[۱۹۳] کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے صریح[۱۹۴]

۱۹۰۔ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں مثلاً انگور وغیرہ اور جو ایسے نہیں مثلاً کھجور، آم وغیرہ تنادار درخت یا خربوزہ وغیرہ جن کی بیل بدون کسی سہارے کے زمین پر پھیلتی ہے۔

۱۹۱۔ یعنی صورت شکل میں ملتے جلتے، مزہ میں جدا جدا۔

۱۹۲۔ **پھلوں اور غلوں کے احکام:** یعنی جو غلے اور پھل حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں ان کے کھانے سے بدون سند کے مت رکو ہاں دو باتوں کا خیال رکھو، ایک یہ کہ کاٹنے اور اتارنے کے ساتھ ہی جو اللہ کا حق اس میں ہے وہ ادا کر دو۔ دوسرے فضول اور بے موقع خرچ مت کرو۔ اللہ کے حق سے یہاں کیا مراد ہے، اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن کثیرؒ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتداً مکہ معظمہ میں کھیتی اور باغ کی پیداوار میں سے کچھ حصہ نکالنا واجب تھا جو مساکین و فقراء پر صرف کیا جائے مدینہ طیبہ پہنچ کر ۲ ہجری میں اس کی مقدار وغیرہ کی تعیین و تفصیل کر دی گئی۔ یعنی بارانی زمین کی پیداوار میں (بشرطیکہ خراجی نہ ہو) دسواں حصہ اور جس میں پانی دیا جائے بیسواں حصہ واجب ہے۔

۱۹۳۔ بوجھ اٹھانے والے جیسے اونٹ وغیرہ اور زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قد و قامت کے جانور جیسے بھیڑ بکری۔

۱۹۴۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے منتفع ہونا چاہیئے۔ شیطان کے قدموں پر چلنا یہ ہے کہ ان کو خواہی نخواہی بدون حجت شرعی کے حرام کر لیا جائے یا شرک و بت پرستی کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ شیطان کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی دشمنی کیا ہو گی کہ ان نعمتوں سے تم کو دنیا میں محروم رکھا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔

ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاۡنِ اثۡنَيۡنِ وَ مِنَ الۡمَعۡزِ
اثۡنَيۡنِ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا
اشۡتَمَلَتۡ عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ نَبِّـُٔوۡنِیۡ بِعِلۡمٍ
اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۙ﴿۱۴۳﴾

۱۴۳۔ پیدا کئے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو[۱۹۵] اور بکری میں سے دو پوچھ تو کہ دونوں نر اللہ نے حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے بتلاؤ مجھ کو سند اگر تم سچے ہو[۱۹۶]

وَ مِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَيۡنِ وَ مِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَيۡنِ ؕ قُلۡ
ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ
عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ
وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾ ع ١٧ ٤

۱۴۴۔ اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پوچھ تو دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے بلا تحقیق بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو[۱۹۷]

۱۹۵۔ یعنی ایک نر ایک مادہ اس طرح ہر نوع میں دو دو زوج ہوئے اور مجموعہ آٹھ ہو گیا۔

۱۹۶۔ اشیاء کی تحلیل و تحریم اللہ کا کام ہے: یعنی کسی چیز کو حلال و حرام کہنا صرف اللہ کے حکم سے ہو سکتا ہے۔ پھر ان میں سے نر کو یا مادہ کو یا بچہ کو جو مادہ کے پیٹ میں ہے اگر تم سب آدمیوں کے یا بعض کے حق میں حرام کہتے ہو جیسا کہ پچھلی آیات میں گذرا اس کی سند تمہارے پاس کیا ہے۔ جب خدائی حکم ہونے کی کوئی سند نہیں رکھتے تو محض آراء و اہوا سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو حلال یا حرام کہنا اس کا مرادف ہے کہ خدائی کا منصب معاذ اللہ تم اپنے لئے تجویز کرتے ہو یا خدا پر جان بوجھ کر افتراء کر رہے ہو۔ دونوں صورتیں تباہ کن اور مہلک ہیں۔

۱۹۷۔ اشیاء کی تحلیل و تحریم اللہ کا کام ہے: اشیاء کی تحلیل و تحریم محض خدا کے حکم سے ہو سکتی ہے اور خدا کا حکم یا بواسطہ انبیاء پہنچے گا یا بلاواسطہ حق تعالیٰ کسی کو مخاطب فرمائے تو اسے معلوم ہو۔ یہاں دونوں صورتیں منفی ہیں۔ پہلی شق کے انتفاء پر نَبِّـُٔوۡنِیۡ بِعِلۡمٍ الخ میں اور دوسری کی نفی پر اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ وَصّٰىكُمُ الخ میں متنبہ فرمایا ہے۔ پھر مشرکین کے دعاوی میں افتراء و اضلال کے سواء اور کیا چیز باقی رہ گئی۔ بلاشبہ اس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو خدا پر بہتان باندھے اور علم و تحقیق سے تہی دست ہونے کے باوجود لوگوں کو باطل اور غلط مسائل بیان کر کے گمراہ کرتا پھرے۔ جس شخص نے اس قدر ڈھٹائی اختیار کر لی اور ایسے ظلم عظیم پر کمر باندھ لی، اس کے ہدایت پانے کی توقع رکھنا فضول ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵۔ تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر نام پکارا جاوے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جاوے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو تیرا رب بڑا معاف کرنے والا ہے نہایت مہربان[۱۹۸]

وَ عَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَایَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۫ۖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶۔ اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ایک ناخن والا جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ان کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا انتڑیوں پر یا جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے انکو سزا دی تھی انکی شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں[۱۹۹]

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۷۔ پھر اگر تجھ کو جھٹلاویں تو کہہ دے کہ تمہارے رب کی رحمت میں بڑی وسعت ہے اور نہیں ٹلے گا اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے[۲۰۰]

۱۹۸۔ حرام جانوروں کی تفصیل: "حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے ان میں سے یہ ہی حرام ہے"۔ اس آیت میں کفار کو یہ بتلانا ہے کہ جو چیزیں اوپر مذکور ہوئیں حلال تھیں جن کو تم نے حرام بنا لیا اب وہ چیزیں بتلائی جاتی ہیں جو واقعی حرام ہیں اور تم ان کو حلال سمجھتے ہو۔ باقی مضمون آیت کی تفسیر و توضیح سورہ مائدہ کے شروع میں حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ (المائدہ۔۳) الخ کے نیچے گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۱۹۹۔ یہودیوں پر احکام میں سختی کی سزا: یعنی اصلی حرمت تو ان چیزوں میں ہے جو اوپر مذکور ہوئیں البتہ وقتی مصلحت سے بعض چیزیں عارضی طور پر بعض اقوام پر پہلے حرام کی جا چکی ہیں۔ مثلاً یہود پر ان کی شرارتوں کی سزا میں ہر ناخن (کھر) والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ حرام کیا گیا تھا۔ نیز گائے بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر نہ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو ان پر حرام کر دی گئی تھی جیسے گردہ کی چربی۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ غلط ہے کہ یہ چیزیں ابراہیمؑ و نوحؑ کے زمانہ ہی سے مستمر طور پر حرام چلی آتی ہیں۔ سچی بات یہ

ہے کہ ان میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی۔ یہود کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے یہ سب چیزیں حرام ہوئیں جو کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرے جھوٹا ہے۔ جیسے پارہ "لن تنالوا" کے شروع میں قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (آل عمران۔۹۳) سے ان دعویٰ کرنے والوں کو چیلنج دیا گیا ہے۔

۲۰۰۔ یعنی رحمت کی سمائی سے تم اب تک بچے ہو نہ جانو کہ عذاب ٹل گیا کذا فی موضح القرآن۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَ
لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ
عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ
اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۸۔ اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شرک نہ کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم حرام کر لیتے کوئی چیز اسی طرح جھٹلایا کئے ان سے اگلے یہاں تک کہ انہوں نے چکھا ہمارا عذاب تو کہہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس کہ اس کو ہمارے آگے ظاہر کرو تم تو نری اٹکل پر چلتے ہو اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹۔ تو کہہ دے بس اللہ کا الزام پورا ہے سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا تم سب کو[۲۰۱]

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ
حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَ لَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸ ۵

۱۵۰۔ تو کہہ کہ لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں اس بات کی اللہ نے حرام کیا ہے ان چیزوں کو پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں بھی تو تو نہ اعتبار کر ان کا اور نہ چل ان کی خوشی پر جنہوں نے جھٹلایا ہمارے حکموں کو اور جو یقین نہیں کرتے آخرت کا اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اوروں کو[۲۰۲]

۲۰۱۔ مشرکین کا استدلال: "گذشتہ رکوع میں مشرکین سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ جن حلال و طیب چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرا لیا ہے اور اس تحریم کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو اس کی سند اور دلیل لاؤ۔ یہاں ان کی دلیل بیان کی گئی ہے جو وہ پیش کرنے والے تھے۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو اس کو قدرت تھی کہ ہم کو اور ہمارے اسلاف کو اس تحریم سے بلکہ تمام مشرکانہ افعال و اقوال سے روک دیتا۔ جب نہ روکا اور یوں ہی ہوتا چلا آیا تو ثابت ہوا کہ اس کے نزدیک ہماری یہ کارروائیاں پسندیدہ ہیں ناپسند ہوتیں تو ان کے کرنے میں ہم کو اب تک کیوں آزاد چھوڑتا سمجھنے کی

بات یہ ہے کہ ایک نیک نام اور مدبر گورنمنٹ کسی باغیانہ تحریک میں حصہ لینے والے کو باوجود یقینی اطلاع اور کافی قدرت کے پہلے ہی دن پکڑ کر پھانسی نہیں دے دیتی۔ وہ اس کی حرکات کی نگرانی رکھتی ہے کبھی رویہ درست رکھنے کی ہدایت کرتی ہے اور موقع دیتی ہے کہ آدمی ایسی حرکات کا انجام سوچ کر خود سنبھل جائے۔ کبھی اصلاح سے مایوس ہو کر ڈھیل چھوڑتی ہے کہ اس کی بغاوت کا ایسا باضابطہ اور مکمل مواد فراہم ہو جائے جس کے بعد اس کی انتہائی مجرمانہ غداری قانونی حیثیت سے علیٰ روس الاشہاد ثابت کی جا سکے۔ ان تمام صورتوں میں مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے اور فوراً سزا نہ دینے سے کیا یہ ثابت ہو گا کہ گورنمنٹ کی نظر میں وہ کارروائی جرم و بغاوت نہیں ہے۔ گورنمنٹ کی نگاہ میں ان افعال کا جرم ہونا اول تو اس کے شائع کئے ہوئے قانون سے ظاہر ہے۔ دوسرے جب یہ مجرم مہلت پوری ہونے پر عدالت کے کٹھرے میں لایا جائے گا۔ اور باضابطہ اثبات واظہار جرم کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا بھگتے گا۔ تب برأی العین مشاہدہ ہو جائے گا کہ گورنمنٹ کی نظر میں یہ کتنا بڑا جرم تھا۔

مشرکین کو مہلت دینے کی حکمت: بہرحال گورنمنٹ کا کسی جرم پر باوجود علم وقدرت رکھنے کے کسی مصلحت سے فوری سزا جاری نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ جرم کو جرم نہیں سمجھتی۔ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ وہ احکم الحاکمین ابتدائے آفرینش سے آج تک بتوسط اپنے صادق القول اور پاکباز نائبین کے ہر قسم کے قوانین واحکام سے بندوں کو مطلع فرماتا رہا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ کونسی بات اس کے یہاں پسندیدہ اور کونسی ناپسند ہے کبھی پے بہ پے اور کبھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان احکام وہدایات کی یاد دہانی بھی ہوتی رہی۔ اس دوران میں خلاف ورزی کرنے والوں سے مسامحت کی حد تک مسامحت کی گئی۔ معمولی تنبیہات کی ضرورت ہوئی تو وقتاً فوقتاً انہیں بھی کام میں لایا گیا۔ اور جن کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا انہیں ڈھیل دی گئی کہ وہ صاف اور علانیہ طور پر اپنے کو خدا کی انتہائی سزا کا مستحق ٹھہرا کر کیفر کردار کو پہنچیں۔ چنانچہ بہت سی قومیں اپنے جرائم کی پاداش کا دنیا میں تھوڑا تھوڑا مزہ چکھ چکی ہیں۔ پھر ان حالات کی موجودگی میں کسی قوم کے چند روز جرائم میں مبتلا رہنے اور فوراً نہ پکڑے جانے سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ وہ جرائم (معاذ اللہ) خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ ورنہ خدا انہیں ایک گھنٹہ کی بھی مہلت نہ دیتا۔

مشرکین کا دوسرا استدلال اور جواب: رہا یہ سوال کہ خدا نے انسان کی ساخت ہی ابتداء سے ایسی کیوں نہ بنا دی کہ وہ برائی کی طرف قطعاً نہ جا سکتا اور اس طرح فطرتاً اسے مجبور کر دیا جاتا کہ نیکی اور بھلائی کے سوا کوئی چیز اختیار نہ کر سکے۔ اگر غور کیا جائے تو اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایسا کیوں نہ پیدا کر دیا گیا کہ انسان ہی نہ رہتا یا تو اینٹ پتھر بن جاتا جو ادراک وشعور اور کسب واختیار سے یکسر خالی ہو۔ یا گدھے گھوڑے وغیرہ جانوروں کی طرح جزئی احساس وارادہ رکھنے والا حیوان ہوتا جو ازل سے ابد تک اپنے مخصوص ومتشابہ افعال واحوال کے محدود دائرہ میں چکر لگاتا رہے اور یا بہت عزت دی جاتی تو فرشتوں کی صفوں میں بٹھلا دیا جاتا جو محض طاعت وعبادت کے اختیار کرنے پر مجبور ومفطور ہیں۔ الحاصل یہ کلی ادراکات اور عظیم الشان کسبی تصرفات رکھنے والی ترقی کن نوع ہی صفحہ ہستی پر نہ لائی جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی انسان اپنے شرف وکرامت کا بلند بانگ دعویٰ رکھتے ہوئے ایسی جرأت نہ کرے گا کہ سرے سے اپنی نوع کے وجود ہی کا مخالف ہو جائے۔ پھر اگر نوع انسانی کا مع اس کی عقلی وعملی قوتوں اور کسب واختیار کی موجود آزادی کے پیدا کرنا نظام عالم کی تکمیل کے لئے ضروری تھا تو اس نظام تکوینی کے آثار ونتائج کا قبول کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مادی اور معاشی زندگی کے شعبوں میں تو انسانوں کی عقلی وکسبی آزادی کی بدولت بے شمار انواع واقسام کے مختلف مظاہر سامنے آئیں۔ لیکن معادی وروحانی میدانوں میں وہ ہی دل دماغ اور کسب واختیار کی قوتیں رکھنے والے انسان سب کے سب ایک ہی پگڈنڈی پر چلنے کے لئے مجبور ہو جائیں اور کوئی ایک قدم ادھر ادھر ہٹانے کی قدرت نہ رکھے۔ پس اگر نوع انسان کا بحقیقت الموجودہ مجموعہ عالم میں پایا جانا ضروری ہے تو نیک وبد کا اختلاف بھی لابدی ہو گا اور یہ ہی اختلاف کا وجود بڑی دلیل اس کی ہے کہ ہر وہ

فعل جو وقوع میں آئے ضروری نہیں کہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو ورنہ مختلف و متضاد افعال کی موجودگی میں ماننا پڑے گا کہ مثلاً خوش اخلاقی بھی خدا کو پسند ہو اور بد اخلاقی بھی۔ ایمان لانا بھی پسند ہو اور نہ لانا بھی جو صریحاً باطل ہے۔ بیشک خدا اگر چاہتا تو انسان کی ساخت ایسی بنا سکتا تھا کہ سب ایک ہی راستہ پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتے لیکن جب ایسا واقع نہیں ہوا تو یہ ہی حجت بالغہ اور پورا الزام ان لوگوں پر ہے جو لَوۡشَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشۡرَکۡنَا کہہ کر مشیت و رضائے الٰہی میں تلازم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس قدر شدید اختلافات کی موجودگی میں ان کے اصول کے موافق کہنا پڑے گا کہ مثلاً توحید خالص بھی اللہ کے نزدیک صحیح اور مرضی ہو اور اس کی نقیض شرک جلی بھی وقس علیٰ ہذا ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مشرکین کا یہ استدلال لَوۡشَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشۡرَکۡنَا الخ محض لغو اور پادر ہوا ہے۔ کوئی علمی اصول ان کے پاس نہیں ہے جسے عقلمندوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ محض اٹکل کے تیر اور تخمینی باتیں ہیں جن کو خدا کی حجۃ بالغہ بکلی رد کرتی ہے جس کی طرف فَلَوۡشَآءَ لَہَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ میں اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت ایسی نہیں بنائی گئی کہ سب کے سب راہ ہدایت پر چل پڑیں۔ اس کو کسب و اختیار کی وہ آزادی حق جلّ وعلا نے عطا فرمائی ہے جس کا عطا کیا جانا کسی مخلوق کے لئے ممکن تھا۔ اس لئے لازم ہے کہ اس آزادی کے استعمال کے وقت راہیں مختلف ہو جائیں۔ کوئی نیکی کو اختیار کرلے کوئی بدی کو کوئی حق تعالیٰ کی رضاء ورحمت کا مظہر بن جائے کوئی غضب کا۔ اس طرح وہ آخری مقصد جو خالق کائنات نے آفرینش عالم سے ارادہ کیا ہے یعنی اپنی صفات جمال وجلال کا اظہار علی الوجہ الاتم پورا ہو لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا (ہود۔۷) ورنہ اگر تمام عالم ایک ہی حال پر فرض کر لیا جائے تو بعض صفات الٰہیہ کا ظہور ممکن ہو گا اور دوسری بعض کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملے گا۔ یہاں تک جو کچھ ہم نے کہا وہ اس تقدیر پر تھا کہ مشرکین کے قول لَوۡشَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشۡرَکۡنَا سے یہ غرض ہو کہ وہ اپنے خرافات و کفریات کا استحسان ثابت کرنا چاہتے تھے جیسا کہ ان کے احوال سے ظاہر ہے اور اگر کلام مذکور سے ان کی غرض صرف معذرت ہو کہ جو کچھ خدا چاہتا ہو ہم سے کراتا ہے اچھا ہو یا برا بہر حال اس کی مشیت سے ہے۔ پھر مشیت الٰہی کے مقابلہ میں انبیاء ورسل ہم سے کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور عذاب الٰہی کا ڈراوا کیوں سناتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس خدا کی مشیت سے تم ان افعال شنیعہ کا کسب کرتے ہو اسی کی مشیت سے انبیاء و رسل تمہاری مزاحمت کرتے ہیں اور وہ ہی مشیت تمہارے کسب پر مناسب عذاب بھیجتی ہے جس طرح قدرت نے سانپ کو پیدا کیا اور وہ ہی مار گزیدہ کے حق میں ہلاکت کا اثر مرتب کرتی ہے خواہ سانپ کے کاٹنے میں مار گزیدہ کے فعل و اختیار کو کچھ دخل ہو یا نہ ہو اسی طرح تمہارے شرک و کفر میں ہلاکت دائمی کی اور ایمان و عمل صالح میں نجات ابدی کی تاثیرات رکھ دینا بھی اسی کی قدرت و مشیت ایزدی کا کام ہے جس سے تمام سلسلہ و مسببات کی تخلیق ہوئی ہے۔ پس اگر تم اپنے مشرکانہ اطوار سے باز نہ آنے میں مشیت کے عموم سے احتجاج کر سکتے ہو تو ارسال رسل اور انزال عذاب وغیرہ امور کو بھی اسی مشیت کی کار فرمائی کا نتیجہ سمجھ کر خدا کی حجۃ بالغہ کو تمام سمجھو۔ بے شک خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا۔ لیکن اس نے تمہاری سوء استعداد کی وجہ سے ایسا نہیں چاہا۔ آخر تمہارے سوء اختیار سے جو افعال صادر ہوئے ان کا طبعی اثر عذاب کی صورت میں مرتب ہو کر رہا۔ والعیاذ باللہ۔

۲۰۲۔ یعنی دلیل عقلی کا حال تو اوپر معلوم ہو چکا اب اگر اس من گھڑت تحریم پر کوئی نقلی دلیل رکھتے ہو تو وہ لاؤ کیا تمہارے پاس ایسے گواہ موجود ہیں جو یہ بیان کریں کہ ہاں ان کے روبرو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسے واقعی گواہ کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر دو چار گستاخ جھوٹے بے حیا یہ ہی گواہی دینے کو کھڑے ہو جائیں تو ایسوں کی بات پر کان نہ دھرو اور نہ ان کی خواہشات کی پروا کرو یہاں تک ان چیزوں کا بیان تھا جنہیں مشرکین نے محض اپنی رائے واہوا سے حرام ٹھہرا رکھا تھا، پھر اس تحریم کے لئے حیلے اور باطل عذر پیش کرتے تھے۔ آگے وہ چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔ جنہیں خدا نے حرام کیا اور ہمیشہ سے حرام رہی ہیں لیکن یہ مشرکین ان میں مبتلا ہیں۔

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا
تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡــًٔا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَ لَا
تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَ
اِيَّاهُمۡ ۚ وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَ
مَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾

۱۵۱۔ تو کہہ تم آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اسکے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو[۲۰۳] اور پاس نہ جاؤ بیحیائی کے کام کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو[۲۰۴] اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر[۲۰۵] تم کو یہ حکم کیا ہے تاکہ تم سمجھو[۲۰۶]

وَ لَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ
حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَ الۡمِيۡزَانَ
بِالۡقِسۡطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ۚ وَ اِذَا
قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ۚ وَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ
اَوۡفُوۡا ؕ ذٰلِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۙ﴿۱۵۲﴾

۱۵۲۔ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو یہاں تک کہ پہنچ جاوے اپنی جوانی کو[۲۰۷] اور پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جسکی اسکو طاقت ہو[۲۰۸] اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو[۲۰۹] اور اللہ کا عہد پورا کرو[۲۱۰] تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَ لَا
تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ ذٰلِكُمۡ
وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستہ سے[۲۱۱] یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو

۲۰۳۔ مفلسی کے ڈر سے اولاد کا قتل: عرب مفلسی کی وجہ سے بعض اوقات اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ خود ہی کھانے کو نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رزق دینے والا تو خدا ہے تم کو بھی اور تمہاری اولاد کو بھی۔ دوسری جگہ بجائے مِّنۡ اِمۡلَاقٍ، خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ (بنی اسرائیل۔۳۱) فرمایا ہے یعنی مفلسی کے ڈر سے قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ ان کا ذکر ہو گا جو فی الحال مفلس نہیں مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ

ہونگے تو کہاں سے کھلائیں گے۔ چونکہ پہلے طبقہ کو عیال سے پہلے اپنی روٹی کی فکر ستا رہی تھی اور دوسرے کو زیادہ عیال کی فکر نے پریشان کر رکھا تھا۔ شاید اسی لئے یہاں املاق کے ساتھ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ اور اس آیت میں خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ کے ساتھ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ارشاد فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۲۰۴۔ بری نظر ڈالنے کی مذمت: "پاس نہ جاؤ" سے شاید یہ مراد ہو کہ ایسے کاموں کے مبادی و وسائل سے بھی بچنا چاہئے مثلاً زنا کی طرح نظر بد سے بھی اجتناب لازم ہے۔"

۲۰۵۔ الا بالحق کا استثناء ضروری تھا۔ جس میں قاتل عمد، زانی محصن اور مرتد عن الاسلام کا قتل داخل ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہو چکی اور ائمہ مجتہدین اس پر اجماع کر چکے ہیں۔

۲۰۶۔ حرام کاموں کی تفصیل: اس آیت سے ان چیزوں کا حرام ہونا ثابت ہوا (۱) شرک باللہ (۲) والدین کے ساتھ بدسلوکی (۳) قتل اولاد (۴) سب بے حیائی کے کام مثلاً زنا وغیرہ (۵) کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔

۲۰۷۔ مال یتیم کی حفاظت: یتیم کے مال میں بیجا تصرف کرنا حرام ہے۔ ہاں بہتر و مشروع طریقہ سے احتیاط کے ساتھ اس میں ولی یتیم تصرف کر سکتا ہے۔ جب یتیم جوان ہو جائے اور اپنے فرائض کو سنبھال سکے تو اس کے حوالہ کر دیا جائے۔

۲۰۸۔ یعنی اپنی طاقت کے موافق ان احکام کی بجا آوری میں کوشش کرو۔ اسی کے تم مکلف ہو۔ خدا کسی کو اس کی مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

۲۰۹۔ یعنی حق و انصاف کی بات کہنے میں کسی کی قرابت و محبت مانع نہ ہونی چاہئے۔

۲۱۰۔ اس کے اوامر و نواہی پر پابندی سے عمل کرو۔ خدا کے لئے جو نذر مانو یا قسم کھاؤ بشرطیکہ غیر مشروع بات کہ نہ ہو اسے پورا کرنا چاہئے۔

۲۱۱۔ صراط مستقیم: یعنی احکام مذکورہ بالا کی پابندی اور خدا کے عہد کو اعتقاداً و عملاً پورا کرنا یہی صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے جس کی طلب سورہ فاتحہ میں تلقین کی گئی تھی۔ یہ راہ تم کو دکھلا دی گئی اب چلنا تمہارا کام ہے۔ جو کوئی اس کے سوا دوسرے راستہ پر چلا وہ خدا کے راستہ سے بھٹکا۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع ۱۹/۶

۱۵۴۔ پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے نعمت کے نیک کام والوں پر اور واسطے تفصیل ہر شے کے اور ہدایت اور رحمت کے لئے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں [۲۱۲]

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت والی سو اس پر چلو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو [۲۱۳]

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶۔ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو ان ہی دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم کو تو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی [۲۱۴]

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷۔ یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر اترتی کتاب تو ہم توراہ پر چلتے ان سے بہتر سو آچکی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت[۲۱۵] اب اس سے زیادہ ظالم کون جو جھٹلاوے اللہ کی آیتوں کو اور ان سے کتراوے ہم سزا دیں گے ان کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں برا عذاب بدلے میں اس کترانے کے[۲۱۶]

۲۱۲۔ پچھلی شریعتوں میں یہی احکام: معلوم ہوتا ہے کہ جو احکام اوپر قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ سے پڑھ کر سنائے گئے یہ ہمیشہ سے جاری تھے۔ تمام انبیاء اور شرائع کا ان پر اتفاق رہا کیا۔ بعدہٗ حق تعالیٰ نے حضرت موسٰیؑ پر تورات اتاری جس میں احکام شرع کی مزید تفصیل درج تھی۔ تورات عطا فرما کر اس زمانہ کے نیک کام کرنے والوں پر خدا نے اپنی نعمت پوری کر دی۔ ہر ضروری چیز کو شرح و بسط سے بیان فرما دیا۔ اور ہدایت و رحمت کے ابواب مفتوح کر دیے۔ تاکہ اسے سمجھ کو لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کا کامل یقین حاصل کریں۔

۲۱۳۔ قرآن کریم کا اتباع: یعنی تورات تو تھی ہی جیسی کچھ تھی، لیکن ایک یہ کتاب ہے (قرآن کریم) جو اپنے درخشاں اور ظاہر و باہر حسن و جمال کے ساتھ تمہارے سامنے ہے۔ اس کی خوبصورتی اور کمال کا کیا کہنا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس کی ظاہری و باطنی برکات اور صوری و معنوی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد۔ برنگ اصحاب صورت رابہ بوار باب معنی را۔ اب دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا کی رحمت سے حظ وافر لینا چاہتے ہو تو اس آخری اور مکمل کتاب پر چل پڑو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کتاب کے کسی حصہ کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

۲۱۴۔ قرآن پوری دنیا کے لئے حجت ہے: یعنی اس مبارک (قرآن کریم) کے نزول کے بعد عرب کے امیین کے لئے یہ کہنے کا بھی موقع نہیں چھوڑا گیا کہ پیشتر جو آسمانی کتابیں شرائع الٰہیہ کو لے کر اتریں وہ تو ہمارے علم کے موافق انہی دو فرقوں (یہود و نصاریٰ) پر اتریں بیشک وہ لوگ آپس میں اسے پڑھتے پڑھاتے تھے اور بعضے اس کا ترجمہ بھی عربی میں کرتے تھے مثلاً ورقہ بن نوفل وغیرہ اور بہت سے مدت تک اس دھن میں لگے رہے کہ عرب کو یہودی یا نصرانی بنالیں۔ لیکن ہمیں ان کی تعلیم و تدریس سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اس سے بحث نہیں کہ یہود و نصاریٰ جو کچھ پڑھتے پڑھاتے تھے وہ چیز کہاں تک اپنی اصلی سماوی صورت میں محفوظ تھی۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ ان شرائع وکتب کی اصلی مخاطب فقط قوم بنی اسرائیل تھی۔ خواہ اس تعلیم کے بعض اجزاء مثلاً توحید اور اصول دینیہ کی دعوت کو وسعت دے کر بنی اسرائیل کے سوا دوسری اقوام کے حق میں بھی عام کر دیا گیا ہو تاہم جو شریعت اور کتاب سماوی بحیثیت مجموعی کسی خاص قوم پر اسی کے مخصوص فائدہ کے لئے اتری ہو اس کی درس و تدریس سے اگر دوسری اقوام خصوصاً عرب جیسی غیور و خود دار قوم کو دلچسپی اور لگاؤ نہ ہو تو کچھ مستبعد نہیں بنابریں وہ کہہ سکتے تھے کہ کوئی آسمانی کتاب و شریعت ہماری طرف نہیں آئی اور جو کسی مخصوص قوم کے لئے آئی اس سے ہم نے چنداں واسطہ نہیں رکھا پھر ہم ترک شرائع پر کیوں ماخوذ ہوں گے۔ مگر آج ان کے لئے اس طرح کے حیلے حوالوں کا موقع نہیں رہا۔ خدا کی حجت اس کی روشن کتاب

اور ہدایت ورحمت عامہ کی بارش خاص ان کے گھر میں اتاری گئی۔ تا کہ وہ اولاً اس سے مستفید ہوں۔ پھر اس امانت الٰہیہ کو تمام احمر و اسود اور مشرق و مغرب کے باشندوں تک حفاظت و احتیاط کے ساتھ پہنچا دیں۔ کیونکہ یہ کتاب کسی خاص قوم و ملک کے لئے نہیں اتاری گئی۔ اس کا مخاطب تو سارا جہان ہے۔ چنانچہ خدا کے فضل و توفیق سے عرب کے ذریعہ سے خدا کا یہ عام اور آخری پیغام آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا۔ والحمدللہ علیٰ ذلک۔

۲۱۵۔ یعنی پہلی امتوں کا حال سن کر شاید تم کو ہوس ہوتی اور دل میں ولولہ اٹھتا کہ ہمارے پاس خدا کی کتاب آتی تو ہم دوسروں سے بڑھ کر عمل کر کے دکھلاتے۔ سو تم کو ان سے بہتر کتاب دے دی گئی۔

۲۱۶۔ اب ایسی بے مثال روشن کتاب آنے کے بعد اگر اس کی آیتوں کو کوئی جھٹلائے اور اس کے احکام قبول کرنے سے کترائے یا دوسروں کو روکے، اس سے بڑا ظالم کون ہو گا۔ (تنبیہ) صَدَفَ عَنۡهَا کے دونوں معنی سلف سے منقول ہیں "روکنا" اور "اعراض کرنا" مترجم علام نے دوسرے معنی لے کر "کترائے" ترجمہ کیا ہے۔

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ رَبُّكَ اَوۡ يَاۡتِىَ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنۡفَعُ نَفۡسًا اِيۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ كَسَبَتۡ فِىۡۤ اِيۡمَانِهَا خَيۡرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸۔ کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ ان پر آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی کام نہ آئے گا کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی تو کہہ دے تم راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں [۲۱۷]

۲۱۷۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا: "یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت کی جو حد تھی وہ پوری ہو چکی، انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اتریں کتابیں آئیں حتی کہ اللہ کی آخری کتاب بھی آچکی، تب بھی نہیں مانتے تو شاید اب اس کے منتظر ہیں کہ اللہ آپ آئے یا فرشتے آئیں یا قدرت کو کوئی بڑا نشان (مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت) ظاہر ہو، تو یاد رہے کہ قیامت کے نشانوں میں سے ایک نشان وہ بھی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہو گا نہ عاصی کی توبہ۔ صحیحین کی احادیث بتلاتی ہیں کہ یہ نشان آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا ہے۔ یعنی جب خدا کا ارادہ ہو گا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبیعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق وقوع میں آئیں گے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ غالباً اس حرکت میں مقلوبی اور رجعت قہقری سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ جو قوانین قدرت اور نوامیس طبیعیہ دنیا کے موجودہ نظم و نسق میں کار فرما تھے، ان کی میعاد ختم ہونے اور نظام شمسی کے الٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آپہنچا۔ گویا اس وقت سے عالم کبیر کے نزع اور جانکنی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اور جس طرح عالم صغیر (انسان) کی جانکنی کے وقت کا ایمان اور توبہ مقبول نہیں کیونکہ وہ حقیقت میں اختیاری نہیں ہوتا، اسی طرح طلوع الشمس من المغرب کے بعد مجموعہ عالم کے حق میں یہ ہی حکم ہو گا کہ کسی کا ایمان و توبہ معتبر نہ ہو۔ بعض روایات میں طلوع الشمس من مغربہا کے ساتھ چند دوسرے

نشانات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً خروج دجال، خروج دابہ وغیرہ۔ ان روایات کی مراد یہ معلوم ہوتی کہ جب ان سب نشانات کا مجموعہ متحقق ہو گا اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ طلوع الشمس من المغرب بھی متحقق ہو، تو دروازہ توبہ کا بند کر دیا جائے گا الگ الگ ہر نشان پر یہ حکم متفرع نہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض ملحدین جو ہر غیر معمولی واقعہ کو استعارہ کا رنگ دینے کے خوگر ہیں وہ طلوع الشمس من المغرب کو بھی استعارہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ غالباً ان کے نزدیک قیامت کا آنا بھی ایک طرح کا استعارہ ہی ہو گا۔ (تنبیہ) یہ جو کہا کہ " آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب " اس کی تفسیر "سیقول" کے نصف پر آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (البقرۃ۔ ۲۱۰) کے تحت میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے اور جملہ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا کا عطف اٰمنت من قبل پر ہے۔ اور تقدیر عبارت کی ابن المنیر وغیرہ محققین کے نزدیک یوں ہے۔ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا یعنی جو پہلے سے ایمان نہیں لایا اس وقت اس کا ایمان نافع نہ ہو گا اور جس نے پہلے سے کسب خیر نہ کیا اس کا کسب خیر نافع نہ ہو گا۔ (یعنی توبہ قبول نہ ہو گی)

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۱۵۹

۱۵۹۔ جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہی جتلائے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے [۲۱۸]

مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۰

۱۶۰۔ جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اسکے لئے اس کا دس گنا ہے اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سزا پائے گا اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہو گا [۲۱۹]

۲۱۸۔ دین میں فرقہ بندی: "پچھلے رکوع میں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ الخ سے بہت سے احکام بیان فرما کر ارشاد ہوا تھا وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ یعنی صراط مستقیم (دین کی سیدھی راہ) ہمیشہ سے ایک رہی ہے اس سے ہٹ کر گمراہی کے راستے بہت ہیں۔ تمام انبیاء و مرسلین اصولی حیثیت سے اسی ایک راہ پر چلے اور لوگوں کو بلاتے رہے۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (شوریٰ۔ ۱۳) اصول دین میں ان کے باہم کوئی تفریق نہیں۔ زمان و مکان اور خارجی احوال کے اختلاف سے فروع شرعیہ میں جو تفاوت ہو وہ تفرق نہیں۔ بلکہ ہر وقت کے مناسب رنگ میں ایک ہی مشترک مقصد کے ذرائع حصول کا تنوع ہے۔ جو دین انبیائے سابقین لے کر آئے، موسیٰؑ کی کتاب بھی اس کی مخالفت کے لئے نہیں بلکہ اس کی تکمیل و تفصیل کی غرض سے اتاری گئی۔ سب کے آخر میں قرآن آیا جو تمام کتب سابقہ کی تتمیم و تصدیق اور ان کے علوم و معارف کی حفاظت کرنے والا ہے۔ درمیان میں ان کتب و شرائع سے اعراض کرنے والوں کا حال بیان کر کے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ سے پھر اصل مطلب کی طرف عود کیا گیا یعنی دین الٰہی کا رستہ (صراط مستقیم) ایک ہے جو لوگ اصل دین میں پھوٹ ڈال

کر جد اجد اراہیں نکالنے اور فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا وہ مدعیان اسلام جو مستقبل میں عقائد دینیہ کی چادر کو پھاڑ کر پارہ پارہ کرنے والے تھے، ان لوگوں سے آپ کو کچھ واسطہ اور سروکار نہیں۔ یہ سب فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ میں داخل ہیں آپ ان سے بیزاری اور برأت کا اظہار کر کے خدا کے اسی ایک راستہ (صراط مستقیم) پر جمے رہیۓ اور ان کا انجام اللہ کے حوالے کیجئے، وہ ان کو دنیا یا آخرت میں جتلا دے گا۔ جو کچھ دین میں گڑبڑی کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جو باتیں یقین لانے کی ہیں۔ (اصول دین) ان میں فرق نہ چاہیۓ اور جو کرنے کی ہیں۔ (فروع دین) ان کے طریقے کئی ہوں تو برا نہیں۔

۲۱۹۔ نیکی اور برائی کی جزا: ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ میں ان کے افعال شنیعہ کی مجازات پر متنبہ کیا گیا تھا، ساتھ ہی ہر نیک و بد کی مجازات کا عام قانون بتلا دیا کہ بھلائی کا بدلہ کم از کم دس گناہ ہے برائی کا زائد از زائد اس کے برابر یعنی جس نے ایک نیکی کمائی تو کم از کم ایسی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا زائد کی حد نہیں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ۔۲۶۱) اور جو ایک بدی کا مرتکب ہوا تو ایسی ایک بدی کی جس قدر سزا مقرر ہے۔ اس سے آگے نہ بڑھیں گے، تخفیف کر دیں یا بالکل معاف فرما دیں، یہ اختیار ہے۔ پھر جہاں وفود رحمت کی یہ کیفیت ہو وہاں ظلم کا کیا امکان ہے۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ۬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ تو کہہ دے مجھ کو سجھائی میرے رب نے راہ سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا[۲۲۰] اور نہ تھا شرک والوں میں[۲۲۱]

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ۙ

۱۶۲۔ تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۳۔ کوئی نہیں اس کا شریک[۲۲۲] اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں[۲۲۳]

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ تو کہہ کیا اب میں اللہ کے سوا تلاش کروں کوئی رب اور وہی ہے رب ہر چیز کا[۲۲۴] اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سو وہ اس کے ذمہ پر ہے اور بوجھ نہ اٹھائے گا ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے سو وہ جتلائے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے[۲۲۵]

وَ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَ رَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰکُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۫ۖ وَ اِنَّہٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ع ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں [۲۲۶] اور بلند کر دیے تم میں درجے ایک کے ایک پر [۲۲۷] تاکہ آزمائے تم کو اپنی دیئے ہوئے حکموں میں تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے [۲۲۸]

ع ۲۰

۲۲۰۔ یعنی ایک خدا ہی کا ہو رہا تھا۔

۲۲۱۔ یعنی تم دین میں جتنی چاہو راہیں نکالو اور جس قدر معبود چاہو ٹھہرالو۔ مجھ کو تو میرا پروردگار صراط مستقیم بتلا چکا اور وہ ہی خالص توحید اور کامل تفویض و توکل کا راستہ ہے جس پر موحد اعظم ابوالانبیاء ابراہیم خلیل اللہ بڑے زور شور سے چلے جن کا نام آج بھی تمام عرب اور کل ادیان سماویہ غایت عظمت و احترام سے لیتے ہیں۔

۲۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام توحید و تفویض: اس آیت میں توحید و تفویض کے سب سے اونچے مقام کا پتہ دیا گیا ہے جس پر ہمارے سید و آقا محمد رسول اللہ ﷺ فائز ہوئے۔ نماز اور قربانی کا خصوصیت سے ذکر کرنے میں مشرکین پر جو بدنی عبادت اور قربانی غیر اللہ کے لئے کرتے تھے۔ تصریحًا رد ہو گیا۔

۲۲۳۔ عمومًا مفسرین وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمدیہ کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں۔ لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا وادم بین الروح والجسد کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں اولیت زمانی مراد نہ ہو۔ بلکہ تقدم رتبی مراد ہو۔ یعنی میں سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں۔ شاید مترجم محقق قدس سرہٗ نے ترجمہ میں "سب سے پہلا فرمانبردار ہوں" کی جگہ "سب سے پہلے فرمانبردار ہوں" کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہو۔ کیونکہ محاورات کے اعتبار سے یہ تعبیر اولیت رتبی کے ادا کرنے میں زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۲۴۔ پہلے توحید فی الالوہیت کا ذکر تھا اب توحید فی الربوبیت کی تصریح فرمائی۔ یعنی جس طرح معبود اس کے سوا کوئی نہیں، مستعان بھی کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ استعانت ربوبیت عامہ پر متفرع ہے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔

۲۲۵۔ ہر شخص اپنے عمل کا جوابدہ ہے: کفار مسلمانوں سے توحید وغیرہ میں جھگڑتے اور کہتے تھے کہ تم توحید کی راہ چھوڑ کر ہمارے راستہ پر آ جاؤ۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہمارے سر وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِیۡلَنَا وَلۡنَحۡمِلۡ خَطٰیٰکُمۡ (العنکبوت۔ ۱۲) یہاں اس کا جواب دے دیا کہ ہر ایک کا گناہ اسی کے سر ہے کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ باقی تمہارے جھگڑے اور اختلافات خدا کے یہاں جا کر سب طے ہو جائیں گے۔ یہ دنیا فیصلہ کی جگہ نہیں، امتحان و آزمائش کا گھر ہے جیسا کہ اگلی آیت میں آگاہ فرمایا۔

۲۲۶۔ انسان اللہ کا نائب ہے: یعنی خدا نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا کہ تم اس کے دیے ہوئے اختیارات سے کام لے کر کیسے کیسے حاکمانہ تصرفات کرتے ہو، یا تم کو باہم ایک دوسرے کا نائب بنایا کہ ایک قوم جاتی ہے تو دوسری قوم اس کی جانشین ہوتی ہے۔

۲۲۷۔ انسانوں میں فرق مراتب: یعنی تمہارے آپس میں بے حد فرق مدارج رکھا۔ چنانچہ شکل و صورت، رنگت، لہجہ، اخلاق و ملکات محاسن و

مساوی، رزق، دولت، عزت وجاہ وغیرہ میں افرادِ انسانی کے بے شمار درجات ہیں۔

۲۲۸۔ یعنی ظاہر ہو جائے کہ ان حالات میں کون شخص کہاں تک خدا کا حکم مانتا ہے۔ ابن کثیرؒ نے فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ سے وہ مختلف احوال و درجات مراد لئے ہیں جن میں حسبِ استعداد ولیاقت ان کو رکھا گیا ہے۔ اس تقدیر پر آزمائش کا حاصل یہ ہو گا کہ مثلاً غنی حالت غناء میں رہ کر کہاں تک شکر کرتا ہے اور فقیر حالت فقر میں کس حد تک صبر کا ثبوت دیتا ہے وقس علیٰ ہذا۔ بہر حال اس آزمائش میں جو بالکل نالائق ثابت ہوا۔ حق تعالیٰ اس کے حق میں سریع العقاب اور جس سے قدرے کوتاہی رہ گئی اس کے حق میں غفور اور جو پورا اترا اس کے لئے رحیم ہے۔

تمت سورۃ الانعام بعون اللہ الملک العلام

آیاتها ۲۰۶ ۷ سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَکِّیَّۃٌ ۳۹ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾	۱۔ المص
كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾	۲۔ یہ کتاب اتری ہے تجھ پر سو چاہئے کہ تیرا جی تنگ نہ ہو اس کے پہنچانے سے[۱] تا کہ تو ڈرائے اس سے اور نصیحت ہو ایمان والوں کو[۲]
اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾	۳۔ چلو اسی پر جو اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اسکے سوا اور رفیقوں کے پیچھے تم بہت کم دھیان کرتے ہو[۳]
وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾	۴۔ اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے
فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾	۵۔ پھر یہی تھی ان کی پکار جس وقت کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب کہ کہنے لگے بیشک ہمی تھے گنہگار[۴]
فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾	۶۔ سو ہم کو ضرور پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور ہم کو ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے[۵]
فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾	۷۔ پھر ہم انکو احوال سنائیں گے اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے[۶]

۱۔ ابن عباسؓ نے حَرَجٌ کی تفسیر شک سے کی ہے گویا فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ کے ہم معنی ہو گا۔ یعنی پیغمبر جس پر

خدا نے اپنی کتاب نازل فرمائی اس کی شان یہ نہیں کہ ذرا سا بھی کھٹکا یا شک و شبہ کتاب کے احکام و اخبار کے متعلق اس کے دل میں راہ پائے۔ دوسرے مفسرین نے ان الفاظ کو ان کے ظاہر پر رکھا۔ جیسا کہ مترجم محقق نے اختیار فرمایا ہے۔ یعنی تمام خلائق میں سے چن کر جس پر خدا نے اپنی کتاب اتاری اسے لائق نہیں کہ احمقوں اور معاندین کے طعن و تشنیع یا بیہودہ سوالات سے متاثر ہو کر اس کتاب کے کسی حصہ کی تبلیغ سے منقبض اور تنگ دل ہو فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدۡرُكَ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ (ہود۔۱۲) اگر بفرض محال خود پیغمبر کے دل میں کتاب اور اس کے مستقبل کی طرف سے نہایت کامل وثوق و انشراح حاصل نہ ہو، تو وہ اپنے فرض انذار و تذکیر کو کس طرح قوت و جرأت کے ساتھ ادا کر سکے گا۔

۲۔ نزول قرآن کی غرض و غایت: یعنی کتاب کے اتارنے سے غرض یہ ہے کہ تم ساری دنیا کو اس کے مستقبل سے آگاہ کر دو۔ اور بدی کے انجام سے ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کے حق میں خاص طور پر یہ ایک موثر پیغام نصیحت ثابت ہو۔

۳۔ آدمی اگر حق تعالیٰ کی تربیت عظیم، اپنے آغاز و انجام اور طاعت و معصیت کے نتائج پر پوری طرح دھیان کرے تو اس کو کبھی جرأت نہ ہو کہ اپنے رب کریم کی اتاری ہوئی ہدایات کو چھوڑ کر شیاطین الانس والجن کی رفاقت میں انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے۔ گذشتہ اقوام میں سے جنہوں نے خدا کی کتابوں اور پیغمبروں کے مقابلہ پر ایسا رویہ اختیار کیا، ان کو جو دنیوی سزا ملی، وہ آگے مذکور ہے۔

۴۔ گذشتہ اقوام پر عذاب کا حال: یعنی جب ان کے ظلم و عدوان اور کفر و عصیان کی حد ہو چکی، تو دنیا کی لذات و شہوات میں منہمک اور عذاب الٰہی سے بالکل بے فکر ہو کر خواب استراحت کے مزے لینے لگے کہ یکایک ہمارے عذاب نے آدبوچا۔ پھر ہلاکت آفرینیوں کے اس دہشتناک منظر اور ہنگامہ دارو گیر میں ساری طمطراق بھول گئے چاروں طرف سے اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ کی چیخ و پکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ گویا اس وقت انہیں واضح ہوا اور اقرار کرنا پڑا کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا، ہم خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (تنبیہ) فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا کی "فاء" میں مفسرین کے کئی قول ہیں، غالباً مترجم محقق قدس سرہٗ نے اس کو "اھلکنٰھا" کی تفسیر و تفصیل قرار دیا ہے۔ جیسے کہا جائے "توضا فغسل وجہہٗ وذراعیہ" (فلاں شخص نے وضو کیا تو دھویا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ) اس مثال میں منہ ہاتھ دھونا وضو کرنے ہی کی تفصیل و تفسیر ہے اسی طرح یہاں ہلاک کرنے کی تفسیر و تفصیل کیفیت عذاب کے بیان سے ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

۵۔ آخرت میں تمام امتوں سے سوال ہو گا: جن امتوں کی طرف پیغمبر مبعوث ہوئے، ان سے سوال ہو گا مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ (القصص۔۶۵) تم نے ہمارے پیغمبروں کی دعوت کو کہاں تک قبول کیا تھا؟ اور خود پیغمبروں سے پوچھیں گے مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ تم کو امت کی طرف سے کیا جواب ملا تھا؟

۶۔ یعنی تمہارا کوئی جلیل و حقیر اور قلیل و کثیر عمل یا ظاہری و باطنی حال ہمارے علم سے غائب نہیں۔ ہم بلا توسط غیرے ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں۔ اپنے اس علم ازلی محیط کے موافق سب اگلے پچھلے احوال تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیں گے۔ ملائکۃ اللہ کے لکھے ہوئے اعمال نامے بھی علم الٰہی کے سرمو خلاف نہیں ہو سکتے ان کے ذریعہ سے اطلاع دینا محض ضابطہ کی مراعات اور نظام حکومت کا مظاہرہ ہے، ورنہ خدا اپنے علم میں ان ذرائع کا (معاذ اللہ) محتاج نہیں ہو سکتا۔

وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَـقُّ‌ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۸﴾

۸۔ اور تول اس دن ٹھیک ہو گی پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں سو وہی ہیں نجات پانے والے

وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾
وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا
مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع ۱ ۸

۹۔ اور جس کی تولیں ہلکی ہوئیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا[۷] اس واسطے کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے[۸]

۱۰۔ اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور مقرر کر دیں اس میں تمہارے لئے روزیاں تم بہت کم شکر کرتے ہو[۹]

۷۔ وزن اعمال اور میزان: "قیامت کے دن سب لوگوں کے اعمال کا وزن دیکھا جائے گا۔ جن کے اعمال قلبیہ و اعمال جوارح وزنی ہوں گے وہ کامیاب ہیں اور جن کا وزن ہلکا رہا وہ خسارہ میں رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں۔ ایک ہی کام ہے، اگر اخلاص و محبت سے حکم شروع کے موافق کیا۔ اور بر محل کیا، تو اس کا وزن بڑھ گیا، اور دکھاوے کو یا ریس کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا۔ آخرت میں وہ کاغذ تلیں گے، جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگذر ہوا اور ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا۔" بعض علماء کا خیال ہے کہ اعمال جو اس وقت اعراض ہیں۔ وہاں اعیان کی صورت میں مجسد کر دیے جائیں گے اور خود ان ہی اعمال کو تولا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال تو غیر قائم بالذات اعراض ہیں جن کا ہر جز وقوع میں آنے کے ساتھ ہی ساتھ معدوم ہوتا رہتا ہے۔ پھر ان کا جمع ہونا اور تلنا کیا معنی رکھتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ گراموفون میں آج کل لمبی چوڑی تقریریں بند کی جاتی ہیں۔ کیا وہ تقریریں اعراض میں سے نہیں؟ جن کا ایک حرف ہماری زبان سے اس وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس سے پہلا حرف نکل کر فنا ہو جائے۔ پھر یہ تقریر کا سارا مجموعہ گراموفون میں کس طرح جمع ہو گیا؟ اسی سے سمجھ لو کہ جو خدا گراموفون کے موجد کا بھی موجد ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ ہمارے کل اعمال کے مکمل ریکارڈ تیار رکھے جس میں سے ایک شوشہ اور ذرہ بھی غائب نہ ہو۔ رہا ان کا وزن کیا جانا تو نصوص سے ہم کو اس قدر معلوم ہو چکا ہے کہ وزن ایسی میزان (ترازو) کے ذریعہ سے ہو گا جس میں کفتین اور لسان وغیرہ موجود ہیں۔ لیکن وہ میزان اور اس کے دونوں پلے کس نوعیت و کیفیت کے ہونگے اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہو گا؟ ان باتوں کا احاطہ کرنا ہماری عقول و افہام کی رسائی سے باہر ہے۔ اسی لئے ان کے جاننے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ بلکہ ایک میزان کیا اس عالم کی جتنی چیزیں ہیں بجز اس کے کہ ان کے نام ہم سن لیں اور ان کا کچھ اجمالی سا مفہوم جو قرآن و سنت نے بیان کر دیا ہو عقیدہ میں رکھیں، اس سے زائد تفصیلات پر مطلع ہونا ہماری حد پرواز سے خارج ہے کیونکہ جن نوامیس و قوانین کے ماتحت اس عالم کا وجود اور نظم و نسق ہو گا۔ ان پر ہم اس عالم میں رہتے ہوئے کچھ دسترس نہیں پا سکتے اسی دنیا کی میزانوں کو دیکھ لو کتنی قسم کی ہیں۔ ایک میزان وہ ہے جس سے سونا چاندی یا موتی تلتے ہیں۔ ایک میزان سے غلہ اور سوختہ وزن کیا جاتا ہے۔ ایک میزان عام ریلوے اسٹیشنوں پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تولتے ہیں۔ ان کے سوا "مقیاس الہوا" یا "مقیاس الحرارت" وغیرہ بھی ایک طرح کی میزانیں ہیں جن سے ہوا اور حرارت وغیرہ کے درجات معلوم ہوتے ہیں۔ تھرمامیٹر ہمارے بدن کی اندرونی حرارت جو اعراض میں سے ہے تول کر بتلاتا ہے کہ اس وقت ہمارے جسم میں اتنے ڈگری حرارت پائی جاتی ہے۔ جب دنیا میں بیسیوں قسم کی جسمانی میزانیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں جس سے اعیان و اعراض کے اوزان و درجات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے تو اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک ایسی حسی میزان قائم کر دے جس سے ہمارے اعمال کے اوزان و درجات کا تفاوت صورتاً و حساً ظاہر ہوتا ہو۔

۸۔ اللہ نے روزیاں مقرر کیں: اور آیات کا انکار کرنا ہی ان کی حق تلفی ہے جسے یَظۡلِمُوۡنَ سے ادا فرمایا۔

۹۔ یہاں سے بعض آیات آفاقیہ و انفسیہ کا بیان شروع کیا ہے جس سے ایک طرف حق تعالی کے وجود پر کارخانہ عالم کے حکیمانہ نظم ونسق سے استدلال اور احسانات و انعامات الٰہیہ کا تذکرہ فرما کر اس کی شکر گزاری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسری طرف نبوت کی ضرورت، انبیاءؑ کی آمد، ان کی سیرت، انکے متبعین و مخالفین کا انجام جو اس سورت کا اصلی موضوع معلوم ہوتا ہے اس کے بیان کے لئے یہ آیات بطور توطیہ و تمہید کے مقدم کی گئی ہیں۔

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ٭ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ لَمۡ یَکُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر حکم کیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا سب نے مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں

قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُکَ ؕ قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے

قَالَ فَاہۡبِطۡ مِنۡہَا فَمَا یَکُوۡنُ لَکَ اَنۡ تَتَکَبَّرَ فِیۡہَا فَاخۡرُجۡ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ کہا تو اتر یہاں سے [۱۰] تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں پس باہر نکل تو ذلیل ہے [۱۱]

قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ بولا کہ مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں

قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی [۱۲]

قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿ۙ۱۶﴾

۱۶۔ بولا تو جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا انکی تاک میں تیری سیدھی راہ پر [۱۳]

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ

۱۷۔ پھر ان پر آؤں گا ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے [۱۴] اور نہ پائے گا تو اکثروں کو ان میں شکر گذار [۱۵]

شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٨﴾

۱۸۔ کہا نکل یہاں سے برے حال سے مردود ہو کر جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور بھر دوں گا دوزخ کو تم سب سے [۱۶]

۱۰۔ حق تعالیٰ سے ابلیس کا مکالمہ: "یعنی تمہاری تخلیق سے پہلے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان کیا۔ پھر تمہارا مادہ پیدا فرمایا۔ پھر اس مادہ کو ایسا دلکش نقشہ اور حسین و جمیل صورت عطا کی جو کسی دوسری مخلوق کو عطا نہ کی گئی تھی۔ پھر اس تصوری خاکی کو وہ روح اور حقیقت مرحمت ہوئی جس کی بدولت تمہارے باپ آدمؑ جن کا وجود تمام افراد انسانی کے وجود پر اجمالاً مشتمل تھا "خلیفۃ اللہ" و "مسجود ملائکہ" بنے۔ پھر جس نے اس وقت سجود تعظیمی سے سرتابی کی وہ مردود ازلی ٹھہرا، کیونکہ وہ سجود خلافت الٰہیہ کے نشان کے طور پر تھا۔ "ملائکۃ اللہ" جو بحث و تمحیص اور صریح امتحان کے بعد آدم کی علمی فضیلت اور روحانی کمالات پر مطلع ہو چکے تھے حکم الٰہی سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور اس طرح خلیفۃ اللہ کے روبرو اپنے پروردگار حقیقی کی کامل وفاشعاری اور اطاعت پذیری کا ثبوت دیا۔ اور ابلیس لعین جو ناری الاصل جنی مگر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے زمرۂ ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا، آخر کار اپنی اصل کی طرف لوٹا۔ اس کی نظر آدمؑ کی مادی ساخت سے نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر۔۲۹) کے راز تک تجاوز نہ کر سکی۔ اسی لئے صریح حکم الٰہی کے مقابلہ پر اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ کا دعویٰ کرنے لگا۔ آخر اسی اباء واستکبار اور نص صریح قطع کو محض رائے و ہویٰ سے رد کر دینے اور خدا سے بحث و مناظر ٹھان لینے کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے مرتبہ قرب سے نیچے گرا دیا اور رحمت الٰہیہ سے بہت دور پھینک دیا گیا۔ فی الحقیقت جس چیز پر اسے بڑا فخر تھا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے وہی اس کی ہلاکت ابدی کا سبب ہوئی آگ کا خاصہ خفت وحدت سرعت و طیش اور علو وفساد ہے بخلاف مٹی کے کہ اس میں مستقل مزاجی، متانت اور متواضعانہ حلم وتثبت پایا جاتا ہے۔ ابلیس جو ناری الاصل تھا سجدہ کا حکم سن کر آگ بگولا ہو گیا اور رائے قائم کرنے میں تیزی اور جلد بازی دکھلائی آخر تکبر و تعلی کی راہ سے آتش حسد میں گر کر دوزخ کی آگ میں جا پڑا۔ برخلاف اس کے آدمؑ سے جب غلطی ہوئی تو عنصر خاکی نے خدا کے آگے فروتنی، خاکساری اور انقیاد و استکانت کی راہ دکھلائی۔ چنانچہ ان کی استقامت و انابت نے "ثم اجتباہ ربہٗ فتاب علیہ وھدیٰ" کا نتیجہ پیدا کیا۔ اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ ابلیس لعین نے مادی و عنصری لحاظ سے بھی اپنی تفضیل کے دعویٰ میں ٹھوکر کھائی۔ چنانچہ حافظ شمس الدین ابن القیم نے بدائع الفوائد میں پندرہ وجوہ سے مٹی کا آگ سے افضل ہونا ثابت کیا ہے۔ من شاء فلیراجعہ۔"

۱۱۔ جنت سے ابلیس کا خروج: یعنی جنت میں یا آسمانوں پر خدا کی وہ مخلوق رہ سکتی ہے جو خدا کی پوری مطیع و فرمانبردار ہو نافرمان متکبروں کے لئے وہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال ابلیس لعین عزت کے اس مقام سے جس پر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے ابتک فائز تھا، بڑا بول بولنے کی بدولت نیچے دھکیل دیا گیا۔ (تنبیہ) ابلیس کے مدت دراز تک زمرۂ ملائکہ میں شامل رکھنے سے متنبہ کر دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے مکلفین میں کسی کی فطرت حتیٰ کی شیطان کی بھی ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف بدی کی طرف جانے کے لئے مجبور و مضطر ہو جائے بلکہ خبیث سے خبیث ہستی بھی اصل فطرت کے اعتبار سے اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اپنے کسب واختیار سے نیکی اور پرہیزگاری میں انتہائی ترقی کر کے زمرۂ ملائکہ میں جا ملے۔

۱۲۔ ابلیس کو عمر دراز دینے کی حکمت: "یعنی جب تو نے یہ درخواست کی تو سمجھ لے کہ یہ پہلے سے علم الٰہی میں طے شدہ ہے کہ تجھ کو مہلت دی جائے جب حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنی صفات کمالیہ و شہنشاہانہ عظمت و جبروت کا مظاہرہ کرے تو اس نے عالم کو پیدا فرمایا۔ اَللّٰهُ

اَلَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَهُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا (الطلاق۔۱۲) یعنی زمین و آسمان کی تخلیق اور ان کے کل نظم ونسق سے مقصد یہ ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ اور علم محیط وغیرہ صفات کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔اسی معرفت الٰہیہ کو آیت وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذاریات۔۵۶) میں بعض سلف کی تفسیر کے موافق عبادت سے تعبیر فرمایاہے اور ظاہر ہے کہ تخلیق عالم سے یہ غرض بوجہ اتم جب ہی پوری ہو سکتی ہے کہ مخلوقات میں اس کی ہر قسم کی صفات وکمالات کا اظہار ہو، اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ عالم میں مطیع ووفادار اور باغی ومجرم ہر قسم کی مخلوق موجود ہو۔نیز اعداء اللہ کو پوری زورآزمائی اور ان کے پیدائشی اختیار وقوت کے تمام وسائل استعمال کرنے کی آخری حد تک مہلت وآزادی دی جائے۔پھر انجام کار حکومت الٰہیہ کالشکر غالب ہو۔دشمن اپنے کیفر کردار کو پہنچیں اور بعد امتحان آخری کامیابی دوستوں کے ہاتھ رہے۔اس کے بدون کل صفات کمالیہ کے ظاہر ہونے کی کوئی صورت نہیں پس خیر وشر اور منبع خیر وشر کا پیدا کرنا، اسی حکمت سے ہے کہ جو غرض تخلیق عالم کی ہے یعنی "صفات کمالیہ کا مظاہرہ" وہ بغیر اس کے پوری نہ ہو سکتی تھی۔ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ۔اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّکَ ؕ وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمۡ (ہود۔۱۱۹۔۱۱۸) اسی لئے ضروری ہوا کہ عدو اکبر ابلیس لعین کو جو منبع شر ہے پوری مہلت دی جائے کہ وہ تا قیام قیامت اپنے قویٰ و وسائل کو جی کھول کر استعمال کرے۔لیکن یہ چیز ظاہر ہے کہ براہ راست اس محیط کل اور قادر مطلق کے مقابلہ پر ممکن نہ تھی،اس لئے ضروری ہوا کہ خدا کی طرف سے بطور نیابت وخلافت ایک ایسی مخلوق مقابلہ پر لائی جائے جس سے ابلیس لعین کو آزادی کے ساتھ جنگ آزمائی کا موقع مل سکے۔ وَاَجۡلِبۡ عَلَیۡهِمۡ بِخَیۡلِکَ وَرَجِلِکَ وَشَارِکۡهُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ وَعِدۡهُمۡ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا (بنی اسرائیل۔۶۴) اور پھر جب تک وہ مخلوق حق نیابت اور وظیفہ خلافت ادا کرتی رہے، خاص شاہی فوج (ملائکہ) سے اس کو کمک پہنچائی جائے اور باوجود ضعف و قلت کے اپنے فضل ورحمت سے انجام کار دشمنوں کے مقابلہ میں مظفر ومنصور کیا جائے پس خوب سمجھ لو کہ یہ زمین ابلیس اور آدمؑ کا میدان جنگ ہے اور چونکہ پوری طرح جان توڑ مقابلہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ دونوں حریف ایک دوسرے سے خار کھائے ہوں اس لئے تکوینًا دو صورتیں ایسی پیش آگئیں جن سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی دشمنی جاگزین ہو جائے۔ابلیس آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کی بناء پر نیچے گرایا گیا اور آدمؑ کو ابلیس کی وسوسہ اندازی کی بدولت جنت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ان واقعات سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی عداوت کی جڑ قائم ہو کر معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔"والحرب سجال وانما العبرۃ للخواتیم"

۱۳۔انسان سے ابلیس کی دشمنی: یعنی رہزنوں کی طرح ان کے ایمانوں پر ڈاکہ ماروں گا۔جن کے سبب مجھے یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

۱۴۔یعنی ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہوں گا۔جہات اربعہ کا ذکر تعمیم جہات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

۱۵۔یہ ابلیس لعین کا تخمینہ تھا جو صحیح نکلا۔ وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَیۡهِمۡ اِبۡلِیۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (السباء۔۲۰)۔

۱۶۔ "یعنی اکثر آدمی ناشکرے ہوں گے، تو ہمارا کیا بگاڑیں گے۔انجام کار ان ہی تھوڑے وفاداروں کے لئے کامیابی اور فلاح ہو گی۔اور ناشکروں کی کثرت دوزخ کی نذر ہو جائے گی۔گویا اس طرح واضح کر دیا جائے گا کہ جنود الشیطان کی اس قدر کثرت بھی "خلیفۃ اللہ" کے قلیل التعداد لشکر کو مغلوب ومقہور نہیں کر سکی۔

وَیٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُکَ الۡجَنَّةَ فَکُلَا مِنۡ حَیۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوۡنَا

۱۹۔اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے گنہگار [۱۷]

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ
عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ
هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا
مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾

٢٠۔ پھر بہکایا ان کو شیطان نے تا کہ کھول دے ان پر وہ چیز کہ انکی نظر سے پوشیدہ تھی انکی شرمگاہوں سے اور وہ بولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اسی لئے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتہ یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾

٢١۔ اور انکے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا دوست ہوں

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا
سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ
الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا
الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ پھر مائل کر لیا انکو فریب سے [١٨] پھر جب چکھا ان دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں ان پر شرمگاہیں انکی [١٩] اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے [٢٠] اور پکارا انکو انکے رب نے کیا میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ
تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾

٢٤۔ فرمایا تم اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے [٢١] اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾ ع

٢٥۔ فرمایا اسی میں تم زندہ رہو گے [۲۲] اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے

ع ٢ ٥ ٩

١٧۔ آدم علیہ السلام و حوا علیہ السلام اور شجر ممنوعہ: "آدمؑ و حواؑ کو اجازت تھی کہ بلا روک ٹوک جو چاہیں کھائیں پئیں۔ بجز ایک معین درخت کے جس کا کھانا ان کی بہشتی زندگی اور استعداد کے مناسب نہ تھا، اسے فرمادیا کہ اس کے پاس نہ جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ میرے نزدیک یہاں فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا" پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے "ظلم کے معنی نقصان اور کمی و کوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا (کہف۔ ۳۳) میں۔

١٨۔ آدم علیہ السلام و حوا علیہ السلام کو اغوائے شیطانی: "آدمؑ و حواؑ شیطان کی قسموں سے متاثر ہوئے کہ خدا کا نام لے کر کون جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ شاید وہ سمجھے کہ وہ واقعی اس کے کھانے سے فرشتے بن جائیں گے یا پھر کبھی فنا نہ ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ نے جو نہی فرمائی تھی، اس کی تعلیل یا تاویل کر لی ہو گی۔ لیکن غالبًا فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اور اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (طٰہٰ۔ ١١٧) وغیرہ سے نسیان ہوا، اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب وہ مسجود ملائکہ بنائے جا چکے، پھر ملک بننے کی کیا ضرورت رہی۔ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ۔ ١١٥) واضح ہو کہ امر و نہی کبھی تو تشریعًا ہوتے ہیں اور کبھی شفقتًا اس کو یوں سمجھو کہ مثلًا ایک تو ریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنے کی ممانعت ہے، یہ تو قانونی حیثیت رکھتی ہے جس کا اثر کمپنی کے حقوق پر پڑتا ہے اور ایک جو گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے کہ "مت تھوکو اس سے بیماری پھیلتی ہے" یہ نہی شفقتًا ہے جیسا کہ بیماری پھیلنے کی تعلیل سے ظاہر ہے۔ اسی طرح خدا کے اوامر و نواہی بعض تشریعی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم سمجھا جاتا ہے اور جن کا ارتکاب کرنا ان حقوق کے منافی ہے جن کی حفاظت کرنا تشریع کا منشاء تھا۔ دوسرے وہ اوامر و نواہی ہیں جن کا منشاء تشریع نہیں محض شفقت ہے جیسا کہ طب نبوی وغیرہ کی بہت سی احادیث میں علماء نے تصریح کی ہے۔ شاید آدمؑ نے اکل شجرۃ کی ممانعت کو نہی شفقت سمجھا، اسی لئے شیطان کی وسوسہ اندازی کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنے کو زیادہ بھاری خیال نہ کیا مگر چونکہ انبیاءؑ کی چھوٹی سی لغزش بھی ان کے مرتبہ قرب کے لحاظ سے عظیم و ثقیل بن جاتی ہے اس لئے اپنی غلطی کا ظاہری نقصان اٹھانے کے علاوہ مدت دراز تک توبہ و استغفار میں مشغول گریہ و بکا رہے۔ آخر کار ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى (طٰہٰ۔ ١٢٢) کے نتیجہ پر پہنچ گئے
بود آدم دیدہ نور قدیم۔ موے در دیدہ بود کوہ عظیم۔"

١٩۔ جنت کے لباس کا اترنا: "یعنی عدول حکمی کرا کر لباس بہشتی ان پر سے اتروا دیا۔ کیونکہ جنتی لباس حقیقت میں لباس تقویٰ کی ایک محسوس صورت ہوتی ہے کسی ممنوع کے ارتکاب سے جس قدر لباس تقویٰ میں رخنہ پڑے گا اسی قدر جنتی لباس سے محرومی ہو گی۔ غرض شیطان نے کوشش کی کہ عصیان کرا کر آدمؑ کے بدن سے بطریق مجازات جنت کا خلعت فاخرہ اتروا دے۔ یہ میرا خیال ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے نزع لباس کو اکل شجرۃ کے ایک طبعی اثر کے طور پر لیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "حاجت استنجا اور حاجت شہوت جنت میں نہ تھی ان کے بدن پر کپڑے تھے جو کبھی اترتے نہ تھے کیونکہ حاجت اتارنے کی نہ ہوتی تھی۔ آدمؑ و حواؑ اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے جب یہ گناہ ہوا تو لوازم بشری پیدا ہوئے اپنی حاجت سے خبردار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے" گویا اس درخت کے کھانے سے جو پردہ انسانی کمزوریوں پر تھا وہ اٹھ گیا سوأۃ کے لغوی معنی میں بہت وسعت ہے قابیل ہابیل کے قصہ میں سَوْءَةَ اَخِيْهِ فرمایا اور حدیث میں ہے اِحْدٰى سَوْءَ تِكَ یا مقداد اب تک آدمؑ کی

نظر میں صرف اپنی سادگی اور معصومیت تھی اور ابلیس کی نظر میں صرف اس کی خلقی کمزوریاں تھیں لیکن اکل شجرۃ کے بعد آدمؑ کو اپنی کمزوریاں پیش نظر ہو گئیں اور جب اس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ و انابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو ان کے اعلیٰ کمال اور انتہائی نجابت و شرافت کا مشاہدہ ہو گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ مخلوق لغزش کھا کر بھی میری مار کھانے والی نہیں۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر۔۴۲) شاید اسی لحاظ سے تورات میں ابن قیتبہ صاحب معارف کی نقل کے موافق اس درخت کو "شجرۃ علم الخیر والشر" سے موسوم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔"

۲۰۔ یعنی برہنہ ہو کر شرمائے اور پتوں سے بدن ڈھانپنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آدمی پیدائش کے وقت ننگا ہوتا ہے مگر فطری حیامانع ہے کہ ننگا رہے۔

۲۱۔ ہبوط آدم علیہ السلام: مفسرین کے نزدیک یہ خطاب آدمؑ و حواؑ اور ابلیس سب کو ہے کیونکہ اصل عداوت آدمؑ اور ابلیس کی ہے اور اس عداوت کا دنگل ہماری زمین بنائی گئی جس کی خلافت آدمؑ کے سپرد ہوئی تھی۔

۲۲۔ ایک اشکال اور اس کا جواب: یعنی عموماً تمہارا مسکن اصلی و معتاد یہ ہی زمین ہے۔ اگر خرق عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لئے اس سے اوپر اٹھا لیا جائے مثلاً حضرت مسیحؑ، تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لئے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجئے وہیں مر جائے وہ فِیْھَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْھَا تَمُوْتُوْنَ کے خلاف ہو گا؟ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَ فِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَ مِنْھَا نُخْرِجُکُمْ (طٰہٰ۔۵۵) جو اموات زمین میں مدفون نہ ہوں ان کو فِیْھَا نُعِیْدُکُمْ الخ میں کیسے داخل کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے قضایا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوئے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَ رِیْشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے [۲۳] اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے [۲۴] یہ نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی تاکہ وہ لوگ غور کریں [۲۵]

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىکُمْ ھُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اے اولاد آدم کی نہ بہکائے تم کو شیطان جیسا کہ اس نے نکال دیا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے اتروائے ان سے ان کے کپڑے [۲۶] تاکہ دکھلائے انکو شرمگاہیں انکی وہ دیکھتا ہے تم کو اور اسکی قوم جہاں سے تم انکو نہیں دیکھتے [۲۷] ہم نے کر دیا شیطانوں کو رفیق ان لوگوں کا جو ایمان نہیں لاتے [۲۸]

۲۳۔ لباس اور پوشاک کا نزول: اتارنے سے مراد اس کا مادہ پیدا کرنا اور اس کے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے۔ گو اتارنے کا لفظ اکثر اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے۔ مگر بہت دفعہ اس سے مکانی فوق و تحت مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ جو مرتبہ کے اعتبار سے اونچا ہو، اس کی طرف سے کوئی چیز نیچے والوں کو عطا کئے جانے پر بھی یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا وَ اَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ یا وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ (الحدید۔ ۲۵)

۲۴۔ روحانی لباس تقویٰ: یعنی اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن کا تستر یا تزین ہوتا ہے۔ ایک معنوی پوشاک بھی ہے جس سے انسان کی باطنی کمزوریاں جن کے ظاہر کرنے کی اس میں استعداد پائی جاتی تھی پردہ اخفا میں رہتی ہیں، منصۂ ظہور و فعلیت پر نہیں آنے پاتیں اور یہ ہی معنوی پوشاک جسے قرآن نے لباس التقویٰ فرمایا، باطن کی زینت و آرائش کا ذریعہ بنتی ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اسی باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لئے شرعاً مطلوب ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ دشمن نے جنت کے کپڑے تم سے اتروائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں تدبیر لباس کی سکھادی اب وہ ہی لباس پہنو جس میں پرہیز گاری ہو۔ یعنی مرد لباس ریشمی نہ پہنے اور دامن دراز نہ رکھے اور جو منع ہوا ہے سونہ کرے اور عورت بہت باریک نہ پہنے کہ لوگوں کو بدن نظر آئے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔

۲۵۔ یعنی ان نشانات میں غور کر کے حق تعالیٰ کے قادرانہ انعام و اکرام کے معترف اور شکر گذار ہوں۔

۲۶۔ اخراج و نزاع کی اضافت ان کے سبب کی طرف کی گئی۔ یعنی آدمؑ و حواؑ کو جنت سے علیحدہ کرنے اور کپڑے اتارے جانے کا سبب وہ ہوا، اب تم اس کے فریب میں مت آؤ اور اس کی مکاریوں سے ہشیار رہو۔

۲۷۔ شیطان سے حفاظت کا طریقہ: "یعنی جو دشمن ہم کو اس طرح دیکھ رہا ہو کہ ہماری نظر اس پر نہ پڑے اس کا حملہ سخت خطرناک اور مدافعت سخت دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے تم کو بہت مستعد و بیدار رہنا چاہئے۔ ایسے دشمن کا علاج یہ ہی ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کی پناہ میں آجائیں جو اسے دیکھتی ہے پر وہ اسے نہیں دیکھتا۔ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ‌ۚ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ (الانعام۔ ۱۰۳) (تنبیہ) اِنَّهٗ يَرٰٮكُمۡ هُوَ وَقَبِيۡلُهٗ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ قضیہ مطلقہ ہے دائمہ نہیں۔ یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت بھی کوئی شخص کسی صورت میں ان کو نہ دیکھ سکے۔ پس آیت سے "رویت جن" کی بالکلیہ نفی پر استدلال کرنا کوتاہ نظری ہے۔"

۲۸۔ یعنی جب انہوں نے اپنی بے ایمانی سے خود شیاطین کی رفاقت کو اپنے لئے پسند کر لیا۔ جیسا کہ چند آیات کے بعد آرہا ہے اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ تو ہم نے بھی اس انتخاب میں مزاحمت نہیں کی۔ جس کو انہوں نے اپنا رفیق بنانا چاہا اسی کو رفیق بنا دیا گیا۔

وَاِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَيۡهَاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا‌ ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ‌ ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور جب کرتے ہیں کوئی برا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا اسی طرح کرتے اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے بھی ہم کو یہ حکم کیا ہے تو کہہ دے کہ اللہ حکم نہیں کرتا برے کام کا کیوں لگاتے ہو اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں [۲۹]

قُلۡ اَمَرَ رَبِّىۡ بِالۡقِسۡطِ‌ۚ وَاَقِيۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ؕ‏ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم کر دیا ہے انصاف کا[۳۰] اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اسکو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر[۳۱] جیسا تم کو پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی پیدا ہو گے[۳۲]

فَرِيۡقًا هَدٰى وَفَرِيۡقًا حَقَّ عَلَيۡهِمُ الضَّلٰلَةُ‌ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ‏ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ ایک فرقہ کو ہدایت کی اور ایک فرقہ پر مقرر ہو چکی گمراہی انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں[۳۳]

يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا‌ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ‏ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اے اولاد آدم کی لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیؤ اور بیجا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے[۳۴]

ع ۳ / ۱۰

۲۹۔ فواحش کی مذمت: یعنی برے اور بے حیائی کے کام مثلاً مرد و عورت کا برہنہ طواف کرنا، جو ان آیات کی شان نزول ہے، جن سے عقل سلیم اور فطرت صحیحہ نفرت کرتی ہے۔ خدائے قدوس کی شان نہیں کہ ان کی تعلیم دے۔ وہ تو پاکی اور حیا کا سرچشمہ ہے۔ گندے اور بے حیائی کے کاموں کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔ اصل میں بے حیائی اور برائی کی تعلیم دینے والے وہ شیاطین ہیں جن کو انہوں نے اپنا فریق بنا رکھا ہے۔ دیکھو تمہارے سب سے پہلے ماں باپ کو شیطان نے فریب دے کر برہنہ کرایا۔ مگر وہ شرم و حیا کے مارے درختوں کے پتے بدن پر لپیٹنے لگے معلوم ہوا کہ برہنگی شیطان کی جانب سے اور تستر کی کوشش تمہارے باپ کی طرف سے ہوئی۔ پھر برہنہ طواف کرنے پر باپ دادوں کی سند لانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز بقول حضرت شاہ صاحبؒ سن چکے کہ پہلے باپ نے شیطانوں کا فریب کھایا پھر باپ کی کیوں سند لاتے ہو یہ کس قدر بے حیائی کی بات ہے کہ جو کام شیطان کے حکم سے ہو رہا ہے اسے کہا جائے کہ ہم کو خدا نے یہ حکم دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۳۰۔ روح المعانی میں ہے القسط علی ما قال غیر واحد العدل و ھو الوسط من کل شئ المتجافی عن طرفی الافراط و التفریط آیت کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے ہر کام میں توسط و اعتدال پر رہنے اور افراط و تفریط سے بچنے کی ہدایت کی ہے پھر بھلا فواحش کا حکم کیسے دے سکتے ہیں۔

۳۱۔ اخلاص کا حکم: "مترجم محقق نے مَسۡجِدٍ کو غالباً مصدر میمی بمعنی سجود لے کر تجوزاً نماز کا ترجمہ کیا ہے اور "وجوہ" کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے۔ یعنی نماز ادا کرنے کے وقت اپنا منہ سیدھا (کعبہ کی طرف) رکھو۔ مگر دوسرے بعض مفسرین وَاَقِيۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ خدا کی

عبادت کی طرف ہمیشہ استقامت کے ساتھ دل سے متوجہ رہو۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادات میں سیدھے رہو۔ جو راستہ پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ہے اس سے ٹیڑھے ترچھے نہ چلو۔ عبادت کی مقبولیت دو ہی چیزوں پر موقوف تھی خدا کے لئے ہو۔ جس کو آگے فرمادیا۔ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور اس مشروع طریق کے موافق ہو جو انبیاء و مرسلینؑ نے تجویز فرمایا ہے۔ اس کو اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ میں ادا کیا گیا۔ بہر حال اس آیت میں اوامر شرعیہ کی تمام انواع کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو بندوں کے معاملات سے متعلق ہیں وہ سب "قسط" میں آگئے اور جن کا تعلق خدا سے ہے اگر قالبی ہیں تو اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ میں اور قلبی ہیں تو وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ میں مندرج ہو گئے۔

۳۲۔ یعنی انسان کو اعتدال، استقامت اور اخلاص کی راہوں پر چلنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ موت کے بعد دوسری زندگی ملنے والی ہے جس میں موجودہ زندگی کے نتائج سامنے آئیں گے اس کی فکر ابھی سے ہونی چاہیئے۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر۔۱۸)۔

۳۳۔ یعنی جن پر گمراہی مقرر ہو چکی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست اور رفیق ٹھہرالیا ہے۔ اور تماشا یہ ہے کہ اس صریح گمراہی کے باوجود سمجھتے یہ ہیں کہ ہم خوب ٹھیک چل رہے ہیں اور مذہبی حیثیت سے جو روش اور طرز عمل ہم نے اختیار کر لیا ہے وہ ہی درست ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (کہف۔۱۰۴) (تنبیہ) آیت کے عموم سے ظاہر ہوا کہ کافر معاند کی طرح کافر مخطی بھی جو واقع اپنی غلط فہمی سے باطل کو حق سمجھ رہا ہو فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ میں داخل ہے، خواہ یہ غلط فہمی پوری طرح غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے ہو، یا اس لئے کہ گو اس نے بظاہر پوری قوت غور و فکر میں صرف کر دی، لیکن ایسے صریح اور واضح حقائق تک نہ پہنچنا خود بتلاتا ہے کہ فی الحقیقت اس سے قوت فکر و استدلال کے استعمال میں کوتاہی ہوئی ہے۔ گویا جن چیزوں پر ایمان لانا مدار نجات ہے وہ اس قدر روشن اور واضح ہیں کہ ان کے انکار کی بجز عناد یا قصور فکر و تامل کے اور کوئی صورت نہیں۔ بہر حال کفر شرعی ایک ایسا سنکھیا (زہر) ہے جو جان بوجھ کر یا غلط فہمی سے کسی طرح بھی کھایا جائے انسان کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ "اہل السنت والجماعت" کا مذہب یہ ہی ہے اور "روح المعانی" میں جو بعض کا اختلاف اس مسئلہ میں نقل کیا ہے، اس بعض سے مراد جاحظ و عنبری ہیں جو اہل السنت والجماعت میں داخل نہیں بلکہ باوجود "معتزلی" کہلائے جانے کے خود معتزلی کو بھی ان کے اسلام میں کلام ہے۔ اسی لئے صاحب روح المعانی نے ان کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھ دیا۔ "وللہ تعالیٰ الحجۃ البالغۃ والتزام ان کل کافر معاند بعد البعثت و ظہور امر الحق کفار علی علم اھ"

۳۴۔ لباس کی ضرورت واہمیت: "یہ آیات ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئیں جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اسے بڑی قربت اور پرہیز گاری سمجھتے تھے۔ اور بعض اہل جاہلیت ایام حج میں سدرمق سے زائد کھانا اور گھی یا چکنائی وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیتے تھے۔ بعضوں نے بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کر رکھا تھا۔ ان سب کو بتلا دیا کہ یہ کوئی نیکی اور تقویٰ کی باتیں نہیں۔ خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تستر اور آرائش ہے اس کی عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابل استعمال ہے تاکہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اس کی نعمتوں کا اثر لے کر حاضر ہو، خدا نے جو کچھ پہننے اور کھانے پینے کو دیا ہے اس سے تمتع کرو۔ بس شرط یہ ہے کہ اسراف نہ ہونے پائے۔ "اسراف" کے معنی ہیں۔ "حد سے تجاوز کرنا" جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً حلال کو حرام کر لے، یا حلال سے گذر کر حرام سے بھی متمتع ہونے لگے۔ یا اناپ شناپ بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گر پڑے، یا بدون اشتہا کے کھانے لگے، یا ناوقت کھائے۔ یا اس قدر کم کھائے جو صحت جسمانی اور قوت عمل کے باقی رکھنے کے لئے کافی نہ ہو، یا مضر صحت چیزیں استعمال کرے وغیرہ ذلک۔ لفظ "اسراف" ان سب

امور کو شامل ہو سکتا ہے۔ بیجا خرچ کرنا بھی اس کی ایک فرد ہے۔ اسی تعمیم کے لحاظ سے بعض سلف نے فرمایا کہ "جمع اللہ الطب کلہ فی نصف آیۃ" (خدا نے ساری طب آدھی آیت میں اکٹھی کر دی)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں قیامت کے دن اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیتیں انکے لئے جو سمجھتے ہیں[۳۵]

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ تو کہہ دے میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بیحیائی کی باتوں کو جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو[۳۶] اور ناحق زیادتی کو اور اس بات کو کہ شریک کرو اللہ کا ایسی چیز کو کہ جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور اس بات کو کہ لگاؤ اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں[۳۷]

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور ہر فرقے کے واسطے ایک وعدہ ہے پھر جب آ پہنچے گا ان کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے[۳۸]

۳۵۔ دنیا کی نعمتیں مومنین کے لئے ہیں: "عالم کی تمام چیزیں اسی لئے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی ان سے مناسب طریقہ سے منتفع ہو کر خالق جل وعلا کی عبادت، وفاداری اور شکر گذاری میں مشغول ہو اس اعتبار سے دنیا کی تمام نعمتیں اصل میں مومنین و مطیعین ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ البتہ کافروں کو بھی ان چیزوں سے روکا نہیں گیا وہ بھی اپنے اعمال و تدابیر سے دنیاوی مفاد حاصل کر لیتے ہیں بلکہ جب اہل ایمان قوت ایمان و تقوٰی میں کمزور ہوں تو یہ غاصبین اپنی عملی تگ و دو میں بظاہر زیادہ کامیاب معلوم ہوتے ہیں، جسے کچھ تو کفار کے اعمال فانیہ کا ثمرہ سمجھنا چاہئے اور کچھ مومنین کے حق میں تنبیہ و توبیخ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۔ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ڮ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ہود۔۱۶۔۱۵) رہی آخرت کی نعماء وہ خالص اہل ایمان کا حصہ ہے۔ بعض علماء نے خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کے معنی یہ لئے ہیں کہ دنیوی نعمتیں خالص نہیں کیونکہ ان کے ساتھ بہت سے غم و فکر اور

کلفتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ آخرت کی نعمتیں ہر قسم کی کدورات سے خالی ہوں گی۔ اور ابن عباس سے "در منثور" میں آیت کے معنی یہ نقل کئے ہیں کہ دنیوی نعمتیں اس شان سے کہ آخرت میں وبال نہ بنیں صرف مومنین کے لئے ہیں کفار کے حق میں یہاں کا تنعم ان کے کفر و حق ناشناسی کی وجہ سے عذاب و وبال بن جائے گا۔

۳۶۔ "اثم" سے عام گناہ مراد ہیں اور بعض مخصوص گناہوں کو مناسبت مقام یا اہمیت کی وجہ سے بیان فرما دیا اور بعض کے نزدیک "اثم" وہ گناہ ہے جس کا تعلق گناہ کرنے والے کے سوا دوسرے لوگوں سے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔"

۳۷۔ جیسا کے فحشاء کے متعلق کہتے تھے "واللہ امرنا بھا"

۳۸۔ ایک شبہ اور اس کا جواب: "بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ جب وعدہ کا وقت آ پہنچا تو تاخیر کا امکان عقلی تھا اس لئے نفی ضروری ہوئی مگر تقدیم تو عقلاً ممکن ہی نہیں۔ اس کی نفی سے کیا فائدہ ہے۔ اسی شبہ کی وجہ سے بعض مفسرین نے لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ کا عطف شرطیہ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ الخ پر مانا ہے اور بعض نے جَآءَ اَجَلُهُمْ سے قرب و دنو مراد لیا ہے میرے نزدیک ان تکلفات کی حاجت نہیں۔ محاورات میں کسی ایسی چیز کو جس کے مقابل دو طرفیں ہوں، زور اور تاکید سے ثابت کرنے کے لئے بسا اوقات ایک طرف کی جو محتمل الثبوت ہو۔ نفی مقصوداً کی جاتی ہے اور دوسری طرف کی جو پہلے سے غیر محتمل ہے، نفی کو محض مبالغہ تاکید اور تحسین کلام کے طور پر استطراداً ذکر کر دیتے ہیں۔ ایک خریدار دوکاندار سے کسی چیز کی قیمت معلوم کر کے کہتا ہے کہ "کچھ کم و بیش" وہ دوکاندار بھی کہہ دیتا ہے کہ "کم و بیش نہیں ہو سکتا" دونوں جگہ "کم" کا ذکر مقصود ہے اور "بیش" کا لفظ محض تعین قیمت کی تاکید و مبالغہ کے لئے استطراداً ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں غرض اصلی کلام سے یہ ہے کہ خدا کا وعدہ جب آ پہنچے تو پھر اٹل ہے ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ مقصود تاخیر کی نفی کرنا ہے۔ تقدیم جو پہلے سے ظاہر الانتفاء تھی اس کی نفی کرنا محض وعدہ کے اٹل ہونے پر زور ڈالنے کا ایک پیرایہ ہے۔ یعنی خدا پر افترا کرنے والے اور اس کی طرف نسبت کر کے حرام کو حلال بنانے والے خدا کی ڈھیل پر مغرور و بے فکر نہ ہوں، ہر امت اور ہر فرد کی خدا کے یہاں ایک معین مدت ہے، جب سزا کی گھڑی آ جائے گی پھر ٹل نہ سکے گی۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اے اولاد آدم کی اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں کے کہ سنائیں تم کو آیتیں میری تو جو کوئی ڈرے اور نیکی پکڑے تو نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے وہی ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے [۳۹]

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اُولٰٓىٕكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ

۳۷۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا جھٹلائے اسکے حکموں کو [۴۰] وہ لوگ ہیں کہ ملے گا ان کو جو ان کا حصہ لکھا ہوا ہے کتاب میں [۴۱] ہاں تک کہ

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَيۡنَ مَا
كُنۡتُمۡ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا وَ
شَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ﴿۳۷﴾

جب پہنچیں ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے انکی جان لینے کو تو کہیں کیا ہوئے وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے سوا اللہ کے بولیں گے وہ ہم سے کھوئے گئے اور اقرار کرلیں گے اپنے اوپر کہ بیشک وہ کافر تھے [۴۲]

قَالَ ادۡخُلُوۡا فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مِّنَ
الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ فِى النَّارِ‌ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّةٌ
لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا‌ ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوۡا فِيۡهَا جَمِيۡعًا ۙ
قَالَتۡ اُخۡرٰٮهُمۡ لِاُوۡلٰٮهُمۡ رَبَّنَا هٰٓؤُلَۤاءِ اَضَلُّوۡنَا
فَاٰتِهِمۡ عَذَابًا ضِعۡفًا مِّنَ النَّارِ ؕ‌ قَالَ لِكُلٍّ
ضِعۡفٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ہمراہ اور امتوں کے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں جن اور آدمیوں میں سے دوزخ کے اندر [۴۳] جب داخل ہو گی ایک امت تو لعنت کرے گی دوسری امت کو [۴۴] یہاں تک کہ جب گر چکیں گے اس میں سارے تو کہیں گے انکے پچھلے پہلوں کو اے رب ہمارے ہم کو انہی نے گمراہ کیا سو تو انکو دے دونا عذاب آگ کا فرمائے گا کہ دونوں کو دوگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے [۴۵]

وَ قَالَتۡ اُوۡلٰٮهُمۡ لِاُخۡرٰٮهُمۡ فَمَا كَانَ لَـكُمۡ
عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ
تَكۡسِبُوۡنَ ﴿۳۹﴾ ع

۳۹۔ اور کہیں گے ان کے پہلے پچھلوں کو پس کچھ نہ ہوئی تم کو ہم پر بڑائی اب چکھو عذاب بسبب اپنی کمائی کے [۴۶]

ع ٤ / ١١

۳۹۔ دنیا میں پیغمبروں کی بعثت کا وعدہ: ابن جریر نے ابو یسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ الخ کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى (البقرہ۔۳۸) الخ اور بعض محققین کے نزدیک جو خطاب ہر زمانہ میں ہر قوم کو ہوتا رہا، یہ اس کی حکایت ہے میرے نزدیک دور کوع پہلے سے جو مضمون چلا آرہا ہے اس کی ترتیب و تنسیق خود ظاہر کرتی ہے کہ جب آدم و حوا اپنے اصلی مسکن (جنت) سے جہاں ان کو آزادی و فراخی کے ساتھ بلا روک ٹوک زندگی بسر کرنے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ عارضی طور پر محروم کر دیے گئے تو ان کی مخلصانہ توبہ و انابت پر نظر کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس حرمان کی تلافی اور تمام اولاد آدم کو اپنی آبائی میراث واپس دلانے کے لئے کچھ ہدایات کی جائیں۔ چنانچہ ہبوط آدمؑ کا قصہ ختم کرنے کے

بعد یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا الخ سے خطاب شروع فرما کر تین چار رکوع تک ان ہی ہدایات کا مسلسل بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں کل اولاد آدم کو گویا بیک وقت موجود تسلیم کر کے عام خطاب کیا گیا ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد ہم نے بہشتی لباس وطعام کی جگہ تمہارے لئے زمینی لباس وطعام کی تدبیر فرما دی گو جنت کی خوشحالی اور بے فکری یہاں میسر نہیں تاہم ہر قسم کی راحت و آسائش کے سامان سے متنفع ہونے کا تم کو موقع دیا تاکہ تم یہاں رہ کر اطمینان سے اپنا مسکن اصلی اور آبائی ترکہ واپس لینے کی تدبیر کر سکو۔ چاہئے کہ شیطان لعین کے مکر و فریب سے ہشیار رہو۔ کہیں ہمیشہ کے لئے تم کو اس میراث سے محروم نہ کر دے بیحیائی اور اثم وعدوان سے بچو۔ اخلاص و عبودیت کا راستہ اختیار کرو۔ خدا کی نعمتوں سے تمتع کرو مگر جو حدود و قیود مالک حقیقی نے عائد کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ پھر دیکھو ہر قوم اپنی اپنی مدت موعودہ پوری کر کے کس طرح اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جاتی ہے اس اثناء میں اگر خدا کسی وقت تم ہی میں سے اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے جو خدا کی آیات پڑھ کر سنائیں جن سے تم کو اپنے باپ کی اصلی میراث (جنت) حاصل کرنے کی ترغیب و تذکیر ہو اور مالک حقیقی کی خوشنودی کی راہیں معلوم ہوں، ان کی پیروی اور مدد کرو۔ خدا سے ڈر کر برے کاموں کو چھوڑو اور اعمال صالح اختیار کرو۔ تو پھر تمہارا مستقبل بالکل بے خوف وخطر ہے۔ تم ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں سکھ اور امن و اطمینان کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہاں اگر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کر کے ان پر عمل کرنے سے کترائے تو مسکن اصلی اور آبائی میراث سے دائمی محرومی اور ابدی عذاب و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ بہر حال جو لوگ اس آیت سے ختم نبوت کی نصوص قطعیہ کے خلاف قیامت تک کے لئے انبیاء و رسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں ان کے لئے اس جگہ کوئی موقع اپنی مطلب براری کا نہیں۔

۴٠۔ ہبوط آدم علیہ السلام: یعنی ان سچے پیغمبروں کی تصدیق کرنا ضروری ہے جو واقعی خدا کی آیات سناتے ہیں باقی جو شخص پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کرے اور جھوٹی آیات بنا کر خدا پر افتراء کرے یا کسی سچے پیغمبر کو اور اس کی لائی ہوئی آیات کو جھٹلائے ان دونوں سے زیادہ ظالم کوئی نہیں۔

۴١۔ یعنی دنیا میں عمر و رزق وغیرہ جتنا مقدر ہے یا یہاں کی ذلت و رسوائی جو ان کے لئے لکھی ہے وہ پہنچے گی۔ پھر مرتے وقت اور مرنے کے بعد جو گت بنے گی اس کا ذکر آگے آتا ہے اور اگر نَصِیۡبُہُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ سے دنیا کا نہیں عذاب آخروی کا حصہ مراد لیا جائے تو حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتۡہُمۡ سے اس پر تنبیہ ہوگی کہ اس عذاب کے مبادی کا سلسلہ اسی دنیوی زندگی کے آخری لمحات سے شروع ہو جاتا ہے۔

۴٢۔ یعنی جب فرشتے نہایت سختی سے ان کی روح قبض کر کے برے حال سے لے جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ خدا کے سوا جن کو تم پکارا کرتے تھے وہ کہاں گئے جواب تمہارے کام نہیں آتے، انہیں بلاؤ تاکہ اس مصیبت سے تمہیں چھڑائیں۔ اس وقت کفار کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہم سخت غلطی میں پڑے تھے کہ ایسی چیزوں کو معبود و مستعان بنایا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ آج ہماری اس مصیبت میں ان کا کہیں پتہ نہیں لیکن یہ ناوقت کا اقرار و ندامت کیا نفع دے سکتا ہے۔ حکم ہو گا ادۡخُلُوۡا فِیۡۤ اُمَمٍ الخ باقی بعض مواضع میں جو وارد ہوا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک سے انکار کریں گے، اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ قیامت میں مواقف اور احوال مختلف ہونگے اور جماعتیں بھی بے شمار ہوں گی۔ کہیں ایک موقف یا ایک جماعت کا ذکر ہے کہیں دوسری کا۔

۴٣۔ یعنی آگے پیچھے سب کفار کو دوزخ ہی میں داخل ہونا ہے۔

۴۴۔ دوزخ میں امتوں کی ایک دوسرے پر لعنت: یعنی اس مصیبت میں باہم ہمدردی تو کیا ہوتی، دوزخی ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔ شاید اتباع اپنے سرداروں سے کہیں کہ تم پر خدا کی لعنت ہو تم اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبے اور سردار اتباع سے کہیں کہ ملعونو! اگر ہم گڑھے میں گر پڑے تھے تو تم کیوں اندھے بن گئے۔ وغیر ذلک۔

۴۵۔ یعنی ایک حساب سے پہلوں کا گناہ دگنا کہ خود گمراہ ہوئے اور دوسرے آنے والوں کے لئے راہ ڈالی۔ اور ایک طرح پچھلوں کو دگنا کہ خود

بھکے اور پہلوں کا حال دیکھ سن کر عبرت حاصل نہ کی۔ یا چونکہ ہر دوزخی کا عذاب اپنے اپنے درجہ کے موافق وقتاً فوقتاً بڑھتا رہے گا اس لئے فرمایا کہ ہر ایک کا عذاب دگنا ہوتا چلا جائے گا۔ ابھی آغاز تعذیب میں تمہیں انجام کی خبر نہیں یعنی پہلوں کا عذاب دگنا کر دینے سے تم پچھلوں کو کوئی شفاء اور راحت نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ لکلٍ ضعف سے دونوں مراد لئے جائیں۔ لیکن ابن کثیرؒ کے نزدیک اس آیت میں پچھلوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ بیشک ہم نے پہلوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے درجہ کے موافق دگنا ہی عذاب رکھا ہے جیسا کہ دوسری جگہ خبر دی ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (نحل۔۸۸) وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (عنکبوت۔۱۳) وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (نحل۔۲۵)

۴۶۔ یعنی ہماری سزا میں اضافہ کی درخواست کرکے تمہیں کیا مل گیا؟ کیا تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہو گئی؟ نہیں تم کو بھی اپنی کرتوت کا مزہ چکھنا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ بیشک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان کے مقابلہ میں تکبر کیا نہ کھولے جائیں گے انکے لئے دروازے آسمان کے [۴۷] اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں [۴۸] اور ہم یوں بدلا دیتے ہیں گنہگاروں کو

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ انکے واسطے دوزخ کا بچھونا ہے اور اوپر سے اوڑھنا [۴۹] اور ہم یوں بدلا دیتے ہیں ظالموں کو

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۫ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر مگر اس کی طاقت کے موافق وہی ہیں جنت میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے [۵۰]

وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا

۴۳۔ اور نکال لیں گے ہم جو کچھ ان کے دلوں میں خفگی تھی [۵۱] بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں اور وہ کہیں گے شکر اللہ کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ ہدایت کرتا ہم کو اللہ بیشک لائے تھے

لِهٰذَا ۠ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

رسول ہمارے رب کے سچی بات [۵۲] اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے بدلے میں اپنے اعمال کے [۵۳]

۴۷۔ کفار کی ارواح: یعنی نہ زندگی میں ان کے اعمال کے لئے آسمانی قبول و رفعت حاصل ہے۔ نہ موت کے بعد ان کی ارواح کو آسمان پر چڑھنے کی اجازت ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ "بعد موت کافر کی روح کو آسمان کی جانب سے سجین کی طرف دھکے دیے جاتے ہیں اور مومن کی روح ساتویں آسمان تک صعود کرتی ہے" مفصل احوال کتب احادیث میں ملاحظہ کرو۔

۴۸۔ کفار جنت میں داخل نہیں ہوسکتے: یہ تعلیق بالمحال کے طور پر فرمایا۔ ہر زبان کے محاورات میں ایسی امثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے محال ہونے کو دوسری محال چیز پر معلق کر کے ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اونٹ اپنی اسی ایسی کلانی اور جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ اور چھوٹا ہو۔ اس کے باوجود اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح ان مکذبین و مستکبرین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے کیونکہ حق تعالیٰ جہنم میں ان کے "خلود" کی خبر دے چکا ہے اور علم الٰہی میں یہ ہی سزا ان کے لئے ٹھہر چکی ہے۔ پھر خدا کے علم اور اخبار کے خلاف کیسے وقوع میں آسکتا ہے۔"

۴۹۔ یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہو گی، کسی کروٹ چین نہ ملے گا۔

۵۰۔ آخرت میں مومنین کا حال: لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ جملہ معترضہ ہے جس سے درمیان میں متنبہ فرمادیا کہ ایمان و عمل صالح جس پر اتنا عظیم الشان صلہ مرحمت ہوتا ہے کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جو انسان کی طاقت سے باہر ہو، یا یہ مطلب ہے کہ ہر آدمی سے عمل صالح اسی قدر مطلوب ہے جتنا اس کی مقدرت اور طاقت میں ہو، اس سے زائد کا مطالبہ نہیں کیا جارہا۔

۵۱۔ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ سے مراد یا تو یہ ہے کہ باہم جنتیوں میں نعمائے جنت کے متعلق کسی طرح کا رشک و حسد نہ ہو گا ہر ایک اپنے کو اور دوسرے بھائی کو جس مقام میں ہے دیکھ کر خوش ہو گا۔ بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کو لعن و طعن کریں گے جیسا کہ پہلے گذرا۔ اور یا یہ مراد ہے کہ صالحین کے درمیان جو دنیا میں کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی طرف سے انقباض پیش آتا ہے وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پیشتر دلوں سے نکال دیا جائے گا۔ وہاں سب ایک دوسرے سے سلیم الصدور ہوں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا" مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم انہی لوگوں میں سے ہوں گے" مترجم محقق قدس اللہ روحہٗ نے اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ کیا ہے۔

۵۲۔ یعنی خدا کی توفیق و دستگیری اور رسولوں کی سچی رہنمائی سے اس اعلیٰ مقام پر پہنچنا نصیب ہوا ورنہ ہم کہاں اور یہ مرتبہ کہاں۔

۵۳۔ جنت کے وارث مومنین ہیں: یہ آواز دینے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہو گا۔ یعنی آج ساری عملی جدوجہد ٹھکانے لگ گئی اور تم نے کوشش کر کے خدا کے فضل سے اپنے باپ آدمؑ کی میراث ہمیشہ کے لئے حاصل کر لی۔ حدیث میں ہے کہ "کسی شخص کا عمل ہرگز اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا حقیقی سبب نہیں۔ فقط ظاہری سبب ہے۔ دخول جنت کا حقیقی سبب خدا کی رحمت کاملہ ہے جیسا کہ اسی حدیث میں "الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ" کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ہاں بندہ پر رحمت الٰہیہ کا نزول اسی قدر ہوتا ہے

جس قدر عمل کی روح اس میں موجود ہو۔ مترجمؒ زبانی فرمایا کرتے تھے کہ گاڑی تو رحمت الٰہیہ کے زور سے چلتی ہے۔ عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارہ پر چلاتے اور روکتے ہیں۔

وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ
وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَہَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا
وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ
بَیۡنَہُمۡ اَنۡ لَّعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور پکاریں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ ہم نے پایا جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہمارے رب نے سچا سو تم نے بھی پایا اپنے رب کے وعدہ کو سچا وہ کہیں گے کہ ہاں پھر پکارے گا ایک پکارنے والا انکے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی ان ظالموں پر

الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا
عِوَجًا ۚ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ کٰفِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے تھے اس میں کجی اور وہ آخرت سے منکر تھے[۵۴]

وَ بَیۡنَہُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَی الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ
یَّعۡرِفُوۡنَ کُلًّۢا بِسِیۡمٰہُمۡ ۚ وَ نَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ
سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۟ لَمۡ یَدۡخُلُوۡہَا وَ ہُمۡ یَطۡمَعُوۡنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور دونوں کے بیچ میں ہو گی ایک دیوار[۵۵] اور اعراف کے اوپر مرد ہوں گے کہ پہچان لیں گے ہر ایک کو اس کی نشانی سے اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلامتی ہے تم پر وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ امیدوار ہیں[۵۶]

وَ اِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُہُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ
قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۷﴾ ع ۵/۸ ۱۲

۴۷۔ اور جب پھرے گی ان کی نگاہ دوزخ والوں کی طرف تو کہیں گے اے رب ہمارے مت کر ہم کو گنہگار لوگوں کے ساتھ[۵۷]

وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَہُمۡ
بِسِیۡمٰہُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡکُمۡ جَمۡعُکُمۡ وَ مَا
کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو کہ انکو پہچانتے ہیں انکی نشانی سے[۵۸] کہیں گے نہ کام آئی تمہارے جماعت تمہاری اور جو تم تکبر کیا کرتے تھے[۵۹]

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اب یہ وہی ہیں کہ تم قسم کھایا کرتے تھے کہ نہ پہنچے گی ان کو اللہ کی رحمت چلے جاؤ جنت میں نہ ڈر ہے تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے [۶۰]

۵۴۔ اہل جنت اور اہل دوزخ کا مکالمہ: ان آیات میں ان مخاطبات و مکالمات کا ذکر ہے جو جنتیوں اور دوزخیوں یا ان دونوں اور اصحاب اعراف میں ہوں گے۔ پہلی اور آخری گفتگو جو "اصحاب الجنۃ" اور "اصحاب النار" میں اِدھر سے یا اُدھر سے ہو گی۔ صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ مخاطبات جنت یا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کے ہیں۔ اس لئے نظم کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اصحاب اعراف کی درمیانی گفتگو کو بھی اس کے بعد ہی مانا جائے۔ بہر حال جنتی جنت میں پہنچ کر اپنے حال پر اظہار مسرت اور دوزخیوں کی تفریع و نکایت کے لئے کہیں گے کہ جو کچھ وعدے حق تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبانی ہم سے فرمائے تھے کہ ایمان لانے والوں کو نعیم دائم ملے گی، ہم تو انہیں سچا پا رہے ہیں۔ اے اہل جہنم! تم بولو کہ تمہارے کفر و عصیان پر جو دھمکیاں دی گئی تھیں تم نے بھی ان کو سچا پایا؟ ظاہر ہے جواب میں بجز "نعم" کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس وقت خدا کا ایک منادی دونوں کے درمیان کھڑا ہو کر پکارے گا کہ (یوں تو گنہگار بہت سے ہیں مگر) خدا کی بڑی پھٹکار ان ظالموں پر ہے جو خود گمراہ ہوئے اور آخرت کے انجام سے بالکل بے فکر ہو کر دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے اور اپنی کج بحثیوں سے رات دن اسی فکر میں تھے کہ صاف اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔

۵۵۔ حجاب کے معنی پردہ اور آڑ کے ہیں۔ یہاں پردہ کی دیوار مراد ہے۔ جس کی تصریح سورہ حدید میں کی گئی ہے "فضرب بینھم بسور لہ باب" یہ دیوار جنت کی لذتوں کو دوزخ تک اور دوزخ کی کلفتوں کو جنت تک پہنچنے سے مانع ہو گی اس کی تفصیلی کیفیت کا ہم کو علم نہیں۔"

۵۶۔ اعراف اور اصحاب اعراف: اسی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہو گا اس کو "اعراف" کہتے ہیں اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟ قرطبی نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں راجح وہ ہی قول ہے جو حضرت حذیفہ، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اکثر سلف و خلف سے منقول ہے۔ یعنی وزن اعمال کے بعد جن کے حسنات بھاری ہوں گے وہ جنتی ہیں اور جن کے سئیات غالب ہوئے وہ دوزخی۔ اور جن کے حسنات و سئیات بالکل مساوی ہوں گے وہ اصحاب اعراف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار اصحاب اعراف جنت میں چلے جائیں گے یہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ عصاۃ مومنین جن کے سئیات غالب تھے، جہنم سے نکل کر آخر کار جنت میں داخل ہوں گے۔ تو اصحاب اعراف جن کے حسنات اور سئیات برابر ہیں وہ ان سے پہلے داخل ہونے چاہئیں۔ گویا اصحاب اعراف کو اصحاب الیمین کی ایک کمزور قسم سمجھنا چاہئے جس طرح "سابقین مقربین" فی الحقیقت اصحاب یمین کی ایک ایسی قسم ہے جو اپنی اولوالعزمیوں کی بدولت عام اصحاب یمین سے آگے نکل گئے ہیں اس کے بالمقابل اصحاب اعراف گری ہوئی قسم ہے جو اپنے اعمال کی کثافت کی وجہ سے عام اصحاب یمین سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں یہ لوگ اہل جہنم اور اہل جنت کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے دونوں طبقے کے لوگوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی اور بدرونقی سے۔ بہر حال جنت والوں کو دیکھ کر سلام کریں گے جو بطور مبارکباد ہو گا اور چونکہ خود ابھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے اس کی طمع اور آرزو کریں گے جو آخر کار پوری کر دی جائے گی۔

۵۷۔ جنت و دوزخ کے درمیان ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی حالت خوف و رجاء کے بیچ میں ہوگی ادھر دیکھیں گے تو امید کریں گے اور ادھر نظر پڑے گی تو خدا سے ڈر کر پناہ مانگیں گے کہ ہم کو ان دوزخیوں کے زمرہ میں شامل نہ کیجئے۔

۵۸۔ یعنی علاوہ دوزخ میں معذب ہونے کے ان کے چہروں سے دوزخی ہونے کی علامات ہویدا ہوں گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کو اصحاب اعراف نے دنیا میں دیکھا ہوگا۔ اس لئے وہاں صورت دیکھ کر پہچان لیں گے۔

۵۹۔ یعنی اس مصیبت کے وقت تمہاری وہ جماعتیں اور جتھے کہاں گئے اور دنیا میں جو بڑھ بڑھ کر شیخیاں مارتے تھے، وہ اب کیا ہوئیں۔

۶۰۔ یہ اہل جنت کی طرف اشارہ کر کے دوزخیوں سے کہیں گے کہ وہ ٹوٹے پھوٹے مساکین اور ضعیف الحال جن کو تم حقیر سمجھ کر کہا کرتے تھے کہ کیا خدا کی مہربانی سب کو چھوڑ کر ان جیسوں پر ہو سکتی ہے اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا (انعام۔۵۳) ان کو تو آج کہہ دیا گیا کہ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ الخ (چلے جاؤ جنت میں بے خوف و خطر) حالانکہ تم اس عذاب میں مبتلا ہو۔

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور پکاریں گے دوزخ والے جنت والوں کو کہ بہاؤ ہم پر تھوڑا سا پانی یا کچھ اس میں سے جو روزی تم کو دی اللہ نے کہیں گے اللہ نے ان دونوں کو روک دیا ہے کافروں سے

الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین تماشا اور کھیل اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے سو آج ہم انکو بھلا دیں گے جیسا انہوں نے بھلا دیا اس دن کے ملنے کو اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے منکر تھے [۶۱]

وَلَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور ہم نے ان لوگوں کے پاس پہنچا دی ہے کتاب جس کو مفصل بیان کیا ہے ہم نے خبر داری سے راہ دکھانے والی اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے [۶۲]

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ تَاۡوِيۡلُهٗ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ نَسُوۡهُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ۚ فَهَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ فَيَشۡفَعُوۡا لَنَاۤ اَوۡ

۵۳۔ کیا اب اسی کے منتظر ہیں کہ اس کا مضمون ظاہر ہو جائے جس دن ظاہر ہو جائے گا اس کا مضمون کہنے لگیں گے وہ لوگ جو اس کو بھول رہے تھے پہلے سے بیشک لائے تھے ہمارے رب کے رسول سچی بات سو اب کوئی ہماری سفارش والے ہیں تو ہماری سفارش کریں یا ہم لوٹا دیے

نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

جائیں تو ہم عمل کریں خلاف اس کے جو ہم کر رہے تھے بیشک تباہ کیا انہوں نے اپنے آپ کو اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افترا کیا کرتے تھے[٦٣]

ع ٦ ١٣

٦١۔ اہل دوزخ کی اہل جنت سے فریاد: دوزخی بدحواس اور مضطرب ہو کر اہل جنت کے سامنے دست سوال دراز کریں گے کہ ہم جلے جاتے ہیں، تھوڑا سا پانی ہم پر بہاؤ یا جو نعمتیں تم کو خدا نے دے رکھی ہیں کچھ ان سے ہمیں بھی فائدہ پہنچاؤ جواب ملے گا کہ کافروں کے لئے ان چیزوں کی بندش ہے۔ یہ کافر وہ ہی تو ہیں جو دین کو کھیل تماشہ بناتے تھے اور دنیا کے تنعم پر پھولے ہوئے تھے۔ سو جیسا ان کو دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی آخرت کا خیال نہیں آیا آج ہم بھی ان کا کچھ خیال نہ کریں گے اور جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا آج ہم بھی ان کی درخواست منظور کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

٦٢۔ آخرت میں کفار کا پچھتاوا: قرآن جیسی کتاب کی موجودگی میں جس میں تمام ضروریات کی عالمانہ تفصیل موجود ہے اور ہر بات کو پوری آگاہی سے کھول کو بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ ایمان والے اس سے خوب منتفع ہو رہے ہیں، غضب ہے کہ ان متکبر معاندوں نے کچھ بھی اپنے انجام پر غور نہ کیا۔ پھر اب پچھتانے سے کیا حاصل۔

٦٣۔ کتاب اللہ میں جو دھمکیاں عذاب کی دی گئی ہیں کیا یہ اس کے منتظر ہیں کہ جب ان دھمکیوں کا مضمون (مصداق) سامنے آجائے تب حق کو قبول کریں۔ حالانکہ وہ مضمون جب سامنے آجائے گا یعنی عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے تو اس وقت کا قبول کرنا کچھ کام نہ دے گا اس وقت تو سفارشیوں کی تلاش ہو گی جو خدا کی سزا سفارش کر کے معاف کرا دیں اور چونکہ ایسا سفارشی کافروں کو کوئی نہ ملے گا تو یہ تمنا کریں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج کر امتحان کر لیا جائے کہ اس مرتبہ اپنے جرائم کے خلاف ہم کیسی نیکی اور پرہیزگاری کے کام کرتے ہیں۔ لیکن اب اس تمنا سے کیا حاصل جبکہ پہلے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو برباد کر چکے اور جو جھوٹے خیالات پکا رکھے تھے وہ سب رفو چکر ہو گئے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

٥٤۔ بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین[٦٤] چھ دن میں[٦٥] پھر قرار پکڑا عرش پر[٦٦] اوڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اسکے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا اور پیدا کئے سورج اور چاند اور تارے[٦٧] تابعدار اپنے حکم کے[٦٨] سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا[٦٩]

٦٤۔ زمین و آسمان کی تخلیق چھ دن میں: گذشتہ آیت میں معاد کا ذکر تھا اس رکوع میں مبدا کی معرفت کرائی گئی ہے۔ وہاں قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ سے بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء و رسل سے منحرف رہتے تھے ان کو بھی قیامت کے دن پیغمبروں کی سچائی کی ناچار تصدیق

کرنی پڑے گی۔ یہاں نہایت لطیف پیرایہ میں خدا کی حکومت یاد دلانے اور انبیاء ورسل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے احوال وواقعات کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ انکی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں کیا انجام ہوا گویا یہ رکوع آنے والے کئی رکوعات کی تمہید ہے۔

۶۵۔ "یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا پیدا کیا کیونکہ یہ متعارف دن اور رات تو آفتاب کے طلوع وغروب سے وابستہ ہیں جب اس وقت آفتاب ہی پیدا نہ ہوا تھا تو دن رات کہاں سے ہوتا۔ یا یہ کہا جائے کہ عالم شہادت کے دن رات مراد نہیں، عالم غیب کے دن رات مراد ہیں۔ جیسے کسی عارف نے فرمایا ہے غیب راابرے وآبے دیگر است۔ آسمان و آفتابے دیگر است۔ پہلی صورت میں پھر علماء کا اختلاف ہے کہ یہاں چھ دن سے ہمارے چھ دن کی مقدار مراد ہے۔ یا ہزار برس کا ایک ایک دن جسے فرمایا ہے وَاِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ (الحج۔ ۴۷) میرے نزدیک یہ آخری قول راجح ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہوا کہ آسمان و زمین دفعۃً بنا کر نہیں کھڑے کئے گئے۔ شاید اول ان کا مادہ پیدا فرمایا ہو۔ پھر اس کی استعداد کے موافق بتدریج مختلف اشکال وصور میں منتقل کرتے رہے ہوں۔ حتّٰی کہ چھ دن (چھ ہزار سال) میں وہ بجمیع متعلقاتہما موجودہ مرتب شکل میں موجود ہوئے۔ جیسا کہ آج بھی انسان اور کل حیوانات ونباتات وغیرہ کی تولید وتخلیق کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے۔ اور یہ اس کی شان "کن فیکون" کے منافی نہیں۔ کیونکہ "کن فیکون" کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ خدا جس چیز کو وجود کے جس درجہ میں لانا چاہے اس کا ارادہ ہوتے ہی وہ اس درجہ میں آجاتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی چیز کو وجود کے مختلف مدارج سے گذارنے کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ ہر شے کو بدون توسط اسباب وعلل کے دفعۃً موجود کرتا ہے۔

۶۶۔ استویٰ علی العرش کی تفسیر: "خدا تعالیٰ کی صفات وافعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ نصوص قرآن وحدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے مثلاً خدا کو "حی" "سمیع" "بصیر" "متکلم" کہا گیا اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کئے گئے، توان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع وبصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوئیں۔ ایک وہ آلہ جسے آنکھ کہتے ہیں اور جو دیکھنے کا مبدا اور ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رویت بصری سے حاصل ہوا۔ مخلوق کو جب "بصیر" کہا تو یہ مبداء اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں۔ اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کر لیں۔ لیکن یہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال کیا گیا تو یقیناً ومبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں ہو سکتیں جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبداء اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہو سکتا ہے اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبداء کیسا ہے اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ (شوریٰ۔ ۱۱) نہ صرف سمیع وبصیر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبداء وغایت کے ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کے ماوراء عقل حقائق میں خوض کرکے پریشان ہو۔ اس کا کچھ حصہ خلاصہ ہم سورہ مائدہ میں زیر فائدہ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ (المائدہ۔ ۶۴) بیان کر چکے ہیں۔ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ کو بھی اسی قاعدہ سے سمجھ لو۔ "عرش" کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں۔ "استواء" کا ترجمہ اکثر محققین نے "استقرار وتمکن" سے کیا ہے (جسے مترجمؒ نے قرار پکڑنے سے تعبیر فرمایا) گویا یہ لفظ تخت حکومت پر ایسی طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطہ نفوذ واقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ و تسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑی پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک مبداء اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض وغایت یعنی ملک پر پورا تسلط واقتدار اور نفوذ وتصرف کی قدرت حاصل ہونا۔ حق تعالیٰ کے اسۡتَوٰى

عَلَى الْعَرْشِ میں یہ حقیقت اور غرض وغایت بدرجہ کمال موجود ہے یعنی آسمان وزمین (کل علویات وسفلیات) کو پیدا کرنے کے بعد ان پر کامل قبضہ واقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ وشہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک ٹوک اسی کو حاصل ہے جیسا کہ دوسری جگہ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ کے بعد یُدَبِّرُ الْاَمْرَ وغیرہ الفاظ اور یہاں یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ الخ سے اسی مضمون پر متنبہ فرمایا ہے۔ رہا اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ کا مبداء اور ظاہری صورت، اس کے متعلق وہ ہی عقیدہ رکھنا چاہئے جو ہم "سمع وبصر" وغیرہ صفات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی جس میں صفات مخلوقین اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو۔ پھر کیسی ہے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم۔ وزہر چہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم۔ منزل تمام گشت وبپایاں رسید عمر۔ ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم۔ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

۶۷۔ چاند سورج اور دن رات کی تخلیق: یعنی رات کے اندھیرے کو دن کے اجالے سے یا دن کے اجالے کو رات کے اندھیرے سے ڈھانپتا ہے اس طرح کہ ایک دوسرے کا تعاقب کرتا ہوا تیزی سے چلا آتا ہے۔ ادھر رات ختم ہوئی ادھر دن آموجود ہوا، یا دن تمام ہوا تو فوراً رات آگئی۔ درمیان میں ایک منٹ کا وقفہ بھی نہیں ہوتا۔ شاید اس پر بھی تنبیہ فرمادی کہ اسی طرح کفر وضلالت اور ظلم وعدوان کی شب دیجور جب عالم پر محیط ہو جاتی ہے اس وقت خدا تعالیٰ ایمان وعرفان کے آفتاب سے ہر چہار طرف روشنی پھیلا دیتا ہے۔ اور جب تک آفتاب عالمتاب کی روشنی نمودار نہ ہو تو نبوت کے چاند تارے رات کی تاریکی میں اجالا اور رہنمائی کرتے ہیں۔

۶۸۔ کوئی سیارہ اس کے حکم کے بدون حرکت نہیں کر سکتا۔

۶۹۔ پیدا کرنا "خلق" ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا یہ "امر" ہے اور دونوں اسی کے قبضہ واختیار میں ہیں۔ اس طرح وہ ہی ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہوا۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے [۷۰] اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے [۷۱]

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے [۷۲] بیشک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے

۷۰۔ اللہ کو پکارنے کا طریقہ: جب "عالم خلق وامر" کا مالک اور تمام برکات کا منبع وہ ہی ذات ہے تو اپنی دنیوی واخروی حوائج میں اسی کو پکارنا چاہئے۔ الحاح واخلاص اور خشوع کے ساتھ بدون ریاکاری کے آہستہ آہستہ اس سے معلوم ہوا کہ دعاء میں اصل اخفاء ہے اور یہی سلف کا معمول تھا۔ بعض مواضع میں جہر واعلان کسی عارض کی وجہ سے ہو گا۔ جس کی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں ہے۔

۷۱۔ یعنی دعاء میں حد ادب سے نہ بڑھے۔ مثلاً جو چیزیں عادتاً یا شرعاً محال ہیں وہ مانگنے لگے یا معاصی اور لغو چیزوں کی طلب کرے یا ایسا سوال کرے جو اس کی شان وحیثیت کے مناسب نہیں، یہ سب "اعتداء فی الدعاء" میں داخل ہے۔

۴۲۔ پچھلی آیتوں میں ہر حاجت کے لئے خدا کو پکارنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ اس آیت میں مخلوق اور خالق دونوں کے حقوق کی رعایت سکھلائی یعنی جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑی نہ ڈالو اور خوف ورجاء کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول رہو۔ نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اس کے عذاب سے مامون اور بے فکر ہو کر گناہوں پر دلیر بنو۔ میرے نزدیک یہ ہی راجح ہے کہ یہاں وَادْعُوْهُ الخ میں دعاء سے عبادت مراد لی جائے۔ جیسا کہ صلوٰۃ تہجد کے بارہ میں فرمایا۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (السجدہ۔۱۶)

وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور وہی ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی مینہ سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھا لاتی ہیں بھاری بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں ہم اس بادل کو ایک شہر مردہ کی طرف پھر ہم اتارتے ہیں اس بادل سے پانی پھر اس سے نکالتے ہیں سب طرح کے پھل اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم غور کرو

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۷/۱۴

۵۸۔ اور جو شہر پاکیزہ ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے اس میں نہیں نکلتا مگر ناقص یوں پھیر پھیر کر بتلاتے ہیں ہم آیتیں حق ماننے والے لوگوں کو [۷۳]

۷۳۔ کائنات میں حق تعالیٰ کا تصرف: "پچھلی آیات میں "استواء علی العرش" کے ساتھ فلکیات (چاند سورج وغیرہ) میں جو خدائی تصرفات ہیں ان کا بیان تھا، درمیان میں بندوں کو کچھ مناسب ہدایات کی گئیں اب سفلیات اور "کائنات الجو" کے متعلق اپنے بعض تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ معلوم کر لیں کہ آسمان زمین اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کی کل حکومت صرف اسی رب العالمین کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہوائیں چلانا، مینہ برسانا، قسم قسم کے پھول، پھل پیدا کرنا۔ ہر زمین کی استعداد کے موافق کھیتی اور سبزہ اگانا، یہ سب اسی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نشان ہیں۔ اسی ذیل میں مُردوں کا موت کے بعد جی اٹھنا اور قبروں سے نکلنا بھی سمجھا دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ایک تو مُردوں کا نکلنا قیامت میں ہے اور ایک دنیا میں یعنی جاہل ادنیٰ لوگوں میں (جہالت و ذلت کی موت سے مر چکے تھے) عظیم الشان نبی بھیجا اور انہیں علم دیا اور دنیا کا سردار کیا، پھر ستھری استعداد والے کمال کو پہنچے اور جن کی استعداد خراب تھی ان کو بھی فائدہ پہنچ رہا ناقص سا" گویا اس پورے رکوع میں بتلا دیا گیا کہ جب خدا اپنی رحمت و شفقت سے رات کی تاریکی میں ستارے، چاند، سورج سے روشنی کرتا ہے اور خشکی کے وقت زمین کو سرسبز و شاداب کرنے اور انسان و حیوانات کی زندگی کا سامان مہیا فرمانے کے لئے اوپر سے بارش بھیجتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسا مہربان خدا اپنی مخلوق کو جہل و ظلم کی اندھیریوں سے نکالنے کے لئے کوئی چاند اور سورج پیدا نہ کرے اور بنی آدم کی روحانی غذا تیار کرنے اور قلوب کی کھیتیوں کو سیراب کرنے کے لئے باران رحمت نازل نہ فرمائے۔ بلاشبہ اس نے ہر زمانہ کی ضرورت اور اپنی حکمت کے موافق پیغمبروں کو بھیجا جن کے منور سینوں سے دنیا میں روحانی روشنی پھیلی اور وحی الٰہی کی لگاتار بارشیں ہوئیں۔ چنانچہ آیندہ کئی

رکوع میں ان ہی پیغمبروں کے بھیجنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جیسا کہ بارش اور زمین کی مثال میں اشارہ کیا گیا کہ مختلف زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہیں، اسی طرح سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام جو خیر و برکت لے کر آتے ہیں، اس سے منتفع ہونا بھی حسن استعداد پر موقوف ہے۔ جو لوگ ان سے انتفاع نہیں کرتے یا پورا انتفاع نہیں کرتے، انہیں اپنی سوء استعداد پر رونا چاہئے یاراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔ در باغ لالہ روید و در شوبوم خس۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡكُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ بیشک بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف پس اس نے کہا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا میں خوف کرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے

قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ بولے سردار اس کی قوم کے ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہوا[۷۴]

قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ بولا اے میری قوم میں ہرگز بہکا نہیں ولیکن میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے پروردگار کا

اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ اَنۡصَحُ لَكُمۡ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمکو اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے[۷۵]

اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ لِیُنۡذِرَكُمۡ وَ لِتَتَّقُوۡا وَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم بچو اور تاکہ تم پر رحم ہو[۷۶]

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَ الَّذِیۡنَ مَعَهٗ فِی الۡفُلۡكِ وَ

۶۴۔ پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا پھر ہم نے بچا لیا اسکو

ع ۸ ۱۵

اَغۡرَقۡنَا الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا عَمِيۡنَ ﴿۶۴﴾

اور انکو کہ جو اسکے ساتھ تھے کشتی میں اور غرق کر دیا انکو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو بیشک وہ لوگ تھے اندھے [۷۷]

۷۴۔ بت پرستی کی ابتداء: "آدمؑ کا قصہ ابتدائے سورت میں گذر چکا ان کے بعد نوحؑ پہلے اولو العزم اور مشہور رسول ہیں زمین والوں کی طرف مشرکین کے مقابلہ میں بھیجے گئے۔ گو باعتبار اپنی خاص شریعت کے ان کی بعثت خاص اپنی قوم کی طرف مانی جائے۔ تاہم ان اساسی اصول کے اعتبار سے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں مشترک ہیں کہا جا سکتا ہے کہ تمام انسان ہر نبی کے مخاطب ہوتے ہیں۔ مثلاً توحید اور اقرار معاد کی تعلیم پر سارے پیغمبر متفق اللسان ہیں، تو ایسی چیزوں کی تکذیب کرنا فی الحقیقت تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ بہر حال نوحؑ نے توحید وغیرہ کی عام دعوت دی کہتے ہیں کہ آدمؑ کے بعد دس قرن ایسے گذرے کہ ساری اولاد آدم کلمہ توحید پر قائم تھی۔ بت پرستی کی ابتداء ابن عباس کے بیان کے موافق یوں ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام ودّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر تھے، جو سورہ نوح میں مذکور ہیں۔ لوگوں نے ان کی تصویریں بنالیں تا کہ ان کے احوال وعبادات وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے موافق مجسمے تیار کر لئے۔ حتّٰی کہ کچھ دنوں کے بعد انکی عبادت ہونے لگی۔ اور یہ بت انہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام: جب بت پرستی کی وبا پھیل گئ تو حق تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو بھیجا۔ انہوں نے طوفان سے پہلے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک توحید و تقویٰ کی طرف بلایا اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔ مگر لوگوں نے ان کی تضلیل و تجہیل کی اور کوئی بات نہ سنی۔ آخر طوفان کے عذاب نے سب کو گھیر لیا۔ اور جیسا کہ نوحؑ نے دعا کی تھی لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا (نوح۔۲۶) روئے زمین پر کوئی کافر عذاب الٰہی سے نہ بچا۔ بستانی نے "دائرۃ المعارف" میں یورپین محققین کے اقوال طوفان اور عموم طوفان سے متعلق نقل کئے ہیں۔

۷۵۔ یعنی میں تو ذرا بھی نہیں بہکا۔ ہاں تم بہک رہے ہو کہ خدا کے پیغامبر کو نہیں پہنچانتے جو نہایت فصاحت سے خدائی پیغام تم کو پہنچا رہا ہے اور تمہاری بھلائی چاہتا ہے تم کو عمدہ نصیحتیں کرتا ہے اور خدا کے پاس سے وہ علوم وہدایت لے کر آیا ہے جن سے تم جاہل ہو۔

۷۶۔ یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ تم ہی میں سے خدا کسی ایک فرد کو اپنی پیغام رسانی کے لئے چن لے۔ آخر اس نے ساری مخلوق میں سے منصب خلافت کے لئے آدمؑ کو کسی مخصوص استعداد کی بناء پر چن لیا۔ تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ اولاد آدمؑ میں سے بعض کامل الاستعداد لوگوں کو منصب نبوت ورسالت کے لئے انتخاب کر لیا جائے۔ تا کہ وہ لوگ براہ راست خدا سے فیض پا کر دوسروں کو ان کے انجام سے آگاہ کریں اور یہ اس پر آگاہ ہو کر بدی سے بچ جائیں۔ اور اس طرح خدا کے رحم وکرم کے مورد بنیں۔

۷۷۔ یعنی حق وباطل اور نفع نقصان کچھ نہ سوجھا۔ اندھے ہو کر برابر سرکشی اور تکذیب وبغاوت پر قائم رہے اور بت پرستی وغیرہ حرکات سے باز نہ آئے، تو ہم نے معدودے چند مومنین کو بچا کر جو نوحؑ کے ہمراہ کشتی پر سوار ہوئے تھے، باقی سب مکذبین کا بیڑہ غرق کر دیا۔ اب جس قدر انسان دنیا میں موجود ہیں وہ ان ہی اہل سفینہ بلکہ صرف نوحؑ کی ذریت ہیں۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ

۶۵۔ اور قوم عاد کی طرف بھیجا انکے بھائی ہود کو [۷۸] بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

اسکے سوا سو کیا تم ڈرتے نہیں [۷۹]

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ
فِىْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں اور ہم تو تجھ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں [۸۰]

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ بولا اے میری قوم میں کچھ بے عقل نہیں لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اطمینان کے لائق [۸۱]

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ
بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا
اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تاکہ تمکو ڈرائے اور یاد کرو جبکہ تم کو سردار کر دیا پیچھے قوم نوح کے [۸۲] اور زیادہ کر دیا تمہارے بدن کا پھیلاؤ [۸۳] سو یاد کرو اللہ کے احسان تاکہ تمہارا بھلا ہو [۸۴]

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ
يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ بولے کیا تو اس واسطے ہمارے پاس آیا کہ ہم بندگی کریں اللہ اکیلے کی اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے پس تو لے آ ہمارے پاس جس چیز سے تو ہم کو ڈراتا ہے اگر تو سچا ہے [۸۵]

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ
اَتُجَادِلُوْنَنِىْ فِىْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ
مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ

۷۱۔ کہا تم پر واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ [۸۶] کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے ان ناموں پر کہ رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں [۸۷]

مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ
قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع

۷۲۔ پھر ہم نے بچالیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے اور جڑ کاٹی ان کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو اور نہیں مانتے تھے[۸۸]

۷۸۔ قوم عاد: "عاد" حضرت نوحؑ کے پوتے ارم کی اولاد میں ہیں۔ یہ قوم انہی کی طرف منسوب ہے۔ ان کی سکونت "احقاف" (یمن) میں تھی۔ حضرت ہودؑ اسی قوم سے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ان کے قومی اور وطنی بھائی ہوئے۔

۷۹۔ حضرت ہود علیہ السلام: ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئ تھی۔ روزی دینے، مینہ برسانے، تندرست کرنے اور مختلف مطالب وحاجات کے لئے الگ الگ دیوتا بنا رکھے تھے جن کی پرستش ہوتی تھی۔ ہودؑ نے اس سے روکا اور اس جرم عظیم کی سزا سے ان کو ڈرایا۔

۸۰۔ یعنی معاذ اللہ تم بے عقل ہو کہ باپ دادا کی روش چھوڑ کر ساری برادری سے الگ ہوتے ہو اور جھوٹے بھی ہو کہ اپنے اقوال کو خدا کی طرف منسوب کر کے خواہ مخواہ عذاب کا ڈراوا دیتے ہو۔

۸۱۔ یعنی میری کوئی بات بے عقلی کی نہیں۔ جو منصب رسالت مجھ کو خدا کی طرف سے تفویض ہوا ہے اس کا حق ادا کرتا ہوں۔ یہ تمہاری بے عقلی ہے کہ اپنے حقیقی خیر خواہوں کو جن کی امانت و دیانت پہلے سے لائق اطمینان ہے، بے عقل کہہ کہ خود اپنا نقصان کرتے ہو۔

۸۲۔ یعنی قوم نوحؑ کے بعد دنیا میں تمہاری حکومتیں قائم کیں اور اس کی جگہ تم کو آباد کیا شاید یہ احسان یاد دلا کر اس پر بھی متنبہ کرنا ہے کہ بت پرستی اور تکذیب رسول کی بدولت جو حشر ان کا ہوا وہ کہیں تمہارا نہ ہو۔

۸۳۔ جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔

۸۴۔ جو احسانات مذکور ہوئے وہ اور ان کے علاوہ خدا کے دوسرے بے شمار احسانات یاد کر کے اس کے شکر گذار اور فرمانبردار بننا چاہئے، نہ یہ کہ منعم حقیقی سے بغاوت کرنے لگو۔

۸۵۔ یعنی جس عذاب کی ہم کو دھمکی دیتے ہیں، اگر آپ سچے ہیں تو وہ لے آیئے۔

۸۶۔ یعنی جب تمہاری سرکشی اور گستاخانہ بے حیائی اس حد تک پہنچ چکی تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب اور غضب تم پر نازل ہی ہو چکا اس کے آنے میں اب کچھ دیر نہیں۔

۸۷۔ حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ: بتوں کو جو کہتے تھے کہ فلاں رزق دینے والا ہے اور فلاں مینہ برسانے والا اور فلاں بیٹا عطا کرنے والا و علیٰ ہذا القیاس، یہ محض نام ہی نام ہیں جن کے نیچے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں۔ خدائی صفات پتھروں میں کہاں سے آئیں۔ پھر ان نام کے معبودوں کے پیچھے جن کی معبودیت کی کوئی عقلی یا نقلی سند نہیں، بلکہ کل عقلی و نقلی دلائل جسے مردود ٹھہراتے ہیں، تم دعویٰ توحید میں مجھ سے جھگڑے اور بحثیں کرتے ہو۔ جب تمہارے جہل اور شقاوت و عناد کا پیمانہ اس قدر لبریز ہو چکا ہے، تو انتظار کرو کہ خدا ہمارے تمہارے ان جھگڑوں کا فیصلہ کر دے۔ میں بھی اسی فیصلہ کا منتظر ہوں۔

۸۸۔ عاد کا انجام: "یعنی ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل آندھی کا طوفان آیا جس سے تمام کفار ٹکرا ٹکرا کر اور ٹپک ٹپک کر ہلاک کر

دیے گئے۔ یہ تو "عاد اولیٰ" کا انجام ہوا۔ اور اسی قوم کی دوسری شاخ (ثمود) جسے "عاد ثانیہ" کہتے ہیں اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور ثمود کی طرف بھیجا انکے بھائی صالح کو بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اسکے سوا تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے[۸۹] یہ اونٹنی اللہ کی ہے تمہارے لئے نشانی سو اس کو چھوڑ دو کہ کھائے اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح پھر تم کو پکڑے گا عذاب دردناک[۹۰]

وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور یاد کرو جبکہ تم کو سردار کر دیا عاد کے پیچھے اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں کہ بناتے ہو نرم زمین میں محل اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت مچاتے پھرو زمین میں فساد[۹۱]

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ کہنے لگے سردار جو متکبر تھے اس کی قوم میں غریب لوگوں کو کہ جو ان میں ایمان لا چکے تھے کیا تم کو یقین ہے کہ صالح کو بھیجا ہے اس کے رب نے بولے ہم کو تو جو وہ لے کر آیا اس پر یقین ہے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ کہنے لگے وہ لوگ جو متکبر تھے جس پر تم کو یقین ہے ہم اسکو نہیں مانتے[۹۲]

۸۹۔ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام: یعنی جو دلیل تم مانگ رہے تھے وہ پہنچ گئی۔ صالحؑ کی قوم نے ان سے عہد و قرار کیا تھا کہ آپ پتھر کی ایک ٹھوس چٹان میں سے حاملہ اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ خدا نے حضرت صالحؑ کی دعا سے ویسا ہی کر دیا، ان کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارا فرمائشی معجزہ تو خدا نے دکھلا دیا، اب ایمان لانے میں کیا تامل ہے۔

۹۰۔ یعنی یہ اونٹنی خدا کی قدرت اور میری صداقت کی نشانی ہے، جو میری دعاء پر غیر معتاد طریقہ سے خدا نے پیدا کی، اس کے حقوق کی رعایت کرو۔ مثلاً خدا کی زمین میں مباح گھاس کھانے اور اس کی باری میں پانی پینے سے نہ روکو۔ غرض خدا کے اس نشان کے ساتھ جو تم نے خود مانگ کر حاصل کیا ہے۔ برائی سے پیش مت آؤ۔ ورنہ تمہاری بھی خیر نہیں۔

۹۱۔ یعنی احسان فراموشی اور شرک و کفر کر کے زمین میں خرابی مت پھیلاؤ۔

۹۲۔ قوم میں جو بڑے بڑے متکبر سردار اور معاندین تھے، وہ غریب اور کمزور مسلمانوں سے استہزاءً کہتے تھے کہ (کیا بڑے آدمی تو آج تک نہ سمجھے؟ مگر) تمہیں معلوم ہو گیا کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ (معلوم ہونا کیا معنیٰ۔ معلوم تو تم کو بھی ہے) ہاں ہم دل سے قبول کر کے اس پر ایمان بھی لا چکے ہیں۔ متکبرین اس حکیمانہ جواب سے کھسیانے ہو کر بولے کہ جس چیز کو تم نے مان لیا ہے ہم ابھی تک اسے نہیں مانتے۔ پھر بھلا تمہارے جیسے چند خستہ حال آدمیوں کا ایمان لے آنا کون سی بڑی کامیابی ہے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ پھر انہوں نے کاٹ ڈالا اونٹنی کو اور پھر گئے اپنے رب کے حکم سے [۹۳] اور بولے اے صالح لے آ ہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا اگر تو رسول ہے [۹۴]

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ پس آ پکڑا انکو زلزلہ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اندھے پڑے [۹۵]

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ پھر صالح الٹا پھرا ان سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تمکو محبت نہیں خیر خواہوں سے [۹۶]

۹۳۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی: "کہتے ہیں کہ وہ اونٹنی اس قدر عظیم الجثہ اور ڈیل ڈول کی تھی کہ جس جنگل میں چرتی دوسرے مواشی ڈر کر بھاگ جاتے اور اپنی باری کے دن جس کنوئیں سے پانی پیتی کنواں خالی کر دیتی۔ گویا جیسے اس کی پیدائش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی۔ لوازم و آثار حیات بھی غیر معمولی تھے۔ آخر لوگوں نے غیظ میں آ کر اس کے قتل پر اتفاق کر لیا۔ اور بدبخت "قدار" نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ بعدہٗ خود حضرت صالحؑ کے قتل پر بھی تیار ہونے لگے اور اس طرح خدا کے احکام کو جو "صالح" اور "ناقہ" کے متعلق تھے پس پشت ڈال دیا۔

۹۴۔ ایسے کلمات انسان کی زبان سے اس وقت نکلتے ہیں جب خدا کے قہر و غضب سے بالکل بے خوف ہو جاتا ہے۔ "عاد اولیٰ" کی طرح "ثمود"

بھی اس مرتبہ پر پہنچ کر عذاب الٰہی کے مورد بنے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۹۵۔ ثمود کی ہلاکت: "دوسری آیت میں ان کا "صیحہ" (چیخ) سے ہلاک ہونا بیان فرمایا ہے۔ شاید نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ہولناک آواز ہوئی ہوگی۔

۹۶۔ کہتے ہیں کہ حضرت صالحؑ قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے ان کی لاشوں کے انبار دیکھ کر یہ خطاب فرمایا، تو اسی طرح جیسے آنحضرت ﷺ نے مقتولین بدر کو فرمایا تھا اور یا محض بطور تحسر فرضی خطاب تھا۔ جیسے شعراء دیار و اطلال (کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب ہلاکت سے پہلے تھا۔ اس صورت میں بیان میں ترتیب واقعات مرعی نہ ہوگی۔ بہر حال اس خطاب میں دوسروں کو سنانا تھا کہ اپنے معتبر خیر خواہوں کی بات ماننی چاہئے۔ جب کوئی شخص خیر خواہوں کی قدر نہیں کرتا تو ایسا نتیجہ دیکھنا پڑتا ہے۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور بھیجا لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی کہ تم سے پہلے نہیں کیا اس کو کسی نے جہان میں [۹۷]

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ ہو حد سے گذرنے والے [۹۸]

وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور کچھ جواب نہ دیا اس کی قوم نے مگر یہی کہا کہ نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ بہت ہی پاک رہنا چاہتے ہیں

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اسکے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہ گئی وہاں کے رہنے والوں میں [۹۹]

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۸۴﴾ ع

۸۴۔ اور برسایا ہم نے انکے اوپر مینہ یعنی پتھروں کا [۱۰۰] پھر دیکھ کیا ہوا انجام گنہگاروں کا [۱۰۱]

ع ۱۰ / ۱۲

۹۷۔ حضرت لوط علیہ السلام: لوطؑ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں جو ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لائے اور خدا کی طرف سے سدوم اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے تاکہ ان کی اصلاح فرمائیں اور ان گندے، خلاف فطرت اور

بے حیائی کے کاموں سے باز رکھیں جن میں وہاں کے لوگ مبتلا تھے۔ نہ صرف مبتلا بلکہ اس بے حیائی کے موجد تھے ان سے پیشتر عالم میں اس بیماری سے کوئی واقف نہ تھا۔ اولاً یہ ملعون حرکت شیطان نے سدوم والوں کو سجھائی اور وہیں سے دوسرے مقامات میں پھیلی۔ حضرت لوطؑ نے اس ملعون و شنیع حرکت کے عواقب پر متنبہ کیا اور گندگی کو دنیا سے مٹانا چاہا۔ موجودہ بائبل کے جمع کرنے والوں کی شرمناک جسارت پر ماتم کرنا پڑتا ہے کہ ایسے پاکباز اور معصوم پیغمبر کی نسبت جو دنیا کو بے حیائی اور گندگی سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا ایسی سخت ناپاک حرکات منسوب کیں جن کے سننے سے حیادار آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کَبُرَتۡ کَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا (کہف۔ ۵)

۹۸۔ یعنی صرف یہ ہی نہیں کہ ایک گناہ کے تم مرتکب ہو رہے ہو بلکہ اس خلاف فطرت فعل کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو۔

۹۹۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی: "یعنی آخری بات انہوں نے یہ کہی کہ جب ہم سب کو یہ گندہ سمجھتے ہیں اور آپ پاک بننا چاہتے ہیں تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام۔ لہٰذا انہیں اپنی بستی ہی سے نکال دینا چاہئے کہ یہ روز روز کی رکاوٹ ختم ہو خیر وہ ملعون تو کیا نکالتے۔ ہاں حق تعالیٰ نے لوطؑ اور ان کے متعلقین کو عزت و عافیت کے ساتھ صحیح و سالم ان بستیوں سے نکال لیا اور ان بستیوں پر عذاب مسلط کر دیا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ لوطؑ کے متعلقین میں سے صرف ان کی بیوی آپ سے علیحدہ رہی اور معذبین کے ساتھ ہلاک ہوئی کیونکہ اس کا ساز باز ان معذبین سے تھا۔ لوطؑ کے یہاں جو مہمان وغیرہ آتے ان کی اطلاع یہ ہی کیا کرتی اور ان کو بدکاری کی ترغیب دیتی تھی۔ یا جیسا کہ بعض نے لکھا ہے مردوں کی طرح عورتوں میں بھی "مساحقہ" کا رواج ہو گیا تھا، یہ عورت اس میں مبتلا تھی۔ بہر حال عذاب ان سب پر آیا جو اس مہلک مرض میں مبتلا تھے اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ نبی کا مقابلہ اور تکذیب کرتے تھے، یا جو کفر و فحش کے سسٹم میں ان کے معین و مددگار تھے۔

۱۰۰۔ قوم لوط علیہ السلام کا عذاب: دوسری جگہ مذکور ہے کہ بستیاں الٹ دی گئیں اور پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ بعض ائمہ کے نزدیک آج بھی لوطی کی سزا یہ ہے کہ کسی پہاڑ وغیرہ بلند مقام سے اسے گرایا جائے اور اوپر سے پتھر مارے جائیں اور سخت بدبودار گندی جگہ میں مقید کیا جائے۔

۱۰۱۔ یعنی گناہ کرتے وقت اس کا بدانجام سامنے نہیں آتا۔ عاجل شہوت و لذت کے غلبہ میں وہ بات کر گذرتا ہے جو عقل و انسانیت کے خلاف ہے لیکن عقلمند کو چاہئے کہ دوسروں کے واقعات سن کر عبرت حاصل کرے اور بدی کے انجام کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو[۱۰۲] بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اسکے سوا تمہارے پاس پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے[۱۰۳] سو پوری کرو ماپ اور تول اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو[۱۰۴]

وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ وَتَصُدُّوۡنَ عَنۡ

۸۶۔ اور مت بیٹھو راستوں پر کہ ڈراؤ اور روکو اللہ کے

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

راستہ سے اس کو جو کہ ایمان لائے اس پر اور ڈھونڈو اس میں عیب[۱۰۵] اور یاد کرو جبکہ تھے تم بہت تھوڑے پھر تم کو بڑھا دیا اور دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا[۱۰۶]

وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور اگر تم میں سے ایک فرقہ ایمان لایا اس پر جو میرے ہاتھ بھیجا گیا اور ایک فرقہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے درمیان ہمارے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے[۱۰۷]

۱۰۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم: "قرآن میں دوسری جگہ حضرت شعیبؑ کا "اصحاب ایکہ" کی طرف مبعوث ہونا مذکور ہے اگر اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم ہے فبہا ونعمت۔ اور دو جداگانہ قومیں ہیں تو دونوں کی طرف مبعوث ہوئے ہونگے اور دونوں میں کم تولنے ناپنے کا مرض مشترک ہوگا۔ بہر حال حضرت شعیبؑ نے علاوہ توحید وغیرہ کی عام دعوت کے خاص معاشرتی معاملات کی اصلاح اور حقوق العباد کی حفاظت کی طرف بڑے زور سے توجہ دلائی جیسا کہ آئندہ آیات میں مذکور ہے۔ حضرت شعیبؑ کو کمال فصاحت کی وجہ سے "خطیب الانبیاء" کہا جاتا ہے۔

۱۰۳۔ یعنی میری صداقت کی دلیل ظاہر ہو چکی۔ اب جو نصیحت کی بات تم سے کہوں اسے قبول کرو اور جن خطرناک عواقب پر متنبہ کروں ان سے ہشیار ہو جاؤ۔

۱۰۴۔ ناپ تول میں کمی: بندوں کے حقوق کی رعایت اور معاملات باہمی کی درستی جس کی طرف ہمارے زمانہ کے پرہیز گاروں کو بھی بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ خدا کے نزدیک اس قدر اہم چیز ہے کہ اسے ایک جلیل القدر پیغمبر کا مخصوص وظیفہ قرار دیا گیا، جس کی مخالفت پر ایک قوم تباہ کی جا چکی۔ ان آیات میں حضرت شعیبؑ کی زبانی آگاہ فرمادیا کہ لوگوں کو ادنیٰ ترین مالی نقصان پہنچانا اور ملک میں اصلاحی حالت قائم ہو چکنے کے بعد خرابی اور فساد پھیلانا خواہ کفر و شرک کر کے یا ناحق قتل و نہب وغیرہ سے۔ یہ کسی ایماندار کا کام نہیں ہو سکتا۔

۱۰۵۔ راستوں پر بیٹھنا دو وجہ سے تھا۔ راہگیروں کو ڈرا دھمکا کر ظلماً مال وصول کریں اور مومنین کو شعیبؑ کے پاس جانے اور خدا کا دین اختیار کرنے سے روکیں اور خدائی مذہب کے متعلق نکتہ چینی اور عیب جوئی کی فکر میں رہیں۔

۱۰۶۔ یعنی تعداد اور دولت دونوں میں کم تھے۔ خدا نے دونوں طرف تم کو بڑھایا مردم شماری بھی بڑھ گئی اور دولتمند بھی ہو گئے۔ خدا کے ان احسانات کا شکر ادا کرو۔ اور وہ جب ہی ادا ہو سکتا ہے کہ خدا کے اور بندوں کے حقوق پہچان کر عملی درستی اور اصلاح میں مشغول رہو اور ان نعمتوں پر مغرور نہ ہو بلکہ خرابی اور فساد مچانے والوں کا جو انجام پہلے ہو چکا ہے اسے پیش نظر رکھ کر خدائی گرفت سے ڈرتے رہو۔

۱۰۷۔ یعنی جو چیزیں میں لے کر آیا ہوں اگر تم متفقہ طور پر قبول نہیں کرتے بلکہ اختلاف ہی کی ٹھان رکھی ہے تو تھوڑا صبر کرو۔ یہاں تک کہ آسمان ہی سے میرے تمہارے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾	۸۸۔ بولے سردار جو متکبر تھے اس کی قوم میں ہم ضرور نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور ان کو جو کہ ایمان لائے تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں[۱۰۸] بولا کیا ہم بیزار ہوں تو بھی[۱۰۹]
قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَ مَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿۸۹﴾	۸۹۔ بیشک ہم نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا اگر لوٹ آئیں تمہارے دین میں[۱۱۰] بعد اس کی کہ نجات دے چکا ہم کو اللہ اس سے[۱۱۱] اور ہمارا کام نہیں کہ لوٹ آئیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ رب ہمارا گھیرے ہوئے ہے ہمارا پروردگار سب چیزوں کو اپنے علم میں اللہ ہی پر ہم نے بھروسا کیا اے ہمارے رب فیصلہ کر ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے[۱۱۲]
وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾	۹۰۔ اور بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں اگر پیروی کرو گے تم شعیب کی تو تم بیشک خراب ہو گے[۱۱۳]
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾	۹۱۔ پھر آ پکڑا ان کو زلزلہ نے پس صبح کو رہ گئے اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے[۱۱۴]
الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾	۹۲۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی بسے ہی نہ تھے وہاں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے خراب[۱۱۵]

فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَ قَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَ نَصَحۡتُ لَكُمۡ‌ۚ فَكَيۡفَ اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ پھر الٹا پھر ان لوگوں سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کر چکا تمہاری اب کیا افسوس کروں کافروں پر[۱۱۶]

ع ۱۱ / ۱

۱۰۸۔ قوم شعیب کا حال: "عود" کے معنی کسی چیز سے نکل کر دوبارہ اس کی طرف جانے کے ہیں۔ حضرت شعیبؑ کے ساتھیوں کی نسبت تو یہ لفظ حقیقۃً صادق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ باقی خود حضرت شعیبؑ کی نسبت یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ پہلے (معاذ اللہ) ملت کفار میں داخل تھے، پھر مسلمان ہوئے۔ لامحالہ یا تو ان کے اعتبار سے یہ خطاب تغلیبًا ہو گا۔ یعنی عام مومنین کے حق میں جو الفاظ استعمال ہوئے اکثریت غالبہ کو مرجح سمجھ کر حضرت شعیبؑ کے لئے علیحدہ الفاظ اختیار نہیں کئے۔ اور یا یہ لفظ ان کے حق میں کفار کے زعم کے موافق کہا گیا۔ کیونکہ بعثت سے پہلے جب تک حضرت شعیبؑ نے دعوت و تبلیغ شروع نہ کی تھی اہل مدین کی کفریات کے متعلق ان کی خاموشی دیکھ کر شاید وہ یہ ہی گمان کرتے ہوں کہ یہ بھی ہمارے شامل حال اور ہمارے طور و طریق پر راضی ہیں اور یا عود کو مجازًا بمعنی مطلق صیرورت کے لیا جائے۔ کما قالہ بعض المفسرین۔

۱۰۹۔ یعنی دلائل و براہین کی روشنی میں تمہاری ان مہلک کفریات سے خواہ ہم کتنے ہی بیزار اور کارِہ ہوں کیا تم پھر بھی یہ زہر کا پیالہ ہمیں زبردستی پلانا چاہتے ہو۔

۱۱۰۔ باطل اور جھوٹے مذہب کو سچا کہنا ہی خدا پر افتراء کرنا اور بہتان باندھنا ہے۔ پھر بھلا ایک جلیل القدر پیغمبر اور اس کے مخلص متبعین سے یہ کب ممکن ہے کہ وہ معاذ اللہ سچائی سے نکل کر جھوٹ کی طرف واپس جائیں اور جو سچے دعوے اپنی حقانیت یا مامور من اللہ ہونے کے کر رہے تھے، ان سب کا جھوٹ اور افتراء ہونا تسلیم کریں۔

۱۱۱۔ کسی کو تو ابتداءً نجات دے چکا کہ اس میں داخل ہی نہ ہونے دیا جیسے حضرت شعیبؑ اور بعضوں کو داخل ہونے کے بعد اس سے نکالا جیسے عامۂ مومنین۔

۱۱۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا: یعنی اپنے اختیار یا تمہارے اکراہ و اجبار سے ممکن نہیں کہ ہم معاذ اللہ کفر کی طرف جائیں۔ ہاں اگر فرض کرو خدا ہی کی مشیت ہم میں سے کسی کی نسبت ایسی ہو جائے تو اس کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اگر اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہو تو وہاں کوئی نہیں بول سکتا۔ کیونکہ اس کا علم تمام مصالح اور حکمتوں پر محیط ہے۔ بہر حال تمہاری دھمکیوں سے ہم کو کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا بالکلیہ اعتماد اور بھروسہ اپنے خدائے واحد پر ہے۔ کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جو ہو گا اسی کی مشیت اور علم محیط کے تحت میں ہو گا۔ اسی لئے ہم اپنے اور تمہارے فیصلہ کے لئے بھی اسی سے دعا کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے قادر اور علیم و حکیم سے بہتر کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت شعیبؑ کے ان الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے قلوب حق تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عبودیت و افتقار کے کس قدر عظیم و عمیق احساس سے معمور ہوتے ہیں اور کس طرح ہر آن اور ہر حال میں ان کا توکل و اعتماد تمام وسائط سے منقطع ہو کر اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ پر پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور غیر متزلزل ہوتا ہے۔

۱۱۳۔ یعنی باپ دادا کا مذہب چھوٹا، یہ تو دین کی خرابی ہوئی اور تجارت میں ناپ تول ٹھیک رکھی، یہ دنیا کا نقصان ہوا۔

۱۱۴۔ قوم شعیب علیہ السلام پر تین طرح کے عذاب: متعدد آیات کے جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر ظُلّہ، صَیحہ، رجفہ تین طرح کے عذاب آئے یعنی اول بادل نے سایہ کر لیا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں۔ پھر آسمان سے سخت ہولناک اور جگر پاش آواز ہوئی اور نیچے سے زلزلہ آیا۔ (ابن کثیر)

۱۱۵۔ انہوں نے شعیبؑ اور ان کے ہمراہیوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ سو وہ ہی نہ رہے نہ ان کی بستیاں رہیں۔ اور وہ جو کہتے تھے کہ شعیبؑ کے اتباع کرنے والے خراب ہوں گے سو خود ہی خراب اور خائب و خاسر ہو کر رہے۔

۱۱۶۔ یعنی اب ہلاک ہوئے پیچھے ایسی قوم پر افسوس کرنے سے کیا حاصل، جس کو ہر طرح سمجھایا جا چکا۔ موثر نصیحتیں کی گئیں آنے والے عواقب و نتائج سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ مخلص خیر خواہوں سے دست و گریبان ہی رہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ يَضَّرَّعُوۡنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا ہو ہم نے وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑائیں

ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الۡحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ پہنچتی رہی ہے ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پھر پکڑا ہم نے ان کو ناگہاں اور ان کو خبر نہ تھی [۱۱۷]

وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو ہم کھول دیتے ان پر نعمتیں آسمان اور زمین سے لیکن جھٹلایا انہوں نے پس پکڑا ہم نے ان کو ان کے اعمال کے بدلے [۱۱۸]

اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّهُمۡ نَآٮِٕمُوۡنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ اب کیا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ آپہنچے ان پر آفت ہماری راتوں رات جب سوتے ہوں

اَوَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ یا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس بات سے کہ آپہنچے ان پر عذاب ہمارا دن چڑھے جب کھیلتے ہوں [۱۱۹]

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ یا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے[۱۲۰]

ع ۱۲ ۲

۱۱۷۔ انبیاء کو جھٹلانے والوں کی آزمائش: "پیغمبروں کی بعثت کے وقت جب عموماً لوگ تکذیب و مقابلہ سے پیش آتے ہیں، تو خدا کی طرف سے ابتدائی تنبیہ کے طور پر بیماری، قحط اور مختلف قسم کی سختیاں اور تکلیفیں مسلط کی جاتی ہیں تا کہ مکذبین تازیانے کھا کر شرارتوں سے باز آجائیں اور بارگاہ الٰہی کی طرف جھکیں۔ جب ان تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتے تو سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر ان پر فراخی اور عیش و خوشحالی وغیرہ بھیجی جاتی ہے۔ کہ یا احسانات سے متاثر ہو کر کچھ شرمائیں اور حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ ہوں یا عیش و ثروت کے نشہ میں چور ہو کر بالکل ہی غافل و بدمست بن جائیں۔ گویا جہاں تک صحت، اولاد اور دولت و حکومت بڑھتی جائے اسی کے ساتھ ان کی نخوت و غفلت میں بھی ترقی ہو حتٰی کہ پچھلی سختیوں کو یہ کہہ کر فراموش کر دیں کہ تکلیف و راحت کا سلسلہ تو پہلے ہی سے چلا آتا ہے۔ ہمارے کفر و تکذیب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ورنہ اب خوشحالی کیوں حاصل ہوتی۔ یہ سب زمانہ کے اتفاقات ہیں جو ہمارے اسلاف کو بھی اسی طرح پیش آتے رہے ہیں۔ اس حد تک پہنچ کر ناگہاں خدا کا عذاب آدباتا ہے۔ جس کی اپنے عیش و آرام میں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا خوب لکھا ہے کہ "بندہ کو دنیا میں گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو امید ہے کہ توبہ کرے اور جب گناہ راست آگیا تو یہ اللہ کا بہلاوا ہے۔ پھر ڈر ہے ہلاکت کا جیسے کسی نے زہر کھایا اگل دے تو امید ہے اور اگر پچ گیا تو کام آخر ہوا۔

۱۱۸۔ انبیاء کی اطاعت خوشحالی لاتی ہے: یعنی ہم کو بندوں سے کوئی ضد نہیں جو لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے ہیں یہ ان ہی کی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ لوگ ہمارے پیغمبروں کو مانتے اور حق کے سامنے گردن جھکاتے اور کفر و تکذیب وغیرہ سے بچ کر تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کو آسمانی و زمینی برکات سے مالا مال کر دیتے۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ برکات کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی تو خیر باقی و دائم کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی کثرت آثار فاضلہ پر یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر ان آسمانی وزمینی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جاتے جو دائمی اور غیر منقطع ہوں یا جن کے آثار فاضلہ بہت کثرت سے ہوں۔ ایسی خوشحالی نہیں جو مکذبین کو چند روز کے لئے بطور امہال و استدراج حاصل ہوتی ہے۔ اور انجام کار دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی وبال جان بنتی ہے۔

۱۱۹۔ جھٹلانے والوں کو وعید: یعنی جب عیش و آرام میں غافل پڑے سو رہے ہوں یا دنیا کے کاروبار اور لہو و لعب میں مشغول ہوں اس وقت خدا کا عذاب ان کو دفعۃً آگھیرے۔ اس بات سے یہ لوگ نڈر اور بے فکر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جن اسباب کی بناء پر گذشتہ اقوام پر عذاب آئے ہیں، وہ ان میں بھی موجود ہیں۔ یعنی کفر و تکذیب اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ و محاربہ۔

۱۲۰۔ دنیوی خوشحالی اور عیش کے بعد جو خدا کی ناگہانی پکڑ ہے، اسی کو مکر اللہ (خدا کا داؤ) فرمایا عیش و تنعم میں پڑ کر وہ ہی لوگ خدا کی ناگہانی گرفت سے بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت اعمال نے انہیں دھکا دے دیا ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی حال میں خدا کو نہ بھولے۔

ظفر اس کو آدمی نہ جانئے گا گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکاء
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ

۱۰۰۔ کیا نہیں ظاہر ہوا ان لوگوں پر جو وارث ہوئے زمین کے وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو پکڑ لیں ان کے گناہوں پر[۱۲۱] اور

عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

ہم نے مہر کر دی ہے انکے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے

تِلۡكَ الۡقُرٰی نَقُصُّ عَلَیۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا ۚ وَ لَقَدۡ
جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا
بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ یَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰی
قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ یہ بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم تجھ کو ان کے کچھ حالات اور بیشک ان کے پاس پہنچ چکے ان کے رسول نشانیاں لے کر پھر ہرگز نہ ہوا کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے یوں مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر[۱۲۲]

وَ مَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ ۚ وَ اِنۡ وَّجَدۡنَاۤ
اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اور نہ پایا ان کے اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کا نباہ اور اکثر ان میں پائے نافرمان[۱۲۳]

۱۲۱۔ جیسے پہلوں کو پکڑ لیا، تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

۱۲۲۔ **گذشتہ واقعات سے عبرت:** یعنی جس چیز کا ایک دفعہ انکار کر بیٹھے، پھر کتنے ہی نشان دیکھیں دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے، ممکن نہیں کہ اس کا اقرار کر لیں۔ جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے، تب عادتاً اصلاح حال و قبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ یہ ہی صورت دلوں میں مہر لگ جانے کی ہوتی ہے۔ یہاں واضح فرما دیا کہ اللہ کی طرف سے دلوں پر مہر لگا دینے کا کیا مطلب ہے۔ (تنبیہ) وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ سے معلوم ہو گیا کہ جو انبیاء علیہم السلام قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، اہل مدین کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ سب بینات (واضح نشان) دے کر بھیجے گئے۔ پس ہودؑ کی قوم کا یہ کہنا یٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَةٍ الخ محض تعنت و عناد کی راہ سے تھا۔

۱۲۳۔ "عہد" سے ممکن ہے عام عہود مراد ہوں یا خاص "عہد الست" کا ارادہ کیا گیا ہو، یا وہ عہد جو مصائب اور سختیوں کے وقت کرتے تھے کہ فلاں سختی اٹھالی جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ جیسے فرعونیوں نے کہا تھا لَئِنۡ كَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرۡسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ۔ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰۤی اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ یَنۡكُثُوۡنَ (اعراف۔ ۱۳۵، ۱۳۴)

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ
وَ مَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوۡا بِهَا ۚ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے[۱۲۴] موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس پس کفر کیا انہوں نے انکے مقابلہ میں سو دیکھ کیا انجام ہوا مفسدوں کا[۱۲۵]

وَ قَالَ مُوۡسٰی یٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ

۱۰۴۔ اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں رسول ہوں

الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰۴

پروردگار عالم کا

حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ
قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ
اِسْرَآءِیْلَ ؕ ۝۱۰۵

۱۰۵۔ قائم ہوں اس بات پر کہ نہ کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی [۱۲۶] سو بھیجدے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو[۱۲۷]

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۱۰۶

۱۰۶۔ بولا اگر تو آیا ہے کوئی نشانی لے کر تو لا اس کو اگر تو سچا ہے

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۝۱۰۷ ۚ

۱۰۷۔ تب ڈال دیا اس نے اپنا عصا تو اسی وقت ہو گیا اژدھا صریح[۱۲۸]

وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ۝۱۰۸ ع ۱۳ ع ۸ ۳

۱۰۸۔ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آنے لگا دیکھنے والوں کو[۱۲۹]

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ
عَلِیْمٌ ۝۱۰۹

۱۰۹۔ بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ تو کوئی بڑا واقف جادوگر ہے[۱۳۰]

یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا
تَاْمُرُوْنَ ۝۱۱۰

۱۱۰۔ نکالنا چاہتا ہے تم کو تمہارے ملک سے اب تمہاری کیا صلاح ہے[۱۳۱]

۱۲۴۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا فرعون سے مناظرہ: "یعنی جن انبیاء کا پہلے ذکر ہوا (نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام) موسٰیؑ ان سب کے بعد تشریف لائے۔ ان پیغمبروں کا ذکر فرمانے کے بعد درمیان میں "سنت اللہ" بیان فرمائی تھی جو مکذبین کے متعلق جاری رہی ہے جس کے ضمن میں موجودہ جماعت کفار کو متنبہ فرمادیا گیا۔ اس درمیانی مضمون سے فارغ ہو کر پھر سلسلہ بعثت رسل کی ایک عظیم الشان کڑی کا ذکر شروع کرتے ہیں۔

۱۲۵۔ اس سے زیادہ مفسد کون ہو گا جو خدا کے سفراء کو جھٹلائے، آیات اللہ کی تکذیب اور حق تلفی کرے، مخلوق خدا سے اپنی پرستش کرائے آگے ضروری واقعات ذکر فرما کر اس انجام کی تفصیل کی گئی ہے۔

۱۲۶۔ اکثر مفسرین نے "حقیق" کے معنی جدیر (لائق) کے لئے ہیں۔ اسی لئے "علیٰ" کو بمعنی "باء" لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہ ہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں۔ بعض نے "حقیق" کو بمعنی "حریص" لیا ہے۔ لیکن مترجم محقق نے "حقیق" کو "قائم و ثابت" کے معنی میں لیا۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں خدا کا پیام بلا کم و کاست تم کو پہنچا دوں۔ اور تمہاری تکذیب و تخویف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔

۱۲۷۔ بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ: یوں تو حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو کئی طرح کی نصیحتیں کیں جیسا کہ دوسری آیات میں مذکور ہیں فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ۔ وَ اَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى (النازعات۔۱۹،۱۸) مگر ایک بڑی اہم چیز یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو جو انبیائے کرام کی اولاد میں سے تھے اور جنہیں فرعونیوں نے ذلیل جانوروں کی طرح غلام بنا رکھا تھا، مظالم و شدائد سے نجات دلائیں اس موقع پر فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے اسی چیز کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کو اپنی قید و بیگار سے نجات دے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں اور میرے ساتھ اپنے وطن مالوف (ملک شام) میں چلے جائیں کیونکہ ان کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق سے ہجرت کر کے شام ہی میں قیام فرمایا تھا۔ بعدہٗ حضرت یوسفؑ کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔ اب چونکہ یہاں کی قوم قبطیوں نے ان پر طرح طرح کے مظالم کر رکھے ہیں، ضرورت ہے کہ ان کو قبطیوں کی ذلیل غلامی سے آزادی دلا کر آبائی وطن کی طرف واپس کیا جائے۔

۱۲۸۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا بننا: جس کے اژدہا ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ اژدہا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا۔ آخر فرعون نے بدحواس ہو کر موسیٰؑ سے اس کے پکڑنے کی درخواست کی۔ موسیٰؑ کا ہاتھ لگانا تھا کہ پھر عصا بن گیا۔

۱۲۹۔ ید بیضا کا معجزہ: یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل میں دبا کر نکالا تو لوگوں نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ غیر معمولی طور پر سفید اور چمکدار تھا۔ یہ روشنی اور چمک کسی مرض برص وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب منور کی روشنی بطریق اعجاز ہاتھ میں سرایت کر جاتی تھی۔

۱۳۰۔ آل فرعون پر وصیت: معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے موسیٰؑ کے معجزات سے ہیبت زدہ ہو کر پبلک کو جمع کیا اور پہلے اس نے بذات خود (کمافی الشعراء) پھر اس کی طرف سے بڑے بڑے لیڈروں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ موسیٰؑ (معاذ اللہ) کوئی بڑے ماہر جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو خوارق موسیٰؑ سے ظاہر ہوئے ان کی حسیات کے موافق جادو سے بہتر انکی کوئی توجیہ نہ ہو سکتی تھی۔

۱۳۱۔ یعنی عجیب و غریب ساحرانہ کرشمے دکھلا کر مخلوق کو اپنی طرف مائل کر لے اور انجام کار ملک میں اثر و اقتدار پیدا کر کے اور بنی اسرائیل کی حمایت و آزادی کا نام لے کر قبطیوں کو جو یہاں کے اصلی باشندے ہیں، ان کے ملک و وطن (مصر) سے بے دخل کر دے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہیئے۔

قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَ اَخَاهُ وَ اَرۡسِلۡ فِى الۡمَدَآٮِٕنِ حٰشِرِيۡنَۙ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ بولے ڈھیل دے اس کو اور اسکے بھائی کو اور بھیج پرگنوں میں جمع کرنے والوں کو

يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ کہ جمع کر لائیں تیرے پاس جو ہو کامل جادوگر [۱۳۲]

وَ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس بولے ہمارے لئے کچھ مزدوری ہے اگر ہم غالب ہوئے[۱۳۳]

قَالَ نَعَمۡ وَ اِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ بولا ہاں اور بیشک تم مقرب ہو جاؤ گے[۱۳۴]

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ڈالتے ہیں[۱۳۵]

قَالَ اَلۡقُوۡا ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ وَ اسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَ جَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ کہا ڈالو [۱۳۶] پھر جب انہوں نے ڈالا باندھ دیا لوگوں کی آنکھوں کو اور ان کو ڈرا دیا اور لائے بڑا جادو[۱۳۷]

وَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى اَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلۡقَفُ مَا يَاۡفِكُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ

۱۱۷۔ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا سو وہ جبھی لگا نگلنے جو سانگ انہوں نے بنایا تھا

فَوَقَعَ الۡحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ

۱۱۸۔ پس ظاہر ہو گیا حق اور غلط ہو گیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا

فَغُلِبُوۡا هُنَالِكَ وَ انۡقَلَبُوۡا صٰغِرِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾ ۚ

۱۱۹۔ پس ہار گئے اس جگہ اور لوٹ گئے ذلیل ہو کر

وَ اُلۡقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾ ۚۖ

۱۲۰۔ اور گر پڑے جادوگر سجدہ میں[۱۳۸]

قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۱﴾ ۙ

۱۲۱۔ بولے ہم ایمان لائے پروردگار عالم پر

رَبِّ مُوۡسٰى وَ هٰرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا[۱۳۹]

۱۳۲۔ مقابلے کے لئے ساحرین کو دعوت: مشاورت باہمی کے بعد یہ پاس ہوا کہ فرعون سے درخواست کی جائے کہ وہ ان دونوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) کے معاملہ میں جلدی نہ کرے۔ ان کا بہترین توڑ اور موثر جواب یوں ہو سکتا ہے کہ چپراسی بھیج کر تمام قلمرو میں سے فن سحر کے جاننے والے جو ان سے بھی بڑھ کر اس فن کے ماہر (سحار) ہوں جمع کر لئے جائیں، ان سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔

۱۳۳۔ جادوگروں کا مطالبہ اجرت: ساحرین فرعون نے اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا کہہ کر پہلے ہی قدم پر جتلا دیا کہ انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا لفظ مَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (شعراء۔۱۰۹) ہوتا ہے، کوئی پیشہ ور لوگ نہیں ہوتے۔

۱۳۴۔ یعنی مزدوری کیا چیز ہے وہ تو ملے گی، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ہمارے مقربین بارگاہ اور مصاحبین خاص میں داخل کر لئے جاؤ گے۔

۱۳۵۔ یہ شاید اس بناء پر کہا کہ پیشتر حضرت موسیٰؑ فرعون کے روبرو عصا ڈال کر باذن اللہ اژدھا بنا چکے تھے۔

۱۳۶۔ مقابلے کا آغاز: یعنی جب تم کو یہ مقابلہ ہی منظور ہے اور اسی پر آخری فیصلہ کا انحصار کرتے ہو تو پہلے تم ہی ڈال کر پوری قوت آزمائی کر لو۔ کیونکہ باطل کی پوری نمائش اور زور آزمائی کے بعد جو حق کا غلبہ مشاہدہ ہو گا، وہ امید ہے کہ زیادہ مؤثر اور اوقع فی النفوس ہو۔ تو فی الحقیقت یہ موسیٰؑ کی طرف سے سحر کے ساتھ معجزہ کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ دو صورتوں میں سے ایک ایسی صورت کا انتخاب تھا جو باطل کے خمود اور حق کے غلبہ ووضوح کی موثر ترین صورت ہو سکتی تھی۔

۱۳۷۔ ساحرین کی طرف سے جادو کا مظاہرہ: یعنی جادو کے زور سے نظر بندی کر کے مجمع پر چھا گئے اور لوگوں کو مرعوب کر لیا۔ دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں جس سے زمین پر سانپ ہی سانپ دوڑتے معلوم ہونے لگے۔ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى (طٰہٰ۔۶۶) ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اس وقت جو شعبدہ دکھلایا تھا اس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا۔ بلکہ وہ محض تخیل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں، شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰؑ کو دبالیں گے۔ اور کچھ گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس سحر عظیم سے بھی بڑا کوئی سحر اعظم دکھلاتے، مگر اعجاز موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی، آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

۱۳۸۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ: یعنی عصائے موسیٰؑ سانپ بن کر ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا، اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ جس سے ساحرین کو متنبہ ہوا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے۔ آخر فرعون کے لوگ بھرے مجمع میں شکست کھا کر اور ذلیل ہو کر میدان مقابلہ سے لوٹے اور ساحرین خدائی نشان دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ وہارونؑ نے ظہور حق پر سجدہ شکر ادا کیا۔

ساحرین کا قبول اسلام: اسی وقت ساحرین بھی سر بسجود ہو گئے۔ اُلۡقِىَ السَّحَرَةُ کا لفظ بتلاتا ہے کہ کوئی ایسا قوی حال ان پر طاری ہوا جس کے بعد بجز خضوع واستسلام کوئی چارہ نہیں رہا۔ رحمت الٰہیہ کا کیا کہنا کہ جو لوگ ابھی ابھی پیغمبر خدا سے نبرد آزمائی کر رہے تھے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی اولیاء اللہ اور عارف کامل بن گئے۔

۱۳۹۔ چونکہ فرعون بھی اپنی نسبت اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى (النازعات۔۲۴) کہتا تھا، شاید اس لئے رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کے ساتھ رَبِّ مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ کہنے کی ضرورت ہوئی اس میں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ بیشک جہان کا پروردگار وہ ہی ہو سکتا ہے جس نے موسیٰ وہارون کو اپنی خاص ربوبیت سے بدون توسط اسباب ظاہرہ دنیا کے متکبروں پر علی رؤس الاشہاد اس طرح غالب کر کے دکھلا دیا۔

قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكۡرٌ مَّكَرۡتُمُوۡهُ فِى الۡمَدِيۡنَةِ لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡهَاۤ اَهۡلَهَا ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ بولا فرعون کیا تم ایمان لے آئے اس پر میری اجازت سے پہلے یہ تو مکر ہے جو بنایا تم سب نے اس شہر میں تا کہ نکال دو اس شہر سے اسکے رہنے والوں کو سو اب تم کو معلوم ہو جائے گا[۱۴۰]

لَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ
لَاُصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں پھر سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو

قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ ج

۱۲۵۔ وہ بولے ہم کو تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے [۱۴۱]

وَ مَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا
جَآءَتۡنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا
مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

۱۲۶۔ اور تجھ کو ہم سے یہی دشمنی ہے کہ مان لیا ہم نے اپنے رب کی نشانیوں کو جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے رب دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان [۱۴۲]

ع ۱۸ / ۱۴ / ۴

وَ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰى وَ
قَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ
قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ ۚ وَ
اِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے تو موسٰی کو اور اسکی قوم کو کہ اودھم مچائیں ملک میں [۱۴۳] اور موقوف کر دے تجھ کو اور تیرے بتوں کو [۱۴۴] بولا اب ہم مار ڈالیں گے انکے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے انکی عورتوں کو اور ہم ان پر زور آور ہیں [۱۴۵]

۱۴۰۔ فرعون کا غیظ و غضب: یعنی یہ تم سب جادوگروں کی ملی بھگت ہے، غالبًا موسٰیؑ تمہارا بڑا استاد ہو گا۔ اس کو آگے بھیج دیا پھر سب نے اپنی مغلوبیت کا اظہار کر دیا۔ تا کہ عام لوگ متاثر ہو جائیں۔ اس گہری سازش سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کرو اور خود مصر کی سلطنت پر قبضہ کر لو۔ یہ تقریر فرعون نے اپنی کھلی شکست پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو الو بنانے کی غرض سے کی تھی۔ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ (زخرف۔۵۴) مگر جس چیز سے فرعون اور فرعونی ڈر رہے تھے، آخر تقدیر الٰہی سے وہ ہی پیش آئی وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَ جُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ (القصص۔۶)

۱۴۱۔ مومن ساحرین کا ایمان و استقامت: ساحرین توحید اور تمنائے لقاء اللہ کی شراب سے مخمور ہو چکے تھے، جنت و دوزخ گویا آنکھوں کے سامنے تھیں۔ بھلا وہ ان دھمکیوں کی کیا پروا کر سکتے تھے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں، جو کرنا ہو کر گذر۔ پھر ہم کو اپنے خدا کے پاس جانا ہے۔ تیرے سر ہو کر سہی۔ وہاں کے عذاب سے یہاں کی تکلیف آسان ہے اور اس کی رحمت و خوشنودی کے راستہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی تکالیف و مصائب کا برداشت کر لینا بھی عاشقوں کے لئے سہل ہے هنيئًا لا رباب النعيم نعيمهم۔ وللعاشق المسكين مايتجرع

۱۴۲۔ یعنی جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں، اسی رب سے ہماری دعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں

پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرتے دم تک اسلام پر مستقیم رکھے ایسا نہ ہو کہ گھبرا کر کوئی بات تسلیم و رضاء کے خلاف کر گذریں۔

۱۴۳۔ جب حق کے نشان دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کا ساتھ دینا شروع کر دیا بلکہ بعض قبطیوں کا میلان بھی ان کی طرف ہونے لگا تو فرعونی لیڈر گھبرا ئے اور فرعون کو یہ کہہ کر تشدد پر آمادہ کرنے لگے کہ موسیٰؑ اور اس کی قوم بنی اسرائیل کو یہ موقع نہ دینا چاہئے کہ وہ آزاد رہ کر ملک میں اودھم مچاتے پھریں اور عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں اور آیندہ تیری اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی پرستش ملک سے موقوف کرا دیں۔

۱۴۴۔ فرعون کے تجویز کردہ خدا: "فرعون اپنے کو "رب اعلیٰ" بڑا پروردگار کہتا تھا۔ غالباً اسی "اعلیٰ" کو نباہنے کے لئے کچھ ادنیٰ پروردگار بھی تجویز کئے ہوں گے۔ ان کو یہاں اٰلِهَتَكَ کہا بعض نے کہا کہ وہ گائے وغیرہ کی مجسم تصویریں تھیں۔ بعض نے سورج اور ستاروں کا ارادہ کیا ہے بعض کے نزدیک خود فرعون نے اپنی تصویر کے مجسمے پرستش کے لئے تقسیم کر دیے تھے۔ کچھ سہی بہر حال بڑا معبود اپنے ہی کو کہلواتا تھا اور مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (القصص۔۳۸) کہہ کر خدا کے وجود کی نفی کرتا تھا۔ العیاذ باللہ۔

۱۴۵۔ بنی اسرائیل پر مظالم کا ارادہ: موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کر رکھا تھا، کہ لڑکوں کو قتل کر دیتا۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ وہی اسرائیلی نہ ہو جس کے ہاتھ پر اس کی سلطنت کے زوال کی خبر منجمین نے دی تھی اور لڑکیوں کو خدمت وغیرہ کے لئے زندہ رہنے دیتا۔ اب موسیٰؑ کا اثر دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی تربیت واعانت سے بنی اسرائیل زور نہ پکڑ جائیں اس لئے انہیں خوف زدہ اور عاجز کرنے کے لئے اپنے زور و قوت کے نشہ میں پھر اسی پرانی اسکیم پر عمل کرنے کی ٹھہرائی۔ بنی اسرائیل اس سفاکانہ تجویز کو سن کر طبعی طور پر پریشان اور دہشت زدہ ہوئے ہوں گے۔ اس کا علاج موسیٰؑ نے آیندہ آیت میں بتلایا۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۟ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین ہے اللہ کی اس کا وارث کر دے جسکو وہ چاہے اپنے بندوں میں اور آخر میں بھلائی ہے ڈرنے والوں کے لئے [۱۴۶]

قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

۱۲۹۔ وہ بولے ہم پر تکلیفیں رہیں تیرے آنے سے پہلے اور تیرے آنے کے بعد [۱۴۷] کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو اور خلیفہ کر دے تم کو ملک میں پھر دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو [۱۴۸]

ع ۱۵ ۵

وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ

۱۳۰۔ اور ہم نے پکڑ لیا فرعون والوں کو قحطوں میں اور

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾

میووں کے نقصان میں تا کہ وہ نصیحت مانیں

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنۡ
تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا
طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ پھر جب پہنچی انکو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے لائق اور اگر پہنچی برائی تو نحوست بتلاتے موسٰی کی اور اسکے ساتھ والوں کی سن لو ان کی شومی تو اللہ کے پاس ہے پر اکثر لوگ نہیں جانتے[۱۴۹]

وَ قَالُوۡا مَهۡمَا تَاۡتِنَا بِهٖ مِنۡ اٰيَةٍ لِّتَسۡحَرَنَا بِهَا ۙ
فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور کہنے لگے جو کچھ تو لائے گا ہمارے پاس نشانی کہ ہم پر اسکی وجہ سے جادو کرے سو ہم ہر گز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے [۱۵۰]

۱۴۶۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ: یعنی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا، ملک اسی کا ہے جس کو مناسب جانے عطا فرمائے۔ لہذا ظالم کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگو۔ اسی پر نظر رکھو، اسی سے ڈرو، صبر و تقویٰ کی راہ اختیار کرو۔ اور یقین رکھو کہ آخری کامیابی صرف متقین کے لئے ہے۔

۱۴۷۔ یعنی ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے۔ تمہاری تشریف آوری سے قبل ہم سے ذلیل بیگار لی جاتی تھی اور ہمارے لڑکے قتل کئے جاتے تھے۔ تمہارے آنے کے بعد طرح طرح کی سختیاں کی جارہی ہیں۔ اور قتل ابناء کے مشورے ہو رہے ہیں دیکھئے کب ہماری مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔

۱۴۸۔ حضرت موسٰیؑ نے تسلی دی کی زیادہ مت گھبراؤ۔ خدا کی مدد قریب آگئی ہے۔ تم دیکھ لوگے کہ تمہارا دشمن ہلاک کر دیا جائے گا اور تم کو ان کے اموال واملاک کا مالک بنادیا جائے گا۔ تا کہ جس طرح آج سختی وغلامی میں تمہارا امتحان ہو رہا ہے، اس وقت خوشحالی اور آزادی دے کر آزمایا جائے کہ کہاں تک اس کی نعمتوں کی قدر اور احسانات کی شکر گذاری کرتے ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کے سنانے کو نقل فرمایا، یہ سورت مکی ہے، اس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے۔ "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے رنگ میں یہ بشارت ان کو پہنچائی۔

۱۴۹۔ آل فرعون کی پکڑ اور ان کی ہٹ دھرمی: "گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ قریب ہے خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے۔" یہاں سے اسی ہلاک موعود کے بعض مبادی کی تفصیل شروع کی گئ ہے۔ یعنی اس سنت اللہ کے موافق جس کا بیان اسی پارہ کے شروع میں آیت وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ (اعراف۔۹۴) الخ کے تحت میں گذر چکا، خدا تعالیٰ نے فرعونیوں کو ابتدائی تنبیہ کے طور پر قحط، خشک سالی وغیرہ معمولی تکالیف اور سختیوں میں مبتلا کیا۔ تا کہ وہ خواب غفلت سے چونکیں اور موسٰیؑ کی پیغمبرانہ نصیحتوں کو قبول کریں۔ مگر وہ ایسے کاہے کو تھے۔ انہوں نے ان تنبیہات کی کچھ پروانہ کی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ ڈھیٹ اور گستاخ ہو گئے۔ چنانچہ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الۡحَسَنَةَ (اعراف۔۹۵) کے قاعدہ سے جب قحط وغیرہ دور ہو کر ارزانی اور خوشحالی حاصل ہوتی تو کہنے لگتے کہ دیکھو ہماری خوش طالعی اور اقبال مندی کے لائق تو یہ حالات ہیں۔ پھر اگر درمیان میں کبھی کسی ناخوشگوار اور بری حالت سے دوچار ہونا پڑ جاتا تو کہتے کہ یہ سب (معاذ اللہ) موسٰیؑ اور اس کے رفقاء کی شومی تقدیر اور نحوست ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ الخ یعنی اپنی بدبختی

اور نحوست کو مقبول بندوں کی طرف کیوں نسبت کرتے ہو۔ تمہاری اس نحوست کا واقعی سبب تو خدا کے علم میں ہے اور وہ تمہارا ظلم وعدوان اور بغاوت وشرارت ہے۔ اسی سبب کی بناء پر خدا کے یہاں سے کچھ حصہ نحوست کا وقتی سزا اور تنبیہ کے طور پر تم کو پہنچ رہا ہے۔ باقی تمہارے ظلم و کفر کی اصلی شومی و نحوست یعنی پوری پوری سزا تو وہ ابھی اللہ کے پاس محفوظ ہے جو دنیا میں یا آخرت میں اپنے وقت پر تم کو پہنچ کر رہے گی۔ جس کی ابھی اکثر لوگوں کو خبر نہیں۔

۱۵۰۔ یہ موسیٰ کے معجزات ونشانات دیکھ کر کہتے تھے کہ خواہ کیسا ہی جادو آپ ہم پر چلائیں اور اپنے خیال کے موافق کتنے ہی نشان دکھلائیں، ہم کسی طرح تمہاری بات ماننے والے نہیں۔ جب انہوں نے یہ آخری فیصلہ سنا دیا اور قبول حق کے سب دروازے اپنے اوپر بند کر لئے، تب خدا نے ان پر چند قسم کی عظیم الشان بلائیں یکے بعد دیگرے مسلط کر دیں۔ جنکی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَ الۡجَـرَادَ وَ الۡقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَ كَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان [۱۵۱] اور ٹڈی اور چچڑی [۱۵۲] اور مینڈک اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہگار [۱۵۳]

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ‌ ۚ لَـئِنۡ كَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَـنُؤۡمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرۡسِلَنَّ مَعَكَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ‌ ۚ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ اور جب پڑتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا کہ اس نے بتلا رکھا ہے تجھ کو [۱۵۴] اگر تو نے دور کر دیا ہم سے یہ عذاب تو بیشک ہم ایمان لے آئیں گے تجھ پر اور جانے دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو

فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ‏ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ پھر جب ہم نے اٹھا لیا ان سے عذاب ایک مدت تک کہ ان کو اس مدت تک پہنچنا تھا اسی وقت عہد توڑ ڈالتے [۱۵۵]

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ‏ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے سو ڈبو دیا ہم نے انکو دریا میں اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے تغافل کرتے تھے [۱۵۶]

۱۵۱۔ آل فرعون پر طرح طرح کے عذاب: یعنی بارش اور سیلاب کا طوفان یا طاعون کی وجہ سے موت کا طوفان علیٰ اختلاف الاقوال۔

۱۵۲۔ "قمل" سے مراد چچڑیاں ہیں، جیسا کہ مترجمؒ نے اختیار کیا۔ یا جوئیں یا گیہوں وغیرہ غلہ میں جو کیڑا لگ جاتا ہے جس سے غلہ خراب ہو جاتا ہے۔ یعنی بدن اور کپڑوں میں چچڑیاں اور جوئیں پڑ گئیں۔ غلہ میں گھن لگ گیا۔

۱۵۳۔ یعنی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ یہ سب آیات دکھلائی گئیں۔ مگر وہ کچھ ایسے متکبر، جرائم پیشہ اور پرانے گنہگار تھے کہ کسی طرح مان کر نہ دیا۔ سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ جب فرعون نے موسیٰؑ کے مطالبہ (بنی اسرائیل کی آزادی) کو تسلیم نہ کیا تو حق تعالیٰ نے بارش کا طوفان بھیجا، جس سے کھیتیوں وغیرہ کی تباہی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر گھبرا کر حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ تم اپنے خدا سے کہہ کر یہ بلا طوفان دور کرا دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی دے کر تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ موسیٰؑ کی دعا سے بارش بند ہو گئی اور بجائے نقصان کے پیداوار بہت کثرت سے ہوئی۔ فرعونی عذاب سے بے فکر ہو کر اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے تیار کھیتیوں پر ٹڈی دل بھیج دیا جسے دیکھ کر پھر گھبرائے کہ یہ نئی آفت کہاں سے آ گئی۔ پھر موسیٰؑ سے دعا کی درخواست کی اور پختہ وعدے کئے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ جب یہ عذاب بھی اٹھا لیا گیا تو پھر مطمئن ہو گئے اور سب وعدے فراموش کر دیے۔ آخر جس وقت غلہ اٹھا کر مکانوں میں بھر لیا تو خدا کے حکم سے غلہ میں گھن لگ گیا۔ پھر موسیٰؑ سے دعا کرائی اور بڑے پکے عہد و ایمان کئے، لیکن جہاں وہ حالت ختم ہوئی بدستور سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگے تو خدا نے ان کا کھانا اور پینا بے لطف کر دیا مینڈک اس قدر کثرت سے پیدا کر دیئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جب بولنے یا کھانے کے لئے منہ کھولتے، مینڈک جست کر کے منہ میں پہنچتا تھا اور ویسے بھی اس جانور کی کثرت نے رہنا سہنا مشکل کر دیا۔ ادھر پینے کے لئے جو پانی لینا چاہتے تھے وہ ہی خدا کے حکم سے برتنوں میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ غرض کھانے پینے تک سے عاجز ہو رہے تھے۔ اس پر بھی شیخی اور اکڑفوں وہ ہی تھی۔

۱۵۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست: "یعنی اس نے دعا کا جو موثر طریقہ تجھ کو بتلا رکھا ہے، اسی طرح دعا کر دیجئے۔ یا بِمَا عَہِدَ عِنۡدَکَ کا یہ مطلب ہے کہ "نبی اللہ" ہونے کی حیثیت سے دعا فرما دیجئے۔ گویا "عہد" کا اطلاق نوبت پر ہوا، کیونکہ خدا اور نبی کے درمیان ایک طرح کا معاہدہ ہوتا ہے کہ خدا نبی کو خلعت اکرام و اعانت سے سرفراز فرمائے گا اور نبی اس کی پیغام رسانی میں کوئی کوتاہی نہ کرے گا۔ اور ممکن ہے بِمَا عَہِدَ عِنۡدَکَ سے وہ عہد مراد ہو جو بتوسط انبیاء علیہم السلام، اقوام سے کیا جاتا ہے کہ اگر تم کفر و تکذیب سے باز آ جاؤ گے تو عذاب الٰہی اٹھا لیا جائے گا واللہ اعلم۔

۱۵۵۔ اس مدت سے یا تو موت اور غرق ہونے تک کی مدت مراد ہے۔ یا ممکن ہے ایک بلا کے بعد دوسری بلا کے آنے تک کا وقت مراد ہو۔

۱۵۶۔ آل فرعون کا غرق ہونا: "رجز" سے بعض مفسرین کے نزدیک طاعون مراد ہے جیسا کہ بعض احادیث میں یہ لفظ طاعون پر اطلاق کیا گیا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین ان آیات کو پچھلی آیات ہی کا بیان قرار دیتے ہیں موضح القرآن میں ہے کہ "یہ سب بلائیں ان پر آئیں ایک ایک ہفتہ کے فرق سے۔ اول حضرت موسیٰؑ فرعون کو کہہ آتے کہ اللہ تم پر یہ بلا بھیجے گا۔ وہ ہی بلا آتی۔ پھر مضطر ہوتے حضرت موسیٰؑ کی خوشامد کرتے، ان کی دعا سے دفع ہوتی۔ پھر منکر ہو جاتے، آخر کو وبا پڑی۔ نصف شب کو سارے شہر میں ہر شخص کا پہلا بیٹا مر گیا، وہ لگے مُردوں کے غم میں، حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ پھر کئی روز کے بعد فرعون پیچھے لگا۔ دریائے قلزم پر جا پکڑا۔ وہاں یہ قوم سلامت گذر گئی اور فرعون ساری فوج سمیت غرق ہوا۔

وَ اَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ
مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَ مَغَارِبَہَا الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا ؕ وَ
تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ

۱۳۷۔ اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے [۱۵۷] اس زمین کے مشرق اور مغرب کا کہ جس میں برکت رکھی ہے ہم نے [۱۵۸] اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب انکے صبر کرنے کے اور خراب کر دیا ہم نے جو کچھ بنایا تھا فرعون اور اسکی

بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَ دَمَّرۡنَا مَا كَانَ يَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَ
قَوۡمُهٗ وَمَا كَانُوۡا يَعۡرِشُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾

قوم نے اور جو اونچا کر کے چھایا تھا[۱۵۹]

وَ جٰوَزۡنَا بِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتَوۡا عَلٰى قَوۡمٍ
يَّعۡكُفُوۡنَ عَلٰٓى اَصۡنَامٍ لَّهُمۡ ۚ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى اجۡعَلْ
لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ
تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو پہنچے ایک قوم پر جو پوجنے میں لگے رہتے تھے اپنے بتوں کے[۱۶۰] کہنے لگے اے موسٰی بنا دے ہماری عبادت کے لئے بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں کہا تم لوگ تو جہل کرتے ہو[۱۶۱]

اِنَّ هٰٓؤُلَۤاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمۡ فِيۡهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا
يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ یہ لوگ تباہ ہونے والی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں[۱۶۲]

قَالَ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى
الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۰۔ کہا کیا اللہ کے سوا ڈھونڈوں تمہارے واسطے کوئی اور معبود حالانکہ اس نے تمکو بڑائی دی تمام جہان پر[۱۶۳]

وَاِذۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ
الۡعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ
وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَاۤءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ ۱۲ ۶

۱۴۱۔ اور وہ وقت یاد کرو جب نجات دی ہم نے تم کو فرعون والوں سے کہ دیتے تھے تم کو برا عذاب کہ مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور جیتا رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا[۱۶۴]

۱۵۷۔ یعنی بنی اسرائیل کو۔

۱۵۸۔ بنی اسرائیل کو مصر و شام کی وراثت: "اکثر مفسرین کے نزدیک اس زمین سے مراد ملک شام ہے جس میں حق تعالٰی نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات ودیعت کی ہیں۔ ظاہری تو یہ ہی کہ نہایت سرسبز و شاداب، سیر حاصل، خوش منظر اور زرخیز ملک ہے۔ اور باطنی اس لئے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن بنایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر ایک عرصہ تک صحرائے تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا، بعدہٗ حضرت یوشعؑ کے ساتھ ہو کر "عمالقہ" سے جہاد کیا اور اپنے آبائی وطن ملک شام کے وارث بنے۔ بعض مفسرین نے اس

زمین سے مصر مراد لیا ہے۔ یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو مصر کی دولت کا وارث بنا دیا کہ آزادی کے ساتھ اس سے متمتع ہوں کما قال تعالیٰ کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ۔ وَّ زُرُوۡعٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ۔ وَّ نَعۡمَۃٍ کَانُوۡا فِیۡہَا فٰکِہِیۡنَ ۔ کَذٰلِکَ ۟ وَ اَوۡرَثۡنٰہَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ (دخان۔۲۸۔۲۵) وَ نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ نَجۡعَلَہُمۡ اَئِمَّۃً وَّ نَجۡعَلَہُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ ۔ وَ نُمَکِّنَ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ نُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَ ہَامٰنَ وَ جُنُوۡدَہُمَا مِنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَ (القصص۔۶،۵) اس تقدیر پر مصر کی ظاہری برکات تو ظاہر ہیں۔ باطنی اس حیثیت سے ہوں گی کہ حضرت یوسفؑ وہیں مدفون ہوئے، حضرت یعقوبؑ وہاں تشریف لے گئے اور آخر میں حضرت موسیٰؑ نے بچپن سے لے کر بڑی عمر تک طویل مدت اسی ملک میں گذاری۔ امام بغوی نے مفسرین کے دونوں قول جمع کر کے اس جگہ مصر و شام دونوں کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔"

۱۵۹۔ یعنی بنی اسرائیل نے جب فرعونیوں کے سخت تباہ کن شدائد پر صبر کیا، موسیٰؑ کی ہدایت کے موافق خدا سے استعانت کی اور پیغمبر خدا کا ساتھ دیا تو خدا نے جو نیک وعدہ ان سے کیا تھا عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّہۡلِکَ عَدُوَّکُمۡ الخ اور نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا الخ وہ پورا کر دکھایا۔ فرعون اور اس کی قوم نے اپنے کبر و نخوت کے اظہار کے لئے جو ڈھونگ بنا رکھا تھا وہ سب تباہ و برباد ہو گیا۔ اور ان کی اونچی اونچی عمارتیں تہ و بالا کر دی گئیں سچ ہے اِنَّ الۡمُلُوۡکَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡیَۃً اَفۡسَدُوۡہَا وَ جَعَلُوۡۤا اَعِزَّۃَ اَہۡلِہَاۤ اَذِلَّۃً (النمل۔۳۴)

۱۶۰۔ بنی اسرائیل کا جاہلانہ مطالبہ: بعض نے کہا کہ یہ قبیلہ لخم کے لوگ تھے اور بعض نے کنعانی عمالقہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ ان کے بت گائے کی شکل پر تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۱۔ "یعنی حق تعالیٰ کی عظمت شان اور تنزیہ و تقدیس سے تم بالکل جاہل معلوم ہوتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ مدت دراز تک مصری بت پرستوں کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا میلان بار بار اس طرح کے افعال و رسوم شرکیہ کی طرف ہوتا تھا۔ یہ بیہودہ جاہلانہ درخواست بھی مصر کی آب و ہوا اور وہاں کے بت پرستوں کی صحبت کے تاثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کی عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی۔ ان کو بھی یہ ہوس آئی آخر کار سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا"۔

۱۶۲۔ قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت: یعنی ان کا بت پرستی کا مذہب میرے اور اہل حق کے ہاتھوں سے آئندہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور جو کچھ سوانگ یہ اب تک بناتے رہے ہیں وہ محض باطل، غلط، بیکار اور بے حقیقت ہے۔

۱۶۳۔ یعنی خدا کے انعامات عظیمہ کی شکر گذاری اور حق شناسی کیا یہ ہی ہو سکتی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کر کے اللہ سے بغاوت کی جائے۔ پھر بڑی شرم کا مقام ہے کہ جس مخلوق کو خدا نے سارے جہان پر فضیلت دی وہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کے سامنے سر بسجود ہو جائے کیا مفضول افضل کا معبود بن سکتا ہے؟

۱۶۴۔ اس کی تفسیر پارہ الم کے ربع کے بعد ملاحظہ کی جائے۔ یہ مضمون وہاں گذر چکا ہے۔ یعنی جس خدا نے ابھی ابھی تم پر ایسا عظیم الشان احسان فرمایا، کیا اسے چھوڑ کر لکڑیوں اور پتھروں کے سامنے جھکتے ہو؟

وَ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰی ثَلٰثِیۡنَ لَیۡلَۃً وَّ اَتۡمَمۡنٰہَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِیۡقَاتُ رَبِّہٖۤ اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً ۚ وَ قَالَ مُوۡسٰی لِاَخِیۡہِ ہٰرُوۡنَ اخۡلُفۡنِیۡ فِیۡ قَوۡمِیۡ وَ اَصۡلِحۡ وَ لَا

۱۴۲۔ اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو اور دس سے پس پوری ہو گئی مدت تیرے رب کی چالیس راتیں [۱۶۵] اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ [۱۶۶]

تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤٢﴾

۱۶۵۔ کوہ طور پر چالیس راتوں کا وعدہ: جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اب ہمارے لئے کوئی آسمانی شریعت لایئے جس پر ہم دلجمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰؑ نے ان کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے ان سے کم از کم تیس دن اور زائد از زائد چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے بہ پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے، تو تم کو تورات شریف عنایت کی جائے گی۔ دو مدتیں (کم اور زیادہ) ٹھہرانے کا شاید یہ مطلب تھا کہ اگر اثنائے ریاضت میں وظائف عبودیت اور آداب تقرب ادا کرنے کے اعتبار سے کسی قسم کی کوتاہی اور تقصیر ظاہر نہ کی تو اقل مدت تیس دن کافی ہوں گے ورنہ اکثر الاجلین چالیس روز پورے کرنے پڑیں گے۔ یا شروع سے تیس دن ضروری و لازمی میعاد کے طور پر ہوں اور چالیس دن پورے کرنا اختیاری و استحبابی حیثیت سے اصل میعاد کی تکمیل و تتمیم کے طور پر رکھے گئے ہوں۔ جیسے شعیبؑ نے موسیٰؑ کو اپنی بیٹی دیتے وقت فرمایا تھا عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ (القصص۔۲۷) اور ہمارے زمانہ کے بعض مصنفین نے یہ کہا ہے کہ اصلی میعاد چالیس ہی دن کی تھی جیسا کہ سورہ بقرہ میں مذکور ہے اور یہاں بھی فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اس چالیس دن کے بیان کا ایک پیرایہ ہے کہ ہم نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا جن کا تتمہ دس دن اور تھے تا کہ اشارہ ہو جائے کہ ایک مہینہ سالم (ذیقعدہ) پورا کر کے دوسرے مہینہ (ذی الحجہ) میں سے دس دن اور بڑھائے گئے۔ اس طرح یکم ذی القعدہ سے شروع ہو کر ۱۰ ذی الحجہ کو پورا ہوا جیسا کہ اکثر سلف سے منقول ہے۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے کہ "حق تعالیٰ نے وعدہ دیا۔ حضرت موسیٰؑ کو کہ پہاڑ پر تیس رات خلوت کرو کہ تمہاری قوم کو "تورات" دوں اس مدت میں انہوں نے ایک دن مسواک کی۔ فرشتوں کو ان کے منہ کی بو سے خوشی تھی، وہ جاتی رہی، اس کے بدلے دس رات اور بڑھا کر مدت پوری کی"۔

۱۶۶۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو نیابت کی ذمہ داری: یعنی میری غیبت میں میرے حصہ کا کام بھی تم ہی کرو۔ گویا حکومت و ریاست کے جو اختیارات موسیٰؑ کے ساتھ مخصوص تھے، وہ ہارونؑ کو تفویض کر دیے گئے اور چونکہ بنی اسرائیل کی تلون مزاجی اور سست اعتقادی کا پورا تجربہ رکھتے تھے، اس لئے بڑی تصریح و تاکید سے ہارونؑ کو متنبہ کر دیا کہ اگر میرے پیچھے یہ لوگ کچھ گڑبڑ مچائیں تو تم اصلاح کرنا اور میرے طریق کار پر کاربند رہنا، مفسد پردازوں کی راہ پر مت چلنا۔ خدا کی مشیت کہ موسیٰؑ یہ وصیت کر کے ادھر گئے۔ ادھر بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ مگر حضرت ہارونؑ نے موجودہ بائبل نویسوں کے علی الرغم يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ (طٰہٰ۔۹۰) کہہ کر ان کی گمراہی اور اپنی بیزاری کا صاف صاف اعلان کر دیا اور وصیت موسوی کے موافق اصلاح حال کی امکانی کوشش کی۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى

۱۴۳۔ اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اس سے اسکے رب نے بولا اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں [۱۶۷] فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا [۱۶۸] لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھ کو دیکھ لے گا [۱۶۹] پھر جب تجلی کی اسکے رب نے پہاڑ کی طرف کر دیا اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش ہو کر [۱۷۰] پھر جب ہوش میں آیا بولا تیری

صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ
اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں سب سے پہلے یقین لایا[۱۷۱]

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

۱۴۴۔ فرمایا اے موسٰی میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا سو لے جو میں نے تجھ کو دیا اور شاکر رہ[۱۷۲]

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ
تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ
يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵۔ اور لکھ دی ہم نے اس کو تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی[۱۷۳] سو پکڑ لے انکو زور سے اور حکم کر اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں عنقریب میں تم کو دکھلاؤں گا گھر نافرمانوں کا[۱۷۴]

۱۶۷۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی دیدار حق تعالیٰ کی درخواست: چالیس دن کی میعاد پوری ہو چکنے پر حق تعالیٰ نے موسٰیؑ کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف مکالمہ بخشا۔ اس وقت حضرت موسٰیؑ کو بلاواسطہ کلام الٰہی سننے کی لذت بے پایاں حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے متکلم کے دیدار کی آرزو کرنے لگے۔ اور بے ساختہ درخواست کر دی رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے پروردگار! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اور موانع اٹھا دیجئے اور وجہ انور بے حجاب سامنے کر دیجئے کہ ایک نظر دیکھ سکوں۔

۱۶۸۔ کوہ طور پر حق تعالیٰ کی تجلی: یعنی دنیا میں کسی مخلوق کا یہ فانی وجود اور فانی قویٰ اس ذوالجلال الاکرام لم یزل ولایزال کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں کسی کا موت سے پہلے دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہونا شرعاً ممتنع ہے۔ گو عقلاً ممکن ہو۔ کیونکہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے، تو موسٰیؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک محال عقلی کی درخواست کرتے۔ اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت باری دنیا میں عقلاً ممکن، شرعاً ممتنع الوقوع ہے اور آخرت میں اس کا وقوع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ رہی رسول اللہ ﷺ کی رویت شب معراج میں، وہ اختلافی مسئلہ ہے جس کا ذکر انشاء اللہ سورہ نجم میں آئے گا۔

۱۶۹۔ یعنی تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، ہم اپنے جمال مبارک کی ایک ذرا سی جھلک اس پر ڈالتے ہیں۔ اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت کر سکی تو ممکن ہے تم کو بھی اس کا تحمل کرا دیا جائے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے، کسی انسان کی مادی ترکیب اور جسمانی آنکھیں اسے کیسے برداشت کر سکتی ہیں۔ اگرچہ قلبی اور روحانی طاقت کے اعتبار سے زمین، آسمان، پہاڑ، سب چیزوں سے انسان فائق ہو۔ اور اسی لئے موسٰیؑ جس وحی الٰہی کے حامل تھے بلکہ دوسرے انسان بھی جس امانت عظیمہ کے حامل ہیں، پہاڑ وغیرہ اس کے اٹھانے پر قادر

نہیں۔ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب۔۷۲) لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر۔۲۱) تاہم جس چیز کا تعلق ظاہری آنکھوں یا بدن کی مالی قوت سے ہو، اس میں انسان دوسری عظیم الخلقت چیزوں سے بہت کمزور واقع ہوا ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (المومن۔۵۷) وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (نساء۔۲۸) اس جگہ موسیٰؑ کو انسانی وجود کی اسی کمزوری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۷۰۔ حق تعالیٰ کی تجلیات بہت طرح کی ہیں اور یہ خدا کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے تجلی فرمائے۔ پہاڑ پر جو تجلی ہوئی اس نے معاً پہاڑ کے خاص حصہ کو ریزہ ریزہ کر ڈالا، اور موسیٰؑ چونکہ محل تجلی سے قریب تھے، ان پر اس قرب محل اور پہاڑ کے ہیبتناک منظر دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بلا تشبیہ یوں سمجھ لیجئے کہ بجلی جس چیز پر گرتی ہے اسے جلا کر ایک آن میں کس طرح خاک سیاہ کر دیتی ہے اور جو لوگ اس مقام کے قریب ہوتے ہیں، بسا اوقات انہیں بھی کم و بیش صدمہ پہنچ جاتا ہے۔

۱۷۱۔ یعنی پاک ہے اس سے کہ کسی مخلوق کے مشابہ ہو اور یہ فانی آنکھیں اس کے دیدار کا تحمل کر سکیں۔ تیری پاکی اور برتری کا اقتضاء یہ ہے کہ کسی چیز کی طلب تیری اجازت کے بدون نہ کی جائے۔ میں توبہ کرتا ہں کہ فرط اشتیاق میں بدون اجازت کے ایک نازیبا درخواست کر گذرا۔ میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے پہلے تیری عظمت و جلال کا یقین رکھتا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جسے ذوقی و عیانی طریق پر منکشف ہوا کہ خداوند قدوس کی رویت دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے واقع نہیں ہو سکتی۔

۱۷۲۔ یعنی دیدار نہ ہو سکا نہ سہی، یہ شرف و امتیاز کیا تھوڑا ہے کہ ہم نے تجھ کو پیغمبر بنایا اور تورات عطا کی اور بلاواسطہ کلام فرمایا۔ سو جس قدر بخشش ہماری طرف سے ہوئی۔ اسے پلے باندھو اور ان بندوں میں شامل رہو جنہیں خدا نے "شاکرین" کے امتیازی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

۱۷۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں کا عطیہ: بعض کہتے ہیں کہ تورات شریف ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی اور بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تختیاں تورات کے علاوہ تھیں جو نزول تورات سے پہلے مرحمت ہوئیں۔ بہر حال دیدار نہ ہو سکنے سے جو شکستگی موسیٰؑ کو ہوئی اس کی تلافی اور جبر مافات کے طور پر الواح عطا کی گئیں۔ جن میں ہر قسم کی نصیحتیں اور تمام ضروری احکام کی تفصیل تھی (ابن کثیرؒ)۔

۱۷۴۔ یعنی خود بھی ان الواح کو مضبوطی اور احتیاط سے پکڑے رہو کہیں ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں اور اپنی قوم کو سمجھاؤ کہ وہ ان الواح کی بہترین ہدایات پر پختگی سے عمل کرتے رہیں اور ایسی اچھی چیز کو ہاتھ سے نہ دیں۔ (تنبیہ) لفظ اَحْسَنِهَا سے یا تو اس پر متنبہ فرمانا ہے کہ ان میں "احسن" کے سوا اور کچھ نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو احکام دیے گئے تھے یوں تو سب فی حد ذاتہ "حسن" ہیں۔ مگر بعض بعض سے احسن ہوتے ہیں۔ مثلاً ظالم سے بدلہ لینا جائز اور حسن ہے۔ لیکن صبر کرنا اور معاف کر دینا عزیمت اور احسن ہے۔ گویا بنی اسرائیل کو اس پر آمادہ کرنا تھا کہ عزائم و مندوبات کے اکتساب میں سعی کریں اور خدا کے کامل فرمانبردار بنیں۔ اگر نافرمانی کریں گے تو انہیں نافرمانوں کا گھر دکھلا دیا جائے گا۔ یعنی آخرت میں دوزخ اور دنیا میں تباہی و رسوائی۔ اعاذنا اللہ منہا (ابن کثیر و بغوی) اور بعض نے نافرمانوں کے گھر سے شام یا مصر مراد لیا ہے۔ جو نافرمان عمالقہ یا فرعونیوں کا ملک تھا۔ اس صورت میں یہ آیت بنی اسرائیل کے لئے بشارت ہو گی کہ اگر پوری طرح فرمانبرداری کرو گے تو نافرمانوں کے ملک تم کو دے دیے جائیں گے۔ والراجح ہو الاول کمارجحہ ابن کثیر۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ

۱۴۶۔ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے انکو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ لائیں ان پر اور اگر دیکھیں رستہ ہدایت کا تو نہ ٹھہرائیں

اِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَ
اِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَيِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿١٤٦﴾

اس کو راہ اور اگر دیکھیں رستہ گمراہی کا تو اس کو ٹھہرا لیں راہ یہ اس لئے کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور رہے ان سے بے خبر [۱۷۵]

وَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ
اَعۡمَالُهُمۡ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٤٧﴾ ع ١٧ ، ٧

۱۴۷۔ اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو برباد ہوئیں ان کی محنتیں وہی بدلا پائیں گے جو کچھ عمل کرتے تھے [۱۷۶]

وَ اتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ
عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَ
لَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَ كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ﴿١٤٨﴾

۱۴۸۔ اور بنا لیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا [۱۷۷] ایک بدن کہ اسمیں گائے کی آواز تھی کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا اور نہیں بتلاتا رستہ معبود بنا لیا اس کو اور وہ تھے ظالم [۱۷۸]

وَ لَمَّا سُقِطَ فِىۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ رَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ
قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَ يَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ
مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿١٤٩﴾

۱۴۹۔ اور جب پچتائے اور سمجھے کہ ہم بیشک گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے اگر نہ رحم کرے ہم پر ہمارا رب اور نہ بخشے ہم کو تو بیشک ہم تباہ ہوں گے [۱۷۹]

وَ لَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ
بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ
رَبِّكُمۡ ۚ وَ اَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِيۡهِ يَجُرُّهٗۤ
اِلَيۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِىۡ وَ
كَادُوۡا يَقۡتُلُوۡنَنِىۡ ۖ فَلَا تُشۡمِتۡ بِىَ الۡاَعۡدَآءَ وَ لَا

۱۵۰۔ اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا ہوا افسوسناک [۱۸۰] بولا کیا بری نیابت کی تم نے میری میرے بعد [۱۸۱] کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے [۱۸۲] اور ڈالدیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف [۱۸۳] وہ بولا کہ اے میری ماں کے جنے لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں [۱۸۴]

تَجۡعَلۡنِیۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِاَخِیۡ وَ اَدۡخِلۡنَا فِیۡ رَحۡمَتِکَ ۫ۖ
وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۱۸/۸

۱۵۱۔ بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے [۱۸۵]

۱۷۵۔ تکبر کی سزا: جو لوگ خدا اور پیغمبروں کے مقابلہ میں ناحق کا تکبر کرتے ہیں اور نخوت و غرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الٰہی کو قبول کریں ہم بھی ان کے دل اپنی آیات کی طرف سے پھیر دیں گے کہ آیندہ ان سے منتفع ہونے کی توفیق نہ ہو گی۔ ایسے لوگوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خواہ کتنے ہی نشان دیکھیں اور کتنی ہی آیتیں سنیں ٹس سے مس نہ ہوں ہدایات کی سڑک کیسی ہی صاف اور کشادہ ہو، اس پر نہ چلیں ہاں گمراہی کے راستہ پر نفسانی خواہشات کی پیروی میں دوڑے چلے جائیں۔ تکذیب کی عادت اور غفلت کی تمادی سے جب دل مسخ ہو جاتا ہے۔ اس وقت آدمی اس حالت کو پہنچتا ہے۔

۱۷۶۔ یعنی احکام الٰہیہ پر چلنے کی توفیق نہ ہو گی۔ اور جو کچھ کام اپنی عقل سے کریں گے وہ خدا کے یہاں قبول نہ ہو گا۔ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ باقی ان کی بے جان اور مردہ نیکیوں کا جو بدلہ ملنا ہو گا دنیا میں مل رہے گا۔

۱۷۷۔ زیور اور بچھڑا: یہ زیور جسے گلا کر اور ڈھال کر بچھڑا بنایا اصل میں فرعون کی قوم قبطیوں کا تھا۔ ان کے پاس سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا۔ جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں ہے حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِیۡنَۃِ الۡقَوۡمِ (طٰہٰ۔۸۷)

۱۷۸۔ بچھڑے کی بے معنی آواز: سورہ طٰہٰ میں اس بچھڑے کا مفصل قصہ آئے گا، یہاں ان کی حماقت و سفاہت پر متنبہ فرمایا ہے کہ ایک خود ساختہ ڈھانچہ میں سے گائے کی آواز سن لینے پر مفتوں ہو گئے اور بچھڑے کو خدا سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ اس کی بے معنی آواز میں نہ کوئی کلام و خطاب تھا نہ دینی یا دنیوی رہنمائی اس سے ہوتی تھی۔ اس طرح کی صوت محض کسی چیز کو انسانیت کے درجہ تک بھی نہیں پہنچا سکتی، چہ جائیکہ خالق جل و علا کے مرتبہ پر پہنچا دے۔ یہ کتنا بڑا ظلم اور بے موقع کام ہے کہ ایک معمولی جانور کی صورت کو خدا کہہ دیا جائے یہ ہے کہ اس قوم کو پہلے ہی سے ایسی بے موقع باتیں کرنے کی عادت تھی۔ چنانچہ پیشتر اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰـهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ کی درخواست موسٰیؑ سے کر چکے تھے۔

۱۷۹۔ بنی اسرائیل کی ندامت: اپنی بد عقلی اور کجروی سے انہوں نے ایسا بے ڈھنگا اور بھونڈا کام کیا تھا کہ موسٰیؑ کی تنبیہ کے بعد جب باطل کا جوش ٹھنڈا ہوا اور عقل و ہوش کچھ ٹھکانے ہوئے تو خود بھی اپنی حرکت پر بہت شرمائے گویا مارے ندامت کے ہاتھ کاٹنے لگے اور خوف و ہراس کی وجہ سے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ گھبرا کر کہنے لگے اب کیسے بنے گی اگر خدا نے ہم پر رحم فرما کر توبہ اور مغفرت کی کوئی صورت نہ نکالی، تو یقیناً ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑیں گے۔

۱۸۰۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا غم و غصہ: کیونکہ حق تعالیٰ نے طور ہی پر اطلاع دے دی تھی کہ سامری نے تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر موسٰیؑ سخت متاسف اور غضبناک ہوئے۔

۱۸۱۔ یہ خطاب عبّادِ عجل (گوسالہ پرستوں) کو تھا۔ یعنی میرے پیچھے تم نے خوب میری قائم مقامی کی۔ جس بات پر میں سب سے زیادہ زور دیتا تھا (خدا کی توحید و تفرید) اس کی جگہ تم نے بچھڑے کی پوجا یہ کہہ کر کھڑی کر دی کہ هٰذَاۤ اِلٰـهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى (طٰہٰ۔۸۸) (فی الحقیقت یہ ہی تمہارا اور موسٰی کا معبود ہے) اور ممکن ہے خطاب ہارونؑ کو بھی ہو کہ تم نے میری نیابت کا حق جو اخۡلُفۡنِیۡ فِیۡ قَوۡمِیۡ کہہ کر سپرد کر گئے تھے۔

اچھی طرح ادا نہ کیا کہ ان کو روکتے اور مضبوطی سے اس فتنہ کا مقابلہ کرتے، جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں مفصل آئے گا۔

۱۸۲۔ یعنی میں پروردگار سے تمہارے لئے احکام ہی لینے تو گیا تھا اور چالیس روز کی میعاد بھی خدا نے مقرر کر دی تھی تم نے خدا کی مقرر کی ہوئی مدت پوری ہونے اور اس کے احکام لے آنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ کچھ بہت زمانہ تو نہیں گذر گیا تھا جو تم نے گھبرا کر اس قدر جلد خدا کے قہر و غضب کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی۔ اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدْتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ (طٰہٰ۔۸۶)۔

۱۸۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت ہارون علیہ السلام سے باز پرس: "حضرت موسیٰؑ اس مشرکانہ ڈھونگ کر دیکھ کر اور ہارونؑ کی نرمی و تساہل کا گمان کر کے اس قدر افروختہ اور دینی حمیت و غیرت کے جوش سے اس قدر بے قابو ہو رہے تھے کہ ہارونؑ کی طرف لپکے اور حرارت ایمانی کے بے اندازہ جوش میں ان کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے۔ معاذاللہ ہارونؑ کی اہانت کی نیت سے نہیں کیونکہ ہارونؑ خود مستقل نبی اور عمر میں موسیٰؑ سے تین سال بڑے تھے۔ پھر ایک اولوالعزم پیغمبر سے یہ کیسے ممکن تھا کہ دوسرے نبی کی جو اس کا بڑا بھائی بھی ہو ذرہ برابر توہین کا ارادہ کرے۔ نہیں موسیٰؑ کی طرف سے یہ معاملہ اس وقت ہوا جبکہ وہ قوم کی سخت بدعنوانی کی بنا پر بغض فی اللہ اور غصہ سے بے اختیار ہو رہے تھے۔ حضرت ہارونؑ کی نسبت یہ خیال گذر رہا تھا کہ شاید انہوں نے اصلاح حال کی پوری کوشش نہیں کی۔ حالانکہ ان کو اصلاح کی بڑی تاکید کر گئے تھے۔ بیشک ہارونؑ نبی اور عمر میں بڑے تھے مگر رتبہ میں موسیٰؑ ان سے بڑے تھے اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ہارونؑ کو ان کا وزیر اور تابع بنایا گیا تھا اس موقع پر موسیٰؑ کی شان سیادت و حکومت کا ظہور ہوا۔ گویا ان کی طرف سے یہ دارو گیر اور سخت باز پرس حضرت ہارونؑ کی تقصیر مظنون پر ایک قسم کی فعلی ملامت تھی۔ جس سے قوم کو بھی پوری طرح متنبہ کر دیا گیا کہ پیغمبر کا قلب نشہ توحید سے کس قدر سرشار اور دسیسہ شرک و کفر سے کس قدر نفور و بیزار ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ادنیٰ ترین تساہل یا خاموشی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے حتیٰ کہ ایک نبی کی نسبت اگر ایسا وہم ہو جائے کہ اس نے شرک کے مقابلہ پر آواز بلند کرنے میں ذراسی کوتاہی کی ہے تو اس کی بزرگی اور وجاہت عند اللہ بھی ایسی سخت باز پرس سے ان کو نہیں روک سکتی۔ بہر حال موسیٰؑ اس حالت میں شرعاً معذور تھے۔ اسی فرط غضب اور ہنگامہ دارو گیر میں الواح (وہ تختیاں جو خدا کی طرف سے مرحمت ہوئی تھیں) ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ جسے عدم تحفظ کی وجہ سے تغلیظًا "القاء" سے تعبیر فرمایا کیونکہ بظاہر "خذها بقوة" کا امتثال نہ کر سکے۔ یا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے ہارونؑ کی طرف بڑھتے وقت ہاتھ خالی کرنے کے لئے بہت تیزی اور عجلت کے ساتھ تختیاں ایک طرف رکھ دیں۔ مگر چونکہ ان دونوں معاملات کی سطح جو ہارونؑ یا الواح کے متعلق ظہور میں آئے صورۃً پسندیدہ نہ تھی گو موسیٰؑ نیۃً معذور تھے اس لئے آئندہ رَبِّ اغۡفِرۡلِىۡ الخ کہہ کر حق تعالیٰ سے عفو کی درخواست کی واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸۴۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا جواب اور معذرت: گو ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے عینی بھائی ہیں۔ مگر ماں کی طرف نسبت کرنے سے ان کو نرمی اور شفقت پر آمادہ کرنا تھا اس آیت میں ہارونؑ کی معذرت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں اپنے مقدور کے موافق ان کو سمجھا چکا۔ لیکن انہوں نے میری کچھ حقیقت نہ سمجھی۔ الٹے مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہونے لگے۔ اب آپ ایسا معاملہ کر کے ان کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے اور عتاب و غصہ کا اظہار کرتے وقت مجھ کو ظالموں کے ذیل میں شامل نہ کیجئے۔

۱۸۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استغفار: یعنی شدت غضب میں جو بے اعتدالی یا اجتہادی غلطی مجھ سے ہوئی خواہ میں اس میں کتنا ہی نیک نیت ہوں آپ معاف فرما دیجئے اور میرے بھائی ہارونؑ سے اگر ان کے درجہ اور شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی طرح کی کوتاہی قوم کی اصلاح میں ہوئی اس سے بھی درگذر فرمائیے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝١٥٢

١٥٢۔ البتہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا ان کو پہنچے گا غصہ ان کے رب کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو[١٨٦]

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ
اٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٥٣

١٥٣۔ اور جنہوں نے کئے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے تو بیشک تیرا رب توبہ کے پیچھے البتہ بخشنے والا مہربان ہے[١٨٧]

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ښ وَ
فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ
يَرْهَبُوْنَ ۝١٥٤

١٥٤۔ اور جب تھم گیا موسیٰ کا غصہ تو اس نے اٹھا لیا تختیوں کو اور جو ان میں لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت اور رحمت تھی ان کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ
فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ
اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا
مَنْ تَشَاۗءُ وَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝١٥٥

١٥٥۔ اور چن لئے موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے وقت پر لانے کو پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑا تو بولا اے رب میرے اگر تو چاہتا تو پہلے ہی ہلاک کر دیتا انکو اور مجھ کو کیا ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا ہماری قوم کے احمقوں نے یہ سب تیری آزمائش ہے بچلا دے اس میں جسکو تو چاہے اور سیدھا رکھے جس کو چاہے تو ہی ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش دے ہم کو اور رحمت کر ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے[١٨٨]

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ
اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ

١٥٦۔ اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں ہم نے رجوع کیا تیری طرف فرمایا میرا عذاب ڈالتا ہوں میں اسکو جس پر چاہوں اور میری رحمت

اَشَآءُ ۚ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ فَسَاَکۡتُبُہَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ۚ

شامل ہے ہر چیز کو سو اس کو لکھ دوں گا ان کے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں[۱۸۹]

۱۸۶۔ گوسالہ پرستوں کی سزا اور قتل مرتد: یہ غضب وہ ہی ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ میں ربع پارہ الم کے بعد گذر چکا۔ یعنی گوسالہ پرستوں کو وہ لوگ قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت نہیں کی اور دوسروں کو روکنے میں حصہ بھی نہ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا دنیا میں قتل ہے۔

۱۸۷۔ یعنی برا کام حتّٰی کہ شرک و کفر کر کے پھر توبہ کر لے اور ایمان لے آئے تو غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ کے یہاں رحمت اور معافی کی کچھ کمی نہیں یہ معافی وغیرہ آخرت سے متعلق ہے۔ گویا اشارہ فرما دیا کہ گوسالہ پرستوں کو جو سزائے قتل دی گئی وہ ان کے حق میں شرط قبول توبہ سمجھی گئی تھی فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ (بقرہ۔۵۴) اب ان پر اخروی مواخذہ باقی نہیں رہا۔ دنیوی سزا کے بعد اخروی حالت کا بیان اس جگہ ایسا ہی ہے۔ جیسے دوسری جگہ السَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَیۡدِیَہُمَا (المائدہ۔۳۸) الخ کے بعد فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِہٖ وَ اَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوۡبُ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (المائدہ۔۳۹) فرما دیا گیا۔

۱۸۸۔ ستر سرداروں کے ساتھ کوہ طور پر حاضری: راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ میقات اس میقات کے علاوہ ہے جو موسٰیؑ کو تورات عطا فرمانے کے لئے مقرر ہوا تھا۔ نیز آیات حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی اور سزایابی کے بعد پیش آیا۔ لیکن سورہ نساء کی آیت فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡہُمُ الصّٰعِقَۃُ بِظُلۡمِہِمۡ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنٰتُ (نساء۔۱۵۴) الخ زیادہ صفائی سے بتلاتی ہے کہ گوسالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس واقعہ کا خلاصہ سورہ بقرہ میں ربع پارہ الم کے بعد گذر چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسٰیؑ سے کہا تھا کہ تمہاری باتیں اس وقت تسلیم کر سکتے ہیں جب خدا تعالیٰ سے خود سن لیں۔ حضرت موسٰیؑ ان میں سے ستر آدمیوں کو جو سردار تھے منتخب کر کے طور پر لے گئے۔ آخر انہوں نے حق تعالیٰ کا کلام سن لیا کہنے لگے کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے بے حجاب دیکھ نہ لیں ہم کو یقین نہیں آ سکتا۔ اس گستاخی پر نیچے سے سخت بھونچال آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک ہوئی، آخر کانپ کر مر گئے یا مردوں کی سی حالت کو پہنچ گئے۔

حضرت موسٰیؑ کی موثر دُعا: موسٰیؑ نے اپنے آپ کو ان کے ساتھ نتھی کر کے نہایت موثر انداز میں دعا کی جس کا حاصل یہ تھا کہ خداوندا اگر تو ہلاک کرنا ہی چاہتا تو ان سب کو بلکہ ان کے ساتھ مجھ کو بھی کہ میں ہی انہیں لے کر آیا یہاں بلانے اور کلام سنانے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا کسی کی مجال تھی کہ آپ کی مشیت کو روک سکتا؟ جب آپ نے ایسا نہیں چاہا بلکہ مجھے لانے کی اور ان کو کلام الٰہی سننے کے لئے یہاں آنے کی اجازت دی تو یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اپنے یہاں بلا کر محض بعض بے وقوفوں کی حماقت کی سزا میں ہم سب کو ہلاک کر دینا چاہیں یقیناً یہ (رجفہ و صاعقہ کا) منظر سب آپ کی طرف سے ہماری آزمائش و امتحان ہے اور ایسے سخت امتحانات میں ثابت قدم رکھنا یا نہ رکھنا بھی آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اس قوم کے خطرناک اور مزلت الاقدام مواقع میں آپ ہی ہمارے تھامنے اور دستگیری کرنے والے ہیں اور صرف آپ ہی کی ذات منبع الخیرات سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ ہم سب کی گذشتہ تقصیرات اور بے اعتدالیوں سے در گذر فرمائیں۔ اور آئندہ اپنی رحمت سے ایسی خطاؤں اور غلطیوں کا شکار نہ ہونے دیں۔ حضرت موسٰیؑ کی اس دعا پر وہ لوگ بخشے گئے اور خدا نے ان کو از سر نو زندگی مرحمت فرمائی کما قال ثُمَّ بَعَثۡنٰکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ (البقرۃ۔۵۶)

۱۸۹۔ کوہ طور پر امت محمدیہ کے حق میں اللہ کا ایک وعدہ: حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "شاید حضرت موسیٰؑ نے اپنی امت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی مراد یہ تھی کہ سب امتوں پر مقدم اور فائق رہیں دنیا اور آخرت میں جواباً خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب اور رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں سو عذاب تو اسی پر ہے جس کو اللہ چاہے اور رحمت عامہ سب مخلوق کو شامل ہے لیکن وہ رحمت خاص جو تم طلب کر رہے ہو لکھی ہے ان کے نصیب میں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اموال میں زکوٰۃ ادا کرتے یا نفس کا تزکیہ کرتے ہیں اور خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ یعنی آخری امت کہ سب کتابوں پر ایمان لاوے گی سو حضرت موسیٰؑ کی امت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لائے وہ پہنچے اس نعمت کو اور حضرت موسیٰؑ کی دعا ان کو لگی"۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۱۹ / ۹

۱۵۷۔ وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے [۱۹۰] کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں [۱۹۱] وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کام سے اور حلال کرتا ہے انکے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں [۱۹۲] سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اسکی رفاقت کی اور اس کی مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو اسکے ساتھ اترا ہے [۱۹۳] وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو

۱۹۰۔ لفظ اُمّی کی تشریح: امی یا توام (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے۔ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا نبی کریم ﷺ نے ساری عمر کسی مخلوق کے سامنے زانوئے تملذ تہ نہیں کیا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ جن علوم و معارف اور حقائق و اسرار کا آپ نے افاضہ فرمایا۔ کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اس کا عشر عشیر پیش کر سکے۔ پس "نبی امی" کا لقب اس حیثیت سے آپ کے لئے مایہ صد افتخار ہے اور یا امی کی نسبت "ام القریٰ" کی طرف ہو جو مکہ معظمہ کا لقب ہے جو آپ کا مولد شریف تھا۔

۱۹۱۔ تورات و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ: یعنی آپ کی تشریف آوری کی بشارات اور نعوت و صفات کتب سماویہ سابقہ میں مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ اس وقت سے لے کر آج تک ساڑھے تیرہ سو برس کی کاٹ چھانٹ کے بعد بھی موجودہ بائبل میں بہت سی بشارات و اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن کو ہر زمانہ کے علماء بحوالہ کتب دکھلاتے چلے آئے ہیں۔ وللہ الحمد علیٰ ذلک۔

۱۹۲۔ آنحضرت کا دین آسان ہے: یعنی یہود پر جو سخت احکام تھے اور کھانے کی چیزوں میں ان کی شرارتوں کی وجہ سے تنگی تھی فَبِظُلْمٍ مِّنَ

الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ (نساء۔١٦٠) اس دین میں وہ سب چیزیں آسان ہوئیں اور جو ناپاک چیزیں مثلاً لحم خنزیر یا گندی باتیں مثلاً سود خوری وغیرہ انہوں نے حلال کر رکھی تھیں۔ ان کی حرمت اس پیغمبر نے ظاہر فرمائیں۔ غرض ان سے بہت سے بوجھ ہلکے کر دیے اور بہت سی قیدیں اٹھادی گئیں۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔ بعثت بالحنيفةِ السَّمحَةِ

١٩٣۔ نور سے مراد وحی ہے متلو ہو یا غیر متلو۔ یعنی قرآن و سنت۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَاْ ۨالَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِىِّ الۡاُمِّىِّ الَّذِىۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

١٥٨۔ تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اسکے سب کلاموں پر اور اسکی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ[١٩٤]

وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾

١٥٩۔ اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے جو راہ بتلاتے ہیں حق کی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں[١٩٥]

١٩٤۔ آنحضرت کی نبوت عالمگیر ہے: یعنی آپ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے امیین یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے آپ اس کے رسول مطلق ہیں۔ اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ لے کے آئے ہیں۔ یہ ہی پیغمبر ہیں جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔

١٩٥۔ گو اکثر یہود سرکشی اور ناانصافی کی راہ اختیار کر رہے ہیں تاہم کچھ ایسی سعید روحیں بھی ہیں جو دوسروں کو حق کی طرف دعوت دیتی ہیں اور بذات خود حق و انصاف کے راستوں پر گامزن ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

وَقَطَّعۡنٰهُمُ اثۡنَتَىۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا‌ ؕ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى اِذِ اسۡتَسۡقٰٮهُ قَوۡمُهٗۤ اَنِ اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ ۚ فَانۢۡبَجَسَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا

١٦٠۔ اور جدا جدا کر دیئے ہم نے ان کو بارہ دادوں کی اولاد بڑی بڑی جماعتیں[١٩٦] اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو جب پانی مانگا اس سے اس کی قوم نے کہ مار اپنی لاٹھی اس پتھر پر تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قبیلہ نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر ابر کا اور اتارا ہم

عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ وَ
ظَلَّلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡغَمَامَ وَ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡمَنَّ وَ
السَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَ مَا
ظَلَمُوۡنَا وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

نے ان پر من اور سلویٰ کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے

وَاِذۡ قِيۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ وَ كُلُوۡا مِنۡهَا
حَيۡثُ شِئۡتُمۡ وَ قُوۡلُوۡا حِطَّةٌ وَّ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا
نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطِيۡٓـٰٔتِكُمۡ ؕ سَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ اور جب حکم ہوا ان کو کہ بسو اس شہر میں [۱۹۷] اور کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو اور کہو ہم کو بخش دے اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے تو بخشدیں گے ہم تمہاری خطائیں البتہ زیادہ دیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو [۱۹۸]

فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ
قِيۡلَ لَهُمۡ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ
بِمَا كَانُوۡا يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

۱۶۲۔ سو بدل ڈالا ظالموں نے ان میں سے دوسرا لفظ اسکے سوا جو ان سے کہہ دیا گیا تھا پھر بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بسبب ان کی شرارت کے [۱۹۹]

ع ۲۰ ۱۰

۱۹۶۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے: یعنی اصلاح و انتظام کے لئے ان کی بارہ جماعتیں جو بارہ دادوں کی اولاد تھی۔ الگ الگ کر دی گئی تھیں۔ پھر ہر ایک جماعت کا ایک نقیب مقرر فرما دیا جو اس کی نگرانی اور اصلاح کا خیال رکھے۔ وَبَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَىۡ عَشَرَ نَقِيۡبًا (المائدہ۔ ۱۲)

۱۹۷۔ اس شہر سے مراد اکثر نے "اریحا" لیا ہے۔

۱۹۸۔ وادی تیہ کے واقعات کا اعادہ: یعنی ابھی ایک شہر فتح ہوا۔ آگے سارا ملک ملے گا۔ کذا فی الموضح۔ یا یہ مطلب ہے کہ خطا معاف کر کے نیکو کاروں کے اجر و ثواب بڑھائیں گے کذا فی عامۃ الکتب۔

۱۹۹۔ یہ واقعات "وادی تیہ" کے ہیں۔ جن کا بیان سورہ بقرہ ربع پارہ الم کے بعد گذر چکا وہاں کے فوائد میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔

وَسۡئَلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِۘ
اِذۡ يَعۡدُوۡنَ فِى السَّبۡتِ اِذۡ تَاۡتِيۡهِمۡ حِيۡتَانُهُمۡ يَوۡمَ

۱۶۳۔ اور پوچھ ان سے حال اس بستی کا جو تھی دریا کے کنارے [۲۰۰] جب حد سے بڑھنے لگے ہفتہ کے حکم میں جب آنے لگیں انکے پاس مچھلیاں ہفتہ کے دن پانی کے

سَبۡتِهِمۡ شُرَّعًا وَّ يَوۡمَ لَا يَسۡبِتُوۡنَ ۙ لَا تَاۡتِيۡهِمۡ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبۡلُوۡهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۱۶۳﴾

اوپر اور جس دن ہفتہ نہ ہو تو نہ آتی تھیں اس طرح ہم نے ان کو آزمایا اس لئے کہ وہ نافرمان تھے[۲۰۱]

وَ اِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۙ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ قَالُوۡا مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ اور جب بولا ان میں سے ایک فرقہ کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنکو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا ان کو عذاب دے سخت[۲۰۲] وہ بولے الزام اتارنے کی غرض سے تمہارے رب کے آگے اور اسلئے کہ شاید وہ ڈریں[۲۰۳]

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖۤ اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَ اَخَذۡنَا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍۢ بَـِٔيۡسٍۢ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ پھر جب وہ بھول گئے اس کو جو انکو سمجھایا تھا تو نجات دی ہم نے ان کو جو منع کرتے تھے برے کام سے اور پکڑا گنہگاروں کو برے عذاب میں بسبب ان کی نافرمانی کے[۲۰۴]

فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶۔ پھر جب بڑھنے لگے اس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے تو ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل[۲۰۵]

۲۰۰۔ یعنی اپنے زمانہ کے یہود سے بطور تنبیہ و توبیخ اس بستی میں رہنے والے یہود کا قصہ دریافت کیجئے جو داوٗدؑ کے عہد میں پیش آیا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس بستی سے شہر "ایلہ" مراد ہے جو بحر قلزم کے کنارے مدین اور طور کے درمیان واقع تھا۔ وہاں کے لوگ دریا کے قرب کی وجہ سے مچھلی کے شکار کی عادت رکھتے تھے۔

۲۰۱۔ **سبت کے حکم سے یہود کی خلاف ورزی:** حق تعالیٰ نے یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام کیا تھا۔ باشندگان ایلہ کو عدول حکمی اور نافرمانی کی عادت تھی۔ خدا کی طرف سے سخت آزمائش ہونے لگی کہ ہفتہ کے دن دریا میں مچھلیوں کی بے حد کثرت ہوتی۔ جو سطح دریا کے اوپر تیرتی تھیں باقی دنوں میں غائب رہتیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ صریح حکم الٰہی کے خلاف حیلے کرنے لگے۔ دریا کا پانی کاٹ لائے جب ہفتہ کے دن مچھلیاں ان کے بنائے ہوئے حوض میں آجاتیں تو نکلنے کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو جا پکڑ لاتے۔ تاکہ ہفتہ کے دن شکار کرنا صادق نہ آئے۔ گویا اس حرکت سے معاذ اللہ خدا کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ آخر دنیا ہی میں اس کی سزا بھگتی کہ مسخ کر کے ذلیل بندر بنا دیے گئے اس سے ظاہر ہوا کہ حیلہ سازی اور مکاری خدا کے آگے پیش نہیں جاتی۔

۲۰۲۔ **ناصحین کا امر بالمعروف:** معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حکم الٰہی کے خلاف حیلہ بازی شروع کی تو شہر کے باشندے کئی قسموں پر

منقسم ہو گئے۔ جیسا کہ عموماً ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے اس حیلہ کی آڑ لے کر صریح حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے نصیحت کرنے والے جو اخیر تک فہمائش اور امر بالمعروف میں مشغول رہے۔ تیسرے جنہوں نے ایک آدھ مرتبہ نصیحت کی پھر مایوس ہو کر اور ان کی سرکشی سے تھک کر چھوڑ دی۔ چوتھے وہ ہوں گے جو نہ اس عمل شنیع میں شریک ہوئے اور نہ منع کرنے کے لئے زبان کھولی بالکل علیحدہ اور خاموش رہے۔ موخر الذکر دو جماعتوں نے انتھک نصیحت کرنے والوں سے کہا ہو گا کہ ان متمردین کے ساتھ کیوں مغزنی کر کے دماغ کھپاتے ہو جن سے کوئی توقع قبول حق کی نہیں۔ ان کی نسبت تو معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور پیش آنے والی ہے۔ یا خدا ان کو بالکل تباہ و ہلاک کر دے اور یا کسی سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے۔ کیونکہ یہ لوگ اب کسی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔

۲۰۳۔ یعنی شاید سمجھاتے رہنے سے کچھ ڈر جائیں اور اپنی حرکات شنیعہ سے باز آ جائیں۔ ورنہ کم از کم ہم پروردگار کے سامنے عذر تو کر سکتے ہیں کہ خدایا ہم نے آخر دم تک نصیحت و فہمائش میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ نہ مانے تو ہم پر اب کیا الزام ہے؟ گویا یہ ناصحین اول تو بالکلیہ مایوس نہ تھے دوسرے "عزیمت" پر عمل کر رہے تھے کہ مایوسی کے باوجود بھی ان کا تعاقب نہیں چھوڑتے تھے۔

۲۰۴۔ ناصحین کی نجات اور نافرمانوں پر عذاب: یعنی جب ان نالائقوں نے تمام نصیحتوں کو بالکل ایسا بھلا دیا گویا سنا ہی نہیں تو ہم نے ناصحین کو بچا کر ظالمین کو سخت عذاب میں گرفتار کر دیا۔ اَلَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ کا عموم الفاظ دلالت کرتا ہے کہ جو نصیحت سے تھک کر لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ الخ کہنے لگے اور جنہوں نے اخیر تک سلسلہ وعظ و نصیحت کا جاری رکھا ان دونوں کو نجات ملی۔ صرف ظالم پکڑے گئے۔ یہ ہی عکرمہ سے منقول ہے۔ اور ابن عباس نے ان کے فہم کی داد دی ہے۔ باقی جو لوگ اول سے آخر تک بالکل ساکت رہے خدا نے بھی ان کے ذکر سے سکوت فرمایا۔ ابن کثیرؒ نے خوب لکھا ہے "فنص علی نجاۃ الناھین وھلاک الظالمین وسکت عن الساکتین لان الجزاء من جنس العمل فھم لایستحقون مدحًا فیمدحوا ولا ارتکبوا فیذموا" (ابن کثیر ص ۵۷۶) ورجح بعد ذلک قول عکرمۃ واللہ اعلم۔

۲۰۵۔ نافرمانوں کا بندر بنا دیا جانا: شاید پہلے کچھ اور عذاب آیا ہو گا جب بالکل حد سے گذر گئے تب ذلیل بندر بنائے گئے یا فَلَمَّا عَتَوْا الخ کو گذشتہ آیت فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ الخ کی تفسیر قرار دیا جائے یعنی وہ "عذاب بئیس" یہ ہی بندر بنا دینا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "منع کرنے والوں نے شکار والوں سے ملنا چھوڑ دیا اور بیچ میں دیوار اٹھائی، ایک دن صبح کو اٹھے تو دوسروں کی آواز نہ سنی دیوار پر سے دیکھا ہر گھر میں بندر تھے۔ وہ آدمیوں کو پہچان کر اپنے قرابت والوں کے پاؤں پر سر رکھنے لگے اور رونے لگے۔ آخر برے حال سے تین دن میں مر گئے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

۱۶۷۔ اور اس وقت کو یاد کرو جب خبر کر دی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے ان کو برا عذاب [۲۰۶] بیشک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے [۲۰۷]

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ

۱۶۸۔ اور متفرق کر دیا ہم نے ان کو ملک میں فرقے فرقے [۲۰۸] بعضے ان میں نیک اور بعضے اور طرح کے اور ہم نے انکی آزمائش کی خوبیوں میں اور برائیوں میں تاکہ

السَّیِّاٰتِ لَعَلَّھُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾

وہ پھر آئیں[۲۰۹]

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِھِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡکِتٰبَ
یَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ ھٰذَا الۡاَدۡنٰی وَ یَقُوۡلُوۡنَ سَیُغۡفَرُ
لَنَا ۚ وَ اِنۡ یَّاۡتِھِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُہٗ یَاۡخُذُوۡہُ ؕ اَلَمۡ
یُؤۡخَذۡ عَلَیۡھِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡکِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی
اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ وَ دَرَسُوۡا مَا فِیۡہِ ؕ وَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ
خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

۱۶۹۔ پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے لے لیتے ہیں اسباب اس ادنی زندگانی کا اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہو جائے گا اور اگر ایسا ہی اسباب انکے سامنے پھر آئے تو اسکو لے لیویں[۲۱۰] کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے اور انہوں نے پڑھا ہے جو کچھ اسمیں لکھا ہے اور آخرت کا گھر بہتر ہے ڈرنے والوں کے لئے کیا تم سمجھتے نہیں[۲۱۱]

۲۰۶۔یہود کی دائمی محکومی: یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہود اگر احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ براعذاب یہاں محکومانہ زندگی کو فرمایا۔ چنانچہ قوم یہود کبھی یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی۔ کبھی "بخت نصر" وغیرہ کے شدائد کا تختہ مشق بنی۔ آخر میں نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی باجگذار رہی۔ پھر مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط فرما دیا۔ غرض اس وقت سے آج تک ان کو من حیث القوم عزت و آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے اکثر ملوک و حکام کی طرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اٹھاتے رہتے۔ ان کا مال و دولت وغیرہ کوئی چیز اس غلامی و محکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی اور نہ قیامت تک دے سکے گی۔ آخر میں جب یہ لوگ دجال کے مددگار ہو کر نکلیں گے تو حضرت مسیحؑ کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں سے تہ تیغ کئے جائیں گے۔ کما ورد فی الحدیث۔

۲۰۷۔یعنی جو شرارت سے باز نہ آئے بعض اوقات اس پر جلدی دنیا ہی میں عذاب بھیجنا شروع کر دیتا ہے اور کیسا ہی کٹر مجرم توبہ کرلے اور نادم ہو کر خدا کی طرف رجوع ہو تو اس کی بخشش و رحمت بھی بے پایاں ہے معاف کرتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی۔

۲۰۸۔ یہود کی فرقہ بازی: یہود کی دولت برہم ہوئی تو آپس کی مخالفت سے ہر طرف نکل گئے کوئی اجتماعی قوت و شوکت نہ رہی اور مذہب مختلف پیدا ہوئے۔ یہ احوال اس امت کو عبرت کے لئے سنائے جا رہے ہیں۔

۲۰۹۔یعنی کچھ افراد ان میں نیک نام بھی تھے۔ مگر اکثریت کافروں اور فاسقوں کی تھی۔ ان اکثروں کے لئے بھی ہم رجوع و انابت الی اللہ کے مواقع بہم پہنچاتے رہے۔ کبھی ان کو عیش و تنعم میں رکھا کبھی سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ ممکن ہے احسان مان کر یا سختیوں سے ڈر کر توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع ہوں۔

۲۱۰۔یہود کی تحریف اور خوش فہمی: یعنی اگلوں میں تو کچھ صالحین بھی تھے۔ پچھلے ایسے ناخلف ہوئے کہ جس کتاب (تورات شریف) کے وارث و حامل بنے تھے دنیا کا تھوڑا سا سامان لے کر اس کی آیات میں تحریف و کتمان کرنے لگے اور رشوتیں لے کر احکام تورات کے خلاف فیصلے

دینے لگے۔ پھر اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی نالائق اور پاجیانہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ عقیدہ اور دعویٰ رکھتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم کو مضرت کا کچھ اندیشہ نہیں۔ ہم تو خدا کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ کچھ بھی کریں وہ ہماری بے اعتدالیوں سے ضرور درگذر کرے گا۔ اسی عقیدہ کی بناء پر تیار رہتے ہیں کہ آئندہ جب موقع ہو پھر رشوت لے کر اسی طرح کی بے ایمانی کا اعادہ کریں۔ گویا بجائے اس کے کہ گذشتہ حرکات پر نادم ہوتے اور آیندہ کے لئے عزم رکھتے کہ ایسی حرکات کا اعادہ نہ کریں گے مگر اللہ سے مامون ہو کر ان ہی شرارتوں اور بے ایمانیوں کے اعادہ کا عزم رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ حماقت اور بے حیائی کیا ہو گی۔

۲۱۱۔ تورات کے بارے میں اللہ کا عہد: یعنی تورات میں جو عہد لیا گیا تھا کہ "خدا کی طرف سچ کے سوا کسی چیز کی نسبت نہ کریں" کیا وہ انہیں معلوم نہیں جو اس کی کتاب اور احکام میں قطع و برید کر کے اس پر افتراء کرنے لگے حالانکہ "کتاب اللہ" (تورات) کو یہ لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مضمون انہیں معلوم نہیں یا یاد نہیں رہا۔ حقیقت وہ ہی ہے کہ دنیا کی فانی متاع کے عوض انہوں نے دین و ایمان بیچ ڈالا اور آخرت کی تکلیف و راحت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنا نہ سمجھے کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے آخرت کا گھر اور وہاں کا عیش و تنعم دنیا کی خوشحالی سے کہیں بہتر اور فائق ہے۔ کاش کہ اب بھی انہیں عقل آجائے۔

وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰۔ اور جو لوگ خوب پکڑ رہے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں نماز کو بیشک ہم ضائع نہ کریں گے ثواب نیکی والوں کا[۲۱۲]

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

۱۷۱۔ اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا ہم نے کہا پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے زور سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم بچتے رہو[۲۱۳]

ع ۲۱ / ۹ / ۱۱

۲۱۲۔ یعنی توبہ اور اصلاح کا دروازہ اب بھی کھلا ہے جو لوگ شریروں کی راہ چھوڑ کر تورات کی اصلی ہدایات کو تھامے رہیں اور اسی کی ہدایات و پیشین گوئی کے موافق اس وقت قرآن کریم کا دامن مضبوط پکڑے رہیں اور خدا کی بندگی (نماز وغیرہ) کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔ غرض اپنی اور دوسروں کی اصلاح پر متوجہ ہوں۔ خدا ان کی محنت ضائع نہ کرے گا وہ بلاشبہ اپنی محنت کا میٹھا پھل چکھیں گے۔

۲۱۳۔ رفع جبل کا واقعہ: یعنی جو "میثاق الکتاب" (عہد و اقرار) انہیں یاد دلایا جا رہا ہے وہ ایسے اہتمام سے لیا گیا تھا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لٹکا دیا گیا اور کہا گیا کہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے (تورات وغیرہ) اسے پوری مضبوطی اور عزم سے تھامو اور جو نصیحتیں کی گئیں انہیں ہمیشہ یاد رکھو۔ ورنہ بصورت انکار سمجھ لو کہ خدا تم پر یہ پہاڑ گرا کر ہلاک کر سکتا ہے۔ اس قدر اہتمام اور تخویف و تاکید سے جو قول و اقرار لیا گیا تھا افسوس ہے وہ بالکل فراموش کر دیا گیا۔ یہ "رفع جبل" کا قصہ سورہ بقرہ میں ربع پارہ الم کے بعد گذر چکا ہے ملاحظہ فرما لیا جائے۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ

۱۷۲۔ اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب بولے ہاں ہے ہم اقرار

بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ﴿۱۷۲﴾

کرتے ہیں کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا
ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۳۔ یا کہنے لگو کہ شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے انکی اولاد ان کے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا گمراہوں نے [۲۱۴]

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ اور یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں باتیں تا کہ وہ پھر آئیں [۲۱۵]

۲۱۴۔ **ربوبیت الٰہی کا عقیدہ انسان کی سرشت میں داخل ہے:** "میثاق خاص" کے بعد یہاں سے "میثاق عام" کا ذکر کرتے ہیں تمام عقائد حقہ اور ادیان سماویہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو مذہبی میدان میں عقل و فکر کی رہنمائی اور انبیاء و مرسلین کی ہدایات کچھ نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ اگر پورے غور و تامل سے دیکھا جائے تو آسمانی مذہب کے تمام اصول و فروع بالآخر خدا کی "ربوبیت عامہ" کے اسی عقیدہ پر منتہی ہوتے بلکہ اسی کی تہ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ عقل سلیم اور وحی و الہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبداء و منتہٰی اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیئے عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تا کہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی و الہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان و توحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداًء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی و جوہری عقدہ کا حل ناخن عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے جیسا کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ فکر و استدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوتی ہیں۔ اس لئے قدرت نے جہاں غور و فکر کی قوت اور نور وحی و الہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے ان کو فطرتاً بہرہ ور کیا جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل منطوی و مندمج تھی۔ اور جس کے بدون مذہب کی عمارت کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ اسی ازلی خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ اور جن معدود افراد نے کسی عقلی و روحی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے ایک بخار وغیرہ کا مریض لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ و بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ اور طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق و اجماع اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول و افکار کی دوادوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلاواسطہ تلقین فرمادیا گیا ورنہ فکر و استدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا۔ قرآن کریم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے آیات حاضرہ میں عقیدہ کی اس فطری یکسانیت کے اصلی راز پر روشنی ڈالی۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ اس بنیادی

عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی۔ تاہم جس طرح ایک لیکچرار اور انشاء پرداز کو یقین ہے کہ ضرور اس کو ابتدائے عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھلائے جس سے ترقی کر کے آج اس رتبہ کو پہنچا۔ گو پہلا لفظ سکھلانے والا اور سکھلانے کا وقت مکان اور دیگر خصوصیات مقامی بلکہ نفس سکھلانا بھی یاد نہیں۔ تاہم اس کے موجودہ آثار سے یقین ہے کہ ایسا واقع ضرور ہوا ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا علیٰ اختلاف الاقوام والاجیال "عقیدہ ربوبیت الٰہی" پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز بدء فطرت میں کسی معلم کے ذریعہ سے ان تک پہنچی ہے۔ باقی تعلیمی خصوصیات و احوال کا محفوظ نہ رہ سکنا اس کی تسلیم میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اسی ازلی و فطری تعلیم نے جس کا نمایاں اثر آج تک انسانی سرشت میں موجود چلا آتا ہے ہر انسان کو خدا کی حجت کے سامنے ملزم کر دیا ہے۔ جو شخص اپنے الحاد و شرک کو حق بجانب قرار دینے کے لئے غفلت بے خبری یا آباء و اجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے اس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجۃ قاطعہ جس میں اصل فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا۔ پھر پشت میں داخل کیا۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ خدا کے رب مطلق ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت کرتا ہے۔ باپ کی تقلید نہ چاہئے۔ اگر باپ شرک کرے بیٹے کو چاہئے ایمان لاوے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا پھر کیا حاصل؟ تو یوں سمجھے کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں ہے اور ہر زبان پر مشہور ہو رہا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے سارا جہان قائل ہے اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا ہے سو اپنی عقل ناقص کے دخل سے پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے"۔

۲۱۵۔ موضح القرآن میں ہے کہ یہ قصہ یہود کو سنایا کہ وہ بھی عہد سے پھرے ہیں جیسے مشرک پھرتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵۔ اور سنا دے ان کو حال اس شخص کا جسکو ہم نے دی تھیں اپنی آیتیں پھر وہ انکو چھوڑ نکلا پھر اس کے پیچھے لگا شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

۱۷۶۔ اور ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہو رہا زمین کا اور پیچھے ہو لیا اپنی خواہش کے تو اس کا حال ایسا جیسے کتا اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو سو بیان کر یہ احوال تاکہ وہ دھیان کریں [۲۱۶]

سَاۗءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی کہ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے [۲۱۷]

۲۱۶۔ بلعم بن باعوراء کا عبرتناک واقعہ: "اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیات بلعم بن باعوراء کے حق میں نازل ہوئیں جو ایک عالم اور صاحب تصرف درویش تھا بعدہ اللہ کی آیات وہدایات کو چھوڑ کر عورت کے اغواء اور دولت کے لالچ سے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لئے تیار ہو گیا۔ آخر موسیٰؑ کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا خود مردود ابدی بنا آیات اللہ کا جو علم بلعم کو دیا گیا تھا اگر خدا چاہتا تو اس کے ذریعہ سے بہت بلند مراتب پر اس کو فائز کر دیتا۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ اسے اپنے علم پر چلنے اور آیات اللہ کا اتباع کرنے کی توفیق ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ وہ خود آسمانی برکات و آیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات ولذات کی طرف جھک پڑا وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا اور شیطان اس کا پیچھا (تعاقب) کرتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پکے کجرووں اور گمراہوں کی قطار میں جا داخل ہوا۔ اس وقت اس کا حال کتے کی طرح ہو گیا۔ جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور برابر ہانپ رہا ہو اگر فرض کرو اس پر بوجھ لاد دیں یا ڈانٹ بتلائیں یا کچھ نہ کہیں آزاد چھوڑ دیں بہر صورت ہانپتا اور زبان لٹکائے رہتا ہے۔ کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے گرم ہوا کے باہر پھینکنے اور سرد و تازہ ہوا کے اندر کھینچنے پر بسہولت قادر نہیں ہے۔ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے "آیات اللہ" کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہو گئیں۔ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ (البقرۃ۔۶) حرص دنیا سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی۔ اور ترک آیات کی نحوست سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ "برابر ہانپتے رہنے" کی مثال میں ظاہر ہوا۔ ممکن ہے کہ "بلعم" کی باطنی و معنوی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے صرف ایک مثال کے طور پر یہ مضمون اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثۡ ذکر کیا گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ دنیا یا آخرت میں اس کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی ہو کہ ظاہری وحسی طور پر کتے کی طرح زبان باہر نکل پڑے اور ہمیشہ پریشان و بدحواس اور خوفزدہ آدمی کی طرح ہانپتا رہے العیاذ باللہ۔ آیات کی شان نزول کچھ ہو بہر حال یہاں ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا ہے جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پروا نہ کریں۔ گویا یہود کو بھی متنبہ فرما دیا کہ صرف کتاب کا علم کچھ نافع نہیں ہو سکتا۔ جب تک صحیح معنی میں اس کا اتباع نہ ہو مَثَلُ الَّذِيۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا (الجمعہ۔۵) علمائے سوء کے لئے ان آیات میں بڑا عبرتناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔

۲۱۷۔ مشرکین وغیر ہم کے رد میں جا بجا قرآن نے عنکبوت، ذباب (مکڑی، مکھی) وغیرہ کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ مگر ان لوگوں کی مثال ایسی بری ہے کہ کوئی غیرت مند آدمی حتی المقدور اس کو اپنے پر چسپاں نہیں ہونے دے گا۔ اور جو بے حیا عذرا اپنے احوال پر چسپاں ہونے دیتا ہے وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِىۡ‌ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸۔ جس کو اللہ رستہ دے وہی رستہ پاوے اور جس کو وہ بچلا دے سو وہی ہیں ٹوٹے میں [۲۱۸]

وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ‌ۖ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا ۫ وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا

۱۷۹۔ اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی [۲۱۹] انکے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی

يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾

زیادہ بیراہ وہی لوگ ہیں غافل [۲۲۰]

۲۱۸۔ محض علم کسی کام کا نہیں: علم وفضل بھی انسان کو جب ہی کام دیتا ہے کہ خدا کی ہدایت و دستگیری سے علم صحیح کے موافق چلنے کی توفیق ہو۔ جسے وہ سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے موافق نہ کرے تو کتنی ہی بڑی علمی فضیلت قابلیت رکھتا ہو، سمجھ لو کہ ٹوٹے اور خسارے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس لئے انسان اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو بلکہ دائمًا خدا سے ہدایت وتوفیق کا طلبگار رہے۔

۲۱۹۔ ایک اشکال کا جواب: یہ آیت بظاہر آیہ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ (الذاریات۔۵۶) کے معارض معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے بعض مفسرین نے وہاں لِيَعۡبُدُوۡنِ میں "لام غایت" اور یہاں لِجَهَنَّمَ میں "لام عاقبت" مراد لیا ہے۔ یعنی سب کے پیدا کرنے سے مطلوب اصلی تو عبادت ہے۔ لیکن بہت سے جن وانس چونکہ اس مطلب کو پورا نہ کریں گے اور انجام کار دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ اس انجام کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئے۔ کمافی قولہ تعالیٰ فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (قصص۔۸) باقی محققین کے نزدیک اس تکلف کی حاجت نہیں۔ وہ دونوں جگہ "لام غایت" ہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر لِيَعۡبُدُوۡنِ میں "غایت تشریعی" اور یہاں لِجَهَنَّمَ میں "غایت تکوینی" بیان کی گئی ہے۔

۲۲۰۔ جھٹلانے والے چوپائے کی طرح ہیں: یعنی دل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں۔ لیکن نہ دل سے "آیات اللہ" میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق واعتبار مطالعہ کرتے ہیں اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں۔ جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں یہ ہی حال ان کا ہے کہ دل ودماغ، ہاتھ پاؤں، کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل وتکمیل کے لئے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ غور کیا جائے تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے پھر جانور اپنے فطری قویٰ سے وہ ہی کام لیتے ہیں جو قدرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں روحانی وعرفانی ترقیات کی جو فطری قوت واستعداد ودیعت کی گئی تھی اسے مہلک غفلت اور بے راہ روی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع اور معطل کر دیا گیا۔

وَ لِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى فَادۡعُوۡهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اَسۡمَآئِهٖ ؕ سَيُجۡزَوۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾

۱۸۰۔ اور اللہ کے لئے ہیں سب نام اچھے سو اسکو پکارو وہی نام کہہ کر اور چھوڑ دو انکو جو کج راہ چلتے ہیں اس کے ناموں میں وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کئے کا [۲۲۱]

۲۲۱۔ اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا کا حکم: غافلین کا حال ذکر کر کے مومنین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا۔ غفلت دور کرنے والی چیز خدا کی یاد ہے سو تم ہمیشہ اس کو اچھے ناموں سے پکارو اور اچھی صفات سے یاد کرو جو لوگ اس کے اسماء وصفات کے بارہ میں کج روش اختیار کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔ خدا کے ناموں اور صفتوں کے متعلق کجروی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی اور جو حق تعالیٰ کی تعظیم و اجلال کے لائق نہیں۔ یا اس کے مخصوص نام اور صفت کا اطلاق غیر اللہ پر کرے، یا ان کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تاعل اور کھینچ تان کرے۔ یا ان کو معصیت (مثلاً سحر وغیرہ) کے مواقع میں استعمال کرنے لگے۔ یہ سب کجروی ہے۔

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ
یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱۔ اور ان لوگوں میں کہ جنکو ہم نے پیدا کیا ہے ایک جماعت ہے کہ راہ بتلاتے ہیں سچی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں[۲۲۲]

ع ۲۲ / ۱۲

وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ
حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں سے انکو خبر بھی نہ ہوگی

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳۔ اور میں انکو ڈھیل دوں گا بیشک میرا داؤ پکا ہے[۲۲۳]

اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا ٜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ
هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾

۱۸۴۔ کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو کچھ بھی جنون نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے صاف

اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ
قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ
یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵۔ کیا انہوں نے نظر نہیں کی سلطنت میں آسمان اور زمین کی اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے ہر چیز سے اور اس میں کہ شاید قریب آ گیا ہو ان کا وعدہ[۲۲۴] سو اس کے پیچھے کس بات پر ایمان لائیں گے[۲۲۵]

۲۲۲۔ یہ جماعت امت محمدہ مرحومہ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم۔ جس نے ہر قسم کی افراط و تفریط اور کجروی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف و اعتدال کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دیتی ہے۔ آگے اس امت کے مخالفین اور حق کی تکذیب کرنے

والوں کا ذکر ہے۔

۲۲۳۔ مکذبین کے لئے استدراج اور ڈھیل: جھٹلانے والے مجرموں کو بسا اوقات فورًا سزا نہیں ملتی۔ بلکہ دنیوی عیش اور فراخی کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ حتٰی کہ خدائی سزا سے بے فکر ہو کر ارتکاب جرائم پر اور زیادہ دلیر بن جاتے ہیں۔ اس طرح جو انتہائی سزا ان پر جاری کرنی ہے رفتہ رفتہ اپنے کو علانیہ اور کامل طور پر اس کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ ہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے وہ حماقت اور بے حیائی سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے اور حقیقت میں انتہائی عذاب کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ خدا کا ''کید'' (داؤ یا خفیہ تدبیر) اسی کو کہا کہ ایسی کارروائی کی جائے جس کا ظاہر رحمت اور قہر و عذاب ہو۔ بیشک خدا کی تدبیر بڑی مضبوط اور پختہ ہے جس کی کسی حیلہ اور تدبیر سے مدافعت نہیں ہو سکتی۔

۲۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حقانیت کی دلیل ہے: یعنی آخر آیات اللہ کو جھٹلانے اور اس کے بد انجام سے غافل رہ جانے کا سبب کیا ہے ان آیات کا لانے والا معاذ اللہ کوئی بے عقل و مجنون نہیں۔ وہ ساری عمر تمہارے پاس رہا اس کے چھوٹے بڑے حال سے تم واقف ہو اس کی عقل و دانش اور امانت و دیانت پہلے سے مسلم و معروف ہے جس کے پاس سے لایا وہ تمام جہان کا مالک شہنشاہ مطلق اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے نہایت ہی محکم و مضبوط نظام سلطنت بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز میں جو اس نے پیدا کی ہے غور کرو تو یہ ''آیات تکوینیہ'' ''آیات تنزیلیہ'' کی تصدیق کریں گی۔ پھر آیات اللہ کی تسلیم میں کیا عذر باقی ہے۔ انہیں سمجھنا چاہئے کہ شاید ان کی موت و ہلاکت کا وقت قریب آ لگا ہو۔ لہٰذا بعد الموت کے لئے جو تیاری کرنی ہے جلد کرنا چاہئے۔

۲۲۵۔ یعنی اگر آیات قرآنیہ پر ایمان نہ لائے تو دنیا میں اور کون سی بات اور کون سا کلام ہے جس پر ایمان لانے کی امید کی جا سکتی ہے۔ سمجھ لو کہ ان بدبختوں کے لئے دولت ایمان مقدور ہی نہیں۔

مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ‌ؕ وَ يَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۶۔ جس کو اللہ بچلائے اس کو کوئی نہیں راہ دکھلانے والا اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے انکو ان کی شرارت میں سرگرداں [۲۲۶]

يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰٮهَا‌ ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ‌ ۚ لَا يُجَلِّيۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ‌ ؔ‌ۘؕ ثَقُلَتۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ لَا تَاۡتِيۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً‌ ؕ يَسۡـئَلُوۡنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنۡهَا‌ ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

۱۸۷۔ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو کہ کب ہے اسکے قائم ہونے کا وقت تو کہہ اسکی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی کھول دکھائے گا اس کو اسکے وقت پر وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں جب تم پر آئے گی تو بیخبر آئے گی [۲۲۷] تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں کہ گویا تو اسکی تلاش میں لگا ہوا ہے تو کہہ دے اس کی خبر ہے خاص اللہ کے پاس لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے [۲۲۸]

۲۲۶۔ ہدایت و ضلالت ہر چیز خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو سارے سامان ہدایت کے رکھے رہ جائیں آدمی کہیں سے بھی منتفع نہ ہو۔ ہاں عادتًا وہ جب ہی ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ جب بندہ خود اپنے کسب و اختیار سے اس راستہ پر چلنا چاہے۔ باقی جو دیدہ و دانستہ اور شرارت ہی کی

ٹھان لے تو خدا بھی رستہ دکھلانے کے بعد اسی حال میں اسے چھوڑ دیتا ہے۔

۲۲۷۔ قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے: پہلے عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ میں خاص اس قسم کی اجل (موت) کا ذکر تھا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں کب آجائے۔ یہاں تمام دنیا کی اجل (قیامت) کے متعلق متنبہ فرمادیا کہ جب کسی کو خاص اپنی موت کا علم نہیں کب آئے پھر کل دنیا کی موت کو کون بتلا سکتا ہے کہ فلاں تاریخ اور فلاں سنہ میں آئے گی۔ اس کے تعین کا علم بجز خدائے علام الغیوب کسی کے پاس نہیں۔ وہ ہی وقت معین و مقدر پر اسے واقع کر کے ظاہر کر دے گا کہ خدا کے علم میں اس کا یہ وقت تھا آسمان و زمین میں وہ بڑا بھاری واقعہ ہو گا اور اس کا علم بھی بہت بھاری ہے جو خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ گو اس واقعہ کی امارات (بہت سی نشانیاں) انبیاءؑ خصوصاً ہمارے پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے بیان فرمائی ہیں تاہم ان سب علامات کے ظہور کے بعد بھی جب قیامت کا وقوع ہو گا تو بالکل بے خبری میں اچانک اور دفعۃً ہو گا۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ کی احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔

۲۲۸۔ ان لوگوں کے طرز سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ آپ کی نسبت یوں سمجھتے ہیں کہ آپ بھی اسی مسئلہ کی تحقیق و تفتیش اور کھوج لگانے میں مشغول رہے ہیں اور تلاش کے بعد اس کے علم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں حالانکہ یہ علم حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ انبیاءؑ اس چیز کے پیچھے نہیں پڑا کرتے جس سے خدا نے اپنی مصلحت کی بناء پر روک دیا ہو۔ نہ ان کے اختیار میں ہے کہ جو چاہیں کوشش کر کے ضرور ہی معلوم کر لیا کریں۔ ان کا منصب یہ ہے کہ جن بے شمار علوم و کمالات کا خدا کی طرف سے افاضہ ہو نہایت شکر گذاری اور قدر شناسی کے ساتھ قبول کرتے رہیں۔ مگر ان باتوں کو اکثر عوام کالانعام کیا سمجھیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

۱۸۸۔ تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی [۲۲۹] میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایماندار لوگوں کو

۲۳ ع ۱۳

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾

۱۸۹۔ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا تا کہ اسکے پاس آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل تو چلتی پھرتی رہی اسکے ساتھ پھر جب بوجھل ہو گئی تو دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو کہ اگر تو ہم کو بخشے چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

۱۹۰۔ پھر جب ان کو دیا چنگا بھلا تو بنانے لگے اسکے لئے شریک اسکی بخشی ہوئی چیز میں سو اللہ برتر ہے انکے شریک بنانے سے [۲۳۰]

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۖ﴿۱۹۱﴾

۱۹۱۔ کیا شریک بناتے ہیں ایسوں کو جو پیدا نہ کریں ایک چیز بھی اور وہ پیدا ہوئے ہیں [۲۳۱]

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

۱۹۲۔ اور نہیں کر سکتے ہیں ان کی مدد اور نہ اپنی مدد کریں

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

۱۹۳۔ اور اگر تم ان کو پکارو رستہ کی طرف تو نہ چلیں تمہاری پکار پر برابر ہے تم پر کہ ان کو پکارو یا چپکے رہو

۲۲۹۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہیں تھا:** اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو نہ اپنے اندر "اختیار مستقل" رکھتا ہے نہ "علم محیط" سید الانبیاء ﷺ جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے۔ ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں۔ مگر جس قدر اللہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے۔ اور اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آیا کرتی۔ مثلاً "افک" کے واقعہ میں کتنے دنوں تک حضور ﷺ کو وحی نہ آنے کی وجہ سے اضطراب و قلق رہا۔ حجۃ الوداع میں تو صاف ہی فرما دیا لَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ ما اسْتَدْبَرْتُ لَمَا سُقْتُ الْهَدْیَ (اگر میں پہلے سے اس چیز کو جانتا جو بعد میں پیش آئی تو ہر گز ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی روک تھام "علم محیط" رکھنے کی صورت میں نہایت آسانی سے ممکن تھی۔ ان سب سے بڑھ کر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ "حدیث جبرئیل" کی بعض روایات میں آپ نے تصریحاً فرمایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرئیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرئیل تھے۔ یہ واقعہ بتصریح محدثین بالکل آخر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر ما المسئولُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ ارشاد فرمایا ہے۔ گویا بتلا دیا گیا کہ "علم محیط" خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور "علم غیب" تو درکنار محسوسات و مبصرات کا پورا علم بھی خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت نہ چاہے تو ہم محسوسات کا بھی اور ادراک نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا گیا کہ "اختیار مستقل" یا "علم محیط" نبوت کے لوازم میں سے نہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے تھے۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاءؑ کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہئے اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور ﷺ تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بیشمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

۲۳۰۔ حضرت آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام۔ اور شرک: خدا نے سب انسانوں کو آدمؑ سے پیدا کیا۔ آدمؑ کے انس اور سکون و قرار حاصل کرنے کے لئے اسی کے اندر سے اس کا جوڑا (حوا) بنایا۔ پھر دونوں سے نسل چلی۔ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی تو عورت حاملہ ہوئی حمل کی ابتدائی حالت میں کوئی گرانی نہ تھی۔ عورت حسب معمول چلتی پھرتی اور اٹھتی بیٹھتی رہی۔ جب پیٹ بھر گیا اور یہ کون جان سکتا تھا کہ اس کے اندر کیا چیز پوشیدہ ہے۔ تب مرد و عورت دونوں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اگر آپ اپنے فضل سے بھلا چنگا کار آمد بچہ عنایت فرمائیں گے تو ہم دونوں (بلکہ ہماری نسل بھی) تیرا شکر ادا کرتی رہے گی۔ خدا نے جب ان کی یہ تمنا پوری کر دی تو ہماری دی ہوئی چیز میں اوروں کے حصے لگانے شروع کر دیے مثلاً کسی نے عقیدہ جما لیا کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ مخلوق نے ہم کو دی ہے کسی نے اس عقیدہ سے نہیں تو عملاً اس کی نذر و نیاز شروع کر دی یا بچہ کی پیشانی اس کے سامنے ٹیک دی یا بچہ کا نام ایسا رکھا جسے سے شرک کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً عبد العزیٰ یا عبد الشمس وغیرہ۔ غرض جو حق منعم حقیقی کا تھا وہ اعتقاداً یا فعلاً یا قولاً دوسروں کو دے دیا گیا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ تمام انواع و مراتب شرک سے بالا و برتر ہے۔ ان آیات میں حسن بصری وغیرہ کی رائے کے موافق خاص آدم و حوا کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بیشک ابتداء هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں بطور تمہید آدم و حوا کا ذکر تھا مگر اس کے بعد مطلق مرد و عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ (الملک۔ ۵) میں جن سیاروں کو "مصابیح" فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے "رجم شیاطین" ہوتا ہے مگر شخص "مصابیح" سے جنس "مصابیح" کی طرف کلام کو منتقل کر دیا گیا۔ اس تفسیر کے موافق جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ میں کچھ اشکال نہیں مگر اکثر سلف سے یہی منقول ہے کہ ان آیات میں صرف آدم و حوا کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں ابلیس ایک نیک مخلوق کی صورت میں حوا کے پاس آیا اور فریب دے کر ان سے وعدہ لے لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام عبد الحارث رکھیں۔ حوا نے آدمؑ کو بھی راضی کر لیا۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے عبد الحارث نام رکھا (حارث ابلیس کا نام تھا جس سے وہ گروہ ملائکہ میں پکارا جاتا تھا) ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے اور ہوں بھی تو "عبد" کی اضافت "حارث" کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ "حارث" کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے۔ ایک مہمان نواز آدمی کو عرب "عبد الضیف" کہہ دیتے ہیں۔ (یعنی مہمان کا غلام) اس کا مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے پس اگر "عبد الحارث" نام رکھنے کا یہ واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آدمؑ نے معاذ اللہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاءؑ کی شان عصمت کے منافی ہے۔ ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبہ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیائے مقربین کی چھوٹی سے لغزش اور ادنیٰ ترین زلت کو "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے۔ جیسے یونسؑ کے قصہ میں فرمایا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ (انبیاء۔ ۸۸) یا فرمایا حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (یوسف۔ ۱۱۰) علی توجیہ بعض المفسرین۔ اسی طرح یہاں بھی آدمؑ کے رتبہ کے لحاظ سے اس موہم شرک کو تسمیہ تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰهُمَا (خدا کی دی ہوئی چیز میں حصہ دار بنانے لگے) یعنی ان کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس کی سطح سے شرک کا وہم ہوتا ہے۔ گو حقیقۃً شرک نہیں۔ شاید اسی لئے فقد اشرکا وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰهُمَا واللہ اعلم۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے بتلایا ہے کہ عبد الحارث نام رکھنے کی حدیث مرفوع جو ترمذی میں ہے وہ تین وجہ سے معلول ہے۔ رہے آثار، وہ غالباً اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہیں واللہ اعلم۔

۲۳۱۔ پہلے ایک طرح کے شرک کا ذکر تھا اس کی مناسبت سے ان آیات میں بت پرستی کا رد فرماتے ہیں۔ یعنی جو کسی کو پیدا نہ کر سکے بلکہ خود تمہارا بنایا ہوا ہو وہ تمہارا خدا یا معبود کیسے بن سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ
اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ
صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾

۱۹۴۔ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے بھلا پکارو تو ان کو پس چاہیئے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر تم سچے ہو

اَلَہُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ
بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اٰذَانٌ
یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ کِیۡدُوۡنِ
فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۱۹۵﴾

۱۹۵۔ کیا انکے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا ان کے آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں تو کہہ دے کہ پکارو اپنے شریکوں کو پھر برائی کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو[۲۳۲]

اِنَّ وَلِیِّ َۧ اللّٰہُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۫ۖ وَ ہُوَ یَتَوَلَّی
الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾

۱۹۶۔ میرا حمایتی تو اللہ ہے جس نے اتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی[۲۳۳]

وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ
نَصۡرَکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾

۱۹۷۔ اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا وہ نہیں کر سکتے تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکیں

وَ اِنۡ تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَ تَرٰىہُمۡ
یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ ہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾

۱۹۸۔ اور اگر تم ان کو پکارو رستہ کی طرف تو کچھ نہ سنیں اور تو دیکھتا ہے انکو کہ تک رہے ہیں تیری طرف اور وہ کچھ نہیں دیکھتے[۲۳۴]

۲۳۲۔ بتوں کی پوجا خلاف عقل ہے: جن بتوں کو تم نے معبود ٹھہرایا ہے اور خدائی کا حق دیا ہے وہ تمہارے کام تو کیا آتے خود اپنی حفاظت پر بھی قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دوسری پر تفوق و امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ گو ان کے ظاہری ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان سب کچھ تم بناتے ہو لیکن ان اعضاء میں وہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جا سکے۔ نہ تمہارے پکارنے سے مصنوعی پاؤں سے چل کر آسکتے ہیں۔ نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، نہ کانوں سے کوئی بات سنتے ہیں۔ اگر

پکارتے پکارتے تمہارا گلا پھٹ جائے گا تب بھی وہ تمہاری آواز سننے والے اور اس پر چلنے والے یا اس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم ان کے سامنے چلاؤ یا خاموش رہو، دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ نہ اس سے فائدہ نہ اس سے نفع تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک و مخلوق ہونے میں تم ہی جیسی عاجز و درماندہ بلکہ وجود و کمالات وجود میں تم سے بھی گئی گزری ہوں انہیں خدا بنالیا جائے اور جو اس کا رد کرے اسے نقصان پہنچنے کی دھمکیاں دی جائیں۔

آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی دھمکیاں: چنانچہ مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی بے ادبی کرنا چھوڑ دیں ورنہ نہ معلوم وہ کیا آفت تم پر نازل کر دیں وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (زمر۔۳۶) اسی کا جواب قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ الخ سے دیا یعنی تم اپنے سب شرکاء کو پکارو اور میرے خلاف اپنے سب منصوبے اور تدبیریں پوری کر لو، پھر مجھ کو ایک منٹ کی مہلت بھی نہ دو۔ دیکھوں تم میرا کیا بگاڑ سکو گے۔

۲۳۳۔ یعنی جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور منصب رسالت پر فائز کیا، وہ ہی ساری دنیا کے مقابلہ میں میری حمایت و حفاظت کرے گا۔ کیونکہ اپنے نیک بندوں کی حفاظت و اعانت وہ ہی کرتا ہے۔

۲۳۴۔ یعنی بظاہر آنکھیں بنی ہوئی ہیں، پر ان میں بینائی کہاں؟

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

۱۹۹۔ عادت کر در گذر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

۲۰۰۔ اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا [۲۳۵]

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ج

۲۰۱۔ جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آجاتی ہے

وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

۲۰۲۔ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ انکو کھینچتے چلے جاتے ہیں گمراہی میں پھر وہ کمی نہیں کرتے [۲۳۶]

۲۳۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو و درگذر کا حکم: خُذِ الْعَفْوَ کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ اکثر کا حاصل یہ ہے کہ سخت گیری اور تند خوئی سے پرہیز کیا جائے اسی کو مترجم محقق ؒ نے درگذر کی عادت سے تعبیر فرمایا ہے۔ گذشتہ آیات میں بت پرستوں کی جو تحمیق و تجہیل کی گئی تھی، بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اس پر برہم ہو کر کوئی ناشائستہ حرکت کرتے یا برا لفظ زبان سے نکالتے، اس لئے ہدایت فرمادی کہ عفو و درگذر کی عادت رکھو نصیحت کرنے سے مت رکو معقول بات کہتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کرو۔ یعنی ان کی جہالت آمیز حرکتوں پر روز روز الجھنے کی ضرورت نہیں۔ جب وقت آئے گا ذرا سی دیر میں ان کا سب حساب بے باق ہو جائے گا۔ اور اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت ان کی کسی نالائق حرکت پر غصہ آجائے اور شیطان لعین چاہے کہ دور سے چھیڑ چھاڑ کر کے آپ کو ایسے معاملہ پر آمادہ کر دے جو خلاف مصلحت ہو یا آپ کے

خلق عظیم اور حلم ومتانت کے شایاں نہ ہو تو آپ فوراً اللہ سے پناہ طلب کیجئے آپ کی عصمت ووجاہت کے سامنے اس کا کوئی کید نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ خداوند قدیر جو ہر مستعیذ کی بات سننے والا اور ہر حالت کا جاننے والا ہے، اسی نے آپ کی صیانت کا تکفل فرمایا ہے۔

۲۳۶۔ متقین کی ایک خاص صفت: پہلے تو تنہا حضور ﷺ کو خطاب تھا گو حکم استعاذہ میں سب شامل تھے اب عام متقین (خداترس پرہیزگاروں) کا حال بیان فرماتے ہیں۔ یعنی عام متقین کے حق میں یہ محال نہیں کہ شیطان کا گذر ان کی طرف ہو اور کوئی چرکہ لگا جائے البتہ متقین کی شان یہ ہوتی ہے کہ شیطان کے اغواء سے ممتد غفلت میں نہیں پڑتے بلکہ ذرا غفلت ہوئی اور خدا کو یاد کر کے چونک پڑے، ٹھوکر لگی اور معًا سنبھل گئے سنبھلتے ہی آنکھیں کھل گئیں، غفلت کا پردہ اٹھ گیا۔ نیکی، بدی کا انجام سامنے نظر آنے لگا اور بہت جلد نازیبا کام سے رک گئے۔ باقی غیر متقین (جن کے دل میں خدا کا ڈر نہ ہو اور جنہیں شیطان کی برادری کہنا چاہئے) ان کا حال یہ ہے کہ شیاطین ہمیشہ انہیں گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں اور رگیدنے میں ذرا کمی نہیں کرتے۔ ادھر یہ لوگ ان کی اقتداء و پیروی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اور اس طرح ان شیاطین کے غرور وسرکشی کو اور زیادہ بڑھاتے رہتے ہیں۔ بہرحال متقی کی شان یہ ہے کہ جب شیطان دق کرے، فوراً خدا سے پناہ مانگنے دیر نہ کرے۔ ورنہ غفلت میں تمادی ہو کر رجوع الی اللہ کی توفیق بھی نہ رہے گی۔

وَ اِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

۲۰۳۔ اور جب تو لیکر نہ جائے انکے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کیوں نہ چھانٹ لایا تو کچھ اپنی طرف سے تو کہہ دے میں تو چلتا ہوں اس پر جو حکم آئے میری طرف میرے رب سے یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کو جو مومن ہیں[۲۳۷]

وَ اِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَ اَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾

۲۰۴۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو[۲۳۸]

۲۳۷۔ وحی کی تاخیر پر کفار کا تمسخر کرنا: جب کبھی وحی کے آنے میں تاخیر ہوتی، تو کفار ازراہ تمسخر کہتے تھے کہ اب کوئی آیت کیوں گھڑ کر نہیں لے آتے۔ آخر سارا قرآن تم نے بنایا ہے (العیاذ باللہ) اسی طرح کبھی دق کرنے کے لئے بعض ایسے نشان (معجزات) طلب کرتے جن کے دکھلانے کو خدا کی حکمت مقتضی نہ تھی۔ جب آپ دکھلانے سے انکار کرتے تو کہتے لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا یعنی اپنے خدا سے کہہ کر ہمارا مانگا ہوا نشان کیوں چھانٹ کر نہ لے آئے۔ دونوں باتوں کے جواب میں فرمایا قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ یعنی ان سے کہدو کہ (نبی کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے خدا پر افترا کرے یا لوگوں کے کہنے سننے پر اقدام کر کے خدا سے وہ چیز مانگے جس کا دینا اس کی حکمت کے منافی ہے یا جس کے طلب کرنے کی اجازت نہیں ہے) اس کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ خدا وحی بھیجے قبول کرے اس پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دے باقی آیات تنزیلیہ یا تکوینیہ جو مجھ سے طلب کرتے ہو تو قرآن سے بڑھ کر کونسی آیات ہوں گی۔ اور اس سے زیادہ عظیم الشان معجزہ کونسا ہو گا جو سارے جہان کے لئے بصیرت افروز حقائق ومواعظ کا خزانہ اور ایمان لانے والوں کے لئے خاص قسم کی ہدایت و رحمت کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہے اسی کو تم کب ماننے کے لئے تیار ہوئے ہو جو فرمائشی آیات کو تسلیم کرو گے۔

۲۳۸۔ جب قرآن ایسی دولت بے بہا اور علم وہدایت کی کان ہے تو اس کی قراءت کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر و توجہ سے ادھر کان لگائیں، اس کی ہدایات کو سمع قبول سے سنیں اور ہر قسم کی بات چیت، شور وشغب اور ذکر وفکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں۔ اگر کافر اس طرح قرآن سنے تو کیا بعید ہے کہ خدا کی رحمت سے مشرف بایمان ہو جائے اور پہلے سے مسلمان ہے تو ولی بن جائے۔ یا کم از کم اس فعل کے اجر وثواب سے نوازا جائے۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ نماز میں جب امام قراءت کرے تو مقتدی کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے جیسا کہ ابو موسیٰ اور ابو ہریرہ کی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا (جب نماز میں امام قرآت کرے تو چپ رہو) یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ صحیح مسلم کی شرح میں ہم نے نہایت شرح وبسط سے اس کے مالہ وماعلیہ پر بحث کی ہے۔

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

۲۰۵۔ اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو[۲۳۹] صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت رہ بے خبر

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ
عِبَادَتِهٖ وَ يُسَبِّحُوْنَهٗ وَ لَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ السجدة ع ﴿۲۰۶﴾ ۲۴ ع ۱۸ ۱۴

۲۰۶۔ بیشک جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اس کی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اسکی پاک ذات کو اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں[۲۴۰]

۲۳۹۔ ذکر اللہ کے آداب: بڑا ذکر تو قرآن کریم ہے اس کا ادب بیان ہو چکا۔ اب عام ذکر اللہ کے کچھ آداب بیان فرماتے ہیں یعنی ذکر اللہ کی اصلی روح یہ ہے کہ جو زبان سے کہے دل سے اس کی طرف دھیان رکھے تاکہ ذکر کا پورا نفع ظاہر ہو اور زبان و دل دونوں عضو خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔ ذکر کرتے وقت دل میں رقت ہونی چاہئے۔ سچی رغبت و رہبت سے خدا کو پکارے۔ جیسے کوئی خوشامد کرنے والا ڈرا ہوا آدمی کسی کو پکارتا ہے۔ ذاکر کے لہجہ میں آواز میں اور ہیئت میں تضرع وخوف کا رنگ محسوس ہونا چاہئے۔ ذکر ومذکور کی عظمت وجلال سے آواز کا پست ہونا قدرتی چیز ہے۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (طٰہٰ۔۱۰۸)۔ اسی لئے زیادہ چلانے کی ممانعت آئی ہے۔ دھیمی آواز سے سراً یا جہراً خدا کا ذکر کرے تو خدا اس کا ذکر کرے گا۔ پھر اس سے زیادہ عاشق کی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

۲۴۰۔ یعنی رات دن خصوصاً صبح وشام کے اوقات میں اس کی یاد سے غافل مت رہ۔ جب مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے عار نہیں، بلکہ ہمہ وقت اسی کی یاد میں لگے رہتے ہیں، اسی کو سجدہ کرتے ہیں، تو انسان کو اور بھی زیادہ ضرور ہے کہ اس کے ذکر اور عبادت وسجود سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

تم سورۃ اعراف

آیاتہا ۷۵ ۸ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸ رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱

۱۔ [۱] تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ دے کے مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اگر تم ایمان رکھتے ہو

۱۔ سورہ انفال کا تعارف: یہ سورت مدنی ہے جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی سیز دہ ۱۳ سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجزہ نما استقامت وللٰہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے۔ قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اٹھا کر نہ رکھی۔ تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ صبر و تحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن عزیز و اقارب، اہل و عیال مال و دولت سب چیزوں کو خیر باد کہہ کر خالص خدا اور رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔ جب مشرکین کا ظلم و تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بے کسی حد سے گذر گئی۔ ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن و قوم، زن و فرزند، مال و دولت، غرض ہر ایک "ماسوی اللہ" کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا اور رسول کی محبت اور دولت توحید و اخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے کہ گویا غیر اللہ کی ان میں گنجائش ہی نہ رہی۔

جہاد قتال کی اجازت: تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے۔ ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج۔ ۳۹،۴۰) مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداءً وہاں چڑھ کر جائیں، اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی سلسلوں جو شام و یمن وغیرہ سے قائم تھے شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال "ابواء" بواط، عشیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا جن کی تفصیل کتب احادیث و سیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ ۲ ہجری میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔

غزوہ بدر کے اسباب: ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو خبر پہنچی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے؟ طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی۔ کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا

جس کے لئے بڑا اجتماع واہتمام کیا جائے۔ دوسرے "انصار" کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نصرت و حمایت کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتداءً اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابو بکر و عمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزا تقریریں کیں آخر حضور ﷺ تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہونے کی توقع نہ تھی اس لئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسی لئے بخاری کی روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ "جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور ﷺ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرما دی" ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے پورے سازوسامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور ﷺ مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آرہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آجانے پر آپ ﷺ نے صحابہ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کی تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور ﷺ اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور مقداد بن الاسودؓ نے ولولہ انگیز جوابات دئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذؓ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہر شجاعت دکھلائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی۔ کافروں کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔ اس سورہ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلقات کا بیان ہوا ہے۔

جہاد میں اقدام و دفاع کا مسئلہ: جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضور ﷺ شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو مدینہ پر ازخود اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا، تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث و سیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار محاربین جن کی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی، ان کو جانی و بدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب و انسانیت ہو۔ یعنی ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں۔ گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (ص۔۵) باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں ان پر مسلمانوں کو ازخود حملہ کرنا جائز نہیں کیونکہ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (البقرہ۔۱۹۰) کے خلاف ہو گا قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے۔ بلکہ اس بارہ میں ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں۔ فی نفسہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں اتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ "حملہ آوروں کی مدافعت کرو" یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل میرے عزیز مولوی یحییٰ سلمہ نے جو تحریر فوائد میں میرے معین ہیں۔ اپنے رسالہ "الجہاد الکبیر ۲" میں لکھی ہے۔ اور احقر نے کچھ خلاصہ رسالہ "الشہاب" میں درج کیا ہے اور موقع بہ موقع فوائد میں بھی لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾

۲۔ ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا توڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

۳۔ وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہم نے جو انکو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾

۴۔ وہی ہیں سچے ایمان والے انکے لئے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور معافی اور روزی عزت کی[۲]

۲۔ مال غنیمت کس کا حق ہے: "بدر" میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس کے متعلق صحابہ میں نزاع تھی۔ نوجوان جو آگے بڑھ کر لڑے تھے، وہ کل مال غنیمت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ پرانے لوگ جو نوجوانوں کی پشت پر تھے، ان کا یہ کہنا تھا کہ ہمارے سہارا لگانے سے فتح ہوئی۔ لہٰذا غنیمت ہم کو ملنی چاہئیے۔ ایک جماعت جو نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کرتی رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔ ان آیات میں بتلا دیا کہ فتح صرف اللہ کی مدد سے ہے۔ کسی کا سہارا اور زور پیش نہیں جاتا۔ سو مال کا مالک خدا ہے۔ پیغمبر اس کے نائب ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی معرفت حکم دے، اسی کے موافق غنیمت تقسیم ہونی چاہئے۔ (اس حکم کی تفصیل آگے آئے گی) پکے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں۔

سچے مومنوں کی صفات: آپس میں صلح و آشتی سے رہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں اپنی آراء و جذبات سے قطع نظر کر کے محض خدا اور رسول کا حکم مانیں جب خدا کا نام درمیان میں آجائے ہیبت وخوف سے کانپ اٹھیں آیات و احکام الٰہی سن کر ان کا ایمان و یقین زیادہ مضبوط ہوتا رہے۔ اس قدر مضبوط و قوی ہو جائے کہ ہر معاملہ میں ان کا اصلی بھروسہ اور اعتماد بجز خدا کے کسی پر باقی نہ رہے۔ اسی کے سامنے سر عبودیت جھکائیں۔ اسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں۔ غرض عقیدہ، خلق، عمل اور مال ہر چیز سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں رہیں ایسے ہی لوگوں کو سچا اور پکا ایماندار کہا جا سکتا ہے، جو خدا کے یہاں اپنے اپنے درجہ کے موافق بڑے بڑے مقامات و مراتب قرب پر فائز ہوں گے، جنہیں معمولی کوتاہیوں سے درگذر کر کے عزت کی روزی سے سرفراز کیا جائے گا۔ رزقنا اللہ منہ بفضلہ ومنہ۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿۵﴾

۵۔ جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٦﴾

٦۔ وہ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات میں اسکے ظاہر ہو چکنے کے بعد گویا وہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے [۳]

۳۔ غزوہ بدر میں اختلاف آراء ایک علمی جائزہ: "یعنی سوچو کہ اس جنگ (بدر) میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک و تائید اور امداد و توفیق مسلمانوں کے حق میں کارفرما رہی۔ خدا ہی تھا جو نصرت دین اسلام کے حق (سچے) وعدے کر کے اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا جبکہ ایک جماعت مسلمانوں کی لشکر قریش سے نبرد آزمائی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی سچی اور طے شدہ چیز میں پس و پیش کر رہے اور حجتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی فرمائی ہوئی اٹل بات ہے (یعنی اسلام و پیروان اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابوجہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا ان کو اس قدر شاق اور گراں تھا۔ جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے منہ میں جانا مشکل ہے تاہم خدا اپنی توفیق سے ان کو میدان جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفر و منصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے اول تا آخر یہ مہم سر ہوئی، مال غنیمت بھی اسی کا سمجھنا چاہئے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے جہاں بتلائے وہاں خرچ کرو۔ (تنبیہ) كَمَآ اَخْرَجَكَ الخ کے "کاف" کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لئے نہیں لیا، بلکہ ابوحیان کی تحقیق کے موافق معنی تعلیل پر مشتمل رکھا ہے جیسے وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (البقرۃ۔۱۹۸) میں علماء نے تصریح کی ہے۔ اور اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ الیٰ آخر الآیات کے مضمون کو میں نے الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کا ایک سبب قرار دیا ہے ابوحیان کی طرح اَعَزَّكَ اللّٰهُ وغیرہ مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب "روح المعانی" کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ میں صرف آنِ خروج مِن البیت مراد نہیں۔ بلکہ خروج من البیت سے دخول فی الجہاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے جس میں وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ وغیرہ سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیۃ تو عین خروج من المدینۃ ہی کے وقت ظاہر ہو گئی جسے ہم صحیح مسلم اور طبری کے حوالہ سے سورۃ الانفال کے پہلے فائدہ میں بیان کر چکے ہیں اور مجادلہ کی صورت غالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقام صفراء میں پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض مبطلین کے مغالطات کا استیصال ہو جائے گا۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧﴾

٧۔ اور جس وقت تم سے وعدہ کرتا تھا اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ

٨۔ تا کہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کر دے جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گنہگار [۴]

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ
مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾

۹۔ جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں مدد بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے لگاتار آنے والے

وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ
قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ زورآور ہے حکمت والا[۵]

ع ۱ ۱۵

۴۔ بدر میں لشکر کفار سے مقابلہ کی حکمت: "مسلمان چاہتے تھے کہ "تجارتی قافلہ" پر حملہ ہو کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت سامال ہاتھ آجائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پرشوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفار مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے۔ تاکہ اس طرح اس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے۔ جن میں ابو جہل بھی تھا۔ اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ فللہ الحمد والمنہ۔

۵۔ مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ کا نزول: اسی طرح کی آیت "آل عمران" پارہ "لن تنالوا" کے ربع پر گذر چکی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔ البتہ اس جگہ فرشتوں کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک بیان کی گئی تھی اگر واقعہ ایک ہے تو کہا جائے گا کہ اول ایک ہزار کا دستہ آیا ہو گا۔ پھر اس کے پیچھے دوسرے دستے آئے ہوں۔ جن کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک پہنچی۔ شاید لفظ "مردفین" میں اسی طرح اشارہ ہو۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ
عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ
عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ
يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ ؕ

۱۱۔ جس وقت کہ ڈال دی اس نے تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کر دے اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے تمہارے قدم[۶]

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا

۱۲۔ جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت رکھو مسلمانوں کے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا
الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَ اضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ
كُلَّ بَنَانٍ ؕ ﴿۱۲﴾

میں ڈال دوں گا دل میں کافروں کے دہشت سو مارو گردنوں پر اور کاٹو ان کی پور پور

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ۚ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ
اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ یہ اس واسطے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اسکے رسول کے اور جو کوئی مخالف ہوا اللہ کا اور اس کے رسول کا تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے

ذٰلِكُمۡ فَذُوۡقُوۡهُ وَ اَنَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابَ
النَّارِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے ہے عذاب دوزخ کا[۷]

۶۔ میدان بدر میں اللہ کی نعمتیں: "بدر" کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے، مقابلہ پر ان سے تگنی تعداد کا لشکر تھا۔ جو پورے سازوسامان سے کبروغرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا۔ مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکر تھی پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان نشیب میں تھے ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے۔ گرد وغبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل ووضو کی تکلیف دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بعض آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ذات کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئ غسل ووضو کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہو گئی گرد وغبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف وہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ رات بھر "عریش" میں مشغول دعا رہے اخیر میں حضور ﷺ پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبریل تمہاری مدد کو آ رہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ يُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ (القمر۔۴۵) زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہر حال اس باران رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔

۷۔ بدر میں شیاطین اور ملائکہ کے لشکر: جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں ممثل ہو کر ابو جہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا میں

اور میر اسارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبریل و میکائیل کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں مشکل ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو) تم مظلوم وضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ ادھر تم ان کی ہمت بڑھاؤ گے ادھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب جنی وانسی کافروں نے مل کر خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے۔ سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الٰہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔ روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر کبھی شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہل حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے تو فتح و غلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت و قدرت سے انجام پاتا ہے۔ اسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو ان کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے یہاں تو عالم تکلیف واسباب میں ذرا سی تنبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا اور بس۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اے ایمان والو جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو ان سے پیٹھ [۸]

وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جو کوئی ان سے پھیرے پیٹھ اس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں سو وہ پھرا اللہ کا غضب لے کر اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا برا ٹھکانہ ہے [۹]

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور تا کہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان بیشک اللہ ہے سننے والا جاننے والا [۱۰]

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سست کر دے گا تدبیر کافروں کی [۱۱]

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ
تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ
تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

ع ۲ ۱۹ ۱۶

۱۹۔ اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو پہنچ چکا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر پھر یہی کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کریں گے اور کچھ کام نہ آئے گا تمہارے تمہارا جتھا اگرچہ بہت ہوں اور جان لو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے [۱۲]

۸۔ جہاد میں پیٹھ دکھانے کا مسئلہ: فِرارمِنَ الزَّحف (جہاد میں سے نکل کر بھاگنا اور لڑائی میں کفار کو پیٹھ دکھانا) بہت سخت گناہ اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اگر کافر تعداد میں مسلمانوں سے دگنے ہوں اس وقت تک فقہاء نے پیٹھ پھیرنے کی اجازت نہیں دی۔

۹۔ یعنی اگر پسپائی کسی جنگی مصلحت سے ہو مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ مؤثر ہے یا ایک جماعت سپاہیوں کی مرکزی فوج سے جدا ہو گئی وہ اپنے بچاؤ کے لئے پسپا ہو کر مرکز سے ملنا چاہتی ہے، تو ایسی پسپائی جرم نہیں۔ گناہ اس وقت ہے جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو۔

۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکریاں پھینکنا: جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضور ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں لشکر کفار کی طرف پھینکیں اور تین مرتبہ "شاھت الوجوہ" فرمایا۔ خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا، آخر بہت سے کفار کھیت رہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ گو بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیے، تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے منڈ مارے جاتے، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اتارا ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور ان میں وہ فوق العادۃ قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے یہ اس لئے کیا گیا کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور خوب طرح احسان کیا جائے۔ بیشک خدا مومنین کی دعا و فریاد کو سنتا اور ان افعال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ مقبول بندوں پر کس وقت کس عنوان سے احسان کرنا مناسب ہے۔

۱۱۔ یعنی اس وقت بھی خدا نے کفار مکہ کے سب منصوبے خاک میں ملا دیے اور آئندہ بھی ان کی تدبیروں کو سست کر دیا جائے گا۔

۱۲۔ کفار سے خطاب: یہ خطاب کفار مکہ کو ہے وہ ہجرت سے پہلے حضور ﷺ سے کہا کرتے تھے وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (سجدہ۔ ۲۸) یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہو گا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہو گا۔ مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعاء کی تھی کہ خداوندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ و اکرم ہو اسے فتح دے اور فساد مچانے والے کو مغلوب کر فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ میں اس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی "اعلیٰ و افضل" تھے ان کو فتح مل گئی اور مفسد ذلیل و رسوا ہوئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ ۚ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اور اس سے مت پھرو سن کر [۱۳]

وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ هُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور ان جیسے مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں [۱۴]

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ بیشک سب جانداروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے [۱۵]

وَ لَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ ؕ وَ لَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سنا دیتا اور اگر ان کو اب سنا دے تو ضرور بھاگیں گے منہ پھیر کر [۱۶]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے [۱۷] اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو اور یہ کہ اسی کے پاس تم جمع ہو گے [۱۸]

۱۳۔ **مسلمانوں کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم:** پہلے فرمایا تھا کہ "اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے" اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا اور رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق ہوں۔ سو بتلا دیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرمانبردار رہو۔ احوال و حوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا۔ تو قولاً و فعلاً کسی حال ان سے منہ نہ پھیرے۔

۱۴۔ **کفار کی حالت:** یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنا ہی کیا۔ جو آدمی سیدھی سی بات کو سن کر سمجھے نہیں۔ یا سمجھ کر قبول نہ کرے۔ پہلے یہودیوں نے موسیٰ سے کہا تھا سَمِعۡنَا وَ عَصَيۡنَا (البقرہ۔۹۳) ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں مشرکین مکہ کا قول آگے آتا ہے۔ قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَاۤ یعنی جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے۔ اور دل سے اسی طرح منکر رہے بہر حال مومن صادق کی شان ان یہود اور مشرکین و منافقین کی طرح نہ ہونی چاہئے اس کی شان یہ ہے کہ دل سے زبان سے عمل سے حاضر و غائب احکام الٰہیہ اور

فرامین نبویہ پر نثار ہوتا رہے۔

۱۵۔ بدترین جانور: جنہیں خدا نے بولنے کو زبان سننے کو کان اور سمجھنے کو دل و دماغ دئے تھے۔ پھر انہوں نے یہ سب قوتیں معطل کر دیں نہ زبان سے حق بولنے اور حق کو دریافت کرنے کی توفیق ہوئی نہ کانوں سے حق کی آواز سنی نہ دل و دماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کی۔ غرض خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اس اصلی کام میں صرف نہ کیا جس کے لئے فی الحقیقت عطا کی گئی تھیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

۱۶۔ ان کفار میں قبول حق کی استعداد نہیں ہے: یعنی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اس وقت ملتی ہے جب اس کے دل میں طلب حق کی سچی تڑپ اور نور وہدایت قبول کرنے کی لیاقت ہو جو قوم طلب حق کی روح سے یکسر خالی ہو چکی اور اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اس میں قبول حق کی لیاقت واستعداد بھی نہیں رہتی اسی کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبول خیر وہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی، اگر ان میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو اپنی آیتیں سنا کو سمجھا دیتا۔ باقی بحالت موجودہ اگر انہیں آیات سنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدی اور معاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم اور قبول کرنے والے نہیں۔

۱۷۔ جہاد میں زندگی ہے: یعنی خدا اور رسول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اس میں از سر تا پا تمہاری بھلائی ہے ان کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت واطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے۔ پس مومنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہیں۔ جس وقت اور جدھر وہ بلائیں سب اشغال چھوڑ کر ادھر ہی پہنچیں۔

۱۸۔ اطاعت میں دیر کرنے سے دل ہٹ جاتے ہیں: یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو۔ شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتداءً نہیں روکتا نہ اس پر مہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سستی اور کاہلی کرتا رہے تو اس کی جزاء میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد وعناد کو شیوہ بنالے تو مہر کر دیتا ہے۔ کذا فی الموضح۔ بعض نے یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَ قَلۡبِہٖ کو بیان قرب کے لئے لیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا دل بھی اتنا قریب نہیں۔ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ (ق۔۱۶) تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو۔ خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال وسرائر پر مطلع ہے۔ خیانت اس کے آگے نہیں چل سکے گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے مکنونات وسرائر کھول کر رکھ دئے جائیں گے۔

وَ اتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً ۚ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے [۱۹]

وَ اذۡکُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىکُمۡ وَ اَیَّدَکُمۡ بِنَصۡرِہٖ وَ رَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانہ دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو [۲۰]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ وَ
تَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷﴾
وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَ اَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ
اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۸﴾ ع

۲۷۔ اے ایمان والو خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں میں جان کر [۲۱]

۲۸۔ اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور اولاد خرابی میں ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے [۲۲]

۳ ع ۹ ۱۷

۱۹۔ نصیحت کرنے کی اہمیت: یعنی فرض کیجئے ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وتیرہ اختیار کر لیا، کچھ لوگ جو اس سے علیحدہ رہے انہوں نے مداہنت برتی نہ نصیحت کی نہ اظہار نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے جس کی لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مداہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئے گا تو حسب مراتب سب اس میں شامل ہوں گے کوئی نہ بچے گا۔ اس تفسیر کے موافق آیت سے مقصود یہ ہو گا کہ خدا اور رسول کی حکم برداری کے لئے خود تیار رہو اور نافرمانوں کو نصیحت و فہمائش کرو۔ نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو۔ باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فساد (گناہ) سے بالخصوص بچنا چاہئے جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کا حکم ماننے میں ادنیٰ تاخیر اور کاہلی نہ کرے۔ کہیں دیر کرنے کی وجہ سے دل نہ ہٹ جائے۔ اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں گے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے۔ تو رسم بد پھیلے گی۔ اس کا وبال سب پر پڑے گا۔ جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں۔ پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔

۲۰۔ نعمتوں پر شکر کرنے کا حکم: یعنی اپنی قلت و ضعف کو خیال کر کے خدا کا حکم (جہاد) ماننے میں سستی مت دکھلاؤ۔ دیکھو ہجرت سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی، سامان بھی نہ تھا۔ تمہاری کمزوری کو دیکھ کر لوگوں کو طمع ہوتی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں۔ تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنان اسلام کہیں نوچ کھسوٹ کر نہ لے جائیں۔ مگر خدا نے تم کو مدینہ میں ٹھکانا دیا، انصار و مہاجرین میں عدیم النظیر رشتہ مواخات قائم کر دیا۔ پھر معرکہ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد پہنچائی۔ کفار کی جڑ کاٹ دی تم کو فتح الگ دی، مال غنیمت اور دیا اساریٰ الگ دیا۔ غرض حلال طیب ستھری چیزیں اور انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ تاکہ اس کے شکر گزار بندے بنے رہو۔

۲۱۔ امانتوں میں خیانت کی ممانعت: خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں۔ یا جس کام پر خدا اور رسول نے مامور کیا ہو اس میں دغل فصل کیا جائے۔ یا مال غنیمت میں چوری کی جائے۔ ونحو ذلک۔ بہر حال ان تمام امانتوں میں جو خدا اور رسول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں۔ خیانت سے بچو۔ اس میں ہر قسم کے حقوق اللہ و حقوق العباد آ گئے۔

حضرت ابولبابہ اور بنی قریظہ: روایات میں ہے کہ یہود بنی قریظہ نے جب حضور ﷺ سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے ساتھ وہ ہی معاملہ کیا جائے جو بنی النضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حکم بنا لو جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کر دیں وہ منظور ہونا چاہئے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ کو حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی تحکیم منظور کریں یا نہ کریں۔ ابولبابہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے اس لئے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی اگر سعد بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ

گے۔ ابولبابہ اشارہ تو کر گذرے مگر معاً متنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور سول کی خیانت کی۔ واپس آ کر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتٰی کہ موت آ جائے یا اللہ تعالٰی میری توبہ قبول فرمالے۔ سات آٹھ دن یوں ہی بندھے رہے فاقہ سے غشی طاری ہو گئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالٰی نے تمہاری توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم ﷺ اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔ آپ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا۔ الی آخر القصۃ (ابن عبد البر کا دعوٰی ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بناء پر پیش آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۲۔ **مال و اولاد فتنہ ہیں:** آدمی اکثر مال و اولاد کی خاطر خدا کی اور بندوں کی چوری کرتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرمایا کہ امانتداری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے، وہ یہاں کے مال و اولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلہ [۲۳] اور دور کر دے گا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا اور اللہ کا فضل بڑا ہے

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید میں کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے [۲۴]

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم سن چکے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں ایسا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر احوال ہیں اگلوں کے [۲۵]

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور جب وہ کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر برسا دے پتھر آسمان سے یا لا ہم پر کوئی عذاب دردناک [۲۶]

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳

۳۳۔ اور اللہ ہر گز نہ عذاب کرتا ان پر جب تک تو رہتا ان میں [۲۷] اور اللہ ہر گز نہ عذاب کرے گا ان پر جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے [۲۸]

۲۳۔ تقویٰ کے برکات: یعنی اگر خدا سے ڈر کو راہ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دے گا۔ دنیا میں بھی کہ تم کو عزت دے گا اور ان کو ذلیل یا ہلاک کرے گا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعیم دائم میں رہو گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰس۔۵۹) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ (المرسلات۔۳۸) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے اس کے علاوہ ایک بات حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھی ہے کہ "شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے حضرت سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ میں نہ ستاویں، سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جاوے گا۔ تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔

۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار مکہ کی تدابیر اور انکا انجام: ہجرت سے پیشتر کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد ﷺ کے متعلق کیا کیا جائے۔ انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کر لیں جس کا مقابلہ دشوار ہو۔ اس وقت رائیں مختلف تھیں، کوئی کہتا تھا قید کیا جائے اور خوب زخمی کئے جائیں کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خرخشہ سے نجات ملے۔ اخیر میں ابو جہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آن واحد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کر سکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے۔ یہاں تو وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے ادھر ان کی توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی۔ حضور ﷺ کو فرشتہ نے اطلاع کی۔ آپ اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا کر اسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپ کے قتل کے لئے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ کا اور حضرت علیؓ کا بال بیکا نہ ہوا اور دشمن خائب و خاسر رہے پھر جنہوں نے آپ کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہ ہی قتل کئے گئے اس سے بتلا دیا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور جس طرح اس نے اپنے پیغمبر کو بچا لیا، تمہارے گھر بار اور اہل و عیال کی بھی جو مکہ میں ہیں حفاظت کر سکتا ہے۔ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔

۲۵۔ کفار مکہ کا جہل و شقاوت: نضر بن الحارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنالائیں۔ اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے۔ مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی بات پر رکھتا تھا۔ پھر چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا تھا کہ میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے، مگر چلتا ہی نہیں۔ بہر حال پچھلی قوموں کے احوال سن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے، وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا۔

۲۶۔ ابو جہل کی دعاء: اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوندا اگر واقعی یہ ہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس قدر شد و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسا دیا جاتا؟ یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا کہتے ہیں کہ یہ دعاء ابو جہل نے مکہ سے نکلتے وقت کعبہ کے سامنے کی۔ آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا۔ وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور اور بے سروسامان

مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ستر سردار اسیری کی ذلت میں گرفتا ہوئے۔ اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ بیشک قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے۔ لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو خدا تعالیٰ نے محمد ﷺ کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔ فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ ۖ وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

۲۷۔ سنت اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ خدا نے جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے بدر کے عذاب میں پکڑے گئے۔

۲۸۔ مشرکین پر عذاب کیوں نہیں آیا؟: نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں ایک ان کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا۔ دوسرے استغفار۔ یعنی مکہ میں حضرت کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا۔ اب ان پر عذاب آیا۔ اسی طرح جب تک گنہگار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ گنہگاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں۔ ایک میرا وجود اور دوسرے استغفار کذا فی الموضح۔ (تنبیہ) وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ کے جو معنی مترجم محقق قدس اللہ روحہٗ نے کئے بعض مفسرین کے موافق ہیں لیکن اکثر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس قسم کا خارق عادت عذاب طلب کر رہے تھے۔ جو قوم کا دفعۃً استیصال کر دے۔ ان پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں ایک حضور ﷺ کا وجود باوجود کہ اس کی برکت سے اس امت پر خواہ "امۃ دعوۃ" ہی کیوں نہ ہو ایسا خارق عادت متاصل عذاب نہیں آتا۔ یوں کسی وقت افراد و آحاد پر آجائے وہ اس کے منافی نہیں۔ دوسرے استغفار کرنے والوں کی موجودگی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم جیسا کہ منقول ہے کہ مشرکین مکہ بھی تلبیہ و طواف وغیرہ میں "غفرانک، غفرانک" کہا کرتے تھے۔ باقی غیر خارق معمولی عذاب (مثلاً قحط یا وبا یا قتل کثیر وغیرہ) اس کا نزول پیغمبر یا بعض مستغفرین کی موجودگی میں بھی ممکن ہے آخر جب وہ لوگ شرارتیں کریں گے تو خدا کی طرف سے تنبیہ کیوں نہ کی جائے گی۔ آگے اسی کو بیان فرمایا ہے۔

وَ مَا لَهُمۡ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمۡ يَصُدُّوۡنَ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ وَمَا كَانُوۡۤا اَوۡلِيَآءَهٗ ؕ اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور ان میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ کرے ان پر اللہ اور وہ تو روکتے ہیں مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار والے نہیں اس کے اختیار والے تو وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن ان میں اکثروں کو اس کی خبر نہیں[۲۹]

وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمۡ عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصۡدِيَةً ؕ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور ان کی نماز نہیں تھی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں سو چکھو عذاب بدلا اپنے کفر کا[۳۰]

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِيَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ

۳۶۔ بیشک جو لوگ کافر ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے[۳۱] سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہو گا وہ ان پر افسوس اور آخر مغلوب ہوں گے اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے[۳۲]

حَسۡرَةً ثُمَّ يُغۡلَبُوۡنَ ؕ۬ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ
يُحۡشَرُوۡنَ ۙ﴿۳۶﴾

لِيَمِيۡزَ اللّٰهُ الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجۡعَلَ
الۡخَبِيۡثَ بَعۡضَهٗ عَلٰى بَعۡضٍ فَيَرۡكُمَهٗ جَمِيۡعًا
فَيَجۡعَلَهٗ فِىۡ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ ع

۳۷۔ تا کہ جدا کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے اور رکھے ناپاک کو ایک کو ایک پر پھر اس کو ڈھیر کر دے اکٹھا پھر ڈالدے اسکو دوزخ میں [۳۳] وہی لوگ ہیں نقصان میں [۳۴]

ع ۴ ۹ ۱۸

قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ يَّنۡتَهُوۡا يُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ
سَلَفَ ۚ وَاِنۡ يَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آجائیں تو معاف ہو ان کو جو کچھ ہو چکا [۳۵] اور اگر پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے راہ اگلوں کی [۳۶]

۲۹۔ کعبہ کے متولی کون ہیں: یعنی عذاب کا نہ آنا دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آجانا چاہئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے۔ بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لئے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گذار بندے یہاں نہ آنے پائیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لئے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی با اختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں۔ یہ ہمارا حق ہے حالانکہ اول تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے۔ دوسرے حق تولیت ان کو پہنچتا بھی نہیں حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں مشرک اور بدمعاش اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں کے اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولاد ابراہیمؑ سے ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں۔ تولیت کعبہ کا حق موروثی حق ہے جس کے لئے کوئی خاص شرط و قید نہیں۔ سو بتلا دیا کہ اولاد ابراہیمؑ میں جو پرہیزگار ہو۔ اسی کا حق ہے ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا۔

۳۰۔ کفار مکہ کی نماز اور انفاق مال: یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود ان کی نماز کیا ہے؟ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا جیسے آج بھی بہت سی قومیں گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں۔ غرض نہ خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ان بے معنی اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے۔ بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لئے ہوتا تھا یا ازراہ استہزاء و تمسخر ایسا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۔ بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ دس اونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کئے جاتے تھے۔ پھر جب شکست ہوگئ تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابوسفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے۔ وہ سب محمد ﷺ سے انتقام لینے میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ سب اس پر راضی ہو گئے۔ اسی طرح کے خرچ کرنے کا یہاں ذکر ہے۔

۳۲۔ جب دنیا میں مغلوب و مقہور اور آخرت میں معذب ہوں گے تب افسوس و حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ اول بدر میں پھر احد وغیرہ میں سب مالی اور جسمی طاقتیں خرچ کر دیکھیں کچھ نہ کر سکے آخر ہلاک یا رسوا ہوئے یا نادم ہو کر کفر سے توبہ کی۔

۳۳۔ موضح القرآن میں ہے کہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کرے گا۔ اس درمیان میں کافر اپنا جان و مال کا زور خرچ کر لیں گے۔ تا نیک و بد جدا ہو جاوے۔ یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکٹھے دوزخ میں جائیں۔

۳۴۔ یعنی دنیوی و اخروی دونوں قسم کا نقصان اور خسارہ اٹھایا۔

۳۵۔ یعنی اگر اب بھی کفر و طغیان اور عداوت اسلام سے باز آجائیں اور پیغمبر علیہ السلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر لیں تو پہلے حالت کفر میں جو گناہ کر چکے وہ سب معاف کر دیے جائیں گے۔ اَلْاِسْلَامُ یَہْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ (حقوق العباد معاف نہ ہوں گے ان کا مسئلہ علیحدہ ہے)

۳۶۔ یعنی جس طرح اگلے لوگ پیغمبروں کی تکذیب و عداوت سے تباہ ہوئے ان پر بھی تباہی آئے گی یا یہ مطلب ہے کہ جیسے بدر میں ان کے بھائی بندوں کو سزا دی گئی انہیں بھی سزا دی جائے گی۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد [۳۷] اور ہو جائے حکم سب اللہ کا [۳۸] پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے کام کو دیکھتا ہے [۳۹]

وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار [۴۰]

۳۷۔ جہاد کے مقاصد: یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولت ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو۔ (چنانچہ فتنہ کی یہ ہی تفسیر ابن عمرو غیرہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے)

۳۸۔ یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (التوبہ۔۳۳) خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے جیسے نزول مسیحؑ کے وقت ہو گا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لئے حدیث میں آگیا۔ اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (جہاد کے احکام و شرائط کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے)

۳۹۔ یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آجائیں ان سے قتال نہیں۔ ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد کیا جائے گا۔ جیسا کام وہ کریں گے خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کر سکتے مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ وفی الحدیث اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصِمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

۴۰۔ یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں۔ کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں۔ جیسے جنگ بدر میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔

وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَ لِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اسکے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے [۴۱] اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلہ کے دن [۴۲] جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۴۳]

۴۱۔ **مال غنیمت کے احکام و مصارف:** "آغاز سورت میں فرمایا تھا قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ یہاں اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس میں کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات پر، اپنے ان قرابت داروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مد زکوۃ وغیرہ سے لینا ان کے لئے حرام ہوا، یتیموں پر، حاجت مندوں پر، مسافروں پر پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے وہ لشکر پر تقسیم کئے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حضور ﷺ کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے "حنفیہ" کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد حضور ﷺ کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو ان کو حضور ﷺ کی نصرت قدیمہ کی بناء پر ملتا تھا۔ البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور ﷺ کے قرابت دار مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہئے۔ بعض علماء کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد امیر المومنین کو اپنے مصارف کے لئے خمس الخمس ملنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ جب غنیمت میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم ﷺ اس میں کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لئے نکال لیتے تھے۔ بعض فقہا نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید ہے، وہاں مساجد کے لئے نکالنا چاہئے۔

۴۲۔ **یوم بدر فیصلہ کا دن:** "فیصلہ کے دن" سے مراد "یوم بدر" ہے جس میں حق و باطل کی کشمکش کا کھلا ہوا فیصلہ ہو گیا۔ اس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر فتح و نصرت اتاری۔ فرشتوں کی امدادی کمک بھیجی۔ اور سکون و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی۔ تو جو لوگ خدا پر اور اس کی تائید غیبی پر ایمان رکھتے ہیں ان کو غنیمت میں سے خدا کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا بھاری نہیں ہو سکتا۔

۴۳۔ جیسے اس دن تم کو مظفر و منصور کیا، وہ قادر ہے کہ آئندہ بھی تم کو غلبہ اور فتوحات عنایت فرمائے۔

اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الدُّنۡیَا وَ هُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الۡقُصۡوٰی وَ الرَّکۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ ؕ وَ لَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ ۙ وَ لٰکِنۡ لِّیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ۬ۙ

۴۲۔ جس وقت تم تھے ورلے کنارہ پر اور وہ پرلے کنارہ پر [۴۴] اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے [۴۵] اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدہ پر ایک ساتھ [۴۶] لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک کام کو جو مقرر ہو چکا تھا تا کہ مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ
بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۴۲﴾

قیام حجت کے بعد [۴۷] اور بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۴۸]

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ
كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ جب اللہ نے وہ کافر دکھلائے تجھ کو تیری خواب میں تھوڑے [۴۹] اور اگر تجھ کو بہت دکھلا دیتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچالیا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں [۵۰]

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ
يُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ
مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع ۵ ۱

۴۴۔ اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تا کہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچتا ہے ہر کام [۵۱]

۴۴۔ غزوہ بدر کی مزید تفصیلات: "ورلے کنارے" سے مراد میدان جنگ کی وہ جانب ہے جو مدینہ طیبہ سے قریب تھی۔ اسی طرح "پرلا کنارہ" وہ ہوگا جو مدینہ سے بعید تھا۔

۴۵۔ یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ نیچے کی طرف ہٹ کو سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ قافلہ اور مسلمانوں کے درمیان قریش کی فوج حائل ہو چکی تھی۔

۴۶۔ یعنی اگر فریقین پہلے سے لڑائی کا کوئی وقت ٹھہرا کر جانا چاہتے تو ممکن تھا اس میں اختلاف ہوتا یا وعدہ کے وقت پہنچنے میں ایک فریق پس و پیش کرتا۔ کیونکہ ادھر مسلمان کفار کی تعداد اور ظاہری ساز و سامان سے خائف تھے۔ ادھر کفار مسلمانوں کی حقانیت، خدا پرستی اور بے جگری سے مرعوب رہتے تھے دونوں کو جنگ کی ذمہ داری لینے یا شرکت کرنے میں تردد اور تقاعد ہو سکتا تھا۔

۴۷۔ یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ پر حملہ کرنے کو، قافلہ بچ گیا اور دو فوجیں ایک میدان کے دو کناروں پر آ پڑیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی۔ اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبر کا کھل گیا۔ جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر تا اللہ کا الزام پورا ہو۔ کذا فی الموضح۔ اور ممکن ہے مرنے اور جینے سے کفر و ایمان مراد ہوں یعنی اب جو ایمان لائے اور جو کفر پر جما رہے دونوں کا ایمان یا کفر وضوح حق کے بعد ہو۔

۴۸۔ یعنی اللہ کمزور مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس طریقہ سے ان کی مدد کی جائے۔ دیکھو بدر میں مسلمانوں کی فریاد کیسی سنی اور کیسی مدد فرمائی۔

۴۹۔ یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے جنگ

بدر میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔

۵۰۔ یعنی انہیں زیادہ سمجھ کر کوئی لڑنے کی ہمت کرتا کوئی نہ کرتا۔ اس طرح اختلاف ہو کر کام میں کھنڈت پڑ جاتی۔ لیکن خدا نے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں تھوڑی تعداد دکھلا کر اس بزدلی اور نزاع باہمی سے تم کو بچا لیا وہ خوب جانتا کہ کس چیز سے دلوں میں ہمت و شجاعت پیدا ہوتی ہے اور کس بات سے جبن و نامردی۔

۵۱۔ رسول اللہ کا خواب: پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت، تاجرات سے لڑیں۔ پیغمبر کا خواب غلط نہیں ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے اکثر وہ تھے جو پیچھے مسلمان ہوئے۔ اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مقصود ان کی مغلوبیت کا اظہار ہو۔ باقی کفار کی نظر میں جو مسلمان تھوڑے دکھلائی دیے تو وہ واقعی تھوڑے تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب دونوں فوجیں اول آمنے سامنے ہوئیں۔ پھر جب مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کئے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچ اس وقت کفار کو مسلمان دگنے نظر آنے لگے کمافی آل عمران وَاُخْرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ (آل عمران۔۱۳)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو[۵۲] تاکہ تم مراد پاؤ

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا[۵۳] اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے[۵۴]

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں[۵۵]

۵۲۔ جہاد اور ذکر اللہ: اس میں نماز، دعاء، تکبیر، اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔ "ذکر اللہ" کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے صحابہؓ کا سب سے بڑا ہتھیار یہی تھا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ (رعد۔۲۸)

۵۳۔ یعنی ہوا خیزی ہو کر اقبال و رعب کم ہو جائے گا۔ بدر عبی کے بعد فتح و ظفر کیسے حاصل کر سکو گے۔

۵۴۔ صبر و استقامت کامیابی کی کنجی ہیں: "جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو ہمت نہ ہارو،

مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے اس آیت میں مسلمانوں کو بتلا دیا گیا کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ دولت، لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی، صبر و استقلال، قوت و طمانیت قلب، یاد الٰہی، خدا اور رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت و فرمانبر داری اور باہمی اتفاق و اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ اس موقع پر بیساختہ جی چاہتا ہے کہ صحابہؓ کے متعلق "ابن کثیرؒ" کے چند الفاظ نقل کر دوں جو اخلاص و ایمان کی انتہائی گہرائی سے نکلے ہوئے ہیں۔ وَقَدْ کَانَ لِلصَّحَابَةِ فِی بَابِ الشُّجَاعَةِ وَالْاِئْتِمَارِ بِمَا اَمَرَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ بِهٖ وَامْتِثَالِ مَا اَرْشَدَهُمْ اِلَیْهِ مَالَمْ یَكُنْ لِاَحَدٍ مِنَ الْاُمَمِ وَالْقُرُوْنِ قَبْلَهُمْ وَلَا یَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِّمَّنْ بَعْدَهُمْ فَاِنَّهُمْ بِبَرَكَةِ الرَّسُوْلِ وَطَاعَتِهٖ فِیْمَا اَمَرَهُمْ فَتَحُوا الْقُلُوْبَ وَالْاَقَالِیْمَ شَرْقًا وَغَرْبًا فِی الْمُدَّةِ الْیَسِیْرَةِ مَعَ قِلَّةِ عَدَدِهِمْ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی جُیُوْشِ سَائِرِ الْاَقَالِیْمِ مِنَ الرُّوْمِ وَالْفُرْسِ وَالتُّرْكِ وَالصَّقَالِبَةِ وَالْبَرْبَرِ الْجُیُوْشِ وَاَصْنَافِ السُّوْدَانِ وَالْقِبْطِ وَطَوَائِفِ بَنِیْ اٰدَمَ قَهَرُوا الْجَمِیْعَ حَتّٰی عَلَتْ كَلِمَةُ اللّٰهِ وَظَهَرَ دِیْنُهٗ عَلٰی سَائِرِ الْاَدْیَانِ وَامْتَدَّتِ الْمَمَالِكُ الْاِسْلَامِیَّةُ فِیْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا فِی اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِیْنَ سِنَةً فَرَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ اَجْمَعِیْنَ وَحَشَرَنَا فِیْ زُمْرَتِهِمْ اِنَّهٗ كَرِیْمٌ تَوَّابٌ۔

۵۵۔ کفار مکہ کا غرور و نمائش: ابوجہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا تاکہ مسلمان مرعوب ہو جائیں۔ اور دوسرے قبائل پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے۔ راستہ میں اس کو ابوسفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے۔ اب تم مکہ کو لوٹ جاؤ۔ ابوجہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جاسکتے ہیں جبکہ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کر لیں۔ گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں۔ شرابیں پئیں۔ مزے اڑائیں اور تین روز تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں تاکہ یہ دن عرب میں ہمیشہ کے لئے ہماری یادگار رہے۔ اور آئندہ بھی ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں کہ پھر کبھی یہ ہمارے مقابلہ کہ جرأت نہ کریں۔ اسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبے باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے قابو میں ہیں۔ چلنے دے یا نہ چلنے دے۔ بلکہ چاہے تو انہی پر الٹ دے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا۔ محفل سرود و نشاط تو منعقد نہ کر سکے ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں "بدر" سے "مکہ" تک بچھ گئیں۔ جو مال تفاخر و نمائش میں خرچ کرنا چاہتے تھے وہ مسلمانوں کے لئے لقمہ غنیمت بنا۔ ایمان و توحید کے دائمی غلبہ کا بنیادی پتھر بدر کے میدان میں نصب ہو گیا۔ گویا ایک طرح اس چھوٹے سے قطعہ زمین میں خدا تعالیٰ نے روئے زمین کی ملل و اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ فرما دیا۔ بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جہاد محض ہنگامہ کشت و خون کا نام نہیں بلکہ عظیم الشان عبادت ہے عبادت پر اتراوے یا دکھانے کو کرے تو قبول نہیں لہذا تم فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال مت چلو۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ
لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا
تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ
بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ
اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع ٦ ٢

۴۸۔ اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے انکی نظروں میں ان کے عملوں کو اور بولا کہ کوئی بھی غالب نہ ہو گا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے[۵۶]

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے حکمت والا[۵۷]

۵۶۔ کفار کو شیطان کا دھوکہ: قریش اپنی قوت وجمعیت پر مغرور تھے، لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں۔ فوراً شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد وحمایت پر ہیں۔ کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کا رن پڑا اور شیطان کو جبریل وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا۔ ابوجہل نے کہا سراقہ! عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں۔ (یعنی فرشتے) خدا کے (یعنی اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں۔ کہیں کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں قتادہ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا اس کے دل میں خدا کا ڈر نہ تھا۔ ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے۔ کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جایا کرتا ہے۔ اسی کے موافق یہاں بھی کیا۔ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (نساء۔١٢٠) كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (الحشر۔١٦) وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ابراہیم۔٢٢)

۵۷۔ مسلمانوں کی شجاعت اور منافقین: مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور بے سروسامان اور اس پر ایسی دلیری وشجاعت کو دیکھتے ہوئے منافقین اور ضعیف القلب کلمہ گو کہنے لگے کہ یہ مسلمان اپنے دین اور حقانیت کے خیال پر مغرور ہیں جو اس طرح اپنے کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرور نہیں، توکل ہے۔ جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ اُدھر سے ہوگا عین حکمت وصواب ہوگا وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا[۵۸]

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ یہ بدلا ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر[۵۹]

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲

۵۲۔ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر بیشک اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا[۶۰]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي
قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳

۵۳۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہر گز بدلنے والا نہیں اس نعمت کو جو دی تھی اس نے کسی قوم کو جب تک وہی نہ بدل ڈالیں اپنے جیوں کی بات اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے[۶۱]

۵۸۔ کفار کی حالت موت کے وقت: یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو۔ اور عذاب جہنم کا مزہ آئندہ چکھنا۔ بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے یعنی اس وقت جو کافر مارے جاتے تھے ان کے ساتھ فرشتوں کا یہ معاملہ تھا۔ مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہو گا کہ دنیا میں ان کافروں کی یہ گت بنی۔ برزخ میں یہ ہو گا اور آخرت کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

۵۹۔ یعنی یہ سب تمہاری کرتوت کی سزا ہے ورنہ خدا کے یہاں ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر معاذ اللہ ادھر سے رتی برابر ظلم کا امکان ہو تو پھر وہ اپنی عظمت شان کے لحاظ سے ظالم نہیں ظلام ہی ٹھہرے کیونکہ کامل کی ہر صفت کامل ہی ہونی چاہئے۔

۶۰۔ یعنی قدیم سے یہ ہی دستور رہا ہے کہ جب لوگ آیات اللہ کی تکذیب و انکار یا انبیاء سے جنگ کرنے پر مصر ہوئے تو اللہ نے ان کو کسی نہ کسی عذاب میں پکڑ لیا۔

۶۱۔ قوموں کی ہلاکت انکی اپنی وجہ سے ہوتی ہے: "یعنی جب لوگ اپنی بے اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کے فطری قویٰ اور استعداد کو بدل ڈالتے ہیں اور خدا کی بخشی ہوئی داخلی یا خارجی نعمتوں کو اس کے بتلائے ہوئے کام میں ٹھیک موقع پر خرچ نہیں کرتے بلکہ الٹے اس کی مخالفت میں صرف کرنے لگے ہیں تو حق تعالیٰ اپنی نعمتیں ان سے چھین لیتا ہے اور شان انعام کو انتقام سے بدل دیتا ہے وہ بندوں کی تمام باتوں کو سنتا اور تمام احوال کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پردہ میں نہیں۔ لہذا جس سے جو معاملہ کرے گا نہایت ٹھیک اور برمحل ہو گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "نیت اور اعتقاد جب تک نہ بدلے تو اللہ کی بخشی ہوئی نعمت چھینی نہیں جاتی گویا مَا بِاَنْفُسِهِمْ سے خاص نیت اور اعتقاد مراد لیا ہے۔ جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ
فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴

۵۴۔ جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ انہوں نے جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی پھر ہلاک کر دیا ہم نے انکو انکے گناہوں پر اور ڈبو دیا ہم نے فرعون والوں کو اور سارے ظالم تھے[۶۲]

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿٥٥﴾ؗ	۵۵۔ بدترسب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں ایمان لاتے
اَلَّذِيۡنَ عٰهَدتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِىۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا يَتَّقُوۡنَ ﴿٥٦﴾	۵۶۔ جن سے تو نے معاہدہ کیا ہے ان میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے[۶۳]
فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِى الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿٥٧﴾	۵۷۔ سو اگر کبھی تو پائے ان کو لڑائی میں تو انکو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پچھلے تاکہ ان کو عبرت ہو
وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ ﴿٥٨﴾ؒ ع ٧ ١٠ ٣	۵۸۔ اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے انکا عہد انکی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دغاباز[۶۴]

۶۲۔ فرعونیوں اور ان سے پہلی قوموں کو ان کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ فرعونیوں کا بیڑہ غرق کر دیا۔ یہ سب اس وقت ہوا جب انہوں نے خدا سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کئے۔ ورنہ خدا کو کسی مخلوق سے ذاتی عداوت نہیں۔

۶۳۔ کفار بدترین جانور ہیں: جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر تل گئے اور انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر ہو رہے ہیں۔ وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ فرعونیوں کا حال بدعہدی اور غداری میں یہ ہی تھا۔ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ لَئِنۡ كَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرۡسِلَنَّ مَعَكَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ۔ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ (اعراف ۱۳۵،۱۳۴) اور حضور ﷺ کے زمانہ میں یہود بنی قریظہ وغیرہ کی یہ ہی خصلت تھی۔ آپ سے عہد کر لیتے کہ ہم مشرکین مکہ کو مدد نہ دیں گے پھر ان کی امداد کرتے اور کہہ دیتے کہ ہم کو عہد یاد نہ رہا تھا۔ بار بار ایسا ہی کرتے تھے۔ آگے بتلایا ہے کہ ایسے غداروں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے۔

۶۴۔ عہد شکنوں کے ساتھ معاہدے کے احکام: "یعنی اگر یہ دغاباز غدار معاہدوں کو علانیہ پس پشت ڈال کر آپ کے مقابل میدان جنگ میں آ جائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں اور اگر ایک قوم نے علانیہ دغابازی نہیں کی ہاں آثار و قرآئن بتا رہتے ہیں کہ عہد شکنی پر آمادہ ہے تو آپ کو اجازت ہے کہ مصلحت سمجھیں تو ان کا عہد واپس کر دیں اور معاہدہ سے دست برداری کی اطلاع کر کے مناسب کارروائی کریں تاکہ فریقین پچھلے معاہدات کی نسبت شک و اشتباہ میں نہ رہیں۔ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ و بیدار ہو کر اپنی تیاری اور حفاظت میں مشغول ہوں۔ آپ کی جانب سے کوئی

چوری اور خیانت نہ ہو سب معاملہ صاف صاف ہو۔ حق تعالیٰ خیانت کی کارروائی کو خواہ کفار کے ساتھ ہو پسند نہیں کرتا۔ سنن میں روایت ہے کہ امیر معاویہؓ اور روم میں میعادی معاہدہ تھا۔ میعاد کے اندر اندر امیر معاویہؓ نے اپنی فوجوں کو روم کی سرحد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی سرحد سے اس قدر قریب اور پہلے سے تیار رہیں کہ میعاد معاہد گذرتے ہی فوراً دھاوا بول دیا جائے۔ جس وقت یہ کارروائی جاری تھی ایک شیخ سواری پر یہ کہتے ہوئے آئے۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر وفاءً لا غدراً" یعنی عہد پورا کرو۔ عہد شکنی مت کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو کوئی گرہ نہ کھولی جائے نہ باندھی جائے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت پوری ہو جائے۔ یا فریق ثانی کو مساویانہ حیثیت میں معاہدہ واپس کیا جائے۔ معاویہؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو الٹے واپس آگئے پھر جو دیکھا تو وہ شیخ حضرت عمرو بن عنبسہؓ تھے۔

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور یہ نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے وہ ہرگز تھکا نہ سکیں گے ہم کو[۶۵]

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور تیار کرو انکی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے[۶۶] کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے[۶۷] اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا[۶۸]

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا[۶۹]

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ۙ

۶۲۔ اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو کافی ہے اللہ اسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا[۷۰]

۶۵۔ مسلمانوں کی تسلی: نبذ عہد کا جو حکم اوپر مذکور ہوا ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر حمل کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت و غدر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے۔ اس کا

جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب ورسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں سزا دینا چاہے گا تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے۔ نہ اس کے احاطہ قدرت و تسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔

۶۶۔ دائمی اسباب اور توکل: "یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے۔ نہیں مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح آیندہ جو اسلحہ و آلات حرب وضرب تیار ہوں، ان شاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں باقی گھوڑے کی نسبت تو آپ خود ہی فرما چکے اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کہ قیامت تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے اور احادیث میں ہے کہ "جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے اس کے کھانے پینے بلکہ ہر قدم اٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اس کی خوراک وغیرہ تک قیامت کے دن ترازو میں وزن کی جائے گی۔

۶۷۔ دائمی اسباب اور توکل: "یعنی یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے۔ باقی فتح وظفر کا اصلی سبب تو خدا کی مدد ہے جو پہلے بیان ہو چکا۔ اور وہ لوگ جن کو بالتعین تم نہیں جانتے منافقین ہیں جو مسلمانی کے پردہ میں تھے یا یہودی "بنی قریظہ" یا روم فارس وغیرہ وہ سب قومیں جن سے آئندہ مقابلہ ہونے والا تھا۔

۶۸۔ مالی جہاد: یہ مالی جہاد کی طرف اشارہ ہے یعنی جہاد کی تیاری میں جس قدر مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یعنی ایک درہم کے سات سو درہم وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرہ۔۲۶۱) اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ معاوضہ مل جاتا ہے۔

۶۹۔ کفار سے صلح کی اجازت: مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھا دیں۔ کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے اگر بدون خونریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے۔ اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پرواہ نہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھئے وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اس کی حمایت کے سامنے ان کی بدنیتی نہ چل سکے گی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔

۷۰۔ اگر صلح کر کے وہ لوگ دغا بازی اور عہد شکنی کا ارادہ کر لیں تو فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کے سب فریب و خداع بیکار کر دے گا۔ اسی نے بدر میں آپ کی غیبی امداد فرمائی اور ظاہری طور پر جان نثار و سرفروش مسلمانوں سے آپ کی تائید کی۔

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾	۶۳۔ اور الفت ڈالی انکے دلوں میں اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا [۷۱]
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ	۶۴۔ اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور جتنے تیرے ساتھ ہیں

ع ٨

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾

مسلمان [٧٢]

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ
اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا
مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

٦٥۔ اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے [٧٣]

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ
فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ
وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

٦٦۔ اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں ہزار تو غالب ہوں دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے ثابت قدم رہنے والوں کے [٧٤]

٧١۔ عربوں میں اتحاد و الفت: "اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی مدینہ کے دو زبردست قبیلوں "اوس" و "خزرج" کی حریفانہ نبرد آزمائی اور دیرینہ عداوت و بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور عزت و آبرو کا بھوکا تھا۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرالیا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے لئے حضور ﷺ کی ذات قدسی صفات کو مطمع نظر بنالیا۔ وہ آپ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الٰہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور شراب توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت و الفت باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم ناخریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی۔ بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا تھا جو اللہ کی رحمت و اعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی۔ اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور ﷺ کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو دفعۃً ایسا پلٹ دینا خدا کی زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت و الفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔

۷۲۔ مسلمانوں کے لئے اللہ کافی ہے: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اکثر سلف کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اے پیغمبر! خدا تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو کافی ہے۔ یعنی قلت عدد اور بے سروسامانی وغیرہ سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اور بعض علماء نے یہ معنی لئے ہیں کہ اے پیغمبر! تجھ کو فی الحقیقت اکیلا خدا کافی ہے اور ظاہر اسباب کے اعتبار سے مخلص مسلمانوں کی جماعت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو کافی ہے۔ پہلے جو فرمایا تھا اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ گویا یہ اسی کا خلاصہ ہوا۔

۷۳۔ دس گناہ تعداد پر غلبہ کا وعدہ: "یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں۔ خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کے لئے ہے۔ وہ خدا کی اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لئے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے محض حقیر اور فانی اغراض کے لئے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناءً علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہئے۔ اگر مسلمان بیس ہوں تو دو سو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔ (تنبیہ) بیس اور سو دو عدد شاید اس لئے بیان فرمائے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے "سریہ" میں کم از کم بیس اور "جیش" میں ایک سو سپاہی ہوتے ہوں گے۔ اگلی آیت مدت کے بعد اتری اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اس لئے سریہ کم از کم ایک سو کا اور جیش ایک ہزار کا ہو گا۔ دونوں آیتوں میں بیان نسبت کے وقت اعداد کا تفاوت یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی۔

۷۴۔ اس حکم میں تخفیف دوگنی تعداد پر غلبہ کا وعدہ: "بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری۔ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ الخ یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھا لیا۔ اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلاوت معلوم تھی کچھ مدت کے بعد ان میں کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جو نئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت استقامت اور تسلیم و تفویض نہ تھی اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور "توکل علی اللہ" میں قدرے کمی ہوئی ہو گی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے۔ اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے۔ لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے تب یہی حکم ہوا کہ دوگنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے۔ لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں۔" غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بحمد اللہ بھری پڑی ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ ‌ؕ تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ‌ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ نبی کو نہیں چاہیئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کر لے ملک میں تم چاہتے ہو اسباب دنیا اور اور اللہ کے ہاں چاہیئے آخرت اور اللہ زور آور ہے حکمت والا[۷۵]

لَوۡلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا عذاب[۷۶]

فَكُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖۚ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ سو کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان[۷۷]

ع ۵ / ۵

۷۵۔ بدر کے قیدیوں کے مسئلہ پر مسلمانوں کی غلطی: "بدر کی لڑائی سے ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں۔ قتل کر دینا، یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا، اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لئے پیش کرنا امتحان و آزمائش کے طریقہ پر تھا کہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے اور طبیعت سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے ازواج مطہرات کو دو صورتوں میں تخییر دی گئی تھی۔ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ الی آخر الآیہ (الاحزاب۔۲۸) یا معراج میں آپ کے سامنے خمر و لبن (دودھ اور شراب) کے دو برتن پیش کئے گئے تھے آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ جبریلؑ نے کہا کہ اگر بالفرض آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت بہک جاتی۔ بہر حال آپ نے صحابہ سے اس معاملہ میں رائے طلب کی۔ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ سب قیدی اپنے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس نرم سلوک و احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد و اتباع ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال بالفعل ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔ باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہو جائیں تو مضائقہ نہیں درجہ شہادت ملے گا۔ نبی کریم ﷺ کا میلان بھی فطری رحمدلی اور شفقت و صلہ رحمی کی بناء پر اسی رائے کی طرف تھا۔ بلکہ صحابہ کی عام رائے اسی جانب تھی۔ بہت سے تو ان ہی وجوہ کی بناء پر جو ابو بکرؓ نے بیان فرمائیں اور بعض محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ (کما یظہر من قولہ تعالیٰ تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا صرح بہ الحافظ ابن حجر و ابن القیم رحمہما اللہ) حضرت عمر اور سعد ابن معاذ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں۔ (ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر و شرک کا سر ٹوٹ جائے گا، تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے گی آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا) اور خدا کے آگے مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت و بغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور

مالی فوائد کی کچھ پروا نہیں کی اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز و قریب ہو وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ الغرض بحث و تمحیص کے بعد ابو بکرؓ کے مشورہ پر عمل ہوا۔ کیونکہ کثرت رائے ادھر تھی اور خود نبی کریم ﷺ طبعی رافت و رحمت کی بناء پر اسی طرف مائل تھے اور ویسے بھی اخلاق اور کلی حیثیت سے عام حالت میں وہ ہی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اسلام اس وقت جن حالات میں سے گذر رہا تھا ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت کمر شکن کارروائی کی جائے۔ تیرہ سال کے ستم کشوں کو طاغوت کے پرستاروں پر یہ ثابت کر دینے کا پہلا موقع ملا تھا کہ تمہارے تعلقات قرابت، اموال، جتھے اور طاقتیں اب کوئی چیز تم کو خدا کی شمشیر انتقام سے پناہ نہیں دے سکتی۔ ابتداءً ایک مرتبہ ظالم مشرکین پر رعب و ہیبت بٹھلا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لئے آئندہ بہتیرے مواقع باقی رہتے تھے ادھر ستر مسلمانوں کے آئندہ قتل پر راضی ہو جانا معمولی بات نہ تھی اسی لئے اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور ہنگامی حیثیت سے حق تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہ ہوا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہؓ کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی۔ اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا سے خطاب کیا گیا یعنی تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہئے۔ خدا کی حکمت مقتضی ہو تو وہ تمہارا کام اپنے زور قدرت سے ظاہری سامان کے بدون بھی کر سکتا ہے۔ بہر حال فدیہ لے کر چھوڑ دینا وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری غلطی قرار دی گئی۔ اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ روایات سے حضور ﷺ کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلہ رحمی اور رحمدلی کی بناء پر آپ کا رجحان اس رائے کی طرف تھا۔ البتہ صحابہ میں بعض صرف مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر اور اکثر حضرات دوسری مصالح دینیہ اور اخلاقی داعیہ کے ساتھ مالی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے پیش کر رہے تھے گویا صحابہ کے مشورہ میں کلاً یا جزءاً مالی حیثیت ضرور زیر نظر تھی۔ کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے بغض فی اللہ میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد "جہاد" سے غفلت برتنا اور ستر مسلمانوں کے قتل کئے جانے پر اپنے اختیار سے رضامند ہو جانا صحابہ جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لئے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لڑائی میں ایک شخص کے سر پر زخم آیا، اسے غسل کی حاجت ہوئی۔ پانی سر پر استعمال کرنا سخت مہلک تھا۔ ساتھیوں سے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ پانی کی موجودگی میں ہم تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ اس نے غسل کر لیا اور فوت ہو گیا۔ حضور ﷺ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللہ الحدیث۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اجتہادی غلطی اگر زیادہ واضح اور خطرناک ہو تو اس پر عتاب ہو سکتا ہے۔ گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجتہد نے پوری قوت اجتہاد صرف کرنے میں کوتاہی کی۔

۷۶۔ **متوقع عذاب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نظارہ:** یعنی یہ غلطی تو فی حد ذاتہ ایسی تھی کہ سخت سزا ان لوگوں کو دی جاتی جنہوں نے دنیوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا۔ مگر سزا دہی سے وہ چیز مانع ہے جو خدا پہلے سے لکھ چکا اور طے کر چکا ہے۔ اور وہ کئی باتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) مجتہد کو اس قسم کی اجتہادی خطاء پر عذاب نہیں ہو گا (۲) جب تک خدا امراً و نہیاً کسی چیز کا صاف حکم بیان نہ فرمائے اس وقت تک اس کے مرتکب کو عذاب نہیں دیتا (۳) اہل بدر کی خطاؤں کو خدا معاف فرما چکا ہے (۴) غلطی سے جو روپیہ قبل از وقت اختیار کر لیا گیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اسکی اجازت ہو جائے گی۔ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد۔۴) یہ بھی طے شدہ ہے کہ جب تک پیغمبر علیہ السلام ان میں موجود ہیں یا لوگ صدق دل سے استغفار کرتے ہیں۔ عذاب نہ آئے گا (۶) ان قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔ الغرض اس قسم کے موانع اگر نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم و ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہئے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس قولی تنبیہ کے بعد وہ عذاب جو اس طرح کی خوفناک غلطیوں پر آ سکتا تھا آپ کے سامنے نہایت قریب کر کے پیش

کیا گیا۔ گویا یہ قولی تنبیہ کو زیادہ مؤثر بنانے کی ایک صورت تھی۔ آپ اس منظر کو دیکھ کر وقف گریہ وبکا ہوگئے۔ حضرت عمرؓ نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے ان کا عذاب پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جس کا آنا ان پر ممکن تھا اگر موانع مذکورہ بالا نہ ہوتے یاد رکھنا چاہئے کہ آپ کے سامنے یہ پیش کرنا اسی قسم کا تھا جیسے صلوٰۃ کسوف ادا کرتے وقت آپ کے سامنے جنت و دوزخ دیوار قبلہ میں متمثل کر دی گئی تھی یعنی اس متوقع عذاب کا نظارا کرانا تھا اور بس۔

۷۷۔ مال غنیمت حلال وطیب ہے: پچھلے عتاب وتہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مال غنیمت کو جس میں فدیہ اساریٰ بھی شامل ہے اب ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ اس آیت میں تسلی فرمادی کہ وہ اللہ کی عطاء ہے خوشی سے کھاؤ۔ ہاں جہاد کے سلسلہ میں مال غنیمت وغیرہ کو مطمع نظر بنانا یا اس قدر اہمیت دینا نہیں چاہئے کہ مقاصد عالیہ اور مصالح کلیہ سے اغماض ہونے لگے۔ بیشک وقتی حالات ومصالح کے اعتبار سے تم نے ایک غلط طریق کار اختیار کیا۔ مگر نفس مال میں کوئی خبث نہیں۔ خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ اپنی رحمت سے غلطیوں کو معاف فرمادے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ اے نبی کہہ دے ان سے جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور اگر چاہیں گے تجھ سے دغا کرنی سو وہ دغا کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے پھر اس نے انکو پکڑوا دیا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۷۸]

۷۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قیدیوں سے خطاب: بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (مثلاً حضرت عباسؓ وغیرہ) ان سے کہا گیا کہ اللہ دیکھے گا کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان وتصدیق موجود ہے تو جو کچھ زر فدیہ اس وقت تم سے وصول کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا اور پچھلی خطاؤں سے درگذر کرے گا۔ اور اگر اظہار اسلام سے صرف پیغمبر کو فریب دینا مقصود ہے یا دغابازی کرنے کا ارادہ ہے تو بیشتر خدا سے جو دغابازی کر چکے ہیں یعنی فطری عہد الست کے خلاف کفر وشرک اختیار کیا یا بعض "بنی ہاشم" جو ابو طالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت ﷺ کی حمایت پر متفق ہوئے تھے اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں۔ آئندہ بھی دغابازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "خدا کا وعدہ پورا ہوا، ان میں جو مسلمان ہوئے۔ حق تعالیٰ نے بے شمار دولت بخشی جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہوگئے۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

۷۲۔ جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان لائے

أُولٰٓئِكَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ
لَمۡ يُهَاجِرُوۡا مَا لَكُمۡ مِّنۡ وَّلَايَتِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ حَتّٰى
يُهَاجِرُوۡا ۚ وَ اِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ
فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَ بَيۡنَهُمۡ
مِّيۡثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿٧٢﴾

اور گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے انکی مدد کرنی مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے[٧٩]

وَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ؕ اِلَّا
تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ ؕ ﴿٧٣﴾

٧٣۔ اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم یوں نہ کرو گے تو فتنہ پھیلے گا ملک میں اور بڑی خرابی ہو گی[٨٠]

وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ
اللّٰهِ وَ الَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ
الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿٧٤﴾

٧٤۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور انکی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان انکے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی[٨١]

وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَ هَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا
مَعَكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ مِنۡكُمۡ ؕ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ
اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ
عَلِيۡمٌ ﴿٧٥﴾ ع ١٠ ٦

٧٥۔ اور جو ایمان لائے اسکے بعد اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہی میں ہیں اور رشتہ دار آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں[٨٢] تحقیق اللہ ہر چیز سے خبردار ہے[٨٣]

٧٩۔ **دارالحرب کے مسلمانوں کے احکام:** قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے مگر حضرت کے ساتھ مکہ سے ہجرت نہ کر سکے اور بادل ناخواستہ کفار کے ساتھ ہو کر بدر میں آئے۔ ان آیات میں یہ بتلانا ہے کہ ایسے مسلمانوں کا حکم کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حضرت کے اصحاب دو فرقے تھے "مہاجرین" اور "انصار"۔ مہاجرین کنبہ اور گھر چھوڑنے والے اور انصار جگہ دینے والے اور مدد کرنے

والے۔ ان دونوں میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کر دیا تھا، آیت کا مضمون یہ ہوا کہ جتنے مسلمان حضرت کے ساتھ حاضر ہیں ان سب کی صلح وجنگ ایک ہے ایک کا موافق سب کا موافق ایک کا مخالف سب کا مخالف بلکہ آغاز ہجرت میں رشتہ مواخاۃ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اور جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو یعنی دارالحرب سے ہجرت نہ کی ان کی صلح وجنگ میں دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان (مہاجرین وانصار) شریک نہیں۔ اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے صلح ومعاہدہ کسی جماعت کفار سے کر لیا ہے تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے بلکہ ان سے حسب مصلحت جنگ کر سکتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ دارالحرب کے مسلمان جس وقت دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدور کے موافق مدد کرنا چاہئے۔ مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں تابقائے عہد دارالحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جا سکتی۔ نیز توریث باہمی کا سلسلہ جو مہاجرین وانصار میں قائم کیا گیا تھا اس میں بھی دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔

۸۰۔ کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں: یعنی کافر ومسلم میں نہ حقیقی رفاقت ہے نہ ایک دوسرے کا وارث بن سکتا ہے۔ ہاں کافر، کافر کا رفیق و وارث ہے بلکہ سب کفار تم سے دشمنی کرنے کو آپس میں ایک ہیں جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے اس کے بالمقابل اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ ہوں گے یا کمزور مسلمان اپنے کو آزاد مسلمانوں کی معیت ورفاقت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ برپا ہو جائے گا۔ یعنی ضعیف مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان تک خطرہ میں ہو گا۔

۸۱۔ یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار کے ساتھ والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھنے والوں سے۔ آخرت میں ان کے لئے بڑی بھاری بخشش ہے اور دنیا میں عزت کی روزی یعنی غنیمت اور دوسرے فائق حقوق۔

۸۲۔ مہاجرین وانصار کے فضائل: یعنی مہاجرین میں جتنے بعد کو شامل ہوتے جائیں وہ سب باعتبار احکام "مہاجرین اولین" کی برادری میں منسلک ہیں ہجرت کے تقدم وتاخر کی وجہ سے صلح وجنگ یا توریث وغیرہ کے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اگر قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار پیچھے مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ رفاقت قدیم اوروں سے ہے۔

۸۳۔ وہی جانتا ہے کس کا کس قدر حق ہونا چاہئے۔ لہٰذا اس کے احکام سراسر علم وحکمت پر مبنی ہیں۔

تم سورۃ انفال

اٰیاتها ۱۲۹ — ۹ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳ — رکوعاتها ۱۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ﴿۱﴾

۱۔(اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اس کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں) [۱] صاف جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اسکے رسول کی ان مشرکوں کو جن سے تمہارا عہد ہوا تھا

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ
غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾

۲۔ سو پھر لو اس ملک میں چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو[۲]

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ
الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ
فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا
اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾

۳۔اور سنا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی لوگوں کو دن بڑے حج کے [۳] کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول سو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم ہرگز نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور خوشخبری سنا دے کافروں کو عذاب دردناک کی[۴]

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ
يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا
فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾

۴۔ مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر انہوں نے کچھ قصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور مدد نہ کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی سو ان سے پورا کر دو ان کا عہد ان کے وعدہ تک بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے[۵]

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ

۵۔ پھر جب گذر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰة

اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

تو چھوڑ دو ان کا رستہ بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۶]

۱۔ سورہ توبہ اور سورہ انفال کا تعلق: سورہ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورہ براءۃ اواخر ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں فرمادیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق (جنہیں اب سورہ "توبہ" یا براءۃ" کہا جاتا ہے) آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جز نہیں۔ لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لئے "بسم اللہ" آتی تھی۔ سورہ توبہ کے شروع میں "بسم اللہ" نہ آئی۔ جو مشعر ہے کہ یہ جداگانہ سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں "بسم اللہ" نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اور اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہوا اور نہ دوسری سورت کا جز ہونا۔ باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انفال نزول میں مقدم ہے بلا خاص وجہ کے مؤخر کیوں کی جاتی اور دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و منتسق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو "انفال" کا تتمہ اور تکملہ کہا جا سکتا ہے۔ سورہ انفال تمام تر غزوہ بدر اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ یوم بدر کو قرآن نے یوم الفرقان کہا۔ کیونکہ اس نے حق و باطل اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر کے دکھلا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الٰہی کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ (الانفال۔۷۳) کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف انفال کے خاتمہ پر اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (الانفال۔۷۳) کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے، انفال کے اخیر میں یہ بھی جتلا بتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا (الانفال۔۷۲) ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہیئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالاۃ و اخوۃ اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہیئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آ جائیں اور اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے، جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی۔ اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستمرانیوں سے پورا مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔ اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا۔ جو آخر کار ۸ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا۔ جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے۔ فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔ لیکن ضرورت تھی کہ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰي لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

(الانفال۔۳۹) کے امتثال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الٰہیہ کے مستقر (جزیرۃ العرب) کو فتنہ کے جراثیم سے بالکلیہ صاف کر دیا جائے تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یکجان و یکزبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیات کے رنگ میں رنگین ہو۔ اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔ سورہ براءۃ کے مضامین کا یہ حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے وسائس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا۔ فللہ الحمد علیٰ ذٰلک الغرض سورہ انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی، سورہ توبہ (براءۃ) میں اس کی انتہاء ہے۔ اسی لئے "اول باآخر نسبتے دارد" کے موافق "براۃ" کو "انفال" کے ساتھ بطور تکملہ ملحق کر دیا گیا۔ اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

۲۔ **کفار و مشرکین کے چار ماہ کی مہلت:** ٦ ہجری میں بمقام "حدیبیہ" جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ بنی بکر نے معاہدہ کی پروانہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی۔ اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے جس کے جواب میں ۸ ہجری میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ تھا۔ جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس سورۃ کی مختلف آیات مختلف قبائل کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ شروع کی آیات میں غالباً ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعادی نہ تھا۔ ان کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے۔ چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو اور یا جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے۔ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔ تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔ باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا ممکن ہے انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو یہ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔

۳۔ حج کو حج اکبر اس لئے کہا کہ عمرہ حج اصغر ہے اور یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ سے دسویں تاریخ عید الاضحیٰ کا دن یا نویں تاریخ عرفہ کا دن مراد ہے۔

۴۔ **عہد شکن قبائل کے لئے کھلا اعلان:** یہ اعلان غالباً ان قبائل کے حق میں تھا۔ جنہوں نے میعادی معاہدہ کیا پھر خود ہی عہد شکنی کی (مثلاً بنی بکر یا قریش وغیرہ ہم) یعنی ایسے لوگوں سے کوئی معاہدہ اب باقی نہیں رہا۔ اگر یہ سب لوگ شرک و کفر سے توبہ کر لیں تو ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ نہیں تو خدا کا جو کچھ ارادہ ہے (تطہیر جزیرۃ العرب کا) وہ پورا ہو کر رہے گا۔ کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر و بدعہدی کی سزا مل کر رہے گی (تنبیہ) ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح کیا گیا۔ تاہم ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی اعلان عام کرایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔

۵۔ یہ استثناء ان قبائل کے لئے ہے جن کا معاہدہ میعادی تھا پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفائے عہد میں نہیں کی نہ بذات خود کوئی

کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بدعہدوں کو مدد پہنچائی (مثلاً بنی ضمرہ و بنی مدلج) ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے۔ میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں۔ اس وقت ان کے لئے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔

٦۔ مہلت کے بعد کفار کے قتل کا حکم: استثناء سے فارغ ہو کر پھر مستثنیٰ منہ کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ان عہد شکنی کرنے والوں سے اگرچہ اب کوئی معاہدہ باقی نہ رہا اور اس لئے علی الفور جنگ کی جاسکتی ہے تاہم "اشہر حرم" کی رعایت مانع ہے کہ فوراً ان پر حملہ کیا جائے خواہ اس لئے کہ اس وقت تک اشہر حرم میں ابتداءً قتال کرنا ممنوع ہوگا یا مصلحۃً کہ تھوڑی سے بات کے لئے عام لوگوں میں کیوں تشویش پیدا کی جائے کیونکہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت ان کے یہاں معروف و مسلم چلی آتی تھی۔ بہرحال ماہ محرم کے ختم تک ان کو مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندو بست کرلیں۔ اس کے بعد تطہیر جزیرۃ العرب کی خاطر جنگ سے چارہ نہیں۔ جو کچھ برتاؤ جنگ میں ہوتا ہے (مارنا، پکڑنا، گھیرنا، داؤ لگانا، گھات میں رہنا) وہ سب ہوگا البتہ اگر بظاہر کفر سے توبہ کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں جس کی بڑی علامت نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے تو پھر مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے اور ان کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں۔ رہا باطن کا معاملہ وہ خدا کے سپرد ہے مسلمانوں کا معاملہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان اس کا راستہ روک سکتے ہیں۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارک صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے۔ (امام احمدؒ کے نزدیک ردۃً اور مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک حداً و تعزیراً) امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زدوکوب کرے اور قید میں رکھے حتیٰ یموت اویتوب (حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کرے) بہرحال تخلیہ سبیل کسی کے نزدیک نہیں۔ رہے مانعین زکوٰۃ ان کے اموال میں سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آمادہ پیکار ہوں تو راہ راست پر لانے کے لئے جنگ کی جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ پر جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔

وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝٦ ع ١

٦۔ اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیدے یاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا پھر پہنچا دے اسکو اسکی امن کی جگہ یہ اس واسطے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے [٧]

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ‌ ۚ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝٧

٧۔ کیونکر ہووے مشرکوں کے لئے عہد اللہ کے نزدیک اور اسکے رسول کے نزدیک مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجد حرام کے پاس سو جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے

كَيۡفَ وَ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَ تَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَ اَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۚ‏ ﴿۸﴾

۸۔ کیونکر رہے صلح اور اگر وہ تم پر قابو پائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا اور نہ عہد کا تم کو راضی کر دیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے اور انکے دل نہیں مانتے اور اکثر ان میں بد عہد ہیں[۸]

اِشۡتَرَوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ‏ ﴿۹﴾

۹۔ بیچ ڈالے انہوں نے اللہ کے حکم تھوڑی قیمت پر پھر روکا اس کے رستہ سے برے کام ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں[۹]

لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ‏ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ نہیں لحاظ کرتے کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا اور نہ عہد کا اور وہی ہیں زیادتی پر[۱۰]

فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ‏ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ سو اگر توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شریعت میں [۱۱] اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں حکموں کو جاننے والے لوگوں کے واسطے

۷۔ کفار کو پناہ دینے کا حکم: پہلے فرمایا تھا کہ اگر اپنی کفریات سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائیں تو مامون ہیں۔ ممکن تھا کہ کسی شخص کو اصول سلام سے آگاہی نہ ہو وہ تحقیق و رفع شکوک کی غرض سے مسلمانوں کے پاس آنا چاہے، اس کی نسبت فرمادیا کہ اپنی پناہ اور حفاظت میں لے کر خدا کا کلام اور اسلام کے حقائق و دلائل سناؤ۔ اگر قبول نہ کرے تو اس کو قتل مت کرو بلکہ کہیں ٹھکانے پر امن کی جگہ پہنچا دو جہاں پہنچ کر وہ مامون و مطمئن ہو جائے۔ اس کے بعد وہ سب کافروں کے برابر ہے۔ یہ امن دینے کا حکم اس لئے ہے کہ اسلامی اصول و حقائق سے ان لوگوں کو آگاہی نہیں ہے۔ لہذا ان کے سامنے حق خوب طرح واضح کر دینا چاہئے۔ اگر اس کے بعد بھی عناد برتے تو قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ۔۲۵۶) کے بعد دین میں کوئی اکراہ نہیں۔

۸۔ بد عہدوں کا معاملہ: پچھلی آیات میں جو براءۃ کا اعلان کیا گیا تھا، یہاں اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ان مشرکین عرب سے کیا عہد قائم رہ سکتا ہے اور آئندہ کیا صلح ہو سکتی ہے جن کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا قابو تم پر حاصل کر لیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا مطلق لحاظ کریں اور نہ قول و قرار کا۔ چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے اس لئے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد پر راضی نہیں ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش

کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ غدار اور بدعہد ہیں اگر کوئی اکا دکا وفائے عہد کا خیال بھی کرتا ہے تو کثرت کے مقابلہ میں اس کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بہر حال ایسی دغاباز بد عہد قوم سے خدا اور رسول کا کیا عہد ہو سکتا ہے۔ البتہ جن قبائل سے تم بالخصوص مسجد حرم کے پاس معاہدہ کر چکے ہو سو تم ابتداء کر کے نہ توڑو۔ جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر سیدھے چلیں تم بھی ان سے سیدھے رہو اور بڑی احتیاط رکھو کہ کوئی حقیر سے حقیر بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے داغدار ہو۔ خدا کو وہ ہی لوگ محبوب ہیں جو پوری احتیاط کرتے ہیں۔ چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے بدعہدی نہ کی تھی۔ مسلمانوں نے نہایت دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اعلان براءۃ کے وقت ان کے معاہدہ کی میعاد منقضہ ہونے میں نو مہینے باقی تھے۔ ان میں معاہدہ کی کامل پابندی کی گئی۔

۹۔ یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی تھوڑی سی طمع اور اپنی اغراض و اہواء کی خاطر خدا کے احکام و آیات کو رد کر دیا۔ اس طرح خود بھی خدا کے رستہ پر نہ چلے اور دوسروں کو بھی چلنے سے روکا۔ جو ایسے بدترین اور نالائق کاموں میں پھنسے ہوں اور خدا سے نہ ڈریں وہ عہد شکنی کے وبال سے کیا ڈریں گے اور اپنے قول و قرار پر کیا قائم رہیں گے۔

۱۰۔ یعنی کچھ تمہارے ہی ساتھ ہیں بلکہ مسلمان نام سے ان کو بیر ہے۔ کوئی مسلمان ہو موقع پانے پر اس کو نقصان پہنچانے کے لئے سب تعلقات قرابت اور قول و قرار اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اس بارہ میں ان کی ظلم و زیادتی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔

۱۱۔ کفار اگر توبہ کر لیں تو تمہارے بھائی ہیں: یعنی اب بھی اگر کفر سے توبہ کر کے احکام دینیہ (نماز زکوٰۃ وغیرہ) پر عمل پیرا ہوں تو نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لئے محفوظ و مامون ہو جائیں گے بلکہ اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے دوسرے مسلمان مستحق ہیں۔ جو کچھ بدعہدیاں اور شرارتیں پہلے کر چکے ہیں سب معاف کر دی جائیں گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ جو فرمایا کہ بھائی ہیں حکم شریعت میں۔ اس سے سمجھ لیں کہ جو شخص قرائن سے معلوم ہو کہ ظاہر میں مسلمان ہے اور دل سے یقین نہیں رکھتا اس کو حکم ظاہری میں مسلمان گنیں مگر معتمد اور دوست نہ بنائیں۔

وَ اِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَ طَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَـئِمَّةَ الۡـكُفۡرِ‌ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ۝۱۲

۱۲۔ اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے بیشک انکی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آئیں [۱۲]

اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ‌ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۳

۱۳۔ کیا نہیں لڑتے ایسے لوگوں سے جو توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے کیا تم ان سے ڈرتے ہو سو اللہ کا ڈر چاہئے تم کو زیادہ اگر تم ایمان رکھتے ہو [۱۳]

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ لڑو ان سے تا عذاب دے اللہ انکو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل مسلمانوں کے

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور نکالے ان کے دل کی جلن اور اللہ توبہ نصیب کرے گا جس کو چاہے گا[۱۴] اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے[۱۵]

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع

۱۶۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے اور نہیں پکڑا انہوں نے سوا اللہ کے اور اسکے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی اور اللہ کو خبر ہے جو تم کر رہے ہو[۱۶]

ع ۸/۲

۱۲۔ بد عہد کفار سے قتال: یعنی اگر عہد و پیمان توڑ ڈالا (جیسے بنی بکر نے خلاف عہد خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے حملہ آوروں کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئے بلکہ دین حق کے متعلق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہے تو سمجھ لو کہ اس طرح کے لوگ "ائمۃ الکفر" (کفر کے سردار اور امام) ہیں۔ کیونکہ ان کی حرکات دیکھ کر اور باتیں سن کر بہت سے کجرو اور بیوقوف پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ایسے سرغنوں سے پورا مقابلہ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمان باقی نہیں رہا۔ ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت و سرکشی سے باز آ جائیں۔

۱۳۔ قریش نے قسمیں اور معاہدے توڑ دیے تھے کیونکہ خلاف عہد خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کی اور ہجرت سے پہلے پیغمبر علیہ السلام کو وطن مقدس (مکہ معظمہ) سے نکالنے کی تجاویز سوچیں۔ اور وہ ہی نکلنے کا سبب بنے اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ (توبہ۔ ۴۰) مکہ میں بے قصور مسلمانوں پر بیٹھے بٹھائے مظالم کی ابتداء کی۔ جب ابو سفیان کا تجارتی قافلہ بچ نکلا تو از راہ نخوت و رعونت بدر کے میدان میں مسلمانوں سے جنگ کی چھیڑ کرنے کے لئے گئے اور صلح حدیبیہ کے بعد بھی اپنی جانب سے عہد شکنی کی ابتداء کی کہ مسلمانوں کے حلیف خزاعہ کے مقابلہ پر بنو بکر کی پیٹھ ٹھونکتے رہے اور اسلحہ وغیرہ سے ان کی امداد کرتے رہے۔ آخر کار مسلمان ان سے لڑے اور مکہ معظمہ کو مشرکین کے قبضہ سے پاک کیا اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا الخ سے غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو کوئی قوم اس طرح کے احوال رکھتی ہو اس سے جنگ کرنے میں مسلمانوں کو کسی وقت کچھ تامل نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ان کی طاقت و جمعیت اور ساز و سامان کا خوف ہو تو مومنین کو سب سے بڑھ کر خدا کا خوف ہونا چاہئے۔ خدا کا ڈر جب دل میں آ جائے پھر سب ڈر نکل جاتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ خدا کی نافرمانی سے ڈرے اور اس کے قہر و غضب سے لرزاں و ترساں رہے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی مخلوق ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر بدون اس کی مشیت کے قادر نہیں۔

۱۴۔ مشروعیت جہاد کی حکمت: اس آیت میں مشروعیت "جہاد" کی اصلی حکمت پر متنبہ فرمایا۔ قرآن کریم میں اقوام ماضیہ کے جو قصے بیان فرمائے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاءؑ کی تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جاتی تھی تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب ان پر نازل کیا جاتا تھا جس سے ان کے سارے مظالم اور کفریات کا دفعۃً خاتمہ ہو جاتا تھا۔ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (عنکبوت۔ ۴۰) کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اقسام بہت سخت مہلک اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرتناک تھیں۔ لیکن ان صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت و رسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا اور نہ آئندہ کے لئے توبہ و رجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا۔ مشروعیت جہاد کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ مکذبین و متعنتین کو حق تعالیٰ بجائے بلا واسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص وفادار بندوں کے ہاتھ سے سزا دلوائے سزا دہی کی اس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے وفادار بندوں کا نصرت و غلبہ علانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر و ناتواں سمجھ کر ظلم و ستم اور استہزاء و تمسخر کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھے، آج خدا کی تائید و رحمت سے انہی کے رحم و کرم یا عدل و انصاف پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ کفر و باطل کی شوکت و نمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف و مظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل ہی دل میں غیظ کھا کر چپ ہو رہتے تھے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے ان کے قلوب تسکین پاتے تھے اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی سزا دہی کا یہ طریقہ نسبۃً زیادہ نافع ہے کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی رجوع و توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے چنانچہ حضور پر نور ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الٰہی کا حلقہ بگوش بن گیا۔

۱۵۔ یعنی ہر ایک کی حالت کو جان کر حکمت کا معاملہ کرتا ہے اور ہر زمانہ میں اس کے مناسب احکام بھیجتا ہے۔

۱۶۔ جہاد کی ایک اور حکمت: مشروعیت جہاد کی یہاں ایک اور حکمت بیان فرمائی۔ یعنی ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کرنے والے تو بہت ہیں لیکن امتحان کی کسوٹی پر جب تک کسا نہ جائے کھرا اور کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔ جہاد کے ذریعہ سے خدا دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان و مال نثار کرنے کو تیار ہیں اور خدا اور رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ یہ معیار ہے جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر عمل بھی جو کچھ کیا جائے اس کی خبر خدا کو ہے کہ صدق و اخلاص سے کیا یا نمود و ریا سے جیسا عمل ہو گا ادھر سے اسی کے موافق پھل ملے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں اور تسلیم کر رہے ہوں اپنے اوپر کفر کو وہ لوگ خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ

اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓـئِكَ اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور دیتا رہا زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے سو امیدوار ہیں وہ لوگ کہ ہوویں ہدایت والوں میں [۱۷]

۱۷۔ مساجد کی آبادی کا مفہوم: پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان بدون امتحان کے یونہی نہیں چھوڑے جا سکتے، بلکہ بڑے بڑے عزائم اعمال (مثلاً جہاد وغیرہ) میں ان کی ثابت قدمی دیکھی جائے گی اور یہ کہ تمام دنیا کے تعلقات پر کس طرح خدا اور رسول کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں اس رکوع میں یہ بتلایا کہ خدا کی مساجد (عبادت گاہیں) حقیقۃً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں۔ مساجد کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ ان میں خدائے واحد کی عبادت اس کی شان کے لائق ہو۔ "ذکر اللہ" کرنے والے کثرت سے موجود ہوں جو بے روک ٹوک خدا کو یاد کریں۔ لغویات و خرافات سے ان پاک مقامات کو محفوظ رکھا جائے۔ یہ مقصد کفار و مشرکین سے کب حاصل ہو سکتا ہے؟ دیکھئے مشرکین مکہ بڑے فخر سے اپنے کو "مسجد حرام" کا متولی اور خادم کہتے تھے۔ مگر ان کی بڑی خدامت گذاری یہ تھی کہ پتھر کی سینکڑوں مورتیاں کعبہ میں رکھ چھوڑی تھیں ان ہی کی نذر و نیاز کرتے اور منتیں مانتے تھے۔ بہت سے لوگ ننگے طواف کرتے تھے، ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور خدائے واحد کے سچے پرستاروں کو وہاں تک پہنچنے کی اجازت نہ دیتے تھے لے دے کر ان کی بڑی عبادت یہ تھی کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیل لگا دی یا حرم شریف میں چراغ جلا دیا۔ یا کعبہ پر غلاف چڑھایا یا کبھی ضرورت ہوئی تو شکست و ریخت کی مرمت کرا دی مگر یہ اعمال محض بے جان اور بے روح تھے۔ کیونکہ مشرک کو جب خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں تو کسی عمل میں اس کا قبلہ توجہ اور مرکز اخلاص خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات منبع الکمالات نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے کافر کا کوئی عمل خدا کے نزدیک زندہ اور معتدبہ عمل نہیں ہے (اسی کو حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ سے تعبیر فرمایا) الغرض کفار و مشرکین جو اپنے حال و قال سے اپنے کفر و شرک پر ہر وقت شہادت دیتے رہتے ہیں، اس لائق نہیں کہ ان سے مساجد اللہ خصوصًا مسجد حرام کی حقیقی تعمیر (آبادی) ہو سکے یہ کام صرف ان لوگوں کا ہے جو دل سے خدائے واحد اور آخری دن پر ایمان لا چکے ہیں جوارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں، اموال میں سے باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اسی لئے مساجد کی صیانت و تطہیر کی خاطر جہاد کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ایسے مومنین جو دل زبان ہاتھ پاؤں، مال و دولت ہر چیز سے خدا کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ان کا فرض منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔

اَجَعَلۡتُمۡ سِقَايَةَ الۡحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ كَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ رستہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو [۱۸]

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ
اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ جو ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے ان کے لئے بڑا درجہ ہے اللہ کے ہاں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ
لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴿۲۱﴾

۲۱۔ خوشخبری دیتا ہے انکو پروردگار انکا اپنی طرف سے مہربانی کی اور ضامندی کی اور باغوں کی کہ جن میں انکو آرام ہے ہمیشہ کا

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ رہا کریں ان میں مدام بیشک اللہ پاس بڑا ثواب ہے [۱۹]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ
اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اے ایمان والو مت پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان سے اور جو تم میں انکی رفاقت کرے سو وہی لوگ ہیں گنہگار [۲۰]

۱۸۔ سب سے افضل عمل ایمان باللہ اور جہاد: مشرکین مکہ کو اس پر بڑا فخر و ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے انہیں پانی پلاتے کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا کسوۃ کعبہ یا تیل بتی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت عباسؓ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں اسی طرح کی بحث کی تھی، بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ چند مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ میرے نزدیک اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں۔ دوسرے نے کہا میرے خیال میں اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے (مثلاً جھاڑو دینا روشنی وغیرہ کرنا) تیسرا بولا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل و اشرف ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹا کہ تم "جمعہ" کے وقت منبر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے پاس بیٹھ کر اس طرح بحثیں کر رہے ہو۔ ذرا صبر کرو۔ جب حضور جمعہ سے فارغ ہو جائیں گے آپ سے یہ چیز دریافت کر لی جائے گی۔ چنانچہ جمعہ کے بعد حضور سے سوال کیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا (افضل ہونا تو کجا؟) یہاں جہاد کے ساتھ ایمان باللہ کا ذکر یا تو اس لئے کیا کہ مشرکین کے فخر و غرور کا جواب بھی ہو جائے کہ تمام عبادات کی روح ایمان باللہ ہے، اس روح کے

بدون پانی پلانا یا مسجد حرام کی خدمت کرنا محض مردہ عمل ہے تو یہ بے جان اور مردہ عمل ایک زندہ جاوید عمل کی برابری کیسے کر سکتا ہے۔ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ (فاطر۔ ٢٢) اور اگر صرف مومنین کے اعمال کا باہمی موازنہ کرنا ہے تو ایمان باللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کی تمہید کے طور پر ہوگا۔ اصل مقصود جہاد وغیرہ عزائم اعمال کی افضلیت کو بیان فرمانا ہے۔ ایمان کے ذکر سے تنبیہ فرمادی کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا کوئی عمل ایمان کے بغیر ہیچ اور لاشے محض ہے۔ ان عزائم اعمال (جہاد و ہجرت وغیرہ) کا تقویم بھی ایمان باللہ سے ہوتا ہے اور اس نکتہ کو وہ ہی لوگ سمجھتے ہیں جو فہم سلیم رکھتے ہوں۔ ظالمین (بے موقع کام کرنے والوں) کی ان حقائق تک رسائی نہیں ہوتی۔

١٩۔ ایمان جہاد اور ہجرت کے انعامات: یعنی اس کے یہاں ثواب اور درجات کی کیا کمی ہے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے۔ پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا۔ ایمان، جہاد، ہجرت ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی۔ رحمت، رضوان، خلود فی الجنۃ۔ ابو حیان نے لکھا ہے "رحمت" "ایمان پر مرتب ہے۔ ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اور "رضوان" (جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے) جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی خطوط و تعلقات ترک کر کے خدا کے رستہ میں جان و مال نثار کرتا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہئے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضاء کا مقام ہے۔ باقی ہجرت وہ خدا کے لئے وطن مالوف اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لئے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا۔ جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش و راحت سے رہنا ہوگا جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

٢٠۔ پچھلی آیات میں بتلایا تھا کہ جہاد و ہجرت اعظم و افضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں خویش و اقارب، کنبہ اور برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے فرمادیا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے۔ ایک مومن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ ان سے رفاقت اور دوستی کا دم بھرے حتّٰی کہ یہ تعلقات اس کو جہاد و ہجرت سے مانع ہو جائیں ایسا کرنے والے گنہگار بن کر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۣاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ ع ٣ ٩

٢٤۔ تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جسکے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جنکو پسند کرتے ہو تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اسکے رسول سے اور لڑنے سے اسکی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو[٢١]

٢١۔ جہاد کی اہمیت اور ضرورت: یعنی اگر خدا اور رسول کے احکام کا امتثال اور ہجرت یا جہاد کرنے سے یہ خیال مانع ہو کہ کنبہ برادری چھوٹ جائے

گی اموال تلف ہوں گے، تجارت مندی پڑ جائے گی یا بند ہو جائے گی۔ آرام کے مکانوں سے نکل کر بے آرام ہونا پڑے گا تو پھر خدا کی طرف سے حکم سزا کا انتظار کرو۔ جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے۔ جو لوگ مشرکین کی موالات یا دنیوی خواہشات میں پھنس کر احکام الٰہیہ کی تعمیل نہ کریں ان کو حقیقی کامیابی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نکل نہ سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ۔

لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىۡ مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ ۙ وَّيَوۡمَ حُنَيۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّ ضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ ۚ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر

ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں کہ جنکو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں کو اور یہ سزا ہے منکروں کی [۲۲]

ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر توبہ نصیب کرے گا اللہ اس کے بعد جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۲۳]

۲۲۔ غزوہ حنین میں مسلمانوں کی مدد: "پچھلی آیت میں تنبیہ کی گئی تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مومنین کو کنبہ، برادری، اموال و املاک وغیرہ کسی چیز پر نظر نہ ہونی چاہئے یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت و کثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہئے۔ نصرت و کامیابی اکیلے خدا کی مدد سے ہے۔ جس کا تجربہ پیشتر بھی بہت سے میدانوں میں تم کر چکے ہو۔ بدر، قریظہ و نضیر اور حدیبیہ وغیرہ میں جو کچھ نتائج رونما ہوئے، وہ محض امداد الٰہی و تائید غیبی کا کرشمہ تھا۔ اور اب اخیر میں غزوہ حنین کا واقعہ تو ایسا صریح اور عجیب و غریب نشان آسمانی نصرت و امداد کا ہے جس کا اقرار سخت معاند دشمنوں تک کو کرنا پڑا ہے۔ فتح مکہ کے بعد فوراً آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن و ثقیف وغیرہ بہت سے قبائل عرب نے ایک لشکر جرار تیار کر کے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مہاجرین و انصار کی فوج گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کے لئے مدینہ سے ہمراہ آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کر دیا۔ دو ہزار طلقاء بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے

تھے آپ کے ہمراہ تھے یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان جہاد میں نکلے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ مردان توحید کی زبان سے نکلنا "بارگاہ احدیت" میں ناپسند ہوا۔ ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں لشکر مقابل ہو گئے۔ فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں بچوں کو ساتھ لے کر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے پوری تیاری سے نکلے تھے۔ اونٹ، گھوڑے، مواشی اور گھروں کا کل اندوختہ کوڑی کوڑی کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تھے۔ ہوازان کا قبیلہ تیر اندازی کے فن مین سارے عرب میں شہرت رکھتا تھا۔ اس کے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ صحیحین میں براء بن عازب کی روایت ہے کہ پہلے معرکہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی، وہ بہت سامال چھوڑ کر پسپا ہو گئے یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ اول طلقاء میں بھاگڑ پڑی۔ آخر سب کے پاؤں اکھڑ گئے، زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی حضور پر نور ﷺ مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نرغہ میں تھے۔ ابوبکر، عمر، عباس علی، عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً سواسی صحابہ بلکہ بعض اہل سیر کی تصریح کے موافق کل دس نفوس قدسیہ (عشرہ کاملہ) میدان جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے۔ یہ خاص موقع تھا جبکہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت و توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک محیر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا آپ سفید خچر پر سوار ہیں عباس ایک رکاب ابوسفیان بن الحارث دوسری رکاب تھامے ہوئے ہیں۔ چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے، ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ ساتھی منتشر ہو چکے ہیں۔ مگر رفیق اعلیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ ربانی تائید آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپ پر اور آپ کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے۔ جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے جدھر سے ہوازن و ثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے آپ کی سواری کا منہ اس وقت بھی اسی طرف ہے ادھر ہی آگے بڑھنے کے لئے خچر کو مہمیز کر رہے ہیں۔ دل سے خدا کی طرف لو لگی ہے اور زبان پر نہایت استغناء واطمینان کے ساتھ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ جاری ہے۔ یعنی بیشک میں سچا پیغمبر ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد ہوں اسی حالت میں آپ نے صحابہ کو آواز دی اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ خدا کے بندو! ادھر آؤ۔ یہاں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر آپ کی ہدایت کے موافق حضرت عباس نے (جو نہایت جہیر الصوت تھے) اصحاب سمرۃ کو پکارا جنہوں نے درخت کے نیچے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی۔ آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ بھاگنے والوں نے سواریوں کا رخ میدان جنگ کی طرف پھیر دیا۔ جس کے اونٹ نے رخ بدلنے میں دیر کی وہ گلے میں زرہ ڈال کر اونٹ سے کود پڑا اور سواری چھوڑ کر حضور ﷺ کی طرف لوٹا۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر لشکر کفار کی طرف پھینکیں جو خدا کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑی۔ ادھر حق تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں بھیج دیں جن کا نزول غیر مرئی طور پر مسلمانوں کی تقویت و ہمت افزائی اور کفار کی مرعوبیت کا سبب ہوا۔ پھر کیا تھا۔ کفار کنکریوں کے اثر سے آنکھیں ملتے رہے، جو مسلمان قریب تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ آناً فاناً میں مطلع صاف ہو گیا بہت سے بھاگے ہوئے مسلمان لوٹ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا لڑائی ختم ہو چکی۔ ہزاروں قیدی آپ کے سامنے بندھے کھڑے ہیں اور مال غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ (یٰس۔ ۸۳) اس طرح کافروں کو دنیا میں سزا دی گئی۔

۲۳۔ غزوہ حنین میں مسلمانوں کی مدد: چنانچہ ہوازن وغیرہ کو اس کے بعد توبہ نصیب ہوئی اور اکثر مسلمان ہو گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اے ایمان والو مشرک جو ہیں سو پلید ہیں سو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد[۲۴] اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آئندہ غنی کردے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے[۲۵]

۲۴۔ حدود حرم میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت: جب حق تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا صدر مقام (مکہ معظمہ) فتح کرا دیا اور قبائل عرب جوق جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب ۹ ہجری میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ ان کے قلوب شرک و کفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ اس سب سے بڑے مقدس مقام اور مرکز توحید ایمان میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ اس کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب کے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ حکم عملاً نافذ ہوا۔ اب بطور استیلاء یا توطن کفار کے وہاں رہنے پر مسلمانوں کو رضامند ہونا جائز نہیں۔ بلکہ تطہیر جزیرۃ العرب بقدر استطاعت ان کا فریضہ ہے۔ ہاں حنفیہ کے نزدیک کوئی کافر مسافرانہ عارضی طور پر امام کی اجازت سے وہاں جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ امام اتنی اجازت دینا خلاف مصلحت نہ سمجھے۔ باقی حج و عمرہ کی غرض سے داخل ہونے کی کسی کافر کو اجازت نہیں۔ کما ورد فی الحدیث اَلَا لَا یُحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ۔

۲۵۔ حرم میں مشرکین کی آمد و رفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ اور جو سامان تجارت یہ لوگ لاتے تھے وہ نہیں آئے گا۔ اس لئے تسلی کر دی کہ اس سے مت گھبراؤ، تم کو غنا عطا فرمانا محض اس کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ چاہے گا تو کچھ دیر نہ لگے گی۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ خدا نے سارا ملک مسلمان کر دیا۔ مختلف بلاد و امصار سے تجارتی سامان آنے لگا۔ بارشیں خوب ہوئیں جس سے پیداوار بڑھ گئی، فتوحات و غنائم کے دروازے کھول دیے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقوم وصول ہونے لگیں، غرض مختلف طرح سے حق تعالیٰ نے اسباب غناء جمع کر دیے۔ بیشک خدا کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

۲۹۔ لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اسکو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اسکے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر[۲۶]

ع ۵/۴ ۱۰

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى
الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ
يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ
اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے [۲۷] اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی [۲۸] ہلاک کرے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں [۲۹]

۲۶۔ اہل کتاب پر جزیہ کا حکم: جب مشرکین کا قصہ پاک ہو گیا اور ملکی سطح ذرا ہموار ہوئی تو حکم ہوا کہ "اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی قوت و شوکت کو توڑو مشرکین کے وجود سے تو بالکل عرب کو پاک کر دینا مقصود تھا لیکن یہود و نصاریٰ کے متعلق اس وقت صرف اسی قدر مطمع نظر تھا کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں زور نہ پکڑیں اور اس کی اشاعت و ترقی کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ اس لئے اجازت دی گئی کہ اگر یہ لوگ ماتحت رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں تو کچھ مضائقہ نہیں، قبول کر لو، پھر حکومت اسلامیہ ان کے جان و مال کی محافظ ہو گی، ورنہ ان کا علاج بھی وہ ہی ہے جو مشرکین کا تھا۔ (یعنی مجاہدانہ قتال) کیونکہ یہ بھی اللہ اور یوم آخرت پر جیسا چاہئے ایمان نہیں رکھتے نہ خدا اور سول کے احکام کی کچھ پروا کرتے ہیں رسول کریم ﷺ کی تو کجا اپنے تسلیم کردہ نبی حضرت مسیحؑ کی سچی پیروی نہیں کرتے، محض اہواء و آراء کا اتباع کرتے ہیں، جو سچا دین پہلے آیا یعنی حضرت مسیحؑ وغیرہ کے زمانہ میں، اور جو اب نبی آخر الزماں ﷺ لے کر آئے، کسی کے قائل نہیں۔ بلکہ جیسا کہ عنقریب آتا ہے ان کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ خدا کا روشن کیا ہوا چراغ اپنی پھونکوں سے گل کر دیں۔ ایسے بد باطن نالائقوں کو اگر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو ملک میں فتنہ و فساد اور کفر و تمرد کے شعلے برابر بھڑکتے رہیں گے۔

۲۷۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی ابنیت کا دعویٰ: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ عام یہود کا نہ تھا۔ اور زمانہ مابعد میں تو بعض علماء نے لکھا ہے اب کوئی یہودی اس عقیدہ کا باقی نہیں رہا۔ اگر عہد نبوی ﷺ میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس وقت یہود قرآن کی حکایت کی تغلیط کرتے جیسا کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کو سن کر عدی بن حاتم نے اعتراض کیا تھا کہ احبار و رہبان کو رب تو کوئی نہیں مانتا اس کا جواب نبی کریم ﷺ نے دیا جو آگے آتا ہے۔ پس ابنیت عزیر کے عقیدہ کا ان کی طرف نسبت کرنا اور ان کا اعتراض و انکار کہیں منقول نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ ضرور اس وقت اس خیال کے لوگ موجود تھے۔ ہاں جیسے مرور دہور سے بہت سے مذاہب اور فرقے مٹ مٹا گئے، وہ بھی نابود ہو گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔ باقی ہم سے ایک نہایت ثقہ بزرگ (حاجی امیر شاہ خاں مرحوم) نے بیان کیا کہ سیاحت فلسطین وغیرہ کے دوران میں مجھے بعض یہود اس خیال کے ملے جن کو اسی عقیدہ کی نسبت سے عزیری کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۸۔ یعنی ابنیت یا الوہیت مسیح وغیرہ کا عقیدہ پرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے۔ بلکہ ان ہی کی تقلید میں یہ اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کے فوائد میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

۲۹۔ یعنی خدا ان کو غارت کرے توحید کی صاف اور تیز روشنی پہنچنے کے بعد کدھر اندھیرے میں چلے جا رہے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا
لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر[۳۰] اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی اور انکو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک معبود کی کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى
اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ چاہتے ہیں کہ بجھادیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور اللہ نہ رہے گا بدون پورا کئے اپنی روشنی کے اور پڑے برا مانیں کافر[۳۱]

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا مانیں مشرک[۳۲]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ
الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ
يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ
الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اے ایمان والو بہت سے عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے[۳۳] اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسکو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو انکو خوشخبری سنادے عذاب دردناک کی[۳۴]

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا
جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ
لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب چکھو مزا اپنے گاڑھنے کا[۳۵]

۳۰۔ اہل کتاب کے علماء مشائخ کا حال: ان کے علماء مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بنا دیتے خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہہ دیتے اسی کو سند سمجھتے کہ بس خدا کے ہاں ہم کو چھٹکارا ہو گیا۔ کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا محض احبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے۔ اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا۔ جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکور ہے۔ پس جو منصب خدا کا تھا (یعنی حلال و حرام کی تشریح) وہ علماء مشائخ کو دے دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرالیا۔ نبی کریم ﷺ نے عدی بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے اور حضرت حذیفہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے۔ جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہا، یا طمع وغیرہ سے کہا، پھر سند نہیں"۔

۳۱۔ اسلام کا غلبہ وعدہ: یعنی توحید خالص اور اسلام کا آفتاب جب چمک اٹھا پھر یہ دوغلی باتیں اور مشرکانہ دعاوی کہاں فروغ پا سکتے ہیں۔ یہ کوشش کہ بے حقیقت اور بے مغز باتیں بنا کر اور فضول بحث و جدل کر کے نور حق کو مدھم کر دیں، ایسی ہے کہ کوئی بے وقوف منہ سے پھونکیں مار کر چاند یا سورج کی روشنی کو بجھانا اور ماند کرنا چاہے یاد رکھو خواہ یہ کتنے ہی جلیں مگر خدا نور اسلام کو پوری طرح پھیلا کر رہے گا۔

۳۲۔ اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہو گا جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے، یہ نزول مسیحؑ کے بعد قریب قیامت کے ہونے والا ہے۔

۳۳۔ اہل کتاب کے علماء کی بے دینی: یعنی روپیہ لے کر احکام شرعیہ اور اخبار الٰہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ ادھر عوام الناس نے انہیں جیسے پہلے گذرا خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے۔ جو کچھ غلط سلط کہہ دیں وہ ہی ان کے نزدیک حجت ہے۔ اس طرح یہ علماء و مشائخ نذرانے وصول کرنے، ٹکے بٹورنے اور اپنی سیادت و ریاست قائم رکھنے کے لئے عوام کو مکر و فریب کے جال میں پھنسا کر راہ حق سے روکتے رہتے ہیں۔ کیونکہ عوام اگر ان کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کر لیں تو ساری آمدنی بند ہو جائے۔ یہ حال مسلمانوں کو سنایا تاکہ متنبہ ہو جائیں کہ امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب و بے راہ ہونا اور اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ہے علماء مشائخ اور اغنیاء و رؤسا۔ ان میں سے دو کا ذکر تو ہو چکا۔ تیسری جماعت (رؤسا) کا آگے آتا ہے۔ ابن المبارکؒ نے خوب فرمایا وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الملوكُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا۔

۳۴۔ جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوٰۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں) ان کی یہ سزا ہے تو اسی سے ان احبار و رہبان کا انجام معلوم کر لو جو حق کو چھپا کر یا بدل کر روپیہ بٹورتے ہیں۔ اور ریاست قائم رکھنے کی حرص میں عوام کو خدا کے راستہ سے روکتے پھرتے ہیں۔ بہر حال دولت وہ اچھی ہے جو آخرت میں وبال نہ بنے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا

۳۶۔ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین ان میں چار مہینے ہیں ادب کے یہی ہے سیدھا دین[۳۶] سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے[۳۷]

يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا
عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ
سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ ع ۵ ٨ ١١

٣٧۔ یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے سو بڑھائی ہوئی بات ہے کفر کے عہد میں گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر حلال کر لیتے ہیں اُس مہینہ کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں دوسرے برس تاکہ پوری کر لیں گنتی ان مہینوں کی جو اللہ نے ادب کے لئے رکھے ہیں پھر حلال کر لیتے ہیں جو مہینہ کہ اللہ نے حرام کیا بھلے کر دیئے گئے انکی نظر میں ان کے برے کام اور اللہ راستہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو [٣٨]

٣٦۔ اشہر حرم اور نسی کی رسم: میرے نزدیک اوپر سے سلسلہ مضمون کا یوں ہے کہ گذشتہ رکوع میں مشرکین کے بعد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ پھر رکوع حاضر کے شروع میں بتلایا کہ ان کے عقائد اور طور و طریق بھی مشرکین سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کا عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین "ملائکۃ اللہ" کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، بلکہ نصاریٰ میں "ابنیت مسیح" کا عقیدہ مشرکین کی تقلید سے آیا ہے۔ وہ بتوں کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں، انہوں نے مسیح و روح القدس کو خدا اٹھہرالیا۔ باوجود دعوئے کتاب کے احبار و رہبان کے احکام کو شریعت الٰہیہ کا بدل تجویز کر لیا۔ یعنی احبار و رہبان رشوتیں لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو حلال یا حرام کر دیتے، احکام سماوی کی جگہ ان ہی کو قبول کر لیا جاتا۔ ان کا یہ طریقہ ٹھیک مشرکین کے طریقہ سے مشابہ ہے۔ ان کے سرکردہ بھی جس چیز کو چاہتے حلال و حرام ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت کر دیتے تھے جس کا ذکر "انعام" میں مفصل گذر چکا، اور یہاں بھی اس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے "اشہر حرم" خاص ادب و احترام کے مہینے ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب۔ ان میں خونریزی اور جدال و قتال قطعًا بند کر دیا جاتا تھا۔ حج و عمرہ اور تجارتی کاروبار کے لئے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا تھا۔ بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ "اشہر حرم" قرار دئے گئے تھے۔ اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئ اور باہمی جدال و قتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا، تو "نسی" کی رسم نکالی۔ یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کے تعین میں حسب خواہش ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیرؒ کی تحقیق کے موافق "نسی" (مہینہ آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی۔ اور اس کی وہ ہی صورت تھی جو اوپر مزکور ہوئی۔ امام مغازی محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی "قلمس" کنانی تھا۔ پھر اس کی اولاد در اولادیوں ہی ہوتا چلا آیا۔ آخر میں اسی کی نسل سے "ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ امسال محرم اشہر حرم میں داخل رہے گا یا صفر۔ اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا۔

اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ گویا عہد جاہلیت میں کافروں کے کفر و گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کی خدا کے حلال یا حرام کئے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہوں نے تحلیل و تحریم کی باگ طامع اور غرض پرست احبار و رہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ دونوں جماعتوں کی مشابہت ظاہر کرنے کے لئے "نسی" کی رسم کا یہاں ذکر کیا گیا اور اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰہِ الخ اس کی رد کی۔

تمہید ہے۔ یعنی آج سے نہیں۔ جب سے آسمان و زمین پیدا کئے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں جن میں سے چار اشہر حرم (ادب کے مہینے) ہیں۔ جن میں گناہ و ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ ہی سید ھا دین (ابراہیمؑ کا) ہے۔

۳۷۔ اشہر حرم میں جہاد کا مسئلہ: "حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے۔ چنانچہ "غزوہ تبوک" جس کا آگے ذکر آتا ہے ماہ رجب میں ہوا اور آپس میں ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے۔ ان مہینوں میں زیادہ۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہی ہے لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اس سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔

۳۸۔ یعنی برے کام کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔ جب سمجھ الٹ جائے تو بھلائی کا رستہ کہاں ملے۔ اس آیت میں جو رسم نسی کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل گذشتہ آیت کے فوائد زیر آیت ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ گذر چکی۔ (تنبیہ) بعض اقوام جو اپنے مہینوں کا حساب درست رکھنے کے لئے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال بڑھاتی ہیں وہ نسی میں داخل نہیں۔ اور بعض اکابر سلف سے جو نسی کے تحت میں یہ منقول ہے کہ عرب جاہلیت میں سال کے مہینوں کا عدد بدل ڈالتے تھے، مثلاً بارہ کے چودہ مہینے بنا لئے یا حساب میں ایسی گڑبڑی کی کہ جو ذوالقعدہ تھا وہ ذوالحجہ بن گیا۔ حتیٰ کہ ۹ ہجری میں ابو بکرؓ کا حج بھی ان کے حساب سے ذیقعدہ میں ہوا۔ اور حدیث اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسۡتَدَارَ کَھَیۡئَتِہٖ الخ کی تقریر بھی اسی اصول کے موافق کی گئی۔ ان سب چیزوں پر حافظ ابن کثیرؒ نے تعقب کیا ہے من شاء فلیراجعہ۔ یہاں اس پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں۔ اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی توفیق ہوئی جیسا کہ ارادہ ہے تو وہاں تفصیلی کلام کیا جائے گا۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ ؕ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیۡلٌ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر کیا خوش ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا [۳۹]

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۬ۙ وَّ یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَ لَا تَضُرُّوۡہُ شَیۡئًا ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو عذاب دردناک اور بدلے میں لائے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑ سکو گے تم اس کا اور اللہ سب چیز پر قادر ہے [۴۰]

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ
لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ
سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَ
جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ
هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اگر تم نہ مدد کروگے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اسکی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا [۴۱]

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَ
اَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ
كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ نکلو ہلکے اور بوجھل [۴۲] اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے [۴۳]

لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَ
لٰكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ
لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ۚ
وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۴۲﴾ ع ٥ ٦ ١٢

۴۲۔ اگر مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو وہ لوگ ضرور تیرے ساتھ ہو لیتے لیکن لمبی نظر آئی ان کو مسافت [۴۴] اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور چلتے تمہارے ساتھ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں [۴۵]

۳۹۔ غزوہ تبوک کے لئے جہاد کی تاکید: یہاں سے غزوہ تبوک کے لئے مومنین کو ابھارا گیا ہے گذشتہ رکوع سے پہلے رکوع میں قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں جو ذیلی مضامین آئے ان کا ربط موقع بہ موقع ظاہر ہوتا رہا ہے گویا وہ سب رکوع حاضر کی تمہید تھی۔ اور رکوع حاضر غزوہ تبوک کے بیان کی تمہید ہے۔ فتح مکہ و غزوہ حنین کے بعد ۹ ہجری میں نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ شام کا نصرانی بادشاہ (ملک غسان) قیصر روم کی مدد سے مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔

حضور ﷺ نے مناسب سمجھا کہ ہم خود حدود شام پر اقدام کر کے اس کا جواب دیں۔ اس کے لئے آپ نے عام طور پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں۔ گرمی سخت تھی۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی، سایہ خوشگوار تھا۔ پھر اس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا، اور نہ صرف ملک غسان بلکہ قیصر روم کی باقاعدہ اور سروسامان سے آراستہ افواج سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ ایسی مہم میں مومنین مخلصین کے سوا کس کا حوصلہ تھا کہ جان بازانہ قدم اٹھا سکتا۔ چنانچہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش کر کھسکنے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت میں اس طویل وصعب سفر سے کترا رہے تھے جن میں بہت تو آخر کار ساتھ ہو لئے اور گنے چنے آدمی رہ گئے جن کو کسل و تقاعد نے اس شرف عظیم کی شرکت سے محروم رکھا۔ نبی کریم ﷺ تقریباً تیس ہزار سر فروش مجاہدین کا لشکر جرار لے کر حدود شام کی طرف روانہ ہو گئے اور مقام تبوک میں ڈیرے ڈال دیے۔ ادھر قیصر روم کے نام نامہ مبارک لکھا جس میں اسلام کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ حضور ﷺ کی صداقت اس کے دل میں گھر کر گئی مگر قوم نے موافقت نہ کی اس لئے قبول اسلام سے محروم رہا۔ شام والوں کو جب حضور ﷺ کے ارادے کی اطلاع ہوئی قیصر روم سے ظاہر کیا۔ اس نے مدینہ کی ان لوگوں نے اطاعت کی مگر اسلام نہ لائے۔ تھوڑی مدت کے بعد حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں تمام ملک شام فتح ہوا۔ جب حضور ﷺ تبوک سے غالب و منصور واپس تشریف لائے اور خدا نے بڑی بڑی سلطنتوں پر اسلام کی دھاک بٹھلا دی تو منافقین مدینہ بہت فضیحت ہوئے۔ نیز چند سچے مسلمان جو محض سستی اور کسل کی بناء پر نہ گئے تھے بیحد نادم و متحسر تھے۔ اس رکوع کے شروع سے بہت دور تک ان ہی واقعات کا ذکر ہے۔ مگر زیادہ منافقین کی حرکات بیان ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں مسلمانوں کو خطاب اور ان کے احوال سے تعرض کیا گیا ہے۔ آیت حاضرہ میں مسلمانوں کو بڑی شدت سے جہاد کی طرف ابھارا اور بتلایا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام میں پھنس کر جہاد کو چھوڑنا گویا بلندی سے پستی کی طرف گر جانے کا مرادف ہے۔ مومن صادق کی نظر میں دنیا کے عیش و آرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت پر پشہ کی برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔

۴۰۔ یعنی خدا کا کام تم پر موقوف نہیں۔ تم اگر سستی کرو گے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کسی دوسری قوم کو دین حق کی خدمت کے لئے کھڑا کر دے گا۔ تم اس سعادت سے محروم رہو گے جو تمہارے ہی نقصان کا موجب ہے منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی۔ منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت۔

۴۱۔ غار ثور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار حضرت ابو بکرؓ کا واقعہ: یعنی بالفرض اگر تم نبی کریم ﷺ کی مدد نہ کرو گے نہ سہی۔ ان کا منصور و کامیاب ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں ایک وقت پہلے ایسا آ چکا ہے۔ جب ایک یار غار کے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ معدودے چند مسلمان مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کر گئے تھے۔ آخر آپ ﷺ کو بھی ہجرت کا حکم ہوا۔ مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ پر تلواروں کی ضرب لگائیں تا کہ خون بہا دینا پڑے تو سب قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ خون کے انتقام میں سارے عرب سے لڑائی مول لیں۔ جس شب میں اس ناپاک کارروائی کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی حضور ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا تا کہ لوگوں کی امانتیں احتیاط سے آپ ﷺ کے بعد مالکوں کے حوالہ کر دیں اور حضرت علیؓ کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال بیکا نہ ہو گا پھر خود بنفس نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے "شاہت الوجوہ" فرماتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے صاف نکل آئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غار ثور میں قیام فرمایا۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے۔ جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا۔ وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا۔ صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا۔ اول حضرت ابو بکرؓ نے اندر جا کر اسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کئے

کہ کوئی کیڑا کانٹا گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک سوراخ باقی تھا اس میں اپنا پاؤں اڑا دیا۔ سب انتظام کر کے حضور ﷺ سے اندر تشریف لانے کو کہا آپ ﷺ صدیقؓ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرمارہے تھے کہ سانپ نے ابو بکرؓ کا پاؤں ڈس لیا۔ مگر صدیقؓ پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے، مبادا حضور ﷺ کی استراحت میں خلل پڑے۔ جب آپ ﷺ کی آنکھ کھلی اور قصہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے لعاب مبارک صدیقؓ کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً شفا ہو گئی۔ ادھر کفار ''قائف'' کو ہمراہ لے کر جو نشان ہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا۔ حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ اس نے غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی، مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا تن لیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیے۔ یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد ﷺ کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح و سالم رہ سکتے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے۔ انہیں فکر تھی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لئے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑ جائیں۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو دیکھ پائیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و اطمینان حضور ﷺ کے قلب مبارک پر اور آپ ﷺ کی برکت سے ابو بکرؓ کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت و تائید کی۔ یہ اسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے ''اوہن البیوت'' بتلایا ہے، بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعہ تحفظ بن گیا۔ اس طرح خدا نے کافروں کی بات نیچی کی اور ان کی تدابیر خاک میں ملا دیں۔ آپ ﷺ تین روز غار میں قیام فرما کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ بیشک انجام کار خدا ہی کا بول بالا رہتا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (تنبیہ) بعض نے وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا سے بدر و حنین وغیرہ میں جو نزول ملائکہ ہوا وہ مراد لیا ہے مگر ظاہر سیاق سے وہ ہی ہے۔ جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم۔

۴۲۔ یعنی پیادہ اور سوار، فقیر اور غنی جوان اور بوڑھے جس حالت میں ہوں نکل کھڑے ہوں نفیر عام کے وقت کوئی عذر پیش نہ لائیں۔

۴۳۔ یعنی دنیوی اور اخروی ہر حیثیت سے۔

۴۴۔ **منافقین کے حیلے بہانے:** یہ منافقین کو فرمایا کہ اگر سفر ہلکا ہوتا اور بے محنت مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہوتی تو جلدی سے ساتھ ہو لیتے۔ لیکن ایسی کٹھن منزلوں کا طے کرنا ان سے کہاں ممکن ہے؟

۴۵۔ یا تو نکلنے سے پہلے قسمیں کھا کر طرح طرح کے حیلے حوالے کریں گے کہ آپ ﷺ ان کو مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت دے دیں اور یا آپ ﷺ کی واپسی کے بعد جھوٹی قسمیں کھا کر باتیں بنائیں گے تا کہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالیں۔ حالانکہ خدا سے ان کا جھوٹ اور نفاق پوشیدہ نہیں رہ سکتا یہ نفاق و فریب دہی اور جھوٹی قسمیں کھانا انجام کار انہی کے حق میں وبال جان ہو گا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اللہ بخشے تجھ کو کیوں رخصت دے دی تو نے انکو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تجھ پر سچ کہنے والے اور جان لیتا تو جھوٹوں کو [۴۶]

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ نہیں رخصت مانگتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اس سے کہ لڑیں اپنے مال اور جان سے اور اللہ خوب جانتا ہے ڈر والوں کو

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ
يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾

٤٥۔ رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ہیں دل ان کے سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں [٤٧]

وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ
اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ
الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾

٤٦۔ اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا انکو اور حکم ہوا کہ بیٹھے رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے [٤٨]

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ
لَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ
سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾

٤٧۔ اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ کروانے کی تلاش میں [٤٩] اور تم میں بعضے جاسوس ہیں انکے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو [٥٠]

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ
حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾

٤٨۔ وہ تلاش کرتے رہے ہیں بگاڑ کی پہلے سے اور الٹتے رہے ہیں تیرے کام یہاں تک کہ آپہنچا سچا وعدہ اور غالب رہا حکم اللہ کا اور وہ ناخوش ہی رہے [٥١]

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي
الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ
بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾

٤٩۔ اور بعضے ان میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور گمراہی میں نہ ڈال سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑ چکے ہیں اور بیشک دوزخ گھیر رہی ہے کافروں کو [٥٢]

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ
مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ

٥٠۔ اگر تجھ کو پہنچے کوئی خوبی تو وہ بری لگتی ہے انکو اور اگر پہنچے کوئی سختی تو کہتے ہیں ہم نے تو سنبھال لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور پھر کر جائیں خوشیاں کرتے [٥٣]

يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ
مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ تو کہہ دے ہم کو ہر گز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے وہی ہے کارساز ہمارا اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ کریں مسلمان

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۗ وَ
نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ
مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ
مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ تو کہہ دے تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں[۵۴]

۴۶۔ منافقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت: منافقین جھوٹے عذر کر کے جب مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت طلب کرتے تو آپ ﷺ ان کے کید و نفاق سے اغماض کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں، اجازت دیتے تھے اس کو فرمایا کہ اگر آپ ﷺ اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ اس وقت ظاہر ہو جاتا کہ انہوں نے اپنے نہ جانے کو کچھ آپ ﷺ کی اجازت پر موقوف نہیں رکھا ہے۔ جانے کی توفیق تو انہیں کسی حال نہ ہوتی۔ البتہ آپ ﷺ کے روبرو ان کا جھوٹ سچ کھل جاتا۔ پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا البتہ نہ دینا مصالح حاضرہ کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہوتا۔ اس اعلیٰ و اکمل صورت کے ترک کی وجہ سے خطاب کو عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ سے شروع فرمایا۔ عفو کا لفظ ضروری نہیں کہ گناہ ہی کے مقابلہ میں ہو۔ بعض محققین نے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ اس جملہ کو صدر کلام میں محض دعاء و تعظیم کے طور پر لیا ہے جیسا کہ عرب کے محاورات میں شائع تھا مگر سلف سے وہ ہی منقول ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔ اور لفظ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۷۔ جہاد سے منہ پھیرنے والے مومن نہیں ہیں: "یعنی جن کے دلوں میں ایمان و تقویٰ کا نور ہے، ان کی یہ شان نہیں کہ جہاد سے الگ رہنے کی اس طرح بڑھ بڑھ کر اجازت حاصل کریں۔ ان کا حال تو وہ ہے جو اس پارہ کے آخر میں بیان ہوا ہے۔ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ (التوبہ۔ ۹۲) یعنی بے سروسامانی وغیرہ کے عذر سے اگر "جہاد فی سبیل اللہ" کے شرف سے محروم رہ جائیں تو اس فضل کے فوت ہو جانے پر ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ بے حیا بن کر جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا انہی کا شیوہ ہے جن کو خدا کے وعدوں پر یقین نہیں نہ آخرت کی زندگی کو سمجھتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسلام و مسلمین کے غالب و منصور ہونے کی جو خبریں دی ہیں ان کے متعلق ہمیشہ شک و شبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔

۴۸۔ منافقین کی حالت: ان کا ارادہ ہی گھر سے نکلنے کا نہیں۔ ورنہ اس کا کچھ تو سامان کرتے، حکم جہاد سنتے ہی جھوٹے عذر نہ لے دوڑتے واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ان کی شرکت کو پسند ہی نہیں کیا۔ یہ جاتے تو وہاں فتنے اٹھاتے۔ نہ جانے کی صورت میں انہیں پتہ لگ جائے گا کہ مومنین کو خدا

کے فضل سے ایک تنکے کے برابر ان کی پروا نہیں۔ اسی لئے خدا نے صفوف مجاہدین میں شامل ہونے سے روک دیا اس طرح کہ رکنے کا وبال انہی کے سر پر رہے۔ گویا انکو تکوینًا کہہ دیا گیا کہ جاؤ، عورتوں بچوں اور اپاہج آدمیوں کے ساتھ گھر میں گھس کر بیٹھ رہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کے اعذار کاذبہ کے جواب میں جو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دی، یہ بھی ایک طرح خدا ہی کا فرما دینا ہے۔ اس لئے تکوینًا کی قید بھی ضروری نہیں۔

۴۹۔ یعنی اگر تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنے جبن و نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی سست کر دیتے اور آپس میں لگا بجھا کر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے اور جھوٹی افواہیں اڑا کر ان کو دشمنوں سے ہیبت زدہ کرنا چاہتے غرض ان کے وجود سے بھلائی میں تو کوئی اضافہ نہ ہوتا ہاں برائی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا۔ ان ہی وجوہ سے خدا نے ان کو جانے کی توفیق نہ بخشی۔

۵۰۔ یعنی اب بھی ان کے جاسوس یا بعض ایسے سادہ لوح افراد تم میں موجود ہیں جو ان کی بات سنتے اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے ہیں (ابن کثیر) گو ویسا فتنہ و فساد برپا نہیں کر سکتے جو ان شریروں کے وجود سے ہو سکتا تھا۔ بلکہ ایک حیثیت سے ایسے جواسیس کا ہمراہ جانا مفید ہے کہ وہ بچشم خود مسلمانوں کی اولوالعزمی، بے جگری وغیرہ دیکھ کر ان سے نقل کریں تو توان کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی ہیبت قائم ہو گی۔

۵۱۔ جس وقت حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے یہود اور منافقین مدینہ آپ ﷺ کے خلاف طرح طرح کی فتنہ انگیزیاں کرتے رہے اور اسلام کی روز افزوں ترقیات کا تختہ الٹنے کے لئے بہت کچھ الٹ پھیر کی۔ مگر بدر میں جب کفر و شرک کے بڑے بڑے ستون گر گئے اور حیرت انگیز طریقہ پر اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا تو عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا اِنَّ ھٰذَا اَمۡرٌ قَدۡ تَوَجَّہَ کہ یہ چیز تو اب رکنے والی معلوم نہیں ہوتی چنانچہ بہت سے لوگ خوف کھا کر محض زبان سے کلمہ اسلام پڑھنے لگے۔ مگر چونکہ دل میں کفر چھپا ہوا تھا اس لئے جوں جوں اسلام و مسلمین کی کامیابی اور غلبہ دیکھتے دل ہی دل میں جلتے اور غیظ کھاتے تھے۔ غرض ان کی فتنہ پردازی اور مکاری کوئی نئی چیز نہیں۔ شروع سے ان کا یہی وتیرہ رہا ہے۔ جنگ احد میں یہ لوگ اپنی جماعت کو لے کر راستہ سے لوٹ آئے تھے۔ مگر آخر دیکھ لیا کہ حق کس طرح غالب ہو کر رہتا ہے اور باطل کیسے ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔

۵۲۔ ایک بڑے منافق جد بن قیس نے کہا کہ حضرت مجھے تو یہیں رہنے دیجئے۔ روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں میں انہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔ تو مجھے وہاں لے جا کر گمراہی میں نہ ڈالئے۔ فرمایا کہ یہ لفظ کہہ کر اور اپنے جبن و کفر پر جھوٹی پرہیزگاری کا پردہ ڈال کر وہ گمراہی کے گڑھے میں گر چکا ہے۔ اور آگے چل کر کفر و نفاق کی بدولت دوزخ کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔ بعض نے آیت کو عام منافقین کے حق میں رکھا ہے اور لَا تَفۡتِنِّیۡ کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم کو ساتھ لیجا کر اموال وغیرہ کے نقصان میں مبتلا نہ کیجئے۔ اس کا جواب اَلَا فِی الۡفِتۡنَۃِ سَقَطُوۡا سے دیا۔

۵۳۔ منافقین کی عادت تھی جب مسلمانوں کو غلبہ کامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے۔ اور اگر کبھی کوئی سختی کی بات پیش آ گئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح ہو گئے۔ تو فخریہ کہتے کہ ہم نے ازراہ دور اندیشی پہلے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ ہی حشر ہونے والا ہے لہذا ان کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ غرض ڈینگیں مارتے ہوئے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اپنی مجلسوں سے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

۵۴۔ منافقین کو جواب: یعنی سختی یا نرمی جو جس وقت کے لئے مقدر ہے تو ٹل نہیں سکتی نہ دنیا میں اس سے چارہ ہے مگر ہم چونکہ ظاہر و باطن سے خدا کو اپنا حقیقی مولا اور پروردگار سمجھتے ہیں لہذا ہماری گردنیں اس کے فیصلے اور حکم کے سامنے پست ہیں کوئی سختی اس کی فرماں برداری سے باز نہیں رکھتی۔ اور اسی پر ہم کو بھروسہ ہے کہ وہ عارضی سختی کو آخرت میں بالیقین اور بسا اوقات دنیا میں بھی راحت و خوشی سے تبدیل کر دے گا۔ اندریں صورت تم ہماری نسبت دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کی ضرور امید کر سکتے ہو اگر خدا کے راستہ میں مارے گئے تو شہادت و

جنت اور واپس آئے تو اجر یا غنیمت ضرور مل کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں حق تعالیٰ نے مجاہد کی نسبت ان چیزوں کا تکفل فرمایا ہے برخلاف اس کے تمہاری نسبت ہم منتظر ہیں کہ دو برائیوں میں سے ایک برائی ضرور پہنچ کر رہے گی یا نفاق و شرارت کی بدولت بلاواسطہ قدرت کی طرف سے کوئی عذاب تم پر مسلط ہو گا یا ہمارے ہاتھوں سے خدا تم کو سخت سزا دلوائے گا جو رسوا کر کے تمہارے نفاق کا پردہ فاش کر دے گی۔ بہرحال تم اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کا انجام دیکھنے کے لئے منتظر رہنا چاہئے۔ آخر معلوم ہو جائے گا کہ دونوں میں زیادہ انجام میں اور دور اندیش کون تھا۔

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ کہہ دے کہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہ ہو گا تم سے بیشک تم نافرمان لوگ ہو[۵۵]

وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا مگر اسی بات پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اسکے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو مگر ہارے جی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے[۵۶]

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ سو تو تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے یہی چاہتا ہے اللہ کہ انکو عذاب میں رکھے ان چیزوں کی وجہ دنیا کی زندگی میں اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں[۵۷]

وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰـكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں ہیں اور وہ تم میں نہیں و لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں تم سے

لَوۡ يَجِدُوۡنَ مَلۡجَاً اَوۡ مَغٰرٰتٍ اَوۡ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوۡا اِلَيۡهِ وَهُمۡ يَجۡمَحُوۡنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اگر وہ پائیں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سر گھسانے کو جگہ تو الٹے بھاگیں اسی طرف رسیاں تڑاتے[۵۸]

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا

۵۸۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں

رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ یُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ یَسۡخَطُوۡنَ ﴿۵۸﴾
وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ ۙ وَ قَالُوۡا
حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَیُؤۡتِیۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ رَسُوۡلُهٗۤ ۙ
اِنَّاۤ اِلَی اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ ع

خیرات بانٹنے میں سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ ملے تو جبھی وہ ناخوش ہو جائیں [۵۹]

۵۹۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو دیا انکو اللہ نے اور اسکے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ وہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیئے [۶۰]

ع ۱۳

۵۵۔ منافقین کے نفقات قبول نہیں: جد بن قیس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ کر کے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت میں بذات خود نہیں جاسکتا۔ لیکن مالی اعانت کر سکتا ہوں۔ اس کا جواب دیا کہ بے اعتقاد کا مال قبول نہیں خواہ خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے یعنی خوشی سے خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی ان کو توفیق کہاں وَلَا یُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ کٰرِهُوۡنَ تاہم اگر بالفرض خوشی سے بھی خرچ کریں تو خدا قبول نہ کرے گا۔ اس کا سبب اگلی آیت میں بتایا ہے۔

۵۶۔ عدم قبول کا اصلی سبب تو ان کا کفر ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اشارہ کر چکے کہ کافر کا ہر عمل مردہ اور بے جان ہوتا ہے۔ باقی نماز میں ہارے جی سے آنا، یا برے دل سے خرچ کرنا یہ سب کفر کے ظاہری آثار ہیں۔

۵۷۔ کفار کی ظاہری خوشحالی کی وجہ: شبہ گذر سکتا تھا کہ جب یہ ایسے مردود ہیں تو ان کو مال و اولاد وغیرہ نعمتوں سے کیوں نوازا گیا ہے۔ اس کا جواب دیا کہ یہ نعمتیں ان کے حق میں بڑا عذاب ہے۔ جس طرح ایک لذیذ اور خوشگوار غذا تندرست آدمی کی صحت و قوت کو بڑھاتی ہے اور فاسد الاخلاط مریض کو ہلاکت سے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہ ہی حال ان دنیوی نعمتوں (مال و اولاد وغیرہ) کا سمجھو ایک کافر کے حق میں یہ چیزیں سوئے مزاج کی وجہ سے زہر ہلاہل ہیں۔ چونکہ کفار دنیا کی حرص و محبت میں غریق ہوتے ہیں، اس لئے اول اس کے جمع کرنے میں بے حد کوفت اٹھاتے ہیں۔ پھر ذرا نقصان یا صدمہ پہنچ گیا تو جس قدر محبت ان چیزوں سے ہے اسی قدر غم سوار ہوتا ہے اور کوئی وقت اس کے فکر و اندیشہ اور ادھیڑ بن سے خالی نہیں جاتا پھر جب موت ان محبوب چیزوں سے جدا کرتی ہے اس وقت کے صدمے اور حسرت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ غرض دنیا کے عاشق اور حریص کو کسی وقت حقیقی چین اور اطمینان میسر نہیں۔ چنانچہ یورپ و امریکہ وغیرہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے اقوال اس پر شاہد ہیں۔ باقی مومنین جو دولت اور اولاد کو معبود اور زندگی کا اصلی نصب العین نہیں سمجھتے چونکہ ان کے دل میں حب دنیا کا مرض نہیں ہوتا اس لئے یہ ہی چیزیں ان کے حق میں نعمت اور دین کی اعانت کا ذریعہ بنتی ہیں اس کے علاوہ اکثر کفار کثرت مال و اولاد پر مغرور ہو کر کفر و طغیان میں اور زیادہ شدید ہو جاتے ہیں جو اس کا سبب بنتا ہے کہ اخیر دم تک کافر ہی رہیں۔ نیز منافقین مدینہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں، ان کا حال یہ تھا کہ بادل ناخواستہ جہاد وغیرہ کے مواقع پر ریا و نفاق سے مال خرچ کرتے تھے اور ان کی اولاد میں بعض لوگ مخلص مسلمان ہو کر نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ یہ دونوں چیزیں منافقین کے منشائے قلبی کے بالکلیہ خلاف تھیں۔ اس طرح اموال و اولاد ان کے لئے دنیا میں عذاب بن گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی یہ تعجب نہ کر کہ بے دین کو اللہ نے نعمت کیوں دی، بے دین کے حق میں اولاد اور مال وبال ہے کہ ان کے پیچھے دل پریشان رہے اور ان کی فکر سے چھوٹنے نہ پائے مرتے دم تک، تا توبہ کرے یا نیکی اختیار کرے"۔

۵۸۔ منافقین کے نفاق کی وجہ: یعنی محض اس خوف سے کہ کفر ظاہر کریں تو کفار کا سا معاملہ ان کے ساتھ بھی ہونے لگے گا قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو تمہاری ہی جماعت (مسلمین) میں شامل ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر آج ان کو کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا کسی غار میں چھپ کر زندگی بسر کر سکیں یا کم از کم ذرا سر گھسانے کی جگہ ہاتھ آ جائے غرض حکومت اسلامی کا خوف نہ رہے تو سب دعوے چھوڑ کر بے تحاشا اسی طرف بھاگنے لگیں چونکہ نہ اسلامی حکومت کے مقابلہ کی طاقت ہے نہ کوئی پناہ کی جگہ ملتی ہے اس لئے قسمیں کھا کھا کر جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔

۵۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منافقین کا طعن: بعض منافقین اور بعض اعراب (بدو) صدقات و غنائم کی تقسیم کے وقت دنیوی حرص اور خود غرضی کی راہ سے حضور ﷺ کی نسبت زبان طعن کھولتے تھے کہ تقسیم میں انصاف کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ اعتراض اسی وقت تک تھا جب تک ان کی خواہش کے موافق صدقات وغیرہ میں سے حصہ نہ دیا جائے۔ اگر انہیں خوب جی بھر کر خواہش و حرص کے موافق دے دیا گیا تو خوش ہو جاتے اور کچھ اعتراض نہیں رہتا تھا۔ گویا ہر طرح مال و دولت کو قبلہ مقصود ٹھہرا رکھا تھا۔ آگے بتلاتے ہیں کہ ایک مدعی ایمان کا مطمع نظر یہ نہیں ہونا چاہئے۔

۶۰۔ یعنی بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ خدا پیغمبر کے ہاتھ سے دلوائے اس پر آدمی راضی و قانع ہو اور صرف خدا پر توکل کرے اور سمجھے کہ وہ چاہے گا تو آئندہ اپنے فضل سے بہت کچھ مرحمت فرمائے گا۔ غرض دنیا کی متاع فانی کو نصب العین نہ بنائے۔ صرف خداوند رب العزت کے قرب و رضا کا طالب ہو اور جو ظاہری و باطنی دولت خدا اور رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور و مطمئن ہو۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا وَ الۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِیۡنَ وَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۶۱]

۶۱۔ زکوٰۃ کے مصارف: چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر پر طعن کیا گیا تھا، اس لئے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ آپ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے۔ کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیے ہیں جو آٹھ ہیں۔ "فقراء" (جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو) "عاملین" (جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں) "مؤلفۃ القلوب" جن کے پاس کچھ نہ ہو (جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیرہ ذالک من الانواع، اکثر علماء کے نزدیک حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی) "رقاب" (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے۔ یا خرید کر آزاد کئے جائیں۔ یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں) "غارمین" (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے) "سبیل اللہ" جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے) "ابن السبیل" (مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو، گو مکان پر دولت رکھتا ہو) "حنفیہ" کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقر شرط ہے۔ تفصیل فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

وَ مِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ
قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤۡمِنُ
لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ رَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ ؕ وَ
الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿٦١﴾

٦١۔ اور بعضے ان میں بد گوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو کان ہے تو کہہ کان ہے تمہارے بھلے کے واسطے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مسلمانوں کی بات کا اور رحمت ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور جو لوگ بد گوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی ان کے لئے عذاب ہے دردناک [٦٢]

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗۤ
اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٦٢﴾

٦٢۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اسکے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر وہ ایمان رکھتے ہیں [٦٣]

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ
نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ﴿٦٣﴾

٦٣۔ کیا وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اسکے رسول سے تو اسکے واسطے ہے دوزخ کی آگ سدا رہے اس میں یہی ہے بڑی رسوائی [٦٤]

يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ
تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا ۚ اِنَّ
اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿٦٤﴾

٦٤۔ ڈرا کرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل ہو مسلمانوں پر ایسی سورت کہ جتا دے انکو جو انکے دل میں ہے تو کہہ دے ٹھٹھے کرتے رہو اللہ کھول کر رہے گا اس چیز کو جس کا تم کو ڈر ہے [٦٥]

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ
قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿٦٥﴾

٦٥۔ اور اگر تو ان سے پوچھے تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی [٦٦] تو کہہ کیا اللہ سے اور اسکے حکموں سے اور اسکے رسول سے تم ٹھٹھے کرتے تھے [٦٧]

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ
عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا
مُجۡرِمِيۡنَ ﴿٦٦﴾ ع ٨ ع ١٤

٦٦۔ بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے اظہار ایمان کے پیچھے اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو اس سبب سے کہ وہ گنہگار تھے [٦٨]

۶۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منافقین کی بدگوئی: منافقین آپس میں بیٹھ کر اسلام و پیغمبر اسلام کے متعلق بدگوئی کرتے۔ جب کوئی کہتا کہ ہماری یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام تک پہنچ جائیں گی تو کہتے، کیا پرواہ ہے۔ ان کے سامنے ہم جھوٹی تاویلیں کر کے اپنی برأت کا یقین دلا دیں گے کیونکہ وہ تو کان ہی کان ہیں جو سنتے ہیں فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان کو باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ بات یہ تھی کہ حضرت اپنے حیاو وقار اور کریم النفسی سے جھوٹے کا جھوٹ پہچانتے تب بھی نہ پکڑتے۔ خلق عظیم کی بنا پر مسامحت اور تغافل برتتے اور وہ بے وقوف جانتے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سمجھا ہی نہیں۔ حق تعالی نے اس کا جواب دیا کہ اگر وہ کان ہی ہیں تو تمہارے بھلے کے واسطے ہیں۔ نبی کی یہ خو تمہارے حق میں بہتر ہے نہیں تو اول تم پکڑے جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اس چشم پوشی اور خلق عظیم پر کسی وقت مطلع ہو کر تمہیں ہدایت ہو جائے۔ تمہاری جھوٹی باتوں پر نبی علیہ السلام کا سکوت اس لئے نہیں کہ انہیں واقعی تمہارا یقین آ جاتا ہے۔ یقین تو ان کو اللہ پر ہے اور ایمانداروں کی بات پر۔ ہاں تم میں سے جو دعوئے ایمان رکھتے ہیں ان کے حق میں آپ کی خاموشی و اغماض ایک طرح کی رحمت ہے کہ فی الحال منہ توڑ تکذیب کر کے ان کو رسوا نہیں کیا جاتا۔ باقی منافقین کی حرکات شنیعہ خدا سے پوشیدہ نہیں۔ رسول کی پیٹھ پیچھے جو بدگوئی کرتے ہیں یا ھُوَ اُذُنٌ کہہ کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ایذا پہنچاتے ہیں اس پر سزائے سخت کے منتظر رہیں۔

۶۳۔ حضرت شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ "کسی وقت حضرت ان کی دغابازی پکڑتے تو مسلمانوں کے روبرو قسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بری نیت نہ تھی۔ تاکہ ان کو راضی کر کے اپنی طرف کر لیں۔ نہ سمجھے کہ یہ فریب بازی خدا اور رسول کے ساتھ کام نہیں آتی" اگر دعوئے ایمان میں واقعی سچے ہیں تو دوسروں کو چھوڑ کر خدا اور سول کو راضی کرنے کی فکر کریں۔

۶۴۔ یعنی جس رسوائی سے بچنے کے لئے نفاق اختیار کیا ہے اس سے بڑی رسوائی یہ ہے۔

۶۵۔ منافقین کا نفاق کھولا جائے گا: منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کی بدگوئی کرتے مومنین صادقین پر آوازے کستے مہمات دین کا مذاق اڑاتے پھر جب خیال آتا کہ ممکن ہے یہ باتیں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک پہنچ جائیں تو کہتے کیا مضائقہ ہے وہ تو کان ہی کان ہیں ہم ان کے سامنے جو تاویل و تلمیع کر دیں گے سن کر اسی کو قبول کر لیں گے۔ مگر چونکہ بسا اوقات وحی الٰہی کے ذریعے سے ان کے نفاق و بدباطنی کی قلعی کھلتی رہتی تھی اس لئے یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ کوئی سورت قرآن میں ایسی نازل نہ ہوئے جو ہمارے مخاطبات سریہ و نیات خفیہ کا پردہ فاش کر دے۔ اصل یہ ہے کہ منافقین کا قلب جبن و کمزوری سے کسی ایک طرف قائم نہ ہوتا تھا۔ ان کے دل ہر وقت دگدا میں رہتے تھے۔ کبھی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شان اغماض و کریم النفسی کو دیکھ کر کچھ تسلی حاصل کرتے مگر صائقہ قرآنی کی گرج سے پھر دہلنے لگتے تھے اسی لئے فرمایا کہ بہتر ہے تم ٹھٹھے کرتے رہو اور استہزاء و تمسخر کا عمل جاری رکھو اور پیغمبر کی نسبت ھُوَ اُذُنٌ کہہ کر تسلی کر لو۔ لیکن خدا اس چیز کو ضرور کھول کر رہے گا جس کا تم کو ڈر لگا ہوا ہے وہ تمہارے مکر و خداع کا تار تار بکھیر کر رکھ دے گا۔

۶۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین سے باز پرس: تبوک میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے ازراہ تمسخر کہا۔ اس شخص (محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے شہروں کو فتح کر لینے کا خواب دیکھتا ہے۔ انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رسیوں میں بندھے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ یہ ہمارے قراء (صحابہ رضی اللہ عنہم) پیٹو، جھوٹے اور نامردے کیا روم کی باقاعدہ فوجوں سے جنگ کریں گے وغیرہ ذٰلک من الھفوات۔ اس قسم کے مقولے جو مسلمانوں کو روم سے مرعوب و ہیبت زدہ کرنے اور شکستہ خاطر بنانے کے لئے کہہ رہے تھے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں نقل ہوئے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بلا کر باز پرس کی تو کہنے لگے کہ حضرت! کہ ہم کہیں سچ مچ ایسا اعتقاد تھوڑا ہی رکھتے ہیں؟ محض خوش وقتی و دل لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے کہ باتوں میں سفر آسانی سے کٹ جائے۔

٦٧۔ اللہ کی آیات سے استہزاء: یعنی کیا دل لگی اور خوش وقتی کا موقع و محل یہ ہے کہ اللہ و رسول اور ان کے احکام کے ساتھ ٹھٹھا کیا جائے؟ خدا و رسول کا استہزاء اور احکام الٰہیہ کا استخفاف تو وہ چیز ہے کہ اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر کیا جائے وہ بھی کفر عظیم ہے چہ جائیکہ منافقین کی طرح از راہ شرارت و بدباطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔

٦٨۔ یعنی جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں۔ جن کو نفاق و استہزاء کی سزا ملنی ہے مل کر رہے گی۔ ہاں جو اب بھی صدق دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے، انہیں خدا معاف کر دے گا، جو پہلے ہی سے باوجود کفر و نفاق کے اس طرح کی فتنہ انگیزی اور استہزاء سے علیحدہ رہے ہیں، انہیں استہزاء و تمسخر کی سزا یہاں نہ ملے گی۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ
يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ
يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے سکھائیں بات بری اور چھڑائیں بات بھلی اور بند رکھیں اپنی مٹھی بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا انکو تحقیق منافق وہی ہیں نافرمان [٦٩]

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ
اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾

٦٨۔ وعدہ دیا ہے اللہ نے منافق مرد اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا پڑے رہیں گے اس میں وہی بس ہے انکو [٧٠] اور اللہ نے انکو پھٹکار دیا اور انکے لئے عذاب ہے برقرار رہنے والا [٧١]

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ
اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ
فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

٦٩۔ جس طرح تم سے اگلے لوگ زیادہ تھے تم سے زور میں اور زیادہ رکھتے تھے مال اور اولاد پھر فائدہ اٹھا گئے اپنے حصہ سے [٧٢] پھر فائدہ اٹھایا تم نے اپنے حصہ سے جیسے فائدہ اٹھا گئے تم سے اگلے اپنے حصہ سے اور تم بھی چلتے ہو انہی کی سی چال [٧٣] وہ لوگ مٹ گئے ان کے عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے نقصان میں [٧٤]

اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ
وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۙ۬ وَ قَوۡمِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اَصۡحٰبِ مَدۡيَنَ
وَ الۡمُؤۡتَفِكٰتِ ؕ اَتَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ کیا پہنچی نہیں انکو خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے قوم نوح کی اور عاد کی اور ثمود کی اور قوم ابراہیم کی اور مدین والوں کی اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئی تھیں [۷۵] پہنچے انکے پاس انکے رسول صاف حکم لے کر سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے [۷۶]

۶۹۔ اللہ نے منافقین کو بھلا دیا: یعنی سب سے بڑے نافرمان یہ ہی بد باطن منافق ہیں جن کے مرد و عورت زبانی اقرار و اظہار اسلام کے باوجود شب و روز اسی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں کہ ہر قسم کے حیلے اور فریب کر کے لوگوں کو اچھی باتوں سے بیزار اور برے کاموں پر آمادہ کریں۔ خرچ کرنے کے اصلی موقعوں پر مٹھی بند رکھیں۔ غرض کلمہ پڑھتے رہیں لیکن نہ ان کی زبان سے کسی کو بھلائی پہنچے نہ مال سے۔ جب یہ خدا کو ایسا چھوڑ بیٹھے تو خدا نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ چھوڑ کر کہاں گرایا؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

۷۰۔ یعنی یہ ایسی کافی سزا ہے جس کے بعد دوسری سزا کی ضرورت نہیں رہتی۔

وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۘ
يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ
يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيۡعُوۡنَ
اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم پر چلتے ہیں اللہ کے اور اسکے رسول کے وہی لوگ ہیں جن پر رحم کرے گا اللہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا [۷۷]

وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ
مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَ مَسٰكِنَ
طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ وَ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۷۲﴾ ع ۹ ۱۵

۷۲۔ وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں اور ستھرے مکانوں کا رہنے کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی ان سب سے بڑی ہے یہی ہے بڑی کامیابی [۷۸]

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تندخوئی کر ان پر اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے [۷۹]

۷۱۔ شاید یہ مطلب ہو کہ دنیا میں بھی خدا کی پھٹکار (لعنت) کا اثر برابر پہنچتا رہے گا۔ یا پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۲۔ یعنی دنیوی لذائذ کا جو حصہ ان کے لئے مقدر تھا اس سے فائدہ اٹھا گئے اور آخری انجام کا خیال نہ کیا۔

۷۳۔ یعنی تم بھی ان کی طرح آخری انجام کے تصور سے غافل ہو کر دنیا کی متاع فانی سے جتنا مقدر ہے حصہ پا رہے ہو اور ساری چال ڈھال انہی کی سی رکھتے ہو تو سمجھ لو جو حشر ان کا ہوا وہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے ان کے پاس مال و اولاد اور جسمانی قوتیں تم سے زائد تھیں پھر انتقام الٰہی کی گرفت سے نہ بچ سکے تو تم کو کاہے پر بھروسہ ہے جو خدائی سزا سے اس قدر بے فکر ہو بیٹھے ہو۔

۷۴۔ یعنی کوئی دنیوی و آخروی برکت و کرامت انہیں نصیب نہ ہوئی۔ باقی دنیوی لذائذ کو جو حصہ بظاہر ملا۔ وہ فی الحقیقت ان کے حق میں استدراج اور عذاب تھا جیسا کہ دو رکوع پہلے فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ الخ کے فوائد میں گذر چکا اور اس سے پیشتر بھی کئی مواقع میں لکھا جا چکا ہے۔

۷۵۔ **پچھلے انبیاء کی تکذیب کا انجام:** قوم نوح طوفان سے، عاد آندھی سے ثمود صیحہ (چیخ) سے ہلاک ہوئے۔ ابراہیمؑ کی حق تعالیٰ نے عجیب و غریب خارق عادت طریقہ سے تائید فرمائی۔ جنہیں دیکھ کر ان کی قوم ذلیل و ناکام ہوئی ان کا بادشاہ نمرود نہایت بدحالی کی موت مارا گیا۔ اصحاب مدین صیحہ (چیخ) رجفہ (زلزلہ) وغیرہ سے تباہ ہوئے۔ قوم لوط کی بستیاں الٹ دی گئیں اور اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ان سب اقوام کا قصہ (بجز قوم ابراہیمؑ کے) سورہ اعراف میں گذر چکا۔

۷۶۔ یعنی خدا کسی کو بلا وجہ اور بے موقع سزا نہیں دیتا۔ لوگ خود ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جن کے بعد عذاب الٰہی کا آنا ناگزیر ہے۔

۷۷۔ **مومنین کی صفات:** ابتدائے رکوع میں منافقین کے اوصاف بیان ہوئے تھے۔ یہاں بطور مقابلہ مومنین کی صفات ذکر کی گئیں۔ یعنی جبکہ منافقین لوگوں کو بھلائی سے روک کر برائی کی ترغیب دیتے ہیں۔ مومنین بدی کو چھڑا کر نیکی کی طرف آمادہ کرتے ہیں منافقین کی مٹھی بند ہے۔ مومنین کا ہاتھ کھلا ہوا ہے۔ وہ بخل کی وجہ سے خرچ کرنا نہیں جانتے یہ اموال میں سے باقاعدہ حقوق (زکوٰۃ وغیرہ) ادا کرتے ہیں انہوں نے خدا کو بالکل بھلا دیا یہ پانچ وقت خدا کو یاد کرتے اور تمام معاملات میں خدا اور رسول کے احکام پر چلتے ہیں۔ اسی لئے وہ مستحق لعنت ہوئے اور یہ رحمت خصوصی کے امیدوار ٹھہرے۔

۷۸۔ **اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے بڑی ہے:** "یعنی تمام نعمائے دنیوی و اخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے۔ حق تعالیٰ مومنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی نعمتیں اور مسرتیں عطا فرمائے گا۔ مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہو گی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا جنتی "لبیک" کہیں گے۔ دریافت فرمائے گا هَلْ رَضِیْتُمْ یعنی اب تم خوش ہو گئے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار! خوش نہ ہونے کی کیا وجہ؟ جبکہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہو گا هَلْ اُعْطِیْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ یعنی جو کچھ اب تک دیا گیا ہے کیا اس سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو؟ جنتی سوال کریں گے کہ اے

پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہو گی؟ اس وقت فرمائیں گے اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں جس کے بعد کبھی خفگی اور ناخوشی نہ ہو گی رزقنا اللہ وسائر المومنین ھذہ الکرامۃ العظیمۃ الباھیرۃ۔

۷۳۔ منافقین سے سختی کا حکم: جہاد کے معنی ہیں کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا۔ یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے کبھی زبان سے کبھی قلم سے کبھی کسی اور طریق سے منافقین (جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں) ان کے مقابلہ میں جہاد بالسیف جمہور امت کے نزدیک مشروع نہیں نہ عہد نبوت میں ایسا واقع ہوا۔ اسی لئے جہاد کا لفظ اس آیت میں عام رکھا گیا ہے۔ یعنی تلوار سے، زبان سے، قلم سے، جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر منافقین کا نفاق بالکل عیاں ہو جائے تو ان پر بھی جہاد بالسیف کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال غزوہ تبوک نے چونکہ منافقین کا نفاق بہت آشکارا کر دیا تھا۔ اس لئے اس آیت مین ان کی نسبت ذرا سخت رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔ نبی کریم ﷺ فطری طور پر نہایت نرم خو واقع ہوئے تھے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران-١۵٩) پھر حق تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء-٢١۵) چونکہ منافقین بھی بظاہر مومنین کے زمرہ میں شامل رہتے تھے اسی لئے حضور ﷺ ان کے ساتھ بھی درگذر، چشم پوشی اور نرم خوئی کا معاملہ فرماتے تھے۔ تبوک کے موقع پر جب منافقین نے کھلم کھلا بے حیائی، عناد اور دشمنی کا انداز اختیار کر لیا تو حکم ہوا کہ اب ان کے معاملہ میں سختی اختیار کیجئے یہ شریر خوش اخلاقی اور نرمی سے ماننے والے نہیں ہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ
كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا
نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ
يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ
عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾

٧٤۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ ہم نے نہیں کہا اور بیشک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر [٨٠] اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو ان کو نہ ملی [٨١] اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولتمند کر دیا ان کو اللہ نے اور اسکے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کر لیں تو بھلا ہے ان کے حق میں اور اگر نہ مانیں گے تو عذاب دے گا انکو اللہ عذاب دردناک دنیا اور آخرت میں اور نہیں ان کا روئے زمین پر کوئی حمایتی اور نہ مددگار [٨٢]

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ
لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

٧۵۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں اور ہو رہیں ہم نیکی والوں میں

فَلَمَّآ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَ تَوَلَّوۡا وَّ هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ پھر جب دیا انکو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے ٹلا کر [۸۳]

فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَ بِمَا كَانُوۡا یَكۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق انکے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ [۸۴]

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَ نَجۡوٰىهُمۡ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۷۸﴾ۚ

۷۸۔ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو [۸۵]

۸۰۔ منافقین کے کفر کی تصدیق: منافقین پیچھے بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام کی اور دین اسلام کی اہانت کرتے جیسا کہ سورہ منافقون میں آئے گا جب کوئی مسلمان حضور ﷺ تک ان کی باتیں پہنچا دیتا تو اس کی تکذیب کرتے اور قسمیں کھالیتے کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ حق تعالیٰ نے مسلمان راویوں کی تصدیق فرمائی کہ بیشک انہوں نے وہ باتیں زبان سے نکالی ہیں۔ اور دعوئے اسلام کے بعد مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام کی نسبت وہ کلمات کہے ہیں جو صرف منکرین کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔

۸۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوشش: غزوہ تبوک سے واپسی میں آنحضرت ﷺ لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ کو تشریف لے جارہے تھے۔ تقریباً بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرادیں۔ حضور ﷺ کے ساتھ حذیفہ اور عمار تھے۔ عمار کو انہوں نے گھیر لیا تھا مگر حذیفہ نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے منہ پھیر دیے۔ چونکہ چہرے چھپائے ہوئے تھے۔ حذیفہ وغیرہ نے ان کو نہیں پہچانا۔ بعدہٗ آنحضرت ﷺ نے حذیفہ و عمار رضی اللہ عنہما کو نام بنام ان کے پتے بتادیے۔ مگر منع فرمادیا کہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اسی واقعہ کی طرف وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ یَنَالُوۡا میں اشارہ ہے کہ جو ناپاک قصد انہوں نے کیا خدا کے فضل سے پورا نہ ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی موقع پر لشکر اسلام میں کچھ خانہ جنگی ہو گئی تھی منافقین نے اغوا کر کے مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ حضرت نے اصلاح فرمادی جیسا کہ سورہ منافقون میں آئے گا۔

۸۲۔ یعنی حضور ﷺ کی دعا سے خدا نے انہیں دولتمند کر دیا قرضوں کے بار سے سبکدوش ہوئے مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہنے کی وجہ سے غنائم میں حصہ ملتا رہا، حضور ﷺ کی برکت سے پیداوار اچھی ہوئی ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ خدا اور سول کے ساتھ دغابازی کرنے لگے اور ہر طرح پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو ستانے پر کمر باندھ لی۔ اب بھی اگر توبہ کر کے شرارتوں اور احسان فراموشیوں سے باز آجائیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ ورنہ خدا دنیا و آخرۃ میں وہ سزا دے گا جس سے بچانے والا روئے زمین پر کوئی نہ ملے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ "جلاس"

نامی ایک شخص یہ آیات سن کر صدق دل سے تائب ہوا۔ اور آیندہ اپنی زندگی خدمت اسلام میں قربان کر دی۔

۸۳۔ ثعلبہ بن حاطب کا واقعہ: ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرے حق میں دولتمند ہو جانے کی دعا فرمادیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو خدا کا شکر ادا کرے اس بہت چیز سے اچھی ہے جس کے حقوق ادا نہ کر سکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقش قدم پر چلے۔ آپ ﷺ کے انکار پر اس کا اصرار بڑھتا رہا اس نے وعدہ کیا کہ اگر خدا مجھ کو مال دے گا میں پوری طرح حقوق ادا کروں گا۔ آخر حضور ﷺ نے دعا فرمائی اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی اور اتنا پھیلاوا ہوا کہ ان میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ جمعہ و جماعات بھی ترک کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد حضور ﷺ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے محصل پہنچے تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ دو ایک دفعہ ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا "ویح ثعلبہ" اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب اس کے بعض اقارب نے اس کی خبر پہنچائی تو بادل ناخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ یہ سن کر اس نے بہت ہائے واویلا کی کیونکہ حضور ﷺ کا زکوٰۃ قبول نہ کرنا اس کے لئے بڑی عار کی بات تھی۔ بدنامی کے تصور سے سر پر خاک ڈالتا تھا۔ مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور ﷺ کے بعد ابو بکرؓ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی دونوں نے انکار فرمایا۔ ہر ایک یہ ہی کہتے تھے کہ جو چیز نبی کریم ﷺ نے رد کر دی ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آخر اسی حالت نفاق پر حضرت عثمانؓ کے عہد میں اس کا خاتمہ ہوا۔

۸۴۔ یعنی خدا سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولتے رہنے کی سزا میں ان کے بخل و اعراض کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے نفاق کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہو گئی جو موت تک نکلنے والی نہیں۔ اور یہ "سنت اللہ" ہے کہ جب کوئی شخص اچھی یا بری خصلت خود اختیار کر لیتا ہے تو کثرت و مزاولت و ممارست سے وہ دائمی بن جاتی ہے۔ بری خصلت کے اسی دوام و استحکام کو کبھی کبھی ختم و طبع (مہر لگانے) سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

۸۵۔ یعنی خواہ کیسے ہی وعدے کریں، باتیں بنائیں یا مجبور ہو کر مال پیش کریں۔ خدا ان کے ارادوں اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اور اپنے ہم مشربوں کے ساتھ بیٹھ کر جو مشورے کرتے ہیں ان سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کا وعدہ اور گھبرا کر زکوٰۃ حاضر کرنا کس دل اور کیسی نیت سے تھا۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے [۸۶]

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ ع

١٠ ع ٨ ١٦

٨٠۔ تو انکے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہر گز نہ بخشے گا انکو اللہ یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو [٨٧]

٨٦۔ منافقین کا استہزاء اور طعن: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار (دینار یا درہم) حاضر کر دیے۔ عاصم بن عدی نے ایک سو وسق کھجوریں (جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی) پیش کیں۔ منافقین کہنے لگے کہ ان دونوں نے دکھلاوے اور نام و نمود کو اتنا دیا ہے۔ ایک غریب صحابی ابو عقیل حباب نے جو محنت و مشقت سے تھوڑا سا کما کر لائے اس میں ایک صاع تمر صدقہ کیا تو مذاق اڑانے لگے کہ یہ خواہ مخواہ زور آوری سے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بھلا اس کی ایک صاع کھجوریں کیا کار کریں گی۔ غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی ان کی زبان سے بچتا نہ تھا۔ کسی پر طعن کسی سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ (اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے) یعنی ان کے طعن و تمسخر کا بدلہ دیا، بظاہر تو وہ چند روز کے لئے مسخراپن کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیے گئے ہیں، لیکن فی الحقیقت اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جا رہی ہیں۔ اور عذاب الیم ان کے لئے تیار ہے۔

٨٧۔ منافقین کے لئے استغفار عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ: یعنی منافقین کے لئے آپ ﷺ کتنی ہی مرتبہ استغفار کیجئے ان کے حق میں بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے۔ خدا ان بدبخت کافروں اور نافرمانوں کو کبھی معاف نہ کرے گا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا انتقال ہوا۔ آپ ﷺ نے قمیص مبارک کفن میں دیا، لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔ نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ حضرت عمرؓ اس معاملہ میں آڑے آتے تھے اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ وہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی نالائق حرکات کیں۔ ہمیشہ کفر و نفاق کا علمبردار رہا۔ کیا حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ! مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں۔ یہ خدا کا فعل ہے کہ ان کو معاف نہ کرے۔ یعنی ان کے حق میں میرا استغفار نافع نہ ہو (سو ان کے حق میں نہ سہی ممکن ہے دوسروں کے حق میں میرا یہ طرز عمل نافع ہو جائے دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں نبی کے اس وسعت اخلاق اور وفور رحمت و شفقت کو دیکھ کر اسلام و پیغمبر کے گرویدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا) صحیح بخاری کی ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا" گویا اس جملہ میں حضور ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ حضرت عمرؓ کی طرح آپ ﷺ بھی اس کے حق میں استغفار کو غیر مفید تصور فرما رہے تھے۔ فرق اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر "بغض فی اللہ" کے جوش میں صرف اسی نقطہ پر مقصور تھی اور نبی کریم ﷺ میت کے فائدہ سے قطع نظر فرما کر عام پیغمبرانہ شفقت کا اظہار اور احیاء کے فائدہ کا خیال فرما رہے تھے۔ لیکن آخر کار وحی الٰہی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ نے صریح طور پر منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے اہتمام دفن و کفن وغیرہ میں حصہ لینے کی ممانعت کر دی۔ کیونکہ اس طرز عمل سے منافقین کی ہمت افزائی اور مومنین کی دل شکستگی کا احتمال تھا۔ اس وقت سے حضور ﷺ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ
كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ
جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝٨١

۸۱۔ خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہو کر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں [۸۸] اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں [۸۹] تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی [۹۰]

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨٢

۸۲۔ سو وہ ہنس لیویں تھوڑا اور روویں بہت سا بدلا اس کا جو وہ کماتے تھے [۹۱]

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ
لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ
تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ
مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝٨٣

۸۳۔ سو اگر پھر لے جائے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے [۹۲] پھر اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تو کہہ دینا کہ تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار سو بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ [۹۳]

۸۸۔ منافقین کی سزا: یہ ان منافقین کے متعلق ہے جو غزوہ تبوک کی شرکت سے علیحدہ رہے۔ یعنی منافقین کا حال یہ ہے کہ برائی اور عیب کے کام کر کے خوش ہوتے ہیں نیکی سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے گذرا نیکی کرنے والوں پر طعن کرتے اور آوازے کستے ہیں۔ ایسی قوم کو نبی کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہاں سے گنہگار اور بد اعتقاد کا فرق نکلتا ہے۔ گناہ ایسا کون سا ہے جو پیغمبر کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (نساء۔ ۶۴) لیکن بد اعتقاد کو پیغمبر کا ستر مرتبہ استغفار فائدہ نہ دے۔

۸۹۔ یا تو منافقین آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے اور یا بعض مومنین سے کہتے ہوں گے کہ ان کی ہمتیں سست ہو جائیں۔

۹۰۔ یعنی اگر سمجھ ہوتی تو خیال کرتے کہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس گرمی کی طرف جا رہے ہو وہ کہیں زیادہ سخت ہے یہ تو وہی مثال ہوئی کہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لی جائے۔ حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ تیز ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

۹۱۔ یعنی چند روز اپنی حرکات پر خوش ہو لو اور ہنس لو۔ پھر ان کرتوتوں کی سزا میں ہمیشہ کو رونا ہے۔

۹۲۔ حضور ﷺ تبوک میں تھے اور منافقین مدینہ میں۔ ممکن تھا کہ بعض منافقین آپ ﷺ کی واپسی سے قبل مر جائیں۔ اس اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فرمایا۔

۹۳۔ منافقین کو جہاد میں شرکت کرنے کی ممانعت: یعنی اب اگر یہ لوگ دوسرے غزوہ میں ساتھ چلنے کی اجازت مانگیں تو فرما دیجئے کہ بس! تمہاری ہمت و شجاعت کا بھانڈا پھوٹ چکا اور تمہارے دلوں کا حال پہلی مرتبہ کھل چکا نہ تم کبھی ہمارے ساتھ نکل سکتے ہو اور نہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں بہادری دکھا سکتے ہو لہذا اب تم کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں عورتوں اور بچوں اپاہج اور ناتواں بڈھوں کے ساتھ گھر میں گھسے بیٹھے رہو اور جس چیز کو پہلی دفعہ تم نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے مناسب ہے کہ اسی حالت پر مرو۔ تاکہ اچھی طرح عذاب الٰہی کا مزہ چکھو۔

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَا تُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور نماز نہ پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر [۹۴] وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اسکے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان [۹۵]

۹۴۔ یعنی دعا و استغفار کے لئے یا اہتمام دفن کے لئے۔

۹۵۔ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی جیسا کہ چند آیات پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہو گیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ احتیاطاً ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جس کی نماز میں حضرت حذیفہ شریک نہ ہوں۔ کیونکہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بہت سے منافقین کا نام بنام علم کرا دیا تھا۔ اسی لئے ان کا لقب "صاحب سر رسول اللہ ﷺ" ہوا۔

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں رکھے انکو ان چیزوں کے باعث دنیا میں اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں [۹۶]

وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو اسکے رسول کے ساتھ ہو کر جو تجھ سے رخصت مانگتے ہیں مقدور والے انکے اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے کہ رہ جائیں ساتھ بیٹھنے والوں کے

رَضُوۡا بِاَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَفۡقَہُوۡنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ خوش ہوئے کہ رہ جائیں پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ [۹۷] اور مہر کر دی گئی ان کے دل پر سو وہ نہیں سمجھتے [۹۸]

لٰکِنِ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الۡخَیۡرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ساتھ اسکے وہ لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے اور انہی کے لئے ہیں خوبیاں اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے

اَعَدَّ اللّٰہُ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۸۹﴾ ع

۸۹۔ تیار کر رکھے ہیں اللہ نے انکے واسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے انکے نہریں رہا کریں ان میں یہی ہے بڑی کامیابی [۹۹]

ع ۱۱/۹ ۱۷

۹۶۔ چار رکوع پہلے اسی مضمون کی آیت گذر چکی اس کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۹۷۔ جہاد سے جان چرانا: یعنی قرآن کی کسی سورت میں جب تنبیہ کی جاتی ہے کہ پوری طرح خلوص و پختگی سے ایمان لاؤ۔ جس کا بڑا اثر یہ ظاہر ہونا چاہئے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہو کر خدا کے راستہ میں جہاد کریں۔ تو یہ منافقین جان چرانے لگتے ہیں اور ان میں کے استطاعت و مقدرت والے بھی جھوٹے عذر تراش کر اجازت طلب کرنے آتے ہیں کہ حضرت! ہمیں تو یہیں مدینہ میں رہنے دیجئے۔ گویا کمال بے غیرتی اور نامردی سے اس پر راضی ہیں کہ لڑائی یا خطرہ کا نام سنتے ہی خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں۔ ہاں جس وقت جنگ وغیرہ کا خطرہ نہ رہے اور امن و اطمینان کا زمانہ ہو تو باتیں بنانے اور قینچی کی طرح زبان چلانے میں سب سے پیش پیش ہوتے ہیں فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَیۡتَہُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ تَدُوۡرُ اَعۡیُنُہُمۡ کَالَّذِیۡ یُغۡشٰی عَلَیۡہِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَہَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡکُمۡ بِاَلۡسِنَۃٍ حِدَادٍ (الاحزاب۔۱۹)۔

۹۸۔ یعنی کذب و نفاق، نکول عن الجہاد اور تخلف عن الرسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کی شامت سے ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی کہ اب موٹے موٹے عیب نظر نہیں آتے اور انتہائی بے غیرتی و بزدلی پر بجائے شرمانے کے نازاں و فرحاں ہوتے ہیں۔

۹۹۔ مومنین کے فضائل: منافقین کے بالمقابل مومنین مخلصین کا بیان فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں خدا کے وفادار بندے۔ جو اس کے راستہ میں نہ جان سے ہٹتے ہیں نہ مال سے کیسا ہی خطرہ کا موقع ہو اسلام کی حمایت اور پیغمبر اسلام کی معیت میں ہر قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ پھر ایسوں کے لئے فلاح و کامیابی نہ ہو گی تو اور کس کے لئے ہو گی۔

وَ جَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِیُؤۡذَنَ لَہُمۡ وَ قَعَدَ الَّذِیۡنَ کَذَبُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ؕ سَیُصِیۡبُ

۹۰۔ اور آئے بہانہ کرنے والے گنوار تا کہ انکو رخصت مل جائے اور بیٹھ رہے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ سے اور اسکے رسول سے اب پہنچے گا انکو جو کافر ہیں ان میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

عذاب دردناک [۱۰۰]

۱۰۰۔ معذرون اور قاعدون: یعنی جس طرح مدینہ کے رہنے والوں میں منافقین بھی ہیں اور مخلصین بھی۔ اسی طرح دیہاتی گنواروں میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے یہاں دو قسموں کا ذکر فرمایا۔ مخلص دیہاتیوں کا ذکر اس رکوع کے خاتمہ پر وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ میں آئے گا۔ یہاں دیہاتیوں کی جن دو جماعتوں کا ذکر ہے (معذرون اور قاعدون) ان میں سے پہلی جماعت (معذرون) کے مصداق میں مفسرین سلف کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد جھوٹے بہانے بنانے والے منافق ہیں۔ (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے) یا سچے عذر کرنے والے مسلمان جو واقعی جہاد کی شرکت سے معذور تھے اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو آیت میں منافقین کی دو قسموں کا بیان ہو گا۔ معذرون تو وہ ہوئے جو باوجود نفاق کے محض ظاہر داری نباہنے کے لئے جھوٹے حیلے بنا کر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اجازت طلب کرتے تھے۔ اور قاعدون سے وہ منافقین مراد ہوں گے جنہوں نے اول دعوئے ایمان میں جھوٹ بولا۔ پھر ظاہر داری کی بھی پروا نہیں کی۔ جہاد کا نام سن کر گھروں میں بیٹھ رہے، بالکل بے باک و بے حیا ہو کر عذر کرنے بھی نہ آئے اس تقدیر پر سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا دونوں جماعتوں کو شامل ہو گا۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ دونوں جماعتوں میں سے اپنے کفر پر اخیر تک قائم رہیں گے ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔ جن کو توبہ کی توفیق ہو جائے گی وہ اس وعدہ کے نیچے داخل نہیں۔ اور اگر معذرون سے مراد مومنین مخلصین لئے جائیں جو واقعی معذور تھے تو قاعدون سے مراد منافقین ہوں گے۔ اور سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کی وعید صرف ان ہی کے حق میں ہو گی۔ پہلی جماعت کا ذکر گویا قبول عذر کے طور پر ہو گا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى
الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا
لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَ
اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾

۹۱۔ نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جنکے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ گناہ جبکہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ نہیں ہے نیکی والوں پر الزام کی کوئی راہ [۱۰۱] اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۰۲]

وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ
اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ
مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور نہ ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تا کہ تو ان کو سواری دے تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کر دوں تو الٹے پھرے اور انکی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں [۱۰۳]

اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَكَ وَ هُمۡ اَغۡنِيَآءُ‌ ۚ رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَـوَالِفِۙ وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۳﴾

٩٣۔ راہ الزام کی تو ان پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے اور وہ مالدار ہیں خوش ہوئے اس بات سے کہ رہ جائیں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کر دی اللہ نے انکے دلوں پر سو وہ نہیں جانتے[١٠۴]

١٠١۔ مسلمان معذورین کا عذر: جھوٹے عذر کرنے والوں کے بعد سچے معذورین کا بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ عذر کبھی تو شخصی طور پر لازم ذات ہوتا ہے مثلاً بڑھاپے کی کمزوری جو عادتاً کسی طرح آدمی سے جدا نہیں ہو سکتی اور کبھی عارضہ ہوتا ہے پھر عارضی یا بدنی ہے جیسے بیماری وغیرہ یا مالی جیسے افلاس وفقدان اسباب سفر۔ چونکہ غزوہ تبوک میں مجاہدین کو بہت دور دراز مسافت طے کر کے پہنچنا تھا اس لئے سواری نہ ہونے کا عذر بھی معتبر ومقبول سمجھا گیا۔ جیسے آگے آتا ہے۔

١٠٢۔ یعنی جو لوگ واقعی معذور ہیں اگر ان کے دل صاف ہوں اور خدا اور سول کے ساتھ ٹھیک معاملہ رکھیں (مثلاً خود نہ جا سکتے ہوں تو جانے والوں کی ہمتیں پست نہ کریں) بلکہ اپنے مقدرو کے موافق نیکی کرنے اور اخلاص کا ثبوت دینے کے لئے مستعد رہیں ان پر جہاد کی عدم شرکت سے کچھ الزام نہیں۔ ایسے مخلصین سے اگر بمقتضائے بشریت کوئی کوتاہی ہو جائے تو حق تعالیٰ کی بخشش ومہربانی سے توقع ہے کہ وہ درگذر فرمائے گا۔

١٠٣۔ معذور صحابہ کا بے مثال شوق جہاد: سبحان اللہ ۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت نے صحابہؓ کے دلوں میں عشق الٰہی کا وہ نشہ پیدا کیا تھا۔ جس کی مثال کسی قوم وملت کی تاریخ میں موجود نہیں۔ مستطیع اور مقدور والے صحابہ کو دیکھو تو جان ومال سب کچھ خدا کے راستہ میں لٹانے کو تیار ہیں اور سخت سے سخت قربانی کے وقت بڑے ولولہ اور اشتیاق سے آگے بڑھتے ہیں۔ جن کو مقدور نہیں وہ اس غم میں رو رو کر جان کھوئے لیتے ہیں کہ ہم میں اتنی استطاعت کیوں نہ ہوئی کہ اس محبوب حقیقی کی راہ میں قربان ہونے کے لئے اپنے کو پیش کر سکتے۔ حدیث صحیح میں آپ نے مجاہدین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم مدینہ میں ایک ایسی قوم کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہر قدم پر تمہارے اجر میں شریک ہے تم جو قدم خدا کے راستہ میں اٹھاتے ہو یا کوئی جنگل قطع کرتے ہو یا کسی پگڈنڈی پر چلتے ہو، وہ قوم برابر ہر موقع پر تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں واقعی مجبوریوں نے تمہارے ہمراہ چلنے سے روکا۔ حسنؒ کے "مرسل" میں ہے کہ یہ مضمون بیان فرما کر آپ ﷺ نے یہ ہی آیت وَّلَا عَلَى الَّذِيۡنَ اِذَا مَاۤ اَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَاۤ اَجِدُ الخ تلاوت فرمائی۔

١٠۴۔ یعنی باوجود قدرت واستطاعت جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اور نہایت بے حمیتی سے یہ عار گوارا کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح گھر میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں۔ گناہ کی ممارست (پریکٹس) سے آدمی کا قلب ایسا مسخ اور سیاہ ہو جاتا ہے کہ اسے بھلے برے اور عیوب وہنر کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی جب بے غیرتی کرتے کرتے کوئی شخص اس قدر پاگل ہو جائے کہ نادم ومتاسف ہونے کی جگہ اس پر الٹا نازاں اور خوش ہو تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر خدائی مہر لگ چکی ہے۔ العیاذ باللہ۔

یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ ؕ قُلۡ لَّا
تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنۡ
اَخۡبَارِکُمۡ ؕ وَ سَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ وَ رَسُوۡلُہٗ ثُمَّ
تُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمۡ
بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ بہانے مت بناؤ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے اللہ تمہارے احوال اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کی سو وہ بتائے گا تم کو جو تم کر رہے تھے[۱۰۵]

سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ
لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ ۫
وَّ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تاکہ ان سے درگذر کرو سو تم درگذر کرو ان سے بیشک وہ لوگ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے بدلا ان کے کاموں کا[۱۰۶]

یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ
فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَرۡضٰی عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ وہ لوگ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم راضی ہو گئے ان سے تو اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے[۱۰۷]

۱۰۵۔ منافقین کا عذر قبول نہیں: یعنی جیسے تبوک کی طرف روانہ ہونے کے وقت منافقین نے طرح طرح کے حیلے بہانے بنائے جب تم مدینہ واپس آؤ گے اس وقت بھی یہ لوگ اعذار باطلہ پیش کر کے تم کو مطمئن بنانا چاہیں گے اور قسمیں کھائیں گے کہ حضرت ہمارا قصد مصمم تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ چلیں مگر فلاں فلاں موانع و عوائق پیش آجانے کی وجہ سے مجبور رہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ جھوٹی باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تمہارے سب اعذار لغو اور بے کار ہیں۔ ہم کو حق تعالیٰ تمہارے کذب و نفاق پر مطلع کر چکا۔ پھر کس طرح ہم تمہاری لغویات کو باور کر سکتے ہیں۔ اب پچھلے قصہ کو چھوڑو آئندہ تمہارا طرز عمل دیکھا جائے گا کہ اپنے دعوے کو کہاں تک نباہتے ہو سب جھوٹ سچ ظاہر ہو کر رہے گا اور بہر حال اس عالم الغیب والشہادۃ سے تو کوئی راز اور عمل یا نیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اسی کے یہاں سب کو جانا ہے وہ جزا دینے کے وقت تمہارا ہر چھوٹا بڑا ظاہری و باطنی عمل کھول کر رکھ دے گا اور اسی کے موافق بدلہ دیا جائے گا۔

۱۰۶۔ تبوک سے واپسی کے بعد منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر جو عذر پیش کرتے تھے اس کی غرض یہ تھی کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو اپنی قسموں اور ملمع سازیوں سے راضی و مطمئن کر دیں تاکہ بارگاہ رسالت سے ان پر کوئی عتاب و ملامت اور دار و گیر نہ ہو۔ سابق کی طرح یوں ہی معاملہ ابہام میں رہے مسلمان ان سے کچھ تعرض نہ کریں۔ حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ تم ان سے تعرض مت کرو۔ لیکن یہ اغماض و تغافل (تعرض

نہ کرنا) راضی و مطمئن ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے نہایت پلید اور شریر ہونے کہ وجہ سے ہے یہ لوگ اس قدر گندے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے پاک و صاف ہونے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ لہذا اس غلاظت کی پوٹ کو دور پھینک دینا اور اس سے علیحدہ رہنا ہی بہتر ہے۔ خدا خود ان کو ٹھکانے لگادے گا۔

۱۰۷۔ منافقین سے مسلمانوں کا معاملہ: بڑی کوشش یہ ہے کہ مکر و فریب اور کذب و دروغ سے مسلمانوں کو خوش کر لیں فرض کیجئے اگر چکنی چپڑی باتوں سے مخلوق راضی ہو جائے تو کیا نفع پہنچ سکتا ہے جبکہ خدا ان سے راضی نہ ہو۔ خدا کے آگے تو کوئی چالاکی اور دغابازی نہیں چل سکتی۔ گویا متنبہ فرما دیا کہ جس قوم سے خدا راضی نہ ہو کوئی مومن قانت کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ لہذا جھوٹی باتوں سے پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کو خوش کر لینے کا خبط انہیں دماغوں سے نکال دینا چاہئے اگر ان کے ساتھ تغافل و اعراض کا معاملہ کیا گیا ہے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ مسلمان ان سے خوش اور مطمئن ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جس شخص کا حال معلوم ہو کہ منافق ہے اس کی طرف سے تغافل روا ہے۔ لیکن دوستی اور محبت و یگانگت روا نہیں"۔

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ گنوار بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر [۱۰۸] اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۰۹]

وَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ اور بعضے گنوار ایسے ہیں کہ شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر زمانہ کی گردشوں کا ان ہی پر آئے گردش بری اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۱۱۰]

وَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲ ۱

۹۹۔ اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو نزدیک ہونا اللہ سے اور دعا لینی رسول کی سنتا ہے وہ ان کے حق میں نزدیکی ہے داخل کرے گا انکو اللہ اپنی رحمت میں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۱۱]

۱۰۸۔ اعراب منافقین کا حال: یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مومنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے تھے اب کچھ حال دیہاتی بدوؤں کا ذکر

کرتے ہیں کہ ان میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں۔ کفار، منافقین اور مخلص مسلمان چونکہ دیہاتی لوگ قدرتی طور پر عموماً تند خو اور سخت مزاج ہوتے ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے مَنْ سَکَنَ البَادِیَۃَ جَفَا) اور مجالس علم و حکمت سے دور رہنے کی وجہ سے تہذیب و شائستگی کا اثر اور علم و عرفان کی روشنی بہت کم قبول کرتے ہیں اس لئے ان کا کفر و نفاق شہری کفار و منافقین سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ان کو ایسے مواقع دستیاب نہیں ہوتے کہ اہل علم و صلاح کی صحبت میں رہ کر دیانت و تہذیب کے وہ قانون اور قاعدے معلوم کرلیں جو خدا تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر نازل کئے۔ علم و معرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی اور مہذب بناتی ہے۔ جو لوگ اس قدر جہالت میں غرق ہیں۔ ضرور ہے کہ ان کے دل سخت ہوں اور کفر و نفاق کے جس راستہ پر پڑ جائیں۔ بہائم اور درندوں کی طرح اندھا دھند بڑھے چلے جائیں۔ اعراب کی سنگدلی کا ذکر متعدد احادیث میں ہے ہر ایک حدیث میں ہے کہ کسی اعرابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ لوگ اپنے بچوں کا پیار لیتے ہیں خدا کی قسم میں نے کبھی اپنی اولاد کا پیار نہیں لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر خدا نے تیرے دل میں سے اپنی رحمت کو نکال لیا ہے۔

۱۰۹۔ اعراب منافقین کا حال: "یعنی اس کا علم بنی آدم کے تمام طبقات پر محیط ہے وہ اپنی حکمت سے ہر ایک طبقہ کے ساتھ اس کی استعداد و قابلیت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اعراب کی طبیعت میں بے حکمی غرض پرستی اور جہالت شدید ہوتی ہے سو اللہ حکمت والا ہے ان سے وہ مشکل کام بھی نہیں چاہتا اور درجے بلند بھی نہیں دیتا۔

۱۱۰۔ یعنی اعراب منافقین میں وہ لوگ بھی ہیں جنہیں اگر کسی وقت خدا کے راستہ میں کچھ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے تو ایسی کراہیت سے خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی جرمانہ اور تاوان ادا کرتا ہو۔ وہ ابھی تک اس کے منتظر ہیں کہ مسلمان حوادث دہر سے کسی گردش اور آفت میں پھنس جائیں تو ہم خوب شادیانے بجائیں۔ یہ خبر نہیں کہ انہیں کی قسمت گردش میں آرہی ہے۔ اسلام تو غالب و فائق ہو کر رہے گا اور یہ منافقین سخت ذلیل و رسوا ہوں گے۔ خدا ہر ایک کی باتیں اور دعائیں سنتا ہے اور جانتا ہے کہ کون عزت و کامیابی کا اہل ہے اور کون لوگ ذلت و رسوائی کے مستحق ہیں۔

۱۱۱۔ اعراب مومنین کا بیان: یہاں قرآن کریم کی معجزانہ تاثیر اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم کا حیرت انگیز کرشمہ دکھلایا ہے کہ ان ہی درشت مزاج، سنگدل، تند خو گنواروں میں جو کفر و نفاق اور جہل و طغیان کی وجہ سے اس لائق ہی نہ تھی کہ خدا کے بتلائے ہوئے ادب اور قاعدے سمجھ سکیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیم اور قرآن کریم کی آواز نے ایسے عارف اور مخلص افراد پیدا کر دیے جو مبداء و معاد سب چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں خالص قرب الٰہی حاصل کرنے اور پیغمبر علیہ السلام کی دعا لینے کی غرض سے کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ بیشک وہ اپنی امیدوں میں حق بجانب ہیں۔ یقیناً ان کو وہ چیز مل کر رہے گی جس کی نیت کی ہے (یعنی قرب الٰہی) اور خدا ضرور ان کو اپنی رحمت میں جگہ دے گا۔ رہی پیغمبر علیہ السلام کی دعا سے تو وہ اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص صدقہ وغیرہ لے کر حاضر ہوتا ہے تو حضور ﷺ اس کو دعائیں دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کی اس دعا کا ثمرہ بھی وہ ہی رحمت و قرب الٰہی ہے۔ جس کا وعدہ پہلے ہو چکا۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ
رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو انکے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے انکے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی [۱۱۲]

۱۱۲۔ سابقین اولین کے فضائل: "اعراب مومنین" کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ زعماء واعیان مومنین کا کچھ ذکر کیا جائے۔ یعنی جن مہاجرین نے ہجرت میں سبقت واولیت کا شرف حاصل کیا اور جن انصار نے نصرت و اعانت میں پہل کی غرض جن لوگوں نے قبول حق اور خدمت اسلام میں جس قدر آگے بڑھ بڑھ کر حصے لئے پھر جو لوگ نیکوکاری اور حسن نیت سے ان پیش روان اسلام کی پیروی کرتے رہے ان سب کو درجہ بدرجہ خدا کی خوشنودی اور حقیقی کامیابی حاصل ہو چکی۔ جیسے انہوں نے پوری خوش دلی اور انشراح قلب کے ساتھ حق تعالیٰ کے احکام تشریعی اور قضاء تکوینی کے سامنے گردنیں جھکا دیں اسی طرح خدا نے ان کو اپنی رضاء وخوشنودی کا پروانہ دے کر غیر محدود انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔ (تنبیہ) مفسرین سلف کے اقوال اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے تعین میں مختلف ہیں بعض نے کہا ہے کہ وہ مہاجرین وانصار مراد ہیں جو ہجرت سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ بعض کے نزدیک وہ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں (کعبہ و بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھی۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ بدر تک کے مسلمان "سابقین اولین" ہیں۔ بعض حدیبیہ تک اسلام لانے والوں کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ تمام مہاجرین وانصار اطراف کے مسلمانوں اور پیچھے آنے والی نسلوں کے اعتبار سے "سابقین اولین" ہیں۔ ہمارے نزدیک ان اقوال میں چنداں تعارض نہیں "سبقت" و "اولیت" اضافی چیزیں ہیں۔ ایک ہی شخص یا جماعت کسی کے اعتبار سے سابق اور دوسرے کی نسبت سے لاحق بن سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے "فائدہ" میں اشارہ کیا۔ جو شخص یا جماعت جس درجہ میں سابق واول ہوگی اسی قدر رضائے الٰہی اور حقیقی کامیابی سے حصہ پائے گی۔ کیونکہ سبقت واولیت کی طرح رضاء وکامیابی کے بھی مدارج بہت سے ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔۛ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعضے لوگ مدینہ والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تو انکو نہیں جانتا ہم کو وہ معلوم ہیں [۱۱۳] انکو ہم عذاب دیں گے دو بار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف [۱۱۴]

۱۱۳۔ اہل مدینہ اور اعراب منافقین: پہلے سے دیہاتی عربوں کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ درمیان میں اعراب ومومنین کے تذکرہ سے مہاجرین وانصار کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ اب اس آیت میں خاص مدینہ اور اس کے آس پاس رہنے والوں کا بیان ہے یعنی بعض اہل مدینہ اور گردوپیش کے رہنے والے نفاق کے خوگر ہو چکے اور اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نفاق اس قدر عریق وعمیق ہے کہ ان کے قرب مکانی اور نبی کریم ﷺ کی کمال فطانت وفراست کے باوجود آپ بھی بالتعین اور قطعی طور پر محض علامات وقرائن سے ان کے نفاق پر مطلع نہیں ہو سکتے ان کا ٹھیک تعین صرف خدا کے علم میں ہے۔ جس طرح عام منافقین کا پتہ چہرہ لب ولہجہ اور بات چیت سے لگ جاتا تھا۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ (محمد۔ ۳۰) ان کا نفاق اتنا گہرا ہے کہ اس قسم کی ظاہری علامات ان کا پردہ فاش نہیں کرتیں۔

۱۱۴۔ منافقین کے لئے بڑا عذاب: بڑا عذاب دوزخ کا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (نساء۔ ۱۴۵) اس سے قبل کم از کم دوبار ضرور عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ ایک عذاب قبر دوسرا عذاب جو اسی دنیوی زندگی میں پہنچ کر رہے گا مثلاً ابن عباس کی ایک روایت کے موافق حضور ﷺ نے جمعہ کے روز ممبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا اُخْرُجْ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ یعنی تو منافق ہے

مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم عذاب کی تھی۔ یا پہلے اسی سورت میں گذرا کہ ان کے اموال و اولاد کو حق تعالیٰ نے ان کے حق میں عذاب بنادیا۔ فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا (توبہ۔۵۵) الخ یا ان میں کے بعض بھوک وغیرہ آفات ارضی وسماوی میں مبتلا ہو کر ذلت کی موت مرے یا اسلام کی ترقی وعروج کو دیکھ کر غیظ کھانا اور دانت پیسنا یہ بھی ان کے حق میں سوہان روح تھا۔ میرے نزدیک یہ سب قسموں کے عذاب مرتین کے احاطہ میں داخل ہیں۔ اور دو کا عدد یا تو مطلق تعدد کے لئے ہے جیسے ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ (الملک۔۴) میں۔ اور یا دوبار سے مراد نوعی اثنینیت ہے۔ یعنی عذاب قبر اور عذاب قبل الموت واللہ اعلم۔

وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد قریب ہے کہ اللہ معاف کرے انکو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۱۵]

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ لے انکے مال میں سے زکوٰۃ [۱۱۶] کہ پاک کرے تو انکو اور بابرکت کرے تو انکو اسکی وجہ سے اور دعا دے انکو بیشک تیری دعا ان کے لئے تسکین ہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے [۱۱۷]

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوٰتیں اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے [۱۱۸]

وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۚ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور کہہ کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان اور تم جلد لوٹائے جاؤ گے اسکے پاس جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے پھر وہ جتادے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے [۱۱۹]

وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا

۱۰۶۔ اور بعضے اور لوگ ہیں کہ انکا کام ڈھیل میں ہے حکم

يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾

پر اللہ کے یا وہ انکو عذاب دے اور یا انکو معاف کرے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۲۰]

۱۱۵۔ تبوک میں رہ جانے والے مسلمان: اہل مدینہ میں اگر ایک طرف یہ منافقین متمردین ہیں جو اپنی شرارتوں اور جرموں کو پردہ نفاق میں چھپاتے اور ان پر سختی سے اڑے رہتے ہیں تو دوسری جانب بعض وہ مسلمان ہیں جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطاو قصور سرزد ہو جائے تو نادم ہو کر بے تامل اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور برائی مخلوط (رلی ملی) ہے۔ برائی تو مثلاً یہ ہی کہ نفیر عام کے باوجود نبی کریم ﷺ کی دعوت پر غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہوئے۔ بعدہٗ اس غیر حاضری پر دل سے پشیمان و متاسف ہونا اور ظاہراً و باطناً توبہ کرنا اور دوسرے اعمال صالح (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یا دوسرے غزوات کی شرکت وغیرہ) بجالانا یہ سب ان کی بھلائیوں کی فہرست میں داخل ہیں ایسے حضرات کو حق تعالیٰ نے معافی کی امید دلائی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ اور ان کے چند ہمراہیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو محض کسل اور تن آسانی کی وجہ سے تبوک میں حاضر نہ ہوئے۔ لیکن جب تبوک سے حضرت کی واپسی معلوم ہوئی تو غایت ندامت سے ان سب نے اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک نبی کریم ﷺ اپنے ان مجرموں کو معاف کر کے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے اسی طرح بندھے کھڑے رہیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا۔ واللہ جب تک خدا ان کے کھولنے کا حکم نہ دے میں ان کو نہیں کھول سکتا۔ آخر یہ آیات نازل ہوئیں۔ تب آپ ﷺ نے کھولا اور قبول توبہ کی بشارت دی۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کھلنے کے بعد تکمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر ہوئے کہ خدا کی راہ میں تصدق کریں اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

۱۱۶۔ صدقات کا بیان: صدقہ کا ترجمہ مترجم محققؒ نے زکوٰۃ کیا ہے۔ لیکن اگر لفظ صدقہ کو عام رکھا جاتا جو زکوٰۃ و صدقات نافلہ سب کو شامل ہو تو بہتر تھا۔ کیونکہ اکثر روایات کے موافق یہ آیت ان ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو بعد معافی تکمیل توبہ کے طور پر صدقہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابھی پچھلے فائدہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ہاں عموم الفاظ کو دیکھتے ہوئے حکم کو مورد نص پر مقصود رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے سلفؒ مسئلہ زکوٰۃ میں بھی اس آیت کو پیش کرتے رہے ہیں۔

۱۱۷۔ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ یعنی اس پر مواخذہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک قسم کی روحانی کدورت و ظلمت وغیرہ جو گناہ کا طبعی اثر ہے وہ ممکن ہے باقی رہ جاتی ہو جو بالخصوص صدقہ اور عموماً حسنات کی مباشرت سے زائل ہوتی ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ گناہوں کے اثرات سے پاک و صاف کرتا اور اموال کی برکت بڑھاتا ہے۔ "زکوٰۃ کے لغوی معنی نماء یعنی بڑھنے کے ہیں" اور ایک بڑا فائدہ صدقہ کرنے میں یہ تھا کہ صدقہ کرنے والوں کو حضور ﷺ دعائیں دیتے تھے جن سے دینے والے کا دل بڑھتا اور سکون حاصل کرتا تھا۔ بلکہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت دینے والے کی اولاد در اولاد تک پہنچتی تھی اب بھی ائمہ کے نزدیک مشروع ہے کہ جو شخص صدقہ لائے امام مسلمین بحیثیت وارث نبی ہونے کے اس کے لئے دعا کرے۔ البتہ جمہور کے نزدیک لفظ "صلوٰۃ" کا استعمال نہ کرے۔ جو حضور ﷺ کا مخصوص حق تھا۔

۱۱۸۔ یعنی توبہ اور صدقات کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کس نے اخلاص قلب اور شرائط قبول کی رعایت کے ساتھ توبہ کی یا صدقہ دیا۔ چنانچہ پہلے بعضوں پر عتاب ہو چکا کہ ہمیشہ کے لئے ان کی زکوٰۃ لینی موقوف ہوئی اور منافقین کے صدقات کو مردود ٹھہرایا گیا اور ان کے حق میں دعاء و استغفار کو بھی بے سود بتلایا۔ بلکہ جنازہ پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے ان کی توبہ قبول کی اور صدقات قبول کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ حضور ﷺ ان کے حق میں (حیًا و میتًا) دعا کریں۔

۱۱۹۔ توبہ اور صدقات: یعنی توبہ وغیرہ سے گذشتہ تقصیرات معاف ہو گئیں۔ لیکن آگے دیکھا جائے گا کہ تم کہاں تک صدق و استقامت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہو۔ اس جہاد میں قصور ہوا تو آئندہ اور جہاد ہوں گے۔ پیغمبر علیہ السلام کے یا خلفاء کے روبرو ان میں امتحان ہو گا کہ کیسا عمل

کرتے ہو پھر خدا کے یہاں جا کر ہر عمل کا پورا بدلہ مل جائے گا۔ کیونکہ وہ ہی تمام کھلی چھپی چیزوں اور ظاہری عمل اور باطنی نیتوں پر مطلع ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی واقع حالت کے موافق معاملہ کرے گا (آیت کی یہ تقریر حضرت شاہ صاحبؒ کے مذاق پر کی گئی ہے کیونکہ اوفق بالسیاق ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۰۔ بعض متخلفین تبوک کی معافی کا معاملہ: اہل مدینہ میں سے یہاں ایک اور چھوٹی سی جماعت کا ذکر فرمایا ہے اصل یہ ہے کہ متخلفین عن تبوک (یعنی تبوک میں نہ شریک ہونے والے) تین قسم کے تھے۔ ایک منافقین جو از راہ شک ونفاق علیحدہ رہے۔ دوسرے بعض مومنین جو محض سستی اور تن آسانی کی بدولت شریک جہاد نہ ہوئے۔ پھر ان میں دو قسمیں تھیں۔ اکثر وہ تھے جنہوں نے واپسی کی اطلاع پا کر اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ ان کا ذکر پچھلی آیات میں گذر چکا۔ صرف تین شخصوں کی جماعت وہ تھی جنہوں نے نہ اپنے کو ستونوں سے بندھوایا نہ کوئی عذر تراشا۔ بس جو واقعہ تھا اور جو قصور ہوا تھا صاف صاف بلا کم وکاست آنحضرت ﷺ کے سامنے عرض کر دیا۔ ان کے بارہ میں یہ آیت وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ الخ نازل ہوئی۔ یعنی ان کا معاملہ ابھی ڈھیل میں ہے چند روز خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ خواہ ان کو سزا دے یا معاف کرے۔ جو اس کے علم وحکمت کا اقتضاء ہو گا کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے تا نزول حکم الٰہی ادب دینے کے لئے مسلمانوں کے تعلقات ان تینوں سے منقطع کر دیے۔ پچاس دن تک یہ ہی معاملہ رہا۔ پھر معافی ہوئی۔ ان واقعات کی اور تینوں کے ناموں کی تفصیل اگلے رکوع کے خاتمہ پر بیان ہو گی۔

وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات لگانے کو اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اسکے رسول سے پہلے سے اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں [۱۲۱]

لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جسکی بنیاد دھری گئی پرہیزگاری پر اول دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اسمیں اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو [۱۲۲]

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا

۱۰۹۔ بھلا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور اسکی رضامندی پر وہ بہتر یا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک کھائی کے جو گرنے کو ہے پھر

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا
يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اسکو لیکر ڈھے پڑا دوزخ کی آگ میں [۱۲۳] اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو [۱۲۴]

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ
اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ ۱۱ ۲

۱۱۰۔ ہمیشہ رہے گا اس عمارت سے جو انہوں نے بنائی تھی شبہ انکے دلوں میں مگر جب ٹکڑے ہو جائیں انکے دل کے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۱۲۵]

۱۲۱۔ مسجد ضرار اور منافقین کی سازش: پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے بظاہر ایک برا کام ہو گیا (تخلف عن الجہاد) مگر صحت اعتقاد اور اعتراف خطا کی بدولت معافی مل گئی۔ یہاں ایسی جماعت کا بیان ہے جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا (تعمیر مسجد) لیکن بد اعتقادی کی وجہ سے وبال بن گیا۔ واقعی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر آئے تو اول مدینہ سے باہر بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں فروکش ہوئے۔ پھر چند روز بعد شہر (مدینہ) میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی تعمیر کی۔ اس محلہ میں جہاں آپ ﷺ پیشتر نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کر لی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ﷺ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور بڑی فضیلت اس کی بیان فرماتے تھے۔ بعض منافقین نے چاہا کہ پہلوں کی ضد پر اسی کے قریب اور مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں۔ اپنی جماعت جدا ٹھہرائیں اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجد قبا سے ہٹا کر ادھر لے آئیں۔ فی الحقیقت اس ناپاک تجویز کا محرک اصلی ایک شخص ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج اس کے زہد و درویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے جب مدینہ میں ایمان و عرفان کا آفتاب چمکا تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا۔ بھلا نور آفتاب کے سامنے چراغ مردہ کو کون پوچھتا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں ٹھیٹ ملت ابراہیم لے کر آیا ہوں کہنے لگا کیہ میں پہلے سے اسی پر قائم ہوں۔ لیکن تم نے اپنی طرف سے ملت ابراہیمی میں اس کے خلاف چیزیں داخل کر دی ہیں۔ حضور ﷺ نے بہت زور سے اس کی تردید فرمائی۔ آخر اس کی زبان سے نکلا کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو خدا اس کو وطن سے دور یکہ و تنہا غربت و بیکسی کی موت مارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "آمین" خدا ایسا ہی کرے۔ جنگ بدر کے بعد جب اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور مسلمانوں کا عروج و فروغ حاسدوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ ابو عامر کو تاب نہ رہی۔ بھاگ کر مکہ پہنچا۔ تا کفار مکہ کو حضور ﷺ کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے۔ چنانچہ معرکہ احد میں قریش کے ساتھ خود آیا۔ مبارزہ شروع ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر انصار مدینہ کو جو عہد جاہلیت میں اس کے بڑے معتقد تھے خطاب کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ احمق یہ نہ سمجھا کہ پیغمبرانہ تصرف کے سامنے اب وہ پرانا جادو کہاں چل سکتا ہے۔ آخر انصار نے جو اسے پہلے راہب کہہ کر پکارتے تھے جواب دیا کہ او فاسق دشمن خدا تیری آنکھ کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔ کیا رسول خدا کے مقابل میں ہم تیرا ساتھ دیں گے؟ انصار کا مایوس کن جواب سن کر کچھ حواس درست ہوئے اور غیظ میں آ کر کہنے لگا کہ اے محمد! ﷺ آئندہ جو قوم بھی تیرے مقابلہ کے لئے اٹھے گی میں برابر اس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ جنگ حنین تک ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ احد میں اسی کی شرارت سے حضور ﷺ کو چشم زخم پہنچا۔ دونوں صفوں کے درمیان اس نے پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھدوا دیے تھے۔ وہیں چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا حنین کے بعد

جب ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو بھاگ کر ملک شام پہنچا اور منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار محمد ﷺ کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دے گا اور مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑے گا (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنالو۔ جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اسلام کے خلاف ہر قسم، کے سازشی مشورے ہو سکیں۔ اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے اور میں بذات خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو یہ خبیث مقاصد تھے جن کے لئے مسجد ضرار تعمیر ہوئی اور حضور ﷺ کے روبرو بہانہ یہ کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہماری نیت بری نہیں بلکہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں ناتوانوں اور ارباب حوائج کو مسجد قبا تک جانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مسجد بنائی گئی ہے تا نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجد قبا میں تنگی مکان کی شکایت نہ رہے۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لئے موجب برکت وسعادت ہو۔ یہ اس لئے کہ حضور ﷺ کا طرز عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلمان حسن ظن کی بنا پر ان کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ ﷺ اس وقت تبوک جانے کے لئے پابہ رکاب تھے فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہو سکے گا۔ جب حضور ﷺ تبوک سے واپس ہو کر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے تب جبرئیل یہ آیات لے کر آئے جن میں منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا گیا۔ آپ ﷺ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام ازراہ خداع دلفریب مسجد رکھا تھا) گرا کر پیوند زمین بنادو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا اس طرح منافقین اور ابو عامر فاسق کے سب ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دعا اور حضور ﷺ کی آمین کے موافق قنسرین (ملک شام) میں تنہا سخت بے کسی کی موت مرا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (انعام۔ ٤٥) آیت میں مَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، سے یہ ہی ابو عامر فاسق مراد ہے۔

١٢٢۔ مسجد قبا کی فضیلت: یعنی اس مسجد میں جس کی بنیاد محض، ضد، کفر و نفاق، عداوت اسلام اور مخالفت خدا اور سول پر رکھی گئی۔ آپ ﷺ کبھی نمار کے لئے کھڑے نہ ہوں۔ آپ ﷺ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ اور پرہیز گاری پر قائم ہوئی (خواہ مسجد نبوی ہو یا مسجد قبا) اس کے نمازی گناہوں اور شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر و باطن پاک وصاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی لئے خدائے پاک ان کو محبوب رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اہل قبا سے دریافت کیا کہ تم طہارت و پاکیزگی کا کیا خاص اہتمام کرتے ہو جو حق تعالیٰ نے تمہاری تطہیر کی مدح فرمائی انہوں نے کہا کہ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں یعنی عام طہارت ظاہری و باطنی کے علاوہ وہ لوگ اس چیز کا معتاد سے زائد اہتمام رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں مسجد قبا کا ذکر ہے۔ لیکن بعض روایات صریح ہیں کہ مَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى سے مسجد نبوی مراد ہے۔ علماء نے اس پر بہت کچھ کلام کیا ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کے متعلق اپنا ناقص خیال ظاہر کر کے روایات میں تطبیق دی ہے۔ یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں۔

١٢٣۔ یعنی جس کام کی بنیاد تقویٰ، یقین و اخلاص اور خدا کی رضا جوئی پر ہو وہ نہایت مستحکم اور پائدار ہوتا ہے برخلاف اس کے جس کام کی بنا شک و نفاق اور مکر و خداع پر ہو، وہ اپنی ناپائداری، بودے پن اور انجام بد کے لحاظ سے ایسا ہے جیسے کوئی عمارت ایک کھائی کے کنارہ پر کھڑی کی جائے کہ ذرا زمین سرکی یا پانی کی تھپڑ کنارہ کو لگی، ساری عمارت دھڑام سے نیچے آرہی اور آخر کار دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچی۔

١٢٤۔ یعنی بظاہر کوئی نیک عمل بھی کریں (جیسے مسجد بنانا) ظلم و انصافی کی شامت سے بن نہیں پڑتا۔

١٢٥۔ ریبہ کی تفسیر: "ریبہ" کا ترجمہ کیا ہے "شبہ" جس سے مراد نفاق ہے۔ یعنی اس عمل بد کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ ان کے دلوں میں (جب تک موت انہیں پارہ پارہ نہ کر ڈالے) نفاق قائم رہے گا۔ جیسے اسی سورت میں پہلے گذر چکا فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ بعض مترجمین نے "ریبہ" کے معنی کئے ہیں "کھٹکنا" یعنی جو عمارت انہوں نے ناپاک مقاصد کے لئے بنائی

تھی مگر حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مطلع کر کے ان کے تمام پلید مقاصد کا خاتمہ کر دیا اس کا خیال ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا سا کھٹکتا رہے گا۔ والراجح عند السلف ہو الاوّل کما حکی ابن کثیرؒ"

اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَ
اَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَــنَّةَ ‌ؕ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ
اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَ يُقۡتَلُوۡنَ‌ وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا فِى
التَّوۡرٰٮةِ وَ الۡاِنۡجِيۡلِ وَ الۡقُرۡاٰنِ‌ ؕ وَ مَنۡ اَوۡفٰى
بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَيۡعِكُمُ الَّذِىۡ
بَايَعۡتُمۡ بِهٖ‌ ؕ وَ ذٰ لِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ انکے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا اسکے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے اور یہ یہی ہے بڑی کامیابی[۱۲۶]

اَلتَّاۤئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّاۤئِحُوۡنَ
الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ
النَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ‌ ؕ وَ
بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے[۱۲۷] رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے[۱۲۸] اور حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو[۱۲۹]

۱۲۶۔ مومنین کی نفع بخش تجارت: اس سے زیادہ سود مند تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہو گی کہ ہماری حقیر سی جانوں اور فانی اموال کا خداوند قدوس خریدار بنا۔ ہماری جان و مال کو جو فی الحقیقت اسی کی مملوک و مخلوق ہے محض ادنیٰ ملابست سے ہماری طرف نسبت کر کے "بیع" قرار دیا جو "عقد بیع" میں مقصود بالذات ہوتی ہے۔ اور جنت جیسے اعلیٰ ترین مقام کو اس کا ثمن بتلایا جو بیع تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں وہ نعمتیں ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر ان کی کیفیات کا خطور ہوا۔ اب خیال کرو کہ جان و مال جو برائے نام ہمارے کہلاتے ہیں انہیں جنت کا ثمن نہیں بنایا نہ یہ کہا کہ حق تعالیٰ بائع اور ہم مشتری ہوتے تلطف و نوازش کی حد ہو گئی کہ اس ذرا سی چیز کے (حالانکہ وہ بھی فی الحقیقت اسی کی ہے) معاوضہ میں جنت جیسی لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص کر دیا جیسا کہ "بالجنۃ" کی جگہ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَــنَّةَ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے نیم جاں بستاند و صد جاں دہد۔ انچہ در وہمت نیاید آں دہد۔ پھر یہ نہیں کہ ہمارے جان و مال خرید لئے گئے تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں صرف اس قدر مطلوب ہے کہ جب موقع پیش آئے جان

ومال خدا کے راستہ میں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں۔ دینے سے بخل نہ کریں خواہ وہ لیں یا نہ لیں۔ اسی کے پاس چھوڑے رکھیں۔ اسی لئے فرمایا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ یعنی مقصود خدا کی راہ میں جان ومال حاضر کر دینا ہے بعدہٗ ماریں یا مارے جائیں۔ دونوں صورتوں میں عقد بیع پورا ہو گیا اور یقینی طور پر ثمن کے مستحق ٹھہر گئے۔ ممکن ہے کہ کسی کو وسوسہ گذرتا کہ معاملہ تو بیشک بہت سود مند اور فائدہ بخش ہے۔ لیکن ثمن نقد نہیں ملتا۔ اس کا جواب دیا وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ یعنی زر ثمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے بہت تاکید واہتمام سے پختہ دستاویز لکھ دی ہے جس کا خلاف ناممکن ہے۔ کیا خدا سے بڑھ کر صادق القول، راستباز اور وعدہ کا پکا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ لہٰذا اس کا ادھار بھی دوسروں کے نقد سے ہزاروں درجہ پختہ اور بہتر ہو گا۔ پھر مومنین کے لئے خوش ہونے اور اپنی قسمت پر نازاں ہونے کا اس سے بہتر کونسا موقع ہو گا کہ خود رب العزت ان کا خریدار بنے اور اس شان سے بنے۔ سچ فرمایا عبداللہ رواحہ نے کہ یہ وہ بیع ہے جس کے بعد اقالت کی کوئی صورت ہم باقی رکھنا نہیں چاہتے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے ہم ناتوانوں کو ان مومنین کے زمرہ میں محشور فرمائے۔ آمین۔

۱۲۷۔ مومنین کی صفات۔ سائحون کا مفہوم: بعض نے سائحون سے مراد روزہ دار لئے ہیں۔ کیونکہ روزہ دار کھانے پینے وغیرہ لذائذ و مرغوبات سے بے تعلق ہو کر روحانی مدارج اور ملکوتی مقامات کی سیر کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس لفظ کا مصداق مہاجرین ہیں جو گھر بار سے بے تعلق ہو کر "دارالاسلام" میں سکونت پذیر ہوتے ہیں۔ بعض نے مجاہدین کا ارادہ کیا ہے کہ مجاہد اپنی جان تک سے بے تعلق ہو کر خدا کے راستہ میں قربان ہونے کے لئے نکلتا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ لفظ طلبہ علوم کے لئے ہے جو وطن، کنبہ، راحت و آسائش وغیرہ سب کو خیرباد کہہ کر طلب علم کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ بہر حال مترجم محققؒ نے جو ترجمہ کیا اس میں ان سب اقوال کی گنجائش ہے مگر اکثر سلف کے نزدیک پہلی تفسیر مختار ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شاید بے تعلق رہنے سے مراد یہ ہو کہ دنیا میں دل نہ لگائے۔

۱۲۸۔ یعنی خود درست ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی درست کرتے ہیں۔ گویا ان کا کام ہے عبادت حق، اور خیر خواہی۔

۱۲۹۔ یعنی نیکی بدی کی جو حدود حق تعالیٰ نے معین فرما دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ بے حکم شرع کوئی قدم نہ اٹھائے۔ یہ سب صفات ان مومنین کی ہوئیں۔ جو جان ومال سے خدا کے ہاتھ پر بک چکے ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اور اگرچہ وہ ہوں قرابت والے جب کہ کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں دوزخ والے [۱۳۰]

وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا اس سے پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے بیزار ہو گیا بیشک ابراہیم بڑا نرم دل تھا تحمل کرنے والا [۱۳۱]

۱۳۰۔ مشرک آباء کے لئے استغفار کی ممانعت: مومنین جب جان ومال سے خدا کے ہاتھ بیع ہو چکے تو ضروری ہے کہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں۔ اعداء اللہ سے جن کا دشمن خدا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو۔ محبت و مہربانی کا واسطہ نہ رکھیں۔ خواہ یہ دشمنان خدا ان کے ماں باپ، چچا، تایا اور خاص بھائی بند ہی کیوں نہ ہوں۔ جو خدا کا باغی اور دشمن ہے وہ اس کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔ پس جس شخص کی بابت پتہ چل جائے کہ بالیقین دوزخی ہے۔ خواہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے یا اس طرح کہ علانیہ کفر و شرک پر اس کو موت آچکی ہو اس کے حق میں استغفار کرنا اور بخشش مانگنا ممنوع ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے حق میں اتری۔ اور بعض نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے چاہا کہ اپنے آباء مشرکین کے لئے جو مر چکے تھے استغفار کریں۔ اس آیت میں ان کو منع کیا گیا۔ بہر حال شان نزول کچھ ہو حکم یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے حق میں جن کا خاتمہ کفر و شرک پر معلوم ہو جائے استغفار جائز نہیں۔ (تنبیہ) حضور ﷺ کے والدین کے بارہ میں علمائے اسلام کے اقوال بہت مختلف ہیں۔ بعض نے ان کو مومن و ناجی ثابت کرنے کے لئے مستقل رسائل لکھے ہیں اور شراح حدیث نے محدثانہ متکلمانہ بحثیں کی ہیں۔ احتیاط و سلامت روی کا طریقہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ زبان بند رکھی جائے۔ اور ایسے نازک مباحث میں خوض کرنے سے احتراض کیا جائے۔ حقیقت حال کو خدا ہی جانتا ہے اور وہ ہی تمام مسائل کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔

۱۳۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار: سورہ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے باپ نے قبول حق سے اعراض کیا اور جد و عناد سے حضرت ابراہیمؑ کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا تو آپ نے والدین کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا سَلٰمٌ عَلَيۡكَ‌ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىۡ حَفِيًّا (مریم۔۴۷) یعنی میں خدا سے تیرے لئے استغفار کروں گا اس وعدہ کے موافق آپ برابر استغفار کرتے رہے۔ چنانچہ دوسری جگہ وَاغۡفِرۡ لِاَبِىۡۤ فرمانے کی تصریح ہے اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ابراہیمؑ ایک مشرک کی حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے۔ نہیں غرض یہ تھی کہ اس کو توفیق دے کہ حالت شرک سے نکل کر آغوش اسلام میں آجائے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ اِنَّ الۡاِسۡلَامَ يَهۡدِمُ مَا كَانَ قَبۡلَهٗ ابراہیمؑ کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں اس کا جواب حق تعالیٰ نے دیا کہ ابراہیمؑ نے وعدہ کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لئے استغفار کیا۔ جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو ابراہیمؑ اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعا و استغفار وغیرہ ترک کر دیا۔ پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعا کرتے تھے۔ جب توبہ و رجوع کے احتمالات منقطع ہو گئے تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں ابراہیمؑ عرض کریں گے کہ خداوندا! تیرا وعدہ ہے کہ مجھے رسوا نہ کرے گا۔ مگر اس سے زیادہ کیا رسوائی ہو گی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے۔ اسی وقت ان کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضبع (کفتار) کی سی ہو جائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے شاید یہ اس لئے ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دار و مدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی ہے پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًاۢ بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮهُمۡ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمۡ مَّا يَتَّقُوۡنَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جبکہ ان کو راہ پر لا چکا جب تک کھول نہ دے ان پر جس سے انکو بچنا چاہئے بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے [۱۳۲]

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

١١٦۔ اللہ ہی کی ہے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا کوئی نہیں اللہ کے سوا حمایتی اور نہ مددگار [١٣٣]

١٣٢۔ اللہ کی طرف سے اتمام حجت ضرور ہوتا ہے: یعنی اتمام حجت اور اظہار حق سے پہلے خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ گمراہی یہ ہے کہ جب خدا اپنے احکام صاف کھول کر بیان کر چکا پھر امتثال نہ کیا جائے گویا اشارہ کر دیا کہ جو لوگ ممانعت سے قبل مشرکین کے لئے استغفار کر چکے ہیں ان پر مواخذہ نہیں۔ لیکن اب اطلاع پانے کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔

١٣٣۔ جب اس کی سلطنت ہے تو اسی کا حکم چلنا چاہئے۔ وہ علم محیط اور قدرت کاملہ سے جو احکام نافذ کرے۔ بندوں کا کام ہے کہ بے خوف و خطر تعمیل کریں۔ کسی کی رورعایت کو دخل نہ دیں۔ کیونکہ خدا کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ
الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ
بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ
عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ۙ

١١٧۔ اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں [١٣٤] بعد اسکے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا [١٣٥]

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ
عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ
اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ع

١١٨۔ اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا [١٣٦] یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اس کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا [١٣٧]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

١١٩۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے [١٣٨]

۱۳۴۔ تبوک کے شرکاء کی فضیلت: مشکل کی گھڑی سے مراد غزوہ تبوک کا زمانہ ہے جس میں کئی طرح کی مشکلات جمع تھیں۔ سخت گرمی طویل مسافت کھجور کا موسم اس زمانہ کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلہ پر فوج کشی پھر ظاہری بے سروسامانی ایسی کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں پر تقسیم ہوتی تھی۔ اخیر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ بہت سے مجاہدین ایک ہی کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ پھر پانی کے فقدان سے اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آگئی۔ سواری کا اتنا قحط تھا کہ دس دس آدمی ایک ایک اونٹ پر اترتے چڑھتے چلے جارہے تھے۔ یہ ہی وہ جذبہ ایثار و فداکاری تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو تمام دنیا کی قوموں پر غالب کر دیا۔ فللہ الحمد والمنہ۔

۱۳۵۔ خدا کی مہربانیاں پیغمبر علیہ السلام پر بے شمار ہیں۔ اور آپ ﷺ کی برکت سے مہاجرین و انصار پر بھی حق تعالیٰ کی مخصوص توجہ اور مہربانی رہی ہے کہ ان کو ایمان و عرفان سے مشرف فرمایا۔ اتباع نبوی، جہاد فی سبیل اللہ اور عزائم امور کے سرانجام دینے کی ہمت و توفیق بخشی۔ پھر ایسے مشکل وقت میں جبکہ بعض مومنین کے قلوب بھی مشکلات اور صعوبتوں کا ہجوم دیکھ کر ڈگمگانے لگے تھے اور قریب تھا کہ رفاقت نبوی سے پیچھے ہٹ جائیں۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ مہربانی اور دستگیری فرمائی کہ ان کو اس قسم کے خطرات و وساوس پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور مومنین کی ہمتوں کو مضبوط اور ارادوں کو بلند کیا۔

۱۳۶۔ غزوہ تبوک میں رہ جانے والے تین صحابی: یہ تین شخص کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع ہیں۔ جو باوجود مومن مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کی بنا پر بدون عذر شرعی کے تبوک کی شرکت سے محروم رہے۔ جب حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو نہ انہوں نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کئے اور نہ بعض صحابہ کی طرح اپنے کو ستونوں سے باندھا۔ جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا اور اپنی کوتاہی اور تقصیر کا علانیہ اعتراف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان کے بواطن کو خدا کے سپرد کیا گیا۔ "اصحاب سواری" کی (یعنی جو مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے تھے) توبہ قبول کر لی گئی۔ اور ان تینوں کا فیصلہ تادیباً کچھ مدت کے لئے ملتوی رکھا گیا۔ پچاس دن گذرنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی پیچھے رکھے جانے کا یہ ہی مطلب ہے۔ جیسا کہ بخاری میں خود کعب بن مالک سے نقل کیا ہے۔"

۱۳۷۔ حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ: "ان تین میں سے حضرت کعبؓ بن مالک نے اپنا واقعہ نہایت شرح و بسط سے عجیب موثر طرز میں بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں اس کے بعض اجزاء نقل کئے جاتے ہیں کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ تبوک کی مہم چونکہ بہت سخت اور دشوار گذرا تھی حضور ﷺ نے صحابہ کو عام حکم تیاری دیا۔ لوگ مقدور و استطاعت کے موافق سامان سفر درست کرنے میں مشغول تھے۔ مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا فوراً تیار ہو کر ساتھ چلا جاؤں گا۔ کیونکہ بفضل ایزدی اس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میسر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت کے نشہ میں رہا۔ ادھر نبی کریم ﷺ نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا۔ مجھے اب بھی یہ خیال تھا کہ حضور روانہ ہو گئے تو کیا ہے اگلی منزل پر آپ سے جا ملوں گا۔ آج چلوں کل چلوں اسی امروز فردا میں وقت نکل گیا۔ حضور ﷺ نے تبوک پہنچ کر فرمایا مَافَعَلَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ (کعب بن مالک کو کیا ہوا) بنی سلمہ کا ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ! اس کی عیش پسندی اور اعجاب وغرور نے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ معاذ بن جبل نے کہا کہ تو نے بری بات کہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ حضور ﷺ یہ گفتگو سن کر خاموش رہے۔ کعب کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تشریف بری کے بعد بہت زیادہ وحشت اس سے ہوتی تھی کہ سارے مدینہ میں پکے منافق یا معذور مسلمان کے سوا مجھے کوئی مرد نظر نہ پڑتا تھا۔ بہر حال اب دل میں طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کئے کہ آپ ﷺ کی واپسی پر فلاں عذر کر کے جان بچا لوں گا۔ مگر جس وقت معلوم ہوا کہ حضور ﷺ خیر و عافیت سے واپس تشریف لے آئے دل سے سارے جھوٹ فریب محو ہو گئے اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں

نجات دلانے والی نہیں۔ حضور ﷺ مسجد میں رونق افروز تھے اصحاب کا مجمع تھا۔ منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے کہ میں حضور ﷺ کے سامنے آیا۔ میرے سلام کرنے پر آپ ﷺ نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی ۔میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ﷺ اگر اس وقت میں دنیاوالوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ ﷺ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے کو صاف بچالیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات مقدس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کر لوں تو تھوڑی دیر کے بعد خدا اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دے گا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو تھوڑی دیر کے لئے آپ ﷺ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی لیکن میں امید کرتا ہوں کہ خدا کی طرف سے اس کا انجام بہتر ہوگا۔ اور آخر کار سچ بولنا ہی مجھے خدا اور سول کے غصہ سے نجات دلائے گا۔ یا رسول اللہ ﷺ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں جس وقت حضور ﷺ کی ہمرکابی کے شرف سے محروم ہوا اس وقت سے زیادہ فراخی اور مقدرت کبھی مجھ کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ میں مجرم ہوں آپ ﷺ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا جاؤ اور خدائی فیصلہ کا انتظار کرو۔

تینوں صحابیوں سے معاشرتی مطالبہ: میں اٹھا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ (ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع) یہ دو شخص بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ ہم تینوں کے متعلق آپ ﷺ نے حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے۔ سب علیحدہ رہیں۔ چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے شب و روز گھر میں وقف گریہ و بکار رہتے تھے۔ میں ذرا سخت اور قوی تھا۔ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا۔ حضور ﷺ کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب میں حضور ﷺ کی طرف دیکھتا آپ ﷺ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز ایک شخص نے بادشاہ "غسان" کا خط مجھے دیا۔ جس میں میری مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اس کے ملک میں آجاؤں۔ وہاں میری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ میں نے پڑھ کر کہا کہ یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط میں نے نذر آتش کر دیا۔ چالیس دن گذرنے کے بعد بارگاہ رسالت سے جدید حکم پہنچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں۔ چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ نہ ہو وہیں ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی تو حضور ﷺ میرا جنازہ نہ پڑھیں گے۔ اور فرض کیجئے ان دنوں میں آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو مسلمان ہمیشہ یہ ہی معاملہ مجھ سے رکھیں گے۔ میری میت کے قریب بھی کوئی نہ آئے گا۔ غرض پچاس دن اسی حالت میں گذرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فراخی کے تنگ تھی بلکہ عرصہ حیات تنگ ہوگیا تھا زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی۔ کہ یکایک جبل سلع سے آواز آئی "یا کعب بن مالک! ابشر" (اے کعب بن مالک خوش ہو جا) میں سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ اخیر شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ قبول ہے آپ ﷺ نے بعد نماز فجر صحابہ کو مطلع فرمایا۔ ایک سوار میری طرف دوڑا کہ بشارت سنائے۔ مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے للکارا۔ اس کی آواز سوار سے پہلے پہنچی اور میں نے اپنے بدن کے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیے۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ جوق جوق آتے اور مجھے مبارکباد دیتے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے تیری توبہ قبول فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ اس توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنا کل مال و جائداد خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب نہیں کچھ اپنے لئے روکنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے خیبر کا حصہ الگ کر کے باقی مال صدقہ کر دیا۔ چونکہ محض سچ بولنے سے مجھ کو نجات ملی تھی اس لئے عہد کیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ اس عہد

کے بعد بڑے سخت امتحانات پیش آئے۔ مگر الحمد اللہ میں سچ کہنے سے کبھی نہیں ہٹا۔ اور نہ انشاء اللہ تازیست ہٹوں گا۔ یہ واقعہ ہے جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ گویا ان تینوں پر خدا کی پہلی مہربانی تو یہ ہی تھی کہ ایمان و اخلاص بخشا نفاق سے بچایا۔ اب نئی مہربانی یہ ہوئی کہ توبہ نصوح کی توفیق دے کر پھر اپنی طرف کھینچ لیا اور کوتاہیوں کو معاف فرما دیا۔

۱۳۸۔ سچوں کی صحبت: یعنی سچوں کی صحبت رکھو اور انہی جیسے کام کرو۔ دیکھ لو یہ تین شخص سچ کی بدولت بخشے گئے اور مقبول ٹھہرے منافقین نے جھوٹ بولا اور خدا کا ڈر دل سے نکال دیا تو "درک اسفل" کے مستحق بنے۔

مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَ مَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ نہ چاہئے مدینہ والوں کو اور انکے گرد کے گنواروں کو کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ کے ساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے [۱۳۹] یہ اس واسطے کہ جہاد کرنے والے نہیں پہنچتی انکو پیاس اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے کہ خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے اسکے بدلے نیک عمل بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنے والوں کا [۱۴۰]

وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَةً صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً وَّلَا يَقۡطَعُوۡنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا اور نہ طے کرتے ہیں کوئی میدان مگر لکھ لیا جاتا ہے انکے واسطے [۱۴۱] تا کہ بدلا دے ان کو اللہ بہتر اس کام کا جو کرتے تھے [۱۴۲]

۱۳۹۔ حضرت ابو خیثمہ کا واقعہ: "یعنی رسول ﷺ تو تکلیفیں اٹھائیں اور ہم آرام سے بیٹھے رہیں ایسا نہیں چاہئے حدیث میں ہے کہ ابو خیثمہؓ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور ﷺ کی روانگی کے بعد باغ میں گئے وہاں خوشگوار سایہ تھا حسین و جمیل بیوی سامنے تھی اس نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کر دیا چٹائی کا فرش کیا۔ تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے اور سرد و شیریں پانی حاضر کیا۔ یہ سامان عیش دیکھ کر دفعتہً ابو خیثمہؓ کے دل میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ بولے تف ہے اس زندگی پر کہ میں تو خوش گوار سائے ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹ رہا ہوں اور خدا کا محبوب پیغمبر ایسی سخت لو اور گرمی و تشنگی کے عالم میں کوہ و بیابان طے کر رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی سواری منگائی، تلوار

حمائل کی، نیزہ سنبھالا اور حضور ﷺ کے نقش قدم پر چل نکلے۔ اونٹنی تیز ہوا کی طرح چل رہی تھی، آخر لشکر کو جا پکڑا۔ حضور ﷺ نے دور سے دیکھ کر کہ کوئی اونٹنی سوار ریت کے ٹیلے قطع کرتا چلا آرہا ہے، فرمایا "کن اباخیثمہ" (ہو جا ابو خیثمہ) تھوڑی دیر میں سب نے دیکھ لیا کہ وہ ابو خیثمہؓ ہی تھے۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابۃ رضوا عنہ۔

۱۴۰۔ یعنی باوجودیکہ ان میں سے اکثر چیزیں (مثلاً بھوک، پیاس لگنا، یا تکلیف پہنچنا) اختیاری کام نہیں ہیں، تاہم نیت جہاد کی برکت سے ان غیر اختیاری چیزوں کے مقابلہ میں اعمال صالحہ ان کی فرد حسنات میں درج کر دیے جائیں گے جن پر خدا اجر نیک مرحمت فرمائے گا۔

۱۴۱۔ خرچ کرنا یا میدان طے کرنا، خود عمل صالح اور اختیاری افعال ہیں۔ اسی لئے یہاں اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ فرمایا۔ گذشتہ آیت کی طرح اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ نہیں ارشاد ہوا۔ نبہ علیہ ابن کثیرؒ۔

۱۴۲۔ یعنی بہترین عمل کی بہترین جزا دے گا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

۱۲۲۔ اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں [۱۴۳]

ع ۱۵ ۴

۱۴۳۔ گذشتہ رکوعات میں "جہاد" میں نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت تھی۔ ممکن تھا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمانوں پر نکلنا فرض عین ہے اس آیت میں فرما دیا کہ نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے، نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان ایک دم جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں مناسب یہ ہے کہ ہر قبیلہ اور قوم میں سے ایک جماعت نکلے، باقی لوگ دوسری ضروریات میں مشغول ہوں۔ اب اگر نبی کریم ﷺ بنفس نفیس جہاد کے لئے تشریف لے جارہے ہوں تو ہر قوم میں سے جو جماعت آپ کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہ کر اور سینکڑوں حوادث و واقعات میں سے گذر کر دین اور احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرے گی اور واپس آکر اپنی باقی ماندہ قوم کو مزید علم و تجربہ کی بناء پر بھلے برے سے آگاہ کرے گی اور فرض کیجئے اگر حضور ﷺ خود مدینہ میں رونق افروز رہے تو باقی ماندہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور ﷺ کی خدمت سے مستفید ہو کر دین کی باتیں سیکھیں گے۔ اور مجاہدین کی غیبت میں جو وحی و معرفت کی باتیں سنیں گے ان سے واپسی کے بعد مجاہدین کو خبردار کریں گے۔ آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے اعتبار سے دونوں احتمال ہیں۔ کما "فی روح المعانی" وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہر قوم میں سے چاہئے بعضے لوگ پیغمبر کی صحبت میں رہیں تا علم دین سیکھیں اور پچھلوں کو سکھائیں۔ اب پیغمبر ﷺ اس دنیا میں موجود نہیں لیکن علم دین اور علماء موجود ہیں۔ طلب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد بھی فرض کفایہ ہے۔ البتہ اگر کسی وقت امام کی طرف سے نفیر عام ہو جائے تو "فرض عین" ہو جاتا ہے۔ تبوک میں یہ ہی صورت تھی اس لئے پیچھے رہنے والوں سے باز پرس ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ابو حیان کے نزدیک یہ آیت جہاد کے لئے نہیں، طلب علم کے بارہ میں ہے۔ جہاد اور طلب علم کی آیات میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں خروج فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء و اعلائے دین ہے۔ ایک میں تلوار سے دوسرے میں زبان وغیرہ سے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ يَلُوۡنَكُمۡ مِّنَ الۡكُفَّارِ وَلۡيَجِدُوۡا فِيۡكُمۡ غِلۡظَةً ‌ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے [۱۴۴] اور چاہئے کہ ان پر معلوم ہو تمہارے اندر سختی [۱۴۵] اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے [۱۴۶]

وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعضے ان میں کہتے ہیں کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان سو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ اور جنکے دل میں مرض ہے سو انکے لئے بڑھا دی گندگی پر گندگی اور وہ مرنے تک کافر ہی رہے [۱۴۷]

اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ثُمَّ لَا يَتُوۡبُوۡنَ وَلَا هُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر برس میں ایک بار یا دو بار پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں [۱۴۸]

وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا‌ ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو دیکھنے لگتا ہے ان میں ایک دوسرے کی طرف کہ کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی مسلمان پھر چل دیتے ہیں [۱۴۹] پھیر دیے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے [۱۵۰]

۱۴۴۔ حصول علم کی ضرورت و اہمیت: "جہاد فرض کفایہ ہے جو ترتیب طبعی کے موافق اول ان کفار سے ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں بعدہٗ ان کے قریب رہنے والوں سے اسی طرح درجہ بدرجہ حلقہ جہاد کو وسیع کرنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے "دفاعی جہاد" میں بھی فقہاء نے یہ ہی ترتیب رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر۔ وہ کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہیں۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا۔

۱۴۵۔ دشمن کے مقابلے میں سختی: مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنان خدا اور رسول کے معاملہ میں سخت و شدید ہو۔ تا کہ اس کی نرمی اور ڈھیلا پن دیکھ کر دشمن جری نہ ہو جائے۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ۔۵۴) وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح۔۲۹) جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ۔۷۳) وفی الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انا الضَّحُوْكُ الْقَتَّال

۱۴۶۔ تقویٰ غلبہ کا سبب ہے: یعنی خدا سے ڈرنے والے کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دبنے کی کوئی وجہ نہیں جب تک اور جس قدر مسلمان خدا سے ڈرتے رہے اسی وقت تک اور اسی قدر ان کو کفار پر غلبہ حاصل ہوتا رہا۔ حق تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنا ڈر پیدا کر دے۔

۱۴۷۔ مسلمانوں سے منافقین کا استہزاء: جب کوئی سورہ قرآنی نازل ہوتی تو منافقین آپس میں ایک دوسرے سے یا بعض سادہ دل مسلمانوں سے از راہ استہزاء و تمسخر کہتے کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کس کا ایمان اس سورت نے بڑھایا۔ مطلب یہ تھا کہ (معاذ اللہ) اس سورت میں رکھا ہی کیا ہے۔ کون سے حقائق و معارف ہیں جو ایمان ویقین کی ترقی کا موجب ہوں۔ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ بیشک کلام الٰہی سن کر مومنین کے ایمان میں تازگی اور ترقی ہوتی ہے قلوب مسرور و منشرح ہوتے ہیں۔ ہاں جن کے دلوں میں کفر ونفاق کی بیماری اور گندگی ہے ان کی بیماری و گندگی میں اضافہ ہو جاتا ہے حتّٰی کہ یہ بیماری ان کی جان ہی لے کر چھوڑتی ہے بارِاں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔ در باگ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دوسری طرح آیت کی تقریر کی ہے یعنی کلام الٰہی جس مسلمان کے دل کے خطرہ سے موافق پڑتا وہ خوش ہو کر بول اٹھتا کہ سبحان اللہ۔ اس آیت نے میرا ایمان ویقین اور زیادہ کر دیا اسی طرح جب کسی سورت میں منافقین کے پوشیدہ عیوب ظاہر کئے جاتے، تو وہ بھی شرمندگی سے کھسیانے ہو کر کہتے کہ بیشک اس کلام نے ہمارے یقین کو بڑھا دیا۔ لیکن یہ کہنا چونکہ خوشی اور انشراح سے نہ تھا، محض رفع خجالت کے لئے کہہ دیتے تھے اس لئے یہ توفیق نہ ہوتی تھی کہ آئندہ توبہ کر کے سچے دل سے حق کی پیروی کریں۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اپنے عیب چھپانے کی فکر و تدبیر کرتے تھے یہ ہی ہے گندگی پر گندگی۔ عیب دار کو لازم ہے کہ نصیحت سن کر اپنی اصلاح کرے نہ یہ کہ الٹا ناصح سے چھپانے لگے۔

۱۴۸۔ اللہ کی طرف سے منافقین کی آزمائش: یعنی ہر سال کم از کم ایک دو مرتبہ ان منافقین کو فتنہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ مثلاً قحط، بیماری وغیرہ کسی آفت ارضی وسماوی میں مبتلا ہوتے ہیں یا پیغمبر علیہ السلام کی زبانی ان کا نفاق علانیہ ظاہر کر کے رسوا کیا جاتا ہے یا جنگ وجہاد کے وقت ان کی بزدلی اور تیرہ باطنی بے نقاب کر دی جاتی ہے مگر وہ ایسا بے حیا اور بدباطن واقع ہوئے ہیں کہ تازیانے کھا کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے نہ پچھلی خطاؤں سے توبہ کرتے ہیں نہ آئندہ کو نصیحت پکڑتے ہیں۔

۱۴۹۔ جس وقت وحی نازل ہوتی اور منافقین مجلس میں موجود ہوتے تو کلام الٰہی کا سننا ان پر بہت شاق گذرتا تھا خصوصًا وہ آیات جن میں ان کے عیوب کھولے جاتے تھے۔ اس وقت ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے اشارے کرتے اور ادھر ادھر دیکھتے کہ مجلس میں کسی مسلمان نے ہم کو پرکھا نہ ہو۔ پھر نظر بچا کر شتاب مجلس سے کھسک جاتے تھے۔

۱۵۰۔ یعنی مجلس نبوی سے کیا پھرے۔ خدا نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کہ وہ اپنی جہل وحماقت سے ایمان وعرفان کی باتوں کو سمجھنا اور قبول کرنا نہیں چاہتے۔

لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ

۱۲۸۔ آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا[۱۵۱] بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے[۱۵۲] حریص ہے تمہارے بھلائی پر[۱۵۳] ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے[۱۵۴]

رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾ ع ١٦/ع ٥

۱۲۹۔ پھر بھی اگر منہ پھیریں تو کہہ دے کہ کافی ہے مجھ کو اللہ کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی مالک ہے عرش عظیم کا[۱۵۵]

۱۵۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات: جس کے حسب ونسب، اخلاق واطوار اور دیانت وامانت سے تم خوب واقف ہو۔

۱۵۲۔ جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ ان پر بہت بھاری ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے آپ یہ ہی چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو اور دنیوی و اخروی عذاب سے محفوظ رہے۔ اسی لئے جو دین آپ ﷺ لائے وہ بھی سہل اور نرم ہے۔ اور عمال کو آپ یہ ہی نصیحت فرماتے تھے۔ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (آسانی کرو سختی مت کرو)۔

۱۵۳۔ یعنی تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ لوگ دوزخ کی طرف بھاگتے ہیں، آپ ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر ادھر سے ہٹاتے ہیں آپ کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ خدا کے بندے اصلی بھلائی اور حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ جہاد وغیرہ کا مقصد بھی خونریزی نہیں بلکہ بحالت مجبوری سخت آپریشن کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے فاسد ومسموم اعضاء کو کاٹ کر اور خراب جراثیم کو تباہ کر کے امت کے مزاج عمومی کو صحت واعتدال پر رکھنا ہے۔

۱۵۴۔ جب آپ تمام جہان کے اس قدر خیر خواہ ہیں تو خاص ایمانداروں کے حال پر ظاہر ہے کس قدر شفیق ومہربان ہوں گے۔

۱۵۵۔ اس آیت کی فضیلت: گر آپ کی عظیم الشان شفقت، خیر خواہی اور دل سوزی کی لوگ قدر نہ کریں، تو کچھ پروا نہیں۔ اگر فرض کیجئے۔ ساری دنیا آپ سے منہ پھیر لے تو تنہا خدا آپ کو کافی ہے جس کے سوا نہ کسی کی بندگی ہے نہ کسی پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کی سلطنت اور "عرش عظیم" (تخت شہنشاہی کا) مالک وہ ہی ہے۔ سب نفع وضرر، ہدایت وضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ فائدہ ابوداؤد میں ابوالدرداء سے روایت کی ہے کہ جو شخص صبح وشام سات سات مرتبہ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پڑھا کرے، خدا اس کے تمام ہموم وغموم کو کافی ہو جائے گا۔ باقی عرش کی عظمت کے متعلق اگر تفصیل دیکھنا ہو تو "روح المعانی" زیر آیت حاضرہ ملاحظہ کیجئے۔

تم سورۃ التوبہ بفضل اللہ وحسن توفیقہ۔ اللھم تب علی واجعل لی براۃ من النار انک انت التواب الرحیم۔

اٰياتها ١٠٩ ١٠ سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ٥١ ركوعاتها ١١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱﴾

۱۔ یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی[۱]

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ
اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ
قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ
هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲﴾

۲۔ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ وحی بھیجی ہم نے ایک مرد پر ان میں سے یہ کہ ڈر سنا دے لوگوں کو اور خوشخبری سنا دے ایمان لانے والوں کو کہ ان کے لئے پایہ سچا ہے اپنے رب کے یہاں[۲] کہنے لگے منکر بیشک یہ تو جادوگر ہے صریح[۳]

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِىۡ
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ
مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ
رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳﴾

۳۔ تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں[۴] پھر قائم ہوا عرش پر[۵] تدبیر کرتا ہے کام کی[۶] کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد[۷] وہ اللہ ہے رب تمہارا سو اسکی بندگی کرو کیا تم دھیان نہیں کرتے[۸]

اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ
يَبۡدَؤُا الۡخَـلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ
شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا

۴۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو[۹] وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی پیدا کرتا ہے اول بار پھر دوبارہ کرے گا اس کو تاکہ بدلا دے انکو جو ایمان لائے تھے اور کئے تھے کام نیک انصاف کے ساتھ[۱۰] اور جو کافر ہوئے ان کو پینا ہے کھولتا پانی اور عذاب ہے دردناک اس لئے کہ کفر کرتے تھے

يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

۱۔ کتاب حکیم: یہ آیتیں ایسی مضبوط و محکم کتاب کی ہیں جس کی ہر بات پکی ہے۔ الفاظ اس لئے کہ ہمیشہ تبدیل و تحریف سے محفوظ رہیں گے علم اس لئے کہ تمامتر عقل و حکمت کے موافق ہیں۔ احکام اس وجہ سے کہ آئندہ کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں۔ اخبار و قصص اس طرح کہ ٹھیک ٹھیک واقع کے مطابق ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خدائے علیم و حکیم نے اس کو اپنے علم کامل کے زور سے اتارا ہے۔

۲۔ اللہ کے نزدیک مومنین کا مرتبہ: یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے حق تعالیٰ ایک انسان ہی کو مامور فرما دے اور اس کی طرف وہ پیغام بھیجے جس کی دوسروں کو بلاواسطہ خبر نہ ہو وہ تمام لوگوں کو خدا کی نافرمانی کے مہلک نتائج و عواقب سے آگاہ کرے۔ اور خدا کی بات ماننے والوں کو بشارت پہنچائے کہ رب العزت کے یہاں اعمال صالح کی بدولت ان کا مرتبہ کتنا اونچا اور کیسا بلند پایہ ہے۔ اور کیسی سعادت و فلاح ازل سے ان کے لئے لکھی جا چکی ہے۔

۳۔ یعنی وحی قرآنی کو فوق العادت مؤثر و بلیغ ہونے کی وجہ سے جادو، اور اس کے لانے والے کو جادوگر کہتے ہیں۔

۴۔ چھ دن میں زمین و آسمان کی پیدائش: یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا اور ایک دن ابن عباس کی تفسیر کے موافق ایک ہزار سال کا لیا جائے گا۔ گویا چھ ہزار سال میں زمین و آسمان وغیرہ تیار ہوئے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ قادر تھا کہ آن واحد میں ساری مخلوق کو پیدا کر دیتا۔ لیکن حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کی تدریجاً پیدا کیا جائے۔ شاید بندوں کو سبق دینا ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کام سوچ سمجھ کر تائی اور متانت سے کیا کریں۔ نیز تدریجی تخلیق کی بہ نسبت دفعۃً پیدا کرنے کے اس بات کا زیادہ اظہار ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل بالاضطرار نہیں۔ بلکہ ہر چیز کا وجود بالکلیہ اس کی مشیت و اختیار سے وابستہ ہے جب چاہے جس طرح چاہے پیدا کرے۔

۵۔ سورہ اعراف کے ساتویں رکوع کے شروع میں اسی طرح کی آیت گذر چکی۔ اس کا فائدہ ملاحظہ کیا جائے۔

۶۔ یعنی مخلوق کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۷۔ یعنی شریک اور حصہ دار تو اس کی خدائی میں کیا ہوتا، سفارش کے لئے بھی اس کی اجازت کے بدون لب نہیں ہلا سکتا۔

۸۔ یعنی دھیان کرو کہ ایسے رب کے سوا جس کی صفات اوپر بیان ہوئیں دوسرا کون ہے جس کی بندگی اور پرستش کی جا سکے۔ پھر تم کو کیسے جرأت ہوتی ہے کہ اس خالق و مالک شہنشاہ مطلق اور حکیم برحق کے پیغاموں اور پیغامبروں کو محض اوہام و ظنون کی بنا پر جھٹلانے لگو۔

۹۔ یعنی اسی سے تم سب کا آغاز ہوا اور اسی کی طرف انجام کار سب کو جانا ہے۔ پھر اس کے احکام و سفراء سے سرتابی کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی ضائع نہ ہو۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ
قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ
الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ
يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

۵۔ وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک (چمکتا) اور چاند کو چاندنا[11] اور مقرر کیں اسکے لئے منزلیں[12] تا کہ پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب[13] یوں ہی نہیں بنایا اللہ نے یہ سب کچھ مگر تدبیر سے[14] ظاہر کرتا ہے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جن کو سمجھ ہے[15]

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝۶

۶۔ البتہ بدلنے میں رات اور دن کے اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں[۱۶]

۱۱۔ نور اور ضیاء کا فرق: بعض کے نزدیک "نور" عام ہے "ضیاء" سے۔ "ضیاء" خاص اس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو۔ بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد ہو، وہ "نور" ہے۔ سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ "نور" مطلق روشنی کو کہتے ہیں۔ "ضیاء" اور "ضوء" اس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے۔ سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے اس لئے "ضیاء" سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

۱۲۔ یعنی روزانہ بتدریج گھٹتا بڑھتا ہے۔ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ (یٰس۔۳۹) علمائے ہیئت نے اس کے دورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں۔ جو بارہ بروج پر منقسم ہیں۔ قرآن میں خاص ان کی مصطلحات مراد نہیں مطلق سیر و مسافت کے مدارج مراد ہیں۔

۱۳۔ شمس و قمر کے بعض فوائد: یعنی برسوں کی گنتی اور مہینوں اور دنوں کے چھوٹے موٹے حساب سب چاند سورج کی رفتار سے وابستہ کر دیے ہیں۔ اگر چاند سورج نہ ہوں تو دن رات، قمری اور شمسی مہینے اور سال وغیرہ کیسے متعین ہوں۔ حالانکہ علاوہ دنیوی زندگی اور معاشی کاروبار کے بہت سے احکام شرعیہ میں بھی تعین اوقات کی ضرورت ہے۔

۱۴۔: یعنی فلکیات کا سلسلہ یوں ہی کیفما اتفق نہیں۔ بلکہ بڑے عظیم الشان نظام و تدبیر کے ماتحت اور ہزارہا فوائد و حکم پر مشتمل ہے۔

۱۵۔ یعنی سمجھ دار لوگ مصنوعات کے اس نظام کو دیکھ کر خداوند قادر و حکیم کی ہستی کا سراغ پاتے ہیں اور مادیات کے انتظام سے روحانیات کے متعلق بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ وہاں کی دنیا میں کیسے کیسے چاند سورج خدا نے پیدا کئے ہوں گے۔ انہی کو انبیاء و مرسلین کہہ لیجئے۔

۱۶۔ دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں: بلاشبہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں خدا کی ہستی اور وحدانیت کے دلائل موجود ہیں وَفِی كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ۔ سورہ بقرہ میں پارہ سیقول کے ربع کے قریب ایک آیت گذر چکی جس میں زیادہ بسط و تفصیل سے ان نشانہائے قدرت کا بیان ہوا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷

۷۔ البتہ جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں (قدرتوں) سے بے خبر ہیں[۱۷]

اُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸

۸۔ ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلا اس کا جو کماتے تھے[۱۸]

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ

۹۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے ہدایت کرے گا ان کو رب ان کا ان کے ایمان سے[۱۹] بہتی ہیں ان

رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ‌ۚ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِىۡ
جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ۝۹

کے نیچے نہریں باغوں میں آرام کے

دَعۡوٰٮهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا
سَلٰمٌ‌ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰٮهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۰ ع ۱/۶

۱۰۔ ان کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات ہے تیری یا اللہ [۲۰] اور ملاقات ان کی سلام [۲۱] اور خاتمہ انکی دعا کا اس پر کہ سب خوبی اللہ کو جو پروردگار سارے جہان کا [۲۲]

۱۷۔ اللہ کی نشانیوں سے غفلت: یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی۔ اسی چندروزہ حیات کو مقصود و معبود بنالیا۔ اور قدرت کی جو نشانیاں اوپر بیان ہوئیں، ان میں کبھی غور و تامل نہ کیا۔ کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار نہیں بنایا گیا۔ ضرور اس سارے کارخانہ کا کوئی خاص مقصد ہو گا۔ پھر جس نے پہلی مرتبہ ایسی عجیب و غریب مخلوقات پیدا کر دی، اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

۱۸۔ یعنی دل و دماغ سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں سے، جو کچھ انہوں نے کمائی کی اس کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔

۱۹۔ یعنی ایمان کی بدولت اور اس کی روشنی میں حق تعالیٰ مومنین کو مقصد اصلی (جنت) تک پہنچائے گا۔

۲۰۔ اہل بہشت کی دعا: جنتی جنت کی نعمتوں اور خدا کے فضل و احسان کو دیکھ کر سُبۡحٰنَ اللّٰہِ پکاریں گے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگنے کی خواہش ہو گی مثلاً کوئی پرندہ یا پھل دیکھا اور ادھر رغبت ہوئی تو سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے۔ اتنا سنتے ہی فرشتے وہ چیز فوراً حاضر کر دیں گے۔ گویا یہی ایک لفظ تمام دعاؤں کے قائم مقام ہو گا۔ دنیا میں بھی بڑے آدمیوں کے یہاں دستور ہے کہ مہمان اگر کسی چیز کو پسند کر کے صرف تعریف کر دے تو غیور میزبان کوشش کرتا ہے کہ وہ چیز مہمان کے لئے مہیا کرے۔

۲۱۔ اہل جنت کا سلام: جنتی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کریں گے جیسے دنیا میں مسلمانوں کا دستور ہے۔ نیز فرشتوں کا جنتیوں کو سلام کرنا، بلکہ خود خداوند رب العزت کی طرف سے تحفہ سلام کا آنا قرآن میں منصوص ہے۔ سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ (یٰس۔۵۸) و الۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ۔ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ (الرعد ۲۴،۲۳)۔

۲۲۔ اہل جنت کا شکر: جنت میں پہنچ کر جب دنیوی تفکرات و کدورات کا خاتمہ ہو جائے گا اور محض سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہنے پر ہر چیز حسب خواہش ملتی رہے گی تو ان کی ہر دعا کا خاتمہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ پر ہو گا اور طبعاً ایسا ہی ہونا چاہئے۔

وَ لَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُمۡ
بِالۡخَيۡرِ لَقُضِىَ اِلَيۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ‌ؕ فَنَذَرُ الَّذِيۡنَ لَا

۱۱۔ اور اگر جلدی پہنچا دے اللہ لوگوں کو برائی جیسے کہ جلدی مانگتے ہیں وہ بھلائی تو ختم کر دی جائے انکی عمر سو ہم چھوڑے رکھتے ہیں انکو جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی

يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

انکی شرارت میں سرگرداں [۲۳]

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ
قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ
كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ
لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور جب پہنچے انسان کو تکلیف پکارے ہم کو پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا پھر جب ہم کھول دیں اس سے وہ تکلیف چلا جائے گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر اسی طرح پسند آیا ہے بیباک لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں [۲۴]

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ
كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور البتہ ہم ہلاک کر چکے ہیں جماعتوں کو تم سے پہلے جب ظالم ہو گئے حالانکہ لائے تھے انکے پاس رسول انکے کھلی نشانیاں اور ہرگز نہ تھے ایمان لانے والے یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگاروں کو [۲۵]

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو [۲۶]

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ
لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ
قُلْ مَا يَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ
عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال [۲۷] تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے [۲۸]

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ

۱۶۔ کہہ دے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا

بِهٖ ؕ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اس کو تمہارے سامنے اور نہ وہ تم کو خبر کرتا اسکی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں سوچتے[۲۹]

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پھر اس سے بڑا ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو بیشک بھلا نہیں ہوتا گنہگاروں کا[۳۰]

۲۳۔ بدکاروں کے لئے اللہ کی ڈھیل: دو آیت پہلے فرمایا تھا کہ جو لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ خدا ایسے مجرموں کو دنیا میں فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ حالانکہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ کبھی بے باک و بے حیا بن کر خود اپنے اوپر جلد عذاب آنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (انفال۔ ۳۲) کبھی دنیوی حوادث سے تنگ آکر اپنے یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بد دعائیں کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہے۔ اب اگر خدا تعالیٰ ان کی درخواست و دعاء کے موافق فوراً ہاتھوں ہاتھ کوئی عذاب یا برائی اس قدر جلد ان کو پہنچا دے جتنی جلد وہ بھلائی کے پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں، تو بدی کے وبال سے ایک منٹ بھی فرصت نہ پائیں اور رشتہ حیات اسی وقت منقطع ہو جائے۔ مگر خدا کے یہاں نیکی یا بدی دونوں میں حسب مصلحت تاخیر و تحمل ہوتا ہے، تا نیک لوگ تربیت پائیں اور بدکار غفلت میں پڑے رہ کر پیمانہ شرارت لبریز کر لیں۔

۲۴۔ انسان کی بے باکی اور غفلت: یعنی انسان اول بے باکی سے خود عذاب طلب کرتا اور برائی اپنی زبان سے مانگتا ہے۔ مگر کمزور اور بودا اتنا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی، گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ جب تک مصیبت رہی کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں خدا کو پکارتا رہا۔ پھر جہاں تکلیف ہٹالی گئی، سب کہا سنا بھول گیا۔ گویا خدا سے کبھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ ہی غرور و غفلت کا نشہ، وہ ہی اکڑفوں رہ گئی جس میں پہلے مبتلا تھا۔ حدیث میں ہے کہ تو خدا کو اپنے عیش و آرام میں یاد رکھ، خدا تجھ کو تیری سختی اور مصیبت میں یاد رکھے گا۔ مومن کی شان یہ ہے کہ کسی وقت خدا کو نہ بھولے۔ سختی پر صبر اور فراخی پر خدا کا شکر ادا کرتا رہے۔ یہ ہی وہ چیز ہے جس کی توفیق مومن کے سوا کسی کو نہیں ملتی۔

۲۵۔ انسان کی بے باکی اور غفلت: یعنی اگر ان کی درخواست کے موافق جلدی عذاب نہ آئے یا تکلیف و مصیبت آکر ٹل جائے تو بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ ظلم و شرارت اور بے ایمانی کی سزا جلد یا بدیر مل کر رہے گی۔ سنت اللہ قدیم سے یہ ہی ہے کہ جب لوگ انبیاء و مرسلین کے کھلے نشان دیکھنے کے بعد بھی ظلم و تکذیب پر کمربستہ رہے اور کسی طرح ایمان و تسلیم کی طرف نہ جھکے تو آسمانی عذاب نے ان کو ہلاک کر ڈالا، ہمیشہ مجرموں کو کسی نہ کسی رنگ میں سزا ملتی رہی۔

۲۶۔ یعنی پہلوں کی جگہ اب تم کو زمین پر بسایا۔ تاکہ دیکھا جائے کہ تم کہاں تک خالق و مخلوق کے حقوق پہچانتے ہو۔ اور خدا کے پیغمبروں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو۔ نیک و بد جیسے عمل کرو گے اسی کے مناسب تم سے برتاؤ کیا جائے گا۔ آگے اس معاملہ کا ذکر ہے جو قرآن کریم یا پیغمبر علیہ السلام یا خداوند قدوس کے ساتھ انہوں نے کیا۔

۲۷۔ دوسرے قرآن کا مطالبہ: قرآن کی عام پند و نصیحت تو بہت سے پسند کرتے۔ لیکن بت پرستی یا ان کے مخصوص عقائد و رسوم کا رد ہوتا تو وحشت کھاتے اور ناک بھوں چڑھا کر رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ اپنے خدا سے کہہ کر یا تو دوسرا قرآن لے آئے جس میں یہ مضامین نہ ہوں اور اگر یہ ہی قرآن رہے تو اتنے حصہ میں ترمیم کر دیجئے جو بت پرستی وغیرہ سے متعلق ہے۔ جن لوگوں نے پتھر کی مورتیوں پر خدائی

اختیارات تقسیم کر رکھے تھے ان کی ذہنیت سے کچھ مستبعد نہیں کہ ایک پیغمبر کو اس طرح کے تصرفات و اختیارات کا مالک فرض کر لیں۔ یا یہ کہنا بھی محض الزام و استہزاء کے طور پر ہو گا۔ بہر حال اس کا تحقیقی جواب آگے مذکور ہے۔

۲۸۔ کفار کے مطالبے کا جواب: یعنی کسی فرشتے یا پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے کلام الٰہی میں ترمیم کر کے ایک شوشہ بھی تبدیل کر سکے۔ پیغمبر کا فرض یہ ہے کہ جو وحی خدا کی طرف سے آئے بلا کم و کاست اس کے حکم کے موافق چلتا رہے۔ وہ خدا کی وحی کا تابع ہوتا ہے۔ خدا اس کا تابع نہیں ہوتا کہ جیسا کلام تم چاہو، خدا کے یہاں سے لا کر پیش کر دے۔ وحی الٰہی میں ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف اور قطع و برید کرنا بڑی بھاری معصیت ہے۔ پھر جو معصوم بندے سب سے زیادہ خدا کا ڈر رکھتے ہیں (انبیاء علیہم السلام) وہ ایسی معصیت و نافرمانی کے قریب کہاں جا سکتے ہیں۔ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ میں گویا ان بے ہودہ فرمائش کرنے والوں پر تعریض ہو گئی کہ ایسی سخت نافرمانی کرتے ہوئے تم کو بڑے دن کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

۲۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل: یعنی جو خدا چاہتا ہے وہ ہی میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے میرے ذریعہ سے تم کو خبر دار کرتا ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف چاہتا تو میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اس کی طرف منسوب کر دیتا۔ آخر میری عمر کے چالیس سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گذرے۔ اس قدر طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا میر اصدق و عفاف، امانت و دیانت وغیرہ اخلاق حسنہ تم میں ضرب المثل رہے۔ میرا امی ہونا اور کسی ظاہری معلم کے سامنے زانوئے تملذ تہ نہ کرنا ایک معروف و مسلم واقعہ ہے۔ پھر چالیس برس تک جس نے نہ کوئی قصیدہ لکھا ہو نہ مشاعروں میں شریک ہوا ہو، نہ کبھی کتاب کھولی ہو نہ قلم ہاتھ میں لیا ہو، نہ کسی درسگاہ میں بیٹھا ہو دفعۃً ایسا کلام بنالائے جو اپنی فصاحت و بلاغت، شوکت و جزالت، جدت اسلوب اور سلاست و روائی سے جن و انس کو عاجز کر دے۔ اس کے علوم و حقائق کے سامنے تمام دنیا کے معارف ماند پڑ جائیں۔ ایسا مکمل اور عالمگیر قانون ہدایت نوع انسان کے ہاتھوں میں پہنچائے، جس کے آگے سب پچھلے قانون ردی ہو جائیں۔ بڑی بڑی قوموں اور ملکوں کے مردہ قالب میں روح تازہ پھونک کر ابدی حیات اور نئی زندگی کا سامان بہم پہنچائے۔ یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ تم کو سوچنا چاہئے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو، کیا وہ ایک دم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند قدوس پر جھوٹ باندھنے اور افترا کرنے لگے؟ ناچار ماننا پڑے گا کہ جو کلام الٰہی تم کو سناتا ہوں اس کے بنانے یا پہنچانے میں مجھے اصلاً اختیار نہیں۔ خدا جو کچھ چاہتا ہے میری زبان سے تم کو سناتا ہے۔ ایک نقطہ یا زیر زبر تبدیل کرنے کا کسی مخلوق کو حق حاصل نہیں۔

۳۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل: یعنی گنہگاروں اور مجرموں کو حقیقی کامیابی اور بھلائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ ظالم و مجرم کون ہے۔ اگر (بفرض محال) میں جھوٹ بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہوں تو مجھ سا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا لیکن گذشتہ آیت میں جو دلیل بیان کی گئی، اس سے ثابت ہو چکا کہ یہ احتمال بالکل باطل ہے۔ پس جب میرا سچا ہونا ثابت ہے اور تم جہل یا عناد سے خدا کے کلام کو جھٹلا رہے ہو تو اب زمین کے پردہ پر تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَ لَا یَنۡفَعُہُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ

۱۸۔ اور پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس [۳۱] تو کہہ کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اسکو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جسکو شریک کرتے ہیں [۳۲]

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي
الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾
وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ
لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ
اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۲

۱۹۔ اور لوگ جو ہیں سو ایک ہی امت ہیں پیچھے جدا جدا ہو گئے اور اگر نہ ایک بات پہلے ہو چکتی تیرے رب کی تو فیصلہ ہو جاتا ان میں جس بات میں کہ اختلاف کر رہے ہیں[۳۳]

۲۰۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اتری اس پر ایک نشانی اس کے رب سے سو تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں[۳۴]

۳۱۔ بتوں کی سفارش کا عقیدہ: وہ معاملہ تو خدا اور پیغمبر کے ساتھ تھا۔ اب ان کی خدا پرستی کا حال سنئے کہ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے قبضہ قدرت میں نفع و ضرر کچھ بھی نہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ بیشک بڑا خدا تو ایک ہے جس نے آسمان زمین پیدا کئے، مگر ان اصنام (بتوں) وغیرہ کو خوش رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ سفارش کر کے بڑے خدا سے دنیا میں ہمارے اہم کام درست کرا دیں گے اور اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہوا تو وہاں بھی ہماری سفارش کریں گے باقی چھوٹے موٹے کام جو خود ان کے حدود اختیار میں ہیں ان کا تعلق تو صرف ان ہی سے ہے۔ بناءً علیہ ہم کو ان کی عبادت کرنی چاہئے۔

۳۲۔ یعنی بتوں کا شفیع ہونا اور شفیع کا مستحق عبادت ہونا دونوں دعوے غلط اور بے اصل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کے علم میں وہ ہی چیز ہو گی جو واقعی ہو۔ لہذا تعلیم الٰہی کے خلاف ان غیر واقعی اور خود تراشیدہ اصول کو حق بجانب ثابت کرنا، گویا خدا تعالیٰ کو ایسی چیزوں کے واقعی ہونے کی خبر دینا ہے جن کا وقوع آسمان و زمین میں کہیں بھی اسے معلوم نہیں۔ یعنی کہیں ان کا وجود نہیں، ہوتا تو اس کے علم میں ضرور ہوتا۔ پھر اس سے منع کیوں کرتا۔

۳۳۔ حق کی نشانی کا مطالبہ: ممکن تھا مشرکین کہتے کہ خدا نے تمہارے دین میں منع کیا ہو گا ہمارے دین میں منع نہیں کیا۔ اس کا جواب دے دیا کہ اللہ کا دین ہمیشہ سے ایک ہے۔ اعتقادات حقہ میں کوئی فرق نہیں۔ درمیان میں جب لوگ بہک کر جدا جدا ہو گئے۔ خدا نے ان کے سمجھانے اور دین حق پر لانے کو انبیاء بھیجے۔ کسی زمانہ اور کسی ملت میں خدا نے شرک کو جائز نہیں رکھا۔ باقی لوگوں کے باہمی اختلافات کو زبردستی اس لئے نہیں مٹایا گیا کہ پہلے سے خدا کے علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ دنیا دار عمل (موقع واردات) ہے قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں۔ یہاں انسانوں کو کسب و اختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جو چاہیں راہ عمل میں اختیار کریں۔ اگر یہ بات پیشتر طے نہ

ہو چکی ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ ایک دم کر دیا جاتا۔

۳۴۔ یعنی جن نشانیوں کی وہ فرمائش کرتے تھے، ان میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری جواب کا حاصل یہ ہے کہ صداقت کے نشان پہلے بہتیرے دیکھ چکے ہو۔ فرمائشی نشان دکھلانا ضروری نہیں نہ چنداں مفید ہے۔ آئندہ جو خدا کی مصلحت ہو گی وہ نشان دکھلائے گا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے کہ مستقبل میں کس شان اور نوعیت کے نشان ظاہر کرے گا۔ سو تم منتظر رہو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ "موضح القرآن" میں ہے یعنی اگر کہیں کہ ہم کاہے سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے، فرمایا کہ آگے دیکھیو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالفت ذلیل ہوں گے۔ برباد ہو جائیں گے سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے۔ حالانکہ فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں۔

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰیَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو مزا اپنی رحمت کا بعد ایک تکلیف کے جو ان کو پہنچی تھی اسی وقت بنانے لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں حیلہ بازی تمہاری [۳۵]

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ وہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں اور لے کر چلیں وہ لوگوں کو اچھی ہوا سے اور خوش ہوئے اس سے آئی کشتیوں پر ہوا تند اور آئی ان پر موج ہر جگہ سے اور جان لیا انہوں نے کہ وہ گھر گئے پکارنے لگے اللہ کو خالص ہو کر اس کی بندگی میں اگر تو نے بچا لیا ہم کو اس سے تو بیشک ہم رہیں گے شکر گذار

فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؗ ثُمَّ اِلَیْنَا

۲۳۔ پھر جب بچا دیا ان کو اللہ نے لگے شرارت کرنے اسی وقت زمین میں ناحق کی [۳۶] سنو لوگو تمہاری شرارت ہے تمہی پر نفع اٹھا لو دنیا کی زندگانی کا پھر ہمارے پاس ہے تم کو لوٹ کر آنا پھر ہم بتلا دیں گے جو کچھ کہ تم کرتے تھے [۳۷]

مَرۡجِعُكُمۡ فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ
السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ
النَّاسُ وَ الۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ
زُخۡرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتۡ وَ ظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ
عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا
حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ دنیا کی زندگانی کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس سے سبزہ زمین کا جو کہ کھائیں آدمی اور جانور [۳۸] یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے رونق اور مزین ہو گئی اور خیال کیا زمین والوں نے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی [۳۹] ناگاہ پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل یہاں نہ تھی آبادی اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں [۴۰]

۳۵۔ اہل مکہ کا حیلہ و فریب: اہل مکہ پر حق تعالیٰ نے سات سال کا قحط مسلط کیا۔ جب ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے آپ ﷺ کی دعا سے خدا نے سماں کر دیا قحط کی بلا دور ہوئی۔ تو پھر وہ ہی شرارتیں کرنے لگے، خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اس کی قدرت و رحمت پر نظر نہ رکھتے۔ بلکہ انعامات الٰہیہ کو ظاہری اسباب و حیل اور محض بے اصل خیالات و اوہام کی طرف نسبت کرنے لگتے۔ اس کا جواب دیا کہ اچھا تم خوب مکر و فریب اور حیلہ بازی کر لو۔ مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جا رہی ہیں۔ وہ سارا دفتر قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر جب تمہاری کوئی حیلہ بازی فرشتوں سے مخفی نہیں، خدا کے علم محیط سے کہاں باہر رہ سکتی ہے۔ تم اپنے مکر و حیلہ سازی پر مغرور ہو حالانکہ خدا کا جوابی مکر (تدبیر خفی) تمہارے مکر و تدبیر سے کہیں تیز اور سریع الاثر ہے وہ مجرم کی باگ اتنی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ مجرم کو نشہ غفلت میں چور ہو کر سزا کا تصور بھی نہیں آتا جب پیمانہ شقاوت لبریز ہو جاتا ہے تو دفعۃً پکڑ کر ٹینٹوا دبا دیتا ہے۔ لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ خدا کی نرمی، بردباری اور خوش کن حالات کو دیکھ کر مغرور نہ ہو، نہ معلوم نرمی کے بعد کیسی سختی آنے والی ہے۔ جیسے آگے بحری سفر کی مثال میں بیان فرمایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے جہاں سخت گھڑی گذری اور کام بن گیا پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آ رہتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا ایک سبب کھڑا کر دے۔ اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے چنانچہ آگے دریائی سفر کی مثال میں اس کی ایک صورت بیان فرمائی۔

۳۶۔ بحری طوفان اور کفار: "یعنی ابتداء میں ہوا خوشگوار اور موافق تھی۔ مسافر ہنستے کھیلتے آرام سے چلے جا رہے تھے کہ یکایک ایک زور کا طوفانی جھکڑ چلنے لگا اور چاروں طرف سے پانی کے پہاڑ اٹھ کر کشتی (یا جہاز) سے ٹکرانے لگے۔ جب سمجھ لیا کہ ہر طرف سے موت کے منہ میں

گھرے ہوئے ہیں۔ بھاگنے اور نکلنے کی کوئی سبیل نہیں، تو سارے فرضی معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو پکارنے لگے جو اصل فطرت انسانی کا تقاضا تھا ہر چیز سے مایوس ہو کر خالص خدا کی بندگی اختیار کی اور بڑے پکے عہد و پیمان باندھے کہ اگر اس مصیبت سے خدا نے نجات دی تو ہمیشہ اس کے شکر گذار رہیں گے۔ کوئی بات کفران نعمت کی نہ کریں گے۔ لیکن جہاں ذرا امن نصیب ہوا ساحل پر قدم رکھتے ہی شرارتیں اور ملک میں اودھم مچانا شروع کر دیا، تھوڑی دیر بھی عہد پر قائم نہ رہے (تنبیہ) اس آیت میں ان مدعیان اسلام کے لئے بڑی عبرت ہے جو جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

عکرمہ بن ابو جہل کا واقعہ: فتح مکہ کے بعد ابو جہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان نہ ہوا تھا مکہ سے بھاگ کر بحری سفر اختیار کیا۔ تھوڑی دور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا، ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ ایک خدا کو پکارو۔ یہاں تمہارے معبود کچھ کام نہ دیں گے عکرمہ نے کہا کہ یہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف محمد ﷺ ہم کو بلاتے ہیں۔ اگر دریا میں رب محمد کے بدون نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اس کی دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا! اگر تو نے اس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس ہو کر محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے اخلاق کریمہ سے میری تقصیرات کو معاف فرمائیں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳۷۔ یعنی تمہاری شرارت کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ اگر چند روز شرارتیں کر کے فرض کرو کچھ دنیا کا نفع حاصل کر ہی لیا تو انجام کار پھر خدا کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں تمہارا سب کیا دھرا آگے آئے گا۔ خداوند رب العزت سزا دے کر بتلادے گا کہ تمہارے کرتوت کیسے تھے۔

۳۸۔ دنیا کی زندگی کی مثال: بعض نے فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ کے معنی کثرت پیداوار کے لئے ہیں۔ کیونکہ جب زمین کی پیداوار زیادہ قوی ہوتی ہے تو گنجان ہو کر ایک جزء دوسرے سے مل جاتا اور لپٹ جاتا ہے بعض نے "بہ" کی "باء" کو مصاحبت کے لئے لے کر یہ معنی کئے ہیں کہ زمین کا سبزہ پانی کے ساتھ رل مل جاتا ہے۔ کیونکہ نباتات اجزائے مائیہ کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں، جس طرح کھانا انسان کا جزو بدن بنتا ہے۔ ایسے ہی پانی، گویا نباتات کی غذا بنتی ہے۔ مترجمؒ کے صنیع سے مترشح ہوتا ہے کہ اختلاط سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ زمین اور پانی کے ملنے سے جو سبزہ نکلتا ہے اس میں آدمی کی اور جانوروں کی خورات مخلوط (رلی ملی) ہوتی ہے مثلاً گیہوں کے درخت میں دانہ ہے جو انسان کی غذا بنتی ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک ہے۔ اسی طرح درختوں میں پھل اور پتے لگتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے کھانے والے علیحدہ ہیں۔

۳۹۔ یعنی مختلف الوان و اشکال کی نباتات نے زمین کو پر رونق اور مزین کر دیا اور کھیتی وغیرہ ایسی تیار ہو گئی کہ مالکوں کو کامل بھروسہ ہو گیا کہ اب اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا وقت آ گیا ہے۔

۴۰۔ یعنی ناگہاں خدا کے حکم سے دن میں یا رات میں کوئی آفت پہنچی (مثلاً بگولا آ گیا، یا اولے پڑ گئے یا ٹڈی دل پہنچ گیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس) اس نے تمام زراعت کا ایسا صفایا کر ڈالا، گویا کبھی یہاں ایک تنکا بھی نہ اگا تھا۔ ٹھیک اسی طرح حیات دنیا کی مثال سمجھ لو کہ خواہ کتنی ہی حسین اور تروتازہ نظر آئے۔ حتّٰی کہ بے وقوف لوگ اس کی رونق و دلربائی پر مفتوں ہو کر اصل حقیقت کو فراموش کر دیں لیکن اس کی یہ شادابی اور زینت و بہجت محض چند روزہ ہے جو بہت جلد زوال و فنا کے ہاتھوں نسیًا منسیًا ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے۔ یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی، کالبد خاکی میں مل کر قوت پکڑی، دونوں کے ملنے سے آدمی بنا، پھر کام کئے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے۔ جب ہر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا، ناگہاں موت آ پہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ پھر ایسا بے نام و نشان ہوا گویا کبھی زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا۔ (فائدہ) لَيْلًا اَوْ نَهَارًا (رات کو یا دن کو) شاید اس لئے فرمایا کہ رات کا وقت غفلت کا ہے اور دن میں لوگ عموماً بیدار ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب خدا کا حکم آ پہنچے، پھر سوتا

ہو یا جاگتا، غافل ہو یا بیدار، کوئی شخص کسی حالت میں اس کو روک نہیں سکتا۔

وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور دکھلاتا ہے جس کو چاہے راستہ سیدھا[۴۱]

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ۭ وَ لَا يَرْهَقُ
وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ جنہوں نے کی بھلائی انکے لئے ہے بھلائی اور زیادتی [۴۲] اور نہ چڑھے گی ان کے منہ پر سیاہی اور نہ رسوائی وہ ہیں جنت والے وہ اسی میں رہا کریں گے [۴۳]

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ
اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور جنہوں نے کمائیں برائیاں بدلا ملے برائی کا اس کے برابر [۴۴] اور ڈھانک لے گی انکو رسوائی کوئی نہیں انکو اللہ سے بچانے والا گویا کہ ڈھانک دیے گئے انکے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے [۴۵] وہ ہیں دوزخ والے وہ اسی میں رہا کریں گے

وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ
شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک [۴۶] پھر تڑا دیں گے ہم آپس میں انکو اور کہیں گے ان کے شریک تم ہماری تو بندگی نہ کرتے تھے

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ
عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ سو اللہ کافی ہے شاہد ہمارے اور تمہارے بیچ میں ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی[۴۷]

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا ع ۳ ۸

۳۰۔ وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو اس نے پہلے کیا تھا اور رجوع کریں گے اللہ کی طرف جو سچا مالک ہے ان کا اور

اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

جاتا رہے گا انکے پاس سے جو جھوٹ باندھا کرتے تھے [۴۸]

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ
يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ
الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے [۴۹] یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا [۵۰] اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے [۵۱] اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی [۵۲] سو بول اٹھیں گے کہ اللہ تو تو کہہ پھر ڈرتے نہیں ہو

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا
الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر بھٹکنا سو کہاں سے لوٹے جاتے ہو [۵۳]

۴۱۔ دارالسلام کی دعوت: یعنی دنیا کی زائل وفانی زندگی پر مت ریجھو۔ دارالسلام (جنت) کی طرف آؤ۔ خدا تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھلاتا رہا ہے۔ وہ ہی گھر ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج وغم، پریشانی، تکلیف، نقصان، آفت اور فنا وزوال وغیرہ سے صحیح وسالم رہیں گے۔ فرشتے ان کو اسلام کریں گے خود رب العزت کی طرف سے تحفہ سلام پہنچے گا۔

۴۲۔ دیدار الٰہی کی نعمت: بھلے کام کرنے والوں کو وہاں بھلی جگہ ملے گی۔ (یعنی جنت) اور اس سے زیادہ بھی کچھ ملے گا۔ یعنی حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار۔ "زیادہ" کی تفسیر "دیدار مبارک" سے کئی احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے اور بہت سے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا۔ "اے اہل جنت! تمہارے لئے ایک وعدہ خدا کا باقی ہے جو اب پورا کرنا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا خدا نے اپنے فضل سے ہماری حسنات کا پلہ بھاری نہیں کر دیا۔ کیا اس نے ہمارے چہروں کو سفید اور نورانی نہیں بنایا؟ کیا اس نے ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت جیسے مقام میں نہیں پہنچایا؟ (یہ سب کچھ تو ہو چکا آگے کون سی چیز باقی رہی) اس پر حجاب اٹھا دیا جائے گا۔ اور جنتی حق تعالیٰ کی طرف نظر کریں گے۔ پس خدا کی قسم کوئی نعمت جو ان کو عطا ہوئی ہے دولت دیدار سے زیادہ محبوب نہ ہو گی نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گی۔ رزقنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ بمنہ وفضلہ۔

۴۳۔ آخرت میں کفار کے چہرے: یعنی عرصات محشر میں جس طرح کفار فجار کے چہروں پر سخت ذلت وظلمت چھائی ہو گی۔ جنتیوں کے چہرے اس کے خلاف ہوں گے۔ سیاہی اور رسوائی کیسی وہاں تو نور ہی نور اور رونق ہی رونق ہو گی۔

۴۴۔ یعنی بدی سے زائد نہ ہو گا۔ کم سزا دیں یا بعض برائیوں کو بالکل معاف کر دیں ان کو اختیار ہے۔

۴۵۔ یعنی ان کے چہرے اس قدر سیاہ و تاریک ہوں گے گویا اندھیری رات کی تہیں ان پر جمادی گئی ہیں۔ (اعاذنا اللہ منہا)

۴۶۔ یعنی جن کو تم نے اپنے خیال میں خدا کے شریک ٹھہرا رکھا تھا، یا جن کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے تھے، مثلاً مسیحؑ جو نصاریٰ کے نزدیک "ابن اللہ" بلکہ "عین اللہ" تھے یا "ملائکۃ اللہ" یا "احبار" و "رہبان" کہ انہیں بھی ایک حیثیت سے خدائی کا منصب دے رکھا، یا اصنام واوثان جن پر مشرکین مکہ نے خدائی کے اختیارات تقسیم کر رکھے تھے، سب کو حسب مراتب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہونے کا حکم ہو گا۔

۴۷۔ باطل معبودوں کی کفار سے بیزاری: یعنی اس وقت عجیب افراتفری اور نفسی نفسی ہو گی۔ عابدین و معبودین میں جدائی پڑ جائے گی اور دنیا میں اپنے اوہام و خیالات کے موافق جو رشتے جوڑ رکھے تھے، سب توڑ دیے جائیں گے۔ اس ہولناک وقت میں جبکہ مشرکین کو اپنے فرضی معبودوں سے بہت کچھ توقعات تھیں، وہ صاف جواب دے دیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلق۔ تم جھوٹ بکتے ہو کہ ہماری بندگی کرتے تھے۔ (تم اپنے عقیدہ کے موافق جس چیز کو پوجتے تھے۔ اس کے لئے وہ خدائی صفات تجویز کرتے تھے، جو فی الواقع اس میں موجود نہیں تھیں۔ تو حقیقت میں وہ عبادت اور بندگی واقعی "مسیحؑ" یا ملائکہ کی نہ ہوئی اور نہ حقیقت میں بے جان مورتیوں کی پوجا تھی۔ محض اپنے خیال اور وہم یا شیطان لعین کی پرستش کو فرشتے، یا نبی یا نیک انسان یا کسی تصویر وغیرہ کے نامزد کر دیتے تھے) خدا گواہ ہے کہ ہماری رضا یا اذن سے تم نے یہ حرکت نہیں کی۔ ہم کو کیا خبر تھی کہ انتہائی حماقت و سفاہت سے خدا کے مقابلہ میں ہمیں معبود بنا ڈالو گے۔ (تنبیہ) یہ گفتگو اگر حضرت "مسیحؑ" وغیرہ ذوی العقول مخلوق کی طرف سے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں۔ اور "اصنام" (بتوں) کی جانب سے ہو تو کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ مشرکین کی انتہائی مایوسی اور حسرت ناک درماندگی کے اظہار کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے پتھر کی مورتیوں کو گویا دے قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (حٰم السجدۃ۔۲۱)۔

۴۸۔ یعنی جھوٹے اور بے اصل توہمات سب رفو چکر ہو جائیں گے۔ ہر شخص بہ رای العین مشاہدہ کر لے گا کہ اس سچے مالک کے سوا رجوع کرنے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اور ہر ایک انسان کو اپنے تمام برے بھلے اعمال اندازہ ہو جائے گا کہ کتنا وزن رکھتے ہیں۔

۴۹۔ آسمان کی طرف سے بارش اور حرارت شمس وغیرہ پہنچتی ہے اور زمینی مواد اس کے ساتھ ملتے ہیں تب انسان کی روزی مہیا ہوتی ہے۔

۵۰۔ یعنی ایسے عجیب و غریب محیر العقول طریقہ سے کس نے کان اور آنکھ پیدا کی۔ پھر ان کی حفاظت کا سامان کیا۔ کون ہے جو ان تمام قویٰ انسانی کا حقیقی مالک ہے کہ جب چاہے عطا فرما دے اور جب چاہے چھین لے۔

۵۱۔ مثلاً "نطفہ" یا "بیضہ" سے جاندار کو، پھر جاندار سے نطفہ اور بیضہ کو نکالتا ہے۔ یا روحانی اور معنوی طور پر جو شخص یا قوم مردہ ہو چکی اس میں سے زندہ دل افراد پیدا کرتا ہے اور زندہ قوموں کے اخلاف پر ان کی بدبختی سے موت طاری کر دیتا ہے۔

۵۲۔ یعنی دنیا کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام کون کرتا ہے۔

۵۳۔ اللہ خالق و مالک اور مدبر الامور ہے: مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اس کے سوا اور دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو خالق کل، مالک الملک، رب مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔ اس کا اقرار کر کے کہاں الٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳

۳۳۔ اسی طرح ٹھیک آئی بات تیرے رب کی ان نافرمانوں پر کہ یہ ایمان نہ لائیں گے [۵۴]

قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ
يُعِيۡدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ
فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو پیدا کرے خلق کو پھر دوبارہ زندہ کرے تو کہہ اللہ پیدا کرتا ہے پھر اس کو دہرائے گا سو کہاں سے پلٹے جاتے ہو[۵۵]

قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ ؕ
قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ لِلۡحَـقِّ ؕ اَفَمَنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ
اَحَقُّ اَنۡ يُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا يَهِدِّىۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّهۡدٰى ۚ
فَمَا لَـكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو راہ بتلائے صحیح تو کہہ اللہ راہ بتلاتا ہے صحیح تو اب جو کوئی راہ بتائے صحیح اسکی بات ماننی چاہئے یا اسکی جو آپ نہ پائے راہ مگر جب کوئی اور اسکو راہ بتلائے سو کیا ہو گیا تم کو کیسا انصاف کرتے ہو[۵۶]

وَمَا يَتَّبِعُ اَكۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ
مِنَ الۡحَـقِّ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور وہ اکثر چلتے ہیں محض اٹکل پر سو اٹکل کام نہیں دیتی حق بات میں کچھ بھی[۵۷] اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

۵۴۔ یعنی اللہ نے ازل سے ان متمرد سرکشوں کی قسمت میں ایمان نہیں لکھا۔ جس کا سبب علم الٰہی میں ان کی سرکشی اور نافرمانی ہے۔ اس طرح خدا کی لکھی ہوئی بات ان پر فسق و نافرمانی کی وجہ سے راست آئی۔

۵۵۔ **مبداء و معاد کا اثبات:** یہاں تک "مبدا ٔ" کا ثبوت تھا اب "معاد" کا ذکر ہے۔ یعنی جب اعتراف کر چکے کہ زمین، آسمان، سمع و بصر موت و حیات سب کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا وہ ہی ہے تو ظاہر ہے کہ مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور دہرا دینا بھی اسی کا فعل ہو سکتا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی زبانی جب وہ خود اس دہرانے کی خبر دیتا ہے تو اس کی تسلیم میں کیا عذر ہے۔ "مبداء" کا اقرار کر کے "معاد" کی طرف سے کہاں پلٹے جاتے ہو۔

۵۶۔ **ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہے:** "مبداء" و "معاد" کے بعد درمیانی وسائط کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح اول پیدا کرنے والا اور دوبارہ جلانے والا وہ ہی خدا ہے، ایسے ہی "معاد" کی صحیح راہ بتلانے والا بھی کوئی دوسرا نہیں۔ خدا ہی بندوں کی صحیح اور سچی رہنمائی کر سکتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، سب اسی کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ اسی کی ہدایت و رہنمائی پر سب کو چلنا چاہیئے بت مسکین تو کس شمار میں ہیں جو کسی کی رہنمائی سے بھی چلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے مقربین (انبیاء و ملائکہ علیہم السلام) بھی برابر یہ اقرار کرتے آئے ہیں کہ خدا کی ہدایت و دستگیری کے بدون ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی رہنمائی بھی اسی لئے بندوں کے حق میں قابل قبول ہے کہ خدا بلاواسطہ ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔ پھر یہ کس قدر ناانصافی ہے کہ انسان اس ہادی مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے۔ یا مثلاً احبار و رہبان پر

برہمنوں اور مہنتوں کی رہنمائی پر اندھادھند چلنے لگے۔

۵۷۔ توحید کے علاوہ ہر نظریہ ظن و تخمین ہے: جب معلوم ہو چکا کہ "مبدی" و "معید" اور ہادی وہ ہی اللہ ہے تو اس کے خلاف شرک کی راہ اختیار کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کے ہاتھ میں کونسی دلیل و برہان ہے جس کی بناء پر "توحید" کے مسلک قوم و قدیم کو چھوڑ کر ضلالت کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے پاس سوا ظنون و اوہام اور اٹکل پچو باتوں کے کوئی چیز نہیں۔ بھلا اٹکل کے تیر حق و صداقت کی بحث میں کیا کام دے سکتے ہیں۔

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا[۵۸] اور لیکن تصدیق کرتا ہے اگلے کلام کی[۵۹] اور بیان کرتا ہے ان چیزوں کو جو تم پر لکھی گئیں جس میں کوئی شبہ نہیں پروردگار عالم کی طرف سے[۶۰]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ کیا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنا لایا ہے تو کہہ دے تم لے آؤ ایک ہی سورت ایسی اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو[۶۱]

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا[۶۲] اور ابھی آئی نہیں اسکی حقیقت[۶۳] اسی طرح جھٹلاتے رہے ان سے اگلے سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور بعضے ان میں یقین کریں گے قرآن کا اور بعضے یقین نہ کریں گے اور تیرا رب خوب جانتا ہے شرارت والوں کو[۶۴]

ع ۴

۵۸۔ قرآن اللہ کے سوا کوئی نہیں بنا سکتا: پچھلی آیات میں فرمایا تھا کہ مشرکین محض ظن و تخمین کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ پیروی کے قابل اس کی بات ہے جو صحیح راستہ بتلائے۔ اسی مناسبت سے یہاں قرآن کریم کا ذکر شروع کیا کہ آج دنیا میں وہ ہی ایک کتاب صحیح راستہ بتلانے والی اور ظنون و اوہام کے مقابلہ میں سچے حقائق پیش کرنے والی ہے۔ اس کے علوم و معارف، احکام و قوانین، اور معجزانہ فصاحت و جزالت پر نظر کر کے کہنا پڑتا ہے کہ یہ قرآن وہ کتاب نہیں جو خداوند قدوس کے سوا کوئی دوسرا شخص بنا کر پیش کر سکے۔ پورا قرآن تو بجائے خود رہا اس کی

ایک سورت کا مثل لانے سے بھی تمام جن وانس عاجز ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔

۵۹۔ قرآن کا کلام الٰہی ہونا اس سے ظاہر کہ وہ تمام کتب سماویہ سابقہ کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا، ان کے اصل مضامین کی حفاظت اور ان کی پیشین گوئیوں کی صداقت کا علانیہ اظہار کرتا ہے۔

۶۰۔ یعنی احکام الٰہیہ اور ان حقائق و معارف کو جو پچھلی کتابوں میں نہایت اجمالی طور پر مذکور تھیں کافی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب میں عاقل کے لئے شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ ایسا جامع، بلیغ، پر حکمت اور نور وصداقت سے بھرا ہوا کلام رب العالمین ہی کا ہو سکتا ہے۔

۶۱۔ کفار کو قرآن کریم کا چیلنج: یعنی اگر میں بنا لایا ہوں تو تم بھی میری طرح بشر ہو سب مل کر ایک سورت جیسی سورت بنالاؤ۔ ساری مخلوق کو دعوت دو، جن وانس کو جمع کرلو، تمام جہان کے فصیح و بلیغ پڑھے لکھے اور ان پڑھ اکٹھے ہو کر ایک چھوٹا سا کلام قرآن کی مانند پیش کر دو تو سمجھ لیا جائے کہ قرآن بھی کسی بشر کا کلام ہے۔ جس کا مثل دوسرے لوگ لا سکتے ہیں۔ مگر محال ہے کہ ابد الآباد تک کوئی مخلوق ایسا حوصلہ کر سکے۔ قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس میں تہذیب اخلاق، تمدن و معاشرت، حکومت و سیاست، معرفت و روحانیت، تزکیہ نفوس، تنویر قلوب، غرضیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیۃ خلائق کے وہ تمام قوانین و طریق موجود ہیں، جن سے آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے۔ اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و ہدایات کا تکفل کرنے کے ساتھ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و موثر اور دلربا طرز بیان، دریا کا سا تموج، سہل ممتنع سلاست و روانی آسالیب کلام کا تفنن اور اس کی لذت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شکوہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑے زور شور اور بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے۔ جس وقت قرآن کے جمال جہاں آراء نے غیب کی نقاب الٹی اور اولاد آدم کو اپنے سے روشناس کیا، اس کا برابر یہ ہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے، اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ سازشیں کریں گے، مگر گانٹھیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مریں گے، اپنی مدد کے لئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے، کوئی حیلہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اٹھا نہ رکھیں گے۔ اپنے کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے سارے مصائب و دواہی کا تحمل ان کے لئے ممکن ہو گا مگر قرآن کی چھوٹی سی سورت کا مثل لانا ممکن نہ ہو گا"۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل۔۸۸) اس مسئلہ پر ہم نے "اعجاز القرآن" کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جسے شوق ہو ملاحظہ کرلے۔

۶۲۔ قرآن کی تکذیب محض نافہمی اور تعصب کی وجہ سے ہے: یعنی قرآن کو "مفتریٰ" کہنا سمجھ کر نہیں، محض جہل و سفاہت اور قلت تدبر سے ہے۔ تعصب و عناد انہیں اجازت نہیں دیتا کہ ٹھنڈے دل سے قرآن کے حقائق اور وجوہ اعجاز میں غور کریں۔ بد فہمی یا قویٰ فکریہ کے ٹھک استعمال نہ کرنے کی وجہ سے جب قرآن پاک کے دلائل و عجائب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، تو جھٹلانا شروع کر دیا۔

۶۳۔ بعض مفسرین نے "تاویل" کے معنی "تفسیر" کے لئے ہیں۔ یعنی مطالب قرآن ان کے دماغ میں نہیں اترے اور بعض نے قرآنی پیش گوئیاں مراد لی ہیں۔ یعنی تکذیب کی ایک وجہ بعض سادہ لوحوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ مستقبل کے متعلق قرآن نے جو خبریں دی ہیں، ان کے وقوع کا ابھی وقت نہیں آیا۔ لہٰذا وہ منتظر ہیں کہ ان کا ظہور کب ہوتا ہے۔ مگر سوچنا چاہئے کہ یہ وجہ تکذیب کی کیسے ہو سکتی ہے؟ زائد از زائد توقف کی وجہ ہو تو ہو۔

۶۴۔ یعنی آگے چل کر ان میں کچھ لوگ مسلمان ہونے والے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر جو باقی لوگ شرارت پر قائم رہیں گے، خدا سب کو خوب جانتا

ہے موقع پر مناسب سزا دے گا۔

وَ اِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَ لَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ۚ اَنۡتُمۡ
بَرِيۡٓــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو کہہ میرے لئے میرا کام اور تمہارے لئے تمہارا کام تم پر ذمہ نہیں میرے کام کا اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو[۶۵]

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ
الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں تیری طرف کیا تو سنائے گا بہروں کو اگرچہ ان کو سمجھ نہ ہو

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ
وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور بعضے ان میں نگاہ کرتے ہیں تیری طرف کیا تو راہ دکھائے گا اندھوں کو اگرچہ وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں[۶۶]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـئًا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ
اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ بھی لیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں[۶۷]

۶۵۔ آنحضرت کو کفار سے بیزاری کا حکم: یعنی اگر ایسے دلائل و براہین سننے کے بعد بھی یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجئے کہ ہم اپنا فرض ادا کر چکے، تم سمجھانے پر نہیں مانتے تو اب میرا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو میں اپنے عمل کا۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا ثمرہ مل کر رہے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ (معاذ اللہ) "اگر اللہ کا حکم غلط پہنچاؤں تو میں گنہگار ہوں، اور میں سچ لاؤں تم نہ مانو تو گناہ تم پر ہے۔ بہر حال ماننے میں کسی طرح تمہارا نقصان نہیں"۔

۶۶۔ کفار اندھے اور بے عقل ہیں: بعض لوگ بظاہر قرآن شریف اور آپ کا کلام مبارک سنتے ہیں اور آپ کے معجزات و کمالات دیکھتے ہیں مگر دیکھنا سننا وہ نافع ہے جو دل کے کانوں اور دل کی آنکھوں سے ہو۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں کہ آپ دل کے بہروں کو اپنی بات سنا دیں بحالیکہ وہ سخت بہرہ پن کی وجہ سے قطعاً کسی کلام کو نہ سمجھ سکتے ہوں یا دل کے اندھوں کو راہ حق دکھلا دیں جبکہ انہیں کچھ بھی نہ سوجھتا ہو۔ "موضح القرآن" میں ہے۔ "یعنی کان رکھتے ہیں یا نگاہ کرتے ہیں اس توقع پر کہ آپ ہمارے دل پر تصرف کر دیں جیسا بعضوں پر ہو گیا، سو یہ بات اللہ کے ہاتھ ہے"؛ بعض مفسرین نے لَا يَعۡقِلُوۡنَ سے مطلق عقل کی اور لَا يُبۡصِرُوۡنَ سے بصیرت کی نفی مراد لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے اندھے بہرے جو علاوہ نہ سننے اور نہ دیکھنے کے ہر قسم کی سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔ ان کو آپ کس طرح سنا اور دکھا کر منوا سکتے ہیں۔

۶۷۔ یعنی جن کے دل میں اثر نہیں ہوتا یہ ان ہی کی تقصیر ہے۔ خود اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے انہوں نے قوائے ادراکیہ کو تباہ کر لیا ہے۔ ورنہ اصل فطرت سے ہر آدمی کو خدا نے سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد بخشی ہے۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ
النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور جس دن انکو جمع کرے گا گویا وہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی دن [۶۸] ایک دوسرے کو پہچانیں گے [۶۹] بیشک خسارے میں پڑے جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو اور نہ آئے وہ راہ پر [۷۰]

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا
يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور اگر ہم دکھائیں گے تجھ کو کوئی چیز ان وعدوں میں سے جو کئے ہیں ہم نے ان سے یا وفات دیں تجھ کو سو ہماری ہی طرف ہے ان کو لوٹنا پھر اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو کرتے ہیں [۷۱]

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور ہر فرقہ کا ایک رسول ہے پھر جب پہنچا انکے پاس رسول ان کا فیصلہ ہوا ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں ہوتا [۷۲]

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۷۳]

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ
اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے برے کا نہ بھلے کا مگر جو چاہے اللہ ہر فرقہ کا ایک وعدہ ہے جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے [۷۴]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا
مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر آپہنچے تم پر عذاب اس کا راتوں رات یا دن کو تو کیا کر لیں گے اس سے پہلے گنہگار [۷۵]

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

۵۱۔ کیا پھر جب عذاب واقع ہو چکے گا تب اس پر یقین کرو گے اب قائل ہوئے اور تم اسی کا تقاضا کرتے

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

تھے[۶۷]

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ پھر کہیں گے گنہگاروں کو چکھتے رہو عذاب ہیشگی کا وہی بدلا ملتا ہے جو کچھ کماتے تھے[۷۷]

وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَ رَبِّىْٓ اِنَّهٗ
لَحَقٌّ ؔؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۵ ۱۴ ۱۰

۵۳۔ اور تجھ سے خبر پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات تو کہہ البتہ قسم میرے رب کی یہ سچ ہے اور تم تھکا نہ سکو گے[۷۸]

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ
بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِىَ
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور اگر ہو ہر شخص گنہگار کے پاس جتنا کچھ ہے زمین میں البتہ دے ڈالے اپنے بدلے میں[۷۹] اور چھپے چھپے پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب اور ان میں فیصلہ ہو گا انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہو گا[۸۰]

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ
اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ سن رکھو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سن رکھو وعدہ اللہ کا سچ ہے[۸۱] پر بہت لوگ نہیں جانتے[۸۲]

هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے[۸۳]

۶۸۔ دنیوی زندگی کی حقیقت: یعنی محشر کے ہولناک اہوال و حوادث کو دیکھ کر عمر بھر کا عیش و آرام اس قدر حقیر و قلیل نظر آئے گا گویا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرے ہی نہ تھے۔ اور افسوس کریں گے کہ ساری عمر کیسی فضول اور بے کار گذری، جیسے آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ یوں ہی گپ شپ میں بیکار گذار دیتا ہے۔ نیز وہاں کی زہرہ گداز مصائب کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ گویا دنیا میں کچھ مدت قیام ہی نہ ہوا جو یہ وقت آ لیا۔ گھڑی دو گھڑی ٹھہرے اور یہاں آ پھنسے۔ کاش وہاں کی مدت قیام کچھ طویل ہوتی تو یہ دن اس قدر جلد نہ دیکھنا پڑتا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ برزخ (قبر) میں ٹھہرنے کی مدت کو ایک گھڑی کے برابر سمجھیں گے۔ واللہ اعلم۔

۶۹۔ مگر کچھ مدد نہ کر سکیں گے۔ نفسی نفسی پڑی ہو گی۔ بھائی بھائی کے اور بیٹا باپ کے کام نہ آئے گا۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المومنون۔۱۰۱) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ۔ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ۔ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (عبس۔۳۶،۳۵،۳۴)

۷۰۔ باقی جنہوں نے لقاء اللہ کی تصدیق کی اور سیدھی راہ پر چلے وہ سراسر فائدہ میں ہیں۔

۷۱۔ آنحضرت سے کئے گئے وعدوں کا ایفاء: یعنی ہم نے کفار کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب و منصور کرنے کے جو وعدے کئے ہیں، خواہ ان میں سے بعض وعدے کسی حد تک آپ کی موجودگی میں پورے کر کے دکھا دیے جائیں، جیسے "بدر" وغیرہ میں دکھلا دیا۔ یا آپ کی وفات ہو جائے۔ اس لئے آپ کے سامنے ان میں سے بعض کا ظہور نہ ہو۔ بہر صورت یہ یقینی ہے کہ وہ سب پورے ہو کر رہیں گے۔ اگر کسی مصلحت سے دنیا میں ان کفار کو سزا نہ دی گئی تو آخرت میں ملے گی۔ ہم سے بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور ان کے تمام اعمال ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ غلبہ اسلام کچھ حضرت کے روبرو ہوا اور باقی آپ کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے۔ گویا نَتَوَفَّيَنَّكَ میں اس طرف اشارہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۲۔ ہر امت کے لئے رسول بھیجا گیا: پہلے اس امت اور اس کے رسول اکرم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ذکر تھا۔ اب عام اقوام و امم کا ضابطہ بتلاتے ہیں کہ ہر جماعت اور ہر فرقہ کے پاس خدا کے احکام پہنچانے والے بھیجے گئے ہیں جن کو "رسول" کہیے۔ تاکہ خدا کی حجت تمام ہو اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ لوگ عمل پہلے سے کرتے ہیں۔ مگر دنیا میں ان کو سزا رسول پہنچنے اور حجت تمام کرنے کے بعد دی جاتی ہے خدا کے یہاں یہ ظلم اور اندھیر نہیں کہ بدون پیشتر سے آگاہ کرنے اور ملزم ثابت ہونے کے مجرموں کو فیصلہ سنا دیا جائے۔ قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہو گی، فرد جرم لگائیں گے، گواہ پیش ہوں گے، ہر قوم کے ساتھ ان کے پیغمبر موجود ہوں گے ان کے بیانات وغیرہ کے بعد نہایت انصاف سے فیصلہ ہو گا۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (الزمر۔ ۶۹) مجاہد وغیرہ نے آیت کو قیامت کے احوال پر حمل کیا ہے۔

۷۳۔ یعنی عذاب آنے کی جو دھمکیاں دیتے ہو محض جھوٹ اور بے اصل ہیں۔ اگر واقعی تم سچے ہو تو لے کیوں نہیں آتے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہو گا۔

۷۴۔ یعنی عذاب وغیرہ بھیجنا خدا کا کام ہے، میرے قبضہ اور اختیار میں نہیں۔ میں خود اپنے نفع نقصان کا صرف اسی قدر مالک ہوں جتنا اللہ چاہے۔ پھر دوسروں پر کوئی بھلائی برائی وارد کرنے کا مستقل اختیار مجھے کہاں سے ہوتا۔ ہر قوم کی ایک مدت اور میعاد خدا کے علم میں مقرر ہے۔ جب میعاد پوری ہو کر اس کا وقت پہنچ جائے گا۔ ایک سیکنڈ کا تخلف نہ ہو سکے گا۔ غرض عذاب کے لئے جلدی مچانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے علم میں جو وقت طے شدہ ہے اس سے ایک منٹ آگے پیچھے نہیں سرک سکتے۔ زمخشری کے نزدیک لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ اس سے کنایہ ہے کہ عذاب کا اپنے وقت معین پر آنا اٹل ہے۔ کنایہ میں حقیقت تقدم و تاخر کا نفیاً یا اثباتاً اعتبار نہیں۔ فتنبہ لہ۔

۷۵۔ کفار کا مطالبہ عذاب احمقانہ ہے: یعنی رات کو سوتے ہوئے یا دن میں جب تم دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو، اگر اچانک خدا کا عذاب آ دبائے تو مجرم جلدی کر کے کیا بچاؤ کر سکیں گے؟ جب بچاؤ نہیں کر سکتے پھر وقت پوچھنے سے کیا فائدہ؟ مترجمؒ نے مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ کا یہ ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ کے مذاق کے موافق کیا ہے۔ عموماً مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ عذاب الٰہی کے آنے میں کونسی ایسی خوشی اور مزے کی بات ہے جس کی وجہ سے مجرمین جلدی طلب کر رہے ہیں یا یہ کہ تعجب کا مقام ہے کہ مجرمین کیسی سخت خوفناک چیز کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ حالانکہ ایک مجرم کے لائق تو یہ تھا کہ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ اٹھتا اور ڈر کے مارے ہلاک ہو جاتا۔ (البحر المحیط)۔

۷۶۔ مطالبہ عذاب کہ وجہ: یعنی عذاب کے لئے جلدی کرنا اس بناء پر ہے کہ انہیں اس کے آنے کا یقین نہیں۔ اس وقت یقین ہوتا تو فائدہ ہو سکتا تھا کہ بچنے کی کوشش کرتے۔ عذاب آچکنے کے بعد یقین آیا تو کیا فائدہ ہو گا۔ اس وقت خدا کی طرف سے کہہ دیا جائے گا کہ اچھا اب قائل ہوتے ہو، اور پہلے سے جھٹلاتے رہے۔ کیونکہ تقاضا کرنا بھی جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی نیت سے تھا۔ اس وقت اقرار کرنے سے کچھ نفع نہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المومن۔۸۵،۸۴)۔

۷۷۔ جو کفر و شرک اور تکذیب کرتے رہے تھے اب ہمیشہ اس کا مزہ چکھتے رہو۔ یہ قیامت میں کہا جائے گا۔

۷۸۔ حیات بعد الممات یقینی: یعنی غلفت کے نشہ میں چور ہو کر تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ ہم موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ کیا واقع ریزہ ریزہ ہو کر اور خاک میں مل کر پھر از سر نو ہم کو موجود کیا جائے گا؟ آپ فرما دیجئے کہ تعجب کی کیا بات ہے، یہ چیز تو یقیناً ہونے والی ہے۔ تمہارا مٹی میں مل جانا اور پارہ پارہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ پہلے کی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کر دے اور شرارتوں کا مزہ چکھائے۔ ممکن نہیں کہ اس کے قبضہ سے نکل بھاگو اور فرار ہو کر (معاذ اللہ) اسے عاجز کر سکو۔ (تنبیہ) اس آیت کے مشابہ دو آیتیں قرآن کریم میں ہیں ایک سورہ "سبا" میں وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ (سبا۔۳) دوسری "تغابن" میں زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (تغابن۔۷) یہ دونوں قیامت اور معاد کے متعلق ہیں۔ ان ہی کی مناسبت سے حافظ ابن کثیر نے آیت حاضرہ کو معاد کے متعلق رکھا ہے۔

۷۹۔ یعنی اگر روئے زمین کے خزانے فرض کرو اس کے قبضہ میں ہوں تو کوشش کرے کہ یہ سب دے کر خدا کے عذاب سے اپنے کو بچا لے۔

۸۰۔ آخرت میں کفار کا پچھتاوا: دل میں اپنی حرکتوں پر پشیمان ہوں گے اور چاہیں کہ لوگوں پر پشیمانی کا اظہار نہ ہو۔ مگر تابکے کچھ دیر آثار ندامت ظاہر نہ ہونے دیں گے۔ آخر بے اختیار ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اس وقت کہیں گے۔ يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ (زمر۔۵٦) اور يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (الانبیاء۔۹۷)

۸۱۔ یعنی سارے جہان میں حکومت صرف اللہ کی ہے۔ انصاف ہو کر رہے گا۔ کوئی مجرم نہ کہیں بھاگ سکتا ہے نہ رشوت دے کر چھوٹ سکتا ہے۔

۸۲۔ یعنی سوء استعداد بد فہمی اور غلفت سے اکثر لوگ ان حقائق کو نہیں سمجھتے۔ اسی لئے جو زبان پر آئے بک دیتے ہیں۔ اور جو جی میں آئے کرتے ہیں۔

۸۳۔ جلانا اور مارنا جب اسی کا فعل ہے تو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اے لوگو تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے واسطے [۸۴]

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ کہہ اللہ کے فضل سے اور اسکی مہربانی سے سو اسی پر انکو خوش ہونا چاہئے [۸۵] یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو جمع کرتے ہیں [۸٦]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ
فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ
لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾

۵۹۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اتاری تمہارے واسطے روزی پھر تم نے ٹھہرائی اس میں سے کوئی حرام اور کوئی حلال کہہ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو یا اللہ پر افترا کرتے ہو[۸۷]

وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

۶۰۔ اور کیا خیال ہے جھوٹ باندھنے والوں کا اللہ پر قیامت کے دن[۸۸] اللہ تو فضل کرتا ہے لوگوں پر اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے[۸۹]

وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ
لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ
تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ
مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ
مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾

۶۱۔ اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے حاضر تمہارے پاس جب تم مصروف ہوتے ہو اس میں اور غائب نہیں رہتا تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا جو نہیں ہے کھلی ہوئی کتاب میں[۹۰]

۸۴۔ قرآن کریم کی بعض اہم صفات: یہ سب صفات قرآن کریم کی ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک نصیحت ہے، جو لوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔ دلوں کی بیماریوں کے لئے نسخہ شفاء ہے۔ وصول الی اللہ اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت میں رحمت الٰہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک اس آیت میں نفس انسانی کے مراتب کمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص قرآن کریم سے تمسک کرے ان تمام مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ (۱) اپنے ظاہر کو نالائق افعال سے پاک کرنا۔ لفظ "موعظة" میں اس کی طرف اشارہ ہے (۲) باطن کو عقائد فاسدہ اور ملکات ردیہ سے خالی کرنا جو شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ سے مفہوم ہوتا ہے۔ (۳) نفس کو عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا، جس کے لئے لفظ "ہدیٰ" زیادہ مناسب ہے۔ (۴) ظاہر و باطن کی درستی کے بعد انوار رحمت الٰہیہ کا نفس پر فائض ہونا جو لفظ "رحمت" کا مدلول ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے جو تقریر کی ہے اس میں ان چار لفظوں سے شریعت، طریقیت، حقیقت، اور نبوت و خلافت کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اور نہ اس قسم کے مضامین خالص تفسیر کی مد میں آسکتے ہیں۔

۸۵۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہونا: "فرح" (خوش ہونا) محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ کسی نعمت پر اس حیثیت سے خوش ہونا کہ اللہ کے فضل ورحمت سے ملی ہے، محمود ہے۔ جیسے یہاں فرمایا فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا اور حطام دنیا پر خوش ہونا اور اکڑنا خصوصًا یہ خیال کر کے کہ ہم کو اپنی لیاقت سے حاصل ہوئی ہے، سخت مذموم ہے۔ قارون اپنے مال و دولت کی نسبت کہتا تھا۔ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (القصص۔۷۸) اس کو فرمایا لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص۔۷۷،۶۷) الخ

۸۶۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہونا: یعنی اصلی چیز خدا کا فضل ورحمت ہے۔ انسان کو اسی کی تلاش کرنی چاہئے۔ مال و دولت، جاہ و حشم، سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

۸۷۔ حلت و حرمت صرف اللہ کا کام ہے: یعنی قرآن جو نصیحت، شفاء اور ہدایت ورحمت بن کر آیا ہے وہ ہی استناد اور تمسک کرنے کے لائق ہے۔ احکام الٰہیہ کی معرفت اور حلال وحرام کی تمیز اسی سے ہو سکتی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ خدا نے تو تمہارے انتفاع کے لئے ہر قسم کی روزی پیدا کی۔ پھر تم نے محض اپنی آراء و اہواء سے اس میں سے کسی چیز کو حلال، کسی کو حرام ٹھہرالیا۔ بھلا تحلیل و تحریم کا تم کو کیا حق ہے۔ کیا تم یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ایسا حکم دیا، یا یوں ہی خدا پر افتراء کر رہے ہو۔ اگلی آیت میں صاف اشارہ کر دیا کہ بجز افتراء علی اللہ کے اور کچھ نہیں۔ (تنبیہ) جن چیزوں کو حلال و حرام کیا تھا ان کا مفصل تذکرہ سورہ مائدہ اور انعام میں گذر چکا۔

۸۸۔ یعنی یہ لوگ روز قیامت کے متعلق کیا خیال کر رہے ہیں کہ کیا معاملہ ان کے ساتھ ہو گا۔ سخت پکڑے جائیں گے یا سستے چھوٹ جائیں گے۔ عذاب بھگتنا پڑے گا یا نہیں۔ کن خیالات میں پڑے ہیں۔ یاد رکھیں جو دردناک سزا ملنے والی ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔

۸۹۔ یعنی خدا اپنے فضل سے دنیا میں بہت کچھ مہلت دیتا ہے۔ بہت سی تقصیرات سے درگذر کرتا ہے۔ لیکن بہت لوگ نرمی اور اغماض کو دیکھ کر بجائے شکر گذار ہونے کے اور زیادہ دلیر اور بے خوف ہو جاتے ہیں۔ آخر سزا دینی پڑتی ہے۔

حلم حق با تو مواساہا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند

۹۰۔ اللہ کو ہر ذرہ کا علم ہے: پہلے قرآن کریم کے اوصاف بیان کئے تھے کہ وہ سراپا نور ہدایت، شفائے قلوب، نعمت عظمٰی اور رحمت کبریٰ ہے پھر اشارہ کیا کہ ہدایت و بصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر لوگ اپنے اوہام و خیالات کے اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور خدا پر افتراء کر کے اس کے فضل و انعام کی ناقدری کرتے ہیں۔ اس آیت میں متنبہ کیا کہ لوگ کس حال میں ہیں۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی کیا شان ہے۔ آپ شب و روز مالک حقیقی کی وفاداری اور ہمدردی خلائق کی جن شئون عظیمہ کے مظہر بنتے ہیں خصوصًا آپکی جو امتیازی شان قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے یعنی قرآن کے ذریعہ سے جو جہاد آپ کر رہے ہیں وہ سب خدا کے حضور میں ہے اور لوگ جو کچھ اچھا یا برا معاملہ کرتے ہیں وہ سب بھی خدا کی نظر کے سامنے ہے۔ جس وقت مخلوق کوئی کام شروع کرتی اور اس میں مشغول و منہمک ہو جاتی ہے۔ خواہ اسے خدا کا تصور نہ آئے لیکن خدا اس کو برابر دیکھ رہا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ زمین و آسمان میں کہیں ایک ذرہ برابر یا اس سے چھوٹی بڑی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کے علم محیط سے غائب ہو۔ بلکہ علم الٰہی سے نیچے اتر کر تمام "ماکان ومایکون" کا حال "کتاب مبین" (لوح محفوظ) میں ثبت ہے جسے "تدبیر" میں صحیفہ علم الٰہی کہنا چاہئے۔ جب حق تعالیٰ پر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پوشیدہ نہیں تو ان مکذبین و معاندین کے معاملات و احوال کیسے مخفی رہ سکتے ہیں پھر روز جزا کی کارروائی کے متعلق یہ کیا خیال کر رہے ہیں۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ ان کی ہر چھوٹی بڑی حرکت خدا کے سامنے ہے وہاں کوئی خیانت اور چوری نہیں چل سکے گی۔ ہر عمل کی سزا مل کر رہے گی اور جس طرح دشمنوں کے معاملات اس کے سامنے ہیں، ان کے بالمقابل دوستوں کا ذرہ ذرہ حال بھی اس کے علم میں ہے اگلی آیات میں ان کو بشارت سنائی گئی۔

اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۚ﴿۶۲﴾	٦٢۔ یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۹۱]
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ؕ﴿۶۳﴾	٦٣۔ جو لوگ کہ ایمان لائے اور ڈرتے رہے [۹۲]
لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ؕ﴿۶۴﴾	٦٤۔ ان کے لئے ہے خوشخبری دنیا کی زندگانی میں اور آخرت میں [۹۳] بدلتی نہیں اللہ کی باتیں [۹۴] یہی ہے بڑی کامیابی

۹۱۔ اولیائے اللہ کی خوف و حزن سے حفاظت: ابن کثیر نے روایات حدیثیہ کی بنا پر اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "اولیاء اللہ" (خدا کے دوستوں) کو آخرت میں اہوال کا کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوں گے۔ بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہو گا نہ آخرت میں اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں گویا خوف حق یا غم سے غم آخرت کی نفی مراد نہیں بلکہ دنیا میں دنیوی خوف و غم کی نفی مراد ہے جس کا احتمال مخالفت اعداء وغیرہ سے ہو سکتا ہے وہ مومنین کاملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اعتماد اللہ پر ہوتا ہے اور تمام واقعات تکوینیہ کے خالی از حکمت نہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس اعتماد و اعتقاد کے استحضا سے انہیں خوف و غم نہیں ستاتا۔ میرے نزدیک لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ کا مطلب یہ لیا جائے کہ اولیا اللہ پر کوئی خوفناک چیز (ہلاکت یا معتدبہ نقصان) دنیا و آخرت میں واقع ہونے والی نہیں۔ اگر فرض کیجئے دنیا میں صورتاً کوئی نقصان پیش بھی آئے تو چونکہ نتیجۃً وہ ان کے حق میں نفع عظیم کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے اس کو معتدبہ نقصان نہیں کہا جا سکتا۔ رہا کسی سبب دنیوی یا اخروی کی وجہ سے ان کو کسی وقت خوف لاحق ہونا وہ آیت کی اس تقریر کے منافی نہ ہو گا کیونکہ آیت نے صرف یہ خبر دی ہے کہ ان پر کوئی خوفناک چیز نہ پڑے گی یہ نہیں کہا کہ انہیں کسی وقت خوف لاحق نہ ہو گا۔ شاید لَا يَحۡزَنُوۡنَ کے مناسب لَا يَخَافُوۡنَ نہ فرمانے اور لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ کی تعبیر اختیار کرنے میں یہ ہی نکتہ ہو۔ باقی "لایحزنون" کا تعلق میرے خیال میں مستقبل سے ہے۔ یعنی موت کے وقت اور موت کے بعد غمگین نہ ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا (حٰم السجدہ۔ ۳۰) اور فرمایا لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ (الانبیاء۔ ۱۰۳) واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ۔

۹۲۔ اولیاء کی تعریف: یہ "اور اولیاء اللہ" کی تعریف فرمائی یعنی مومن متقی خدا کا ولی ہوتا۔ پہلے کئی مواقع میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایمان و تقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں۔ پس جس درجہ کا ایمان و تقویٰ کسی میں موجود ہو گا اس درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لئے ثابت ہو گا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس سو، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی۔ لیکن عرف عام میں دس بیس روپیہ کے مالک کو "مالدار" نہیں کہا جاتا۔ جب تک معتدبہ مقدار مال و دولت کی موجود نہ ہو۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایمان و تقویٰ کسی مرتبہ میں ہو، وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے سب مومنین فی الجملہ "ولی" کہلائے جا سکتے ہیں۔ لیکن عرف میں "ولی" کہا جاتا ہے جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ ایمان و تقویٰ کا پایا جاتا ہو، احادیث میں کچھ علامات و آثار اس ولایت کے ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً ان کو دیکھنے سے خدا یاد آنے لگے یا مخلوق خدا سے ان کو بے لوث محبت ہو، عارفین نے اپنے اپنے مذاق کے موافق ولی کی تعریفیں کی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

۹۳۔ اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں مثلاً حق تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی جو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وغیرہ کی بشارت دی ہے یا فرشتے موت کے قریب ان کو کہتے ہیں۔ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰمٓ السجدہ۔ ۳۰) یا کثرت سے سچے اور مبارک خواب انہیں نظر آتے ہیں یا ان کی نسبت دوسرے بندگان خدا کو دکھائی دیتے ہیں جو حدیث صحیح کے موافق نبوۃ کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ یا ان کے معاملات میں خدا کی طرف سے خاص قسم کی تائید و امداد ہوتی ہے یا خواص میں اور کبھی خواص سے گذر کر عوام میں بھی ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اور لوگ ان کی مدح و ثنا اور ذکر خیر کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں دنیوی بشارت کے تحت میں درجہ بدرجہ آسکتی ہیں۔ مگر اکثر روایات میں لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی تفسیر رویائے صالحہ سے کی گئ ہے۔ واللہ اعلم۔ رہی بشارت اخروی وہ خود قرآن میں منصوص ہے۔ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (الحدید۔ ۱۲) اور حدیث میں بھی یہ ہی تفسیر منقول ہے۔

۹۴۔ یعنی اللہ کی باتیں اور اس کے وعدے سب پختہ اور اٹل ہیں۔ جو بشارتیں دی ہیں ضرور پہنچ کر رہیں گی۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾

۶۵۔ اور رنج مت کر ان کی بات سے اصل میں سب زور اللہ کے لئے ہے وہی ہے سننے والا جاننے والا[۹۵]

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾

۶۶۔ سنتا ہے بیشک اللہ کا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور جو کوئی ہے زمین میں اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں اللہ کے سوا شریکوں کو پکارنے والے سو یہ کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں[۹۶]

۹۵۔ اوپر سے اعدائے مکذبین کا ذکر چلا آتا تھا ان کے بالمقابل دوستوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کو دارین میں محفوظ رہنے کی بشارت سنائی۔ اسی سلسلہ میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم احمقوں اور شریروں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، غلبہ اور زور سب خدا کے لئے ہے وہ اپنے زور تائید سے حق کو غالب و منصور اور مخالفین کو ذلیل و رسوا کر کے چھوڑے گا وہ ان کی سب باتیں سنتا اور سب حالات جانتا ہے۔

۹۶۔ یعنی کل زمین و آسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے۔ سب جن و انس اور فرشتے اسی کے مملوک و مخلوق ہیں۔ مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنا اور انہیں خدائی کا حصہ دار بنانا، محض اٹکل کے تیر اور واہی تباہی خیالات ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ حجت و برہان، خالی اوہام و ظنون کی اندھیریوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾

۶۷۔ وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ چین حاصل کرو اس میں اور دن دیا دکھلانے والا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں[۹۷]

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا
فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ
بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ کہتے ہیں ٹھہرا لیا اللہ نے بیٹا وہ پاک ہے وہ بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں نہیں تمہارے پاس کوئی سند اس کی کیوں جھوٹ کہتے ہو اللہ پر جس بات کی تم کو خبر نہیں[۹۸]

قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا
يُفۡلِحُوۡنَ ؕ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ کہہ جو لوگ باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ بھلائی نہیں پاتے

مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِيۡقُهُمُ
الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ ع

۷۰۔ تھوڑا سا نفع اٹھالینا دنیا میں پھر ہماری طرف ہے ان کو لوٹنا پھر چکھائیں گے ہم انکو سخت عذاب بدلا ان کے کفر کا[۹۹]

ع ۱۲

۹۷۔ دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں: دن رات اور اندھیرے اجالے کا پیدا کرنے والا وہی ایک خدا ہے۔ اسی سے خیر و شر اور تمام متقابل اشیاء کی پیدائش کو سمجھ لو۔ اس میں مجوس کے شرک کا رد ہو گیا۔ اور ادھر بھی لطیف اشارہ کر دیا کہ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد خدا روز روشن کو لاتا ہے اور دن کے اجالے میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو شب کی ظلمت میں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ ایسے ہی مشرکین کے اوہام وظنون کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اس نے قرآن کریم کا آفتاب چمکایا جو لوگوں کو وصول الی اللہ کا ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔

۹۸۔ عیسائیوں کے شرک کا رد: اس میں عیسائیوں کے شرک کا رد ہے جو حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ واقعی طور پر "مسیح" کو خدا کا صلبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہو گی۔ خداوند قدوس بالبداہتہ بیوی بچوں سے پاک ہے۔ اور اگر بیٹے سے مراد متبنیٰ ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو متبنیٰ بنائے۔ کیا معاذ اللہ اسے اولاد کی حسرت اور بیٹا نہ ہونے کا غم تھا؟ یا یہ فکر تھی کہ اس کے بعد مال و دولت کا وارث اور اس کا نام رشن کرنے والا کون ہو گا؟ یا یہ کہ بڑھاپے اور حرج مرج میں کس سے سہارا ملے گا؟ (العیاذ باللہ) وہ تو سب سے بے نیاز ہے اور سب ہر وقت اس کے محتاج ہیں۔ اسے بیٹے پوتے یا متبنیٰ وغیرہ کی احتیاج کہاں ہو سکتی ہے؟ سب چیزیں اس کی مملوک و مخلوق ہیں۔ پھر مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کے درمیان ان نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے۔ یہ بڑی سخت بات ہے کہ خدا کی نسبت محض جہالت سے ایسی جھوٹی اور بے سند باتیں کہی جائیں۔

۹۹۔ عیسائیوں کے شرک کا رد: یعنی خدا پر جھوٹ باندھنے والے خواہ دنیا میں کیسی ہی طاقت رکھتے ہوں اور اپنے ساز و سامان پر مغرور ہوں لیکن انہیں حقیقی بھلائی اور کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ تھوڑے دن دنیا کے مزے اڑالیں انجام کار انکا معاملہ خدا کی طرف رجوع ہو گا۔ جہاں سے اپنے جرائم کی پاداش میں نہایت سخت عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ نُوۡحٍ ۘ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنۡ

۷۱۔ اور سنا ان کو حال نوح کا[۱۰۰] جب کہا اپنی قوم کو اے

كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

قوم اگر بھاری ہوا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا اور نصیحت کرنا اللہ کی آیتوں سے تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اب تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کرو اپنے شریکوں کو پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ پھر کر گذرو میرے ساتھ اور مجھ کو مہلت نہ دو[۱۰۱]

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ پھر اگر منہ پھیرو گے تو میں نے نہیں چاہی تم سے مزدوری میری مزدوری ہے اللہ پر اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں فرمانبردار[۱۰۲]

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ پھر اس کو جھٹلایا سو ہم نے بچا لیا اسکو اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو قائم کر دیا جگہ پر اور ڈبا دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام ان کا جن کو ڈرایا تھا[۱۰۳]

۱۰۰۔ واقعہ نوح سے عبرت: یعنی اہل مکہ کو نوحؑ اور اس کی قوم کا حال سنا۔ تاکہ معلوم ہو کہ مکذبین و مفترین کو حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کی اچھل کود اور چمک دمک محض چند روزہ ہے جو انجام کار ہلاکت ابدی پر منتہی ہوتی ہے۔ اہل مکہ کو قوم نوحؑ کا قصہ سن کر عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ اگر وہ خاتم الانبیاء ﷺ کی تکذیب وعداوت اور اپنی شرکیات سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی سو ویسا ہی ہو سکتا ہے۔ جو نوح کی تکذیب کرنے والوں کا ہوا۔ نیز اس واقعہ کے بیان کرنے میں پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان لوگوں کی دشمنی اور شرارت سے زیادہ دلگیر نہ ہوں۔ ہر نبی کو اس قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ پھر آخر میں حق ہی غالب ہو کر رہا اور حق وصداقت کے دشمن تباہ و برباد کر دیے گئے۔ عام سامعین کو ان واقعات کے ایسے مفصل بیان سے یہ سبق ملتا ہے کہ نبی عربی ﷺ باوجود امی ہونے اور کسی مخلوق کے سامنے ایک منٹ کے لئے بھی زانوئے تلمذ تہ نہ کرنے کے پچھلی قوموں کے اس قدر صحیح اور پختہ احوال بیان فرماتے ہیں جو بظاہر بدون تعلیم اور طویل استفادہ کے ممکن نہیں، ناچار ماننا پڑے گا کہ آپ کا معلم کوئی انسان نہیں بلکہ سب انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ تو آپ کی سچائی کی ایک دلیل ہوگی۔

۱۰۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کا پیغمبرانہ یقین: یعنی تمہاری خوشی ناخوشی یا موافقت و مخالفت کی مجھے ذرہ برابر پروا نہیں۔ تمام پیغمبروں کی طرح میرا بھروسہ صرف خدائے واحد پر ہے۔ اگر تم میری نصیحت و فہمائش سے برا مانو تو مانا کرو۔ میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں قصور نہیں

کر سکتا۔ تم بر امان کر مجھ سے دشمنی کرو اور نقصان پہنچانا چاہو تو یہ چیز میرے ارادوں پر قطعاً اثر ڈالنے والی نہیں۔ جو کچھ تمہارے امکان میں ہے شوق سے کر گذرو میرے خلاف مشورہ کر کے کوئی تجویز پختہ کرلو۔ اپنے رفقائے کار بلکہ فرضی معبودوں کو بھی جمع کر کے ایک غیر مشکوک اور غیر مشتبہ رائے پر قائم ہو جاؤ۔ پھر متفقہ طاقت سے اسے جاری کر ڈالو، ایک منٹ کی مہلت بھی مجھ کو نہ دو۔ پھر دیکھ لو کہ پیغمبرانہ استقامت و توکل کا پہاڑ تمام دنیا کی طاقتوں اور تدبیروں کو کچل کر کس طرح پاش پاش کر ڈالتا ہے۔

۱۰۲۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں نہ جانی و بدنی تکالیف سے گھبراتا ہوں اور نہ مالی نقصان کی کوئی فکر ہے کیونکہ میں نے خدمات تبلیغ و دعوت کا کچھ معاوضہ تم سے کبھی طلب نہیں کیا جو یہ اندیشہ ہو کہ تمہاری ناخوشی سے میری تنخواہ بند ہو جائے گی یا کم از کم تم کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ میری ساری جدوجہد مال کی حرص اور روپیہ کے لالچ سے تھی میں جس کا کام کر رہا اور حکم بجا لا رہا ہوں اسی کے ذمہ میری اجرت ہے جب میں اس کا فرمانبردار ہوں اور خدمت مفوضہ بے خوف و خطر انجام دیتا ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے فضل و رحمت کے دروازے مجھ پر نہ کھولے رکھے۔

۱۰۳۔ یعنی جس کے پاس چشم عبرت ہو وہ دیکھ لے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ان لوگوں کو سینکڑوں برس نوحؑ نے نصیحت کی، نفع و ضرر سے آگاہ کیا، جب کوئی بات موثر نہ ہوئی بلکہ الٹا عناد و فرار بڑھتا گیا۔ اس وقت خدا نے سخت طوفان پانی کا بھیجا۔ سب مکذبین غرقاب کر دیے گئے۔ صرف نوحؑ اور چند نفوس جو ان کے ساتھ کشتی پر سوار تھے، محفوظ رہے۔ انہی سے آگے نسل انسانی چلی۔ اور ڈوبنے والوں کی جگہ یہ ہی آباد ہوئے۔ نوحؑ کا کچھ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا۔

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ پھر بھیجے ہم نے نوح کے بعد کتنے پیغمبر ان کی قوم کی طرف پھر لائے انکے پاس کھلی دلیلیں سو ان سے یہ نہ ہوا کہ ایمان لے آئیں اس بات پر جسکو جھٹلا چکے تھے پہلے سے [۱۰۴] اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں دلوں پر حد سے نکل جانے والوں کے [۱۰۵]

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ـئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسٰی اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر پھر تکبر کرنے لگے اور وہ تھے لوگ گنہگار [۱۰۶]

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ پھر جب پہنچی ان کو سچی بات ہمارے پاس سے کہنے لگے یہ تو جادو ہے کھلا [۱۰۷]

قَالَ مُوسٰٓى اَتَقُوۡلُوۡنَ لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمۡ‌ ؕ اَسِحۡرٌ
هٰذَا ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُوۡنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ کہا موسیٰ نے کیا تم یہ کہتے ہو حق بات کو جب وہ پہنچے تمہارے پاس کیا یہ جادو ہے اور نجات نہیں پاتے جادو کرنے والے [۱۰۸]

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَلۡفِتَنَا عَمَّا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا
وَ تَكُوۡنَ لَـكُمَا الۡكِبۡرِيَآءُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا نَحۡنُ
لَـكُمَا بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ بولے کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اس رستہ سے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو اور تم دونوں کو سرداری مل جائے اس ملک میں اور ہم نہیں ہیں تم کو ماننے والے [۱۰۹]

وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِىۡ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ اور بولا فرعون لاؤ میرے پاس جو جادوگر ہو پڑھا ہوا [۱۱۰]

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰٓى اَلۡقُوۡا مَاۤ
اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ پھر جب آئے جادوگر کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو [۱۱۱]

فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا قَالَ مُوۡسٰى مَا جِئۡتُمۡ بِهِ ۙ السِّحۡرُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ سَيُبۡطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصۡلِحُ عَمَلَ
الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ پھر جب انہوں نے ڈالا موسیٰ بولا کہ جو تم لائے ہو سو جادو ہے [۱۱۲] اب اللہ اسکو بگاڑتا ہے بیشک اللہ نہیں سنوارتا شریروں کے کام [۱۱۳]

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸ ۱۲ ۱۳

۸۲۔ اور اللہ سچا کرتا ہے حق بات کو اپنے حکم سے اور پڑے برا مانیں گنہگار

۱۰۴۔ دوسرے پیغمبروں کی تکذیب: یعنی نوحؑ کے بعد ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ، ابراہیمؑ، شعیبؑ وغیرہ انبیاء کو اپنی اپنی قوم کی طرف کھلے ہوئے نشانات دے کر بھیجا۔ لیکن جس جہالت اور کفر کی حالت میں وہ لوگ اپنے اپنے پیغمبر کی بعثت سے پہلے تھے اور جن چیزوں کو پیشتر سے جھٹلاتے چلے آ رہے تھے، یہ توفیق نہ ہوئی کہ انبیاء کے تشریف لانے اور سمجھانے کے بعد ان کو مان لیتے۔ بلکہ جن اصول صحیحہ کی تکذیب پہلے قوم نوحؑ کر چکی تھی، ان سبھوں نے بھی ان کے ماننے سے انکار کر دیا اور جب پہلی مرتبہ منہ سے "نہ" نکل گئی، ممکن نہ تھا کہ پھر کبھی "ہاں" نکل سکے اسی بے ایمانی اور تکذیب حق پر آخر تک اڑے رہے۔

۱۰۵۔ دلوں پر مہر لگنے کے اسباب: جو لوگ تکذیب وعداوت حق میں حد سے نکل جاتے ہیں ان کے دلوں پر مہر لگنے کی یہ ہی صورت ہوتی ہے کہ اول تکذیب کرتے ہیں، پھر اس پر ضد اور اصرار کرتے کرتے محض دشمنی اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ دل کی کلیں بگڑ

جاتی ہیں اور قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔

۱۰۶۔ یعنی جرائم پیشہ لوگ تھے، نافرمانی کی خو قبول حق کی اجازت کہاں دیتی۔ تکبر مانع ہوا کہ خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کے سفراء کے سامنے گردن جھکائیں۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل۔۱۰۶) یہ ہی تکبر تھا جس نے فرعون سے یہ الفاظ کہلوائے۔ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ (شعراء۔۱۸)۔

۱۰۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال: یعنی عصا اور ید بیضا وغیرہ کے معجزات دیکھ کر اور موسیٰؑ کی نہایت پر تاثیر باتیں سن کر کہنے لگے کہ یہ سب کھلا ہوا جادو ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں تمام فوق العادت چیزوں کا آخری درجہ "جادو" ہی ہو سکتا تھا۔

۱۰۸۔ یعنی حق کو جادو کہتے، کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ اور کیا جادو کرنے والے نبوت کا دعویٰ کر کے حق و باطل کی کشمکش سے کامیاب نکل سکتے ہیں۔ سحر اور معجزہ میں تمیز نہ کر سکنا ان کوتاہ فہموں کا کام ہے جو سونے اور پیتل میں تمیز نہ کر سکیں پیغمبر کے روشن چہرے، پاکیزہ اخلاق، نور تقویٰ، پر شوکت و عظمت احوال میں بدیہی شہادت اس کی موجود ہوتی ہے کہ جادوگری اور شعبدہ بازی سے انہیں کوئی دور کی نسبت بھی نہیں پھر پیغمبر کو ساحر کہنا کس درجہ بے حیائی یا دیوانگی ہے۔

۱۰۹۔ یعنی معاذ اللہ تم دنیا کے حریص اور بدنیت ہو ایک سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہو۔ تمہاری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذہبی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم برپا کر کے اس ملک میں اپنی حکومت اور سرداری جماؤ۔ اور یہاں کے قدیم سرداروں (قبطیوں) کو برطرف کر دو۔ سو یاد رہے کہ یہ خواہش پوری ہونے والی نہیں۔ ہم لوگ ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے نہ تمہاری بزرگی کبھی تسلیم کریں گے۔

۱۱۰۔ جادو اور معجزہ کا فرق: یہ موسیٰؑ کی تقریر کا جواب تھا۔ یعنی رہا سحر اور معجزہ کا جھگڑا اس کا عملاً تصفیہ کئے دیتے ہیں کہ اس ملک کے بڑے بڑے ماہر جادوگر اکٹھے کئے جائیں، آپ پھر ان کے خوارق کے مقابل اپنے معجزات دکھلائیں۔ دنیا مشاہدہ کرلے گی کہ تم پیغمبر ہو یا (معاذ اللہ) جادوگر ہو۔ اس کے لئے فرعون نے تمام ملک میں گشتی جاری کر دی اور آدمی بھیج دیے کہ مشاق اور ماہر جادوگر جہاں کہیں ہوں فوراً حاضر کئے جائیں۔ اس کا مفصل واقعہ سورہ اعراف میں گذر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۱۱۔ دوسری جگہ مذکور ہے کہ ساحرین نے موسیٰؑ سے دریافت کیا تھا کہ اپنا کرتب دکھلانے میں تم پہل کرتے ہو یا ہم کریں اس کے جواب میں موسیٰؑ نے فرمایا کہ جو تم کو دکھلانا ہے دکھلاؤ کیونکہ باطل کی پوری زور آزمائی اور نمائش کے بعد حق کا آنا اور باطل کو نیچا دکھا کر ملیامیٹ کر دینا زیادہ موثر اور غلبہ حق کو زیادہ واضح کرنے والا ہے۔

۱۱۲۔ ساحرین کا جادو: ساحرین نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر پھینک دیں اور تخیل و نظر بندی سے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا تمام میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ موسیٰؑ نے فرمایا کہ جادو یہ ہے وہ جادو نہ تھا جسے فرعون اور اس کے خوشامدیوں نے جادو کہا تھا۔

۱۱۳۔ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے: یعنی بس تم اپنی قوت صرف کر چکے اب سنبھل جانا کہ خدا اپنی قدرت و رحمت سے یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑتا ہے جو میرے مقابلہ میں پھر کبھی نہیں سنور سکے گا۔ کیونکہ خدا کی عادت و حکمت کے خلاف ہے کہ مصلح و مفسد کے مقابلہ کے وقت جبکہ اس سے مقصود خالص اتمام حجت ہو مفسدوں اور شریروں کی بات سنوار دے اور کلمہ حق کو پست و مغلوب کر دے۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ

۸۳۔ پھر کوئی ایمان نہ لایا موسیٰ پر مگر کچھ لڑکے اس کی قوم کے [۱۱۴] ڈرتے ہوئے فرعون سے اور انکے سرداروں سے کہ کہیں انکو بچلا نہ دے [۱۱۵] اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں اور اس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے [۱۱۶]

لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۸۳﴾

وَ قَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ
فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور کہا موسیٰ نے اے میری قوم اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو تم فرمانبردار[۱۱۷]

فَقَالُوْا عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ تب وہ بولے ہم نے اللہ پر بھرسہ کیا اے رب ہمارے نہ آزما ہم پر زور اس ظالم قوم کا[۱۱۸]

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور چھڑا دے ہم کو مہربانی فرما کر ان کافر لوگوں سے [۱۱۹]

۱۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے: بنی اسرائیل فرعونیوں کے ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلت اٹھا رہے تھے اور پرانی پیشین گوئیوں کے مطابق منتظر تھے کہ فرعون کے مظالم کا خاتمہ کرنے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹنے والا اسرائیلی پیغمبر مبعوث ہو۔ موسیٰؑ ٹھیک اسی شان سے تشریف لائے جس کا انہیں انتظار تھا۔ اس لئے تمام بنی اسرائیل قدرتی طور پر موسیٰؑ کی بعثت کو نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے وہ دل سے حضرت موسیٰؑ کو سچا جانتے اور ان کی عزت کرتے تھے۔ مگر اکثر آدمی فرعون اور فرعونی سرداروں سے خوفزدہ تھے اسی لئے ابتداء میں شرعی طور پر ایمان نہیں لائے وقت کے منتظر رہے کہ جس وقت حق کا غلبہ ہو گا مسلمان ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے تھوڑے سے نوجوانوں نے ہمت کر کے باوجود فرعونیوں سے خائف ہونے کے اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کر دیا۔ چند گنے چنے قبطی بھی جو فرعون کی قوم سے تھے، مشرف بایمان ہوئے۔ اخیر میں جب موسیٰؑ کا اثر اور حق کا غلغلہ بڑھتا گیا تب پوری قوم بنی اسرائیل کی جو تقریباً چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی مسلمان ہو گئی۔ یہاں ابتداء کا قصہ بیان ہوا ہے۔

۱۱۵۔ ان کے سرداروں سے مراد یا تو فرعون کے حکام وعمال ہیں یا بنی اسرائیل کے وہ سردار مراد ہیں جو خوف یا طمع وغیرہ کی وجہ سے اپنے ہم قوموں کو فرعون کی مخالفت سے ڈراتے دھمکاتے تھے اور بچلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ فرعون ایمان لانے کی خبر سن کر سخت ایذائیں پہنچائے جن سے گھبرا کر ممکن ہے بعض ضعیف القلب راہ حق سے بچل جائیں۔

۱۱۶۔ یعنی ان کا خوف کھانا بھی کچھ بیجا نہ تھا، کیونکہ اس وقت ملک میں فرعون کی مادی طاقت بہت بڑھ چڑھ کر تھی اور اس کا ظلم وعدوان اور کفر وطغیان حد سے متجاوز ہو چکا تھا۔ کمزوروں کو ستانے کے لئے اس نے بالکل ہاتھ چھوڑ رکھا تھا۔

۱۱۷۔ یعنی گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ ایک فرماں بردار مومن کا کام اپنے مالک کی طاقت پر بھروسہ کرنا ہے جسے خدا کی لامحدود قدرت ورحمت پر یقین ہو گا، وہ یقیناً ہر معاملہ میں خدا پر اعتماد کرے گا اور اس اعتماد کا اظہار جب ہی ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کر دے اسی کے حکم پر چلے اور تمامی جدوجہد میں صرف اسی پر نظر رکھے۔

۱۱۸۔ موسیٰؑ کی نصیحت پر انہوں نے اخلاص کا اظہار کیا کہ بیشک ہمارا بھروسہ خالص خدا پر ہے اسی سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان ظالموں کا تختہ مشق نہ بنائے اس طرح کہ یہ ہم پر اپنے زور وطاقت سے ظلم ڈھاتے رہیں۔ اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ ایسی صورت میں ہمارا دین بھی خطرہ

میں ہے اور ان ظالموں یا دوسرے دیکھنے والوں کو یہ ڈینگ مارنے کا موقع ملے گا اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو تم پر ایسا تسلط و تفوق کیوں حاصل ہوتا اور تم اس قدر پست و ذلیل کیوں ہوتے۔ یہ خیال ان گمراہوں کو اور زیادہ گمراہ کر دے گا۔ گویا ایک حیثیت سے ہمارا وجود ان کے لئے فتنہ بن جائے گا۔

۱۱۹۔ یعنی ان کی غلامی اور محکومیت سے ہم کو نجات دے اور دولت آزادی سے مالا مال فرما۔

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰی وَ اَخِیۡہِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِکُمَا بِمِصۡرَ بُیُوۡتًا وَّ اجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسٰی کو اور اسکے بھائی کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر [۱۲۰] اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو اور قائم کرو نماز [۱۲۱] اور خوشخبری دے ایمان والوں کو [۱۲۲]

وَ قَالَ مُوۡسٰی رَبَّنَاۤ اِنَّکَ اٰتَیۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَاَہٗ زِیۡنَۃً وَّ اَمۡوَالًا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِکَ ۚ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَ اشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور کہا موسٰی نے اے رب ہمارے تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں [۱۲۳] اے رب اس واسطے کہ بہکائیں تیری راہ سے [۱۲۴] اے رب مٹا دے ان کے مال اور سخت کر دے ان کے دل کہ نہ ایمان لائیں جب تک دیکھ لیں عذاب دردناک [۱۲۵]

قَالَ قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا فَاسۡتَقِیۡمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیۡلَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ فرمایا قبول ہو چکی دعا تمہاری [۱۲۶] سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو راہ انکی جو ناواقف ہیں [۱۲۷]

وَ جٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتۡبَعَہُمۡ فِرۡعَوۡنُ وَ جُنُوۡدُہٗ بَغۡیًا وَّ عَدۡوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَہُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ

۹۰۔ اور پار کر دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اور اس کے لشکر نے شرارت سے اور تعدی سے یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا بولا یقین کر لیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر کہ ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں

بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اب یہ کہتا ہے اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور رہا گمراہوں میں [۱۲۸]

۱۲۰۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو حکم ہوا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو ان میں شامل نہ رکھو۔ اپنا محلہ جدا بساؤ کہ آگے ان پر آفتیں آنے والی ہیں اس وقت تمہاری قوم ظاہری طور پر بھی آفتوں سے الگ تھلگ رہے" مفسرین نے تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا سے مراد یہ لی ہے کہ اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو اور ان میں سے بعض کو عبادت کے لئے مخصوص کر لو۔

۱۲۱۔ بنی اسرائیل کو نماز کا حکم: فرعون نے مسجدیں اور عبادت گاہیں خراب کر دی تھیں۔ کوئی باہر نکل کر خدا کی عبادت نہ کر سکتا تھا۔ بحالت مجبوری حکم ہوا کہ مکان میں کوئی جگہ نماز کے لئے رکھو جو قبلہ رو ہو۔ نماز ترک مت کرو کہ اسی کی برکت سے خدا کی مدد آتی ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرۃ۔ ۴۵) ہجرت سے پہلے مکہ میں ایسا ہی حال مسلمانوں کا تھا۔

۱۲۲۔ دنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں نجات و رضائے الٰہی کی۔

۱۲۳۔ یعنی ہر قسم کا سامان رونق و آسائش کا دیا۔ مثلاً حسن صورت، سواری، عمدہ پوشاک، اثاث البیت وغیرہ اور مال و دولت کے خزانے، سونے چاندی وغیرہ کی کانیں عطا فرمائیں۔

۱۲۴۔ فرعون کے مال و حکومت کی حکمت: اگر لِيُضِلُّوْا میں لام تعلیل لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر یہ سامان ان نابکاروں کو اس لئے دیا گیا کہ مغرور ہو کر خود گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں خرچ کریں۔ بڑی آزادی سے دل کھول کر زور لگا لیں آخر میں دیکھ لیں گے کہ وہ کچھ بھی کام نہ آیا۔ جب خالق خیر و شر کا اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ "خلق شر" میں بھی مجموعہ عالم کے اعتبار سے کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ وہ ہی حکمت شریروں کو اس قدر سامان دیے جانے میں سمجھ لیجئے۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ (بنی اسرائیل۔ ۲۰) اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا (آل عمران۔ ۱۷۸) بعض مفسرین نے لِيُضِلُّوْا میں "لام عاقبۃ" لیا ہے جیسے فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص۔ ۸) میں "لام عاقبۃ" اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ سامان دیا تو اس لئے تھا کہ امور خیر میں خرچ کریں اور نعمتوں کو لے کر منعم حقیقی کو پہچانیں۔ اس کے شکر گذار بندے بنیں۔ مگر اس کے برخلاف انہوں نے اپنی بدبختی سے خدا کی نعمتوں کو لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے میں ایسا بے دریغ خرچ کیا گویا وہ اسی کام کے لئے ان کو دی گئی تھیں اس تفسیر پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

۱۲۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا: جب موسیٰؑ مدت دراز تک ہر طرح ہدایت کر چکے اور عظیم الشان معجزات دکھلا چکے مگر معاندین کا جحود و عناد بڑھتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ تجربہ اور طول صحبت یا وحی الٰہی سے پوری طرح ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ کبھی ایمان لانے والے نہیں، تب ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی تا ان کی گندگی سے دنیا جلد پاک ہو اور دوسروں کے لئے ان کی بدانجامی درس عبرت بنے۔ آپ نے بد دعا کی کہ خداوندا! ان کے اموال کو تباہ اور ملیامیٹ کر دے۔ اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے جن میں کبھی ایمان و یقین نفوذ نہ کرے۔ بس اسی وقت یقین

حاصل ہو جب اپنی آنکھوں سے عذاب الیم کا مشاہدہ کر لیں یہ دعا ان کے حق میں ایسی سمجھو جیسے ابلیس کو "لعنہ اللہ" یا کفار کو "خذلھم اللہ" کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی ملعونیت و خذلان کا قطعی فیصلہ پیشتر سے کیا جا چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کی تقریر دوسری طرز سے کی ہے، فرماتے ہیں "سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے اس میں عذاب تھم جاتا کام فیصل نہ ہوتا۔ دعا اس واسطے مانگی کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں دل ان کے سخت رہیں تا عذاب پڑ چکے اور کام فیصل ہو"۔

۱۲۶۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ دعا کرتے تھے اور ہارونؑ "آمین" کہتے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے دَعْوَتُکُمَا فرمایا۔

۱۲۷۔ یعنی اپنا کام استقلال اور ثابت قدمی سے انجام دیتے رہو۔ اگر قبول دعا کے آثار دیر سے ظاہر ہوں تو نادان لوگوں کی طرح شتابی مت کرو وقت مقدر پر یہ ہی ہو کر رہے گا۔ گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں۔

۱۲۸۔ غرق کے وقت فرعون کا کلمہ ایمان: موسیٰؑ کئی لاکھ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلے، فرعون کو خبر ہوئی تو ایک لشکر جرار لے کر تعاقب کیا۔ تا اس کے پنجہ ظلم سے چھوٹنے نہ پائیں۔ بنی اسرائیل جب بحر قلزم کے کنارے پہنچے، تو سخت پریشان ہوئے آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر دباتا چلا آرہا تھا موسیٰؑ نے تسلی دی اور حق تعالیٰ کے حکم سے لاٹھی دریا پر ماری۔ سمندر کا پانی ادھر ادھر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خدا نے بارہ راستے خشک بنا دیے۔ یہ پار ہوئے، ادھر فرعون لشکر سمیت سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ خشک راستے دیکھ کر سب نے اسی میں گھوڑے ڈال دیے۔ جب ایک ایک کر کے تمام فوج دریا کے وسط میں پہنچی، پانی کو حکم ہوا کہ مل جائے تو فوراً پانی کے طبقات مل گئے، سب لشکر اور سامان موجوں کی نذر ہو گیا۔ فرعون نے دیکھا کہ اب ڈوبتا ہوں اس وقت گھبرا کر ایمان و اسلام کا لفظ زبان پر لایا کہ شاید بنی اسرائیل کا خدا ایمان کا لفظ سن کر دریا کی موجوں سے باہر نکال دے۔ اس پر خدا کی طرف سے ارشاد ہوا۔ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ الخ یعنی ساری عمر مخالف ہو کر گمراہی پھیلاتا اور شرارتیں کرتا رہا۔ اب عذاب دیکھ کر یقین لایا اس وقت کا یقین کیا معتبر ہے فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المومن۔۸۵)۔(تنبیہ) قبض روح اور معائنہ عذاب کے وقت ایمان لانا "ایمان غرغرہ" یا "ایمان بأس" یا "ایمان یاس" کہلاتا ہے۔ جو "اہل السنۃ والجماعت" کے نزدیک نافع نہیں شیخ عبدالوہاب شعرانی نے "کتاب الیواقیت والجواہر" میں "فتوحات مکتیہ" سے عبارت نقل کی ہے۔ جس میں ایمان فرعون کی بابت یہ ہی تصریح ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ "فتوحات" کے نسخوں میں ملحدین و زنادقہ نے بہت سی عبارتیں موسوس کر دی ہیں میرے پاس جو نہایت مستند و معتبر نسخہ "فتوحات" کا ہے اس میں ان عبارتوں کا پتہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ (فائدہ) اخیر وقت میں فرعون سے لفظ اٰمَنْتُ کہلا کر حضرت موسیٰؑ کی دعا فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ کی مقبولیت کا خدا نے مشاہدہ کرا دیا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۹ ۱۴

۹۲۔ سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تا کہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی اور بیشک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے [۱۲۹]

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ
رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى

۹۳۔ اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پسندیدہ جگہ اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں [۱۳۰] سو ان میں پھوٹ نہیں پڑی یہاں تک کہ پہنچی ان کو خبر بیشک تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا قیامت کے دن جس بات میں کہ ان میں

جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

پھوٹ پڑی [۱۳۱]

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ
الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۙ﴿۹۴﴾

۹۴۔ سو اگر تو ہے شک میں اس چیز سے کہ اتاری ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے بیشک آئی ہے تیرے پاس حق بات تیرے رب سے سو تو ہرگز مت ہو شک کرنے والا

وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ اور مت ہو ان میں جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو پھر تو بھی ہو جائے خرابی میں پڑنے والا

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۹۶﴾

۹۶۔ جن پر ثابت ہو چکی بات تیرے رب کی وہ ایمان نہ لائیں گے

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ اگرچہ پہنچیں انکو ساری نشانیاں جب تک نہ دیکھ لیں عذاب دردناک [۱۳۲]

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ
يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا انکو ایمان لانا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے انکو ایک وقت تک [۱۳۳]

۱۲۹۔ فرعون کی لاش کو عبرت بنایا گیا: "موضح القرآن" میں ہے کہ جیسا بے وقت ایمان لایا، بے فائدہ، ویسا ہی اللہ نے مرے پیچھے اس کا بدن دریا میں سے نکال کر ٹیلے پر ڈال دیا کہ بنی اسرائیل دیکھ کر شکر کریں اور پیچھے آنے والے اس کے حال سے عبرت پکڑیں۔ ورنہ اس کو بدن کے بچنے سے کیا فائدہ۔ جیسا بے فائدہ ایمان تھا ویسی ہی بے فائدہ نجات مل گئی۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آتی ہے لیکن الفاظ قرآنی کی صحت اس کے ثبوت پر موقوف نہیں۔ (انتفاق) بنی اسرائیل کے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ عاشورہ کے دن ہوا۔ اور اتفاق سے آج بھی جب بندہ یہ سطریں لکھ رہا ہے۔ یوم عاشورہ ۱۳۴۸ ہجری ہے خدا ہم کو دنیا و آخرت میں اپنے

عذاب سے محفوظ رکھے اور دشمنان دین کا بیڑہ غرق کرے۔ آمین۔

۱۳۰۔ یعنی فرعونیوں کو ہلاک کر کے اول ملک مصر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد عمالقہ کو نکال کر ملک شام دیا گیا۔ دونوں ملک سرسبز وشاداب ہیں جہاں ستھری اور لذیذ چیزوں کی افراط ہے۔ غرضیکہ بنی اسرائیل حلال وطیب نعمتوں سے مالامال کر دیے گئے۔

۱۳۱۔ بنی اسرائیل میں اختلاف اور فرقہ بندی: یعنی مادی انعام واکرام کے ساتھ دینی وروحانی نعمت سے سرفراز فرمایا کہ تورات شریف کا علم دیا۔ جس میں دین کے اصول وفروع بیان ہوئے تھے۔ اور اگلے پچھلوں کے متعلق خبریں تھیں ان واضح حقائق سے خبردار ہونے کے بعد لائق نہ تھا کہ ایسی صاف چیزوں میں اختلاف کر کے آپس میں پھوٹ ڈالیں۔ اور فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہوں۔ مگر باوجود علم صحیح اور خبر صادق پہنچ جانے کے طرح طرح کے اختلافات پیدا کئے اور پھوٹ ڈال کر رہے۔ بعض احکام میں اپنے پیغمبر (موسیٰؑ) سے بھی کٹ حجتی کی جیسا کہ ذبح بقر کے واقعہ میں گذرا۔ بعد میں آنے والے پیغمبروں خصوصًا خاتم النبیین ﷺ کی بعض نے تصدیق اور اکثروں نے تکذیب کی حالانکہ ان کے متعلق بہت سی پیشین گوئیوں پر مطلع ہو چکے تھے۔ بلکہ بعثت محمدی سے پہلے نبی آخر الزماں کی آمد کے منتظر تھے اور مشرکین سے کہتے تھے کہ ہم پیغمبر آخر الزماں کے ساتھ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ نہ صرف اسی مسئلہ میں اختلاف ہوا بلکہ خود اپنے مذہب میں تحریف کر کے اصول وفروع بدل ڈالے اور رفتہ رفتہ بیسیوں فرقے پیدا ہو گئے۔ مسیحؑ سے تین سو برس بعد قسطنطین اعظم جو ایک فلسفی مزاج بادشاہ تھا ازراہ نفاق دین نصرانیت میں داخل ہوا تو پادریوں نے اس کی خاطر جدید قوانین وضع کئے اور نئی شریعت بنائی اس نے ان کے لئے بڑے بڑے گرجا اور معابد ومشاہد تعمیر کرائے اور اس نئے دین مسیحی کو جو اصلی مسیحیت کو بگاڑ کر تیار کیا گیا تھا خوب اشاعت ہوئی۔ بجز چند تارک الدنیا راہبوں کے جو بستیوں سے الگ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا رہے تھے، کوئی شخص اصلی دین مسیحی پر قائم نہ رہا تھا۔ صلیب کی پرستش، مشرق کی طرف نماز پڑھنا، کلیساؤں میں مسیح ومریم وغیرہ کی تصاویر پوجنا، خنزیر وغیرہ کو حلال کرنا اور اسی طرح کی تحریفات نے حقیقی مسیحیت کو بالکل مسخ کر ڈالا۔ اور یہ ہی مسخ شدہ مسیحیت ساری دنیا پھیل گئی۔ یہ زمانہ تھا۔ جب ملک شام بیت المقدس، جزیرہ اور بلاد روم پر "نصاریٰ" کا تسلط تھا۔ تا آنکہ فاروق اعظم کے عہد میں صحابہؓ نے ان ممالک کو نصاریٰ کے قبضہ سے نکالا۔ واللہ الحمد والمنہ۔

۱۳۲۔ قرآن کی حقانیت: بظاہر یہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کو ہے لیکن حقیقت میں آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے۔ جو ایک امی کی زبان سے ایسے عظیم الشان حقائق وواقعات سن کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے اور جہل وتعصب کی وجہ سے ان کی واقفیت میں شک وتردد کا اظہار کرنے لگتے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ آپ خود اپنی لائی ہوئی چیزوں میں کیسے شک وشبہ کر سکتے تھے اور جس کی طرف تمام دنیا کو دعوت دیتے اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط یقین سننے والوں کے قلوب میں پیدا کر دیتے تھے، اسی کو خود اپنی زبان سے کیسے جھٹلاتے۔ چند آیات کے بعد صاف فرما دیا قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ شَكٍّ مِّنۡ دِیۡنِیۡ الخ یہ آیت صاف بتلا رہی کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے جن کے مقابلہ میں آپ اپنے غیر متزلزل اور اٹل عقیدہ کا اعلان کر رہے ہیں۔ بہرحال ان آیات میں پیغمبر کی زبان سے قرآن کے ہر ایک مخاطب کو متنبہ کیا کہ کفر وتکذیب کی بیماری شک سے شروع ہوتی ہے۔ اگر تم کو قرآن کے بیان کردہ واقعات میں شک وشبہ پیدا ہو تو اس کا فورًا علاج کرو۔ یعنی جو لوگ کتب سابقہ کا علم رکھتے ہیں ان سے تحقیق کر لو۔ آخر ان میں کچھ آدمی سچے اور انصاف پسند بھی ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ نبی امی نے جو کچھ بیان فرمایا کہاں تک درست ہے۔ بلاشبہ جو کچھ آپ لائے وہ سچ کے سوا کچھ نہیں، وہ پروردگار کا اتارا ہوا ہے جس میں شک وتردد کی قطعًا گنجائش نہیں۔ اگر بے ہودہ شکوک کا علاج نہ کیا جائے تو چند روز میں شک ترقی کر کے امتراء (جدل) اور امتراء ترقی کر کے تکذیب کی حد تک جا پہنچے گا جس کا نتیجہ خسران وخرابی کے سوا کچھ نہیں۔ تکذیب کے بعد ایک اور درجہ ہے۔ جہاں پہنچ کر دل پر مہر لگ جاتی ہے تکذیب کرتے کرتے قبول حق کی استعداد بھی برباد ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص اگر دنیا جہان کے سارے نشان دیکھ لے تب بھی ایمان نہ لائے۔ اسے عذاب الیم دیکھ کر ہی یقین آئے

گا۔ جبکہ اس یقین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ (فائدہ) کلمۃ ربک (رب کی بات) سے مراد غالبًا وہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا۔ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ (ہود۔۱۱۹) یعنی دوزخ کو جن وانس سے بھروں گا۔ جن لوگوں پر بدبختی، سوءِ استعداد اور شامت اعمال سے یہ بات علم الٰہی میں ثابت ہو چکی۔ یہاں ان کا ذکر ہے۔

۱۳۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا: یعنی جتنی بستیاں تکذیب انبیاء اور شرارتوں کی وجہ سے مستوجب عذاب ٹھہریں ان میں سے کسی کو ایسی طرح ایمان لانے کی نوبت نہ آئی جو عذاب الٰہی سے نجات دیتا۔ صرف یونسؑ کی قوم کی ایک مثال ہے جس نے ایمان لا کر اپنے کو آسمانی عذاب سے بال بال بچا لیا جو بالکل ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ خدا نے ایمان کی بدولت دنیوی زندگی میں ان پر سے آنے والی بلا ٹال دی اور جس وقت تک انہیں دنیا میں رہنا تھا یہاں کے فوائد و برکات سے متمتع کیا۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت یونسؑ سرزمین "موصل" میں اہل موصل کی طرف مبعوث ہوئے۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونسؑ لگاتار سات سال تک پند و نصیحت کرتے رہے۔ انہوں نے ایک نہ سنی یومًا فیومًا انکار و تکذیب بڑھتا رہا۔ آخر حضرت یونسؑ نے تنگ آ کر ان کو آگاہ کیا کہ (باز نہ آئے تو) تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسری شب آئی یونسؑ آدھی رات گذرنے پر بستی سے نکل کھڑے ہوئے صبح ہوتے ہی آثار عذاب کے نظر آنے لگے۔ آسمان پر نہایت ہولناک اور سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا۔ وہ ان کے مکانوں سے قریب ہوتا جاتا تھا حتّٰی کہ ان کی چھتیں بالکل تاریک ہو گئیں۔ یہ آثار دیکھ کر جب انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا تو یونسؑ کی تلاش ہوئی۔ وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مواشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے۔ چاروں طرف آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور کہتے جاتے تھے کہ اٰمَنَّا بِمَا جَاءَ بِهٖ یونس جو کچھ یونسؑ لائے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے تضرع و بکا پر رحم فرمایا اور آثار عذاب جو ہویدا ہو چکے تھے اٹھا لئے گئے۔ یہاں پہنچ کر علمائے سلف کے دو قول ہیں اکثر علماء کہتے ہیں کہ ابھی اصلی عذاب کا معائنہ ان کو نہ ہوا تھا۔ صرف علامات و آثار نظر آئے تھے۔ ایسے وقت کا ایمان شرعًا معتبر اور نافع ہے۔ ایمان بأس جو معتبر و مقبول نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ عین عذاب کو دیکھ کر اور اس میں پھنس کر ایمان لائے جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا۔ بعض علماء کے نزدیک قوم یونسؑ کا ایمان بھی فرعون کی طرح ایمان بأس تھا جو عام ضابطہ کے موافق نافع نہ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے خلاف قاعدہ بطور استثناء اس قوم کا یہ ایمان معتبر رکھا۔ فرعون کے ایمان کی طرح رد نہیں فرمایا۔ پھر اختلاف ہوا ہے کہ آیا ان کے ایمان کا معتبر ہونا صرف دنیوی زندگی تک محدود تھا کہ دنیا میں آنے والا عذاب ٹل گیا۔ یا آخرت میں بھی موجب نجات ہو گا۔ "ابن کثیر" نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے یعنی دنیا و آخرت دونوں جگہ مفید و معتبر ہو گا۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت لطیف و دقیق طرز میں آیت کی تفسیر کی ہے۔ یعنی دنیا میں عذاب دیکھ کر یقین لانا کسی کو کام نہیں آیا۔ مگر قوم یونسؑ کو اس واسطے کہ ان پر حکم عذاب نہ پہنچا تھا۔ حضرت یونسؑ کی شتابی سے محض صورت عذاب کی نمودار ہوئی تھی (تا ان کی نظر میں حضرت یونسؑ کی بات جھوٹی نہ ہو) وہ ایمان لائے پھر بچ گئے اور صورت عذاب ہٹا لی گئی۔ اسی طرح مشرکین مکہ کہ فتح مکہ میں فوج اسلام ان پر پہنچی قتل و غارت کے لئے۔ لیکن ان کا ایمان قبول ہو گیا اور امان ملی "حضرت یونسؑ کے قصہ کا بقیہ سورہ صافات وغیرہ میں آئے گا۔

وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ
اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝۹۹

۹۹۔ اور اگر تیرا رب چاہتا بیشک ایمان لے آتے جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے تمام اب کیا تو زبردستی کرے گا لوگوں پر کہ ہو جائیں با ایمان [۱۳۴]

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اور کسی سے نہیں ہو سکتا کہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ ڈالتا ہے گندگی ان پر جو نہیں سوچتے[۱۳۵]

۱۳۴۔ یعنی آپ کو یہ قدرت نہیں کہ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اتار دیں۔ خدا چاہتا تو بیشک سب آدمیوں کے دلوں میں ایمان ڈال سکتا تھا۔ مگر جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں تقریر کی جاچکی ہے، ایسا کرنا اس کی تکوینی حکمت و مصلحت کے خلاف تھا، اس لئے نہیں کیا۔

۱۳۵۔ **اللہ کی توفیق کے بغیر ایمان نہیں ملتا:** خدا کی مشیت و توفیق اور حکم تکوینی کے بدون کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔ اور یہ حکم و توفیق ان ہی کے حق میں ہوتی ہے جو خدا کے نشانات میں غور کریں۔ اور عقل و فہم سے کام لیں۔ جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے انہیں خدا تعالیٰ کفر و شرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ تو کہہ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو جو نہیں مانتے[۱۳۶]

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ سو اب کچھ نہیں جس کا انتظار کریں مگر انہی کے سے دن جو گذر چکے ہیں ان سے پہلے تو کہہ اب راہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں[۱۳۷]

ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

۱۰۳۔ پھر ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لائے اسی طرح ذمہ ہے ہمارا بچا دیں گے ایمان والوں کو[۱۳۸]

ع ۱۰/۱۱ ۱۵

۱۳۶۔ یعنی سوچنے اور غور کرنے والوں کے لئے آسمان و زمین میں خدا کی قدرت و حکمت اور توحید و تفرید کے کیا کچھ نشان موجود ہیں۔ بلکہ ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ اس کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو کسی بات کو ماننا اور تسلیم کرنا نہیں چاہتے ان کے لئے یہ سب نشانات و دلائل بے کار ہیں۔ اور ڈرانے والے پیغمبروں کی تنبیہ و تخویف بھی غیر مؤثر ہے۔

۱۳۷۔ ایسی ضدی اور معاند قوم کے لئے جو کسی دلیل اور نشان کو نہ مانے، اور کچھ باقی نہیں بجز اس کے کہ گذشتہ مکذبین پر جو آفات و حوادث نازل ہوئے ہیں ان کا یہ بھی انتظار کریں۔ سو بہتر ہے تم اور ہم دونوں مل کر اس وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ تا کہ صادق و کاذب کا آخری فیصلہ سامنے آجائے۔

۱۳۸۔ یعنی جیسے پہلی قوموں کے ساتھ ہماری عادت رہی ہے کہ مکذبین کو ہلاک کر کے پیغمبروں اور مومنین کو بچایا۔ اسی طرح موجود اور آئندہ مومنین کی نسبت ہمارا وعدہ ہے کہ ان کو نجات دیں گے آخرت میں عذاب الیم سے اور دنیا میں کفار کے مظالم اور سختیوں سے ہاں شرط یہ ہے

کہ مومنین مومنین ہوں۔ یعنی وصفات وخصال رکھتے ہیں جو قرآن وحدیث میں مومنین کی بیان ہوئی ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ کہہ دے اے لوگو اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو میں عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اور لیکن میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو کھینچ لیتا ہے تم کو اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں ایمان والوں میں

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور یہ کہ سیدھا کر منہ اپنا دین پر حنیف ہو کر اور مت ہو شرک والوں میں

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا پھر اگر تو ایسا کرے تو تو بھی اس وقت ہو ظالموں میں [۱۳۹]

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور اگر پہنچا دیوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا اس کے سوا اور اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھرنے والا نہیں اس کے فضل کو پہنچائے اپنا فضل جس پر چاہے اپنے بندوں میں اور وہی ہے بخشنے والا مہربان [۱۴۰]

۱۳۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے توحید کی تعلیم و تاکید: یعنی اگر میرا طریقہ اور مسلک دینی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے اس کی نسبت شکوک و شبہات میں پھنسے ہوئے ہو تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں کی عبادت سے سخت نفور اور بیزار ہوں جس کے اختیار کرنے کا امکان بھی کبھی میری طرف سے دل میں نہ لانا۔ میری عبادت خالص اس خداوند قدوس کے لئے ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سب کی جانیں ہیں۔ کہ جب تک چاہے انہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے گویا موت و حیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اسی کی ہو سکتی ہے نہ صرف یہ کہ جوارح سے اس کی بندگی کی جائے ضروری ہے کہ دل میں اس کی توحید و تفرید پر پورا یقین و ایمان ہو اور ظاہر و باطن میں اسی دین حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرک جلی و خفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔ جس طرح عبادت صرف اسی کی

کریں۔ استعانت کے لئے بھی اسی کو پکاریں کیونکہ ہر قسم کا نفع نقصان اور بھلائی برائی تنہا اسی کے قبضہ میں ہے مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع نقصان کے مالک نہ ہوں سخت بے موقع بات بلکہ ظلم عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو ان کی عظیم الشان شخصیت کو لحاظ کرتے ہوئے ظلم اعظم ہو گا۔

۱۴۰۔ جب ان چیزوں کے پکارنے سے منع کیا جن کے قبضہ میں تمہارا بھلا برا کچھ نہیں تو مناسب ہوا کہ اس کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے جو تکلیف و راحت اور بھلائی برائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار اور قبضہ رکھتا ہے جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دنیا میں کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ اور جس پر فضل و رحمت فرمانا چاہے کسی کی طاقت نہیں کہ اسے محروم کر سکے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ کہہ دے اے لوگو پہنچ چکا حق تم کو تمہارے رب سے اب جو کوئی راہ پر آئے سو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو اور جو کوئی بہکا پھرے سو بہکا پھرے گا اپنے برے کو اور میں تم پر نہیں ہوں مختار [۱۴۱]

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱ / ۱۶

۱۰۹۔ اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور صبر کر جب تک فیصلہ کرے اللہ اور وہ ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا [۱۴۲]

۱۴۱۔ یعنی حق واضح طور پر دلائل و براہین کے ساتھ پہنچ گیا جس کے قبول نہ کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں خدا کی آخری حجت بندوں پر تمام ہو گئی۔ اب ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے گا دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گا۔ جو اسے چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرے گا خود پریشان اور ذلیل و خوار رہے گا۔ اپنے بھلے برے کو خوب سمجھ کر ہر شخص اپنے مستقبل کا انتظام کر لے اور جو راستہ پسند ہو اختیار کرے۔ پیغمبر کوئی مختار بنا کر نہیں بھیجے گئے جو تمہارے افعال کے ذمہ دار اور جواب دہ ہوں ان کا کام صرف آگاہ کر دینے کا ہے۔ اس پر چلنا، چلنے والے کے اختیار میں ہے۔

۱۴۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہ کریں تو اپنے کو ان کے غم میں نہ گھلائیں۔ آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے رہیئے اور تبلیغ وغیرہ کے کام میں لگے رہیئے۔ اور جو شدائد اس راستہ میں پہنچیں ان پر صبر کیجئے مخالفین کی ایذاء رسانیوں کو تحمل کرتے رہنا چاہیئے۔ یہاں تک خدا آپ کے اور ان کے درمیان بہترین فیصلہ کر دے یعنی حسب وعدہ آپ ﷺ کو منصور و غالب کرے یا جہاد کا حکم بھیجدے۔

تم سورۃ یونس ؑ بمنہ تعالیٰ وفضلہ۔ فللہ الحمد علیٰ ذلک۔

اٰیاتها ۱۲۳ ۱۱ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ ۵۲ رکوعاتها ۱۰

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ
حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ۙ﴿۱﴾

۱۔ یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اسکی باتوں کو پھر کھولی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے [۱]

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ
بَشِیۡرٌ ۙ﴿۲﴾

۲۔ کہ عبادت نہ کرو مگر اللہ کی [۲] میں تم کو اسی کی طرف سے ڈر اور خوشخبری سناتا ہوں [۳]

وَّ اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُمَتِّعۡکُمۡ
مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ یُؤۡتِ کُلَّ ذِیۡ
فَضۡلٍ فَضۡلَہٗ ؕ وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ
عَذَابَ یَوۡمٍ کَبِیۡرٍ ﴿۳﴾

۳۔ اور یہ کہ گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع کرو اسکی طرف کہ فائدہ پہنچائے تم کو اچھا فائدہ ایک وقت مقرر تک [۴] اور دیوے ہر زیادتی والے کو زیادتی اپنی [۵] اور اگر تم پھر جاؤ گے تو میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے [۶]

اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴﴾

۴۔ اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

اَلَاۤ اِنَّہُمۡ یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَہُمۡ لِیَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡہُ ؕ
اَلَا حِیۡنَ یَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِیَابَہُمۡ ۙ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ
وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۵﴾

۵۔ سنتا ہے وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے تاکہ چھپائیں اس سے سنتا ہے جس وقت اوڑھتے ہیں اپنے کپڑے جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ تو جاننے والا ہے دلوں کی بات [۷]

۱۔ قرآن کی عظمت و شرف: یعنی یہ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر حیثیت سے نہایت نپی تلی باون تولہ پاؤ رتی ہیں۔ نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن اصول و فروع، اخلاق و اعمال اور قیمتی پند و نصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل و براہین اثبات دعاوی کے لئے استعمال کی گئی ہیں۔ وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلی ہوئی ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسی مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کر کے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات و حوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح مائدہ قرآنی کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لئے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو۔ ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال و ابہام کی وجہ سے کتاب معمہ اور چیستاں بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بموقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ نزولی حیثیت میں بھی یہ حکمت مرعی رہی ہے کہ پورا قرآن ایک دم نہیں اتارا۔ بلکہ وقتاً فوقتاً موقع و مصلحت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ آیات کا نزول ہوتا رہا۔ قرآن میں ان تمام باریکیوں کو مجتمع دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے مگر حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر حکیم مطلق اور خبیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کلام میں توقع کی جا سکتی ہے۔

۲۔ یعنی اس محکم و مفصل کتاب کے نازل کرنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو صرف خدائے واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جائے۔ اور اس کے طریقے سکھائے جائیں۔ اسی عظیم و جلیل مقصد کے لئے پہلے انبیاء تشریف لائے تھے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء۔۲۵) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل۔۳۶)۔

۳۔ یعنی جو کتاب کو مانے اور شرک چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرے اسے فلاح دارین کی خوشخبری سناتے ہیں۔ جو نہ مانے اور کفر و شرک اختیار کرے اس کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں۔

۴۔ رجوع الی اللہ کے فوائد: جو پچھلی تقصیرات معاف کرائے اور آئندہ کے لئے خدا کی طرف دل سے رجوع ہو تو دنیا کی زندگی اچھی طرح گذرے کیونکہ مومن قانت خواہ کسی حال میں ہو۔ مگر خدا کے فضل و کرم کی بڑی بڑی امیدیں رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی رضاء جوئی اور مستقبل کی عظیم الشان خوشحالی کے تصور میں اس قدر مگن رہتا ہے کہ یہاں کی بڑی بڑی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتا وہ جب خیال کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے فرائض صحیح طور پر انجام دے رہا ہوں جس کا صلہ مجھ کو ضرور ایک دن عرش والی سرکار سے ملنے والا ہے تو اپنی کامیابی اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد کر کے اس کا دل جوش مسرت سے اچھلنے لگتا ہے۔ اسے دنیا کی تھوڑی سے پونجی میں وہ سکون قلبی اور راحت باطنی نصیب ہوتی ہے جو بادشاہوں کو بیشمار سامانوں اور اموال و خزائن سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ بعض اوقات یہاں کی چند روزہ تکلیفوں اور سختیوں میں وہ

لذت پاتے ہیں جو اغنیاء و ملوک اپنے عیش و تنعم میں محسوس نہیں کرتے۔ ایک محب وطن سیاسی قیدی کو اگر فرض کیجئے یقین ہو جائے کہ میری اسیری سے ملک اجنبیوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا اور مجھے قید سے نکلتے ہی ملک کی جمہوریہ کا صدر بنا دیا جائے گا۔ تو کیا اسے جیل خانہ کی بند کوٹھری میں سرور و اطمینان کی کیفیت اس بادشاہ سے زیادہ حاصل نہ ہو گی؟ جس کے لئے ہر قسم کے سامان عیش و طرب فراہم ہیں مگر اندیشہ لگا ہوا ہے کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ تخت شاہی سے اتارا جانے والا ہے۔ اسی پر دنیا کے جیل خانہ میں ایک مومن قانت کی زندگی کو قیاس کر لو۔

۵۔ جو جس قدر زیادہ بڑھ کر عمل کرے گا اسی قدر خدا کے فضل سے زیادہ حصہ پائے گا۔ آخرت میں اجر و ثواب اور دنیا میں مزید طمانیت حاصل ہو گی۔

۶۔ یعنی میری بات نہ مانو گے تو قیامت کو عذاب یقینی ہے، باقی یہ فرمانا کہ "میں ڈرتا ہوں" اس سے مقصود حضور کی عام شفقت و ہمدردی خلائق کا اظہار کرنا ہے۔

۷۔ سزا دینے کے لئے ضروری ہے کہ مجرم حاضر ہو حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو۔ مجرمین کی کل کارروائیاں اس کے علم میں ہوں۔ اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ میں بتلا دیا کہ مجرم و غیر مجرم سب کو خدا کے یہاں حاضر ہونا ہے۔ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ میں قدرت و اختیار کا عموم بیان فرمایا اور اَلَاۤ اِنَّہُمۡ یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَہُمۡ سے بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ تک اس کے علم محیط کی وسعت کو ظاہر کیا کہ خدا ہر کھلی چیز کو یکساں جانتا ہے حتٰی کہ دلوں کی تہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر بھی مطلع ہے پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کس طرح اس سے مخفی رکھ کر نجات پا سکتا ہے۔

صحابہ کرام کا ایمانِ کامل اور حیاء: تنبیہ: ان آیات کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ صحیح ترین روایت ابن عباس کی بخاری میں ہے کہ بعض مسلمانوں پر حیا کا اس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ استنجا یا جماع کے وغیرہ ضروریات بشری کے وقت کسی حصہ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبہ حیا سے جھکے جاتے اور شرمگاہ کو چھپانے کے لئے سینہ کو دہرا کئے لیتے تھے۔ اس طرح کے آثار کبھی کبھی غایت تأدب مع اللہ اور غلبہ حیا سے ناشی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگ "صوفیہ" کی اصطلاح میں "مغلوب الحال" کہلاتے ہیں چونکہ صحابہؓ کا کسی مسئلہ میں ایسا غلو اور تعمق آئندہ امت کو ضیق میں مبتلا کر سکتا تھا اس لئے قرآن نے اَلَا حِیۡنَ یَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِیَابَہُمۡ الخ سے انکی اصلاح فرما دی۔ یعنی اگر بوقت ضرورت بدن کھولنے میں خدا سے حیا آتی ہے اس لئے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر و باطن کیا خدا کے سامنے نہیں ہے؟ جب انسان اس سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا پھر ضرورت بشریہ کے متعلق اسقدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ واضح ہو کہ ربط آیات کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہو، سبب نزول سے مناسب رکھنا ضروری نہیں۔

وَ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَ
یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَ مُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیۡ كِتٰبٍ
مُّبِیۡنٍ ﴿۶﴾

۶۔ اور کوئی نہیں ہے چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی[۸] اور جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے[۹] سب کچھ موجود ہے کھلی کتاب میں[۱۰]

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ
اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرۡشُهٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَكُمۡ اَیُّكُمۡ
اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّكُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ مِنۡۢ
بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَیَقُوۡلَنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا
سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷﴾

۷۔ اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں[۱۱] اور تھا اس کا تخت پانی پر[۱۲] تاکہ آزمائے تم کو کہ کون تم میں اچھا کرتا ہے کام[۱۳] اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد تو البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے کھلا ہوا[۱۴]

وَ لَئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِلٰۤی اُمَّةٍ مَّعۡدُوۡدَةٍ
لَّیَقُوۡلُنَّ مَا یَحۡبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوۡمَ یَاۡتِیۡهِمۡ لَیۡسَ
مَصۡرُوۡفًا عَنۡهُمۡ وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ
یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸﴾ ع ۱ ع ۸ ۱

۸۔ اور اگر ہم روکے رکھیں ان سے عذاب کو ایک مدت معلوم تک تو کہنے لگیں کس چیز نے روک دیا عذاب کو سنتا ہے جس دن آئے گا ان پر نہ پھیرا جائے گا ان سے اور گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس پر ٹھٹھے کیا کرتے تھے[۱۵]

۸۔ اللہ تعالیٰ تمام جانداروں کو رزق پہنچاتا ہے: پہلے علم الٰہی کی وسعت بیان ہوئی تھی۔ یہ اسی مضمون کا تکملہ ہے۔ یعنی زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی احتیاج لاحق ہو، اس کو روزی پہنچانا خدا نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے۔ جس قدر روزی جس کے لئے مقدر ہے یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ جو وسائل و اسباب بندہ اختیار کرتا ہے، وہ روزی پہنچے کے دروازے ہیں۔ اگر آدمی کی نظر اسباب و تدابیر اختیار کرتے وقت مسبب الاسباب پر ہو، تو یہ توکل کے منافی نہیں۔ البتہ خدا کی قدرت کو ان اسباب عادیہ میں محصور و مقید نہ سمجھا جائے۔ وہ گاہ بگاہ سلسلہ اسباب کو چھوڑ کر بھی روزی پہنچاتا یا اور کوئی کام کر دیتا ہے۔ بہر حال جب تمام جانداروں کی حسب استعداد غذا اور معاش مہیا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے تو ضروری ہے کہ اس کا علم ان سب پر محیط ہو۔ ورنہ ان کی روزی کی خبر گیری کیسے کر سکے گا۔

۹۔ مستقر اور مستودع کے معانی: حضرت شاہ صاحب ؒ لکھتے ہیں "مستقر (جہاں ٹھہرتا ہے) بہشت و دوزخ اور مستودع (جہاں سونپا جاتا ہے) اس کی قبر ہے۔ پہلے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ الخ میں دنیوی زندگی کا بیان تھا۔ یہاں برزخ اور آخرت کا بیان ہوا مطلب یہ ہوا کہ خدا ابتداء سے انتہاء تک تمہاری ہستی کے تمام درجات کا علم رکھتا ہے۔ "مستقر" و "مستودع" کی تعین میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں پہلے سورہ انعام میں بھی ہم کچھ لکھ چکے ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ زمین میں جہاں تک چلے پھرے اس کے منتہائے سیر کو مستقر اور پھر پھرا کر جس ٹھکانے پر آئے اسے مستودع کہتے ہیں۔ ابن عباس کے نزدیک اس زندگی میں جہاں رہے وہ مستقر اور موت کے بعد جہاں دفن کیا جائے وہ مستودع ہے۔ مجاہد نے مستقر سے رحم مادر اور مستودع سے صلب پدر مراد لی ہے۔ عطاء نے اس کے عکس کا دعویٰ کیا۔ بعض متفلسفین کا خیال ہے کہ زمین میں حیوانات کا جو مسکن بالفعل ہے اسے مستقر اور وجود (فعلی سے پہلے جن مواد و مقار میں رہ کر آئے انہیں مستودع کہا گیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ ان تمام مختلف مواد اور اطوار و ادوار کا عالم ہے جن میں سے کوئی حیوان گذر کر اپنی موجود ہیئت کذائی تک پہنچا ہے۔ وہ ہی اپنے علم محیط سے ہر مرتبہ وجود میں اس کی استعداد کے مناسب وجود و کمالات وجود فائض کرتا ہے۔

۱۰۔ یعنی لوح محفوظ میں جو صحیفہ علم الٰہی ہے پھر علم الٰہی میں ہر چیز کیسے موجود نہ ہو گی۔

۱۱۔ یہ علم کے بعد قدرت کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر سورہ اعراف کے ساتویں رکوع میں گذر چکی۔

۱۲۔ زمین و آسمان سے پہلے پانی کی تخلیق: یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہوا جو آئندہ اشیاء کا مادہ حیات بننے والا تھا۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء۔۳۰) اس وقت عرش خداوندی اسی کے اوپر تھا جیسے اب سماوات کے اوپر ہے گویا یہ ایک صورت تھی جو اس حقیقت کو ظاہر کر رہی تھی کہ کائنات کا مادہ اور ذریعہ حیات بالکلیہ رب العرش کے تسلط و تصرف اور قیومیت مطلقہ کے ماتحت ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۔ تخلیق کی غرض و غایت: یعنی اس سارے نظام کی تخلیق و ترتیب سے مقصود تمہارا یہاں بسانا اور امتحان کرنا ہے۔ کہ کہاں تک اس عجیب و غریب نظام اور سلسلہ مصنوعات میں غور کر کے خالق و مالک کی صحیح معرفت حاصل کرتے اور مخلوقات ارضی و سماوی سے منتفع ہو کر محسن شناسی اور سپاس گذاری کا فطری فرض بجالاتے ہو۔ یہ مقام تمہاری سخت آزمائش کا ہے۔ مالک حقیقی دیکھتا ہے کہ تم میں سے کونسا غلام صدق و اخلاص اور سلیقہ مندی سے اچھا کام کرتا اور فرائض بندگی انجام دیتا ہے۔

۱۴۔ جب یہ دنیا امتحان و آزمائش کی وجہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کے بعد مجازات (انعام و انتقام) کا سلسلہ ہو تا شاکرین و کافرین کو اپنے اپنے کئے کا پھل ملے۔ اسی لئے یہاں بعث بعد الموت کا ذکر کیا گیا۔ یعنی کفار مکہ کو یقین نہیں آتا کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور اپنے جرائم کی سزا بھگتیں گے۔ جب وہ قرآن میں یا حضور کی زبان سے بعث بعد الموت کا نہایت مؤثر بیان سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کا یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و مسحور کر لیا۔ مگر یاد رکھئے ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں۔ (ابن کثیر)۔

۱۵۔ یعنی جب ان کی شرارتوں پر عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے مگر خدا کی حکمت ایک مدت معین تک عذاب کو روکے رکھتی ہے تو تکذیب و استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے، آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اسے پکڑ رکھا ہے فرماتے ہیں کیا مذاق کرتے ہو۔ وقت معین پر جب عذاب آئے گا کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا۔ اور ہر طرف سے گھیر کر تباہ و برباد کر کے چھوڑے گا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹

۹۔ اور اگر ہم چکھادیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ ناامید ناشکر ہوتا ہے [۱۶]

وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ
ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۟ۙ ۝١٠

١٠۔ اور اگر ہم چکھاویں اسکو آرام بعد تکلیف کے جو پہنچی تھی اسکو تو بول اٹھے دور ہوئیں برائیاں مجھ سے وہ تو اترانے والا شیخی خورا ہے[١٧]

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝١١

١١۔ مگر جو لوگ صابر ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں انکے واسطے بخشش ہے اور ثواب بڑا[١٨]

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآىِٕقٌۢ بِهٖ
صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ
مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ۝١٢

١٢۔ سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کچھ چیز ان میں سے جو وحی آئی تیری طرف اور تنگ ہو گا اس سے تیرا جی اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اترا اس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اسکے ساتھ فرشتہ تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہے ہر چیز کا ذمہ دار[١٩]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ
مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١٣

١٣۔ کیا کہتے ہیں کہ بنالیا ہے تو قرآن کو کہہ دے تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی بنا کر اور بلالو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ
وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝١٤

١٤۔ پھر اگر نہ پورا کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ قرآن تو اترا ہے اللہ کی وحی سے اور یہ کہ کوئی حاکم نہیں اسکے سوا پھر اب تم حکم مانتے ہو[٢٠]

١٦۔ آدمی کی ناشکری اور شیخی: یعنی اب تو کہتے ہیں عذاب کہاں ہے کیوں نہیں آتا لیکن آدمی بودا اور تھڑ دلا اتنا ہے کہ اگر خدا چند روز اپنی مہربانی سے عیش و آرام میں رکھنے کے بعد تکلیف میں مبتلا کر دے تو پچھلی مہربانیاں بھی بھلا دیتا ہے اور ناامید ہو کر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھتا ہے۔ گذشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی، یہ ہی اس کی زندگی کا حاصل ہے۔

١٧۔ یعنی مصیبت کے بعد اگر خدا آرام و آسائش نصیب کرے تو سمجھتا ہے کہ گویا اب ہمیشہ کے لئے مصائب و تکالیف کا خاتمہ ہو چکا، پچھلی

کیفیت کبھی لوٹ کر آنے والی نہیں۔ اس وقت غافل و مغرور ہو کر شیخیاں مارتا اور اتراتا پھرتا ہے حالانکہ چاہئے تھا کہ پچھلی حالت یاد کر کے خدا کا شکر ادا کرتا اور اس کے احسان کے سامنے جھک جاتا۔

۱۸۔ یعنی جو حال اوپر عام انسانوں کا بیان ہوا۔ اس سے اللہ کے وہ بندے مستثنیٰ ہیں جو تکلیف و مصیبت کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرتے اور امن وراحت کے وقت شکر گذاری کے ساتھ عمل صالح میں مستعدی دکھاتے ہیں۔ ایسے اولوالعزم وفاداروں کی جماعت ہی عظیم الشان بخشش وانعام کی مستحق ہے۔

۱۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال عزیمت: مشرکین مکہ شرک وبت پرستی کی تردید سے بہت غیظ کھاتے تھے مشرکانہ خرافات پر جس قدر ان کی تحمیق وتجہیل کی جاتی اسی قدر ان کے غصہ کی آگ بھڑکتی تھی۔ کبھی کوشش کرتے تھے کہ آپ کو اس معاملہ میں ذرا ڈھیلا کر دیں اور اس سب سے بڑے اور بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی اور تساہل برتنے پر آمادہ کریں جب ادھر سے مایوس ہوتے تو محض دق کرنے کو عجیب بیہودہ فرمائشیں کرنے لگتے مثلاً یہ کہتے کہ آپ سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہو کر آئے ہیں تو آپ کے ساتھ خدا کے یہاں سے مال ودولت کا بڑا خزانہ آنا چاہئے تھا۔ یا آسمان سے ایک فرشتہ آتا جو آپ کے ہمراہ تصدیق کے لئے ہر طرف جایا کرتا۔ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ (ھود۔ ۱۲) گویا جب آپ کی بات منوانے کے لئے نہ مادی طاقت ساتھ ہے نہ روحانی پھر ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپ ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت مغموم اور دلگیر ہوتے تھے۔ ممکن ہے کبھی ایسا خیال بھی دل میں گذرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے، تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ شاید زیادہ مؤثر اور مفید ہو یا جو فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں ان کی یہ ضد بھی کسی حد تک پوری کر دی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان ہو جائیں۔ بہر حال وہ ایسا نازک اور پر خطر وقت تھا کہ تمام دنیا باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی صرف ایک مقدس ہستی تھی جس کے حلقوم سے حق کی آواز نکل کر باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی۔ آپ چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے نرغہ میں گھر رہے تھے۔ کوئی جھٹلاتا کوئی طعن کرتا کوئی مذاق اڑاتا تھا۔ اس ماحول کا تصور کرو۔ اور اس مبلغ اعظم کی قوت قلب اور ہمت مردانہ کا اندازہ لگاؤ، جس کا تمام تر اعتماد واتکال ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے وعدوں پر تھا۔ آپ جب محزون ودلگیر ہوتے تو صرف اپنے پروردگار کی آواز سے ہی تسلی پاتے اور دنیا کے مقابلہ میں تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اسی سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی بیہودہ خرافات اور فرمائشوں کی وجہ سے اس قدر فکر مند اور غمگین نہ ہوں نہ اپنے دل میں ان لوگوں کی مراعات کا خیال لائیں۔ کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی نے جو چیزیں آپ کو سکھلائی ہیں اور جس بے خوف وخطر تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کے بعض حصہ کو ان لوگوں کی خرافات سے تنگ دل ہو کر چھوڑ بیٹھیں۔ جب یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزمی مانع ہے تو تنگدل ہونے سے کیا فائدہ۔ آپ کا کام صرف بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے ان کی ہدایت کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ خدا تعالیٰ جس کے سپرد ہر چیز ہے ان کا معاملہ بھی اسی کے سپرد کیجئے اور صبر و استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ثابت قدم رہئے۔

۲۰۔ قرآن جیسی دس سورتیں بنالاؤ۔ کفار کو چیلنج: "یعنی فرمائشی معجزے طلب کرتے ہیں، جن کا دیا جانا مصلحت نہیں۔ اور جو سب سے بڑا معجزہ (قرآن) ان کے سامنے ہے، اسے مانتے نہیں، کہتے ہیں یہ تو (معاذ اللہ) تمہاری بنائی ہوئی گھڑنت ہے۔ اس کا جواب دیا کہ تم بھی آخر عرب ہو، فصاحت وبلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو، سب مل کر ایسی ہی دس سورتیں گھڑ کر پیش کر دو اور اس کام میں مدد دینے کے لئے تمام مخلوق کو بلکہ اپنے ان معبودوں کو بھی بلالاؤ جنہیں خدائی کا شریک سمجھتے ہو۔ اگر نہ کر سکو اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے۔ جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام ہے جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اتارا ہے بیشک جس کے کلام کا مثل نہیں ہو

سکتا اس کی ذات وصفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ کیا ایسے واضح دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار بننے میں کسی چیز کا انتظار ہے (تنبیہ) اعجاز قرآن کی کچھ تفصیل سورہ "یونس" میں گذر چکی۔ ابتداء میں پورے قرآن سے تحدی کی گئی تھی۔ پھر دس سورتوں سے ہوئی۔ پھر ایک سورت سے جیسا کہ بقرہ اور یونس میں گذرا۔ گویا ان کا عجز بتدریج نمایاں کیا گیا۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَ زِيۡنَتَهَا نُوَفِّ
اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ جو کوئی چاہے دنیا کی زندگانی اور اسکی زینت بھگتا دیں گے ہم انکو ان کے عمل دنیا میں اور انکو اس میں کچھ نقصان نہیں[۲۱]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ
وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا
يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ یہی ہیں جن کے واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے سوا[۲۲] اور برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں اور خراب گیا جو کمایا تھا[۲۳]

اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَ يَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ
مِّنۡهُ وَ مِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحۡمَةً ؕ
اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَ مَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ
الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ
مِّنۡهُ ۗ اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا
يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ بھلا ایک شخص جو ہے صاف رستہ پر اپنے رب کے اور اس کے ساتھ ساتھ ہے ایک گواہ اللہ کی طرف سے اور اس سے پہلے گواہ تھی موسیٰ کی کتاب رستہ بتلاتی اور بخشواتی (اور وہ نکی برابر ہے)[۲۴] یہی لوگ مانتے ہیں قرآن کو اور جو کوئی منکر ہو اس سے سب فرقوں میں سے سو دوزخ ہے ٹھکانہ اس کا[۲۵] سو تو مت رہ شبہ میں اس سے بیشک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور پر بہت سے لوگ یقین نہیں کرتے[۲۶]

۲۱۔ کفار کی نیکیوں کی جزا دنیا میں: یعنی ایسے واضح ثبوت کے بعد جو شخص قرآن پر ایمان لاتا، یا اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر نہیں چلتا بلکہ دنیا کی چند روزہ زندگی اور فانی ٹیپ ٹاپ ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا کر عملی جدوجہد کرتا ہے۔ اگر بظاہر کوئی نیک کام مثلاً خیرات وغیرہ کرتا ہے تو اس سے بھی آخرت کی بہتری اور خدا کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی محض دنیوی فوائد کا حاصل کر لینا پیش نظر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی بابت خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا منافقین یا دنیا پرست ریاکار مسلمان۔ بتلا دیا کہ دنیا ہی میں ان کا بھگتان کر دیا جائے گا۔ جو اعمال اور کوششیں وہ

حصول دنیا کے لئے کریں گے ان کے کم و کیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے جس قدر مناسب جانے گا اور دینا چاہے گا۔ یہیں عطا فرمادے گا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر جو خیرات وغیرہ کے کام کرے اس کی یہ فانی اور صوری حسنات جو روح ایمان سے یکسر خالی ہیں، دنیا میں رائیگاں نہیں جاتیں ان کے بدلہ میں خدا تعالیٰ تندرستی، مال، اولاد، عزت و حکومت وغیرہ دے کر سب کھاتہ بے باق کر دیتا ہے۔ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کوئی چیز اس کے کام آنے والی نہیں۔ جس کافر کے لئے جس درجہ کی سزا تجویز ہو چکی ہے وہ کبھی اس سے ٹلنے یا کم ہونے والی نہیں۔ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَۃَ عَجَّلۡنَا لَہٗ فِیۡہَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَہٗ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلٰىہَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا (بنی اسرائیل۔۱۸) ریاکار اور دنیا پرست عالم، متصدق اور مجاہد کے حق میں جو وعید آئی ہے۔ اس کا حاصل بھی یہ ہی ہے کہ ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ جس غرض کے لئے تو نے علم سکھلایا، یا صدقہ و جہاد کیا وہ دنیا میں حاصل ہو چکی، اب ہمارے پاس تیرے لئے کچھ نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ (اعاذنا اللہ منہا)

۲۲۔ یعنی ان اعمال پر دوزخ کے سوا اور کسی چیز کے مستحق نہیں۔ کفار ابدی طور پر اور ریاکار مسلمان محدود مدت کے لئے۔ ہاں خدا تعالیٰ بعض مومنین کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادے، وہ الگ بات ہے۔

۲۳۔ یعنی دنیا میں جو کام دنیوی اغراض کے لئے کئے تھے، آخرت میں پہنچ کر ظاہر ہوگا کہ وہ سب برباد ہوئے اور ریاکاری یا دنیا پرستی کے سلسلہ میں بظاہر جو نیکیاں کمائی تھیں، سب یوں ہی خراب گئیں، یہاں کوئی کام نہ آئی۔

۲۴۔ شاہد کی تفسیر: یعنی یہ شخص اور وہ ریاکار دنیا پرست جن کا ذکر پہلے ہوا، کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ "بینہ" (صاف رستہ) سے مراد وہ رستہ ہے جس پر انسان اپنی اصلی اور صحیح فطرت کے موافق چلنا چاہتا ہے۔ بشرطیکہ گردو پیش کے حالات و خیالات سے متاثر نہ ہو۔ اور وہ توحید، اسلام اور قرآن کا راستہ ہے۔ فَاَقِمۡ وَجۡہَکَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ (روم۔۳۰) وفی الحدیث کُلُّ مَوۡلُوۡدٍ یُوۡلَدُ عَلَی الۡفِطۡرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُہَوِّدَانِہٖ اَوۡ یُنَصِّرَانِہٖ اَوۡ یُمَجِّسَانِہٖ الخ اور شَاہِدٌ مِّنۡہُ (گواہ اللہ کی طرف سے) قرآن عظیم ہے جو گواہی دیتا ہے کہ "دین فطرت" (توحید و اسلام) پر چلنے والا بیشک ٹھیک راستہ پر چل رہا ہے اور وہ قرآن اپنی حقانیت کا بھی خود گواہ ہے آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ چونکہ قرآن کے لانے والے جبریل امین اور لینے والے محمد ﷺ ہیں اس اعتبار سے ان کو بھی شاہد کہہ سکتے ہیں بلکہ حضور ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات، معجزات، زبان مبارک، چہرہ نورانی ہر چیز سے شہادت ملتی ہے کہ جس دین کے آپ حامل ہیں وہ بالکل سچا دین ہے۔ آگے وَمِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحۡمَۃً کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جو وحی کسی نبی پر نازل کی گئی وہ بھی "دین فطرت" کی صداقت پر گواہ تھی۔ خصوصًا موسیٰؑ پر جو عظیم الشان کتاب (تورات) اتاری گئی قرآن سے پیشتر اسے ایک بڑا بھاری شاہد ان لوگوں کی حقانیت کا کہنا چاہئے جو دین فطرت کے صاف راستہ پر چلتے ہیں۔

۲۵۔ نجات کا واحد راستہ قرآن ہے: یعنی یہود، نصاریٰ، بت پرست، مجوس، عرب، عجم، یورپ، ایشیا، کسی فرقہ جماعت اور ملک و ملت سے تعلق رکھتا ہو جب تک قرآن کو نہ مانے گا نجات نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی بعض احادیث میں آپ ﷺ نے بہت تصریح و تعمیم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

۲۶۔ یہ خطاب ہر شخص کو ہے جو قرآن سنے یا حضور ﷺ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ قرآن کی صداقت اور "من اللہ" ہونے میں قطعًا شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ نہیں مانتے وہ احمق ہیں یا معاند۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ
يُعۡرَضُوۡنَ عَلٰی رَبِّهِمۡ وَيَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ
كَذَبُوۡا عَلٰی رَبِّهِمۡ ۚ اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيۡنَ ﴿ۙ۱۸﴾

۱۸۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ [۲۷] وہ لوگ روبرو آئیں گے اپنے رب کے اور کہیں گے گواہی دینے والے یہی ہیں جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اپنے رب پر [۲۸] سن لو پھٹکار ہے اللہ کی ناانصاف لوگوں پر

الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ يَبۡغُوۡنَهَا
عِوَجًا ؕ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ جو کہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہی ہیں آخرت سے منکر [۲۹]

اُولٰٓئِكَ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا كَانَ
لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ
الۡعَذَابُ ؕ مَا كَانُوۡا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ السَّمۡعَ وَ مَا
كَانُوۡا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ وہ لوگ نہیں تھکانے والے زمین میں بھاگ کر اور نہیں انکے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی [۳۰] دونا ہے ان کے لئے عذاب [۳۱] نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ دیکھتے تھے [۳۲]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ
مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ وہی ہیں جو کھو بیٹھے اپنی جان اور گم ہو گیا ان سے جو جھوٹ باندھا تھا [۳۳]

لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے زیادہ نقصان میں

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی
رَبِّهِمۡ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا
خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک اور عاجزی کی اپنے رب کے سامنے وہ ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں رہا کریں گے [۳۴]

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۲۴

۲۴۔ مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک تو اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال پھر کیا تم غور نہیں کرتے [۳۵]

ع ۲ / ۲

۲۷۔ یعنی قرآن جھوٹ اور افتراء نہیں۔ خدا کا سچا پیغام ہے جس کو قبول کرنا ضروری ہے خوب سمجھ لو کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ مثلاً اس کا کلام نہ ہو اور کہہ دے کہ اس کا کلام ہے یا واقعی اس کا ہو اور خدا بار بار فرمائے کہ میرا کلام ہے مگر باوجود روشن دلائل کے جھٹلاتا رہے اور کہتا رہے کہ اس کا نہیں۔

۲۸۔ یعنی محشر میں خدا کے سامنے علیٰ رؤس الاشہاد پیش ہوں گے اور ان کی شرارتوں کے دفتر کھولے جائیں گے اس وقت گواہی دینے والے (ملائکہ، انبیاء، صالحین بلکہ خود ان کے ہاتھ پاؤں) کہیں گے کہ یہ ہی وہ بدبخت ظالم ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ بکا تھا۔

۲۹۔ یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یعنی جو لوگ ظلم اور ناانصافی سے خدا کے کلام کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر آخرت کے منکر ہیں دوسروں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکتے اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ ایسے ظالموں پر خدا کی خصوصی لعنت ہے۔

۳۰۔ یعنی اتنی وسیع زمین میں نہ کہیں بھاگ کر خدا سے چھپ سکتے ہیں اور نہ کوئی مددگار اور حمایتی مل سکتا ہے جو خدا کے عذاب سے بچادے۔

۳۱۔ کیونکہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

۳۲۔ یعنی دنیا میں ایسے اندھے بہرے بنے کہ نہ حق بات سننے کی تاب تھی نہ خدا کے نشانوں کو دیکھتے تھے جنہیں دیکھ کر ممکن تھا راہ ہدایت پالیتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ پر جھوٹ بولا، بے اصل اور غلط باتیں اس کی طرف منسوب کیں۔ کہاں سے لائے؟ غیب سے سن نہ آتے تھے، غیب کو دیکھتے نہ تھے پھر ان کا ماخذ کیا ہے۔

۳۳۔ جان کا کھو بیٹھنا، یہ کہ ابدی عذاب میں گرفتار ہوئے اور سب جھوٹے دعوے وہاں پہنچ کر گم ہو گئے۔

۳۴۔ منکرین کی بدانجامی کے بالمقابل مومنین کا انجام نیک بیان فرمایا۔ ان کی عاجزی خدا کو پسند آئی اس لئے اپنی دائمی خوشنودی کا مقام عطا فرمایا۔

۳۵۔ کفار اور مومنین کا فرق: یعنی منکرین تو اندھے بہرے ہیں جیسا کہ دو تین آیت پہلے فرمایا تھا مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ پھر جسے نہ خود نظر آئے نہ دوسرے کی سن سکے، اس کا آغاز و انجام کیسے ان روشن ضمیر ایمانداروں کے برابر ہو سکتا ہے جو بصیرت کی آنکھوں سے حق و باطل اور بھلے برے میں تمیز کرتے اور اپنے ہادیوں کی باتیں بگوش ہوش سنتے ہیں۔ غور کرو کہ دونوں کا انجام یکساں کس طرح ہو سکتا ہے؟ آگے حضرت نوحؑ کی قوم کا قصہ اسی مضمون کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۲۵

۲۵۔ اور ہم نے بھیجا نوح کو اسکی قوم کی طرف کہ میں تم کو ڈر کی بات سناتا ہوں کھول کر [۳۶]

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۲۶

۲۶۔ کہ نہ پرستش کرو اللہ کے سوا [۳۷] میں ڈرتا ہوں تم پر دردناک دن کے عذاب سے [۳۸]

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ
اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ
هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا
مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم کے ہم کو تو تو نظر نہیں آتا مگر ایک آدمی ہم جیسا اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا ہو تیرا مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں بلا تامل اور ہم نہیں دیکھتے تم کو اوپر اپنے کچھ بڑائی بلکہ ہم کو تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو[۳۹]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ
وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ
اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ بولا اے قوم دیکھو تو اگر میں ہوں صاف راستہ پر اپنے رب کے اور اس نے بھیجی مجھ پر رحمت اپنے پاس سے پھر اس کو تمہاری آنکھ سے مخفی رکھا تو کیا ہم تم کو مجبور کر سکتے ہیں اس پر اور تم اس سے بیزار ہو[۴۰]

وَ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا
عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ
مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو ان کو ملنا ہے اپنے رب سے[۴۱] لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو[۴۲]

وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور اے قوم کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے[۴۳]

وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ
الْغَيْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور میں نہیں کہتا تم کو کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دے گا ان کو اللہ بھلائی اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ انکے جی میں ہے یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں[۴۴]

قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا
بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ بولے اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا اب لے آ جو تو وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر تو سچا ہے[۴۵]

قَالَ اِنَّمَا یَاۡتِیۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ اِنۡ شَآءَ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ
بِمُعۡجِزِیۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ کہا کہ لائے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا اور تم نہ تھکا سکو گے بھاگ کر[۴۶]

وَ لَا یَنۡفَعُکُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَکُمۡ اِنۡ
کَانَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَکُمۡ ؕ ہُوَ رَبُّکُمۡ ۟ وَ اِلَیۡہِ
تُرۡجَعُوۡنَ ﴿ؕ۳۴﴾

۳۴۔ اور نہ کارگر ہو گی تم کو میری نصیحت جو چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہو گا کہ تم کو گمراہ کرے وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے[۴۷]

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُہٗ فَعَلَیَّ
اِجۡرَامِیۡ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿٪۳۵﴾

۳۵۔ کیا کہتے ہیں کہ بنا لایا قرآن کو[۴۸] کہہ دے اگر میں بنا لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو[۴۹]

ع ۳ ۱۱ ۳

۴۶۔ یعنی نہایت وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں بتلاتا ہوں جن کے ارتکاب پر مہلک عذاب نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔ یا جو اس عذاب سے محفوظ رہنے کے ذرائع ہیں۔

۴۷۔ یعنی وَدّ، سُواع، یغُوث، یعُوق، نَسر کی جن کا ذکر سورہ نوح میں آئے گا۔

۴۸۔ یعنی غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت عذاب آنے کا ڈر ہے۔ دردناک دن سے وہ دن مراد ہے جس میں المناک اور درد انگیز حوادث کا وقوع ہو۔ مثلاً قیامت کا دن یا وہ دن جس میں قوم نوح غرقاب کی گئی۔

۴۹۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مناظرہ: یعنی رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز ہونا چاہئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہماری طرح جنس بشر سے ہو۔ آسمان کے فرشتے نہیں۔ جس کے سامنے خواہ مخواہ انسانوں کی گردنیں جھک جائیں۔ پھر بشر بھی ایسے نہیں جسے کوئی خاص تفوق اور بڑائی ہم پر حاصل ہوتی مثلاً بڑے دولت مند یا جاہ و حکومت کے مالک ہوتے، جو لوگ تمہارے پیرو ہوئے وہ بھی ماشاء اللہ سب مفلس، رذیل، پست اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے شریفوں کے لئے ننگ و عار کا موجب ہے۔ تو کیا ساری خدائی میں سے تم ہی ملے تھے جنہیں خدا نے اپنے منصب سفارت پر مامور فرمایا۔ آخر ہم تم سے حسب نسب، مال و دولت، خَلق و خُلق کس بات میں کم تھے؟ جو ہمارا انتخاب اس عہدہ کے لئے نہ ہو گیا۔ کم از کم آپ کا اتباع کرنے والے ہی کوئی معزز اور بڑے آدمی ہوتے۔ بھلا ان موچیوں اور حجاموں کا تابع ہو جانا آپ کے لئے کیا موجب فضل و شرف ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح صداقت کی دلیل بن سکتی ہے؟ ایسے سطحی لوگوں کا

جن کی پستی اور رذالت بالکل عیاں ہے۔ بے سوچے سمجھے اور بدون غور و تامل کے ظاہری اور سرسری طور پر ایمان لے آنا آپ کا کونسا کمال ہے؟ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی سب جھوٹے ہو۔ تم نے ایک بات بنائی اور چند بے وقوفوں نے ہاں میں ہاں ملا دی۔ تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک اٹھا کر کوئی امتیاز اور بزرگی حاصل کر لیں۔ یہ ان ملعونوں کی تقریر کا ما حصل تھا۔ نوحؑ نے جو جواب دیا آگے آتا ہے۔

۴۰۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تقریر: یعنی یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہونا چاہئے۔ لیکن وہ امتیاز مال و دولت ملک و حکومت اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں، بلکہ اعلیٰ اخلاق، بہترین ملکات، تقویٰ، خدا ترسی، حق پرستی، دردمندی خلائق اور ان صریح آیات و نشانات پیش کرنے سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے جو حق تعالیٰ بطور اتمام حجت و اکمال نعمت ان کے اندر قائم کرتا یا ان کے ذریعہ سے ظاہر فرماتا ہے وہ وحی الٰہی اور ربانی دلائل و براہین کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتے ہیں اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں ان پر بارش کی طرح برستی ہیں نوحؑ نے فرمایا کہ اگر یہ سب چیزیں مجھ میں کھلے طور پر موجود ہوں اور یقیناً موجود ہیں۔ لیکن جس طرح اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی، تمہاری آنکھیں بھی اس نور الٰہی کے دیکھنے سے قاصر رہیں، تو کیا ہم زبردستی مجبور کر کے تم سے اس نور اور رحمت کا اقرار کرا سکتے ہیں جس سے تم اس قدر نفور و بیزار ہو کہ آنکھ کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ میری بزرگی و برتری جو تم کو نظر نہیں آتی، یہ اس لئے ہے کہ تمہارے دل کی آنکھیں اندھی ہیں یا بند ہیں۔

۴۱۔ یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا، جو مالی خود غرضی کا شبہ ہو۔ میں اپنے پروردگار کا نوکر ہوں اسی کے یہاں سے مزدوری ملے گی۔ بحمد اللہ نہ مجھے تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت۔ پھر غریبوں کو چھوڑ کر مالداروں کی طرف کیوں جھکوں۔ اگر تم میرے اتباع کو محض ان کے افلاس یا پیشہ کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں جو دولت ایمان کے سرمایہ داروں کو ظاہری خستہ حالی کی بناء پر جانوروں کی طرح دھکے دے کر نکال دوں انہیں ایک روز اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ وہ میری شکایت اس کے دربار میں کریں گے کہ آپ کے پیغمبر نے متکبر دنیاداروں کی خاطر ہم غریب وفاداروں کو نکال دیا تھا۔ میں ظاہر حال کے خلاف یہ کیونکر سمجھ لوں کہ ان کا ایمان محض ظاہر اور سرسری ہے۔ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں۔ یہ پروردگار کے یہاں پتہ چلے گا کہ ان کے دلوں کی کیا حالت تھی۔

۴۲۔ یعنی جہل و حماقت سے انجام پر نظر نہیں کرتے، صرف انکی ظاہری شکستگی دیکھ کر حقیر سمجھتے ہو۔ اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم تمہارے پاس آئیں۔ کیا غربت اور کسب حلال کوئی عیب ہے؟ یہ ہی چیز تو ہے جو حق کے قبول کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی عموماً دولت و جاہ کا نشہ انسان کو قبول حق سے محروم رکھتا ہے۔ اسی لئے ہرقل کی حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء کے متبعین ضعفاء ہوتے ہیں بہرحال تم نہیں جانتے کہ سب کو خدا کے پاس جمع ہونا ہے، وہاں پہنچ کر ظاہر ہو گا کہ اپنے کو ان سے بہتر سمجھنا تمہارا جاہلانہ غرور تھا۔

۴۳۔ یعنی میں تمہارے کبر و غرور اور جہالت سے متاثر ہو کر اپنا نقصان کیسے کروں۔ اگر تمہاری رعایت سے میں نے خدا کے مخلص بندوں کو دھکے دیدیے تو اس کی سزا اور گرفت سے مجھ کو کون بچا سکے گا۔

۴۴۔ کفار نے نوحؑ کو کہا تھا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو جتھے اور دولت کے اعتبار سے بھی کچھ امتیاز نہیں رکھتے اس کا جواب نہایت متانت و انصاف کے ساتھ دیتے ہیں کہ بیشک جیسا امتیاز تم دیکھنا چاہتے ہو اس کا ہم دعویٰ نہیں رکھتے۔ بلاشبہ میں ایک بشر ہوں، فرشتہ نہیں نہ خدا نے اپنے سارے خزانے میرے تصرف و اختیار میں دیدیے ہیں، نہ تمام غیب کی باتوں پر مطلع کیا گیا ہوں، لیکن ان تمام باتوں کے اعتراف کے ساتھ تمہاری طرح یہ کبھی نہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نگاہ میں معیوب و حقیر ہیں (یعنی میں اور میرے رفقاء) ان کو خدا ہرگز کوئی خیر (بھلائی) نہیں دے سکتا۔ مثلاً ان میں سے کسی کو نبوت و حکمت عطا فرما دے اور باقیوں کو ایمان و عرفان کی دولت سے بہرہ ور کرے۔ خوب سمجھ لو حق تعالیٰ ان کے دلوں کی استعدادات و کیفیات کو پوری طرح جانتا ہے۔ ہر ایک کی استعداد کے مناسب فیض پہنچاتا اور باطنی احوال و کیفیات کے

موافق برتاؤ کرتا ہے۔ اس نے جو خاص مہربانی مجھ پر یا میرے ساتھیوں پر کی ہے، وہ تمہاری آنکھ سے پوشیدہ ہے۔ اگر میں یہ کہنے لگوں کہ جو تمہیں بظاہر شکستہ حال اور حقیر دکھائی دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی جو بواطن کا جاننے والا ہے انہیں کوئی عزت وشرف نہیں بخشا، تونہایت بے اصول اور ناانصافی کی بات ہو گی۔ (تنبیہ) اس آیت کے ابتدائی تین جملے سورہ انعام میں گذر چکے۔ وہاں کے فوائد میں دیکھ لئے جائیں۔

۴۵۔ عذاب کا مطالبہ: حضرت نوحؑ قبل از طوفان ساڑھے نو سو برس ان میں رہے۔ شب وروز سرّاً واعلانیۃً انہیں نصیحت کرتے ہر شبہ کا جواب دیتے، تبلیغ و تفہیم اور بحث ومناظرہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسی جھگڑے میں صدیاں گذر گئیں۔ کفار نے ان کی حقانی بحثوں اور شب وروز کی روک ٹوک سے عاجز ہو کر کہا کہ اب یہ سلسلہ بند کیجئے۔ بس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کی دھمکیاں دیتے رہے ہو وہ فوراً لے آؤ۔ تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔

۴۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کا جواب: یعنی یہ چیز میرے قبضہ میں نہیں۔ خدا جس وقت اپنی حکمت کے موافق چاہے گا عذاب نازل کر دے گا ہمارا فرض صرف آگاہ کر دینا تھا۔ باقی عذاب تو ایسی ہولناک اور عظیم الشان چیز ہے جس کا لے آنا اور دفع کر دینا دونوں پہلو قوائے بشریہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ جب مشیت الٰہی ہو گی تو کہیں بھاگ کر پناہ نہ لے سکو گے۔ ایسا کون ہے جو خدا کو (معاذ اللہ) تھکا کر عاجز کر سکے۔

۴۷۔ یعنی کفر پر اس قدر اصرار وضد اور انتہائی شوخ چشمی سے نزول عذاب کی استدعاء پتہ دیتی ہے کہ خدا کا ارادہ یہ ہی ہے کہ تم کو گمراہی میں پڑا رہنے دے اور آخر کار ہلاک کر دے۔ پس اگر تمہاری بد کرداری کے سبب سے خدا نے یہ ہی چاہا تو میں کتنا ہی نصیحت وخیر خواہی کر کے تم کو نفع پہنچانا چاہوں، کچھ نافع اور موثر نہ ہو گا۔ تمہارا رب وہ ہی ہے جس کے مِلک وتصرف میں ہر چیز ہے۔ جیسا جس کے ساتھ معاملہ کرے کوئی روک نہیں سکتا۔ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ ہی سب کے اعمال کی جزاء سزا دینے والا ہے (ربط) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہاں تک جتنے سوالات واعتراضات اس قوم کے تھے، وہ ہی تھے حضرت کی قوم کے، گویا یہ سب جواب ان کو ملے۔ ایک ان کا نیا دعویٰ تھا، اسے آگے قصہ کے درمیان میں بیان فرماتے ہیں۔

۴۸۔ واقعہ نوح علیہ السلام پر کفار مکہ کا اعتراض: یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھی کہ قرآن آپ خود بنا لائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے۔ حضرت نوحؑ کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ (کذا فی الموضح) لیکن بعض مفسرین نے اس آیت کو بھی نوحؑ کے قصہ کا جزو بتلایا ہے۔ یعنی ان کی قوم نے کہا کہ جن باتوں کو نوحؑ خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ خود ان کی گھڑنت ہیں۔ بعض نے کہا کہ گفتگو تو اہل مکہ کی حضور سے ہے مگر اس کا تعلق خاص نوحؑ کے قصہ سے تھا۔ گویا وہ کہتے تھے کہ یہ داستان آپ نے جھوٹ بنالی ہے۔ واقع میں ان قصوں کی کوئی اصل نہیں۔

۴۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب: قرآن کو مفتریٰ کہنے کا تحقیقی جواب اسی سورت میں ایک رکوع پہلے گذر چکا۔ یہاں آخری بات فرمائی یعنی قرآن کا کلام الٰہی ہونا نہایت واضح ومحکم دلائل سے بار بار ثابت کیا جا چکا ہے۔ ایسی روشن چیز کی تکذیب کر کے جو گناہ تم سمیٹ رہے ہو۔ اس کا وبال تم ہی پر پڑے گا۔ اُس کی فکر کرو۔ میں کافی تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا ہوں۔ اب جو غلطیاں تم کرو اس کا میں ذمہ دار نہیں۔ ہاں بفرض محال اگر میں نے افتراء کیا ہو تو اس کا گناہ مجھ پر پڑ سکتا ہے۔ سو بحمد اللہ ایسا ہوا نہیں۔

وَاُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّہٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِکَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ۚۖ ﴿۳۶﴾	۳۶۔ اور حکم ہوا طرف نوح کی کہ اب ایمان نہ لائے گا تیری قوم میں مگر جو ایمان لا چکا سو غمگین نہ رہ ان کاموں پر جو کر رہے ہیں [۵۰]

وَ اصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَ وَحۡيِنَا وَ لَا
تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کر مجھ سے ظالموں کے حق میں یہ بیشک غرق ہوں گے [۵۱]

وَ يَصۡنَعُ الۡفُلۡكَ ۖ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيۡهِ مَلَاٌ مِّنۡ
قَوۡمِهٖ سَخِرُوۡا مِنۡهُ ؕ قَالَ اِنۡ تَسۡخَرُوۡا مِنَّا فَاِنَّا
نَسۡخَرُ مِنۡكُمۡ كَمَا تَسۡخَرُوۡنَ ﴿ؕ۳۸﴾

۳۸۔ اور وہ کشتی بناتا تھا [۵۲] اور جب گذرتے اس پر سردار اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے [۵۳] بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو [۵۴]

فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَ
يَحِلُّ عَلَيۡهِ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اب جلد جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اسکو اور اترتا ہے اس پر عذاب دائمی [۵۵]

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ
فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَ اَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ
سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ وَ مَنۡ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ
اِلَّا قَلِيۡلٌ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے [۵۶] کہا ہم نے چڑھالے کشتی میں ہر قسم سے جوڑا دو عدد [۵۷] اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس پر پہلے ہو چکا ہے حکم [۵۸] اور سب ایمان والوں کو اور ایمان نہ لائے تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے [۵۹]

۵۰۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اور اس کا جواب: جب قوم کی ایذائیں حد سے گذر گئیں۔ تو نوحؑ نے سینکڑوں برس ظالموں کی زہرہ گداز جفائیں جھیلنے کے بعد خدا کے آگے شکوہ کیا اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ (القمر۔۵۴) کہ میں مغلوب وضعیف ہوں۔ آپ ان سے بدلہ لیجئے۔ ارشاد ہوا کہ جن گنے چنے افراد کی قسمت میں ایمان لانا تھا، لاچکے۔ آئندہ ان میں کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے لہذا اب آپ ان کی عداوت و تکذیب اور ایذارسانی سے زیادہ غمگین نہ رہیں۔ عنقریب خدا کی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے جو سب شرارتوں اور شریروں کا خاتمہ کر ڈالے گی۔

۵۱۔ کشتی بنانے کا حکم: حق تعالیٰ نے نوحؑ سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے روبرو (یعنی ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم والہام کے موافق تیار کرو۔ کیونکہ عنقریب پانی کا سخت خوفناک طوفان آنے والا ہے جس میں یہ سب ظالمین ومکذبین یقیناً غرق کئے جائیں گے ان کے حق میں اب یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ آپ کسی ظالم کی سفارش وغیرہ کے لئے ہم سے کوئی بات نہ کریں۔ آنے والا عذاب بالکل اٹل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب قوم لوطؑ کے حق میں جھگڑنا شروع کیا تھا۔ ان کو بھی اسی طرح کا ارشاد ہوا تھا۔ یٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ

اَمۡرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُوۡدٍ (ہود۔۷۶)

۵۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی: کہتے ہیں کشتی سالہاسال میں تیار کی۔ کشتی کیا تھی بڑا جہاز تھا۔ جس میں الگ الگ درجے تھے۔ مفسرین نے اس کی تفاصیل میں بہت سی مبالغہ آمیز اور عجیب وغریب روایات بیان کی ہیں جن میں اکثر اسرائیلیات ہیں۔

۵۳۔ قوم کا استہزاء: کہ دیکھو! پیغمبر سے بڑھئی بن گئے کبھی ایک عجیب سی چیز دیکھ کر نوحؑ سے پوچھتے کہ یہ کیا بنا رہے ہو؟ آپ فرمادیتے کہ ایک گھر بناتا ہوں جو پانی پر چلے گا اور ڈوبنے سے بچائے گا۔ وہ سن کر ہنسی اڑاتے کہ خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہے ہیں۔

۵۴۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "وہ ہنستے تھے کہ خشک زمین پر غرق کا بچاؤ کرتا ہے۔ یہ ہنستے تھے اس پر کہ موت سر پر کھڑی ہے اور یہ ہنستے ہیں" اسی تفسیر کے موافق مترجم محققؒ نے فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡكُمۡ الخ کا ترجمہ بصیغہ حال کیا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ نَسۡخَرُ مِنۡكُمۡ میں استقبال کے معنی مراد لیتے ہیں۔ یعنی آج تم ہمیں احمق بناتے اور ہنستے ہو۔ لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ اس کے جواب میں تمہاری حماقت وسفاہت پر ہم کو ہنسنے کا موقع ملے گا، جب تم اپنے جرائم کی پاداش میں سزایاب ہوگے۔

۵۵۔ یعنی اب زیادہ تاخیر نہیں۔ جلد آشکارا ہو جائے گا کہ دنیا کا رسوا کن اور آخرت کا دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟

۵۶۔ تنور سے پانی کا ابلنا: "یعنی نوحؑ کشتی تیار کرتے رہے یہاں تک کہ وعدہ کے موافق خدا کا حکم پہنچ گیا۔ "بادلوں" کو کہ برس پڑیں اور زمین کو کہ ابل پڑے، اور فرشتوں کو کہ تعذیب وغیرہ کے متعلق اپنے فرائض منصبی کا سرانجام کریں۔ آخر اوپر سے بارش آئی اور نیچے زمین کی سطح سے چشموں کی طرح جوش مار کر پانی ابلنے لگا۔ حتّٰی کہ روٹی پکانے کے تنوروں میں جہاں آگ بھری ہوتی ہے، پانی ابل پڑا (تنبیہ) "تنور" کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض مطلق روٹی پکانے کا تنور مراد لیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک تنور حضرت حوا سے منتقل ہوتے ہوتے حضرت نوحؑ کے پاس پہنچا تھا وہ ان کے گھر میں طوفان کا نشان ٹھہرایا گیا تھا۔ کہ جب اس سے پانی ابلے کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بعض کے نزدیک تنور کوئی خاص چشمہ "کوفہ" یا "جزیرہ" میں تھا۔ بعض نے دعویٰ کیا ہے تنور صبح کے اجالے اور روشنی کو کہا ہے۔ یعنی صبح کی روشنی خوب چمکنے لگے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ "فارالتنور" ممکن ہے۔ "ظہور عذاب" اور "شدت ہول" سے کنایہ ہو جیسے "حمی الوطیس" شدت حرب سے کنایہ ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ تنور کے معنی وجہ ارض (سطح زمین) کے ہیں۔ ہم نے اوپر جو تفسیر کی مقدم اسی معنیٰ کو رکھا ہے اشارہ بعض دوسرے معانی کی طرف بھی کر دیا۔ حافظ ابن کثیر یہی تفسیر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وہذا قول جمہور السلف وعلماء الخلف واللہ اعلم۔"

۵۷۔ کشتی کے سوار: یعنی جن جانوروں کی ضرورت ہے اور نسل باقی رہنی مقدر ہے، ان میں سے ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ دونوں) لے کر کشتی پر سوار کر لو۔

۵۸۔ یعنی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے غرق کئے جائیں گے وَلَا تُخَاطِبۡنِيۡ فِي الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ (المومنون۔۲۷) اس سے مراد ہے نوحؑ کا بیٹا "یام" جس کا لقب کنعان تھا اور کنعان کی والدہ "واعلہ" گھر والوں میں سے یہ دونوں علیحدہ رہے اور غرق ہوئے۔

۵۹۔ یعنی اسّی مرد یا کم وبیش۔

وَ قَالَ ارۡكَبُوۡا فِيۡهَا بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖٮهَا وَ مُرۡسٰٮهَا ؕ اِنَّ رَبِّيۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور بولا سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان[۶۰]

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ
ابْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا
تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور وہ لئے جا رہی تھی انکو لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا کنارے اے بیٹے سوار ہو جا ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ کافروں کے [۶۱]

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ
لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ
حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ بولا جا لگوں گا کسی پہاڑ کو جو بچا لے گا مجھ کو پانی سے [۶۲] کہا کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہی رحم کرے اور حائل ہو گئی دونوں میں موج پھر ہو گیا ڈوبنے والوں میں [۶۳]

وَ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ
غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى
الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم ظالم [۶۴]

۶۰۔ سوار ہونے کی دعا: "نوحؑ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ بنام خدا کشتی پر سوار ہو جاؤ، کچھ فکر مت کرو اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب خدا کے اذن و حکم اور اس کے نام کی برکت سے ہے۔ غرقابی کو کوئی اندیشہ نہیں۔ میرا پروردگار مومنین کی کوتاہیوں کو معاف کرنے والا اور ان پر بے حد مہربان ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہم کو صحیح سلامت اتارے گا۔ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کشتی وغیرہ پر سوار ہوتے وقت "بسم اللہ" کہنا چاہئے۔

۶۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو سمجھانا: یعنی کشتی پہاڑ جیسی موجوں کو چیرتی پھاڑتی بے خوف و خطر چلی جا رہی تھی۔ سوار ہونے کے بعد نوحؑ نے اپنے بیٹے یام (کنعان) کو جو اپنے باپ بھائی وغیرہ سارے کنبہ سے کنارے ہو کر کافروں کی صحبت میں تھا آواز دی کہ ان بدبخت کافروں کی معیت چھوڑ کر ہمارے ساتھ سوار ہو جا! تا اس مصیبت عظمٰی سے نجات پا سکے۔ (تنبیہ) یا تو نوحؑ اسے مومن خیال کرتے تھے، اس لئے آواز دی خواہ واقع میں مومن نہ ہو۔ یا کافر جانتے ہوں مگر یہ توقع ہو گی کہ ان ہولناک نشانات کو دیکھ کر مسلمان ہو جائے گا۔ یا وَاَهْلَكَ کے عموم میں داخل سمجھ کر شفقت پدری کے جوش سے ایسا کیا ہو اور اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ کو مجمل ہونے کی وجہ سے اس پر منطبق نہ سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۶۲۔ وہ اپنے جہل و غباوت سے ابھی یہ خیال کر رہا تھا کہ جس طرح معمولی سیلابوں میں بعض اوقات کسی بلندی پر چڑھ کر آدمی جان بچا لیتا ہے میں بھی کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ کر جان بچا لوں گا۔

۶۳۔ یعنی کس خبط میں پڑا ہے۔ یہ معمولی سیلاب نہیں۔ عذاب الٰہی کا طوفان ہے۔ پہاڑ کی کیا حقیقت کوئی چیز آج عذاب سے نہیں بچا سکتی ہاں

خداہی کسی پر رحم کرتے تو بچ سکتا ہے مگر اس ہنگامہ داروگیر اور مقام انتقام میں کٹر مجرموں پر رحم کیسا ہے؟ باپ بیٹے کی یہ گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ پانی کی ایک موج نے درمیان میں حائل ہو کر ہمیشہ کے لئے دونوں کو جدا کر دیا۔

۶۴۔ طوفان اور اس کا خاتمہ: "ایک مدت تک اس قدر پانی برسا گویا آسمان کے دھانے کھل گئے۔ اور زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ درخت اور پہاڑیاں تک پانی میں چھپ گئیں۔ اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوحؑ نے دعا کی تھی رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح۔۲۶) غرق ہوئے۔ اس وقت خداوند قدوس نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل جا! اور بادل کو فرمایا کہ تھم جا! پھر کیا مجال تھی کہ دونوں اس کے امتثال حکم میں ایک لحہ کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا۔ کشتی "جودی" پہاڑ پر جا لگی جو بعض کے نزدیک موصل میں تھا۔ اور جو کام خدا نے چاہا (یعنی مجرمین کو سزا دینا) وہ پورا ہو چکا ظالموں کے حق میں کہہ دیا گیا کہ خدا کی رحمت سے دور ہو کر ہمیشہ کے لئے مصیبت و ہلاکت کے غار میں پڑے رہو۔ (تنبیہ) اس میں اختلاف ہے کہ طوفان نوح تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں۔ اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں۔ مگر یاد رہے کہ "دائرۃ المعارف" میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کئے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔ جو لوگ عام طوفان کے قائل ہیں ان میں سے اکثر کے نزدیک موجودہ دنیا کے کل انسان نوحؑ کے تین بیٹوں سام، حام، یافث کی اولاد ہیں۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ (الصافات۔۷۷) طوفان سے جو بچے اور حیوانات ہلاک ہوئے، ان کا اہلاک بطور تعذیب نہ تھا بلکہ جیسے خدا دوسرے اسباب طبیعیہ کے ذریعہ سے ان پر موت وارد کرتا ہے اور وہ ظلم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں ان کی موت اس ذریعہ سے اس واقع ہوئی آخر اب بھی جو سیلاب اور طوفان آتے ہیں ان میں کتنے جانور اور بچے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝٤٥

۴۵۔ اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝٤٦

۴۶۔ فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اس کے کام ہیں خراب سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں [۶۵]

قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٤٧

۴۷۔ بولا اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو [۶۶] اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں نقصان والوں میں [۶۷]

قِيۡلَ يٰنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَ
عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ
يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۴۸﴾

۴٨۔ حکم ہوا اے نوح اتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر اور ان فرقوں پر جو تیرے ساتھ ہیں اور دوسرے فرقے ہیں کہ ہم فائدہ دیں گے انکو پھر پہنچے گا ان کو ہماری طرف سے عذاب دردناک [۶٨]

تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَآ اِلَيۡكَ ۚ مَا
كُنۡتَ تَعۡلَمُهَآ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا ؕۛ
فَاصۡبِرۡ ؕۛ اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۹﴾ ع ۴

۴۹۔ یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کی ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف نہ تجھ کو ان کی خبر تھی اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے [۶۹] سو تو صبر کر البتہ انجام بھلا ہے ڈرنے والوں کا [۷۰]

۶۵۔ اپنے بیٹے کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے اسباب: نوحؑ نے یہ کس وقت عرض کیا کنعان کے غرق ہونے سے پہلے یا غرق ہونے کے بعد دونوں احتمال ہیں۔ نیز کنعان کو اس کی منافقانہ اوجاع واطوار دیکھ کر غلط فہمی سے مومن سمجھ رہے تھے یا کافر سمجھتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں یہ گذارش کی۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔ اگر مومن سمجھ کر غرقابی سے پہلے عرض کیا تھا تو مقصود اپنی اضطرابی کیفیت کا اظہار اور خدا سے کہہ کر اس کے بچاؤ کا انتظام کرنا تھا۔ اور اگر غرقابی کے بعد یہ گفتگو ہوئی تو محض معاملہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے اپنا خلجان یا اشکال پیش کیا۔ یعنی خداوندا! تو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کنعان مومن ہونے کی وجہ سے اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ کے استثناء میں بظاہر داخل نہیں۔ پھر اس کی غرقابی کا راز کیا ہے؟ بلاشبہ آپ کا وعدہ سچا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں گذر سکتا کہ معاذ اللہ وعدہ خلافی کی ہو۔ آپ احکم الحاکمین اور شہنشاہ مطلق ہیں۔ سمجھ میں آئے یہ نہ آئے، کسی کو حق نہیں کہ آپ کے فیصلہ کے سامنے دم مار سکے، یا آپ کو وعدہ خلافی پر مجبور کر دے نہ کسی کا یہ منصب ہے کہ آپ کے حکم ناطق کے متعلق کسی قسم کی نکتہ چینی کر سکے فقط قلبی اطمینان کے لئے بطریق استعلام واستفسار اس واقعہ کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا یہ ان گھر والوں میں سے نہیں جن کے بچانے کا وعدہ تھا بلکہ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ میں شامل ہے۔ کیونکہ اس کے عمل خراب ہیں۔ تم کو اس کے کفر وشرک کی خبر نہیں۔ مقام عجب ہے کہ پیغمبرانہ فراست کی روشنی میں صریح آثار کفر کے باوجود ایک کافر کا حال مشتبہ رہے۔ جس شخص کا واقع حال تمہیں معلوم نہیں اس کے بارہ میں ہم سے ایسی نامناسب رعایت یا اس طرح کی کیفیت مت طلب کرو۔ مقربین کو لائق نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ آیت کی یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ نوحؑ کنعان کو مومن سمجھتے ہوں اور اگر کافر سمجھتے تھے تو شائد اس درخواست یا سوال کا منشاء یہ ہو کہ انجاء کے ذکر میں اہل کو چونکہ عام مومنین سے الگ کر کے بیان فرمایا تھا، اس سے نوحؑ نے یہ خیال کیا کہ میرے اہل کو اس دنیوی عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے ایمان شرط نہیں اور اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مجمل تھا۔ اس لئے اس کے مصداق کی تعین نہیں کر سکے۔ بناءً علیہ شفقت پدری کے جوش میں عرض کیا کہ الٰہ العالمین! میرا بیٹا یقیناً میرے اہل میں داخل ہے جس کے بچانے کا آپ وعدہ فرما چکے ہیں۔ پھر یہ کیوں غرق کیا جا رہا ہے یا غرق کر دیا گیا۔ جواب ملا کہ تمہارا پہلا ہی مقدمہ (ان ابنی من اہلی) غلط ہے۔ جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اس میں یہ

داخل نہیں کیونکہ اس کے کرتوت بہت خراب ہیں۔ نیز اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡهِ الۡقَوۡلُ کے مصداق کا تم کو کچھ علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں پھر جس چیز کا علم تم نہیں رکھتے اس کی نسبت ایسے محاجّہ کے رنگ میں سوال یا درخواست کرنا تمہارے لئے زیبا نہیں۔

۶۶۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "آدمی وہ ہی پوچھتا ہے جو معلوم نہ ہو۔ لیکن مرضی معلوم ہونی چاہئے یہ کام جاہل کا ہے کہ بڑے کی مرضی پوچھنے کی نہ دیکھے۔ پھر پوچھے"۔ مرضی کیوں نہ تھی؟ اسے ہم فائدہ گذشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

۶۷۔ حضرت نوح علیہ السلام کی توبہ: حضرت نوحؑ کانپ اٹھے اور توبہ کی، لیکن یہ نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کروں گا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندہ کو کیا مقدور ہے۔ چاہئے اسی کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر نہ ہو اور دل میں عزم نہ کرنے کا رکھے۔ حضرت آدمؑ اور یونسؑ وغیرہ کی توبہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں ان میں یہ ہی ادب ملحوظ رہا ہے۔

۶۸۔ سلامتی اور برکت کا وعدہ: یعنی کشتی سے جودی پر۔ پھر جودی سے زمین پر اترے۔ برکتیں اور سلامتی آئندہ تم پر اور ان اقوام پر رہے گی۔ جو تمہارے ساتھیوں سے پیدا ہونے والی ہیں۔ فی الحال جو زمین طوفان سے بالکل اجڑ گئی ہے خدا دوبارہ آباد کر دے گا اور اس کی رونق و برکت پھر عود کر آئے گی۔ "سلامت" کے لفظ سے گویا حق تعالیٰ نے تسلی فرما دی کہ پھر ساری نوع انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئے گی۔ مگر بعض فرقے ہلاک ہوں گے۔

۶۹۔ یعنی یہ دلائل نبوت میں سے ہے کہ ایک امّی کی زبان سے امم سابقہ کے ایسے مستند و مفصل واقعات سنوائے جائیں۔

۷۰۔ جیسے نوحؑ اور ان کے رفقاء کے انجام بھلا ہوا آپ کے ساتھیوں کا مستقبل بھی نہایت تابناک اور کامیاب ہے۔ آپ کفار کی ایذاؤں پر صبر کریں، گھبرا کر تنگدل نہ ہوں۔ جیسے نوحؑ نے ساڑھے نو سو برس صبر کیا۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا انکے بھائی ہود کو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا حاکم نہیں سوائے اس کے تم سب جھوٹ کہتے ہو[۷۱]

یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا اس پر مزدوری میری مزدوری اسی پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا[۷۲] پھر کیا تم نہیں سمجھتے[۷۳]

وَ یٰقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ یُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا وَّ یَزِدۡکُمۡ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمۡ وَ لَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور اے قوم گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع کرو اسکی طرف[۷۴] چھوڑے گا تم پر آسمان سے دھاریں[۷۵] اور زیادہ دے گا تم کو زور پر زور اور روگردانی نہ کرو گنہگار ہو کر[۷۶]

قَالُوۡا یٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحۡنُ بِتَارِکِیۡ

۵۳۔ بولے اے ہود تو ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں

اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٣﴾

آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھاکروں (معبودوں)
کو تیرے کہنے سے اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے [۷۷]

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ
قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا
تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾

۵۴۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو آسیب پہنچایا ہے کسی
ہمارے ٹھاکروں (معبودوں) نے بری طرح [۷۸] بولا
میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں
ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾

۵۵۔ اس کے سوا سو برائی کرو میرے حق میں تم سب مل
کر پھر مجھ کو مہلت نہ دو

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ
اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٦﴾

۵۶۔ میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا
کوئی نہیں زمین پر پاؤں دھرنے والا مگر اللہ کے ہاتھ میں
ہے چوٹی اسکی بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ پر [۷۹]

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَ
يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ
اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٥٧﴾

۵۷۔ پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو میں پہنچا چکا تم کو جو میرے
ہاتھ بھیجا تھا تمہاری طرف اور قائم مقام کرے گا میرا
رب کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکو گے اللہ کا کچھ تحقیق میرا
رب ہے ہر چیز پر نگہبان [۸۰]

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٨﴾

۵۸۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو لوگ
ایمان لائے تھے اس کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بچا دیا
انکو ایک بھاری عذاب سے [۸۱]

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ
وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٥٩﴾

۵۹۔ اور یہ تھے عاد کہ منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے
اور نہ مانا اسکے رسولوں کو اور مانا حکم انکا جو سرکش تھے
مخالف [۸۲]

وَ اُتۡبِعُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا لَعۡنَةً وَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ
اَلَاۤ اِنَّ عَادًا کَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ ﴿٦٠﴾ ع ٥ ٥

٦٠۔ اور پیچھے سے آئی انکو اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن بھی [٨٣] سن لو عاد منکر ہوئے اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی [٨٤]

وَ اِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا
اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ هُوَ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ
الۡاَرۡضِ وَ اسۡتَعۡمَرَکُمۡ فِیۡهَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ثُمَّ
تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ ﴿٦١﴾

٦١۔ اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح [٨٥] بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اس کے سوا اسی نے بنایا تم کو زمین سے [٨٦] اور بسایا تم کو اس میں سو گناہ بخشواؤ اس سے اور رجوع کرو اسکی طرف تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنے والا [٨٧]

قَالُوۡا یٰصٰلِحُ قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ هٰذَاۤ
اَتَنۡهٰنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیۡ
شَکٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ ﴿٦٢﴾

٦٢۔ بولے اے صالح تجھ سے تو ہم کو امید تھی اس سے پہلے کیا تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جنکی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو تو شبہ ہے اس میں جس کی طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں مانتا [٨٨]

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ
وَ اٰتٰنِیۡ مِنۡهُ رَحۡمَةً فَمَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ
عَصَیۡتُهٗ ۟ فَمَا تَزِیۡدُوۡنَنِیۡ غَیۡرَ تَخۡسِیۡرٍ ﴿٦٣﴾

٦٣۔ بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ مل گئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے مجھ کو دی رحمت اپنی طرف سے پھر کون بچائے مجھ کو اس سے اگر اسکی نافرمانی کروں [٨٩] سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے [٩٠]

وَ یٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَکُمۡ اٰیَةً فَذَرُوۡهَا تَاۡکُلۡ فِیۡۤ
اَرۡضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَیَاۡخُذَکُمۡ عَذَابٌ
قَرِیۡبٌ ﴿٦٤﴾

٦٤۔ اور اے قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی سو چھوڑ دو اسکو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور مت ہاتھ لگاؤ اس کو بری طرح پھر تو آ پکڑے گا تم کو عذاب بہت جلد

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ
ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ پھر اسکے پاؤں کاٹے تب کہا فائدہ اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہو گا[۹۱]

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو ایمان لائے اسکے ساتھ اپنی رحمت سے اور اس دن کی رسوائی سے [۹۲] بیشک تیرا رب وہی ہے زور والا زبردست[۹۳]

وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ﴿۶۷﴾

۶۷۔اور پکڑ لیا ان ظالموں کو ہولناک آواز نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ
اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

۶۸۔ جیسے کبھی رہے ہی نہ تھے وہاں [۹۴] سن لو ثمود منکر ہوئے اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے ثمود کو[۹۵]

ع ۶ ۸ ۶

۷۱۔ کہ پتھر کے بت بھی بااختیار حاکم بلکہ معبود ہیں۔ سورہ اعراف میں قوم ہود کا قصہ گذر چکا۔

۷۲۔ قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ: یعنی تمہارے مال کی مجھے ضرورت نہیں۔ میرا پیدا کرنے والا ہی تمام دنیوی ضروریات اور آخروی اجرو ثواب کا کفیل ہے۔ یہ بات ہر ایک پیغمبر نے اپنی قوم سے کہی تاکہ نصیحت بے لوث اور مؤثر ہو۔ لوگ انکی محنت کو دنیوی طمع پر محمول نہ کریں۔

۷۳۔ یعنی اس قدر غبی ہو، اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک شخص بے طمع بے غرض، محض دردمندی اور خیر خواہی سے تمہاری فلاح دارین کی بات کہتا ہے۔ تم اسے دشمن اور بدخواہ سمجھ کر دست و گریباں ہوتے ہو۔

۷۴۔ اسی سورت کے شروع میں اس جملہ کی تفسیر گذر چکی۔

۷۵۔ یعنی موقع بہ موقع خوب بارشیں دے گا۔ وہ قوم چونکہ کھیتی، باغ لگانے سے بڑی دلچسپی رکھتی تھی اس لئے ایمان لانے کے ظاہری فوائد و برکات وہ بیان کئے جو ان کے حق میں خصوصی طور پر موجب ترغیب ہوں۔ لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تین سال سے خشک سالی اور امساک باراں کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ ہودؑ نے وعدہ کیا کہ ایمان لا کر خدا کی طرف رجوع ہو گے تو یہ مصیبت دور ہو جائے گی۔

۷۶۔ یعنی مالی اور بدنی قوت بڑھائے گا اولاد میں برکت دے گا۔ خوشحالی میں ترقی ہو گی، اور مادی قوت کے ساتھ روحانی و ایمانی قوت کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس کی اطاعت سے مجرموں کی طرح روگردانی نہ کرو۔

۷۷۔ قوم عاد کا ایمان لانے سے انکار: یہ ان کی کھلی ہٹ دھرمی تھی جو کہتے تھے کہ آپ کوئی واضح سند اور دلیل اپنی صداقت کی نہیں لائے خدا جسے پیغمبری کے عہدہ پر فائز کرے، ضرور ہے کہ اس کو تقرر کی سند اور پروانہ عطا فرمائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو نبی مبعوث ہوا اس کے ساتھ ایسے واضح نشان بھیجے گئے جس پر آدمی ایمان لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔ اس لئے بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ ہودؑ نے نشان پیش کئے ہوں گے مگر وہ لوگ ہٹ دھرمی اور بے حیائی سے یہ ہی کہتے رہے کہ آپ کوئی کھلا ہوا نشان نہیں لائے (شاید یہ مراد ہو کہ ایسا نشان نہ لائے جو سب کی گردنیں پکڑ کر ایمان لانے پر مجبور کر دے) بہر حال ہم محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ نہ کبھی تیری رسالت پر ایمان لا سکتے ہیں۔

۷۸۔ حضرت ہود علیہ السلام پر آسیب کا الزام: یعنی یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور سارے جہان کو بیوقوف بتلا کر اپنا دشمن بنا رہے ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسیب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو ان کی عبادت سے روکتے اور برا بھلا کہتے تھے، انہوں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔

۷۹۔ حضرت ہود علیہ السلام کا جواب: یعنی وہ بیچاری پتھر کی مورتیں تو مجھے کیا گزند پہنچا سکتیں، تم سب جو بڑے شہ زور، تنومند اور طاقتور نظر آتے ہو اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر اور مجھ جیسے یکہ و تنہا پر پوری قوت سے بیک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ سنو میں خدا کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعًا بیزار ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو برائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ۔ نہ ذرا کوتاہی کرو نہ ایک منٹ کی مجھے مہلت دو۔ اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھروسہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ہے جو میرا رب ہے اور وہ ہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے۔ گو بدفہمی سے تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز جو زمین پر چلتی ہے خالص اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے گویا ان کے سر کے بال اس کے ہاتھ میں ہیں جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے قبضہ و اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں نہ سچے اس کی پناہ میں رہ کر رسوا ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ میرا پروردگار عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہے۔ اس کے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام، اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اس نے بتلائی، بیشک اسی پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لئے خود ہر وقت وہاں موجود ہے۔

۸۰۔ یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں۔ میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا۔ تم اپنی فکر کر لو ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصب و عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے۔ خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہو گی، وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال وغیرہ کا وارث بنا دے گا۔ تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اس کے پیغمبروں کا کچھ نہیں بگڑتا نہ اس کا ملک خراب ہوتا ہے۔ جب وہ ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت کے سامان اپنی قدرت کاملہ سے کر دے گا۔

۸۱۔ قوم ہود علیہ السلام پر عذاب: یعنی سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورہ اعراف میں ہم ذکر کر چکے ہیں مکان گر گئے، چھتیں اڑ گئیں، درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہوا ایسی مسموم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر نیچے سے نکل جاتی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی۔ اس ہولناک عذاب سے ہم نے ہودؑ اور ان کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے۔ بالکل محفوظ رکھا اور ایمان و عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی ان کو نجات دے دی۔

۸۲۔ یعنی ان کے کھنڈرات کو چشم عبرت سے دیکھو کہ یہ وہ قوم عاد تھی جن کے بڑوں نے بہت طمطراق سے اپنے پروردگار کی باتوں کا مقابلہ کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ اور چھوٹوں نے بڑے شیطانوں کی پیروی کی۔ آخر دونوں تباہ و برباد ہوئے۔ (تنبیہ) "رسلہ" شاید اس لئے فرمایا کہ ایک کی تکذیب سب پیغمبروں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ توحید وغیرہ اصول دین میں سب متفق اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں یعنی خدا کی لعنت (پھٹکار) دنیا میں ان کے پیچھے لگا دی گئی کہ جہاں جائیں ساتھ جائے۔ اور قیامت تک جہاں ان کا ذکر ہو لعنت کے ساتھ ہو۔

۸۳۔ بلکہ قیامت کے بعد بھی وہ ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی لعنت کا طوق ہمیشہ ان کے گلے میں پڑا رہے گا۔

۸۴۔ عاد اور قوم ہود پر لعنت: "بعض مفسرین نے کہا کہ قیامت کے دن یوں پکارا جائے گا۔ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا (ہود۔ ۶۰) الخ (تنبیہ) عاد کے ساتھ قوم ہود کا لفظ یا تو اس لئے بڑھایا کہ دونوں کا تصور سننے والے کے دماغ میں ساتھ ساتھ آئے۔ یعنی ہود کا کیا حال تھا اور یہ اسی کی قوم تھی جس کا حشر یہ ہوا۔ اور ممکن ہے اس پر تنبیہ کرنا ہو کہ عاد دو ہیں "اولیٰ" اور "اخریٰ" اسی لئے ایک جگہ فرمایا وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادًا الْاُوْلٰى (النجم۔ ۵۰) یہاں عاد اولیٰ مراد ہے جس کی طرف ہود مبعوث ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

۸۵۔ ان کا قصہ اعراف میں گذر چکا۔

۸۶۔ حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب: یعنی اول آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر زمین سے غذائیں پیدا کیں جن سے نطفہ وغیرہ بنتا ہے جو مادہ ہے آدمی کی پیدائش کا۔

۸۷۔ یعنی پیدا کر کے باقی رکھا۔ بقاء کا سامان کیا۔ زمین کے آباد کرنے کی ترکیبیں بتلائیں تدابیر الہام فرمائیں، جب وہ ایسا منعم و محسن ہے تو چاہئے آدمی اسی کی طرف ایمان و طاعت کے ساتھ رجوع کرے اور کفر و شرک وغیرہ جو گناہ کر چکا ہے ان کی معافی چاہے، وہ ہم سے بالکل نزدیک ہے، ہر بات خود سنتا ہے اور جو توبہ و استغفار صدق دل سے کیا جائے اسے سن کر قبول کرتا ہے۔

۸۸۔ قوم کا اعتراض اور شبہ: یعنی تجھ سے امید تھی کہ آگے چل کر بڑا فاضل اور نیک مرد ہوگا جس کو معزز بزرگوں کا جانشین سمجھ کر قوم سر پر بٹھائے گی۔ تیری پیشانی سے رشد و صلاح کے آثار ہویدا تھے۔ سب کو توقع تھی کہ مستقبل قریب میں بڑا فائدہ تجھ سے پہنچے گا۔ رائے و تدبیر، صلاح و مشورہ سے اپنے قومی بھائیوں کی رہنمائی اور نہایت قوت قلب کے ساتھ آبائی مذہب کی حمایت و تائید کرے گا یہ درست ہے کہ ابتدا سے تجھ کو بت پرستی مبغوض تھی اور عام قومی مذہب سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ تاہم تیری سمجھ اور فطری قابلیت پر اعتماد کر کے ہم کو امید رہی کہ آگے چل کر عقل و تجربہ کی پختگی کے بعد یہ روش نہ رہے گی۔ لیکن افسوس یک بیک تو ایسی باتیں کرنے لگا جس نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر کے سب توقعات خاک میں ملا دیں کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم ایک خدا کو لے کر سارے پرانے دیوتاؤں کو چھوڑ بیٹھیں۔ ہمارے نزدیک بزرگوں کی روش کے خلاف ایسا مسلک اختیار کرنا سخت شبہ کی چیز ہے۔ جسے ہمارا دل کسی طرح نہیں مانتا۔ "موضح القرآن" میں ہے "یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادے کی راہ روشن کرے گا۔ تو لگا مٹانے"۔

۸۹۔ حضرت صالح علیہ السلام کا جواب: یعنی تمہارے شک و شبہ کی وجہ سے میں ایک صاف راستہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ خدا نے مجھ کو سمجھ دی اور اپنی رحمت عظیمہ سے منصب پیغمبری عطا کیا۔ اب اگر فرض کیجئے میں اس کی نافرمانی کرنے لگوں اور جن چیزوں کے پہنچانے کا حکم ہے نہ پہنچاؤں تو مجھ کو اس کی سزا سے کون بچالے گا۔

۹۰۔ اونٹنی کا نشان: یعنی بجائے اس کے کہ اپنے سچے خیر خواہ اور محسن کی قدر کرتے مجھے فرائض دعوۃ و تبلیغ سے رک جانے کا مشورہ دے کر ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔ بعض سلف نے اس جملہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ تمہاری گفتگو سے مجھ میں کوئی چیز نہیں بڑھتی بجز اس یقین کے کہ تم اپنا سخت نقصان کر رہے ہو۔ مگر سیاق کے مناسب پہلے معنی ہیں۔

۹۱۔ قوم کی نافرمانی: حضرت صالحؑ سے قوم نے معجزہ طلب کیا تھا۔ وہ انہیں دکھلا دیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل اور الفاظ کی تشریح سورہ اعراف میں آٹھویں پارہ کے ختم پر گذر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۹۲۔ یعنی جب حکم عذاب پہنچا تو ہم نے صالحؑ اور ان کے ساتھیوں کو بچا دیا۔ اور کاہے سے بچا دیا؟ اس دن کی رسوائی سے وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ نَجَّيْنَا کی شرح و تفصیل ہے۔

۹۳۔ یعنی جسے چاہے ہلاک کر دے اور جسے چاہے بچادے۔

۹۴۔ قوم صالح علیہ السلام پر عذاب: "یعنی بے نام ونشان ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ان پر عذاب آیا اس طرح کہ رات کو پڑے سوتے تھے۔ فرشتہ نے چنگھاڑ ماری۔ سب کے جگر پھٹ گئے" بعض آیات میں رجفۃ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی زلزلہ یا کپکپی سے ہلاک ہوئے سورہ اعراف میں ہم اس کے متعلق تطبیق کی صورت لکھ چکے ہیں۔

۹۵۔ یعنی جو اپنے پروردگار کی آیات واحکام سے منکر ہو اس کی یہ گت بنتی ہے اور ایسی پھٹکار پڑتی ہے۔ سن کر عبرت حاصل کرو۔

وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾	۶۹۔ اور البتہ آ چکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا[۹۶]
فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ؕ	۷۰۔ پھر جب دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر تو کھٹکا اور دل میں ان سے ڈرا[۹۷] وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط کی[۹۸]
وَ امْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾	۷۱۔ اور اس کی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اسکو اسحٰق کے پیدا ہونے کی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی[۹۹]
قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾	۷۲۔ بولی اے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا[۱۰۰] یہ تو ایک عجیب بات ہے[۱۰۱]
قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾	۷۳۔ وہ بولے کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی رحمت ہے اور برکتیں تم پر اے گھر والو تحقیق اللہ ہے تعریف کیا گیا بڑائیوں والا[۱۰۲]

۹۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان فرشتے: اس سورت کے قصص کی ترتیب "اعراف کی ترتیب" کے موافق ہے۔ صرف قوم لوط کے

قصہ سے پہلے یہاں ابراہیمؑ کا تھوڑا سا قصہ بیان فرمایا ہے۔ مگر تعبیر ایسی رکھی جو ظاہر کرتی ہے کہ مقصود اصلی لوطؑ کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چونکہ اس میں اور ابراہیمؑ کے قصہ میں کئی طرح کی مناسبت اور تعلق پایا جاتا تھا اس لئے بطور تمہید و توطیہ ابراہیمؑ کا قصہ مذکور ہوا۔ لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی ہیں جو آپ کے ہمراہ عراق سے ہجرت کر کے آئے۔ ایک ہی جماعت فرشتوں کی دونوں کے پاس بھیجی گئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوط کی ہلاکت کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث کی جو آگے آتی ہے۔ یہ فرشتے نہایت حسین و جمیل نوجوانوں کی شکل میں لوطؑ کی طرف جاتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا ہے اور اس بڑھاپے میں حضرت سارہ کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ نیز یہ کہ قوم لوط کے بدمعاشوں اور ظالموں کے وجود سے عنقریب دنیا پاک کر دی جائے گی۔

۹۷۔ فرشتوں کا کھانے سے انکار: "کہ آخر یہ کون ہیں، کس غرض سے آئے ہیں؟ ہم کھانا پیش کرتے ہیں، یہ اسے ہاتھ نہیں لگاتے اس وقت کے دستور کے موافق جو مہمان کھانے سے انکار کرتا، سمجھا جاتا تھا کہ یہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ ابراہیمؑ گھبرائے کہ اگر آدمی ہیں تو کھانے سے انکار کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے اور فرشتے ہیں تو نہ معلوم کس مطلب کے لئے بھیجے گئے ہیں آیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی یا میری قوم کے حق میں کوئی ناخوشگوار چیز لے کر آئے۔ اسی حیص و بیص میں زبان سے اظہار بھی کر دیا۔ اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ (حجر۔ ۵۲) یعنی ہم کو تم سے اندیشہ ہے۔ عموماً مفسرین نے ابراہیمؑ کے خوف کی یہ ہی توجیہات بیان کی ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے نزدیک نہایت لطیف توجیہ کی "کہ فرشتوں کے ساتھ جو عذاب الٰہی تھا اور شان وغضب و انتقام کے مظہر بن کر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اس کا طبعی اثر یہ تھا کہ ابراہیمؑ کے قلب پر ایک طرح کے خوف و خشیت کی کیفیت طاری ہوئی۔ جس کا اظہار انہوں نے "انا منکم وجلون" کہہ کر کیا۔ یعنی ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۸۔ یعنی ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہم فرشتے ہیں جو قوم لوط کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ کچھ اندیشہ ضرر نہ کیجئے۔

۹۹۔ حضرت سارہ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت: یعنی حضرت سارہ جو مہمانوں کی خدمت گذاری یا اور کسی کام کے لئے وہاں کھڑی تھیں اس ڈر کے رفع ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں۔ حق تعالیٰ نے خوشی پر اور خوشیاں سنائیں کہ تجھ کو اس عمر میں بیٹا ملے گا۔ (اسحٰقؑ) اور اس کی نسل سے ایک پوتا یعقوب عطا ہو گا۔ جس سے ایک بڑی بھاری قوم بنی اسرائیل اٹھنے والی ہے یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اس لئے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹا (اسمٰعیلؑ) حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی موجود تھا۔ سارہؓ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ مگر بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھیں۔ اس وقت یہ بشارت ملی۔ بعض علماء نے حضرت سارہؓ کے ہنسنے کی اور بھی توجیہات کی ہیں مگر ظاہر وہ ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ علماء نے وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحٰق "ذبیح" نہ تھے اسمٰعیلؑ تھے (راجع ابن کثیر)

۱۰۰۔ یہاں يٰوَيۡلَتٰٓى کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورات میں عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ میں "نگوڑی" کیا اس بڑھاپے میں اولاد جنوں گی حضرت سارہؓ کی عمر کہتے ہیں اس وقت ننانوے سال تھی اور حضرت ابراہیمؑ سو سال یا اس سے بھی متجاوز تھے۔

۱۰۱۔ حضرت سارہ علیہ السلام کا تعجب اور اس کا جواب: یعنی ایسا ہو تو بالکل انوکھی اور عجیب و غریب بات ہو گی۔

۱۰۲۔ یعنی جس گھرانے پر خدا کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل ہو رہی ہیں اور جنہیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا، کیا ان کے لئے یہ کوئی تعجب کا مقام ہے؟ ان کا تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔ انہیں لائق ہے کہ بشارت سن کر تعجب کی جگہ خدا کی تحمید و تمجید کریں کہ سب بڑائیاں اور خوبیاں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ (تنبیہ) بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ وَجَآءَتۡهُ الۡبُشۡرٰى
يُجَادِلُنَا فِىۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے ڈر اور آئی اس کو خوشخبری جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل ہے رجوع رہنے والا

يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ
رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُوۡدٍ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا اور ان پر آتا ہے عذاب جو لوٹایا نہیں جاتا[۱۰۳]

وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِىۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ
ذَرۡعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوۡمٌ عَصِيۡبٌ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس غمگین ہوا انکے آنے سے اور تنگ دل ہوا دل میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے[۱۰۴]

وَجَآءَهٗ قَوۡمُهٗ يُهۡرَعُوۡنَ اِلَيۡهِ ؕ وَمِنۡ قَبۡلُ كَانُوۡا
يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىۡ هُنَّ
اَطۡهَرُ لَكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ ؕ
اَلَيۡسَ مِنۡكُمۡ رَجُلٌ رَّشِيۡدٌ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور آئی اس کے پاس قوم اسکی دوڑتی بے اختیار اور آگے سے کر رہے تھے برے کام[۱۰۵] بولا اے قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو اُن سے سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک چلن[۱۰۶]

قَالُوۡا لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَنَا فِىۡ بَنٰتِكَ مِنۡ حَقٍّ ۚ وَ
اِنَّكَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِيۡدُ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ بولے تو تو جانتا ہے ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں اور تجھ کو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں[۱۰۷]

قَالَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ بِكُمۡ قُوَّةً اَوۡ اٰوِىۡۤ اِلٰى رُكۡنٍ شَدِيۡدٍ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ کہنے لگا کاش مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں[۱۰۸]

قَالُوۡا يٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنۡ يَّصِلُوۡۤا اِلَيۡكَ فَاَسۡرِ
بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ

۸۱۔ مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک[۱۰۹] سو لے نکل اپنے لوگوں کو کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی

اِلَّا امۡرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيۡبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمۡ ؕ اِنَّ
مَوۡعِدَهُمُ الصُّبۡحُ ؕ اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ﴿۸۱﴾
فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا
عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ۙ ﴿۸۲﴾
مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ
بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۳﴾ ع

مگر عورت تیری کہ اس کو پہنچ کر رہے گا جو ان کو پہنچے گا[۱۱۰] ان کے وعدہ کا وقت ہے صبح کیا صبح نہیں ہے نزدیک[۱۱۱]

۸۲۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائے ہم نے اس پر پتھر کنکر کے[۱۱۲] تہہ بہ تہہ[۱۱۳]

۸۳۔ نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس[۱۱۴] اور نہیں ہے وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور[۱۱۵]

۱۰۳۔ **فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ:** یعنی ادھر سے مطمئن ہوئے تو فوراً قوم لوط کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث شروع کر دی۔ جس کا خلاصہ سورہ عنکبوت میں بیان فرمایا کہ فرشتوں نے ابراہیمؑ کو مطلع کیا کہ ہم ان بستیوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں ابراہیمؑ بولے کہ ان میں تو خود لوطؑ موجود ہیں (ایک پیغمبر کے ان میں موجود ہوتے ہوئے کیسے ہلاک کئے جاسکتے ہیں ؟) فرشتوں نے کہا ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ لوطؑ اور اس کے متعلقین کو وہاں سے علیحدہ کر کے عذاب نازل کیا جائے گا۔ تفاسیر میں اس بحث کی جو تفاصیل بیان ہوئی ہیں اللہ جانے کہاں تک صحیح ہیں۔ بہر حال اسی بحث کو مبالغۃً لفظ یُجَادِلُنَا سے تعبیر فرمایا۔ جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ اپنی فطری شفقت، نرم خوئ اور رحم دلی سے اس قوم پر ترس کھا کر حق تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے اسی کا جواب دیا کہ اس خیال کو چھوڑیے۔ ان ظالموں کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اب خدا کا حکم واپس نہیں ہو سکتا۔ عذاب آ کر رہے گا جو کسی سفارش یا دعا وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔

۱۰۴۔ **فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا:** فرشتے نہایت حسین و جمیل بے ریش و بروت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ ابتداءً حضرت لوطؑ نے نہ پہچانا کہ فرشتے ہیں۔ معمولی مہمان سمجھے۔ ادھر اس قوم کی بے حیائی اور خوئے بد معلوم تھی۔ سخت فکر مند اور تنگ دل ہوئے کہ یہ بد معاش ان مہمانوں کا پیچھا کریں گے۔ مہمانوں کو چھوڑنا بھی مشکل اور ان خبیثوں کے ہاتھوں سے چھڑانا بھی دشوار، گویا ساری قوم سے لڑائی مول لینا ہے۔

۱۰۵۔ **قوم لوط کی بے حیائی:** یعنی اس قوم کو نامعقول حرکتوں اور خلاف فطرت فواحش کی جو عادت پڑی ہوئی تھی کہاں چین سے بیٹھنے دیتی وہ ایسے خوب صورت لڑکوں کی خبر پاتے ہی نہایت بے حیائی کے ساتھ لوطؑ کے مکان پر اندھا دھند چڑھ دوڑے اور پوری قوت و شدت سے مطالبہ کیا کہ مہمان ان کے حوالے کر دیے جائیں کیونکہ ہم پہلے ہی منع کر چکے ہیں کہ تم کسی مرد کو اپنا مہمان نہ بنایا کرو۔ یہاں آنے والے مہمانوں کو ہم پر چھوڑ دو ہم جو چاہیں کریں۔

۱۰۶۔ **قوم کو حضرت لوط علیہ السلام کی فہمائش:** حضرت لوطؑ نے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لئے ہر قسم کی کوشش کی۔ آخری بات اس شہوت پرست قوم سے یہ کہی کہ ظالمو! یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے حاضر ہیں۔ نکاح ہو جانے پر ان سے بطریق حلال تمتع کر سکتے ہو جو نہایت پاکیزہ اور شائشہ طریقہ ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے کہ پاک اور مشروع طریقہ کو چھوڑ کر ایسے خلاف فطرت گندے کاموں میں مبتلا ہوتے ہو۔ کم از کم میری

ہی رعایت کرو کہ میں ان مقدس مہمانوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ ہوں۔ مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہے۔ کیا تم میں ایک شخص بھی نہیں جو سیدھی سیدھی باتوں کو سمجھ کر نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔ (تنبیہ) ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ سے مراد عام طور پر اس قوم کی لڑکیاں ہیں جن کو تجوزًا بیٹیاں کہا گیا۔ کیونکہ پیغمبر امت کے حق میں روحانی باپ ہوتا ہے اور ویسے بھی محاورات میں قوم کے بڑے بوڑھے سب کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ اور اگر خاص لوطؑ کی بیٹیاں مراد ہوں تو شاید ان میں سے بعض ممتاز لوگوں کے نکاح کے لئے پیش کی ہوں گی اس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لوطؑ کا مقصود اس قول سے نکاح وغیرہ کچھ نہ تھا۔ بلکہ ان کی زیادتیوں سے عاجز ہو کر مہمانوں کی آبرو بچانے کی دھن میں انتہائی تواضع سے یہ لفظ کہے۔ تاکہ ان میں غیرت و حیا کا کچھ شائبہ اور آدمیت کا کوئی ذرہ بھی موجود ہو تو یہ لفظ سن کر جھینپ جائیں اور نرمی اختیار کرلیں۔ مگر وہ ایسے حیادار کاہے کو تھے؟ کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ پہلے سے زیادہ بے باک ہو کر بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

۱۰۷۔ پھر اتنی حجت و تکرار کیوں کر رہا ہے۔ ہم اپنا ناپاک ارادہ پورا کئے بدون نہ ہٹیں گے۔

۱۰۸۔ **حضرت لوط علیہ السلام کی گھبراہٹ:** لوطؑ کی زبان سے انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی میں بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ "کاش مجھ میں بذات خود تم سب سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا کوئی طاقتور اور مضبوط پناہ دینے والا ہوتا۔ یعنی میرا کنبہ اور جتھا یہاں ہوتا۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا یَرْحَمُ اللّٰہُ لُوْطًا لَقَدْ کَانَ یَاوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ خدا لوطؑ پر رحم فرمائے، بیشک وہ مضبوط و مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے۔ یعنی خداوند قدوس کی۔ مگر اس وقت سخت گھبراہٹ اور بیحد ضیق کی وجہ سے ادھر خیال نہ گیا۔ بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی۔ لوطؑ کے بعد جو انبیاء مبعوث ہوئے سب بڑے جتھے اور قبیلہ والے تھے۔

۱۰۹۔ **حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں کی تسلی:** جب لوطؑ کے اضطراب و قلق کی حد ہو گئی، تب مہمانوں نے کہا کہ حضرت! آپ کس فکر میں ہیں مطلق پریشان نہ ہوں، ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو ان کو تباہ و ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خبیث ہمارا تو کیا بگاڑ سکتے آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ تفاسیر میں ہے کہ وہ شریر لوگ دروازہ توڑ کر یا دیوار پھاند کر اندر گھسے جاتے تھے، تب جبریلؑ نے خدا سے اجازت لے کر لوطؑ کو علیحدہ بٹھا دیا اور ایک ذرا بازو ان ملعونوں کی طرف ہلایا جو سب کے سب نپٹ اندھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ بھاگو! لوطؑ کے مہمان تو بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔

۱۱۰۔ **عذاب الٰہی کی خبر:** یعنی صبح کو عذاب آنے والا ہے، تھوری رات رہے آپ اپنے متعلقین کو لے کر یہاں سے تشریف لے جایئے اور اپنے ہمراہیوں کو ہدایت کر دیجئے کہ جلدی کریں اور کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے ہاں تیری عورت کہ وہ ساتھ نہ جائے گی یا پیچھے پھر کر دیکھے گی۔ اس طرح اسی عذاب کی لپیٹ میں آجائے گی جو سب قوم کو پہنچنے والا ہے۔ کہتے ہیں اسی عورت نے قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کیا تھا۔

۱۱۱۔ یعنی خوش ہو جائے اب ان ظالموں کے ہلاک ہونے میں کچھ دیر نہیں ہے۔ صبح ہوتے ہی سب کا صفایا ہو جائے گا۔

۱۱۲۔ **قوم لوط پر ذلت و ہلاکت کا عذاب:** جبریلؑ نے ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے پٹک دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہ و بالا ہو گئیں۔ پھر ان کی نکایت اور ذلت و رسوائی کی پوری تکمیل کے لئے اوپر سے جھانوے اور پتھر برسائے گئے۔ شہر کی آبادی سے الگ جو افراد اس قوم کے جس جگہ تھے وہیں پتھروں سے ہلاک کئے گئے (العیاذ باللہ) (تنبیہ) جو سزا اس قوم کو اوپر نیچے کرنے کی ملی وہ ان کی شرمناک حرکت سے ظاہری مناسبت بھی رکھتی ہے۔

۱۱۳۔ "منضود" کے معنی مترجم محقق نے "تہ بہ تہ" کئے ہیں۔ بعض نے یہ معنٰی لئے کہ پتھر مسلسل یکے بعد دیگرے برس رہے تھے۔

۱۱۴۔ **نشان زدہ پتھر:** یعنی کوئی خاص علامت ان پر تھی جو عام پتھروں سے ممتاز کر کے ظاہر کرتی تھی کہ یہ عذاب الٰہی کے پتھر ہیں۔ بعض کہتے

ہیں کہ ہر پتھر پر اس کا نام درج تھا جس کی ہلاکت کا وہ سبب بنا۔ واللہ اعلم۔

۱۱۵۔ یعنی باعتبار زمانہ کے بھی قریب ہے کیونکہ عاد و ثمود اور قوم نوح کے وغیرہ کے بعد یہ واقعہ ہوا۔ اور باعتبار مکان کے بھی کیونکہ ان کی بستیاں مدینہ اور شام کے درمیان میں تھیں۔ گذرنے والے قافلے وہاں کھنڈرات مشاہدہ کرتے تھے۔ یا اس جملہ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دور نہیں۔ ہمیشہ خدا کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ (تنبیہ) اس قصہ کے بعض اجزا اعراف میں گذر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کئے جائیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوائے اور نہ گھٹاؤ ماپ اور تول کو [۱۱۶] میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال اور ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک گھیر لینے والے دن کے [۱۱۷]

وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور اے قوم پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے [۱۱۸] اور نہ گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں [۱۱۹] اور مت مچاؤ زمین میں فساد [۱۲۰]

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم ایمان والے [۱۲۱] اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان [۱۲۲]

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ بولے اے شعیب کیا تیرے نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دیں کرنا جو کچھ کہ کرتے ہیں اپنے مالوں میں تو ہی بڑا باوقار ہے نیک چلن [۱۲۳]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ

۸۸۔ بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ آ گئی اپنے رب

رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ
اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا
اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

کی طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی[١٢٤] اور میں یہ نہیں چاہتا کہ بعد کو خود کروں وہ کام جو تم سے چھڑاؤں[١٢٥] میں تو چاہتا ہوں سنوارنا جہاں تک ہو سکے اور بن آنا ہے اللہ کی مدد سے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے[١٢٦]

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ
مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ
مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

٨٩۔ اور اے قوم نہ کمائیو میری ضد کر کے یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ کہ پڑ چکا قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور ہی نہیں[١٢٧]

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ
وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

٩٠۔ اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور رجوع کرو اسکی طرف البتہ میرا رب ہے مہربان محبت والا[١٢٨]

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا
لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

٩١۔ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے[١٢٩] اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو ہم میں کمزور ہے[١٣٠] اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھ کو تو ہم سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں[١٣١]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

٩٢۔ بولا اے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے اللہ سے اور اس کو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے بھلا کر تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کچھ کرتے ہو[١٣٢]

وَ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ ؕ سَوۡفَ
تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَ مَنۡ هُوَ
كَاذِبٌ ؕ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اور اے میری قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کر لو گے کس پر آتا ہے عذاب رسوا کرنے والا اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ تاک رہا ہوں[۱۳۳]

وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا
الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۙ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو ایمان لائے تھے اسکے ساتھ اپنی مہربانی سے اور آ پکڑا ان ظالموں کو کڑک نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے

كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّمَدۡيَنَ كَمَا
بَعِدَتۡ ثَمُوۡدُ ﴿۹۵﴾ ع

۹۵۔ گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے[۱۳۴] سن لو پھٹکار ہے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی تھی ثمود کو[۱۳۵]

ع ۸ ۱۲ ۸

۱۱۶۔ یہ قصہ بھی سورہ اعراف میں گذر چکا۔

۱۱۷۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی اپنی قوم کو تبلیغ: یعنی خدا نے فراغت اور آسودگی عنایت کی تو ڈرتے رہو کہیں نافرمانی سے چھن نہ جائے اور آسائش و خوشحالی سلب ہو کر دنیوی یا اخروی عذاب مسلط نہ کر دیا جائے۔

۱۱۸۔ یعنی اب تک جو ظلم و عدوان کا معیار و قانون تھا اس کی اصلاح کرو۔

۱۱۹۔ یعنی صرف ماپ تول میں نہیں بلکہ کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف مت کرو۔

۱۲۰۔ یعنی شرک و کفر سے یا کم ناپنے تولنے سے یا دوسری طرح اتلاف حقوق اور ظلم و ستم کر کے زمین میں فساد مت مچاؤ۔ کہتے ہیں وہ لوگ ڈکیتی ڈالتے تھے اور امانت میں خیانت کرتے تھے۔

۱۲۱۔ حلال مال میں برکت: ایک ایماندا کے لئے اللہ کا دیا ہوا جو ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کر کے بچ رہے گو قلیل ہو اس کثیر سے بہتر ہے جو حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا جس میں لوگوں کے حقوق مارے جائیں۔ مال حلال میں جو ٹھیک ماپ تول کر لیا دیا جائے فی الحال برکت ہوتی ہے اور خدا کے یہاں اجر ملتا ہے۔

۱۲۲۔ یعنی میں نے تم کو نصیحت کر دی۔ آگے اس کا ذمہ دار نہیں کہ تم سے زبردستی عمل کرا کے چھوڑوں۔

۱۲۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے قوم کا استہزاء: یہ بطور استہزاء و تمسخر کہہ رہے تھے کہ بس زیادہ بزرگ نہ بنئے کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقلمند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ باقی ہم اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے؟ حضرت شعیبؑ نماز بہت کثرت سے پڑھتے تھے کہنے لگے کہ شاید آپ کی نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم سے باپ دادوں کا پرانا دین چھڑوا دیں اور ہمارے اموال میں ہمارا مالکانہ اختیار نہ رہنے

دیں۔ بس آپ اپنی نماز پڑھے جایئے، ہمارے مذہبی و دنیوی معاملات اور ماپ تول کے قصوں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "جاہلوں کا دستور ہے کہ نیکوں کے کام آپ نہ کر سکیں تو انہی کو چڑانے لگیں۔ یہ ہی خصلت ہے کفر کی"۔ بعض مفسرین نے کو استہزاء پر نہیں۔ واقعیت پر حمل کیا ہے۔ یعنی تو ایک سمجھدار، باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔ پھر ایسی بے موقع اِنَّکَ لَاَنۡتَ الۡحَلِیۡمُ الرَّشِیۡدُ باتیں کیوں کرنے لگا۔ جیسے صالحؑ کو کہا تھا۔ قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ ھٰذَاۤ اَتَنۡھٰنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا (ہود۔ ۶۲) الخ۔

۱۲۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب: یا تو ظاہری روزی مراد ہے یعنی ماپ تول میں کمی بیشی کئے بدون حلال و طیب طریق سے روزی مرحمت فرمائی یا باطنی روزی یعنی علم و حکمت اور نبوت عطاء کی، خلاصہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھ کو فہم و بصیرت دے کر وہ صاف راستہ دکھلا دیا جو تم کو نظر نہیں آتا اور اس دولت سے مالا مال کیا جس سے تمہیں حصہ نہیں ملا، تو کیا اس کا حق یہ ہے کہ میں "معاذ اللہ" تمہاری طرح اندھا بن جاؤں اور خدا کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں، یا تمہارے استہزاء و تمسخر سے گھبرا کر نصیحت کرنا اور سمجھانا چھوڑ دوں؟ ہر گز نہیں۔

۱۲۵۔ یعنی جن بری باتوں سے تم کو روکتا ہوں میری یہ خواہش نہیں کہ تم سے علیحدہ ہو کر خود ان کا ارتکاب کروں مثلاً تمہیں تارک الدنیا بناؤں اور خود دنیا سمیٹ کر گھر میں بھر لوں، نہیں جو نصیحت تم کو کرتا ہوں میں تم سے پہلے اس کا پابند ہوں، تم یہ الزام مجھ پر نہیں رکھ سکتے کہ میری نصیحت کسی خود غرضی اور ہوا پرستی پر محمول ہے۔

۱۲۶۔ میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ تمہاری دینی و دنیوی حالت درست ہو جائے۔ موجودہ ردی حالت سے نکل کر بام ایمان و عرفان پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اس مقصد اصلاح کے سوا دوسرا مقصد نہیں، جسے میں اپنے مقدور و استطاعت کے موافق کسی حال نہیں چھوڑ سکتا، باقی یہ کہ میری بات بن آئے اور اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں، یہ سب خداوند قدوس کے قبضہ میں ہے۔ اسی کی امداد و توفیق سے سب کام انجام پاسکتے ہیں، میرا بھروسہ اسی پر ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۱۲۷۔ یعنی میری ضد اور عداوت کے جوش میں ایسی حرکتیں مت کرنا جو تم کو گذشتہ اقوام کی طرح سخت تباہ کن عذاب کا مستحق بنا دیں، نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کی امتوں پر تکذیب و عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ پوشیدہ نہیں۔ اور لوطؑ کی قوم کا قصہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے اس کی یاد تمہارے حافظہ میں تازہ ہوگی ان نظائر کو فراموش مت کرو۔

۱۲۸۔ کیسا ہی پرانا اور کٹر مجرم ہو جب صدق دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے۔ بلکہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

۱۲۹۔ قوم شعیب علیہ السلام کی ہٹ دھرمی: سمجھتے سب کچھ تھے لیکن عناد اور حق پوشی سے ایسا کہتے تھے کہ تیری بات کچھ نہیں سمجھتے نہ معلوم کیا مجذوبوں کی بڑہانک رہا ہے (العیاذ باللہ) اور اگر واقع وہ ایسی سیدھی اور صاف باتیں بے توجہی یا غباوت کی وجہ سے سمجھتے نہ تھے تو یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہو گا۔

۱۳۰۔ یعنی ایک کمزور اور بے حقیقت آدمی خواہ مخواہ سارے جہان کو اپنا دشمن بنا رہا ہے اسے چاہئے اپنے حال پر رحم کھائے، بیٹھے بٹھائے اپنے کو موت کے منہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے (تنبیہ) بعض سلف سے "ضعیف" کے معنی "ضریر البصر" (نابینا) کے منقول ہیں۔ شاید کسی خاص وقت میں عارضی طور پر ظاہری بینائی جاتی رہی ہو۔ جیسے یوسفؑ کے فراق میں حضرت یعقوبؑ کا حال ہوا تھا۔ مفسرین نے بعض روایات نقل کی ہیں کہ حضرت شعیبؑ روتے بہت تھے، حتیٰ کہ نگاہ جاتی رہی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شعیبؑ! اس قدر کیوں روتا ہے؟ جنت کے شوق میں یا دوزخ کے ڈر سے؟ عرض کیا پروردگار! تیری لقاء کا خیال کر کے روتا ہوں کہ جس وقت آپ کا دیدار ہو گا نہ معلوم میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ ارشاد ہوا تجھ کو ہماری لقاء (دیدار) مبارک ہو، اے شعیبؑ! اسی لئے میں نے اپنے کلیم موسیٰ ابن عمران کو تیری خدمت کے لئے کھڑا کر دیا

ہے، کہتے ہیں خدا نے انکی بینائی واپس کر دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بصحتہ۔

۱۳۱۔ یعنی تیرے کنبہ کے لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں ان کا خیال آتا ہے ورنہ اب تک تجھے سنگسار کر ڈالتے۔

۱۳۲۔ یعنی افسوس اور تعجب ہے کہ خاندان کی وجہ سے میری رعایت کرتے ہو، اس وجہ سے نہیں کرتے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور صاف و صریح نشانات اپنی سچائی کو دکھلا رہا ہوں۔ گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عزت اور اس کا دباؤ خداوند قدوس سے زیادہ ہے۔ خدا کی عظمت و جلال کو ایسا بھلا دیا کہ کبھی تمہیں تصور بھی نہیں آتا۔ جو قوم خدا تعالیٰ کو بھلا کر (معاذ اللہ) پس پشت ڈالدے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے تمامی افعال و اعمال خدا تعالی کے علم و قدرت کے احاطہ میں ہیں تم کوئی کام کرو اور کسی حالت میں ہو، ایک آن کے لئے بھی اس کے قابو سے باہر نہیں۔

۱۳۳۔ قوم کو عذاب کی خبر: یعنی اچھا تم اپنی ضد اور ہٹ پر جمے رہو، میں خدا کی توفیق سے راہ ہدایت پر ثابت قدم ہوں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کس کو خدا کا عذاب فضیحت کرتا ہے اور کون جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اور تم دونوں آسمانی فیصلہ کا انتظار کرتے ہیں۔

۱۳۴۔ قوم شعیب علیہ السلام پر اللہ کا عذاب: یہاں قوم شعیبؑ کا کڑک (فرشتہ کی چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور اعراف میں "رجفہ" کا لفظ آیا ہے۔ یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔ اور سورہ شعراء میں عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّۃِ (شعراء۔۱۸۹) آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے بادل سائبان کی طرح ان پر محیط ہو گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے عذاب اس قوم کے حق میں جمع کر دیے گئے تھے۔ پھر ہر سورت میں وہاں کے سیاق کے مناسب عذاب کا ذکر کیا گیا۔ اعراف میں تھا کہ ان لوگوں نے شعیبؑ سے کہا کہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔ وہاں بتلا دیا کہ جس زمین سے نکالنا چاہتے تھے، اسی کے زلزلہ سے ہلاک ہوئے یہاں ان کے سخت گستاخانہ مقالات کا ذکر تھا، اس لئے بالمقابل آسمانی "صیحہ" (کڑک) کا ذکر فرمایا۔ گویا عذاب الٰہی کی ایک کڑک میں ان کی سب آوازیں گم ہو گئیں، سورہ شعراء میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ (شعراء۔۱۸۷) یعنی اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے، اس کے مقابلہ میں عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّۃِ کا تذکرہ فرمایا"

۱۳۵۔ یعنی دونوں "صیحہ" سے ہلاک ہوئے۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ اور البتہ بھیج چکے ہیں ہم موسٰی کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر[۱۳۶]

اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ فَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَ مَاۤ اَمۡرُ فِرۡعَوۡنَ بِرَشِیۡدٍ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی[۱۳۷]

یَقۡدُمُ قَوۡمَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَاَوۡرَدَہُمُ النَّارَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے انکو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے[۱۳۸]

وَ اُتۡبِعُوۡا فِیۡ ہٰذِہٖ لَعۡنَۃً وَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ بِئۡسَ الرِّفۡدُ الۡمَرۡفُوۡدُ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برا انعام ہے جو ان کو ملا[۱۳۹]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ یہ تھوڑے سے حالات ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو بعض ان میں سے ابتک قائم ہیں اور بعض کی جڑ کٹ گئی [۱۴۰]

وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن ظلم کر گئے وہی اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے ان کے ٹھاکر (معبود) جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے کسی چیز میں جس وقت پہنچا حکم تیرے رب کا [۱۴۱] اور نہیں بڑھایا انکے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے [۱۴۲]

۱۳۶۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی نشانیاں اور معجزات: نشانیوں سے غالبًا معجزات اور وہ نو آیتیں مراد ہیں، جن کا ذکر وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ (بنی اسرائیل۔۱۰۱) میں ہوا ہے۔ ان میں سے معجزہ عصا جو نہایت ظاہر و قاہر معجزہ تھا شاید سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (واضح سند) فرمایا۔ یا سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے وہ روشن دلائل مراد ہوں جو حضرت موسٰیؑ نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کے وجود و توحید وغیرہ کے متعلق پیش کئے جن کا ذکر دوسرے مقامات میں آئے گا۔ اور ممکن ہے سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے اس کے لغوی معنی (یعنی کھلا ہوا غلبہ) مراد لئے گئے ہوں، کیونکہ فرعونیوں کے مقابلہ پر بار بار حضرت موسٰیؑ کو نمایاں غلبہ اور فتح مبین حاصل ہوتی رہی۔

۱۳۷۔ فرعون کی حالت: یعنی کھلے کھلے نشان دیکھ کر بھی فرعونیوں نے پیغمبر خدا کی بات نہ مانی، اسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے۔ حالانکہ اس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہ تھی، جسے مان کر انسان بھلائی حاصل کر سکتا۔

۱۳۸۔ جس طرح یہاں کفر و تکذیب میں ان کا امام تھا، قیامت کے دن بھی امام رہے گا۔ جو لوگ دنیا میں اس کی اندھی تقلید کر رہے تھے، وہ اس کے پیچھے پیچھے آخری منزل (جہنم) تک پہنچ جائیں گے، یہ ہی وہ گھاٹ جہاں ٹھنڈے پانی کی جگہ بھسم کر دینے والی آگ ملے گی۔

۱۳۹۔ یعنی رہتی دنیا تک لوگ فرعون اور فرعونیوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ پھر قیامت میں ملائکۃ اللہ اور اہل موقف کی طرف سے لعنت پڑے گی۔ غرض لعنت کا سلسلہ لگاتار ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔ گویا یہ انعام ہے جو ان کے کارناموں پر دیا گیا۔

۱۴۰۔ یعنی پچھلی قوموں کے قصے جو تم کو سنائے گئے کہ کس طرح انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب اور گستاخیاں کیں، پھر کس طرح تباہ ہوئے۔ ان میں سے بعض کی بستیاں ابھی آباد ہیں جیسے "مصر" جو فرعون کا مقام تھا اور بعض اجڑ گئیں۔ مگر ان کے کچھ کھنڈر باقی ہیں۔ جیسے قوم لوط کی بستیاں اور بعض کا نشان بھی صفحہ ہستی پر باقی نہ رہا۔

۱۴۱۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت کے اسباب: یعنی خدا نے کسی کو بے قصور نہیں پکڑا جو ظلم کا وہم ہو سکے، جب وہ جرائم کے ارتکاب میں حد سے نکل گئے اور اس طرح اپنے کو کھلم کھلا سزا کا مستحق ٹھہرا دیا تب خدا کا عذاب آیا۔ پھر دیکھ لو جن معبودوں (دیوتاؤں) کا انہیں بڑا سہارا تھا اور جن سے بڑی بڑی توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ بھی کام نہ آئے۔

۱۴۲۔ باطل معبود کام کیا آتے؟ الٹے ہلاکت کا سبب بنے۔ جب انہیں نفع وضرر کا مالک سمجھا، امیدیں قائم کیں، چڑھاوے چڑھائے۔ تعظیم اور ڈنڈوت کی، تو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ تکذیب انبیاء وغیرہ کا جو عذاب ہوتا، شرک وبت پرستی کا عذاب اس پر مزید رہا۔

وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ‌ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بیشک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی [۱۴۳]

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَةِ‌ ؕ ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ اس بات میں نشانی ہے اس کو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے [۱۴۴] وہ ایک دن ہے جس میں جمع ہوں گے سب لوگ اور وہ دن ہے سب کے پیش ہونے کا [۱۴۵]

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ؕ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کے لئے جو مقرر ہے [۱۴۶]

يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ‌ ۚ فَمِنۡهُمۡ شَقِىٌّ وَّسَعِيۡدٌ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ جس دن وہ آئے گا بات نہ کر سکے گا کوئی جاندار مگر اسکے حکم سے سو ان میں بعضے بدبخت ہیں اور بعضے نیک بخت [۱۴۷]

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ شَقُوۡا فَفِى النَّارِ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّشَهِيۡقٌ ۙ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ سو جو لوگ بدبخت ہیں وہ تو آگ میں ہیں انکو وہاں چیخنا ہے اور دہاڑنا

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ‌ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيۡدُ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ ہمیشہ رہیں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ سُعِدُوۡا فَفِى الۡجَـنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ‌ ؕ عَطَآءً غَيۡرَ مَجۡذُوۡذٍ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو جنت میں ہیں ہمیشہ رہیں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا [۱۴۸]

فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّمَّا يَعۡبُدُ هٰٓؤُلَاۤءِ ‌ؕ مَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ‌ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ غَيۡرَ مَنۡقُوۡصٍ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ سو تو نہ رہ دھوکے میں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہیں یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی جیسا کہ پوجتے تھے انکے باپ دادے اس سے پہلے اور ہم دینے والے ہیں انکو انکا حصہ یعنی عذاب سے بلا نقصان [۱۴۹]

ع

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِيۡهِ‌ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّهُمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ اور البتہ ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ پہلے فرما چکا تھا تیرا رب تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور ان کو اس میں شبہ ہے کہ مطمئن نہیں ہونے دیتا [۱۵۰]

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمۡ رَبُّكَ اَعۡمَالَهُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا (بھگتا دے گا) دے گا رب تیرا ان کو ان کے اعمال اس کو سب خبر ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں [۱۵۱]

۱۴۳۔ یعنی ظالموں کو بڑی حد تک مہلت دی جاتی ہے جب کسی طرح باز نہیں آتے تو پکڑ کر گلا دبا دیا جاتا ہے مجرم چاہے کہ تکلیف کم ہو، یا اس کی پکڑ سے چھوٹ کر بھاگ نکلے، ایں خیال است و محال است و جنوں۔

۱۴۴۔ **ان واقعات سے عبرت پکڑو:** "یعنی دنیا جو "دار عمل" ہے جب اس میں شرک و کفر اور تکذیب انبیاء پر سزائیں ملتی ہیں اور اس قدر سخت ملتی ہیں تو یہ ایک نشان اس بات کے معلوم کرنے کا ہے کہ آخرت میں جو خالص دار جزاء ہے کیا کچھ سزا ان جرائم پر ملے گی؟ اور کیا صورت رستگاری کی ہو گی۔ عقلمند آدمی کے لئے جو اپنے انجام کو سوچ کر ڈرتا رہتا ہے اس چیز میں بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

۱۴۵۔ **ان واقعات سے عبرت پکڑو:** یعنی تمام دنیا کا بیک وقت فیصلہ اسی دن ہو گا جب سارے اولین و آخرین اکٹھے کئے جائیں گے اور کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ گویا خدائی عدالت کی سب سے بڑی پیشی کا دن وہ ہی ہو گا۔

۱۴۶۔ یعنی اللہ کے علم میں جو میعاد مقرر ہے وہ پوری ہو جائے گی۔ تب وہ دن آئے گا، تاخیر سے یہ گمان مت کرو کہ یہ محض فرضی اور وہمی باتیں ہیں۔

۱۴۷۔ یعنی کوئی شخص ایسی بات جو مقبول و نافع ہو بدون حکم الٰہی کے نہ کر سکے گا اور محشر کے بعض مواقف میں تو مطلقاً ایک حرف بھی اذن و اجازت کے بدون منہ سے نہ نکال سکیں گے۔

۱۴۸۔ **ایک اشکال اور اس کا جواب:** ان آیات کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان و زمین دنیا میں باقی رہے اتنی مدت تک اشقیا دوزخ میں اور سعداء جنت میں رہیں گے۔ مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب وہ اسی کو معلوم ہے۔ کیونکہ ہم جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہ ہی خیال میں آتی ہے۔ اسی لئے مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وغیرہ الفاظ محاورات عرب

میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں۔ باقی دوام و ابدیت کا اصلی مدلول جسے لامحدود زمانہ کہنا چاہئے وہ حق تعالیٰ ہی کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے جس کو مَا شَآءَ رَبُّكَ سے ادا کیا۔ دوسرے معنی آیات کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کو کنایہ دوام سے مانا جائے۔ یا آسمان و زمین سے آخرت کا زمین و آسمان مراد لیا جائے۔ جیسے فرمایا یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراھیم۔۴۹) مطلب یہ ہوا کہ اشقیاء دوزخ اور سعداء جنت میں اس وقت تک رہیں گے جب تک آخرت کے زمین و آسمان باقی رہیں، یعنی ہمیشہ مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کر دے ہاں ہمیشہ نہ رہنے دے۔ کیونکہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے لیکن وہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب کبھی موقوف نہ ہو گا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ۔۱۶۷) اور يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا (مائدہ۔۳۷) اور لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (بقرہ۔۱۶۲) اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (نساء۔۴۸) اسی پر تمام اہل اسلام کا اجماع رہا ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد مفسرین نے جو کچھ اس کے خلاف چیزیں پیش کی ہیں وہ یا روایت ضعیفہ و موضوعہ ہیں یا اقوال غریبہ ماولہ۔ یا بعض آیات و احادیث ہیں جن کا مطلب کوتاہ نظری یا بد فہمی سے غلط سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر خدا کی توفیق سے مستقل تفسیر لکھنے کی نوبت آئی، اس میں مفصل کلام کیا جائے گا۔ اختصار کی وجہ سے یہاں گنجائش نہیں، رہا عصاۃ موحدین کا مسئلہ یعنی جو مسلمان گناہوں کی بدولت دوزخ میں ڈالے جائیں گے (العیاذ باللہ) ان کے متعلق احادیث صحیحہ نے ہم کو خدا کی مشیت پر مطلع کر دیا ہے کہ ایک دن ضرور ان کو نکال کر جنت میں پہنچائیں گے۔ جہاں سے کسی جنتی کو کبھی نکلنا نہیں۔ شاید اسی لحاظ سے جنتیوں کے ذکر میں عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ اور اشقیاء کے ذکر میں اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ارشاد ہوا۔ تا معلوم ہو جائے کہ بعض اشقیاء دوزخ سے نکالے جائیں گے مگر سعید کوئی جنت سے خارج نہ کیا جائے گا۔ (تنبیہ) اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ سے متنبہ فرما دیا کہ خدا کے ہمیشہ رہنے اور مخلوق کے ہمیشہ رہنے میں فرق ہے کسی مخلوق کا ہمیشہ رہنا۔ بہمہ وجوہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے فنا کر سکتا ہے۔ نیز یہ جتلا دیا کہ جزاء و سزاء دینا اس کے اختیار و مشیت کے تابع ہے "آریہ سماج" وغیرہ کے عقیدہ کے موافق وہ اس پر مجبور نہیں۔

۱۴۹۔ یعنی اتنی مخلوق کا شرک و بت پرستی کے راستہ پر پڑ لینا اور اب تک سزایاب نہ ہونا، کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دھوکہ کھا کر آدمی شبہ میں پڑ جائے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی کورانہ تقلید کر رہے ہیں وہ جھوٹے معبود ان کے کیا کام آئے، جو ان کے کام آئیں گے؟ یقیناً ان سب کو آخرت میں عذاب کا پورا حصہ ملے گا۔ جس میں کوئی کمی نہ ہو گی یا کبھی کم نہ کیا جائے گا۔ گویا لفظ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ، عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کے مقابل ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دنیا میں رزق وغیرہ کا جو حصہ مقدر ہے وہ پورا ملے گا۔ پھر شرک کی پوری سزا بھگتیں گے۔

۱۵۰۔ خیر و شر کے اختلاف کی حکمت: موسیٰؑ کو تورات دے کر بھیجا تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی، کسی نے قبول کیا کسی نے نہ کیا۔ جس طرح آج قرآن عظیم کے متعلق یہ ہی اختلاف ہو رہا ہے۔ بیشک خدا کو قدرت تھی کہ یہ اختلاف و تفریق پیدا نہ ہونے دیتا یا پیدا ہو چکنے بعد تمام مکذبین کا فوراً استیصال کر کے سارے جھگڑے ایک دم میں چکا دیتا۔ مگر اس کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہ ہوئی۔ ایک بات اس کے یہاں پہلے سے طے شدہ ہے کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے آیا خالق و مخلوق کا ٹھیک حق پہچان کر خدا کی رحمت و کرامت کو مستحق بنتا ہے یا کجروی اور غلط کاری سے فطرت صحیحہ کی رہنمائی کو خیر باد کہہ کر اپنے کو غضب و سخط کا مظہر ٹھہراتا ہے۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ہود۔۷) اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ نیکی یا بدی کے اختیار کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر و شر اور نیک و بد کی باہمی آویزش جاری رہے بعدہٗ مرحوم و مغضوب علیحدہ کئے جائیں۔ تا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کے ساتھ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ والی بات بھی پوری ہو۔ غالباً یہ ہی وہ کلمہ (لفظ) ہے جو اگر

نہ فرما چکا ہوتا تو سب اختلافات کا ایک دم خاتمہ کر دیا جاتا۔ عام لوگ ان حکمتوں کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی ان اختلافات کا فیصلہ ہو گا یا نہیں۔

۱۵۱۔ یعنی ابھی وقت نہیں آیا کہ ہر ایک کے عمل کا پورا بھگتان کیا جائے۔ لیکن جب وقت آئے گا تو یقیناً ذرہ ذرہ کا حساب کر دیا جائے گا تاخیر عذاب سے یہ نہ سمجھو کہ اسے تمہارے اعمال کی خبر نہیں۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۱۱۲

۱۱۲۔ سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو بیشک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو[۱۵۲]

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۱۱۳

۱۱۳۔ اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے[۱۵۳]

۱۵۲۔ اوامر پر استقامت کا حکم: آپ ان مشرکین کی جھنجھٹ میں نہ پڑیے۔ آپ کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے کفر وغیرہ سے توبہ کر کے آپ کی معیت اختیار کر لی اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، احکام الٰہیہ پر نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ ہمیشہ جمے رہنا چاہئے۔ عقائد اخلاق، عبادات، معاملات، دعوۃ و تبلیغ وغیرہ ہر چیز میں افراط و تفریط سے علیحدہ ہو کر توسط و استقامت کی راہ پر سیدھے چلے جاؤ۔ کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کی جانب اختیار کر کے حد سے نہ نکلو، اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ ہر آن تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

۱۵۳۔ پہلے لَا تَطْغَوْا میں حد سے نکلنے کو منع کیا تھا۔ اب بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں، ان کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو۔ ان کی موالات، مصاحبت، تعظیم و تکریم، مدح و ثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپٹ تم کو نہ لگ جائے۔ پھر نہ خدا کے سواء تم کو کوئی مددگار ملے گا اور نہ خدا کی طرف سے کچھ مدد پہنچے گی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۱۱۴ ج

۱۱۴۔ اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے[۱۵۴] البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو[۱۵۵]

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۱۵

۱۱۵۔ اور صبر کر البتہ اللہ ضائع نہیں کرتا ثواب نیکی کرنے والوں کا[۱۵۶]

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ
يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ
اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا
فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٦﴾

١١٦۔ سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے کہ جن کو ہم نے بچا لیا ان میں سے اور چلے وہ لوگ (اور پیچھے پڑے رہے ظالم اسی چیز کے جس میں ان کو عیش ملا) جو ظالم تھے وہی راہ جس میں عیش سے رہتے تھے اور تھے گنہگار [۱۵۷]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا
مُصْلِحُوْنَ ﴿١١٧﴾

١١٧۔ اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں [۱۵۸]

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا
يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ﴿١١٨﴾

١١٨۔ اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راستہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ
كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ
اَجْمَعِيْنَ ﴿١١٩﴾

١١٩۔ مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے [۱۵۹] اور اسی واسطے انکو پیدا کیا ہے اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی کہ البتہ بھر دوں گا دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے [۱۶۰]

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ
بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّ
ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾

١٢٠۔ اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق بات اور نصیحت اور یادداشت ایمان والوں کو [۱۶۱]

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ
اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ﴿١٢١﴾

١٢١۔ اور کہہ دے ان کو جو ایمان نہیں لاتے کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر ہم بھی کام کرتے ہیں

وَ انۡتَظِرُوۡا ۚ اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں[۱۶۲]

وَ لِلّٰهِ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اِلَيۡهِ يُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ كُلُّهٗ فَاعۡبُدۡهُ وَ تَوَكَّلۡ عَلَيۡهِ ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ ع ۱۰

۱۲۳۔ اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف رجوع ہے سب کام کا سو اسی کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ رکھ اور تیرا رب بیخبر نہیں جو کام تم کرتے ہو[۱۶۳]

۱۵۴۔ نمازوں کے اوقات: ظالموں کی طرف مت جھکو۔ بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف جھکو۔ یعنی صبح وشام اور رات کی تاریکی میں خشوع وخضوع سے نمازیں ادا کرو کہ یہ ہی بڑا ذریعہ خدا کی مدد حاصل کرنے کا ہے۔ (تنبیہ) دن کے دونوں طرف یعنی طلوع وغروب سے پہلے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ یا ایک طرف فجر اور دوسری طرف مغرب کو رکھا جائے۔ کہ وہ بھی بالکل غروب کے متصل ہوتی ہے۔ اور بعض سلف کے نزدیک اس میں فجر اور ظہر وعصر تینوں نمازیں داخل ہیں۔ گویا دن کے دو حصے کر کے پہلے حصہ میں فجر کو اور دوسرے حصہ میں جو نصف النہار سے شروع ہو کر غروب پر ختم ہوتا ہے، دونوں نمازوں (ظہر وعصر) کو شمار کر لیا۔ اور زُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ سے فقط "عشاء" یا "مغرب وعشاء" دونوں مراد ہیں ابن کثیر نے یہ احتمال بھی لکھا ہے کہ طَرَفَیِ النَّهَارِ سے فجر وعصر اور زُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ سے تہجد مراد ہو۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں یہ ہی تین نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ بعدہٗ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اور باقی دو کے ساتھ تین کا اضافہ کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۵۔ نماز کے فوائد: یعنی نمازوں کا قائم رکھنا، خدا کی یادگاری ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِىۡ (طٰہٰ۔ ۱۴) یا یہ مطلب ہے کہ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ کا ضابطہ یاد رکھنے والوں کے لئے یاد رکھنے کی چیز ہے۔ جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے مومن کو نیکیوں کی طرف خاص ترغیب ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو تین طرح، جو نیکیاں کرے اس کی برائیاں معاف ہوں، اور جو نیکیاں اختیار کرے اس سے خو برائیوں کی چھوٹے، اور جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو وہاں ہدایت آئے اور گمراہی مٹے، لیکن تینوں جگہ وزن غالب چاہئے۔ جتنا میل اتنا صابون"۔

۱۵۶۔ صبر اور صلوٰۃ کا تعلق: "قرآن کریم میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد و اعانت حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے۔ "صلوٰۃ" اور صبر وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرۃ۔ ۴۵) یہاں بھی "صلوٰۃ" کے بعد صبر کا حکم فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ مومن خدا کی عبادت و فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے اور کسی دکھ درد کی پروا نہ کرے، تب خدا کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے اس کے یہاں کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں ہوتا، بلکہ اندازہ سے زائد ملتا ہے۔

۱۵۷۔ مصلحین کی ضرورت اور اہمیت: یہ پچھلوں کا حال سنا کر امت محمدیہ کو ابھارا گیا ہے کہ ان میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرنے والے بکثرت موجود رہنے چاہئیں۔ گذشتہ قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ عام طور پر لوگ عیش و عشرت کے نشہ میں چور ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتے رہے اور بڑے بااثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر کا باقی تھا، انہوں نے منع کرنا چھوڑ دیا، اس طرح کفر وعصیان اور ظلم وطغیان سے دنیا کی جو حالت بگڑ رہی تھی۔ اس کا سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ چند گنتی کے آدمیوں نے "امر بالمعروف" کی کچھ آواز بلند کی مگر نقار خانہ میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے عذاب سے محفوظ رہے باقی سب قوم تباہ ہو گئی۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "نیک لوگ غالب

ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے "حدیث صحیح میں ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہ روکا جائے اور لوگ "امر بالمعروف" و "نہی عن المنکر" ترک کر بیٹھیں، تو قریب ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا عام عذاب بھیجے جو کسی کو نہ چھوڑے (العیاذ باللہ)۔

۱۵۸۔ یعنی جس بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں، نیکی کو رواج دیں، ظلم و فساد کو روکیں، تو خداوند قدوس کی یہ شان نہیں کہ خواہ مخواہ انہیں زبردستی پکڑ کر ہلاک کر دے۔ عذاب اسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر و عصیان یا ظلم و طغیان میں حد سے نکل جائیں۔

۱۵۹۔ یعنی جیسا کہ بارہا پہلے لکھا جا چکا ہے خدا تعالیٰ کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا اسی لئے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا۔ مگر فی الحقیقت اختلاف اور پھوٹ ڈالنے والے وہ لوگ جنہوں نے صاف و صریح فطرت کے خلاف حق کو جھٹلایا۔ اگر فطرت سلیمہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لئے اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ سے متنبہ فرما دیا کہ جن پر خدا نے ان کی حق پرستی کی بدولت رحم کیا وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۶۰۔ تخلیق عالم کی غرض و غایت: "یعنی دنیا کی آفرینش سے غرض یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی "صفات جمالیہ" و "قہریہ" کا ظہور ہو اس لئے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے تاکہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و غفران کا مظہر بنے۔ جو اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت و غداری سے اس کی صفت عدل و انتقام کا مظہر بن کر حبس دوام کی سزا بھگتے۔ جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ بہر حال آفرینش عالم کا تشریعی مقصد عبادت ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ (الذاریات۔۵۶) اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریعی مقصد کو اپنے کسب و اختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف و قہر کے مورد مظہر بن سکیں درکارخانہ عشق از کفر ناگزیر است۔ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد۔ پھر لطف و کرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد و عمل کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔ گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق دمن۔ اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے۔

۱۶۱۔ قصص قرآن کی حکمت اور فوائد: اوپر بہت سے انبیاء و رسل کے قصص مذکور ہوئے تھے، اب ختم سورت پر ذکر قصص کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ یعنی گذشتہ اقوام و رسل کے واقعات سن کر پیغمبرؑ کا قلب بیش از بیش ساکن و مطمئن ہوتا ہے۔ اور امت کو تحقیقی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن میں نصیحت و تذکیر کا بڑا سامان ہے۔ آدمی جب سنتا ہے کہ میرے ابنائے نوح پہلے فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہو چکے ہیں تو ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے سے پچھلوں کو نجات ملی تو طبعًا اس کی طرف دوڑتا ہے فی الحقیقت قرآن کریم میں قصص کا حصہ اس قدر موثر و مذکر واقع ہوا ہے کہ کوئی شخص جس میں تھوڑا سا آدمیت کا جز ہو اور خوف خدا کی ذرا سی ٹیس دل میں رکھتا ہو انہیں سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باقی قصص یا بعض دوسرے مضامین کی تکرار جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہے اس پر ہم نے رسالہ "القاسم" کے ابتدائی دور میں ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۶۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توکل کا حکم: اس مضمون کی آیات پہلے اسی سورت میں گذر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میری بات نہیں مانتے تو بہتر ہے تم اپنی ضد پر جمے رہو، میں اپنے مقام پر مستقیم ہوں۔ نیز تم میرے لئے حوادث دہر کا انتظار کرتے رہو، میں تمہارے انجام بد کا منتظر ہوں۔ چند روز میں پتہ چل جائے گا کہ ظالموں کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ (توبہ۔۹۸)۔

۱۶۳۔ یعنی آپ ان کے کفر و شرارت سے دلگیر نہ ہوں اپنا کام کئے جائیں اور ان کا فیصلہ خدا کے حوالہ کریں، اس سے آسمان و زمین کی کوئی بات چھپی نہیں، سب معاملات ہر پھر کر اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہاں ان کو پتہ لگ جائے گا کہ وہ کس خبط میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ تو دل

وجان سے اپنے پروردگار کی بندگی اور فرمانبرداری میں لگے رہئے۔ اور تنہا اسی کی اعانت پر بھروسہ رکھئے۔ وہ تمہارے مخلصانہ اعمال سے بے خبر نہیں ان کے مناسب تم سے معاملہ کرے گا۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یارسول اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد آگئے؟ فرمایا شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَاَخَوَاتُھَا سورہ ہود اور اس کی بہنوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورہ ہود کی جس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا یہ تھی۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (ہود۔ ۱۲) رزقنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ الاستقامۃ علی دینہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تم سورۃ ہود بفضلہ ومنہ۔

اٰیاتها ١١١ | ١٢ سُوۡرَةُ يُوۡسُفَ مَكِّيَّةٌ ٥٣ | رکوعاتها ١٢

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۟ ﴿١﴾

١۔ یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی[١]

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿٢﴾

٢۔ ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تا کہ تم سمجھ لو[٢]

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ
اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ
الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿٣﴾

٣۔ ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بیخبروں میں[٣]

اِذۡ قَالَ يُوۡسُفُ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡ رَاَيۡتُ اَحَدَ عَشَرَ
كَوۡكَبًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ رَاَيۡتُهُمۡ لِىۡ سٰجِدِيۡنَ ﴿٤﴾

٤۔ جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے انکو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے[٤]

قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡيَاكَ عَلٰٓى اِخۡوَتِكَ
فَيَكِيۡدُوۡا لَكَ كَيۡدًا ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ
عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿٥﴾

٥۔ کہا اے بیٹے مت بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھر وہ بنائیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن[٥]

وَكَذٰلِكَ يَجۡتَبِيۡكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ
الۡاَحَادِيۡثِ وَيُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَعَلٰٓى اٰلِ
يَعۡقُوۡبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ

٦۔ اور اسی طرح برگزیدہ کرے گا تجھ کو تیرا رب[٦] اور سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا[٧] اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر[٨] جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحٰق پر[٩] البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا[١٠]

اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝۶ ع ۱ / ۱۱

۱۔ جس کا من عند اللہ ہونا بالکل واضح ہے اور جن احکام و شرائع یا مواعظ و نصائح پر وہ مشتمل ہے نہایت روشن اور صاف ہیں۔

۲۔ عربی میں قرآن کے نزول کی حکمت: یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پر شوکت زبان ہے، نزول قرآن کے لئے منتخب کی گئی۔ جب خود پیغمبر عربی ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کے اولین مخاطب عرب ہوں گے۔ پھر عرب کے ذریعہ سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔ اسی کی طرف لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری زبان میں اتارنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جو پیغمبرؑ کی قوم ہو اول اس کے علوم و معارف کا مزہ چکھو پھر دوسروں کو چکھاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ اُنۡزِلَ اَشۡرَفُ الۡكُتُبِ بِاَشۡرَفِ اللُّغَاتِ عَلٰى اَشۡرَفِ الرُّسُلِ بِسِفَارَةِ اَشۡرَفِ الۡمَلَائِكَةِ وَكَانَ ذٰلِكَ فِىۡ اَشۡرَفِ بَقَاعِ الۡاَرۡضِ وَابۡتِدَاءُ اِنۡزَالِهٖ فِىۡ اَشۡرَفِ شُهُوۡرِ السَّنَةِ وَهُوَ رَمَضَانُ۔ فَكَمُلَ مِنۡ كُلِّ الۡوُجُوۡهِ۔

۳۔ احسن القصص کی وجہ نزول: "یعنی اس وحی کے ذریعہ سے جو قرآن کی صورت میں تم پر نازل ہوتی ہے۔ ہم ایک نہایت اچھا بیان نہایت حسین طرز میں تم کو سناتے ہیں۔ جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بے خبر تھے۔ گو یہ واقع کتب تاریخ اور بائیبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا۔ قرآن کریم نے اس کے ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور بلیغ و موثر انداز میں بیان فرمایا جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطلع کیا بلکہ موقع بہ موقع نہات ہی اعلیٰ نتائج کی طرف رہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم و ہدایات کے ابواب مفتوح کر دئے۔ یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت دنیوی و اخری کامیابی کی کلید ہے، حسد و عداوت کا انجام خذلان و نقصان کے سوا کچھ نہیں، عقل انسانی بڑا شریف جوہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنالیتا ہے۔ اخلاقی شرافت اور پاکدامنی انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بے شمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنبہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے اس سورت کی شان نزول میں کئ روایتیں نقل کی ہیں۔ سب کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحاناً یہ سوال کیا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد تو شام میں رہتی تھی، پھر "بنی اسرائیل" مصر میں کیسے پہنچ گئے جو موسیٰؑ کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصائر و بر سے معلوم ہو سننے کا اشتیاق ہوا ہو گا۔ ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا، وہ کئی طرح نبی کریم ﷺ اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت ﷺ کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ تا پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوبؑ) اور ان کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسفؑ کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں ان کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰؑ نے آکر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انہیں نجات دلائی۔

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب: یعنی گیارہ ستارے اور چاند سورج میرے آگے جھک رہے اور پست ہو رہے ہیں۔ یہ خواب لڑکپن میں دیکھا تھا۔ سچ ہے "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات"

۵۔ یعنی شیطان ہر وقت انسان کی گھات میں لگا ہے۔ وسوسہ اندازی کر کے بھائیوں کو تیرے خلاف اکسا دے گا۔ کیونکہ خواب کی تعبیر بہت

ظاہر تھی، اور یوسفؑ کے بھائیوں کو جو بہر حال خاندان نبوت میں سے تھے، ایسے واضح خواب کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہ تھے کہ گیارہ ستارے گیارہ بھائی ہیں اور چاند سورج ماں باپ ہیں گویا یہ سب کسی وقت یوسفؑ کی عظمت شان کے سامنے سر جھکائیں گے۔

برادران یوسفؑ: چنانچہ آخر سورت میں یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ٘ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا (یوسف۔۱۰۰) کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ خواب سے پیشتر ہی یہ محسوس کرتے تھے کہ یوسفؑ کے ساتھ باپ کی خصوصی محبت کو دیکھ کر اس کے علاتی بھائی دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے خیال کیا کہ اگر کہیں یہ خواب سن پائے تو شیطان حسد کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا دے گا اور جوش حسد میں آنکھیں بند کر کے ممکن ہے وہ کوئی ایسی حرکت کر گذریں جو یوسفؑ کی اذیت اور خود ان کی رسوائی اور بدانجامی کو موجب ہو۔ اس لئے آپ نے یوسفؑ کو منع فرمادیا کہ اپنا خواب بھائیوں کے روبرو ظاہر نہ کریں۔ یوسفؑ کا ایک حقیقی بھائی "بنیامین" تھا۔ اس کے سامنے ذکر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، گو اس سے برائی کا کچھ اندیشہ نہ تھا، لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ سن کر بے احتیاطی سے دوسروں کے سامنے تذکرہ کر دے۔ اور اس طرح یہ خبر لوگوں میں شائع ہو جائے (تنبیہ) حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے کہ قرآن لغت ، اور عقلی اعتبارات میں سے کوئی چیز اس خیال کی تائید نہیں کرتی کہ برادران یوسفؑ انبیاء تھے، نہ رسول کریم ﷺ نے اس کی خبر دی نہ صحابہؓ میں کوئی اس کا قائل تھا بھلا عقوق والدین، قطع رحم، مسلمان بھائی کے قتل پر اقدام کرنا، اس کو غلام بنا کر بیچ ڈالنا اور بلاد کفر کی طرف بھیج دینا، پھر صریح جھوٹ اور حیلے بنانا، وغیرہ ایسی حرکات شنیعہ کیا کسی نبی کی طرف (خواہ قبل از بعثت ہی سہی) منسوب کی جاسکتی ہیں (العیاذ باللہ) جن لوگوں نے برادران یوسفؑ کی نبوت کا خیال ظاہر کیا ہے، ان کے پاس لفظ "اسباط" کے سوا کوئی دلیل نہیں۔ حالانکہ "اسباط" خاص صلبی اولاد کو نہیں بلکہ اقوام وامم کو کہتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کی اسباط پر تقسیم حضرت موسیٰؑ کے عہد میں ہوئی۔

۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کی پیشگوئی: یعنی جس طرح ایسا اچھا خواب دکھلایا، اسی طرح محض جاذبہ رحمت سے اپنی بارگاہ قرب میں تجھ کو خصوصی مقام عطاء فرمائے گا۔ چنانچہ نبوت عطاء فرمائی اور طرح طرح کی ظاہری وباطنی نوازشیں کیں۔

۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا علم: مثلاً تعبیر رؤیا، یعنی خواب سن کر اس کے اجزا کو ذہانت وفراست سے ٹھکانے لگا دینا۔ یا ہر بات کے موقع ومحل کو سمجھنا، اور معاملات کے عواقب ونتائج کو فوراً پرکھ لینا۔ یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات اقوام وامم کے قصص اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہ تک پہنچ جانا۔ یہ سب چیزیں "تاویل الاحادیث کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں۔

۸۔ یعنی اخروی نعمتوں کے ساتھ دنیوی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ نبوت کے ساتھ! بادشاہت میں حصہ دے گا اور شدائد ومحن سے نجات دے کر خوشحالی وفراغ بالی کی زندگی نصیب کرے گا۔

۹۔ یعقوبؑ کے گھرانے کو دنیوی مکروہات اور مادی تکلیفوں سے رہائی دے گا اور آئندہ ان کی نسل سے بڑے بڑے پیغمبر اور بادشاہ پیدا کرے گا۔ حضرت یعقوبؑ نے تواضعًا اپنا نام نہیں لیا۔ اپنے والد حضرت اسحاقؑ اور ان کے والد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ کو خدا نے اپنا خلیل اولوالعزم نبی بنایا، ان کے دشمن نمرود کا ہلاک کیا، آگ کے شعلوں کو ان کے لئے گلزار بنادیا، حضرت اسحاقؑ کو نبوت عطا کی، پھر ان کے سلب سے حضرت یعقوبؑ جیسا نبی پیدا کیا۔ جس سے تمام انبیائے بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا۔ حدیث صحیح میں ہے۔ "الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراھیم" (تنبیہ ۹ حضرت یعقوبؑ نے جو پیشگوئی کی اس کا کچھ حصہ تو غالبًا حضرت یوسفؑ کے خواب سے سمجھے اور اس سے کہ اتنی چھوٹی عمر میں ایسا موزوں ومبارک خواب دیکھا۔ اور کچھ حضرت یوسفؑ کے خصائل وشمائل سے یا وحی الٰہی کے ذریعہ سے مطلع ہوئے ہوں گے۔

۱۰۔ یعنی وہ ہر ایک کی مناسبت واستعداد سے باخبر ہے اپنی حکمت سے اسی کے مناسب فیض پہنچاتا ہے۔

لَقَدۡ كَانَ فِىۡ يُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيۡنَ ﴿٧﴾

٧۔ البتہ ہیں یوسف کے قصہ میں اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کے لئے[١١]

اِذۡ قَالُوۡا لَيُوۡسُفُ وَ اَخُوۡهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيۡنَا مِنَّا وَ
نَحۡنُ عُصۡبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنِ ۚۖ ﴿٨﴾

٨۔ جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ان سے قوت والے لوگ ہیں البتہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے[١٢]

اۨقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡهُ اَرۡضًا يَّخۡلُ لَـكُمۡ وَجۡهُ
اَبِيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ قَوۡمًا صٰلِحِيۡنَ ﴿٩﴾

٩۔ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی[١٣] اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ[١٤]

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡهُ فِىۡ
غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ
كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿١٠﴾

١٠۔ بولا ایک بولنے والا ان میں مت مار ڈالو یوسف کو اور ڈال دو اس کو گمنام کنوئیں میں کہ اٹھا لے جائے اس کو کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے[١٥]

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَ اِنَّا
لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿١١﴾

١١۔ بولے اے باپ کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اسکے خیر اخواہ ہیں[١٦]

اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَ يَلۡعَبۡ وَ اِنَّا لَهٗ
لَحٰـفِظُوۡنَ ﴿١٢﴾

١٢۔ بھیج اسکو ہمارے ساتھ کل کو خوب کھائے اور کھیلے اور ہم تو اسکے نگہبان ہیں[١٧]

قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنۡ
يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿١٣﴾

١٣۔ بولا مجھ کو غم ہوتا ہے اس سے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھا جائے اسکو بھیڑیا اور تم اس سے بیخبر رہو[١٨]

قَالُوۡا لَـئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا
لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿١٤﴾

١٤۔ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں وقت ور تو تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا[١٩]

فَلَمَّا ذَهَبُوۡا بِهٖ وَ اَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ يَّجۡعَلُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ
الۡجُبِّ ۚ وَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ لَـتُنَـبِّـئَـنَّـهُمۡ بِاَمۡرِهِمۡ
هٰذَا وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ پھر جب لیکر چلے اس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اسکو گمنام کنویں میں اور ہم نے اشارہ کر دیا اسکو کہ تو جتائے گا انکو ان کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے[۲۰]

وَجَآءُوۡۤ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ ؕ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے[۲۱]

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ
عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ
لَّـنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس پھر اس کو کھا گیا بھیڑیا[۲۲] اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم سچے ہوں[۲۳]

وَ جَآءُوۡ عَلٰى قَمِيۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلۡ
سَوَّلَتۡ لَـكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ ؕ وَاللّٰهُ
الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ[۲۴] بولا یہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو[۲۵]

وَجَآءَتۡ سَيَّارَةٌ فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَهُمۡ فَاَدۡلٰى دَلۡوَهٗ ؕ
قَالَ يٰبُشۡرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوۡهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا اس نے لٹکایا اپنا ڈول کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا[۲۶] اور چھپا لیا اس کو تجارت کا مال سمجھ کر[۲۷] اور اللہ خوب جانتا ہی جو کچھ وہ کرتے ہیں[۲۸]

وَشَرَوۡهُ بِثَمَنٍۢ بَخۡسٍ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ ۚ وَكَانُوۡا
فِيۡهِ مِنَ الزّٰهِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۲

۲۰۔ اور بیچ آئے اسکو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں[۲۹] اور ہو رہے تھے اس سے بیزار[۳۰]

۱۱۔ قصہ یوسف علیہ السلام میں نشانیاں ہیں: "یعنی جو لوگ اس طرح کے واقعات دریافت کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں ان کے لئے یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کی سرگذشت میں ہدیات وعبرت کی بہت سے نشانیاں موجود ہیں۔ اس قسہ کو سن کو قلوب میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت کا نقش جم جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صداقت کا بین ثبوت ملتا ہے کہ آپ باوجود امّی ہونے اور کسی کتاب یا معلم سے استفادہ نہ کرنے کے ایسے منقح ومنضبط تاریخی حقائق کا انکشاف فرمارہے ہیں جن کے بیان کی بجز اعلام ربانی کے کوئی توجیہہ نہیں ہوسکتی۔ خصوصًا قریش مکہ کے لئے (جو یہود کے اکسانے سے اس قصہ کے متعلق حضور ﷺ سے سوال کر رہے تھے) اس واقع میں بڑا عبرت آمقز سبق ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے گھر سے نکالا، زاراہ حسد قتل یا جلاسطن کرنے کے مشورے کئے۔ طرح طرح سے ایذا ئیں پہنچائیں۔ اہانت و استخفاف میں کوئی دقیقہ اتھانہ رکھا آکر ایک دن آیا کہ یوسفؑ کی طرح نادم ومحتاج ہوکر آئے۔ یوسفؑ کو خدا نے دین ودنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور انہوں نے اپنے عروج واقتدار کے وقت بھائیوں کے جرائم سے چشم پوشی کی اور نہایت دریادلی سے سب کے قصور معاف کردیے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی برادری نے آپ کے متعلق ناپاک منصوبے باندھے۔ دکھ پہنچائے، عزت وآبرو پر حملے کئے، حتّٰی کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن جلد وہ دن آنے والا تھا جب وطن سے علیحدہ ہو کر آپ کی کامیابی اور رفعت شان کا آفتاب چمکا، اور چند سال کے بعد فتح مکہ کا وہ تاریخی دن آپہنچا جبکہ آپ نے اپنے قومی اور وطنی بھائیوں کی گذشتہ تقصیرات پر بعینہ حضرت یوسفؑ والے کلمات "لاتثریب علیکم الیوم" فرماکر قلم عفو کھینچ دیا۔

۱۲۔ برادران یوسف علیہ السلام کا حسد: حضرت یعقوبؑ یوسفؑ اور ان کے عینی بھائی بنیامین سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں اپنے علاتی بھائیوں سے چھوٹے تھے، والدہ کا انتقال ہوچکا تھا اور خاص حضرت یوسفؑ کی نسبت اپنے نور فراست یا الہام ربانی سے سمجھ چکے تھے کہ ان کا مستقبل نہایت درخشاں ہے اور نبوت کا خداندانی سلسلہ ان کی ذات سے وابستہ ہونے والا ہے۔ خود یوسفؑ کا حس صورت وسیرت اور کمال ظاہری وباطنی پدر بزرگوار کی محبت خصوصی کو اپنی طرف جذب کرتا تھا۔ دوسرے بھائیوں کو یہ چیز ناگوار تھی۔ وہ کہتے تھے کہ وقت پر کام آنے والے تو ہم ہیں۔ ہمارا ایک طاقتور جتھا ہے جو باپ کی ضعیفی میں کام آسکتا ہے ان چھوٹے لڑکوں سے کیا امید وہ سکتی ہے؟ ان ہی خیالات کے ماتحت اپنے والد بزرگوار کی نسبت کہتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں سخت غلطی اور صریح خطاء پر ہیں۔ اپنے نفع ونقصان کا صحیح موازنہ نہیں کرتے۔

۱۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ: یعنی رشک وحسد کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ آخر آپس میں مشورہ کیا کہ یوسفؑ کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ والد بزرگوار کی خصوصی محبت وتوجہ کو ہم اپنی طرف کھینچ سکیں، اس لئے یوسفؑ کا قصہ ہی یہاں سے ختم کردینا چاہئے خواہ قتل کردو یا کسی دور دراز ملک کی طرف پھینک دو جہاں سے واپس نہ آسکے۔ جب وہ نہ رہیں گے تو باپ کی ساری توجہات اور مہربانیوں کے ہم ہی تنہا حقدار رہ جائیں گے۔ بنیامین کے معاملہ کو غالبًا ان کے یہاں کوئی اہمیت نہیں تھی، گویا اس کی محبت کو یوسفؑ کی محبت کا ضمیمہ سمجھتے تھے۔

۱۴۔ یعنی ایک مرتبہ قتل وغیرہ کا گناہ کرنا پڑے گا۔ اس سے فارغ ہوکر توبہ کرلیں گے اور خوب نیک بن جائیں گے گویا، رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ بعض مفسرین نے وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ کے معنی یہ لئے ہیں کہ یوسفؑ کے بعد ہمارے سب کام ٹھیک اور درست ہوجائیں گے کیونکہ پدر بزرگوار کا دست شفقت یوسفؑ سے مایوس ہوکر صرف ہمارے ہی سروں پر رہا کرے گا۔

۱۵۔ یہودا کی تجویز: یہ کہنے والا یہودا تھا۔ یعنی قتل کرنا بہت سخت بات ہے اور ہمارا مقصد بدون اس کے بھی حاصل ہوسکتا ہے اگر تم یوسفؑ کو یہاں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ اس کو بستی سے دور کسی گمنام کنویں میں ڈال دو۔ ابوحیان نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ "غیابت الجب" اس طاقچہ وغیرہ کو کہتے ہیں جو کنویں (باولی) میں پانی سے ذرا اوپر بنا ہوا ہو۔ غرض یہ تھی کہ ہم خواہی نخواہی عمدًا ہلاک کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔ ایسے کنویں میں ڈال دینے کے بعد ممکن ہے کوئی مسافر ادھر سے گذرے اور خبر پاکر کنویں سے نکال لے

جائے۔ اس صورت میں ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اور خون ناحق میں ہاتھ رنگین نہ کرنے پڑیں گے گویا سانپ مر جائے گا اور لاٹھی نہ ٹوٹے گی۔

۱۶۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی باپ سے اس قسم کی درخواست کر چکے تھے مگر ان کا دل انکے ساتھ بھیجنے پر مطمئن نہیں ہوا۔

۱۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی درخواست: یعنی ایسے خوبصورت بچے کے قویٰ گھر میں خالی پڑے رہنے سے بیکار ہوئے جاتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ہمارے ساتھ اس کو بکریاں چرانے کے لئے جنگل بھیج دیجئے۔ وہاں جنگل کے پھل میوے خوب کھائے گا اور کھیل کود سے جسمانی ورزش بھی ہو جائے گی۔ کہتے ہیں ان کا کھیل بھاگ دوڑ اور تیر اندازی تھی۔ اور ویسے بھی بچوں کے لئے مناسب حد تک کھیلنا جیسا کہ ابوحیان نے کہا ہے نشاط و شگفتگی کا موجب ہے۔ غرض یعقوبؑ سے یوسفؑ کو ساتھ لے جانے کی پر زور درخواست کی اور نہایت موکد طریقہ سے اطمینان دلایا کہ ہم برابر اس کی حفاظت کریں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ خود یوسفؑ کو بھی جداگانہ طور پر ساتھ چلنے اور باپ سے اجازت لینے کی ترغیب دی۔

۱۸۔ یعنی یوسفؑ کی جدائی اور تمہارے ساتھ جانے کا تصور ہی مجھے غمگین بنائے دیتا ہے اس پر یہ خوف مزید رہا کہ بچہ ہے۔ تمہاری بے خبری اور غفلت میں بھیڑیا وغیرہ کوئی درندہ نہ پھاڑ کھائے۔ لکھا ہے کہ اس جنگل میں بھیڑیے کثرت سے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ان کو آگے چل کر بھیڑیے کا بہانہ کرنا تھا وہ ہی ان کے دل میں خوف آیا"۔ بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَهُ الذِّئۡبُ فرمانا حضرت یعقوبؑ جیسے پیغمبر کے درجہ توکل و تفویض سے ذرا نازل بات تھی۔ اس کا جواب یہ ملا کہ لڑکوں نے گویا ان کے منہ میں سے بات پکڑ لی۔ جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ ہی واقعہ بنا کر لے آئے۔

۱۹۔ یعنی اگر ہماری جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم بالکل ہی گئے گذرے ہوئے اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہو گا کہ دس گیارہ تنومند بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے سے ایک کمزور بچہ بھیڑیے کے منہ میں پہنچ جائے۔ ایسا ہو تو کہنا چاہئے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔

۲۰۔ مفسرین نے بہت سے درمیانی قصے نہایت درد انگیز اور رقت خیز پیرایہ میں نقل کئے ہیں جنہیں سن کر پتھر کا کلیجہ موم ہو جائے۔ خدا جانے وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ قرآن کریم اپنے خاص نصب العین کے اعتبار سے اس قسم کی تفاصیل کو زیادہ درخور اعتناء اور لائق ذکر نہیں سمجھتا کیونکہ ان اجزاء سے کوئی مہم مقصد متعلق نہیں ہے۔ قرآن کریم اپنے سامعین کے دلوں میں وہ رقت پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا منشاء خاص ایمان و عرفان ہو۔ عام رقت جو ہر کافر و مومن بلکہ حیوانات تک میں طبعًا مشترک ہے اس پر عام خطباء کی طرح زور ڈالنا قرآن کی عادت نہیں۔ یہاں بھی اس نے درمیانی واقعات حذف کر کے آخری بات بتلا دی کہ برادران یوسفؑ یوسفؑ کو بلطائف الحیل باپ کے پاس سے لے گئے اور ٹھہری ہوئی قرار داد کے موافق کنوئیں میں ڈالنے کا تہیہ کر لیا۔ اس وقت ہم نے یوسفؑ کو اشارہ کیا جس کی دوسروں کو مطلق خبر نہیں ہوئی کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آیا چاہتا ہے کہ یہ سب کارروائیاں تم ان کو یاد دلاؤ گے اور اس وقت تم ایسے بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ پر ہو گے کہ یہ تم کو پہچان نہ سکیں گے یا طول عہد کی وجہ سے تم کو شناخت نہ کر سکیں گے۔ یہ خدائی اشارہ خواب میں ہوا یا بیداری میں، بطریق الہام ہوا یا فرشتہ کے ذریعہ سے، اس کی تفصیل قرآن میں نہیں۔ البتہ ظاہر الفاظ کو دیکھ کر کہا گیا ہے کہ وحی کا آنا چالیس برس کی عمر پر موقوف نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت یوسفؑ اس وقت بہت کم عمر تھے۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے بھائیوں کا گریہ: یا تو گھر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا یا جان بوجھ کر اندھیرے سے آئے کہ دن کے اجالے میں باپ کو منہ دکھانا زیادہ مشکل تھا اور رات کی سیاہ چادر بے حیائی، سنگدلی اور جھوٹی آہ و بکا کی کسی حد تک پردہ داری کر سکتی تھی۔ اعمش

نے خوب فرمایا کہ برادران یوسفؑ کا گریہ وبکا سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشم اشکبار سے سچا نہیں سمجھ سکتے۔

۲۲۔ بھائیوں کی جھوٹی کہانی: یعنی ہم نے حفاظت میں کچھ کوتاہی نہیں کی ہمارے کپڑے لتے وغیرہ قابل حفاظت چیزیں جہاں رکھی تھیں وہیں یوسفؑ کو بٹھلایا اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو بھاگ دوڑ شروع کی۔ بس ذرا آنکھ سے اوجھل ہونا تھا کہ بھیڑیے نے یوسفؑ کو آدبوچا۔ اس موقع پر اتنی ذراسی دیر میں احتمال بھی نہ تھا کہ بھیڑیا پہنچ کر فوراً یوسفؑ کو شکار کرلے گا۔

۲۳۔ یعنی یوسفؑ کے معاملہ میں پہلے ہی سے آپ کو ہماری طرف بدگمانی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ہم بالکل سچے بھی ہوں تب بھی اس معاملہ خاص میں کسی طرح ہماری بات کا یقین نہیں کرسکتے۔

۲۴۔ ایک بکری یا ہرن وغیرہ ذبح کر کے اس کا خون یوسفؑ کی قمیض پر چھڑک لائے تھے وہ جھوٹا خون پیش کر کے باپ کو یقین دلانے لگے کہ بھیڑیے کے زخمی کرنے سے یہ کرتہ خون آلود ہو گیا۔

۲۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود کرتہ: "بھلا جس کو شام میں بیٹھ کر مصر سے یوسفؑ کے کرتہ کی خوشبو آتی تھی وہ بکری کے خون پر یوسفؑ کے خون کا گمان کب کرسکتا تھا۔ انہوں نے سنتے ہی جھٹلا دیا۔ اور جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے کہنے لگے کہ وہ بھیڑیا واقع بڑا حلیم ومتین ہو گا جو یوسفؑ کو لے گیا اور خون آلود کرتہ کو نہایت احتیاط سے صحیح وسالم اتار کر رکھ گیا۔ سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"۔ خون کے چھینٹے تو دیے مگر یہ خیال نہ رہا کہ قمیض کو بے ترتیبی سے نوچ کر اور پھاڑ کر پیش کرتے۔ حضرت یعقوبؑ نے صاف طور پر فرمادیا کہ یہ سب تمہاری سازش اور اپنے دلوں سے تراشی ہوئی باتیں ہیں۔ بہر حال میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں جس میں نہ کسی غیر کے سامنے شکوہ ہو گا نہ تم سے انتقام کی کوشش۔ صرف اپنے خدا سے دعاء کرتا ہوں کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے اور اپنی اعانت غیبی سے جو باتیں تم ظاہر کر رہے ہو، ان کی حقیقت اس طرح آشکارا کر دے کہ سلامتی کے ساتھ یوسفؑ سے دوبارہ ملنا نصیب ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یعقوبؑ کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ جس امتحان میں وہ مبتلا کئے گئے ہیں وہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت معین کے بعد اس مصیبت سے نجات ملے گی۔ فی الحال ڈھونڈھنے یا انتقامی تدابیر اختیار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یوسفؑ ابھی ملیں گے نہیں۔ ہاں دوسرے بیٹے ساری دنیا میں رسوا ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ طیش میں آکر خود یعقوبؑ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کریں۔ کذا قال الامام الرازی فی الکبیر۔ واللہ اعلم۔

۲۶۔ کنویں میں حضرت یوسف علیہ السلام کے تین دن: کہتے ہیں تین روز تک یوسفؑ کنویں میں رہے۔ قدرت الٰہی نے حفاظت کی۔ ایک بھائی یہودا کے دل میں ڈال دیا کہ وہ ہر روز کنویں میں کھانا پہنچا آتا تھا۔ ویسے بھی سب بھائی خبر رکھتے تھے کہ مریں نہیں۔ کسی دوسرے ملک کا مسافر نکال لے جائے تو ہمارے درمیان میں سے یہ کانٹا نکل جائے۔ سچ ہے گل است سعدی و در چشم دشمناں خاراست۔ آخر مدین سے مصر کو جانے والا ایک قافلہ ادھر سے گذرا، انہوں نے کنواں دیکھ کر اپنا آدمی پانی بھرنے کو بھیجا، اس نے ڈول پھانسا تو حضرت یوسفؑ چھوٹے تو تھے ہی ڈول میں ہو بیٹھے اور رسی ہاتھ سے پکڑلی کھینچنے والے نے ان کا حسن وجمال دیکھ کر بے ساختہ خوشی سے پکارا کہ یہ تو عجیب لڑکا ہے بڑی قیمت کو بکے گا۔

۲۷۔ یعنی کھینچنے والے نے اس واقعہ کو دوسرے ہمراہیوں سے چھپانا چاہا کہ اوروں کو خبر ہو گی تو سب شریک ہو جائیں گے۔ شاید یہ ظاہر کیا کہ یہ غلام اس کے مالکوں نے مجھ کو دیا ہے تا مصر کے بازار میں فروخت کروں۔

۲۸۔ یعنی بھائی بے وطن کرنا چاہتے تھے اور قافلہ والے بیچ کر دام وصول کرنے کا ارادہ کر رہے تھے اور خدا تعالیٰ خزائن مصر کا ملک بنانا چاہتا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو ان کارروائیوں کو ایک سیکنڈ میں روک دیتا، لیکن اس کی مصلحت تاخیر میں تھی، اس لئے سب چیزوں کو جانتے اور دیکھتے ہوئے انہیں ڈھیل دی گئی۔

۲۹۔ بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا: بھائیوں کو خبر ہوئی کہ قافلہ والے نکال لے گئے۔ وہاں پہنچے اور ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام

بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لئے ہم رکھنا نہیں چاہتے، تم خرید و تو خرید سکتے ہو۔ مگر بہت سخت نگرانی رکھنا کہیں بھاگ نہ جائے۔ کہتے ہیں اٹھارہ درہم یا کم و بیش میں بیچ ڈالا، اور نو بھائیوں نے دو دو درہم (تقریباً آٹھ آٹھ آنے) بانٹ لئے۔ ایک بھائی یہودا نے حصہ نہیں لیا۔

۳۰۔ یعنی اس قدر ارزاں بیچنے سے تعجب مت کرو۔ وہ اتنے بیزار تھے کہ مفت ہی دے ڈالتے تو مستبعد نہ تھا۔ جو پیسے مل گئے غنیمت سمجھا بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں اس بیع کا ذکر ہے جو قافلہ والوں نے مصر پہنچ کر کی۔ اگر ایسا ہو تو کہا جائے گا کہ پڑی ہوئی چیز کی قدر نہ کی۔ اور یہ اندیشہ رہا کہ پھر کوئی آکر دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ نیز آبق (بھگوڑا) ہونے کا عیب سن چکے تھے، اس لئے سستے داموں بیچ ڈالا۔ والظاہر ہو الاول۔ واللہ اعلم۔

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور کہا جس شخص نے خرید کیا اسکو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید ہمارے کام آئے یا ہم کر لیں اسکو بیٹا[۳۱] اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے کہ اسکو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کو[۳۲] اور اللہ زور رہتا ہے اپنے کام میں و لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے[۳۳]

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اسکو حکم اور علم[۳۴] اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو[۳۵]

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور پھسلایا اسکو اس عورت نے جسکے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیئے دروازے اور بولی شتابی کر[۳۶] کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو بیشک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہوں[۳۷]

۳۱۔ **حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے یہاں:** کہتے ہیں مصر پہنچ کر نیلام ہوا۔ عزیز مصر جو وہاں کا مدار المہام تھا، اسی کی بولی پر معاملہ ختم ہوا۔ اس نے اپنی عورت (زلیخا یا راعیل) سے کہا کہ نہایت پیارا۔ قبول صورت، اور ہونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو پوری عزت و آبرو سے رکھو۔ غلاموں کا معاملہ مت کرو۔ شاید بڑا ہو کر ہمارے کام آئے۔ ہم اپنا کاروبار اس کے سپرد کر دیں یا جب اولاد نہیں ہے تو بیٹا بنالیں۔

۳۲۔ **حضرت یوسف علیہ السلام کو عطائے تمکین:** یعنی ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور تدبیر لطیف سے یوسفؑ کو بھائیوں کی حاسدانہ سختیوں اور کنوئیں کی قید سے نکال کر عزیز مصر کے یہاں پہنچا دیا۔ پھر اس کے دل میں یوسفؑ کی محبت و وقعت القا فرمائی اس طرح ہم نے ان کو مصر میں ایک معزز جگہ دی اور اہل مصر کی نظروں میں ان کو وجیہ و محبوب بنا دیا۔ تا یہ چیز آئندہ ترقیات اور سربلندیوں کا پیش خیمہ ہو اور بنی اسرائیل کو

مصر میں بسانے کا ذریعہ بنے۔ ساتھ ہی یہ بھی منظور تھا کہ عزیز مصر کے یہاں رہ کر بڑے سرداروں کی صحبت دیکھیں تا سلطنت کے رموز و اشارات سمجھنے اور تمام باتوں کو ان کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل ہو (تنبیہ) اسی سورت کے پہلے رکوع میں "تاویل الاحادیث" کا لفظ گذر چکا ہے۔ اس کی تفسیر وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۳۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا علم و حکمت: یعنی بھائیوں نے یوسفؑ کو گرانا چاہا۔ خدا نے ان کو آسمان رفعت پر پہنچا دیا۔ اکثر لوگ کوتاہ نظری سے دیکھتے نہیں کہ انسانی تدبیروں کے مقابلہ میں کس طرح خدا کا بندوبست غالب آتا ہے۔

۳۴۔ یعنی جب یوسفؑ کے تمام قویٰ حد کمال کو پہنچ گئے تو خدا کے یہاں سے عظیم الشان علم و حکمت کا فیض پہنچا۔ نہایت مشکل عقدے اپنی فہم رسا سے حل کرتے، بڑی خوبی اور دانائی سے لوگوں کے نزاعات چکاتے دین کی باریکیاں سمجھتے، جو زبان سے کہتے وہ کر کے دکھاتے۔ سفیہانہ اخلاق سے قطعًا پاک و صاف اور علم شرائع کے پورے ماہر تھے۔ تعبیر رویاء کا علم تو ان کا مخصوص حصہ تھا۔

۳۵۔ جو لوگ فطرت کی رہنمائی یا تقلید صالحین اور توفیق ازلی سے فوائب و حوادث پر صابر رہ کر عمدہ اخلاق اور نیک چال چلن اختیار کرتے ہیں حق تعالیٰ ان پر ایسے ہی انعام فرماتا ہے۔

۳۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کڑا امتحان: "ادھر تو الطاف غیبیہ حضرت یوسفؑ کی عجیب و غریب طریقہ سے تربیت فرما رہے تھے۔ ادھر عزیز کی بیوی (زلیخا) نے ان کے سامنے ایک نہایت ہی مزلۃ الاقدام موقع امتحان کا کھڑا کر دیا۔ یعنی حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال پر زلیخا مفتون ہو گئی اور دلکشی و ہوشربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسفؑ کے دل کو ان کے قابو سے باہر کر دے۔ ایک عیش و نشاط کے سامان، نفسانی جذبات پورے کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں، یوسفؑ کا ہر وقت زلیخا کے گھر میں موجود رہنا، اس کا نہایت محبت اور پیار سے رکھنا تنہائی کے وقت خود عورت کی طرف سے ایک خواہش کا بیتابانہ اظہار، کسی غیر کے آنے جانے کے سب دروازے بند، دوسری طرف جوانی کی عمر، قوت کا زمانہ، مزاج کا اعتدال، تجرد کی زندگی، یہ سب دواعی و اسباب ایسے تھے جن سے ٹکرا کر بڑے سے بڑے زاہد کا تقویٰ بھی پاش پاش ہو جاتا مگر خدا نے جس کو محسن قرار دے کر علم و حکمت کے رنگ میں رنگین کیا اور پیغمبرانہ عصمت کے بلند مقام پر پہنچایا، اس پر کیا مجال تھی کہ شیطان کا قابو چل جاتا۔ اس نے ایک لفظ کہا "معاذاللہ" (خدا کی پناہ) اور شیطانی جال کے سارے حلقے توڑ ڈالے کیونکہ جس نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وار چل سکتا ہے؟

۳۷۔ آپ کی ثابت قدمی اور پاکبازی: یعنی خدا کی پناہ میں ایسی قبیح حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟ علاوہ بریں "عزیز میرا مربی ہے جس نے مجھے ایسی عزت و راحت سے رکھا، کیا میں اپنے محسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ ایسی محسن کشی اور بے انصافی کرنے والے کبھی بھلائی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ نیز جب ظاہری مربی کا ہم کو اس قدر پاس ہے تو سمجھ لو کہ اس پروردگار حقیقی سے ہمیں کس قدر شرمانا اور حیا کرنا چاہئے۔ جس نے محض اپنے فضل سے ہماری تربیت فرمائی اور اپنے بندوں کو ہماری خدمت و راحت رسانی کے لئے کھڑا کر دیا۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے اِنَّہٗ رَبِّیۡۤ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کی ہے۔

وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ ؕ اِنَّهٗ

۲۴۔ اور البتہ عوت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا[۳۸] اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی[۳۹] یوں ہی ہوا تا کہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں[۴۰]

مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٢٤﴾

٣٨۔ زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی رغبت "ھم" کا فرق: یعنی عورت نے پھانسنے کی فکر کی اور اس نے فکر کی کہ عورت کا داؤ چلنے نہ پائے اگر اپنے رب کی حجت و قدرت کا معائنہ نہ کرتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے وَهَمَّ بِهَا کو وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ سے علیحدہ کر کے لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے متعلق کیا ہے۔ جیسے اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (القصص۔١٠) کی ترکیب ہے۔ اس وقت مقصود یوسفؑ کے حق میں "ہم" کا ثابت کرنا نہیں بلکہ نفی کرنا ہے۔ ترجمہ یوں ہو گا۔ کہ عورت نے یوسفؑ کا ارادہ کیا اور یوسفؑ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے پروردگار کی قدرت و حجت نہ دیکھ لیتا۔ بعض نے وَهَمَّ بِهَا میں لفظ هَمَّ کو بمعنی میلان و رغبت کے لیا ہے۔ یعنی یوسفؑ کے دل میں کچھ رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہوا۔ جیسے روزہ دار کو گرمی میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعًا رغبت ہوتی ہے لیکن نہ وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے نہ یہ بے اختیاری رغبت کچھ مضر ہے۔ بلکہ باوجود رغبت طبعی کے اس سے قطعًا محترز رہنا مزید اجر و ثواب کا موجب ہے اسی طرح سمجھ لو کہ ایسے اسباب و دواعی قویہ کی موجودگی سے طبع بشری کے موافق بلا اختیار و ارادہ یوسفؑ کے دل میں کسی قسم کی رغبت و میلان کا پا جانا نہ عصمت کے منافی ہے نہ ان کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ اگر بندہ کا میلان کسی برائی کی طرف ہوا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے فرد حسنات میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اس نے (باوجود رغبت و میلان) میرے خوف سے اس برائی کو ہاتھ نہ لگایا۔ بہر حال باوجود اشتراک لفظی کے زلیخا کے "ہم" اور یوسفؑ کے "ہم" میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے اسی لئے قرآن کریم نے دونوں "ھم" کو ایک ہی لفظ میں جمع نہیں کیا اور نہ زلیخا کے "ھم" کی طرح یوسفؑ کے ھم پر "لام" اور "قد" داخل کیا گیا۔ بلکہ سیاق و الحاق میں بہت سی دلائل یوسفؑ کی طہارت و نزاہت پر قائم فرمائیں۔ جو غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تفصیل "روح المعانی" اور "کبیر" وغیرہ میں موجود ہے۔

٣٩۔ اللہ کی برہان: "برہان" دلیل و حجت کو کہتے ہیں۔ یعنی اگر یوسفؑ اس وقت اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو قلبی میلان پر چل پڑتے۔ دلیل کیا تھی؟ زنا کی حرمت و شناعت کا وہ عین الیقین جو حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا۔ یا وہ ہی دلیل جو خود انہوں نے زلیخا کے مقابلہ میں اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ کہہ کر پیش کی۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے اس وقت حضرت یعقوبؑ نظر آئے کہ انگلی دانتوں میں دبائی سامنے کھڑے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کوئی غیبی تحریر نظر پڑی جس میں اس فعل سے روکا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

٤٠۔ یعنی یہ برہان دکھانا اور ایسی طرح ثابت قدم رکھنا اس لئے تھا کہ یوسفؑ ہمارے برگزیدہ بندوں میں ہیں۔ لہذا کوئی چھوٹی بڑی برائی خواہ ارادہ کے درجہ میں ہو یا عمل کے، ان تک نہ پہنچ سکے۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ اور دونوں دوڑے دروازہ کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازہ کے پاس[٤١] بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک[٤٢]

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ

٢٦۔ یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں

اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے [۴۳] اگر ہے کرتا اس کا پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا

وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اگر ہے کرتہ اس کا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پھر جب دیکھا عزیز نے کرتہ اس کا پھٹا ہوا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا البتہ تمہارا فریب بڑا ہے

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

۲۹۔ یوسف جانے دے اس ذکر کو اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ بیشک تو ہی گنہگار تھی [۴۴]

۴۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا بھاگنا: آگے یوسفؑ تھے کہ جلدی دروازہ کھول کر نکل جائیں۔ اور پیچھے زلیخا انہیں روکنے کے لئے تعاقب کر رہی تھی۔ اتفاقاً یوسفؑ کے قمیص کا پچھلا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ کھینچا تانی میں کرتہ پھٹ گیا۔ مگر یوسفؑ جوں توں کر کے مکان سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر یہ دونوں آگے پیچھے دروازہ پر پہنچے، ادھر عورت کا خاوند عزیز مصر بھی پہنچ گیا۔ عورت نے فوراً بات بنانی شروع کی۔

۴۲۔ زلیخا کا الزام: عورت نے الزام یوسفؑ پر رکھا کہ اس نے مجھ سے برا ارادہ کیا۔ ایسے شخص کی سزا یہ ہونی چاہئے کہ جیل خانہ بھیجا جائے یا کوئی اور سخت مار پڑے۔

۴۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی صفائی: اب یوسفؑ کو واقعہ ظاہر کرنا پڑا کہ عورت نے میرے نفس کو بے قابو کرنا چاہا۔ میں نے بھاگ کر جان بچائی۔ یہ جھگڑا ابھی چل رہا تھا کہ خود عورت کے خاندان کا ایک گواہ عجیب طریقہ سے یوسفؑ کے حق میں گواہی دینے لگا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا، جو خدا کی قدرت سے حضرت یوسفؑ کی براءت و وجاہت عند اللہ ظاہر کرنے کو بول پڑا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ بچہ نہیں کوئی مرد دانا تھا جس نے ایسی پتہ کی بات کہی۔ واللہ اعلم۔

۴۴۔ ایک شخص کی دانائی اور گواہی: اگر گواہ شیر خوار بچہ تھا جیسا کہ بعض معتبر روایات میں ہے تب تو اس کا بولنا اور ایسی گواہی دینا جو انجام کار یوسفؑ کے حق میں مفید ہو، خود مستقل دلیل یوسفؑ کی سچائی کی تھی۔ کرتہ کا آگے یا پیچھے سے پھٹا ہونا شہادت سے زائد بطور ایک علامت اور قرینہ کے سمجھنا چاہئے۔ اور اگر گواہ کوئی مرد دانا تھا تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خارجی طریقہ سے حقیقت حال پر مطلع ہو چکا تھا مگر اس نے نہایت دانائی سے ایسے پیرایہ میں شہادت جو دفعۃً کسی کی جانبداری پر بھی محمول نہ ہو اور آخر کار یوسفؑ کی براءت ثابت کر دے۔ جو پیرایہ

اظہار واقعہ کا اس نے اختیار کیا وہ غیر جانبداروں کے نزدیک نہایت معقول تھا۔ کیونکہ اگر عورت کے دعویٰ کے موافق یوسفؑ نے (معاذ اللہ) اس کی طرف اقدام کیا تو ان کا چہرہ عورت کی طرف ہو گا تو ظاہر یہ ہے کہ کشمکش میں کرتہ بھی سامنے سے پھٹے اور اگر یوسفؑ کا کہنا صحیح ہے کہ عورت مجھ کو اپنی طرف بلاتی تھی، میں دروازہ کی طرف بھاگا، اس نے پکڑنے کے لئے میر اتعاقب کیا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں یوسفؑ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے بلکہ ادھر سے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے۔ بہر حال جب دیکھا گیا کہ کرتہ آگے سے نہیں پیچھے سے پھٹا ہے۔ تو عزیز نے سمجھ لیا کہ یہ سب عورت کا مکر و فریب ہے، یوسفؑ قصوروار نہیں۔ چنانچہ اس نے صاف کہہ دیا کہ زلیخا کی پر فریب کارروائی اسی قسم کی ہے جو عموماً عورتیں کیا کرتی ہیں اس نے یوسفؑ سے استدعا کی کہ جو ہونا تھا ہو چکا۔ آئندہ اس کا ذکر مت کرو کہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے۔ اور عورت کو کہا کہ یوسفؑ سے یا خدا سے اپنے قصور کی معافی مانگ، یقیناً قصور تیرا ہی تھا۔

وَ قَالَ نِسۡوَۃٌ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰىہَا عَنۡ نَّفۡسِہٖ ۚ قَدۡ شَغَفَہَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىہَا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اسکے جی کو فریفتہ ہو گیا اس کا دل اسکی محبت میں ہم تو دیکھتے ہیں اسکو صریح خطا پر [۴۵]

فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَکۡرِہِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَیۡہِنَّ وَ اَعۡتَدَتۡ لَہُنَّ مُتَّکَاً وَّ اٰتَتۡ کُلَّ وَاحِدَۃٍ مِّنۡہُنَّ سِکِّیۡنًا وَّ قَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَیۡہِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیۡنَہٗۤ اَکۡبَرۡنَہٗ وَ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَہُنَّ وَ قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا ہٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیۡمٌ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ پھر جب سنا اس نے ان کا فریب [۴۶] بلوا بھیجا انکو اور تیار کی انکے واسطے ایک مجلس اور دی انکو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری اور بولی یوسف نکل آ انکے سامنے پھر جب دیکھا اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ [۴۷] اور کہنے لگیں حاشا اللہ نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ [۴۸]

قَالَتۡ فَذٰلِکُنَّ الَّذِیۡ لُمۡتُنَّنِیۡ فِیۡہِ ؕ وَ لَقَدۡ رَاوَدۡتُّہٗ عَنۡ نَّفۡسِہٖ فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ وَ لَئِنۡ لَّمۡ یَفۡعَلۡ مَاۤ اٰمُرُہٗ لَیُسۡجَنَنَّ وَ لَیَکُوۡنًا مِّنَ الصّٰغِرِیۡنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو اسکے واسطے [۴۹] اور میں نے لینا چاہا تھا اس سے اس کا جی پھر اس نے تھام رکھا [۵۰] اور بیشک اگر نہ کرے گا جو میں اسکو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور ہو گا بے عزت [۵۱]

قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ ۚ

۳۳۔ یوسف بولا اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات

وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَہُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡہِنَّ وَ اَکُنۡ مِّنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۳۳﴾

سے جسکی طرف مجھ کو بلاتی ہیں اور اگر تو نہ دفع کرے گا مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا انکی طرف اور ہو جاؤں گا بے عقل [۵۲]

فَاسۡتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ فَصَرَفَ عَنۡہُ کَیۡدَہُنَّ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے پھر دفع کیا اس سے ان کا فریب [۵۳] البتہ وہی ہے سننے والا خبردار [۵۴]

ثُمَّ بَدَا لَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ لَیَسۡجُنُنَّہٗ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۳۵﴾ ع

۳۵۔ پھر یوں سمجھ آیا لوگوں کی ان نشانیوں کے دیکھنے پر کہ قید رکھیں اسکو ایک مدت [۵۵]

ع ۴/۴ ۱۴

۴۵۔ **شہر کی عورتوں میں چرچا:** یعنی شدہ شدہ عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی۔ چاہتی ہے کہ اس کے نفس کو بے قابو کر دے۔ غلام کی محبت اس کے دل کی تہ میں پیوست ہو چکی ہے۔ حالانکہ ایسے معزز عہدہ دار کی بیوی کے لئے یہ سخت شرمناک بات ہے کہ وہ ایک غلام پر گرنے لگے، ہمارے نزدیک اس معاملہ میں وہ علانیہ غلطی پر ہے۔

۴۶۔ عورتوں کی گفتگو کو مکر (فریب) اس لئے کہا کہ مکاروں کی طرح چھپ چھپ کر یہ باتیں کرتی تھیں۔ اور زلیخا پر طعن کر کے گویا اپنی پارسائی کا اظہار مقصود تھا۔ حالانکہ یوسفؑ کے بے مثال حسن و جمال کا شہرہ جس عورت کے کان میں پڑتا تھا، اس کی دید کا اشتیاق دل میں چٹکیاں لینے لگتا تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ زلیخا پر طعن و تشنیع اور نکتہ چینی کرنے والیوں کے دلوں میں یہ ہی غرض پوشیدہ ہو کہ زلیخا کو غصہ دلا کر کسی ایسی حرکت پر آمادہ کر دیں جو یوسفؑ کے دیدار کا سبب بن جائے۔ یا زلیخا کے دل میں اس کی نفرت بٹھا کر اپنی طرف مائل کرنے کا موقع نکال لیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ زلیخا نے بعض عورتوں کو اس معاملہ میں اپنا رازدار بنایا ہو۔ اس نے رازداری کی جگہ پردہ دری اور خوردہ گیری شروع کر دی بہر حال ان کی گفتگو کو لفظ ''مکر'' سے ادا کرنے میں یہ سب احتمالات ہیں۔

۴۷۔ **حضرت یوسف علیہ السلام کا بے مثال حسن:** یعنی دعوت کر کے ان عورتوں کو بلوا بھیجا اور کھانے پینے کی ایک مجلس ترتیب دی۔ جس میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں۔ چنانچہ کھانے اور میوے وغیرہ ان کے سامنے چن کر ہر ایک عورت کے ہاتھ میں ایک چاقو دے دیا۔ تا تراشنے کے قابل چیزوں کے کھانے میں کسی کو کلفت انتظار اٹھانا نہ پڑے۔ یہ سب سامان درست کر کے اس نے حضرت یوسفؑ کو جو کہیں قریب ہی موجود تھے آواز دی کہ ادھر نکل آئے۔ نکلنا تھا کہ بجلی سی کوند گئی۔ تمام عورتیں یوسفؑ کے حسن و جمال کا دفعۃً مشاہدہ کرنے سے ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ اور مدہوشی کے عالم میں چھریوں سے پھلوں کی جگہ ہاتھ کاٹ لئے۔ گویا قدرت نے یہ ایک مستقل دلیل یوسفؑ کی نزاہت و صداقت پر قائم فرمادی کہ جس کے جمال بے مثال کی ذرا سی جھلک نے دیکھنے والی عورتوں کے حواس گم کر دیے۔ بحالیکہ یوسفؑ نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کے حسن و خوبی کی طرف نہ دیکھا۔ تو یقیناً واقعہ یوں ہی ہوا ہو گا۔ کہ زلیخا اس کے جمال ہوشربا کو دیکھ کر ہوش و خرد کھو بیٹھی۔ اور وہ معصوم فرشتہ کی طرح اپنا دامن عفت بچاتا ہوا صاف نکل گیا۔

۴۸۔ یعنی حسن و جمال اور نورانی صورت کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ قَوۡمٌ اِذَا قُوۡبِلُوۡا کَانُوۡا مَلَآئِکَۃً حُسۡنًا وَاِنۡ

قُوۡتِلُوۡا کَانُوۡا عِفَارِیۡتًا ۔ یاحیاء وعفت اور پاکدامنی جو چہرہ اور چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی اسے دیکھ کر کہا کہ یہ آدمی نہیں کوئی معصوم فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔

۴۹۔ اب زلیخا کو موقع ملا کہ عورتوں کے طعن وتشنیع کا تیر ان ہی کی طرف لوٹا دے۔ گویا اس وقت فَذٰلِکُنَّ الَّذِیۡ لُمۡتُنَّنِیۡ فِیۡہِ کہہ کر وہ اس شعر کا خلاصہ ادا کر رہی تھی۔ ایں است کہ خوں خوردہ ودل بردہ بسے را۔ بسم اللہ اگر تاب نظم ہست کسے را۔

۵۰۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی: مجمع کا رنگ دیکھ کر زلیخا بالکل ہی کھل پڑی اور واقعہ کا صاف صاف اظہار کر دیا کہ بیشک میں نے ان کا دل لینا چاہا تھا۔ مگر اس بندہ خدا نے ایسا مضبوط تھامے رکھا کہ کسی طرح نہ دیا۔ یہ خدا تعالیٰ نے شہر کی عورتوں کے مجمع میں حضرت یوسفؑ کی کمال عصمت وعفت اور غایت نزاہت وطہارت کا اقبالی ثبوت پیش کرا دیا۔ زلیخا کا حال اس وقت وہ ہی تھا جو کسی نے کہا ہے لاتحف ما سنعت بک الاشواق۔ واشرح ھواک فکلنا عشاق۔

۵۱۔ زلیخا کی اس گفتگو میں کچھ تو عورتوں پر اپنی معذوری اور نامرادی کا اظہار تھا، تا ان کی ہمدردی حاصل کر سکے۔ اور کچھ یوسفؑ کو تحکمانہ دھمکیوں سے مرعوب کرنا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر آئندہ اس کی مطلب براری پر آمادہ ہو جائیں۔ حالانکہ عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں۔ کانجا ہمیشہ باد بدستست دام را۔

۵۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا: معلوم ہوتا ہے کہ زلیخا کا مایوسانہ غصہ اور مظلومانہ انداز بیان اس کی ہم جنسوں پر اثر کر گیا۔ یا پہلے ہی سے کچھ ملی بھگت ہو گی۔ بہر حال لکھا ہے کہ اب عورتوں نے یوسفؑ کو سمجھانا شروع کیا کہ تم کو اپنی محسنہ اور سیدہ کا کہنا ماننا چاہئے۔ آخر اس غریب پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو، پھر یہ بھی سوچ لو کہ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہو گا خواہ مخواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا فائدہ۔ کہتے ہیں کہ بظاہر زبان سے وہ زلیخا کی سفارش کر رہی تھیں مگر دل ہر ایک کا یوسفؑ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔ یوسفؑ نے جب دیکھا کہ یہ عورت بے طرح پیچھے پڑی ہے اور شیطان ہر طرف اپنا جال بچھانے لگا ہے تو نہایت عزم واستقلال اور پیغمبرانہ استقامت سے بارگاہ احدیت میں درخواست کی کہ مجھے ان کے مکروفریب سے بچائیے۔ اگر اس سلسلہ میں قید ہونا پڑے تو میں قید کو ارتکاب معصیت پر ترجیح دیتا ہوں۔ اگر آپ میری دستگیری نہ فرمائیں گے تو ڈر ہے کہ بے عقل ہو کر ان کی ابلہ فریبیوں کی طرف نہ جھک نہ پڑوں۔ یہاں یوسفؑ کی زبانی یہ جتلا دیا کہ انبیاء کی عصمت بھی حق تعالیٰ کی دستگیری سے ہے اور یہ کہ وہ اپنی عصمت پر مغرور نہیں ہوتے۔ بلکہ عصمت کا جو منشاء ہے (حفاظت وصیانت الٰہی) اسی پر نظر رکھتے ہیں۔

۵۳۔ یعنی ان کو عصمت وعفت پر پوری طرح ثابت قدم رکھا کسی کا فریب چلنے نہ دیا۔

۵۴۔ اللہ سے ہمیشہ اچھی چیز مانگنی چاہئے: یعنی سب کی دعائیں سنتا ہے اور خبر رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مانگنے سے قید میں پڑے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی قبول فرمایا کہ ان کا فریب دفع کر دیا، باقی قید ہونا تھا قسمت میں۔ آدمی کو چاہئے کہ گھبرا کر اپنے حق میں برائی نہ مانگے، پوری بھلائی مانگے گو ہو گا وہی جو قسمت میں ہے"۔ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص کو حضور ﷺ نے یہ دعا مانگتے سنا اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡاَلُکَ الصَّبۡرَ (اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا سَأَلۡتَ اللہَ الۡبَلَاءَ فَاسۡأَلۡہُ الۡعَافِیَۃَ (تو نے اللہ سے بلا طلب کی کیونکہ صبر تو بلا پر ہو گا، اب تو اس سے عافیت مانگ)۔

۵۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید: یعنی باوجودیکہ حضرت یوسفؑ کی براءت ونزاہت کے بہت سے نشان دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی ان کی مصلحت یہ ہوئی کہ یوسفؑ کو ایک مدت تک قید میں رکھا جائے۔ تاکہ عام لوگ سمجھیں کہ قصور یوسفؑ ہی کا تھا۔ عورت بیچاری مفت میں بدنام ہوئی۔ گویا عورت نے قید کی جو دھمکی دی تھی اسے پورا کرا کے چھوڑا۔ ان لوگوں کی غرض تو یہ ہو گی کہ عورت سے یہ بدنامی زائل ہو، نیز ایک مدت تک یوسفؑ اس کی نظر سے دور رہیں، اور عورت کا مطلب یہ ہو گا کہ شاید قید کی سختیاں اٹھا کر یوسفؑ کچھ نرم پڑ جائیں۔ اس طرح اپنا مطلب نکال سکوں۔

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ
اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ
اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا
بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾

٣٦۔ اور داخل ہوئے قید خانہ میں اسکے ساتھ دو جوان کہنے لگا ان میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھار رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے بتلا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا[٥٦]

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا
بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ
رَبِّيْ ۭ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

٣٧۔ بولا نہ آنے پائے گا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں[٥٧]

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ
يَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ
ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾

٣٨۔ اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ احسان نہیں مانتے[٥٨]

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ
اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ۭ

٣٩۔ اے رفیقو قید خانہ کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست[٥٩]

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ
اَنْتُمْ وَ اٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ

٤٠۔ کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند [٦٠] حکومت نہیں ہے کسی کی

الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ
الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

سوائے اللہ کے اس نے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو[61] یہی ہے راستہ سیدھا پر بہت لوگ نہیں جانتے[62]

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ
خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ
رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿۴۱﴾ؕ

۴۱۔ اے رفیقو قید خانہ کے ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلائے گا اپنے خاوند (مالک) کو شراب اور دوسرا جو ہے سو سولی دیا جائے گا) چڑھے گا) پھر کھائیں گے جانور اس کے سر میں سے فیصل ہوا وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے[63]

وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ
رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی
السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾ؒ ع ۵ ۱۵

۴۲۔ اور کہہ دیا یوسف نے اسکو جسکو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں میرا ذکر کرنا اپنے خاوند (مالک) کے پاس[64] سو بھلا دیا اسکو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند (مالک) سے پھر رہا قید میں کئی برس[65]

۵۶۔ دو قیدیوں کے خواب: یعنی اسی زمانہ میں دو نوجوان قیدی جیل خانہ میں لائے گئے۔ جن میں ایک بادشاہ مصر (ریان بن الولید) کا نان بائی اور دوسرا ساقی (شراب پلانے والا) تھا۔ دونوں بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ تھے۔ قید خانہ میں یوسفؑ کی مروت و امانت، راست گوئی، حسن اخلاق، کثرت عبادت، معرفت تعبیر اور ہمدردی خلائق کا چرچا تھا۔ یہ دونوں قیدی حضرت یوسفؑ سے بہت مانوس ہو گئے اور بڑی محبت کا اظہار کرنے لگے۔ ایک روز دونوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ساقی نے کہا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں، نان بائی نے کہا کہ میرے سر پر کئی ٹوکرے ہیں جس میں سے پرندے نوچ کر کھا رہے ہیں۔ یوسفؑ کو بزرگ دیکھ کر تعبیر مانگی۔

۵۷۔ قیدیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تبلیغ: یوسفؑ نے اول ان کو تسلی دی کہ بیشک خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہوا چاہتی ہے روزمرہ جو کھانا تم کو ملتا ہے اس کے آنے سے پیشتر میں تعبیر بتلا کر فارغ ہو جاؤں گا۔ لیکن تعبیر خواب سے زیادہ ضروری اور مفید ایک چیز پہلے تم کو سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ تعبیر وغیرہ کا یہ علم مجھ کو کہاں سے حاصل ہوا۔ سو یاد رکھو کہ میں کوئی پیشہ ور کاہن منجم نہیں بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہام ربانی ہے جو مجھ کو حق تعالیٰ نے اس کی بدولت عطا فرمایا کہ میں نے ہمیشہ سے کافروں اور باطل پرستوں کے دین وملت کو چھوڑے رکھا اور اپنے مقدس آباؤاجداد (حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ) جیسے انبیاء مرسلین کے دین توحید پر چلا اور ان کا اسوہ حسنہ اختیار کیا۔ ہمارا سب سے بڑا اور مقدم مطمح نظر یہ ہی رہا کہ دنیا کی کسی چیز کو کسی درجہ میں بھی خدا کا شریک نہ بنائیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ ربوبیت و معبودیت میں۔ صرف اسی کے آگے جھکیں، اسی سے محبت کریں، اسی پر بھروسہ رکھیں اور اپنا جینا مرنا سب اسی ایک پروردگار کے حوالہ کر دیں۔ بہرحال یوسفؑ نے موقعہ مناسب دیکھ کر نہایت موثر طرز میں ان قیدیوں کو ایمان و توحید کی طرف آنے کی ترغیب دی پیغمبروں کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ حق کا کوئی مناسب موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ یوسفؑ نے دیکھا کہ ان قیدیوں کے

دل میری طرف متوجہ اور مجھ سے مانوس ہیں۔ قید کی مصیبت میں گرفتار ہو کر شاید کچھ نرم بھی ہوئے ہوں گے۔ لاؤ ان حالات سے فرض تبلیغ کے ادا کرنے میں فائدہ اٹھائیں اول ان کو دین کی باتیں سکھلائیں۔ پھر تعبیر بھی بتلا دیں گے یہ تسلی پہلے کر دی کہ کھانے کے وقت تک تعبیر معلوم ہو جائے گی تاوہ نصیحت سے اکتائیں نہیں۔ (تنبیہ) بہت سے مفسرین نے لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ الخ کے معنی یہ لئے ہیں کہ کبھی کھانا تمہارے پاس نہیں آتا ہے مگر میں آنے سے پہلے اس کی حقیقت پر تم کو مطلع کر دیا کرتا ہوں۔ یعنی آج کیا کھانا آئے گا، کس قسم کا ہو گا۔ پھر تعبیر بتلانا کیا مشکل ہے۔ گویا اول حضرت یوسفؑ نے معجزہ کی طرف توجہ دلا کر انہیں اپنی نبوت کا یقین دلانا چاہا، تاکہ آئندہ جو نصیحت کریں زیادہ موثر واوقع فی النفس ہو۔ اس تقدیر پر یوسفؑ کا یہ معجزہ ایسا ہی ہو گا جیسے حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ (آل عمران۔۴۹)۔ مگر مترجم محققؒ نے پہلی تفسیر اختیار کی ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے قید میں یہ حکمت رکھی کہ ان کا دل کافروں کی محبت سے (یعنی کافر جو ان کی محبت و مدارات کرتے تھے اس سے) ٹوٹا تو دل پر اللہ کا علم روشن ہوا۔ چاہا کہ اول ان کو دین کی بات سنا دیں پیچھے تعبیر کو اب کہیں۔ اس واسطے تسلی کر دی تا نہ گھبرائیں کہا کہ کھانے کے وقت تک وہ بھی بتا دوں گا۔

۵۸۔ قیدیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تبلیغ: یعنی ہمارا خالص توحید اور ملت ابراہیمی پر قائم رہنا نہ صرف ہمارے حق میں بلکہ سارے جہان کے حق میں رحمت و فضل ہے، کیونکہ خاندان ابراہیمی ہی کی شمع سے سب لوگ اپنے دلوں کے چراغ روشن کر سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ بہت سے لوگ خدا کی اس نعمت عظیمہ کی قدر نہیں کرتے۔ چاہئے یہ تھا کہ اس کا احسان مان کر راہ توحید پر چلتے وہ الٹی ناشکری کر کے شرک و عصیان کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔

۵۹۔ یعنی مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے لو لگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے نہ کسی کا حکم چل سکتا ہے نہ اختیار، نہ اسے کوئی بھاگ کر ہرا سکتا ہے نہ مقابلہ کر کے مغلوب کر سکتا ہے۔ خود سوچو کہ سر عبودیت ان میں سے کس کے سامنے جھکایا جائے۔

۶۰۔ یعنی یوں ہی بے سند اور بے ٹھکانے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کے نیچے حقیقت ذرہ برابر نہیں۔ ان ہی نام کے خداؤں کی پوجا کر رہے ہو ۔ایسے جہل پر انسان کو شرمانا چاہیئے۔

۶۱۔ یعنی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کی زبانی یہ ہی حکم بھیجتا رہا کہ خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ (زخرف۔۴۵)

۶۲۔ یعنی توحید خالص کے راستہ میں ایچ پیچ کچھ نہیں۔ سیدھی اور صاف سڑک ہے جس پر چل کر آدمی بے کھٹکے خدا تک پہنچتا ہے لیکن بہت لوگ حماقت یا تعصب سے ایسی سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

۶۳۔ قیدیوں کے خواب کی تعبیر: فرض تبلیغ ادا کرنے کے بعد یوسفؑ نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرما دی۔ کہ جس نے خواب میں شراب پلاتے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہی ہے کہ وہ بیداری میں بادشاہ کو شراب پلائے گا۔ اور جس نے سر پر سے جانوروں کو روٹیاں کھاتے دیکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سولی دیا جائے گا۔ پھر جانور اس کے سر سے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ قضاء و قدر کا فیصلہ یہ ہی ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ جو بات تم پوچھتے تھے وہ میں بتلا دی۔ یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔ جس میں تخلف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساقی زہر خورانی کی تہمت سے بری ہو گیا اور خباز (نان بائی) کو جرم ثابت ہونے کی وجہ سے سزائے موت دی گئی۔

۶۴۔ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے جیسے اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (البقرہ۔۴۶) میں۔ یعنی یوسفؑ کو دونوں میں سے جس شخص کی بابت یقین تھا کہ بری ہو جائے گا جب وہ قید خانہ سے نکلا تو فرمایا اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک ایسا شخص بے قصور قید خانہ

میں برسوں سے پڑا ہے۔ مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ میری جو حالت تم نے مشاہدہ کی ہے بلاکم وکاست کہدینا۔

۶۵۔ **حضرت یوسف علیہ السلام کو عتاب آمیز تنبیہ:** "یعنی شیطان نے چھوٹنے والے قیدی کے دل میں مختلف خیالات و وساوس ڈال کر ایسا غافل کیا کہ اسے بادشاہ کے سامنے اپنے محسن بزرگ (یوسفؑ) کا تذکرہ کرنا یاد ہی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوسفؑ کو کئی سال اور قید میں رہنا پڑا۔ مدت دراز کے بعد جب بادشاہ نے ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی تب اس شخص کو یوسفؑ یاد آئے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ الخ بھلانے کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کی گئی کہ وہ القائے وساوس وغیرہ کا ذریعہ ہے جو سبب بنتا ہے نسیان کا۔ حضرت موسیٰؑ کے رفیق سفر نے کہا تھا۔ وَمَاۤ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (کہف۔۶۳) لیکن ہر ایک شر میں حق تعالیٰ کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے۔ یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہوگئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ بلکہ ابن جریر اور بغوی وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ کی ضمیر یوسفؑ کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسفؑ کو عارض ہوئی۔ انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا۔ حالانکہ چاہیئے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے۔ بے شک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کے مباشرت مطلقًا حرام نہیں ہے۔ لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات بن جاتی ہیں۔ جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے منصب عالی کے اعتبار سے وہ ہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان و ابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں، انتہائی عزیمت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسفؑ کا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اس لئے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی اور اسی لئے "انساء" کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ زیادہ تفصیل روح المعانی میں ہے۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ
یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ
اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ
كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی انکو کھاتی ہیں سات گائیں دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی[۶۶] اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے[۶۷]

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ
الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں[۶۸]

وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا
اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں سے اور یاد آ گیا اس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو[۶۹]

يُوسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ
سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ
خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ جا کر کہا اے یوسف اے سچے [۷۰] حکم دے ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی انکو کھائیں سات دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی تا کہ لے جاؤں میں لوگوں کے پاس شاید انکو معلوم ہو [۷۱]

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ
فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ کہا تم کھیتی کرو گے سات برس جم کر سو جو کاٹو اس کو چھوڑ دو اس کی بال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا
قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے کھا جائیں گے جو رکھا تم نے انکے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے بیج کے واسطے

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ
وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع ٦ / ١٦

۴۹۔ پھر آئے گا اس کے پیچھے ایک برس اس میں مینہ برسے گا لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے [۷۲]

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ
قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ
قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس پھر جب پہنچا اس کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے خاوند (مالک) کے پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی جنھوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے [۷۳] میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے [۷۴]

٦٦۔ بادشاہ کا خواب: وہ سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹتی ہیں اور انہیں خشک کر دیتی ہیں۔ یہ خواب بادشاہ مصر "ریان ابن الولید" نے دیکھا جو آخر کار حضرت یوسفؑ کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔ یوسفؑ کے قصہ میں جا بجا اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ خدا جب کوئی بات چاہتا ہے غیر متوقع طریقہ سے اس کے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جن کی طرف آدمی کا خیال نہیں جاتا۔"

٦٧۔ یعنی اگر اس فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتلاؤ۔

۶۸۔ معبرین کا جھوٹا عذر: معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس فن سے جاہل تھے۔ اپنے جہل کا صاف لفظوں میں اقرار کرنے سے شرمائے تو یوں بات بنادی کہ یہ کوئی خواب نہیں، محض پریشان خیالات ہیں، بسا اوقات انسان کو نیند میں ایسی صورتیں مخیل ہو جاتی ہیں جو لائق اعتناء نہیں، نہ ہم ایسے خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ علم رؤیا کے اصول کے ماتحت نہیں ہوتے۔

۶۹۔ بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ: اب خواب کے سلسلہ میں ساقی کو جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا مدت کے بعد حضرت یوسفؑ یاد آئے اس نے بادشاہ اور اہل دربار سے کہا کہ اگر مجھے ذرا جانے کی اجازت دو تو میں اس خواب کی تعبیر لا سکتا ہوں۔ قید خانہ میں ایک مقدس بزرگ فرشتہ صورت موجود ہے جو فن تعبیر کا ماہر ہے (ممکن ہے اس نے اپنے خواب کا قصہ بھی ذکر کیا ہو) میں تعبیر لینے کے لئے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ چنانچہ اجازت دی گئی۔ اس نے یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ عرض کیا جو آگے آتا ہے۔

۷۰۔ قید خانے میں ساقی کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات: اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ کہنے سے یہ غرض تھی کہ آپ مجسم سچ ہیں۔ جو بات کبھی آپ کی زبان سے نکلی سچ ہو کر رہی امید ہے جو تعبیر اس خواب کی دیں گے ہو بہو پوری ہو کر رہے گی۔ یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق و دیانت کا نقش کس طرح عام و خاص کے قلوب پر بیٹھ جاتا ہے۔

۷۱۔ یعنی خواب کی تعبیر اور اس کے ذریعہ سے آپ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔

۷۲۔ بادشاہ کے خواب کی تعبیر اور بشارت: یوسفؑ نے تعبیر بتلانے میں دیر نہ کی نہ کوئی شرط لگائی، نہ اس شخص کو شرمندہ کیا کہ تجھ کو اتنی مدت کے بعد اب میرا خیال آیا۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے اخلاق و مروت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر وہ صرف خواب کی تعبیر مانگتا تھا۔ آپ نے تین چیزیں عطا فرمائیں۔ تعبیر، تدبیر، تبشیر آپ کے کلام کا حاصل یہ تھا کہ سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں سات برس ہیں۔ جن میں متواتر خوشحالی رہے گی، کھیتوں میں خوب پیداوار ہو گی، حیوانات و نباتات خوب بڑھیں گے۔ اس کے بعد سات سال قحط ہو گا جس میں سارا پچھلا اندوختہ کھا کر ختم کر ڈالو گے۔ صرف آئندہ تخم ریزی کے لئے کچھ تھوڑا سا باقی رہ جائے گا۔ یہ سات سال دبلی گائیں اور سوکھی بالیں ہیں جو موٹی گایوں اور ہری بالوں کو ختم کر دیں گی۔ تعبیر بتلانے کے دوران میں حضرت یوسفؑ نے از راہ شفقت و ہمدردی خلائق ایک تدبیر بھی تلقین فرما دی کہ اول سات سال میں جو پیداوار ہو اسے بڑی حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے اٹھاؤ کھانے کے لئے جس قدر غلہ کی ضرورت ہو اسے الگ کر لو اور تھوڑا تھوڑا احتیاط سے کھاؤ۔ باقی غلہ بالوں میں رہنے دو۔ تا اس طرح کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔ اور سات سال کی پیداوار چودہ سال تک کام آئے۔ ایسا نہ کرو گے تو قحط کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گا۔ یہ تعبیر و تدبیر بتلانے کے بعد انہیں بشارت سنائی جو غالبًا آپ کو وحی سے معلوم ہوئی ہو گی یعنی سات سال قحط رہنے کے بعد جو سال آئے گا اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے فریاد رسی ہو گی اور خوب مینہ برسے گا، کھیتی باڑی، پھل میوے نہایت افراط سے پیدا ہوں گے، جانوروں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے انگور وغیرہ نچوڑنے کے قابل چیزوں سے لوگ شراب کشید کریں گے۔ یہ آخری بات سائل کے حسب حال فرمائی۔ کیونکہ وہ یہ ہی کام کرتا تھا۔

۷۳۔ رہائی کا حکم اور حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر و تحمل: "بادشاہ کچھ تو پہلے ہی ساقی کے تذکرے سے حضرت یوسفؑ کا معتقد ہو گیا تھا۔ اب جو ایسی موزوں و دلنشین تعبیر اور رعایا کی ہمدردی کی تدبیر سنی تو ان کے علم و فضل، عقل و دانش اور حسن اخلاق کا سکہ اس کے دل پر بیٹھ گیا۔ فورًا حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ، تا اس کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوں اور اس کے مرتبہ اور قابلیت کے موافق عزت کروں قاصد پیام شاہی لے کر حضرت یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسفؑ کی نظر میں اپنی دینی و اخلاقی پوزیشن کی برتری اور صفائی اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی عزت و وجاہت سے زیادہ مہم تھی۔ آپ جانتے تھے کہ پیغمبر خدا کی نسبت لوگوں کی ادنیٰ بدگمانی بھی ہدایت و ارشاد کے کام میں بڑی بھاری رکاوٹ ہے۔ اگر آج میں بادشاہی فرمان کے موافق چپ چپاتے قید خانہ سے نکل گیا اور جس جھوٹی تہمت کے سلسلہ میں سالہا سال قید و بند کی مصائب اٹھائیں اس کا قطعی طور پر استیصال نہ ہوا تو بہت ممکن ہے کہ بہت سے ناواقف لوگ میری عصمت کے متعلق تردد اور شبہ میں

پڑے رہ جائیں اور حاسدین کچھ زمانہ کے بعد ان ہی بے اصل اثرات سے فائدہ اٹھا کر کوئی اور منصوبہ میرے خلاف کھڑا کر دیں۔

عورتوں کے واقعہ کی تحقیق پر اصرار: ان مصالح پر نظر کرتے ہوئے آپ نے حکم شاہی کے امتثال میں جلدی نہ کی بلکہ نہایت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاصد کو کہا کہ تو اپنے مالک (بادشاہ) سے واپس جا کر دریافت کر کہ تجھ کو ان عورتوں کے قصہ کی کچھ حقیقت معلوم ہے جنہوں نے دعوت کے موقع پر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو ان عورتوں کے ناموں کی تفصیل کہاں معلوم ہو گی۔ کہ خیال کیا ہو گا کہ ایسا واقعہ ضرور عام شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے واقعہ کے ایک ممتاز جز (ہاتھ کاٹنے) کو ظاہر کر کے بادشاہ کو توجہ دلائی کہ اس مشہور و معروف قصہ کی تفتیش و تحقیق کرے۔ غالباً اب وہ عورتیں بتلا دیں گی کہ تقصیر کس کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحیحین کی حدیث میں حضرت یوسفؑ کے کمال صبر و تحمل کی اس طرح داد دی ہے۔ لَوْلَبِثْتُ فِی السِّجْنِ مَا لَبِثَ یُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ (اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنا یوسفؑ رہے تو بلانے والے کی اجابت کرتا یعنی فوراً ساتھ ہو لیتا) محققین کہتے ہیں کہ اس میں حضرت یوسفؑ کے صبر و تحمل کی تعریف اور لطیف رنگ میں اپنی عبودیت کاملہ کا اظہار ہے۔ ہم نے اس مضمون کی تفصیل شرح صحیح مسلم میں کی ہے یہاں اختصار کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔

۷۴۔ رہائی کا حکم اور حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر و تحمل: "حضرت یوسفؑ نے "سب کا فریب" فرمایا، اس واسطے کہ ایک کا فریب تھا اور سب اس کی مددگار تھیں اور اصل فریب والی کا نام شاید حق پرورش کی وجہ سے نہیں لیا۔ حیا کی وجہ سے گول مول فرمایا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اصل حقیقت آخر کھل کر رہے گی۔ کذا فی الموضح۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو اسکے نفس کی حفاظت سے [۷۵] بولیں حاشا للہ ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی بولی عورت عزیز کی اب کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اسکو اس کے جی سے اور وہ سچا ہے [۷۶]

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ یوسف نے کہا یہ اس واسطے کہ عزیز معلوم کر لیوے کہ میں نے اسکی چوری نہیں کی چھپ کر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا (چلنے نہ دیتا) فریب دغابازوں کا [۷۷]

۷۵۔ بادشاہ نے دریافت کرنے کا ایسا عنوان اختیار کیا گویا وہ پہلے سے خبر رکھتا ہے تا یہ دیکھ کر انہیں جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہو۔ نیز یوسفؑ کی استقامت و صبر کا اثر پڑا ہو گا۔ کہ بدون اظہار براءت کے جیل سے نکلنا گوارا نہیں کرتے۔ اور اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ کہہ کر ان کے "کید" کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ادھر ساقی وغیرہ نے واقعات سنائے ہوں گے ان سے بھی یوسفؑ کی نزاہت اور عورتوں کے مکائد کی تائید ملی ہو گی۔

۷۶۔ زلیخا کا اقرار جرم: سب عورتوں کی متفقہ شہادت کے بعد زلیخا نے بھی صاف اقرار کر لیا کہ قصور میرا ہے۔ یوسفؑ بالکل سچے ہیں بیشک میں نے ان کو اپنی جانب مائل کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ ایسے کا ہے کو تھے کہ میرے داؤ میں آ جاتے۔

۷۷۔ یعنی اتنی تحقیق و تفتیش اس لئے کرائی کہ پیغمبرانہ عصمت و دیانت بالکل آشکارا ہو جائے اور لوگ معلوم کر لیں کہ خائنوں اور دغابازوں کا فریب اللہ چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چلا۔ آخر حق، حق ہو کر رہا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ ‌ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوۡٓءِ
اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىۡ ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بیشک جی تو سکھلاتا ہے برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے بیشک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان [۷۸]

وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِىۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِىۡ‌ ۚ فَلَمَّا
كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ‏ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اسکو اپنے کام میں [۷۹] پھر جب بات چیت کی اس سے کہا واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر [۸۰]

قَالَ اجۡعَلۡنِىۡ عَلٰى خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ‌ ۚ اِنِّىۡ حَفِيۡظٌ
عَلِيۡمٌ‏ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا [۸۱]

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ‌ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنۡهَا
حَيۡثُ يَشَآءُ‌ ؕ نُصِيۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ‌ وَلَا
نُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ‏ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا [۸۲] پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلا بھلائی والوں کا

وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا
يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ ع ۸

۵۷۔ اور ثواب آخرت کا بہتر ہے انکو جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری میں [۸۳]

۷۸۔ **حضرت یوسف علیہ السلام کا اعلان براءت:** چونکہ حضرت یوسفؑ نے اپنی براءت پر بہت زیادہ زور دیا۔ ممکن تھا کوئی سطحی آدمی اس سے فخر و ناز اور غرور اعجاب کا شبہ کرنے لگتا اس لئے اپنی نزاہت کی حقیقت کھول دی کہ میں کوئی شیخی نہیں مارتا نہ پاک صاف رہنے میں اپنے نفس پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ محض خدا کی رحمت و اعانت ہے جو کسی نفس کو برائی سے روکتی ہے۔ یہ ہی رحمت خصوصی عصمت انبیاء علیہم السلام کی کفیل و ضامن ہے۔ ورنہ نفس انسانی کا کام عمومًا برائی کی ترغیب دینا تھا۔ خدا تعالیٰ کی خصوصی توفیق و دستگیری نہ ہوتی تو میرا نفس بھی دوسرے نفوس بشریہ کی طرح ہوتا اِنَّ رَبِّىۡ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ سے اشارہ کر دیا کہ نفس امارہ جب توبہ کر کے "لوامہ" بن جائے تو خدا اس کی پچھلی تقصیرات معاف فرما دیتا ہے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اپنی مہربانی سے "نفس مطمئنہ" کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ (تنبیہ) حافظ ابن تیمیہ اور ابن کثیر ذٰلِكَ لِيَعۡلَمَ اَنِّىۡ لَمۡ اَخُنۡهُ سے غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ تک زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے یعنی زلیخا نے اَنَا رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ کا اقرار کر کے کہا کہ اس اقرار و اعتراف سے عزیز کو یہ معلوم کرانا ہے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے کوئی بڑی خیانت نہیں کی۔ بیشک یوسفؑ کو پھسلانا چاہا تھا۔ مگر میری مراودت ان پر کارگر

نہیں ہوئی۔ اگر میں نے مزید خیانت کی ہوتی تو ضرور اس کا پردہ فاش ہو کر رہتا۔ کیونکہ خدا خائنوں کے مکرو فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ہاں میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، جتنی غلطی مجھ سے ہوئی اس کا اقرار کر رہی ہوں دوسرے آدمیوں کی طرح نفس کی شرارتوں سے میں بھی پاک نہیں۔ ان سے تو یوسفؑ جیسا پاکباز انسان ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ جس پر خدا کی خاص مہربانی اور رحمت ہے۔ ابو حیان نے بھی اس کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ لیکن لِيَعْلَمَ اور لَمْ اَخُنْهُ کی ضمیریں بجائے عزیز کے یوسفؑ کی طرف راجع کی ہیں۔ یعنی اپنی خطا کا صاف اقرار اس لئے کرتی ہوں کہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی غلط بات نہیں کہی نہ اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم۔

۷۹۔ یعنی میرا مشیر خاص رہے گا۔

۸۰۔ عزیز مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کی گفتگو: کچھ پہلے سے معتقد ہو چکا تھا۔ بالمشافہ باتیں سن کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور حکم دے دیا کہ آج سے آپ ہمارے پاس نہایت معزز و معتبر ہو کر رہیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اب عزیز کا علاقہ موقوف کیا اپنی صحبت میں رکھا"۔

۸۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام مالیات کے سربراہ: یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری کروں گا اور اس کی آمد و خرچ کے ذرائع اور حساب و کتاب سے خوب واقف ہوں یوسفؑ نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے سر لیا۔ تا اس ذریعہ سے عامۂ خلائق کو پورا نفع پہنچا سکیں۔ خصوصًا آنے والے خوفناک قحط میں نہایت خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری اور حکومت کی مالی حالت کو مضبوط رکھ سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی عقل بھی کامل رکھتے ہیں اور یہ کہ ہمدردی خلائق کے لئے مالیات کے قصوں میں پڑنا شان نبوت یا بزرگی کے خلاف نہیں سمجھتے۔ نیز ایک آدمی اگر نیک نیتی سے یہ سمجھے کہ فلاں منصب کا میں اہل ہوں اور دوسروں سے یہ کام اچھی طرح بن نہ پڑے گا تو مسلمانوں کی خیر طلبی اور نفع رسانی کی غرض سے اس کی خواہش یا درخواست کر سکتا ہے اور اگر حسب ضرورت اپنے بعض خصال حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرنا پڑے تو یہ ناجائز مدح سرائی میں داخل نہیں۔ عبدالرحمٰن بن سمرۃ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص از خود امارت طلب کرے تو اس کا بار اسی کے کندھوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ (غیبی اعانت مددگار نہیں ہوتی) یہ اس وقت ہے جب طلب کرنا محض نفس پروری اور جاہ پسندی وغیرہ اغراض کی بناء پر ہو۔ واللہ اعلم۔

۸۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت: جہاں چاہتے اترتے اور جو چاہتے تصرف کرتے۔ گویا ریان بن الولید برائے نام بادشاہ تھا حقیقت میں یوسفؑ بادشاہی کر رہے تھے اور "عزیز" کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بادشاہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ نیز اسی زمانہ میں عزیز مصر کا انتقال ہوا تو اس کی عورت زلیخا نے آپ سے شادی کر لی۔ واللہ اعلم۔ محدثین اس پر اعتماد نہیں کرتے۔

۸۳۔ آخرت کا اجر بہتر ہے: جو بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے خدا اس کو دنیا میں بھی میٹھا پھل دیتا ہے۔ خواہ ثروت و حکومت یا بالذات عیش، حیات طیبہ، اور غنائے قلبی، حضرت یوسفؑ کو یہ سب چیزیں عنایت فرمائیں۔ رہا آخرت کا اجر، سو وہ ایک ایماندار و پرہیزگار کے لئے دنیا کے اجر سے کہیں بہتر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یہ جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولاد ابراہیمؑ اس طرح "شام" سے آئی مصر میں اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو گھر سے دور پھینکا تا ذلیل ہو۔ اللہ نے عزت دی۔ اور ملک پر اختیار دیا۔ ایسا ہی ہوا ہمارے حضرت کو"۔

وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اسکے پاس تو اس نے پہچان لیا انکو اور وہ نہیں پہچانتے [۸۴]

وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ

۵۹۔ اور جب تیار کر دیا انکو ان کا اسباب کہا لے آئیو

مِّنۡ اَبِيۡكُمۡ‌ ۚ اَلَا تَرَوۡنَ اَنِّىۡۤ اُوۡفِى الۡكَيۡلَ وَاَنَا خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿۵۹﴾

میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ماپ اور خوب طرح اتار تا ہوں مہمانوں کو[۸۵]

فَاِنۡ لَّمۡ تَاۡتُوۡنِىۡ بِهٖ فَلَا كَيۡلَ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ وَلَا تَقۡرَبُوۡنِ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لئے بھرتی نہیں میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آئیو[۸۶]

قَالُوۡا سَنُرَاوِدُ عَنۡهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ بولے ہم خواہش کریں گے اس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے[۸۷]

وَقَالَ لِفِتۡيٰنِهِ اجۡعَلُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ فِىۡ رِحَالِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَعۡرِفُوۡنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوۡۤا اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور کہدیا اپنے خدمت گاروں کو رکھ دو انکی پونجی انکے اسباب میں شاید اس کو پہچانیں جب پھر کر پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں[۸۸]

۸۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی بھائیوں سے ملاقات اور مدارات: موضح القرآن میں ہے "جب حضرت یوسفؑ ملک "مصر" پر مختار ہوئے خواب کے موافق سات برس خوب آبادی کی اور ملک کا اناج بھرتے گئے۔ پھر سات برس کے قحط میں ایک بھاؤ میانہ باندھ کر بکوایا اپنے ملک والوں کو اور پردیسیوں کو سب کو برابر مگر پردیسی کو ایک اونٹ سے زیادہ نہ دیتے تھے۔ اس میں خلق بچی قحط سے اور خزانہ بادشاہ کا بھر گیا۔ ہر طرف خبر تھی کہ مصر میں اناج سستا ہے ان کے بھائی خریدنے کی غرض سے آئے"۔ ان کے تن و توش، ہیات، وضع قطع میں چنداں تغیر نہ ہوا تھا۔ ادھر حضرت یوسفؑ برابر اپنے بھائیوں کا تفقد کرتے رہے ہوں گے اور وہاں پہنچنے پر ان کا نام و نشان بھی دریافت کر لیا ہوگا جیسا کہ سلاطین واعیان سے ملاقات کرنے میں عموماً ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض تفاسیر میں ہے کہ انہوں نے یوسفؑ سے اپنا نام و نسب وغیرہ بیان کیا۔ ہاں یوسفؑ جدائی کے وقت چونکہ بہت چھوٹے تھے اور بھائیوں کو پہلے سے ادھر خیال بھی تھا۔ نہ بادشاہوں کے یہاں عام آدمیوں کی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ ان کا نام و نسب وغیرہ دریافت کریں۔ اس لئے وہ یوسفؑ کو نہ پہچان سکے۔

۸۵: بنیامین کو لانے کا حکم: حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کی خوب مدارات اور مہمانداری کی۔ ایک ایک اونٹ فی کس غلہ دیا۔ یہ خاص مہربانی اور اخلاق دیکھ کر کہتے ہیں انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ایک علاقی بھائی (بنیامین) کو بوڑھے غمزدہ باپ نے تسکین خاطر کے لئے اپنے پاس روک لیا ہے۔ کیونکہ اس کا دوسرا عینی بھائی (یوسفؑ) جو باپ کو بے حد محبوب تھا۔ مدت ہوئی کہیں جنگل میں ہلاک ہو چکا ہے۔ اگر بنیامین کے حصہ کا غلہ بھی ہم کو مرحمت فرمائیں تو بڑی نوازش ہو گی۔ یوسفؑ نے فرمایا کہ اس طرح غائب کا حصہ دینا خلاف قاعدہ ہے۔ تم پھر آؤ تو بنیامین کو ساتھ لاؤ تب اس کا حصہ پاسکو گے۔ میرے اخلاق اور مہمان نوازی کو تم خود مشاہدہ کر چکے ہو۔ کیا اس کے بعد تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کے لانے میں کچھ تردد ہو سکتا ہے؟

۸۶۔ یعنی نہ لائے تو سمجھا جائے گا کہ تم جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر خلاف قاعدہ ایک اونٹ زیادہ لینا چاہتے تھے۔ اس کی سزا یہ ہو گی کہ آئندہ خود تمہارا حصہ بھی سوخت ہو جائے گا۔ بلکہ میرے پاس یا میرے قلمرو میں آنے کی بھی اجازت نہ ہو گی۔

۸۷۔ یعنی گو باپ سے اس کا جدا کرنا سخت مشکل ہے۔ تاہم ہماری یہ کوشش ہو گی کہ باپ کو کسی تدبیر سے راضی کر لیں امید ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہیں گے۔

۸۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں پر احسان: یعنی جو پونجی دے کر غلہ خریدا تھا، حکم دیا کہ وہ بھی خفیہ طور پر ان کے اسباب میں رکھ دو تا گھر پہنچ جب اسباب کھولیں اور دیکھیں کہ غلہ کے ساتھ قیمت بھی واپس دے دی گئی تو دوبارہ ادھر آنے کی ترغیب مزید ہو کہ ایسے کریم بادشاہ کہاں ملتے ہیں۔ اور ممکن ہے قیمت نہ موجود ہونے کی بناء پر دوبارہ آنے سے مجبور رہیں اس لئے قیمت واپس کر دی۔ بعض نے کہا یوسفؑ نے بھائیوں سے قیمت لینا مروت و کرم کے خلاف سمجھا۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس بولے اے باپ روک دی گئی ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ بھرتی لے آئیں اور ہم اسکے نگہبان ہیں [۸۹]

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ کہا میں کیا اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان [۹۰]

وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی اپنی پونجی کہ پھیر دی گئی انکی طرف بولے اے باپ ہم کو اور کیا چاہیئے یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی [۹۱] وہ بھرتی آسان ہے [۹۲]

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ

۶۶۔ کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اسکو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے اسکو میرے پاس

اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾

مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب پھر جب دیا اسکو سب نے عہد بولا اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے[۹۳]

۸۹۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیٹوں کی درخواست: یعنی یوسفؑ کی طرح اس کے متعلق کچھ تردد نہ کیجئے۔ اب ہم چوکنے ہو گئے ہیں پوری طرح حفاظت کریں گے۔

۹۰۔ یعنی یہ ہی الفاظ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ تم نے یوسف کے ساتھ لیجاتے وقت کہے تھے۔ پھر تمہارے وعدہ پر کیا اعتبار ہو۔ ہاں اس وقت ضرورت شدید ہے۔ جس سے اغماض نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے تمہارے ساتھ بھیجنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ سو میں اس کو خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ وہ ہی اپنی مہربانی سے اسکی حفاظت کرے گا۔ اور مجھ کو یوسفؑ کی جدائی کے بعد دوسری مصیبت سے بچائے گا۔

۹۱۔ یعنی بنیامین کا حصہ۔

۹۲۔ یعنی ایسی آسان بھرتی کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ جس طرح ہو۔ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ بعض نے ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ کا اشارہ پہلے جو غلہ لائے تھے اس کی طرف کیا ہے اور ''یسیر'' کو بمعنی قلیل لیا ہے۔ یعنی جو پہلے لائے ہیں وہ حاجت کے اعتبار سے تھوڑا ہے قحط کے زمانہ میں کہاں تک کام دے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جس طرح بن پڑے ہم دوبارہ جائیں اور سب کا حصہ لے کر آئیں۔

۹۳۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں سے عہد: یعنی اگر تقدیر الٰہی سے کوئی ایسا حادثہ آ جائے جس میں تم سب گھر جاؤ اور نکلنے کی کوئی سبیل نہ رہے تب تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اپنے مقدور اور زندگی بھر بنیامین کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو گے۔ یہ پختہ عہد و پیمان اور قسمیں لے کر زیادہ تاکید و اہتمام کے طور پر فرمایا اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ یعنی جو کچھ عہد و پیمان ہم اس وقت کر رہے ہیں وہ سب خدا کے سپرد ہیں۔ اگر کسی نے خیانت اور بدعہدی کی وہ ہی سزا دے گا۔ یا یہ کہ قول و قرار تو اپنے مقدور کے موافق پختہ کر رہے ہیں۔ لیکن ان باتوں سے جو مقصد اصلی ہے وہ خدا کی حفاظت و نگہبانی سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ خدا نہ چاہے تو سارے اسباب و تدابیر رکھی رہ جائیں کچھ نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''ظاہری اسباب بھی پختہ کر لئے اور بھروسہ اللہ پر رکھا۔ یہی حکم ہے ہر کسی کو۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو[۹۴]

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ

۶۸۔ اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا انکے باپ نے[۹۵] کچھ نہ بچا سکتا تھا انکو اللہ کی کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو پوری کر چکا اور وہ

نَفۡسِ يَعۡقُوۡبَ قَضٰهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوۡ عِلۡمٍ لِّمَا عَلَّمۡنٰهُ

وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾

تو خبر دار تھا جو کچھ ہم نے اس کو سکھایا لیکن بہت لوگوں کو خبر نہیں[96]

ع ٨ ١١ ٢

وَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰى يُوۡسُفَ اٰوٰٓى اِلَيۡهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىۡۤ

اَنَا اَخُوۡكَ فَلَا تَبۡتَـئِسۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۹﴾

٦٩۔ اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو کہا تحقیق میں ہوں بھائی تیرا سو غمگین مت ہو ان کاموں سے جو انہوں نے کئے ہیں[97]

٩٤۔ **بیٹوں کو نصیحت:** برادران یوسفؑ پہلی مرتبہ جو مصر گئے تھے عام مسافروں کی طرح بلا امتیاز شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن یوسفؑ کی خاص توجہات و الطاف کو دیکھ کر یقیناً وہاں کے لوگوں کی نظریں ان کی طرف اٹھنے لگی ہوں گی۔ اب دوبارہ جانا خاص شان و اہتمام سے بلکہ کہنا چاہئے کہ ایک طرف یوسفؑ کی دعوت پر تھا۔ بنیامین جس کی حفاظت و محبت حضرت یعقوبؑ یوسفؑ کے بعد بہت کرتے تھے، بھائیوں کے ہمراہ تھے۔ یعقوبؑ کو خیال گذرا کہ ایک باپ کے گیارہ وجیہہ و خوش رو بیٹوں کا خاص شان سے بہیأت اجتماعی شہر میں داخل ہونا خصوصاً اس برتاؤ کے بعد جو عزیز مصر (یوسفؑ) کی طرف سے لوگ پہلے مشاہدہ کر چکے تھے، ایسی چیز ہے جس کی طرف عام نگاہیں ضرور اٹھیں گی۔ "العین حق" نظر لگ جانا ایک حقیقت ہے (اور آج کل مسمریزم کے عجائبات تو عموماً اسی قوت نگاہ کے کرشمے ہیں) یعقوبؑ نے بیٹوں کو نظر بد اور حسد وغیرہ مکروہات سے بچانے کے لئے یہ ظاہری تدبیر تلقین فرمائی کہ متفرق ہو کر معمولی حیثیت سے شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوں تاکہ خواہی نخواہی پبلک کی نظریں ان کی طرف نہ اٹھیں ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں کوئی تدبیر کر کے قضاء و قدر کے فیصلوں کو نہیں روک سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف خدا کا چلتا ہے۔ ہمارے سب انتظامات حکم الٰہی کے مقابلہ میں بیکار ہیں۔ ہاں تدبیر کرنا بھی اسی نے سمجھایا ہے اور جائز رکھا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ بچاؤ کی تدبیر کر لے مگر بھروسہ خدا پر رکھے گویا لڑکوں کو سنایا کہ میری طرح تم بھی تہ دل سے خدا کی حفاظت پر بھروسہ رکھو۔ تدابیر پر مغرور نہ بنو۔

٩٥۔ یعنی مختلف دروازوں سے علیحدہ علیحدہ۔

٩٦۔ **تقدیر اور تدبیر کو جمع کرنا:** یعنی جس طرح کہا تھا داخل ہوئے۔ تو اگرچہ نظر یا ٹوک نہ لگی۔ لیکن تقدیر اور طرف سے آئی۔ (بنیامین کو الزام سرقہ کے سلسلہ میں روک لیا گیا) تقدیر دفع نہیں ہوتی۔ سو جن کو علم ہے ان کو تقدیر کا یقین اور اسباب کا بچاؤ دونوں حاصل ہو سکتے ہیں لیکن بے علم سے ایک ہو تو دوسرا نہ ہو، یا ہمہ تن اسباب پر اتکا کر کے تقدیر کا انکار کر بیٹھتا ہے یا تقدیر پر یقین رکھنے کے یہ معنی سمجھ لیتا ہے کہ اسباب کو معطل کر دیا جائے۔ البتہ عارف اور باخبر لوگ تقدیر و تدبیر کو جمع کرتے اور ہر ایک کو اس کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

٩٧۔ **بنیامین سے حضرت یوسف علیہ السلام کا خصوصی معاملہ:** حضرت یوسفؑ نے بنیامین کے ساتھ ممتاز معاملہ کیا۔ اور خلوت میں آہستہ سے آگاہ کر دیا کہ میں تیرا حقیقی بھائی (یوسفؑ) ہوں۔ جو مظالم ان علاتی بھائیوں نے ہم پر کئے کہ مجھے باپ سے جدا کر کے کنویں میں ڈالا، غلام بنا کر بیچا۔ اور ہمارے باپ بھائی وغیرہ کو فراق کے صدمہ میں مبتلا کیا یا اب یہاں آتے ہوئے تمہارے ساتھ کوئی سختی کی، ان باتوں سے غمگین مت ہو۔ وقت آگیا ہے کہ ہمارے سب غم غلط ہو جائیں اور سختیوں کے بعد حق تعالیٰ راحت و عزت نصیب فرمائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ اس بھائی کو جو یوسفؑ نے آرزو سے بلایا اوروں کو حسد ہوا۔ اس سفر میں اس کو بات بات پر جھڑکتے اور طعنے دیتے۔ اب حضرت یوسفؑ نے تسلی کر دی۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمۡ بِجَهَازِهِمۡ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىۡ
رَحۡلِ اَخِيۡهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الۡعِيۡرُ اِنَّكُمۡ
لَسٰرِقُوۡنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ پھر جب تیار کر دیا انکے واسطے اسباب انکا رکھ دیا پینے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو[۹۸]

قَالُوۡا وَاَقۡبَلُوۡا عَلَيۡهِمۡ مَّاذَا تَفۡقِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ کہنے لگے منہ کر کے انکی طرف تمہاری کیا چیز گم ہو گئی[۹۹]

قَالُوۡا نَفۡقِدُ صُوَاعَ الۡمَلِكِ وَلِمَنۡ جَآءَ بِهٖ حِمۡلُ
بَعِيۡرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیمانہ اور جو کوئی اس کو لائے اسکو ملے ایک بوجھ اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن[۱۰۰]

قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِى
الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيۡنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے[۱۰۱]

قَالُوۡا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ بولے پھر کیا سزا ہے اسکی اگر تم نکلے جھوٹے[۱۰۲]

قَالُوۡا جَزَآؤُهٗ مَنۡ وُّجِدَ فِىۡ رَحۡلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ
كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اسکے بدلے میں جائے ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو[۱۰۳]

فَبَدَاَ بِاَوۡعِيَتِهِمۡ قَبۡلَ وِعَآءِ اَخِيۡهِ ثُمَّ
اسۡتَخۡرَجَهَا مِنۡ وِّعَآءِ اَخِيۡهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدۡنَا
لِيُوۡسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ فِىۡ دِيۡنِ الۡمَلِكِ
اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ وَ
فَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ پھر شروع کیں یوسف نے انکی خرجیاں دیکھنی اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے آخر کو وہ برتن نکالا اپنے بھائی کی خرجی سے[۱۰۴] یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو[۱۰۵] وہ ہر گز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین (قانون) میں اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ[۱۰۶] ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں[۱۰۷] اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا[۱۰۸]

۹۸۔ بھائیوں پر چوری کا الزام: یعنی جب یوسفؑ کے حکم سے ان کا غلہ لدوایا اور سامان سفر تیار کیا گیا تو ایک چاندی کا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے اسباب میں بلا اطلاع رکھ دیا۔ جس وقت قافلہ روانہ ہونے لگا۔ محافظین کو پیالہ کی تلاش ہوئی۔ آخر ان کا شبہ اسی قافلہ پر گیا۔ قافلہ تھوڑی دور نکلا تھا کہ محافظین میں سے کسی نے آواز دی کہ ٹھہرو۔ تم لوگ یقیناً چور معلوم ہوتے ہو۔ (تنبیہ) اگر یہ لفظ یوسفؑ کے حکم سے کہے گئے تو مطلب ہو گا کہ کوئی مال چراتا ہے، تم وہ ہو جنہوں نے باپ کی چوری سے بھائی کو بیچ ڈالا۔

۹۹۔ یعنی ہم کو خواہ مخواہ چور کیوں بناتے ہو اگر تمہاری کوئی چیز گم ہوئی ہے وہ بتلاؤ، ہم ابھی کہیں گئے نہیں ہمارے اسباب میں تلاش کر لو۔

۱۰۰۔ محافظین نے کہا، بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ یا غلہ ناپنے کا پیمانہ گم ہو گیا ہے۔ اگر بدون حیل و حجت کے کوئی شخص حاضر کر دے گا تو غلہ کا ایک اونٹ انعام پائے گا۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

۱۰۱۔ یعنی مصر میں ہمارا چال چلن عام طور پر معلوم ہے کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں کبھی کچھ شرارت کی؟ نہ ہم شرارتوں کے لئے یہاں آئے۔ اور نہ چوروں کے خاندان سے ہیں۔

۱۰۲۔ محافظین نے کہا کہ تم فضول حجتیں کر رہے ہو۔ اگر مال مسروقہ تمہارے پاس سے برآمد ہو گیا تو کیا کرو گے۔

۱۰۳۔ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا: یہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا تھی یعنی جس کے پاس سے چوری نکلے وہ ایک سال تک غلام ہو کر رہے۔ برادران یوسفؑ نے اپنے قانون شرعی کے موافق بے تامل سزا کا ذکر کر دیا کیونکہ انہیں پورا یقین تھا کہ ہم چور نہیں۔ نہ چوری کا مال ہمارے پاس سے برآمد ہو سکتا ہے۔ اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے۔

۱۰۴۔ بھائیوں کی تلاشی: یعنی اس گفتگو کے بعد محافظین ان کو "عزیز مصر" (یوسفؑ) کے پاس لے گئے اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے تفتیش کا حکم دیا۔ پہلے دوسرے بھائیوں کی خرجیاں (زنبیلیں اور بیگ وغیرہ) دیکھے گئے، پیالہ برآمد نہ ہوا۔ اخیر میں بنیامین کے اسباب کی تلاشی ہوئی، چنانچہ پیالہ اس میں سے نکل آیا۔

۱۰۵۔ یا یوں تدبیر کی ہم نے یوسفؑ کے لئے۔

۱۰۶۔ بنیامین کو روکنے کی تدبیر: یعنی بھائیوں کی زبان سے آپ ہی نکلا کہ جس کے پاس مال نکلے غلام بنا لو۔ اس پر پکڑے گئے ورنہ حکومت مصر کا قانون یہ نہ تھا۔ اگر ایسی تدبیر نہ کی جاتی کہ وہ خود اپنے اقرار میں بندھ جائیں تو ملکی قانون کے موافق کوئی صورت بنیامین کو روک لینے کی نہ تھی۔

۱۰۷۔ یعنی جسے چاہیں حکمت و تدبیر سکھلائیں۔ یا اپنی تدبیر لطیف سے سربلند کریں۔ دیکھو وہ ہی لوگ جنہوں نے باپ کی چوری سے یوسفؑ کو چند درہم میں بیچ ڈالا تھا آج یوسفؑ کے سامنے چوروں کی حیثیت میں کھڑے ہیں۔ شاید اس طرح ان کی پچھلی غلطیوں کا کفارہ کرنا ہو گا۔

۱۰۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے توریہ کی حقیقت: یعنی دنیا میں ایک آدمی سے زیادہ دوسرا دوسرے سے زیادہ تیسرا جاننے والا ہے مگر سب جاننے والوں کے اوپر ایک جاننے والا اور ہے جسے "عالم الغیب والشہادہ" کہتے ہیں۔ (تنبیہ) واضح ہو کہ اس تمام واقعہ میں حضرت یوسفؑ کی زبان سے کوئی لفظ خلاف واقع نہیں نکلا۔ نہ کوئی حرکت خلاف شرع ہوئی زیادہ سے زیادہ انہوں نے توریہ کیا۔ "توریہ" کا مطلب ہے ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے دیکھنے سننے والے کے ذہن میں ایک ظاہری اور قریبی مطلب آئے، لیکن متکلم کی مراد دوسری ہو جو ظاہری مطلب سے بعید ہے۔ اگر یہ "توریہ" کسی نیک اور محمود مقصد کے لئے کیا جائے تو اس کے جائز بلکہ محمود ہونے میں شبہ نہیں۔ اور کسی مذموم و قبیح غرض کے لئے ہو تو وہ "توریہ" نہیں، دھوکہ اور فریب ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ یعقوبؑ کے ابتلاء و امتحان کی تکمیل کر دی جائے۔ یوسفؑ کے بعد بنیامین بھی ان سے جدا ہوں۔ ادھر مدت کے بچھڑے ہوئے دو عینی بھائی آپس میں مل کر رہیں۔ یوسفؑ کو امتحان کی گھاٹیوں سے نکالنے کے بعد اول علاتی بھائیوں پھر عینی بھائی پھر والد بزرگوار اور سب کنبہ سے بتدریج ملائیں۔ دوسری طرف برادران یوسفؑ سے جو غلطیاں ہوئی تھیں

کچھ ٹھوکریں کھا کر وہ بھی عفوورحم کے دروازہ پر پہنچ جائیں۔ اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوں گی جن کی وجہ سے یوسفؑ کو تھوڑا سا "توریہ" کرنے کی ہدایت ہوئی۔ انہوں نے پیالہ اپنے بھائی کے اسباب میں رکھا۔ پھر نہ کسی پر اس کی چوری کا الزام لگایا نہ یہ کہا کہ ہم فلاں کو چوری کی سزا میں پکڑتے ہیں۔ صورتیں ایسی پیدا ہوتی چلی گئیں جن سے آخر میں بنیامین کے لئے اپنے بھائی کے پاس عزت وراحت کے ساتھ رہنے کی سبیل نکل آئی۔ مصلحۃً بعض ایسے الفاظ بیشک استعمال کئے جن کے معنی متبادر مردانہ تھے یا بعض چیزوں پر سکوت کیا جن کی نسبت اگر کچھ بولتے تو راز فاش ہو کر اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔

قَالُوۡۤا اِنۡ يَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ ۚ
فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ وَلَمۡ يُبۡدِهَا لَهُمۡ ۚ قَالَ
اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اسکے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے [۱۰۹] تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنے جی میں اور انکو نہ جتایا کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو [۱۱۰]

قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الۡعَزِيۡزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيۡخًا كَبِيۡرًا فَخُذۡ
اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ کہنے لگے اے عزیز اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا [۱۱۱]

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنۡ نَّاۡخُذَ اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا
مَتَاعَنَا عِنۡدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾ ع ۹ ۱۱ ۳

۷۹۔ بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز [۱۱۲] تو تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے [۱۱۳]

فَلَمَّا اسۡتَيۡئَسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِيًّا ؕ قَالَ
كَبِيۡرُهُمۡ اَلَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اَبَاكُمۡ قَدۡ اَخَذَ عَلَيۡكُمۡ
مَّوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنۡ قَبۡلُ مَا فَرَّطْتُّمۡ فِىۡ يُوۡسُفَ ۚ
فَلَنۡ اَبۡرَحَ الۡاَرۡضَ حَتّٰى يَاۡذَنَ لِىۡۤ اَبِىۡۤ اَوۡ يَحۡكُمَ
اللّٰهُ لِىۡ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو بولا ان میں کا بڑا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق (قصہ) میں سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا [۱۱۴]

اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰٓى اَبِيۡكُمۡ فَقُوۡلُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَكَ سَرَقَ ۚ

۸۱۔ پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے باپ تیرے

وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾

بیٹے نے تو چوری کی اور ہم نے تو وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا[۱۱۵]

وَ سْــٴَـلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَ الْعِیْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں[۱۱۶]

۱۰۹۔ یہ اشارہ یوسفؑ کی طرف تھا۔ اپنی پاکبازی جتانے کے لئے محض ناحق کوشی اور عناد سے بنیامین کے جرم کو پختہ کر دیا اور اتنی مدت کے بعد بھی یوسفؑ معصوم پر جھوٹی تہمت لگانے سے نہ شرمائے مفسرین نے اس موقع پر کئی قصے بیان کئے ہیں جن کی طرف برادران یوسفؑ نے چوری کے لفظ میں اشارہ کیا تھا۔ ان کے نقل کی یہاں حاجت نہیں۔

۱۱۰۔ بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام: یعنی ایسا سخت لفظ سن کر بھی یوسفؑ بے قابو نہیں ہوئے۔ کیونکہ مصلحت خداوندی افشائے راز کو متقضی نہ تھی۔ یوسفؑ نے بات کو دل میں رکھا۔ جواب دے کر ان کے اتہام کی حقیقت نہ کھولی۔ اپنے جی میں کہا اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے مجھے چور بناتے ہو؟ حالانکہ تم نے ایسی چوری کی کہ بھائی کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا۔ باقی میری چوری کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ بعض مفسرین نے اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا الخ کا مطلب یہ لیا ہے کہ یوسفؑ نے ان کو خطاب کر کے کہا کہ تم بڑے ہی بدترین لوگ ہو۔ ابھی تو کہہ رہے تھے وَ مَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ہم چوروں میں کے نہیں۔ جب ایک بھائی کے اسباب میں سے مال برآمد ہوا تو اس کے ساتھ دوسرے غیر حاضر بھائی کو بھی ملوث کرنے لگے گویا چوری کرنا تمہارا خاندانی پیشہ ہے (العیاذ باللہ) خدا خوب جانتا ہے کہ تم اپنے بیان میں کہاں تک سچے ہو۔ وہ ہی تم کو غلط بیانیوں کی سزا دے گا۔

۱۱۱۔ بھائیوں کی درخواست اور اس کا جواب: یعنی بوڑھے باپ کو بڑا صدمہ پہنچے گا۔ وہ ہم سب سے زیادہ اس کو اور اس کے بھائی یوسفؑ کو چاہتے تھے۔ یوسفؑ کے بعد اب اسی سے اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں۔ آپ اگر اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔ آپ ہمیشہ مخلوق پر احسانات کرتے ہیں اور ہم پر خصوصی احسان فرماتے رہے ہیں۔ امید ہے ہم کو اپنے کرم سے مایوس نہ فرمائیں گے۔

۱۱۲۔ یعنی خدا پناہ میں رکھے، کہ ہم کسی کو بے سبب دوسرے کے بدلے پکڑنے لگیں۔ ہم تو صرف اسی شخص کو روکیں گے جس کے پاس سے اپنی چیز ملی ہے۔ (وہ بنیامین ہے جو عینی بھائی ہونے کی حیثیت سے ہمارے پاس رہے گا) یہاں بھی اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ کی جگہ اِلَّا مَنْ سَرَقَ نہیں فرمایا جو مختصر تھا۔ کیونکہ واقع کے خلاف ہوتا۔

۱۱۳۔ یعنی مجرم کے بدلہ میں بے قصور کو پکڑیں۔ تو تمہارے خیال اور قانون کے موافق ہم بے انصاف ٹھہریں گے۔

۱۱۴۔ بھائیوں کا آپس میں مشورہ: جب حضرت یوسفؑ کا جواب سن کر مایوس ہو گئے تو مجمع سے ہٹ کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ اکثروں کی رائے ہوئی کہ وطن واپس جانا چاہئے۔ ان میں جو عمر یا عقل وغیرہ کے اعتبار سے بڑا تھا، اس نے کہا کہ باپ کے سامنے ہم کیا منہ لے کر جائیں گے، جو عہد ہم سے لیا تھا اس کا کیا جواب دیں گے۔ ایک تقصیر تو پہلے یوسفؑ کے معاملہ میں کر چکے ہیں جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ اب بنیامین کو چھوڑ کر سب کا چلا جانا سخت بے حمیتی ہو گی۔ سو واضح رہے کہ بندہ تو کسی حال یہاں سے ٹلنے والا نہیں۔ الا یہ کہ خود والد بزرگوار مجھ کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیں یا اس درمیان میں قدرت کی طرف سے کوئی فیصلہ ہو جائے مثلاً تقدیر سے میں یہیں مر جاؤں یا کسی تدبیر سے

بنیامین کو چھڑالوں۔(تنبیہ) یہ کہنے والا غالباً وہ ہی بھائی تھا۔ جس نے یوسفؑ کے معاملہ میں بھی نرم مشورہ دیا تھا۔ لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ۔

۱۱۵۔ یعنی مجھے چھوڑ دو اور تم سب جا کر باپ سے عرض کرو کہ ایسا واقعہ پیش آیا جس کی کوئی توقع نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی تم کو قول دیا تھا اپنی دانست پر۔ یہ کیا خبر تھی کہ بنیامین چوری کر کے پکڑا جائے گا۔ یا ہم نے چور کر پکڑ رکھنا بتایا اپنے دین کے موافق۔ یہ نہ معلوم تھا کہ بھائی چور رہے۔"

۱۱۶۔ یعنی آپ معتبر آدمی بھیج کر اس بستی والوں سے تحقیق کر لیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ نیز دوسرے قافلہ والوں سے دریافت فرمالیں جو ہمارے ساتھ رہے اور واپس آئے ہیں آپ کو ثابت ہو جائے گا کہ ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔

قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِيَنِىۡ بِهِمۡ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ بولا کوئی نہیں بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات اب صبر ہی بہتر (کام آئے، بن پڑے) ہے شاید اللہ لے آئے میرے پاس ان سب کو وہی ہے خبردار حکمتوں والا[۱۱۷]

وَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوۡسُفَ وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور الٹا پھرا انکے پاس سے اور بولا اے افسوس یوسف پر[۱۱۸] اور سفید ہو گئیں آنکھیں اسکی غم سے[۱۱۹] سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا[۱۲۰]

قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یوسف کی یاد کو جب تک کہ گھل جائے یا ہو جائے مردہ

قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے[۱۲۱]

يٰبَنِىَّ اذۡهَبُوۡا فَتَحَسَّسُوۡا مِنۡ يُّوۡسُفَ وَاَخِيۡهِ وَلَا تَايۡـئَسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايۡـئَسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اسکے بھائی کی اور ناامید مت ہو اللہ کے فیض سے بیشک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں[۱۲۲]

۱۱۷۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر واستقامت: پہلی بار کی بے اعتباری سے اس مرتبہ بھی حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کا اعتبار نہ کیا۔ لیکن نبی کا کلام جھوٹ نہیں۔ بیٹوں کی بنائی بات تھی۔ حضرت یوسفؑ بھی بیٹے تھے "کذا فی الموضح"۔ گویا "لکم" کا خطاب بجنس ابناء کی طرف ہوا۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم یہاں سے حفاظت کے کیسے وعدے کر کے اصرار کے ساتھ لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اتنا بھی نہ کہا کہ اس کے اسباب میں سے پیالہ بر آمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہو گئی، شاید کسی اور نے چھپا دیا ہو۔ مدافعت تو کیا کرتے یہ کہہ کر کہ پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی اس کے جرم کو پختہ کر دیا۔ تمہارے دل میں کھوٹ نہ ہوتا تو یہ طرز عمل اختیار نہ کرتے۔ اب باتیں بنانے کے لئے آئے ہو۔ بہر حال میں تو اس پر بھی صبر ہی کروں گا۔ کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤں گا۔ خدا کی قدرت و رحمت سے کیا بعید ہے کہ یوسف، بنیامین اور وہ بھائی جو بنیامین کی وجہ سے رہ گیا ہے سب کو میرے پاس جمع کر دے وہ سب کے احوال سے خبر دار ہے اور ہر ایک کے ساتھ اپنی حکمت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کے یاس انگیز احوال اور مرور دہور کے بعد بھی انبیاء کے قلوب مایوس نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمیشہ خدا کی رحمت واسعہ پر اعتماد کرتے اور الطاف ومنن کے امیدوار رہے ہیں۔

۱۱۸۔ نیا زخم کھا کر پرانا زخم ہرا ہو گیا۔ بے اختیار پکار اٹھے یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (ہائے افسوس یوسف)۔

۱۱۹۔ یعنی بے رونق یا بے نور ہو گئیں۔ علیٰ اختلاف القولین۔

۱۲۰۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش: حدیث میں ہے نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یعنی انبیاء کی جماعت حق تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے۔ پھر امتحان کی اقسام ہیں۔ ہر نبی کو حق تعالیٰ اپنی حکمت اور اس کی استعداد کے موافق جس قسم کے امتحان میں چاہے مبتلا کرتا ہے۔ یعقوبؑ کے قلب میں یوسفؑ کی فوق العادت محبت ڈال دی۔ پھر ایسے محبوب اور ہونہار بیٹے کو جو خاندان ابراہیمی کا چشم و چراغ تھا، ایسے دردناک طریقے سے جدا کیا گیا۔ غمزدہ اور زخم خوردہ یعقوبؑ کے جگر کو اس روح فرسا صدمہ نے کھا لیا تھا۔ وہ کسی مخلوق کے سامنے نہ حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے۔ غم کی بات منہ سے نہ نکلتی۔ ہاں جب اپنے کو بہت گھونٹتے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا۔ بیسیوں برس تک چشم گریاں اور سینہ بریاں کے باوجود ادائے فرائض و حقوق میں کوئی خلل نہ پڑنے دیا۔ ان کا دل جتنا یوسفؑ کے فراق میں روتا تھا۔ اتنا ہی خدا کے حضور میں زیادہ گڑ گڑاتا تھا۔ درد و غم کی شدت اور اشکباری کی کثرت جس قدر ان کی بصارت کو ضعیف کرتی اسی قدر نور بصیرت کو بڑھا رہی تھی۔ بیتابی و اضطراب کا کیسا ہی طوفان اٹھتا، دل پکڑ اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے زبان سے اف نہ نکالتے بنیامین کی جدائی سے جب پرانے زخم میں نیا چرکہ لگا تو اس وقت بے اختیار یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ صرف اتنا لفظ زبان سے نکلا۔ بقول حضرت شاہ صاحبؒ "ایسا درد اتنی مدت دبا رکھنا پیغمبر کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے"۔

۱۲۱۔ موضح القرآن میں ہے "یعنی کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے؟ بے صبر وہ ہے جو مخلوق کے آگے خالق کے بھیجے ہوئے درد کی شکایت کرے۔ میں تو اسی سے کہتا ہوں جس نے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ (یوسف زندہ ہے، ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا) یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔

۱۲۲۔ بیٹوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاش کا حکم اور نصیحت: یعنی حق تعالیٰ کی مہربانی اور فیض سے ناامید ہونا کافروں کا شیوہ ہے۔ جنہیں اس کی رحمت واسعہ اور قدرت کاملہ کی صحیح معرفت نہیں ہوتی۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر پہاڑ کی چٹانوں اور سمندر کی موجوں کے برابر مایوس کن حالات پیش آئیں۔ تب بھی خدا کی رحمت کا امیدوار رہے اور امکانی کوشش میں پست ہمتی نہ دکھلائے۔ جاؤ۔ کوشش کر کے یوسفؑ کا کھوج لگاؤ اور اس کے بھائی بنیامین کے چھڑانے کو کوئی ذریعہ تلاش کرو۔ کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ ہم سب کو پھر جمع کر دے۔ تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لئے نہیں کیا کہ وہ باختیار خود محض بنیامین کی وجہ سے رکا ہے۔ بنیامین چھوٹ جائے تو وہ کیوں پڑا رہے گا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ
اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا
الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى
الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ پھر جب داخل ہوئے اسکے پاس بولے اے عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو[۱۲۳]

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ
اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ کہا کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اسکے بھائی سے[۱۲۴] جب تم کو سمجھ نہ تھی[۱۲۵]

قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ
هٰذَاۤ اَخِىْ ٞ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ
يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ بولے کیا سچ تو ہی ہے یوسف [۱۲۶] کہا میں یوسف ہوں اور یہ ہے میرا بھائی[۱۲۷] اللہ نے احسان کیا ہم پر[۱۲۸] البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق نیکی والوں کا[۱۲۹]

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا
لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ بولے قسم اللہ کی البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے[۱۳۰]

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ٞ وَ
هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو[۱۳۱] اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان[۱۳۲]

۱۲۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھائیوں کا سوال: باپ کے فرمانے پر مصر کو پھر روانہ ہوئے۔ کیونکہ یوسفؑ کا پتہ معلوم نہ تھا یہ خیال کیا ہو گا کہ جس کا پتہ معلوم ہے (بنیامین) پہلے اس کی فکر کریں اور قحط کی وجہ سے غلہ کی ضرورت ہے، عزیز کو ادھر بھی توجہ دلائیں۔ اگر دینے لینے کا معاملہ میں کچھ نرم پایا تو بنیامین کے متعلق گفت و شنید کریں گے۔ چنانچہ پہلی بات انہوں نے حضرت یوسفؑ سے یہ ہی کہی کہ اے عزیز مصر! آج کل قحط و ناداری کی وجہ سے ہم پر اور ہمارے گھر پر بڑی سختی گذر رہی ہے، سب اسباب گھر کا بک گیا۔ کچھ نکمی اور حقیر سی پونجی رہ گئی ہے وہ غلہ خریدنے کے لئے ساتھ لائے ہیں آپ کے مکارم اخلاق اور گذشتہ مہربانیوں سے امید ہے کہ ہماری ناقص چیزوں کا خیال نہ فرمائیں گے اور

تھوڑی قیمت میں غلہ کی مقدار گذشتہ کی طرح پوری دلوادیں گے۔ یہ رعایت حقیقت میں ایک طرح کی خیرات ہوگی جو آپ ہم پر کریں گے یا اس کے علاوہ ہم کو بطور خیرات ہی کچھ دے دیجئے۔ خدا آپ کا بھلا کرے گا۔ حضرت یوسفؑ یہ حال سن کر رو پڑے، شفقت ورحم دلی کا چشمہ دل میں جوش مار کو آنکھوں سے ابل پڑا۔ اس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے اپنے تئیں ظاہر کیا کہ میں کون ہوں اور تم نے میرے ساتھ جو معاملہ کیا تھا اس کے بعد میں کس مرتبہ پر پہنچا ہوں۔ اگلی آیت میں اسی اظہار کی تمہید ہے (تنبیہ) بعض نے تصدق کے معنی مطلق احسان کرنے کے لئے ہیں۔ جیسے "قصر صلوٰۃ" کی حدیث میں صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰہُ بِهَا عَلَيْكُمْ۔

۱۲۴۔ یعنی دونوں میں جدائی ڈالی اور دونوں سے بیر رکھا۔

۱۲۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر و مروت: اللہ اکبر۔ صبر اور مروت و اخلاق کی حد ہوگئی کہ تمام عمر بھائیوں کی شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ لائے۔ اتنا سوال بھی اس لئے کیا کہ وہ لوگ اپنے ذہنوں میں بیسیوں برس پہلے کے حالات کو ایک مرتبہ مستحضر کرلیں تا ماضی وحال کے موازنہ سے خدا تعالیٰ کے ان احسانات کی حقیقت روشن ہو، جو یوسفؑ پر ان مصائب و حوادث کے بعد ہوئے۔ جن کی طرف آگے "قد من اللہ علینا" میں اشارہ ہے پھر سوال کا پیرایہ ایسا نرم اختیار کیا۔ جس میں ان کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو نمایاں ہے یعنی جو حرکت اس وقت تم سے صادر ہوئی۔ ناسمجھی اور بے وقوفی سے ہوگئی۔ تمہیں کیا معلوم تھا کہ یوسفؑ کا خواب پورا ہو کر اور ہلال ایک روز بدر بن کر رہے گا۔

۱۲۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچاننا: ممکن ہے اس سوال سے گھبرائے ہوں کہ اتنی مدت کے بعد یہ کون گھر کا بھیدی نکل آیا۔ پھر عزیز مصر کو یوسفؑ کے قصہ سے کیا مطلب۔ غیر معمولی مہربانیاں اور بنیامین کے ساتھ خصوصی برتاؤ پہلے سے دیکھ رہے تھے۔ اس سوال نے دفعۃً ان کا ذہن ادھر منتقل کر دیا ہو کہ کہیں یوسفؑ جسے ہم نے مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا، یہ ہی تو نہیں ہے۔ جب ادھر توجہ ہوئی تو بغور دیکھا ہو گا اور ممکن ہے یوسفؑ نے خود بھی اپنے کو اس دفعہ زیادہ واضح طور پر پیش کیا ہو۔ یا تصریحًا کہہ دیا ہو کہ میں یوسفؑ ہوں۔ غرض وہ سخت متعجب وحیرت زدہ ہو کر بول اٹھے ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ (سچ بتاؤ کیا تم ہی یوسفؑ ہو؟)

۱۲۷۔ یعنی جس سے مجھ کو جدا کیا تھا آج میرے پاس بیٹھا ہے۔

۱۲۸۔ جدائی کو ملاپ سے، ذلت کو عزت سے، تکلیف کو راحت سے، تنگی کو عیش سے بدل دیا۔ جو غلام بنا کر چند دراہم میں فروخت کیا گیا تھا، آج خدا نے اسے ملک مصر کی حکومت بخشی۔

۱۲۹۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جس پر تکلیف پڑے اور وہ شرع سے باہر نہ ہو اور گھبرائے نہیں تو آخر بلا سے زیادہ عطا ہو۔"

۱۳۰۔ بھائیوں کی ندامت: یعنی تجھ کو ہر حیثیت سے ہم پر فضیلت دی اور تو اسی لائق تھا ہماری غلطی اور بھول تھی کہ تیری قدر نہ پہچانی آخر تیرا خواب سچا اور ہمارا حسد بیکار ثابت ہوا۔

۱۳۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا عفو و درگذر: یوسفؑ بھائیوں سے اتنا بھی سننا نہیں چاہتے تھے۔ فرمایا، یہ تذکرہ مت کرو آج میں تمہیں کوئی الزام نہیں دیتا۔ تمہاری سب غلطیاں معاف کر چکا ہوں۔ جو لفظ میں نے کہے محض حق تعالیٰ کا احسان اور صبر و تقویٰ کا نتیجہ ظاہر کرنے کی نیت سے کہے آج کے بعد تمہاری تقصیر کا ذکر بھی نہ ہوگا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ تم نے جو خطائیں خدا تعالیٰ کی کی ہیں، وہ بھی معاف کر دے۔

۱۳۲۔ میری مہربانی بھی اسی کی مہربانی کا ایک پرتو ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۰/۴

۹۳۔ لیجاؤ یہ کرتا میرا اور ڈالو اسکو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا [۱۳۳]

وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ
یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور جب جدا ہوا قافلہ کہا انکے باپ نے میں پاتا ہوں بو یوسف کی[۱۳۴] اگر نہ کہو مجھ کو کہ بوڑھا بہک گیا[۱۳۵]

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ الربع

۹۵۔ لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے[۱۳۶]

فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ
بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا اس نے وہ کرتا اس کے منہ پر پھر لوٹ کر ہو گیا دیکھنے والا[۱۳۷] بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے[۱۳۸]

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا
خٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ بولے اے باپ بخشوا ہمارے گناہوں کو بیشک ہم تھے چوکنے والے[۱۳۹]

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ کہا دم لو بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا مہربان[۱۴۰]

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ
ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ؕ

۹۹۔ پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس جگہ دی اپنے پاس ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے[۱۴۱]

وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ
قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ٘ قَدْ
جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ
مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ

۱۰۰۔ اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدہ میں[۱۴۲] اور کہا اے باپ یہ بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا اس کو میرے رب نے سچ کر دیا[۱۴۳] اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا قید خانہ سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد اس کے کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے بیشک وہی ہے

نَزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

خبر دار حکمت والا[۱۴۴]

۱۳۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی کرامت: "یعنی میں بحالت موجودہ شام کا سفر نہیں کر سکتا۔ تم جاؤ والدین اور اپنے سب متعلقین کو یہاں لے آؤ۔ چونکہ والد بزرگوار کی نسبت وحی سے یا بھائیوں کی زبانی معلوم ہوا ہو گا کہ بینائی نہیں رہی یا نگاہ میں فرق آگیا، اس لئے اپنا قمیص دے کر فرمایا کہ یہ ان کی آنکھوں کو لگا دینا بینائی بحال ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر مرض کی اللہ کے ہاں دوا ہے۔ آنکھیں گئی تھیں ایک شخص کے فراق میں، اسی کے بدن کی چیز ملنے سے چنگی ہوئیں۔ یہ کرامت تھی حضرت یوسفؑ کی"۔ اور کرامت نہ کہیں تب بھی آج کل واقعات و مشاہدات کی بناء پر یہ بات مان لی گئی ہے کہ کسی سخت صدمہ یا غیر معمولی خوشی کے اثر سے بعض نابینا دفعۃً بینا ہو گئے ہیں۔

۱۳۴۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو: خدا کی قدرت یوسفؑ مصر میں موجود ہیں۔ کبھی نہ کہا کہ یوسفؑ کی خوشبو آتی ہے۔ کیونکہ خدا کو امتحان پورا کرنا تھا۔ اب بلانے کی ٹھہری تو ادھر قافلہ یوسفؑ کا قمیص لے کر مصر سے نکلا ادھر پیراہن یوسفی کی خوشبو یعقوبؑ کے مشام جان کو معطر کرنے لگی۔ ایک یہ کیا پورا واقعہ ہی عجائب قدرت کا ایک مرقع ہے۔ یعقوبؑ جیسے مشہور و معروف پیغمبر شام میں رہیں اور یوسفؑ جیسی جلیل القدر شخصیت مصر میں بادشاہت کرے، یوسفؑ کے بھائی کئی مرتبہ مصر آئیں، خود یوسفؑ کے مہمان بنیں، اس کے باوجود خداوند قدوس کی حکمت غامضہ اور مشیت قاہرہ کا ہاتھ باپ کو بیٹے سے بیسیوں برس تک علیحدہ رکھے اور خون کے آنسو رلا کر امتحان کی تکمیل کر لائے جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ وَعَزَّ سُلْطَانُهٗ۔

۱۳۵۔ یعنی یہ بات کہتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ کیونکہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ کہدو گے، بڈھا سٹھیا گیا ہے۔

۱۳۶۔ یعنی یوسفؑ کی محبت، اس کے زندہ ہونے اور دوبارہ ملنے کا یقین تیرے دل میں جاگزین ہے۔ وہ ہی پرانے خیالات ہیں جو یوسفؑ کی خوشبو بن کر دماغ میں آتے ہیں۔

۱۳۷۔ بینائی کی بحالی: یعنی بینائی واپس آگئی، دوبارہ حسب سابق نظر آنے لگا۔

۱۳۸۔ یعنی میں نے کہا نہ تھا یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے آخر سچ ہوا یا بیٹوں کو کہا تھا کہ یوسفؑ کو تلاش کرو۔ اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ ہم سب کو پھر اکٹھا کر دے۔ دیکھ لو وہ ہی صورت ہوئی۔

۱۳۹۔ بیٹوں کی ندامت اور معافی: یعنی توجہ اور دعا کر کے خدا سے ہمارے گناہ معاف کرائیے۔ ہم سے بڑی بھاری خطائیں ہوئی ہیں مطلب یہ تھا کہ پہلے آپ معاف کر دیں۔ پھر صاف دل ہو کر بارگاہ رب العزت سے معافی دلوائیں۔ کیونکہ جو خود نہ بخشے وہ خدا سے کہاں بخشوائے گا۔

۱۴۰۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا استقبال: یعنی قبول کی گھڑی آنے دو، اس وقت اپنے مہربان خدا کے آگے تمہارے لئے ہاتھ اٹھاؤں گا۔ کہتے ہیں جمعہ کی شب یا تہجد کے وقت کا انتظار تھا۔

۱۴۱۔ شہر سے باہر استقبال کو نکلے۔ ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی۔ (اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ حضرت یوسفؑ کی والدہ پیشتر وفات پا چکی تھیں جیسا کہ سابق فوائد میں گذر چکا، یہاں خالہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ والدہ حیات تھیں۔ اور حضرت یعقوبؑ کے ساتھ مصر تشریف لائی تھیں) سب کو فرمایا شہر میں چلو۔ قحط وغیرہ کا اب کچھ اندیشہ مت کرو۔ انشاء اللہ بالکل دلجمعی اور راحت و اطمینان سے رہو گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ الفاظ شہر میں پہنچ کر کہے۔ گویا اُدْخُلُوْا مِصْرَ الخ کے معنی ہوئے مصر میں قیام کر دبے کھٹکے۔

۱۴۲۔ باپ بیٹوں کا سجدہ تعظیمی: یوسفؑ نے اپنی طرف سے والدین کی تعظیم کی، تخت پر بٹھلایا لیکن خدا کو یوسفؑ کی جو تعظیم کرانی تھی اسے یوسفؑ کب روک سکتے تھے۔ اس وقت کے دستور کے موافق ماں باپ اور سب بھائی یوسفؑ کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا جو بقول حافظ عمادالدین ابن کثیر آدم کے زمانہ سے مسیحؑ کے عہد تک جائز رہا۔ البتہ شریعت محمدیہ نے ممنوع وحرام قرار دیا۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (الجن۔۱۸) الخ سے حرمت کا اشارہ نکالا ہے بعض مفسرین نے اس جگہ سجدہ کے معنی متبادر مراد نہیں لئے۔ محض جھک جانے کے معنی لئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سجدہ یوسفؑ کو نہ تھا بلکہ یوسفؑ کی عزت وعظمت دیکھ کر سب نے خدا کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس تقدیر پر وَخَرُّوْا لَهٗ میں لام سببیہ ہوگا۔ یعنی یوسفؑ کے عروج واقتدار کے سبب سے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے (تنبیہ) تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیۃً ممنوع نہیں، البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے۔ جس کی اجازت ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی نہیں ہوئی، نہ ہو سکتی ہے، "سجود عبادت" یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع وضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے۔ جس کی اجازت کبھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوئی۔ ہاں "سجود تعظیم" یعنی عقیدہ مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم وتکریم کے طور پر سر بسجود ہونا شرائع سابقہ میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کی بھی جڑ کاٹ دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اقسام شرک پر جو دقیق بحث کی ہے اسے دیکھنا چاہئے۔

۱۴۳۔ یعنی میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ خواب کی تعبیر پوری ہونی تھی وہ خدا نے پوری کر دکھائی۔

۱۴۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکیر نعمت: خدا تعالیٰ کے احسانات ذکر فرمائے اور اس کی تدبیر لطیف کی طرف توجہ دلائی کہ کس طرح مجھ کو قید سے نکال کر ملک کا حاکم و مختار بنا دیا۔ اور اس جھگڑے کے بعد جو شیطان نے ہم بھائیوں میں ڈال دیا تھا جبکہ کوئی امید دوبارہ ملنے کی نہ رہی تھی، کیسے اسباب ہمارے ملاپ کے فراہم کر دیے۔ اس موقع پر اپنی مصائب وتکالیف کا کچھ ذکر نہ کیا نہ کوئی حرف شکایت زبان پر لائے، بلکہ بھائیوں کے واقعہ کی طرف بھی ایسے عنوان سے اشارہ کیا کہ کسی فریق کی زیادتی یا تقصیر ظاہر نہ ہونے پائے۔ مبادا بھائی سن کر محجوب ہوں۔ اللہ اکبر، یہ اخلاق پیغمبروں کے سوا کس میں ہوتے ہیں۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیرنا باتوں کا [۱۴۵] اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر [۱۴۶] اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں [۱۴۷]

۱۴۵۔ اسی سورت کے پہلے رکوع میں تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ کی تفسیر گذر چکی۔

۱۴۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا: یا تو لقاء اللہ کے شوق میں فی الحال موت کی تمنا کی یا یہ مطلب ہے کہ جب کبھی موت آئے اسلام (یعنی کامل تسلیم ورضا) پر آئے (تنبیہ) حدیث میں آیا ہے کہ کوئی شخص کسی مصیبت اور تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب لقاء اللہ یا اور کسی غرض صالح کی وجہ سے موت کی تمنا کر سکتا ہے۔ جیسے ساحرین فرعون نے دعا کی تھی اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (اعراف۔۱۲۶)۔ یا حضرت مریمؑ نے کہا تھا۔ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (مریم۔۲۳) اور معاذ کی

حدیث میں ہے۔ وَاِذَآ اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْٓ اِلَیْكَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ اور مسند احمد میں حدیث ہے یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَیْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتَنِ ۔ حضرت علیؓ نے ہجوم فتن کے وقت دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ خُذْنِیْٓ اِلَیْكَ فَقَدْ سَئِمْتُهُمْ وَسَئِمُوْنِیْ امام بخاری کو جب امیر خراسان کے ساتھ جھگڑا پیش آیا تو یہ دعا کرنی پڑی اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنِیْٓ اِلَیْكَ حدیث میں ہے کہ خروج دجال کے وقت ایک شخص کسی قبر پر گذرے گا اور فتن وزلازل کو دیکھ کر کہے گا۔ یٰلَیْتَنِیْ مَکَانَكَ کاش کہ میں تیری جگہ ہوتا۔

١٤٧۔ یہ لفظ ایسے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ مرض الموت میں فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ۔ حضرت شاہ لکھتے ہیں "علم کامل پایا، دولت کامل پائی، اب شوق ہوا اپنے باپ دادا کے مراتب کا۔ گویا اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ سے یہ غرض ہوئی کہ میرا مرتبہ اسحاقؑ و ابراہیمؑ کے مراتب سے ملادے۔ حضرت یعقوبؑ کی زندگی تک ملکی انتظامات میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے اختیار سے چھوڑ دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری لاش "شام" لیجاکر دفن کرنا چنانچہ جنازہ وہیں لے گئے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب "بنی اسرائیل" "مصر سے نکلیں گے۔ اس وقت میری لاش بھی اپنے ہمراہ لے جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے، حضرت یوسفؑ کا تابوت بھی ساتھ لے گئے واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾

١٠٢۔ یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس اور تو نہیں تھا انکے پاس جب وہ ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے [١٤٨]

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿١٠٣﴾

١٠٣۔ اور اکثر لوگ نہیں ہیں یقین کرنے والے اگرچہ تو کتنا ہی چاہے [١٤٩]

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿١٠٤﴾ ع

١٠٤۔ اور تو مانگتا نہیں ان سے اس پر کچھ بدلا یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو [١٥٠]

ع ١١ ٥

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾

١٠٥۔ اور بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گذر ہوتا رہتا ہے ان کا اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے [١٥١]

وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿١٠٦﴾

١٠٦۔ اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں [١٥٢]

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿١٠٧﴾

١٠٧۔ کیا نڈر ہو گئے اس سے کہ آ ڈھانکے انکو ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آ پہنچے قیامت اچانک اور انکو خبر نہ ہو [١٥٣]

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ‌ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ
اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ‌ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ
الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بتانے والوں میں [۱۵۴]

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ
مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى‌ؕ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا
كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ وَلَدَارُ
الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم انکو بستیوں کے رہنے والے سو کیا ان لوگوں نے نہیں سیر کی ملک کی کہ دیکھ لیتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر تو بہتر ہے پرہیز کرنے والوں کو کیا اب بھی نہیں سمجھتے [۱۵۵]

۱۴۸۔ ان واقعات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے: یعنی برادران یوسفؑ جب ان کو باپ سے جدا کرنے اور کنویں میں ڈالنے کو مشورے اور تدبیریں کر رہے تھے آپ ان کے پاس نہیں کھڑے تھے کہ ان کی باتیں سنتے اور حالات کا معائنہ کرتے۔ پھر ایسے صحیح واقعات بجز وحی الٰہی کے آپ کو کس نے بتائے۔ آپ رسمی طور پر پڑھے لکھے نہیں، کسی ظاہری معلم سے استفادہ کی نوبت نہیں، پھر یہ حقائق جن کی اس قدر تفصیل بائیبل میں بھی نہیں، آپ کو خدا کے سوا کس نے معلوم کرائیں۔

۱۴۹۔ یعنی باوجودیکہ آپ کی صداقت پر ایسی واضح دلائل موجود ہیں، پھر بھی اکثر لوگ وہ ہیں جو کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔

۱۵۰۔ یعنی نہیں مانتے نہ مانیں آپ کا کیا نقصان ہے۔ کچھ تبلیغ کی تنخواہ تو آپ ان سے مانگتے نہ تھے کہ وہ بند کر لیں گے نصیحت اور فہمائش تھی سو ہو گئی اور ہو رہی ہے۔

۱۵۱۔ اللہ کی نشانیوں سے کفار کی غفلت: یعنی جس طرح آیات تنزیلیہ سن کر آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ایسے ہی آیات تکوینیہ دیکھ کر خدا کی توحید کا سبق حاصل نہیں کرتے اصل یہ ہے کہ ان کا سننا اور دیکھنا محض سرسری ہے۔ آیات اللہ میں غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ پہنچتا۔ جب دھیان نہیں تو ایمان کہاں سے ہو۔

۱۵۲۔ اللہ کی نشانیوں سے کفار کی غفلت: یعنی زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بنا رہا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب "تلبیہ" میں یہ لفظ کہتے تھے۔ لَبَّيۡكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيۡكَ لَا شَرِيۡكَ لَكَ اِلَّا شَرِيۡكًا هُوَ لَكَ تَمۡلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ کوئی اس کے لئے بیٹی بیٹیاں تجویز کرتا ہے۔ کوئی اسے روح و مادہ کا محتاج بتاتا ہے۔ کسی نے احبار و رہبان کو خدائی کے اختیارات دیدیے ہیں۔ بہت سے تعزیہ پرستی، قبر پرستی، پیر پرستی کے خس و خاشاک سے توحید کے صاف چشمہ کو مکدر کر رہے ہیں۔ ریا اور ہوا پرستی سے تو کتنے موحدین ہیں جو پاک ہوں گے۔ غرض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے بہت کم ہیں جو عقیدہ یا عمل کے درجہ میں شرک جلی یا خفی کا ارتکاب نہیں کرتے (اعاذنا اللہ من سائر انواع الشرک)

۱۵۳۔ یعنی ایسے بے فکر و بے خوف کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا انہوں نے عذاب الٰہی یا قیامت کے ہولناک حوادث سے محفوظ رہنے کا کچھ انتظام کر لیا ہے۔

۱۵۴۔ توحید خالص کا راستہ میرا راستہ ہے: یعنی میرا راستہ یہ ہی خالص توحید کا راستہ ہے۔ میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں سب خیالات و اوہام کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں، اس کی توحید، اس کی صفات و کمالات اور اس کے احکام وغیرہ کی صحیح معرفت صحیح راستہ سے حاصل کریں۔ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستہ پر، حجت و برہان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں چل رہے ہیں۔ خدا نے مجھ کو ایک نور دیا جس سے سب ہمراہیوں کے دماغ روشن ہو گئے۔ یہاں کسی کی اندھی تقلید نہیں۔ خالص توحید کا راہرو ہر قدم پر اپنے باطن میں معرفت و بصیرت کی خاص روشنی اور عبودیت محضہ کی خاص لذت محسوس کر کے بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

۱۵۵۔ تمام انبیاء مرد تھے: یعنی پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا۔ انبیائے سابقین ان ہی انسانی بستیوں کے رہنے والے مرد تھے۔ پھر دیکھ لو ان کے جھٹلانے والوں کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔ حالانکہ دنیا میں کافروں کو بھی بسا اوقات عیش نصیب ہو جاتا ہے۔ اور آخرت کی بہتری تو خالص ان ہی کے لئے ہے جو شرک و کفر سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ تنبیہ ہے کفار مکہ کو کہ اگلوں کے احوال سے عبرت حاصل کریں۔ (تنبیہ) اس آیت سے نکلتا ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ حضرت مریمؑ کو بھی قرآن نے صدیقہ کا مرتبہ دیا ہے۔ نیز آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بوادی (جنگلی گنواروں) میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی انکو ہماری مدد پھر بچا دیا جنکو ہم نے چاہا اور پھرتا نہیں عذاب ہمارا قوم گنہگار سے [۱۵۶]

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲ ۶

۱۱۱۔ البتہ انکے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو [۱۵۷] کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں [۱۵۸]

۱۵۶۔ کفار کو تنبیہ: یعنی تاخیر عذاب سے دھوکہ مت کھاؤ۔ پہلی قوموں کو بھی لمبی مہلتیں دی گئیں۔ اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ منکرین بالکل بے فکر ہو کر بیش از بیش شرارتیں کرنے لگے۔ یہ حالات دیکھ کر پیغمبروں کو ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہی، ادھر خدا کی طرف سے انکو ڈھیل اس قدر دی گئی کہ مدت دراز تک عذاب کے کچھ آثار نظر نہ آتے تھے۔ غرض دونوں طرف کے حالات و آثار پیغمبروں کے لئے یاس انگیز تھے یہ منظر دیکھ کر کفار نے یقینی طور پر خیال کر لیا کہ انبیاء سے جو وعدے ان کی نصرت اور ہماری ہلاکت کے کئے گئے تھے سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عذاب وغیرہ کا ڈھکوسلہ صرف ڈرانے کے واسطے تھا۔

انبیاء کی ناامیدی کا مفہوم: کچھ بعید نہیں کہ ایسی مایوس کن اور اضطراب انگیز حالت میں انبیاء کے قلوب میں بھی یہ خیالات آنے لگے ہوں کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ یا وساوس و خطرات کے درجہ میں بے اختیار یہ وہم گذرنے لگے ہوں کہ ہماری نصرت اور منکرین کی ہلاکت کے جو وعدے کئے گئے تھے کیا وہ پورے نہ کئے جائیں گے ؟ جیسے دوسری جگہ فرمایا وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ (بقرہ۔۲۲) جب مجرمین کی بے خوفی اور انبیاء کی تشویش اس حد تک پہنچ گئی اس وقت ناگہاں آسمانی مدد آئی۔ پھر جس کو خدا نے چاہا (یعنی فرمانبردار مومنین کو) محفوظ و مصئون رکھا۔ اور مجرموں کی جڑ کاٹ دی۔ (تنبیہ ۱) اللہ تعالیٰ کی غیر محدود رحمت و مہربانی سے مایوس ہونا کفر ہے۔ لیکن ظاہری حالات و اسباب کے اعتبار سے ناامیدی کفر نہیں۔ یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف سے جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے مایوسی ہے لیکن حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے مایوسی نہیں۔ آیت حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ میں یہ ہی مایوسی مراد ہے جو ظاہری حالت و آثار کے اعتبار سے ہو، ورنہ پیغمبر خدا کی رحمت سے کب مایوس ہو سکتے ہیں۔ (تنبیہ ۲) کفر کا وسوسہ کفر نہیں نہ کسی درجہ میں ایمان یا عصمت کے منافی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ نے عرض یا رسول اللہ! ہم اپنے دلوں میں ایسی چیزیں (بے اختیار) پاتے ہیں جن کے زبان پر لانے سے ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کیا ایسا پاتے ہو؟ عرض کیا "ہاں" فرمایا "ذالک صریح الایمان" یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے۔

۱۵۷۔ قرآن کریم کے اوصاف: یعنی یہ کوئی افسانہ یا ناول نہیں۔ تاریخی حقائق ہیں جن سے عقلمندوں کو سبق لینا چاہئے۔

۱۵۸۔ یعنی قرآن کریم جس میں یہ قصص بیان ہوئے کوئی جھوٹی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ تمام پہلی سچائیوں کی تصدیق کرنے والا اور ہر ضروری چیز کو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ چونکہ ایماندار اس سے نفع اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے ان کے حق میں خاص طور پر ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔ نفعنا اللہ بعلومہ و رزقنا تلاوتہ آناء اللیل و آناء النہار واجعلہ حجۃ لنا لا علینا آمین۔

تم سورۃ یوسف علیہ السلام بعون اللہ تعالیٰ۔

ايَاتُهَا ٤٣ ١٣ سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ ٩٦ رکوعاتھا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١﴾

١۔ یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اترا تجھ پر تیرے رب سے سو حق ہے لیکن بہت لوگ نہیں مانتے[١]

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ
كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿٢﴾

٢۔ اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بغیر ستون دیکھتے ہو[٢] پھر قائم ہوا عرش پر[٣] اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے وقت مقرر پر (تک)[٤] تدبیر کرتا ہے کام کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں کہ (تاکہ) شاید تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو[٥]

وَ هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ
اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ
اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾

٣۔ اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ (پہاڑ) اور ندیاں[٦] اور ہر میوے کے رکھے اس میں جوڑے دو دو قسم[٧] ڈھانکتا ہے دن پر رات کو[٨] اس میں نشانیاں ہیں انکے واسطے جو کہ دھیان کرتے ہیں

وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ
وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى
بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۚ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي

٤۔ اور زمین میں کھیت ہیں مختلف ایک دوسرے (پاس پاس) سے متصل اور باغ ہیں انگور کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی اور بعضی بن ملی انکو پانی بھی ایک ہی دیا جاتا ہے اور ہم ہیں کہ بڑھا دیتے ہیں ان میں ایک کو ایک سے میووں میں ان چیزوں میں

الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾ نشانیاں ہیں انکو جو غور کرتے ہیں [۹]

۱۔ قرآن ایک واضح حقیقت: یعنی جو کچھ اس سورت میں پڑھا جانے والا ہے وہ عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہ کتاب جو آپ پر پروردگار کی طرف سے اتاری گئی۔ یقیناً حق وصواب ہے لیکن جائے تعجب ہے کہ ایسی صاف اور واضح حقیقت کے ماننے سے بھی بہت لوگ انکار کرتے ہیں۔

۲۔ بے ستون آسمان: یعنی اس دنیا کی ایسی عظیم الشان، بلند اور مضبوط چھت خدا نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ کوئی ستون یا کھمبا یا گرڈر دکھائی نہیں دیتا جس پر اتنی بڑی ڈاٹ کھڑی کی گئی بجز اس کے کیا کہا جائے کہ محض قدرت کے غیر مرئی ستون کے سہارے اس کا قیام ہے۔ وَیُمۡسِکُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَی الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ (حج۔ ۶۵) کشش اجسام کا نظریہ اگر صحیح ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ کشش کو عرفاً عُمد نہیں کہتے اور اگر عمد کہا جائے تو مرئی نہیں ہے۔ رُوِیَ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ وَمُجَاھِدٍ وَالۡحَسَنِ وَقَتَادَۃَ وَغَیۡرِ وَاحِدٍ اَنَّھُمۡ قَالُوۡا لَھَا عُمُدٌ وَلٰکِنۡ لَا نَرٰی (ابن کثیرؒ) یعنی ان بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کے ستون ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ "استواء علی العرش" کے متعلق سورہ اعراف آٹھویں پارہ کے آخر میں کلام کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۴۔ تسخیر شمس وقمر: یعنی سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں پورا کرتا ہے یا لِاَجَلٍ مُّسَمًّی کے معنی وقت مقرر تک لئے جائیں تو یہ مطلب ہو گا کہ چاند سورج اسی طرح چلتے رہیں گے۔ قیامت تک۔

۵۔ لقائے رب کا یقین: یعنی جس نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو پیدا کیا اسے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز ایک باخبر، مدبر، بیدامغز اور طاقتور گورنمنٹ باغیوں اور مجرموں کو ہمیشہ کے لئے یوں ہی آزاد نہیں چھوڑے رکھتی۔ نہ وفادار امن پسند رعایا کی راحت رسانی سے اغماض کر سکتی ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ خداوند قدوس جو زمین و آسمان کے تخت کا تنہا مالک اور اپنی تدبیر و حکمت سے تمام مخلوقات علوی و سفلی کا انتظام باحسن اسلوب قائم رکھنے والا ہے۔ مطیع وعاصی کو یوں ہی مہمل چھوڑے رکھے۔ ضرور ہے کہ ایک دن وفاداروں کو وفاداری کا صلہ ملے اور مجرم اپنی سزا کو پہنچیں۔ پھر جب اس زندگی میں مطیع وعاصی کے درمیان ہم ایسی صاف تفریق نہیں دیکھتے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جس میں سب کو آسمانی عدالت کے سامنے حاضر ہو کر عمر بھر کے اعمال کا پھل چکھنا ہو گا۔

۶۔ یعنی پہاڑ جو ایک جگہ کھڑے ہیں اور دریا جو ہر وقت چلتے رہتے ہیں۔

۷۔ پھلوں کے جوڑے: یعنی چھوٹا بڑا، کھٹا میٹھا، سیاہ سفید، گرم سرد، اور جدید تحقیق کے موافق ہر ایک میں نر و مادہ بھی پائے جاتے ہیں۔

۸۔ اس کے معنی سورہ اعراف میں آٹھویں پارے کے خاتمہ پر بیان ہو چکے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۹۔ زمین کی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں: بلند آسمانوں کے مقابل پست زمین کا ذکر کیا۔ آسمان کے ساتھ چاند سورج کا بیان ہوا تھا کہ ہر ایک کی رفتار الگ ہے اور ہر ایک کا کام جداگانہ ہے۔ ایک کی گرم و تیز شعاعیں جو کام کرتی ہیں، دوسرے کی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی سے وہ بن نہیں پڑتا۔ اسی طرح یہاں زمین کے مختلف احوال اور اس سے تعلق رکھنے والی مختلف چیزوں کا ذکر فرمایا۔ کہیں پہاڑ کھڑے ہیں کہیں دریا رواں ہیں، جو میوے اور پھل پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی شکل، صورت، رنگ، مزہ چھوٹے بڑے بلکہ نر و مادہ کا اختلاف ہے۔ کبھی زمین دن کے اجالے سے روشن ہو جاتی ہے کبھی رات کی سیاہ نقاب منہ پر ڈال لیتی ہے۔ پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ چند قطعات زمین جو ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ ایک پانی سے سیراب ہوتے ہیں، ایک سورج کی شعاعیں سب کو پہنچتی ہیں، ایک ہی ہوا سب پر چلتی ہے۔ اس کے باوجود اس قدر مختلف پھول پھل لاتے ہیں اور باہم پیداوار کی کمی زیادتی کا اتنا فرق ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ غور و فکر کرنے والے ان نشانیوں کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ایک ہی ابر رحمت کی آبیاری یا ایک ہی آفتاب ہدایت کی موجودگی میں انسانوں کے مادی و روحانی احوال کا اختلاف بھی کچھ

مستبعد و مستنکر نہیں ہے اور یہ کہ لا محدود قدرت کا کوئی زبردست ہاتھ آسمان سے زمین تک تمام مخلوق کے نظام ترکیبی کو اپنے قبضہ قدرت میں لئے ہوئے ہے۔ جس نے ہر چیز کی استعداد کے موافق اس کے دائرہ عمل و اثر کی بہت مضبوط حد بندی کر رکھی ہے پھر ایسے لامتناہی قدرت و اختیار رکھنے والے خدا کو کیا مشکل ہے کہ ہم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے اور اس عالم کے مخلوط عناصر کی کیماوی تحلیل کر کے ہر خیر و شر کو اس کے مستقر میں پہنچادے۔

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَ اِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَ اِنَّا
لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ
اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵

۵۔ اور اگر تو عجیب بات چاہے تو عجیب ہے ان کا کہنا کہ کیا جب ہو گئے ہم مٹی کیا نئے سرے سے بنائے جائیں گے [۱۰] وہی ہیں جو منکر ہو گئے اپنے رب سے اور وہی ہیں کہ طوق ہیں انکی گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ اسی میں رہیں گے برابر [۱۱]

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ
مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ
لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶

۶۔ اور جلد مانگتے ہیں تجھ سے برائی کو پہلے بھلائی سے [۱۲] اور گذر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے عذاب (مثالیں) اور تیرا رب معاف بھی کرتا ہے لوگوں کو باوجود انکے ظلم کے اور تیرے رب کا عذاب بھی سخت ہے [۱۳]

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ
رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ ع

۷۔ اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اسکے رب سے [۱۴] تیرا کام تو ڈر سنا دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ہوا ہے راہ بتانے والا [۱۵]

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ
وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸

۸۔ اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ [۱۶] اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز کا اس کے یہاں اندازہ ہے [۱۷]

۱۰۔ یعنی اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہو گی کہ جس نے اول ایک چیز بنائی وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو؟ العیاذ باللہ۔

۱۱۔ **بعث بعد الموت کا انکار اور اس کی سزا:** گویا یہ لوگ بعث بعد الموت کا انکار کر کے خداوند قدوس کی شہنشاہی سے منکر ہیں۔ تو ایسے باغیوں کا انجام یہی ہوتا ہے کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیے جائیں جو حقیقت میں ایسے ہی

مجرموں کے لئے بنایا گیا ہے۔

۱۲۔ یعنی حق کو قبول نہیں کرتے جس سے دنیاو آخرت کی بھلائی ملے۔ کفر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں عذاب لے آؤ۔

۱۳۔ حق تعالیٰ کا حلم و تدبر: یعنی پہلے بہتیری قوموں پر عذاب آچکے ہیں۔ تم پر لے آنا کیا مشکل تھا، بات صرف اتنی ہے کہ تیرا پروردگار اپنی شان حلم وعفو سے ہر چھوٹے بڑے جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے ظلم وستم دیکھتا اور درگذر کرتا رہتا ہے حتٰی کہ جب مظالم اور شرارتوں کا سلسلہ حد سے گذر جاتا ہے اس وقت اس کے تباہ کن عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔

۱۴۔ یعنی جو نشانی ہم مانگتے ہیں وہ کیوں نہیں اتری، جسے دیکھ کر ہم ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔

۱۵۔ کفار کا مطالبہ اور اس کا جواب: یعنی آیات کا اتارنا آپ کے قبضہ میں نہیں، یہ تو خدا کا کام ہے جو آیت پیغمبر کی تصدیق کے لئے مناسب ہو دکھائے آپ کا فرض اسی قدر ہے کہ خیر خواہی کی بات سنادیں اور برائی کے مہلک انجام سے لوگوں کو آگاہ کر دیں۔ پہلے بھی ہر قوم کی طرف ہادی (راہ بتانے والے اور نذیر ڈرانے والے) آتے رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ جو نشان معاندین طلب کریں گے ضرور دکھلا کر رہیں گے۔ ہاں خدا کی راہ دکھانا ان کا کام تھا وہ ہی آپ کا ہے۔ البتہ وہ خاص خاص قوم کے لئے ہادی تھے آپ دنیا کی ہر قوم کے لئے ہیں۔

۱۶۔ کہ مذکر ہے یا مونث، پورا ہے یا ادھورا، اچھا ہے یا برا، وغیرہ ذلک من الاحوال۔

۱۷۔ حمل کے مراحل اور اللہ کا علم: یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ، پورا بن چکا ہے یا ناتمام ہے، تھوڑی مدت میں پیدا ہو گا یا زیادہ میں۔ غرض پیٹ گھٹنے بڑھنے کے تمام اسرار واسباب اور اوقات واحوال کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور اپنے علم محیط کے موافق ہر چیز کو ہر حالت میں اس کے اندازہ اور استعداد کے موافق رکھتا ہے۔ اسی طرح اس نے جو آیات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے اتاری ہیں ان میں خاص اندازہ اور مصالح وحکم ملحوظ رہی ہیں۔ جس وقت جس قدر بنی آدم کی استعداد وصلاحیت کے مطابق نشانات کا ظاہر کرنا مصلحت تھا اس میں کمی نہیں ہوئی۔ باقی قبول کرنے اور منتفع ہونے کے لحاظ سے لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حوامل کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے احوال تفاوت استعداد وتربیت کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾

۹۔ جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا سب سے بڑا برتر[۱۸]

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ برابر ہے تم میں جو آہستہ بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو[۱۹]

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اسکے پہرے والے ہیں بندہ کے آگے سے پیچھے سے اسکی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے[۲۰] اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے جیوں میں ہے اور جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم پر آفت پھر وہ نہیں پھرتی اور کوئی نہیں ان کا اس کے سوا مدد گار[۲۱]

هُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنۡشِیُٔ
السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿ۚ۱۲﴾

۱۲۔ وہی ہے کہ تم کو دکھلاتا ہے بجلی ڈر کو (ڈرانے کو) اور امید کو اور اٹھاتا ہے بادل بھاری[۲۲]

وَ یُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِہٖ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مِنۡ خِیۡفَتِہٖ ۚ
وَ یُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیۡبُ بِہَا مَنۡ یَّشَآءُ وَ ہُمۡ
یُجَادِلُوۡنَ فِی اللّٰہِ ۚ وَ ہُوَ شَدِیۡدُ الۡمِحَالِ ﴿ؕ۱۳﴾

۱۳۔ اور پڑھتا ہے گرج والا خوبیاں اسکی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے[۲۳] اور بھیجتا ہے کڑک بجلیاں پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی آن (پکڑ) سخت ہے[۲۴]

لَہٗ دَعۡوَۃُ الۡحَقِّ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا
یَسۡتَجِیۡبُوۡنَ لَہُمۡ بِشَیۡءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیۡہِ اِلَی
الۡمَآءِ لِیَبۡلُغَ فَاہُ وَ مَا ہُوَ بِبَالِغِہٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ
الۡکٰفِرِیۡنَ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اسی کا پکارنا سچ ہے اور جن لوگوں کو کہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ نہیں کام آتے ان کے کچھ بھی مگر جیسے کسی نے پھیلائے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ آ پہنچے اسکے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اس تک اور جتنی پکار ہے کافروں کی سب گمراہی ہے[۲۵]

وَ لِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ
کَرۡہًا وَّ ظِلٰلُہُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ﴿۱۵ السجدۃ﴾

۱۵۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں خوشی سے اور زور سے اور انکی پرچھائیاں صبح اور شام[۲۶]

۱۸۔ حمل کے مراحل اور اللہ کا علم یہ علم الٰہی کی لامحدود وسعت واحاطہ کا بیان ہوا یعنی دنیا کی کوئی کھلی چھپی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور تمام عالم اس کے زیر تصرف ہے۔

۱۹۔ اللہ کا علم محیط: "علم الٰہی کا عموم بیان کر کے بلحاظ مناسبت مقام خاص احوال مکلفین کی نسبت بتلاتے ہیں کہ تمہارے ہر قول و فعل کو ہمارا علم محیط ہے۔ جو بات تم دل میں چھپاؤ یا آہستہ کہو اور جو علانیہ پکار کر کہو، نیز جو کام رات کی اندھیری میں پوشیدہ ہو کر کرو۔ اور جو دن دہاڑے بر سر بازار کرو، دونوں کی حیثیت علم الٰہی کے اعتبار سے یکساں ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کو تین قسم کے آدمیوں پر مشتمل بتلایا ہے۔ "من اسر القول" (جو بات کو چھپائے) مَنۡ جَھَرَبِہٖ (جو ظاہر کرے) مَنۡ ھُوَمُسۡتَخۡفٍ بِالَّیۡلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّھَارِ (جو اپنا کام رات کو چھپائے مثلاً شب کو چوری کرنا اور دن کو ظاہر کرے مثلاً دن میں نمازیں پڑھنا) اللہ تعالیٰ کو سب یکساں طور پر معلوم ہیں۔"

۲۰۔ اللہ کے پہرے دار: یعنی ہر بندہ کے ساتھ خدا کے فرشتے مامور ہیں۔ جن میں بعض اس کے سب اگلے پچھلے اعمال لکھتے ہیں اور بعضے خدا کے حکم کے موافق ان بلاؤں کو دفع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جن سے حق تعالیٰ بندہ کو بچانا چاہتا ہے۔ جس طرح اس عالم میں خدا کی عام عادت

ہے کہ جو چیز پیدا کرنا چاہے اس کے ظاہری اسباب مہیا کر دیتا ہے، ایسے ہی اس نے کچھ باطنی اسباب و ذرائع پیدا کئے ہیں جن کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ لیکن مشیت الٰہی کی تنفیذ ان کے واسطہ سے ہوتی ہے۔

۲۱۔ قوموں کے عروج و زوال کا قانون: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نگہبانی اور مہربانی سے جو ہمیشہ اس کی طرف سے ہوتی رہتی ہے، کسی قوم کو محروم نہیں کرتا۔ جب تک وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ نہ بدلے۔ جب بدلتی ہے تو آفت آتی ہے۔ پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔ نہ کسی کی مدد اس وقت کام دیتی ہے۔ (تنبیہ) یہاں قوموں کے عروج و زوال کا قانون بتایا ہے، اشخاص و افراد کا نہیں۔ قوم کی اچھی بری حالت متعین کرنے میں اکثریت اور غلبہ کا لحاظ ہوتا ہے۔

۲۲۔ بجلی و بارش میں نشانیاں: پہلے بندوں کی حفاظت کا ذکر تھا، پھر بداعمالیوں سے جو آفت و مصیبت آتی ہے اس کا ذکر ہوا معلوم ہوا کہ خدا کی ذات شان انعام و انتقام دونوں کی جامع ہے اسی مناسبت سے یہاں بعض ایسے نشانہائے قدرت کی طرف توجہ دلائی جن میں بیک وقت امید و خوف کی دو متضاد کیفیتیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔ یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو امید بندھتی ہے کہ بارش آئے گی۔ اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں گر کر ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ بھاری بادل پانی کے بھرے ہوئے آتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ باران رحمت کا نزول ہو گا، ساتھ ہی فکر رہتی ہے کہ پانی کا طوفان نہ آجائے، ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ رحمت الٰہی کا امیدوار رہے مگر مکر اللہ سے مامون اور بے فکر نہ ہو۔

۲۳۔ تسبیح رعد کی توجیہہ: "یعنی گرجنے والا بادل یا فرشتہ زبان "حال" یا "قال" سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ (بنی اسرائیل۔۴۴) اور تمام فرشتے ہیبت و خوف کے ساتھ اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تمجید میں مشغول رہتے ہیں (تنبیہ) "رعد" و "برق" وغیرہ کے متعلق آج کل کی تحقیق یہ ہے کہ بادلوں میں "قوت کہربائیہ موجبہ" پائی جاتی ہے اور زمین میں "کہربائیہ سالب" جو بادل زمین سے زیادہ نزدیک ہو اس میں گاہ بگاہ زمین کی "سالب کہربائیہ" سرایت کر جاتی ہے پھر اس بادل کے اوپر بسا اوقات وہ بادل گذرتے ہیں جن میں "کہربائیہ موجبہ" موجود ہے۔ اور یہ قاعدہ تجربہ سے معلو، ہو چکا ہے کہ مختلف قسم کے "کہربائیہ" رکھنے والے دو جسم جب محاذی ہوں تو ہر ایک اپنے کہربائیہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں تو دونوں کے مل جانے سے شدید حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حرارت شدیدہ سے دونوں بادلوں کے حجم کے مناسب ایک آتشیں شعلہ اٹھتا ہے جو "صاعقہ" کہلاتا ہے اسی صاعقہ کی چمک اور روشنی "برق" کہلاتی ہے اور ہوا میں اس کے سرایت کرنے سے جو آواز نکلتی ہے وہ "رعد" ہے "کہرباء" کا یہ ہی آتشیں شرارہ کبھی بادلوں اور ہواؤں کو پھاڑ کر نیچے گرتا ہے۔ جس کے نہایت عجیب و غریب افعال و آثار مشاہدہ کئے گئے ہیں، علاوہ اس کے کہ وہ مکانوں کو گراتا، پہاڑوں کو شق کرتا اور جانداروں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس نے نہایت احتیاط سے ایک آدمی کے کپڑے اتار کر کسی درخت کی شاخ پر رکھ دیے ہیں مگر پہننے والے کے جسم کو کچھ صدمہ نہیں پہنچا۔ (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جسے دیکھ کر خیال گذرتا ہے کہ بجلی کے اس آتشین شعلہ میں کوئی ذی شعور اور ذی اختیار قوت غیر مرئی طریقہ سے کام کر رہی ہے ہم کو ضرورت نہیں کہ اوپر بیان کئے ہوئے "نظریہ" کا انکار کریں۔ لیکن یہ بیان کرنے والے خود اقرار کرتے ہیں کہ "روح" کی طرح "قوت کہربائیہ" کی اصل حقیقت پر بھی اس وقت تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے ارباب کشف و شہود کا بیان یہ ہے کہ تمام نظام عالم میں ظاہری اسباب کے علاوہ باطنی اسباب کا ایک عظیم الشان سلسلہ کار فرما ہے۔ جو کچھ ہم یہاں دیکھتے ہیں وہ صرف صورت ہے۔ لیکن اس صورت میں جو غیر مرئی حقیقت پوشیدہ ہے اس کے ادراک تک عام لوگوں کی رسائی نہیں۔ صرف آنکھ رکھنے والے اسے دیکھتے ہیں۔ آخر تم جو نظریات بیان کرتے ہو (مثلاً یہ ہی قوت کہربائیہ کا موجبہ سالبہ ہونا وغیرہ) اس کا علم بھی چند حکمائے طبیعین کے سوا بلاواسطہ کس کو ہوتا ہے۔ کم از کم اتنا ہی وثوق انبیاء کے مشاہدات و تجربات پر کر لیا جائے تو بہت سے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ احادیث

سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے نوامیس طبیعیہ کی طرح بادلوں اور بارشوں کے انتظامات پر بھی فرشتوں کی جماعتیں تعینات ہیں جو بادلوں کو مناسب مواقع پر پہنچانے اور ان سے حسب ضرورت و مصلحت کام لینے کی تدبیر کرتی ہیں۔ اگر تمہارے بیان کے موافق بادل اور زمین وغیرہ کی "کہربائیہ" کا مدبر کوئی غیر مرئی فرشتہ ہو تو انکار کی کونسی وجہ ہے؟ جس کو تم "شرارہ کہربائیہ" کہتے ہو چونکہ وہ فرشتہ کے خاص تصرف سے پیدا ہوتا ہے لہذا اسے "وحی" کی زبان میں "مخاریق من نار" (فرشتہ کا آتشیں کوڑا) کہدیا گیا تو کیا قیامت ہوگئی۔ اس کی شدت اور سخت اشتعال سے جو گرج اور کڑک پیدا ہوئی اگر حقیقت کو لحاظ کرتے ہوئے اسے فرشتہ کی ڈانٹ سے تعبیر فرمایا تو یہ نہایت ہی موزوں تعبیر ہے۔ بہرحال "سائنس" نے جس چیز کی محض صورت کو سمجھا "وحی" نے اس کی روح اور حقیقت پر مطلع کر دیا۔ کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک دوسرے کا حریف مقابل قرار دے لیا جائے۔ علامہ محمود آلوسیؒ نے بقرہ کے شروع میں اس پر معقول بحث کی ہے۔ فلیراجع۔

۲۴۔ بجلی کی کڑک میں نشانیاں: "ان جھگڑنے والوں پر عذاب کی بجلی نہ گرا دے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس آدمی بھیجا کہ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ قاصد نے اس کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ تجھے بلاتے ہیں کہنے لگا رسول اللہ کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ (العیاذ باللہ) تین مرتبہ یہ ہی گفتگو کی۔ تیسری مرتبہ جب وہ یہ گستاخانہ کلمات بک رہا تھا، ایک بادل اٹھا فورًا بجلی گری اور اس کی کھوپڑی سر سے جدا کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم اسلام لاتے ہیں بشرطیکہ آپ کے بعد خلافت ہم کو ملے آپ نے انکار فرما دیا۔ دونوں یہ کہہ کر اٹھے کہ ہم "مدینہ" کی وادی کو آپ کے مقابلہ میں پیدل اور سواروں سے بھر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اس کو روک دے گا اور "انصار مدینہ" روکیں گے۔ وہ دونوں چلے، راستہ میں "اربد" پر بجلی گری اور عامر طاعون کی گلٹی سے ہلاک ہوا۔ (فائدہ) رعد کی آواز سن کر کہنا چاہئے سُبۡحَانَ مَنۡ يُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ اَللّٰهُمَّ لَا تَقۡتُلۡنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهۡلِكۡنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبۡلَ ذٰلِكَ۔

۲۵۔ معبودانِ باطل سے دعا کی مثال: یعنی پکارنا اسی کا چاہئے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک ہے۔ عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟ اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ میں اپنا یا دوسروں کا نفع و ضرر ہے؟ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لئے بلانا ایسا ہے جیسے
کوئی پیاسا کنویں کی من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ بلکہ اگر پانی اس کی مٹھی میں ہو۔ تب بھی خود چل کر منہ تک نہیں جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے محض خیالات و اوہام ہیں، بعضے جن اور شیاطین ہیں، اور بعضی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں، لیکن اپنے خواص کی مالک نہیں۔ پھر ان کے پکارنے سے کیا حاصل"؟ جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں۔"

۲۶۔ مخلوقات کا اللہ کو سجدہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو اللہ پر یقین لایا خوشی سے سر رکھتا ہے اس کے حکم پر اور جو نہ یقین لایا آخر اس پر بھی بے اختیار اسی کا حکم جاری ہے اور پرچھائیاں صبح اور شام زمین پر پسر جاتی ہیں یہی ہے ان کا سجدہ"۔ مطلب یہ ہے کہ جواہر ہوں یا اعراض کوئی چیز اللہ کے حکم تکوینی سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کے نفوذ و اقتدار کے سامنے سب منقاد اور سربسجود ہیں۔ سایہ کا گھٹنا بڑھنا، داہنے بائیں مائل ہونا سب اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ صبح شام کا ذکر شاید اس لئے کیا کہ ان وقتوں میں زمین پر سایہ کا پھیلاؤ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ

۱۶۔ پوچھ کون ہے رب آسمان اور زمین کا کہدے اللہ ہے کہہ پھر کیا تم نے پکڑے ہیں اس کے سوا ایسے حمایتی جو مالک نہیں اپنے بھلے اور برے کے [۲۷] کہہ کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور

لِاَنۡفُسِهِمۡ نَفۡعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى
الۡاَعۡمٰى وَ الۡبَصِيۡرُ ۙ اَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَ
النُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ
فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ
شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

اجالا [۲۸] کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے شریک کہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے پیدا کیا اللہ نے پھر مشتبہ ہوگئی پیدائش انکی نظر میں کہہ اللہ ہے پیدا کرنے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست [۲۹]

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا
فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَ مِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ
عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ
كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَ الۡبَاطِلَ ۙ فَاَمَّا الزَّبَدُ
فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ
فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اتارا اس نے آسمان سے پانی پھر بہنے لگے نالے اپنی اپنی موافق پھر اوپر لے آیا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا اور جس چیز کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اسمیں بھی جھاگ ہے ویسا ہی یوں بیان (ٹھہراتا ہے) کرتا ہے اللہ حق اور باطل کو سو وہ جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے سو باقی رہتا ہے زمین میں اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں [۳۰]

۲۷۔ یعنی جب ربوبیت کا اقرار صرف خدا کے لئے کرتے ہو، پھر مدد کے لئے دوسرے حمایتی کہاں سے تجویز کر لئے۔ حالانکہ وہ برابر ذرہ نفع نقصان کا مستقل اختیار نہیں رکھتے۔

۲۸۔ یعنی موحد و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسے بینا اور نابینا میں اور توحید و شرک کا مقابلہ ایسا سمجھو جیسے نور کا ظلمت سے۔ تو کیا ایک اندھا مشرک جو شرک کی اندھیریوں میں پڑا ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں ایک موحد کو پہنچنا ہے جو فہم و بصیرت اور ایمان و عرفان کی روشنی میں فطرت انسانی کے صاف راستہ پر چل رہا ہے؟ ہرگز دونوں ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

۲۹۔ یعنی جیسی مخلوقات خدا تعالیٰ نے پیدا کی، کیا تمہارے دیوتاؤں نے ایسی کوئی چیز پیدا کی ہے جسے دیکھ کر ان پر خدائی کا شبہ ہونے لگا۔ وہ تو ایک مکھی کا پر اور ایک مچھر کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے۔ بلکہ تمام چیزوں کی طرح خود بھی اسی اکیلے زبردست خدا کی مخلوق ہیں۔ پھر ایسی عاجز و مجبور چیزوں کو خدائی کے تخت پر بٹھا دینا کس قدر گستاخی اور شوخ چشمی ہے۔

۳۰۔ حق و باطل کی مثال: آسمان کی طرف سے بارش اتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے۔ ہر نالے میں اس کے ظرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کر دیا چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہو گیا۔ پھر میل کچیل اور جھاگ پھول کر اوپر آیا۔ جیسے تیز آگ میں، چاندی، تانبا، لوہا اور دوسری معدنیات پگھلاتے ہیں تا زیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں اس میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے مگر تھوری دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہ ہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔ یہ ہی مثال حق و باطل کی سمجھ لو۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوب بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں، پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں۔ تو میل ابھر آتا ہے۔ بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبالیتا ہے۔ لیکن اس کا یہ ابال عارضی اور بے بنیاد ہے تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ خدا جانے کدھر گیا۔ جو اصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہ ہی رہ گئی۔ دیکھو! خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں کیسے موثر طرز میں سمجھایا کہ دنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو گو برائے چندے باطل اونچا اور پھولا ہوا نظر آئے، لیکن آخر کار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر و غالب ہو کر رہے گا۔ کسی مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہئے اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اتر جائے کچھ دیر کے لئے اوہام و وساوس زور شور دکھلائیں تو گھبرانے کی بات نہیں، تھوڑی دیر میں یہ ابال بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر رہے گا۔ گذشتہ آیات میں چونکہ توحید و شرک کا مقابلہ کیا گیا تھا، اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بتلادی، آگے دونوں کا انجام بالکل کھول کر بیان کرتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ وَالَّذِيْنَ لَمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ
مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ
الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۸ ۧ
اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ
كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۹ ۙ
الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ
الْمِيْثَاقَ ۝۲۰ ۙ

ع ۲ / ۱۱ / ۸

۱۸۔ جنہوں نے مانا اپنے رب کا حکم ان کے واسطے بھلائی ہے[۳۱] اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا اگر انکے پاس ہو جو کچھ کہ زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور تو سب دیویں (دے ڈالیں) اپنے بدلہ میں[۳۲] ان لوگوں کے لئے ہے برا حساب[۳۳] اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور وہ بری (برا بچھونا ہے) آرام کی جگہ ہے

۱۹۔ بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترا تجھ پر تیرے رب سے حق ہے برابر ہو سکتا ہے اسکے جو کہ اندھا ہے سمجھتے وہی ہیں جنکو عقل ہے[۳۴]

۲۰۔ وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اس عہد کو[۳۵]

وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾

٢١۔ اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کو اللہ نے فرمایا ملانا[٣٦] اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا[٣٧]

وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ
يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى
الدَّارِ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا خوشی کو اپنے رب کی[٣٨] اور قائم رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دیے میں سے پوشیدہ (چھپے) اور ظاہر (کھلے)[٣٩] اور کرتے ہیں برائی کے مقابلہ میں بھلائی[٤٠] ان لوگوں کے لئے ہے آخرت کا گھر

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ
وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ
عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ باغ ہیں رہنے کے[٤١] داخل ہوں گے ان میں اور جو نیک ہوئے انکے باپ دادوں میں اور جوروؤں میں اور اولاد میں[٤٢] اور فرشتے آئیں ان کے پاس ہر دروازے سے

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾

٢٤۔ کہیں گے سلامتی تم پر بدلے اسکے کہ تم نے صبر کیا سو خوب ملا عاقبت کا گھر[٤٣]

٣١۔ یعنی ایمان و عمل صالح اختیار کیا ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، حقیقی خوشی اور قلبی طمانیت و سکون ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

٣٢۔ آخرت کی پریشانی: یعنی یہاں تو خیر جس طرح گذرے، لیکن آخرت میں ان کی حالت ایسی پریشانی اور گھبراہٹ کی ہو گی کہ اگر تمام دنیا کے خزانے ان کے ہاتھ میں ہوں بلکہ اسی قدر اور بھی تو تمنا کریں گے کہ ہم یہ سب فدیہ میں دیکر اس پریشانی سے چھوٹ جائیں۔ "وانی لھم ذٰلک"

٣٣۔ یعنی حساب میں کسی قسم کی رعایت اور درگذر نہ ہو گی ایک ایک بات پر پوری طرح پکڑے جائیں گے۔

٣٤۔ مومن و کافر دونوں کا الگ الگ انجام ذکر فرمانے کے بعد متنبہ کرتے ہیں کہ ایسا ہونا عین عقل و حکمت کے موافق ہے۔ کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک نپٹ اندھا جسے کچھ نظر نہ آئے یوں ہی اناپ شناپ اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھا رہا ہو، اس شخص کی برابری کر سکتا ہے جس کے دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ حق کی روشنی سے مستفید ہو رہا ہے۔

٣٥۔ اہل عقل کی صفات: یعنی اللہ سے جو عہد ازل میں ہو چکا ہے (عہد الست) جس پر انسان کی فطرت خود گواہ ہے اور جو انبیاء کی زبانی عہد لئے گئے ان سب کو پورا کرتے ہیں۔ کسی کو توڑتے نہیں۔ نیز بذات خود کسی معاملہ میں خدا سے یا بندوں سے جو عہد و پیمان باندھتے ہیں (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

۳۶۔ یعنی صلہ رحم کرتے ہیں یا ایمان کو عمل کے ساتھ یا حقوق العباد کو حقوق اللہ کے ساتھ ملاتے ہیں، یا اسلامی اخوت کو قائم رکھتے ہیں۔ یا انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں۔

۳۷۔ یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں جب ذرہ ذرہ کا حساب ہو گا۔ کیا صورت پیش آئے گی۔

۳۸۔ یعنی مصائب و شدائد اور دنیا کی مکروہات پر صبر کیا۔ کسی سختی سے گھبرا کر طاعت کے راستہ سے قدم نہیں ہٹایا نہ معصیت کی طرف جھکے اور یہ صبر واستقلال محض حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دکھلایا۔ اس لئے نہیں کہ دنیا انہیں بہت صابر اور مستقل مزاج کہے۔ نہ اس لئے کہ بجز صبر کے چارہ نہ رہا تھا مجبور ہو گئے تو صبر کر کے بیٹھ رہے۔

۳۹۔ پوشیدہ کو شاید اس لئے مقدم رکھا کہ پوشیدہ خیرات کرنا افضل ہے۔ الا یہ کہ کہیں مصلحت شرعی علانیہ دینے میں ہو۔

۴۰۔ یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں، سختی کے مقابلہ میں نرمی برتتے ہیں کوئی ظلم کرتا ہے یہ معاف کرتے ہیں۔ (بشر طیکہ معافی سے برائی ترقی کرنے کا اندیشہ نہ ہو) بدی سے بچ کر نیکی اختیار کرتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی برا کام ہو جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں بھلا کام (یعنی توبہ اور اس گناہ کی تلافی) کرتے ہیں۔

۴۱۔ یعنی جن میں ہمیشہ رہیں گے۔

۴۲۔ **جنت میں اقرباء کی معیت:** "آباء" کا لفظ تغلیبًا کہا ہے جس میں امہات (مائیں) بھی شامل ہیں۔ یہ جنت کی بشارت کے ساتھ مزید خوشخبری سنائی کہ ایسے کاملین کو جن کی خصال اوپر بیان ہوئیں، جنت میں ایک نعمت و مسرت یہ حاصل ہو گی کہ وہ اور ان کے ماں باپ، اولاد، بیویاں جو اپنی نیکی کی بدولت دخول جنت کے لائق ہوں سب اکٹھے رہیں گے حتّٰی کہ ان متعلقین میں سے اگر کوئی کم رتبہ ہو گا تو حق تعالیٰ اپنی نوازش و مہربانی سے درجہ بڑھا کر اس مرد کامل سے نزدیک کر دے گا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (طور۔۲۱) اس سے معلوم ہوا کہ بدون ایمان و عمل صالح کے محض کاملین کی قرابت کافی نہیں۔ ہاں ایمان و عمل صالح موجود ہو تو تعلق قرابت سے کچھ ترقی درجات ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۳۔ **مومنین کاملین کو فرشتوں کا سلام:** صحیح حدیث میں جنت کے آٹھ دروازے بیان ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کاملین کی تعظیم و تکریم کے لئے خدا کے پاک فرشتے ہر طرف سے تحائف و ہدایا لے کر حاضر ہوں گے۔ احادیث میں ہے کہ خلق اللہ میں سے اول وہ فقراء مہاجرین جنت میں داخل ہوں گے جو سختیوں اور لڑائیوں میں سینہ سپر ہوتے اور رخنہ بندی کے وقت کام آتے تھے۔ جو حکم ان کو ملتا اس کی تعمیل کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے دنیا کی حاجتیں اور دل کے ارمان دل ہی میں لے کر یہاں سے رخصت ہو گئے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائے گا میرے وہ بندے کہاں ہیں (حاضر ہوں) جو میرے راستہ میں لڑے، میرے لئے تکلیفیں اٹھائیں اور جہاد کیا۔ جاؤ جنت میں بے کھٹکے داخل ہو جاؤ۔ پھر ملائکہ کو حکم ہو گا کہ میرے ان بندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کرو۔ وہ عرض کریں گے خداوندا! ہم تیری بہترین مخلوق ہیں کیا ہم بارگاہ قرب کے رہنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان زمینی باشندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کریں۔ ارشاد ہو گا، ہاں یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے توحید پر جان دی، دنیا کے سب ارمان اپنے سینے میں لے کر چلے آئے میرے راستہ میں جہاد کیا اور ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے رہے۔ یہ سن کر فرشتے ہر طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے " سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر سال کے آغاز میں قبور شہداء پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ یہ ہی طرز عمل ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا۔

وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ
يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور جو لوگ توڑتے ہیں عہد اللہ کا مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو فرمایا اللہ نے جوڑنا اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں ایسے لوگ انکے واسطے ہے لعنت اور انکے لئے ہے برا گھر [۴۴]

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ وَ فَرِحُوْا
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي
الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

ع ۳ ۹

۲۶۔ اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے [۴۵] اور فریفتہ ہیں دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاع (مال) حقیر [۴۶]

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ
رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ
اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے کہہ دے اللہ گمراہ (بچلاتا ہے) کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ دکھلاتا ہے اپنی طرف اسکو جو رجوع ہوا [۴۷]

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا
بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں انکے دل اللہ کی یاد سے [۴۸] سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل [۴۹]

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ
حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے خوشحالی (خوبی) ہے انکے واسطے اور اچھا ٹھکانا [۵۰]

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ
اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ هُمْ
يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

۳۰۔ اسی طرح تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ گذر چکی ہیں اس سے پہلے بہت امتیں تاکہ سنا دے تو انکو جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف [۵۱] اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمٰن سے [۵۲] تو کہہ وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف آتا

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ ہوں رجوع کر کے [۵۳]

۴۴۔ اشقیاء کی علامات: سعداء کے مقابل یہاں اشقیاء کی عادات و خصال اور آخری انجام بتایا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بد عہدی کریں، جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم تھا انہیں توڑیں، ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں دوسروں پر اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے نہ رکیں۔ یہ ہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے اور سب سے زیادہ برے مقام پر پہنچنے والے ہیں۔

۴۵۔ دنیا کی خوشحالی سعادت کا معیار نہیں: یعنی دنیا کے عیش و فراخی کو دیکھ کر سعادت و شقاوت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ نہ یہ ضروری ہے کہ جس کو دنیا میں خدا نے رزق اور پیسہ زیادہ دیا ہے وہ اس کی بارگاہ میں مقبول ہو۔ بہت سے مقبول بندے بطور آزمائش و امتحان یہاں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مردود مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے وہ مزے اڑاتے ہیں۔ یہ ہی دلیل اس کی ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جہاں ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا پھل مل کر رہے گا۔ بہر حال دنیا کی تنگی و فراخی مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتا۔

۴۶۔ دنیوی زندگی کی حقیقت: یعنی اسی کو مقصود سمجھ کر اتراتے اور اکڑتے ہیں۔ حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی محض ہیچ ہے جیسے ایک شخص اپنی انگلی سے سمندر کو چھوئے تو وہ تری جو انگلی کو پہنچی ہے سمندر کے سامنے کیا حقیقت رکھی ہے۔ دنیا کی آخرت کے مقابل اتنی بھی حقیقت نہیں۔ لہٰذا عقلمند کو چاہئے کہ فانی کو باقی پر کو مقدم رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے بذات خود مقصود نہیں۔ یہاں کے سامانوں سے اس طرح تمتع کرو جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔

۴۷۔ فرمائشی نشانیوں کا مطالبہ: سینکڑوں نشان دیکھتے تھے مگر وہ ہی مرغے کی ایک ٹانگ پکڑی ہوئی تھی کہ جو ہم کہتے جائیں۔ وہ نشان دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو ذرا اپنی جگہ سے سرکا کر کھیتی باڑی کے لئے زمین وسیع کر دو۔ یا زمین کو پھاڑ کر چشمے اور نہریں نکال دو یا ہمارے پرانے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ہم سے بات چیت کرا دو۔ غرض کوئی نشان ایسا دکھلاؤ جو ہم کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ اس کا جواب دیا کہ بیشک خدا ایسے نشان دکھلانے پر قدرت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی حکمت و عادت مقتضی نہیں کہ تمہاری فرمائشیں پوری کیا کرے۔ پیغمبروں کی تصدیق کے لئے جس قدر ضرورت ہے اس سے زائد نشانات دکھلا چکا اور دکھلا رہا ہے دوسرے سینکڑوں معجزات سے قطع نظر کر کے اکیلا قرآن ہی کیسا عظیم الشان پیغمبر کی صداقت کا ہے۔ جب تم ان نشانوں کو دیکھ کر راہ راست پر نہ آئے اور حق کی طرف رجوع نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ قدیم قانون کے موافق خدا کی مشیت یہ ہی ہے کہ تم کو تمہاری پسند کردہ گمراہی میں چھوڑے رکھے۔ بلاشبہ اگر تم اپنے بڑے بڑے نشان دیکھ کر اس کی طرف رجوع ہوتے تو وہ اپنی عادت کے موافق تم کو آگے بڑھاتا اور حقیقی کامیابی تک پہنچنے کی راہیں دکھاتا۔ جب تم نے خود یہ نہ چاہا تو اس کی حکمت بھی اسی کو مقتضی ہے کہ تمہیں مجبور نہ کرے۔ پھر فرمائشی نشان دکھلانے کی کیا ضرورت رہی، بلکہ نہ دکھلانے میں تمہارا فائدہ ہے کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ فرمائشی نشان اسی وقت دکھلائے جاتے ہیں جب کسی قوم کا تباہ کرنا مقصود ہو۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ! اگر تم چاہو تو ہم ان کو فرمائشی نشان دکھلا دیں، اس پر بھی نہ مانیں تو ایسا عذاب بھیجا جائے گا جو دنیا میں کسی پر نہ آیا ہو۔ اور اگر تم چاہو تو رحمت و توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں۔ آپ نے دوسری شق کو اختیار فرمایا چنانچہ یہ ہی معاندانہ فرمائشیں کرنے والے بہت سے بعد کو مسلمان ہو گئے۔

۴۸۔ اللہ کے ذکر میں ہی دلوں کا چین ہے: یہ خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کا بیان ہوا۔ یعنی ان کو دولت ایمان نصیب ہوتی ہے اور ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے چین اور اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑا ذکر تو قرآن ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر۔۹) جسے پڑھ کر ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ شبہات اور وساوس شیطانیہ دور ہو کر سکون و اطمینان میسر آتا ہے۔ ایک طرف اگر حق تعالیٰ کی عظمت و مہابت دلوں میں خوف و خشیت پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف لامحدود رحمت و مغفرت کا ذکر قلبی سکون و راحت کے

سامان بہم پہنچاتا ہے غرض ان کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کی طرف جم جاتا ہے اور ذکر اللہ کا نور ان کے قلوب سے ہر طرح کی دنیوی وحشت اور گبھراہٹ کو دور کر دیتا ہے۔

۴۹۔ یعنی دولت، حکومت، منصب، جاگیر یا فرمائشی نشانات کا دیکھ لینا، کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون و اطمینان سے ہم آغوش نہیں کر سکتی۔ صرف یادالٰہی سے جو تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے وہ ہی ہے جو دلوں کے اضطراب و وحشت کو دور کر سکتا ہے۔

۵۰۔ "مترجم محقق نے "طوبیٰ" کے لغوی معنے لئے ہیں اسی کے اندر جنت کا وہ درخت بھی آگیا جسے حدیث صحیح میں "طوبیٰ" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔

۵۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نیا واقعہ نہیں: یعنی جس طرح ہم اپنی طرف رجوع ہونے والوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اسی طرح اس امت کی رہنمائی کے لئے ہم نے تجھے مبعوث کیا تا جو کتاب اپنی رحمت کاملہ سے تجھ پر اتاری ہے آپ ان کو پڑھ کو سنا دیں آپ کا پیغمبر بنا کر بھیجا جانا کوئی انوکھی بات نہیں، پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے جا چکے ہیں جو اس وقت تکذیب کرنے والوں کا حشر ہوا ان لوگوں کو بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔

۵۲۔ رحمان سے انکار: یعنی رحمان نے اپنی رحمت کاملہ سے قرآن اتارا۔ اَلرَّحۡمٰنُ ۔ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ (الرحمٰن۔ ۱،۲) اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ مگر انہوں نے سخت ناشکری اور کفران نعمت پر کمر باندھ لی۔ رحمان کا حق ماننے سے منکر ہو گئے بلکہ اس نام سے ہی وحشت کھانے لگے۔ اسی لئے "حدیبیہ" کے صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پر جھگڑا ہو گیا۔ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ (فرقان۔ ٦۰)

۵۳۔ یعنی جس رحمان سے تم انکار کرتے ہو وہ ہی میرا رب ہے اور وہ ہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى (بنی اسرائیل۔ ۱۱۰) میرا آغاز و انجام سب اسی کے ہاتھ میں ہے اسی پر توکل کرتا ہوں نہ تمہارے انکار و تکذیب سے مجھے ضرر کا اندیشہ ہے نہ اس کی امداد و اعانت سے مایوس ہوں۔

وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ
الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ الۡمَوۡتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِيۡعًا ؕ
اَفَلَمۡ يَايۡــَٔسِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ
لَهَدَى النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
تُصِيۡبُهُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِيۡبًا مِّنۡ
دَارِهِمۡ حَتّٰى يَاۡتِىَ وَعۡدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ
الۡمِيۡعَادَ ﴿۳۱﴾ ع ۴ ۵ ۱۰

۳۱۔ اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلیں اس سے پہاڑ یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین یا بولیں (بولنے لگیں) اس سے مردے تو کیا ہوتا بلکہ سب کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں[۵۴] سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے اللہ تو راہ پر لائے سب لوگوں کو[۵۵] اور برابر پہنچتا رہے گا منکروں کو ان کے کرتوت پر صدمہ (دھڑکا) یا اترے گا انکے گھر سے نزدیک جب تک کہ پہنچے وعدہ اللہ کا بیشک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ[۵٦]

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾
اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ
جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا
لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ وَ
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

۳۲۔ اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے پہلے سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر ان کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا بدلہ[۵۷]

۳۳۔ بھلا جو لئے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر جو کچھ اس نے کیا ہے (اوروں کی برابر ہو سکتا ہے) اور مقرر کرتے ہیں اللہ کے لئے شریک[۵۸] کہہ ان کا نام لو[۵۹] یا اللہ کو بتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں[۶۰] یا کرتے ہو اوپر ہی اوپر باتیں[۶۱] یہ نہیں بلکہ بھلے سمجھا دیے ہیں منکروں کو ان کے فریب اور وہ روک دیئے گئے ہیں راہ سے[۶۲] اور جس کو گمراہ کرے اللہ سو کوئی نہیں اسکو راہ بتانے والا[۶۳]

۵۴۔ کفار فرمائشی کتاب پر بھی ایمان نہ لاتے: یہاں قرآن سے مراد عام کتاب ہے جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں "زبور" پر لفظ قرآن کا اطلاق ہوا ہے یعنی اگر کوئی کتاب ایسی اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی نشان پورے ہو جاتے تو وہ بجز اس قرآن کے اور کونسی ہو سکتی تھی یہ ہی قرآن ہے جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا۔ قلوب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الٰہی کے چشمے جاری کر دیے۔ وصول الی اللہ کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرائے۔ مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی۔ جب ایسے قرآن سے تم کو شفاء ہدایت نصیب نہ ہوئی تو فرض کرو تمہاری طلب کے موافق اگر یہ قرآن مادی اور حسی طور پر بھی وہ سب چیزیں دکھلا دیتا جن کی فرمائش کرتے ہو۔ تب ہی کیا امید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی حجتیں اور کج بحثیاں شروع نہ کرتے، تم ایسے ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہو کہ کسی نشان کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ سب کام (ہدایت و اضلال) اللہ کے ہاتھ میں ہیں جسے وہ نہ چاہے قیامت تک ہدایت نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ اسی کو چاہتا ہے جو اپنی طرف سے قبول حق کی خواہش اور تڑپ رکھتا ہو۔"

۵۵۔ شاید بعض مسلمانوں کو خیال گذرا ہو گا کہ ایک مرتبہ ان کی فرمائش ہی پوری کر دی جائے شاید ایمان لے آئیں ان کو سمجھایا کہ خاطر جمع رکھو اگر خدا چاہے تو بدون ایک نشان دکھلائے ہی سب کو راہ راست پر لے آئے۔ لیکن یہ اس کی عادت و حکمت کے خلاف ہے۔ اس نے انسان کو ایک حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر ہدایت کے کافی اسباب فراہم کر دیے، جو چاہے ان سے منتفع ہو۔ کیا ضرورت ہے کہ ان کی فرمائشیں پوری کی جائیں باوجود کافی سامان ہدایات موجود ہونے کے اگر معاندین نہیں مانتے اور اپنے ایمان کو بیہودہ فرمائشوں پر معلق کرتے ہیں۔ تو ہم نے یہ ارادہ بھی نہیں کیا کہ ساری دنیا کو ضرور منوا ہی دیا جائے آخر لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (السجدۃ۔ ۱۳) والی بات بھی تو پوری ہو کر رہے گی۔

۵۶۔ کفار کے لئے قارعہ: یعنی یہ کفار مکہ فرمائشی نشانوں سے ماننے والے نہیں۔ یہ تو اس طرح مانیں گے کہ برابر کوئی آفت و مصیبت خود ان پر

یا ان کے آس پاس والوں پر پڑتی رہے گی۔ جسے دیکھ کر یہ عبرت حاصل کریں مثلاً جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے کچھ قتل ہوں گے کچھ قید کئے جائیں گے کچھ دوسری طرح کے مصائب کا شکار ہوں گے، یہ ہی سلسلہ رہے گا۔ جب تک خدا کا وعدہ پورا ہو یعنی مکہ فتح ہو اور "جزیرۃ العرب" شرک کی گندگی سے پاک وصاف ہو جائے بیشک خدا کا وعدہ اٹل ہے، پورا ہو کر رہے گا۔ بعض مفسرین نے اَوۡ تَحُلُّ قَرِيۡبًا مِّنۡ دَارِهِمۡ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف خطاب مانا ہے یعنی آپ ان کی بستی کے قریب اتریں گے جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا۔ اس وقت "قارعہ" سے وہ سرایا مراد ہوں گے جن میں آپ بنفس نفیس شریک نہ ہوتے تھے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ آیت تمام کفار کے حق میں عام ہے۔ مکہ والوں کی تخصیص نہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۷۔ یعنی سزا ملنے میں دیر ہو تو مت سمجھو کہ چھوٹ گئے، گذشتہ مجرموں کو بھی پہلے ڈھیل دی گئی۔ پھر جب پکڑا تو دیکھ لو کیا حشر ہوا۔ آج تک انکی تباہی کی داستانیں زبانوں پر ہیں۔

۵۸۔ **اللہ ہر شخص کے عمل کی نگرانی کرتا ہے:** یعنی جو خدا ہر شخص کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں۔ ذرا کوئی شرارت کرے اسی وقت تنبیہ کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے۔ کیا مجرم اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں، یا اس کی مثل پتھر کی وہ مورتیاں ہو سکتی ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں۔ نہ اپنے یا دوسرے کے نفع وضرور کا کچھ اختیار رکھتی ہیں۔ تعجب ہے کہ ایسے خدا کی موجودگی میں انسان ایسی عاجز وحقیر مخلوق کے آگے سر جھکائے اور اس کو خدائی کے اختیارات تفویض کر دے۔ اس ظلم کی بھی کوئی انتہا ہے کہ علیم الکل اور بہمہ صفت موصوف خدا کے شریک وہ ہوں جنہیں خود اپنے وجود کی خبر نہیں خوب سمجھ لو کہ جو کچھ ہم خفیہ یا علانیہ کرتے ہیں سب خدا کی آنکھ کے سامنے ہے۔ لوگوں کی ان مشرکانہ گستاخیوں سے وہ بے خبر نہیں۔ جلد یا بدیر سزا مل کر رہے گی۔

۵۹۔ **اللہ کے حصہ دار کہیں موجود نہیں:** یعنی ذرا آگے بڑھ کر ان شرکاء کے نام تو لو اور پتے تو بتاؤ، کیا خداوند قدوس کی یہ صفات سن کر جو اوپر بیان ہوئیں کوئی حیادار ان پتھروں کا نام بھی لے سکتا ہے؟ اور بے حیائی سے "لات" و "عزیٰ" کے نام لینے لگو تو کیا کوئی عاقل ادھر التفات کر سکتا ہے؟

۶۰۔ یعنی خدا کو تمام روئے زمین پر اپنی خدائی کا کوئی شریک (حصہ دار) معلوم نہیں۔ (کیونکہ ہے ہی نہیں جو معلوم ہو) کیا تم اسے وہ چیز بتلاؤ گے جسے وہ نہیں جانتا؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) زمین کی قید اس لئے لگائی کہ بت پرستوں کے نزدیک شرکاء (اصنام) کی قیام گاہ یہ ہی زمین تھی۔ ابو حیان نے لَا يَعۡلَمُ کی ضمیر "ما" کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی کیا خدا کو بتلاتے ہو کہ آپ کی خدائی کے حصہ دار وہ بت ہیں جو ادنیٰ سا علم بھی نہیں رکھتے؟

۶۱۔ **شرکاء کا عقیدہ صرف قول ہی قول ہے:** پہلے فرمایا تھا ان شرکاء کا ذرا نام لو، پھر متنبہ فرمایا کہ جس چیز کا واقع میں ثبوت ہی نہیں اس کا نام کیا لیا جا سکتا ہے؟ اب بتلاتے ہیں کہ کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا خالی الفاظ اور صوت محض ہے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔ مجرد ظن وتخمین اور باطل اوہام سے چند بے معنی الفاظ بامعنی نہیں بن جاتے۔ شاید بِظَاهِرٍ مِّنَ الۡقَوۡلِ میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ جو مشرکانہ باتیں وہ کر رہے ہیں اگر کورانہ تقلید وتعصب سے خالی ہو کر اپنے ضمیر کی طرف رجوع کریں تو خود ان کا ضمیر بھی لغویات سے انکار کرے گا۔ اس لئے کہنا چاہئے کہ یہ سب اوپر اوپر کی باتیں ہیں۔ جن کو انسانی ضمیر اور انسانی فطرت دونوں مردود ٹھہرا چکے ہیں۔

۶۲۔ یعنی کچھ بھی نہیں۔ شرک کی حمایت میں ان کی یہ مستعدی اور توحید کے مقابلہ میں اس قدر جدوجہد خالی نفس کا دھوکہ اور شیطان کا فریب ہے اسی نے ان کو راہ حق سے روک دیا ہے۔

۶۳۔ یعنی جسے خدا ہدایت کی توفیق نہ دے اسے کون راہ پر لا سکتا ہے اور وہ اسی کو توفیق دیتا ہے جو باختیار خود ہدایت کے دروازے اپنے اوپر بند نہ کر لے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ ان کو مار پڑتی ہے دنیا کی زندگی میں [۶۴] اور آخرت کی مار تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی نہیں انکو اللہ سے بچانے والا [۶۵]

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ حال جنت کا جس کا وعدہ ہے پرہیز گاروں سے بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں میوہ اس کا ہمیشہ ہے [۶۶] اور سایہ بھی [۶۷] یہ بدلہ ہے ان کا جو ڈرتے رہے [۶۸] اور بدلہ منکروں کا آگ ہے [۶۹]

وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ
اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ
اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو نازل ہوا تجھ پر [۷۰] اور بعضے فرقے نہیں مانتے اسکی بعضی بات [۷۱] کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف ہے میرا ٹھکانہ [۷۲]

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ
اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع ۵/۱۱

۳۷۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں [۷۳] اور اگر تو چلے انکی خواہش کے موافق بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچ چکا کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا [۷۴]

۶۴۔ مجاہدین کے ہاتھوں سے یا بلاواسطہ قدرت کی طرف سے۔

۶۵۔ یعنی بے سزا دیے چھوڑے گا نہیں۔ پھر وہاں کی سزا کا کیا پوچھنا۔

۶۶۔ جس کی کوئی نوع کبھی ختم نہ ہو گی اور ہمیشہ وہ ہی ملے گا۔ جس کی خواہش کریں گے۔ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (واقعہ۔۳۳)

۶۷۔ یعنی سایہ بھی ہمیشہ آرام دہ رہے گا نہ کبھی دھوپ کی تپش ہو گی نہ سردی کی تکلیف۔ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا (الدھر۔۱۳)

۶۸۔ یعنی خدا سے ڈر کر شرک و کفر کو چھوڑے رکھا۔

۶۹۔ اہل حق اور اہل باطل کا انجام ایک دوسرے کے بالمقابل بیان فرمایا۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَآءُ۔

۷۰۔ نزول قرآن سے اہل کتاب اور مسلمانوں کی خوشی: "جن کو اب قرآن دیا ہے (یعنی مسلمانان) اور جن کو پہلے "تورات" و "انجیل" وغیرہ دی گئی (یعنی "یہود" و "نصاریٰ") اس چیز کو سن کو خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی۔ مسلمانوں کا خوش ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اسی کتاب کو فلاح دارین کی کلید جانتے تھے، باقی یہود و نصاریٰ میں جو لوگ اہل علم و انصاف اور فی الجملہ حق پرست تھے ان کے لئے بھی ایک طرح مسرت کا موقع تھا۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ قرآن کیسی فراخدلی سے ان کی اصل کتابوں کی تصدیق اور ان کے انبیاء کی تعریف و تعظیم میں رطب اللسان ہے بلکہ سچے احبار و رہبان کے وجود کو بھی معرض مدح میں پیش کرتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَرُهۡبَانًا (المائدہ۔ ۸۲) چنانچہ اسی قسم کے منصف و حق پرست یہود و نصاریٰ آخر کار مشرف باسلام ہوئے۔

۷۱۔ یعنی یہود و نصاریٰ یا عرب کے جاہلوں میں وہ جماعتیں بھی ہیں جو قرآن سے اس لئے ناخوش ہیں کہ انہیں اس کی بعض چیزوں سے انکار ہے اور یہ وہی چیزیں ہیں جو ان کی تحریف و تبدیل یا آراء و اہواء کے خلاف قرآن نے بیان کی ہیں۔

۷۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید خالص کی طرف: یعنی کوئی خوش ہو یا ناخوش میں تو اسی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی بندگی کرتا ہوں جس کو سب انبیاء اور ملل بالاتفاق مانتے چلے آئے۔ اسی کے احکام و مرضیات کی طرف ساری دنیا کو دعوت دیتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میرا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، وہیں میرا ٹھکانہ ہے۔ وہ ہی مجھ کو آخر کار غالب و منصور اور مخالفین کو مغلوب و رسواء کرے گا۔ لہذا کسی کے خلاف و انکار کی مجھے قطعاً پروا نہیں۔

۷۳۔ قرآن کا نزول عربی زبان میں: "یعنی جیسے پیشتر دوسری کتابیں اتاری گئیں اس وقت یہ قرآن اتارا جو عظیم الشان معارف و حکم پر مشتمل اور حق و باطل کا آخری فیصلہ کرنے والا ہے۔ پھر جس طرح ہر پیغمبر کو اسی زبان میں کتاب دی گئی جو اس کی قومی زبان تھی۔ ایسے ہی محمد عربی ﷺ کو عربی قرآن دیا گیا۔ بلاشبہ قرآن جیسی معجز و جامع کتاب ایسی ہی زبان میں نازل ہونی چاہئے تھی، جو نہایت بلیغ، وسیع، جامع، منضبط، واضح، پر مغز اور پر شوکت ہونے کہ وجہ سے "ام الالسنہ" اور "ملکۃ اللغات" کہلانے کی مستحق ہے۔

۷۴۔ علم عظیم کی پیروی کرو: یعنی کسی کے انکار و ناخوشی کی ذرہ بھر پروانہ کرو۔ حق تعالیٰ نے جو علم عظیم تمکو دیا ہے اس کی پیروی کرتے رہو۔ اگر بالفرض تم ان لوگوں کی خواہشات کی طرف جھک گئے تو اس کے وبال سے کون بچا سکتا ہے۔ یہ خطاب ہر طالب حق کو ہے۔ اور اگر حضور ﷺ مخاطب ہیں تو آپ کے سامنے رکھ کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی نظائر گذر چکیں۔

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَ جَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے اور ہم نے دی تھیں انکو جوروئیں اور اولاد اور نہیں ہوا کسی رسول سے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن سے ہر ایک وعدہ ہے لکھا ہوا [۷۵]

يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثۡبِتُ ۖۚ وَ عِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب [۷۶]

وَاِنۡ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور اگر دکھلا دیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو ہم نے کیا ہے ان سے یا تجھ کو اٹھا لیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا[۷۷]

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَـنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا
ؕ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيۡعُ
الۡحِسَابِ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اس کے کناروں سے[۷۸] اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم[۷۹] اور وہ جلد لیتا ہے حساب[۸۰]

وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ
جَمِيۡعًا ؕ يَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ ؕ وَسَيَعۡلَمُ
الۡكُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب[۸۱] جانتا ہے جو کچھ کماتا ہے ہر ایک جی[۸۲] اور اب معلوم کئے لیتے ہیں کافر کہ کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر[۸۳]

وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ قُلۡ كَفٰى
بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۙ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ
عِلۡمُ الۡكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ٦ ١٢

۴۳۔ اور کہتے ہیں کافر تو بھیجا ہوا نہیں آیا کہدے اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے بیچ میں[۸۴] اور جس کو خبر ہے کتاب کی[۸۵]

۷۵۔ تمام انبیاء بشر تھے: یعنی پیغمبر عربی ﷺ کو نئی کتاب اور نئے احکام دے کر بھیجنا کیا اچنبھے کی بات ہو گئی جو اتنی حجتیں نکالی جاتی ہیں آخر ان سے پہلے بھی ہم نے جو پیغمبر بھیجے وہ آسمان کے فرشتے نہ تھے اسی دنیا کے رہنے والے آدمی تھے۔ جو کھانا کھاتے اپنی ضروریات اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے اور بیوی بچے رکھتے تھے۔ ان میں کسی کو یہ قدرت نہ تھی کہ لوگ جو نشانی مانگتے ضرور دکھلا دیتا، بلکہ موجودہ پیغمبر کی طرح ہر چیز میں خدائی اذن کے منتظر رہتے تھے۔ وہ ہی نشان دکھاتے اور وہ ہی احکام سناتے تھے جس کا اذن خدا کے یہاں سے ہوتا۔ خدائی اذن کا حال یہ ہے کہ اس کے یہاں ہر زمانہ اور ہر قرن کے مناسب جداگانہ حکم لکھا ہوا ہے اور ایک وعدہ ٹھہرا ہوا ہے جس کو نہ کوئی نبی بدل سکتا ہے نہ فرشتہ۔ پھر جب ہر ایک پیغمبر اپنے زمانہ کے مناسب احکام لائے اور اپنی صداقت کے نشان دکھانے میں پبلک کی خواہشات کے پابند نہیں رہے نہ اپنے کو حوائج بشریہ اور تعلقات معاشرت سے پاک اور برتر ظاہر کیا تو ان ہی چیزوں کا محمد رسول اللہ ﷺ میں پایا جانا انکار نبوت کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

۷۶۔ اللہ قضاو قدر کا مالک ہے: یعنی اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے جسے چاہے باقی رکھے۔ جس قوم کو چاہے مٹائے جسے چاہے اس کی جگہ جمادے۔ جن پر اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے جن کی چاہے نہ بدلے۔ جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے جو چاہے شرائط کے نہ پائے جانے کی بناء پر موقوف کر دے۔ غرض ہر قسم کی تبدیلی و تغیر، محو و اثبات نسخ و احکام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ قضاو قدر کے تمام دفاتر اسی کے قبضہ میں ہیں اور سب تفصیلات و دفاتر کی جڑ جسے "ام الکتاب" کہنا چاہئے اسی کے پاس ہے یعنی "علم ازلی محیط" جو ہر قسم کے تبدل و تغیر سے قطعًا منزہ و مبریٰ اور لوح محفوظ کا ماخذ ہے۔

تقدیر مُعلّق اور تقدیر مبرم: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے، بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے چھپے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے، جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے۔ جب چاہے ویسی ہی رکھے۔ آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے۔ جو ہرگز نہیں بدلتا۔ اندازے کو تقدیر کہتے ہیں۔ یہ دو تقدیریں ہوئیں ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلّق اور جو نہیں بدلتی اس کو مُبرَم کہتے ہیں" جن احادیث و آثار سے بعض افاضل کو قضاء مبرم کے بدلنے کا شبہ ہوا ہے ان کے متعلق یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ انشاء اللہ مستقل تفسیر میں لکھا جائے گا۔ اگر خدا نے توفیق دی۔ وھو الموفق والمستعان۔

۷۷۔ یعنی جو وعدے ان سے کئے گئے ہیں، ہم کو اختیار ہے کہ ان میں سے بعض آپ کے سامنے پورے کر دیں یا آپ کی وفات کے بعد ظاہر کریں نہ آپ کو ان کے ظہور کی فکر میں پڑنا چاہئے اور نہ تاخیر و امہال دیکھ کر ان لوگوں کو بے فکر ہونا چاہئے۔ خدا کے علم میں ہر چیز کا ایک وقت مناسب ہے جس کے پہنچنے پر وہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گی۔ آپ اپنا فرض (تبلیغ) ادا کئے جائیے تکذیب کرنے والوں کا حساب ہم خود بے باق کر دیں گے۔

۷۸۔ اللہ کا حکم ضرور پورا ہوتا ہے: یعنی سرزمین مکہ کے آس پاس اسلام کا اثر پھیلتا جاتا اور کفر کی عملداری گھٹتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے قبائل اور اشخاص کے قلوب پر اسلام کا سکہ بیٹھ رہا ہے۔ اوس و خزرج کے دل حق و صداقت کے سامنے مفتوح ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہم آہستہ آہستہ کفر کی حکومت کو دباتے چلے آرہے ہیں۔ کیا یہ روشن آثار ان مکذبین کو نہیں بتلاتے کہ خدا فیصلہ ان کے مستقبل کے متعلق کیا ہو چکا ہے۔ ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام آج جس رفتار سے بڑھ رہا ہے وہ کسی طاقت سے رکنے والا نہیں۔ لہٰذا انجام بینی اسی میں ہے کہ آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھیں۔

۷۹۔ یعنی اس کا تکوینی حکم اور فیصلہ اٹل ہے۔ جب وقت آجائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لئے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے۔

۸۰۔ یعنی جہاں حساب کا وقت آن پہنچا پھر دیر نہ لگے گی۔ یا جو چیز یقینًا آنے والی ہے اسے جلد ہی سمجھو۔

۸۱۔ اللہ کی تدبیر غالب ہے: وہ نہ چاہے تو سب فریب رکھے رہ جائیں، یا یہ کہ خدا ان کے فریب کا توڑ کرتا ہے "مکر" اصل میں خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر برائی کے لئے کی جائے بری ہے اور برائی دور کرنے کے لئے ہو تو اچھی ہے یعنی انہوں نے چھپ چھپ کر ناپاک تدبیریں کیں لیکن خدا کی تدبیر سب پر غالب رہی، اس نے وہ تدبیریں ان ہی پر الٹ دیں وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر۔۴۳)۔

۸۲۔ یعنی جس سے کوئی حرکت و سکون اور کھلا چھپا کام پوشیدہ نہیں اس کے آگے کسی کا مکر کیا چل سکتا ہے وہ ان مکاروں کو خوب مزہ چکھائے گا۔

۸۳۔ یعنی جیسے اگلوں نے اپنے مکر کا انجام دیکھ لیا، موجودہ کفار کو بھی قدر عافیت معلوم ہوا چاہتی ہے۔

۸۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اللہ کی گواہی: یعنی تمہارے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا، جبکہ خداوند قدوس میری صداقت کے بڑے بڑے نشان دکھلا رہا ہے قرآن جو اس کا کلام ہے، جیسے اپنے کلام الٰہی ہونے کی شہادت دیتا ہے اسی طرح میرے پیغمبر برحق ہونے کا

گواہ ہے۔ اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو سخت ناموافق حالات میں سچ کا اس شان سے پھیلتے جانا اور دشمنوں تک کے دلوں میں گھر کرنا اور جھوٹ کا مغلوب و مقہور ہو کر سمٹتے رہنا خدا کی طرف سے کھلی ہوئی گواہی میری حقانیت کی ہے۔

۸۵۔ اہل علم کی گواہی: یعنی جن کو قرآن کا علم اور اس کے حقائق کی خبر ہو گئی ہے وہ بھی دل سے گواہ ہیں کہ میں نے کچھ جھوٹ نہیں بنایا۔ نیز جنہیں پہلی کتب سماویہ اور ان کی پیشین گوئیوں کی اطلاع ہے ان کے دل گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ ٹھیک ان پیشین گوئیوں کے مطابق تشریف لائے ہیں جو سینکڑوں برس پیشتر موسیٰؑ اور مسیحؑ کر چکے تھے۔ علیہما وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام۔ اے خدا تو گواہ رہ کہ جس چیز کی گواہی تو نے اور تیری کتاب والوں نے دی، یہ عاجز خاطی بھی صدق دل سے اس کی گواہی دیتا ہے۔

تم سورۃ الرعد بعون اللہ و حسن توفیقہ۔

اٰیاتها ۵۲ — ۱۴ سُوْرَةُ اِبْرٰهِیْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ — رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ
الْحَمِیْدِ ۙ﴿۱﴾

۱۔ الرٰ یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف انکے رب کے حکم سے [۱] رستہ (راہ) پر (کی طرف) اس زبردست خوبیوں والے

اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ
وَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ﴿۲﴾

۲۔ اللہ کہ جس کا ہے جو کچھ کہ موجود ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں [۲] اور مصیبت ہے کافروں کو ایک سخت عذاب سے [۳]

الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى
الْاٰخِرَةِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا
عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۳﴾

۳۔ جو کہ پسند رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور تلاش کرتے ہیں (نکالنا چاہے ہیں) اس میں کجی وہ راستہ بھول کر جا پڑے ہیں دور [۴]

۱۔ **قرآن کی عظمت شان:** یعنی اس کتاب کی عظمت شان کا اندزاہ اس بات سے کرنا چاہئے کہ ہم اس کے اتارنے والے، اور آپ جیسی رفیع الشان شخصیت اس کی اٹھانے والی ہے اور مقصد بھی اس قدر اعلیٰ وارفع ہے جس سے بلند تر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ کہ خدا کے حکم و توفیق سے تمام دنیا کے لوگوں کو خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے، مزدور ہوں یا سرمایہ دار بادشاہ ہوں یا رعایا سب کو جہالت واوہام کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں سے نکال کر معرفت و بصیرت اور ایمان وایقان کی روشنی میں کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ یعنی صحیح معرفت کی روشنی میں اس راستہ پر چل پڑیں جو زبردست وغالب، ستودہ صفات، شہنشاہ مطلق اور مالک الکل خدا کا بتایا ہوا اور اس کے مقام رضاء تک پہنچانے والا ہے۔

۳۔ یعنی جو لوگ ایسی کتاب نزال ہونے کے بعد کفر و شرک اور جہالت و ضلالت کی اندھیری سے نہ نکلے ان کو سخت عذاب اور ہلاکت خیز مصیبت کا سامنا، آخرت میں یا دنیا میں بھی۔

۴۔ **کفار کی دنیا کی محبت اور گمراہی:** یہ کافروں کا حال بیان فرمایا کہ ان کا اوڑھنا بچھونا یہی دنیا ہے آخرت کے مقابلہ میں اسی کو پسند کرتے اور

ترجیح دیتے ہیں۔ شب وروز اسی کی محبت میں غرق رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی چاہتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں پھنسا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے راستہ سے روک دیں۔ اسی لئے یہ فکر رہتی ہے کہ خدا کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ فی الحقیقت یہ لوگ راستہ سے بھٹک کر بہت ہی دور جا پڑے ہیں جن کے واپس آنے کی توقع نہں۔ خدا کی سخت مار پڑے گی۔ تب آنکھیں کھلیں گی۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴

۴۔ اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے [۵] پھر راستہ بھلاتا ہے (بھٹکاتا ہے) اللہ جس کو چاہے اور راستہ دکھلا دیتا ہے (دیتا ہے) جسکو چاہے اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا [۶]

۵۔ تمام انبیاء اپنی قوم کی زبان بولتے تھے: یعنی جس طرح آپ کو ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔ پہلے بھی ہر زمانہ میں سامان ہدایات بہم پہنچاتے رہے ہیں۔ چونکہ طبعی ترتیب کے موافق ہر پیغمبر کے اولین مخاطب اسی قوم کے لوگ ہوتے ہیں جس میں سے وہ پیغمبر اٹھایا جاتا ہے اس لئے اسی کی قومی زبان میں وحی بھیجی جاتی رہی۔ تا احکام الٰہیہ کے سمجھنے سمجھانے میں پوری سہولت رہے نبی کریم ﷺ کی امت دعوت میں گو تمام جن وانس شامل ہیں، تاہم جس قوم میں سے آپ اٹھائے گئے اس کی زبان عربی تھی اور ترتیب طبعی کے موافق شیوع ہدایت کی یہ ہی صورت مقدر تھی کہ آپ کے اولین مخاطب اور مقدم ترین شاگرد ایسی سہولت اور خوبی سے قرآنی تعلیمات و حقائق کو سمجھ لیں اور محفوظ کر لیں کہ ان کے ذریعہ سے تمام اقوام عالم اور آنے والی نسلیں درجہ بدرجہ قرآنی رنگ میں رنگی جا سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا عربوں نے اپنے نبی کی صحبت میں رہ کر اپنی قومی زبان میں جس سے انہیں بے حد شغف تھا، قرآنی علوم پر کافی دسترس پائی، پھر وہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے اور روم و فارس پر چھا گئے۔ اس وقت قدرت نے عجمی قوموں میں ایسا زبردست جوش اور داعیہ کلام الٰہی کی معرفت اور زبان عربی میں مہارت حاصل کرنے کا پیدا فرما دیا کہ تھوڑی مدت کے بعد وہ قرآنی علوم کی شرح و تبین میں اپنے معاصر عربوں سے گوئے سبقت لے گئے بلکہ عموماً علوم دینیہ و ادبیہ کا مدار ثریا تک پرواز کرنے والے عجمیوں پر رہ گیا۔ اس طرح خدا کی حجت بندوں پر تمام ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً قرآنی ہدایات سے مستفید ہونے کے اسباب فراہم ہوتے رہے۔ فالحمد اللہ علیٰ ذٰلک۔ بہر حال خاتم الانبیاء ﷺ کے خاص قوم عرب میں سے اٹھائے جانے کی اگر کچھ وجوہ موجود ہیں (اور یقیناً ہیں) تو ان ہی وجوہ کے نتیجہ میں اس سوال کا جواب بھی آ جاتا ہے کہ قرآن عربی زبانی میں اتار کر خداوند عالم نے عربوں کی رعایت کیوں کی؟

٦۔ یعنی تبیین و ہدایت کے سامان مکمل کر دیے پھر جس نے ان سامانوں سے منتفع ہونا چاہا اس کی دستگیری فرما کر راہ پر لگا دیا جس نے روگردانی کی اسے گمراہی میں چھوڑے رکھا۔ وہ زبردست اور غالب ہے۔ چاہے تو سب کو زبردستی راہ ہدایت پر لگا دے۔ لیکن اسکی حکمت مقتضی ہوئی کہ انسان کو کسب و اختیار کی ایک حد تک آزادی دے کر رحمت و غضب دونوں کے مظاہر کو دنیا میں باقی رہنے دے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵

۵۔ اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے اجالے کی طرف اور یاد دلا انکو دن اللہ کے البتہ اس میں نشانیاں ہیں اس کو جو صبر کرنے والا ہے شکر گذار (حق ماننے والا) [۷]

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ اَنۡجٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ یَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿۶﴾ ع ۱ ۱۳

۶۔ اور جب کہا موسٰی نے اپنی قوم کو یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب چھڑا دیا تم کو فرعون کی قوم سے وہ پہنچاتے تھے تم کو برا عذاب[8] اور ذبح کرتے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تمہاری عورتوں کو اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی طرف سے بڑی[9]

وَ اِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَ لَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ ﴿۷﴾

۷۔ اور جب سنا دیا تمہارے رب نے اگر احسان مانو گے تو اور بھی دوں گا تم کو[10] اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب البتہ سخت ہے[11]

وَ قَالَ مُوۡسٰۤی اِنۡ تَکۡفُرُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۸﴾

۸۔ اور کہا موسٰی نے اگر کفر (منکر ہو گے) کرو گے تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں والا[12]

۷۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی آیات: "نشانیاں دے کر" یعنی معجزات دے کر جو "آیات تسعہ" کے نام سے مشہور ہیں، یا آیات تورات مراد ہوں۔ اور "یاد دلا ان کو دن اللہ کے" یعنی ان دونوں کے واقعات یاد دلاؤ، جب ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ تعالٰی نے ان سے نجات دی اور اپنی مہربانی مبذول فرمائی۔ کیونکہ دونوں قسم کے حالات سننے سے صابر و شاکر بندوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے، کہ مصیبت کے وقت گھبرانا اور راحت کے وقت اترانا نہیں چاہیئے جو لوگ پہلے کامیاب ہوئے ہیں وہ سختیوں پر صبر اور نعمائے الٰہیہ پر شکر کرنے سے ہوئے ہیں وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَ دَمَّرۡنَا مَا کَانَ یَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَ قَوۡمُهٗ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ (اعراف۔۱۳۷)۔

۸۔ مثلاً تم کو غلام بنا رکھا تھا اور سخت بیگاریں لیتے تھے۔

۹۔ بنی اسرائیل کی آزمائش: "کہ تم کو غلامی کی ذلت سے نکالا اور دولت آزادی سے مالا مال کیا۔ "بلاء" کے اصل معنٰی آزمائش کے ہیں۔ تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں بندے کے صبر و شکر کی آزمائش ہے۔ وَ نَبۡلُوۡکُمۡ بِالشَّرِّ وَ الۡخَیۡرِ فِتۡنَةً (الانبیاء۔۳۵) وَ بَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ (اعراف۔۱۶۸) چونکہ فرعونیوں سے نجات دینا بڑی نعمت تھی تو یہاں آزمائش انعام سے ہوئی جسے مترجم محققؒ نے بطور حاصل معنی لفظ "مدد" سے تعبیر کیا۔ اس قسم کی آیت سورہ بقرہ اور اعراف میں گذر چکی ہے، وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۱۰۔ شکر سے نعمت بڑھتی ہے: موسٰیؑ کا مقولہ ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمادیا کہ اگر احسان مان کر زبان و دل سے میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اور زیادہ نعمتیں ملیں گی جسمانی و روحانی اور دنیوی و اخروی ہر قسم کی۔

۱۱۔ موجودہ نعمتیں سلب کر لی جائیں گی اور ناشکری کی مزید سزا الگ رہی۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک سائل آیا آپ نے

ایک کھجور عنایت فرمائی اس نے نہ لی یا پھینک دی۔ پھر دوسرا سائل آیا اس کو بھی ایک کھجور دی، وہ بولا "سبحان اللہ تمرۃ من رسول اللہ ﷺ" یعنی رسول اللہ کا تبرک ہے۔ آپ نے جاریہ کو حکم دیا کہ ام سلمہ کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس (شکر گذار) سائل کو دلوا دے۔

١٢۔ ناشکری سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا: "یعنی کفران نعمت کا ضرر تم ہی کو پہنچے گا۔ خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اسے تمہارے شکریوں کی کیا حاجت ہے۔ کوئی شکر ادا کرے یا نہ کرے، بہر حال اس کے حمید و محمود ہونے میں کچھ کمی نہیں آتی۔ صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا" اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، جن وانس سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے متقی شخص کے نمونہ پر ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر سب اگلے پچھلے جن وانس مل کر بفرض محال ایک بدترین انسان جیسے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ) تو اس سے میرے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی"۔

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۬ؕ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ؕۛ لَا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا اللّٰہُ ؕ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَیۡدِیَہُمۡ فِیۡۤ اَفۡوَاہِہِمۡ وَ قَالُوۡۤا اِنَّا کَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ وَ اِنَّا لَفِیۡ شَکٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡہِ مُرِیۡبٍ ﴿۹﴾

٩۔ کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان لوگوں کی جو پہلے تھے تم سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے کسی کو انکی خبر نہیں مگر اللہ کو [١٣] آئے انکے پاس انکے رسول نشانیاں لے کر پھر لوٹائے (الٹے دے لئے) انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں [١٤] اور بولے ہم نہیں مانتے جو تم کو دے کر بھیجا اور ہم کو تو شبہ ہے اس راہ میں جسکی طرف تم ہم کو بلاتے ہو خلجان میں ڈالنے والا

قَالَتۡ رُسُلُہُمۡ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ یَدۡعُوۡکُمۡ لِیَغۡفِرَ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرَکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا کَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾

١٠۔ بولے انکے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین [١٥] وہ تم کو بلاتا ہے تا کہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے [١٦] اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے [١٧] کہنے لگے تم تو یہی آدمی ہو ہم جیسے تم چاہتے ہو کہ روک دو ہم کو ان چیزوں سے جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے سو لاؤ کوئی سند کھلی ہوئی [١٨]

قَالَتۡ لَہُمۡ رُسُلُہُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَ

١١۔ ان کو کہا ان کے رسولوں نے ہم تو یہی آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہے [١٩] اور ہمارا کام نہیں کہ لے آئیں تمہارے پاس سند مگر اللہ کے

مَا كَانَ لَنَآ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ
عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾

حکم سے اور اللہ پر بھروسہ چاہئے ایمان والوں کو [۲۰]

وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدۡ هَدٰٮنَا
سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا ؕ وَ عَلَى
اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲ ۱۴

۱۲۔ اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسہ نہ کریں اللہ پر اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں [۲۱] اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر بھروسہ چاہئے بھروسے والوں کو [۲۲]

وَ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِرُسُلِهِمۡ لَنُخۡرِجَنَّكُمۡ مِّنۡ
اَرۡضِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ
رَبُّهُمۡ لَنُهۡلِكَنَّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ ہمارے دین میں [۲۳] تب حکم بھیجا انکو ان کے رب نے ہم غارت کریں گے ان ظالموں کو

وَلَنُسۡكِنَنَّكُمُ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ
خَافَ مَقَامِىۡ وَخَافَ وَعِيۡدِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور آباد کریں گے تم کو اس زمین میں ان کے پیچھے [۲۴] یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرتا ہے کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرتا ہے میرے عذاب کے وعدہ سے [۲۵]

وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور فیصلہ (فتح) لگے مانگنے پیغمبر [۲۶] اور نامراد ہوا ہر ایک سرکش ضدی (ضد کرنے والا) [۲۷]

۱۳۔ پچھلی قوموں کا علم صرف اللہ کو ہے: یہ موسیٰؑ کے کلام کا تتمہ ہے۔ یا اسے چھوڑ کر حق تعالیٰ نے اس امت کو خطاب فرمایا ہے بہر حال اس میں بتلایا کہ جو بے شمار قومیں پہلے گذر چکیں ان کے تفصیلی پتے اور احوال بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں البتہ چند قومیں جو عرب والوں کے یہاں زیادہ مشہور تھیں ان کے نام لے کر اور بقیہ کو وَالَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ میں درج کر کے متنبہ فرماتے ہیں کہ ان اقوام کا جو کچھ حشر ہوا کیا وہ تم کو نہیں پہنچا۔ تعجب ہے اتنی قومیں پہلے تباہ ہو چکیں اور ان کے حال سے ابھی تک تمہیں عبرت حاصل نہ ہوئی۔ (تنبیہ) ابن عباس نے لَا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ کو پڑھ کر فرمایا كَذَبَ النَّسَّابُوۡنَ یعنی انساب کی پوری معرفت کا دعویٰ رکھنے والے جھوٹے ہیں۔ عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی کو نہیں پایا جو معد بن عدنان سے اوپر (تحقیقی طور پر) نسب کا حال بتاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴۔ کفار کی انبیاء کے ساتھ بد سلوکی: "یعنی کفار فرط غیظ سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے جیسے دوسری جگہ ہے عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ (آل عمران۔۱۱۹) یا انبیاء کی باتیں سن کر فرط تعجب سے ہاتھ منہ پر رکھ لئے، یا ہاتھ منہ کی طرف لے جا کر اشارہ کیا بس چپ رہئے، یا ہماری اس

زبان سے اس جواب کے سوا کوئی توقع نہ رکھو، جو آگے آرہا ہے۔ یا پیغمبر کی باتیں سن کر ہنستے تھے اور کبھی ہنسی کے دبانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اَیۡدِیَھُمۡ کی ضمیر کفار کی طرف اور اَفۡوَاھِھِمۡ کی "رُسُل" کی طرف راجع ہو، یعنی ملعونوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ میں اڑا دئے کہ وہ بالکل بول نہ سکیں یا دونوں ضمیریں "رسل" کی طرف ہوں، یعنی سخت گستاخانہ طور پر انبیاء کے ہاتھ پکڑ کر انہیں کے منہ میں ٹھونس دئے بعض کے نزدیک یہاں "ایدی" سے مراد نعمتیں ہیں یعنی جو عظیم الشان نعمتیں انبیاء نے پیش کی تھیں مثلاً شرائع الٰہیہ وغیرہ ناقدری سے انہیں کی طرف لوٹا دیں۔ کسی کو قبول نہ کیا جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اس کے منہ پر ماری۔ بہر حال کوئی معنی لئے جائیں سب کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے نعمت خداوندی کی ناقدری کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی ان کے ساتھ بڑی بے رخی بلکہ گستاخی سے پیش آئے۔

۱۵۔ توحید میں شبہ غیر عقلی ہے: یعنی خدا کی ہستی اور وحدانیت تو ایسی چیز نہیں جس میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش ہو۔ انسانی فطرت خدا کے وجود پر گواہ ہے۔ علویات و سفلیات کا عجیب و غریب نظام شہادت دیتا ہے کہ اس مشین کے پرزوں کو وجود کے سانچہ میں ڈھالنے والا پھر انہیں جوڑ کر نہایت محکم و منظم طریقہ سے چلانے والا بڑا زبردست ہاتھ ہونا چاہئے۔ جو کامل حکمت و اختیار سے عالم کی مشین کو قابو میں کئے ہوئے ہے اسی لئے کٹر سے کٹر مشرک کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس بات کے اعتراف سے چارہ نہیں رہا کہ بڑا خدا جس نے آسمان و زمین وغیرہ کرات پیدا کئے وہ ہی ہو سکتا ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں سے اونچے مقام پر براجمان ہو۔ انبیاء کی تعلیم یہ ہے کہ جب انسانی فطرت نے ایک علیم و حکیم قادر توانا منبع الکمالات خدا کا سراغ پالیا پھر اوہام و ظنون کی دلدل میں پھنس کر اس سادہ فطری عقیدہ کو کھلونا یا چیستاں کیوں بنایا جاتا ہے۔ وجدان شہادت دیتا ہے کہ ایک قادر مطلق اور عالم الکل خدا کی موجودگی میں کسی پتھر یا درخت یا انسانی تصویر یا سیارہ فلکی یا اور کسی مخلوق کو الوہیت میں شریک کرنا فطرت صحیحہ کی آواز کو دبانے یا بگاڑنے کا مرادف ہے۔ کیا خداوند قدوس کی ذات و صفات میں (معاذ اللہ) کچھ کمی محسوس ہوئی جس کی مخلوق خداؤں کی جمعیت سے تلافی کرنا چاہتے ہو۔

۱۶۔ اہل عالم کو اللہ کی دعوت: یعنی ہم نہیں بلاتے۔ فی الحقیقت ہمارے ذریعہ سے وہ تم کو اپنی طرف بلا رہا ہے کہ توحید و ایمان کے راستہ پر چل کر اس کے مقام قرب تک پہنچو۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز آکر ایمان و ایقان کا طریق اختیار کر لو تو ایمان لانے سے پیشتر کے سب گناہ (بجز حقوق و زواجر کے) معاف کر دے گا۔ پھر ایمان لانے کے بعد جیسا عمل کرو گے اس کے موافق معاملہ ہو گا۔

۱۷۔ یعنی کفر و شرارت پر قائم رہنے کی صورت میں جو جلد تباہ کئے جاتے اس سے محفوظ ہو جاؤ گے اور جتنی مدت دنیا میں رہو گے سکون و اطمینان کی زندگی گذارو گے۔ یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا (ہود۔۳) اور فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً (النحل۔۹۷) وغیرہ نصوص کے موافق۔

۱۸۔ رسالت پر کفار کے اعتراضات: یعنی اچھا خدا کی بحث کو چھوڑیے۔ آپ اپنی نسبت کہیں کیا آپ آسمان کے فرشتے ہیں؟ یا نوع بشر کے علاوہ کوئی دوسری نوع ہیں؟ جب کچھ نہیں ہم ہی جیسے آدمی ہو تو آخر کس طرح آپ کی باتوں پر یقین کر لیں آپ کی خواہش یہ ہو گی کہ ہم کو قدیم مذہب سے ہٹا کر اپنا تابع بنالیں تو خاطر جمع رکھئے یہ کبھی نہ ہو گا۔ اگر آپ اپنا امتیاز ثابت کرنا اور اس مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو کوئی ایسا کھلا ہوا نشان یا خدائی سرٹیفکیٹ دکھلائیے جس کے سامنے خواہی نہ خواہی سب کی گردنیں جھک جائیں۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہماری فرمائش کے موافق معجزات دکھلائیں۔

۲۳۔ رسولوں کو کفار کی دھمکیاں: یعنی اپنے توکل وغیرہ کو رہنے دو، زیادہ بزرگی مت جتاؤ۔ بس اب دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی یا تم (بعثت سے پہلے کی طرح) چپ چاپ ہم میں رل مل کر رہو گے اور جن کو تم نے بہکایا ہے وہ سب ہمارے پرانے دین میں واپس آئیں گے، ورنہ تم سب کو ملک بدر اور جلاوطن کیا جائے گا۔

۲۴۔ انبیاء سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ: یعنی یہ تم کو کیا نکالیں گے ہم ہی ان ظالموں کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لئے یہاں سے نکال دیں گے کہ پھر کبھی واپس نہ آسکیں۔ اور ان کی جگہ تم کو اور تمہارے مخلص وفاداروں کو زمین میں آباد کریں گے۔ دیکھ لو کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے مکہ سے نکالنا چاہا، وہ ہی نکلنا آخر اس کا سبب بن گیا کہ وہاں اسلام اور مسلمانوں کا دائمی تسلط ہو اور کافر کا نشان باقی نہ رہے۔

۲۵۔ یعنی مذکورہ بالا کامیابی ان لوگوں کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں یہ خیال کر کے کہ وہ ہماری تمام حرکتوں کو برابر دیکھ رہا ہے اور ایک دن حساب دینے کے لئے اس کے سامنے کھڑے ہونا ہے جہاں اس کے بے پناہ عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔

۲۶۔ اللہ سے انبیاء کی استعانت: یعنی پیغمبروں نے خدا سے مدد مانگی اور فیصلہ چاہا۔ چنانچہ نوحؑ نے کہا تھا فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ (الشعراء۔۱۱۸) الخ لوطؑ نے کہا رَبِّ نَجِّنِيْ وَ اَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ (الشعراء۔۱۶۹) شعیبؑ نے عرض کیا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (اعراف۔۸۹) موسیٰؑ نے دعا کی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ (یونس۔۸۸) الخ اور کفار نے بھی جب دیکھا کہ اتنی طویل مدت سے عذاب کی دھمکیاں دی جارہی ہیں لیکن اس کے آثار کچھ نظر نہیں آتے تو استہزاء و تمسخر سے کہنے لگے رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص۔۱۶) اور اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (انفال۔۳۲) یہ تو قریش کے مقولے ہیں، قوم نوحؑ نے کہا تھا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ (ہود۔۳۲)۔ قوم شعیبؑ نے کہا فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا (الشعراء۔۱۸۷) وغیرہ ذٰلک۔ غرض دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی۔

۲۷۔ یعنی پیغمبروں کا خدا کو پکارنا تھا کہ مدد آئی اور ہر ایک سرکش اور ضدی نامراد ہو کر رہ گیا۔ جو کچھ خیالات پکا رکھے تھے، ایک ہی پکڑ میں کافور ہو گئے نہ وہ رہے نہ ان کی توقعات رہیں۔ ایک لمحہ میں سب کا خاتمہ ہوا۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پیچھے اس کے دوزخ ہے اور پلائیں گے اس کو پانی پیپ کا [۲۸]

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ گھونٹ گھونٹ پیتا ہے اسکو اور گلے سے نہیں اتار سکتا [۲۹] اور چلی آتی ہے اس پر موت ہر طرف (جگہ) سے اور وہ نہیں مرتا اور اس کے پیچھے عذاب ہے سخت [۳۰]

۲۸۔ دوزخیوں کا پانی: یعنی یہ تو یہاں کا عذاب تھا، اس کے بعد آگے دوزخ کا بھیانک منظر ہے جہاں شدت تشنگی کے وقت ان کو پیپ یا پیپ جیسا پانی پلایا جائے گا۔

۲۹۔ یعنی خوشی سے کہاں پی سکیں گے۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے لوہے کے گرز سر پر مار کر زبردستی منہ میں ڈالیں گے جس وقت منہ کے قریب کریں گے شدت حرارت سے دماغ تک کی کھال اتر کر نیچے لٹک پڑے گی، منہ میں پہنچ کر گلے میں پھنسے گا، بڑی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے حلق سے نیچے اتاریں گے پیٹ میں پہنچنا ہو گا کہ آنتیں کٹ کر باہر آجائیں گی۔ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد۔۱۵) وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ (کہف۔۲۹) (اعاذنا اللہ منہا وسائر المومنین)۔

۳۰۔ دوزخ کے سخت احوال: یعنی اس کا پینا کیا ہو گا ہر طرف سے موت کا سامنا کرنا ہو گا، سر سے پاؤں تک ہر عضو بدن پر سکرات موت طاری

ہوں گے ، شش جہت سے مہلک عذاب کی چڑھائی ہو گی ۔ اس زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے ۔ لیکن موت بھی نہیں آئے گی۔ جو سب
تکلیفوں کا خاتمہ کر دے۔ ایک عذاب کے پیچھے دوسرا تازہ عذاب آ رہا ہے گا۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ
(نساء۔۵٦) ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى (اعلیٰ۔۱۳) سچ ہے ۔ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر
جائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ
اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا
كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ حال ان لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے انکے عمل ہیں جیسے وہ راکھ کہ زور کی چلے اس پر ہوا آندھی کے دن کچھ ان کے ہاتھ میں نہ ہو گا اپنی کمائی میں سے یہی ہے بہک کر دور جا پڑنا[۳۱]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ۙ

۱۹۔ تو نے کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسی چاہئے اگر چاہے تم کو لیجائے اور لائے کوئی پیدائش (مخلوق) نئی

وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں[۳۲]

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ
عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا
اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ
صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع ۳ ۹ ۱۵

۲۱۔ سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے[۳۳] پھر کہیں گے کمزور بڑائی والوں کو ہم تو تمہارے تابع تھے سو کیا بچاؤ گے ہم کو اللہ کے کسی عذاب سے کچھ[۳۴] وہ کہیں گے اگر ہدایت (راہ پر لانا) کرتا ہم کو اللہ تو البتہ ہم تم کو ہدایت (راہ پر لاتے) کرتے اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی[۳۵]

وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ
الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ
مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا

۲۲۔ اور بولا شیطان جب فیصل ہو چکا سب کام بیشک اللہ نے تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا پھر (سو) جھوٹا کیا اور میری تم پر کچھ حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا میری بات کو سو الزام نہ دو مجھ کو اور الزام دو اپنے آپ کو نہ میں تمہاری فریاد کو

تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾

پہنچوں نہ تم میری فریاد کو پہنچو میں منکر ہوں (مجھ کو قبول نہیں) جو تم نے مجھ کو شریک بنایا تھا اس سے پہلے البتہ جو ظالم ہیں انکے لئے ہے عذاب دردناک [۳۶]

۳۱۔ کفار کے اعمال کی مثال: بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ خیرات کی مد میں کئے ہماری خوش اخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی، بہتیرے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی، کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا لیا اس وقت کام نہ آئے گا؟ اس کا جواب اس تمثیل میں دیا۔ یعنی جسے خدا کی صحیح معرفت نہیں۔ محض فرضی اور وہمی خدا کو پوجتا ہے اس کے تمام اعمال محض بے روح اور بے وزن ہیں۔ وہ محشر میں اسی طرح اڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں۔ اس وقت کفار نیک عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہوں گے۔ حالانکہ وہ ہی موقع ہو گا جہاں نیک عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہو گی۔ اللہ اکبر! یہ کیسی حسرت کا وقت ہو گا کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھے تھے وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح عین اس موقع پر بے حقیقت ثابت ہوئے جب دوسرے لوگ اپنی نیکیوں کے ثمر شیریں سے لذت اندوز ہو رہے ہیں۔ کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر۔ تہی دست را دل پراگندہ تر۔

۳۲۔ دوسری زندگی کے دلائل: "یعنی شاید کفار کو یہ خیال گذرے کہ جب مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے۔ پھر دوبارہ زندگی کہاں۔ قیامت اور عذاب وثواب وغیرہ سب کہانیاں ہیں، ان کو بتلایا کہ جس خدا نے آسمان وزمین کامل قدرت وحکمت سے پیدا کئے اسے تمہارا از سر نو دوبارہ پیدا کرنا، یا کسی دوسری مخلوق کو تمہاری جگہ لے آنا کیا مشکل ہے؟ اگر آسمان وزمین کے محکم نظام کو دیکھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا پیدا کرنا اور قائم رکھنے والا کوئی صانع حکیم ہے جیسا کہ لفظ "بالحق" میں تنبیہ فرمائی، تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اشرف المخلوقات (انسان) کو محض بے نتیجہ پیدا کیا ہو گا اور اس کی تخلیق وایجاد سے کوئی عظیم الشان مقصد متعلق نہ ہو گا۔ یقیناً اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہونی چاہئے جس میں آدمؑ کی پیدائش کا مقصد عظیم اکمل واتم طریقہ سے آشکارا ہو۔

۳۳۔ یعنی سب سے بڑی عدالت میں پیشی ہو گی۔

۳۴۔ آخرت میں کفار کی اپنے بڑوں سے مدد کا سوال: یہ اتباع اپنے متبوعین سے کہیں گے یعنی دنیا میں تم بڑے بن کر بیٹھے تھے اور ہم نے تمہاری بہت تابعداری کی تھی، آج اس مصیبت کی گھڑی میں کچھ تو کام آؤ، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ عذاب الٰہی کے کسی حصہ کو ہم سے ذرا ہلکا کر دو۔ یہ دوزخ میں جانے کے بعد کہیں گے یا میدان حشر میں، ابن کثیرؒ نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے لقولہ تعالیٰ وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا (المومن۔۴۷) الآیۃ وغیر ذلک من الآیات۔ واللہ اعلم۔

۳۵۔ ان کا جواب: یعنی اگر خدا دنیا میں ہم کو ہدایت کی توفیق دیتا تو تم کو بھی اپنے ساتھ سیدھے راستہ پر لے چلتے۔ لیکن ہم نے ٹھوکر کھائی تو تمہیں بھی لے ڈوبے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت اگر خدا تعالیٰ ہم کو اس عذاب سے نکلنے کی کوئی راہ بتلاتا تو ہم تمہیں وہ ہی راہ بتا دیتے۔ اب تو تمہاری طرح ہم خود مصیبت میں مبتلا ہیں، اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارے کی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے فائدہ، نہ گھبرانے اور چلانے سے کچھ حاصل۔

۳۶۔ دوزخ میں شیطان کی تقریر: یعنی حساب کتاب کے بعد جب جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے اس

وقت کفار دوزخ میں جا کر یا داخل ہونے سے پہلے ابلیس لعین کو الزام دیں گے کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کرایا۔ اب کوئی تدبیر مثلاً سفارش وغیرہ کا انتظام کر تا عذاب الٰہی سے رہائی ملے۔ تب ابلیس ان کے سامنے لیکچر دے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ نے صادق القول پیغمبروں کے توسط سے ثواب و عقاب اور دوزخ و جنت کے متعلق سچے وعدے کئے تھے جن کی سچائی دنیا میں دلائل و براہین سے ثابت تھی اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے۔ میں نے اس کے بالمقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کئے۔ جن کا جھوٹ ہونا وہاں بھی ادنٰی فکر و تامل سے واضح ہو سکتا تھا اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے۔ میرے پاس نہ حجت و برہان کی قوت تھی نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے منانے پر مجبور کر دیتا، بلاشبہ میں نے بدی میں تحریک کی اور تم کو اپنے مشن کی طرف بلایا تم جھپٹ کر خوشی سے آئے اور میں نے جدھر شہ دی ادھر ہی اپنی رضاء و رغبت سے چل پڑے اگر میں نے اغواء کیا تھا تو تم ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سنی نہ دعوے کو پرکھا آنکھیں بند کر کے پیچھے ہو لئے۔ انصاف یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو۔ میرا جرم اغواء بجائے خود رہا۔ لیکن مجھے مجرم گردان کر تم کیسے بری ہو سکتے ہو۔ آج تم کو مدد دینا تو درکنار، خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں۔ ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے موافق سزا میں پکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بہتوں نے اس کی باتوں کو ایسی طرح مانا اور اس کے احکام کے سامنے اس طرح تسلیم و انقیاد خم کیا جو خدائی احکام کے آگے کرنا چاہئے تھا) بہر حال اپنے جہل و غباوت سے جو شرک تم نے کیا تھا اس وقت میں اس سے منکر اور بیزار ہوں۔ یا بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ میں بائے سببیت لے کر یہ مطلب ہو کہ تم نے مجھ کو خدائی کا رتبہ دیا اس سبب سے میں بھی کافر بنا۔ اگر میری بات کوئی نہ پوچھتا تو میں کفر و طغیان کے اس درجہ میں کہاں پہنچتا۔ اب ہر ایک ظالم اور مشرک کو اپنے کئے کی سزا دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا چاہئے۔ شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ گذشتہ آیت میں ضعفاء و مستکبرین (عوام و لیڈروں) کی گفتگو نقل کی گئی تھی، اسی کی مناسبت سے یہاں دوزخیوں کے مہا لیڈر (ابلیس لعین) کی تقریر نقل فرمائی۔ چونکہ عوام کا الزام اور ان کی استدعاء دونوں جگہ یکساں تھی شاید اسی لئے شیطان کی گفتگو کے وقت اس کا ذکر ضروری نہیں معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ مقصود ان مکالمات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ لوگ اس افراتفری کا تصور کر کے شیاطین الانس والجن کے اتباع سے باز رہیں۔

وَ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور داخل کئے گئے جو لوگ ایمان لائے تھے اور کام کئے تھے نیک باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں (رہا کریں انہی میں) ان میں اپنے رب کے حکم سے [۳۷] انکی ملاقات ہے وہاں سلام [۳۸]

۳۷۔ یہ بطور مقابلہ کفار کی سزا کے بعد مومنین کا انجام بیان فرمایا۔

۳۸۔ **اہل جنت کا احوال:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں "سلام" دعا ہے سلامتی مانگنے کی، وہاں "سلام" کہنا مبارکباد ہے سلامتی ملنے پر۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ تو نے نہ دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال [۳۹] بات ستھری [۴۰] جیسے ایک درخت ستھرا [۴۱] اسکی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنے (شاخیں) ہیں آسمان میں [۴۲]

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ
الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے [٤٣] اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ فکر کریں (سوچیں)

٣٩۔ یعنی دیکھئے اور غور کیجئے کیسی باموقع اور معنی خیز مثال ہے۔ عقلمند جس قدر اس میں غور کرے سینکڑوں باریکیاں نکلتی چلی آئیں۔

٤٠۔ ستھری بات" میں کلمہ توحید، معرفت الٰہی کی باتیں، ایمان وایمانیات، قرآن، حمد وثنا، تسبیح وتہلیل، سچ بولنا سب داخل ہے۔

٤١۔ اکثر روایات و آثار میں یہاں "ستھرے درخت" کا مصداق کھجور کو قرار دیا ہے، گو دوسرے ستھرے درخت بھی اس کے تحت میں مندرج ہو سکتے ہیں۔

٤٢۔ کلمہ طیبہ کی مثال: یعنی اس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پھیلی ہوں کہ زور کا جھکڑ بھی جڑ سے نہ اکھیڑ سکے اور چوٹی آسمان سے لگی ہو۔ یعنی شاخیں بہت اونچی اور زمینی کثافتوں سے دور ہوں۔

٤٣۔ یعنی کوئی فصل پھل سے خالی نہ جائے۔ یا فرض کیجئے بارہ مہینے صبح وشام اس پر تازہ پھل لگا کرے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾

٢٦۔ اور مثال گندی بات کی [٤٤] جیسے درخت گندا [٤٥] اکھاڑ لیا (پھینکا) اسکو زمین کے اوپر سے کچھ نہیں اسکو ٹھہراؤ (جماؤ) [٤٦]

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ
الظّٰلِمِيْنَ ۙۛ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾ ع ٤ ١٦

٢٧۔ مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں [٤٧] اور بچلا (راہ بھلا دیتا ہے) دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو [٤٨] اور کرتا ہے اللہ جو چاہے [٤٩]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا
قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾

٢٨۔ تو نے نہ دیکھا انکو جنہوں نے بدلہ کیا اللہ کے احسان کا ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں [٥٠]

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾

٢٩۔ جو دوزخ ہے داخل ہوں گے اس میں اور وہ برا ٹھکانہ ہے

٤٤۔ کلمہ کفر کی مثال: کلمہ کفر، جھوٹی بات اور ہر ایک کلام جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو "کلمہ خبیثہ" میں داخل ہے۔

٤٥۔ اکثر نے اس سے حنظل (اندراین) مراد لیا ہے۔ گو عموم لفظ میں ہر خراب درخت شامل ہو سکتا ہے۔

٤٦۔ یعنی جڑ کچھ نہ ہو، ذرا اشارہ سے اکھڑ جائے۔ گویا اس کے بودے پن اور ناپائداری کو ظاہر فرمایا، دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہوا کہ

مسلمانوں کا دعوئے توحید و ایمان پکا اور سچا ہے۔ جس کے دلائل نہایت صاف و صحیح اور مضبوط ہیں، موافق فطرت ہونے کہ وجہ سے اس کی جڑیں قلوب کی پہنائیوں میں اتر جاتی ہیں اور اعمال صالحہ کی شاخیں آسمان قبول سے جا لگتی ہیں۔ اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ فاطر۔۱۰) اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے موحدین کے کام و دہن ہمیشہ لذت اندوز ہوتے ہیں۔ الغرض حق و صداقت اور توحید و معرفت کا سدا بہار درخت روز بروز پھولتا پھلتا اور بڑی پائداری کے ساتھ اونچا ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف جھوٹی بات اور شرک و کفر کے دعوئے باطل کی جڑ بنیاد کچھ نہیں ہوتی۔ ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ ناحق بات ثابت کرنے میں خواہ کتنے ہی زور لگائے جائیں۔ لیکن انسانی ضمیر اور فطرت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں دل کی گہرائی میں نہیں پہنچتیں۔ تھوڑا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتی ہے۔ اسی لئے مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی سچ کی طرح اپنے پاؤں نہیں چلتا۔ نہ اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے صوفیہ کے طرز پر ان مثالوں کے بیان میں بہت اطناب سے کام لیا ہے یہاں اس کے نقل کی گنجائش نہیں۔

۴۷۔ مومنین کی قوت کلمہ توحید میں ہے: یعنی حق تعالیٰ توحید و ایمان کی باتوں سے (جن کی مضبوطی و پائداری پچھلی مثال میں ظاہر کی گئی) مومنین کو دنیا و آخرت میں مضبوط و ثابت قدم رکھتا ہے رہی قبر کی منزل جو دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہ ہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

۴۸۔ بے انصافوں سے مراد یہاں کفار و مشرکین ہیں، وہ دنیا میں بھی بچلے اور اخیر تک بچلتے رہیں گے۔ کبھی حقیقی کامیابی کا رستہ ہاتھ نہ لگے گا۔

۴۹۔ یعنی اپنی حکمت کے موافق جیسا معاملہ جس کے ساتھ مناسب ہوتا ہے کرتا ہے۔

۵۰۔ کفار کی ناشکری انکی تباہی ہے: اس سے کفار و مشرکین کے سردار مراد ہیں، خصوصاً رؤسائے قریش جن کے ہاتھ میں اس وقت عرب کی باگ تھی، یعنی حق تعالیٰ نے ان پر کیسے احسان کئے، ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر علیہ السلام کو بھیجا، قرآن اتارا، اپنے حرم اور بیت کا مجاور بنایا۔ عرب کی سرداری دی انہوں نے ان نعمتوں اور احسانات کا بدلہ یہ کیا کہ خدا کی ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے، اس کی باتوں کو جھٹلایا، اس کے پیغمبر سے لڑائی کی، آخر اپنی قوم کو لے کر تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔

وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِیۡرَکُمۡ اِلَی النَّارِ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اور ٹھہرائے اللہ کے لئے مقابل کہ بہکائیں لوگوں کو اس کی راہ سے [۵۱] تو کہہ مزا اڑا لو پھر تو کو لوٹنا ہے طرف آگ کی [۵۲]
قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾	۳۱۔ کہدے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں قائم رکھیں نماز اور خرچ کریں ہماری دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور ظاہر (چھپے اور کھلے) [۵۳] پہلے اس سے کہ آئے وہ دن جس میں نہ سودا (خرید و فروخت) ہے نہ دوستی [۵۴]

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الۡفُلۡكَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الۡاَنۡهٰرَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی [۵۵] پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے [۵۶] اور کہنے میں کیا تمہارے کشتی کو (کام میں دیں تمہارے کشتیاں کہ چلیں) کہ چلے دریا میں اسکے حکم سے [۵۷] اور کام میں لگایا (دیں) تمہارے ندیوں (ندیاں) کو

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور کام میں لگا دیا تمہارے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر اور کام میں لگا دیا تمہارے رات اور دن کو [۵۸]

وَ اٰتٰىكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ ؕ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی [۵۹] اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو [۶۰] بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر [۶۱]

ع ۵/۱۷

۵۱۔ یعنی خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر منعم حقیقی کی شکر گذاری اور اطاعت شعاری میں لگے۔ یہ تو نہ ہوا، الٹے بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے خدا کے مقابل دوسری چیزیں کھڑی کر دیں جن پر خدائی اختیارات تقسیم کئے اور عبادت جو خدائے واحد کا حق تھا، وہ مختلف عنوانوں سے ان کے لئے ثابت کرنے لگے، تا اس سلسلہ میں اپنے ساتھ دوسروں کی راہ ماریں اور انہیں بہکا کر اپنے دام سیادت میں پھنسائے رکھیں۔

۵۲۔ یعنی بہتر ہے۔ بیوقوفوں کو جال میں پھنسا کر چند روز جی خوش کر لو اور دنیا کے مزے اڑا لو، مگر تابکے آخر دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا ہے کیونکہ اس مزے اڑانے کا یہ ہی نتیجہ ہوگا۔ گویا یہ جملہ ایسا ہوا جیسے طبیب کسی بد پرہیز مریض کو خفا ہو کر کہے کُلۡ مَا تُرِیۡدُ فَاِنَّ مَصِیۡرَكَ اِلَی الۡمَوۡتِ جو تیرا جی چاہے کھا کیونکہ ایک دن یہ مرض تیری جان لے کر رہے گا۔

۵۳۔ مومنین کو نصیحت و تنبیہ: کفار کے احوال ذکر کرنے کے بعد مومنین مخلصین کو متنبہ فرماتے ہیں کہ وہ پوری طرح بیدار رہیں، وظائف عبودیت میں ذرا فرق نہ آنے دیں، دل و جان سے خالق کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کریں کہ وہ بھی بہترین عبادت ہے۔ نمازوں کو ان کے حقوق و حدود کی رعایت کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے رہیں۔ خدا نے جو کچھ دیا ہے اس کا ایک حصہ خفیہ یا علانیہ مستحقین پر خرچ کریں۔ غرض کفار جو شرک اور کفران نعمت پر تلے ہوئے ہیں، ان کے بالمقابل مومنین کو جان و مال سے حق تعالیٰ کی اطاعت و شکر گذاری میں مستعدی دکھلانا چاہئے۔

۵۴۔ یوم حساب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا: یعنی نماز اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ نیکیاں اس دن کام آئیں گی، بیع و شراء یا محض دوستانہ تعلقات سے کام نہ نکلے گا۔ یعنی نہ وہاں نیک عمل کہیں سے خرید کر لا سکو گے نہ کوئی ایسا دوست بیٹھا ہے جو بدون ایمان و عمل صالح کے محض دوستانہ تعلقات کی بناء پر نجات کی ذمہ داری کر لے (ربط) پہلے کفار کی ناشکری کا ذکر تھا، پھر مومنین کو مراسم طاعت کی اقامت کا حکم دے کر

شکر گذاری کی طرف ابھارا۔ آگے چند عظیم الشان نعمائے الٰہیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو ہر مومن و کافر کے حق میں عام ہیں، تا انہیں سن کر مومنین کو شکر گذاری کی مزید ترغیب ہو اور کفار بھی غور کریں تو اپنے دل میں شرمائیں کہ وہ کیسے بڑے منعم و محسن شہنشاہ سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں خدا تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت کے دلائل بھی بیان ہو گئے، ممکن ہے انہیں سن کر کوئی عاقل منصف شرکیات سے باز آ جائے، یا عظمت و جبروت کے نشانات میں غور کر کے اس کی گرفت اور سزا سے ڈر جائے۔

۵۵۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات: یعنی آسمان کی طرف سے پانی اتارا، یا یہ مطلب ہو کہ بارش کے آنے میں بخارات وغیرہ ظاہری اسباب کے علاوہ غیر مرئی سماوی اسباب کو بھی دخل ہے۔ دیکھو آفتاب کی شعاعیں تمام اشیا کی طرح آتشیں شیشہ پر بھی پڑتی ہیں لیکن وہ اپنی مخصوص ساخت اور استعداد کی بدولت انہی شعاعوں سے غیر مرئی طور پر اس درجہ حرارت کا استفادہ کرتا ہے جو دوسری چیزیں نہیں کرتیں۔ چاند سمندر سے کتنی دور ہے، مگر اس کے گھٹنے بڑھنے سے سمندر کے پانی میں مدوجزر پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر بادل بھی کسی سماوی خزانہ سے غیر محسوس طریقہ پر مستفید ہوتا ہو تو انکار کی کونسی وجہ ہے۔

۵۶۔ یعنی حق تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت و حکمت سے پانی میں ایک قوت رکھی جو درختوں اور کھیتوں کے نشوونما اور بارآور ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے پھل اور میوے ہمیں کھانے کو ملتے ہیں۔

۵۷۔ تسخیر بحر وانہار: یعنی سمندر کی خوفناک لہروں میں ذرا سی کشتی پر سوار ہو کر کہاں سے کہاں پہنچتے ہو اور کس قدر تجارتی یا غیر تجارتی فوائد حاصل کرتے ہو، یہ خدا ہی کی قدرت اور حکم سے ہے کہ سمندر کے تھپیڑوں میں ذرا سی ڈونگی کو ہم جدھر چاہیں لئے پھرتے ہیں۔

۵۸۔ تسخیر شمس وقمر: یعنی ندیوں میں پانی کا آنا اور کہیں سے کہیں پہنچنا گو کشتی کی طرح تمہارے کہنے میں نہیں، تاہم تمہارے کام میں وہ بھی لگی ہوئی ہیں۔ اسی طرح چاند سورج جو ایک معین نظام اور ضابطہ کے موافق برابر چل رہے ہیں، کبھی تھکتے نہیں، نہ رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ یا رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے ٹھہری ہوئی عادت کے موافق ہمیشہ چلے آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں گو اس معنی سے تمہارے قبضہ میں نہیں کہ تم جب چاہو اور جدھر چاہو ان کی قدرتی حرکت و تاثیر کو پھیر دو تاہم تم بہت سے تصرفات و تدابیر کر کے ان کے اثرات سے بیشمار فوائد حاصل کرتے ہو اور انسانی تصرف و تدبیر سے قطع نظر کر کے بھی وہ قدرتی طور پر ہر وقت تمہاری کسی نہ کسی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تم سوتے ہو، وہ تمہارا کام کرتے ہیں، تم چین سے بیٹھے ہو، وہ تمہارے لئے سرگرداں ہیں۔

۵۹۔ یعنی جو چیزیں تم نے زبان قال یا حال سے طلب کیں، ان میں سے ہر چیز کا جس قدر حصہ حکمت و مصلحت کے موافق تھا مجموعی طور پر تم سب کو دیا۔

۶۰۔ اللہ کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں: یعنی خدا کی نعمتیں اتنی بے شمار بلکہ غیر متناہی ہیں کہ اگر تم سب مل کر اجمالاً ہی گنتی شروع کرو تو تھک کر اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اس موقع پر امام رازی نے نعمائے الٰہیہ کا بے شمار ہونا، اور علامہ ابوالسعود نے ان کا غیر متناہی ہونا ذرا بسط سے بیان فرمایا ہے اور صاحب روح المعانی نے ان کے بیانات پر مفید اضافہ کیا۔ یہاں اس قدر تطویل کی گنجائش نہیں۔

۶۱۔ اللہ کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں: یعنی جنس انسان میں بہتیرے بے انصاف اور ناسپاس ہیں، جو اتنے بیشمار احسانات دیکھ کر بھی منعم حقیقی کا حق نہیں پہچانتے۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِىۡ وَبَنِىَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ؕ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور جس وقت کہا ابراہیم نے[۶۲] اے رب کر دے اس شہر کو امن والا اور دور کر مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم پوجیں مورتوں کو[۶۳]

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ‌ۚ فَمَنۡ
تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ‌ۚ وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ
رَّحِيۡمٌ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اے رب انہوں نے گمراہ کیا (گمراہی میں ڈالا) بہت لوگوں کو[۶۴] سو جس نے پیروی کی میری (جو کوئی میرے رستہ پر چلا) وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے[۶۵]

رَبَّنَاۤ اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِىۡ زَرۡعٍ
عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِۙ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ
فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَارۡ
زُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اے رب میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو میدان میں کہ جہاں کھیتی نہیں تیرے محترم (حرمت والے) گھر کے پاس اے رب ہمارے تا کہ قائم رکھیں نماز کو سو رکھ بعض لوگوں کے دل کہ مائل (جھکتے رہیں) ہوں ان کی طرف اور روزی دے انکو میووں سے شاید وہ شکر کریں[۶۶]

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِىۡ وَمَا نُعۡلِنُ‌ؕ وَمَا يَخۡفٰى
عَلَى اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اے رب ہمارے تو تو جانتا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کچھ کرتے ہیں دکھا کر (کھول کر) اور مخفی نہیں اللہ پر کوئی چیز زمین میں نہ آسمان میں[۶۷]

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ وَهَبَ لِىۡ عَلَى الۡكِبَرِ اِسۡمٰعِيۡلَ
وَاِسۡحٰقَ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَسَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ شکر ہے اللہ کا جس نے بخشا مجھ کو اتنی بڑی عمر میں اسمٰعیل اور اسحٰق بیشک میرا رب سنتا ہے دعا کو[۶۸]

رَبِّ اجۡعَلۡنِىۡ مُقِيۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ‌‌ۖ رَبَّنَا
وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اے رب میرے کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز اور میری اولاد میں سے بھی اے رب میرے[۶۹] اور قبول کر میری دعا[۷۰]

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِـوَالِدَىَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَوۡمَ يَقُوۡمُ
الۡحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع

۴۱۔ اے ہمارے رب بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب[۷۱]

ع ۶ ۱۸

۶۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو یاد کرو: روسائے قریش جن کی ناشکر گذاری اور شرک و کفر کا بیان اوپر اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ الخ میں ہوا تھا، انہیں ابراہیمؑ کا قصہ یاد دلا کر متنبہ کرتے ہیں کہ تم جن کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے کعبۃ اللہ اور حرم شریف کے مجاور بنے بیٹھے ہو، انہوں نے اس کعبہ کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی، ان ہی کی دعاؤں سے خدا تعالیٰ نے یہ شہر (مکہ) آباد کیا اور پتھریلے ریگستان میں ظاہری و باطنی نعمتوں کے ڈھیر لگا دیے۔ وہ دنیا سے یہ ہی دعائیں اور وصیتیں کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ان کی اولاد شرک کا طریقہ اختیار نہ کرے، اب تم کو سوچنا اور شرمانا چاہیئے کہ کہاں تک ان کی وصایا کا پاس کیا یا ان کی دعاء سے حصہ پایا اور کس حد تک خدا تعالیٰ کے احسانات پر شکر گذار ہوئے۔

۶۳۔ "یعنی مکہ کو "حرم امن" بنادے۔ (چنانچہ خدا نے بنادیا) نیز مجھ کو اور میری اولاد کو ہمیشہ بت پرستی سے دور رکھ۔ غالباً یہاں "اولاد" سے خاص صلبی اولاد مراد ہے۔ سو آپ کی صلبی اولاد میں یہ مرض نہیں آیا اور اگر عام ذریت مراد ہو تو کہا جائے گا کہ دعاء بعض کے حق میں قبول نہیں ہوئی۔ باوجودیکہ حضرت ابراہیمؑ معصوم پیغمبر تھے۔

دعاء کا ایک خاص ادب: مگر یہ دعاء کا ادب ہے کہ دوسروں سے پہلے آدمی اپنے لئے دعاء کرے۔ اس قسم کی دعائیں جو انبیاء سے منقول ہوں، ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی عصمت بھی خود ان کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی حفاظت و صیانت سے ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اسی کی طرف التجاء کرتے ہیں جو ان کی عصمت کا ضامن و کفیل ہوا ہے۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کے نزدیک ابراہیمؑ نے یہ دعائیں مکہ کی آبادی اور تعمیر کعبہ کے بعد کی ہیں سورہ بقرہ میں اول پارہ کے ختم پر جس دعا کا ذکر ہے وہ البتہ بنائے کعبہ کے وقت حضرت اسمٰعیلؑ کی معیت میں ہوئی۔ یہ دعائیں اس کے بہت زمانہ بعد پیرانہ سالی میں کی گئیں۔

۶۴۔ یعنی یہ پتھر کی مورتیاں بہت آدمیوں کی گمراہی کا سبب ہوئیں۔

۶۵۔ یعنی جس نے توحید خالص کا راستہ اختیار کیا اور میری بات مانی وہ میری جماعت میں شامل ہے۔ جس نے کہنا نہ مانا اور ہمارے راستہ سے علیحدہ ہو گیا تو آپ اپنی بخشش اور مہربانی سے اس کو توبہ کی توفیق دے سکتے ہیں۔ آپ کی مہربانی ہو تو وہ ایمان لا کر اپنے کو رحمت خصوصی اور نجات ابدی کا مستحق بنا سکتا ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ آپ کو قدرت ہے اسے بھی بحالت موجودہ بخش دیں گے گو آپ کی حکمت سے اس کا وقوع نہ ہو۔ (تنبیہ) سورہ مائدہ کے آخر میں ہم نے حضرت خلیلؑ کے اس قول اور مسیحؑ کے مقولے میں فرق بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۶۶۔ چٹیل وادی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑنا: یعنی اسمٰعیلؑ کو۔ کیونکہ دوسری اولاد حضرت اسحٰقؑ وغیرہ "شام" میں تھے خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ حضرت اسمٰعیلؑ کو بحالت شیر خوارگی اور ان کی والدہ ہاجرہؑ کو یہاں چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ بعدہٗ قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں پہنچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی تشنگی اور ہاجرہ کی بیتابی کو دیکھ کر فرشتے کے ذریعہ سے وہاں زمزم کا چشمہ جاری کر دیا۔ جرہم کے خانہ بدوش لوگ پانی دیکھ کر اتر پڑے اور ہاجرہؑ کی اجازت سے وہیں بسنے لگے اسمٰعیلؑ جب بڑے ہوئے تو اسی قبیلہ میں ان کی شادی ہوئی۔ اس طرح جہاں آج مکہ ہے ایک بستی آباد ہو گئی۔ حضرت ابراہیمؑ گاہ بگاہ ملک شام سے تشریف لایا کرتے تھے۔ اور اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لئے دعا فرماتے، کہ خداوندا! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معظم و محترم گھر کے پاس لا کر بسایا ہے تا یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے، نیز ان کی روزی اور دلجمعی کے لئے غیب سے ایسا سامان فرما دے کہ (غلہ اور پانی جو ضروریات زندگی ہیں ان سے گذر کر) عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گذاری میں لگے رہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کی قبولیت: حق تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں۔ آج تک ہر سال ہزاروں لاکھوں آدمی مشرق و مغرب سے کھنچ کھنچ کر وہاں جاتے ہیں اعلیٰ قسم کے میوے اور پھلوں کی مکہ میں وہ افراط ہے جو شاید دنیا کے کسی حصہ میں نہ ہو۔ حالانکہ خود مکہ میں ایک بھی ثمر دار درخت موجود نہ ہوگا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ ابراہیمؑ نے دعاء میں اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ (کچھ آدمیوں کے دل) کہا تھا ورنہ سارا جہان ٹوٹ پڑتا۔

۶۷۔ یعنی زمین و آسمان کی کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ہمارا ظاہر و باطن کیسے مخفی رہ سکتا ہے یہ جو فرمایا "جو ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کرتے ہیں دکھا کر" اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، لیکن تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ الفاظ عام ہیں جو سب کھلی چھپی چیزوں کو شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ظاہر میں دعاء کی سب اولاد کے واسطے اور دل میں دعاء منظور تھی پیغمبر آخر الزماں کی۔

۶۸۔ یعنی بڑھاپے میں اسحٰقؑ سارہؑ کے اور اسمٰعیلؑ ہاجرہؑ کے بطن سے غیر متوقع طور پر عنایت کئے۔ جیسے آپ نے اولاد کے متعلق میری دعا "رب ھب لی من الصالحین" سنی، یہ دعائیں بھی قبول فرمائے۔

۶۹۔ یعنی میری ذریت میں ایسے لوگ ہوتے رہیں جو نمازوں کو ٹھیک طور پر قائم رکھیں۔

۷۰۔ یعنی میری سب دعائیں قبول فرمائے۔

۷۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والدین کیلئے دعا کی توجیہہ: یہ دعاء غالبًا اپنے والد کے حالت کفر پر مرنے کی خبر موصول ہونے سے پہلے کی۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اسے اسلام کی ہدایت کر کے قیامت کے دن مغفرت کا مستحق بنا دے۔ اور اگر مرنے کی خبر ملنے کے بعد دعا کی ہے تو شاید اس وقت تک خدا تعالیٰ نے آپ کو مطلع نہیں کیا ہوگا کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوگی۔ عقلاً کافر کی مغفرت محال نہیں، سمعًا ممتنع ہے۔ سو اس کا علم سمع پر موقوف ہوگا اور قبل از سمع امکان عقلی معتبر رہے گا۔ بعض شیعہ نے یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں ابراہیمؑ کے باپ کو جو کافر کہا گیا ہے وہ ان کے حقیقی باپ نہ تھے بلکہ چچا وغیرہ کوئی دوسرے خاندان کے بڑے تھے۔ واللہ اعلم۔

وَ لَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ ۙ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ بیخبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف [۷۲] ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے (چھوڑ رکھا ہے) اس دن کے لئے کہ پتھرا جائیں گی (کھلی رہ جائیں گی) آنکھیں [۷۳]

مُهۡطِعِيۡنَ مُقۡنِعِىۡ رُءُوۡسِهِمۡ لَا يَرۡتَدُّ اِلَيۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ ۚ وَ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ﴿ؕ۴۳﴾

۴۳۔ دوڑتے ہوں گے اوپر اٹھائے اپنے سر پھر کر نہیں آئیں گی انکی طرف انکی آنکھیں اور دل انکے اڑ گئے ہوں گے [۷۴]

وَ اَنۡذِرِ النَّاسَ يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمُ الۡعَذَابُ فَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا

۴۴۔ اور ڈرا دے لوگوں کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب [۷۵] تب کہیں گے ظالم اے رب ہمارے مہلت دے ہم کو تھوڑی مدت تک کہ ہم قبول کر لیں تیرے بلانے کو اور پیروی کر لیں رسولوں کی [۷۶] کیا تم پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تم کو نہیں دنیا سے ٹلنا (کچھ زوال) [۷۷]

اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾

وَّ سَكَنۡتُمۡ فِىۡ مَسٰكِنِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَ
تَبَيَّنَ لَكُمۡ كَيۡفَ فَعَلۡنَا بِهِمۡ وَ ضَرَبۡنَا لَكُمُ
الۡاَمۡثَالَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور آباد تھے تم بستیوں میں انہی لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیسا کیا ہم نے ان سے اور بتلائے ہم نے تم کو سب قصے [۷۸]

وَ قَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ وَ عِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ ؕ وَ اِنۡ
كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ [۷۹] اور نہ ہوگا ان کا داؤ کہ ٹل جائیں اس سے پہاڑ [۸۰]

فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ سو خیال مت کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے [۸۱] بیشک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا [۸۲]

يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ
بَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ جس دن بدلی جائے اس زمین سے اور زمین اور بدلے جائیں آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ اکیلے زبردست کے [۸۳]

وَ تَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ مُّقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور دیکھے تو گنہگاروں کو اس دن باہم جکڑے ہوئے زنجیروں میں [۸۴]

سَرَابِيۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ وَّ تَغۡشٰى وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ کرتے ان کے ہیں گندھک کے [۸۵] اور ڈھانکے لیتی ہے انکے منہ کو آگ [۸۶]

لِيَجۡزِىَ اللّٰهُ كُلَّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ تاکہ بدلہ دے اللہ ہر ایک جی کو اس کی کمائی کا بیشک اللہ جلد کرنے والا ہے حساب [۸۷]

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا
هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِيَذَّكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۱ ۱۹

۵۲۔ یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو اور تاکہ چونک جائیں اس سے اور تاکہ جان لیں کہ معبود وہی ہے ایک ہے اور تاکہ سوچ لیں عقل والے [۸۸]

۷۲۔ ایک رکوع پہلے بہت سے نعمائے عظیمہ کا ذکر کر کے فرمایا تھا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (انسان بڑا ظالم اور ناشکر گذار ہے) بعدہٗ حضرت ابراہیمؑ کا قصہ سنا کر کفار مکہ کو بعض خصوصی نعمتیں یاد دلائیں۔ اور ان کے ظلم و شرک کی طرف اشارہ کیا۔

کفار کے اعمال سے اللہ غافل نہیں ہے: اس رکوع میں متنبہ فرماتے ہیں کہ اگر ظالموں کو سزا ملنے میں کچھ دیر ہو تو یہ مت سمجھو کہ خدا ان کی حرکات سے بے خبر ہے، یاد رکھو ان کا کوئی چھوٹا بڑا کام خدا سے پوشیدہ نہیں۔ البتہ اس کی عادت نہیں ہے کہ مجرم کو فورًا پکڑ کر تباہ کر دے وہ بڑے سے بڑے ظالم کو مہلت دیتا ہے کہ یا اپنے جرائم سے باز آ جائے یا ارتکاب جرائم میں اس حد پر پہنچ جائے کہ قانونی حیثیت سے اس کے مستحق سزا ہونے میں کسی طرح کا خِفا باقی نہ رہے۔ (تنبیہ) لَا تَحْسَبَنَّ کا خطاب ہر اس شخص کو ہے جسے ایسا خیال گذر سکتا ہو، اور اگر حضور ﷺ کو خطاب ہے تو آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہو گا۔ کہ جب حضور ﷺ کو فرمایا کہ ایسا خیال مت کرو۔ حالانکہ ایسا خیال آپ کے قریب بھی نہ آ سکتا تھا۔ تو دوسروں کے حق میں اس طرح کا خیال کس قدر واجب الاحتراز ہونا چاہئے۔

۷۳۔ یعنی قیامت کے دل ہول اور دہشت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

۷۴۔ محشر میں ظالموں کی حالت: یعنی محشر میں سخت پریشانی اور خوف و حیرت سے اوپر کو سر اٹھائے ٹکٹکی باندھے گھبرائے ہوئے چلے آئیں گے۔ جدھر نظر اٹھ گئی ادھر سے ہٹے گی نہیں، ہکا بکا ہو کر ایک طرف دیکھتے ہوں گے ذرا پلک بھی نہ جھپکے گی۔ دلوں کا حال یہ ہو گا کہ عقل و فہم اور بہتری کی توقع سے یکسر خالی اور فرط دہشت و خوف سے اڑے جا رہے ہوں گے۔ غرض ظالموں کے لئے وہ سخت حسرتناک وقت ہو گا۔ رہے مومنین قانتین، سو ان کے حق میں دوسری جگہ آ چکا ہے۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (الانبیاء۔١٠٣)

۷۵۔ یا تو قیامت کا دن اور عذاب اخروی مراد ہے یا موت کا وقت اور اس کے سکرات و قبض روح کی شدت یا دنیوی عذاب سے ہلاک ہونے کا دن ارادہ کیا جائے۔

۷۶۔ کفار کا مہلت مانگنا: اگر یہ کہنا دنیا میں عذاب یا موت کی شدت دیکھ کر ہو تب تو مطلب ظاہر ہے کہ ابھی چند روز کی ہم کو اور مہلت دیجئے، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ اپنا رویہ درست کر لیں گے۔ یعنی حق کی دعوت کو قبول کر کے انبیاء کی پیروی اختیار کریں گے۔ کما قال تعالیٰ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا (المومنون۔١٠٠،٩٩) اور اگر ان کا یہ مقولہ قیامت کے دن ہو گا تب مہلت طلب کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کو دوبارہ تھوڑی مدت کے لئے دنیا میں بھیج دیجئے، پھر دیکھئے ہم کیسی وفاداری دکھلاتے ہیں، کما قال تعالےٰ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (السجدہ۔١٢)۔

۷۷۔ یعنی تم وہی تو ہو جن میں کے بعض مغرور و بے باک زبان قال سے اکثر زبان حال سے قسمیں کھاتے تھے کہ ہماری شان و شکوہ کو کبھی زوال نہیں۔ نہ کبھی مر کر خدا کے پاس جانا ہے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ (نحل۔٣٨) یہ ان کے جواب میں خدا کی طرف سے کہا جائے گا۔

۷۸۔ کفار کو تنبیہ: یعنی تمہارے پچھلے ان ہی بستیوں میں یا ان کے آس پاس آباد ہوئے، جہاں اگلے ظالم سکونت رکھتے تھے اور ان ہی کی عادت و اطوار اختیار کیں، حالانکہ تاریخی روایات اور متواتر خبروں سے ان پر روشن ہو چکا تھا کہ ہم اگلے ظالموں کو کیسی کچھ سزا دے چکے ہیں اور ہم نے امم ماضیہ کے یہ قصے کتب سماویہ میں درج کر کے انبیاء علیہم السلام کی زبانی ان کو آگاہ بھی کر دیا تھا مگر انہیں ذرہ بھر عبرت نہ ہوئی اسی سرکشی ، عناد اور عداوت حق پر اڑے رہے۔ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (القمر۔٥)

۷۹۔ کفار کے داؤ پیچ: یعنی سب اگلے پچھلے ظالم اپنے اپنے داؤ کھیل چکے ہیں۔ انبیاء کے مقابلہ میں حق کو دبانے اور مٹانے کی کوئی تدبیر اور

سازش انہوں نے اٹھا نہیں رکھی۔ ان کی سب تدبیریں اور داؤ گھات خدا کے سامنے ہیں اور ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ ہی ان کا بدلہ دینے والا ہے۔

۸۰۔ یعنی انہوں نے بہتیرے داؤ کر کے دیکھ لئے مگر خدا کی حفاظت کے آگے سب ناکام رہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ انکی مکاریاں پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ٹلا دیں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور شرائع حقہ جو پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستقیم ہوتے ہیں، ان کی مکاریوں سے ڈگمگا جائیں؟ حاشا و کلا۔ اس تفسیر کے موافق وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ الخ میں "انْ" نافیہ ہو گا۔ اور آیت کا مضمون وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل۔۳۷) کے مشابہ ہو گا۔ بعض مفسرین نے انْ شرطیہ اور "واؤ" کا وصلیہ لے کر آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے داؤ چلے جو حفاظت الٰہی کے سامنے ہیچ ثابت ہوئے اگرچہ ان کے داؤ فی حد ذاتہ ایسے زبردست تھے جو ایک مرتبہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا ڈالیں۔

۸۱۔ یعنی وہ وعدہ جو اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (المومن۔۵۱) اور كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلۃ۔۲۱) وغیرہ آیات میں کیا گیا ہے۔

۸۲۔ نہ مجرم اس سے چھوٹ کر بھاگ سکتا ہے نہ وہ خود ایسے مجرموں کو سزا دیے بدون چھوڑ سکتا ہے۔

۸۳۔ قیامت میں زمین و آسمان کی تبدیلی: قیامت کو یہ زمین و آسمان بہیات موجودہ باقی نہ رہیں گے، یا تو ان کی ذوات ہی بدل دی جائیں گے یا صرف صفات میں تغیر ہو گا اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ شاید متعدد مرتبہ تبدیل و تغیر کی نوبت آئے گی واللہ اعلم۔ سامنے کھڑے ہونے کا مطلب وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا الخ کے تحت میں گذر چکا ہے۔

۸۴۔ یعنی ایک ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم اکٹھے زنجیروں میں باندھے جائیں گے کما قال تعالیٰ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (صافات۔۲۲) و قال تعالیٰ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (تکویر۔۷)

۸۵۔ دوزخیوں کے کرتے: جس میں آگ بہت جلد اور تیزی سے اثر کرتی ہے اور سخت بدبو ہوتی ہے۔ پھر جیسی جہنم کی آگ ویسی ہی وہاں کی گندھک سمجھ لیجئے۔

۸۶۔ چہرہ چونکہ حواس و مشاعر کا محل اور انسان کے ظاہری اعضاء میں سب سے اشرف عضو ہے اس لئے اس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ جیسے دوسری جگہ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (الہمزہ۔۷) میں قلب کا ذکر کیا ہے۔

۸۷۔ سریع الحساب کے معنیٰ: یعنی جس بات کا پیش آنا بالکل یقینی ہے، اسے دور مت سمجھو کما قال تعالیٰ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیاء۔۱) یا یہ مطلب ہے جس وقت حساب ہو گا پھر دیر نہ لگے گی، تمام اولین و آخرین، جن و انس کے ذرہ ذرہ عمل کا حساب بہت جلد ہو جائے گا۔ کیونکہ نہ خدا پر کوئی چیز مخفی ہے نہ اس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول کرتی ہے۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمٰن۔۲۸)

۸۸۔ یعنی خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور خدا سے ڈر کر اس کی آیات میں غور کریں جس سے اس کی وحدانیت کا یقین حاصل ہو۔ اور عقل و فکر سے کام لے کر نصیحت پر کاربند ہوں۔

تم سورۃ ابراھیمؑ وللہ الحمد والمنہ۔

اٰیاتھا ۹۹	۱۵ سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴	رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱

۱۔ یہ آیتیں ہیں کتاب کی[۱] اور واضح قرآن کی[۲]

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲

۲۔ کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کیا اچھا ہوتا جو ہوتے مسلمان[۳]

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳

۳۔ چھوڑ دے انکو کھالیں اور برت لیں (فائدہ اٹھالیں) اور امید میں (پر بھولے) لگے رہیں سو آئندہ معلوم کر لیں گے[۴]

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴

۴۔ اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اس کا وقت لکھا ہوا تھا مقرر[۵]

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵

۵۔ نہ سبقت کرتا ہے کوئی فرقہ اپنے وقت مقرر سے اور نہ پیچھے رہتا ہے[۶]

۱۔ یعنی یہ اس جامع اور عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب "کتاب" کہلانے کی مستحق نہیں۔

۲۔ اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کن ہیں لہذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے مخاطبین کو پوری توجہ سے سننا چاہئے۔

۳۔ **کفار کو مسلمان نہ ہونے کی حسرت:** یعنی آج منکرین نے قرآن و اسلام جیسی عظیم الشان نعمت الٰہیہ کی قدر نہیں کی لیکن ایسا وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ اپنی محرومی پر ماتم کریں گے اور دست حسرت مل کر کہیں گے کاش ہم مسلمان ہوتے وہ وقت کب آئے گا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ ہم ابن الانباری کے قول کے موافق اس کو عام رکھتے ہیں۔ یعنی دنیا و آخرت میں جو مواقع کافروں کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی پیش آتے رہیں گے، ہر موقع پر کفار کو رہ رہ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمت اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت ہو گی۔ اس سلسلہ میں پہلا موقع تو "جنگ بدر" کا تھا، جہاں کفار مکہ نے مسلمانوں کی طرف کھلا ہوا غلبہ اور تائید غیبی دیکھ کر اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ جس اسلام نے فقرائے مہاجرین اور اوس و خزرج کے کاشتکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا، افسوس ہم اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح اسلامی فتوحات و ترقیات کی ہر ایک منزل پر کفار کو اپنی تہی دستی و حرمان پر پچھتانے اور دل سے اشک حسرت بہانے کا موقع ملتا رہا۔ انتہائی حسرت و افسوس کا مقام وہ ہو گا جب فرشتہ جان نکالنے کے لئے سامنے کھڑا ہے اور عالم غیب کے حقائق آنکھوں سے نظر آرہے ہیں اس وقت ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کر لیا ہوتا کہ آج عذاب بعد الموت سے محفوظ رہ سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یاس انگیز نظارہ وہ ہو گا۔ جو طبرانی کی حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے بہت سے آدمی اپنے گناہوں کی بدولت جہنم

میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے۔ بعدہٗ مشرکین ان پر طعن کریں گے کہ تمہارے ایمان و توحید نے تم کو کیا فائدہ دیا؟ تم بھی آج تک ہماری طرح دوزخ میں ہو، اس پر حق تعالیٰ کسی موحد کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۔ گویا یہ آخری موقع ہو گا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

۴۔ یعنی جب کوئی نصیحت کارگر نہیں تو آپ ان کے غم میں نہ پڑیے بلکہ چند روز انہیں بہائم کی طرح کھانے پینے دیجئے۔ یہ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی امیدیں باندھتے رہیں۔ عنقریب وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقت حال کھل جائے گی اور اگلا پچھلا کھایا پیا سب نکل جائے گا۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں مجاہدین کے ہاتھوں حقیقت کھل گئی۔ اور پوری تکمیل آخرت میں ہو جائے گی۔

۵۔ ہر قوم کی ہلاکت کا وقت معین ہے: یعنی جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک کی گئیں، خدا کے علم میں ہر ایک کی ہلاکت کا ایک وقت معین تھا۔ جس میں نہ بھول چوک ہو سکتی تھی نہ غفلت اور نہ خدا کا وعدہ ٹل سکتا تھا۔ جب کسی قوم کی معیاد پوری ہوئی اور تعذیب کا وقت آپہنچا، ایک دم میں غارت کر دی گئی۔ موجودہ کفار بھی امہال و تاخیر عذاب پر مغرور نہ ہوں۔ جب ان کا وقت آئے گا خدائی سزا سے نہ بچ سکیں گے۔ جو تاخیر کی جا رہی ہے اس میں خدا کی بہت حکمتیں ہیں۔ مثلاً ان میں سے بعض کا یا بعض کی اولاد کا ایمان لانا مقدر ہے۔ فوری عذاب کی صورت میں اس کے وقوع کی کوئی صورت نہیں۔

۶۔ یعنی امم مہلکہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قوم کے عروج و زوال یا موت و حیات کی جو میعاد مقرر ہے وہ اس سے ایک سیکنڈ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶

۶۔ اور لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص کہ تجھ پر اترا ہے قرآن (نصیحت) تو بیشک دیوانہ ہے [۷]

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷

۷۔ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو سچا ہے [۸]

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸

۸۔ ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر کام پورا (ٹھیک) کر کے اور اس وقت نہ ملے گی ان کو مہلت (ڈھیل) [۹]

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء: مشرکین مکہ یہ الفاظ محض بطریق استہزاء و استخفاف کہتے تھے یعنی آپ سب سے آگے بڑھ کر خدا کے یہاں سے قرآن لے آئے، دوسروں کو احمق و جاہل بتلانے لگے بلکہ ساری دنیا کو الٹی میٹم دیا، اس پر یہ دعویٰ ہے کہ آخر میں ہی غالب ہوں گا اور ایک وقت آئے گا کہ منکرین حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہو جاتے۔ یہ کونسی عقل و ہوش کی باتیں ہیں؟ کھلی ہوئی دیوانگی ہے اور جو پڑھ کر سناتے ہو مجنوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا (العیاذ باللہ)۔

۸۔ اگر بارگاہ احدیت میں آپ کو ایسا ہی قرب حاصل ہے اور ساری قوم میں سے خدا نے منصب رسالت کے لئے آپ کا انتخاب کیا ہے تو فرشتوں کی خدائی فوج آپ کے ساتھ کیوں نہ آئی۔ جو کھلم کھلا آپ کی تصدیق کرتی اور ہم سے آپ کی بات منواتی ہے، نہ مانتے تو فوراً سزا دیتی۔

۹۔ فرشتوں کا نزول حکمت کے مطابق ہوتا ہے: یعنی ماننے والوں کے لئے اب بھی کافی سے زائد نشان موجود ہیں باقی جن کا ارادہ ہی ماننے کا نہیں

وہ فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مانیں گے، پھر ان کے اتارنے میں کیا فائدہ ہے۔ حق تعالیٰ فرشتوں کو زمین پر اپنی حکمت کے موافق کسی غرض صحیح کے لئے بھیجتے ہیں، یوں ہی بے فائدہ تماشا دکھلانا مقصود نہیں ہوتا۔ عموماً عادت اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور سارے مراحل تفہیم وہدایت کے طے ہو جاتے ہیں تو فرشتوں کی فوج اس کے ہلاک کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ پھر اس کو قطعاً مہلت نہیں دی جاتی۔ اگر تمہاری خواہش کے موافق فرشتے اتارے جائیں تو اس سے صرف یہ ہی ایک مقصد ہو سکتا ہے کہ تم کو بلا تاخیر ہلاک کر دیا جائے جو فی الحال حکمت الٰہی کے موافق نہیں کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا، یہ تو آخری صورت ہے جو سب منزلیں طے ہو چکنے اور سب کام ختم کئے جانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ۝۹

۹۔ ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں[۱۰]

۱۰۔ حفاظت قرآن کا وعدہ الٰہی: "یعنی تمہارا استہزاء و تعنت اور قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا، قرآن و حامل قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا، یاد رکھو اس قرآن کے اتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، جس شان اور بینات سے وہ آتا ہے بدون ایک شوشہ یا زبر زیر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ وہ مصئون رکھا جائے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہ بدلیں گے، زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں، پر قرآن کی صوری و معنوی اعجاز میں اصلا ضعف و انحطاط محسوس نہ ہو گا۔ قومیں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے یا گم کر دینے میں ساعی ہوں گی۔ لیکن اس کے ایک نقطہ کو گم نہ کر سکیں گی حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدہ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔" میور" کہتا ہے" جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو" ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد ﷺ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں" واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، ایسا رہا کیا جس نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی، کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز اداء کی، حافظوں نے اس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر زبر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جا سکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جز کا رسالہ یاد کرانا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے، کس طرح فر فر سنا دیتا ہے۔ پھر کسی مجلس میں ایک بڑے باوجاہت عالم و حافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے۔ چاروں طرف سے تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں، ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفظ قرآن کے متعلق یہ ہی اہتمام و اعتناء عہد نبوت میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی کی طرف وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ فرما کر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ شِيَعِ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۰

۱۰۔ اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے اگلے فرقوں میں

وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۱۱

۱۱۔ اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی[۱۱]

كَذٰلِكَ نَسۡلُكُهٗ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اسی طرح بٹھا دیتے ہیں ہم اسکو دل میں گنہگاروں کے[۱۲]

لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَقَدۡ خَلَتۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ یقین نہ لائیں گے اس پر اور ہوتی آئی ہے رسم پہلوں کی[۱۳]

وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِيۡهِ يَعۡرُجُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں

لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ ع ۱۵ ۱

۱۵۔ تو بھی یہی کہیں گے کہ باندھ دیا ہے ہماری نگاہ کو نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے[۱۴]

۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: آپ کو تسلی دی گئی کہ ان کی تکذیب واستہزاء سے دلگیر نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ منکرین کی عادت رہی ہے کہ جب کوئی پیغمبر آیا اس کی ہنسی اڑائی، کبھی مجنون کہا۔ کبھی محض دق کرنے کے لئے لغو اور دور از کار مطالبے کرنے لگے۔ فرعون نے موسیٰؑ کی نسبت کہا تھا۔ اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ الَّذِىۡۤ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ (شعراء۔۲۷) اور وہ ہی فرشتوں کی فوج لانے کا مطالبہ کیا جو قریش آپ سے کر رہے تھے۔ لَوۡلَاۤ اُلۡقِىَ عَلَيۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ مُقۡتَرِنِيۡنَ۔ (زخرف۔۵۳)

۱۲۔ یعنی جو لوگ ارتکاب جرائم سے باز نہیں آتے ہم ان کے دلوں میں اسی طرح استہزاء و تکذیب کی عادت جاگزیں کر دیتے ہیں۔ جب ان کے دل میں کانوں کے راستہ سے وحی الٰہی جاتی ہے تو ساتھ ساتھ تکذیب بھی چلی جاتی ہے۔

۱۳۔ یعنی ہمیشہ یوں ہی جھٹلاتے اور ہنسی کرتے آئے ہیں اور سنت اللہ یہ رہی ہے کہ متمردین ہلاک و رسوا کئے جاتے رہے اور انجام کار حق کا بول بالا رہا۔

۱۴۔ کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی: یعنی فرشتوں کا اتارنا اس قدر عجیب نہیں، اگر ہم آسمان کے دروازے کھول کر خود انہیں اوپر چڑھا دیں اور یہ دن بھر اسی شغل میں رہیں، تب بھی ضدی اور معاند لوگ حق کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس وقت کہہ دیں گے کہ ہم پر نظر بندی یا جادو کیا گیا ہے شاید ابتداء میں نظر بندی سمجھیں اور آخر میں بڑا جادو قرار دیں۔

وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج[۱۵] اور رونق دی اسکو دیکھنے والوں کی نظر میں[۱۶]

۱۵۔ آسمان میں برج: "برجوں" سے یہاں بڑے بڑے سیارات مراد ہیں بعض نے منازل شمس و قمر کا ارادہ کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ برج وہ آسمانی قلعے ہیں جن میں فرشتوں کی جماعتیں پہرہ دیتی ہیں۔"

۱۶۔ اہل نظر کے لئے دلائل توحید: یعنی آسمان کو ستاروں سے زینت دی، رات کے وقت جب بادل اور گرد و غبار نہ ہو۔ بیشمار ستاروں کے قمقموں

سے آسمان دیکھنے والوں کی نظر میں کس قدر خوبصورت اور پر عظمت معلوم ہوتا ہے اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں کتنے نشان حق تعالیٰ کی صنعت کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیت مطلقہ کے پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے فرشتے اتارنے یا انکو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ماننا چاہیں تو آسمان و زمین میں قدرت کے نشان کیا تھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر سمجھدار آدمی توحید کا سبق بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے ایسے روشن نشان دیکھ کر انہوں نے کیا معرفت حاصل کی؟ جو آئندہ توقع رکھی جائے۔

وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور محفوظ رکھا ہم نے اسکو ہر شیطان مردود سے

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ مگر جو چوری سے سن بھاگا سو اسکے پیچھے پڑا انگارہ چمکتا ہوا[۱۷]

۱۷۔ شیاطین اور شہاب ثاقب: "یعنی آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا۔ بلکہ بعثت محمدی ﷺ کے وقت سے ان کا گذر بھی وہاں نہیں ہو سکتا۔ اب انتہائی کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں، اس پر بھی فرشتوں کے پہرے بٹھا دیے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں اوپر سے آتش بازی کی جائے نصوص قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے موافق "عنان" (بادل) میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرلیس ٹیلی فون جارہا ہو اسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ (شہاب ثاقب) چھٹتا ہے۔ اور ان غیبی پیغامات کو چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اسی دوادوش اور ہنگامہ داروگیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاہن لوگ اسی ادھوری سی بات میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں بتائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے اغماض وتغافل برتا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث نے یہ واقعات بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہ ہی عالم ملکوت ہے۔ شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب وافتراء کوئی چیز نہیں۔ نیز یہ کہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتدبہ دسترس حاصل کر لے۔ باقی جو ایک آدھ جملہ ادھر ادھر کا فرشتوں سے سن بھاگتا ہے، حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کر دی جائے۔ وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا، مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اسے معلوم ہے کہ کبھی اغوا واضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور مغویانہ اسباب ووسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی، اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔ (تنبیہ) شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا یہ انجام دیکھ کر اس مہم کو ترک نہیں کرتے اسی پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کر لو۔ یہ واضح رہے کہ قرآن وحدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ شہب کا وجود صرف رجم شیاطین ہی کے لئے ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں۔ اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَ الۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَ اَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَ
اَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیے اس پر بوجھ (پہاڑ) اور اگائی اس میں ہر چیز اندازے سے

وَ جَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ وَ مَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ
بِرٰزِقِيۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور بنا دیے تمہارے واسطے اس میں معیشت کے اسباب اور وہ چیزیں جنکو تم روزی نہیں دیتے[۱۸]

وَ اِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ
اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور اتارتے ہیں ہم اندازہ معین پر (ٹھہرے ہوئے اندازہ پر) [۱۹]

وَ اَرۡسَلۡنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَسۡقَيۡنٰكُمُوۡهُ ۚ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ لَهٗ بِخٰزِنِيۡنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور چلائیں ہم نے ہوائیں رس بھری (بوجھل کرنے والی ابر کی) پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا[۲۰] اور تمہارے پاس نہیں اس کا خزانہ[۲۱]

وَ اِنَّا لَنَحۡنُ نُحۡىٖ وَ نُمِيۡتُ وَ نَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور ہم ہی ہیں جلانے والے اور مارنے والے اور ہم ہی ہیں پیچھے رہنے والے[۲۲]

وَ لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَ لَقَدۡ
عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو[۲۳]

وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحۡشُرُهُمۡ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ۲

۲۵۔ اور تیرا رب وہی اکٹھا کر لائے گا انکو بیشک وہی ہے حکمتوں والا خبردار[۲۴]

۱۸۔ یعنی نوکر چاکر، حیوانات وغیرہ، جن سے کام اور خدمت ہم لیتے ہیں اور روزی ان کی خدا کے ذمہ ہے۔

۱۹۔ اللہ کے خزانے: یعنی جو چیز جتنی مقدار میں چاہے پیدا کر دے۔ نہ کچھ تعب ہوتا ہے نہ تکان، ادھر ارادہ کیا ادھر وہ چیز موجود ہوئی۔ گویا تمام چیزوں کا خزانہ اس کی لامحدود قدرت ہوئی جس سے ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین نظام کے ماتحت ٹھہرے ہوئے اندازہ پر بلا کم و کاست نکلی چلی آتی ہے۔

۲۰۔ پانی کا حیرت انگیز نظام: یعنی برساتی ہوائیں بھاری بادلوں کو پانی سے بھر کر لاتی ہیں، ان سے پانی برستا ہے جو نہروں چشموں اور کنوؤں میں جمع ہو کر تمہارے کام آتا ہے خدا چاہتا تو اسے پینے کے قابل نہ چھوڑتا، لیکن اس نے اپنی مہربانی سے کس قدر شیریں اور لطیف پانی تمہارے بارہ مہینہ پینے کے لئے زمین کے مسام میں جمع کر دیا۔

۲۱۔ پانی کا حیرت انگیز نظام۔ یعنی نہ اوپر بارش کے خزانہ پر تمہارا قبضہ ہے، نہ نیچے چشمے اور کنویں تمہارے اختیار میں ہیں۔ خدا جب چاہے بارش برسائے، نہ تم روک سکتے ہو نہ اپنے حسب خواہش لا سکتے ہو، اور اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دے یا زیادہ نیچے اتار دے کہ تمہاری دسترس سے باہر ہو جائے تو کیسے قابو حاصل کر سکتے ہو۔

۲۲۔ وارث حقیقی: یعنی دنیا فنا ہو جائے گی، ایک خدا اپنی کامل صفات کے ساتھ باقی رہے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "ہر کوئی مر جاتا ہے اور اس کی کمائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے"۔

۲۳۔ یعنی اگلا پچھلا کوئی شخص یا اس کے اعمال ہمارے احاطہ علمی سے باہر نہیں، حق تعالیٰ کو ازل سے ہر چیز کا تفصیلی علم ہے، اسی کے مطابق دنیا میں پیش آتا ہے اور اسی کے موافق آخرت میں تمام کا انصاف کیا جائے گا۔ (تنبیہ) آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے۔ ولادت میں ہو یا موت میں، یا اسلام میں، یا نیک کاموں میں، صفوف صلوٰۃ میں آگے پیچھے رہنا بھی نیک کام کے ذیل میں آ گیا۔

۲۴۔ اللہ کا علم و قدرت: یعنی ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ جب اس کی حکمت مقتضی ہو گی کہ سب کو بیک وقت انصاف کے لئے اکھٹا کیا جائے تو کچھ دشواری نہ ہو گی۔ قبر کی مٹی، جانوروں کے پیٹ، سمندر کی تہ، ہوائی فضا میں یا جہاں کہیں کسی چیز کا کوئی جزء ہو گا، وہ اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے جمع کر دے گا۔

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۶﴾	۲۶۔ اور بنایا ہم نے آدمی کو کھنکھناتے (بجنے والی مٹی سے) سنے (جو بنی ہے سڑے ہوئے گارے سے) ہوئے گارے سے [۲۵]
وَ الۡجَآنَّ خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اور جان (جنوں کو) بنایا ہم نے اس سے پہلے لو کی آگ سے [۲۶]
وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے
فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ پھر جب ٹھیک کروں اسکو اور پھونک دوں اس میں اپنی جان سے تو گر پڑیو اسکے آگے سجدہ کرتے ہوئے [۲۷]
فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ تب سجدہ کیا ان فرشتوں نے سب نے مل کر
اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۱﴾	۳۱۔ مگر ابلیس نے نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے
قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ	۳۲۔ فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ ساتھ نہ ہوا سجدہ کرنے والوں کے

السّٰجِدِيۡنَ ﴿۳۲﴾

قَالَ لَمۡ اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ
صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جسکو تو نے بنایا کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے

قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۙ﴿۳۴﴾

۳۴۔ فرمایا تو تو نکل یہاں سے[۲۸] تجھ پر مار ہے[۲۹]

وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور تجھ پر پھٹکار ہے اس دن تک کہ انصاف ہو[۳۰]

قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مردے زندہ ہوں

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۙ﴿۳۷﴾

۳۷۔ فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی

اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اسی مقرر وقت کے دن تک[۳۱]

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَ
لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۳۹﴾

۳۹۔ بولا اے رب جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھو دیا میں بھی ان سب کو بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھو دوں گا ان سب کو

اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں[۳۲]

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی[۳۳]

اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں مگر جو تیری راہ چلا بہکے ہوؤں میں[۳۴]

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا[۳۵]

لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ ع

۴۴۔ اسکے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے واسطے ان میں سے ایک فرقہ ہے بانٹا ہوا[۳۶]

۳ ع ۹ ۳

۲۵۔ قصہ آدم علیہ السلام وابلیس: "آیات آفاقیہ کے بعد بعض آیات انفسیہ کو بیان فرماتے ہیں جس کے ضمن میں شاید یہ تنبیہ بھی مقصود ہے کہ جس ذات منبع الکمالات نے تم کو ایسے انوکھے طریقہ سے اول پیدا کیا، دوبارہ پیدا کر کے ایک میدان میں جمع کر دینا کیا مشکل ہے۔(تنبیہ)

آدمی کس قسم کی مٹی سے بنایا گیا: آدمی کی پیدائش کے متعلق یہاں دو لفظ فرمائے۔"صلصال" (بجنے والی کھنکھناتی مٹی جو آگ میں پکنے سے اس حالت کو پہنچتی ہے اسی کو دوسری جگہ "کالفخار" فرمایا) اور حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ (سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اول سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا، پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگا، تب مختلف تطورات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے۔ روح المعانی میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کَاَنَّہٗ سُبۡحَانَہٗ اَفۡرَغَ الۡحَمَاءَ فَصَوَّرَ مِنۡ ذٰلِكَ تِمۡثَالَ اِنۡسَانٍ اَجۡوَفَ فَیَبِسَ حَتّٰی اِذَا نُقِرَ صَوَّتَ ثُمَّ غَیَّرَہٗ طَوۡرًا بَعۡدَ طَوۡرٍ حَتّٰی نَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُوۡحِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں مٹی پانی میں ترکی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی، وہ ہی بدن ہوا انسان کا۔ اس کی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں اسی طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت وخفت) جن کی پیدائش میں رہی۔ راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ اور "طین لازب" وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مٹی اور پانی کو ملا کر ہوا سے خشک کیا اور "فخار" کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا یہ ہی ناری جز آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے اسی مناسبت سے ایک جگہ فرمایا خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ۔ وَ خَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ (الرحمٰن۔ ۱۵، ۱۴) راغب کا یہ مضمون بہت طویل اور دلچسپ ہے، افسوس ہے ہم اس کا خلاصہ بھی یہاں درج نہیں کر سکتے۔

۲۶۔ لو کی آگ سے جنات کی تخلیق: "یعنی لطیف آگ ہوا ملی ہوئی۔ کما قال وَ خَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ (الرحمٰن۔ ۱۵) یا یوں کہو تیز ہوا جو آگ کی طرح جلانے والی ہو جسے ہمارے یہاں "لو" کہتے ہیں۔ بہر حال آدمیوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ترابی غالب تھا اور جنوں کا باپ اس مادہ سے پیدا ہوا جس میں ناری عنصر کا غلبہ تھا، ابلیس بھی اسی قسم سے تھا۔

۲۷۔ آدم میں اللہ کی روح پھونکنے کا مطلب: یعنی آدم کا پتلا ٹھیک کر کے اس قابل کر دوں کہ روح انسانی فائض کی جا سکے پھر اس میں جان ڈال دوں جس سے ایک جماد انسان بن جاتا ہے، اس وقت تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ سب سجدہ میں گر پڑو (تنبیہ) "روح" (جان) کی اضافت جو اپنی طرف کی، یہ محض تشریف و تکریم اور روح انسانی کا امتیاز ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ یعنی وہ خاص "جان" جس میں نمونہ ہے میری صفات (علم و تدبیر وغیرہ) کا، اور جو اصل فطرت سے مجھے یاد کرنے والی اور بسبب خصوصی لطافت کے مجھ سے نسبتؐ علاقہ رکھنے والی ہے۔ امام غزالیؒ نے دوسرے عنوان سے اس اضافت پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں اگر آفتاب کو قوت گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں نے اپنے نور کا فیض زمین کو پہنچایا، تو کیا یہ لفظ (اپنا نور) غلط ہو گا؟ جب یہ کہنا صحیح ہے حالانکہ نہ آفتاب زمین میں حلول کرتا ہے نہ اس کا نور اس سے جدا ہوتا ہے، بلکہ زمین سے لاکھوں میل دور رہ کر بھی روشنی کی باگ اسی کے قبضہ میں ہے، زمین کا کچھ اختیار نہیں چلتا۔ بجز اس کے کہ اس سے بقدر اپنی استعداد کے نفع حاصل کرتی رہے، تو وراء الوراء خدا کا یہ فرمانا کہ میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی، حلول واتحاد وغیرہ کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

"روح" کے متعلق مناسب کلام انشاء اللہ آئندہ وَیَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ (بنی اسرائیل۔ ۸۵) میں کیا جائے گا۔

۲۸۔ یعنی جنت سے یا آسمان سے یا اس مقام عالی سے نکل جہاں اب تک پہنچا ہوا تھا۔

۲۹۔ ابلیس کا استکبار: یعنی مردود و مطرود ہے یا "رجیم" سے اشارہ اسی طرف ہو جو پہلے گذرا کہ شہب سے شیاطین کا رجم کیا جاتا ہے گویا اس لفظ میں اس کے شبہہ کا جواب دیا گیا کہ تیرا سجود سے انکار کرنا شرف عنصری کی بناء پر نہیں۔ فضل و شرف تو اسی کے لئے ہے جسے خدا تعالیٰ سرفراز فرمائے۔ ہاں تیرے اباء و استکبار کا منشاء وہ شقاوت، بدبختی ہے جو تیری سوء استعداد کی وجہ سے مقدر ہو چکی ہے۔

۳۰۔ یعنی قیامت کے دن تک خدا کی پھٹکار اور بندوں کی طرف سے لعنت پڑتی رہے گی۔ اس طرح آناً فاناً خیر سے بعد تر ہوتا رہے گا۔ جب قیامت تک توفیق خیر کی نہ ہوگی۔ تو اس کے بعد تو کوئی موقع ہی نہیں کیونکہ آخرت میں ہر شخص وہ ہی کاٹے گا جو یہاں بویا ہے۔ یا یوں کہو کہ قیامت کے دن تک لعنت رہے گی اس کے بعد جو بے شمار قسم کے عذاب ہوں گے وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں، یا اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ کا لفظ دوام سے کنایہ ہو۔

۳۱۔ ابلیس کو مہلت حیات: یعنی اس وقت تک تجھے ڈھیل دی جاتی ہے جی کھول کر ارمان نکال لے۔ اس واقعہ کی تفصیل "بقرہ" اور "اعراف" میں گذر چکی ہے۔ ہم نے "اعراف" کے دوسرے رکوع میں اس کے اجزاء پر جو کچھ کلام کیا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۳۲۔ ابلیس کا اعلان انتقام: یعنی دنیا کی بہاریں دکھلا کر خواہشات نفسانی کے جال میں پھنساؤں گا۔ اور تیرے مخصوص و منتخب بندوں کے سوا سب کو راہ حق سے ہٹا کر رہوں گا۔ یہ کلمات لعین نے جوش انتقام میں کہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا، لیکن جس کی وجہ سے میں دور پھینکا گیا ہوں۔ اپنی قدرت اور بساط کے موافق اس کی نسلوں تک سے بدلہ لے کر چھوڑوں گا۔ سورہ "اعراف" میں اس موضوع پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ کیا جائے۔

۳۳۔ یعنی بیشک بندگی اور اخلاص کی راہ سیدھی میرے تک پہنچتی ہے اور یہ ہی میرا صاف اور سیدھا راستہ ہے جس میں کوئی ہیر پھیر نہیں کہ جو بندے عبودیت و اخلاص کی راہ اختیار کریں گے وہ ہی شیطان لعین کے تسلط سے مامون رہیں گے اور جو ملعون کی پیروی کریں گے اس کے ہمراہ دوزخ میں جائیں گے۔ بعض مفسرین نے هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسۡتَقِیۡمٌ کو تہدید پر حمل کیا ہے۔ یعنی او ملعون! لوگوں کو صراط مستقیم سے گمراہ کر کے کہاں بھاگے گا وہ کونسا راستہ ہے جو ہماری طرف نہ جاتا ہو۔ پھر ہماری سزا سے بچ کر کدھر جا سکتا ہے اس وقت کلام ایسا ہو گا جیسے کہتے ہیں اِفۡعَلۡ مَاشِئۡتَ فَطَرِیۡقُكَ عَلَیَّ اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ (الفجر۔۱۴) واللہ اعلم۔

۳۴۔ مخلصین پر ابلیس کا قابو نہیں ہو گا: یعنی بے شک چنے ہوئے بندوں پر جن کا ذکر اوپر ہوا تیرا کچھ زور نہ چلے گا یا یہ مطلب ہو کہ کسی بندے پر بھی تیری زبردستی نہیں چل سکتی ہاں جو خود ہی بہک کر اپنی جہالت و حماقت سے تیرے پیچھے ہو لیا وہ اپنے اختیار سے خراب و برباد ہوا۔ جیسے پہلے خود شیطان کا مقولہ گذر چکا وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ (ابراہیم۔۲۲)۔

۳۵۔ یعنی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے دوزخ کا جیل خانہ تیار ہے۔ تم سب اسی گھاٹ اتارے جاؤ گے۔

۳۶۔ جہنم کے سات دروازے: بعض سلف نے سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ سے دوزخ کے سات طبقے اوپر نیچے مراد لئے ہیں، چنانچہ ان کے نام ابن عباس نے یہ بتلائے ہیں۔ جہنم، سعیر، لظیٰ، حطمہ، سقر، جحیم، ہاویہ، اور لفظ "جہنم" ایک خاص طبقہ اور مجموعی طبقات دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ویسے دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عمل والوں پر بانٹے ہوئے شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لئے ہے کہ بعضے موحدین نرے فضل سے جنت میں جائیں گے بغیر عمل کے۔ باقی عمل میں دروازے برابر ہیں"۔

۳۷۔ متقین اور جنت کی نعمتیں: جو لوگ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب سے پرہیز کرتے ہیں، وہ حسب مراتب جنت کے باغوں میں رہیں گے جہاں بڑے قرینہ سے چشمے اور نہریں بہتی ہوں گی۔ شیطان کے متبعین کے بعد یہ عباد مخلصین کا انجام بیان فرمایا۔

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پرہیز گار ہیں باغوں میں اور چشموں میں [۳۷]

اُدۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيۡنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ کہیں گے انکو جاؤ ان میں سلامتی سے خاطر جمع سے (بے کھٹکے) [۳۸]

وَ نَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيۡنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور نکال ڈالی ہم نے جو انکے جیوں میں تھی خفگی بھائی ہو گئے [۳۹] تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے [۴۰]

لَا يَمَسُّهُمۡ فِيۡهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمۡ مِّنۡهَا بِمُخۡرَجِيۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ نہ پہنچے گی انکو وہاں کچھ تکلیف اور نہ انکو وہاں سے کوئی نکالے [۴۱]

نَبِّئۡ عِبَادِىۡۤ اَنِّىۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ خبر سنا دے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان

وَاَنَّ عَذَابِىۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِيۡمُ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور یہ بھی کہ میرا عذاب وہی عذاب دردناک ہے [۴۲]

۳۸۔ یعنی فی الحال تمام آفات و عیوب سے صحیح و سالم اور آئندہ ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی فکر، پریشانی، گھبراہٹ اور خوف و ہراس سے بے کھٹکے۔

۳۹۔ یعنی جنت میں پہنچ کر اہل جنت میں باہم کوئی گذشتہ کدورت باقی نہ رہے گی۔ بالکل پاک و صاف کر کے داخل کئے جائیں گے۔ نہ وہاں ایک کو دوسرے پر حسد ہو گا، بلکہ بھائی بھائی ہو کر انتہائی محبت و الفت سے رہیں گے، ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور و محظوظ ہو گا، اس کا کچھ بیان سورہ اعراف آٹھویں پارہ کے اخیر ربع میں گذر چکا۔

۴۰۔ یعنی عزت و کرامت کے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کریں گے، ملاقات وغیرہ کے وقت ایسی نشست نہ ہو گی جس میں کوئی آگے کوئی پیچھے ہو۔

۴۱۔ حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا، اے اہل جنت اب تمہارے لئے یہ ہے کہ ہمیشہ تندرست رہو، کبھی بیماری نہ ستائے، ہمیشہ زندہ رہو، کبھی موت نہ آئے۔ ہمیشہ آرام سے مقیم رہو، کبھی سفر کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے۔

۴۲۔ **اللہ کی صفات رحمت و غضب:** "مجرمین" اور "متقین" کا الگ الگ انجام بیان فرما کر یہاں تنبیہ کی ہے کہ ہر ایک صورت میں حق تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت و شان کا ظہور ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اصل سے اپنی تمام مخلوق پر بخشش اور مہربانی کرنا چاہتا ہے اور حقیقت میں اصل مہربانی اسی کی ہے، تمام دنیا کہ مہربانیاں اس کی مہربانی کا پرتو ہیں، لیکن جو شخص خود شرارت و بدکاری سے مہربانی کے دروازے اپنے اوپر بند کر لے تو پھر اس کی سزا بھی ایسی سخت ہے جس کے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں۔ سعدی نے خوب فرمایا بتہدید گر بر کشد تیغ حکم۔ بمانند کروبیاں صم وبکم، وگر در دہد یک صلائے کرم۔ عزازیل گوید نصیبے برم۔ آگے ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس میں فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے۔ وہ ہی فرشتے ایک جگہ خوشخبری سناتے اور دوسری جگہ پتھر برساتے تھے، تا معلوم ہو کہ خدا کی دونوں صفتیں (رحمت و غضب) پوری ہیں بندوں کو چاہئے نہ دلیر ہوں، نہ آس توڑیں۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور حال سنادے انکو ابراہیم کے مہمانوں کا[۴۳]

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ
وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ جب چلے آئے اسکے گھر میں اور بولے (کیا انہوں نے) سلام وہ بولا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے[۴۴]

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ بولے ڈر مت ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی[۴۵]

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ
تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ بولا کیا خوشخبری سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اب کاہے پر خوشخبری سناتے ہو[۴۶]

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ بولے ہم نے تجھ کو خوشخبری سنائی سچی (پکی) سو مت ہو تو ناامیدوں میں

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ بولا اور کون آس توڑے اپنے رب کی رحمت سے مگر (وہی) جو گمراہ ہیں[۴۷]

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجے ہوؤ[۴۸]

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ﴿۵۸﴾

۵۸۔ بولے ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۵۹﴾

۵۹۔ مگر لوط کے گھر والے ہم انکو بچالیں گے سب کو

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۴

۶۰۔ مگر ایک اسکی عورت ہم نے ٹھہرالیا وہ ہے رہ جانے والوں میں[۴۹]

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ۙ﴿۶۱﴾

۶۱۔ پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ بولا تم لوگ ہو اوپرے (جن سے کھٹکا ہوتا ہے)[۵۰]

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ بولے نہیں پر ہم لیکر آئے ہیں تیرے پاس وہ چیز جس میں وہ جھگڑتے تھے[۵۱]

وَ اَتَیۡنٰكَ بِالۡحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور ہم لائے ہیں تیرے پاس پکی بات اور ہم سچ کہتے ہیں[۵۲]

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّیۡلِ وَ اتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَ لَا
یَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّ امۡضُوۡا حَیۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات رہے سے اور تو چل ان کے پیچھے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی[۵۳] اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے[۵۴]

وَ قَضَیۡنَاۤ اِلَیۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ
مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِیۡنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اور مقرر کر دی ہم نے اس کو یہ بات کہ ان کی جڑ کٹے گی صبح ہوتے[۵۵]

وَ جَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِیۡنَةِ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے[۵۶]

قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو[۵۷]

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخۡزُوۡنِ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور ڈرو اللہ سے اور میری آبرو مت کھوؤ[۵۸]

قَالُوۡۤا اَوَ لَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہان کی حمایت سے[۵۹]

قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے[۶۰]

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِیۡ سَكۡرَتِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش (نشے) ہیں[۶۱]

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ مُشۡرِقِیۡنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ پھر آ پکڑا انکو چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت (ہی)[۶۲]

فَجَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ حِجَارَةً
مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے اور برسائے ان پر پتھر کھنگر (کنکر) کے[۶۳]

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو[۶۴]

وَ اِنَّهَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اور وہ بستی واقع ہے سیدھی راہ پر[۶۵]

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿ؕ۷۷﴾

۷۷۔ البتہ اس میں نشانی ہے ایمان والوں کو (یقین کرنے والوں کو) [۲۶]

۴۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان فرشتے: ""مہمان" اس لئے کہا کہ ابراہیمؑ انہیں مہمان ہی سمجھے، بعد میں کھلا کہ فرشتے ہیں۔

۴۴۔ دوسری جگہ آیا ہے وَاَوۡجَسَ مِنۡہُمۡ خِیۡفَۃً (ہود۔ ۷۰) یعنی خوف کو دل میں چھپایا تو کہا جائے گا کہ ابتداء میں چھپانے کی کوشش کی۔ آخر ضبط نہ کر سکے زبان سے ظاہر کر دیا۔ یا یہ مطلب ہو کہ باوجود چھپانے کے خوف کے آثار چہرہ وغیرہ پر اس قدر عیاں تھے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ یہ ڈر کس بات کا تھا؟ اس کی تفصیل سورہ ہود میں گذر چکی۔ وہاں ملاحظہ کی جائے۔ اور اس واقعہ کے دوسرے اجزا پر بھی جو کلام کیا گیا ہے ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ مراجعت کر لی جائے۔

۴۵۔ یعنی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خوش ہونے کا موقع ہے اس بڑھاپے میں ہم تم کو اولاد کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اولاد بھی کیسی؟ لڑکا، نہایت ہوشیار، بڑا عالم، جسے پیغمبرانہ علوم دے کر منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا۔ وَبَشَّرۡنٰہُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ (صافات۔ ۱۱۲)۔

۴۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعجب: چونکہ غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوشخبری سنی، تو اپنی پیرانہ سالی کو دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب آدمی کوئی مسرت انگیز خبر خلاف توقع غیر معمولی طریقہ سے اچانک سنے تو باوجود یقین آ جانے کے اسے خوب کھود کرید کر دریافت کرتا اور لہجہ تعجب کا اختیار کر لیتا ہے، تا خبر دینے والا پوری تاکید و تصریح سے خوشخبری کو دہرائے، جس میں نہ کسی قسم کی غلط فہمی کا احتمال رہے نہ تاویل والتباس کا۔ گویا اظہار تعجب سے بشارت کو خوب واضح اور پختہ کرانا اور تکرار سماع سے لذت تازہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرز میں حضرت ابراہیمؑ نے اظہار تعجب فرمایا۔ ابن کثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں۔ "قال متعجبًا من کبرہ وکبر زوجتہ ومتحققًا للوعد فاجابوہ موکدین لما بشروہ بہ تحققًا وبشارۃ بعد بشارۃ" چونکہ سطح کلام سے ناامیدی کا توہم ہو سکتا تھا۔ جو اکابر خصوصًا اولوالعزم پیغمبروں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے ملائکہ نے فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِیۡنَ کہہ کر تنبیہ کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "معلوم ہوا کہ کاملین بھی (کسی درجہ میں) ظاہری اسباب پر خیال رکھتے ہیں۔"

۴۷۔ اللہ سے ناامیدی گمراہی ہے: یعنی رحمت الٰہیہ سے ناامید تو عام مسلمان بھی نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کو معاذ اللہ یہ نوبت آئے۔ محض اسباب عادیہ اور اپنی حالت موجودہ کے اعتبار سے ایک چیز عجیب معلوم ہوئی، اس پر میں نے اظہار تعجب کیا ہے کہ خدا کی قدرت اب بڑھاپے میں مجھے اولاد ملے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں"۔ عذاب سے نڈر ہونا اور فضل سے ناامید ہونا دونوں کفر کی باتیں ہیں۔ یعنی آگے کی خبر اللہ کو ہے ایک بات پر دعویٰ کرنا یقین کر کے یوں نہیں ہو سکتا یہ ہی کفر کی بات ہے باقی محض دل کے خیال و تصور پر پکڑ نہیں جب منہ سے دعویٰ کرے تب گناہ ہوتا ہے"۔

۴۸۔ فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال: یعنی کیا محض یہ بشات سنانے کے لئے ہی بھیجے گئے ہو۔ یا کوئی اور مہم ہے جس پر مامور ہو کر آئے ہو۔ غالبًا قرائن سے ابراہیمؑ سمجھے کہ اصل مقصد تشریف آوری کا کچھ اور ہے۔ ممکن ہے جو خوف انہیں دیکھ کر پیدا ہوا تھا اسی سے خیال گذرا ہو کہ خالص بشارت لانے والوں کو دیکھ کر خوف کے ساتھ ضرور کوئی دوسری خوفناک چیز بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ واللہ اعلم۔

۴۹۔ یعنی وہ باقی کفار کے ساتھ عذاب میں مبتلا رہے گی۔ (تنبیہ) ظاہر یہ ہے کہ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّہَا لَمِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ مقولہ ملائکہ کا ہے جو عذاب لے کر آئے تھے۔ چونکہ اس وقت وہ قضاء و قدر کا فیصلہ نافذ کرنے کے لئے سرکاری ڈیوٹی پر آئے تھے اس لئے تقدیر ٹھہرانے) کی نسبت نیابۃً اپنی طرف کر دی۔ اور ممکن ہے قَدَّرۡنَا الخ حق تعالیٰ کا کلام ہو۔ تب کوئی اشکال نہیں۔

۵۰۔ حضرت لوط علیہ السلام اور فرشتے: یا تو یہ مطلب تھا کہ تم مجھے غیر معمولی سے آدمی معلوم ہوتے ہو، جنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ دل کھٹکتا ہے۔

یہ شاید ویسا ہی کھٹکا ہو گا۔ جو ابراہیمؑ کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یا یہ غرض ہو کہ تم اس شہر میں اجنبی ہو، تم کو یہاں کے لوگوں کی خوئے بد معلوم نہیں دیکھئے وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں، یا یہ اس وقت فرمایا جب لوگوں نے فرشتوں کو حسین لڑکے سمجھ کر لوطؑ کے مکان پر چڑھائی کی۔ لوطؑ انہیں مہمان سمجھتے ہوئے امکانی مدافعت کرتے رہے حتٰی کہ آخر میں نہایت حسرت سے فرمایا لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ (ہود۔۸۰) اس وقت تنگ ہو کر اور گھبرا کر ان مہمانوں سے کہنے لگے کہ تم عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تماری آبرو بچانے کے لئے خون پسینہ ایک کر رہا ہوں لیکن تم میری امداد کے لئے ذرا ہاتھ بھی نہیں ہلاتے۔

۵۱۔ یعنی گھبراؤ مت۔ ہم آدمی نہیں ہیں، ہم تو آسمان سے وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے تھے۔ یعنی مہلک عذاب جس کی تم دھمکی دیتے اور یہ انکار کرتے تھے۔

۵۲۔ یعنی اب آپ بالکل مطمئن ہو جائیے۔ یہ بالکل پکی اور اٹل بات ہے جس میں قطعاً جھوٹ کا احتمال نہیں۔

۵۳۔ یعنی جب تھوڑی رات رہے اپنے گھر والوں کو بستی سے لے کر نکل جائیے اور آپ سب کے پیچھے رہئے تا کہ پورا اطمینان رہے کہ کوئی رہ تو نہیں گیا یا راستہ سے واپس تو نہیں ہوا۔ اس صورت میں آپ کا قلب مطمئن رہے گا اور دلجمعی سے خدا کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے ہوئے رفقاء کی دیکھ بھال رکھیں گے۔ دوسری طرف آپ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے آگے چلنے والوں کو آپ کا رعب مانع ہو گا کہ پیچھے مڑ کر دیکھیں۔ اس طرح وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ کا پورا امتثال ہو سکے گا اور وہ لوگ خطرہ کے مقام سے بعید رہیں گے اور آپ کو اپنا ظاہری پشتیبان سمجھیں گے۔

۵۴۔ یعنی ملک شام میں یا اور کہیں امن کی جگہ جو خدا نے ان کے لئے مقرر کی ہو گی۔

۵۵۔ قوم لوط علیہ السلام پر عذاب کی خبر: یعنی لوطؑ کو ملائکہ کے توسط سے ہم نے اپنا قطعی فیصلہ سنا دیا کہ عذاب کچھ دور نہیں۔ ابھی صبح کے وقت اس قوم کا بالکلیہ استیصال کر دیا جائے گا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ صبح ہوتے ہی عذاب شروع ہو جائے گا اور اشراق تک سب معاملہ ختم کر دیا جائے گا کیونکہ دوسری جگہ مُصْبِحِیْنَ کے بجائے مُشْرِقِیْنَ کا لفظ آیا ہے۔

۵۶۔ یعنی جب سنا کہ لوطؑ کے یہاں بڑے حسین و جمیل لڑکے مہمان ہیں تو اپنی عادت بد کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور دوڑتے ہوئے ان کے مکان پر آئے اور لوطؑ سے مطالبہ کیا کہ انہیں ہمارے حوالہ کر دو۔ (تنبیہ) وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ الخ میں "واو" مطلق جمع کے لئے ہیں، یہاں ترتیب واقعات بیان میں ملحوظ نہیں۔ سورہ ہود اور اعراف میں یہ قصہ گذر چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے اور وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

۵۷۔ کیونکہ مہمان کی فضیحت میزبان کی رسوائی ہے۔

۵۸۔ یعنی خدا سے ڈر کر یہ بے حیائی کے کام چھوڑ دو اور اجنبی مہمانوں کو دق مت کرو۔ آخر میں تم میں رہتا ہوں، میری آبرو کا تمہیں کچھ پاس کرنا چاہئے میں مہمانوں کی نظر میں کس قدر حقیر ہوں گا جب یہ سمجھیں گے کہ بستی میں ایک آدمی بھی ان کی عزت نہیں کرتا نہ ان کا کہا مانتا ہے۔

۵۹۔ قوم لوط علیہ السلام کی گستاخی: یعنی ہم بے آبرو نہیں کرتے آپ خود بے آبرو ہوتے ہیں۔ جب ہم منع کر چکے کہ تم کسی اجنبی کو پناہ مت دو نہ اپنا مہمان بناؤ۔ ہم کو اختیار ہے باہر سے آنے والوں کے ساتھ جس طرح چاہیں پیش آئیں۔ پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ خواہ مخواہ ان نوجوانوں کو اپنے یہاں ٹھہرا کر فضیحت ہوئے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ مسافروں کو اپنے افعال شنعیہ کا تختۂ مشق بناتے ہوں گے اور حضرت لوطؑ اپنے مقدور کے موافق غریب مسافروں کی حمایت اور ان اشقیاء کو نالائق حرکتوں سے باز رکھتے ہوں گے۔

۶۰۔ حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت: یعنی بیشک تم نے مجھ کو اجنبی لوگوں کی حمایت سے روکا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں آخر اس روکنے کا منشاء کیا ہے؟ یہی نہ کہ میں تمہاری خلاف فطرت شہوت رانی کے راستہ میں حائل ہوتا ہوں۔ تو خود غور کرو کیا قضائے شہوت کے حلال مواقع تمہارے سامنے موجود نہیں جو ایسی بیہودہ حرامکاری کے مرتکب ہوتے ہو؟ یہ تمہاری بیویاں (جو میری بیٹیوں کے برابر ہیں) تمہارے گھروں

میں موجود ہیں، اگر تم میرے کہنے کے موافق عمل کرو اور قضائے شہوت کے مشروع و معقول طریقہ پر چلو، تو حاجت برابری کے لئے وہ کافی ہیں۔ یہ کیا آفت ہے کہ حلال اور ستھری چیز کو چھوڑ کر حرام کی گندگی میں ملوث ہوتے ہو۔

۶۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی قسم: ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو ہے۔ یعنی تیری جان کی قسم، لوطؑ کی قوم غفلت اور مستی کے نشہ میں بالکل اندھی ہو رہی تھی، وہ بڑی لاپروائی سے حضرت لوطؑ کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرا رہے تھے ان کو اپنی قوت کا نشہ تھا، شہوت پرستی نے ان کے دل و دماغ مسخ کر دیے تھے۔ وہ بڑے امن و اطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ صبح تک کیا حشر ہونے والا ہے تباہی اور ہلاکت کی گھڑی ان کے سر پر منڈلا رہی تھی، وہ لوطؑ کی باتوں پر ہنستے تھے اور موت انہیں دیکھ کر ہنس رہی تھی (تنبیہ) ابن عباس نے فرمایا خدا تعالیٰ نے دنیا میں کوئی جان محمد ﷺ کی جان سے زیادہ اکرم واشرف پیدا نہیں کی۔ میں نے خدا کو نہیں سنا کہ اس نے محمد ﷺ کی جان عزیز کے سوا کسی دوسری جان کی قسم کھائی ہو۔ قرآن کریم میں جو قسمیں آئی ہیں ان کے متعلق ہم انشاء اللہ کسی دوسری جگہ ذرا مفصل کلام کریں گے۔

۶۲۔ اس کے متعلق ہم قریب ہی دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ کے فائدہ میں کلام کر چکے ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ہر عذاب جس سے کوئی قوم ہلاک کی جائے "صیحہ" اور صاعقہ کہلاتا ہے۔

۶۳۔ اس کی تفصیل سورہ ہود وغیرہ میں گذر چکی۔

۶۴۔ اہل فراست کے لئے نشانیاں: "متوسم" اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بعض ظاہری علامات و قرائن دیکھ کر محض فراست سے کسی پوشیدہ بات کا پتہ لگالے۔ حدیث میں ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ بعض روایات میں وَبِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ کی زیادت ہے۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرتے رہو، وہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے نور توفیق سے دیکھتا ہے۔ شاید "کشف" اور "فراست" میں بقول امیر عبدالرحمٰن خان مرحوم اتنا ہی فرق ہو جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے۔ بہر حال آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھیان کرنے اور پتہ لگانے والوں کے لئے "قوم لوطؑ" کے قصہ میں عبرت کے بہت نشان موجود ہیں۔ انسان سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ خدا کی قدرت عظیمہ کے سامنے ساری طاقتیں ہیچ ہیں۔ "اس کی لاٹھی میں آواز نہیں" اس کی مہلت پر آدمی مغرور نہ ہو، نہ پیغمبروں کے ساتھ ضد اور عداوت باندھے، ورنہ ایسا ہی حشر ہوگا۔ وغیرہ ذٰلک۔

۶۵۔ مکہ سے شام کو جاتے ہوئے اس الٹی ہوئی بستی کے کھنڈر نظر آتے تھے۔ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ۔ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (صافات۔۱۳۸،۱۳۷)

۶۶۔ قوم لوط علیہ السلام کے کھنڈر: یعنی ان کھنڈرات کو دیکھ کر بالخصوص مومنین کو عبرت ہوتی ہے، کیونکہ وہ ہی سمجھتے ہیں کہ اس قوم کی بدکاری اور سرکشی کی سزا میں یہ بستیاں الٹی گئیں، مومنین کے سوا دوسرے لوگ تو ممکن ہے انہیں دیکھ کر محض بخت و اتفاق یا اسباب طبعیہ کا نتیجہ قرار دیں۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۟ۙ ۷۸	۷۸۔ اور تحقیق تھے بن کے رہنے والے گنہگار[۶۷]
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۟ؕ ۷۹	۷۹۔ سو ہم نے بدلہ لیا ان سے اور یہ دونوں بستیاں واقع ہیں کھلے راستہ پر[۶۸]
وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۟ۙ ۸۰	۸۰۔ اور بیشک جھٹلایا حجر والوں نے (حجر کے رہنے والوں نے) رسولوں کو[۶۹]

ع ۵ (۱۹) ۵

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور دیں ہم نے انکو اپنی نشانیاں سو رہے ان سے منہ پھیرتے (ان کو ٹالتے) [۷۰]

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور تھے کہ تراشتے تھے پہاڑوں کے گھر اطمینان کے ساتھ [۷۱]

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ پھر پکڑا انکو چنگھاڑ نے صبح ہونے (ہوتے) کے وقت

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ پھر کام نہ آیا انکے جو کچھ کمایا تھا [۷۲]

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور ہم نے بنائے نہیں آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے بغیر حکمت (تدبیر) اور قیامت بیشک آنے والی ہے سو کنارہ کر اچھی طرح کنارہ [۷۳]

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ تیرا رب جو ہے وہی ہے پیدا کرنے والا خبر دار [۷۴]

۶۷۔ اصحاب ایکہ: بن کے رہنے والے یعنی قوم شعیب شہر "مدین" میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن تھا کچھ وہاں رہتے ہوں گے بعض کہتے ہیں اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین دو جداگانہ قومیں ہیں۔ حضرت شعیبؑ دونوں کی طرف مبعوث ہوئے ان لوگوں کا گناہ شرک وبت پرستی، ڈاکہ اور ناپ تول میں فریب اور دھوکہ کرنا تھا۔ پہلے سورہ ہود واعراف میں ان کا مفصل بیان ہو چکا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

۶۸۔ قوم شعیب علیہ السلام کی بستیاں: یعنی حجاز وشام کے جس راستہ پر قوم لوطؑ کی بستیاں تھیں، وہیں ذرا نیچے اتر کو قوم شعیبؑ کا مسکن تھا دونوں کے آثار رستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔

۶۹۔ اصحاب حجر: حجر والے فرمایا ثمود کو۔ ان کے ملک کا نام حجر تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے ان کی طرف حضرت صالحؑ مبعوث ہوئے۔ ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔

۷۰۔ یعنی اونٹنی جو پتھر سے نکالی گئی۔ اور اس کے علاوہ دوسرے معجزات۔

۷۱۔ یعنی دنیوی زندگی پر مغرور ہو کر تکبر وتجبر کی نمائش کے لئے پہاڑوں کو تراش کر بڑے عالیشان مکان بناتے تھے، گویا کبھی یہاں سے جانا نہیں یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ ایسے مضبوط ومستحکم عمارتوں میں کوئی آفت کہاں پہنچ سکتی ہے۔

۷۲۔ یعنی مال ودولت، مستحکم عمارات، جسمانی قوت اور دوسرے اسباب ووسائل میں سے کوئی چیز بھی خدا کے عذاب کو دفع نہ کر سکی۔ ان کا قصہ بھی پہلے گذر چکا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تبوک جاتے ہوئے "وادی حجر" پر سے گذرے آپ نے سر ڈھانپ لیا۔ سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہؓ کو فرمایا کہ معذب قوم کی بستیوں پر مت داخل ہو مگر (خدا کے خوف سے) روتے ہوئے، اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنالو۔ خدا نہ کرے وہ چیز تم کو پہنچے جو ان کو پہنچی تھی۔ یہ آپ نے مسلمانوں کو ادب سکھلایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات پر

پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں و ترساں ہو، محض سیر و تماشہ نہ سمجھے۔

۷۳۔ تخلیق میں اللہ کی حکمت: "حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں" پہلی امتوں کا حال سنا کر فرمایا کہ یہ جہان یوں ہی خالی نہیں پڑا۔ سر پر ایک مدبر ہے۔ ہر چیز کا تدارک کرنے والا، مکمل اور آخری تدارک کا نام قیامت ہے اور کفار سے کنارہ کرنے کو فرمایا جب خدا کا حکم پہنچا چکے، تبلیغ کا فرض ادا کر دیا اور کافر ضد پر اڑے رہے، تب حکم ہوا کہ زیادہ جھگڑنے سے فائدہ نہیں اب وعدہ کی راہ دیکھو اور ان کی تکلیف و ایذا پر صبر کرو، حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ، یہاں تک کہ خدا کا فیصلہ پہنچ جائے۔"

۷۴۔ جس کو تیرے صبر اور ان کی ایذا کی سب خبر ہے، ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس آیت میں گویا معاد کی تقریر فرما دی۔ یعنی جس نے ایک مرتبہ پیدا کیا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس چیز کے اجزا منتشر ہو گئے ہوں اس کو ہر جز کی خبر ہے، جہاں کہیں ہو گا سب کو جمع کر دے گا دوسری جگہ فرمایا اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ الی آخر الآیۃ (یٰس۔۸۱)

وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجہ کا[۷۵]

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ مت ڈال اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان میں سے کئی طرح کے لوگوں کو[۷۶] اور نہ غم کھا ان پر اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے[۷۷]

وَ قُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر[۷۸]

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ جیسا ہم نے بھیجا ہے ان بانٹنے والوں پر

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ جنہوں نے کیا ہے قرآن کو بوٹیاں[۷۹]

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ الربع

۹۳۔ جو کچھ وہ کرتے تھے[۸۰]

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور پروانہ کر مشرکوں کی[۸۱]

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾	۹۵۔ ہم بس (کافی) ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو[۸۲]
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾	۹۶۔ جو کہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے کی بندگی سو عنقریب معلوم کر لیں گے[۸۳]
وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾	۹۷۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے انکی باتوں سے
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾	۹۸۔ سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور ہو سجدہ کرنے والوں سے[۸۴]
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع	۹۹۔ اور بندگی کئے جا اپنے رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات[۸۵]

ع ۶

۷۵۔ سبع مثانی کی فضیلت و عظمت: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی یہ اتنی بڑی نعمت دیکھ جو تجھ کو عطا ہوئی اور کافروں کی ضد سے خفا نہ ہو (تنبیہ) "سبع مثانی" کے مصداق میں اختلاف ہے۔ صحیح اور راجح یہ ہی ہے کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں اور جن کو بطور وظیفہ بار بار پڑھا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور، قرآن کسی کتاب میں اس کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ فاتحہ کو فرمایا کہ یہ ہی "سبع مثانی" اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا۔ اس چھوٹی سی سورت کو "قرآن عظیم" (بڑا قرآن) فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے۔ اس سورت کو ام القرآن بھی اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے جس کی تفصیل و شرح پورے قرآن کو سمجھنا چاہئے۔ قرآن کے تمام علوم و مطالب کا اجمالی نقشہ تنہا اس سورت میں موجود ہے۔ یوں "مثانی" کا لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ الخ (زمر۔ ۲۳) اور ممکن ہے دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے "مثانی" کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ "سبع مثانی" اور "قرآن عظیم" کا مصداق یہ ہی سورت (فاتحہ) ہے۔

۷۶۔ کفار کی دولت پر نظر نہ کرو: یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور دوسرے دشمنان خدا اور سول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے ان ملعونوں کو یہ سامان کیوں دے دیا گیا جس سے ان کی شقاوت و شرارت زیادہ بڑھتی ہے یہ دولت مسلمانوں کو ملتی تو اچھے راستہ میں خرچ ہوتی۔ ان کو تھوڑی دیر مزہ اڑا لینے دو۔ تم کو خدا تعالیٰ نے وہ دولت قرآن دی ہے جس کے آگے سب دولتیں گرد ہیں۔ روایات میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا پھر کسی کی اور نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔

۷۷۔ غم نہ کھا مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں، معاندین کے پیچھے اپنے کو زیادہ فکر و غم میں مبتلا نہ کیجئے۔ آپ کی شفقت و ہمدردی کے مستحق مومنین ہیں ان کے ساتھ ملاطفت، نرم خوئی اور شفقت و تواضع کا برتاؤ رکھئے۔

۷۸۔ یعنی کوئی مانے یا نہ مانے۔ میں خدا کا پیام صاف صاف پہنچائے دیتا ہوں اور تکذیب و شرارت کے عواقب کو خوب کھول کر آگاہ کر رہا ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "تیرا کام دل پھیر دینا نہیں، یہ خدا سے ہو سکتا ہے۔ جو کوئی ایمان نہ لائے تو غم نہ کھا۔

۷۹۔ مقتسمین کون ہیں؟ اس آیت کے معنی کئی طرح کئے گئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مقتسمین (بانٹنے والوں) سے مراد آپ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ وغیرہ ہیں، جنہوں نے قرآن کی تقسیم و تحلیل کر رکھی تھی۔ یعنی جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات یا آراء واہواء کے موافق پڑ جائے مان لو، جو خلاف ہو نہ مانو۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تجھے "سبع مثانی" اور "قرآن عظیم" دے کر بھیجا جیسے ان لوگوں پر پہلے کتابیں نازل کی تھیں۔ آپ پر کتاب اتارنا یا وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس کا انکار کیا جائے۔ بعض نے "مقتسمین" سے یہود و نصاریٰ مراد لے کر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں۔ یعنی انہوں نے تحریف کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں جو بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کرتے تھے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے۔ بقرہ یا مائدہ میں لوں گا۔ عنکبوت تجھ کو دوں گا۔ ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اسے شاعری بتاتا کوئی کہانت، کوئی جادو، کوئی مجنون کی بڑ، کوئی اساطیر الاولین، ان کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں، جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے ان ٹھٹھا کرنے والوں پر۔ اس وقت اَنْزَلْنَا کی تعبیر اس لحاظ سے ہوگی کی متیقن الوقوع اور قریب الوقوع مستقبل کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ ابن کثیرؒ نے مُقْتَسِمِیْنَ کے معنی قسم کھانے والوں کے لئے ہیں یعنی وہ گذشتہ قومیں جو انبیاء کی تکذیب و مخالفت کے حلف اٹھا چکی تھیں اور جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتی تھیں۔ اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے کر دیے تھے۔ جیسا عذاب ہم نے ان پر اتارا، اسی طرح کے عذاب سے یہ "نذیر مبین" تم کو ڈراتا ہے۔ مُقْتَسِمِیْنَ کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیرؒ نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں۔ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ (نمل۔۴۹) وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ (نحل۔۳۸) اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (ابراہیم۔۴۴) اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ (اعراف۔۴۹)۔

۸۰۔ یعنی کس کی عبادت کی تھی؟ پیغمبروں کے ساتھ کس طرح پیش آئے تھے؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کیوں نہ مانا تھا؟ اس کلمہ کا حق کیوں ادا نہیں کیا تھا؟ یہ اور اسی قسم کے نہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے۔

۸۱۔ یعنی کہنے میں کوتاہی نہ کیجئے خوب کھول کر خدائی پیغامات پہنچائیے۔ یہ مشرکین آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

۸۲۔ یعنی دنیا و آخرت میں ہم سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے۔ آپ بے خوف و خطر تبلیغ کرتے رہیے آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔

۸۳۔ کفار کے استہزاء کا انجام: یعنی رسول کے ساتھ استہزاء کرنا اور خدا کے لئے شریک ٹھہرانا، دونوں باتوں کا انجام یہ لوگ دیکھ لیں گے۔

۸۴۔ یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن خدا کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہئے۔ خدا کا ذکر، نماز، سجدہ، عبادت الٰہی وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن و منشرح رہتا ہے اور فکر و غم دور ہوتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات فکر کی پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔

۸۵۔ یقین بمعنیٰ موت: یعنی موت۔ یقین کا لفظ دوسری جگہ قرآن نے اسی معنی میں استعمال کیا ہے وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ۔ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ (مدثر۔۴۷،۴۶) حدیث میں ایک میت کی نسبت آپ نے فرمایا اَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ وَاِنِّي لَاَرْجُوْلَهُ الْخَيْرَ جمہور سلف نے اس آیت میں "یقین" کو بمعنیٰ موت لیا ہے۔ یعنی مرتے دم تک خدا کی عبادت میں لگے رہیے۔ اندریں رہ میتراش و میخراش تا دم آخر دمے فارغ مباش۔ جن بعض عارفین نے اس جگہ "یقین" کو کیفت قلبیہ کے معنی میں لیا ہے، اس کی توجیہ روح المعانی میں مذکور ہے دیکھ لی جائے۔

تم سورۃ الحجر واللہ الحمد والمنۃ وھو المسئول ان یتوفانا علیٰ اکمل الاحوال واحسنہا فانہ جواد کریم

اٰیاتھا ۱۲۸ ۱۶ سُوْرَۃُ النَّحْلِ مَکِّیَّۃٌ ۷۰ رکوعاتھا ۱۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱﴾

۱۔ آ پہنچا حکم اللہ کا سو اس کی جلدی مت کرو[۱] وہ پاک ہے اور برتر ہے انکے شریک بتلانے سے[۲]

یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ﴿۲﴾

۲۔ اتارتا ہے فرشتوں کو[۳] بھید دے کر[۴] اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں[۵] کہ خبردار کر دو کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو[۶]

۱۔ اللہ کا حکم آ چکا ہے: یعنی خدا کا یہ حکم کہ "پیغمبر ﷺ کی جماعت غالب و منصور اور حق کے مخالف مغلوب و ذلیل ہوں گے۔ جنہیں دنیا میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں اور آخرت میں براہ راست احکم الحاکمین کے دربار سے شرک و کفر کی سزا ملے گی"۔ اس حکم کے وقوع کا وقت قریب آ پہنچا۔ اور قیامت کی گھڑی بھی دور نہیں ہے۔ جس چیز کا آنا یقینی ہو اسے آئی ہوئی سمجھنا چاہئے۔ پھر جلدی مچانے کی کیا ضرورت ہے کفار ازراہ تکذیب و استہزاء کہا کرتے تھے کہ جس عذاب یا قیامت کے آنے کا تم وعدہ کرتے ہو۔ وہ جلد کیوں نہیں آ جاتا۔ انہیں متنبہ فرمایا کہ تمہارے ایسا کہنے سے وہ ٹلنے والا نہیں۔ بلکہ حتمی اور یقینی طور پر جلد آیا چاہتا ہے جس قدر دیر لگ رہی ہے وہ بھی ایک طرح سے تمہارے حق میں مفید ہے۔ ممکن ہے بعض کو اصلاح و توبہ کی توفیق مل جائے۔ وَیَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَھُمُ الۡعَذَابُ (عنکبوت۔۵۳) یَسۡتَعۡجِلُ بِھَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِھَا ۚ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡھَا ۙ وَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّھَا الۡحَقُّ (شوریٰ۔۱۸)۔

۲۔ یعنی جب حق کا غالب ہونا اور کفر و شرک پر سزا ملنا یقینی ہے تو توحید کی راہ اختیار کرو اور مشرکانہ طور و طریق سے علیحدہ ہو جاؤ۔ جنہیں تم خدائی کا شریک ٹھہراتے ہو ان میں سے کوئی خدا کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ عذاب الٰہی کو روک سکتا ہے۔

۳۔ یعنی فرشتوں کی جنس میں سے بعض کو جیسے حضرت جبریلؑ یا حفظۃ الوحی، جن کی طرف فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا (جن۔۲۷) میں اشارہ کیا ہے۔

۴۔ یہاں "روح" سے مراد وحی الٰہی ہے جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق پر بطور ایک بھید کے آتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ (المومن۔۱۵) ایک جگہ قرآن کی نسبت فرمایا وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا (شوریٰ۔۵۲)۔ قرآن یا وحی الٰہی کو "روح" سے تعبیر فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی اجسام کو نفخ روح سے ظاہری حیات

حاصل ہوتی ہے، اسی طرح جو قلوب جہل وضلال کی بیماریوں سے مردہ ہو چکے تھے وہ وحی الٰہی کی روح پا کر زندہ ہو جاتے ہیں۔

۵۔ انبیاء کی بعثت: وہ بندے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ ساری مخلوق میں سے اپنی حکمت کے موافق اپنے کامل اختیار سے چن لیتا ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام۔۱۲۴) اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج۔۷۵)۔

۶۔ یعنی توحید کی تعلیم، شرک کا رد اور تقویٰ کی طرف دعوت، یہ ہمیشہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ و متفقہ نصب العین (مشن) رہا ہے۔ گویا اثبات توحید کی یہ نقلی دلیل ہوئی۔ آگے عقلی دلائل بیان کی جاتی ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾

۳۔ بنائے آسمان اور زمین ٹھیک وہ برتر ہے انکے شریک بتلانے سے[۷]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾

۴۔ بنایا آدمی کو ایک بوند سے پھر جبھی ہو گیا جھگڑا کرنے والا بولنے والا[۸]

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾

۵۔ اور چوپائے بنا دیے تمہارے واسطے ان میں جڑا دل ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو[۹]

وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾

۶۔ اور تم کو ان سے عزت ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو[۱۰]

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾

۷۔ اور اٹھا لے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان مار کر بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے[۱۱]

وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾

۸۔ اور گھوڑے پیدا کئے اور خچریں اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے[۱۲] اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے[۱۳]

۷۔ زمین و آسمان میں توحید کے دلائل: یعنی زمین و آسمان کا نظام ایسا درست و استوار بنایا ہے جسے دیکھ کر لا محالہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ تمام کائنات کا

سلسلہ صرف ایک ہی مالک مختار کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ اگر کئی با اختیار خداؤں کے ہاتھوں میں باگ ہوتی تو یہ محکم انتظام وانضباط اتنی مدت تک ہر گز قائم نہ رہتا ضرور آپس میں ٹکرا ہو جاتی۔ بلکہ کئی آزاد خداؤں کی کشمکش باہمی سرے سے اس نظام عالم کو موجود ہی نہ ہونے دیتی۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء۔۲۲) اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (المومنون۔۹۱)

۸۔ تخلیق انسان میں اللہ کی نشانیاں: یعنی علویات وسفلیات کا انتظام درست کر کے تم کو پیدا کیا۔ تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعت وقدرت کا سبق ملے گا۔ تمہاری اصل کیا تھی؟ ایک قطرہ بے جان، جس میں نہ حس وحرکت تھی نہ شعور وارادہ نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا کہ کسی معاملہ میں جھگڑ کر اپنا حق منوادے یا دوسروں پر غالب آجائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرہ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا۔ کیسی عجیب صورت عطا کی۔ اور کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس پر فائض کئے جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی، اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور حجتیں نکالنے لگا۔ حتیٰ کی بعض اوقات مخلوق سے گذر کر خالق کے مقابلہ میں خم میں ٹھونک کر کھڑا ہو گیا، یہ بھی یاد نہ رکھا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی۔ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یٰس۔۷۹،۷۸،۷۷)

۹۔ چوپایوں کی تخلیق میں دلائل: یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، تمہارے لئے پیدا کئے۔ ان میں سے بعض کے بال یا اون وغیرہ سے کمبل، دسے، ڈیرے خیمے اور سردی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے۔ کسی کو ہل میں چلایا جاتا ہے۔ گھی، مکھن وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔ ان کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کئے جاتے ہیں۔ جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی معتدبہ بادی یا اخلاقی مضرت نہیں ہے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے، کتنے غریبوں کی شکم پروری اس سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں ان کی تیاری میں بھی ان حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔

۱۰۔ جب ڈھور ڈنگر گھر میں بندھے کھڑے ہوں یا جنگل میں غائب ہوں، اس وقت انعام الٰہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب چرنے کے لئے گھر سے نکلتے یا شام کو جنگل سے شکم سیر ہو کر گھر کی طرف لوٹتے ہیں اس وقت ایک عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ مالک خود بھی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے فلاں زمیندار کو کیسا دھن دولت دیا ہے۔

۱۱۔ یعنی جہاں تم جریدہ بدون سامان واسباب کے بڑی مشکل سے پہنچ سکتے تھے یہ جانور تم کو اور تمہارے بھاری بھاری سامانوں کو کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ یہ خدا کی کتنی بڑی شفقت اور مہربانی ہے کہ ان حیوانات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا اور ان سے کام لینے کی اجازت دی اور بڑی سخت اور مشکل مہمات ان جانوروں کے ذریعہ سے آسان کر دیں۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ (یٰس۔۷۲،۷۱)

۱۲۔ یعنی سواری کرتے ہو اور عزت وشان ظاہر ہوتی ہے (تنبیہ) عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت تیز رفتار اور قدم باز ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے گھوڑے کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ ایک زندہ دل ہندی نے خوب کہا تھا کہ حجاز میں "گدھا" نہیں "حمار" ہوتا ہے۔

۱۳۔ یعنی جن حیوانات کا اوپر ذکر ہوا، ان کے علاوہ حق تعالیٰ تمہارے انتفاع کے لئے وہ چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا جنکی تمہیں فی الحال خبر بھی نہیں۔ اس میں وہ سب سواریاں بھی آگئیں جو قیامت تک بنتی رہیں گی۔

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ ع

۹۔ اور اللہ تک پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعضی راہ کج بھی ہے[۱۴] اور اگر وہ چاہے تو سیدھی راہ دے تم سب کو[۱۵]

۱۴۔ باطنی سیاحت: پہلے ذکر فرمایا تھا کہ تم حیوانات کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہو اور وہ تم کو مع سامان واسباب کے سخت اور کٹھن منزلیں طے کرا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بدنی اور حسی سیر وسفر کا حال ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اب روحانی اور معنوی سیر وسیاحت کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ یعنی جس طرح زمینی راستے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتے ہو، ایسے ہی خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بھی کھلا ہوا ہے۔ جس کی سمجھ سیدھی ہو گی وہ مذکورہ بالا دلائل وبصائر میں غور کر کے حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت وجبروت پر ایمان لائے گا۔ اور توحید وتقوے کی سیدھی راہ چل کر بے کھٹکے خدا تک پہنچ جائے گا۔ لیکن جس کی عقل سیدھی نہیں، اسے سیدھی سڑک پر چلنے کی توفیق کہاں ہو سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ اہواء واوہام کی پیچدار پگڈنڈیوں میں پڑا بھٹکتا رہے گا۔ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (انعام۔۱۵۳)

۱۵۔ یعنی خدا کچھ اس بات سے عاجز نہیں تھا کہ ساری دنیا کو ایک ہی راہ پر لگا دیتا۔ لیکن اس کی حکمت متقضی نہیں ہوئی کہ سب کو ایک ہی ڈھنگ اختیار کرنے پر مجبور کر دے۔ جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اس کی تشریح کر چکے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝۱۰

۱۰۔ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے تمہارے لئے پانی اس سے پیتے ہو اور اسی سے درخت ہوتے ہیں جس میں چراتے ہو[۱۶]

یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱

۱۱۔ اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کو جو غور کرتے ہیں[۱۷]

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ ۙ

۱۲۔ اور تمہارے کام میں لگا دیا رات اور دن اور سورج اور چاند کو اور ستارے کام میں لگے ہیں اسکے حکم سے[۱۸] اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو سمجھ رکھتے ہیں

وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ

۱۳۔ اور جو چیزیں پھیلائیں تمہارے واسطے زمین میں رنگ برنگ کی[۱۹] اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ۝۱۳

وَهُوَ الَّذِىۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡكُلُوۡا مِنۡهُ لَحۡمًا طَرِيًّا
وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ حِلۡيَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَتَرَى
الۡفُلۡكَ مَوَاخِرَ فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ
لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝۱۴

۱۴۔ اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو اس میں سے گہنا جو پہنتے ہو اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو چلتی ہیں پانی پھاڑ کر اسمیں (دریا میں) [۲۰] اور اس واسطے کہ تلاش کرو اسکے فضل سے اور تا کہ احسان مانو [۲۱]

وَاَلۡقٰى فِى الۡاَرۡضِ رَوَاسِىَ اَنۡ تَمِيۡدَ بِكُمۡ وَاَنۡهٰرًا وَّ
سُبُلًا لَّعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۝۱۵

۱۵۔ اور رکھ دیے زمین پر بوجھ (پہاڑ) کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر [۲۲] اور بنائیں ندیاں [۲۳] اور راستے تا کہ تم راہ پاؤ [۲۴]

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجۡمِ هُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ۝۱۶

۱۶۔ اور بنائیں (رکھیں) علامتیں [۲۵] اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں [۲۶]

۱۶۔ یعنی پینے کے قابل بنایا اور اسی سے درخت، گھاس وغیرہ نباتات اگائے جس سے تمہارے جانور چرتے ہیں۔

۱۷۔ پھلوں اور میووں کی تخلیق: یعنی ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پھل اور میوے اگاتا رہتا ہے جن کی شکل و صورت، رنگ و بو، مزہ اور تاثیر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس میں غور کرنے والوں کے لئے خدا کی قدرت کاملہ اور صنعت غریبہ کا بڑا نشان ہے کہ ایک زمین ایک آفتاب ایک ہوا اور ایک پانی سے کیسے رنگ برنگ کے پھول پھل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

۱۸۔ رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تا دنیا کا کاروبار چلے اور لوگ سکون و آرام حاصل کر سکیں۔ اسی طرح چاند سورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے اور چھپتے رہتے ہیں۔ رات، دن کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب کے ساتھ انسانوں کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بدون انسان کی زندگی محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اقتدار کامل سے چاند سورج اور کل ستاروں کو ادنیٰ مزدوروں کی طرح ہمارے کاموں پر لگا رکھا ہے۔ مجال نہیں کہ ذرا سستی یا سرتابی کر سکیں۔ لیکن چونکہ رات دن اور چاند سورج سے بالکل صریح طور پر ہمارے کام متعلق ہیں اور دوسرے ستاروں سے ہمارے فوائد و مصالح کی وابستگی اس قدر واضح نہیں ہے، شاید اس لئے ان کو جدا کر کے دوسرے عنوان سے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۱۹۔ یعنی جس بلند و برتر ہستی نے آسمانی چیزوں کو تمہارے کام میں لگایا اسی نے تمہارے فائدہ کے لئے زمین میں مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کیں جو ماہیت، شکل و صورت، رنگ و بو اور منافع و خواص میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں اس میں سب حیوانات، نباتات، جمادات بسائط و مرکبات شامل ہو گئے۔

۲۰۔ سمندر کی تسخیر اور اس کے منافع: یعنی ایسے ٹھاٹھیں مارنے والے خوفناک سمندر کو بھی جسے کے سامنے انسان ضعیف البنیان کی کچھ بساط

نہیں تمہارے کام میں لگا دیا کہ اس میں بے تکلف مچھلی کا شکار کر کے نہایت لذیذ اور تر و تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔ اور اس کے بعض حصوں میں سے موتی اور مونگا نکالتے ہو جس کے قیمتی زیور تیار کئے جاتے ہیں بھلا سمندر کی موجوں کو دیکھو جن کے سامنے بڑے بڑے جہازوں کی ایک تنکہ برابر حقیقت نہیں۔ لیکن ایک چھوٹی سی کشتی کس طرح ان موجوں کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہے، یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل دی اور ایسی چیزیں تیار کر لینے کی ترکیب سجھائی جن کے ذریعہ سے گویا سمندروں کو پایاب کر لیا گیا۔

۲۱۔ یعنی جہازوں اور کشتیوں پر تجارتی مال لاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچاؤ اور خدا کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرو، پھر خدا کا احسان مان کر اس کی نعمتوں کے شکر گذار رہو۔

۲۲۔ **پہاڑوں کی تخلیق کے فوائد:** یعنی خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ رکھ دیے۔ تا زمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لے کر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے اس کی کپکپی بند ہوئی۔ آج کل جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے۔ بہر حال زمین کی حرکت و سکون کا مسئلہ جو حکماء میں مختلف فیہ رہا ہے اس سے آیت کا نفیًا یا اثباتًا کچھ تعلق نہیں، کیونکہ پہاڑوں کے ذریعہ سے جس حرکت کو بند کیا ہے وہ یہ دائمی حرکت نہیں جس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

۲۳۔ یعنی ندیوں اور نہروں کا سرچشمہ کہیں پہاڑوں میں ہوتا ہے لیکن وہ میدانوں اور پہاڑوں کو قطع کرتی ہوئی سینکڑوں ہزاروں میل کی مسافت پر خدا کے حکم سے ان بستیوں تک پہنچتی ہیں جن کا رزق ان کے پانی سے متعلق کیا گیا ہے۔

۲۴۔ یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک جا سکو۔

۲۵۔ یعنی پہاڑ، چشمے، درخت، ریت کے ٹیلے غرض مختلف قسم کی علامتیں قائم کر دی ہیں جن سے مسافروں کے قافلے ٹھیک راستہ کا سراغ نکال سکیں۔ میں نے خود بعض اعراب (بدوؤں) کو دیکھا کہ مٹی سونگھ کر راستہ کا پتہ لگا لیتے ہیں۔

۲۶۔ **ستاروں کے فوائد:** یعنی رات کے وقت دریا اور خشکی کے سفر میں بعض ستاروں کے ذریعہ سے راستہ کا پتہ لگا لیا جاتا ہے۔ "قطب نما" سے جو رہنمائی ہوتی ہے وہ بھی بالواسطہ ستارہ سے تعلق رکھتی ہے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا تم سوچتے نہیں[۲۷]

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور اگر شمار (گنو) کرو اللہ کی نعمتوں کو نہ پورا کر سکو گے ان کو[۲۸] بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۲۹]

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو[۳۰]

وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوائے کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں[۳۱]

اَمۡوَاتٌ غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَيَّانَ
يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲/۸

۲۱۔ مردے ہیں جن میں جان نہیں [۳۲] اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے [۳۳]

اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ
قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ وَّ هُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ معبود تمہارا معبود ہے اکیلا سو جن کو یقین نہیں آخرت کی زندگی کا ان کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں [۳۴]

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ؕ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر (جتلاتے ہیں) کرتے ہیں بیشک وہ نہیں پسند کرتا غرور کرنے والوں کو [۳۵]

۲۷۔ **پھر باطل معبودوں کی پرستش کس لئے؟** یعنی سوچنا چاہئے یہ کس قدر حماقت ہے کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ بلکہ ایک جو کا دانہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں، انہیں معبود و مستعان ٹھہرا کر خداوند قدوس کے برابر کر دیا جائے۔ جو مذکورہ بالا عجیب و غریب مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کے محکم نظام کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس گستاخی کو دیکھو اور خدا کے انعامات کو خیال کرو۔ حقیقت میں انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

۲۸۔ یعنی جو نعمتیں اوپر بیان ہوئیں "مشتے نمونہ از خروارے" تھیں۔ باقی خدا کی نعمتیں تو اس قدر ہیں۔ جن کا تم کسی طرح شمار نہیں کر سکتے۔

۲۹۔ **اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں:** یعنی ان بیشمار نعمتوں کا شکر پوری طرح کس سے ادا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ادائے شکر میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے خدا اس سے درگذر کرتا اور تھوڑے سے شکر پر بہت سا اجر عطا فرما دیتا ہے۔ یا یہ کہ کفران نعمت کے بعد جو شخص توبہ کر کے شکر گذار بن جائے۔ حق تعالیٰ اس کی پچھلی کوتاہیوں کو بخشتا اور آئندہ کے لئے رحمت مبذول فرماتا ہے۔ بلکہ ناشکری کی حالت میں بھی اپنی رحمت واسعہ سے اس کو بالکلیہ محروم نہیں کرتا۔ ہزاروں طرح کی نعمتیں دنیا میں فائض کرتا رہتا ہے۔

۳۰۔ یعنی حق تعالیٰ تمام ظاہری و باطنی احوال سے خبردار ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کی نعمتوں پر کس حد تک دل سے اور کس حد تک جوارح سے شکر گذار بنتا ہے اور کون ایسا ہے جس کا ظاہر و باطن ادائے حق نعمت سے خالی رہتا ہے، یا مذکورہ بالا دلائل و نعم کو سن کر کون ہے جو سچے دل سے اس پر ایمان لاتا ہے اور کون ہے جو ظاہر میں دلائل سے لاجواب ہو کر بھی حق کو قبول نہیں کرتا۔ خدا کے علم میں جس کا جو حال ہو گا اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

۳۱۔ **اُنکے معبود خود مخلوق ہیں:** خدا تو وہ ہے جس کے عظیم الشان اور غیر محصور انعامات کا اوپر تذکرہ ہوا۔ اب مشرکین کی حماقت ملاحظہ ہو کہ ایسے عالم الکل اور خدا کا شریک ان چیزوں کو ٹھہرا دیا۔ جو ایک گھاس کا تنکا پیدا نہیں کر سکتیں، بلکہ خود ان کا وجود بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔

۳۲۔ یعنی جن چیزوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ دواماً مثلاً بت۔ یا فی الحال مثلاً جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے یا انجام و مآل کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیحؑ، روح القدس اور ملائکۃ اللہ جنکی بعض فرقے پرستش کرتے تھے بلکہ جن و شیطان بھی جن کو بعض ممسوخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے۔ پس جس چیز کا وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو

اور وہ جب چاہے چھین لے، اسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟

۳۳۔ یعنی یہ عجیب خدا ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور وہ خود یا ان کے پرستار کب حساب و کتاب کے لئے اٹھائے جائیں گے۔ ایسی بے جان اور بے خبر ہستیوں کو خدا ٹھہرانا انتہا درجہ کی حماقت اور جہل ہے۔

۳۴۔ اللہ تو ایک ہی ہے: یعنی جو دلائل و شواہد اوپر بیان ہوئے ایسے صاف اور واضح ہیں جس میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان توحید کا یقین کر سکتا ہے لیکن غور و طلب تو وہ کرے جسے اپنی عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر ہو۔ جن کو بعد الموت کا یقین ہی نہیں نہ انجام کی طرف دھیان ہے وہ دلائل پر کب کان دھرتے اور ایمان و کفر کے نیک و بد انجام کی طرف کب التفات کرتے ہیں۔ پھر دلوں میں توحید کا اقرار اور پیغمبروں کے سامنے تواضع سے گردن جھکانے کا خیال آئے تو کہاں سے آئے۔

۳۵۔ تکبر کا انجام: یعنی خوب سمجھ لو کبر و غرور کوئی اچھی اور پسندیدہ چیز نہیں، اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ توحید کا انکار جو تم دلوں میں رکھتے ہو اور غرور و تکبر جس کا اظہار تمہاری چال ڈھال اور طور و طریق سے ہو رہا ہے، سب خدا کے علم میں ہے۔ وہ ہی ہر کھلے چھپے جرم کی سزا تم کو دے گا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۴

۲۴۔ اور جب کہے ان سے کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب نے تو کہیں کہانیاں ہیں پہلوں کی[۳۶]

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ
اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا
يَزِرُوْنَ ۝۲۵ ع

۲۵۔ تا کہ اٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور کچھ بوجھ ان کے جن کو بہکاتے ہیں بلا تحقیق سنتا ہے برا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں[۳۷]

ع ۳ / ۹

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ
مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ
اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶

۲۶۔ البتہ دغابازی کر چکے ہیں جو تھے ان سے پہلے (ان سے اگلے) پھر پہنچا حکم اللہ کا ان کی عمارت پر بنیادوں سے پھر گر پڑی ان پر چھت اوپر سے اور آیا ان پر عذاب جہاں سے ان کو خبر نہ تھی[۳۸]

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ
شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَ السُّوْٓءَ

۲۷۔ پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا ان کو اور کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن پر تم کو بڑی ضد تھی[۳۹] بولیں گے جن کو دی گئی تھی خبر بیشک رسوائی آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے[۴۰]

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اور وہ برا کر رہے ہیں اپنے حق میں [۴۱] تب ظاہر کریں گے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی [۴۲] کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے [۴۳]

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ سو داخل ہو دروازوں میں دوزخ کے رہا کرو سدا اسی میں سو کیا برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا

۳۶۔ قرآن کریم پر کفار کا تمسخر: "یعنی ناواقف اشخاص بغرض تحقیق یا واقف لوگ ازراہ امتحان جب ان مکذبین سے کہتے ہیں یا وہ مکذبین خود آپس میں ایک دوسرے سے ازراہ تمسخر واستہزاء سوال کرتے ہیں کہ "کہو! تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟ مطلب یہ کہ قرآن جسے پیغمبر علیہ السلام خدا کا اتارا ہوا بتلاتے ہیں تمہارے نزدیک کیا چیز ہے اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس دعوے میں کہاں تک سچے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) قرآن میں رکھا ہی کیا ہے بجز اس کے کتب سابقہ اور ملل سابقہ کی کچھ پرانی بے سند باتیں (توحید، نبوت، جنت، دوزخ وغیرہ) اور چند قصے کہانیاں نقل کر دی گئی ہیں۔

۳۷۔ یعنی اس کہنے سے غرضیہ ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن عزیز کو بے وقعت ٹھہرا کر اپنے ساتھ دوسروں کو گمراہ کریں اور اس طرح اپنے کفر و ضلال کی پوری پوٹ کے ساتھ کچھ بوجھ ان لوگوں کے اضلال واغواء کا بھی سر پر رکھیں۔ جنہیں اپنی نادانی اور جہالت سے گمراہ کر رہے ہیں۔ خیال کرو کیس بدی کی پوٹ سر پر رکھ رہے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ وَمَنْ دَعَا اِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنِ اتَّبَعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا قال اللہ تعالیٰ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (عنکبوت۔ ۱۳)۔

۳۸۔ پچھلی قوموں کے کفر کا انجام: یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے اور پیغام حق کو پست کرنے کی جو تدبیریں آج کی جا رہی ہیں ان سے پہلے دوسری قومیں بھی انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسی تدبیریں کر چکی ہیں انہوں نے مکر و تلبیس کے بڑے اونچے محل کھڑے کر دیے۔ پھر جب خدا کا حکم پہنچا تو اس نے پکڑ کر بنیادیں ہلا دیں آخر عذاب الٰہی کے ایک جھٹکہ میں ان کے تیار کئے ہوئے محل ان ہی پر آپڑے جن کی چھتوں کے نیچے سب دب کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی تدبیریں خود ان ہی پر الٹ دی گئیں۔ اور جو سامان غلبہ و حفاظت کا کیا تھا وہ فنا و ہلاکت کا سبب بن گیا بلکہ بعض اقوام کی بستیاں حسی طور پر بھی تہ وبالا کر دی گئیں۔

۳۹۔ آخرت میں کفار سے خطاب: یعنی جن شرکاء کی حمایت میں ہمارے پیغمبروں سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے تھے آج وہ کہاں ہیں۔ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے۔ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ (شعراء۔ ۹۳) فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ (طارق۔ ۱۰) یہ کہنا ہی ان کو رسوا کرنا ہے۔ یا رسوائی سے مراد جہنم میں داخل کرنا اور ان کی خفیہ مکاریوں کا پردہ فاش کرنا ہے۔ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ (آل عمران۔ ۱۹۲)۔

۴۰۔ یعنی وہ تو کیا جواب دے سکتے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے باخبر لوگ اس وقت ان مکار دغابازوں کو سنا کر کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے آج کے دن ساری برائی اور رسوائی صرف منکرین حق کے لئے ہے۔

۴۱۔ یعنی شرک وکفر اختیار کرکے اپنے حق میں برا کرتے رہے۔ آخر اسی حالت میں موت کے فرشتے جان نکالنے کو آ گئے۔ خلاصہ یہ کہ خاتمہ حالت کفر وشرک پر ہوا۔ العیاذ باللہ۔

۴۲۔ یعنی اس وقت ساری فوں فاں نکل جائے گی۔ جو شرارت وبغاوت دنیا میں کرتے تھے سب کا انکار کرکے اطاعت ووفاداری کا اظہار کریں گے کہ ہم نے کبھی کوئی بری حرکت نہیں کی ہمیشہ نیک چلن رہے۔ یَوۡمَ یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا فَیَحۡلِفُوۡنَ لَہٗ کَمَا یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ (مجادلہ۔۱۸)۔

۴۳۔ یعنی کیا جھوٹ بول کر خدا کو فریب دینا چاہتے ہو؟ جس کے علم میں تمہاری ساری حرکات ہیں آج تمہارا کوئی مکر اور جھوٹ خدائی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھو۔

وَ قِیۡلَ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّکُمۡ ؕ قَالُوۡا خَیۡرًا ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَ لَدَارُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ ؕ وَ لَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور کہا پرہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے بولے نیک بات جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں انکو بھلائی ہے[۴۴] اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا[۴۵]

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ لَہُمۡ فِیۡہَا مَا یَشَآءُوۡنَ ؕ کَذٰلِکَ یَجۡزِی اللّٰہُ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں وہ جائیں گے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ان کے واسطے وہاں ہے جو چاہیں[۴۶] ایسا بدلہ دے گا اللہ پرہیزگاروں کو[۴۷]

الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیۡنَ ۙ یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے اور وہ ستھری ہیں[۴۸] کہتے ہیں فرشتے سلامتی تم پر جاؤ بہشت میں[۴۹] بدلہ ہے اس کا جو تم کرتے تھے[۵۰]

ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَوۡ یَاۡتِیَ اَمۡرُ رَبِّکَ ؕ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ وَ مَا ظَلَمَہُمُ اللّٰہُ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ کیا کافر اب اس کے منتظر ہیں کہ آئیں ان پر فرشتے یا پہنچے حکم تیرے رب کا[۵۱] اسی طرح کیا تھا ان سے اگلوں نے اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر لیکن وہ خود اپنا برا کرتے رہے

فَاَصَابَهُمۡ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۴﴾ ع

۳۴۔ پھر پڑے ان کے سر ان کے برے کام اور الٹ پڑا ان پر جو ٹھٹھا کرتے تھے [۵۲]

ع ۴ ۹ ۱۰

۴۴۔ **متقین سے سوال اور ان کا جواب:** یہ مستکبرین کا مقابلہ میں متقین (پرہیز گاروں) کا حال بیان فرمایا کہ جب ان سے قرآن کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری تو نہایت عقیدیت و ادب سے کہتے ہیں کہ "نیک بات جو سراپا خیر و برکت ہے" ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ جس نے بھلائی کی دنیا میں اسے بھلائی کا خوشگوار پھل مل کر رہے گا۔ خدا کے یہاں کسی کی محنت اور ذرہ برابر نیکی ضائع نہیں جاتی۔

۴۵۔ یعنی آخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ دنیا و مافیہا کی نعمتیں وہاں کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

۴۶۔ **اہل جنت کی ہر خواہش پوری ہو گی:** یعنی جنتی جس قسم کی جسمانی راحت اور روحانی مسرت چاہیں گے وہاں حاصل ہو گی۔ وَفِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ وَاَنۡتُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ (الزخرف۔۷۱)۔

۴۷۔ یعنی ان تمام لوگوں کو جو کفر و شرک اور فسوق و عصیان سے پرہیز کرتے ہیں۔ ایسا اچھا بدلہ ملے گا۔

۴۸۔ یعنی ان کی جانیں موت کے وقت کفر و شرک کی نجاست سے پاک اور فسق و فجور کے میل کچیل سے صاف رہیں۔ اور حق تعالیٰ کی صحیح معرفت و محبت کی وجہ سے نہایت خوشدلی اور انشراح بلکہ اشتیاق کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کی۔

۴۹۔ ایک حیثیت سے روحانی طور پر تو انسان مرنے کے بعد ہی جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہاں جسمانی حیثیت سے پوری طرح دخول، حشر کے بعد ہو گا۔ ممکن ہے اس بشارت میں دونوں قسم کے دخول کی طرف اشارہ ہو۔

۵۰۔ یعنی تمہارا عمل سبب عادی ہے دخول جنت کا۔ باقی سب حقیقی رحمت الٰہیہ ہے کہ حدیث میں آیا اِلَّا اَنۡ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحۡمَتِهٖ

۵۱۔ **کفار کو تنبیہ:** جنت کی خوبیاں اور اس کا تفوق و امتیاز بیان فرمانے کے بعد ان غافلوں کو تنبیہ کی جاتی ہے جو محض دنیوی سامانوں پر مست ہو کر آخرت کو بھلائے بیٹھے ہیں اور اپنا کام سدھارنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ جس وقت فرشتے جان نکالنے کو آجائیں گے یا خدا کے حکم کے موافق قیامت قائم ہو جائے گی، یا مجرموں کی سزا دہی کا حکم پہنچ جائے گا اور جوتا سر پر پڑنے لگے گا، تب ایمان لا کر اپنی حالت درست کریں گے، حالانکہ اس وقت کا ایمان یا توبہ و رجوع کچھ نافع نہ ہو گا۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ موت سے پہلے بعد الموت کی تیاری کی جائے اور عذاب آنے سے پیشتر بچاؤ کی تدبیر کر لیں۔

۵۲۔ یعنی اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور و غفلت کے نشے میں پڑے رہے تھے، باطل پرستی میں تمادی ہوتی رہی، توبہ کے وقت توبہ نہ کی، اخیر تک انبیاء کی تکذیب و مخالفت پر تلے رہے اور ان کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے۔ آخر جو کیا تھا سامنے آیا اور عذاب الٰہی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان کا استہزاء و تمسخر انہی پر الٹ پڑا، بھاگ کر جان بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جو بویا تھا سو کاٹا۔ خدا کو ان سے کوئی بیر نہ تھا نہ اس کے یہاں تو ظلم و تعدی کا امکان ہے ان لوگوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری۔ کسی کا کیا بگڑا، انہی کا نقصان ہوا۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ
دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ
دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور بولے شرک کرنے والے اگر چاہتا اللہ نہ پوجتے ہم اس کے سوا کسی چیز کو اور نہ ہمارے باپ اور نہ حرام ٹھہرا لیتے ہم بدون اسکے حکم کے کسی چیز کو [۵۳] اسی طرح کیا ان سے اگلوں نے سو رسولوں کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا صاف صاف [۵۴]

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ
اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور ہم نے اٹھائے ہیں (بھیجے ہیں) ہر امت میں رسول [۵۵] کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑونگے سے (جھوٹے معبودوں سے) [۵۶] پھر کسی کو ان میں سے ہدایت کی (راہ سمجھائی) اللہ نے اور کسی پر ثابت ہوئی گمراہی سو سفر کرو (چلو پھرو زمین میں) ملکوں میں پھر دیکھو کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
يُّضِلُّ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اگر تو طمع کرے انکو راہ پر لانے کی تو اللہ راہ نہیں دیتا جن کو بچلاتا ہے اور کوئی نہیں ان کا مددگار [۵۷]

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ
مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں کہ نہ اٹھائے گا اللہ جو کوئی مر جائے [۵۸] کیوں نہیں (بیشک اٹھائے گا) وعدہ ہو چکا ہے اس پر پکا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے [۵۹]

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَ لِيَعْلَمَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اٹھائے گا تاکہ ظاہر کر دے ان پر جس بات میں کہ جھگڑتے ہیں اور تاکہ معلوم کر لیں کافر کہ وہ جھوٹے تھے [۶۰]

اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو جا تو وہ ہو جائے[۶۱]

ع ۵ | ۱۱

۵۳۔ مشرکین کے دلائل کا رد: یہاں اسے ان باطل اعذار اور لچر پوچ دلائل کا رد شروع کرتے ہیں جو مشرکین اپنے شرک اور اعمال شرکیہ کا جواز واستحسان ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر اللہ کی پرستش یا بعض جانوروں (مثلاً بحیرہ سائبہ وغیرہ) کو حرام ٹھہرالینا برے اور بے سند کام ہوتے ہیں جنہیں خدا پسند نہ کرتا، تو ہم کر کرنے کیوں دیتا۔ ضرور تھا کہ جب ہم اس کی مرضی کے خلاف کام کریں تو اس سے روک دے نہ رکیں تو فوراً سزا دے اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ دلیل ہے کہ خدا کو وہ کام ناپسند نہیں۔ آٹھویں پارہ کے دوسرے ربع آیت سَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ (الانعام۔۱۴۸) الخ کی جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں مشرکین کا یہ شبہ اور اس کا مفصل جواب بیان کیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۵۴۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد: یعنی مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ خدا کی طرف سے روکا نہیں گیا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک حسب ضرورت و مصلحت حق تعالیٰ انبیاء کو بھیجتا رہا ہے جن کا کام ہی یہ تھا کہ لوگوں کو شرک و اعمال شرکیہ سے روکیں اور صاف صاف اعلان کریں کہ خدا تعالیٰ کو کیا کام پسند ہیں کیا ناپسند، اور ان میں سے ہر ایک کا انجام کیا ہے۔ باقی یہ کہ لوگوں کو تکوینی طور پر مجبور کیوں نہ کر دیا گیا کہ وہ بدی کا راستہ اختیار ہی نہ کر سکتے۔ تو یہ بات اس کی حکمت کے منافی تھی جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواضع میں لکھ چکے ہیں۔ رہی یہ چیز کہ جو انبیاء کا کہنا نہ مانیں انہیں فوراً سزا دی جاتی۔ تو بہت سی قوموں کو دنیا میں عبرتناک سزائیں بھی دی گئیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ ہاں عقلاً و نقلاً یہ ضروری نہیں کہ ارتکاب جرم کے ساتھ فوراً سزا دی جائے۔ مجرم کو ایک منٹ کہ مہلت نہ ملے نہ اس کے لئے توبہ و اصلاح کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کو یہ کام برا لگتا تو کیوں کرنے دیتا۔ آخر ہر فرقے کے نزدیک بعضے کام برے ہیں۔ پھر وہ کیوں ہونے دیتا ہے (کیا ان کے روکنے سے خدا عاجز تھا؟) یہاں جواب مجمل فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں، جس کی قسمت میں ہدایت تھی اس نے پائی، جو خراب ہونا تھا خراب ہوا۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے (کہ انسان کو فی الجملہ کسب و اختیار کی قوت دے کر آزاد رکھے۔ اینٹ پتھر کی طرح مجبور یا حیوانات کی طرح اس کا دائرہ عمل محدود نہ کرے بلکہ ہر طرف بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع دے۔

۵۵۔ ہر قوم کے لئے ہدایت بھیجی گئی: یعنی اپنے اپنے وقت پر۔ پھر آخر میں پیغمبر عربی ﷺ کو رسول الثقلین بنا کر بھیجا۔ (تنبیہ) اس آیت سے لازم نہیں آتا کہ ہر قوم اور بستی میں رسول بلاواسطہ بھیجا گیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کسی قوم میں اٹھایا جائے اور اس کے نائب جنہیں "ہادی" و "نذیر" کہا جا سکتا ہے دوسری اقوام میں بھیجے جائیں۔ ان کا بھیجنا گویا بالواسطہ اسی پیغمبر کا بھیجنا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۶۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "ہڑدنگا وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے کچھ سند نہ رکھے۔ ایسے کو "طاغوت" کہتے ہیں بت، شیطان اور زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں۔

۵۷۔ یعنی جس کو قصور استعداد اور سوئے اختیار کی بناء پر خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا نہ اسے خدائی سزا سے کوئی بچا سکتا ہے۔ آپ کا ان کی ہدایت پر حریص ہونا بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پھر آپ ان کے غم میں اپنے کو اس قدر کیوں گھلاتے ہیں۔

۵۸۔ یعنی موت کے بعد دوسری زندگی ہی نہیں پھر عذاب کا کیا ڈر۔ سب ڈھکوسلے ہیں۔

۵۹۔ کفار کی قسمیں: یعنی تمہارے انکار اور اٹکل پچو قسمیں کھانے سے خدا کا پکا وعدہ ٹل نہیں سکتا، وہ تو ہو کر رہے گا۔ البتہ تم ایسی حقائق ثابتہ کا

انکار کر کے اپنے جہل کا ثبوت دے رہے ہو۔ جو شخص خدا کے علم محیط اور شئون قدرت و حکمت، تکوین کے راز اور اس کی غرض و غایت سے آگاہ ہو گا وہ کبھی بعث بعد الموت کا انکار نہیں کر سکتا سچ ہے۔ الناس اعداء ما جھلوا۔

۶۰۔ دوبارہ زندگی کی حکمت: یعنی معاد (قیامت وغیرہ کا آنا) عین حکمت ہے۔ اگر موت کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو دنیا میں جو مختلف اعمال و احوال پائے جاتے ہیں ان کے صاف اور مکمل نتائج کیسے ظاہر ہونگے۔ یہاں کے جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ تو وہیں ہو گا اور اس وقت منکرین معلوم کر لیں گے کہ قسمیں کھا کر جن باتوں کا انکار کرتے تھے وہ سچی تھیں اور قسم کھانے والے جھوٹے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اس جہان میں بہت باتوں کا شبہ رہا اور کسی نے اللہ کو مانا کوئی منکر رہا تو دوسرا جہان ہونا لازم ہے کہ جھگڑے تحقیق ہوں سچ اور جھوٹ جدا ہو، اور مطیع و منکر اپنا کیا پائیں"۔

۶۱۔ پھر مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تنبیہ) کُنۡ فَیَکُوۡن کی بحث پارہ الم رکوع وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ (الم۔۱۱۳) الخ میں ملاحظہ کر لی جائے غرض صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ایک سیکنڈ کے لئے بھی مراد کا تخلف نہیں ہو سکتا۔ ارادہ کے بعد مراد کا نہایت سہولت و سرعت سے فوراً واقع ہونا اور کسی مانع و عائق کا مزاحمت نہ کر سکنا، یہ ہی خلاصہ اس جملہ کا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد اس کے کہ ظلم اٹھایا البتہ انکو ہم ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا[۶۲]

الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا[۶۳]

۶۲۔ ہجرت کے دنیاوی اور اخروی منافع: یعنی سلسلہ مجازات (طاعت و معصیت کا پورا نتیجہ ظاہر کرنے) کے لئے بعث الموت ضروری ہے۔ بہت سے خدا کے وفادار بندے مصائب و شدائد جھیلتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، کیا ان کی قربانیاں ضائع کی جا سکتی ہیں؟ ہر گز نہیں جن لوگوں نے حق کی حمایت اور خدا کی رضا جوئی کے لئے ظالموں کی سختیاں برداشت کیں اور انواع و اقسام کے ظلم و ستم اٹھائے حتّٰی کہ مجبور ہو کر گھر بار، خویش و اقارب اور عزت و راحت سب چیزوں کو خدا کے راستہ میں تج دیا، ان کی محنت و وفاداری کا صلہ یقیناً مل کر رہے گا۔ اول تو ان میں سے جو جیتے بچیں گے دنیا ہی میں اپنی قربانیوں کا تھوڑا سا پھل چکھ لیں گے۔ یعنی گھر چھوڑنے والوں کو بہترین ٹھکانہ دیا جائے گا۔ گھر سے اچھا گھر، وطنی بھائیوں سے بڑھ کر درد مند بھائی روزی سے بہتر روزی، عزت سے زیادہ عزت ملے گی۔ بلکہ وطن سے نکالنے والوں پر غالب دنیا کے حاکم اور پرہیز گاروں کے امام بن جائیں گے۔ پھر اس سب کے بعد جو بلند مقامات اور عظیم الشان مدارج آخرت میں ملیں گے ان کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہاں کے اجر و ثواب کا پورا یقین ہو جائے تو دوسرے لوگ بھی جو ہجرت کی سعادت سے محروم ہیں تمام گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل کھڑے ہوں۔ (تنبیہ) آیت کے عموم الفاظ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے یہ تقریر کی ہے (وھو منقول فی روح المعانی عن بعضھم) عامہ مفسرین نے اس کو ان اسی صحابہؓ کے حق میں رکھا ہے جو کفار مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آ کر ابتداءً حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ کیونکہ اکثر کے نزدیک آیت مکی ہے جو ہجرت الی المدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ان ہجرت کرنے والوں کو آخر کار خدا تعالیٰ نے اچھا ٹھکانہ مدینہ میں دیا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

۶۳۔ یعنی کسی ظلم اور سختی سے نہیں گھبرائے۔ وطن محبوب اور خویش واقارب کے چھوٹنے کی پروانہ کی رضائے الٰہی کے راستہ سے ذرا قدم نہیں ڈگمگایا۔ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے ہو رہے۔ خالص اسی کی امداد اور اٹل وعدوں پر بھروسہ کیا۔ یہاں تک کہ دیکھ لیا کہ جو خدا کا ہو رہتا ہے کسی طرح خدا اس کا ہو جاتا ہے۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ
فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾
بِالۡبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۳۔ اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم انکی طرف سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں [۶۴]

۴۴۔ بھیجا تھا انکو نشانیاں دے کر اور ورقے (اوراق) [۶۵] اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یاداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری انکے واسطے [۶۶] تاکہ وہ غور (دھیان) کریں [۶۷]

۶۴۔ اہل ذکر سے استفادہ کا حکم: "یعنی پیغمبر کے مظلوم ساتھیوں کو جب وہ صبر و توکل کی راہ میں ثابت قدم ہوں، دارین میں غالب و منصور کرنا ہماری کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی ہم نے انسانوں میں سے رسول بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ خدا کے احکام اور نیکی بدی کے انجام سے لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اب اگر تمہیں معلوم نہیں تو جاننے والوں سے جو امم سابقہ اور ان کے پیغمبروں کے تاریخی واقعات کا علم رکھتے ہیں تحقیق کر لو کہ فی الواقع پہلے کچھ آدمی پیغمبری کے منصب پر بینات زُبُر (معجزے اور کتابیں) دے کر بھیجے گئے یا نہیں۔ اور یہ کہ ان کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اہل حق صبر و توکل کی بدولت کس طرح منصور و کامیاب ہوئے۔ اور ظالم معاندین اتمام حجت کے بعد کیسے تباہ کئے گئے۔ وَ تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَ دَمَّرۡنَا مَا کَانَ یَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَ قَوۡمُہٗ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ (اعراف ۱۳۷) ہم نے اہل الذکر سے خاص اہل کتاب مراد نہیں لئے بلکہ عموم لفظ کی رعایت کی ہے جس میں اہل کتاب بھی شامل ہیں۔ روح المعانی میں ہے قال الرمانی والزّجاج وَالۡاَزۡھَرِیُ المراد بِاَھۡلِ الذِّکۡرِ عُلَمَاءُ اَخۡبَارِ الۡاُمَمِ السَّالِفَۃِ کَائِنًا مَنۡ کَانَ فَالذِّکۡرُ بِمَعۡنَی الحفظ الخ ترجمہ " یاد رکھنے والوں سے کر کے شاید اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہرحال عموم آیت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ غیر اہل علم کو اہل الذکر سے دریافت کر کے عمل کرنا چاہئے۔ بہت سے علماء اس کو تقلید ائمہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۵۔ یعنی معجزات اور وہ علوم جو اوراق میں لکھے جاتے ہیں۔

۶۶۔ قرآن کی جامعیت: "یاداشت" سے مراد ہے قرآن کریم جو اگلی امتوں کے ضروری احوال و شرائع کا محافظ انبیائے سابقین کے علوم کا جامع، اور ہمیشہ کے لئے خدائی احکام اور فلاح دارین کے طریقوں کو یاد دلانے والا اور خواب غلفت سے بیدار کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پہلے رسول بھیجے گئے، کتابیں اتاری گئیں، آج تم کو (اے محمد ﷺ) ہم نے ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمل یاداشت ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہ ہی معتبر ہے جو احادیث رسول اللہ ﷺ کے موافق ہو۔

۶۷۔ یعنی حضور ﷺ کا کام مضامین قرآن کو کھول کر بیان کرنا اور لوگوں کا کام اس میں غور و فکر کرنا ہے۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيۡنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ يَّخۡسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝٤٥

٤٥۔ سو کیا نڈر ہو گئے وہ لوگ جو برے فریب (داؤ) کرتے ہیں اس سے کہ دھنسا دیوے اللہ ان کو زمین میں یا آپہنچے ان پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے ہوں[٦٨]

اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ فَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ۝٤٦

٤٦۔ یا پکڑ لے ان کو چلتے پھرتے سو وہ نہیں ہیں عاجز کرنے والے[٦٩]

اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝٤٧

٤٧۔ یا پکڑ لے ان کو ڈرانے کے بعد (ڈرا کر)[٧٠] سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان[٧١]

٦٨۔ کیا کفار اللہ کے عذاب سے نڈر ہو گئے؟ یعنی اگلے انبیاء اور ان کی قوموں کا حال سننے اور قرآن ایسی مکمل یاداشت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کفار مکہ حق کے مقابلہ میں اپنی مکاریوں اور داؤ فریب سے باز نہیں آتے۔ کیا یہ امکان نہیں کہ خدا انہیں قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے۔ یا ایسی طرف سے کوئی آفت بھیجدے جدھر سے انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو۔ چنانچہ "بدر" میں مسلمان غازیوں کے ہاتھوں سے ایسی سزا دلوائی جو اپنی قوت و جمعیت اور مسلمانوں کے ضعف و قلت کو دیکھتے ہوئے ان کے تصور میں بھی نہ آسکتی تھی۔"

٦٩۔ یعنی یہ بھی ضرورت نہیں کہ پہلے سے کچھ اہتمام کیا جائے یا فوجیں مقابلہ کے لئے روانہ کی جائیں۔ خدا تو اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں چلتے پھرتے کام کاج کرتے یا بستروں پر کروٹیں بدلتے ہوئے ایک دم پکڑ لے اور بالکل عاجز و بے بس کر دے۔ اس کو سب قدرت ہے۔ وہ تم کو عاجز کر سکتا ہے۔ تم اسے نہیں تھکا سکتے۔

٧٠۔ یعنی اچانک نہ پکڑے۔ بلکہ آگاہ کرنے اور مبادی عذاب بھیجنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑ لے جبکہ لوگ اطلاع پا کر اور آثار عذاب دیکھ کر طبعًا خوف کھا رہے ہوں یا آس پاس کے لوگوں کو آفات سماویہ میں مبتلا دیکھ کر ڈر رہے ہوں لیکن یہ خوف محض طبعی ہو۔ ندامت اور توبہ کے ساتھ نہ ہو جو دافع عذاب ہو سکتا ہے بعض نے "تخوف" کے معنی "تنقص" (آہستہ آہستہ کم کرنے) کے لئے ہیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ دفعتًہ ہلاک نہ کرے۔ آہستہ آہستہ تم کو گھٹائے اور پست کرتا رہے۔

٧١۔ عذاب کی تاخیر کی حکمت: یعنی خدا سب کچھ کر سکتا ہے مگر کیوں نہیں کرتا۔ اس کی نرمی اور مہربانی مانع ہے کہ مجرمین پر فورًا عذاب نازل کر دے، اس کی رافت و رحمت مقتضی ہے کہ مجرمین کو مہلت اور اصلاح کا موقع دیا جائے یا یہ جملہ صرف يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ سے متعلق ہے بحالیکہ تَخَوُّفٍ کو بمعنی "تنقص" لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ کم کرنا اور دفعتًہ ہلاک نہ کرنا اس کی رحمت و شفقت کی وجہ سے ہے ورنہ ایک آن میں نیست و نابود کر دیتا۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا
ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ
دٰخِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ کیا نہیں دیکھتے وہ جو کہ اللہ نے پیدا کی ہے کوئی چیز کہ ڈھلتے ہیں سایے ان کے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اور وہ عاجزی میں ہیں [۷۲]

وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ
دَآبَّةٍ وَّالۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے جانداروں سے اور فرشتے اور وہ تکبر نہیں کرتے [۷۳]

يَخَافُوۡنَ رَبَّهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا
يُؤۡمَرُوۡنَ ۩ ﴿۵۰﴾ ع ۶ ۱۲

۵۰۔ ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں [۷۴]

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اِلٰهَيۡنِ اثۡنَيۡنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور کہا ہے اللہ نے مت پکڑو معبود دو وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو [۷۵]

وَلَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَهُ الدِّيۡنُ وَاصِبًا ؕ
اَفَغَيۡرَ اللّٰهِ تَتَّقُوۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی کی عبادت ہے (اسی کا انصاف) ہمیشہ [۷۶] سو کیا سوائے اللہ کے کسی سے ڈرتے ہو (خطرہ رکھتے ہو)

وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ
الضُّرُّ فَاِلَيۡهِ تَجۡـَٔرُوۡنَ ۚ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے نعمت سو اللہ کی طرف سے پھر جب پہنچتی ہے تم کو سختی تو اسی کی طرف چلاتے ہو (اسی سے فریاد کرتے ہو) [۷۷]

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنۡكُمۡ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡكُمۡ
بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۙ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ پھر جب کھول دیتا ہے سختی تم سے اسی وقت ایک فرقہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بتانے

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ تاکہ منکر ہو جائیں اس چیز سے جو کہ ہم نے انکو دی ہے سو مزے اڑالو آخر معلوم کر لو گے [۷۸]

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ
تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور ٹھہراتے ہیں ان کے لئے جن کی خبر نہیں رکھتے (جن کو خبر نہیں) ایک حصہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے [۷۹] قسم اللہ کی تم سے پوچھنا ہے جو تم بہتان باندھتے ہو [۸۰]

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا
يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں وہ اس سے پاک ہے (لائق نہیں) [۸۱] اور اپنے لئے جو دل چاہتا ہے [۸۲]

۷۲۔ اشیاء کا سجدہ: "یعنی جب تکوینی طور پر ہر چیز خدا کے سامنے عاجز اور مطیع و منقاد ہے۔ حتٰی کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم اور قانون قدرت کے موافق گھٹتا بڑھتا اور ادھر یا ادھر ڈھلتا رہتا ہے پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کونسی طاقت روک سکتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ باختیار خود اس کے احکام تشریعیہ کے سامنے گردن جھکا دے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر چیز ٹھیک دوپہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے۔ جب دن ڈھلا سایہ جھکا، پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین میں پڑ گیا۔ جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع، رکوع سے سجدہ، اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے۔ اپنے سایہ سے نماز کرتی ہے۔ کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جھکتا ہے کہیں بائیں طرف۔"

۷۳۔ جانداروں اور فرشتوں کا سجدہ: پہلے کھڑی چیزوں کا جو سایہ دار ہوں سجدہ بیان ہوا تھا، یہاں عام جانداروں بالخصوص فرشتوں کا سجدہ بیان کر کے متنبہ فرمایا کہ ایسی مقرب و معظم ہستیاں بھی اس کے آگے سر بسجود ہیں کوئی شیخی یا غرور ان میں نہیں، جو اپنے مالک کے سامنے سر جھکانے سے رکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "مغرور لوگوں کو سر رکھنا زمین پر مشکل ہوتا ہے۔ نہیں جانتے کہ بندہ کی بڑائی اسی میں ہے مَن تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔

۷۴۔ یعنی فرشتے باجود اس قدر قرب و وجاہت کے اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں فوراً بجالاتے ہیں موضح القرآن میں ہے کہ "ہر بندہ کے دل میں ہے کہ میرے اوپر اللہ ہے آپ کو نیچے سمجھتا ہے، یہ سجدہ فرشتوں کا بھی ہے اور سب کا۔"

۷۵۔ یعنی جب تمام آسمانی و زمینی مخلوق ایک خدا کے سامنے بے اختیار سربسجود اور عاجز و مقہور ہے، پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آگیا جو سارے جہان کا ملک و مطاع ہے تنہا اسی کی عبادت ہونی چاہئے اور اسی سے ڈرنا چاہئے۔

۷۶۔ یعنی تکوینی طور پر ہر چیز خالص اسی کی عبادت و اطاعت پر مجبور ہے اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران۔۸۳) یا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ اسی کی عبادت کرنا لازم ہے اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر۔۳) اور بعض نے "دین" کو "جزاء" کے معنی میں لیا۔ یعنی نیک و بد کا دائمی بدلہ اسی ایک خدا کی طرف سے ملے گا۔ واللہ اعلم۔

۷۷۔ ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہے: یعنی سب بھلائیاں اور نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور ہر ایک برائی یا سختی کا دفع کرنا بھی اسی کے قبضہ میں

ہے۔ چنانچہ جب کوئی سخت مصیبت انسان کو چھو جاتی ہے تو کٹر سے کٹر مشرک بھی اس وقت سب سہارے چھوڑ کر خدا کو پکارنے لگتا ہے گویا فطرت انسانی شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بچانا خدائے واحد کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کے قبضہ میں ہر ایک نعمت و نقمت اور ہر قسم کا نفع و ضرر ہے۔ دوسرا کون ہے جو اس کی الوہیت میں حصہ دار بن سکے یا جس سے انسان خوف کھائے اور امیدیں باندھے۔

۷۸۔ یعنی جہاں سختی دور ہوئی، منعم حقیقی کو بھلا بیٹھے۔ اور نہایت بے حیائی سے خدائی کے حصے بخرے کرنے لگے۔ شرم نہ آئی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے عاجز ہو کر کسے پکار رہے تھے۔ نہ محسن حقیقی کا احسان ماننا نہ یہ اندیشہ کیا کہ ناشکری کی سزا میں پکڑے جائیں گے، یا کم از کم کفران نعمت سلب نعمت کا موجب ہو جائے گا۔ گویا خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ نے جو انعام فرمایا تھا بالکل اس کے انکار پر تل گئے۔ بہتر ہے، چند روز کی انہیں مہلت دی جاتی ہے۔ خوب دنیا کے مزے اڑالیں آخر معلوم ہو جائے گا کہ اس مشرکانہ کفران نعمت کی کیسی سزا ملتی ہے۔

۷۹۔ یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں، مواشی میں، تجارت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں (موضح القرآن) جیسا کہ مشرکین عرب کا دستور تھا جس کا ذکر آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گذر چکا۔ مَالَا یَعۡلَمُوۡنَ سے مراد وہی اصنام وغیرہ ہیں جنہیں مشرکین جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع و ضرر سمجھتے تھے۔ حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا سند ان کے پاس نہ تھی، پھر شرکاء بھی تجویز کئے گئے پتھر کے بت جو ہر قسم کے علم و شعور سے کورے ہیں اِنَّ ھٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ (ص۔۵)

۸۰۔ یعنی قیامت میں ان افتراء پردازیوں کی تم سے ضرور باز پرس ہو گی۔ خدا کے دیے ہوئے مال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک و سہیم بناؤ (باقی کسی کو ثواب پہنچانے کا مسئلہ جداگانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں)۔

۸۱۔ یعنی وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے اولاد ثابت کی جائے۔ خاص کر بیٹیاں۔ تعجب ہے کہ لوگ حق تعالیٰ کی نسبت ایسی جرأت کس طرح کرتے ہیں۔ اس آیت میں "بنو خزاعہ" کارد ہوا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (العیاذ باللہ)۔

۸۲۔ اللہ کے لئے بیٹیوں کی نسبت: یعنی خود اپنے لئے بیٹیاں دیئے جانے پر رضامند نہیں جب مانگیں گے بیٹا مانگیں گے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيۡمٌ ۚ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جب خوشخبری ملے ان میں کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور جی میں گھٹتا رہے [۸۳]

يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡۤءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی [۸۴] اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو داب دے مٹی میں [۸۵] سنتا ہے برا فیصلہ کرتے ہیں [۸۶]

لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوۡءِ ۚ وَلِلّٰهِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۶۰﴾ ع

۶۰۔ جو نہیں مانتے آخرت کو ان کی بری مثال ہے اور اللہ کی مثال (شان) سب سے اوپر [۸۷] اور وہی ہے زبردست حکمت والا [۸۸]

ع ۷ / ۱۳

۸۳۔ یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت و غم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سے سر پر آئی۔

۸۴۔ یعنی رسمی ننگ و عار کے تصور سے کہ لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا۔ لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔

۸۵۔ لڑکیوں کو زندہ گاڑنا: یعنی شب و روز ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہے اور تجویزیں سوچتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار دے، یعنی ہلاک کر ڈالے۔ جیسا کہ جاہلیت میں بہت سے سنگدل لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے یا زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے آکر اس رسم قبیح کو مٹایا اور ایسا قلع قمع کیا کہ اسلام کے بعد سارے ملک میں اس بے رحمی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی بعض نے اَیُمۡسِکُہٗ عَلٰی ھُوۡنٍ کے معنی یوں کئے ہیں۔ "روکے رکھے لڑکی کو ذلیل و خوار کر کے "یعنی زندہ رہنے کی صورت میں ایسا ذلیل معاملہ کرے گویا وہ اس کی اولاد ہی نہیں۔ بلکہ آدمی بھی نہیں۔

۸۶۔ لڑکیوں کے متعلق جو ظالمانہ فیصلہ انکا تھا اس سے زیادہ بڑا فیصلہ یہ ہے کہ خدا کے لئے اولاد تجویز کریں، پھر اولاد بھی "اناث" جس سے خود اتنا گھبراتے ہیں۔ گویا اچھی چیز ان کے لئے اور ناقص خدا کے لئے ہے (العیاذ باللہ)۔

۸۷۔ کفار کی مثال بری ہے: یعنی مشرکین جنہیں اپنے ظلم اور گستاخیوں کے انجام پر یقین نہیں۔ بری مثال یا بری صفت و حالت ان ہی کی ہے۔ وہ ہی اولاد کے محتاج ہیں۔ دکھ اور ضعیفی وغیرہ میں کام آنے کے لئے ان کو لڑکوں کا سہارا چاہئے۔ دفع عار یا افلاس وغیرہ کے ڈر سے لڑکیوں کو ہلاک کرنا ان کا شیوہ ہے۔ آخر میں ظلم و شرک وغیرہ کا جو برا انجام ہونا چاہئے اس سے بھی وہ بچ نہیں سکتے۔ غرض ہر نہج سے بری مثال اور نقص و عیب کی نسبت ان ہی کی طرف ہونی چاہئے۔ حق تعالیٰ کی طرف ان صفات کی نسبت کرنا جو مخلوق کا خلاصہ ہیں اور (معاذ اللہ) بیٹے بیٹیاں تجویز کر کے حقیر اور پست مثالیں دینا اس کی شان عظیم و رفیع کے منافی ہے اس کے لئے تو وہ ہی مثالیں اور صفات ثابت کی جاسکتی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر بلند چیز سے بلند تر ہوں۔

۸۸۔ یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ تمہاری گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتا ہے۔ لیکن فوراً سزا دینا اس کی حکمت کے مناسب نہیں۔ لہٰذا ڈھیل دی جاتی ہے کہ اب بھی باز آجائیں اور اپنا رویہ درست کر لیں۔

وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلۡمِهِمۡ مَّا تَرَكَ عَلَيۡهَا
مِنۡ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنۡ يُّؤَخِّرُهُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا
جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّ لَا
يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وقت موعود تک پھر جب آ پہنچے گا ان کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے [۸۹]

وَ يَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ مَا يَكۡرَهُوۡنَ وَ تَصِفُ اَلۡسِنَتُهُمُ
الۡكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الۡحُسۡنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ

۶۲۔ اور کرتے ہیں (ٹھہراتے ہیں) اللہ کے واسطے جس کو اپنا جی نہ چاہے [۹۰] اور بیان کرتی ہیں زبانیں انکی جھوٹ کہ انکے واسطے خوبی ہے [۹۱] آپ ثابت ہے

وَ اَنَّهُمۡ مُّفۡرَطُوۡنَ ﴿۶۲﴾

(محقق ہو گیا) کہ انکے واسطے آگ ہے اور وہ بڑھائے جارہے ہیں[۹۲]

تَاللّٰهِ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الۡیَوۡمَ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ قسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے مختلف فرقوں میں تجھ سے پہلے پھر اچھے کر کے دکھلائے انکو شیطان نے ان کے کام سو وہی رفیق ان کا ہے آج اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے[۹۳]

وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ ۙ وَ هُدًی وَّ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سنا دے تو ان کو وہ چیز کہ جس میں جھگڑ رہے ہیں[۹۴] اور سیدھی راہ سجھانے کو اور واسطے بخشش ایمان لانے والوں کے (رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے)[۹۵]

وَ اللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾ ع ۸ ۵ ۱۴

۶۵۔ اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے[۹۶] اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سنتے ہیں[۹۷]

۸۹۔ **اللہ کی ڈھیل وقت معین تک ہے:** یعنی اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر دنیا میں فورًا پکڑنا اور سزا دینا شروع کر دے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی نہیں رہ سکتی کیونکہ دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ اور چھوٹی موٹی خطاء و قصور سے تو کوئی خالی ہو گا؟ کُلُّکُمۡ خَطَّاؤُنَ جب خاطی و بدکار فورًا اہلاک کر دیے گئے تو صرف معصوم انبیاء کے زمین پر بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ان کا ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا زیادہ موزوں ہے۔ جب نیک و بد انسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہو گا، کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ نیز فرض کیجئے خدا نے انسانوں کے ظلم و عدوان پر بارش بند کر دی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مریں گے۔ بہر حال خدا اگر بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فورًا سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنے حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مجرموں کو توبہ و اصلاح کا موقع دیتا ہے اور وقت موعود تک انہیں ڈھیلا چھوڑتا ہے۔ جب وقت آ پہنچا، پھر ایک سیکنڈ ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے مَّا تَرَكَ عَلَيۡهَا مِنۡ دَآبَّةٍ سے خاص دابہ ظالمہ مراد ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مطلب واضح ہے کوئی اشکال نہیں۔ واللہ اعلم۔

۹۰۔ یعنی جو چیزیں بری سمجھ کر اپنے لئے پسند نہیں کرتے مثلاً بیٹیاں یا اپنی مِلک میں کسی اجنبی کی شرکت یا استہزاء و استخفاف کا معاملہ وہ خداوند قدوس کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

۹۱۔ کفار کے جھوٹے دعوے: یعنی باوجود ایسی گستاخیوں کے زبان پر یہ جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم تو دنیا میں بھی بھلی چیزوں کے لائق ہیں۔ اور اگر آخرت وغیرہ کے قصے سچے ہوئے تو وہاں بھی خوب چین اڑائیں گے۔ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (حٰمٓ السجدہ۔ ۵۰)۔

۹۲۔ یعنی ان گستاخیوں کے ساتھ ایسی باطل آرزوئیں رکھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کے لئے کوئی خوبی اور بھلائی تو کیا ہوتی، البتہ دوزخ تیار ہے جس کی طرف وہ بڑھائے جا رہے ہیں اور جہاں پہنچ کر گویا بالکل بھلا دیے جائیں گے۔ یعنی ابد الآباد تک کبھی مہربانی کی نظر ان پر نہ ہو گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ ان کو فرمایا جو ناکارہ چیزیں اللہ کے نام دیں اور اس پر یقین کریں کہ ہم کو بہشت ملے گی۔ حالانکہ وہ روز بروز دوزخ کی طرف بڑھتے ہیں۔

۹۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: کفار مکہ کی گستاخیوں اور لغو و بیہودہ دعاوی کا ذکر کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان کی حرکتوں سے دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں لیکن ہمیشہ یہ ہی ہوا کیا کہ شیطان لعین مکذبین کو ان کے عمل اچھے کر کے دکھلاتا رہا۔ اور وہ برابر شرارت میں بڑھتے رہے۔ آج وہ سب خدائی عذاب کے نیچے ہیں اور شیطان جو ان کا رفیق ہے کچھ کام نہیں آتا۔ نہ ان کی فریاد کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ ہی انجام آپ کے مکذبین کا ہو گا۔ بعض نے فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ کا یہ مطلب لیا ہے کہ شیطان جس نے اگلوں کو بہکایا تھا وہ ہی آج ان (کفار مکہ) کا رفیق بنا ہوا ہے۔ لہٰذا جو حشر ان کا ہوا ان کا بھی ہو گا۔

۹۴۔ یعنی قرآن صرف اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید و معاد اور احکام حلال و حرام وغیرہ) ان سب کو وضاحت و تحقیق کے ساتھ بیان کر دے۔ کوئی اشکال و خفا باقی نہ رہے۔ گویا نبی کریم ﷺ بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دوٹوک فیصلہ سنا دیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کر دیں۔ آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے جسے توفیق ہو گی قبول کرے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

۹۵۔ یعنی فیصلہ اور بیان تو سب کے لئے ہے لیکن اس کی ہدایت سے منتفع ہونا اور رحمت الٰہیہ کی آغوش میں آنا انہی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور بطوع و رغبت ایمان لاتے ہیں۔

۹۶۔ یعنی خشک زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز کر دیا گویا خشک ہونا زمین کی موت اور سرسبز و شاداب ہونا حیات ہے۔

۹۷۔ یعنی اسی طرح قرآن سے جاہلوں کو عالم اور مردہ دلوں کو زندہ کر دے گا۔ اگر توجہ قلبی اور انصاف سے سنیں گے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اور تمہارے واسطے چوپاؤں میں سوچنے کی جگہ ہے پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے (درمیان سے) دودھ ستھرا [۹۸] خوشگوار پینے والوں کے لئے [۹۹]

۹۸۔ چوپایوں میں عبرت کے نشان: یعنی اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ جانور جو گھاس چارہ کھاتے ہیں۔ وہ پیٹ میں پہنچ کر تین چیزوں کی طرف مستحیل ہو جاتا ہے۔ قدرت نے ان حیوانات کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگا دی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تحلیل کر کے فضلہ

(گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر عروق میں پھیلا دیتی ہے جو ان کی حیات وبقا کا سبب بنتا ہے۔ اور اسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے ان دو گندی چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز (دودھ) تیار کرتی ہے جو نہایت پاک، طیب اور خوشگوار چیز ہے۔

۹۹۔ مشروبات کا بیان: پہلے کتاب اتارنے کی مناسبت سے پانی اتارنے کا ذکر فرمایا تھا ان آیات میں پانی کی مناسبت سے باقی انواع مشروبات کا تذکرہ ہوا ہے۔ یعنی دودھ، شراب و نبیذ، اور شہد۔ ایک دوسرے موقع پر جہاں جنت کی نہروں کا ذکر آیا ہے مشروبات کی یہ ہی چار قسمیں مذکور ہوئی ہیں۔ فِيهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى (محمد۔۱۵)۔ یہاں اس قسم کی چیزوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے خیال میں بڑی بڑی نعمتیں ہیں وہ سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ آدمی کس طرح منعم حقیقی کے احسانات بھلا کر دوسروں کا غلام بن جاتا ہے گویا شرک کے رد کی طرف اشارہ ہوا اور یہ بھی کہ جس طرح تمہاری جسمانی زندگی کے لئے خدا نے طرح طرح کے انتظامات اور مناسب سامان کئے ہیں ضرور ہے کہ روحانی زندگی اور باطنی ترقی کے وسائل وذرائع بھی کافی مقدار میں مہیا کئے ہوں گے۔

وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو اس سے نشہ اور روزی خاصی [۱۰۰] اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے واسطے جو سمجھتے ہیں (سوچتے ہیں) [۱۰۱]

۱۰۰۔ پھلوں کے منافع: یعنی ان میووں سے نشہ لانے والی شراب کشید کرتے ہو۔ اور کھانے پینے کی دوسری عمدہ چیزیں مثلاً شربت، نبیذ، سرکہ اور خشک خرما یا کشمش وغیرہ ان سے حاصل کرتے ہو۔ (تنبیہ) یہ آیت مکی ہے شراب مکہ میں حرام نہ ہوئی تھی پینے والے اس وقت تک بے تکلف پیتے تھے۔ ہجرت کے بعد حرام ہوئی۔ پھر کسی مسلمان نے ہاتھ نہیں لگایا۔ تاہم اس مکی آیت میں بھی "سکرًا" کے بعد وَرِزْقًا حَسَنًا فرما کر متنبہ فرما دیا کہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی ہے اس پر "رزق حسن" کا اطلاق کرنا موزوں نہیں۔

۱۰۱۔ یہاں يَعْقِلُوْنَ کا لفظ جو عقل سے مشتق ہے "سکرًا" کے تذکرہ سے خاص مناسبت رکھتا ہے چونکہ نشہ عقل کو زائل کر دیتا ہے اس لئے اشارہ فرما دیا کہ آیات کا سمجھنا عقل والوں کا کام ہے نشہ پینے والوں کا نہیں۔

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ۙ

۶۸۔ اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنا لے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں [۱۰۲]

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ

۶۹۔ پھر کھا ہر طرح کے میووں سے [۱۰۳] پھر چل راہوں میں (راستوں میں) اپنے رب کی صاف پڑے ہیں [۱۰۴] نکلتی ہے ان کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جسکے مختلف رنگ

فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

ہیں[۱۰۵] اس میں مرض اچھے ہوتے ہیں لوگوں کے[۱۰۶] اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو دھیان کرتے ہیں[۱۰۷]

۱۰۲۔ شہد کی مکھی میں اللہ کی نشانیاں: "یعنی انگور کی بیل چڑھانے کو جو ٹٹیاں باندھتے ہیں یا جو عمارتیں لوگ تیار کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی جو باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کاریگری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے۔ ساری مکھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے سردار کو "یعسوب" کہا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے۔ جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے "مسدس متساوی الاضلاع" کی شکل پر ہوتے ہیں۔ بدون مسطر و پرکار وغیرہ کے اس قدر صحت وانضباط کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ایک ہی شکل پر تمام خانوں پر رکھنا، آدمی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ مسدس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اگر اختیار کی جاتی تو لامحالہ درمیان میں کچھ جگہ فضول خالی رہتی۔ فطرت نے ایسی شکل کی طرف رہنمائی کی جس میں ذرا سا فرجہ بھی بےکار نہ رہے۔

۱۰۳۔ "کلی" اور "فاسلکی" سب اوامر تکوینیہ ہیں۔ یعنی فطرۃً اس کو ہدایت کی کہ اپنی خواہش اور استعداد مزاج کے مناسب ہر قسم کے پھلوں اور میووں میں سے اپنی غذا حاصل کرے۔ چنانچہ مکھیاں اپنے چھتہ سے نکل کر رنگ برنگ کے پھول پھل چوستی ہیں جن سے شہد اور موم وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔

۱۰۴۔ شہد کی مکھی کے راستے: یعنی غذا حاصل کرنے اور کھا پی کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے راستے کھلے پڑے ہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مکھیاں غذا کی تلاش میں بعض اوقات بہت دور نکل جاتی ہیں پھر بےتکلف اپنے چھتہ میں واپس آ جاتی ہیں۔ ذرا راستہ نہیں بھولتیں۔ بعض نے فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا کا مطلب یہ لیا ہے کہ قدرت نے تیرے عمل وتصرف کے جو فطری راستے مقرر کر دیے ہیں ان پر مطیع ومنقاد بن کر چلتی رہ۔ مثلاً پھول پھل چوس کر فطری قویٰ وتصرفات سے شہد وغیرہ تیار کر۔

۱۰۵۔ یعنی مختلف رنگ کا شہد نکلتا ہے سفید، سرخ، زرد کہتے ہیں کہ رنگتوں کا اختلاف موسم غذا اور مکھی کی عمر وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۶۔ شہد میں شفاء ہے: یعنی بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو باذن اللہ مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک شخص کو دست آ رہے تھے اس کا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے شہد پلانے کی رائے دی۔ شہد پینے کے بعد اسہال میں ترقی ہو گئی۔ اس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت دست زیادہ آنے لگے فرمایا صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ (اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے)۔ پھر پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے بھی وہ ہی کیفیت ہوئی۔ آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا۔ آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے اور طبیعت صاف ہو گئی۔ اطباء نے اپنے اصول کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں "کیموس" فاسد ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لئے دست آتے ہیں اس کا علاج یہ ہی ہے کہ مسہلات دی جائیں۔ تا وہ "کیموس فاسد" خارج ہو۔ شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ گویا حضور ﷺ کا مشورہ اسی طبی اصول کے موافق تھا۔ مامون رشید کے زمانہ میں ثمامہ عبسی کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانہ کے شاہی طبیب یزید بن یوحنا نے مسہل سے اس کا علاج کیا اور یہ ہی وجہ بتلائی۔ آج کل کے اطباء شہد کے استعمال کو استطلاق بطن کے علاج میں بےحد مفید بتاتے ہیں۔

۱۰۷۔ بُروں سے بھلوں کی تخلیق: حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں برے میں سے بھلا نکلنے کے تین پتے

بتلائے۔ جانور کے پیٹ اور خون گوبر کے مادہ سے دودھ، نشے کے مادہ (انگور کھجور وغیرہ) سے پاک روزی اور مکھی کے پیٹ سے شہد۔ تینوں میں اشارہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت جاہلوں کی اولاد میں عالم پیدا کرے گا۔ حضرت کے وقت میں یہ ہی ہوا کہ کافروں کی اولاد عارف کامل ہوئی۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ۙ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ ع

۷۰۔ اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے اور کوئی تم میں سے پہنچ جاتا ہے نکمی عمر کو کہ سمجھنے کے پیچھے اب کچھ نہ سمجھے اللہ خبردار ہے قدرت والا [۱۰۸]

ع ۹ ۵ ۱۵

۱۰۸۔ انسانی وجود میں نشانیاں: قدرت کے بہت سے خارجی نشان بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں کہ خود اپنے اندرونی حالات میں غور کرے۔ وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا، پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی۔ یہ کچھ نہ کر سکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش وحواس ٹھکانے نہ رہے۔ نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی، بالکل نکما ہو گیا۔ نہ کوئی بات سمجھتا ہے۔ نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم وقدرت اسی خالق ومالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس امت میں کامل پیدا ہو کر پھر ناقص پیدا ہونے لگیں گے۔ واللہ اعلم۔

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر روزی میں سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچا دیتے اپنی روزی ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں کیا اللہ کی نعمت کے منکر ہیں [۱۰۹]

۱۰۹۔ رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت: یعنی خدا کی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لئے برابر نہیں۔ بلحاظ تفاوت استعداد واحوال کے اس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ کسی کو مالدار اور بااقتدار بنایا جس کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں۔ جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ ایک وہ غلام ہیں جو بذات خود ایک پیسہ یا ادنیٰ اختیار کے مالک نہیں، ہر وقت آقا کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔ پس کیا دنیا میں کوئی آقا گوارا کرے گا کہ غلام یا نوکر چاکر جو بہر حال اسی جیسے انسان ہیں بدستور غلامی کی حالت میں رہتے ہوئے اس کی دولت، عزت، بیوی وغیرہ میں برابر کے شریک ہو جائیں غلام کا حکم تو شرعاً یہ ہے کہ بحالت غلامی کسی چیز کا مالک بنایا جائے تب بھی نہیں بنتا۔ آقا ہی مالک رہتا ہے اور فرض کرو آقا غلامی سے آزاد کر کے اپنی دولت وغیرہ میں برابر کا حصہ دار بنالے تو مساوات بیشک ہو جائے گی۔ لیکن اس وقت غلام نہ رہا۔ بہرکیف غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتی۔ جب دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک ومملوک میں شرکت و مساوات نہیں ہو سکتی، پھر غضب ہے کہ خالق ومخلوق کو معبودیت وغیرہ میں برابر کر دیا جائے۔ اور ان چیزوں کو جنہیں خدا کی مملوک سمجھنے کا

اقرار خود مشرکین بھی کرتے تھے اِلَّا شَرِيكًا هُوَلَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ مالک حقیقی کا شریک و سہیم ٹھہرا دیا جائے کیا منعم حقیقی کی نعمتوں کا یہ ہی شکر یہ ہے کہ جس بات کے قبول کرنے سے خود ناک بھوں چڑھاتے ہو اس سے زیادہ قبیح و شنیع صورت اس کے لئے تجویز کی جائے۔ نیز جس طرح روزی وغیرہ میں حق تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی، سب کو ایک درجہ میں نہیں رکھا، اگر علم و عرفان اور کمالات نبوت میں کسی ہستی کو دوسروں سے فائق کر دیا تو خدا کی اس نعمت سے انکار کرنے کی بجز ہٹ دھرمی کے کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۙ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور اللہ نے پیدا کیں تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں [۱۱۰] اور دیے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے [۱۱۱] اور کھانے کو دیں تمکو ستھری چیزیں [۱۱۲] سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں اور اللہ کے فضل کو نہیں مانتے [۱۱۳]

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۚ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور پوجتے ہیں اللہ کے سوائے ایسوں کو جو مختار نہیں انکی روزی کے آسمان اور زمین میں سے کچھ بھی [۱۱۴] اور نہ قدرت رکھتے ہیں [۱۱۵]

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ سو مت چسپاں کرو (بٹھلاؤ) اللہ پر مثالیں [۱۱۶] بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۱۱۷]

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اللہ نے بتلائی ایک مثال ایک بندہ (غلام) پرایا مال نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر اور ایک جسکو ہم نے روزی دی اپنی طرف سے خاصی روزی سو وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے چھپا کر اور سب کے روبرو کہیں برابر ہوتے ہیں سب تعریف اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے [۱۱۸]

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا

۷۶۔ اور بتائی اللہ نے ایک دوسری مثال دو مرد ہیں ایک گونگا [۱۱۹] کچھ کام نہیں کر سکتا [۱۲۰] اور وہ بھاری ہے اپنے

يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا
يُوَجِّهْهُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَ مَنۡ
يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾

صاحب (مالک) پر جس طرف اسکو بھیجے نہ کر کے لائے کچھ بھلائی [۱۲۱] کہیں برابر ہے وہ اور ایک وہ شخص جو حکم کرتا ہے انصاف سے اور ہے سیدھی راہ پر [۱۲۲]

ع ۱۰ ۱۶

۱۱۰۔ یعنی نوع انسان ہی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ تا الفت و موانست قائم رہے۔ اور تخلیق کی غرض پوری ہو۔ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً (الروم ۔ ۲۱)

۱۱۱۔ جو تمہاری بقاء نوعی کا ذریعہ ہیں۔

۱۱۲۔ جو بقائے شخصی کا سبب ہے۔

۱۱۳۔ یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا یا بیٹا دیا، یا روزی دی، اور یہ سب جھوٹ اور وہ جو سچ دینے والا ہے اس کے شکر گذار نہیں۔ کذا فی الموضح۔ اور شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ فانی وزائل زندگانی کی بقاء نوعی و شخصی کے اسباب کو تو مانتے ہو اور خدا کی سب سے بڑی نعمت (پیغمبر السلام کی ہدایات) کو جو بقائے ابدی اور حیات جاودانی کا واحد ذریعہ ہے، تسلیم نہیں کرتے اَلَا كُلُّ شَىۡءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلُ۔

۱۱۴۔ یعنی نہ آسمان سے مینہ برسانے کا خدائی اختیار رکھتے ہیں نہ زمین سے غلہ اگانے کا۔ پھر قادر مطلق کے شریک معبودیت میں کس طرح بن گئے؟

۱۱۵۔ یعنی نہ فی الحال اختیار حاصل ہے نہ آئندہ حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

۱۱۶۔ اللہ کے لئے کوئی مثال نہیں: مشرک کہتے تھے کہ مالک اللہ ہی ہے۔ یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں۔ ہمارے کام ان ہی سے پڑتے ہیں۔ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں ہو سکتی۔ سو یہ مثال غلط ہے جو بارگاہ احدیت پر چسپاں نہیں۔ اللہ ہر چیز آپ کرتا ہے۔ خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں رکھا جیسے سلاطین دنیا اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ و اختیار سے کیا لیکن بعد تفویض ان اختیارات کے استعمال میں ماتحت آزاد ہیں۔ کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے وقت بادشاہ یا پارلیمنٹ کو اس واقعہ اور فیصلہ کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ نہ اس وقت جزئی طور پر بادشاہ کی مشیت و ارادہ کو فیصلہ صادر کرنے میں قطعاً دخل ہے۔ یہ صورت حق تعالیٰ کے یہاں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چھوٹا بڑا کام اور ادنیٰ سے ادنیٰ جزئی خواہ بواسطہ اسباب یا بلاواسطہ اس کے علم محیط اور مشیت و ارادہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے اسی لئے لازم ہے کہ آدمی ہر کلی جزئی کا فاعل اور موثر حقیقی اعتقاد کر کے تنہا اسی کو معبود و مستعان سمجھے۔ (تنبیہ) ابن عباس وغیرہ سلف سے فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ کا یہ مطلب منقول ہے کہ خدا کا مماثل کسی کو مت ٹھہراؤ۔

۱۱۷۔ دو مثالیں: یعنی تم نہیں جانتے کہ خدا کے لئے کس طرح مثال پیش کرنی چاہئے۔ جو اصل حقیقت اور صحیح مطلب کی تفہیم میں معین ہو۔ اور اس کی عظمت و نزاہت کے خلاف شبہ پیدا نہ کرے۔ اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ انہیں غور سے سنو اور تمثیل کی غرض کو سمجھو۔

۱۱۸۔ ایک شخص وہ ہے جو آزاد نہیں۔ دوسرے کا مملوک غلام ہے، کسی طرح کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا ہر ایک تصرف میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے بدون اجازت اس کے سب تصرفات غیر معتبر ہیں۔ دوسرا آزاد اور با اختیار شخص ہے جسے خدا نے اپنے فضل سے بہت کچھ مقدرت اور روزی عنایت فرمائی جس میں سے دن رات سراً و علانیةً بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا کیا یہ دونوں شخص برابر ہو

سکتے ہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ ہر چیز کا مالک حقیقی ہے، سب تعریفیں اور خوبیاں اس کے خزانہ میں ہیں۔ جس کو جو چاہے دے۔ کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں۔ ذرہ ذرہ پر کلی اختیار اور کامل قبضہ رکھتا ہے۔ یہ کس قدر ظلم ہو گا کہ ایک پتھر کے بت کو اس کے برابر کر دیا جائے جو کسی چیز کا مالک نہیں۔ بلکہ خود پرایامال ہے۔ اگر مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر نہیں ہو سکتے تو کوئی مملوک محض مالک حقیقی کا شریک کیسے بن سکتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لو کہ خدائے واحد کا پرستار جسے مالک نے علم وایمان کی دولت بخشی اور لوگوں میں شب و روز روحانی نعمتیں تقسیم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ کیا ایک پلید مشرک کو جو بت کا مملوک، اہواء و اوہام کا غلام اور عمل مقبول سے محض تہی دست ہے، اس مومن موحد کے ساتھ برابر کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ کلا واللہ۔

۱۱۹۔ گونگا ہے تو لازمی طور پر بہرا بھی ہو گا۔ گویا نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سن سکے۔

۱۲۰۔ کیونکہ نہ حواس رکھتا ہے نہ عقل، اور اپاہج ہے جو چل پھر بھی نہیں سکتا۔

۱۲۱۔ یعنی مالک کے کسی کام کا نہیں۔ جدھر اسے بھیجنا چاہے یا متوجہ کرے کچھ بھلائی اور فلاح نہ پہنچا سکے۔

۱۲۲۔ یعنی خود سیدھی راہ پر قائم رہ کر دوسروں کو بھی اعتدال و انصاف کے راستہ پر لے جا رہا ہے۔ جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو ایک خود تراشیدہ پتھر کی مورتی کو (العیاذ باللہ) خدائی کا درجہ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔ یا ایک اندھا بہرا مشرک جو خدا کی پیدا کی ہوئی روزی کھاتا ہے اور چھدام کا کام کر کے نہیں دیتا، اس مومن قانت کی ہمسری کیسے کر سکتا ہے جو خود سیدھی راہ پر ہو اور دوسروں کو اپنے ساتھ ترا لے جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی "خدا کی دو مخلوق ایک بت نکما نہ ہل سکے نہ چل سکے جیسے گونگا غلام، دوسرا رسول جو اللہ کی راہ بتا دے ہزاروں کو اور آپ بندگی پر قائم ہے، اس کے تابع ہونا بہتر یا اس کے"۔

۱۲۳۔ **اللہ تمام بھیدوں کو جانتا ہے:** یعنی ساری مخلوق یکساں نہ ہوئی۔ ایک آدمی کا حال دوسرے سے بے انتہا مختلف ہوا۔ سب چیزیں ایک سطح مستوی پر کھڑی نہیں کی گئیں۔ اس کا بھید اور ہر ایک کی پوشیدہ استعداد اور مخفی حالت کا علم خدا ہی کے پاس ہے۔ چنانچہ وہ اپنے علم محیط کے موافق قیامت میں ہر ایک کے ساتھ جداگانہ معاملہ کرے گا۔ اور مختلف احوال پر مختلف نتائج مرتب فرمائے گا۔

۱۲۴۔ **قیامت دور نہیں:** یعنی قیامت کے آنے کو مستبعد مت سمجھو، خدا کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں تمام لوگوں کو جب دوبارہ پیدا کرنا چاہے گا تو پلک جھپکنے کی دیر بھی نہ لگے گی، ادھر سے ارادہ ہوتے ہی چشم زدن میں ساری دنیا دوبارہ موجود ہو جائے گی۔ (تنبیہ) كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کے محسوسات کے موافق تو اس کی سرعت کو آنکھ جھپکنے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن واقع میں اس سے بھی کم میں قیامت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ "لمح بصر" بہر حال زمانی چیز ہے اور ارادہ خداوندی پر مراد کا ترتب آنی ہو گا۔

۱۲۵۔ یعنی جس کے علم و محیط کا وہ حال ہو کہ آسمان و زمین کے سارے بھید اس کے سامنے حاضر ہیں اور جس کی قدرت کاملہ ذرہ ذرہ پر محیط ہو۔ بھلا اس کا ہمسر کون ہو سکتا ہے؟ اور اس کی پوری مثال کہاں سے لا سکتے ہیں۔

وَ لِلّٰهِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ اور اللہ ہے کہ پاس ہیں بھید آسمانوں اور زمین کے [۱۲۳] اور قیامت کا کام تو ایسا ہے جیسے لپک نگاہ کی یا اس سے بھی قریب [۱۲۴] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۱۲۵]

وَ اللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ
شَيۡـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ
الۡاَفۡـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو اور دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو[۱۲۶]

اَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا
يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ
يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ کیا نہیں دیکھے اڑتے جانور حکم کے باندھے ہوئے آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا ان کو سوائے اللہ کے [۱۲۷] اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں[۱۲۸]

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ
مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُيُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَهَا يَوۡمَ
ظَعۡنِكُمۡ وَ يَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ ۙ وَ مِنۡ اَصۡوَافِهَا وَ اَوۡبَارِهَا
وَ اَشۡعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور اللہ نے بنا دیئے تم کو تمہارے گھر بسنے کی جگہ [۱۲۹] اور بنا دیئے تم کو چوپاؤں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے رہتے ہیں تم پر جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں [۱۳۰] اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی ببریوں سے [۱۳۱] اور بکریوں کے بالوں سے کتنے اسباب اور استعمال کی چیزیں وقت مقرر تک[۱۳۲]

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ
مِّنَ الۡجِبَالِ اَكۡنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ سَرَابِيۡلَ
تَقِيۡكُمُ الۡحَرَّ وَ سَرَابِيۡلَ تَقِيۡكُمۡ بَاۡسَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ
يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور اللہ نے بنا دیئے تمہارے واسطے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے سائے [۱۳۳] اور بنا دیں تمہارے واسطے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں [۱۳۴] اور بنا دیے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی میں [۱۳۵] اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی میں [۱۳۶] اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر تاکہ تم حکم مانو[۱۳۷]

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ پھر اگر پھر جائیں تو تیرا کام تو یہی ہے کھول کر سنا دینا[۱۳۸]

يَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنۡكِرُوۡنَهَا وَ اَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۱/۱۷

۸۳۔ پہچانتے ہیں اللہ کا احسان پھر منکر ہو جاتے ہیں اور بہت ان میں ناشکر ہیں[۱۳۹]

۱۲۶۔ اپنے وجود میں غور کرو: یعنی پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے، خدا تعالیٰ نے علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل تم کو دیے۔ جو بذات خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے متمتع ہونے کے وسائل ہیں۔ اگر آنکھ، کان عقل وغیرہ نہ ہو تو ساری ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ جوں جوں آدمی کا بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی علمی و عملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں۔ اس کی شکر گذاری یہ تھی کہ ان قوتوں کو مولیٰ کی طاعت میں خرچ کرتے، اور حق شناسی میں سمجھ بوجھ سے کام لیتے، نہ یہ کہ بجائے احسان ماننے کے الٹے بغاوت پر کمربستہ ہو جائیں۔ اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگیں۔

۱۲۷۔ پرندوں میں نشانیاں: یعنی جیسے آدمی کو اس کے مناسب قویٰ عنایت فرمائے، پرندوں میں ان کے حالات کے مناسب فطری قوتیں ودیعت کیں، ہر ایک پرندہ اپنی اڑان میں قانون قدرت کا تابع اور خدا تعالیٰ کے تکوینی احکام سے وابستہ ہے۔ اسے کسی درسگاہ میں اڑنے کی تعلیم نہیں دی گئی، قدرت نے اس کے پر اور بازو اور دم وغیرہ کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ نہایت آسانی سے آسمانی فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کا جسم ثقیل ہوائے لطیف کو چیر پھاڑ کر بے اختیار نیچے آپڑے۔ یا زمین کی عظیم الشان کشش انہیں اپنی طرف کھینچ لے اور طیران سے منع کر دے کیا خدا کے سوا کسی اور کا ہاتھ ہے جس نے ان کو بے تکلف فضائے آسمانی میں روک رکھا ہے۔

۱۲۸۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ایمان لانے میں بعضے اٹکتے ہیں، معاش کی فکر سے، سو فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لاتا۔ کمائی کے اسباب کہ آنکھ، کان، دل وغیرہ ہیں، اللہ ہی دیتا ہے اور اڑتے جانور ادھر میں آخر کس کے بھروسہ رہتے ہیں۔

۱۲۹۔ یعنی اینٹ، پتھر، لکڑی وغیرہ کے مکان۔

۱۳۰۔ اللہ نے تمہارے مسکن بنائے: یعنی اینٹ، پتھر کے مکانوں کو کہیں منتقل نہیں کر سکتے تھے، اس لئے چمڑے اور اون وغیرہ کے ڈیرے خیمے بنانے سکھا دیے جو بسہولت منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ سفر و حضر میں جہاں چاہو نصب کر لو اور جب چاہو لپیٹ کر رکھ دو۔ بعض نے يَوۡمَ ظَعۡنِكُمۡ وَيَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ کا یہ مطلب لیا ہے کہ چلنے کے وقت اٹھانے میں اور کسی جگہ اترتے وقت نصب کرنے میں ہلکے رہتے ہیں۔

۱۳۱۔ یعنی اونٹ کی پشم سے۔

۱۳۲۔ مختلف انعامات: یعنی ان چیزوں سے کتنے سامان رہائش اور آسائش کے تیار کئے جاتے ہیں جو ایک وقت معین یا مدت دراز تک کام دیتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ آنکھ، کان اور ترقی کرنے والا دل و دماغ نہ دیتا، کیا یہ سامان میسر آ سکتے تھے۔

۱۳۳۔ مثلاً بادل، درخت، مکان اور پہاڑ وغیرہ کا سایہ قانون قدرت کے موافق زمین پر پڑتا ہے جس میں مخلوق آرام پاتی ہے۔

۱۳۴۔ جہاں سر چھپا کر بارش، دھوپ یا دشمن وغیرہ سے اپنی حفاظت کر سکتے ہو۔

۱۳۵۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جن کرتوں میں گرمی کا بچاؤ ہے، سردی کا بھی بچاؤ ہے۔ پر اس ملک میں گرمی زیادہ تھی اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔"

۱۳۶۔ یعنی زرہیں جو لڑائی میں زخمی ہونے سے بچاتی ہیں۔

۱۳۷۔ جسمانی اور روحانی تربیت کا سامان: یعنی دیکھو! کس طرح تمہاری ہر قسم کی ضروریات کا اپنے فضل سے انتظام فرمایا اور کیسی علمی و عملی

قوتیں مرحمت فرمائیں جن سے کام لے کر انسان عجیب وغریب تصرفات کرتا رہتا ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ جس نے مادی اور جسمانی دنیا میں اس قدر احسانات فرمائے، روحانی تربیت وتکمیل کے سلسلہ میں ہم پر اپنا احسان نہ کرے گا۔ بیشک پورا کر چکا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ۔۳) ضروری ہے کہ سب لوگ اس کے احسان کے آگے گردنیں جھکادیں اور اس منعم حقیقی اور محسن اعظم کے مطیع ومنقاد ہو کر رہیں۔

۱۳۸۔ یعنی اس قدر احسانات سن کر بھی خدا کے سامنے نہ جھکیں تو آپ کچھ غم نہ کھائیں۔ آپ اپنا فرض ادا کر چکے، کھول کھول کر تمام ضروری باتیں سنادی گئیں۔ آگے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔

۱۳۹۔ یعنی بے شک بعضے بندے شکر گذار بھی ہیں وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سباء۔۱۳) لیکن اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالی کے انعامات کو دیکھتے اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں، مگر جب شکر گذاری اور اظہار اطاعت کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ گویا دل سے سمجھتے ہیں اور عمل سے انکار کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور جس دن کھڑا کریں ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا پھر حکم (اجازت) نہ ملے منکروں کو اور نہ ان سے توبہ لی جائے [۱۴۰]

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پھر ہلکا نہ ہو گا ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے [۱۴۱]

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور جب دیکھیں مشرک اپنے شریکوں کو بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوائے [۱۴۲] تب وہ ان پر ڈالیں گے بات کہ تم جھوٹے ہو [۱۴۳]

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور آ پڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر اور بھول جائیں (جائے گی ان سے) جو جھوٹ باندھتے تھے [۱۴۴]

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ جو لوگ منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں اللہ کی راہ سے انکو ہم بڑھادیں گے عذاب پر عذاب بدلہ اس کا جو شرارت کرتے تھے [۱۴۵]

وَ يَوۡمَ نَبۡعَثُ فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ
اَنۡفُسِهِمۡ وَ جِئۡنَا بِكَ شَهِيۡدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ
نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ وَّ هُدًى
وَّ رَحۡمَةً وَّ بُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ ۸۹ ع

۸۹۔ اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا ان پر انہی میں کا اور تجھ کو لائیں بتلانے کو ان لوگوں پر [۱۴۶] اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا [۱۴۷] اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری حکم ماننے والوں کے لئے [۱۴۸]

ع ۱۲ ۱۸

۱۴۰۔ کفر و ناشکری کا انجام: یہاں سے کفر و ناشکری کا انجام بتلاتے ہیں۔ یعنی یاد رکھو، وہ دن بھی آنے والا ہے جب تمام اگلی پچھلی امتیں احکم الحاکمین کی آخری عدالت میں کھڑی ہوں گی اور ہر امت کا نبی بطور گواہ کھڑا کیا جائے گا۔ تا اپنی امت کے نیک و بد اور مطیع و عاصی کی نسبت شہادت دے کہ کس نے کیسا معاملہ حق کے پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا ہے۔ اس وقت منکروں کو اجازت نہ ہو گی کہ کچھ لب کشائی کر سکیں۔ یا اب بعد از وقت توبہ کر کے سزا سے چھوٹ جائیں اور لب کشائی کاہے میں کریں گے، درآنحالیکہ انہیں اپنے مجرم ہونے اور کسی قسم کی معذرت نہ چل سکنے کا پورا انکشاف ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ کہ "دار جزاء" ہے "دار عمل" نہیں جواب توبہ کر کے خطائیں معاف کرا لیں۔

۱۴۱۔ یعنی نہ عذاب کی سختی میں کمی ہو گی اور نہ درمیان میں وقفہ ہو گا کہ تھوڑی دیر مہلت مل جائے، پھر از سر نو عذاب شروع ہو۔ بعض نے وَلَا یُنۡظَرُوۡنَ سے یہ مراد لیا ہے کہ جہنم کو دیکھنے کے بعد ایک منٹ کی ڈھیل نہ ملے گی۔ جہنم فوراً مجرمین کو اس طرح اچک لے گا جیسے پرندہ ایک دام دانہ اٹھا کر نگل جاتا ہے۔ گویا سرعت دخول کی طرف اشارہ ہوا۔

۱۴۲۔ کفار اور انکے جھوٹے معبود: یعنی ہم تو ان کی بدولت مارے گئے۔ شاید مطلب ہو کہ ہم بذات خود بے قصور ہیں، یا یہ کہ انہیں دوہری سزا دیجئے۔

۱۴۳۔ باطل معبودوں کا جواب: یعنی جھوٹے ہو جو ہم کو خدا کا شریک ٹھہرا لیا۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ فی الحقیقت تم محض اپنے اوہام و خیالات کو پوجتے تھے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہ تھی، یا جن و شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ مگر وہاں شیطان بھی یہ کہہ کر الگ ہو جائے گا۔ وَمَا كَانَ لِىَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِىۡ ۚ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِىۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ (ابراھیم۔ ۲۲) غرض جن چیزوں کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا، سب اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اظہار کریں گے، کوئی سچ کوئی جھوٹ، پتھر کے بتوں کو تو سرے سے کچھ خبر ہی نہ تھی۔ ملائکہ اور بعض انبیاء و صالحین ہمیشہ شرک سے سخت نفرت و بیزاری اور اپنی خالص بندگی کا اظہار کرتے رہے۔ رہ گئے شیاطین سو ان کا اظہار نفرت گو جھوٹ ہو گا، تاہم اس سے مشرکین کو کلی طور پر مایوسی ہو جائے گی کہ آج بڑے سے بڑا رفیق بھی کام آنے والا نہیں۔

۱۴۴۔ یعنی ساری طمطراق اور افتراء پردازیاں اس وقت غائب ہو جائیں گی سب عاجز و مقہور ہو کر خدا کے سامنے اپنی اطاعت و انقیاد کا اظہار کریں گے۔ اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا (مریم۔ ۳۸)

۱۴۵۔ یعنی ایک عذاب تو انکار حق پر، دوسرا اس پر کہ اوروں کو خدا کی راہ سے روکا۔ یا ایک عذاب صدور جرم پر دوسرا اس کی عادت ڈالنے پر۔ بہر حال اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنت میں اہل جنت کے منازل و مدارج متفاوت ہوں گے جہنمیوں کا عذاب بھی کماً و کیفاً و نوعاً متفاوت ہو گا۔

۱۴۶۔ آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت: یعنی وہ ہولناک دن یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر ایک پیغمبر اپنی امت کے معاملات کے متعلق بارگاہ احدیت میں بیان دے گا اور آپ (نبی ﷺ) اس امت کی حالت بتلائیں گے۔ بلکہ بعض مفسرین کے قول کے موافق آپ ان تمام شہداء کے لئے شہادت دیں گے۔ کہ بیشک انہوں نے اپنا فرض منصبی بخوبی ادا کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور ﷺ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بد اعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔

۱۴۷۔ قرآن کریم رحمت وبشارت ہے: یعنی قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضوری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ اس میں قیامت کے یہ واقعات بھی آگئے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اندریں صورت جس پیغمبر پر ایسی جامع کتاب اتاری گئی اس کی مسئولیت اور ذمہ داری بھی بہت بھاری ہو گی۔ گویا شَہِیۡدًا عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ کے بعد وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ فرما کر حضور ﷺ کے عظیم مرتبہ اور اسی مرتبہ کے مناسب مسئولیت کی طرف لطیف اشارہ فرما دیا۔ فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ (اعراف۔۶) ابن کثیر نے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱۴۸۔ یعنی یہ کتاب سارے جہان کے لئے سر تا پا ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔ فرمانبردار بندوں کو شاندار مستقبل کی خوشخبری سناتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡبَغۡیِ ۚ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے (کو) دینے کا[۱۴۹] اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے[۱۵۰] تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو[۱۵۱]

۱۴۹۔ قرآن کریم کی جامع ترین آیت: "قرآن" کو تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ فرمایا تھا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امرًا و نہیًا اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہ ہی آیت تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ کا ثبوت دینے کے لئے کافی تھی۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز نے خطبہ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کر کے امت کے لئے اسوہ حسنہ قائم کر دیا۔ اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا ہے۔

عدل واحسان: عدل، احسان، ایتاء ذی القربیٰ۔ "عدل" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال و انصاف کی ترازو میں تلے ہوں، افراط و تفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ "احسان" کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کو بھلا چاہے۔ مقام عدل و انصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل و عفو اور تلطف و ترحم کی خو اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع و تبرع کی طرف قدم بڑھائے۔ انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے۔ اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا۔ اَلۡاِحۡسَانُ اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنۡ

لَمۡ تَكُنۡ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (صحیح بخاری) هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ (رحمٰن۔٦٠) یہ دونوں خصلتیں (یعنی عدل و احسان یا بالفاظ دیگر انصاف و مروت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش و بیگانہ اور دوست دشمن سے متعلق تھیں۔ لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے۔ جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت و احسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے۔ صلہ رحم ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب و ذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے۔ گویا "احسان" کے بعد ذوی القربیٰ کا بالتخصیص ذکر کر کے متنبہ فرمادیا کہ عدل و انصاف تو سب کے لئے یکساں ہے۔ لیکن مروت و احسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت و اہتمام کے قابل ہیں۔ فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کئے ہوئے قوانین کو بھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کونسی فطری خوبی، بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ فللہ الحمد والمنہ۔

١٥٠۔ فحشاء و منکر: منع بھی تین چیزوں سے کیا۔ فحشاء، منکر، بغی۔ کیونکہ انسان میں تین قوتیں ہیں۔ جن کے بے موقع اور غلط استعمال سے ساری خرابیاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قوت بہیمیہ شہوانیہ، قوت وہمیہ شیطانیہ، قوت غضبیہ سبعیہ۔ غالبًا "فحشاء" سے وہ بے حیائی کی باتیں مراد ہیں جن کا منشاء شہوت و بہیمیت کی افراط ہو۔ "منکر" معروف کی ضد ہے۔ یعنی نامعقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے۔ گویا قوت وہمیہ شیطانیہ کے غلبہ سے قوت عقلیہ ملکیہ دب جائے۔ تیسری چیز "بغی" ہے۔ یعنی سرکشی کر کے حد سے نکل جانا۔ ظلم و تعدی پر کمربستہ ہو کر درندوں کی طرح کھانے پھاڑنے کو دوڑنا، اور دوسروں کے جان و مال یا آبرو وغیرہ لینے کے واسطے ناحق دست درازی کرنا۔ اس قسم کی تمام حرکات قوت سبعیہ غضبیہ کے بے جا استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ الحاصل آیت میں تنبیہ فرمادی کہ انسان جب تک ان تینوں قوتوں کو قابو میں نہ رکھے اور قوت عقلیہ مالکیہ کو ان سب پر حاکم نہ بنائے، مہذب اور پاک نہیں ہو سکتا۔

١٥١۔ ابن کثم بن صفی نے اس آیت کریمہ کو سن کر اپنی قوم سے کہا "میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور کمینہ اخلاق اور اعمال سے روکتے ہیں۔ تو تم اس کے ماننے میں جلدی کرو۔ فَكُوۡنُوۡا فِىۡ هٰذَا الۡاَمۡرِ رُءُوۡسًا وَّلَا تَكُوۡنُوۡا فِيۡهِ اَذۡنَابًا (یعنی تم اس سلسلہ میں سر بنو، دم نہ بنو) حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ اسی آیت کو سن کر میرے دل میں ایمان راسخ ہوا اور محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ کی محبت جاگزیں ہوئی۔

وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَ لَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَ قَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿٩١﴾

٩١۔ اور پورا کرو عہد اللہ کا جب آپس میں عہد کرو اور نہ توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد اور تم نے کیا ہے اللہ کو اپنا ضامن اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو[١٥٢]

وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوۡنَ اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرۡبٰى مِنۡ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبۡلُوۡكُمُ اللّٰهُ

٩٢۔ اور مت رہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اس نے اپنا سوت کاتا ہوا محنت (مضبوط کرنے) کے بعد ٹکڑے ٹکڑے[١٥٣] کہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دخل دینے کا بہانہ ایک دوسرے میں (آپس میں) اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو چڑھا ہوا دوسرے سے[١٥٤] یہ تو اللہ پرکھتا ہے تمکو اس

بِهٖ ؕ وَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

سے[۱۵۵] اور آئندہ کھول دے گا اللہ تم کو قیامت کے دن جس بات میں تم جھگڑ رہے تھے[۱۵۶]

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی فرقہ کر دیتا ہے لیکن راہ بھلاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے[۱۵۷] اور تم سے پوچھ ہو گی جو کام تم کرتے تھے[۱۵۸]

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ
بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دھوکا (فریب) آپس میں کہ ڈگ نہ جائے کسی کا پاؤں جمنے کے پیچھے اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ تم نے روکا اللہ کی راہ سے اور تم کو بڑا عذاب ہو[۱۵۹]

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ
اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ اور نہ لو اللہ کے عہد پر مول (مال) تھوڑا سا بیشک جو اللہ کے یہاں ہے وہی بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم جانتے ہو[۱۶۰]

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ
لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہو گا (سو رہنے والا ہے)[۱۶۱] اور ہم بدلے میں دیں گے صبر کرنے والوں کو ان کا حق اچھے کاموں پر جو کرتے تھے[۱۶۲]

۱۵۲۔ ایفائے عہد اور قسموں کا پورا کرنا: اوپر کی آیت میں جن چیزوں کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم تھا ان کے بعض افراد کو بالتخصیص بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ایفائے عہد کی تاکید اور غدر و بدعہدی سے ممانعت کہ یہ چیز علاوہ فی نفسہ مہتم بالشان ہونے کے اس وقت مخاطبین کے بہت زیادہ مناسب حال تھی۔ جس کا مسلم قوم کے عروج و ترقی اور مستقبل کی کامیابی پر بے انتہا اثر پڑنے والا تھا۔ اسی لئے حکم دیا کہ جب خدا کا نام لے کر اور قسمیں کھا کر معاہدے کرتے ہو تو خدا کے نام پاک کی حرمت قائم رکھو۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ "قول مردان جاں دارد"

خصوصاً جب خدا کا نام لے کر اور حلف کر کے ایک معاہدہ کیا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ قسم کھانا گویا خدا کو اس معاملہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے وہ جانتا ہے جب تم اسے گواہ بنا رہے ہو، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو۔ اگر تم نے خیانت اور بدعہدی کی۔ وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دے گا۔ کیونکہ تمہاری کسی کی کھلی چھپی دغابازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

۱۵۳۔ عہد توڑنے کی مثال: یعنی عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر کتا کتایا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا۔ سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول و قرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ جو قومیں قانون عدل و انصاف سے ہٹ کر محض اغراض و خواہشات کی پوجا کرنے لگی ہیں۔ ان کے یہاں معاہدات صرف توڑنے کے لئے رہ جاتے ہیں جہاں معاہد قوم کو اپنے سے کمزور دیکھا، سارے معاہدات ردی کی ٹوکری میں پھینک دئے گئے۔

۱۵۴۔ یعنی معاہدوں اور قسموں کو فریب و دغا، مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ۔ جس طرح اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ ایک جماعت کو اپنے سے طاقتور دیکھ کر معاہدہ کر لیا۔ پھر جس وقت کوئی جماعت اس سے بڑھ کر معزز اور طاقتور سامنے آئی، پہلا معاہدہ توڑ کر نئی جماعت سے عہد و پیمان گانٹھ لئے۔ پھر چند روز بعد ان حلفاء کو کمزور بنانے اور اپنے کو بڑھانے کا موقع پایا تو فوراً معاہدات توڑ ڈالے اور سب قسمیں اور حلف بالائے طاق رکھ دیے۔ بعینہ جس طرح آج یورپین اقوام کا معمول ہے۔

۱۵۵۔ قوموں کی قوت اور ضعف میں آزمائش ہے: یعنی قوت و ضعف میں اقوام کا اختلاف، ان میں سے کسی کو اوپر چڑھانا کسی کو نیچے گرانا، خدا تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے رکھا ہے اور ایفائے عہد کا حکم دینے میں بھی تمہارا امتحان ہے۔ دیکھتے ہیں کون ثابت قدم رہتا ہے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں حلفاء کی قوت و ضعف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ باقی اقبال و ادبار کسی کے بدلے سے بدلا نہیں جاتا۔ ادبار کی جگہ اقبال اور ضعف کی جگہ قوت خدا ہی لائے تو آئے۔ ہاں بدعہدی کا خیال آنا اس کی علامت ہے کہ ادبار آنے والا ہے۔

۱۵۶۔ یعنی یہاں امتحان ہے۔ نتیجہ امتحان قیامت کے دن کھل جائے گا۔ جس وقت ضعف و طاقت کے سب جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔

۱۵۷۔ یعنی اسے قدرت تھی کہ اختلاف نہ رہنے دیتا، مگر حکمت اس کو مقتضی نہ تھی۔ جیسا کہ کئی مواقع میں ہم اس کی تقریر کر چکے ہیں۔

۱۵۸۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس سے معلوم ہوا کہ کافر سے بھی غدر اور بدعہدی نہ کرے۔ کفر ان باتوں سے ہٹتا نہیں۔ اور اپنے اوپر وبال آتا ہے۔

۱۵۹۔ بدعہدی سے بچو: یعنی عہد شکنی کر کے اور قسمیں توڑ کر بدعہدی کی راہ مت نکالو۔ اور مسلمان قوم کو بدنام نہ کرو۔ کہ تمہارے خراب اور پست کیرکٹر کو دیکھ کر یقین لانے والے شک میں پڑ جائیں۔ اور غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہونے سے رکنے لگیں۔ اور تم پر خدا کی راہ سے رکنے کا گناہ چڑھے جس کی سزا بڑی سخت ہو گی۔

۱۶۰۔ اللہ کا عہد پورا کرو: پہلے مذکور تھا آپس میں قول توڑنے کا۔ اب اللہ سے قول توڑنے کا ذکر ہے۔ یعنی مال کی طمع سے خلاف شرع حکم مت کرو۔ انجام کار ایسا مال وبال لائے گا جو موافق شرع ہاتھ لگے، تمہارے حق میں وہ ہی بہتر ہے (موضح القرآن) یا ایفائے عہد کا جو اجر خدا کے یہاں ملے گا وہ اس ثمن قلیل سے کہیں بہتر ہے ثمن قلیل اس لئے کہا کہ اگر ساری دنیا بھی مل جائے تب بھی آخرت کے مقابلہ میں قلیل و حقیر ہے۔

۱۶۱۔ پھر باقی و دائم کو چھوڑ کر فانی و زائل کا پسند کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

۱۶۲۔ یعنی جو لوگ خدا کے عہد پر ثابت قدم رہیں گے اور تمام مشکلات اور صعوبتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کریں گے، ان کا اجر ضائع

ہونے والا نہیں۔ ایسے بہترین عمل کا بدلہ ضرور ہمارے یہاں سے مل کر رہے گا۔

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجۡزِیَنَّہُمۡ اَجۡرَہُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ ایمان پر ہے تو اس کو ہم زندگی دیں گے ایک اچھی زندگی [۱۶۳] اور بدلے میں دیں گے ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے

۱۶۳۔ عمل صالح اور حیات طیبہ: اوپر کی آیت میں صابرین اور ایفائے عہد کرنے والوں کے اجر کا ذکر تھا۔ یہاں تمام اعمال صالحہ کے متعلق عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی مرد یا عورت نیک کاموں کی عادت رکھے۔ بشرطیکہ وہ کام صرف صورۃً نہیں بلکہ حقیقۃً نیک ہوں ۔یعنی ایمان اور معرفت صحیحہ کی روح اپنے اندر رکھتے ہوں تو ہم اس کو ضرور پاک، ستھری اور مزیدار زندگی عنایت کریں گے۔ مثلاً دنیا میں حلال روزی قناعت وغنائے قلبی، سکون وطمانیت، ذکر اللہ کی لذت، حب الٰہی کا مزہ، ادائے فرض عبودیت کی خوشی، کامیاب مستقبل کا تصور تعلق مع اللہ کی حلاوت جس کا ذائقہ چکھ کر ایک عارف نے کہا تھا چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد۔ در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم، زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب۔ من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم۔ سچ ہے۔ اَھۡلُ اللَّیۡلِ فِیۡ لَیۡلِھِمۡ اَلَذُّ مِنۡ اَھۡلِ اللَّھۡوِ فِیۡ لَھۡوِھِمۡ اسی لئے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر سلاطین کو خبر ہو جائے کہ شب بیداروں کو رات کے اٹھنے میں کیا لذت و دولت حاصل ہوتی ہے تو اس کے چھیننے کے لئے اسی طرح لشکر کشی کریں۔ جیسے ملک گیری کے لئے کرتے ہیں۔ بہرحال مومن قانت کی پاک اور مزہ دار زندگی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے قبر میں پہنچ کر اس کا رنگ اور زیادہ نکھر جاتا ہے۔ آخر انتہا، اس حیات طیبہ پر ہوتی ہے جس کے متعلق کہا ہے حَیَاۃٌ بِلَا مَوۡتٍ، وَغِنًی بِلَا فَقۡرٍ، وَصِحَّۃٌ بِلَا سُقۡمٍ، وَمُلۡکٌ بِلَا ھُلۡکٍ، وَسَعَادَۃٌ بِلَا شَقَاوَۃٍ رزقنا اللہ تعالیٰ بفضلہ ومنہ ایاہا۔ (تنبیہ) اس آیت نے بتلا دیا کہ قرآن کی نظر میں عورت اور مرد کی نیکی اور کامیابی کا ایک ہی ضابطہ ہے۔ یعنی عورت اور مرد بلا امتیاز اپنے اپنے حسب حال نیکی کر کے پاک زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ سو جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے [۱۶۴]

اِنَّہٗ لَیۡسَ لَہٗ سُلۡطٰنٌ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں [۱۶۵]

اِنَّمَا سُلۡطٰنُہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ یَتَوَلَّوۡنَہٗ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِہٖ مُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

۱۰۰۔ اس کا زور تو انہی پر ہے جو اس کو رفیق سمجھتے ہیں اور جو اس کو شریک مانتے ہیں [۱۶۶]

ع ۱۳ / ۱۹

۱۶۴۔ قرآن کی تلاوت کا ایک خاص ادب: حدیث میں ہے خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے) معلوم ہوا کہ مومن کے لئے قرأت قرآن بہترین کام ہے۔ اور پچھلی آیات میں دو مرتبہ بہتر کاموں پر اجر ملنے کا ذکر تھا اس لئے یہاں قرأت قرآن کے بعض آداب کی تعلیم فرماتے ہیں تاکہ آدمی بے احتیاطی سے اس بہتر کام کا اجر ضائع نہ کر بیٹھے۔ شیطان کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں سے روکے خصوصاً قرأت قرآن جیسے کام کو جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ کب ٹھنڈے دل سے گوارا کر سکتا ہے۔ ضرور اس کی کوشش ہوگی کہ مومن کو اس سے باز رکھے، اور اس میں کامیاب نہ ہو تو ایسی آفات میں مبتلا کر دے جو قرأت قرآن کا حقیقی فائدہ حاصل ہونے سے مانع ہوں۔ ان سب مغویانہ تدبیروں اور پیش آنے والی خرابیوں سے حفاظت کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ جب مومن قرآت قرآن کا ارادہ کرے، پہلے صدق دل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ میں آ جائے۔ اصلی استعاذہ (پناہ میں آنا) تو دل سے ہے۔ مگر زبان و دل کو موافق کرنے کے لئے مشروع ہے کے ابتدائے قرأت میں زبان سے بھی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے۔

۱۶۵۔ متوکلین پر شیطان کا زور نہیں چلتا: یعنی جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اس کی پناہ ڈھونڈی اس پر شیطان زور سے حاوی نہیں ہو سکتا اگر ایسا شخص کسی وقت محض تھوڑی دیر کے لئے بمقتضائے بشریت شیطان کے چکمہ میں آیا بھی۔ تب بھی شیطان اپنا قبضہ اور تسلط اس پر نہیں جما سکتا۔ بہت جلد اس کی آنکھ کھل جائے گی۔ اور غلفت میں تمادی نہ ہوگی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ (الاعراف۔ ۲۰۲،۲۰۱)۔

۱۶۶۔ یعنی جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق بنالیں اور بجائے ایک خدا پر بھروسہ کرنے کے اس پر بھروسہ رکھیں۔ گویا اس کو خدائی کا شریک ٹھہرالیں یا اس کے اغواء سے دوسری چیزوں کو شریک مانیں، انہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہے کہ جس طرح چاہتا ہے انگلیوں پر نچاتا ہے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے یہ بات نہیں پر اکثروں کو ان میں خبر نہیں [۱۶۷]

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلاشبہ [۱۶۸] تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری مسلمانوں کے واسطے [۱۶۹]

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ

۱۰۳۔ اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھلاتا ہے ایک آدمی [۱۷۰] جس کی طرف تعریض

لِسَانُ الَّذِیۡ یُلۡحِدُوۡنَ اِلَیۡہِ اَعۡجَمِیٌّ وَّ ھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۰۳﴾

کرتے ہیں اس کی زبان ہے عجمی اور یہ قرآن زبان عربی ہے صاف[۱۷۱]

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَھۡدِیۡھِمُ اللّٰہُ وَلَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ وہ لوگ جن کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں ان کو اللہ راہ نہیں دیتا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے[۱۷۲]

اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں[۱۷۳]

۱۶۷۔ نسخ کی حقیقت: پہلے حکم دیا تھا کہ قرآن پڑھتے وقت شیطان رجیم کے کید سے پناہ ڈھونڈو۔ کہیں وہ اس بہترین کام میں رکاوٹ اور خرابی نہ ڈالے۔ یہاں اس کی بعض رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں جو قرآن کے متعلق پیدا کرتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں، موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں۔ ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے۔ پھر دوسرے حالات کے تبدیل ہونے پر دوسرا حکم آجاتا تھا مثلاً ابتداء میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا۔ ایک زمانہ کے بعد اجازت دی گئی۔ یا ابتداء میں حکم تھا قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا۔ نِّصۡفَہٗۤ (المزمل۔۳،۲) الخ تھوڑی مدت کے بعد مکہ ہی میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ (المزمل۔۲۰) الخ کفار ایسی چیزوں کو سن کر اعتراض کرتے کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا خدا تعالیٰ نے (معاذ اللہ) پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دے دیا تھا؟ پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم اتارا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام آپ خود بنالاتے ہیں۔ ورنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہو سکتے کہ ایک دن کچھ دوسرے دن کچھ۔ اس طرح کے شبہات و وساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں کے دلوں میں القا کرے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ اعتراج محض جہالت سے ہے۔ تم کو اگر "نسخ" کی حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے "نسخ" کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک میعادی حکم کی میعاد پوری ہونے پر دوسرا حکم بھیجا جائے۔ کیا طبیب منضج کا نسخہ دس بیس دن پلا کر اگر مسہل تجویز کرے تو اسے طبیب کی کم علمی یا بے خبری پر محمول کیا جا سکتا ہے؟ یا جو ایسا کہے وہ خود جاہل اور بے خبر کہلائے گا۔ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جس وقت جو حکم اتارا گیا یعنی جو روحانی غذا یا دوا تجویز کی گئی وہ کہاں تک مریضوں کے مزاج اور حالات کے مناسب ہے۔

۱۶۸۔ قرآن روح القدس کا لایا ہوا ہے: "یعنی میرا یا کسی بشر کا بنایا ہوا کلام نہیں یہ تو وہ کلام ہے جو بلاشبہ میرے رب نے روح القدس (پاک فرشتہ جبریل امین) کے ذریعہ سے عین حکمت و مصلحت کے موافق مجھ پر نازل فرمایا گویا مِنۡ رَّبِّکَ کہہ کر متنبہ فرمادیا کہ اس کی نازل کرنے والی وہ ہستی ہے جس نے خود محمد ﷺ کی اس قدر حیرت انگیز طریقہ سے ایسے اعلیٰ و اکمل اخلاق پر تربیت فرمائی جو تمہارے سامنے ہے۔ اور "روح القدس" کا واسطہ بیان فرما کر شاید اس طرف اشارہ کرنا ہو کہ جس کلام کا حامل "روح القدس" بنایا گیا، وہ روحانیت، پاکیزگی اور ملکوتی خصال کا پیکر ہونا چاہیے۔ چنانچہ دیکھ لو ان اوصاف میں اس شان کا کیا کوئی دوسرا کلام آسمان کے نیچے نظر آتا ہے۔

۱۶۹۔ یعنی موقع بہ موقع اور بتدریج احکام و آیات کا نزول دیکھ کر ایمان والوں کے دل قوی اور اعتقاد پختہ ہوتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے ہر حال اور زندگی کے ہر ایک دور سے پورا خبردار ہے اور نہایت حکمت سے ہماری تربیت کرتا ہے۔ جیسے حالات پیش آئیں، ان کے موافق ہدایت و

رہنمائی کرتا اور ہر کام پر اس کے مناسب خوشخبری سناتا ہے۔

۱۷۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احمقانہ اعتراض: یعنی قرآن شریف نہ خدا کا کلام ہے، ورنہ نسخ اس میں نہ ہوتا۔ اور نہ یہ آپ کا کلام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا امّی ہونا سب کو معلوم و مسلم تھا۔ ایک امّی جس نے کبھی کوئی کتاب چھوئی ہو نہ قلم ہاتھ میں پکڑا ہو بلکہ باوجود اعلیٰ درجہ کے قریشی ہونے کے چالیس برس تک ایک شعر بھی زبان سے نہ کہا ہو، جس میں عرب کی چھوکریاں تک فطری سلیقہ اور ملکہ رکھتی تھیں، کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ بدون تعلیم و تعلم کے دفعۃً ایسی کتاب بنالائے جو اس قدر عجیب و غریب معلوم و حکم، مؤثر ہدایات اور کایا پلٹ کر دینے والے قوانین واحکام پر مشتمل ہو۔ ناگزیر کہنا پڑے گا کہ کوئی دوسرا شخص انہیں یہ باتیں سکھلاتا اور ایسا کلام بنا کر دے دیتا ہے۔ وہ شخص کون تھا جس کی بے اندازہ قابلیت سے قرآن جیسی کتاب تیار ہوئی اس کے نام میں اختلاف تھا۔ جبر، یسار، عائش، یعیش۔ کئی عجمی غلاموں کے نام لئے گئے ہیں جن میں کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی۔ بلکہ بعض کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ نصرانیت کو چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کر چکے تھے۔ کہتے ہیں حضور ﷺ گاہ بگاہ آتے جاتے ان میں سے کسی ایک کے پاس بیٹھتے تھے یا وہ حضور ﷺ کی خدمت میں کبھی حاضر ہوا کرتا تھا۔ مگر تعجب ہے، اتنے بڑے قابل انسانوں کا تو نام بھی تاریخ نے پورے تیقن و تعین کے ساتھ یاد نہ رکھا۔ اور جو ان سے سیکھ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے، دنیا ان کے قدموں میں گر پڑی۔ حتیٰ کہ جنہوں نے انکو نبی نہ مانا، دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ بہر حال مشرکین کے اس سفیہانہ اعتراض سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ دعوئ بعثت سے پہلے آپ کا امّی ہونا ان کے نزدیک ایسا مسلم تھا کہ قرآنی علوم و معارف کو آپ کی امیّت مسلمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے۔ اسی لئے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو یہ باتیں سکھلا جاتا ہے۔ بلاشبہ آپ سکھلائے ہوئے تھے، لیکن سکھلانے والا کوئی بشر نہ تھا، وہ رب قدیر تھا جس نے فرمایا اَلرَّحۡمٰنُ۔ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ (الرحمٰن۔ ۱،۲)۔

۱۷۱۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت: یعنی اگر قرآن کے علوم خارقہ اور دوسری وجوہ اعجاز کو اپنی غباوت کی وجہ سے تم نہیں سمجھ سکتے تو اس کی زبان کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا ادراک تو کر سکتے ہو۔ جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جا چکا اور اعلان کیا جا چکا ہے کہ تمام جن و انس مل کر بھی اس کلام کا مثل پیش نہ کر سکیں گے پھر جس کا مثل لانے سے عرب کے تمام فصحاء بلغاء بلا استثناء احدے عاجز و درماندہ ہوں ایک گمنام عجمی بازاری غلام سے کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ ایسا کلام معجز تیار کر کے پیش کر دے۔ اگر تمام عرب میں کوئی شخص بالفرض ایسا کلام بنا سکتا تو وہ خود حضرت محمد ﷺ ہوتے۔ مگر قرآن کے سوا آپ کے دوسرے کلام کا ذخیرہ قرآن کے بیان کردہ موضوعات پر موجود ہے، جو باوجود انتہائی فصاحت کے کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت قرآنی کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

۱۷۲۔ یعنی کھلے دلائل کے باوجود جو شخص یہ ہی دل میں ٹھان لے کہ یقین نہیں کروں گا، خدا تعالیٰ بھی اس کو مقصد پر پہنچنے کی راہ نہیں دیتا۔ جتنا سمجھایئے کبھی نہ سمجھے گا۔ بد اعتقاد آدمی ہدایت سے محروم رہ کر آخر سخت سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

۱۷۳۔ کاذبین: یعنی آپ کو کہتے ہیں اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ حالانکہ آپ کی امانت و راستبازی پہلے سے مسلم اور ہر ایک چال ڈھال سے ظاہر تھی۔ کیا جھوٹ بنانے والوں کا چہرہ اور طور و طریق ایسا ہوتا ہے؟ جھوٹ بنانا تو ان اشقیاء کا شیوہ ہے جو خدا کی باتیں سن کر اور اس کے نشانات دیکھ کر بھی یقین نہ کریں۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہو گا کہ آدمی خدا کی باتوں کو جھوٹا کہے۔

مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَ
قَلۡبُهٗ مُطۡمَٮِٕنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَ لٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ

۱۰۶۔ جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لانے کے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر [۱۷۴] ولیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر

بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمۡ
عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

غضب ہے اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى
الۡاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے عزیز رکھا دنیا کی زندگی کو آخرت سے اور اللہ راستہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو[۱۷۵]

اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَ سَمۡعِهِمۡ
وَاَبۡصَارِهِمۡ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ یہ وہی ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دل پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اور یہی ہیں بے ہوش[۱۷۶]

لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ خود ظاہر ہے کہ آخرت میں یہی لوگ خراب ہیں[۱۷۷]

۱۷۴۔ مرتد کون ہے؟ ایک تو وہ مجرم ہیں جو سینکڑوں دلائل و آیات سن کر بھی یقین نہ لائیں۔ مگر ان سے بڑھ کر مجرم وہ ہیں جو یقین لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شبہات و وساوس سے متاثر ہر کر صداقت سے منکر ہو جائیں۔ جیسا کہ عبد اللہ بن ابی سرح نے کیا تھا کہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ العیاذ باللہ۔ ایسے لوگوں کی سزا آگے بیان فرمائی ہے۔ درمیان میں اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ الخ سے ایک ضروری استثناء کر دیا گیا۔ یعنی اگر کوئی مسلمان صدق دل سے برابر ایمان پر قائم ہے ایک لمحہ کے لئے بھی ایمانی روشنی اور قلبی طمانیت اس کے قلب سے جدا نہیں ہوئی صرف کسی خاص حالت میں بہت ہی سخت دباؤ اور زبردستی سے مجبور ہو کر شدید ترین خوف کے وقت گلو خلاصی کے لئے محض زبان سے منکر ہو جائے یعنی کوئی کلمہ اسلام کے خلاف نکال دے بشرطیکہ اس وقت بھی قلب میں کوئی تردد نہ ہو۔ بلکہ زبانی لفظ سے سخت کراہیت و نفرت ہو، ایسا شخص مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ ہاں اس سے بلند مقام وہ ہے کہ آدمی مرنا قبول کرے مگر منہ سے بھی ایسا لفظ نہ نکالے۔ جیسا کہ حضرت بلالؓ، حضرت یاسرؓ، حضرت سمیہ حضرت خبیب بن زید انصاری اور حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے واقعات تاریخوں میں موجود ہیں۔ بنظر اختصار ہم یہاں درج نہیں کر سکتے ابن کثیر میں دیکھ لئے جائیں۔

۱۷۵۔ یعنی ایسے منکروں کو جو حیات دنیا ہی کو کعبہ مقصود ٹھہرا لیں، کامیابی کا رستہ کہاں ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو کوئی ایمان سے پھرا ہے تو دنیا کی غرض کو، جان کے ڈر سے یا برادری کی خاطر سے یا زر کے لالچ سے جس نے دنیا عزیز رکھی اس کو آخرت کہاں؟ اگر جان کے ڈر سے لفظ کہے تو چاہئے جب ڈر کا وقت جا چکے پھر توبہ و استغفار کر کے ثابت ہو جائے۔

۱۷۶۔ یعنی دنیا طلبی اور ہوا پرستی کے نشہ میں ایسے مست و بے ہوش ہیں جن کے ہوش میں آنے کی کوئی امید نہیں خدا کی دی ہوئی قوتیں انہوں نے سب بیکار کر دیں۔ آخر کانوں سے حق کی آواز سننے، آنکھوں سے حق کے نشان دیکھنے، اور دلوں سے حق بات سمجھنے اور سوچنے کی توفیق سلب ہو گئی۔ مہر کرنے کا مطلب پہلے سورہ بقرہ وغیرہ میں گذر چکا ہے۔

١٧٧۔ یعنی جو لوگ اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے خدا کی بخشی ہوئی قوتیں تباہ کر ڈالیں اور دنیا ہی کو قبلہ مقصود بنالیں، ان سے بڑھ کر خراب انجام کس کا ہو گا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا
ثُمَّ جٰهَدُوۡا وَصَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ
رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ١٤ ٢٠

١١٠۔ پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ انہوں نے وطن چھوڑا ہے بعد اس کے مصیبت (بچلائے گئے) اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے اور قائم رہے بیشک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے[١٧٨]

يَوۡمَ تَاۡتِىۡ كُلُّ نَفۡسٍ تُجَادِلُ عَنۡ نَّفۡسِهَا وَتُوَفّٰى
كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

١١١۔ جس دن آئے گا ہر جی جواب سوال کرتا اپنی طرف سے[١٧٩] اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا[١٨٠]

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرۡيَةً كَانَتۡ اٰمِنَةً مُّطۡمَٮِٕنَّةً
يَّاۡتِيۡهَا رِزۡقُهَا رَغَدًا مِّنۡ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتۡ
بِاَنۡعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُـوۡعِ وَالۡخَـوۡفِ
بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

١١٢۔ اور بتلائی اللہ نے ایک مثال (مثل) ایک بستی تھی چین امن سے[١٨١] چلی آتی تھی اسکو روزی فراغت کی ہر جگہ سے[١٨٢] پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ ان کے تن کے کپڑے ہو گئے بھوک اور ڈر بدلہ اس کا جو وہ کرتے تھے[١٨٣]

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡهُمۡ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمُ
الۡعَذَابُ وَهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

١١٣۔ اور ان کے پاس پہنچ چکا رسول انہی میں کا پھر اس کو جھٹلایا پھر آ پکڑا انکو عذاب نے اور وہ گنہگار تھے[١٨٤]

١٧٨۔ حضرت عمار کا کلمہ کفر اور توبہ: مکہ میں بعضے لوگ کافروں کے ظلم سے بچل گئے تھے یا صرف زبانی لفظ کفر کہہ لیا تھا۔ اس کے بعد جب ہجرت کی، جہاد کیا، اور بڑے استقلال و پامردی سے اسلام پر قائم رہے، اتنے کام ایمان کے کئے، وہ تقصیر بخشی گئی اور خدا کی مہربانی مبذول ہوئی ۔ایک بزرگ تھے "عمار" ان کے باپ تھے "یاسر اور ماں "سمیہ" دونوں ظلم اٹھاتے مر گئے، پر لفظ کفر نہ کہا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا خون تھا جو خدا کی راہ میں گرا بیٹے (عمار) نے خوف جاں سے لفظ کہہ دیا پھر روتے ہوئے حضرت کے پاس آئے۔ تب یہ آیتیں اتریں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

١٧٩۔ یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہ بول سکے گا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، اولاد، احباب و اقارب کوئی کام نہ دے گا۔ ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہو گا کہ کس طرح خدا کے عذاب سے مخلصی حاصل کرے۔ طرح طرح کے جھوٹے سچے عذر برأت کے لئے تراشے گا۔ اور جواب و

سوال کر کے چاہے گا کہ رستگاری حاصل کر لے۔

۱۸۰۔ یعنی نیکی کے ثواب میں کمی نہ ہوگی اور بدی کی سزا استحقاق سے زائد نہ دی جائے گی۔

۱۸۱۔ ایک بستی کی مثال: یعنی نہ باہر سے دشمن کا کھٹکا نہ اندر سے کسی طرح کی فکر و تشویش۔ خوب امن چین سے زندگی گذرتی تھی۔

۱۸۲۔ یعنی کھانے کے لئے غلے اور پھل وغیرہ کھنچے چلے آتے تھے، ہر چیز کی افراط تھی، گھر بیٹھے دنیا کی نعمتیں ملتی تھیں۔

۱۸۳۔ اس بستی کے رہنے والوں نے خدا کے انعامات کی قدر نہ پہچانی، دنیا کے مزوں میں پڑ کر ایسے غافل اور بدمست ہوئے کہ منعم حقیقی کا دھیان بھی نہ آیا۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی، آخر خدا تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور کفران نعمت کا مزہ چکھایا۔ یعنی امن چین کی جگہ خوف وہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے ان کو اس طرح گھیر لیا، جیسے کپڑا پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے ایک دم کو بھوک اور ڈر ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔

۱۸۴۔ ظاہری نعمتوں کے علاوہ جو اوپر مذکور ہوئیں ایک بڑی بھاری باطنی نعمت بھی ان کو دی گئی تھی، یعنی انہی کی قوم ونسبت میں سے ایک رسول بھیجا گیا، جس کا اتباع کر کے وہ خدا کی خوشنودی کے بڑے اونچے مقامات حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے اتباع و تصدیق کی جگہ اس کی تکذیب و مخالفت پر کمر باندھ لی اور اس طرح پستی میں گرتے چلے گئے، آخر قدیم سنت اللہ کے موافق ظالموں اور گنہگاروں کو عذاب نے آپکڑا پھر کسی کی کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان آیات میں کسی معین بستی کا تذکرہ نہیں۔ محض بطور تمثیل کسی تباہ شدہ بستی کا لاعلی التعیین حوالہ دیکر یا ایک ایسی بستی کا وجود فرض کر کے کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ تم نے ایسا کیا تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہو سکتا ہے۔ کفران نعمت اور تکذیب وعداوت رسول کی سزا سے بے فکر نہ ہوں۔ بعض علماء کے نزدیک اس مثال میں بستی سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں ہر قسم کا امن چین تھا اور باوجود وادی غیر ذی روح ہونے کے طرح طرح کے پھل اور میوے کھنچے چلے آتے تھے۔ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ (القصص۔۵۷) اہل مکہ نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی، شرک وعصیان، بے حیائی، اور اوہام پرستی میں منہمک ہو گئے، پھر خدا تعالیٰ نے سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ کی صرت میں بھیجی، اس کے انکار و تکذیب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (ابراہیم۔۲۸) آخر خدا تعالیٰ نے امن واطمینان کے بجائے مسلمان مجاہدین کا خوف اور فراخ روزی کی جگہ سات سال کا قحط ان پر مسلط کر دیا۔ جس میں کتے اور مردار تک کھانے کی نوبت آگئی۔ پھر "بدر" کے معرکہ میں غازیان اسلام کے ہاتھوں خدا کا عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔ ادھر تو یہ ہوا دوسری طرف جو لوگ ان ظالموں کے جور وستم سے تنگ آکر گھر بار چھوڑ بھاگے تھے ان کو خدا نے بہتر ٹھکانا دیا۔ دشمنوں کے خوف سے مامون و مصئون بنایا، روزی کے دروازے کھول دیے، زبردست دشمنوں پر فتح عنایت کی، بلکہ اقلیموں کا بادشاہ اور متقیوں کا امام بنا دیا۔ شاید اسی لئے ان آیات میں مکہ والوں کا حال سنا کر اگلی آیت فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ الخ میں مسلمانوں کا خطاب فرمایا ہے کہ تم اس قسم کی حرکات سے بچتے رہنا جن کی بدولت مکہ والوں پر مصیبت ٹوٹی۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾

۱۱۴۔ سو کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو پوجتے ہو[۱۸۵]

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ

۱۱۵۔ اللہ نے تو یہی حرام کیا ہے تم پر مردار اور لہو اور سور

الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ
غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾

کا گوشت اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی ناچار ہو جائے نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۸۶]

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا
حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا
يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾ؕ

۱۱۶۔ اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر بہتان باندھو [۱۸۷] بیشک جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر ان کا بھلا نہ ہو گا

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾

۱۱۷۔ تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیں اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے [۱۸۸]

وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ
مِنْ قَبْلُ ۚ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾

۱۱۸۔ اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا جو تجھ کو پہلے سنا چکے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا پر وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے [۱۸۹]

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ
بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾ ع ١٥ ع ٢١

۱۱۹۔ پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے [۱۹۰] پھر توبہ کی اس کے پیچھے اور سنوارا اپنے کام کو سو تیرا رب ان باتوں کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے [۱۹۱]

۱۸۵۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو: یعنی جس کو خدا کی پرستش کا دعویٰ ہو، اسے لائق ہے کہ خدا کی دی ہوئی حلال وطیب روزی سے تمتع کرے اور اس کا احسان مان کر شکر گذار بندہ بنے۔ حلال کو حرام نہ سمجھے اور نعمتوں سے منتفع ہوتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولے۔ بلکہ اس پر اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور اسی کے احکام وہدایات کی پابندی کرے۔

۱۸۶۔ حرام چیزوں کا بیان: اس آیت کی تفسیر سورہ بقرہ اور انعام وغیرہ میں گذر چکی وہاں دیکھ لی جائے، یہاں غرض یہ ہے کہ جس طرح پہلی

آیت میں اشارہ تھا کہ حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرے، اس آیت میں تنبیہ کی گئی کہ حرام چیزوں کو حلال نہ ٹھہرائے، خلاصہ یہ کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اسی کا حق ہے۔ جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ چنانچہ آئندہ آیات میں نہایت وضاحت سے یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

۱۸۷۔ اپنی رائے سے حلال اور حرام نہ ٹھہراؤ: یعنی بدون کسی مستند شرعی کے کسی چیز کے متعلق منہ اٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جسارت اور کذب و افتراء ہے۔ حلال و حرام تو وہ ہی ہو سکتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے حلال یا حرام کہا ہو۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت کرتا ہے، جیسے مشرکین مکہ کرتے تھے، جس کا ذکر سورہ انعام میں گذر چکا وہ فی الحقیقت خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ کبھی ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ جس چیز کو خدا نے حلال کیا حلال اور جس کو حرام کیا حرام سمجھیں۔ بدون ماخذ شرعی کے حلت و حرمت کا حکم نہ لگائیں۔

۱۸۸۔ اپنی رائے سے حلال اور حرام نہ ٹھہراؤ: یعنی مشرکین مکہ جو حضور ﷺ کو معاذ اللہ مفتری کہتے تھے یاد رکھیں کہ وہ خود مفتری ہیں۔ از راہ کذب و افتراء جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کہہ کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ یہ روش اختیار کر کے کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے۔ تھوڑے دن اور دنیا کا مزہ اڑا لیں، پھر دائمی جیل خانہ تیار ہے۔

۱۸۹۔ اشیاء کی تحریم میں حکمت ہے: سورہ انعام آیت ۱۴۶ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ الخ کے فوائد میں اس کا بیان گذر چکا، ملاحظہ کر لیا جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے سب کے لئے یا کسی خاص قوم کے لئے معین وقت تک حرام کی ہے، عین حکمت ہے۔ کسی بشر کو حق نہیں کہ اس میں تصرف کر کے حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنائے۔

۱۹۰۔ نافرمانی بے عقلی ہے: مثلاً حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنایا۔ "نادانی سے" اس لئے فرمایا کہ خدا کی جو نافرمانی اور گناہ آدمی کرتا ہے خواہ جان بوجھ کر کرے، وہ فی الحقیقت نادان اور بے عقل بن کر کرتا ہے۔ اگر ذرا عقل سے کام لے اور گناہ کے بد نتائج کا تصور کرے تو ہرگز معصیت پر اقدام نہیں کر سکتا۔ سورہ نساء آیت ۱۷ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ الخ کے تحت میں جو اس کے متعلق لکھا گیا ہے اسے بھی ایک مرتبہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۹۱۔ یعنی کفریات سے توبہ کر کے مسلمان ہو جانے اور آئندہ کے لئے اپنی حالت درست کر لینے پر حق تعالیٰ تمام گذشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔

باز آ باز آ ہر آنچہ کردی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اصل میں تو ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا فرمانبردار اللہ کا سب سے ایک طرف ہو کر اور نہ تھا شرک والوں میں [۱۹۲]

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ حق ماننے والا اس کے احسانوں کا [۱۹۳] اس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر [۱۹۴]

وَ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اور دی ہم نے دنیا میں اس کو خوبی [۱۹۵] اور وہ آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے [۱۹۶]

ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا وہ شرک والوں میں [۱۹۷]

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ ہفتہ کا دن جو مقرر کیا سو انہی پر جو اس میں اختلاف کرتے تھے اور تیرا رب حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں اختلاف کرتے تھے [۱۹۸]

۱۹۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ: مشرکین عرب کی شرکیات کا رد کر کے امام الموحدین ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یاد دلاتے ہیں کیونکہ عرب کے لوگ ان کی نسل سے تھے اور دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حالانکہ ملت ابراہیمی سے انہیں دور کی نسبت بھی نہ رہی تھی۔ انہیں بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام موحدین کے امام نیکی کے معلم، تمام دنیا کے مشرکین کے مقابلہ میں تن تنہا ایک امت عظیمہ کے برابر تھے جن کی ذات واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کر دیے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔ لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ۔ اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ۔ ابراہیمؑ خدا کا کامل مطیع و فرمانبردار بندہ تھا جو ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کا ہو رہا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ بدون حکم الٰہی کسی چیز کو محض اپنی طرف سے حلال یا حرام ٹھہرا دے وہ خود تو معاذ اللہ شرک کا ارتکاب کہاں کر سکتا۔ مشرکین کی جماعت اور بستی میں رہنا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا۔ پھر جو لوگ آپ کو "حنیف" کہتے اور دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں۔ انہیں شرم کرنی چاہئے کہ خدا پر افتراء باندھ کر حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہنا اور شرک کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑنا۔ کیا ایک "حنیف" اور ابراہیمی کی شان ہو سکتی ہے؟ یاد رکھو! حلال و حرام کے بیان اور اصول دین میں اصل ملت ابراہیمی ہے محمد رسول اللہ ﷺ اسی ملت کی اقامت واشاعت اور بسط و تفصیل کے لئے تشریف لائے ہیں اگر اصلی دین ابراہیمؑ پر چلنا چاہو تو آپ کا طریقہ اختیار کرو۔

۱۹۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شاکر تھے: یعنی ابراہیمؑ خدا کا شکر گذار بندہ تھا۔ تم سخت ناسپاس اور کفران نعمت کرنے والے ہو جیسا کہ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً الخ کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے۔ پھر اس کی راہ پر کیونکر ہوئے۔

۱۹۴۔ یعنی توحید کامل اور تسلیم و رضا کی سیدھی راہ پر چلایا۔

۱۹۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دنیا اور آخرت کے انعامات: یعنی نبوت، فراخ روزی، اولاد، اور وجاہت و مقبولیت عامہ کہ تمام اہل ادیان بلااتفاق ان کی تعظیم کرتے ہیں، اور ہر فرقہ چاہتا ہے کہ اپنا سلسلہ ابراہیمؑ سے ملائے۔

۱۹۶۔ یعنی اس نے اپنے حق میں جو دعا کی تھی وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ (الشعراء۔۸۳) قبول ہوئی، بیشک وہ آخرت میں صالحین کے اعلیٰ طبقہ میں شامل ہوں گے جو انبیاء علیہم السلام کا طبقہ ہے۔

۱۹۷۔ اس کا بیان سورہ انعام آیت ۱۶۱ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ کے تحت میں گذر چکا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے ۔ مقصد یہ ہے کہ حلال و حرام اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیمؑ ہے ۔ درمیان میں یہود و نصاریٰ کو ان کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیے گئے۔ آخر آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا، تا اصل ملت ابراہیمی کو جو غلفت اور تحریف و تصرف بیجا کی دستبرد سے ضائع ہو چکی تھی، از سر نو زندہ اور روشن کیا جائے، اور شرک کی تمام رگیں کاٹ دی جائیں۔ حدیث میں ہے۔ بُعِثْتُ بِالسَّمْحَةِ الْحَنِيْفِيَةِ الْبَيْضَاءِ اس کی پوری شرح و تفصیل حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں کی ہے جو قابل دید ہے۔

۱۹۸۔ یوم سَبت کا حکم: یعنی اصل ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا حکم نہ تھا، اس امت پر بھی نہیں ہے۔ البتہ درمیان میں یہود نے اپنے پیغمبر موسیٰؑ کے ارشاد سے اختلاف کر کے جب اپنے لئے یہ دن انتخاب کیا تو حکم ہوا کہ اچھا اسی کی تعظیم کرو اور مچھلی کا شکار اس روز مت کرو! یہ حکم کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سور بنائے گئے۔ اور آخرت میں جو فیصلہ ہو گا وہ الگ رہا۔ ایک اسی پر کیا منحصر ہے وہاں تو سارے اختلافات اور جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کی نسبت کوئی یہودی بتلاتا تھا کوئی نصرانی حالانکہ حق تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ وہ "حنیف مسلم" تھے۔ بہر حال آخرت میں سب اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور ہر شخص آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ کون غلطی پر تھا کون راستی پر۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے انکو جس طرح بہتر ہو[۱۹۹] تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے ان کو جو بھول گیا اس کی راہ اور وہی بہتر جانتا ہے انکو جو راہ پر ہیں[۲۰۰]

وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر کو تم کو تکلیف پہنچائی جائے (پہنچے) اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کو[۲۰۱]

وَ اصۡبِرۡ وَ مَا صَبۡرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ لَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا تَکُ فِیۡ ضَیۡقٍ مِّمَّا یَمۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو ان کے فریب سے[۲۰۲]

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ اللہ ساتھ ہے ان کے جو پرہیز گار ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں[۲۰۳]

۱۶ ع ۹ ۲۲

۱۹۹۔ دعوت کا بنیادی اصول: اوپر کی آیتوں میں مخاطبین کو آگاہ کرنا تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لے کر آئے ہیں۔ اگر کامیابی چاہتے ہو اور حنیف ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ الخ سے خود پیغمبر علیہ السلام کو تعلیم دی جارہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہئے، اس کے تین طریقے بتلائے۔ حکمت، موعظمت حسنہ، جدال بالتی ہی احسن، "حکمت" سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل وبراہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں جن کو سن کر فہم وادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے۔ دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیات وحی الٰہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کر سکیں۔ "موعظمت حسنہ" موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت وحسن اخلاق سے خوبصورت اور متعدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے۔ بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں، ایک مایوس وپژمردہ قوم جھرجھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ ترغیب وترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی وفہیم نہیں ہوتے، مگر طلب حق کی چنگاری سینے رکھتے ہیں، ان میں مؤثر وعظ وپند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ سے ممکن ہیں۔ ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہا کی ہے جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں۔ نہ وعظ ونصیحت سنتے ہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث ومناظرہ کا بازار گرم ہو بعض اوقات اہل فہم وانصاف اور طالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فرمادیا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔ خواہی نخواہی دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو۔ جن سے قضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے، مقصود تفہیم اور احقاق حق ہونا چاہئے۔ خشونت، بداخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ نہیں۔

۲۰۰۔ دعوت کا بنیادی اصول: یعنی طریق دعوت وتبلیغ میں تم کو خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہئے۔ اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا۔ نتیجہ کو خدا کے سپرد کرو۔ وہ ہی راہ پر آنے والوں اور نہ آنے والوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے جیسا مناسب ہو گا ان سے معاملہ کرے گا۔

۲۰۱۔ انتقام اور صبر: یعنی دعوت وتبلیغ کی راہ میں اگر تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچائی جائیں تو قدرت حاصل ہونے کے وقت برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، اجازت ہے، لیکن صبر کا مقام اس سے بلند تر ہے۔ اگر صبر کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اور دیکھنے والوں کے بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ہو گا۔

۲۰۲۔ یعنی مظالم وشدائد پر صبر کرنا، سہل کام نہیں۔ خدا ہی مدد فرمائے تو ہو سکتا ہے کہ آدمی ظلم سہتا رہے اور اف نہ کرے۔

۲۰۳۔ اللہ متقین کے ساتھ ہے: یعنی انسان جس قدر خدا سے ڈر کر تقویٰ، پرہیز گاری اور نیکی اختیار کرے گا، اسی قدر خدا کی امداد واعانت اس کے ساتھ ہو گی۔ سو ایسے لوگوں کو کفار کے مکر وفریب سے تنگ دل اور غمگین ہونے کی کوئی وجہ نہیں حق تعالیٰ اس عاجز ضعیف کو بھی متقین ومحسنین کے ساتھ اپنے فضل ورحمت سے محشور فرمائے۔

تم سورۃ النحل بعونہ وتوفیقہ وللہ الحمد۔

ایاتها ۱۱۱ ۱۷ سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَكِّیَّةٌ ۵۰ رکوعاتها ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱﴾

۱۔ پاک ذات ہے [۱] جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک [۲] جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اُسکو کچھ اپنی قدرت کے نمونے [۳] وہی ہے سننے والا دیکھنے والا [۴]

۱۔ یعنی اس کی ذات نقص و قصور اور ہر قسم کے ضعف و عجز سے پاک ہے جو بات ہمارے خیال میں بے انتہا عجیب معلوم ہو اور ہماری ناقص عقلیں اسے بیحد مستبعد سمجھیں، خدا کی قدرت و مشیت کے سامنے وہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

۲۔ واقعہ اَسریٰ: یعنی صرف ایک رات کے محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین بندہ (محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض کیا تھی؟ آگے لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا "بیت المقدس" سے آگے کہیں اور لے جا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب و غریب نمونے دکھلانے منظور تھے۔ سورہ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ "سدرۃ المنتہیٰ" تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات کا مشاہدہ فرمایا وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۔عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۔عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۔اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۔مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی۔ (النجم۔۱۳ تا ۱۸)۔

واقعہ معراج کی کیفیت: علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" اور وہاں سے اوپر "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیاحت کو "معراج" کہتے ہیں۔ اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ کو ایک ہی لفظ "اسراء" یا "معراج" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے منقول ہیں جن میں معراج و اسراء کے واقعات بسط و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں جمہور سلف و خلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پرنور کو حالت بیداری میں بجسدہ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ واقعہ اسراء و معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ میں آگے چل کر جو لفظ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ (۶۰) الخ آتا ہے اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں سلف میں سے یہ کسی کا قول نہیں کہ معراج حالت بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض حکماء و صوفیہ کے مذاق پر تجویز کیا جا سکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے وَلَیْسَ مَعْنَى الْاِسْرَاءِ بِالرُّوْحِ الذِّهَابُ یَقْظَةً كَالْانْسِلَاخِ الَّذِیْ ذَهَبَ اِلَیْهِ الصُّوْفِیَّةُ وَالْحُكَمَاءُ فَاِنَّهٗ وَاِنْ كَانَ خَارِقًا لِلْعَادَةِ وَمَحَلًّا لِلْعُجْبِ اَیْضًا اِلَّا اِنَّهٗ اَمْرٌ لَا تَعْرِفُهُ الْعَرَبُ وَلَمْ یَذْهَبْ اِلَیْهِ اَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ۔ بیشک ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں عائشہ صدیقہ، معاویہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے۔ لیکن اس پر

کوئی نقل پیش نہیں کی، محض ظن و تخمین سے کام لیا ہے ابن اسحٰق وغیرہ نے جو الفاظ ان بزرگوں کے نقل کئے ہیں ان میں کہیں حالت بیداری کی تصریح نہیں۔

معراج کا واقعہ خواب نہیں تھا: بہرحال قرآن نے جس قدر اہتمام اور ممتاز و درخشاں عنوان سے واقعہ "اسراء" کا ذکر فرمایا اور جس قدر جد و مستعدی سے مخالفین اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے، حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے یہ اسکی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب و غریب خواب یا سیر روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر و انکشافات کے رنگ میں آپ کے جو دعاوی ابتدائے بعثت سے رہے ہیں۔ دعوئے اسراء کفار کے لئے کچھ سے بڑھ کر تعجبت خیز و حیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزاء و تمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ، آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو، نہ آپ کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر و مشوش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں ثُمَّ اَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ یا ثُمَّ اَتَيْتُ مَكَّةَ (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ ﷺ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے۔

اور شداد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ "رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا، حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے تھے"؟ ہمارے نزدیک اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ کے یہ معنی لینا کہ "خدا اپنے بندہ کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا۔" اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ کے یہ معنی لینے لگے کہ "اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لیکر مصر سے نکل جاؤ۔ یا سورہ کہف میں جو حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ کی ملاقات کے لئے جانا اور ان کے ہمراہ سفر کرنا جس کے لئے کئی جگہ فَانْطَلَقَا کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہوا تھا ۔باقی لفظ "رُؤیا" جو قرآن میں آیا، اس کے متعلق ابن عباسؓ فرما چکے ہیں رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مفسرین نے کلام عرب سے اس کے شواہد پیش کئے ہیں کہ "رویا" کا لفظ گاہ بگاہ مطلق رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس سے مراد یہ ہی اسراء کا واقعہ ہے تو مطلق نظارہ کے معنی لئے جائیں جو ظاہری آنکھوں سے ہوا۔ تاکہ ظواہر نصوص اور جمہور امت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو۔

شریک کی روایت: ہاں شریک کی روایت میں بعض الفاظ ضرور ایسے آئے ہیں جن سے "اسراء" کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے مگر محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا حافظہ خراب تھا، اس لئے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلہ میں ان کی روایت قابل استناد نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اواخر میں حدیث شریک کے اغلاط شمار کئے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کی روایت کا مطلب ایسا لیا جا سکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس قسم کی تفاصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے شرح صحیح مسلم میں یہ مباحث پوری شرح و بسط سے درج کئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج و اسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بجسدہ الشریف واقع ہوا۔ ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔

واقعہ معراج کے عقلی دلائل: کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے کی ہو گی یا کرہ ناروز مہریر میں سے کیسے گذرے ہوں گے یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابل تسلیم ہو گا۔ لیکن آج تک کوئی دلیل اس کی پیش نہیں کی گئی کہ آسمان واقع میں کوئی شے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگونی چیز جو ہم کو نظر آتی ہے فی الحقیقت آسمان نہیں ہے تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگونی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہو سکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے

ہیں کہ سرعت حرکت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ بھی یقین نہیں آسکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائے گی یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کر سکیں گے۔ "اسٹیم" اور "قوت کہربائیہ" کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے۔ کرہ نار تو آج کل ایک لفظ بے معنی ہے۔ ہاں اوپر جا کر ہوا کی سخت برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیے گئے ہیں جو اڑنے والوں کی زمہریر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلاواسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ زمین یا سورج چوبیس گھنٹہ میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں۔ روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے۔ اور اس سرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پرکاہ کی برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں کیا وہ قادر مطلق اپنے حبیب ﷺ کے براق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا جن سے حضور ﷺ بڑی راحت و تکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہو سکیں۔ شاید اسی لئے واقعہ "اسراء" کا بیان لفظ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ سے شروع فرمایا تا جو لوگ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم و تخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں، کچھ اپنی گستاخیوں اور عقلی ترکتازیوں پر شرمائیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

۳۔ **مسجد اقصیٰ اور برکات:** یعنی جس ملک میں "مسجد اقصیٰ" (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی افراط، اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے۔ شاید نبی کریم ﷺ کو وہاں لیجانے میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جو کمالات انبیائے بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے آپ کی ذات مقدس میں وہ سب جمع کر دیے گئے جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، ان پر اب بنی اسمٰعیل کو قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ "کعبہ" اور "بیت المقدس" دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی ہے۔ احادیث معراج کی تصریح ہے کہ "بیت المقدس" میں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ گویا حضور ﷺ کو جو سیادت و امامت انبیاء کا منصب دیا گیا تھا اس کا حسی نمونہ آپ کو اور مقربین بارگاہ کو دکھلایا گیا۔

۴۔ یعنی اصلی سننے والا اور دیکھنے والا خدا ہے۔ وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہے دکھلا دیتا ہے۔ اس نے اپنے حبیب محمد ﷺ کی مناجات کو سنا اور احوال رفیعہ دیکھا۔ آخر "معراج شریف" میں بِیۡ یُبۡصِرُ والی آنکھ سے وہ آیات عظام دکھلائیں جو آپ کی استعداد کامل اور شان رفیع کے مناسب تھیں۔

وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ؕ﴿۲﴾

۲۔ اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے [5] کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز [6]

ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا ﴿۳﴾

۳۔ تم جو اولاد ہو ان لوگوں کی جن کو چڑھایا ہم نے نوح کے ساتھ بیشک وہ تھا بندہ حق ماننے والا [7]

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات: نبی کریم ﷺ کا فضل و شرف بیان فرما کر سلسلہ کلام حضرت موسیٰؑ کے ذکر کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ "اسراء" کے ذیل میں "مسجد اقصیٰ" (بیت المقدس تک جانا مذکور ہوا تھا، آگے "مسجد اقصیٰ" اور اس کے قدیم متولیوں (بنی اسرائیل) پر جو مختلف دور گذرے، مسلمانوں کی عبرت اور خود بنی اسرائیل کی نصیحت کے لئے ان کا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ آیت اسی کی تمہید ہے۔ واقعہ "اسراء" میں اشارہ تھا کہ حجازی پیغمبر کی امت ہی آئندہ اس امانت الٰہی کی مالک بننے والی ہے جو شام کی مبارک سرزمین میں ودیعت کی گئی تھی ان آیات میں بنی اسرائیل کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہیں تو اب پیغمبر عربی ﷺ کی پیروی کریں، حق تعالیٰ ان کے حال پر مہربانی فرمائے گا۔ ورنہ پہلے کی طرح پھر شرارتوں پر سزا ملے گی اور مسجد اقصیٰ کی تولیت سے محروم کر دئے جائیں گے۔

٦۔ یعنی تورات میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خالص توحید پر قائم رہیں اور خدا کے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھیں ہمیشہ اسی پر بھروسہ اور توکل کریں۔

٧۔ یعنی تم ان کی اولاد ہو جو نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر عذاب الٰہی سے بچے تھے۔ جو احسان تمہارے بڑوں پر کیا گیا اسے فراموش مت کرو۔ دیکھو نوحؑ جن کی اولاد میں تم ہو کیسے احسان شناس اور شکر گذار بندے تھے تم کو بھی ان ہی کی راہ پر چلنا چاہئے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿٤﴾

۴۔ اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی [٨]

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿٥﴾

۵۔ پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے [٩] سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا [١٠]

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿٦﴾

٦۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری [١١] ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿٧﴾

٧۔ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لئے [١٢] پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا بھیجے اور بندے کہ اداس کر دیں تمہارے منہ اور گھس جائیں مسجد میں جیسے گھس گئے تھے پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی [١٣]

عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَ جَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ حَصِیۡرًا ﴿۸﴾

۸۔ بعید نہیں تمہارے رب سے کہ رحم کرے تم پر اور اگر پھر وہی کروگے تو ہم پھر وہی کریں گے اور کیا ہے ہم نے دوزخ کو کافروں کا قید خانہ [۱۴]

۸۔ **تورات کی پیشگوئی:** تورات میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہ قوم (بنی اسرائیل) دو مرتبہ ملک میں سخت خرابی پھیلائے گی اور ظلم و تکبر کا شیوہ اختیار کر کے سخت تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہر مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۹۔ یعنی جن کو ہم نے سزا دینے کے لئے تم پر مسلط کیا تھا۔

۱۰۔ یعنی بستی میں مکانوں کے اندر گھس کر خوب کشت و خون اور لوٹ کھسوٹ کی۔ اس طرح خدا نے سزا دہی کا جو وعدہ کیا تھا پورا ہو کر رہا۔

۱۱۔ یعنی جب تم ہماری طرف رجوع ہوئے اور توبہ و انابت کا طریقہ اختیار کیا، ہم نے پھر ایک مرتبہ تم کو دشمنوں پر غالب کیا۔

۱۲۔ یعنی بھلائی برائی کا جو کچھ نفع نقصان پہنچنا تھا تم ہی کو پہنچنا تھا، سو پہنچا۔

۱۳۔ **بنی اسرائیل کی قوت کا خاتمہ:** یعنی مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیے۔ اور "مسجد اقصیٰ" (بیت المقدس) میں گھس کر پہلے کی طرح اودھم مچائی ہیکل وغیرہ کو تباہ کر دیا۔ اس طرح "بنی اسرائیل" کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

۱۴۔ **بنی اسرائیل پر دو حملے:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "تورات میں کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل دوبارہ شرارت کریں گے، اس کی جزاء میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہوں گے۔ اسی طرح ہوا ہے۔ ایک بار جالوت غالب ہوا، پھر حق تعالیٰ نے اس کو حضرت داؤدؑ کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ پیچھے بنی اسرائیل کو اور قوت زیادہ دی۔ حضرت سلیمانؑ کی سلطنت میں دوسری بار فارسی لوگوں میں بخت نصر غالب ہوا۔ تب سے انکی سلطنت نے قوت نہ پکڑی۔ اب فرمایا کہ اللہ مہربانی پر آیا ہے اگر اس نبی کے تابع ہو تو وہی سلطنت اور غلبہ پھر کر دے اور اگر پھر وہی شرارت کروگے تو ہم وہی کریں گے۔ یعنی مسلمانوں کو ان پر غالب کیا اور آخرت میں دوزخ تیار ہے"۔ بعض علماء نے پہلے وعدہ سے بخت نصر کا حملہ جو ولادت مسیحؑ سے ۵۸۷ سال پہلے اور دوسرے وعدہ سے "طیطوس رومی" کا حملہ جو رفع مسیحؑ سے ستر سال بعد ہوا مراد لیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں حملوں میں یہود پر تباہی آئی اور "مقدس ہیکل" کو برباد کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَهۡدِیۡ لِلَّتِیۡ هِیَ اَقۡوَمُ وَ یُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا کَبِیۡرًا ﴿۹﴾ۙ

۹۔ یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں اچھے کہ ان کے لئے ہے ثواب بڑا [۱۵]

وَّ اَنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۰﴾ع

۱۰۔ اور یہ کہ جو نہیں مانتے آخرت کو ان کے لئے تیار کیا ہے ہم نے عذاب دردناک

ع ۱ | ۱

وَ يَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ ؕ وَ كَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ۝۱۱

۱۱۔ اور مانگتا ہے آدمی برائی جیسے مانگتا ہے بھلائی اور ہے انسان جلد باز[۱۶]

۱۵۔ قرآن ہی سب سے سیدھا راستہ ہے: یعنی یوں تو "تورات" بھی بنی اسرائیل کو راہ بتانے والی تھی جیسا کہ پہلے فرمایا هُدًى لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی، سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے۔ تمام قدیم راہیں اس "اقوام" کے تحت میں مندرج ہو گئی ہیں۔ لہٰذا اگر کامیابی اور نجات چاہتے ہو تو خاتم الانبیاء کی پیروی میں اسی سیدھی سڑک پر چلو۔ جو لوگ قلب و جوارح یعنی ایمان و عمل صالح سے اس صاف و کشادہ راہ پر چلیں گے قرآن ان کو دنیا میں حیات طیبہ کی اور آخرت میں جنت کی عظیم الشان بشارت سناتا ہے۔ باقی جنہیں انجام کا کچھ خیال نہیں، اندھا دھند دنیا کی لذات و شہوات میں غرق ہیں آخرت کی اصلا فکر نہیں رکھتے، ان کا انجام اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۶۔ انسان کی ناعاقبت اندیشی: یعنی قرآن تو لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا اجر کبیر کی بشارتیں سناتا، اور بدی کے مہلک نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کا حال یہ ہے کہ وہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اپنے لئے برائی کو اسی اشتیاق و الحاح سے طلب کرتا ہے۔ جس طرح کوئی بھلائی مانگتا ہو، یا جیسے بھلائی طلب کرنا چاہئے وہ انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بڑی تیزی کے ساتھ گناہوں اور برائیوں کی طرف لپکتا ہے بلکہ بعض بدبخت تو صاف لفظوں میں زبان سے کہہ اٹھتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ (الانفال۔ ۳۲) (خداوند! اگر پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب نازل کیجئے) بعض بے وقوف غصہ سے جھنجھلا کر اپنے حق میں یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بے سوچے سمجھے بددعا کر بیٹھتے ہیں بعض دنیا کے نفع عاجل کو معبود بنا کر ہر ایک حلال و حرام طریقہ سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس لہلہاتے پودے کے نیچے سانپ بچھو بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جو انجام کار ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی جلد بازی سے کسی چیز کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ لیتا ہے، بدی کے دورس نتائج پر غور نہیں کرتا۔ بس جو بات کسی وقت سانح ہوئی فوراً کہہ ڈالی یا ایک دم کر گذرا۔ جدھر قدم اٹھ گیا بے سوچے سمجھے ادھر ہی بڑھتا چلا گیا۔ اگر جلد بازی چھوڑ کر متانت، تدبر اور انجام بینی سے کام لے تو کبھی ایسی غلطیاں نہ کرے۔

وَ جَعَلۡنَا الَّيۡلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيۡنِ فَمَحَوۡنَاۤ اٰيَةَ الَّيۡلِ وَ جَعَلۡنَاۤ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبۡصِرَةً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَ الۡحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيۡءٍ فَصَّلۡنٰهُ تَفۡصِيۡلًا ۝۱۲

۱۲۔ اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے[۱۷] پھر مٹا دیا رات کا نمونہ[۱۸] اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا[۱۹] اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب[۲۰] اور سب چیز سنائی ہم نے کھول کر[۲۱]

وَ كُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيۡ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا ۝۱۳

۱۳۔ اور جو آدمی ہے لگا دی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھائیں گے اس کو قیامت کے دن ایک کتاب کہ دیکھے گا اسکو کھلی ہوئی[۲۲]

اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ؕ‏ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ پڑھ لے کتاب اپنی (لکھا اپنا) تو ہی بس (کافی) ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا [۲۳]

مَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ‌ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى‌ ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا‏ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی بھلے کو اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی برے کو اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا [۲۴] اور ہم نہیں ڈالتے بلا جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول [۲۵]

۱۷۔ دن اور رات میں دو نشانیاں: رات کا اندھیرا، دن کا اجالا، دونوں میں سے کبھی اس کا کبھی اس کا چھوٹا بڑا ہونا۔ پھر رات میں چاند کی آہستہ آہستہ گھٹنے بڑھنے والی، ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی، دن میں آفتاب عالمتاب کی تیز اور گرم روشنی، یہ سب خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کے نمونے ہیں جن میں سے ہر ایک کا مستقل نظام علیحدہ ہے جس کے ساتھ سینکڑوں فوائد اور مصالح وابستہ ہیں۔ اور سب کا مجموعی نظام الگ ہے جو شروع سے اب تک نہایت مضبوط و محکم قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔

۱۸۔ یعنی رات کا نمونہ تاریک اور مٹا ہوا ہے، چاند کی روشنی سورج کے اعتبار سے دھیمی اور دھندلی ہوتی ہے۔ بلکہ خود جرم قمر بھی دیکھنے والے کو داغدار نظر آتا ہے۔

۱۹۔ یعنی دن کے وقت سورج کی روشنی میں ہر چیز صاف دکھائی دیتی ہے لوگ تازہ دم ہو کر روزی کی تلاش میں نکلتے اور مختلف قسم کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ الغرض شب میں جن چیزوں پر تاریکی کی چادر پڑی ہوئی تھی، سورج کی شعاعیں سب کو بے حجاب کر دیتی ہیں اور جو لوگ خواب گراں سے مدہوش تھے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر گشت لگانے لگتے ہیں۔

۲۰۔ یعنی لیل و نہار کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور بہت طرح کے چھوٹے بڑے حساب متعلق ہیں۔

۲۱۔ تم سمجھ لو کہ گھبرانے اور جلدی مچانے سے فائدہ نہیں۔ خدا کے یہاں ہر چیز کا خیر ہو یا شر ایک وقت اور اندازہ مقرر ہے۔ جیسے رات اور دن کسی کی جلد بازی اور شتاب کاری سے رات کم نہیں ہو جاتی یا دن بڑھ نہیں جاتا۔ اپنے وقت پر آپ صبح و شام ہوتی ہے، شر کے بعد خیر اور خیر کے بعد شر کا آنا بھی ایسا ہی سمجھو جیسے رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات برابر لگی چلی آتی ہے۔ دنیا کے تمام خیر و شر کا سلسلہ ایک معین ضابطہ اور نظام کے ماتحت ہے جس کا توڑ ڈالنا کسی کے امکان نہیں۔ اس دنیا کی مکدر و منغض زندگی کو شب تاریک کے مشابہ سمجھو جس کے اندھیرے میں آدمی کو خیر و شر کے نتائج بالکل صاف دکھائی نہیں دیتے۔ بیشک حق تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو بھیجا کہ رات کی اندھیری میں مخلوق کو صحیح راستہ بتلائیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے اپنے درجہ کے موافق اجالا کریں جس سے لوگوں کو خیر و شر کی حقیقت اور اس کے نتائج کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن ایسا صریح اور بدیہی انکشاف جس میں کسی فرد بشر کو انکار یا شبہ کی مجال ہی باقی نہ رہے، اس وقت ہو گا جب ہماری دنیوی زندگی کی رات ختم ہو کر فردائے محشر کا دن نکل آئے گا۔ انسان کے وہی اعمال جو دنیا کی دھندلی زندگی میں ہر وقت اس کے گلے کا ہار بنے ہوئے تھے، پر غفلت جہالت وغیرہ کی تاریکی میں صاف نظر نہ آتے تھے قیامت کی صبح ہوتے ہی ایک کھلی کتاب کی شکل میں سامنے آجائیں گے جسے روز روشن کے اجالے میں ہر شخص بے تکلف پڑھ سکے گا۔ فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ (قٓ۔ ۲۲) اس وقت اپنے تمام

چھوٹے بڑے اعمال کو اصلی رنگ میں دیکھ کر بول اٹھے گا۔ مَالِھٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّآ اَحْصٰھَا (کہف۔۴۹)۔

۲۲۔ انسان کا نامہ اعمال: یعنی شومیٔ قسمت اور زشتی اعمال اس کے گلے کا ہار ہے بری قسمت کے ساتھ برے عمل ہیں کہ چھوٹ نہیں سکتے وہ ہی نظر آئیں گے قیامت میں۔

۲۳۔ نامہ اعمال کی سچائی: یعنی نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے۔ جو کام عمر بھر میں کئے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرہ ذرہ عمل بلا کم و کاست اس میں موجود ہے۔ دنیا میں جو کتاب بھیجی (قرآن کریم) اور چاند سورج وغیرہ سے جو حساب متعلق ہے پہلے اس کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں قیامت کے حساب و کتاب کا ذکر فرمایا جو اسی پہلے حساب وکتاب پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

۲۴۔ ہر شخص صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہے: یعنی سیدھی راہ خدا نے سب کو بتلادی اب جو کوئی اس پر چلے یا نہ چلے، اپنا بھلا برا خود سوچ لے۔ کیونکہ اپنے طریق عمل کا نفع یا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ ایک کے گناہوں کی گٹھری دوسرے کے سر پر نہیں رکھی جائے گی۔

۲۵۔ بعثت رسول کے بغیر عذاب نہیں دیا جاتا: یعنی بلاشبہ برے عمل آفت لاتے ہیں، پر حق تعالیٰ بغیر سمجھائے نہیں پکڑتا اسی واسطے رسول بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بے خبر اور غافل نہ رہنے دیں، نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیں جن باتوں کو آدمی محض عقل و فطرت کی رہنمائی سے سمجھ سکتا ہے (مثلاً وجود باری یا توحید) ان کی مزید تشریح و توثیق پیغمبروں کی زبانی کر دی جائے اور جن چیزوں کے ادراک میں محض عقل کافی نہ ہو انہیں وحی و الہام کی روشنی میں پیش کیا جائے اسی لئے ابتدائے آفرینش سے حق تعالیٰ نے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تا آنکہ انبیاء علیہم السلام کے انوار و فیوض نے دنیا میں ایسی فضا پیدا کر دی کہ کوئی معذب قوم دنیا یا آخرت میں جہل و بے خبری کا عذر پیش کر کے عذاب الٰہی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں "اصحاب فترت" اور اطفال صغار کی تعذیب پر بحث شروع کر دی ہے ہم تطویل کے خوف سے درج نہیں کر سکتے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت ہو گئی ان پر بات پھر اکھاڑ مارا ہم نے انکو اٹھا کر [۲۶]

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور بہت غارت کر دیئے ہم نے قرن نوح کے پیچھے [۲۷] اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ جاننے والا دیکھنے والا [۲۸]

۲۶۔ یعنی جب بد اعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی دفعۃً پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے، بلکہ اتمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے اول پیغمبر یا اس کے نائبین کی زبانی خدائی احکام ان کو پہنچائے جاتے ہیں۔ خصوصًا وہاں کے امراء اور بارسوخ لوگوں کو جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے۔ آگاہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ بڑی ناک والے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے اور کھلے بند نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسموم و مکدر بنا دیتے ہیں، اس وقت وہ بستی اپنے کو علانیہ مجرم ثابت کر کے عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ من شرور انفسنا)

تنبیہ وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ اَنَّ الْاَمْرَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی "اَمَرْنَا مُتْرَفِیْھَا" اَمْرٌ تَکْوِیْنِیٌّ قَدْرِیٌّ بِالْفِسْقِ وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی "اِنَّ اللہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ" مَعْنَاہُ نَفْیُ الْاَمْرِ التَّشْرِیْعِیِّ فَلَا مُنَافَاۃَ۔ فَافْھَمْ۔

۲۷۔ معذب قوموں کی ہلاکت: آدمؑ و نوحؑ کے درمیانی زمانہ میں سب آدمی اسلام پر رہے۔ پھر شرک و بت پرستی شروع ہوئی۔ نوحؑ ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ سینکڑوں برس سمجھایا، نہ مانے، آخر سب ہلاک کئے گئے۔ اس کے بعد بہت سی قومیں (عاد و ثمود وغیرہ) تباہ ہوئیں۔ حاصل یہ کہ قوموں کے ہلاک کئے جانے کا سلسلہ بعثت نوح کے بعد سے شروع ہوا۔

۲۸۔ یعنی کسی کو بے قصور نہیں پکڑتا نہ غیر مناسب سزا دیتا ہے۔ بلکہ ہر ایک کے گناہوں کو دیکھ کر اور اس کے اوضاع و اطوار کو پوری طرح جان کر موزوں و مناسب برتاؤ کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر جلد دے دیں ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہم نے اس کے واسطے دوزخ داخل ہو گا اسمیں اپنی برائی سنکر دھکیلا جا کر [۲۹]

وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے جو اس کی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی دوڑ ٹھکانے لگی ہے [۳۰]

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں۔ اِنکو اور اُن کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی [۳۱]

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ دیکھ کیا بڑھا دیا ہم نے ایک کو ایک سے اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت [۳۲]

۲۹۔ یعنی ضروری نہیں کہ ہر عاشق دنیا کو فوراً ہلاک کر دیا جائے، نہیں ہم ان لوگوں میں سے جو صرف متاع دنیا کے لئے سرگرداں ہیں، جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی حکمت و مصلحت کے موافق دنیا کا سامان دے دیتے ہیں تا ان کی جدوجہد اور فانی نیکیوں کا فانی پھل مل جائے۔ اور اگر آخری سعادت مقدر نہیں تو شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ دوزخ کے ابدی جیل خانہ میں دھکیل دئے جائیں۔

۳۰۔ سچے مومنین کا انعام: یعنی جس کے دل میں ایمان و یقین موجود ہو اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور ثواب اخروی کی خاطر پیغمبر کے بتلائے ہوئے راستہ پر عملی دوڑ دھوپ کرے، اس کی کوشش ہرگز ضائع ہونے والی نہیں۔ یقیناً بارگاہ احدیت میں حسن قبول سے سرفراز ہو کر

رہے گی۔

۳۱۔ یعنی حق تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے موافق بعض طالبین دنیا کو دنیا اور تمام طالبین آخرت کو آخرت عطا فرماتا ہے اس کی عطا میں کوئی مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت دنیوی امداد سے دونوں کو حسب مصلحت حصہ پہنچتا ہے۔ محض کفر و عصیان کی وجہ سے دنیوی بخشش کے دروازے بند نہیں کر دیے جاتے۔

۳۲۔ **جنت کے درجات:** یعنی دنیوی زندگی میں مال، دولت، عزت، حکومت، اولاد وغیرہ کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کسی قدر فضیلت ہے۔ اسی پر قیاس کر لو کہ آخرت میں تفاوت اعمال و احوال کے لحاظ سے کس قدر فرق مراتب ہو گا۔ چنانچہ نصوص سے ثابت ہے کہ درجات جنت اور درجات جہنم بیحد متفاوت ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے دو درجوں کے درمیان زمین آسمان کا تفاوت ہو گا۔ نیچے والے اوپر والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم زمین پر کھڑے ہو کر افق میں کوئی ستارہ دیکھتے ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا کہ جنت کے درجات ان ہی کو مل سکتے ہیں جو آخرت کے لئے اس کے لائق دوڑ دھوپ کریں۔ اگلی آیتوں میں دور تک آخرت کی سعی کا طریقہ بتلایا گیا ہے جس پر چلنے سے انسان کو یہ بلند مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے "تورات" کی ساری (اخلاقی) تعلیم سورہ "بنی اسرائیل" کی پندرہ آیتوں میں درج کر دی ہے۔ وہ پندرہ آیتیں اگلے رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۲۲ ۲

۲۲۔ مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم پھر بیٹھ رہے گا تو الزام کھا کر بے کس ہو کر [۳۳]

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو [۳۴] اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی [۳۵]

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیاز مندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا [۳۶]

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

۲۵۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے [۳۷]

۳۳۔ شرک رسوائی اور بے کسی کا سبب ہے: یعنی شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس کے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، بلکہ دنیا کے ہر عقلمند کے نزدیک تم مذموم وملزم ٹھہروگے۔ چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم تھی وہ بھی دانشمندوں کی سوسائٹی میں جگہ حاصل کرنے کے لئے اپنی ترمیم واصلاح کر کے آہستہ آہستہ توحید کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔ ہر ایک عاقل یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اشرف المخلوقات انسان کے لئے یہ چیز سخت ذلت ورسوائی کا موجب ہے کہ اپنے سے کمتر یا کسی عاجز مخلوق کے سامنے سربسجود ہو جائے۔ خصوصًا ان چیزوں کے سامنے دست سوال دراز کرے جو خود اسی کی تراشی ہوئی ہیں جو آدمی خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے جھکتا ہے، خدائے بے نیاز حقیقی نصرت وبرکت کا دروازہ اس پر بند کر کے کمزوری اور بے کسی کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ سخت کٹھن وقت میں جب کہ اسے اعانت وامداد کی بڑی ضرورت ہوگی، کوئی یار ومددگار نہ ملے گا۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (الحج۔۷۳)

۳۴۔ والدین سے حسن سلوک: خدا تو حقیقۃً بچہ کو وجود عطا فرماتا ہے، والدین اس کی ایجاد کا ظاہری ذریعہ ہیں اس لئے کئی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق کے ذکر کئے گئے۔ حدیث میں ہے کہ وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان ومال سے خدمت اور دل سے تعظیم ومحبت کرے۔ مرنے کے بعد ان کا جنازہ پڑھے، ان کے لئے دعاء استغفار کرے، ان کے عہد تا مقدور پورے کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم وحسن سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحم سے پیش آئے۔ وغیرہ ذالک۔

۳۵۔ بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے، جس سے بعض اوقات اہل وعیال بھی اکتانے لگتے ہیں زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے۔ بڑی سعادت مند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بڈھے والدین کی خدمت گذاری وفرمانبرداری سے جی نہ ہارے قرآن نے تنبیہ کی کہ جھڑکنا اور ڈانٹنا تو کجا ان کے مقابلہ میں زبان سے "ہوں" بھی مت کرو۔ بلکہ بات کرتے وقت پورے ادب وتعظیم کو ملحوظ رکھو۔ ابن مسیب نے فرمایا ایسی طرح بات کرو جیسے ایک خطاوار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے۔

۳۶۔ والدین کے لئے دعا: یعنی جب میں بالکل کمزور وناتواں تھا انہوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا۔ اپنے خیال کے موافق میرے لئے ہر ایک راحت وخوبی کی فکر کی۔ ہزارہا آفات وحوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ بارہا میری خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی، آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے، جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی خدمت وتعظیم کرتا ہوں، لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔

۳۷۔ یعنی والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے تواضع وفروتنی صمیم قلب سے ہونی چاہئے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر فی الواقع تم دل سے نیک اور سعادت مند ہوگے اور خدا کی طرف رجوع ہو کر اخلاص وحق شناسی کے ساتھ ان کی خدمت کروگے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔ فرض کرو اگر کسی وقت باوجود نیک نیتی کے تنگ دلی یا تنک مزاجی سے کوئی فروگذاشت ہوگئی۔ پھر توبہ ورجوع کیا تو اللہ بخشنے والا ہے۔ (تنبیہ) والدین کی فرمانبرداری کن چیزوں میں ہے اور کن میں نہیں؟ اسکی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنا چاہئے۔ روح المعانی میں بھی اس پر مفید ومبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا بیجا (فضول) [۳۸]

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ بے شک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر[۳۹]

۳۸۔ قرابت داروں اور دوسرے لوگوں کے حقوق: یعنی قرابت والوں کے مالی و اخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو۔ محتاج مسافر کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔

۳۹۔ فضول خرچی کی ممانعت: یعنی مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملے، اس کو بیجا اڑانا ناشکری ہے جو شیطان کی تحریک و اغواء سے وقوع میں آتی ہے اور آدمی ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان و اضلال میں خرچ کیا۔ اس نے بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑایا۔

وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور اگر کبھی تغافل کرے تو ان کی طرف سے انتظار میں اپنے رب کی مہربانی کے جسکی تجھ کو توقع ہے تو کہہ دے انکو بات نرمی کی[۴۰]

۴۰۔ صدقہ و خیرات کے آداب: یعنی جو کوئی ہمیشہ سخاوت کرتا ہے اور ایک وقت اس کے پاس نہیں ہے، تو اللہ کے ہاں امید والے کا محروم جانا خوش نہیں آتا اس محتاج کی قسمت سے اللہ سخیوں کو بھیج دیتا ہے۔ سو اس واسطے اگر ایک وقت تو نہ دے سکے تو نرم اور میٹھے طریقہ سے معذرت کر دے، مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ جب خدا ہم کو دے گا انشاء اللہ ہم تمہاری خدمت کریں گے، سختی اور بد اخلاقی سے جواب دینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں اگلی خیراتیں بھی برباد نہ ہو جائیں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا[۴۱]

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع

۳۰۔ تیرا رب کھول دیتا ہے روزی جسکے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے[۴۲] وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا[۴۳]

۳ ع ۸ ۲

۴۱۔ خرچ میں میانہ روی: یعنی سب الزام دیں کہ کنجوس مکھی چوس ہے، یا یہ کہ اتنا کیوں دیا کہ آپ محتاج رہ گیا۔ غرض ہر معاملہ میں توسط و اعتدال مرعی رکھنا چاہئے، نہ ہاتھ اس قدر کھینچے کہ گردن سے لگ جائے اور نہ طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنے میں ایسی کشادہ دستی دکھائے کہ پھر بھیک مانگنی پڑے اور ہاتھ کھلے کا کھلا رہ جائے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں فَتُعْطِیْ فَوْقَ طَاقَتِكَ وَتُخْرِجَ اَكْثَرَ مِنْ دَخْلِكَ یعنی طاقت سے بڑھ کر یا آمدنی سے زائد خرچ کرنا بھی وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ کے تحت میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (جس نے میانہ روی اختیار کی

محتاج نہیں ہوا)۔

۴۲۔ رزق میں کمی بیشی اللہ کے ہاتھ میں ہے: یعنی تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہیں ہو جاتا۔ نہ تمہاری سخاوت سے وہ غنی اور تم فقیر بن سکتے ہو۔ فقیر و غنی بنانا اور روزی کا کم و بیش کرنا محض خدا کے قبضہ میں ہے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ افسوس آج ہمارے پاس نہیں ہے، یہ فقیر جو امید لے کر آیا تھا کیا کہے گا۔ فقر و غنی کے مختلف احوال بھیجنا اسی مالک علی الاطلاق کے قبضہ میں ہے۔ تمہارا کام میانہ روی سے امتثال حکم کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی محتاج کو دیکھ کر بالکل بیتاب نہ ہو جا۔ اس کی حاجت روائی تیرے ذمہ نہیں۔ اللہ کے ذمہ پر ہے لیکن یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام کو فرمائی ہیں جو بے حد سخی واقع ہوئے تھے۔ باقی جس کے جی سے مال نہ نکل سکے اس کو پابند کیا ہے دینے کا۔ حکیم بھی گرمی والے کو سرد دوا دیتا ہے اور سردی والے کو گرم"۔

۴۳۔ غنا اور فقر میں اللہ کی حکمت: یعنی ہر ایک بندے کے ظاہری و باطنی احوال و مصالح سے خبردار ہے۔ اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے حدیث قدسی میں فرمایا کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جن کی درستی حال فقیر رہنے میں ہے۔ اگر میں اس کو غنی کر دیتا تو اس کا دین تباہ ہو جاتا۔ اس کے برعکس بعض وہ بندے ہیں جن کو غنی بنایا، اگر فقیر بنا دیا جاتا تو دین پر قائم نہ رہ سکتے۔ اس کے علاوہ بعض اشقیاء کے حق میں غنا ظاہری محض امہال واستدراج کے طور پر یا فقر و تنگدستی عقوبت اور سزا کے طریقہ سے ہے۔ (عیاذاً باللہ من ہذا وہذا) ہم پہلے کئی جگہ اسکی تقریر کر چکے ہیں۔

وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے ہم روزی دیتے ہیں انکو اور تم کو [۴۴] بیشک اُن کا مارنا بڑی خطاء ہے [۴۵]

۴۴۔ بعض کافر اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے۔ سورہ انعام میں اسی مضمون کی آیت گذر چکی، تفصیل وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۴۵۔ کیونکہ یہ بے رحمی کی حرکت نسل انسانی کے قطع کرنے کا موجب ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کو حق تعالیٰ کی رزاقی پر اعتماد نہیں۔

وَ لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَ سَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور پاس نہ جاؤ زنا کے [۴۶] وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے [۴۷]

۴۶۔ زنا اور فواحش کی مذمت: یعنی زنا کرنا تو بڑی سخت چیز ہے۔ اس کے پاس بھی مت جاؤ۔ گویا لَا تَقۡرَبُوۡا میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی۔ مثلاً اجنبی عورت کی طرف بدون عذر شرعی نظر کرنا یا بوس و کنار وغیرہ۔

۴۷۔ زنا اور فواحش کی مذمت۔ "کیونکہ زنا سے انساب میں گڑبڑ ہوتی ہے اور بہت طرح کی لڑائیاں اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور سب کے لئے بری راہ نکلتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے، کوئی دوسرا اس کی عورت پر کرے گا"۔

مسند احمد کی ایک روایت: مسند امام احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے۔ حاضرین نے ڈانٹ بتلائی کہ (پیغمبر خدا کے سامنے ایسی گستاخی؟) خبردار چپ رہو۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو فرمایا کہ میرے قریب آؤ، وہ قریب آکر

بیٹا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو یہ حرکت اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ میں سے کسی کی نسبت کرنا پسند کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا مجھ کو آپ پر قربان کرے، ہرگز نہیں۔ فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں اور خالاؤں کے لئے یہ فعل گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ الٰہی اس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کے دل کو پاک اور شرمگاہ کو محفوظ کر دے"۔ ابو امامہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہوگئی کہ کسی عورت وغیرہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کر دیا اللہ نے مگر حق پر [۴۸] اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اسکے وارث کو زور سو حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں [۴۹] اسکو مدد ملتی ہے [۵۰]

۴۸۔ قتل ناحق کی ممانعت: صحیحین میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ مگر تین صورتوں میں، جان کے بدلے جان، یا زانی محصن یا جو شخص دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

۴۹۔ قتل کا بدلہ: یعنی اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ حکومت سے کہہ کر خون کا بدلہ لیں، لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے نہ گذریں۔ مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کر لیں۔ یا قاتل کے ناک، کان وغیرہ کاٹنے اور مثلہ کرنے لگیں۔

۵۰۔ یعنی خدا نے اس کی مدد کی کہ بدلہ لینے کا حق دیا اور حکام کو امر فرمایا کہ حق دلوانے میں کمی نہ کریں بلکہ ہر کسی کو لازم ہے کہ خون کا بدلہ دلانے میں مدد کرے۔ نہ یہ کہ الٹا قاتل کی حمایت کرنے لگے۔ اور وارث کو بھی چاہئے کہ ایک کے بدلے دو نہ مارے یا قاتل کو ہاتھ نہ لگا تو اس کے بیٹے بھائی کو نہ مار ڈالے جیسے جاہلیت میں رواج تھا۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنی جوانی کو [۵۱] اور پورا کرو عہد کو بیشک عہد کی پوچھ ہوگی [۵۲]

وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ کر دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو سے [۵۳] یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام [۵۴]

۵۱۔ مال یتیم کے احکام: یعنی یتیم کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ ہاں اگر اس کی حفاظت و نگہداشت اور خیر خواہی مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ جس وقت جوان ہو جائے اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے لگے، مال اس کے حوالہ کر دو۔

۵۲۔ ایفائے عہد کی تاکید: اس میں سب عہد داخل ہیں خواہ اللہ سے کئے جائیں یا بندوں سے بشرطیکہ غیر مشروع نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کسی کو قول و قرار صلح کا دے کر بدعہدی کرنا، اس کا وبال ضرور پڑتا ہے۔

۵۳۔ ماپ تول میں کمی: یعنی جھونک نہ مارو۔ ماپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ قوم شعیبؑ کی ہلاکت کا قصہ پہلے کئی جگہ آ چکا ہے۔ ان کا بڑا عملی گناہ یہ ہی بیان کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت پا کر محض خدا کے خوف سے رک جائے تو خدا تعالیٰ اسی دنیا میں آخرت سے پہلے اس کو نعم البدل عطا فرمائے گا۔

۵۴۔ یعنی دغابازی اول چلتی ہے پھر لوگ خبر دار ہو کر اس سے معاملہ نہیں کرتے۔ اور پورا حق دینے والا سب کو بھلا لگتا ہے۔ اللہ اس کی تجارت خوب چلاتا ہے۔

وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہو گی[۵۵]

وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر[۵۶]

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

۳۸۔ یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری[۵۷]

۵۵۔ بے تحقیق زبان سے کوئی بات نہ نکالو: یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر، آدمی کو چاہیئے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے، سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل درآمد شروع نہ کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا، یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قیامت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہو گا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا۔

۵۶۔ اکڑ کر مت چلو: یعنی متکبروں کی چال چلنا انسان کو زیبا نہیں۔ نہ تو زور سے پاؤں مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کے برابر ہو سکتا ہے۔ پھر ایسی ضعف و عجز اور اس بساط پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچنے سے کیا فائدہ؟

۵۷۔ یعنی جن باتوں کو اوپر منع کیا ان کے کرنے میں رب کی بیزاری ہے اور جن کا حکم کیا ان کے نہ کرنے میں بیزاری ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

۳۹۔ یہ ہے ان باتوں میں سے جو وحی بھیجی تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے[۵۸] اور نہ ٹھہرا اللہ کے سوائے کسی اور کی بندگی پھر پڑے تو دوزخ میں الزام کھا کر دھکیلا جا کر[۵۹]

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ
اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع ۴

۴۰۔ کیا تم کو چن کر دیدئے تمہارے رب نے بیٹے اور اپنے لئے کر لیا فرشتوں کو بیٹیاں تم کہتے ہو بھاری بات[۶۰]

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا
يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور پھیر پھیر کر سمجھایا ہم نے اس قرآن میں تا کہ وہ سوچیں اور ان کو زیادہ ہوتا ہے وہی بدکنا[۶۱]

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا
اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

۴۲۔ کہہ اگر ہوتے اس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں[۶۲] تو نکالتے صاحب عرش کی طرف راہ[۶۳]

سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کی باتوں سے بے نہایت

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ
وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا
تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا[۶۴] بیشک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا[۶۵]

۵۸۔ یعنی اوپر جو پر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں، یہ وہ علم و حکمت اور تہذیب اخلاق کی باتیں ہیں جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ اور جو وحی کے ضمن میں نبی امی ﷺ کی طرف بلاواسطہ اور امت امیہ کی طرف بواسطہ حضور ﷺ بھیجی گئیں۔

۵۹۔ مذکورہ بالا نصائح کا بیان توحید سے شروع کیا گیا تھا۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا خاتمہ پر بھی توحید یاد دلا دی گئی۔ تا قاری سمجھ سکے کہ تمام حسنات کا آغاز و انجام خالص توحید کے ہونا چاہیئے۔

۶۰۔ یعنی ایک تو خدا کے لئے اولاد تجویز کرنا اور اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ یہ بڑی بھاری گستاخی ہے۔

۶۱۔ یعنی قرآن کریم مختلف عنوانوں اور رنگ برنگ کے دلائل و شواہد سے ان مشرکین کو فہمائش کرتا ہے۔ لیکن بجائے نصیحت حاصل کرنے کے یہ بدبخت اور زیادہ بدکتے اور وحشت کھا کر بھاگتے ہیں۔

۶۲۔ توحید کے عقلی دلائل: یعنی اصنام وغیرہ جنہیں خدائی کا شریک اور الوہیت کا حصہ دار بتلایا جاتا ہے۔

۶۳۔ یعنی پرایا محکوم رہنا کیوں پسند کرتے، سب مل کر خدا تعالیٰ کے تخت سلطنت کو الٹ ڈالتے۔ اگر کہا جائے کہ صاحب عرش کے مقابلہ میں ان کی کچھ چلتی نہیں تو ایک عاجز مخلوق کی عبادت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے، یا اگر وہ معبود خود رب العرش کو خوش رکھنا اور اس کا قرب

حاصل کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں تو ان کے پوجنے والوں کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہوا کہ خدائے اکبر کو خوش رکھنے کی فکر کریں۔ لیکن خدائے بزرگ تمام انبیاء کی زبانی اور فطرت انسانی کی معرفت شرک سے اپنی کامل بیزاری کا اظہار فرما چکا۔ پھر تعجب ہے کہ یہ احمق کس راستہ پر اندھادھند چلے جا رہے ہیں۔

٦٤۔ ہر شے پاکی بیان کرتی ہے: یعنی ہر ایک مخلوق زبان سے یا حال سے اس کی پاکی اور خوبیاں بیان کرتی ہے لیکن تم اسے سمجھتے نہیں خواہ فکر و تامل نہ کرنے کی وجہ سے یا اس قوت کے فقدان کی وجہ سے جس کے ذریعہ بعض مخلوقات کی تسبیح قالی سنی اور سمجھی جا سکتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص باوجود سمجھنے کے قبول نہ کرے یا اس کے مقتضی پر عمل نہ کرے، تو یہ سمجھنا نہ سمجھنے ہی کے حکم میں ہے۔

٦٥۔ یعنی تمام مخلوقات جس کی پاکی بیان کریں تم اس کے لئے شرکاء، اولاد، اور بیٹیاں تجویز کرو۔ یہ ایسی گستاخی تھی کہ تم کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن وہ اپنے حلم سے شتاب نہیں پکڑتا اور توبہ کر لو تو بخش دیتا ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿٤٥﴾

٤٥۔ اور جب تو پڑھتا ہے قرآن کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے اور ان لوگوں کے جو نہیں مانتے آخرت کو ایک پردہ چھپا ہوا[٦٦]

وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ
اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ
وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿٤٦﴾

٤٦۔ اور ہم رکھتے ہیں ان کے دلوں پر پردہ کہ اس کو نہ سمجھیں[٦٧] اور ان کے کانوں میں بوجھ[٦٨] اور جب ذکر کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا اکیلا کر کر بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر[٦٩]

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ
اِلَيْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ
تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿٤٧﴾

٤٧۔ ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے وہ سنتے ہیں[٧٠] جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف اور جب وہ مشورت کرتے ہیں جب کہ کہتے ہیں یہ بے انصاف جس کے کہنے پر تم چلتے ہو وہ نہیں ہے مگر ایک مرد جادو کا مارا[٧١]

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾

٤٨۔ دیکھ لے کیسے جماتے ہیں تجھ پر مثلیں اور بہکتے پھرتے ہیں سو راہ نہیں پا سکتے[٧٢]

٦٦۔ کفار اور نبی کے درمیان پردہ: جو شخص آخرت کو نہ مانے اور اپنے بھلے برے انجام کی کچھ فکر نہ رکھے وہ نصیحت کی طرف کیوں دھیان کرنے لگا۔ جب اسے نجات ہی کی فکر نہیں تو نجات دلانے والے پیغمبر کے احوال و اقوال میں غور کرنے اور بارگاہ رسالت تک پہنچنے کی کیا

ضرورت ہو گی بس یہ ہی عدم ایمان بالآخرت اور انجام کی طرف سے بے فکری وہ معنوی پردہ ہے جو اس شخص کے اور نبی (من حیث ہو نبی) کے درمیان لٹکا دیا جاتا ہے۔

۶۷۔ پہلے پیغمبر کی صداقت تک نہ پہنچ سکنے کا ذکر کیا تھا۔ یہاں فہم قرآن تک رسائی حاصل نہ کر سکنے کا بیان ہے یعنی اس قرآن میں ایسی قوی تاثیر ہے، اور کافروں پر اثر نہیں ہوتا، یہ سبب ہے کہ اوٹ میں ہیں۔ آفتاب سے سارا جہان روشن ہے لیکن اگر کوئی شخص تہ خانہ میں تمام دروازے اور تابدان بند کر کے بیٹھ جائے بلکہ آنکھیں بھی بند کرلے تو اسکے اعتبار سے آفتاب کی روشنی کہیں بھی نہیں۔

۶۸۔ کفار کے حجاب: یعنی جب بہ نیت انتفاع واستفادہ نہیں چاہتے تو گویا سنتے ہی نہیں۔ (تنبیہ) خدا تعالیٰ نے جو حجاب اور پردے وغیرہ ڈالے یہ وہ ہی ہیں جن کا وجود انہوں نے خود اپنے لئے بڑی خوشی اور فخر سے ثابت کیا تھا۔ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَفِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَبَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ (حم السجدہ۔۵) آخرت پر ایمان نہ رکھنا، اور انجام سے بے فکر رہنا خدائے واحد کے ذکر سے چڑنا، پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنا، وہ چیزیں ہیں جو حجاب، کنان اور وقر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور چونکہ خالق ہر چیز کا خدا تعالیٰ ہے اس لئے ان کے خلق کی نسبت بھی اس کی طرف کی جاتی ہے۔

۶۹۔ یعنی خدائے واحد کے ذکر سے چڑتے، بدکتے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں، ہاں ان کے معبودوں کا تذکرہ آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحۡدَہُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ ۚ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ (زمر۔۴۵)۔

۷۰۔ یعنی سننے سے استفادہ مقصود نہیں ہوتا محض استخفاف واستہزاء مقصود ہوتا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۷۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مسحور ہونے کا الزام: یعنی قرآن اور آپ کی باتیں سن کر گئے۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (ﷺ) کی نسبت کیا کہنا چاہئے۔ آخر کہنے لگے کہ یہ شخص جادو کا مارا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جادو کے اثر سے مجنون ہو گیا، دماغ ٹھکانے نہیں رہا (العیاذ باللہ العظیم) بعض نے "مسحور" کو یہاں "ساحر" کے معنی میں لیا ہے گویا اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے۔ (تنبیہ) لفظ "مسحور" سے جو مطلب وہ لیتے تھے اس کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی پر کسی قسم کا سحر کسی درجہ میں عارضی طور پر بھی اثر نہ ہو سکے۔ یہ آیت مکی ہے۔ مدینہ میں آپ پر یہود کے جادو کرانے کا واقعہ صحاح میں مذکور ہے۔ جس کا اثر چند روز تک صرف اتنا رہا کہ بعض دنیوی کاموں میں کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا۔

۷۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مسحور ہونے کا الزام: یعنی کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی جادوگر، کبھی کاہن، کبھی مسحور یا مجنون۔ غرض بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کسی ایک بات پر جماؤ نہیں جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود جدوجہد کے طعن و تشنیع کا کوئی ایسا راستہ انہیں نہیں مل سکتا جس پر چل کر وہ اپنے مقصد اغواء واضلال میں کامیاب ہو سکیں۔

وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو جائیں ہڈیاں اور چورا چورا پھر اٹھیں گے نئے بن کر [۷۳]

قُلۡ کُوۡنُوۡا حِجَارَۃً اَوۡ حَدِیۡدًا ﴿۵۰﴾

۵۰۔ تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا

اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا یَکۡبُرُ فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ ۚ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ

۵۱۔ یا کوئی خلقت جس کو مشکل سمجھو اپنے جی میں [۷۴]

مَنۡ یُّعِیۡدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیۡ فَطَرَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ
فَسَیُنۡغِضُوۡنَ اِلَیۡكَ رُءُوۡسَهُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هُوَ
ؕ قُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّكُوۡنَ قَرِیۡبًا ﴿۵۱﴾
یَوۡمَ یَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَ تَظُنُّوۡنَ
اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۵۲﴾ ع ۵ ۔ ۵

پھر اب کہیں گے کون لوٹا کر لائے گا ہم کو کہہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی بار[۷۵] پھر اب مٹکائیں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہو گا یہ[۷۶] تو کہہ شاید نزدیک ہی ہو گا[۷۷]

۵۲۔ جس دن تم کو پکارے گا پھر چلے آؤ گے اسکی تعریف کرتے ہوئے[۷۸] اور اٹکل کرو گے کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر تھوڑی[۷۹]

۷۳۔ دوسری زندگی پر تعجب: یعنی آپ پر مسحور و مجنون یا شاعر و کاہن وغیرہ کی مثالیں چسپاں کرنا تو تعجب انگیز تھا ہی، اس سے زیادہ قابل تعجب وہ دلیل ہے جو (معاذ اللہ) مسحور و مجنون ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موت کے بعد ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آدمی کا بدن گل سڑ کر سفید ہڈیاں رہ جاتی ہیں تھوڑے دنوں بعد وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ کیا کوئی ذی ہوش یہ تجویز کر سکتا ہے کہ یہ ہڈیوں کا چورہ اور خاک کے ریزے دوبارہ جی اٹھیں گے؟ اور انسانی حیات ان منتشر ذرات میں عود کر آئے گی؟ اگر پیغمبر ایسی ناممکن بات کی خبر دیتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ (العیاذ باللہ) ان کی دماغی صحت بحال نہیں ہے۔

۷۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب: یعنی یہ ریزے اور چورا تو بہر حال انسانی لاش کا ہے جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے۔ اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہو جانا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تم کو اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں، اگر ممکن ہو تو پتھر یا لوہا بن جاؤ۔ جو آثار حیات کے قبول کرنے سے بالکل محروم نظر آتے ہیں، بلکہ کوئی ایسی سخت چیز بن کر تجربہ کر لو جس کا زندہ ہونا لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہو حتیٰ کہ مجسم موت بن کر دیکھ لو کہ پھر بھی اس قادر مطلق کو تمہارا زندہ کر دینا کس قدر آسان ہے۔

۷۵۔ دوسری زندگی پر عقلی دلیل: جس نے پہلی بار تم کو مٹی یا نطفہ سے پیدا کیا اور جماد لایعقل پر روح انسانی فائز کر دی، کیا اب اس میں قدرت نہیں رہی کہ خاک کے ذرات اور مردہ لاش کے اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ زندگی عنایت کر دے۔

۷۶۔ کفار کا استہزاء: یعنی استہزاء و تمسخر سے سر ہلا کر کہتے ہیں کہ ہاں صاحب! بوسیدہ ہڈیوں کے ریزوں میں کب جان پڑے گی۔ اور کب مردے قبروں سے حساب کے لئے اٹھائے جائیں گے۔

۷۷۔ قیامت اور یوم حشر: یعنی قیامت کا ٹھیک وقت حق تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ہاں اس کے مستقبل قریب میں آنے کی تم امید ظاہر کر سکتے ہو۔ گویا دنیا کی بقیہ عمر اس سے کم ہے جتنی گذر چکی ہے۔

۷۸۔ یعنی جس وقت خدا کی طرف سے آواز دی جائے گی ایک ڈانٹ میں سب مردے زمین سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہو گی۔ ہر ایک انسان اس وقت مطیع و منقاد ہو کر خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوا حاضر ہو گا۔ گو کافر کو اس وقت کی اضطراری حمد و ثنا سے کچھ فائدہ نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ مومنین کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ۔

۷۹۔ یعنی اب شتابی کرتے ہو، اس وقت اندازہ کرو گے کہ دنیا میں کچھ زیادہ دیر نہیں رہے تھے۔ پچاس سو برس ان ہزاروں برسوں کے سامنے کیا معلوم ہوں (موضح القرآن) بعض نے کہا کہ شدت ہول و خوف سے دنیا کی زندگی تھوڑی معلوم ہو گی۔ یا نفخہ اول اور نفخہ ثانی کے درمیان

چونکہ عذاب نہ رہے گا۔ اس درمیانی مدت کو قلیل خیال کر کے کہیں گے۔ مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا (یٰس۔ ۵۲)۔

وَ قُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور کہہ دے میرے بندوں کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو شیطان جھڑپ کرواتا ہے ان میں شیطان ہے انسان کا دشمن صریح[۸۰]

رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡکُمۡ اَوۡ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡکُمۡ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ وَکِیۡلًا ﴿۵۴﴾

۵۴۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کو اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم کو عذاب دے[۸۱] اور تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر ذمہ لینے والا[۸۲]

وَ رَبُّکَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ لَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور تیرا رب خوب جانتا ہے انکو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں اور ہم نے افضل کیا ہے بعض پیغمبروں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور[۸۳]

۸۰۔ **مسلمانوں کو ایک نصیحت:** مشرکین کی جہالت اور طعن و تمسخر کو سن کر ممکن تھا کوئی مسلمان نصیحت و فہمائش کرتے وقت تنگدلی برتنے لگے اور سختی پر اتر آئے اس لئے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ مذاکرہ میں کوئی سخت دل آزار اور اشتعال انگیز پہلو اختیار نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ شیطان دوسرے کو ابھار کر لڑائی کرا دیتا ہے۔ پھر مخاطب کے دل میں ایسی ضد و عداوت قائم ہو جاتی ہے کہ سمجھتا ہو تب بھی نہ سمجھے۔

۸۱۔ یعنی رحم کرے ایمان کی توفیق دے کر، یا عذاب دے حالت کفر پر مار کر۔

۸۲۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "مذاکرہ میں حق والا جھنجھلانے لگتا ہے کہ دوسرا حق صریح کو نہیں مانتا، سو فرمادیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے، جس کو چاہے راہ سمجھائے۔

۸۳۔ **بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت:** یعنی ہم اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ جس کو مناسب جانا آدمیوں میں سے پیغمبر بنایا۔ پھر جس پیغمبر کو چاہا دوسرے پیغمبروں پر کلی یا جزئی فضیلت عنایت کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی بعضے نبی تھے کہ (امت کی حد سے زیادہ شرارتوں پر آخر کار) جھنجھلا گئے۔ آپ کا حوصلہ ان سے زیادہ رکھا ہے (اور سب پر فضیلت دی ہے، لہذا آپ کی خوش اخلاقی اپنے مرتبہ عالی کے موافق ہونی چاہئے) اور خصوصیت سے داؤدؑ کا ذکر کیا کیونکہ دونوں چیزیں رکھتے تھے، جہاد بھی اور زبور بھی، سمجھانے کو (وفی الحدیث کان لایفر اذا لاقی) وہ ہی دونوں باتیں یہاں بھی ہیں"۔ قرآن اور جہاد۔ بعض نے کہا کہ یہاں "زبور" کا ذکر کر کے حضور ﷺ کی فضیلت کلیہ اور امت محمدیہ کے فضل و شرف کی طرف اشارہ فرمادیا، کیونکہ حضور ﷺ کے خاتم الانبیاء اور اس امت کے اشرف الامم

ہونے پر زبور شریف کے مضامین مشتمل تھے۔ وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِى الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوۡنَ (انبیاء۔۱۰۵) یعنی محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم وامۃ المرحومہ۔

قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَلَا يَمۡلِكُوۡنَ كَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡكُمۡ وَلَا تَحۡوِيۡلًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ کہہ پکارو جن کو تم سمجھتے ہو سوائے اس کے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف کو تم سے اور نہ بدل دیں[۸۴]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الۡوَسِيۡلَةَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ وَيَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَهٗ وَيَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُوۡرًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کونسا بندہ بہت نزدیک ہے[۸۵] اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے[۸۶]

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور کوئی بستی نہیں جس کو ہم خراب نہ کر دیں گے قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت[۸۷] یہ ہے کتاب میں لکھا گیا[۸۸]

۸۴۔ معبودانِ باطل کی حقیقت: یعنی خدا تو وہ ہے کہ جس کو چاہے عذاب دے جس پر چاہے مہربانی فرمائے، جس کو جس قدر چاہے دوسروں پر فضیلت عطا کرے، اس کی قدرت کامل اور علم محیط ہو۔ اب ذرا مشرکین ان ہستیوں کو پکاریں جن کو انہوں نے خدا سمجھ رکھا یا بنا رکھا ہے۔ کیا ان میں ایک بھی ایسا مستقل اختیار رکھتا ہے کہ ذرا سی تکلیف کو تم سے دور کر سکے یا ہلکی کر دے یا تم سے اٹھا کر کسی دوسرے پر ڈال دے۔ پھر ایسی ضعیف و عاجز مخلوق کو معبود ٹھہرا لینا کیسے روا ہو گا۔

۸۵۔ بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ، مسیحؑ و عزیرؑ وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود و مستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا بیش از بیش قرب تلاش کرتے ہیں۔ ان کی دوا دوش صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے، ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہ ہی زیادہ قرب الٰہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعا وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔ پس جب تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کا خدا کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کر لو کہ خدا تعالیٰ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے۔ غیر اللہ کی پرستش سے نہ خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو (تنبیہ) "توسل" اور "تعبد" میں فرق ظاہر ہے۔ پھر توسل بھی اسی حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔

۸۶۔ یعنی باوجود غایت قرب کے ان کی امیدیں محض حق تعالیٰ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں وترساں رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یاضرر کوروکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔

۸۷۔ قیامت سے پہلے تمام بستیوں کی ہلاکت: اسی آیت کا مطلب کئی طرح لیا جاسکتا ہے۔(الف) دنیا کی ہر ایک بستی کو عظیم الشان گناہوں کی پاداش میں قیامت سے پہلے پہلے عذاب مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ وخراب کر دیا جائے گا، یا اگر گناہ انتہائی درجہ کے نہ ہوں گے تو درجہ دوئم کے جرائم کی سزا میں عام ہلاکت سے کم کوئی سخت آفت اس بستی پر نازل کی جائے گی۔ باقی ایسی بستی کہاں ہے جو ازل سے ابد تک نہ گناہ کرے نہ کسی آفت میں پھنسے۔(ب) قیامت سے پیشتر ضروری ہے کہ ہر ایک بستی طبعی موت بھیج کر ویران کی جائے یا کسی سخت آفت وبلا میں مبتلا ہو۔ طبعی موت پر جو تعذیب کے رنگ سے خالی ہو، لفظ "ہلاک" کا اطلاق قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا (المومن۔۳۴) وفی الحدیث کُلَّمَا هَلَكَ نَبِیٌّ جَاءَ نَبِیٌّ اٰخَرُ۔(ج) کفار کی ہر ایک بستی یا قیامت سے پہلے اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں نابود کر دی جائے گی یا کسی نہ کسی وقت (یعنی قیامت سے پہلے یا بعد) سخت عذاب کا مزہ چکھے گی بہر حال کوئی معنی لئے جائیں، مقصود اس آیت سے تحذیر ہے۔ گویا پہلے جو فرمایا تھا اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُوۡرًا یہاں اس کے وقوع کی خبر دی گئی۔

۸۸۔ یعنی یہ فیصلہ بالکل حتمی اور اٹل ہے جو علم الٰہی میں طے ہو چکا اور لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ہر شہر کے لوگ ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اس کی رعیت ہیں اور اس کی پناہ میں ہیں، سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ لَا عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ۔(ہود۔۴۳)

وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ‌ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور ہم نے اس لئے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا[۸۹] اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی ان کے سمجھانے کو پھر ظلم کیا اس پر[۹۰] اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو[۹۱]

وَاِذۡ قُلۡنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ‌ؕ وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِىۡۤ اَرَيۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الۡمَلۡعُوۡنَةَ فِى الۡقُرۡاٰنِ‌ؕ وَنُخَوِّفُهُمۡۙ فَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا طُغۡيَانًا كَبِيۡرًا ﴿۶۰﴾ ع

۶۰۔ اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو[۹۲] اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے[۹۳] اور ایسے ہی وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں[۹۴] اور ہم انکو ڈراتے ہیں تو انکو زیادہ ہوتی ہے بری شرارت[۹۵]

۸۹۔ فرمائشی نشانات نہ بھیجنے کی وجہ: حدیث میں ہے کہ اہل مکہ نے حضور ﷺ سے چند نشانیاں طلب کیں مثلاً یہ کہ کوہ "صفا" کو سونا بنا دیجئے یا پہاڑوں کو ہمارے گردوپیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمین ہموار کر دیجئے۔ وغیر ذالک۔ ایسی کرو تو ہم آپ کا مان لیں گے۔ اس کے

جواب مین یہ آیت نازل ہوئی۔ یعی ایسے فرمائشی نشان دکھلانا کدا تعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن پہلے لگوں کو ان کی فرمائش کے مطابق نشان دکھلائے گئے تب بھی نہ مانے بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے۔ آخر سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست ونابود کر دئے غ ہے اب اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں، اور خدا کے علم میں ہے بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی ماننے ولاے نہیں ،تو سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ وہ ہی استیصال واہلاک کلی ہونا چاہ ہے۔ جو اس امت کے حق میں خلاف مصلحت وحکمت ہے خدا تعالیٰ کا ارادہ اس آخری امت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام وامم کی طرح مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ کی جائے۔ پہلی امتوں کی فرمائشی نشان دکھلانا اس بناء پر جائزرکھا گیا کہ ان کی بالکلیہ تباہی خدا کے نزدیک اس قدر لائق التفات نہ تھی اور آخر میں آنے والی امت کو کچھ نمونے دکھلانے تھے کہ فرمائشی نشان مانگنے والوں کا کیا حشر ایسا ہوتا ہے چنانچہ اس آیت میں ان ہی تاریخی نظائر کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا کہ اگر فرمائشی نشان دیکھنے کے بعد تکذیب کی (اور یقیناً کروگے) تو جو حشر پہلوں کا ہوا وہ ہی تمہارا ہوگا۔ لیکن حکمت الٰہیہ مقتضی نہیں کہ تم کو اس طرح تباہ کیا جائے ۔لہذا فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا۔

٩٠۔ حضرت صالح علیہ السلام سے اونٹنی کی فرمائش اور اس کا انجام: قوم ”ثمود“ نے حضرت صالحؑ سے درخواست کی تھی کہ پہاڑ کی فلاں چٹان میں سے اونٹنی نکال دیجئے۔ خدا نے نکال دی۔ مگر بجائے اس کے کہ ایسا فرمائشی معجزہ دیکھ کر آنکھیں کھلتیں اور قلبی بصیرت حاصل ہوتی الٹے ظلم وعداوت پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ اونٹنی کو مار ڈالا اور حضرت صالحؑ کے قتل کے منصوبے باندھنے لگے۔ آخر جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے کہنے کی ضرورت نہیں یہ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ کا ایک نمونہ پیش کر دیا۔

٩١۔ یعنی ہدایت نشانیاں دیکھنے پر موقوف نہیں۔ غیر معمولی نشانات بھیجنے سے تو مقصود یہ ہے کہ قدرت قاہرہ کو دیکھ کر لوگ خدا سے ڈریں اور ڈر کر اس کی طرف جھکیں۔ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو اور فی الحال اس قوم کو تباہ کرنا بھی مصلحت نہیں تو محض فرمائشیں پورا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ باقی عام تخویف اندزا کے لئے جن آیات ونشانات کا بھیجنا مصلحت ہے وہ برابر بھیجے جاتے ہیں۔

٩٢۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: شاید آپ کو خیال ہوا ہو گا کہ فرمائشی نشان نہ دکھلانے پر کفار کو ہنسنے اور طعن کرنے کا موقع ملے گا کہ اگر سچے پیغمبر ہوتے تو ہماری طلب کے موافق نشان دکھلاتے، اس لئے آپ کو مطمئن کیا کہ سب لوگوں کو تیرے رب کے علم وقدرت نے گھیر رکھا ہے نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے نہ قدرت کے نیچے سے نکل کر جا سکتا ہے سب اس کے قبضہ میں ہیں آپ ان کے طعن وتشنیع کی طرف قطعًا التفات نہ کریں۔ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا کام کئے جایئے اور ان کے فیصلوں کو بالکلیہ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی یہ لوگ آپ کی بات ماننے والے نہیں تھے اور اس کے بعد ہماری سزا سے چھوٹ کر نکل بھاگنا بھی ممکن نہ تھا اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کون فی الحال تباہ کر ڈالنے کے لائق ہیں اور کن لوگوں کا باقی رکھنا مصلحت ہے۔ لہذا آپ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں۔ یہ سب ہمارے محاصرہ میں ہیں آخر مسلمان ہو کر رہیں گے۔

٩٣۔ ”دکھاوے“ سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے جس کے بیان سے لوگ جانچے گئے۔ سچوں نے سن کر مانا اور کچوں نے جھوٹ جانا۔

٩٤۔ دوزخ کا درخت: یعنی ”زقوم“ کا درخت جسے قرآن نے فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔ ایمان والے یقین لائے اور منکروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں سبز درخت کیونکر ہو گا؟ یہ بھی جانچنا تھا۔ ان دو مثالوں سے اندازہ کر لو کہ تصدیق خوارق کے باب میں ان کی طبائع کا کیا حال ہے۔

٩٥۔ یعنی جن کے دل خوف خدا سے خالی ہوں، ڈرانے سے ڈریں نہیں، بلکہ اور زیادہ شرارت میں ترقی کریں ان سے فرمائشی نشان دیکھنے پر قبول حق کی امید رکھنا بے موقع ہے۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ
اِبۡلِيۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ﴿ۚ۶۱﴾

۶۱۔ اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جس کو تو نے بنایا مٹی کا[۹۶]

قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ ۫ لَئِنۡ
اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا
قَلِيۡلًا ﴿۶۲﴾

۶۲۔ کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا اگر تو مجھ کو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اس کی اولاد کو ڈانٹی دے لوں گا مگر تھوڑے سے[۹۷]

قَالَ اذۡهَبۡ فَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ فَاِنَّ جَهَنَّمَ
جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾

۶۳۔ فرمایا جا پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہوا ان میں سے سو دوزخ ہے تم سب کی سزا بدلہ پورا[۹۸]

وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ وَ
اَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكۡهُمۡ فِى
الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ وَ عِدۡهُمۡ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ
الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور گھبرا لے ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے[۹۹] اور لے آ ان پر اپنے سوار اور پیادے[۱۰۰] اور ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں[۱۰۱] اور وعدے دے انکو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا انکو شیطان مگر دغابازی[۱۰۲]

اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ وَكَفٰى
بِرَبِّكَ وَكِيۡلًا ﴿۶۵﴾

۶۵۔ وہ جو میرے بندے ہیں ان پر نہیں تیری حکومت اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا[۱۰۳]

۹۶۔ قصہ آدم وابلیس سے کفار کی مناسبت: یہ قصہ کئی جگہ گذر چکا۔ یہاں اس پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا بے چون وچرا ماننا فرشتوں کا اور اس میں شبہات نکالنا شیطان کا کام ہے۔ یہ کافر بھی اسی کی چال چل رہے ہیں۔ جو بات بات میں کج بحثیاں کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ان کا انجام بھی وہ ہی ہونے والا ہے جو ان کے امام ابلیس لعین کا ہو گا۔

۹۷۔ یعنی تھوڑے سے چھوڑ کر باقی سب کو اپنا مسخر کر لوں جیسے گھوڑے کو لگام دے کر قابو کر لیا جاتا ہے، پھر جو میرے سامنے اتنا کمزور ہے

اسے مجھ پر فضیلت دینا کس طرح جائز ہو گا؟۔

۹۸۔ یعنی جا! جتنا زور لگا سکتا ہے لگا لے۔ یہاں بھی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے واسطے جیل خانہ تیار ہے۔

۹۹۔ یعنی وہ آواز جو خدا کے عصیان کی طرف بلاتی ہو، مراد اس سے وسوسہ ڈالنا ہے اور مزامیر (باجا گاجا) بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے۔

۱۰۰۔ شیطان کے سوار اور پیادے: یعنی ساری طاقت صرف کر ڈال! اور پوری قوت سے لشکر کشی کر! خدا کی معصیت میں لڑنے والے سب شیطان کے سوار اور پیادے ہیں۔ جن ہوں یا انس۔

۱۰۱۔ یعنی دل میں ارمان نہ رکھ، ان کو ہر طرح ابھار، کہ مال و اولاد میں تیرا حصہ لگائیں، یعنی یہ چیزیں ناجائز طریقہ سے حاصل کریں اور ناجائز کاموں میں صرف کریں۔

۱۰۲۔ یعنی شیطان جو سبز باغ دکھاتا ہے اس سے فریب کھانا احمق کا کام ہے اس کے سب وعدے دغابازی اور فریب سے ہیں۔ چنانچہ وہ خود اقرار کرے گا۔ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ (ابراہیم۔ ۱۰۲)۔

۱۰۳۔ مخلصین پر شیطان کا قابو نہیں چلتا: یعنی جو خدا پر اعتماد و توکل کریں وہ ان کا کام بناتا ہے اور شیطان کے جال سے نکالتا ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِىۡ يُزۡجِىۡ لَـكُمُ الۡـفُلۡكَ فِى الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ﴿۶۶﴾

۶۶۔ تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں[۱۰۴] تا کہ تلاش کرو اس کا فضل[۱۰۵] وہی ہے تم پر مہربان

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ‌ ۚ فَلَمَّا نَجّٰٮكُمۡ اِلَى الۡبَـرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ‌ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ كَفُوۡرًا ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور جب آتی ہے تم پر آفت دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے اللہ کے سوائے پھر جب بچا لایا تم کو خشکی میں پھر جاتے ہو اور ہے انسان بڑا ناشکر[۱۰۶]

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَـرِّ اَوۡ يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَـكُمۡ وَكِيۡلًا ۙ‏ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے[۱۰۷] یا بھیج دے تم پر آندھی پتھر برسانے والی پھر نہ پاؤ اپنا کوئی نگہبان

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ تَارَةً اُخۡرٰى فَيُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيۡحِ فَيُغۡرِقَكُمۡ بِمَا كَفَرۡتُمۡ‌ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَـكُمۡ عَلَيۡنَا بِهٖ تَبِيۡعًا ﴿۶۹﴾

۶۹۔ یا بے ڈر ہو گئے ہو اس سے کہ پھر لیجائے تمکو دریا میں[۱۰۸] دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت جھوکا ہوا کا پھر ڈبا دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا[۱۰۹]

وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا ﴿۷۰﴾ ع

۷۰۔ اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر[۱۱۰]

۱۰۴۔ یہ خدا کی کارسازی کا ایک نمونہ پیش کیا ہے، جس میں ایک مشرک کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے۔

۱۰۵۔ یعنی روزی کو اکثر قرآن میں "فضل" فرمایا ہے۔ "فضل" کے معنی زیادہ کے ہیں۔ سو مسلمان کی بندگی ہے آخرت کے واسطے اور دنیا لبھاؤ میں ملتی ہے۔

۱۰۶۔ انسان کی ناشکری: یعنی مصیبت سے نکلتے ہی محسن حقیقی کو بھول جاتا ہے۔ چند منٹ پہلے دریا کی موجوں میں خدا یاد آرہا تھا۔ کنارہ پر قدم رکھا اور بے فکر ہو کر سب فراموش کر بیٹھا۔ اس سے بڑھ کر ناشکر گذاری کیا ہو گی۔

۱۰۷۔ یعنی سمندر کے کنارے خشکی میں دھنسا دے۔ مثلاً زلزلہ آجائے اور زمین شق ہو کر قارون کی طرح اس میں دھنس جاؤ۔ خلاصہ یہ کہ ہلاک کرنا کچھ دریا کی موجوں پر موقوف نہیں۔

۱۰۸۔ یعنی کوئی ضرورت کھڑی کر دے جس کے لئے ناچار دریائی سفر کرنا پڑے۔

۱۰۹۔ یعنی خدا سے کون باز پرس کر سکتا ہے یا کس کی مجال ہے کہ پیچھا کر کے اس سے مجرمین کا خون بہا وصول کرے؟

۱۱۰۔ بنی آدم کی فضیلت: یعنی آدمی کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل و حواس عنایت فرمائے جن سے دنیوی و اخروی مضار و منافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لئے کھلی ہیں۔ دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے خشکی میں جانوروں کی پیٹھ یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے مکانات اور دنیوی آسائش و رہائش کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدمؑ کو خدا تعالیٰ نے مسجود ملائکہ اور ان کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا ھٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ کہنا اور ملائکہ کا آدمؑ کو سجدہ کرنا، پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے (تنبیہ) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ "رسل بشر" رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ ۚ فَمَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ فَاُولٰٓئِکَ یَقۡرَءُوۡنَ کِتٰبَہُمۡ وَ لَا

۷۱۔ جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ سو جس کو ملا اس کا اعمال نامہ اس کے داہنی ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا لکھا[۱۱۱] اور ظلم نہ ہو گا ان

يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿۷۱﴾

پر ایک تاگے کا[۱۱۲]

وَمَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے[۱۱۳]

۱۱۱۔ حشر میں اعمال ناموں کی تقسیم: یہاں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں فطری حیثیت سے انسان کو جو عزت و فضیلت بخشی تھی اس نے کہاں تک قائم رکھی اور کتنے ہیں جنہوں نے انسانی عزو شرف کو خاک میں ملا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر فرقہ اس چیز کی معیت میں حاضر ہو گا۔ جس کی پیروی اور اتباع کرتا تھا۔ مثلاً مومنین کے نبی، کتاب، دینی پیشوا یا کفار کے مذہبی سردار، بڑے شیطان اور جھوٹے معبود جنہیں فرمایا ہے ۔ وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ (القصص۔۴۱) اور حدیث میں ہے لَتَتَّبِعۡ كُلُّ اُمَّةٍ مَا كَانَتۡ تَعۡبُدُ الخ اس وقت تمام آدمیوں کے اعمال نامے ان کے پاس پہنچا دیے جائیں گے۔ کسی کا اعمالنامہ سامے سے داہنے ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ گویا یہ ایک حسی علامت ان کے مقبول یا مردود ہونے کی سمجھی جائے گی۔ "اصحاب یمین" (داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ پکڑنے والے) وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں حق کو قبول کر کے اپنی فطری شرافت اور انسانی کرامت کو باقی رکھا۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کام کئے، آخرت میں ان کی وہ احتیاط کام آئی۔ اس دن وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے، بڑے سرا در انبساط سے اپنا اعمالنامہ پڑھیں گے اور دوسروں کو کہیں گے هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ (الحاقہ۔۱۹) کہ آؤ میری کتاب پڑھ لو۔ باقی دوسرے لوگ یعنی "اصحاب شمال" ان کا کچھ حال اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے (بعض نے لفظ "امام" سے خود اعمالنامہ مراد لیا ہے کیونکہ وہاں لوگ اس کے پیچھے چلیں گے)۔

۱۱۲۔ یعنی کھجور کی گٹھلی کے درمیان جو ایک باریک دھاگا سا ہوتا ہے۔ اتنا ظلم بھی وہاں نہ ہو گا ہر ایک کی محنت کا پورا بلکہ پورے سے زیادہ پھل ملے گا۔

۱۱۳۔ دنیا اور آخرت کے اندھے: یعنی یہاں ہدایت کی راہ سے اندھا رہا، ویسا ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہے۔ (موضح القرآن) یہ "اصحاب یمین" کے بالمقابل "اصحاب شمال" کا ذکر ہوا۔ بعض نے وَاَضَلُّ سَبِيۡلًا کا مطلب یہ لیا ہے کہ دنیا میں تو تلافی مکافات کا امکان تھا، آخرت میں اس سے بھی دور جا پڑا۔ کیونکہ اب تدارک و تلافی کا امکان ہی نہیں رہا۔

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ‌ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور وہ لوگ تو چاہتے تھے کہ تجھ کو بچلا دیں اس چیز سے کہ جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف تاکہ جھوٹ بنا لائے تو ہم پر وحی کے سوا اور تب تو بنا لیتے تجھ کو دوست[۱۱۴]

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـًٔا قَلِيۡلًا ۙ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو سنبھالے رکھا تو لگ جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا[۱۱۵]

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

۷۵۔ تب تو ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا[۱۱۶]

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ
مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرا دیں تجھ کو اس زمین سے تا کہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا[۱۱۷]

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا
تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع

۷۷۔ دستور چلا آتا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اپنے پیغمبر اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت[۱۱۸]

۸ ع ۸

۱۱۴۔ **کفار مکہ کی احمقانہ تجویز:** یعنی بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے، بڑے بڑے سوانکھوں کو بچلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کفار مکہ کی اس بے حیائی اور جسارت کو دیکھئے کہ آپ پر ڈورے ڈالتے ہیں کہ خدا نے جو احکام دیے اور وحی بھیجی اس کا ایک حصہ ان کی خاطر سے آپ (معاذ اللہ) چھوڑ دیں یا بدل ڈالیں۔ کبھی حکومت، دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ کے تابع ہو جائیں گے، قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک وبت پرستی کے رد میں ہے۔ اگر آپ (العیاذ باللہ) بفرض محال ایسا کر گذرتے تو بیشک وہ آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے۔ لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک مٹھی میں اور سورج اتار کر دوسری مٹھی میں رکھ دو تب بھی محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کے لئے خدا نے اسے کھڑا کیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنا کام پورا کرے یا اس راستہ سے گذر جائے۔

دست از طلب نہ وارم تا کام من بر آید یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

۱۱۵۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال ثابت قدمی:** "ترکن" "رکون" سے ہے۔ جو ادنیٰ جھکاؤ اور خفیف میلان قلب کو کہتے ہیں اس کے ساتھ شَيْئًا قَلِيْلًا بڑھایا گیا تو ادنیٰ سے ادنیٰ ترین مراد ہو گا۔ پھر لَقَدْ كِدْتَّ فرما کر اس کے وقوع کو اور بھی گھٹا دیا۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ پیغمبر معصوم ہیں جن کی عصمت کی سنبھال حق تعالیٰ اپنے فضل خصوصی سے کرتا ہے تو ان چالاک شریروں کی فریب بازیوں سے بہت ہی تھوڑا سا ادھر جھکنے کے قریب ہو جاتے مگر انبیاء کی عصمت کا تکفل ان کا پروردگار کر چکا ہے۔ اس لئے اتنا خفیف جھکاؤ بھی نہ پایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میں تقوے کی فطری قوت کس قدر مضبوط اور ناقابل تزلزل تھی۔

۱۱۶۔ **کلمہ عتاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا بیان:** اس سے بھی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے فضل و شرف کا نہایت لطیف پیرایہ میں اظہار مقصود ہے۔ مقربین کے لئے جیسے انعامات بہت بڑے ہیں "نزدیکاں رابیش بود حیرانی" کے قاعدہ سے ان کی چھوٹی چھوٹی غلطی یا کوتاہی پر عتاب بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے جیسے ازواج مطہرات کو فرمایا يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (الاحزاب۔ ۳۰) تو بتلا دیا کہ آپ کا مرتبہ معمولی نہیں۔ اگر بفرض محال ادنیٰ سے ادنیٰ غلطی ہو تو دنیا میں اور برزخ و آخرت میں دوگنا مزہ چکھنا پڑے مومن کو چاہئے کہ ان آیات کو تلاوت کرتے وقت دو زانو بیٹھ کر انتہائی خوف و خشیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی شان جلال و جبروت میں غور

کرے اور وہ ہی کہے جو حضور ﷺ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طُرْفَةَ عَیْنٍ (خداوندا! چشم زدن کے لئے بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے) یعنی ہمیشہ اپنی ہی حفاظت و کفالت میں رکھئے۔

۱۱۷۔ یعنی چاہتے ہیں کہ تجھے تنگ کر کے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ ان کے ظلم و ستم حضور ﷺ کی ہجرت کا سبب بنے آپ ﷺ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر میدان "بدر" میں نہات ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ اور اس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ کفار کی حکومت و شوکت تباہ ہو گئی اور بالآخر بہت قلیل مدت گذرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر علیہ السلام کا ایک مخالف بھی باقی نہ رہا۔

۱۱۸۔ یعنی ہمارا یہ ہی دستور رہا ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا تو بستی والے خود نہ رہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

۷۸۔ قائم رکھ نماز کو[۱۱۹] سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک[۱۲۰] اور قرآن پڑھنا فجر کا[۱۲۱] بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو[۱۲۲]

وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

۷۹۔ اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لئے[۱۲۳] قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں[۱۲۴]

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا[۱۲۵] اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد[۱۲۶]

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بیشک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا[۱۲۷]

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے اور گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے[۱۲۸]

۱۱۹۔ یعنی ان کی منصوبہ بازیوں کی کچھ فکر نہ کیجئے۔ آپ اپنے مالک کی طرف متوجہ رہیں اور نمازوں کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھیں تعلق مع اللہ وہ چیز

ہے جو انسان کو تمام مشکلات و نوائب پر غالب کر دیتی ہے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ (بقرہ۔۴۵)۔

۱۲۰۔ نمازوں کا بیان: اس میں چار نمازیں آ گئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، جمع بین الصلوٰتین کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور اگر جمع کا اشارہ نکالا جائے تو دو نہیں چار نمازوں کے جمع کرنے کی مشروعیت اس سے نکلے گی۔ ہاں بشرط ذوق صحیح یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ ظہر میں تعجیل اور عشاء میں تاخیر مستحب ہونی چاہیئے۔ الا بعارض۔

۱۲۱۔ یعنی نماز فجر میں۔ شاید "قرآن الفجر" سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہو کہ تطویل قرآت فجر میں مطلوب ہے۔

۱۲۲۔ ملائکہ لیل و نہار: حدیث میں ہے کہ فجر و عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے۔ لہذا ان دو وقتوں میں لیل و نہار کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہماری قرآت اور نماز ان کے روبرو ہوئی جو مزید برکت و سکینہ کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے یہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔

۱۲۳۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی" نیند سے جاگ کر (تہجد میں) قرآن پڑھا کر۔ یہ حکم سب سے زیادہ تجھ پر کیا ہے کہ تجھ کو مرتبہ (سب سے) بڑا دینا ہے۔

۱۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقام محمود: "مقام محمود" شفاعت عظمٰی کا مقام ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا۔ تب آنحضرت ﷺ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد (تعریف) ہو گی۔ اور حق تعالیٰ بھی آپ کی تعریف کرے گا۔ گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہو گا۔ (تنبیہ) "مقام محمود" کی یہ تفسیر صحیح حدیثوں میں آئی ہے۔ اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں شفاعت کبریٰ کا نہایت مفصل بیان موجود ہے۔ شارحین نے حضور ﷺ کے لئے دس قسم کی شفاعتیں ثابت کی ہیں۔ فتح الباری میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۲۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعا کی تعلیم: یعنی جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا رہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکے سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے ہو کہ دشمن ذلیل و خوار اور دوست، شاداں و فرحاں ہوں۔ اور بہر صورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔

۱۲۶۔ یعنی غلبہ اور تسلط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو۔ تاکہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں۔ دنیا میں کوئی قانون ہو، سماوی یا ارضی اس کے نفاذ کے لئے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو۔ جو لوگ دلائل و براہین سننے اور آفتاب کی طرح حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد و عناد پر قائم رہیں ان کے ضرر و فساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ اسی لئے سورہ حدید میں فرمایا۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ الیٰ آخرہا (حدید۔۲۵)۔

۱۲۷۔ غلبہ حق کی پیشگوئی: یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ میں کی گئی جہاں بظاہر کوئی سامان غلبہ حق کا نہ تھا۔ یعنی کہدو قرآن کریم مومنین کو بشارتیں سناتا ہوا اور باطل کو کچلتا ہوا آ پہنچا بس سمجھ لو کہ اب دین حق غالب ہوا اور کفر بھاگا۔ نہ صرف مکہ سے بلکہ سارے عرب سے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اس وقت کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ایک چھڑی سے سب پر ضرب لگاتے اور فرماتے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ہر ایک اوندھے منہ گر جاتا تھا۔ اس طرح قرآن کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی اور دوسری کا اعلان کیا گیا کہ جو کفر کعبہ سے نکل بھاگا ہے۔ آئندہ کبھی واپس نہ آئے

گا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

۱۲۸۔ قرآن کریم شفاء ورحمت ہے: یعنی جس طرح حق کے آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے۔ قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں دلوں سے عقائد باطلہ، اخلاق ذمیمہ اور شکوک و شبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ "روح المعانی" اور "زاد المعاد" وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال جو لوگ ایمان لائیں یعنی اس نسخہ شفا کو استعمال کریں گے، تمام قلبی وروحانی امرض سے نجات پا کر خدا تعالیٰ کی رحمت خصوصی اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ ہاں جو مریض اپنی جان کا دشمن طبیب اور علاج سے دشمنی ہی کی ٹھان لے تو ظاہر ہے کہ جس قدر علاج و دوا سے نفرت کر کے دور بھاگے گا اسی قدر نقصان اٹھائے گا۔ کیونکہ مرض امتداد زمانہ سے مہلک ہو تا جائے گا جو آخر جان لے کر چھوڑے گا۔ تو یہ آفت قرآن کی طرف سے نہیں، خود مریض ظالم کی طرف سے آئی کما قال تعالیٰ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (توبہ۔۱۲۵)۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوْسًا ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر تو ٹال جائے اور بچائے اپنا پہلو اور جب پہنچے اس کو برائی تو رہ جائے مایوس ہو کر [۱۲۹]

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع ۹

۸۴۔ تو کہہ ہر ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر سو تیرا رب خوب جانتا ہے کس نے خوب پالیا راستہ [۱۳۰]

۱۲۹۔ انسان کی عجیب خصلت: یعنی انسان کا عجیب حال ہے خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نعمتیں دیتا ہے تو احسان نہیں مانتا۔ جتنا عیش آرام ملے اسی قدر منعم حقیقی کی طرف سے اس کی غفلت واعراض بڑھتا ہے اور فرائض بندگی سے پہلو بچا کر کھسکنا چاہتا ہے۔ پھر جب سخت اور برا وقت آیا تو ایک دم آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ گویا دونوں حالتوں میں خدا سے بے تعلق رہا۔ کبھی غفلت کی بناء پر کبھی مایوسی کی (نعوذ باللہ من کلا الحالین) یہ مضمون غالبًا اس لئے بیان فرمایا کہ قرآن جو سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے، بہت لوگ اس کی قدر نہیں پہچانتے بلکہ اس کے ماننے سے اعراض و پہلو تہی کرتے ہیں۔ پھر جب اس کفران نعمت اور اعراض و انکار کا برا نتیجہ سامنے آئے گا اس وقت قطعًا مایوسی ہو گی کسی طرف امید کی جھلک نظر نہ پڑے گی۔

۱۳۰۔ یعنی ہر ایک کا فرو مومن اور معرض و مقبل اپنے اپنے طریقے، نیت، طبیعت اور مذہب پر چلتا اور اسی پر مگن رہتا ہے۔ لیکن یاد رہے خدا کے علم محیط سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہو سکتا وہ ہر ایک کے طریق عمل اور حرکات و سکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے اور کس میں کس قدر کجروی و کجراہی ہے ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کرے گا۔

وَيَسْـــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو [۱۳۱] کہدے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو علم دیا ہے تھوڑا سا [۱۳۲]

وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیۡنَا وَكِیۡلًا ﴿۸۶﴾	۸۶۔ اور اگر ہم چاہیں تو لیجائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لادینے کو ہم پر کوئی ذمہ دار
اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا ﴿۸۷﴾	۸۷۔ مگر مہربانی سے تیرے رب کی اس کی بخشش تجھ پر بڑی ہے [۱۳۳]
قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَ لَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ﴿۸۸﴾	۸۸۔ کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہر گز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی [۱۳۴]
وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾	۸۹۔ اور ہم نے پھیر پھیر کو سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں ہر مثل سو نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کئے [۱۳۵]

۱۳۱۔ روح کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال: یعنی روح انسانی کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت و حقیقت کیا ہے؟ یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے آزمانے کو کیا تھا۔ اور "سیر" کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے یہ سوال کیا۔ اسلئے آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے نزول مکرر ہوا ہو، واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالبًا یہ مقصود ہو گا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے ادھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں ازراہ تعنت وعناد جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخہ شفا سے فائدہ اٹھاتے وَكَذٰلِكَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا (شوریٰ۔ ۵۲) یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ (نحل۔ ۲) مگر انہیں دوراز کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں۔ "روح" کیا ہے؟ جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نجات موقوف ہے نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود "مادہ" کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے "روح" جو بہر حال "مادہ" سے کہیں زیادہ لطیف وخفی ہے اس کی اصل ماہیت و کنہ تک پہنچنے کی پھر کیا امید کی جاسکتی ہے۔ مشرکین کی جہالات اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی، وہ روح کی حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد واہلیت رکھتی ہو گی؟ تو کارزمیں رانکو ساختی، کہ باآسماں نیز پرداختی۔

۱۳۲۔ عالم امر اور عالم خلق کی علمی تحقیق: موضح القرآن میں ہے کہ "حضرت کو آزمانے کو یہود نے پوچھا، سو اللہ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ آگے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کیں۔ اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی، وہ جی اٹھا، جب نکل گئی مر گیا" اھ (تنبیہ) حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب وغریب اعجاز رکھتا ہے۔ روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کجرو معاندین کے لئے کافی ہے۔ لیکن اسی سطح کے نیچے ان ہی مختصراً الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارف کامل کی راہ طلب و تحقیق میں چراغ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔ روح کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا، اور نہ شاید ہو سکے۔ روح کی اصلی کنہ و حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ و حقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں۔ تاہم میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے متعلق ان چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔ (۱) انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جسے "روح" کہتے ہیں وہ "عالم امر" کی چیز ہے اور خدا کے حکم و ارادہ سے فائز ہوتی ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (آل عمران۔ ۵۹) ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون۔ ۱۴) اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (نحل۔ ۴۰) (۲) روح کی صفات علم و شعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول کمال کے اعتبار سے بے حد تفاوت و فرق مراتب ہے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے۔ جیسے روح محمدی ﷺ پہنچی۔ یشیر الیہ اضافة الامر الی الرب والرب الی یاء المتکلم المراد بہ ہہنا محمد ﷺ وقولہ تعالیٰ فیما بعد قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (۳) مگر اس کے یہ کمالات ذاتی نہیں۔ وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے ہیں اور محدود ہیں۔ یدل علیہ قول تعالیٰ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ فان العلم قد اتاہ من مفیض آخر وہو قلیل فی جنب علم اللہ تعالیٰ۔ کما قال تعالیٰ۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ (کہف۔ ۱۰۹) وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان۔ ۲۷) ویدل علیٰ تحدید القدرة قولہ تعالیٰ فیما بعد رد القولہم لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا الخ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا روح انسانی خواہ علم و قدرت وغیرہ صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتیٰ کہ اپنے تمام ہم جنسوں سے گوئے سبقت لے جائے پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں صفات باری کی طرح لامحدود نہیں ہو جاتیں۔ اور یہ ہی بڑی دلیل اس کی ہے کہ آریوں کے عقیدہ کے موافق روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم و غیر مخلوق ہستی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ تحدید کہاں سے آئی۔ (۴) کتنی ہی بڑی کامل روح ہو، حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمالات سلب کر لے۔ گو اس کے فضل و رحمت سے کبھی ایسا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ یدل علیہ قولہ تعالیٰ وَ لَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا۔ یہ چند اصول جو ہم نے بیان کئے اہل فہم کو نسق آیات میں ادنیٰ تامل کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں صرف ایک "عالم امر" کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے سمجھنے سے امید ہے روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ لفظ "امر" قرآن کریم میں بیسیوں جگہ آیا اور اس کے معنی کی تعیین میں علماء نے کافی کلام کیا ہے لیکن میری غرض اس وقت سورہ "اعراف" کی آیت ۵۴ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ کی طرف توجہ دلانا ہے۔ جہاں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مدّ بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک "خلق" دوسرا "امر" دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کو ہم سیاق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں پہلے فرمایا۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (اعراف۔ ۵۴) یہ تو خلق ہوا۔ درمیان میں اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا ذکر

کر کے جو شان حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے فرمایا یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ (اعراف۔۵۴) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین و محکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر و تصریف کہہ سکتے ہیں۔ یہ "امر" ہوا اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ (طلاق۔۱۲) گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں۔ کوئی کپڑا بن رہی ہے کوئی آٹا پیس رہی ہے کوئی کتاب چھاپتی ہے کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے۔ کسی سے پنکھے چل رہے ہیں۔ وغیرہ ذٰلک۔ ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ کر کے ایک معین اندازے سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں۔ پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے۔ جب تمام مشینیں فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں، تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے آن واحد میں ساکن و خاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اس کی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے۔ حتٰی کہ جو قلیل و کثیر کہربائیہ روشنی کے لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے، وہاں پہنچ کر ان ہی قمقموں کی ہیأت اور رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس مثال میں یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے کل پرزوں کا ٹھیک اندازہ پر رکھنا، پھر فٹ کرنا، ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز (بجلی یا اسٹیم) اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سمجھ لو حق تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو "خلق" کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے "تقدیر" کہا گیا ہے فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (الفرقان۔۲) سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے "تصویر" کہتے ہیں۔ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (اعراف۔۱۱) یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔ اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے۔ آخر مشین کو چالو کرنے کے لئے 'امر الٰہی" کی بجلی چھوڑ دی گئی۔ شاید اس کا تعلق اسم "باری" سے ہے۔ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر۔۲۴) وفی الحدیث فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ وفی سورہ الحدید۔۲۲ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا۔ ای النفوس کما ہو مروی عن ابن عباس و قتادۃ والحسن۔

کن فیکون کی علمی توجیہہ: غرض ادھر سے حکم ہوا "چل" فوراً چلنے لگی۔ اسی "امر الٰہی" کو فرمایا اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (یٰسٓ۔۸۲) دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ اَمر "کُن" کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (آل عمران۔۵۹) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں كُنْ فَیَكُوْنُ کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق و ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ "کن" کا خطاب "خلق" کے بعد تدبیر و تصریف وغیرہ کے لئے ہوتا ہو گا۔ واللّٰہ اعلم۔ بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں "امر" کے معنی "حکم" کے ہیں اور وہ حکم یہ ہی ہے جسے لفظ "کن" سے تعبیر کیا گیا۔ اور "کن" جنس کلام سے ہے حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے۔ جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات سمع، بصر وغیرہ) کو بلاکیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللّٰہ و کلمۃ اللّٰہ کے متعلق بھی یہ ہی مسلک رکھنا چاہئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ "روح" کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں امر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ۔۵۲) یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المومن۔۱۵) یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (النحل۔۲) اور پہلے گذر چکا ہے کہ "امر" عبارت ہے کلمہ "کن" سے یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصریف اس طریقہ پر کی جائے جس پر غرض ایجاد و تکوین مرتب ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ "روح" کا مبداء حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے جو صفت علم کے ماتحت ہے۔ شاید اسی لئے نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (ص۔۷۲) میں اسے اپنی طرف منسوب کیا "کلام" اور "امر" کی نسبت متکلم اور امر سے "صادر" و "مصدور" کی ہوتی ہے "مخلوق" و "خالق" کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اَلَا لَهُ

اَلْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف۔۵۴) میں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا۔

روح کی حقیقت: ہاں یہ امر "کن" باری تعالیٰ شانہ سے صادر ہو کر ممکن ہے جوہر مجرد کے لباس میں یہ ایک "ملک اکبر" اور "روح اعظم" کی صورت میں ظہور پکڑے۔ جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم "کہربائیہ روحیہ" کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔ گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں۔ اور اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ الخ کے بے شمار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی بے شمار مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ مشین سے اس کی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے۔ بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے ان ہی کہ مناسب رنگ وہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ رہی یہ بات کہ "کن" کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جوہر مجرد یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال وصور دیکھتے ہیں، بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، بھیڑیے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جواہر واجسام کیونکر بن گئے اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازم وخواص پیدا ہو گئے۔ یہاں تک بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی ان کے آثار جدا نہیں ہوتے فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوت مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسم خیالات کو جسمی سانچہ میں ڈھال لے اور ان میں وہ ہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوئے۔ ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصور برحق جل وعلا کا امر بے کیف "کن" باوجود صفت قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔ وہ ارواح وملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں۔ اور "امر الٰہی" بحالہ قدیم رہے۔ امکان وحدوث کے آثار واحکام ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور "امر الٰہی" ان سے پاک وبرتر ہو۔ جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سیکنڈ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جوہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) "امر ربی" کا مظہر ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ مظہر کے سب احکام و آثار ظاہر پر جاری ہوں کما ہو الظاہر۔ واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں ان سے مقصود محض تسہیل و تقریب الی الفہم ہے ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو اے بروں از وہم و قال و قیل من، خاک بر فرق من و تمثیل من۔ رہا یہ مسئلہ کہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمائے قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے۔ اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم سید انور شاہ صاحب اطال اللہ بقائہ نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامی یہاں تین چیزیں ہیں۔ (۱) وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ (۲) جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ "اجسام مثالیہ" کہتے ہیں (۳) وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ "ارواح" یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ جمہور اہل شرع جس کو "روح" کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک "بدن مثالی" سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے۔ اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا (الزمر۔۴۲) کی تفسیر میں نقل کیا،

اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔
جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔ یا جیسے آج ہی میں نے اخبار میں ایک تار پڑھا کہ "حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوابازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب انگیز نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا۔ لیکن لاسکی کے ذریعہ سے منزل مقصود پر پہنچایا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا مکمل ہے جیسا کہ ہواباز کی مدد سے عمل میں آتا"۔ آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔ بہر حال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اگر اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر "امر ربی" کی وحدت پر منتہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔ شیخ فرید الدین عطارؒ نے "منطق الطیر" میں کیا فرمایا۔ ہم زجملہ وہم پیش از ہمہ، جملہ از خود دیدہ وخویش از ہمہ۔ جاں نہاں در جسم واو در جاں نہاں، اے نہاں اندر نہاں اے جان جان۔ مذکورہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو "کن" کی مخاطب ہوئی، روح حیات پائی جائے۔ بیشک میں یہ ہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ہر ایک نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کے لیے وہ چیز پیدا کی گئی، ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا "کن" (اس کام میں لگ جا) بس یہ ہی اس کی روح حیات ہے جب تک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی۔ اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی اسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔ ہذا ماعندی وعند الناس ماعندہم واللہ سبحانہ وتعالیٰ ہو الہم للصواب۔

۱۳۳۔ یعنی قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ لا سکے۔ لیکن اس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے اسی لئے یہ نعمت عظمیٰ عنایت فرمائی، اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف قدرت عظیمہ کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اس کے سب کمالات موہوب ومستعار ہیں، ذاتی نہیں۔

۱۳۴۔ اعجاز قرآن: اعجاز قرآن کے متعلق پہلے متعدد مواضع میں کلام کیا جا چکا ہے اور اس موضوع پر ہمارا مستقل رسالہ "اعجاز القرآن" چھپا ہوا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۳۵۔ قرآن میں مضامین کی تکرار: یعنی ان کی خیر خواہی کے لئے عجیب وغریب مضامین بار بار مختلف پیرایوں میں قسم قسم کے عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن اکثر احمقوں کو اس کی قدر نہیں۔ بجائے احسان ماننے کے ناشکری پر تلے ہوئے ہیں۔

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ جاری کر دے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ [۱۳۶]

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾

۹۱۔ یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾

۹۲۔ یا گرادے آسمان ہم پر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے[۱۳۷] یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے[۱۳۸]

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع ۱۰

۹۳۔ یا ہو جائے تیرے لئے ایک گھر سنہرا[۱۳۹] یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے تیرے چڑھ جانے کو جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک کتاب جس کو ہم پڑھیں[۱۴۰] تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا[۱۴۱]

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی ان کو ہدایت مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر[۱۴۲]

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

۹۵۔ کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر[۱۴۳]

۱۳۶۔ کفار کی فرمائشیں: یعنی مکہ کی سرزمین سے۔ قرآن کے اعجاز سے عاجز ہو کر ایسی دوراز کار فرمائشیں کرنے لگتے تھے۔ غرض استفادہ و انتفاع مقصود نہ تھا محض تعنت وعناد سے کام تھا۔

۱۳۷۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (السبا۔۹)۔

۱۳۸۔ یعنی معاذ اللہ خدا خود ہمارے سامنے آکر کہدے اور فرشتے کھلم کھلا شہادت دیں کہ تم سچے ہو۔

۱۳۹۔ یعنی سونے کا نہ ہو تو کم از کم سونے کا ملمع ہو۔

۱۴۰۔ یعنی جیسے آپ معراج کا ذکر کرتے ہیں ہمارے سامنے آسمان پر چڑھئے پھر وہاں سے ایک کتاب لکھی ہوئی لے کر آیئے جسے ہم خود پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔

۱۴۱۔ میں ایک بشر اور رسول ہوں: جیسے پہلے پیغمبر آئے اور وہ آدمی تھے۔ کسی پیغمبر کو خدائی کے اختیارات حاصل نہیں نہ اس کی یہ شان ہے

کہ اپنے رب سے ایسی بے ضرورت فرمائشیں کرے۔ ان کا کام یہ ہے کہ جو ادھر سے ملے پہنچادیں اور اپنے ہر ایک کام کو خدائے واحد کے سپرد کر دیں۔ سو میں اپنا فرض رسالت ادا کر رہا ہوں۔ فرمائشی نشان دکھلانے یا نہ دکھلانے اس کی حکمت بالغہ پر محول ہیں اور پہلے اسی سورت میں فرمائشی نشانات نہ دکھلانے کی بعض حکمتیں گذر چکی ہیں۔

۱۴۲۔ یعنی نور ہدایت پہنچنے کے بعد آنکھیں نہ کھلیں یہ ہی کہتے رہے کہ آدمی ہو کر رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر خدا کو پیغمبر بھیجنا تھا تو آسمان سے کوئی فرشتہ اتارتا۔

۱۴۳۔ رسولوں کے بشر ہونے کی وجہ: یعنی اگر یہ زمین آدمیوں کے بجائے فرشتوں کی بستی ہوتی تو بیشک موزوں ہوتا کہ ہم فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔ آدمیوں کی طرف اگر فرشتہ اس کی اصلی صورت میں بھیجا جائے تو آنکھیں اور دل تحمل بھی نہ کر سکیں، فائدہ اٹھانا تو الگ رہا۔ اور آدمی کی صورت میں آئے تو اشتباہ میں پڑے رہیں۔ اس کی تقریر سورہ انعام کے پہلے رکوع میں گذر چکی۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

۹۶۔ کہہ اللہ کافی ہے حق ثابت کرنے والا میرے اور تمہارے بیچ میں وہ ہے اپنے بندوں سے خبر دار دیکھنے والا[۱۴۴]

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ
تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

۹۷۔ اور جس کو راہ دکھلائے اللہ وہی ہے راہ پانے والا اور جس کو بھٹکائے پھر تو نہ پائے انکے واسطے کوئی رفیق اللہ کے سوائے[۱۴۵] اور اٹھائیں گے ہم انکو دن قیامت کے چلیں گے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے[۱۴۶] ٹھکانا ان کو دوزخ ہے جب لگے گی بجھنے اور بھڑکا دیں گے ان پر[۱۴۷]

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا
كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

۹۸۔ یہ ان کی سزا ہے اس واسطے کہ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے اور بولے کیا جب ہم ہو گئے ہڈیاں چورا چورا کیا ہم کو اٹھائیں گے نئے بنا کر[۱۴۸]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا
رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

۹۹۔ کیا نہیں دیکھ چکے کہ جس اللہ نے بنائے آسمان اور زمین وہ بنا سکتا ہے ایسوں کو[۱۴۹] اور مقرر کیا ہے انکے واسطے ایک وقت بے شبہ[۱۵۰] سو نہیں رہا جاتا بے انصافوں کو بن ناشکری کیے[۱۵۱]

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

۱۰۰۔ کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے تو ضرور بند کر رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور ہے انسان دل کا تنگ [۱۵۲]

۱۴۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اللہ کی فعلی شہادت: وہ جو کہتے تھے اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا یعنی خدا سامنے آ کر تصدیق کر دے تب مانیں۔ تو فرمایا کہ خدا اب بھی اپنے فعل سے میری تصدیق کر رہا ہے۔ آخر وہ مجھ کو دیکھتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں اور میرے ظاہری و باطنی احوال سے پورا خبردار ہے۔ اس پر بھی میرے ہاتھ اور زبان پر برابر وہ علمی نشانات ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ جو خارق عادت اور اس کے عام قانون قدرت سے کہیں بلند و برتر ہیں۔ میرے مقاصد کو یومًا فیومًا کامیاب اور وسیع الاثر بناتا ہے۔ اور تکذیب کرنے والوں کو قدم قدم پر متنبہ کرتا ہے کہ اس رفتار سے تم فلاح نہیں پا سکتے کیا یہ خدا کی طرف سے کھلی ہوئی فعلی شہادت نہیں کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں؟ کیا ایک مفتری کے ساتھ ایسا معاملہ خدا کا ہو سکتا تھا؟

۱۴۵۔ یعنی خدا کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی راہ حق پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے جس کی بدبختی اور تعنت کی وجہ سے خدا دستگیری نہ فرمائے اسے کون ہے جو ٹھیک راستہ پر لگا سکے۔

۱۴۶۔ آخرت میں کفار کا حشر: یہ قیامت کے بعض مواطن میں ہو گا کہ کافر منہ کے بل اندھے گونگے کر کے چلائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! منہ کے بل کس طرح چلیں گے فرمایا جس نے آدمی کو پاؤں سے چلایا وہ قادر ہے کہ سر سے چلا دے۔ باقی فرشتوں کا جہنمیوں کو منہ کے بل گھسیٹنا، وہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہو گا۔ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ (القمر۔۴۸)۔

۱۴۷۔ یعنی عذاب معین اندازہ سے کم نہیں ہونے دیں گے۔ اگر بدن جل کر تکلیف میں کمی ہونے لگے گی تو پھر نئے چمڑے چڑھا دیے جائیں گے۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا (نساء۔۵۶)۔

۱۴۸۔ یعنی دنیا میں دلیل سے تو نہ مانا تھا، اب آنکھ سے بار بار دیکھ لو کہ کس طرح جل جل کر از سر نو تیار کیے جا رہے ہو۔

۱۴۹۔ حیات بعد الممات کے دلائل: یعنی جس نے اتنے بڑے بڑے اجسام پیدا کیے، اسے تم جیسی چھوٹی سی چیز کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن۔۵۷)۔ بیشک وہ تم کو اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کر سکتا ہے۔

۱۵۰۔ یعنی شاید یہ کہو کہ آخر اتنے آدمی مر چکے ہیں وہ اب تک کیوں نہیں اٹھائے گئے۔ تو فرمایا کہ سب کے واسطے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے وہ ضرور آ کر رہے گا۔ تاخیر دیکھ کر انکار کرنا حماقت ہے۔ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ (ہود۔۱۰۴)۔

۱۵۱۔ یعنی ایسے واضح مضامین و دلائل سن کر بھی ناانصافوں کے کفر و ضلال اور ناشکری میں ترقی ہی ہوتی ہے، ذرا نہیں پسیجتے۔

۱۵۲۔ انسان کی تنگدلی اور بخل: گذشتہ رکوع میں فرمایا تھا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ۔ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ الخ (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ پر بہت بڑا فضل کیا ہے کہ قرآن جیسی بے مثال دولت عطا فرمائی) درمیان میں مخالفین کے تعنت و عناد، دور از کار مطالبات، اعراج و تکذیب اور ان کے نتائج کا ذکر کر کے یہاں پھر اسی پہلے مضمون کی

طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور عدیم النظیر دولت سے سر فراز فرمانا، اسی جواد حقیقی اور وہاب مطلق کی شان ہو سکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں، اور کسی مستحق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو اپنے تہی دست رہ جانے کا خوف ہو ،نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مد مقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبانہ لے۔ خداوند قدوس تھڑ دلے انسان کی طرح (العیاذ باللہ) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جسے اگر فرض کرو خزائن رحمت کا مالک و مختار بنا دیا جائے تب بھی اپنی طبیعت سے بخل و تنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی مستحق کو دینے سے اس لئے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہر حال اگر رحمت الٰہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کسے دینے والے تھے اور کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ وطائف کے بڑے متکبر دولتمندوں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ بیش بہا دولت "بنی ہاشم" کے ایک در یتیم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد و قابلیت دیکھی اس کے مناسب کمالات و انعامات کے خزانے انڈیل دیے۔ تمہارے تعنت و تعصب سے خدا کا فضل رکنے والا نہیں۔ محمد ﷺ کے طفیل میں جو خزائن آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اور پیغمبر علیہ السلام اور ان کے پیرو دریا دلی سے اس دولت کو بنی نوع انسان پر خرچ کریں گے تمہاری طرح تنگدلی نہیں دکھائیں گے۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَہُمۡ فَقَالَ لَہٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور ہم نے دیں موسٰی کو نو نشانیاں صاف پھر پوچھ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ انکے پاس [۱۵۳] تو کہا اس کو فرعون نے میری اٹکل میں تو موسٰی تجھ پر جادو ہوا [۱۵۴]

قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ ہٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ بولا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر آسمان اور زمین کے مالک نے سجھانے کو اور میری اٹکل میں فرعون تو غارت ہوا چاہتا ہے [۱۵۵]

فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّہُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰہُ وَ مَنۡ مَّعَہٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾ۙ

۱۰۳۔ پھر چاہا کہ بنی اسرائیل کو چین نہ دے اس زمین میں پھر ڈبا دیا ہم نے اسکو اور اس کے ساتھ والوں کو سب کو [۱۵۶]

وَّ قُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡکُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ جِئۡنَا بِکُمۡ لَفِیۡفًا ﴿۱۰۴﴾ؕ

۱۰۴۔ اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو آباد رہو تم زمین میں پھر جب آئے گا وعدہ آخرت کا لے آئیں گے ہم تم کو سمیٹ کر [۱۵۷]

وَ بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ
اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن اور سچ کے ساتھ اترا[۱۵۸] اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے سو خوشی اور ڈر سنانے کو[۱۵۹]

وَ قُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكۡثٍ وَّ
نَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے کہ پڑھے تو اسکو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا[۱۶۰]

قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا
الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ يَخِرُّوۡنَ
لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ کہہ کہ تم اس کو مانو یا نہ مانو جن کو علم ملا ہے اس کے پہلے سے جب ان کے پاس اس کو پڑھیں گرتے ہیں تھوڑیوں پر سجدہ میں

وَّ يَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ كَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا
لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہے گا[۱۶۱]

وَ يَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ يَبۡكُوۡنَ وَ يَزِيۡدُهُمۡ
خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ

۱۰۹۔ اور گرتے ہیں تھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی[۱۶۲]

۱۵۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے: یعنی جیسے آپ کو فضل و رحمت و قرآن عظیم دیا اور بہت کچھ مہربانیاں آپ پر فرمائیں، ہم پہلے موسیٰؑ کو صداقت کے نو کھلے ہوئے نشانات (معجزات) ان کے مناسب حال عنایت فرما چکے ہیں۔ جبکہ وہ "بنی اسرائیل" کے پاس فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اگر چاہو تو "بنی اسرائیل" کے باخبر اور منصف مزاج علماء سے پوچھ دیکھو کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ (تنبیہ) وہ نو معجزات یہ تھے۔ ید، عصا، سنین، نقص ثمرات، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، دم۔ سورہ اعراف آیت ۱۳۳ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَ الۡجَرَادَ الخ کے فوائد میں ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں ملاحظہ کر لی جائے۔ مسند احمد اور ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے آپ سے "تسع آیات" کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا وہ یہ احکام ہیں شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق خون مت کرو، جادو نہ کرو، سود مت کھاؤ، بے گناہ کو مت پکڑاؤ کہ حاکم اسے قتل کر دے، عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، جہاد میں سے مت بھاگو۔ نو حکم تو یہ ہوئے جن کے سب لوگ مخاطب ہو سکتے ہیں۔ دسواں حکم (اے یہود) تمہارے لئے مخصوص تھا کہ سبت (شنبہ) کے دن حد سے نہ

گزرو۔ یہود نے سن کر آپ کی تصدیق کی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نکارت ہے جو غالبًا اس کے راوی عبداللہ بن سلمہ کی طرف سے آئی ہے۔ قرآن کا نظم وسیاق ہرگز اس کو نہیں چاہتا کہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ الخ سے مراد یہ نو احکام لئے جائیں۔ آگے فرعون اور موسیٰؑ کا مکالمہ جو فَقَالَ لَهٗ سے نقل فرمایا، مقتضی ہے کہ "آیات" سے وہ نشانات مراد ہوں جو بطور دلائل وحجج کے فرعونیوں کو دکھلائے گئے تھے، چنانچہ لفظ بَصَآئِرَ بھی انہی پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے اور پہلے سے اہل مکہ کے تعنت اور آیات طلب کرنے کا جو ذکر آرہا ہے اس کے مناسب بھی یہی ہے کہ یہاں فرعونیوں کا تعنت آیات کونیہ کے متعلق دکھلایا جائے بہرحال ابن کثیر کا خیال یہ ہے کہ یہود نے شاید "تسع آیات" کی نسبت نہیں بلکہ ان دس کلمات کی نسبت کیا ہوگا جو تورات کے شروع میں بطور وصایا لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں دس ہی چیزیں مذکور ہیں۔ راوی حدیث کو التباس واشتباہ ہوگیا، اس نے کلمات عشر" کی جگہ "تسع آیات" کو ذکر کردیا۔ اور ممکن ہے سوال "آیات تسعہ" سے کیا گیا ہو۔ لیکن آپ نے جواب علیٰ اسلوب الحکیم دیا۔ گویا تنبیہ کردی کہ نو معجزات کا معلوم کرنا تمہارے حق میں چنداں مفید اور اہم نہیں بلکہ ان دس احکام کا یاد رکھنا زیادہ مہم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ: یعنی کسی نے تجھ پر جادو کردیا ہے جس سے معاذ اللہ عقل خراب ہوگئی۔ اسی لئے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ دوسری جگہ ہے اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (شعراء۔۲۷)۔ گویا "مسحور" سے مراد مجنون ہے اور بعض نے مسحور کو بمعنی ساحر لیا ہے۔ واللہ اعلم۔"

۱۵۵۔ یعنی گو زبان سے انکار کرتا ہے مگر تیرا دل خوب جانتا ہے کہ یہ عظیم الشان نشان تیری آنکھیں کھولنے کے لئے اسی خدائے قادر وتوانا نے دکھلائے ہیں جو آسمان وزمین کا سچا مالک ہے اب جو شخص جان بوجھ کر محض ظلم وتکبر کی راہ سے حق کا انکار کرے اس کی نسبت بجز اس کے کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ تباہی کی گھڑی اس کے سر پر آپہنچی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ "ایمان" جاننے کا نام نہیں، ماننے کا نام ہے۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل۔۱۴)۔

۱۵۶۔ فرعون کا انجام: جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰؑ کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ سمجھا کی بنی اسرائیل کہیں زور نہ پکڑ جائیں اس لئے ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا کہ یہ مصر میں امن چین سے رہنے نہ پائیں۔ آخر ہم نے اسی کو نہ رہنے دیا اور بحر قلزم میں سب ظالموں کا بیڑہ غرق کردیا۔

۱۵۷۔ یعنی خدا نے ظالم کی جڑ کاٹ دی اور تم کو غلامی سے نجات دی۔ اب مصر وشام میں جہاں چاہو آزادی سے رہو۔ جب قیامت آئے گی پھر ایک مرتبہ تم سب کو اور تمہارے تباہ شدہ دشمنوں کو اکٹھا کرکے شقی وسعید اور ہالک وناجی کا دائمی فیصلہ کردیا جائے گا۔

۱۵۸۔ نزول قرآن کا حق ہونا: موسیٰؑ کے معجزات وغیرہ کا ذکر فرما کر روئے سخن پھر قرآن کریم کی طرف پھیر دیا گیا۔ یعنی معجزات موسوی بجائے خود تھے، لیکن محمد ﷺ کو جو معجزات باہرہ عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا اعلیٰ معجزہ یہ قرآن کریم ہے جو ہم نے عین حکمت کے موافق، اپنے علم عظیم اور اعلیٰ درجہ کی سچائی پر مشتمل کرکے اتارا ہے اور ٹھیک اسی سچائی کے ساتھ وہ آپ تک پہنچ گیا۔ درمیان میں ادنیٰ ترین تغیر و تبدل بھی نہیں ہوا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (ہود۔۱۴)۔

۱۵۹۔ یعنی ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو عذاب الٰہی کی دھمکی سنا دیجئے۔

۱۶۰۔ الفاظ قرآن کی اہمیت: انزال قرآن سے مقصود اصلی مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے جسے تدبر وتذکر کہتے ہیں۔ لیکن اس کے نفس الفاظ وحروف بھی نور وبرکت سے خالی نہیں۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (صٓ۔۲۹) اسی لئے سورتیں اور آیتیں جدا جدا رکھیں تا وظیفہ کے طور پر تلاوت کرنا بھی سہل ہو اور سننے والوں کے لئے حفظ وفہم میں بھی آسانی رہے اور آہستہ

آہستہ اس لئے اتارا کہ جیسے حالات پیش آئیں ان کے مناسب ہدایات حاصل کرتے رہیں تا وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بننا تھا، ہر آیت وحکم کے موقع محل کو بخوبی ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکے اور آنے والی نسلوں کے لئے کسی آیت کے بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش نہ چھوڑے۔

۱۶۱۔ اہل علم پر قرآن کا اثر: یعنی مانو یا نہ مانو، قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تصدیق وہ منصف مزاج اہل علم کر رہے ہیں جنہیں کتب سابقہ کی بشارات سے آگاہی ہے، وہ اس کلام کو سن کر تھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا عجیب وغریب کلام ہے بیشک خدا کا وعدہ پورا ہونا تھا۔ جو موسٰیؑ کی زبانی تورات کتاب استثناء میں کیا گیا تھا کہ (اے بنی اسرائیل) میں تمہارے بھائیوں (بنی اسمٰعیلؑ) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا"۔ بلاشبہ وہ یہ ہی کلام ہے جو محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دہن مبارک میں ڈالا گیا۔ جب اہل علم کو قرآن کی تصدیق سے چارہ نہیں رہا، اب انکار کرنا جاہل کا کام ہے۔

۱۶۲۔ یعنی قرآن کو سن کر رقت طاری ہو جاتی ہے سجدہ کرتے ہیں تو اور عاجزی بڑھتی ہے۔ اذقان (تھوڑیوں) کے لفظ میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ سجود میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں گویا تھوڑیاں بھی زمین سے ملا دیتے ہیں، یا محض سجود علی الوجہ سے کنایہ ہو۔ واللہ اعلم۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ کہہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب نام خاصے [۱۶۳] اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ [۱۶۴]

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

۱۱۱۔ اور کہہ سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار ذلت کے وقت پر اور اس کی برائی کر بڑا جان کر [۱۶۵]

ع ۱۲ ۱۲

۱۶۳۔ اسم اللہ اور اسم رحمٰن: سجود وخشوع وغیرہ کی مناسبت سے یہاں دعاء (خدا کو پکارنے) کا، اور دعاء کی مناسبت سے اگلی آیت میں صلوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حق تعالٰی کے ناموں میں سے مشرکین عرب کے یہاں اسم "اللہ" کا استعمال زیادہ تھا۔ اسم "رحمٰن" سے چنداں مانوس نہ تھے۔ البتہ یہود کے یہاں اسم "رحمٰن" بکثرت مستعمل ہوتا تھا۔ عبرانی میں بھی یہ نام اسی طرح تھا جیسے عربی میں دوسری طرف مسیلمہ کذاب نے اپنا لقب "رحمان الیمامہ" رکھ چھوڑا تھا۔ غرض مشرکین حق تعالٰی پر اسم "رحمان" اطلاق کرنے سے بدکتے اور وحشت کھاتے تھے۔ چنانچہ جب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زبان سے "رحمان" سنتے تو کہتے کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہم کو تو دو خداؤں کے پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے سوا دوسرے خدا (رحمان) کو پکارتے ہیں۔ یہود کو یہ شکایت تھی کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے یہاں "رحمان" کا ذکر ایسی کثرت سے کیوں نہیں ہوتا جس طرح ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ دونوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔ کہ "اللہ" اور "رحمٰن" ایک ہی ذات منبع الکمالات کے دو نام ہیں۔ صفات و اسماء کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں ہوتا۔ جو یہ چیز توحید کے منافی سمجھی جائے۔ رہی یہ بات کہ کسی ایک نام کا ذکر کثرت سے کیوں نہیں

ہو تا تو سمجھ لو کہ اللہ کے جس قدر اسمائے حسنیٰ ہیں ان میں سے کوئی نام لے کر پکارو مقصود ایک ہی ہے۔ عنوانات و تعبیرات کے تنوع سے معنون نہیں بدلتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر سخن وقتے دہر نکتہ مکانے وارد۔

عبارا شنا شتی واحد وکل الیٰ ذاک الجمال یشیر

۱۶۴۔ نمازوں کی قراءت میں اعتدال: یعنی جہری نماز میں (اور اسی طرح دعاء وغیرہ میں) بہت زیادہ چلانا بھی نہیں اور بالکل دبی آواز بھی نہیں، بیچ کی چال پسند ہے (موضح القرآن) احادیث میں ہے کہ مکہ میں جب قراءت زور سے کی جاتی تو مشرکین سن کر قرآن اور اس کے بھیجنے والے اور لانے والے کی شان میں بدزبانی کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے بہت آہستہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی نہ اس قدر زور سے پڑھو کہ مشرکین اپنی مجالس میں سنیں (تبلیغ کا وقت مستثنیٰ ہے کیونکہ وہاں تو سنانا ہی مقصود ہے) اور نہ اتنا آہستہ کہ خود تمہارے ساتھی بھی سن کر مستفید نہ ہوسکیں۔ افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ اس سے قلب متاثر ہوتا ہے اور تشویش نہیں ہوتی۔

۱۶۵۔ توحید خالص کا بیان: نماز کے بعد توحید خالص کا ذکر فرما کر سورت کو ختم کیا۔ یعنی ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی ہر صفت و کمال میں یگانہ ہے اور ہر قسم کے عیب و قصور اور نقص و فتور سے بکلی منزہ ہے اس کی ذات میں کسی طرح کی کمزوری نہیں جس کی تلافی کے لئے دوسرے کی حاجت پڑے۔ دوسرے سے مدد لینے میں تین احتمال ہوسکتے تھے۔ چھوٹے سے مدد لے جائے۔ جیسے باپ اولاد سے لیتا ہے۔ یا مساوی سے جیسے ایک شریک کو دوسرے شریک سے مدد پہنچتی ہے، یا بڑے سے۔ جس طرح کمزور آدمی ذلت و مصیبت کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتے ہیں اس آیت میں تینوں کی نفی کر دی۔ گویا لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا میں پہلے احتمال کی لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ میں دوسرے کی اور لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ میں تیسرے کی نفی کرنے کے بعد کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا میں اس کی عظمت و کبریا کی طرف متوجہ فرمادیا، یعنی انسان کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے اور ہر طرح کی کمزوریوں سے رفیع و برتر سمجھے۔ اور لطف یہ ہے کہ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا میں نصاریٰ کا لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ میں مشرکین کا اور لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ میں ان یہود کا رد ہو گیا جن کے یہاں خدا تعالیٰ کشتی میں یعقوبؑ کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکا۔ (العیاذ باللہ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کوئی مددگار نہیں ذلت کے وقت۔ یعنی اس پر کبھی ذلت ہی نہیں کہ مددگار چاہیے۔ بادشاہوں کے ہاں امیر زبر پڑ جاتے ہیں اس لئے کہ برے وقت ان کی رفاقت کئے ہوتے ہیں۔ وہاں یہ قصہ ہی نہیں۔

تم سورۃ الاسراء بعون اللہ وحسن توفیقہ فللہ الحمد والمنہ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ صاحب الاسراء وعلیٰ آلہ وصحبہ

ایاتھا ۱۱۰ | ۱۸ سُوْرَۃُ الْکَھْفِ مَکِّیَّۃٌ ۶۹ | رکوعاتھا ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ
یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿ٜ۱﴾

۱۔ سب تعریف اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندہ پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی[۱]

قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ
اَجۡرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾

۲۔ ٹھیک اتاری تا کہ ڈر سنا دے ایک سخت آفت کا اللہ کی طرف سے[۲] اور خوشخبری دے ایمان لانے والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں کہ ان کے لئے اچھا بدلہ ہے

مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾

۳۔ جس میں رہا کریں ہمیشہ[۳]

وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ٭﴿۴﴾

۴۔ اور ڈر سنا دے انکو جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد[۴]

مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً
تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾

۵۔ کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی اور نہ ان کے باپ دادوں کو کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں[۵]

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ
یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾

۶۔ سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر[۶]

اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا لِنَبۡلُوَہُمۡ
اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾

۷۔ ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تا کہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کرتا ہے کام[۷]

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾ ط

۸۔ اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے میدان چھانٹ کر [۸]

۱۔ قرآن ہر کجی سے پاک ہے: یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہ ہی خدا ہو سکتا ہے جس نے اپنے مخصوص و مقرب ترین بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر سب سے اعلیٰ و اکمل کتاب اتاری اور اس طرح زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے مشرف و ممتاز فرمایا۔ بے شک اس کتاب میں کوئی ٹیرھی ترچھی بات نہیں۔ عبارت انتہائی سلیس و فصیح، اسلوب بیان نہایت مؤثر و شگفتہ تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ کسی قسم کی افراط و تفریط کا اس میں شائبہ نہیں۔

۲۔ قرآن کفار کو ڈرسنانے کے لئے ہے: یعنی تکذیب کرنے والوں پر جو سخت آفت دنیا یا آخرت میں خداوند قہار کی طرف سے آنے والی ہے اس سے یہ کتاب آگاہ کرتی ہے۔ (تنبیہ) قیماً کو بعض نے بمعنی "مستقیم" لے کر محض مضمون سابق کی تاکید قرار دی ہے۔ یعنی کتنا ہی غور کرو ایک بال برابر کجی نہیں پاؤ گے۔ مگر فرّاء نے اس لفظ کے معنی کئے ہیں قَيِّمًا عَلٰى سَائِرِ الْكُتُبِ السَّمَاوِيَّةِ یعنی تمام کتب سماویہ کی صحت و تصدیق پر مہر کرنے والی اور ان کی اصولی تعلیمات کو دنیا میں قائم رکھنے والی" ابو مسلم نے کہا قَيِّمًا بِمَصَالِحِ الْعِبَادِ بندوں کی تمام مصالح کی متکفل اور ان کی معاش و معاد کو درست کرنے والی" بہر حال جو معنے بھی لئے جائیں اس کی صداقت میں شبہ نہیں۔

۳۔ بظاہر اس سے مراد آخرت کا بدلہ یعنی جنت ہے جہاں مومنین قانتین کو دائمی خوشی اور ابدی راحت ملے گی۔

۴۔ خدا کے لئے اولاد تجویز کرنے میں سب سے زیادہ مشہور اور پیش پیش تو نصاریٰ ہیں اور جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے ان ہی سے حاملین قرآن کو قیامت تک زیادہ سابقہ پڑنا ہے تاہم عموم الفاظ میں بعض فرق یہود جو عزیرؑ کو خدا کا بیٹا۔ یا بعض مشرکین جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے وہ بھی داخل ہو گئے۔ گویا اس جگہ اولاد تجویز کرنے والے کافروں کو بالخصوص اور نصاریٰ کو اخص خصوص کے طور پر متنبہ کیا گیا ہے۔

۵۔ کفار کا کِذب: یعنی کوئی تحقیق اور علمی اصول ان کے ہاتھ میں نہیں نہ ان کے باپ دادوں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کی اندھی تقلید میں ایسی بھاری بات زبان سے نکال رہے ہیں۔ گویا خداوند تعالیٰ کی شان قدوسیت و سبوحیت کی ان لوگوں کو کچھ خبر نہیں جو اس کی جناب میں ایسی گستاخیاں کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ دلائل و براہین کی جگہ ان کے ذخیرہ میں یہ ہی باقی رہ گیا ہے کہ زبان سے ایک چھوٹی اور بدیہی البطلان بات کہتے جائیں اور جب ثبوت مانگو تو کہدیں کہ یہ مذہب کا ایک راز ہے جس کے ادراک تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کی تسلی: یعنی اگر یہ کافر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں تو آپ ان کے غم میں اپنے کو بالکل گھلائیے نہیں۔ آپ تبلیغ و دعوت کا فرض ادا کر چکے اور کر رہے ہیں، کوئی نہ مانے تو آپ کو اس قدر دل میں گھٹنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ پچھتانا مناسب ہے کہ ہم نے ایسی کوشش کیوں کی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ آپ تو بہر حال کامیاب ہیں۔ دعوت و تبلیغ اور شفقت و ہمدردی خلائق کے جو کام کرتے ہیں وہ آپ کے رفع مراتب اور ترقی مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اشقیاء اگر قبول نہ کریں تو ان ہی کا نقصان ہے۔

۷۔ احسن عملاً کون لوگ ہیں: یعنی اس کی رونق پر دوڑتا ہے یا اسے چھوڑ کر آخرت کو پکڑتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابن عمر نے سوال کیا یارسول اللہ! اَحْسَنُ عَمَلًا کون لوگ ہیں؟ فرمایا اَحْسَنُكُمْ عَقْلًا وَاَوْرَعُكُمْ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ وَاَسْرَعُكُمْ فِي طَاعَتِهٖ سُبْحَانَه (جس کی سمجھ اچھی ہو، حرام سے زیادہ پرہیز کرے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف زیادہ جھپٹے)۔

۸۔ قیامت میں زمین چٹیل ہو جائے گی: یعنی ایک روز سب گھاس پھونس درخت وغیرہ چھانٹ کر زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔ جو لوگ اس کے بناؤ سنگار پر ریجھ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ زرق برق کوئی باقی رہنے والی چیز نہیں۔ دنیا کے زمینی سامان خواہ کتنے ہی جمع کر لو اور مادی ترقیات سے ساری زمین کو لالہ و گلزار بنا دو، جب تک آسمانی ہدایت اور روحانی دولت سے تہی دست رہو گے، حقیقی سرور و طمانیت اور

ابدی نجات و فلاح سے ہم آغوش نہیں ہو سکتے۔ آخری اور دائمی کامیابی صرف ان ہی کے لئے ہے جو مولائے حقیقی کی خوشنودی پر دنیا کی ہر ایک زائل و فانی خوشی کو قربان کر سکتے ہیں اور راہ حق کی جادہ پیمائی میں کسی صعوبت سے نہیں گھبراتے نہ دنیا کے بڑے بڑے طاقتور جباروں کی تخویف و ترہیب سے ان کا قدم ڈگمگاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا اور نبی کریم ﷺ کی تسلی بھی کر دی کہ آپ ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو نہ گھلائیے۔ جس دنیا کی زندگی اور عیش و بہار پر مغرور ہو کر یہ حق کو ٹھکراتے ہیں وہ سب کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی جائے گی اور آخر کار سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا۔ اس وقت سارے جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَ الرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾

۹۔ کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کھوہ کے رہنے والے ہماری قدرتوں میں عجب اچنبھا تھے [۹]

اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ جب جا بیٹھے وہ جوان پہاڑ کی کھو میں پھر بولے اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے بخشش اور پوری کر دے ہمارے کام کی درستی

فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ۙ﴿۱۱﴾

۱۱۔ پھر تھپک دئے ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں چند برس گنتی کے [۱۰]

ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ ع

۱۲۔ پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے [۱۱]

ع ۱ / ۱۲ / ۱۳

۹۔ اصحاب کہف کا واقعہ اللہ کی قدرت کا معمولی نمونہ ہے: یعنی حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے لحاظ سے اصحاب کہف کا قصہ جو آگے مذکور ہے کوئی اچنبھا نہیں جسے حد سے زیادہ عجیب سمجھا جائے۔ زمین آسمان، چاند سورج وغیرہ کا پیدا کرنا، ان کا محکم نظام قائم رکھنا انسان ضعیف البنیان کو سب پر فضیلت دینا، انسانوں میں انبیاء کا بھیجنا، ان کی قلیل و بے سروسامان جماعتوں کو بڑے بڑے متکبرین کے مقابلہ میں کامیاب بنانا، خاتم الانبیاء اور رفیق غار حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر "غار ثور" میں تین روز ٹھہرانا، کفار کا غار کے منہ تک تعاقب کرنا پھر ان کو بے نیل و مرام واپس لوٹانا، آخر گھر بار چھوڑنے والے مٹھی بھر بے سروسامانوں کو تمام جزیرۃ العرب بلکہ مشرق و مغرب میں اس قدر قلیل مدت کے اندر غالب و منصور کرنا، کیا یہ اور اس قسم کی بے شمار چیزیں "اصحاب کہف" کے قصہ سے کم عجیب ہیں؟ اصل یہ ہے کہ یہود نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ محمد ﷺ سے آزمائش کے لئے تین سوال کریں۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کا قصہ کیا تھا؟ اور ذوالقرنین کی سرگزشت کیا تھی؟ اصحاب کہف کے قصہ کو عجیب ہونے کی حیثیت سے انہوں نے خاص اہمیت دی تھی۔ اسی لئے اس آیت میں بتلایا گیا کہ وہ اتنا عجیب نہیں۔ جیسے تم سمجھے ہو، اس سے کہیں بڑھ کر عجیب و غریب نشانات قدرت موجود ہیں۔

اصحاب کہف کی جرأت و استقلال: آگے "اصحاب کہف" کا قصہ اول مجملاً پھر مفصلاً بیان فرمایا ہے کہتے ہیں کہ یہ چند نوجوان روم کے کسی ظالم و جبار بادشاہ کے عہد میں تھے، جس کا نام بعض نے "دقیانوس" بتلایا ہے۔ بادشاہ سخت غالی بت پرست تھا اور جبر و اکراہ سے بت پرستی کی اشاعت

کرتا تھا۔ عام لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چند روزہ دنیوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے لگے اس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا تعلق عمائد سلطنت سے تھا، خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے دل خشیت الٰہی اور نور تقویٰ سے بھرپور تھے۔ حق تعالیٰ نے صبر و استقلال اور توکل و تبتل کی دولت سے مالامال کیا تھا۔ بادشاہ کے روبرو جاکر بھی انہوں نے لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلٰـھًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا کا نعرہ مستانہ لگایا اور ایمانی جراءت و استقلال کا مظاہرہ کرکے دیکھنے والوں کو مبہوت و حیرت زدہ کردیا۔ بادشاہ کو کچھ ان کی نوجوانی پر رحم آیا اور کچھ دوسرے مشاغل و مصالح مانع ہوئے کہ انہیں فوراً قتل کردے۔ چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور و نظر ثانی کرلیں۔ انہوں نے مشورہ کرکے طے کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جبکہ جبر و تشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا بہر حال خطرہ ہے مناسب ہوگا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہوجائیں (اور واپسی کے لئے مناسب موقع کا انتظار کریں) دعا کی کہ خداوندا! تو اپنی خصوصی رحمت سے ہمارا کام بنادے اور رشد و ہدایت کی جادہ پیمائی میں ہمارا سب انتظام درست کردے۔ آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر میں جایا کرے تاضروریات خرید کرلاسکے اور شہر کے احوال و اخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے جو شخص اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری تلاش ہے اور ہمارے اقارب و اعزہ کو مجبور کیا جارہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں۔ یہ مذاکرہ ہورہا تھا کہ حق تعالیٰ نے ان سب پر دفعۃً نیند طاری کردی۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا۔ تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ میں ڈال دیئے گئے تاکہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقہ سے لاپتہ ہوگئی ہے۔ ممکن ہے آگے چل کر اس کا کچھ سراغ نکلے۔ اور بعض عجیب واقعات کا انکشاف ہو۔

اصحاب کہف کون تھے: یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا کہ نصرانی یعنی اصل دین مسیحی کے پیرو تھے۔ لیکن ابن کثیر نے قرائن سے اس کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ حضرت مسیحؑ سے پہلے کا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) "رقیم" پہاڑ کی کھوہ کو کہتے ہیں اور بمعنی "مرقوم" بھی آتا ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ مسند عبد بن حمید کی ایک روایت میں جسے حافظ نے علیٰ شرط البخاری کہا ہے، ابن عباس سے "رقیم" کے دوسرے معنی منقول ہیں یعنی "اصحاب کہف" اور "اصحاب رقیم" ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔ غار میں رہنے کہ وجہ سے "اصحاب کہف" کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام وصفت وغیرہ کی تختی لکھ کر رکھ دی گئی تھی۔ اس لئے "اصحاب رقیم" کہلائے۔

اصحاب رقیم اور اصحاب کہف: مگر مترجمؒ نے پہلے معنی لئے ہیں اور بہر صورت "اصحاب کہف" و "اصحاب رقیم" کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ "اصحاب رقیم" کا قصہ قرآن میں مذکور نہیں ہوا، محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا حوالہ دے دیا گیا۔ اور فی الحقیقت اصحاب رقیم (کھوہ والے) وہ تین شخص ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہوئے تھے، اوپر سے ایک بڑا پتھر آپڑا، جس نے غار کا منہ بند کردیا۔ اس وقت ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنی عمر کے مقبول ترین عمل کا حوالہ دے کر حق تعالیٰ سے فریاد کی اور بتدریج غار کا منہ کھل گیا۔ امام بخاریؒ نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ان تین شخصوں کا قصہ مفصل درج کرکے شاید اسی طرف اشارہ کردیا ہے کہ "اصحاب رقیم" یہ لوگ ہیں طبرانی اور بزاز نے باسناد حسن نعمان بن بشیر سے مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ "رقیم" کا ذکر فرماتے تھے اور یہ قصہ تین شخصوں کا بیان کیا۔ واللہ اعلم۔

١٠۔ اصحاب کہف کا واقعہ اللہ کی قدرت کا معمولی نمونہ ہے: یعنی ایسی تھپکی دی کہ برسوں غار میں پڑے سوتے رہے ادھر ادھر کی کوئی خبر ان کے کانوں میں نہیں پڑتی تھی۔

١١۔ اصحاب کہف کی نیند کی مدت: سالہا سال کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو جگادیا۔ تاظاہر ہوجائے کہ اختلاف کرنے والوں نے میں سے کس نے

ان کی مدت نوم کا زیادہ صحیح اندازہ رکھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی نوم طویل کے بعد جب بیدار ہوئے تو قدرتی طور پر خود سونے والوں میں اور دوسرے دیکھنے والوں میں بھی اختلاف اور چہ میگوئیاں ہوں گی کوئی کم مدت بتلائے گا کوئی زیادہ۔ کوئی اقرار کرے گا۔ کوئی مستبعد سمجھ کر انکار کردے گا۔ تو انہیں جگا کر یہ دیکھنا تھا کہ کونسی جماعت ٹھیک حقیقت پر پہنچتی ہے اور اس حقیقت پر پہنچ کر "بعث بعد الموت" کا عقدہ حل کرتی ہے جس میں اس وقت کے لوگ جھگڑ رہے تھے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ
اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۖۗ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ ہم سنا دیں تجھ کو ان کا حال تحقیق وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے انکو سوجھ [۱۲]

وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰـهًا
لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور گرہ دی ان کے دل پر [۱۳] جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان اور زمین کا نہ پکاریں گے ہم اس کے سوائے کسی کو معبود نہیں تو کہی ہم نے بات عقل سے دور [۱۴]

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا
يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿ؕ۱۵﴾

۱۵۔ یہ ہماری قوم ہے ٹھہرا لئے انہوں نے اللہ کے سوائے اور معبود کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی سند کھلی پھر اس سے بڑا گنہگار کون جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ [۱۵]

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى
الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ
مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جب تم نے کنارہ کر لیا ان سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے تو اب جا بیٹھو اس کھوہ میں پھیلا دے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی رحمت سے اور بنا دیوے تمہارے واسطے تمہارے کام میں آرام [۱۶]

۱۲۔ یعنی ایمان سے زیادہ درجہ دیا اولیاء کا۔

۱۳۔ یعنی مضبوط و ثابت قدم رکھا کہ اپنی بات صاف کہدی۔

۱۴۔ یعنی جب "رب" وہ ہی ہے تو معبود کسی اور کو ٹھہرانا حماقت ہے۔ "ربوبیت" و "الوہیت" دونوں اسی کے لئے مخصوص ہیں۔

۱۵۔ جیسے موحدین توحید پر صاف صاف دلیلیں پیش کرتے ہیں، اگر مشرکین اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔

لائیں کہاں سے؟ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہو گا کہ خدا کے شریک ٹھہرائے جائیں۔

۱۶۔اصحاب کہف کا توکل اور اس کا انعام: یعنی جب مشرکین کے دین سے ہم علیحدہ ہیں تو ظاہری طور پر بھی ان سے علیحدہ رہنا چاہئے اور جب ان کے باطل معبودوں سے کنارہ کیا تو ہر طرف سے ٹوٹ کر تنہا اپنے معبود کی طرف جھکنا اور اسی سے رحمت و تلطف کا امیدوار رہنا چاہئے۔ آپس میں یہ مشورہ کر کے پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھے۔

وَ تَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ
ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَ اِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ
الشِّمَالِ وَهُمۡ فِىۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ
مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ
تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا ﴿۱۷﴾ ع

۱۷۔ اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ کر جاتی ہے ان کی کھوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں اس کے یہ ہے اللہ کی قدرتوں سے [۱۷] جسکو راہ دیوے اللہ وہی آئے راہ پر اور جس کو وہ بچلائے پھر تو نہ پائے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا [۱۸]

ع ۲ ۵ ۱۴

وَ تَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّ هُمۡ رُقُوۡدٌ ۖۗ وَّ نُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ
الۡيَمِيۡنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَ كَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ
ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ
مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّ لَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں اور وہ سو رہے ہیں اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم انکو داہنے اور بائیں اور کتا ان کا پسار رہا ہے اپنی باہیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں انکی دہشت [۱۹]

۱۷۔غار کی کیفیت: یعنی خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ایسے ٹھکانے کی طرف رہنمائی کی جہاں مامون و مطمئن ہو کر آرام کرتے رہیں نہ جگہ کی تنگی سے جی گھٹے، نہ کسی وقت دھوپ ستائے۔ غار اندر سے کشادہ اور ہوادار تھا اور جیسا کہ ابن کثیرؒ نے لکھا شمال رویہ ہونے کی وجہ سے ایسی وضع و ہیأت پر واقع تھا جس میں دھوپ بقدر ضرورت پہنچتی اور بدون ایذاء دیے نکل جاتی تھی۔

۱۸۔غار کی کیفیت: یعنی ظاہری باطنی رہنمائی سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ دیکھ لو جب دنیا بچل رہی تھی کس طرح اصحاب کہف کو راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھا اور ظاہری طور پر بھی کیسے عجیب غار کی راہ بتلائی۔

۱۹۔اصحاب کہف کی نیند اور انکی ظاہری حالت: کہتے ہیں سوتے میں ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں اور اس قدر طویل نیند کا اثر ان کے ابدان پر ظاہر نہیں ہوا اس سے کوئی دیکھے تو سمجھے جاگتے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان لوگوں میں شان ہیبت و جلال اور اس مکان میں دہشت رکھی تا لوگ تماشہ نہ بنائیں کہ وہ بے آرام ہوں۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا۔ اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ کتا

رکھنا برا ہے لیکن لاکھ بروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ وللہ السعدی الشیرازی۔

پسر نوح بابداں بنشست خاندان بنوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

وَكَذٰلِكَ بَعَثۡنٰهُمۡ لِيَتَسَآءَلُوۡا بَيۡنَهُمۡؕ قَالَ
قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡؕ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ
بَعۡضَ يَوۡمٍؕ قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثۡتُمۡ ؕ
فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ
فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ
وَلۡيَتَلَطَّفۡ وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور اسی طرح ان کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں پوچھنے لگے ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ہم ٹھہرے ایک دن یا دن سے کم بولے تمہارا رب ہی خوب جانے جتنی دیر تم رہے ہو اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا اس شہر میں پھر دیکھے کونسا کھانا ستھرا ہے سو لائے تمہارے پاس اس میں سے کھانا اور نرمی سے جائے اور جتا نہ دے تمہاری خبر کسی کو

اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ
فِىۡ مِلَّتِهِمۡ وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ وہ لوگ اگر خبر پالیں تمہاری پتھروں سے مار ڈالیں تم کو یا لوٹا لیں تم کو اپنے دین میں اور تب تو بھلا نہ ہو گا تمہارا کبھی[۲۰]

۲۰۔ اصحاب کہف کا جاگنا اور گفتگو: جس طرح اپنی قدرت سے اتنی لمبی نیند سلایا تھا، اسی طرح بروقت جگا دیا۔ اٹھے تو آپس میں مذاکرہ کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے؟ بعض نے کہا "ایک آدھ دن"۔ یعنی بہت کم۔ دوسرے بولے کہ (اس بے فائدہ بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟) یہ تو خدا ہی کے علم میں ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے۔ اب تم اپنا کام کرو۔ ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو کہ وہ کسی دکان سے حلال اور ستھرا کھانا دیکھ کر خرید لائے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے نہایت ہشیاری سے جانا آنا اور نرمی و تدبیر سے معاملہ کرنا چاہئے کہ کسی شہر والے کو ہمارا پتہ نہ لگے، ورنہ بڑی سخت خرابی ہو گی۔ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو ہم کو یا سنگسار کیا جائے گا یا بجبر واکراہ دین حق سے ہٹایا جائے گا۔ العیاذ باللہ! ایسا ہوا تو جو اعلیٰ کامیابی و فلاح ہم چاہتے ہیں، وہ کبھی حاصل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ دین حق سے پھر جانا گو بجبر واکراہ ہو اولوالعزم مومنین کا کام نہیں ہو سکتا (تنبیہ) میرے نزدیک یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ محض تقلیل مدت سے کنایہ ہے۔ نیند سے اٹھ کر اتنی طویل مدت بھی ان کو قلیل محسوس ہوئی۔ سچ ہے "مردہ اور سوتا برابر ہے"۔ يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ کا حرف "او" کے ساتھ استعمال ایسا سمجھو جیسے سورہ مومنون میں ہے كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ۔ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـئَلِ الۡعَآدِّيۡنَ (مومنون۔۱۱۳،۱۱۲)۔

وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ

۲۱۔ اور اسی طرح خبر ظاہر کر دی ہم نے انکی تا کہ

حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیۡبَ فِیۡهَا ۚ اِذۡ یَتَنَازَعُوۡنَ بَیۡنَهُمۡ اَمۡرَهُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَیۡهِمۡ بُنۡیَانًا ؕ رَبُّهُمۡ اَعۡلَمُ بِهِمۡ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡهِمۡ مَّسۡجِدًا ﴿۲۱﴾

لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں دھوکہ نہیں جب جھگڑ رہے تھے آپس میں اپنی بات پر [۲۱] پھر کہنے لگے بناؤ ان پر ایک عمارت ان کا رب خوب جانتا ہے ان کا حال بولے وہ لوگ جن کا کام غالب تھا ہم بنائیں گے ان کی جگہ پر عبادت خانہ [۲۲]

۲۱۔ اہل شہر کو اصحاب کہف کا علم ہونا: ایک ان میں سے روپیہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ وہاں سب چیز اوپری دیکھی۔ اس مدت میں کئی قرن بدل چکے تھے۔ شہر کے لوگ اس روپیہ کا سکہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کس بادشاہ کا نام ہے اور کس عہد کا ہے۔ سمجھے کہ اس شخص نے کہیں سے پرانا گڑا ہوا مال پالیا ہے۔ شدہ شدہ معاملہ بادشاہ تک پہنچا۔ اس نے وہ اپنی پرانی تختی طلب کی جس پر چند نام اور پتے لکھے تھے کہ یہ لوگ دفعۃً نامعلوم طریقہ سے فلاں سنہ میں غائب ہو گئے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ یہ وہی مفقود الخبر جماعت ہے۔ اس وقت شہر میں "بعث بعد الموت" کے متعلق بڑا جھگڑا ہو رہا تھا کوئی کہتا تھا کہ مرنے کے بعد جینا نہیں کوئی کہتا تھا کہ محض روحانی سے بعث ہے جسمانی نہیں۔ کوئی معاد روحانی و جسمانی دونوں کا قائل تھا۔ بادشاہ وقت حق پرست اور منصف تھا، چاہتا تھا کہ ایک طرف کی کوئی ایسی نظیر ہاتھ لگے جس سے سمجھانے میں آسانی رہے اور استبعاد عقلی کم ہو۔

اس واقع سے آخرت پر استدلال: اللہ تعالیٰ نے یہ نظیر بھیج دی۔ آخر منکرین آخرت بھی یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھنے سننے کے بعد آخرت پر یقین لائے۔ یہ نظارہ خاص طور پر ان کی طبائع پر اثر انداز ہوا سمجھے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے۔ کہ یہ قصہ بھی دوسری بار جینے سے کم نہیں (تنبیہ) بعض نے اِذۡ یَتَنَازَعُوۡنَ بَیۡنَهُمۡ اَمۡرَهُمۡ کا مطلب یہ لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اصحاب کہف کے حال سے لوگوں کو اس وقت آگاہ کیا جبکہ اصحاب کہف کے متعلق چرچے اور جھگڑے ہو رہے تھے کہ وہ چند نوجوان جنہیں مدت دراز سے سنتے آتے ہیں کہ یک بیک غائب ہو گئے تھے پھر کچھ پتہ نہ چلا کہاں گئے ہوں گے؟ کہاں ان کی نسل پھیلی ہو گی؟ اب تک زندہ تو کیا ہوتے۔ سب مر گل کر برابر ہو گئے ہوں گے؟ اس مسئلہ میں کوئی کچھ کہتا تھا۔ دوسرا کچھ خیال ظاہر کرتا تھا کہ دفعۃً حق تعالیٰ نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا۔ اور سب اختلافات ختم کر دیے۔

۲۲۔ غار کی جگہ یادگار کی تعمیر: یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے؟ انتقال ہوا تو کب ہوا، زندہ رہے تو کب تک رہے یا کب تک رہیں گے۔ بہر حال اہل شہر نے ان کے عجیب و غریب احوال پر مطلع ہو کر فرط عقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کر دیں جس سے زائرین کو سہولت ہو۔ اس میں اختلاف رائے ہوا ہو گا کہ کس قسم کا مکان بنایا جائے۔ اس اختلاف کی تفاصیل تو خدا ہی کو معلوم ہیں اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ یہ تجویز ان کی موت کے بعد ہوئی یا اس سے قبل دوبارہ نیند طاری ہونے کی حالت میں۔ اور لوگوں کو غار تک پہنچ کر ان کی ملاقات میسر ہو سکی یا نہیں۔ تاہم جو بارسوخ اور ذی اقتدار لوگ تھے انکی رائے یہ قرار پائی کہ غار کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دی جائے اصحاب کہف کی نسبت بجز اس کے کہ پکے موحد اور متقی تھے، یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس نبی کی شریعت کے پیرو تھے۔ لیکن جن لوگوں نے معتقد ہو کر وہاں مکان بنایا وہ نصاریٰ تھے۔ ابو حیان نے "بحر محیط" میں اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے لئے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ من شاء فلیراجعہ۔

سَيَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَةٌ
سَادِسُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ رَجۡمًۢا بِالۡغَيۡبِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ
وَّ ثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ ؕ قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا
يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۙ فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً
ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع ۳ ۵ ۱۵

۲۲۔ اب یہی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا بدون نشانی دیکھے پتھر چلانا[۲۳] اور یہ بھی کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھوں انکا کتا تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے ان کی گنتی ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ سو مت جھگڑ ان کی بات میں مگر سرسری جھگڑا اور مت تحقیق کر ان کا حال ان میں کسی سے[۲۴]

۲۳۔ اصحاب کہف کی تعداد: یعنی سامعین "اصحاب کہف" کا قصہ سن کر جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے، اٹکل کے تیر چلائیں گے، کوئی کہے گا کہ وہ تین تھے چوتھا کتا تھا، کوئی پانچ بتلا کر چھٹا کتے کو شمار کرے گا۔ لیکن یہ سب اقوال ایسے ہیں جیسے کوئی بے نشانہ دیکھے پتھر چلاتا رہے۔ ممکن ہے مختلف باتیں کہنے سے جہل کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان کرنا بھی مقصود ہو کہ دیکھیں یہ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ احتمال ہے کہ یہود نے ان کو صحیح تعداد سات کی بتلائی ہو جسکی طرف آگے قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

۲۴۔ اصحاب کی تعداد کے بارے میں ابن عباسؓ کی روایت: یعنی اس قسم کی غیر معتد بہ باتوں میں زیادہ جھگڑنا لاحاصل ہے۔ عدد کے معلوم ہونے سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں۔ جتنی بات خدا نے بتلادی اس سے زیادہ تحقیق کے درپے ہونا یا جس قدر تردید خدا تعالیٰ کر چکا اس سے زیادہ جھگڑنا اور تردید کرنا فضول ہے۔ ابن عباس نے فرمایا میں ان قلیل لوگوں میں سے ہوں (جنہوں نے سیاق قرآنی سے معلوم کر لیا کہ) اصحاب کہف سات ہی تھے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے پہلے دو قول کو "رجما بالغیب" فرمایا، تیسرے قول کے ساتھ نہیں فرمایا اس کے علاوہ اسلوب بیان بھی بدلا ہوا ہے پہلے دونوں جملوں میں "واؤ عطف" نہ تھا، تیسرے میں وَّ ثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ عطف کے ساتھ لانے سے گویا اس پر زور دینا ہے کہ اس قول کا قائل پوری بصیرت و وثوق کے ساتھ واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے۔ بعض نے اس کی تائید میں یہ بھی کہا ہے کہ پہلے قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ سے ایک قائل کا ہونا، اور قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا الخ سے اس کے سوا کم از کم تین قائلین کا پھر دوسرے قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ الخ سے ان کے علاہ تین اور قائلین کا ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح کم از کم سات آدمی ہونے چاہئیں۔ کتا ان کے علاوہ رہا۔

وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاىۡءٍ اِنِّىۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور نہ کہنا کسی کام کو کہ میں یہ کروں گا کل کو

اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيۡتَ وَقُلۡ
عَسٰٓى اَنۡ يَّهۡدِيَنِ رَبِّىۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کر لے اپنے رب کو جب بھول جائے اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو دکھلائے اس سے زیادہ نزدیک راہ نیکی کی[۲۵]

وَلَبِثُوۡا فِىۡ كَهۡفِهِمۡ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيۡنَ وَازۡدَادُوۡا

۲۵۔ اور مدت گذری ان پر اپنی کھوہ میں تین سو برس اور

تِسۡعًا ﴿۲۵﴾

ان کے اوپر نو[۲۶]

قُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَهٗ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِهٖ وَ اَسۡمِعۡ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ ۫ وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت ان پر گذری اسی کی پاس ہیں چھپے بھید آسمان اور زمین کے کیا عجیب دیکھتا اور سنتا ہے[۲۷] کوئی نہیں بندوں پر اس کے سوائے مختار اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو[۲۸]

۲۵۔ اس واقعہ کا نزول اور کلمہ ان شآء اللہ کی اہمیت: اصحاب کہف کا قصہ تاریخی کتابوں میں نادرات میں لکھا تھا۔ ہر کسی کو کہاں خبر ہو سکتی، مشرکین نے یہود کے سکھانے سے حضرت سے پوچھا۔ مقصود آپ کی آزمائش تھی، حضرت نے وعدہ کیا کہ کل بتادوں گا اس بھروسہ پر کہ جبریل آئیں گے تو دریافت کر دوں گا۔ جبریل پندرہ دن تک نہ آئے۔ حضرت نہایت غمگین ہوئے، مشرکین نے ہنسنا شروع کیا۔ آخر یہ قصہ لے کر آئے اور پیچھے نصیحت کی کہ آئندہ کی بات کے متعلق بغیر "انشاء اللہ" کے وعدہ نہ کرنا چاہئیے۔ اگر ایک وقت بھول جائے تو پھر یاد کر کے کہہ لے۔ اور فرمایا کہ امید رکھ کہ تیرا درجہ اللہ اس سے زیادہ کرے یعنی کبھی نہ بھولے (موضح القرآن) یا اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ عجیب طور پر آپ کی حفاظت فرمائے اور کامیاب کرے جیسا کہ غار ثور کے قصہ میں ہوا۔ یا واقعہ کہف سے زیادہ عجیب واقعات و شواہد آپ کی زبان سے بیان کرائے۔

۲۶۔ نیند کی مدت: یعنی شمسی حساب سے پورے تین سو سال کھوہ میں سوتے رہے اور قمری حساب سے نو سال زیادہ ہوئے (مہینوں اور دنوں کی کسور محسوب نہیں کی گئیں) یا تین سو سال کے بعد ممکن ہے قدرے نیند سے چونکے ہوں پھر سو گئے اور نو سال تک سوتے رہے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ تین سو نو سال جاگنے کے بعد سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی مدت بیان فرمائی۔ یعنی لوگوں سے مل ملا کر پھر سو رہے جس کو آپکے زمانہ تک اتنا عرصہ گذرا۔ واللہ اعلم۔ (لطیفہ) ہمارے زمانہ میں صوبہ زیشوان میں ایک شخص دو سو باون سال کی عمر رکھتا ہے۔ چوبیسویں شادی ابھی حال میں کی ہے۔

۲۷۔ اللہ کا علم و قدرت: جتنی مدت سو کر وہ جاگے تھے، تاریخ والے کئی طرح بتاتے تھے۔ سب سے ٹھیک وہ ہی ہے جو اللہ بتائے آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ راز اسی کے علم میں ہیں۔ کوئی چیز اس کی آنکھ سے اوجھل نہیں۔

۲۸۔ یعنی جس طرح اس کا علم محیط ہے، اس کی قدرت و اختیار بھی سب پر حاوی ہے۔ جیسے غیوب سمٰوات و ارض کے علم میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اختیارات قدرت میں بھی کوئی سہیم و شریک نہیں ہو سکتا۔

وَ اتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنۡ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚۖ وَ لَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے کوئی بدلنے والا نہیں اسکی باتیں اور کہیں نہ پائے گا تو اس کے سوائے چھپنے کو جگہ[۲۹]

وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ
بِالۡغَدٰوةِ وَ الۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَ لَا تَعۡدُ
عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَ
لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَ اتَّبَعَ
هَوٰٮهُ وَكَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾

٢٨۔ اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اسکے منہ کے [٣٠] اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں انکو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی [٣١] اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا [٣٢]

وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّ
مَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ ۙ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ نَارًا ۙ
اَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنۡ يَّسۡتَغِيۡثُوۡا يُغَاثُوۡا
بِمَآءٍ كَالۡمُهۡلِ يَشۡوِى الۡوُجُوۡهَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَ
سَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿٢٩﴾

٢٩۔ اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے [٣٣] ہم نے تیار کر رکھی ہے گنہگاروں کے واسطے آگ کہ گھیر رہی ہیں انکو اسکی قناتیں [٣٤] اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے پیپ بھون ڈالے منہ کو کیا برا پینا ہے اور کیا برا آرام [٣٥]

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ
اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۚ ﴿٣٠﴾

٣٠۔ بیشک جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں کھوتے بدلہ اس کا جس نے بھلا کیا کام [٣٦]

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ
الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ
يَلۡبَسُوۡنَ ثِيَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ
مُّتَّكِـئِيۡنَ فِيۡهَا عَلَى الۡاَرَآئِكِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَ

٣١۔ ایسوں کے واسطے باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پہنائے جائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے [٣٧] اور پہنیں گے کپڑے سبز باریک اور گاڑھے ریشم کے [٣٨] تکیہ لگائے ہوئے ان میں تختوں پر کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب آرام [٣٩]

حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع ۴ / ۱۶

۲۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت وحی کا حکم: پہلے "اصحاب کہف کے قصہ پر فرمایا تھا فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا مطلب یہ ہے کہ بیکار چیزوں میں زیادہ الجھنے اور کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہئے۔ یعنی جو جامع ومانع اور کافی وشافی کتاب تیرے رب نے مرحمت فرمائی۔ اسے پڑھ کر سناتے رہئے۔ خدا نے جو باتیں اس میں سنائیں اور جو وعدے کئے کوئی طاقت نہیں جو انہیں بدل یا ٹال سکے یا غلط ثابت کر سکے۔ اگر کوئی ان باتوں کو بدلنے کے درپے ہو گا یا اس کتاب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے مجرم کے لئے کہیں پناہ نہیں۔ ہاں وفاداروں کو پناہ دینے کے لئے اس کی رحمت وسیع ہے۔ دیکھ لو "اصحاب کہف" کو جو خدا کی باتوں پر جمے رہے، کیسی اچھی جگہ اپنے فضل سے عنایت فرمائی۔

۳۰۔ بعض صحابہ کی مدح اور فضیلت: یعنی اس کے دیدار اور خوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ دائماً عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مثلاً ذکر کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نمازوں پر مداومت رکھتے ہیں۔ حلال وحرام میں تمیز کرتے ہیں خالق ومخلوق دونوں کے حقوق پہچانتے ہیں، گو دنیوی حیثیت سے معزز اور مالدار نہیں۔ جیسے صحابہ میں اس وقت عمار، صہیب، بلال، ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایسے مومنین مخلصین کو اپنی صحبت ومجالست سے مستفید کرتے رہئے۔ اور کسی کے کہنے سننے پر ان کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے۔

۳۱۔ سرداران کفار کی مذمت: یعنی ان غریب شکستہ حال مخلصین کو چھوڑ کر موٹے موٹے متکبر دنیاداروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھائیے کہ ان کے مسلمان ہو جانے سے دین اسلام کو بڑی رونق ہو گی۔ اسلام کی اصلی عزت ورونق مادی خوشحالی اور چاندی سونے کے سکوں سے نہیں۔ مضبوط ایمان وتقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہے۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح ڈھلنے والی ہے، حقیقی دولت تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ہے جسے نہ شکست ہے نہ زوال، چنانچہ اصحاب کہف کے واقعہ میں خدا کو یاد کرنے والوں اور دنیا کے طالبوں کا انجام معلوم ہو چکا۔

۳۲۔ یعنی جن کے دل دنیا کے نشہ میں مست ہو کر خدا کی یاد سے غافل اور ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں، خدا کی اطاعت میں پیچھے اور ہواپرستی میں آگے رہنا ان کا شیوہ، ایسے بدمست غافلوں کی بات پر آپ کان نہ دھریں خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولتمند اور جاہ وثروت والے ہوں۔ روایات میں ہے کہ بعض صنادید قریش نے آپ سے کہا کہ ان رذیلوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے تاکہ سردار آپ کے پاس بیٹھ سکیں رذیل کہا غریب مسلمانوں کو اور سردار دولتمند کافروں کو۔ ممکن ہے آپ کے قلب مبارک میں خیال گزرا ہو کہ ان غرباء کو تھوڑی دیر علیحدہ کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ وہ تو پکے مسلمان ہیں مصلحت پر نظر کر کے رنجیدہ نہ ہوں گے اور یہ دولت مند اس صورت میں اسلام قبول کر لیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ آپ ہرگز ان متکبرین کا کہنا نہ مانئے کیونکہ یہ بیہودہ فرمائش ہی ظاہر کرتی ہے کہ ان میں حقیقی ایمان کا رنگ قبول کرنے کی استعداد نہیں۔ پھر محض موہوم فائدہ کی خاطر مخلصین کا احترام کیوں نظر انداز کیا جائے نیز امیروں اور غریبوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے سے احتمال ہے کہ عام لوگوں کے قلوب میں پیغمبر کی طرف سے معاذ اللہ نفرت اور بدگمانی پیدا ہو جائے جس کا ضرر اس ضرر سے کہیں زیادہ ہو گا جو ان چند متکبرین کے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں تصور کیا جا سکتا ہے۔

۳۳۔ حق ظاہر ہو چکا: یعنی خدا کی طرف سے سچی باتیں سنا دی گئیں، کسی کے ماننے کی اسے کچھ پروا نہیں جو کچھ نفع نقصان ہو گا صرف تمہارا ہو گا۔ ماننے اور نہ ماننے والے دونوں اپنا اپنا انجام سوچ لیں جو آگے بیان کیا جاتا ہے دنیا کہ چہل پہل محض ہیچ اور فانی ہے۔ اس کا لطف جب ہی ہے کہ فلاح آخرت کا ذریعہ بنے۔ وہاں محض دنیا کا تمول کام نہ دے گا۔ بلکہ جو یہاں شکستہ حال تھے بہت سے وہاں عیش وآرام میں ہوں گے۔

۳۴۔ وہ قناتیں بھی آگ کی ہوں گی۔

۳۵۔ دوزخ کا پانی: یعنی گرمی کی شدت سے پیاس لگے گی تو العطش پکاریں گے۔ تب تیل کی تلچھٹ یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا۔ جو سخت حرارت اور تیزی کی وجہ سے منہ بھون ڈالے گا۔

۳۶۔ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی گم نہ ہو گی۔ پورا بدلہ دیا جائے گا۔

۳۷۔ اہل جنت کی نعمتیں: تاکہ دکھلا دیا جائے کہ اصلی اور دائمی دولتمند کون لوگ ہیں۔ کنگن یا ریشمی کپڑوں اور اسی طرح جنت کی تمام نعمتوں کی خاص کیفیت کو ہم دنیا میں نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ہماری محسوسات میں اس موطن کی کوئی پوری مثال موجود نہیں۔

۳۸۔ شاید ابرا باریک ریشم کا اور استر دبیز ریشم کا ہو۔ کما یفہم من قولہ تعالیٰ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ (رحمٰن۔۵۴) یا دونوں قسمیں الگ الگ استعمال کی جائیں۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے۔ حضرت نے فرمایا سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کا ملنا ہے بہشت میں۔ جو کوئی یہاں یہ چیزیں پہنے وہاں نہ پہنے گا۔

۳۹۔ یعنی مسہریوں پر تکیہ مسند لگائے نہایت عزت و آرام سے بیٹھے ہوں گے۔

وَ اضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّ حَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّ جَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ﴿۳۲﴾	۳۲۔ اور بتلا انکو مثل دو مردوں کی[۴۰] کر دیے ہم نے ان میں سے ایک کے لئے دو باغ انگور کے اور گرد ان کے کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی[۴۱]
كِلۡتَا الۡجَنَّتَيۡنِ اٰتَتۡ اُكُلَهَا وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡــًٔا ۙ وَّ فَجَّرۡنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾	۳۳۔ دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہیں گھٹاتے اس میں سے کچھ[۴۲] اور بہادی ہم نے ان دنوں کے بیچ نہر[۴۳]
وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكۡثَرُ مِنۡكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾	۳۴۔ اور ملا اسکو پھل[۴۴] پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اس سے میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ[۴۵]
وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِيۡدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾	۳۵۔ اور گیا اپنے باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر[۴۶] بولا نہیں آتا مجھ کو خیال کہ خراب ہووے یہ باغ کبھی
وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰى رَبِّىۡ	۳۶۔ اور نہیں خیال کرتا ہوں کہ قیامت ہونے والی ہے

لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾

اور اگر کبھی پہنا دیا گیا میں اپنے رب کے پاس پاؤں گا بہتر اس سے وہاں پہنچ کر [٤٧]

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ
خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ
رَجُلًا ﴿٣٧﴾ ط

٣٧۔ کہا اس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا کیا تو منکر ہو گیا اس سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر قطرہ سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾

٣٨۔ پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے میرا رب اور نہیں مانتا شریک اپنے رب کا کسی کو [٤٨]

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا
قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ
وَلَدًا ﴿٣٩﴾ ج

٣٩۔ اور جب تو آتا تھا اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے جو چاہے اللہ سو ہو طاقت نہیں مگر جو دے اللہ [٤٩] اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ
عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا
زَلَقًا ﴿٤٠﴾ ۙ

٤٠۔ تو امید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر [٥٠] اور بھیج دے اس پر لو کا ایک جھونکا آسمان سے پھر صبح کو رہ جائے میدان صاف

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ
طَلَبًا ﴿٤١﴾

٤١۔ یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک پھر نہ لا سکے تو اس کو ڈھونڈھ کر [٥١]

وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ
اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾

٤٢۔ اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا [٥٢] اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ گر پڑا تھا اپنی چھتریوں پر [٥٣] اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا اگر میں شریک نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو [٥٤]

وَلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنۡتَصِرًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کی اللہ کے سوائے اور نہ ہوا وہ کہ خود بدلہ لے سکے[۵۵]

هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ ؕ هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّ خَيۡرٌ عُقۡبًا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا اسی کا انعام بہتر ہے اور اچھا ہے اسی کا دیا ہوا بدلہ[۵۶]

ع ۵ ۱۷

۴۰۔ دو شخصوں کی مثال: یہ کافر غنی اور مومن فقیر کی مثال بیان فرمائی، جس کے ضمن میں دنیا کی بے ثباتی، کفر و تکبر کی بد انجامی اور ایمان و تقویٰ کی مقبولیت پر متنبہ کرنا ہے۔ یہ دو شخص جن کی مثال بیان ہوئی واقعی موجود تھے؟ یا محض تفہیم کے لئے مثال فرض کر لی گئی؟ علماء کے اس میں دونوں قول ہیں اور تمثیل کا فائدہ بہر حال حاصل ہے۔

۴۱۔ یعنی باغوں کے گرد باڑھ کھجور کی لگائی اور دونوں باغوں کے درمیان میں زمین چھوڑی جس میں زراعت ہوتی تھی تا غلے اور پھل (قوت اور فواکہ) سب تیار ملیں۔

۴۲۔ یعنی یہ نہیں کہ ایک باغ پھلا دوسرا نہ پھلا۔ یا ایک درخت زیادہ آیا دوسرا کم۔

۴۳۔ یعنی باغوں کے درمیان نہر کا پانی قرینہ سے پھر رہا تھا کہ منظر فرحت بخش رہے اور بارش نہ ہو تب بھی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پائے۔

۴۴۔ یعنی جو خرچ کیا یا کمائی کی اس کا پھل خوب ملا۔ اور ہر قسم کے سامان عیش و رفاہیت جمع ہو گئے نکاح کیا تو اس کا پھل بھی اچھا پایا اولاد کثرت سے ہوئی۔

۴۵۔ مال و دولت کا نشہ: یعنی مال و دولت اور جتھا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے۔ اگر میں مشرکانہ اطوار اختیار کرنے میں باطل پر ہوتا تو اس قدر آسائش اور فراخی کیوں ملتی اس کے مشرک ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آفت آنے کے بعد پچھتا کر کہتا تھا۔ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غریب ساتھی جو پکا موحد تھا شرک کے باطل ہونے کا اظہار اور شرک سے تائب ہونے کی نصیحت کر رہا ہو گا۔ جس کے جواب میں یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں، جتھے میں، ہر چیز میں زیادہ ہوں کس طرح یقین کر لوں کہ میں باطل پر ہوں اور تجھ جیسا مفلس قلاش حق پر ہو۔

۴۶۔ یعنی شرک میں مبتلا تھا۔ کبر و غرور کا نشہ دماغ میں بھرا ہوا تھا، دوسروں کو حقیر جانتا تھا۔ اور خدا کی قدرت و جبروت پر نظر نہ تھی۔ نہ یہ سمجھتا تھا کہ آگے کیا انجام ہونے والا ہے بس یہ ہی باغ اس کی جنت تھی جس کو آپ خیر سے ابدی سمجھتے تھے۔

۴۷۔ مال کی وجہ سے آخرت سے انکار: یعنی اب تو آرام سے گزرتی ہے۔ اور میں نے سب انتظامات ایسے مکمل کر لئے ہیں کہ میری زندگی تک ان باغوں کے تباہ ہونے کا بظاہر کوئی کھٹکا نہیں۔ رہا بعد الموت کا قصہ، سو اول تو مجھے یقین نہیں کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ زندگی ملے گی؟ اور ہم خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے لیکن اگر ایسا ہوا تو یقیناً مجھے یہاں سے بہتر سامان وہاں ملنا چاہئے اگر ہماری حرکات خدا کو ناپسند ہوتیں تو دنیا میں اتنی کشائش کیوں دیتا۔ گویا یہاں کی فراخی علامت ہے کہ وہاں بھی ہم عیش اڑائیں گے۔

۴۸۔ اس کے مومن دوست کا جواب: یعنی جس خدا نے تیری اصل (آدمؑ) کو بے جان مٹی سے، پھر تجھ کو زمینی پیداوار کے خلاصہ اور ایک قطرہ ناچیز سے پیدا کر کے زندگی بخشی اور جسمانی و روحانی قوتیں دے کر ہٹا کٹا مرد بنایا، کیا تجھے انکار ہے کہ وہ تیرے مرے پیچھے دوبارہ زندہ

نہیں کر سکتا؟ یا دی ہوئی نعمت چھین نہیں سکتا؟ میرا تو یہ عقیدہ نہیں۔ بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ تنہا ہمارا رب ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں۔ پھر بھلا اس کے حکم و اختیار کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔

۴۹۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کے کلمہ کی تلقین: یعنی مال تو اللہ کی نعمت ہے۔ اس پر اترانے اور کفر بکنے سے آفت آتی ہے چاہیئے تھا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا کی جگہ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہتا۔ یعنی خدا جو چاہے عطا فرمائے، ہم میں جو کچھ زور و قوت ہے اسی کی امداد و اعانت سے ہے۔ وہ چاہے تو ایک دم میں سلب کر لے روایات میں ہے کہ جب آدمی کو اپنے گھر بار میں آسودگی نظر آئے تو یہی لفظ کہے۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

۵۲۔ یعنی کف افسوس ملتا رہے گا۔

۵۳۔ باغ و اسباب کی تباہی: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "آخر اس کے باغ پر وہ ہی ہوا جو اس مرد نیک کی زبان سے نکلا تھا رات کو آفت سماوی آگ کی صورت میں آئی۔ سب جل کر ڈھیر ہو گیا۔ مال خرچ کیا تھا پونجی بڑھانے کو وہ اصل بھی کھو بیٹھا۔

۵۴۔ اپنے شرک پر ندامت: مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور یہ افسوس و ندامت بھی خدا سے ڈر کر نہیں، محض دنیوی ضرر پہنچنے کی بنا پر تھی۔

۵۵۔ یعنی نہ جتھا کام آیا، نہ اولاد، نہ فرضی معبود جنہیں خدائی کا شریک ٹھہرا رکھا تھا۔ اور نہ خود اپنی ذات میں اتنی طاقت تھی کہ خدا کے عذاب کو روک دیتا یا بدلہ لے سکتا۔

۵۶۔ یعنی جس عمل کا جو بدلہ کسی کو دے وہ ہی ٹھیک ہے۔ یہاں اور وہاں ہر جگہ اختیار اسی کا چلتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ میں دخل دے سکے۔

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ
مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ
هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور بتلا دے ان کو مثل دنیا کی زندگی کی جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہوا میں اڑتا ہوا[۵۷] اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت[۵۸]

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ الْبٰقِيٰتُ
الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلا اور بہتر ہے توقع[۵۹]

وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ
حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿ۚ۴۷﴾

۴۷۔ اور جس دن ہم چلائیں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی[۶۰] اور گھیر بلائیں ہم انکو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو[۶۱]

وَ عُرِضُوۡا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا ؕ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا کَمَا
خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍۭ ۫ بَلۡ زَعَمۡتُمۡ اَلَّنۡ نَّجۡعَلَ لَکُمۡ
مَّوۡعِدًا ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھ کر آ پہنچے تم ہمارے پاس جیسے ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار نہیں تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کریں گے ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ[۶۲]

وَ وُضِعَ الۡکِتٰبُ فَتَرَی الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُشۡفِقِیۡنَ
مِمَّا فِیۡہِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ یٰوَیۡلَتَنَا مَالِ ہٰذَا الۡکِتٰبِ لَا
یُغَادِرُ صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً اِلَّاۤ اَحۡصٰہَا ۚ وَ وَجَدُوۡا
مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظۡلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع ۶

۴۹۔ اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ پھر تو دیکھے گنہگاروں کو ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے[۶۳] اور کہتے ہیں ہائے خرابی کیا ہے یہ کاغذ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آ گئی اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے[۶۴] اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر[۶۵]

ع ۵ ۱۸

۵۷۔ دنیا کی زندگی کی مثال: یعنی دنیا کی عارضی بہار اور فانی و سریع الزوال تروتازگی کی مثال ایسی سمجھو کہ خشک اور مردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا ، وہ یک بیک جی اٹھی ، گنجان درخت اور مختلف اجزاء سے رلا ملا سبزہ نکل آیا۔ لہلہاتی کھیتی آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ مگر چند روز ہی گذرے کہ زرد ہو کر سوکھنا شروع ہو گئی۔ آخر ایک وقت آیا کہ کانٹ چھانٹ کر برابر کر دی گئی۔ پھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑائی گئی۔ یہ ہی حال دنیا کے دیدہ زیب وابلہ فریب بناؤ سنگار کا سمجھو۔ چند روز کے لئے خوب ہری بھری نظر آتی ہے۔ آخر میں چورہ ہو کر ہوا میں اڑ جائے گی۔ اور کٹ چھٹ کر سب میدان صاف ہو جائے گا جیسا کہ آگے وَیَوۡمَ نُسَیِّرُ الۡجِبَالَ وَ تَرَی الۡاَرۡضَ بَارِزَۃً میں اشارہ کیا ہے۔

۵۸۔ یعنی جب چاہے پھر جلا دے۔ (موضح القرآن) یا یہ کہ اگانا اور چورا کر کے اڑا دینا سب اسی کے دست قدرت میں ہے۔

۵۹۔ مال و اولاد اور باقی رہنے والی نیکیاں: یعنی مرنے کے بعد مال و اولاد وغیرہ کام نہیں آتے صرف وہ نیکیاں کام آتی ہیں جن کا اثر یا ثواب آئندہ باقی رہنے والا ہو۔ حدیث میں سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَلَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمامی اعمال حسنہ اس میں داخل ہیں۔ موضح القرآن میں ہے "رہنے والی نیکیاں یہ کہ علم سکھا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم چلا جائے یا مسجد، کنواں، سرائے، باغ، کھیت وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح چھوڑ جائے، اسی قسم کے کام ہیں جن پر خدا کے ہاں بہترین بدلہ مل سکتا ہے اور انسان عمدہ توقعات قائم کر سکتا ہے۔ دنیا کی فانی و زائل خوشحالی پر لمبی چوڑی امیدیں باندھنا عقلمندی نہیں۔

۶۰۔ قیامت کے دن پہاڑ اور زمین کا حال: یعنی جب قیامت آئے گی پہاڑ جیسی سخت مخلوق بھی اپنی جگہ سے چلائی جائے گی بلکہ اس کی بھاری بھاری چٹانیں دھنی ہوئی اون کی طرح فضا میں اڑتی پھریں گی۔ غرض زمین کے سارے ابھار مٹ کر سطح ہموار اور کھلی ہوئی رہ جائے گی۔

۶۱۔ یعنی کوئی شخص خدائی عدالت سے غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔

۶۲۔ محشر میں امتوں کی صفیں: منکرین بعث کو تفریع و توبیخ کے طور پر یہ کہا جائے گا کہ تم تو قیامت وغیرہ کو محض ڈھکوسہ سمجھتے تھے آج سب

جتھا اور اثاثہ چھوڑ کر ننگ دھڑنگ کہاں آ پہنچے۔ اور "جیسا بنایا تھا پہلی بار" میں یہ بھی داخل ہے کہ بدن میں کچھ زخم و نقصان وغیرہ نہ رہے گا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں اسی امت محمدیہ کی ہیں۔

۶۳۔ اعمال نامے: یعنی اعمالنامہ ہر ایک کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس میں اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر مجرم خوف کھائیں گے کہ دیکھئے آج کیسی سزا ملتی ہے۔

۶۴۔ یعنی ذرہ ذرہ عمل آنکھوں کے سامنے ہوگا اور ہر ایک چھوٹی بڑی بدی یا نیکی اعمالنامہ میں مندرج پائیں گے۔

۶۵۔ حشر میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا: حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ظلم کا بایں معنی تو امکان ہی نہیں کہ وہ غیر کی ملک میں تصرف کرے، کیونکہ تمام مخلوق اسی کی ملک ہے۔ لیکن ظاہر میں جو ظلم نظر آئے اور بے موقع کام سمجھا جائے۔ وہ بھی نہیں کرتا، نہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے نہ کسی کی ادنیٰ نیکی کو ضائع ہونے دیتا ہے۔ بلکہ اپنی حکمت بالغہ سے نیکی و بدی کے ہر ایک درخت پر وہ ہی پھل لگاتا ہے جو اس کی طبیعت نوعیہ کا اقتضاء ہو۔ گندم از گندم بروید جوز جو، از مکافات عمل غافل مشو کفر و ایمان اور اطاعت و معصیت میں خالق الکل نے اسی طرح کے علیحدہ علیحدہ خواص و تاثیرات رکھ دی ہیں۔ جیسے زہر اور تریاق میں۔ آخرت میں خیر و شر کے یہ تمام خواص و آثار علانیہ ظاہر ہو جائیں گے۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوۡنَہٗ وَ ذُرِّیَّتَہٗۤ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِیۡ وَ ہُمۡ لَکُمۡ عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِیۡنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوائے اور وہ تمہارے دشمن ہیں برا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلہ [۶۶]

مَاۤ اَشۡہَدۡتُّہُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَا خَلۡقَ اَنۡفُسِہِمۡ ۪ وَ مَا کُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّیۡنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

۵۱۔ دکھلا نہیں لیا تھا میں نے انکو بنانا آسمان اور زمین کا اور نہ بنانا خود ان کا اور میں وہ نہیں کہ بناؤں بہکانے والوں کو اپنا مددگار [۶۷]

وَ یَوۡمَ یَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَکَآءِیَ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡہُمۡ فَلَمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَہُمۡ وَ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمۡ مَّوۡبِقًا ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو [۶۸] جن کو تم مانتے تھے پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے ان کو اور کر دیں گے ہم انکے بیچ مرنے کی جگہ [۶۹]

وَ رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَ لَمْ
يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ ع ٧ ٩

٥٣۔ اور دیکھیں گے گنہگار آگ کو پھر سمجھ لیں گے کہ ان کو پڑنا ہے اس میں اور نہ بدل سکیں گے اس سے رستہ [٧٠]

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ
مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾

٥٤۔ اور بیشک پھیر پھیر کو سمجھائی ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر ایک مثل اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو [٧١]

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى
وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾

٥٥۔ اور لوگوں کو جو روکا اس بات سے کہ یقین لے آئیں جب پہنچی انکو ہدایت اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے سو اسی انتظار نے کہ پہنچے ان پر رسم پہلوں کی یا آ کھڑا ہو ان پر عذاب سامنے کا [٧٢]

وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ
مُنْذِرِيْنَ ۚ وَ يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ
لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَ مَآ اُنْذِرُوْا
هُزُوًا ﴿٥٦﴾

٥٦۔ اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو خوشخبری اور ڈر سنانے کو [٧٣] اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جھوٹا جھگڑا کہ ٹلا دیں اس سے سچی بات کو [٧٤] اور ٹھہرالیا انہوں نے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے گئے ٹھٹھا [٧٥]

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا
وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ
تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٥٧﴾

٥٧۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اسکے رب کے کلام سے پھر منہ پھیر لیا اسکی طرف سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ [٧٦] ہم نے ڈال دیے ہیں انکے دلوں پر پردے کہ اس کو نہ سمجھیں اور انکے کانوں میں ہے بوجھ اور اگر تو ان کو بلائے راہ پر تو ہر گز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی [٧٧]

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا
كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ
يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝۵۸

۵۸۔ اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے رحمت والا اگر ان کو پکڑے انکے کئے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب [۷۸] پر ان کے لئے ایک وعدہ ہے کہیں نہ پائیں گے اس سے ورے سرک جانے کو جگہ [۷۹]

وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا
لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹ ع

۵۹۔ اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے غارت کیا جب وہ ظالم ہو گئے اور مقرر کیا تھا ہم نے انکی ہلاکت کا ایک وعدہ [۸۰]

ع ۸ / ۲۰

۶۶۔ ابلیس جن تھا: راجح یہ ہی ہے کہ ابلیس نوع جن سے تھا، عبادت میں ترقی کر کے گروہ ملائکہ میں شامل ہو گیا۔ اسی لئے فرشتوں کو جو حکم سجود ہوا اس کو بھی ہوا اس وقت اس کی اصلی طبیعت رنگ لائی۔ تکبر کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھاگ نکلا، آدمؑ کے سامنے سر جھکانے میں کسر شان سمجھی۔ تعجب ہے آج آدمؑ کی اولاد اپنے رب کی جگہ اسی دشمن ازلی اور اس کی اولاد و اتباع کو اپنا رفیق و خیر خواہ اور مددگار بنانا چاہتی ہے۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ظلم کیا ہوگا۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گذر چکا ہے۔ یہاں اس پر متنبہ کرنے کے لئے لائے ہیں کہ دنیائے فانی کی ٹیپ ٹاپ پر مغرور ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا شیطان کی تحریک و تسویل سے ہے چاہتا ہے کہ ہم اپنے اصلی و آبائی وطن (جنت) میں واپس نہ جائیں۔ اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ دوست بن کر ہم سے پرانی دشمنی نکالے آدمی کو لازم ہے کہ ایسے چالاک دشمن سے ہشیار رہے۔ جو لوگ دنیوی متاع پر مغرور ہو کر ضعفاء کو حقیر سمجھتے اور اپنے کو بہت لمبا کھینچتے ہیں، وہ تکبر و تفاخر میں شیطان لعین کی راہ پر چل رہے ہیں۔ (تنبیہ) ابن کثیر نے بعض روایات نقل کر کے جن میں ابلیس کی اصل نوع ملائکہ میں سے بتلائی گئی ہے، لکھا ہے کہ ان روایات کا غالب حصہ اسرائیلیات میں سے ہے جنہیں بہت نظر و فکر کے بعد احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہئے اور ان میں کی بعض چیزیں تو یقیناً جھوٹ ہیں۔ کیونکہ قرآن صاف ان کی تکذیب کرتا ہے۔ آگے ابن کثیرؒ نے بہت وزندار الفاظ میں اسرائیلیات کے متعلق جو کچھ کلام کیا ہے، دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ یہاں بخوف تطویل ہم درج نہیں کر سکتے۔

۶۷۔ شیاطین کی مذمت: یعنی زمین و آسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلایا نہ تھا کہ ذرا آ کر دیکھ جائیں۔ ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی۔ غرض نہ ان سے تکوین و ایجاد عالم میں کچھ مشورہ لیا گیا نہ مدد طلب کی گئی، بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا کہ تمہیں کیسا بنایا جائے یا تمہارے دوسرے ہم جنسوں کو کس طرح پیدا کروں ذرا آ کر میری مدد کرو۔ اور بالفرض محال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بدبخت اشقیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دے دیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں رفیق و مددگار بنانے لگے۔ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (بنی اسرائیل۔ ۴۳)۔

۶۸۔ شیاطین کی مذمت: یعنی جن کو میرا شریک بنا رکھا تھا۔ بلاؤ! تا اس مصیبت کے وقت تمہاری مدد کریں۔

۶۹۔ مشرکین اور شرکاء کی حالت: اس وقت رفاقت اور دوستی کی ساری قلعی کھل جائے گی ایک دوسرے کے نزدیک بھی نہ جا سکیں گے۔ کام آنا تو درکنار دونوں کے بیچ میں عظیم و وسیع خندق آگ کی حائل ہو گی (اعاذنا اللہ منہا)۔

۷۰۔ یعنی شروع شروع میں شاید کچھ معافی کی امید ہو گی لیکن جہنم کو دیکھتے ہی یقین ہو جائے گا کہ اب اس میں گرنا ہے اور فرار کا کوئی راستہ نہیں۔

۷۱۔ انسان جھگڑالو ہے: یعنی قرآن کریم کس طرح مختلف عنوانات اور قسم قسم کی دلائل وامثلہ سے سچی باتیں سمجھاتا ہے۔ مگر انسان کچھ ایسا جھگڑالو واقع ہوا ہے کہ صاف اور سیدھی باتوں میں بھی کٹ حجتی کئے بغیر نہیں رہتا۔ جب دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا تو مہمل اور دور از کار فرمائشیں شروع کر دیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تو مانوں گا۔

۷۲۔ قبول ہدایت سے اب کیا چیز مانع ہے ؟: یعنی ان کے ضد وعناد کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن ایسی عظیم الشان ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ان کے پاس باقی نہیں۔ آخر قبول حق میں اب کیا دیر ہے اور کاہے کا انتظار ہے۔ بجز اس کے کہ پہلی قوموں کی طرح خدا تعالیٰ ان کو بکلی تباہ کر ڈالے۔ یا اگر تباہ نہ کئے جائیں تو کم از کم مختلف صورتوں میں عذاب الٰہی آنکھوں کے سامنے آکھڑا ہو۔ ہٰکذا یفہم من تفسیر ابن کثیرؒ وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کچھ اور انتظار نہیں رہا مگر یہی کہ پہلوں کی طرح ہلاک ہوویں یا قیامت کا عذاب آنکھوں سے دیکھیں۔

۷۳۔ ان کو یہ اختیار نہیں کہ جب تم مانگو یا جب وہ چاہیں عذاب لا کھڑا کریں۔

۷۴۔ یعنی جھوٹے جھگڑے اٹھا کر اور کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز پست کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگا دیں ایسا کبھی نہ ہو گا۔

۷۵۔ یعنی کلام اللہ سے ٹھٹھا کرتے ہیں اور جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

۷۶۔ یعنی کبھی بھول کر بھی خیال نہ آیا کہ تکذیب حق اور استہزاء و تمسخر کا جو ذخیرہ آگے بھیج رہا ہے اس کی سزا کیا ہے۔

۷۷۔ کفار کے دلوں پر پردے: یعنی ان کے جدال بالباطل اور استہزاء بالحق کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اور کانوں میں ڈاٹ ٹھونک دی۔ اب نہ حق کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بالکل مسخ ہو گئے۔ پھر حق کی طرف متوجہ ہوں تو کیسے ہوں اور انجام کا خیال کریں تو کیسے کریں۔ ایسے بدبختوں کے راہ پر آنے کی کبھی توقع نہیں۔

۷۸۔ یعنی کرتوت تو ان کے ایسے کہ عذاب پہنچنے میں ایک گھنٹہ کی تاخیر نہ ہو۔ مگر حق تعالیٰ کا حلم و کرم فوراً تباہ کر ڈالنے سے مانع ہے، اپنی رحمت عامہ سے خاص حد تک درگذر فرماتا ہے اور سخت سے سخت مجرم کو موقع دیتا ہے کہ چاہے تو اب بھی توبہ کر کے پچھلی خطائیں بخشوا لے اور ایمان لا کر رحمت عظیمہ کا مستحق بن جائے۔

۷۹۔ یعنی یہ تاخیر عذاب ایک وقت معین تک ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی مجرم سزا کا وعدہ آنے سے پیشتر کہیں ادھر ادھر کھسک جائے جب وقت آئے گا سب بندھے چلے آئیں گے، مجال نہیں کوئی روپوش ہو سکے۔

۸۰۔ بستیوں کی ہلاکت: یعنی عاد و ثمود کی بستیاں جن کے واقعات مشہور و معروف ہیں، دیکھ لو جب ظلم کئے کس طرح اپنے وقت معین پر تباہ و برباد کر دی گئیں اسی طرح تم کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ وقت آنے پر عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِفَتٰىہُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ
مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا یا چلا جاؤں قرنوں میں [۸۱]

فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا فَاتَّخَذَ
سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

۶۱۔ پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر [۸۲]

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ
لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

٦٢۔ پھر جب آگے چلے کہا موسٰی نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف [٨٣]

قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ
الۡحُوۡتَ ۡ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ ۚ
وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

٦٣۔ بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں [٨٤] اور اس نے کر لیا اپنا رستہ دریا میں عجیب طرح

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا
قَصَصًا ﴿٦٤﴾ ۙ

٦٤۔ کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر الٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے [٨٥]

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ
عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿٦٥﴾

٦٥۔ پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم [٨٦]

قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا
عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿٦٦﴾

٦٦۔ کہا اس کو موسٰی نے کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھلا دے کچھ جو تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ [٨٧]

قَالَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿٦٧﴾

٦٧۔ بولا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿٦٨﴾

٦٨۔ اور کیونکر ٹھہرے گا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیرے قابو میں نہیں اس کا سمجھنا [٨٨]

قَالَ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِىۡ
لَكَ اَمۡرًا ﴿٦٩﴾

٦٩۔ کہا تو پائے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم [٨٩]

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَكَ مِنۡهُ ذِكۡرًا ﴿٧٠﴾ ع ٩ ١١ ٢١

٧٠۔ بولا پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھیو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا ذکر [٩٠]

٨١۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے کی اصل وجہ: اوپر ذکر ہوا تھا کہ مغرور کافر مفلس مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ ان کو پاس نہ بٹھائیں۔ اسی پر دو شخصوں کی کہاوت سنائی۔ پھر دنیا کی مثال اور ابلیس کا کبر و غرور سے خراب ہونا بیان کیا۔ اب موسیٰؑ اور خضرؑ کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو آپ کو بہتر نہیں کہتے۔ اور کبھی بھول چوک سے کہہ گذریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے تادیب و تنبیہ کی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو نہایت موثر اور بیش بہا نصیحتیں فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا، اے موسیٰؑ! کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ جواب واقع میں صحیح تھا۔ کیونکہ موسیٰؑ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے، گو مراد صحیح تھی۔ تاہم عنوان جواب کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجوہ اپنے کو اعلم الناس خیال کرتے ہیں۔ خدا کی مرضی یہ تھی کہ جواب کو اس کے علم محیط پر محول کرتے۔ مثلاً یہ کہتے کہ اللہ کے مقرب و مقبول بندے بہت سے ہیں، سب کی خبر اسی کو ہے۔ تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملے ہیں اس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

مجمع البحرین کی تحقیق: دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟ بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں۔ شاید ملاپ سے مراد قرب ہو گا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے۔ بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں بعض علماء کے نزدیک "مجمع البحرین" وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال موسیٰؑ نے درخواست کی کہ مجھے اس کا پورا پتہ نشان بتایا جائے تا میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں۔ حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو، وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے۔ گویا "مجمع البحرین" سے جو ایک وسیع قطعہ مراد ہو سکتا تھا اس کی پوری تعین کے لئے یہ علامت مقرر فرما دی۔

حضرت یوشع سے حضرت موسیٰؑ کا خطاب: موسیٰؑ نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشعؑ کو ہمراہ لے کر سفر شروع کر دیا، اور یوشعؑ کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا۔ میں برابر سفر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں، اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گذر جائیں گے بدون مقصد حاصل کئے سفر سے نہ ہٹوں گا۔ (تنبیہ) جوان سے مراد حضرت یوشعؑ ہیں جو ابتداءً موسیٰؑ کے خادم خاص تھے، پھر ان کے روبرو پیغمبر اور ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔

٨٢۔ مچھلی کا گم ہونا: وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا، حضرت موسیٰؑ سو رہے۔ یوشعؑ نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ سی بناتی چلی گئی۔ وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا۔ یوشعؑ کو دیکھ کر تعجب آیا۔ چاہا کہ موسیٰؑ بیدار ہوں تو ان سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے یوشعؑ نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسیٰؑ نے جب ان کو مچھلی کی خبر گیری کے لئے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔

٨٣۔ حضرت موسیٰؑ پہلے نہیں تھکے۔ جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے تکان محسوس کیا۔

٨٤۔ یعنی مطلب کی بات بھول جانا اور عین موقع یادداشت پر ذہول ہونا۔ شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوا۔

٨٥۔ غالباً وہاں راستہ بنا ہوا نہ ہو گا۔ اس لئے اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے الٹے پاؤں پھرے۔

۸۶۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات: وہ بندہ حضرت خضرؑ تھے۔ جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیہ کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضرؑ کو رسول مانا جائے یا نبی یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے۔ ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہو سکتا۔ تاہم احقر کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان کو نبی تسلیم کیا جائے اور جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے جو انبیاء جدید شریعت لے کر نہیں آتے ان کو بھی اتنا تصرف و اختیار عطا ہوتا ہے کہ مصالح خصوصیہ کی بناء پر شریعت مستقلہ کے کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید یا عام ضابطہ سے بعض جزئیات کا استثناء کر سکیں۔ اسی طرح کے جزئی تصرفات حضرت خضرؑ کو بھی حاصل تھے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال موسیٰؑ خضرؑ سے ملے علیک سلیک کے بعد خضرؑ نے سبب پوچھا۔ موسیٰؑ نے آنے کا سبب بتلایا۔ خضرؑ نے کہا اے موسیٰؑ! بلاشبہ اللہ نے تمہاری تربیت فرمائی پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کونیہ کا) مجھ کو ملا ہے جو (اتنی مقدار میں) تم کو نہیں ملا۔ اور ایک علم (اسرار تشریع کا) تم کو دیا گیا ہے جو (اتنی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا، تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے۔ جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ میں لگ گیا ہے (یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں)۔

۸۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست: یعنی اجازت ہو تو چند روز آپ کے ہمراہ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں۔

۸۸۔ حضرت خضر علیہ السلام کی پیشگوئی: حضرت خضرؑ نے موسیٰؑ کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا کیونکہ وہ مامور تھے کہ واقعات کونیہ کا جزئی علم پا کر اسی کے موافق عمل کریں اور موسیٰؑ جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریعی قوانین و کلیات سے تھا۔ بنا بریں جن جزئیات میں عوارض و خصوصیات خاصہ کی وجہ سے بظاہر عام ضابطہ پر عمل نہ ہو گا۔ حضرت موسیٰؑ اپنی معلومات کی بنا پر ضرور روک ٹوک کریں گے۔ اور خاموشی کا مسلک دیر تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ جدا ہونا پڑے گا۔

۸۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ: یہ وعدہ کرتے وقت غالباً موسیٰؑ کو اس کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایسے مقرب و مقبول بندہ سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع و اخلاق کے خلاف ہو۔ غنیمت ہوا کہ انہوں نے "انشاء اللہ" کہہ لیا تھا ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اولو العزم پیغمبر کی شان کے لائق نہ ہوتا۔

۹۰۔ حضرت خضر علیہ السلام کی شرائط: یعنی کوئی بات اگر بظاہر ناحق نظر آئے تو مجھ سے فوراً باز پرس نہ کرنا، جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں۔

فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾

۷۱۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اس کو پھاڑ ڈالا موسیٰ بولا کیا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اسکے لوگوں کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری [۹۱]

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ کہا مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور مت ڈال مجھ پر میرا کام مشکل [۹۲]

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

٧٤۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے تو اسکو مار ڈالا[٩٣] موسٰی بولا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری[٩٤] بغیر عوض کسی جان کے بیشک تو نے کی ایک چیز نامعقول[٩٥]

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾

٧٥۔ بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ[٩٦]

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾

٧٦۔ کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے بعد تو مجھ کو ساتھ نہ رکھیو تو اتار چکا میری طرف سے الزام[٩٧]

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾

٧٧۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے انہوں نے نہ مانا انکو مہمان رکھیں پھر پائی وہاں ایک دیوار جو گرا چاہتی تھی اسکو سیدھا کر دیا[٩٨] بولا موسٰی اگر تو چاہتا تو لے لیتا اس پر مزدوری[٩٩]

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

٧٨۔ کہا اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ اب جتلائے دیتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ کر سکا[١٠٠]

٩١۔ کشتی کا واقعہ: جب اس کشتی پر چڑھنے لگے ناؤ والوں نے خضرؑ کو پہچان کر مفت سوار کر لیا۔ اس احسان کا بدلہ یہ نقصان دیکھ کر موسٰیؑ کو اور زیادہ تعجب ہوا۔ لیکن کشتی پوری طرح کنارہ کے قریب پہنچ کر توڑی۔ لوگ ڈوبنے سے بچ گئے اور توڑنا یہ تھا کہ ایک تختہ نکال ڈالا۔ گویا عیب دار کر دی۔

٩٢۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا اعتراض: یعنی اگر بھول چوک پر بھی گرفت کرو گے تو میرا تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا یہ پہلا پوچھنا حضرت موسٰیؑ سے بھول کر ہوا۔ اور دوسرا اقرار کرنے کو اور تیسرا رخصت ہونے کو۔

٩٣۔ لڑکے کا قتل: ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ اور چل کھڑے ہوئے بعض روایات میں اس کا نام جیسور آیا ہے۔ وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن جمہور مفسرین اس کو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹۴۔ یعنی بے گناہ۔ جب تک لڑکا بالغ نہ ہو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ لفظ بظاہر اس کے نابالغ ہونے کی تائید کرتا ہے۔ اگرچہ دوسروں کے لئے تاویل کی گنجائش ہے۔

۹۵۔ یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہ تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کونسی ہوگی۔

۹۶۔ کیونکہ ایسے حالات و واقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر تم خاموشی کے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ آخر وہی ہوا۔

۹۷۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی آخری درخواست: حضرت موسٰیؑ کو اندازہ ہو گیا کہ خضرؑ کے تحیر خیز حالات و واقعات کا چپ چاپ مشاہدہ کرتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس لئے آخری بات کہہ دی کہ اس مرتبہ اگر سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں ایسا کرنے میں آپ معذور ہوں گے اور میری طرف سے کوئی الزام آپ پر عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ تین مرتبہ موقع دے کر آپ حجت تمام کر چکے۔

۹۸۔ دیوار سیدھا کرنے کا واقعہ: یعنی ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں۔ مگر یہ سعادت ان کی قسمت میں نہ تھی، انہوں نے موسٰیؑ و خضرؑ جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ یہ معاملہ دیکھ کر چاہئے تھا کہ ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا، مگر حضرت خضرؑ نے غصہ کی بجائے ان پر احسان کیا۔ بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر آ رہے۔ لوگ اس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے۔ حضرت خضرؑ نے ہاتھ لگا کر سیدھی کر دی اور منہدم ہونے سے بچا لیا۔ (تنبیہ) "حَتّٰٓی اِذَآ اَتَیَآ اَھْلَ قَرْیَۃٍ" میں "اہل" کا لفظ شاید اس لئے لائے کہ بستی میں ان کا آنا محض مرور و عبور کے طور پر نہ تھا، نہ یہ صورت تھی کہ باشندگان شہر سے علیحدہ کسی سرائے وغیرہ میں جا اترے ہوں، بلکہ قصد کر کے شہر والوں سے ملے۔ اور "اسْتَطْعَمَآ اَھْلَھَا" میں دوبارہ لفظ "اہل" کی تصریح ان کی مزید تقبیح کے لئے ہے۔ یعنی جن سے مہمانی چاہی تھی وہ اہل قریہ تھے کوئی پردیسی مسافر نہ تھے جو یہ عذر کر سکیں کہ ہمارا گھر یہاں نہیں، مہمانداری کیسے کریں۔

۹۹۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا تیسرا اعتراض: یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ مہمانی کریں، ان کی دیوار مفت بنا دینے کی کیا ضرورت تھی اگر کچھ معاوضہ لے کر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارا کھانے پینے کا کام چلتا اور ان تنگ دل بخیلوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہو جاتی، شاید اپنی بد اخلاقی اور بے مروتی پر شرماتے۔

۱۰۰۔ یعنی حسب وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہو جایئے، آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار کھول دوں۔ جن کے چکر میں پڑ کر آپ صبر وضبط کی شان قائم نہ رکھ سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اس مرتبہ موسٰیؑ نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو۔ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسٰیؑ کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو ان کا بھلا ہو۔ حضرت خضرؑ کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آوے۔

اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا وَکَانَ وَرَآءَھُمْ مَّلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

۷۹۔ وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں [۱۰۱] سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور ان کے پرے تھا ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر [۱۰۲]

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ
يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ ﴿٨٠﴾
فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ
اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾
وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ
وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ
رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ
تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ ﴿٨٢﴾ ع ١٠/١٢

٨٠۔ اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کر دے زبردستی اور کفر کر کر [١٠٣]

٨١۔ پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں [١٠٤]

٨٢۔ اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں اور اسکے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ تھا نیک پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا [١٠٥] مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے [١٠٦] یہ ہے پھیر ان چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کر سکا

١٠١۔ یعنی دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔

١٠٢۔ یعنی جدھر کشتی جانے والی تھی اس طرف ایک ظالم بادشاہ جو اچھی کشتی دیکھتا چھین لیتا، یا بیگار میں پکڑ لیتا تھا۔ میں نے چاہا کہ عیب دار کر دوں، تا اس ظالم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور ٹوٹی ہوئی خراب کشتی سمجھ کر کوئی تعرض نہ کرے۔ بعض آثار میں ہے کہ خطرہ کے مقام سے آگے نکل کر پھر حضرت خضرؑ نے کشتی اپنے ہاتھ سے درست کر دی۔

١٠٣۔ لڑکے کے قتل کی حکمت: گو اصل فطرت سے ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے مگر آگے چل کر خارجی اثرات سے بچپن ہی میں بعض کی بنیاد پڑ جاتی ہے جس کا پورا یقینی علم تو خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے تاہم کچھ آثار اہل بصیرت کو بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لڑکے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کو آگاہ فرما دیا کہ اس کی بنیاد بری پڑی تھی۔ بڑا ہوتا تو موذی اور بدراہ ہوتا اور ماں باپ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا۔ وہ اس کی محبت میں کافر بن جاتے، اس طرح لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں، حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ آنے والی رکاوٹ ان کی راہ سے دور کر دی جائے۔ خضرؑ کو حکم دیا کہ لڑکے کو قتل کر دو۔ انہوں نے خدا کی وحی پا کر امتثال امر کیا اب یہ سوال کرنا کہ لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو اس قدر شریر نہ ہونے دیتے، یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے۔ یا جن بچوں کی بنیاد ایسی پڑے کم از کم پیغمبروں کو ان سب کی فہرست دے کر قتل کرا دیا کرتے۔ ان باتوں کا اجمالی جواب تو یہ ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ (انبیاء۔٢٣) اور تفصیلی جواب کے لئے مسئلہ "خلق

خیر وشر" پر مبسوط کلام کرنے کی ضرورت ہے جو ان مختصر فوائد میں سما نہیں سکتا ہاں اتنا یاد رہے کہ دنیا میں ہر شخص سے جو اللہ کو "خالق الکل" اور "علیم" و "حکیم" مانتا ہو، تکوینیات کے متعلق اسی قسم کے ہزراوں سوالات کئے جا سکتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس بجز اعتراف عجز و قصور کے کچھ نہیں۔ یہاں خضرؑ کے ذریعہ سے اسی کا ایک نمونہ دکھلانا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح تکوینیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ کبھی صورت واقعہ بظاہر دیکھنے میں خراب اور قبیح یا بے موقع معلوم ہوتی ہے لیکن جسے واقعہ کی اندرونی گہرائیوں کا علم ہو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ خضرؑ نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا، حالانکہ انہوں نے احسان کیا تھا کہ بلا اجرت دونوں کو سوار کر لیا۔ ایک کھیلتے ہوئے بچہ کو مار ڈالا جو بظاہر نہایت قبیح حرکت نظر آتی تھی۔ دیوار سیدھی کر کے اس بستی والوں پر احسان کیا جو نہایت بے مروتی سے پیش آئے تھے۔ اگر خود خضرؑ آخر میں اپنے ان افعال کی توجیہات بیان نہ کرتے تو ساری دنیا آج تک ورطہ حیرت میں پڑی رہتی، یا خضرؑ کو ہدف طعن و تشنیع بنائے رکھتی۔ العیاذ باللہ۔ ان ہی مثالوں سے حق تعالیٰ کے افعال اور انکی حکمتوں کا اندازہ کر لو۔

۱۰۴۔ **لڑکے کے قتل کی حکمت:** یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اس کے والدین کا ایمان محفوظ ہو گیا اور جو صدمہ انکو پہنچا۔ حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دے جو اخلاقی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو۔ ماں باپ اس پر شفقت کریں، وہ ماں باپ کے ساتھ محبت و تعظیم اور حسن سلوک سے پیش آئے کہتے ہیں اس کے بعد خدا تعالیٰ نے نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک امت چلی۔

۱۰۵۔ **دیوار سیدھا کرنے کی حکمت:** یعنی اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا اور بد نیت لوگ اٹھا لیتے۔ بچوں کا باپ مرد صالح تھا۔ اس کی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے میں نے اس کے حکم سے دیوار سیدھی کر دی کہ بچے جوان ہو کر باپ کا خزانہ پا سکیں کہتے ہیں اس خزانہ میں دوسرے اموال کے علاوہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر "محمد رسول اللہ" (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لکھا ہوا تھا۔

۱۰۶۔ یعنی جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہو اس پر مزدوری لینا مقربین کا کام نہیں (تنبیہ) اس قصہ کے شروع میں حضرت خضرؑ کی نبوت وولایت کے متعلق جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں اس کو بیک نظر پھر مطالعہ کر لیا جائے۔ آگے ذوالقرنین کا قصہ آتا ہے۔ یہ بھی ان تین چیزوں میں سے تھا جن کی نسبت یہود کے مشورہ سے قریش نے سوالات کئے تھے۔ "روح" کے متعلق جواب سورہ "بنی اسرائیل" میں گذر چکا۔ اصحاب کہف کا قصہ اسی سورت "کہف" میں آ چکا۔ تیسری چیز آگے مذکور ہے۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اس کا کچھ احوال

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾

۸۴۔ ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں اور دیا تھا ہم نے اسکو ہر چیز کا سامان [۱۰۷]

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾

۸۵۔ پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے [۱۰۸]

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ
فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ۬ؕ قُلۡنَا یٰذَا
الۡقَرۡنَیۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡهِمۡ
حُسۡنًا ﴿۸۶﴾

٨٦۔ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں [١٠٩] اور پایا اس کے پاس لوگوں کو ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی [١١٠]

قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ
فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّکۡرًا ﴿۸۷﴾

٨٧۔ بولا جو کوئی ہو گا بے انصاف سو ہم اسکو سزا دیں گے پھر لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دے گا اس کو برا عذاب

وَ اَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ
الۡحُسۡنٰی ۚ وَ سَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا یُسۡرًا ﴿ؕ۸۸﴾

٨٨۔ اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام سو اس کا بدلہ بھلائی ہے اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی [١١١]

١٠٧۔ ذوالقرنین کا واقعہ: اس بادشاہ کو "ذوالقرنین" اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پھر گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست اور دین دار بادشاہ اس سے پہلے گذرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ دلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ابراہیمؑ کا معاصر تھا اور ان کی دعاء کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان و وسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے اس کو مشرق و مغرب کے سفر اور محیر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضرؑ اس کے وزیر تھے، شاید اسی لئے قرآن نے خضرؑ کے قصہ کے ساتھ اس کا قصہ بیان فرمایا۔ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں "ذوالقرنین" کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد تاریخی سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے۔ شاید اسکندر کو بھی اسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔ حال میں یورپ کے ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم سامی عربوں کی متعدد عظیم الشان سلطنتوں کا سراغ لگایا ہے جن کا تاریخی اوراق میں کوئی مفصل تذکرہ موجود نہیں۔ بلکہ بعض ممتاز و مشہور سلاطین کا نام تک کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ مثلاً بادشاہ "حمورابی" جو اغلباً حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں ہوا ہے اور جس کو کہا گیا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن تھا، اس کے قوانین منارہ بابل پر کندہ ملے ہیں۔ جن کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہو گیا ہے۔ پرانے کتبات سے اس کی عجیب و غریب عظمت ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال "ذوالقرنین" ان ہی میں کا کوئی بادشاہ ہو گا۔

١٠٨۔ یعنی سرانجام کرنے لگا ایک سفر کا۔

١٠٩۔ مشرق و مغرب کا سفر: یعنی یوں نظر آیا جیسے سمندر میں سفر کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سورج پانی میں سے نکل رہا ہے۔ اور پانی ہی میں ڈوبتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ذوالقرنین" کو شوق ہوا کہ دیکھے دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے۔ سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا

کہ دلدل تھی نہ گذر آدمی کا نہ کشتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پا سکا"۔

۱۱۰۔ ذوالقرنین کو ایک قوم پر اختیار: یعنی "ذوالقرنین" کو ان لوگوں پر ہم نے دونوں بات کی قدرت دی جیسا کہ ہر بادشاہ ہر حاکم کو نیک و بد کی قدرت ملتی ہے چاہے خلق کو ستا کر بدنام ہو چاہے عدل و انصاف اور نیکی اختیار کر کے اپنا ذکر خیر جاری رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ کافر تھے، ہم نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ چاہے ان کو قتل کر دے یا پہلے اسلام کی طرف دعوت دے۔ ذوالقرنین نے دوسری شق اختیار کی۔

۱۱۱۔ یعنی آخرت میں بھلائی ملے گی اور دنیا میں ہم اس پر سختی نہ کریں گے بلکہ اپنے کام کے لئے جب کوئی بات اس سے کہیں گے، سہولت اور نرمی کی کہیں گے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہ ہی راہ ہوتی ہے۔ بروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہ ہی چال اختیار کی۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾

۸۹۔ پھر لگا ایک سامان کے پیچھے [۱۱۲]

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ﴿۹۰﴾

۹۰۔ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہم نے انکے لئے آفتاب سے ورے کوئی حجاب [۱۱۳]

کَذٰلِکَ ؕ وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡهِ خُبۡرًا ﴿۹۱﴾

۹۱۔ یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر [۱۱۴]

۱۱۲۔ مشرق کا سفر: یعنی مغربی سفر سے فارغ ہو کر مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگا۔ قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کے لئے تھے ممکن ہے محض سیر و سیاحت کے طور پر ہوں، اثنائے سفر میں ان اقوام پر بھی گزر ہوا ہو جو اس کے زیر حکومت آچکی تھی اور بعض اقوام نے ایک طاقتور بادشاہ سمجھ کر ظالموں کے مقابلہ میں فریاد کی ہو۔ جس کا ذوالقرنین نے اپنی غیر معمولی قوت سے سدباب کر دیا۔ جیسا کہ آگے "یاجوج ماجوج" کے قصہ میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۳۔ مشرق کی ایک وحشی قوم: یعنی انتہائے مشرق میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں یہ لوگ وحشی جانگلو ہوں گے۔ گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا ان میں دستور نہ ہوگا۔ جیسے اب بھی بہت سے خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں ہے۔

۱۱۴۔ یعنی ذوالقرنین کے سفر مشرق و مغرب کی جو کیفیت بیان کی گئ واقع میں اسی طرح ہے۔ جو وسائل اس کے پس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ان سب پر ہمارا علم محیط ہے تاریخ والے شاید اس جگہ کچھ اور کہتے ہوں گے اور فی الحقیقت اتنا ہے جو فرما دیا۔ بعض مفسرین نے "کذلک" کا مطلب یہ لیا ہے کہ ذوالقرنین نے مغربی قوم کے متعلق جو روش اختیار کی تھی ویسی ہی اس مشرقی قوم کے ساتھ اختیار کی۔ واللہ اعلم۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾

۹۲۔ پھر لگا ایک سامان کے پیچھے [۱۱۵]

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾

۹۳۔ یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے ان سے ورے ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات [۱۱۶]

قَالُوۡا يٰذَاالۡقَرۡنَيۡنِ اِنَّ يَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ
مُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا
عَلٰٓى اَنۡ تَجۡعَلَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾

۹۴۔ بولے اے ذوالقرنین یہ یاجوج و ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنادے تو ہم میں ان میں ایک آڑ[۱۱۷]

قَالَ مَا مَكَّنِّىۡ فِيۡهِ رَبِّىۡ خَيۡرٌ فَاَعِيۡنُوۡنِىۡ بِقُوَّةٍ
اَجۡعَلۡ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ رَدۡمًا ﴿۹۵﴾

۹۵۔ بولا جو مقدور دیا مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنا دوں تمہارے انکے بیچ ایک دیوار موٹی[۱۱۸]

اٰتُوۡنِىۡ زُبَرَ الۡحَدِيۡدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيۡنَ
الصَّدَفَيۡنِ قَالَ انْفُخُوۡا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ
قَالَ اٰتُوۡنِىۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَيۡهِ قِطۡرًا ﴿۹۶﴾

۹۶۔ لادو مجھ کو تختے لوہے کے یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پھانکوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا[۱۱۹]

فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ
نَقۡبًا ﴿۹۷﴾

۹۷۔ پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ[۱۲۰]

قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّىۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّىۡ
جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّىۡ حَقًّا ﴿۹۸﴾

۹۸۔ بولا یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرا دے اس کو ڈھا کر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا[۱۲۱]

۱۱۵۔ تیسرا سفر: یہ تیسرا سفر مشرق و مغرب کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین عموماً اس کو شمالی سفر کہتے ہیں قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں۔

۱۱۶۔ ایک قوم کی درخواست: یعنی ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کی بولی وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ آگے جو گفتگو نقل کی گئ ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اور ترجمان کسی درمیانی قوم میں کا ہوگا۔ جو دونوں کی زبان قدرے سمجھتا ہو۔ (تنبیہ) اس قوم اور "یاجوج ماجوج" کے ملک میں یہ دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی۔ البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں ایک درہ کھلا ہوا تھا اسی سے "یاجوج ماجوج" آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔

١١٧۔ یاجوج ماجوج کی قوم: ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب و وسائل اور قوت و حشمت کو دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف و مصائب کا سدباب اس سے ہو سکے گا۔ اس لئے گذارش کی کہ "یاجوج ماجوج" نے ہمارے ملک میں اودھم مچا رکھی ہے۔ یہاں آکر قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کر دیں جس سے ہماری حفاظت ہو جائے تو جو کچھ اس پر خرچ آئے ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ چاہے آپ ٹیکس لگا کر ہم سے وصول کر لیں۔ (تنبیہ) "یاجوج ماجوج" کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین و مورخین کے اقوال رہے ہیں۔

ایک برزخی مخلوق: میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نودی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے آدمؑ پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حوا تک نہیں پہنچتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا، اسی قوم میں کا ہو۔ جب حضرت مسیحؑ جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفخۂ ملکیہ پیدا ہوئے۔ نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کر دیں گے، اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخر کار حضرت مسیحؑ کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی۔

ذوالقرنین کی آہنی دیوار کہاں ہے: اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ سو جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے، اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں، ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے، یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا۔ اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی و تری پر محیط ہو چکے ہیں، واجب التسلیم نہیں۔ عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانسو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا، اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جس تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں سمندر کی دیوار اعظم جو "آسٹریلیا" کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ آج کل برطانوی سائنس داں ڈاکٹر سی ایم ینگ کے زیر ہدایت اس کی تحقیقات جاری ہے۔ یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے۔ جس پر بے شمار مخلوق بستی ہے جو مہم اس کام کے لئے روانہ ہوئی تھی حال میں اس نے اپنی یکسالہ تحقیقات ختم کی ہے جس سے سمندر کے عجیب و غریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو حیرت و استعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کو خشکی و تری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہر حال مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشککین و منکرین کے علی الرغم پیش آکر رہیں گے۔ سَتُبْدِیْ لَكَ الْاَیَّامُ مَاکُنْتَ جَاهِلًا، وَیَاتِیْكَ الْاَخْبَارِ مَالَمْ تُزَوَّدْ۔

١١٨۔ یعنی مال میرے پاس بہت ہے مگر ہاتھ پاؤں سے ہمارے ساتھ تم بھی محنت کرو۔

١١٩۔ دیوار کی تعمیر: اول لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی، لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو، جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو کر تپنے لگا۔ اس وقت پگھلا ہوا تانبا اوپر سے ڈالا جو لوہے کی درزوں میں بالکل

پیوست ہو کر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خارق عادت طریقہ سے انجام پائے ہوں گے۔ جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہئے۔ یا ممکن ہے اس وقت اس قسم کے آلات و اسباب پائے جاتے ہوں جن کا ہمیں اب علم نہیں۔

۱۲۰۔ یاجوج ماجوج دیوار نہیں توڑ سکتے: یعنی حق تعالیٰ نے یاجوج ماجوج کو فی الحال یہ قدرت نہیں دی کہ دیوار پھاند کر یا توڑ کر ادھر نکل آئیں۔

۱۲۱۔ دیوار ٹوٹنے کا وقت: یعنی محض خدا کی مہربانی سے یہ روک قائم ہو گئی اور میعاد معین تک قائم رہے گی۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے نزول اور قتل دجال کے بعد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وعدہ ہے اس وقت یہ روک ہٹادی جائے گی۔ دیوار توڑ کر اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہو گی۔ حضرت مسیحؑ کو حکم ہو گا کہ میرے خاص بندوں کو لے کر "طور" پر چلے جائیں۔ آخر حضرت مسیحؑ بارگاہ احدیت کی طرف دست دعا دراز کریں گے۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج پر ایک غیبی وبا مسلط ہو گی۔ سب ایک دم مر جائیں گے۔ مزید تفصیل کتب حدیث باب "امارات الساعات" میں دیکھنی چاہئے۔

وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾	۹۹۔ اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک ماریں گے صور میں پھر جمع کر لائیں گے ہم ان سب کو
وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾	۱۰۰۔ اور دکھلا دیں ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے [۱۲۲]
الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾	۱۰۱۔ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اور نہ سن سکتے تھے [۱۲۳]

ع ۱۱/۱۹ ۲

۱۲۲۔ یاجوج ماجوج کا خروج: یعنی یاجوج ماجوج سمندر کی موجوں کی طرح بیشمار تعداد میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ شدت ہول و اضطراب سے ساری مخلوق رل گڈھ ہو جائے گی۔ جن و انس ایک دوسرے میں گھسنے لگیں گے پھر قیامت کا بگل ہو گا یعنی صور پھونکا جائے گا اس کے بعد سب خدا کے سامنے میدان حشر میں اکٹھے کئے جائیں گے اور دوزخ کافروں کی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔ شاید کافروں کی تخصیص اس لئے کہ کہ اصل میں دوزخ ان ہی کے لئے تیار کیا گیا ہے اور ان کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب وہ پردہ اٹھ گیا۔

۱۲۳۔ کفار کی حالت: یعنی خود اپنی عقل کی آنکھ برابر نہ تھی کہ قدرت کے نشان دیکھ کر یقین لاتے اور خدا کو یاد کرتے اور ضد سے کسی کی بات نہ سنی جو دوسرے کے سمجھائے سمجھ لیتے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾	۱۰۲۔ اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی [۱۲۴] ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو کافروں کی مہمانی [۱۲۵]

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ﴿١٠٣﴾

۱۰۳۔ تو کہہ ہم بتائیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت

اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ هُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿١٠٤﴾

۱۰۴۔ وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام[۱۲۶]

اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا ﴿١٠٥﴾

۱۰۵۔ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اسکے ملنے سے[۱۲۷] سو برباد گیا ان کا کیا ہوا پھر نہ کھڑی کریں گے ہم انکے واسطے قیامت کے دن تول[۱۲۸]

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمۡ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوۡا وَ اتَّخَذُوۡۤا اٰيٰتِىۡ وَ رُسُلِىۡ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

۱۰۶۔ یہ بدلہ ان کا ہے دوزخ اس پر کہ منکر ہوئے اور ٹھہرایا میری باتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا[۱۲۹]

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

۱۰۷۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام انکے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

۱۰۸۔ رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی[۱۳۰]

۱۲۴۔ یعنی کیا منکرین یہ گمان کرتے ہیں کہ میرے خاص بندوں (مسیحؑ، عزیرؑ، روح القدس، فرشتوں) کی پرستش کرکے اپنی حمایت میں کھڑا کر لیں گے۔ کَلَّا ؕ سَیَکۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِہِمۡ وَیَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ ضِدًّا (مریم۔۸۲) (ہرگز نہیں! وہ خود تمہاری حرکات سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے اور تمہارے مقابل مدعی بن کر کھڑے ہوں گے)۔

۱۲۵۔ یعنی اس دھوکہ میں مت رہنا! وہاں تم کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ ہاں ہم تمہاری مہمانی کریں گے۔ دوزخ کی آگ اور قسم قسم کے عذاب سے (اعاذنا اللہ منہا)۔

۱۲۶۔ سب سے زیادہ گھاٹے والے طالبین دنیا: یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ خسارہ میں وہ لوگ ہوں گے جن کی ساری دوڑ دھوپ دنیا کے لئے تھی۔ آخرت کا کبھی خیال نہ آیا، محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابیوں کو بڑی معراج سمجھتے رہے (کذا یفہم من الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ دنیوی زندگی میں جو کام انہوں نے اپنے نزدیک اچھے سمجھ کر کئے تھے خواہ واقع میں اچھے تھے یا نہیں وہ سب کفر کی نحوست سے وہاں بیکار ثابت

ہوئے اور تمام محنت برباد گئی۔

۱۲۷۔ یعنی نہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو مانا، نہ خیال کیا کہ کبھی اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

۱۲۸۔ کفار کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا: کافر کی حسنات مردہ ہیں، اس ابدی زندگی میں کسی کام کی نہیں۔ اب محض کفریات و سیئات رہ گئیں۔ سو ایک پلہ کیا تلے تولنا تو موازنہ کے لئے تھا۔ موازنہ متقابل چیزوں میں ہوتا ہے یہاں سیئات کے بالمقابل حسنہ کا وجود ہی نہیں۔ پھر تولنے کا کیا مطلب۔

۱۲۹۔ جو ٹھٹھا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

۱۳۰۔ مومن صالحین پر انعامات: یعنی ہمیشہ رہنے سے اکتائیں گے نہیں۔ ہر دم تازہ بتازہ نعمتیں ملیں گی۔ کبھی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں بیشک دریا خرچ ہو چکے ابھی نہ پوری ہوں میرے رب کی باتیں اور اگرچہ دوسرا بھی لائیں ہم ویسا ہی اسکی مدد کو[۱۳۱]

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

۱۱۰۔ تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے سو پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے کچھ کام نیک اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو[۱۳۲]

۱۲ ع ۹ ۳

۱۳۱۔ اللہ کے کلمات بے شمار ہیں: قریش نے یہود کے اشارہ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا۔ سورہ ہذا کی ابتداء میں "اصحاب کہف" کا اور آخر میں ذوالقرنین کا قصہ جہاں تک موضح القرآن سے متعلق تھا، بیان فرمایا۔ اور روح کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں فرما دیا۔ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل۔ ۸۵) اب خاتمہ سورۃ پر بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی باتیں بے انتہا ہیں۔ جو باتیں تمہارے ظرف و استعداد اور ضرورت کے لائق بتلائی گئیں، حق تعالیٰ کی معلومات میں سے اتنی بھی نہیں جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔ فرض کرو اگر پورے سمندر کا پانی سیاہی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں اس کے بعد دوسرا اور تیسرا ویسا ہی سمندر اس میں شامل کرتے رہو تو سمندر ختم ہو جائیں گے، پر خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ یہیں سے سمجھو کہ قرآن اور دوسری کتب سماویہ کے ذریعہ سے خواہ کتنا ہی وسیع علم بڑی سے بڑی مقدار میں کسی کو دے دیا جائے، علم الٰہی کے سامنے وہ بھی قلیل ہے۔ گو فی حد ذاتہ اسے کثیر کہہ سکیں۔

۱۳۲۔ پیغمبر کا علم بھی متناہی ہوتا ہے: یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، خدا نہیں، جو خود بخود ذاتی طور پر تمام علوم و کمالات حاصل ہوں، ہاں

اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے جن میں اصل اصول علم توحید ہے، اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتاہوں۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق یا اس کے سامنے حاضر کئے جانے کا خوف ہو اسے چاہئے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہراً و باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے۔ یعنی شرک جلی کی طرح ریا وغیرہ شرک خفی سے بھی بچتا رہے کیونکہ جس عبادت میں غیر اللہ کی شرکت ہو وہ عابد کے منہ پر ماری جائے گی۔ اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا اس آیت میں اشارہ کر دیا کہ نبی کا علم بھی متناہی اور عطائی ہے، علم خداوندی کی طرح ذاتی اور غیر متناہی نہیں۔

تم سورۃ الکہف بفضل اللہ تعالیٰ ومنہ وللہ الحمد اولاً و آخرًا

آیاتھا ۹۸ ١٩ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ٤٤ رکوعاتھا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ﴿١﴾

١۔ کٓھٰیٰعٓصٓ

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ﴿٢﴾

٢۔ یہ مذکور ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندہ زکریا پر[١]

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾

٣۔ جب پکارا اُس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے[٢]

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ
شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾

٤۔ بولا اے میرے رب بوڑھی ہو گئیں میری ہڈیاں اور شعلہ نکلا سر سے بڑھاپے کا[٣] اور تجھ سے مانگ کر اے رب میں کبھی محروم نہیں رہا[٤]

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ
عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ﴿٥﴾

٥۔ اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے[٥] اور عورت میری بانجھ ہے سو بخش تو مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ
رَضِيًّا ﴿٦﴾

٦۔ جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی[٦] اور کر اُسکو اے رب من مانتا[٧]

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ
نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾

٧۔ اے زکریا ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام ہے یحیٰی نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی[٨]

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا
وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾

٨۔ بولا اے رب کہاں سے ہو گا مجھ کو لڑکا اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا یہاں تک کہ اکڑ گیا[٩]

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ
خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾

۹۔ کہا یونہی ہو گا[۱۰] فرما دیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور تجھ کو پیدا کیا میں نے پہلے سے اور نہ تھا تو کوئی چیز[۱۱]

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ
النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾

۱۰۔ بولا اے رب ٹھہرا دے میرے لئے کوئی نشانی فرمایا تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے تین رات تک صحیح تندرست[۱۲]

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ
اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿١١﴾

۱۱۔ پھر نکلا اپنے لوگوں کے پاس حجرہ سے تو اشارہ سے کہا اُنکو کہ یاد کرو صبح اور شام[۱۳]

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ
صَبِيًّا ﴿١٢﴾ۙ

۱۲۔ اے یحیٰی اٹھا لے کتاب زور سے[۱۴] اور دیا ہم نے اُسکو حکم کرنا لڑکا پن میں[۱۵]

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ۙ

۱۳۔ اور شوق دیا اپنی طرف سے اور ستھرائی اور تھا پرہیز گار[۱۶]

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾

۱۴۔ اور نیکی کرنے والا اپنے ماں باپ سے اور نہ تھا زبردست خود سر[۱۷]

وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ
يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ ع

۱۵۔ اور سلام ہے اُس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو زندہ ہو کر[۱۸]

ع ۵ ۱ ۴

۱۔ حضرت زکریا علیہ السلام: حضرت زکریا علیہ السلام "بنی اسرائیل" کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ نجاری (بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ ان کا قصہ پہلے سورہ آل عمران میں گذر چکا وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۲۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا: کہتے ہیں رات کی تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے دعا کی جیسا کہ دعا کا اصل قاعدہ ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (اعراف۔۵۵) ایسی دعا ریا سے دور اور کمال اخلاص سے معمور ہوتی ہے۔ شاید یہ بھی خیال ہو کہ بڑھاپے کی عمر میں بیٹا مانگتے تھے۔ اگر نہ ملے تو سننے والے ہنسیں، اور ویسے بھی عموماً بڑھاپے میں آواز پست ہو جاتی ہے۔

۳۔ یعنی بظاہر موت کا وقت قریب ہے۔ سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگیں۔

۴۔ یعنی آپ نے اپنے فضل ورحمت سے ہمیشہ میری دعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا اب اس آخری وقت اور ضعف و پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دعا رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔ بعض مفسرین نے وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا کے معنی یوں کئے ہیں کہ اے پروردگار! آپ کی دعوت پر میں کبھی شقی ثابت نہیں ہوا۔ یعنی جب آپ نے پکارا، برابر امتثال امر اور طاعت و فرمانبرداری کی سعادت حاصل کی۔

۵۔ قرابت والوں سے اندیشہ: ان کے بھائی بند قرابت دار نااہل ہوں گے۔ ڈر یہ ہوا کہ وہ لوگ ان کے بعد اپنی بد اعمالیوں اور غلط کاریوں سے راہ نیک نہ بگاڑ دیں اور جو دینی و روحانی دولت یعقوبؑ کے گھرانے میں منتقل ہوتی ہوئی حضرت زکریاؑ تک پہنچی تھی اسے اپنی شرارت اور بدتمیزی سے ضائع نہ کر دیں۔

۶۔ اللہ سے اپنے وارث کی دعا: یعنی میں بوڑھا ہوں، بیوی بانجھ ہے، ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن تو اپنی لامحدود قدرت ورحمت سے اولاد عطا فرما جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے۔ میں اس ضعف و پیری میں کیا کر سکتا ہوں جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے ان کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالات نبوۃ کا وارث بنے۔ (تنبیہ) انبیاء کی وراثت: احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاءؑ کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ان کی وراثت دولت علم میں چلتی ہے۔ خود شیعوں کی مستند کتاب "کافی کلینی" سے بھی "روح المعانی" میں اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں۔ لہذا متعین ہے کہ يَّرِثُنِیۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ میں وراثت مالی مراد نہیں جس کی تائید خود لفظ "آل یعقوب" سے ہو رہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے تمام آل یعقوب کے اموال و املاک کا وارث تنہا حضرت زکریاؑ کا بیٹا کیسے ہو سکتا تھا۔ بلکہ نفس وراثت کا ذکر ہی اس موقع پر ظاہر کرتا ہے کہ مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ یہ تو تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے کہ بیٹا باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے۔ پھر دعا میں اس کا ذکر کرنا محض بیکار تھا۔ یہ خیال کرنا کہ حضرت زکریاؑ کو اپنے مال و دولت کی فکر تھی کہ کہیں میرے گھر سے نکل کر بنی اعمام اور دوسرے رشتہ داروں میں نہ پہنچ جائے، نہایت پست اور ادنیٰ خیال ہے انبیاءؑ کی شان یہ نہیں ہوتی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت دنیا کی متاع حقیر کی فکر میں پڑ جائیں کہ ہائے یہ کہاں جائے گی اور کس کے پاس رہے گی۔ اور لطف یہ ہے کہ حضرت زکریاؑ بڑے دولت مند بھی نہ تھے، بڑھئی کا کام کر کے محنت سے پیٹ پالتے تھے بھلا انکو بڑھاپے میں کیا غم ہو سکتا تھا کہ چار پیسے رشتہ داروں کے ہاتھ نہ پڑ جائیں۔ العیاذ باللہ۔

۷۔ اللہ سے اپنے وارث کی دعا: یعنی ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے میری اور تیری اور اچھے لوگوں کی پسند کا ہو۔

۸۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کی بشارت: یعنی دعا قبول ہوئی اور لڑکے کی بشارت پہنچی۔ جس کا نام (یحیٰی) قبل از ولادت حق تعالیٰ نے تجویز فرما دیا۔ نام بھی ایسا انوکھا جو ان سے پہلے کسی کا نہ رکھا گیا تھا۔ بعض سلف نے یہاں "سمی" کے معنی "شبیہ" کے لئے ہیں یعنی اس شان وصفت کا کوئی شخص ان سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے کوئی ایسا لڑکا اس وقت تک پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ یا بعض خاص احوال وصفات (مثلاً رقت قلب اور غلبہ بکا وغیرہ) میں ان کی مثال پہلے نہ گذری ہو گی۔ واللہ اعلم۔

۹۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا تعجب: آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب غیر متوقع اور غیر معمولی خوشخبری سنے تو مزید طمانیت و استلذاذ کے لئے بار بار پوچھتا اور کھود کرید کیا کرتا ہے۔ اس تحقیق و تفحص سے لذت تازہ حاصل ہوتی اور بات خوب پکی ہو جاتی ہے یہ ہی منشا حضرت زکریا کے سوال کا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "انوکھی چیز مانگتے تعجب نہ آیا۔ جب سنا کہ ملے گی تب تعجب کیا۔

۱۰۔ تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ان ہی حالات میں اولاد مل جائے گی اور مشیت ایزدی پوری ہو کر رہے گی۔

۱۱۔ اللہ کی قدرت کاملہ: یہ فرشتہ نے کہا۔ یعنی تمہارے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو تو خدا کے یہاں مشکل نہیں اس

کی قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہستی ہی کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کوئی چیز نہ تھی اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردہ عدم سے وجود میں لایا۔ پھر جو قادر مطلق لاشے محض کو شے بنادے۔ کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اس پر تو بطریق اولیٰ قدرت ہونی چاہیئے۔

۱۲۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان بندی: یعنی باوجود تندرست ہونے کے جب کامل تین رات دن لوگوں کے ساتھ زبان سے بات چیت نہ کرسکے اس وقت سمجھ لینا کہ حمل قرار پاگیا ہے۔ اس کے متعلق مفصل کلام "آل عمران" کے فوائد میں گذر چکا۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔

۱۳۔ قوم کو وعظ و نصیحت: یعنی جب وہ وقت آیا تو زبان گفتگو کرنے سے رک گئی۔ حجرہ سے باہر نکل کر لوگوں کو اشارہ سے کہا کہ صبح وشام اللہ کو یاد کیا کرو۔ نمازیں پڑھو۔ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہو۔ یہ کہنا یا تو حسب معمول سابق وعظ ونصیحت کے طور پر ہوگا یا نعمت الٰہیہ کی خوشی محسوس کرکے چاہا کہ دوسرے بھی ذکر وشکر میں ان کے شریک حال ہوں۔ کیونکہ جیسا "آل عمران" میں گذرا حضرت زکریاؑ کو حکم تھا کہ ان تین دن میں خدا کو بہت کثرت سے یاد کریں۔ اور خاص تسبیح کا لفظ شاید اس لئے اختیار کیا ہو کہ اکثر عجیب وغریب ساں دیکھنے پر آدمی "سبحان اللہ" کہا کرتا ہے۔

۱۴۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کو کتاب پر عمل کا حکم: یعنی تورات اور دوسرے آسمانی صحیفوں کو جو تم پر یا دوسرے انبیاء پر نازل کئے گئے ہوں، خوب مضبوطی اور کوشش سے تھامے رکھو۔ ان کی تعلیمات پر خود عمل کرو اور دوسروں سے کراؤ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی علم کتاب لوگوں کو سکھلانے لگا زور سے۔ یعنی باپ ضعیف تھے اور یہ جوان۔"

۱۵۔ بچپن میں نبوت: یعنی لڑکپن ہی میں ان کو حق تعالیٰ نے فہم ودانش علم وحکمت فراست صادقہ، احکام کتاب اور آداب عبودیت وخدمت کی معرفت عطا فرمادی تھی۔ لڑکوں نے ایک مرتبہ انہیں کھیلنے کو بلایا، کہا ہم اس واسطے نہیں بنائے گئے۔ بہت سے علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے عام عادت کے خلاف ان کو لڑکپن ہی میں نبوت بھی مرحمت فرمادی۔ واللہ اعلم۔

۱٦۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کا محبت و تقویٰ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو شوق وذوق۔ رحمت وشفقت، رقت ونرم دلی، محبت ومحبوبیت عنایت فرمائی تھی۔ اور صاف ستھرا، پاکیزہ رو، پاکیزہ خو، مبارک وسعید متقی وپرہیزگار بنایا، حدیث میں ہے کہ یحیٰیؑ نے نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ خدا کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام۔

۱۷۔ یعنی متکبر، سرکش اور خودسر نہ تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی آرزو کے لڑکے اکثر ایسے ہوا کرتے ہیں۔ وہ ویسا نہ تھا"۔

۱۸۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کو اللہ کا سلام: اللہ جو بندہ پر سلام بھیجے محض تشریف وعزت افزائی کے لئے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر کچھ گرفت نہیں یہاں یَوۡمَ وُلِدَ وَ یَوۡمَ یَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا سے غرض تعمیم اوقات واحوال ہے۔ یعنی ولادت سے لیکر موت تک اور موت سے قیامت تک کسی وقت اس پر خوردہ گیری نہیں۔ خدا کی پکڑ سے ہمیشہ مامون ومصئون ہے۔

وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مَرۡیَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَہۡلِہَا مَکَانًا شَرۡقِیًّا ﴿ۙ۱۶﴾

۱٦۔ اور مذکور کر کتاب میں مریم کا جب جدا ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں [۱۹]

فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِہِمۡ حِجَابًا ۟ۃ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پھر پکڑ لیا اُن سے ورے ایک پردہ پھر بھیجا ہم نے اُسکے پاس اپنا فرشتہ پھر بن کر آیا اُسکے آگے آدمی پورا [۲۰]

قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ اِنۡ کُنۡتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ تجھ سے اگر ہے تو ڈر رکھنے والا[۲۱]

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ ٭ۖ لِاَہَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ بولا میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا[۲۲]

قَالَتۡ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّ لَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ وَّ لَمۡ اَکُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ بولی کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہیں تھی[۲۳]

قَالَ کَذٰلِکِ ۚ قَالَ رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ ۚ وَ لِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ رَحۡمَۃً مِّنَّا ۚ وَ کَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ بولا یونہی فرما دیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے[۲۴] اور اُسکو ہم کیا چاہتے ہیں لوگوں کیلئے نشانی اور مہربانی اپنی طرف سے اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا[۲۵]

۱۹۔ حضرت مریم کی شرم و عفت: یعنی غسل حیض کرنے کو یہ ہی پہلا حیض تھا۔ تیرہ برس کی عمر تھی یا پندرہ برس کی۔ شرم کے مارے مجمع سے الگ ہو کر ایک مکان میں چلی گئیں جو "بیت المقدس" سے مشرق کی طرف تھا۔ اس لئے نصاریٰ نے مشرق کو اپنا قبلہ بنالیا۔

۲۰۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد: یعنی حضرت جبریلؑ خوبصورت مرد کی شکل میں پہنچے، جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عمومًا خوش منظر صورتوں میں متمثل ہوتے ہیں۔ اور ممکن ہے یہاں حضرت مریم کی انتہائی عفت و پاکبازی کا امتحان بھی مقصود ہو کہ ایسے زبردست دواعی و محرکات بھی اس کے جذبات عفاف و تقویٰ کو ادنیٰ ترین جنبش نہ دے سکے۔

۲۱۔ مریم نے اول وہلہ میں سمجھا کہ کوئی آدمی ہے۔ تنہائی میں دفعتًہ ایک مرد کے سامنے آ جانے سے قدرتی طور پر خوفزدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چہرہ پر تقویٰ وطہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں۔ اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہو گا (جیسا کہ پاک و نورانی چہرہ سے روشن تھا) تو میرے پاس سے چلا جائے گا اور مجھ سے کچھ تعرض نہ کرے گا۔

۲۲۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی بشارت: یعنی گھبراؤ نہیں۔ میری نسبت کوئی برا خیال آیا ہو تو دل سے نکال دو۔ میں آدمی نہیں، تیرے اسی رب کا (جس کی تو پناہ ڈھونڈتی ہے) بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ اس لئے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تجھ کو ایک پاکیزہ، صاف ستھرا اور مبارک و مسعود لڑکا عطا کروں غُلٰمًا زَکِیًّا (پاکیزہ لڑکا) کہنے میں اشارہ ہو گیا کہ وہ حسب و نسب اور اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے بالکل پاک وصاف ہو گا۔

۲۳۔ حضرت مریم کا تعجب: مریم کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے، مگر تعجب ہوا کہ جس عورت کا شوہر نہیں جو اس کو حلال طریقہ سے چھو سکتا، اور بدکار بھی نہیں کہ حرام طریقہ سے بچہ حاصل کر لے، اس کو بحالت راہنہ پاکیزہ اولاد کیونکر مل جائے گی، جیسا کہ حضرت زکریاؑ نے اس سے کم عجیب بشارت پر سوال کیا تھا۔

۲۴۔ یہ وہی جواب ہے جو حضرت زکریاؑ کو دیا گیا تھا۔ گذشتہ رکوع میں دیکھ لیا جائے۔

۲۵۔ یعنی یہ کام ضرور ہو کر رہے گا، پہلے سے طے شدہ ہے، تخلف نہیں ہو سکتا۔ ہماری حکمت اسی کو مقتضی ہے کہ بدون مس بشر کے محض عورت کے وجود سے بچہ پیدا کیا جائے۔ اور وہ دیکھنے اور سننے والوں کے لئے ہماری قدرت عظیمہ کی ایک نشانی ہو کیونکہ تمام انسان مرد و عورت کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ آدمؑ دونوں کے بدون پیدا ہوئے اور حوا کو صرف مرد کے وجود سے پیدا کیا گیا۔ چوتھی صورت یہ ہے جو حضرت مسیحؑ میں ظاہر ہوئی کہ مرد کے بدون صرف عورت کے وجود سے ان کا وجود ہوا۔ اس طرح پیدائش کی چاروں صورتیں واقع ہو گئیں۔ پس حضرت مسیحؑ کا وجود قدرت الٰہیہ کا ایک نشان اور حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے لئے بڑی رحمت کا سامان ہے۔

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

۲۲۔ پھر پیٹ میں لیا اُسکو[۲۶] پھر یکسو ہوئی اُسکو لیکر ایک بعید مکان میں[۲۷]

فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿۲۳﴾

۲۳۔ پھر لے آیا اُسکو دردِ زہ ایک کھجور کی جڑ میں بولی کسی طرح میں مر چکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی بھولی بسری[۲۸]

فَنَادٰٮهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ پس آواز دی اسکو اُسکے نیچے سے کہ غمگین مت ہو کر دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ

وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور ہلا اپنی طرف کھجور کی جڑ اُس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں[۲۹]

فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ وَقَرِّىۡ عَيۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ۚ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ[۳۰] پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے رحمٰن کا روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے[۳۱]

۲۶۔ قرار حمل: کہتے ہیں فرشتہ نے پھونک ماری حمل ٹھہر گیا۔ وفی البحر وذکروا ان جبریل نفخ فی جیب درعھا اوفیہ وفی کمھا۔ والظاھر ان

المسند الیہ النفخ ھو اللہ تعالیٰ لقولہ فنفخنا (ص ۲۔ ۱۸۱) کما قال فی آدم و نفخت فیہ من روحی واللہ اعلم۔

۲۷۔ یعنی جب وضع حمل کا وقت قریب آیا شرم کے مارے سب سے علیحدہ ہو کر کسی بعید مکان میں چلی گئی۔ شاید وہ ہی جگہ ہے جسے "بیت اللحم" کہتے ہیں۔ یہ مقام "بیت المقدس" سے آٹھ میل ہے ذکرہ ابن کثیر عن وہب۔

۲۸۔ دردہ زہ کی شدید تکلیف: یعنی دردزہ کی تکلیف سے ایک کھجور کی جڑ کا سہارا لینے کے لئے اس کے قریب جا پہنچی اس وقت درد کی تکلیف۔ تنہائی و بیکسی، سامان ضرورت و راحت کا فقدان، اور سب سے بڑھ کر ایک مشہور پاکباز عفیفہ کو دینی حیثیت سے آئندہ بدنامی اور رسوائی کا تصور سخت بے چین کئے ہوئے تھا۔ حتیٰ کہ اسی کرب و اضطراب کے غلبہ میں کہہ اٹھی یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ ھٰذَا وَکُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا (کاش میں اس وقت کے آنے سے پہلے ہی مر چکی ہوتی کہ دنیا میں میرا نام و نشان نہ رہتا اور کسی کو بھولے سے بھی یاد نہ آتی) شدت کرب و اضطراب میں گذشتہ بشارات بھی جو فرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئیں۔

۲۹۔ فرشتے کی بشارت: وہ مقام جہاں حضرت مریم کھجور کے نیچے تشریف رکھتی تھیں قدرے بلند تھا، اس کے نیچے سے پھر اسی فرشتہ کی آواز سنائی دی کہ غمگین و پریشان مت ہو، خدا کی قدرت سے ہر قسم کا ظاہری و باطنی اطمینان حاصل کر نیچے کی طرف دیکھ اللہ تعالیٰ نے کیسا چشمہ یا نہر جاری کر دی ہے۔ یہ تو پینے کے لئے ہوا، کھانے کے لئے اسی کھجور کو ہلاؤ، پکی اور تازہ کھجوریں ٹوٹ کر گریں گی (تنبیہ) بعض سلف نے "سری" کے معنی "عظیم الشان سردار" کے لئے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ تجھ سے ایک بڑا سردار پیدا کرنے والا ہے۔ جنہوں نے "سری" کے معنی چشمہ یا نہر کے لئے ظاہر یہ ہے کہ وہ چشمہ بطور خرق عادت نکالا گیا اور کھجوریں بھی خشک درخت پر بے موسم لگ گئیں۔ اس خوارق کا دیکھنا مریم کی تسکین و اطمینان اور تفریح کا سبب تھا اور جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اس حالت میں یہ چیزیں مریم کے لئے مفید تھیں اور انہیں ضرورت بھی ہوگی۔

۳۰۔ یعنی تازہ کھجوریں کھا کر چشمہ کے پانی سے سیراب ہو اور پاکیزہ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر آگے کا غم نہ کھا خدا تعالیٰ سب مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔

۳۱۔ یعنی اگر کوئی آدمی سوال کرے تو اشارہ وغیرہ سے ظاہر کر دینا کہ میں روزہ سے ہوں مزید گفتگو نہیں کر سکتی۔ انکے دین میں یہ نیت درست تھی کہ نہ بولنے کا بھی روزہ رکھتے تھے ہماری شریعت میں ایسی نیت درست نہیں" اور کہیو میں نے مانا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کی نذر کر کے ایسا کہہ دینا" اِنۡسِیًّا" کی قید شاید اس لئے لگائی کہ فرشتہ سے بات کرنا منع نہ تھا۔

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـًٔـا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر لائی اسکو اپنے لوگوں کے پاس گود میں وہ اُسکو کہنے لگے اے مریم تو نے کی یہ چیز طوفان کی[۳۲]

يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّ مَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖۚ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار[۳۳]

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

۲۹۔ پھر ہاتھ سے بتلایا اُس لڑکے کو[۳۴] بولے ہم کیونکر بات کریں اُس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا[۳۵]

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ
نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾

۳۰۔ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اُس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اُس نے نبی کیا[۳۶]

وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ
بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ﴿۪ۖ۳۱﴾

۳۱۔ اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ[۳۷]

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ ۫ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور سلوک کرنے والا اپنی ماں سے[۳۸] اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت[۳۹]

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ
اُبۡعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر[۴۰]

۳۲۔ یعنی جب بچہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے سامنے آئی تو لوگ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہنے لگے مریم تو نے غضب کر دیا، یہ بناوٹ کی چیز کہاں سے لے آئی اس سے زیادہ جھوٹ طوفان کیا ہو گا کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعویٰ کرے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔

۳۳۔ یعنی بدگمان ہو کر کہنے لگے کہ تیرے ماں باپ اور خاندان والے ہمیشہ سے نیک رہے ہیں، تجھ میں یہ بری خصلت کدھر سے آئی؟ بھلوں کی اولاد کا برا ہونا محل تعجب ہے (تنبیہ) مریم کو یٰۤاُخۡتَ ھٰرُوۡنَ اس لئے کہا کہ حضرت موسٰی کے بھائی حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھی گویا اخت ہارون سے مراد "اخت قوم ہارون" ہوئی جیسے وَ اذۡکُرۡ اَخَا عَادٍ (الاحقاف۔۲۱) میں ہودؑ کو عاد کا بھائی کہا ہے حالانکہ "عاد" ان کی قوم کے مورث اعلیٰ کا نام تھا اور ممکن ہے اخت ہارون کے ظاہری معنی لئے جائیں جیسا کہ بعض احادیث صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی مریم کے بھائی کا نام ہارون تھا جیسے ہمارے زمانہ میں رواج ہے اس وقت بھی لوگ انبیاء و صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مریم کا وہ بھائی ایک مرد صالح تھا تو حاصل کلام یہ ہوا کہ تیرا باپ پاکباز تھا۔ ماں پارسا تھی، بھائی ایسا نیک ہے اوپر جا کر تیرا نسب ہارونؑ پر منتہی ہوتا ہے۔ پھر یہ حرکت تجھ سے کیونکر سرزد ہوئی۔

۳۴۔ یعنی مریم نے ہاتھ سے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ خود اس سے دریافت کرو۔

۳۵۔ حضرت مریم کا بچے کی طرف اشارہ: یعنی اس شرمناک حرکت پر یہ ستم ظریفی؟ کہ بچہ سے پوچھ لو۔ بھلا ایک گود کے بچہ سے ہم کیسے سوال و جواب کر سکتے ہیں (تنبیہ) مَنۡ کَانَ فِی الۡمَھۡدِ صَبِیًّا میں کَانَ کا لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ تکلم کے وقت وہ صبی نہیں رہا تھا۔ قرآن میں بہت جگہ مثلاً کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا (النساء۔۱۵۲) یا لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً (بنی اسرائیل۔۳۲) اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَ ھُوَ شَہِیۡدٌ (ق۔۳۷) میں کان کا استعمال ایسے مضمون کے لئے ہوا ہے جس کا سلسلہ زمانہ ماضی کے گذرنے کے ساتھ منقطع نہیں ہوا اور یہاں مَنۡ کَانَ فِی الۡمَھۡدِ صَبِیًّا سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ کہنے والوں نے نفی تکلیم کو ایک ضابطہ کے رنگ میں پیش کیا یعنی نہ صرف عیسٰی بلکہ ہر اس شخص سے جو گود میں بچہ ہو کلام کرنا عادۃً محال ہے۔

۳۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزانہ طور پر کلام کرنا: قوم کی طرف سے یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ خود مسیحؑ کو حق تعالیٰ نے گویا کر دیا۔ آپ نے اس وقت جو کچھ فرمایا اس میں تمام غلط اور فاسد خیالات کا رد تھا جو آئندہ انکی نسبت قائم ہونے والے تھے "میں بندہ ہوں اللہ کا" یعنی خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں جیسا کہ اب نصاریٰ کا عقیدہ ہے چنانچہ اسی عقیدہ کی تردید کے لئے پہلے حضرت مسیحؑ کی ولادت وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے۔ اور "مجھ کو خدا نے نبی بنایا"۔ یعنی مفتری اور کاذب نہیں جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں۔ (تنبیہ) سورہ "آل عمران" اور "مائدہ" میں حضرت مسیحؑ کے تکلم فی المہد کے متعلق کلام کیا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جن تین بچوں کے مہد میں کلام کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں ایک حضرت مسیح بن مریم ہیں۔ آج جو لوگ قرآن و حدیث کے خلاف حضرت مسیح کے تکلم فی المہد کا انکار کرتے ہیں انکے ہاتھ میں نصاریٰ کی کورانہ تقلید کے سوا کچھ نہیں۔

۳۷۔ ایک علمی وضاحت: یعنی جب تک زندہ رہوں جس وقت اور جس جگہ کے مناسب جس قسم کی صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم ہو۔ اسکی شروط و حقوق کی رعایت کے ساتھ برابر ادا کرتا رہوں جیسے دوسری جگہ مومنین کی نسبت فرمایا اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (المعارج۔ ۲۳) اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر آن اور ہر وقت نمازیں پڑھتے رہتے ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ جس وقت جس طرح کی نماز کا حکم ہو ہمیشہ پابندی سے تعمیل حکم کرتے ہیں اور اس کی برکات و انوار ہمہ وقت انکو محیط رہتی ہیں کوئی شخص کہے کہ ہم جب تک زندہ ہیں نماز، زکوٰۃ، روزہ حج وغیرہ کے مامور ہیں کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ہر ایک مسلمان مامور ہے کہ ہر وقت نماز پڑھتا رہے، ہر وقت زکوٰۃ دیتا رہے (خواہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو) ہر وقت روزے رکھتا رہے، ہر وقت حج کرتا رہے حضرت مسیحؑ کے متعلق بھی وَمَا دُمْتُ حَيًّا کا ایسا ہی مطلب سمجھنا چاہیئے۔ یاد رہے کہ لفظ "صلوٰۃ" کچھ اصلاحی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں قرآن نے ملائکہ اور بشر سے گذر کر تمام جہان کی طرف صلوٰۃ کی نسبت کی ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (نور۔ ۴۱) اور یہ بھی بتلا دیا کہ ہر چیز کی تسبیح و صلوٰۃ کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی صلوٰۃ و تسبیح کس رنگ کی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے معنی بھی اصل میں طہارت، نماء، برکت و مدح کے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک معنی کا استعمال قرآن و حدیث میں اپنے اپنے موقع پر ہوا ہے۔ اسی رکوع میں حضرت مسیح کی نسبت غُلٰمًا زَكِيًّا کا لفظ گزر چکا جو زکوٰۃ سے مشتق ہے۔ اور یحییٰؑ کو فرمایا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً سورہ کہف میں ہے خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا (۸۱) اسی طرح کے عام معنی یہاں بھی زکوٰۃ کے لئے جا سکتے ہیں۔ اور ممکن ہے اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ سے اَوْصٰنِيْ بِاَنْ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مراد ہو۔ جیسے اسمٰعیلؑ کی نسبت فرمایا وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ پھر لفظ "اوصٰنی" اپنے مدلول لغوی کے اعتبار سے اس کو مقتضی نہیں کہ وقت ایصاء ہی سے اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے۔ نیز بہت ممکن ہے کہ مَادُمْتُ حَيًّا سے یہ ہی زمینی حیاۃ مراد لے لی جائے۔ جیسے ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ جابر کے والد کو اللہ نے شہادت کے بعد زندہ کر کے فرمایا کہ ہم سے کچھ مانگ اس نے کہا کہ مجھے دوبارہ زندہ کر دیجئے کہ دوبارہ تیرے راستہ میں قتل کیا جاؤں۔ اس زندگی سے یقیناً زمینی زندگی مراد ہے ورنہ شہدا کے لئے نفس حیات کی قرآن میں اور خود اسی حدیث میں تصریح موجود ہے۔ یہ ہی مطلب حیاۃ کا لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ الخ میں سمجھو۔ اگر بالفرض اس کا حدیث ہونا ثابت ہو جائے۔ "بالفرض" ہم نے اس لئے کہا کہ اس کی اسناد کا کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۸۔ چونکہ باپ کوئی نہ تھا اس لئے صرف ماں کا نام لیا۔

۳۹۔ یہ سب جملے جو بصیغہ ماضی لائے گئے بے شک اس کے معنی ماضی ہی کے لئے جائیں گے۔ لیکن اس طرح کہ مستقبل متیقن الوقوع کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ جیسے اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل۔ ۱) میں۔ اس طرح مسیحؑ نے بچپن میں ماضی کے صیغے استعمال کر کے متنبہ کر دیا

کہ ان سب چیزوں کا آئندہ پایا جانا ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ اسے یہ ہی سمجھنا چاہیئے کہ گویا پائی جاچکی۔ حضرت مسیح کی اس خارق عادت گفتگو سے اور ان اوصاف وخصال سے جو بیان کئے نہایت بلاغت کے ساتھ اس ناپاک تہمت کا رد ہو گیا جو ان کی والدہ ماجدہ پر لگائی جاتی تھی۔ اول تو ایک بچہ کا بولنا، اور ایسا جامع و موثر کلام طبعًا دشمنوں کو خاموش کرنے والا تھا پھر جس ہستی میں ایسی پاکیزہ خصال پائی جائیں ظاہر ہے وہ العیاذ باللہ ولد الزنا کیسے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ خود ان کے اقرار مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فروع کو اصول کے موافق دیکھنا چاہتے تھے۔

۴۰۔ اس جملہ کے ہم معنی جملہ پہلے حضرت یحیٰیؑ کے ذکر میں گزر چکا فرق اتنا ہے کہ وہاں خود حق تعالیٰ کی طرف سے کلام تھا۔ یہاں حق تعالیٰ نے مسیحؑ کی زبان سے وہ ہی بات فرمائی۔ نیز "سلامٌ" اور "السلام" کا فرق بھی قابل لحاظ ہے۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ یہ ہے عیسٰی مریم کا بیٹا سچی بات جس میں لوگ جھگڑتے ہیں [۴۱]

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ؕ

۳۵۔ اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد وہ پاک ذات ہے جب ٹھہرالیتا ہے کسی کام کا کرنا سو یہی کہتا ہے اسکو کہ ہو وہ ہو جاتا ہے [۴۲]

وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور کہا بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اُسکی بندگی کرو یہ ہے راہ سیدھی

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ پھر جُدی جُدی راہ اختیار کی فرقوں نے اُن میں سے سو خرابی ہے منکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا [۴۳]

اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ کیا خوب سنتے اور دیکھتے ہونگے جس دن آئیں گے ہمارے پاس پر بے انصاف آج کے دن صریح بہک رہے ہیں [۴۴]

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِىَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِىْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور ڈر سنادے اُنکو اُس پچتاوے کے دن کا جب فیصل ہو چکے گا کام [۴۵] اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے [۴۶]

اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَ مَنۡ عَلَيۡهَا وَ اِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ع ۲ (۵)

۴۰۔ ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر اور وہ ہماری طرف پھر آئیں گے [۴۷]

۴۱۔ حضرت عیسٰی ابن مریم: یعنی حضرت مسیح کی شان وصفت یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ ایک سچی اور کھلی ہوئی بات میں لوگوں نے خواہ مخواہ جھگڑے ڈال لئے۔ اور طرح طرح کے اختلافات کھڑے کر دیے۔ کسی نے ان کو خدا بنا دیا کسی نے خدا کا بیٹا۔ کسی نے کذاب و مفتری کہا کسی نے نسب وغیرہ پر طعن کیا۔ سچی بات وہ ہی ہے جو ظاہر کر دی گئی۔ کہ خدا نہیں، خدا کے مقرب بندے ہیں جھوٹے مفتری نہیں۔ سچے پیغمبر ہیں ان کا حسب نسب سب پاک وصاف ہے۔ خدا نے ان کو "کلمۃ اللہ" فرمایا ہے اور ممکن ہے "قول الحق" کے معنی بھی یہاں "کلمۃ اللہ" کے ہوں۔

۴۲۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ابنیّت کا رد: جس کے ایک "کن" (ہو جا) کہنے میں ہر چیز موجود ہو اسے بیٹے پوتوں کی کیا ضرورت لاحق ہو گی۔ کیا (العیاذ باللہ) اولاد ضعیفی میں سہارا دے گی؟ یا مشکلات میں ہاتھ بٹائے گی؟ یا اس کے بعد نام چلائے گی؟ اور اگر شبہ ہو کہ عموماً آدمی ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر حضرت مسیحؑ کا باپ کسے کہیں؟ اس کا جواب بھی اسی جملہ "کن فیکون" میں آ گیا۔ یعنی ایسے قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک بچہ کو بن باپ پیدا کر دے۔ اگر عیسائی خدا کو باپ اور مریم کو ماں کہتے ہیں تو کیا (معاذ اللہ) دوسرے تعلقات زناشوی کا بھی اقرار کریں گے؟ باپ مان کر بھی بہر حال تخلیق کا طریقہ وہ تو نہ ہو گا جو عموماً والدین میں ہوتا ہے۔ پھر بدون باپ کے پیدا ہونے میں کیا اشکال ہے۔

۴۳۔ توحید خالص کی تعلیم: یہ کس نے کہا؟ بعض کے نزدیک یہ حضرت مسیحؑ کا مقولہ ہے۔ گویا پیشتر حضرت مسیحؑ کی جو گفتگو قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ الخ سے نقل کی گئی تھی، یہ اس کا تکملہ ہوا۔ درمیان میں مخاطبین کی تنبیہ کے لئے ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ سے حق تعالیٰ کا کلام تھا میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس کو وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ الخ کے ساتھ لگایا جائے۔ یعنی (اے محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ) کتاب میں مریم و مسیح کا حال سنا کر جو مذکور ہو چکا، کہدو کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ تنہا اسی کی بندگی کرو۔ بیٹے، پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحید خالص کی ہے جس میں کچھ اینچ پینچ نہیں۔ سب انبیاء اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے۔ لیکن لوگوں نے بہت سے فرقے بنا لئے اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں، انہیں بڑے ہولناک دن (روز قیامت) کی تباہی سے خبردار رہنا چاہئے جو یقیناً پیش آنے والی ہے۔

۴۴۔ آخرت میں کفار کا دیکھنا سننا: یعنی آج تو جبکہ سننا اور دیکھنا مفید تھا، بالکل اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا، آنکھیں اور کان خوب کھل جائیں گے اس وقت وہ باتیں سنیں گے جن سے جگر پھٹ جائیں اور وہ منظر دیکھیں گے جس سے چہرے سیاہ ہو جائیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

۴۵۔ کافروں کو پچھتانے کے بہت مواقع پیش آئیں گے۔ آخری موقع وہ ہو گا جب موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت و دوزخ کے درمیان سب کو دکھا کر ذبح کیا جائے گا اور ندا آئے گی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہ پڑے، اس کے بعد کسی کو موت آنے والی نہیں۔ اس وقت کافر بالکل ناامید ہو کر حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے لیکن اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

۴۶۔ کفار کی غفلت: یعنی اس وقت انہیں یقین نہیں کہ واقعی ایسا دن آنے والا ہے وہ غفلت کے نشہ میں مخمور ہیں اور بڑی بھاری بھول میں پڑے ہیں۔ کاش اس وقت آنکھیں کھولتے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھتے اس دن پچھتانے سے حسرت وافسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ آلۡـٰٔنَ قَدۡ نَدِمۡتَ وَمَا یَنۡفَعُ النَّدَمُ مِنۡ۔

۴۷۔ یعنی کسی کا ملک یا ملک باقی نہ رہے گی۔ ہر چیز براہ راست مالک حقیقی کی طرف لوٹ جائے گی۔ وہ ہی بلا واسطہ حاکم و متصرف علی الاطلاق ہو

گا۔ جس چیز میں جس طرح چاہے گا اپنی حکمت کے موافق تصرف کرے گا دنیا کے جن سامانوں نے تم کو غفلت میں ڈال رکھا ہے سب کا ایک ہی وارث باقی رہ جائے گا۔ مِلک ومُلک کے لمبے چوڑے دعوے رکھنے والے سب فنا کے گھاٹ اتار دیے جائیں گے۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا[۴۸] بیشک تھا وہ سچا نبی[۴۹]

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾

۴۲۔ جب کہا اپنے باپ کو اے باپ میرے کیوں پوجتا ہے اسکو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تیرے کچھ[۵۰]

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اے باپ میرے مجھ کو آئی ہے خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل دکھلا دوں تجھ کو راہ سیدھی[۵۱]

يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اے باپ میرے مت پوج شیطان کو بیشک شیطان ہے رحمٰن کا نافرمان[۵۲]

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں کہیں آ لگے تجھ کو ایک آفت رحمٰن سے پھر تو ہو جائے شیطان کا ساتھی[۵۳]

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر تو باز نہ آئے گا تو تجھ کو سنگسار کروں گا اور دور ہو جا میرے پاس سے ایک مدت[۵۴]

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾

۴۷۔ کہا تیری سلامتی رہے[۵۵] میں گناہ بخشواؤں گا تیرا اپنے رب سے بیشک وہ ہے مجھ پر مہربان[۵۶]

وَ اَعۡتَزِلُكُمۡ وَ مَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ اَدۡعُوۡا
رَبِّیۡ ۖ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾
فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا
لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾
وَ وَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَ جَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ
صِدۡقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع ۳

۴۸۔ اور چھوڑتا ہوں تم کو اور جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اور میں بندگی کروں گا اپنے رب کی امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی کر کر محروم [۵۷]

۴۹۔ پھر جب جُدا ہوا اُن سے اور جنکو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہم نے اُسکو اسحٰق اور یعقوب اور دونوں کو نبی کیا [۵۸]

۵۰۔ اور دیا ہم نے انکو اپنی رحمت سے اور کیا اُنکے واسطے سچا بول اونچا [۵۹]

۴۸۔ **حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے نبی تھے:** گذشتہ رکوع میں حضرت مسیح و مریم کا قصہ بیان فرما کر نصاریٰ کا رد کیا گیا تھا جو ایک آدمی کو خدا بنا رہے ہیں۔ اس رکوع میں مشرکین مکہ کو شرمانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ سنایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ تک کو کس طرح شرک و بت پرستی سے روکا اور آخر کار وطن و اقارب کو چھوڑ کر خدا کے واسطے ہجرت اختیار کی۔ مشرکین مکہ کا دعویٰ تھا کہ وہ ابراہیمؑ کی اولاد میں اور اسی کے دین پر ہیں۔ انہیں بتلایا گیا کہ بت پرستی کے متعلق تمہارے باپ ابراہیمؑ کا رویہ کیا رہا ہے۔ اگر آباؤ اجداد کی تقلید کرنا چاہتے ہو تو ایسے باپ کی تقلید کرو۔ اور مشرک باپ دادوں سے اسی طرح بیزار ہو جاؤ جیسے ابراہیمؑ ہو گئے تھے۔

۴۹۔ "صِدّیق" کے معنی ہیں "بہت زیادہ سچ کہنے والا، جو اپنی بات کو عمل سے سچا کر دکھائے۔ یا وہ راستباز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ و اکمل استعداد موجود ہو۔ جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقف اس کے دل میں اتر جائے۔ شک و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ابراہیمؑ ہر ایک معنی سے صدیق تھے۔ اور چونکہ صدیقیت کے لئے نبوت لازم نہیں اس لئے آگے صِدِّیۡقًا کے ساتھ نَّبِیًّا فرما کر نبوت کی تصریح کر دی یہیں سے معلوم ہو گیا کہ کذبات ثلثہ کی حدیث اور نَحۡنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنۡ اِبۡرَاهِیۡمَ وغیرہ روایات میں کذب و شک کے وہ معنی مراد نہیں جو سطح کلام سے مفہوم ہوتے ہیں۔

۵۰۔ **حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کو تبلیغ:** یعنی جو چیز دیکھتی سنتی ہو اور مشکلات میں کچھ کام آسکے مگر واجب الوجود نہ ہو، اسکی عبادت بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک پتھر کی بے جان مورتی جو نہ سنے نہ دیکھے نہ ہمارے کسی کام آئے، خود ہمارے ہاتھ کی تراشی ہوئی۔ اس کو معبود ٹھہرا لینا کسی عاقل اور خوددار کا کام نہیں ہو سکتا۔

۵۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو توحید و معاد وغیرہ کا صحیح علم دیا اور حقائق شریعت سے آگاہ کیا ہے۔ اگر تم میری پیروی کرو گے تو سیدھی راہ پر لے چلوں گا۔ جو رضائے حق تک پہنچانے والی ہے اس کے سوا سب راستے ٹیڑھے ترچھے ہیں جن پر چل کر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

۵۲۔ بتوں کو پوجنا شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اور شیطان اس حرکت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بتوں کی پرستش گویا شیطان کی پرستش ہوئی۔ اور نافرمان کی پرستش رحمٰن کی انتہائی نافرمانی ہے۔ شاید لفظ "عصی" میں ادھر بھی توجہ دلائی ہو کہ شیطان کی پہلی نافرمانی کا اظہار اس وقت ہوا تھا جب تمہارے باپ آدم کے سامنے سربسجود ہونے کا حکم دیا گیا، لہٰذا اولاد آدم کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ رحمٰن کو

چھوڑ کر اپنے اس قدیم ازلی دشمن کو معبود بنالیں۔

۵۳۔ یعنی رحمٰن کی رحمت عظیمہ تو چاہتی ہے کہ تمام بندوں پر شفقت و مہربانی ہو، لیکن تیری بداعمالیوں کی شامت سے ڈر ہے کہ ایسے حلیم و مہربان خدا کو غصہ نہ آجائے اور تجھ پر کوئی سخت آفت نازل نہ کر دے جس میں پھنس کر تو ہمیشہ کے لئے شیطان کا ساتھی بن جائے۔ یعنی کفر و شرک کی مزاولت سے آئندہ ایمان و توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو اور اولیاء الشیطان کے گروہ میں شامل کر کے دائمی عذاب میں دھکیل دیا جائے عموماً مفسرین نے یہ ہی معنی لئے ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کفر کے وبال سے کچھ آفت آئے اور تو مدد مانگنے لگے شیطان سے یعنی بتوں سے، اکثر لوگ ایسے ہی وقت شرک کرتے ہیں"۔ واللہ اعلم۔

۵۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا غصہ: باپ نے حضرت ابراہیمؑ کی تقریر سن کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے معبودوں سے بد عقیدہ ہے۔ بس اپنی بداعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دے، ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا بلکہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے ایک مدت (عمر بھر) کے لئے دور ہو جا۔ میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں یہاں سے روانہ ہو جا"۔

۵۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے جدائی: یہ رخصت یا متارکت کا سلام ہے۔ جیسے ہمارے محاورات میں ایسے موقع پر کہہ دیتے ہیں کہ "فلاں بات یوں ہے تو ہمارا سلام لو"۔ دوسری جگہ فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ (القصص۔۵۵) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "معلوم ہوا اگر دین کی بات سے ماں باپ ناخوش ہوں اور گھر سے نکالنے لگیں اور بیٹا ماں باپ کو میٹھی بات کہہ کر نکل جائے وہ بیٹا عاق نہیں۔"

۵۶۔ والد کے لئے استغفار کا وعدہ: امید ہے اپنی مہربانی سے میرے باپ کے گناہ معاف فرما دے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے استغفار کا وعدہ ابتداءً کیا تھا۔ چنانچہ استغفار کرتے رہے جب اللہ کی مرضی نہ دیکھی تب موقوف کیا۔ یہ بحث سورۂ توبہ (براءۃ) میں مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (۱۱۳) الخ کے تحت میں گذر چکی ہے۔ ملاحظہ کر لی جائے۔

۵۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت: یعنی میری نصیحت کا جب کوئی اثر تم پر نہیں، بلکہ الٹا مجھے دھمکیاں دیتے ہو، تو اب میں خود تمہاری بستی میں رہنا نہیں چاہتا۔ تم کو اور تمہارے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر وطن سے ہجرت کرتا ہوں تاکہ یکسو ہو کر اطمینان سے خدائے واحد کی عبادت کر سکوں حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے کامل امید ہے کہ اس کی بندگی کر کے میں محروم و ناکام نہیں رہوں گا۔ غربت و بے کسی میں جب اس کو پکاروں گا، ادھر سے ضرور اجابت ہوگی۔ میرا خدا پتھر کی مورتی نہیں کہ کتنا ہی چیخو چلاؤ سن ہی نہ سکے۔

۵۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات: یعنی اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنوں سے دور پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اپنے دیے تاکہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور انس و سکون حاصل کریں۔ شاید حضرت اسمٰعیل کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ ان کے پاس نہیں رہے بچپن ہی میں جدا کر دیے گئے تھے۔ نیز ان کا مستقل تذکرہ آگے آنے والا ہے (تنبیہ) حضرت اسحاقؑ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے اور حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے ہیں۔ ان ہی سے سلسلہ بنی اسرائیل کا چلا۔ جن میں سینکڑوں نبی ہوئے۔

۵۹۔ یعنی اپنی رحمت خاصہ سے ان کو بڑا حصہ عنایت فرمایا اور دنیا میں بول بالا کیا اور ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ چنانچہ تمام مذاہب و ملل ان کی تعظیم و توصیف کرتے ہیں اور امت محمدیہ دائماً اپنی نمازوں میں پڑھتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ فی الحقیقت یہ حضرت ابراہیم کی دعا وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِى الْاٰخِرِيْنَ (الشعراء۔۸۴) کی مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

وَ اذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مُوۡسٰٓى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا وَّ كَانَ
رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾

۵۱۔ اور مذکور کر کتاب میں موسیٰ کا[۶۰] بیشک وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی[۶۱]

وَ نَادَيۡنٰهُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ وَ قَرَّبۡنٰهُ
نَجِيًّا ﴿٥٢﴾

۵۲۔ اور پکارا ہم نے اُسکو داہنی طرف سے طور پہاڑ کی اور نزدیک بلایا اُسکو بھید کہنے کو[۶۲]

وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾

۵۳۔ اور بخشا ہم نے اُسکو اپنی مہربانی سے بھائی اُس کا ہارون نبی[۶۳]

وَ اذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ
الۡوَعۡدِ وَ كَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ۚ ﴿٥٤﴾

۵۴۔ اور مذکور کر کتاب میں اسمٰعیل کا وہ تھا وعدہ کا سچا اور تھا رسول نبی[۶۴]

وَ كَانَ يَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۖ وَ كَانَ
عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِيًّا ﴿٥٥﴾

۵۵۔ اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوٰۃ کا[۶۵] اور تھا اپنے رب کے یہاں پسندیدہ[۶۶]

وَ اذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِدۡرِيۡسَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا
نَّبِيًّا ۙ ﴿٥٦﴾

۵۶۔ اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا وہ تھا سچا نبی[۶۷]

وَّ رَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

۵۷۔ اور اٹھا لیا ہم نے اسکو ایک اونچے مکان پر[۶۸]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ
مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَ مِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۚ وَّ مِنۡ
ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اِسۡرَآءِيۡلَ ۚ وَ مِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَ
اجۡتَبَيۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ الرَّحۡمٰنِ

۵۸۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر انعام کیا اللہ نے پیغمبروں میں آدم کی اولاد میں اور اُن میں جنکو سوار کر لیا ہم نے نوح کے ساتھ اور ابراہیم کی اولاد میں اور اسرائیل کی[۶۹] اور اُن میں جنکو ہم نے ہدایت کی اور پسند کیا[۷۰] جب اُنکو سنائے آیتیں رحمٰن کی گرتے ہیں سجدہ میں اور روتے ہوئے[۷۱]

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة

۶۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تذکیر: یعنی قرآن کریم میں جو حال موسیٰؑ کا بیان کیا جارہا ہے، لوگوں کے سامنے ذکر کیجئے۔ کیونکہ وہ اسحٰقؑ ویعقوبؑ کی نسل سے اسرائیلی سلسلہ کے اولوالعزم پیغمبر اور مشرع اعظم ہوئے ہیں۔ اور جس طرح حضرت یحییٰؑ وعیسیٰؑ کے تذکرہ میں خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کی اصلاح اور ابراہیمؑ کے ذکر میں مشرکین مکہ کو متنبہ کرنا مقصود تھا، حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تذکروں سے شاید "یہود" کو بتانا ہو کہ قرآن کس قدر کشادہ دلی سے ان کے مقتدائے اعظم کے واقعی کمالات ومحاسن کا اعلان کرتا ہے۔ یہود کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی صریح پیشین گوئی کے موافق اسمٰعیلی نبی (محمد ﷺ) کی رسالت ونبوت کا کھلے دل سے اعتراف کریں۔ شاید اسی لئے حضرت کے بعد روئے سخن حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف پھیر دیا گیا۔

۶۱۔ رسول اور نبی کا فرق: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے وہ "نبی" ہے۔ انبیاء میں سے جن کو خصوصی امتیاز حاصل ہو، یعنی مکذبین کے مقابلہ پر جداگانہ امت کی طرف مبعوث ہوں یا نئی کتاب اور مستقل شریعت رکھتے ہوں، وہ "رسول نبی" یا "نبی رسول" کہلاتے ہیں۔ شرعیات میں جزئی تصرف مثلاً کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید وغیرہ رسول کے ساتھ مخصوص نہیں عام انبیاء بھی کرسکتے ہیں۔ باقی غیر انبیاء پر رسول یا مرسل کا اطلاق جیسا کہ قرآن کے بعض مواضع میں پایا جاتا ہے وہ اس معنی مصطلح کے اعتبار سے نہیں۔ وہاں دوسری حیثیات معتبر ہیں۔ واللہ اعلم۔

۶۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کا کلام: یعنی موسیٰؑ جب آگ کی چمک محسوس کرکے "طور" پہاڑ کی اس مبارک ومیمون جانب میں پہنچ گئے جو ان کے دائیں ہاتھ مغرب کی طرف واقع تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پکارا اور ہم کلامی کا شرف بخشا۔ تفصیل سورہ "طٰہٰ" میں آئے گی کہتے ہیں کہ موسیٰؑ اس وقت ہر جہت اور ہر بن موسے خدا کا کلام سن رہے تھے جو بدون توسط فرشتے کے ہو رہا تھا۔ اور روحانی طور پر اس قدر قرب وعلوم حاص تھا کہ غیبی قلموں کی آواز سنتے تھے جن سے تورات نقل کی جارہی تھی وحی کو "بھید" اس لئے فرمایا کہ اس وقت کوئی بشر استماع میں شریک نہ تھا۔ گو بعد میں اوروں کو بھی خبر کردی گئی۔ واللہ اعلم۔

۶۳۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر اللہ کی رحمت: یعنی ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے کام میں مددگار ہوئے جیسا کہ انہوں نے خود درخواست کی تھی۔ وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ (القصص۔۳۴) اور وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ۔ هٰرُوْنَ اَخِی الخ (طٰہٰ ۔۳۰،۲۹) حق تعالیٰ نے درخواست قبول فرمائی اور ہارونؑ کو نبی بنا کر ان کی اعانت وتقویت کے لئے دے دیا ویسے عمر میں حضرت ہارونؑ بڑے تھے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی نے اپنے بھائی کے لئے اس سے بڑی شفاعت نہیں کی جو موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کے لئے کی تھی۔

۶۴۔ حضرت اسمٰعیل کی مدح اور حضرت اسحٰق پر فضیلت: اس سے حضرت اسمٰعیلؑ کی فضیلت حضرت اسحٰقؑ پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کو صرف نبی فرمایا اور اسمٰعیلؑ کو رسول نبی کہا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی مِنْ وَّلَدِ اِبْرَاهِیْمَ اِسْمَاعِیْلَ (ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اللہ نے اسمٰعیلؑ کو چن لیا) حضرت اسمٰعیلؑ عرب حجاز کے مورث اعلیٰ اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے اجداد میں سے ہیں جو ابراہیمی شریعت دے کر "بنی جرہم" کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔ خدا سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا پورا کرکے دکھلایا ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو آئے میں اسی جگہ رہوں گا۔ کہتے ہیں وہ ایک برس نہ آیا، یہ وہیں رہے نبی ﷺ سے بھی منقول ہے کہ قبل از بعثت آپ سے عبداللہ بن ابی الحمساء نے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریے میں ابھی آتا ہوں۔ آپ تین دن تک اسی جگہ رہے۔ جب وہ واپس آیا تو فرمایا کہ تو نے ہم کو تکلیف دی میں حسب وعدہ تین دن سے یہیں ہوں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے وعدہ کی انتہائی سچائی اس وقت ظاہر ہوئی جب اپنے باپ

ابراہیمؑ سے کہا تھا یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ (صافات۔١٠٢) اور اسی طرح کر کے دکھایا۔

٦٥۔ **حضرت اسمٰعیل کی گھر والوں کو تبلیغ:** کیونکہ گھر والے قریب ہونے کی وجہ سے ہدایت کے اول مستحق ہیں۔ ان سے آگے کو سلسلہ چلتا ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا وَ اۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا (طٰہٰ۔١٠٢) اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَ اَهۡلِیۡكُمۡ نَارًا (تحریم۔٦) خود نبی کریم ﷺ کو بھی یہ ہی ارشاد ہوا۔ وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ (شعراء۔٢١٤) بعض کہتے ہیں کہ یہاں "اہل" سے ان کی ساری قوم مراد ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں "اَہۡلَہٗ" کی جگہ "قومہٗ" تھا۔ واللہ اعلم۔

٦٦۔ یعنی دوسروں کو ہدایت کرنا اور خود اپنے اقوال و افعال میں پسندیدہ مستقیم الحال اور مرضی الخصال تھا۔

٦٧۔ **حضرت ادریس علیہ السلام:** راجح یہ ہے کہ ادریسؑ حضرت آدمؑ اور نوحؑ کے درمیانی زمانہ میں گزرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں نجوم و حساب کا علم، قلم سے لکھنا، کپڑا سینا، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا اول ان سے چلا۔ واللہ اعلم۔ شب معراج میں نبی کریم ﷺ کی چوتھے آسمان پر ان سے ملاقات ہوئی۔

٦٨۔ **حضرت ادریس علیہ السلام کا مقام رفعت:** یعنی قرب و عرفان کے بہت بلند مقام اور اونچی جگہ پر پہنچایا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی طرح وہ بھی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اب تک زندہ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ آسمان پر لے جا کر روح قبض کی گئی۔ انکے متعلق بہت سی اسرائیلیات مفسرین نے نقل کی ہیں۔ ابن کثیرؒ نے ان پر تنقید کی ہے۔ واللہ اعلم۔

٦٩۔ **یہی لوگ انعام والے ہیں:** یعنی جن انبیاء کا ابتدائے سورۃ سے یہاں تک ذکر ہوا۔ اسی قسم کے لوگوں پر حق تعالیٰ نے اپنے انعامات کی بارش کی ہے۔ یہ سب آدم کی اولاد ہیں اور ادریس کے سوا باقی سب انکی اولاد بھی ہیں جنہیں نوحؑ کے ساتھ ہم نے کشتی پر سوار کیا تھا اور بعض ابراہیمؑ کی ذریت میں ہیں۔ مثلاً اسحاق، یعقوب، اسمٰعیل علیہم السلام اور بعض اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ مثلاً موسیٰ، ہارون، زکریا، یحیٰی، عیسیٰ علیہم السلام۔

٧٠۔ یعنی طریق حق کی طرف ہدایت کی اور منصب نبوت و رسالت کے لئے پسند کر لیا۔

٧١۔ **تلاوت قرآن کا ادب:** یعنی باوجود اس قدر علو مقام اور معراج کمال پر پہنچنے کے شان عبودیت و بندگی میں کامل ہیں۔ اللہ کا کلام سن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کر نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اس کو یاد کر کے روتے ہیں اسی لئے علماء کا اجماع ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیئے۔ تا ان مقربین کے طرز عمل کو یاد کر کے ایک طرح کی مشابہت ان سے حاصل ہو جائے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورہ مریم پڑھ کو سجدہ کیا اور فرمایا ھذا السُّجُوۡدُ فَاَیۡنَ البکی (یہ تو سجدہ ہوا، آگے بکاء کہاں ہے) بعض مفسرین نے یہاں "آیات الرحمٰن" سے خاص آیات سجود اور "سُجَّدًا" سے سجود تلاوت مرالیا ہے۔ مگر ظاہر وہ ہی ہے جو تقریر ہم پہلے کر چکے ہیں حدیث میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ، اگر رونا نہ آئے تو (کم از کم) رونے کی صورت بنالو۔

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ
اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۙ﴿۵۹﴾
اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

٥٩۔ پھر انکی جلگہ آئے ناخلف کھو بیٹھے نماز اور پیچھے پڑ گئے مزوں کے سو آگے دیکھ لیں گے گمراہی کو [٧٢]

٦٠۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کی نیکی سو وہ لوگ

يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ۙ‏ ﴿٦٠﴾

جائیں گے بہشت میں اور اُن کا حق ضائع نہ ہو گا کچھ [۷۳]

جَنّٰتِ عَدۡنِ ِۨالَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ

بِالۡغَيۡبِ ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا‏ ﴿٦١﴾

٦١۔ باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں سے اُنکے بن دیکھے بیشک ہے اُس کے وعدہ پر پہنچنا [۷۴]

لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ‌ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ

فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا‏ ﴿٦٢﴾

٦٢۔ نہ سنیں گے وہاں بک بک سوائے سلام [۷۵] اور اُنکے لئے ہے اُنکی روزی وہاں صبح اور شام [۷۶]

تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ

تَقِيًّا‏ ﴿٦٣﴾

٦٣۔ یہ وہ بہشت ہے جو میراث دینگے ہم اپنے بندوں میں جو کوئی ہو گا پرہیز گار [۷۷]

۷۲۔ **نماز ضائع کرنے والوں کو سزا:** وہ تو اگلوں کا حال تھا۔ یہ پچھلوں کا ہے کہ دنیا کے مزوں اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو گئے نماز جو اہم العبادات ہے اسے ضائع کر دیا۔ بعض تو فرضیت ہی کے منکر ہو گئے۔ بعض نے فرض جانا مگر پڑھی نہیں بعض نے پڑھی تو جماعت اور وقت وغیرہ شروط و حقوق کی رعایت نہ کی ان میں سے ہر ایک درجہ بدرجہ اپنی گمراہی کو دیکھ لے گا کہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور کس طرح کی بدترین سزا میں پھنساتی ہے۔ حتٰی کہ ان میں سے بعض کو جہنم کی اس بدترین وادی میں دھکیلا جائے گا۔ جس کا نام ہی "غی" ہے۔

۷۳۔ **توبہ کرنے والوں کی فضیلت:** یعنی توبہ کا دروازہ ایسے مجرموں کے لئے بھی بند نہیں جو گنہگار سچے دل سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر لے اور اپنا چال چلن درست رکھے بہشت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ توبہ کے بعد جو نیک اعمال کرے گا سابق جرائم کی بناء پر اس کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی نہ کسی قسم کا حق ضائع ہو گا۔ حدیث میں ہے۔ اَلتَّاۤئِبُ مِنَ الذَّنۡبِ كَمَنۡ لَا ذَنۡبَ لَهٗ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا) اَللّٰهُمَّ تُبۡ عَلَيۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ۔

۷۴۔ **جنت کے انعامات:** جب یہ بندے ان دیکھی چیزوں پر پیغمبروں کے فرمانے سے ایمان لائے، بن دیکھے خدا کی عبادت کی، تو اللہ نے ان سے جنت کی ان دیکھی نعمتوں کا وعدہ فرمالیا۔ جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ خدا کے وعدے بالکل حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔

۷۵۔ یعنی جنت میں لغو بیکار باتیں اور بیہودہ شور و شغب نہ ہو گا۔ ہاں فرشتوں اور مومنین کی طرف سے "سلامٌ علیک" کی آوازیں بلند ہوں گی۔

۷۶۔ صبح و شام سے جنت کی صبح و شام مراد ہے وہاں دنیا کی طرح طلوع و غروب نہ ہو گا۔ جس سے رات دن اور صبح و شام مقرر کی جائے بلکہ خاص قسم کے انوار کا توارد و تنوع ہو گا۔ جس کے ذریعہ سے صبح و شام کی تحدید و تعین کی جائے گی۔ حسب عادت و معمول صبح و شام جنت کی روزی پہنچے گی۔ ایک منٹ کے لئے بھوک کی تکلیف نہیں ستائے گی وہ روزی کیا ہو گی؟ اس کی کیفیت خدا ہی جانے۔ حدیث میں ہے يُسَبِّحُوۡنَ

اللہ بُکۡرَۃً وَّعَشِیًّا (جنتی صبح وشام حق تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے) گویا جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی ملتی رہے گی۔

٧٧۔ جنت متقین کی میراث ہے: یعنی میراث آدم کی کہ اول ان کو بہشت ملی ہے۔ اور شاید لفظ میراث اس لئے اختیار فرمایا ہو کہ اقسام تملیک میں یہ سب سے زیادہ اتم واحکم قسم ہے جس میں نہ فسخ کا احتمال نہ لوٹائے جانے کا نہ ابطال واقالہ کا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ‌ۚ لَهٗ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَيۡنَ ذٰ لِكَ‌ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ‏ ﴿٦٤﴾

٦٤۔ اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے اُسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اسکے بیچ میں ہے اور تیرا رب نہیں ہے بھولنے والا[٧٨]

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ‌ؕ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۚ﴿٦٥﴾ ع ٤ / ٧

٦٥۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو اُنکے بیچ میں ہے سو اُسی کی بندگی کر اور قائم رہ اسکی بندگی پر[٧٩] کسی کو پہچانتا ہے تو اسکے نام کا[٨٠]

وَيَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَيًّا‏ ﴿٦٦﴾

٦٦۔ اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مر جاؤں تو پھر نکلوں گا زندہ ہو کر[٨١]

اَوَلَا يَذۡكُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ يَكُ شَيۡـئًـا‏ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اسکو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا[٨٢]

فَوَرَبِّكَ لَنَحۡشُرَنَّهُمۡ وَالشَّيٰطِيۡنَ ثُمَّ لَنُحۡضِرَنَّهُمۡ حَوۡلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۚ‏ ﴿٦٨﴾

٦٨۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بلائیں گے انکو اور شیطانوں کو[٨٣] پھر سامنے لائیں گے گرد دوزخ کے گھٹنوں پر گرے ہوئے[٨٤]

ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا ۚ‏ ﴿٦٩﴾

٦٩۔ پھر جدا کر لیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے جونسا اُن میں سے سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ

ثُمَّ لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِيۡنَ هُمۡ اَوۡلٰى بِهَا صِلِيًّا‏ ﴿٧٠﴾

٧٠۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو بہت قابل ہیں اُس میں داخل ہونے کے[٨٥]

وَ اِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر

ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ پھر بچائیں گے ہم انکو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے [۸۶]

۷۸۔ حضرت جبریل علیہ السلام کا نزول بھی اللہ کے حکم کے تابع ہے: ایک مرتبہ جبریلؑ کئی روز تک نہ آئے۔ آپ منقبض تھے، کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد ﷺ کو اس کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے اور آپ زیادہ دلگیر ہوئے۔ آخر جبریل تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا (جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟) اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو سکھلایا کہ جواب میں یوں کہو وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ الخ یہ کلام ہوا اللہ کا جبریل کی طرف سے۔ جیسا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ہم کو سکھلایا ہے حاصل جواب یہ ہے کہ ہم خالص عبد مامور ہیں، بدون حکم الٰہی ایک پر نہیں ہلا سکتے۔

ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم و اذن کے تابع ہے وہ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے، کیونکہ ہر زمانہ (ماضی، مستقبل، حال) اور ہر مکان (آسمان زمین اور ان کے درمیان کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔ مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے۔ خدا کا ہر کام بر محل اور بر وقت ہے۔ بھول چوک یا نسیان غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جبریلؑ کا جلد یا بدیر آنا بھی اسی کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے (تنبیہ اول) ہمارے آگے پیچھے" کہا آسمان و زمین کو اترتے ہوئے زمین آگے، آسمان پیچھے، چڑھتے ہوئے وہ پیچھے یہ آگے، اور اگر "آگے پیچھے" سے تقدم و تاخر زمانی مراد ہو تو زمانہ مستقبل آگے آنے والا اور زمانہ ماضی پیچھے گذر چکا ہے اور زمانہ حال دونوں کے بیچ میں واقع ہے (تنبیہ دوم) پہلے فرمایا تھا کہ جنت کے وارث اتقیا (خدا سے ڈرنے والے پرہیزگار) ہیں۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ ڈرنے کے لائق وہ ہی ذات ہو سکتی ہے جس کے قبضہ میں تمام زمان و مکان ہیں۔ اور جس کے حکم و اجازت کے بدون بڑے سے بڑا فرشتہ بھی پر نہیں ہلا سکتا۔ انسان کو چاہئے اگر وہ جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع و منقاد بن جائے۔ اور ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جو خدا اپنے مخلص بندوں کو یہاں نہیں بھولتا، وہاں بھی نہیں بھولے گا ضرور جنت میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ ہاں ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ جنت میں ہر ایک کا نزول بھی اپنے اپنے وقت پر ہو گا۔ اور جیسے یہاں پیغمبر کے پاس فرشتے حکم الٰہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں، جنت میں جنتیوں کی غذا روحانی و جسمانی بھی صبح و شام او قات مقرر پر آئے گی۔

۷۹۔ یعنی کسی کے کہنے سننے کی پروا مت کر۔ اپنے دل کو خدا کی بندگی پر جمائے رکھ جو سارے جہان کا رب ہے اور سب سے نرالی صفات رکھتا ہے۔

۸۰۔ اللہ کے نام اس کی صفات ہیں۔ یعنی کوئی ہے اس کی صفت کا؟ جس میں اس جیسی صفات موجود ہوں؟ جب کوئی نہیں تو بندگی کے لائق اور کون ہو سکتا ہے؟

٨١۔ بعث بعد الموت پر شبہات: گذشتہ رکوع میں نیکوں اور بدوں کا انجام بیان فرمایا تھا جو مرنے کے بعد ہو گا جو لوگ مر کر زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں یہاں ان کے شبہات کا جواب دیا جاتا ہے یعنی آدمی انکار و تعجب کی راہ سے کہتا ہے کہ مر گل کر جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن گئے۔ کیا اس کے بعد پھر ہم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ اور پردہ عدم سے نکل کر پھر منصّہ وجود پر جلوہ گر ہوں گے۔

٨٢۔ اس شبہ کا جواب: یعنی آدمی ہو کر اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتا کہ چند روز پہلے وہ کوئی چیز نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے نابود سے بود کیا۔ کیا وہ ذات جو لاشے کو شے اور معدوم محض کو موجود کر دے، اس پر قادر نہیں کہ ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر سکے۔ آدمی کو اپنی پہلی ہستی کی کیفیت یاد نہیں رہی جو دوسری ہستی کا مذاق اڑاتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ (الروم۔٢٧)

٨٣۔ یعنی یہ منکرین ان شیاطین کی معیت میں قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے جو اغواء کر کے انہیں گمراہ کرتے تھے ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔

٨٤۔ کفار پر جہنم کی دہشت: یعنی مارے دہشت کے کھڑے سے گر پڑیں گے اور چین سے بیٹھ بھی نہ سکیں گے۔ یہ ہی ہوا گھٹنوں پر گرنا۔

٨٥۔ یعنی منکریں کے ہر فرقہ میں جو زیادہ بد معاش، سرکش، اور اکڑ باز تھے، انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا پھر ان میں جو بھی بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہو گا وہ خدا کے علم میں ہے اس کو دوسرے مجرموں سے پہلے آگ میں جھونکا جائے گا۔

٨٦۔ دوزخ پر ہر انسان کا گذر ہو گا: یعنی ہر نیک و بد، مجرم و بری، اور مومن و کافر کے لئے حق تعالیٰ قسم کھا چکا اور فیصلہ کر چکا ہے کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گذر ہو گا، کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ ہی دوزخ پر سے ہو کر گیا ہے جسے عام محاورات میں "پل صراط" کہتے ہیں اس پر لا محالہ سب کا گذر ہو گا، خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گذر جائیں گے اور گنہگار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے (العیاذ باللہ) پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق نیز انبیاء، ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے، اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی مہربانی سے وہ سب گنہگار جنہوں نے سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا، دوزخ سے نکالے جائیں گے صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں ہر شخص کو داخل کیا جائے گا مگر صالحین پر وہ آگ برد و سلام بن جائے گی۔ وہ بے کھٹکے اس میں سے گذر جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس دخول کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں۔ فلیراجع۔

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ خَیۡرٌ مَّقَامًا وَّ اَحۡسَنُ نَدِیًّا ﴿٧٣﴾

٧٣۔ اور جب سنائے انکو ہماری آیتیں کھلی ہوئی کہتے ہیں جو لوگ کہ منکر ہیں ایمان والوں کو دونوں فرقوں میں کس کا مکان بہتر ہے اور کس کی اچھی لگی ہے مجلس [٨٧]

وَ کَمۡ اَهۡلَکۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءۡیًا ﴿٧٤﴾

٧٤۔ اور کتنی ہلاک کر چکے ہیں ہم پہلے اُن سے جماعتیں وہ اُن سے بہتر تھے سامان میں اور نمود میں [٨٨]

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ
مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ
اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ
اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

۷۵۔ تو کہہ جو رہا بھٹکتا سو چاہئے اُسکو کھینچ لیجائے رحمٰن لنبا[۸۹] یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ ہوا تھا اُن سے یا آفت اور یا قیامت سو تب معلوم کر لیں گے کس کا برا ہے مکان اور کس کی فوج کمزور ہے[۹۰]

وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ الْبٰقِيٰتُ
الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷٦﴾

۷٦۔ اور بڑھاتا جاتا ہے اللہ سوجھنے والوں کو سوجھ[۹۱] اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر پھر جانے کو جگہ[۹۲]

۸۷۔ قرآن کریم پر کفار کا استہزاء: یعنی کفار قرآن کی آیتیں سن کر جن میں ان کا برا انجام بتلایا گیا ہے ہنستے ہیں اور بطور استہزاء و تفاخر غریب مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تمہارے زعم کے موافق آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا دونوں فریق کی موجودہ حالت اور دنیوی پوزیشن پر منطبق نہیں ہوتا۔ کیا آج ہمارے مکانات، فرنیچر اور بود و باش کے سامان تم سے بہتر نہیں اور ہماری مجلس (یا سوسائٹی) تمہاری سوسائٹی سے معزز نہیں۔ یقیناً ہم جو تمہارے نزدیک باطل پر ہیں، تم اہل حق سے زیادہ خوشحال اور جتھے والے ہیں۔ جو لوگ آج ہم سے خوف کھا کر کوہ صفا کی گھاٹی میں نظر بند ہوں، کیا گمان کیا جا سکتا ہے کہ کل وہ چھلانگ مار کر جنت میں جا پہنچیں گے اور ہم دوزخ میں پڑے جلتے رہیں گے؟

۸۸۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت سے عبرت: یہ ان کی بات کا جواب دیا کہ پہلے ایسی بہت قومیں گذر چکی ہیں۔ جو دنیا کے ساز و سامان اور شان و نمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ لیکن جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکبر و تفاخر کو اپنا شعار بنا لیا، خدا تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہا پس آدمی کو چاہئے کہ دنیا کی فانی ٹیپ ٹاپ اور عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھائے۔ عموماً متکبر دولتمند ہی حق کو ٹھکرا کر نہنگ ہلاکت کا لقمہ بنا کرتے ہیں۔ مال اولاد یا دنیوی خوشحالی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں۔

۸۹۔ دنیا میں عمل کی آزادی: یعنی جو خود گمراہی میں جا پڑا، اسے گمراہی میں جانے دے۔ کیونکہ دنیا جانچنے کی جگہ ہے۔ یہاں ہر ایک کو عمل کی فی الجملہ آزادی دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کی عادت اور حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ جو اپنے کسب و ارادہ سے کوئی راستہ اختیار کر لے اس کو نیک و بد سے خبردار کر دینے کے بعد اسی راستہ پر چلنے کے لئے ایک حد تک آزاد چھوڑ دے۔ اسی لئے جو بدی کی راہ چل پڑا اس کے حق میں دنیا کی مرفہ الحالی اور درازی عمر وغیرہ تباہی کا پیش خیمہ سمجھنا چاہئے نیک و بد یہاں رلے ملے ہیں۔ آخرت میں پوری طرح جدا ہوں گے۔ اصلی بھلائی برائی وہاں ملے گی۔

۹۰۔ کفار کو تنبیہ: یعنی کفار مسلمانوں کو ذلیل و کمزور اور اپنے کو معزز و طاقتور سمجھتے ہیں۔ اپنے عالیشان محلات اور بڑی بڑی فوجوں اور جتھوں پر اتراتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے ابھی ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے جس وقت گلا دبایا جائے گا خواہ دنیوی عذاب کی صورت میں یا قیامت کے بعد، تب پتہ لگے گا کہ کس کا مکان برا ہے اور کس کی جمعیت کمزور ہے۔ اس موقع پر تمہارے سامان اور لشکر کچھ کام نہ آئیں گے۔

۹۱۔ مومنین کی ہدایت میں زیادتی: یعنی جیسے گمراہوں کو گمراہی میں لنبا چھوڑ دیتا ہے، ان کے بالمقابل جو سوجھ بوجھ کر راہ ہدایت اختیار کر لیں ان کی سوجھ بوجھ اور فہم و بصیرت کو اور زیادہ تیز کر دیتا ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے راستوں پر بگٹٹ اڑے چلے جاتے ہیں۔

۹۲۔ یعنی دنیا کی رونق رب کے ہاں کام کی نہیں نیکیاں سب رہیں گے اور دنیا نہ رہے گی۔ آخرت میں ہر نیکی کا بہترین بدلہ اور بہترین انعام ملے گا۔

اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾

۷۷۔ بھلا تو نے دیکھا اُسکو جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد[۹۳]

اَطَّلَعَ الۡغَيۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ﴿۷۸﴾

۷۸۔ کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہے رحمٰن سے عہد[۹۴]

كَلَّا ‌ؕ سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾

۷۹۔ یہ نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اسکو عذاب میں لنبا[۹۵]

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور ہم لے لیں گے اُسکے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا[۹۶]

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور پکڑ رکھا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود تا کہ وہ ہوں اُنکے لئے مدد ہرگز نہیں[۹۷]

كَلَّا ‌ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ﴿۸۲﴾

۸۲۔ وہ منکر ہونگے اُنکی بندگی سے اور ہو جائیں گے اُنکے مخالف[۹۸]

ع ۵ / ۸

۹۳۔ ایک مسلمان مزدور اور کافر کا واقعہ: یعنی کفر کے باوجود آپ نے یہ جرأت دیکھی، ایک کافر مالدار ایک مسلمان لوہار کو کہنے لگا تو مسلمانی سے منکر ہو تو تیری مزدوری دوں۔ اس نے کہا اگر تو مرے اور پھر جئے تو بھی میں منکر نہ ہوں اس نے کہا اگر مر کر پھر جیوں گا تو یہ ہی مال و اولاد وہاں بھی ہوگا، تجھ کو مزدوری وہاں دے دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی وہاں دولت ملتی ہے ایمان سے، کافر چاہے کہ یہاں کی دولت وہاں ملے، یا کفر کے باوجود اخروی عیش و تنعم کے مزے اڑائے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

۹۴۔ کافر کا دعویٰ بے بنیاد ہے: یعنی ایسے یقین و وثوق سے جو دعویٰ کر رہا ہے کیا غیب کی خبر پالی ہے؟ یا خدا سے کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔ ایک گندے کافر کی کیا بساط کہ وہ اس طرح کی غیبیات تک رسائی حاصل کر لے؟ رہا خدا کا وعدہ، وہ ان لوگوں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے اپنا عہد پورا کر کے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور عمل صالح کی امانت خدا کے پاس رکھ دی ہے۔

۹۵۔ یعنی یہ قول بھی شامل مسل کر لیا جائے گا اور مال و اولاد کی جگہ اس کی سزا بڑھا دی جائے گی۔

۹۶۔ قیامت میں اکیلا آئے گا: "جو بتلا رہا ہے" یعنی مال اور اولاد۔ چنانچہ اس کافر کے دونوں بیٹے مسلمان ہوئے (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب

ہے کہ یہ چیزیں اس سے الگ کر لی جائیں گے قیامت میں اکیلا حاضر ہو گا نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ساتھ دے گی۔

۹۷۔ یعنی مال و اولاد سے بڑھ کر اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں بڑے بڑے درجے دلائیں گے۔ حالانکہ ہرگز ایسا ہونے والا نہیں۔ محض سودائے خام ہے جو اپنے دماغوں میں پکا رہے ہیں۔

۹۸۔ یعنی وہ معبود مدد تو کیا کرتے، خود ان کی بندگی سے بیزار ہوں گے۔ اور ان کے مدمقابل ہو کر بجائے عزت بڑھانے کے اور زیادہ ذلت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَّكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف۔٦)

أَلَمْ تَرَ أَنَّآ أَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾

٨٣۔ تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر اچھالتے ہیں انکو ابھار کر

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾

٨٤۔ سو تو جلدی نہ کر ان پر ہم تو پوری کرتے ہیں انکی گنتی [۹۹]

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾

٨٥۔ جس دن ہم اکٹھا کر لائیں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلائے ہوئے

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ إِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾

٨٦۔ اور ہانک لیجائیں گے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاس سے [۱۰۰]

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

٨٧۔ نہیں اختیار رکھتے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا ہے رحمٰن سے وعدہ [۱۰۱]

۹۹۔ اللہ کی طرف سے کفار کو ڈھیل: یعنی شیطان انہی بدبختوں کو گمراہی کا بڑھاوا دیتا اور انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے۔ جنہوں نے خود کفر و انکار کا شیوہ اختیار کر لیا۔ اگر ایسے اشقیاء شیطان کی تحریص و اغواء سے گمراہی میں لنبے جائیں تو جانے دیجئے، آپ ان کی سزادہی میں جلدی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے، تا ان کی زندگی کے گنے ہوئے دن پورے ہو جائیں۔ ان کی ایک ایک سانس، ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل ہمارے یہاں گنا جا رہا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی ہمارے احاطہ علمی اور دفاتر اعمال سے باہر نہیں ہو سکتی۔ تمام عمر کے اعمال ایک ایک کر کے ان کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔

۱۰۰۔ کفار پیاسے ہانکے جائیں گے: جس طرح ڈھور ڈنگر پیاس کی حالت میں گھاٹ کی طرف جاتے ہیں اسی طرح مجرموں کو دوزخ کے گھاٹ اتارا جائے گا۔

۱۰۱۔ مومنین کی شفاعت: یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا وعدہ دیا مثلاً ملائکہ، انبیاء، صالحین وغیرہ ہم وہ ہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے بدون اجازت کسی کو زبان ہلانے کی طاقت نہ ہو گی اور سفارش بھی ان ہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے حق میں سفارش کئے جانے کا وعدہ دے چکے۔ کافروں کے لئے شفاعت نہ ہو گی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾	٨٨۔ اور لوگ کہتے ہیں رحمٰن رکھتا ہے اولاد[١٠٢]
لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿٨٩﴾	٨٩۔ بیشک تم آپھنسے ہو بھاری چیز میں
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾	٩٠۔ ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور ٹکڑے ہو زمیں اور گر پڑیں پہاڑ ڈھے کر
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾	٩١۔ اس پر کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر اولاد[١٠٣]
وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾	٩٢۔ اور نہیں پھبتا رحمٰن کو کہ رکھے اولاد[١٠٤]
اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾	٩٣۔ کوئی نہیں آسمان اور زمین میں جو نہ آئے رحمٰن کا بندہ ہو کر[١٠٥]
لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾	٩٤۔ اُسکے پاس اُنکی شمار ہے اور گن رکھی ہے انکی گنتی
وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾	٩٥۔ اور ہر ایک اُن میں آئے گا اُسکے سامنے قیامت کے دن اکیلا[١٠٦]
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾	٩٦۔ البتہ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں اُنھوں نے نیکیاں اُنکو دے گا رحمٰن محبت[١٠٧]
فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾	٩٧۔ سو ہم نے آسمان کر دیا یہ قرآن تیری زبان میں اسی واسطے کہ خوشخبری سنادے توڈرنے والوں کو اور ڈرادے جھگڑالو لوگوں کو[١٠٨]
وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع ٦	٩٨۔ اور بہت ہلاک کر چکے ہم اُن سے پہلے جماعتیں آہٹ پاتا ہے تو اُن میں کسی کی یا سنتا ہے اُنکی بھنک[١٠٩]

۱۰۲۔ اللہ کے لئے اولاد کا بہتان: بہت آدمیوں نے تو غیر اللہ کو معبود ہی ٹھہرایا تھا، لیکن ایک جماعت وہ ہے جس نے خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کی۔ مثلاً نصاریٰ نے مسیحؑ کو بعض یہود نے عزیرؑ کو بیٹا کہا۔ اور بعض مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ العیاذ باللہ۔

۱۰۳۔ یہ عقیدہ شدید گستاخی ہے: یعنی یہ ایسی بھاری بات کہی گئی اور ایسا سخت گستاخانہ کلمہ منہ سے نکالا گیا جسے سن کر اگر آسمان زمین اور پہاڑ مارے ہول کے پھٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں۔ اس گستاخی پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے تو عالم تہ و بالا ہو جائے اور آسمان و زمین کے پرخچے اڑ جائیں۔ محض اس کا حلم مانع ہے کہ ان بیہودگیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کرتا۔ جس خداوند قدوس کی توحید پر آسمان، زمین، پہاڑ غرض ہر علوی و سفلی چیز شہادت دے رہی ہے انسان کی یہ جسارت کہ اس کے لئے اولاد کی احتیاج ثابت کرنے لگے۔ العیاذ باللہ۔

۱۰۴۔ اسکی شان تقدیس و تنزیہہ اور کمال غناء کے منافی ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ نصاریٰ جس غرض کے لئے اولاد کے قائل ہوئے ہیں یعنی کفارہ کا مسئلہ، خدا تعالیٰ کو "رحمٰن" مان کر اس کی ضرورت نہیں رہتی۔

۱۰۵۔ یعنی سب خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اور بندے ہی بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے پھر بندہ بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جس کے سب محکوم و محتاج ہوں اسے بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۱۰۶۔ اسکی بندگی سے کوئی باہر نہیں: یعنی ایک فرد بشر بھی اسکی بندگی سے باہر نہیں ہو سکتا۔ سب کو خدا کے سامنے جریدہ حاضر ہونا ہے۔ اس وقت تمام تعلقات اور ساز و سامان علیحدہ کر لئے جائیں گے۔ فرضی معبود اور بیٹے پوتے کام نہ دیں گے۔

۱۰۷۔ مقبول مومنین کی علامات: یعنی ان کو اپنی محبت دے گا، یا خود ان سے محبت کرے گا، یا خلق کے دل میں ان کی محبت ڈالے گا احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اول جبریل کو آگاہ کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی کر، وہ آسمانوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ آسمانوں سے اترتی ہوئی اس کی محبت زمین پر پہنچ جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندہ کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے ۔ یعنی بے تعلق لوگ جن کا کوئی خاص نفع و ضرر اس کی ذات سے وابستہ نہ ہو، اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے حسن قبول کی ابتداء مومنین صالحین اور خدا پرست لوگوں سے ہوتی ہے ان کے قلوب میں اول اس کی محبت ڈالی جاتی ہے بعدہٗ قبول عام حاصل ہو جاتا ہے۔ ورنہ ابتداءً محض طبقہ عوام میں حسن قبول حاصل ہونا اور بعد میں بعض خدا پرست صالحین کا بھی کسی غلط فہمی وغیرہ سے اس کی طرف جھکنا، مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں۔ خوب سمجھ لو (تنبیہ) یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں جن مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا، تھوڑے دنوں بعد ایسی طرح پورا ہوا کہ دنیا حیرت زدہ ہو گئی۔ حق تعالیٰ نے انکی وہ محبت و الفت اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کر دی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

۱۰۸۔ قرآن کی بشارت اور انذار: یعنی قرآن کریم نہایت سہل و صاف زبان میں کھول کھول کر پرہیزگاروں کو بشارت سناتا اور جھگڑالو لوگوں کو بدکرداریوں کے خراب نتائج سے خبردار کرتا ہے۔

۱۰۹۔ پچھلی قوموں کا بے نشان ہونا: یعنی کتنی ہی بدبخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جا چکیں۔ جن کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان کی لن ترانیوں کی ذرا سی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔ پس جو لوگ اس وقت نبی کریم ﷺ سے برسر مقابلہ ہو کر آیات اللہ کا انکار و استہزار کر رہے ہیں، وہ بے فکر نہ ہوں۔ ممکن ہے انکو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آگھیرے جو چشم زدن میں تہس نہس کر ڈالے۔

تم سورۃ مریم بحسن توفیقہ ونصرہ فلہٗ الحمد والمنّۃ

اٰیاتھا ۱۳۵　۲۰ سُوْرَۃُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ ۴۵　رکوعاتھا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰهٰ ﴿۱﴾

۱۔ طٰہٰ۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾

۲۔ اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾

۳۔ مگر نصیحت کے واسطے اُسکی جو ڈرتا ہے[۱]

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾

۴۔ اتارا ہوا ہے اُس کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے[۲]

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾

۵۔ وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا[۳]

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾

۶۔ اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور اُن دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے[۴]

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾

۷۔ اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اُسکو تو خبر ہے چھپی ہوئی بات کی اور اُس سے بھی چھپی ہوئی کی[۵]

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾

۸۔ اللہ ہے جسکے سوا بندگی نہیں کسی کی اُسی کے ہیں سب نام خاصے[۶]

۱۔ قرآن مشقت کے لئے نہیں: یعنی قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جنکے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں، وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔ یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کر کے خواہ مخواہ تم کو کسی محنت شاقہ اور تکلیف شدید میں مبتلا کیا جائے، نہ وہ ایسی چیز ہے جس کا حاصل و عامل کبھی محروم و ناکام رہے۔ آپ تکذیب کرنے والوں کی باتیں سن کر ملول اور تنگ دل نہ ہوں نہ ان کے پیچھے پڑ کر زیادہ تکلیف اٹھائیں۔ حق کا علمبردار ہی آخر کامیاب ہو کر رہے گا۔ آپ توسط کے ساتھ عبادت کرتے رہئے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابتداءً نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شب کو نماز میں کھڑے ہو کر بہت زیادہ قرآن پڑھتے تھے۔ کفار آپ کی محنت و ریاضت دیکھ کر کہتے کہ قرآن کیا اترا، بیچارے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سخت تکلیف اور محنت میں پڑ گئے۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا گیا کہ فی الحقیقت قرآن محنت و شقاء نہیں۔ رحمت و نور ہے، جس کو جتنا آسان ہو اسی قدر نشاط کے ساتھ پڑھنا چاہئے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (مزمل۔۳۰)۔

٢۔ قرآن خالق کا کلام ہے: اس لئے ضروری ہے کہ مخلوق نہایت خوشی کے ساتھ اس کو اپنے سر آنکھوں پر رکھے اور شہنشاہانہ احکام کی خلاف ورزی نہ کرے۔

٣۔ عرش الٰہی: استواء علی العرش کا مفصل بیان سورہ "اعراف" کے فوائد میں دیکھ لیا جائے "عرش" کے متعلق نصوص سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پائے ہیں اور خاص فرشتے اٹھانے والے ہیں اور آسمانوں کے اوپر قبہ کی طرح ہے۔ صاحب روح المعانی نے "عرش" اور "استواء علی العرش" پر اس آیت کے تحت میں نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ من شاء فلیراجعہ۔

٤۔ اللہ کی حکومت: یعنی وہی ایک خدا بلا شرکت غیرے آسمانوں سے زمین تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اسی کی تدبیر و انتظام سے کل سلسلے قائم ہیں۔ (تنبیہ) آسمان و زمین کی درمیانی مخلوق سے یا تو کائنات جوّ مراد ہیں جو دائمًا دونوں کے درمیان ہی رہتی ہیں۔ مثلاً ہوا، بادل وغیرہ اور یا وہ چیزیں بھی اس میں شامل ہوں جو اکثر ہوا میں پرواز کرتی ہیں جیسے پرند جانور اور "ثریٰ" (گیلی زمین) سے زمین کے نیچے کا طبقہ مراد ہے جو پانی کے قرب و اتصال کی وجہ سے تر رہتا ہے۔

٥۔ علم الٰہی کی وسعت: پہلے عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا۔ اس آیت میں علم الٰہی کی وسعت کا تذکرہ ہے۔ یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اس علام الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی خبر ہے۔ جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے، اور جو دل میں گذرے اور ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گذری آئندہ گذرنے والی ہو، حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ اسی لئے بلا ضرورت بہت زور سے چلا کر ذکر کرنے کو بھی علمائے شریعت نے منع کیا ہے۔ جن مواقع میں ذکر با آواز بلند منقول ہے یا بعض مصالح معتبرہ کی بناء پر تجربہ کاروں کے نزدیک نافع سمجھا گیا ہے، وہ عموم نہی سے مستثنیٰ ہوں گے۔

٦۔ اللہ کے اسمائے حسنیٰ: آیات بالا میں جو صفات حق تعالیٰ کی بیان ہوئی ہیں (یعنی اس کا خالق الکل، مالک علی الاطلاق، رحمٰن، قادر مطلق اور صاحب علم محیط ہونا) ان کا اقتضاء یہ ہے کہ الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو بجز اس کے کسی دوسرے کے آگے سر عبودیت نہ جھکایا جائے۔ کیونکہ نہ صرف صفات مذکورہ بالا بلکہ کل عمدہ صفات اور اچھے نام اسی کی ذات منبع الکمالات کے لئے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسری ہستی اس شان و صفت کی موجود نہیں جو معبود بن سکے۔ نہ ان صفتوں اور ناموں کے تعدد سے اس کی ذات میں تعدد آتا ہے۔ جیسا کہ بعض جہال عرب کا خیال تھا کہ مختلف ناموں سے خدا کو پکارنا دعوائے توحید کے مخالف ہے۔

وَهَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۘ﴿۹﴾	٩۔ اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی [٧]
اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾	١٠۔ جب اُس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس اُس میں سے سلگا کر یا پاؤں آگ پر پہنچ کر رستہ کا پتہ
فَلَمَّاۤ اَتٰٮهَا نُوۡدِىَ يٰمُوۡسٰى ؕ﴿۱۱﴾	١١۔ پھر جب پہنچا آگ کے پاس آواز آئی اے موسیٰ [٨]

اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ؕ﴿۱۲﴾	١٢۔ میں ہوں تیرا رب سو اتار ڈال اپنی جوتیاں تو ہے پاک میدان طوٰی میں[٩]
وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿۱۳﴾	١٣۔ اور میں نے تجھ کو پسند کیا ہے سو تو سنتا رہ جو حکم ہو[١٠]
اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾	١٤۔ میں جو ہوں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کر اور نماز قائم رکھ میری یادگاری کو[١١]
اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾	١٥۔ قیامت بیشک آنے والی ہے میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں اُسکو[١٢] تا کہ بدلہ ملے ہر شخص کو جو اُس نے کمایا ہے[١٣]
فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾	١٦۔ سو کہیں تجھ کو نہ روک دے اُس سے وہ شخص جو یقین نہیں رکھتا اُس کا اور پیچھے پڑ رہا ہے اپنے مزوں کے پھر تو بھی پٹکا جائے[١٤]

٧۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ اور اس کا ربط: یہاں سے حضرت موسٰیؑ کا قصہ بہت بسط و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تا کہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی کریم ﷺ کی طرف قرآن کی وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس طرح پیشتر موسٰیؑ کو وحی مل چکی ہے، آپ کو بھی ملی، جیسے موسٰیؑ کی وحی توحید وغیرہ کی تعلیم پر مشتمل تھی، آپ کی وحی میں بھی ان ہی اصول پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت موسٰیؑ نے تبلیغ حق میں جو صعوبات و شدائد برداشت کیں، آپ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح انکو آخر کار کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مقہور و مخذول ہوئے، آپ بھی یقیناً غالب و منصور ہوں گے اور آپ کے دشمن تباہ و ذلیل کئے جائیں گے۔ چونکہ سورت کا آغاز انزال قرآن کے ذکر سے کیا گیا تھا اس کے مناسب نبوت موسوی کے آغاز کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

٨۔ طور پر حضرت موسٰی علیہ السلام کو آگ کا نظر آنا: اس قصہ کے مختلف اجزاء سورہ قصص، سورہ طٰہٰ اور سورہ اعراف میں سے جمع کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا واقعہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی سے حضرت موسٰیؑ کا نکاح ہو گیا تھا۔ کئی سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسٰیؑ نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ حاملہ بیوی ہمراہ تھی، رات اندھیری تھی، سردی کا شباب تھا، بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے بکریاں متفرق ہو گئیں اور بیوی کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی چقماق مارنے سے بھی آگ نہ نکلی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعۃً دور سے ایک آگ نظر

آئی۔ وہ حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی۔ اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا (جس کا ذکر مسلم کی حدیث میں آیا ہے) موسیٰؑ نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لا سکوں یا وہاں پہنچ کر کوئی راستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے۔ کہتے ہیں کہ اس پاک میدان میں پہنچ کر عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک درخت میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے۔ اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی و شادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰؑ نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھالائیں، لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی۔

حق تعالیٰ کا خطاب: اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ گویا وہ درخت بلا تشبیہ اس وقت غیبی ٹیلی فون کا کام دے رہا تھا۔ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰؑ نے جب "یاموسیٰ" سنا تو کئی بار "لبیک" کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے۔ آواز آئی۔ "میں تیرے اوپر ہوں تیرے ساتھ ہوں تیرے سامنے ہوں تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہوں"۔ کہتے ہیں کہ موسیٰؑ ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔

۹۔ وادی طُویٰ: "طُویٰ" اس میدان کا نام ہے۔ شاید وہ میدان پہلے سے متبرک تھا یا اب ہو گیا۔ موسیٰؑ کی جوتیاں ناپاک تھیں اس لئے اتروادی گئیں۔ باقی موزہ یا جوتہ پاک ہو تو اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں پورا مسئلہ فقہ میں دیکھنا چاہیئے۔

۱۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام الٰہی: "پسند کیا ہے" یعنی تمام جہان میں سے نبوت و رسالت اور شرف مکالمہ کے لئے چھانٹ لیا اس لئے آگے جو احکام دیے جائیں انہیں غور و توجہ سے سنو۔

۱۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز کا حکم: اس میں خالص توحید اور ہر قسم کی بدنی و مالی عبادت کا حکم دیا۔ نماز چونکہ اہم العبادات تھی اس کا ذکر خصوصیت سے کیا تھا اور اس پر بھی متنبہ فرما دیا گیا کہ نماز سے مقصود اعظم خدا تعالیٰ کی یادگاری ہے۔ گویا نماز سے غافل ہونا خدا کی یاد سے غافل ہونا ہے اور ذکر اللہ (یاد خدا) کے متعلق دوسری جگہ فرمایا۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ یعنی کبھی بھول چوک ہو جائے تو جب یاد آ جائے اسے یاد کرو۔ یہ ہی حکم نماز کا ہے کہ وقت پر غلفت و نسیان ہو جائے تو یاد آنے پر قضا کر لے فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا۔

۱۲۔ قیامت کی گھڑی کا اخفاء: یعنی اس کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں، حتیٰ کہ اگر خود اپنے سے چھپانا ممکن ہوتا تو اپنے سے بھی مخفی رکھتا، لیکن یہ ممکن ہی نہیں۔ وفیہ من المبالغۃ کما فی الحدیث لَا تَعْلَمُ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ و کما قال الشاعر ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم　　　گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

اور اگر بہت سے مصالح باعث اظہار نہ ہوتیں تو جتنا اجمالی اظہار کیا گیا یہ بھی نہ کیا جاتا۔

۱۳۔ قیامت اعمال کی جزا کے لئے ہے: یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد کا بدلہ ملے اور مطیع و عاصی میں کوئی التباس و اشتباہ باقی نہ رہے یہ توحید و عبادت کے بعد عقیدہ معاد کی تعلیم ہوئی۔

۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بری صحبت سے بچنے کا حکم: نہ روک نہ دے اس سے یعنی قیامت پر یقین رکھنے سے یا نماز سے۔ اللہ نے موسیٰؑ کو برے کی صحبت سے منع کیا تو اور کوئی کس شمار میں ہے۔ کذا فی الموضح۔ غرض یہ ہے کہ دنیا پرست کافر کی چاپلوسی یا زیادہ نرمی اور مداہنت اختیار نہ کی جائے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ آدمی بلند مقام سے نیچے پٹک دیا جائے العیاذ باللہ۔

وَ مَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿١٧﴾

١٧۔ اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسٰی[١٥]

قَالَ هِىَ عَصَاىَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىۡ وَلِىَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى ﴿١٨﴾

١٨۔ بولا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر اور میرے اس میں چند کام ہیں اور بھی[١٦]

قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ﴿١٩﴾

١٩۔ فرمایا ڈالدے اُسکو اے موسٰی

فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ﴿٢٠﴾

٢٠۔ تو اُسکو ڈال دیا پھر اسی وقت وہ تو سانپ ہو گیا دوڑتا ہوا[١٧]

قَالَ خُذۡهَا وَ لَا تَخَفۡ ٚ سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ﴿٢١﴾

٢١۔ فرمایا پکڑ لے اُسکو اور مت ڈر ہم ابھی پھیر دیں گے اُسکو پہلی حالت پر[١٨]

وَ اضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰى ۙ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ اور ملالے اپنا ہاتھ اپنی بغل سے کہ نکلے سفید ہو کر بلا عیب[١٩] یہ نشانی دوسری

لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا الۡكُبۡرٰى ۚ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ تا کہ دکھاتے جائیں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی[٢٠]

اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۧ ﴿٢٤﴾ ع ١٤ ١٠

٢٤۔ جا طرف فرعون کے کہ اُس نے بہت سر اٹھایا

١٥۔ لاٹھی کے بارے میں سوال: یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ چونکہ معجزات دیکر فرعون کی طرف بھیجے جانے والے تھے اس لئے اولاً معجزہ عصا کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہ سوال کہ تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے، اس غرض سے تھا کہ موسٰیؑ اپنی لاٹھی کی حقیقت اور اس کے منافع کو خوب مستحضر کر لیں تا جو خارق عادت چیز پیش آنے والی تھی اس کا معجزہ ہونا پوری طرح واضح، مستحکم اور اوقع فی النفس ہو۔ یعنی اس وقت خوب دیکھ بھال کر اور جانچ تول کر بتلاؤ، تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ مبادا سانپ بن جانے پر وہم کرنے لگو کہ شاید میں غلطی سے ہاتھ میں لاٹھی نہ لایا ہوں کچھ اور لے آیا ہوں۔ اللہ اکبر وللہ الحمد۔

١٦۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا جواب: یعنی اس میں شبہ کیا ہے۔ وہ ہی لاٹھی ہے جسے ہمیشہ ہاتھ میں رکھتا ہوں، اس پر ٹیک لگاتا ہوں، بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، دشمن کو اور موذی جانوروں کو دفع کرتا ہوں اور بہت سی ضرورتوں میں لاٹھی کا کام لیتا ہوں۔

١٧۔ لاٹھی کا سانپ بن جانا: یعنی لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ لاٹھی کی جگہ ایک اژدھا نظر آیا۔ جو پتلے سانپ کی طرح تیزی سے دوڑتا تھا۔ موسٰیؑ

ناگہاں یہ انقلاب دیکھ کر بمقتضائے بشریت خوفزدہ ہوگئے۔

۱۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طبعی خوف: یعنی ہاتھ میں آکر پھر لاٹھی ہو جائے گی۔ کہتے ہیں ابتداء میں موسیٰؑ کو پکڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی آخر کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر پکڑنے لگے۔ فرشتہ نے کہا "موسیٰ! کیا خدا اگر بچانا نہ چاہے تو یہ چیتھڑا تجھے بچا سکتا ہے؟" "موسیٰ نے کہا۔" نہیں لیکن میں کمزور مخلوق ہوں اور ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں۔" پھر حضرت موسیٰؑ نے ہاتھ سے کپڑا ہٹا کر اژدھے کے منہ میں دے دیا۔ ہاتھ ڈالنا تھا کہ وہی لاٹھی ہاتھ میں دیکھی۔

۱۹۔ ید بیضاء: یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔ اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی نہ ہو گی جو عیب سمجھی جائے۔

۲۰۔ یعنی عصا اور ید بیضاء کے معجزے ان نشانیوں میں سے دو ہیں جن کا دکھلانا تم کو منظور ہے۔

قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ﴿۲۵﴾	۲۵۔ بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ [۲۱]
وَ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۲۶﴾	۲۶۔ اور آسان کر میرا کام [۲۲]
وَ احۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اور کھول دے گرہ میری زبان سے
یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ کہ سمجھیں میری بات [۲۳]
وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا
هٰرُوۡنَ اَخِی ﴿۳۰﴾	۳۰۔ ہارون میرا بھائی [۲۴]
اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِیۡ ﴿۳۱﴾	۳۱۔ اُس سے مضبوط کر میری کمر
وَ اَشۡرِکۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۳۲﴾	۳۲۔ اور شریک کر اُسکو میرے کام میں [۲۵]
کَیۡ نُسَبِّحَكَ کَثِیۡرًا ﴿۳۳﴾	۳۳۔ کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم بہت سا
وَّ نَذۡکُرَكَ کَثِیۡرًا ﴿۳۴﴾	۳۴۔ اور یاد کریں ہم تجھ کو بہت سا [۲۶]
اِنَّكَ کُنۡتَ بِنَا بَصِیۡرًا ﴿۳۵﴾	۳۵۔ تو تو ہے ہم کو خوب دیکھتا [۲۷]

قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۳٦﴾

۳٦۔ فرمایا ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ[۲۸]

۲۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: یعنی حلیم و بردبار اور حوصلہ مند بنا دے کہ خلاف طبع دیکھ کر جلد خفا نہ ہوں اور ادائے رسالت میں جو سختیاں پیش آئیں ان سے نہ گھبراؤں بلکہ کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے برداشت کروں۔

۲۲۔ یعنی ایسے سامان فراہم کر دے کہ یہ عظیم الشان کام آسان ہو جائے۔

۲۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: زبان لڑکپن میں جل گئی تھی (جس کا قصہ تفاسیر میں ہے) صاف نہ بول سکتے تھے، اس لئے یہ دعا کی۔

۲۴۔ یہ عمر میں حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے۔

۲۵۔ یعنی دعوت و تبلیغ کے کام میں ایک دوسرے کا معین و مددگار ہو۔

۲٦۔ یعنی دونوں مل کر دعوت و تبلیغ کے موقع پر بہت زور شور سے تیری پاکی اور کمالات بیان کریں۔ اور مواضع دعوت سے قطع نظر جب ہر ایک کو دوسرے کی معیت سے تقویت قلب حاصل ہو گی تو اپنی خلوتوں میں نشاط و طمانیت کے ساتھ تیرا ذکر بکثرت کر سکیں گے۔

۲۷۔ یعنی ہمارے تمام احوال کو تو دیکھ رہا ہے اور جو دعا میں کر رہا ہوں یہ بھی تجھے خوب معلوم ہے کہ اس کا قبول فرمانا ہمارے لئے کہاں تک مفید ہو گا اگر تجھے ہمارے حال و استعداد کی پوری خبر نہ ہوتی تو نبوت و رسالت کے لئے ہم کو منتخب ہی کیوں کرتا اور ایسے سخت دشمن (فرعون) کی طرف کیوں بھیجتا یقیناً جو کچھ آپ نے کیا خوب دیکھ بھال کر کیا ہے۔

۲۸۔ دعا کی قبولیت: یعنی جو کچھ تم نے مانگا خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو دیا گیا۔

وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰٓى ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور احسان کیا تھا ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی[۲۹]

اِذۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوۡحٰٓى ﴿۳۸﴾

۳۸۔ جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں[۳۰]

اَنِ اقۡذِفِيۡهِ فِى التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِيۡهِ فِى الۡيَمِّ
فَلۡيُلۡقِهِ الۡيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّىۡ وَ عَدُوٌّ
لَّهٗ ‌ؕ وَ اَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّىۡ ۚ وَ لِتُصۡنَعَ
عَلٰى عَيۡنِىۡ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ کہ ڈال اُسکو صندوق میں پھر اُسکو ڈال دے دریا میں پھر دریا اُسکو لے ڈالے کنارے پر اٹھالے اُسکو ایک دشمن میرا اور اُس کا[۳۱] اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے[۳۲] اور تاکہ پرورش پائے تو میری آنکھ کے سامنے[۳۳]

اِذۡ تَمۡشِىۡۤ اُخۡتُكَ فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى مَنۡ
يَّكۡفُلُهٗ ‌ؕ فَرَجَعۡنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَ لَا

۴۰۔ جب چلنے لگی تیری بہن اور کہنے لگی میں بتاؤں تمکو ایسا شخص جو اُسکو پالے پھر پہنچا دیا ہم نے تجھ کو تیری ماں کے پاس کہ ٹھنڈی رہے اُسکی آنکھ اور غم نہ کھائے[۳۴]

تَحۡزَنَ ۬ؕ وَ قَتَلۡتَ نَفۡسًا فَنَجَّیۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ وَ
فَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا ۬ۚ فَلَبِثۡتَ سِنِیۡنَ فِیۡۤ اَهۡلِ مَدۡیَنَ ۬ۙ
ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوۡسٰی ﴿۴۰﴾

اور تو نے مار ڈالا ایک شخص کو پھر بچا دیا ہم نے تجھ کو اُس غم سے[۳۵] اور جانچا ہم نے تجھ کو ایک ذرا جانچنا[۳۶] پھر ٹھہرا رہا تو کئی برس مدین والوں میں پھر آیا تو تقدیر سے اے موسٰی[۳۷]

وَ اصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِیۡ ﴿۴۱﴾ۚ

۴۱۔ اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے[۳۸]

اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ اَخُوۡكَ بِاٰیٰتِیۡ وَ لَا تَنِیَا فِیۡ ذِكۡرِیۡ ﴿۴۲﴾ۚ

۴۲۔ جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لیکر اور سستی نہ کریو میری یاد میں[۳۹]

اِذۡهَبَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ۚۖ

۴۳۔ جاؤ طرف فرعون کی اُس نے بہت سر اٹھایا[۴۰]

فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی ﴿۴۴﴾

۴۴۔ سو کہو اُس سے بات نرم شاید وہ سوچے یا ڈرے[۴۱]

۲۹۔ یعنی ہم تو پہلے ایک مرتبہ بے مانگے تجھ پر بڑا بھاری احسان کر چکے ہیں، پھر اب ایک مناسب چیز مانگنے پر کیوں نہ دیں گے۔

۳۰۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی والدہ کا قصہ: یعنی خواب میں یا بیداری میں بطور الہام کے یا اس زمانہ کے کسی نامعلوم الاسم نبی کی زبانی تیری ماں کو وہ حکم بھیجا۔ جس کا بھیجا جانا مناسب تھا۔ (اس کی تفصیل آگے مذکور ہے اَنِ اقۡذِفِیۡهِ الخ (تنبیہ) لفظ "ایحاء" سے حضرت موسٰیؑ کی والدہ کا نبیہ ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ تقریر بالا سے ظاہر ہے۔ نبی وہ ہے جس کی طرف احکام کی وحی آئے اور ان کی تبلیغ کا مامور ہو۔ یہاں یہ تعریف صادق نہیں آتی۔

۳۱۔ بچہ کو دریا میں ڈالنے کا حکم: یعنی موسٰیؑ کو (جو اس وقت نوزائیدہ بچہ تھے) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا کو ہمارا حکم ہے کہ اسے بحفاظت تمام ایک خاص کنارہ پر لگائے گا جہاں سے اس کو وہ شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچہ کا بھی واقعہ یہ ہے کہ فرعون اس سال منجموں کے کہنے سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو چن چن کر قتل کر رہا تھا۔ جب موسٰیؑ پیدا ہوئے ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا اس وقت حق تعالٰی کی طرف سے یہ تدبیر الہام ہوئی۔ موسٰیؑ کی والدہ نے صندوق نہر میں ڈال دیا۔ دریا کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں گذرتی تھی اس میں سے ہو کر صندوق کنارے جا لگا، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے (جو نہایت پاکباز اسرائیلی خاتون تھی) بچہ کو اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا کہ آؤ ہم تم اسے بیٹا بنالیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آئی۔ گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا (جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوا ہے) مگر آسیہ کی خاطر سے بیٹوں کی طرح پرورش کیا اور اس طرح حق تعالٰی کی عجیب و غریب قدرت کا ظہور ہوا۔ (تنبیہ) فرعون کو خدا کا دشمن اس لئے کہا کہ وہ حق کا دشمن تھا اور خدا کے بالمقابل خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور موسٰیؑ کا دشمن اس لئے فرمایا کہ فی الحال تمام اسرائیلی بچوں کے ساتھ سخت دشمنی کر رہا تھا۔ اور آئندہ چل کر خاص موسٰیؑ کے ساتھ علانیہ دشمنی کا اظہار کرنے والا تھا۔

٣٢۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر القائے محبت: یعنی ہم نے اپنی طرف سے اس وقت مخلوق کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ جو دیکھے محبت اور پیار کرے یا اپنی ایک خاص محبت تجھ پر ڈال دی کہ تو محبوب خدا بن گیا۔

٣٣۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دینا اس غرض سے تھا کہ ہماری نگرانی و حفاظت میں تیری پرورش کی جائے۔ ایسے سخت دشمن کے گھر میں تربیت پاتے ہوئے بھی کوئی تیرا بال بیکا نہ کر سکے۔

٣٤۔ ماں اور بچے کا یکجا ہونا: پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ صندوق نہر میں چھوڑنے کے بعد بمقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہو گا، معلوم نہیں زندہ ہے یا جانوروں نے کھالیا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن کو کہا کہ تو خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی انّائیں بلائی گئیں، کامیابی نہ ہوئی۔ موسیٰؑ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھی، بولی کہ میں ایک عورت کو لا سکتی ہوں، امید ہے کہ وہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ۔ وہ موسیٰؑ کی والدہ کو لے کر پہنچی۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ موسیٰؑ کی والدہ نے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی اجازت دو کہ اپنے گھر لے جاؤں اور پوری حفاظت و اہتمام سے بچہ کو پرورش کروں آخر فرعون کی طرف سے بطور دایہ کے بچہ کی تربیت پر مامور ہو کر اپنے گھر لے آئیں اور شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ موسیٰؑ کی تربیت میں لگی رہیں۔

٣٥۔ قبطی کا مارا جانا: یہ پورا قصہ سورہ قصص میں آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جوان ہونے کے بعد موسیٰؑ کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تھا، موسیٰؑ ڈرے کہ دنیا میں پکڑا جاؤں گا اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گا۔ دونوں قسم کی پریشانی سے خدا تعالیٰ نے نجات دی اخروی پریشانی سے اس طرح کہ توبہ کی توفیق بخشی جو قبول ہو گئی اور دنیوی سے اس طرح کہ موسیٰؑ کو مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا جہاں حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہو گیا۔ پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔

٣٦۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرح جانچا جس میں تم کھرے ثابت ہوئے۔ (تنبیہ) اس موقع پر مفسرین نے حدیث الفتون کے عنوان سے ایک نہایت طویل روایت ابن عباس کی نقل کی ہے جس کے متعلق حافظ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ وَھُوَ موقوفٌ مِنْ کلام ابن عباس ولیس فیه مرفوع الا قلیل منه وکانه تلقّاہ ابن عباس مما اُبِیح نقله من الا سرائیلیات من کعب الاحبار وغیرہ واللہ اعلم وسمعت شیخنا الحافظ ابا الحجاج المزّی یقول ذلك ایضًا۔

٣٧۔ تقدیر کا غالب آنا: یعنی اب مدین سے نکل کر راستہ بھولا اور تقدیر سے یہاں پہنچ گیا جس کا تجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ سچ ہے خدا کی دین کا موسیٰؑ سے پوچھیے احوال۔ کہ لینے آگ کو جائیں پیمبری مل جائے۔

٣٨۔ یعنی اپنی وحی و رسالت کے لئے تیار کر کے اپنے خواص و مقربین میں داخل کیا اور جس طرح خود چاہا تیری پرورش کرائی۔

٣٩۔ ذکر اللہ کی تاکید: یعنی جس کام کے لئے بنائے گئے ہو، وقت آگیا ہے کہ اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر اس کے لئے نکل کھڑے ہو اور جو دلائل و معجزات تم کو دیے گئے ہیں ضرورت کے وقت ظاہر کرو۔ چونکہ موسیٰؑ پیشتر دعا کرتے وقت کہہ چکے تھے کَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا۔ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا یہاں وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ کہہ کر وہ بات یاد دلا دی۔ یعنی اللہ کے نام کی تبلیغ میں پوری مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال و اوقات میں عمومًا اور دعوت و تبلیغ کے وقت خصوصًا اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ کہ اہل اللہ کے لئے کامیابی کا بڑا ذریعہ اور دشمن کے مقابلہ میں بہترین ہتھیار یہی ہے۔ حدیث میں ہے وانّ عبدی کل عبدی الذی یذکرنی وھو مناجز قرنه۔

٤٠۔ فرعون کی طرف بھیجا جانا: پہلے جانے کا حکم دیا تھا۔ اب مقام بتلا دیا۔ کہ کہاں کس کے پاس جانا ہے اور جملہ آگے آنے والے کلام کی تمہید ہے۔

٤١۔ فرعون سے نرم گفتگو کی تعلیم: یعنی دعوت تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے وقت نرم، آسان رقت انگیز اور بلند بات کہو۔ گو اس کے تمرد وطغیان کو

دیکھتے ہوئے قبول کی امید نہیں۔ تاہم تم یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کر لے یا اللہ کے جلال و جبروت کو سن کر ڈر جائے اور فرمانبرداری کی طرف جھک پڑے۔ گفتگو نرمی سے کرو۔ اس سے دعاۃ و مبلغین کے لئے بہت بڑا دستور العمل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (نحل۔۱۲۵)

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾

۴۵۔ بولے اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبک پڑے ہم پر یا جوش میں آجائے [۴۲]

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

۴۶۔ فرمایا نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں [۴۳]

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

۴۷۔ سو جاؤ اُسکے پاس اور کہو ہم دونوں بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے سو بھیجدے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور مت ستا اُنکو [۴۴] ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لیکر تیرے رب کی [۴۵] اور سلامتی ہو اُسکی جو مان لے راہ کی بات

اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

۴۸۔ ہم کو حکم ملا ہے کہ عذاب اُس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ پھیرلے [۴۶]

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾

۴۹۔ بولا پھر کون ہے رب تم دونوں کا اے موسٰی [۴۷]

قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾

۵۰۔ کہا رب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اُسکی صورت پھر راہ سجھائی [۴۸]

۴۲۔ **حضرت موسٰی وہارون کا اندیشہ:** یعنی اس کے ڈرنے کی امید تو بعد کو ہوگی، فی الحال اپنی بے سروسامانی اور اس کے جاہ و جلال پر نظر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ وہ ہماری بات سننے کے لئے آمادہ بھی ہو گا یا نہیں۔ ممکن ہے ہماری پوری بات سننے سے پہلے ہی وہ بھبک پڑے یا سننے کے بعد غصہ میں بپھر جائے اور تیری شان میں زیادہ گستاخی کرنے لگے۔ یا ہم پر دست درازی کرے جس سے اصل مقصد فوت ہو جائے (تنبیہ) موسٰیؑ کے اس خوف اور شرح صدر میں کچھ منافات نہیں۔ کاملین بلاء کے نزول سے پہلے ڈرتے ہیں اور استعاذہ کرتے ہیں۔ لیکن جب آ پڑتی ہے اس وقت پورے حوصلہ اور کشادہ دلی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

۴۳۔ حق تعالیٰ کی معیّت: یعنی جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں میں کسی وقت تم سے جدا نہیں، میری حمایت و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

۴۴۔ فرعون کو پیغام دعوت: اس میں تین چیزوں کی طرف دعوت دی گئی۔ (۱) فرعون کا اور سب مخلوقات کا کوئی رب ہے جو رسول بھیجتا ہے (۲) ہم دونوں اس کے رسول ہیں لہٰذا ہماری اطاعت اور رب کی عبادت کرنی چاہیئے۔ گویا اس جملہ میں اصل ایمان کی دعوت دی گئی اسی کو "نازعات" میں اس طرح ادا کیا ہے۔ فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ۔ وَ اَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى (۱۸،۱۹) آگے (۳) تیسری چیز وہ ہے جس کی اس وقت خاص ضرورت تھی۔ یعنی بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی ذلت آمیز اور درد انگیز غلامی سے نجات دلانا۔ مطلب یہ ہے کہ اس شریف و نجیب الاصل خاندان پر ظلم و ستم مت توڑ اور ذلیل ترین غلامی سے آزادی دے کر ہمارے ساتھ کر دے۔ جہاں چاہیں آزادانہ زندگی بسر کریں۔

۴۵۔ یعنی ہمارا دعویٰ رسالت بے دلیل نہیں۔ بلکہ اپنی صداقت پر خدائی نشان لیکر آئے ہیں۔

۴۶۔ یعنی جو ہماری بات مان کر سیدھی راہ چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں سلامتی ہے۔ اور جو تکذیب یا اعراض کرے گا اس کے لئے عذاب یقینی ہے۔ خواہ صرف آخرت میں یا دنیا میں بھی۔ اب تم اپنا انجام سوچ کر جو راستہ چاہو اختیار کر لو۔

۴۷۔ فرعون کا سوال: یعنی تم اپنے کو جس رب کا بھیجا ہوا بتلاتے ہو وہ رب کون ہے اور کیسا ہے (اس سوال سے مترشح ہوتا ہے کہ فرعون دہری عقیدہ کی طرف مائل ہو گا یا محض دق کرنے کے لئے ایسا سوال کیا ہو)۔

۴۸۔ وجود صانع کی تقریر: یعنی ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق شکل صورت، قویٰ، خواص وغیرہ عنایت فرمائے۔ اور کامل حکمت سے جیسا بنانا چاہیئے تھا بنایا۔ پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود و بقا کے لئے جن سامانوں کی ضرورت تھی۔ مہیا کئے اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامانوں سے کام لینے کی راہ سمجھائی۔ پھر ایسا محکم نظام دکھلا کر ہم کو بھی ہدایت کر دی کہ مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر کس طرح استدلال کرنا چاہیئے۔ فللہ الحمد والمنۃ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کھانے پینے کو ہوش دیا۔ بچہ کو دودھ پینا وہ نہ سکھائے تو کوئی نہ سکھا سکے۔"

قَالَ فَمَا بَالُ الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰى ﴿۵۱﴾

۵۱۔ بولا پھر کیا حقیقت ہے اُن پہلی جماعتوں کی

قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ فِىۡ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىۡ وَلَا يَنۡسَى ﴿۵۲﴾

۵۲۔ کہا اُنکی خبر میرے رب کے پاس لکھی ہوئی ہے نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے [۴۹]

الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّسَلَكَ لَـكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

۵۳۔ وہ ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے زمین کو بچھونا اور چلائیں تمہارے لئے اُس میں راہیں [۵۰] اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اُس سے طرح طرح کی سبزی [۵۱]

ع ٢ ١١

كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾	۵۴۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو [۵۲] البتہ اُس میں نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو [۵۳]
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾	۵۵۔ اسی زمین میں ہم نے تمکو بنایا اور اسی میں تمکو پھر پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تمکو دوسری بار [۵۴]
وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰی ﴿۵۶﴾	۵۶۔ اور ہم نے فرعون کو دکھلا دیں اپنی سب نشانیاں پھر اُس نے جھٹلایا اور نہ مانا [۵۵]
قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۵۷﴾	۵۷۔ بولا کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اے موسٰی [۵۶]
فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًی ﴿۵۸﴾	۵۸۔ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا لے ہمارے اور اپنے بیچ میں ایک وعدہ نہ ہم خلاف کریں اُس کا اور نہ تو ایک میدان صاف میں [۵۷]
قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَ اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی ﴿۵۹﴾	۵۹۔ کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ جمع ہوں لوگ دن چڑھے [۵۸]

۴۹۔ فرعون کے سوال پر حضرت موسٰی علیہ السلام کا جواب: یعنی اگر خدا تعالیٰ کے وجود پر ایسی روشن دلیلیں قائم ہو چکی ہیں اور جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو، وہ حق ہے تو گذشتہ اقوام کے متعلق کچھ بیان کرو، آخر ان میں سے بہتوں نے ایسے واضح دلائل کی موجودگی میں حق کو کیوں قبول نہ کیا؟ اور قبول نہ کرنے کی صورت میں کیا وہ سب کی سب تباہ کر دی گئیں۔ اگر تم پیغمبر ہو تو سب اقوام کے تفصیلی حالات تم کو ضرور معلوم ہونے چاہئیں یہ سب لایعنی اور دور از کار قصے فرعون نے اس لئے چھیڑے کے حضرت موسٰیؑ کے مضامین ہدایت کو ان فضول باتوں میں رلا دے۔ حضرت موسٰیؑ نے فرمادیا کہ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا ضروری نہیں ہر قوم کے حالات کا تفصیلی علم حق تعالیٰ کو ہے جو بعض مخفی مصالح کی بناء پر کتاب (لوح محفوظ) میں ثبت بھی کر دیا گیا۔ اللہ کے علم سے نہ کوئی چیز ابتداءً غائب ہو سکتی ہے اور نہ علم میں آئی ہوئی چیز کو ایک سیکنڈ کے لئے بھول سکتا ہے۔ جو اعمال کسی قوم نے کسی وقت کئے ہیں سب کا ذرہ ذرہ حساب لکھا ہوا موجود ہے جو وقت پر پیش کر دیا جائے گا۔

۵۰۔ یعنی وادیوں دریاؤں اور پہاڑوں کے بیچ میں سے زمین پر راہیں نکال دیں جن پر چل کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکتے ہو۔

۵۱۔ وجود باری تعالیٰ اور توحید کی تبلیغ: یعنی پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کی سبزیاں، غلے اور پھول پھل پیدا کر دیے۔

۵۲۔ یعنی عمدہ غذائیں تم کھاتے ہو، جو تمہارے کام کی نہیں وہ اپنے مویشیوں کو کھلاتے ہو جن کی محنت سے ساری پیدوار حاصل ہوئی ہے۔

۵۳۔ یہ فرمایا ہے دہریوں کی آنکھ کھولنے کو۔ یعنی اس کی تدبیریں اور قدرتیں دیکھو۔ اگر عقل ہے تو سمجھ لوگے کہ یہ مضبوط و محکم انتظامات یوں ہی بخت واتفاق سے قائم نہیں ہو سکتے۔ گویا ان آیات میں وجود باری اور توحید کی طرف توجہ دلائی۔ آگے معاد کا ذکر ہے۔

۵۴۔ انسان کا آغاز وانجام: سب کے باپ آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی سے نکلتی ہیں، مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو جلد یا بدیر مٹی میں مل جانا ہے۔ اسی طرح حشر کے وقت بھی ان اجزاء کو جو مٹی میں مل گئے تھے دوبارہ جمع کر کے از سر نو پیدا کر دیا جائے گا اور جو قبروں میں مدفون تھے وہ ان سے باہر نکالے جائیں گے۔

۵۵۔ فرعون کے لئے اتمام حجت: یعنی جو آیات اس کو دکھلانا منظور تھیں، سب دکھلا دیں۔ مثلاً القائے عصاء اور ید بیضاء وغیرہ مع اپنے متعلقات وتفاصیل کے۔ اس پر بھی بدبخت نہ مانا اور جحود وتکذیب پر اڑا رہا۔

۵۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کا مناظرہ: فرعون نے یہ بات اپنی قوم "قبط" کو موسیٰؑ کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لئے کہی۔ یعنی موسیٰؑ کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جادو کے زور سے ہم کو نکال باہر کرے اور ساحرانہ ڈھونگ بنا کر عوام کی جمعیت اپنے ساتھ کر لے اس طرح قبطیوں کے تمام املاک واموال پر قابض ہو جائے۔

۵۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مقابلے کی دعوت: یعنی تو اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہمارے یہاں بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں۔ بہتر ہو گا کہ ان سے مقابلہ ہو جائے۔ پس جس دن اور جس جگہ مقابلہ کرنا چاہے تجھے اس کی تعیین کا اختیار دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ جو وقت معین ہو جائے اس سے کوئی فریق گریز نہ کرے اور جگہ ایسی ہو جہاں فریقین کو آنے اور بیٹھنے میں یکساں سہولت حاصل ہو۔ نشست وغیرہ میں راعی ورعایا، یا حاکم ومحکوم اور بڑے چھوٹے کا کوئی سوال نہ ہو، ہر ایک فریق آزادی سے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکے اور میدان بھی کھلا ہو ہموار اور صاف ہو کہ تماشہ دیکھنے والے سب بے تکلف مشاہدہ کر سکیں۔

۵۸۔ مقابلے کی تاریخ: پیغمبروں کے کام میں کوئی تلبیس وتلمیع نہیں ہوتی، ان کا معاملہ کھلم کھلا صاف صاف ہوتا ہے۔ موسیٰؑ نے فرمایا کہ بہتر ہے جو بڑا میلہ اور جشن تمہارے یہاں ہوتا ہے اسی روز جب دن چڑھ جائے اس وقت میدان مقابلہ قائم ہو۔ یعنی میلہ میں جہاں زیادہ سے زیادہ مخلوق جمع ہو گی اور دن کے اجالے میں یہ کام کیا جائے، تا دیکھنے والے بکثرت ہوں اور روز روشن میں کسی کو اشتباہ والتباس نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "دنگل میں مقابلہ کرنے سے دونوں کی غرض تھی۔ وہ چاہے کہ ان کو ہرا دے سب کے روبرو، یہ چاہیں کہ وہ ہارے۔ جشن کا دن سارے مصر کے شہروں میں مقرر تھا فرعون کی سالگرہ کا"۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾

۶۰۔ پھر الٹا پھرا فرعون پھر جمع کئے اپنے سارے داؤ پھر آیا[۵۹]

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

۶۱۔ کہا انکو موسیٰ نے کم بختی تمہاری جھوٹ نہ بولو اللہ پر پھر غارت کر دے تمکو کسی سخت آفت سے اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا[۶۰]

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾	٦٢۔ پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کیا مشورہ[٦١]
قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾	٦٣۔ بولے مقرر یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمکو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور موقوف کرادیں تمہارے اچھے خاصے چلن کو[٦٢]
فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾	٦٤۔ سو مقرر کرلو اپنی تدبیر پھر آؤ قطار باندھ کر اور جیت گیا آج جو غالب رہا[٦٣]
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾	٦٥۔ بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے
قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾	٦٦۔ کہا نہیں تم ڈالو[٦٤] پھر تبھی اُنکی رسیاں اور لاٹھیاں اُسکے خیال میں آئیں اُنکے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں[٦٥]
فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾	٦٧۔ پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسیٰ[٦٦]
قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾	٦٨۔ ہم نے کہا تو مت ڈر مقرر تو ہی رہے گا غالب[٦٧]
وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾	٦٩۔ اور ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے کہ نگل جائے جو کچھ اُنہوں نے بنایا[٦٨] اُن کا بنایا ہوا فریب ہے جادوگر کا اور بھلا نہیں ہوتا جادوگر کا جہاں ہو[٦٩]

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ
مُوْسٰى ﴿٧٠﴾

٧٠۔ پھر گر پڑے جادوگر سجدہ میں بولے ہم یقین لائے رب پر ہارون اور موسٰی کے[٧٠]

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ
الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ
اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ
النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ﴿٧١﴾

٧١۔ بولا فرعون تم نے اُسکو مان لیا میں نے ابھی حکم نہ دیا تھا وہی تمہارا بڑا ہے جس نے سکھلایا تمکو جادو[٧١] سو اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں[٧٢] اور سولی دوں گا تمکو کھجور کے تنا پر[٧٣] اور جان لو گے ہم میں کس کا عذاب سخت ہے اور دیر تک رہنے والا[٧٤]

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ
الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ
هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ﴿٧٢﴾

٧٢۔ وہ بولے ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اُس چیز سے جو پہنچی ہم کو صاف دلیل اور اُس سے جس نے ہم کو پیدا کیا سو تو کر گذر جو تجھ کو کرنا ہے تو یہی کرے گا اس دنیا کی زندگی میں

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا
عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿٧٣﴾

٧٣۔ ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر تا کہ بخشے ہم کو ہمارے گناہ اور جو تو نے زبردستی کروایا ہم سے یہ جادو[٧٥] اور اللہ بہتر ہے اور سدا باقی رہنے والا[٧٦]

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا
يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾

٧٤۔ بات یہی ہے کہ جو کوئی آیا رب کے پاس گناہ لیکر سو اُس کے واسطے دوزخ ہے نہ مرے اُس میں نہ جیئے[٧٧]

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ﴿٧٥﴾

٧٥۔ اور جو آیا اُسکے پاس ایمان لیکر نیکیاں کر کر سو اُن لوگوں کیلئے ہیں درجے بلند

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ
فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰی ﴿٧٦﴾ ع ۳ ۲۲ ۱۲

۷۶۔ باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں اُنکے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہا کریں گے اُن میں [۷۸] اور یہ بدلہ ہے اُس کا جو پاک ہوا [۷۹]

۵۹۔ فرعون کی تیاریاں: یعنی یہ طے کر کے فرعون مجلس سے اٹھ گیا اور ساحروں کو جمع کرنے اور مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ہر قسم کی تدبیریں اور داؤ گھات کرنے لگا۔ اور آخر کار مکمل تیاری کے بعد پوری طاقت کے ساتھ وقت معین پر میدان مقابلہ میں حاضر ہو گیا۔ ساحروں کی بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی، انعام واکرام کے وعدے ہو رہے تھے اور ہر طرح موسیٰؑ کو شکست دینے اور حق کو مغلوب کر لینے کی فکر تھی۔

۶۰۔ مقابلے کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت: معلوم ہوتا ہے کہ اس مجمع میں حضرت موسیٰؑ نے ہر شخص کو اس کے حسب حال نصیحت فرمائی۔ چونکہ جادوگر حق کا مقابلہ جادو سے کرنے والے تھے، ان کو تنبیہ کر دی کہ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو خدا کے نشانوں اور انبیاء کے معجزات کو سحر بتلانا اور بے حقیقت چیزوں کو ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں پیش کرنا گویا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ جھوٹ باندھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ ایسے لوگوں پر کوئی آسمانی آفت آپڑے جو ان کی بیخ وبنیاد تک نہ چھوڑے۔

۶۱۔ ساحروں کے باہمی مشورے: موسیٰؑ کی تقریر نے ساحروں کی جماعت میں کھلبلی ڈال دی۔ آپس میں جھگڑنے لگے کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے۔ اس کی باتیں ساحروں ایسی معلوم نہیں ہوتیں۔ غرض باہم بحث ومناظرہ کرتے رہے اور سب سے الگ ہو کر انہوں نے مشورہ کیا۔ آخر اختلاف ونزاع کے بعد فرعون کے اثر سے متاثر ہو کر وہ کہا جو آگے مذکور ہے۔

۶۲۔ یعنی تمہارا جو دین اور رسوم پہلے سے چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا دین اور طور وطریق رائج کر دیں اور جادو کے فن کو بھی جس سے ملک میں تمہاری عزت اور کمائی ہے، چاہتے ہیں کہ دونوں بھائی تم سے لے اڑیں اور تن تنہا خود اس پر قابض ہو جائیں۔

۶۳۔ مقابلے کا عزم: یعنی موقع کی اہمیت کو سمجھو، وقت کو ہاتھ سے نہ دو، پوری ہمت وقوت سے سب مل کر ان کے گرانے کی تدبیر کرو۔ اور دفعۃً ایسا متفقہ حملہ کر دو کہ پہلے وار میں ان کے قدم اکھڑ جائیں کہ آج کا معرکہ فیصلہ کن معرکہ ہے، آج کی کامیابی دائمی کامیابی ہے۔ جو فریق آج غالب رہے گا وہ ہمیشہ کے لئے منصور ومفلح سمجھا جائے گا۔

۶۴۔ مقابلے کا آغاز: موسیٰؑ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ نہیں، تم پہلے اپنے حوصلے نکال لو اور اپنے کرتب دکھالو۔ تا باطل کی زور آزمائی کے بعد حق کا غلبہ پوری طرح نمایاں ہوں۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گزر چکا وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۶۵۔ سحر کی حقیقت: یعنی ساحرین کی نظر بندی سے موسیٰؑ کو یوں خیال ہونے لگا کہ گویا رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں۔ اور واقع میں ایسا نہ تھا۔

۶۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ: کہ جادوگروں کا یہ سوانگ دیکھ کر کہیں بے وقوف لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور سحر ومعجزہ میں فرق نہ کر سکیں۔ ایسی صورت میں حق کا غلبہ واضح نہ ہو گا۔ خوف کا یہ مطلب آگے جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔

۶۷۔ یعنی ڈر کو دل سے نکال دو۔ اس قسم کے وسوسے مت لاؤ، اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور سربلند رکھنے والا ہے۔

۶۸۔ عصاء کو زمین پر ڈالنے کا حکم: یعنی اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو۔ جو ان کے بنائے ہوئے سوانگ کا ایک دم لقمہ کر جائے گی۔

۶۹۔ جادوگر فلاح نہیں پاتا: یعنی جادوگر کے ڈھکوسلے چاہے کہیں ہوں اور کسی حد تک پہنچ جائیں، حق کے مقابل کامیاب نہیں ہو سکتے نہ جادوگر کبھی فلاح پا سکتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ساحر کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔

۷۰۔ جادوگر کا ایمان لانا: ساحرین فن کے جاننے والے تھے۔ اصول فن کے اعتبار سے فورًا سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں ہو سکتا یقینًا سحر سے اوپر کوئی اور حقیقت ہے۔ دل میں ایمان آیا اور سجدہ میں گر پڑے۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا۔

۷۱۔ فرعون کی بیچارگی اور غصہ: یعنی ہم سے بے پوچھے ہی ایمان لے آئے۔ ہمارے فیصلہ کا بھی انتظار نہ کیا۔ معلوم ہو گیا کہ یہ تمہاری اور موسیٰؑ کی ملی بھگت ہے۔ جنگ زرگری کر کے عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہو جیسا کہ سورہ اعراف میں گذرا۔

۷۲۔ یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں، یا بایاں ہاتھ داہنا پاؤں۔

۷۳۔ تاکہ تمہارا حال دیکھ کر سب عبرت حاصل کریں۔

۷۴۔ فرعون کی دھمکیاں: یعنی تم ایمان لا کر سمجھتے ہو کہ ہم ہی ناجی ہیں۔ اور دوسرے لوگ (یعنی فرعون اور اس کے ساتھی) سب ابدی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ سو ابھی تم کو معلوم ہوا چاہتا ہے کہ کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیر تک رہنے والا ہے۔

۷۵۔ جادوگر کا ثبات و استقامت: یعنی ہم ایسے صاف دلائل کو تیری خاطر سے نہیں چھوڑ سکتے اور اپنے خالق حقیقی کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری کچھ پروا نہیں کر سکتے۔ اب جو تو کر سکتا ہے کر گذر۔ تیرا بڑا زور یہ ہی چل سکتا ہے کہ ہماری اس فانی زندگی کو ختم کر دے۔ سو کچھ مضائقہ نہیں ہم پہلے ہی دارالفنا کے مقابلہ میں دارالقرار کو اختیار کر چکے ہیں۔ ہم کو اب یہاں کے رنج و راحت کی فکر نہیں۔ تمنا صرف یہ ہے کہ ہمارا مالک ہم سے راضی ہو جائے اور ہمارے عام گناہوں کو خصوصًا اس گناہ کو جو تیری حکومت کے خوف سے زبردستی کرنا پڑا (یعنی حق کا مقابلہ جادو سے) معاف فرما دے۔ کہتے ہیں کہ جادوگر حضرت موسیٰؑ کے نشان دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ یہ جادو نہیں۔ مقابلہ نہ کرنا چاہئے پھر فرعون کے ڈر سے کیا۔

۷۶۔ یعنی جو انعام و اکرام تو ہم کو دیتا اس سے کہیں بہتر اور پائدار اجر مومنین کو خدا کے ہاں ملتا ہے۔

۷۷۔ اللہ کی نافرمانی کا انجام: یعنی انسان کو چاہئے کہ اول آخرت کی فکر کرے۔ لوگوں کا مطیع بن کر خدا کا مجرم نہ بنے۔ اس کے مجرم کا ٹھکانہ بہت برا ہے جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ دنیا کی تکلیفیں کتنی ہی شاق ہوں موت آ کر سب کو ختم کر دیتی ہے۔ لیکن کافر کو دوزخ میں موت بھی نہیں آئے گی جو تکالیف کا خاتمہ کر دے اور جینا بھی جینے کی طرح کا نہ ہوگا، زندگی ایسی ہوگی کہ موت کو ہزار درجہ اس پر ترجیح دے گا، العیاذ باللہ۔

۷۸۔ مومنین کے انعامات: مجرمین کے بالمقابل یہ مطیعین کا انجام بیان فرما دیا۔

۷۹۔ یعنی پاک ہوا گندے خیالات، فاسد عقائد، رذیل اخلاق، اور برے اعمال سے۔

وَ لَقَدۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی ۬ۙ اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡ فَاضۡرِبۡ لَہُمۡ طَرِیۡقًا فِی الۡبَحۡرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَکًا وَّ لَا تَخۡشٰی ﴿۷۷﴾

۷۷۔ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ لے نکل میرے بندوں کو رات سے پھر ڈال دے اُنکے لئے سمندر میں رستہ سوکھا نہ خطرہ کر آپکڑنے کا اور نہ ڈر ڈوبنے سے

فَاَتۡبَعَہُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِہٖ فَغَشِیَہُمۡ مِّنَ الۡیَمِّ مَا غَشِیَہُمۡ ﴿ؕ۷۸﴾

۷۸۔ پھر پیچھا کیا اُن کا فرعون نے اپنے لشکروں کو لیکر پھر ڈھانپ لیا اُنکو پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا[۸۰]

وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾	٧٩۔ اور بہکایا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا[٨١]
يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾	٨٠۔ اے اولاد اسرائیل چھڑا لیا ہم نے تمکو تمہارے دشمن سے اور وعدہ ٹھہرایا تم سے داہنی طرف پہاڑ کی اور اتارا تم پر من اور سلویٰ
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾	٨١۔ کھاؤ ستھری چیزیں جو روزی دی ہم نے تمکو اور نہ کرو اُس میں زیادتی[٨٢] پھر تو اترے گا تم پر میرا غصہ اور جس پر اترا میرا غصہ سو وہ پٹکا گیا[٨٣]
وَ اِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾	٨٢۔ اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لائے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے[٨٤]

٨٠۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کو ہجرت کا حکم: جب فرعونیوں نے میدان مقابلہ میں شکست کھائی، ساحرین مشرف بایمان ہو گئے۔ بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ اور موسٰیؑ نے سالہاسال تک اللہ تعالیٰ کی آیات باہرہ دکھلا کر ہر طرح حجت تمام کر دی۔ اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ تب حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ تا اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو۔ راستہ میں سمندر (بحر قلزم) حائل ہو گا لیکن تم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے راستہ میں سمندر کی موجیں حائل نہیں ہونی چاہئیں۔ ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو۔ جس سے گذرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آ پکڑے۔

سمندر کے درمیان خشک راستہ: چنانچہ موسٰیؑ نے اسی ہدایت کے موافق سمندر میں لاٹھی ماری جس سے پانی پھٹ کر راستہ نکل آیا۔ خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ زمین کو فوراً خشک کر دے۔ چنانچہ آناً فاناً سمندر کے بیچ میں خشک راستہ تیار ہو گیا جس کے دونوں طرف پانی کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ (الشعراء۔ ٦٣) بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گذر گئے۔

فرعون کا تعاقب اور ہلاکت: پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا آ رہا تھا۔ خشک راستہ دیکھ کر ادھر ہی گھس پڑا۔ جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستہ کے بیچوں بیچ پہنچا خدا تعالیٰ نے سمندر کو ہر طرف سے حکم دیا کہ ان سب کو اپنی آغوش میں لے لے۔ پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا۔

٨١۔ یعنی دعوے تو زبان سے بہت کیا کرتا تھا وَمَآ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ (المومن۔۴٠) لیکن اس نے اپنی قوم کو کیسا اچھا راستہ بتلایا۔ وہ ہی مثال سچی کر دی کہ "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے"۔ جو حال دنیا میں ہوا تھا وہ ہی آخرت میں ہو گا۔ یہاں سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا تھا وہاں سب کو ساتھ لے کر جہنم میں گرے گا يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَاَوۡرَدَهُمُ النَّارَ (هود۔٩٨)

٨٢۔ بنی اسرائیل کو نصیحت: یہ حق تعالیٰ بنی اسرائیل کو نصیحت فرماتے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم پر کیسے کیسے احسان و انعام کئے چاہئے کہ ان کا حق ادا کرو۔ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ ایسے سخت جابر و قاہر دشمن کے ہاتھوں سے تم کو نجات دی اور اس کو کیسے عبرتناک طریقہ سے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا۔ پھر بتوسط حضرت موسیٰؑ کے تم سے وعدہ ٹھہرا کہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے کوہ "طور" کا جو مبارک و میمون حصہ داہنے ہاتھ پڑتا ہے وہاں آؤ تو تم کو "تورات" عطا کی جائے گی۔ "تیہ" کے لق و دق میدان میں تمہارے کھانے کے لئے من و سلویٰ اتارا گیا۔ (جس کا ذکر سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے) ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال طیب لذیذ اور ستھری چیزیں عنایت فرمائی ہیں انہیں شوق سے استعمال کرو۔ لیکن اس معاملہ میں حد سے نہ گزرو مثلاً ناشکری یا فضول خرچی کرنے لگے یا اس فانی تنعم پر اترانے لگو یا اس میں سے حقوق واجبہ ادا نہ کرو۔ یا اللہ کی دی ہوئی دولت معاصی میں خرچ کرنے لگو۔ یا جہاں اور جس وقت جوڑ کر رکھنے کی ممانعت ہے وہاں جوڑنے کے پیچھے پڑ جاؤ۔ غرض خدا کی نعمتوں کو طغیان و عصیان کا آلہ نہ بناؤ۔

٨٣۔ یعنی زیادتی کرو گے تو اللہ کا غضب تم پر نازل ہو گا اور ذلت و عذاب کے تاریک غاروں میں پٹک دیے جاؤ گے۔

٨۴۔ مغضوبین کے بالمقابل یہ مغفورین کا بیان ہوا۔ یعنی کتنا ہی بڑا مجرم ہو اگر سچے دل سے تائب ہو کر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر لے اور اسی پر موت تک مستقیم رہے تو اللہ کے یہاں بخشش اور رحمت کی کمی نہیں۔

وَ مَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿٨٣﴾

٨٣۔ اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ

قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِىۡ وَ عَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿٨۴﴾

٨۴۔ بولا وہ یہ آ رہے ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف اے میرے رب تاکہ تو راضی ہو[٨٥]

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾

٨٥۔ فرمایا ہم نے بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا اُنکو سامری نے[٨٦]

فَرَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ؕ اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ

٨٦۔ پھر الٹا پھرا موسیٰ اپنی قوم کے پاس غصہ میں بھرا پچتاتا ہوا کہا اے قوم کیا تم سے وعدہ نہ کیا تھا تمہارے رب نے اچھا وعدہ کیا طویل ہو گئی تم پر مدت یا چاہا تم نے کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کا اس لئے خلاف کیا تم نے میرا وعدہ[٨٧]

مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ ﴿٨٦﴾

قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا وَ لٰـكِنَّا
حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِيۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا
فَكَذٰلِكَ اَلۡقَى السَّامِرِىُّ ۙ ﴿٨٧﴾

۸۷۔ بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے ولیکن اٹھوایا ہم سے بھاری بوجھ قوم فرعون کے زیور کا سو ہم نے اُسکو پھینک دیا پھر اس طرح ڈھالا سامری نے [۸۸]

فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ
اِلٰهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى ۙ فَنَسِىَ ؕ ﴿٨٨﴾

۸۸۔ پھر بنا نکالا اُنکے واسطے ایک بچھڑا ایک دھڑ جسمیں آواز گائے کی پھر کہنے لگے یہ معبود ہے تمہارا اور معبود ہے موسٰی کا سو وہ بھول گیا[۸۹]

اَفَلَا يَرَوۡنَ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا ۙ وَّلَا يَمۡلِكُ
لَهُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ﴿٨٩﴾ ع ۱۳

۸۹۔ بھلا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب تک نہیں دیتا اُنکو کسی بات کا اور اختیار نہیں رکھتا اُنکے برے کا اور نہ بھلے کا[۹۰]

۸۵۔ کوہ طور پر حضرت موسٰی علیہ السلام کی عجلت: حضرت موسٰیؑ حسب وعدہ نہایت اشتیاق کے ساتھ کوہ طور پہنچے۔ شاید قوم کے بعض نقباء کو بھی ہمراہ لیجانے کا حکم ہو گا۔ وہ ذرا پیچھے رہ گئے۔ حضرت موسٰیؑ شوق میں آگے بڑھے چلے گئے۔ حق تعالٰی نے فرمایا موسٰیؑ! ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری خوشنودی کے لئے جلد حاضر ہو گیا اور قوم بھی کچھ زیادہ دور نہیں یہ میرے پیچھے چلی آ رہی ہے۔ کذافی التفاسیر ویحتمل غیر ذٰلک واللہ اعلم۔

۸۶۔ قوم کو سامری کا بہکانا: یعنی تم تو ادھر آئے اور ہم نے تیری قوم کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا، جس کا سبب عالم اسباب میں سامری بنا ہے۔ کیونکہ اسی کے اغواء و اضلال سے بنی اسرائیل نے موسٰیؑ کی غیبت میں بچھڑا پوجنا شروع کر دیا تھا۔ جس کا قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا ہے۔ (تنبیہ) سامری کا نام بھی بعض کہتے ہیں موسٰی تھا۔ بعض کے نزدیک یہ اسرائیلی تھا بعض کے نزدیک قبطی بہر حال جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص حضرت موسٰیؑ کے عہد کا منافق تھا اور منافقین کی طرح فریب اور چالبازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ ابن کثیر کی روایت کے موافق کتب اسرائیلیہ میں اس کا نام ہارون ہے۔

۸۷۔ قوم پر حضرت موسٰی علیہ السلام کا غصہ: یعنی میرے اتباع میں تم کو دینی و دنیوی ہر طرح کی بھلائی پہنچے گی۔ چنانچہ بہت سی عظیم الشان بھلائیاں ابھی ابھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو اور جو باقی ہیں وہ بھی عنقریب ملنے والی ہیں کیا اس وعدہ کو بہت زیادہ مدت گذر گئی تھی کہ تم پچھلے احسانات کو بھول گئے اور اگلے انعامات کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے ہو؟ یا جان بوجھ کر تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟ اور دین توحید پر قائم نہ رہ کر خدا کا غضب مول لیا۔ (کذا فسرہٗ ابن کثیرؒ) یا یہ مطلب لیا جائے کہ تم سے حق تعالٰی نے تیس چالیس روز کا وعدہ کیا تھا کہ اتنی مدت موسٰیؑ "طور" پر معتکف رہیں گے، تب تورات شریف ملے گی۔ تو کیا بہت زیادہ مدت گذر گئی کہ تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے؟ اور گوسالہ

پرستی اختیار کرلی، یا عمداً یہ حرکت کی ہے تا غضب الٰہی کے مستحق بنو۔ اور اَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ سے مراد وہ وعدہ ہے جو بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کیا تھا کہ آپ ہم کو خدا کی کتاب لا دیجئے ہم اسی پر عمل کیا کریں گے۔ اور آپ کے اتباع پر مستقیم رہیں گے۔

۸۸۔ زیورات اور سونے کا بچھڑا: یعنی ہم نے اپنے اختیار سے از خود ایسا نہیں کیا، یہ حرکت ہم سے سامری نے کرائی۔ صورت یہ ہوئی کہ قوم فرعون کے زیورات کا جو بوجھ ہم پر لدا ہوا تھا اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیا کریں۔ وہ ہم نے باہمی مشورہ کے بعد اپنے سے اتار پھینکا۔ اس کو آگ میں پگھلا کر سامری نے ڈھال لیا اور بچھڑے کی صورت بنا کر کھڑی کر دی۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا ہے وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تنبیہ) قوم فرعون کے یہ زیورات کس طرح بنی اسرائیل کے ہاتھ آئے تھے؟ یا ان سے مستعار لئے تھے یا مال غنیمت کے طور پر ملے یا اور کوئی صورت ہوئی۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی صورت بھی ہو، بنی اسرائیل ان کا استعمال اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن غضب ہے کہ اس کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

۸۹۔ یعنی موسیٰؑ سے بھول ہوئی کہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے طور پر گئے۔ خدا تو یہاں موجود ہے۔ یعنی یہ ہی بچھڑا۔ العیاذ باللہ۔ شاید یہ قول انہیں سے سخت غالیوں کا ہو گا۔

۹۰۔ یعنی اندھوں کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سوجھتی کہ جو مورتی نہ کسی سے بات کر سکے نہ کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچانے کا اختیار رکھے، وہ معبود یا خدا کس طرح بن سکتی ہے۔

وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾

۹۰۔ اور کہا تھا اُنکو ہارون نے پہلے سے اے قوم بات یہی ہے کہ تم بہک گئے اس بچھڑے سے اور تمہارا رب تو رحمٰن ہے سو میری راہ چلو اور مانو بات میری[۹۱]

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾

۹۱۔ بولے ہم برابر اسی پر لگے بیٹھے رہیں گے جب تک لوٹ کر نہ آئے ہمارے پاس موسیٰ[۹۲]

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ﴿٩٢﴾

۹۲۔ کہا موسیٰ نے اے ہارون کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تھا تو نے کہ وہ بہک گئے

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾

۹۳۔ کہ تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا میرا حکم[۹۳]

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ

۹۴۔ وہ بولا اے میری ماں کے جنے نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر[۹۴] میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات[۹۵]

لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

۹۱۔ قوم کو حضرت ہارون کی تنبیہ: یعنی حضرت ہارونؑ نرمی سے زبانی فہمائش کر چکے تھے کہ جس بچھڑے پر تم مفتون ہو رہے ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ تمہارا پروردگار اکیلا رحمٰن ہے۔ جس نے اب تک خیال کرو کس قدر رحمتوں کی بارش تم پر کی ہے۔ اسے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو۔ میں موسٰیؑ کا جانشین ہوں اور خود نبی ہوں۔ اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ میری راہ چلو اور میری بات مانو۔ سامری کے اغواء میں مت آؤ۔

۹۲۔ قوم کی ضد: یعنی موسٰیؑ کے واپس آنے تک تو ہم اس سے ٹلتے نہیں ان کے آنے پر دیکھا جائے گا جو کچھ مناسب معلوم ہو گا کریں گے۔

۹۳۔ حضرت ہارون علیہ السلام سے حضرت موسٰی علیہ السلام کی بازپرس: یعنی میں تم کو اپنا خلیفہ بنا کر اور حکم کر کے گیا تھا کہ میری غیبت میں ان کی اصلاح کرنا اور مفسدین کے راستہ پر نہ چلنا۔ پھر تم نے کیا اصلاح کی؟ کیوں اپنے موافقین کو ساتھ لے کر ان گوسالہ پرستوں کا سختی سے مقابلہ نہ کیا؟ اگر یہ نہ ہو سکتا تھا تو ان سے منقطع ہو کر میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ غرض تم نے ایسی صریح گمراہی کو دیکھ کر میرے طریق کار کی پیروی کیوں نہیں کی؟

۹۴۔ حضرت موسٰیؑ نے فرط جوش میں ہارونؑ کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے تھے۔ اس کی مفصل بحث سورہ اعراف کے فوائد میں گذر چکی۔

۹۵۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت: یعنی میری سمجھ میں یہ ہی آیا کہ تمہارے آنے کا انتظار اس سے بہتر ہے کہ تمہارے پیچھے کوئی ایسا کام کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر مقابلہ یا انقطاع ہوتا تو کچھ لوگ میرے ساتھ ہوتے اور بہت سے مخالف رہتے۔ مجھے ڈر ہوا کہ تم آ کر یہ الزام نہ دو کہ میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ اور قوم میں ایسا تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ چلتے وقت موسٰیؑ ہارونؑ کو نصیحت کر گئے تھے کہ سب کو متفق رکھیو۔ اس لئے انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ نہ کیا۔ زبان سے البتہ سمجھایا وہ نہ سمجھے بلکہ ان کے قتل پر تیار ہونے لگے وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ (اعراف۔ ۱۵۰)۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ کہا موسٰی نے اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری [۹۶]

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ بولا میں نے دیکھ لیا جو اوروں نے نہ دیکھا پھر بھر لی میں نے ایک مٹھی پاؤں کے نیچے سے اُس بھیجے ہوئے کے پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی صلاح دی مجھ کو میرے جی نے [۹۷]

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ

۹۷۔ کہا موسٰی نے دور ہو تیرے لئے زندگی بھر تو اتنی سزا ہے کہ کہا کرے مت چھیڑو [۹۸] اور تیرے واسطے ایک وعدہ ہے وہ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہو گا [۹۹] اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تمام دن تو معتکف رہتا تھا ہم اسکو جلا دیں گے پھر بکھیر دیں گے دریا میں اڑا کر [۱۰۰]

ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡیَمِّ نَسۡفًا ﴿۹۷﴾
اِنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ
شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۹۸﴾

۹۸۔ تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سب چیز سما گئی ہے اُسکے علم میں [۱۰۱]

۹۶۔ سامری سے باز پرس: ادھر سے فارغ ہو کر موسیٰؑ نے سامری کو ڈانٹ بتلائی اور فرمایا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر۔ یہ حرکت تو نے کس وجہ سے کی؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے۔

۹۷۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے پاؤں تلے کی مٹی: سامری نے کہا کہ مجھ کو ایک ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔ یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ (جبریل) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ شاید یہ اس وقت ہوا ہو جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا اس حالت میں جبریل دونوں جماعتوں کے درمیان میں کھڑے ہو گئے تا ایک کو دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بناء پر سمجھ لیا کہ یہ جبریل ہیں ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ وہ ہی اب سونے کے بچھڑے میں ڈال دی۔ کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاک پا میں یقیناً کوئی خاص تاثیر ہو گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے، اس میں مٹی پڑی برکت کی، حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کی روح اور آواز اس میں ہو گئی۔ ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہئے۔ اسی سے بت پرستی بڑھتی ہے۔ (تنبیہ) آیت کی جو تفسیر اوپر بیان ہوئی۔ صحابہ و تابعین اور علمائے مفسرین سے یہ ہی منقول ہے بعض زائغین نے اس پر جو طعن کئے ہیں اور آیت کی دور از صواب تاویلیں کی ہیں، ان کا کافی جواب صاحب روح المعانی نے دیا ہے یہاں اس قدر بسط کا موقع نہیں۔ من شاء فلیراجعہ۔

۹۸۔ سامری کی سزا: یعنی مجھے ہاتھ مت لگاؤ مجھ سے علیحدہ رہو، چونکہ اس نے بچھڑے کا ڈھونگ بنایا تھا حب جاہ وریاست سے کہ لوگ اس کے ساتھ ہوں اور سردار مانیں اس کے مناسب سزا ملی کہ کوئی پاس نہ پھٹکے، جو قریب جائے وہ خود دور رہنے کی ہدایت کر دے۔ اور دنیا میں بالکل ایک ذلیل، اچھوت، اور وحشی جانور کی طرح زندگی گذارے۔

۹۹۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں اسکو یہ ہی سزا ملی کہ لشکر بنی اسرائیل سے باہر الگ رہتا۔ اگر وہ کسی سے ملتا یا کوئی اس سے تو دونوں کو تپ چڑھتی، اسی لئے لوگوں کو دور دور کرتا۔ اور یہ جو فرمایا کہ ایک وعدہ ہے جو خلاف نہ ہو گا۔ شاید مراد عذاب آخرت ہے اور شاید دجال کا نکلنا۔ وہ بھی یہود میں سامری کے فساد کی تکمیل کرے گا جیسے ہمارے پیغمبر مال بانٹتے تھے، ایک شخص نے کہا انصاف سے بانٹو فرمایا "اسکی جنس کے لوگ نکلیں گے" وہ خارجی نکلے کہ اپنے پیشواؤں پر لگے اعتراض پکڑنے جو کوئی دین کے پیشواؤں پر طعن کرے ایسا ہی ہے۔

۱۰۰۔ یعنی تیری سزا تو یہ ہوئی۔ اب تیرے جھوٹے معبود کی قلعی بھی کھولے دیتا ہوں جس بچھڑے کو تو نے خدا بنایا اور دن بھر وہاں دل جمائے بیٹھا رہتا تھا، ابھی تیری آنکھوں کے سامنے توڑ پھوڑ کر اور جلا کر راکھ کر دوں گا۔ پھر راکھ کو دریا میں بہا دوں گا۔ تا اس کے پجاریوں کو خوب واضح ہو جائے کہ وہ دوسروں کو تو کیا نفع نقصان پہنچا سکتا۔ خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔

۱۰۱۔ باطل کو مٹانے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰؑ قوم کو حق کی طرف بلاتے جاتے ہیں۔ یعنی بچھڑا تو کیا چیز ہے کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی سچا معبود تو وہ ہی ایک ہے۔ جس کے سوا کسی کی بندگی عقلاً و نقلاً و فطرۃً روا نہیں اور جس کا لامحدود علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ ۚ وَ قَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ۚۖ ﴿۹۹﴾	۹۹۔ یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو اُنکے احوال جو پہلے گذر چکے [۱۰۲] اور ہم نے دی تجھ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب [۱۰۳]
مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا ۙ ﴿۱۰۰﴾	۱۰۰۔ جو کوئی منہ پھیر لے اُس سے وہ اٹھائے گا دن قیامت کے ایک بوجھ
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ حِمۡلًا ۙ ﴿۱۰۱﴾	۱۰۱۔ سدا رہیں گے اس میں اور برا ہے اُن پر قیامت میں وہ بوجھ اٹھانے کا [۱۰۴]
يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ وَنَحۡشُرُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا ۚۖ ﴿۱۰۲﴾	۱۰۲۔ جس دن پھونکیں گے صور میں اور گھیر لائیں گے ہم گناہگاروں کو اُس دن نیلی آنکھیں [۱۰۵]
يَّتَخَافَتُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا ﴿۱۰۳﴾	۱۰۳۔ چپکے چپکے کہتے ہونگے آپس میں تم نہیں رہے مگر دس دن [۱۰۶]
نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ اِذۡ يَقُوۡلُ اَمۡثَلُهُمۡ طَرِيۡقَةً اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا يَوۡمًا ع ﴿۱۰۴﴾	۱۰۴۔ ہم کو خوب معلوم ہے جو کچھ کہتے ہیں [۱۰۷] جب بولے گا اُن میں اچھی راہ روشن والا تم نہیں رہے مگر ایک دن [۱۰۸]
وَ يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّىۡ نَسۡفًا ۙ ﴿۱۰۵﴾	۱۰۵۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال سو تو کہہ اُنکو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر
فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفۡصَفًا ۙ ﴿۱۰۶﴾	۱۰۶۔ پھر کر چھوڑے گا زمین کو صاف میدان
لَّا تَرٰى فِيۡهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا ؕ ﴿۱۰۷﴾	۱۰۷۔ نہ دیکھے تو اُس میں موڑ اور نہ ٹیلا [۱۰۹]
يَوۡمَئِذٍ يَّتَّبِعُوۡنَ الدَّاعِىَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا ﴿۱۰۸﴾	۱۰۸۔ اُس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے ٹیڑھی نہیں جسکی بات [۱۱۰] اور دب جائیں گی آوازیں رحمٰن کے ڈر سے پھر تو نہ سنے گا مگر گھس گھسی آواز [۱۱۱]

ع ۵ ۱۵ ۱۴

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ
الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾

۱۰۹۔ اُس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جسکو اجازت رحمٰن نے دی اور پسند کی اسکی بات[۱۱۲]

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا
يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

۱۱۰۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ہے اُنکے آگے اور پیچھے اور یہ قابو میں نہیں لا سکتے اُسکو دریافت کر کر[۱۱۳]

وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ
حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

۱۱۱۔ اور رگڑتے ہیں منہ آگے اس جیتے ہمیشہ رہنے والے کے[۱۱۴] اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا[۱۱۵]

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا
يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

۱۱۲۔ اور جو کوئی کرے کچھ بھلائیاں اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو سو اُسکو ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ نقصان پہنچنے کا[۱۱۶]

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ
مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ
ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

۱۱۳۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے قرآن عربی زبان کا اور پھیر پھیر کر سنائی ہم نے اُس میں ڈرانے کی باتیں تا کہ وہ پرہیز کریں یا ڈالے اُنکے دل میں سوچ[۱۱۷]

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ
مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَ قُلْ رَّبِّ
زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

۱۱۴۔ سو بلند درجہ اللہ کا اُس سچے بادشاہ کا[۱۱۸] اور تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک کہ پورا نہ ہو چکے اُس کا اترنا اور کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ[۱۱۹]

۱۰۲۔ پچھلے واقعات سنانے کی حکمت: یعنی موسیٰؑ وفرعون کی طرح اور بہت سی گذشتہ اقوام کے واقعات ہم تجھ کو اور تیرے ذریعہ سے تمام دنیا کو سناتے رہتے ہیں جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً علم کی توقیر، معجزات کی تکثیر، پیغمبر اور مسلمانوں کی تسلی عقلمندوں کے لئے عبرت و تذکیر،

اور معاندین کے حق میں تہدید و ترہیب کا سامان ہوتا ہے۔

۱۰۳۔ یعنی قرآن کریم جو ان عبرت آموز واقعات و حقائق پر مشتمل ہے۔

۱۰۴۔ یعنی اعرض و تکذیب سے جو گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان پر لادا جائے گا، کبھی ہلکا نہ ہو گا۔ ہمیشہ اس کے نیچے دبے رہیں گے پھر اس کا اٹھانا کوئی ہنسی کھیل نہیں جب اٹھائیں گے تو پتہ چلے گا کہ کیسے برے اور سخت بوجھ کے نیچے دبائے گئے ہیں۔

۱۰۵۔ محشر میں مجرمین کی حالت: یعنی محشر میں لائے جانے کے وقت اندھے ہوں گے۔ یا شاید یوں ہی آنکھیں نیلی ہوں بد نمائی کے واسطے بہر حال اگر پہلے معنی لئے جائیں تو یہ ایک خاص وقت کا ذکر ہے۔ پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تا کہ دوزخ وغیرہ کو دیکھ سکیں وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ الآیۃ (الکہف۔۵۳) اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (مریم۔۳۸)

۱۰۶۔ دنیا کی زندگی پر ندامت: یعنی آخرت کا طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر دنیا میں یا قبر میں رہنا اتنا کم نظر آئے گا گویا ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں رہے۔ بڑی جلدی دنیا ختم ہو گئی یہاں کے مزے اور لمبی چوڑی امیدیں سب بھول جائیں گے بیہودہ عمر ضائع کرنے پر ندامت ہو گی۔ یا شاید معذرت کے طور پر ایسا کہیں گے۔ یعنی دنیا میں بہت ہی کم ٹھہرنا ہوا۔ موقع نہ ملا کہ آخرت کے لئے کچھ سامان کرتے جیسے دوسری جگہ فرمایا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ الی آخرہ (روم۔۵۵)

۱۰۷۔ یعنی چپکے کہنا ہم سے نہیں چھپتا۔ وہ آپس میں جو سرگوشیاں کریں گے ہم کو خوب معلوم ہیں۔

۱۰۸۔ یعنی جو ان میں زیادہ عقلمند، صائب الرائے اور ہشیار ہو گا وہ کہے گا کہ میاں دس دن بھی کہاں؟ صرف ایک ہی دن سمجھو۔ اس کو زیادہ عقلمند اور اچھی راہ روش والا اس لئے فرمایا کہ دنیا کے زوال و فنا اور آخرت کی بقاء و دوام اور شدت ہول کو اس نے دوسروں سے زیادہ سمجھا۔

۱۰۹۔ قیامت کے دن پہاڑوں کی حالت: یعنی قیامت کے ذکر پر منکرین حشر استہزاءً کہتے ہیں کہ ایسے ایسے سخت اور عظیم الشان پہاڑوں کا کیا حشر ہو گا کیا یہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے؟ اس کا جواب دیا کہ حق تعالیٰ کی لا محدود قدرت کے سامنے پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے ان سب کو ذرا سی دیر میں کوٹ پیس کر ریت کے ذرات اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف و ہموار کر دی جائے گی جس میں کچھ اینچ پینچ اور اونچ نیچ نہ رہے گی پہاڑوں کی رکاوٹیں ایک دم میں صاف کر دی جائیں گی۔

۱۱۰۔ یعنی جدھر فرشتہ آواز دے گا یا جہاں بلائے جائیں گے سیدھے تیر کی طرح ادھر دوڑے جائیں گے۔ نہ بلانے والے کی بات ٹیڑھی ہو گی اور نہ دوڑنے والوں میں کچھ ٹیڑھا ترچھا پن رہے گا۔ کاش یہ لوگ دنیا میں اللہ کے داعی کی آواز پر اسی طرح سیدھے جھپٹتے تو وہاں کام آتا۔ پر یہاں اپنی بد بختی اور کجروی سے ہمیشہ ٹیڑھی چال چلتے رہے۔

۱۱۱۔ رحمٰن کے ڈر سے آوازوں کا پست ہونا: یعنی محشر کی طرف چلنے کی کھسکھساہٹ کے سوا اس وقت رحمٰن کے خوف و ہیبت کے مارے کسی کی آواز نہ سنائی دے گی، اگر کوئی کچھ کہے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہوں۔

۱۱۲۔ کوئی سفارش کام نہیں آئے گی: یعنی اس کی سفارش چلے گی جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سفارش کی اجازت ملے اس کا بولنا خدا کو پسند ہو۔ اور بات ٹھکانے کی کہے اور ایسے شخص کی سفارش کرے جس کی بات (لا الٰہ الا اللہ) خدا کو پسند آچکی ہے کافر کے حق میں کوئی سعی سفارش نہیں چلے گی۔

۱۱۳۔ یعنی خدا کا علم سب کو محیط ہے لیکن بندوں کا علم اس کو یا اس کی معلومات کو محیط نہیں۔ اس لئے وہ اپنے علم محیط سے جانتا ہے کس کو کس کے لئے شفاعت کا موقع دینا چاہیئے۔

۱۱۴۔ متکبرین کے سر جھک جائیں گے: یعنی اس روز بڑے بڑے سرکش متکبروں کے سر بھی علانیہ اسی حی و قیوم کے سامنے ذلیل قیدیوں کی

طرح جھکے ہوں گے جنہوں نے کبھی خدا کے آگے پیشانی نہ ٹیکی تھی اس وقت بڑی عاجزی سے گردن جھکائے چلے آئیں گے۔

١١٥۔ یعنی ظالم کا حال کچھ نہ پوچھو کیا خراب ہو گا۔ ظلم کے لفظ میں شرک اور دوسرے معاصی بھی داخل ہیں جیسے فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان۔١٣) اور وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الخ (آل عمران۔١٣٥) ہر ایک ظالم کی خرابی اس کے درجہ میں ظلم کے موافق ہو گی۔

١١٦۔ بے انصافی یہ کہ کوئی نیکی ضائع کر دی جائے یا نا کردہ گناہ پکڑا جائے۔ اور نقصان پہنچانا یہ کہ استحقاق سے کم بدلہ دیا جائے۔

١١٧۔ قرآن کریم کی تنبیہ صاف ہے: یعنی جیسے یہاں محشر کے احوال اور نیک و بد کے نتائج صاف صاف سنا دیے اسی طرح ہم نے پورا قرآن صاف زبان عربی میں نازل کیا۔ تا جو لوگ اس کے اولین مخاطب ہیں اس کو پڑھ کر خدا سے ڈریں اور تقویٰ کی راہ اختیار کریں، اور اتنا نہ ہو تو کم از کم ان کے دلوں میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ سوچ تو پیدا ہو جائے ممکن ہے یہ ہی سوچ اور غور و فکر آگے بڑھتے بڑھتے ہدایت پر لے آئے۔ اور ان کے ذریعہ سے دوسروں کو ہدایت ہو۔

١١٨۔ جس نے ایسا عظیم الشان قرآن اتارا، اور اپنی رعایا کو ایسی سچی اور کھری باتیں ان کے فائدے کے لئے سنائیں۔

١١٩۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعا کی تعلیم: یعنی جب قرآن ایسی مفید و عجیب چیز ہے تو جس طرح ہم اس کو بتدریج آہستہ آہستہ اتارتے ہیں، تم بھی اس کو جبریل سے لینے میں جلدی نہ کیا کرو۔ جس وقت فرشتہ وحی پڑھ کر سنائے تم عجلت کر کے اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو ہم ذمہ لے چکے ہیں کہ قرآن تمہارے سینہ سے نکلنے نہ پائے گا۔ پھر اس فکر میں کیوں پڑتے ہو کہ کہیں بھول نہ جاؤں اس فکر کے بجائے یوں دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائے۔ دیکھو آدمؑ نے ایک چیز میں بے موقع تعجیل کی تھی اس کا انجام کیا ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جبریل جب قرآن لاتے حضرت انکے پڑھنے کے ساتھ آپ بھی پڑھنے لگتے کہ بھول نہ جاؤں، اس کو پہلے منع فرمایا تھا۔ سورہ قیامت میں لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (١٦،١٧) اور تسلی کر دی تھی کہ اس کا یاد رکھوانا اور لوگوں تک پہنچوانا ہمارے ذمہ ہے۔ لیکن بندہ بشر ہے، شاید بھول گئے ہوں اس لئے پھر اس آیت سے تقید کیا۔ اور بھولنے پر آگے مثل بیان فرمائی آدمؑ کی۔"

وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع ٦/١١ ١٥	١١٥۔ اور ہم نے تاکید کر دی تھی آدم کو اُس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اسمیں کچھ ہمت [١٢٠]
وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾	١١٦۔ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر نہ مانا ابلیس نے
فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾	١١٧۔ پھر کہہ دیا ہم نے اے آدم یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا سو نکلوا نہ دے تمکو بہشت سے پھر تو پڑ جائے تکلیف میں [١٢١]

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ﴿۱۱۸﴾

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ
عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا
يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ
رَبَّهٗ فَغَوٰى ۖ﴿۱۲۱﴾

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ
فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ۵ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ
فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا
وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ
الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

۱۱۸۔ تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو اُس میں اور نہ ننگا

۱۱۹۔ اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں اور نہ دھوپ [۱۲۲]

۱۲۰۔ پھر جی میں ڈالا اُسکے شیطان نے کہا اے آدم میں بتاؤں تجھ کو درخت سدا زندہ رہنے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو [۱۲۳]

۱۲۱۔ پھر دونوں نے کھا لیا اُسمیں سے پھر کھل گئیں اُن پر اُنکی بری چیزیں اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر پتے بہشت کے [۱۲۴] اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا

۱۲۲۔ پھر نواز دیا اُسکو اُسکے رب نے پھر متوجہ ہوا اُس پر اور راہ پر لایا [۱۲۵]

۱۲۳۔ فرمایا اترو یہاں سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن [۱۲۶] پھر اگر پہنچے تمکو میری طرف سے ہدایت [۱۲۷] پھر جو چلا میری بتلائی راہ پر سو نہ وہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا [۱۲۸]

۱۲۴۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اُسکو ملنی ہے گذران تنگی کی [۱۲۹] اور لائیں گے ہم اُسکو دن قیامت کے اندھا [۱۳۰]

۱۲۵۔ وہ کہے گا اے رب کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھنے والا [۱۳۱]

۱۲۶۔ فرمایا یونہی پہنچی تھیں تجھ کو میری آیتیں پھر تو نے انکو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے [۱۳۲]

وَ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَ لَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰى ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور اسی طرح بدلہ دیں گے ہم اُسکو جو حد سے نکلا اور یقین نہ لایا اپنے رب کی باتوں پر [۱۳۳] اور آخرت کا عذاب سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا [۱۳۴]

۱۲۰۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بھول: وہ ہی جو دانہ کھالیا تھا۔ بھول گئے، یعنی قائم نہ رہے آگے اس قصہ کی قدرے تفصیل ہے۔

۱۲۱۔ ظاہر ہے بہشت کا آرام دوسری جگہ کہاں مل سکتا ہے۔ آخر کھانے پہننے، رہنے سہنے کی تدبیریں کرنی پڑیں گی۔

۱۲۲۔ انسان کی یہ ہی بڑی ضرورتیں ہیں، کھانا، پینا، پہننا اور رہنے کے لئے مکان جس میں دھوپ بارش کا بچاؤ ہو، جنت میں اس طرح کی کوئی تکلیف نہیں۔ ہر طرح راحت ہی راحت ہے بہشت آنجا کہ آزارے نباشد۔ یہاں راحت کا ذکر نہیں کیا۔ صرف تکلیفوں کی نفی کی شاید متنبہ کرنے کے لئے کہ یہاں سے نکلے تو ان سب چیزوں کی تکلیف اٹھاؤ گے۔

۱۲۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کا اغواء: یعنی ایسا درخت بتاؤں جس کے کھانے سے کبھی موت نہ آئے اور لازوال بادشاہت ملے۔

۱۲۴۔ یہ سب قصہ سورہ اعراف میں مفصل گذر چکا ہے۔ وہاں کے فوائد میں ہم اس کے اجزاء پر نہایت کافی وشافی کلام کر چکے ہیں۔

۱۲۵۔ یعنی جب حکم الٰہی کے امتثال میں غفلت و کوتاہی ہوئی تو اپنی شان کے موافق عزم واستقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے اسی کو غوایت و عصیان سے تغلیظًا تعبیر فرمایا ہے بقاعدہ حَسَنَاتُ الۡاَبۡرَارِ سَيِّئَاتُ الۡمُقَرَّبِيۡنَ اس کی بحث بھی پہلے گذر چکی۔ یعنی شیطان کا تسلط نہیں ہونے دیا، بلکہ فورًا توبہ کی توفیق بخشی، خلعت قبول سے نوازا، اور بیش از بیش مہربانی سے اسکی طرف متوجہ ہوا اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر قائم کر دیا۔

۱۲۶۔ جنت سے نکلنے کا حکم: اگر یہ خطاب صرف آدم وحوا کو ہے تو یہ مراد ہوگی کہ ان کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کی دشمن رہے گی۔ جیسا رفاقت کر کے گناہ کیا تھا اس رفاقت کا بدلہ یہ ملا کہ اولاد آپس میں دشمن ہوئی۔ اور اگر خطاب آدم وابلیس کو ہے تو یہ مطلب ہوگا کہ دونوں کی ذریت میں یہ دشمنی برابر قائم رہے گی۔ شیاطین ہمیشہ بنی آدم کو ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

۱۲۷۔ یعنی نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ سے۔

۱۲۸۔ یعنی نہ جنت کے راستہ سے بہکے گا نہ اس سے محروم ہو کر تکلیف اٹھائے گا۔ جس وطن اصلی سے نکل کر آیا تھا، بے کھٹکے پھر وہیں جا پہنچے گا۔

۱۲۹۔ اللہ سے غفلت دنیوی زندگی میں تنگی لاتی ہے: جو آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا کی فانی زندگی ہی کو قبلہ مقصود سمجھ بیٹھا ہے، اس کی گذران مکدر اور تنگ کر دی جاتی ہے۔ گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال ودولت اور سامان عیش وعشرت نظر آئیں۔ مگر اس کا دل قناعت وتوکل سے خالی ہونے کی بنا پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے۔ کسی وقت ننانوے کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا، موت کا یقین اور زوال دولت کے خطرات الگ سوہان روح رہتے ہیں۔ یورپ کے اکثر متمعین کو دیکھ لیجئے۔ کسی کو رات دن میں دو گھنٹے اور کسی خوش قسمت کو تین چار گھنٹے سونا نصیب ہوتا ہو گا۔ بڑے بڑے کروڑپتی دنیا کے مخمصوں سے تنگ آکر موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اس نوع کی خودکشی کی بہت مثالیں پائی گئی ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتا اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (الرعد۔۲۸) لیکن "ذوق ابن بادہ ندانی بخدا تا منہ چشی" بعض مفسرین نے مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا کے معنی لئے ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہو سکے۔ گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بدمست ہے اس کا سارا مال و دولت اور سامان عیش وتنعم آخر کار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو۔ اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے۔ بعض مفسرین نے مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا سے قبر کی برزخی زندگی مراد

لی ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے اس پر سخت تنگی کا ایک دور آئے گا جبکہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائے گی۔ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی تفسیر عذاب قبر سے بعض صحابہ نے کی ہے بلکہ بزار نے باسناد جید ابوہریرہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے۔ بہرحال مَعِيْشَةً ضَنْكًا کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

١٣٠۔ حشر میں اندھا اٹھایا جائے گا: یعنی آنکھوں سے اندھا کر کے محشر کی طرف لایا جائے گا۔ اور دل کا بھی اندھا ہو گا کہ کسی حجت کی طرف رستہ نہ پائے گا۔ یہ ابتدائے حشر کا ذکر ہے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی۔ تا دوزخ وغیرہ اہوال محشر کا معائنہ کرے۔

١٣١۔ یعنی جو کافر دنیا میں ظاہری آنکھیں رکھتا تھا تعجب سے سوال کرے گا کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا جو آنکھیں چھین لی گئیں۔

١٣٢۔ یعنی دنیا میں ہماری آیات دیکھ سن کر یقین نہ لایا نہ ان پر عمل کیا۔ ایسا بھولا رہا کہ سب سنی ان سنی کر دی۔ آج اسی طرح تجھ کو بھلایا جا رہا ہے جیسے وہاں اندھا بنا رہا تھا، یہاں اسی کے مناسب سزا ملنے اور اندھا کر کے اٹھائے جانے پر تعجب کیوں ہے۔

١٣٣۔ یعنی اسی طرح ہر ایک مجرم کو اس کے مناسب حال سزا دی جائے گی۔

١٣٤۔ اس لئے بڑی حماقت ہو گی کہ یہاں کی تکلیف سے گھبرائیں اور وہاں کے عذاب سے بچنے کی فکر نہ کریں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی یہ عذاب اندھا ہونے کا حشر میں ہے اور دوزخ میں اور زیادہ۔"

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾	١٢٨۔ سو کیا اُنکو سمجھ نہ آئی اس بات سے کہ کتنی غارت کر دیں ہم نے اُن سے پہلے جماعتیں یہ لوگ پھرتے ہیں اُنکی جگہوں میں [١٣٥] اس میں خوب نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ؕ ﴿١٢٩﴾	١٢٩۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات کہ نکل چکی تیرے ب کی طرف سے تو ضرور ہو جاتی مٹھ بھیڑ اور اگر نہ ہوتا وعدہ مقرر کیا گیا [١٣٦]
فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾	١٣٠۔ سو تو سہتا رہ جو وہ کہیں [١٣٧] اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے [١٣٨] اور کچھ گھڑیوں میں رات کی پڑھا کر [١٣٩] اور دن کی حدوں پر [١٤٠] شاید تو راضی ہو [١٤١]
وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ	١٣١۔ اور مت پسار اپنی آنکھیں اُس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے ان طرح طرح کے لوگوں کو رونق دنیا کی زندگی کی اُنکے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی

رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿١٣١﴾

بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والی[١٤٢]

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ
رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

١٣٢۔ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی قائم رہ اُس پر[١٤٣] ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو اور انجام بھلا ہے پرہیز گاری کا[١٤٤]

وَ قَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ
بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾

١٣٣۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب سے[١٤٥] کیا پہنچ نہیں چکی اُنکو نشانی اگلی کتابوں میں کی[١٤٦]

وَ لَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا
لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ
قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿١٣٤﴾

١٣٤۔ اور اگر ہم ہلاک کر دیتے اُنکو کسی آفت میں اس سے پہلے تو کہتے اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک کسی کو پیغام دیکر کہ ہم چلتے تیری کتاب پر ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ
اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

١٣٥۔ تو کہہ ہر کوئی راہ دیکھتا ہے سو تم بھی راہ دیکھو اور آئندہ جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے راہ پائی[١٤٧]

ع ٨ / ١٧

١٣٥۔ تاریخ سے عبرت: یعنی آخرت میں جو سزا ملے گی اگر اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے ان ہی مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں اپنے کفر و طغیان کی بدولت تباہ کی جا چکی ہیں جن کے افسانے لوگوں کی زبان پر باقی ہیں اور جن میں سے بعض کے کھنڈرات پر ملک شام وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے خود انکا گذر بھی ہوتا ہے۔ جنہیں دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی یاد تازہ ہو جانا چاہئے کہ کس طرح انہی مکانوں میں چلتے پھرتے ہلاک کر دیے گئے۔

١٣٦۔ اللہ کے ڈھیل دینے کی مصلحت: یعنی حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سابق ہے۔ اسی لئے مجرم کو دیر تک اصلاح کا موقع دیتے ہیں اور پوری طرح اتمام حجت کے بدون ہلاک نہیں کرتے۔ بلکہ اس امت کے متعلق تو یہ بھی فرما دیا ہے۔ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال۔٣٣) الخ اور اپنی خاص مہربانی سے عذاب عام مستاصل کو اس امت سے اٹھا لیا ہے۔ یہ بات ہے جو تیرے رب کی طرف سے نکل چکی اگر یہ نہ ہوتی اور ہر ایک مجرم قوم کے عذاب کا ایک خاص وقت مقرر نہ ہوتا تو لازمی طور پر ان کو عذاب آگھیرتا کیونکہ ان کا کفر و شرارت اسی کو مقتضی ہے کہ فوراً ہلاک کر دیے جائیں۔ صرف مصالح مذکورہ بالا مانع ہیں جن سے اس قدر توقف ہو رہا ہے۔ آخر قیامت میں عذاب عظیم کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اور جب وقت آئے گا تو دنیا میں بھی گھمسان کا نمونہ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ بدر میں مسلمانوں سے مڈ بھیڑ ہوئی تو تھوڑا سا

نمونہ دیکھ لیا۔

۱۳۷۔ صبر کی تلقین: یعنی عذاب اپنے وقت پر ہو کر رہے گا۔ تاخیر و امہال کو دیکھ کر یہ لوگ جو کچھ بکیں بکنے دو۔ آپ فی الحال ان کی باتوں کو سہتے رہئے اور صبر و سکون سے آخری نتیجہ کا انتظار کیجئے۔ ان کے کلمات کفر پر حد سے زیادہ مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔

۱۳۸۔ فجر اور عصر کی نمازیں: یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہوئیں۔ یعنی احمقوں اور شریروں کی باتوں پر دھیان نہ کرو۔ صبر و سکون کے ساتھ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ کیونکہ خدا کی مدد صبر و صلوٰۃ دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (القبرہ۔ ۴۵)۔

۱۳۹۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں: اس میں مغرب و عشا بلکہ بعض تفاسیر کے موافق نماز تہجد بھی داخل ہے۔

۱۴۰۔ ظہر کی نماز: یہ ظہر کی نماز ہوئی، کیونکہ اس وقت دن کے نصف اول اور نصف آخر کی حدیں ملتی ہیں۔ بلکہ صحاح و قاموس وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ "طَرَف" "طائفۃ من الشی" یعنی کسی شے کے حصہ کو کہتے ہیں۔ خاص حد اور کنارہ کے معنی نہیں۔ اس صورت میں نہار کو جنس مان کر ہر دن کا ایک خاص حصہ مراد ہو سکتا ہے جہاں دن کی تنصیف ہوتی ہے۔

۱۴۱۔ یعنی ایسا طرز عمل رکھو گے تو ہمیشہ دنیا و آخرۃ میں راضی رہو گے۔ اس عمل کا بڑا بھاری اجر ملے گا اور امت کی مدد ہو گی دنیا میں اور بخشش ہو گی آخرت میں آپ کی سفارش سے جسے دیکھ کر آپ خوش ہوں گے۔

۱۴۲۔ کفار کے اسباب عیش پر نظر نہ کیجئے: یعنی دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین، مجوس وغیرہ کو ہم نے عیش و تنعم کے جو سامان دیے ہیں ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے (جیسے اب تک نہیں دیکھا) یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے (اے پیغمبر!) آپ کے لئے مقدر کی ہے مثلاً قرآن کریم، منصب رسالت، فتوحات عظیمہ، رفع ذکر، اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان کی دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور بذات خود یا اپنے اثر کے اعتبار سے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے بہر حال آپ نہ انکی تکذیب و اعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز و سامان اور مال و دولت کی طرف نظر التفات اٹھائیں۔

۱۴۳۔ نماز کی تاکید: یعنی اپنے متعلقین اور اتباع کو بھی نماز کی تاکید فرماتے رہئے۔ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو (عادت ڈالنے کے لئے) نماز پڑھواؤ۔ جب دس برس کا ہو تو مار کر پڑھاؤ۔

۱۴۴۔ کسب معاش اور نماز: دنیا میں مالک غلاموں سے روزی کمواتے ہیں۔ وہ مالک بندگی چاہتا ہے اور غلاموں کو روزی آپ دیتا ہے (کذا فی الموضح) غرض ہماری نماز سے اس کا کچھ فائدہ نہیں، البتہ ہمارا فائدہ ہے کہ نماز کی برکت سے بے غائلہ روزی ملتی ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (طلاق۔ ۲،۳) اسی لئے اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض ہو تو اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتا کہ کسب معاش کے مقابلہ میں نماز ترک کر دو۔ نماز بہر حال ادا کرنی ہے۔ روزی پہنچانے والا وہ ہی خدا ہے جس کی نماز پڑھتے ہیں۔ الحاصل کسب معاش کے ان ذرائع کا خدا تعالیٰ نے حکم نہیں دیا جو ادائے فرائض عبودیت میں مخل و مزاحم ہوں۔ انسان کو چاہئے کہ پرہیز گاری اختیار کرے۔ انجام کار دیکھ لے گا کہ خدا کس طرح اس کی مدد کرتا ہے۔

۱۴۵۔ یعنی کوئی ایسی کھلی نشانی کیوں نہیں دکھلاتے جس کے بعد ہم کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ورنہ اس روز روز کی تہدید و تخویف سے کیا فائدہ۔

۱۴۶۔ کفار کا مطالبہ معجزات: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی اگلی کتابوں میں خبر ہے رسول آخر الزماں کی۔ یا یہ معنی کہ پہلے پیغمبروں کی نشانی کافی ہے۔ یہ پیغمبر بھی اصولاً ان ہی باتوں کا تقید کرتا ہے۔ کوئی انوکھی بات نہیں کہتا۔ یا یہ نشانی کہ اگلی کتابوں کے موافق واقعات بیان کرتا ہے" اور بہترین تفسیر میرے نزدیک وہ ہے جو ابن کثیرؒ وغیرہ نے اختیار کی۔ یعنی یہ لوگ ہٹ دھرمی سے کہتے ہیں کہ کوئی نشان کیوں نہیں لاتا۔ کیا

اور سینکڑوں نشانات کے علاوہ ان سب سے بڑا عظیم الشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آ چکا جو اگلی کتابوں کے ضروری مضامین کا محافظ اور انکی صداقت کے لئے بطور حجت اور گواہ کے ہے اور جس کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (عنکبوت۔۵۱،۵۰)

۱۴۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کفار کے لئے حجت ہے: یعنی ایسا عظیم الشان نشان دیکھنے کے بعد تو کہتے ہیں کہ کوئی نشان کیوں نہ لایا۔ اور فرض کرو ہم یہ نشانی نہ دکھاتے یعنی قرآن نازل نہ کرتے، بس انزال کتاب اور ارسال رسول سے پہلے ہی کفر و شرک کی سزا میں انکو دھر گھسیٹتے تو شور مچاتے کہ صاحب! سزا دینے سے پیشتر ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا تو بھیجنا تھا کہ ہم کو ذلت و رسوائی اٹھانے سے قبل آگاہ کر دیتا۔ پھر دیکھتے کہ ہم آپ کے کہنے پر کیسا چلتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یوں کہتے اب آیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں۔ فضول حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔ سو خیر ان سے کہدو کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں کہ عنقریب پردہ غیب سے کیسا مستقبل سامنے آتا ہے اس وقت سب حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ کس جماعت کا راستہ سیدھا ہے؟ اور کون اس راستہ پر ٹھیک چل رہا ہے؟

تم سورہ طٰہٰ بتوفیقہ وعونہ فلہ الحمد اوّلاً وآخراً۔ وعلیٰ نبیہ الصلوٰۃ والتسلیم وافراً متکاثراً

اٰیاتها ۱۱۲ ۲۱ سُوۡرَةُ الۡاَنۡۢبِیَآءِ مَکِّیَّةٌ ۷۳ رکوعاتها ۷

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَ هُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ﴿۱﴾

۱۔ نزدیک آ گیا لوگوں کے اُنکے حساب کا وقت اور وہ بیخبر ٹلا رہے ہیں[۱]

مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَ هُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۙ﴿۲﴾

۲۔ کوئی نصیحت نہیں پہنچتی اُنکو اُنکے رب سے نئی مگر اُسکو سنتے ہیں کھیل میں لگے ہوئے

لَاهِیَةً قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجۡوَی ٭ۖ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ٭ۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾

۳۔ کھیل میں پڑے ہیں دل اُنکے [۲] اور چھپا کر مصلحت کی بے انصافوں نے یہ شخص کون ہے ایک آدمی ہے تم ہی جیسا پھر کیوں پھنستے ہو اُسکے جادو میں آنکھوں دیکھتے[۳]

قٰلَ رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِی السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۫ وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۴﴾

۴۔ اُس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی آسمان میں ہو یا زمین میں اور وہ ہے سننے والا جاننے والا[۴]

بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۭ بَلِ افۡتَرٰىهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلۡیَاۡتِنَا بِاٰیَةٍ کَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۵﴾

۵۔ اُسکو چھوڑ کر کہتے ہیں بیہودہ خواب ہیں نہیں جھوٹ باندھ لیا ہے نہیں شعر کہتا ہے پھر چاہیئے لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جیسے پیغام لیکر آئے ہیں پہلے[۵]

مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اَهۡلَکۡنٰهَا ۚ اَفَهُمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾

۶۔ نہیں مانا اُن سے پہلے کسی بستی نے جنکو غارت کر دیا ہم نے کیا اب یہ مان لیں گے[۶]

وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷﴾

۷۔ اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر یہی مردوں کے ہاتھ وحی بھیجتے تھے ہم اُنکو سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے[۷]

وَ مَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ ﴿۸﴾

۸۔ اور نہیں بنائے تھے ہم نے اُنکے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہ جانے والے[۸]

ثُمَّ صَدَقۡنٰهُمُ الۡوَعۡدَ فَاَنۡجَیۡنٰهُمۡ وَ مَنۡ نَّشَآءُ وَ اَهۡلَكۡنَا الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۹﴾

۹۔ پھر سچا کر دیا ہم نے اُن سے وعدہ سو بچا دیا اُنکو اور جسکو ہم نے چاہا اور غارت کر دیا حد سے نکلے والوں کو[۹]

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ كِتٰبًا فِیۡهِ ذِكۡرُكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰﴾ ع

۱۰۔ ہم نے اتاری ہے تمہاری طرف کتاب کہ اُس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم سمجھتے نہیں[۱۰]

ع ١

١۔ **یوم حساب سے غلفت:** یعنی حساب و کتاب اور مجازات کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ لیکن یہ لوگ (مشرکین وغیرہ) سخت غفلت و جہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کوئی تیاری قیامت کی جوابدہی کے لئے نہیں کرتے۔ اور جب آیات اللہ سنا کر خواب غلفت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سن کر نہایت لاپروائی کے ساتھ ٹلا دیتے ہیں۔ گویا کبھی ان کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور حساب دینا ہی نہیں۔ سچ ہے اَلنَّاسُ فِیۡ غَفَلَاتِهِمۡ وَرَحَی الۡمَنِیَّةِ تَطۡحَنُ۔

٢۔ یعنی قرآن کی بڑی بیش قیمت نصیحتوں کو محض ایک کھیل تماشہ کی حیثیت سے سنتے ہیں جن میں اگر اخلاص کے ساتھ غور کرتے تو سب دین و دنیا درست ہو جاتی۔ لیکن جب ہی ادھر سے غافل ہیں اور کھیل تماشہ میں پڑے ہیں تو غور کرنے کی نوبت کہاں سے آئے۔

٣۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار کے مشورے:** جب نصیحت سنتے سنتے تنگ آ گئے تو چند بے انصافوں نے خفیہ میٹنگ کر کے قرآن اور پیغمبر کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ پیغمبر تو ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں، نہ فرشتہ ہیں، نہ ہم سے زیادہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتے ہیں۔ البتہ ان کو جادو آتا ہے۔ جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں وہ ہو نہ ہو جادو کا کلام ہے۔ پھر تم کو کیا مصیبت نے گھیرا کہ آنکھوں دیکھے ان کے جادو میں پھنستے ہو۔ لازم ہے کہ انکے قریب نہ جاؤ۔ قرآن کو جادو شاید اس کی قوت تاثیر اور حیرت انگیز تصرف کو دیکھ کر کہا۔ اور خفیہ میٹنگ اس لئے کی کہ آئندہ حق کے خلاف جو تدابیر کرنے والے تھے یہ اس کی تمہید تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ہشیار دشمن اپنی معاندانہ کارروائیوں کو قبل از وقت طشت از بام کرنا پسند نہیں کرتا اندر ہی اندر آپس میں پروپیگنڈا کیا کرتا ہے۔

٤۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار مکہ کو جواب:** پیغمبر نے فرمادیا کہ تم کتنے ہی چھپا کر مشورے کرو، اللہ کو سب خبر ہے وہ تو آسمان و زمین کی ہر بات کو جانتا ہے پھر تمہارے راز اور سازشیں اس سے کہاں پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

۵۔ قرآن کے سامنے کفار کی بیچارگی اور بد حواسی: قرآن سنکر ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے بد حواس ہو جاتے تھے کہ کسی ایک رائے پر قرار نہ تھا، کبھی اسے جادو بتاتے، کبھی پریشان خوابیں کہتے، کبھی دعوٰی کرتے کہ آپ اپنے جی سے کچھ باتیں جھوٹ گھڑ لائے ہیں۔ جن کا نام قرآن رکھ دیا ہے۔ نہ صرف یہ ہی بلکہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مؤثر اور مسجع عبارت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر واقع میں ایسا نہیں تو چاہئے کہ آپ کوئی ایسا کھلا معجزہ دکھلائیں جیسے معجزات پہلے پیغمبروں نے دکھلائے تھے۔ یہ کہنا بھی محض عناد سے دق کرنے کے لئے تھا کیونکہ اول تو مکہ کے یہ جاہل مشرک پہلے پیغمبروں اور ان کے معجزات کو کیا جانتے تھے، دوسرے آپ کے بیسیوں کھلے کھلے نشان دیکھ چکے تھے جو انبیائے سابقین کے نشانات سے کسی طرح کم نہ تھے۔ جن میں سب سے بڑھ کر یہ ہی قرآن کا معجزہ تھا۔ وہ دل میں سمجھتے تھے کہ نہ یہ جادو کی مہمل عبارتیں ہیں، نہ بیہودہ خوابیں نہ شاعری ہے۔ اسی لئے جب کوئی ایک بات چسپاں نہ ہوتی تو اسے چھوڑ کر دوسری بات کہنے لگتے تھے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (فرقان۔ ۹)

۶۔ یعنی پہلی قوموں کو فرمائشی نشان دکھلائے گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بھی نہ مانے آخر سنت اللہ کے موافق ہلاک کئے گئے۔ اگر ان مشرکین مکہ کی فرمائشیں پوری کی جائیں تو ظاہر ہے یہ ماننے والے تو ہیں نہیں۔ لا محالہ حق تعالیٰ کی عام عادت کے موافق تباہ کئے جائیں گے اور ان کی بالکلیہ تباہی مقصود نہیں۔ بلکہ حکمت الٰہیہ فی الجملہ ان کے باقی رکھنے کو مقتضی ہے۔

۷۔ پچھلے انبیاء بھی بشر تھے: یہ ان کے قول هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا جواب ہوا۔ یعنی پہلے بھی جو پیغمبر آئے جن کی مانند نشانیاں دکھلانے کا آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کرتے ہو، وہ آنحضرت کی طرح بشر تھے، فرشتے نہ تھے۔ اگر اتنی مشہور و مستفیض بات کی بھی اپنی جہالت کی وجہ سے تم کو خبر نہیں، تو خبر رکھنے والوں سے دریافت کر لو آخر یہود و نصاریٰ اہل کتاب سے تمہارے تعلقات ہیں، اتنی موٹی بات ان سے ہی پوچھ لینا کہ پہلے زمانوں میں جو انبیاء و رسل تشریف لائے وہ بشر تھے یا آسمان کے فرشتے۔

۸۔ یعنی بشری خصائص ان میں موجود تھیں، نہ فرشتوں کی طرح ان کا بدن ایسا تھا کہ کبھی کھانا نہ کھاسکتے نہ وہ خدا تھے کہ کبھی موت اور فنا نہ آئے ہمیشہ زندہ رہا کریں۔

۹۔ پچھلی قوموں کے حالات سے عبرت: ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لئے کھڑے کئے گئے تھے خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سروسامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت و نصرت کے وعدے کرتا تھا۔ چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ ان کو مع رفقاء کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جو ان سے ٹکرائے تباہ و غارت کر دیے گئے۔ بیشک محمد ﷺ بھی بشر ہیں۔ لیکن اسی نوع کے بشر ہیں جن کی اعانت و حمایت ساری دنیا کے مقابلہ میں کی جاتی ہے۔ ان کے مخالفین کو چاہئے کہ اپنا انجام سوچ رکھیں اور پہلی قوموں کی مثالوں سے عبرت حاصل کریں۔ کہیں آخرت کے حساب سے پہلے دنیا ہی میں حساب شروع نہ کر دیا جائے۔

۱۰۔ قرآن کریم کی اہمیت: یعنی قرآن کے ذریعہ سے تم کو ہر قسم کی نصیحت و فہمائش کر دی گئی اور سب برا بھلا انجام سمجھا دیا گیا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو گی تو عذاب الٰہی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو گے اور قرآن کی قدر پہچانو گے جو فی الحقیقت تمہارے مجد و شرف کی ایک بڑی دستاویز ہے۔ کیونکہ تمہاری زبان میں اور تمہاری قوم کے ایک فرد کامل پر اترا اور دنیا میں تم کو شہرت دائمی عطا کی۔ اگر اپنے ایسے محسن کو نہ مانو گے تو دنیا میں ذلیل ہو گے اور آخرت کا عذاب الگ رہا آگے ان قوموں کا دنیوی انجام بیان فرماتے ہیں جنہوں نے انبیاء سے دشمنی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کئے تھے۔

وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا
بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾

١١۔ اور کتنی پیس ڈالیں ہم نے بستیاں جو تھیں گنہگار اور اٹھا کھڑے کئے اُنکے پیچھے اور لوگ [11]

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾

١٢۔ پھر جب آہٹ پائی انہوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے ایڑ کرنے

لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ
مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾

١٣۔ ایڑ مت کرو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے گھروں میں شاید کوئی تمکو پوچھے [12]

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾

١٤۔ کہنے لگے ہائے خرابی ہم تھے بیشک گنہگار

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا
خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

١٥۔ پھر برابر یہی رہی اُنکی فریاد یہاں تک کہ ڈھیر کر دیے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے [13]

١١۔ یعنی یہ نہیں کہ ان کے نیست و نابود کر دینے سے اللہ کی زمین اجڑ گئی۔ وہ گئے دوسروں کو ان کی جگہ بسا دیا گیا۔

١٢۔ عذاب کے وقت کا پچھتانا: یعنی جب عذاب الٰہی سامنے آ گیا تو چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگیں اور بھاگ کر جان بچا لیں۔ اس وقت تکوینی طور پر کہا گیا کہ بھاگتے کہاں ہو، ٹھہرو، اور ادھر ہی واپس چلو جہاں عیش کئے تھے اور جہاں بہت سے سامان تنعم جمع کر رکھے تھے۔ شاید وہاں کوئی تم سے پوچھے کہ حضرت! وہ مال و دولت اور زور و قوت کا نشہ کیا ہوا؟ وہ سامان کدھر گئے؟ اور جو نعمتیں خدا نے دے رکھی تھیں انکا شکر کہاں تک ادا کیا تھا؟ یا یہ کہ آپ بڑے آدمی تھے جن کی ہر موقع پر پوچھ ہوتی تھی، اب بھی وہیں چلئے۔ بھاگنے کی ضرورت نہیں تا لوگ اپنے مہمات میں آپ سے مشورے کر سکیں، اور آپ کی رائیں دریافت کر سکیں؟ (یہ سب باتیں تحکمًا کہی گئی ہیں)۔

١٣۔ عذاب دیکھ کر جرائم کا اعتراف: یعنی جب عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تب اپنے جرموں کا اعتراف کیا اور برابر یہ ہی چلاتے رہے کہ بیشک ہم ظالم اور مجرم ہیں۔ لیکن "اب پچھتائے کا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" یہ وقت قبول توبہ کا نہ تھا۔ اعتراف و ندامت اس وقت سب بیکار چیزیں تھیں۔ آخر اس طرح ختم کر دیے گئے جیسے کھیتی ایک دم میں کاٹ کر ڈھیر کر دی جاتی ہے یا آگ میں جلتی ہوئی لکڑی بجھ کر راکھ رہ جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا
لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾

١٦۔ اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے کھیلتے ہوئے [14]

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ
كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾

۱۷۔ اگر ہم چاہتے کہ بنالیں کچھ کھلونا تو بنالیتے ہم اپنے پاس سے اگر ہم کو کرنا ہوتا

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا
هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

۱۸۔ یوں نہیں پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اُس کا سر پھوڑ ڈالتا ہے پھر وہ جاتا رہتا ہے اور تمہارے لئے خرابی ہے اُن باتوں سے جو تم بتلاتے ہو[۱۵]

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ ۚ

۱۹۔ اور اُسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں[۱۶] اور جو اُسکے نزدیک رہتے ہیں سرکشی نہیں کرتے اُسکی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے[۱۷]

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾

۲۱۔ کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اور معبود زمین میں کہ وہ جلا اٹھائیں گے اُنکو[۱۸]

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ
اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے[۱۹] سو پاک ہے اللہ عرش کا مالک اُن باتوں سے جو یہ بتلاتے ہیں[۲۰]

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ اُس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے اور اِن سے پوچھا جائے[۲۱]

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ
هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اُس سے ورے اور معبود تو کہہ لاؤ اپنی سند[۲۲] یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور یہی بات ہے مجھ سے پہلوں کی کوئی نہیں پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے سچی بات سو ٹلا رہے ہیں[۲۳]

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ
اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾

۲۵۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اُسکو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کرو[۲۴]

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ
مُّكْرَمُوْنَ ۙ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور کہتے ہیں رحمٰن نے کر لیا کسی کو بیٹا وہ ہر گز اس لائق نہیں[۲۵] لیکن وہ بندے ہیں جنکو عزت دی ہے

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اس سے بڑھ کر نہیں بول سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں[۲۶]

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا
يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ
مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اُسکو معلوم ہے جو اُنکے آگے ہیں اور پیچھے[۲۷] اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اُسکی جس سے اللہ راضی ہو[۲۸] اور وہ اُسکی ہیبت سے ڈرتے ہیں[۲۹]

وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ
نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

۲۹۔ اور جو کوئی اُن میں کہے کہ میری بندگی ہے اس سے ورے سو اسکو ہم بدلہ دیں گے دوزخ یونہی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو[۳۰]

ع ۲ ۱۹ ۲

۱۴۔ زمین و آسمان کی تخلیق کو کھیل نہ سمجھو: یعنی جس میں کوئی معتدبہ حکمت اور غرض صحیح نہ ہو۔ اس لئے عقلمند کو چاہئے کہ آفرینش عالم کی غرض کو سمجھے اور دنیا کو محض کھیل تماشہ سمجھ کر انجام سے غافل نہ ہو، بلکہ خوب سمجھ لے کہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ہر نیک و بد کی جزا ملنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔

۱۵۔ حق باطل پر غالب آتا ہے: یعنی اگر ایسے لہو و لعب کے کام بالفرض ہماری شان کے لائق ہوتے اور ہم ارادہ بھی کرتے کہ یوں ہی کوئی مشغلہ اور کھیل تماشہ بنا کر کھڑا کر دیں تو یہ چیز ہم بذات خود اپنی قدرت سے کر گذرتے تمہاری دار و گیر اور پکڑ دھکڑ سے اس کو کچھ سروکار نہ ہوتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیا محض کھیل تماشہ نہیں بلکہ میدان کارزار ہے۔ جہاں حق و باطل کی جنگ ہوتی ہے۔ حق حملہ آور ہو کر باطل کا سر کچل ڈالتا ہے۔ اسی سے تم اپنی مشرکانہ اور سفیہانہ باتوں کا انجام سمجھ لو کہ حق و صداقت کا گولا جب پوری قوت سے تم پر گرے گا اس وقت کیسی خرابی اور بربادی تمہارے لئے ہو گی۔ اور کونسی طاقت بچانے آئے گی۔ (تنبیہ) لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا الیٰ آخرہ کی تقریر کئی طرح کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک سباق و لحاق کے اعتبار سے جو معنی زیادہ قریب اور صاف تھے وہ اختیار کئے ہیں۔ اور مِنْ لَّدُنَّاۤ اور اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ کی قیود کے فوائد کی طرف لطیف اشارے کر دیے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶۔ پھر وہ تباہ کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کہاں پناہ مل سکتی ہے۔

۱۷۔ فرشتوں کی عبادت: یعنی فرشتے باوجود مقربین بارگاہ ہونے کے ذرا شیخی نہیں کرتے۔ اپنے پروردگار کی بندگی اور غلامی کو فخر سمجھتے ہیں، وظائف عبودیت کے ادا کرنے میں کبھی سستی یا کاہلی کو راہ نہیں دیتے۔ شب و روز اس کی تسبیح اور یاد میں لگے رہتے ہیں۔ نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔ بلکہ تسبیح و ذکر ہی ان کی غذا ہے۔ جس طرح ہم ہر وقت سانس لیتے ہیں اور دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں، یہی کیفیت انکی تسبیح و ذکر کی

سمجھو۔ وہ کسی کام پر مامور ہوں، کسی خدمت کو بجالا رہے ہوں ایک منٹ ادھر سے غافل نہیں ہوتے۔ جب معصوم و مقرب فرشتوں کا یہ حال ہے تو خطا کار انسان کو کہیں زیادہ اپنے رب کی طرف جھکنے کی ضرورت ہے۔

۱۸۔ اللہ کے سوا کون معبود ہو سکتا ہے: یعنی آسمان والے فرشتے تو اس کی بندگی سے کتراتے نہیں بلکہ ہمہ وقت اس کی یاد اور بندگی میں مشتغل رہتے ہیں، پھر کیا زمین میں کچھ ایسی ہستیاں ہیں جن کو خدا کے بالمقابل معبود ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ اور جب خدا ان کے پجاریوں کو اپنے عذاب سے مار ڈالے تو وہ ان کو پھر جلا اٹھائیں یا ہلاکت سے بچالیں؟ ہرگز نہیں۔

۱۹۔ ایک سے زیادہ خداؤں کا وجود عقلاً ممکن نہیں ایک اہم دلیل: تعدد الٰہہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذلل کا۔ اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو، اسی کو ہم "اللہ" یا "خدا" کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے اب اگر فرض کیجئے آسمان و زمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہوں گے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلافات بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کامل طور پر سرانجام کر سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اسی لئے ماننا پڑا ہے کہ اس کے مانے بدون چارہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں یا ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا۔ وہ خدا نہ رہا۔ اور یا دونوں بالکل مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔ اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔ ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہونا لازم آتا ہے جو خلاف مفروض ہے۔

۲۰۔ جو عرش (تخت شاہی) کا اکیلا مالک ہے، اس کے ملک میں شرکت کی گنجائش ہی نہیں۔ دو خود مختار بادشاہ جب ایک اقلیم میں نہیں سما سکتے جن کی خود مختاری بھی مجازی ہے تو دو مختار کل اور قادر مطلق خدا ایک قلمرو میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

۲۱۔ اللہ قادر مطلق اور مختار کل ہے: یعنی "خدا" تو اس ہستی کا نام ہے جو قادر مطلق اور مختار کل ہو اس کی قدرت و مشیت کو روکنا تو کجا کوئی پوچھ پاچھ بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے فلاں کام اس طرح کیوں کیا۔ ہاں اسکو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے مواخذہ اور باز پرس کر سکتا ہے۔

۲۲۔ شرک پر کوئی دلیل نہیں: پہلے توحید پر دلیل عقلی قائم کی گئی تھی۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے۔ یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کئے ہیں ان کا اثبات کس دلیل عقلی یا نقلی سے ہوا۔ اگر موجود ہو تو پیش کرو۔ ظاہر ہے ان کے پاس بجز اوہام و ظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی تھی، نہ نقلی جسے پیش کر سکتے۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ پہلے ان معبودوں کو فرمایا تھا جن کو خدا کے برابر کوئی سمجھے کہ ایسے دو حاکم ہوتے تو جہان خراب ہو جاتا۔ اب ان کا ذکر فرماتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بطور نائبین اور ماتحت حکام کے ٹھہراتے ہیں۔ سو ان کو مالک کی سند چاہئے۔ سند بغیر نائب کیونکر بن سکتے ہیں۔ اگر سند ہے تو پیش کرو۔

۲۳۔ توحید تمام انبیاء میں مشترک ہے: یعنی میری امت اور پہلی خدا پرست امتوں کی یہ ہی ایک بات ہے کہ اس رب العرش کے سوا کوئی

دوسرا خدا نہیں۔ جس کی عقلی دلیل پہلے بیان ہو چکی۔ تم اگر ملل سماویہ کے اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل رکھتے ہو تو پیش کرو۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ یہ امت اور پہلی امتیں اس امت کی کتاب (قرآن کریم) اور پہلی امتوں کی آسمانی کتابیں (تورات و انجیل وغیرہ) سب اس دعوئے توحید پر متفق رہی ہیں۔ چنانچہ آج بھی باوجود بے شمار تحریفات کے پہلی کتابوں کی ورق گردانی کرو تو توحید کا اعلان اور شرک کا رد صاف صاف پاؤ گے مگر یہ جاہل اس بات کو کیا سمجھیں، اگر سمجھ ہوتی تو حق بات کو سن کر ہرگز نہ ٹلاتے۔

۲۴۔ تمام انبیاء کا ایک ہی پیغام ہے: یعنی تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدہ توحید پر رہا ہے۔ کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ ہمیشہ یہ ہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے۔ ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعویٰ توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔

۲۵۔ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے: عرب کے بعض قبائل ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، سو بتلا دیا کہ یہ خدا کی شان رفیع کے لائق نہیں کہ بیٹے بیٹیاں بنائے۔ اسی میں نصاریٰ کا رد بھی ہو گیا جو حضرت مسیحؑ کو "ابن اللہ" کہتے ہیں۔ نیز یہود کے اس فرقہ کا جو حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔

۲۶۔ وہ اللہ کے بیٹے نہیں مقبول بندے ہیں: یعنی جن برگزیدہ ہستیوں کو تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں۔ ہاں اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز و مقرب ہونے کے ان کے ادب و اطاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور جازت نہ پائیں اس کے سامنے خود آگے بڑھ کر لب نہیں ہلا سکتے اور نہ کوئی کام اس کے حکم کے بدون کر سکتے ہیں۔ گویا کمال عبودیت و بندگی ہی ان کا طغرائے امتیاز ہے۔

۲۷۔ حق تعالیٰ کا علم ان کے تمام ظاہری و باطنی احوال کو محیط ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی قول و فعل اس سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ مقرب بندے اسی حقیقت کو سمجھ کر ہمہ وقت اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں کہ کوئی حالت اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

۲۸۔ یعنی اس کی مرضی معلوم کئے بدون کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے۔ چونکہ مومنین موحدین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لئے ان کے حق میں دنیا و آخرت میں استغفار کرنا ان کا وظیفہ ہے۔

۲۹۔ پھر ان کو خدا کیسے کہا جا سکتا ہے۔ جب خدا نہیں تو خدا کے بیٹے یا بیٹیاں بھی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ صحیح اولاد جنس والدین سے ہونی چاہئے۔

۳۰۔ اللہ کے اقتدار سے وہ بھی باہر نہیں ہیں: یعنی جن کو تم خدا کی اولاد یا خدا بنا رہے ہو اگر بفرض محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت (معاذ اللہ) ایسی بات کہہ گذرے تو وہ ہی دوزخ کی سزا جو حد سے گذرنے والے ظالموں کو ملتی ہے، ہم انکو بھی دیں گے۔ ہمارے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جا سکتے، پھر بھلا خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے انکو کھول دیا[۳۱] اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے[۳۲] پھر کیا یقین نہیں کرتے[۳۳]

وَجَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور رکھ دیے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ کبھی اُنکو لے کر جھک پڑے[۳۴] اور رکھیں اُس میں کشادہ راہیں تا کہ وہ راہ پائیں[۳۵]

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ [۳۶] اور وہ آسمان کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے [۳۷]

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند [۳۸] سب اپنے اپنے گھر میں پھرتے ہیں [۳۹]

۳۱۔ تخلیق کا ابتدائی مادہ: "رتق" کے اصل معنے اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں۔ ابتداءً زمین و آسمان دونوں ظلمت عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے، پھر وجود کے ابتدائی مراحل میں بھی دونوں خلط ملط رہے، بعدہ قدرت کے ہاتھ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا، اس تمیز کے بعد ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنے، اس پر بھی منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے روئید گی، آخر خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دونوں کے منہ کھول دیئے، اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا، نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے۔ اسی زمین میں سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے، آسمان کو کتنے بیشمار ستاروں سے مزّین کر دیا جن میں سے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدی رکھی۔

۳۲۔ زندگی کی ابتدا پانی سے: یعنی عموماً جاندار چیزیں جو تم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ وبلاواسطہ پانی سے بنائی گئیں پانی ہی ان کا مادہ ہے الّا کوئی ایسی مخلوق جس کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اس کی پیدائش میں پانی کو دخل نہیں وہ مستثنیٰ ہو گی۔ تاہم للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے یہ کلیہ صادق رہے گا۔

۳۳۔ یعنی قدرت کے ایسے کھلے نشان اور محکم انتظامات کو دیکھ کر بھی کیا لوگوں کو خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین نہیں آتا۔

۳۴۔ اس کی تقریر سورہ نحل میں گذر چکی۔

۳۵۔ پہاڑوں میں کشادہ راستے: یعنی ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک والوں سے مل سکیں۔ اگر پہاڑ ایسے ڈھب پر پڑتے کہ راہیں بند ہو جاتیں تو یہ بات کہاں ہوتی (کذا فی الموضح) ان ہی کشادہ راہوں کو دیکھ کر انسان حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور توحید کی طرف راہ پا سکتا ہے۔

۳۶۔ آسمان کی تخلیق: یعنی نہ گرے نہ ٹوٹے پھوٹے نہ بدلی جائے، اور شیاطین کے استراق سمع سے بھی محفوظ ہے اور چھت اس لئے کہا کہ دیکھنے میں چھت کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

۳۷۔ کہ کیسی مضبوط و محکم اور وسیع وبلند چھت اتنی مدت سے بدون ستون اور کھمبے کے کھڑی ہے، ذرا سا رنگ و روغن اور پلاسٹر بھی نہیں جھڑتا۔

۳۸۔ یہ ان ہی آسمانی نشانیوں کی قدرے تفصیل ہوئی۔

۳۹۔ فلکی سیاروں کا خلا میں تیرنا: یعنی سورج چاند بلکہ ہر سیارہ اپنے مدار پر پڑا چکر کھا رہا ہے۔ یَسْبَحُوْنَ کے لفظ سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیارات اللہ کے حکم سے بذات خود چلتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ کیلئے زندہ رہنا پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ جائیں گے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ
الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ ہر جی کو چکھنی ہے موت [۴۰] اور ہم تمکو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو [۴۱] اور ہماری طرف پھر کر آجاؤ گے [۴۲]

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا
ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ
الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے تو کوئی کام نہیں اُنکو تجھ سے مگر ٹھٹھا کرنا کیا یہی شخص ہے جو نام لیتا ہے تمہارے معبودوں کا اور وہ رحمٰن کے نام سے منکر ہیں [۴۳]

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا
تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ بنا ہے آدمی جلدی کا اب دکھلاتا ہوں تمکو اپنی نشانیاں سو مجھ سے جلدی مت کرو [۴۴]

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۴۵]

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ
وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اگر جان لیں یہ منکر اُس وقت کو کہ نہ روک سکیں گے اپنے منہ سے آگ اور نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ اُنکو مدد پہنچے گی

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ کچھ نہیں وہ آئے گی اُن پر ناگہاں پھر انکے ہوش کھو دیگی پھر نہ پھیر سکیں گے اُسکو اور نہ اُنکو فرصت ملے گی [۴۶]

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ
سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع ۳

۴۱۔ اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر اُن میں سے وہ چیز جس کا ٹھٹھا کرتے تھے [۴۷]

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ
بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾

٤٢۔ تو کہہ کون نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے [٤٨] کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں [٤٩]

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا
يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾

٤٣۔ یا اُنکے واسطے کوئی معبود ہیں کہ اُنکو بچاتے ہیں ہمارے سوا وہ اپنی بھی مدد نہیں کرسکتے اور نہ اُنکی ہماری طرف سے رفاقت ہو [٥٠]

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ
الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ
اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾

٤٤۔ کوئی نہیں پر ہم نے عیش دیا اُنکو اور اُنکے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بڑھ گئی اُن پر زندگی [٥١] پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اُسکے کناروں سے اب کیا وہ جیتنے والے ہیں [٥٢]

قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖؗ وَ لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ
الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿٤٥﴾

٤٥۔ تو کہہ میں جو تمکو ڈراتا ہوں سو حکم کے موافق اور سنتے نہیں بہرے پکارنے کو جب کوئی اُنکو ڈر کی بات سنائے [٥٣]

وَ لَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ
يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٤٦﴾

٤٦۔ اور کہیں پہنچ جائے اُن تک ایک بھاپ تیرے رب کے عذاب کی تو ضرور کہنے لگیں ہائے کم بختی ہماری بیشک ہم تھے گنہگار [٥٤]

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ
نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾

٤٧۔ اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ کی تو ہم لے آئیں گے اُسکو [٥٥] اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو [٥٦]

۴۰۔ ہر نفس کے لئے موت یقینی ہے: یعنی جس طرح مذکورہ مخلوقات کا وجود حق تعالیٰ کی ایجاد سے ہوا۔ تمام انسانوں کی زندگی بھی اسی کی عطا کردہ ہے جس وقت چاہے گا چھین لے گا موت ہر ایک پر ثابت کر دے گی کہ تمہاری ہستی تمہارے قبضہ میں نہیں۔ چند روز کی چہل پہل تھی جو ختم ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کافر حضور کی باتیں سن کر کہتے تھے کہ یہ ساری دھوم محض اس شخص کے دم تک ہے یہ دنیا سے رخصت ہوئے پھر کچھ نہیں۔ اس سے اگر ان کی غرض یہ تھی کہ موت آنا نبوت کے منافی ہے تو اس کا جواب دیا۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ یعنی انبیاء مرسلین میں سے کون ایسا ہے جس پر کبھی موت طاری نہ ہو ہمیشہ زندہ رہے۔ اور اگر محض آپ کی موت کے تصور سے اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہی مقصود تھا تو اس کا جواب اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ میں دے دیا۔ یعنی خوشی کا ہے کی؟ کیا آپ کا انتقال ہو جائے تو تم کبھی نہیں مرو گے، قیامت کے بوریے سمیٹو گے؟ جب تم کو بھی آگے پیچھے مرنا ہے تو پیغمبر کی وفات پر خوش ہونے کا کیا موقع ہے۔ اس راستہ سے تو سب کو گذرنا ہے کون ہے جس کو کبھی موت کا مزا چکھنا نہیں پڑے گا۔ گویا توحید اور دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد اس آیت میں مسئلہ نبوت کی طرف روئے سخن پھیر دیا گیا۔

۴۱۔ خیر و شر کے ذریعے آزمائش: یعنی دنیا میں سختی نرمی، تندرستی بیماری تنگی فراخی اور مصیبت و عیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون سختی پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور کتنے لوگ ہیں جو مایوسی یا شکوہ شکایت اور ناشکری کے مرض میں مبتلا ہیں۔

۴۲۔ جہاں تمہارے صبر و شکر اور ہر نیک و بد عمل کا پھل دیا جائے گا۔

۴۳۔ کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء اور اس کا جواب: یعنی انجام سے بالکل بے فکر ہو کر یہ لوگ پیغمبر ﷺ کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور ان سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ استہزاء و تحقیر سے کہتے ہیں اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے۔ انہیں شرم نہیں آتی کہ خود حقیقی معبود کے ذکر اور "رحمٰن" کے نام تک سے چڑتے ہیں اس کی سچی کتاب کے منکر ہیں، اور جھوٹے معبودوں کی برائی سن کر چیں بچیں ہوتے ہیں۔ اندریں صورت ہنسی کے قابل انکی حالت ہوئی یا فریق مقابل کی؟

۴۴۔ انسان کی فطرت میں جلد بازی: شاید کفار کے سفیہانہ استہزاء و تمسخر کو سن کر بعضوں کا جی چاہا ہو گا کہ ان بے حیاؤں پر فوراً عذاب آ جائے تو اچھا ہو، اور خود کفار بھی بطور استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے کہ اگر واقعی ہم تمہارے نزدیک مستحق عذاب ہیں تو وہ عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے۔ دونوں کو بتلایا کہ انسان بڑا جلد باز ہے گویا اس کے خمیر میں جلدی پڑی ہے، چاہئے کہ تھوڑا سا صبر کرو۔ عنقریب میں اپنے قہر و انتقام کی نشانیاں تم کو دکھلا دوں گا۔

۴۵۔ یعنی کہتے رہتے ہو کہ قیامت آئے گی اور سب کافر ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلیں گے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر سچے ہو تو قیامت اور جہنم کو ابھی کیوں نہیں بلا لیتے۔

۴۶۔ کفار آگ کی حقیقت سے بے خبر ہیں: یعنی اگر ان پر حقیقت منکشف ہو جائے اور اس ہولناک گھڑی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں تو کبھی ایسی درخواست نہ کریں۔ یہ باتیں اس وقت بے فکری میں سوجھ رہی ہیں، جب وہ وقت سامنے آ جائے گا کہ آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہو گی تو نہ کسی طرف سے اسکو دفع کر سکیں گے، نہ کہیں سے مدد پہنچے گی، نہ مہلت ملے گی، نہ پہلے سے اس کا کامل اندازہ ہو گا۔ اس کے اچانک سامنے آ جانے سے ہوش باختہ ہو جائیں گے تب پتہ چلے گا کہ جس چیز کی ہنسی کرتے تھے وہ حقیقت ثابتہ تھی۔

۴۷۔ پچھلے انبیاء سے استہزاء اور اس کا انجام: یعنی جس چیز سے ٹھٹھا کرتے تھے اس کی سزا نے گھیر لیا اور ان کی ہنسی ان ہی پر الٹ دی گئی۔

۴۸۔ رحمٰن سے کفار کی غفلت: یعنی رحمٰن کے غصہ اور عذاب سے تمہاری حفاظت کرنے والا دوسرا کون ہے، محض اس کی رحمت واسعہ ہے جو

فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ لیکن ایسے رحمت والے حلیم وبردبار کے غصہ سے ڈرنا بھی بہت چاہئے۔ نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔

۴۹۔ یعنی رحمٰن کی حفاظت کا ان کو احساس واعتراف نہیں۔ عیش وتنعم اور پرامن زندگی نے پروردگار حقیقی کی یاد سے غافل کر رکھا ہے اسی لئے جب اس کی طرف سے کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ یہ کہاں کی باتیں شروع کر دیں۔

۵۰۔ فرضی معبودوں کی حقیقت: یعنی کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت خیال ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں؟ اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے؟ سو وہ مسکین ان کی مدد اور حفاظت تو درکنار، خود اپنے وجود کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے، اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کچھ چیز ان کے پاس سے چھین کر لے جائے تو اتنی قدرت نہیں کہ مدافعانہ تحفظ کے لئے خود ہاتھ پاؤں ہلا سکیں یا اپنے بچاؤ کی خاطر ہماری امداد ورفاقت حاصل کر لیں۔

۵۱۔ کفار کی غلفت اور غرور کی وجہ: یعنی رحمٰن کی کلاءت وحفاظت اور بتوں کا عجز وبیچارگی ایسی چیز نہیں جس کو یہ لوگ سمجھ نہ سکیں بات یہ ہے کہ پشت ہاپشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں۔ کوئی جھٹکا عذاب الٰہی کا نہیں لگا اس پر مغرور ہو گئے اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر حق تعالیٰ کا پیغام اور پیغمبروں کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا۔

۵۲۔ کفار کے مغلوب ہونے کے قرائن: یعنی عرب کے ملک میں اسلام پھیلنے لگا ہے اور کفر گھٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے۔ ان کی حکومتیں اور سرداریاں ٹوٹتی جارہی ہیں۔ کیا ایسے کھلے ہوئے آثار وقرائن دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا۔ اور کیا ان مشاہدات کے باوجود وہ اسی کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں پر ہم غالب ہوں گے۔ اگر چشم عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گردوپیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب وعداوت کی سزا میں تباہ کی جاچکی ہیں اور ہمیشہ آخر کار خدا کے وفاداروں کا مشن کامیاب رہا ہے پھر سید المرسلین اور مومنین کاملین کے مقابلہ میں غالب آنے کی انکو کیا توقع ہو سکتی ہے۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (احقاف۔٢٧) (تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورہ "رعد" کے آخر میں گذر چکی وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

۵۳۔ کفار بہرے ہیں کہ دعوت حق نہیں سنتے: یعنی ہمارا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کر دینا ہے۔ دل کے بہرے اگر اس پکار کو نہ سنیں تو ہمارا قصور نہیں۔ وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے۔

۵۴۔ یعنی یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں، صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں۔ اگر عذاب الٰہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑ گئی یا خدا کے قہر وانتقام کی ادنیٰ بھاپ بھی ان کو چھو گئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے اس وقت بدحواس ہو کر چلائیں گے کہ بیشک ہم بڑے بھاری مجرم تھے جو ایسی کم بختی آئی۔

۵۵۔ انصاف کی میزان اور وزن اعمال: یعنی رائی کے دانہ کے برابر کسی کا عمل ہو گا وہ بھی میزان میں تلے گا، ادھر ادھر ضائع نہ ہو گا نہ کسی پر ظلم وزیادتی کی جائے گی۔ رتی رتی کا حساب برابر کر دیا جائے گا۔ (تنبیہ) "موازین" "میزان" کی جمع ہے۔ شاید بہت سی ترازوئیں ہوں یا ایک ہی ہو مگر مختلف اعمال وعمّال کے اعتبار سے کئی قرار دے دی گئیں۔ واللہ اعلم۔ وزن اعمال اور میزان کے متعلق پہلے سورہ "اعراف" میں کلام کیا جا چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔

۵۶۔ یعنی ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہو گا۔ جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کسی مددگار کی ضرورت ہے۔ آگے بتلایا کہ انذار وتخویف کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے آج جن باتوں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ڈراتے ہیں انبیائے سابقین بھی ان سے ڈراتے چلے آتے ہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾

٤٨۔ اور ہم نے دی تھی موسٰی اور ہارون کو فیصلے چکانے والی کتاب اور روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کو[٥٧]

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

٤٩۔ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں[٥٨]

وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾

٥٠۔ اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی جو ہم نے اتاری سو کیا تم اُسکو نہیں مانتے[٥٩]

ع ٤

٥٧۔ حضرت موسٰی علیہ السلام وہارون علیہ السلام کو تورات دی گئی: یعنی تورات شریف جو حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور حلال و حرام کے قضیے چکانے والی اور جہل وغفلت کی اندھیریوں میں روشنی پہنچانے والی اور خدا سے ڈرنے والوں کو نصیحت سنانے والی کتاب تھی۔

٥٨۔ مومنین کی خشیت: قیامت کا خطرہ بھی اسی لئے رکھتے ہیں کہ ان کے دل میں خدا کا ڈر ہے۔ ہر وقت دل میں کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں کیا صورت پیش آئے گی۔ کہیں العیاذ باللہ حق تعالٰی کی ناراضی اور عذاب کے مورد نہ بن جائیں۔ ظاہر ہے ایسے ہی لوگ نصیحت سے منتفع ہوتے ہیں۔

٥٩۔ قرآن مبارک ذکر ہے: یعنی ایک نصیحت کی کتاب یہ قرآن تمہارے سامنے موجود ہے جس کا جلیل القدر، عظیم النفع اور کثیر الخیر ہونا، تورات سے بھی زیادہ روشن ہے۔ کیا ایسی واضح اور روشن کتاب کے تم منکر ہوتے ہو جہاں انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ ج

٥١۔ اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اُسکی نیک راہ[٦٠] اور ہم رکھتے ہیں اُسکی خبر[٦١]

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾

٥٢۔ جب کہا اُس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو یہ کیسی مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو[٦٢]

قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾

٥٣۔ بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرتے[٦٣]

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٤﴾

٥٤۔ بولا مقرر ہے تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں[٦٤]

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾

۵۵۔ بولے تو ہمارے پاس لایا ہے سچی بات یا تو کھلاڑیاں کرتا ہے[۶۵]

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِیْ
فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿٥٦﴾

۵۶۔ بولا نہیں رب تمہارا وہی ہے رب آسمان اور زمین کا جس نے اُنکو بنایا اور میں اسی بات کا قائل ہوں[۶۶]

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا
مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾

۵۷۔ اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جاچکو گے پیٹھ پھیر کر[۶۷]

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ
يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾

۵۸۔ پھر کر ڈالا اُنکو ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بڑا اُن کا کہ شاید اُسکی طرف رجوع کریں[۶۸]

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾

۵۹۔ کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ وہ تو کوئی بے انصاف ہے[۶۹]

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ
اِبْرٰهِيْمُ ؕ ﴿٦٠﴾

۶۰۔ وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان جو بتوں کو کچھ کہا کرتا ہے اُسکو کہتے ہیں ابراہیم[۷۰]

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾

۶۱۔ وہ بولے اُسکو لے آؤ لوگوں کے سامنے شاید وہ دیکھیں[۷۱]

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ؕ ﴿٦٢﴾

۶۲۔ بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کیساتھ اے ابراہیم

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ
كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

۶۳۔ بولا نہیں پر یہ کیا ہے اُنکے اس بڑے نے سو اُن سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں[۷۲]

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۙ﴿٦٤﴾

۶۴۔ پھر سوچے اپنے جی میں پھر بولے لوگو تم ہی بے انصاف ہو[۷۳]

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ
يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

۶۵۔ پھر اوندھے ہو گئے سر جھکا کر[۷۴] تو تو جانتا ہے جیسا یہ بولتے ہیں[۷۵]

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ
شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ؕ﴿٦٦﴾

۶۶۔ بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے ایسے کو جو تمہارا کچھ بھلا کرے نہ برا

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

۶۷۔ بیزار ہوں میں تم سے اور جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے کیا تم کو سمجھ نہیں[۷۶]

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾

۶۸۔ بولے اسکو جلاؤ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر کچھ کرتے ہو[۷۷]

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۙ﴿٦٩﴾

۶۹۔ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور آرام کر ابراہیم پر[۷۸]

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ﴿٧٠﴾

۷۰۔ اور چاہنے لگے اُس کا برا پھر اُنہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں[۷۹]

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا
لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

۷۱۔ اور بچا نکالا ہم نے اُسکو اور لوط کو اُس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے[۸۰]

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا
جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾

۷۲۔ اور بخشا ہم نے اُسکو اسحٰق اور یعقوب دیا انعام میں[۸۱] اور سب کو نیک بخت کیا[۸۲]

وَ جَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیۡتَآءَ الزَّکٰوةِ ۚ وَ کَانُوۡا لَنَا عٰبِدِیۡنَ ﴿٧٣﴾

٧٣۔ اور اُنکو کیا ہم نے پیشوا راہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے [٨٣] اور کہلا بھیجا ہم نے اُنکو کرنا نیکیوں کا اور قائم رکھنی نماز اور دینی زکوۃ [٨٤] اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے ہوئے [٨٥]

٦٠۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رشد وہدایت: یعنی حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰؑ سے پیشتر ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی اعلیٰ قابلیت وشان کے مناسب رشد وہدایت دی تھی، بلکہ جوانی سے پہلے ہی بچپن میں اس نیک راہ پر ڈال دیا تھا جو ایسے اولوا العزم انبیاء کے شایان شان ہو۔

٦١۔ یعنی اس کی استعداد واہلیت اور کمالات علمیہ وعملیہ کی پوری خبر ہم ہی رکھتے ہیں۔ اسی لئے جو رشد وہدیٰ اس کے حسب حال تھی ہم نے عطا کر دی۔

٦٢۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت: یعنی ذرا ان کی اصلیت اور حقیقت تو بیان کرو۔ آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں۔

٦٣۔ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید: یعنی عقل وفطرت اور نقل معتد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے نہ سہی لیکن بڑی بھاری دلیل بت پرستی کے حق وصواب ہونے کی یہ ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا ان ہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔

٦٤۔ یعنی اس دلیل سے تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہ ہوئی، ہاں یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے جن کی کورانہ تقلید میں تم تباہ ہو رہے ہو۔

٦٥۔ تمام قوم کے عقیدہ کے خلاف ابرہیمؑ کی ایسی سخت گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہو گیا کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا خیال اور عقیدہ یہ ہی ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کرتا ہے۔

٦٦۔ دعوت توحید: یعنی میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور پورے یقین وبصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا تمہارا سب کا رب وہ ہی ایک خدا ہے جس نے آسمان زمین پیدا کئے اور ان کی دیکھ بھال رکھی۔ کوئی دوسری چیز اس کی خدائی میں شریک نہیں ہو سکتی۔

٦٧۔ کفار کا اضطراب: یہ بات ذرا آہستہ کہی، کہ بعض نے سنی، بہتوں نے نہ سنی، جنھوں نے سنی اس کی کچھ پروانہ کی، کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ تنہا ایک نوجوان ساری قوم کے معبودوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

٦٨۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا: جب وہ لوگ شہر سے باہر ایک میلہ میں گئے تب ابراہیمؑ نے بت خانہ میں جا کر بتوں کو توڑ ڈالا۔ صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم وتکریم کے ان کے نزدیک سب سے بڑا تھا، اور جس کلہاڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے کے گلے میں لٹکا دی، تا وہ لوگ جب واپس آ کر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو یا الزاماً اس کی طرف رجوع کرایا جاسکے۔

٦٩۔ کفار کا غصہ: یعنی یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کی۔ یقیناً جس نے یہ کام کیا بڑا ظالم اور شریر ہے (استغفر اللہ) یہ شاید ان لوگوں نے کہا ہو گا جن کے کان تک تَاللّٰہِ لَاَکِیۡدَنَّ اَصۡنَامَکُمۡ کی آواز نہ پہنچی تھی۔

٧٠۔ یہ کہنے والے وہ لوگ ہوں گے جو حضرت ابراہیمؑ کے جملے سن چکے تھے۔ یعنی وہ ہی ایک شخص ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے، یقیناً یہ کام اسی نے کیا ہو گا۔

٧١۔ مجمع عام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے باز پرس: یعنی اس کو بلا کر برملا مجمع عام میں بیان لیا جائے۔ تا معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر اور خود

اس کی باتیں سن کر گواہ رہیں کہ جو سزا اس کو قوم کی طرف سے دی جائے گی۔ بیشک وہ اس کا مستحق تھا۔ یہ تو ان کی غرض تھی اور حضرت ابراہیمؑ کا مقصود بھی یہ ہی ہو گا کہ مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ مشرکین کو عاجز و مبہوت کریں اور علیٰ رؤس الاشہاد غلبہ حق کا اظہار ہو۔

۷۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرانہ جواب اور شرک کا ابطال: یعنی مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ فرض کر لیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے، یہ کام کیا ہو گا۔ لیجئے بحث و تحقیق کے وقت بطور الزام و تبکیت میں یہ دعویٰ کئے لیتا ہوں کہ بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے۔ اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں، اس لئے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے ان معبودوں سے دریافت کر لو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا۔ اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دیں گے؟ (تنبیہ) ہماری تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ بَلْ فَعَلَهٗ ۚ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کہنا خلاف واقعہ خبر دینے کے طور پر نہ تھا جسے حقیقۃً جھوٹ کہا جائے بلکہ ان کی تحمیق و تجہیل کے لئے ایک فرضی احتمال کو بصورت دعویٰ لے کر بطور تعریض و الزام کلام کیا گیا تھا جیسا کہ عموماً بحث و مناظرہ میں ہوتا ہے، اس کو جھوٹ نہیں کہہ سکتے، ہاں بظاہر صورت جھوٹ کی معلوم ہوتی ہے اسی لئے بعض احادیث میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق صورۃً کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کی توجیہہ میں اور بھی کئی محمل بیان کئے ہیں، مگر ہمارے نزدیک یہ ہی تقریر زیادہ صاف، بے تکلف اور اقرب الی الروایات ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۳۔ کفار کی شرمندگی: یعنی سمجھے کہ بیکار پتھر پوجنے سے کیا حاصل یا یہ مطلب ہو کہ تم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا کہ باوجود ابراہیمؑ کی دھمکی سننے کے یوں ہی لاپروائی سے بت خانہ کھلا چھوڑ کر چلے گئے اپنے معبودوں کی حفاظت کا کوئی سامان کر کے نہ گئے۔ کذا قال ابن کثیرؒ۔

۷۴۔ یعنی شرمندگی سے آنکھ نہیں ملا سکتے۔

۷۵۔ کفار کا جواب: یعنی جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے۔ کہیں پتھر بھی بولے ہیں؟

۷۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملامت: یعنی پھر تم کو ڈوب مرنا چاہئے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے، کسی آڑے وقت کام نہ آسکے، ذرہ برابر نفع و نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو، اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے، کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔

۷۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلانے کا فیصلہ: یعنی بحث و مناظرہ میں تو اس سے جیت نہیں سکتے۔ اب صرف ایک ہی صورت ہے کہ (جو معبود ہماری بلکہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے) ہم ان کی مدد کریں اور ان کے دشمن کو سخت ترین سزا دیں۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو ہم نے کچھ کام نہ کیا چنانچہ اس مشورہ کے موافق حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کی سزا تجویز ہوئی۔ گویا جس طرح ابراہیمؑ نے بت توڑ کر ان کے دل جلائے تھے یہ انکو آگ میں جلا ڈالیں۔ آخر ظالموں نے جمع ہو کر نہایت اہتمام اور بے رحمی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کو سخت بھڑکتی ہوئی آگ کی نذر کر دیا۔

۷۸۔ آگ کو ٹھنڈا ہونے اور سلامتی کا حکم: یعنی تکویناً آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو جا۔ لیکن اس قدر ٹھنڈی نہیں کہ برودت سے تکلیف پہنچنے لگے۔ ایسی معتدل ٹھنڈک ہو جو جسم و جان کو خوشگوار معلوم ہونے لگے۔ (تنبیہ) آگ کا ابراہیمؑ پر ٹھنڈا ہو جانا ان کا معجزہ تھا۔ معجزہ کی حقیقت یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی عام عادت کے خلاف سبب عادی کو مسبب سے یا مسبب کو سبب سے جدا کر دے یہاں احراق کا سبب (آگ) موجود تھی، مگر مسبب اس پر مرتب نہ ہوا۔ معجزہ وغیرہ کے متعلق مفصل کلام ہم نے ایک مستقل تحریر میں کیا ہے جو رسالہ "المحمود" کے کئی نمبروں میں چھپ چکا۔ فلیراجع۔

۷۹۔ حق کی صداقت کا اظہار: یعنی ابراہیمؑ کا برا چاہتے تھے، لیکن خود ناکامی، ذلت، اور خسارہ میں پڑ گئے۔ حق کی صداقت برملا ظاہر ہوئی اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔ قال فی "البحر المحیط" قَدْ اَكْثَرَ النَّاسُ فِيْ حِكَايَةِ مَا جَرٰى لِاِبْرَاهِيْمَ ۔ وَالَّذِيْ صَحَّ هُوَ مَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ اَنَّهٗ علیہ السلامُ

اُلْقِيَ فِي النَّارِ فَجَعَلَهَا اللّٰهُ عليهِ بَرْدًا وَّ سَلامًا۔

٨٠۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی شام کی طرف ہجرت: یعنی حضرت ابراہیمؑ کو مع حضرت لوطؑ کے صحیح سالم ملک شام میں لے گئے جہاں بہت سے ظاہری وباطنی برکات ودیعت کی گئی ہیں۔

٨١۔ یعنی بڑھاپے میں بیٹا مانگا تھا، ہم نے پوتا بھی دے دیا۔ یعنی یعقوبؑ۔

٨٢۔ یعنی ابراہیمؑ، لوطؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں ہیں کیونکہ سب نبی ہوئے اور انبیاء سے بڑھ کر نیکی کس میں ہو سکتی ہے۔

٨٣۔ یعنی ایسے کامل تھے کہ دوسروں کی تکمیل بھی کرتے تھے۔

٨٤۔ یعنی ان کی طرف وحی بھیجی جس میں ان امور کی تاکید تھی۔ یہ ان کا کمال علمی ہوا۔

٨٥۔ آل ابراہیم علیہ السلام کی مناقب: یعنی شب وروز ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے کسی دوسری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ یہی انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ ان کا ہر کام خدا کی بندگی کا پہلو لئے ہوتا ہے۔ یہ عملی کمال ہوا۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾

٧٤۔ اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ [٨٦] اور بچا نکالا اُسکو اس بستی سے جو کرتے تھے گندے کام وہ تھے لوگ بڑے نافرمان [٨٧]

وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ ع ٥

٧٥۔ اور اُسکو لے لیا ہم نے اپنی رحمت میں وہ ہے نیک بختوں میں [٨٨]

٨٦۔ یعنی حکمت وحکومت اور علم وفہم جو انبیاء کی شان کے لائق ہو۔

٨٧۔ قوم لوط کی بستی: بستی سے مراد "سدوم" اور اس کے ملحقات ہیں۔ وہاں کے لوگ خلاف فطرت افعال کے مرتکب اور بہت سے گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ ان کا قصہ پہلے کئی جگہ گذر چکا۔

٨٨۔ حضرت لوط علیہ السلام پر رحمت: یعنی جب لوطؑ کی قوم پر عذاب بھیجا تو لوطؑ اور اس کے ساتھیوں کو ہم نے اپنی مہربانی اور رحمت کی چادر میں ڈھانپ لیا۔ تا نیکوں کا اور بدوں کا انجام الگ الگ ظاہر ہو جائے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾

٧٦۔ اور نوح کو جب اُس نے پکارا اُس سے پہلے [٨٩] پھر قبول کر لی ہم نے اُس کی دعا سو بچا دیا اُسکو اور اسکے گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ سے

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

٧٧۔ اور مدد کی اُسکی اُن لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں وہ تھے برے لوگ پھر ڈبا دیا ہم نے اُن سب کو [٩٠]

٨٩۔ یعنی ابراہیمؑ اور لوطؑ سے پہلے۔

٩٠۔ **حضرت نوح علیہ السلام کو کرب عظیم سے نجات:** نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس تک قوم کو سمجھاتے رہے۔ اتنی طویل مدت میں سخت زہرہ گداز سختیاں اٹھائیں، آخر دعا کی اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (قمر۔١٠) اور رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح۔٢٦) حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ کافروں کو طوفان سے غرق کر دیا اور نوحؑ کو ہمراہیوں کے طوفان کی گھبراہٹ اور کفار کی ایذا دہی سے بچالیا۔ ان کا مفصل قصہ پہلے گذر چکا۔

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾

٧٨۔ اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصل کرنے کھیتی کا جھگڑا جب روند گئیں اُسکو رات میں ایک قوم کی بکریاں اور سامنے تھا ہمارے اُن کا فیصلہ

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾

٧٩۔ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ [٩١] اور تابع کیے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھا کرتے اور اڑتے جانور [٩٢] اور یہ سب کچھ ہم نے کیا [٩٣]

وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾

٨٠۔ اور اُسکو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تمکو لڑائی میں [٩٤] سو کچھ تم شکر کرتے ہو [٩٥]

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿٨١﴾

٨١۔ اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی اسکے حکم اسے اُس زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے [٩٦] اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے [٩٧]

وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٨٢﴾

٨٢۔ اور تابع کئے کتنے شیطان جو غوطہ لگاتے اُسکے واسطے اور بہت سے کام بناتے اسکے سوائے [٩٨] اور ہم نے اُنکو تھام رکھا تھا [٩٩]

٩١۔ دربار داؤد علیہ السلام میں مقدمہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکیمانہ فیصلہ: حضرت داؤدؑ اللہ کے پیغمبر تھے۔ حضرت سلیمانؑ ان کے صاحبزادے ہیں، اور خود نبی ہیں دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت، قوت فیصلہ اور علم و حکمت عنایت فرمائے تھے۔ حضرت سلیمانؑ بچپن ہی میں میں اس قدر غیر معمولی سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جائیں حضرت داؤدؑ کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں آگھسیں کھیتی کا نقصان ہوا، حضرت داؤدؑ نے یہ دیکھ کر کہ بکریوں کی قیمت اس مالیت کے برابر ہے۔ جس کا کھیت والے نے نقصان اٹھایا تھا، یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کھیتی والا بکریاں اپنے پاس رکھے اور دودھ پیئے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی اور تردد کریں جب کھیتی جیسی تھی ویسی ہو جائے تو بکریاں لوٹا دیں اور کھیتی لے لیں اس میں دونوں کا نقصان نہ ہوگا۔ حضرت داؤدؑ نے بھی یہ فیصلہ سن کر تحسین فرمائی اور اپنے اجتہاد سے رجوع کیا۔ گویا اصول فقہ کی اصطلاح میں سلیمانؑ کے استحسان کو اپنے قیاس کے مقابلہ میں قبول فرمالیا۔ باپ بیٹے دونوں نے جو فیصلہ شرکائے مقدمہ کے حق میں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھا اور دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی قوت اور سمجھ عنایت کی تھی۔ لیکن اصل گر کی بات اس نے سلیمانؑ کو سمجھادی وہ اس نتیجہ پر پہنچے جو اللہ کے نزدیک اصلح واصوب تھا اور جسے آخر کار داؤدؑ نے بھی قبول کیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بادشاہ ہو کر بھی مخلوق کے چھوٹے چھوٹے معاملات کی طرف اسی قدر توجہ فرماتے ہیں۔ جیسے بڑے مہم کاموں کی طرف۔

٩٢۔ لحن داؤدی کی معجزانہ تاثیر: حضرت داؤدؑ بے انتہا خوش آواز تھے اس پر پیغمبرانہ تاثیر، حالت یہ ہوتی تھی کہ جب جوش میں آ کر زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح و تحمید کرتے تو پہاڑ اور پرند جانور بھی ان کے ساتھ آواز سے تسبیح پڑھنے لگتے تھے۔

٩٣۔ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کی دلیل: یعنی تعجب نہ کرو کہ پتھر اور جانور کیسے بولتے اور تسبیح پڑھتے ہوں گے۔ یہ سب کچھ ہمارا کیا ہوا تھا، بھلا ہماری لامحدود قدرت کے لحاظ سے یہ باتیں کیا مستبعد سمجھی جاسکتی ہیں۔

٩٤۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زرہیں بنانا: حق تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کے ہاتھ میں لوہا موم کر دیا تھا۔ اسے موڑ کر نہایت ہلکی، مضبوط، جدید قسم کی زرہیں تیار کرتے تھے جو لڑائی میں کام دیں۔

٩٥۔ یعنی تمہارے فائدہ کے لئے ہم نے داؤدؑ کے ذریعہ سے ایسی عجیب صنعت نکال دی، سوچو کہ تم اس قسم کی نعمتوں کا کچھ شکر ادا کرتے ہو۔

٩٦۔ ہوا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت: حضرت سلیمانؑ نے دعا کی تھی۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (ص۔ ٣٥) اللہ تعالیٰ نے ہوا اور جن ان کے لئے مسخر کر دئے۔ حضرت سلیمانؑ نے ایک تخت تیار کرایا تھا۔ جس پر مع اعیان دولت بیٹھ جاتے اور ضروری سامان بھی بار کر لیا جاتا، پھر ہوا آتی، زور سے اس کو زمین سے اٹھاتی، پھر اوپر جا کر نرم ہوا ان کی ضرورت کے مناسب چلتی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ (ص۔ ٣٦) یمن سے شام کو اور شام سے یمن کو مہینہ کی راہ دوپہر میں پہنچادیتی۔ تعجب ہے کہ آج عجیب وغریب ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک سے کرسکتا ہے خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کرسکتا۔

٩٧۔ کہ کس کو کس قسم کا امتیاز دینا مناسب ہے اور ہوا وغیرہ عناصر سے کس طرح کام لیا جاسکتا ہے۔

٩٨۔ سرکش جنات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت: شیاطین سے مراد سرکش جن ہیں، ان سے حضرت سلیمانؑ دریا میں غوطہ لگواتے تا موتی اور جواہر اس کی تہ میں سے نکالیں اور عمارات میں بھاری کام کرواتے اور حوض کے برابر تانبے کے لگن اور بڑی عظیم الشان دیگیں جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں بنوا کر اٹھواتے تھے اور سخت سخت کام ان سے لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کے حیرت انگیز کام اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مادی قوتوں سے کرائے ہیں اس وقت مخفی اور روحی قوتوں سے کرائے جاتے تھے۔

۹۹۔ جنات کی تسخیر اللہ کی طرف سے تھی: یعنی ہم نے اپنے اقتدار کامل سے ان شیاطین کو سلیمانؑ کی قید میں اس طرح تھام رکھا تھا کہ جو چاہتے ان سے بیگار لیتے تھے اور وہ کوئی ضرر سلیمانؑ کو نہیں پہنچا سکتے تھے۔ ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں کر لے اور زنجیروں میں جکڑ کر رکھ چھوڑے۔ وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ (ص۔۳۸)

وَ اَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ۚۖ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور ایوب کو جس وقت پکارا اُس نے اپنے رب کو کہ مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم کرنے والا

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّ اٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَ مِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ ذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ پھر ہم نے سن لی اُسکی فریاد سو دور کر دی جو اُس پر تھی تکلیف اور عطا کئے اُسکو اسکے گھر والے اور اتنے ہی اور اُنکے ساتھ [۱۰۰] رحمت اپنی طرف سے اور نصیحت بندگی کرنے والوں کو [۱۰۱]

۱۰۰۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف اور دعا: حضرت ایوبؑ کو حق تعالیٰ نے دنیا میں سب طرح آسودہ رکھا تھا، کھیت، مواشی، لونڈی غلام اولاد صالح، اور عورت مرضی کے موافق عطا کی تھی۔ حضرت ایوبؑ بڑے شکر گذار بندے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مواشی مر گئے، اور اولاد اکھٹی دب مری، دوست آشنا الگ ہو گئے، بدن میں آبلے پڑ کر کیڑے پڑ گئے، ایک بیوی رفیق رہی، آخر میں وہ بے چاری بھی اکتانے لگی۔ مگر حضرت ایوبؑ جیسے نعمت میں شاکر تھے ویسے ہی بلا میں صابر رہے۔ جب تکلیف واذیت اور دشمنوں کی شماتت حد سے گذر گئی۔ بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقینًا ایوبؑ نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے۔ جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی، تب دعا کی رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ رب کو پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اولاد سے دگنی اولاد دی، زمین سے چشمہ نکالا۔ اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوئے۔ بدن کا سارا روگ جاتا رہا۔ اور جیسا کہ حدیث میں ہے سونے کی ٹڈیاں برسائیں۔ غرض سب طرح درست کر دیا۔

۱۰۱۔ ہر ابتلاء غضب نہیں ہوتا: یعنی ایوبؑ پر یہ مہربانی ہوئی اور تمام بندگی کرنے والوں کے لئے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہو گئی کہ جب کسی نیک بندے پر دنیا میں برا وقت آئے تو ایوبؑ کی طرح صبر واستقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ اس پر نظر عنایت فرمائے گا۔ اور محض ایسے ابتلاء کو دیکھ کر کسی شخص کی نسبت یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے۔

وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِدۡرِيۡسَ وَ ذَا الۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۚۖ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یہ سب ہیں صبر والے [۱۰۲]

وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور لے لیا ہم نے اُنکو اپنی رحمت میں وہ ہیں نیک بختوں میں

۱۰۲۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، اور ذوالکفل علیہ السلام: یعنی ان سب نیک بندوں کو یاد کرو۔ اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ کا ذکر پہلے سورہ "مریم" میں گذر چکا۔ ذوالکفلؑ کی نسبت اختلاف ہے کہ نبی تھے۔ جیسا کہ انبیاء کے ذیل میں تذکرہ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے یا محض ایک مرد صالح تھے کہتے ہیں ایک شخص کے ضامن ہو کر کئی برس قید رہے اور اللہ یہ محنت اٹھائی۔ (تنبیہ) مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں ایک شخص کا قصہ آتا ہے جو پہلے سخت بدکار اور فاسق وفاجر تھا، بعدہٗ تائب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی بشارت اسی دنیا میں لوگوں کو سنا دی، اس کا نام حدیث میں "کفل" آیا ہے۔ بظاہر یہ وہ "ذوالکفل" نہیں جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا۔ واللہ اعلم۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ "ذوالکفل" وہ ہی ہیں جن کو "حزقیل" کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ ذَاالنُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ‌ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۚ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر [۱۰۳] پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اُسکو [۱۰۴] پھر پکارا اُن اندھیروں میں [۱۰۵] کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے [۱۰۶]

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ‌ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنۡجِى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ پھر سن لی ہم نے اُسکی فریاد اور بچا دیا اُسکو اُس گھٹنے سے اور یوں ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو [۱۰۷]

۱۰۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ: "مچھلی والا" فرمایا حضرت یونسؑ کو۔ ان کا مختصر قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہر نینویٰ کی طرف (جو موصل کے مضافات میں سے ہے) مبعوث فرمایا تھا۔ یونسؑ نے ان کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا وہ ماننے والے کہاں تھے، روز بروز ان کا عناد و تمرد ترقی کرتا رہا۔

حضرت یونسؑ کی بددعا: آخر بددعا کی اور قوم کی حرکات سے خفا ہو کر غصہ میں بھرے ہوئے شہر سے نکل گئے حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور وعدہ کر گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ ان کے نکل جانے کے بعد قوم کو یقین ہوا کہ نبی کی بددعا خالی نہیں جائے گی کچھ آثار بھی عذاب کے دیکھے ہوں گے۔ گھبرا کر سب لوگ بچوں اور جانوروں سمیت باہر جنگل میں چلے گئے ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا میدان میں پہنچ کر سب نے رونا چلانا شروع کیا۔ بچے اور مائیں، آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

قوم یونسؑ کی توبہ اور عذاب کا ٹلنا: تمام بستی والوں نے سچے دل سے توبہ کی۔ بت توڑ ڈالے، خدائے تعالیٰ کی اطاعت کا عہد باندھا اور حضرت یونسؑ کو تلاش کرنے لگے کہ ملیں تو ان کے ارشاد پر کاربند ہوں۔ حق تعالیٰ نے آنے والا عذاب ان پر سے اٹھا لیا۔ فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ۔ (یونس۔۹۸) ادھر یونسؑ بستی سے نکل کر ایک جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے، وہ کشتی غرق ہونے لگی کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کا ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے (یا اپنے مفروضات کے موافق یہ سمجھے کہ کشتی میں کوئی غلام مولا سے بھاگا ہوا ہے) بہر حال اس آدمی کے تعیین کے لئے قرعہ ڈالا۔ وہ یونسؑ کے نام پر نکلا۔ دو تین مرتبہ قرعہ اندازی کی ہر دفعہ یونسؑ کے نام پر نکلتا رہا۔ یہ دیکھ کر یونسؑ دریا میں کود پڑے۔

مچھلی کا حضرت یونسؑ کو نگلنا: فوراً ایک مچھلی آکر نگل گئی اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونسؑ کو اپنے پیٹ میں رکھ، اس کا ایک بال بیکانہ ہو۔ یہ تیری روزی نہیں بلکہ تیرا پیٹ ہم نے اس کا قید خانہ بنایا ہے۔ اس کو اپنے اندر حفاظت سے رکھنا۔

حضرت یونسؑ کی دعا اور رہائی: اس وقت یونسؑ نے اللہ کو پکارا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اپنی خطا کا اعتراف کیا کہ بیشک میں نے جلدی کی کہ تیرے حکم کا انتظار کئے بدون بستی والوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ گو یونسؑ کی یہ غلطی اجتہادی تھی جو امت کے حق میں معاف ہے، مگر انبیاء کی تربیت و تہذیب دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ جس معاملہ میں وحی آنے کی امید ہو۔ بدون انتظار کئے قوم کو چھوڑ کر چلا جانا ایک نبی کی شان کے لائق نہ تھا۔ اسی نامناسب بات پر دار و گیر شروع ہو گئی۔ آخر توبہ کے بعد نجات ملی۔ مچھلی نے کنارہ پر آکر اگل دیا۔ اور اسی بستی کی طرف صحیح سالم واپس کئے گئے۔

۱۰۴۔ حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی غلطی کی حقیقت: یعنی یہ خیال کر لیا کہ ہم اس حرکت پر کوئی دار و گیر نہ کریں گے، یا ایسی طرح نکل کر بھاگا جیسے کوئی یوں سمجھ کر جائے کہ اب ہم اس کو پکڑ کر واپس نہیں لا سکیں گے۔ گویا بستی سے نکل کر ہماری قدرت سے ہی نکل گیا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونسؑ فی الواقع ایسا سمجھتے تھے۔ ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ صورت حال ایسی تھی جس سے یوں مترشح ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کئی جگہ لکھ چکے ہیں اور اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ جلالت شان ظاہر ہوتی ہے کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگذاشت بھی کیوں کرتے ہیں۔

۱۰۵۔ یعنی دریا کی گہرائی مچھلی کے پیٹ اور شب تاریک کے اندھیروں میں۔

۱۰۶۔ یعنی میری خطا کو معاف فرمائے۔ بیشک مجھ سے غلطی ہوئی۔

۱۰۷۔ اس دعا کی فضیلت: یعنی یونسؑ کے ساتھ مخصوص نہیں، جو ایماندار لوگ ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو بلاؤں سے نجات دیں گے احادیث میں اس دعا کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اور امت نے شدائد و نوائب میں ہمیشہ اس کو مجرب پایا ہے۔

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۚ﴿۸۹﴾

۸۹۔ اور زکریا کو جب پکارا اُس نے اپنے رب کو اے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا [۱۰۸] اور تو ہے سب سے بہتر وارث [۱۰۹]

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ پھر ہم نے سن لی اُسکی دعا اور بخشا اُسکو یحییٰ اور اچھا کر دیا اُسکی عورت کو [۱۱۰] وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے عاجز [۱۱۱]

۱۰۸۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا: یعنی اولاد دے جو میرے بعد قوم کی خدمت کر سکے اور میری تعلیم کو پھیلائے جیسا کہ سورہ "مریم" کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے۔

۱۰۹۔ وارث طلب کر رہے تھے یَّرِثُنِیۡ وَیَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ (مریم۔٦) اسی کے مناسب نام سے اللہ کو یاد کیا۔

۱۱۰۔ یعنی بانجھ عورت کو ولادت کے قابل کر دیا۔

۱۱۱۔ **متصوفین کی ایک غلطی:** بعض متصوفین کہا کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کو پکارے توقع سے یا ڈر سے وہ اصلی محب نہیں۔ یہاں سے ان کی غلطی ظاہر ہوئی۔ انبیاء سے بڑھ کر خدا کا محب کون ہو سکتا ہے۔

وَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَہَا فَنَفَخۡنَا فِیۡہَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ جَعَلۡنٰہَا وَ ابۡنَہَاۤ اٰیَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اور وہ عورت جس نے قابو میں رکھی اپنی شہوت[۱۱۲] پھر پھونک دی ہم نے اُس عورت میں اپنی روح[۱۱۳] اور کیا اُسکو اور اُسکے بیٹے کو نشانی جہان والوں کے واسطے[۱۱۴]

۱۱۲۔ یعنی حلال و حرام دونوں طریقوں سے محفوظ تھی۔

۱۱۳۔ یعنی عیسیٰؑ کو جو "روح اللہ" کے لقب سے ملقب ہیں اس کے پیٹ میں پرورش کیا۔

۱۱۴۔ ان کا "نشانی" ہونا سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں بیان ہو چکا ہے۔

اِنَّ ہٰذِہٖۤ اُمَّتُکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۫ۖ وَّ اَنَا رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو[۱۱۵]

وَ تَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَہُمۡ بَیۡنَہُمۡ ؕ کُلٌّ اِلَیۡنَا رٰجِعُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع

۹۳۔ اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا کام[۱۱۶] سب ہمارے پاس پھر آئیں گے[۱۱۷]

ع ۶/۶

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا کُفۡرَانَ لِسَعۡیِہٖ ۚ وَ اِنَّا لَہٗ کٰتِبُوۡنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ رکھتا ہو ایمان سو اکارت نہ کریں گے اُسکی سعی کو اور ہم اُسکو لکھ لیتے ہیں[۱۱۸]

وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَاۤ اَنَّہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ اور مقرر ہو چکا ہر بستی پر جس کو غارت کر دیا ہم نے کہ وہ پھر کر نہیں آئیں گے[۱۱۹]

حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَ ہُمۡ مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر اونچان سے پھسلتے چلے آئیں[۱۲۰]

وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ
هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾

٩٧۔ اور نزدیک آ لگے سچا وعدہ پھر اس دم اوپر لگی رہ جائیں منکروں کی آنکھیں ہائے کمبختی ہماری ہم بے خبر رہے اس سے [١٢١] نہیں پر ہم تھے گنہگار [١٢٢]

اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ
ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

٩٨۔ تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ایندھن ہے دوزخ کا تمکو اُس پر پہنچنا ہے [١٢٣]

لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِیْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

٩٩۔ اگر ہوتے یہ بت معبود تو نہ پہنچتے اُس پر اور سارے اُس میں سدا پڑے رہیں گے [١٢٤]

لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ هُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

١٠٠۔ اُنکو وہاں چلانا ہے اور اُس میں کچھ نہ سنیں گے [١٢٥]

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىِٕكَ
عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

١٠١۔ جنکے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اُس سے دور رہیں گے [١٢٦]

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ
اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

١٠٢۔ نہیں سنیں گے اُسکی آہٹ اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے [١٢٧]

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ
هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

١٠٣۔ نہ غم ہو گا اُنکو اس بڑی گھبراہٹ میں [١٢٨] اور لینے آئیں گے اُنکو فرشتے آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا [١٢٩]

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا
بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا

١٠٤۔ جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ [١٣٠] جیسا سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار پھر اُسکو دہرائیں گے وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر ہم کو پورا

فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾

کرنا ہے[۱۳۱]

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾

۱۵۔ اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے[۱۳۲]

۱۱۵۔ توحید تمام امتوں میں مشترک ہے: یعنی خدا بھی ایک اور تمہارا اصل دین بھی ایک ہے۔ تمام انبیاء اصول میں متحد ہوتے ہیں جو ایک کی تعلیم ہے وہ ہی دوسروں کی ہے۔ رہا فروع کا اختلاف، وہ زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے عین مصلحت و حکمت ہے۔ اختلاف مذموم وہ ہے جو اصول میں ہو۔ پس لازم ہے کہ سب مل کر خدا کی بندگی کریں اور جن اصول میں تمام انبیاء متفق رہے ہیں ان کو متحدہ طاقت سے پکڑیں۔

۱۱۶۔ خود ساختہ اختلافات: ہم نے تو اصول کے اعتبار سے ایک دین دیا تھا۔ لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے آپس میں پھوٹ ڈال دی۔

۱۱۷۔ یعنی ہمارے پاس آکر تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا جب ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔ آگے اس جزا کی تفصیل ہے۔

۱۱۸۔ مومن کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہو گی: یعنی کسی کی محنت اکارت نہ جائے گی، نیکی کا میٹھا پھل مومن کو مل کر رہے گا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہ ہو گی ہر چھوٹا بڑا عمل ہم اس کے اعمال نامہ میں ثبت کر دیتے ہیں جو قیامت کے دن کھول دیے جائیں گے۔

۱۱۹۔ معذب قوموں کی ابدی محرومی: پہلے نجات پانے والے مومنین کا ذکر تھا، اس کے بالمقابل اس آیت میں ہلاک ہونے والے کافروں کا مذکور ہے۔ یعنی جن کے لئے ہلاک اور غارت ہونا مقدر ہو چکا وہ کبھی اپنے کفر و عصیان کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہونے والے نہیں۔ نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کئے جاسکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آکر گذشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کر لیں پھر ان کو نجات و فلاح کی توقع کدھر سے ہو سکتی ہے۔ ان کے لئے تو صرف ایک ہی وقت ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کریں گے۔ اور اپنی زیادتیوں کے معترف ہو کر پشیمان ہوں گے۔ مگر اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی، وہ وقت قیامت کا ہے جس کے مبادی قریبہ میں سے ہے خروج "یاجوج ماجوج" آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

۱۲۰۔ یاجوج اور ماجوج کا خروج: یعنی قیامت کے قریب نزول عیسیٰؑ کے بعد سد ذوالقرنین توڑ کر یاجوج ماجوج کا لشکر ٹوٹ پڑے گا۔ یہ لوگ اپنی کثرت وازدحام کی وجہ سے تمام بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو ان ہی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور رفتار سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یہ معلوم ہو گا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی اور لڑھکتی چلی آ رہی ہیں۔ سورہ "کہف" کے آخر میں اس قوم کے متعلق ہم جو کچھ لکھ چکے ہیں اس کا ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔

۱۲۱۔ قیامت میں کفار کی دہشت: یعنی جزاء سزا کا وعدہ جب نزدیک آ لگے گا اس وقت منکروں کی آنکھیں مارے شدت ہول کے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اور اپنی غفلت پر دست حسرت ملیں گے کہ افسوس آج کے دن سے ہم کیسے بے خبر رہے جو ایسی کم بختی آئی۔ کاش ہم دنیا میں اس آفت سے بچنے کی فکر کرتے۔

۱۲۲۔ یعنی بے خبری بھی کیسے کہیں، آخر انبیاء علیہ السلام نے کھول کھول کر آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن ہم نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ انکا کہانہ مانا اور برابر شرارتوں اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔

١٢٣۔ دوزخ کا ایندھن: یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے جو بت پوجتے تھے، یعنی تم اور تمہارے یہ معبود سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (بقرہ۔٢٤) اس کے معنی یہ نہیں کہ اصنام (بت) معذب ہوں گے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ بت پرستوں پر حجت زیادہ لازم ہو۔ جیسا کہ آگے فرمایا۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا اور ان کی حسرت بڑھے اور حماقت زیادہ واضح ہو کہ جن سے خیر کی توقع رکھتے تھے وہ آج خود اپنے کو نہ بچا سکے پھر ہماری حفاظت کیا کر سکتے ہیں۔ (تنبیہ) وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد یہاں صرف اصنام ہیں۔ کیونکہ خطاب ان ہی کے پرستاروں سے ہے۔ لیکن اگر "ما" کو عام رکھا جائے تو "بشرط عدم المانع" کی قید معتبر ہو گی۔ یعنی جن فرضی معبودوں میں کوئی مانع دخول نار سے نہ ہو وہ اپنے عابدین کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔ مثلاً شیاطین و اصنام۔ باقی حضرت مسیحؑ و عزیرؑ اور ملائکۃ اللہ جن کو بہت لوگوں نے معبود ٹھہرالیا ہے۔ ان حضرات کی مقبولیت و وجاہت مانع ہے کہ (معاذ اللہ) اس عموم میں شامل رکھے جائیں۔ اسی لئے آگے تصریحاً فرمادیا اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۔

١٢٤۔ یعنی سب عابد و معبود ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔

١٢٥۔ دوزخ میں کفار کی حالت: یعنی شدت ہول اور عذاب کی سخت تکلیف اور اپنے چلانے کے شور سے کچھ سنائی نہ دے گا۔ اور ابن مسعود سے منقول ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ہر دوزخی کو ایک لوہے کے صندوق میں بند کر کے اوپر میخیں ٹھونک دی جائیں گی۔ اور جہنم کی تہ میں چھوڑ دیے جائیں گے شاید کچھ نہ سن سکنا اس وقت کا حال ہو۔

١٢٦۔ اہل جنت کا دوزخ سے بُعد: یعنی ایک بار پل صراط پر سے گذر کر پھر ہمیشہ دور رہیں گے اور اس پر سے گذرتے ہوئے بھی دوزخ کی تکلیف والم سے قطعاً دوری ہو گی۔

١٢٧۔ جنتیوں کو دوزخ سے اس قدر بعد ہو گا کہ اس کی آہٹ تک محسوس نہ کریں گے اور نہایت عیش و آرام کے ساتھ ہمیشہ جنت کے مزے لوٹیں گے۔

١٢٨۔ یعنی اس دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو رنج و غم سے محفوظ رکھے گا۔

١٢٩۔ اہل جنت کے فرشتوں کا استقبال: یعنی قبروں سے اٹھنے یا جنت میں داخل ہونے کے وقت فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت و راحت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔

١٣٠۔ قیامت میں آسمانوں کا لپیٹنا: یعنی جب قیامت آئے گی آسمانوں کی صفیں لپیٹ دی جائیں گی۔ جس طرح دستاویز کا لکھا ہوا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر۔٦٧) بعض روایات میں جو نبی کریم ﷺ کے ایک کاتب کا نام "سجل" بتلایا گیا ہے، اس کو حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے ضعیف بلکہ موضوع قرار دیا ہے کما صرح ابن کثیرؒ فلا یُغْتَبَرُ بِتَخْرِیْجِ اَبِی داؤد والنسائی فی سننهما۔

١٣١۔ دوبارہ تخلیق: یعنی جیسی سہولت سے دنیا کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دی جائے گی۔ یہ حتمی وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

١٣٢۔ مومنین سے وعدہ الٰہی: کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائے گا۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اعراف۔١٢٨) اور اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ۔ (مومن۔٥١) اور وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (نور۔٥٥) یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی "لوح محفوظ" اور "ام الکتاب" میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کرایا۔ داؤدؑ کی کتاب "زبور" ٣٧-٢٩ میں ہے کہ "صادق زمین کے وارث ہوں گے" چنانچہ اس امت میں کے کامل وفادار اور صادق بندے مدت

دراز تک زمین کے وارث رہے شرق و غرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی، عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیے دین حق کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا۔ اور نبی کریم ﷺ کی یہ پیشین گوئی ان کے ہاتھوں پر پوری ہوئی اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِی سَیَبْلُغُ مُلْکُهَا مَا زُوِیَ لِی مِنْهَا اور اسی قسم کی دوسری پیشین گوئی امام مہدی اور حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں پوری ہو کر رہے گی۔

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں لوگ بندگی والے[۱۳۳]

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہاں کے لوگوں پر[۱۳۴]

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ تو کہہ مجھ کو تو حکم یہی آیا ہے کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے پھر کیا ہو تم حکمبرداری کرنے والے[۱۳۵]

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تو کہدے میں نے خبر کر دی تمکو دونوں طرف برابر[۱۳۶] اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا دور ہے جو تم سے وعدہ ہوا[۱۳۷]

اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ وہ رب جانتا ہے جو بات پکار کر کرو اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو[۱۳۸]

وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور میں نہیں جانتا شاید تاخیر میں تمکو جانچنا ہے اور فائدہ دینا ہے ایک وقت تک[۱۳۹]

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

۱۱۲۔ رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا[۱۴۰] اور رب ہمارا رحمٰن ہے اُسی سے مدد مانگتے ہیں اُن باتوں پر جو تم بتلاتے ہو[۱۴۱]

ع ۷/۱۹

۱۳۳۔ یعنی اس قسم کی بشارات سن کر خدائے واحد کی بندگی کرنے والے اپنے مطلب کو پہنچتے ہیں، یا اس قرآن کریم میں جو ایسی عظیم بشارات و ہدایات پر مشتمل ہے بندگی کرنے والوں کے لئے کافی منفعت اور کامیابی ہے۔

۱۳۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں: یعنی آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بد بخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالمتاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے۔ لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہو گی۔ آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں تو رحمت للعالمین کا حلقہ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب وانسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم و کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام و مستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لئے سراسر رحمت تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی ایک حدیث میں ہے۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاُقَتِّلَنَّھُمْ وَلَاُصَلِّبَنَّھُمْ وَلَاَھْدِیَنَّھُمْ وَھُمْ کَارِھُوْنَ اِنِّیْ رَحْمَۃٌ بَعَثَنِیَ اللّٰہُ وَلَا یَتَوَفَّانِیْ حَتّٰی یُظْھِرَ اللّٰہُ دِیْنَہٗ (ابن کثیر) ان الفاظ سے آپ کے ”رحمت للعالمین“ ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔

۱۳۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید: یہ رسالت کے ساتھ توحید کا بیان ہوا۔ یعنی جو رحمت لیکر آپ تشریف لائے ہیں اس کا لب لباب توحید کامل ہے اور یہ ایسا صاف و واضح مضمون ہے جس کے قبول کرنے میں آدمی کو کچھ پس و پیش نہ ہونا چاہئے۔ پس کیا تم حکم ماننے اور حق کے سامنے گردن ڈال دینے کے لئے تیار ہو؟ اگر ہو تو فبہا و نعمت، ورنہ میں تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا۔ تم اپنا انجام سوچ لو۔

۱۳۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتمام حجت: یعنی اس قدر اتمام حجت کے بعد بھی نہ مانو، تو میں تم کو خبر کر چکا کہ اب میں تم سے بیزار اور تم مجھ سے علیحدہ تمہارا عمل تمہارے ساتھ اور میرا عمل میرے ساتھ۔ ہر ایک کا جو نتیجہ ہو گا سامنے آجائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”دونوں طرف برابر یعنی ابھی تم دونوں بات کر سکتے ہو (قبول کرو یا رد کرو) ایک طرف کا زور نہیں آیا۔“

۱۳۷۔ یعنی تمہارے نہ ماننے پر جو عذاب کا وعدہ ہے وقوع تو اس کا ضرور بالضرور ہو کر رہے گا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ جلد ہو گا یا بدیر۔

۱۳۸۔ وہ ہی ہر ایک کھلی چھپی بات کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کس بات کی کیا جزا ملنی چاہئے۔ اور کب ملنی چاہئے۔

۱۳۹۔ تاخیر عذاب کی حکمت اللہ کو معلوم ہے: یعنی تاخیر عذاب میں ممکن ہے تم کو جانچنا ہو کہ اس مدت میں کچھ سمجھ لو اور شرارتوں سے باز آجاؤ۔ یا محض ڈھیل دینا ہو کہ ایک مدت تک دنیا میں پھنس کر شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر لو۔

۱۴۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: یعنی جیسے ہر معاملہ کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا آپ کی شان ہے، اسی کے موافق میرے اور میری قوم کے درمیان جلدی فیصلہ فرما دیجئے۔

۱۴۱۔ یعنی اسی سے ہم فیصلہ چاہتے ہیں اور کافروں کی خرافات کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اسی طرح کی دعا انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ (اعراف۔۸۹) کیونکہ اپنی حقانیت و صداقت اور حق تعالیٰ کے عدل و انصاف پر پورا وثوق و اعتماد ہوتا تھا۔

تم سورۃ الانبیاء وللہ الحمد والمنہ۔

اٰیاتہا ۷۸ ۲۲ سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳ رکوعاتہا ۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾

۱۔ لوگو ڈرو اپنے رب سے بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی چیز ہے

یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰی وَ مَا هُمۡ بِسُكٰرٰی وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیۡدٌ ﴿۲﴾

۲۔ جس دن اُسکو دیکھو گے بھول جائیگی ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلائے کو اور ڈال دیگی ہر پیٹ والی اپنا پیٹ اور تو دیکھے لوگوں پر نشہ اور اُن پر نشہ نہیں پر آفت اللہ کی سخت ہے[۱]

۱۔ قیامت کے زلزلے اور ان کی شدت: قیامت کے عظیم الشان زلزلے (بھونچال) دو ہیں۔ ایک عین قیام قیامت کے وقت یا نفخہ ثانیہ جسکے بعد دوسرا قیامت سے کچھ پیشتر جو علامات قیامت میں سے ہے اگر یہاں دوسرا مراد ہو تو آیت اپنے ظاہر معنی پر رہے گی اور پہلا مراد ہو تو دونوں احتمال ہیں، حقیقۃً زلزلہ آئے اور دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتیں اپنی اسی ہیأت پر محشور ہوں۔ یا زلزلہ سے مراد وہاں کے اہوال و شدائد ہوں اور یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ الخ کو تمثیل پر حمل کیا جائے۔ یعنی اس قدر گھبراہٹ اور سختی ہو گی۔ کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو مارے گھبراہٹ اور شدت ہول کے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں۔ اس وقت لوگ اس قدر مدہوش ہوں گے کہ دیکھنے والا شراب کے نشہ کا گمان کرے حالانکہ وہاں نشہ کا کیا کام۔ خدا کے عذاب کا تصور اور اہوال و شدائد کی سختی ہوش گم کر دے گی۔ (تنبیہ) اگر یہ گھبراہٹ سب کو عام ہو تو لَا یَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ (الانبیاء۔۱۰۳) میں نفی باعتبار اکثر احوال کے اور یہاں اثبات باعتبار ساعت قلیلہ کے لیا جائے گا۔ اور اگر آیت حاضرہ اکثر ناس کے حق میں ہو، سب کے حق میں نہ ہو تو سرے سے اشکال ہی نہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ یَتَّبِعُ كُلَّ شَیۡطٰنٍ مَّرِیۡدٍ ۙ﴿۳﴾

۳۔ اور بعضے لوگ وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بیخبری سے[۲] اور پیروی کرتا ہے ہر شیطان سرکش کی[۳]

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ
اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٤﴾

٤۔ جس کے حق میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اُسکا رفیق ہو سو وہ اُسکو بہکائے اور لیجائے عذاب میں دوزخ کے [٤]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ
لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ
مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ
لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ
هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿٥﴾

٥۔ اے لوگو اگر تمکو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تمکو بنایا [٥] مٹی سے پھر قطرہ سے [٦] پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی سے اور بدون نقشہ بنی ہوئی سے [٧] اس واسطے کہ تم کو کھول کر سنا دیں [٨] اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک وقت معین تک [٩] پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے پھر چلایا جاتا ہے نکمی عمر تک تا کہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے [١٠] اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی پھر جہاں ہم نے اتارا اُس پر پانی تازی ہو گئی اور ابھری اور اگائیں ہر قسم قسم رونق کی چیزیں [١١]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ﴿٦﴾

٦۔ یہ سب کچھ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے محقق اور وہ جِلاتا ہے مُردوں کو اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے

وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٧﴾

٧۔ اور یہ کہ قیامت آنی ہے اُس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا قبروں میں پڑے ہوؤں کو [١٢]

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍۙ ﴿۸﴾

۸۔ اور بعضا شخص وہ ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بغیر جانے اور بغیر دلیل اور بدون روشن کتاب کے[۱۳]

ثَانِىَ عِطۡفِهٖ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ؕ لَهٗ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ‌ وَّ نُذِيۡقُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۹﴾

۹۔ اپنی کروٹ موڑ کر[۱۴] تاکہ بہکائے اللہ کی راہ سے اُسکے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اُسکو قیامت کے دن جلن کی مار[۱۵]

ذٰ لِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۱۰﴾ ع

ع ۸ ۱

۱۰۔ یہ اُسکی وجہ سے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور اُس وجہ سے کہ اللہ نہیں ظلم کرتا بندوں پر[۱۶]

۲۔ اللہ کی باتوں میں جھگڑنے والے: یعنی اللہ تعالیٰ جن باتوں کی خبر دیتا ہے ان میں یہ لوگ جھگڑتے اور کج بحثیاں کرتے ہیں اور جہل و بے خبری سے عجیب احمقانہ شبہات پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ قیامت، بعث بعد الموت اور جزاء و سزا وغیرہ پر ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جب آدمی مر کر گل سڑ گیا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو گئیں تو یہ کیسے سمجھ میں آئے کہ وہ پھر زندہ ہو کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے گا۔

۳۔ ہر شیطان کی پیروی کرنے والے: یعنی جن یا آدمیوں میں کا جو شیطان اس کو اپنی طرف بلائے یہ فوراً اسی کے پیچھے چل پڑتا ہے گویا گمراہ ہونے کی ایسی کامل استعداد رکھتا ہے کہ کوئی شیطان کسی طرف پکارے یہ اس پر لبیک کہنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

۴۔ یعنی شیطانِ مرید کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ جو اس کی رفاقت اور پیروی کرے وہ اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبتا ہے اور گمراہ کر کے دوزخ سے ورے نہیں چھوڑتا۔

۵۔ دوبارہ زندگی پر شبہ اور جواب: یعنی اگر یہ دھوکا لگ رہا ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے تو خود اپنی پیدائش میں غور کرو کس طرح ہوئی ہے۔

۶۔ تخلیق انسانی کے مختلف مراحل: یعنی اول تمہارے باپ آدم کو مٹی سے، پھر تم کو قطرہ منی سے بنایا، یا یہ مطلب ہے کہ مٹی سے غذا نکالی جس سے کئی منزلیں طے ہو کر نطفہ بنا، پھر نطفہ سے کئی درجے طے کر کے تمہاری تشکیل و تخلیق ہوئی۔

۷۔ یعنی نطفہ سے جما ہوا خون اور خون سے گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ جس پر ایک وقت آتا ہے کہ آدمی کا پورا نقشہ (ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ) بنا دیا جاتا ہے۔ اور ایک وقت ہوتا ہے کہ ابھی تک نہیں بنایا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بعض کی پیدائش مکمل کر دی جاتی ہے اور بعض یونہی ناقص صورت میں گر جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض بے عیب ہوتا ہے بعض عیب دار۔

۸۔ کہ خود تمہاری اصل کیا تھی اور کتنے روز گذرنے کے بعد آدمی بنے ہو۔ اسی کو سمجھ کو بہت سے حقائق کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ اور بعث بعد الموت کا امکان بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔

۹۔ یعنی جتنی مدت جس کو رحم مادر میں ٹھہرانا مناسب ہوتا ہے ٹھہراتے ہیں۔ کم از کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس یا چار برس علی اختلاف الاقوال۔

۱۰۔ انسانی عمر کے مختلف مراحل: یعنی جس طرح اندر رہ کر بہت سے مدارج طے کئے ہیں، باہر آکر بھی تدریجاً بہت منازل میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ ایک بچپن کا زمانہ ہے جب آدمی بالکل کمزور و ناتوان ہوتا ہے اور اس کی تمام قوتیں چھپی رہتی ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ کامنٗ (پوشیدہ) قوتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جسمانی حیثیت سے ہر چیز کمال شباب کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر بعض تو جوانی ہی میں مر جاتے ہیں اور بعض اس عمر کو پہنچتے ہیں جہاں پہنچ کر آدمی کے اعضاء و قویٰ جواب دے دیتے ہیں وہ سمجھ دار بننے کے بعد ناسمجھ اور کارآمد ہونے کے بعد نکما ہو جاتا ہے۔ یاد کی ہوئی چیزیں بھول جاتا ہے اور جانی ہوئی چیزوں کو کچھ نہیں جانتا۔ گویا بوڑھا ہو کر پھر بچہ بن جاتا ہے۔

۱۱۔ مردہ زمین کا زندہ ہو جانا: یعنی زمین مردہ پڑی تھی، رحمت کا پانی پڑتے ہی جی اٹھی اور تر و تازہ ہو کر لہلہانے لگی۔ قسم قسم کے خوش منظر فرحت بخش اور نشاط افزا پودے قدرت نے اگا دیے۔

۱۲۔ وجود صانع آخرت اور بعث بعد الموت کا اثبات: انسان کی پیدائش اور کھیتی کی مثالوں سے جو اوپر مذکور ہوئیں چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ یقیناً اور بالتحقیق اللہ موجود ہے ورنہ ایسی منظم متقن اور حکیمانہ صنعتیں کہاں سے ظاہر ہوئیں۔ (۲) یہ کہ خدا تعالیٰ مردہ اور بے جان چیزوں کو زندہ اور جاندار بنا دیتا ہے۔ چنانچہ مشت خاک یا قطرہ آب سے انسان بنا دینا اور افتادہ زمین میں روح نباتی پھونک دینا اس پر شاہد ہے، پھر دوبارہ پیدا کر دینا اس کو کیا مشکل ہے (۳) یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر ہر چیز اس کی قدرت کے نیچے نہ ہوتی تو ہرگز یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ (۴) یہ کہ قیامت ضرور آنی چاہئے اور اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ضرور ملنی چاہئے کیونکہ اتنے بڑے انتظامات یوں ہی لغو اور بیکار نہیں ہو سکتے۔ جس حکیم مطلق اور قادر علی الاطلاق نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے انسان کو ایسی عجیب و غریب صفت کے ساتھ پیدا کیا، کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اس کی زندگی بیکار بنائی ہو گی؟ ہرگز نہیں۔ یقیناً انسان کی یہ محدود زندگی جس میں سعادت و شقاوت نیکی بدی اور رنج و راحت باہم مخلوط رہتے ہیں اور امتحان و انتقام کی صورتیں ایک دوسرے سے مکمل اور نمایاں طور پر متمیز نہیں ہوتیں، اس کو مقتضی ہے کہ کوئی دوسری زندگی ہو جہاں سعید وہ شقی مجرم و وفادار صاف طور پر الگ الگ ہوں اور ہر ایک اس مقام پر پہنچایا جائے جہاں پہنچنے کے لئے بنایا گیا ہے اور جس کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے۔ مادی حیثیت سے منی کے جن اجزاء میں نطفہ بننے کی استعداد تھی ان سے نطفہ بنا، اسی طرح نطفہ کی پوشیدہ قوتیں علقہ میں، علقہ کی مضغہ میں مضغہ کی طفل میں آئیں اور جوانی کے وقت ان کا پورا ظہور ہوا۔ یا زمین کی پوشیدہ قوتیں بارش کا چھینٹا پڑنے سے ظہور پذیر ہوئیں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ انسان میں سعادت و شقاوت کی جو روحانی قوتیں ودیعت کی گئیں یا نیکی اور بدی میں پھولنے پھلنے کی جو زبردست استعداد رکھی ہے وہ اپنے پورے شباب کو پہنچے، اور کامل ترین اشکال و صورتیں ظاہر ہوں۔ اسی کا نام بعث بعد الموت ہے۔ جو دنیا کی زندگی کا موجودہ دورہ ختم کرنے کے بعد وقوع پذیر ہو گا۔

۱۳۔ منکرین کے اوہام ظنون: یعنی ایسے واضح دلائل و شواہد سننے کے بعد بھی کجرو اور ضدی لوگ اللہ کی باتوں میں یوں ہی بے سند جھگڑے کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی علم ضروری ہے نہ دلیل عقلی نہ دلیل سمعی، محض اوہام و ظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

۱۴۔ یعنی اعراض و تکبر کے ساتھ۔

۱۵۔ دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب: یعنی جو شخص بدون حجت و دلیل محض عناد سے خدا کی باتوں میں جھگڑتا ہے اور غرض یہ ہو کہ دوسرے لوگوں کو ایمان و یقین کی راہ سے ہٹا دے اس کو دنیا میں خدا تعالیٰ ذلیل کرے گا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔

۱۶۔ یعنی جب سزا دیں گے تو کہا جائے گا کہ خدا کی طرف سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں تیرے ہاتھوں کی کرتوت ہے۔ جس کا مزہ آج چکھ رہا ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ ۚ فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ ۨاطۡمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةَ ‌ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور بعضا شخص وہ ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچی اُسکو بھلائی تو قائم ہو گیا اُس عبادت پر اور اگر پہنچ گئی اُسکو جانچ پھر گیا الٹا اپنے منہ پر گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا صریح [۱۷]

يَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنۡفَعُهٗ‌ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ‌ ۚ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ پکارتا ہے اللہ کے سوائے ایسی چیز کو کہ نہ اُس کا نقصان کرے اور نہ اُسکا فائدہ کرے یہی ہے دور جا پڑنا گمراہ ہو کر [۱۸]

يَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗۤ اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِهٖ‌ ؕ لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰى وَلَبِئۡسَ الۡعَشِيۡرُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ پکارے جاتا ہے اُسکو جس کا ضرر پہلے پہنچے نفع سے [۱۹] بیشک برا دوست ہے اور برا رفیق [۲۰]

۱۷۔ مذبذبین کی حالت: یعنی بعض آدمی محض دنیا کی غرض سے دین کو اختیار کرتا ہے اور اس کا دل مذبذب رہتا ہے اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھے، بظاہر بندگی پر قائم رہے اور تکلیف پائے تو چھوڑ دے، ادھر دنیا گئی ادھر دین گیا، کنارے پر کھڑا ہے یعنی دل ابھی اس طرف ہے نہ اس طرف، جیسا کہ کوئی مکان کے کنارے کھڑا ہو جب چاہے نکل بھاگے۔

۱۸۔ غیر اللہ کو پکارنا: یعنی خدا کی بندگی چھوڑی دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے۔ اب پکارتا ہے ان چیزوں کو جن کے اختیار میں نہ ذرہ برابر بھلائی ہے نہ برائی۔ کیا خدا نے جو چیز نہیں دی تھی وہ پتھروں سے حاصل کرے گا؟ اس سے بڑھ کر حماقت کیا ہو گی۔

۱۹۔ شرک کا ضرر: یعنی بتوں سے نفع کی تو امید موہوم ہے (بت پرستوں کے زعم کے موافق) لیکن انکو پوجنے کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے فائدہ کا سوال تو بعد کو دیکھا جائے گا، نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔

۲۰۔ جب قیامت میں بت پرستی کے نتائج سامنے آئیں گے تو بت پرست بھی یہ کہیں گے لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰى وَلَبِئۡسَ الۡعَشِيۡرُ یعنی جس سے بڑی امداد و رفاقت کی توقع تھی وہ بہت ہی برے رفیق اور مددگار ثابت ہوئے کہ نفع تو کیا پہنچاتے الٹا ان کے سبب سے نقصان پہنچ گیا۔ مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا، موم سمجھا تھا تیرے دل کو سو پتھر نکلا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

۱۴۔ اللہ داخل کرے گا اُنکو جو ایمان لائے اور کیں بھلائیاں باغوں میں بہتی ہیں نیچے اُنکے نہریں [۲۱] اللہ کرتا ہے جو چاہے [۲۲]

يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ﴿۱۴﴾

مَنۡ كَانَ يَظُنُّ اَنۡ لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَ
الۡاٰخِرَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لۡيَقۡطَعۡ
فَلۡيَنۡظُرۡ هَلۡ يُذۡهِبَنَّ كَيۡدُهٗ مَا يَغِيۡظُ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ جسکو یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اُسکی اللہ دنیا میں اور آخرت میں تو تان لے ایک رسی آسمان کو پھر کاٹ ڈالے اب دیکھے کچھ جاتا رہا اُسکی اس تدبیر سے اُس کا غصہ [۲۳]

وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ
مَنۡ يُّرِيۡدُ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور یوں اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سمجھا دیتا ہے جسکو چاہے [۲۴]

۲۱۔ مومنین کا انجام: منکرین مجادلین اور مذبذبین کے بعد یہاں مومنین مخلصین کا انجام نیک بیان فرمایا۔

۲۲۔ جس کو مناسب جانے سزا دے اور جس پر چاہے انعام فرمائے۔ اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

۲۳۔ حاسدین کا غصہ اللہ کی نصرت کو نہیں روک سکتا: لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ میں ضمیر مفعول نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے جن کا تصور قرآن پڑھنے والے کے ذہن میں گویا ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ کیونکہ آپ ہی قرآن کے اولین مخاطب ہیں گویا مومنین کا انجام ذکر کرنے کے بعد یہ ان کے پیغمبر کے مستقبل کا بیان ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسول سے دنیوی اور اخروی فتح و نصرت کے جو وعدے کر چکا ہے وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے، خواہ کفار و حاسدین کتنا ہی غیظ کھائیں اور نصرت ربانی کے روکنے کی کیسی ہی تدبیریں کر لیں، لیکن حضور ﷺ کی نصرت و کامیابی کسی طرح رک نہیں سکتی یقیناً آ کر رہے گی۔ اگر ان کفار و حاسدین کو اس پر زیادہ غصہ ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کوشش سے خدا کی مشیت کو روک سکیں گے تو اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے دیکھ لیں، حتّٰی کہ ایک رسی اوپر چھت میں لٹکا کر گلے میں ڈال لیں اور خود پھانسی لے کر غیظ سے مر جائیں، یا ہو سکتا ہو تو آسمان میں رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے آسمانی امداد کو منقطع کر آئیں، پھر دیکھیں کہ ان تدبیروں سے وہ چیز آنی بند ہو جاتی ہے۔ جس پر انہیں اس قدر غصہ اور پیچ و تاب ہے۔ اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کو وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ الخ کے مضمون سے مربوط کر کے نہایت لطیف تقریر فرمائی ہے۔ ان کے نزدیک مَنۡ كَانَ يَظُنُّ اَنۡ لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ الخ میں ضمیر مفعول مَنۡ کی طرف لوٹتی ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تکلیف میں جو کوئی خدا سے ناامید ہو کر اس کی بندگی چھوڑ دے اور جھوٹی چیزیں پوجنے لگے وہ اپنے دل کے ٹھہرانے کو یہ قیاس کر لے جیسے ایک شخص اونچی لٹکتی رسی سے لٹک رہا ہے، اگر چڑھ نہیں سکتا توقع تو ہے کہ رسی اوپر کھینچے تو چڑھ جائے۔ جب رسی توڑ دی تو کیا توقع رہی۔ کیا خدا کی رحمت سے ناامید ہو کر کامیابی حاصل کر سکے گا؟ گویا "رسّی" کہا اللہ کی امید کو، اس کا کاٹ دینا ناامید ہو جانا اور آسمان سے مراد بلندی ہے واللہ اعلم۔

۲۴۔ یعنی کیسی صاف صاف مثالیں اور کھلی باتیں ہیں۔ مگر سمجھتا وہ ہی ہے جسے خدا سمجھ دے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِـِٕيۡنَ وَ
النَّصٰرٰى وَالۡمَجُوۡسَ وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا ‌ۖ اِنَّ اللّٰهَ
يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۱۷﴾

١٧۔ جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئیں اور نصاریٰ اور مجوس[٢٥] اور جو شرک کرتے ہیں مقرر اللہ فیصلہ کرے گا اُن میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہے ہر چیز[٢٦]

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ
فِى الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ وَالنُّجُوۡمُ وَ
الۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيۡرٌ مِّنَ النَّاسِ‌ؕ
وَكَثِيۡرٌ حَقَّ عَلَيۡهِ الۡعَذَابُ‌ؕ وَمَنۡ يُّهِنِ اللّٰهُ
فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّكۡرِمٍ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ السجدة ﴿۱۸﴾

١٨۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت آدمی[٢٧] اور بہت ہیں کہ اُن پر ٹھہر چکا عذاب[٢٨] اور جسکو اللہ ذلیل کرے اُسے کوئی نہیں عزت دینے والا اللہ کرتا ہے جو چاہے[٢٩]

٢٥۔ **مجوس کا عقیدہ:** مجوس آگ پوجتے ہیں اور دو خالق مانتے ہیں ایک خیر کا خالق جس کا نام "یزداں" ہے، دوسرا شر کا جس کو "اہر من" کہتے ہیں اور کسی نبی کا نام بھی لیتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ پیچھے بگڑے ہیں یا سرے سے غلط ہیں۔ شہرستانی نے "مِلَل و نِحَل" میں ان کے مذہب پر جو کلام کیا ہے اسے دیکھا جائے "صابئین" وغیرہ کا ذکر پہلے گذر چکا۔

٢٦۔ **قیامت کے دن فیصلہ ہو گا:** یعنی تمام مذاہب و فرق کے نزاعات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے قیامت کے دن ہو گا۔ سب جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیئے جائیں گے اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کس مقام یا کس سزا کا مستحق ہے۔

٢٧۔ **مخلوقات کا اللہ کو سجدہ:** ایک سجدہ ہے جس میں آسمان و زمین کی ہر ایک مخلوق شامل ہے وہ یہ کہ اللہ کی قدرت کے آگے تکوینًا سب مطیع و منقاد اور عاجز و بے بس ہیں۔ خواہی نخواہی سب کو اس کے سامنے گردن ڈالنا اور سر جھکانا پڑتا ہے دوسرا سجدہ ہے ہر چیز کا جدا۔ وہ یہ کہ جس چیز کو جس کام کے لئے بنایا اس کام میں لگے۔ یہ بہت آدمی کرتے ہیں بہت نہیں کرتے۔ مگر آدمیوں کو چھوڑ کر اور ساری خلقت کرتی ہے۔ بناءً علیہ اَنَّ اللّٰہَ یَسۡجُدُ لَہٗ الخ میں ہر چیز کا اپنی شان کے لائق سجدہ مراد ہو گا یا مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کے بعد دوسرا یَسۡجُدُ کا مقدر نکالا جائے گا (تنبیہ) پہلی آیت سے ربط یہ ہوا کہ مختلف مذاہب کے لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں حالانکہ دوسری تمام مخلوق خدا کی مطیع و منقاد ہے، انسان جو ساری

مخلوق سے زائد عاقل ہے، چاہئے تھا کہ اس کے کل افراد اوروں سے زیادہ متفق ہوتے۔

۲۸۔ یعنی سجدہ سے انکار و اعراض کرنے کی بدولت عذاب کے مستحق ہوئے۔

۲۹۔ یعنی خدا تعالیٰ جس کو اس کی شامت اعمال سے ذلیل کرنا چاہے اسے ذلت کے گڑھے سے نکال کر عزت کے مقام پر کون پہنچا سکتا ہے؟

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ ۫ فَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِیَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ یہ دو مدعی ہیں جھگڑے ہیں اپنے رب پر [۳۰] سو جو منکر ہوئے اُنکے واسطے بیونتے ہیں کپڑے آگ کے [۳۱] ڈالتے ہیں اُنکے سر پر جلتا پانی

یُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَ الۡجُلُوۡدُ ﴿ؕ۲۰﴾

۲۰۔ گل کر نکل جاتا ہے اُس سے جو کچھ اُنکے پیٹ میں ہے اور کھال بھی

وَ لَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِیۡدٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور اُنکے واسطے ہتوڑے ہیں لوہے کے [۳۲]

كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا ۗ وَ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۲۲﴾ ع ۹/۱۲

۲۲۔ جب چاہیں کہ نکل پڑیں دوزخ سے گھٹنے کے مارے پھر ڈال دیے جائیں اُسکے اندر اور چکھتے رہو جلنے کا عذاب [۳۳]

اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ بیشک اللہ داخل کرے گا اُنکو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں باغوں میں بہتی ہیں انکے نیچے نہریں گہنا پہنائیں گے اُنکو وہاں کنگن سونے کے اور موتی [۳۴] اور اُنکی پوشاک ہے وہاں ریشم کی [۳۵]

وَ هُدُوۡۤا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الۡقَوۡلِ ۚۖ وَ هُدُوۡۤا اِلٰی صِرَاطِ الۡحَمِیۡدِ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور راہ پائی انہوں نے ستھری بات کی [۳۶] اور پائی اُس تعریفوں والے کی راہ [۳۷]

۳۰۔ دو فریق کون ہیں؟: یعنی پہلے اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ الصّٰبِـِٕیۡنَ الی آخرہ میں جن فرقوں کا ذکر ہوا ان سب کو حق و باطل پر

ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مومنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من و عن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ دوسرے کفار کا مجمع جس میں یہود، نصاریٰ، مجوس، مشرکین، صابئین وغیرہ ہم سب شامل ہیں۔ جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکاتے، یہ دونوں فریق دعاوی میں، بحث و مناظرہ میں اور جہاد و قتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں۔ جیسا کہ "بدر" کے میدان مبارزہ میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم تین کافروں (عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، اور ولید بن عتبہ) کے مقابلہ پر نکلے تھے۔ آگے دونوں فریق کا انجام بتلاتے ہیں۔

۳۱۔ آگ کے لباس: یعنی جس طرح لباس آدمی کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے، جہنم کی آگ اسی طرح ان کو محیط ہو گی۔ یا کسی ایسی چیز کے کپڑے پہنائے جائیں گے جو آگ کی گرمی سے بہت سخت اور بہت جلد تپنے والے ہوں۔

۳۲۔ دوزخ کی سزائیں۔ لوہے کے ہتوڑے: دوزخیوں کے سر کو ہتوڑے سے کچل کر کھولتا ہوا پانی اوپر سے ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے سب انتڑی اوجھڑی کٹ کٹ کر نکل پڑے گی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی مس کرے گا تو بدن کا چمڑا گل کر گر پڑے گا۔ پھر اصلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بار بار یہ ہی عمل ہوتا رہے گا۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (نساء۔۵۶) اللّٰہم اعذنا من غضبک وعذابک۔

۳۳۔ یعنی دوزخ میں گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ کہیں کو نکل بھاگیں، آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے پھر فرشتے آہنی گرز مار کر نیچے دھکیل دیں گے اور کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہو گا۔ العیاذ باللہ۔

۳۴۔ اہل جنت کے زیور اور کنگن: یعنی بڑی آرائش اور زیب و زینت سے رہیں گے اور ہر ایک عنوان سے تجمل اور تنعم کا اظہار ہو گا۔

۳۵۔ اہل جنت کا لباس: پہلے قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ میں دوزخیوں کا لباس مذکور ہوا تھا، اس کے بالمقابل یہاں جنتیوں کا پہناوا بیان فرماتے ہیں کہ ان کی پوشاک ریشم کی ہو گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ جو فرمایا کہ وہاں گہنا اور وہاں پوشاک معلوم ہوا یہ دونوں (چیزیں مردوں کے لئے) یہاں نہیں۔ اور گہنوں میں سے کنگن اس واسطے کے غلام کی خدمت پسند آتی ہے تو کڑے ہاتھ میں ڈالتے ہیں (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ جو مرد یہاں ریشم کا لباس پہنے گا آخرت میں نہیں پہنے گا۔ اگر وہ پہننے والا کافر ہے تب تو ظاہر ہے کہ وہ جنت میں داخل ہی نہ ہو گا کہ جنتیوں کا لباس پہنے۔ ہاں اگر مومن ہے تو شاید کچھ مدت تک اس لباس سے محروم رکھا جائے پھر ابد الآباد تک پہنتا رہے اور اس لامتناہی مدت کے مقابلہ میں یہ قلیل زمانہ غیر معتبدہ سمجھا جائے۔

۳۶۔ اہل جنت کی پاکیزہ گفتگو: دنیا میں بھی کہ لا الٰہ الّا اللہ کہا، قرآن پڑھا، خدا کی تسبیح و تحمید کی، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا اور آخرت میں بھی کہ فرشتے ہر طرف سے سلام کریں گے اور جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ستھری باتیں کرتے ہوں گے بک بک جھک جھک نہ ہو گی اور نعمائے جنت پر شکر خداوندی بجا لائیں گے۔ مثلاً کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ (الزمر۔۷۴) سورہ فاطر میں ہے۔ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ الآیہ (فاطر۔۳۴،۳۳)۔ اس سے آیت حاضرہ کی تفسیر ہوتی ہے۔ نبہ علیہ فی الروح۔

۳۷۔ یعنی اللہ کی راہ پائی جس کا نام اسلام ہے یہ راہ خود بھی حمید ہے اور راہ والا بھی حمید ہے۔ یا راہ پائی اس جگہ کی جہاں پہنچ کر آدمی کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ
الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ الَّذِىۡ جَعَلۡنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ
الۡعَاكِفُ فِيۡهِ وَ الۡبَادِ‌ ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَـادٍۢ
بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۲۵

۲۵۔ جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا [۳۸] اور جو اُس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھائیں گے ایک عذاب دردناک [۳۹]

ع ۳ ١٠

۳۸۔ اللہ کی راہ سے روکنے والے: پہلے هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا الخ میں مومنین اور کفار کے اختصام (جھگڑے) کا ذکر تھا۔ اسی اختصام کی بعض صورتوں کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایک وہ لوگ ہیں جو خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں سے مزاحم ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے راستہ پر نہ چلے۔ حتّٰی کہ جو مسلمان اپنے پیغمبر کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ جارہے تھے ان کا راستہ روک دیا۔ حالانکہ مسجد حرام (یا حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادات و مناسک کا تعلق ہے) سب کے لئے یکساں ہے۔ جہاں مقیم و مسافر اور شہری و پردیسی کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ ہاں وہاں سے نکالے جانے کے قابل اگر ہیں تو وہ لوگ جو شرک اور شرارتیں کرکے اس بقعہ مبارکہ کی بے تعظیمی کرتے ہیں۔ (تنبیہ) بیوت مکہ کی ملکیت اور بیع و شراء وغیرہ کا مسئلہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی کافی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں کی گئی ہے۔ یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں۔

۳۹۔ حرم شریف میں گناہوں کی سزا: یعنی جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بالارادہ بے دینی اور شرارت کی کوئی بات کرے گا اس کو اس سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی جو دوسری جگہ ایسا کام کرنے پر ملتی۔ اسی سے ان کا حال معلوم کرلو جو ظلم و شرارت سے مومنین کو یہاں آنے سے روکتے ہیں۔

وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِيۡمَ مَكَانَ الۡبَيۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ
بِىۡ شَيۡـئًا وَّ طَهِّرۡ بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَ الۡقَآئِمِيۡنَ وَ
الرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ۲۶

۲۶۔ اور جب ٹھیک کر دی ہم نے ابراہیم کو جگہ اُس گھر کی [۴۰] کہ شریک نہ کرنا میرے ساتھ کسی کو [۴۱] اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے واسطے اور کھڑے رہنے والوں کے اور رکوع و سجود والوں کے [۴۲]

وَاَذِّنۡ فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ
ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ ۲۷

۲۷۔ اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دور سے [۴۳]

لِّيَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِىۡۤ اَيَّامٍ

۲۸۔ تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر [۴۴] اور پڑھیں

مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ۚ
فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِيۡرَ ﴿٢٨﴾
ثُمَّ لۡيَقۡضُوۡا تَفَثَهُمۡ وَلۡيُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ وَلۡيَطَّوَّفُوۡا
بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿٢٩﴾

اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں ذبح پر چوپایوں مواشی کے جو اللہ نے دیے ہیں اُنکو[۴۵] سو کھاؤ اُس میں سے اور کھلاؤ برے حال کے محتاج کو[۴۶]

۲۹۔ پھر چاہیئے کہ ختم کر دیں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا[۴۷]

۴۰۔ خانہ کعبہ کی جگہ: کہتے ہیں کعبہ شریف کی جگہ پہلے سے بزرگ تھی، پھر مدتوں کے بعد نشان نہ رہا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ بیت اللہ تعمیر کرو۔ اس معظم جگہ کا نشان دکھلایا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ (تنبیہ) "مسجد حرام" کا ذکر پہلے آیا تھا اس کی مناسبت سے کعبہ کی بناء کا حال اور اس کے متعلق بعض احکام دور تک بیان کئے گئے ہیں۔

۴۱۔ کعبہ کی بنیاد توحید پر: یعنی اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھو، کوئی شخص یہاں آکر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرکانہ رسوم نہ بجالائے کفار مکہ نے اس پر ایسا عمل کیا کہ وہاں تین سو ساٹھ بت لاکر کھڑے کر دیے۔ العیاذ باللہ جن کی گندگی سے ہمیشہ کے لئے خاتم الانبیاء ﷺ نے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ فلہ الحمد والمنہ۔

۴۲۔ یعنی خالص ان ہی لوگوں کے لئے رہے اور سب سے پاک کیا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پہلی امتوں میں رکوع نہ تھا یہ خاص اسی امت محمدیہ کی نماز میں ہے۔ تو خبر دی کہ آگے لوگ ہوں گے اس کے آباد کرنے والے" وفیہ نظر فتامل۔

۴۳۔ حج کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار: جب کعبہ تعمیر ہو گیا تو ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے پکارا کہ لوگو! تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے حج کو آؤ۔ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچا دی (بلا تشبیہ جیسے آج کل ہم امریکہ یا ہندوستان میں بیٹھ کر لندن کی آوازیں سن لیتے ہیں) جس کے لئے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہ ہی شوق کی دبی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں آدمی پاپیادہ تکلیفیں اٹھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور بہت سے اتنی دور سے سوار ہو کر آتے ہیں کہ چلتے چلتے اونٹنیاں تھک جاتی اور دبلی ہو جاتی ہیں، بلکہ عموماً حاجیوں کو عمدہ سانڈنیاں کہاں ملتی ہیں ان ہی سوکھے دبلے اونٹوں پر منزلیں قطع کرتے ہیں۔ یہ گویا اس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ (ابراہیم۔۳۷)

۴۴۔ منافع حج: اصل مقصد تو دینی واخروی فوائد کی تحصیل ہے مثلاً حج وعمرہ اور دوسری عبادات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور روحانی ترقیات کے بلند مقامات پر فائز ہونا۔ لیکن اس عظیم الشان اجتماع کے ضمن میں بہت سے سیاسی، تمدنی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ کما لا یخفی۔

۴۵۔ ایام معلومات میں ذکر اللہ: "ایام معلومات" سے بعض کے نزدیک ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور بعض کے نزدیک تین دن تک قربانی کے مراد ہیں۔ بہر حال ان ایام میں ذکر اللہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسی ذکر کے تحت میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی داخل ہے کہ قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا جائے۔ ان دِنوں میں بہترین عمل یہ ہی ہے اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

۴۶۔ قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت: بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہ کھانا چاہیئے، اس کی اصلاح فرمادی کہ شوق سے کھاؤ، دوستوں کو دو اور مصیبت زدہ محتاجوں کو کھلاؤ۔

۴۷۔ بیت اللہ کا طواف: جہاں سے لبیک شروع کرتے ہیں حجامت نہیں بنواتے، ناخن نہیں لیتے، بالوں میں تیل نہیں ڈالتے بدن پر میل اور گرد و غبار چڑھ جاتا ہے زیادہ مل دل کر غسل نہیں کرتے، ایک عجیب عاشقانہ و مستانہ حالت ہوتی ہے، اب دسویں تاریخ کو سب قصے تمام کرتے ہیں، حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے کپڑے پہن کر طواف زیارت کو جاتے ہیں، جس کو ذبح کرنا ہو پہلے ذبح کر لیتا ہے اور اپنی منتیں پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ اپنی مرادوں کے واسطے جو منتیں مانی ہوں ادا کریں۔ اصل منت اللہ کی ہے اور کسی کی نہیں بعض کے نزدیک "نذر" کے لفظ سے مناسک حج یا واجبات حج مراد ہیں۔ اور یہ ہی اقرب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) "عتیق" کے معنی قدیم پرانے کے ہیں، اور بعض کے نزدیک "بیت عتیق" اس لئے کہا کہ اس گھر کو برباد کرنے کی غرض سے جو طاقت اٹھے گی حق تعالیٰ اس کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔ تا آنکہ خود اس کا اٹھالینا منظور ہو۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ
رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا
قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾

۳۰۔ یہ سن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی سو وہ بہتر ہے اُسکے لئے اپنے رب کے پاس[۴۸] اور حلال ہیں تمکو چوپائے[۴۹] مگر جو تمکو سناتے ہیں[۵۰] سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے[۵۱] اور بچتے رہو جھوٹی بات سے[۵۲]

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ
بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ
تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ ایک اللہ کی طرف ہو کر نہ کہ اُسکے ساتھ شریک بنا کر[۵۳] اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اُچکتے ہیں اُسکو اڑنے والے مردار خوار یا جا ڈالا اُسکو ہوا نے نے کسی دور مکان میں[۵۴]

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى
الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے[۵۵]

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ
اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع ۴ ۸ ۱۱

۳۳۔ تمہارے واسطے چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقرر وعدہ تک پھر اُنکو پہنچنا اُس قدیم گھر تک[۵۶]

۴۸۔ حرمت اللہ کی تشریح: یعنی حرام چیزوں کو بھاری سمجھ کر چھوڑ دینا یا اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنا

بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے جس کا انجام نہایت اچھا ہو گا۔ محترم چیزوں میں قربانی کا جانور، بیت اللہ صفا مروہ، منٰی، عرفات، مسجدیں، قرآن، بلکہ تمام احکام الٰہیہ آجاتے ہیں۔ خصوصیت سے یہاں مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے کہ خدائے واحد کے پرستاروں کو وہاں آنے سے نہ روکیں نہ قربانی کے آئے ہوئے جانوروں کو واپس جانے پر مجبور کریں بلکہ قیمتی اور موٹے تازے جانور قربان کریں۔

۴۹۔ حلال جانوروں کی قربانی: یعنی ان کے ذبح کرنے کا حکم تعظیم حرمات اللہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ جس مالک نے ایک چیز کی حرمت بتلائی تھی اسی کی اجازت سے اور اسی کے نام پر وہ قربان کی جاتی ہے۔

۵۰۔ یعنی جن جانوروں کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً تم کو سنایا جاتا رہا ہے جیسا کہ سورہ "انعام" میں تفصیلاً گذر چکا، وہ حلال نہیں۔

۵۱۔ غیر اللہ کی قربانی سے اجتناب: یعنی جانور اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں، اس کی اجازت سے اسی کے نام پر ذبح کئے جاسکتے ہیں اور اسی کے کعبہ کی نیاز ہو سکتے ہیں، جو جانور کسی بت یا دیوی دیوتا کے استھان پر ذبح کیا گیا وہ مردار ہوا۔ ایسی شرکیات اور گندے کاموں سے بچنا ضروری ہے۔

۵۲۔ جھوٹی بات سے بچنے کا حکم: جھوٹی بات زبان سے نکالنا، جھوٹی شہادت دینا، اللہ کے پیدا کئے ہوئے جانور کو غیر اللہ کے نام نامزد کر کے ذبح کرنا کسی چیز کو بلا دلیل شرع حلال و حرام کہنا، سب "قول الزور" میں داخل ہے۔ "قول الزور" کی برائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حق تعالٰی نے اس کو یہاں شرک کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ وَاَنۡ تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ سُلۡطٰنًا وَّاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (اعراف۔۳۳) احادیث میں بڑی تاکید و تشدید سے آپ نے اس کو منع فرمایا ہے۔

۵۳۔ یعنی ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے ہو کر رہو۔ تمہارے تمام افعال دیّنات بالکلیہ بلا شرکت غیرے خالص خدا کے لئے ہونے چاہئیں۔

۵۴۔ شرک کی مثال: یہ شرک کی مثال بیان فرمائی، خلاصہ یہ ہے کہ توحید نہایت اعلیٰ اور بلند مقام ہے۔ اس کو چھوڑ کر جب آدمی کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو خود اپنے کو ذلیل کرتا اور آسمان توحید کی بلندی سے پستی کی طرف گراتا ہے ظاہر ہے اس قدر اونچے سے گر کر زندہ بچ نہیں سکتا۔ اب یا تو اہواء و افکار روئیہ کے مردار خوار جانور چاروں طرف سے اس کی بوٹیاں نوچ کر کھائیں گے یا شیطان لعین ایک تیز ہوا کے جھکڑ کی طرح اس کو اڑا لے جائے گا اور ایسے گہرے کھڈ میں پھینکے گا جہاں کوئی ہڈی پسلی نظر نہ آئے۔ یا یوں کہو کہ مثال میں دو قسم کے مشرکوں کا الگ الگ حال بیان ہوا ہے۔ جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا نہیں مذبذب ہے کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے۔ کبھی دوسری طرف، وہ فَتَخۡطَفُہُ الطَّیۡرُ کا، اور جو مشرک اپنے شرک میں پختہ، مضبوط اور اٹل ہو، وہ تَہۡوِیۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ مَکَانٍ سَحِیۡقٍ کا مصداق ہے یا تَخۡطَفُہُ الطَّیۡرُ سے مراد لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور تَہۡوِیۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ مَکَانٍ سَحِیۡقٍ سے طبعی موت مرنا مراد ہو، اکثر مفسرین نے وجہ تشبیہ کے بیان میں اسی طرح کے احتمالات ذکر کئے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جس کی نیت ایک اللہ پر ہے وہ قائم ہے اور جہاں نیت بہت طرف گئی وہ سب اس کو (پریشان کر کے) راہ میں سے اچک لیں گی۔ یا سب سے منکر ہو کر دہری ہو جائے گا۔

۵۵۔ شعائر اللہ کی تعظیم: یعنی شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔ جس کے دل میں پرہیز گاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہو گا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اس کی طرف منسوب ہو جائے۔

۵۶۔ جانوروں میں انسان کے منافع: قدیم گھر بیت اللہ شریف ہے اور یہاں شاید توسعًا سارا حرم مراد ہو، یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ سے تم بہت فوائد حاصل کر سکتے ہو، مثلاً سواری کرو، دودھ پیو، نسل چلاؤ، اون وغیرہ کو کام میں لاؤ، مگر یہ اس وقت کہ ان کو ہدی نہ بنائیں۔ "ہدی" بننے کے بعد اس قسم کا انتفاع (بدون شدید ترین ضرورت کے) نہیں کر سکتے۔ اب تو اس کا عظیم الشان اخروی فائدہ یہ ہی ہے کہ کعبہ کے پاس لے جا کر خدا تعالٰی کے نام پر قربان کر دو۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور ہر امت کے واسطے ہم نے مقرر کر دی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام ذبح پر چوپایوں کے جو اُنکو (اللہ نے دیے) سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی کے حکم میں رہو[۵۷] اور بشارت سنادے عاجزی کرنے والوں کو[۵۸]

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ
عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ وہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا ڈر جائیں انکے دل اور سہنے والے اُسکو جو اُن پر پڑے[۵۹] اور قائم رکھنے والے نماز کے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں[۶۰]

وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ
فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ
فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا
الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور کعبہ کے چڑھانے کے اونٹ ٹھہرائے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے نام کی تمہارے واسطے اس میں بھلائی ہے سو پڑھو اُن پر نام اللہ کا قطار باندھ کر پھر جب گر پڑے اُنکی کروٹ تو کھاؤ اُس میں سے[۶۱] اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے کو اور بیقراری کرتے کو[۶۲] اسی طرح تمہارے بس میں کر دیا ہم نے اُن جانوروں کو تا کہ تم احسان مانو[۶۳]

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ
التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اللہ کو نہیں پہنچتا اُن کا گوشت اور نہ اُن کا لہو لیکن اُسکو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب[۶۴] اسی طرح اُنکو بس میں کر دیا تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس بات پر کہ تم کو راہ سجھائی اور بشارت سنادے نیکی والوں کو[۶۵]

۵۷۔ ہر امت میں قربانی عبادت تھی: یعنی اللہ کی نیاز کے طور پر مواشی قربان کرنا ہر دین سماوی میں عبادت قرار دی گئی ہے۔ اگر یہ عبادت غیر اللہ کی نیاز کے طور پر کروگے تو شرک ہو جائے گا جس سے بہت پرہیز کرنا چاہئے موحد کا کام یہ ہے کہ قربانی اکیلے اسی خدا کے لئے کرے جس کے نام پر قربان کرنے کا تمام شرائع میں حکم رہا ہے۔ اس کے حکم سے باہر نہ ہو۔

۵۸۔ مومنین کے لئے خوشخبری: یعنی ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال و جبروت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

۵۹۔ مخبتین کے اوصاف: یعنی مصائب و شدائد کو صبر و استقلال سے برداشت کریں، کوئی سختی اٹھا کر راہ حق سے قدم نہ ڈگمگائے۔

۶۰۔ بیت اللہ تک پہنچنے میں بہت مصائب و شدائد پیش آتے ہیں، سفر میں اکثر نمازوں کے فوت ہونے یا قضا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، مال بھی کافی خرچ کرنا پڑتا ہے، شاید اسی مناسبت سے ان اوصاف و خصال کا یہاں ذکر فرمایا۔

۶۱۔ قربانی کے اونٹوں کی تعظیم اور نحر کا طریقہ: پہلے مطلق شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم تھا۔ اب تصریحاً بتلا دیا کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ جن کی ذوات میں اور جن کو ادب کے ساتھ قربان کرنے میں تمہارے لئے بہت سی دنیوی و اخروی بھلائیاں ہیں۔ تو عام ضابطہ کے موافق چاہئے کہ اللہ کا نام پاک لے کر ان کو ذبح کرو۔ بالخصوص اونٹ کے ذبح کا بہترین طریقہ نحر ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کر کے اور ایک ہاتھ داہنا یا بایاں باندھ کر سینہ پر زخم لگائیں۔ جب سارا خون نکل چکا وہ گر پڑا تب ٹکڑے کر کے استعمال کریں اور بہت اونٹ ہوں تو قطار باندھ کر کھڑا کر لیں۔

۶۲۔ یہ محتاج کی دو قسمیں بتلائیں ایک جو صبر سے بیٹھا ہے، سوال نہیں کرتا، تھوڑا مل جائے تو اسی پر قناعت کرتا ہے دوسرا جو بے قرار ہو کر سوال کرتا پھرتا ہے کچھ مل جائے تب بھی قرار نہیں۔

۶۳۔ انسان کے لئے جانور کی تسخیر: یعنی ایسے بڑے بڑے جانور جو تم سے جثہ میں اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں، تمہارے قبضہ میں کر دیے کہ تم ان سے طرح طرح کی خدمات لیتے ہو اور کیسی آسانی سے ذبح بھی کر لیتے ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ یہ کہ شرک کر کے الٹی ناشکری کرو۔

۶۴۔ قربانی کی روح اور فلسفہ: اس میں قربانی کا اصل فلسفہ بیان فرمایا۔ یعنی جانور کو ذبح کر کے محض گوشت کھانے کھلانے یا اس کا خون گرانے سے تم اللہ کی رضا کبھی حاصل نہیں کر سکتے نہ یہ گوشت اور خون اٹھ کر اس کی بارگاہ تک پہنچتا ہے اس کے یہاں تو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب پہنچتا ہے کہ کیسی خوشدلی اور جوش محبت کے ساتھ ایک قیمتی اور نفیس چیز اس کی اجازت سے اس کے نام پر اس کے بیت کے پاس لے جا کر قربان کی۔ گویا اس قربانی کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا کہ ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں، بس یہ ہی وہ تقویٰ ہے جس کا ذکر وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآٮِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ میں کیا گیا تھا۔ اور جس کی بدولت خدا کا عاشق اپنے محبوب حقیقی کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

۶۵۔ ذبح کرنے کے وقت کی تکبیر: یعنی بِسۡمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكۡبَرُ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنۡكَ کہہ کو ذبح کرو۔ اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنی محبت و عبودیت کے اظہار کی کیسی اچھی راہ سجھا دی، اور ایک جانور کی قربانی کو گویا خود تمہاری جان قربان کرنے کے قائم مقام بنا دیا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوۡرٍ ۚ ﴿۳۸﴾ ع ۵ ۱۲

۳۸۔ اللہ دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے [۶۶] اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغاباز ناشکر [۶۷]

۶۶۔ حج و عمرہ کی رکاوٹیں دور ہو جائیں گی: اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ (الحج۔ ۲۵) الخ میں ان کفار کا ذکر تھا جو مسلمانوں کو حرم شریف کی زیارت اور حج و عمرہ وغیرہ سے روکتے تھے۔ درمیان میں مسجد حرام اور اس کے متعلقات کی تعظیم و ادب کے

احکام بیان فرمائے، اب پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمان مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ عنقریب دشمنوں سے ان کا راستہ صاف کر دے گا۔ مسجد حرام تک پہنچنے اور اس کے متعلق احکام کی تعمیل کرنے میں کوئی مخالفانہ رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ بے خوف و خطر حج و عمرہ ادا کریں گے۔ گویا وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ میں جو بشارت دینے کا امر تھا اس کا ایک فرد یہ خوشخبری ہوئی۔

٦٧۔ یعنی دغاباز ناشکر گذاروں کو اگر ایک خاص میعاد تک مہلت دی جائے تو یہ مت خیال کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش آتے ہیں۔ یہ مہلت بعض مصالح اور حکمتوں کی بناء پر ہے۔ آخری انجام یہی ہونا ہے کہ اہل حق غالب ہوں اور باطل پرستوں کو راستہ سے چھانٹ دیا جائے۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ﴿٣٩﴾

٣٩۔ حکم ہوا اُن لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہوا[٦٨] اور اللہ اُنکی مدد کرنے پر قادر ہے[٦٩]

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ
يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ
مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ
اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾

٤٠۔ وہ لوگ جنکو نکالا اُنکے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اسکے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے[٧٠] اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مقرر مدد کرے گا اُسکی جو مدد کرے گا اُسکی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا[٧١]

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ
اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ
الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٤١﴾

٤١۔ وہ لوگ کہ اگر ہم اُنکو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے[٧٢] اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا[٧٣]

٦٨۔ **کفار سے قتال کا حکم:** جب تک آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے، حکم تھا کہ کفار کی سختیوں پر مسلمان صبر کریں اور ہاتھ روکے رکھیں چنانچہ انہوں نے کامل تیرہ سال تک سخت زہرہ گداز مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ جب مدینہ "دارالاسلام" بن گیا اور مسلمانوں کی قلیل سی جمعیت ایک مستقل مرکز پر جمع ہو گئی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ پر تلوار اٹھائیں۔ اور اپنی جماعت اور مذہب کی حفاظت کریں اس قسم کی کئی آیتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔

٦٩۔ **مسلمانوں کی امداد کا وعدہ:** یعنی اپنی قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر

غالب کر سکتا ہے فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت وامداد کا وعدہ تھا جیسے دنیا میں بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شان وقار واستغناء دکھلانے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں تمہارا فلاں کام ہم کر سکتے ہیں۔ شاید یہ عنوان اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ مخاطب سمجھ لے کہ ہم ایسا کرنے میں کسی سے مجبور نہیں ہیں جو کچھ کریں گے اپنی قدرت واختیار سے کریں گے۔

۷۰۔ مہاجرین کی مدح: یعنی مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا، بجز اس کے کہ وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں۔ اینٹ پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا اور سنگین الزام اگر لگایا جا سکتا ہے تو یہ ہی کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے کیوں ہو رہے۔

۷۱۔ جہاد کی حکمت: یعنی اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی سخت خلاف ورزی ہو گی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے جنگ کرتی رہے اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد، مدرسہ، محفوظ نہ رہ سکتا۔

قانون حفاظت ومدافعت: بناءً علیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں، قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔ اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنان حق و صداقت پر غالب کرے بلاشبہ وہ ایسا قوی اور زبردست ہے کہ اس کی اعانت وامداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی بڑی طاقتور ہستیوں کو شکست دے سکتی ہے۔ بہرحال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی اجازت دینا اسی قانون قدرت کے ماتحت تھا۔ اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اگر مدافعت وحفاظت کا یہ قانون نہ ہو تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کے صومعے (کوٹھڑے) قائم رہتے نہ نصاریٰ کے گرجے نہ یہود کے عبادت خانے نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر اور ڈھا کر برابر کر دی جاتیں۔ پس عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقت مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

۷۲۔ مہاجرین کی فضیلت اور انکے اقتدار کی پیشگوئی: یہ اُن ہی مسلمانوں کا بیان ہے جن پر ظلم ہوئے اور جن کو گھروں سے نکالا گیا۔ یعنی خدا ان کی مدد کیوں نہ کرے گا جبکہ وہی ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ بذات خود بدنی ومالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیشین گوئی کی گئی تھی حرف بحرف سچی ہوئی۔ فللہ الحمد علیٰ ذلک۔ اس آیت سے صحابہؓ خصوصاً مہاجرین اور ان میں اخص خصوص کے طور پر حضرات خلفائے راشدینؓ کی حقانیت اور مقبولیت ومنقبت ثابت ہوئی۔

۷۳۔ یعنی گو آج مسلمان کمزور اور کافر غالب وقوی نظر آتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ آخرکار انہیں منصور وغالب کر دے یا یہ مطلب کہ یہ امت خدا کا دین قائم کرے گی ایک مدت تک آخر اللہ ہی جانے کیا ہو گا۔

وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو اُن سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود

وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم

وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ
لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور مدین کے لوگ[۷۴] اور موسٰی کو جھٹلایا[۷۵] پھر میں نے ڈھیل دی منکروں کو پھر پکڑ لیا اُنکو تو کیسا ہوا میرا انکار[۷۶]

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ
مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ سو کتنی بستیاں ہم نے غارت کر ڈالیں اور وہ گنہگار تھیں اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر[۷۷] اور کتنے کوئیں نکمے پڑے اور کتنے محل گچ کاری کے[۷۸]

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ
يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا
تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي
الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ کیا سیر نہیں کی ملک کی جو اُنکے دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے[۷۹] سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں[۸۰]

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ
وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا
تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ[۸۱] اور ایک دن تیرے رب کے یہاں ہزار برس کے برابر ہوتا ہے جو تم گنتے ہو[۸۲]

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ
اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع ٦ ١٣

۴۸۔ اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے اُنکو ڈھیل دی اور وہ گنہگار تھیں پھر میں نے اُنکو پکڑا اور میری طرف پھر کر آنا ہے[۸۳]

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ تو کہہ اے لوگو میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں تمکو کھول کر[۸۴]

فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ رِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ سو جو لوگ یقین لائے اور کیں بھلائیاں اُنکے گناہ بخش دیتے ہیں اور اُنکو روزی ہے عزت کی [۸۵]

وَ الَّذِيۡنَ سَعَوۡا فِىۡۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور جو دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے

۷۴۔ جن کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔

۷۵۔ یعنی مصر کے قبطیوں نے۔

۷۶۔ سابقہ حالات سے کفار کو تنبیہ: یعنی مسلمانوں کے غلبہ و نصرت کے جو عدے کئے جا رہے ہیں، کفار اپنی موجودہ کثرت و قوت کو دیکھتے ہوئے ان کی تکذیب نہ کریں، یہ خدا کی ڈھیل ہے۔ پہلی قوموں نے بھی خدا کی چند روزہ ڈھیل سے دھوکہ کھا کر اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔ آخر جب پکڑے گئے تو دیکھ لو انکا حشر کیسا ہوا۔ اور خدا نے اپنے عذاب سے ڈرا کر ان کی شرارتوں پر جو انکار فرمایا تھا وہ کس طرح سامنے آ گیا۔ اگلی آیت میں اسی کی تفصیل ہے۔

۷۷۔ یعنی بنیادیں ہلنے سے اول چھتیں گر پڑیں پھر دیواریں اور سارا مکان گر کر چھت کے ڈھیر پر آ رہا یہ ان کے تہ و بالا ہونے کا نقشہ کھینچا ہے۔

۷۸۔ عبرت کے اسباق: یعنی کنویں جن پر پانی کھینچنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی، آج ان میں کوئی ڈول پھانسنے والا نہ رہا۔ اور بڑے بڑے پختہ، بلند عالیشان، قلعی چونے کے محل ویران کھنڈر بن کر رہ گئے۔ جن میں کوئی بسنے والا نہیں۔

۷۹۔ عبرت کے اسباق: یعنی ان تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر دیکھ کر غور و فکر نہ کیا، ورنہ ان کو سچی بات کی سمجھ آ جاتی اور کان کھل جاتے۔

۸۰۔ یعنی آنکھوں سے دیکھ کر اگر دل سے غور نہ کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ گو اس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہ ہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ)

۸۱۔ یعنی عذاب اپنے وقت پر یقیناً آ کر رہے گا۔ استہزاء و تکذیب کی راہ سے جلدی مچانا فضول ہے۔

۸۲۔ آخرت کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہے: یعنی تمہارے ہزار برس اس کے یہاں ایک دن کے برابر ہیں۔ جیسے مجرم آج اس کے قبضہ میں ہے ہزار برس گذرنے کے بعد بھی اسی طرح اس کے قبضہ و اقتدار کے نیچے ہے۔ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ یا یہ مطلب کہ ہزار برس کا کام وہ ایک دن میں کر سکتا ہے۔ مگر کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت و مصلحت کے موافق ہو۔ کسی کے جلدی مچانے سے وہاں کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ یا یوں کہا جائے کہ اخروی عذاب کا وعدہ ضرور آ کر رہے گا۔ یعنی قیامت آئے گی اور تم کو پوری سزا ملے گی۔ آگے قیامت کے دن کا بیان ہوا کہ وہ ایک دن اپنی شدت و ہول کے لحاظ سے ہزار سال کے برابر ہو گا۔ پھر ایسی مصیبت کو بلانے کے لئے کیوں جلدی مچاتے ہو۔

۸۳۔ اللہ کی ڈھیل پر بے فکر نہ ہوں: یعنی کیا ڈھیل دینے سے وہ کہیں نکل کر بھاگ گئیں آخر سب کو لوٹ کر ہماری ہی طرف آنا پڑا۔ اور ہم نے ان کو پکڑ کر تباہ کر دیا۔

۸۴۔ رسول اللہ کا فرض منصبی: یعنی میرا کام آگاہ و ہشیار کر دینا ہے۔ عذاب کا لے آنا میرے قبضہ میں نہیں خدا ہی کے قبضہ میں ہے کہ سب مطیع و عاصی کا فیصلہ کرے اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جگہ پر پہنچائے۔

۸۵۔ یعنی جنت میں میوے پھل اور عمدہ عمدہ الوان نعمت اور حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا۔

وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ
اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنۡسَخُ
اللّٰهُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ ۙ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اُسکے خیال میں پھر اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کا ملایا ہوا پھر پکی کر دیتا ہے اپنی باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا [۸۶]

لِّیَجۡعَلَ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ فِتۡنَةً لِّلَّذِیۡنَ فِیۡ
قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡقَاسِیَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَ اِنَّ
الظّٰلِمِیۡنَ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ۙ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اس واسطے کہ جو کچھ شیطان نے ملایا اس سے جانچے اُنکو کہ جنکے دل میں روگ ہیں اور جنکے دل سخت ہیں اور گنہگار تو ہیں مخالفت میں دور جا پڑے

وَّ لِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ
فَیُؤۡمِنُوۡا بِهٖ فَتُخۡبِتَ لَهٗ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ
لَهَادِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور اس واسطے کہ معلوم کر لیں وہ لوگ جنکو سمجھ ملی ہے کہ یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر اس پر یقین لائیں اور نرم ہو جائیں اُسکے آگے اُنکے دل اور اللہ سمجھانے والا ہے یقین لانے والوں کو راہ سیدھی [۸۷]

وَ لَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡهُ حَتّٰی
تَاۡتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً اَوۡ یَاۡتِیَهُمۡ عَذَابُ یَوۡمٍ
عَقِیۡمٍ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اُس میں دھوکا جب تک کہ آ پہنچے اُن پر قیامت بیخبری میں یا آ پہنچے اُن پر آفت ایسے دن کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی [۸۸]

اَلۡمُلۡكُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ یَحۡكُمُ بَیۡنَهُمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ
اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ راج اُس دن اللہ کا ہے اُن میں فیصلہ کرے گا [۸۹] سو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں نعمت کے باغوں میں ہیں

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع ٩ ١٤

٥٧۔ اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں سو انکے لئے ہے ذلت کا عذاب

٨٦۔ آیات وحی میں شیطانی شبہات: آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اپنے پیشرو حضرت شاہ عبد القادرؒ کی روش اختیار فرمائی ہے جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے بھی "حجۃ اللہ البالغہ" کے آخر میں اشارہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ "موضح القران" میں لکھتے ہیں "نبی کو ایک حکم (یا ایک خبر) اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ اس میں ہر گز ذرہ بھر تفاوت نہیں ہو سکتا۔ اور ایک اپنے دل کا خیال (اور رائے کا اجتہاد) ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے کبھی نہیں۔ جیسے حضرت ﷺ نے خواب میں دیکھا (اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) کہ آپ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خیال میں آیا کہ شاید امسال ایسا ہو گا (چنانچہ عمرہ کی نیت سے سفر شروع کیا۔ لیکن درمیان میں احرام کھولنا پڑا) اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔ یا وعدہ ہوا کہ کافروں پر غلبہ ہو گا۔ خیال آیا کہ اب کی لڑائی میں۔ اس میں نہ ہوا، بعد کو ہوا۔ پھر اللہ جتلا دیتا ہے کہ جتنا حکم یا وعدہ تھا اس میں سرِ مو تفاوت نہیں۔" ہاں نبی کے ذاتی خیال و اجتہاد میں تفاوت ہو سکتا ہے گو نبی اصل پیشین گوئی کے ساتھ ملا کر اپنے ذاتی خیال کی اشاعت نہیں کرتا بلکہ دونوں کو الگ رکھتا ہے۔ باقی اس صورت میں "القاء" کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہو گی جیسے وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (کہف۔٦٣) میں "اِنْساء" کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ احقر کے نزدیک بہتریں اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی مختصر اصل سلف سے منقول ہے۔ یعنی "تمنّٰی" کو بمعنی قرات و تلاوت یا تحدیث کے اور "اُمنیت" کو بمعنی متلوٗ یا حدیث کے لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے۔ یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً نبی نے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدہ۔٣) الخ پڑھ کر سنائی، شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں۔ یا آپ نے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء۔٩٨) پڑھا۔ اس نے شبہ ڈالا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ میں حضرت مسیح و عزیر اور ملائکۃ اللہ بھی شامل ہیں۔ یا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق پڑھا كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ۔ النساء۔١٧١) شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت مسیحؑ کی ابنیت و الوہیت ثابت ہوتی ہے۔ اس القاء شیطان کے ابطال رد میں پیغمبر ﷺ اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔

آیات محکمات سے شیطانی شبہات کا علاج: گویا "تشابہات" کی ظاہری سطح کو لے کر شیطان جو اغواء کرتا ہے "آیات محکمات" اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں جنہیں سن کر تمام شکوک و شبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہ دو قسم کی آیتیں کیوں اتاری جاتی ہیں؟ شیطان کو اتنی وسوسہ اندازی اور تصرف کا موقع کیوں دیا جاتا ہے؟ اور آیات کا جو احکام بعد کو کیا جاتا ہے ابتداء ہی سے کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ یہ سب امور حق تعالیٰ کی غیر محدود علم و حکمت سے ناشی ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو علماً و عملاً دار امتحان بنایا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی کارروائی میں بندوں کی جانچ ہے کہ کون شخص اپنے دل کی بیماری یا سختی کی وجہ سے پادر ہوا شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور کون سمجھدار آدمی اپنے علم و تحقیق کی قوت سے ایمان و اخبات کے مقام بلند پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آدمی نیک نیتی اور ایمانداری سے سمجھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرما کر اس کو سیدھی راہ پر قائم فرما دیتے ہیں۔ رہے منکریں و مشککین ان کو قیامت تک اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ہر چہ گیرد علتی علت شود۔

ہماری اس تقریر میں دور تک کئی آیتوں کا مطلب بیان ہو گا۔ سمجھدار آدمی اس کے اجزا کو آیات کے اجزاء پر بے تکلف منطبق کر سکتا ہے۔ یہ آیات جیسا کہ ہم نے سورہ "آل عمران" کے شروع میں بیان کیا تھا۔ هُوَالَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ (آل عمران۔۷) الخ سے بہت مشابہ ہیں۔ چنانچہ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلۡقَى الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِهٖ میں "متشابہات" کا اور ثُمَّ یُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ میں "محکمات" کا ذکر ہوا۔ اور لِّیَجۡعَلَ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ فِتۡنَةً الخ میں زائغین کی دو قسمیں مذکور ہوئیں۔ جن میں لِّلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ کا کام ابتغاء تاویل، اور الۡقَاسِیَةِ قُلُوۡبُهُمۡ کی غرض ابتغاء فتنہ ہے آگے لِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الخ کو آیۃ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ (آل عمران۔۷) الخ کی جگہ سمجھو اور وہاں جو دعا رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَیۡتَنَا (آل عمران۔۸) سے کی تھی یہاں اس کی اجابت کا ذکر اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ میں کیا گیا۔ اور رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ (آل عمران۔۹) کے مناسب۔ وَلَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡهُ حَتّٰی تَاۡتِیَهُمُ السَّاعَةُ الی قولہ۔ یَحۡكُمُ بَیۡنَهُمۡ ہوئی (تنبیہ) آیت حاضرہ کے تحت میں مفسرین نے جو قصہ "غرانیق" کا ذکر کیا ہے اس پر بحث کا یہاں موقع نہیں۔ شاید سورہ نجم میں کچھ لکھنے کی نوبت آئے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت بسط سے اس پر کلام کیا ہے۔ بہر حال آیت کا مطلب سلف کی تفسیر کے موافق بلکل صاف ہے گویا یہ تفصیل اس کی ہوئی جو اوپر وَالَّذِیۡنَ سَعَوۡا فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ میں ابطال آیات اللہ کی سعی کا ذکر تھا۔

۸۷۔ **اہل باطل کی آزمائش:** "موضح القرآن" میں ہے "یعنی اس میں گمراہ بھٹکتے ہیں سو ان کا کام ہے بھٹکنا، اور ایمان والے اور زیادہ مضبوط ہوتے ہیں کہ اس کلام میں بندہ کا دخل نہیں۔ اگر ہوتا تو یہ بھی بندہ کے خیال کی طرح کبھی صحیح کبھی غلط نکلتا۔ اور جس کی نیت اعتقاد پر ہو، اللہ اس کو یہ بات سمجھاتا ہے"۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ فائدہ اپنے مذاق کے موافق لکھا ہے۔ ہمارا جو خیال ہے اس کی تقریر گذشتہ فائدہ میں گذر چکی۔ واللہ اعلم۔

۸۸۔ **منکرین قیامت تک دھوکے میں رہیں گے:** یعنی نفس قیامت کا ہولناک حادثہ اچانک آپہنچے یا اسی قیامت کے دن کا عذاب سامنے آجائے۔ اور ممکن ہے عَذَابُ یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ سے دنیا کا عذاب مراد ہو۔ یعنی دنیا ہی میں سزا مل جائے جس سے کوئی رستگاری کی شکل نہیں۔

۸۹۔ یعنی قیامت کے دن اکیلے خدا کی بادشاہت کام کرے گی۔ کسی کی ظاہری و مجازی حکومت برائے نام بھی باقی نہ رہے گی۔ اس وقت سب دنیا کا بیک وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا۔ جس کی تفصیل آگے مذکور ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا لَیَرۡزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ اُنکو دے گا اللہ روزی خاصی اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا

لَیُدۡخِلَنَّهُمۡ مُّدۡخَلًا یَّرۡضَوۡنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیۡمٌ حَلِیۡمٌ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ البتہ پہنچائے گا اُنکو ایک جگہ جسکو پسند کریں گے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے تحمل والا [۹۰]

۹۰۔ اللہ کے لئے ہجرت کرنے والوں کے انعامات: مومنین کا انجام پہلے بتلایا تھا، یہاں ان میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا۔ یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت سے مریں دونوں صورتوں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہو گی۔ کھانا، پینا، رہنا، سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہو گا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوں گے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کن لوگوں نے خالص اس کے راستہ میں اپنا گھر بار ترک کیا ہے۔ ایسے مہاجرین و مجاہدین کی فروگذاشتوں پر حق تعالیٰ تحمل کرے گا۔ اور شان عفو سے کام لے گا۔ "علیم" و "حلیم" کی صفات اس غرض سے ذکر کیں کہ اللہ سب کو جانتا ہے۔ ان کو بھی جنہوں نے ایسے مخلص بندوں کو تکلیفیں دے کر گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن اپنی بردباری کی وجہ سے فوراً سزا نہیں دیتا۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ
عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾

۶۰۔ یہ سن چکے اور جس نے بدلہ لیا جیسا کہ اُسکو دکھ دیا تھا پھر اُس پر کوئی زیادتی کرے تو البتہ اُسکی مدد کرے گا اللہ [۹۱] بیشک اللہ درگذر کرنے والا بخشنے والا ہے [۹۲]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ
النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾

۶۱۔ یہ اس واسطے کہ اللہ لے لیتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں [۹۳] اور اللہ سنتا دیکھتا ہے [۹۴]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

۶۲۔ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے صحیح اور جسکو پکارتے ہیں اُسکے سوائے وہی ہے غلط اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا [۹۵]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫
فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ
خَبِيْرٌ ۚ ﴿٦٣﴾

۶۳۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زمین ہو جاتی ہے سرسبز [۹۶] بیشک اللہ جانتا ہے چھپی تدبیریں خبردار ہے [۹۷]

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ
الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۧ ﴿٦٤﴾

۶۴۔ اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ وہی ہے بے پروا تعریفوں والا [۹۸]

ع ۸ / ۱۴

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ
تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ

۶۵۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے بس میں کر دیا تمہارے جو کچھ ہے زمین میں اور کشتی کو جو چلتی ہے دریا میں اُسکے حکم سے اور تھام رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ گر پڑے زمین

تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾

پر مگر اُسکے حکم سے بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا مہربان ہے [۹۹]

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اور اُسی نے تمکو جلایا پھر مارتا ہے پھر زندہ کرے گا [۱۰۰] بیشک انسان ناشکر ہے [۱۰۱]

۹۱۔ مظلوم کی مدد کا وعدہ: یعنی مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے۔ پھر از سر نو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہر گیا، حق تعالیٰ پھر مدد کرے گا جیسا کہ اس کی عادت ہے کہ مظلوم کی آخر حمایت کرتا ہے۔ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔ بترس ازآہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن، اجابت از در حق بہر استقبال می آید۔

۹۲۔ یعنی بندوں کو بھی چاہئے کہ اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفو و درگذر کی عادت سیکھیں۔ ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی واجبی بدلہ لینے والے کو خدا عذاب نہیں کرتا اگرچہ بدلہ نہ لینا بہتر تھا" بدر" کی لڑائی میں مسلمانوں نے بدلہ لیا کافروں کی ایذاء کا۔ پھر کافر "احد" و "احزاب" میں زیادتی کرنے کو آئے۔ پھر اللہ نے پوری مدد کی۔"

۹۳۔ اللہ کی قدرت کاملہ: یعنی وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کا الٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے، کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پنجہ سے نکال دے بلکہ ان پر غالب و مسلط کر دے۔ پہلے مسلمان مہاجرین کا ذکر تھا اس آیت میں اشارہ فرمادیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔

۹۴۔ یعنی مظلوم کی فریاد سنتا اور ظالم کے کرتوت دیکھتا ہے۔

۹۵۔ یعنی اللہ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہ ہی ایک ہے باقی اسکو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط، جھوٹ اور باطل ہیں۔ اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔

۹۶۔ اسی طرح کفر کی خشک و ویران زمین کو اسلام کی بارش سے سبزہ زار بنادے گا۔

۹۷۔ اللہ کی تدبیر اور تصرف: وہ ہی جانتا ہے کہ کس طرح بارش کے پانی سے سبزہ اگ آتا ہے۔ قدرت اندر ہی اندر ایسی تدبیر و تصرف کرتی ہے کہ خشک زمین پانی وغیرہ کے اجزاء کو اپنے اندر جذب کر کے سرسبز و شاداب ہو جائے۔ اسی طرح وہ اپنی مہربانی، لطیف تدبیر و تربیت، اور کمال خبر داری و آگاہی سے قلوب بنی آدم کو فیوض اسلام کا مینہ برسا کر سرسبز و شاداب بنادے گا۔

۹۸۔ یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزیں جب اسی کی مملوک و مخلوق ہیں اور سب کو اس کی احتیاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں تو ان میں جس طرح چاہے تصرف اور ادل بدل کرے، کوئی مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا۔ البتہ باوجود غنائے تام اور اقتدار کامل کے کرتا وہ ہی ہے جو سراپا حکمت و مصلحت ہو۔ اس کے تمام افعال محمود ہیں اور اس کی ذات تمام خوبیوں اور صفات حمیدہ کی جامع ہے۔

٩٩۔ بحر و بر کی تسخیر: یعنی اس کو تمہاری یا کسی کی کیا پروا تھی۔ محض شفقت و مہربانی دیکھو کہ کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے قابو میں کر دیا۔ پھر اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو اس فضائے ہوائی میں بدون کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ ورنہ گر کر اور ٹکرا کر تمہاری زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ جب تک اس کا حکم نہ ہو یہ کُرات یوں ہی اپنی جگہ قائم رہیں گے مجال نہیں کہ ایک انچ سرک جائیں۔ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کا استثناء محض اثبات قدرت کی تاکید کے لئے ہے۔ یا شاید قیامت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم۔

١٠٠۔ اسی طرح کفر و جہل سے جو قوم روحانی موت مر چکی تھی، ایمان و معرفت کی روح سے اس کو زندہ کر دے گا۔

١٠١۔ انسان ناشکرا ہے: یعنی اتنے احسانات و انعامات دیکھ کر بھی اس کا حق نہیں مانتا۔ منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ ہر امت کے لئے ہم نے مقرر کر دی ایک راہ بندگی کی کہ وہ اُسی طرح کرتے ہیں بندگی سو چاہئے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف بیشک تو ہے سیدھی راہ پر سوجھ والا

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾

٦٨۔ اور اگر تجھ سے جھگڑنے لگیں تو تو کہہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾

٦٩۔ اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن جس چیز میں تمہاری راہ جدا جدا تھی[١٠٢]

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾

٧٠۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں یہ اللہ پر آسان ہے[١٠٣]

١٠٢۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور دعوت کا حکم: تمام انبیاء اصول دین میں متفق رہے ہیں۔ البتہ ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بندگی کی صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف مقرر کی ہیں جن کے موافق وہ امتیں خدا کی عبادت بجالاتی رہیں۔ اس امت محمدیہ کے لئے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی لیکن اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا۔ بجز اللہ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی۔ اس لئے توحید وغیرہ کے ان متفق علیہ کاموں میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال زیبا نہیں۔ جب ایسی کھلی ہوئی چیز میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پروا نہ کریں۔ آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہئے۔ اور خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ خدائے واحد کے سپرد کیجئے وہ خود ان کی تمام حرکات سے خوب واقف ہے قیامت کے دن ان کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کر دے گا۔ آپ دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر کے ان کی فکر میں زیادہ دردسری نہ اٹھائیں۔ ایسے ضدی معاندین کا علاج خدا کے پاس ہے (تنبیہ) فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ کا مطلب یہ

بھی ہو سکتا ہے کہ جب ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جداگانہ دستور العمل مقرر کیا ہے۔ پھر اس پیغمبر کی امت کے لئے نئی شریعت آئی تو جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ بعض مفسرین نے مَنْسَک کے معنی ذبح و قربانی کے لئے ہیں، مگر اقرب وہ ہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہٗ نے اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۳۔ اللہ تعالیٰ کا علم مُحیط: یعنی کچھ ان کے اعمال پر منحصر نہیں، اللہ تعالیٰ کا علم تو زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو محیط ہے اور بعض مصالح اور حکمتوں کی بنا پر اسی علم کے موافق تمام واقعات "لوح محفوظ" میں اور بنی آدم کے تمام اعمال ان کے اعمال ناموں میں لکھ بھی دیئے گئے ہیں اسی کے موافق قیامت کے دن فیصلہ ہو گا۔ اور اتنی بیشمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اسی کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا، ان میں سے کوئی بات اللہ کے ہاں مشکل نہیں۔ جس میں کچھ تکلیف یا دقت اٹھانی پڑے۔

وَ يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّ مَا لَيۡسَ لَهُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور پوجتے ہیں اللہ کے سوائے اس چیز کو جسکی سند نہیں اتاری اُس نے اور جسکی خبر نہیں اُنکو[۱۰۴] اور بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار[۱۰۵]

وَ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعۡرِفُ فِىۡ وُجُوۡهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡمُنۡكَرَ‌ؕ يَكَادُوۡنَ يَسۡطُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا‌ؕ قُلۡ اَفَاُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ‌ؕ اَلنَّارُ‌ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۷۲﴾ ع

۷۲۔ اور جب سنائے اُنکو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے تو منکروں کے منہ کی بری شکل نزدیک ہوتے ہیں کہ حملہ کر پڑیں اُن پر جو پڑھتے ہیں اُنکے پاس ہماری آیتیں[۱۰۶] تو کہہ میں تمکو بتلاؤں ایک چیز اس سے بدتر وہ آگ ہے اس کا وعدہ کر دیا ہے اللہ نے منکروں کو اور وہ بہت بری ہے پھر جانے کی جگہ[۱۰۷]

ع ۹/۸ ۱۲

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ‌ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنۡ يَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ‌ؕ وَاِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـئًا لَّا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ‌ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ

۷۳۔ اے لوگو ایک مثل کہی ہے سو اس پر کان رکھو[۱۰۸] جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے اُن سے مکھی چھڑا نہ سکیں وہ اس سے بودا ہے چاہنے والا اور جنکو چاہتا ہے[۱۰۹]

الْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿٧٤﴾

٧٤۔ اللہ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اُسکی قدر ہے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست[١١٠]

١٠٤۔ آباؤاجداد کی اندھی تقلید: محض باپ دادوں کی کورانہ تقلید میں ایسا کرتے ہیں، کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہیں رکھتے۔

١٠٥۔ سب سے بڑا ظلم اور بے انصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ سو ایسے ظالم اور بے انصاف لوگ خوب یاد رکھیں کہ ان کے شرکاء مصیبت پڑنے پر کچھ کام نہ آئیں گے نہ اور کوئی اس وقت مدد کر سکے گا۔

١٠٦۔ آیات قرآن پر کفار کا غیظ وغضب: یعنی قرآن کی آیتیں (جو توحید وغیرہ کے صاف بیانات پر مشتمل ہیں) سن کر کفار و مشرکین کے چہرے بگڑ جاتے اور مارے ناخوشی کے تیوریاں بدل جاتی ہیں۔ حتّٰی کہ شدت غیظ وغضب سے پاگل ہو کر چاہتے ہیں کہ آیات سنانے والوں پر حملہ کر دیں چنانچہ بعض اوقات کر بھی گذرتے ہیں۔

١٠٧۔ یعنی تمہارے اس غیظ وغضب اور ناگواری سے بڑھ کو جو آیات اللہ کے پڑھے جانے پر پیدا ہوتی ہے، ایک سخت بری ناگوار چیز اور ہے جس پر کسی طرح صبر ہی نہ کر سکو گے۔ وہ دوزخ کی آگ جس کا وعدہ کافروں سے کیا جا چکا ہے۔ دونوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لو کہ کونسا تلخ گھونٹ پینا تم کو نسبۃً آسان ہو گا۔

١٠٨۔ شرک کی مثال: یہ توحید کے مقابلہ میں شرک کی شناعت وقبح ظاہر کرنے کے لئے مثال بیان فرمائی جسے کان لگا کر سننا اور غور وفکر سے سمجھنا چاہیئے۔ تا ایسی رکیک وذلیل حرکت سے باز رہو۔

١٠٩۔ شرکاء اور مشرکین کمزور ہیں: یعنی مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے۔ جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کر دیں، یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کوئی چیز لیجائے تو اس سے واپس لے سکیں ان کو "خالق السماوات والارضین" کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود و حاجت روا بنا لیا۔

١١٠۔ اللہ قوت والا اور زبردست ہے: سمجھتے تو ایسی گستاخی کیوں کرتے۔ کیا اللہ کی شان رفیع اور قدر و منزلت اتنی ہے کہ ایسی کمزور چیزوں کو اس کا ہمسر بنا دیا جائے؟ (العیاذ باللہ) اس کی قوت وعزت کے سامنے تو بڑے بڑے مقرب فرشتے اور پیغمبر بھی مجبور و بے بس ہیں۔ آگے ان کا ذکر کیا ہے۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿٧٥﴾ ج

٧٥۔ اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں[١١١] اللہ سنتا دیکھتا ہے[١١٢]

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٧٦﴾

٧٦۔ جانتا ہے جو کچھ اُنکے آگے ہے اور جو کچھ اُنکے پیچھے اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی[١١٣]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ارۡكَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا
رَبَّكُمۡ وَافۡعَلُوا الۡخَيۡرَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۩ ﴿۷۷﴾ السجدة
وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجۡتَبٰٮكُمۡ وَ
مَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ
اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ مِنۡ
قَبۡلُ وَفِىۡ هٰذَا لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ
وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيۡمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ
مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ﴿۷۸﴾ ع ١٠ ١٧

۷۷۔ اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلائی کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو [۱۱۴]

۷۸۔ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہئے اُسکے واسطے محنت [۱۱۵] اس نے تم کو پسند کیا [۱۱۶] اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل [۱۱۷] دین تمہارے باپ ابراہیم کا [۱۱۸] اُسی نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس قرآن میں [۱۱۹] تا کہ رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر [۱۲۰] سو قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کو وہ تمہارا مالک ہے سو خوب مالک ہے اور خوب مددگار [۱۲۱]

۱۱۱۔ **فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ کے پیغمبر:** یعنی بعض فرشتوں سے پیغامبری کا کام لیتا ہے (مثلاً جبریلؑ) اور بعض انسانوں سے جن کو خدا اس منصب کے لئے انتخاب فرمائے گا ظاہر ہے ان کا درجہ تمام خلائق سے اعلیٰ ہونا چاہئے۔

۱۱۲۔ یعنی ان کی تمام باتوں کو اور ان کے ماضی و مستقبل کے تمام احوال کو دیکھتا ہے اس لئے وہ ہی حق رکھتا ہے کہ جس کے احوال و استعداد پر نظر کر کے منصب رسالت پر فائز کرنا چاہے فائز کر دے۔ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام۔ ۱۲۴) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ساری خلق میں بہتر وہ لوگ ہیں پیغام پہنچانے والے، فرشتوں میں بھی وہ فرشتے اعلیٰ ہیں ان کو (یعنی ان کی ہدایات کو) چھوڑ کر بتوں کو مانتے ہو" کس قدر بے تکی بات ہے۔

۱۱۳۔ یعنی وہ بھی اختیار نہیں رکھتے، اختیار ہر چیز میں اللہ کا ہے (کذا فی الموضح)۔

۱۱۴۔ **مومنین کو عبادت کا حکم:** شرک کی تقبیح اور مشرکین کی تفضیح کے بعد مومنین کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم اکیلے اپنے رب کی بندگی پر لگے رہو اسی کے آگے جھکو، اسی کے حضور میں پیشانی ٹیکو، اور اسی کے لئے دوسرے بھلائی کے کام کرو۔ تا کہ دنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا ہو۔

۱۱۵۔ **مومنین کو مجاہدہ کا حکم:** اپنے نفس کو درست رکھنے اور دنیا کو درستی پر لانے کے لئے پوری محنت کرو جو اتنے بڑے اہم مقصد کے شایان شان ہو۔ آخر دنیوی مقاصد میں کامیابی کے لئے کتنی محنتیں اٹھاتے ہو۔ یہ تو دین کا اور آخرت کی دائمی کامیابی کا راستہ ہے جس میں جس قدر محنت برداشت کی جائے انصافاً تھوڑی ہے (تنبیہ) لفظ "مجاہدہ" میں ہر قسم کی زبانی، قلمی، مالی، بدنی کوشش شامل ہے اور "جہاد" کی تمام قسمیں

(جہاد مع النفس، جہاد مع الشیطان، جہاد مع الکفار، جہاد مع البغاۃ جہاد مع المبطلین) اسکے نیچے مندرج ہیں۔

۱۱۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت: کہ سب سے اعلیٰ وافضل پیغمبر دیا اور تمام شرائع سے اکمل شریعت عنایت کی، تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے تم کو چھانٹ لیا اور سب امتوں پر فضیلت بخشی۔

۱۱۷۔ دین میں کوئی تنگی نہیں: دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح کی رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم خود اپنے اوپر ایک آسان چیز کو مشکل بنالو۔

۱۱۸۔ ابراہیمؑ چونکہ حضور ﷺ کے اجداد میں ہیں اس لئے ساری امت کے باپ ہوئے، یا یہ مراد ہو کہ عربوں کے باپ ہیں کیونکہ اولین مخاطب قرآن کے وہ ہی تھے۔

۱۱۹۔ تمہارا دینی نام مسلم ہے: یعنی اللہ نے پہلے کتابوں میں اور اس قرآن میں تمہارا نام مُسْلِمِ رکھا (جس کے معنی حکمبردار اور وفا شعار کے ہیں) ابراہیمؑ نے پہلے تمہارا یہ نام رکھا تھا جبکہ دعا میں کہا وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ (بقرہ۔۱۲۸) اور اس قرآن میں شاید ان ہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو۔ بہر حال تمہارا نام "مسلم" ہے گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ تمہارا ہی ٹھہرا ہے سو اس کی لاج رکھنی چاہئے۔

۱۲۰۔ امت محمدیہ کی فضیلت: یعنی پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور امتوں کو سکھاؤ اور رسول تم کو سکھائے اور یہ امت جو سب سے پیچھے آئی یہ ہی غرض ہے کہ تمام امتوں کی غلطیاں درست کرے اور سب کو سیدھی راہ بتائے۔ گویا جو مجد و شرف اس کو ملا ہے اسی وجہ سے ہے کہ یہ دنیا کے لئے معلم اور تبلیغی جہاد کرے۔ (تنبیہ) دوسرے مفسرین نے "شہید" اور "شہداء" کو بمعنی گواہ لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری امتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے گواہ مانگے جائیں گے تو وہ امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے۔ یہ امت گواہی دے گی کہ بیشک پیغمبروں نے دعوت و تبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کر دی تھی۔ جب سوال ہو گا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ جوابدیں گے کہ ہمارے نبی نے اطلاع کی جس کی صداقت پر خدا کی محفوظ کتاب (قرآن کریم) گواہ ہے۔ گویا یہ فضل و شرف اس لئے دیا گیا کہ تم کو ایک بڑے عظیم الشان مقدمہ میں بطور معزز گواہ کے کھڑا ہونا ہے۔ لیکن تمہاری گواہی کی ساعت اور وقعت بھی تمہارے پیغمبر کے طفیل میں ہے کہ وہ تمہارا تزکیہ کریں گے۔

۱۲۱۔ مسلمانوں کو عبادت اور اتحاد کا حکم: یعنی انعامات الٰہیہ کی قدر کرو، اپنے نام ولقب اور فضل و شرف کی لاج رکھو، اور سمجھو کہ تم بہت بڑے کام کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ اس لئے اول اپنے کو نمونہ عمل بناؤ۔ نماز، زکوٰۃ (بالفاظ دیگر بدنی و مالی عبادات) میں کوتاہی نہ ہونے پائے، ہر کام میں اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ ذرا بھی قدم جادہ حق سے ادھر ادھر نہ ہو۔ اس کے فضل ورحمت پر اعتماد رکھو تمام کمزور سہارے چھوڑ دو، تنہا اسی کو اپنا مولا اور مالک سمجھو، اس سے اچھا مالک و مددگار اور کون ملے گا؟ رَبِّ اجۡعَلۡنَا مِنۡ مُقِيۡمِىۡ الصَّلٰوةِ وَمُؤۡتِىۡ الزَّكٰوةِ وَالۡمُعۡتَصِمِيۡنَ بِكَ وَالۡمُتَوَكِّلِيۡنَ عَلَيۡكَ فَاَنۡتَ مَوۡلَانَا وَنَاصِرُنَا فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰى اَنۡتَ وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ۔

تم سورۃ الحج بفضلہ ومنہ فلہ الحمد وعلیٰ نبیہ الصلوٰۃ والتسلیم

اٰیاتها ۱۱۸ | ۲۳ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۷۴ | رکوعاتها ٦

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾
۱۔ کام نکال لے گئے ایمان والے

الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾
۲۔ جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں[۱]

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾
۳۔ اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے[۲]

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ﴿۴﴾
۴۔ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں[۳]

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۵﴾
۵۔ اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں

اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ
غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ﴿۶﴾
٦۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو اُن پر نہیں کچھ الزام

فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾
۷۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اسکے سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے[۴]

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ﴿۸﴾
۸۔ اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے قرار سے خبردار ہیں[۵]

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۘ﴿۹﴾
۹۔ اور جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں[٦]

اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿ۙ۱۰﴾
۱۰۔ وہی ہیں میراث لینے والے

الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾
۱۱۔ جو میراث پائیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے[۷] وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے

۱۔ خشوع کی تعریف: "خشوع" کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا چنانچہ ابن عباس نے خٰشِعُوْنَ کی تفسیر

"خائفون ساکنون" سے کی ہے۔ اور آیت تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ بھی دلالت کرتی ہے کہ "خشوع" میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں "خشوع" کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میں قلب کی صفت بتلائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔ جب نماز میں قلب خاشع و خائف اور ساکن و پست ہو گا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں پھریں گے، ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے۔ پھر خوف و ہیبت اور سکون و خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے۔ مثلاً بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا ادھر ادھر نہ تاکنا، کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹخانا اور اسی قسم کے بہت افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔

صحابہ کرام کی نماز: احادیث میں حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح و مقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوٰۃ کے لئے شرط نہیں۔ ہاں قبول صلوٰۃ کے لئے شرط ہے۔ میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہو گا کہ حسن قبول کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ احیاء العلوم اور اس کی شرح میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔ بہر حال انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی ان ہی مومنین کو حاصل ہو گی جو خشوع و خضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان اوصاف سے موصوف ہیں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ لغو باتوں سے اعراض: یعنی فضول و بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں، ان کو وظائف عبودیت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں ۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو   چو بگذشت بر عارف جنگجو
گر ایں مدعی دوست بشناختے   بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

۳۔ ادائے زکوٰۃ کا اہتمام: یعنی ان کی عادت ہے کہ ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی دی کبھی نہ دی، غالباً اسی لئے يُؤَدُّونَ الزَّكٰوةَ کی جگہ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ کی ترکیب اختیار فرمائی۔ گویا بتلا دیا کہ زکوٰۃ ادا کرنا ان کا مستمر کام ہے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہٗ نے "دیا کرتے ہیں" کہہ کر ادھر اشارہ کر دیا۔ بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو "طہارت" (پاکیزگی) یا تزکیہ نفس کے معنی میں لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ۔۱۴) اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الیل۔۹) کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اس کے مفہوم کو عام رکھا جائے جس میں بدن کا، دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہو۔ زکوٰۃ و صدقات بھی ایک قسم کی مالی تطہیر ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ۔۱۰۳) یہ کہنا کہ آیت مکی ہے اور مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی ابن کثیرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اصل زکوٰۃ کی مشروعیت مکہ میں ہو چکی تھی، ہاں مقادیر و نُصُب وغیرہ کی تشخیص مدینہ پہنچ کر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۴۔ شرمگاہوں کی حفاظت: یعنی اپنی منکوحہ عورت یا باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زناء، لواطت اور استمناء بالید وغیرہ سب صورتیں آ گئیں۔ بلکہ بعض مفسرین نے حرمت متعہ پر بھی اس سے استدلال کیا ہے۔ وفیہ کلام طویل لایسعہ المقام۔ راجع روح المعانی تحت ہذہ الآیۃ الکریمۃ۔

۵۔ عہد و امانت کے محافظ: یعنی امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بد عہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملہ میں نہ بندوں کے۔

۶۔ نمازوں کی حفاظت: نمازیں اپنے اوقات پر آداب و حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی

سے غافل نہیں ہوتے۔ یہاں تک مومنین مفلحین کی چھ صفات و خصال بیان کیں۔ (۱) خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھنا، یعنی بدن اور دل سے اللہ کی طرف جھکنا۔ (۲) باطل لغو اور نکمی باتوں سے علیحدہ رہنا (۳) زکوۃ یعنی مالی حقوق ادا کرنا یا اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھنا (۴) شہوات نفسانی کو قابو میں رکھنا (۵) امانت و عہد کی حفاظت کرنا گویا معاملات کو درست رکھنا (۶) اور آخر میں پھر نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا کہ اپنے وقت پر آداب و شروط کی رعایت کے ساتھ ادا ہوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ ہے اور کس قدر مہتم بالشان چیز ہے کہ اس سے شروع کر کے اسی پر ختم فرمایا۔

۷۔ جنت کے میراث ہونے پر پہلے کسی جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے [۸]

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۪﴿۱۳﴾

۱۳۔ پھر ہم نے رکھا اُسکو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں [۹]

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾

۱۴۔ پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی پھر بنائیں اُس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ہڈیوں پر گوشت [۱۰] پھر اٹھا کھڑا کیا اسکو ایک نئی صورت میں [۱۱] سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے [۱۲]

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ﴿۱۵﴾

۱۵۔ پھر تم اسکے بعد مرو گے [۱۳]

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے [۱۴]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے اوپر سات رستے [۱۵] اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر [۱۶]

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر [۱۷] پھر اُسکو ٹھہرا دیا زمین میں [۱۸] اور ہم اُسکو لیجائیں تو لیجا سکتے ہیں [۱۹]

فَاَنۡشَاۡنَا لَكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ‌ۘ لَكُمۡ فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ وَّ مِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ‏ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ پھر اگا دیے تمہارے واسطے اُس سے باغ کھجور اور انگور کے تمہارے واسطے ان میں میوے ہیں بہت اور اُنہی میں سے کھاتے ہو[۲۰]

وَ شَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ‏ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے[۲۱]

وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً‌ ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهَا وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ‏ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور تمہارے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تمکو اُنکے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے اُن میں بہت فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو[۲۲]

وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ‏ ﴿۲۲﴾ ع

۲۲۔ اور اُن پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو[۲۳]

۸۔ مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب: کیونکہ سب کے باپ حضرت آدمؑ منتخب مٹی سے پیدا ہوئے اور ویسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ ہے۔

۹۔ یعنی رحم مادر میں جہاں سے کہیں ہل نہ سکے۔

۱۰۔ انسانی تخلیق کے مراحل: "یعنی کچھ حصہ گوشت کا سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر پھر گوشت پوست منڈھ دیا۔ سورہ" حج "میں اس کے قریب کیفیت تخلیق انسان کی بیان ہو چکی ہے۔"

۱۱۔ یعنی روح حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جس پر آگے چل کر بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کے بہت سے احوال و ادوار گذرتے ہیں۔

۱۲۔ جس نے نہایت خوبصورتی سے تمام اعضاء و قویٰ کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور اس کی ساخت عین حکمت کے موافق نہایت موزوں و متناسب بنائی۔

۱۳۔ وجود انسانی کا بقاء و فنا: یعنی تمہارا وجود ذاتی اور خانہ زاد نہیں، مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے۔ چنانچہ موت آکر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ تم اس وقت اس کے زبردست پنجہ سے اپنی ہستی کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً کوئی اور قاہر طاقت تمہارے اوپر ہے جس نے وجود کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے۔

۱۴۔ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہ ہی دوبارہ بنا کر کھڑا کرے گا۔ تا پہلے وجود کی مستور قوتیں اور اعمال کے نتائج اپنی کامل ترین صورتوں میں ظاہر ہو کر ثابت کر دیں کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ کوئی بے کار اور بے نتیجہ ڈھونگ نہیں بنایا گیا تھا۔

۱۵۔ سات راستوں کی تخلیق: "طرائق" کے معنی بعض مفسرین و لغویین کے نزدیک طبقات کے ہیں۔ یعنی آسمان کے سات طبقے اوپر نیچے بنائے فہذا کما قال کَیۡفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح۔۱۵) اور بعض نے طرائق کو راستوں کے معنی میں لیا ہے یعنی سات آسمان بنائے جو فرشتوں کی گذر گاہیں ہیں۔ بعض معاصر مصنفین نے "سبع طرائق" سے سات سیاروں کے مدارات مراد لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۶۔ خلق کی نگرانی: ہر چیز پورے انتظام و احکام اور خبر داری سے بنائی ہے اور اس کی حفاظت و بقاء کے طریقوں سے ہم پورے باخبر ہیں۔ اجرام سماویہ اور مخلوقات سفلیہ میں کوئی چیز نہیں جو ہمارے احاطہ علم و قدرت سے باہر ہو، ورنہ سارا انتظام ہی درہم وبرہم ہو جائے یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا الخ (حدید۔۴۰)

۱۷۔ پانی کے ذخائر: نہ اس قدر زیادہ کہ دنیا بے وقت اور بے موقع تباہ ہو جائے اور نہ اتنا کم کہ ضروریات کو کافی نہ ہو۔

۱۸۔ یعنی بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔

۱۹۔ یعنی نہ اتارنا چاہیں تو نہ اتاریں اور اتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکو، یا خشک کر کے ہوا میں اڑا دیں، یا کھارا اور کڑوا کر دیں، تو ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

۲۰۔ پھل اور باغات: یعنی ان کی بہار دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور بعض کو بطور تفکہ اور بعض کو بطور غذا استعمال کرتے ہو۔

۲۱۔ زیتون کا فضل و شرف: یعنی زیتون کا درخت جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور بہت ملکوں کے لوگ سالن کی جگہ اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔ کیونکہ اس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے، اسی لئے سورۂ "تین" میں اس کی قسم کھائی گئی۔ جبل طور کی طرف نسبت کرنا بھی اس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ وہاں اسکی پیداوار زیادہ ہوتی ہو گی۔

۲۲۔ چوپایوں کی تخلیق میں انسان کے فوائد: نباتات کے بعد یہ حیوانات کا ذکر ہوا، یعنی جانوروں کا دودھ ہم اپنی قدرت سے تم کو پلاتے ہیں۔ اور بہت کچھ فائدے تمہارے لئے ان کی ذات میں رکھ دیے ہیں۔ حتٰی کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا۔

۲۳۔ یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہو۔ اور بڑے بڑے وزنی سامان ان پر بار کرتے ہو کشتی کی مناسبت سے آگے نوحؑ کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے کشتی بنوائی جو طوفان عظیم کے وقت مومنین کی نجات کا ذریعہ بنی۔ پھر نوحؑ کی مناسبت سے بعض دوسرے انبیاء کے واقعات بھی ذکر فرما دیے۔ شاید یہاں ان قصص کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہو گا کہ جس طرح اوپر کی آیات میں تمہاری جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور تھا اسی طرح خداوند رحمٰن نے تمہاری روحانی حوائج و ضروریات کا سرانجام کرنے کے لئے ابتدائے دنیا سے وحی و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرما دیا۔ یا یوں کہو کہ اوپر قدرت کے نشانات بیان فرما کر توحید کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس کی تکمیل کے لئے یہاں سے سلسلہ نبوت کا بیان شروع کر دیا۔ جس کے ضمن میں انبیاء اور ان کے متبعین کی خوش انجامی اور مکذبین و معاندین کی بدانجامی بھی ذہن نشین کر دی گئی۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور ہم نے بھیجا نوح کو اُسکی قوم کے پاس تو اُس نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اُسکے سوائے کیا تم ڈرتے نہیں

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ
لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ
اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ تب بولے سردار جو کافر تھے اُسکی قوم میں یہ کیا ہے آدمی ہے جیسے تم [۲۴] چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے [۲۵] ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں [۲۶]

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى
حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اسکو سودا ہے سو راہ دیکھو اسکی ایک وقت تک [۲۷]

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ بولا اے رب تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا [۲۸]

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ
وَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ
فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ
سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر ہم نے حکم بھیجا اُسکو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور ابلے تنور تو ڈال لے کشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر کے لوگ [۲۹] مگر جسکی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات [۳۰] اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک اُنکو ڈوبنا ہے [۳۱]

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ
فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہمکو گنہگار لوگوں سے [۳۲]

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور کہہ اے رب اتار مجھ کو برکت کا اتارنا اور تو ہے بہتر اتارنے والا[۳۳]

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے[۳۴]

۲۴۔ حضرت نوح علیہ السلام پر کفار کے اعتراضات: یعنی اس میں اور تم میں فرق کیا ہے جو یہ رسول بن جائے تم نہ بنو۔

۲۵۔ یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے ورنہ خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہی اس کام کے لئے رہ گیا تھا۔ کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا۔

۲۶۔ یعنی ہم نے ایسی عجیب بات کبھی نہیں سنی کہ ایک ہماری طرح کا معمولی آدمی خدا کا رسول بن جائے اور تمام دیوتاؤں کو ہٹا کر تنہا ایک خدا کی حکومت منوانے لگے۔

۲۷۔ حضرت نوح علیہ السلام پر جنون کا الزام: معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب کا دماغ چل گیا۔ بھلا ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان سے نکالنا جو کوئی شخص باور نہ کر سکے کھلا جنون نہیں تو اور کیا ہو گا۔ بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو، شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آجائے اور جنون کے دورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے۔ (العیاذ باللہ)

۲۸۔ حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد: یعنی جب نوحؑ کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو خدا سے فریاد کی کہ اب اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمائے۔ کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ اوروں کو بھی خراب کریں گے۔

۲۹۔ طوفان نوح: یہ قصہ پہلے سورہ "ہود" وغیرہ میں گذر چکا ہے وہاں ان الفاظ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

۳۰۔ یعنی کافروں کو، خواہ تیرے کنبہ کے ہوں سوار مت کر۔

۳۱۔ ظالموں کی سفارش نہ کرو: یعنی حکم قطعی عذاب کا ہو چکا۔ یہ فیصلہ اٹل ہے، ضرور ہو کر رہے گا۔ اب ظالموں میں سے کسی کو بچانے لئے ہم سے سعی سفارش نہ کرنا۔

۳۲۔ یعنی ہم کو ان سے علیحدہ کر کے عذاب سے مامون رکھا۔

۳۳۔ سواری سے اترنے کی دعا: یعنی کشتی میں اچھی آرام کی جگہ دے اور کشتی سے جہاں اتارے جائیں وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اور ہر جگہ تیری رحمت و برکت شامل حال رہے۔

۳۴۔ کہ کون ان نشانوں کو سن کر عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (قمر۔۱۵)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ج

۳۱۔ پھر پیدا کی ہم نے اُن سے پیچھے ایک جماعت اور[۳۵]

فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ع

۳۲۔ پھر بھیجا ہم نے اُن میں ایک رسول اُن میں کا[۳۶] کہ بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اُسکے سوائے پھر کیا تم ڈرتے نہیں

ع ۲ ۲

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا
بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ
مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ
مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۖ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور بولے سردار اُسکی قوم کے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا اُنکو ہم نے دنیا کی زندگی میں[۳۷] اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو[۳۸]

وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ۙ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بیشک خراب ہوئے[۳۹]

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا
اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۖ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ اور ہو جاؤ مٹی اور ہڈیاں تو تم کو نکلنا ہے

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۖ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے[۴۰]

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا
نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۖ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمکو پھر اٹھنا نہیں[۴۱]

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا
نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ[۴۲] اور اُسکو ہم نہیں ماننے والے

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ بولا اے رب میری مدد کر کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا[۴۳]

قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۚ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جائیں گے پچھتاتے[۴۴]

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً ۚ
فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ پھر پکڑا اُنکو چنگھاڑ نے تحقیق[۴۵] پھر کر دیا ہم نے اُنکو کوڑا[۴۶] سو دور ہو جائیں گنہگار لوگ[۴۷]

۳۵۔ یہ ذکر "عاد" کا ہے یا "ثمود" کا۔

۳۶۔ یعنی ہود یا حضرت صالح علیہما السلام۔

۳۷۔ یعنی اس کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک خدا سے ملنا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

۳۸۔ یعنی بظاہر کوئی بات اس میں تم سے سوا نہیں۔

۳۹۔ یعنی اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہو گی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم و مطاع ٹھہرا لیا جائے۔

۴۰۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا: یعنی کس قدر بعید از عقل بات کہتا ہے کہ ہڈیوں کے ریزے مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے؟ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہو گا۔

۴۱۔ کفار کا عقیدہ: یعنی کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہ ہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہ ہی ایک مرنا اور جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہو گیا۔ آگے کچھ نہیں۔

۴۲۔ رسول کے دعوے کی تکذیب: کہ میں اس کا پیغمبر ہوں اور وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب و ثواب دے گا۔ یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے اور دردسری کرنے سے کیا فائدہ۔

۴۳۔ یعنی آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے ناامید ہو کر دعا کی۔

۴۴۔ یعنی عذاب آیا چاہتا ہے جس کے بعد پچتائیں گے، اور وہ پچتانا نفع نہ دے گا۔

۴۵۔ اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ یہ قصہ "ثمود" کا ہے کہ وہ چنگھاڑ سے مرے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۴۶۔ جیسے سیلاب خس و خاشاک کو بہالے جاتا ہے، اس طرح عذاب الٰہی کے سیل میں بہے چلے گئے۔

۴۷۔ یعنی خدا کی رحمت سے۔

ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۴۲﴾ ؕ

۴۲۔ پھر پیدا کیں ہم نے اُن سے پیچھے جماعتیں اور

مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ ؕ

۴۳۔ نہ آگے جائے کوئی قوم اپنے وعدہ سے اور نہ پیچھے رہے[۴۸]

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا
كَذَّبُوۡهُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا وَّ جَعَلۡنٰهُمۡ
اَحَادِيۡثَ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار جہاں پہنچا کسی امت کے پاس اُن کا رسول اُسکو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہیں ہم ایک کے پیچھے دوسرے اور کر ڈالا اُنکو کہانیاں[۴۹] سو دور ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے[۵۰]

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ
سُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۙ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اُسکے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں دیکر اور کھلی سند

اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۟ٮِٕهٖ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَ كَانُوۡا قَوۡمًا
عَالِيۡنَ ۚ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ فرعون اور اُسکے سرداروں کے پاس پھر لگے بڑائی کرنے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے[۵۱]

فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَيۡنِ مِثۡلِنَا وَ قَوۡمُهُمَا لَنَا
عٰبِدُوۡنَ ۚ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو آدمیوں کو اور اُنکی قوم ہمارے تابعدار ہیں[۵۲]

فَكَذَّبُوۡهُمَا فَكَانُوۡا مِنَ الۡمُهۡلَكِيۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ پھر جھٹلایا اُن دونوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب تا کہ وہ راہ پائیں[۵۳]

وَ جَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيۡنٰهُمَاۤ اِلٰى
رَبۡوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيۡنٍ ﴿۵۰﴾ ع ۳ ع ۱۸ ۳

۵۰۔ اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اُسکی ماں کو ایک نشانی[۵۴] اور اُنکو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا[۵۵]

۴۸۔ یعنی ہر ایک قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی، جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔

۴۹۔ **رسولوں کی آمد کا پیہم سلسلہ:** یعنی رسولوں کا تانتا باندھ دیا یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور مکذبین میں بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا اور ادھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کر دی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔ آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔

۵۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔

۵۱۔ اس لئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے۔ کبر و غرور کے نشہ نے ان کے دماغوں کو بالکل مختل کر رکھا تھا۔

۵۲۔ **فرعون کا کبر و غرور:** یعنی موسیٰ و ہارون کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری غلامی کر رہی ہے ان میں کے دو آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔

۵۳۔ یعنی فرعون کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات شریف مرحمت کی تا لوگ اس پر چل کر جنت اور رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔

۵۴۔ یعنی قدرت الٰہیہ کی نشانی ہے کہ تنہا ماں سے بدون باپ کے حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا، جیسا کہ "آل عمران" اور سورۂ "مریم" میں اس کی تقریر کی جا چکی۔

۵۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش: شاید یہ وہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ چنانچہ سورۂ مریم کی آیات فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا۔ وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا (مریم۔ ۲۵،۲۴) دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی۔ اور کھجور کا درخت نزدیک تھا (کذا فسرہ ابن کثیرؒ) لیکن عمومًا مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیحؑ کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیر دوس نامی نجومیوں سے سن کر کہ حضرت عیسیٰؑ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو لے کر مصر چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ "انجیل متی" میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور "ماء معین" رود نیل ہے۔ بعض نے "رَبْوَة" (اونچی جگہ سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

رَبْوَة سے مراد کشمیر نہیں: بہر حال اہل اسلام میں کسی نے "رَبْوَة" سے مراد کشمیر نہیں لیا۔ نہ حضرت مسیحؑ کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض زائغین نے "رَبْوَة" سے مراد کشمیر لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰؑ کی قبر بتلائی جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں۔ محض کذب و دروغبافی ہے۔ محلہ "خان یار" شہر سری نگر میں جو قبر "یوز آسف" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت "تاریخ اعظمی" کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ "لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا" اس کو حضرت عیسیٰؑ کی قبر بتانا پرلے درجہ کی بے حیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی اٹکل پچو قیاس آرائیوں سے حضرت مسیحؑ کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خبط اور جنون کے کچھ نہیں۔ اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ "یوز آسف" کون تھا جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اسی موضوع پر نہایت تحقیق اور تدقیق سے لکھا گیا ہے اور جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر المسلمین احسن الجزاء۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا [۵۶] جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں [۵۷]

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب سو مجھ سے ڈرتے رہو

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ پھر پھوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے [۵۸] ہر فرقہ جو اُنکے پاس ہے اُس پر ریجھ رہے ہیں [۵۹]

فَذَرۡهُمۡ فِىۡ غَمۡرَتِهِمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ سو چھوڑ دے تو اُنکو اُنکی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک[۶۰]

اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم اُنکو دیے جاتے ہیں مال اور اولاد

نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ‌ؕ بَلْ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم اُنکو بھلائیاں[۶۱] یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں[۶۲]

۵۶۔ انبیاء کو اکل حلال اور عمل صالح کا حکم: یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی امتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامہ مومنین کو دیا گیا ہے۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰؑ کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے جس کا کھانا، پینا، پہننا حرام کا ہو، اسے اپنی دعا کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے اگا ہو، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ العیاذ باللہ۔

۵۷۔ یعنی حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام کھلے چھپے احوال و افعال سے باخبر ہے اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ یہ رسولوں کو خطاب کر کے امتوں کو سنایا۔

۵۸۔ تمام انبیاء کا دین وملت ایک ہے: یعنی اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے۔ جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ اس طرح آراء واہواء کا اتباع کر کے سینکڑوں فرقے اور مذہب بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ ان کے ہاں ازمنہ وامکنہ وغیرہ کے اختلاف سے صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصول دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہر پیغمبر کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے جو اس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اس کا سنوار فرمایا۔ پیچھے لوگوں نے جانا ان کا حکم جدا جدا ہے۔ آخر ہمارے پیغمبر کی معرفت سب بگاڑ کا سنوار (اور سب خرابیوں کا علاج) اکٹھا بتا دیا اب سب دین مل کر ایک دین ہو گیا۔" اور سب قومیں ایک جھنڈے تلے جمع کر دی گئیں۔

۵۹۔ فرقوں کی غلط فہمی: یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔

۶۰۔ کفار کو ڈھیل دی گئی: یعنی جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد وخیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے۔ کسی طرح اس سے ہٹنا نہیں چاہتا خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں، تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیے۔ بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ یہ اپنی غفلت وجہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آپہنچے جب ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ یعنی موت یا عذاب الٰہی ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔

۶۱۔ کفار کے مال واولاد کی حقیقت: یہ ہی خیال ان کا تھا۔ چنانچہ کہتے تھے نَحۡنُ اَكۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّ اَوۡلَادًا ۙ وَّ مَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ (سبا۔ ۳۵) یعنی ہم اگر خدا کے ہاں مردود ومبغوض ہوتے تو یہ مال ودولت اور اولاد وغیرہ کی بہتات کیوں ہوتی۔

۶۲۔ یعنی سمجھتے ہی نہیں کہ مال واولاد کی یہ افراط ان کی فضیلت وکرامت کی وجہ سے نہیں امہال واستدراج کی بناء پر ہے۔ جتنی ڈھیل دی جا رہی

ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِیْ مَتِيْنٌ (اعراف۔۱۸۳،۱۸۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں [۶۳]

وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے ہیں [۶۴]

وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے [۶۵]

وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں وہ اور اُنکے دل ڈر رہے ہیں اس لئے کہ انکو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے [۶۶]

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَيْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے [۶۷]

وَ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ لَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اسکی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھا ہوا ہے جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہو گا [۶۸]

۶۳۔ مومنین کی خشیت: یعنی باوجود ایمان و احسان کے کفار و مغرورین کی طرح "مکر اللہ" سے مامون نہیں۔ ہمہ وقت خوف خدا سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں استدراج تو نہیں۔ حسن بصریؒ کا مقولہ ہے اِنَّ الْمُؤْمِنَ جَمَعَ اِحْسَانًا وَ شَفَقَةً وَاِنَّ الْمُنَافِقَ جَمَعَ اِسَاءَةً وَاَمْنًا (مومن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کر کے بے فکر ہوتا ہے۔)

۶۴۔ یعنی آیات کونیہ و شرعیہ دونوں پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ ادھر سے پیش آئے عین حکمت اور جو خبر دی جائے بالکل حق اور جو حکم ملے وہ بہمہ وجوہ صواب و معقول ہے۔

۶۵۔ یعنی خالص ایمان و توحید پر قائم ہیں۔ ہر ایک عمل صدق و اخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ شرک جلی یا خفی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔

۶۶۔ یعنی کیا جانے وہاں قبول ہو یا نہ ہوا، آگے کام آئے یا نہ آئے، اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے، اپنے پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔

۶۷۔ خیرات کا اصل مفہوم: دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کما قال تعالیٰ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۔ (آل عمران۔۱۴۸) تو در حقیقت اصلی بھلائی اعمال صالحہ، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ میں ہوئی نہ کہ اموال و اولاد میں جیسے کفار کا گمان تھا۔

۶۸۔ شریعت کا کوئی حکم انسانی طاقت سے باہر نہیں: یعنی اوپر جو اعمال و خصال بیان کئے گئے کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تکلیف مَالَایُطَاق دی جائے یہ سب باتیں وہ ہیں جن کو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔ اور جو

لوگ سابقین کاملین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے انہیں بھی اپنی وسعت وہمت کے موافق پوری کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اسی کے مکلف ہیں۔ ہمارے یہاں صحائف اعمال میں درجہ بدرجہ ہر ایک کے اعمال لکھے ہوئے موجود ہیں جو قیامت کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھدیے جائیں گے اور ان ہی کے موافق جزادی جائے گی۔ جس میں رتی برابر ظلم نہ ہو گا نہ کسی کی نیکی ضائع ہو گی۔ نہ اجر کم کیا جائے گا، نہ بے وجہ بے قصور دوسرے کا بوجھ اس پر ڈالا جائے گا۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ
دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

٦٣۔ کوئی نہیں انکے دل بیہوش ہیں اس طرف اور انکو اور کام لگ رہے ہیں اسکے سوائے کہ وہ انکو کر رہے ہیں [٦٩]

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ
يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾

٦٤۔ یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم اُنکے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے چلانے

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾

٦٥۔ مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکوگے [٧٠]

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى
اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾

٦٦۔ تم کو سنائی جاتی تھیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر الٹے بھاگتے تھے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ اس سے تکبر کر کے [٧١] ایک قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے [٧٢]

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ
اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

٦٨۔ سو کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں [٧٣] یا آئی ہے ان کے پاس ایسی چیز جو نہ تھی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس [٧٤]

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

٦٩۔ یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے پیغام لانے والوں کو سو وہ اس کو اوپرا سمجھتے ہیں [٧٥]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ
اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

٧٠۔ یا کہتے ہیں ان کو سودا ہے کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس سچی باتے اور ان بہتوں کو سچی بات بری لگتی ہے [٧٦]

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ
الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ
عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ ﴿٧١﴾

٧١۔ اور اگر سچا رب چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے[٧٧] کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو ان کی نصیحت[٧٨] سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے[٧٩]

اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّ هُوَ خَيْرُ
الرّٰزِقِيْنَ ﴿٧٢﴾

٧٢۔ یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ محصول سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا[٨٠]

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٣﴾

٧٣۔ اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ
لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾

٧٤۔ اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں[٨١]

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٥﴾

٧٥۔ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی ان کو تو بھی برابر لگے رہیں گے اپنی شرارت میں بہکے ہوئے[٨٢]

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ
مَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾

٧٦۔ اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ عاجزی کی اپنے رب کے آگے اور نہ گڑگڑائے[٨٣]

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ
اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ع ﴿٧٧﴾

٧٧۔ یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی[٨٤]

٦٩۔ آخرت سے غفلت: یعنی آخرت کے حساب و کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں۔ جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دل شک و تردد اور غفلت و جہالت کی تاریک موجوں میں

غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا، باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ سمیٹ رہے ہیں۔ ایک دم کو ان سے جدا نہیں ہوتے، اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام ان کی سوءِ استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لامحالہ ان کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔

۷۰۔ اللہ کی پکڑ کے وقت کفار کی چیخ و پکار: یعنی جب دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہو گا کہ چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ و پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو بدر میں دکھلایا گیا، جہاں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہو گئے۔ عورتیں مہینوں تک انکا نوحہ کرتی رہیں، سر کے بال کٹوا کر ماتم کئے گئے۔ روئے پیٹے، چیخے چلائے کچھ بن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ جب حضور ﷺ نے مظالم سے تنگ آ کر بددعا فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا۔ مردار کی ہڈیاں اور چمڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آگئی آخر رحمۃ للعالمین سے رحم کا واسطہ دے کر دعا کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اٹھایا۔ اس وقت نہ "لات و منات" کام آئے نہ ہُبَل و نائلہ۔

۷۱۔ کفار کو تنبیہ: یعنی اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب خدا کے پیغمبر آیات پڑھ کو سناتے تھے تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔

۷۲۔ یعنی پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے یا سٰمِرًا تَھْجُرُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کریم کی نسبت باتیں بناتے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری، کوئی کہانت، کوئی کچھ اور۔ اسی طرح کی بکواس اور بیہودہ ہذیان کیا کرتے تھے۔ آج اس کا مزہ چکھو۔ چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔

۷۳۔ قرآن میں غور و فکر کی اہمیت: یعنی قرآن کی خوبیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ورنہ حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہ کا ہے جس میں ان کی بیماریوں کا صحیح علاج بتلایا گیا ہے۔

۷۴۔ قرآن کا نزول کوئی نیا واقعہ نہیں ہے: یعنی نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں، پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے آسمانی کتابیں بھی باربار اترتی رہی ہیں۔ کبھی کہیں کبھی کہیں۔ سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس کا نمونہ پیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین و اشرف ترین کتاب اب آئی اس شان و مرتبہ کی پہلے نہ آئی تھی۔ تو اس کا مقتضٰی یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس کی آواز پر لبیک کہتے۔ جیسا کہ صحابہؓ نے کہی۔ (تنبیہ) شاید یہاں آباء اولین سے اباء ابعدین مراد ہوں۔ اور سورۂ "یٰسٓ" میں جو آیا ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ (یٰس۔ ۶) وہاں آباء اقربین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۷۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کا اعراض انکی ضد کی وجہ سے ہے: یعنی کیا اس لئے اعراض و تکذیب پر تلے ہوئے ہیں کہ ان کو پیغمبر کے احوال سے آگاہی نہیں، حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور عفیف و پاکباز تھے۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے بادشاہ حبشہ کے سامنے، حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے نائب کسریٰ کے آگے اور ابوسفیان نے بحالت کفر قیصر روم کے دربار میں اسی چیز کا اظہار کیا۔ پھر ایسے مشہور و معروف راستباز بندہ کی نسبت کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔

۷۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق کے مبلغ ہیں: یعنی سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بھی محض زبان سے کہتے تھے، دل ان کا جانتا تھا کہ بیشک جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے، پر حق بات چونکہ ان کی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی۔ اس لئے بری لگتی تھی اور قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔

۷۷۔ یعنی سچی بات بری لگتی ہے تو لگنے دو۔ سچائی ان کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی اگر سچا خدا ان کی خوشی اور خواہش ہی پر چلا کرے تو وہ خدا ہی کہاں رہے۔ معاذ اللہ بندوں کے ہاتھ میں ایک کٹ پتلی بن جائے۔ ایسی صورت میں زمین و آسمان کے یہ محکم انتظامات

کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے، وہ بھی چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت۔ کیونکہ عام خواہشات نظام عقلی کے مزاحم اور باہم دیگر بھی متناقض واقع ہوئی ہیں۔ عقل و ہوٰی کی کشمکش اوراہوائے مختلفہ کی لڑائی میں سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔

۷۸۔ جس کی وتمنا کیا کرتے تھے لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (صافات۔۱۶۹،۱۶۸)

۷۹۔ جب آ گئی اور ایسی آئی جس سے اُن کو قومی حیثیت سے عظیم الشان فخر و شرف حاصل ہوا، تو اب منہ پھیرتے اور ایسے اعلٰی فضل و شرف کو ہاتھ سے گنوا رہے ہیں۔

۸۰۔ **نبی کی دعوت بے لوث ہے:** یعنی آپ دعوت و تبلیغ اور نصیحت و خیر خواہی کر کے ان سے کسی معاوضہ کے طلب گار نہیں۔ خدا تعالٰی نے دارین کی جو دولت آپ کو مرحمت فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔

۸۱۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت صراط مستقیم کی طرف ہے:** یعنی آپ کے صدق و امانت کا حال سب کو معلوم ہے۔ جو کلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ معاذ اللہ آپ کو خلل دماغ نہیں، ان سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے۔ کوئی اینچ پیچ نہیں۔ ٹیڑھا ترچھا نہیں۔ ہاں اس پر چلنا ان ہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بد انجامی سے ڈرتے ہوں، جسے انجام کا ڈر اور عاقبت کی فکر ہی نہیں وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا، یقیناً ٹیڑھا رہے گا۔ اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنا لے گا۔

۸۲۔ یعنی تکلیف سے نکال کر آرام دیں تب بھی احسان نہ مانیں اور شرارت و سرکشی سے باز نہ آئیں۔ حضرت کی دعا سے ایک مرتبہ مکہ والوں پر قحط پڑا تھا، پھر حضرت ہی کی دعا سے کھلا۔ شاید یہ اسی کو فرمایا یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم اپنی رحمت سے ان کے نقصان دور کر دیں یعنی قرآن کی سمجھ دیدیں تب بھی یہ لوگ اپنے ازلی خسران اور سوء استعداد کی وجہ سے اطاعت و انقیاد اختیار کرنے والے نہیں کما قال تعالٰی وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (انفال۔۲۳)

۸۳۔ مثلاً قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی۔

۸۴۔ **کفار پر آفت:** اس سے یا تو آخرت کا عذاب مراد ہے یا شاید وہ دروازہ لڑائیوں کا کھلا جس میں تھک کر عاجز ہوئے۔

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾	۷۸۔ اور اسی نے بنا دئے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو[۸۵]
وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾	۷۹۔ اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے[۸۶]
وَ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾	۸۰۔ اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنا رات اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں[۸۷]

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ

قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَ اِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ کہتے ہیں کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ وعدہ دیا جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے اور کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی [۸۸]

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں [۸۹]

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ تو کہہ کون ہے مالک ساتوں آسمان کا اور مالک اس بڑے تخت کا

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں [۹۰]

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا
يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ اب بتائیں گے اللہ کو [۹۱] تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے [۹۲]

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچایا سچ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں [۹۳]

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۙ‏ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے یوں ہوتا تو لیجاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک [۹۴] اللہ نرالا (پاک) ہے ان کی بتلائی باتوں سے [۹۵]

عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۹۲﴾ ع

۹۲۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جسکو یہ شریک بتلاتے ہیں [۹۶]

ع ۵ ۵

۸۵۔ انسانوں کی ناشکری: کانوں سے اس کی آیات تنزیلیہ کو سنو اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ کو دیکھو اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو ان کے کام میں لاتے لیکن ایسا نہ ہوا۔ اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بیجا خرچ کیا۔

۸۶۔ وہاں ہر ایک کو شکر گذاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ جس نے پھیلایا اس کو سمیٹنا کیا مشکل ہے۔

۸۷۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ: زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ، یا اندھیرے سے اجالا اور اجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے اور آنکھوں کے آگے سے ظلمتِ جہل کے پردے اٹھادے۔ جس کے بعد حقائق اشیاء ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائیں، جیسا کہ قیامت میں ہو گا۔ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ (ق۔ ۲۲)۔

۸۸۔ مر کر دوبارہ زندہ ہونے پر کفار کے احمقانہ شکوک: یعنی عقل و فہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے چلے جارہے ہیں، وہ ہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیشرو کیا کرتے تھے، یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ ایسی دور از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جارہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کہی گئی تھیں۔ لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہو نہ ہو یہ سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے۔ اور اب ان ہی کی نقل کی جارہی ہے۔

۸۹۔ اللہ کی حاکمیت کا بیان: کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے، کیا تمہاری مشت خاک اس کے قبضہ سے باہر ہو گی؟

۹۰۔ کہ اتنا بڑا شہنشاہ تمہاری ان گستاخیوں اور نافرمانیوں پر تم کو دھر گھسیٹے۔ کیا یہ انتہائی گستاخی نہیں کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ بے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔

۹۱۔ یعنی ہر چیز پر اسی کا اختیار چلتا ہے جس کو چاہے وہ پناہ دے سکتا ہے۔ لیکن کوئی دوسرا اس کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتا۔

۹۲۔ جس سے مسحور ہو کر تم ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہو کہ ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے۔ جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہ ہی ہوا اور ہر چیز اسی کے زیر تصرف و اقتدار ہوئی، تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اس کے قبضہ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ ان پر وہ قادر مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا۔

۹۳۔ یعنی دلائل و شواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جارہا ہے موبمو صحیح اور حق ہے اور وہ لوگ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔

۹۴۔ توحید کے مشاہداتی دلائل: یعنی زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک و مختار وہ ہی ہے، نہ اسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی، نہ اس کی

حکومت و فرمانروائی میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ ایسا ہوتا تو ہر ایک بااختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کر کے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اور عالم کا یہ مضبوط و محکم نظام چند روز بھی قائم نہ رہ سکتا۔ سورۂ حج کی آیت لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الحج۔۲۳) کے فوائد میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے۔ ملاحظہ کر لی جائے۔

۹۵۔ توحید کے مشاہداتی دلائل: کیا خدا کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے آگے کوئی دم مار سکے یا ایک ذرہ اس کے حکم سے باہر ہو سکے۔

۹۶۔ یعنی جس کی قدرت عامہ و تامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا، اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر و باطن اور غیب و شہادت اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہونگی جن کی قدرت اور علم وغیرہ سب صفات محدود و مستعار ہیں؟ استغفر اللہ۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾	۹۳۔ تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو ان سے وعدہ ہوا ہے
رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾	۹۴۔ تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں[۹۷]
وَاِنَّا عَلٰٓي اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾	۹۵۔ اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو ان سے وعدہ کر دیا ہے
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾	۹۶۔ بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں[۹۸]
وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾	۹۷۔ اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے[۹۹]
وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾	۹۸۔ اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں[۱۰۰]
حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾	۹۹۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو موت کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیجدو
لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾	۱۰۰۔ شاید کچھ میں بھلا کام کر لوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا[۱۰۱] ہر گز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے[۱۰۲] اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں[۱۰۳]

۹۷۔ مومنین کو ایک دعا کی ہدایت: یعنی حق تعالیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی کی جاتی ہے تو یقیناً کوئی سخت آفت آکر رہے گی۔ اس لئے ہر مومن کو ہدایت ہوئی کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر یہ دعا مانگے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھ کو اس کے ذیل میں شامل نہ کرنا جیسا کہ حدیث میں آیا وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ۔ مطلب یہ ہے کہ خداوندا ہم کو ایمان واحسان کی راہ پر مستقیم رکھ۔ کوئی ایسی تقصیر نہ ہو کہ العیاذ باللہ تیرے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (انفال۔ ۲۵) یہاں حضور ﷺ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا ہے اور یہ قرآن کریم کی عام عادت ہے۔

۹۸۔ برائی کا جواب بھلائی سے: یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دیدیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو۔ اور ان کی بیہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں اس کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی۔ آپ کے اغماض اور نرم برتاؤ کا اثر یہ ہو گا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف جھکیں گے اور دعوت واصلاح کا مقصود حاصل ہو گا۔

۹۹۔ شیطان سے استعاذہ: پہلے شیاطین الانس کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ لیکن شیاطین الجن اس طریقہ سے متاثر نہیں ہو سکتے کوئی تدبیر یا نرمی ان کو رام نہیں کر سکتی۔ اس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجانا، تا وہ قادر مطلق ان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہی کہ دین کے سوال وجواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے۔ اسی پر فرمایا کہ برے کا جواب دے اس سے بہتر۔

۱۰۰۔ یعنی کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔

۱۰۱۔ نزع کے وقت کفار کا پچھتاوا۔ یعنی آپ ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقہ سے دفع کرتے رہئے۔ اور جو باتیں یہ بناتے ہیں ان کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آپہنچے اور نزع کی حالت میں مبادی عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو اس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار! قبر کی طرف لیجانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو۔ تا گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کر سکیں۔ آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ کما قال تعالیٰ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (منافقون۔ ۱۰)

۱۰۲: نزع کے وقت کفار کا پچھتاوا: یعنی اجل آجانے کے بعد اس کام کے لئے ہرگز واپس نہیں کیا جا سکتا۔ اور بالفرض واپس کر دیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا، وہ ہی شرارتیں پھر سوجھیں گی وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام۔ ۲۸) یہ محض اُس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے اور غلبہ حسرت وندامت کی وجہ سے خاموش نہیں رہ سکتا۔ وہ ہی اپنی طرف سے یہ بات کہتا ہے، کہتا رہے، ہمارے یہاں شنوائی نہیں ہو گی۔

۱۰۳۔ عالم برزخ: یعنی ابھی کیا دیکھا ہے، موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ پھر جب پھونک ماریں صور میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے [۱۰۴]

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾

١٠٢۔ سو جسکی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے

وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

١٠٣۔ اور جس کی ہلکی نکلی تول سو وہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان دوزخ ہی میں رہا کریں گے

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾

١٠٤۔ جھلس دے گی انکے منہ کو آگ اور وہ اس میں بد شکل ہو رہے ہوں گے [١٠٥]

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا
تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾

١٠٥۔ کیا تم کو سنائی نہ تھیں ہماری آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے [١٠٦]

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا
ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾

١٠٦۔ بولے اے رب زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بہکے ہوئے

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾

١٠٧۔ اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار [١٠٧]

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾

١٠٨۔ فرمایا پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

١٠٩۔ ایک فرقہ تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے سو معاف کر ہم کو اور رحم کر ہم پر اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے [١٠٨]

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ
كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾

١١٠۔ پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھول گئے انکے پیچھے میری یاد اور تم ان سے ہنستے رہے [١٠٩]

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾

١١١۔ میں نے آج دیا ان کو بدلہ انکے صبر کرنے کا کہ وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے [١١٠]

قُلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی گنتی سے

قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّيۡنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ بولے ہم رہے ایک یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے گنتی والوں سے [۱۱۱]

قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے [۱۱۲]

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے [۱۱۳]

۱۰۴۔ **قیامت میں ایک دوسرے سے بیزاری:** یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہو گا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا۔ ایکدوسرے سے بیزار ہوں گے، کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا یَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ۔ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيۡهِ۔ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيۡهِ۔ لِكُلِّ امۡرِئٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ (عبس۔ ۳۴ تا ۳۷) اس کے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قرابتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَ مَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ (طور۔ ۲۱) (تنبیہ)

قیامت میں حضور ﷺ کے نسبی اور صہری تعلق کا فائدہ: بعض احادیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے) "اِلَّا نَسَبِىۡ وَ صِهۡرِىۡ" (بجز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے تعلقات عموم سے مستثنٰی ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں، ہر ایک سے اس کے عمل کا حساب ہے۔

۱۰۵۔ **دوزخ کی ہولناک سزا:** جلتے جلتے بدن سوج جائے گا، نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا اور زبان باہر نکل کر زمین میں لٹکتی ہو گی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے۔ (اللّٰھم احفظنا منہ ومن سائر انواع العذاب)

۱۰۶۔ **کفار کو انکی تکذیب پر تنبیہ:** یعنی اس وقت ان سے یوں کہیں گے۔ گویا جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟

۱۰۷۔ **کفار کا اعتراف گناہ اور پچھتاوا:** یعنی اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستہ سے بہک کر اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ از راہ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے۔ پھر کبھی ایسا کریں تو گنہگار، جو سزا چاہے دیجئے گا۔

۱۰۸۔ کفار کو حق تعالیٰ کا جواب: یعنی بک بک مت کرو، جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد پھر فریاد منقطع ہو جائے گی۔ بجز فیر و شہیق کے کچھ کلام نہ کر سکیں گے۔ العیاذ باللہ۔

۱۰۹۔ یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تو تم کو ہنسی سوجھتی تھی۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور ان کی نیک خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت ان حرکتوں پر نوٹس لے اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔

۱۱۰۔ صبر کرنے والوں کا اجر: بیچارے مسلمانوں نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا، آج دیکھتے ہو تمہارے بالمقابل ان کو کیا پھل ملا، ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں۔

۱۱۱۔ دنیا کی زندگی کی حقیقت: یعنی فرشتوں سے جنہوں نے ہر نیکی بدی گن رکھی ہے یہ بھی گنا ہو گا۔ "زمین میں رہنا" یعنی قبر میں رہنا یا دنیا کی عمر یہ بھی وہاں تھوڑی نظر آئے گی۔ یہ پوچھنا اس واسطے کہ دنیا میں عذاب کی شتابی کیا کرتے تھے، اب جانا کہ شتاب ہی آیا۔ کذا فی موضح القرآن۔

۱۱۲۔ یعنی واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہی تھی۔ لیکن اگر اس بات کو پیغمبروں کے کہنے سے دنیا میں سمجھ لیتے تو کبھی اس متاع فانی پر مغرور ہو کر انجام سے غافل نہ ہوتے اور وہ گستاخیاں اور شرارتیں نہ کرتے جن کا دنیا کی زائل و فانی لذتوں میں پڑ کر ارتکاب کیا۔

۱۱۳۔ دوسری زندگی کے بغیر حیات دنیا بے مقصد ہے: یعنی دنیا میں تو نیکی بدی کا پورا نتیجہ نہیں ملتا۔ اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشہ اور بے نتیجہ تھا۔ سو حق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ اسکی نسبت ایسا رکیک خیال کیا جائے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَـقُّ‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡكَرِيۡمِ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے مالک اس عزت کے تخت کا [۱۱۴]

وَمَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ‌ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ‌ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اس کے پاس سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک [۱۱۵] بیشک بھلا نہ ہو گا منکروں کا

وَقُلْ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

۱۱۸۔ اور تو کہہ اے رب معاف کر اور رحم کر اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے [۱۱۶]

ع ۶ ۶

۱۱۴۔ جب وہ بالا و برتر، شہنشاہ، مالک علی الاطلاق ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وفاداروں اور مجرموں کو یوں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔

۱۱۵۔ یعنی وہاں حساب ہو کر مقدار جرم کے موافق سزا دی جائے گی۔

۱۱۶۔ ایک استغفار کی تعلیم: یعنی ہماری تقصیرات سے درگذر فرما اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں سرفراز کر۔ تیری رحمت بے نہایت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

ان آیات کی فضیلت: اَفَحَسِبْتُمْ سے ختم سورت کی یہ آیتیں بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں، جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوا ہے۔ اور مشائخ نے تجربہ کیا ہے۔ چاہئے کہ ان آیات کا ورد رکھا جائے خاتمہ پر دعاء تبرکا و تفاؤلا نقل کرتا ہوں جو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو تلقین فرمائی کیونکہ اس کے الفاظ ان آیات کے مناسب ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم۔

تم سورۃ المومنون بفضلہ ومنہ وحسن توفیقہ ونرجو منہ اکمال بقیہ الفوائد۔

ایاتھا ۶۴ ۲۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾

۱۔ یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف تا کہ تم یاد رکھو[۱]

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

۲۔ بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو درّے[۲] اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر[۳] اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان[۴]

۱۔ سورہ نور کی فضیلت کا بیان: یہ سورت بعض نہایت ضروری احکام و حدود، امثال و مواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات و اصلاحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے جس کا تعلق قصہ "افک" سے ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہو گئی تھی۔ جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہؓ کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ مجد شرف تک پہنچتا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لئے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایسی ٹھوکر نہ کھائیں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ رفیع یا امہات المومنین کی پاک و محترم حیثیت ایسی نہیں جس کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی ذرا سا تساہل روا رکھے۔ شاید اسی لئے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا الخ تا مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ اور جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرز جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لئے اس سے غفلت نہ رکھے۔ ورنہ دین و دنیا کی تباہی ہے۔

۲۔ زنا کرنے والوں کی سزا: یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح کرنے کے بعد ہم بستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو اس کے پچاس درّے لگتے ہیں، اس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رکوع کے ختم پر مذکور ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں۔

محصن کون ہے؟ اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں (حریت، بلوغ، عقل، نکاح اور ہم بستری سے فراغ) ایسے شخص کو "محصن" کہتے ہیں۔ اس کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) ہے۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ میں "تورات" کے حوالہ سے فرمایا وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ۔۴۳) الخ اور وہ حکم اللہ رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوائد میں گذر چکا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسی کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيَا اَمْرَكَ اِذَا مَاتُوْہ (خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف ان یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں زانی محصن کو آپ نے یہ ہی رجم کی سزا دی، اور آپ کے بعد صحابہؓ کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ بلکہ اہل السنت والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلادیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے۔ جیسا کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تھا۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (المائدہ۔۴۵) الخ اور مرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورۂ "بقرہ" میں بیان کیا گیا ہے۔ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (البقرہ۔۵۴) پھر ان ہی احکام کو امت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا۔ شاید رجم محصن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت و تاکید سے ترک حکم بما انزل اللہ کی برائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ۔۴۸) الخ اس سے یہ ہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء و آراء کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ نہ آپ نے پروا کی نہ آپ کے خلفاء نے۔ حتٰی کہ حضرت عمرؓ کو جب رجم محصن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض زائغین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانہ کے ایک ممسوخ فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ و تابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شدومد سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محصن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا۔ (تنبیہ) کسی آیت کا محض منسوخ التلاوت ہونا اور حکم باقی رہنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی تحقیق ان مختصر فوائد میں درج نہیں ہو سکتی۔ انشاء اللہ العزیز اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی نوبت آئی تو وہاں لکھا جائے گا۔

۳۔ مجرم پر ترس کھا کر سزاؤں میں تبدیلی کرنے کی ممانعت: یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو۔ یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم مجموعہ عالم کے حق میں حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کے احکام و حدود کے اجراء میں کوتاہی کرو گے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہو گی۔

۴۔ منظر عام پر سزا دینے کا حکم: یعنی سزا تنہائی میں نہیں، مسلمانوں کے مجمع میں دینی چاہئے کیونکہ اس رسوائی میں سزا کی تکمیل و تشہیر اور دیکھنے سننے والوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ اور شاید یہ بھی غرض ہو کہ دیکھنے والے مسلمان اس کی حالت پر رحم کھا کر عفو و مغفرت کی دعا کریں گے۔ واللہ اعلم۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾

۳۔ بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک[5] اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر[6]

۵۔ فعل زنا کی شناعت: زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت وشناعت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا تعلق ازدواج و ہم بستری قائم کیا جائے۔ ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار وتباہ حال مرد وعورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک ومشرکہ سے ان کا تعلق ہو۔

زانی اور زانیہ کا نکاح: کما قال تعالیٰ اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ وَ الۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ وَ الطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ (النور۔۲۶) کند ہم جنس باہم پرواز، کبوتر با کبوتر باز با باز۔ ان کی حرکت کا اصلی اقتضاء تو یہ ہی تھا۔ اب یہ جداگانہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح وحکم کی بناء پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک ومشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا۔ یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا (تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں لَا یَنۡکِحُ کے معنی وہ لئے گئے جو اَلسُّلۡطَانُ لَا یَکۡذِبُ وغیرہ محاورات میں لئے جاتے ہیں۔ یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دیدی گئی۔ فافہم واستقم۔

۶۔ یعنی زنا مومنین پر حرام ہے: ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کرے گا۔ حدیث میں ہے۔ لَا یَزۡنِی الزَّانِی حِیۡنَ یَزۡنِیۡ وَھُوَمُؤۡمِنٌ یا یہ مطلب ہوا کہ زانیہ سے نکاح کرنا ان پاکباز مردوں پر حرام کیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومنین کہلانے کے مستحق ہیں۔ یعنی تکوینی طور پر ان کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت حُرِّمَ کے معنی وہ ہوں گے جو حَرَّمۡنَا عَلَیۡہِ الۡمَرَاضِعَ (القصص۔۱۲) میں یا حَرٰمٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَاۤ (الانبیاء۔۹۵) میں لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ فَاجۡلِدُوۡہُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَۃً وَّ لَا تَقۡبَلُوۡا لَہُمۡ شَہَادَۃً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

۴۔ اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو (پاکدامنوں کو) پھر نہ لائے چار مرد شاہد[۷] تو مارو ان کو اسی درّے اور نہ مانو ان کی گواہی کبھی[۸] اور وہی لوگ ہیں نافرمان[۹]

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡا ۚ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵﴾

۵۔ مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس کے پیچھے اور سنور گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۱۰]

۷۔ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت کا بیان: یعنی ایسی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں جن کا بدکار ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اس کی سزا بیان فرماتے ہیں اور یہ ہی حکم پاکباز مردوں پر تہمت لگانے کا ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک عورت کے قصہ میں نازل ہوئیں اس لئے ان ہی کا ذکر فرمایا، اگر چار گواہ پیش کر دیے اور ان کی شہادت بقاعدہ شریعت پوری اتری تو مقذوف یا مقذوفہ پر حد زنا جاری کی جائے گی۔

۸۔ حدّ قذف کا بیان: یہ سزا قاذف (تہمت لگانے والے) کی ہوئی کہ (مقذوف کے مطالبے پر) اسّی درّے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے (معاملات) میں مردود الشہادت قرار دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جا سکتی۔

۹۔ تہمت ثابت نہ کرنے والے فاسق ہیں: اگر واقع میں جان بوجھ کر جھوٹی تہمت لگائی تھی تب تو ان کا فاسق ونافرمان ہونا ظاہر ہے اور اگر

واقعی سچ بیان کیا تھا لیکن جانتے تھے کہ چار گواہوں سے ہم اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکیں گے تو ایسی بات کا اظہار کرنے سے بجز ایک مسلمان کی آبروریزی اور پردہ دری سے کیا مقصود ہوا جو بجائے خود ایک مستقل گناہ ہے اور علماء نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے۔

۱۰۔ یعنی توبہ اور اصلاح حال کے بعد اللہ کے نافرمان بندوں میں اس کا شمار نہ رہے گا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادت پھر بھی رہے۔ یہ ہی مذہب سلف میں سے قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول، عبدالرحمٰن بن زید بن جابر، حسن بصری، محمد بن سیرین اور سعید ابن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔ کمافی الدر المنثور وابن کثیر۔

وَ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ اَزۡوَاجَهُمۡ وَ لَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنۡفُسُهُمۡ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمۡ اَرۡبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۶﴾

۶۔ اور جو عیب لگائیں اپنی جوروؤں کو[۱۱] اور شاہد نہ ہوں انکے پاس سوائے انکی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر مقرر وہ شخص سچا ہے

وَ الۡخَامِسَةُ اَنَّ لَعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۷﴾

۷۔ اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا

وَ يَدۡرَؤُا عَنۡهَا الۡعَذَابَ اَنۡ تَشۡهَدَ اَرۡبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۙ ﴿۸﴾

۸۔ اور عورت سے ٹل جائے ماریوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی اللہ کی قسم کھا کر مقرر وہ شخص جھوٹا ہے

وَ الۡخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيۡهَاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۹﴾

۹۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے[۱۲]

وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۰﴾ ع

۱۰۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اسکی رحمت اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا[۱۳]

ع ۱

۱۱۔ بیویوں پر تہمت: یعنی زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کو کہے کہ میرے نطفہ سے نہیں۔

۱۲۔ لعان کا قانون: یعنی جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے اگر پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لا سکا تو اس کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے (یعنی جو تہمت اپنی بیوی

پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا) گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ "اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار" اگر الفاظ مذکورہ بالا کہنے سے انکار کرے تو حبس کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، تو حد قذف لگے گی جو اوپر گذری۔ اور یا پانچ مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ "یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ "اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو" تاوقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اس کو قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا اس پر جاری ہوگی، اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے۔ اگر اس نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور "لِعان" سے فراغت ہوئی تو اس عورت سے صحبت اور دواعی صحبت سب حرام ہو گئے پھر اگر مرد نے اس عورت کو طلاق دے دی فبہا ورنہ قاضی ان میں تفریق کر دے۔ گو دونوں رضامند نہ ہوں یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی۔ اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔ (تنبیہ) زوجین سے اس طرح الفاظ کہلوانے کو شریعت میں لِعان کہتے ہیں اور لعان صرف قذف ازواج کے ساتھ مخصوص ہے عام محصنات کے قذف کا وہی حکم ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہو چکا۔

۱۳۔ **لِعان کا حکم اللہ کا بڑا فضل ہے:** یعنی اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو قذف کے عام قاعدہ کے موافق زوج پر حد قذف آتی اور یا ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو۔ بخلاف غیر شوہر کے کہ وہ اظہار میں مضطر نہیں، اس لئے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضرور نہیں دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہو جایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی۔ حالانکہ ممکن ہے وہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہو جاتی باوجودیکہ اس کے صادق ہونے کا بھی مساوی احتمال موجود ہے۔ پس ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ سب کی رعایت رہے یہ اثر ہے حق تعالیٰ کے فضل و رحمت اور حکمت کا، کیونکہ فریقین میں سے جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کر لے۔ پھر اس کی توبہ کا قبول کر لینا یہ اثر صفت توابیت کا ہوا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ‌ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّـكُمۡ‌ ؕ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ ؕ لِكُلِّ امۡرِىٴٍ مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ‌ ۚ وَالَّذِىۡ تَوَلّٰى كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان [۱۴] تمہیں میں ایک جماعت ہیں [۱۵] تم اس کو نہ سمجھو برا اپنے حق میں بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں [۱۶] ہر آدمی کے لئے ان میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ اس کے واسطے بڑا عذاب ہے [۱۷]

لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا یہ صریح طوفان ہے [۱۸]

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے [۱۹]
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۚۖ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اسکی رحمت دنیا اور آخرت میں تو تم پر پڑ جاتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی [۲۰]
اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اسکو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی بات ہے [۲۱]
وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾	۱۶۔ اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے [۲۲]
يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۱۷﴾	۱۷۔ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم ایمان رکھتے ہو [۲۳]
وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾	۱۸۔ اور کھولتا ہے اللہ تمہارے واسطے پتے کی باتیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ہے [۲۴]
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں [۲۵] انکے لئے عذاب ہے دردناک دنیا اور آخرت میں [۲۶] اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [۲۷]

وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ
رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿٢٠﴾ ع

٢٠۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اسکی رحمت اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے مہربان تو کیا کچھ نہ ہوتا[٢٨]

ع ٨/٢

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ
وَ مَنۡ يَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاۡمُرُ
بِالۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَ لَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ
رَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ
اللّٰهَ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿٢١﴾

٢١۔ اے ایمان والو نہ چلو قدموں پر شیطان کے اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے سو وہ تو یہی بتلائے گا بیحائی اور بری بات[٢٩] اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنورتا تم میں ایک شخص بھی کبھی و لیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے[٣٠]

وَ لَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَ السَّعَةِ اَنۡ
يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنَ وَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ
سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ وَ لۡيَعۡفُوۡا وَ لۡيَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ
اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[٣١]

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ
الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِى الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةِ ۖ وَ لَهُمۡ
عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿٢٣﴾ ۙ

٢٣۔ جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بیخبر ایمان والیوں کو ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور انکے لئے ہے بڑا عذاب[٣٢]

يَّوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ وَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ
اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿٢٤﴾

٢٤۔ جس دن کہ ظاہر کر دیں گی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے تھے[٣٣]

يَوۡمَئِذٍ يُّوَفِّيۡهِمُ اللّٰهُ دِيۡنَهُمُ الۡحَقَّ وَ يَعۡلَمُوۡنَ
اَنَّ اللّٰهَ هُوَالۡحَقُّ الۡمُبِيۡنُ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اس دن پوری دے گا انکو اللہ ان کی سزا جو چاہئے اور جان لیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا[۳۴]

اَلۡخَبِيۡثٰتُ لِلۡخَبِيۡثِيۡنَ وَ الۡخَبِيۡثُوۡنَ
لِلۡخَبِيۡثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيۡنَ وَ الطَّيِّبُوۡنَ
لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا يَقُوۡلُوۡنَ ؕ لَهُمۡ
مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۶﴾ ع

۲۶۔ گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے[۳۵] وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں[۳۶] انکے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی[۳۷]

ع ۳ ۹

۱۴۔ واقعہ افک: یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ۶ ہجری میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہؓ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں، وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ گیا۔ اس کی تلاش میں دیر لگ گئی یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ جمال حسب عادت اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے اور اس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہؓ اس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا کیونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلا تھا۔ غرض جمالوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔

حضرت صفوان بن معطلؓ: حضرت صفوان بن معطلؓ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہؓ ہیں (کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ (البقرہ۔۱۵۶) پڑھا جس سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھلا دیا۔ یہ اس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ میں جا ملایا۔

عبد اللہ بن اُبی کی شرارت: عبد اللہ بن اُبی بڑا خبیث بد باطن اور دشمن رسول اللہ ﷺ تھا، اسے ایک بات ہاتھ آ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوسناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول کریم ﷺ کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہ ہی چرچا رہا حضور سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے مگر دل میں خفا رہتے۔ ایک ماہ بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی شدت غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و

روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہؓ کی برأت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۂ "نور" کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ (النور۔۱۱) الخ سے دور تک نازل فرمائیں۔ جس پر عائشہ صدیقہؓ فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کرتیں تھوڑا تھا۔

۱۵۔ سازش کرنے والے تمہاری ہی جماعت کے لوگ ہیں: یعنی طوفان اٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ اسلام کا نام لیتے اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں ان میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ انکی عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے تاہم خدا کا احسان ہے کہ جمہور مسلمان ان کے جال میں نہیں پھنسے۔

۱۶۔ مسلمانوں کی تسلی: یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص عائشہ صدیقہؓ اور ان کا گھرانہ کہ ظاہر ہے وہ سخت غمزدہ اور پریشان تھے۔ یعنی گو بظاہر یہ چرچا بہت مکروہ، رنجیدہ اور ناخوشگوار تھا۔ لیکن فی الحقیقت تمہارے لئے اس کی تہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔ آخر اتنی مدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جاسکتا ہے۔ کیا یہ شرف تھوڑا ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمہاری نزاہت و برأت اتاری۔ اور دشمنوں کو رسوا کیا اور قیامت تک کے لئے تمہارا ذکر خیر قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ اور مسلمانوں کو پیغمبر علیہ السلام کی ازواج و اہل بیت کا حق پہچاننے کے لئے ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو سکے۔ فللہ الحمد علیٰ ذلک۔

۱۷۔ عبد اللہ بن اُبی کیلئے عذاب عظیم: یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا۔ مثلاً بعض خوش ہو کر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے بعض اظہار افسوس کے طرز میں، بعض چھیڑ کر مجلس میں چرچا اٹھا دیتے، اور آپ خود چپکے سنا کرتے۔ بعض سن کر تردد میں پڑ جاتے، بہت سے خاموش رہتے اور بہت سے سن کر جھٹلا دیتے۔ ان پچھلوں کو پسند فرمایا اور سب کو درجہ بدرجہ کم و بیش الزام دیا۔ اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے۔ یہ ہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب تو ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔

۱۸۔ بے ثبوت بہتان کی تصدیق: "مسلمان کو چاہئے کہ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ حسن ظن رکھے۔ اور جب سنے کہ لوگ ایک نیک شخص پر یوں ہی رجماً بالغیب بری تہمتیں لگاتے ہیں تو اپنے دل میں ایسے خیالات کو راہ نہ دے بلکہ انکو جھٹلائے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی پیٹھ پیچھے بھائی مسلمان کی مدد کرے۔ اللہ پیٹھ پیچھے اس کی مدد کرے گا۔ بے تحقیق تہمتیں تراشنا ایمان سے بعید ہے۔ چاہئے کہ آدمی خود اپنی آبرو پر دوسروں کی آبرو کو قیاس کرلے۔ جیسا کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ نے قصہ "افک" میں کیا ایک روز ان کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ صدیقہؓ کی نسبت ایسا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں۔ کیا ایسا کام تو کر سکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (صدیق کی بیٹی اور نبی کی بیوی) عائشہ صدیقہؓ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک و صاف اور طاہر و مطہر ہیں، ان کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔

۱۹۔ بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کرنا: یعنی اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں۔ اور بدون کافی ثبوت کے ایسی سنگین بات زبان سے بکتے پھریں۔

۲۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پیغمبر کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔ (موضح القرآن) نیز تم میں سے مخلصین کو توبہ کی توفیق دے کر خطا معاف کر دی ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے (العیاذ باللہ)۔

۲۱۔ بلا تحقیق بہتان کا چرچا جرم عظیم ہے: یعنی عذاب عظیم کے مستحق کیوں نہ ہوتے جبکہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک

دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے۔ اور زبان سے وہ اٹکل پچو باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ ایسی سخت بات کو (یعنی کسی محصنہ خصوصًا پیغمبر علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا) جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے، محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔

۲۲۔ مسلمانوں کو کہنا چاہیے تھا کہ یہ بہتان عظیم ہے: یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گذرنے پائے جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا۔ لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی دل میں کوئی برا وسوسہ گذرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہئے کہ اس وقت مومن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہدے کہ ایسی بے سروپا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا۔ اے اللہ! تو پاک ہے۔ کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں۔ بھلا جس پاکباز خاتون کو تو نے سید الانبیاء اور راس المتقین کی زوجیت کے لئے چنا، کیا وہ (معاذ اللہ) خود بے آبرو ہو کر پیغمبر کی آبرو کو بٹہ لگائے گی (حاشا ہاثم حاشاہا) ہو نہ ہو دشمنوں نے ایک بے قصور پر بہتان باندھا ہے۔

۲۳۔ آئندہ ایسا نہ کرنے کی نصیحت: یعنی مومنین کو پوری طرح چوکس اور ہشیار رہنا چاہئے۔ بدباطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔ ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ رکھیں۔

۲۴۔ یعنی پتہ اس کا کہ یہ طوفان اٹھایا کس نے۔ معلوم ہوا کہ منافقین نے جو ہمیشہ دشمن تھے۔ اگلی آیت میں پتہ بتلا دیا۔ (کذا فی الموضح) عمومًا مفسرین نے آیات سے مراد احکام، نصائح، حدود اور قبول توبہ وغیرہ کے مضامین لئے ہیں۔ اس وقت صفات علم وحکمت کے ذکر سے یہ غرض ہو گی کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کی ندامت قلبی کا حال خوب جانتا ہے۔ اس لئے توبہ قبول کی اور چونکہ حکیم مطلق ہے اس لئے نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ تمہاری سیاست کی گئی۔

۲۵۔ بے حیائی پھیلانے والوں کی سزا: یعنی بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلیں۔ یہ چاہنے والے منافقین تھے۔ لیکن انکا تذکرہ کر کے مومنین کو بھی متنبہ فرما دیا کہ اگر فرض کرو کسی کے دل میں ایک بری بات کا خطرہ گذرا اور بے پروائی سے کوئی لفظ زبان سے بھی کہہ گذرا تو چاہئے کہ اب ایسی مہمل بات کا چرچا کرتا نہ پھرے۔ اگر خواہی نہ خواہی کسی مومن کی آبروریزی کرے گا تو خوب سمجھ لے کہ اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔ حق تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑے گا۔ کمافی الحدیث احمد رحمہ اللہ۔

۲۶۔ دنیا میں حد قذف، رسوائی اور قسم قسم کی سزائیں اور آخرت میں دوزخ کی سزا۔

۲۷۔ یعنی ایسے فتنہ پردازوں کو خدا خوب جانتا ہے گو تم نہ جانتے ہو۔ اور یہ بھی اُسی کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔ (تنبیہ) حبِ شیوعِ فاحشہ، حسد وکینہ وغیرہ کی طرح اعمال قلبیہ میں سے ہے مراتب قصد میں سے نہیں۔ اس لئے اس پر ماخوذ ہونے میں اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ فتنبہ لہٗ۔

۲۸۔ مسلمانوں پر اللہ کی رحمت اور فضل: یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نذر ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل ورحمت اور شفقت ومہربانی سے تم میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی۔

۲۹۔ شیطان بے حیائی کی تعلیم دیتا ہے: یعنی شیطان کی چالوں سے ہشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرّے میں آتے ہو۔ دیکھ لو شیطان نے ذرا سا چرکہ لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اس کے قدم پر چل پڑے۔

۳۰۔ یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

۳۱۔ حضرت ابو بکرؓ کی قسم: حضرت عائشہؓ پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔ قصہ "افک" سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہؓ کی براءت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ بڑی جوانمردی تو یہ ہی ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دستکش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اس کا کفارہ ادا کر دو۔

عفو و درگذر کی تعلیم: تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطاکاروں کی خطا سے اغماض اور درگذر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگذر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگذر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہ ہی خو اختیار کرنی چاہئے۔ گویا اس میں تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب سنا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ (کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟) تو فوراً بول اٹھے۔ بَلٰی یَا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ (بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرما دی بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ۔

۳۲۔ ازواج مطہرات پر تہمت لگانے والے اسلام سے خارج ہیں: صحیحین کی حدیث میں ہے۔ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الموبقات الشِّرْكُ باللّٰہ وقتل النفسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَکْلَ الرِّبٰوا واکل مال الیتیم وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحف وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قذف محصنات مطلقاً مہلکات میں سے ہے۔ پھر ان میں سے بھی ازواج مطہرات بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قذف تو کس درجہ کا گناہ ہو گا علماء نے تصریح کی ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد جو شخص عائشہ صدیقہؓ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر، مکذب قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور طبرانی کی ایک حدیث میں ہے۔ قَذْفُ الْمُحْصِنَتِہ یَھْدِمُ عَمَلَ مِاَۃِ سَنَۃٍ (محصنہ پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے) العیاذ باللہ۔

۳۳۔ حشر میں ہاتھ پاؤں اور زبان کی گواہی: یعنی مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا۔ مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس کے ذریعہ سے کیا گیا تھا۔ (لطیفہ) قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی اور چار گواہوں کا اس سے مطالبہ تھا جو پورا نہ کر سکا۔ اس کے بالمقابل یہاں یہی پانچ چیزیں ذکر ہوئیں۔ ایک زبان جو قذف کا اصلی آلہ ہے اور چار ہاتھ پاؤں جو اس کی شرارت کے گواہ ہوں گے۔

۳۴۔ جو رتی رتی عمل کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جس کا حساب بالکل صاف ہے۔ اس کے ہاں کسی طرح کا ظلم و تعدی نہیں۔ یہ مضمون قیامت کے دن سب کو مکشوف و مشہود ہو جائے گا۔

۳۵۔ گندے مرد گندی عورتوں کیلئے اور پاک مرد پاک عورتوں کیلئے: یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں۔ اسی

طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو۔ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک اور بدکاروں سے کیا مطلب۔ ابن عباس نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتا ہے۔ نقلہ فی موضح القرآن۔ (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب تو ترجمے کے موافق ہوا۔ مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ اَلۡخَبِیۡثٰتُ اور الطَّیِّبٰتُ سے یہاں عورتیں مراد نہیں۔ بلکہ اقوال و کلمات مراد ہیں۔ یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق ہیں۔ اور ستھری باتیں ستھرے آدمیوں کے۔ پاکباز اور ستھرے مرد و عورت ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا یَقُوۡلُوۡنَ سے ظاہر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ گندی باتیں گندوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں۔ تو جنھوں نے کسی پاکباز کی نسبت گندی بات کہی، سمجھ لو کہ وہ خود گندے ہیں۔

۳۶۔ یعنی ستھرے آدمی ان باتوں سے بَری ہیں جو یہ گندے لوگ بکتے پھرتے ہیں۔

۳۷۔ یعنی برا کہنے سے وہ برے نہیں ہو جاتے، بلکہ جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو یہ چیز ان کی خطاؤں یا لغزشوں کا کفارہ بنتی ہے۔ اور یہاں مفسد لوگ جس قدر ان کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں وہاں اس کے بدلہ میں عزت کی روزی ملتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَ تُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَهۡلِهَا ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اے ایمان والو مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے جب تک بول چال نہ کر لو اور سلام کر لو ان گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے حق میں تاکہ تم یاد رکھو[۳۸]

فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِیۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰی یُؤۡذَنَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ قِیۡلَ لَکُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡکٰی لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پھر اگر نہ پاؤ اس میں کسی کو تو اس میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو[۳۹] اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لئے[۴۰] اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے[۴۱]

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡهَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری[۴۲] اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو[۴۳]

۳۸۔ **دوسرے گھروں میں داخلے کی اجازت کا حکم اور آداب:** یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہ گھس جائے کیا جانے وہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی، حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر

تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان ان مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں ان ہی سے سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں (ربط) شروع سورت سے احکام زنا و قذف وغیرہ بیان ہوئے تھے۔ چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں چلا جانا ان امور کی طرف مفضی ہو جاتا ہے، اس لئے ان آیات میں مسائل استئذان کو بیان فرما دیا۔

۳۹۔ اگر یہ معلوم ہوا ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تب بھی دوسرے کے گھر میں بدون مالک و مختار کی اجازت کے مت جاؤ۔ کیونکہ مِلک غیر میں بدون اجازت تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آ جائے۔ ہاں صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۴۰۔ **اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ:** یعنی ایسا کہنے سے برا نہ مانو۔ بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں ہو تو تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔

۴۱۔ وہ تمہارے تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ سے باخبر ہے جیسا کچھ کرو گے اور جس نیت سے کرو گے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔ اور اس نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیے ہیں۔

۴۲۔ **اجازت سے مستثنٰی مکانات:** یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ۔ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو چندے اس کے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں جا سکتے ہو۔ اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں اس طرح کے مسائل کی تفصیل فقہ میں دیکھی جائے۔

۴۳۔ اس نے تمہارے تمام چھپے کھلے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ و فساد کے مداخل کو بند کرنا ہے مومن کو چاہے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عمل کرے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذری اپنی آنکھیں[۴۴] اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو[۴۵] اس میں خوب ستھرائی ہے انکے لئے بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں[۴۶]

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ

۳۱۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھائیں اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے[۴۷] اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر[۴۸] اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے[۴۹] یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ
بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ
اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ
التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ
الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ۚ
وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ
زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ
الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾

عورتوں کے [٥٠] یا اپنے ہاتھ کے مال کے [٥١] یا کاربار کرنے والوں کے (خدمت میں مشغول رہنے والوں کے) جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے [٥٢] یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو [٥٣] اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگھار [٥٤] اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو تاکہ تم بھلائی پاؤ [٥٥]

۴۴۔ نظریں نیچی رکھنے کا حکم: بد نظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ بد نظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہو گا۔ جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار و ارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ پہلی مرتبہ دفعۃً جو بیساختہ نظر پڑتی ہے۔ از راہ شہوت و نفسانیت نہیں ہوتی۔ اس لئے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِنْ کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔

۴۵۔ ستر کی حفاظت: یعنی حرامکاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ اِلَّا عِنْدَ مَنْ اَبَاحَهُ الشَّارِعُ مِنَ الْاَزْوَاجِ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ

۴۶۔ یعنی آنکھ کی چوری اور دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال اس کو سب معلوم ہے۔ لہٰذا اس کا خیال کر کے بد نگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو۔ ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔ یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (مومن۔١٩) حضرت شاہ صاحبؒ نے مَا یَصْنَعُوْنَ سے مراد اغلباً جاہلیت کی بے اعتدالیاں لی ہیں۔ یعنی جو بے اعتدالیاں پہلے سے کرتے آ رہے ہو اللہ کو سب معلوم ہے اسی لئے اب اس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے یہ احکام جاری کئے تا تمہارا تزکیہ ہو سکے۔

۴۷۔ عورتوں کے پردے کے احکام: سنگار عرف میں خارجی اور کسبی آرائش کو کہتے ہیں جو مثلاً لباس یا زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں "زینت" کا ترجمہ "سنگار" کے بجائے "زیبائش" کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا۔ زیبائش کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور کسبی زینت

کو شامل ہے، خواہ وہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو کسی قسم کی خلقی یا کسبی زیبائش کا اظہار بجز محارم کے جن کا ذکر آگے آتا ہے، کسی کے سامنے جائز نہیں۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اسکے ظہور کو بسبب عدم قدرت یا ضرورت کے روک نہیں سکتی، اس کے بمجبوری یا بضرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو)۔ حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کفین (ہتھیلیاں) اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا۔ میں داخل ہیں۔ کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ آگے فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے اور جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات مثلاً انگوٹھی، چھلا، یا مہندی، کاجل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا۔ لیکن واضح رہے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا سے صرف عورتوں کو بضرورت ان کے کھلا رکھنے کی اجازت ہوئی۔ نامحرم مردوں کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ آنکھیں لڑایا کریں اور ان اعضاء کا نظارہ کیا کریں۔ شاید اسی لئے اس اجازت سے پیشتر ہی حق تعالیٰ نے غض بصر کا حکم مومنین کو سنادیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک طرف سے کسی عضو کے کھولنے کی اجازت اس کو مستلزم نہیں کہ دوسری طرف سے اس کو دیکھنا بھی جائز ہو۔ آخر مرد جن کے لئے پردہ کا حکم نہیں اسی آیت بالا میں عورتوں کو ان کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔ نیز یاد رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر، عورت کو کس حصہ بدن کا کس کے سامنے کن حالات میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ باقی مسئلہ "حجاب" یعنی شریعت نے اس کو کن حالت میں گھر سے باہر نکلنے اور سیر و سیاحت کرنے کی اجازت دی، یہاں مذکور نہیں۔ اس کی کچھ تفصیل انشاءاللہ سورۂ احزاب میں آئیگی۔ اور ہم نے فتنہ کا خوف نہ ہونے کی جو شرط بڑھائی وہ دوسرے دلائل اور قواعد شرعیہ سے ماخوذ ہے جو ادنیٰ تامل اور مراجعت نصوص سے دریافت ہو سکتی ہیں۔

۴۸۔ **اوڑھنی کا حکم اور طریقہ:** بدن کی خلقی زیبائش میں سے سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے، اس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلادی۔ جاہلیت میں عورتیں خمار اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی۔ یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے بتلادیا کہ اوڑھنی کو سر پر سے لاکر گریبان پر ڈالنا چاہئے تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور رہے۔

۴۹۔ **محرم لوگوں کی تفصیل:** چچا اور ماموں کا بھی یہ ہی حکم ہے اور ان محارم میں پھر فرق مراتب ہے۔ مثلاً جو زینت خاوند کے آگے ظاہر کر سکتی ہے دوسرے محارم کے سامنے نہیں کر سکتی۔ ابدائے زینت کے درجات ہیں جن کی تفصیل تفاسیر اور کتب فقہ میں دیکھنی چاہئے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس قدر تستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا اتنا محارم سے نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو ان میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے۔

۵۰۔ یعنی جو عورتیں اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہیں بشرطیکہ نیک چلن ہوں بدراہ عورتوں کے سامنے نہیں۔ اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔

۵۱۔ یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر قرآن سے اسی کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہور ائمہ اور سلف کا یہ مذہب نہیں۔

۵۲۔ یعنی کمیرے خدمتگار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے میں غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں، محض کھانے پینے میں گھر والوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

۵۳۔ یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی سرائر کی کوئی تمیز نہیں، نہ نفسانی جذبات رکھتے ہیں۔

۵۴۔ عورتوں کے چلنے پھرنے کے آداب: یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو ادھر میلان اور توجہ ہو۔ بسا اوقات اس قسم کی آواز صورت دیکھنے سے بھی زیادہ نفسانی جذبات کے لئے محرک ہو جاتی ہے۔

۵۵۔ توبہ کا حکم: یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں انابت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔

وَ اَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَ الصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَ اِمَآئِكُمۡ ؕ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر [۵۶] اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں [۵۷] اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ ان کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے [۵۸] اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے [۵۹]

وَ لۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَ الَّذِيۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَكَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا ۖ وَّ اٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ وَ لَا تُكۡرِهُوۡا فَتَيٰتِكُمۡ عَلَى الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَمَنۡ يُّكۡرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِكۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور اپنے آپ کو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا جب تک کہ مقدور دے ان کو اللہ اپنے فضل سے [۶۰] اور جو لوگ چاہیں لکھت آزادی کی مال دے کر ان میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں (جن کے مالک ہیں تمہارے ہاتھ) تو انکو لکھ کر دیدو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی [۶۱] اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے [۶۲] اور نہ زبردستی کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا کہ تم کمانا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا [۶۳] اور جو کوئی ان پر زبردستی کرے گا تو اللہ ان کی بے بسی کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے [۶۴]

۵۶۔ دوسرے نکاح کا حکم: اوپر استئذان، غضِ بصر اور تستّر وغیرہ کے احکامات بیان ہوئے تھے، تا بیحیائی اور بدکاری کی روک تھام کی جائے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو، نماز فرض کا جب وقت آ جائے، جنازہ جب موجود ہو، اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے"۔ جو قومیں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔

۵۷۔ یعنی لونڈی غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ حقوق زوجیت ادا کر سکیں اور نکاح ہو جانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا بھی نکاح کر دو۔

۵۸۔ افلاس کی وجہ سے نکاح کو مت چھوڑو: بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس و پیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا۔ انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا معلوم ہے کہ خدا چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر و افلاس کو مستلزم ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ۔ (توبہ۔۲۸) اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہ چیز معقول ہے کہ نکاح کر لینے یا ایسا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بڑھ کر کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ ادھر بیوی اور اولاد ہو جائے تو وہ بلکہ بعض اوقات بیوی کے کنبہ والے بھی کسب معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ بہر حال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں۔ پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں ہو۔

۵۹۔ جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشائش کر دیتا ہے۔

۶۰۔ نکاح ہونے تک پاکدامن رہیں: یعنی جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لا سکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں۔ اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبط نفس اور عفت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرما دے۔

۶۱۔ مکاتبت کا حکم: یعنی کسی کا غلام یا لونڈی کہے یا مزید توثیق کے لئے لکھوانا چاہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر مال تجھ کو کما دوں تو مجھے آزاد کر دے، تو مالک کو چاہئے کہ قبول کر لے اور لکھ دے (اس معاملہ کو "مکاتبۃ" کہتے ہیں۔ اور یہ غلاموں کے آزاد کرانے کی ایک خاص صورت ہے) لیکن یہ مالک کو اس وقت قبول کرنا چاہئے جبکہ وہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہو گی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو بیشک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہئے۔ تا وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدانوں میں خوب ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو با اختیار خود نکاح کر لے۔ غلامی کی وجہ سے میدان تنگ نہ ہو۔

۶۲۔ غلاموں کی مالی امداد: یہ دولتمند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسی لونڈی غلام کی مالی امداد کرو۔ خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات وغیرہ سے تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کر سکیں، اور اگر مالک بدل کتابت کا کوئی حصہ معاف کر دے، یہ بھی بڑی امداد ہے۔ (تنبیہ) مصارف زکوٰۃ میں جو وَفِي الرِّقَابِ کا ایک مد لکھا ہے وہ ان ہی غلاموں کے آزاد کرانے کا فنڈ ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی امداد ہوتی تھی۔

۶۳۔ لونڈیوں سے بدکاری کرانا: جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا۔ ان میں بعض مسلمان ہو گئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ ملعون زدو کوب کرتا تھا۔ یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ اور اسی شان نزول کی رعایت سے مزید تقبیح کے لئے اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا اور لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی قیود بڑھائی ہیں۔ ورنہ لونڈیوں سے بدکاری کرانا بہر حال حرام ہے اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے خواہ لونڈیاں یہ کام رضا و رغبت سے کریں یا زبردستی اور ناخوشی سے۔ ہاں اگر لونڈیاں نہ چاہیں اور یہ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لئے زبردستی مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی دلیل ہے۔

۶۴۔ یعنی زنا ایسی بری چیز ہے جو جبر و اکراہ کے بعد بھی بری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرَہ کی بے بسی اور بیچارگی کو دیکھ کر درگذر فرماتا ہے۔ اس صورت میں مکرِہ (زبردستی کرنے والے) پر سخت عذاب ہو گا اور مکرَہ پر (جس پر زبردستی کی گئی) رحم کیا جائے گا۔

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا
مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مَوۡعِظَةً
لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۴﴾ ع

۳۴۔ اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال انکا جو ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت ڈرنے والوں کو[۶۵]

رکوع ۴ / ۱۰ / ۸

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ
کَمِشۡکٰوةٍ فِیۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَةٍ ؕ
اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ
مُّبٰرَکَةٍ زَیۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِیَّةٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّةٍ ۙ یَّکَادُ
زَیۡتُهَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ
یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ
الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۳۵﴾

۳۵۔ اللہ روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی[۶۶] مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ روشنی پر روشنی اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب چیز کو جانتا ہے[۶۷]

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡهَا
اسۡمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ﴿ۙ۳۶﴾

۳۶۔ ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا انکو بلند کرنے کا[۶۸] اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا[۶۹] یاد کرتے ہیں اسکی وہاں صبح و شام[۷۰]

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ
وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوةِ ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا
تَتَقَلَّبُ فِیۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿ۙ۳۷﴾

۳۷۔ وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے[۷۱] ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں[۷۲]

لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَيَزِيۡدَهُمۡ مِّنۡ
فَضۡلِهٖ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

٣٨۔ تاکہ بدلہ دے انکو اللہ انکے بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے انکو اپنے فضل سے [٧٣] اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار [٧٤]

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُهُمۡ كَسَرَابٍۢ بِقِيۡعَةٍ
يَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمۡ يَجِدۡهُ
شَيۡـئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ فَوَفّٰٮهُ حِسَابَهٗ‌ ؕ وَاللّٰهُ
سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۙ‏ ﴿۳۹﴾

٣٩۔ اور جو لوگ منکر ہیں ان کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اس کو پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اسکو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب [٧٥]

اَوۡ كَظُلُمٰتٍ فِىۡ بَحۡرٍ لُّـجِّىٍّ يَّغۡشٰٮهُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ
مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ سَحَابٌ‌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ
بَعۡضٍ‌ ؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰٮهَا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ
يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ؑ ﴿۴۰﴾ ع ٥ ١١

٤٠۔ یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک [٧٦] جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو وہ سوجھے [٧٧] اور جسکو اللہ نے نہ دی روشنی اسکے واسطے کہیں نہیں روشنی [٧٨]

٦٥۔ قرآن کریم میں گذشتہ اقوام کے حالات: یعنی قرآن کریم میں سب کچھ نصیحتیں احکام اور گذشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کر دیے گئے ہیں۔ تا خدا کا ڈر رکھنے والے سن کر نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں یا مثلاً مِنَ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا سے مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کئے گئے تھے جو اس صورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اس قصہ "افک" کے مشابہ پیش آئے جو سورہ ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے برأت ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیق کی برأت اور بزرگی بھی تا قیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔

٦٦۔ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے: یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین و آسمان کو اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القرآن) سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء و اولیاء میں جو ظاہری و باطنی روشنی ہے، اسی منبع النور سے مستفادہ ہے۔ ہدایت و معرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے۔ تمام علویات و سفلیات اس کی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ سے منور ہیں۔ حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اس کے وجہ منور اور ذات مباک کے جمال و کمال کا ایک پرتو ہے۔ سیرت ابن

اسحٰق میں ہے کہ طائف میں جب لوگوں نے حضور ﷺ کو ستایا تو یہ دعا زبان پر تھی۔ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یَحُلَّ بِیْ غَضَبُکَ اَوْ یَنْزِلَ بِیْ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ رات کی تاریکی میں آپ اپنے رب کو اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، دل، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اس سے نور طلب فرماتے تھے اور اخیر میں بطور خلاصہ فرماتے وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا یا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یا وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا یعنی میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ خَلْقَہٗ فِیْ ظُلْمَۃٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْھِمْ مِنْ نُوْرِہٖ فَمَنْ اَصَابَہٗ مِنْ نُوْرِہٖ یَوْمَئِذٍ اھْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاہُ ضَلَّ (فتح الباری ۶۔۴۳۰) یعنی جس کو اس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اس سے چوکا گمراہ رہا۔ واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع، بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ ایسے ہی صفت نور بھی ہے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔ تفصیل کے لئے امام غزالی کا رسالہ "مشکوٰۃ الانوار" دیکھو۔

۶۷۔ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے: یعنی یوں تو اللہ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے۔ لیکن مومنین مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت و عرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے۔

اس مثال کی ایک عمدہ توجیہہ: اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ (قندیل) رکھا ہو۔ یہ شیشہ اس کا قلب ہوا جس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ اس شیشہ (قندیل) میں معرفت وہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف وشفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے نہ مشرق میں ہو نہ مغرب میں یعنی کسی طرف دھوپ کی روک نہیں کھلے میدان میں کھڑا ہے جس پر صبح وشام دونوں وقت کی دھوپ پڑتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے زیتون کا تیل اور ابھی زیادہ لطیف وصاف ہوتا ہے۔ غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدون آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔ یہ تیل میرے نزدیک اسی حسن استعداد اور نور توفیق کا ہوا جو نور مبارک کے القاء سے بدء فطرت میں مومن کو حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں گذر چکا اور جس طرح شجرہ مبارکہ کو لَا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ فرمایا تھا وہ نور ربانی بھی جہت کی قید سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مومن کا شیشہ دل نہایت صاف ہوتا ہے، اور خدا کی توفیق سے اس میں قبول حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھنے کو تیار ہوتا ہے اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی وقرآن کی تیز روشنی نے اس کو مس کیا فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ اسی کو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ فرمایا باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے جس کو چاہے اپنی روشنی عنایت فرمائے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے۔ کس کو نہیں ان عجیب وغریب مثالوں کا بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی ایک روشنی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ ہی تمثیل کے مناسب موقع ومحل کو پوری طرح جانتا ہے، کسی دوسرے کو قدرت کہاں کہ ایسی موزوں وجامع مثال پیش کر سکے۔ آگے فرمایا کہ وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ صبح وشام بندگی کرتے ہیں وہاں دھیان لگا رہے۔ (تنبیہ) مفسرین نے تشبیہ کی تقریر بہت طرح کی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی موضح القرآن میں نہایت لطیف وعمیق تقریر فرمائی ہے مگر بندہ کے خیال میں جو توجیہہ آئی وہ درج کر دی۔ وَلِلنّاس فیما یعشقون مذاھبُ واضح رہے کہ یُوْقَدُ اور وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ میں جس نار کی طرف اشارہ ہے میں نے مشبہ میں اس کی جگہ وحی وقرآن کو رکھا ہے۔ اس کا ماخذ وہ فائدہ ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے مَثَلُھُمْ کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا پر لکھا ہے اور جس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ النَّاسِ کَرَجُلِ اسْتَوْقَدَ نَارًا فلما اضاءتْ

مَا حَوْلَهٗ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ یَقَعْنَ فِیْهَا الخ

۶۸۔ مسجد کی تعظیم و تطہیر: ان کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا یعنی ان کی خبر گیری کی جائے اور ہر قسم کی گندگی اور لغو افعال و اقوال سے پاک رکھا جائے مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔

۶۹۔ تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن وغیرہ سب اذکار اس میں شامل ہیں۔

۷۰۔ یعنی تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ "غدو" سے صبح کی نماز مراد ہے اور "آصال" میں باقی چاروں نماز میں داخل ہیں۔ کیونکہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات پر بولا جاتا ہے۔

۷۱۔ رجال اللہ کبھی غافل نہیں ہوتے: یعنی معاش کے دھندے انکو اللہ کی یاد اور احکام الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید و فروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ہی شان تھی۔

۷۲۔ یعنی اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے، قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی، کبھی ہلاکت کا خوف۔ اور آنکھیں کبھی داہنے کبھی بائیں دیکھیں گی کہ دیکھئے کس طرف سے پکڑے جائیں یا کس جانب سے اعمالنامہ ہاتھ میں دیا جائے۔

۷۳۔ یعنی اچھے کاموں کا جو صلہ مقرر ہے وہ ملے گا۔ اور حق تعالیٰ کے فضل سے اور زیادہ دیا جائے گا۔ جسکی تفصیل و تعیین ابھی نہیں کی جاسکتی۔

۷۴۔ یعنی اس کے ہاں کیا کمی ہے، اگر جنتیوں کو بیحد و حساب عنایت فرمائے تو کچھ مشکل نہیں۔

۷۵۔ کفار کے اعمال کی مثال: کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے، حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول و معتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا، دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب و حسرت کے وقت اللہ نے اس کا سب حساب ایک دم میں چکا دیا۔ کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا گیا۔ دوسرے وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل و کفر، ظلم و عصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں ان کی مثال آگے بیان فرمائی، ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والے کو نظر آتی تھی۔ یہ لوگ خالص اندھیریوں اور تہ بر تہ ظلمات میں بند ہیں۔ کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ۔

۷۶۔ یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک چڑھی آتی ہیں پھر سب کے اوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیریوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

۷۷۔ یعنی اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے قریب کر کے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں پہچانتا۔

۷۸۔ اوپر مومنین کے ذکر میں جو یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ فرمایا تھا، یہ جملہ اس کے مقابل ہوا یعنی جس کو خدا تعالیٰ نور توفیق نہ دے اسے اور کون روشنی پہنچا سکتا ہے۔ ان کی استعداد خراب تھی توفیق نہ ملی۔ اور دریا کی تہ میں گر کر انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لئے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ
تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤١﴾

۴۱۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے[۷۹] ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد[۸۰] اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں[۸۱]

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ
الْمَصِيْرُ ﴿٤٢﴾

۴۲۔ اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے[۸۲]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ
يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ
يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ
فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ
ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ؕ

۴۳۔ تو نے نہ دیکھا اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر انکو ملا دیتا ہے پھر انکو رکھتا ہے تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے[۸۳] اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے[۸۴] ابھی اس کی بجلی کی کوند لیجائے آنکھوں کو[۸۵]

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً
لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿٤٤﴾

۴۴۔ اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو[۸۶] اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو[۸۷]

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى
رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ
اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٥﴾

۴۵۔ اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو ایک پانی سے[۸۸] پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر[۸۹] اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر[۹۰] اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر[۹۱] بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے[۹۲]

۷۹۔ مخلوقات اور پرندوں کی تسبیح: شاید اڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لئے کیا کہ وہ اس وقت آسمان اور زمین کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔

۸۰۔ یعنی حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت وبندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے۔ لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غرور وغفلت اور ظلمت جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے وظیفہ عبودیت سے بے بہرہ ہیں (تنبیہ) مخلوقات کی تسبیح کے متعلق پندرہویں پارہ میں ربع کے قریب کچھ مضمون گذر چکا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹوں کو تسبیح کی وصیت کی اور فرمایا وَاِنَّهَا لِصَلٰوةِ الْخَلْقِ (یہ ہی باقی مخلوق کی نماز ہے)۔

۸۱۔ یعنی ان کی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو، لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔

۸۲۔ اللہ کی حکومت ہر شے پر حاوی ہے: یعنی جیسے اس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام علویات وسفلیات پر حاوی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔

۸۳۔ بادلوں کے نظام میں اللہ کی نشانیاں: یعنی ابتداء میں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھتے ہیں پھر مل کر بڑا بادل بن جاتا ہے۔ پھر تہ پر تہ جمادی جاتی ہے۔

۸۴۔ پہاڑ اور اولے: یعنی جیسے زمین میں پتھروں کے پہاڑ ہیں، بعض سلف نے کہا کہ اسی طرح آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے اسی کے موافق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن زیادہ راجح اور قوی یہ ہے کہ "سماء" سے بادل مراد ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں، اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اولے کی چھال بیل کے ایک سینگ پر پڑتی ہے اور دوسرا سینگ خشک رہ جاتا ہے۔

۸۵۔ برق کی چمک: یعنی بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے۔

۸۶۔ دن اور رات کی تبدیلی: یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اسی کی قدرت سے آتا ہے۔ وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور ان کی گرمی کو سردی سے، سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے۔

۸۷۔ قدرت کے ان مظاہر کا مطالبہ: یعنی چاہئے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت وعبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات وتقلبات کی باگ ہے۔

۸۸۔ اس کے لئے سترہویں پارہ کے تیسرے رکوع میں آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء۔ ۳۰) کا فائدہ دیکھنا چاہئے۔

۸۹۔ جیسے سانپ اور مچھلی۔

۹۰۔ جیسے آدمی اور طیور۔

۹۱۔ جیسے گائے بھینس وغیرہ۔

۹۲۔ یعنی کسی جانور کو چار سے زائد پاؤں دیے ہوں تو بعید نہیں، اس کی لامحدود قدرت ومشیت کو کوئی محصور نہیں کر سکتا۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ ہم نے اتاریں آیتیں کھول کھول کر بتلانے والی اور اللہ چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ پر [۹۳]

وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ
يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آ گئے پھر پھر جاتا ہے ایک فرقہ ان میں سے اس کے پیچھے اور وہ لوگ نہیں ماننے والے [۹۴]

وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور جب ان کو بلایئے اللہ اور رسول کی طرف کہ ان میں قضیہ چکائے تبھی ایک فرقہ کے لوگ ان میں منہ موڑتے ہیں

وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ؕ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور اگر ان کو کچھ پہنچتا ہو تو چلے آئیں اس کی طرف قبول کر کر [۹۵]

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ
يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ٦ ١٢

۵۰۔ کیا انکے دلوں میں روگ ہے [۹۶] یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ اور اس کا رسول کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں [۹۷]

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ
اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلایئے انکو اللہ اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو ان میں تو کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا اور وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے [۹۸]

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اسکے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچکر چلے اس سے سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے [۹۹]

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ
لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ

۵۳۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ حکمبرداری چاہیئے جو دستور ہے البتہ اللہ کو

اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۳﴾

خبر ہے جو تم کرتے ہو[۱۰۰]

قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا
فَاِنَّمَا عَلَیۡہِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیۡکُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ وَ اِنۡ
تُطِیۡعُوۡہُ تَہۡتَدُوۡا ؕ وَ مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ
الۡمُبِیۡنُ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر[۱۰۱]

۹۳۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے: یعنی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ تو اس قدر واضح ہیں کہ انہیں دیکھ کر اور سن کر چاہیئے کہ کوئی آدمی نہ بہکے لیکن سیدھی راہ پر چلتا وہ ہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں آدمی یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں پر نتیجہ کے اعتبار سے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

۹۴۔ منافقین کا بیان: یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ زبان سے دعویٰ ایمان و اطاعت کا کیا کرتے تھے اور جب عمل کا وقت آتا تو پھر جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شروع سے ایمان و انقیاد موجود ہی نہ تھا۔ جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا امتحان و ابتلاء کے وقت اس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔

۹۵۔ منافقین کی ہوا پرستی: یعنی اگر ان کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں، اس وقت اگر دوسرا فریق کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرا لو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ یقیناً بلا رورعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم اللہ و رسول پر ایمان لانے اور ان کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا۔ ہاں فرض کیجئے اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور کی ذات مبارک پر کر دیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں عدالت سے ہمارے موافق فیصلہ ہو گا۔ تو یہ ایمان و اسلام کیا ہوا، محض ہوا پرستی ہوئی۔

۹۶۔ روگ یہ کہ خدا اور رسول کو سچ مانا لیکن حرص نہیں چھوڑتی کہ کہے پر چلیں۔ جیسے بیمار چاہتا ہے چلے اور پاؤں نہیں اٹھتا۔

۹۷۔ یعنی خدا اور رسول کی بابت کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور حضور ﷺ کی صداقت یا اللہ کے وعدو وعید میں کوئی شک وشبہ ہے؟ یا یہ گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملات کا خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے ان کی عدالت میں مقدمہ لیجانے سے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم و بے انصافی کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چاہتے ہیں کہ اپنا حق پورا وصول کر لیں اور دوسروں کو ایک پیسہ نہ دیں۔ اسی لئے ان معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں جن میں سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہو گا۔ یہ تو منافقین کا ذکر تھا آگے ان کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں۔

۹۸۔ مومنین کا طریقہ: یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان۔ ایک منٹ کا توقف نہ کریں فی الفور "سمعًا و طاعۃ" کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے۔

۹۹۔ یعنی جو فی الحال فرمانبردار ہو، گذشتہ تقصیرات پر نادم ہو کر اور خدا سے ڈر کر توبہ کرے اور آئندہ برے راستہ سے بچ کر چلے، اسی کے لئے دنیاو آخرت کی کامیابی ہے۔

۱۰۰۔ منافقوں کی جھوٹی قسمیں: یعنی منافقین بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل جانے کے لئے تیار ہیں ذرا حضور ﷺ اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں لٹا کر الگ ہو جائیں اس پر فرمایا کہ اس قدر منہ بھر کر لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت سب معلوم ہو چکی کہ زبان سے دعوے بہت کیا کرتے ہو۔ اور عمل کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جاتے ہو۔ چاہئے کہ سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکمبرداری کر کے دکھاؤ زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ فرض کرو تم قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین دلا دو لیکن اللہ کے آگے کسی کی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا۔ وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ آگے چل کر تمہاری مکاری اور نفاق کا پردہ فاش کر دے گا۔

۱۰۱۔ قبول حق کی ذمہ داری پوری کرو: یعنی پیغمبر پر خدا کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے، سو اس نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا وہ تصدیق و قبول حق کا ہے، اور یہ کہ اس کے ارشاد کے موافق چلو۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو کامیابی دارین کی راہ پاؤ گے اور دنیا و آخرت میں خوش رہو گے ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں۔ تمہاری شرارت و سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عند اللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى
ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ
يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا انکو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا انکے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو [۱۰۲] اور جو کوئی ناشکری کرے گا اسکے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان [۱۰۳]

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو [۱۰۴]

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ

۵۷۔ نہ خیال کر کہ یہ جو کافر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر

ع ۷ ۱۴

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

ملک میں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی [۱۰۵]

۱۰۲۔ صحابہ کرام سے حکومت کا وعدہ: یہ خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو ان میں اعلٰی درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد ان کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے ان کے ہاتھوں سے دنیا میں اس کو قائم کرے گا۔ گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔ بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی وتری میں اس کا سکہ بٹھائیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا۔ وہ کامل امن واطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہو گا۔ ان مقبول ومعزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہو گی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہو گی۔ شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی ان کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے، اسی سے ڈریں گے اسی سے امید رکھیں گے۔ اسی پر بھروسہ کریں گے اسی کی رضا میں ان کا جینا اور مرنا ہو گا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف وہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔

اس وعدے کا ایفاء: الحمد للہ کہ یہ وعدہ الٰہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب وغریب بشارات سنائی گئی ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے اسلام کا کلمہ بلند کریں گے۔ اَللّٰھُمَّ احْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِهٖ وَارْزُقْنَا شھادۃ فی سَبِيْلِكَ اِنَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃ و ذُوالفَضْلِ العَظِيْم (تنبیہ)

خلفائے اربعہ کی فضیلت: اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی فضیلت ومنقبت نکلتی ہے ابن کثیرؒ نے اس کے تحت عہد نبوت سے لیکر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے اور آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں وَجُبِیَ الْخَرَاجُ مِنَ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اِلٰی حَضْرَۃِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَذٰلِكَ بِبَرْكَةِ تِلَاوَتِهٖ وَدِرَاسَتِهٖ وَجَمْعِه الْاُمَّةَ عَلٰی حِفْظِ الْقُرْاٰنِ وَلِهٰذَا ثَبَتَ فِی الصَّحِيْحِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِیْ مَازُوِیَ لِیْ مِنْهَا فَهَا نَحْنُ نَتَقَلَّبُ فِيْمَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَنَسْئَلُ اللّٰهَ الْاِيْمَانَ بِهٖ وَبِرَسُوْلِهٖ وَالْقِيَامَ بِشُكْرِهٖ عَلَی الْوَجْهِ الَّذِیْ يُرْضِيْهِ عَنَّا۔

۱۰۳۔ صحابہ کرام سے حکومت کا وعدہ: یعنی ایسے انعامات عظیمہ کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور ہیکڑ مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت (اور ان کے فضل وشرف) سے منکر ہوا ان الفاظ سے اس کا حال سمجھا گیا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

۱۰۴۔ حصول رحمت کا طریقہ: یعنی خدا کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو تو تم بھی ان ہی مقبول بندوں کی روش اختیار کرو۔ وہ روش یہ ہی ہے نمازیں قائم کرنا، زکوۃ دیتے رہنا اور تمام شعبہ زندگی میں رسول کے احکام پر چلنا۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مُتَابَعَةَ رَسُوْلِكَ ﷺ وَتَوَفَّنَا عَلَيْهِ وَالْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ۔ اٰمين۔

۱۰۵۔ کفار کا ٹھکانہ: یہ نیک بندوں ے کے بالمقابل مردود ومغضوب لوگوں کا انجام بتلایا۔ یعنی جبکہ نیکوں کو ملک کی حکومت اور زمین کی خلافت عطا کیجاتی ہے، کافروں اور بدکاروں کی ساری مکاریاں اور تدبیریں شکست ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر تمام

خدائی میں ادھر ادھر بھاگتے پھریں تب بھی وہ خدائی سزا سے اپنے کو نہیں بچاسکتے۔ یقیناً ان کو جہنم کے جیل خانہ میں جانا پڑے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ
حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ
صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ
عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اے ایمان والو اجازت لیکر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں [۱۰۶] اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں تمہارے [۱۰۷] کچھ تنگی نہیں تم پر اور ان پر ان وقتوں کے پیچھے پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس [۱۰۸] یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا
كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور جب پہنچیں لڑکے تم میں کے عقل کی حد کو تو انکو ویسی ہی اجازت لینی چاہئے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے [۱۰۹] یوں کھول کر سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا
فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ
مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ
وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جنکو توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے انکے لئے [۱۱۰] اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے [۱۱۱]

۱۰۶۔ اجازت لینے کا مسئلہ: یعنی لونڈی غلام، چار رکوع پہلے مسئلہ استیذان (اجازت لینے) کا ذکر تھا۔ یہ اسی کا تتمہ ہے درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دوسرے مضامین آ گئے۔

۱۰۷۔ ان تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اتار دیے جاتے ہیں یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کیا جاتا ہے اور بیوی کے ساتھ مخالطت بھی بیشتر ان ہی اوقات میں ہوتی ہے کبھی فجر سے قبل یا دوپہر کے وقت آدمی غسل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی مطلع نہ ہو۔ اس لئے حکم دیا کہ ان تین وقتوں میں نابالغ لڑکوں اور لونڈی غلام کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیئے۔ باقی وقتوں میں ان کو اجانب کی طرح اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ الّا یہ کہ کوئی شخص اپنی مصلحت سے دوسرے اوقات میں بھی استیذان کی پابندی عائد کر دے۔

۱۰۸۔ استیذان سے مستثنٰی اوقات: یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں ان میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

۱۰۹۔ نابالغ لڑکوں کا حکم: یعنی لڑکا جب تک نابالغ ہے تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بلا اجازت لئے آ جا سکتا ہے۔ جس وقت حد بلوغ کو پہنچا پھر اس کا حکم ان ہی مردوں جیسا ہو گا جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں۔ اور جن کا حکم پیشتر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا (النور۔ ۲۷) میں گذر چکا ہے۔

۱۱۰۔ بوڑھی عورتوں کا پردہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو درست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر" اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم آیت وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ (النور۔ ۳۱) الخ میں دیا جا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جوان عورتوں کے تستر کے متعلق قرآن کریم کا منشاء کیا ہے۔

۱۱۱۔ اللہ پردے کی باتیں بھی جانتا ہے: یعنی یہ تو فتنہ کی روک تھام کے ظاہری انتظامات ہیں باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں اور فتنے اٹھائے جاتے ہیں، یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان سب کو سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ
لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ
تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

۶۱۔ نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف [۱۱۲] اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے [۱۱۳] نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں مل کر یا جدا ہو کر پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے اپنی باتیں تاکہ تم سمجھ لو [۱۱۴]

مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ
تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا
فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؑ ﴿۶۱﴾ ع ۸ / ۱۴

۱۱۱۲۔ معذوروں کیلئے احکام میں رعایت: یعنی جو کام تکلیف کے ہیں وہ ان کو معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت اور ایسی چیزیں۔ (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور و محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ جاہلیت میں اس قسم کے محتاج و معذور آدمی اغنیاء اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے رکتے تھے انہیں خیال گزرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات واوضاع سے ایذا پہنچتی ہو، اور واقعی بعضوں کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی۔

معذوروں کے ساتھ صحابہ کرام کا متقیانہ طریقہ: نیز بعض مومنین کو غایت اتقاء سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے۔ اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے۔ بیمار کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ دوسری ایک اور صورت پیش آتی تھی کہ یہ معذور و محتاج لوگ کسی کے پاس گئے، وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا، ازراہ بے تکلفی ان کو اپنے بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ کسی عزیز و قریب کے گھر لے گیا۔ اس پر ان حاجمتندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے اس کے پاس، یہ دوسرے کے ہاں لے گیا۔ کیا معلوم ہو ہمارے کھلانے سے کارِہ اور ناخوش تو نہیں۔ ان تمام خیالات کی اصلاح آیت حاضرہ میں کر دی گئی کہ خواہی نہ خواہی اس طرح کے اوہام و وساوس میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعت دے رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔"

۱۱۱۳۔ یعنی تمہارے زیر تصرف دیدیا گیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بقدر معروف اس میں سے کھانے پینے کی اجازت دے دی۔

۱۱۱۴۔ گھر والوں کے ساتھ کھانے پینے کے آداب: یعنی اپنائیت کے علاقوں میں کھانے کی چیز کو ہر وقت پوچھنا ضرور نہیں۔ نہ کھانے والا حجاب کرے نہ گھر والا دریغ کرے۔ مگر عورت کا گھر اگر اس کے خاوند کا ہو۔ اس کی مرضی حاصل کرنی چاہئے۔ اور مل کر کھاؤ یا جدا یعنی اس کی تکرار دل میں نہ رکھے کہ کس نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ سب نے مل کر پکایا سب نے مل کر کھایا۔ اور اگر ایک شخص کی مرضی نہ ہو تو پھر کسی کی چیز کھانی ہرگز درست نہیں۔ اور تقید فرمایا سلام کا آپس کی ملاقات میں۔ کیونکہ اس سے بہتر دعاء نہیں جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا۔ بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا یہ غلو ہے۔ البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکھٹے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے کما ورد فی الحدیث۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ
اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى
يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ
لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ
اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو[۱۱۵] پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو ان میں سے تو چاہے اور معافی مانگ انکے واسطے اللہ سے اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۱۱۶]

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ
بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ
يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ
يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ مت کو لو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اسکے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو[۱۱۷] اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر[۱۱۸] سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا اس سے کہ آ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب دردناک[۱۱۹]

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ
قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ
اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۱۵

۶۴۔ سنتے ہو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اس کو معلوم ہے جس حال پر تم ہو اور جس دن پھیرے جائیں گے اس کی طرف تو بتائے گا ان کو جو کچھ انہوں نے کیا اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے[۱۲۰]

۱۱۵۔ صحابہ کرام کو اجازت دینے کا حکم: اوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت استیذان (اجازت طلب کرنے) کا ذکر تھا۔ یہاں جانے کے وقت استیذان کی ضرورت بتلائی ہے۔ یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ تو بدون اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے۔ یہ ہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔

۱۱۶۔ یعنی غور و فکر کرنے کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دیدیں۔ اور چونکہ اس اجازت پر عمل کرنا بھی فی الجملہ صحبت نبوی سے حرمان اور صورۃً تقدیم الدنیا علی الدین کا شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے، اس لئے ان مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں۔ تاکہ آپ کے استغفار کی برکت سے اس نقص کا تدارک ہو سکے۔

۱۱۷۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو بلانا: یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ کا بلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اس پر "لبیک" کہے یا نہ کہے۔ اگر حضور ﷺ کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بد دعاء سے ڈرنا چاہئیے۔ کیونکہ آپ کی دعاء معمولی انسانوں جیسی نہیں۔ نیز مخاطبات میں حضور ﷺ کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔

آنخضرت ﷺ کا خاص ادب: عام لوگوں کی طرح "یا محمد" وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ "یا نبی اللہ" اور "یا رسول اللہ" جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہئیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت کے بلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلائیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ وہاں سے بے اجازت اٹھ کر چلے نہ جائیں۔ اب بھی سب مسلمانوں کو اپنے سرداروں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا چاہئیے۔

۱۱۸۔ مجلس نبوی میں منافقین کا رویہ: یہ منافقین تھے جن کو مجلس نبوی میں بیٹھنا اور پند و نصیحت سننا شاق گذرتا تھا وہ اکثر موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس سے بلا اجازت کھسک جاتے تھے۔ مثلاً کوئی مسلمان اجازت لے کر اٹھا، یہ بھی اس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیے اس کو فرمایا کہ تم پیغمبر سے کیا چھپاتے ہو، خدا تعالیٰ کو تمہارا سب کا حال معلوم ہے۔

۱۱۹۔ مجلس نبوی میں منافقین کا رویہ: یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ نہ پکڑ جائے۔ اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ)

۱۲۰۔ اللہ کا علم محیط: یعنی ممکن ہے مخلوق سے آنکھ بچا کر کوئی کام کر گزرو۔ لیکن حق تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں رہ سکتا نہ اس کی زمین و آسمان میں سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہو۔ وہ جس طرح تمہارے احوال سے باخبر ہے ایسے ہی اس دن کی کیفیت مجازات سے بھی پورا آگاہ ہے۔ جب تمام مخلوق حساب و کتاب کے لئے اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر ایک کے سامنے اس کا ذرہ ذرہ عمل کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ ایسے علیم الکل اور مالک الکل کی سزا سے مجرم کس طرح اپنے کو بچا سکتا ہے۔

تم سورۃ النور بفضل اللہ و توفیقہ

اللھم نور قلوبنا بالایمان والاحسان و نور قبورنا و اتمم لنا نورنا و اغفر لنا انک علیٰ کل شیٔ قدیر و بالاجابۃ جدیر

ایاتہا ۷۷ ۲۵ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ
لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿۱﴾

۱۔ بڑی برکت ہے اسکی جس نے اتاری فیصلہ کی کتاب[۱] اپنے بندہ پر[۲] تا کہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا[۳]

ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ
شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾

۲۔ وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اسکو ماپ کر[۴]

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ
يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّ
لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

۳۔ اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور وہ خود بنائے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے حق میں برے کے اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے[۵]

۱۔ قرآن فرقان ہے: "فُرقان" (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق و باطل کا آخری فیصلہ اور حرام و حلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ یہ ہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان، علو صفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و رافت کو انتہائی شکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت و اصلاح کا تکفل اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔

۲۔ یعنی اپنے اس کامل و اکمل بندہ (محمد رسول اللہ ﷺ) پر جن کا ممتاز لقب ہی کمال عبودیت کی وجہ سے "عبداللہ" ہو گیا۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔

۳۔ قرآن عالمین کیلئے نذیر ہے: یعنی قرآن کریم سارے جہان کو کفر و عصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے چونکہ سورت ہذا میں مکذبین و معاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے شاید اسی لئے یہاں صفت "نذیر" کو بیان فرمایا۔ "بشیر" کا ذکر نہیں کیا۔ اور "للعالمین" کے لفظ سے بتلا دیا کہ یہ قرآن صرف عرب کے اُمیوں کے لئے نہیں اترا بلکہ تمام جن و انس کی ہدایت و اصلاح کے واسطے آیا ہے۔

۴۔ تخلیق میں فطری موزونیت: یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اس سے وہ ہی خواص و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی نہ اپنی حدود میں عمل و تصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا ماپ تول کر پیدا فرمایا کہ اسی کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار ان کو یہ ہی کہنا پڑتا ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (النمل۔۸۸) اور تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون۔۱۴)۔

۵۔ مشرکین کا شرک غیر فطری ہے: یعنی کس قدر ظلم اور تعجب و حیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق، مالک الکل، حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے، جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالانکہ ان بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جِلانا ان کے قبضے میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز و مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔ (ربط) یہ قرآن نازل کرنے والے کی صفات و شئون کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزی کر رہے تھے اسکی تردید تھی۔ آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚ﴿۴﴾

۴۔ اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں ہے یہ مگر طوفان باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے[۶] سو آ گئے بے انصافی اور جھوٹ پر[۷]

وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۵﴾

۵۔ اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جنکو اس نے لکھ رکھا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح اور شام[۸]

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾

۶۔ تو کہہ اسکو اتارا ہے اس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں اور زمین میں[۹] بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے[۱۰]

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾

۷۔ اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں[۱۱] کیوں نہ اترا اسکی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو

اَوۡ یُلۡقٰۤی اِلَیۡهِ کَنۡزٌ اَوۡ تَکُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاۡکُلُ مِنۡهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۸﴾

۸۔ یا آپڑتا اسکے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے [۱۲] اور کہنے لگے بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی [۱۳]

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَکَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۹﴾ ع

۹۔ دیکھ کیسی بٹھلاتے ہیں تجھ پر مثلیں سو بہک گئے اب پا نہیں سکتے راستہ [۱۴]

ع ۱ ۹ ۱۲

۶۔ کفار کا قرآن پر بے سروپا اعتراض: یعنی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ معاذ اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کر لیا اور اس کو جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر ان کے ساتھی لگے اس کی اشاعت کرنے بس کل حقیقت اتنی ہے۔

۷۔ یعنی اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہو گا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت و صداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے، کذب و افتراء کہا جائے۔ کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح و بلیغ عالم و حکیم بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں اور جس کے علوم و معارف کی تھوڑی سے جھلک بڑے بڑے عالی دماغ عقلاء و حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کر دے۔

۸۔ قرآن پر کفار کا ایک اور اعتراض: یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں یا کسی سے نوٹ کرا لی ہیں۔ وہ ہی شب و روز ان کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے ان ہی کا الٹ پھیر رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اول نماز کے دو وقت مقرر تھے صبح اور شام مسلمان حضرت کے پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اترا ہوتا لکھ لیتے یاد کرنے کو۔ اس کو کافریوں کہنے لگے"۔

۱۰۔ یعنی اپنی بخشش اور مہر سے ہی یہ قرآن اتارا (موضح القرآن) پھر جو لوگ ایسی روشن حقیقت کے منکر ہیں باوجود ان کے جرائم کا تفصیلی علم رکھنے کے فوراً سزا نہیں دیتا۔ یہ بھی اس کی بخشش اور مہر ہی کا پرتو ہے۔

۹۔ قرآن خود اپنی دلیل ہے: یعنی کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ اس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطہ علمی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، علوم و معارف اخبار غیبیہ، احکام و قوانین اور وہ اسرار مکنونہ جنکی تہ تک بدون توفیق الٰہی کے عقل و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کھانے پینے سے اعتراض: یعنی جب ہماری طرح کھانا کھائے اور ہماری طرح خرید و فروخت کے لئے بازاروں میں جائے، تو ہم میں اس میں فرق کیا رہا۔ اگر واقعی رسول تھا تو چاہئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتا۔

۱۲۔ نبوت پر کفار کے جاہلانہ شبہات: یعنی اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم خدا کا ایک آدھ فرشتہ ان کو سچا ثابت کرنے اور رعب جمانے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کو خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا۔ یہ کیا کہ کسمپرسی کی حالت میں اکیلے دعویٰ کرتے پھر رہے ہیں۔ یا اگر فرشتے بھی ہمراہ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بیدریغ مال خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے اور خیر یہ بھی نہ سہی، معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی مِلک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہد جلیلہ پر معاذ اللہ ایسی معمولی حیثیت کے آدمی کو مامور کیا ہے۔

۱۳۔ یعنی میاں کی یہ پوزیشن اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ عقل کھوئی گئی ہے یا کسی نے جادو کے زور سے دماغ مختل کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

۱۴۔ **کفار کی حیرانی اور ابدی گمراہی:** یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں۔ کبھی دعویٰ کرتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن کبھی شاعر، کبھی مجنون، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لئے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ
قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ بڑی برکت ہے اسکی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر باغ کہ نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں اور کر دے تیرے واسطے محل[۱۵]

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ
بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۚ﴿۱۱﴾

۱۱۔ کچھ نہیں وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اسکے واسطے کہ جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ[۱۶]

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ
زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾

۱۲۔ جب وہ دیکھے گی ان کو دور کی جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجلانا اور چلانا[۱۷]

وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا
هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ؕ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور جب ڈالے جائیں گے اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک زنجیر میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اس جگہ موت کو[۱۸]

لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا
كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو[۱۹]

قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾

۱۵۔ تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہو چکا پرہیزگاروں سے[۲۰] وہ ہو گا ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُونَ خٰلِدِينَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ
وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿١٦﴾

١٦۔ انکے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں [٢١] رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ مانگا ملتا [٢٢]

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ
ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ ﴿١٧﴾

١٧۔ اور جس دن جمع کر بلائے گا انکو اور جنکو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے پھر ان سے کہے گا کیا تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو یا وہ آپ بہکے راہ سے [٢٣]

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِىْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ
مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ
اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿١٨﴾

١٨۔ بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑ لیں کسی کو تیرے بغیر رفیق [٢٤] لیکن تو ان کو فائدہ پہنچاتا رہا اور انکے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھلا بیٹھے تیری یاد اور یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے [٢٥]

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ
صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ
عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿١٩﴾

١٩۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں [٢٦] اب نہ تم لوٹا سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو [٢٧] اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب [٢٨]

وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ
لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ؕ وَ
جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ
كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ع ﴿٢٠﴾ ع ٢ ١١ ١٧

٢٠۔ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں [٢٩] اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت بھی رہتے ہو [٣٠] اور تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے [٣١]

١٥۔ یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا، بہت سے باغ اس سے بہتر عنایت فرمادے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور و قصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کر دے۔ لیکن حکمت الٰہی

بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔ اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کر دی جائیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہیں۔ باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و معجزات پیش کئے جا چکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔

۱۶۔ قیامت کا آنا اٹل ہے: یعنی یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں، فی الحقیقت طلب حق کی نیت نہیں۔ محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزاء پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا، قیامت آکر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا۔

۱۷۔ کفار کیلئے دوزخ کا جوش و غضب: یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبانک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔

۱۸۔ کفار زنجیروں میں بندھے ہونگے: یعنی دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہو گی جہاں سے ہل نہ سکے گا۔ اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آکر ہمارے ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔

۱۹۔ باربار کی موت: یعنی ایک بار مریں تو چھوٹ جائیں۔ دن میں ہزار بار مرنے سے بدتر حال ہوتا ہے۔ (موضح القرآن)

۲۰۔ یعنی مکذبین کا انجام سن لیا۔ اب خود فیصلہ کر لو کہ یہ پسند ہے یا وہ جس کا وعدہ مومنین متقین سے کیا گیا۔

۲۱۔ اور چاہیں گے وہ ہی جو ان کے مرتبہ کے مناسب ہو گا۔

۲۲۔ مومنین کے انعامات: وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا سے مراد حتمی وعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض فضل و عنایت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا۔ یا یہ مطلب کہ اس وعدہ کا ایفاء کا متقین سوال کریں گے۔ جو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ جیسا کہ دعا میں ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ ۔

۲۳۔ باطل معبودوں سے سوال: یعنی عابدین کو سنا کر معبودوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان کو شرک کی اور اپنی پرستش کرانے کی ترغیب دی تھی یا یہ خود اپنی حماقت و جہالت اور غفلت و بے توجہی سے گمراہ ہوئے۔

۲۴۔ یعنی ہماری کیا مجال تھی کہ تجھ سے ہٹ کر کسی دوسرے کو اپنا رفیق و مددگار سمجھتے۔ پھر جب ہم اپنے نفس کے لئے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تھے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔

۲۵۔ باطل معبودوں کا جواب: یعنی اصل یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنی سوء استعداد سے خود ہی تباہ ہونے کو پھر رہے تھے ہلاکت ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ظاہری سبب اس کا یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپکی یاد کو بھلا بیٹھے، کسی نصیحت پر کان نہ دھرا، پیغمبروں کی ہدایت و ارشاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے، آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر انکو اور انکے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے، یہ اسی قدر غفلت و نسیان میں ترقی کرتے گئے چاہئے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گذاری اختیار کرتے، الٹے مغرور و مفتوں ہو کر کفر و عصیان پر تل گئے۔ گویا جو امرت تھا بدبختی سے ان کے حق میں زہر بن گیا۔

۲۶۔ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ لو! جن کی اعانت پر تمکو بڑا بھروسہ تھا وہ خود تمہارے دعاوی کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

۲۷۔ یعنی اب نہ عذاب الٰہی کو پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو جسکو جو سزا ملنے والی ہے اسکا پڑے مزہ چکھتے رہو۔

۲۸۔ شاید ظلم سے مراد یہاں شرک ہو، اور ممکن ہے ہر قسم کا ظلم و گناہ مراد لیا جائے۔

۲۹۔ تمام انبیاء بشر تھے: یہ جواب ہوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ الخ کا یعنی آپ سے پہلے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے اور معاشی ضروریات کے لئے بازار بھی جاتے تھے انکو فرشتہ بنا کر نہیں بھیجا جو کھانے پینے اور حوائج بشریہ سے مستغنی ہوں

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے بازاروں میں پھرنا شان تقدس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر بازار نہ جانے کا منشاء کبر و خود بینی ہو تو یہ بزرگی کے خلاف ہے۔

۳۰۔ تم ایک دوسرے کیلئے آزمائش ہو: یعنی پیغمبر ہیں کافروں کا ایمان جانچنے کو۔ اور کافر ہیں پیغمبروں کا صبر جانچنے کو۔ اب دیکھیں کافروں کے سفیہانہ طعن و تشنیع اور لغو اعتراضات سن کر تم کس حد تک صبر و استقلال دکھاتے ہو۔

۳۱۔ یعنی کافروں کا کفر و ایذا دہی اور صابروں کا صبر و تحمل سب اس کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل دے کر رہے گا۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَوۡ نَرٰی رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ وَ عَتَوۡ عُتُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور بولے وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو [۳۲] بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں [۳۳]

یَوۡمَ یَرَوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشۡرٰی یَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ﴿۲۲﴾

۲۲۔ جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو کچھ خوشخبری نہیں اس دن گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روک دی جائے کوئی آڑ [۳۴]

۳۲۔ کفار کی جاہلانہ فرمائشیں: یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے روبرو حاضر ہو کر حساب و کتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہمکلام کیوں نہ ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لئے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید و تصدیق کر رہا ہے کمافی موضع آخر۔ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰی نُؤۡتٰی مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ (انعام۔۱۲۴) وفی سورۃ الاسراء۔ اَوۡ تَاۡتِیَ بِاللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیۡلًا (بنی اسرائیل۔۹۲)

۳۳۔ کفار کا بدترین تکبر: یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ شرارت و سرکشی کی حد ہو گئی کہ باوجود ایسی سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔

۳۴۔ آخرت میں کفار کی حالت: یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے، لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہو گی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہو گا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا کہہ کر پناہ طلب کریں گے اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن خدا کا فیصلہ کب رک سکتا ہے۔ فرشتے بھی حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا کہہ کر بتلادیں گے کہ آج مسرت و کامیابی ہمیشہ کے لئے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔ کما قال تعالیٰ وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوا ۙ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَ اَدۡبَارَہُمۡ (انفال۔۵۰) وقال تعالیٰ وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ فِیۡ غَمَرٰتِ الۡمَوۡتِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوۡۤا اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡہُوۡنِ (انعام۔۹۳) گویا یہ کیفیت اس کے بالمقابل ہو گی۔ جو دوسری جگہ مومنین کی بیان ہوئی ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا

رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ الخ (حم السجدہ۔۳۰) اور ممکن ہے یہاں قیامت کے دن کا ذکر ہو، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾	۲۳۔ اور ہم پہنچے انکے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اسکو خاک اڑتی ہوئی [۳۵]
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾	۲۴۔ بہشت کے لوگوں کا اس دن خوب ہے ٹھکانا اور خوب ہے جگہ دوپہر کے آرام کی [۳۶]
وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾	۲۵۔ اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان بادل سے اور اتارے جائیں فرشتے تار لگا کر [۳۷]
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾	۲۶۔ بادشاہی اس دن سچی ہے رحمٰن کی اور ہے وہ دن منکروں پر مشکل [۳۸]
وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش کے میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ رستہ [۳۹]
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾	۲۸۔ اے خرابی میری کاش کے نہ پکڑا ہوتا میں نے فلانے کو دوست [۴۰]
لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾	۲۹۔ اس نے تو بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے (بعد) اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا [۴۱]
وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک [۴۲]

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾

٣١۔ اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے [٤٣] اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھانے اور مدد کرنے کو [٤٤]

٣٥۔ کفار کے اعمال کی حقیقت: یعنی وہ ہم کو بلاتے تھے تو ہم بھی آ پہنچے، مگر ان کی عزت بڑھانے کو نہیں، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کے موافق جو بھلے کام کئے تھے جن پر بڑا بھروسہ تھا انہیں ہم قطعًا ملیامیٹ کر دیں اور اس طرح بے حقیقت کر کے اڑا دیں جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں ادھر ادھر اڑ جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعمال روح اخلاص و ایمان سے یکسر خالی یا طریق حق کے بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں قال تعالٰی مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم۔١٨) وغیرہ ذٰلک من الآیات۔

٣٦۔ یعنی یہ لوگ تو اس روز مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ جنت میں خوب عیش و آرام کے مزے لوٹیں گے۔

٣٧۔ حق تعالٰی کے چتر شاہی اور ملائکہ کا نزول: قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح کی ایک چیز اترتی نظر آئے گی۔ جس میں حق تعالٰی کی ایک خاص تجلی ہوگی اسے ہم چتر شاہی سے تعبیر کئے لیتے ہیں شاید یہ وہی چیز ہو جسے ابو زرین کی حدیث میں عَمَاء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غَيَابَهٗ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے ساتھ بے شمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ دوسرے پارہ کے نصف کے قریب آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ (البقرہ۔٢١٠) الخ میں بھی اسی طرح کا مضمون گذر چکا ہے۔

٣٨۔ رحمٰن کی بادشاہی: یعنی ظاہرًا و باطنًا، صورۃً و معنًی، من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی اور صرف اسی کا حکم چلے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن۔١٦) پھر جب رحمٰن کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں ان کے لئے رحمت کی کیا کمی، بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے۔ مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہوگا۔

کہ بازار چنداں کہ آگندتر تہی دست را دل پراگندہ تر

٣٩۔ کافر کی انتہائی حسرت وندامت: یعنی مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آگیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

٤٠۔ یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو واقعہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اس پر مقصور کیا جائے۔ ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے۔

٤١۔ یعنی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی۔ جو ہدایت کے لئے کافی تھی، اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کر لے۔ مگر اس کمبخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو ادھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغاباز ہے۔ آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور بری طرح رسوا کرتا ہے۔

٤٢۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت: یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوندا! میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تا کوئی شخص سن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشقیاء نے قرآن جیسی قابل قدر

کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔ (تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ فَنَسْأَلُ اللہ الکریم المنّان الْقَادِرَ عَلٰی مَا یشاءُ اَنْ یُخَلِّصَنا مِمَّا یُسْخِطُهٗ وَیَسْتَعْمِلَنَا فِیْمَا یُرْضِیْهِ مِنْ حفظ کتابِهٖ وفهمه والقیام بمقتضاه اٰناء اللیل واطراف النهار علی الوجه الذی یحبه و یرضاه انّه کریم وهّاب۔

۴۳۔ ہر نبی کے دشمن ضرور ہوئے ہیں: جو نبی کی بات ماننے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔

۴۴۔ یعنی کافر پڑے بہکایا کریں، جس کو اللہ چاہے گا راہ پر لے آوے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ جس کو چاہے گا ہدایت کر دے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی ان کے سب کے مقابلے میں تیری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ تیری مدد کر کے مقام مطلوب تک پہنچا دے گا۔ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو سکے گی۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر [۴۵] اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اسکو ٹھہر ٹھہر کر [۴۶]

۴۵۔ قرآن کے یکبارگی نازل نہ ہونے پر کفار کے شبہات: یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا، برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، کیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد ﷺ سوچ سوچ کر بناتے ہیں۔ پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

۴۶۔ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی حکمت: یعنی یہ کیا ضرور ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا اس سبب سے ہو جو تم نے سمجھا۔ اگر غور کرو گے تو اس طرح نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعۃً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے۔ مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا اور جن مصالح و حکم کی رعایت اس میں کی گئی تھی، لوگ موقع بموقع ان کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت کی جداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اور ہر آیت کے نزول پر گویا دعوے اعجاز کی تجدید ہوتی رہی اس سلسلہ میں جبریلؑ کا بار بار آنا جانا ہوا جو ایک مستقل برکت تھی، وغیر ذٰلک من الفوائد۔ ان ہی میں سے بعض فوائد کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿ؕ۳۳﴾

۳۳۔ اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر [۴۷]

اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ اِلٰی جَہَنَّمَ ۙ
اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿٣٤﴾ ع ٣ ١٤ ١

٣٤۔ جو لوگ کہ گھیر کر لائے جائیں گے اوندھے پڑے ہوئے اپنے منہ پر دوزخ کی طرف انہی کا برا درجہ ہے اور بہت بہکے ہوئے ہیں راہ سے [٤٨]

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنَا مَعَہٗۤ اَخَاہُ
ہٰرُوۡنَ وَزِیۡرًا ﴿٣٥﴾

٣٥۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اس کا بھائی ہارون کام بٹانے والا

فَقُلۡنَا اذۡہَبَاۤ اِلَی الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ
فَدَمَّرۡنٰہُمۡ تَدۡمِیۡرًا ﴿٣٦﴾

٣٦۔ پھر کہا ہم نے دونوں جاؤ ان لوگوں کے پاس جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو [٤٩] پھر دے مارا ہم نے ان کو اکھاڑ کر

٤٧۔ قرآن میں تمام شبہات کا جواب: یعنی کفار جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو قرآن اس کے جواب میں ٹھیک ٹھیک بات بتلا دیتا ہے۔ جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف واضح، معتدل اور بے غِل و غش بات ہوتی ہے۔ ہاں جنکی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی راہ اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھیں، یہ الگ چیز ہے ایسوں کا انجام اگلی آیت میں بیان فرمایا۔

٤٨۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کی عقل اوندھی ہوگئی اور علویات کو چھوڑ کر سفلی خواہشات پر جھک پڑے۔ آگے ایسی چند اقوام کا جو حشر ہوا عبرت کے لئے اس کو بیان فرماتے ہیں۔

٤٩۔ یعنی آیات تکوینیہ کو جو اللہ کی توحید وغیرہ پر دال ہیں اور انبیائے سابقین کے متفقہ بیانات کو جن کا تھوڑا بہت چرچا پہلے سے چلا آتا تھا، جھٹلا کر خدائی کے دعوے کرنے لگے تھے۔

وَ قَوۡمَ نُوۡحٍ لَّمَّا کَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغۡرَقۡنٰہُمۡ وَ
جَعَلۡنٰہُمۡ لِلنَّاسِ اٰیَۃً ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ
عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿٣٧﴾

٣٧۔ اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو [٥٠] ہم نے انکو ڈبا دیا اور کیا ان کو لوگوں کے حق میں نشانی اور تیار کر رکھا ہے ہم نے گنہگاروں کے واسطے عذاب دردناک

وَّ عَادًا وَّ ثَمُوۡدَا۠ وَ اَصۡحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوۡنًۢا بَیۡنَ
ذٰلِکَ کَثِیۡرًا ﴿٣٨﴾

٣٨۔ اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو [٥١] اور اس کے بیچ میں بہت سی جماعتوں کو

وَ کُلًّا ضَرَبۡنَا لَہُ الۡاَمۡثَالَ ۫ وَ کُلًّا تَبَّرۡنَا تَتۡبِیۡرًا ﴿٣٩﴾

٣٩۔ اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے مثالیں اور سب کو کھو دیا ہم نے غارت کر کر [٥٢]

وَ لَقَدۡ اَتَوۡا عَلَی الۡقَرۡیَۃِ الَّتِیۡۤ اُمۡطِرَتۡ مَطَرَ السَّوۡءِ ؕ اَفَلَمۡ یَکُوۡنُوۡا یَرَوۡنَہَا ۚ بَلۡ کَانُوۡا لَا یَرۡجُوۡنَ نُشُوۡرًا ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اس بستی کے پاس جن پر برسا برُا برساؤ[۵۳] کیا دیکھتے نہ تھے اس کو[۵۴] نہیں پر امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی[۵۵]

وَ اِذَا رَاَوۡکَ اِنۡ یَّتَّخِذُوۡنَکَ اِلَّا ہُزُوًا ؕ اَہٰذَا الَّذِیۡ بَعَثَ اللّٰہُ رَسُوۡلًا ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور جہاں تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں انکو تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہ ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دے کر

اِنۡ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنۡ اٰلِہَتِنَا لَوۡ لَاۤ اَنۡ صَبَرۡنَا عَلَیۡہَا ؕ وَ سَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ حِیۡنَ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ مَنۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۴۲﴾

۴۲۔ یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ جمے رہتے ان پر[۵۶] اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کہ کون بہت بچلا ہوا ہے راہ سے[۵۷]

اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِ وَکِیۡلًا ﴿ۙ۴۳﴾

۴۳۔ بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ[۵۸]

اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَکۡثَرَہُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۴۴﴾ ع ۴

۴۴۔ یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت سے ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے[۵۹]

۵۰۔ ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ اصول دین میں سب انبیاء متحد ہیں۔

۵۱۔ اصحاب الرّس کون تھے: "اصحاب الرّس" (کنوئیں والے) کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے۔ "روح المعانی" میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے وَمُلخّص الاقوال اِنَّھُم قَوۡمٌ اَھۡلَکَھُمُ اللّٰہُ بِتَکۡذِیۡبِ مَنۡ اُرۡسِلَ اِلَیۡھِمۡ (یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبر کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک امت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر ان پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا"۔

۵۲۔ یعنی پہلے سب کو اچھی طرح سمجھایا۔ جب کسی طرح نہ مانا تو تختہ الٹ دیا۔

۵۳۔ یعنی قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے مکہ والے "شام" کے سفر میں گذرتے تھے۔

۵۴۔ یعنی کیا ان کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہ دیکھا۔

۵۵۔ یعنی عبرت کہاں سے ہوتی جب ان کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے عبرت تو وہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔

۵۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء: یعنی بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ پیغمبر سے ٹھٹھا کیا کریں چنانچہ آپ کو دیکھ کر استہزاً کہتے ہیں کہ کیا یہ ہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں سے یہ ہی اکیلے رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ آخر کوئی بات تو ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قوت فصاحت اور زور تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں وہ تو ہم پکے ہی ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے (العیاذ باللہ)۔

۵۷۔ یعنی عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ چلے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا۔

۵۸۔ خواہش انکا خدا ہے: یعنی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جن کا معبود محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے۔ جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔

۵۹۔ کفار چوپایوں سے بھی بدتر ہیں: یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنایئے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر، انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ۔ چوپائے تو بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں، نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا نہ اس کے احسانات کو سمجھا نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمہ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہہ اور اصول دین کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡهِ دَلِیۡلًا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا رکھتا پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کا راہ بتانے والا

ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ پھر کھینچ لیا ہم نے اسکو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر [۶۰]

وَ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّ النَّوۡمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن کو بنا دیا اٹھ نکلنے کے لئے [۶۱]

وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ
رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے آگے اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا

لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ
اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ کہ زندہ کر دیں اس سے مرے ہوئے دیس کو اور پلائیں اس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو[۶۲]

وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ٘ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ
النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اس کو انکے بیچ میں تا دھیان رکھیں پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ بدون ناشکری کیے[۶۳]

وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ۖ

۵۱۔ اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾

۵۲۔ سو تو کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر ان کا اسکے ساتھ بڑے زور سے[۶۴]

وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ
هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ
حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری ہے کڑوا اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردا اور آڑ روکی ہوئی[۶۵]

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا
وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کے لئے جد اور سسرال اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَا
یَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز جو نہ بھلا کرے ان کا نہ برا اور ہے کافر اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا[۶۶]

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لئے

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ
يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ تو کہہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے اپنے رب کی طرف راہ[۶۷]

وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَـىِّ الَّذِىۡ لَا يَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ
بِحَمۡدِهٖ‌ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرَا ۛۚ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور بھروسہ کر اوپر اس زندہ کے جو نہیں مرتا[۶۸] اور یاد کر اسکی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار[۶۹]

ۛ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا
فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ۛۚ اَلرَّحۡمٰنُ
فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾

۵۹۔ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر[۷۰] وہ بڑی رحمت والا سو پوچھ اس سے جو اسکی خبر رکھتا ہو[۷۱]

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا
الرَّحۡمٰنُ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا ۩ ﴿۶۰﴾ ع ٥ ١٦ ٣

۶۰۔ اور جب کہیے ان سے سجدہ کرو رحمٰن کو کہیں رحمٰن کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جسکو تو فرمائے اور بڑھ جاتا ہے ان کا بدکنا[۷۲]

تَبٰرَكَ الَّذِىۡ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّجَعَلَ
فِيۡهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيۡرًا ﴿۶۱﴾

۶۱۔ بڑی برکت ہے اسکی جس نے بنائے آسمان میں برج[۷۳] اور رکھا اس میں چراغ[۷۴] اور چاند اجالا کرنے والا

وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ خِلۡفَةً لِّمَنۡ اَرَادَ
اَنۡ يَّذَّكَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُكُوۡرًا ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے[۷۵] اس شخص کے واسطے کہ چاہو دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا[۷۶]

۶۰۔ سائے اور روشنی میں قدرت کے دلائل: صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہ ہی سایہ قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ اگر دھوپ نہ

آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہ سکتے۔ کیونکہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ الخ (قصص۔۷۱) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اول ہر چیز کا سایہ لنبا پڑتا ہے۔ پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ ہٹتا جاتا ہے جب تک کہ جڑ میں آ لگے۔" اپنی طرف کھینچ لیا" کا یہ مطلب ہے کہ اپنی اصل کو جا لگتا ہے۔ سب کی اصل اللہ ہے" (موضح القرآن) پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر نہار میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ یہ ہی مثال دنیا کی ہستی کی سمجھو۔ اول عدم تھا، پھر نور وجود آیا، پھر آخر کار کتم عدم میں چلی جائے گی۔ اور اسی جسمانی نور وظل کے سلسلہ پر روحانی نور و ظلمت کو قیاس کر لو۔ اگر کفر و عصیان اور جہل وطغیان کی ظلمات میں آفتاب نبوت کی روشنی اللہ تعالیٰ نہ بھیجتا تو کسی کو معرفت صحیحہ کا راستہ ہاتھ نہ آتا۔

۶۱۔ لیل ونہار سے قیامت کا استدلال: یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اجالا ہوتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہان دوبارہ اٹھ کھڑا ہو گا اور یہ ہی حالت اس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء علیہم السلام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں، تو جہل وغفلت کی نیند میں سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھتی ہے۔

۶۲۔ ہواؤں اور پانی میں اللہ کی نشانیاں: یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے۔ اور کتنے جانور اور آدمی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اسی طرح جو دل جہل وعصیان کی موت سے مر چکے تھے، وحی الٰہی کی آسمانی بارش ان کو زندہ کر دیتی ہے۔ جو روحیں پلیدی میں پھنس گئی تھیں، روحانی بارش کے پانی سے دھل کر پاک وصاف ہو جاتی ہیں اور معرفت ووصول الی اللہ کی پیاس رکھنے والے اسی کو پی کر سیراب ہوتے ہیں۔

۶۳۔ پانی کی حکیمانہ تقسیم: یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ کہیں جلد کہیں بدیر، جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تا لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار وحکیم کے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ الٹے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنی استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔

۶۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: یعنی نبی کا آنا تعجب کی چیز نہیں اللہ چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کر دے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو۔ مگر اس کو منظور ہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجے۔ سو آپ کافروں کے احمقانہ طعن وتشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن ہاتھ میں لے کر منکرین کا مقابلہ زور شور کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔

۶۵۔ میٹھے اور کھاری پانی کے دریاؤں کا سنگم: بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ "ارکان" سے "چاٹگام" تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبین بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے۔ اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقٰی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ۔ اور مجھ سے "باریسال" کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع "باریسال" میں دو

ندیاں (بلسٹر اور) ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے، نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کا پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے مجریٰ میں چلائے اور دونوں کے بیچ میں بہت جگہ زمین حائل کر دی، اس طرح آزاد نہ چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اُس کی ہستی کو تباہ کر دیتے پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اسی کے لئے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری، یا کھاری میٹھا بن جائے۔ گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ وقیل غیر ذٰلک۔ والراجح عندی ہو الاول۔ واللہ اعلم۔

۶۶۔ پانی کے قطرہ سے انسانی تخلیق: دیکھ لو! کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے ایک قطرہ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سسرال کے تعلقات قائم کئے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا۔ اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ حضرت تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو خدا کہنے لگے۔ اپنے پروردگار کا حق تو کیا پہچانتے اس سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے۔ تا اغواء و اضلال کے مشن میں اس کی مدد کریں اور مخلوق کو گمراہ کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

۶۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام پیغام پہنچانا ہے: یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارات سنانا اور غداروں کو خراب نتائج و عواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آگے کوئی مانے یہ نہ مانے، آپ کو کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔

۶۸۔ توکل کی نصیحت: یعنی آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض (تبلیغ و دعوت وغیرہ) ادا کئے جائیے۔ کسی کی مخالفت یا موافقت کی پرواہ نہ کریں۔ فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے کبھی نہ مرے۔

۶۹۔ یعنی اسی پر توکل رکھیے اور اسی کی عبادت اور حمد و ثنا کرتے رہئے، ان مجرموں سے وہ خود نبٹ لے گا۔

۷۰۔ اس کا بیان سورہ اعراف میں گذر چکا۔

۷۱۔ رحمٰن کو اہل خبیر سے پوچھو: یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اسے کیا جانیں۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر۔۶۷) اپنی شئون و کمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے۔ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین و آخرین کے تمام علوم جمع کر دیے، خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی ان سے پوچھے۔

۷۲۔ رحمٰن سے کفر کی چڑ: یعنی یہ جاہل مشرک رحمٰن کی عظمت شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں جن کو اس نام سے بھی چڑ ہے۔ جب یہ نام سنتے ہیں تو انتہائی جہل یا بے حیائی اور تعنت سے ناواقف بن کر کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے جس کو ہم سے سجدہ کراتا ہے، کیا محض تیرے کہہ دینے سے ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑے غرض جس قدر انہیں رحمٰن کی اطاعت و انقیاد کی طرف توجہ دلائے اسی قدر

زیادہ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔

۷۳۔ آسمان میں برجوں کی تخلیق: یعنی بڑے بڑے ستارے، یا آسمانی قلعے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ یا ممکن ہے سورج کی بارہ منزلیں مراد ہوں جو اہل ہیأت نے بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آسمان کے بارہ حصے، ان کا نام برج، ہر ایک پر ستاروں کا پتہ، یہ حدیں رکھی ہیں حساب کو۔ (موضح)۔

۷۴۔ یعنی سورج، شاید نور و حرارت کے جمع ہونے اور صفت احراق رکھنے کی وجہ سے اس کو چراغ فرمایا وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح۔۱۶)۔

۷۵۔ گھٹنے بڑھنے یا آنے کو بدلنا سدلنا فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے۔ مثلاً دن کا کام رہ گیا، رات کو کر لیا، رات کا وظیفہ رہ گیا، دن میں پورا کر دیا۔ کما ورد فی الحدیث۔

۷۶۔ لیل ونہار کی تبدیلی اللہ کی معرفت کیلئے ہے: یعنی چاند سورج وغیرہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لئے ہے کہ اس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات وتقلبات عظیمہ اسی کے دست قدرت کی کارسازیاں ہیں۔ اور رات دن کے فوائد وانعامات کو دیکھ کر اس کی شکر گذاری کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رحمٰن کے مخلص بندے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ایسا ہی کرتے ہیں۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴿۶۴﴾

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ ﴿۶۵﴾

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾

وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا

۶۳۔ اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں [۷۷] اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت [۷۸]

۶۴۔ اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے [۷۹]

۶۵۔ اور وہ لوگ کہ کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے

۶۶۔ وہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بری جگہ رہنے کی [۸۰]

۶۷۔ اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بیجا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گذران [۸۱]

۶۸۔ اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہئے [۸۲] اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی

يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ ۙ

کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں [۸۳]

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ
مُهَانًا ﴿٦٩﴾ ۖ

۶۹۔ دونا ہو گا اس کو عذب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر [۸۴]

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾

۷۰۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا، اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۸۵]

وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ
مَتَابًا ﴿٧١﴾

۷۱۔ اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ [۸۶]

وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ
مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

۷۲۔ اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں [۸۷] اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ [۸۸]

وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا
صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ﴿٧٣﴾

۷۳۔ اور وہ لوگ کہ جب انکو سمجھائیں انکے رب کی باتیں نہ پڑیں ان پر بہرے اندھے ہو کر [۸۹]

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ
ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾

۷۴۔ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک [۹۰] اور کر ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا [۹۱]

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ
فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿٧٥﴾ ۙ

۷۵۔ ان کو بدلہ ملے گا کوٹھوں کی جھروکے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے ان کو وہاں دعا و سلام کہتے ہوئے [۹۲]

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ

كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع

۷۶۔ سدا رہا کریں ان میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ رہنے کی [۹۳]

۷۷۔ تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری اگر تم اس کو نہ پکارا کرو [۹۴] سو تم تو جھٹلا چکے اب آگے کو ہونی ہے مٹھ بھیڑ [۹۵]

۷۷۔ رحمٰن کے بندے اور انکے اوصاف: یعنی مشرکین کی طرح رحمٰن کا نام سن کر ناک بھویں نہیں چڑھاتے، بلکہ ہر فعل و قول سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں ان کی چال ڈھال سے تواضع، متانت، خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے، متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریاو تصنع سے بیماروں کی طرح قدم اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضور کی جو رفتار احادیث میں منقول ہے، اسکی تائید نہیں کرتی۔

۷۸۔ جہلاء کی بات کا جواب نرمی سے: یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو و صفح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں ان کا شیوہ وہ نہیں جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا۔ الا یَجْھَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا، فنجھلْ فَوْقَ جَھْلِ الْجَاھِلِیْنا۔ یہ تو رحمان کے ان مخلص بندوں کا دن تھا، آگے رات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔

۷۹۔ رحمٰن کے بندوں کی رات: یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گذارتے ہیں۔ رکوع چونکہ قیام و سجود کے درمیان واقع ہے، شاید اس لئے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آ گیا۔

۸۰۔ خوف جہنم: یعنی اتنی عبادت پر اتنا خوف بھی ہے۔ یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر خدا کے عذاب و قہر سے بے فکر ہو گئے۔

۸۱۔ خرچ میں میانہ روی: یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ نہ مال کی محبت نہ اس کی اضاعت، کما قال تعالیٰ وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل۔ ۲۹)

۸۲۔ قتل کی جائز صورتیں: مثلاً قتل عمد کے بدلہ قتل کرنا، یا بدکاری کی سزا میں زانی محصن کو سنگسار کرنا، یا جو شخص دین چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے، اس کو مار ڈالنا، یہ سب صورتیں اِلَّا بِالْحَقِّ میں شامل ہیں۔ کما ورد فی الحدیث۔

۸۳۔ جہنم کی وادی آثام: یعنی بڑا سخت گناہ کیا جس کی سزا مل کر رہے گی۔ بعض روایات میں آیا کہ " آثام" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہی ہولناک عذاب بیان کئے گئے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا

۸۴۔ یعنی اور گناہوں سے یہ گناہ بڑے ہیں۔ عذاب بھی ان پر بڑا ہو گا۔ اور دم بدم بڑھتا رہے گا۔

۸۵۔ توبہ کرنے والوں پر اللہ کا انعام: یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور کفر کے گناہ معاف کرے گا۔ یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے مناسب نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ کما یظہر من بعض الاحادیث۔

۸۶۔ پہلے ذکر تھا کافر کے گناہوں کا جو پیچھے ایمان لے آیا۔ یہ ذکر ہے اسلام میں گناہ کرنے کا۔ وہ بھی جب توبہ کرے یعنی پھرے برے کام سے تو اللہ کے یہاں جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ سورہ نساء میں جو فرمایا وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء۔ ۹۳) وہ غیر تائب کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۷۔ جھوٹی شہادت: یعنی نہ جھوٹ بولیں نہ جھوٹی شہادت دیں نہ باطل کاموں کے اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔

۸۸۔ لغو کاموں سے اعراض: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی گناہ میں شامل نہیں اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں"۔

۸۹۔ بلکہ نہایت فکر وتدبر اور دھیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں۔ مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔

۹۰۔ مومنین کاملین کی دعا: یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو۔ اور ظاہر ہے مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہو گا جب اپنے اہل وعیال کو اطاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول پائے۔ دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔

۹۱۔ جنت میں انکا مقام: یعنی ایسا بنا دے کہ لوگ ہماری اقتداء کر کے متقی بن جایا کریں۔ حاصل یہ کہ ہم نہ صرف بذات خود مہتدی، بلکہ دوسروں کے لئے ہادی ہوں۔ اور ہمارا خاندان تقویٰ وطہارت میں ہماری پیروی کرے۔

۹۲۔ یعنی جنت میں اوپر کے درجے ملیں گے اور فرشتے دعا وسلام کہتے ہوئے انکا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہ ہی کلمات سلام و دعاء ان کی تکریم وعزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔

۹۳۔ یعنی ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے۔ ان کا تو وہ گھر ہو گا۔

۹۴۔ یعنی تمہارے نفع ونقصان کی باتیں سمجھا دیں۔ بندہ کو چاہئے مغرور اور بے باک نہ ہو، خدا کو اس کی کیا پرواہ ہاں اس کی التجاء پر رحم کرتا ہے، نہ التجا کرو گے اور بڑے بنے رہو گے تو مٹھ بھیڑ کے لئے تیار ہو جاؤ جو عنقریب ہونے والی ہے۔

۹۵۔ کفار کی تکذیب کا انجام: یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے۔ یہ تکذیب عنقریب ان کے گلے کا ہار بنے گی اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہو گا۔ آخرت کی ابدی ہلاکت تو ہے ہی دنیا میں بھی اب جلد مٹھ بھیڑ ہونے والی ہے۔ یعنی لڑائی جہاد۔ چنانچہ غزوہ "بدر" میں اس مٹھ بھیڑ کا نتیجہ دیکھ لیا۔

تم سورۃ الفرقان وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتھا ۲۲۷ ۲۶ سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ ۴۷ رکوعاتھا ۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾

۱۔ طٰسم۔

تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾

۲۔ یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی[۱]

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾

۳۔ شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے[۲]

اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتۡ
اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ﴿۴﴾

۴۔ اگر ہم چاہیں اتاریں ان پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی[۳]

وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا
کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۵﴾

۵۔ اور نہیں پہنچتی ان کے پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے نئی جس سے منہ نہیں موڑتے[۴]

فَقَدۡ کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ
یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶﴾

۶۔ سو یہ تو جھٹلا چکے اب پہنچے گی ان پر حقیقت اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے[۵]

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ
زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۷﴾

۷۔ کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے اس میں ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸﴾

۸۔ اس میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے[۶]

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹﴾ ع ۵/۱

۹۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا[۷]

۱۔ یعنی اس کتاب کا اعجاز کھلا ہوا ہے۔ احکام واضح ہیں اور حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے۔

۲۔ کفار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شفقت: یعنی ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کیا ان کے پیچھے آپ اپنی جان کو ہلاک کر کے رہیں گے۔ دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔

۳۔ اللہ اختیار کو سلب نہیں کرنا چاہتا: یعنی یہ دنیا ابتلاء کا گھر ہے جہاں بندوں کے انقیاد و تسلیم اور سرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی لئے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کر لیا جائے۔ ورنہ خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان دکھلا تا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ بڑے بڑے سرداروں کو بھی انکار وانحراف کی قدرت باقی نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے تو ایسا نہیں کیا، ہاں وہ نشان بھیجے جنہیں دیکھ کر آدمی حق کو سمجھنا چاہے تو بآسانی سمجھ سکے۔ اور کبھی بھی مغلوب ہو کر گردن جھکانے سے مفر نہ ملے۔

۴۔ پند و نصیحت سے اعراض: یعنی آپ جن کے غم میں پڑے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ رحمان اپنی رحمت و شفقت سے جب ان کی بھلائی کے لئے کوئی پند و نصیحت بھیجتا ہے یہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ منہ پھیر کر بھاگتے ہیں گویا کوئی بہت بری چیز سامنے آگئی۔

۵۔ پند و نصیحت سے اعراض: یعنی صرف معمولی اعراض ہی نہیں، تکذیب و استہزاء بھی ہے۔ سو عنقریب دنیا اور آخرت میں اپنی کرتوت کی سزا بھگتیں گے۔ تب اس چیز کی حقیقت کھلے گی جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۶۔ کیا یہ زمین میں غور و غوض نہیں کرتے: یعنی یہ مکذبین اگر ایک پیش پا افتادہ زمین ہی کے احوال میں غور کرتے تو مبدأ و معاد کی معرفت حاصل کرنے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے عجیب و غریب رنگ برنگ پھول پھل اور قسم قسم کے غلے اور میوے ایک مضبوط نظام تکوین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لا محدود قدرت و حکمت رکھنے والے صانع نے اس پر رونق چمن کی گلکاریاں کی ہیں جس کے قبضہ میں وجود کی باگ ہے۔ اور وہ ہی جب چاہے اسے ویران کر سکتا ہے اور ویرانی کے بعد دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر ان آیات تکوینیہ کو سمجھ لینے کے بعد آیات تنزیلیہ کی تصدیق میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ ہاں ماننا ہی منظور نہ ہو تو الگ بات ہے۔

۷۔ یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا تھا، مگر رحم کھا کر تاخیر کرتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔ آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں۔ جن سے ظاہر ہو گا کہ خدا نے ان کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ و برباد کیا۔ ان میں پہلا قصہ قوم فرعون کا ہے جو پیشتر سورۂ "اعراف" اور "طٰہٰ" وغیرہ میں بالتفصیل گذر چکا۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾	۱۰۔ اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اس قوم گنہگار کے پاس
قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ قوم فرعون کے پاس کیا وہ ڈرتے نہیں [۸]
قَالَ رَبِّ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ؕ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں
وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ اور رک جاتا ہے میرا جی اور نہیں چلتی میری زبان سو پیغام دے ہارون کو [۹]

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ ج

۱۴۔ اور انکو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ[۱۰] سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں[۱۱]

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ فرمایا کبھی نہیں تم دونوں جاؤ لیکر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں[۱۲]

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ لا

۱۶۔ سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ ط

۱۷۔ یہ کہ بھیجدے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو[۱۳]

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ
عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ لا

۱۸۔ بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا[۱۴] اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس[۱۵]

وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور کر گیا تو اپنی وہ کرتوت جو کر گیا[۱۶] اور تو ہے ناشکر[۱۷]

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ ط

۲۰۔ کہا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا[۱۸]

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ
جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا[۱۹]

وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ ط

۲۲۔ اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو[۲۰]

قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ ط

۲۳۔ بولا فرعون کیا معنی پروردگار عالم کا[۲۱]

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ط اِنْ
كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے اگر تم یقین کرو[۲۲]

قَالَ لِمَنۡ حَوۡلَهٗۤ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ بولا اپنے گردوالوں سے کیا تم نہیں سنتے ہو[۲۳]

قَالَ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا[۲۴]

قَالَ اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ الَّذِیۡۤ اُرۡسِلَ اِلَیۡكُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے[۲۵]

قَالَ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو[۲۶]

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰـهًا غَیۡرِیۡ لَاَجۡعَلَنَّكَ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِیۡنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوائے تو مقرر (ضرور) ڈالوں گا تجھ کو قید میں[۲۷]

قَالَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكَ بِشَیۡءٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۰﴾ ج

۳۰۔ کہا اور اگر لیکر آیا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی[۲۸]

قَالَ فَاۡتِ بِهٖۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ بولا تو وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے

فَاَلۡقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعۡبَانٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۳۲﴾ صلے

۳۲۔ پھر ڈال دیا اپنا عصا سو اسی وقت وہ اژدھا ہو گیا صریح

وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیۡضَآءُ لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۳۳﴾ ع ۲ ۲

۳۳۔ اور اندر (بغل) سے نکالا اپنا ہاتھ سو اسی وقت وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے سامنے

۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ: تم جا کر انہیں خدا کے غصہ سے ڈراؤ۔

۹۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنانے کی درخواست: یعنی پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیں گے اور مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہو گا۔ ممکن ہے اس وقت ملول اور حزیں ہو کر طبیعت رک جائے۔ دل نہ کھلے، اور زبان میں کچھ لکنت پہلے ہی سے ہے۔ تنگ دل ہو کر بولنے میں زیادہ رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔ اس لئے میری تقویت و تائید کے لئے اگر ہارون کو جو مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں، میرا شریک حال کر دیا جائے تو بڑی مہربانی ہو۔

۱۰۔ یعنی ایک قبطی کے خون کا دعویٰ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی۔

۱۱۔ یعنی دعوت و تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام نہ کر دیں کہ یہ وہی شخص ہے جو ہمارے آدمی کا خون کر کے بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں فرض تبلیغ کس طرح ادا ہو گا۔

۱۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنا: یعنی کیا مجال ہے کہ ہاتھ لگا سکیں۔ جاؤ اپنی استدعاء کے موافق ہارون کو بھی ساتھ لو اور ہمارے دیئے ہوئے معجزات ونشانات لے کر وہاں پہنچو۔ ان نشانات کے ساتھ ہوتے ہوئے تم کو کیا ڈر۔ اور نشان کیا ہم خود ہر موقع پر تمہارے ساتھ ہیں اور فریقین کی گفتگو سن رہے ہیں۔

۱۳۔ بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ: "بنی اسرائیل" کا وطن حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسفؑ کے سبب سے مصر میں آ رہے، وہاں ایک مدت گذری۔ اب انکو حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا، فرعون ان کو نہ چھوڑتا تھا۔ کیونکہ ان سے غلاموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔

۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ: یعنی تو وہ ہی نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے نازونعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے اتنا بڑا کیا اب تیرا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتا اور اپنی بزرگی منواتا ہے۔

۱۵۔ اتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہ کئے، اب یہاں سے نکلتے ہی رسول بن گئے۔

۱۶۔ یعنی جو کرتوت کر کے بھاگا تھا (قبطی کا خون) اسے ہم بھولے نہیں۔

۱۷۔ یعنی ہمارے سب احسانات بھلا کر لگا پیغمبری کے دعوے کرنے، اس وقت تو بھی (العیاذ باللہ) ان ہی میں کا ایک تھا جن کو آج کافر بتلاتا ہے۔

۱۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب: یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا، مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے میں جو تادیب کے لئے تھا۔ اس کا دم نکل جائے گا۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ (قصص۔۱۵)

۱۹۔ یعنی بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے بھاگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت وحکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو، پھر اس طرح بے خوف وخطر تنہا تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے۔

۲۰۔ یعنی بچپن میں میری پرورش کا احسان جتلانا تجھے زیب نہیں دیتا۔ کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ تو نے اس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بچہ کی تربیت بھی خود تیرے زہرہ گداز مظالم کے سلسلہ ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ نہ تو "بنی اسرائیل" کے بچوں کو ذبح کرتا، نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ تابوت میں رکھ کر مجھے دریا میں چھوڑتی، نہ تیرے محلسرا تک رسائی ہوتی، ان حالات کا تصور کر کے تجھ کو ایسا احسان جتلاتے ہوئے شرمانا چاہئے اور صاف بات یہ ہے کہ جس پروردگار نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

۲۱۔ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ فرعون کا سوال: یعنی موسیٰؑ نے فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے امتثال میں اپنے کو رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا پیغمبر کہا، اس پر فرعون جحود، تعنت اور ہٹ دھرمی کی راہ سے بولا کہ (العیاذ باللہ) رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے، میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس شقی کا ازلی دعویٰ تو اپنی قوم کے روبرو یہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (القصص۔۳۸) (میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا) اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النازعات۔۲۴) (تمہارا بڑا پروردگار میں ہوں) چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل وبلادت سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔ گو دل میں اس ملعون کو بھی خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ جیسا کہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل۔۱۰۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب: یعنی آسمان وزمین کی سب چیزیں جس کے زیر تربیت ہیں وہ ہی رب العالمین ہے۔ اگر تمہارے قلوب

میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرت انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔

۲۳۔ فرعون کا بات کو ٹالنا: فرعون جان بوجھ کر بات کو رلانا چاہتا تھا اپنے حوالی کو ابھارنے اور موسیٰؑ کی بات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے گا، سنتے ہو، موسیٰؑ کیسی دور از کار باتیں کر رہے ہیں۔ کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا آسمان و زمین میں کوئی اور رب ہے؟

۲۴۔ یعنی او احمق! میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ اور جب تمہارا بیج بھی نہ تھا اس وقت زمین و آسمان کی تربیت و تدبیر کر رہا تھا۔

۲۵۔ فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جنون کا الزام: یعنی (العیاذ باللہ) کس دیوانہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے اور ہماری شوکت و حشمت کو دیکھ کر ذرا نہیں جھجکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے۔

۲۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل توحید: حضرت موسیٰؑ نے پھر ایک بات کہی جس طرح کی حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے سامنے آخر میں کہی تھی۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب کا مالک اور تمام سیارات کی طلوع و غروب کی تدبیر ایک محکم و مضبوط نظام کے موافق کرنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتلا سکتے ہو کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا بجز خدا کے کون ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کو قدرت ہے کہ اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک سیکنڈ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون بالکل مبہوت ہو گیا اور بحث و جدال سے گذر کر دھمکیوں پر اتر آیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت موسیٰؑ ایک بات کہتے جاتے تھے اللہ کی قدرتیں بتانے کو اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو ابھارتا تھا کہ ان کو یقین نہ آجائے"۔

۲۷۔ فرعون کا دعوئے الوہیت: اس مرتبہ فرعون نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں "مصر" میں کوئی اور خدا نہیں۔ اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو قید خانہ تیار ہے۔

۲۸۔ معجزات نبوت کا مظاہرہ: یعنی فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا جواب تھا۔ اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہی رہے گا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾	۳۴۔ بولا اپنے گرد کے سرداروں سے یہ تو کوئی جادوگر ہے پڑھا ہوا
يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾	۳۵۔ چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے سو اب کیا حکم دیتے ہو[۲۹]
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾	۳۶۔ بولے ڈھیل دے اسکو اور اسکے بھائی کو اور بھیجدے شہروں میں نقیب
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾	۳۷۔ لے آئیں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا ہوا

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ﴿۳۸﴾

۳۸۔ پھر اکٹھے کئے جادو گر وعدہ پر ایک مقرر دن کے [۳۰]

وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور کہہ دیا لوگوں کو کیا تم بھی اکٹھے ہو گئے

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ شاید ہم راہ قبول کر لیں جادو گروں کی اگر ہو ان کو غلبہ [۳۱]

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا
اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ پھر جب آئے جادو گر کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا حق بھی ہے اگر ہو ہم کو غلبہ

قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ بولا البتہ (ہاں (اور تم اس وقت مقربوں (مصاحبوں) میں ہو گے [۳۲]

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو [۳۳]

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِيَّهُمْ وَ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ
اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہماری ہی فتح ہے [۳۴]

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا
يَاْفِكُوْنَ ۚۖ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا پھر تبھی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا [۳۵]

فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۙ﴿۴۶﴾

۴۶۔ پھر اوندھے گرے جادو گر سجدہ میں

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۴۷﴾

۴۷۔ بولے ہم نے مان لیا جہان کے رب کو

رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ
الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ

۴۹۔ بولا تم نے اسکو مان لیا ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو مقرر (بیشک) وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھلایا جادو [۳۶] سو اب معلوم کر لو گے البتہ کاٹوں گا تمہارے

لَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّ
لَاُوصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۴۹﴾

ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تم سب کو

قَالُوۡا لَا ضَيۡرَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ بولے کچھ ڈر نہیں ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے [۳۷]

اِنَّا نَطۡمَعُ اَنۡ يَّغۡفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنۡ كُنَّاۤ اَوَّلَ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخش دے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے [۳۸]

ع ۳/۱۸

۲۹۔ فرعون کا حواس باختہ ہونا: یا تو خدائی کے دعوے تھے، یا اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہو گیا کہ اپنے غلاموں اور پرستاروں کے احکام پر چلنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

۳۰۔ جادو گروں کا اکٹھا ہونا: یعنی عید کے دن چاشت کے وقت۔

۳۱۔ یعنی سب کو اکٹھا ہونا چاہیئے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادو گر غالب آئیں گے۔ اس وقت ہم موسیٰؑ کی شکست اور مغلوبیت دکھلانے کے لئے اپنے ساحرین کی راہ پر چلیں گے۔ گویا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس میں ہماری کوئی خود غرضی نہیں۔ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو انصافاً کسی کو ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔

۳۲۔ جادو گروں کا فرعون سے مطالبہ اور فرعون کا وعدہ: یعنی نہ صرف مالی انعام و اکرام، بلکہ تم میرے خاص مصاحبوں میں رہو گے۔ ان آیات کا مفصل بیان "اعراف" اور "طٰہٰ" میں گذر چکا ہے۔

۳۳۔ ساحرین کا مظاہرہ: یعنی جب ساحرین نے کہا کہ موسیٰؑ تم پہلے اپنی لاٹھی ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں اسکے جواب میں فرمایا کہ تم ہی اپنی قوت خرچ کر دیکھو۔

۳۴۔ بعض نے بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ کو قسم کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی غالب ہو کر رہیں گے۔

۳۵۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کا سانپوں کو نگلنا: شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں جو سانپوں کی صورتیں انہوں نے بنائیں تھیں موسیٰؑ کا عصا ان کو نگل گیا۔

۳۶۔ یعنی موسیٰؑ تمہارا بڑا استاد ہے، آپس میں سازش کر کے آئے ہو کہ تم یہ کرنا، ہم یوں کہیں گے اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "تمہارا بڑا" کہا رب کو، یعنی موسیٰؑ اور تم ایک استاد کے شاگرد ہو" واللہ اعلم۔

۳۷۔ ساحرین کا قبول ایمان: یعنی بہر حال مر کر خدا کے یہاں جانا ہے اس طرح مریں گے، شہادت کا درجہ ملے گا۔ یہ سب مضامین سورہ "اعراف" وغیرہ میں گذر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

۳۸۔ ساحرین کی استقامت اور حوصلہ: یعنی موسیٰؑ کی دعوت و تبلیغ کے بعد بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے روبرو سب سے پہلے ہم نے قبول حق کا اعلان کیا۔ اس سے امید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری گذشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّکُمۡ
مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے[۳۹]

فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿ۚ۵۳﴾

۵۳۔ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب[۴۰]

اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَۃٌ قَلِیۡلُوۡنَ ﴿ۙ۵۴﴾

۵۴۔ یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی[۴۱]

وَ اِنَّہُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ ﴿ۙ۵۵﴾

۵۵۔ اور وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں[۴۲]

وَ اِنَّا لَجَمِیۡعٌ حٰذِرُوۡنَ ﴿ؕ۵۶﴾

۵۶۔ اور ہم سارے ان سے خطرہ رکھتے ہیں[۴۳]

فَاَخۡرَجۡنٰہُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿ۙ۵۷﴾

۵۷۔ پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے

وَّ کُنُوۡزٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿ۙ۵۸﴾

۵۸۔ اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح[۴۴]

کَذٰلِکَ ؕ وَ اَوۡرَثۡنٰہَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۵۹﴾

۵۹۔ اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کے[۴۵]

فَاَتۡبَعُوۡہُمۡ مُّشۡرِقِیۡنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ پھر پیچھے پڑے ان کے سورج کے نکلنے کے وقت

فَلَمَّا تَرَآءَ الۡجَمۡعٰنِ قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰۤی اِنَّا
لَمُدۡرَکُوۡنَ ﴿ۚ۶۱﴾

۶۱۔ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے[۴۶]

قَالَ کَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ بتلائے گا[۴۷]

فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡبَحۡرَ ؕ
فَانۡفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرۡقٍ کَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ ﴿ۚ۶۳﴾

۶۳۔ پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو پھر دریا پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ[۴۸]

وَ اَزۡلَفۡنَا ثَمَّ الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿ۚ۶۴﴾

۶۴۔ اور پاس پہنچا دیا ہم نے اسی جگہ دوسروں کو

وَ اَنۡجَیۡنَا مُوۡسٰی وَ مَنۡ مَّعَہٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿ۚ۶۵﴾

۶۵۔ اور بچا دیا ہم نے موسٰی کو اور جو لوگ تھے اس کے ساتھ سب کو

ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿ؕ۶۶﴾

۶۶۔ پھر ڈبا دیا ہم نے ان دوسروں کو[۴۹]

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ ان میں ماننے والے[۵۰]

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۶۸﴾ؑ

۶۸۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا[۵۱]

ع ۴/۸

۳۹۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کو مصر سے ہجرت کا حکم: یعنی جب ایک مدت تک سمجھانے اور آیات دکھلاتے رہنے کے بعد بھی فرعون نے حق کو قبول نہ کیا اور "بنی اسرائیل" کا ستانا نہ چھوڑا، تو ہم نے موسٰیؑ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کر لے کر رات میں یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور دیکھنا فرعونی لوگ تمہارا پیچھا کریں گے (گھبرانا نہیں)۔

۴۰۔ تعاقب کی تیاری: تا تمام قبطیوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کرے۔

۴۱۔ فرعون کا قوم سے خطاب: یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برا ہو سکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لئے کہیں۔

۴۲۔ یا ہم کو غصہ دلا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کی کم بختی نے دھکا دیا ہے۔

۴۳۔ فرعون کا قوم سے خطاب: تو اس روز روز کے خطرہ کا قلع قمع ہی کر دو۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ہماری بڑی جمعیت ہے جو محتاط یا مسلح ہے تو یہ الفاظ دل بڑھانے کے لئے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۴۴۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا تعاقب: یعنی اس طرح قبطی گھر بار، مال و دولت، باغ اور کھیتیاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے۔ جنہیں پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ گویا اس تدبیر سے اللہ تعالٰی نے اُنکو نکال باہر کیا۔

۴۵۔ بنی اسرائیل کو خزانوں کا انعام: یا تو اسکے بعد ہی یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمانؑ کے عہد میں جب ملک مصر بھی اُنکی سلطنت میں شامل ہوا۔ واللہ اعلم پہلے اسکے متعلق اختلاف گذر چکا ہے۔

۴۶۔ بنی اسرائیل کی گھبراہٹ: یعنی بحر قلزم کے کنارہ پر پہنچ کر بنی اسرائیل پار ہونے کی فکر کر رہے تھے کہ پیچھے سے فرعونی لشکر نظر آیا گھبرا کر موسٰیؑ سے کہنے لگے کہ اب اُنکے ہاتھ سے کیسے بچیں گے۔ آگے سمندر حائل ہے اور پیچھے سے دشمن دبائے چلا آ رہا ہے۔

۴۷۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی تسلی: یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اسکی حمایت و نصرت میرے ساتھ ہے۔ وہ یقینًا ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دیگا۔ ناممکن ہے کہ دشمن ہمکو پکڑ سکے۔

۴۸۔ دریا میں بارہ راستے: پانی بہت گہرا تھا۔ بارہ جگہ سے پھٹ کر خشک راستے بن گئے۔ بارہ قبیلے بنی اسرائیل کے الگ الگ اُن میں کو گذرے اور بیچ میں پانی کے پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ (کذا فی موضح القرآن)

۴۹۔ غرق فرعون: یعنی فرعونی لشکر بھی قریب آگیا اور دریا میں راستے بنے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعد بے سوچے سمجھے گھس پڑا جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آگیا، فوراً خدا کے حکم سے پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ یہ قصہ پہلے گذر چکا ہے۔

۵۰۔ یعنی جب اکثروں نے حق کو قبول نہ کیا تو آخر میں قدرت نے یہ نشان دکھلایا۔ جس سے صادقین اور مکذبین کے انجام کا دنیا ہی میں الگ الگ پتہ چل جاتا ہے۔

۵۱۔ یہ سنا دیا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے فرعون بھی مسلمانوں کے پیچھے نکلیں گے لڑائی کو۔ پھر وطن سے باہر تباہ ہوں گے "بدر" کے دن جیسے فرعون تباہ ہوا۔ (موضح القرآن)

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰهِيۡمَ ۘ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور سنا دے ان کو خبر ابراہیم کی

اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو[۵۲]

قَالُوۡا نَعۡبُدُ اَصۡنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيۡنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں[۵۳]

قَالَ هَلۡ يَسۡمَعُوۡنَكُمۡ اِذۡ تَدۡعُوۡنَ ۙ﴿۷۲﴾

۷۲۔ کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو[۵۴]

اَوۡ يَنۡفَعُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَضُرُّوۡنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا[۵۵]

قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے[۵۶]

قَالَ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۷۵﴾

۷۵۔ کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو

اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ۖ﴿۷۶﴾

۷۶۔ تم اور تمہارے باپ دادے اگلے[۵۷]

فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّىۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۷۷﴾

۷۷۔ سو وہ میرے غنیم ہیں[۵۸] مگر جہان کا رب[۵۹]

الَّذِىۡ خَلَقَنِىۡ فَهُوَ يَهۡدِيۡنِ ۙ﴿۷۸﴾

۷۸۔ جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے[۶۰]

وَالَّذِىۡ هُوَ يُطۡعِمُنِىۡ وَيَسۡقِيۡنِ ۙ﴿۷۹﴾

۷۹۔ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے

وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ ۙ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے

وَالَّذِیۡ یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ ﴿ۙ۸۱﴾

۸۱۔ اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلائے گا [۶۱]

وَ الَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓـئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿ؕ۸۲﴾

۸۲۔ اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن [۶۲]

رَبِّ هَبۡ لِیۡ حُکۡمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿ۙ۸۳﴾

۸۳۔ اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں [۶۳]

وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿ۙ۸۴﴾

۸۴۔ اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں [۶۴]

وَ اجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ ﴿ۙ۸۵﴾

۸۵۔ اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے [۶۵]

وَ اغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿ۙ۸۶﴾

۸۶۔ اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں [۶۶]

وَ لَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿ۙ۸۷﴾

۸۷۔ اور رسوا نہ کر مجھ کو کہ جس دن سب جی کر اٹھیں گے

یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوۡنَ ﴿ۙ۸۸﴾

۸۸۔ جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے

اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿ؕ۸۹﴾

۸۹۔ مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لیکر دل چنگا [۶۷]

وَ اُزۡلِفَتِ الۡجَنَّۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿ۙ۹۰﴾

۹۰۔ اور پاس لائیں بہشت کو واسطے ڈر والوں کے

وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ ﴿ۙ۹۱﴾

۹۱۔ اور نکالیں دوزخ کو سامنے بے راہوں کے [۶۸]

وَ قِیۡلَ لَهُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿ۙ۹۲﴾

۹۲۔ اور کہیں ان کو کہاں ہیں جن کو تم پوجتے تھے

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ هَلۡ یَنۡصُرُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿ؕ۹۳﴾

۹۳۔ اللہ کے سوائے کیا کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں [۶۹]

فَکُبۡکِبُوۡا فِیۡهَا هُمۡ وَ الۡغَاوٗنَ ﴿ۙ۹۴﴾

۹۴۔ پھر اوندھے ڈالیں اس میں انکو اور سب بے راہوں کو

وَ جُنُوۡدُ اِبۡلِیۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ اور ابلیس کے لشکر کو سبھوں کو

قَالُوۡا وَ هُمۡ فِیۡهَا یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ کہیں گے جب وہ وہاں باہم جھگڑنے لگیں

تَاللّٰهِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ قسم اللہ کی ہم تھے صریح غلطی میں

اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ جب ہم تم کو برابر کرتے تھے پرودگار عالم کے

وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور ہم کو راہ سے بہکایا سو ان گنہگاروں نے

فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے

وَ لَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا[۷۰]

فَلَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم ہوں ایمان والوں میں[۷۱]

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ ان میں نہیں ماننے والے[۷۲]

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾ ع ۵

۱۰۴۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

۵۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ: یعنی یہ کیا چیز ہے جسے تم پوجتے ہو؟

۵۳۔ یعنی تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں، جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت و عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر ان ہی کو لگے بیٹھے رہتے ہیں۔

۵۴۔ دعوت توحید: یعنی اتنا پکارنے پر کبھی تمہاری بات سنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے (جیسا کہ ان کے جماد ہونے سے ظاہر ہے) تو پکارنا فضول ہے۔

۵۵۔ یعنی کیا پوجنے سے کچھ نفع یا نہ پوجنے سے کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے جو اپنے اوپر سے مکھی تک نہ اڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکیں گے؟ پھر ایسی عاجز و لایعقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

۵۶۔ کفار کی آباء پرستی: یعنی ان منطقی بحثوں اور کٹ حجتیوں کو ہم نہیں جانتے، نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے۔ کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔

۵۷۔ کفار کی آباء پرستی: یعنی ان کا پوجنا ایک پرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو اسکی عبادت کیسی؟

۵۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں سے دشمنی کا اعلان: یعنی لو! میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے۔ میں ان کی گت بنا کر رہوں گا۔ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (انبیاء۔۵۷) اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال تعالیٰ فی موضع آخر۔ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا الآیۃ (انعام۔۸۰) وقال نوحؑ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس۔۷۱) وقال ہودؑ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ہود۔۵۵) اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ نہایت موثر ولطیف پیرایہ میں مشرکین پر تعریض ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کر رہے ہو میں ان کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اگر نعوذ باللہ ان کی پرستش کروں تو سراسر نقصان ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی ان کی عبادت کر کے نقصان اٹھا رہے ہو۔

۵۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکیر نعمت: کہ وہ ہی میرا معبود، دوست اور مددگار ہے۔

۶۰۔ یعنی فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد ومنافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۶۱۔ یعنی کھلانا پلانا، مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا، سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

۶۲۔ یعنی کسی معاملہ میں بھول چوک یا اپنے درجہ کے موافق خطا وتقصیر ہو جائے تو اسی کی مہربانی سے معافی کی توقع ہو سکتی ہے۔ کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ آگے حق تعالیٰ کے کمالات اور مہربانیوں کا ذکر کرتے کرتے حضرت ابراہیمؑ نے غلبہ حضور ﷺ سے دعا شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے۔

۶۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: یعنی مزید علم وحکمت اور درجات وقبول مرحمت فرما اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں (جو انبیاء علیہم السلام ہیں) شامل رکھ۔ کما قال نبینا ﷺ اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى اس دعا سے اپنی کامل احتیاج اور حق تعالیٰ کی غناء کا اظہار مقصود ہے۔ یعنی نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کسی کے معاملہ میں مجبور ومضطر نہیں۔ ہمہ وقت اس کے فضل ورحمت سے کام چلتا ہے۔

۶۴۔ قول صدق عطا فرما: یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور امت ہو، اور میرا دین تازہ کریں چنانچہ یہ ہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو دنیا میں قبول عام عطا فرمایا اور ان کی نسل سے خاتم الانبیاء ﷺ کو مبعوث کیا جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور فرمایا کہ میں ابراہیمؑ کی دعا ہوں آج بھی ابراہیمؑ کا ذکر خیر اہل مِلل کی زبانوں پر جاری ہے اور امت محمدیہ تو ہر نماز میں كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اور كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ پڑھتی ہے۔

۶۵۔ یعنی جنت کا جو آدم کی میراث ہے۔

۶۶۔ باپ کیلئے مغفرت کی دعا: ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعا باپ کی موت کے بعد کی۔ مگر دوسری جگہ تصریح آگئی کہ جب اس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو برأت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ۔۱۱۴) اور اگر اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ میں كَانَ کا ترجمہ "تھا" کے بجائے "ہے" سے کیا جائے، پھر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا۔ تو دعا کا حاصل یہ ہے کہ الٰہی اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس کی قدرے مفصل تحقیق پہلے کسی جگہ گذر چکی ہے۔ فلیراجع۔

۶۷۔ یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر ونفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہو گا وہ ہی وہاں کام دے گا۔ نرے مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے اگر

کافر چاہے کہ قیامت میں مال و اولاد فدیہ دے کر جان چھڑا لے، تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات و خیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔

۶۸۔ **محشر میں جنت و دوزخ کی قربت:** یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش و زیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی مسرور ہوں گے۔ اسی طرح دوزخ کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا داخل ہونے سے پیشتر ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔

۶۹۔ **اب فرضی معبود کہاں گئے؟** یعنی اب وہ فرضی معبود کہاں گئے، کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

۷۰۔ **آخرت میں کفار کا اعتراف گناہ:** یعنی بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر، سب کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دے گا اور آخر کار اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ تمکو (یعنی بتوں کو یا دوسری چیزوں کو جنہیں خدائی کے حقوق و اختیارات دے رکھے تھے) رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے وہ خود ہی دوزخ کے کندے بن رہے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی و ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ سچ ہے اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ (زخرف۔۶۷)۔

۷۱۔ **دوبارہ دنیا میں بھیجنے کی درخواست:** یعنی اگر ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع دیا جائے تو اب وہاں سے پکے ایماندار بن کر آئیں لیکن یہ کہنا بھی جھوٹ ہے۔ وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ (انعام۔۲۸)۔

۷۲۔ یعنی ابراہیمؑ کے اس قصہ میں توحید وغیرہ کے دلائل اور مشرکین کا عبرتناک انجام دکھلایا گیا ہے مگر لوگ کہاں مانتے ہیں۔

كَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ ۨالۡمُرۡسَلِيۡنَ ۚۖ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو

اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ نُوۡحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۚ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں

اِنِّىۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۙ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ میں تمہارے واسطے پیغام لانے والا ہوں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۚ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو[۷۳]

وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۚ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ؕ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو[۷۴]

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ؕ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کمینے [۷۵]

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۚ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ کہا مجھ کو کیا جاننا ہے اس کو جو کام وہ کر رہے ہیں

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۚ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ ان کا حساب پوچھنا میرے رب کا ہی کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو

وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو [۷۶]

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ؕ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ میں تو بس یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر [۷۷]

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمَرْجُوْمِیْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ بولے اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح تو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا [۷۸]

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ۚۖ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ کہا اے رب میری قوم نے تو مجھکو جھٹلا دیا

فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ
مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ سو فیصلہ کر دے میرے انکے بیچ میں کسی طرح کا فیصلہ [۷۹] اور بچا لے میرے ساتھ ہیں ایمان والے [۸۰]

فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۚ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی ہوئی کشتی میں

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ؕ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ پھر ڈبا دیا ہم نے اس کے پیچھے ان باقی رہے ہوؤں کو [۸۱]

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ہیں ماننے والے

ع ۶ ۱۸ ۱۰
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۠﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

۷۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت: یعنی نہایت صدق وامانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام بلا کم وکاست تم کو پہنچاتا ہوں۔ لہذا واجب ہے کہ

پیغام الٰہی سنکر خدا سے ڈرو۔ اور میرا کہا مانو۔

۷۴۔ یعنی بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات ماننی چاہئے۔

۷۵۔ یعنی تھوڑے سے کمینے اور پنچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہو گئے ہیں، بھلا یہ کیا اونچے کام کریں گے اور ہمارا فضل و شرف کب اجازت دے سکتا ہے کہ ان کمینوں کے دوش بدوش تمہاری مجلس میں بیٹھا کریں، پہلے تو آپ ان کو اپنے یہاں سے کھسکائیے، پھر ہم سے بات کرنا۔

۷۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کا جواب: یعنی مجھے ان کا صدق و ایمان قبول ہے، ان کے پیشے یا نیت اور اندرونی کاموں کے جاننے سے کیا مطلب اس کا فیصلہ اور حساب تو پروردگار کے یہاں ہو گا۔ باقی میں تمہاری خاطر سے غریب ایمانداروں کو اپنے پاس سے دھکے نہیں دے سکتا۔

۷۷۔ یعنی میرا فرض تم کو آگاہ کر دینا تھا سو کر چکا، تمہاری لغو فرمائشیں پوری کرنا میرے ذمہ نہیں۔

۷۸۔ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم کی دھمکی: یعنی بس اب ہم کو اپنی نصیحت سے معاف رکھو، اگر اس روش سے باز نہ آئے تو سنگسار کئے جاؤ گے۔

۷۹۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا: یعنی میرے اور ان کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے۔ اب انکے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

۸۰۔ یعنی مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو الگ کر کے ان کا بیڑا غرق کر۔

۸۱۔ اس قصہ کی تفصیل پہلے کئی جگہ گذر چکی۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۱۲۳	۱۲۳۔ جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو
اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۱۲۴	۱۲۴۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۱۲۵	۱۲۵۔ میں تمہارے پاس پیغام لانے والا معتبر ہوں
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۱۲۶	۱۲۶۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو
وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۲۷	۱۲۷۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے مالک پر
اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۱۲۸	۱۲۸۔ کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو
وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۱۲۹	۱۲۹۔ اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم ہمیشہ رہو گے [۸۲]
وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۱۳۰	۱۳۰۔ اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝۱۳۱

۱۳۱۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو[۸۳]

وَ اتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۲

۱۳۲۔ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ۝۱۳۳

۱۳۳۔ پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے

وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝۱۳۴

۱۳۴۔ اور باغ اور چشمے

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۳۵

۱۳۵۔ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے[۸۴]

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَوَ عَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ
الْوٰعِظِيْنَ ۝۱۳۶

۱۳۶۔ بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے تو نصیحت کرنے والا

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳۷

۱۳۷۔ اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی

وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝۱۳۸

۱۳۸۔ اور ہم پر آفت نہیں آنے والی[۸۵]

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹

۱۳۹۔ پھر اسکو جھٹلانے لگے تو ہم نے انکو غارت کر دیا[۸۶] اس بات میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۴۰ ع

۱۴۰۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

ع ۷ ۱۱

۸۲۔ قوم عاد کے واقعہ کی تذکیر: ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے، مگر نام ہو جائے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف سے بناتے تھے مال ضائع کرنے کو۔ ان میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے تھے گویا یہ سمجھتے تھے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی۔ (لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں)۔

۸۳۔ حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت: یعنی ظلم و ستم سے زیردستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے۔ گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا خدا کی ضعیف مخلوق کو جبر و تعدی کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو، ظلم و تکبر سے باز آؤ، اور میری بات مانو۔

۸۴۔ یعنی اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سامان تم کو کس نے دیے ہیں؟ کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں۔ اگر تمہاری یہی شرارت اور سرکشی

رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ دیکھو میں تم کو نصیحت کر چکا۔ اپنے انجام کو خوب سوچ لو۔

۸۵۔ قوم عاد کی ضد اور ہٹ دھرمی: یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے۔ یہ جادو ہم پر چلنے والا نہیں۔ قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ نبی بن کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں اور مرنے جینے کا سلسلہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے تو اس سے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے رہا جو طریقہ ہمارا ہے وہ ہی ہمارے اگلے باپ دادوں کا تھا ہم اس سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں۔ نہ عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں لا سکتے ہیں۔

۸۶۔ قوم عاد کی ہلاکت: یعنی سخت آندھی بھیج کر۔ ان کا قصہ بھی پہلے "اعراف" وغیرہ میں مفصل گذر چکا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾	۱۴۱۔ جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو
اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾	۱۴۲۔ جب کہا ان کو انکے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾	۱۴۳۔ میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾	۱۴۴۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو
وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾	۱۴۵۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے پالنے والے پر
اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾	۱۴۶۔ کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾	۱۴۷۔ باغوں میں اور چشموں میں
وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾	۱۴۸۔ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے
وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾	۱۴۹۔ اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف کے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾	۱۵۰۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو [۸۷]
وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾	۱۵۱۔ اور نہ مانو حکم بیباک لوگوں کا
الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾	۱۵۲۔ جو خرابی کرتے ہیں ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے [۸۸]

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۚ﴿١٥٣﴾

١٥٣۔ بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے

مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾

١٥٤۔ تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم[٨٩] سو لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے[٩٠]

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ
مَّعْلُوْمٍ ۚ﴿١٥٥﴾

١٥٥۔ کہا یہ اونٹنی ہے اسکے لئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے باری ایک دن کی مقرر[٩١]

وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾

١٥٦۔ اور مت چھیڑیو اس کو بری طرح سے پھر پکڑ لے تم کو آفت ایک بڑے دن کی[٩٢]

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۙ﴿١٥٧﴾

١٥٧۔ پھر کاٹ ڈالا اس اونٹنی کو پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے[٩٣]

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾

١٥٨۔ پھر آ پکڑا ان کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۠﴿١٥٩﴾ ع ١٩ ٨ ١٢

١٥٩۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم کرنے والا

٨٧۔ قوم ثمود کی تکذیب اور حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت: یعنی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے ؟ اور پہاڑوں کو تراش کر جو تکلف کے مکان تیار کئے ہیں ان سے کبھی نہ نکلو گے ؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گی ؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہا مانو۔ میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔

٨٨۔ یہ عوام کو فرمایا کہ تم ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ یہ زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں۔ اصلاح کرنے والے اور نیک صلاح دینے والے نہیں۔

٨٩۔ یعنی ہم سے کون سی بات تجھ میں زائد ہے جو نبی بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی۔ (العیاذ باللہ)

٩٠۔ معجزے کا مطالبہ: یعنی اگر نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کر کوئی ایسا نشان دکھلا جسے ہم بھی تسلیم کر لیں پھر فرمائش کی اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالحؑ نے دعا فرمائی حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشان دکھلا دیا۔

۹۱۔ **اونٹنی کا معجزہ:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت سے، حضرت صالحؑ کی دعا سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مواشی بھاگ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہرا دیا کہ ایک دن اس پانی پر وہ جائے۔ ایک دن اوروں کے مواشی جائیں"۔

۹۲۔ یعنی اونٹنی کے ساتھ برائی سے پیش نہ آنا ورنہ بڑی سخت آفت ہو گی۔

۹۳۔ **اونٹنی کے پاؤں کو کاٹنے کا جرم:** ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک آشنا کو اکسایا، اس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیے، اس کے تین دن بعد عذاب آیا (موضح القرآن) یہ قصہ بھی پہلے مفصل گذر چکا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ ﴿۱۶۰﴾

۱۶۰۔ جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ جب کہا ان کو انکے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۲۔ میں تمہارے لئے پیغام لانے والا ہوں معتبر

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۳۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ کیا تم دوڑتے ہو جہان کے مردوں پر [۹۴]

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶۔ اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنا دی ہیں تمہارے رب نے تمہاری جورویں بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے [۹۵]

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

۱۶۷۔ بولے اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکال دیا جائے گا [۹۶]

قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ؕ ﴿۱۶۸﴾

۱۶۸۔ کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں [۹۷]

رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

۱۶۹۔ اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں[۹۸]

فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰۔ پھر بچادیا ہم نے اسکو اور اس کے گھر والوں کو سب کو

اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾

۱۷۱۔ مگر ایک بڑھیارہ گئی رہنے والوں میں[۹۹]

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾

۱۷۲۔ پھر اٹھامارا ہم نے ان دوسروں کو

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۳۔ اور برسایا ان پر ایک برساؤ سو کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا[۱۰۰]

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ البتہ اس میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں تھے ماننے والے

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۹ ۱۳

۱۷۵۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

۹۴۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت: یعنی سارے جہان میں سے مرد ہی تمہاری شہوت رانی کے لئے رہ گئے، یا یہ کہ سارے جہان میں سے تم ہی ہو جو اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو۔

۹۵۔ یعنی یہ خلاف فطرت کام کر کے آدمیت کی حد سے بھی نکل چکے ہو۔

۹۶۔ یعنی یہ وعظ و نصیحت رہنے دو۔ اگر آئندہ ہمیں تنگ کرو گے تو تم کو بستی سے نکال باہر کریں گے۔

۹۷۔ اس لئے ضرور اس پر اظہار نفرت کروں گا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا۔

۹۸۔ یعنی ان کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچا اور انہیں غارت کر۔

۹۹۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی ہلاکت: یہ ان کی بیوی تھی جو ان بدمعاشوں سے مل رہی تھی۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی ہلاک ہوئی۔

۱۰۰۔ قوم لوط پر عذاب: یعنی ان کی بستیاں الٹ دیں اور آسمان سے پتھروں کا برساؤ کیا۔ سو ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ ان کا قصہ بھی مفصل اعراف وغیرہ میں گذر چکا۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾

۱۷۶۔ جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو[۱۰۱]

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷۔ جب کہا ان کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں

اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸۔ میں تم کو پیغام پہنچانے والا ہوں معتبر

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی
رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۸۰﴾

۱۸۰۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَ لَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱۔ پورا بھر کر دو ماپ اور مت ہو نقصان دینے والے

وَ زِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲۔ اور تولو سیدھی ترازو سے[۱۰۲]

وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَہُمۡ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی
الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳۔ اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت دوڑو ملک میں خرابی ڈالتے ہوئے[۱۰۳]

وَ اتَّقُوا الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَ الۡجِبِلَّۃَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۸۴﴾

۱۸۴۔ اور ڈرو اس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو

قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵۔ بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے

وَ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَ اِنۡ نَّظُنُّکَ لَمِنَ
الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۶۔ اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے[۱۰۴]

فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ
الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۸۷﴾

۱۸۷۔ سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا اگر تو سچا ہے[۱۰۵]

قَالَ رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۸۔ کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو[۱۰۶]

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾

١٨٩۔ پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑ لیا ان کو آفت نے سائبان والے دن کی بیشک وہ تھا عذاب بڑے دن کا[١٠٧]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾

١٩٠۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾ ع

١٩١۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

ع ١٦ ١٠ ١٤

١٠١۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اصحاب ایکہ: ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ "اصحاب ایکہ" وہ ہی قوم مدین ہے۔ "ایکہ" ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے، اسی نسبت سے "الایکہ" کہا گیا۔ اور اسی لئے شعیبؑ کو "اخوہم" سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کی اخوت محض قومی و نسبی تعلقات پر مبنی تھی۔ اگر "مدین" کہتے تو "اخوہم" کہنا موزوں تھا جب "اصحاب الایکہ" کہہ کر ایک مذہبی نسبت سے ذکر کیا تو اس حیثیت سے "اخُوہم" فرمانا حضرت شعیبؑ کی شان کے مناسب نہ تھا۔ بہرحال "مدین" اور "اصحاب ایکہ" ایک قوم ہے اور شعیبؑ اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ پہلے بھی اس کے متعلق کچھ بحث گذر چکی۔

١٠٢۔ ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو: یعنی معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو۔ جس طرح لینے کے وقت پوا ناپ تول کر لیتے ہو دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کر دو۔

١٠٣۔ یعنی ملک میں ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق نہ مارو۔

١٠٤۔ یعنی دعوئے نبوت میں اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں۔

١٠٥۔ قوم شعیب علیہ السلام کی گستاخی: اگر سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا گروا کر ہم کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

١٠٦۔ یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ کس جرم پر کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہئے۔ عذاب دینا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام ہشیار کر دینا تھا، سو کر چکے۔

١٠٧: قوم شعیب علیہ السلام پر سائبان کا عذاب: سائبان کی طرح ابر آیا اس میں سے آگ برسی، نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی، اس طرح سب قوم تباہ ہو گئی۔ ان کا قصہ بھی پہلے مفصل گذر چکا ہے ایک نظر وہاں کے فوائد پر ڈال لی جائے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ ؕ

١٩٢۔ اور یہ قرآن ہے اتارا ہوا پروردگار عالم کا

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ ۙ

١٩٣۔ لیکر اترا ہے اسکو فرشتہ معتبر

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾

١٩٤۔ ترے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا[١٠٨]

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ ؕ

١٩٥۔ کھلی عربی زبان میں[١٠٩]

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾

۱۹۶۔ اور یہ لکھاہے پہلوں کی کتابوں میں[۱۱۰]

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾ؕ

۱۹۷۔ کیا انکے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اسکی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے[۱۱۱]

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ۙ

۱۹۸۔ اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری (دوسری) زبان والے پر

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾ؕ

۱۹۹۔ اور وہ اسکو پڑھ کر سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے[۱۱۲]

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾ؕ

۲۰۰۔ اسی طرح گھسا دیا ہم نے اس انکار کو گنہگاروں کے دل میں

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٢٠١﴾ۙ

۲۰۱۔ وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک[۱۱۳]

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ۙ

۲۰۲۔ پھر آئے ان پر اچانک اور انکو خبر بھی نہ ہو

فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ؕ

۲۰۳۔ پھر کہنے لگیں کچھ بھی ہم کو فرصت ملے گی[۱۱۴]

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾

۲۰۴۔ کیا ہمارے عذاب کو جلد مانگتے ہیں

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ۙ

۲۰۵۔ بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچاتے رہیں ہم انکو برسوں

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ۙ

۲۰۶۔ پھر پہنچے ان پر جس چیز کا ان سے وعدہ تھا

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ؕ

۲۰۷۔ تو کیا کام آئے گا ان کے جو کچھ فائدے اٹھاتے رہے[۱۱۵]

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ۖۛ

۲۰۸۔ اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لئے نہیں تھے ڈر سنا دینے والے

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾

۲۰۹۔ یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا[۱۱۶]

وَمَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّيٰطِيۡنُ ﴿۲۱۰﴾	۲۱۰۔ اور اس قرآن کو نہیں لیکر اترے شیطان
وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَمَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿۲۱۱﴾	۲۱۱۔ اور نہ ان سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں[۱۱۷]
اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ﴿۲۱۲﴾	۲۱۲۔ ان کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے[۱۱۸]
فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۲۱۳﴾	۲۱۳۔ سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پھر تو پڑے عذاب میں[۱۱۹]
وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾	۲۱۴۔ اور ڈر سنادے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو[۱۲۰]
وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۱۵﴾	۲۱۵۔ اور اپنے بازو نیچے رکھ انکے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے[۱۲۱]
فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾	۲۱۶۔ پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں بیزار ہوں تمہارے کام سے[۱۲۲]
وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ﴿۲۱۷﴾	۲۱۷۔ اور بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پر[۱۲۳]
الَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۲۱۸﴾	۲۱۸۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے
وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ ﴿۲۱۹﴾	۲۱۹۔ اور تیرا پھرنا نمازیوں میں[۱۲۴]
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۲۲۰﴾	۲۲۰۔ بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا
هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ ﴿۲۲۱﴾	۲۲۱۔ میں بتلاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان
تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ﴿۲۲۲﴾	۲۲۲۔ اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر[۱۲۵]
يُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَاَكۡثَرُهُمۡ كٰذِبُوۡنَ ﴿۲۲۳﴾	۲۲۳۔ لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں[۱۲۶]

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

۲۲۴۔ اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں [۱۲۷]

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾

۲۲۵۔ تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارے پھرتے ہیں [۱۲۸]

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾

۲۲۶۔ اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے [۱۲۹]

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ
كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱/۱۵ ۲۶

۲۲۷۔ مگر وہ لوگ جو یقین لائے اور کام کئے اچھے اور یاد کی اللہ کی بہت اور بدلہ لیا اس کے پیچھے کہ ان پر ظلم ہوا [۱۳۰] اور اب معلوم کر لیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں [۱۳۱]

۱۰۸۔ قرآن کریم کا نزول قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر: "آغاز سورت میں قرآن کریم کا ذکر تھا اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی گئی تھی، درمیان میں مکذبین حق کے واقعات بیان ہوئے یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی قرآن کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اتارا، جبریل امین لیکر اترے اور تیرے پاک وصاف قلب پر اتاری گئی، کیونکہ یہ ہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا، چنانچہ وحی قرآنی آئی۔ اور سیدھی تیرے دل میں اترتی چلی گئی۔ تو نے اس کو اپنے سارے دل سے سنا اور سمجھا اور محفوظ رکھا، شاید عَلٰی قَلْبِكَ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی "صلصلۃ الجرس" کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آکر بات کرنا) ان میں سے قرآن کی وحی اغلبًا پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی۔ کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منسلخ ہو کر ملکیّت کی طرف جانا پڑتا تھا۔ گویا اس وقت آلات جسدانیہ کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے۔ دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی الٰہی قوتوں سے ان علوم کی تلقی کرتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے بخلاف دوسری حالت کہ اس میں فرشتہ کو ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا، اس وقت پیغمبر ان ہی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی ظاہری کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا ہے کہ هُوَ اَشَدُّهٗ عَلَیَّ (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں آپ کو بشریت سے ملکیّت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰۹۔ الفاظ اور معانی دونوں وحی کئے گئے: یعنی اتارا نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ یہاں سے معلوم ہوا عَلٰی قَلْبِكَ سے مراد یہ نہیں کہ صرف مضامین قرآن کے آپ کے دل میں اتار دیے پھر آپ نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ بلکہ الفاظ اور مضامین سب وحی ربانی سے قلب مبارک پر القا کئے گئے۔

۱۱۰۔ پچھلی کتابوں میں قرآن کی خبر: یعنی قرآن کی اور اس کے لانے والے کی خبر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ انبیائے سابقین برابر پیشگوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریف و تبدیل کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا پایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین اجمالًا یا تفصیلًا اگلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ خصوصًا قصص، توحید، رسالت، معاد

وغیرہ مضامین جن پر تمام کتب سماویہ اور انبیاء و مرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

۱۱۱۔ علمائے بنی اسرائیل کی گواہی: یعنی علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب اور پیغمبر ہے جس کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے علانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجلسوں میں امر حق کا اقرار کیا ہے اور بعض انصاف پسند اسی علم کی بناء پر مسلمان ہو گئے، مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ غرض ایک منصف فہیم کے لئے جس کا دل حق کی طلب رکھتا اور خدا سے ڈرتا ہو، اس چیز میں بڑی نشانی ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء بھی اپنے دلوں میں قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اقرار کی جرأت نہ کر سکیں۔

۱۱۲۔ عجمی پر قرآن نازل ہوتا تو کبھی نہ مانتے: یعنی آپ تو فصحائے عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ یوں کہدیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کر لیا ہو گا (حالانکہ قرآن اس حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے جس کا مثل تمام جن وانس بھی بنا کر نہیں لا سکتے) تاہم کہنے کو یہ احتمال پیدا کر سکتے ہیں، لیکن ان کی ہٹ دھرمی، شقاوت اور بدبختی کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ قرآن فرض کرو ہم کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتارتے جو ایک حرف عربی بولنے پر قادر نہ ہوتا، بلکہ بفرض محال کسی حیوان لایعقل پر اتارا جاتا، تب بھی یہ لوگ اسکے ماننے والے نہ تھے اس وقت کچھ اور احتمالات پیدا کرتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں، اس نبی کی زبان بھی عربی ہے شاید آپ ہی کہہ لاتا ہو۔ اگر غیر زبان والے پر عربی قرآن اترتا تو یقین کرتے، فرمایا کہ دھوکہ والے کا جی کبھی نہیں ٹھہرتا، تب اور شبہے نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے۔ (موضح القرآن)

۱۱۳۔ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا کفار کو یقین ہے: یعنی جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قویٰ کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتا ہے اور اس کے دل میں انکار و تکذیب کے اثر کو جاگزین کر دیتا ہے۔ یہ تقریر ترجمہ کے موافق ہوئی، لیکن بہت سے مفسرین نے سَلَكْنٰهُ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے۔ یعنی قرآن کو ہم نے اس طرح مجرمین کے دل میں گھسا دیا ہے کہ وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لا سکتے اور تکذیب کئے چلے جاتے ہیں۔ تا آنکہ دنیا یا آخرت میں دردناک عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں، اس وقت مانیں گے کہ ہاں پیغمبر سچے تھے اور جو کتاب لائے تھے وہ سچی تھی، مگر اس وقت کا ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

۱۱۴۔ کفار کا مہلت طلب کرنا: یعنی جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں تھوڑی سے مہلت دی جا سکتی ہے کہ اب توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں اور پیغمبروں کا اتباع کر کے دکھلائیں۔ دنیا میں تو عذاب کی جلدی مچا رہے تھے اب مہلت طلب کرنے لگے۔

۱۱۵۔ یعنی سالہاسال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو دی گئی تھی اس وقت کچھ کام نہ آئے گی اس وقت یہ برسوں کی مہلت کالعدم ہو گی اور سمجھیں گے کہ واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (نازعات۔۴۶)

۱۱۶۔ کسی کو مہلت دئے بغیر عذاب نہیں دیا گیا: یعنی کسی قوم کا تختہ یوں ہی ایک دم نہیں الٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور ہشیار کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں، جب کسی طرح نہ مانے آخر غارت کئے گئے۔ العیاذ باللہ۔

۱۱۷۔ قرآن کسی جن کا لایا ہوا نہیں ہے: درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ کی تکمیل و تتمیم فرماتے ہیں۔ یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبریل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھلائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد، اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک

رشد وصلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاکباز، صادق خداترس اور خداپرست جماعت نہیں۔ تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ (حشر۔۲۱) روایات میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی جن آکر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور ﷺ کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

۱۱۸۔ **شیاطین کو دور کر دیا گیا ہے:** یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے ہیں کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے نہ ایک حرف اچک سکتے ہیں کما قال تعالیٰ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ يَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ يَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (جن۔۹) وقال تعالیٰ فَاِنَّهٗ يَسۡلُكُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا (جن۔۲۷) وقال تعالیٰ لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ (حم السجدہ۔۴۲) (تنبیہ) شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۂ حجر کے شروع میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہئے۔

۱۱۹۔ یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو یعنی جب یہ کتاب بلاشک وشبہ خدا کی اتاری ہوئی ہے، شیطان کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو چاہئے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک وکفر اور تکذیب کی شیطانی راہ اختیار مت کرو۔ ورنہ عذاب الٰہی سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں۔

۱۲۰۔ **اقرباء کو دعوت کا حکم:** یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے۔ کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری حضرت نے سارے قریش کو پکار کر سنا دیا اور اپنی پھوپھی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کو کہہ سنایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔

۱۲۱۔ **اقرباء کو دعوت کا حکم:** یعنی شفقت میں رکھ ایمان والوں کو، اپنے ہوں یا پرائے۔

۱۲۲۔ یعنی خلاف حکم خدا جو کوئی کرے اس سے تو بیزار ہو جا اپنا ہو یا پرایا۔ (موضح)۔

۱۲۳۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت کا وعدہ:** یعنی نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور کتنے ہی ہوں تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سب سے بیزار ہو کر ایک خدا پر بھروسہ رکھ جو زبردست بھی ہے۔ کسی کی اس کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی اور مہربانی فرمانے والا بھی، چنانچہ اپنی مہربانی سے تیرے حال پر ہر وقت نظر عنایت رکھتا ہے۔

۱۲۴۔ یعنی جب تو تہجد کو اٹھتا ہے اور متوسلین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل (موضح) یا تو جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی نماز میں نقل وحرکت (رکوع وسجود وغیرہ) کرتا ہے اور مقتدیوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ کے آباء مراد ہیں یعنی آپ کے نور کا ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا، بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور ﷺ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۵۔ **شیطان کس پر اترتے ہیں؟:** یہاں پھر قرآن کے صدق اور عظمت شان پر تنبیہ فرمائی۔ یعنی ایسے ساجدین اور تہجد گذاروں کے امام کو جو اللہ کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کی کوئی پروا نہ کرے۔ اور ساری دنیا سے ٹوٹ کر اکیلے خدا پر بھروسہ رکھے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شیطان ان پر وحی لاتا تھا؟ میں تم کو بتلاؤں کہ شیطانی وحی کس قسم کے لوگوں پر آتی ہے۔ وہ آتی ہے جھوٹوں پر، بدمعاشوں اور بدکاروں پر، کیونکہ شیطان سچے اور نیک آدمیوں سے بیزار ہے کہ یہ اس کو برا جانتے ہیں۔ جھوٹے دغابازوں سے خوش ہے جو اس کی مرضی کے موافق

ہیں۔ بھلا سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک انسان کو شیطانی وحی سے کیا نسبت، حضور ﷺ کا صدق و امانت، اتقا، پاکبازی، خدا ترسی، تو وہ اوصاف ہیں جو بچپن سے لیکر دعوئے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھے حتیٰ کہ "الصادق الامین" آپ کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔

۱۲۶۔ شیاطین جھوٹی خبریں لاتے ہیں: یعنی شیاطین کوئی ایک آدھ ناتمام بات امور غیبیہ جزئیہ کے متعلق جو سن بھاگتے ہیں اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں، یہ حقیقت ان کی وحی کی ہے۔ بر خلاف اس کے انبیاء کی وحی کا ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ بعض نے يُلْقُوْنَ السَّمْعَ کے معنی یہ لئے ہیں کہ شیاطین ملائے اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں کہ کوئی غیبی بھنک کان میں پڑ جائے، یا جھوٹے گنہگار شیاطین کی طرف کان جھکائے رکھتے ہیں کہ کوئی چیز ادھر سے ہاتھ آئے تو چلتی کریں۔

۱۲۷۔ شاعروں کی بات پر بے راہ چلتے ہیں: کافر لوگ پیغمبروں کو کبھی کاہن بتاتے کبھی شاعر، سو فرمایا کہ شاعری کی باتیں محض تخیلات ہوتی ہیں تحقیق سے اس کو لگاؤ نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس کی باتوں سے بجز گرمی محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہوتی حالانکہ اس پیغمبر کی صحبت میں قرآن سن سن کر ہزاروں آدمی نیکی اور پرہیزگاری پر آتے ہیں۔

۱۲۸۔ شاعر تخیل کی وادیوں میں بھٹکتے ہیں: یعنی جو مضمون پکڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے گئے، کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے، پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی لئے شعر کی نسبت مشہور ہے اَكْذَبِ اُوْ اَحْسَنِ اُوْ۔

۱۲۹۔ شاعر جو کہتے ہیں کرتے نہیں: یعنی شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے، اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک۔ کبھی دیکھو تو ہٹے کٹے ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساکت ہو چکیں، قبض روح کا انتظار ہے حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے غرض ایک پیغمبر خدا اور وہ بھی خاتم الانبیاء کو اس جماعت سے کیا لگاؤ۔ اسی لئے فرمایا۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (یٰس۔۶۹) آپ کی جو بات تھی سچی، جچی، تلی، باون تولے پاؤ رتی تحقیق کی ترازو میں تلی ہوئی۔ پھر جو بات زبان مبارک سے سنی جاتی تھی وہ ہی عمل میں آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ بھلا شاعر ایسے ہوتے ہیں؟ اور شاعری اسے کہتے ہیں؟ حاشا ثم حاشا۔

۱۳۰۔ کون سے شاعر اس سے مستثنیٰ ہیں: مگر جو کوئی شعر میں اللہ کی حمد کہے یا نیکی کی ترغیب دے، یا کفر کی مذمت یا گناہ کی برائی کرے یا کافر اسلام کی ہجو کریں یہ اس کا جواب دے، یا کسی نے اس کو ایذاء پہنچائی اس کا جواب بحد اعتدال دیا، ایسا شعر عیب نہیں۔ چنانچہ حضرت حسان ابن ثابتؓ وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔

۱۳۱۔ یہ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی مناسبت سے فرمایا کہ ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ اونٹ بیٹھتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن و شاعر کہہ کر جھٹلائے۔

تم سورة الشعراء

اٰیاتها ٩٣ | ٢٧ سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ٤٨ | رکوعاتها ٧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿١﴾

١۔ طٰس۔ یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی

هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾

٢۔ ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے واسطے

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٣﴾

٣۔ جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ اور ان کو آخرت پر یقین ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٤﴾

٤۔ جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو اچھے دکھلائے ہم نے ان کی نظروں میں انکے کام سو وہ بہکے پھرتے ہیں[١]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٥﴾

٥۔ وہی ہیں جن کے واسطے بری طرح کا عذاب ہے اور آخرت میں وہی ہیں خراب[٢]

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿٦﴾

٦۔ اور تجھ کو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے[٣]

١۔ کفار دنیا کی رونقوں میں گم ہیں: یعنی جن کو انجام کی کوئی فکر اور مستقبل کا خیال نہ ہو، وہ اسی دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ان کی تمام کوششوں کا مرکز یہ ہی چند روزہ زندگی ہے جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت کی طرف توجہ دلائے، اس پر کیوں کان دھرنے لگے۔ وہ دنیا کے عشق میں غرق ہو کر ہادیوں پر آوازے کستے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں اور یہ ہی کام ہیں جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ (تنبیہ) تزیین کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس حیثیت سے کی کہ خالق ہر چیز کا وہ ہی ہے کسی سبب پر مسبب کا ترتب بدون اس کی مشیت وارادہ کے نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ دوسرے مواضع میں اضلال اور ختم وطبع وغیرہ کی نسبت اس کی طرف ہوئی ہے۔ سورہ "نمل" کی ان ابتدائی آیات کا مضمون سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہے۔ ان کو ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔

۲۔ یعنی وہاں سب سے زیادہ خسارہ میں یہ ہی لوگ ہوں گے۔

۳۔ قرآن کریم کی نعمت اللہ کا فضل عظیم ہے: یعنی ان بدبختوں کو تو ضلالت میں بھٹکنے دو۔ جب انہوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اس کی ہدایات وبشارات سے فائدہ نہ اٹھایا تو یہ ہی حشر ہونا تھا۔ آپ تو خدا کا شکر کیجئے کہ اس علیم و حکیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب آپ کو مرحمت کی گئی ہے جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں۔ جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تا سچوں کا دل مضبوط و قوی ہو اور جھوٹ کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰؑ اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔

اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِہَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ﴿۷﴾

۷۔ جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے آگ[۴] اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یالاتا ہوں انگارا سلگا کر شاید تم سینکو[۵]

فَلَمَّا جَآءَہَا نُوۡدِیَ اَنۡۢ بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ وَ مَنۡ حَوۡلَہَا ؕ وَ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸﴾

۸۔ پھر جب پہنچا اسکے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اسکے آس پاس ہے[۶] اور پاک ہے وہ ذات اللہ کی جو رب سارے جہان کا[۷]

یٰمُوۡسٰۤی اِنَّہٗۤ اَنَا اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۙ﴿۹﴾

۹۔ اے موسیٰ وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا[۸]

وَ اَلۡقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہَا تَہۡتَزُّ کَاَنَّہَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰی لَا تَخَفۡ ۟ اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿٭ۖ۱۰﴾

۱۰۔ اور ڈال دے لاٹھی اپنی پھر جب دیکھا اسکو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سٹک[۹] لوٹا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا[۱۰] اے موسیٰ مت ڈر میں جو ہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول[۱۱]

اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسۡنًۢا بَعۡدَ سُوۡٓءٍ فَاِنِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی کی برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں[۱۲]

وَ اَدۡخِلۡ یَدَکَ فِیۡ جَیۡبِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ

۱۲۔ اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر نہ کسی برائی سے یہ دونوں مل کر نو نشانیاں لیکر جا

سُوۡٓءٍ ۟ فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ قَوۡمِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۱۲﴾	فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ تھے لوگ نافرمان[۱۳]
فَلَمَّا جَآءَتۡہُمۡ اٰیٰتُنَا مُبۡصِرَۃً قَالُوۡا ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿ۚ۱۳﴾	۱۳۔ پھر جب پہنچیں انکے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے صریح
وَ جَحَدُوۡا بِہَا وَ اسۡتَیۡقَنَتۡہَاۤ اَنۡفُسُہُمۡ ظُلۡمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿٪۱۴﴾	۱۴۔ اور ان کا انکار کیا اور ان کا یقین کر چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے سو دیکھ لے کیا ہوا انجام خرابی کرنے والوں کا[۱۴]

ع ۱ ۱۶

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کیلئے پہاڑ پر جانا: یہ "مدین" سے جاتے ہوئے "وادی طویٰ" کے قریب پہنچ کر کہا جبکہ سخت سردی کی اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے۔ مفصل واقعہ سورہ طٰہٰ کے فوائد میں گذر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۵۔ یعنی رستہ کی خبر لاتا ہوں اگر آگ کے پاس کوئی موجود ہو اور نہ کم از کم سینکنے کے لئے ایک انگارا لے آؤں گا۔

۶۔ تجلی الٰہی کی روشنی: وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ دنیا کی آگ نہیں، بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا، یا اس کی تجلی چمک رہی تھی۔ شاید وہ ہی ہو جس کو حدیث میں فرمایا حِجَابُہُ النَّار یا حِجَابُہُ النّوۡرُ پھر غیب سے آواز آئی اَنۡ بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ وَمَنۡ حَوۡلَہَا یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک، آگ میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک، اور اس کے اندر یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰؑ وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالبًا موسیٰؑ کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔

۷۔ آگ میں تجلی کی حقیقت: یعنی مکان، جہت، جسم، صورت اور رنگ وغیرہ سمات حدوث سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی؟ آفتاب عالمتاب قلعی دار آئینہ میں متجلی ہوتا ہے لیکن کون احمق کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا کرہ شمسی چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا؟

۸۔ حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب: "عنی اس وقت تجھ سے کلام کرنے والا میں ہوں، یہ سب واقعہ مفصلاً سورہ "طٰہٰ" میں گذر چکا۔

۹۔ عصا کو زمین پر ڈالنے کا حکم: شاید ابتداء میں پتلا ہو گا، یا سرعت حرکت میں تشبیہ ہو گی، صغر جثہ میں نہیں۔

۱۰۔ یہ خوف طبعی تھا جو منافی نبوت نہیں۔

۱۱۔ یعنی اس مقام حضور و اصطفاء میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ مرسلین کو لائق نہیں کہ ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر لاٹھی یا سانپ یا کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون و طمانیت حاصل ہونا چاہئے۔

۱۲۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف و اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہئے جو کوئی زیادتی یا خطاء تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ

اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ موسیٰؑ سے چوک کر ایک کافر کا خون ہو گیا تھا اس کا ڈر تھا ان کے دل میں، ان کو وہ معاف کر دیا۔

۱۳۔ نو نشانیوں کا بیان سورہ "بنی اسرائیل" کی آیت وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ (بنی اسرائیل۔۱۰۱) الخ کے تحت دیکھو۔

۱۴۔ **معجزات دیکھ کر بھی انکار:** یعنی جب وقتاً فوقتاً ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے وہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰؑ سچے ہیں اور جو نشان دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں۔ جادو، شعبدہ اور نظر بندی نہیں۔ مگر محض بے انصافی اور غرور و تکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کر رہے تھے۔ پھر کیا ہوا، چند روز بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھالیا، کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ
الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم [۱۵] اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی [۱۶] اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر [۱۷]

وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ
عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ
هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا [۱۸] اور بولے اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی [۱۹] اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے [۲۰] بیشک یہی ہے فضیلت صریح

وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ
الطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اسکے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور پھر انکی جماعتیں بنائی [۲۱]

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ
یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ
سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر [۲۲] کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو گھس جاؤ اپنے گھروں میں نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اسکی فوجیں اور انکو خبر بھی نہ ہو [۲۳]

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنۡ قَوۡلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ
اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی
وَالِدَیَّ وَ اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَ اَدۡخِلۡنِیۡ
بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ پھر مسکرا کر ہنس پڑا اسکی بات سے [۲۴] اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں [۲۵]

۱۵۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم عطا کیا گیا: حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے صاحبزادہ ہیں۔ باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو اسکی شان کے لائق اللہ تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا۔ شرائع واحکام اور اصول سیاست وحکمرانی وغیرہ کے علوم سب اس لفظ کے ماتحت میں داخل ہو گئے۔

۱۶۔ حق تعالیٰ نے جو علم داؤد و سلیمان علیہما السلام کو دیا تھا اسی کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے۔ کسی نعمت الٰہی پر شکر ادا کرنا، اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔

۱۷۔ "بہت سے" اس لئے کہا کہ بہت بندگان خدا کو ان پر فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام مبارک ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔

۱۸۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سچے وارث حضرت سلیمان علیہ السلام: یعنی داؤدؑ کے بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشین حضرت سلیمانؑ ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو ان سے قبل یا بعد کسی کو نہ ملا۔ جن، ہوا اور پرندوں کو ان کے لئے مسخر فرما دیا۔ جیسا کہ سورہ "سبا" میں آئے گا۔

۱۹۔ پرندوں کی بولیوں کی عقلی توجیہ: اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہو گا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں ان میں ایک خاص حد تک افہام و تفہیم کی شان پائی جاتی ہے۔ ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بلاتا یا دانہ دینے کے لئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے، ان تمام حالات میں اس کی بولی اور لب ولہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال وضروریات کے وقت بھی ان کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ و متقارب معلوم ہوں) ایسا لطیف تفاوت ہوتا ہو گا جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات واصوات سے زیادہ وقعت نہ ہو گی لیکن ٹیلیگراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرار کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ کیونکہ وہ ان "فقرات تلغرافیہ" کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی و مطالب کے اظہار کے لئے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے، طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے بنی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی ان کا علم عطا فرما دے۔ حیوانات کے لئے جزئی اور اکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کی حیوانات کی بولیوں کی "ابجد" تیار کی جا رہی ہے۔ قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ

اپنی صلوٰۃ و تسبیح سے واقف ہے۔ احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم، بلکہ جمادات محضہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔

تمام مخلوقات کو خالق کی اجمالی معرفت حاصل ہے: اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں تہ نشین کر دی گئی ہے۔ پس ان کی تسبیح و تحمید یا بعض محاورات و خطابات پر بعض بندگان خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سو اعجاز و کرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز و کرامت ہی کیوں کہلائے (خوارق عادت پر ہم نے مستقل مضمون لکھا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے) بہر حال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زائغین نے عجیب طرح کی رکیک اور لچر تحریفات شروع کر دی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا، یا چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبرؑ کا ان کو سمجھ لینا یہ سب باتیں ان کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف و خلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی کچی، لغو اور بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا بلا تردید و تکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کو رد کر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال ان باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطاء و تقصیر ہو سکتی ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ شب و روز کی جن محسوسات اور پیش پا افتادہ حقائق کو انسان کا بچہ بچہ جانتا ہے، وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقل مند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آئی ہو یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔

۲۰۔ یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت و نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ سب عطا فرمائے۔

۲۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جن وانس کے لشکر: یعنی سلیمانؑ جب کسی طرف کوچ کرتے تو جن، انس، طیور تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسب ضرورت و مصلحت ساتھ لئے جاتے تھے۔ اور ان کی جماعتوں میں خاص نظم و ضبط قائم رکھا جاتا تھا۔ مثلاً پچھلی جماعتیں تیز چل کر یا اڑ کر اگلی جماعتوں سے آگے نہیں نکل سکتی تھیں۔ نہ کوئی سپاہی اپنے مقام اور ڈیوٹی کو چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ جس طرح آج بری، بحری اور ہوائی طاقتوں کو ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔

۲۲۔ چیونٹیوں کی بستی پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا گذر: یعنی سلیمانؑ کا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گذر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی (تنبیہ) جہاں چیونٹیاں مل کر خاص سلیقہ سے اپنا گھر بناتی ہیں اسے زبان عرب میں "قریۃ النمل" کہتے ہیں (چیونٹیوں کی بستی)۔ مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں، ان میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمانؑ کا گذر ہوا۔

۲۳۔ ایک چیونٹی کی بات: "غنی یہ ایسے تو نہیں جو جان بوجھ کر تم کو ہلاک کریں، ہاں ممکن ہے بے خبری میں پس جاؤ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "چیونٹی کی آواز کوئی (آدمی) نہیں سنتا، (سلیمانؑ) کو معلوم ہو گئی" یہ ان کا معجزہ ہوا۔ (تنبیہ)۔

چیونٹیوں کی منظم زندگی: علمائے حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شئون بشریہ سے قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں۔ ان میں تعاون باہمی کا جذبہ، تقسیم عمل کا اصول، اور نظام حکومت کے ادارات نوع انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں۔ محققین یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں، بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ افسوس ہے ان مختصر فوائد میں ان کی گنجائش نہیں۔ محض مقام کی مناسبت سے "دائرۃ المعارف المصریہ" کے آخری جملے نقل کرتا ہوں فمتی داھم عدوٌّ قَرْیَۃً لِلنَّمْلِ اختفَتِ الْعَمَلَۃُ وَخَرَجَتِ الْجُنُوْدُ لِلْقِتَالِ وَالنِّضَالِ فَیَخْرُجُ اَوَّلاً وَاحِدٌ مِنْھَا لِلْاِسْتِطْلَاعِ ثُمَّ یَعُوْدُ مُجْزًا بِمَا رَأٰی وَبَعْدَ ھُنَیْھَۃٍ تَخْرُجُ ثَلَاثَۃٌ اَوْ اَرْبَعَۃٌ یَتْبَعُھَا عَدَدٌ

كَثِيۡفٌ مِنَ الۡجُيُوۡشِ بادِيَةٌ عَلَيۡهِمۡ عَلَائِمُ الۡحَنَقِ فَتَلۡدَغُ كُلَّ مَا صَادَفَتۡهُ وَلَا تَفۡلَتُ مِنَ تَلۡدَغُهٗ وَلَوۡ قَطَعَتۡ اربًا اربًا۔ فَإِذَا انۡتَهَى الۡقِتَالُ رَجَعَ الۡفَعَلَةُ فَاَعَادُوۡا بِنَاءَ مَاتَهَدَّمَ يَتَخَلَلُهَا عَدَدٌ مِنَ الۡجُنُوۡدِ لِلۡحِرَاسَةِ لَا لِلۡعَمَلِ خط کشیدہ جملوں میں بتلایا ہے کہ خطرہ کی آہٹ پا کر اول ایک چیونٹی باہر نکلتی ہے اور واپس جا کر اپنی قوم کو اپنی معلومات سے آگاہ کرتی ہے۔ باقی سلیمانؑ کا پتہ لگا لینا اور سلیمانؑ کا اسکی بات پر مطلع ہو جانا بطریق خرق عادت تھا۔

۲۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تبسم اور تعجب: اس چیونٹی کی بات سمجھ کر تعجب ہوا۔ اور فرط سرور و نشاط سے ادائے شکر کا جذبہ جوش میں آیا۔

۲۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا: یعنی حیران ہوں تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں، پس آپ ہی سے التجاء کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں (جو انبیاء و مرسلین ہیں) محشور فرمائیے۔

وَ تَفَقَّدَ الطَّيۡرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الۡهُدۡهُدَ ۖ اَمۡ كَانَ مِنَ الۡغَآئِبِيۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہدہد کو یا ہے وہ غائب[۲۶]

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيۡدًا اَوۡ لَاَاذۡبَحَنَّهٗۤ اَوۡ لَيَاۡتِيَنِّيۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اس کو سزا دوں گا سخت سزا[۲۷] یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح[۲۸]

فَمَكَثَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ فَقَالَ اَحَطۡتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ وَ جِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ پھر بہت دیر نہ کی کہ آ کر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لیکر تحقیق[۲۹]

اِنِّيۡ وَجَدۡتُّ امۡرَاَةً تَمۡلِكُهُمۡ وَ اُوۡتِيَتۡ مِنۡ كُلِّ شَيۡءٍ وَّلَهَا عَرۡشٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ میں نے پایا ایک عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اسکو ہر ایک چیز ملی ہے[۳۰] اور اس کا ایک تخت ہے بڑا[۳۱]

وَجَدۡتُّهَا وَ قَوۡمَهَا يَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ فَهُمۡ لَا يَهۡتَدُوۡنَ ۙ﴿۲۴﴾

۲۴۔ میں نے پایا کہ وہ اور اسکی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے اور بھلے دکھلا رکھے ہیں ان کو شیطان نے انکے کام پھر روک دیا ہے انکو رستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے[۳۲]

اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا
تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو[٣٣]

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿٢٦﴾ السجدة

٢٦۔ اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوائے پروردگار تخت بڑے کا[٣٤]

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ
الْكٰذِبِیْنَ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے[٣٥]

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ
فَانْظُرْ مَا ذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾

٢٨۔ لیجا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان کے پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں[٣٦]

٢٦۔ ہُدہُد کے بارے میں سوال: کسی ضرورت سے سلیمانؑ نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا۔ ہدہد ان میں نظر نہ پڑا۔ فرمایا کیا بات ہے ہدہد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟ (تنبیہ) پرندوں سے حضرت سلیمانؑ مختلف کام لیتے تھے مثلاً ہوائی سفر میں ان کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے جانا، یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا، یا نامہ بری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہدہد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہدہد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ اور یہ کچھ مستبعد نہیں کہ حق تعالیٰ کسی جانور کو کوئی خاص حاسّہ انسانوں اور دوسرے جانوروں سے تیز عنایت فرما دے۔ اسی ہدہد کی نسبت نہایت معتبر ثقات نے بیان کیا کہ زمین میں جس جگہ مٹی کے نیچے کینچوا ہو اسے محسوس کر کے فوراً نکال لیتا ہے۔ حتیٰ کہ کبھی کبھی ایک دو بالشت زمین کھودتا ہے تب وہاں سے کینچوا نکلتا ہے۔

٢٧۔ مثلاً اس کے بال و پر نوچ ڈالوں گا۔

٢٨۔ یعنی اپنی غیر حاضری کا واضح عذر پیش کرے۔

٢٩۔ قوم سبا کی خبر: حضرت سلیمانؑ کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا۔ اب پہنچا۔ سبا ایک قوم کا نام ہے ان کا وطن عرب میں تھا "یمن" کی طرف" (موضح القرآن) گویا ہدہد کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی محیط نہیں ہو سکتا دیکھو جن کی بابت خود فرمایا تھا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ان کو ایک جزئی اطلاع ہدہد نے کی۔

٣٠۔ ہر ایک چیز میں، مال، اسباب، فوج، اسلحہ اور حسن و جمال سب آ گیا۔

٣١۔ بلقیس کا تخت: یعنی اس ملکہ کے بیٹھنے کا تخت ایسا مکلف و مرصع اور بیش قیمت تھا کہ اس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا، مفسرین ملکہ کا نام

"بلقیس" لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۲۔ قوم سبا کی آفتاب پرستی: یعنی وہ قوم مشرک آفتاب پرست ہے شیطان نے ان کی راہ مار دی، اور مشرکانہ رسوم و اطوار کو ان کی نظر میں خوبصورت بنا دیا۔ اسی لئے وہ راہ ہدایت نہیں پاتے۔ ہدہد نے یہ کہہ کر گویا سلیمانؑ کو اس قوم پر جہاد کرنے کی ترغیب دی۔

۳۳۔ جانوروں کو حق تعالیٰ کی جبلی معرفت: غالبًا یہ ہدہد کے کلام کا تتمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانور اپنے خالق کی صحیح معرفت فطرۃً رکھتے ہیں۔ بطور خرق عادت اُسی ہدہد کو اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ خدا چاہے تو ایسی معرفت ایک خشک لکڑی میں پیدا کر دے۔ باقی جانوروں میں فطری طور پر اس قسم کی عقل و معرفت کا موجود ہونا جسے صدر شیرازی نے "اسفار اربعہ" میں "علم حضور" یا "شعور بسیط" سے تعبیر کیا ہے اس کو مستلزم نہیں کہ ان کی طرف انبیاء مبعوث ہوں۔ کیونکہ یہ فطری معرفت کسبی نہیں، جبلی ہے۔ اور بعثت انبیاء کا تعلق کسبیات سے ہوتا ہے۔ نیز یہ صحیح نہیں کہ جس چیز میں کوئی درجہ عقل و شعور کو ہو وہ مکلف بھی ہو۔ مثلاً شریعت حقہ نے صبی کو مکلف قرار نہیں دیا۔ حالانکہ قبل از بلوغ اس میں خاصا درجہ عقل کا موجود ہے اسی سے حیوانات کی عاقلیت کا اندازہ کر لو۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہدہد کی روزی ہے ریت سے کیڑے نکال کر کھانا۔ نہ دانہ کھائے نہ میوہ، اس کو اللہ کی اسی قدرت سے کام ہے" شاید اس لئے یُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ کا خاص طور پر ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

۳۴۔ یعنی اس کے عرش عظیم سے بلقیس کے تخت کو کیا نسبت۔

۳۵۔ یعنی تیرے جھوٹ سچ کا امتحان کرتا ہوں۔

۳۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط: یعنی سلیمانؑ نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالہ کیا کہ ملکہ "سبا" کو پہنچا دے اور جواب لے کر آ۔ اور دیکھنا خط پہنچا کر وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا۔ کیونکہ قاصد کا وہیں سر پر کھڑا رہنا آداب شاہانہ کے خلاف ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی آپ کو چھپا، لیکن وہاں کا ماجرا دیکھ، ہدہد خط لے گیا، بلقیس جہاں اکیلی سوتی تھی۔ روزن میں سے جا کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔" (موضح)

قَالَتۡ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّیۡۤ اُلۡقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیۡمٌ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا
اِنَّهٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے [۳۷] اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَ اۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾ ع ۲/۱۷	۳۱۔ کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکمبردار ہو کر [۳۸]
قَالَتۡ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۚ مَا کُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰی تَشۡهَدُوۡنِ ﴿۳۲﴾	۳۲۔ کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک [۳۹]
قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ وَّ اُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ ۬ۙ وَّ	۳۳۔ وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی

الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

والے اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے[۴۰]

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ کہنے لگی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اسکو خراب کر دیتے ہیں اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ کریں گے

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لیکر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے[۴۱]

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو[۴۲]

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جنکا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے[۴۳]

۳۷۔ **بلقیس کا اہل دربار سے مشورہ:** بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا، کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز و محترم بادشاہ (سلیمانؑ) کی طرف سے آیا ہے۔ غالبًا حضرت سلیمانؑ کا نام اور ان کی بے مثال حکومت و شوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہو گی۔

۳۸۔ **خط کا مضمون:** ایسا مختصر، جامع اور پر عظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہو گا۔ خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکمبردار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔

۳۹۔ یعنی مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدون تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی۔

۴۰۔ **اہل دربار کا مشورہ:** یعنی ہمارے پاس زور و طاقت اور سامان حرب کی کمی نہیں۔ نہ کسی بادشاہ سے دبنے کی ضرورت، تیرا حکم ہو تو ہم سلیمانؑ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے۔ ہماری گردن اس کے سامنے خم ہو گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ

درباریوں کی صلاح لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ نے اس میں تعجیل مناسب نہ سمجھی اور ایک بین بین صورت اختیار کی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۴۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے بلقیس کے تحفے: معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خط کی عظمت و شوکت اور دوسرے قرائن و آثار سے بلقیس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ پر ہم غالب نہیں آسکتے۔ اور کم از کم اس کا قوی احتمال تو ضرور تھا۔ اس نے بتلایا کہ ایسی شان و شکوہ رکھنے والے بادشاہوں سے لڑنا کھیل نہیں۔ اگر وہ غالب آگئے (جیسا کہ قوی امکان ہے) تو ملوک و سلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور وہ انقلاب ایسا ہو گا جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ لہذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ ان کی طاقت، طبعی رجحانات، نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ ان کی دھمکیوں کی پشت پر کون سی قوت کار فرما ہے۔ اور یہ کہ واقعی طور پر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں، اگر کچھ تحائف و ہدایا دیکر ہم آنے والی مصیبت کو اپنے سر سے ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔ ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہو جائے گا ہم اس کے مناسب کارروائی کریں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "بلقیس نے چاہا کہ اس بادشاہ کا شوق دریافت کرے کس چیز سے ہے۔ مال، خوبصورت آدمی یا نادر سامان، سب قسم کی چیزیں تحفہ میں بھیجی تھیں۔

۴۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب: یعنی یہ تحفہ تمہیں ہی مبارک رہے کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال و متاع کا لالچ دیتے ہو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی و مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے ان سامانوں کی ہمیں کیا پروا۔

۴۳۔ حملے کا ارادہ: یعنی قیدی بنیں گے، جلاوطن ہوں گے اور ذلت و خواری کے ساتھ دولت و سلطنت سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اور کسی پیغمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی، سلیمانؑ کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا زور تھا جو یہ فرمایا۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ
اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکم بردار ہو کر [۴۴]

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ
تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ بولا ایک دیو جنوں میں سے میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے [۴۵] اور میں اس پر زور آور ہوں معتبر [۴۶]

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ
قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا
عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ
ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

۴۰۔ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اسکو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ [۴۷] پھر جب دیکھا اسکو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے [۴۸] میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری [۴۹] اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو میرا رب بے پرواہ ہے کرم والا [۵۰]

لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ كَرِیۡمٌ ﴿۴۰﴾

قَالَ نَكِّرُوۡا لَهَا عَرۡشَهَا نَنۡظُرۡ اَتَهۡتَدِیۡۤ اَمۡ

تَكُوۡنُ مِنَ الَّذِیۡنَ لَا یَهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ کہا روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اسکے تخت کا سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں [۵۱]

۴۴۔ بلقیس کی اطاعت وانقیاد: قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا۔ بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں ان کی قوت خدائی زور سے ہے۔ جدال و قتال سے کچھ فائدہ نہ ہو گا، نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے۔ آخر اظہار اطاعت وانقیاد کی غرض سے بڑے سازوسامان کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہو گئی۔ جب ملک شام کے قریب پہنچی، حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمانؑ کو کئی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت و قوت کا اظہار مقصود تھا۔ تا وہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ (تنبیہ) قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ سے معلوم ہوا کہ اسلام وانقیاد سے پہلے حربی کا مال مباح ہے۔

۴۵۔ تخت لانے کیلئے جن کا اصرار: حضرت سلیمانؑ کا دربار روزانہ ایک معین وقت تک لگتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھ کر جائیں، میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں، مگر اس کو پھر کچھ عرصہ لگتا۔ حضرت سلیمانؑ اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتے تھے۔

۴۶۔ "زور آور ہوں" یعنی اپنی قوت بازو سے بہت جلد اٹھا کر لا سکتا ہوں، اللہ نے مجھ کو قدرت دی ہے اور "معتبر ہوں" یعنی اس میں خیانت نہ کروں گا۔ کہتے ہیں تخت بہت بیش قیمت تھا، سونے چاندی کا اور لعل و جواہر جڑے تھے۔

۴۷۔ ایک صحابی کا چشم زدن میں تخت لانے کا وعدہ: راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمانؑ کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھئے، قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہو گا۔

۴۸۔ کرامت اللہ کا فعل ہے: یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا، اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے، جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمانؑ پر بھی اس کی شکر گذاری عائد ہوئی۔ (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے۔ پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں "مارب" سے "شام" پہنچا دے۔ حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔

۴۹۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا شکر: حضرت سلیمانؑ ہر ہر قدم پر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہمہ وقت شکر گذاری کے لئے تیار رہتے تھے۔ گویا یہ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا (سبا۔۱۳) کے حکم کی تعمیل تھی۔

۵۰۔ یعنی شکر گذاری کا نفع شاکر ہی کو پہنچتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں، ناشکری کرے گا تو خدا کا کیا نقصان، وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے ہمارے کفران نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آجاتی۔ یہ بھی اس کا کرم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ ایسے کریم کی ناشکری کرنے والا پرلے درجہ کا بیحیا اور احمق ہے۔

۵۱۔ تخت کے ذریعے بلقیس کی آزمائش: یعنی تخت کا رنگ روپ تبدیل کر دو اور اس کی وضع وہیات بدل ڈالو، جسے دیکھ کر بلقیس باآسانی نہ سمجھ سکے۔ اس سے بلقیس کی عقل و فہم کو آزمانا تھا کہ ہدایت پانے کی استعداد اس میں کہاں تک موجود ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتۡ قِيۡلَ اَهٰكَذَا عَرۡشُكِ ؕ قَالَتۡ كَاَنَّهٗ
هُوَ ۚ وَاُوۡتِيۡنَا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهَا وَكُنَّا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ پھر جب وہ آ پہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے [۵۲] اور ہم کو معلوم ہو چکا پہلے سے اور ہم ہو چکے حکم بردار [۵۳]

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتۡ تَّعۡبُدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا
كَانَتۡ مِنۡ قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور روک دیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوائے البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں [۵۴]

قِيۡلَ لَهَا ادۡخُلِى الصَّرۡحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتۡهُ حَسِبَتۡهُ
لُجَّةً وَّكَشَفَتۡ عَنۡ سَاقَيۡهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرۡحٌ
مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ ۗ قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِىۡ وَ
ع ۳ ۱۸ اَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَيۡمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اسکو خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں [۵۵] کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے [۵۶] بولی اے رب میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے جو رب ہے سارے جہان کا [۵۷]

۵۲۔ بلقیس کی حق گوئی: نہ کہا کہ ہاں وہ ہی ہے اور نہ بالکل نفی کی، جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دی کہ تخت وہ ہی ہے مگر کچھ اوصاف میں فرق آگیا اور فرق چونکہ معتد بہ نہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ ہی ہے۔

۵۳۔ حضرت بلقیس کا قبول حق: یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی، ہم کو پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سلیمانؑ محض بادشاہ نہیں، اللہ کے مقرب بندہ ہیں، اور اسی لئے ہم نے فرمانبرداری اور تسلیم و انقیاد کا رستہ اختیار کیا۔

۵۴۔ یعنی حق تعالیٰ یا سلیمانؑ نے حق تعالیٰ کے حکم سے ملکہ بلقیس کو آفتاب وغیرہ کی پرستش سے روک دیا۔ جس میں وہ بمعیت اپنی قوم کے مبتلا تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہونے تک جو علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کے خیال اور قوم کفار کی تقلید و صحبت نے اس کو ایسا کرنے سے روک رکھا تھا نبی کی صحبت میں پہنچ کر وہ روک جاتی رہی۔ ورنہ سلیمانؑ کی صداقت کا اجمالی علم اس کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

۵۵۔ یعنی پانی میں گھسنے کے لئے پائنچے چڑھا لئے جیسے عام قاعدہ ہے کہ پانی کی گہرائی پوری طرح پر معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائنچے چڑھا لیتا ہے۔

۵۶۔ حضرت بلقیس کا ایک اور امتحان: حضرت سلیمانؑ دیوان خانہ میں بیٹھے تھے۔ اس میں پتھروں کی جگہ شیشے کا فرش تھا۔ صاف شیشہ دور سے نظر آتا کہ پانی لہرا رہا ہے۔ اور ممکن ہے شیشہ کے نیچے واقعی پانی ہو، یعنی حوض کو شیشہ سے پاٹ دیا ہو اس نے پانی میں گھسنے کے لئے پنڈلیاں کھولیں۔

سلیمانؑ نے پکارا کہ یہ شیشہ کا فرش ہے، پانی نہیں۔ اس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھیں وہ ہی صحیح ہوگا۔ اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ جس سازو سامان پر اس کی قوم کو ناز تھا، یہاں اس سے بڑھ کر سامان موجود ہے۔ گویا سلیمانؑ نے اس کو متنبہ فرما دیا کہ آفتاب وستاروں کی چمک پر مفتوں ہو کر انہیں خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسے آدمی شیشہ کی چمک دیکھ کر پانی گمان کر لے۔

۵۷۔ حضرت بلقیس کی شرک سے توبہ: یعنی اے پروردگار! میں تیری حکم بردار ہو کر سلیمانؑ کا راستہ اختیار کرتی ہوں، اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا کہ شرک وکفر میں مبتلا رہی، اب اس سے تائب ہو کر تیری بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرتی ہوں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی پھر وہ تو دو فرقے ہو کر لگے جھگڑنے [۵۸]

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو پہلے بھلائی سے کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے شاید تم پر رحم ہو جائے [۵۹]

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو [۶۰] کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے [۶۱] کچھ نہیں تم لوگ جانچے جاتے ہو [۶۲]

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور تھے اس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے ملک میں اور اصلاح نہ کرتے [۶۳]

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ
لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر اسکے گھر پر پھر کہدیں گے اسکے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں [۶۴]

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا

۵۰۔ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک

يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

فریب اور انکو خبر نہ ہوئی[۶۵]

فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكۡرِهِمۡ ۙ اَنَّا دَمَّرۡنٰهُمۡ وَ
قَوۡمَهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ پھر دیکھ لے کیسا ہوا انجام انکے فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے انکو اور انکی قوم کو سب کو[۶۶]

فَتِلۡكَ بُيُوۡتُهُمۡ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوۡا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ سو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ڈھیر ہوئے بسبب انکے انکار کے[۶۷] البتہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں[۶۸]

وَاَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے[۶۹]

۵۸۔ حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت: یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر، جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔ قوم "ثمود" کے جھگڑنے کی قدرے تفصیل سورہ "اعرف" کی ان آیات میں گذر چکی۔ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ الخ (اعراف۔۷۵)۔

۵۹۔ قوم کو فہمائش: حضرت صالحؑ نے ان کو بہت سمجھایا ہر طرح فہمائش کی اور آخر میں عذاب کی دھمکی دی جس پر وہ کہنے لگے يٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ۔ (اعراف۔۷۷) یعنی سچا ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آ دیر کس بات کی ہے حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ کمبختو! ایمان و توبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ الٹے برائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ برا وقت آ پڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائے گی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔

۶۰۔ یعنی جب سے تیرا منحوس قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع کی ہیں ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔

۶۱۔ یعنی یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں تمہاری بد قسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بد اعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔

۶۲۔ یعنی کفر کی شامت سے تم پر سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔

۶۳۔ نو (۹) مفسدین: یہ نو شخص شاید نو جماعتوں کے سردار ہوں گے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اصلاح و درستی کی طرف ان کا قدم کبھی نہ اٹھتا تھا۔ مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر کی دشمنی میں ساعی رہتے تھے۔ بعض مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں۔

۶۴۔ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش: یعنی آپس میں معاہدے اور حلف ہوئے کہ سب ملکر رات کو حضرت صالحؑ کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا ہمیں خبر نہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ اس گھر کی تباہی ہماری

آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ گویا ہم خود تو ایسی حرکت کیا کرتے اس وقت موقع پر موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے انکے حمایتی خون بہا وصول کریں۔

۶۵۔ نا سمجھی میں اپنی ہلاکت کا سامان: ان کا مکر تو وہ جھوٹی سازش تھی اور خدا کا مکر تھا ان کو ڈھیل دینا کہ خوب دل کھول کر اپنی شرارتوں کی تکمیل کر لیں۔ تا مستحق عذاب عظیم ہونے میں کوئی حجت وعذر باقی نہ رہے۔ وہ سمجھ رہے تھے۔ کہ ہم حضرت صالحؑ کا قصہ ختم کر رہے ہیں، یہ خبر نہ تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے اور ان ہی کا قصہ ختم ہو رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے، شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی"۔

۶۶۔ نو (۹) مفسدین کی سازش اور ہلاکت: ان نو اشخاص نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں عذاب آ کر رہے گا۔ تب آپس میں ٹھہرایا کہ ہم تو خیر تین دن کے بعد ہلاک کئے جائیں گے ان کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دو۔ چنانچہ شب کے وقت حضرت صالحؑ کے گھر پر چھاپہ مارنے اور ان کو مع اہل وعیال کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نو آدمی اس ناپاک مقصد کے لئے تیار ہو کر نکلے باقی کفار ان کے تابع یا معین تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ لگا دیا، آخر وہ تو عذاب سماوی سے تباہ ہوئے اور اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کرایا۔

۶۷۔ ثمود کی بستیوں کے کھنڈر: مکہ والے شام کا سفر کرتے تو راستہ پر "وادی القریٰ" میں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر دیکھتے تھے فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً الخ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔

۶۸۔ یعنی جاننے والوں کو چاہیئے کہ ان واقعات ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔

۶۹۔ مومنین کی عذاب سے حفاظت: یعنی حضرت صالح کے رفقاء جو ایمان لائے اور کفر وعصیان سے بچتے تھے، ہم نے ان کو عذاب کی لپیٹ سے بچا دیا۔ خدا کی قدرت دیکھو! مومن وکافر لے ملے ایک بستی میں رہیں مگر عذاب آتا ہے تو چن چن کر کافروں کو ہلاک کرتا ہے۔ مومن کو نہیں چھوتا۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو [۷۰]

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو [۷۱]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ پھر اور کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوط کے گھر کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے [۷۲]

فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرۡنٰهَا مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور اسکے گھر والوں کو[۷۳] مگر اسکی عورت مقرر کر دیا تھا ہم نے اسکو رہ جانے والوں میں[۷۴]

وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۵۸﴾ ع

۵۸۔ اور برسا دیا ہم نے ان پر برساؤ پھر کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا[۷۵]

قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ؕ آٰللّٰهُ خَیۡرٌ اَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾ ط

۵۹۔ تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا[۷۶] بھلا اللہ بہتر ہے یا جنکو وہ شریک کرتے ہیں[۷۷]

۷۰۔ یعنی دیکھتے ہو کیسا برا اور گندہ کام ہے۔

۷۱۔ **قوم لوط کی بے حیائی:** یعنی تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے، پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہو۔

۷۲۔ یعنی اپنے کو بڑا پاک وصاف بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ہم ناپاکوں میں ان کا کیا کام۔

۷۳۔ یعنی انہیں تباہ کر کے انہیں بچالیا۔

۷۴۔ یعنی حضرت لوطؑ کی بیوی جو ان بد معاشوں کی اعانت کرتی تھی، وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ڈھیر ہو گئ۔

۷۵۔ **قوم لوط کا انجام ان واقعات سے عبرت:** یعنی آسمان سے پتھر برسائے اور شہر کا تختہ الٹ دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ مذکورہ بالا تین قصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں فرمایا "ہم لائیں گے لشکر جس کا سامنا نہ کر سکیں گے وہ ہی بات ہوئی رسول میں اور مکہ والوں میں۔ اور حضرت صالحؑ پر نو شخص متفق ہوئے کہ رات کو جا پڑیں۔ اللہ نے ان کو بچایا اور ان کو غارت کیا مکہ کے لوگ بھی یہ ہی چاہ چکے، لیکن نہ بن پڑا جس رات حضرت نے ہجرت کی، کتنے کافر حضرت کا گھر گھیر بیٹھے تھے کہ صبح کو اندھیرے میں نکلیں تو سب ملکر مار لیں۔ (کسی ایک کو خون بہانہ دینا پڑے) حضرت صاف بچ کر نکل گئے۔ ان کو نہ سوجھا۔ اور قوم لوط نے چاہا کہ پیغمبر کو شہر سے نکال دیں، یہ ہی مکہ والے بھی چاہ چکے۔ اللہ نے آپ سے نکلنا بتایا کہ خود اپنے اختیار سے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ اور اسی میں کام نکالا۔

۷۶۔ **خطبہ حمد وثناء:** قصص سے فارغ ہو کر آگے آٰللّٰهُ خَیۡرٌ اَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ سے توحید کا بیان فرمانا ہے۔ یہ الفاظ بطور خطبہ کے تعلیم فرمائے جو بیان شروع کرنے سے قبل ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھلا دی" (موضح) اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جو کمالات واحسانات اوپر بضمن قصص میں مذکور ہوئے ہیں ان پر پیغمبر کو حکم ہوا کہ اللہ کی حمد وثناء کریں اور شکر بجالائیں اور اس کے مقبول بندوں پر جن میں سے بعضوں کا اوپر نام لیا گیا ہے۔ سلام بھیجیں۔

۷۷۔ **توحید کا بیان:** یہاں سے توحید کا وعظ شروع کیا گیا ہے۔ یعنی قصص مذکورہ بالا سن کر اور دلائل تکوینیہ وتنزیلیہ میں غور کر کے تم ہی بتلاؤ کہ ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ماننا بہتر اور نافع اور معقول ہے یا اس کی خدائی میں اس کی عاجز ترین مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ یہ مسئلہ اب کچھ ایسا مشکل تو نہیں رہا جس کا فیصلہ کرنے میں کچھ دقت ہو یا دیر لگے۔ تاہم مزید تذکیر وتنبیہ کی غرض سے آگے اللہ تعالیٰ کی بعض شئون وصفات بیان کی جاتی ہیں جو توحید پر دال ہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ
السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ
بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ
مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾

٦٠۔ بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتار دیا تمہارے لئے آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے اس سے باغ رونق والے تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت[٧٨] اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے ہیں[٧٩]

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ
جَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾

٦١۔ بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ[٨٠] اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اسکے ٹھہرانے کو بوجھ[٨١] اور رکھا دو دریا میں پردہ[٨٢] اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں[٨٣]

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ
وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

٦٢۔ بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اسکو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی[٨٤] اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر[٨٥] اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو[٨٦]

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ
يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ
مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٣﴾

٦٣۔ بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے[٨٧] اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے پہلے[٨٨] اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جسکو شریک بتلاتے ہیں[٨٩]

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾

٦٤۔ بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اسکو دہرائے گا[٩٠] اور کون روزی دیتا ہے تمکو آسمان سے اور زمین سے[٩١] اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو[٩٢]

۷۸۔ اللہ کی قدرت کے مظاہر: سرے سے درختوں کا اگانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ چہ جائیکہ اسکا پھول پھل لانا اور بارآور کرنا۔

۷۹۔ مشرکین کی بے راہ روی: یعنی تمام دنیا جانتی ہے اور خود یہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش برسانا، درخت اگانا، بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں ان کا اقرار و اعتراف مذکور ہے پھر یہاں تک پہنچ کر راستہ سے کیوں کترا جاتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے، تو اس کی الوہیت و معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ "عبادت" انتہائی تذلل کا نام ہے، سو وہ اسی کی ہونی چاہئے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔

۸۰۔ یعنی آدمی اور جانوروں کی قیام گاہ ہے۔ آرام سے اس پر زندگی بسر کرتے اور اس کے محاصل سے منتفع ہوتے ہیں۔

۸۱۔ یعنی پہاڑ رکھ دئے تا کہ ٹھہری رہے، کپکپائے نہیں۔

۸۲۔ اس کی تحقیق قریب ہی سورہ "فرقان" میں گذر چکی۔ آیت وَهُوَ الَّذِیۡ مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیۡنَهُمَا بَرۡزَخًا وَّ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۸۳۔ یعنی کوئی اور با اختیار ہستی ہے جس سے یہ کام بن پڑیں اور اس بناء پر وہ معبود بننے کے لائق ہو۔ جب نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک و مخلوق پرستی کے غار عمیق میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔

۸۴۔ مصیبت کو دور کرنے والا کون ہے: یعنی جب اللہ چاہے اور مناسب جانے تو بے کس اور بیقرار کی فریاد سن کر سختی کو دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ فَیَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡهِ اِنۡ شَآءَ (انعام۔۴۱) گویا اسی نے دعاء کو بھی اسباب عادیہ میں سے ایک سبب بنایا ہے جس پر مسبّب کا ترتب بمشیت الٰہی استجماع شروط اور ارتفاع موانع کے بعد ہوتا ہے۔ اور علامہ طیبی وغیرہ نے کہا کہ آیت میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو۔ پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔

۸۵۔ یعنی ایک قوم یا نسل کو اٹھا لیتا اور اس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔

۸۶۔ یعنی پوری طرح دھیان کرتے تو دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ انہی پر اپنی حوائج و ضروریات اور قوموں کے ادل بدل کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ جس کے ہاتھ میں ان امور کی باگ ہے تنہا اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

۸۷۔ یعنی خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ بلاواسطہ یا بالواسطہ قطب نما وغیرہ آلات کے۔

۸۸۔ یعنی باران رحمت سے پہلے ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔

۸۹۔ یعنی کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق، جسے اسکی خدائی کا شریک بتلایا جا رہا ہے۔

۹۰۔ ابتداءً پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے کہ اللہ کا کام ہے۔ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو بھی اسی سے سمجھ لو۔ منکرین "بعث بعد الموت" بھی اتنا سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض دوبارہ پیدا کئے گئے تو یہ کام اسی کا ہو گا جس نے اول پیدا کیا تھا۔

۹۱۔ یعنی کون ہے جو آسمانی اور زمینی اسباب کے ذریعہ سے اپنی حکمت کے موافق تم کو روزی پہنچاتا ہے۔

۹۲۔ اگر سچے ہو شرک کی دلیل لاؤ: یعنی اگر اتنے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں محض اندھی تقلید ہے وَمَنۡ یَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ (مومنون۔۱۱۷)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾	٦٥۔ تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ[٩٣] اور ان کو خبر نہیں کب جی اٹھیں گے[٩٤]
بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾	٦٦۔ بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت کے بارہ میں بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں[٩٥]
وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾	٦٧۔ اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہو جائیں مٹی اور ہمارے باپ دادے کیا ہم کو زمین سے نکال لیں گے
لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾	٦٨۔ وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں اگلوں کی[٩٦]
قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾	٦٩۔ تو کہہ دے پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام کار گناہگاروں کا[٩٧]
وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾	٧٠۔ اور غم نہ کر ان پر اور نہ خفا ہو ان کے فریب بنانے سے[٩٨]
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾	٧١۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو[٩٩]
قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾	٧٢۔ تو کہہ کیا بعید ہے جو تمہاری پیٹھ پر پہنچ چکی ہو بعضی وہ چیز جس کی جلدی کر رہے ہو[١٠٠]

ع ٥ ٨ ١

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر پر ان میں بہت لوگ شکر نہیں کرتے [۱۰۱]

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَ مَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے انکے سینوں میں اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں

وَ مَا مِنۡ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں [۱۰۲]

۹۳۔ اللہ کی قدرت تامہ اور علم محیط: اس آیت میں مضمون سابق کی تکمیل اور مضمون لاحق کی تمہید ہے۔ شروع پارہ سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ، رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا۔ یعنی جب وہ ان صفات وشئون میں منفرد ہے تو الوہیت ومعبودیت میں بھی منفرد ہونا چاہئے۔ آیت حاضرہ میں اس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جارہا ہے۔ یعنی معبود وہ ہوگا جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین وآسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں، اسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اس کی ذات ہوئی۔ (تنبیہ)۔

عالم الغیب کے الفاظ کا استعمال: کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں، نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے۔ اور نہ مفاتیح (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورہ "انعام" میں گذر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا، غیب کی خبر دے دی۔ لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر "عالم الغیب" یا "فلان یعلم الغیب" کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔ اسی لئے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کئے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں کسی کا یہ کہنا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں، سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا انی اکرہ الحق وَاُحِبُّ الفتنۃ وافِرُّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے دور بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے، حالانکہ باعتبار نیت ومراد کے قبیح نہ تھا اسی طرح فلاں عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو۔ اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون وتخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن ودلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لئے کوئی دلیل وقرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورہ انعام واعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر لی جائے۔

۹۴۔ یعنی قیامت کب آئے گی جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس کی خبر کسی کو نہیں۔ پہلے سے مبداء کا ذکر چلا آتا تھا۔ یہاں سے معاد کا شروع ہوا۔

۹۵۔ آخرت کا ادراک: یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح) اور بعض مفسرین نے یوں تقریر کی ہے کہ آخرت کے ادراک تک ان کے علم کی رسائی نہ ہوئی اور نہ عدم علم کی وجہ سے صرف خالی الذہن رہے بلکہ اس کے متعلق شک وتردد میں پڑ گئے، اور نہ صرف شک وتردد بلکہ ان دلائل وشواہد سے بالکل آنکھیں بند کرلیں جن میں غور وتامل کرتے تو شک رفع ہو سکتا تھا۔

۹۶۔ آخرت پر کفار کا اعتراض: یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے یہ ہی وعدے کئے گئے تھے۔ جو پہلے کہہ گئے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں۔ لیکن کتنے قرن گذر چکے، ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اس کو سزا ملی ہو۔

۹۷۔ یعنی کتنے مجرموں کو دنیا ہی میں عبرتناک سزائیں مل چکی ہیں اور پیغمبروں کا فرمانا پورا ہو کر رہا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ بعث بعد الموت اور عذاب اخروی کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔ یہ کارخانہ یوں ہی بے سرا نہیں کہ اس پر کوئی حاکم نہ ہو، وہ اپنی رعایا کو یوں ہی مہمل نہ چھوڑے گا۔ جب سب مجرموں کو یہاں پوری سزا نہیں ملتی تو یقیناً کوئی دوسری زندگی ہوگی جہاں ہر ایک اپنی کیفر کردار کو پہنچے۔ اگر تمہاری یہ ہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

۹۸۔ یعنی ان کو سمجھا کر اور بدی کے انجام پر متنبہ کر کے الگ ہو جایئے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم وتاسف نہ کریں اور نہ ان کے مکر وفریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل اور خفا ہوں آپ اپنا فرض ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا۔ اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں، ان کو بھی دے گا۔

۹۹۔ یعنی آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں کب نازل ہوگا؟

۱۰۰۔ عذاب کا وعدہ قریب ہے: یعنی گھبراؤ نہیں، وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آلگا ہو، (چنانچہ زیادہ دن نہ گذرے کہ "بدر" میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی) رہی قیامت کبریٰ، سو اس کے بھی بعض آثار وعلامات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔

۱۰۱۔ یعنی حق تعالیٰ اپنے فضل سے اگر عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہیئے تھا اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانی کے شکر گذار ہو کر ایمان وعمل صالح کا راستہ اختیار کرتے۔ لیکن وہ اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔

۱۰۲۔ ہر چیز اللہ کے پاس لکھی ہوئی ہے: یعنی تمہارے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید، نیتیں، ارادے، اور زمین وآسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ ہے جلد یا بدیر اپنے وقت پر آئے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت وعزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾	۷۶۔ یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو بہت چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں
وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾	۷۷۔ اور بیشک وہ ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے واسطے [۱۰۳]
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ	۷۸۔ تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا اپنی حکومت سے

الۡعَلِيۡمُ ﴿٧٨﴾

اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا[١٠٤]

فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الۡحَقِّ الۡمُبِيۡنِ ﴿٧٩﴾

٧٩۔ سو تو بھروسہ کر اللہ پر بیشک تو ہے صحیح کھلے رستہ پر[١٠٥]

١٠٣۔ قرآن میں بنی اسرائیل کے اختلافات کا فیصلہ: یعنی ابھی عملی فیصلہ کا وقت نہیں آیا۔ البتہ قرآن قولی و عملی فیصلہ کے لئے آیا ہے اس وقت سماوی علوم اور مذہبی چیزوں کے سب سے بڑے عالم "بنی اسرائیل" سمجھے جاتے تھے۔ مگر عقائد، احکام اور قصص و روایات کے متعلق ان کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ بھی قرآن نے سنایا۔ فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری پیغام پہنچایا۔ اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تا لوگ اس دن کے لئے تیاری کر رکھیں جبکہ ہر معاملہ کا عملی فیصلہ ہو گا۔

١٠٤۔ یعنی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو، باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ خدائے قادر و توانا کرے گا۔

١٠٥۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق پر ہونے کی گواہی: یعنی آپ کسی کے اختلاف و تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جائیں۔ جس صحیح و صاف راستہ پر آپ چل رہے ہیں اس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور خدائے واحد پر بھروسہ رکھے پھر کیا غم ہے۔

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ
اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ﴿٨٠﴾

٨٠۔ البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار جب لوٹیں وہ پیٹھ پھیر کر

وَ مَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِى الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ
تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿٨١﴾

٨١۔ اور نہ تو دکھلا سکے اندھوں کو جب وہ راہ سے بچلیں[١٠٦] تو تو سناتا ہے اسکو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر سو وہ حکمبردار ہیں[١٠٧]

١٠٦۔ کفار اندھوں اور بہروں جیسے ہیں: یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جارہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو ان کے حق میں سودمند نہیں، یہ ہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مر چکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کہ ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں۔ ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں۔ پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔

١٠٧۔ یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں۔ اور اثر قبول کرنا یہ ہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرمانبردار بنیں۔

وَ اِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً
مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا

٨٢۔ اور جب پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے ان سے باتیں کرے گا اس واسطے کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے[١٠٨]

ع ۶ / ۲

لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

۱۰۸۔ دابۃ الارض کا خروج اور کلام: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا"۔ (موضح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہو گا۔ قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے۔ لہذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی۔ شاید "دابۃ الارض" کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے، آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔ مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں۔ صرف مکذبین کی تجہیل و تحمیق مقصود ہے۔ ماننے کا جو وقت تھا۔ گذر گیا۔ (تنبیہ) "دابۃ الارض" کے متعلق بہت سے رطب و یابس اقوال و روایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں۔ مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا۔ واللہ اعلم۔

وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم اہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو پھر انکی جماعت بندی ہو گی[۱۰۹]

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمائے گا کیوں جھٹلایا تم نے میری باتوں کو اور نہ آچکی تھیں تمہاری سمجھ میں یا بولو کہ کیا کرتے تھے[۱۱۰]

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور پڑ چکی ان پر بات اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی تھی اب وہ کچھ نہیں بول سکتے[۱۱۱]

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات کہ اس میں چین حاصل کریں اور دن بنایا دیکھنے کا البتہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں[۱۱۲]

وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ

۸۷۔ اور جس دن پھونکی جائیگی صور[۱۱۳] تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں مگر

مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَ کُلٌّ اَتَوۡہُ دٰخِرِیۡنَ ﴿۸۷﴾

جس کو اللہ چاہے [۱۱۴] اور سب چلے آئیں اسکے آگے عاجزی سے [۱۱۵]

وَ تَرَی الۡجِبَالَ تَحۡسَبُہَا جَامِدَۃً وَّ ہِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنۡعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّہٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل [۱۱۶] کاریگری اللہ کی جس نے سادھا ہے ہر چیز کو [۱۱۷] اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو [۱۱۸]

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا ۚ وَ ہُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ یَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ جو کوئی لیکر آیا بھلائی تو اس کو ملے اس سے بہتر [۱۱۹] اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن امن ہے [۱۲۰]

وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَکُبَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ فِی النَّارِ ؕ ہَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اور جو کوئی لیکر آیا برائی سو اوندھے ڈالیں ان کے منہ آگ میں وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے [۱۲۱]

۱۰۹۔ حشر میں مکذبین کے جتھے: ہر گناہ والوں کے جتھے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے فَھُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ کے معنی روکنے کے لئے ہیں۔ یعنی ہر امت کے مکذبین کو محشر کی طرف لے چلیں گے اور وہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے گا جیسے انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لئے جاتا ہے۔

۱۱۰۔ مکذبین سے حق تعالیٰ کی باز پرس: یعنی پوری طرح سمجھنے اور تمام اطراف وجوانب پر نظر ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی، پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیا۔ یا بولو! یہ نہیں تو اور کیا کرتے تھے۔ یعنی اس کے سوا تمہارا کام ہی کیا تھا۔ اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ بے سوچے سمجھے تکذیب ہی کی تھی؟ یا بولو! اس کے سوا اور بھی کچھ گناہ سمیٹے تھے۔

۱۱۱۔ یعنی ان کی شرارتوں کا یقینی ثبوت ہو چکا اور خدا کی حجت تمام ہو چکی۔ اب آگے وہ کیا بول سکتے ہیں۔ باقی بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ شاید اس سے پہلے ہو چکے گا۔ بہر حال نفی واثبات کو اختلاف مواطن پر حمل کیا جائے۔

۱۱۲۔ دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں: یعنی کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھلائے، پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل ہی میں غور کر لیتے تو اللہ کی توحید، پیغمبروں کی ضرورت، اور بعث بعد الموت، سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط و محکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے۔ اور جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اجالا کیا، کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے اوہام واہواء کی تاریکیوں میں معرفت وہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات کیا

ہے؟ نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد دن آیا۔ پھر آنکھیں کھول کر ادھر ادھر پھرنے لگے۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھالے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ غرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔

۱۱۳۔ صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل ہے جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑا ہے۔

۱۱۴۔ بعض روایات میں ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ جبریل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ اور بعض نے شہداء کو اسکا مصداق قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۵۔ نفخ صور کتنی بار ہوگا: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے، پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے۔ صور پھنکنا کئی بار ہے"۔ (موضح) اور بہت سے علماء صرف دو نفخے مانتے ہیں۔ یعنی کل دو مرتبہ پھنکے گا۔ اور سب احوال کو انہی دو میں درج کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۶۔ پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑیں گے: یعنی جن بڑے بڑے پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لئے زمین میں جمے ہوئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھا سکیں گے۔ قیامت کے دن یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے اور بادل کی طرح تیز رفتار ہوں گے۔ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا۔ فَکَانَتْ ھَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (واقعہ ۵،۶) وَ تَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعہ۔۵) فَقُلْ یَنْسِفُھَا رَبِّیْ نَسْفًا (طٰہٰ۔۱۰۵) (تنبیہ) آیت ہٰذا کو زمین کی حرکت و سکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے۔

۱۱۷۔ یعنی جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت سے درست کیا اسی نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور ایسا مضبوط بنایا ہے اور وہ ہی ان کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اڑادے گا۔ وہ اڑانا محض تباہ کرنے کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ عالم کو توڑ پھوڑ کر اس درجہ پر پہنچانا ہوگا جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے۔ تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاریگری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔

۱۱۸۔ اعمال کی خبر: یعنی اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کا حساب کتاب ہوگا۔ اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہے تو ہر ایک کو ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزا و سزا دی جائے گی نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے۔

۱۱۹۔ نیکی کرنے والوں کا بدلہ: یعنی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے حساب سے دیا جائے گا۔ جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

۱۲۰۔ یعنی بڑی گھبراہٹ سے، کما قال تعالیٰ لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ (انبیاء۔۱۰۳) اگر کم درجہ کی گھبراہٹ ہو تو اس آیت کے منافی نہیں۔

۱۲۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں۔ جو کرنا، سو بھرنا، خود کردہ را چہ علاج۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ ھٰذِہِ الْبَلْدَۃِ الَّذِیْ حَرَّمَھَا وَ لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو حرمت دی اور اسی کی ہے ہر ایک چیز[۱۲۲] اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم برداروں میں[۱۲۳]

وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا

۹۲۔ اور یہ کہ سنادوں قرآن[۱۲۴] پھر جو کوئی راہ پر آیا سو

يَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ
الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾

راہ پر آئے گا اپنے ہی بھلے کو اور جو کوئی بہکا رہا تو کہدے میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا[۱۲۵]

وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَیُرِیۡكُمۡ اٰیٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَ
مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع ۷ ۳

۹۳۔ اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو[۱۲۶] آگے دکھائے گا تم کو اپنے نمونے تو انکو پہچان لو گے[۱۲۷] اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو[۱۲۸]

۱۲۲۔ شہر سے مراد ہے مکہ معظمہ۔ جسے خدا تعالیٰ نے معظم و محترم بنایا۔ اسی تخصیص و تشریف کی بناء پر رب کی اضافت اس کی طرف کی گئی ورنہ یوں ہر چیز کا رب اور مالک وہ ہی ہے۔

۱۲۳۔ یعنی ان لوگوں میں رہوں جو حق تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنے والے اور اپنے کو ہمہ تن اس کے سپرد کر دینے والے ہیں۔

۱۲۴۔ یعنی بذات خود اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کرتا رہوں اور دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا رستہ بتلاتا رہوں۔

۱۲۵۔ یعنی میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا، نہ سمجھو تو تمہارا ہی نقصان ہے۔

۱۲۶۔ یعنی اللہ کا ہزاراں ہزار شکر جس نے مجھ کو ہادی و مہتدی بنایا۔ فی الحقیقت تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے۔ جس کو خوبی یا کمال ملا وہیں سے ملا۔

۱۲۷۔ یعنی آگے چل کر حق تعالیٰ تمہارے اندر یا تم سے باہر اپنی قدرت کے وہ نمونے اور میری صداقت کے ایسے نشان دکھلائے گا جنہیں دیکھ کر سمجھ لوگے کہ بیشک یہ اللہ کی وہ ہی آیتیں ہیں جن کی خبر پیغمبر نے دی تھی باقی اس کا سمجھنا تم کو نافع ہو یا نہ ہو، یہ جداگانہ چیز ہے علامات قیامت وغیرہ سب اس کے تحت میں آگئیں۔

۱۲۸۔ یعنی جو عمل اور معاملہ تم کرتے ہو، سب اس کی نظر میں ہے۔ اسی کے موافق آخر کار بدلہ ملے گا۔ اگر سزا وغیرہ میں تاخیر ہو تو نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہماری کرتوت سے بیخبر ہے۔

تم سورۃ النمل

اٰیاتہا ۸۸ ۲۸ سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ ۴۹ رکوعاتہا ۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾

۱۔ طٰسم۔

تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾

۲۔ یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی

نَتۡلُوۡا عَلَیۡکَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰی وَ فِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳﴾

۳۔ ہم سناتے ہیں تجھ کو کچھ احوال موسٰی اور فرعون کا تحقیقی ان لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں[۱]

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ اَہۡلَہَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً مِّنۡہُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَہُمۡ وَ یَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۴﴾

۴۔ فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھا تھا وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو ان میں[۲] ذبح کرتا تھا انکے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا انکی عورتوں کو[۳] بیشک وہ تھا خرابی ڈالنے والا[۴]

وَ نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ نَجۡعَلَہُمۡ اَئِمَّۃً وَّ نَجۡعَلَہُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ ﴿۵﴾ۙ

۵۔ اور ہم چاہتے ہیں کو احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور کر دیں ان کو سردار اور کر دیں ان کو قائم مقام

وَ نُمَکِّنَ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ نُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَ ہَامٰنَ وَ جُنُوۡدَہُمَا مِنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶﴾

۶۔ اور جما دیں ان کو ملک میں[۵] اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو[۶] اور انکے لشکروں کو انکے ہاتھ سے جس چیز کا ان کو خطرہ تھا[۷]

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَیۡہِ فَاَلۡقِیۡہِ فِی الۡیَمِّ وَ لَا تَخَافِیۡ وَ لَا

۷۔ اور ہم نے حکم بھیجا موسٰی کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اسکو دریا میں[۸] اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے

تَحۡزَنِىۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَيۡكِ وَ جَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۷﴾	اسکو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں سے [۹]
فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ‌ؕ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا كَانُوۡا خٰطِـئِيۡنَ ﴿۸﴾	۸۔ پھر اٹھالیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو ان کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے چوکنے والے [۱۰]
وَ قَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَيۡنٍ لِّىۡ وَلَكَ ‌ؕ لَا تَقۡتُلُوۡهُ ‌ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّـنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَـتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹﴾	۹۔ اور بولی فرعون کی عورت یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے [۱۱] اسکو مت مارو کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اسکو کر لیں بیٹا [۱۲] اور ان کو کچھ خبر نہ تھی [۱۳]
وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا ‌ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَـتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰﴾	۱۰۔ اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی کہ ظاہر کر دے بیقراری کو اگر نہ ہم نے گرہ دی ہوتی اس کے دل پر اس واسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں [۱۴]
وَقَالَتۡ لِاُخۡتِهٖ قُصِّيۡهِ‌ فَبَصُرَتۡ بِهٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۙ‏ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ اور کہہ دیا اس کی بہن کو پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہو کر اور ان کو خبر نہ ہوئی [۱۵]
وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے پھر بولی میں بتلاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اس کو پال دیں تمہارے لئے اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں [۱۶]

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ
لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

۱۳۔ پھر ہم نے پہنچا دیا اس کو اسکی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غمگین نہ ہو اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے[۱۷] پر بہت لوگ نہیں جانتے[۱۸]

۱۔ حضرت موسٰی علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: یعنی مسلمان لوگ اپنا حال قیاس کر لیں ظالموں کے مقابلہ میں (موضح) جس طرح حضرت موسٰیؑ کے ذریعہ سے اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں منصور و کامیاب کیا۔ ایسے ہی مسلمان جو فی الحال مکہ میں قلیل اور ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشمار طاقتور حریفوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔

۲۔ بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم: یعنی "مصر" میں قبطی بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی جو "بنی اسرائیل" کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم و تکبر کی راہ سے "بنی اسرائیل" کو پنپنے اور ابھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا سب قبطی آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت و وقعت حاصل کر سکیں۔

۳۔ بچوں کا قتل: کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہو گی۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہئے کہ انہیں حکومت کے مقابلہ کا حوصلہ ہی نہ ہو۔ اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہئے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں، انہیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔

حضرت ابراہیمؑ کی پیشگوئی: اور ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم خلیلؑ کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرے فرعون کے کانوں تک پہنچ گئے اس احمق نے قضاء و قدر کی روک تھام کے لئے ظلم و ستم کی یہ اسکیم جاری کی۔

۴۔ یعنی زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی۔ لہذا اسے ایسا ظلم و ستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ بس جو دل میں آیا، اپنے کبر و غرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے کر گذرا۔

۵۔ بنی اسرائیل میں امامت کا ارادہ: یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے، اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو قوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔ جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا ان ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کرا کر اس مظلوم و ستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیوی حکومت بھی اس مظلوم و مقہور قوم کے حوالے کی جائے۔

۶۔ "ہامان" وزیر تھا فرعون کا جو ظلم و ستم میں اس کا شریک اور آلہ کار بنا ہوا تھا۔

۷۔ حق تعالٰی کی مشیت: یعنی جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزارہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہ ہی خطرہ ان کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اس اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے جس کے ہاتھ پر اس کی تباہی مقدر تھی، لیکن تقدیر الٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اس بچہ کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرا یا۔ اور دکھلا دیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

۸۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی والدہ کو الہام: ان کی ماں کو الہام ہوا یا خواب دیکھا۔ یا اور کسی ذریعہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہیں، جب اندیشہ ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ سورہ "طٰہٰ" میں یہ قصہ گذر چکا ہے۔

۹۔ ماں کی تسلی کر دی کہ ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے، بچہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور بچہ کی جدائی سے غمگین بھی مت ہو ہم بہت جلد اس کو تیری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے خدا کو اس سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔ وہ منصب رسالت پر سر فراز کیا جائے گا۔ کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل ومانع نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں دور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس محترم بچہ کی پیدائش سے متعلق ہے۔

۱۰۔ دریا میں بچے کا صندوق: آخر ماں نے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر پانی میں چھوڑ دیا۔

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ: صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کو اس پیارے بچہ کی پیاری صورت بھلی معلوم ہوئی۔ آثار نجابت و شرافت نظر آئے۔ پالنے کی غرض سے اٹھا لیا۔ مگر اس اٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہو اور ان کے حق میں سوہان روح بنے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون لعین کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزارہا معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہ ہی ہے جسے بڑے چاؤ پیار سے آج ہمارے ہاتھوں میں پرورش کرایا جا رہا ہے فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بیشمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰؑ کو زندہ رہنے دیا۔ لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے، کیا خدا کی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے، ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ قضاء وقدر کے فیصلوں کو سمجھے کہ انسانی تدبیروں سے روکا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ یعنی کیسا پیارا بچہ ہے، ہمارے کوئی لڑکا نہیں، لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا لكِ لالِیْ (تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گی میری نہیں) تقدیر ازلی یہ الفاظ اس ملعون کی زبان سے کہلا رہی تھی آخر وہ ہی ہوا۔

۱۲۔ یعنی کم از کم بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا یا مناسب سمجھا تو متبنٰی بنا لیں گے۔

۱۳۔ یعنی یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ سمجھے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ کیا ضرور ہے کہ یہ ہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے۔ پھر جب ہم پرورش کریں گے تو وہ خود ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ اس کا دوست ہو گا جو سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے اور تم چونکہ اس کے دشمن ہو اس لئے مجبور ہو گا کہ پروردگار حقیقی کے حکم سے تمہاری مخالفت کرے۔ تم اپنی ظاہری تربیت پر تو ایسی اچھی امیدیں باندھتے ہو، مگر شرم نہیں آتی کہ اس رب حقیقی کے مقابلہ میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النازعات۔۲۴) کی آواز بلند کر رہے ہو۔

۱۴۔ والدہ کی بیقراری: موسیٰؑ کی والدہ بچہ کو دریا میں ڈال تو آئیں، مگر ماں کی ممتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰؑ کا خیال آتا تھا۔ دل سے قرار جاتا رہا۔ موسیٰؑ کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی۔ قریب تھا کہ صبر وضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ۔ لیکن خدائی الہام اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کو یاد کر کے تسلی پاتی تھی۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اس کے دل کو مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت کھلنے نہ پائے۔ اور تھوڑی دیر بعد خود موسیٰؑ کی والدہ کو عین الیقین حاصل ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہنا ہے۔

۱۵۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی بہن کی نگرانی: یعنی جب فرعون کے محل سرا میں صندوق کھلا اور بچہ برآمد ہوا تو شہر میں شہرت ہو گئی۔ موسیٰؑ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو (جو موسیٰؑ کی بہن تھی) حکم دیا کہ بچہ کا پتہ لگانے کے لئے چلی جا اور علیحدہ رہ کر دیکھ کیا ماجرا ہوتا ہے۔ لڑکی ہشیار تھی، جہاں بچہ کے گرد بھیڑ لگی تھی وہاں بے تعلق اجنبی بن کر دور سے دیکھتی رہی۔ کسی کو پتہ نہ لگا کہ اس بچہ کی بہن ہے۔

۱۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آغوش مادر میں: یعنی فرعون کی بیوی نے اس ملعون کو بھی بچہ کی پرورش پر راضی کر لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ مگر قدرت نے پہلے ہی سے بند لگا دیا تھا کہ موسیٰؑ اپنی ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ پکڑے۔ سخت تشویش تھی کہ کہاں سے مرضعہ لائی جائے جس کا دودھ بچہ منہ کو لگا سکے۔ موسیٰؑ کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔ فرعون کے آدمی اسی فکر و تجسس میں تھے کہ موسیٰؑ کی بہن نے کہا میں تم کو ایک گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو امید ہے بچہ کو پال دیں گے اور جہاں تک ان کی طبائع کا اندازہ ہے، بہت خیر خواہی اور غور و پرداخت سے پالیں گے۔ کیونکہ شریف گھرانا ہے اور بادشاہ کے گھر سے انعام و اکرام کی بڑی توقعات ہوں گی، پھر تربیت میں کمی کیوں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰؑ کی والدہ طلب کی گئیں۔ بس بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے، بڑی خوشیاں منائی گئیں اور انعام و اکرام کئے گئے۔ مرضعہ نے عذر کیا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی، اپنے گھر لیجا کر اس کی پرورش کروں گے۔ چنانچہ موسیٰؑ امن و اطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے، اور فرعون کے یہاں سے جو روزینہ ان کی ماں کا مقرر ہوا وہ مفت میں رہا۔

۱۷۔ اللہ کا وعدہ حق ہے: یعنی اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں جو دو وعدے کئے تھے۔ ایک تو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا۔ اور دوسرے کو اسی پر قیاس کرنے کا موقع ملا کہ بلا شبہ وہ بھی اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔

۱۸۔ یعنی وعدہ اللہ کا پہنچ کر رہتا ہے۔ ہاں بیچ میں بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں۔ اس میں بہت لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں۔ (موضح)۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اس کو حکمت اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو [۱۹]

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا
فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۟ هٰذَا مِنْ
شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ
مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ
مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۟ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور آیا شہر کے اندر جس وقت بیخبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ [۲۰] پھر پائے اس نے دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اسکے رفیقوں میں اور یہ دوسرا اسکے دشمنوں میں پھر فریاد کی اس سے اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں اس کی جو تھا اس کے دشمنوں میں پھر مکا مارا اسکو موسیٰ نے پھر اسکو تمام کر دیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ

۱۶۔ بولا اے میرے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھ کو پھر اس کو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا

اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶﴾

مہربان[۲۱]

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ فَلَنۡ اَكُوۡنَ ظَهِيۡرًا
لِّلۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ بولا اے رب جیسا تو نے فضل کر دیا مجھ پر پھر میں کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا[۲۲]

فَاَصۡبَحَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى
اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ يَسۡتَصۡرِخُهٗ‌ ؕ قَالَ لَهٗ
مُوۡسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا[۲۳] پھر ناگہاں جس نے کل مدد مانگی تھی اس سے آج پھر فریاد کرتا ہے اس سے[۲۴] کہا موسیٰ نے بیشک تو بے راہ ہے صریح[۲۵]

فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ يَّبۡطِشَ بِالَّذِىۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ
قَالَ يٰمُوۡسٰٓى اَتُرِيۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِىۡ كَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًا
بِالۡاَمۡسِ ‌ۖ اِنۡ تُرِيۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ جَبَّارًا فِى
الۡاَرۡضِ وَمَا تُرِيۡدُ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِيۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو دشمن تھا ان دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ خون کرے میرا جیسے خون کر چکا ہے کل ایک جان کا[۲۶] تیرا یہی جی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں اور نہیں چاہتا کہ ہو صلح کرا دینے والا[۲۷]

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡعٰى ۚ قَالَ
يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ الۡمَلَاَ يَاۡتَمِرُوۡنَ بِكَ لِيَقۡتُلُوۡكَ
فَاخۡرُجۡ اِنِّىۡ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا کہا اے موسیٰ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں[۲۸]

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ‌ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ
مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾ ع

۲۱۔ پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچا لے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے

ع ۲ ۸ ۵

۱۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور علم و حکمت: یعنی موسیٰؑ جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے، تو ہم نے ان کو بہت حکمت کی باتیں سمجھائیں اور خصوصی علم و فہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے وہ نیک کردار تھے۔ ایسے ہونہار کو ہم اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔

۲۰۔ یعنی حضرت موسیٰؑ جوان ہو کر ایک روز شہر میں پہنچے جس وقت لوگ غافل پڑے سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہو گا یا دوپہر ہو گی۔

۲۱۔ قبطی کا واقعہ: حضرت موسیٰؑ جب جوان ہوئے۔ فرعون کی قوم سے بسبب ان کے ظلم و کفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل ان کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ ان کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰؑ کبھی وہاں جاتے کبھی فرعون کے گھر آتے۔ فرعون کی قوم (قبط) ان کی دشمن تھی کہ غیر قوم کا شخص ہے ایسا نہ ہو کہ زور پکڑ جائے۔ ایک روز دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں ایک اسرائیلی دوسرا قبطی، اسرائیلی نے موسیٰؑ کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑاؤ کہتے ہیں قبطی فرعون کے مطبخ کا آدمی تھا۔ موسیٰؑ پہلے ہی قبطیوں کے ظلم و ستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اس کی زیادتی دیکھ کر رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ ممکن ہے سمجھانے بجھانے میں قبطی نے موسیٰؑ کو بھی کوئی سخت لفظ کہا ہو جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے۔ غرض موسیٰؑ نے اس کی تادیب و گوشمالی کے لئے ایک گھونسہ رسید کیا، ماشاء اللہ بڑے طاقتور جوان تھے، ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔

قبطی کی موت: خود موسیٰؑ کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کمبخت کا کام تمام ہو جائے گا۔ پچتائے کہ بے قصد خون ہو گیا۔ مانا کہ قبطی کافر حربی تھا، ظالم تھا، اور موسیٰؑ کی نیت بھی محض داب دینے کی تھی، جان سے مار ڈالنے کی نہ تھی مگر ظاہر ہے اس وقت کوئی معرکہ جہاد نہ تھا۔ موسیٰؑ نے قبطی قوم کو کوئی الٹی میٹم نہیں دیا تھا۔ بلکہ مصر میں ان کی بود و ماند کا شروع سے جو طرز عمل رہا تھا اس سے لوگ مطمئن تھے کہ وہ یونہی کسی کی جان و مال لینے والے نہیں پھر ممکن ہے غیظ و غضب کے جوش میں معاملہ کی تحقیق بھی سرسری ہوئی ہو اور مکامارتے وقت پوری اطرح اندازہ نہ رہا کہ کتنی ضرب تادیب کے لئے کافی ہے ادھر اس بلا ارادہ قتل سے اندیشہ تھا کہ فرقہ وار اشتعال پیدا ہو کر دوسرے مصائب و فتن کا دروازہ نہ کھل جائے۔

حضرت موسیٰؑ کا استغفار: اس لئے اپنے فعل پر نادم ہوئے۔ اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک وصاف اور ان کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰؑ نے اللہ سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کر کے معافی چاہی، جو دیدی گئی اور غالبًا اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہو گا۔ آخر پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔

۲۲۔ یعنی آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت، راحت، قوت عطا فرمائی اور میری تقصیرات کو معاف کیا اس کا شکریہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ شاید اس فریادی (اسرائیلی) کی بھی کچھ تقصیر معلوم ہوئی ہو گی، مجرم اسے کہا ہو۔ یا مجرمین سے کفار اور ظالم لوگ مراد ہوں۔ یعنی تیری دی ہوئی قوتوں کو آئندہ بھی کبھی ان کی حمایت و اعانت میں خرچ نہ کروں گا۔ یا مجرمین سے شیاطین مراد ہوں۔ یعنی شیاطین کے مشن میں ان کا مددگار کبھی نہ بنوں گا کہ وہ وسوسہ اندازی کر کے مجھ سے ایسا کام کرا دیں جس پر بعد کو پچتانا پڑے۔ یا اسرائیلی کو مجرم اس حیثیت سے کہا کہ وہ وقوع جرم کا سبب بنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳۔ یعنی انتظار کرتے اور راہ دیکھتے تھے کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد لے گئے ہوں گے دیکھئے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔

۲۴۔ یعنی اسی اسرائیلی کی لڑائی آج کسی اور سے ہو رہی تھی۔

۲۵۔ اسرائیلی اور قبطی کا جھگڑا: یعنی روز ظالموں سے الجھتا ہے اور مجھ کو لڑواتا ہے۔

۲۶۔ ہاتھ ڈالنا چاہا اس ظالم پر۔ بول اٹھا مظلوم، جانا کہ زبان سے مجھ پر غصہ کیا ہے، ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے۔ وہ کل کا خون چھپا رہا تھا کہ کس نے کیا، آج اس کی زبان سے مشہور ہوا۔ (موضح)

۲۷۔ **قبطی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الزام دینا:** یعنی زور زبردستی سے قتل کرنا ہی آتا ہے، یہ نہیں کہ سمجھا بجھا کر فریقین میں صلح کرا دے۔

۲۸۔ **فرعون کے اہل دربار کا مشورہ:** یعنی خون کی خبر فرعون کو پہنچ گئی۔ وہاں مشورے ہوئے کہ غیر قوم کے آدمی کا یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ شاہی قوم کے افراد اور سرکاری ملازموں کو قتل کر ڈالے۔ سپاہی دوڑائے گئے کہ موسیٰؑ کو گرفتار کر کے لائیں۔ شاید مل جاتے تو قتل کرتے، اس مجمع میں سے ایک نیک طنیت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی خیر خواہی ڈال دی، وہ جلدی کر کے مختصر راستہ سے بھاگا ہوا آیا اور حضرت موسیٰؑ کو واقعہ کی اطلاع کر کے مشورہ دیا کہ تم فوراً شہر سے نکل جاؤ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ سنایا ہمارے پیغمبر کو کہ لوگ ان کی جان لینے کی فکر کریں گے اور وہ بھی وطن سے نکلیں گے۔ چنانچہ کافر سب اکٹھے ہوئے تھے کہ ان پر مل کر چوٹ کریں، اسی رات میں آپ وطن سے ہجرت کر گئے۔

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ
يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور جب منہ کیا مدین کی سیدھ پر بولا امید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر [۲۹]

وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ
النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ
تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى
يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت کو لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے [۳۰] اور پایا ان سے ورے دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں بولا تمہارا کیا حال ہے وہ بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی چرواہوں کے پھیر لیجانے تک [۳۱] اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا [۳۲]

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ
اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ پھر اس نے پانی پلا دیا انکے جانوروں کو [۳۳] پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف بولا اے رب تو جو چیز اتارے میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں [۳۴]

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫
قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ
لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا

۲۵۔ پھر آئی اسکے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے [۳۵] بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق اس کا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں کو [۳۶] پھر جب پہنچا اسکے پاس اور بیان کیا اس سے احوال کہا مت ڈر بچ آیا تو اس قوم بے انصاف سے [۳۷]

تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥﴾

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ
اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾

٢٦۔ بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر جو کہ تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانت دار[٣٨]

قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ
عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا
فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ
سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس[٣٩] پھر اگر تو پورے کر دے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے[٤٠] اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے[٤١]

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ
فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٢٨﴾ ع ٣/٢

٢٨۔ بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جونسی مدت ان دنوں میں پوری کر دوں سو زیادتی نہ ہو مجھ پر اور اللہ پر بھروسہ اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں[٤٢]

٢٩۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی مصر سے روانگی: حضرت موسٰیؑ مصر سے نکل کھڑے ہوئے، راہ سے واقف نہ تھے، اللہ سے درخواست کی کہ سیدھی راہ پر چلائے۔ اس نے "مدین" کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا جہاں پہنچا کر انہیں امن و اطمینان کے ساتھ متاہل بنانا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بہت دور تک کی سیدھی راہ پر لے چلنا تھا۔

٣٠۔ مدین میں آمد: "مدین" "مصر" سے آٹھ دس دن کی راہ پر ہے۔ وہاں پہنچے بھوکے پیاسے، دیکھا کنویں پر لوگ اپنے مواشی کو پانی پلا رہے ہیں۔

٣١۔ دو عورتیں: وہ دونوں بکریاں لے کر حیا سے کنارے کھڑی تھیں۔ اتنی قوت نہ تھی کہ مجمع کو ہٹا دیں یا بذات خود بھاری ڈول نکال لیں شاید اوروں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہوں۔

٣٢۔ یعنی ہمارا باپ جوان اور توانا ہوتا تو ہم کو آنا نہ پڑتا۔ وہ خود ان مردوں سے نبٹ لیا کرتا۔

٣٣۔ عورتوں کی مدد: پیغمبروں کے فطری جذبات و ملکات ایسے ہوتے ہیں، تھکے ماندے، بھوکے پیاسے تھے مگر غیرت آئی کہ میری موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے۔ اٹھے اور مجمع کو ہٹا کر یا ان کے بعد کنویں سے تازہ پانی نکال لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کیا۔

٣٤۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی دعا: "یعنی اے اللہ کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا۔ البتہ تیری طرف سے کوئی بھلائی پہنچے اس کا ہمہ وقت محتاج ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "عورتوں نے پہچانا کہ چھاؤں پکڑتا ہے مسافر ہے۔ دور سے آیا ہوا، تھکا، بھوکا۔ جا کر اپنے باپ سے کہا (وہ حضرت شعیبؑ تھے علی القول المشہور) ان کو درکار تھا کہ کوئی مرد ملے نیک بخت جو بکریاں تھامے اور بیٹی بھی بیاہ دیں" (موضح)

۳۵۔ جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شرم کے مارے چہرہ چھپا کر بات کی۔

۳۶۔ لڑکی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعوت دینا: حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کر رہے تھے۔ اس نے اپنے فضل سے غیر متوقع طور پر خیر بھیجی، تو قبول کیوں نہ کرتے۔ اٹھ کر عورت کے ساتھ ہو لئے۔ لکھتے ہیں کہ چلتے وقت اس کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے آؤ مبادا اجنبیہ پر عمداً نظر کرنے کی نوبت آئے۔ چنانچہ وہ پیچھے پیچھے راستہ بتلاتی ان کو لے کر گھر پہنچی۔

۳۷۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات اور مدد کا وعدہ: موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ کو اپنی ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ اب تو اس ظالم قوم کے پنجہ سے بچ نکلا۔ انشاء اللہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا)

۳۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت: یعنی موسیٰؑ میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ زور دیکھا ڈول نکالنے یا مجمع کو ہٹا دینے سے، اور امانت دار سمجھا بے طمع اور عفیف ہونے سے۔

۳۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاہد مہر: شاید یہ ہی خدمت لڑکی کا مہر تھا۔ ہمارے حنفیہ کے ہاں اب بھی اگر بالغہ راضی ہو تو اس طرح کی خدمت اقارب مہر ٹھہر سکتا ہے (کذا نقلہ الشیخ الانور اطال اللہ بقائہ) یہاں صرف نکاح کی ابتدائی گفتگو مذکور ہے۔ ظاہر ہے حضرت شعیبؑ نے نکاح کرتے وقت ایک لڑکی کی تعیین اور اس کی رضامندی حاصل کر لی ہوگی۔

۴۰۔ یعنی کم از کم آٹھ برس میری خدمت میں رہنا ضروری ہوگا۔ اگر دو سال اور زائد رہے تو تمہارا تبرع ہے۔

۴۱۔ یعنی کوئی سخت خدمت تم سے نہ لوں گا، تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں، میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں، بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے انس حاصل کرو گے۔

۴۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاہد مہر: یعنی مجھے اختیار ہوگا کہ آٹھ برس رہوں یا دس برس۔ بہر حال جو معاہدہ ہو چکا خدا کے بھروسہ پر مجھے منظور ہے۔ اللہ کو گواہ بنا کر معاملہ ختم کرتا ہوں۔ احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے بڑی مدت (یعنی دس برس) پورے کئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہمارے حضرت ﷺ بھی وطن سے نکلے، سو آٹھ برس پیچھے آ کر مکہ فتح کیا۔ اگر چاہتے اسی وقت کافروں سے شہر خالی کرا لیتے لیکن اپنی خوشی سے دس برس پیچھے کافروں سے پاک کیا"۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ پھر جب پوری کر چکا موسیٰؑ وہ مدت اور لیکر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی کوہ طور کی طرف سے ایک آگ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر یا انگارا آگ کا تاکہ تم تاپو

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا

۳۰۔ پھر جب پہنچا اسکے پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے تختہ میں ایک درخت سے [۴۳] کہ اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کا رب

اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ
وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَ لَا
تَخَفْ ۟ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور یہ کہ ڈالدے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اسکو پھنپناتے جیسے سانپ کی سٹک الٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر اے موسٰی آگے آ اور مت ڈر تجھ کو کچھ خطرہ نہیں

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ
سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ
فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکل آئے سفید ہو کر نہ کہ کسی برائی سے [۴۴] اور ملالے اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے [۴۵] سو یہ دو سندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اسکے سرداروں پر [۴۶] بیشک وہ تھے لوگ نافرمان

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ
يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ بولا اے رب میں نے خون کیا ہے ان میں ایک جان کا سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں گے [۴۷]

وَ اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ
رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور میرا بھائی ہارون اس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں [۴۸]

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا
سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَ
مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے تم اور جو تمہارے ساتھ ہو غالب رہو گے [۴۹]

۴۳۔ طور پر درخت سے آواز کا سننا: یہ وہ ہی درخت تھا جس پر آگ بھڑکتی ہوئی نظر آئی۔

۴۴۔ تجلی الٰہی: شروع رکوع سے یہاں تک کے مفصل واقعات سورہ "طٰہٰ" وغیرہ میں گذر چکے۔ ملاحظہ کرلئے جائیں۔

۴۵۔ یعنی بازو کو پہلو سے ملالو۔ سانپ وغیرہ کا ڈر جاتا رہے گا شاید آگے کے لئے بھی خوف زائل کرنے کی یہ ترکیب بتلائی ہو۔

۴۶۔ معجزہ عصا و ید بیضاء: یعنی معجزہ "عصا" و "ید بیضا" بطور سند نبوت کے دیئے گئے ہیں تا فرعون اور اسکی قوم پر اتمام حجت کرسکے۔

۴۷۔ یعنی پہنچتے ہی قتل کردیا تو آپ کی دعوت کیسے پہنچاؤں گا۔

۴۸۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی رفاقت کی درخواست: یعنی کوئی تصدیق و تائید کرنے والا ساتھ ہو تو فطرۃً دل مضبوط و قوی رہتا ہے۔ اور ان کے جھٹلانے پر اگر بحث و مناظرہ کی نوبت آجائے تو میری زبان کی لکنت ممکن ہے بولنے میں رکاوٹ ڈالے۔ اس وقت ہارون کی رفاقت مفید ہو گی کیونکہ ان کی زبان زیادہ صاف اور تیز ہے۔

۴۹۔ غلبہ و نصرت کا وعدہ: یعنی دونوں درخواستیں منظور ہیں، ہارون تمہارے قوت بازو رہیں گے اور فرعونیوں کو تم پر کچھ دسترس نہ ہوگی ہماری نشانیوں کی برکت سے۔ تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب و منصور رہیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ
اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَرًی وَّ مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا
الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر جب پہنچا انکے پاس موسٰی لیکر ہماری نشانیاں کھلی ہوئی بولے اور کچھ نہیں یہ جادو ہے باندھا ہوا[۵۰] اور ہم نے سنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں[۵۱]

وَ قَالَ مُوۡسٰی رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی مِنۡ
عِنۡدِهٖ وَ مَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا
یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور کہا موسٰی نے میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی لایا ہے ہدایت کی بات اس کے پاس سے اور جس کو ملے گا آخرت کا گھر بیشک بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا[۵۲]

وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَاُ مَا عَلِمۡتُ لَكُمۡ مِّنۡ
اِلٰهٍ غَیۡرِیۡ ۚ فَاَوۡقِدۡ لِیۡ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیۡنِ
فَاجۡعَلۡ لِّیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوۡسٰی ۙ وَ
اِنِّیۡ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور بولا فرعون اے دربار والو مجھ کو تو معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو پھر بنا میرے واسطے ایک محل تا کہ میں جھانک کر دیکھ لوں موسٰی کے رب کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے[۵۳]

وَ اسۡتَكۡبَرَ هُوَ وَ جُنُوۡدُهٗ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَ
ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اِلَيۡنَا لَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے

فَاَخَذۡنٰهُ وَجُنُوۡدَهٗ فَنَبَذۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ‌ ۚ فَانْظُرۡ
كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ‏ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ پھر پکڑا ہم نے اسکو اور اسکے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے انکو دریا میں سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا[۵۴]

وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ‌ ۚ وَيَوۡمَ
الۡقِيٰمَةِ لَا يُنۡصَرُوۡنَ‏ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف[۵۵] اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی[۵۶]

وَاَتۡبَعۡنٰهُمۡ فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا لَعۡنَةً‌ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ
هُمۡ مِّنَ الۡمَقۡبُوۡحِيۡنَ‏ ﴿۴۲﴾ ع

۴۲۔ اور پیچھے رکھ دی ہم نے ان پر اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے[۵۷]

ع ۴ / ۱۴

۵۰۔ فرعونیوں کا نبوت سے انکار: یعنی معجزات دیکھ کر کہنے لگے جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے کہا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا، اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے۔ حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں۔ محض ساحرانہ تخیل و افتراء ہے۔

۵۱۔ یعنی جو باتیں یہ کرتا ہے (مثلاً ایک خدا نے ساری دنیا کو پیدا کیا اور ایک وقت سب کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کرے گا پھر حساب کتاب ہو گا، اور مجھکو اس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، وغیرہ وغیرہ) اپنے اگلے بزرگوں سے ہمارے کانوں میں یہ چیزیں کبھی نہیں پڑیں۔

۵۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب: یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور اسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لئے انجام میرا ہی بہتر ہو گا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر ناانصافی سے حق کو جھٹلاتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے انجام کار ان کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

۵۳۔ فرعون کا استہزاء: یعنی اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ اچھا اینٹوں کا ایک پزاوہ لگواؤ تا کہ پکی اینٹوں کی خوب اونچی عمارت بنوا کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰؑ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔ کیونکہ زمین میں تو مجھے کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہ ہی ہے کہ کوئی نہ ہو گا، تاہم موسیٰؑ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ یہ بات ملعون نے استہزاء و تمسخر سے کہی اور ممکن ہے اس قدر بدحواس و پاگل ہو گیا ہو کہ اس طرح کی لچر پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔

۵۴۔ فرعون اور اسکی قوم کے غرور کا انجام: یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے۔ یہ نہ سمجھا کہ کوئی ان کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا۔ تا یاد گار رہے کہ بدبخت

ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ غرق وغیرہ کے واقعات کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

۵۵۔ دوزخیوں کے امام: یعنی یہاں ضلالت وطغیان میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے وہاں بھی ان کو دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا۔ یَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فَاَوۡرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ (ہود۔ ۹۸)

۵۶۔ یعنی یہاں کے لشکر وہاں کام نہ دیں گے نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

۵۷۔ دنیا میں لعنت: یعنی آخرت کی برائی اور بدانجامی تو الگ رہی، دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا تک ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور دی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب بعد اسکے کہ ہم غارت کر چکے پہلی جماعتوں کو[۵۸] سمجھانے والی لوگوں کو اور راہ بتانے والی اور رحمت تاکہ وہ یاد رکھیں[۵۹]

وَمَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِیِّ اِذۡ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسَی الۡاَمۡرَ وَمَا کُنۡتَ مِنَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا موسیٰؑ کو حکم[۶۰] اور نہ تھا تو دیکھنے والا

وَلٰکِنَّاۤ اَنۡشَاۡنَا قُرُوۡنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیۡهِمُ الۡعُمُرُ ۚ وَمَا کُنۡتَ ثَاوِیًا فِیۡۤ اَهۡلِ مَدۡیَنَ تَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا ۙ وَلٰکِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ لیکن ہم نے پیدا کیں کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی ان پر مدت[۶۱] اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ ان کو سناتا ہماری آیتیں پر ہم رہے ہیں رسول بھیجتے[۶۲]

وَمَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الطُّوۡرِ اِذۡ نَادَیۡنَا وَلٰکِنۡ رَّحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰهُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن یہ انعام ہے تیرے رب کا[۶۳] تاکہ تو ڈر سنادے ان لوگوں کو جنکے پاس نہیں آیا کوئی ڈر سنانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ یاد رکھیں[۶۴]

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ تُصِیۡبَهُمۡ مُّصِیۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ

۴۷۔ اور اتنی بات کے لئے کہ کبھی آن پڑے ان پر آفت ان کاموں کی وجہ سے جنکو بھیج چکے ہیں انکے ہاتھ

اَیۡدِیۡهِمۡ فَیَقُوۡلُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا
فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿٤٧﴾

تو کہنے لگیں اے رب ہمارے کیوں نہ بھیج دیا ہمارے پاس کسی کو پیغام دے کر تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے ایمان والوں میں[٦٥]

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُوۡتِیَ
مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی ؕ اَوَلَمۡ یَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اُوۡتِیَ
مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ۚ قَالُوۡا سِحۡرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ قف وَقَالُوۡۤا
اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوۡنَ ﴿٤٨﴾

٤٨۔ پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا اس رسول کو جیسا ملا تھا موسٰی کو[٦٦] کیا ابھی منکر نہیں ہو چکے اس سے جو موسٰی کو ملا تھا اس سے پہلے[٦٧] کہنے لگے دونوں جادو ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دونوں کو نہیں مانتے[٦٨]

قُلۡ فَاۡتُوۡا بِكِتٰبٍ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ هُوَ اَهۡدٰی
مِنۡهُمَاۤ اَتَّبِعۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿٤٩﴾

٤٩۔ تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے بہتر ہو کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو[٦٩]

فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَكَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ
اَهۡوَآءَهُمۡ ؕ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیۡرِ
هُدًی مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ
الظّٰلِمِیۡنَ ﴿٥٠﴾ ع ٥ ٨

٥٠۔ پھر اگر نہ کر لائیں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نری اپنی خواہشوں پر اور اس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے اپنی خواہش پر بدون راہ بتلائے اللہ کے بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو[٧٠]

وَلَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿٥١﴾ ؕ

٥١۔ اور ہم پے در پے بھیجتے رہے ہیں انکو اپنے کلام تا کہ وہ دھیان میں لائیں[٧١]

٥٨۔ نزول تورات کے بعد دنیا میں ایسے غارت کے عذاب کم آئے۔ بجائے ہلاک سماوی کے جہاد کا طریقہ مشروع کر دیا گیا۔ کیونکہ کچھ لوگ احکام شریعت پر قائم رہا کئے۔

٥٩۔ تورات ہدایت ہے: یعنی تورات جو موسٰیؑ کو دی گئی تھی۔ بڑی فہم و بصیرت عطا کرنے والی، لوگوں کو راہ ہدایت پر چلانے والی، اور مستحق رحمت بنانے والی کتاب تھی تا کہ لوگ اسے پڑھ کر اللہ کو یاد رکھیں۔ احکام الٰہی سیکھیں، اور پند و نصیحت حاصل کریں، سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم

کے بعد ہدایت میں تورات شریف ہی کا درجہ ہے اور آج جبکہ اس کے پیروؤں نے اسے ضائع کر دیا، قرآن ہی اس کے ضروری علوم وہدایات کی حفاظت کر رہا ہے۔

۶۰۔ یعنی کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰؑ کو نبوت اور تورات ملی۔

۶۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال: یعنی تو اس وقت کے واقعات تو ایسی صحت وصفائی اور بسط وتفصیل سے بیان کر رہا ہے جیسے وہیں "طور" کے پاس کھڑا دیکھ رہا ہو۔ حالانکہ تمہارا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں تم امی ہو۔ کسی عالم کی صحبت میں بھی نہیں رہے۔ نہ ٹھیک ٹھیک صحیح واقعات کا کوئی جید عالم مکہ میں موجود تھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ علم کہاں سے آیا حقیقت یہ ہے کہ اقوام دنیا پر مدتیں اور قرن گذر گئے، مرور دہور سے وہ علوم محرف ومندرس ہوتے جا رہے تھے اور وہ ہدایت مٹتی جا رہی تھیں۔ لہٰذا اس علیم وخبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک امی کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں اور ان عبرتناک وموعظت آمیز واقعات کا ایسا صحیح فوٹو دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے جس پر نظر کر کے بے اختیار ماننا پڑے کہ اس کا پیش کرنے والا موقع پر موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے من وعن کیفیات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ تم تو وہاں موجود نہ تھے، بجز اس کے کیا کہا جائے کہ جو خدا آپ کی زبان سے بول رہا ہے اور جس کے سامنے ہر غائب بھی حاضر ہے یہ بیان اسی کا ہو گا۔

۶۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلے واقعات کا مکمل علم: یعنی موسیٰؑ کو "مدین" جا کر جو واقعات پیش آئے ان کا اس خوبی وصحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا اس وقت تم شان پیغمبری کے ساتھ وہیں سکونت پذیر تھے اور جس طرح آج اپنے وطن مکہ میں اللہ کی آیات پڑھ کر سنا رہے ہو، اس وقت "مدین" والوں کو سناتے ہو گے حالانکہ یہ چیز صریحًا منفی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا کو غفلت سے چونکاتے اور گذشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہے۔ اسی عام عادت کے موافق ہم نے اس زمانہ میں تم کو رسول بنا کر بھیجا کہ پچھلے قصے یاد دلاؤ۔ اور خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کرو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک ٹھیک واقعات کا صحیح علم تم کو دیا جائے اور تمہاری زبان سے ادا کرایا جائے۔

۶۳۔ یعنی جب موسیٰؑ کو آواز دی اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ تم وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان واقعات و حقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی نوعیت کا برتاؤ کیا جو موسیٰؑ کے ساتھ ہوا تھا۔ گویا "جبل النور" (جہاں غار حرا ہے) اور "مکہ" "مدینہ" میں "جبل طور" اور "مدین" کی تاریخ دہرا دی گئی۔

۶۴۔ یعنی عرب کے لوگوں کو یہ چیزیں بتلا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کر دیں۔ ممکن ہے وہ سن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔ (تنبیہ) مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ سے شاید آبائے اقربین مراد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۶۵۔ رسالت اللہ کی نعمت ہے: یعنی پیغمبر کا ان میں بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ اگر بدون پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ ان کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگتا تب بھی ظلم نہ ہوتا، لیکن اس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی معقول عذرداری کا موقع نہیں چھوڑا ممکن تھا سزا دہی کے وقت کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم از کم متنبہ کر دیتا، ایک دم پکڑ کر عذاب میں دھر گھسیٹا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو دیکھ لیتے ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے۔

۶۶۔ یعنی رسول نہ بھیجتے تو کہتے رسول کیوں نہ بھیجا۔ اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان ورتبہ میں بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ صاحب! ہم تو اس وقت مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰؑ کی طرح "عصا" اور "ید بیضا" وغیرہ کے معجزات ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے پاس بھی تورات کی طرح ایک دم ایک کتاب اترتی یہ کیا دو دو چار چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔

۶۷۔ یعنی موسیٰؑ کے معجزات اور کتاب ہی کو کہاں سب نے مان لیا تھا؟ شبہے نکالنے والے ان کو بھی "سحری مفتری" کہتے رہے جیسا کہ ابھی ایک دور کوع پہلے گذرا۔ بس جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔

۶۸۔ کفار مکہ کی ہٹ دھرمی: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "مکہ کے کافر حضرت موسیٰؑ کے معجزے سن کر کہنے لگے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے، جب "یہود" سے پوچھا اور "تورات" کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے، آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو مردار ہے (اور عرب میں ایک نبی آخر الزماں آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ) تب لگے دونوں کو جواب دینے۔ کہ "تورات" اور "قرآن" دونوں جادو اور موسیٰ و محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں جادوگر ہیں۔ (العیاذ باللہ) جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

۶۹۔ کفار کے اعتراض کا جواب: یعنی آسمانی کتابوں میں سب سے بڑی اور مشہور یہ ہی دو کتابیں تھیں جن کی ہمسری کوئی کتاب نہیں کر سکتی اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الٰہی پیش کر دو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آئے تو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا، لیکن تم قیامت تک نہیں لا سکتے۔ اس سے زیادہ بدبختی کیا ہو گی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آتی ہے اسے جادو کہہ کر رد کر دیتے ہو۔ جب یہ ایک انسان کا بنایا ہوا جادو ہے تو تم سارے جہان کے جادوگروں کو جمع کر کے اس سے بڑا جادو لے آتے۔ آخر جادو ایسی چیز تو نہیں کہ اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔

۷۰۔ خواہشوں کی پیروی: یعنی جب یہ لوگ نہ ہدایت کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کر سکتے ہیں تو یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں۔ محض اپنی خواہشات کی پیروی ہے، جس چیز کو دل چاہا مان لیا، جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا۔ بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ اللہ کی عادت اسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور محض ہوا و ہوس کو حق کا معیار نہ بنا لے۔

۷۱۔ یعنی ہماری وحی کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ ایک وحی کی تصدیق و تائید میں دوسری وحی بار بار بھیجتے رہے ہیں۔ اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج نازل کیا ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت آتی رہی، مقصد یہ ہے کہ کافی غور کرنے اور سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِہٖ ہُمۡ بِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾	۵۲۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے وہ اس پر یقین کرتے ہیں
وَ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِہٖۤ اِنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا کُنَّا مِنۡ قَبۡلِہٖ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۵۳﴾	۵۳۔ اور جب ان کو سنائے تو کہیں ہم یقین لائے اس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہم ہیں اس سے پہلے کے حکم بردار[۷۲]
اُولٰٓئِکَ یُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَہُمۡ مَّرَّتَیۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا وَ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ	۵۴۔ وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دوہرا اس بات پر کہ قائم رہے[۷۳] اور بھلائی کرتے ہیں برائی کے جواب میں[۷۴] اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں[۷۵]

يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا
نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور جب سنیں نکمی باتیں اس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام سلامت رہو ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ [۷۶]

۷۲۔ مومنین کا ایمان بالکتب: یعنی ان جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو، اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ دونوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ پہلے سے تورات وانجیل پر یقین رکھتے تھے۔ جب قرآن آیا تو بول اٹھے کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے، ہمارے رب کی اتاری ہوئی، ہم اس پر اپنے یقین واعتقاد کا اعلان کرتے ہیں، ہم پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے آج بھی قبول کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزماں اور قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں۔ لہذا ان پیشین گوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے اجمالی ایمان ہوا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

۷۳۔ مومنین کیلئے دہرا اجر: یعنی مغرور ومستغنی ہو کر قبول حق سے گریز نہیں کیا بلکہ جس وقت جو حق پہنچا بے تکلف گردن تسلیم جھکادی (تنبیہ) شیخ اکبرؒ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور تمام انبیائے سابقین کے مصدق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور پر بھی انکا ایمان دو مرتبہ ہوا۔ ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ ہر پیغمبر حضور ﷺ کی بشارت دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لئے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا۔ باقی حدیث میں جو ثلاثٌ يُؤْتَوْنَ اَجْرُهُمْ مَرَّتَيْنِ آیا ہے اس کی شرح کا یہاں موقع نہیں۔ ہم نے خدا کے فضل سے شرح صحیح مسلم میں اس کو بتفصیل لکھا ہے اور اشکالات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ فللہ الحمد والمنۃ وبہ التوفیق والعصمۃ۔

۷۴۔ لغو سے اعراض: یعنی کوئی دوسرا ان کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو یہ اس کے جواب میں مروت وشرافت سے کام لیکر بھلائی اور احسان کرتے ہیں۔ یا یہ مطلب کہ کبھی ان سے کوئی برا کام ہو جائے تو اس کا تدارک بھلائی سے کر دیتے ہیں تاکہ حسنات کا پلہ سیئات سے بھاری رہے۔

۷۵۔ یعنی اللہ نے جو مال حلال دیا ہے اس میں سے زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں اور خویش واقارب کی خبر لیتے ہیں۔ غرض حقوق العباد ضائع نہیں کرتے۔

۷۶۔ شریر جاہلوں کی بات کا جواب: یعنی کوئی جاہل لغو وبیہودہ بات کہے تو اس سے الجھتے نہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ بس صاحب تمہاری باتوں کو ہمارا دور سے سلام۔ یہ جہالت کی پوٹ تمہی رکھو ہم کو ہمارے مشغلہ میں رہنے دو۔ تمہارا کیا تمہارے، اور ہمارا کیا ہمارے سامنے آجائے گا۔ ہم کو تم جیسے بے سمجھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں تقریباً بیس اشخاص حبشہ سے حضور ﷺ کی خبر سن کر آئے کہ تحقیق کریں کیسے شخص ہیں۔ آپ سے بات چیت کی، حضور ﷺ نے قرآن پڑھ کر سنایا، ان کی آنکھوں

سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بڑے زور سے آپ کی تصدیق کی، جب مشرف بایمان ہو کر واپس ہونے لگے تو ابو جہل وغیرہ مشرکین نے ان پر آوازے کسے کہ ایسے احمقوں کا قافلہ آج تک کہیں نہ دیکھا ہو گا۔ جو ایک شخص کی تحقیق حال کرنے آئے تھے اور اس کے غلام بن کر اور اپنا دین چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَا نُجَاهِلُکُمْ لَنَا مَا نَحْنُ عَلَیْهِ وَلَکُمْ مَا اَنْتُمْ عَلَیْهِ لَمْ نَاْلُ اَنْفُسَنَا خَیْرًا۔ (بس ہم تمکو سلام کریں، معاف رکھو، ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اس کا وہ ہی حصہ ہے ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی) اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھائے پر لگے گا اس سے کنارہ ہی بہتر ہے (موضح)۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے[۷۷] اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے[۷۸]

۷۷۔ **ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا (ابو طالب) کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (موضح) یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے۔ آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا، یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے (تنبیہ) جو کچھ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابو طالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بنا لینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پر خطر مباحث میں کف لسان نہ کیا جائے۔

۷۸۔ یعنی کسی کو کسی شخص کے راہ پر لانے کا اختیار کیا ہوتا، علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہے بہر حال اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی تسلی فرما دی کہ آپ جاہلوں کی لغو گوئی اور معاندانہ شور و شغب یا اپنے خاص اعزہ و اقارب کے اسلام نہ لانے سے غمگین نہ ہوں۔ جس قدر آپ کا فرض ہے وہ ادا کئے جائیں، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہیں اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ پر لایا جائے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰٓی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور کہنے لگے اگر ہم راہ پر آئیں تیرے ساتھ اچک لئے جائیں اپنے ملک سے[۷۹] کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو حرمت والے پناہ کے مکان میں کھنچے چلے آتے ہیں اسکی طرف میوے ہر چیز کے روزی ہماری طرف سے پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے[۸۰]

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ

۵۸۔ اپنی گذران میں اب یہ ہیں ان کے گھر آباد نہیں

فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا
قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

ہوئے ان کے پیچھے مگر تھوڑے [۸۱] اور ہم ہیں آخر کو اور کتنی غارت کر دیں ہم نے بستیاں جو اترا چلی تھیں سب کچھ لینے والے [۸۲]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ
اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا
مُهْلِكِى الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور تیرا رب نہیں غارت کرنے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے ان کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سنائے انکو ہماری باتیں [۸۳] اور ہم ہر گز نہیں غارت کرنے والے بستیوں کو مگر جب کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں [۸۴]

وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
زِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶/۹

۶۰۔ اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز سو فائدہ اٹھالینا ہے دنیا کی زندگی میں اور یہاں کی رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا کیا تم کو سمجھ نہیں [۸۵]

۷۹۔ انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں مثلاً نقصان جان و مال کا خوف، چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے کہا بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ ارد گرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور مل کر ہمارا لقمہ کر لیں گے، نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔ اس کا آگے جواب دیا ہے۔

۸۰۔ **مکہ مکرمہ امن کی جگہ ہے:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "مکہ کے لوگ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں، اللہ نے فرمایا اب ان کی دشمنی سے کس کی پناہ میں بیٹھے ہو۔ یہ ہی حرم کا ادب (مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے) وہی اللہ (جس نے اس جگہ کو حرم بنایا) تب بھی پناہ دینے والا ہے"۔ (موضح) کیا شرک و کفر کے باوجود تو پناہ دی، ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر پناہ نہ دے گا۔ ہاں ایمان و تقویٰ کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہ چاہئے۔ فَاِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

۸۱۔ **تکبر کا انجام تمہارے سامنے ہے:** یعنی عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ دیکھتے نہیں کتنی قومیں گذر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا کہ آج صفحہ ہستی پر ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ یہ کھنڈر ان کی بستیوں کے پڑے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر ستانے یا قدرت الٰہی کا عبرتناک تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں جا اترے۔

۸۲۔ یعنی سب مر مرا گئے کوئی وارث بھی نہ رہا۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

۸۳۔ **بغیر نبی بھیجے عذاب نہیں کیا جاتا:** یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک بستیوں کو غارت نہیں کرتا۔ جب تک ان کے صدر مقام میں کوئی ہشیار

کرنے والا پیغمبر نہ بھیجدے۔ (صدر مقام کی تخصیص شاید اسلئے کہ وہاں کا اثر دور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے باشندے نسبۃً سلیم و عقیل ہوتے ہیں) تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظمہ تھا۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ۔۷) اسی لئے وہاں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر مبعوث ہوئے۔

۸۴۔ یعنی ہشیار کرنے پر بھی جب لوگ باز نہیں آتے، برابر ظلم وطغیان میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ پکڑ کر ہلاک کرتا ہے۔

۸۵۔ دنیا کے منافع عارضی ہیں: یعنی آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل کا مزہ کب تک اٹھاسکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے، تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے، اگر وہاں کا عیش و آرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض ہیچ اور لاشے ہے۔ کون عقلمند ہو گا جو ایک مکدر و منغص زندگی کو بے غل وغش زندگی پر اور ناقص وفانی لذتوں کو کامل و باقی نعمتوں پر ترجیح دے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سو وہ اس کو پانے والا ہے برابر ہے، اسکے جسکو ہم نے فائدہ دیا دنیا کی زندگانی کا پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آیا[۸۶]

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور جس دن انکو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے[۸۷]

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ان کو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوجتے تھے[۸۸]

وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے انکو تو وہ جواب نہ دیں گے ان کو[۸۹] اور دیکھیں گے عذاب کاش کہ کسی طرح وہ راہ پائے ہوئے ہوتے[۹۰]

وَ يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ مَاذَآ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور جس دن ان کو پکارے گا تو فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو

فَعَمِيَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ يَوۡمَئِذٍ فَهُمۡ لَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ پھر بند ہو جائیں گی ان پر باتیں اس دن سو وہ آپس میں بھی نہ پوچھیں گے [۹۱]

فَاَمَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِيۡنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ سو جس نے کہ توبہ کی اور یقین لایا اعمال کئے اچھے سو امید ہے کہ ہو چھوٹنے والوں میں [۹۲]

۸۶۔ مومن اور کافر برابر نہیں ہیں: یعنی مومن و کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک کے لئے دائمی عیش کا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا اور دوسرے کے لئے چند روزہ عیش کے بعد گرفتاری کا وارنٹ اور دائمی جیل خانہ، العیاذ باللہ۔ ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے، خدم و حشم پرے باندھے کھڑے ہیں اور الوان نعمت دستر خوان پر چنے ہوئے ہیں جن سے لذت اندوز ہو رہا ہوں، آنکھ کھلی تو دیکھا انسپکٹر پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی ہتکڑی لئے کھڑا ہے۔ بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیش ہو کر حبس دوام کی سزا مل گئی۔ بتلاؤ اسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت کیا یاد آئے گی۔

۸۷۔ یعنی وہ خدائی کے حصہ دار کہاں ہیں ذرا اپنی تائید و حمایت کے لئے لاؤ تو سہی۔

۸۸۔ محشر میں شرکاء کا اعتراف: یعنی سوال تو مشرکین سے تھا، مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ فی الحقیقت ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے۔ اس لئے سبقت کر کے جواب دیں گے کہ خداوندا! بیشک ہم نے ان کو بہکایا اور یہ بہکانا ایسا ہی تھا جیسے ہم خود بہکے۔ یعنی جو ٹھوکر بہکنے کے وقت کھائی تھی اسی کی تکمیل بہکانے سے کی۔ کیونکہ بہکانا بھی بہکنے کی انتہائی منزل ہے۔ پس اس جرم اغواء کا تو ہمیں اعتراف ہے۔ لیکن ان مشرکین پر کوئی جبر و اکراہ ہمارا نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوا لیتے فی الحقیقہ ان کی ہوا پرستی تھی جو ہمارے بہکانے میں آ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنے اہواء و ظنون کی پرستش کرتے تھے ہم ان کی عبادت سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ کذا قال بعض المفسرین۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ شیطان بولیں گے بہکایا تو ہے انہوں نے پر نام لے کر نیکوں کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تنبیہ) حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ سے مراد ہے لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ (ہود۔ ۱۱۹)

۸۹۔ مشرکین کو اپنے شرکاء کو پکارنے کا حکم: یعنی کہا جائے گا کہ اب مدد کو بلاؤ، مگر وہ کیا مدد کر سکتے خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ کذا قال المفسرون۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین جب نیکوں کا نام لیں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ ان نیکوں کو پکارو! وہ کچھ جواب نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ ان مشرکانہ حرکات سے راضی نہ تھے یا خبر نہ رکھتے تھے۔

۹۰۔ یعنی اس وقت عذاب کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں سیدھی راہ چلتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔

۹۱۔ انبیاء کے بارے میں سوال: پہلے سوالات توحید کے متعلق تھے، یہ سوال رسالت کی نسبت ہوا۔ یعنی اپنی عقل سے تم نے اگر حق کو نہ سمجھا تھا تو پیغمبروں کے سمجھانے سے سمجھا ہوتا، بتلاؤ ان کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ اس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا اور بات کرنے کی راہیں بند ہو جائیں گی۔

۹۲۔ ایمان و عمل صالح اصل کامیابی ہے: یعنی وہاں کی کامیابی صرف ایمان و عمل صالح سے ہے۔ اب بھی جو کوئی کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان لایا اور نیکی اختیار کی، حق تعالیٰ اس کی پہلی خطائیں معاف کر کے فائز المرام کرے گا۔ (تنبیہ) فَعَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِیۡنَ۔ وعدہ ہے شہنشاہانہ انداز میں۔ یعنی اس کو فلاح کی امید رکھنا چاہئے۔ گو ہم پر کسی کا دباؤ نہیں۔ کہ ناچار ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ محض فضل و کرم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

وَ رَبُّکَ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخۡتَارُ ؕ مَا کَانَ لَهُمُ الۡخِیَرَةُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے جس کو چاہے انکے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا[۹۳] اللہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس چیز سے کہ شریک بتلاتے ہیں[۹۴]

وَ رَبُّکَ یَعۡلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے انکے سینوں میں اور جو کچھ کہ ظاہر میں کرتے ہیں[۹۵]

وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاُوۡلٰی وَ الۡاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی کے پاس پھیرے جاؤ گے[۹۶]

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَیۡرُ اللّٰهِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک[۹۷] کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی پھر کیا تم سنتے نہیں[۹۸]

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمُ النَّهَارَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَیۡرُ اللّٰهِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِلَیۡلٍ تَسۡکُنُوۡنَ فِیۡهِ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو رات جس میں آرام کرو پھر کیا تم نہیں دیکھتے[۹۹]

وَ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ

۷۳۔ اور اپنی مہربانی سے بنا دئے تمہارے واسطے رات اور

لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

دن کہ اس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اس کا فضل اور تا کہ تم شکر کرو[۱۰۰]

۹۳۔ حق تعالیٰ کی مشیت و اختیار: یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔ جو اس کی مرضی ہو احکام بھیجے۔ جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز کرے۔ جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرمادے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنادے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے۔ فلیراجع۔

۹۴۔ حق تعالیٰ کی مشیت و اختیار: یعنی تخلیق و تشریع اور اختیار مذکور میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ لوگوں نے اپنی تجویز و انتخاب سے جو شرکاء ٹھہرا لئے ہیں سب باطل اور بے سند ہیں۔

۹۵۔ اللہ تعالیٰ کا علم محیط: یعنی دل میں جو فاسد عقیدے یا بری نیتیں رکھتے ہیں اور زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سے جو کام کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ ہی ہر ایک شخص کی پوشیدہ استعداد و قابلیت سے آگاہ ہے اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

۹۶۔ یعنی جس طرح تخلیق و اختیار اور علم محیط میں وہ منفرد ہے الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔ بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسی کی ذات منبع الکمالات میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی خواہ وہ کسی کے نام رکھ کر کی جائے حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے۔ اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تمکو پہنچتی ہیں اسی کے فضل و انعام سے ہیں۔ بلکہ خود رات اور دن کا ادل بدل کرنا بھی اس کا مستقل احسان ہے۔

۹۷۔ روشنی دینے والا کون ہے؟ مثلاً سورج کو طلوع نہ ہونے دے۔ یا اس سے روشنی سلب کر لے تو اپنے کاروبار کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لا سکتے ہو۔

۹۸۔ یعنی یہ بات ایسی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آجائے۔ تو کیا تم سنتے بھی نہیں۔

۹۹۔ رات اور اُسکا آرام کس نے بنایا؟ یعنی اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت و سکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کونسی طاقت کر سکتی ہے۔ کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی (تنبیہ) اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ الَّيۡلَ سَرۡمَدًا کے مناسب ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھنا عادۃً روشنی پر موقوف ہے جو دن میں پوری طرح ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں چونکہ دیکھنے کی صورت نہیں، ہاں سننا ممکن ہے اس لئے اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ الَّيۡلَ سَرۡمَدًا کے ساتھ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ فرمانا ہی موزوں تھا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۔ یعنی رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے تا رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون و راحت بھی حاصل کرو اور دن کے اجالے میں کاروبار بھی جاری رکھ سکو۔ اور روز و شب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور جس دن ان کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۱۰ ع ۵

۷۵۔ اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتلانے والا[۱۰۱] پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند[۱۰۲] تب جان لیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی ان سے جو باتیں وہ جوڑتے تھے[۱۰۳]

۱۰۱۔ احوال بتلانے والا پیغمبر یا ان کے نائب یا جو نیک بخت تھے۔ (موضح) وہ بتلائیں گے کہ لوگوں نے شرائع سماویہ اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔

۱۰۲۔ شرک کی دلیل کیا ہے: یعنی خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال و حرام وغیرہ کے احکام کس ماخذ صحیح سے لئے تھے پیغمبروں کو تو تم نے مانا نہیں، پھر کس نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے یہ نہیں۔

۱۰۳۔ آخرت میں کفار کو حق کا علم: یعنی اس وقت نظر آجائے گا کہ سچی بات اللہ کی ہے اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہ ہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں اس روز سب کافور ہو جائیں گی۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَ
اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ
بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ قارون جو تھا سو موسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا ان پر[۱۰۴] اور ہم نے دیے تھے اسکو خزانے اتنے کہ اسکی کنجیاں اٹھانے سے تھک جاتے کئی مرد زور آور[۱۰۵] جب کہا اس کو اسکی قوم نے اترا مت اللہ کو نہیں بھاتے اترانے والے[۱۰۶]

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا
تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ
اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ

۷۷۔ اور جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے کما لے پچھلا گھر[۱۰۷] اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے[۱۰۸] اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے[۱۰۹]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَ لَمْ
يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ
مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ
عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾

٧٨۔ بولا یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے[١١٠] کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ غارت کر چکا ہے اس سے پہلے کتنی جماعتیں جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں زور اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع [١١١] اور پوچھی نہ جائیں گنہگاروں سے ان کے گناہ[١١٢]

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ
اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٧٩﴾

٧٩۔ پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ طالب تھے دنیا کی زندگانی کے اے کاش ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے قارون کو بیشک اسکی بڑی قسمت ہے[١١٣]

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ
خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا
الصّٰبِرُوْنَ ﴿٨٠﴾

٨٠۔ اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے انکے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا[١١٤] اور یہ بات انہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں[١١٥]

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ
فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَ مَا كَانَ مِنَ
الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾

٨١۔ پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اسکے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئی س کی کوئی جماعت جو مدد کرتی اسکی اللہ کے سوائے اور نہ وہ خود مدد لا سکا[١١٦]

وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ
وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

٨٢۔ اور فجر کو لگے کہنے جو کل شام آرزو کرتے تھے اس کا سا درجہ ارے خرابی یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے[١١٧] اگر نہ

وَيَقۡدِرُ ۚ لَوۡلَآ اَنۡ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيۡكَاَنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع	احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو بھی دھنسا دیتا اے خرابی یہ تو چھٹکارا نہیں پاتے منکر [۱۱۸]

ع ۸ ۱۱

۱۰۴۔ قارون کا عبرت آموز واقعہ: رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ بعدہٗ ذکر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم آخرت کے بیان ہوئے۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰؑ کا چچازاد بھائی تھا اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا، جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنالیتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون کو چن لیا تھا۔ قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے، اور سرداری جاتی رہی۔ اس حسد و غیظ میں حضرت موسیٰؑ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تورات بہت پڑھتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مگر دل صاف نہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی ان ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں۔ مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰؑ جو احکام لائے ہم تم نے برداشت کئے۔ مگر کیا تم یہ بھی برداشت کرلوگے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اس کی تائید میں کہا، نہیں، ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰؑ کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب موسیٰؑ زناء کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ ان کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گذری۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اس کو شدید قسمیں دیں اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل ڈرا۔ تب اس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھ کو سکھایا تھا۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ کی بددعا سے وہ مع اپنے گھر اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔

۱۰۵۔ قارون کے خزانے کی کنجیاں: بعض سلف نے "مفاتح" کی تفسیر خزائن سے کی ہے۔ یعنی اس قدر روپیہ تھا کہ طاقتور مردوں کی ایک جماعت بھی اسے مشکل سے اٹھا سکتی۔ لیکن اکثر مفسرین نے مفاتح کی تفسیر کنجیوں سے کی ہے۔ یعنی مال کے صندوق اتنے تھے جن کی کنجیاں اٹھاتے ہوئے کئی زور آور آدمی تھک جائیں۔ اور یہ چنداں مستبعد نہیں جیسا کہ بعض تفاسیر میں اسکی صورت بتلائی گئی ہے۔

۱۰۶۔ قارون کو نصیحت: "یعنی اس فانی و زائل دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں پر پشہ کی برابر نہیں۔

اترانے کی مذمت: خوب سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اس مالک کو نہ بھائے اس کا نتیجہ بجز تباہی و ہلاکت کے کیا ہے۔

۱۰۷۔ مال کا صحیح مصرف: یعنی خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے۔ نہ یہ کہ غفلت کے نشہ میں چور ہو کر غرور و تکبر کی چال چلنے لگے۔

۱۰۸۔ یعنی حصہ موافق کھا، پہن اور زیادہ مال سے آخرت کما۔ اور مخلوق کے ساتھ سلوک کر۔

۱۰۹۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی ضد نہ کر، خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ۔ خواہ مخواہ ملک میں اودھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔

۱۱۰۔ یہ مال میرے ہنر کا نتیجہ ہے: یعنی میں ہنرمند تھا۔ کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ اپنی لیاقت و قابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت

حاصل ہوئی۔ اللہ نے بھی میری لیاقت کو دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یونہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے کہ موسیٰؑ کے حکم اور تمہارے مشورہ کے موافق خدا کے نام پر خرچ کر ڈالوں۔

۱۱۱۔ پچھلے اہل مال اور اہل قوت کا انجام: یعنی دولت کمانے کی لیاقت کس نے دی۔ افسوس ہے منعم حقیقی کو بھول کر اس کی دی ہوئی دولت و لیاقت پر غرہ کرنے لگا۔ کیا اسی دولت کو اس نے اپنی نجات کا ضامن تصور کر رکھا ہے۔ اسے معلوم نہیں کتنی جماعتیں اپنی شرارت و سرکشی کی بدولت پہلے تباہ کی جا چکی ہیں۔ جن کے پاس بادشاہتیں تھیں اور اس ملعون سے زیادہ خزانوں اور لشکروں کے مالک تھے۔ ان کا انجام سن کر اسے عبرت نہ ہوئی۔

۱۱۲۔ مجرموں سے گناہوں کی باز پرس کی ضرورت نہیں ہوگی: یعنی پوچھنے کی ضرورت کیا ہوگی اللہ کو ان کے گناہ ایک ایک کر کے معلوم ہیں فرشتوں کے ہاں سب لکھے ہیں، ہاں بطور توبیخ و تقریع اگر کسی وقت سوال ہو وہ دوسری بات ہے۔ یا یہ کنایہ ہے گناہوں کی کثرت سے۔ یعنی اتنی تعداد میں ہوں گے کہ ایک ایک جزئی کی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "پوچھے نہ جائیں گے گناہ، یعنی گنہگار کی سمجھ درست ہو تو گناہ کیوں کرے۔ جب سمجھ الٹی پڑے تو الزام دینے سے کیا فائدہ کہ یہ برا کام کیوں کرتا ہے اس کی برائی نہیں سمجھتا"۔ (موضح)۔

۱۱۳۔ قارون کے مال پر دنیا داروں کا رشک: یعنی لباس فاخرہ پہن کر بہت سے خدم و حشم کے ساتھ بڑی شان و شکوہ اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ بیشک یہ بڑا ہی صاحب اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔

۱۱۴۔ اہل علم کی لوگوں کو نصیحت: یعنی سمجھ دار اور ذی علم لوگوں نے کہا کہ کم بختو! اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو ریجھے جاتے ہو مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشے ہے۔ اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

۱۱۵۔ یہ سمجھ صرف صابرین ہی کو ملتی ہے: یعنی دنیا سے آخرت کو بہتر وہ ہی جانتے ہیں جن سے محنت سہی جاتی ہے۔ اور بے صبر لوگ حرص کے مارے دنیا کی آرزو پر گرتے ہیں۔ نادان آدمی دنیا کی آسودگی دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس کی بڑی قسمت ہے اس کی شب و روز کی فکر و تشویش، دردسری اور آخرت کی ذلت کو اور سو جگہ خوشامد کرنے کو نہیں دیکھتا اور یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا میں کچھ آرام ہے تو دس بیس برس، اور مرنے کے بعد کاٹنے ہیں ہزاروں برس۔ (موضح بتغییر یسیر)۔

۱۱۶۔ قارون کا عبرتناک انجام: یعنی نہ کوئی دوسرا اپنی طرف سے مدد کو پہنچا، نہ یہ کسی کو بلا سکا۔ نہ اپنی ہی قوت کام آئی نہ دوسروں کی۔

۱۱۷۔ لوگوں کو عبرت: یعنی جو لوگ قارون کی ترقی و ترفع کو دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا عروج حاصل ہوتا، آج اس کا یہ برا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے کسی شخص کی دنیوی ترقی و عروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے ہاں وہ کچھ عزت و وجاہت رکھتا ہے۔ یہ چیز کسی بندے کے مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس پر مناسب جانے روزی کے دروازے کھول دے جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال و دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ سچ ہے۔

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ اَعْيَتْ مَذَاهِبُهٗ وَكَمْ جَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقًا

هٰذا الّذِیْ تَرَکَ الْاَوْھَامَ حَاۗىِٕرَۃً وَ صُیِّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِیْرَ زِنْدِیْقًا

۱۱۸۔ یعنی خدا تعالیٰ کا احسان ہے اس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا، ورنہ یہ ہی گت ہماری بنتی، اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ کی آرزو کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا۔ اور نہ ہماری حرص پر سزا دی۔ بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار فرما دیا، اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال و زر کی ترقی سے حقیقی فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ناشکر گذار منکروں کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝۸۳

۸۳۔ وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی[۱۱۹]

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَى الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۸۴

۸۴۔ جو لیکر آیا بھلائی اس کو ملنا ہے اس سے بہتر[۱۲۰] اور جو کوئی لے کر آیا برائی سو برائیاں کرنے والے ان کو وہی سزا ملے گی جو کچھ کرتے تھے[۱۲۱]

۱۱۹۔ آخرت متقین کیلئے ہے: یعنی قارون کی دولت کو نادانوں نے کہا کہ اس کی بڑی قسمت ہے بڑی قسمت یہ نہیں، آخرت کا ملنا بڑی قسمت ہے سو وہ ان کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ تواضع و انکساری اور پرہیز گاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش بجائے اپنی ذات کو اونچا رکھنے کے یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں حق کا بول بالا کریں اور اپنی قوم مسلم کو ابھارنے اور سربلند کرنے میں پوری ہمت صرف کر ڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ دنیا خود ان کے قدم لیتی ہے۔ اب سوچ لو کہ دنیا کا مطلوب کیا دنیا کے طالب سے اچھا نہیں ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ لو! وہ سب سے زیادہ تارک الدنیا تھے۔ مگر متروک الدنیا نہ تھے۔ بہر حال مومن کا مقصد اصلی آخرت ہے۔ دنیا کا جو حصہ اس مقصد کا ذریعہ بنے وہ ہی مبارک ہے۔ ورنہ ہیچ۔

۱۲۰۔ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا: یعنی جو بھلائی یہاں کرے گا اس سے کہیں بہتر بھلائی وہاں کی جائے گی۔ ایک نیکی کا جو مقتضٰی ہو گا کم از کم اس سے دس گنا ثواب پائے گا۔

۱۲۱۔ برائی کا بدلہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا، وہ یقیناً ملنا ہے۔ اور برائی پر برائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی کیونکہ ممکن ہے معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرما دیا کہ اپنے کئے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ

۸۵۔ جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھر لانے والا ہے

ط قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾

تجھ کو پہلی جگہ [۱۲۲] تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے کون لایا ہے راہ کی سوجھ اور کون پڑا ہے صریح گمراہی میں [۱۲۳]

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً
مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر مہربانی سے تیرے رب کی [۱۲۴] سو تو مت ہو مددگار کافروں کا [۱۲۵]

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ
وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے بعد اس کے کہ اتر چکے تیری طرف اور بلا اپنے رب کی طرف اور مت ہو شریک والوں میں [۱۲۶]

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ
شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع ۹ ۱۲

۸۸۔ اور مت پکار اللہ کے سوائے دوسرا حاکم [۱۲۷] کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ [۱۲۸] اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے [۱۲۹]

۱۲۲۔ ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی: پہلے فرمایا تھا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ انجام بھلا پرہیزگاروں کا ہے۔ یعنی آخرت میں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ اب بتلاتے ہیں کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی کی ہوتی ہے۔ دیکھو آج کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر تم کو مکہ چھوڑنا پڑا ہے، مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ آیت اتری ہجرت کے وقت، یہ تسلی فرما دی کہ پھر مکہ میں آؤ گے سو خوب طرح آئے پورے غالب ہو کر۔" بعض مفسرین نے "معاد" سے مراد موت لی ہے بعض نے آخرت بعض نے جنت بعض نے سرزمین شام جہاں پہلے ایک مرتبہ آپ شب معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ان اقوال میں بہت عمیق و لطیف تطبیق دی۔ یعنی "معاد" سے مراد اس جگہ مکہ معظمہ ہے۔ (کما فی البخاری) مگر فتح مکہ علامت تھی قرب اجل کی جیسا کہ ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہما نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ آگے اجل کے بعد "حشر" "حشر کے بعد" "آخرت" کی انتہائی منزل جنت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اول آپکو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر لائے گا مکہ میں، اس کے چند روز بعد اجل واقع ہو گی، پھر ارض شام کی طرف حشر ہو گا (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پھر آخرت میں بڑی شان و شکوہ سے تشریف لائیں گے اور اخیر میں جنت کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لئے پہنچ جائیں گے۔

۱۲۳۔ یعنی حق تعالیٰ میری ہدایت اور مکذبین و معاندین کی گمراہی کو خوب جانتا ہے۔ یقیناً وہ ہر ایک کے ساتھ ان کے احوال کے موافق معاملہ کرے گا۔ نہیں ہو سکتا کہ میری کوششوں کو ضائع کر دے، یا گمراہوں کو رسوا نہ کرے۔

۱۲۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول اللہ کی رحمت سے ہے: یعنی آپ پہلے سے کچھ پیغمبری کے انتظار میں نہ تھے، محض رحمت و موہبت الٰہیہ ہے جو حق تعالیٰ نے پیغمبری اور وحی سے سرفراز فرمایا۔ وہ ہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے گا۔ لہٰذا اسی کی امداد پر ہمیشہ بھروسہ رکھئے۔

۱۲۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھ جنہوں نے تجھ سے یہ بدی کی (کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا) اب جو تیرا ساتھ دے وہ ہی اپنا ہے۔

۱۲۶۔ یعنی دین کے کام میں اپنی قوم کی خاطر اور رعایت نہ کیجئے اور نہ آپ کو ان میں گنئے گو کہ اپنے قرابت دار ہوں۔ ہاں ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے اور خدا کے احکام پر جمے رہئے۔

۱۲۷۔ یہ آپ کو خطاب کر کے دوسروں کو سنایا۔ اوپر کی آیتوں میں بھی بعض مفسرین ایسا ہی لکھتے ہیں۔

۱۲۸۔ ہر شے فانی ہے سوائے اللہ کے: یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تقریباً تمام چیزوں کو فنا ہونا ہے، خواہ کبھی ہو۔ مگر اس کا منہ یعنی وہ آپ کبھی معدوم تھا، نہ کبھی فنا ہو سکتا ہے۔ سچ ہے۔ اَلَا كُلُّ شيءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلٌ ۔ قال تعالیٰ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ اور بعض سلف نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ سارے کام مٹ جانے والے اور فنا ہو جانے والے ہیں بجز اس کام کے جو خالصًا لوجہ اللہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲۹۔ سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے: یعنی سب کو اس کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا۔ صورۃً و ظاہراً بھی کسی کا حکم و اقتدار باقی نہ رہے گا۔ اے اللہ اس وقت اس گنہگار بندہ پر رحم فرمائیے اور اپنے غضب سے پناہ دیجئے۔

تم سورۃ القصص وللہ الحمد والمنۃ۔

ایاتها ۶۹ ۲۹ سُوۡرَۃُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ مَکِّیَّۃٌ ۸۵ رکوعاتها ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓـمّٓ ۚ﴿۱﴾

۱۔ الم۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ
لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾

۲۔ کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے [۱]

وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ
الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾

۳۔ اور ہم نے جانچا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے [۲] سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو [۳]

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ
یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۴﴾

۴۔ کیا یہ سمجھتے ہیں جو لوگ کہ کرتے ہیں برائیاں کہ ہم سے بچ جائیں بری بات طے کرتے ہیں [۴]

مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ
وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۵﴾

۵۔ جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا [۵]

وَ مَنۡ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفۡسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶﴾

۶۔ اور جو کوئی محنت اٹھائے سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے اللہ کو پروا نہیں جہان والوں کی [۶]

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ
عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ لَنَجۡزِیَنَّہُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِیۡ

۷۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ہم اتار دیں گے ان پر سے برائیاں ان کی اور بدلا دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا [۷]

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾

۱۔ ہر مومن کا امتحان کیا جاتا ہے: یعنی زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنا کچھ سہل نہیں جو دعویٰ کرے امتحان وابتلا کے لئے تیار ہو جائے یہ ہی کسوٹی ہے جس پر کھرا کھوٹا کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے، ان کے بعد صالحین کا، پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ نیز امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے۔ جس قدر کوئی شخص دین میں مضبوط اور سخت ہو گا اسی قدر امتحان میں سختی کی جائے گی۔

۲۔ پچھلے لوگوں کیلئے امتحان و آزمائش: یعنی پہلے نبیوں کے متبعین بڑے بڑے سخت امتحانوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں فریاد کی کہ حضرت! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے اور دعا فرمایئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر سختی اور ظلم و ستم کی انتہا کر رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر (کھڑا) گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے سر پر آرہ چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چمڑا اور گوشت ادھیڑ دیا جاتا تھا۔ تاہم یہ سختیاں انکو دین سے نہ ہٹا سکیں۔

۳۔ دعویٰ ایمان میں سچ اور جھوٹ کی تمیز: یعنی اللہ تعالیٰ علانیہ ظاہر کر دے گا اور دیکھ لے گا کہ دعوئے ایمان میں کون سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا، اسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔ (تنبیہ) فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الخ سے جو حدوث علم باری کا وہم ہوتا ہے اس کا نہایت محققانہ جواب مترجم علام قدس سرہٗ نے دیا ہے۔ ملاحظہ کیا جائے پارہ دوم رکوع اول اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (البقرہ۔ ۱۴۳) کے تحت میں۔ ہم نے یہاں ان توجیہات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو مفسرین نے لکھی ہیں۔

۴۔ برائی کرنے والے اللہ سے نہیں بچ سکتے: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "پہلی دو آیتیں مسلمانوں کے متعلق تھیں جو کافروں کی ایذاؤں میں گرفتار تھے، اور یہ آیت ان کافروں سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو ستا رہے تھے"۔ (موضح) یعنی مومنین کے امتحانات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور سختیوں سے بچے رہیں گے، وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جو سخت ترین سزا ان کو ملنے والی ہے اس کے سامنے مسلمانوں کے امتحان کی سختی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی اگر اس وقت کی عارضی مہلت سے انہوں نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور سزا دہی کے وقت خدا کے ہاتھ نہ آئیں گے؟ تو حقیقت میں بہت ہی بری بات طے کی ایسا احمقانہ فیصلہ آنے والی مصیبت کو روک نہیں سکتا۔

۵۔ مومنوں کا وعدہ بہت قریب ہے: یعنی جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں بات بات پر پکڑ ہو گی۔ ناکامیاب ہوا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں ڈھل جائیں گی اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہو گا۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی اللہ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے، کسی کی محنت رائگاں نہ کرے گا۔

۶۔ انسان کی طاعت وعبادت اسی کیلئے ہے: یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان۔ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی اطاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اس کا پھل دنیا و آخرت میں اسی کو ملے گا۔ پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے رستہ میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ (العیاذ باللہ) اس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدے کے لئے طاعت و ریاضت کی توفیق بخشے۔

من نکردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

۷۔ ایمان اور عمل صالح کی برکات: یعنی جہان سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت و شفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ایمان کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی" (موضح القرآن)۔

وَ وَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حُسۡنًا ؕ وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ لِتُشۡرِكَ بِیۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾

۸۔ اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں [۸] تو انکا کہنا مت مان [۹] مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں بتلا دوں گا تمکو جو کچھ تم کرتے تھے [۱۰]

وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِی الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۹﴾

۹۔ اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں [۱۱]

۸۔ ماں باپ سے حسن سلوک: یعنی تمام کائنات میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو خدا کی شریک ہو سکے۔ پھر اس کی خبر کسی کو کہاں سے ہوتی۔ جو لوگ شرکاء ٹھہراتے ہیں محض جاہلانہ اوہام اور بے سند خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ واقع کی خبر انہیں کچھ بھی نہیں۔

۹۔ معصیت میں ماں باپ کی اطاعت کی ممانعت: دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں۔ پر اللہ کا حق ان سے زیادہ ہے ان کی خاطر دین نہ چھوڑے (موضح) حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی والدہ نے جو مشرک تھی بیٹے کے اسلام کی خبر سن کر عہد کیا کہ دانہ پانی کچھ نہ چکھوں گی نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی تاوقتیکہ سعد (معاذ اللہ) اسلام سے نہ پھر جائے۔ چنانچہ کھانا پینا ترک کر دیا اور بالکل نڈھال ہو گئی۔ لوگ زبردستی منہ چیز کر کھانا پانی دیتے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ گویا بتلا دیا کہ والدین کا اس طرح خلاف حق پر مجبور کرنا یہ بھی ایک ابتلاء و امتحان ہے، چاہئے کہ مومن کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہو۔

۱۰۔ یعنی سب کو عدالت میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی، اور کون حق پر تھا۔

۱۱۔ نیک اولاد کا انعام: یعنی جو اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود بھی ایمان اور نیکی کی راہ پر قائم رہے حق تعالیٰ ان کا حشر اپنے خاص نیک بندوں میں کرے گا۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں یعنی اولاد نے اگر ناحق بات میں والدین کا کہنا نہ مانا اور والدین ناحق پر قائم رہے تو اولاد کا حشر صالحین کے زمرہ میں ہو گا، ان والدین کے زمرہ میں نہ ہو گا۔ گو طبعی و نسبی تعلقات کی بنا پر وہ اس سے سب سے زیادہ قریب تھے۔ معلوم ہوا اَلۡمَرۡءُ مَعَ مَنۡ اَحَبَّ میں حب دینی مراد ہے، حب طبعی مراد نہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنۡ

۱۰۔ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر پھر جب اس کو ایذا پہنچے اللہ کی راہ میں کرنے لگے لوگوں کے ستانے کو برابر اللہ کے عذاب کے [۱۲] اور اگر آ پہنچے

جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکَ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّا کُنَّا مَعَکُمۡ ؕ اَوَ
لَیۡسَ اللّٰہُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِیۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰﴾

مدد تیرے رب کی طرف سے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں[۱۳] کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبر دار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہان والوں کے[۱۴]

وَ لَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ
الۡمُنٰفِقِیۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور البتہ معلوم کرے گا اللہ ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جو لوگ دغاباز ہیں[۱۵]

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا
سَبِیۡلَنَا وَ لۡنَحۡمِلۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ وَ مَا ہُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ
مِنۡ خَطٰیٰہُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو تم چلو ہماری راہ اور ہم اٹھالیں تمہارے گناہ[۱۶] اور وہ کچھ نہ اٹھائیں گے ان کے گناہ بیشک وہ جھوٹے ہیں

وَ لَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ ۫ وَ
لَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ع ۱۳

۱۳۔ اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے[۱۷] اور البتہ ان سے پوچھ ہو گی قیامت کے دن جو باتیں کہ جھوٹ بناتے تھے[۱۸]

۱۲۔ ضعیف الایمان لوگوں کی حالت: یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے اپنے آپ کو مومن کہتے تھے۔ مگر دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا۔ ان کو جہاں اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچی یا دین کی وجہ سے لوگوں نے ستایا تو اس آزمائش کو خدائی عذاب سمجھنے لگے۔ جس طرح آدمی عذاب الٰہی سے گھبرا کر جان بچانا چاہتا ہے اور اپنے دعوؤں سے دست بردار ہونے لگتا ہے اور ناچار اعتراف کرتا ہے کہ میں غلطی پر تھا، یہ ہی حال ان ضعفاء القلوب کا ہے۔ جہاں دین کے معاملہ میں کوئی سختی پہنچی بس گھبرا کر دعوے ایمان سے دست بردار ہونا شروع کر دیا اور زبان سے یا عمل سے گویا اقرار کرنے لگے کہ ہم اس دعوے میں غلطی پر تھے۔ یا ایسا دعویٰ کیا ہی نہ تھا۔

۱۳۔ یعنی اگر مسلمانوں کی کوئی کامیابی اور عروج دیکھیں تو باتیں بنانے لگیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔ خصوصاً اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور فرض کیجئے یہ لوگ کفار کا ساتھ دیتے ہوئے ان کے ہاتھ میں قید ہو جائیں، پھر تو نفاق و تملق کی کوئی حد نہ رہے۔

۱۴۔ اللہ دلوں کے حال جانتا ہے: یعنی جیسے کچھ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعوے کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں؟

۱۵۔ اعمال سے مومن و منافق کی پہچان: یعنی معلوم تو اسے پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ لے گا کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغاباز منافق ہے (تنبیہ) اس قسم کے مواضع میں لَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ کے معنی لَیُرِیَنَّ اللّٰہُ کے لینا ابن عباس سے منقول ہے کما فی تفسیر ابن کثیرؒ۔

۱۶۔ یعنی مسلمان کو چاہئے ایمان پر مضبوط رہے، نہ کوئی تکلیف و ایذا دہی اس کو طریق استقامت سے ہٹا سکے اور نہ کفار کی احمقانہ استمالت سے متاثر ہو۔ مثلاً کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آملو اور ہماری راہ پر چلو، تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو۔ اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھالیں گے اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے۔ کما قال الشاعرِ تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر۔

۱۷۔ مسلمانوں کے اعمال کی جھوٹی ذمہ داری: یعنی جھوٹے ہیں۔ تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ ہاں اپنا بوجھ بھاری کر رہے ہیں۔ ایک تو ان کے ذاتی گناہوں کا بار تھا، اب دوسروں کے اغواء و اضلال کے بارنے اس میں مزید اضافہ کر دیا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "کوئی چاہے کہ رفاقت کر کے کسی کے گناہ اپنے اوپر لے لے، یہ نہیں ہو گا۔ مگر جس کو گمراہ کیا اور اسکے بہکائے سے اس نے گناہ کیا، وہ گناہ اِس پر بھی اور اُس پر بھی" (موضح) جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں جو کوئی کسی کو (ناحق) قتل کرے، اس کے گناہ کا حصہ آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کو پہنچتا ہے۔ جس نے اول یہ بری راہ نکالی۔

۱۸۔ یعنی جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں کہ ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے، یہ خود مستقل گناہ ہے جس پر ماخوذ ہوں گے۔ آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغواء اور شرارت کرتے رہے ہیں اور سچوں کو مدتوں تک امتحان و ابتلاء کے دور میں سے گذرنا پڑا ہے مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا، منکر اور شریر لوگ خائب و خاسر رہے سچے کامیاب و سربلند ہوئے۔ اشقیاء کے تمام مکائد تار عنکبوت سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِيۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِيۡنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوۡفَانُ وَ هُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس برس کم [۱۹] پھر پکڑا ان کو طوفان نے اور وہ گنہگار تھے [۲۰]
فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَ اَصۡحٰبَ السَّفِيۡنَةِ وَ جَعَلۡنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور جہاز والوں کو [۲۱] اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہان والوں کے واسطے [۲۲]
وَ اِبۡرٰهِيۡمَ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوۡهُ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶﴾	۱۶۔ اور ابراہیم کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور ڈرتے رہو اس سے یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو
اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّ تَخۡلُقُوۡنَ	۱۷۔ تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوائے یہ بتوں کے تھان اور

اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَ اعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾

بناتے ہو جھوٹی باتیں[۲۳] بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے وہ مالک نہیں تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو اسی کی طرف پھر جاؤ گے[۲۴]

وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے اور رسول کا ذمہ تو بس یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر[۲۵]

۱۹۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال: ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت نوحؑ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ اور سعی و اصلاح میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا، طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔

۲۰۔ یعنی جب گناہوں اور شرارتوں سے باز نہ آئے تو طوفان سے سب کو گھیر لیا۔ بجز چند نفوس کے سب ہلاک ہو گئے۔

۲۱۔ یعنی جو آدمی یا جانور جہاز پر سوار تھے ان کو نوحؑ کی معیت میں ہم نے محفوظ رکھا۔ سورہ "ہود" میں یہ قصہ مفصل گذر چکا۔

۲۲۔ کشتی نوح علیہ السلام نشان عبرت ہے: کہتے ہیں حضرت نوحؑ کا جہاز مدت دراز تک "جودی" پر لگا رہا۔ تا دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے جسے دیکھ کر سفینہ نوحؑ کی یاد تازہ ہوتی اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ یا شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جس وقت یہ سورہ اتری ہے۔ حضرت کے بہت سے اصحاب کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آ کر جہاز پر سوار ہو کر ملک حبشہ کی طرف گئے تھے جب حضرت مدینہ ہجرت کر آئے تب وہ جہاز والے صحابہ بھی سلامتی سے آ ملے" (موضح بتغییر یسیر) گویا نوحؑ و سفینہ نوحؑ کی تاریخ اس رنگ میں دہرائی گئی۔

۲۳۔ جھوٹے اوہام کی پیروی: یعنی جھوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھوٹے خیالات و اوہام کی پیروی کرتے ہو، چنانچہ اپنے ہاتھوں سے یہ بت بنا کر کھڑے کر لئے ہیں جنہیں جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔

۲۴۔ روزی اللہ کے پاس ہے: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اکثر خلق روزی کے پیچھے ایمان دیتی ہے۔ سو جان رکھو کہ اللہ کے سوا روزی کوئی نہیں دیتا وہی دیتا ہے اپنی خوشی کے موافق"۔ لہٰذا اس کے شکر گذار بنو اور اسی کی بندگی کرو۔ وہیں تم کو لوٹ کر جانا ہے، آخر اس وقت کیا منہ دکھاؤ گے۔

۲۵۔ رسول کے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے: یعنی جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا، میں صاف صاف تبلیغ و نصیحت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا، بھلا برا سمجھا چکا، نہ مانو گے نقصان اٹھاؤ گے جیسے "عاد" و "ثمود" وغیرہ تم سے پہلے اٹھا چکے ہیں۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَـلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰ لِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو پھر اس کو دہرائے گا[۲۶] یہ اللہ پر آسان ہے[۲۷]

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنۡشِیٴُ النَّشۡاَۃَ الۡاٰخِرَۃَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿ۚ۲۰﴾

۲۰۔ تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر شروع کیا ہے پیدائش کو پھر اللہ اٹھائے گا پچھلا اٹھان [۲۸] بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَرۡحَمُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیۡہِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ دکھ دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس پر چاہے [۲۹] اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے

وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿٪۲۲﴾

۲۲۔ اور تم عاجز کرنے والے نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی نہیں تمہارا اللہ سے ورے حمایتی اور نہ مددگار [۳۰]

ع ۲ ۹ ۱۴

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ لِقَآئِہٖۤ اُولٰٓئِکَ یَئِسُوۡا مِنۡ رَّحۡمَتِیۡ وَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے وہ ناامید ہوئے میری رحمت سے [۳۱] اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے

۲۶۔ **اپنی ذات میں غور کرو:** یعنی خود اپنی ذات میں غور کرو، پہلے تم کچھ نہ تھے، اللہ نے تم کو پیدا کیا، اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "شروع تو دیکھتے ہو، دھرانا اسی سے سمجھ لو"۔

۲۷۔ یعنی اللہ کے نزدیک تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے کہ جس نے بدون نمونہ کے اول ایک چیز کو بنایا، نمونہ قائم ہونے کے بعد بنانا تو اور زیادہ آسان ہونا چاہیئے۔

۲۸۔ **زمین میں چل پھر کر دیکھو:** یعنی اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو۔ اور چل پھر کر دیکھو کہ کیسی کیسی مخلوق خدا نے پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کر لو۔ اس کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہو گئی۔

۲۹۔ یعنی دوبارہ پیدا کر کے جسے اپنی حکمت کے موافق چاہے گا سزا دے گا۔ اور جس پر چاہے گا اپنے فضل و کرم سے مہربانی فرمائے گا۔

۳۰۔ **خدا کے مجرم کیلئے کوئی پناہ نہیں:** یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے وہ زمین کے سوراخوں میں گھس کر سزا سے بچ سکتا ہے نہ آسمان میں اڑ کر، کوئی بلندی یا پستی خدا کے مجرم کو پناہ دہ نہیں دے سکتی نہ کوئی طاقت اسکی حمایت اور مدد کو پہنچ سکتی ہے۔

۳۱۔ یعنی جنہوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کر دیا اور اس س ملنے کی امید نہیں رکھی (کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے قائل ہی نہ ہوئے) انہیں رحمت الٰہی کی امید کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وہ آخرت میں بھی محروم و مایوس ہی رہیں گے۔ یہ گویا مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ کا عکس ہوا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ
حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلا دو [۳۲] پھر اس کو بچا دیا اللہ نے آگ سے [۳۳] اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لاتے ہیں [۳۴]

وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ
بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ
بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ یَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؗ وَّ
مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ۙۗ

۲۵۔ اور ابراہیم بولا [۳۵] جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوائے بتوں کے تھان سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگانی میں [۳۶] پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور لعنت کرو گے ایک کو ایک [۳۷] اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار [۳۸]

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ
هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر مان لیا اس کو لوط نے اور وہ بولا میں تو وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کی طرف بیشک وہی ہے زبردست حکمت والا [۳۹]

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِیْ
ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی
الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور دیا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب [۴۰] اور رکھ دی اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب [۴۱] اور دیا ہم نے اس کو اس کا ثواب دنیا میں اور وہ آخرت میں البتہ نیکوں سے ہے [۴۲]

۳۲: **حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زندہ جلانے کا فیصلہ:** یعنی ابراہیمؑ کی تمام معقول باتیں اور دلائل و براہین سن کر جب ان کے ہم قوم جواب سے عاجز ہوئے تو قوت کے استعمال پر اتر آئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ یا تو قتل کر کے ایک دم ان کا قصہ ہی تمام کر دو اور یا آگ میں جلاؤ۔ شاید تکلیف محسوس کر کے اپنی باتوں سے باز آ جائے تو نکال لیں گے ورنہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔

۳۳۔ یعنی انہوں نے مشورہ کر کے آگ میں ڈال دیا، مگر حق تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا۔ جیسا کہ سورہ "انبیاء" میں مفصلاً گذر چکا ہے۔

۳۴۔ یعنی اس واقعہ سے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے بندوں کو کس طرح بچا لیتا ہے اور مخالفین حق کو کس طرح خائب و خاسر کرتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تاثیر اس کے حکم سے ہے جب حکم نہ ہو تو آگ جیسی چیز جلا نہیں سکتی۔

۳۵۔ یعنی آگ سے نکل کر پھر نصیحت شروع کر دی۔

۳۶۔ بت پرستی کی اصل غرض وغائت: یعنی بت پرستی کو کون عقلمند جائز رکھ سکتا ہے، بت پرست بھی دل میں جانتے ہیں کہ یہ نہایت مہمل حرکت ہے۔ مگر شیرازہ قومی کو جمع رکھنے کے لیے ایک مذہب ٹھہرالیا ہے کہ اس کے نام پر تمام قوم متحد و متفق رہے اور ایک دوسرے کے دوست بنے رہیں جیسا کہ آج کل ہم یورپ کی عیسائی قوموں کا حال دیکھتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ بت پرستی کا شیوع ورواج اس بناء پر نہیں ہوا کہ وہ کوئی معقول چیز ہے بلکہ اندھی تقلید، قومی مروت ولحاظ اور تعلقات باہمی کا دباؤ اس کا بڑا سبب ہے یا یہ غرض ہو کہ بت پرستی کی اصل جڑ آپس کی محبت اور دوستی تھی۔ ایک قوم میں کچھ نیک آدمی جنہیں لوگ محبوب رکھتے تھے انتقال کر گئے، لوگوں نے جوش محبت میں ان کی تصویریں بناکر بطور یادگار رکھ لیں پھر تصویروں کی تعظیم کرنے لگے وہی تعظیم بڑھتے بڑھتے عبادت بن گئی۔ یہ سب احتمالات آیت میں مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ اور ممکن ہے مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ سے بت پرستوں کی اپنے بتوں سے جو محبت ہے وہ مراد ہو جیسا کہ دوسری جگہ اَنْدَادًا يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۳۷۔ آخرت میں مشرکین اور شرکاء کی ایک دوسرے پر لعنت: یعنی یہ سب دوستیاں اور محبتیں چند روزہ ہیں۔ قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بنوگے اور بعض بعض کو لعنت کروگے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی وہ شیطان جن کے نام کے تھان ہیں اللہ کے روبرو منکر ہوں گے کہ ہم نے نہیں کہا کہ ہم کو پوجو۔ تب یہ پوجنے والے ان کو لعنت کریں گے کہ ہماری نذر و نیاز لے کر وقت پر پھر گئے "۔ (موضح)۔

۳۸۔ جو دوزخ کی آگ سے تم کو بچالے، جیسے میرے پروردگار نے تمہاری آگ سے مجھ کو بچالیا۔

۳۹۔ حضرت لوط علیہ السلام کا ایمان اور ہجرت: "ضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے کسی مرد نے نہ مانا۔ البتہ لوطؑ نے فوراً بلا توقف تصدیق کی۔ دونوں کا وطن "عراق" میں شہر بابل تھا۔ خدا کے توکل پر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اللہ نے ملک شام میں پہنچا کر بسایا۔ (تنبیہ) وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ الخ میں دونوں احتمال ہیں۔ قائل ابراہیم ہوں یا لوط علیہما السلام۔

۴۰۔ یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا دیا۔ جن کی نسل "بنی اسرائیل" کہلاتی ہے۔

۴۱۔ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں دائمی نبوت: یعنی ابراہیمؑ کے بعد بجز ان کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی و پیغمبری نہ دی جائے گی۔ چنانچہ جس قدر انبیاء ان کے بعد تشریف لائے ان ہی کی ذریت سے تھے۔ اسی لئے ان کو "ابو الانبیاء" کہا جاتا ہے۔

۴۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دنیا اور آخرت کے انعامات: یعنی دنیا میں حق تعالیٰ نے مال، اولاد، عزت اور ہمیشہ کا نام نیک دیا، اور ملک شام ہمیشہ کے لئے ان کی اولاد کو بخشا۔ (کذا فی الموضح) اور آخرت میں اعلیٰ درجہ کے صالحین کی جماعت میں (جو انبیائے اولوالعزم کی جماعت ہے) شامل رکھا۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو بیحیائی کے کام پر تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے جہان میں [۴۳]

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ

۲۹۔ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر اور راہ مارتے ہو [۴۴] اور کرتے ہو اپنی مجلس میں برا کام [۴۵] پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے لے آ ہم پر عذاب اللہ کا اگر

اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾

تو ہے سچا[۴۶]

ع ٣ / ٨ / ١٥

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٣٠﴾ ع

۳۰۔ بولا اے رب میری مدد کر ان شریر لوگوں پر[۴۷]

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا
مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا
ظٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۚۖ

۳۱۔ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے ہم کو غارت کرنا ہے اس بستی والوں کو بیشک اس کے لوگ ہو رہے ہیں گنہگار[۴۸]

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫
لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۟ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٢﴾

۳۲۔ بولا اس میں تو لوط بھی ہے[۴۹] وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے ہم بچا لیں گے اسکو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہے گی رہ جانے والوں میں[۵۰]

وَ لَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ
بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا
مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٣﴾

۳۳۔ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس ناخوش ہوا ان کو دیکھ کر اور تنگ ہوا دل میں[۵۱] اور وہ بولے مت ڈر اور غم نہ کھا ہم بچائیں گے تجھ کو اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری رہ گئی رہ جانے والوں میں

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ
السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٣٤﴾

۳۴۔ ہم کو اتارنی ہے اس بستی والوں پر ایک آفت آسمان سے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہو رہے تھے[۵۲]

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٣٥﴾

۳۵۔ اور چھوڑ رکھا ہم نے اس کا نشان نظر آتا ہوا سمجھ دار لوگوں کے واسطے[۵۳]

۴۳۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو نصیحت: یعنی یہ فعل شنیع تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ فطرت انسانی اس سے نفور ہے۔ ایسے خلاف فطرت وشریعت کام کی بنیاد تم نے ڈالی۔

۴۴۔ راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زنی ہو، یہ بھی ان میں رائج ہو گی، یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اس طرف ہو کر نہ نکلیں۔ یا تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر توالد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔

۴۵۔ قوم کی علانیہ بیحیائی: شاید یہ ہی بدکاری علانیہ لوگوں کے سامنے کرتے ہوں گے اس بات کی شرم بھی نہ رہی تھی یا کچھ اور ٹھٹھے اور چھیڑ اور بے شرمی کی باتیں کرتے ہوں گے۔

۴۶۔ حضرت لوط علیہ السلام سے قوم کا استہزاء: یعنی اگر تم سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آیئے۔ دوسری جگہ فرمایا وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (اعراف ۔۸۲) یعنی ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لوطؑ کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک بننا چاہتے ہیں۔ شاید قوم میں سے بعض نے یہ بعض نے وہ جواب دیا ہو گا۔ یا ایک وقت میں ایک بات اور دوسرے میں دوسری کہی ہو گی۔ مثلاً اول عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا، پھر آخری فیصلہ یہ ہو گا کہ انہیں بستی سے نکال دیا جائے۔ بہر حال ثابت ہو گیا کہ وہ قوم نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی تھی بلکہ اس کو جاری رکھنے پر اس قدر اصرار تھا کہ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہو گئے۔ ان کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی تھیں کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ دلوں میں باقی نہ رہا تھا، عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے تھے اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ تھے۔ جرم کی یہ ہی نوعیت ان کے ہلاک کرنے کے لئے کافی تھی۔ اور اگر اس کے ساتھ توحید کے بھی قائل نہ تھے تو "کڑوا کریلا نیم چڑھا" سمجھیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی دعوت حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے مشتہر ہو کر پہنچ چکی ہو گی۔ اس لئے لوطؑ خاص اسی فعل شنیع سے روکنے پر مامور ہوئے اور ممکن ہے انہوں نے توحید وغیرہ کی دعوت بھی دی ہو۔ مگر اس کو یہاں نقل نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۴۷۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بد دعا: یہ ان کی طرف سے مایوس ہو کر فرمایا، شاید سمجھ گئے ہوں گے کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی درست ہونے والی نہیں۔ وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔ جیسے نوحؑ نے فرمایا تھا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح ۔۲۷) کذا قال النیشاپوری فی تفسیرہ۔

۴۸۔ بشارت اور عذاب لانے والے فرشتے: لوطؑ کی دعا پر فرشتوں کو اس بستی کے تباہ کرنے کا حکم ہوا۔ فرشتے اول حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچے، ان کو بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت سنائی اور اطلاع دی کی ہم اس بستی (سدوم) کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ کسی طرح اپنی حرکات شنیعہ سے باز نہیں آئے اور ان واقعات کی تفصیل سورہ اعراف ہود اور حجر وغیرہ میں گذر چکی ہے۔ (تنبیہ) شاید ہلاکت کی خبر کے ساتھ بیٹے کی بشارت دینے کا مطلب یہ ہو کہ ایک قوم سے اگر خدا کی زمین خالی کی جانے والی ہے تو دوسری طرف حق تعالیٰ ایک عظیم الشان قوم "بنی اسرائیل" کی بنیاد ڈالنے والا ہے۔ نبہ علیہ العلامۃ النیسابوری فی تفسیرہ۔

۴۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں اندیشہ: یعنی کیا لوطؑ کی موجودگی میں بستی کو تباہ کیا جائے گا؟ یا انہیں وہاں سے علیحدہ کر کے تعذیب کی کاروائی عمل میں لائی جائے گی؟ غالباً حضرت ابراہیمؑ کو از راہ شفقت خیال آیا کہ اگر لوطؑ کی آنکھوں کے

سامنے یہ آفت نازل ہوئی تو عجب نہیں کہ عذاب کا ہولناک منظر دیکھنے سے وحشت اور گھبراہٹ ہو۔ فرشتوں نے اپنے کلام میں کوئی استثناء کیا نہ تھا۔ اس سے ان کے ذہن میں یہ ہی شق آئی ہوگی کہ لوطؑ کی موجودگی میں کارروائی کریں گے۔ واللہ اعلم۔

۵۰۔ فرشتوں کا جواب: یعنی فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں اور جو ان میں خدا کے مجرم ہیں تنہا لوطؑ نہیں، بلکہ اس کے گھر والوں کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ سب کو عذاب کے موقع سے علیحدہ کرلیں گے صرف اس کی ایک عورت وہاں رہ جائے گی۔ کیونکہ اس پر بھی عذاب آنا ہے۔

۵۱۔ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان فرشتے: فرشتے نہایت حسین و جمیل امردوں کی شکل میں وہاں پہنچے حضرت لوطؑ نے اول پہچانا نہیں بہت تنگدل اور ناخوش ہوئے کہ اب ان مہمانوں کی عزت قوم کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں گا۔ اگر اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں تو اخلاق و مروت اور مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ ٹھہراتا ہوں تو اس بدکار قوم سے آبرو کس طرح محفوظ رہے گی۔

۵۲۔ یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈریئے مت، یہ کچھ نہیں کرسکتی اور ہمارے بچاؤ کے لئے غمگین نہ ہوں ہم آدمی نہیں، فرشتے ہیں، جو تجھ کو اور تیرے ہم مشرب گھروالوں کو بچا کر اس قوم کو غارت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ گذر چکا۔

۵۳۔ قوم لوط علیہ السلام کی تباہی کے نشانات: یعنی ان کی الٹی ہوئی بستیوں کے نشان مکہ والوں کو ملک شام کے سفر میں دکھائی دیتے تھے۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِی
الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور بھیجا مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو پھر بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن کی [۵۴] اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے [۵۵]

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ
دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ پھر اس کو جھٹلایا تو پکڑ لیا انکو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ قَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۟
وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِیْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور ہلاک کیا عاد کو اور ثمود کو اور تم پر حال کھل چکا ہے ان کے گھروں سے [۵۶] اور فریفتہ کیا انکو شیطان نے ان کے کاموں پر پھر روک دیا ان کو راہ سے اور تھے ہوشیار [۵۷]

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۟ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ

۳۹۔ اور ہلاک کیا قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان

مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا
کَانُوۡا سٰبِقِیۡنَ ﴿ۚ۳۹﴾

کے پاس پہنچا موسٰی کھلی نشانیاں لے کر پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں اور نہیں تھے ہم سے جیت جانے والے [۵۸]

فَکُلًّا اَخَذۡنَا بِذَنۡۢبِہٖ ۚ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِ
حَاصِبًا ۚ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ اَخَذَتۡہُ الصَّیۡحَۃُ ۚ وَ
مِنۡہُمۡ مَّنۡ خَسَفۡنَا بِہِ الۡاَرۡضَ ۚ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ
اَغۡرَقۡنَا ۚ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا
اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر [۵۹] پھر کوئی تھا کہ اس پر ہم نے بھیجا پتھراؤ ہوا سے [۶۰] اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے [۶۱] اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسا دیا ہم نے زمین میں [۶۲] اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا ہم نے [۶۳] اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے پر تھے وہ اپنا آپ ہی برا کرتے [۶۴]

مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ
الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۚۖ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا ؕ وَ اِنَّ اَوۡہَنَ الۡبُیُوۡتِ
لَبَیۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی جیسے مکڑی کی مثال بنا لیا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی [۶۵]

اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ وَ
ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اللہ جانتا ہے جس جس کو وہ پکارتے ہیں اس کے سوائے کوئی چیز ہو [۶۶] اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا [۶۷]

وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُہَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا یَعۡقِلُہَاۤ
اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور یہ مثالیں بٹھلاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے [۶۸]

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۴﴾ ع ۴ / ۱۶

۴۴۔ اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں [۶۹] اس میں نشانی ہے یقین لانے والوں کے لئے [۷۰]

۵۴۔ یعنی آخرت کی طرف سے غافل نہ بنو، اکیلے خدائے واحد کی پرستش کرو۔

۵۵۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نصیحت: خرابی مچانے سے شاید مراد ہے لین دین میں دغابازی کرنا، سود بٹہ لگانا، جیسا کہ ان کی عادت تھی۔ اور ممکن ہے رہزنی بھی کرتے ہوں، وقیل ذلک۔

۵۶۔ یعنی ان کی بستیوں کے کھنڈر تم دیکھ چکے ہو۔ ان سے عبرت حاصل کرو۔

۵۷۔ یعنی دنیا کے کام میں ہشیار تھے اور اپنے نزدیک عقلمند تھے، پر شیطان کے بہکائے سے نہ بچ سکے۔

۵۸۔ ان قوموں کے غرور کا انجام: یعنی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی حق کے سامنے نہ جھکے اور کبر و غرور نے ان کی گردن نیچے نہ ہونے دی۔ پھر نتیجہ کیا ہوا؟ کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے؟ یا العیاذ باللہ خدا کو تھکا دیا۔

۵۹۔ ان قوموں کے غرور کا انجام: یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا دی گئی۔

۶۰۔ یہ قوم لوط ہے اور بعض نے "عاد" کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

۶۱۔ یہ "ثمود" تھے اور اہل "مدین" بھی۔

۶۲۔ یعنی قارون کو، جیسا کہ سورہ قصص میں گذرا۔

۶۳۔ یہ فرعون وہامان ہوئے اور بعض نے قوم نوح کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

۶۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ کوئی ناانصافی یا بے موقع کام کرے، اس کی بارگاہ عیوب و نقائص سے بکلی مبرا و منزہ ہے۔ ظلم تو وہاں مقصود ہی نہیں، ہاں بندے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی ایسے کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ لامحالہ ان کے حق میں برا ہے۔

۶۵۔ مشرکین کی مثال مکڑی کے گھر سے: یعنی گھر اس واسطے ہے کہ جان و مال کا بچاؤ ہو، نہ مکڑی کا جالا کہ دامن کے جھٹکے سے ٹوٹ پڑے۔ یہ ہی مثال اس کی ہے جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا بچانے والا اور محافظ سمجھے، بدون مشیت الٰہی کچھ بچاؤ نہیں کر سکتے۔

۶۶۔ یعنی ممکن تھا سننے والا تعجب کرے کہ سب کو ایک ہی ذیل میں کھینچ دیا کسی کو مستثنیٰ نہ کیا بعض لوگ بت کو پوجتے ہیں، بعض آگ پانی کو، بعض اولیاء یا فرشتوں کو، سو اللہ نے فرما دیا کہ اللہ کو سب معلوم ہیں۔ اگر کوئی ایک بھی ان سے مستقل قدرت و اختیار رکھتا تو اللہ سب کی یک قلم نفی نہ کرتا۔

۶۷۔ یعنی اللہ کو کسی کی رفاقت نہیں چاہئے، وہ زبردست ہے، اور مشورہ نہیں چاہئے کیونکہ حکیم مطلق ہے۔

اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ تو پڑھ جو اتری تیری طرف کتاب [۷۱] اور قائم رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے بیحیائی اور بری بات سے [۷۲] اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی [۷۳] اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو [۷۴]

۷۱۔ تلاوت قرآن کا حکم: یعنی قرآن کی تلاوت کرتے رہئے تا دل مضبوط اور قوی رہے، تلاوت کا اجر و ثواب الگ حاصل ہو اسکے معارف و حقائق کا انکشاف بیش از بیش ترقی کرے۔ دوسرے لوگ بھی سن کر اس کے مواعظ اور علوم و برکات سے منتفع ہوں، جو نہ مانیں ان پر خدا کی حجت تمام ہو، اور دعوت و اصلاح کا فرض بحسن و خوبی انجام پاتا رہے۔

۷۲۔ نماز روحانی بیماریوں کا علاج ہے: "نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے ایک بطریق تسبب، یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہئے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو۔ یعنی نماز کی ہر ایک ہیات اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی فرمانبرداری، خضوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے، مسجد سے باہر آکر بھی بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔

برائیوں سے روکنے کا دوسرا مفہوم: گویا نماز کی ہر ایک ادا مصلّی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بیحیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ (نحل۔ ۹۰) پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہو گا۔ جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو، کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأت یا دعاؤ تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں موثر ثابت ہو گی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا لَا یَذۡکُرُ اللّٰہَ فِیۡھَا اِلَّا قَلِیۡلًا۔ اسی نماز کی نسبت لَمۡ یَزۡدَدۡ بِھَا اِلَّا بُعۡدًا کی وعید آئی ہے۔

۷۳۔ ذکر اللہ کی فضیلت: یعنی نماز برائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ

لِذِكۡرِىۡ (طٰہٰ۔ ۱۴) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا، ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ حضرت ابو درداء وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہ ہی فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے بڑھ کو کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کو ہے۔ یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لیجائے۔ وہ دوسری بات ہے، لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے۔ بہر حال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے اور جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہو گا۔ پس بندے کو چاہئے کہ کسی وقت خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو خصوصًا جس وقت کسی برائی کی طرف میلان ہو فورًا خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کو یاد کر کے اس سے باز آجائے۔ قرآن و حدیث میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو یاد فرماتا ہے۔ بعض سلف نے آیت کا یہ ہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اس لیے نماز بڑی چیز ہوئی۔ لیکن اس کے جواب میں جو ادھر سے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو یاد فرماتا ہے یہ سب سے بڑی چیز ہے جس کی انتہائی قدر کرنی چاہیئے اور یہ شرف و کرامت محسوس کر کے اور زیادہ ذکر اللہ کی طرف راغب ہونا چاہئے۔ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اسلام کے احکام بہت ہیں، مجھے کوئی ایک جامع ومانع چیز بتلا دیجئے، فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطَبًا مِنۡ ذِكۡرِ اللهِ (تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جتنی دیر نماز میں لگے اتنے تو ہر گناہ سے بچے، امید ہے آگے بھی بچتا رہے۔ اور اللہ کی یاد کو اس سے زیادہ اثر ہے یعنی گناہ سے بچے اور اعلیٰ درجوں پر چڑھے"۔ موضح یہ لَذِكۡرُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ کی ایک اور لطیف تفسیر ہوئی۔

۷۴۔ یعنی جو آدمی جس قدر خدا کو یاد رکھتا ہے یا نہیں رکھتا خدا تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ لہذا ذاکر اور غافل میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی جداگانہ ہو گا۔

وَلَا تُجَادِلُوۡۤا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمۡ وَاحِدٌ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور جھگڑا نہ کرو اہل کتاب سے مگر اس طرح پر جو بہتر ہو مگر جو ان میں بے انصاف ہیں[۷۵] اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اترا ہم کو اور اترا تم کو[۷۶] اور بندگی ہماری اور تمہاری ایک ہی کو ہے اور ہم اسی کے حکم پر چلتے ہیں[۷۷]

وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ۚ وَمِنۡ هٰۤؤُلَاۤءِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور ویسی ہی ہم نے اتاری تجھ پر کتاب[۷۸] سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو مانتے ہیں اور ان مکہ والوں میں بھی بعضے ہیں کہ اس کو مانتے ہیں اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے جو نافرمان ہیں[۷۹]

وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ

۴۸۔ اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ

بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے[۸۰]

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ[۸۱] اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں[۸۲]

وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا
الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب سے تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو بس سنا دینے والا ہوں کھول کر[۸۳]

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى
عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۵ / ۷ / ۱

۵۱۔ کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے بیشک اس میں رحمت ہے اور سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں[۸۴]

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ
وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ تو کہہ کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے بیچ گواہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں[۸۵] اور جو لوگ یقین لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے وہی ہیں نقصان پانے والے[۸۶]

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى
لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور جلد مانگتے ہیں تجھ سے آفت[۸۷] اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ مقررہ تو آ پہنچتی ان پر آفت اور البتہ آئے گی ان پر اچانک اور ان کو خبر نہ ہوگی[۸۸]

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ
بِالْكٰفِرِيْنَ ۙ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ جلدی مانگتے ہیں تجھ سے عذاب[۸۹] اور دوزخ گھیر رہی ہے مجرموں کو[۹۰]

یَوۡمَ یَغۡشٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ وَ یَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ جس دن گھیر لے گا ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے اور کہے گا چکھو جیسا کچھ تم کرتے تھے [۹۱]

۷۵۔ اہل کتاب سے مناظرہ میں نرمی و متانت: یعنی مشرکوں کا دین جڑ سے غلط ہے اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا، تو ان سے ان کی طرح مت جھگڑو کہ جڑ سے ان کی بات کاٹنے لگو۔ بلکہ نرمی، متانت، خیر خواہی اور صبر و تحمل سے واجبی بات سمجھاؤ۔ البتہ جو ان میں صریح بے انصافی، عناد اور ہٹ دھرمی پر تل جائے اس کے ساتھ مناسب سختی کا برتاؤ کر سکتے ہو۔ اور آگے چل کر ایسوں کو سزا دینی ہے۔ (تنبیہ) پہلے قرآن کی تلاوت کا حکم تھا، اغلب ہے کہ منکرین اسے سن کر الجھنے لگیں تو بتلا دیا کہ بحث کے وقت فریق مقابل کی علمی و دینی حیثیت کا خیال رکھو۔ جوش مناظرہ میں صداقت و اخلاق کی حد سے نہ نکلو جہاں کہیں جتنی سچائی ہو اسکا اعتراف کرو۔

۷۶۔ اہل کتاب سے یہ بات کہو: یعنی ہمارا جیسا کہ قرآن پر ایمان ہے اس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت موسٰی و مسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انبیاء پر جو کتابیں اتاریں بیشک وہ سچی تھیں۔ ایک حرف ان کا غلط نہ تھا۔ (گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت و حقیقت میں باقی نہ رہیں)۔

۷۷۔ اہل کتاب اور مسلمانوں میں فرق: یعنی اصلی معبود ہمارا تمہارا ایک ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ہم تنہا اسی کے حکم پر چلتے ہیں، تم نے اس سے ہٹ کر اوروں کو بھی خدائی کے حقوق و اختیارات دے دیے۔ مثلاً حضرت مسیح یا حضرت عزیر علیہما السلام کو یا احبار و رہبان کو۔ نیز ہم نے اس کے تمام احکام کو مانا سب پیغمبروں کی تصدیق کی، سب کتابوں کو برحق سمجھا اس کے آخری حکم کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا۔ تم نے کچھ مانا کچھ نہ مانا اور آخری صداقت سے منکر ہو گئے۔

۷۸۔ یعنی اس کتاب میں آخر تمہاری کتابوں سے کون سی بات کم ہے جو قبول کرنے میں تردد ہے۔ جس طرح انبیائے سابقین پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اترتے رہے، پیغمبر آخر الزماں پر یہ کتاب لاجواب اتری۔ اس کے ماننے سے اتنا انکار کیوں ہے۔

۷۹۔ اہل کتاب اور کفار میں سے قرآن کو ماننے والے: یعنی جن اہل کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصافاً ماننا چاہئے۔ چنانچہ ان میں کے جو منصف ہیں وہ اس کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ صرف اہل کتاب بلکہ بعض عرب کے لوگ بھی جو کتب سابقہ کا کچھ علم نہیں رکھتے اس قرآن کو مانتے جا رہے ہیں حقیقت میں قرآن کریم کی صداقت کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ بجز سخت حق پوش نافرمان کے کوئی ان کی تسلیم سے انکار نہیں کر سکتا۔

۸۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا قرآن کی صداقت کی دلیل ہے: نزول قرآن سے پہلے چالیس سال آپ کی عمر کے ان ہی مکہ والوں میں گزرے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ کسی استاد کے پاس بیٹھے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی جگہ رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہوں گی، ان ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سنا دیتے ہیں۔ گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا، کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے، تاہم جھوٹوں کو بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جبکہ آپ کا امی ہونا مسلمات میں سے ہے تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی اور یوں ضدی لوگ کہنے کو تو اس پر بھی کہتے تھے۔ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَهَا فَهِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡهِ بُکۡرَةً وَّ اَصِیۡلًا (فرقان۔۲۵)

۸۱۔ حفاظ قرآن کی فضیلت: یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں۔ بلکہ یہ وحی جو ان پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء و حفاظ و قراء کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا اس پر افزود ہے (موضح باضافہ یسیر)۔

۸۲۔ یعنی ناانصافی کا کیا علاج۔ ایک شخص یہ ہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا۔ وہ روشن سے روشن چیز کا ابھی انکار کر دے گا۔

۸۳۔ معجزات دکھلانا میرے اختیار میں نہیں: یعنی میرے قبضہ میں نہیں کہ جو نشان تم طلب کرو وہ ہی دکھلا دیا کروں نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہو سکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ بدی کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشان چاہے دکھلا دے، یہ اس کے اختیار میں ہے۔

۸۴۔ قرآن سب سے بڑھکر معجزہ ہے: یعنی کیا یہ نشان کافی نہیں۔ جو کتاب رات دن پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان کونسا ہو گا۔ دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

۸۵۔ میری صداقت کیلئے اللہ کی گواہی کافی ہے: یعنی خدا کی زمین پر اس کے آسمان کے نیچے میں علانیہ دعوئے رسالت کر رہا ہوں جسے وہ سنتا اور دیکھتا ہے پھر روز بروز مجھے اور میرے ساتھیوں کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا رہا ہے۔ برابر میرے دعوے کی فعلی تصدیق کرتا ہے۔ میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کئے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن وانس عاجز ہیں۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی یہ گواہی کافی نہیں۔

۸۶۔ گھاٹا پانے والے: آدمی کی بڑی شقاوت اور خسران یہ ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ کتنی ہی بدیہی البطلان ہو فوراً قبول کر لے اور سچی بات سے گو کتنی ہے صاف روشن ہو انکار کرتا رہے۔

۸۷۔ یعنی اگر باطل پر ہیں تو ہم پر دنیا میں کوئی آفت کیوں نہیں آتی۔

۸۸۔ کفار کیلئے دنیا و آخرت کا عذاب: یعنی ہر چیز اپنے وقت معین پر آتی ہے، گھبراؤ نہیں، وہ آفت بھی آکر رہے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس امت کا عذاب یہ ہی تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونا اور پکڑے جانا۔ سو فتح مکہ میں مکہ کے لوگ بے خبر رہے کہ حضرت کا لشکر سر پر آکھڑا ہوا۔

۸۹۔ یہاں عذاب سے شاید آخرت کا عذاب مراد ہو۔ جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۹۰۔ یعنی آخرت کا عذاب تو فضول مانگتے ہیں، اس عذاب میں تو پڑے ہی ہیں یہ کفر اور برے کام دوزخ نہیں تو اور کیا ہے جس نے ہر طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے۔ موت کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کس طرح جلاتی ہے جب یہ ہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے۔

۹۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کہے گا، یا وہ عذاب ہی بولے گا جیسے زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال حدیث میں آیا ہے کہ سانپ ہو کر گلے میں پڑے گا، گلے چیرے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اے بندو میرے جو یقین لائے ہو میری زمین کشادہ ہے سو مجھی کو بندگی کرو [۹۲]

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ جو جی ہے سو چکھے گا موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے [۹۳]

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۖۗ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ان کو ہم جگہ دیں گے بہشت میں جھروکے نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں سدا رہیں ان میں خوب ثواب ملا کام والوں کو

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا [۹۴]

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖۗ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا
وَ اِيَّاكُمْ ۖؗ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ روزی دیتا ہے انکو اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا جاننے والا [۹۵]

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ
سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان اور زمین کو اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ نے پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں [۹۶]

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ
يَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے جسکو چاہے [۹۷] بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے [۹۸]

۹۲۔ مومنین سے خطاب خاص: یعنی یہ مکہ کے کافر اگر تم کو تنگ کرتے ہیں تو خدا کی زمین تنگ نہیں، دوسری جگہ جا کر خدا کی عبادت کرو۔

۹۳۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جب کافروں نے مکہ میں بہت زور باندھا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا۔ چنانچہ اسّی تراسی گھر حبشہ چلے گئے۔ اس کو فرمایا کہ کوئی دن کی زندگی ہے جہاں بن پڑے وہاں کاٹ دو، پھر ہمارے پاس اکھٹے آؤ گے۔ اس میں مہاجرین کی تسلی کر دی تا وطن چھوڑنا اور حضرت سے جدا ہونا دل پر بھاری نہ گذرے گویا جتلا دیا کہ وطن، خویش و اقارب، رفقاء اور چھوٹے بڑے آج نہیں کل چھوٹیں گے۔ فرض کرو۔ اسوقت مکہ سے ہجرت نہ کی تو ایک روز دنیا سے ہجرت کرنا ضرور ہے مگر وہ بے اختیار ہو گا۔ بندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑ دے جو پروردگار حقیقی کی بندگی میں مزاحم اور خلل انداز ہوتی ہیں۔

۹۴۔ ہجرت کرنیوالوں کے انعامات: یعنی جو صبر واستقلال سے اسلام وایمان کی راہ پر جمے رہے اور خدا پر بھروسہ کر کے گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے ان کو اس وطن کے بدلے وہ وطن ملے گا اور یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیے جائیں گے۔

۹۵۔ جانوروں اور انسانوں کو روزی کا وعدہ: یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کر دی کہ اکثر جانورں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا۔ نیا دن اور نئی روزی (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر وباطن اس کے سامنے ہے کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ سامان معیشت ساتھ لیجانے کی فکر نہ کریں۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے، پھر بھی رزاق حقیقی ان کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے۔

۹۶۔ اللہ کو سب خالق مانتے ہیں: یعنی رزق کے تمام اسباب (سماویہ وارضیہ) اسی نے پیدا کئے سب جانتے ہیں، پھر اس پر بھروسہ نہیں کرتے کہ وہ ہی پہنچا بھی دے گا۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا تم چاہو۔ یہ اگلی آیت میں سمجھا دیا ہے۔ (موضح)

۹۷۔ ناپ کر دیتا ہے یہ نہیں کہ بالکل نہ دے۔

۹۸۔ یعنی یہ خبر اسی کو ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہئے۔

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ اور جو تو پوچھے ان سے کس نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے [۹۹]

ع ۶ ۱۲ ۲

وَ مَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا لَهۡوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِىَ الۡحَيَوَانُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے زندہ رہنا اگر ان کو سمجھ ہوتی [۱۰۰]

فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو خالص اسی پر رکھ کر اعتقاد پھر جب بچا لایا انکو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک بنانے

لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ ۚۛ وَ لِيَتَمَتَّعُوۡا ۛ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ تاکہ مکرتے رہیں ہمارے دیے ہوئے سے اور مزے اڑاتے رہیں سو عنقریب جان لیں گے [۱۰۱]

اَوَ لَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ
النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ وَ
بِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَكۡفُرُوۡنَ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اچکے جاتے ہیں ان کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا احسان نہیں مانتے[١٠٢]

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ
بِالۡحَـقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيۡسَ فِىۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًى
لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿٦٨﴾

٦٨۔ اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے سچی بات کو جب اس تک پہنچے کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں منکروں کے لئے[١٠٣]

وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَ
اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿٦٩﴾ ع

٦٩۔ اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں[١٠٤] اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے[١٠٥]

ع ٧ / ٣

٩٩۔ یعنی مینہ بھی ہر کسی پر برابر نہیں برستا۔ اور اسی طرح حال بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ذرا دیر میں مفلس سے دولتمند کر دے۔

١٠٠۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے: یعنی آدمی کو چاہئے یہاں کی چند روزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کہ اصلی و دائمی زندگی وہ ہی ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہو کر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفر آخرت کے لئے توشہ درست کرے۔

١٠١۔ کفار کی ناشکری کا حال: یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ آدمی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو اور آخرت کو فراموش نہ کرے۔ لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقیدت مندی سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جہاں آفت اس سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا، اللہ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ گویا غرض یہ ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔ خیر بہتر ہے۔ چند روز دل کے ارمان نکال لیں، عنقریب پتہ چل جائے گا کہ اس بغاوت و شرارت، احسان فراموشی اور ناسپاسی کا نتیجہ کیا ہے۔

١٠٢۔ کفار مکہ پر اللہ کا انعام: مکہ کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے۔ حالانکہ سارے ملک عرب میں فساد اور کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں اللہ کا یہ سچا احسان نہیں مانتے۔

١٠٣۔ یعنی سب سے بڑی نا انصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔ یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ یا پیغمبر جو سچائی لے کر آئے ہیں اسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو ایسی بیباکی اور بیحیائی سے عقل و انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

١٠٤۔ اللہ کے راستے میں مجاہدہ کرنے والوں کی خاص ہدایت: یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب و رضاء یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ

ریاضات و مجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر ان کی معرفت و انکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔

۱۰۵۔ یعنی اللہ کی حمایت و نصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تم سورۃ العنکبوت فللہ الحمد والمنہ

ایاتها ۶۰ ۳۰ سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾	۱۔ الم۔
غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾	۲۔ مغلوب ہو گئے ہیں رومی
فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾	۳۔ ملتے ہوئے ملک میں [۱] اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے
فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾	۴۔ چند برسوں میں [۲] اللہ کے ہاتھ ہیں سب کام پہلے اور پچھلے [۳] اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان
بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾	۵۔ اللہ کی مدد سے [۴] مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا [۵]
وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾	۶۔ اللہ کا وعدہ ہو چکا خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا وعدہ لیکن بہت لوگ نہیں جانتے [۶]
يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾	۷۔ جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کے جینے کو اور وہ لوگ آخرت کی خبر نہیں رکھتے [۷]

۱۔ ادنی الارض کی تفسیر: اَدْنَى الْاَرْضِ (ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک) سے مراد "اذرعات" و "بصریٰ" کے درمیان کا خطہ ہے جو "شام"

کی سرحد پر "حجاز" سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہوا ہے، یا "فلسطین" مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا یا "جزیرہ ابن عمر" جو فارس سے اقرب ہے۔ ابن حجر نے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ قرآن کی حیرت انگیز پیشینگوئی: یعنی نو سال کے اندر اندر رومی غالب ہو جائیں گے۔ کیونکہ لغت میں اور حدیث میں بِضۡعِ کا اطلاق تین سے نو تک ہوا ہے۔ ان آیات میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشینگوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں "فارس" (جسے "ایران" کہتے ہیں) اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں۔ ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا کیا، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ ۵۷۰ء میں نبی کریم ﷺ کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں۔

روم و فارس کی جنگ: جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم ﷺ کے دعوئے نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہبًا اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیئے جاتے تھے جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے مسلمانوں کو بھی طبعًا صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب، آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، ادھر ان کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے۔

فارس کی روم پر فتح: آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریبًا پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گذر چکے) خسرو پرویز (کیخسرو ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر ایشائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہر قل قیصر کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔

مشرکین مکہ کی خوشیاں: یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں، مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اس وقت قرآن نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شرط: اسی پیشینگوئی کی بناء پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو اونٹ تم کو دوں گا، ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنی رائے سے بِضۡعِ سِنِیۡنَ کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدہٗ نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے بِضۡعِ کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ ادھر ہر قل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو "حمص" سے پیدل چل کر "ایلیا" (بیت المقدس) تک پہنچوں گا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشینگوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گذرنے پر) عین بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے، یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ اور اس ضمن میں مشرکین مکہ کو

مزید خذلان وخسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشینگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے سو اونٹ مشرکین مکہ سے وصول کئے جن کے متعلق حضور ﷺ نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیئے جائیں۔ فللہ الحمد علی نعمائہ الظاہرۃ والآئہ الباہرۃ۔

۳۔ یعنی پہلے فارس کو غالب کرنا، روم کو مغلوب کرنا، اور پیچھے حالات کو الٹ دینا سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ صرف اتنی بات سے کسی قوم کے مقبول ومردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

۴۔ **پیشینگوئی کا سچا ہونا:** یعنی ایک تو اس دن اپنی فتح کی خوشی اس پر مزید خوشی یہ ہوئی کہ رومی اہل کتاب (جو نسبۃً مسلمانوں سے اقرب تھے) فارس کے مجوسیوں پر غالب آئے۔ قرآن کی پیشینگوئی کے صدق کا لوگوں نے مشاہدہ کر لیا۔ کفار مکہ کو ہر طرح ذلت نصیب ہوئی۔

۵۔ یعنی جسے مغلوب کرنا چاہے تو کوئی زبردستی کر کے روک نہ سکے اور جس پر مہربانی فرمانا چاہے اسے بے روک ٹوک غالب کر کے رہے۔

۶۔ **لوگوں کی حقیقت سے لاعلمی:** یعنی اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ غالب یا مغلوب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں ہیں اور یہ کہ قدرت جب کوئی کام کرنا چاہے تو سب ظاہری رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے اکثر ظاہر بیں بغیر اسباب ظاہری خدا پر بھروسہ نہیں رکھتے اور کسی کا عارضی غلبہ دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ ہی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔

۷۔ **دنیوی زندگی کا سطحی علم:** یعنی یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کی آسائش و آرائش، کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، بونا جوتنا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا بس یہ ہی ان کے علم و تحقیق کی انتہائی جولانگاہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے برے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دور ہے، یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اس کا آخری انجام ذلت وناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸

۸۔ کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں کہ اللہ نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے سو ٹھیک سادہ کر اور وعدہ مقرر پر[۸] اور بہت لوگ اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے[۹]

اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ

۹۔ کیا انہوں نے سیر نہیں کی ملک کی جو دیکھیں انجام کیسا ہوا ان سے پہلوں کا ان سے زیادہ تھے زور میں اور جوتا انہوں نے زمین کو اور بسایا اس کو ان کے بسانے سے زیادہ اور پہنچے ان کے پاس رسول انکے لے کر کھلے حکم[۱۰] سو اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنا آپ برا کرتے

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ؕ‏ ﴿۹﴾

تھے [۱۱]

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡۤاٰى اَنۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا بِهَا يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۰﴾ ع

۱۰۔ پھر ہوا انجام برا کرنے والوں کا برا اس واسطے کہ جھٹلاتے تھے اللہ کی باتیں اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے [۱۲]

۸۔ کائنات کی تخلیق میں غور و فکر: یعنی عالم کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں پیدا کیا، کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرت میں نظر آئے گا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی، لیکن اس کے تغیرات و احوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہو گا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائے گا۔

۹۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب و کتاب دینا پڑے۔

۱۰۔ پچھلی قوموں کے حالات سے عبرت: یعنی بڑی بڑی طاقتور قومیں (مثلاً عاد و ثمود) جنہوں نے زمین کو بوجوت کر لالہ و گلزار بنایا، اسے کھود کر چشمے اور کانیں نکالیں، ان منکرین سے بڑھ کر تمدن کو ترقی دی، لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا۔ وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر کھلے نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو کیا نہیں سنا کہ انجام کیا ہوا۔ کس طرح تباہ و برباد کئے گئے ان کے ویران کھنڈر آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں۔ کیا ان میں ان بے فکروں کیلئے کوئی عبرت نہیں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان نہیں۔ ہاں یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بربادی ہو۔ تو یہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے عدل و رحم کی کیفیت تو یہ ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدون پوری طرح ہشیار کیے کسی کو پکڑنا بھی نہیں۔

۱۲۔ تکذیب و استہزاء کا انجام: وہ نتیجہ تو دنیا میں دیکھا تھا پھر آخرت میں تکذیب و استہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ موجودہ اقوام کو چاہیئے کہ گذشتہ قوموں کے احوال سے عبرت پکڑیں۔ کیونکہ ایک قوم کو جن باتوں پر سزا ملی سب کو وہی سزا مل سکتی ہے۔ سب کی فنا بھی ایک کی فنا سے سمجھو اور سب کی سزا بھی ایک کی سزا سے۔

اَللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اللہ بناتا ہے پہلی بار پھر اس کو دہرائے گا پھر اسی کی طرف جاؤ گے

وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور جس دن برپا ہو گی قیامت آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار

وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ مِّنۡ شُرَكَآئِهِمۡ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوۡا

۱۳۔ اور نہ ہوں گے ان کے شریکوں میں کوئی انکے

بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

سفارش کرنے والے اور وہ ہو جائیں گے اپنے شریکوں سے منکر [۱۳]

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور جس دن قائم ہو گی قیامت اس دن لوگ ہوں گے قسم قسم [۱۴]

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ
رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ سو جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام سو باغ میں ہوں گے انکی آؤ بھگت ہو گی [۱۵]

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ
الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں اور ملنا پچھلے گھر کا سو وہ عذاب میں پکڑے آئیں گے

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ سو پاک اللہ کی یاد کرو جب شام کرو اور جب صبح کرو

وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ
حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور اسی کی خوبی ہے آسمان میں اور زمین میں اور پچھلے وقت اور جب دوپہر ہو [۱۶]

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ
وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۵

۱۹۔ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے [۱۷]

۱۳۔ یعنی جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے جب وقت پر کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (انعام۔۲۳) خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔

۱۴۔ یعنی نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ کر دیے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچا دیئے جائیں گے جس کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔

۱۵۔ یعنی انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت و سرود سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ یہ نیکوں کا ٹھکانہ ہوا۔ آگے بدوں کی جگہ بتلائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں ایسی تفریق اور جدائی کر دی جائے گی جس سے بڑھ کر کوئی جدائی نہیں ہو سکتی۔

۱۶۔ صبح و شام ذکر اللہ کی تاکید: یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے نماز میں تینوں قسم کی یاد جمع کر دی گئی۔ اور اوقات فرض نماز کے یہ ہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے۔ یعنی صبح، شام، (جس میں مغرب و عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دوپہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں۔ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔

آفتاب عالم اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے عالم اسباب میں شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو۔

نماز کے اوقات کی حکمت: (جیسا کہ ارض النجوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اسے اپنا معبود اکبر قرار دیا تھا۔ جس کی طرف حضرت ابراہیمؑ کے قول هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ (انعام۔۷۸) میں اشارہ ہے۔ اس کے عجز و بیچارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دوپہر ڈھلنے پر جبکہ اس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جبکہ اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آگیا اور غروب کے بعد جب اس کی نورانی شعاعوں کے اتصال سے اس کے پجاری محروم ہوگئے۔ پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہوگئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی افق پر باقی نہ رہے۔ ان اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں۔ اور شروع صلوٰۃ ہی میں "اللہ اکبر" کہہ کر اس موحد اعظم (ابراہیم خلیل اللہ) کی اقتداء کرتے رہیں۔ جس نے هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ کے بعد فرمایا تھا اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام۔۷۹) شاید آیت ہذا میں وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرما کر یہ ہی یاد دلایا ہے کہ تسبیح و تنزیہہ اور یاد کرنے کے لائق وہ ہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبان حال و قال سے بیان کر رہی ہے، کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آگے اسی خدائے اکبر کی بعض شئون عظیمہ اور صفات کاملہ کا بیان ہے تا معبودیت کا استحقاق اور زیادہ واضح ہو جائے۔ اسی ضمن میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۷۔ **مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو پیدا کرنا:** یعنی انسان کو نطفہ سے نطفہ کو انسان سے، جانور کو بیضہ سے اور بیضہ کو جانور سے، مومن کو کافر سے، کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے اور زمین جب خشک ہو کر مر جاتی ہے تو رحمت کے پانی سے پھر زندہ کر کے سبز و شاداب کر دیتا ہے۔ غرض موت و حیات حقیقی ہو یا مجازی، حسی ہو یا معنوی، سب کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر تم کو زندہ کر کے قبروں سے نکال کھڑا کرنا اس کے نزدیک کیا مشکل ہو گا۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور اسکی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے [۱۸]

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور اسکی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو انکے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں انکے لئے جو دھیان کرتے ہیں [۱۹]

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور اسکی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ اس میں بہت نشانیاں ہیں سمجھنے والوں کو [۲۰]

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ
ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اسکی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات اور دن میں اور تلاش کرنا اس کے فضل سے [۲۱] اس میں بہت پتے ہیں ان کو جو سنتے ہیں [۲۲]

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور اسکی نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہے تمکو بجلی ڈر اور امید کے لئے [۲۳] اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کر مر گئے پیچھے اس میں بہت پتے ہیں ان کے لئے جو سوچتے ہیں [۲۴]

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ
اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ
تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ کھڑا ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے [۲۵] پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین سے اسی وقت تم نکل پڑو گے [۲۶]

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں سب اس کے حکم کے تابع ہیں [۲۷]

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ
عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع ۳ ۸ ۶

۲۷۔ اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دھرائے گا اور وہ آسان ہے اس پر [۲۸] اور اسکی شان سب سے اوپر ہے آسمان اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا [۲۹]

۱۸۔ اللہ کی بعض نشانیاں: یعنی آدم کو مٹی سے بنایا، پھر دیکھو قدرت نے اسے کتنا پھیلایا کہ ساری زمین پر اس کی ذریت چھا گئی اور زمین میں پھیل کر کیسی کیسی عجیب و غریب ہشیاریاں اس مٹی کے پتلے نے دکھلائیں۔

۱۹۔ مرد و عورت کی تخلیق کی حکمت: یعنی اول مٹی سے ایک آدم کو پیدا کیا پھر اسی کے اندر اسے اس کا جوڑا نکالا تا اس سے انس اور چین پکڑے اور پیدائشی طور پر دونوں صنفوں (مرد و عورت) کے درمیان خاص قسم کی محبت اور پیار رکھ دیا۔ تا مقصود ازدواج حاصل ہو۔ چنانچہ دونوں

کے میل جول سے نسل انسانی دنیا میں پھیل گئی۔ کما قال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً (نساء۔۱)

۲۰۔ رنگ و زبان کا اختلاف: سب انسان ایک ماں باپ سے بنائے۔ ملا کر بسائے، پھر تمام روئے زمین پر ان کو پھیلا دیا۔ سب کی جدا جدا بولیاں کر دیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر زبان کے اعتبار سے محض اجنبی ہو گیا۔ پھر دیکھو کہ شروع دنیا سے آج تک کتنے بیشمار آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب و لہجہ، تلفظ، طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی شکل و صورت اور رنگت وغیرہ میں دوسرے سے ممتاز ہے، آواز اور لب و لہجہ بھی بالکل الگ ہے کوئی دو شخص ایسے نہ ملیں گے جنکی آواز اور رنگ، روپ میں کوئی مابہ الامتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی نئی صورتیں اور بولنے کے نئے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ حقیقت میں یہ کتنا بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔

۲۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں بدلتی ہیں، سویا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہوشیار کوئی نہیں۔ اصل تو رات ہے سونے کو اور دن تلاش کو، پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔

۲۲۔ یعنی جو سن کر محفوظ رکھتے ہیں کما فی تفسیر ابن کثیرؒ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کہ اپنے سونے کا احوال نظر نہیں آتا سو لوگوں کی زبانی سنتے ہیں" (موضح) یہ لفظ یَّسْمَعُوْنَ اختیار کرنے کا نکتہ ہوا۔

۲۳۔ بجلی کی چمک اور بارش میں نشانیاں: بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈرتے ہیں کہیں کسی پر گر نہ پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے جان و مال تلف ہوں۔ اور امید بھی رکھتے ہیں کہ بارش ہو تو دنیا کا کام چلے۔ مسافر کبھی اندھیرے میں اس کی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے کہ کچھ دور تک راستہ نظر آجائے۔ اور کبھی خوف کھا کر گھبراتا ہے۔

۲۴۔ یعنی اسی سے سمجھ لو کہ مرے پیچھے تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

۲۵۔ زمین و آسمان کا قیام: پہلے آسمان و زمین کا پیدا کرنا مذکور ہوا تھا۔ یہاں ان کے بقاء و قیام کو بتلایا کہ وہ بھی اسی کے حکم سے ہے مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکز ثقل سے ہٹ جائے۔ یا ایکدوسرے پر گر کر نظام کائنات کو درہم برہم کر دے۔

۲۶۔ یعنی زمین و آسمان جب تک اس کا حکم ہے قائم رہیں گے۔ پھر جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے نکلے چلے آؤ گے میدان حشر کی طرف۔

۲۷۔ یعنی آسمان و زمین کے رہنے والے سب اسی کے مملوک بندے اور اسی کی رعیت ہیں، کسی کی طاقت ہے کہ اس کے حکم تکوینی سے سرتابی کر سکے۔

۲۸۔ آخرت کی زندگی پر احمقانہ شبہ: یعنی قدرت الٰہی کے سامنے تو سب برابر ہیں لیکن تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اول بار پیدا کرنے سے دوسری بار دھرا دینا آسان ہونا چاہئے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ اول پیدائش پر اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو مستبعد سمجھو۔

۲۹۔ اللہ کی شان سب سے اعلیٰ ہے: یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات اور اونچی سے اونچی شان اس کی ہے۔ آسمان و زمین کی کوئی چیز اپنے حسن و خوبی میں اس کی شان و صفت سے لگا نہیں کھا سکتی۔ مساوی ہونا تو کجا، وہ تو اس سے بھی بالا و برتر ہے جہاں تک مخلوق اس کے جلال و جمال کا تصور کر سکتی ہے۔ بلکہ جو خوبی کسی جگہ موجود ہے وہ اسی کے کمالات کا ادنیٰ پرتو ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کہ آسمان کے فرشتے نہ کھائیں نہ پئیں نہ حاجت بشری رکھیں، سوائے بندگی کے کچھ کام نہیں۔ اور زمین کے لوگ سب چیز میں آلودہ۔ پر اللہ کی صفت نہ ان سے ملے نہ ان سے، وہ پاک ذات ہے" (موضح)۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

ولِلہ دُرّ من قال — اے بروں از وہم و قال و قیل من — خاک بر فرق من و تمثیل من

ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ هَلۡ لَّكُمۡ مِّنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ شُرَكَآءَ فِىۡ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ فَاَنۡتُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ تَخَافُوۡنَهُمۡ كَخِيۡفَتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ بتلائی تم کو ایک مثل تمہارے اندر سے دیکھو جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں ان میں ہیں کوئی ساجھی تمہارے ہماری دی ہوئی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر رہو خطر رکھو ان کا جیسے خطرہ رکھو اپنوں کا یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں [۳۰]

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۚ فَمَنۡ يَّهۡدِىۡ مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ بلکہ چلتے ہیں یہ بے انصاف اپنی خواہشوں پر بن سمجھے [۳۱] سو کون سمجھائے جس کو اللہ نے بھٹکایا اور کوئی نہیں ان کا مددگار [۳۲]

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ ۙ

۳۰۔ سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر [۳۳] وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو [۳۴] بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو [۳۵] یہی ہے دین سیدھا و لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے [۳۶]

مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَ اتَّقُوۡهُ وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۳۱﴾ ۙ

۳۱۔ سب رجوع ہو کر اسکی طرف [۳۷] اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں

مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ

۳۲۔ جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے

حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

ان میں بہت فرقے ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر فریفتہ ہے [۳۸]

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ
ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور جب پہنچے لوگوں کو کچھ سختی تو پکاریں اپنے رب کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے کچھ مہربانی اسی وقت ایک جماعت ان میں اپنے رب کا شریک لگی بتانے

لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٙ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ کہ منکر ہو جائیں ہمارے دیے ہوئے سے سو مزے اڑالو اب آگے جان لوگے [۳۹]

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا
بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ کیا ہم نے ان پر اتاری ہے کوئی سند سو وہ بول رہی ہے جو یہ شریک بتاتے ہیں [۴۰]

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ
تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ
يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو کچھ مہربانی اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر آ پڑے ان پر کچھ برائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے پر تو آس توڑ بیٹھیں [۴۱]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلا دیتا ہے روزی کو جس پر چاہے اور ماپ کر دیتا ہے جسکو چاہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں [۴۲]

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ
ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ سو تو دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان کے لئے جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور وہی ہیں جن کا بھلا ہے [۴۳]

وَ مَآ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا
یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ ۚ وَ مَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ
وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور جو دیتے ہو بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر رضامندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دونے ہوئے [۴۴]

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ
یُحۡیِیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِکُمۡ
مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ع ۴

۴۰۔ اللہ وہ ہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو جلائے گا کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو کر سکے ان کاموں میں سے ایک کام وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں [۴۵]

۳۰۔ شرک کی مذمت کی ایک بلیغ مثال: یعنی شرک کا قبح وبطلان سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتا ہے۔ وہ یہ کہ تمہارے ہاتھ کا مال (یعنی لونڈی غلام) جن کے تم محض ظاہری اور مجازی مالک ہو کیا اپنی روزی اور مال ومتاع میں جو حق تعالیٰ نے دے رکھی، تم ان کو برابر کا شریک تسلیم کر سکتے ہو جس طرح مشترک اموال و جائداد میں اپنے بھائی بند حصہ دار ہوتے ہیں اور ہر وقت کھٹکا رہتا ہے کہ مشترک چیز میں تصرف کرنے پر برہم ہو جائیں یا تقسیم کرانے لگیں یا کم از کم سوال کر بیٹھیں کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بدون فلاں کام کیوں کیا۔ کیا ایسا ہی کھٹکا ایک آقا کو اپنے غلام یا نوکر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ جب جھوٹے مالک کا یہ حال ہے اس سچے مالک کو اپنے غلام کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے جس کو تم حماقت سے اس کا ساجھی گنتے ہو۔ ایک غلام تو آقا کی مِلک میں شریک نہ ہو سکے حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ مگر ایک مخلوق بلکہ مخلوق در مخلوق، خالق کی خدائی میں شریک ہو جائے؟ ایسی مہمل بات کوئی عقل مند قبول نہیں کر سکتا۔

۳۱۔ یعنی یہ بے انصاف لوگ ایسی صاف و واضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اوہام و خواہشات کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔

۳۲۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی بے انصافی اور جہل اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی اب کون طاقت ہے جو اسے سمجھا کر راہ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچالے۔ لہٰذا ایسوں کی طرف سے زیادہ متحسر اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے آپ ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف توجہ کیجئے۔ اور دین فطرت پر جمے رہئے۔

۳۳۔ یعنی جو گمراہی سے کسی طرح نکلنا نہیں چاہتا اسے شرک کی دلدل میں پڑا رہنے دو اور تم ہر طرف سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو۔ اور اس کے سچے دین کو پوری توجہ اور یک جہتی سے تھامے رکھو۔

۳۴۔ انسان کی فطرت اسلام ہے: اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور بداً فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اس کے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گردوپیش کے احوال اور

ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار کرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ "عہدِ اَلَستُ" کے قصہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعدہٗ ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو "حنفاء" پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے اغواء کر کے انہیں سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا۔ بہر حال دین حق، دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اس کی فطرت پر مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسی کی طرف جھکے۔ تمام انسانوں کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ فرض کرو اگر فرعون یا ابوجہل کی اصلی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت نہ ہوتی تو ان کو قبول حق کا مکلف بنانا صحیح نہ ہوتا۔ جیسے اینٹ پتھر یا جانوروں کو شرائع کا مکلف نہیں بنایا۔ فطرت انسانی کی اسی یکسانیت کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصول مبہمہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں گو ان پر ٹھیک ٹھیک قائم نہیں رہتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اللہ سب کا مالک حاکم، سب سے نرالا، کوئی اس کے برابر نہیں، کسی کا زور اس پر نہیں یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ اس پر چلنا چاہئے۔ ایسے ہی کسی کے جان ومال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا۔ ہر کوئی برا جانتا ہے ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغا نہ کرنا ہر کوئی اچھا جانتا ہے۔ اس (راستہ) پر چلنا وہی دین سچا ہے (یہ امور فطری تھے مگر) ان کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیا"۔

۳۵۔ یعنی اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر و تبدل نہیں۔ ہر فرد انسان کی فطرت قبول حق کے لئے مستعد بنائی ہے یا یہ مطلب کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا اس کو تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو۔ بیج تم میں ڈال دیا ہے اسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت ہونے دو۔

۳۶۔ دین قیّم: یعنی سیدھا دین یہ ہی فطرت کی آواز ہے۔ پر بہت لوگ اس نکتہ کو سمجھتے نہیں۔

۳۷۔ دین فطرت کے چند اصول: یعنی اصل دین پکڑے رہو، اس کی طرف رجوع ہو کر۔ اگر محض دنیوی مصلحت کے واسطے یہ کام کئے تو دین درست نہ ہوگا۔ آگے دین فطرت کے چند اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثلاً اتقاء (خدا سے ڈرتے رہنا) نماز قائم رکھنا شرک جلی وخفی سے بیزار اور مشرکین سے علیحدہ رہنا، اپنے دین میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

۳۸۔ دین میں فرقہ بازی: یعنی دین فطرت کے اصول سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں نے اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی، بہت سے فرقے بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب ومشرب جدا، جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کر لیا۔ ایک جماعت اسی کے پیچھے ہو گئی، تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہراے ہوئے اصول وعقائد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔

۳۹۔ انسان کی ناشکری: یعنی جیسے بھلے کام ہر انسان کی فطرت پہچانتی ہے، اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ وہ ہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی مگر افسوس کہ انسان اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی، پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگا۔ گویا اس کے پاس سب کچھ ان ہی کا دیا ہوا ہے! خدا نے کچھ نہیں دیا! (العیاذ باللہ) اچھا چند روز مزے اڑا لے۔ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا کہ اس کفر اور ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ اس کا ضمیر جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہ ہی اس لائق ہے کہ ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔

۴۰۔ شرک عقل سلیم اور فطرت کے خلاف ہے: یعنی عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی حجت اور سند رکھتے ہیں جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اس کے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا

استحقاق کہاں سے ہوا۔

۴۱۔ خوشی وغم میں کفار کی حالت: یعنی ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب اللہ کی مہربانی اور احسان سے عیش میں ہوں تو پھولے نہ سمائیں ایسے اترانے لگیں اور آپے سے باہر ہو جائیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہ رکھیں۔ اور کسی وقت شامت اعمال کی بدولت مصیبت کا کوڑا پڑا تو بالکل آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہیں گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کے دور کرنے پر قادر ہو۔ مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ عیش وراحت میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے اس کے فضل ورحمت پر خوش ہو کر زبان ودل سے شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر وتحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ کتنی ہی سخت مصیبت اور ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اس کے فضل سے سب فضا بدل جائے گی۔ (تنبیہ) ایک آیت پہلے فرمایا تھا کہ "لوگ سختی کے وقت خالص خدا کو پکارنے لگتے ہیں"۔ یہاں فرمایا کہ برائی پہنچتی ہے تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں"۔ دونوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ پہلی حالت یعنی خدا کو پکارنا، ابتدائی منزل ہے۔ پھر جب مصیبت اور سختی میں امتداد ہوتا ہے تو آخر گھبرا کر ناامید ہو جاتا ہے یا بعض لوگوں کا وہ حال ہو بعض کا یہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۔ روزی میں تنگی اور وسعت کی حکمت: یعنی ایمان ویقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا جو حال آئے بندہ کو صبر وشکر سے رضا بقضا رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گذار رہے اور ڈرتا رہے کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وعنایت سے سختیوں کو دور فرما دے گا۔

۴۳۔ اقربا ومساکین کا حق: یعنی جب فطرت کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی مالک ورب وہ ہی اللہ ہے۔ دنیا کی نعمتیں سب اسی کی عطا کی ہوئی ہیں۔ تو جو لوگ اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اس کی بقاء ودیدار کے آرزومند ہیں چاہیئے کہ اس کے دیے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ مسافر، محتاج اور غریب رشتہ داروں کی خبر لیں، اہل قرابت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں ایسے ہی بندوں کو دنیا وآخرت کی بھلائی نصیب ہو گی۔

۴۴۔ سود سے مال گھٹتا اور زکوٰۃ سے بڑھتا ہے: یعنی سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے، لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا بدن ورم سے پھول جائے وہ بیماری یا پیام موت ہے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہو گا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے۔ جیسے کسی مریض کا بدل مسہل وتنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اس کا صحت ہو۔ سود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھ لو۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ (بقرہ۔۲۷۶) حدیث میں ہے کہ ایک کھجور جو مومن صدقہ کرے قیامت کے دن بڑھ کر پہاڑ کے برابر نظر آئے گی۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے "ربا" سے یہاں سود بیاج مراد نہیں لیا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کسی کو کچھ دے اس غرض سے کہ دوسرا اس سے بڑھ کر احسان کا بدلہ کرے گا تو یہ دینا اللہ کے ہاں موجب برکت وثواب نہیں۔ گو مباح ہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام کے حق میں تو مباح بھی نہیں۔ بقولہ تعالیٰ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر۔۶) واللہ اعلم۔

۴۵۔ یعنی مارنا جلانا، روزی دینا سب کام تو تنہا اس کے قبضہ میں ہوئے۔ پھر دوسرے شریک کدھر سے آ کر الوہیت کے مستحق بن گئے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہیے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا تاکہ وہ پھر آئیں [۴۶]

قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّشۡرِكِيۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام پہلوں کا بہت ان میں تھے شرک کرنے والے [۴۷]

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ الۡقَيِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ
يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ‌ يَوۡمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ سیدھی راہ پر [۴۸] اس سے پہلے کہ آ پہنچے وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے [۴۹] اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے [۵۰]

مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ‌ ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ ۙ‏ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ جو منکر ہوا سو اس پر پڑے اسکا منکر ہونا [۵۱] اور جو کوئی کرے بھلے کام سو وہ اپنی راہ سنوارتے ہیں [۵۲]

لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ
فَضۡلِهٖ‌ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ‏ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ تا کہ وہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کام کئے بھلے اپنے فضل سے [۵۳] بیشک اس کو نہیں بھاتے انکار والے [۵۴]

۴۶۔ **لوگوں کی بد عملی سے بحر و بر میں فساد:** یعنی لوگ دین فطرت پر قائم نہ رہے کفر و ظلم دنیا میں پھیل پڑا اور اس کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل گئی نہ خشکی میں امن و سکون رہا نہ تری میں، روئے زمین کو فتنہ و فساد نے گھیر لیا۔ بحری لڑائیوں اور جہازوں کی لوٹ مار سے سمندروں میں بھی طوفان بپا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلا دیں، ممکن ہے بعض لوگ ڈر کر راہ راست پر آ جائیں۔ (تنبیہ) بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی و تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ لیکن جس خوفناک عموم و شمول کے ساتھ بعثت محمدی سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق و مغرب اور بر و بحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اس زمانہ کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مورخ بھی اس مشہور و معروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے (دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی مادہ حمد) شاید اسی عموم فتنہ و فساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہ رحمہ اللہ نے آیت کا محمل زمانہ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔

۴۷۔ یعنی اکثروں کی شامت شرک کی وجہ سے آئی۔ بعضوں پر دوسرے گناہوں کی وجہ سے آئی ہو گی۔

۴۸۔ **دنیا کے فساد کا علاج:** یعنی دنیا میں فساد پھیل گیا تو تم دین قیم پر جو دین فطرت ہے ٹھیک ٹھیک قائم رہو۔ سب خرابیوں کا ایک یہ ہی علاج ہے۔

۴۹۔ یعنی اللہ کی طرف سے اس دن کا آنا اٹل ہے نہ کوئی طاقت اسے پھیر سکتی ہے نہ خود خدا ملتوی کرے گا۔

۵۰۔ یعنی نیک جنت میں اور بد دوزخ میں بھیج دیے جائیں گے۔ فَرِيۡقٌ فِى الۡجَـنَّةِ وَفَرِيۡقٌ فِى السَّعِيۡرِ (شوریٰ۔ ۷) حضرت شاہ صاحبؒ اس کو دنیا کے احوال پر حمل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی دین کا غلبہ ہو سزا پانے والے الگ ہوں اور اللہ کے مقبول بندے الگ"۔

۵۱۔ یعنی انکار کا وبال اسی پر پڑے گا۔

۵۲۔ یعنی جنت میں آرام کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

۵۳۔ یعنی کتنا ہی بڑا نیک ہو اسے بھی اللہ کے فضل سے جنت ملے گی۔

۵۴۔ جو اس سچے مالک کو نہ بھائے اس کا کہاں ٹھکانا۔

وَ مِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ
لِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ
وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور اس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اور تاکہ چکھائے تمکو کچھ مزہ اپنی مہربانی کا[۵۵] اور تاکہ چلیں جہاز اسکے حکم سے[۵۶] اور تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو[۵۷]

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ
فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ
اَجۡرَمُوۡا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس سو پہنچے انکے پاس نشانیاں لے کر پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے جو گنہگار تھے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی[۵۸]

اَللّٰهُ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا
فَيَبۡسُطُهٗ فِى السَّمَآءِ كَيۡفَ يَشَآءُ وَ يَجۡعَلُهٗ
كِسَفًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ
اَصَابَ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمۡ
يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ۚ

۴۸۔ اللہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر پھیلا دیتا ہے اس کو آسمان میں جس طرح چاہے[۵۹] اور رکھتا ہے اس کو تہہ بہ تہہ پھر تو دیکھے مینہ کو کہ نکلتا ہے اس کے بیچ میں سے پھر جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو کہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں تبھی وہ لگتے ہیں خوشیاں کرنے[۶۰]

وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ
لَمُبۡلِسِيۡنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور پہلے سے ہو رہے تھے اس کے اترنے سے پہلے ہی ناامید[۶۱]

فَانۡظُرۡ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰهِ كَيۡفَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ

۵۰۔ سو دیکھ لے اللہ کی مہربانی کی نشانیاں کیونکر زندہ کرتا

بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾

ہے زمین کو اسکے مر گئے پیچھے [۶۲] بیشک وہی ہے مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے [۶۳]

وَلَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا رِيۡحًا فَرَاَوۡهُ مُصۡفَرًّا لَّظَلُّوۡا مِنۡۢ
بَعۡدِهٖ يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور اگر ہم بھیجیں ایک ہوا پھر دیکھیں وہ کھیتی کو کہ زرد پڑ گئی تو لگیں اس کے پیچھے ناشکری کرنے [۶۴]

فَاِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ
اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا جب کہ پھریں پیٹھ دے کر

وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِ الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ
اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۳﴾ؑ

۵۳۔ اور نہ تو راہ سمجھائے اندھوں کو انکے بھٹکنے سے تو تو سنائے اسی کو جو یقین لائے ہماری باتوں پر سو وہ مسلمان ہوتے ہیں [۶۵]

ع ۵ ۱۳ ۸

۵۵۔ قدرت الٰہیہ: یعنی باران رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر خدا کی مہربانی سے مینہ برستا ہے۔

۵۶۔ یعنی بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوا سے چلتی ہیں اور دخانی اسٹیمروں کی رفتار میں بھی باد موافق مدد دیتی ہے۔

۵۷: نعمت کی بشارت: یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجاری مال سمندر پار منتقل کر سکو اور اللہ کے فضل سے خوب نفع کماؤ پھر ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ (تنبیہ) پہلے خشکی تری میں فساد پھیلنے کا ذکر تھا اس کے مقابل یہاں بشارت و نعمت الٰہی کا تذکرہ ہوا۔ شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ آندھی اور غبار پھیل جانے کے بعد امید رکھو کہ باران رحمت آیا چاہتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی ہیں جو رحمت و فضل کی خوشخبری سنا رہی ہیں کافروں کو چاہئے کہ شرارت اور کفران نعمت سے باز آجائیں اور خدا کی مہربانیوں کو دیکھ کر شکر گذار بندے بنیں۔

۵۸۔ مومنین کی مدد کا وعدہ: پہلے فرمایا تھا کہ مقبول اور مردود جدا کر دیے جائیں گے۔ منکروں پر ان کے انکار کا وبال پڑے گا۔ وہ اللہ کو اچھے نہیں لگتے۔ اب بتلاتے ہیں کہ اس کا اظہار دنیا ہی میں ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اللہ کی عادت اور وعدہ ہے کہ مجرمین و مکذبین سے انتقام لے اور مومنین کاملین کو اپنی امداد و اعانت سے دشمنوں پر غالب کرے بیچ میں ہوا کا ذکر اس واسطے آیا کہ جیسے باران رحمت کے نزول سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں اسی طرح دین کے غلبہ کی نشانیاں روشن ہوتی جاتی ہیں۔

۵۹۔ یعنی پہلے کسی طرف، پیچھے کسی طرف، اسی طرح دین بھی پھیلائے گا۔ چنانچہ پھیلا دیا۔

۶۰۔ بارش اور بادل کا نظام: اسی طرح جو ایمانی اور روحانی بارش سے منتفع ہوں گے اور خوشیاں منائیں گے۔

۶۱۔ یعنی پہلے سے لوگ ناامید ہو رہے تھے حتّٰی کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی امید نہ تھی کہ مینہ برس کر ایسی جگ پر لو ہو جائے گی انسان کا حال بھی عجیب ہے۔ ذرا دیر میں ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر ذرا سی دیر میں خوشی سے کھل پڑتا ہے۔

۶۲۔ اللہ کی رحمت کے آثار: یعنی چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک بے رونق اور مردہ پڑی تھا ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلد ابھار دیا۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا سمجھو، اس سے مردہ دلوں میں جان پڑے گی اور خدا کی زمین ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ والی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے جو قابلیتیں مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں، باران رحمت کا ایک چھینٹا ان کو ابھار کر نمایاں کر دے گا۔ چنانچہ حق تعالٰی نے بعثت محمدی کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا۔ ہمارے صوبہ کے شاعر حکیم نے کیا خوب کہا۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر ہے یہ وہ نام خار کر پھول کرے سنوار کر

ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما ابھار کر اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بیشمار کر

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

۶۳۔ آخرت کی زندگی پر استدلال: یعنی یہاں مردہ دلوں کو روحانی زندگی عطا فرمائے گا اور قیامت کے دن مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈالے گا۔ اس کی قدرت کاملہ کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔

۶۴۔ تنگی میں ناشکری: یعنی پہلے ناامید تھے، بارش آئی، زمین جی اٹھی، خوشیاں منانے لگے۔ اب اگر اس کے بعد ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ جائیں تو یہ لوگ فوراً پھر بدل جائیں۔ اور اللہ کے سب احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں غرض انسان کا شکر اور ناشکری سب دنیوی اغراض کے تابع ہے اور یہاں اس پر فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے مراد پا کر بندہ نڈر نہ ہو جائے۔ اس کی قدرت رنگارنگ ہے۔ معلوم نہیں دی ہوئی نعمت کب سلب کر لے۔ اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ دین کی کھیتی دنیا میں سرسبز و شاداب ہونے کے بعد پھر باد مخالف کے جھونکوں سے مرجھا کر زرد پڑ جائے گی۔ اس وقت مایوس ہو کر ہمت ہارنی نہیں چاہیئے۔

۶۵۔ یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مردہ کو زندہ کر دے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں سے اپنی بات منوا سکو یا بہروں کو سنا دو، یا اندھوں کو دکھلا دو، خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ کریں پس آپ ان کے کفرو ناسپاسی سے ملول و غمگین نہ ہوں، آپ صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ کی بات وہ ہی سنیں گے جو ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم و انقیاد کی خو اختیار کرتے ہیں (تنبیہ) اسی قسم کی آیت سورہ "نمل" کے آخر میں گذر چکی، اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

سماع مَوتی کا مسئلہ: مفسرین نے اس موقع پر "سماع مَوتی" کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر باختیار خود کرے وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے اسے براہ راست حق تعالٰی کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا یہ اس قاتل کا فعل کہلائے گا اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا، اسے کہیں گے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے۔ ورنہ اس کی مشیت کے بدون گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال۔۱۷) یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے "قتل" و "رمی" کی نفی کر کے براہ راست اللہ تعالٰی کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کا مطلب سمجھو۔ یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو۔ کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ حق تعالٰی کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر

معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا اسی حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہیئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لاسکتے۔ بہرحال آیت میں "اسماع" کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ
بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ
شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اللہ ہے جس نے بنایا تم کمزوری سے پھر دیا کمزوری کے پیچھے زور پھر دے گا زور کے پیچھے کمزوری اور سفید بال بناتا ہے جو کچھ چاہے اور وہ ہے سب کچھ جانتا کر سکتا[۶۶]

وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا
لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور جس دن قائم ہو گی قیامت قسمیں کھائیں گے گنہگار کہ ہم نہیں رہے تھے ایک گھڑی سے زیادہ[۶۷] اسی طرح تھے الٹے جاتے[۶۸]

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ
لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا یَوْمُ
الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور کہیں گے جنکو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اُٹھنے کا دن پر تم نہیں تھے جانتے[۶۹]

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا
هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ سو اُس دن کام نہ آئے گا ان گنہگاروں کو قصور بخشوانا اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے[۷۰]

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ
مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور ہم نے بتلائی ہے آدمیوں کے واسطے اس قرآن میں ہر ایک طرح کی مثل اور جو تو لائے اُنکے پاس کوئی آیت تو ضرور کہیں وہ منکر تم سب جھوٹ بناتے ہو[۷۱]

كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ یوں مہر لگا دیتا ہے اللہ اُن کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے[۷۲]

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّ لَا یَسۡتَخِفَّنَّکَ الَّذِیۡنَ لَا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۶۰﴾ ع

۶۰۔ سو تو قائم رہ بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور اکھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے [۷۳]

۶۶۔ انسانی زندگی کے مختلف مراحل: یعنی بچہ شروع میں پیدائش کے وقت بیحد کمزور و ناتوان ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ قوت آنے لگی ہے حتیٰ کہ جوانی کے وقت اس کا زور انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور تمام قوتیں شباب پر ہوتی ہیں پھر عمر ڈھلنے لگتی ہے اور زور و قوت کے پیچھے کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ جس کی آخری حد بڑھاپا ہے۔ اس وقت تمام اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے اور قویٰ معطل ہونے لگتے ہیں۔ قوت و ضعف کا یہ سب اتار چڑھاؤ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس طرح چاہے کسی چیز کو بنائے۔ اور قوت و ضعف کے مختلف ادوار میں اس کو گذارے۔ اسی کو قدرت حاصل ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت تک کن حالات میں رکھنا مناسب ہے۔ لہٰذا اسی خدا کی اور اس کے پیغمبروں کی باتیں ہمیں سننی چاہئیں۔ شاید اس میں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ جس طرح تم کو کمزوری کے بعد زور دیا، مسلمانوں کو بھی ضعف کے بعد قوت عطا کرے گا اور جو دین بظاہر اس وقت کمزور نظر آتا ہے کچھ دنوں بعد زور پکڑے گا اور اپنے شباب و عروج کو پہنچے گا۔ اس کے بعد پھر ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ مسلمانوں کے ضعف کا آئے سو یاد رکھنا چاہئے کہ خدائے قادر و توانا ہر وقت ضعف کو قوت سے تبدیل کر سکتا ہے۔ ہاں ایسا کرنے کی خاص صورتیں اور اسباب ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۶۷۔ آخرت میں دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی: یعنی قبر میں یا دنیا میں رہنا تھوڑا معلوم ہوگا جب مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی تو کہیں گے کہ افسوس بڑی جلدی دنیا کی اور برزخ کی زندگی ختم ہو گئی۔ کچھ بھی مہلت نہ ملی جو ذرا سی دیر اور اس عذاب الیم سے بچے رہتے۔ یا دنیا میں کچھ زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع ملتا تو اس دن کے لئے تیاری کرتے یہ تو ایک دم مصیبت کی گھڑی سامنے آ گئی۔

۶۸۔ یعنی جیسے اس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح سمجھ لو کہ دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔

۶۹۔ کفار کو اہل علم کی ملامت: یعنی مومنین اور ملائکہ اس وقت ان کی تردید کریں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اور اس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا۔ اب دیکھ لو جسے تم جانتے اور مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے اور یہاں کی مسرتیں دیکھ کر کہتے کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ بڑے انتظار و اشتیاق کے بعد آیا۔ جیسا کہ مومنین سمجھتے ہیں۔

۷۰۔ یعنی نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے جو کام آئے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کر لو، کیونکہ اس کا وقت گذر چکا اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔

۷۱۔ قرآن کی دلیلیں اور کفار کا انکار: یعنی اس وقت پچتائیں گے اور آج جبکہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع ہے قرآن کریم کیسی عجیب مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح ان کو سمجھاتا ہے، پر ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی۔ کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنائے یا صاف سے صاف معجزے دکھلائے وہ سن کر اور دیکھ کر یہی کہہ دیتے ہیں کہ تم (پیغمبر اور مسلمان) سب مل کر جھوٹ بنا لائے ہو۔ ایک نے چند آیتیں بنا لیں دوسروں نے تصدیق کر دی۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح ملی بھگت کر کے اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہو۔

۷۲۔ دلوں پر مہر لگ جاتی ہے: یعنی جو آدمی نہ سمجھے نہ سمجھنے کو کوشش کرے اور ضد وعناد سے ہر بات کا انکار کرتا رہے اسی طرح شدہ شدہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور آخر کار ضد وعناد سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

۷۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: یعنی جب ان بدبختوں کا حال ضد وعناد کے اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ ان کی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ پیغمبرانہ صبر و تحمل کے ساتھ اپنے دعوت واصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہے گا۔ اس میں رتی برابر تفاوت وتخلف نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے کام پر جمے رہئے۔ یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔

تم سورۃ الروم وللہ الحمد والمنۃ

ایاتها ۳۴ ۳۱ سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ۵۷ رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾

۱۔ الم۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾

۲۔ یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی

هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۳﴾

۳۔ ہدایت ہے اور مہربانی نیکی کرنے والوں کے لئے [۱]

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾

۴۔ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ اور وہ ہیں جو آخرت پر ان کو یقین ہے

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

۵۔ انہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی طرف سے اور وہی مراد کو پہنچے [۲]

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖۗ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾

۶۔ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار اہیں کھیل کی باتوں کے تا کہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اسی کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے [۳]

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ
يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۷﴾

۷۔ اور جب سنائے اس کو ہماری آیتیں پیٹھ دیجائے غرور سے گویا ان کو سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو خوشخبری دے اس کو دردناک عذاب کی [۴]

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ﴿۸﴾	۸۔ جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ان کے واسطے ہیں نعمت کے باغ
خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۹﴾	۹۔ ہمیشہ رہا کریں ان میں وعدہ ہو چکا اللہ کا سچا اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا[۵]

۱۔ سورۂ لقمان: یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت و ہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت و فہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت و رحمت بن کر آئی ہے۔

۲۔ مفلحین کا ذکر: سورہ "بقرہ" کے شروع میں اسی طرح کی آیات گذر چکی ہیں وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔

۳۔ لہو ولہب میں رہنے والوں پر عذاب: سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ ان اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناچ رنگ، کھیل تماشے، یا دوسری واہیات اور خرافات میں مستغرق ہیں چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل و تفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کر دیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں۔

لہو الحدیث کی تفسیر: حضرت حسن "لہو الحدیث" کے متعلق فرماتے ہیں۔ کُلّ مَا شَغَلَكَ عَنۡ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَذِکۡرِهٖ مِنَ السَّمَرِ وَالۡاَضَاحِیۡكِ وَالۡخَرَافَاتِ وَالۡغِنَاءِ وَنَحۡوِهَا (روح المعانی) یعنی "لہو الحدیث" ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو۔ مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے، اور گانا بجانا وغیرہ)۔

نضر بن حارث کی قرآن دشمنی: روایات میں ہے کہ نضر بن حارث جو روسائے کفار میں تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہان عجم کے قصص و تواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد (ﷺ) تم کو عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں۔ آؤ میں تمکو رستم و اسفندیار اور شاہان ایران کے قصے سناؤں۔ بعض لوگ ان کو دلچسپ سمجھ کر ادھر متوجہ ہو جاتے۔ نیز اس نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی، جس کو دیکھتا کہ دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا، اس کے پاس لیجاتا اور کہہ دیتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا، پھر اس شخص کو کہتا کہ دیکھ یہ اس سے بہتر ہے جدھر محمد (ﷺ) بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور جان مارو۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تنبیہ) شان نزول گو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔ جو لَہو (شغل) دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو۔ حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے ہاں جو لہو کسی امر واجب کا مفوِت (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح، لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ گھوڑ دوڑ، یا تیر اندازی اور نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت (جو حد شریعت میں ہو) چونکہ معتدبہ اغراض و مصالح شرعیہ پر مشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنٰی قرار دی گئی ہیں۔ رہا غناء و سماع کا مسئلہ اس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنی چاہئے۔ مزامیر و مَلاہی کی حرمت پر تو صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ البتہ نفسِ غناء کو ایک درجہ تک مباح لکھتے ہیں اس کی قیود و شروط بھی کتابوں میں دیکھ لی جائیں۔ صاحب روح المعانی نے آیت ہذا کے تحت میں مسئلہ غِنا و سماع کی تحقیق نہایت شرح و بسط سے کی ہے فلیراجع۔

۴۔ یعنی غرور تکبر سے ہماری آیتیں سننا نہیں چاہتا۔ بالکل بہرا بن جاتا ہے۔

۵۔ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو گا: یعنی کوئی قوت اس کو ایفائے وعدہ سے روک نہیں سکتی، نہ کسی سے بے موقع وعدہ کرتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ بنائے آسمان بغیر ستونوں کے تم اس کو دیکھتے ہو[۶] اور رکھ دیے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے[۷] اور بکھیر دیے اس میں سب طرح کے جانور اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے[۸]

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع ۱ ۱۱ ۱۰

۱۱۔ یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اس کے سوا ہیں[۹] کچھ نہیں پر بے انصاف صریح بھٹک رہے ہیں[۱۰]

۶۔ اس لفظ کی تفسیر سورہ "رعد" کے شروع میں گذر چکی۔

۷۔ پہاڑوں کا فائدہ: یعنی سمندر کی موجوں اور سخت ہوا کے جھٹکوں سے یا دوسرے اسباب طبیعہ سے مرتعش ہو کر جھک نہ پڑے اس کا انتظام بڑے بڑے پہاڑ قائم کر کے کر دیا گیا۔ سورہ "نحل" کے اوائل میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ باقی پہاڑوں کے پیدا کرنے کی حکمت کچھ اسی میں منحصر نہیں۔ دوسرے فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ کو معلوم ہیں۔

۸۔ یعنی ہر قسم کے پر رونق، خوش منظر، اور نفیس و کارآمد درخت زمین سے اگائے۔ سورہ شعراء کے شروع میں اسی مضمون کی آیت گذر چکی ہے۔

۹۔ شرکاء نے کیا پیدا کیا ہے دکھاؤ؟ جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے ان کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہ ہی ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ یہاں ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔

۱۰۔ یعنی ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ آگے شرک و عصیان کی تقبیح کے لئے حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے اللہ کی طرف سے دانائی پا کر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی[۱۱] کہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو اور جو کوئی منکر ہو گا تو اللہ بے پرواہ ہے سب تعریفوں والا[۱۲]

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَىَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕؔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا[۱۳] بیشک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے[۱۴]

وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ ۚ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ
وَهۡنًا عَلٰی وَهۡنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ
وَ لِوَالِدَیۡکَ ؕ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اسکے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو اسکی ماں نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے [۱۵]

وَ اِنۡ جَاهَدٰکَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِهٖ
عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَ صَاحِبۡهُمَا فِی الدُّنۡیَا
مَعۡرُوۡفًا ۫ وَّ اتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ
مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو انکا کہنا مت مان [۱۶] اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے موافق [۱۷] اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف [۱۸] پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے [۱۹]

یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنۡ تَکُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ
فَتَکُنۡ فِیۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِی السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ
یَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے [۲۰]

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ انۡهَ عَنِ
الۡمُنۡکَرِ وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ
عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۷﴾ۚ

۱۷۔ اے بیٹے قائم رکھ نماز اور سکھلا بھلی بات اور منع کر برائی سے [۲۱] اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے بیشک یہ ہیں ہمت کے کام [۲۲]

وَ لَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ
مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ ﴿۱۸﴾ۚ

۱۸۔ اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف [۲۳] اور مت چل زمین پر اتراتا بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا بڑائیاں کرنے والا [۲۴]

وَ اقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴿۱۹﴾ؑ

۱۹۔ اور چل بیچ کی چال اور نیچی کر آواز اپنی بیشک بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے [۲۵]

ع ۸ / ۲ / ۱۱

۱۱۔ حضرت لقمان کی نصیحت: اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک پاکباز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل و فہم اور متانت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں جو پیغمبروں کے احکام و ہدایات کے موافق تھیں۔ ان کی عاقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں رب العزت نے ایک حصہ قرآن میں نقل فرما کر ان کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا، شاید مقصود یہ جتلانا ہو کہ شرک وغیرہ کا قبیح ہونا جس طرح فطرت انسانی کی شہادت اور انبیاء کی وحی سے ثابت ہے، دنیا کے منتخب عقلمند بھی اپنی عقل سے اس کی تائید و تصدیق کرتے رہے ہیں۔ پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا ضلال مبین نہیں تو اور کیا ہے۔ (تنبیہ)

حضرت لقمان کون تھے: حضرت لقمان کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کس زمانہ میں ہوئے؟ اس کی پوری تعیین نہیں ہو سکی، اکثر کا قول ہے کہ حبشی تھے اور حضرت داوٗدؑ کے عہد میں ہوئے۔ ان کے بہت قصے اور اقوال تفاسیر میں نقل کئے ہیں۔ فاللہ علم بصحتہا۔

۱۲۔ شکر کی نصیحت: یعنی اس احسان عظیم اور دوسرے احسانات پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا اور حق ماننا ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ اس حق شناسی اور شکر گذاری سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جو کچھ فائدہ ہے خود شاکر کا ہے کہ دنیا میں مزید انعام اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر ناشکری کی تو اپنا نقصان کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کے شکریہ کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ اس کی حمد و ثنا تو ساری مخلوق زبان حال سے کر رہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہو تب بھی جامع الصفات اور منبع الکمالات ہونے کی بنا پر وہ بذات خود محمود ہے کسی کے حمد و شکر کرنے یا نہ کرنے سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوتی۔

۱۳۔ بیٹے کو شرک نہ کرنے کی نصیحت: معلوم نہیں بیٹا مشرک تھا؟ سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا؟ اسے توحید پر خوب مضبوط کرنے اور جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی؟

۱۴۔ شرک ظلم عظیم ہے: اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہو گی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دیدیا جائے اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر کیا ہو گا کہ اشرف المخلوقات ہو کر خسیس ترین اشیاء کے آگے سر عبودیت خم کر دے۔ لاحول و قوۃ الا باللہ۔

۱۵۔ ماں کا حق باپ سے زیادہ: یعنی ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ وہ مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھری، پھر وضع حمل کے بعد دو برس تک دودھ پلایا۔ اس دوران میں نہ معلوم کیسی کیسی تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔ اپنے آرام کو اس کے آرام پر قربان کیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی اولاً خدا تعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا خصوصًا ماں کا حق پہچانے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں بقدر استطاعت مشغول رہے جہاں تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اس کا حق سب سے مقدم ہے اور اسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔ انسان دل میں سوچ لے کہ کیا منہ لے کر وہاں جائے گا۔ (تنبیہ)

دودھ چھڑانے کی مدت: دودھ چھڑانے کی مدت جو یہاں دو سال بیان ہوئی باعتبار غالب اور اکثری عادت کے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ جو اکثر مدت ڈھائی سال بتاتے ہیں ان کے پاس کوئی اور دلیل ہو گی۔ جمہور کے نزدیک دو ہی سال ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۶۔ شرک میں ماں باپ کی اطاعت نہ کرو: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "شریک نہ مان جو تجھے معلوم نہیں یعنی شبہ میں بھی نہ مان اور یقین سمجھ کر تو کیوں مانے"۔

۱۷۔ یعنی دین کے خلاف ماں باپ کا کہنا نہ مان۔ ہاں دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور سلوک کرتا رہ اسی مضمون کی آیت سورہ عنکبوت

میں گذر چکی، وہاں کا فائدہ دیکھ لیا جائے۔

۱۸۔ یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل! دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت مت کر۔

۱۹۔ یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی۔ (تنبیہ) وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ سے یہاں تک حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ پہلے لقمان کی وصیت بیٹے کو تھی۔ اور آگے بھی یٰبُنَیَّ اِنَّہَاۤ اِنۡ تَکُ الخ سے اسی وصیت کا سلسلہ ہے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ضروری تنبیہ فرما دی۔ یعنی شرک اتنی سخت قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت سے پیچھے اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرما دیا کہ بعد اللہ کے حق کے ماں باپ کا حق ہے باپ نے اللہ کا حق بتایا۔ اللہ نے باپ کا۔ باقی پیغمبر، یا مرشد وہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اسی کے نائب ہوتے ہیں۔" (موضح بتغییر یسیر)

۲۰۔ حضرت لقمان کی دوسری نصیحت: یعنی کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بری اگر رائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا، اللہ کے سامنے ہے۔ چنانچہ نیکی یا بدی کیسی ہی چھپ کر کی جائے اس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے جسے اہل نظر بے تکلف محسوس کر لیتے ہیں۔

۲۱۔ یعنی خود اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم ہو کر دوسروں کو بھی نصیحت کر کہ بھلی بات سیکھیں اور برائی سے رکیں۔

۲۲۔ صبر کی نصیحت: یعنی دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں جن کا پیش آنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اغلب ہے ان کو تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کر۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند بہادروں کا کام نہیں۔

۲۳۔ غرور نہ کر: یعنی غرور سے مت دیکھ اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات نہ کر۔ بلکہ خندہ پیشانی سے مل۔

۲۴۔ اکڑ کر چلنے کی ممانعت: یعنی اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی کچھ عزت نہیں بڑھتی، بلکہ ذلیل وحقیر ہوتا ہے۔ سامنے نہیں تو پیچھے لوگ برا کہتے ہیں۔

۲۵۔ بول چال میں اعتدال: یعنی تواضع، متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کر، بے ضرورت مت بول، کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلا۔ اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو، وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے، مگر کس قدر کریہہ و کرخت ہوتی ہے۔ بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سری ہو جاتی ہے۔ (ربط) لقمان کا کلام یہاں تک تمام ہوا۔ آگے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی عظمت وجلال اور احسان وانعام یاد دلا کر توحید وغیرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ لَا ہُدًی وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں [۲۶] اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی [۲۷] اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں نہ سمجھ رکھیں نہ سوجھ اور نہ روشن کتاب [۲۸]

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ
نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ
الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور جب ان کو کہیے چلو اس حکم پر جو اتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم تو چلیں گے اس پر جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اور جو شیطان بلاتا ہو ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی[۲۹]

وَ مَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ
الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف اور وہ ہو نیکی پر سو اس نے پکڑ لیا مضبوط کڑا[۳۰] اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا[۳۱]

وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور جو کوئی منکر ہوا تو تو غم نہ کھا اسکے انکار سے ہماری طرف پھر آنا ہے انکو پھر ہم جتلا دیں گے ان کو جو انہوں نے کیا ہے البتہ اللہ جانتا ہے جو بات ہے دلوں میں[۳۲]

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کام چلا دیں گے ہم انکا تھوڑے دنوں میں پھر پکڑ بلائیں گے ان کو گاڑھے عذاب میں[۳۳]

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور اگر تو پوچھے ان سے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے[۳۴]

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ
الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں بیشک اللہ وہی ہے بے پروا سب خوبیوں والا[۳۵]

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ
يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ
اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اس کی سیاہی اسکے پیچھے ہوں سات سمندر نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی بیشک اللہ زبردست ہے حکمتوں والا [۳۶]

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ تم سب کا بنانا اور مرے پیچھے جلانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جی کا [۳۷] بیشک اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے [۳۸]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ
النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۡ كُلٌّ
يَّجْرِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وقت تک [۳۹] اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے اسکی جو تم کرتے ہو [۴۰]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع ۳ ۱۱ ۱۲

۳۰۔ یہ اس لیے کہا کہ اللہ وہی ہے ٹھیک اور جس کسی کو پکارتے ہیں اس کے سوائے سو وہی جھوٹ ہے [۴۱] اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا [۴۲]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ
لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ تو نے نہ دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں اللہ کی نعمت لے کر تاکہ دکھلائے تمکو کچھ اپنی قدرتیں [۴۳] البتہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک تحمل کرنے والے احسان ماننے والے کے واسطے [۴۴]

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ

۳۲۔ اور جب سر پر آئے انکے موج جیسے بادل پکارنے لگیں اللہ کو خالص کر کر اسی کے لیے بندگی [۴۵] پھر جب بچا دیا انکو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال

وَ مَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوۡرٍ ﴿۳۲﴾

اور منکر وہی ہوتے ہیں ہماری قدرتوں سے جو قول کے جھوٹے ہیں حق نہ ماننے والے [۴۷] پر [۴۶]

۲۶۔ مخلوقات پر انسان کی حکومت: یعنی آسمان وزمین کی کل مخلوق تمہارے کام میں لگادی ہے، پھر تم اس کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔

۲۷۔ کھلی نعمتیں وہ جو حواس سے مُدرک ہوں یا بے تکلف سمجھ میں آجائیں۔ چھپی وہ جو عقلی غور وفکر سے دریافت کی جائیں۔ یا ظاہری سے مادی ومعاشی اور باطنی سے روحانی ومعادی نعمتیں مراد ہوں۔ گویا پیغمبر بھیجنا کتاب کا اتارنا، نیکی کی توفیق دینا، سب باطنی نعمتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

۲۸۔ اللہ کی بات میں بے علم وہدایت جھگڑنے والے: یعنی ایسے کھلے ہوئے انعام واحسان کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی وحدانیت میں یا اس کی شئون وصفات میں یا اس کے احکام وشرائع میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں۔ نہ کوئی علمی اور عقلی اصول ان کے پاس ہے نہ کسی ہادی برحق کی ہدایت، نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ، محض باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔ (تنبیہ) ترجمہ سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ غالبًا مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "علم" سے عقلی طور پر سمجھنا مراد لیا ہے اور "ہدیٰ" سے ایک طرح کی بصیرت مراد لی ہے جو سلامتی ذوق ووجدان اور ممارست عقل وفکر سے ناشی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو نہ معمولی سمجھ ہے نہ وجدانی بصیرت حاصل ہے نہ روشن کتاب یعنی نقلی دلیل رکھتے ہیں۔ یہ معنی بہت لطیف ہیں۔ ہم نے آیت کی جو تقریر اختیار کی محض تسہیل کی غرض سے کی ہے۔

۲۹۔ آباؤاجداد کی اندھی تقلید: یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لئے جارہا ہو، تب بھی تم ان کے پیچھے چلوگے؟ اور جہاں وہ گریں گے وہیں گروگے؟

۳۰۔ یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا رستہ اختیار کیا اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا، سمجھ لو کہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ جب تک یہ کڑا پکڑے رہے گا، گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

۳۱۔ یعنی جس نے یہ کڑا مضبوط تھامے رکھا وہ آخر اس کے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور خدا اس کا انجام درست کردے گا۔

۳۲۔ ان کے انکار اور تکذیب کی پروانہ کرو: یعنی تم اپنا علاقہ خدا تعالیٰ سے جوڑے رکھو، کسی کے انکار وتکذیب کی پروانہ کرو۔ منکرین کو بھی بالآخر ہمارے ہاں آنا ہے۔ اس وقت سب کیا دھرا سامنے آجائے گا۔ کسی جرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے وہ تو دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔

۳۳۔ یعنی تھوڑے دن کا عیش اور بے فکری ہے۔ مہلت ختم ہونے پر سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ چھوٹ کر بھاگ جائیں؟

۳۴۔ اللہ کی خالقیت کا اعتراف کفار کو بھی ہے: یعنی الحمدللہ اتنا تو زبان سے اعتراف کرتے ہو کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنا۔ بجز اللہ کے کسی کا کام نہیں تو پھر اب کونسی خوبی رہ گئی جو اس کی ذات میں نہ ہو۔ کیا ان چیزوں کا پیدا کرنا اور ایک خاص محکم نظام پر چلانا بدون اعلیٰ درجہ کے علم وحکمت اور زور وقدرت کے ممکن ہے؟ لا محالہ "خالق السمٰوٰت والارض" میں تمام کمالات تسلیم کرنے پڑیں گے۔ اور یہ بھی اسی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے کہ تم جیسے منکرین سے اپنی عظمت وقدرت کا اقرار کرادیتا ہے جس کے بعد تم ملزم ٹھہرتے ہو کہ جب تمہارے نزدیک خالق تنہا وہ ہے تو معبود دوسرے کیونکر بن گئے۔ بات تو صاف ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے اور یہاں پہنچ کر اٹک جاتے ہیں۔

۳۵۔ اللہ کی خالقیت کا اعتراف کفار کو بھی ہے: یعنی جس طرح آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ایسے ہی آسمان وزمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب بلاشرکت غیرے اسی کی مخلوق ومملوک اور اسی کی طرف محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کیونکہ وجود اور تابع وجود یعنی جملہ صفات کمالیہ کا مخزن ومنبع اسی کی ذات ہے۔ اس کا کوئی کمال دوسرے سے مستفادہ نہیں۔ وہ بالذات سب عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔ پھر اسے کسی

کی کیا پرواہوتی؟

۳۶۔ اللہ کے کلمات غیر متناہی ہیں: یعنی اگر تمام دنیا کے درختوں کو تراش کر قلم بنالیں اور موجودہ سمندر کی سیاہی تیار کی جائے، پھر پیچھے سے سات سمندر اور اس کی کمک پر آجائیں اور فرض کرو تمام مخلوق اپنی بساط کے موافق لکھنا شروع کرے، تب بھی ان باتوں کو لکھ کر تمام نہ کر سکیں گے جو حق تعالیٰ کے کمالات اور عظمت و جلال کو ظاہر کرنے والی ہیں، لکھنے والوں کی عمریں تمام ہو جائیں گی قلم گھس گھس کو ٹوٹ جائیں گے، سیاہی ختم ہو جائے گی پر اللہ کی تعریفیں اور اس کی خوبیاں ختم نہ ہوں گی بھلا محدود و متناہی قوتوں سے لا محدود اور غیر متناہی کا سرانجام کیونکر ہو۔ اَللّٰھُمَّ لَا اُحۡصِی ثَنَاءً عَلَیۡكَ اَنۡتَ کَمَا اَثۡنَیۡتَ عَلٰی نَفۡسِكَ۔

۳۷۔ اللہ کا ارادہ وقدرت: یعنی سارے جہان کا پیدا کرنا اور ایک آدمی کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے لئے دونوں برابر ہیں۔ نہ اس میں کچھ وقت نہ اس میں کچھ تعب۔ ایک "کُن" سے جو چاہے کر ڈالے اور لفظ "کُن" کہنے پر بھی موقوف نہیں۔ یہ ہم کو سمجھانے کا ایک عنوان ہے بس ادھر ارادہ ہوا ادھر وہ چیز موجود۔

۳۸۔ اللہ تعالیٰ کا سمع وبصر: یعنی جس طرح ایک آواز کا سننا اور بیک وقت تمام جہان کی آوازوں کو سننا، یا ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت تمام جہان کی چیزوں کا دیکھنا، اس کے لئے برابر ہے، ایسے ہی ایک آدمی کا مرنا جلانا اور سارے جہان کا مرنا جلانا اس کی قدرت کے سامنے یکساں ہے۔ پھر دوبارہ جلانے کے بعد بیک وقت تمام اولین و آخرین کے اگلے پچھلے اعمال کا رتی رتی حساب چکا دینے میں بھی اسے کوئی دقت نہیں ہو سکتی کیونکہ ہمارے تمام اقوال کو سنتا اور تمام افعال کو دیکھتا ہے۔ کوئی چھپی کھلی بات وہاں پوشیدہ نہیں۔

۳۹۔ "مقرر وقت" سے قیامت مراد ہے یا چاند سورج میں سے ہر ایک کا دورہ۔ کیونکہ ایک دورہ پورا ہونے کے بعد گویا از سر نو چلنا شروع کرتے ہیں۔

۴۰۔ یعنی جو قوت رات کو دن اور دن کو رات کرتی، اور چاند سورج جیسے کرات عظیمہ کو ادنیٰ مزدور کی طرح کام میں لگائے رکھتی ہے اسے تمہارے مرے پیچھے زندہ کر دینا کیا مشکل ہو گا۔ اور جب ہر ایک چھوٹے بڑے عمل سے پوری طرح باخبر ہے تو حساب کتاب میں کیا دشواری ہو گی۔

۴۱۔ معبود ہونے کا اہل صرف اللہ ہے: یعنی حق تعالیٰ کی یہ شئون عظیمہ اور صفات قاہرہ اس لیے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اس کی عبادت کرنا ہی ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کا موجود بالذات اور واجب الوجود ہونا جو بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡحَقُّ سے سمجھ میں آتا ہے اور دوسروں کا باطل وہالک الذات ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اکیلے اسی خدا کے واسطے یہ شئون وصفات ثابت ہوں، پھر جس کے لئے یہ شئون وصفات ثابت ہوں گی وہ ہی معبود بننے کا مستحق ہو گا۔

۴۲۔ لہٰذا بندہ کی انتہائی پستی اور تذلل (جس کا نام عبادت ہے) اسی کے لئے ہونا چاہئے۔

۴۳۔ یعنی جہاز بھاری بھاری سامان اٹھا کر خدا کی قدرت ورحمت سے کس طرح سمندر کی موجوں کو چیر تا پھاڑ تا ہوا چلا جاتا ہے۔

۴۴۔ بحری سفر میں اللہ کی نشانیاں: یعنی اس بحری سفر کے احوال و حوادث میں غور کرنا انسان کے لئے صبر و شکر کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ جب طوفان اٹھ رہے ہوں اور جہاز پانی کے تھپیڑوں میں گھرا ہو اس وقت بڑے صبر و تحمل کا کام ہے اور جب اللہ نے اس کشمکش موت وحیات سے صحیح وسالم نکال دیا تو ضروری ہے کہ اس کا احسان مانے۔

۴۵۔ اللہ کو پکارنا انسانی ضمیر کی آواز ہے: اوپر دلائل وشواہد سے سمجھایا تھا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ یہاں بتلایا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدت مندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہ ہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔

۴۶۔ یعنی جب خدا تعالیٰ طوفان سے نکال کر خشکی پر لے آیا۔ تو تھوڑے نفوس ہیں جو اعتدال کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا سے نکلتے ہی

شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے فَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ کا ترجمہ کیا "تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر"۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا نہیں، مگر بالکل بھول بھی نہ جائے ایسے بھی کم ہیں نہیں تو اکثر قدرت سے منکر ہوتے ہیں۔ اپنے بچ نکلنے کو تدبیر پر رکھتے ہیں یا کسی ارواح وغیرہ کی مدد پر۔

۴۷۔ **قدرت الٰہیہ کا انکار:** یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول و قرار اللہ سے کر رہے تھے سب جھوٹے نکلے۔ چند روز بھی اس کے انعام و احسان کا حق نہ مانا۔ اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ وَ اخۡشَوۡا يَوۡمًا لَّا
يَجۡزِىۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ ۡ وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ
وَّالِدِهٖ شَيۡـًٔا ؕ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اے لوگو بچتے ہو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو جو کام آئے اپنے باپ کی جگہ کچھ بھی [۴۸] بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو تم کو نہ بہکائے دنیا کی زندگانی اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز [۴۹]

اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ ۚ
وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا
تَكۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ
تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۴ ۱۳

۳۴۔ بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے [۵۰]

۴۸۔ **قیامت میں نفسی نفسی:** طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری ہوتی ہے۔ ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل غافل نہیں ہو جاتی۔ ایک دوسرے کے بچانے کی تدبیر کرتا ہے بلکہ بسا اوقات والدین کی شفقت چاہتی ہے کہ ہو سکے تو بچہ کی مصیبت اپنے سر لیکر اس کو بچالیں۔ لیکن ایک ہولناک اور ہوشربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہو گی۔ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہو گا اور تیار بھی ہو تو یہ تجویز چل نہ سکے گی۔ چاہئے کہ آدمی اس دن سے ڈر کر غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرے۔ آج اگر سمندر کے طوفان سے بچ گئے تو کل اس سے کیونکر بچو گے۔

۴۹۔ **قیامت کا وعدہ ضرور پورا ہو گا:** یعنی وہ دن یقیناً آ کر رہے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لہٰذا دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا نہ کھاؤ کہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ اور یہاں آرام سے ہو تو وہاں بھی آرام کرو گے؟ نیز اس دغاباز شیطان کے اغواء سے ہشیار ہو جو اللہ کا نام لے کر دھوکا دیتا ہے۔ کہتا ہے میاں اللہ غفور رحیم ہے خوب گناہ سمیٹو، مزے اڑاؤ، بوڑھے ہو کر اکٹھی توبہ کر لینا۔ اللہ سب بخش دے گا۔ تقدیر میں اگر اس نے جنت لکھ دی ہے تو گناہ کتنے ہی ہوں ضرور پہنچ کر رہو گے اور دوزخ لکھی ہے تو کسی طرح بچ نہیں سکتے پھر کاہے کے لئے دنیا کا مزہ چھوڑا۔

۵۰۔ **تقدیر الٰہی اور تدبیر کا تعلق:** یعنی قیامت آکر رہے گی۔ کب آئے گی؟ اسکا علم خدا کے پاس ہے۔ نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے۔ آدمی دنیا کے باغ و بہار اور وقتی تازگی پر ریجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مہینہ نہ برسے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ نہ سامان معیشت رہیں نہ اسباب معیشت رہیں، نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور تروتازگی پر فریفتہ ہو کر اس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی باران رحمت سے اس کو تروتازہ اور پر رونق بنا رکھا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کر کے اور ایڑیاں رگڑ کر مر جاتے ہیں لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیر الٰہی پر بھروسہ کئے بیٹھا ہو، دنیوی جدوجہد میں تقدیر پر قانع ہو کر ذرہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہئے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عمومًا کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوگی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں۔ یہ ہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آئیں بیشک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا کو ہے مگر عمومًا اچھی یا بری تقدیر کا چہرہ، اچھی یا بری تدبیر کے آئینہ میں نظر آتا ہے۔ اس لئے تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی۔ جنتی ہے یا دوزخی، مفلس ہے یا غنی لہٰذا ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوئی جس سے عادۃً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہو، روزی کتنی ملے، سعید ہو یا شقی، اس کی طرف وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اڑا لو، پھر توبہ کر کے نیک بن جانا، اس کا جواب ہے وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا الخ میں دیا ہے۔ یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لئے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آ جائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کر لے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم و خبیر کو ہے۔ (تنبیہ)

اللہ کا علم غیب اور رسول اللہ کا علم غیب: یاد رکھنا چاہئے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی، اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل، حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا۔ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا ۔ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ الٰی آخر الآیۃ (جن ۲۷،۲۶) جس کی جزئیات کی تفصیل و تبویب اذکیائے امت نے کی، اور اکوان غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی۔ اور نبی کریم ﷺ کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوانِ غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔

مفاتیح الغیب کا کلی علم صرف اللہ کو ہے: آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔

فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا۔ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ میں غیوب مکانیہ۔ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا میں زمانیہ مستقبلہ۔ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ میں زمانہ حالیہ اور یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ میں غالبًا زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔ یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی، ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا چیز ہے لڑکا یا لڑکی۔ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں

گا؟ میری موت کہاں واقع ہو گی؟ اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیوی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے۔ جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔ بہر حال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے، حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہی پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کمافی الحدیث۔

پہلے سورہ انعام اور سورہ نمل میں بھی ہم علم غیب کے متعلق کچھ لکھ چکے ہیں۔ ایک نظر ڈال لیجائے۔

تم سورۃ لقمان بمنہٖ وکرمہ

اٰیاتہا ۳۰ ۳۲ سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۷۵ رکوعاتہا ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾

۱۔ الم۔

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ﴿۲﴾

۲۔ اتارنا کتاب کا اس میں کچھ دھوکا نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے [۱]

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۳﴾

۳۔ کیا کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ باندھ لایا ہے کوئی نہیں وہ ٹھیک ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو ڈر سنا دے ان لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ راہ پر آئیں [۲]

۱۔ بلاشبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین نے اتاری ہے نہ اس میں کچھ دھوکہ ہے نہ شک وشبہ کی گنجائش۔

۲۔ قرآن وحی الٰہی ہے اسکے دلائل: یعنی جس کتاب کا معجزہ اور من اللہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ شک وشبہ کی قطعًا گنجائش نہیں، کیا اس کی نسبت کفار کہتے ہیں کہ پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے اور معاذ اللہ جھوٹ طوفان خدا کی طرف نسبت کرتا ہے؟ حد ہو گئی جب ایسی روشن چیز میں بھی شبہات پیدا کئے جانے لگے، ذرا غور و انصاف کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب ٹھیک پروردگار عالم کی طرف سے آئی ہے۔ تا اس کے ذریعہ سے آپ اس قوم کو بیدار کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی اپنی طرف سے وہ ہی چیز بنا کر لاتا ہے یا بنا سکتا ہے جس کی کوئی نظیر یا زبردست خواہش اس کے ماحول میں پائی جاتی ہو۔ کسی ملک میں ایسی بات دفعۃً منہ سے نکال دینا جو ان کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر مخالف ہو اور جس کے قبول کی ادنیٰ ترین استعداد بھی بظاہر نہ پائی جائے، کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کسی کو مامور کرے وہ الگ بات ہے۔ پس نبی امی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جن کا اعقل الناس ہونا ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے جو آپ کو (معاذ اللہ) مفتری کہتے ہیں، اگر کوئی بات بنا کر لاتے تو یقینًا ایسی لاتے جو عرب کی اس فضا کے مناسب اور عام جذبات کے موافق ہوتی اور جس کا کوئی نمونہ ان کے گرد و پیش پایا جاتا۔ یہ ہی بات ایک انصاف پسند کو یقین دلا سکتی ہے کہ وہ خود اپنی ذاتی خواہش سے کھڑے نہیں ہوئے اور نہ جو پیغام لائے وہ ان کا تصنیف کیا ہوا تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا
فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾

۴۔ اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے چھ دن کے اندر پھر قائم ہوا عرش پر[۳] کوئی نہیں تمہارا اس کے سوائے حمایتی اور نہ سفارشی پھر تم کیا دھیان نہیں کرتے[۴]

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ
اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا
تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾

۵۔ تدبیر سے اتارتا ہے ہر کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں[۵]

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۙ﴿۶﴾

۶۔ یہ ہی جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا[۶]

الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ
الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ﴿۷﴾

۷۔ جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش ایک گارے سے

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ﴿۸﴾

۸۔ پھر بنائی اسکی اولاد نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے[۷]

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾

۹۔ پھر اس کو برابر کیا[۸] اور پھونکی اس میں اپنی ایک جان[۹] اور بنا دیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو[۱۰]

۳۔ اس کا بیان سورہ اعراف میں آٹھویں پارہ کے اختتام کے قریب گذر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۴۔ یعنی دھیان نہیں کرتے کہ اس کے پیغام اور پیغامبر کو جھٹلا کر کہاں جاؤ گے۔ تمام زمین و آسمان میں عرش سے فرش تک اللہ کی حکومت ہے۔ اگر پکڑے گئے تو اسکی اجازت و رضاء کے بدون کوئی حمایت اور سفارش کرنے والا بھی نہ ملے گا۔

۵۔ **اللہ کی تدبیر امور کا طریقہ:** بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرش عظیم سے مقرر ہو کر نیچے حکم اترتا ہے۔ سب اسباب حِسّی و معنوی، ظاہری و باطنی، آسمان و زمین سے جمع ہو کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں۔ آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت و حکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے۔ جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا یا کسی بڑی

قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح بتغییر یسیر)

ہزار سال کے امور کا حکم اور اسکی تفسیر: مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القا کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں، آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرما دیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کارروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں جو سمائے دنیا کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے۔ جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جداگانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کر لے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی و اسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گذرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج و آثار اس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں بعض کے نزدیک "یوم" سے یوم قیامت مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہو گا۔ اس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کی برابر ہے۔ بہر حال فِیْ یَوْمٍ کو بعض نے یُدَبِّرُ کے اور بعض نے یَعْرُجُ کے متعلق کیا ہے اور بعض نے تنازع فِعْلَیْن مانا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۔ یعنی ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام و تدبیر کا قائم کرنا اسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے، زبردست اور مہربان ہو۔

۷۔ **انسانو اپنی تخلیق میں غور کرو:** یعنی نطفہ جو بہت سی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔

۸۔ یعنی شکل، صورت، اعضاء موزوں و متناسب رکھے۔

۹۔ **اللہ کی روح کا مطلب:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو مخلوق ہے اسی کا مال ہے مگر جس کی عزت بڑھائی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر۔۴۲) حالانکہ سب خدا کے بندے ہیں کما قال اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم۔۹۳)۔ سو انسان کی جان عالم غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی۔ اس کو اپنا کہا۔ ورنہ اللہ کی جان کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مثلاً آدمی کی جان کا لیتے ہیں تو چاہیے جان کسی بدن میں ہو، بدن ہوا تو ترکیب آئی، ترکیب آئی تو حدوث آیا، ذات پاک کہاں رہی" (موضح بتغییر)

۱۰۔ ان نعمتوں کا شکر یہ یہ تھا کہ آنکھوں سے اس کی آیات تکوینیہ کو بنظر امعان دیکھتے۔ کانوں سے آیات تنزیلیہ کو توجہ و شوق کے ساتھ سنتے۔ دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے پھر سمجھ کر اس پر عامل ہوتے۔ مگر تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ
جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور کہتے ہیں کیا جب ہم رل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بننا ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں [۱۱]

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ
اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

۱۱۔ تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے [۱۲]

ع ۱ / ۱۱ / ۱۴

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ
صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ منکر سر ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے[۱۳] اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو بھیج دے کہ ہم کریں بھلے کام ہم کو یقین آ گیا[۱۴]

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ
الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ
اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور اگر ہم چاہتے تو سجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ لیکن ٹھیک پڑ چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے[۱۵]

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا
نَسِیْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ سو اب چکھو مزہ جیسے تم نے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کے ملنے کو ہم نے بھی بھلا دیا تم کو[۱۶] اور چکھو عذاب سدا کا عوض اپنے کیے کا

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا
وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ السجدۃ

۱۵۔ ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب ان کو سمجھائے ان سے گر پڑیں سجدہ کر کر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے[۱۷]

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے[۱۸] پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے[۱۹] اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھری ہے انکے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلا اس کو جو کرتے تھے[۲۰]

اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر ہے اسکے جو نافرمان ہے نہیں برابر ہوتے[۲۱]

اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ
الۡمَاۡوٰى نُزُلًا ۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ سو وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے تو ان کے لیے باغ ہیں رہنے کے مہمانی ان کاموں کی وجہ سے جو کرتے تھے[۲۲]

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا
اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا وَقِيۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا
عَذَابَ النَّارِ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور وہ لوگ جو نافرمان ہوئے سو انکا گھر ہے آگ جب چاہیں کہ نکل پڑیں اس میں سے الٹا دیے جائیں پھر اسی میں اور کہیں ان کو چکھو آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے[۲۳]

وَلَـنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰى دُوۡنَ الۡعَذَابِ
الۡاَكۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور البتہ چکھائیں گے ہم ان کو تھوڑا عذاب ورے اس بڑے عذاب سے تاکہ وہ پھر آئیں[۲۴]

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ
عَنۡهَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۱۱ ۱۵

۲۲۔ اور کون بے انصاف زیادہ اس سے جس کو سمجھایا گیا اسکے رب کی باتوں سے پھر ان سے منہ موڑ گیا[۲۵] مقرر ہم کو ان گنہگاروں سے بدلا لینا ہے[۲۶]

۱۱۔ یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے ان کو اول مٹی سے پیدا کیا ہے۔ الٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے۔ اور شبہ یا استبعاد ہی نہیں بلکہ صاف طور پر یہ لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہو گئے۔

۱۲۔ **موت کے بعد آدمی بالکل فنا نہیں ہوتا:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تم آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل مل کر برابر ہو گئے۔ ایسا نہیں۔ تم حقیقت میں جان ہو۔ جسے فرشتہ لیجاتا ہے بالکل فنا نہیں ہو جاتے"۔ (موضح)۔

۱۳۔ یعنی ذلت و ندامت سے۔ محشر میں۔

۱۴۔ یعنی ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آ گیا۔ بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے دیکھئے کیسے نیک کام کرتے ہیں۔

۱۵۔ دوسری جگہ فرمایا وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا (انعام۔۲۸) یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر وہی شرارتیں کریں۔ ان کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغواء کو قبول کر لیں اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگیں بیشک ہم کو قدرت تھی چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردستی اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اس طرح سب کو ایک

ہی طور و طریق اختیار کرنے کے لئے مضطر کر دینا حکمت کے خلاف تھا۔ جس کا بیان کئی جگہ پہلے ہو چکا ہے۔ لہٰذا وہ بات پوری ہونی تھی جو ابلیس کے دعوے لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (صٓ۔۸۳،۸۲) کے جواب میں فرمائی تھی۔ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ (صٓ۔۸۵،۸۴) معلوم ہوا کہ یہاں جن و انس سے مراد وہ ہی شیاطین اور ان کے اتباع ہیں۔

۱۶۔ کفار پر اب کبھی رحمت نہیں ہو گی: ہم نے بھی تم کو بھلا دیا۔ یعنی کبھی رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے۔ آگے مجرمین کے مقابلہ میں مومنین کا حال و مآل بیان فرماتے ہیں۔

۱۷۔ مومنین کا خوف و خشیت: یعنی خوف و خشیت اور خشوع و خضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ زبان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، دل میں کبر و غرور اور بڑائی کی بات نہیں رکھتے جو آیات اللہ کے سامنے جھکنے سے مانع ہو۔

۱۸۔ تہجد پڑھنے والوں کی مدح: یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ مراد تہجد کی نماز ہوئی جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ اور بعض نے صبح کی یا عشاء کی نماز یا مغرب و عشاء کے درمیان کی نوافل مراد لی ہیں۔ گو الفاظ میں اس کی گنجائش ہے لیکن راجح وہ ہی پہلی تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۹۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اللہ سے لالچ اور ڈر برا نہیں دنیا کا یا آخرت کا۔ اور اس واسطے بندگی کرے تو قبول ہے۔ ہاں اگر کسی اور کے خوف و رجاء سے بندگی کرے تو ریا ہے کچھ قبول نہیں"

۲۰۔ جنت کی خصوصی نعمت: جس طرح راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انہوں نے بے ریا عبادت کی۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں۔ ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گذری۔ (تنبیہ) سر سید وغیرہ نے اس حدیث کو لے کر جنت کی نعمائے جسمانی کا انکار کیا ہے۔ میرا ایک مضمون "ہدیہ سنیہ" کے نام سے چھپا ہے اس میں جواب دیکھ لیا جائے۔

۲۱۔ اگر ایک ایماندار اور بے ایمان کا انجام برابر ہو جائے تو سمجھو خدا کے ہاں بالکل اندھیر ہے (العیاذ باللہ)۔

۲۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے عمل جنت کی مہمانی کا سبب بن جائیں گے۔

۲۳۔ جہنم میں کفار کی حالت: کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازہ کی طرف پھینکیں گے۔ اس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں۔ فرشتے پھر ادھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو۔ جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو۔ اَللّٰهُمَّ اَعِذْنِیْ وَمِنَ النَّارِ وَاَجِرْنِیْ مِنْ غَضَبِكَ۔

۲۴۔ دنیا میں عذاب کا نمونہ: یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں ذرا کم درجہ کا عذاب بھیجیں گے۔ تا جسے رجوع کی توفیق ہو ڈر کر خدا کی طرف رجوع ہو جائے۔ کم درجہ کا عذاب یہ ہی دنیا کے مصائب، بیماری، قحط، قتل، قید، مال، اولاد کی تباہی وغیرہ۔

۲۵۔ یعنی سمجھنے کے بعد پھر گیا۔

۲۶۔ جب تمام گنہگاروں اور ظالم مجرموں سے بدلہ لینا ہے تو یہ ظالم کیونکر بچ سکتے ہیں۔ آگے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان کے ظلم و اعراض سے دلگیر نہ ہوں پہلے موسیٰؑ کو ہم نے کتاب دی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی۔ اور اس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گذرے۔ آپ کو بھی بلا شبہ اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے۔ جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر آپ کی امت میں امام اور سردار اٹھیں گے۔ رہے منکر، ان کا فیصلہ حق تعالیٰ خود کرے گا۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ
مِّنۡ لِّقَآئِہٖ وَ جَعَلۡنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ۚ۲۳﴾

۲۳۔ اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ دھوکے میں اس کے ملنے سے [۲۷] اور کیا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے

وَ جَعَلۡنَا مِنۡہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا
صَبَرُوۡا ۟ؕ وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور کیے ہم نے ان میں پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے [۲۸] اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے [۲۹]

اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ یَفۡصِلُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا
کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کرے گا ان میں دن قیامت کے جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے ہیں [۳۰]

اَوَ لَمۡ یَہۡدِ لَہُمۡ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنَ
الۡقُرُوۡنِ یَمۡشُوۡنَ فِیۡ مَسٰکِنِہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ
ؕ اَفَلَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ کیا ان کو راہ نہ سوجھی اس بات سے کہ کتنی غارت کر ڈالیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں کہ پھرتے ہیں یہ ان کے گھروں میں اس میں بہت نشانیاں ہیں کیا وہ سنتے نہیں [۳۱]

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ
فَنُخۡرِجُ بِہٖ زَرۡعًا تَاۡکُلُ مِنۡہُ اَنۡعَامُہُمۡ وَ اَنۡفُسُہُمۡ
ؕ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾ الثلثۃ

۲۷۔ یا دیکھا نہیں انہوں نے کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی کو ایک زمین چٹیل کی طرف [۳۲] پھر ہم نکالتے ہیں اس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں انکے چوپائے اور خود وہ بھی پھر کیا دیکھتے نہیں [۳۳]

وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡفَتۡحُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو [۳۴]

قُلۡ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ لَا یَنۡفَعُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِیۡمَانُہُمۡ
وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ تو کہہ کہ فیصلہ کے دن کام نہ آئے گا منکروں کو انکا ایمان لانا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی [۳۵]

ع ۳ ۱۶

فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَانۡتَظِرۡ اِنَّهُمۡ مُّنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ سو تو خیال چھوڑ ان کا اور منتظر رہ وہ بھی منتظر ہیں [۳۶]

۲۷۔ یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بیشک وشبہ موسیٰؑ کو کتاب دی گئی۔ اور آپ کو بھی اسی طرح کی کتاب ملی اس میں کوئی دھوکا اور فریب نہیں۔ یا موسیٰؑ کے ذکر پر فرمادیا کہ تم جو موسیٰؑ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں۔

۲۸۔ دنیا کے شدائد اور منکرین کے جور وستم پر۔

۲۹۔ یعنی مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کر کے اپنے کام پر جمے رہیں تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہ ہی معاملہ ہو گا۔ چنانچہ ہوا اور خوب ہوا۔

۳۰۔ **حق وباطل کا اصل فیصلہ قیامت میں ہو گا:** یعنی اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہو گا ہاں دنیا میں بھی کئی مثالیں ایسی دکھلائی جاچکی ہیں کہ آدمی انہیں دیکھ کر سمجھ اور عبرت کر سکتا ہے کیا عاد وثمود کی بستیوں کے تباہ شدہ کھنڈر اور نشان ان منکروں نے نہیں دیکھے؟ جن پر شام وغیرہ کے سفر میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ اور کیا ان کی ہلاکت کی داستانیں نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ وہ چیزیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ان کو تنبّہ نہ ہوا اور نجات وفلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔

۳۱۔ یعنی نہروں اور دریاؤں کا پانی یا بارش کا۔

۳۲۔ **ارضِ جُرُز:** اَلۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ سے ہر ایک خشک زمین جو نباتات سے خالی ہو مراد ہے۔ بعض نے خاص سرزمین مصر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ اور نَسُوۡقُ الۡمَآءَ سے دریائے نیل کا پانی مراد لیا ہے۔ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں کما نبہ علیہ ابن کثیرؒ۔

۳۳۔ یعنی ان نشانات کو دیکھ کر چاہیئے تھا کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور رحمت وحکمت کے قائل ہوتے اور سمجھتے کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ نیز اللہ کی نعمتوں کے جان ودل سے شکر گذار بنتے۔

۳۴۔ **قیامت پر کفار کا شبہ اور اصرار:** پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس پر منکرین کہتے ہیں کہ قیامت قیامت کہے جاتے ہو، اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آچکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی دھمکیاں ہیں قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

۳۵۔ یعنی ابھی موقع ہے کہ اللہ ورسول کے کہنے پر یقین کرو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ اس کے پہنچ جانے پر نہ ایمان لانا کام دے گا نہ سزا میں ڈھیل ہو گی اور نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ۔ اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ استہزاء وتکذیب میں رائگاں مت کرو۔ جو گھڑی آنے والی ہے یقیناً آکر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہو گا۔

۳۶۔ **کفار سے اعراض:** یعنی جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود انتہائی مجرم اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے۔ لہذا آپ فرض دعوت وتبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑیئے اور ان کی تباہی کے منتظر رہئے جیسے وہ اپنے زعم میں معاذ اللہ آپ کی تباہی کے منتظر ہیں۔

تم سورۃ السجدۃ

ایاتھا ۷۳ | ۳۳ سُوۡرَةُ الۡاَحۡزَابِ مَدَنِيَّةٌ ۹۰ | رکوعاتھا ۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ وَ
الۡمُنٰفِقِيۡنَ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۙ‏ ﴿۱﴾

۱۔ اے نبی ڈر اللہ سے اور کہنا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا مقرر اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا

وَّاتَّبِعۡ مَا يُوۡحٰٓى اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۙ‏ ﴿۲﴾

۲۔ اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بیشک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے

وَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا‏ ﴿۳﴾

۳۔ اور بھروسہ رکھ اللہ پر اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا [۱]

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل توکل کی تعلیم: یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہنا نہ مانیے۔ یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا بنالیں، سازشیں کریں، جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں، عیارانہ مشورے دیں، اپنی طرف جھکانا چاہیں۔ آپ اصلاً پروانہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجیے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانیے اسی کے آگے جھکیے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر آجائے۔ اس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے۔ وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں تمہاری اصلی بہتری ہو گی۔ جب اس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اسی پر بھروسہ رکھو گے تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنادے گا۔ تنہا اسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔ جو سارے دل سے اس کا ہو رہا، دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا۔ دوسرا دل ہو تو دوسری طرف جائے لیکن سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کافر چاہتے تھے اپنی طرف نرم کرنا اور منافق چاہتے تھے اپنی چال سکھانا اور پیغمبر کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے۔ اس سے زیادہ دانا کون"۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ‌ ۚ وَمَا
جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓـىِٔۡ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ‌ ۚ
وَمَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ
بِاَفۡوَاهِكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوۡلُ الۡحَـقَّ وَهُوَ يَهۡدِى

۴۔ اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اس کے اندر اور نہیں کیا تمہاری جوروؤں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچی مائیں تمہاری اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سجھاتا ہے راہ [۲]

السَّبِيۡلَ ۝۴

اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآٮِٕهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ
تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَمَوَالِيۡكُمۡ
ؕ وَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ۙ
وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا
رَّحِيۡمًا ۝۵

۵۔ پکارو لے پالکوں کو انکے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں [۳] پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں [۴] اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ جو دل سے ارادہ کرو اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۵]

۲۔ ظہار اور متبنّٰی کا بیان: یعنی جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کی حقیقۃً دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لئے اس سے جدا ہو جاتی۔ گویا اس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے اس لفظی و مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم و مفروضات کی بڑی شد و مد سے تردید فرمائی۔ اس نے بتلایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے اگر واقعی وہ ماں بن جاتی ہے تو کیا یہ دو ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے؟ ایک وہ جس نے اول جنا تھا اور دوسری یہ جس کو ماں کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح کسی نے زید کو بیٹا بنا لیا تو ایک باپ تو اس کا پہلے سے موجود تھا جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے کیا واقعی اب یہ ماننا چاہئے کہ یہ دو باپوں سے الگ الگ پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں تو حقیقی ماں باپ اور اولاد کے احکام ان پر جاری نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ بیوی کو ماں کہنے کا حکم سورہ مجادلہ میں آئے گا۔ اور لے پالک (منہ بولے بیٹے) کا حکم آگے بیان ہوتا ہے۔ ان دو باتوں کے ساتھ تیسری بات (بطور تمہید و تشریح کے) یہ بھی سنا دی کہ ایسی باتیں زبان سے کہنے کی بہتیری ہیں جن کی حقیقت واقع میں وہ نہیں ہوتی جو الفاظ میں ادا کی جاتی ہے جیسے کسی غیر مستقل مزاج یا دوغلے آدمی کو یا کسی قوی الحفظ اور قوی القلب کو یا ایسے شخص کو جو ایک وقت میں دو مختلف چیزوں کی طرف متوجہ ہو کہہ دیتے ہیں کہ اس کے دو دل ہیں حالانکہ سینہ چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ اسی طرح ماں کے علاوہ کسی کو ماں یا باپ کے سوا کسی کو باپ یا بیٹے کے سوا کسی کو بیٹا کہہ دینے سے واقع میں وہ نسبت ثابت نہیں ہو جاتی جو بدون ہمارے زبان سے کہے قدرت نے قائم کر دی ہے۔ لہٰذا مصنوعی اور حقیقی تعلقات میں خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔

۳۔ متبنّٰی کو اصل باپ کے نام سے پکارو: یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے کسی نے "لے پالک" بنا لیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا۔ یوں شفقت و محبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکار لے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ و التباس واقع نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام میں نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ کو آزاد کر کے متبنّٰی کر لیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انہیں زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارنے لگے جب یہ آیت نازل ہوئی سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔

۴۔ یعنی اگر باپ معلوم نہ ہو تو بہر حال تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ ان ہی القاب سے یاد کرو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ کو

فرمایا۔ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا۔

۵۔ بھول چوک پر مواخذہ نہیں: یعنی بھول کر یا نادانستہ گر غلط کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں، وہ معاف ہے۔ بھول چوک کا گناہ کسی چیز میں نہیں۔ ہاں ارادہ کا ہے۔ اس میں بھی اللہ چاہے تو بخش دے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾

۶۔ نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے [۶] اور اسکی عورتیں انکی مائیں ہیں [۷] اور قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ سب ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ کرنا چاہو اپنے رفیقوں سے احسان [۸] یہ ہے کتاب میں لکھا ہوا [۹]

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین جان سے زیادہ چاہتے ہیں: مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے۔ بناء بریں مومن (من حیث ہو مومن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مومنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ الخ اور ابی بن کعب وغیرہ کی قرأت میں آیت ہذا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الخ کے ساتھ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہ ہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت و شفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمانی و روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا پرتو اور ظل ہوتا ہے اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی۔ لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت و تربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دیدے تو فرض ہو جائے"۔ ان ہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ، بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

۷۔ ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں: یعنی دینی مائیں ہیں تعظیم و احترام میں اور بعض احکام جو ان کے لئے شریعت سے ثابت ہوں۔ کل احکام میں نہیں۔

۸۔ اولوالارحام کا حق تمام مومنین سے زیادہ ہے: حضرت کے ساتھ جنھوں نے وطن چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے، آپ نے ان مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا۔ بعدہٗ مہاجرین کے دوسرے قرابت دار مسلمان ہو گئے تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ ناتا اس بھائی چارہ سے مقدم ہے۔ میراث وغیرہ رشتہ ناتے کے موافق تقسیم ہو گی۔ ہاں سلوک احسان ان رفیقوں سے بھی کیے جاؤ۔

۹۔ یعنی قرآن میں یہ حکم ہمیشہ کو جاری رہا۔ یا تورات میں بھی ہو گیا "کتاب" سے "لوح محفوظ" مراد ہو۔

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَ مِنۡکَ وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ۪ وَ اَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ۙ﴿۷﴾

۷۔ اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا قرار اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسٰی سے جو بیٹا مریم کا اور لیا ہم نے ان سے گاڑھا قرار [۱۰]

لِّیَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِیۡنَ عَنۡ صِدۡقِہِمۡ ۚ وَ اَعَدَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا اَلِیۡمًا ٪﴿۸﴾

۸۔ تا کہ پوچھے اللہ سچوں سے ان کا سچ اور تیار رکھا ہے منکروں کے لیے دردناک عذاب [۱۱]

ع ۱ / ۸ / ۱۷

۱۰۔ پانچ اولوالعزم پیغمبر: یعنی یہ قول و قرار کہ ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرے گا۔ اور دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گا۔ "آل عمران" میں اس میثاق کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اوپر پیغمبر کے حق میں فرمایا تھا کہ مومنین پر ان کی جان سے زیادہ تصرف رکھتا ہے، یہاں اشارہ کر دیا کہ یہ درجہ نبیوں کو اس لئے ملا کہ ان پر محنت (اور ذمہ داری بھی) سب سے زیادہ ہے۔ اکیلے ساری خلق سے مقابل ہونا اور کسی سے خوف و رجا نہ رکھنا"۔ پیغمبروں کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے لئے اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ ان کی ہدایت کا اثر ہزاروں برس رہا اور جب تک دنیا ہے رہے گا۔ ان میں پہلے نام لیا ہمارے نبی کا۔ حالانکہ عالم شہادت میں آپ کا ظہور سب کے بعد ہوا ہے۔ مگر درجہ میں آپ سب سے پہلے ہیں اور وجود بھی آپ کا عالم غیب میں سب سے مقدم ہے۔ کما ثبت فی الحدیث۔

۱۱۔ منکرین کیلئے حجت: یعنی قول و قرار کے مطابق ان پیغمبروں کی زبانی اپنے احکام خلق کو پہنچائے اور حجت تمام کر دے تب ہر ایک سے پوچھ پاچھ کرے گا، تا کہ سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ جنگ الاحزاب کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سچے پیغمبر اور مومنین اور ان کے بالمقابل جھوٹے منافقوں اور منکروں کے کچھ احوال اور انکے ظاہری ثمرات و نتائج ذکر کئے ہیں۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَآءَتۡکُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ رِیۡحًا وَّ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡہَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا ۚ﴿۹﴾

۹۔ اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیجدی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں [۱۲] اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا [۱۳]

اِذۡ جَآءُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ وَاِذۡ
زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَ بَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَ
تَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے [۱۴] اور جب بدلنے لگیں آنکھیں [۱۵] اور پہنچے دل گلوں تک [۱۶] اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں [۱۷]

هُنَالِكَ ابۡتُلِىَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا
شَدِيۡدًا ﴿۱۱﴾

۱۱۔ وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا [۱۸]

وَاِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ
مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا [۱۹]

وَاِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ يٰۤاَهۡلَ يَثۡرِبَ لَا مُقَامَ
لَكُمۡ فَارۡجِعُوۡا ۚ وَيَسۡتَاۡذِنُ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمُ النَّبِىَّ
يَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ بُيُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ ۛؕ وَمَا هِىَ بِعَوۡرَةٍ ۛۚ اِنۡ
يُّرِيۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور جب کہنے لگی ایک جماعت ان میں اے یثرب والو [۲۰] تمہارے لئے ٹھکانہ نہیں سو پھر چلو اور رخصت مانگنے لگا ایک فرقہ ان میں نبی سے کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے ان کی کوئی غرض نہیں مگر بھاگ جانا [۲۱]

وَلَوۡ دُخِلَتۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَقۡطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا
الۡفِتۡنَةَ لَاٰتَوۡهَا وَمَا تَلَبَّثُوۡا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيۡرًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر اس کے کناروں سے پھر ان سے چاہے دین سے بچلنا تو مان لیں اور دیر نہ کریں اس میں مگر تھوڑی [۲۲]

وَلَقَدۡ كَانُوۡا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنۡ قَبۡلُ لَا يُوَلُّوۡنَ
الۡاَدۡبَارَ ؕ وَكَانَ عَهۡدُ اللّٰهِ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور اقرار کر چکے تھے اللہ سے پہلے کہ نہ پھیریں گے پیٹھ اور اللہ کے قرار کی پوچھ ہوتی ہے [۲۳]

قُلۡ لَّنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡفِرَارُ اِنۡ فَرَرۡتُمۡ مِّنَ الۡمَوۡتِ اَوِ
الۡقَتۡلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ تو کہہ کچھ کام نہ آئے گا تمہارے یہ بھاگنا اگر بھاگو گے مرنے سے یا مارے جانے سے اور پھر بھی پھیل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں[۲۴]

قُلۡ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَعۡصِمُكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ
سُوۡٓءًا اَوۡ اَرَادَ بِكُمۡ رَحۡمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ
دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ تو کہہ کون ہے کہ تم کو بچائے اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی یا چاہے تم پر مہربانی[۲۵] اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوائے کوئی حمایتی اور نہ مددگار[۲۶]

قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الۡمُعَوِّقِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالۡقَآئِلِيۡنَ
لِاِخۡوَانِهِمۡ هَلُمَّ اِلَيۡنَا ۚ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الۡبَاۡسَ اِلَّا
قَلِيۡلًا ۙ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اللہ کو خوب معلوم ہیں جو اٹکانے والے ہیں تم میں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کبھی[۲۷]

اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ
يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى
عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ
بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَمۡ
يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ يَسِيۡرًا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ دریغ (بخل کرتے (رکھتے ہیں تم سے[۲۸] پھر جب آئے ڈر کا وقت تو تو دیکھے ان کو کہ تکتے ہیں تیری طرف پھرتی ہیں آنکھیں ان کی جیسے کسی پر آئے بے ہوشی موت کی پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ کر بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈھکے (ٹوٹے) پڑتے ہیں مال پر[۲۹] وہ لوگ یقین نہیں لائے پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے انکے کئے کام اور یہ ہے اللہ پر آسان[۳۰]

يَحۡسَبُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ لَمۡ يَذۡهَبُوۡا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِ
الۡاَحۡزَابُ يَوَدُّوۡا لَوۡ اَنَّهُمۡ بَادُوۡنَ فِى الۡاَعۡرَابِ

۲۰۔ سمجھتے ہیں کہ فوجیں کفار کی نہیں پھر گئیں اور اگر آجائیں وہ فوجیں تو آرزو کریں کسی طرح ہم باہر نکلے ہوئے ہوں گاؤں میں پوچھ لیا کریں تمہاری خبریں[۳۱] اور

يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا
اِلَّا قَلِيْلًا ؑ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۲ ۱۸

اگر ہوں تم میں لڑائی نہ کریں مگر بہت تھوڑی [۳۲]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ
كَثِيْرًا ؕ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال اسکے لئے جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا [۳۳]

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا
وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَ
مَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؕ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اسکے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اسکے رسول نے اور ان کو اور بڑھ گیا یقین اور اطاعت کرنا [۳۴]

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ
عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک ذرہ [۳۵]

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ
الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ تاکہ بدلا دے اللہ سچوں کو انکے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں پر اگر چاہے یا توبہ ڈالے انکے دل پر بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۳۶]

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ
وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا

۲۵۔ اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی [۳۷] اور اپنے اوپر لے لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ زور آور

عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

زبردست[۳۸]

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا
تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور اتار دیا ان کو جو ان کے پشت پناہ ہوئے تھے اہل کتاب سے ان کے قلعوں سے اور ڈال دی ان کے دلوں میں دھاک کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو قید کر لیا[۳۹]

وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ
تَطَئُوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۳ ۱۹

۲۷۔ اور تم کو دلائی ان کی زمین اور انکے گھر اور ان کے مال اور ایک زمین کہ جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم اور ہے اللہ سب کچھ کر سکتا[۴۰]

۱۲۔ احزاب میں فرشتوں کا نزول: یعنی فرشتوں کی فوجیں جو کفار کے دلوں میں رعب ڈال رہی تھیں۔

۱۳۔ غزوہ خندق کے اسباب: ہجرت کے چوتھے پانچویں سال یہود بنی نضیر جو مدینہ سے نکالے گئے تھے (اس کا ذکر سورہ "حشر" میں آئے گا) ہر قوم میں پھرے۔ اور ابھار اکسا کر قریش مکہ بنی فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً بارہ ہزار کا لشکر جرار پورے سازوسامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چور تھا، یہود "بنی قریظہ" جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی شرقی جانب تھا پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ نضیری یہود کی ترغیب و ترہیب سے آخر کار وہ بھی معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی۔ جن میں ایک بڑی تعداد ان دغاباز منافقوں کی تھی جو سختی کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدان جنگ سے کھسکنے لگے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ سے مشورہ فرمایا آخر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا خندق کھودی گئی۔ سخت جاڑے کا موسم تھا غلہ کی گرانی تھی بھوک کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود سرور عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پیٹ کو پتھر بندھے تھے۔ مگر عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار سپاہی اور ان کے سالار اعظم اس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے اور کہتے نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا، عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا۔ ادھر سرکار محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جواب ملتا اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةْ، فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَه خندق تیار ہو گئی تو اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جما دیے۔ تقریباً بیس پچیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ درمیان میں خندق حائل تھی باوجود کثرت تعداد کے کفار سے بن نہ پڑا کہ شہر پر عام حملہ کر دیتے۔ البتہ دور سے تیر اندازی ہوتی تھی اور گاہ بگاہ فریقین کے خاص خاص افراد میدان مبارزت مین دو دو ہاتھ دکھانے لگتے تھے۔ مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان مسلمانوں کی جمعیت محصورین کی حیثیت رکھتی تھی تاہم انہوں نے سب عورتوں بچوں کو شہر کی مضبوط و محفوظ حویلیوں میں پہنچا کر خود بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت و مدافعت کا فرض انجام دیا۔ آخر کار نعیم ابن مسعود الاشجعیؓ کی ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہود بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی، ادھر کفار کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا غیر مرئی لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک جھکڑ ہوا کا چلا دیا۔ پُروا ہوا سے ریت اور سنگریزے اڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ ان کے چولھے بجھ گئے، دیگچے زمین پر جا پڑے، کھانے پکانے

کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے لشکر پریشان ہو گیا، سردی اور اندھیری ناقابل برداشت بن گئی آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی طبل رحیل بجادیا۔ ناچار سب اٹھ کر بے نیل و مرام واپس چل دیے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا یہ جنگ "احزاب" کہلاتی ہے اور "جنگ خندق" بھی کہتے ہیں۔ سخت جاڑے کے موسم اور فاقہ کشی کی حالت میں خندق کھودنا اور اتنے دشمنوں کے بیچ میں گھر کر لڑائی لڑنا، یہ وہ حالات تھے جن میں منافق دل کی باتیں بولنے لگے اور مومن ثابت قدم رہے۔ اسی جنگ میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔

۱۴۔ یعنی مدینہ کی شرقی جانب سے جو اونچی ہے اور غربی جانب سے جو نیچی ہے۔

۱۵۔ غزوہ خندق کی سختیاں: یعنی دہشت وحیرت سے آنکھیں پھرنے لگیں اور لوگوں کے تیور بدلنے لگے۔ دوستی جتانے والے لگے آنکھیں چرانے۔

۱۶۔ یعنی خوف و ہراس سے دل دھڑک رہے تھے گویا اپنی جگہ سے اٹھ کر گلے میں آ لگے۔

۱۷۔ یعنی کوئی کچھ سمجھتا تھا کوئی کچھ اٹکلیں لڑا رہا تھا۔ مسلمانوں نے سمجھا کہ اس مرتبہ اور سخت آزمائش آئی، دیکھئے کیا صورت پیش آئے کچے ایمان والوں نے خیال کیا کہ بس جی اب کی بار نہیں بچیں گے۔ منافقین کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آگے ان کے مقولے آرہے ہیں۔

۱۸۔ مومنین کی آزمائش: حضرت حذیفہ کو آپ نے دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کا مفصل قصہ حدیث میں پڑھو تو اس جھڑ جھڑانے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو۔ یہاں ترجمہ کی گنجائش نہیں۔

۱۹۔ منافقین کا استہزاء: بعض منافقین کہنے لگے کہ پیغمبر صاحب کہتے تھے کہ میرا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھ کو دیے گئے ہیں، یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ مسلمان کو چاہئے اب بھی ناامیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔

۲۰۔ "یثرب" مدینہ طیبہ کا پرانا نام تھا۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے "مدینۃ النبی" ہو گیا۔

۲۱۔ منافقین کے حیلے بہانے: یعنی سارے عرب ہمارے دشمن ہوئے تو ہم کو رہنے کا ٹھکانا کہاں۔ سب لشکر سے جدا ہو کر گھر لوٹ چلو۔ اور حضرت لشکر کے ساتھ باہر کھڑے تھے۔ شہر میں مضبوط حویلیوں کے ناکے بند کر کے زنانے ان میں رکھ دیے تھے۔ یہ بہانہ کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں کہیں چور گھس کر لوٹ نہ لیں۔ اور یہ محض جھوٹ بات بنائی تھی غرض یہ تھی کہ بہانہ کر کے میدان سے بھاگ جائیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ اجازت دیتے رہے کچھ پروا تکثیر سواد نہ کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تین سو نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ باقی رہ گئے۔

۲۲۔ منافقین کے حیلے بہانے: یعنی جھوٹے حیلے بنا رہے ہیں۔ اگر فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم اِدھر اُدھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ دین اسلام چھوڑ دو جسے بظاہر یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں، یا کہے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنے فساد برپا کرو، اس وقت ان کا جھوٹ صاف کھل جائے فوراً ان مطالبات کی تائید میں نکل پڑیں۔ نہ گھروں کے کھلے ہونے کا عذر کریں نہ لٹنے کا۔ بس بات چیت کرنے اور ہتھیار اٹھا کر لانے میں جو تھوڑی دیر لگے گی اسے مستثنیٰ کر کے ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ اسلام کے ظاہری دعوے سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ وفساد کی آگ میں کود پڑیں۔

۲۳۔ منافقین کا عہد اور خلاف ورزی: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جنگ احد کے بعد اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہ کریں گے۔ اس کی پوچھ اللہ کی طرف سے ہو گی کہ وہ قول و قرار کہاں گیا۔

۲۴۔ یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو

میدان سے بھاگنا بے سود ہے۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہی ہو گیا تو کے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔

۲۵۔ اللہ کا ارادہ پورا ہو کر رہے گا: یعنی اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف ہٹ نہ سکے۔

۲۶۔ یعنی عرب کی مخالفت سے ڈرتے ہو، اگر اللہ حکم دے تو مسلمان اب تم کو قتل کر ڈالیں۔

۲۷۔ منافقین کی منافقت: یعنی ظاہری وضعداری اور دکھاوے کو شرما شرمی کبھی میدان میں آ کھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے عیش اڑاتے اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں جہاد میں آنے سے روکتے رہتے ہیں۔

۲۸۔ یعنی مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں اور ہر قسم کی ہمدردی وبہی خواہی سے بخل ہے ہاں غنیمت کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہم ہی سمیٹ کر لیجائیں اسی احتمال پر لڑائی میں قدرے شرکت بھی کر لیتے ہیں۔

۲۹۔ یعنی آڑے وقت رفاقت سے جی چراتے ہیں، ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور فتح کے بعد آ کر باتیں بناتے اور سب سے زیادہ مردانگی جتاتے ہیں اور مال غنیمت پر مارے حرص کے گرپڑتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق طعن وتشنیع سے زبان درازی کرتے ہیں۔

۳۰۔ بے ایمان کا عمل: یعنی جب اللہ ورسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ جہاں حبط اعمال کا ذکر ہے تو فرمایا کہ یہ اللہ پر آسان ہے۔ یعنی بظاہر اللہ تعالیٰ کے عدل وحکمت کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے اور یہ بات بھاری معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی کی محنت کو ضائع کر دے۔ لیکن اس لئے بھاری نہیں رہتی کہ خود عمل ہی کے اندر ایسی خرابی چھپی ہوتی ہے جو کسی طرح اس کو درست نہیں ہونے دیتی۔ جیسے بے ایمان کا عمل کہ ایمان شرط اور روح ہے ہر عمل کی، بدون اس کے عمل مردہ ہے پھر قبول کس طرح ہو۔ کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔

۳۱۔ منافقین کی بزدلی: یعنی کفار کی فوجیں ناکامیاب واپس جا چکیں لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا اور فرض کیجئے کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کر دیں تو ان کی تمنا یہ ہو گی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں جب تک لڑائی رہے کسی گاؤں میں رہنے لگیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے لڑائی کا نقشہ کیسا ہے۔

۳۲۔ یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتائیں اور لڑائی میں زیادہ کام نہ دیں محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔

۳۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ: یعنی پیغمبر کو دیکھو، ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر ان ہی پر ہے۔ مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جنبش کھا جائے جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہئے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون، اور نشست وبرخاست میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور ہمت واستقلال وغیرہ میں ان کی چال سیکھیں۔

۳۴۔ صحابہ کرامؓ کا ایمان کامل: یعنی پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے ان کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور ان کا یقین اللہ ورسول کے وعدوں پر اور زیادہ بڑھ گیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ ورسول نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق ان کا وعدہ ہو چکا تھا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى

نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ (بقرہ۔ ۲۱۴) اور سورہ صٓ میں جو مکیہ ہے فرمایا تھا جُنۡدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ (صٓ۔ ۱۱)

۳۵۔ صحابہ کرامؓ کے ایمان و عزم کا بیان: یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا پچھلے رکوع میں گذر چکا وَلَقَدۡ كَانُوۡا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنۡ قَبۡلُ لَا يُوَلُّوۡنَ الۡاَدۡبَارَ اسے توڑ کر بیحیائی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ ان کے برعکس کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ و رسول کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دیدی جیسے شہدائے بدر و احد جن میں سے حضرت انس بن النضرؓ کا قصہ بہت مشہور ہے اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہر حال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے، اور جو مشتاق شہادت ہیں) اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔

حضرت طلحہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد: حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہؓ کو فرمایا هٰذا مِمَّنۡ قَضٰی نَحۡبَهٗ (یہ ان میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا ان کو اسی زندگی میں شہید قرار دیدیا گیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کہ شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

۳۶۔ یعنی جو عہد کے پکے اور قول و قرار کے سچے رہے ان کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور بدعہد دغاباز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف فرما دے۔ اس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں۔

۳۷۔ کفار کی شکست: یعنی کفار کا لشکر ذلت و ناکامی سے پیچ و تاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا، نہ فتح ملی نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبدود جیسا ان کا نامور سوار جسے لوگ ایک ہزار سواروں کی برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے کھیت رہا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار لے کر اس کی لاش ہمیں دیدی جائے۔ آپ نے فرمایا وہ تم لیجاؤ، ہم مردوں کا ثمن کھانے والے نہیں۔

۳۸۔ یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کر دیا کہ کفار از خود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے، اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔

۳۹۔ بنی قریظہ کا بیان: یہ یہود "بنی قریظہ" ہیں۔ مدینہ کے شرقی جانب ان کا مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ جنگ احزاب کے موقع پر حُیَیّ ابن اخطب کے اغواء سے تمام معاہدات بالائے طاق رکھ کر مشرکین کی مدد پر کھڑے ہو گئے ان میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر بزدلانہ حملہ کرنا چاہا۔ جس کا جواب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بہادری سے دیا۔ جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہو کر چلے گئے تو "بنو قریظہ" اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔ نبی کریم ﷺ جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے چہرہ پر غبار کا اثر تھا۔ یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیے حالانکہ فرشتے ہنوز ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ "بنو قریظہ" پر حملہ کیا جائے فوراً منادی ہو گئی کہ "بنو قریظہ" کے بدعہد یہودیوں پر چڑھائی ہے۔ نہایت سرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین تاب نہ لا سکے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کئے۔

بنی قریظہ کے خلاف حضرت سعد کا فیصلہ: اخیر میں ان کی طرف سے بات اس پر ٹھہری کہ ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں اور "اوس" کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو حَکَم ٹھہراتے ہیں (کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے) جو فیصلہ ہمارے حق میں حضرت سعد کر دیں گے ہم کو منظور ہو گا۔

آنحضرت ﷺ نے بھی قبول فرمالیا۔ قصہ مختصر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلّم حَکَم کے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کر دیے جائیں اور عورتیں لڑکے سب قید غلامی میں لائے جائیں اور ان کے اموال و جائداد کے مالک مہاجرین ہوں خدا اور رسول کی مرضی اور ان کی بدعہدی کی سزا یہ ہی تھی۔ اور یہ فیصلہ ٹھیک ان کی مسلمہ آسمانی کتاب "تورات" کے موافق تھا چنانچہ تورات کتاب استثناء اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے "جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے"۔ اس فیصلہ کے مطابق کئی سو یہودی نوجوان قتل کئے گئے اور کئی سو عورتیں لڑکے قید ہوئے اور ان کے املاک و اموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔

۴۰۔ **صحابہ کرامؓ کو اموال و اراضی کا عطیہ:** یہ زمین جو مدینہ کے قریب ہاتھ لگی حضرت نے مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ ان کے گذران کا ٹھکانہ ہو گیا اور انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور دوسری زمین سے مراد خیبر کی زمین ہے جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی اس سے حضرت کے سب اصحاب آسودہ ہوگئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسری زمین مکہ کی ہے۔ بعض نے فارس و روم کی زمینیں مراد لی ہیں جو آپ کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے فتح ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک جو زمینیں فتح کی جائیں سب اس میں شامل ہیں۔ واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْـتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾	۲۸۔ اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ پہنچادوں تم کو اور رخصت کر دوں بھلی طرح سے رخصت کرنا
وَ اِنْ كُنْـتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾	۲۹۔ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اسکے رسول کو اور پچھلے گھر کو تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے انکے لئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب [۴۱]
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اے نبی کی عورتو جو کوئی کر لائے تم میں کام بے حیائی کا صریح دونا ہو اس کو عذاب دہرا اور ہے یہ اللہ پر آسان [۴۲]

وَ مَنۡ يَّقۡنُتۡ مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تَعۡمَلۡ
صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ ۙ وَ اَعۡتَدۡنَا لَهَا
رِزۡقًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اسکے رسول کی اور عمل کرے اچھے دیویں ہم اسکو اس کا ثواب دو بار اور رکھی ہے ہم نے اس کے واسطے روزی عزت کی [۴۳]

يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ
اتَّقَيۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ
قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۚ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں [۴۴] اگر تم ڈر رکھو سو تم دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول [۴۵]

وَ قَرۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ
الۡاُوۡلٰى وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيۡنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعۡنَ
اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ
الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَ يُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ۚ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں [۴۶] اور قائم رکھو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی [۴۷] اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے [۴۸]

وَ اذۡكُرۡنَ مَا يُتۡلٰى فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ
الۡحِكۡمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيۡفًا خَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾ ع ۴ / ۱

۳۴۔ اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی کی [۴۹] مقرر اللہ ہے بھید جاننے والا خبردار [۵۰]

۴۱۔ **آیت تخییر اور ازواج مطہرات:** حضرت کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں۔ ان میں سے بعض نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش و ترفہ کی زندگی بسر کر سکیں۔ حضرت کو یہ باتیں شاق گذریں۔ قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے۔ صحابہ مضطرب تھے۔ ابو بکر و عمر اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے۔ انہیں زیادہ فکر اپنی صاحبزادیوں (عائشہ اور حفصہ) کی تھی۔ کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ آپ قدرے منشرح ہوئے ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اتری۔ یعنی اپنی ازواج سے صاف کہہ دو کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دو کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر (یعنی کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا) تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں (یعنی شرعی طریقہ سے طلاق دے دوں) اور اگر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اس کی کمی نہیں۔ جو آپ کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی اللہ کے ہاں اس

کے لئے بہت بڑا اجر تیار ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہیں۔

امہات المومنین کا فیصلہ: نزول آیت کے بعد آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے اول عائشہؓ کو خدا کا حکم سنایا انہوں نے اللہ و رسول کی مرضی اختیار کی۔ پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کی عیش و عشرت کا تصور دلوں سے نکال ڈالا۔ حضرت کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا۔ جو آتا شتاب اٹھا دیتے تھے۔ پھر قرض لینا پڑتا۔ اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ "جو نیکی پر رہیں ان کو بڑا ثواب ہے"۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہی ہیں وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ (نور۔۲۶) مگر حق تعالیٰ قرآن میں صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جائے خاتمہ کا ڈر لگا رہے یہ ہی بہتر ہے۔ آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہے چاہئے کہ ان کی اخلاقی اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے۔ کیونکہ علاوہ ان کی ذاتی بزرگی کے وہ امہات المومنین ہیں۔ مائیں اپنی اولاد کی بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لازم ہے کہ ان کے اعمال و اخلاق امت کے لئے اسوہ حسنہ بنیں۔

۴۲۔ بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے۔ اگر بالفرض تم میں کسی سے کوئی بد اخلاقی کا کام ہو جائے تو جو سزا اوروں کو اس کام پر ملتی اس سے دگنی سزا ملے گی۔ اور اللہ پر یہ آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو روک نہیں سکتی۔

۴۳۔ اُمّہات المومنین سے دوگنے اجر کا وعدہ: یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اس سے دوگنا ملے گا۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہو گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ بڑے درجہ کا لازمہ ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور برائی کا عذاب دونا، خود پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (بنی اسرائیل۔۷۵)

۴۴۔ اُمّہات المومنین کا مقام عظمت: یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور امہات المومنین بنایا۔ لہٰذا اگر تقویٰ و طہارت کا بہترین نمونہ پیش کرو گی جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔ اسکا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہو گا۔ اور بالفرض کوئی بری حرکت سرزد ہو تو اسی نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی عام مومنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔

۴۵۔ عورتوں کیلئے مردوں سے بات کرنے کا ادب: یعنی اگر تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے (جس کی ضرورت خصوصًا امہات المومنین کو پیش آتی رہتی ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے۔ لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہئے کہ حتی المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں بہ تکلف ایسا لب و لہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو اور کسی بدباطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے۔ امہات المومنین کو اس بارہ میں اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ احتیاط لازم ہے۔ تا کوئی بیمار اور روگی دل کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ ایک ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو"۔

۴۶۔ عورتوں کیلئے گھروں میں بیٹھنے کا حکم اور پردے کا بیان: یعنی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بد اخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے۔ اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ امہات المومنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ موکد ہو گا۔ جیسا کہ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے تحت میں گذر چکا۔ باقی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بناء پر بدون زیب و زینت کے مبتذل اور ناقابل اعتناء لباس میں مستتر ہو کر احیانًا باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنّہ نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت

ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بداہتہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہر حال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کو شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "حجاب شرعی" میں ہے۔ رہا ستر کا مضمون یعنی عورت کے لئے کن اعضاء کو کن مردوں کے سامنے کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورہ نور میں گذر چکا۔ (تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواج مطہرات کے حق میں چونکہ ان کا تاکد واہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب ان کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ سے لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو شقیں ذکر کی تھیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اس کی روک تھام فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ سے تَبَرُّجَ الۡجَاھِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی تک کی گئی۔ دوسری اللہ و رسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ سے اَجۡرًا عَظِیۡمًا تک اس کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ برائی کے مواقع سے بچنا اور نیکی کی طرف سبقت کرنا سب کے لئے ضروری ہے مگر ازواج مطہرات کے لیے سب عورتوں سے زیادہ ضروری ہے۔ ان کی ہر ایک بھلائی برائی وزن میں دگنی قرار دی گئی۔ اس تقریر کے موافق بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آ گئی ہو گی۔

۴۷۔ یعنی اوروں سے بڑھ کو ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی سے اقرب اور امت کے لئے نمونہ ہو۔

۴۸۔ **نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کیلیئے اللہ کا ارادہ:** یعنی اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک و صاف کر دے اور ان کے رتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز و فائق ہو۔ (جس کی طرف یُطَھِّرَکُمۡ کے بعد تَطۡھِیۡرًا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے) یہ تطہیر و اذہاب رجس اس قسم کی نہیں جو آیت وضوء میں وَّ لٰکِنۡ یُّرِیۡدُ لِیُطَھِّرَکُمۡ وَ لِیُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ (مائدہ۔۶) سے یا "بدر" کے قصہ میں لِّیُطَھِّرَکُمۡ بِہٖ وَ یُذۡھِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَ الشَّیۡطٰنِ (انفال۔۱۱) سے مراد ہے۔ بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو اکمل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے، ہاں محفوظ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ لفظ یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ الخ فرمانا اور اَرَادَ اللّٰہُ نہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں (تنبیہ)

لفظ اہل بیت کی تفسیر: نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لئے اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات ان ہی سے ہوئے ہیں۔ اور "بیوت" کی نسبت بھی پہلے وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ میں اور آگے وَاذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ نے فرمایا اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ (ہود۔۷۳) مطلقہ عورت باوجودیکہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا لَا تُخۡرِجُوۡھُنَّ مِنۡ بُیُوۡتِھِنَّ (طلاق۔۱) حضرت یوسفؑ کے قصہ میں "بیت" کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ وَ رَاوَدَتۡہُ الَّتِیۡ ھُوَ فِیۡ بَیۡتِھَا (یوسف۔۲۳) بہر حال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً ان ہی سے ہے۔ لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہل بیت (گھر والوں) میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں احق کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے آپ کا حضرت فاطمہ، علی، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھۡلُ بَیۡتِیۡ وغیرہ فرمانا حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب گذرتے ہوئے اَلصَّلٰوۃُ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ الخ سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ گویا آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور ان ہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں۔ باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لئے

ان کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کیلئے اللہ کا ارادہ: یعنی قرآن و سنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں انہیں سیکھو، یاد کرو، دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

۵۰۔ اس کی آیتوں میں بڑے باریک بھید اور پتے کی باتیں ہیں۔ اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون اس امانت کو اٹھانے کا اہل ہے اس نے اپنے لطف و مہربانی سے محمد ﷺ کو وحی کے لئے اور تم کو ان کی زوجیت کے لئے چن لیا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے احوال و استعداد کی خبر رکھتا ہے کوئی کام یوں ہی بے جوڑ نہیں کر سکتا۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

۳۵۔ تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں [۵۱] اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں [۵۲] اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا [۵۳]

۵۱۔ یعنی تکلیفیں اٹھا کر اور سختیاں جھیل کر احکام شریعت پر قائم رہنے والے۔

۵۲۔ یعنی تواضع و خاکساری اختیار کرنے والے یا نماز خشوع و خضوع سے ادا کرنے والے۔

۵۳۔ قرآن میں عورتوں کا خصوصی ذکر: بعض ازواج مطہرات نے کہا تھا کہ قرآن میں اکثر جگہ مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا کہیں نہیں اور بعض نیک بخت عورتوں کو خیال ہوا کہ آیات سابقہ میں ازواج نبی کا ذکر تو آیا عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا اس پر یہ آیت اتری۔ تا تسلی ہو جائے کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت یا کمائی اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتی۔ اور جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں۔ عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے۔ یہ طبقہ اناث کی دلجمعی کے لئے تصریح فرما دی ورنہ جو احکام مردوں کے قرآن میں آئے وہ ہی عموماً عورتوں پر عائد ہوتے ہیں۔ جداگانہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں خصوصی احکام الگ بتلا دیے گئے ہیں۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ

۳۶۔ اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور

اَمۡرِهِمۡ ؕ وَ مَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ
ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا ؕ﴿۳۶﴾

اس کے رسول کی سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر[۵۴]

وَ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِىۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ اَنۡعَمۡتَ
عَلَيۡهِ اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ
تُخۡفِىۡ فِىۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ وَ تَخۡشَى
النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى
زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا لِكَىۡ لَا يَكُوۡنَ عَلَى
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ حَرَجٌ فِىۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا
مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو کو اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنا چاہتا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہئیے ڈرنا تجھ کو پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض [۵۵] ہم نے اسکو تیرے نکاح میں دیدیا تا نہ رہے مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینا جوروئیں اپنے لے پالکوں کی جب وہ تمام کر لیں ان سے اپنی غرض اور ہے اللہ کا حکم بجالانا[۵۶]

مَا كَانَ عَلَى النَّبِىِّ مِنۡ حَرَجٍ فِيۡمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ
ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَكَانَ
اَمۡرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا ۙ﴿۳۸﴾

۳۸۔ نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو مقرر کر دی اللہ نے اسکے واسطے جیسے دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو گذرے پہلے اور ہے حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا

اۨلَّذِيۡنَ يُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخۡشَوۡنَهٗ وَ لَا
يَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ﴿۳۹﴾

۳۹۔ وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں پیغام اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنے والا[۵۷]

۵۴۔ حضرت زید بن حارثہؓ کا واقعہ: حضرت زینبؓ امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی نبی کریم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہؓ سے کر دیں یہ زید اصل سے شریف عرب تھے۔ لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ حضرت خدیجہؓ نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت ﷺ کو ہبہ کر دیا۔ جب یہ ہشیار

ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب سے گذرے، وہاں ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضرت کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لے کر ہمارے حوالہ کر دیں، فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں، اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لیجاؤ۔ انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا۔ حضرت زید نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپ مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت نے ان کو آزاد کر دیا اور متبنّٰی بنالیا۔ چنانہ لوگ اس زمانہ کے رواج کے مطابق "زید بن محمد" کہہ کر پکارنے لگے تا آنکہ آیت اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآٮِٕهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ اس وقت "زید بن محمد" کی جگہ پھر "زید بن حارثہ" رہ گئے۔ چونکہ قرآن کے حکم کے موافق ان کے نام سے اس نسبت عظیمہ کا شرف جدا کر لیا گیا تھا شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں سے صرف ان کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ ان کا نام قرآن میں تصریحًا وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا۔

حضرت زید بن حارثہؓ کے نکاح کا حکم: بہر حال حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ بظاہر داغ غلامی اٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی نیز ان کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح کی نہ تھی۔ لیکن اللہ و رسول کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہوم تفریقات و امتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس لئے آپ نے زینبؓ نے اور ان کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کر لیں۔ اسی وقت یہ آیت اتری اور ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ و رسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینبؓ کا نکاح زید بن حارثہؓ سے ہو گیا۔

۵۵۔ یعنی زیدؓ نے طلاق دیدی اور عدت بھی گذر گئی، زینبؓ سے کچھ غرض مطلب نہ رہا۔

۵۶۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زینب کے نکاح کا واقعہ:** حضرت زینبؓ زیدؓ کے نکاح میں آئیں تو وہ ان کی آنکھوں میں حقیر لگتا۔ مزاج کی موافقت نہ ہوئی جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زیدؓ آکر حضرت سے ان کی شکایت کرتے اور کہتے میں اسے چھوڑتا ہوں حضرت منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ و رسول کے حکم سے اس نے تجھ کو اپنی منشاء کے خلاف قبول کیا اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے خدا سے ڈر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر۔ اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتا رہ۔ جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے آپ کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی۔ حالانکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے نزدیک "لے پالک" کو کسی بات میں حکم بیٹے کا نہیں۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس جاہلانہ خیال کو اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے عملی طور پر ہدم کر دے۔ تا مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش اور استنکاف باقی نہ رہے اس نے پیغمبر علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ میں زینب کو تیرے نکاح میں دینے والا ہوں۔ کیوں دینے والا ہوں۔

حضرت زینبؓ کا نکاح کرنے کی حکمت: اس کو خود قرآن کے الفاظ لِكَىۡ لَا يَكُوۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ حَرَجٌ فِىۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآٮِٕهِمۡ صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں۔ یعنی آپ کے نکاح میں دینے کی غرض یہ ہی تھی کہ دلوں سے جاہلیت کے اس خیال باطل کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور کوئی تنگی اور رکاوٹ آئندہ اس معاملہ میں باقی نہ رہنے پائے۔ اور شاید یہ ہی حکمت ہو گی جو اول زینب کا نکاح زید سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مدت تک باقی نہ رہے گا۔ چند مصالح مہمہ تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔ الحاصل آنحضرت ﷺ خود اپنے ذاتی خیال اور آسمانی پیشینگوئی کے اظہار سے عوام کے طعن و تشنیع کا خیال فرما کر شرماتے اور زید کو طلاق کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے۔ لیکن خدا کی خبر سچی ہونی تھی اور اس کا حکم تکوینی و تشریعی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے۔ آخر کار زید نے طلاق دیدی۔ اور عدت گذر جانے پر اللہ نے زینبؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ سے باندھ دیا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آپ دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ یہ ہی پیشینگوئی اور اس کا خیال تھا۔ اسی کو بعد میں اللہ نے ظاہر فرما دیا۔ جیسا کہ لفظ زَوَّجۡنٰكَهَا سے ظاہر ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ بعض لوگ اس بات پر بدگمانی یا

بد گوئی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھیں یا گمراہی میں ترقی نہ کریں۔ چونکہ مصالح مہمہ شرعیہ کے مقابلہ میں اس قسم کی جھجک بھی پیغمبر کی شان رفیع سے نازل تھی اس لئے بقاعدہ "حسنات الابرار سئیات المقربین" اس کو عتاب آمیز رنگ میں بھاری کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کی زلّات کے ذکر میں واقع ہوا ہے۔ (تنبیہ) ہم نے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نکاح کی خبر پہلے سے دیدی تھی۔ اس کی روایات فتح الباری سورہ احزاب کی تفسیر میں موجود ہیں۔ باقی جو لغو اور دوراز کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین و مؤرخین نے درج کر دیے ہیں ان کی نسبت حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ لَا یَنۡبَغِی التشاغُلُ بِهَا اور ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ اَحۡبَبۡنَا اَنۡ نَضۡرِبَ عَنۡهَا صَفۡحًا لِعَدَمِ صِحَتِّهَا فَلَا نُوۡرِدُهَا۔

۵۷۔ متبنّٰی کی بیوی سے نکاح میں کوئی حرج نہیں: یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اس کے یہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی۔ پھر پیغمبر کو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں روا ہو گیا۔ انبیاء و رسل کو اللہ کے پیغامات پہنچانے میں اس کے سوا کبھی کسی کا ڈر نہیں رہا۔ (چنانچہ آپ نے بھی پیغام رسانی میں آج تک کسی چیز کی پروا نہیں کی نہ کسی کے کہنے سننے کے خیال سے کبھی متاثر ہوئے) پھر اس نکاح کے معاملہ میں رکاٹ کیوں ہو۔ حضرت داؤدؑ کی سو بیویاں تھیں اسی طرح سلیمانؑ کی کثرت ازواج مشہور ہے جو الزام سفیہاء آپ کو دے سکتے ہیں انبیائے سابقین کی لائف میں اس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی سفیہانہ اور جاہلانہ نکتہ چینیوں پر نظر نہیں کرنا چاہئے۔ آگے بتلایا ہے کہ زید بن حارثہؓ جن کو آپ نے متبنّٰی کر لیا تھا آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ ان کی مطلقہ سے آپ نکاح نہ کر سکیں۔ اور ایک زید کیا، آپ تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ کیونکہ آپ کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں مر گئے۔ اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ زہراؓ کی ذریت دنیا میں پھیلی۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۴۰﴾ ع ۵ / ۲

۴۰۔ محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا [۵۸] اور مہر سب نبیوں پر [۵۹] اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا [۶۰]

۵۸۔ یعنی کسی کو اس کا بیٹا نہ جانو۔ ہاں اللہ کا رسول ہے اس حساب سے سب اس کے روحانی بیٹے ہیں جیسا کہ ہم اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ کے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں۔

۵۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں: یعنی آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی بس جن کو ملنی تھی مل چکی۔ اسی لئے آپ کی نبوت کا دورہ سب نبیوں کے بعد رکھا جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیحؑ بھی اخیر زمانہ میں بحیثیت آپ کے ایک امتی کے آئیں گے۔ خود ان کی نبوت و رسالت کا عمل اس وقت جاری نہ ہو گا جیسے آج تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری و ساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰؑ (زمین پر) زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے اتباع کے چارہ نہ تھا۔ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین اپنے اپنے عہد میں خاتم الانبیاء ﷺ کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا۔ اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر

لگ کر ملی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تنبیہ) ختم نبوت کے متعلق قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سے سینکڑوں دلائل جمع کر کے بعض علمائے عصر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مطالعہ کے بعد ذرا تردد نہیں رہتا کہ اس عقیدہ کا منکر قطعاً کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے۔

۶۰۔ یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ رسالت یا ختم نبوت کو کس محل میں رکھا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾	۴۱۔ اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد
وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾	۴۲۔ اور پاکی بولتے رہو اسکی صبح اور شام [۶۱]
هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾	۴۳۔ وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے تا کہ نکالے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان [۶۲]
تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾	۴۴۔ دعا ان کی جس دن اس سے ملیں گے سلام ہے اور تیار رکھا ہے انکے واسطے ثواب عزت کا [۶۳]
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾	۴۵۔ اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا [۶۴] اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا [۶۵]
وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾	۴۶۔ اور بلانے والا اللہ کی طرف اسکے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ [۶۶]
وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾	۴۷۔ اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو کہ ان کے لیے ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی [۶۷]
وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾	۴۸۔ اور کہا مت مان منکروں کا اور دغابازوں کا [۶۸] اور چھوڑ دے انکا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا [۶۹]

۶۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیلئے اللہ کا شکر ادا کرو: یعنی حق تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان اور پیغمبروں کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ اور منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات، دن صبح، شام ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو۔

۶۲۔ نزول ملائکہ اور نزول رحمت کا وعدہ: یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے یہ رحمت و برکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت و ضلالت کی اندھیریوں سے علم و تقویٰ کے اجالے میں لاتی ہے۔ اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہو تو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔ اسی کی مہربانی سے مومنین رشد و ہدایت اور ایمان و احسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں ان کا حال ہوا، آخرت کا اعزاز و اکرام آگے مذکور ہے۔

۶۳۔ یعنی اللہ ان پر سلام بھیجے گا اور فرشتے سلام کرتے ہوئے ان کے پاس آئیں گے اور مومنین کی آپس میں بھی یہ ہی دعا ہو گی جیسا کہ دنیا میں ہے۔

۶۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب۔ یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا رستہ بتاتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔

۶۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب: یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

۶۶۔ آپ سراج منیر ہیں: پہلے جو فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ وہ اجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنی میں ہو جو سورہ "نوح" میں فرمایا جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح۔۱۶) (اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا) یعنی آپ آفتاب نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی۔ سب روشنیاں اسی نور اعظم میں محو و مدغم ہو گئیں۔

۶۷۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری: یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو حضرت کے طفیل سب امتوں پر بزرگی اور برتری دی۔

۶۸۔ یعنی جب اللہ نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ جماعت عنایت فرمائی تو آپ حسب معمول فریضہ دعوت و اصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہیے اور اللہ جو حکم دے اس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر و منافق کی یاوہ گوئی کی پروانہ کیجئے۔

۶۹۔ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کارساز ہے: یعنی اگر یہ بدبخت زبان اور عمل سے آپ کو ستائیں تو ان کا خیال چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ وہ اپنی قدرت و رحمت سے سب کام بنادے گا۔ منکروں کو راہ پر لے آنا یا سزا دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے، آپ کو اس فکر اور الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ آپ طعن و تشنیع وغیرہ سے گھبرا کر اپنا کام چھوڑ بیٹھیں۔ اگر بفرض محال آپ ایسا کریں تو گویا ان کا مطلب پورا کر دیں گے اور ان کا کہا مان لیں گے۔ العیاذ باللہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ
طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ
عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ
سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اے ایمان والوں جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ سو ان پر تم کو حق نہیں عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ سو ان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح سے [۷۰]

۷۰۔ مطلقہ قبل صحبت کی عدت: جو مرد اپنی عورت کو بغیر صحبت طلاق دے، اگر اس کا مہر بندھا تھا تو نصف مہر دینا ہو گا ورنہ کچھ فائدہ پہنچا کر (یعنی عرف اور حیثیت کے موافق ایک جوڑا پوشاک دے کر) خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دے۔ اور عورت اسی وقت چاہے تو نکاح کر لے۔ اس صورت میں عدت نہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ بھی صحبت کے حکم میں ہے تفصیل فقہ میں دیکھ لی جائے) یہ مسئلہ یہاں بیان فرمایا حضرت کی ازواج کے ذکر میں جس کا سلسلہ دور سے چلا آتا تھا۔ درمیان میں چند آیات ضمنی مناسبت سے آگئی تھیں۔ یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت نے ایک عورت سے نکاح کیا جب اس کے نزدیک گئے تو کہنے لگی اللہ تجھ سے پناہ دے، حضرت نے اس کو جواب دیا کہ تو نے بڑے کی پناہ پکڑلی۔ اس پر یہ حکم فرمایا اور خطاب فرمایا ایمان والوں کو تا معلوم ہو کہ پیغمبر کا خاص حکم نہیں، سب مسلمانوں پر یہ ہی حکم ہے۔ اسی کے موافق حضرت نے اس کو جوڑا دے کر رخصت کر دیا۔ پھر وہ ساری عمر اپنی محرومی پر پچتاتی رہی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ
اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ
اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ
خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَ
امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ
اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ
دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ
فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ
عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰

۵۰۔ اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا ہے اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تیرے اللہ [۷۱] اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور جو عورت ہو مسلمان اگر بخشدے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لائے یہ خاص ہے تیرے لیے سوائے سب مسلمانوں کے ہم کو معلوم ہے جو مقرر کر دیا ہے ہم نے ان پر انکی عورتوں کے حق میں اور انکے ہاتھ کے مال میں تا نہ رہے تجھ پر تنگی اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۷۲]

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ
تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ

۵۱۔ پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہو ان میں اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے اور جس کو جی چاہے تیرا ان میں سے جن کو کنارے کر دیا تھا تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر [۷۳] اس میں قریب ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں انکی اور غم نہ کھائیں اور راضی رہیں اس پر جو تو نے دیا ان سب کی سب

وَ یَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ اٰتَیۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا
فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴿۵۱﴾
لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَ لَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ
بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا
مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ
رَّقِیۡبًا ﴿۵۲﴾ ع ٦ ع ۱۲ ۳

کو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا تحمل والا [۷۴]

۵۲۔ حلال نہیں تجھ کو عورتیں اسکے بعد اور نہ یہ کہ اُنکے بدلے کر لے اور عورتیں اگرچہ خوش لگے تجھ کو اُنکی صورت [۷۵] مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا [۷۶] اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان [۷۷]

۷۱۔ یعنی لونڈیاں باندیاں جو غنیمت وغیرہ سے ہاتھ لگی ہوں۔

۷۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بلامہر نکاح کی اجازت: تیری عورتیں جن کا مہر دے چکا۔ یعنی جو اب تیرے نکاح میں ہیں خواہ قریش سے ہوں اور مہاجر ہوں یا نہ ہوں سب حلال رہیں، ان میں سے کسی کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کی بیٹیاں یعنی قریش میں کی جو باپ یا ماں کی طرف سے قرابتدار ہوں بشرط ہجرت کے حلال ہیں ان سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور جو عورت بخشے نبی کو اپنی جان یعنی بلامہر کے نکاح میں آنا چاہے وہ بھی حلال ہے اگر آپ اس طرح نکاح میں لانا پسند کریں۔ یہ اجازت خاص پیغمبر کے لئے ہے گو آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا (کمافی الفتح) شاید اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ کی شرط سے اباحت مرجوحہ سمجھی ہو۔ بہرحال دوسرے مسلمانوں کے لئے وہ ہی حکم ہے جو معلوم ہو چکا اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ (نساء۔ ۲۴) یعنی بلا مہر نکاح نہیں، خواہ عقد کے وقت ذکر آیا خواہ پیچھے ٹھہرا لیا نہ ٹھہرایا تو مہر مثل (جو اس کی قوم کا مہر ہو) واجب ہو گا۔ پیغمبر پر سے اللہ تعالیٰ نے یہ مہر کی قید اٹھا دی تھی۔ برخلاف مومنین کے کہ ان کو نہ چار سے زائد کی اجازت نہ بدون مہر کے نکاح درست۔ (تنبیہ)

۷۳۔ ازواج مطہرات کی تعداد اور اسکی حکمت کا بیان: "آنحضرت ﷺ نے پچیس سال کی عمر تک جو شباب کی امنگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تجرد میں گذارے۔ پھر اقرباء کے اصرار اور دوسری جانب کی درخواست پر حضرت خدیجہؓ سے (جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں) آپ نے عقد کیا۔ ترپین سال کی عمر تک پورے سکون وطمانیت سے اسی پاکباز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہ ہی زمانہ تھا کہ آپ ساری دنیا سے الگ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ کے لئے توشہ تیار کرتی اور عبادت الٰہی اور سکون قلبی کے حصول میں آپ کی اعانت وامداد کیا کرتی تھی۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لئے عموماً نفسانی جذبات کی انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے اٹھ اٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے، کوئی معاند سے معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک نقطہ ایک شوشہ آپ کی پیغمبرانہ عصمت اور خارق عادت عفاف وپاکبازی کے خلاف نقل نہیں کر سکتا۔ اور واضح رہے کہ یہ اس اکمل البشر کی سیرت کا ذکر ہے جس نے خود اپنی نسبت فرمایا کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کی برابر ہے جن میں سے ایک مرد کی قوت سو کی برابر ہو گی گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کی برابر قوت حضور ﷺ کو عطا فرمائی گئ

تھی۔ اور بیشک دنیا کے اکمل ترین بشر کی تمام روحانی وجسمانی قوتیں ایسے ہی اعلیٰ اور اکمل پیمانہ پر ہونی چاہئیں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوتیں تو آپ کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جاسکتا تھا جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کر لے۔ لیکن اللہ اکبر! اس شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانا ہے کہ ترپین سال کی عمر اس تجرد یا زہد کی حالت میں گذار دی۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے وفات کے بعد اپنے سب سے بڑے جان نثار ووفادار رفیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عقد کیا۔ ان کے سوا آٹھ بیوائیں آپ کے نکاح میں آئیں۔ وفات کے بعد نو موجود تھیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن وارضاہن (ان میں پچھلی تین قریشی نہیں) دنیا کا سب سے بڑا بے مثال انسان جو اپنے فطری قویٰ کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار بیویوں کا مستحق ہو، کیا نو کا عدد دیکھ کر کوئی انصاف پسند اس پر کثرت ازدواج کا الزام لگا سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاضت ومجاہدہ: پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر ترپین سال سے متجاوز ہو چکی تھی، باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔ جو آتا اللہ کے راستہ میں دے ڈالتے، اختیاری فقر وفاقہ سے پیٹ کو پتھر باندھتے مہینوں ازدواج مطہرات کے مکانوں سے دھواں نہ نکلتا، پانی اور کھجور پر گذارہ چلتا۔ روزہ پر روزہ رکھتے، کئی کئی دن افطار نہ کرتے، راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر ورم ہو جاتا، لوگ دیکھ کر رحم کھانے لگتے، عیش وطرب کا سامان تو کجا، تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو ہمارے ساتھ رہے جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔ ان حالات کے باوجود دوسری طرف دیکھا جاتا ہے کہ سب ازواج کے حقوق ایسے اکمل واحسن طریقہ سے ادا فرماتے جس کا تحمل بڑے سے بڑا طاقتور مرد نہیں کر سکتا اور میدان جنگ میں لشکروں کے مقابلہ پر جب بڑے بڑے جوانمرد دل چھوڑ بیٹھتے تھے آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے اور زبان سے فرماتے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ! اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہ اور اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔

تعدد ازدواج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شان: بیویوں کا تعلق فرائض عبودیت ورسالت کی بجا آوری میں ذرہ برابر فرق نہ ڈالتا۔ نہ کسی سخت سے سخت کٹھن کام میں ایک منٹ کے لئے ضعف وتعب لاحق ہوتا، کیا یہ خارق عادت احوال اہل بصیرت کے نزدیک معجزہ سے کچھ کم ہیں۔ حقیقت میں جس طرح آپ کا بچپن اور آپکی جوانی ایک معجزہ تھی، بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپکی پاک زندگی کے ہر ایک دور میں پاکباز متقیوں کے لئے کچھ نمونے رکھ دیے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی عملی رہبری کر سکیں۔ ازواج مطہرات کی جس نام نہاد کثرت پر مخالفین کو اعتراض ہے وہ ہی امت مرحومہ کے لئے اس کا ذریعہ بنی کہ پیغمبر کا اتباع کرنے والے مرد اور عورتیں ان حکموں اور نمونوں سے بے تکلف واقف ہوں جو بالخصوص باطنی احوال اور خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا کثرت ازواج میں ایک بڑی مصلحت یہ ہوئی کہ خانگی معاشرت اور نسوانی مسائل کے متعلق نبی کے احکام اور اسوہ حسنہ کی اشاعت کافی حد تک بے تکلف ہو سکے۔ نیز مختلف قبائل و طبقات کی عورتوں کے آپ کے خدمت میں رہنے سے ان قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح ان کی وحشت ونفرت بھی کم ہوئی۔ اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاکدامنی، خوبی اخلاق، حسن معاملہ اور بے لوث کیرکٹر کو سن کو اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک واوہام کا ازالہ ہوا، اور اس طرح خدا کے عاشقوں، آپ کے فداکاروں اور دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پرہیزگار وپاکباز کوئی جماعت (بجز انبیاء کے) آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی اور جو کسی برے کیرکٹر رکھنے والی کی تربیت میں محال تھا کہ تیار ہو سکے۔

۷۴۔ ازواج کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خصوصی احکام: یعنی واہبۃ النفس کے متعلق اختیار ہے قبول کرو یا نہ کرو۔ اور موجودہ

بیویوں میں سے جس کو چاہو رکھو یا طلاق دیدو۔ نیز جو بیویاں رہیں آپ پر قسم (باری باری سے رہنا) واجب نہیں، جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں۔ اور جسے کنارے کر دیا ہو اسے دوبارہ واپس لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حقوق و اختیارات آپ کو دیے گئے تھے، مگر آپ نے مدت العمر ان سے کام نہیں لیا معاملات میں اس قدر عدل و مساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ اس پر بھی قلبی میلان کسی کی طرف بے اختیار ہو تا تو فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ ھٰذا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، جو چیز صرف تیرے قبضہ میں ہے میرے اختیار میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجئے) شاید وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا۔ میں اسی طرف اشارہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کسی مرد کے کئی عورتیں ہوں تو اس پر باری سے سب کے پاس برابر رہنا واجب ہے، حضرت پر یہ واجب نہ تھا۔ اس واسطے کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں، تو جو دیں راضی ہو کر قبول کریں۔ (ورنہ روز روز یہ ہی کشمکش اور جھنجھٹ رہا کرتی، مہمات دین میں خلل پڑتا اور ازواج کی نظر بھی دنیا سے بالکل یکسو ہو کر مقصد اصلی کی طرف نہ رہتی۔ اسی غم و فکر میں مبتلا رہا کرتیں) پر حضرت نے اپنی طرف سے فرق نہیں کیا سب کی باری برابر رکھی۔ ایک حضرت سودہؓ نے (جب عمر زیادہ ہو گئی) اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی"۔

۷۵۔ یعنی جتنی قسمیں اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ الخ میں فرمادیں، اس سے زیادہ حلال نہیں۔ اور جو اب موجود ہیں انکو بدلنا حلال نہیں۔ یعنی یہ کہ ان میں سے کسی کو اس لئے چھوڑ دو کہ دوسری اس کی جگہ کر لاؤ۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ یہ ممانعت آخر کو موقوف ہو گئی مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے نہ اس کے بعد کوئی نکاح کیا نہ ان میں سے کسی کو بدلا۔ آپ کی وفات کے وقت سب ازواج برابر موجود رہیں۔

۷۶۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزیں:** یعنی لونڈی باندی۔ حضرت کی دو حرم مشہور ہیں ایک ماریہ قبطیہ، جن کے شکم سے صاحبزادہ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ بچپن میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ رضی اللہ عنہما۔

۷۷۔ یعنی اللہ کی نگاہ میں ہے جو اس کے احکام و حدود کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، اس کا خیال رکھ کر کام کرنا چاہیئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ
اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ
وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ
فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ
كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا
يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

۵۳۔ اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے والے اس کے پکنے کی لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ [۷۸] پھر جب کھا چکو تو آپ آپ کو چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگا کر بیٹھو باتوں میں [۷۹] اس بات سے تمہاری تکلیف تھی نبی کو پھر تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں [۸۰] اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ کے باہر سے اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو اور ان کے دل کو [۸۱] اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اسکی عورتوں سے اس کے پیچھے کبھی البتہ یہ تمہاری بات اللہ

فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمۡ اَطۡهَرُ
لِقُلُوۡبِكُمۡ وَ قُلُوۡبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا
رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ
اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ﴿۵۳﴾
اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـًٔـا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ
شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۵۴﴾
لَا جُنَاحَ عَلَيۡهِنَّ فِىۡۤ اٰبَآئِهِنَّ وَ لَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ وَ لَاۤ
اِخۡوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبۡنَآءِ اِخۡوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبۡنَآءِ
اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآئِهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ ۚ
وَ اتَّقِيۡنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ
شَهِيۡدًا ﴿۵۵﴾

کے یہاں بڑا گناہ ہے[۸۲]

۵۴۔ اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو یا اسکو چھپاؤ سو اللہ ہے ہر چیز کو جاننے والا[۸۳]

۵۵۔ گناہ نہیں ان عورتوں کو سامنے ہونے کا اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنی بہن کے بیٹوں سے اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے ہاتھ کے مال سے[۸۴] اور ڈرتی رہو اے عورتو اللہ سے بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز[۸۵]

۷۸۔ صحابہ کرام کو آداب النّبی کی تعلیم: یعنی بدون حکم و اجازت کے دعوت میں مت جاؤ۔ اور جب تک بلائیں نہیں پہلے سے جا کر نہ بیٹھو کہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے۔ اور گھر والوں کے کام کاج میں ہرج واقع ہو۔

۷۹۔ یعنی کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر کا رستہ لینا چاہئے۔ وہاں مجلس جمانے سے میزبان اور دوسرے مکان والوں کو تکلیف ہوتی ہے یہ باتیں گو نبی کے مکانوں کے متعلق فرمائی ہیں کیونکہ شان نزول کا تعلق ان ہی سے تھا۔ مگر مقصود ایک عام ادب سکھلانا ہے۔ بے دعوت کسی کے یہاں کھانا کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا یا طفیلی بن کر جانا، یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا، یا فارغ ہونے کے بعد گپ شپ لڑانا درست نہیں۔

۸۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم و حیا: یعنی آپ حیا کی وجہ سے اپنے نفس پر تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ لحاظ کی وجہ سے صاف نہیں فرماتے کہ اٹھ جاؤ۔ مجھے کلفت ہوتی ہے۔ یہ تو آپ کے اخلاق اور مروت کی بات ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تادیب و اصلاح میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے اس نے بہر حال پیغمبر ہی کی زبان سے اپنے احکام سنا دیے۔

۸۱۔ صحابہ کرام کو پردے کا حکم: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ادب سکھلائے کبھی کھانے کو حضرت کے گھر میں جمع ہوتے تو پیچھے باتیں کرنے لگ جاتے۔ حضرت کا مکان آرام کا وہ ہی تھا شرم سے نہ فرماتے کہ اٹھ جاؤ۔ ان کے واسطے اللہ نے فرما دیا، اور اس آیت میں حکم ہوا پردہ کا کہ مرد حضرت کی ازواج کے سامنے نہ جائیں" کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں جانبین کے دل ستھرے اور صاف رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا استیصال ہو جاتا ہے۔

۸۲۔ ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں: یعنی کافر منافق جو چاہیں بکتے پھریں اور ایذا رسانی کریں، مومنین جو دلائل و براہین کی روشنی میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی انتہائی راستبازی اور پاکبازی کو معلوم کر چکے ہیں، انہیں لائق نہیں کہ حضور ﷺ کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی کہیں یا کریں جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ کی ایذاء کا سبب بن جائے۔ لازم ہے کہ مومنین اپنے محبوب و مقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں۔ مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے یا ایسے نالائق ارادہ کا حضور ﷺ کی موجودگی میں اظہار کرے ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں۔ کیا کسی امتی کے عقد نکاح میں آنے کے بعد ان کا یہ احترام کماحقہ ملحوظ رہ سکتا ہے یا آپ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم و تلقین دین کی اس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کر سکتی ہیں جس کے لئے ہی فی الحقیقت قدرت نے نبی کی زوجیت کے لئے ان کو چنا تھا۔ اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بیحس و بے شعور انسان بھی باور کر سکتا ہے کہ سید البشر امام المتقین اور پیکر خلق عظیم کی خدمت میں عمر گذارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت و سکون حاصل کرنے کی امید رکھ سکے گی۔ خصوصاً جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا و آخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش و بہار پر لات مار کر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار کر لینے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد کیسے عدیم النظیر زہد و ورع اور صبر و توکل کے ساتھ ان مقدس خواتین جنت نے عبادت الٰہی میں اپنی زندگیاں گذاریں اور احکام دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمات مہمہ کے لیے اپنے کو وقف کیے رکھا ان میں سے کسی ایک کو بھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا خیال نہیں آیا۔ اور کیسے آسکتا تھا جبکہ پہلے ہی حق تعالیٰ نے یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا فرما کر ان کے تزکیہ و تطہیر کی کفالت فرمائی تھی۔ فرضی اللہ عنہن وارضاہن وجعلنا ممن یعظمہن حق تعظیمہن فوق مانعظم امہاتنا التی ولدننا، آمین۔ اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی کتاب آب حیات میں ہے۔

۸۳۔ ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں: یعنی زبان سے کہنا تو کجا، دل میں بھی ایسا وسوسہ کبھی نہ لانا۔ اللہ کے سامنے ظاہر و باطن سب یکساں ہے دل کا کوئی بھید اس سے پوشیدہ نہیں۔

۸۴۔ محارم کی تفصیل: اوپر ازواج مطہرات کے سامنے مردوں کے جانے کی ممانعت ہوئی تھی۔ اب بتلا دیا کہ محارم کا سامنے جانا منع نہیں۔ اس بارہ میں جو حکم عام مستورات کا سورہ "نور" میں گذر چکا وہ ہی ازواج مطہرات کا ہے۔ وَ لَا نِسَآئِہِنَّ وَ لَا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُنَّ کی تشریح ہم سورہ "نور۔ ۳۱" میں کر چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

۸۵۔ یعنی پردہ کے جو احکام بیان ہوئے اور جو استثناء کیا گیا پوری طرح ملحوظ رکھو ذرا بھی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ ظاہر و باطن میں حدود الٰہیہ محفوظ رہنی چاہئیں۔ اللہ سے تمہارا کوئی حال چھپا ہوا نہیں یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَ مَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر [۸۶]

۸۶۔ صلوٰۃ علی النّبی کا مفہوم۔ "صلوٰۃ النبی" کا مطلب ہے "نبی کی ثناء و تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ" پھر جس کی طرف "صلوٰۃ" منسوب ہو گی اسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء و تعظیم اور رحمت و عطوفت مراد لیں گے، جیسے کہتے کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح کی محبت اور مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں۔ اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اللہ بھی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں، مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہو گی۔

آنحضرت ﷺ پر مومنین کی صلوٰۃ: آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ و رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہئے۔ علماء نے کہا کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! "سلام" کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو چکا (یعنی نماز کے تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ) "صلوٰۃ" کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجئے جو نماز میں پڑھا کریں۔ آپ نے یہ درود شریف تلقین کیا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجو۔ نبی نے بتلادیا کہ تمہارا بھیجنا یہ ہی کہ اللہ سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابدالآباد تک نبی پر نازل فرماتا رہے۔ کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہ ہی اکیلا ہے کسی بندے کی کیا طاقت تھی کہ سید الانبیاء کی بارگاہ میں ان کے رتبہ کے لائق تحفہ پیش کر سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے، اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اترتی ہیں مانگنے والے پر۔ اب جس کا جتنا جی چاہے اتنا حاصل کر لے۔ (تنبیہ) صلوٰۃ علی النبی کے متعلق مزید تفصیلات ان مختصر فوائد میں سما نہیں سکتیں۔ شروح حدیث میں مطالعہ کی جائیں۔ اور اس باب میں شیخ شمس الدین سخاویؒ کا رسالہ "القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع" قابل دید ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بقدر کفایت لکھ دیا ہے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکارا اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب [۸۷]

وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا

۵۸۔ اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کیے تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا [۸۸]

ع ۷

مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾

۸۷۔ اللہ اور اُسکے رسول کو ستانے والے ملعون ہیں: اوپر مسلمانوں کو حکم تھا کہ نبی کریم ﷺ کی ایذاء کا سبب نہ بنیں بلکہ ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کریں جس کی ایک صورت صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اب بتلا دیا کہ اللہ ورسول کو ایذا دینے والے دنیا و آخرت میں ملعون و مطرود اور سخت رسوا کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ کو ستانا یہ ہی ہے کہ اس کے پیغمبروں کو ستائیں یا اسکی جناب میں نالائق باتیں کہیں۔

۸۸۔ منافقین کی ایذا رسانی: یہ منافق تھے جو پیٹھ پیچھے بدگوئی کرتے رسول کی، یا آپ کی ازواج طاہرات پر جھوٹ طوفان اٹھاتے جیسا کہ سورہ "نور" میں گذر چکا۔ آگے بعض ایذاؤں کے انسداد کا بندوبست کیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کو ان کی طرف سے پہنچتی تھی۔ روایات میں ہے کہ مسلمان مستورات جب ضروریات کے لئے باہر نکلتیں، بدمعاش منافق تاک میں رہتے۔ اور چھیڑ چھاڑ کرتے پھر پکڑے جاتے تو کہتے ہم نے سمجھا نہیں تھا کہ کوئی شریف عورت ہے۔ لونڈی باندی سمجھ کر چھیڑ دیا تھا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِهِنَّ ؕ
ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یُّعۡرَفۡنَ فَلَا یُؤۡذَیۡنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکا لیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں [۸۹] اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی انکو نہ ستائے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۹۰]

لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ
مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ لَنُغۡرِیَنَّكَ بِهِمۡ
ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَكَ فِیۡهَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۶۰﴾ ۚۖ

۶۰۔ البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے [۹۱] اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں [۹۲] تو ہم لگا دیں گے تجھ کو ان کے پیچھے پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں

مَّلۡعُوۡنِیۡنَ ۚۛ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا
تَقۡتِیۡلًا ﴿۶۱﴾

۶۱۔ پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے [۹۳]

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا ﴿۶۲﴾

۶۲۔ دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے ہیں اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی [۹۴]

۸۹۔ عورتوں کے پردے کا حکم: یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیویں۔ روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہئے۔ لونڈی باندیوں کو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اس کا مکلف نہیں کیا۔ کیونکہ کاروبار میں حرج عظیم واقع ہوتا ہے۔

۹۰۔ آزاد عورتوں کا پردہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی پہچانی پڑیں کہ لونڈی نہیں۔ بی بی ہے صاحب ناموس، بدذات نہیں نیک بخت ہے تو بدنیت لوگ اس سے نہ الجھیں گے۔ گھونگھٹ اس کا نشان رکھ دیا۔ یہ حکم بہتری کا ہے۔ آگے فرما دیا اللہ ہے بخشنے والا مہربان"۔ یعنی باوجود اہتمام کے کچھ تقصیر رہ جائے تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے۔ (تکمیل) یہ تو آزاد عورتوں کے متعلق انتظام تھا کہ انہیں پہچان کر ہر ایک کا حوصلہ چھیڑنے کا نہ ہو، اور جھوٹ عذر کا موقع نہ رہے۔ آگے عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دی ہے خواہ بی بی سے ہو یا لونڈی سے۔

۹۱۔ یعنی جن کو بد نظری اور شہوت پرستی کا روگ لگا ہوا ہے۔

۹۲۔ جھوٹی خبریں اڑانے والے: یہ غالباً یہود ہیں جو اکثر جھوٹی خبریں اڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مراد ہوں۔

۹۳۔ یہود پر مسلمانوں کے غلبے کی خبر: یعنی اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے تا چند روز میں ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں، اور جتنے دن رہیں ذلیل و مرعوب ہو کر رہیں۔ چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقوں نے دھمکی سن کر شاید اپنا رویہ بدل دیا ہو گا۔ اس لئے سزا سے بچے رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو لوگ بدنیت تھے مدینہ میں عورتوں کو چھیڑتے، ٹوکتے اور جھوٹی خبریں اڑاتے مخالفوں کے زور اور مسلمانوں کے ضعف و شکست کی۔ ان کو یہ فرمایا"۔

۹۴۔ یعنی عادت اللہ یہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے اسی طرح ذلیل و خوار یا ہلاک کئے گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی یہ حکم ہوا ہے کہ مفسدوں کو اپنے درمیان سے نکال باہر کرو۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ "تورات" سے نقل فرماتے ہیں۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾

۶۳۔ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو تو کہہ اس کی خبر ہے اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو[۹۵]

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾

۶۴۔ بیشک اللہ نے پھٹکار دیا ہے منکروں کو اور رکھی ہے انکے واسطے دہکتی ہوئی آگ[۹۶]

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ۚ

۶۵۔ رہا کریں اسی میں ہمیشہ نہ پائیں کوئی حمایتی اور نہ مددگار

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾

۶۶۔ جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے ان کے منہ آگ میں[۹۷] کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا[۹۸]

وَ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِیۡلَا ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انہوں نے چکا دیا ہم کو راہ سے

رَبَّنَاۤ اٰتِہِمۡ ضِعۡفَیۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ وَ الۡعَنۡہُمۡ لَعۡنًا کَبِیۡرًا ﴿۶۸﴾ ع

۶۸۔ اے رب ان کو دے دونا عذاب اور پھٹکار انکو بڑی پھٹکار [۹۹]

ع ۸ ۵

۹۵۔ قیامت کے قرب کی خبر: گو قیامت کے وقت کی ٹھیک تعیین کر کے اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا مگر یہاں اس کے قرب کی طرف اشارہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی اٹھا کر فرمایا۔ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیۡنِ (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) یعنی بیچ کی انگلی جس قدر آگے نکلی ہوئی ہے، میں قیامت سے بس اتنا پہلے آ گیا ہوں۔ قیامت بہت قریب لگی چلی آ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "شاید یہ بھی منافقوں نے ہتھکنڈا پکڑا ہو گا کہ جس چیز کا (دنیا میں کسی کے پاس) جواب نہیں وہ ہی بار بار سوال کریں۔ اس پر یہاں ذکر کر دیا"۔ اور ممکن ہے پہلے جو فرمایا تھا لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا اس پر بطور تکذیب واستہزاء کے کہتے ہوں گے کہ وہ قیامت اور آخرت کب آئے گی جس کی دھمکیاں دی جاتی ہیں؟ آخر اس کا کچھ وقت تو بتاؤ۔

۹۶۔ کفار کی سزا: اسی پھٹکار کا اثر ہے کہ لاطائل سوالات کرتے ہیں، انجام کی فکر نہیں کرتے۔

۹۷۔ یعنی اوندھے منہ ڈال کر ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا۔

۹۸۔ اس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ و رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

۹۹۔ یہ شدت غیظ سے کہیں گے کہ ہمارے ان دنیوی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے دھوکے دیکر اور جھوٹ فریب کہہ کر اس مصیبت میں پھنسوایا۔ ان ہی کے اغواء پر ہم راہ حق سے بھٹکے رہے۔ اگر ہمیں سزا دیجاتی ہے تو ان کو دگنی سزا دیجئے اور جو پھٹکار ہم پر ہے اس سے بڑی پھٹکار ان بڑوں پر پڑنی چاہئے۔ گویا ان کو دوگنی سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورہ "اعراف" کے چوتھے رکوع میں گذر چکی ہے۔ وہیں ان کی اس فریاد کا جواب بھی دیا گیا ہے، ملاحظہ کر لیا جائے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوۡا ؕ وَ کَانَ عِنۡدَ اللّٰہِ وَجِیۡہًا ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اے ایمان والو تم مت ہو ان جیسے جنہوں نے ستایا موسٰی کو پھر بے عیب دکھلا دیا اسکو اللہ نے انکے کہنے سے اور تھا اللہ کے یہاں آبرو والا [۱۰۰]

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ﴿۷۰﴾ لا

۷۰۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو بات سیدھی

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ
يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

۷۱۔ کہ سنوار دے تمہارے واسطے تمہارے کام اور بخشدے تم کو تمہارے گناہ اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد[۱۰۱]

۱۰۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مسلمانوں کو نصیحت: یعنی تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہارے نبی کو ایذا پہنچے۔ نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اللہ کے ہاں ان کی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو رد کر دے گا۔ ہاں تمہاری عاقبت خراب ہو گی۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کی نسبت ان لوگوں نے کیسی اذیت دہ باتیں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی وجاہت و مقبولیت کی وجہ سے سب کا ابطال فرما دیا اور موسیٰؑ کا بے خطا اور بے داغ ہونا ثابت کر دیا۔ روایات میں ہے کہ بعضے مفسد حضرت موسیٰؑ کو تہمت لگانے لگے کہ حضرت ہارونؑ کو جنگل میں لیجا کر قتل کر آئے ہیں۔ اللہ نے ایک خارق عادت طریقہ سے اس کی تردید کر دی۔

حضرت موسیٰؑ اور پتھر کا واقعہ: اور صحیحین میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ حیاء کی وجہ سے (ابنائے زمانہ کے دستور کے خلاف) چھپ کر غسل کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے، برص کا داغ یا خصیہ پھولا ہوا۔ ایک روز حضرت موسیٰؑ اکیلے نہانے لگے۔ کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا حضرت موسیٰؑ عصا لیکر اس کے پیچھے دوڑے، جہاں سب لوگ دیکھتے تھے، پتھر کھڑا ہو گیا۔ سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ بے عیب ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید بے عیباں را لباس عریانی داد

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون نے ایک عورت کو کچھ دے دلا کر مجمع میں کہلا دیا کہ موسیٰؑ (العیاذ باللہ) اس کے ساتھ مبتلا ہیں۔ حق تعالیٰ نے آخر قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور اسی عورت کی زبان سے اس تہمت کی تردید کرائی جیسا کہ سورہ "قصص" میں گذرا۔ (تنبیہ) موسیٰؑ کا پتھر کے تعاقب میں برہنہ چلے جانا مجبوری کی وجہ سے تھا اور شاید یہ خیال بھی نہ ہو کہ پتھر مجمع میں لیجا کر کھڑا کر دے گا ہی پتھر کی یہ حرکت وہ بطور خرق عادت ہے۔ خوارق عادات پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں الجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بہر حال اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء علیہم السلام کو جسمانی و روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام ہے تا لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے تنفر اور استخفاف کے جذبات پیدا ہو کر قبول حق میں رکاوٹ نہ ہو۔

۱۰۱۔ تقویٰ اور قول سدید: یعنی اللہ سے ڈر کر درست اور سیدھی بات کہنے والے کو بہترین اور مقبول اعمال کی توفیق ملتی ہے اور تقصیرات معاف کی جاتی ہیں۔ حقیقت میں اللہ و رسول کی اطاعت ہی میں حقیقی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے جس نے یہ راستہ اختیار کیا مراد کو پہنچ گیا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ
حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾

۷۲۔ ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان[۱۰۲]

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

۷۳۔ تا کہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو اور عورتوں

وَ الۡمُشۡرِکٰتِ وَ یَتُوۡبَ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۷۳﴾

ع ۹ ۵

کو اور شرک والے مردوں کو اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان[۱۰۳]

۱۰۲۔ اللہ کی امانت اور انسان: یعنی ستم کر دیے جو بوجھ آسمان، زمین، اور پہاڑوں سے نہ اٹھ سکتا تھا، اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھالیا۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید — قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے؟ پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روک کر۔ آسمان و زمین وغیرہ میں اپنی خواہشات کچھ نہیں، یا ہے تو وہ ہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اس کے۔ اس پرائی چیز (یعنی حکم) کو بر خلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ اب بھی یہ ہی حکم ہے۔ کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کر دے تو بدلہ (ضمان) دینا پڑے گا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ نہیں"۔ (موضح) اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا جو اس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی و کسب اور قوت بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے تا اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون وصفات کا ظہور ہو۔ مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں ان پر انعام و اکرام کیا جائے۔ جو غفلت یا شرارت سے ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے اور جو لوگ اس بارہ میں قدرے کوتاہی کریں ان سے عفو و درگذر کا معاملہ ہو۔

امانت کیا چیز ہے؟ میرے خیال میں یہ امانت ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا جس کو "مابہ التکلیف" بھی کہہ سکتے ہیں۔ لَا اِیۡمَانَ لِمَنۡ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ اسی کی نگہداشت اور تردد کرنے سے ایمان کا درخت اگتا ہے۔ گویا بنی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں، بیج بھی اسی نے ڈال دیا ہے۔ بارش برسانے کے لئے رحمت کے بادل بھی اس نے بھیجے جن کے سینوں سے وحی الٰہی کی بارش ہوئی۔ آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الٰہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی و جہد اور تردد و تفقد سے اس کی پرورش کرے مبادا غلطی یا غفلت سے بجائے درخت اگنے کے بیج بھی سوخت ہو جائے اسی کی طرف اشارہ ہے حذیفہؓ کی حدیث میں اِنَّ الۡاَمَانَۃَ نَزَلَتۡ مِنَ السَّمَاءِ فِیۡ جَذۡرِ قُلُوۡبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوۡا مِنَ الۡقُرۡآن الحدیث۔ یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے۔ جو اللہ کی طرف سے قبول رجال میں تہ نشین کیا گیا، پھر علوم قرآن و سنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اس کے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے اور اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اسی قدر درخت کے ابھرنے اور پھولنے پھلنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد ہو جائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کس میں استعداد تھی جو اس امانت عظیمہ کو اٹھانے کا حوصلہ کرتا ہر ایک نے بلسان حال یا بزبان قال نا قابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کر دیا کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ خود سوچ لو کہ بجز انسان کے کونسی مخلوق ہے جو اپنے کسب و محنت سے اس تخم ایمان کی حفاظت و پرورش کر کے ایمان کا شجر بار آور حاصل کر سکے۔ فی الحقیقت اس عظیم الشان امانت کا حق ادا کر سکنا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کر دی تھی خون پسینہ ایک کر کے باغ و بہار بنا لینا اسی ظلوم و جہول انسان کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے پاس زمین قابل موجود ہے اور محنت و تردد کر کے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے۔

ظلوم و جہول کی تفسیر: "ظلوم" و "جہول"، "جاہل" کا مبالغہ ہے۔ ظالم و جاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل اور علم سے خالی ہو مگر استعداد و

صلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدء فطرت سے علم وعدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اس سے جدا نہیں ہوئے (مثلاً ملائکۃ اللہ) یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ (مثلاً زمین و آسمان پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ بیشک انسان کے سوا "جن" ایک نوع ہے جس میں فی الجملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اور اسی لئے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات۔۵۶) میں دونوں کو جمع کیا گیا۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ادائے حق امانت کی استعداد ان میں اتنی ضعیف تھی کہ حمل امانت کے مقام میں چنداں قابل ذکر اور درخور اعتناء نہیں سمجھے گئے۔ گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع قرار دیے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۰۳۔ میرے نزدیک اس جگہ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ کے معنی معاف کرنے کے نہ لئے جائیں بلکہ ان کے حال پر متوجہ ہونے اور مہربانی فرمانے کے لیں تو بہتر ہے جیسے لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ (التوبہ۔۱۱۷) میں لئے گئے ہیں۔ تو یہ مومنین کاملین کا بیان ہوا۔ اور كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا میں قاصرین ومقصرین کے حال کی طرف اشارہ فرما دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ نسال اللہ تعالیٰ ان یتوب علینا ویغفرلنا ویثیبنا بالفوز العظیم۔ انہ جل جلالہ وعم نوالہ غفور الرحیم۔

تم سورۃ الاحزاب وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتہا ۵۴ ۳۴ سُوْرَۃُ سَبَاٍ مَکِّیَّۃٌ ۵۸ رکوعاتہا ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ
وَلَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱﴾

۱۔ سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں اور وہی ہے حکمتوں والا سب کچھ جاننے والا [۱]

یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا
یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ
الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ﴿۲﴾

۲۔ جانتا ہے جو کچھ کہ اندر گھستا ہے زمین کے اور جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں [۲] اور وہی ہے رحم والا بخشنے والا [۳]

۱۔ اللہ ہی تمام کائنات کا مالک ہے: یعنی سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو اکیلا بلا شرکت غیرے تمام آسمانی و زمینی چیزوں کا مالک و خالق اور نہایت حکمت و خبر داری سے ان کی تدبیر کرتا ہے۔ اس نے یہ سلسلہ بیکار پیدا نہیں کیا۔ ایسے حکیم و دانا کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہے کہ یہ نظام آخر میں کسی اعلیٰ نتیجہ پر منتہی ہو، اسی کو آخرت کہتے ہیں۔ اور جس طرح دنیا میں وہ اکیلا تمام تعریفوں کا مستحق ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہو گی۔ بلکہ یہاں تو بظاہر اور کسی کی بھی تعریف ہو جاتی تھی کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ اور اس کا کمال اس کے کمال حقیقی کا پرتو ہے۔ لیکن وہاں سب وسائط اور پردے اٹھ جائیں گے۔ جو کچھ ہو گا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اس لئے صورۃً و حقیقۃً ہر حیثیت سے تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف رہ جائے گی۔

۲۔ اللہ کا علم محیط ہے: یعنی آسمان و زمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے مثلاً جانور کیڑے مکوڑے، نباتات کا بیج، بارش کا پانی، مردہ کی لاش، اور جو اس کے اندر سے نکلتی ہے مثلاً کھیتی، سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو آسمان سے اترتی ہے مثلاً بارش، وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ اور جو اوپر چڑھتی ہے مثلاً روح، دعاء، عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب انواع و جزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔

۳۔ یعنی یہ سب بستی اور چہل پہل اس کی رحمت اور بخشش سے ہے ورنہ بندوں کی ناشکری اور حق ناشناسی پر اگر ہاتھوں ہاتھ گرفت ہونے لگے تو ساری رونق ایک لمحہ میں ختم کر دی جائے۔ وَلَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ (فاطر۔۴۵)۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ ؕ قُلۡ
بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا یَعۡزُبُ

۳۔ اور کہنے لگے منکر نہ آئے گی ہم پر قیامت [۴] تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی البتہ آئے گی تم پر [۵] اس عالم الغیب کی غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر

عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَاۤ
اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳﴾

آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں[۶]

لِّیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ
اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِیۡمٌ ﴿۴﴾

۴۔ تا کہ بدلا دے انکو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ جو ہیں ان کے لئے ہے معافی اور عزت کی روزی

وَ الَّذِیۡنَ سَعَوۡ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ
عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ ﴿۵﴾

۵۔ اور جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو ان کو بلا کا عذاب ہے دردناک[۷]

وَ یَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ
مِنۡ رَّبِّكَ هُوَ الۡحَقَّ ۙ وَ یَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ
الۡحَمِیۡدِ ﴿۶﴾

۶۔ اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اترا تیرے رب سے وہی ٹھیک ہے اور سجھاتا ہے راہ اس زبردست خوبیوں والے کی[۸]

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا هَلۡ نَدُلُّكُمۡ عَلٰی رَجُلٍ
یُّنَبِّئُكُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ
جَدِیۡدٍ ﴿۷﴾

۷۔ اور کہنے لگے منکر ہم بتلائیں تمکو ایک مرد کہ تم کو خبر دیتا ہے جب تم پھٹ کر ہو جاؤ ٹکڑے ٹکڑے تم کو پھر نئے سرے سے بننا ہے

اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ
لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ فِی الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ
الۡبَعِیۡدِ ﴿۸﴾

۸۔ کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اسکو سودا ہے[۹] کچھ بھی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا آفت میں ہیں اور دور جا پڑے غلطی میں[۱۰]

اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مَا خَلۡفَهُمۡ مِّنَ
السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ
اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡهِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیۡ
ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ﴿۹﴾ ع ۱

۹۔ کیا دیکھتے نہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ان کو زمین میں یا گرا دیں ان پر ٹکڑا آسمان سے [۱۱] تحقیق اس میں نشانی ہے ہر بندے رجوع کرنے والے کے واسطے [۱۲]

۴۔ کیوں نہیں آئے گی۔ اس کا منشا آگے آتا ہے۔ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّکُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ۔

۵۔ قیامت ضرور آئے گی: یعنی وہ معصوم و مقدس انسان جس کے صدق و امانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اس کی صداقت پوری طرح روشن ہو چکی، موکد قسم کھا کر اللہ کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ پھر تسلیم نہ کرنے کی کیا وجہ ہاں اگر کوئی محال یا خلاف حکمت بات کہتا تو انکار کی گنجائش ہو سکتی تھی، لیکن نہ یہ محال ہے نہ خلاف حکمت۔ پھر انکار کر ناہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

۶۔ کوئی ذرہ اسکے علم سے باہر نہیں: یعنی اس عالم الغیب کی قسم جس کے علم محیط سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا ذرہ سے چھوٹی بڑی کوئی چیز بھی غائب نہیں۔ شاید یہ اس لئے فرمایا کہ قیامت کے وقت کی تعیین ہم نہیں کر سکتے۔ اس کا علم اسی کو ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ ہم کو جتنی خبر دی گئی بلا کم و کاست پہنچا دی، اور اس کا جواب بھی ہو گیا جو کہتے تھے ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ الخ (السجدہ۔۱۰) یعنی جب ہمارے ذرات منتشر ہو کر مٹی میں مل گئے پھر کیسے دوبارہ اکٹھے کئے جائیں گے، تو بتلا دیا کہ کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب نہیں۔ اور پہلے بتلایا جا چکا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز پر قبضہ اسی کا ہے، لہٰذا اس کو کیا مشکل ہے کہ تمہارے منتشر ذرات کو ایک دم میں اکٹھا کر دے۔ (تنبیہ) کھلی کتاب سے "لوح محفوظ" مراد ہے جس میں ہر چیز اللہ کے علم کے مطابق ثبت ہے۔

۷۔ قیامت کس لئے آئے گی: یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضرور ہے کہ لوگوں کو ان کی نیکی اور بدی کا پھل دیا جائے اور حق تعالیٰ کی جملہ صفات کا کامل ظہور ہو (تنبیہ) "جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کو ہرانے کو" یعنی ہماری آیتوں کے ابطال اور لوگوں کو قولاً و فعلاً ان سے روکنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ گویا وہ (العیاذ باللہ) اللہ کو عاجز کرنا اور ہرانا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسکے ہاتھ نہیں آئیں گے۔

۸۔ قیام قیامت کی دوسری حکمت: یعنی اس واسطے قیامت آنی ہے کہ جن کو یقین تھا انہیں عین الیقین حاصل ہو جائے اور آنکھوں سے دیکھ لیں کہ قرآن کی خبریں موبمو صحیح و درست ہیں اور بیشک قرآن ہی وہ کتاب ہے جو اس زبردست خوبیوں والے خدا تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ بتاتی ہے۔ بعض مفسرین نے وَیَرَی الَّذِیۡنَ الخ کا مطلب یہ لیا ہے کہ الَّذِیۡنَ سَعَوۡ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ کے برخلاف جو اہل علم ہیں (خواہ مسلمان یا اہل کتاب) وہ جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ قیامت کے متعلق قرآن کریم کا بیان بالکل صحیح ہے اور وہ آدمی کو وصول الی اللہ کے ٹھیک راستہ پر لیجاتا ہے۔

۹۔ دوسری زندگی پر کفار کا استہزاء: کفار قریش نبی کریم ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کرتے تھے۔ یعنی آؤ تمہیں ایک شخص دکھلائیں جو کہتا ہے کہ تم گل سڑ کر اور ریزہ ریزہ ہو کر جب خاک میں مل جاؤ گے، پھر تم کو از سر نو بھلا چنگا بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ بھلا ایسی مہمل بات کون قبول کر سکتا ہے۔ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ شخص جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ لگاتا ہے کہ اس نے ایسی خبر دی۔ نہیں تو سودائی ہے۔ دماغ ٹھکانے نہیں دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىۡ
مَعَهٗ وَالطَّيۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِيۡدَ ۙ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی [١٣] اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو اسکے ساتھ اور اڑتے جانوروں کو [١٤] اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا

اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرۡ فِى السَّرۡدِ وَ اعۡمَلُوۡا
صَالِحًا ؕ اِنِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ کہ بنا زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ کڑیاں [١٥] اور کرو تم سب کام بھلا میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہوں [١٦]

وَلِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهۡرٌ ۚ
وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ يَّعۡمَلُ
بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنۡ يَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ
اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور مسخر کر دیا سلیمان کے آگے ہوا کو صبح کی منزل اسکی ایک مہینہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی اور بہا دیا ہم نے اسکے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبے کا [١٧] اور جنوں میں کتنے لوگ تھے جو محنت کرتے اس کے سامنے اسکے رب کے حکم سے اور جو کوئی پھرے ان میں سے ہمارے حکم سے چکھائیں ہم اسکو آگ کا عذاب [١٨]

يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَتَمَاثِيۡلَ وَ
جِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ
دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ بناتے اس کے واسطے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی [١٩] کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے [٢٠]

فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ
اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ
تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ مَا
لَبِثُوۡا فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ﴿۱۴﴾

۱۴۔ پھر جب مقرر کیا ہم نے اس پر موت کو نہ جتلایا ان کو اس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصا پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر خبر رکھتے ہوتے غیب کی نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں [٢١]

۱۰۔ قرآن کا جواب: یعنی نہ جھوٹ ہے نہ جنون، البتہ یہ لوگ عقل و دانش اور صدق و صواب کے راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑے ہیں۔

اور بیہودہ بکواس کر کے اپنے کو آفت میں پھنسا رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ بڑا عذاب ہے کہ آدمی کا دماغ اس قدر مختل ہو جائے کہ وہ خدا کے پیغمبروں کو مفتری یا مجنون کہنے لگے۔ العیاذ باللہ۔

۱۱۔ بعث بعد الموت اور قیامت کے دلائل: یعنی کیا یہ لوگ اندھے ہو گئے ہیں آسمان و زمین بھی نظر نہیں آتے جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آ سکتے ہیں ان کو تو وہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے بنایا۔ پھر جس نے بنایا اسے توڑنا کیا مشکل ہے۔ اور جو ایسے عظیم الشان اجسام کو بنا سکتا اور توڑ پھوڑ سکتا ہے اسے انسانی جسم کا بگاڑ دینا اور بنانا کیا مشکل ہو گا۔ یہ لوگ ڈرتے نہیں کہ اسی کے آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر رہ کر ایسے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالیں۔ حالانکہ خدا چاہے تو ابھی ان کو زمین میں دھنسا کر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر نسیت و نابود کر دے اور قیامت کا چھوٹا سا نمونہ دکھلا دے۔

۱۲۔ یعنی جو بندے عقل و انصاف سے کام لے کر اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں، اسی آسمان و زمین میں ان کے لئے بڑی بھاری نشانی موجود ہے۔ وہ اس منتظم اور پر حکمت نظام کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ضرور یہ ایک دن کسی اعلیٰ و اکمل نتیجہ پر پہنچنے والا ہے جس کا نام "دارالآخرۃ" ہے یہ تصور کر کے وہ بیش از بیش اپنے مالک و خالق کی طرف جھکتے ہیں اور جو آسمانی و زمینی نعمتیں ان کو پہنچتی ہیں، تہ دل سے اس کے شکر گذار ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض بندوں کا ذکر آگے آتا ہے۔

۱۷۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اور تانبے کا چشمہ: حضرت سلیمانؑ کا تخت تھا جو فضا میں اڑتا، ہوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا، ایک مہینہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی تھی۔ سورہ "انبیاء" اور سوہ نمل میں اس کا کچھ بیان گذر چکا ہے اور آگے سورہ صٓ میں آئے گا اور پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یمن کی طرف نکال دیا تھا۔ اس کو سانچوں میں ڈل کر جنات بڑے بڑے برتن (دیگیں اور لگن وغیرہ) تیار کرتے تھے۔ جن میں ایک لشکر کا کھانا پکتا اور کھلایا جاتا۔

۱۸۔ جنات کا تابع ہونا: یعنی بہت سے جن جنہیں دوسری جگہ شیاطین سے تعبیر فرمایا ہے معمولی قلیوں اور خدمت گاروں کی طرح ان کے کام میں لگے رہتے تھے۔ اللہ کا حکم تھا کہ سلیمانؑ کی اطاعت کریں ذرا سرکشی کی تو آگ میں پھونک دیا جائے گا۔

۱۹۔ جنات کے کام: یعنی بڑے بڑے محل، مسجدیں اور قلعے جنات تعمیر کرتے اور مجسم تصویریں بناتے (جو ان کی شریعت میں ممنوع نہیں ہوں گی، شریعت محمدیہ نے منع کر دیا) اور تانبے کے بڑے بڑے لگن بناتے جیسے حوض یا تالاب اور دیگیں تیار کرتے جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھیں۔ ایک ہی جگہ رکھی رہتیں۔

۲۰۔ آل داؤد علیہ السلام کو شکر کا حکم: یعنی ان عظیم الشان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرتے رہو، محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے حق تعالیٰ کی شکر گذاری ٹپکتی ہو۔ بات یہ ہے کہ احسان تو خدا کم و بیش سب پر کرتا ہے لیکن پورے شکر گذار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ جب تھوڑے ہیں تو قدر زیادہ ہو گی۔ لہٰذا شکر گذار بن کر اپنی قدر و منزلت بڑھاؤ۔ یہ خطاب داؤدؑ کے کنبے اور گھرانے کو ہے، کیونکہ علاوہ مستقل احسانات کے داؤدؑ پر احسان من وجہ سب پر احسان ہے۔ کہتے ہیں کہ داؤدؑ نے تمام گھر والوں پر اوقات تقسیم کر دیے تھے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب ان کے گھر میں کوئی نہ کوئی شخص عبادت الٰہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔

۲۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا عجیب واقعہ: حضرت سلیمانؑ جنوں کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے جب معلوم کیا کہ میری موت آ پہنچی جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں دربند کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لی اور آپ کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہی۔ کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا۔ وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر پوری ہو گئی جس

عصا پر ٹیک لگا رہے تھے گھن کھانے سے گرا۔ تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا۔ اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر ہوتی تو کیا اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کو محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیاطین وغیرہ کی تسخیر کچھ حضرت سلیمانؑ کا کسبی کمال نہ تھا محض فضل ایزدی تھا۔ جو اللہ چاہے تو موت کے بعد ایک لاش کے حق میں بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ نیز سلیمانؑ پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں جاری رکھا گیا۔ اور بتلا دیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ تعالیٰ کس تدبیر سے پورا کرتا ہے۔ (ربط) یہاں تک بعض منیب اور شکر گذار بندوں کا ذکر تھا۔ آگے ایک معرض و ناسپاس قوم (سبا) کا ذکر کیا جاتا ہے جو بڑے عیش و رفاہیت اور خوش حالی و فارغ البالی کے بعد کفر و ناسپاسی کی سزا میں تباہ کی گئی۔ یہ قوم یمن کی بڑی دولت مند اور ذی اقتدار قوم تھی جو صدیوں تک بڑے جاہ و جلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی۔ ان ہی میں ایک وہ ملکہ تھی (بلقیس) جس کا حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں حاضر ہونا سورہ "نمل" میں گذر چکا ہے۔ شاید یہاں سلیمانؑ کے بعد "سبا" کا ذکر اس مناسبت سے بھی ہوا ہو۔

لَقَدۡ کَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡکَنِہِمۡ اٰیَۃٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّکُمۡ وَ اشۡکُرُوۡا لَہٗ ؕ بَلۡدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّ رَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ تحقیق قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی دو باغ داہنے اور بائیں [۲۲] کھاؤ روزی اپنے رب کی اور اس کا شکر کرو [۲۳] شہر ہے پاکیزہ اور رب ہے گناہ بخشنے والا [۲۴]

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ وَ بَدَّلۡنٰہُمۡ بِجَنَّتَیۡہِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّ اَثۡلٍ وَّ شَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ سو دھیان میں نہ لائے پھر چھوڑ دیا ہم نے ان پر ایک نالا زور کا اور دیے ہم نے انکو بدلے میں ان دو باغوں کے دو اور باغ جن میں کچھ میوہ کسیلا تھا اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے [۲۵]

ذٰلِکَ جَزَیۡنٰہُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا ؕ وَ ہَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡکَفُوۡرَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ یہ بدلا دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی اور ہم یہ بدلا اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو [۲۶]

وَ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمۡ وَ بَیۡنَ الۡقُرَی الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا قُرًی ظَاہِرَۃً وَّ قَدَّرۡنَا فِیۡہَا السَّیۡرَ ؕ سِیۡرُوۡا فِیۡہَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور رکھی تھیں ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں جہاں ہم نے برکت رکھی ہے ایسی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں اور منزلیں مقرر کر دیں ہم نے ان میں آنے جانے کی پھرو ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن سے [۲۷]

فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا وَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ وَ مَزَّقۡنٰهُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ پھر کہنے لگے اے رب دراز کر دے ہمارے سفروں کو[۲۸] اور آپ اپنا برا کیا پھر کر ڈالا ہم نے انکو کہانیاں اور کر ڈالا چیر کر ٹکڑے ٹکڑے[۲۹] اس میں پتے کی باتیں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کو[۳۰]

۲۲۔ قوم سبا کے دو باغ: یعنی باغوں کے دو طویل سلسلے داہنے اور بائیں میلوں تک چلے گئے تھے۔ اگر سمجھتے تو خدا کی رحمت و قدرت کی یہ ہی نشانی ایمان لانے اور شکر گذار بننے کے لئے کافی تھی۔

۲۳۔ گویا وہ نشانی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو اور اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرو۔ کفر و عصیان اختیار کر کے ناشکر مت بنو۔ یا جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے انبیاء کی زبانی اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہو گی کہتے ہیں تیرہ نبی اس قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت مسیحؑ سے پہلے آئے ہوں گے اور ان کے وارث بعد کو بھی اس قوم کی بربادی کے وقت تک سمجھاتے رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۲۴۔ قوم سبا کی عمارتیں اور پانی کے بند۔ "مصنف "ارض القران" "سبا" کی عمارتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "اسی سلسلہ عمارات میں ایک چیز بندِ آب ہے جس کو عرب حجاز "سد" اور عرب یمن "عرم" کہتے ہیں۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں۔ پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگستانوں میں خشک اور ضائع ہو جاتا ہے۔ زراعت کے مصرف میں نہیں آتا۔ "سبا" مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے کام میں آئے۔ مملکت "سبا" میں اس طرح کے سینکڑوں بند تھے۔

سدّ مآرب: ان میں سب سے زیادہ مشہور "سد مارب" ہے جو ان کے دارالحکومت "مارب" میں واقع تھا۔ شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جن کا نام کوہ ابلق ہے۔ سبا نے ان دو پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۸۰۰ ق م میں "سد مارب" کی تعمیر کی تھی۔ یہ بند تقریباً ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی ایک دیوار ہے۔ اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے تاہم ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے "ارناڈ" ایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے۔ اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں وہ بھی پڑھے گئے۔ اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں جو حسب ضرورت کھولی اور بند کی جا سکتی تھیں۔ "سد" کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر تین سو مربع میل میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبو دار درخت تھے۔ قرآن کریم جَنَّتٰنِ عَنۡ يَّمِيۡنٍ وَّ شِمَالٍ کہہ کر ان ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یونانی مورخ "اگاتھرشیڈس" جو ۱۴۵ ق م میں "سبا" کا معاصر تھا بیان کرتا ہے۔ "سبا عرب کے سرسبز و آباد حصہ میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بیشمار میوے ہوتے ہیں۔ دریا کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات، دار چینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے درختوں کی اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے۔ جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی

تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گذرتے ہیں، وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں۔ وہ گویا آبجیات کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت ولطافت کے مقابل میں ناقص ہے"۔ آرٹی میڈروس جو "سبا" کے عہد آخر میں تھا لکھتا ہے۔ "سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان "مارب" میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش و مسرت (زنانہ خوشحالی) میں واقع ہے"۔ غرض باعتبار سرسبزی، خوشحالی، سامان عیش اور اعتدال آب وہوا کے "مارب" اسی کا مصداق تھا۔ بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ "رب غفور" سے ادھر اشارہ کر دیا کہ اپنی طرف سے شکر گذار بنو۔ اگر بمقتضائے بشریت کچھ تقصیر رہ جائے گی تو اللہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسا سخت نہیں پکڑتا اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ اس کی نعمتوں کا شکر کماحقہ کس سے ادا ہو سکتا ہے۔

۲۵۔ سَیل عرم کا واقعہ: یعنی نصیحتوں کو خاطر میں نہ لائے اور منعم حقیقی کی شکر گذاری سے منہ موڑے رہے۔ تب ہم نے پانی کا عذاب بھیج دیا۔ وہ بند ٹوٹا تمام باغات اور زمینیں غرقاب ہو گئیں اور ان اعلیٰ درجہ کے نفیس میووں اور پھلوں کی جگہ نکمے درخت اور جھاڑ جھنکاڑ رہ گئے جہاں انگور، چھوارے اور قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی تھیں اب وہاں پیلو، جھاؤ، کسیلے اور بدمزہ پھل والے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ جن میں بہترین چیز تھوڑی سے جھڑ بیریوں کو سمجھ لو۔ یہ واقعہ حضرت مسیحؑ اور نبی کریم ﷺ کے درمیانی عہد کا ہے۔ محققین آثار قدیمہ کو ابرہۃ الاشرم کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سد عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے اس میں اس بند کے ٹوٹنے کا ذکر ہے۔ مگر یہ غالباً اس واقعہ کے بعد ہوا جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جب اللہ نے چاہا عذاب بھیجے گھونس پیدا ہوئی اس پانی کے بند میں اس کی جڑ کرید ڈالی، ایک بار پانی نے زور کیا، بند کو توڑ ڈالا۔ وہ پانی عذاب کا تھا جس زمین پر پھر گیا کام سے جاتی رہی کہتے ہیں کہ بند ٹوٹنے کی پیشینگوئی ایک کاہن نے کی تھی اس پر بہت لوگ وطن چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے، جو باقی رہے انہیں ان باغوں کے بدلہ یہ نکمی اور کڑوی کسیلی چیزیں ملیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶۔ ایسی سخت سزا بڑے ناشکروں کو دیجاتی ہے۔ کفر سے بڑھ کر کیا ناشکری ہو گی۔ سورہ "نمل" میں گذر چکا وَجَدْتُّھَا وَقَوْمَھَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ الخ (نمل۔ ۲۴) بظاہر اس قسم کا شرک اس قوم میں بلقیس کے بعد بھی باقی رہا ہو گا۔

۲۷۔ برکت والی بستیاں: برکت والی بستیاں ملک شام کی ہیں یعنی ان کے ملک سے شام تک راستے مامون تھے۔ سڑک کے کنارے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے اندازے اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا، پانی اور آرام کرنے کا موقع ملتا تھا۔ آبادیوں کے قریب ہونے اور جلد جلد نظر آنے سے مسافر کا جی نہیں گھبراتا تھا، نہ چوروں ڈاکوؤں کا خوف تھا۔ سفر کیا تھا ایک طرح کی سیر تھی۔ مصنف ارض القرآن لکھتا ہے۔

قوم سبا کی دولت و ثروت: سبا کی دولت و ثروت کی اساس صرف تجارت تھی۔ یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے۔ سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن آکر اترتی تھیں، وہاں سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی خشکی حجاز سے گذر کو شام و مصر لاتے تھے۔ قرآن مجید نے اس راستہ کو "امام مبین" (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا نام "رحلۃ الشتاء والصیف" رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا۔ ان تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت کے سبب یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی جہاں بے خوف و خطر سفر ہو سکتا تھا۔ "یونانی مورخ ارؤستھنسل ۱۹۴ق م میں بیان کرتا ہے کہ "حضر موت" سے سبا کے ملک تک چالیس روز کا راستہ ہے۔ اور معین سے سوداگر ستر دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں۔

۲۸۔ اہل سَبا کی احمقانہ درخواست: زبان حال سے کہا ہو گا اور ممکن ہے زبان قال سے کہنے لگے ہوں کہ اے اللہ! اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا۔ منزلیں دور ہوں، آس پاس آبادیاں نہ ملیں، بھوک پیاس ستائے، تب سفر کا مزہ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں آرام میں مستی آئی لگے تکلیف مانگنے کہ جیسے اور ملکوں کی خبر سنتے ہیں سفروں میں پانی نہیں ملتا، آبادی نہیں ملتی، ویسا ہم کو بھی ہو۔ یہ بڑی ناشکری ہوئی، جیسے بنی

اسرائیل نے من وسلویٰ سے اکتا کر لہسن وپیاز طلب کی تھی۔

۲۹۔ سبائی تمدّن کا زوال اور عذاب: یعنی ہم نے شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے کوئی ایک طرف کوئی دوسری طرف نکل گیا۔ آبادیوں کا نام ونشان حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اب ان کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں کہ لوگ سنیں اور عبرت پکڑیں۔ ان کا وہ عظیم الشان تمدن اور شان وشکوہ سب خاک میں مل گیا۔ صاحب "ارض القرآن" ان کے زوال وسقوط کی توجیہہ اس طرح کرتا ہے کہ یونانیوں اور رومیوں نے مصر وشام پر قبضہ پا کر ہندوستان وافریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور خام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر وشام کے سواحل پر اترنے لگا۔ اس طریق سفر نے یمن سے شام تک خاک اڑا دی اور سبا کی نو آبادیاں تباہ ہو کر رہ گئیں"۔ مصنف موصوف نے یہ توجیہہ مولر کی تحریر سے اخذ کی ہے۔ ممکن ہے تباہی اور انتشار کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو۔ مگر اس پر حصر کر دینا صحیح نہیں۔

۳۰۔ قوم سبا کا حال عبرتناک ہے: یعنی ان حالات کو سن کر چاہیئے عقلمند عبرت حاصل کریں۔ جب اللہ فراخی اور عیش دے خوب شکر ادا کرتے رہیں اور تکلیف ومصیبت آئے تو صبر وتحمل اختیار کر کے اللہ سے مدد مانگیں۔

وَ لَقَدۡ صَدَّقَ عَلَیۡہِمۡ اِبۡلِیۡسُ ظَنَّہٗ فَاتَّبَعُوۡہُ
اِلَّا فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور سچ کر دکھلائی ان پر ابلیس نے اپنی اٹکل پھر اسی کی راہ چلے مگر تھوڑے سے ایمان دار [۳۱]

وَ مَا کَانَ لَہٗ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ
یُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَۃِ مِمَّنۡ ہُوَ مِنۡہَا فِیۡ شَکٍّ ؕ وَ رَبُّکَ
عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۲ ۸

۲۱۔ اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کر لیں ہم اسکو جو یقین لاتا ہے آخرت پر جدا کر کے اس سے جو رہتا ہے آخرت کی طرف سے دھوکہ میں اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے [۳۲]

۳۱۔ زوال کا سبب شیطان کا اتباع تھا: پہلے دن ابلیس نے تخمینہ کر کے کہا تھا لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا (بنی اسرائیل۔ ۶۲) اور ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ (اعراف۔ ۱۷) ویسے ہی نکلے۔

۳۲۔ شیطان کو بہکانے کے علاوہ کوئی قدرت نہیں: یعنی شیطان کو یہ قدرت نہ تھی کہ لاٹھی لے کر ان کو زبردستی راہ حق سے روک دیتا۔ ہاں بہکاتا پھسلاتا ہے اور اتنی قدرت بھی اس لئے دی گئی کہ بندوں کا امتحان وابتلاء منظور تھا، دیکھیں کون آخرت پر یقین کر کے خدا کو یاد رکھتا ہے اور کون دنیا میں پھنس کر انجام سے غافل ہو جاتا اور بیوقوف بن کر شک یا دھوکہ میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ کی حکمت کا مقتضاہی یہ تھا کہ دنیا میں انسان کے لئے دونوں طرف جانے کے راستے کشادہ رکھیں۔ جیسا کہ پہلے کئی جگہ اس کی تقریر ہو چکی ہے۔ ایسا نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کو خبر نہ ہو۔ بیخبری میں شیطان کسی بندے کو اچک لیجائے۔ خوب سمجھ لو کہ ہر چیز اللہ کی نگاہ میں ہے اور تمام احوال وشئون کی دیکھ بھال وہ ہی ہمہ وقت کرتا ہے جس کو جتنی آزادی دے رکھی ہے وہ عجز وسفہ سے نہیں، حکمت ومصلحت کی بناء پر ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا
يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ
وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ
ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ تو کہہ پکارو ان کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے [۳۳] وہ مالک نہیں ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ ساجھا اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ
حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ
قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس مگر اس کو کہ جس کے واسطے حکم کر دے [۳۴] یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جائے ان کے دل سے کہیں کیا فرمایا تمہارے رب نے وہ کہیں فرمایا جو واجبی ہے اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا [۳۵]

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ
اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ تو کہہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمیں سے بتلا دے کہ اللہ [۳۶] اور یا ہم یا تم بیشک ہدایت پر ہیں یا پڑے ہیں گمراہی میں صریح [۳۷]

قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ تو کہہ تم سے پوچھ نہ ہو گی اسکی جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے پوچھ نہ ہو گی اسکی جو تم کرتے ہو

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ
وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ تو کہہ جمع کرے گا ہم سب کو رب ہمارا پھر فیصلہ کرے گا ہم میں انصاف کا اور وہی ہے قصہ چکانے والا سب کچھ جاننے والا [۳۸]

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ

۲۷۔ تو کہہ مجھ کو دکھلاؤ تو سہی جن کو اس سے ملاتے ہو

اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۷﴾

ساجھی قرار دے کر[۳۹] کوئی نہیں وہی اللہ ہے زبردست حکمتوں والا[۴۰]

۳۳۔ مشرکین مکہ کو تنبیہ: یہاں سے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جنکی تنبیہ کے لئے "سبا" کا قصہ سنایا تھا۔ یعنی اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی گمان ہے ذرا کسی آڑے وقت میں ان کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ کیا کام آتے ہیں؟

۳۴۔ یعنی یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان و زمین میں نہ ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہے (بلکہ بتوں کو تو غیر مستقل بھی نہیں) نہ آسمان و زمین میں ان کی کچھ شرکت نہ خدا کو کسی کام میں مدد کی ضرورت، جو یہ اس کے معین و مددگار بن کر ہی کچھ حقوق جتلاتے۔ اس کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ بدون اذن و رضاء کے کسی کی نسبت ایک حرف سفارش ہی زبان سے نکال سکیں۔ انبیاء و اولیاء اور ملائکۃ اللہ کی شفاعت بھی صرف انہی کے حق میں نافع ہوگی جن کے لئے ادھر سے سفارش کا حکم مل جائے۔

۳۵۔ ملائکہ پر اللہ کی ہیبت و عظمت کا اثر: یہ فرشتوں کا حال فرمایا جو ہمہ وقت اس بارگاہ کے حاضر باش ہیں۔ جب اوپر سے اللہ کا حکم اترتا ہے ایسی آواز آتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جائے۔ (شاید اتصال و بساطت کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے یہ تشبیہ دی گئی) فرشتے دہشت اور خوف و رعب سے تھرا جاتے ہیں اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ جب یہ حالت رفع ہو کر دل کو تسکین ہوئی اور کلام اتر چکا۔ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا۔ اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ بتلاتے ہیں کہ جو اللہ کی حکمت کے موافق ہے اور آگے سے قاعدہ معلوم ہے وہ ہی حکم ہوا۔ ظاہر ہے وہاں معقول اور واجبی بات کے سوا کیا چیز ہو سکتی ہے پس جس کے علوّ عظمت کی یہ کیفت ہو کہ حکم دے تو مقربین کا مارے ہیبت و جلال کے یہ حال ہو جائے وہاں کس کی ہمت ہے کہ از خود سعی و سفارش کے لئے کھڑا ہو جائے (تنبیہ) آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں جن کی نسبت حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "وجمیع ذلک مخالف لھذا الحدیث الصحیح (الذی فی البخاری) ولاحادیث کثیرۃ تویدہ (فتح الباری ۱۳۔ ۳۸۱)"۔

۳۶۔ یعنی آسمان و زمین سے روزی کے سامان بہم پہنچانا صرف اللہ کے قبضہ میں ہے اس کا اقرار مشرکین بھی کرتے تھے لہذا آپ بتلادیں کہ یہ تم کو بھی مسلم ہے۔ پھر الوہیت میں دوسرے شریک کہاں سے ہو گئے۔

۳۷۔ کفار کی غلطی پر تنبیہ کا ایک حکیمانہ انداز: یعنی دونوں فرقے تو سچ نہیں کہتے (ورنہ اجتماع نقیضین لازم آجائے) یقیناً دونوں میں ایک سچا اور ایک جھوٹا ہے تو لازم ہے کہ سوچو اور غور کر کے سچی بات قبول کرو۔ اس میں ان کا جواب ہے جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میاں! دونوں فرقے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں کیا ضرور ہے جھگڑنا۔ سو بتلا دیا کہ ایک یقیناً خطار کار اور گمراہ ہے۔ باقی تعیین نہ کرنے میں حکیمانہ حسن خطاب ہے۔ یعنی لو ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بہر حال ایک تو یقیناً غلطی پر ہو گا۔ اب اوپر کے دلائل سنکر تم ہی خود فیصلہ کر لو کہ کون غلطی پر ہے گویا مخالف کو نرمی سے بات کر کے اپنے نفس میں غور کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

۳۸۔ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ یعنی ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے۔ کوئی شخص دوسرے کے قصور اور غلطی کا جوابدہ نہ ہو گا۔ اگر اتنی صاف باتیں سننے کے بعد بھی تم اپنی حالت میں غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو یاد رکھو ہم حجت تمام کر چکے۔ اور کلمہ حق پہنچا چکے۔ اب تم اپنے اعمال کے خود جوابدہ ہو گے۔ ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ نہ ایسی حالت میں ہمارا تمہارا کوئی واسطہ۔ خدا کے یہاں حاضر ہونے کے لئے ہر ایک اپنی اپنی فکر کر رکھے۔ وہ سب کو اکٹھا کر کے ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دے گا۔

۳۹۔ یعنی ذرا سامنے تو کرو کون سی ہستی ہے جو اس کی خدائی میں ساجھا رکھتی؟ ہم بھی تو دیکھیں کہ اس کے کیا کچھ اختیارات ہیں۔ کیا ان پتھر کی بیجان اور خود تراشیدہ مورتوں کو پیش کرو گے۔

۴۰۔ یعنی ہر گز تم ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتے۔ وہ تو اکیلا ایک ہی خدا ہے جو زبردست، غالب و قاہر اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و دانائی رکھنے والا ہے۔ سب اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے[۴۱]

۴۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں کیلئے ہے: یہ توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر کر دیا۔ یعنی آپ کا فرض اور آپ کی بعثت کی غرض یہ ہی ہے کہ نہ صرف عرب کو بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو ان کے نیک و بد سے آگاہ کر دیں سو کر دیا۔ جو نہیں سمجھتے وہ جانیں۔ سمجھدار آدمی تو اپنے نفع و نقصان کو سوچ کر آپ کی بات کو ضرور مانیں گے۔ ہاں دنیا میں کثرت جاہلوں اور ناسمجھوں کی ہے۔ ان کے دماغوں میں کہاں گنجائش ہے کہ کارآمد باتوں کی قدر کریں۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو[۴۲]

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً
وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۳ ۹

۳۰۔ تو کہہ تمہارے لیے وعدہ ہے ایک دن کا نہ دیر کرو گے اس سے ایک گھڑی نہ جلدی[۴۳]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا
بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ
مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ
الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور کہنے لگے منکر ہم ہر گز نہ مانیں گے اس قرآن کو اور نہ اس سے اگلے کو[۴۴] اور کبھی تو دیکھے جبکہ گنہگار کھڑے کئے جائیں اپنے رب کے پاس ایک دوسرے پر ڈالتا ہے بات کو[۴۵] کہتے ہیں وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے بڑائی کرنے والوں کو اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار ہوتے[۴۶]

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا
اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ

۳۲۔ کہنے لگے بڑائی کرنے والے ان سے جو کہ کمزور گنے گئے تھے کیا ہم نے روکا تم کو حق بات سے تمہارے پاس پہنچ چکنے کے بعد کوئی نہیں تم ہی تھے گنہگار[۴۷]

كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ
بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا
رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور کہنے لگے وہ لوگ جو کمزور گنے گئے تھے بڑائی کرنے والوں کو کوئی نہیں پر فریب سے رات دن کے جب تم ہم کو حکم کیا کرتے کہ ہم نہ مانیں اللہ کو اور ٹھہرائیں اسکے ساتھ برابر کے ساجھی [۴۸] اور چھپے چھپے پچتانے لگے جب دیکھ لیا عذاب [۴۹] اور ہم نے ڈالے ہیں طوق گردنوں میں منکروں کے [۵۰] وہی بدلہ پاتے ہیں جو عمل کرتے تھے [۵۱]

۴۲۔ یعنی جس گھڑی سے ڈراتے ہو وہ کب آئے گی۔ اگر سچے ہو تو جلدی لا کر دکھلا دو۔

۴۳۔ قیامت اپنے وقت پر آئے گی: یعنی گھبراؤ نہیں جس دن کا وعدہ ہے ضرور آکر رہے گا۔ جب آئے گا تو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی جلدی مچانے کے بجائے اس کی ضرورت ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کچھ تیاری کر رکھو۔

۴۴۔ کفار کا انکار: یعنی ہم نہ قرآن کو مانیں نہ اگلی کتابوں کو جنہیں تم آسمانی کتابیں بتلاتے ہو۔ مثلاً توریت و انجیل وغیرہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ جہاں دیکھو وہ ہی حساب کتاب اور قیامت کا مضمون۔ سو ان چیزوں کو ہم ہرگز تسلیم کرنے والے نہیں۔

۴۵۔ یعنی جیسے ناکامیابی کے وقت ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو ناکامیابی کا سبب گردانتا ہے۔ محشر میں بھی کفار ایک دوسرے کو مورد الزام بنائیں گے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

۴۶۔ کفار کا اپنے بڑوں سے مکالمہ: دنیا میں جو لوگ نیچے کے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے بڑے سرداروں کو الزام دیں گے کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسوایا۔ تمہاری روک نہ ہوتی تو ہم ضرور پیغمبروں کی بات مان لیتے۔ اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

۴۷۔ یعنی جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی اور سمجھ میں آگئی تھی کیوں قبول نہ کی۔ کیا ہم نے زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان و یقین سے روک دیا تھا۔ چاہیئے تھا کہ کسی کی پروانہ کر کے حق کو قبول کر لیتے۔ اب اپنا جرم دوسروں کے سر کیوں رکھتے ہو۔

۴۸۔ یعنی بیشک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا۔ مگر رات دن مکر و فریب اور مغویانہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہتے تھے۔ جب ملے یہ ہی تلقین کی کہ ہم پیغمبروں کے ارشاد کے موافق خدا کو ایک نہ مانیں۔ بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں۔ آخر تمہاری شب و روز کی ترغیب و ترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا۔

۴۹۔ آخرت میں کفار کا پچھتاوا: یعنی جس وقت ہولناک عذاب سامنے آئے گا تابعین اور متبوعین دونوں اپنے اپنے دل میں پچتائیں گے ہر ایک محسوس کرے گا کہ واقعی میں مجرم اور قصوروار ہوں لیکن شرم کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں گے اور شدید اضطراب و خوف سے شاید بولنے کی قدرت بھی نہ ہو۔

۵۰۔ گردنوں میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوں گی۔

۵۱۔ یعنی جو عمل کیے تھے آج وہ اس سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ جیسا کرنا ویسا بھرنا۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ
مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہنے لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا ہم اس کو نہیں مانتے[۵۲]

وَ قَالُوۡا نَحۡنُ اَکۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّ اَوۡلَادًا ۙ وَّ مَا نَحۡنُ
بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور کہنے لگے ہم زیادہ ہیں مال اور اولاد میں اور ہم پر آفت نہیں آنے والی[۵۳]

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ وَ
لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ ع ۳ ۱۰

۳۶۔ تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے اور ماپ کر دیتا ہے لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے[۵۴]

وَ مَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُکُمۡ
عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۫
فَاُولٰٓئِکَ لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَ هُمۡ فِی
الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ نہیں کہ نزدیک کر دیں ہمارے پاس تمہارا درجہ پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا[۵۵] سو ان کے لیے ہے بدلا دونا انکے کیے کام کا[۵۶] اور وہ جھروکوں میں بیٹھے ہیں دلجمعی سے

وَ الَّذِیۡنَ یَسۡعَوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِکَ
فِی الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور جو لوگ دوڑتے ہیں ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آتے ہیں[۵۷]

۵۲۔ کفار کا نشہ دولت: یہ حضور کو تسلی دی گئی کہ آپ روسائے مکہ کے انحراف و سرکشی سے مغموم نہ ہوں۔ ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بدبخت رئیسوں نے کیا ہے۔ دولت و ثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے وہ کسی کے سامنے گردن جھکانا اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا۔ اسی لئے انبیاء کے اول متبعین عموماً ضعیف و مسکین لوگ ہوتے ہیں۔ کما ورد فی حدیث ہرقل۔

۵۳۔ رضائے الٰہی کا غلط معیار: یعنی معلوم ہوا خدا ہم سے خوش اور راضی ہے۔ ورنہ اتنا مال و اولاد کیوں دیتا۔ جب وہ خوش ہے تو ہم کو کسی آفت

کا اندیشہ نہیں۔ تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔

۵۴۔ دولت فراخی رضا کا معیار نہیں: یعنی روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھتے نہیں دنیا میں کتنے بد معاش، شریر، دہریے، ملحد (ناستک) مزے اڑاتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی مذہب بھی اچھا نہیں کہتا اور بہت سے خدا پرست پرہیز گار اور نیک بندے بظاہر فاقے کھینچتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ دولت و افلاس یا تنگی و فراخی کسی کے محبوب و مقبول عند اللہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ معاملات تو دوسری مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے مگر بہت لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔ وَمِنَ الدَّلِيْلِ عَلَى الْقَضَاءِ وَ حُكْمِهٖ بُؤْسُ اللَّبِيْبِ وَطِيْبُ عَيْشِ الْاَحْمَقِ۔

۵۵۔ یعنی مال و اولاد کی کثرت نہ قرب الٰہی کی علامت ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں گذرا۔ اور نہ قرب حاصل کرنے کا سبب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس کافر کے حق میں زیادت بُعد کا سبب بن جاتا ہے۔ ہاں مومن اگر مال و دولت کو وجوہ خیر میں صرف کرے اور اولاد کو بہترین تعلیم و تربیت دلا کر نیک اور شائستہ بنائے، ایسا مال و اولاد ایک درجہ میں قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے۔ بہر حال وہاں مال و اولاد کی پوچھ نہیں۔ محض ایمان و عمل صالح کی پرشش ہے۔

۵۶۔ مومنوں کو نفقات پر اجر عظیم: یعنی کام پر جتنے اجر کا استحقاق ہے اس سے زائد بدلہ ملے گا۔ کم از کم دس گنا اور زیادہ ہو تو سات سو گنا بلکہ اللہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ جس کی کوئی حد نہیں۔ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (بقرہ۔ ۲۶۱) یہاں ضعف سے مطلقاً زیادت مراد ہے۔

۵۷۔ یعنی جو بدبخت اللہ کی آیات کو رد کرتے اور ان پر طعن کر کے لوگوں کو ادھر سے روکتے ہیں گویا سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ و رسول کو ہرا دیں گے وہ سب عذاب میں گرفتار ہو کر حاضر کئے جائیں گے ایک بھی چھوٹ کر نہ بھاگ سکے گا۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا [۵۸]

۵۸۔ رزق کی تنگی و فراخی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ مسلمانوں کو سنایا کہ تم وجوہ خیر میں خرچ کرتے وقت تنگی اور افلاس سے نہ ڈرنا۔ خرچ کرنے سے رزق کم نہیں ہو جاتا جو مقدر ہے پہنچ کر رہے گا۔ اللہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا دینا چاہے اس میں تمہارے خرچ کرنے نہ کرنے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ وجوہ خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے خواہ مال کی صورت میں یا قناعت و غنائے قلبی کی شکل میں اور آخرت میں بدلہ ملنا تو یقینی ہے۔ غرض اس کے ہاں کچھ کمی نہیں۔ مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اس کی مرضی کے سامنے فقر و فاقہ کا اندیشہ دل میں نہ لائے۔ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔ (تنبیہ) آیت میں گویا اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ جس طرح دنیا میں تنگی اور فراخی کے اعتبار سے لوگوں کا حال متفاوت ہے، آخرت میں بھی باعتبار مراتب ثواب و عذاب کے ایسا ہی تفاوت ہو گا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

۴۰۔ اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر کہے گا

اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۴۰﴾

فرشتوں کو کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے [۵۹]

قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ اَنۡتَ وَلِيُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ بَلۡ كَانُوۡا
يَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ اَكۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ وہ کہیں گے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف میں ہیں نہ انکی طرف میں نہیں پر پوجتے تھے جنوں کو یہ اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے [۶۰]

فَالۡيَوۡمَ لَا يَمۡلِكُ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ نَّفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ
وَنَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّتِىۡ
كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ سو آج تم مالک نہیں ایک دوسرے کے بھلے کے نہ برے کے [۶۱] اور کہیں گے ہم ان گنہگاروں کو چکھو تکلیف اس آگ کی جس کو تم جھوٹ بتلاتے تھے

۵۹۔ ملائکہ پرستی پر ملائکہ سے سوال: بہت مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے بہت ان کے ہیاکل بنا کر پرستش کرتے تھے بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ اصنام پرستی کی ابتداء ملائکہ پرستی ہی سے ہوئی۔ اور عمرو بن لحی یہ رسم قبیح شام سے حجاز میں لایا۔ بہر حال قیامت کے دن کفار کو سنا کر فرشتوں سے سوال کریں گے کہ کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے؟ شاید مطلب یہ ہو کہ تم نے تو ان سے ایسا نہیں کہا۔ یا تم ان کے فعل سے خوش تو نہیں ہوئے۔ جیسے حضرت مسیحؑ سے سوال ہو گا۔ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (مائدہ۔۱۱۶) اور سورہ فرقان میں ہے ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِىۡ هٰٓؤُلَآءِ (فرقان۔۱۷)

۶۰۔ ملائکہ کا جواب: یعنی آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی کسی درجہ میں اس کا شریک ہو۔ (العیاذ باللہ) ہم کیوں ان کو ایسی بات کہنے لگے تھے یا ایسی واہیات حرکت سے خوش ہوتے۔ ہماری رضا تو آپ کی رضا کے تابع ہے۔ ہم کو ان مجرموں سے کیا واسطہ ہم تو آپ کے فرمانبردار غلام ہیں پھر یہ بدبخت تو حقیقت میں ہماری پرستش بھی نہیں کرتے تھے۔ نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش تھی فی الحقیقت ان کی عقیدتمندی ان ہی کے ساتھ ہے۔ شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ہیں ادھر ہی مڑ جاتے ہیں خواہ فرشتوں کا نام لے کر یا کسی نبی اور ولی کا۔ بلکہ بعض تو علانیہ شیطان ہی کو پوجتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے کسی جگہ غالباً سورہ "انعام" میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

۶۱۔ عابد اور معبود دونوں کی عاجزی: یعنی آج عابد اور معبود دونوں کا عجز واضح ہو گیا کہ کوئی کسی کو ذرہ بھر نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا جن معبودین کا بڑا سہارا سمجھتے تھے انہوں نے اس طرح وقت پر بیزاری ظاہر کر دی۔

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ
اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّصُدَّكُمۡ عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ
اٰبَآؤُكُمۡ ۚ وَقَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكٌ مُّفۡتَرًى ؕ وَقَالَ

۴۳۔ اور جب پڑھی جائیں انکے پاس ہماری آیتیں کھلی کھلی کہیں اور کچھ نہیں مگر یہ ایک مرد ہے چاہتا ہے کہ روک دے تم کو ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے [۶۲] اور کہیں اور کچھ نہیں یہ جھوٹ ہے باندھا ہوا [۶۳] اور کہتے ہیں منکر حق بات کو جب پہنچے ان تک اور کچھ نہیں یہ ایک جادو ہے صریح [۶۴]

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ
مُّبِیۡنٌ ﴿۴۳﴾

وَ مَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ کُتُبٍ یَّدۡرُسُوۡنَهَا وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ
اِلَیۡهِمۡ قَبۡلَکَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ ﴿ؕ۴۴﴾

۴۴۔ اور ہم نے دی نہیں انکو کچھ کتابیں کہ جن کو وہ پڑھتے ہوں اور بھیجا نہیں انکے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا[۶۵]

وَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۙ وَ مَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ
مَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ فَکَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ ۟ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿ع۴۵﴾ ع ۵ ۱۱

۴۵۔ اور جھٹلایا ہے ان سے اگلوں نے اور یہ نہیں پہنچے دسویں حصہ کو اس کے جو ہم نے انکو دیا تھا پھر جھٹلایا انہوں نے میرے بھیجے ہوؤں کو تو کیسا ہوا انکار میرا[۶۶]

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَعِظُکُمۡ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰی
وَ فُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوۡا ۟ مَا بِصَاحِبِکُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ
اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ لَّکُمۡ بَیۡنَ یَدَیۡ عَذَابٍ شَدِیۡدٍ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو اور ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو ایک بڑی آفت کے آنے سے[۶۷]

قُلۡ مَا سَاَلۡتُکُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَکُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا
عَلَی اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا ہو کچھ بدلا سو وہ تمہی رکھو میرا بدلہ ہے اسی اللہ پر[۶۸] اور اس کے سامنے ہے ہر چیز[۶۹]

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ ۚ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ تو کہہ میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں[۷۰]

قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ مَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَ مَا یُعِیۡدُ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ تو کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ پھیر کر لائے[۷۱]

قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰی نَفۡسِیۡ ۚ وَ اِنِ
اهۡتَدَیۡتُ فَبِمَا یُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ سَمِیۡعٌ

۵۰۔ تو کہہ اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بہکوں گا اپنے ہی نقصان کو اور اگر ہوں سیدھے راستہ پر تو اس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب بیشک وہ سب کچھ سنتا ہے نزدیک[۷۲]

قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾

۶۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب: یہ رسول کریم ﷺ کی نسبت آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص نبی رسول کچھ نہیں۔ بس اتنی غرض ہے کہ ہمارے باپ دادوں کا طریقہ چھڑا کر (جس کو ہم قدیم سے حق جانتے چلے آئے ہیں) اپنے ڈھب پر لے آئے اور خود حاکم و متبوع بن کر بیٹھ جائے۔ گویا صرف حکومت وریاست مطلوب ہے (العیاذ باللہ)۔

۶۳۔ یعنی قرآن کیا ہے (العیاذ باللہ) چند جھوٹی باتیں جو خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

۶۴۔ قرآن و نبوت پر اعتراض: یعنی یہ نبوت کا دعویٰ جس کے ساتھ چند معجزات و خوارق کی نمائش کی گئی ہے یا مذہب اسلام جس نے آکر میاں کو بیوی سے اور باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا ہے یا قرآن جس کی تاثیر لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی ہوتی ہے، صریح جادو کے سوا اور کچھ نہیں (العیاذ باللہ)۔

۶۵۔ کفار مکہ کی جہالت: یعنی محض اُمّی تھے نہ کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں تھی نہ اتنی مدت دراز سے کوئی نبی ان میں آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان پیغمبر اور ایسی جلیل القدر کتاب مرحمت فرمائی۔ چاہئے کہ اسے غنیمت جانیں اور انعام الٰہی کی قدر کریں۔ خصوصًا جبکہ پہلے سے خود کہا بھی کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی پیغمبر آتا یا کوئی کتاب ہم پر اتاری جاتی تو اوروں سے بڑھ کر ہم فرمانبردار ہوتے۔ اب وہ چیز آئی تو لگے انکار واستکبار کرنے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے ان کے پاس کوئی کتاب یا ہادی ایسا نہیں بھیجا جو آپ کی تعلیم کے خلاف تعلیم دیتا ہو۔ پھر کس دلیل نقلی یا عقلی کی بنا پر یہ لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔

۶۶۔ یعنی جیسی لمبی عمریں، جسمانی قوتیں، مال و دولت، اور عیش و ترفہ ان کو دیا گیا تمہیں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملا۔ لیکن جب انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب و مخالفت کی، دیکھ لو! کیا انجام ہوا، سب ساز وسامان دھرا رہ گیا۔ ایک منٹ بھی عذاب الٰہی کو روک نہ سکے۔ پھر تم اتنا کاہے پر اتراتے ہو؟ اس برتے پر یہ تتہ پانی۔

۶۷۔ کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ: یعنی تعصب و عناد چھوڑ کر انصاف و اخلاص کے ساتھ اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہو۔ اور کئی مل کر بحث و مشورہ کر لو اور الگ الگ تنہائی میں غور کر کے سوچو کہ یہ تمہارا رفیق (محمد رسول اللہ ﷺ) جو چالیس برس سے زیادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہا جس کے بچپن سے لیکر کہولت تک کے ذرہ ذرہ حالات تم نے دیکھے جس کی امانت و دیانت، صدق و عفاف اور فہم و دانش کے تم برابر قائل رہے۔ کبھی کسی معاملہ میں نفسانیت یا غرض پرستی کا الزام تم نے اس پر نہیں رکھا۔ کیا تم واقعی گمان کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ اسے بیٹھے بٹھائے جنون ہو گیا ہے جو خواہ مخواہ اس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنا لیا۔ کیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنون اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور ان کی اخروی فلاح اور دنیوی ترقی کا اتنا زبردست لائحہ عمل پیش کر سکتا ہے۔ وہ تم کو سخت مہلک خطرات اور تباہی انگیز مستقبل سے آگاہ کر رہا ہے۔ قوموں کی تاریخیں سناتا ہے، دلائل و شواہد سے تمہارا بھلا برا سمجھاتا ہے یہ کام دیوانوں کے نہیں، ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں جنہیں احمقوں اور شریروں نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے۔

۶۸۔ کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ۔ یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو مجھے ضرورت نہیں۔ میرا صلہ تو خدا کے ہاں ہے۔ تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان واسلام وہ صرف تمہارے نفع کی خاطر۔ اس سے زائد میری کوئی غرض نہیں۔

۶۹۔ یعنی میری سچائی اور نیت اللہ کے سامنے ہے۔

۷۰۔ حق غالب ہو کر رہے گا: یعنی اوپر سے وحی اتر رہی اور دین کی بارش ہو رہی ہے۔ موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ جس

زور سے اللہ تعالیٰ حق کو باطل کے سر پر پھینک کر مار رہا ہے اس سے اندازہ کرو کہ باطل کہاں ٹھہر سکے گا، ضرور ہے ملیامیٹ ہو کر رہے اور آفاق میں دین حق کا ڈنکا بجے اس علام الغیوب نے خوب دیکھ بھال کر عین موقع پر حق کو باطل کا سر کچلنے کے لئے بھیجا ہے۔ بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَی الۡبَاطِلِ فَیَدۡمَغُہٗ فَاِذَا ھُوَزَاھِقٌ (الانبیاء۔۱۸)۔

۷۱۔ یعنی دین حق آ پہنچا اب اس کا زور رکنے والا نہیں۔ سب پر غالب ہو کر اور باطل کو زیر کر کے رہے گا جھوٹ کے پاؤں کہاں جو حق کے سامنے چل سکے۔ وہ تو اب کرنے کا نہ دھرنے کا۔ سمجھ لو آیا گیا ہوا۔ فتح مکہ کے دن یہ آیت آپ کی زبان پر تھی۔

۷۲۔ یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کے دن چلے گا۔ اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے۔ دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا۔ (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الہیٰ کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے۔ وہ ہمیشہ میری مدد فرمائے گا اور اپنے پیغام کو دنیا میں روشن کرے گا۔ تم مانو یا نہ مانو۔

وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَ اُخِذُوۡا مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور کبھی تو دیکھے جب یہ گھبرائیں پھر نہ بچیں بھاگ کر اور پکڑے ہوئے آئیں نزدیک جگہ سے [۷۳]

وَّ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِہٖ ۚ وَ اَنّٰی لَہُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿ۚۖ۵۲﴾

۵۲۔ اور کہنے لگیں ہم نے اسکو یقین مان لیا اور اب کہاں انکا ہاتھ پہنچ سکتا ہے بعید جگہ سے [۷۴]

وَّ قَدۡ کَفَرُوۡا بِہٖ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَ یَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور اس سے منکر رہے پہلے سے اور پھینکتے رہے بن دیکھے نشانہ پر دور کی جگہ سے [۷۵]

وَ حِیۡلَ بَیۡنَہُمۡ وَ بَیۡنَ مَا یَشۡتَہُوۡنَ کَمَا فُعِلَ بِاَشۡیَاعِہِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا فِیۡ شَکٍّ مُّرِیۡبٍ ﴿۵۴﴾ ع

۵۴۔ اور رکاوٹ پڑ گئی ان میں اور ان کی آرزو میں [۷۶] جیسا کہ کیا گیا ہے انکے طریقہ والوں کے ساتھ اس سے پہلے وہ لوگ تھے ایسے تردد میں جو چین نہ لینے دے [۷۷]

ع ۶ ۹ ۱۲

۷۳۔ کفار کی حالت: یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہو گا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش نہ کرنا پڑے گا۔ بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لیے جائیں گے۔

۷۴۔ آخرت میں کفار کا انعام: یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آگیا اب ہم ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر اپنے کو بچا سکتے تھے۔ اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے جو وہاں سے ایمان کو اٹھا لائیں۔ مطلب یہ کہ ایمان مقبول و منجی وہ ہے جو موت سے پہلے اس دنیا میں حاصل ہو۔ آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر سب ہی کو یقین آجائے گا۔ اس میں کیا کمال ہوا۔

۷۵۔ کفار کو جواب: یعنی پہلے جب ایمان لانے کا وقت تھا (انکار پر تلے رہے اور یوں ہی اٹکل کے تیر چلاتے رہے دنیا میں رہ کر ہمیشہ بے تحقیق باتیں کیں۔ سچی اور تحقیقی باتوں کو قبول نہ کیا۔ اب پچتانے سے کیا حاصل۔

۷۶۔ ابدی ناکامی: یعنی جس چیز کی آرزو رکھتے ہیں مثلاً ایمان مقبول یا نجات، یا دنیا کی طرف واپس جانا، یا دنیوی لذتیں اور عیش و آرام۔ ان چیزوں کے اور ان کفار کے درمیان سخت روک قائم کر دی گئی۔ کبھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

۷۷۔ یعنی پہلے جو اسی قماش کے لوگ گذرے ہیں جیسا معاملہ ان سے کیا تھا ان سے بھی ہوا۔ کیونکہ وہ لوگ بھی ایسے ہی مہمل شبہات اور بیجا شک و تردد میں گھرے ہوئے تھے جو کسی طرح ان کو چین نہ لینے دیتا تھا۔

تم سورة سبا

اٰیاتها ۴۵	۳۵ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ ۴۳	رکوعاتها ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جَاعِلِ
الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ
ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ
شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾

۱۔ سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین[۱] جس نے ٹھہرایا فرشتوں کو پیغام لانے والے[۲] جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار[۳] بڑھا دیتا ہے پیدائش میں جو چاہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے[۴]

مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ
لَہَا ۚ وَ مَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ
ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲﴾

۲۔ جو کچھ کہ کھول دے اللہ لوگوں پر رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا[۵] اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اسکے سوائے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا[۶]

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ
مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰہِ یَرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ
الۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۳﴾

۳۔ اے لوگو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر کیا کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوائے روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ پھر کہاں الٹے جاتے ہو[۷]

۱۔ حمد خالق وجود ہی کیلئے ہے: یعنی آسمان و زمین کو ابتداءً عدم سے نکال کر وجود میں لایا۔ پہلے سے کوئی نمونہ اور تخلیق کا قانون موجود نہ تھا۔

۲۔ یعنی بعض فرشتے انبیاء کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں اور بعض دوسرے جسمانی و روحانی نظام کی تدبیر و تشکیل پر مامور ہیں۔ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا (النازعات۔ ۲۵)۔

۳۔ فرشتوں کے پَر: یعنی بعض فرشتوں کے دو بازو (یا دو پر) بعض کے تین بعض کے چار ہیں۔ ان بازوؤں اور پروں کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے یا جس نے دیکھے ہوں وہ کچھ بتلا سکیں۔

۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو عضو اور جو صفت چاہے اپنی حکمت کے موافق بڑھا دے۔ فرشتوں کے دو، تین، چار بازو (یا پر) اسی نے بنائے چاہے تو بعض فرشتوں کے چار سے زیادہ بنا دے۔

حضرت جبریلؑ کے بازو: چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبریلؑ کے چھ سو بازو (یا پر) ہیں۔ اور جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا سے یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کچھ ان وسائط کا محتاج ہے۔ ہر گز نہیں۔ وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے۔ محض حکمت کی بناء پر یہ اسباب و وسائط کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

۵۔ رحمت جسمانی ہو مثلاً بارش، روزی وغیرہ یا روحانی جیسے انزال کتب وارسال رسل۔ غرض جب لوگوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے، کون ہے جو بند کر سکے۔

۶۔ یعنی اپنی حکمت بالغہ کے موافق جو کچھ کرنا چاہے فوراً کر گذرے۔ ایسا زبردست ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا۔

۷۔ خالق ہی معبود ہو سکتا ہے: یعنی مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار ہے۔ پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا جو خالق و رازق حقیقی ہے وہ ہی معبود ہونا چاہئے۔

وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَ
اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾

۴۔ اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام [۸]

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٚ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾

۵۔ اے لوگو بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو نہ بہکائے تم کو دنیا کی زندگانی اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا
یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۶﴾ؕ

۶۔ تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی سمجھ رکھو اس کو دشمن وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کے ہوں دوزخ والوں میں [۹]

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ۬ وَ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ
كَبِیْرٌ ﴿۷﴾ؑ

ع ۱/۱۳

۷۔ جو منکر ہوئے ان کو سخت عذاب ہے اور جو یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کے لئے ہے معافی اور بڑا ثواب

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ
یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖؗ فَلَا

۸۔ بھلا ایک شخص کو کہ بھلی سمجھائی گئی اسکو اسکے کام کی برائی پھر دیکھا اس نے اسکو بھلا کیونکہ اللہ بھٹکاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے سو تیرا جی نہ

تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ ۝۸

جانتا رہے ان پر پچتا پچتا کر اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں[۱۰]

۸۔ یعنی اس قدر سمجھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد بھی یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو غم نہ کیجئے۔ انبیائے سابقین کے ساتھ بھی یہ ہی برتاؤ ہوا ہے۔ کوئی انوکھی بات نہیں۔ متعصب اور ضدی لوگ کبھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے۔ ایسوں کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے۔ وہیں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔

۹۔ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے: یعنی قیامت آنی ہے اور یقیناً سب کو اللہ تعالیٰ کی بڑی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ اس دنیا کی ٹیپ ٹاپ اور فانی عیش و بہار پر نہ پھولو۔ اور اس مشہور دغاباز شیطان کے دھوکہ میں مت آؤ۔ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ کبھی اچھا مشورہ نہ دے گا۔ یہ ہی کوشش کرے گا کہ اپنے ساتھ تم کو بھی دوزخ میں پہنچا کر چھوڑے طرح طرح کی باتیں بنا کر خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرتا رہے گا۔ چاہئے کہ تم دشمن کو دشمن سمجھو اس کی بات نہ مانو۔ اس پر ثابت کر دو کہ ہم تیری مکاری کے جال میں پھنسنے والے نہیں۔ خوب سمجھتے ہیں کہ تو دوستی کے لباس میں بھی دشمنی کرتا ہے۔

۱۰۔ نیک اور بد برابر نہیں: یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے۔ جب دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔ اللہ جس کی سوء استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے۔ اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یا الٹی بات سمجھا دے۔ بہر حال جو شخص شیطانی اغواء سے برائی کو بھلائی بدی کو نیکی اور زہر کو تریاق سمجھ لے کیا اس کے سیدھے راستہ پر آنے کی کچھ توقع ہو سکتی ہے؟ جب نہیں ہو سکتی اور سلسلہ ہدایت وضلالت کا سب اللہ کی مشیت و حکم کے تابع ہے۔ تو آپ ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں، اس حسرت میں کہ یہ بدبخت اپنے فائدہ کی بات کو کیوں قبول نہیں کرتے کیا آپ اپنی جان دے بیٹھیں گے؟ آپ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے۔ اللہ ان کے سب کرتوت جانتا ہے۔ وہ خود ان کا بھگتان کر دے گا آپ دلگیر و غمگین نہ ہوں۔

وَ اللّٰهُ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا فَسُقۡنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحۡيَيۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ ۝۹

۹۔ اور اللہ ہے جس نے چلائی ہیں ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہانک لے گئے ہم اسکو ایک مردہ دیس کی طرف پھر زندہ کر دیا ہم نے اس سے زمین کو اسکے مر جانے کے بعد اسی طرح ہو گا جی اٹھنا[۱۱]

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِيۡعًا ؕ اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ وَ

۱۰۔ جس کو چاہئے عزت تو اللہ کے لیے ہے ساری عزت[۱۲] اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا[۱۳] اور کام نیک اس کو اٹھا لیتا ہے[۱۴] اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے

الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ
وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿١٠﴾

انکے لیے سخت عذاب ہے اور ان کا داؤ ہے ٹوٹے گا[۱۵]

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ
اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ
عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١١﴾

۱۱۔ اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے پھر بوند پانی سے پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے اور نہ پیٹ رہتا ہے کسی مادہ کو اور نہ وہ جنتی ہے بن خبر اس کے[۱۶] اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے[۱۷]

وَ مَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ
تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً
تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ
لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢﴾

۱۲۔ اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے خوشگوار ہے پینا اس کا اور یہ کھارا کڑوا اور دونوں میں سے کھاتے ہو گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جسکو پہنتے ہو[۱۸] اور تو دیکھے جہازوں کو اس میں کہ چلتے ہیں پانی کو پھاڑتے تاکہ تلاش کرو اسکے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو[۱۹]

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۙ وَ
سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ ﴿١٣﴾

۱۳۔ رات گھساتا ہے دن میں اور دن گھساتا ہے رات میں اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وعدہ تک[۲۰] یہ اللہ ہے تمہارا رب اسی کے لئے بادشاہی ہے اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوائے وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے[۲۱]

اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡا دُعَآءَكُمۡ ۚ وَلَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَكُمۡ ؕ وَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُوۡنَ بِشِرۡكِكُمۡ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثۡلُ خَبِيۡرٍ ﴿۱۴﴾ ع ۲

۱۴۔ اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر سنیں پہنچیں نہیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے [۲۲] اور کوئی نہ بتلائے گا تجھ کو جیسا بتلائے خبر رکھنے والا [۲۳]

۱۱۔ بارش اور بادل سے نشر پر استدلال: اللہ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور جس ملک کا رقبہ مردہ پڑا تھا۔ یعنی کھیتی و سبزہ کچھ نہ تھا، چاروں طرف خاک اڑ رہی تھی، بارش کے پانی سے اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی مرے پیچھے جلا کر کھڑا کر دے گا۔ روایات میں ہے کہ جب اللہ مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا۔ عرش کے نیچے سے ایک (خاص قسم کی) بارش ہو گی جس کا پانی پڑتے ہی مردے اس طرح جی اٹھیں گے۔ جیسے ظاہری بارش ہونے پر دانہ زمین سے اگتا ہے مزید تفصیل روایات میں دیکھنی چاہئے۔

۱۲۔ عزت اللہ کی اطاعت میں ہے: کفار نے دوسرے معبود اس لئے ٹھہرائے تھے کہ اللہ کے ہاں ان کی عزت ہو گی۔ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا (مریم۔۸۱) اور بہت لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستانہ کرتے تھے کہ اس سے انکی عزت بنی رہے گی اَلَّذِيۡنَ يَتَّخِذُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ اَيَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا (نساء۔۱۳۹) اس قسم کے لوگوں کو بتلایا کہ جو شخص دنیا و آخرت کی عزت چاہے، چاہئے کہ اللہ سے طلب کرے کہ عزیز مطلق تو وہ ہے، اسی کی فرمانبرداری اور یادگاری سے اصلی عزت میسر آتی ہے۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔ جس کسی کو عزت ملی یا ملے گی اس کے خزانہ سے ملی ہے یا ملے گی۔

۱۳۔ کلام طیب کی فضیلت: ستھرا کلام ہے، ذکر اللہ، دعاء تلاوت القرآن، علم و نصیحت کی باتیں، یہ سب چیزیں بارگاہ رب العزت کی طرف چڑھتی ہیں اور قبول و اعتناء کی عزت حاصل کرتی ہیں۔

۱۴۔ عمل صالح کی رفعت وبلندی: ستھرے کلام (ذکر اللہ وغیرہ) کا ذاتی اقتضاء ہے اوپر چڑھنا۔ اس کے ساتھ دوسرے اعمال صالحہ ہوں تو وہ اس کو سہارا دے کر اور زیادہ ابھارتے اور بلند کرتے رہتے ہیں۔ اچھے کلام کو بدون اچھے کاموں کے پوری رفعت شان حاصل نہیں ہوتی۔ بعض مفسرین نے وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ کی ضمیروں کا مرجع بدل کر یہ معنی لئے ہیں کہ ستھرا کلام اچھے کام کو اونچا اور بلند کرتا ہے۔ یہ بھی درست ہے اور بعض نے يَرۡفَعُ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی اللہ عمل صالح کو بلند کرتا اور معراج قبول پر پہنچاتا ہے۔ بہر حال غرض یہ ہے کہ بھلے کام اور اچھے کلام دونوں علو و رفعت کو چاہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت کا طالب ہو وہ ان چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کرے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی عزت اللہ کے ہاتھ ہے۔ تمہارے ذکر اور بھلے کام چڑھتے جاتے ہیں جب اپنی حد کو پہنچیں گے تب بدی پر (پورا) غلبہ (حاصل) کریں گے۔ کفر دفع ہو گا، اسلام کو عزت ہو گی" مکاروں کے سب داؤ گھات باطل اور بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔

۱۵۔ مکاروں کیلئے عذاب: یعنی جو لوگ بری تدبیریں سوچتے اور حق کے خلاف داؤ گھات میں رہتے ہیں آخر ناکام ہو کر خسارہ اٹھائیں گے۔ دیکھو قریش نے "دارالندوہ" میں بیٹھ کر حضور کو قید کرنے یا قتل کرنے یا وطن سے نکالنے کے مشورے کئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "جنگ بدر" کے موقع پر وہی لوگ وطن سے نکلے، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے اور قلیب بدر میں ہمیشہ کیلئے قید کر دیے گئے۔

۱۶۔ انسان کی تخلیق: یعنی آدم کو مٹی سے پھر اس کی اولاد کو پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر مرد عورت کے جوڑے بنا دیے جس سے نسل پھیلی۔

اس درمیان میں استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جو ادوار و اطوار گذرے سب کی خبر خدا ہی کو ہے۔ ماں باپ بھی نہیں جانتے کہ اندر کیا کیا صورتیں پیش آئیں۔

۱۷۔ ہر شے کی عمر پہلے سے لکھی ہوئی ہے: یعنی جس کی جتنی عمر ہے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور جو اسباب عمر کے گھٹنے بڑھنے کے ہیں یا یہ کہ کون عمر طبعی کو پہنچے گا۔ کون نہیں، سب اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کو ان جزئیات پر احاطہ رکھنا بندوں کی طرح کچھ مشکل نہیں۔ اس کو تو تمام ماکان و مایکون، جزئی، کلی اور غیب و شہادت کا علم ازل سے حاصل ہے۔ اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہر کام سہج سہج ہوتا ہے جیسے آدمی کا بننا" اور اپنی عمر مقدر کو پہنچنا۔ اسی طرح سمجھ لو اسلام بتدریج بڑھے گا اور آخر کار کفر کو مغلوب و مقہور کر کے چھوڑے گا۔

۱۸۔ کفر و اسلام کی مثال مظاہر فطرت سے: اوپر سے دلائل توحید اور شواہد قدرت بیان ہوتے آرہے ہیں اسی کے ضمن میں لطیف اشارے اسلام کے غلبہ کی طرف بھی ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی کفر اور اسلام برابر نہیں خدا کفر کو مغلوب ہی کرے گا اگرچہ تم کو دونوں سے فائدہ ملے گا۔ مسلمانوں سے قوت دین اور کافروں سے جزیہ خراج اور گوشت میٹھے کھاری دونوں دریاؤں سے نکلتا ہے یعنی مچھلی اور گہنا (زیور) یعنی موتی، مونگا اور جواہر اکثر کھاری سے نکلتے ہیں۔

۱۹۔ بحری جہاز: اکثر بڑی بڑی تجارتیں جہازوں کے ذریعہ سے ہوتی ہیں۔ ان سے جو منافع حاصل ہوں یہ ہی اللہ کا فضل ہے۔ ان تمام انعامات پر انسان کو چاہئے مالک کا شکر ادا کرے۔

۲۰۔ لیل و نہار کے تغیرات: یہ مضمون پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی رات دن کی طرح کبھی کفر غالب ہے کبھی اسلام۔ اور سورج چاند کی طرح ہر چیز کی مدت بندھی ہے دیر سویر نہیں ہوتی"۔ حق کا نمایاں غلبہ اپنے وقت پر ہو گا۔

۲۱۔ باطل معبودوں کی حقیقت: یعنی جس کی صفات و شئون اوپر بیان ہوئیں حقیت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار اور کل زمین و آسمان کا بادشاہ۔ باقی جنہیں تم خدا قرار دیکر پکارتے ہو۔ وہ مسکین بادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اس کے بھی مالک نہیں۔

۲۲۔ یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے۔ بلکہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔

۲۳۔ اللہ ہی سچی خبر دینے والا ہے۔ یعنی اللہ سے زیادہ احوال کون جانے وہ ہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائے گا۔

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اے لوگو تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پرواسب تعریفوں والا [۲۴]

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اگر چاہے تم کو لیجائے اور لے آئے ایک نئی خلقت

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور یہ بات اللہ پر مشکل نہیں [۲۵]

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ
اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ
اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى
لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۱۸

۱۸۔ اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے کوئی بوجھل اپنا بوجھ بٹانے کو کوئی نہ اٹھائے اس میں سے ذرا بھی اگرچہ ہو قرابتی[۲۶] تو تو ڈر سنا دیتا ہے انکو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز[۲۷] اور جو کوئی سنورے گا تو یہی ہے کہ سنورے گا اپنے فائدہ کو اور اللہ کی طرف ہے سب کو پھر جانا[۲۸]

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۱۹

۱۹۔ اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۲۰

۲۰۔ اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۲۱

۲۱۔ اور نہ سایہ اور نہ لُو

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي
الْقُبُوْرِ ۲۲

۲۲۔ اور برابر نہیں جیتے اور نہ مردے[۲۹] اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۲۳

۲۳۔ تو تو بس ڈر کی خبر پہنچانے والا ہے[۳۰]

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ
اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۲۴

۲۴۔ ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دیکر خوشی اور ڈر سنانے والا اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈر سنانے والا[۳۱]

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ
جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ

۲۵۔ اور اگر وہ تجھ کو جھٹلائیں تو آگے جھٹلا چکے ہیں جو لوگ کہ ان سے پہلے تھے پہنچے ان کے پاس رسول انکے لیکر کھلی باتیں اور صحیفے اور روشن کتاب[۳۲]

الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۱۴ ۱۵

۲۶۔ پھر پکڑا میں نے منکروں کو سو کیسا ہوا انکار میرا [۳۳]

۲۴۔ تمام انسان اللہ کے محتاج ہیں: یعنی سب لوگ اسی اللہ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں۔ کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔ پس وہ ہی مستحق عبادت واستعانت کا ہوا۔

۲۵۔ یعنی تم نہ مانو تو وہ قادر ہے کہ تم کو ہٹا کر دوسری خلقت آباد کر دے جو بہمہ وجوہ اس کی فرمانبردار اور اطاعت گذار ہو، جیسے آسمانوں پر فرشتے اور ایسا کرنا اللہ کو کچھ مشکل نہیں لیکن اس کی حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ زمین پر یہ سب سلسلے چلتے رہیں۔ اور آخر میں ہر ایک اپنے نیک و بد عمل کا بدلہ پائے تا اس طرح اس کی تمامی صفات کا ظہور ہو۔

۲۶۔ قیامت میں ہر شخص اپنا بوجھ اٹھائے گا: یعنی نہ کوئی از خود دوسرے کا بوجھ اپنے سر رکھے گا کہ اس کے گناہ اپنے اوپر لے لے اور نہ دوسرے کے پکارنے پر اس کا کچھ ہاتھ بٹا سکے گا خواہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ سب کو نفسی نفسی پڑی ہو گی۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ہی سے بیڑا پار ہو گا۔

۲۷۔ یعنی آپ کے ڈرانے سے وہ ہی اپنا رویہ درست کر کے نفع اٹھائے گا جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور ڈر کر اس کی بندگی میں لگا رہتا ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہی نہ ہو وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہو گا۔

۲۸۔ یعنی آپ کی نصیحت سن کر جو شخص مان لے اور اپنا حال درست کر لے تو کچھ آپ پر یا خدا پر احسان نہیں بلکہ اسی کا فائدہ ہے اور یہ فائدہ پوری طرح اس وقت ظاہر ہو گا جب سب اللہ کے ہاں لوٹ کر جائیں گے۔

۲۹۔ مومن اور کافر برابر نہیں: یعنی مومن جس کو اللہ نے دل کی آنکھیں دی ہیں، حق کے اجالے اور وحی الٰہی کی روشنی میں بے کھٹکے راستہ قطع کرتا ہوا جنت کے باغوں اور رحمت الٰہی کے سایہ میں جا پہنچتا ہے۔ کیا اس کی برابری وہ کافر کر سکے گا جو دل کا اندھا اوہام واہواء کی اندھیریوں میں بھٹکتا ہوا جہنم کی آگ اور اس کی جھلس دینے والی لوؤں کی طرف بے تحاشا چلا جا رہا ہے۔ ہر گز نہیں۔ ایسا ہو تو یوں سمجھو کہ مردہ اور زندہ برابر ہو گیا۔ فی الحقیقت مومن و کافر میں اس سے بھی زیادہ تفاوت ہے جو ایک زندہ تندرست آدمی اور مردہ لاش میں ہوتا ہے، اصلی اور دائمی زندگی صرف روح ایمان سے ملتی ہے۔ بدون اس کے انسان کو ہزار مردوں سے بدتر سمجھنا چاہئے۔

۳۰۔ اللہ مردوں کو بھی سنا سکتا ہے: یعنی اللہ چاہے تو مردوں کو بھی سنا دے یہ قدرت اوروں کو نہیں۔ اسی طرح سمجھ لو کہ پیغمبر کا کام خبر پہنچانا اور بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے۔ کوئی مردہ دل کافر انکی بات نہ سنے تو یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سب خلق برابر نہیں۔ جنہیں ایمان دینا ہے ان ہی کو ملے گا۔ تو بہتیری آرزو کرے تو کیا ہوتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا "نہ اندھیرا نہ اجالا" یعنی نہ اندھیرا برابر اجالے کے اور نہ اجالا برابر اندھیرے کے (یہ "لا" کی تکریر کا فائدہ بتلا دیا) اور فرمایا "تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو"۔ حدیث میں آیا کہ مردوں سے سلام علیک کرو۔ اور بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سنتا"۔ یہ بحث پہلے سورہ "نمل" کے آخر میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔

۳۱۔ بشیر و نذیر: ڈرسنانے والا خواہ نبی ہو یا نبی کا قائم مقام جو اس کی راہ کی طرف بلائے۔ اس کے متعلق سورہ "نمل" کے چوتھے رکوع میں کچھ لکھا جا چکا ہے۔

۳۲۔ یعنی روشن تعلیمات یا کھلے کھلے معجزات لے کر آئے۔ نیز ان میں سے بعض کو مختصر چھوٹے صحیفے دیے گئے۔ بعض کو بڑی مفصل کتابیں۔

۳۳۔ یعنی جب تکذیب سے باز نہ آئے تو دیکھ لو انجام کیا ہوا۔ وہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح کے انکے رنگ [۳۴] اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح کے انکے رنگ اور بھجنگے کالے [۳۵]

وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں کتنے رنگ ہیں اسی طرح [۳۶] اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے تحقیق اللہ زبردست ہے بخشنے والا [۳۷]

۳۴۔ مظاہرہ قدرت: یعنی قسم قسم کے میوے۔ پھر ایک قسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا کیے۔ ایک زمین ایک پانی ایک ہوا سے اتنی مختلف چیزیں پیدا کرنا عجیب و غریب قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔

۳۵۔ یعنی سفید بھی کئی درجے (کوئی بہت زیادہ سفید کوئی کم کوئی اس سے کم) اور سرخ بھی کئی درجے۔ اور کالے بھجنگے یعنی بہت گہرے سیاہ کوے کے پر کی طرح۔

۳۶۔ مخلوقات کے مختلف رنگ: یہ سب بیان ہے قدرت کی نیرنگیوں کا۔ پس جس طرح نباتات، جمادات، اور حیوانات میں رنگ برنگ کی مخلوق ہے، انسانوں میں بھی ہر ایک کی طرح جدا ہے۔ مومن اور کافر ایک دوسرا سا ہو جائے اور سب انسان ایک ہی رنگ اختیار کر لیں یہ کب ہو سکتا ہے۔ اس میں حضرت ﷺ کو تسلی دیدی کہ لوگوں کے اختلاف سے غمگین نہ ہوں۔

۳۷۔ اللہ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں: یعنی بندوں میں نڈر بھی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بھی مگر ڈرتے وہ ہی ہیں جو اللہ کی عظمت و جلال، آخرت کے بقاء و دوام، اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے احکام و ہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں۔ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہو گا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈرے گا۔ جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سب آدمی ڈرنے والے نہیں۔ اللہ سے ڈرنا سمجھ والوں کی صفت ہے اور اللہ کا معاملہ بھی دو طرح ہے وہ زبردست بھی ہے کہ ہر خطا پر پکڑے، اور غفور بھی کہ گنہگار کو بخشے"۔ پس دونوں حیثیت سے بندہ کو ڈرنا چاہئے۔ کیونکہ نفع و ضرر دونوں اسی کے قبضے میں ہوئے۔ تو جب چاہے نفع کو روک لے اور ضرر لاحق کر دے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ
اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ
تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا ہوا چھپے اور کھلے امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو[۳۸]

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ
غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ تاکہ پورا دے انکو ثواب ان کا اور زیادہ دے اپنے فضل سے تحقیق وہ ہے بخشنے والا قدر دان[۳۹]

وَ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ
بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور جو ہم نے تجھ پر اتاری کتاب وہی ٹھیک ہے تصدیق کرنے والی اپنے سے اگلی کتابوں کی بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار ہے دیکھنے والا[۴۰]

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ
مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ؕ

۳۲۔ پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لیکر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی[۴۱]

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ
مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ باغ ہیں بسنے کے جن میں وہ جائیں گے وہاں انکو پہنایا جائے گا کنگن سونے کے اور موتی کے اور انکی پوشاک وہاں ریشمی ہے[۴۲]

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ
رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۨ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور کہیں گے شکر اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے غم بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدر دان ہے[۴۳]

الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَۃِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا
فِیۡہَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾
وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَہُمۡ نَارُ جَہَنَّمَ ۚ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡہِمۡ
فَیَمُوۡتُوۡا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمۡ مِّنۡ عَذَابِہَا ؕ کَذٰلِکَ
نَجۡزِیۡ کُلَّ کَفُوۡرٍ ﴿ۚ۳۶﴾
وَ ہُمۡ یَصۡطَرِخُوۡنَ فِیۡہَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ
صَالِحًا غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ ؕ اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡکُمۡ مَّا
یَتَذَکَّرُ فِیۡہِ مَنۡ تَذَکَّرَ وَ جَآءَکُمُ النَّذِیۡرُ ؕ
فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۳۷﴾ ع ٤/١١ ١٢

۳۵۔ جس نے اتارا ہم کو آباد رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے نہ پہنچے ہم کو اس میں مشقت اور نہ پہنچے ہمکو اس میں تھکنا[۴۴]

۳٦۔ اور جو لوگ منکر ہیں انکے لئے ہے آگ دوزخ کی نہ ان پر حکم پہنچے کہ مر جائیں اور نہ ان پر ہلکی ہو وہاں کی کچھ کلفت یہ سزا دیتے ہیں ہم ہر ناشکر کو[۴۵]

۳۷۔ اور وہ چلائیں اس میں اے رب ہم کو نکال کہ ہم کچھ بھلا کر لیں وہ نہیں جو کرتے رہے[۴٦] کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تمکو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو اور پہنچا تمہارے پاس ڈرانے والا اب چکھو کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا مددگار[۴۷]

۳۸۔ نفع بخش تجارت کے امیدوار: یعنی جو اللہ سے ڈر کر اس کی باتوں کو مانتے اور اس کی کتاب کو عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ نیز بدنی و مالی عبادات میں کوتاہی نہیں کرتے وہ حقیقت میں ایسے زبردست بیوپار کے امیدوار ہیں جس میں خسارے اور ٹوٹے کا کوئی احتمال نہیں۔ بلاشبہ جب خدا خود ان کے اعمال کا خریدار ہو تو اس امید میں یقیناً حق بجانب ہیں۔ نقصان کا اندیشہ کسی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ از سر تا پا نفع ہی نفع ہے۔

۳۹۔ یعنی بہت سے گناہ معاف فرماتا ہے اور تھوڑی سے طاعت کی قدر کرتا ہے اور ضابطہ سے جو ثواب ملنا چاہئے بطور بخشش اس سے زیادہ دیتا ہے۔

۴۰۔ یعنی بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے۔ ٹھیک موقع پر یہ کتاب اتاری۔

۴۱۔ قرآن کے ورثاء: یعنی پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث اس امت کو بنایا جو بہیأت مجموعی تمام امتوں سے بہتر و برتر ہے ہاں امت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمان صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یہ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ ہوئے) اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں۔ نہ گناہوں میں منہمک نہ بڑے بزرگ اور ولی (ان کو مقتصد فرمایا) اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیل کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اور گناہ کے خوف سے مکروہ تنزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو ان کو ہے۔ ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثت سے سب کو شمار کیا۔ کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ گنہگار بھی اگر مومن ہے تو بہر حال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں جائے گا۔ حدیث میں فرمایا کہ ہمارا گنہگار معاف ہے، یعنی آخر کار معافی ملے گی۔ اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑے سو سب سے آگے بڑھے، اللہ

کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں۔

۴۲۔ اہل جنت کیلئے سونے کے کنگن اور ریشمی لباس: سونا اور ریشم مسلمان مردوں کے لئے وہاں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو کوئی (مرد) ریشمین (کپڑا) پہنے دنیا میں، نہ پہنے آخرت میں۔

۴۳۔ یعنی دنیا کا اور محشر کا غم دور کیا۔ گناہ بخشے اور ازراہ قدردانی طاعت قبول فرمائی۔

۴۴۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں رہنے کا گھر اس سے پہلے کوئی نہ تھا ہر جگہ چل چلاؤ اور روزی کا غم، دشمنوں کا ڈر اور رنج و مشقت۔ وہاں پہنچ کر سب کافور ہو گئے۔

۴۵۔ اہل دوزخ کا حال: نہ کفار کو جہنم میں موت آئے گی کہ اسی سے تکالیف کا خاتمہ ہو جائے اور نہ عذاب کی تکلیف کسی وقت ہلکی ہو گی۔ ایسے ناشکروں کی ہمارے ہاں یہی سزا ہے۔

۴۶۔ اہل دوزخ کی فریاد: یعنی اس وقت تو اسی کو بھلا سمجھتے تھے پر اب وہ کام نہ کریں گے۔ ذرا دوزخ سے نکال دیجئے تو ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوں۔

۴۷۔ حق تعالیٰ کا جواب: یہ جواب دوزخیوں کو دیا جائے گا۔ یعنی ہم نے تم کو عقل دی تھی جس سے سمجھتے اور کافی عمر دی جس میں سوچنا چاہتے تو سب نیک و بد سوچ کر سیدھا راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ حتّٰی کہ تم میں کے بہت سے تو ساٹھ ستر برس دنیا میں زندہ رہ کر مرے۔ پھر اوپر سے ایسے اشخاص اور حالات بھیجے جو برے انجام سے ڈراتے اور خواب غفلت سے بیدار کرتے رہیں۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی عذر باقی رہا اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو اور کسی طرف سے مدد کی توقع نہ رکھو۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيۡبِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں [۴۸]

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَـكُمۡ خَلٰٓـئِفَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ فَمَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

۳۹۔ وہی ہے جس نے کیا تمکو قائم مقام زمین میں [۴۹] پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اس پر پڑے اسکی ناشکری اور منکروں کو نہ بڑھے گی انکے انکار سے ان کے رب کے سامنے مگر بیزاری اور منکروں کو نہ بڑھے گا انکے انکار سے مگر نقصان [۵۰]

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ

۴۰۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اپنے شریکوں کو جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے زمین میں یا کچھ ان کا ساجھا ہے آسمانوں میں [۵۱] یا ہم نے دی ہے انکو

شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى
بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ
بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾

کوئی کتاب سو یہ سند رکھتے ہیں اس کی [۵۲] کوئی نہیں پر جو وعدہ بتلاتے ہیں گنہگار ایک دوسرے کو سب فریب ہے [۵۳]

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۬ وَ
لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

۴۱۔ تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں اور اگر ٹل جائیں تو کوئی نہ تھام سکے انکو اس کے سوائے [۵۴] وہ ہے تحمل والا بخشنے والا [۵۵]

۴۸۔ اللہ دلوں کی بات جانتا ہے: یعنی اسے بندوں کے سب کھلے چھپے احوال و افعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں۔ کسی کی نیت اور استعداد اس سے پوشیدہ نہیں اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ اب چلا رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو، پھر ایسی خطا نہ کریں گے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اگر ستر دفعہ لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آسکتے۔ ان کے مزاجوں کی افتاد ہی ایسی ہے۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام۔۲۸)

۴۹۔ یعنی اگلی امتوں کی جگہ تم کو زمین پر آباد کیا اور ان کے بعد ریاست دی۔ چاہئے اب اس کا حق ادا کرو۔

۵۰۔ یعنی کفر و ناشکری اور اللہ کی آیات کے انکار سے اس کا کچھ نقصان نہیں۔ وہ ہمارے حمد و شکر سے مستغنی ہے۔ البتہ ناشکری کرنے والے پر اس کے فعل کا وبال پڑتا ہے۔ کفر کا انجام بجز اس کے کچھ نہیں کہ اللہ کی طرف سے برابر ناراضی اور بیزاری بڑھتی جائے اور کافر کے نقصان و خسران میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔

۵۱۔ ان معبودوں نے کیا پیدا کیا: یعنی اپنے معبودوں کے احوال میں غور کر کے مجھے بتلاؤ کہ زمین کا کونسا حصہ انہوں نے بنایا، یا آسمانوں کے بنانے اور تھامنے میں ان کی کس قدر شرکت ہے۔ اگر کچھ نہیں تو آخر خدا کس طرح بن بیٹھے۔ کچھ تو عقل سے کام لو۔

۵۲۔ یعنی عقلی نہیں تو کوئی معتبر نقلی دلیل پیش کرو۔ جس کی سند پر یہ مشرکانہ دعویٰ کرتے ہو۔

۵۳۔ یعنی عقلی یا نقلی دلیل کوئی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان میں سے بڑے چھوٹوں کو اور اگلے پچھلوں کو شیطان کے اغواء سے یہ وعدہ بتلاتے چلے آئے کہ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس۔۱۸) (یہ بت وغیرہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع بنیں گے) اور اس کا قرب عطا کریں گے۔ حالانکہ یہ خالص دھوکا اور فریب ہے۔ یہ تو کیا شفیع بنتے، بڑے سے بڑا مقرب بھی وہاں کفار کی سفارش میں زبان نہیں ہلا سکتا۔

۵۴۔ زمین و آسمان کا ٹھہراؤ: یعنی اسی کی قدرت کا ہاتھ ہے جو اتنے بڑے بڑے کرات عظام کو اپنے مرکز سے ہٹنے اور اپنے مقام و نظام سے ادھر ادھر سرکنے نہیں دیتا اور اگر بالفرض یہ چیزیں اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو پھر بجز خدا کے کس کی طاقت ہے کہ ان کو قابو میں رکھ سکے چنانچہ قیامت میں جب یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ درہم برہم کرے گا، کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی۔

۵۵۔ اللہ کا حلم وبردباری: یعنی لوگوں کے کفر وعصیان کا اقتضاء تو یہ ہے کہ یہ سارا نظام ایک دم میں تہ وبالا کر دیا جائے لیکن اس کے تحمل وہ بردباری سے تھما ہوا ہے۔ اس کی بخشش نہ ہو تو سب دنیا ویران ہو جائے۔

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَہۡدٰی مِنۡ اِحۡدَی الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ مَّا زَادَہُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید کی قسمیں اپنی کہ اگر آئے گا انکے پاس کوئی ڈر سنانے والا البتہ بہتر راہ چلیں گے ہر ایک امت سے پھر جب آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا اور زیادہ ہو گیا ان کا بدکنا

اسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَکۡرَ السَّیِّیٴِ ؕ وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیٴُ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ ؕ فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۬ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ غرور کرنا ملک میں اور داؤ کرنا برے کام کا اور برائی کا داؤ الٹے گا انہی داؤں والوں پر [۵۶] پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں پہلوں کے دستور کی سو تو نہ پائے گا اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پائے گا اللہ کا دستور ٹلتا [۵۷]

اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھ لیں کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور تھے ان سے بہت سخت زور میں اور اللہ وہ نہیں جس کو تھکائے کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہی ہے سب کچھ جانتا کر سکتا [۵۸]

وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ لٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾ ع

۴۵۔ اور اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کی ان کی کمائی پر نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک بھی ہلنے چلنے والا [۵۹] پر ان کو ڈھیل دیتا ہے ایک مقرر وعدہ تک پھر جب آئے ان کا وعدہ تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے سب بندے [۶۰]

ع ۵ ۱۷

۵۶۔ یہودیوں کی جھوٹی قسمیں اور نبوت کی تکذیب: عرب کے لوگ جب سنتے کہ یہود وغیرہ دوسری قوموں نے اپنے نبیوں کی یوں نافرمانی کی تو کہتے کہ کبھی ہم میں ایک نبی آئے تو ہم ان قوموں سے بہتر نبی کی اطاعت و رفاقت کر کے دکھلائیں۔ جب اللہ نے نبی بھیجا جو سب نبیوں سے عظمت شان میں بڑھ کر ہے تو حق سے اور زیادہ بدکنے لگے۔ ان کا غرور و تکبر کہاں اجازت دیتا کہ نبی کے سامنے گردن جھکائیں۔ رفاقت و اطاعت اختیار کرنے کے بجائے عداوت پر کمربستہ ہو گئے اور طرح طرح کی مکر و تدبیریں اور داؤ گھات شروع کر دیے مگر یاد رہے کہ برا داؤ خود داؤ کرنے والوں پر الٹے گا۔ گو چند روز عاضی طور پر اپنے دل میں خوش ہو لیں کہ ہم نے تدبیریں کر کے یوں نقصان پہنچا دیا، لیکن انجام کار دیکھ لیں گے کہ واقع میں نقصان عظیم کس کو اٹھانا پڑا فرض کرو دنیا میں ٹل بھی گیا تو آخرت میں تو یقیناً یہ مشاہدہ ہو کر رہے گا۔

۵۷۔ چاہ کن را چاہ در پیش: یعنی یہ اسی کے منتظر ہیں کہ جو گذشتہ مجرموں کے ساتھ معاملہ ہوا ان کے ساتھ بھی ہو، سو باز نہ آئے تو وہ ہی ہو کر رہے گا۔ اللہ کا جو دستور مجرموں کی نسبت سزا دینے کا رہا ہے نہ وہ بدلنے والا ہے کہ بجائے سزا کے ایسے مجرموں پر انعام و اکرام ہونے لگے اور نہ ٹلنے والا کہ مجرم سے سزا ٹل کر غیر مجرم کو دے دی جائے۔

۵۸۔ اللہ کی مضبوط گرفت: یعنی بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔ یہ بیچارے تو کیا چیز ہیں خوب سمجھ لو کہ آسمان و زمین کی کوئی طاقت اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی علم اس کا محیط اور قدرت اس کی کامل پھر معاذ اللہ عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔

۵۹۔ گناہوں پر اللہ کا عفو و درگذر: یعنی لوگ جو گناہ کماتے ہیں اگر ان میں سے ہر ہر جزئی پر گرفت شروع کر دے تو کوئی جاندار زمین میں باقی نہ رہے۔ نافرمان تو اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیے جائیں۔ اور کامل فرمانبردار جو عادۃً بہت تھوڑے ہوتے ہیں قلت کی وجہ سے اٹھا لیے جائیں۔ کیونکہ نظام عالم کچھ ایسے انداز پر قائم کیا گیا ہے کہ محض معدودے چند انسانوں کا یہاں بستے رہنا خلاف حکمت ہے۔ پھر جب انسان آباد نہ رہے تو حیوانات کاہے کے لئے رکھے جائیں گے۔ ان کا وجود بلکہ تمام عالم کی ہستی تو اسی حضرتِ انسان کے لئے ہے۔

۶۰۔ اللہ کی ڈھیل صرف قیامت تک ہے: یعنی ایک مقرر میعاد اور حد معین تک اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے کہ ہر ایک جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ جب وقت موعود آ جائے گا تو یاد رکھو سب بندے اسی کی نگاہ میں ہیں۔ کسی کا ایک ذرہ بھر برا یا بھلا عمل اس کے علم سے باہر نہیں۔ پس ہر ایک کا اپنے علم محیط کے موافق ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرما دے گا۔ نہ مجرم کہیں چھپ سکے نہ مطیع کا حق مارا جائے۔ اَللّٰھُمَّ اجعلنا ممن یطیعك واغفرلنا ذنوبنا انك انت الغفور الرحیم۔

تم سورۃ "فاطر" بفضل اللہ و رحمتہ

اٰیاتها ٨٣ — ٣٦ سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ ٤١ — رکوعاتها ٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰسٓ ۚ ﴿١﴾

١۔ یٰس۔

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ ﴿٢﴾

٢۔ قسم ہے اس پکے قرآن کی

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ﴿٣﴾

٣۔ تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ ﴿٤﴾

٤۔ اوپر سیدھی راہ کے [١]

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ ﴿٥﴾

٥۔ اتارا زبردست رحم والے نے [٢]

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾

٦۔ تا کہ تو ڈرائے ایک قوم کو کہ ڈر نہیں سنا انکے باپ دادوں نے سو ان کو خبر نہیں

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٧﴾

٧۔ ثابت ہو چکی ہے بات ان میں بہتوں پر سو وہ نہ مانیں گے [٣]

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ
فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿٨﴾

٨۔ ہم نے ڈالے ہیں انکی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر انکے سر اُلل (ابھر) رہے ہیں [٤]

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ
سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٩﴾

٩۔ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو ان کو کچھ نہیں سوجھتا [٥]

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠﴾

١٠۔ اور برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے یقین نہیں کریں گے [٦]

اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ وَ خَشِىَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ‌ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّاَجۡرٍ كَرِيۡمٍ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ تو ڈر سناتے اسکو جو چلے سمجھائے پر اور ڈرے رحمٰن سے بن دیکھے سو اسکو خوشخبری دے معافی کی اور عزت کے ثواب کی [۷]

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ‌ؕ وَكُلَّ شَىۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِىۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ ہم تو ہیں جو زندہ کرتے ہیں مردوں کو [۸] اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان انکے پیچھے رہے [۹] اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں [۱۰]

ع ۱ ۱۲ ۱۸

۱۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قرآن کی گواہی:** یعنی قرآن کریم اپنی اعجازی شان، پرحکمت تعلیمات، اور پختہ مضامین کے لحاظ سے بڑا زبردست شاہد اس بات کا ہے کہ جو نبی امّی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بے شک و شبہ سیدھی راہ پر ہے۔ اس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔

۲۔ یعنی یہ دین کا سیدھا راستہ یا قرآن حکیم اس خدا کا اتارا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکر کو سزا دیے بغیر نہ چھوڑے، اور رحم فرمانے والا بھی کہ ماننے والوں کو نوازش و بخشش سے مالامال کر دے اسی لئے آیات قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف و مہر کا اور بعض شان غضب و قہر کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔

۳۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ انذار:** یعنی بہت کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ اس قوم (عرب) کو آپ قرآن کے ذریعہ سے ہوشیار و بیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں بھیجا تھا۔ وہ جاہل و غافل قوم جسے نہ خدا کی خبر نہ آخرت کی، نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبداء پر نظر نہ منتہا پر، نیک و بد کی تمیز نہ بھلے برے کا شعور اس کو اتنی ممتد جہالت و غفلت کی اندھیریوں سے نکال کر رشد و ہدایت کی صاف سڑک پر لا کھڑا کرنا کوئی معمولی اور سہل کام نہیں ہے بلاشبہ آپ پوری قوت اور زور شور کے ساتھ ان کو اس غفلت و جہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک مستقبل سے ڈرا کر فلاح و بہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے تا کہ یہ قوم اپنی اعلیٰ کامیابی سے تمام عالم کے لئے کامیابی کا دروازہ کھول دے۔ لیکن بہت افراد وہ ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔ اسی لئے ان پر شیطان پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے جو ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نگاہ میں خوشنما کر کے دکھلاتا اور اگلے پچھلے سب احوال کو خواہ کتنے ہی گندے ہوں، خوبصورت بنا کر ظاہر کرتا ہے۔ آخر یہ لوگ دوسری زندگی سے بالکل منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔ اس وقت ایک طرف سے شیطان کی بات وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ (الحجر۔ ۴۰،۳۹) (مخلصین کے سوا میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ (ص۔ ۸۵) (تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے دوزخ کو بھر دوں گا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے باقی علم الٰہی میں تو ازل سے ثابت ہے کہ فلاں قوم کے فلاں فلاں افراد اپنی بدتمیزی اور لاپروائی سے شیطان کے اغواء میں پھنس کر عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے راہ پر آنے اور ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ پس آپ کو سلسلہ انذار و اصلاح میں اگر ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو ملول و غمگین نہ ہوں اپنا فرض ادا کئے جائیں اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دیں۔ تقریر بالا کو سمجھنے کے لئے یہ آیات پیش نظر رکھئے۔ (۱) وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ۔ وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ (زخرف۔ ۳۷،۳۶)

شیطان کن لوگوں پر مسلط ہوتا ہے: معلوم ہوا کہ شیطان ابتداءً کسی پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اندھا بن کر نصیحت سے اعراض کرتے رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شیطان مسلط ہو جائے۔ جیسے ہاتھ پاؤں سے مدت تک کام نہ لے تو وہ عضو بیکار کر دیا جاتا ہے۔ قال تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف۔۵) وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (انعام۔۱۱۰) (ب) وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ (حم السجدہ۔۲۵) تسلط کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے جس کا نتیجہ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ہے۔ (ج) وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ (الاحقاف ۔۱۸،۱۷) ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ حَقَّ الْقَوْلُ ان لوگوں پر صادق آتا ہے جو موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں۔ بلکہ اغوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کر لیتے ہیں۔ کیسے ہی معقول دلائل سنایئے اور کھلے کھلے نشان دکھلایئے، سبکو جھٹلاتے رہیں اور فضول حجتیں نکالتے رہیں بظاہر ہادیوں اور پیغمبروں کی بات کی طرف کان جھکائیں مگر ایک حرف سمجھنے کی کوشش نہ کریں محض ہوا و ہوس کو اپنا معبود ٹھہرا لیں نہ عقل سے کام لیں نہ آنکھوں سے۔

کن لوگوں کے دلوں پر مہر لگتی ہے؟ یہ ہی لوگ ہیں جن کے اعراض و عناد کے نتیجہ میں آخر کار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ ان میں خیر کے گھسنے کی پھر ذرا گنجائش نہیں رہتی۔ جیسے کوئی شخص اپنے اوپر روشنی کے سب دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے۔ یا ایک بیمار دوا پینے کی قسم کھا لے، طبیب سے دشمنی کرے اور ہر قسم کی بدپرہیزی پر تیار ہو جائے تو اللہ اس کے مرض کو مہلک بنا دیتا ہے اور مایوسی کے درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔ فرماتے ہیں تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (اعراف۔۱۰۱) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ (یونس۔۷۴) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۔ (روم۔۶۰،۵۹،۵۸) كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ښ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن۔۳۵،۳۴) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓي اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ (محمد۔۱۶) بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء۔۱۵۵) كَلَّا بَلْ ۫ رَانَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (مطففین۔۱۴) اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰي عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰي سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰي بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (الجاثیہ۔۲۳) وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف۔۱۷۹) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (المائدہ۔۴۱)۔

۴۔ یہ ان ہی لوگوں کے حق میں ہے جن کا ذکر گزشتہ فائدہ میں ہوا۔ یہ طوق عادات و رسوم، حب جاہ و مال اور تقلید آباؤ اجداد کے تھے جنہوں نے ان کے گلے سختی سے دبا رکھے تھے اور نخوت و تکبر کی وجہ سے ان کے سر نیچے نہیں جھکتے تھے۔

۵۔ کفار اور ہدایت کے درمیان دیواریں: نبی کی عداوت نے انکے اور قبول ہدایت کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ جاہلانہ رسوم و اطوار اور اہواء و آرائے فاسدہ کی اندھیریوں میں اس طرح بند تھے کہ آگا پیچھا اور نشیب و فراز کچھ نظر نہ آتا تھا نہ ماضی پر نظر تھی نہ مستقبل پر، باقی ان افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ خالق خیر و شر کا وہی ہے اور اسباب پر مسببات کا ترتب اسی کی مشیت سے ہوتا ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دلائل آفاقیہ میں غور کرنے کی نفی ہوئی جیسا کہ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ میں دلائل انفسیہ کی طرف ملتفت نہ ہونے کا اشارہ تھا۔ کیونکہ سر اوپر کو اُلل رہا ہو جھک نہ سکے تو اپنے بدن پر نظر نہیں پڑ سکتی۔

۶۔ ان کو برابر ہے لیکن آپ کے حق میں برابر نہیں۔ بلکہ ایسی سخت معاند اور سرکش قوم کو نصیحت کرنا اور اصلاح کے درپے ہونا عظیم درجات کے حصول کا سبب ہے اور کبھی یہ اخلاق دوسروں کی ہدایت کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی طرح کی آیات سورہ "بقرہ" کے اوائل میں گذر چکی ہیں۔

۷۔ ڈرنے والے ہی ہدایت پاتے ہیں: یعنی ڈرانے کا فائدہ اسی کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جو نصیحت کو مان کر اس پر چلے اور اللہ کا ڈر دل میں رکھتا ہو۔ جس کو خدا کا ڈر ہی نہیں نہ نصیحت کی کچھ پروا، وہ نبی کی تنبیہ و تذکیر سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے لوگ بجائے مغفرت و عزت کے سزا اور ذلت کے مستحق ہوں گے۔ آگے اشارہ کرتے ہیں کہ فریقین کی اس عزت و ذلت کا پورا اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہوگا جس کے مبادی موت کے بعد سے شروع ہو جاتے ہیں۔

۸۔ بعث بعد الموت یقینی ہے: یعنی موت کے بعد دوسری زندگی یقینی ہے جہاں سب اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ قوم (عرب) جس کی روحانی قوتیں بالکل مردہ ہو چکی ہیں، حق تعالیٰ کو قدرت ہے کہ پھر ان میں زندگی کی روح پھونک دے کہ وہ دنیا میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرے اور آنے والی نسلوں کے لئے اپنے آثار عظیمہ چھوڑ جائے۔

۹۔ نیک و بد اعمال کا ریکارڈ: یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات یا نشان جو پیچھے چھوڑے مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھلایا، یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی نیک یا بد، سب اس میں داخل ہیں بلکہ الفاظ کے عموم میں وہ نشان قدم بھی شامل ہو سکتے ہیں جو کسی عبادت کے لیے چلتے وقت زمین پر پڑ جاتے ہیں چنانچہ بعض احادیث صحیحہ میں تصریح ہے دِیَارُکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ۔

۱۰۔ لوح محفوظ: یعنی جس طرح تمام اعمال و آثار وقوع کے بعد ضابطہ کے موافق لکھے جاتے ہیں، قبل از وقوع بھی ایک ایک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وہ لکھنا بھی محض انتظامی ضوابط و مصالح کی بناء پر ہے ورنہ اللہ کے علم قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیز پہلے سے موجود و حاضر ہے اسی کے موافق لوح محفوظ میں نقل کی جاتی ہے۔

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور بیان کر انکے واسطے ایک مثل اس گاؤں کے لوگوں کی[۱۱] جبکہ آئے اس میں بھیجے ہوئے[۱۲]

اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ جب بھیجے ہم نے انکی طرف دو تو ان کو کو جھٹلایا پھر ہم نے قوت دی تیسرے سے تب کہا انہوں نے ہم تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے ہوئے[۱۳]

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَ مَآ اَنْزَلَ
الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ وہ بولے تم تو یہی انسان ہو جیسے ہم اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم سارے جھوٹ کہتے ہو[۱۴]

قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّاۤ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ کہا ہمارا رب جانتا ہے ہم بیشک تمھاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں[۱۵]

وَ مَا عَلَیْنَاۤ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور ہمارا ذمہ یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر[۱۶]

قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا
لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ بولے ہم نے نامبارک دیکھا تم کو اگر تم باز نہ رہو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور تم کو پہنچے گا ہمارے ہاتھ سے عذاب دردناک[۱۷]

قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے کیا اتنی بات پر کہ تم کو سمجھایا کوئی نہیں پر تم لوگ کہ حد پر نہیں رہتے[۱۸]

وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰى قَالَ
یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ۙ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا[۱۹] بولا اے قوم چلو راہ پر بھیجے ہوؤں کی

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ چلو راہ پر ایسے شخص کی جو تم سے بدلا نہیں چاہتے اور وہ ٹھیک رستہ پر ہیں[۲۰]

وَ مَالِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں بندگی نہ کروں اسکی جس نے مجھ کو بنایا[۲۱] اور اسی کی طرف سب پھر جاؤ گے[۲۲]

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا
تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یُنْقِذُوْنِ ۚ﴿۲۳﴾

۲۳۔ بھلا میں پکڑوں اس کے سوائے اوروں کو پوجنا کہ اگر مجھ پر چاہے رحمٰن تکلیف تو کچھ کام نہ آئے مجھ کو ان کی سفارش اور نہ وہ مجھ کو چھڑائیں

اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ تو تو میں بھٹکتا ہوں صریح[۲۳]

اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ؕ﴿۲۵﴾

٢٥۔ میں یقین لایا تمہارے رب پر مجھ سے سن لو[٢٤]

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ
یَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۲۶﴾

٢٦۔ حکم ہوا چلا جا بہشت میں [٢٥] بولا کسی طرح میری قوم معلوم کرلیں

بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾

٢٧۔ کہ کس بنا پر بخشا مجھ کو میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں[٢٦]

وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ
السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾

٢٨۔ اور اتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اس کے پیچھے کوئی فوج آسمان سے اور ہم فوج نہیں اتارا کرتے

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

٢٩۔ بس یہی تھی ایک چنگھاڑ پھر اسی دم سب بجھ گئے[٢٧]

یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ ۚؕ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ
اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾

٣٠۔ کیا افسوس ہے بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا ان کے پاس جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ
اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ؕ﴿۳۱﴾

٣١۔ کیا نہیں دیکھتے کتنی غارت کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں کہ وہ انکے پاس پھر کر نہیں آئیں گی[٢٨]

ع ٢ ١ وَ اِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ۠﴿۳۲﴾

٣٢۔ اور ان سب میں کوئی نہیں جو اکٹھے ہو کر نہ آئیں ہمارے پس پکڑے ہوئے [٢٩]

١١۔ اصحاب قریہ: یہ گاؤں اکثر کے نزدیک شہر "انطاکیہ" ہے۔ اور بائیبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارھویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ کچھ تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے۔ لیکن ابن کثیرؒ نے تاریخی حیثیت اور سیاق قرآن کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں اگر وہ صحیح ہوں تو کوئی اور بستی ماننی پڑے گی۔ واللہ اعلم۔ اس قصہ کا ذکر مومنین کے لئے بشارت اور مکذبین کے لئے عبرت ہے۔

١٢۔ ان کے ناموں کی صحیح تعیین نہیں ہو سکتی اور نہ یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا کسی پیغمبر کے

واسطہ سے حکم ہوا تھا کہ اس کے نائب ہو کر فلاں بستی کی طرف جاؤ۔ دونوں احتمال ہیں۔ گو متبادر یہ ہی ہے کہ پیغمبر ہوں۔ شاید حضرت مسیحؑ سے پہلے مبعوث ہوئے ہوں گے۔

۱۳۔ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول: یعنی اول دو گئے پھر ان کی تائید کے لئے تیسرا بھیجا گیا تینوں نے مل کر کہا کہ ہم خود نہیں آئے، اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ ہم کہیں اسی کا پیغام سمجھو۔

۱۴۔ یعنی تم میں کوئی سرخاب کا پر نہیں جو اللہ تمہیں بھیجتا۔ ہم سے کس بات میں تم بڑھ کر تھے۔ بس رہنے دو خواہ مخواہ خدا کا نام نہ لو۔ اس نے کچھ نہیں اتارا۔ تینوں سازش کر کے ایک جھوٹ بنالائے اسے خدا کی طرف نسبت کر دیا۔

۱۵۔ کفار کے اعتراضات کا جواب: یعنی اگر ہم خدا پر جھوٹ لگاتے ہیں تو وہ دیکھ رہا ہے۔ کیا وہ اپنے فعل سے برابر جھوٹوں کی تصدیق کرتا رہے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب تم سمجھو یا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں اور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ اسی لئے فعلاً ہماری تصدیق کر رہا ہے۔

۱۶۔ یعنی ہم اپنا فرض ادا کر چکے، خدا کا پیام خوب کھول کر واضح معقول اور دلنشین طریقہ سے تم کو پہنچا دیا، اب اتمام حجت کے بعد خود سوچ لو کہ تکذیب وعداوت کا انجام کیا ہونا چاہئے۔

۱۷۔ مرسلین کی تکذیب اور ضد: شاید تکذیب مرسلین اور کفر وعناد کی شامت سے قحط وغیرہ پڑا ہو گا۔ یا مرسلین کے سمجھانے پر آپس میں اختلاف ہوا کسی نے مانا کسی نے نہ مانا اس کو نامبارک کہا۔ یعنی تمہارے قدم کیا آئے، قحط اور نااتفاقی کی بلا ہم پر ٹوٹ پڑی۔ یہ سب تمہاری نحوست ہے۔ (العیاذ باللہ) ورنہ ہم پہلے اچھے خاصے آرام چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بس تم اپنے وعظ ونصیحت سے ہم کو معاف رکھو۔ اگر یہ روش نہ چھوڑو گے اور وعظ ونصیحت سے باز نہ آؤ گے تو ہم سخت تکلیف وعذاب پہنچا کر تم کو سنگسار کر ڈالیں گے۔

۱۸۔ یعنی تمہارے کفر وتکذیب کی شامت سے عذاب آیا: اگر حق وصداقت کو سب مل کر قبول کر لیتے نہ یہ اختلاف مذموم پیدا ہوتا، نہ اس طرح مبتلائے آفات ہوتے پس نامبارکی اور نحوست کے اسباب خود تمہارے اندر موجود ہیں۔ پھر کیا اتنی بات پر کہ تمہیں اچھی نصیحت وفہمائش کی اور بھلا برا سمجھایا، اپنی نحوست ہمارے سر ڈالنے لگے۔ اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم عقل وآدمیت کی حدود سے خارج ہو جاتے ہو۔ نہ عقل سے سمجھتے ہو نہ آدمیت کی بات کرتے ہو۔

۱۹۔ ایک مرد صالح کی حمایت اور فہمائش: کہتے ہیں کہ اس مرد صالح کا نام حبیب تھا۔ شہر کے پرلے کنارے عبادت میں مشغول رہتا۔ اور کسب حلال سے کھاتا تھا۔ فطری صلاحیت نے چپ نہ بیٹھنے دیا۔ قصہ سنتے ہی مرسلین کی تائید وحمایت اور مکذبین کی نصیحت وفہمائش کے لئے دوڑتا ہوا آیا۔ مبادا اشقیاء اپنی دھمکیوں کو پورا کرنے لگیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرسلین کی آواز کا اثر شہر کے دور دراز حصوں تک پہنچ گیا تھا۔

۲۰۔ یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر آئے ہیں جو نصیحت کرتے ہیں اس پر خود کاربند ہیں اخلاق اعمال اور عادات واطوار سب ٹھیک ہیں۔ بے غرض خیر خواہی کرتے ہیں۔ کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتے۔ پھر ایسے بے لوث بزرگوں کا اتباع کیوں نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے جو پیغام بھیجے کیوں قبول نہ کیا جائے۔

۲۱۔ ایک مرد صالح کی حمایت اور فہمائش: یہ اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔ یعنی تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اس کی بندگی نہ کرو۔

۲۲۔ یعنی یہ مت سمجھنا کہ پیدا کر کے آزاد چھوڑ دیا ہے اب کچھ مطلب اس سے نہیں رہا۔ نہیں سب کو مرے پیچھے اسی کے پاس واپس جانا ہے۔ اس وقت کی فکر رکھو۔

۲۳۔ یعنی کس قدر صریح گمراہی ہے کہ اس مہربان اور قادر مطلق پروردگار کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی

تکلیف سے نہ بذات خود چھڑا سکیں نہ سفارش کر کے نجات دلا سکیں۔

۲۴۔ اپنے ایمان کا اعلان: یعنی مجمع میں بے کھٹکے اعلان کرتا ہوں کہ میں خدائے واحد پر ایمان لا چکا اسے سب سن رکھیں شاید مرسلین کو اس لیے سنایا ہو کہ وہ اللہ کے ہاں گواہ رہیں اور قوم کو اس لیے کہ سن کر کچھ متاثر ہوں یا کم از کم دنیا ایک مومن کی قوت ایمان کا مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

۲۵۔ جنت میں داخلہ: یعنی فوراً بہشت کا پروانہ مل گیا۔ آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کر ڈالا۔ ادھر شہادت واقع ہوئی ادھر سے حکم ملا کو فوراً بہشت میں داخل ہو جا۔ جیسا کہ ارواح شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل ہوتی ہیں۔

۲۶۔ جنت میں اپنی قوم کا خیال: قوم نے اس کی دشمنی کی کہ مار ڈالا۔ اس کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا کہ اگر میرا حال اور جو انعام و اکرام حق تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے معلوم کر لیں تو سب انعام لے آئیں۔

۲۷۔ قوم پر چنگھاڑ کا عذاب: یعنی اس کے بعد اس کی قوم کفر و ظلم اور تکذیب کی پاداش میں ہلاک کی گئی اور اس اہلاک کے لئے کوئی مزید اہتمام کرنا نہیں پڑا کہ آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیجی جاتی نہ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ قوموں کی ہلاکت کے لیے بڑی بڑی فوجیں بھیجا کریں (یوں کسی خاص موقع پر کسی خاص مصلحت کی وجہ سے فرشتوں کا لشکر بھیج دیں وہ دوسری بات ہے) وہاں تو بڑے بڑے مدّعیوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک ڈانٹ کافی ہے۔ چنانہ اس قوم کا حال بھی یہ ہی ہوا کہ فرشتوں نے ایک چیخ ماری اور سب کے سب اسی دم بجھ کر رہ گئے۔

۲۸۔ پچھلی قوموں کے حال سے عبرت: یعنی دیکھتے اور سنتے ہیں کہ دنیا میں کتنی قومیں پہلے پیغمبروں سے ٹھٹھا کر کے غارت ہو چکی ہیں جن کا نام و نشان مٹ چکا۔ کوئی ان میں سے لوٹ کر ادھر واپس نہیں آئی۔ عذاب کی چکی میں سب پس کر برابر ہو گئیں۔ اس پر بھی عبرت نہیں ہوتی۔ جب کوئی نیا رسول آتا ہے وہ ہی تمسخر و استہزاء شروع کر دیتے ہیں جو پہلے کفار کی عادت تھی۔ چنانچہ آج خاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھ کفار مکہ کا یہ ہی معاملہ ہے۔

۲۹۔ یعنی وہ تو دنیا کا عذاب تھا، اور آخرت کی سزا الگ رہی۔ نہ یہ سمجھو کہ ہلاک ہو کر ادھر واپس نہیں آتے تو بس قصہ ختم ہوا۔ نہیں سب کو پھر ایک دن خدا کے ہاں حاضر ہونا ہے جہاں بلا استثناء سب مجرم پکڑے ہوئے آئیں گے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾	۳۳۔ اور ایک نشانی ہے انکے واسطے زمین مردہ اسکو ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اس میں سے اناج سو اسی میں سے کھاتے ہیں
وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۙ﴿۳۴﴾	۳۴۔ اور بنائے ہم نے اس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہا دیے اس میں بعضے چشمے
لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾	۳۵۔ کہ کھائیں اسکے میووں سے [۳۰] اور اس کو بنایا نہیں انکے ہاتھوں نے پھر کیوں شکر نہیں کرتے [۳۱]

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ
الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو اگتا ہے زمین میں اور خود ان میں سے اور ان چیزوں میں کہ جن کی انکو خبر نہیں[۳۲]

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيۡلُ ۖۚ نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمۡ
مُّظۡلِمُوۡنَ ۙ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور ایک نشانی ہے انکے واسطے رات کھینچ لیتے ہیں ہم اس پر سے دن کو پھر تبھی یہ رہ جاتے ہیں اندھیرے میں

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ
الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿ؕ۳۸﴾

۳۸۔ اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے رستہ پر[۳۳] یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر نے[۳۴]

وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ
الۡقَدِیۡمِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آرہا ہے جیسے ٹہنی پرانی[۳۵]

لَا الشَّمۡسُ يَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّيۡلُ
سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَکُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ يَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ نہ سورج سے ہو کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں پیرتے ہیں[۳۶]

وَاٰيَةٌ لَّهُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّيَّتَهُمۡ فِی الۡفُلۡکِ
الۡمَشۡحُوۡنِ ۙ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور ایک نشانی ہے انکے واسطے کہ ہم نے اٹھالیا ان کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی میں

وَخَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ مَا يَرۡکَبُوۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور بنادیا ہم نے انکے واسطے کشتی جیسی چیزوں کو جس پر سوار ہوتے ہیں[۳۷]

وَاِنۡ نَّشَاۡ نُغۡرِقۡهُمۡ فَلَا صَرِيۡخَ لَهُمۡ وَلَا هُمۡ
يُنۡقَذُوۡنَ ۙ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور اگر ہم چاہیں تو انکو ڈبا دیں پھر کوئی نہ پہنچے انکی فریاد کو اور نہ وہ چھڑائے جائیں

اِلَّا رَحۡمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِيۡنٍ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ مگر ہم اپنی مہربانی سے اور انکا کام چلانے کو ایک وقت تک[۳۸]

۳۰۔ مظاہر قدرت سے استدلال: یعنی شاید شبہ گذرتا کہ مرے پیچھے پھر کس طرح زندہ ہو کر حاضر کیے جائیں گے؟ اس کو یوں سمجھا دیا کہ زمین خشک اور مردہ پڑی ہوتی ہے پھر خدا اس کو زندہ کرتا ہے کہ ایک دم لہلہانے لگتی ہے کیسے کیسے باغ و بہار، غلے اور میوے اس سے پیدا ہوتے ہیں جن کو تم استعمال میں لاتے ہو۔ اسی طرح خیال کر لو کہ مردہ ابدان میں روح حیات پھونک دی جائے گی۔ بہرحال مردہ زمین ان کے لئے ایک نشانی ہے جس میں غور کرنے سے بعث بعد الموت اور حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت اور اس کے انعام و احسان کے مسائل کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں (تنبیہ) اوپر کی آیات میں ترہیب کا پہلو نمایاں تھا کہ عذاب الٰہی سے ڈر کر راہ ہدایت اختیار کریں۔ آیات حاضرہ میں ترغیب کی صورت اختیار فرمائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر گذاری کی طرف متوجہ ہوں اور یہ بھی سمجھیں کہ جو خدا مردہ زمین کو زندہ کرتا رہتا ہے وہ ایمانی حیثیت سے ایک مردہ قوم کو زندہ کر دے، یہ کیا مشکل ہے۔

۳۱۔ یعنی یہ پھل اور میوے قدرت الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں، انکے ہاتھوں میں یہ طاقت نہیں کہ ایک انگور یا کھجور کا دانہ پیدا کر لیں۔ جو محنت اور تردد باغ لگانے اور اس کی پرورش کرنے میں کیا جاتا ہے اس کو بارآور کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور غور سے دیکھا جائے تو جو کام بظاہر ان کے ہاتھوں سے ہوتا ہے وہ بھی فی الحقیقت حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت و طاقت اور اسی کی مشیت و ارادہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر حیثیت سے اس کی شکر گذاری اور احسان شناسی واجب ہوئی۔ (تنبیہ) مترجم محقق نے وَمَا عَمِلَتۡهُ اَيۡدِيۡهِمۡ میں "ما" کو نافیہ لیا ہے۔ کما ہو دأب اکثر المتاخرین، لیکن سلف سے عموماً "ما" کا موصولہ ہونا منقول ہے اور اسی کی تائید ابن مسعود کی قرآت وَمِمَّا عَمِلَتۡهُ اَيۡدِيۡهِمۡ سے ہوتی ہے۔

۳۲۔ جوڑوں کی تخلیق: یعنی نباتات میں، انسانوں میں اور دوسری مخلوقات میں جن کی انہیں پوری خبر بھی نہیں اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنائے ہیں خواہ تقابل کی حیثیت سے جیسے عورت مرد، نر مادہ، کھٹا میٹھا، سیاہ و سفید، دن رات، اندھیرا اجالا، یا تماثل کی حیثیت سے جیسے یکساں رنگ اور مزہ کے پھل اور ایک شکل و صورت کے دو جانور، بہرحال مخلوقات میں کوئی مخلوق نہیں جس کا مماثل یا مقابل نہ ہو یہ صرف خدا ہی کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے نہ مماثل، کیونکہ مقابلہ یا مماثلت ان چیزوں میں ہو سکتی ہے جو کسی درجہ میں فی الجملہ اشتراک رکھتی ہوں۔ خالق و مخلوق کا کسی حقیقت میں اشتراک ہی نہیں۔

۳۳۔ دن اور رات کی تبدیلیوں میں اللہ کی نشانی: "سلخ" کہتے ہیں جانور کی کھال اتارنے کو جس سے نیچے کا گوشت ظاہر ہو جائے۔ اسی طرح سمجھ لو رات کی تاریکی پر دن کی چادر پڑی ہوئی ہے۔ جس وقت یہ نور کی چادر اوپر سے اتار لی جاتی ہے لوگ اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں اس کے بعد پھر سورج اپنی مقررہ رفتار سے معین وقت پر آ کر سب جگہ اجالا کرتا ہے۔ لیل و نہار کے ان تقلبات پر قیاس کر کے سمجھ لو کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور بیشک وہ ہی ایک خدا لائق پرستش ہے جس کے ہاتھ میں عظیم الشان انقلابات کی باگ ہے۔ جن سے ہمکو مختلف قسم کے فوائد پہنچتے ہیں۔ نیز جو قادر مطلق رات کو دن سے تبدیل کرتا ہے، کیا کچھ بعید ہے کہ بذریعہ آفتاب رسالت کے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کر دے۔ لیکن رات دن اور چاند، سورج کے طلوع و غروب کی طرح ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔

۳۴۔ سورج کی چال اور مستقر: سورج کی چال اور رستہ مقرر ہے اسی پر چلا جاتا ہے۔ ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول ہے کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچنا ہے پہنچتا ہے۔ پھر وہاں سے باذن خداوندی نیا دورہ شروع کرتا ہے۔ قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ تا آنکہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہو گا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے ادھر سے الٹا واپس آئے یہ ہی وہ وقت ہے جب باب توبہ بند کر دیا جائے گا۔ کما ورد فی الحدیث الصحیح۔ بات یہ ہے کہ اس کے طلوع و غروب کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے۔ جس کے انتظام کو کوئی دوسرا شکست نہیں کر سکتا اور نہ اس کی حکمت و دانائی پر کوئی حرف گیری کر سکتا ہے وہ خود جب چاہے اور جس طرح چاہے الٹ پلٹ کرے کسی کو مجال انکار نہیں ہو

سکتی۔ (تنبیہ) اس آیت کی تفسیر ایک حدیث میں آئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہاں اس کی تشریح کا موقع نہیں۔ اس پر ہمارا مستقل مضمون "سجود الشمس" کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۳۵۔ چاند کی منزلیں: سورج کی طرح چاند ہمیشہ ایک طرح نہیں رہتا بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ اس کی اٹھائیس منزلیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں۔ ان کو ایک معین نظام کے ساتھ درجہ بدرجہ طے کرتا ہے پہلی آیت میں رات دن کا بیان تھا، پھر سورج کا ذکر کیا جس سے سالوں اور فصلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اب چاند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے۔ چاند سورج مہینہ کے آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے۔ جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے۔ پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ اسی پہلی حالت پر آپہنچتا اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا، خمدار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

۳۶۔ سیاروں کا مدار میں تیرنا: سورج کی سلطنت دن میں ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہو سکتا کہ چاند کی نورافشانی کے وقت سورج اس کو آ دبائے۔ یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑا لے یا رات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آ جائے جس زمانہ اور جس ملک میں جو اندازہ رات، دن کا رکھ دیا ہے ان کی رات کی مجال نہیں کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہو سکیں۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں پڑا چکر کھا رہا ہے اس سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتا اور باوجود اس قدر سریع حرکت اور کھلی ہوئی فضا کے نہ ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے نہ مقررہ انداز سے زیادہ تیز یا سست ہوتا ہے کیا یہ اس کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور ان کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر و دانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ پھر جو ہستی رات دن اور چاند سورج کا ادل بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے اور فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہو گی؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) حضرت شاہ صاحب "لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ کی تعبیر کا نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ سورج چاند اخیر مہینہ میں ملتے ہیں تو چاند پکڑتا ہے سورج کو۔ سورج چاند کو نہیں پکڑتا"۔ اسی لئے لَا الۡقَمَرُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہٗۤ اَنۡ یُّدۡرِکَ الشَّمۡسَ نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

۳۷۔ یعنی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو آدمؑ کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی پر سوار کر لیا۔ جو حضرت نوحؑ نے بنائی تھی۔ ورنہ انسان کا تخم باقی نہ رہتا۔ پھر اسی کشتی کے نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز تمہارے لیے بنا دیے جن پر تم آج تک لدے پھرتے ہو۔ یا کشتیوں جیسی دوسری سواریاں پیدا کر دیں جن پر سوار ہوتے ہو۔ مثلاً اونٹ، جن کو عرب "سفائن البر" (خشکی کی کشتیاں) کہا کرتے تھے۔

۳۸۔ انسان کا بحری سفر: یعنی یہ مشت استخوان انسان! دیکھو کیسے خوفناک سمندروں کو کشتی کے ذریعہ عبور کرتا ہے۔ جہاں بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکے کے برابر نہیں۔ اگر اللہ اس وقت غرق کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کون ہے جو فریاد کو پہنچے۔ مگر یہ اس کی مہربانی اور مصلحت ہے کہ اس طرح سب بحری سواریوں کو غرق نہیں کر دیتا۔ کیونکہ اس کی رحمت و حکمت مقتضی ہے کہ ایک معین وقت تک دنیا کا کام چلتا رہے۔ افسوس ہے کہ بہت لوگ ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے نہ اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ مَا خَلۡفَکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور جب کہیے ان کو بچو اس سے جو تمہارے سامنے آتا ہے اور جو پیچھے چھوڑتے ہو شاید تم پر رحم ہو

وَ مَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور کوئی حکم نہیں پہنچتا انکو اپنے رب کے حکموں سے جس کو وہ ٹلاتے نہ ہوں [۳۹]

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ‌ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور جب کہیے ان کو خرچ کرو کچھ اللہ کا دیا کہتے ہیں منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلائیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اس کو کھلا دیتا[۴۰] تم لوگ تو بالکل بہک رہے ہو صریح[۴۱]

۳۹۔ کفار کی روگردانی: سامنے آتا ہے جزا کا دن اور پیچھے چھوڑے اپنے اعمال۔ یعنی جب کہا جاتا ہے کہ قیامت کی سزا اور بداعمالیوں کی شامت سے بچنے کی فکر کرو تا خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو۔ تو نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتے۔ ہمیشہ خدائی احکام سے روگردانی کرتے رہتے ہیں۔

۴۰۔ کفار کا استہزاء: یعنی اور احکام الٰہی تو کیا مانتے، فقیروں مسکینوں پر خرچ کرنا تو ان کے نزدیک بھی کار ثواب ہے لیکن یہ ہی مسلم بات جب پیغمبر اور مومنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو نہایت بھونڈے طریقہ سے تمسخر کے ساتھ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم انہیں کیوں کھلائیں۔ ہم تو اللہ کی مشیت کے خلاف کرنا نہیں چاہتے اگر اس کی مشیت ہوتی تو ان کو فقیر و محتاج اور ہمیں غنی و تونگر نہ بناتا۔

فقر و غنا کی حکمت: خیال کرو اس حماقت اور بے حیائی کا کیا ٹھکانہ ہے کیا خدا کسی کو دینا چاہے تو اس کی یہ ہی ایک صورت ہے کہ خود بلا واسطہ رزق اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ اگر وسائط سے دلانا بھی اس کی مشیت سے ہے تو تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ ان کو روٹی دینا نہیں چاہتا یہ تو اس کا امتحان ہے کہ اغنیاء کو فقراء کی اعانت پر مامور فرمایا اور ان کے توسط سے رزق پہنچانے کا سامان کیا جو اس امتحان میں ناکامیاب رہا اسے اپنی بدبختی اور شقاوت پر رونا چاہیئے۔ (تنبیہ) بعض سلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بعض زنادقہ کے حق میں ہیں۔ اس صورت میں ان کے اس قول کو تمسخر پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ حقیقت پر رکھیں گے۔

۴۱۔ اگر یہ جملہ کفار کے قول کا تتمہ ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ اے گروہ مومنین تم صریح گمراہی میں پڑے ہو جو ایسے لوگوں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہو جن کا خدا پیٹ بھرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو خطاب ہے کہ کس قدر بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ گمراہی ہے نیک کام میں تقدیر کے حوالے کرنا اور اپنے مزے میں لالچ پر دوڑنا"۔

وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو[۴۲]

مَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً تَاۡخُذُهُمۡ وَهُمۡ يَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ یہ تو راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی جو ان کو آ پکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے

فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ تَوۡصِيَةً وَّلَاۤ اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

۵۰۔ پھر نہ کر سکیں گے کہ کچھ کہہ ہی مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر کر جا سکیں گے[۴۳]

۳ ع ۱۸ ۲

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ
يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور پھونکی جائے صور پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی پھیل پڑیں گے [۴۴]

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا
وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ کہیں گے اے خرابی ہماری کس نے اٹھادیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے [۴۵] یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے [۴۶]

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ
لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ بس ایک چنگھاڑ ہو گی پھر اسی دم وہ سارے ہمارے پاس پکڑے چلے آئیں گے [۴۷]

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ پھر آج کے دن ظلم نہ ہو گا کسی جی پر ذرا اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے [۴۸]

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۚ﴿۵۵﴾

۵۵۔ تحقیق بہشت کے لوگ آج ایک مشغلہ میں ہیں باتیں کرتے

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ وہ اور ان کی عورتیں سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیہ لگائے

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۚۖ﴿۵۷﴾

۵۷۔ انکے لئے وہاں ہے میوہ اور انکے لئے ہے جو کچھ مانگیں [۴۹]

سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ سلام بولنا ہے رب مہربان سے [۵۰]

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گناہگارو [۵۱]

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا
الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۰﴾

۶۰۔ میں نے نہ کہہ رکھا تھا تم کو اے آدم کی اولاد کہ نہ پوجیو شیطان کو وہ کھلا دشمن ہے تمہارا

وَّ اَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۱﴾	۶۱۔ اور یہ کہ پوجو مجھ کو یہ راہ ہے سیدھی[۵۲]
وَ لَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡکُمۡ جِبِلًّا کَثِیۡرًا ؕ اَفَلَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۲﴾	۶۲۔ اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلقت کو پھر کیا تم کو سمجھ نہ تھی
ہٰذِہٖ جَہَنَّمُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾	۶۳۔ یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا
اِصۡلَوۡہَا الۡیَوۡمَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۶۴﴾	۶۴۔ جا پڑو اس میں آج کے دن بدلا اپنے کفر کا[۵۳]
اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاہِہِمۡ وَ تُکَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ تَشۡہَدُ اَرۡجُلُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۶۵﴾	۶۵۔ آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور بتلائیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے[۵۴]
وَ لَوۡ نَشَآءُ لَطَمَسۡنَا عَلٰۤی اَعۡیُنِہِمۡ فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۶۶﴾	۶۶۔ اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں ان کی آنکھیں پھر دوڑیں رستہ پانے کو پھر کہاں سے سوجھے
وَ لَوۡ نَشَآءُ لَمَسَخۡنٰہُمۡ عَلٰی مَکَانَتِہِمۡ فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مُضِیًّا وَّ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۷﴾ ع ۴/۳	۶۷۔ اور اگر ہم چاہیں صورت مسخ کر دیں انکی جہاں کی تہاں پھر نہ آگے چل سکیں اور نہ وہ الٹے پھر سکیں[۵۵]
وَ مَنۡ نُّعَمِّرۡہُ نُنَکِّسۡہُ فِی الۡخَلۡقِ ؕ اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۸﴾	۶۸۔ اور جس کو ہم بوڑھا کریں اوندھا کریں اس کی پیدائش میں پھر کیا ان کو سمجھ نہیں[۵۶]

۴۲۔ یعنی یہ قیامت اور عذاب کی دھمکیاں کب پوری ہوں گی۔ اگر سچے ہو تو جلد پوری کر کے دکھلا دو۔

۴۳۔ قیامت کا اچانک آنا: یعنی قیامت ناگہاں آ پکڑے گی اور وہ اپنے معاملات میں غرق ہوں گے۔ جس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا سب ہوش و حواس جاتے رہیں گے اور آخر مر کر ڈھیر ہو جائیں گے۔ اتنی فرصت بھی نہ ملے گی کہ فرض کرو مرنے سے پہلے کسی کو کچھ کہنا چاہیں تو کہہ گذریں۔ یا جو گھر سے باہر تھے وہ گھر واپس جا سکیں۔

۴۴۔ یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور فرشتے ان کو جلد جلد دھکیل کر میدان حشر میں لیجائیں گے۔

۴۵۔ قیامت کا اچانک آنا: اید نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کر دی جائے۔ یا قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذاب قبر کو اھون سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دیں گے۔ یا "مرقد" بمعنی "مضجع" کے ہو۔ نیند کی کیفت سے تجرید کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔

۴۶۔ حق تعالیٰ کا کفار کو جواب: یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا یا مستقبل کو حاضر قرار دے کر جواب دے رہے ہیں۔ یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھادیا۔ ذرا آنکھیں کھولو۔ یہ وہ ہی اٹھانا ہے جس کا وعدہ خدائے رحمان کی طرف سے کیا گیا تھا اور پیغمبر جس کی خبر برابر دیتے رہے تھے۔

۴۷۔ یعنی کوئی تنفس نہ بھاگ سکے گا نہ روپوش ہو سکے گا۔

۴۸۔ آخرت میں انصاف: یعنی نہ کسی کی نیکی ضائع ہو گی نہ جرم کی حیثیت سے زیادہ سزا ملے گی۔ ٹھیک ٹھیک انصاف ہو گا اور جو نیک و بد کرتے تھے فی الحقیقت عذاب و ثواب کی صورت میں وہ ہی سامنے آجائے گا۔

۴۹۔ اہل جنت کا حال: بہشت میں ہر قسم کے عیش و نشاط کا سامان ہو گا۔ دنیا کی مکروہات سے چھوٹ کر آج یہ ہی ان کا مشغلہ ہو گا۔ وہ اور ان کی عورتیں آپس میں گھل مل کر اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے۔ ہمہ قسم کے میوے اور پھل وغیرہ ان کے لیے حاضر ہوں گے بس خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں طلب اور تمنا ہو گی وہ ہی دی جائے گی، اور منہ مانگی مرادیں ملیں گی۔ یہ تو جسمانی لذائذ کا حال ہوا، آگے روحانی نعمتوں کی طرف سَلٰمٌ ۟ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ سے اک ذرا سا اشارہ فرماتے ہیں۔

۵۰۔ اہل جنت کو حق تعالیٰ کا سلام: یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام بولا جائے گا۔ خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے یا جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے بلاواسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے اس وقت کی عزت و لذت کا کیا کہنا۔ اللھم ارزقنا ھذہ النعمۃ العظمٰی بحرمۃ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵۱۔ مجرموں کی علیحدگی: یعنی جنتیوں کے عیش و آرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ تمہارا مقام دوسرا ہے جہاں رہنا ہو گا۔

۵۲۔ یعنی اسی دن کے لیے تم کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار سمجھایا گیا تھا کہ شیطان لعین کی پیروی مت کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ جہنم میں پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اگر ابدی نجات چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پڑی ہوئی ہے اس پر چلے آؤ اور اکیلے ایک خدا کی پرستش کرو۔

۵۳۔ کفار کو ملامت: یعنی افسوس اتنی نصیحت و فہمائش پر بھی تم کو عقل نہ آئی اور اس ملعون نے ایک خلقت کو گمراہ کر چھوڑا کیا تمہیں اتنی سمجھ نہ تھی کہ دوست دشمن میں تمیز کر سکتے۔ اور اپنے نفع نقصان کو پہچانتے۔ دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہشیاری اور ذہانت دکھلاتے تھے مگر آخرت کے معاملہ میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی لیاقت نہ رہی۔ اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگتو یہ دوزخ تیار ہے جس کا بصورت کفر اختیار کرنے کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کفر کا ٹھکانہ یہ ہی ہے۔ چاہئے کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔

۵۴۔ ہاتھوں اور پاؤں کی گواہی: یعنی آج اگر یہ لوگ اپنے جرموں کا زبان سے اعتراف نہ بھی کریں تو کیا ہوتا ہے، ہم منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہاتھ پاؤں کان آنکھ حتیٰ کہ بدن کی کھال کو حکم دیا جائے گا کہ ان کے ذریعہ سے جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا بیان کریں۔ چنانچہ ہر ایک عضو اللہ کی قدرت سے گویا ہو گا اور ان کے جرموں کی شہادت دے گا۔ کما قال حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوۡهَا شَهِدَ عَلَیۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَ اَبۡصَارُهُمۡ وَ جُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (حم السجدہ۔ ۲۰) وقال تعالیٰ فی موضع آخر قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ كُلَّ شَیۡءٍ (حم السجدہ۔ ۲۱)۔

۵۵۔ کفار کو حق تعالیٰ کی تنبیہ: یعنی جیسے انہوں نے ہماری آیتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں اگر ہم چاہیں تو دنیا ہی میں بطور سزا کے ان کی ظاہری بینائی چھین کر نپٹ اندھا کر دیں کہ ادھر ادھر جانے کا راستہ بھی نہ سوجھے اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ پر چلنا نہیں چاہتے، ہم کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپاہج بنا دیں کہ پھر یہ کسی ضرورت کے لئے اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں پر ہم نے ایسا نہ چاہا اور ان جوارح و قویٰ سے ان کو محروم نہیں کیا۔ یہ ہماری طرف سے مہلت اور ڈھیل تھی۔ آج وہ ہی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے

کہ ان بیہودوں نے ہم کو کن نالائق کاموں میں لگایا تھا۔

۵۶۔ یعنی آنکھیں چھین لینا اور صورت بگاڑ کر اپاہج بنا دینا کچھ مستبعد مت سمجھو۔ دیکھتے نہیں؟ ایک تندرست اور مضبوط آدمی زیادہ بوڑھا ہو کر کس طرح دیکھنے، سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کر دیا جاتا ہے۔ گویا بچپن میں جیسا کمزور و ناتواں اور دوسروں کے سہارے کا محتاج تھا بڑھاپے میں پھر اسی حالت کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے۔ تو کیا جو خدا پیرانہ سالی کی حالت میں ان کی قوتیں سلب کر لیتا ہے، جوانی میں نہیں کر سکتا؟

وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور ہم نے نہیں سکھایا اسکو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف [۵۷]

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ تاکہ ڈر سنائے اس کو جس میں جان ہو اور ثابت ہو الزام منکروں پر [۵۸]

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ کیا اور نہیں دیکھتے وہ کہ ہم نے بنا دیے انکے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی چیزوں سے چوپائے پھر وہ انکے مالک ہیں [۵۹]

وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور عاجز کر دیا انکو انکے آگے پھر ان میں کوئی ہے انکی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں

وَ لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور انکے واسطے چارپایوں میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے [۶۰]

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ؕ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوائے اور حاکم کہ شاید ان کی مدد کریں

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ نہ کر سکیں گے ان کی مدد اور یہ انکی فوج ہو کر پکڑ آئیں گے [۶۱]

۵۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شاعری: یعنی اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ حقائق واقعیہ ہیں۔ کوئی شاعرانہ تخیلات نہیں۔ اس پیغمبر کو ہم نے قرآن دیا ہے جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے۔ کوئی شعر و شاعری کا دیوان نہیں دیا۔ جس میں نری طبع آزمائی اور خیالی تک بندیاں ہوں، بلکہ آپ کی طبع مبارک کو فطری طور پر اس فن شاعری سے اتنا بعید رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اس وقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں۔ آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا۔ یوں رجز وغیرہ کے موقع پر کبھی ایک آدھ مرتبہ زبان مبارک سے مقفیٰ عبارت نکل کے بے ساختہ شعر کے سانچہ میں ڈھل گئی ہو وہ الگ بات ہے۔ اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں

کہتے۔ آپ خود تو کیا شعر کہتے کسی دوسرے شاعر کا شعر یا مصرع بھی زندگی بھر میں دوچار مرتبہ سے زائد نہیں پڑھا۔ اور پڑھتے وقت اکثر اس میں ایسا تغیر کر دیا کہ شعر شعر نہ رہے۔ محض مطلب شاعر ادا ہو جائے۔ غرض آپ کی طبع شریف کو شاعری سے مناسبت نہیں دی گئی تھی کیونکہ یہ چیز آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی۔ آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدون ادنیٰ ترین کذب و غلو کے روشناس کرنا تھا ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مشاعریت کا حسن و کمال کذب و مبالغہ، خیالی بلند پردازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں۔ شعر میں اگر کوئی جزء محمود ہے تو اس کی تاثیر اور دلنشینی ہو سکتی ہے۔ سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر بھی اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصلی روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح و عاقل دنگ ہو کر قرآن کو شعر یا سحر کہنے لگتے تھے۔ حالانکہ شعر و سحر کو قرآن سے کیا نسبت؟ کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر دنیا میں کبھی قومیت و روحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو۔ یہ کام شاعروں کا نہیں، پیغمبروں کا ہے کہ خدا کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ پہلے سے شاعر تھے شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے۔

۵۸۔ یعنی زندہ دل آدمی قرآن سن کر اللہ سے ڈرے اور منکروں پر حجت تمام ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جن میں جان ہو یعنی نیک اثر پکڑتا ہو۔ اس کے فائدہ کو اور منکروں پر الزام اتارنے کو"۔

۵۹۔ **اللہ کی دوسری نشانیاں:** آیات تنزیلیہ کے بعد پھر آیات تکوینیہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ یعنی ایک طرف قرآن کی پند و نصیحت کو سنو اور دوسری طرف غور سے دیکھو کہ اللہ کے کیسے کیسے انعام و احسان تم پر ہوئے ہیں، اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے، خچر وغیرہ جانوروں کو تم نے نہیں بنایا اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تم کو محض اپنے فضل سے ان کا مالک بنا دیا کہ جہاں چاہو بیچو اور جو چاہو کام لو۔

۶۰۔ **چارپایوں میں انسان کے فائدے:** دیکھو کتنے بڑے بڑے عظیم الجثہ، قوی ہیکل جانور انسان ضعیف البنیان کے سامنے عاجز و مسخر کر دیے۔ ہزاروں اونٹوں کی قطار کو ایک خورد سال بچہ نکیل پکڑ کر جدھر چاہے لیجائے ذرا کان نہیں ہلاتے کیسے کیسے شہزور جانوروں پر آدمی سواری کرتا ہے اور بعض کو کاٹ کر اپنی غذا بناتا ہے۔ علاوہ گوشت کھانے کے ان کی کھال، ہڈی اون وغیرہ سے کس قدر فوائد حاصل کیے جاتے ہیں، ان کے تھن کیا ہیں گویا دودھ کے چشمے ہیں۔ ان ہی چشموں کے گھاٹ سے کتنے آدمی سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن شکر گذار بندے بہت تھوڑے ہیں۔

۶۱۔ یعنی جس خدا نے یہ نعمتیں مرحمت فرمائیں اس کا یہ شکر ادا کیا کہ اس کے مقابل دوسرے حاکم اور معبود ٹھہرا لئے جنہیں سمجھتے ہیں کہ آڑے وقت میں کام آئیں گے اور مدد کریں گے سو یاد رکھو! وہ تمہاری تو کیا اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں جب تم کو مدد کی ضرورت ہو گی اس وقت گرفتار ضرور کرا دیں گے۔ تب پتہ لگے گا کہ جن کی حمایت میں عمر بھر لڑتے رہے تھے وہ آج کس طرح آنکھیں دکھانے لگے۔

فَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّا نَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَ مَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اب تو غمگین مت ہو انکی بات سے ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں [۶۲]

اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ کیا دیکھتا نہیں انسان کہ ہم نے اس کو بنایا ایک قطرہ سے پھر تبھی وہ ہو گیا جھگڑنے بولنے والا [۶۳]

وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ
الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور بٹھلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہوگئیں [۶۴]

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ
بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ۙ﴿۷۹﴾

۷۹۔ تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا انکو پہلی بار اور وہ سب بنانا جانتا ہے [۶۵]

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ
اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر اب تم اس سے سلگاتے ہو [۶۶]

اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ
عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ
الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین نہیں بنا سکتا ان جیسے کیوں نہیں اور وہی ہے اصل بنانے والا سب کچھ جاننے والا [۶۷]

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اسکا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو ہو وہ اسی وقت ہو جائے [۶۸]

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۵ ٦ ۴

۸۳۔ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف پھر کر چلے جاؤ گے [۶۹]

٦۲۔ یعنی جب خود ہمارے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو آپ ان کی بات سے غمگین و دلگیر نہ ہوں اپنا فرض ادا کر کے ہمارے حوالہ کریں۔ ہم ان کے ظاہری و باطنی احوال سے خوب واقف ہیں ٹھیک ٹھیک بھگتان کر دیں گے۔

٦۳۔ انسان کی اصل: یعنی انسان اپنی اصل کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک ناچیز قطرہ تھا، خدا نے کیا سے کیا بنا دیا۔ اس پانی کی بوند کو وہ زور اور قوت گویائی عطا کی کہ بات بات پر جھگڑنے اور باتیں بنانے لگا۔ حتیٰ کہ آج اپنی حد سے بڑھ کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔

٦۴۔ حقیر انسان کی جرأت: یعنی دیکھتے ہو! خدا پر کیسے فقرے چسپاں کرتا ہے۔ گویا اس قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح فرض کر لیا ہے جو کہا

ہے کہ آخر جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ پرانی اور کھوکھری، تو انہیں دوبارہ کون زندہ کرے گا۔ ایسا سوال کرتے وقت اسے اپنی پیدائش یاد نہیں رہی ورنہ اس قطرہ ناچیز کو ایسے الفاظ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اپنی اصل پر نظر کر کے کچھ شرماتا اور کچھ عقل سے کام لے کر اپنے سوال کا جواب بھی حاصل کر لیتا جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔

۶۵۔ اللہ کی قدرت: یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ (وَھُوَ اَھْوَنُ علیہ) اور اس قادر مطلق کے لئے تو سب ہی چیز آسان ہے پہلی مرتبہ ہو یا دوسری، وہ ہر طرح بنانا جانتا ہے اور بدن کے اجزاء اور ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہوں ان کا ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔

۶۶۔ درخت اور ایندھن: یعنی اول پانی سے سبز و شاداب درخت تیار کیا پھر اسی تر و تازہ درخت کو سکھا کر ایندھن بنا دیا جس سے اب تم آگ نکال رہے ہو۔ پس جو خدا ایسی متضاد صفات کو ادل بدل کر سکتا ہے کیا وہ ایک چیز کی موت و حیات کے الٹ پھیر پر قادر نہیں؟ (تنبیہ) بعض سلف نے "شجر اخضر" (سبز درخت) سے خاص وہ درخت مراد لئے ہیں جن کی شاخوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ نکلتی ہو۔ جیسے بانس کا درخت یا عرب میں مرخ اور عفار تھے۔ واللہ اعلم۔

۶۷۔ یعنی جس نے آسمان و زمین جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں اسے ان کافروں جیسی چھوٹی چیزوں کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

۶۸۔ قدرت کاملہ کا بیان: یعنی کسی چھوٹی بڑی چیز کے پہلی مرتبہ یا دوبارہ بنانے میں اسے دقت ہی کیا ہو سکتی ہے اس کے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے۔ جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا ہو جا! فوراً ہو ئی رکھی ہے۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ) میرے خیال میں اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے خلق بدن کا ذکر تھا۔ یہاں نفخ روح کا مطلب سمجھا دیا۔ واللہ اعلم۔ راجع فوائد سورۃ الاسراء تحت بحث الروح۔

۶۹۔ اللہ ہی حاکم مطلق ہے: یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ پاک ہے عجز و سفہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے۔

تم سورۂ یٰسٓ وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتها ۱۸۲ ۳۷ سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰت مَكِّيَّةٌ ۵٦ رکوعاتها ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾

۱۔ قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر[۱]

فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۙ﴿۲﴾

۲۔ پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر[۲]

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكۡرًا ۙ﴿۳﴾

۳۔ پھر پڑھنے والوں کی یاد کر کر[۳]

اِنَّ اِلٰـهَكُمۡ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾

۴۔ بیشک حاکم تم سب کا ایک ہے[۴]

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَيۡنَهُمَا وَ رَبُّ
الۡمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

۵۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے اور رب مشرقوں کا[۵]

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِزِيۡنَةِ ۣالۡكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾

۶۔ ہم نے رونق دی ورلے آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں[۶]

وَ حِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾

۷۔ اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش سے[۷]

لَا يَسَّمَّعُوۡنَ اِلَى الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰى وَ يُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ
جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾

۸۔ سن نہیں سکتے اوپر کی مجلس تک اور پھینکے جاتے ہیں ان پر ہر طرف سے

دُحُوۡرًا وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾

۹۔ بھگانے کو[۸] اور ان پر مار ہے ہمیشہ کو[۹]

اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ مگر جو کوئی اچک لایا جھپ سے پھر پیچھے لگا اس کے انگارا چمکتا[۱۰]

۱۔ یعنی جو صف باندھ کر قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں، خواہ فرشتے ہوں جو حکم الٰہی سننے کو اپنے مقام پر درجہ بدرجہ کھڑے ہوتے ہیں یا عبادت

گذار انسان جو نماز اور جہاد وغیرہ میں صف بندی کرتے ہیں۔ (تنبیہ)

قرآن کی قسموں کی توضیح: قسم محاورات میں تاکید کے لیے ہے جو اکثر منکر کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن بسا اوقات محض ایک مضمون کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ، مقسم علیہ کے لئے بطور ایک شاہد یا دلیل کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔"

۲۔ ڈانٹنے والے فرشتے: یعنی جو فرشتے شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں تا استراق سمع کے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں یا بندوں کو نیکی کی بات سمجھا کر معاصی سے روکتے ہیں۔ یا وہ نیک آدمی جو خود اپنے نفس کو بدی سے روکتے اور دوسروں کو بھی شرارت پر ڈانٹتے جھڑکتے رہتے ہیں۔ خصوصًا میدان جہاد میں کفار کے مقابلہ پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ بہت سخت ہوتی ہے۔

۳۔ یعنی وہ فرشتے یا آدمی جو اللہ کے احکام سننے کے بعد پڑھتے اور یاد کرتے ہیں ایک دوسرے کے بتانے کو۔

۴۔ بیشک آسمان پر فرشتے اور زمین پر خدا کے نیک بندے ہر زمانہ میں قولاً وفعلاً شہادت دیتے رہے ہیں کہ سب کا معبود ایک ہے۔ اور ہم اسی کی رعیت ہیں۔

۵۔ مشارق و مغارب: شمال سے جنوب تک ایک طرف مشرقین ہیں۔ سورج کی ہر روز کی جدا اور ہر ستارے کی جدا۔ یعنی وہ نقطے جن سے ان کا طلوع ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اتنی ہی مغربین ہیں۔ شاید مغارب کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا کہ مشارق سے بطور مقابلہ کے خود ہی سمجھ میں آجائیں گی اور ایک حیثیت سے طلوع و شمس و کواکب کو حق تعالیٰ کی شان حکومت و عظمت کے ثابت کرنے میں بہ نسبت غروب کے زیادہ دخل ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۔ ستاروں کی رونق: یعنی اندھیری رات میں یہ آسمان بے شمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے دیکھنے والوں کو کیسا خوبصورت، مزین اور پر رونق معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ یعنی تاروں سے آسمان کی زینت و آرائش ہے۔ اور بعض تاروں کے ذریعہ سے جو ٹوٹتے ہیں شیطانوں کو روکنے اور دفع کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے یہ ٹوٹنے والے ستارے کیا ہیں۔ آیا کواکب نوریہ کے علاوہ کوئی مستقل نوع کواکب کی ہے یا کواکب نوریہ کی شعاعوں ہی سے ہوا متکیّف ہو کر ایک طرح کی آتش سوزاں پیدا ہو جاتی ہے یا خود کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر گرتے ہیں؟ اس میں علماء و حکماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بہر حال ان کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو، رجم شیاطین کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے اسکی کچھ تفصیل سورہ "حجر" کے فوائد میں گذر چکی ملاحظہ کرلیجائے۔

۸۔ ملاء اعلیٰ اور شیاطین: اوپر کی مجلس سے مراد فرشتوں کی مجلس ہے۔ یعنی شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی بات وحی الٰہی کی سن آئیں۔ جب ایسا ارادہ کر کے اوپر آسمانوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو جس طرف سے جاتے ہیں ادھر ہی سے فرشتے دھکے دے کر اور مار مار کر بھگا دیتے ہیں۔

۹۔ یعنی دنیا میں ہمیشہ یوں ہی مار پڑتی رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔

۱۰۔ شہاب ثاقب کی مار: یعنی اسی بھاگ دوڑ میں جلدی سے کوئی ایک آدھ بات اچک لایا۔ اس پر بھی شہاب ثاقب سے اس کا تعاقب کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل سورہ "حجر" کے شروع میں گذر چکی۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اب پوچھ ان سے کیا یہ بنانے مشکل ہیں یا جتنی خلقت کہ ہم نے بنائی [۱۱] ہم نے ہی انکو بنایا ہے ایک چپکتے گارے سے [۱۲]

بَلْ عَجِبْتَ وَ يَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ بلکہ تو کرتا ہے تعجب اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے[۱۳]

وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور جب انکو سمجھایئے نہیں سوچتے

وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور جب دیکھیں کچھ نشانی ہنسی میں ڈال دیتے ہیں

وَ قَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں یہ تو کھلا جادو ہے[۱۴]

ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم کو پھر اٹھائیں گے

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ کیا اور ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی[۱۵]

قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ تو کہہ کہ ہاں اور تم ذلیل ہو گے

۱۱۔ منکرین بعث کا رد: یعنی منکرین بعث سے دریافت کیجئے کہ آسمان، زمین، ستارے، فرشتے، شیاطین وغیرہ مخلوقات کا پیدا کرنا ان کے خیال میں زیادہ مشکل کام ہے یا خود ان کا پیدا کرنا اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد ظاہر ہے جو خدا ایسی عظیم الشان مخلوقات کا بنانے والا ہے اسے ان کا دوبارہ بنا دینا کیا مشکل ہو گا۔

۱۲۔ انسان کی اصلیت: یعنی ان کی اصل حقیقت ہمیں سب معلوم ہے۔ ایک طرح کے چپکتے گارے سے جس کا پتلا ہم نے تیار کیا آج اس کے یہ دعوے ہیں کہ آسمان و زمین کا بنانے والا اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں جس طرح پہلے تجھ کو مٹی سے بنایا دوبارہ بھی مٹی سے نکال کر کھڑا کر دیں گے۔

۱۳۔ یعنی تجھ کو ان پر تعجب آتا ہے کہ ایسی صاف باتیں کیوں نہیں سمجھتے اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ یہ (نبی) کس قسم کی بے سروپا باتیں کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ)

۱۴۔ یعنی نصیحت سن کر غور و فکر نہیں کرتے اور جو معجزات و نشانات دیکھتے ہیں انہیں جادو ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔

۱۵۔ کفار کی ضد اور ہٹ: وہی مرغے کی ایک ٹانگ گائے جاتے ہیں کہ صاحب جب ہمارا بدن خاک میں مل کر مٹی ہو گیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے باپ دادا جن کو مرے ہوئے قرن گذر گئے شاید ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، ہم کس طرح مان لیں کہ یہ سب پھر از سر نو زندہ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ سو وہ اٹھانا تو یہی ہے ایک جھڑکی پھر اسی وقت یہ لگیں گے دیکھنے[۱۶]

وَ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾

٢٠۔ اور کہیں گے اے خرابی ہماری یہ آ گیا دن جزا کا[١٧]

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾

٢١۔ یہ ہے دن فیصلہ کا جس کو تم جھٹلاتے تھے[١٨]

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ جمع کرو گنہگاروں کو اور انکے جوڑوں کو اور جو کچھ پوجتے تھے[١٩]

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ اللہ کے سوائے پھر چلاؤ ان کو دوزخ کی راہ پر[٢٠]

وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾

٢٤۔ اور کھڑا رکھو انکو ان سے پوچھنا ہے[٢١]

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ کیا ہوا تم کو ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾

٢٦۔ کوئی نہیں وہ آج اپنے آپ کو پکڑواتے ہیں[٢٢]

١٦۔ یعنی ہاں ضرور اٹھائے جاؤ گے اور اس وقت ذلیل ورسوا ہو کر اس انکار کی سزا بھگتو گے۔

١٧۔ یعنی ایک ڈانٹ میں سب اٹھ کھڑے ہوں گے اور حیرت و دہشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے (یہ ڈانٹ یا جھڑ کی نفخ صور کی ہو گی)۔

١٨۔ یعنی یہ تو سچ مچ جزاء کا دن آ پہنچا جس کی انبیاء خبر دیتے اور ہم ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

١٩۔ یہ حق تعالٰی کی طرف سے خطاب ہو گا۔

٢٠۔ کفار کا حشر: یہ حکم ہو گا فرشتوں کو کہ ان سب کو اکٹھا کر کے دوزخ کا راستہ بتاؤ۔ (تنبیہ) "ازواج" (جوڑوں) سے مراد ہیں ایک قسم کے گنہگار یا ان کی کافر بیویاں۔ اور مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے اصنام و شیاطین وغیرہ مراد ہیں۔

٢١۔ کفار کو سوال کیلئے ٹھہرانے کا حکم: حکم کے بعد کچھ دیر ٹھہرائیں گے تا کہ ان سے ایک سوال کیا جائے جو آگے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ میں مذکور ہے۔

٢٢۔ حق تعالٰی کا سوال: یعنی دنیا میں تو نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ کہا کرتے تھے۔ (کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں) آج کیا ہوا کہ کوئی اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک بدون کان ہلائے ذلیل ہو کر پکڑا ہوا چلا آ رہا ہے۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ اور منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف لگے پوچھنے

قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾

٢٨۔ بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے[٢٣]

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ وہ بولے کوئی نہیں پر تم ہی نہ تھے یقین لانے والے

وَ مَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا پر تم ہی تھے لوگ حد سے نکل چلنے والے

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ سو ثابت ہو گئی ہم پر بات ہمارے رب کی بیشک ہم کو مزہ چکھنا ہے

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ ہم نے تم کو گمراہ کیا جیسے ہم خود تھے گمراہ[۲۴]

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ سو وہ سب اس دن تکلیف میں شریک ہیں[۲۵]

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ ہم ایسا ہی کرتے ہیں گنہگاروں کے حق میں

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ وہ تھے کہ ان سے جب کوئی کہتا کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے تو غرور کرتے[۲۶]

وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور کہتے کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے معبودوں کو کہنے سے ایک شاعر دیوانہ کے

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ کوئی نہیں وہ لیکر آیا ہے سچا دین اور سچا مانتا ہے سب رسولوں کو[۲۷]

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ بیشک تم کو تو چکھنا ہے عذاب دردناک

وَ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور وہ ہی بدلا پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے[۲۸]

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے[۲۹]

۲۳۔ کفار کا ایک دوسرے کو الزام: "یمین" (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور و قوت زائد ہوتی ہے۔ یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرعوب کر کے۔ یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لے جائیں یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لیے۔ یہ گفتگو اتباع اور متبوعین (زبردستوں اور زیردستوں) کے درمیان ہوگی۔

۲۴۔ متبوعین کا جواب: یعنی خود تو ایمان نہ لائے ہم پر الزام رکھتے ہو۔ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل و انصاف کی حد سے نکل گئے کہ بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکائے میں آ گئے۔ اگر عقل و فہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ رہے ہم سو ظاہر ہے خود گمراہ تھے، ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے ہم نے وہ ہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا۔ لیکن تم کو کیا مصیبت نے گھیرا تھا کہ ہمارے چکموں میں آ گئے بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی اور اس کی وہ ہی بات لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ (ص۔۸۵) الخ ثابت ہو کر رہی۔ آج ہم سب کو اپنی اپنی غلط کاریوں اور بدمعاشیوں کا مزہ چکھنا ہے۔

۲۵۔ یعنی سب مجرم درجہ بدرجہ عذاب میں شریک ہوں گے جیسے جرم میں شریک تھے۔

۲۶۔ یعنی ان کا کبر و غرور مانع ہے کہ نبی کے ارشاد سے یہ کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) زبان پر لائیں جس سے ان کے جھوٹے معبودوں کی نفی ہوتی ہے۔ خواہ دل میں اسے سچ ہی مانتے ہوں۔

۲۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے پر ملامت: یعنی شاعروں کا جھوٹ تو مشہور ہے۔ پھر اس راستباز ہستی کو شاعر کیسے کہتے ہو جو دنیا میں خالص سچائی لے کر آیا ہے اور سارے جہان کے سچوں کی تصدیق کرتا ہے۔ کیا مجنون اور دیوانے ایسے سچے صحیح اور پختہ اصول پیش کیا کرتے ہیں؟

۲۸۔ یعنی انکار توحید اور ان گستاخیوں کا مزہ چکھو گے جو بارگاہ رسالت میں کر رہے ہو۔ جو کچھ کرتے تھے ایک دن سامنے آ جائے گا۔

۲۹۔ یعنی ان کا کیا ذکر۔ وہ تو ایک قسم ہی دوسری ہے جس پر حق تعالیٰ نوازش و کرم فرمائے گا۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ رِزۡقٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴۱﴾	۴۱۔ وہ لوگ جو ہیں انکے واسطے روزی ہے مقرر
فَوَاكِهُ ۚ وَهُمۡ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾	۴۲۔ میوے [۳۰] اور انکی عزت ہے [۳۱]
فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۴۳﴾	۴۳۔ نعمت کے باغوں میں
عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيۡنَ ﴿۴۴﴾	۴۴۔ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے
يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِكَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِيۡنٍ ﴿۴۵﴾	۴۵۔ لوگ لئے پھرتے ہیں ان کے پاس پیالہ شراب صاف کا
بَيۡضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ﴿۴۶﴾	۴۶۔ سفید رنگ مزہ دینے والی پینے والوں کو

لَا فِيۡهَا غَوۡلٌ وَّلَا هُمۡ عَنۡهَا يُنۡزَفُوۡنَ ﴿٤٧﴾
٤٧۔ نہ اس میں سر پھرتا ہے اور نہ وہ اس کو پی کر بہکیں [٣٢]

وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِيۡنٌ ۙ﴿٤٨﴾
٤٨۔ اور ان کے پاس ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھنے والیاں بڑی بڑی آنکھوں والیاں [٣٣]

كَاَنَّهُنَّ بَيۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ ﴿٤٩﴾
٤٩۔ گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے [٣٤]

فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿٥٠﴾
٥٠۔ پھر منہ کیا ایک نے دوسرے کی طرف لگے پوچھنے

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّىۡ كَانَ لِىۡ قَرِيۡنٌ ۙ﴿٥١﴾
٥١۔ بولا ایک بولنے والا ان میں میرا تھا ایک ساتھی

يَّقُوۡلُ اَءِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِيۡنَ ﴿٥٢﴾
٥٢۔ کہا کرتا کیا تو یقین کرتا ہے

ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيۡنُوۡنَ ﴿٥٣﴾
٥٣۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو جزا ملے گی [٣٥]

قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ﴿٥٤﴾
٥٤۔ کہنے لگا بھلا تم جھانک کر دیکھو گے [٣٦]

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ﴿٥٥﴾
٥٥۔ پھر جھانکا تو اس کو دیکھا بیچوں بیچ دوزخ کے

قَالَ تَاللّٰهِ اِنۡ كِدۡتَّ لَتُرۡدِيۡنِ ۙ﴿٥٦﴾
٥٦۔ بولا قسم اللہ کی تو تو مجھ کو ڈالنے لگا تھا گڑھے میں

وَلَوۡلَا نِعۡمَةُ رَبِّىۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ﴿٥٧﴾
٥٧۔ اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا انہیں میں جو پکڑے ہوئے آئے [٣٧]

اَفَمَا نَحۡنُ بِمَيِّتِيۡنَ ۙ﴿٥٨﴾
٥٨۔ کیا اب ہم کو مرنا نہیں

اِلَّا مَوۡتَتَنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ ﴿٥٩﴾
٥٩۔ مگر جو پہلی بار مر چکے اور ہم کو تکلیف نہیں پہنچنے کی

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿٦٠﴾
٦٠۔ بیشک یہی ہے بڑی مراد ملنی

لِمِثۡلِ هٰذَا فَلۡيَعۡمَلِ الۡعٰمِلُوۡنَ ﴿٦١﴾
٦١۔ ایسی چیزوں کے واسطے چاہئے محنت کریں محنت کرنے والے [٣٨]

۳۰۔ جنت کے میوے: یعنی عجیب وغریب میوے کھانے کو ملیں گے جن کی پوری صفت تو اللہ ہی کو معلوم ہے، ہاں کچھ مختصر سی بندوں کو بھی بتلا دی ہے جیسے فرمایا لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (واقعہ۔۳۳)

۳۱۔ خدا ہی جانے کیا کیا اعزاز واکرام ہوں گے۔

۳۲۔ جنت کی شراب: یعنی مزہ ونشاط پورا ہو گا۔ اور دنیا کی شراب میں جو خرابیاں ہوتی ہیں ان کا نام ونشان نہ ہو گا۔ نہ سر گرانی ہو گی، نہ نشہ چڑھے گا، نہ قے آئے گی، نہ پھیپھڑے وغیرہ خراب ہوں گے، نہ اس کی نہریں خشک ہو کر ختم ہو سکیں گی۔

۳۳۔ جنت کی حوریں: یعنی شرم وناز سے نگاہ نیچی رکھنے والی حوریں جو اپنے ازواج کے سوا کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔

۳۴۔ جنت کی عورتوں کا رنگ: یعنی صاف وشفاف رنگ ہو گا جیسے انڈا جس کو پرند اپنے پروں کے نیچے چھپائے رکھے کہ نہ داغ لگے نہ گرد وغبار پہنچے۔ یا انڈے کے اندر کی سفیدی جو سخت چھلکے کے نیچے پوشیدہ رہتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں جو بہت خوشرنگ ہوتے ہیں۔ بہر حال تشبیہ صفائی یا خوشرنگ ہونے میں ہے سفیدی میں نہیں چنانچہ دوسری جگہ فرمایا كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (رحمٰن۔۵۸)

۳۵۔ جنت کی مجلسیں: یعنی یاران جلسہ جمع ہوں گے اور شراب طہور کا جام چل رہا ہو گا۔ اس عیش وتنعم کے وقت اپنے بعض گذشتہ حالات کا مذاکرہ کریں گے۔ ایک جنتی کہے گا کہ میاں دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا جو مجھے آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے ملامت کیا کرتا اور احمق بنایا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بالکل مہمل بات تھی کہ ایک شخص مٹی میں مل جائے اور گوشت پوست کچھ باقی نہ رہے محض بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں، پھر اسے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے از سر نو زندہ کر دیں؟ بھلا ایسی بے تکی بات پر کون یقین کر سکتا ہے۔

۳۶۔ کافر دوست کے حال کی جستجو: یعنی وہ ساتھی یقیناً دوزخ میں پڑا ہو گا۔ آؤ ذرا جھانک کر دیکھیں کس حال میں ہے۔ (یہ اس جنتی کا مقولہ ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقولہ اللہ کا ہے یعنی حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو)۔

۳۷۔ دوزخ میں اس کا حال: یعنی اس جنتی کو اپنے ساتھی کا حال دکھلا دیا جائے گا کہ ٹھیک دوزخ کی آگ میں پڑا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر اسے عبرت ہو گی اور اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان یاد آئے گا کہے گا، کم بخت! تو نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا۔ محض اللہ کے احسان نے دستگیری فرمائی جو اس مصیبت سے بچا لیا اور میرا قدم راہ ایمان وعرفان سے ڈگنے نہ دیا۔ ورنہ آج میں بھی تیری طرح پکڑا ہوا آتا۔ اور اس دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔

۳۸۔ دائمی زندگی پر خوشی کا اظہار: اس وقت فرط مسرت سے کہے گا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس پہلی موت کے سوا جو دنیا میں آچکی اب ہم کو کبھی مرنا نہیں اور نہ کبھی اس عیش وبہار سے نکل کر تکلیف وعذاب کی طرف جانا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل ورحمت سے اسی تنعم ورفاہیت میں ہمیشہ رہیں گے بے شک بڑی کامیابی اسی کو کہتے ہیں اور یہ ہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کی تحصیل کے لیے چاہئے کہ ہر طرح کی محنتیں اور قربانیاں گوارا کی جائیں۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾
۶۲۔ بھلا یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سیہنڈ کا

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾
۶۳۔ ہم نے اس کو رکھا ہے ایک بلا ظالموں کے واسطے

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾
۶۴۔ وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑ میں [۳۹]

طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اس کا خوشہ جیسے سر شیطان کے [۴۰]

فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۶۶﴾ ط

۶۶۔ سو وہ کھائیں گے اس میں سے پھر بھریں گے اس سے پیٹ

ثُمَّ اِنَّ لَهُمۡ عَلَيۡهَا لَشَوۡبًا مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿۶۷﴾ ج

۶۷۔ پھر ان کے واسطے اس کے اوپر ملونی ہے جلتے پانی کی [۴۱]

ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاِلَى الۡجَحِيۡمِ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ پھر ان کو لیجانا آگ کے ڈھیر میں [۴۲]

اِنَّهُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَهُمۡ ضَآلِّيۡنَ ﴿۶۹﴾ لا

۶۹۔ انہوں نے پایا اپنے باپ دادوں کو بہکے ہوئے

فَهُمۡ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ يُهۡرَعُوۡنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ سو وہ انہی کے قدموں پر دوڑتے ہیں [۴۳]

وَلَقَدۡ ضَلَّ قَبۡلَهُمۡ اَكۡثَرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۷۱﴾ لا

۷۱۔ اور بہک چکے ہیں ان سے پہلے بہت لوگ اگلے

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ مُّنۡذِرِيۡنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور ہم نے بھیجے ہیں ان میں ڈر سنانے والے

فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۷۳﴾ لا

۷۳۔ اب دیکھ کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۷۴﴾ ع

۷۴۔ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے [۴۴]

۳۹۔ **اہل دوزخ کیلئے زقوم کا درخت**: اوپر بہشتیوں کی مہمانی کا ذکر تھا۔ یہاں سے دوزخیوں کی مہمانی کا حال سناتے ہیں۔ "زقّوم" کسی درخت کا نام ہے جو سخت کڑوا، بد ذائقہ ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں تُھر، یا سیہنڈ۔ دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک درخت اگایا ہے اس کو یہاں "شجرۃ الزقوم" سے موسوم کیا۔ وہ ایک بلا ہے ظالموں کے واسطے آخرت میں۔ کیونکہ جب دوزخی بھوک سے بیقرار ہوں گے تو یہ ہی کھانے کو دیا جائے گا۔ اور اس کا حلق سے اتارنا یا اتارنے کے بعد ایک خاص اثر پیدا کرنا سخت تکلیف دہ اور مستقل عذاب ہو گا اور دنیا میں بھی ایک طرح کی بلاء اور آزمائش ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر سن کر گمراہ ہوتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ سبز درخت دوزخ کی آگ میں کیونکر اگا۔ (حالانکہ ممکن ہے اس کا مزاج ہی ناری ہو جیسے آگ کا کیڑا "سمندر" آگ میں زندہ رہتا ہے اور سہارنپور کے کمپنی باغ میں بعض درختوں کی تربیت آگ کے ذریعہ سے ہوتی ہے) کسی نے کہا "زقوم" فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں انہیں سامنے رکھ کر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں گے۔

۴۰۔ یعنی سخت بد نما شیطان کی صورت، یا شیاطین کہا سانپوں کو۔ یعنی اس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہو گا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے "ناگ پھن" کہتے ہیں۔

۴۱۔ اہل دوزخ کے پینے کا پانی: "زقوم" کھا کر پیاس لگے گی تو سخت جلتا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ کر باہر آ پڑیں گی۔ فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَهُمۡ (محمد۔۱۵) اعاذنا اللہ منہا۔

۴۲۔ یعنی بہت بھوکے ہوں گے تو آگ سے ہٹا کر یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دیں گے۔

۴۳۔ اندھی تقلید: یعنی پچھلے کا فر اگلوں کی اندھی تقلید میں گمراہ ہوئے۔ جس راہ پر انہیں چلتے دیکھا اسی پر دوڑ پڑے کنواں کھائی کچھ نہ دیکھا۔

۴۴۔ یعنی ہر زمانہ میں انجام سے آگاہ کرنے والے اور آخرت کا ڈر سنانے والے آتے رہے۔ آخر جنہوں نے نہ سنا اور نہ مانا دیکھ لو! انکا انجام کیسا ہوا۔ بس اللہ کے وہی چنے ہوئے بندے محفوظ رہے جن کو خدا کا ڈر اور عاقبت کی فکر تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ڈر سب ہی کو سناتے ہیں ان میں نیک بچتے ہیں اور بد کھپتے ہیں"۔ آگے بعض منذرین (بالکسر) اور منذَرین (بالفتح) کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ مکذبین کی عبرت اور مومنین کی تسلی کے لئے۔

وَلَقَدۡ نَادٰٮنَا نُوۡحٌ فَلَنِعۡمَ الۡمُجِيۡبُوۡنَ ۞۷۵	۷۵۔ اور ہم کو پکارا تھا نوح نے سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں ہم پکار پر
وَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ۞۷۶	۷۶۔ اور بچا دیا اسکو اور اسکے گھر کو اس بڑی گھبراہٹ سے
وَجَعَلۡنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِيۡنَ ۞۷۷	۷۷۔ اور رکھا اس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے
وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۞۷۸	۷۸۔ اور باقی رکھا اس پر پچھلے لوگوں میں
سَلٰمٌ عَلٰى نُوۡحٍ فِى الۡعٰلَمِيۡنَ ۞۷۹	۷۹۔ کہ سلام ہے نوح پر سارے جہان والوں میں
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۞۸۰	۸۰۔ ہم یوں بدلا دیتے ہیں نیکی والوں کو
اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞۸۱	۸۱۔ وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں
ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ۞۸۲	۸۲۔ پھر ڈبو دیا ہم نے دوسروں کو [۴۵]

۴۵۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ سے عبرت: تقریباً ہزار سال تک حضرت نوحؑ اپنی قوم کو سمجھاتے اور نصیحت کرتے رہے۔ مگر ان کی شرارت اور ایذا رسانی برابر بڑھتی رہی۔ آخر حضرت نوحؑ نے مجبور ہو کر اپنے بھیجنے والے کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔ رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ (قمر۔۱۰) اے پروردگار! میں مغلوب ہوں آپ میری مدد کو پہنچئے دیکھ لو کہ اللہ نے ان کی پکار کیسی سنی اور مدد کو کس طرح پہنچا۔

حضرت نوحؑ پر انعامات: نوحؑ کو مع ان کے گھرانے کے رات دن کی ایذاء سے بچایا۔ پھر ہولناک طوفان کے وقت انکی حفاظت کی۔ اور تنہا اسکی اولاد سے زمین کو آباد کر دیا۔ اور رہتی دنیا تک اس کا ذکر خیر لوگوں میں باقی چھوڑا۔ چنانچہ آج تک خلقت ان پر سلام بھیجتی ہے اور سارے جہاں میں "نوح علیہ السلام" کہہ کر یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ تو نیک بندوں کا انجام ہوا دوسری طرف ان کے دشمنوں کا حال دیکھو کہ سب کے سب

زبردست طوفان کی نذر کر دیے گئے۔ آج ان کا نام ونشان تک باقی نہیں۔ اپنی حماقتوں اور شرارتوں کی بدولت دنیا کا بیڑہ غرق کرا کر رہے۔ (تنبیہ) اکثر عملاء کا قول یہ ہی ہے کہ آج تمام دنیا کے آدمی حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں (سام، حام، یافث) کی اولاد سے ہیں۔ جامع ترمذی کی بعض احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتاہے۔ والتفصیل یطلب من مظانہ۔

وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۸۳﴾
۸۳۔ اور اسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم[۴۶]

اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ ﴿۸۴﴾
۸۴۔ جب آیا اپنے رب کے پاس لیکر دل نروگا[۴۷]

اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَاذَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۸۵﴾ ۚ
۸۵۔ جب کہا اپنے باپ کو اور اسکی قوم کو تم کیا پوجتے ہو

اَئِفۡكًا اٰلِهَةً دُوۡنَ اللّٰهِ تُرِيۡدُوۡنَ ﴿۸۶﴾ ؕ
۸۶۔ کیا جھوٹ بنائے ہوئے حاکموں کو اللہ کے سوائے چاہتے ہو[۴۸]

فَمَا ظَنُّكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۷﴾
۸۷۔ پھر کیا خیال کیا ہے تم نے پروردگار عالم کو[۴۹]

فَنَظَرَ نَظۡرَةً فِى النُّجُوۡمِ ﴿۸۸﴾ ۙ
۸۸۔ پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں

فَقَالَ اِنِّىۡ سَقِيۡمٌ ﴿۸۹﴾
۸۹۔ پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں

فَتَوَلَّوۡا عَنۡهُ مُدۡبِرِيۡنَ ﴿۹۰﴾
۹۰۔ پھر پھر گئے وہ اس سے پیٹھ دے کر

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمۡ فَقَالَ اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۹۱﴾ ۚ
۹۱۔ پھر جا گھسا ان کے بتوں میں پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے[۵۰]

مَا لَكُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۹۲﴾
۹۲۔ تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے[۵۱]

فَرَاغَ عَلَيۡهِمۡ ضَرۡبًۢا بِالۡيَمِيۡنِ ﴿۹۳﴾
۹۳۔ پھر گھسا ان پر مارتا ہوا داہنے ہاتھ سے[۵۲]

فَاَقۡبَلُوۡۤا اِلَيۡهِ يَزِفُّوۡنَ ﴿۹۴﴾
۹۴۔ پھر لوگ آئے اس پر دوڑ کر گھبراتے ہوئے[۵۳]

قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ﴿۹۵﴾ ۙ
۹۵۔ بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾
۹۶۔ اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو[۵۴]

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ بولے بناؤ اس کے واسطے ایک عمارت پھر ڈالو اس کو آگ کے ڈھیر میں

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ پھر چاہنے لگے اس پر برا داؤ کرنا پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے [۵۵]

۴۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ: انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب ایک راہ پر ہیں اور ہر پچھلا پہلے کی تصدیق و تائید کرتا ہے اسی لئے ابراہیم کو نوح (علیہما السلام) کے گروہ سے فرمایا۔ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (مومنون۔ ۵۲)۔

۴۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قلب سلیم: یعنی ہر قسم کے اعتقادی و اخلاقی روگ سے دل کو پاک کر کے اور دنیوی خرخشوں سے آزاد ہو کر انکسار و تواضع کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑا۔ اور اپنی قوم کو بھی بت پرستی سے باز رہنے کی نصیحت کی۔

۴۸۔ یعنی یہ آخر پتھر کی مورتیاں چیز کیا ہیں جنہیں تم اس قدر چاہتے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لیے۔ کیا سچ مچ ان کے ہاتھ میں جہان کی حکومت ہے؟ یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے مالک ہیں؟ آخر سچے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے حاکموں کی اتنی خوشامد اور حمایت کیوں ہے؟

۴۹۔ یعنی کیا اس کے وجود میں شبہ ہے؟ یا اس کی شان و مرتبہ کو نہیں سمجھتے جو (معاذ اللہ) پتھروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہو۔ یا اس کے غضب و انتقام کی خبر نہیں؟ جو ایسی گستاخی پر جری ہو گئے ہو۔ آخر بتلاؤ تو سہی تم نے پروردگار عالم کو کیا خیال کر رکھا ہے۔

۵۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توریہ: ان کی قوم میں نجوم کا زور تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کے دکھانے کو تاروں کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں (اور ایسا دنیا میں کون ہے جس کی طبعیت ہر طرح ٹھیک رہے کچھ نہ کچھ عارض اندرونی یا بیرونی لگے ہی رہتے ہیں۔ یہ ہی تکلیف اور بدمزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی ردی حالت دیکھ کر کڑھتے تھے) یا یہ مطلب تھا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں (بیماری نام ہے مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا۔ تو موت سے پہلے ہر شخص کو یہ صورت پیش آنے والی ہے) بہر حال حضرت ابراہیمؑ کی مراد صحیح تھی۔ لیکن ستاروں کی طرف دیکھ کر اِنِّيْ سَقِيْمٌ کہنے سے لوگ یہ مطلب سمجھے کہ بذریعہ نجوم کے انہوں نے معلوم کر لیا ہے کہ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ایک تہوار میں شرکت کرنے کے لئے شہر سے باہر جا رہے تھے۔ یہ کلام سن کر حضرت ابرہیمؑ کو ساتھ جانے سے معذور سمجھا اور تنہا چھوڑ کر چلے گئے ابراہیمؑ کی غرض یہ ہی تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔ چنانچہ بت خانہ میں جا گھسے اور بتوں کو خطاب کر کے کہا۔ "یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں کیوں نہیں کھاتے"۔ باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں کی سی ہے۔ (تنبیہ) تقریر بالا سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کا اِنِّيْ سَقِيْمٌ کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا، ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا۔ اس لئے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں۔ بلکہ "توریہ" ہے اور اس طرح کا "توریہ" مصلحت شرعی کے وقت مباح ہے۔ جیسے حدیث ہجرت میں ممّن الرّجل کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا من الماء اور ابو بکر صدیقؓ نے ایک سوال کے جواب میں کہا رَجُلٌ يَّهْدِيْنِي السَّبِيْلَ ہاں چونکہ یہ توریہ بھی حضرت ابراہیمؑ کے رتبہ بلند کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھا۔ اس لئے بقاعدہ "حسنات الابرار سئیات المقربین" حدیث میں اس کو "ذنب" قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

جب بتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگا کہ تم بولتے کیوں نہیں۔

۵۱۔ بتوں سے خطاب: یعنی اعضاء اور صورت تو تمہاری انسانوں کی سی بنا دی، لیکن انسانوں کی روح تم میں نہ ڈال سکے پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان، بے حس و حرکت انسان کے سامنے سر بسجود ہوں اور اپنی مہمات میں ان سے مدد طلب کریں؟

۵۲۔ بت شکنی: یعنی زور سے مار مار کر توڑ ڈالا۔ پہلے غالباً سورہ "انبیاء" میں یہ قصہ مفصل گذر چکا ہے۔

۵۳۔ لوگ جب میلے ٹھیلے سے واپس آئے، دیکھا بت ٹوٹے پڑے ہیں قرائن سے سمجھا کہ ابراہیمؑ کے سوا کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ سب ان کی طرف جھپٹ پڑے۔

۵۴۔ قوم کو توحید کی دعوت: یعنی جس کسی نے بھی توڑا۔ مگر تم یہ احمقانہ حرکت کرتے کیوں ہو؟ کیا پتھر کی بے جان مورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر تیار کی پرستش کے لائق ہو گئی؟ اور جو اللہ تمہارا اور تمہارے ہر ایک عمل و معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے، اس سے کوئی سروکار نہ رہا؟ پیدا تو ہر چیز کو وہ کرے اور بندگی دوسروں کی ہونے لگے۔ پھر دوسرے بھی کیسے جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟

۵۵۔ آگ میں جلانے کی تجویز: جب ابراہیمؑ کی معقول باتوں کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ تجویز کی کہ ایک بڑا آتش خانہ بنا کر ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دو۔ اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت راسخ ہو جائے گی اور ہیبت بیٹھ جائے گی۔ کہ ان کے مخالف کا انجام ایسا ہوتا ہے۔ آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے گا مگر اللہ نے ان ہی کو نیچا دکھلایا۔ ابراہیمؑ پر آگ گلزار کر دی گئی۔ جس سے علی رؤس الاشہاد ثابت ہو گیا کہ تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب مل کر خدائے واحد کے ایک مخلص بندے کا بال بیکا نہیں کر سکتے آگ کی مجال نہیں کہ رب ابراہیمؑ کی اجازت کے بدون ایک ناخن بھی جلا سکے۔

وَقَالَ اِنِّىۡ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا[۵۶]

رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا[۵۷]

فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ پھر خوشخبری دی ہم نے اسکو ایک لڑکے کی جو ہو گا تحمل والا[۵۸]

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى
الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانْظُرۡ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ
يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ
مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو کہا اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو تو کیا دیکھتا ہے بولا اے باپ کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھکو پائے گا اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا[۵۹]

فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۚ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اسکو ماتھے کے بل[۶۰]

وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۙ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم

قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ تو نے سچ کر دکھایا خواب[۶۱] ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓـؤُا الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ بیشک یہی ہے صریح جانچنا[۶۲]

وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے بڑا[۶۳]

وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۖ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ کہ سلام ہو ابراہیم پر[۶۴]

كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو

اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں[۶۵]

وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ اور خوشخبری دی ہم نے اسکو اسحٰق کی جو نبی ہو گا نیک بختوں میں[۶۶]

وَبٰرَكۡنَا عَلَيۡهِ وَعَلٰٓى اِسۡحٰقَ ؕ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحۡسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ مُبِيۡنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۳

۱۱۳۔ اور برکت دی ہم نے اس پر اور اسحٰق پر اور دونوں کی اولاد میں نیکی والے ہیں اور بدکار بھی ہیں اپنے حق میں صریح[۶۷]

۵۶۔ ارادہ ہجرت: جب قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی سختی شروع کی تو حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو "شام" کا راستہ دکھلایا۔

۵۷۔ یعنی کنبہ اور وطن چھوٹا تو اچھی اولاد عطا فرما جو دینی کام میں میری مدد کرے اور اس سلسلہ کو باقی رکھے۔

۵۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں: یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کی دعا مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہ ہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا۔ موجودہ تورات سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پیدا ہوا وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ اور اسی لئے ان کا نام "اسمٰعیل" رکھا گیا۔ کیونکہ "اسمٰعیل" دو لفظوں سے مرکب ہے۔ "سمع" اور "ایل" "سمع" کے معنی سننے کے اور "ایل" کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سن لی۔ "تورات" میں ہے کہ خدا نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اسمٰعیلؑ کے بارے میں میں نے تیری سن لی۔ اس بناء پر آیت حاضرہ میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ حضرت اسحاقؑ نہیں۔ اور ویسے بھی ذبح

وغیرہ کا قصہ ختم کرنے کے بعد حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کا جداگانہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا الخ معلوم ہوا کہ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ میں ان کے علاوہ کسی دوسرے لڑکے کی بشارت مذکور ہے۔ نیز اسحاقؑ کی بشارت دیتے ہوئے ان کے نبی بنائے جانے کی بھی خوشخبری دی گئی اور سورۃ "ہود" میں انکے ساتھ ساتھ حضرت یعقوبؑ کا مژدہ بھی سنایا گیا۔ جو حضرت اسحٰق کے بیٹے ہوں گے۔ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ (ہود۔۷۱) پھر کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسحاق ذبیح ہوں۔ گویا نبی بنائے جانے اور اولاد عطا کئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیے جائیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں جن کے متعلق بشارت ولادت کے وقت نہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیے جانے کا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اس کی متعلقہ رسوم بنی اسمٰعیل میں برابر بطور وراثت منتقل ہوتی چلی آئیں۔ اور آج بھی اسمٰعیلؑ کی روحانی اولاد ہی (جنہیں مسلمان کہتے ہیں) ان مقدس یادگاروں کی حامل ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کا مقامِ قربانی: موجودہ تورات میں تصریح ہے کہ قربانی کا مقام "موار" یا "مُریا" تھا۔ یہود و نصاریٰ نے اس مقام کا پتہ بتلانے میں بہت ہی دور از کار احتمالات سے کام لیا ہے حالانکہ نہایت ہی اقرب اور بے تکلف بات یہ ہے کہ یہ مقام "مروہ" ہو جو کعبہ کے سامنے بالکل نزدیک واقع ہے اور جہاں سعی بین الصفا والمروۃ ختم کر کے معتمرین حلال ہوتے ہیں اور ممکن ہے بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡیَ میں اسی سعی کی طرف ایماء ہو۔ موطا امام مالک کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے "مروہ" کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ قربان گاہ یہ ہے۔ غالبًا وہ اسی ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی قربان گاہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ ورنہ آپ کے زمانہ میں لوگ عمومًا مکہ سے تین میل "منیٰ" میں قربانی کرتے تھے۔ جیسے آج تک کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کا اصل قربان گاہ "مروہ" تھا۔ پھر حجاج اور ذبائح کی کثرت دیکھ کر منیٰ تک وسعت دیدی گئی۔ قرآن کریم میں بھی هَدۡیًا بٰلِغَ الۡکَعۡبَةِ (المائدہ۔۹۵) اور ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَی الۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ (الحج۔۳۳) فرمایا ہے جس سے کعبہ کا قرب ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت اسمٰعیلؑ ہی ذبیح اللہ ہیں: بہر حال قرائن و آثار یہ ہی بتلاتے ہیں کہ "ذبیح اللہ" وہ ہی اسمٰعیلؑ تھے جو مکہ میں آکر رہے اور وہیں ان کی نسل پھیلی۔ تورات میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اکلوتے اور محبوب بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلم ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحاقؑ سے عمر میں بڑے ہیں۔ پھر حضرت اسحٰقؑ حضرت اسمٰعیلؑ کی موجودگی میں اکلوتے کیسے ہو سکتے ہیں۔

غلامٌ حلیم کے لفظ سے استدلال: عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں جس لڑکے کی بشارت ملی اسے بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ کہا گیا ہے۔ لیکن حضرت اسحٰقؑ کی بشارت جب فرشتوں نے ابتداءً خدا کی طرف سے دی تو بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ (الحجر۔۵۳) سے تعبیر کیا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے "حلیم" کا لفظ ان پر یا کسی اور نبی پر قرآن میں کہیں اطلاق نہیں کیا گیا۔ صرف اس لڑکے کو جس کی بشارت یہاں دی گئی اور اس کے باپ ابراہیمؑ کو یہ لقب عطا ہوا ہے اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ (ہود۔۷۵) اور اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ (توبہ۔۱۱۴) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہی دونوں باپ بیٹے اس لقب خاص سے ملقب کرنے کے مستحق ہوئے۔ "حلیم" اور "صابر" کا مفہوم قریب قریب ہے۔ اسی "غلامٌ حلیم" کی زبان سے یہاں نقل کیا۔ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ دوسری جگہ فرمادیا وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِدۡرِیۡسَ وَذَا الۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ (انبیاء۔۸۵) شاید اسی لئے سورہ "مریم" میں حضرت اسمٰعیلؑ کو "صادق الوعد" فرمایا کہ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ کے وعدہ کو کس طرح سچا کر دکھایا۔ بہر حال "حلیم" "صابر" "صادق الوعد" کے القاب کا مصداق ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ یعنی حضرت اسمٰعیلؑ۔ وَکَانَ عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِیًّا "سورہ بقرہ" میں تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی زبان سے جو دعا نقل فرمائی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّکَ (البقرہ۔۱۲۸) بعینہ اسی مسلم کے تثنیہ کو یہاں قربانی کے ذکر میں فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا الخ کے لفظ سے ادا کر دیا۔ اور ان ہی دونوں کی ذریت کو خصوصی طور پر "مسلم" کے لقب سے نامزد کیا۔ بیشک اس سے بڑھ کر اسلام میں تفویض اور

صبر و تحمل کیا ہو گا جو دونوں باپ بیٹے نے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے متعلق دکھلایا۔ یہ اسی اَسۡلَمَا کا صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی ذریت کو "امۃ مسلمہ" بنادیا فللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

۵۹۔ باپ کا بیٹے کو خواب سنانا: جب اسمٰعیلؑ بڑا ہو کر اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ سکے۔ اور اس کے کام آسکے۔ اس وقت ابراہیمؑ نے اپنا خواب بیٹے کو سنایا۔ تا اس کا خیال معلوم کریں کہ خوشی سے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی کرنی پڑے گی۔ کہتے ہیں کہ تین رات مسلسل یہی خواب دیکھتے رہے۔ تیسرے روز بیٹے کو اطلاع کی، بیٹے نے بلا توقف قبول کیا۔ کہنے لگا کہ ابا جان! (دیر کیا ہے) مالک کا جو حکم ہو کر ڈالیے (ایسے کام میں مشورہ کی ضرورت نہیں۔ امر الٰہی کے امتثال میں شفقت پدری مانع نہ ہونی چاہئے) رہا میں! سو آپ ان شاء اللہ دیکھ لیں گے کہ کس صبر و تحمل سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں ہزاروں رحمتیں ہوں ایسے بیٹے اور باپ پر۔

۶۰۔ ذبح عظیم: تا بیٹے کا چہرہ سامنے نہ ہو۔ مبادا محبت پدری جوش مارنے لگے کہتے ہیں یہ بات بیٹے نے سکھلائی۔ آگے اللہ نے نہیں فرمایا کہ کیا ماجرا گذرا۔ یعنی کہنے میں نہیں آتا جو حال گذرا اُس کے دل پر اور فرشتوں پر۔

۶۱۔ یعنی بس بس! رہنے دے، تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ مقصود بیٹے کا ذبح کرانا نہیں۔ محض تیرا امتحان منظور تھا۔ سو اس میں پوری طرح کامیاب ہوا۔

۶۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش: "یعنی ایسے مشکل حکم کر کے آزماتے ہیں، پھر ان کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ تب درجے بلند کر دیتے ہیں۔ تورات میں ہے کہ جب ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربان کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ روک لو۔ تو فرشتے نے یہ الفاظ کہے۔" خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا۔ میں تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دوں گا" (تورات تکوین اصحاح ۲۲ آیت ۱۵)"

۶۳۔ ذبح کیلئے مینڈھے کا آنا: یعنی بڑے درجہ کا جو بہشت سے آیا، یہ بڑا قیمتی، فربہ، تیار۔ پھر یہی رسم قربانی کی اسمٰعیلؑ کی عظیم الشان یادگار کے طور پر ہمیشہ کے لئے قائم کر دی۔

۶۴۔ آج تک دنیا ابراہیمؑ کو بھلائی اور بڑائی سے یاد کرتی ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہ الف الف سلام وتحیۃ۔

۶۵۔ یعنی ہمارے اعلیٰ درجہ کے ایماندار بندوں میں۔

۶۶۔ معلوم ہوا وہ پہلی خوشخبری اسمٰعیلؑ کی تھی۔ اور سارا قصہ ذبح کا انہی پر تھا۔

۶۷۔ دونوں بیٹوں کی اولاد: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ دونوں کہا دونوں بیٹوں کو۔ دونوں سے بہت اولاد پھیلی۔ اسحٰقؑ کی اولاد میں انبیاء بنی اسرائیل پیدا ہوئے۔ اور اسمٰعیلؑ کی اولاد میں عرب ہیں جن میں ہمارے پیغمبر مبعوث ہوئے۔ یعنی اولاد میں سب یکساں نہیں، اچھے بھی ہیں جو بڑوں کا نام روشن رکھیں اور برے بھی جو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے ننگ خاندان کہلانے کے مستحق ہیں۔ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهِمَا کی ضمیر "ابراہیمؑ" و "اسحٰقؑ" کی طرف راجع کی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے "اسمٰعیلؑ" و اسحٰقؑ" کی طرف راجع کر کے مضمون میں زیادہ وسعت پیدا کر دی۔

وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلٰى مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ ج

۱۱۴۔ اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر

وَنَجَّيۡنٰهُمَا وَقَوۡمَهُمَا مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۱۵﴾ ج

۱۱۵۔ اور بچا دیا ہم نے انکو اور ان کی قوم کو اس بڑی گھبراہٹ سے [۶۸]

وَنَصَرۡنٰهُمۡ فَكَانُوۡا هُمُ الۡغٰلِبِيۡنَ ۚ‏ ﴿۱۱۶﴾	۱۱۶۔ اور انکی ہم نے مدد کی تو رہے وہی غالب[۶۹]
وَاٰتَيۡنٰهُمَا الۡكِتٰبَ الۡمُسۡتَبِيۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۷﴾	۱۱۷۔ اور ہم نے دی انکو کتاب واضح[۷۰]
وَهَدَيۡنٰهُمَا الصِّرٰطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۸﴾	۱۱۸۔ اور سجھائی انکو سیدھی راہ[۷۱]
وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِمَا فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۱۹﴾	۱۱۹۔ اور باقی رکھا ان پر پچھلے لوگوں میں کہ
سَلٰمٌ عَلٰى مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ‏ ﴿۱۲۰﴾	۱۲۰۔ سلام ہے موسٰی اور ہارون پر
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ‏ ﴿۱۲۱﴾	۱۲۱۔ ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو
اِنَّهُمَا مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۱۲۲﴾	۱۲۲۔ تحقیق وہ دونوں ہیں ہمارے ایماندار بندوں میں[۷۲]

۶۸۔ حضرت موسٰی علیہ السلام وہارون علیہ السلام پر اللہ کا احسان: یعنی فرعون اور اسکی قوم کے ظلم و ستم سے نجات دی۔ اور "بحر قلزم" سے نہایت آسانی کے ساتھ پار کر دیا۔

۶۹۔ یعنی فرعونیوں کا بیڑا غرق کر کے بنی اسرائیل کو غالب و منصور کیا اور ہالکین کے اموال و املاک کا وارث بنایا۔

۷۰۔ یعنی تورات شریف جس میں احکام الٰہی بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

۷۱۔ یعنی افعال و اقوال میں استقامت بخشی۔ اور ہر معاملہ میں سیدھی راہ پر چلایا جو عصمت انبیاء کے لوازم میں سے ہے۔

۷۲۔ یعنی ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

وَاِنَّ اِلۡيَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ؕ‏ ﴿۱۲۳﴾	۱۲۳۔ اور تحقیق الیاس ہے رسولوں میں
اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ‏ ﴿۱۲۴﴾	۱۲۴۔ جب اس نے کہا اپنی قوم کو کیا تم کو ڈر نہیں
اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۲۵﴾	۱۲۵۔ کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو[۷۳]
اللّٰهَ رَبَّكُمۡ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ‏ ﴿۱۲۶﴾	۱۲۶۔ جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا[۷۴]
فَكَذَّبُوۡهُ فَاِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ۙ‏ ﴿۱۲۷﴾	۱۲۷۔ پھر اس کو جھٹلایا سو وہ آنے والے ہیں پکڑے ہوئے[۷۵]

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے[۷۲]

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹۔ اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ کہ سلام ہے الیاس پر[۷۷]

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں

۷۳۔ حضرت الیاس علیہ السلام: حضرت الیاسؑ بعض کے نزدیک حضرت ہارونؑ کی نسل سے ہیں۔ اللہ نے ان کو ملک شام کے ایک شہر "بعلبک" کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ "بعل" نامی ایک بت کو پوجتے تھے۔ حضرت الیاسؑ نے ان کو خدا کے غضب اور بت پرستی کے انجام بد سے ڈرایا۔

۷۴۔ خالق حقیقی صرف اللہ ہے: یعنی یوں تو دنیا میں آدمی بھی تحلیل و ترکیب کر کے بظاہر بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں۔ مگر بہتر بنانے والا وہ ہے جو تمام اصول و فروع، جواہر و اعراض اور صفات و موصوفات کا حقیقی خالق ہے جس نے تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا پھر یہ کیسے جائز ہو گا کہ اس احسن الخالقین کو چھوڑ کر "بعل" بت کی پرستش کی جائے اور اس سے مدد مانگی جائے جو ایک ذرہ کو ظاہری طور پر بھی پیدا نہیں کر سکتا بلکہ اس کا وجود خود اپنے پرستاروں کا رہین منت ہے۔ انہوں نے جیسا چاہا بنا کر کھڑا کر دیا۔

۷۵۔ یعنی جھٹلانے کی سزا مل کر رہے گی۔

۷۶۔ یعنی سب نے جھٹلایا۔ مگر اللہ کے چنے ہوئے بندوں نے تکذیب نہیں کی۔ لہذا وہ ہی سزا سے بچے رہیں گے۔

۷۷۔ الیاسین کی تفسیر: "الیاس" کو "الیاسین" بھی کہتے ہیں جیسے "طور سینا" کو "طور سینین" کہہ دیا جاتا ہے۔ یا "الیاسین" سے حضرت الیاسؑ کے متبعین مراد ہوں۔ اور بعض نے "آل یاسین" بھی پڑھا ہے۔ تو "یاسین" ان کے باپ کا نام ہو گا۔ یا ان ہی کا نام "یاسین" اور لفظ آل مقحم ہو جیسے كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ میں یا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِىْ اَوْفٰى میں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ اور تحقیق لوط ہے رسولوں میں سے

اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ جب بچا دیا ہم نے اسکو اور اسکے سارے گھر والوں کو

اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ مگر ایک بڑھیا کہ رہ گئی رہ جانے والوں میں[۷۸]

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ پھر جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہم نے دوسروں کو[۷۹]

وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ اور تم گذرتے ہو ان پر صبح کے وقت

وَ بِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ ع

۱۳۸۔ اور رات بھی پھر کیا نہیں سمجھتے[۸۰]

ع ۴ ۵ ۸

۷۸۔ یعنی ان کی زوجہ جو معذبین کے ساتھ سازباز رکھتی تھی۔

۷۹۔ یعنی لوط اور اس کے گھر والوں کے سوا دوسرے سب باشندوں پر بستی الٹ دی گئی یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گذر چکا ہے۔

۸۰۔ قوم لوط کی بستیاں: یہ مکہ والوں کو فرمایا۔ کیونکہ "مکہ" سے "شام" کو جو قافلے آتے جاتے تھے، قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں ان کے راستہ سے نظر آتی تھیں۔ یعنی دن رات ادھر گذرتے ہوئے یہ نشان دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت نہیں ہوتی۔ کیا نہیں سمجھتے کہ جو حال ایک نافرمان قوم کا ہوا وہ دوسری نافرمان اقوام کا بھی ہو سکتا ہے۔

وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ ؕ

۱۳۹۔ اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں سے

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ لا

۱۴۰۔ جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ ج

۱۴۱۔ قرعہ ڈلوایا تو نکلا خطاوار[۸۱]

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا[۸۲]

فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لا

۱۴۳۔ پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ ج النصف

۱۴۴۔ تو رہتا اسی کے پیٹ میں جس دن تک مردے زندہ ہوں[۸۳]

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ ج

۱۴۵۔ پھر ڈال دیا ہم نے اس کو چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھا

وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ ج

۱۴۶۔ اور اگایا ہم نے اس پر ایک درخت بیل والا[۸۴]

وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ج

۱۴۷۔ اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا اس سے زیادہ[۸۵]

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ ؕ

۱۴۸۔ پھر وہ یقین لائے پھر ہم نے فائدہ اٹھانے دیا انکو ایک وقت تک[۸۶]

۸۱۔ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ: کشتی دریا میں چکر کھانے لگی۔ لوگوں نے کہا اس میں کوئی غلام ہے اپنے مالک سے بھاگا ہوا۔ سب کے ناموں پر

کئی مرتبہ قرعہ ڈالا گیا۔ ہر مرتبہ ان کا نام نکلا۔ یہ قصہ سورہ "یونس" اور سورہ "انبیاء" میں مفصل گذر چکا ہے وہاں اس کی تحقیق ملاحظہ کیجائے۔

۸۲۔ الزام یہ ہی تھا کہ خطائے اجتہادی سے حکم الٰہی کا انتظار کیے بغیر بستی سے نکل پڑے اور عذاب کے دن کی تعیین کر دی۔

۸۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کی نجات کی وجہ: یعنی چونکہ مچھلی کے پیٹ میں بھی اور پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ پاک کو بہت یاد کرتا تھا اس لئے ہم نے اس کو جلدی نجات دیدی۔ ورنہ قیامت تک اس کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا مچھلی کی غذا بن جاتے۔ (تنبیہ) لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ الی آخرہ کنایہ ہے کبھی نہ نکلنے سے۔ اور یہ واقعہ دریائے "فرات" کا ہے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ ہم نے خود اس دریا میں بہت بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں تعجب نہ کیا جائے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی۔ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء۔۸۷)۔

۸۴۔ مچھلی کے پیٹ سے نجات اور کدو کی بیل: مچھلی کو حکم ہوا اس نے حضرت یونسؑ کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا غالبًا کافی غذا و ہواء وغیرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے بیمار اور نحیف ہو گئے۔ کہتے ہیں دھوپ کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا بدن پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا۔ اللہ کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اگ آئی اس کے پتوں نے ان کے جسم پر سایہ کر لیا اور اسی طرح قدرت خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔

۸۵۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی تعداد: یعنی اگر صرف عاقل بالغ گنتے تو لاکھ تھے۔ اور اگر سب چھوٹے بڑوں کو شامل گنتے تو زیادہ تھے یا یوں کہو کہ ایک لاکھ سے گذر کر دو لاکھ تک نہیں پہنچے تھے۔ ہزار کی کسر نہ لگاؤ تو ایک لاکھ کہہ لو۔ اور کسر لگائی جائے تو لاکھ کے اوپر چند ہزار زائد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۸۶۔ قوم یونس علیہ السلام کا ایمان: یعنی ایمان ویقین کی بدولت عذاب الٰہی سے بچ گئے اور اپنی عمر مقدر تک دنیا کا فائدہ اٹھاتے رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "وہ ہی قوم جس سے بھاگے تھے ان پر ایمان لا رہی تھی۔ ڈھونڈتی تھی کہ یہ جا پہنچے۔ انکو بڑی خوشی ہوئی"۔ یہ قصہ پہلے گذر چکا ہے۔ سورہ یونس اور سورہ انبیاء میں دیکھ لیا جائے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝۱۴۹ۙ	۱۴۹۔ اب ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے یہاں بیٹیاں ہیں اور انکے یہاں بیٹے
اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝۱۵۰	۱۵۰۔ یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت اور وہ دیکھتے تھے
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝۱۵۱ۙ	۱۵۱۔ سنتا ہے وہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ
وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۵۲	۱۵۲۔ اللہ کے اولاد ہوئی اور وہ بیشک جھوٹے ہیں[۸۷]
اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝۱۵۳ؕ	۱۵۳۔ کیا اس نے پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے
مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۱۵۴	۱۵۴۔ کیا ہو گیا ہے تم کو کیسا انصاف کرتے ہو
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۵ۚ	۱۵۵۔ کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو[۸۸]

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶۔ یا تمہارے پاس کوئی سند ہے کھلی

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷۔ تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے [۸۹]

وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ
عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸۔ اور ٹھہرایا انہوں نے خدا میں اور جنوں میں ناتا اور جنوں کو تو معلوم ہے کہ تحقیق وہ پکڑے ہوئے آئیں گے

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

۱۵۹۔ اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں [۹۰]

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

۱۶۰۔ مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے [۹۱]

فَاِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو

مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۲۔ کسی کو اس کے ہاتھ سے بہکا کر نہیں لے سکتے

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۳۔ مگر اسی کو جو پہنچنے والا ہے دوزخ میں [۹۲]

وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ اور ہم میں جو ہے اس کا ایک ٹھکانا ہے مقرر [۹۳]

وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ اور ہم ہی ہیں صف باندھنے والے [۹۴]

وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶۔ اور ہم ہی ہیں پاکی بیان کرنے والے [۹۵]

۸۷۔ فرشتوں کے مؤنث ہونے کا عقیدہ: یعنی انبیاء کا حال تو سن لیا کہ حضرت نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، موسٰی، ہارون، الیاس، لوط، یونس علیہم السلام سب کی مشکلات اللہ کی امداد و اعانت سے حل ہوئیں۔ کوئی بڑے سے بڑا مقرب اس کی دستگیری سے بے نیاز نہیں۔ اب آگے تھوڑا سا فرشتوں اور جنوں کا حال سن لو۔ جن کی نسبت خدا جانے کیا کیا واہی تباہی عقیدے تراش کر رکھے ہیں۔ چنانچہ عرب کے بعض قبائل کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ جب پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے۔ اس طرح (العیاذ باللہ) خدا کا ناتا جنوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا آگے دونوں کا حال ذکر کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے پہلے بطور توطیہ و تمہید کفار عرب کے اس لچر پوچ عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائے سورت سے اپنی عظمت و وحدانیت کے دلائل اور قصص کے ضمن میں اپنی قدرت قاہرہ کے آثار بیان

کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اب ذرا ان احمقوں سے پوچھئے کیا اتنی بڑی عظمت و قدرت والا خدا۔

اللہ کی بیٹیوں کا عقیدہ: معاذ اللہ اپنے لئے اولاد بھی تجویز کرتا تو بیٹیاں لیتا اور تم کو بیٹے دیتا۔ ایک تو یہ گستاخی کہ خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کی، پھر اولاد بھی کمزور اور گھٹیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ فرشتوں کو مؤنث (عورت) تجویز کیا۔ جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا، یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا گیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس جہالت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

۸۸۔ یعنی کچھ تو سوچو۔ عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے۔ ایک غلط عقیدہ بنانا تھا تو ایسا بالکل ہی بے تکا تو نہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرو اور خدا سے بیٹیاں پسند کراؤ۔

۸۹۔ ان عقیدوں کی سند کہاں ہے: یعنی آخر یہ مہمل اور بے تکی بات نکالی کہاں سے۔ عقل و فہم اور علمی اصول سے تو اس کو لگاؤ نہیں۔ پھر کیا کوئی نقلی سند اس عقیدہ کی رکھتے ہو۔ ایسا ہے تو بسم اللہ وہ ہی دکھلاؤ۔

۹۰۔ اللہ اور جنات میں رشتہ داری کا عقیدہ: یعنی احمقوں نے جنوں کے ساتھ معاذ اللہ دامادی کا رشتہ قائم کر دیا۔ سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ موقع ملے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ آؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو پکڑے ہوئے آئیں گے کیا داماد سسرال کے ساتھ یہ ہی معاملہ ہوتا ہے۔ بعض سلف نے نسب سے مراد یہ لی ہے کہ وہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ تعالیٰ کا حریف مقابل سمجھتے تھے۔ جیسے مجوس "یزدان" اور "اہرمن" کے قائل ہیں۔ یعنی ایک نیکی کا خدا دوسرا بدی کا۔

۹۱۔ یعنی جن میں سے ہوں یا آدمیوں میں سے اللہ کے چنے ہوئے بندے ہی اس پکڑ دھکڑ سے آزاد ہیں۔ معلوم ہوا وہاں کسی کا رشتہ ناتا نہیں صرف بندگی اور اخلاص کی پوچھ ہے۔

۹۲۔ جنوں کو ہدایت اور گمراہی کا کوئی اختیار نہیں: بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جنوں کے ہاتھ میں بدی کی اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی باگ ہے۔ یہ جس کو چاہیں بھلائی پہنچائیں اور خدا کا مقرب بنا دیں اور وہ جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال دیں یا گمراہ کر دیں۔ شاید ان ہی مفروضہ اختیارات کی بناء پر انہیں اولاد یا سسرال بنایا ہو گا۔ اس کا جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ تم اور جن شیطانوں کو تم پوجتے ہو سب مل کر یہ قدرت نہیں رکھتے کہ بدون مشیت ایزدی ایک متنفس کو بھی زبردستی گمراہ کر سکو۔ گمراہ وہ ہی ہو گا جسے اللہ نے اس کی سوئے استعداد کی بناء پر دوزخی لکھ دیا اور اپنی بدکاری کی وجہ سے از خود دوزخ میں پہنچ گیا۔

۹۳۔ فرشتوں کا اپنے بارے میں کلام: یہ کلام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے گویا ان کی زبان سے فرمایا۔ جیسے بہت جگہ آدمیوں کی زبان سے دعائیں فرمائیں ہیں۔ یعنی ہر فرشتہ کی ایک حد مقرر ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہاں پر فرمایا کہ کافر کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کی عورتوں سے پیدا ہوئیں۔ سو جنوں کو اپنا حال خوب معلوم ہے۔ اور فرشتے یوں کہتے ہیں۔ ان کو بھی حکم الٰہی سے ذرا تجاوز کرنے کی گنجائش نہیں۔

۹۴۔ یعنی اپنی اپنی حد پر ہر کوئی اللہ کی بندگی اور اس کا حکم سننے کے لئے کھڑا رہتا ہے۔ مجال نہیں آگے پیچھے سرک جائے۔

۹۵۔ یہاں تک فرشتوں کا کلام ختم ہوا۔ آگے اہل مکہ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾	۱۶۷۔ اور یہ تو کہا کرتے تھے
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾	۱۶۸۔ اگر ہمارے پاس کچھ احوال ہوتا پہلے لوگوں کا

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾
۱۶۹۔ تو ہم ہوتے بندے اللہ کے چنے ہوئے

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾
۱۷۰۔ سو اس سے منکر ہو گئے اب آگے جان لیں گے[۹۶]

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ۚۖ
۱۷۱۔ اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو کہ رسول ہیں

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ ۠
۱۷۲۔ بیشک انہی کو مدد دیجاتی ہے

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾
۱۷۳۔ اور ہمارا لشکر جو ہے بیشک وہی کے غالب ہے[۹۷]

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ ۙ
۱۷۴۔ سو تو ان سے پھر آ ایک وقت تک

وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾
۱۷۵۔ اور انکو دیکھتا رہ کہ وہ آگے دیکھ لیں گے[۹۸]

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾
۱۷۶۔ کیا ہماری آفت کو جلد مانگتے ہیں

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾
۱۷۷۔ پھر جب اترے گی ان کے میدان میں تو بری صبح ہو گی ڈرائے ہوؤں کی[۹۹]

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ ۙ
۱۷۸۔ اور پھر آ ان سے ایک وقت تک

وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
۱۷۹۔ اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے[۱۰۰]

۹۶۔ اہل مکہ کا اپنے قول سے انحراف: عرب لوگ انبیاء کے نام سنتے تھے ان کے علم سے خبر دار نہ تھے تو یہ کہتے۔ یعنی اگر ہم کو پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوتے یا ہمارے ہاں کوئی کتاب اور نصیحت کی بات اترتی تو ہم خوب عمل کر کے دکھلاتے اور معرفت و عبادت میں ترقی کر کے اللہ کے مخصوص بندوں میں شامل ہو جاتے۔ اب جو انکے اندر نبی آیا تو پھر گئے وہ قول و قرار کچھ یاد نہ رکھا سو اس انکار و انحراف کا جو انجام ہونے والا ہے عنقریب دیکھ لیں گے۔

۹۷۔ یعنی یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مدد پہنچاتا ہے۔ اور آخر کار خدائی لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے خواہ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں۔ مگر آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کے لئے ہے۔ باعتبار حجت و برہان کے بھی اور باعتبار ظاہری تسلط و غلبہ کے بھی۔ ہاں شرط یہ ہے کہ "جند" فی الواقع "جند اللہ" ہو۔

۹۸۔ یعنی ابھی چند روز انہیں کچھ نہ کہئے۔ صبر کے ساتھ آپ ان کا حال دیکھتے رہئے اور یہ اپنا انجام دیکھ لیں گے چنانچہ دیکھ لیا۔

۹۹۔ عذاب میں عجلت کا مطالبہ: شاید فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ سن کر کہا ہو گا کہ پھر دیر کیا ہے ہم کو ہمارا انجام جلدی دکھلا دو اس کا جواب دیا کہ اپنے اوپر جو آفت لائے جانے کی جلدی مچا رہے ہو، جب وہ آئے گی تو بہت برا وقت ہو گا۔ عذاب الٰہی اس طرح آئے گا جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہوا ہو اور صبح کے وقت یکایک میدان میں اتر کر چھاپہ مار جائے۔ عذاب آنے کے وقت یہ ہی حشر ان لوگوں کا ہو گا جنہیں پہلے سے ڈر سنا کر ہشیار کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ وغیرہ میں ایسا ہی ہوا۔

۱۰۰۔ عذاب میں عجلت کا مطالبہ: شاید پہلا وعدہ دنیا کے عذاب کا تھا اور یہ آخرت کے عذاب کا ہو، یعنی آپ دیکھتے جایئے اب آگے چل کر آخرت میں یہ کافر کیا کچھ دیکھتے ہیں۔

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۚ﴿۱۸۰﴾

۱۸۰۔ پاک ذات ہے تیرے رب کی وہ پروردگار عزت والا پاک ہے ان باتوں سے جو بیان کرتے ہیں

وَ سَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۚ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱۔ اور سلام ہے رسولوں پر

وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؑ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲۔ اور سب خوبی ہے اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا[۱۰۱]

ع ۵ ۹

۱۰۱۔ خاتمہ سورت پر تمام اصولی مضامین کا خلاصہ کر دیا۔ یعنی اللہ کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک اور تمام محاسن و کمالات کی جامع ہے سب خوبیاں اسی کی ذات میں مجتمع ہیں۔ اور انبیاء ورسل پر اس کی طرف سے سلام آتا ہے۔ جو ان کی عظمت وعصمت اور سالم و منصور ہونے کی دلیل ہے۔ (تنبیہ) احادیث سے بعد نماز اور ختم مجلس پر ان آیات کے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے سورہ ہذا کے فوائد کو ان ہی آیات متبرکہ پر ختم کرتا ہوں۔ اے اللہ میرا خاتمہ بھی اسی عقیدہ محکم پر کیجیو۔ سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ۔ وَ سَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔

تمت فوائد الصّٰفّٰت

آیاتها ٨٨ ٣٨ سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ ٣٨ رکوعاتها ٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿١﴾

١۔ ص۔ قسم ہے اُس قرآن سمجھانے والے کی

بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿٢﴾

٢۔ بلکہ جو لوگ منکر ہیں غرور میں ہیں اور مقابلہ میں[1]

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ
حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿٣﴾

٣۔ بہت غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں پھر لگے پکارنے اور وقت نہ رہا تھا خلاصی کا[2]

وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَ قَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٤﴾

٤۔ اور تعجب کرنے لگے اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ایک ڈر سنانے والا انہی میں سے اور کہنے لگے منکر یہ جادوگر ہے جھوٹا[3]

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ
عُجَابٌ ﴿٥﴾

٥۔ کیا اس نے کر دی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی یہ بھی ہے بڑے تعجب کی بات

وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰۤی
اٰلِهَتِكُمْ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿٦﴾

٦۔ اور چل کھڑے ہوئے کئی پنچ ان میں سے کہ چلو اور جے رہو اپنے معبودوں پر[4] بیشک اس بات میں کوئی غرض ہے[5]

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا
اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾

٧۔ یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے دین میں اور کچھ نہیں یہ بنائی ہوئی بات ہے[6]

ءَ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ مِنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ
مِّنۡ ذِكۡرِىۡ ۚ بَلۡ لَّمَّا يَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ؕ ﴿۸﴾

۸۔ کیا اسی پر اتری نصیحت ہم سب میں سے[۷] کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے میری نصیحت میں کوئی نہیں ابھی انہوں نے چکھی نہیں میری مار[۸]

اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَحۡمَةِ رَبِّكَ الۡعَزِيۡزِ
الۡوَهَّابِ ۚ ﴿۹﴾

۹۔ کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہربانی کے جو کہ زبردست ہے بخشنے والا

اَمۡ لَهُمۡ مُّلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَيۡنَهُمَا ۡ قف
فَلۡيَرۡتَقُوۡا فِى الۡاَسۡبَابِ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ یا ان کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے تو انکو چاہئے کہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر[۹]

جُنۡدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ ایک لشکر یہ بھی وہاں تباہ ہوا ان سب لشکروں میں[۱۰]

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ عَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ ذُو
الۡاَوۡتَادِ ۙ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور فرعون میخوں والا[۱۱]

وَ ثَمُوۡدُ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍ وَّ اَصۡحٰبُ لۡـَٔيۡكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ
الۡاَحۡزَابُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ کے لوگ[۱۲] وہ بڑی بڑی فوجیں

اِنۡ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ؑ ﴿۱۴﴾ ع ۱۰

۱۴۔ یہ جتنے تھے سب نے یہی کیا کہ جھٹلایا رسولوں کو پھر ثابت ہوئی میرے طرف سے سزا[۱۳]

وَ مَا يَنۡظُرُ هٰٓؤُلَاۤءِ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ
فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ مگر ایک چنگھاڑ کی جو بیچ میں دم نہ لے گی[۱۴]

وَ قَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ
الۡحِسَابِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور کہتے ہیں اے رب جلد دے ہم کو چھٹی ہماری پہلے حساب کے دن سے[۱۵]

۱۔ قرآن کریم نصیحت کو سمجھانے والا ہے: یعنی یہ عظیم الشان، عالی مرتبہ قرآن (جو عمدہ نصیحتوں سے پر، اور نہایت مؤثر طرز میں لوگوں کو ہدایت و معرفت کی باتیں سمجھانے والا ہے) باآواز بلند شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ قرآنی صداقت اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ قرآن کی تعلیم و تفہیم میں کچھ قصور ہے یا حضور پر نور اس کی تبلیغ و تبیین میں معاذ اللہ مقصر ہیں۔ بلکہ انکار و انحراف کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی شیخی، جاہلانہ غرور و نخوت اور معاندانہ مخالفت کے جذبات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ذرا اس دلدل سے نکلیں تو حق و صداقت کی صاف سڑک نظر آئے۔

۲۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت کی وجہ: یعنی ان کو معلوم رہنا چاہئے کہ اسی غرور و تکبر کی بدولت انبیاء اللہ سے مقابلہ ٹھان کر بہت سی جماعتیں پہلے تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ وہ لوگ بھی مدتوں خدا کے پیغمبروں سے لڑتے رہے۔ پھر جب برا وقت آپڑا اور عذاب الٰہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو گھبرا کر شور مچانے اور خدا کو پکارنے لگے۔ مگر اس وقت فریاد کرنے سے کیا بنتا۔ رہائی اور خلاصی کا موقع گذر چکا تھا، اور وقت نہیں رہا تھا کہ ان کے شور و بکا کی طرف توجہ کی جائے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار کا اعتراض: یعنی آسمان سے کوئی فرشتہ آتا تو خیر ایک بات تھی۔ ہم ہی میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر ہم کو ڈرانے دھمکانے لگے اور کہے میں آسمان والے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے اب بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ایک جادوگر نے جھوٹا ڈھونگ بنا کر کھڑا کر دیا۔ جادو کے زور سے کچھ کرشمے دکھا کر انہیں معجزہ کہنے لگے اور چند قصے کہانیاں جمع کر کے جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں۔ اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔

۴۔ توحید کے دعویٰ پر کفار کا تعجب اور اعتراض: یعنی اور لیجیے! اتنے بیشمار دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہو گی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرنوں سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے گویا ہمارے باپ دادے نرے جاہل اور بے وقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابو طالب کی بیماری میں ابوجہل وغیرہ چند سرداران قریش نے ابو طالب سے آن کر حضرت ﷺ کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھایئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگے۔ وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلایئے وہ کلمہ کیا ہے، آپ ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ فرمایا زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ یہ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا۔ چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت و حمایت پر جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈا کسی ضعیف الاعتقاد کو قدیم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ ان کی انتھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر و استقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔

۵۔ کفار کا اپنے شرک پر اصرار: یعنی محمد (ﷺ) جو اس قدر زور و شور اور عزم و استقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ضرور اس میں ان کی کوئی غرض ہے، وہ یہ ہی کہ ایک خدا کا نام لے کر ہم سب کو اپنا محکوم اور مطیع بنالیں اور دنیا کی حکومت و ریاست حاصل کریں۔ سو لازم ہے کہ اس مقصد میں ہم انکو کامیاب نہ ہونے دیں۔ بعض مفسرین نے اِنَّ ھٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ کا مطلب یہ لیا ہے کہ بیشک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد (ﷺ) ارادہ ہی کر چکے ہیں۔ کسی طرح اس سے ہٹنے والے نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ بات (معلوم ہوتا ہے) ہونیوالی ہے۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے کہ دنیا میں انقلاب ہو۔ لہٰذا جہاں تک ہو سکے صبر و تحمل سے اپنے قدیم دین و آئین کی حفاظت کرتے رہو۔ یا ممکن

ہے ازراہ تحقیر کہا ہو کہ بیشک محمد (ﷺ) کے ارادے سب کچھ ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ آدمی جو ارادہ اور تمنا کرے وہ پوری ہو۔ چاہئے کہ ہم ان کے مقابلہ میں قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔

۶۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "پچھلا دین کہتے تھے اپنے باپ دادوں کو۔ یعنی آگے تو سنے ہیں کہ اگلے ایسی باتیں کہتے تھے پر ہمارے بزرگ تو یوں نہیں کہہ گئے" اور ممکن ہے پچھلے دین سے عیسائی مذہب مراد ہو۔ جیسا کہ اکثر سلف کا قول ہے۔ یعنی نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں انکو بھی ہم نے نہیں سنا کہ سب خداؤں کو ہٹا کر ایک ہی خدا رہنے دیا ہو۔ آخر وہ بھی تین خدا تو مانتے ہیں اور آنحضرت (ﷺ) کو رسول نہیں مانتے۔ اگر پہلی کتابوں میں کچھ اصل ہوتی تو وہ ضرور قبول کرتے۔ معلوم ہوا کہ محض گڑھی ہوئی بات ہے۔ العیاذ باللہ۔

۷۔ رسالت کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب پر اعتراض: یعنی اچھا قرآن کو اللہ کا کلام مان ہی لو اور یہ بھی نہ سہی کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جاتا مگر یہ کیا غضب ہے کہ ہم سب میں سے محمد (ﷺ) ہی کا انتخاب ہوا۔ کیا سارے ملک میں ایک یہ ہی اس منصب کے لئے رہ گئے تھے؟ اور کوئی بڑا رئیس مالدار خدا کو نہ ملتا تھا جس پر اپنا کلام نازل کرتا۔

۸۔ کفار کو حق تعالیٰ کی تنبیہ: یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی نامعقول یاوہ گوئی کا جواب ہوا۔ یعنی ان کی یہ خرافات کچھ نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ابھی ہماری نصیحت کے متعلق ان کو دھوکا لگا ہوا ہے وہ یقین نہیں رکھتے کہ جس خوفناک مستقبل سے آگاہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور پیش آکر رہے گا۔ کیونکہ ابھی تک انہوں نے خدا کی مار کا مزہ نہیں چکھا۔ جس وقت خدائی مار پڑے گی تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

۹۔ حکومت و خزائن سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں: یعنی رحمت کے خزانے اور آسمان و زمین کی حکومت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ زبردست ہے اور بڑی بخشش والا ہے جس پر جو انعام چاہے کرے۔ کون روک سکتا ہے یا نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی حکمت و دانائی سے کسی بشر کو منصب نبوت و رسالت پر سرفراز فرماتا ہے تو تم دخل دینے والے کون ہو کہ صاحب اس پر یہ مہربانی فرمائی ہم پر نہ فرمائی کیا رحمت کے خزانوں اور زمین و آسمان کی حکومت کے تم مالک و مختار ہو جو اس قسم کے لغو اعتراضات کرتے ہو۔ اگر ہو تو اپنے تمام اسباب و وسائل کو کام میں لے آؤ اور رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ تا کہ وہاں سے محمد (ﷺ) پر وحی کا آنا بند کر سکو اور علویات پر قابض ہو کر اپنی مرضی و منشاء کے موافق آسمان و زمین کے انتظام و تدبیر کا کام انجام دے سکو۔ اگر اتنا نہیں کر سکتے تو آسمان و زمین کی حکومت اور خزائن رحمت کی مالکیت کا دعویٰ عبث ہے۔ پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا بجز بیحیائی یا جنون کے اور کیا ہو گا۔ ایازِ قدرِ خود بشناس۔

۱۰۔ کفار شکست خوردہ گروہ ہے: یعنی کچھ بھی نہیں۔ زمین و آسمان کی حکومت اور خزانوں کے مالک تو یہ بیچارے کیا ہوتے۔ چند ہزیمت خوردہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جو اگلی تباہ شدہ قوموں کی طرح تباہ و برباد ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ منظر "بدر" سے لیکر "فتح مکہ" تک لوگوں نے دیکھ لیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اگلی قومیں برباد ہوئیں۔ اگر چڑھ جائیں تو ان میں ایک یہ بھی برباد ہوں"۔ گویا اس آیت کا ربط ماقبل سے بتلا دیا۔ واللہ اعلم۔

۱۱۔ میخوں والا فرعون: یعنی بہت زور و قوت اور لاؤ لشکر والا جس نے دنیا میں اپنی سلطنت کے کھونٹے گاڑ دیے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو چومیخا کر کے مارتا تھا اس سے اس کا نام "ذوالاوتاد" (میخوں والا) پڑ گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۲۔ یعنی حضرت شعیبؑ جن کی طرف مبعوث ہوئے۔

۱۳۔ یعنی یہ بڑی بڑی طاقتور فوجیں بھی رسولوں کو جھٹلا کر سزا سے نہ بچ سکیں۔ تمہاری تو حقیقت کیا ہے۔

۱۴۔ یعنی صور کی آواز کے منتظر ہیں۔ پوری سزا اس وقت ملے گی اور ممکن ہے "صَیْحَہ" سے یہیں کی ایک ڈانٹ مراد ہو۔

۱۵۔ وعدہ قیامت پر استہزاء: یعنی جب وعدہ قیامت سنتے مسخرا پن سے کہتے کہ ہم کو تو اس وقت کا حصہ ابھی دیدیجئے ابھی ہم اپنا اعمالنامہ دیکھ لیں اور ہاتھ کے ہاتھ سزا جزاء سے فارغ ہو جائیں۔

اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ تو تحمل کر تارہ اس پر جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد قوت والے کو وہ تھا رجوع رہنے والا[۱۶]

اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِشۡرَاقِ ﴿ۙ۱۸﴾

۱۸۔ ہم نے تابع کیے پہاڑ اس کے ساتھ پاکی بولتے تھے شام کو اور صبح کو[۱۷]

وَ الطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور اڑتے جانور جمع ہو کر سب تھے اس کے آگے رجوع رہتے[۱۸]

وَ شَدَدۡنَا مُلۡکَہٗ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحِکۡمَۃَ وَ فَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور قوت دی ہم نے اسکی سلطنت کو[۱۹] اور دی اس کو تدبیر اور فیصلہ کرنا بات کا[۲۰]

۱۶۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس جگہ ان کو (داؤدؑ کا قصہ) یاد دلوایا کہ انہوں نے بھی "طالوت" کے (عہد) حکومت میں بہت صبر کیا۔ آخر حکومت ان کو ملی اور (جالوت وغیرہ) مخالفوں کو جہاد سے زیر کیا۔ یہ ہی نقشہ ہوا ہمارے پیغمبر کا۔ (تنبیہ) "ذاالاید" کا ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے "ہاتھ کے بل والا" کیا ہے۔ یعنی قوت سلطنت، یا ادھر اشارہ ہو کہ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا، یا "ہاتھ کا بل" یہ کہ سلطنت کا مال نہ کھاتے اپنے دست و بازو سے کسب کر کے کھاتے۔ اور "اوّاب" یعنی ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع رہتے تھے۔

۱۷۔ یعنی صبح و شام حضرت داؤدؑ تسبیح پڑھتے، پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اس کے متعلق کچھ مضمون سورہ "سبا" میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۱۸۔ یا سب اس کے ساتھ مل کر اللہ کی طرف رجوع رہتے کما قال بعض المفسرین۔

۱۹۔ یعنی دنیا میں اس کی سلطنت کی دھاک بٹھلا دی تھی اور اپنی اعانت و نصرت سے مختلف قسم کی کثیر التعداد فوجیں دیکر خوب اقتدار جما دیا تھا۔

۲۰۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا کمال خطابت: یعنی بڑے مدبر و دانا تھے۔ ہر بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی تھی۔ بہر حال حق تعالٰی نے ان کو نبوت، حسن تدبیر، قوت فیصلہ اور طرح طرح کے علمی و عملی کمالات عطا فرمائے تھے۔ لیکن امتحان و ابتلاء سے وہ بھی نہیں بچے۔ جس کا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔

وَ ہَلۡ اَتٰىکَ نَبَؤُا الۡخَصۡمِ ۘ اِذۡ تَسَوَّرُوا الۡمِحۡرَابَ ﴿ۙ۲۱﴾

۲۱۔ اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی جب دیوار کود کر آئے عبادت خانہ میں

اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنۡہُمۡ قَالُوۡا لَا

۲۲۔ جب گھس آئے داؤد کے پاس تو ان سے گھبرایا[۲۱]

تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاحْكُمْ
بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَ لَا تُشْطِطْ وَ اهْدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ
الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں زیادتی کی ہے ایک نے دوسرے پر سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ [۲۲]

اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّ لِیَ
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَ عَزَّنِیْ فِی
الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ یہ جو ہے بھائی ہے میرا اس کے یہاں ہیں ننّانوے دنبیاں اور میرے یہاں ہیں ایک دنبی پھر کہتا ہے حوالہ کر دے میرے وہ بھی اور زبردستی کرتا ہے مجھ سے بات میں [۲۳]

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ؕ وَ
اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی
بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
قَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ
رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾ السجدة

۲۴۔ بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں [۲۴] اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کئے نیک اور تھوڑے لوگ ہیں ایسے [۲۵] اور خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گر پڑا جھک کر اور رجوع ہوا

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ
مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ پھر ہم نے معاف کر دیا اسکو وہ کام [۲۶] اور اس کے لیے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ [۲۷]

۲۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی تقسیم اوقات: حضرت داؤدؑ نے تین دن کی باری رکھی تھی۔ ایک دن دربار اور فصل خصومات کا، ایک دن اپنے اہل و عیال کے پاس رہنے کا، ایک دن خالص اللہ کی عبادت کا۔ اس دن خلوت میں رہتے تھے۔ دربان یا کسی کو آنے نہ دیتے۔ ایک دن عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ کئی شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس آ کھڑے ہوئے داؤدؑ باوجود اپنی قوت و شوکت کے یہ ناگہانی ماجرا دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق ہے۔ آدمی ہیں تو ناوقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو

اتنی اونچی دیواروں کو پھاندنے کی کیا سبیل کی ہوگی خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں۔ غرض اچانک یہ عجیب و مہیب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف بٹ گیا اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے، قائم نہ رہ سکی۔

۲۲۔ ایک عجیب مقدمہ: آنے والوں نے کہا کہ آپ گھبرایئے نہیں اور ہم سے خوف نہ کھایئے۔ ہم دونوں فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ہم میں منصفانہ فیصلہ کر دیجئے۔ کوئی بے راہی اور ٹالنے کی بات نہ ہو۔ ہم عدل و انصاف کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لیے آئے ہیں (شاید گفتگو کا یہ عنوان دیکھ کر حضرت داوٗدؑ اور زیادہ متعجب ہوئے ہوں)۔

۲۳۔ یعنی جھگڑا یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی کسی طرح مجھ سے چھین کر اپنی سو پوری کرلے۔ اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جیسے مال میں یہ مجھ سے زیادہ ہے بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے جب بولتا ہے تو مجھ کو دبا لیتا ہے اور لوگ بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملادیتے ہیں۔ غرض میرا حق چھیننے کے لئے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔

۲۴۔ حضرت داوٗدؑ نے بقاعدہ شریعت ثبوت وغیرہ طلب کیا ہوگا۔ آخر میں یہ فرمایا کہ بیشک (اگر یہ تیرا بھائی ایسا کرتا ہے تو) اس کی زیادتی اور ناانصافی ہے۔ چاہتا ہے کہ اس طرح اپنے غریب بھائی کا مال ہڑپ کر جائے۔ (مطلب یہ کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے)۔

۲۵۔ یعنی شرکاء کی عادت ہے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی، قوی حصہ دار چاہتا ہے کہ ضعیف کو کھا جائے۔ صرف اللہ کے ایماندار اور نیک بندے اس سے مستثنٰی ہیں۔ مگر وہ دنیا میں بہت ہی تھوڑے ہیں۔

۲۶۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کا امتحان: یعنی اس قصہ کے بعد داوٗدؑ کو تنبیہ ہوا کہ میرے حق میں یہ ایک فتنہ اور امتحان تھا۔ اس خیال کے آتے ہی اپنی خطا معاف کرانے کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ خدا کے سامنے جھک پڑے۔ آخر خدا نے ان کی وہ خطا معاف کر دی۔ داوٗدؑ کی وہ خطا کیا تھی؟ جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے لمبے چوڑے قصے بیان کیے ہیں۔ مگر حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ ان کی نسبت لکھتے ہیں۔ قد ذکر المفسرون ھٰھنا قصۃً اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات و لم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ۔ اور حافظ ابو محمد ابن حزم نے کتاب الفصل میں بہت شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے۔ باقی ابو حیان وغیرہ نے ان قصوں سے علیحدہ ہو کر آیات کا جو محمل بیان کیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔ ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے جو ابن عباس سے منقول ہے۔ یعنی داوٗدؑ کو یہ ابتلاء ایک طرح کے اعجاب کی بناء پر پیش آیا۔ صورت یہ ہوئی کہ داوٗدؑ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داوٗدؑ کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (یعنی نماز یا تسبیح و تکبیر) میں مشغول نہ رہتا ہو۔ (یہ اس لئے کہا کہ انہوں نے روز و شب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تا ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے) اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں (شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی، ارشاد ہوا کہ داوٗد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ اگر میری مدد نہ ہو تو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا۔ (ہزار کوشش کرے نہیں نبھا سکے گا) قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹا لوں گا۔ دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے) داوٗدؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار مجھ اس کی خبر کر دیجئے بس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ (اخرج ہذا الاثر الحاکم فی المستدرک و قال صحیح الاسناد و اقرہ الذہبی فی التلخیص) یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کی نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہئے کہ جس وقت داوٗدؑ عبادت میں مشتغل ہوں باوجود پوری کوشش کے مشتغل نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داوٗدؑ کو گھبرا دیا اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا۔ بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داوٗدؑ کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے۔ تب داوٗدؑ کو خیال ہوا کہ

اللہ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا لفظ "فتنہ" کا اطلاق اس جگہ تقریباً ایسا سمجھو جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں قمیص پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے آرہے تھے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ممبر پر دیکھا اور خطبہ قطع کر کے ان کو اوپر اٹھالیا اور فرمایا صدق اللہ انما اموالکم اولادکم فتنۃ بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے کہتا ہے کہ "اے پروردگار! میں نے یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا، میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا"۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور میں نے تیری مدد کی اور میں نے تجھ کو توفیق دی"۔ اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے پروردگار تو نے مدد کی، تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا"۔ تو اللہ کہتا ہے "اور تو نے عمل کیا تو نے ارادہ کیا تو نے یہ نیکی کمائی" (مدارج السالکین ص۹۹ ج۱) اسی سے سمجھ لو کہ حضرت داؤدؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلاتے ہوئے یہ فرمانا کہ اے پروردگار! رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں میں یا میرے متعلقین تیری عبادت میں مشتغل نہ رہتے ہوں کیسے پسند آسکتا تھا۔ بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک آزمائش میں مبتلا کر دیے گئے تا متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا تدارک کریں۔ چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا۔ میرے نزدیک آیت کی بے تکلف تقریر یہ ہی ہے باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے اُسی مشہور قصہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ موضح القرآن میں دیکھ لیا جائے۔

۲۷۔ یعنی بدستور مقرب بارگاہ ہیں اس غلطی سے تقرب اور مرتبہ میں فرق نہیں آیا۔ صرف تھوڑی سی تنبیہ کر دی گئی۔ کیونکہ مقربین کی چھوٹی غلطی بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ "حَسَنَات الابرار سئیات المقربین"۔

گرچہ یک مُوبد گنہ کرجستہ بود　　　لیک آں مو در دو دیدہ رستہ بود
بود آدم دیدۂ نور قدیم　　　موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِيۡفَةً فِى الۡاَرۡضِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا يَوۡمَ الۡحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع ۲/۱۲ ۱۱

۲۶۔ اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے مقرر جو لوگ بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے ان کے لئے سخت عذاب ہے[۲۸] اسی بات پر کہ بھلایا انہوں نے دن حساب کا[۲۹]

۲۸۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت ارضی کی عطا: یعنی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا لہذا اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ شریعت الٰہی کے موافق کرتے رہو۔ کبھی کسی معاملہ میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ یہ چیز آدمی کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے۔ اور جب انسان اللہ کی راہ سے بہکا تو پھر ٹھکانہ کہاں۔

۲۹۔ یعنی عموماً خواہشات نفسانی کی پیروی اسی لئے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات مستحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم نہ رکھے (تنبیہ) ممکن ہے کہ يَوۡمَ الۡحِسَابِ کا تعلق لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ کے ساتھ ہو۔ نَسُوۡا کے ساتھ نہ ہو۔ یعنی اللہ کے احکام بھلا دینے کے سبب سے ان پر سخت عذاب ہو گا حساب کے دن۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا
بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو ان کے بیچ میں ہے نکما یہ خیال ہے ان کا جو منکر ہیں سو خرابی ہے منکروں کے لیے آگ سے [۳۰]

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ کیا ہم کر دیں گے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں برابر ان کے جو خرابی ڈالیں ملک میں کیا ہم کر دیں گے ڈرنے والوں کو برابر ڈھیٹھ لوگوں کے [۳۱]

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ
لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تا دھیان کریں لوگ اسکی باتیں اور تا سمجھیں عقل والے [۳۲]

۳۰۔ اس زندگی کا اصل مقصد: یعنی جس کا آگے کچھ نتیجہ نہ نکلے۔ بلکہ اس دنیا کا نتیجہ ہے آخرت، لہذا یہاں رہ کر وہاں کے لئے کچھ کام کرنا چاہئے اور کام یہ ہی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی چھوڑ کر حق و عدل کے اصول پر کاربند ہو۔ اور خالق و مخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس دنیا کی زندگی ہے۔ کھاپی کر ختم کر دیں گے۔ آگے حساب کتاب کچھ نہیں۔ یہ خیالات تو ان کے ہیں جنہیں موت کے بعد دوسری زندگی سے انکار ہے۔ سو ایسے منکروں کے لئے آگ تیار ہے۔

۳۱۔ مومن اور مفسد برابر نہیں ہو سکتے: یعنی ہمارے عدل و حکمت کا اقتضاء یہ نہیں کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کر دیں یا ڈرنے والوں کے ساتھ بھی وہ ہی معاملہ کرنے لگیں جو ڈھیٹ اور نڈر لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اسی لئے ضرور ہوا کہ کوئی وقت حساب و کتاب اور جزا سزا کا رکھا جائے۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک اور ایماندار آدمی قسم قسم کی مصائب و آفات میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بدمعاش بیحیا مزے چین اڑاتے ہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی جو خبر مخبر صادق نے دی ہے عین مقتضائے حکمت ہے۔ وہاں ہی ہر نیک و بد کو اس کے برے بھلے کام کا بدلہ ملے گا۔ پھر "یوم الحساب" کی خبر کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

۳۲۔ مبارک کتاب: یعنی جب نیک اور بد کا انجام ایک نہیں ہو سکتا تو ضرور تھا کہ کوئی کتاب ہدایت مآب حق تعالیٰ کی طرف سے آئے جو لوگوں کو خوب معقول طریقہ سے ان کے انجام پر آگاہ کر دے۔ چنانچہ اس وقت یہ کتاب آئی جس کو قرآن مبین کہتے ہیں۔ جس کے الفاظ، حروف، نقوش اور معانی و مضامین ہر چیز میں برکت ہے۔ اور جو اسی غرض سے اتاری گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور عقل رکھنے والے اسکی نصیحتوں سے منتفع ہوں چنانچہ اس آیت سے پہلے ہی آیت میں دیکھ لو کس قدر، صاف، فطری اور معقول طریقہ سے مسئلہ معاد کو حل کیا ہے کہ تھوڑی عقل والا بھی غور کرے تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ (تنبیہ) شاید "تدبر" سے قوت علمیہ کی اور "تذکر" سے قوۃ عملیہ کی تکمیل کی

طرف اشارہ ہو۔ یہ سب باتیں حضرت داؤدؑ کے تذکرہ کے ذیل میں آ گئی تھیں۔ آگے پھر ان کے قصہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔

وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان [۳۳] بہت خوب بندہ وہ ہے از رجوع رہنے والا

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ﴿۳۱﴾

۳۱۔ جب دکھانے کو لائے اسکے سامنے شام کو گھوڑے بہت خاصے

فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ٝ﴿۳۲﴾

۳۲۔ تو بولا میں نے دوست رکھا مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں

رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ پھیر لاؤ ان کو میرے پاس پھر لگا جھاڑنے انکی پنڈلیاں اور گردنیں [۳۴]

۳۳۔ یعنی سلیمانؑ بیٹا دیا جو انہی کی طرح نبی اور بادشاہ ہوا۔

۳۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور جہاد کے گھوڑے: یعنی نہایت اصیل، شائستہ اور تیز و سبک رفتار گھوڑے جو جہاد کے لئے پرورش کئے گئے تھے ان کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کا معائنہ کرتے ہوئے دیر لگ گئی۔ حتّٰی کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ شاید اسی شغل میں عصر کے وقت کا وظیفہ بھی نہ پڑھ سکے ہوں۔ اس پر کہنے لگے کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ایک طرف ذکر اللہ (یاد خدا) سے بظاہر علیحدگی رہی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی اسی کی یاد سے وابستہ ہے۔ جب جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے تو اس کے مُعدّات و مبادی کا تفقد کیسے ذکر اللہ کے تحت میں داخل نہ ہو گا۔ آخر اللہ تعالیٰ جہاد اور آلات جہاد کے مہیا کرنے کی ترغیب نہ دیتا تو اس مال نیک سے ہم اس قدر محبت کیوں کرتے۔ اسی جذبہ جہاد کے جوش و افراط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر واپس لاؤ۔ چنانچہ واپس لائے گئے اور حضرت سلیمانؑ غایت محبت و اکرام سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ آیت کی یہ تقریر بعض مفسرین نے کی ہے۔ اور لفظ حُبَّ الْخَيْرِ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ گویا خیر کا لفظ اس مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو نبی کریم ﷺ نے حدیث میں فرمایا اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهِ الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

اس آیت کی دوسری تفسیر: لیکن دوسرے علماء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہو کر اس وقت کی نماز یا وظیفہ سے ذہول ہو گیا (اور ذہول و نسیان انبیاء کے حق میں محال نہیں) فرمایا کہ دیکھو! مال کی محبت نے مجھ کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا حتّٰی کہ غروب آفتاب تک میں اپنا وظیفہ ادا نہ کر سکا۔ یہ مانا کہ اس مال کی محبت میں بھی ایک پہلو عبادت کا اور خدا کی یاد کا تھا۔ مگر خواص و مقربین کو یہ فکر بھی رہتی ہے کہ جس عبادت کا جو وقت مقرر ہے اس میں تخلف نہ ہو۔ اور ہوتا ہے تو صدمہ اور قلق سے بے چین ہو جاتے ہیں۔ (گو عذر سے ہو)۔ گر زباغ دل خلالے کم بود، بر دل سالک ہزاراں غم بود۔ "غزوہ خندق" میں دیکھ لو نبی کریم ﷺ کی کئی نمازیں قضا ہو

گئیں۔ باوجودیکہ آپ عین جہاد میں مشغول تھے اور کسی قسم کا کذب آپ پر نہ تھا، لیکن جن کفار کے سبب سے ایسا پیش آیا آپ ان کے حق میں مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًا وغیرہ کے الفاظ سے بددعا فرما رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ بھی ایک موقت عبادت کے فوت ہو جانے سے بیتاب ہو گئے۔ حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ (جو یاد الٰہی کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں) جب لائے گئے تو شدت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں۔ تا سبب غفلت کو اپنے سے اس طرح علیحدہ کر دیں کہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہو جائے۔ شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہو گی اور ان کے پاس گھوڑے وغیرہ اس کثرت سے ہوں گے کہ ان چند گھوڑوں کے قربان کرنے سے مقصد جہاد میں کوئی خلل نہ پڑتا ہو گا۔ اور لفظ فَطَفِقَ مَسْحًا سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ سب گھوڑوں کو قتل ہی کر گذرے ہوں۔ محض اتنا ہے کہ یہ کام شروع کر دیا واللہ اعلم۔ اس تقریر کی تائید ایک حدیث مرفوع سے ہوتی ہے۔ جو طبرانی نے باسناد حسن ابی بن کعب سے روایت کی ہے (راجع روح المعانی وغیرہ)۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا [۳۵]

۳۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان: حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا (جو تعداد میں ستر یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے القاء کیا کہ "ان شاء اللہ" کہہ لیجئے۔ مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا۔ صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہی ادھورا بچہ ان کے تخت پر لا کر ڈال دیا۔ کہ لو! یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے (اسی کو یہاں "جسد" (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمانؑ ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور "ان شاء اللہ" نہ کہنے پر استغفار کیا۔ نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔ حدیث میں ہے کہ اگر "ان شآء اللہ" کہہ لیتے تو بیشک اللہ ویسا ہی کر دیتا جو ان کی تمنا تھی۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت سے بے سروپا قصے سلیمانؑ کی انگشتری اور جنوں کے نقل کئے ہیں جسے دلچسپی ہو کتب تفاسیر میں دیکھ لے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں وقد رُویت ھذہ القصۃ مطولۃ عن جماعۃ من السلف رضی اللہ عنھم وکلھا متلقاۃ من قصص اھل الکتاب۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ بولا اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو کسی کو میرے پیچھے بیشک تو ہے سب کچھ بخشنے والا [۳۶]

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ ۙ

۳۶۔ پھر ہم نے تابع کر دیا اسکے ہوا کو چلتی تھی اس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتا

وَّ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور تابع کر دیے شیطان سارے عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے[۳۷]

وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ بہت سے اور جو باہم جکڑے ہوئے ہیں بیڑیوں میں[۳۸]

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ یہ ہے بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ کچھ حساب نہ ہو گا[۳۹]

وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور اس کا ہمارے یہاں مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ[۴۰]

۳
ع
۱۲

۳۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا: یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت عنایت فرما جو میرے سوا کسی کو نہ ملے نہ کوئی دوسرا اس کا اہل ثابت ہو یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو حوصلہ نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ ہر نبی کی ایک دعاء ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اجابت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ یعنی وہ دعاء ضرور ہی قبول کریں گے۔ شاید حضرت سلیمانؑ کی یہ وہی دعا ہو۔ آخر نبی زادے اور بادشاہ زادے تھے۔ دعا میں بھی یہ رنگ رہا۔ کہ بادشاہت ملے اور اعجازی رنگ کی ملے۔ وہ زمانہ ملوک اور جبارین کا تھا، اس حیثیت سے بھی یہ دعاء مذاق زمانہ کے موافق تھی اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ملک حاصل کرنے سے اپنی شوکت و حشمت کا مظاہرہ کرنا نہیں۔ بلکہ اس دین کا ظاہر و غالب کرنا اور قانون سماوی پھیلانا ہوتا ہے۔ جس کے حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو دنیاداروں کی دعاء پر قیاس نہ کیا جائے۔

۳۷۔ جنات اور ہواؤں کی تسخیر: یعنی جن ان کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور موتی وغیرہ نکالنے کے لئے دریاؤں میں غوطے لگاتے تھے۔ ہوا اور جنات کے تابع کرنے کے متعلق پہلے سورۂ "سبا" وغیرہ میں کچھ تفصیل گذر چکی ہے۔

۳۸۔ یعنی بہت سے جنات اور تھے جن کو سرکشی اور شرارت و تمرد کی وجہ سے قید کر کے ڈال دیا تھا۔

۳۹۔ یعنی کسی کو بخشش دو یا نہ دو تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا، اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر"۔

۴۰۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تقرب: یعنی بادشاہت کے باوجود جو روحانی تقرب اور مرتبہ ہمارے ہاں حاصل ہے اور فردوس بریں میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ ٹھکانہ تیار ہے وہ بجائے خود رہا۔

وَ اذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو جب اس نے پکارا اپنے رب کہ مجھ کو لگا دی شیطان نے ایذا اور تکلیف[۴۱]

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو اور ٹھنڈا اور پینے کو

وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور بخشے ہم نے اسکو اسکے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی طرف کی مہربانی سے اور یاد رکھنے کو عقل والوں کے[۴۲]

وَ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سیلنکوں کا مٹھا پھر اس سے مار لے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو[۴۳] ہم نے اس کو پایا جھیلنے والا بہت خوب بندہ تحقیق وہ ہے رجوع رہنے والا

۴۱۔ **حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ:** قرآن کریم کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن امور میں کوئی پہلو شر یا ایذاء کا یا کسی مقصد صحیح کے فوت ہونے کا ہو ان کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے موسٰیؑ کے قصہ میں آیا وَمَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (کہف۔۶۳) کیونکہ اکثر اس قسم کی چیزوں کا سبب قریب یا بعید کسی درجہ میں شیطان ہوتا ہے۔ اسی قاعدہ سے حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری یا تکلیف یا آزار کی نسبت شیطان کی طرف کی گویا تواضعًا و تادّبًا یہ ظاہر کیا کہ ضرور مجھ سے کوئی تساہل یا کوئی غلطی اپنے درجہ کے موافق صادر ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں یہ آزار پیچھے لگا۔ یا حالت مرض و شدت میں شیطان القاء وساوس کی کوشش کرتا ہوگا اور یہ اس کی مدافعت میں تعب و تکلیف اٹھاتے ہوں گے۔ اس کو نصب و عذاب سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) حضرت ایوبؑ کا قصہ سورہ "انبیاء" میں گذر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ مگر واضح رہے کہ قصہ گویوں نے حضرت ایوبؑ کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کئے ہیں اس میں مبالغہ بہت ہے۔ ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استقذار کا موجب ہو انبیاء علیہم السلام کی وجاہت کے منافی ہے کما قال تعالی لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (احزاب۔۶۹) لہٰذا اسی قدر بیان قبول کرنا چاہئے جو منصب نبوت کے منافی نہ ہو۔

۴۲۔ **حضرت ایوب علیہ السلام کیلئے پانی کا چشمہ:** جب اللہ نے چاہا کہ انکو چنگا کرے، حکم دیا کہ زمین پر پاؤں ماریں پاؤں مارنا تھا کہ قدرت نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکال دیا۔ اسی سے نہایا کرتے اور پانی پیتے۔ وہ ہی ان کی شفاء کا سبب ہوا۔ اور ان کے گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے ان سے دگنے عطا کئے تا عقلمند لوگ ان واقعات کو دیکھ کر سمجھیں کہ جو بندہ مصائب میں مبتلا ہو کر صبر کرتا اور خدائے واحد کی طرف رجوع ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کی کس طرح کفالت و اعانت فرماتے ہیں۔

۴۳۔ **حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم:** حضرت ایوبؑ نے حالت مرض میں کسی بات پر خفا ہو کر قسم کھائی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے۔ وہ بی بی اس حالت کی رفیق تھی اور چنداں قصوروار بھی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے قسم سچا کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلا دیا۔ جو ان ہی کے لئے مخصوص تھا۔ آج اگر کوئی اس طرح کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہ ہو گی۔ (تنبیہ) جس حیلہ سے کسی حکم شرعی یا مقصد دینی کا ابطال ہوتا ہو وہ جائز نہیں۔ جیسے اسقاط زکوٰۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں۔ ہاں جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو اس کی اجازت ہے۔ والتفصیل یطلب من مظانہ۔

وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَ الْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے[۴۴]

اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۚ﴿۴۶﴾

۴۶۔ ہم نے امتیاز دیا انکو ایک چنی ہوئی بات کا وہ یاد اس گھر کی[۴۵]

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ؕ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں میں

وَ اذۡكُرۡ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ الۡیَسَعَ وَ ذَاالۡكِفۡلِ ؕ وَ كُلٌّ
مِّنَ الۡاَخۡیَارِ ﴿ؕ۴۸﴾

۴۸۔ اور یاد کر اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو اور ہر ایک تھا خوبی والا [۴۶]

هٰذَا ذِكۡرٌ ؕ وَ اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ لَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿ۙ۴۹﴾

۴۹۔ یہ ایک مذکور ہو چکا [۴۷] اور تحقیق ڈر والوں کے لیے ہے اچھا ٹھکانا

جَنّٰتِ عَدۡنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ ﴿ۚ۵۰﴾

۵۰۔ باغ ہیں سدا بسنے کے کھول رکھے ہیں انکے واسطے دروازے [۴۸]

مُتَّكِـِٕیۡنَ فِیۡهَا یَدۡعُوۡنَ فِیۡهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِیۡرَةٍ وَّ
شَرَابٍ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہیں ان میں میوے بہت اور شراب [۴۹]

وَ عِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ اَتۡرَابٌ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور ان کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں ایک عمر کی [۵۰]

هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِیَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۵۳﴾ الثلثة

۵۳۔ یہ وہ ہے جو تم سے وعدہ کیا گیا حساب کے دن پر

اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ ﴿ۚۖ۵۴﴾

۵۴۔ یہ ہی روزی ہماری دی ہوئی اسکو نہیں نبڑنا [۵۱]

هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِیۡنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿ۙ۵۵﴾

۵۵۔ یہ سن چکے [۵۲] اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے برا ٹھکانہ

جَهَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ دوزخ ہے جس میں انکو ڈالیں گے سو کیا بری آرام کرنے کی جگہ ہے

هٰذَا ۙ فَلۡیَذُوۡقُوۡهُ حَمِیۡمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿ۙ۵۷﴾

۵۷۔ یہ ہے اب اسکو چکھیں [۵۳] گرم پانی اور پیپ [۵۴]

وَّ اٰخَرُ مِنۡ شَكۡلِهٖۤ اَزۡوَاجٌ ﴿ؕ۵۸﴾

۵۸۔ اور کچھ اور اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں

هٰذَا فَوۡجٌ مُّقۡتَحِمٌ مَّعَكُمۡ ۚ لَا مَرۡحَبًۢا بِهِمۡ ؕ اِنَّهُمۡ
صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ یہ ایک فوج ہے دھستی آرہی ہے تمہارے ساتھ جگہ نہ ملیو ان کو یہ ہیں گھسنے والے آگ میں

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ
قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾

۶۰۔ وہ بولے بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ ملیو تم کو تم ہی پیش لائے ہمارے یہ بلا سو کیا بری ٹھہرنے کی جگہ ہے [۵۵]

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا
فِي النَّارِ ﴿٦١﴾

۶۱۔ وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی لایا ہمارے پیش یہ سو بڑھا دے اسکو دونا عذاب آگ میں [۵۶]

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ
الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾

۶۲۔ اور کہیں گے کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے ان مردوں کو کہ ہم ان کو شمار کرتے تھے برے لوگوں میں

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾

۶۳۔ کیا ہم نے انکو ٹھٹھے میں پکڑا تھا یا چوک گئیں ان سے ہماری آنکھیں [۵۷]

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ ع ۴ ۲۴ ۱۳

۶۴۔ یہ بات ٹھیک ہونی ہے جھگڑا کرنا آپس میں دوزخیوں کا [۵۸]

۴۴۔ یعنی عمل اور معرفت والے جو ہاتھ پاؤں سے بندگی کرتے اور آنکھوں سے خدا کی قدرتیں دیکھ کر یقین و بصیرت زیادہ کرتے ہیں۔

۴۵۔ حضرات انبیاء کا امتیاز: انبیاء کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے برابر خدا کو اور آخرت کو یاد رکھنے والا کوئی نہیں۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان کو سب سے ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔

۴۶۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور ذوالکفلؑ کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ اور "الیسعؑ" کہتے ہیں کہ حضرت الیاسؑ کے خلیفہ تھے ان کو بھی اللہ نے نبوت عطا فرمائی۔

۴۷۔ یعنی یہ مذکور تو انبیاء کا تھا۔ آگے عام متقین کا انجام سن لو۔

۴۸۔ جنت کے کھلے دروازے: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جب بہشت میں داخل ہوں گے ہر کوئی بدون بتائے اپنے گھر میں چلا جائے گا" آواز دے کر دروازہ کھلوانے کی ضرورت نہ پڑے گا۔

۴۹۔ یعنی قسم قسم کے میوے، پھل اور پینے کی چیزیں حسب خواہش غلمان حاضر کریں گے۔

۵۰۔ جنت کی عورتیں ہم عمر: یعنی سب عورتیں نوجوان ایک عمر ہوں گی یا شکل و شمائل خوبو میں اپنے ازواج کی ہم عمر معلوم ہوں گی۔

۵۱۔ یعنی غیر منقطع اور لازوال نعمتیں ہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا۔ رزقنا اللہ منہا بفضلہ وکرمہ فانہ اکرم الاکرمین وارحم الراحمین

۵۲۔ یعنی پرہیزگاروں کا انجام سن چکے آگے شریروں کا انجام سن لو۔

۵۳۔ یعنی لو! یہ حاضر ہے۔ اب اس کا مزہ چکھیں۔

۵۴۔ اہل دوزخ کیلئے گرم پانی اور پیپ: "غسّاق" سے بعض نے کہا دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اور ان کی آلائشیں مراد ہیں جس میں سانپوں بچھوؤں کا زہر ملا ہو گا۔ اور بعض کے نزدیک "غسّاق" حد سے زیادہ ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جس کے پینے سے سخت اذیت ہو۔ گویا "حمیم" کی

پوری ضد۔ واللہ اعلم۔

۵۵۔ اہل دوزخ کی گفتگو: یہ گفتگو دوزخیوں کی آپس میں ہو گی، جس وقت فرشتے انکو یکے بعد دیگرے لا لا کر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے۔ پہلا گروہ سرداروں کا ہو گا۔ بعدہ ان کے مقلدین واتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو! یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھپتی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لئے چلی آ رہی ہے۔ خدا کی مار ان پر۔ یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے۔ خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کمبختو! تمہی پر خدا کی مار ہو۔ خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے، تم ہی تھے جن کے اغوا واضلال کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی۔ اب بتاؤ کہاں جائیں۔ جو کچھ ہے یہی جگہ ٹھہرنے کی ہے جس طرح ہو یہاں ہی سب مرو کھپو۔

۵۶۔ یعنی آپس میں لعن طعن کر کے پھر حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! جو اپنی شقاوت سے یہ بلا اور مصیبت ہمارے سر پر لایا۔ اسے دوزخ میں دگنا عذاب دیجئے۔ شاید سمجھیں گے کہ اس کا دگنا عذاب دیکھ کر ذرا دل ٹھنڈا ہو جائے گا۔ حالانکہ وہاں تسلی کا سامان کہاں؟ ایک دوسرے کو کوسنا اور پھٹکارنا یہ بھی ایک مستقل عذاب ہوا۔

۵۷۔ وہاں دیکھیں گے کہ سب جان پہچان والے لوگ ادنیٰ و اعلیٰ دوزخ میں جانے کے واسطے جمع ہوئے ہیں۔ مگر جن مسلمانوں کو پہچانتے تھے اور سب سے زیادہ برا جان کر مذاق اڑایا کرتے تھے وہ اس جگہ نظر نہیں آتے، تو حیران ہو کر کہیں گے کہ کیا ہم نے غلطی سے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا، وہ اس قابل نہ تھے کہ آج دوزخ کے نزدیک رہیں، یا اسی جگہ کہیں پر ہیں پر ہماری آنکھیں چوک گئیں۔ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتے۔

۵۸۔ اہل دوزخ کا آپس میں جھگڑا: یعنی بظاہر یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری میں ایک دوسرے سے جھگڑیں عذاب کا ہولناک منظر کیسے دوسری طرف متوجہ ہونے دے گا۔ لیکن یاد رکھو! ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ بالکل یقینی چیز ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت میں یہ ان کے عذاب کی تکمیل ہے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنۡذِرٌ ‌ۖ وَّ مَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ۚ‏ ﴿۶۵﴾	۶۵۔ تو کہہ میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا دباؤ والا
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَيۡنَهُمَا الۡعَزِيۡزُ الۡغَفَّارُ ﴿۶۶﴾	۶۶۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو انکے بیچ میں زبردست بخشنے والا [۵۹]
قُلۡ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيۡمٌ ۙ‏ ﴿۶۷﴾	۶۷۔ تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے
اَنۡتُمۡ عَنۡهُ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۶۸﴾	۶۸۔ کہ تم اس کو دھیان میں نہیں لاتے [۶۰]
مَا كَانَ لِىَ مِنۡ عِلۡمٍۢ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰٓى اِذۡ	۶۹۔ مجھ کو کچھ خبر نہ تھی اوپر کی مجلس کی جب وہ آپس

يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿٦٩﴾

میں تکرار کرتے ہیں

اِنۡ يُّوۡحٰۤى اِلَىَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿٧٠﴾

٧٠۔ مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ اور کچھ نہیں میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر [٦١]

اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰۤـئِكَةِ اِنِّىۡ خَالِـقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ
طِيۡنٍ ﴿٧١﴾

٧١۔ جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا [٦٢]

فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ فَقَعُوۡا لَهٗ
سٰجِدِيۡنَ ﴿٧٢﴾

٧٢۔ پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان [٦٣] تو تم گر پڑو اسکے آگے سجدہ میں

فَسَجَدَ الۡمَلٰۤـئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿٧٣﴾

٧٣۔ پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سب نے اکٹھے ہو کر

اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اِسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿٧٤﴾

٧٤۔ مگر ابلیس نے [٦٤] غرور کیا اور تھا وہ منکروں میں [٦٥]

قَالَ يٰۤـاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ
بِيَدَىَّ ؕ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ ﴿٧٥﴾

٧٥۔ فرمایا اے ابلیس کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے بنایا اپنے دونوں ہاتھوں سے [٦٦] یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجہ میں [٦٧]

قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ
مِنۡ طِيۡنٍ ﴿٧٦﴾

٧٦۔ بولا میں بہتر ہوں اس سے مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے [٦٨]

قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۖۚ ﴿٧٧﴾

٧٧۔ فرمایا تو تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا [٦٩]

وَّاِنَّ عَلَيۡكَ لَعۡنَتِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿٧٨﴾

٧٨۔ اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اس جزا کے دن تک [٧٠]

قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿٧٩﴾

٧٩۔ بولا اے رب مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک کہ مردے جی اٹھیں [٧١]

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۙ‏ ﴿۸۰﴾	۸۰۔ فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے
اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ‏ ﴿۸۱﴾	۸۱۔ اسی وقت کے دن تک جو معلوم ہے [۵۹]
قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَۙ‏ ﴿۸۲﴾	۸۲۔ بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو
اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ‏ ﴿۸۳﴾	۸۳۔ مگر جو بندے ہیں تیرے ان میں چنے ہوئے
قَالَ فَالۡحَـقُّ ۚ وَالۡحَـقَّ اَقُوۡلُ‌ۚ‏ ﴿۸۴﴾	۸۴۔ فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں [۶۰]
لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ‏ ﴿۸۵﴾	۸۵۔ مجھ کو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو ان میں تیری راہ چلے ان سب سے
قُلۡ مَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ‏ ﴿۸۶﴾	۸۶۔ تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ بدلا اور میں نہیں اپنے آپ کو بنانے والا
اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ‏ ﴿۸۷﴾	۸۷۔ یہ تو ایک فہمائش ہے سارے جہان والوں کو
وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ‏ ﴿۸۸﴾	۸۸۔ اور معلوم کر لو گے اس کا احوال تھوڑی دیر کے پیچھے [۶۱]

ع ۵ ۲۴ ۱۴

۵۹۔ کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ: میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اس آنے والی خوفناک گھڑی سے ہشیار کر دوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اس سے بے خبر نہ رہنے دوں۔ باقی سابقہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے تو وہ ہی اکیلا خدا ہے جس کے سامنے کوئی چھوٹا یا بڑا دم نہیں مار سکتا۔ ہر چیز اس کے آگے دبی ہوئی ہے۔ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز نہیں جو اس کے زیر تصرف نہ ہو۔ جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کر دے۔ اس عزیز و غالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔ اس کے زبردست قبضہ سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لامحدود رحمت و بخشش کو کس کی مجال ہے، محدود کر دے۔

۶۰۔ یعنی قیامت اور اس کے احوال کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی بھاری اور یقینی خبر ہے جو میں تم کو دے رہا ہوں۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُوۡنَ۔ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِيۡمِ۔ الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ مُخۡتَلِفُوۡنَ (نباء۔ ۳،۲،۱) مگر افسوس ہے تم اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ جو کچھ تمہاری خیر خواہی کو کہا جاتا ہے دھیان میں نہیں لاتے، بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہو کہ کب آئے گی۔ کیونکر آئے گی اور اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے۔ اسے جلد کیوں نہیں بلا لیتے۔ وغیرہ ذٰلک۔

۶۱۔ ملاء اعلیٰ کی تشریح: "ملاء اعلی" (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرہ ہم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصریفات کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یعنی ملاء اعلیٰ میں نظام عالم کے فنا و بقاء کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل و قال ہوتی ہے۔ مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن اجزاء پر مطلع فرمادیا وہ بیان کر دیئے جو کچھ کہتا ہوں اسی کی وحی و اعلام سے کہتا ہوں۔ مجھ کو یہ ہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کر دوں۔ رہا یہ کہ وہ وقت کب آئیگا اور قیامت کب قائم ہو گی؟ نہ انذار کے لیے اس کی ضرورت ہے نہ اس کی اطلاع کسی کو دی گئی ہے؟ ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیمؑ پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں۔ پھر سب نے حضرت موسیٰؑ پر حوالہ کیا ان کی طرف سے بھی وہ ہی جواب ملا۔ آخر سب نے حضرت مسیحؑ کی طرف رجوع کیا فرمایا "وجبتہ الساعہ" (عین قیامت کے وقوع کی گھڑی) تو مجھے بھی معلوم نہیں البتہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے الخ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے حضرت جبرئیلؑ نے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کیا۔ فرمایا مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ یعنی میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ ملاء اعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی کچھ بحث و تکرار رہتی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت مسائل ہیں جن میں ایک طرح کی تکرار اور قیل و قال ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے کئی مرتبہ سوال کرنا فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی اور آپ کا جواب دینا مذکور ہے۔ مگر وہاں کے مباحثات کا علم بجز وحی الٰہی کے اور کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ ہی ذریعہ ہے جس سے اہل نار کے تخاصم پر آپ کو اطلاع ہوئی۔ اسی سے ملاء اعلیٰ کے اختصان کی خبر لگی اور جو تخاصم ابلیس کا آدمؑ کے معاملہ میں ہوا جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ بھی اسی ذریعہ سے معلوم ہوا۔

۶۲۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ایک یہ بھی تکرار تھی فرشتوں کی جو بیان فرمایا"۔

۶۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق: یعنی ڈھانچہ ٹھیک تیار کر کے اپنی طرف سے ایک روح پھونکوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "روحی" (اپنی جان) اس لئے فرمایا کہ آب و خاک سے نہیں بنی۔ عالم غیب سے آئی"۔ کچھ مضمون روح کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں گذرا ہے۔ وہاں روح کی اس اضافت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۶۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق: یہ قصہ سورہ "بقرہ" "اعراف" وغیرہ کئی سورتوں میں گذر چکا۔ اعراف کے فوائد میں ہم نے مفصل بحث کی ہے اسے ایک مرتبہ دیکھ لیا جائے۔

۶۵۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ (ابلیس اصل سے) جن تھا جو اکثر خدا کے حکم سے منکر ہیں۔ لیکن اب (اپنی کثرت عبادت وغیرہ کے سبب سے) رہنے لگا تھا فرشتوں میں۔

۶۶۔ ابلیس کے انکار پر حق تعالیٰ کا سوال: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو، غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے۔ اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی"۔ "سورہ مائدہ" میں پارہ ششم کے ختم کے قریب بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ (المائدہ۔ ۶۴)۔ کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعوت و صفات میں سلف کا مسلک ہی اقویٰ و احوط ہے۔

۶۷۔ یا جان بوجھ کر اپنے کو بڑا بنانا چاہا۔ یا واقع میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے۔

۶۸۔ سورہ اعراف میں اس کا بیان گذر چکا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آگ ہے گرم پر جوش اور مٹی سرد ہے خاموش۔ ابلیس نے آگ کو اچھا سمجھا۔ اللہ نے اس مٹی کو پسند رکھا۔

۶۹۔ یعنی بہشت میں فرشتوں کی صحبت میں جاتا تھا اب نکالا گیا۔

۷۰۔ ابلیس پر لعنت: یعنی اس وقت تک تیرے اعمال کی بدولت پھٹکار بڑھتی جائے گی۔ بعدہٗ کیا ہو گا؟ اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ آگے آتا ہے لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ (ص۔۸۵) وہاں جو لعنت ہو گی یہاں کی لعنتیں اس کے سامنے گرد ہو جائیں گی۔

۷۱۔ یعنی صور کے دوسرے نفخہ تک۔

۷۲۔ یعنی پہلے نفخہ کے قریب تک۔ اس کے بعد نہیں۔

۷۳۔ یعنی میری سب باتیں سچی اور ٹھیک ہوتی ہیں۔

۷۴۔ یعنی نصیحت سے غرض یہ ہے کہ اپنے دشمن اور دوست میں تمیز کرو۔ شیطان لعین جو ازلی دشمن ہے اس کی راہ مت چلو نبیوں کا کہنا مانو جو تمہاری بہی خواہی کے لیے آئے ہیں۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں مانگتا، نہ خواہ مخواہ اپنی طرف سے بنا کر کوئی بات کہتا ہوں۔ اللہ نے ایک فہمائش کی وہ تمہارے تک پہنچا دی۔ تھوڑی مدت کے بعد تم خود معلوم کر لو گے کہ جو خبریں دی گئیں کہاں تک درست ہیں اور جو نصیحت کی گئی کیسی سچی اور مفید تھی۔

تم سورہ ص بعون اللہ وحسن توفیقہ وللہ الحمد والمنہ۔

اٰیاتها ٧٥ ‏ ٣٩ سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ٥٩ ‏ رکوعاتها ٨

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿١﴾

ا۔ اتارنا ہے کتاب کا اللہ سے جو زبردست ہے حکمتوں والا[١]

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ
مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ ﴿٢﴾

٢۔ میں نے اتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک سو بند گی کر اللہ کی خالص کر کر اس کے واسطے بند گی

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ
دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ‌ۘ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى
اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ فِىۡ مَا هُمۡ فِيۡهِ
يَخۡتَلِفُوۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ هُوَ كٰذِبٌ
كَفَّارٌ ﴿٣﴾

٣۔ سنتا ہے اللہ ہی کیلئے ہے بند گی خالص [٢] اور جنہوں نے پکڑ رکھے ہیں اس سے ورے حمایتی کہ ہم تو ان کو پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں بیشک اللہ فیصلہ کر دے گا ان میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے ہیں [٣] البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اسکو جو ہو جھوٹا حق نہ ماننے والا[٤]

لَوۡ اَرَادَ اللّٰهُ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰى مِمَّا يَخۡلُقُ
مَا يَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ﴿٤﴾

٤۔ اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کر لے تو چن لیتا اپنی خلق میں جو کچھ چاہتا وہ پاک ہے[٥] وہی ہے اللہ اکیلا دباؤ والا[٦]

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيۡلَ
عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيۡلِ وَسَخَّرَ
الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا

٥۔ بنائے آسمان اور زمین ٹھیک لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر[٧] اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری ہوئی مدت پر سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا[٨]

هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۵﴾

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ
يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ
خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ
الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾

۶۔ بنایا تم کو ایک جی سے پھر بنایا اس سے اس کا جوڑا[۹] اور اتارے تمہارے واسطے چوپاؤں سے آٹھ نر مادہ[۱۰] بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر دوسری طرح کے پیچھے[۱۱] تین اندھیروں کے بیچ[۱۲] وہ اللہ ہے رب تمہارا اسی کا راج ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو[۱۳]

۱۔ چونکہ زبردست ہے اس لئے اس کتاب کے احکام پھیل کر اور نافذ ہو کر رہیں گے۔ کوئی مقابل و مزاحم اس کے شیوع و نفاذ کو روک نہیں سکتا۔ اور حکیم ہے اس لئے دنیا کی کوئی کتاب اس کی خوبیوں اور حکمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۲۔ خالص اللہ کی عبادت کرو: یعنی حسب معمول اللہ کی بندگی کرتے رہئے جو شوائب شرک و ریاء وغیرہ سے پاک ہو۔ اسی کی طرف قولاً و فعلاً لوگوں کو دعوت دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ اللہ اسی کی بندگی قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو عمل خالی از اخلاص کی اللہ کے ہاں کچھ پوچھ نہیں۔

۳۔ مشرکین کے حیلے اور اس کا جواب: عموماً مشرک لوگ یہ ہی کہا کرتے ہیں کہ ان چھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا سے نزدیک ہو جائیں گے۔ اور وہ ہم پر مہربانی کرے گا جس سے ہمارے کام بن جائیں گے اس کا جواب دیا کہ ان لچر پوچ حیلوں سے توحید خالص میں جو جھگڑے ڈال رہے ہو اور اہل حق سے اختلاف کر رہے ہو اس کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگے چل کر ہو جائے گا۔

۴۔ یعنی جس نے دل میں یہ ہی ٹھان لی کہ کبھی سچی بات کو نہ مانوں گا، جھوٹ اور حق ہی پر ہمیشہ اڑا رہوں گا۔ منعم حقیقی کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں ہی کی بندگی کروں گا۔ اللہ کی عادت ہے کہ ایسے بد باطن کو فوز و کامیابی کی راہ نہیں دیتا۔

۵۔ اللہ کی اولاد کے عقیدے کا عقلی رد: یہاں سے ان کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں کا ایک خدا مانتے ہیں۔ یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چنتا۔ کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اسی کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں۔ پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے اور جب مخلوق و خالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہو گا۔ علاوہ بریں فرض کیجئے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا جب مخلوق میں سے انتخاب کی ٹھہری تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لئے گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے دیتا۔

۶۔ یعنی ہر چیز اس کے سامنے دبی ہوئی ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں نہ کسی چیز کی اسے حاجت، پھر اولاد بنانا آخر کس غرض سے ہو گا۔

۷۔ دن رات کی تبدیلیاں: مغرب کے وقت مشرق کی طرف دیکھو، معلوم ہو گا کہ افق سے ایک چادر تاریکی کی اٹھتی چلی آرہی ہے اور اپنے آگے سے دن کی روشنی کو مغرب کی طرف صف کی طرح لپیٹتی جاتی ہے۔ اسی طرح صبح صادق کے وقت نظر آتا ہے کہ دن کا اجالا رات کی ظلمت کو مشرق سے دھکیلتا ہوا آرہا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ایک پر دوسرا چلا آتا ہے توڑا نہیں پڑتا۔

۸۔ اللہ کی قدرت کے مظاہر: یعنی اسی زبردست قدرت سے یہ انتظام قائم کیا اور تھام رکھا ہے لوگوں کی گستاخیاں اور شرارتیں تو ایسی ہیں کہ سب نظام درہم برہم کر دیا جائے۔ لیکن وہ بڑا بخشنے والا اور درگذر کرنے والا ہے اپنی شان عفو و مغفرت سے ایک دم ایسا نہیں کرتا۔

۹۔ یعنی آدمؑ اور ان کا جوڑا حضرت حوّاؑ۔

۱۰۔ یعنی تمہارے نفع اٹھانے کے لئے چوپایوں میں آٹھ نر و مادہ پیدا کئے۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری جن کا ذکر "سورہ انعام" میں گذر چکا۔

۱۱۔ انسان کی تخلیق: یعنی بتدریج پیدا کیا۔ مثلاً نطفہ سے علقہ بنایا، علقہ سے مضغہ بنایا، پھر ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت منڈھا، پھر روح پھونکی۔

۱۲۔ تین اندھیریاں: ایک پیٹ دوسرا رحم تیسری جھلی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے۔ وہ جھلی بچہ کے ساتھ نکلتی ہے۔

۱۳۔ توحید کی دلیل: یعنی جب خالق، رب، مالک اور مَلِک وہ ہی ہے تو معبود اس کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ خدائے واحد کے لئے ان صفات کا اقرار کرنے کے بعد دوسرے کی بندگی کیسی۔ مطلب کے اتنا قریب پہنچ کر کدھر پھرے جاتے ہو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

۷۔ اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پروا نہیں رکھتا تمہاری اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کا منکر ہونا[۱۴] اور اگر اس کا حق مانو گے تو اسکو تمہارے لئے پسند کرے گا[۱۵] اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا[۱۶] پھر اپنے رب کی طرف تم کو جانا ہے تو وہ جتلائے گا تم کو جو تم کرتے تھے مقرر اسکو خبر ہے دلوں کی بات کی[۱۷]

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸

۸۔ اور جب آ لگے انسان کو سختی پکارے اپنے رب کو رجوع ہو کر اسکی طرف پھر جب بخشے اسکو نعمت اپنی طرف سے بھول جائے اس کو کہ جس کے لئے پکار رہا تھا پہلے سے اور ٹھہرائے اللہ کی برابر اوروں کو تا کہ بہکائے اسکی راہ سے[۱۸] تو کہہ برت لے ساتھ اپنے کفر کے تھوڑے دنوں تو ہے دوزخ والوں میں[۱۹]

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحۡذَرُ
الۡاٰخِرَةَ وَ يَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى
الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۹ ع ۱ ۹ ۱۵

۹۔ بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہے[۲۰]

قُلۡ يٰعِبَادِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ
اَحۡسَنُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرۡضُ اللّٰهِ
وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَيۡرِ
حِسَابٍ ۱۰

۱۰۔ تو کہہ اے بندو میرے[۲۱] جو یقین لائے ہو ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں انکے لئے ہی ہے بھلائی[۲۲] اور زمین اللہ کی کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا ثواب بے شمار[۲۳]

۱۴۔ یعنی کافر بن کر اس کے انعامات و حقوق کا انکار کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے، اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفر سے راضی نہیں۔ اپنے بندوں کے کافر و منکر بننے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس چیز کو ان کے لئے ناپسند کرتا ہے۔

۱۵۔ اللہ شکر گذاری پسند کرتا ہے: یعنی بندے اس کا حق مان کر مطیع و شکر گذار بنیں۔ یہ بات اس کو پسند ہے جس کا نفع انہی کو پہنچتا ہے۔

۱۶۔ یعنی ناشکری کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے، ایسا اندھیر اس کے یہاں نہیں۔ جو کرے گا سو بھرے گا۔

۱۷۔ یعنی وہاں جا کر سب کے اچھے برے عمل سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ کوئی چھوٹا بڑا کام گم نہ ہو گا۔ کیونکہ خدا کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ دلوں کی تہ میں جو بات چھپی ہوئی ہو اسے بھی جانتا ہے۔

۱۸۔ انسان کی ناشکری کا حال: یعنی انسان کی حالت عجیب ہے مصیبت پڑے تو ہمیں یاد کرتا ہے، کیونکہ دیکھتا ہے کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔ پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے ذرا آرام و اطمینان نصیب ہوا معًاوہ پہلی حالت کو بھول جاتا ہے جس کے لئے ابھی ابھی ہم کو پکار رہا تھا۔ عیش و تنعم کے نشہ میں ایسا مست و غافل ہو جاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہیئے تھا۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

۱۹۔ یعنی اچھا۔ کافر رہ کر چند روز یہاں اور عیش اڑا لے۔ اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے۔ جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہو گا۔

۲۰۔ فرمانبردار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے: یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا۔ کبھی اس کے سامنے دست بستہ

کھڑا رہا، کبھی سجدہ میں گرا۔ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو بیقرار کئے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے۔ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں۔ ایسا ہوتا تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بیوقوف میں کچھ فرق نہ رہا۔ مگر اس بات کو بھی وہ ہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔

۲۱۔ یعنی اللہ کی طرف سے یہ پیام پہنچادو۔

۲۲۔ نیکی میں دنیا کی بھلائی بھی مضمر ہے: یعنی جس نے دنیا میں نیکی کی آخرت میں اس کے لئے بھلائی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس نے نیکی کی اس کو آخرت سے پہلے اسی دنیا میں بھلائی ملے گی ظاہری یا باطنی۔

۲۳۔ ہجرت کے فضائل: یعنی اگر ایک ملک میں لوگ نیک راہ چلنے سے مانع ہوں تو خدا کی زمین کشادہ ہے، دوسرے ملک میں چلے جاؤ۔ جہاں آزادی سے اس کے احکام بجالا سکو۔ بلاشبہ اس طرح ترک وطن کرنے میں بہت مصائب برداشت کرنا پڑیں گے اور طرح طرح کے خلاف عادت وطبیعت امور پر صبر کرنا پڑے گا۔ لیکن یاد رہے کہ بے شمار ثواب بھی ملے گا تو صرف کرنے والوں ہی کو ملے گا اس کے مقابلہ میں دنیا کی سب سختیاں اور تکلیفیں ہیچ ہیں۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں اللہ کی خالص کر کر اسکے لئے بندگی
وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ اور حکم ہے کہ میں ہوں سب سے پہلے حکم بردار[۲۴]
قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا ایک بڑے دن کے عذاب سے[۲۵]
قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں خالص کر کر اپنی بندگی اس کے واسطے
فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ اب تم پوجو جس کو چاہو اسکے سوائے[۲۶] تو کہہ بڑے ہارنے والے وہ جو ہار بیٹھے اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن سنتا ہے یہی ہے صریح ٹوٹا[۲۷]

لَهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ
ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ
فَاتَّقُوۡنِ ﴿١٦﴾

١٦۔ ان کے واسطے اوپر سے بادل ہیں آگ کے اور نیچے سے بادل [٢٨] اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو اے بندو میرے تو مجھ سے ڈرو [٢٩]

وَ الَّذِيۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ يَّعۡبُدُوۡهَا وَ
اَنَابُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿١٧﴾

١٧۔ اور جو لوگ بچے شیطانوں سے کہ انکو پوجیں اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف انکے لئے ہے خوشخبری [٣٠] سو توخوشی سنادے میرے بندوں کو

الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا
الۡاَلۡبَابِ ﴿١٨﴾

١٨۔ جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس پر جو اس میں نیک ہے [٣١] وہی ہیں جن کو رستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے [٣٢]

اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَيۡهِ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ ؕ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ
مَنۡ فِى النَّارِ ﴿١٩﴾

١٩۔ بھلا جس پر ٹھیک ہو چکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص کر سکے گا اسکو جو آگ میں پڑ چکا [٣٣]

لٰكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ غُرَفٌ مِّنۡ فَوۡقِهَا
غُرَفٌ مَّبۡنِيَّةٌ ۙ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ
وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ الۡمِيۡعَادَ ﴿٢٠﴾

٢٠۔ لیکن جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کے واسطے ہیں جھروکے ان کے اوپر اور جھروکے چنے ہوئے [٣٤] اور انکے نیچے بہتی ہیں ندیاں وعدہ ہو چکا اللہ کا اللہ نہیں خلاف کرتا اپنا وعدہ

٢٤۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے فرمانبردار بندے ہیں: چنانچہ آپ عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے اللہ کے سب سے پہلے حکمبردار بندے ہیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

٢٥۔ یعنی مجھ جیسا معصوم و مقرب بھی اگر بالفرض محال نافرمانی کرے تو اس دن کے عذاب سے مامون نہیں۔ تا بدیگراں چہ رسد۔

٢٦۔ یعنی میں تو خدا کے حکم کے موافق نہایت اخلاص سے اسی اکیلے کی بندگی کرتا ہوں۔ تم کو اختیار ہے۔ جس کی چاہو پوجا کرتے پھرو۔ ہاں اتنا سوچ لینا کہ انجام کیا ہو گا۔ آگے اسے کھولتے ہیں۔

۲۷۔ مشرکین ہی خاسرین ہیں: یعنی مشرکین نہ اپنی جان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے نہ اپنے گھر والوں کو سب کو جہنم کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ اس سے زیادہ خسارہ کیا ہو گا۔

۲۸۔ یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہو گی جیسے گھٹا چھا جاتی ہے۔

۲۹۔ یعنی سمجھ لو۔ یہ چیز ڈرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اللہ کے غضب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔

۳۰۔ یعنی جنہوں نے شیطانوں کا کہنا نہ مانا اور سب شرکاء سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے، ان کے لئے ہے بڑی بھاری خوشخبری۔

۳۱۔ اہل انابت کو خوشخبری: یعنی سب طرح کی باتیں سنتے ہیں۔ پھر ان میں جو بات اچھی ہو اس پر چلتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ خدا کی بات سنتے ہیں اور اس میں جو ہدایات اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً ایک چیز رخصت و اباحت کی سنی، دوسری عزیمت کی، تو عزیمت کی طرف جھپٹے ہیں۔ رخصتوں کا تتبع نہیں کرتے۔ یا یوں ترجمہ کرو کہ اللہ کا کلام سن کر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی ساری باتیں بہتر ہی ہیں۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک اور طرح اس کا مطلب بیان کیا ہے۔ "چلتے ہیں اس کے نیک پر۔ یعنی حکم پر چلنا کہ اس کو کرتے ہیں۔ اور منع پر چلنا کہ اس کو نہیں کرتے۔ اس کا کرنا نیک ہے۔ اس کا نہ کرنا نیک ہے"۔

۳۲۔ یعنی کامیابی کا راستہ ان ہی کو ملا ہے۔ کیونکہ انہوں نے عقل سے کام لے کر توحید خالص اور انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا۔

۳۳۔ یعنی جن پر ان کی ضد و عناد اور بد اعمالیوں کی بدولت عذاب کا حکم ثابت ہو چکا، کیا وہ کامیابی کا راستہ پا سکتے ہیں۔ بھلا ایسے بدبختوں کو جو شقاوت ازلی کے سبب آگ میں گر چکے ہوں، کون آدمی راہ پر لا سکتا ہے اور کون آگ سے نکال سکتا ہے۔

۳۴۔ جنت کے درجات: یہ جنت کے درجات کی طرف اشارہ ہوا۔ اور یہ کہ وہ سب تیار ہیں۔ نہ یہ کہ قیامت کے روز تیار کئے جائیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ
يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ
حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع ۲ | ۱۶

۲۱۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلا دیا وہ پانی چشموں میں زمین کے[۳۵] پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتی اس پر[۳۶] پھر آئے تیاری پر تو تو دیکھے اس کا رنگ زرد پھر کر ڈالتا ہے اسکو چورا چورا بیشک اس میں نصیحت ہے عقلمندوں کے واسطے[۳۷]

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ
مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ
اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے سو خرابی ہے انکو جن کے دل سخت ہیں اللہ کی یاد سے وہ پڑے پھرتے ہیں بھٹکتے صریح[۳۸]

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا
مَّثَانِىَ ۖۗ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ
رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ
ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ
يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب کی[۳۹] آپس میں ملتی دہرائی ہوئی[۴۰] بال کھڑے ہوئے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر[۴۱] یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اسکو کوئی نہیں سجھانے والا[۴۲]

۳۵۔ بارش اور پانی کے چشمے: یعنی بارش کا پانی پہاڑوں اور زمینیوں کے مسام میں جذب ہو کر چشموں کی صورت میں پھوٹ نکلتا ہے باقی اگر چشموں کے حدوث کا کوئی اور سبب بھی ہو، اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔

۳۶۔ یا مختلف قسم کی کھیتیاں مثلاً گیہوں چاول وغیرہ۔

۳۷۔ اہل عقل کیلئے سامان ہدایت: یعنی عقلمند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے کہ جس طرح اس کی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی، پھر چورا چورا کیا گیا۔ یہ ہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہو گا۔ چاہیئے کہ آدمی اس کی عارضی بہار پر مفتوں ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔ مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے۔ اور ہر ایک جزء سے منتفع ہونا بدون اس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء سے اس کو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچائیں۔ اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ اس میں نیکی، بدی، راحت، تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چورا چورا کیجائے۔ پھر اس میں سے ہر ایک جزء کو اس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، نیکی اور راحت اپنے مرکز و مستقر پر پہنچ جائے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے۔ غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقلمند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں نیز مضمون آیت میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کر دیے وہ ہی جنت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔

۳۸۔ مسلمان کیلئے اللہ کا نور: یعنی دونوں کہاں برابر ہو سکتے ہیں ایک وہ جس کا سینہ اللہ نے قبول اسلام کے لئے کھول دیا نہ اسے اسلام کے حق ہونے میں کچھ شک وشبہ ہے نہ احکام اسلام کی تسلیم سے انقباض۔ حق تعالیٰ نے اس کو توفیق و بصیرت کی ایک عجیب روشنی عطا فرمائی جس کے اجالے میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اللہ کے راستہ پر اڑا چلا جا رہا ہے۔ دوسرا وہ بدبخت جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو، نہ کوئی نصیحت اس پر اثر کرے نہ خیر کا کوئی قطرہ اس کے اندر گھسے، کبھی خدا کی یاد کی توفیق نہ ہو۔ یوں ہی اوہام واہوا اور رسوم و تقلید آباء کی اندھیریوں میں بھٹکتا پھرے۔

۳۹۔ یعنی دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں۔

۴۰۔ متشابہ مثانی آیات: یعنی صحیح، صادق، مضبوط، نافع، معقول اور فصیح و بلیغ ہونے میں کوئی آیت کم نہیں۔ ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے، مضامین میں کوئی اختلاف و تعارض نہیں۔ بلکہ بہت سی آیات کے مضامین ایسے متشابہ واقع ہوئے ہیں کہ ایک آیت کو دوسری کی طرف لوٹانے

سے صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی ہے۔ القرآن یفسر بعضہ بعضًا اور "مثانی" یعنی دہرائی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے احکام اور مواعظ و قصص کو مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تا اچھی طرح دلنشین ہو جائیں، نیز تلاوت میں بار بار آیتیں دہرائی جاتی ہیں اور بعض علماء نے "تشابہ" و "مثانی" کا مطلب یہ لیا ہے کہ بعض آیات میں ایک ہی طرح کے مضمون کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے وہ تشابہ ہوئیں اور بعض جگہ ایک نوعیت کے مضمون کے ساتھ دوسرے جملہ میں اس کے مقابل کی نوعیت کا مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ۔ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (الانفطار۔ ۱۳،۱۴) یَانَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (الحجر۔ ۴۹،۵۰) یاوَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (آل عمران۔ ۳۰)۔ ایسی آیات کو مثانی کہیں گے کہ ان میں دو مختلف قسم کے مضمون بیان ہوئے۔

۴۱۔ قرآنی آیات کی تاثیر: یعنی کتاب اللہ سن کر اللہ کے خوف اور اس کے کلام کی عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ خوف و رعب کی کیفیت طاری ہو کر ان کا قلب و قالب اور ظاہر و باطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے اور اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے یہ حال اقویائے کاملین کا ہوا۔ اگر کبھی ضعفاء و ناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات و احوال طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔ اور نہ ان کی تفصیل ان پر لازم آتی ہے۔ بلکہ اس طرح از خود رفتہ اور بے قابو ہو جانا عموماً وارد کی قوت اور مورد کے ضعف کی دلیل ہے۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان کرتے وقت ابو ہریرہؓ پر اس قسم کے بعض احوال کا طاری ہونا مُصرّح ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۲۔ یعنی جس کے لئے حکمت الٰہی مقتضی ہو اس طرح کامیابی کے راستے کھول دیے جاتے ہیں اور اس شان سے منزل مقصود کی طرف لے چلتے ہیں۔ اور جس کو سوء استعداد کی وجہ سے خدا تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہ دے۔ آگے کون ہے جو اس کی دستگیری کر سکے۔

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ بھلا ایک وہ جو روکتا ہے اپنے منہ پر عذاب دن قیامت کے اور کہے گا بے انصافوں کو چکھو جو تم کماتے تھے[۴۳]

كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے اگلے پھر پہنچا ان پر عذاب ایسی جگہ سے کہ انکو خیال بھی نہ تھا۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر چکھائی انکو اللہ نے رسوائی دنیا کی زندگی میں اور عذاب آخرت کا تو بہت ہی بڑا ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی[۴۴]

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ ۚ

۲۷۔ اور ہم نے بیان کی لوگوں کے واسطے اس قرآن میں سب چیز کی مثل تا کہ وہ دھیان کریں

قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا غَيۡرَ ذِىۡ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تا کہ وہ بچ کر چلیں [۴۵]

۴۳۔ آخرت میں ظالموں پر عذاب: آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے سے کوئی حملہ ہو تو ہاتھوں پر روکتا ہے۔ لیکن محشر میں ظالموں کے ہاتھ بندھے ہوں گے، اس لئے عذاب کی تھپیڑیں سیدھی منہ پر پڑیں گی۔ تو ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ اب اس کام کا مزہ چکھ جو دنیا میں کیا تھا کیا اس مومن کی طرح ہو سکتا ہے جسے آخرت میں کوئی تکلیف اور گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں، اللہ کے فضل سے مطمئن اور بے فکر ہے۔ ہرگز نہیں۔

۴۴۔ پچھلی قوموں کی تکذیب اور ہلاکت: یعنی بہت قومیں تکذیب انبیاء کی بدولت دنیا میں ہلاک اور رسوا کی جا چکی ہیں اور آخرت کا اشد عذاب جوں کا توں رہا۔ تو کیا موجودہ مکذبین مطمئن ہیں کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ ہاں سمجھ ہوتی تو کچھ فکر کرتے۔

۴۵۔ قرآن میں کوئی کجی نہیں: یعنی ان کا نہ سمجھنا اپنی غفلت اور حماقت سے ہے۔ قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں۔ قرآن تو بات بات کو مثالوں اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے تا لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں۔ قرآن ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ اس میں کوئی ٹیڑھی بات نہیں۔ سیدھی اور صاف باتیں ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ کسی طرح کا اختلال اور کجی اس کے مضامین یا عبارت میں نہیں۔ جن باتوں کو منوانا چاہتا ہے، نہ ان کا ماننا مشکل اور جن چیزوں پر عمل کرانا چاہتا ہے نہ ان پر عمل کرنا محال، غرض یہ ہے کہ لوگ بسہولت اس سے مستفید ہوں۔ اعتقادی و عملی غلطیوں سے بچ کر چلیں۔ اور صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيۡهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوۡنَ
وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ۚ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اللہ نے بتلائی ایک مثل ایک مرد ہے کہ اس میں شریک ہیں کئی ضدی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کیا برابر ہوتی ہیں دونوں مثل [۴۶] سب خوبی اللہ کے لئے ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے [۴۷]

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمۡ مَّيِّتُوۡنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں

ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ
تَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۳۱﴾ ع

۳۱۔ پھر مقرر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑو گے [۴۸]

ع ۳ / ۱۷

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ
بِالصِّدۡقِ اِذۡ جَآءَهٗ ؕ اَلَيۡسَ فِىۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًى
لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون جس نے جھوٹ بولا اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس کے پاس کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ منکروں کا[۴۹]

وَ الَّذِىۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓـئِكَ هُمُ
الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ مانا جس نے اسکو وہی لوگ ہیں ڈر والے[۵۰]

لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۴﴾ ۚۖ

۳۴۔ ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہ ہے بدلا نیکی والوں کا

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا وَ يَجۡزِيَهُمۡ
اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ تا کہ اتار دے اللہ ان پر سے برے کام جو انہوں نے کئے تھے اور بدلہ میں دے ان کو ثواب بہتر کاموں کا جو وہ کرتے تھے[۵۱]

۴۶۔ **شرک اور توحید کی ایک بلیغ مثال:** یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہیں اور ہر حصہ دار اتفاق سے کج خلق، بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہے، چاہتا ہے کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے دوسرے شرکاء سے سروکار نہ رکھے اس کھینچ تان میں ظاہر ہے غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا۔ برخلاف اس کے جو غلام پورا ایک کا ہو، اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی اور کئی آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مشرک اور موحد کو سمجھ لو۔ مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات خیالات اور دوادوش کا ایک مرکز ہے۔ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس کے خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔ اکثر مفسرین نے اس مثال کی تقریر اسی طرح کی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ایک غلام جو کئی کا ہو کوئی اس کو اپنا نہ سمجھے، تو اس کی پوری خبر نہ لے اور ایک غلام جو سارا ایک کا ہو، وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے یہ مثال ہے ان کی جو ایک رب کے بندے ہیں، اور جو کئی رب کے بندے ہیں"۔

۴۷۔ یعنی سب خوبی اللہ کے لئے ہے کہ کیسے اعلیٰ مطالب و حقائق کو کیسی صاف اور دلنشین امثال و شواہد سے سمجھا دیتے ہیں مگر اس پر بھی بہت بدنصیب ایسے ہیں جو ان واضح مثالوں کے سمجھنے کی توفیق نہیں پاتے۔

۴۸۔ **قیامت میں لوگوں کا جھگڑا:** یعنی جیسے مشرک اور موحد میں جو اختلاف ہے اس کا اثر قیامت کے دن علیٰ رؤس الاشہاد ظاہر ہو گا جس وقت

پیغمبر اور امتی سب اکٹھے کئے جائیں گے اور کفار، انبیاء اور مومنین کے مقابلہ میں جھگڑے اور حجتیں نکالیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کافر منکر ہوں گے کہ ہم کو کسی نے حکم نہیں پہنچایا۔ پھر فرشتوں کی گواہی اور زمین و آسمان کی اور ہاتھ پاؤں کی گواہی سے ثابت ہو گا"۔ کہ اس ادعاء میں جھوٹے ہیں اسی طرح دوسرے تمام جھگڑوں کا فیصلہ بھی اس دن پروردگار کے سامنے ہو گا۔ بہتر یہ ہی ہے کہ لفظ "اختصام" کو عام رکھا جائے تا احادیث و آثار کے خلاف نہ ہو۔

۴۹۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والا سب سے بڑا ظالم ہے: اللہ پر جھوٹ بولا یعنی اس کے شریک ٹھہرائے یا اولاد تجویز کی، یا وہ صفات اسکی طرف منسوب کیں۔ جو واقع میں اس کے لائق نہ تھیں۔ اور جھٹلایا اچھی بات کو جب پہنچی اس کے پاس یعنی انبیاء علیہم السلام جو سچی باتیں خدا کی طرف سے لائے انکو سنتے ہی جھٹلانے لگا۔ سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارہ نہ کی۔ بلاشبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے اور ایسے ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا اور کہاں ہو گا۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اگر نبی نے (معاذ اللہ) جھوٹ خدا کا نام لیا تو اس سے برا کون۔ اور اگر وہ سچا تھا اور تم نے جھٹلایا۔ تم سے برا کون"۔ گویا مِمَّنۡ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ وَکَذَّبَ بِالصِّدۡقِ کا مصداق الگ الگ قرار دیا۔ اور ایسا ہی آگے وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ الخ میں آتا ہے۔

۵۰۔ متقی کون ہیں: یعنی خدا سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں، ہمیشہ سچ کی تصدیق کریں۔ حضرت شاہ صاحبؒ" لکھتے ہیں جو سچی بات لیکر آیا وہ نبی، اور جس نے سچ مانا وہ مومن ہے"۔ گویا دونوں جملوں کا مصداق علیحدہ ہے۔

۵۱۔ محسنین کا اجر: یعنی اللہ تعالیٰ متقین و محسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو برا کام ہو گیا وہ معاف کرے گا (تنبیہ) شاید اَسۡوَاَ اور اَحۡسَنِ (صیغہ تفضیل) اس لئے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں سے اور ادنیٰ برائی اوروں کی برائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ وَ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ﴿ۚ۳۶﴾

۳۶۔ کیا اللہ بس نہیں اپنے بندہ کو اور تجھ کو ڈراتے ہیں ان سے جو اس کے سوائے ہیں اور جسکو راہ بھلائے اللہ تو کوئی نہیں اسکو راہ دینے والا

وَ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور جسکو راہ سجھائے اللہ تو کوئی نہیں اسکو بھلانے والا کیا نہیں ہے اللہ زبردست بدلہ لینے والا [۵۲]

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ قُلۡ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ اَرَادَنِیَ اللّٰہُ بِضُرٍّ ہَلۡ ہُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّہٖۤ اَوۡ اَرَادَنِیۡ بِرَحۡمَۃٍ ہَلۡ ہُنَّ مُمۡسِکٰتُ رَحۡمَتِہٖ

۳۸۔ اور جو تو ان سے پوچھے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوائے اگر چاہے اللہ مجھ پر کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اسکی ڈالی ہوئی یا وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اسکی مہربانی کو تو کہہ مجھ کو بس ہے اللہ اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے

ۘ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ ؕ عَلَیْہِ یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

والے [۵۳]

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿ۙ۳۹﴾

۳۹۔ تو کہہ اے قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لوگے

مَنْ یَّاْتِیْہِ عَذَابٌ یُّخْزِیْہِ وَ یَحِلُّ عَلَیْہِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ کس پر آتی ہے آفت کہ اس کو رسوا کرے اور اترتا ہے اس پر عذاب سدا رہنے والا [۵۴]

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اہْتَدٰی فَلِنَفْسِہٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْہَا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِوَکِیْلٍ ﴿ع ۴۱﴾

۴۱۔ ہم نے اتاری ہے تجھ پر کتاب لوگوں کے واسطے سچے دین کے ساتھ پھر جو کوئی راہ پر آیا سو اپنے بھلے کو اور جو کوئی بہکا سو یہی بات ہے کہ بہکا اپنے برے کو اور تو ان کا ذمہ دار نہیں [۵۵]

ع ۴ / ۱

۵۲۔ دیوتاؤں کے مقابلے میں اللہ کافی ہے: چند آیات پہلے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَآءُ الخ میں شرک کا رد اور مشرکین کا جہل بیان کیا گیا تھا۔ اس پر مشرکین پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے کہ دیکھو تم ہمارے دیوتاؤں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلاؤ۔ کہیں تم کو (معاذ اللہ) بالکل خبطی اور پاگل نہ بنا دیں۔ اس کا جواب دیا کہ جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا، اسے ان عاجز اور بے بس خداؤں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اس عزیز منتقم کی امداد و حمایت اس کو کافی نہیں جو کسی دوسرے سے ڈرے یا لو لگائے یہ بھی ان مشرکین کا خبط وضلال اور مستقل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہیں۔

ہدایت اور گمراہی صرف اللہ کی طرف سے ہے: سچ تو یہ ہے کہ ٹھیک راستہ پر لگا دینا یا نہ لگانا سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جب کسی شخص کو اس کی بدتمیزی اور کجروی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کامیابی کا راستہ نہ دے، وہ اسی طرح خبطی اور پاگل ہو جاتا ہے اور موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی قوت بھی اس میں نہیں رہتی۔ کیا ان احمقوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ جو بندہ خداوند قدوس کی پناہ میں آ گیا، کونسی طاقت ہے جو اس کا بال بینکا کر سکے۔ جو طاقت مقابل ہوگی پاش پاش کر دی جائے گی۔ غیرت خداوندی مخلص وفاداروں کا بدلہ لئے بدون نہ چھوڑے گی۔

۵۳۔ اللہ کے نفع وضرر کو کوئی نہیں ٹال سکتا: یعنی ایک طرف تو خداوند قدوس جو تمہارے اقرار کے موافق تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بیجان مورتیں یا عاجز مخلوق جو سب ملکر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف وراحت کو اس کی جگہ سے نہ ہٹا سکے۔ تم ہی بتاؤ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے حضرت ہودؑ کی قوم نے بھی کہا تھا۔ اِنْ نَّقُوْلُ

اِلَّا اعۡتَرٰىكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ (ہود۔۵۴) جس کا جواب حضرت ہودؑ نے یہ دیا۔ اِنِّىۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ۔ مِنۡ دُوۡنِهٖ فَكِيۡدُوۡنِىۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ اِنِّىۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (ہود۔۵۶،۵۵،۵۴) اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّىۡ شَيۡـــًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّىۡ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۔ وَكَيۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (انعام ۸۱،۸۰)

۵۴۔ غالب کون مومن یا مشرک: یعنی عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ خدائے واحد کا بندہ غالب آتا ہے یا صدہا دروازوں کے بھکاری کامیاب ہوتے ہیں۔ واقعات جلد بتلادیں گے کہ جو بندہ اللہ کی حمایت اور پناہ میں آیا اس کا مقابلہ کرنے والے آخرکار سب ذلیل و خوار ہوئے (تنبیہ) عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ سے دنیا کا اور عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ سے آخرت کا عذاب مراد ہے واللہ اعلم۔

۵۵۔ انسان کا نفع اور نقصان واضح ہے: یعنی تیری زبان پر اس کتاب کے ذریعہ سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک بتلا دیا گیا۔ آگے ہر ایک آدمی اپنا نفع و نقصان سوچ لے نصیحت پر چلے گا تو اسی کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ تجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئے۔ صرف پیغام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا کے سپرد کر دیجئے جس کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور سلانا جگانا سب کچھ ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا ۚ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو انکے مرنے کا اور جو نہیں مریں انکو کھینچ لیتا ہے انکی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو دھیان کریں[۵۶]

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلۡ اَوَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَمۡلِكُوۡنَ شَيۡـــًٔا وَّلَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اللہ کے سوائے کوئی سفارش والے[۵۷] تو کہہ اگرچہ ان کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا اور نہ سمجھ[۵۸]

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيۡعًا ؕ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ تو کہہ اللہ کے اختیار میں ہے ساری سفارش اسی کا راج ہے آسمان اور زمین میں پھر اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے[۵۹]

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِيۡنَ لَا

۴۵۔ اور جب نام لیجئے خالص اللہ کا رک جاتے ہیں دل

يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِذَا هُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾

انکے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا اور جب نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا تب وہ لگیں خوشیاں کرنے [۶۰]

۵۶۔ موت اور نیند کی حقیقت: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر (واپس) بھیجتا ہے۔ یہ ہی نشان ہے آخرت کا۔ معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے۔ جیسے موت میں۔ اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی وہ ہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو (ظاہر) ہوش کہتے ہیں۔ اور ایک جان جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے سو دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھینچتی (موضح القرآن) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہ ہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۷۔ بتوں کی سفارش ایک وہم ہے: یعنی بتوں کی نسبت مشرکین دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی ہیں۔ ان ہی کی سفارش سے کام بنتے ہیں۔ اسی لئے انکی عبادت کی جاتی ہے۔ سو اول تو شفیع ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرے شفیع بھی وہ بن سکتا ہے جسے اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو اور صرف اس کے حق میں شفاعت کر سکتا ہے جس کو خدا پسند کرے۔ خلاصہ یہ کہ شفیع کا ماذون ہونا اور مشفوع کا مرتضٰی ہونا ضروری ہے۔ یہاں دونوں باتیں نہیں۔ نہ اصنام (بتوں) کا ماذون ہونا ثابت ہے نہ کفار کا مرتضٰی ہونا۔ لہذا ان کا دعویٰ غلط ہوا۔

۵۸۔ یعنی بتوں کو نہ اختیار ہے نہ سمجھ، پھر انکو شفیع ماننا عجیب ہے۔

۵۹۔ ساری سفارش اللہ کے اختیار میں ہے: یعنی فی الحال بھی زمین و آسمان میں اسی کی سلطنت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے تو اس کی اجازت وخوشنودی کے بغیر کس کی مجال ہے جو زبان ہلا سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی اللہ کے روبرو سفارش ہے پر اللہ کے حکم سے، نہ تمہارے کہے سے۔ جب موت آئے کسی کے کہے سے عزرائیل نہیں چھوڑتا۔

۶۰۔ توحید کے ذکر پر مشرک کا انقباض: مشرک کا خاصّہ ہے کہ گو بعض وقت زبان سے اللہ کی عظمت و محبت کا اعتراف کرتا ہے، لیکن اس کا دل اکیلے خدا کے ذکر اور حمد و ثنا سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے جس کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہی حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت و عظمت اور اس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو چہروں پر انقباض کے آثار ظاہر ہوتے ہیں مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آجائے اور جھوٹی سچی کرامات اناپ شناپ بیان کر دی جائیں وہ چہرے کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت وانبساط جوش مارنے لگتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ وہو المستعان۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عٰلِمَ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ اَنۡتَ تَحۡكُمُ بَيۡنَ عِبَادِكَ فِىۡ مَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ تو کہہ اے اللہ پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمین کے جاننے والے چھپے اور کھلے کے تو ہی فیصلہ کرے اپنے بندوں میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے تھے [۶۱]

وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ
مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا
يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور اگر گنہگاروں کے پاس ہو جتنا کچھ کہ زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اور اسکے ساتھ تو سب دے ڈالیں اپنے چھڑوانے میں بری طرح کے عذاب سے دن قیامت کے اور نظر آئے انکو اللہ کی طرف سے جو خیال بھی نہ رکھتے تھے

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور نظر آئیں ان کو برے کام اپنے جو کماتے تھے اور الٹ پڑے ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے [۶۲]

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ
نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ
هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ سو جب آ لگتی ہے آدمی کو کچھ تکلیف ہم کو پکارنے لگتا ہے [۶۳] پھر جب ہم بخشیں اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت کہتا ہے یہ تو مجھ کو ملی کہ پہلے سے معلوم تھی [۶۴] کوئی نہیں یہ جانچ ہے پر وہ بہت سے لوگ نہیں سمجھتے [۶۵]

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ کہہ چکے ہیں یہ بات ان سے اگلے پھر کچھ کام نہ آیا انکو جو کماتے تھے

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَ مَا
هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ پھر پڑ گئیں ان پر برائیاں جو کمائی تھیں [۶۶] اور جو گنہگار ہیں ان میں سے ان پر بھی اب پڑتی ہیں برائیاں جو کمائی ہیں اور وہ نہیں تھکانے والے [۶۷]

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۵ ۱۱ ۲

۵۲۔ اور کیا نہیں جان چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے البتہ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کے واسطے جو مانتے ہیں [۶۸]

۶۱۔ یعنی جب ایسی موٹی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگے اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں باقی نہ رکھا تو اب تیرے ہی سے فریاد ہے۔ تو ہی ان جھگڑوں کا عملی فیصلہ فرمائے گا۔

۶۲۔ آخرت میں مال کام نہیں آئے گا: یعنی جب قیامت کے دن ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا اس وقت جو ظالم شرک کر کے خدا تعالیٰ کی شان گھٹاتے تھے ان کا سخت برا حال ہو گا۔ اگر اس روز فرض کیجئے کل روئے زمین کے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد انکے پاس موجود ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑا لیں، جو بدمعاشیاں دنیا میں کی تھیں سب ایک ایک کر کے ان کے سامنے ہوں گی۔ اور ایسے قسم قسم کے ہولناک عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے خیال و گمان میں بھی نہ گذرے تھے۔ غرض توحید خالص اور دین حق سے جو ٹھٹھا کرتے تھے اس کا وبال پڑ کر رہے گا۔ اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔

۶۳۔ خوشی و تکلیف میں مشرکین کی دو عملی: یعنی جس کے ذکر سے چڑتا تھا مصیبت کے وقت اسی کو پکارتا ہے اور جس کے ذکر سے خوش ہوتا تھا انہیں بھول جاتا ہے۔

۶۴۔ یعنی قیاس یہ ہی چاہتا تھا کہ یہ نعمت مجھ کو ملے۔ کیونکہ مجھ میں اس کی لیاقت تھی اور اس کی کمائی کے ذرائع کا علم رکھتا تھا اور خدا کو میری استعداد و اہلیت معلوم تھی، پھر مجھے کیوں نہ ملتی۔ غرض اپنی لیاقت اور عقل پر نظر کی، اللہ کے فضل و قدرت پر خیال نہ کیا۔

۶۵۔ نعمت امتحان ہے: یعنی ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ بندہ اسے لیکر کہاں تک منعم حقیقی کو پہنچانتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اگر ناشکری کی گئی تو یہ ہی نعمت نقمت بن کر وبال جان ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں "یہ جانچ ہے کہ عقل اس کی دوڑنے لگتی ہے تا اپنی عقل پر بہکے۔ وہ ہی عقل رہتی ہے اور آفت آ پہنچتی ہے" پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔

۶۶۔ چنانچہ قارون نے یہ ہی کیا تھا۔ اس کا جو حشر ہوا وہ پہلے گذر چکا۔

۶۷۔ یعنی جیسے پہلے مجرموں پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا، موجود الوقت مشرکین پر بھی پڑنے والا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ انکو سزا دینا چاہے گا یہ روپوش ہو کر یا اور کسی تدبیر سے اسکو تھکا نہیں سکتے۔

۶۸۔ فراخی و تنگی مقبولیت کا معیار نہیں: یعنی دنیا میں محض روزی کا کشادہ یا تنگ ہونا کسی شخص کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ نہ روزی کا ملنا کچھ عقل و ذہانت اور علم و لیاقت پر منحصر ہے۔ دیکھ لو کتنے بیوقوف یا بدمعاش چین اڑا رہے ہیں، اور کتنے عقلمند اور نیک آدمی فاقے کھینچتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی عقل دوڑانے اور تدبیر کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا پھر ایک کو روزی کشادہ ہے، ایک کو تنگ۔ جان لو کہ (صرف) عقل کا کام نہیں (کہ اپنے اوپر روزی کشادہ کر لے) بلکہ یہ تقسیم رزاق حقیقی کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔

قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ کہہ دے اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک اللہ بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف کرنے والا مہربان [۶۹]

وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَہٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ

۵۴۔ اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اسکی

يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

حکمبرداری کرو پہلے اس سے کہ آئے تم پر عذاب پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا[۷۰]

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا
تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور چلو بہتر بات پر جو اتری تمہاری طرف تمہارے رب سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب اچانک اور تمکو خبر نہ ہو[۷۱]

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ
جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ کہیں کہنے لگے کوئی جی اے افسوس اس بات پر کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف سے اور میں تو ہنستا ہی رہا[۷۲]

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ یا کہنے لگے اگر اللہ مجھ کو راہ دکھاتا تو میں ہوتا ڈرنے والوں میں[۷۳]

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ
مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ یا کہنے لگے جب دیکھے عذاب کو کسی طرح مجھ کو پھر جانا ملے تو میں ہو جاؤں نیکی والوں میں[۷۴]

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ
وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ کیوں نہیں پہنچ چکے تھے تیرے پاس میرے حکم پھر تو نے انکو جھٹلایا اور غرور کیا اور تو تھا منکروں میں[۷۵]

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ
وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور قیامت کے دن تو دیکھے انکو جو جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر کہ ان کے منہ ہوں سیاہ[۷۶] کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ غرور والوں کا[۷۷]

وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور بچائے گا اللہ انکو جو ڈرتے رہے انکے بچاؤ کی جگہ نہ لگے انکو برائی اور نہ وہ غمگین ہوں [۶۸]

۶۹۔ اللہ کی بے پایاں رحمت کا اعلان: یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگذر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اکسیر شفا کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، بدمعاش، فاسق، فاجر کوئی ہو آیت ہذا کو سننے کے بعد خدا کی رحمت سے بالکلیہ مایوس ہو جانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لئے کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اللہ جس کے چاہے سب گناہ معاف کر سکتا ہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ پھر بندہ ناامید کیوں ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے دوسرے اعلانات میں تصریح کر دی گئی کہ کفر و شرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا کو لِمَنْ يَّشَآءُ کے ساتھ مقید سمجھنا ضروری ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (نساء۔ ۴۸) اس تقلید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدون توبہ کے اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کر سکے اور نہ یہ مطلب ہوا کہ کسی جرم کے لئے توبہ کی ضرورت ہی نہیں بدون توبہ کے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ قید صرف مشیت کی ہے اور مشیت کے متعلق دوسری آیات میں بتلا دیا گیا کہ وہ کفر و شرک سے بدون توبہ کے متعلق نہ ہوگی۔ چنانچہ آیہ ہذا کی شان نزول بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت کے فائدے سے معلوم ہوگا۔

۷۰۔ توبہ وانابت کا حکم: مغفرت کی امید دلا کر یہاں سے توبہ کی طرف متوجہ فرمایا۔ یعنی گذشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اللہ کے بے پایاں جود و کرم سے شرما کر کفر و عصیان کی راہ چھوڑو، اور اس رب کریم کی طرف رجوع ہو کر اپنے کو بالکلیہ اسی کے سپرد کر دو۔ اس کے احکام کے سامنے نہایت عجز واخلاص کے ساتھ گردن ڈال دو۔ اور خوب سمجھ لو کہ حقیقت میں نجات محض اسکے فضل سے ممکن ہے۔ ہمارا رجوع وانابت بھی بدون اس کے فضل و کرم کے میسر نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کیا۔ جو کفار دشمنی میں لگے رہے تھے سمجھے کہ لاریب اس طرف اللہ ہے۔ یہ سمجھ کر اپنی غلطیوں پر پچھتائے لیکن شرمندگی سے مسلمان نہ ہوئے کہ اب ہماری مسلمانی کیا قبول ہوگی۔ دشمنی کی، لڑائیاں لڑے اور کتنے خدا پرستوں کے خون کئے تب اللہ نے یہ فرمایا کہ ایسا گناہ کوئی نہیں جس کی توبہ اللہ قبول نہ کرے، ناامید مت ہو، توبہ کرو اور رجوع ہو، بخشے جاؤ گے مگر جب سر پر عذاب آیا یا موت نظر آنے لگی اس وقت کی توبہ قبول نہیں۔ نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔

۷۱۔ عذاب سے پہلے قرآن کی اطاعت کرو: بہتر بات سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی قرآنی ہدایات پر چل کر عذاب آنے سے پہلے اپنے مستقبل کی روک تھام کر لو، ورنہ معائنہ عذاب کے بعد کچھ تدارک نہ ہو سکے گا نہ کوئی تدبیر بن پڑے گی عذاب الٰہی اس طرح ایک دم آدبائے گا کہ خبر بھی نہ ہوگی کہاں سے آ گیا۔

۷۲۔ محشر میں کفار کی ندامت: یعنی ہوا و ہوس، رسم تقلید اور دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس کے دین کی اور پیغمبروں کی اور جس ہولناک انجام سے پیغمبر ڈرایا کرتے تھے، سب کی ہنسی اڑاتا رہا۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھی۔ افسوس خدا کے پہچاننے اور اس کا حق ماننے میں میں نے کس قدر کوتاہی کی۔ جس کے نتیجہ میں آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا۔ (یہ بات کافر محشر میں کہے گا اور اگر آیت کا مضمون کفار وعصاۃ کو عام رکھا جائے تو اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ کے معنی عَمِلْتُ عَمَلَ سَاخِرٍ مُسْتَهْزِءٍ کے ہوں گے۔ کما فسّرہ ابن کثیرؒ۔

۷۳۔ جب حسرت وافسوس سے کام نہ چلے گا تو اپنا دل بہلانے کے لئے یہ عذر لنگ پیش کرے گا کہ کیا کہوں خدا نے مجھ کو ہدایت نہ کی۔ وہ ہدایت کرنا چاہتا تو میں بھی آج متقین کے درجہ میں پہنچ جاتا۔ اس کا جواب آگے آتا ہے۔ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ الخ اور ممکن ہے یہ کلام بطریق

اعتذار واحتجاج نہ ہو بلکہ محض اظہار یاس کے طور پر ہو۔ یعنی میں اپنی سوء استعداد اور بد تمیزی کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اللہ مجھ کو راہ دکھا کر منزل مقصود تک پہنچادیتا۔ اگر مجھ میں اہلیت واستعداد ہوتی اور اللہ میری دستگیری فرماتا تو میں بھی آج متقین کے زمرہ میں شامل ہوتا۔

۷۴۔ دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا: جب حسرت اور اعتذار دونوں بیکار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا اس وقت شدت اضطراب سے کہے گا کہ کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو دیکھو میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔

۷۵۔ کفار کی یہ تمنا بھی غلط ہے: یعنی غلط کہتا ہے۔ کیا اللہ نے راہ نہیں دکھلائی تھی اور اپنے پیغمبروں کو نشانات اور احکام دیکر نہیں بھیجا تھا مگر تو نے تو ان کی کوئی بات ہی نہیں سنی۔ جو کچھ کہا گیا غرور اور تکبر سے اسے جھٹلاتا رہا تیری شیخی قبول حق سے مانع رہی۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ کو ازل سے معلوم تھا کہ تو اس کی آیات کا انکار کرے گا۔ اور تکبر و سرکشی سے پیش آئے گا، تیرے مزاج اور طبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے۔ اگر ہزار مرتبہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تب بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آسکتا۔ وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ (انعام۔۲۸) ایسے لوگوں کی نسبت خدا کی عادت نہیں کہ انکو عروس کامیابی سے ہمکنار کرے۔

۷۶۔ قیامت میں مکذبین کے چہرے کالے ہوں گے: اللہ کی طرف سے جو سچی بات آئے اسکو جھٹلانا یہ ہی اللہ پر جھوٹ بولنا ہے۔ کیونکہ جھٹلانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ واقع میں کہی ہے اس جھوٹ کی سیاہی قیامت کے دن ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔

۷۷۔ تکبر کا ٹھکانہ دوزخ ہے: پہلے فَكَذَّبۡتَ بِهَا وَاسۡتَكۡبَرۡتَ میں دو صفتیں کافر کی بیان ہوئی تھیں۔ تکذیب جو مشتمل ہے کذب پر اور استکبار و غرور یہاں بتلادیا کہ کذب و دروغ سے ان کے منہ کالے ہوں گے اور غرور و تکبر کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا کہیں نہیں۔

۷۸۔ متقین کا انجام: یعنی اللہ تعالیٰ متقین کو انکے ازلی فوز وسعادت کی بدولت کامیابی کے اس بلند مقام پر پہنچائے گا جہاں ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ اور ہر طرح کے فکر و غم سے آزاد ہوں۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیۡءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ وَّكِیۡلٌ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر چیز کا ذمہ لیتا ہے

لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ع ۶ ۱۱ ۲

۶۳۔ اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے [۷۹]

قُلۡ اَفَغَیۡرَ اللّٰهِ تَاۡمُرُوۡٓنِّیۡۤ اَعۡبُدُ اَیُّهَا الۡجٰهِلُوۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ تو کہہ اب اللہ کے سوائے کسی کو بتلاتے ہو کہ پوجوں اے نادانو [۸۰]

وَ لَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے اگلوں کو کہ اگر تو نے شریک مان لیا تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو گا ٹوٹے میں پڑا

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

٦٦۔ نہیں بلکہ اللہ ہی کو پوج اور رہ حق ماننے والوں میں [۸۱]

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے [۸۲] اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اسکی دن قیامت کے اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں اسکے داہنے ہاتھ میں وہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں [۸۳]

۷۹۔ کفر کرنے والے ہی گھاٹے میں ہیں: یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد اس کی بقاء و حفاظت کا ذمہ دار بھی وہ ہی ہوا اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف و اقتدار بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ سب خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ پھر ایسے خدا کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے۔ چاہئے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے۔ کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اسی کے زیر تصرف ہیں۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی کسی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے۔

۸۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک کی دعوت اور اس کا جواب: یعنی انتہائی نادانی اور حماقت و جہالت یہ ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرے اور پیغمبر خدا سے (معاذ اللہ) یہ طمع رکھے کہ وہ اس کے راستہ پر آ جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ کو اپنے دیوتاؤں کی طرف بلایا تھا، اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

۸۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت: یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا، باقی رکھنا، اور ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اس کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور ادیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بُطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ (آخرت میں) مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان و خسران کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اس کا شکر گذار و وفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت و جلال کو سمجھے۔ عاجز و حقیر مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔ اسکو اسی طرح بزرگ و برتر مانے جیسا وہ واقع میں ہے۔

۸۲۔ مشرکین اللہ کو نہیں سمجھتے: یعنی مشرکین نے اس کی عظمت و جلال اور بزرگی و برتری کو وہاں تک نہ سمجھا اور ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے تھا۔ اس کی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا کیا عاجز و محتاج مخلوق حتّٰی کہ پتھر کی بیجان مورتیوں کو اس کا شریک تجویز کر سکتا ہے۔ حاشا و کلّا۔ آگے اس کی بعض شون عظمت و جلال کا بیان ہے۔

۸۳۔ زمین و آسمان ایک مٹھی میں: یعنی جس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے، اسکی عبادت میں بیجان یا عاجز و محتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہو گا۔ وہ شرکاء تو خود اسکی مٹھی میں پڑے ہیں۔ جس طرح چاہے ان پر تصرف کرے۔ ذرا کان یا زبان نہیں ہلا سکتے۔ (تنبیہ) مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ کے متعلق سورہ "انبیاء" کی آیت يَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ (الانبیاء۔ ۱۰۴) الخ کا حاشیہ دیکھنا چاہئے۔ اور "یمین" وغیرہ کے الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے بعض احادیث میں ہے۔ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ (اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں) اس سے تجسّم تحیز اور جہت وغیرہ کی نفی ہوئی ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى
فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور پھونکا جائے صور میں پھر بیہوش ہو جائے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکی جائے دوسری بار تو فورًا وہ کھڑے ہو جائیں ہر طرف دیکھتے[۸۴]

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَ
جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھریں دفتر اور حاضر آئیں پیغمبر اور گواہ اور فیصلہ ہو ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہو گا[۸۵]

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا
يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۷ ۴

۷۰۔ اور پورا ملے ہر جی کو جو اس نے کیا[۸۶] اور اسکو خوب خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں[۸۷]

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا
جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ
يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ
حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور ہانکے جائیں جو منکر تھے دوزخ کی طرف گروہ گروہ[۸۸] یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر کھولے جائیں اسکے دروازے[۸۹] اور کہنے لگیں انکو اسکے داروغہ[۹۰] کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں کے[۹۱] پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تھے تم کو اس تمہارے دن کی ملاقات سے بولیں کیوں نہیں پر ثابت ہوا حکم عذاب کا منکروں پر[۹۲]

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ حکم ہووے گا کہ داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے سدا رہنے کو اس میں سو کیا بری جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو[۹۳]

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى
اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور ہانکے جائیں وہ لوگ جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے جنت کو گروہ گروہ [۹۴] یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے اور کہنے لگیں ان کو داروغہ اس کے سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو [۹۵]

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ
اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ
فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور وہ بولیں شکر اللہ کا جس نے سچ کیا ہم سے اپنا وعدہ [۹۶] اور وارث کیا ہمکو اس زمین کا [۹۷] گھر لے لیویں بہشت میں سے جہاں چاہیں [۹۸] سو کیا خوب بدلا ہے محنت کرنے والوں کا

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ
قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع

۷۵۔ اور تو دیکھے فرشتوں کو گھر رہے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور فیصلہ ہوتا ہے ان میں انصاف کا اور یہی بات کہتے ہیں کہ سب خوبی ہے اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا [۹۹]

ع ۸ ۵ ۵

۸۴۔ تیسرا نفخہ صور: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ایک بار نفخہ صور ہے عالم کے فنا کا، دوسرا ہے زندہ ہونے کا، یہ تیسرا بعد حشر کے ہے بیہوشی کا، چوتھا خبردار ہونے کا، اسکے بعد اللہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی"۔ اور تبغیر یسیر۔ لیکن اکثر علمائے محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخہ صور ہوگا۔ پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے۔ پھر زندے تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ بعدہٗ دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بیہوشوں کو افاقہ ہوگا۔ اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کر حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے۔ پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کئے جائیں گے۔ (تنبیہ) اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے بعض نے جبریل، میکائیل اسرافیل اور ملک الموت مراد لئے ہیں۔ بعض نے ان کے ساتھ حملۃ العرش کو بھی شامل کیا ہے۔ بعض کے نزدیک انبیاء و شہدا مراد ہیں واللہ اعلم۔ بہر حال یہ استثناء اس نفخہ کے وقت ہوگا۔ اس کے بعد ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن۔۱۶)۔

۸۵۔ حساب کیلئے حق تعالیٰ کا نزول: یعنی اس کے بعد حق تعالیٰ حساب کے لئے اپنی شان کے مناسب نزول اجلال فرمائیں گے (کما ورد فی بعض روایات الدر المنثور) اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور بے کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی حساب کا دفتر کھلے گا۔ سب کے اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے اور ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنایا جائے گا۔ کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہوگی۔ (تنبیہ) شہداء سے مراد علاوہ انبیاء علیہم السلام کے فرشتے، امت محمدیہ کے لوگ اور انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب ہو سکتے ہیں۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ہر امت کے نیک آدمی مراد لئے ہیں۔

۸۶۔ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی جس کا جتنا اچھایا برا عمل ہے سب خدا کے علم میں ہے اسی کے موافق بدلہ ملے گا۔ جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔

۸۷۔ یعنی گواہ آتے ہیں انکے الزام کو۔ ورنہ اللہ سے کیا چیز پوشیدہ ہے (کذا فی الموضح)

۸۸۔ کفار کو دوزخ کی طرف ذلت سے ہانکا جائے گا: یعنی تمام کافروں کو دھکے دیکر نہایت ذلت و خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔ اور چونکہ کفر کے اقسام و مراتب بہت ہیں، ہر قسم اور ہر درجہ کے کافروں کا گروہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔

۸۹۔ جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا، جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے کھول کر داخل کرتے ہیں اور پھر بند کر دیتے ہیں ایسے ہی وہاں جس وقت دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے دروازے کھول کر اس میں دھکیل دیا جائے گا۔ اس کے بعد دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ (ھمزہ۔۸)

۹۰۔ یعنی جو فرشتے دوزخ کے محافظ ہیں وہ کفار سے بطور ملامت یہ کہیں گے۔

۹۱۔ یعنی جن سے تم کو بسبب ہم جنس ہونے کے فیض لینا بہت آسان تھا۔

۹۲۔ یعنی پیغمبر کیوں نہیں آئے۔ ضرور آئے ہم کو اللہ کی باتیں سنائیں، اور آج کے دن سے بہت کچھ ڈرایا۔ لیکن ہماری بدبختی اور نالائقی کہ ہم نے ان کا کہنا مانا، آخر خدا کی اٹل تقدیر سامنے آئی اور عذاب کا حکم ہم کافروں پر ثابت ہو کر رہا۔ فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ ۚ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ (الملک۔۱۱)

۹۳۔ یعنی تم نے شیخی اور غرور میں آکر اللہ کی بات نہ مانی۔ اب ہمیشہ دوزخ میں پڑے اس کا مزہ چکھتے رہو۔

۹۴۔ یعنی ایمان و تقویٰ کے مدارج چونکہ متفاوت ہیں ہر درجہ کے مومنین متقین کی جماعت الگ ہوگی اور ان سب جماعتوں کو نہایت شوق دلا کر جلدی جلدی جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

۹۵۔ اہل جنت کا استقبال و اکرام: یعنی جس طرح مہمانوں کے لئے ان کی آمد سے پہلے مہمان خانہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے۔ جنتی وہاں پہنچ کر جنت کے دروازے کھلے پائیں گے۔ کما قال فی موضع آخر مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ (ص۔۵۰) اور خدا کے فرشتے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ کلمات سلام و ثناء وغیرہ سے ان کا استقبال کریں گے اور جنت میں رہنے کی بشارت سنائیں گے۔

۹۶۔ اہل جنت کا شکر: یعنی خدا کا شکر جو وعدے انبیاء کی زبانی دنیا میں کئے گئے تھے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔

۹۷۔ یعنی جنت کی زمین کا۔

۹۸۔ جنت میں جہاں چاہو رہو: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ان کو حکم ہے جہاں چاہیں رہیں۔ لیکن ہر کوئی وہ ہی جگہ چاہے گا جو اس کے واسطے پہلے سے رکھی ہے"۔ اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ جنت میں سیر و ملاقات کے لئے کہیں آنے جانے کی روک ٹوک نہ ہوگی۔

۹۹۔ عرش کے گرد ملائکہ کا ہجوم: یعنی حق تعالیٰ جب حساب کتاب کے لئے نزول اجلال فرمائیں گے اس وقت فرشتے عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے۔ اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس پر ہر طرف سے جوش و خروش کے ساتھ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کا نعرہ بلند ہوگا یعنی ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے (جس نے سارے جہان کا ایسا عمدہ فیصلہ کیا) اسی نعرہ تحسین پر دربار برخاست ہو جائے گا۔ عموماً مفسرین نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کو حالت راہنہ پر حمل کیا ہے اور قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ "فرشتوں میں یہ فیصلہ یہ کہ ہر ایک فرشتہ (ملائے اعلیٰ میں) اپنے قاعدہ سے ایک تدبیر بولتا ہے (کما یشیر الیہ اختصام الملأ الاعلیٰ و تفصیلہ فی حجۃ اللہ البالغہ) پھر اللہ تعالیٰ ایک کی بات جاری کرتا ہے۔ وہ ہی ہوتی ہے حکمت کے موافق۔ یہ ماجرا اب بھی ہے اور قیامت میں بھی"۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ تم سورۃ الزمر

اٰیاتها ۸۵ ۴۰ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰ رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

۱۔ حٰم۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾

۲۔ اتارنا کتاب کا اللہ سے ہے جو زبردست ہے خبردار

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ
ذِى الطَّوْلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾

۳۔ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا[۱] سخت عذاب دینے والا مقدور والا[۲] کسی کی بندگی نہیں سوائے اسکے اسی کی طرف پھر جانا ہے[۳]

مَا يُجَادِلُ فِىْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا
يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِى الْبِلَادِ ﴿۴﴾

۴۔ وہی جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں جو منکر ہیں[۴] سو تجھ کو دھوکا نہ دے یہ بات کہ وہ چلتے پھرتے ہیں شہروں میں[۵]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ ۪ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ
جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ
فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾

۵۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح کی اور کتنے فرقے ان سے پیچھے اور ارادہ کیا ہر امت نے اپنے رسول پر کہ اس کو پکڑ لیں اور لانے لگے جھوٹے جھگڑے کہ اس سے ڈگا دیں سچے دین کو پھر میں نے انکو پکڑ لیا کہو پھر کیسا ہوا میرا سزا دینا[۶]

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا
اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

۶۔ اور اسی طرح ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب کی منکروں پر کہ یہ ہیں دوزخ والے[۷]

اَلَّذِيۡنَ يَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَهٗ يُسَبِّحُوۡنَ
بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ
لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَىۡءٍ رَّحۡمَةً وَّ
عِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَ اتَّبَعُوۡا سَبِيۡلَكَ وَ
قِهِمۡ عَذَابَ الۡجَحِيۡمِ ۝٧

٧۔ جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور اس پر یقین رکھتے ہیں اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے [٨] اے پروردگار ہمارے ہر چیز سمائی ہوئی ہے تیری بخشش اور خبر میں سو معاف کر انکو جو توبہ کریں اور چلیں تیری راہ پر اور بچا اُنکو آگ کے عذاب سے [٩]

رَبَّنَا وَ اَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِىۡ وَعَدْتَّهُمۡ وَ
مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ ذُرِّيّٰتِهِمۡ ؕ
اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝٨

٨۔ اے رب ہمارے اور داخل کر انکو سدا بسنے کے باغوں میں جنکا وعدہ کیا تو نے ان سے اور جو کوئی نیک ہو انکے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولاد میں بیشک تو ہی ہے زبردست حکمت والا [١٠]

وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَ مَنۡ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوۡمَئِذٍ
فَقَدۡ رَحِمۡتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝٩ ع ١ ٩ ٦

٩۔ اور بچا انکو برائیوں سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے اس دن اس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد پانی [١١]

١۔ **توبہ کی فضیلت:** یعنی توبہ قبول کر کے گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر دیتا ہے گویا کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ اور مزید برآں توبہ کو مستقل طاعت قرار دیکر اس پر اجر عنایت فرماتا ہے۔

٢۔ یعنی بیحد قدرت و وسعت اور غنا والا جو بندوں پر انعام واحسان کی بارشیں کرتا رہتا ہے۔

٣۔ جہاں پہنچ کر ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ ملے گا۔

۴۔ یعنی اللہ کی باتیں اور اس کی عظمت وقدرت کے نشان ایسے نہیں جن میں کوئی جھگڑا کیا جائے۔ مگر جن لوگوں نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ روشن سے روشن دلائل وبراہین اور کھلی کھلی باتوں کا بھی انکار کیا جائے وہ ہی سچی باتوں میں ناحق جھگڑے ڈالتے ہیں۔

۵۔ **منکرین کی دنیوی حالت سے دھوکا نہ کھاؤ:** یعنی ایسے منکرین کا انجام تباہی اور ہلاکت ہے۔ گو فی الحال وہ شہروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے نظر آتے ہیں اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہال واستدراج ہے کہ چند روز چل پھر کر دنیا کے مزے اڑا لیں، یا تجارتیں اور سازشیں کر لیں۔ پھر ایک روز غفلت کے نشہ میں پوری طرح مخمور ہو کر پکڑے جائیں گے اگلی قوموں کا حال بھی یہ ہی ہوا۔

٦۔ **پچھلی قوموں کے حال سے عبرت:** یعنی ہر ایک امت کے شریروں نے اپنے پیغمبروں کو پکڑ کر قتل کرنے یا ستانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ

جھوٹے ڈھکوسلے کھڑے کر کے سچے دین کو شکست دیں، اور حق کی آواز کو ابھرنے نہ دیں، لیکن ہم نے ان کا داؤں چلنے نہ دیا اور اس کے بجائے کہ وہ پیغمبروں کو پکڑتے ہم نے ان کو پکڑ کو سخت سزائیں دیں، پھر دیکھ لو ہماری سزا کیسی ہوئی کہ ان کی بیخ و بنیاد باقی نہ چھوڑی۔ آج بھی ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار کہیں کہیں موجود ہیں، ان ہی کو دیکھ کر انسان انکی تباہی کا تصور کر سکتا ہے۔

۷۔ موجودہ منکرین بھی اہل دوزخ ہیں: یعنی جس طرح اگلی قوموں پر عذاب آنے کی بات پوری اتر چکی، موجود الوقت منکروں پر بھی اتری ہوئی سمجھو۔ اور جس طرح پیغمبروں کے اعلان کے موافق کافروں پر دنیوی عذاب آکر رہا۔ تیرے رب کی یہ بات بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ (تنبیہ) بعض نے اَنَّھُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ کو لِاَنَّھُمۡ کے معنی میں لے کر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ گذشتہ منکروں کی طرح موجودہ منکروں پر بھی اللہ کی بات سچی ہے کیونکہ یہ بھی اصحاب النار میں سے ہیں۔

۸۔ مومنین کیلئے فرشتوں کا استغفار: پہلی آیات میں مجرمین و منکرین کا حال زبوں بیان ہوا تھا۔ یہاں انکے مقابل مومنین تائبین کا فضل و شرف بیان کرتے ہیں۔ یعنی عرش عظیم کو اٹھانے والے اور اس کے گرد طواف کرنے والے بیشمار فرشتے جنکی غذا صرف حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ہے اور جو مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان و یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے آگے مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! اس عزت افزائی اور شرف و احترام کا کیا ٹھکانا ہے کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہو گئیں ملائکہ کرّوبیین بارگاہ احدیت میں ان کے لئے غائبانہ معافی چاہیں۔ اور جب ان کی شان میں وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ آیا تو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے۔

۹۔ فرشتوں کے استغفار کا مضمون: یہ فرشتوں کے استغفار کی صورت بتلائی۔ یعنی بارگاہ احدیت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کا علم اور رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ پس جو کوئی تیرے علم محیط میں برائیوں کو چھوڑ کر سچے دل سے تیری طرف رجوع ہو اور تیرے راستہ پر چلنے کی کوشش کرتا ہو، اگر اس سے بمقتضائے بشریت کچھ کمزوریاں اور خطائیں سرزد ہو جائیں، آپ اپنے فضل و رحمت سے اسکو معاف فرما دیں۔ نہ دنیا میں ان پر دارو گیر ہو اور نہ دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے۔ باقی جو مسلمان توبہ و انابت کی راہ اختیار نہ کرے اس کا یہاں ذکر نہیں۔ آیت ہذا اس کی طرف سے ساکت ہے بظاہر حاملین عرش انکے حق میں دعا نہیں کرتے۔ اللہ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ یہ دوسری نصوص سے طے کرنا چاہئے۔

۱۰۔ اہل جنت کے اقربا کیلئے فرشتوں کی دعا: یعنی اگرچہ بہشت ہر کسی کو اپنے عمل سے ملتی ہے (جیسا کہ یہاں بھی صَلَحَ کی قید سے ظاہر ہے) بدون اپنے ایمان و صلاح کے بیوی، بیٹا اور ماں باپ کام نہیں آتے لیکن تیری حکمتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک کے سبب سے کتنوں کو ان کے عمل سے زیادہ اعلیٰ درجہ پر پہنچا دے۔ کما قال تعالیٰ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡھُمۡ ذُرِّیَّتُھُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِھِمۡ ذُرِّیَّتَھُمۡ وَمَاۤ اَلَتۡنٰھُمۡ مِّنۡ عَمَلِھِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ (طور۔۲۱) اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت میں وہ بھی ان ہی کے کسی عمل قلبی کا بدلہ ہو۔ مثلاً وہ آرزو رکھتے ہوں کہ ہم بھی اسی مرد صالح کی چال چلیں۔ یہ نیت اور نیکی کی حرص اللہ کے ہاں مقبول ہو جائے یا اس مرد صالح کے اکرام و مدارات ہی کی ایک صورت یہ ہو کہ اس کے ماں باپ اور بیوی بچے بھی اس کے درجہ میں رکھے جائیں۔

۱۱۔ یعنی محشر میں ان کو کوئی برائی (مثلاً گھبراہٹ اور پریشانی وغیرہ) لاحق نہ ہو۔ اور یہ عظیم الشان کامیابی صرف تیری خاص مہربانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے سئیات سے اعمال سئیہ مراد لئے ہیں یعنی آگے کو انہیں برے کاموں سے محفوظ فرما دے۔ اور ان کی خو ایسی کر دے کہ برائی کی طرف نہ جائیں۔ ظاہر ہے جو آج یہاں برائی سے بچ گیا اس پر تیرا فضل ہو گیا۔ وہ ہی آخرت میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرے گا۔ اس تفسیر پر یَوۡمَئِذٍ کا ترجمہ بجائے "اُس دن" "اِس دن" ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تیری مہر ہی ہو کہ برائیوں سے بچے۔

اپنے عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ تھوڑی بہت برائی سے کون خالی ہے"۔ یہ الفاظ دونوں تفسیروں پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَی الۡاِیۡمَانِ فَتَکۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ جو لوگ منکر ہیں انکو پکار کر کہیں گے اللہ بیزار ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے جس وقت تمکو بلاتے تھے یقین لانے کو پھر تم منکر ہوتے تھے [۱۲]

قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَیۡنِ وَ اَحۡیَیۡتَنَا اثۡنَتَیۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَہَلۡ اِلٰی خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ بولیں گے اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دوبار اور زندگی دے چکا دوبار [۱۳] اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے [۱۴] پھر اب بھی ہے نکلنے کی کوئی راہ [۱۵]

ذٰلِکُمۡ بِاَنَّہٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحۡدَہٗ کَفَرۡتُمۡ ۚ وَ اِنۡ یُّشۡرَکۡ بِہٖ تُؤۡمِنُوۡا ؕ فَالۡحُکۡمُ لِلّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡکَبِیۡرِ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ یہ تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوتے اور جب اسکے ساتھ پکارتے شریک کو تو تم یقین لانے لگتے اب حکم وہی ہے جو کرے اللہ سب سے اوپر بڑا [۱۶]

۱۲۔ **منکرین سے اللہ کی بیزاری کا اعلان:** یہ قیامت کے دن کہیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی آج تم اپنے (نفس سے بیزار ہو اور) اپنے جی کو پھٹکارتے ہو۔ دنیا میں جب کفر کرتے تھے (اس وقت) اللہ اس سے زیادہ تم کو پھٹکارتا تھا (اور تمہاری حرکات سے بیزار تھا) اسی کا بدلہ آج پاؤ گے" اور بعض مفسرین نے "مقتین" کا زمانہ ایک مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ تم کو دنیا میں بار بار ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم بار بار کفر کرتے تھے۔ آج اسکی سزا بھگتنے کے وقت جس قدر تم اپنی جانوں سے بیزار ہو رہے ہو اللہ اس سے زیادہ تم سے بیزار رہے۔

۱۳۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پہلے مٹی تھے یا نطفہ، تو مردے ہی تھے۔ پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے۔ پھر مرے، پھر زندہ کر کے اٹھائے گئے، یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔ قال تعالٰی کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ کُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ۚ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ (بقرہ۔۲۸) وقیل غیر ذلک والاظہر ہوہذا۔

۱۴۔ **منکرین کا دوسری موت اور حیات کا اقرار:** یعنی انکار کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں۔ نہ حساب کتاب ہے نہ کوئی اور قصہ۔ اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر جری ہوتے تھے۔ اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا اور عدم سے نکال کر وجود عطا فرمایا، دوسری موت کے بعد بھی پیغمبروں کے ارشاد کے موافق دوبارہ زندگی بخشی۔ آج بعث بعد الموت کے وہ سب مناظر جن کا ہم انکار کیا کرتے تھے سامنے ہیں بجز اس کے چارہ نہیں کہ ہم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کا اعتراف کریں۔

۱۵۔ تیسری حیات کی درخواست: یعنی افسوس اب توبظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت وحیات دے چکے ہیں۔ تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیجدیں۔ تاکہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔

۱۶۔ کفار کیلئے ہلاکت کا ابدی فیصلہ: یعنی بیشک اب دنیا کی طرف واپس کئے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اب تو تم کو اپنے اعمال سابقہ کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ تمہارے متعلق ہلاکت ابدی کا یہ فیصلہ اس لئے ہوا ہے کہ تم نے اکیلے سچے خدا کی پکار پر کبھی کان نہ دھرا۔ ہمیشہ اس کا یا اس کی وحدانیت کا انکار ہی کرتے رہے۔ ہاں کسی جھوٹے خدا کی طرف بلائے گئے تو فوراً آمنا وصدقنا کہہ کر ان کے پیچھے ہو لئے۔ اس سے تمہاری خو اور طبعیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہزار مرتبہ بھی واپس کیا جائے، پھر وہی کفر و شرک کما کر لاؤ گے۔ بس آج تمہارے جرم کی ٹھیک سزا یہ ہی حبس دوام ہے جو اس بڑے زبردست خدا کی عدالت عالیہ سے جاری کی گئی۔ جس کا کہیں آگے مرافعہ (اپیل) نہیں۔ اس سے چھوٹنے کی تمنا عبث ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ وہی ہے تم کو دکھلاتا اپنی نشانیاں اور اتارتا ہے تمہارے واسطے آسمان سے روزی اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو[۱۷]

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ سو پکارو اللہ کو خالص کر کر اسکے واسطے بندگی اور پڑے برا مانیں منکر[۱۸]

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ۙ﴿۱۵﴾

۱۵۔ وہی ہے اونچے درجوں والا مالک عرش کا اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں[۱۹] تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے[۲۰]

یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۬ۚ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے[۲۱] چھپی نہ رہے گی اللہ پر اُنکی کوئی چیز[۲۲] کس کا راج ہے اُس دن اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا[۲۳]

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ آج بدلا ملے گا ہر جی کو جیسا اس نے کمایا بالکل ظلم نہیں آج بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب

وَ اَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَنَاجِرِ
كٰظِمِيۡنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّ لَا شَفِيۡعٍ
يُّطَاعُ ؕ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور خبر سنا دے اُنکو اس نزدیک آنے والے دِن کی جس وقت دل پہنچیں گے گلوں کو تو وہ دبا رہے ہوں گے [۲۴] کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ سفارشی کہ جسکی بات مانی جائے [۲۵]

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ اور جو کچھ چھپا ہوا ہے سینوں میں

وَ اللّٰهُ يَقۡضِىۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ
دُوۡنِهٖ لَا يَقۡضُوۡنَ بِشَىۡءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيۡعُ
الۡبَصِيۡرُ ﴿۲۰﴾ ع

۲۰۔ اور اللہ فیصلہ کرتا ہے انصاف سے [۲۶] اور جنکو پکارتے ہیں اُس کے سوائے نہیں فیصلہ کرتے کچھ بھی بیشک اللہ ہی وہی ہے سننے والا دیکھنے والا [۲۷]

ع ۲/۷

اَوَ لَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡا هُمۡ اَشَدَّ
مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِى الۡاَرۡضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ
بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھتے انجام کیسا ہوا اُنکا جو تھے اُن سے پہلے وہ تھے اُن سے سخت زور میں اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے زمین میں [۲۸] پھر اُنکو پکڑا اللہ نے اُنکے گناہوں پر اور نہ ہوا اُنکو اللہ سے کوئی بچانے والا [۲۹]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ
فَكَفَرُوۡا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِىٌّ شَدِيۡدُ
الۡعِقَابِ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ یہ اس لئے کہ اُن کے پاس آتے تھے اُن کے رسول کھلی نشانیاں لیکر پھر منکر ہو گئے تو اُن کو پکڑا اللہ نے بیشک وہ زور آور ہے سخت عذاب دینے والا [۳۰]

۱۷۔ رزق رسانی میں اللہ کی نشانیاں: یعنی اس کی عظمت و وحدانیت کی نشانیاں ہر چیز میں ظاہر ہیں۔ ایک اپنی روزی ہی کے مسئلہ کو آدمی سمجھ لے جس کا سامان آسمان سے ہوتا رہتا ہے تو سب کچھ سمجھ میں آجائے۔ لیکن جب ادھر رجوع ہی نہ ہو اور غور و فکر سے کام ہی نہ لے تو کیا خاک سمجھ حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۸۔ یعنی بندوں کو چاہئے سمجھ سے کام لیں۔ اور ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکاریں، اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں۔ بیشک مخلص بندوں کے اس موحدانہ طرز عمل سے کافر و مشرک ناک بھوں چڑھائیں گے کہ سارے دیوتا اڑا کر صرف ایک ہی خدا رہنے دیا گیا مگر پکا مُوَحِّد وہ ہی ہے جو مشرکین کے مجمع میں توحید کا نعرہ بلند کرے۔ اور ان کے برا ماننے کی اصلاً پروانہ کرے۔

۱۹۔ القائے روح: بھید کی بات سے وحی مراد ہے جو اول انبیاء علیہم السلام پر اترتی ہے اور ان کے ذریعے سے دوسرے بندوں کو پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ قیامت تک اسی طرح پہنچتی رہے گی۔

۲۰۔ یعنی جس دن تمام اولین و آخرین مل کر اللہ تعالیٰ کی پیشی میں حاضر ہوں گے اور ہر ایک شخص اپنے اچھے یا برے عمل سے ملاقات کرے گا۔

۲۱۔ میدان حشر: یعنی قبروں سے نکل کر ایک کھلے کف دست میدان میں حاضر ہوں گے۔ یہاں کوئی آڑ پہاڑ حائل نہ ہو گا۔

۲۲۔ یعنی خوب سمجھ لو اس حاکم اعلیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ جس پر تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ سب ظاہر و باطن احوال کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔

۲۳۔ یعنی اس دن تمام وسائط و حُجب اٹھ جائیں گے۔ ظاہری اور مجازی رنگ میں بھی کسی کی بادشاہت نہ رہے گی۔ اسی اکیلے شہنشاہ مطلق کا راج ہو گا جس کے آگے ہر ایک طاقت دبی ہوئی ہے۔

۲۴۔ حشر میں دلوں کی گھبراہٹ: یعنی خوف اور گھبراہٹ سے دل دھڑک کو گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے اور لوگ دونوں ہاتھوں سے انکو پکڑ کر دبائیں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں۔

۲۵۔ یعنی ایسا کوئی سفارشی نہیں ہو گا جسکی بات ضرور ہی مانی جائے۔ سفارش وہ ہی کر سکے گا جسکو اجازت ہو اور اسی کے حق میں کرے گا جس کے لئے پسند ہو۔

۲۶۔ اللہ دلوں کے راز اور آنکھوں کی خیانت جانتا ہے: یعنی مخلوق سے نظر بچا کر چوری چھپے سے کسی پر نگاہ ڈالی یا کن انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا کسی بات کا ارادہ یا خیال آیا، ان میں سے ہر چیز کو اللہ جانتا ہے اور فیصلہ انصاف سے کرتا ہے۔

۲۷۔ بت فیصلہ نہیں کر سکتے: یعنی فیصلہ کرنا اسی کا کام ہو سکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو۔ بھلا یہ پتھر کی بیجان مورتیں جنہیں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گے۔ پھر جو فیصلہ بھی نہ کر سکے وہ خدا کس طرح ہوا۔

۲۸۔ یعنی بڑے مضبوط قلعے، عالیشان عمارتیں اور مختلف قسم کی یادگاریں۔

۲۹۔ یعنی جب دنیا کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکا، آخرت میں کون بچائے گا۔

۳۰۔ انبیاء کی تکذیب رسوائی اور ہلاکت ہے: یعنی تم بھی انکی طرح رسول کی تکذیب کر کے فلاح نہیں پا سکتے۔ آخر رسوا اور ہلاک ہو گے اور خداوند قدوس اپنے زور و قوت سے پیغمبر کو غالب و منصور فرمائے گا۔ اسی مناسبت سے آگے موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر اور کھلی سند [۳۱]

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس [۳۲] پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے جھوٹا [۳۳]

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوا اقۡتُلُوۡۤا
اَبۡنَآءَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ وَاسۡتَحۡيُوۡا نِسَآءَهُمۡ ؕ
وَمَا كَيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ پھر جب پہنچا انکے پاس لیکر سچی بات ہمارے پاس سے بولے مار ڈالو بیٹے انکے جو یقین لائے ہیں اسکے ساتھ اور جیتی رکھو انکی عورتیں [۳۴] اور جو داؤ ہے منکروں کا سو غلطی میں [۳۵]

وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ذَرُوۡنِیۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰى وَلۡيَدۡعُ رَبَّهٗ ۚ
اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ يُّبَدِّلَ دِيۡنَكُمۡ اَوۡ اَنۡ يُّظۡهِرَ فِی
الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور بولا فرعون مجھکو چھوڑو کہ مار ڈالوں موسٰی کو اور پڑا پکارے اپنے رب کو [۳۶] میں ڈرتا ہوں کہ بگاڑ دے تمہارا دین یا پھیلائے ملک میں خرابی [۳۷]

وَقَالَ مُوۡسٰۤى اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّكُمۡ مِّنۡ كُلِّ
مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤۡمِنُ بِيَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع ۳ ۸

۲۷۔ اور کہا موسٰی نے میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی ہر غرور والے سے [۳۸] جو یقین نہ کرے حساب کے دن کا [۳۹]

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ ۖ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَكۡتُمُ
اِيۡمَانَهٗۤ اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ يَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدۡ
جَآءَكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ وَاِنۡ يَّكُ كَاذِبًا
فَعَلَيۡهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنۡ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبۡكُمۡ بَعۡضُ
الَّذِیۡ يَعِدُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِیۡ مَنۡ هُوَ
مُسۡرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں جو چھپاتا تھا اپنا ایمان کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ اور اگر وہ سچا ہو گا تو تم پر پڑے گا کوئی نہ کوئی وعدہ جو تم سے کرتا ہے [۴۰] بیشک اللہ راہ نہیں دیتا اسکو جو ہے بے لحاظ جھوٹا [۴۱]

يٰقَوۡمِ لَكُمُ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ظٰهِرِيۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۫
فَمَنۡ يَّنۡصُرُنَا مِنۡۢ بَاۡسِ اللّٰهِ اِنۡ جَآءَنَا ؕ قَالَ

۲۹۔ اے میری قوم تمہارا راج ہے چڑھ رہے ہو ملک میں پھر کون مدد کرے گا ہماری اللہ کی آفت سے اگر آگئی ہم پر [۴۲] بولا فرعون میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں

فِرۡعَوۡنُ مَاۤ اُرِيۡكُمۡ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَمَاۤ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا
سَبِيۡلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

تمکو جو سوجھی مجھکو اور وہی راہ بتلاتا ہوں جس میں بھلائی ہے [۴۳]

وَقَالَ الَّذِىۡۤ اٰمَنَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ
مِّثۡلَ يَوۡمِ الۡاَحۡزَابِۙ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور کہا اُسی ایمان دار نے اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ آئے تم پر دن اگلے فرقوں کا سا

مِثۡلَ دَاۡبِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ وَالَّذِيۡنَ مِنۡۢ
بَعۡدِهِمۡ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعِبَادِ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ جیسے حال ہوا قوم نوح کا اور عاد اور ثمود کا اور جو لوگ انکے پیچھے ہوئے اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر [۴۴]

وَيٰقَوۡمِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ يَوۡمَ التَّنَادِۙ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آئے دن ہانک پکار کا [۴۵]

يَوۡمَ تُوَلُّوۡنَ مُدۡبِرِيۡنَ‌ۚ مَا لَـكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ
عَاصِمٍ‌ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ جس دن بھاگو گے پیٹھ پھیر کر [۴۶] کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا اور جس کو غلطی میں ڈالے اللہ تو کوئی نہیں اسکو سجھانے والا [۴۷]

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ يُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا
زِلۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمۡ بِهٖ‌ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ
قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا‌ ؕ كَذٰلِكَ
يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُ ۚۖ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور تمہارے پاس آچکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے جو وہ تمہارے پاس لے کر آیا یہاں تک کہ جب مر گیا لگے کہنے ہرگز نہ بھیجے گا اللہ اسکے بعد کوئی رسول [۴۸] اسی طرح بھٹکاتا ہے اللہ اُس کو جو ہو بیباک شک کرنے والا

الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰٮهُمۡ‌ؕ
كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا‌ ؕ كَذٰلِكَ
يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلۡبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ وہ جو کہ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو اُنکو بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں اور ایمانداروں کے یہاں [۴۹] اسی طرح مہر کر دیتا ہے اللہ ہر دل پر غرور کرنے والے سرکش کے [۵۰]

وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ يٰهَامٰنُ ابۡنِ لِىۡ صَرۡحًا لَّعَلِّىۡۤ اَبۡلُغُ
الۡاَسۡبَابَ ۝۳۶

۳۶۔ اور بولا فرعون کے اے ہامان بنا میرے واسطے ایک اونچا محل شاید میں جا پہنچوں رستوں میں

اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوۡسٰى وَاِنِّىۡ
لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ
وَصُدَّ عَنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَا كَيۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِىۡ
تَبَابٍ ۝۳۷ ع ۴

۳۷۔ رستوں میں آسمانوں کے پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو [۵۱] اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے [۵۲] اور اسی طرح بھلے دکھلا دیے فرعون کو اسکے برے کام اور روک دیا گیا سیدھی راہ سے [۵۳] اور جو داؤ تھا فرعون کا سو تباہ ہونے کے واسطے [۵۴]

وَقَالَ الَّذِىۡۤ اٰمَنَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَهۡدِكُمۡ سَبِيۡلَ
الرَّشَادِ ۝۳۸

۳۸۔ اور کہا اسی ایماندار نے اے قوم راہ چلو میری پہنچا دوں تمکو نیکی کی راہ پر [۵۵]

يٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ
الۡاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الۡقَرَارِ ۝۳۹

۳۹۔ اے میری قوم یہ جو زندگی ہے دنیا کی سو کچھ برت لینا ہے اور وہ گھر جو پچھلا ہے وہی ہے جم کر رہنے کا گھر [۵۶]

مَنۡ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجۡزٰٓى اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ وَمَنۡ
عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓٮِٕكَ
يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ يُرۡزَقُوۡنَ فِيۡهَا بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۝۴۰

۴۰۔ جس نے کی ہے برائی تو وہی بدلا پائے گا اسکی برابر اور جس نے کی ہے بھلائی مرد ہو یا عورت اور وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ جائیں گے بہشت میں روزی پائیں گے وہاں بے شمار [۵۷]

وَيٰقَوۡمِ مَا لِىۡۤ اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدۡعُوۡنَنِىۡۤ
اِلَى النَّارِ ۝۴۱

۴۱۔ اور اے قوم مجھکو کیا ہوا ہے بلاتا ہوں تمکو نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھکو آگ کی طرف [۵۸]

تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ بِاللّٰہِ وَ اُشۡرِکَ بِہٖ مَا لَیۡسَ لِیۡ
بِہٖ عِلۡمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی الۡعَزِیۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ تم بلاتے ہو مجھکو کہ منکر ہو جاؤں اللہ سے اور شریک ٹھہراؤں اُسکا اُسکو جسکی مجھکو خبر نہیں [۵۹] اور میں بلاتا ہوں تمکو اس زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف [۶۰]

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ لَیۡسَ لَہٗ دَعۡوَۃٌ فِی
الدُّنۡیَا وَ لَا فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ اَنَّ
الۡمُسۡرِفِیۡنَ ہُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ آپ ہی ظاہر ہے کہ جس کی طرف تم مجھکو بلاتے ہو اس کا بلاوا کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں [۶۱] اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس اور یہ کہ زیادتی والے وہی ہیں دوزخ کے لوگ [۶۲]

فَسَتَذۡکُرُوۡنَ مَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی
اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ سو آگے یاد کرو گے جو میں کہتا ہوں تمکو [۶۳] اور میں سونپتا ہوں اپنا کام اللہ کو بیشک اللہ کی نگاہ میں ہیں سب بندے [۶۴]

فَوَقٰىہُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوۡا وَ حَاقَ بِاٰلِ
فِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ ﴿ۚ۴۵﴾

۴۵۔ پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو وہ کرتے تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب [۶۵]

اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوۡمَ
تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ
الۡعَذَابِ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں اُنکو صبح و شام [۶۶] اور جس دن قائم ہو گی قیامت حکم ہو گا داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں

۳۱۔ سلطان مبین: "نشانیوں" سے معجزات اور "کھلی سند" سے شاید ان میں کے مخصوص و ممتاز معجزات مراد ہوں۔ یا کھلی سند معجزات کے سوا دوسری قسم کے دلائل و براہین کو فرمایا یا "آیات" سے تعلیمات و احکام اور "سلطان مبین" سے معجزات مراد لئے جائیں۔ یا "سلطان مبین" اس قوت قدسیہ اور مخصوص تائید ربانی کا نام ہو جسکے آثار پیغمبروں میں ہر دیکھنے والے کو نمایاں طور پر نظر آیا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۲۔ ہامان وزیر تھا فرعون کا اور قارون بنی اسرائیل میں سب سے بڑا مالدار اور تاجر تھا جو موسیٰؑ کے خلاف فرعون کی مرضی پر چلتا تھا۔ پہلے اس کا قصہ گذر چکا ہے۔

۳۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو گری کا الزام: یعنی جادو گر ہے معجزات دکھانے میں اور جھوٹا ہے دعوئے رسالت میں۔ یہ بعض نے کہا ہو

گا اور دوسروں نے اسکی تصدیق کی ہو گی۔

۳۴۔ بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم: یہ حکم دوسری مرتبہ موسیٰؑ کی تشریف آوری کے بعد دیا۔ تا کہ بنی اسرائیل کی تذلیل و توہین کریں، انکی تعداد گھٹائیں اور انکے دلوں میں یہ خیال جمادیں کہ یہ سب مصیبت ان پر موسیٰؑ کی بدولت آئی ہے۔ یہ خیال کر کے لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور دہشت انگیزی کی پالیسی کامیاب ہو جائے گی۔ آگے پتہ نہیں اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں۔

۳۵۔ یعنی ایسے داؤ پیچ اور تدبیروں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرما کر منکرین کے سب منصوبے غلط کر دیتا ہے۔

۳۶۔ فرعون کی شقاوت اور بد بختی: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں فرعون نے کہا مجھ کو چھوڑ دو۔ شاید اس کے ارکان سلطنت مار ڈالنے کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے۔ کیونکہ معجزہ دیکھ کر ڈر گئے تھے، کہیں اسکا رب بدلہ نہ لے فرعون خود بھی دل میں ڈرا ہوا اور سہا ہوا تھا۔ لیکن لوگوں پر اپنی قوت و شجاعت کا اظہار کرنے کے لئے انتہا درجہ کی شقاوت اور بیحیائی سے ایسا کہہ کرہا تھا۔ تا لوگ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں۔ اور اس کے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

۳۷۔ فرعون کی شقاوت اور بد بختی: یعنی اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تو دینی اور دنیوی دونوں طرح کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے یہ اپنے وعظ و تلقین سے تمہارے مذہبی طور و طریق کو جو پہلے سے چلا آتا ہے بگاڑ ڈالے یا سازش وغیرہ کا جال پھیلا کر ملک میں بدامنی پھیلا دے جس کا انجام یہ ہو کہ تمہاری (یعنی قبطیوں کی) حکوت کا خاتمہ ہو کر ملک بنی اسرائیل کے ہاتھ میں چلا جائے۔

۳۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبرانہ جواب: حضرت موسیٰؑ کو جب ان کے مشوروں کی خبر پہنچی تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق پروا نہیں۔ فرعون اکیلا تو کیا، ساری دنیا کے متکبرین وجبّارین جمع ہو جائیں تب بھی میرا اور تمہارا پروردگار ان کے شر سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ میں اپنے کو تنہا اسی کی پناہ میں دے چکا ہوں۔ وہ ہی میرا حامی و مددگار ہے۔ کما قال تعالیٰ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (طٰہٰ۔۴۶) بھلا اسکی حمایت و امداد کے بعد کسی مغرور انسان کا کیا ڈر۔

۳۹۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جس کو حساب کا یقین ہو وہ ظلم کاہے کو کرے گا"۔

۴۰۔ آل فرعون میں سے ایک مرد مومن کی حمایت: یعنی ایک مرد مومن جس نے فرعون اور اسکی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا۔ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی کے جواب میں بول اٹھا کیا تم ایک شخص کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا رب کیوں کہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے دعوے کی صداقت کے کھلے کھلے نشان تمکو دکھلا چکا اور اسکے قتل کی تمکو کچھ ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ ممکن ہے تمہارے لئے مضر ہو۔ فرض کرو! وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت ہوا تو اتنے بڑے جھوٹ پر ضرور اللہ اسکو ہلاک یا رسوا کر کے چھوڑے گا۔ خدا کی عادت نہیں کہ وہ ایسے کاذب کو برابر پھولنے پھلنے دے، دنیا کو التباس سے بچانے کے لئے یقیناً ایک روز اسکی قلعی کھول دی جائے گی۔ ایسے حالات بروئے کار آئیں گے کہ دنیا علانیہ اس کی رسوائی و ناکامی اور کذب و دروغ کا تماشہ دیکھ لے گی۔ اور تمکو خواہی نخواہی اسکے خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر واقع میں وہ سچائی پر ہے تو دنیا و آخرت کے جس عذاب سے وہ اپنے مکذبین کو ڈراتا ہے۔ یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ حصہ تمکو ضرور پہنچ کر رہے گا۔ لہذا پہلی شق پر اس کے قتل میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری شق پر اس کا قتل کرنا سراسر موجب نقصان و خسران ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اگر جھوٹا ہے تو جس پر جھوٹ بولتا ہے وہ ہی سزا دے رہے گا۔ اور شاید سچا ہو تو اپنی فکر کرو" (تنبیہ) یہ تقریر اس صورت میں ہے جب کسی مفتری کا کذب صریحًا ظاہر نہ ہوا ہو۔ اور اگر مدعی نبوت کا کذب و افتراء دلائل و براہین سے روشن ہو جائے تو بلا شبہ واجب القتل ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ پیغمبر عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا خاتم النبیین ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا، اگر کوئی شخص مدعی نبوت بن کر کھڑا ہو گا تو چونکہ اس کا یہ دعویٰ ایک قطعی الثبوت عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے، لہذا اس کے متعلق کسی قسم کے

تامل وتردد اور امہال وانتظار کی گنجائش نہ ہوگی۔

۴۱۔ آل فرعون میں سے ایک مرد مومن کی حمایت: یعنی موسٰیؑ اگر بالفرض جھوٹا ہوتا تو ہرگز اس کا اللہ راہ نہ دیتا کہ وہ برابر ایسے معجزات دکھاتا رہے اور کامیابی میں ترقی کرتا چلا جائے۔ اور اگر تم جھوٹے ہو کہ ایک سچے کو جھوٹا بتلا رہے ہو تو انجام کار اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل وناکام کرے گا۔

۴۲۔ آل فرعون کو نصیحت: یعنی اپنے سامانوں اور لشکروں پر مغرور مت بنو۔ آج تمہاری یہ شان وشکوہ ہے لیکن کل اگر خدا کے عذاب نے آ گھیرا تو کوئی بچانے والا نہ ملے گا۔ یہ سب سازوسامان یوں ہی رکھے رہ جائیں گے۔

۴۳۔ فرعون کا جواب: یعنی تمہاری تقریر سے میرے خیالات تبدیل نہیں ہوئے۔ جو کچھ میرے نزدیک مصلحت ہے وہ ہی تم کو سمجھا رہا ہوں۔ میرے خیال میں بہتری کا راستہ یہ ہی ہے کہ اس شخص کا قصہ پہلے ہی قدم پر ختم کر دیا جائے۔

۴۴۔ مرد مومن کی فہمائش: یعنی اگر تم اسی طرح تکذیب وعداوت پر جمے رہے تو سخت اندیشہ ہے کہ تمکو بھی کہیں وہ ہی دن دیکھنا نہ پڑے جو پہلی قومیں اپنے انبیاء کا مقابلہ کر کے دیکھ چکی ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ہاں بے انصافی نہیں۔ اگر ایسے سخت جرائم پر تمکو یا دوسری قوموں کو اس نے تباہ کیا تو وہ عین عدل وانصاف کے تقاضہ سے ہوگا۔ کونسی حکومت ہے جو اپنے سفراء کو قتل اور رسوا ہوتے دیکھتی رہے اور قاتلین ومعاندین سے انتقام نہ لے۔

۴۵۔ یوم التّناد سے ڈرو: عمومًا مفسرین یَوۡمَ التَّنَادِ (ہانک پکار کے دن) سے قیامت کا دن مراد لیتے ہیں جبکہ محشر میں جمع ہونے اور حساب دینے کے لئے سب کی پکار ہوگی۔ اور اہل جنت اہل نار اور اہل اعراف ایک دوسرے کو پکاریں گے اور آخر میں ندا آئے گی۔ یَااَھۡلَ الۡجَنَّۃِ خُلُوۡدٌ لَامَوۡتٌ وَیَا اَھۡلَ النَّارِ خُلُوۡدٌ لَا مَوۡتٌ کما ورد فی الحدیث۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے یَوۡمَ التَّنَادِ سے وہ دن مراد لیا ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے۔ اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ (شاید) یہ اس مرد مومن کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر عذاب اسی طرح آتا ہے"۔

۴۶۔ یعنی محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف بھگائے جاؤ گے، یا نزول عذاب کے وقت اس سے بھاگنے کی ناکام کوشش کرو گے۔

۴۷۔ یعنی میں تمکو سب نشیب وفراز پوری طرح سمجھا چکا۔ اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہاری عناد وکجروی کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی کر لیا ہے کہ تمکو تمہاری پسند کردہ غلطی اور گمراہی میں پڑا رہنے دے۔ پھر ایسے شخص کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۴۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حال سے مرد مومن کا استدلال: یعنی چلو قصہ ختم ہوا۔ نہ رسول تھا نہ اب اسکے بعد کوئی رسول آنے والا ہے۔ گویا سرے سے سلسلہ رسالت ہی کا انکار ہوا۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "حضرت یوسفؑ کی زندگی میں (مصر والے انکی نبوت کے قائل نہ ہوئے۔ انکی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا (تو کہنے لگے یوسفؑ کا قدم اس شہر پر کیا مبارک تھا۔ ایسا نبی (آئندہ) کوئی نہ آئے گا۔ یا وہ انکار یا یہ اقرار۔ یہ ہی اسراف اور زیادہ گوئی ہے"۔ مرد مومن کی غرض یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے۔ فی الحال تمکو موسٰیؑ کی قدر نہیں۔

۴۹۔ اللہ کی آیات میں جھگڑے: یعنی بدون حجت عقلیہ ونقلیہ کے اللہ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر زیادتی اور بے باکی کیا ہوگی۔ اسی لئے اللہ اور اسکے ایماندار بندے ان لوگوں سے سخت بیزار ہیں جو سبب ہے انکے انتہائی معلون ہونے کا۔

۵۰۔ مغرور لوگوں کے دلوں پر مہر: جو لوگ حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سن کر سر نیچا نہ کریں۔ آخر کار اُنکے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح کی مہر کر دیتا ہے کہ پھر قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

۵۱۔ فرعون کا انتہائی تمسخر: یہ اس ملعون کی انتہائی بے شرمی اور بیباکی تھی۔ حضرت موسیٰؑ سے شاید اللہ تعالیٰ کی صفت علو وغیرہ کو سن کر یہ قرار دیا ہو گا کہ موسیٰؑ کا خدا آسمان پر رہتا ہے۔ اسی پر یہ استہزاء و تمسخر شروع کر دیا۔ سچ ہے چیونٹی کی موت آتی ہے تو پر لگ جاتے ہیں سورہ "قصص" میں اس مقام کی تقریر گذر چکی۔

۵۲۔ یعنی دعوئے رسالت میں بھی اور اس دعوے میں بھی کہ سارے جہان کا کوئی اور معبود ہے۔ مجھے تو اپنے سوا دوسرا نظر نہیں آتا۔ کما قال مَا عَلِمۡتُ لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرِىۡ (قصص۔۳۸)۔

۵۳۔ برے کام کرتے کرتے آدمی کی یوں ہی عقل ماری جاتی ہے اور ایسی ہی مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگتا ہے جس کے بعد راہ پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یہ ہی حال فرعون کا ہوا۔

۵۴۔ فرعون کی ناکامی: یعنی فرعون کے جس قدر داؤ پیچ اور منصوبے یا مشورے تھے سب بے حقیقت تھے۔ خود اپنی ہی تباہی کے لئے۔ موسیٰؑ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

۵۵۔ آل فرعون کو مرد مومن کی دعوت: چونکہ فرعون نے کہا تھا وَمَاۤ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ اسکے جواب میں مرد مومن نے کہا کہ "سبیل الرّشاد" (بھلائی اور بہتری کا راستہ) وہ نہیں جو فرعون تجویز کرتا ہے۔ بلکہ تم میرے پیچھے چلے آؤ تا بہتری کے راستہ پر چلنا نصیب ہو۔

۵۶۔ دنیا و آخرت کی حقیقت: یعنی فانی وزائل زندگی اور چند روزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہ بھولو۔ دنیا کی زندگی بہر حال بھلی بری طرح ختم ہونے والی ہے۔ اسکے بعد وہ زندگی شروع ہو گی جس کا کبھی خاتمہ نہیں۔ عاقل کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس کی درستی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

۵۷۔ نجات کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے: یہ اخروی زندگی کی تھوڑی سے تفصیل بتلادی کہ وہ کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایمان اور عمل صالح درکار ہیں۔ مال و متاع کو کوئی نہیں پوچھتا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اللہ کی رحمت، غضب پر غالب ہے۔ عقل مند کو چاہئے کہ موقع ہاتھ سے نہ دے۔

۵۸۔ مرد مومن کا اثر انگیز وعظ: یعنی میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایمان کے راستہ پر لگا کر خدا کے عذاب سے نجات دلاؤں۔ اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ میں دھکیل دو۔ ایک طرف سے ایسی دشمنی اور دوسری جانب سے یہ خیر خواہی۔

۵۹۔ یعنی تمہاری کوشش کا حاصل تو یہ ہے کہ میں (معاذ اللہ) خدائے واحد کا انکار کر دوں۔ اسکے پیغمبروں کو اور انکی باتوں کو نہ مانوں اور نادان جاہلوں کی طرح ان چیزوں کو خدا ماننے لگوں جن کی الوہیت کسی دلیل اور علمی اصول سے ثابت نہیں۔ نہ مجھے خبر ہے کہ کیونکر ان چیزوں کو خدا بنالیا گیا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ اسکے خلاف پر دلائل قطعیّہ قائم ہیں۔

۶۰۔ یعنی میرا منشاء یہ ہے کہ کسی طرح تمہارا سر اس خدائے واحد کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست بھی ہے اور بہت زیادہ خطاؤں کا معاف کرنے والا بھی۔ (مجرم کو پکڑے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور معاف کرے تو کوئی روک نہ سکے) وہ ہی اس کا مستحق ہے کہ آدمی اسکے آگے ڈر کر اور امید باندھ کر سر عبودیت جھکائے۔ یاد رکھو میں اسی خدا کی پناہ میں آچکا ہوں جسکی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔

۶۱۔ تمہاری دعوت کی کوئی سند نہیں آئی: یعنی ماسوا خدا کے کوئی چیز ایسی نہیں جو دنیا یا آخرت میں ادنیٰ ترین نفع و ضرر کی مالک ہو۔ پھر اُسکی

بندگی اور غلامی کا بلاوا دینا جہل وحماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۔ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (احقاف۔۵،۶) آخر ایسی عاجز اور بے بس چیزوں کی طرف آدمی کیا سمجھ کر دعوت دے۔ اور تماشہ یہ ہے کہ ان میں بہت چیزیں وہ ہیں جو خود بھی اپنی طرف دعوت نہیں دیتیں۔ بلکہ دعوت دینے کی قدرت بھی نہیں رکھتیں۔

۶۲۔ یعنی انجام کار ہر پھر کر اسی خدائے واحد کی طرف جانا ہے۔ وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ بتلاؤ اس سے بڑھ کر زیادتی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق کا درجہ دے دیا جائے۔

۶۳۔ بعد میں میری نصیحت یاد آئے گی: یعنی آگے چل کر جب اپنی زیادتیوں کا مزہ چکھوگے، اس وقت میری نصیحت کو یاد کروگے کہ ہاں ایک مرد خدا جو ہم کو سمجھایا کرتا تھا، وہ ٹھیک کہتا تھا۔ لیکن س وقت یاد کر کے پشیمان ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

۶۴۔ مرد مومن کا خاتمہ وعظ: یعنی میں خدا کی حجت تمام کر چکا۔ اور نصیحت کی بات سمجھا چکا۔ تم نہیں مانتے تو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں۔ اب میں اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اسی پر میرا بھروسا ہے۔ تم اگر مجھے ستانا چاہو گے تو وہ ہی خدا میرا حامی وناصر ہے۔ سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہا ہے۔ کسی کی کوئی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں۔ ایک مومن قانت کا کام یہ ہے کہ اپنی امکانی سعی کر چکنے کے بعد نتیجہ کو خدا کے سپرد کرے۔

۶۵۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی نجات و آل فرعون کی ہلاکت: یعنی حق وباطل کی اس کشمکش کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضرت موسٰیؑ اور ان کے ہمراہوں کو جن میں یہ مومن آل فرعون بھی تھا فرعونیوں کے منصوبوں سے محفوظ رکھا کوئی داؤ ان کا چلنے نہ دیا۔ بلکہ انکے داؤ پیچ خود ان ہی پر الٹ پڑے۔ جس نے حق پرستوں کا تعاقب کیا مارا گیا اور قوم کی قوم کا بیڑا بحر قلزم میں غرق ہوا۔

۶۶۔ انکو صبح وشام دوزخ کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے: یعنی دوزخ کا ٹھکانا جس میں وہ قیامت کے دن داخل کئے جائیں گے۔ ہر صبح وشام انکو دکھلا دیا جاتا ہے۔ تا نمونہ کے طور پر اس آنے والے عذاب کا کچھ مزہ چکھتے رہیں۔ یہ عالم برزخ کا حال ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانہ روزانہ صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔ (تنبیہ) آیہ ہذا سے صرف فرعونیوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا۔ اسکے بعد حضور ﷺ کو معلوم کرایا گیا کہ جملہ کفار بلکہ عصاۃ مومنین بھی برزخ میں معذب ہوتے ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کما ورد فی الاحادیث الصحیحۃ۔ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہداء کی روحیں "طیور خضر" کے "حواصل" میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونیوں کی ارواح کو "طیور سوء" کے "حواصل" میں داخل کر کے ہر صبح وشام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ (البتہ ارواح کا مع ان کے اجساد کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا) اگر یہ صحیح ہو تو فرعونیوں کے متعلق اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ کے الفاظ کا تفاوت شاید اسی بناء پر ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور جب آپس میں جھگڑیں گے آگ کے اندر پھر کہیں گے کمزور غرور کرنے والوں کو ہم تھے تمہارے تابع پھر کچھ تم ہم پر سے اٹھالو گے حصہ آگ کا[۶۷]

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ
قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ کہیں گے جو غرور کرتے تھے ہم سبھی پڑے ہوئے ہیں اسمیں بیشک اللہ فیصلہ کر چکا بندوں میں [۶۸]

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ
يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں دوزخ کے داروغوں کو مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کر دے ایک دن تھوڑا عذاب [۶۹]

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا
بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ
ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع

۵۰۔ وہ بولے کیا نہ آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی نشانیاں لے کر کہیں گے کیوں نہیں بولے پھر پکارو اور کچھ نہیں کافروں کا پکارنا مگر بھٹکنا [۷۰]

ع ۵ ۱۳ ۱۰

۶۷۔ دوزخ میں فرعونیوں کا حال: یعنی دنیا میں ہم سے اپنی اطاعت اور اتباع کراتے رہے جس کی بدولت آج ہم پکڑے گئے۔ اب یہاں ہمارے کچھ تو کام آؤ۔ آخر بڑوں کو چھوٹوں کی تھوڑی بہت خبر لینی چاہئے۔ دیکھتے نہیں ہم آج کس قدر مصیبت میں ہیں کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس مصیبت کا کوئی جزو ہم سے ہلکا کر دو۔

۶۸۔ یعنی جو دنیا میں بڑے بنتے تھے جواب دیں گے کہ آج ہم اور تم سب اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کے جرم کے موافق سزا کا فیصلہ سنا دیا ہے جو بالکل قطعی اور اٹل ہے۔ اب موقع نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے ہم اپنی ہی مصیبت کو ہلکا نہیں کر سکتے، پھر تمہارے کیا کام آسکتے ہیں۔

۶۹۔ تخفیف عذاب کی درخواست: یعنی اپنے سرداروں کی طرف سے مایوس ہو کر ان فرشتوں سے درخواست کریں گے جو دوزخ کے انتظام پر مسلط ہیں کہ تم ہی اپنے رب سے کہہ کر کوئی دن تعطیل کا کرا دو جس میں ہم پر سے عذاب کچھ ہلکا ہو جایا کرے۔

۷۰۔ فرشتوں کا جواب: یعنی اس وقت ان کی بات نہ مانی اور انجام کی فکر نہ کی جو کچھ کام چلتا۔ اب موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ کوئی سعی سفارش یا خوشامد در آمد کام نہیں دے سکتی۔ پڑے چیختے چلاتے رہو۔ نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں، نہ تمہاری چیخ و پکار سے کوئی فائدہ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "دوزخ کے فرشتے کہیں گے سفارش کرنا میرا کام نہیں۔ ہم تو عذاب دینے پر مقرر ہیں۔ سفارش کام ہے رسولوں کا، سو رسولوں سے تم برخلاف ہی تھے" (تنبیہ) آیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کافروں کی دعاء کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ باقی دنیا میں کافر کے مانگنے پر اللہ تعالیٰ کوئی چیز دے دیں تو وہ دوسری بات ہے جیسے ابلیس کو قیامت تک مہلت دیدی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ ۙ

۵۱۔ ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگانی میں [۷۱] اور جب کھڑے ہوں گے گواہ [۷۲]

يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ الظّٰلِمِيۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَهُمُ اللَّعۡنَةُ
وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ جس دن کام نہ آئیں گے منکروں کو انکے بہانے اور انکو پھٹکار ہے اور ان کے واسطے برا گھر [۷۳]

وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡهُدٰى وَ اَوۡرَثۡنَا بَنِىۡۤ
اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ ۙ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور ہم نے دی موسٰی کو راہ کی سوجھ اور وارث کیا بنی اسرائیل کو کتاب کا

هُدًى وَّ ذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ سجھانے اور سمجھانے والے عقل مندوں کو [۷۴]

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَ
سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِىِّ وَ الۡاِبۡكَارِ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشوا اپنا گناہ اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو اور صبح کو [۷۵]

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ
اَتٰٮهُمۡ ۙ اِنۡ فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا كِبۡرٌ مَّا هُمۡ بِبَالِغِيۡهِ ۚ
فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو انکو اور کوئی بات نہیں انکے دلوں میں غرور ہے کہ کبھی نہ پہنچیں گے اُس تک [۷۶] سو تو پناہ مانگ اللہ کی بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے [۷۷]

لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ
وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ البتہ پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بڑا ہے لوگوں کے بنانے سے لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے [۷۸]

وَمَا يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَ الۡبَصِيۡرُ ۙ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الۡمُسِىۡٓءُ ؕ قَلِيۡلًا مَّا
تَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور برابر نہیں اندھا اور آنکھوں والا اور نہ ایماندار جو بھلے کام کرتے ہیں اور نہ بدکار تم بہت کم سوچ کرتے ہو [۷۹]

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَ
النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ تحقیق قیامت آنی ہے اس میں دھوکا نہیں ولیکن بہت لوگ نہیں مانتے

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِىۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَـكُمۡ‌ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ
يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِىۡ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ
دٰخِرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶

۶۰۔ اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو[۸۰] بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر [۸۱]

۷۱۔ دنیا میں انبیاء و مومنین کی نصرت: یعنی دنیا میں ان کا بول بالا کرتا ہے۔ جس مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ کی مدد سے اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ حق پرستوں کی قربانیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ درمیان میں کتنے ہی اتار چڑھاؤ ہوں اور کیسے ہی امتحانات پیش آئیں مگر آخر ان کا مشن کامیاب ہو کر رہتا ہے علمی حیثیت سے حجت و برہان میں تو وہ ہمیشہ ہی منصور رہتے ہیں۔ لیکن مادّی فتح اور ظاہری عزت و رفعت بھی آخر کار ان ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے۔ ان کا عُلوّ اور عُروج محض ہنڈیا کا جھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجام کار مومنین قانتین کے مقابلہ میں انکو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے اولیاء کا انتقام لئے بدون نہیں چھوڑتا۔ لیکن واضح رہے کہ آیت میں جن مومنین کے لئے وعدہ کیا گیا ہے شرط یہ ہے کہ وہ حقیقی مومن اور رسولوں کے متبع ہوں۔ کما قال تعالیٰ وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (اٰل عمران۔۱۳۹) مومنین کی خصلتیں قرآن میں جابجا مذکور ہیں۔ چاہئے کہ مسلمان اس کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لیں۔

۷۲۔ یعنی میدان حشر میں جبکہ اولین و آخرین جمع ہوں گے، حق تعالیٰ اپنے فضل سے علیٰ رؤس الاشہاد انکی سربلندی اور عزت و رفعت کو ظاہر فرمائے گا۔ دنیا میں تو کچھ شبہ بھی رہ سکتا ہے اور التباس ہو جاتا ہے، وہاں ذرا بھی ابہام و التباس باقی نہ رہے گا۔

۷۳۔ ظالموں کی معذرت کام نہیں آئے گی: یعنی انکی کوئی مدد اور دستگیری نہ ہو گی۔ یہ مقبولین کے بالمقابل مطرودین کا انجام بیان فرما دیا۔

۷۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ سے عبرت لو: یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو کہ فرعون اور اسکی قوم کو باوجود اس قدر طاقت و جبروت کے حق کی دشمنی نے کس طرح ہلاک و برباد کر کے چھوڑا۔ اور موسیٰؑ کی برکت و رہنمائی سے بنی اسرائیل کی مظلوم اور کمزور قوم کو کس طرح ابھارا اور اس عظیم الشان کتاب (تورات) کا وارث بنایا جو دنیا کے علقمندوں کیلئے شمع ہدایت کا کام دیتی تھی۔

۷۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور استغفار کا حکم: یعنی آپ بھی تسلی رکھیے، جو وعدہ آپ کے ساتھ ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ خداوند قدوس دارین میں آپ کو اور آپ کے طفیل میں آپ کے متبعین کو سربلند رکھے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے شدائد و نوائب پر صبر کریں۔ اور جن سے جس درجہ کی تقصیر کا امکان ہو اس کی معافی خدا سے چاہتے رہیں۔ اور ہمیشہ رات دن صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کا قولاً و فعلاً ورد رکھیں۔ ظاہر و باطن میں اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ پھر اللہ کی مدد یقینی ہے۔ یہ حضور ﷺ کو مخاطب بنا کر ساری امت کو سنایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت رسول اللہ ﷺ دن میں سو سو بار استغفار کرتے۔ ہر بندے کی تقصیر اس کے درجہ کے موافق ہے اس لئے ہر کسی کو استغفار ضروری ہے"۔

۷۶۔ اللہ کی آیتوں میں جھگڑنے والے: یعنی جو لوگ اللہ کے دلائل توحید اور کتب ساویہ اور اسکے پیغمبروں کے معجزات وہدایات میں خواہ مخواہ جھگڑتے اور بے سند باتیں نکال کر حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں انکے ہاتھ میں کچھ حجت و دلیل نہیں۔ نہ فی الواقع ان کھلی ہوئی چیزوں میں شک و شبہ کا موقع ہے۔ صرف شیخی اور غرور مانع ہے کہ حق کے سامنے گردن جھکائیں اور پیغمبر کا اتباع کریں۔ وہ اپنے کو بہت اونچا کھینچتے ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں۔ یا کم از کم اس کے سامنے جھکنا نہ پڑے۔ لیکن یاد رکھیں کہ وہ اس مقصد کو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ یا پیغمبر کے سامنے سر اطاعت جھکانا پڑے گا۔ ورنہ سخت ذلیل ورسوا ہوں گے۔

۷۷۔ یعنی اللہ کی پناہ مانگ کہ وہ ان مجادلین کے خیالات سے بچائے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آگے بعض مسائل کی تحقیق ہے جن میں وہ لوگ جھگڑتے تھے۔ مثلاً بعث بعد الموت (موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا) کہ اسکو وہ محال سمجھتے تھے یا توحید باری جس کا انکار کرتے تھے۔

۷۸۔ خالق کائنات: یعنی بظاہر مادی حیثیت میں آسمان و زمین کی عظمت وجسامت کے سامنے انسان کی کیا حقیقت ہے لیکن مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا وہ ہی خداوند قدوس ہے۔ پھر جس نے اتنی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا اسے آدمیوں کا پہلی بار یا دوسری بار پیدا کر دینا کیا مشکل ہو گا۔ تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کو بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

۷۹۔ نیکوکار اور بدکار برابر نہیں: یعنی ایک اندھا جسے حق کا سیدھا راستہ نہیں سوجھتا، اور ایک آنکھوں والا جو نہایت بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم کو دیکھتا اور سمجھتا ہے، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یا ایک نیکوکار مومن اور کافر بدکار کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو ضرور ایک دن چاہئے جب ان کا باہمی فرق کھلے۔ اور دونوں کے علم و عمل کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہوں۔ مگر افسوس کہ تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

۸۰۔ یعنی میری ہی بندگی کرو کہ اس کی جزا دوں گا اور مجھ ہی سے مانگو کہ تمہارا مانگنا خالی نہ جائے گا۔

۸۱۔ دعا بندگی کی شرط ہے: بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا۔ نہ مانگنا غرور ہے۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے۔ یہ بات تو بیشک برحق ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بندے کی ہر دعا قبول کیا کرے۔

دعا کی فضیلت: یعنی جو مانگے وہ ہی چیز دے دے۔ نہیں اس کی اجابت کے بہت سے رنگ ہیں جو احادیث میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ کوئی چیز دینا اس کی مشیت پر موقوف اور حکمت کے تابع ہے۔ کما قال فی موضع آخر فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام۔۴۱) بہر حال بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ اس میں چین پکڑو اور دن بنایا دیکھنے کا[۸۲] اللہ تو فضل والا ہے لوگوں پر اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے[۸۳]

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور اللہ ہے تمہارا رب ہر چیز بنانے والا کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو[۸۴]

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

٦٣۔ اسی طرح پھرے جاتے ہیں جو لوگ کہ اللہ کی باتوں سے منکر ہوتے رہتے ہیں

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ
بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾

٦٤۔ اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو عمارت [٨٥] اور صورت بنائی تمہاری تو اچھی بنائیں صورتیں تمہاری اور روزی دی تمکو ستھری چیزوں سے وہ اللہ ہے رب تمہارا سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو رب ہے سارے جہان کا[٨٦]

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾

٦٥۔ وہ ہے زندہ رہنے والا [٨٧] کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے سو اس کو پکارو خالص کر کر اس کی بندگی سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا[٨٨]

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَ اُمِرْتُ
اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

٦٦۔ تو کہ مجھکو منع کر دیا کہ پوجوں انکو جنکو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے جب پہنچ چکیں میرے پاس کھلی نشانیاں میرے رب سے اور مجھکو حکم ہوا کہ تابع رہوں جہان کے پروردگار کا[٨٩]

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا
اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى
مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے [٩٠] پھر پانی کی بوند سے پھر خون جمے ہوئے سے [٩١] پھر تم کو نکالتا ہے بچہ پھر جب تک کہ پہنچو اپنے پورے زور کو پھر جب تک کہ ہو جاؤ بوڑھے اور کوئی تم میں ایسا ہے کہ مر جاتا ہے پہلے اس سے اور جب تک کہ پہنچو لکھے وعدے کو [٩٢] اور تا کہ تم سوچو [٩٣]

هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۶۸﴾ ع

ع ۸ ۱۲

۶۸۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب حکم کرے کسی کام کو تو یہ کہے اسکو کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے [۹۴]

۸۲۔ دن اور رات کی نعمت: رات کی ٹھنڈ اور تاریکی میں عموماً لوگ سوتے اور آرام کرتے ہیں۔ جب دن ہوتا ہے تو تازہ دم ہو کر اس کے اجالے میں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں اس وقت دیکھنے بھالنے اور چلنے پھرنے کے لئے مصنوعی روشنیوں کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔

۸۳۔ یعنی منعم حقیقی کی حق شناسی یہ تھی کہ قول و فعل اور جان و دل سے اس کا شکر ادا کرتے بہت سے لوگ شکر کے بجائے شرک کرتے ہیں۔

۸۴۔ یعنی رات دن کی سب نعمتیں اسکی طرف سے مانتے ہو، تو بندگی بھی صرف اسی کی ہونی چاہئے اس مقام پر پہنچ کر تم کہاں بھٹک جاتے ہو کہ مالکِ حقیقی تو کوئی ہو اور بندگی کسی کی کیجائے۔

۸۵۔ یعنی قبہ کی طرح بنایا۔

۸۶۔ انسان کی صورت سب سے بہتر ہے: سب جانوروں سے انسان کی صورت بہتر اور سب کی روزی سے اسکی روزی ستھری ہے۔

۸۷۔ جس پر کسی حیثیت سے کبھی فنا اور موت طاری نہیں ہوئی، نہ ہو سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے جب اسکی حیات ذاتی ہوئی تو تمام لوازم حیات بھی ذاتی ہوں گے۔

۸۸۔ کلمہ توحید الحمدللہ: کمالات اور خوبیاں سب وجود حیات کے تابع ہیں۔ جو حیّ علی الاطلاق ہے وہ ہی عبادت کا مستحق اور تمام کمالات اور خوبیوں کا مالک ہو گا۔ اسی لئے ہُوَ الْحَیُّ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرمایا۔ جیسا کہ پہلی آیت میں نعمتوں کا ذکر کر کے فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ فرمایا تھا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہنا چاہیئے۔ اس کا ماخذ یہ ہی آیت ہے۔

۸۹۔ یعنی کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد کیا حق ہے کہ کوئی خدائے واحد کے سامنے سر عبودیت نہ جھکائے اور خالص اسی کا تابع فرمان نہ ہو۔

۹۰۔ آدمی کی اصلیت: یعنی تمہارے باپ آدم کو، یا تم کو، اس طرح کہ نطفہ جس غذا کا خلاصہ ہے وہ خاک سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

۹۱۔ یعنی بنی آدم کی اصل ایک پانی کی بوند (قطرہ منی) ہے جو آگے چل کر جما ہوا خون بنا دیا گیا۔

۹۲۔ انسانی تخلیق کے مراحل: یعنی بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے۔ اور بعض آدمی جوانی یا بڑھاپے سے پہلے ہی گذر جاتے ہیں۔ بہر حال سب کو ایک معین میعاد اور لکھے ہوئے وعدے تک پہنچنا ہے۔ موت اور حشر سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

؎ ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید، ز جامِ دہر مے کل من علیہا فان۔

۹۳۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سوچو اتنے احوال (اور دور) تم پر گذرے۔ ممکن ہے ایک حال اور بھی گذرے۔ وہ مر کر جینا ہے"۔ آخر اسے کیوں محال سمجھتے ہو۔

۹۴۔ یعنی اس کی قدرت کاملہ اور شان کن فیکون کے سامنے یہ کیا مشکل ہے کہ موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر دے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ اَنّٰی یُصۡرَفُوۡنَ ﴿۶۹﴾ صلے ج

۶۹۔ تو نے نہ دیکھا ان کو جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں کہاں سے پھیر جاتے ہیں

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ
رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝٧٠

۷۰۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس کو کہ بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ سو آخر جان لیں گے [۹۵]

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ۝٧١

۷۱۔ جب طوق پڑیں انکی گردنوں میں اور زنجیریں بھی [۹۶] گھسیٹے جائیں

فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝٧٢

۷۲۔ جلتے پانی میں پھر آگ میں انکو جھونک دیں [۹۷]

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝٧٣

۷۳۔ پھر انکو کہیں کہاں گئے جنکو تم شریک بتلایا کرتے تھے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ
نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ
الْكٰفِرِيْنَ ۝٧٤

۷۴۔ اللہ کے سوائے [۹۸] بولیں وہ ہم سے چوک گئے [۹۹] کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو [۱۰۰] اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو [۱۰۱]

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ
بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝٧٥

۷۵۔ یہ بدلا اس کا جو تم اتراتے پھرتے تھے زمین میں ناحق اور اس کا جو تم اکڑتے تھے [۱۰۲]

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ
مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٧٦

۷۶۔ داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے [۱۰۳] سدا رہنے کو اس میں سو کیا برا ٹھکانہ ہے غرور والوں کا

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝٧٧

۷۷۔ سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پھر اگر ہم دکھلا دیں تجھ کو کوئی وعدہ جو ہم ان سے کرتے ہیں یا قبض کر لیں تجھ کو ہر حالت میں ہماری ہی طرف پھر آئیں گے [۱۰۴]

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ
قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

۷۸۔ اور ہم نے بھیجے ہیں رسول تجھ سے پہلے بعضے ان میں وہ ہیں کہ سنایا ہم نے تجھکو ان کا احوال اور بعضے ہیں کہ نہیں سنایا [۱۰۵] اور کسی رسول کو مقدور نہ تھا کہ لے آتا

وَ مَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالۡحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۷۸﴾

کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے[۱۰۶] پھر جب آیا حکم اللہ کا فیصلہ ہو گیا انصاف سے اور ٹوٹے میں پڑے اس جگہ جھوٹے[۱۰۷]

ع ۸ ۱۳

۹۵۔ کہ اس کی تکذیب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

۹۶۔ مجرموں کیلئے طوق اور زنجیریں: زنجیر کا ایک سرا طوق میں اٹکا ہوا اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس طرح مجرموں اور قیدیوں کی مانند لائے جائیں گے۔

۹۷۔ یعنی دوزخ میں کبھی جلتے پانی اور کبھی آگ کا عذاب دیا جائے گا (اعاذنا اللہ منہما)

۹۸۔ یعنی اس وقت ان میں سے کوئی کام نہیں آتا۔ ہو سکے تو ان کو مدد کے لئے بلاؤ۔

۹۹۔ دوزخ میں مجرموں سے سوال: یعنی ہم سے گئے گذرے ہوئے۔ شاید اس وقت عابدین اور معبودین الگ الگ کر دیے جائیں گے یا ضَلُّوۡا عَنَّا کا مطلب یہ ہو کہ گو موجود ہیں، مگر جب ان سے کوئی فائدہ نہیں تو ہوئے نہ ہوئے برابر ہیں۔

۱۰۰۔ کفار کا اقرار اور انکار: اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم جنکو دنیا میں پکارتے تھے، اب کھلا کہ وہ واقع میں کچھ چیز نہ تھے گویا یہ بطور حسرت وافسوس کے اپنی غلطی کا اعتراف ہوگا۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین اول منکر ہو چکے تھے کہ ہم نے شریک ٹھہرائے ہی نہیں۔ اب گھبرا کر منہ سے نکل جائے گا۔ ضَلُّوۡا عَنَّا جس میں شریک ٹھہرانے کا اعتراف ہوگا۔ پھر کچھ سنبھل کر انکار کر دیں گے کہ ہم نے خدا کے سوا کسی کو پکارا ہی نہیں۔

۱۰۱۔ یعنی جس طرح یہاں انکار کرتے کرتے بچل گئے اور گھبرا کر اقرار کر لیا۔ یہ ہی حال ان کافروں کا دنیا میں تھا۔

۱۰۲۔ یعنی دیکھ لیا، ناحق کی شیخی اور غرور و تکبر کا انجام یہ ہوتا ہے اب وہ اکڑفوں کدھر گئی۔

۱۰۳۔ یعنی ہر قسم کے مجرم اس دروازے سے جو ان کے لئے تجویز شدہ ہے۔

۱۰۴۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے: یعنی اللہ نے انکو عذاب دینے کا جو وعدہ فرمایا ہے، وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ ممکن ہے کوئی وعدہ آپ کی موجودگی میں پورا ہو (جیسا کہ "بدر" اور "فتح مکہ" وغیرہ میں ہوا) یا آپ کی وفات کے بعد۔ بہر حال یہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ سب کا انجام ہمارے ہاتھ میں، اس زندگی کے بعد عذاب کی تکمیل اُس زندگی میں ہوگی۔ چھٹکارا کسی صورت سے نہیں۔

۱۰۵۔ قرآن میں مذکور اور غیر مذکور انبیاء: یعنی بعض کا تفصیلی حال تجھ سے بیان کیا، بعض کا نہیں کیا۔ (اور ممکن ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ان کا بھی مفصل حال بیان کر دیا ہو) بہر حال جن کے نام معلوم ہیں ان پر تفصیلاً اور جن کے نام وغیرہ معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ (البقرۃ۔ ۲۸۵)۔

۱۰۶۔ یعنی اللہ کے سامنے سب عاجز ہیں رسولوں کو یہ بھی اختیار نہیں کہ جو معجزہ چاہیں دکھلا دیا کریں، صرف وہ ہی نشانات دکھلا سکتے ہیں جس کی اجازت حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔

۱۰۷۔ اللہ کا فیصلہ: یعنی جس وقت اللہ کا حکم پہنچتا ہے رسولوں اور ان کی قوموں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اس وقت رسول سرخرو

اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اور باطل پرستوں کے حصہ میں ذلت و خسران کے سوا کچھ نہیں آتا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ
مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ اللہ ہے جس نے بنا دیے تمہارے واسطے چوپائے تا کہ سواری کرو بعضوں پر اور بعضوں کو کھاتے ہو

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ
صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور ان میں تمکو بہت فائدے ہیں[۱۰۸] اور تا کہ پہنچو ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو[۱۰۹] اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو[۱۱۰]

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور دکھلاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں پھر کون کون سی نشانیوں کو اپنے رب کی نہ مانوگے[۱۱۱]

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ
اَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ کیا پھرے نہیں وہ ملک میں کہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان سے پہلوں کا وہ تھے ان سے زیادہ اور زور میں سخت اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر پھر کام نہ آیا اُن کے جو وہ کماتے تھے[۱۱۲]

فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا
عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ پھر جب پہنچے انکے پاس رسول انکے کھلی نشانیاں لے کر اترانے لگے اس پر جو انکے پاس تھی خبر اور الٹ پڑی ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے[۱۱۳]

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ
كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے اللہ اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جنکو شریک بتلاتے تھے[۱۱۴]

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ

۸۵۔ پھر نہ ہوا کہ کام آئے انکو یقین لانا ان کا جس وقت

ع ۹ ۱۴

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ فِیۡ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ ع

دیکھ چکے ہمارا عذاب [۱۱۵] رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر [۱۱۶]

۱۰۸۔ چوپایوں کے منافع: مثلاً ان کے چمڑے، بال اور اون وغیرہ سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔

۱۰۹۔ سواری کرنا بجائے خود ایک مقصد ہے اور سواری کے ذریعہ سے انسان بہت مقاصد دینی و دنیوی حاصل کرتا ہے۔

۱۱۰۔ یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔

۱۱۱۔ اللہ کی کس کس نشانی کو جھٹلاؤ گے: یعنی اس قدر کھلے نشان دیکھنے پر بھی آدمی کہاں تک انکار ہی کرتا چلا جائے گا۔ (اور ابھی کیا معلوم اللہ اور کتنے نشان دکھلائے گا)۔

۱۱۲۔ یعنی پہلے بہت قومیں گذر چکیں جو جتھے میں اور زور و قوت میں ان سے بہت زیادہ تھیں انہوں نے ان سے کہیں بڑھ کر زمین پر اپنی یادگاریں اور نشانیاں چھوڑیں، لیکن جب خدا کا عذاب آیا تو وہ زور و طاقت اور ساز و سامان کچھ بھی کام نہ آسکا۔ یوں ہی تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔

۱۱۳۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت سے سبق لو: یعنی وجہ معاش اور مادی ترقیات کا جو علم ان کے پاس تھا اور جن غلط عقیدوں پر دل جمائے ہوئے تھے اسی پر اتراتے رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایات کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے۔ آخر ایک وقت آیا جب ان کو اپنی ہنسی مذاق کی حقیقت کھلی، اور ان کا استہزاء و تمسخر خود انہی پر الٹ پڑا۔

۱۱۴۔ قیامت میں کفار کی توبہ: یعنی جس وقت آفت آنکھوں کے سامنے آگئی اور عذاب الٰہی کا معائنہ ہونے لگا تب ہوش آیا اور ایمان و توبہ کی سوجھی۔ اب پتہ چلا کہ اکیلے خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے جن ہستیوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا سب عاجز اور بیکار ہیں۔ ہماری سخت حماقت اور گستاخی تھی کہ ان چیزوں کو تخت خدائی پر بٹھا دیا تھا۔

۱۱۵۔ حشر میں توبہ و ندامت بے سود ہے: یعنی اب پچھتانے اور تقصیر کا اعتراف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایمان و توبہ کا وقت گذر چکا۔ عذاب دیکھ لینے پر تو ہر کسی کو بے اختیار یقین آجاتا ہے۔ مگر یہ یقین موجب نجات نہیں۔ نہ اس یقین کی بدولت آیا ہوا عذاب ٹل سکتا ہے۔ قال تعالیٰ وَلَیۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَ هُمۡ كُفَّارٌ ؕ (نساء۔۱۸) وقال فی قصہ فرعون آٰلۡـٰٔنَ وَ قَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ وَ كُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ (یونس۔۹۱) وفی الحدیث اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقۡبَلُ تَوۡبَةَ الۡعَبۡدِ مَالَمۡ یُغَرۡغِرۡ۔

۱۱۶۔ توبہ کے معاملے میں اللہ کی عادت: یعنی ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ لوگ اول انکار و استہزاء سے پیش آتے ہیں پھر جب عذاب میں پکڑے جاتے ہیں اس وقت شور مچاتے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ کی عادت یہ ہے کہ اس بے وقت کی توبہ کو قبول نہیں فرماتا۔ آخر منکرین اپنے جرائم کی پاداش میں خراب و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اللّٰھم احفظنا من الخسران واحفظنا من غضبک وسخطک فی الدنیا والآخرۃ۔

تم سورۃ المؤمن وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتھا ٥٤ ٤١ سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ٦١ رکوعاتھا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

۱۔ حٰم۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ﴿۲﴾

۲۔ اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے [۱]

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾

۳۔ ایک کتاب ہے جدی جدی کی ہیں اس کی آیتیں [۲] قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کو [۳]

بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا
يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾

۴۔ سنانے والا خوشخبری اور ڈر [۴] پر دھیان میں نہ لائے وہ بہت لوگ سو وہ نہیں سنتے [۵]

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَ فِيْۤ
اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ
فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ الثلثة

۵۔ اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ ہے سو تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں [۶]

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ
وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾

۶۔ تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھکو کہ تم پر بندگی ایک حاکم کی ہے سو سیدھے رہو اسکی طرف اور اس سے گناہ بخشواؤ [۷] اور خرابی ہے شریک کرنے والوں کو

الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۷﴾	۷۔ جو نہیں دیتے زکوٰۃ اور وہ آخرت سے منکر ہیں[۸]
اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۸﴾	۸۔ البتہ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ثواب ملنا ہے جو موقوف نہ ہو[۹]

ع ۱ ۸ ۱۵

۱۔ نزول قرآن اللہ کی بڑی نعمت ہے: یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بڑی مہربانی اور رحمت بندوں پر ہے جو ان کی ہدایت کے لئے ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب نازل فرمائی۔

۲۔ لفظی طور پر آیات کا جدا جدا ہونا تو ظاہر ہے، مگر معنوی حیثیت سے بھی سینکڑوں قسم کے علوم اور مضامین کی تفصیل الگ الگ آیات میں کی گئی ہے۔

۳۔ قرآن عربی میں نازل ہوا: یعنی قرآن کریم اعلیٰ درجہ کی صاف وشستہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ تا ان لوگوں کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ خود سمجھ کر دوسروں کو پوری طرح سمجھا سکیں۔ مگر اس کے باوجود بھی ظاہر ہے وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہو سکتے ہیں جو سمجھ رکھتے ہوں۔ ناسمجھ جاہل کو اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔

۴۔ یعنی قرآن اپنے ماننے والوں کو نجات وفلاح کی خوشخبری سناتا اور منکروں کو برے انجام سے ڈراتا ہے۔

۵۔ اس سے لوگوں کا اعراض تعجب خیز ہے: یعنی ان سب باتوں کے باوجود بھی تعجب ہے کہ ان میں کے بہت لوگ اس کتاب کی بیش قیمت نصائح کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ اور جب ادھر دھیان ہی نہیں تو سنا کیوں چاہیں گے۔ اور فرض کیجئے کانوں سے سن بھی لیا، لیکن گوشِ دل سے نہ سنا اور قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو سنا ان سنا برابر ہے۔

۶۔ کفار مکہ کہ ہٹ دھرمی: یعنی صرف اسی قدر نہیں کہ نصیحت کی طرف دھیان نہیں کرتے یا کان نہیں دھرتے، بلکہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن کو سن کر ناصح بالکلیہ مایوس ہو جائے اور آئندہ نصیحت سنانے کا ارادہ بھی ترک کر دے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو تمہاری باتوں کی طرف سے غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی بات وہاں تک پہنچتی نہیں۔ اور جب تم بات کرتے ہو ہمارے کان اونچا سننے لگتے ہیں۔ ثقل سماع کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دیتا، اور ہمارے تمہارے درمیان ایسا پردہ ہے جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتا، دشمنی اور عداوت کی جو دیواریں کھڑی ہیں وہ درمیان سے اٹھ جائیں اور جو خلیج حائل ہے وہ پر ہو، تب ہم میں سے ایک دوسرے تک پہنچ سکے لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے پھر تم کیوں اپنا مغز تھکاتے ہو۔ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑو، تم اپنا کام کئے جاؤ، ہم اپنا کام کریں گے۔ اس کی توقع مت رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحتوں سے متاثر ہونے والے ہیں۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت: یعنی نہ میں خدا ہوں کہ زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکوں، نہ فرشتہ ہوں جس کے بھیجے جانے کی تم فرمائش کیا کرتے ہو نہ کوئی اور مخلوق ہوں، بلکہ تمہاری جنس ونوع کا ایک آدمی ہوں جس کی بات سمجھنا تم کو ہم جنسی کی بنا پر آسان ہونا چاہئے، اور وہ آدمی ہوں جسے حق تعالیٰ نے اپنی آخری اور کامل ترین سچی وحی کیلئے چن لیا ہے۔ بناءً علیہ خواہ تم کتنا ہی اعراض کرو اور کتنی ہی یاس

انگیز باتیں کرو، میں خدائی پیغام تم کو ضرور پہنچاؤں گا۔ مجھے بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے کہ تم سب کا معبود اور حاکم علی الاطلاق ایک ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ لہذا سب کو لازم ہے کہ تمام شئون واحوال میں سیدھے اسی خدائے واحد کی طرف رخ کر کے چلیں اس کے راستہ سے ذرا ادھر ادھر قدم نہ ہٹائیں اور پہلے اگر ٹیڑھے ترچھے چلے ہیں تو اپنے پروردگار سے اس کی معافی چاہیں۔ اور اگلی پچھلی خطائیں بخشوائیں۔

۸۔ جن لوگوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ عاجز مخلوق کو اس کی بندگی میں شریک کرتے ہیں اور بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا پیسہ کسی محتاج مسکین پر خرچ کرنے کے روادار نہیں۔ ساتھ ہی انجام کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں، کیونکہ انہیں تسلیم ہی نہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی اور اچھے برے کا حساب وکتاب بھی ہوگا۔ ایسوں کا مستقبل بجز ہلاکت اور خرابی وبربادی کے اور کیا ہونا ہے۔ (تنبیہ) بعض سلف نے یہاں الزَّکٰوۃَ سے مراد کلمہ طیبہ لیا ہے۔ اور بعض نے "زکٰوۃ" کے معنی پاکیزی اور ستھرائی کے لئے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنے نفس کو عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک وصاف نہیں کرتے۔ اس میں کلمہ طیبہ کا ترک اور زکٰوۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا بھی آگیا۔ وہذا کما قال قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ۔۱۴) وقال قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس۔۹) وقال وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً (مریم۔۱۳) وغیر ذلک۔ شاید یہ معنی اس لئے یہاں لئے گئے ہوں کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں یا اس لئے کہ آیت مکی ہے اور زکٰوۃ وغیرہ کی تشخیص مدینہ میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۹۔ مومنین کیلئے دائمی اجر: یعنی کبھی منقطع نہ ہوگا ابد الآباد تک جاری رہے گا۔ جنت میں پہنچ کر نہ انکو فنا نہ انکے ثواب کو۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾	۹۔ تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین دو دن میں اور برابر کرتے ہو اسکے ساتھ اوروں کو وہ ہے رب جہان کا[۱۰]
وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ﴿۱۰﴾	۱۰۔ اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اسکے اندر اور ٹھہرائیں اُسمیں خوراکیں اُسکی[۱۱] چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کو[۱۲]
ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا[۱۳] پھر کہا اسکو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے[۱۴]

فَقَضٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ وَ اَوۡحٰى فِىۡ كُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ ۖ وَحِفۡظًا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ پھر کر دیے وہ سات آسمان دو دن میں[۱۵] اور اتارا ہر آسمان میں حکم اُس کا[۱۶] اور رونق دی ہم نے سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے اور محفوظ کر دیا یہ سادھا ہوا ہے زبردست خبردار کا[۱۷]

۱۰۔ زمین کی تخلیق دو دن میں: یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کا انکار کرتے ہو اور دوسری چیزوں کو اس کے برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ کا اختیار نہیں رکھتیں۔

۱۱۔ زمین کی برکتیں: "اور برکت رکھی اسکے اندر" یعنی قسم قسم کی کانیں، درخت، میوے، پھل، غلے اور حیوانات زمین سے نکلتے ہیں۔ اور "ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اسکی" یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص اندازہ اور حکمت سے زمین کے اندر رکھ دیں چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبائع اور ضروریات کے موافق خوراکیں مہیا کر دی گئی ہیں۔

۱۲۔ تخلیق کے چار دن: یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن ہوئے بدون کسر اور کمی بیشی کے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا۔ (تنبیہ) یہاں "دنوں" سے مراد ظاہر ہے معروف و متبادر دن نہیں ہو سکتے کیونکہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں۔ لامحالہ ان دنوں کی مقدار ہو گی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت فرمایا ہے وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ (حج۔۴۷) واللہ اعلم۔

۱۳۔ تخلیق آسمان: یعنی پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت سارا ایک تھا دھوئیں کی طرح۔ اس کو بانٹ کر سات آسمان کئے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے "دُخان" سے آسمانوں کے مادّہ کی طرف اشارہ ہو۔

۱۴۔ زمین و آسمان کو اللہ کا حکم: یعنی ارادہ کیا کہ ان دونوں (آسمان اور زمین) کے ملاپ سے دنیا بسائے خواہ اپنی طبعیت سے ملیں یا زور سے ملیں۔ (بہر حال دونوں ملا کر ایک نظام بنانا تھا) وہ دونوں آملے اپنی طبیعت سے آسمان سے سورج کی شعاع آئی، گرمی پڑی ہوائیں اٹھیں ان سے گرد اور بھاپ اوپر چڑھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ہوئیں۔ اور پہلے جو فرمایا تھا کہ "زمین میں اس کی خوراکیں رکھیں" یعنی اس میں قابلیت ان چیزوں کے نکلنے کی رکھدی تھی۔ واللہ اعلم۔

۱۵۔ سات آسمان کی تخلیق دو دن میں: یعنی چار دن وہ تھے اور دو دن میں آسمان بنائے کل چھ دن ہو گئے، جیسا کہ دوسری جگہ سِتَّةِ اَيَّامٍ کی تصریح ہے۔ (تنبیہ) جن احادیث مرفوعہ میں تخلیق کائنات کے متعلق دنوں کی تعیین و ترتیب آئی ہے کہ فلاں فلاں چیز اللہ نے ہفتہ کے دن، فلاں فلاں دن میں پیدا کی، ان میں کوئی حدیث صحیح اب تک نظر سے نہیں گذری۔ حتّٰی کہ ابو ہریرہ کی حدیث کے متعلق جو صحیح مسلم میں ہے ابن کثیرؒ لکھتے ہیں وهو من غرائب الصحيح وقد علله البخارى فى التاريخ فقال رواه بعضهم عن ابى هريرة عن كعب الاحبار و هو الاصحّ اور روح المعانی میں فقال شافعی سے نقل کیا ہے تفرد به مسلم وقد تكلم عليه الحافظ على ابن المدينى والبخارى وغيرهما وجعلوه من كلام كعب وان اباهريرة انّما سمعه منه ولكن اشتبه على بعض الرواة فجعله مرفوعًا۔

آسمان پہلے پیدا ہوا یا زمین: باقی قرآن کریم کی اس آیت اور سورہ "بقرہ" کی آیت ۳۲ ثُمَّ اسۡتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ سے ظاہر

ہوتا ہے کہ سات آسمان زمین کی پیدائش کے بعد بنائے گئے۔ اور سورہ "نازعات۔ ۳۰" میں وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰىہَا سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد بچھائی گئی۔ اس کے جواب کئی طرح دیے گئے ہیں۔ احقر کو ابوحیان کی تقریر پسند ہے یعنی ضروری نہیں کہ پہلی آیت میں ثُمَّ اور دوسری میں بَعۡدَ ذٰلِکَ تراخی زمان کے لئے ہو۔ ممکن ہے ان الفاظ سے تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبی مراد لیں۔ جیسے ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ (البلد۔ ۱۷) میں۔ یا دوسری جگہ عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ (القلم۔ ۱۳)۔ میں یہ ہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ بہر حال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا اور عظمت و قدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا ہے جس کا نکتہ ادنیٰ تامل و تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ یہ چند الفاظ اہل علم کی تنبیہ کے لئے لکھ دیے ہیں۔

۱۶۔ ہر آسمان کو اسکے حکم کی وحی: یعنی جو حکم جس آسمان کے مناسب تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ رب کو معلوم ہے کہ وہاں کون مخلوق بستی ہے اور انکا کیا اسلوب (اور رنگ ڈھنگ) ہے اتنی زمین میں ہزاراں ہزار کارخانے ہیں، تو اتنے بڑے آسمان کب خالی پڑے ہوں گے"۔

۱۷۔ یعنی دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ رات کو ان قدرتی چراغوں سے آسمان کیسا پر رونق معلوم ہوتا ہے۔ پھر محفوظ کتنا کر دیا ہے کہ کسی کی وہاں تک دسترس نہیں۔ فرشتوں کے زبردست پہرے لگے ہوئے ہیں۔ کوئی طاقت اس نظام محکم میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ سب سے بڑی زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَۃً مِّثۡلَ
صٰعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ؕ﴿۱۳﴾

۱۳۔ پھر اگر وہ ٹلائیں تو تو کہہ میں نے خبر سنادی تمکو ایک سخت عذاب کی جیسے عذاب آیا عاد اور ثمود پر [۱۸]

اِذۡ جَآءَتۡہُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ
خَلۡفِہِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا
لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَۃً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ جب آئے انکے پاس رسول آگے سے اور پیچھے سے [۱۹] کہ نہ پوجو کسی کو سوائے اللہ کے کہنے لگے اگر ہمارا رب چاہتا تو بھیجتا فرشتے سو ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانتے [۲۰]

فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ
قَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً ؕ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ
الَّذِیۡ خَلَقَہُمۡ ہُوَ اَشَدُّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَ کَانُوۡا
بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ سو وہ جو عاد تھے وہ تو غرور کرنے لگے ملک میں ناحق اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور میں [۲۱] کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ جس نے انکو بنایا وہ زیادہ ہے ان سے زور میں اور تھے ہماری نشانیوں سے منکر [۲۲]

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ
لِّنُذِیۡقَہُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ
لَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَخۡزٰی وَ ہُمۡ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پھر بھیجی ہم نے ان پر ہوا بڑے زور کی کئی دن جو مصیبت کے تھے تا کہ چکھائیں انکو رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگانی میں [۲۳] اور آخرت کے عذاب میں تو پوری رسوائی ہے اور انکو کہیں مدد نہیں [۲۴]

وَ اَمَّا ثَمُوۡدُ فَہَدَیۡنٰہُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰی عَلَی
الۡہُدٰی فَاَخَذَتۡہُمۡ صٰعِقَۃُ الۡعَذَابِ الۡہُوۡنِ بِمَا
کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿ۚ۱۷﴾

۱۷۔ اور وہ جو ثمود تھے سو ہم نے انکو راہ بتلائی پھر انکو خوش لگا اندھا رہنا راہ سوجھنے سے [۲۵] پھر پکڑا انکو کڑک نے ذلت کے عذاب کی بدلا اس کا جو کماتے تھے [۲۶]

وَ نَجَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿ع۱۸﴾ ع ۲ / ۱۶

۱۸۔ اور بچا دیا ہم نے ان لوگوں کو جو یقین لائے تھے اور بچ کر چلتے تھے [۲۷]

وَ یَوۡمَ یُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَہُمۡ
یُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور جس دن جمع ہوں گے دشمن اللہ کے دوزخ پر تو انکی جماعتیں بنائی جائیں گی [۲۸]

حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوۡہَا شَہِدَ عَلَیۡہِمۡ سَمۡعُہُمۡ وَ
اَبۡصَارُہُمۡ وَ جُلُوۡدُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ یہاں تک کہ جب پہنچیں اس پر بتائیں گے انکو انکے کان اور انکی آنکھیں اور انکے چمڑے جو کچھ وہ کرتے تھے [۲۹]

وَ قَالُوۡا لِجُلُوۡدِہِمۡ لِمَ شَہِدۡتُّمۡ عَلَیۡنَا ؕ قَالُوۡۤا
اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ خَلَقَکُمۡ
اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو تم نے کیوں بتلایا ہم کو [۳۰] وہ بولیں گے ہمکو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو [۳۱] اور اسی نے بنایا تمکو پہلی بار اور اسی کی طرف پھیرے جاتے ہو [۳۲]

وَ مَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ یَّشۡہَدَ عَلَیۡکُمۡ

۲۲۔ اور تم پردہ نہ کرتے تھے اس بات سے کہ تم کو بتلائیں

سَمْعُكُمْ وَ لَآ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ
اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

گے تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہارے چمڑے [۳۳] پر تم کو یہ خیال تھا کہ اللہ نہیں جانتا بہت چیزیں جو تم کرتے ہو [۳۴]

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور یہ وہی تمہارا خیال ہے جو تم رکھتے تھے اپنے رب کے حق میں اسی نے تمکو غارت کیا پھر آج رہ گئے ٹوٹے میں

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ
يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کا گھر ہے اور اگر وہ منایا چاہیں تو انکو کوئی نہیں مانتا [۳۵]

وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ
اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ
اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۷ ۳ ۱۷

۲۵۔ اور لگا دیے ہم نے انکے پیچھے ساتھ رہنے والے پھر انہوں نے خوبصورت بنا دیا انکی آنکھوں میں اسکو جو انکے آگے ہو اور جو انکے پیچھے ہو [۳۶] اور ٹھیک پڑ چکی ان پر عذاب کی بات ان فرقوں کے ساتھ جو گذر چکے ان سے پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے [۳۷] بیشک وہ تھے ٹوٹے والے [۳۸]

۱۸۔ یعنی کفار مکہ اگر ایسی عظیم الشان آیات سننے کے بعد بھی نصیحت قبول کرنے اور توحید و اسلام کی راہ اختیار کرنے سے اعراض کرتے رہیں تو فرما دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا انجام بھی "عاد" و "ثمود" وغیرہ اقوام معذبین کی طرح ہو سکتا ہے۔

۱۹۔ یعنی ہر طرف سے۔ شاید بہت رسول آئے ہوں گے مگر مشہور یہ ہی دو رسول ہیں۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اور یا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد یہ ہو کہ ان کو ماضی اور مستقبل کی باتیں سمجھاتے ہوئے آئے۔ کوئی جہت اور کوئی پہلو نصیحت و فہمائش کا نہیں چھوڑا۔

۲۰۔ رسول اللہ کے بشر ہونے پر اعتراض: یعنی خدا کا رسول بشر کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ کو واقعی رسول بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتا۔ بہر حال تم اپنے زعم کے موافق جو باتیں خدا کی طرف سے لائے ہو ہم ان کے ماننے کے لئے تیار نہیں۔

۲۱۔ قوم عاد کا غرور و تکبر: شاید رسولوں نے جو عذاب کی دھمکی دی ہو گی اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہم سے زیادہ زور آور کون ہے جس سے ہم خوف کھائیں کیا ہم جیسے طاقتور انسانوں پر تم اپنا رعب جما سکتے ہو؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ان کے جسم بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ بدن کی قوت پر غرور آیا۔ غرور کا دم بھرنا اللہ کے ہاں وبال لاتا ہے"۔

۲۲۔ یعنی دل میں ان کا حق ہونا سمجھتے تھے، مگر ضد اور عناد سے انکار کرتے چلے جاتے تھے۔

۲۳۔ آندھی کا طوفان: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ان کا غرور توڑنے کو ایک کمزور مخلوق سے ان کو تباہ کرا دیا۔ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا طوفان چلتا رہا۔ درخت، آدمی، مکان، مواشی کوئی چیز نہ چھوڑی۔

۲۴۔ یعنی آخرت کی رسوائی تو بہت ہی بڑی ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گی، نہ وہاں کوئی مدد کر سکے گا۔ ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہو گی محبت و ہمدردی کے بڑے بڑے مدعی آنکھیں چرائیں گے۔

۲۵۔ قوم ثمود کا اندھا پن: یعنی نجات کا راستہ جو ہمارے پیغمبر نے بتلایا تھا اس سے آنکھیں بند کر لیں اور اندھا رہنے کو پسند کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انکی پسند کی ہوئی حالت میں انہیں پڑا چھوڑ دیا۔

۲۶۔ یعنی زلزلہ آیا جس کے ساتھ سخت ہولناک آواز تھی، اس آواز سے جگر پھٹ گئے۔

۲۷۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور بدی کے راستہ سے بچ کر چلتے تھے انکو اللہ نے صاف بچالیا۔ نزول عذاب کے وقت ان پر ذرا آنچ بھی نہیں آئی۔

۲۸۔ جہنم کے قریب کفار کی جماعتیں: یعنی ہر ایک قسم کے مجرموں کی الگ جماعت ہو گی اور یہ سب جماعتیں ایک دوسرے کے انتظار میں جہنم کے قریب روکی جائیں گی۔

۲۹۔ کفار کے خلاف انکے اعضاء کی گواہی: دنیا میں کانوں سے آیات تنزیلیہ سنیں اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ دیکھیں مگر کسی کو نہ مانا۔ ہر بُن مُو سے خُدا کی کی نافرمانی کرتے رہے۔ یہ خبر نہ تھی کہ گناہوں کا یہ سارا ریکارڈ خود انہی کی ذات میں محفوظ ہے جو وقت پر کھول دیا جائے گا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں کفار اپنے جرائم کا زبان سے انکار کریں گے۔ اس وقت حکم ہو گا کہ ان کے اعضاء کی شہادت پیش کی جائے جن کے ذریعے سے گناہ کئے تھے۔ چنانچہ ہر ایک عضو شہادت دے گا۔ اور اس طرح زبان کی تکذیب ہو جائے گی۔ تب مبہوت و حیران ہو کر اپنے اعضاء کو کہے گا (کمبختو!) دور ہو جاؤ! تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑتا اور مدافعت کر رہا تھا۔ (تم خود ہی اپنے جرموں کا اعتراف کرنے لگے)

۳۰۔ کفار کا اپنے جسم سے خطاب: یعنی جب میں زبان سے انکار کر رہا تھا تو تم پر ایسی کیا مصیبت پڑی تھی کہ خواہ مخواہ بتلانا شروع کر دیا اور آخر یہ بولنا تمکو سکھلایا کس نے۔

۳۱۔ کفار کو اعضاء کا جواب: یعنی جسکی قدرت نے ہر ناطق چیز کو بولنے کی قوت دی، آج اسی نے ہمکو بھی گویا کر دیا نہ بولتے اور بتلاتے تو کیا کرتے۔ جب وہ قادر مطلق بلوانا چاہے تو کس چیز کی مجال ہے کہ نہ بولے جس نے زبان میں قوت گویائی رکھی، کیا ہاتھ پاؤں میں نہیں رکھ سکتا۔

۳۲۔ یہ مقولہ یا اللہ تعالیٰ کا ہے، یا جلود کا ہے۔ دونوں احتمال ہیں۔

۳۳۔ یعنی غیر سے چھپ کر گناہ کرتے تھے۔ یہ خبر نہ تھی کہ ہاتھ پاؤں بتلادیں گے۔ ان سے بھی پردہ کریں۔ اور کرنا بھی چاہتے تو اسکی قدرت کہاں تھی۔

۳۴۔ کفار کو ملامت: یعنی اصل میں تمہارے طرز عمل سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ گویا تمکو خدا تعالیٰ کے علم محیط کا یقین ہی نہ تھا سمجھتے تھے کہ جو چاہو کرتے رہو کون دیکھ بھال کرتا ہو گا۔ اگر پوری طرح یقین ہوتا کہ خدا ہماری تمام حرکات سے باخبر ہے اور س کے ہاں ہماری پوری مِسل محفوظ ہے تو ہرگز ایسی شرارتیں نہ کرتے۔

۳۵۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی دنیا میں بعض بلا صبر سے آسان ہوتی ہے، وہاں صبر کریں یا نہ کریں، دوزخ گھر ہو چکا۔ (جہاں سے کبھی نکلنا نہیں) اور بعض بلا منت خوشامد کرنے سے ٹلتی ہے۔ وہاں بہتیرا چاہیں کہ منت کریں) کوئی قبول نہیں۔

٣٦۔ کفار پر شیاطین کا تسلط: یعنی ان پر شیاطین تعینات تھے کہ انکو برے کام جو پہلے کئے یا آگے کرتے، بھلے کر کے دکھلائیں اور تباہ کن ماضی و مستقبل کو خوبصورت بنا کر انکے سامنے پیش کریں۔ اور یہ شیطانوں کا تعینات کیا جانا بھی انکے اعراض عن الذکر کا نتیجہ تھا کما قال تعالیٰ وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ (زخرف۔٣٦)۔

٣٧۔ یعنی وہ ہی بات جو شروع میں کہی گئی تھی۔ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ (ھود۔١١٩)

٣٨۔ جب آدمی کو خسارہ آتا ہے تو اسی طرح آتا ہے اور ایسے ہی سامان ہو جاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ﴿٢٦﴾

٢٦۔ اور کہنے لگے منکر مت کان دھرو اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اسکے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو[٣٩]

فَلَنُذِيۡقَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَذَابًا شَدِيۡدًا ۙ وَّلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ سو ہم کو ضرور چکھانا ہے منکروں کو سخت عذاب اور ان کو بدلا دینا ہے برے سے برے کاموں کا جو وہ کرتے تھے[٤٠]

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعۡدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمۡ فِيۡهَا دَارُ الۡخُلۡدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿٢٨﴾

٢٨۔ یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی آگ اُن کا اسی میں گھر ہے سدا کو بدلا اس کا جو ہماری باتوں سے انکار کرتے تھے[٤١]

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيۡنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ نَجۡعَلۡهُمَا تَحۡتَ اَقۡدَامِنَا لِيَكُوۡنَا مِنَ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ﴿٢٩﴾

٢٩۔ اور کہیں گے وہ لوگ جو منکر ہیں اے ہمارے رب ہمکو دکھلا دے وہ دونوں جنہوں نے ہم کو بہکایا جو جن ہے اور جو آدمی کہ ہم ڈالیں انکو اپنے پاؤں کے نیچے کہ وہ رہیں سب سے نیچے[٤٢]

٣٩۔ قرآن کی قرأت کے وقت کفار کی بک بک: قرآن کریم کی آواز بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں میں اثر کرتی تھی۔ جو سنتا فریفتہ ہو جاتا اس سے روکنے کی تدبیر کفار نے یہ نکالی کہ جب قرآن پڑھا جائے، ادھر کان مت دھرو اور اس قدر شور و غل مچاؤ کہ دوسرے بھی نہ سن سکیں اس طرح ہماری بک بک سے قرآن کی آواز دب جائے گی آج بھی جاہلوں کو ایسی ہی تدبیریں سوجھا کرتی ہیں کہ کام کی بات کو شور مچا کر سننے نہ دیا جائے۔ لیکن صداقت کی کڑک مچھروں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے کہاں مغلوب ہو سکتی ہے۔ ان سب تدبیروں کے باوجود حق کی آواز قلوب کی گہرائیوں تک پہنچ کر رہتی ہے۔

٤٠: اس سے زیادہ برا کام کونسا ہو گا کہ خود نصیحت کی بات نہ سنے اور دوسروں کو بھی سننے نہ دے۔

٤١۔ انکار آیات کی سزا: یعنی دل میں سمجھتے تھے لیکن ضد اور تعصب و عناد سے انکار ہی کرتے رہتے تھے۔

۴۲۔ اپنے معبودوں پر کفار کا غصہ: یعنی خیر ہم تو آفت میں پھنسے ہیں، لیکن آدمیوں اور جنوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا بہکا کر اس آفت میں گرفتار کرایا ہے ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دیجئے کہ انکو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں۔ اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دھکیل دیں، تا انتقام لے کر ہمارا دل کچھ تو ٹھنڈا ہو۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا [۴۳]

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿ؕ۳۱﴾

۳۱۔ ہم ہیں تمہارے رفیق دنیا میں اور آخرت میں [۴۴] اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ مانگو [۴۵]

نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴿٪۳۲﴾ ع ۴ ۱۸

۳۲۔ مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے [۴۶]

وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں حکمبردار ہوں [۴۷]

وَ لَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور برابر نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوستدار ہے قرابت والا [۴۸]

وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡحَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور یہ بات ملتی ہے انہی کو جو سہارے رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اسی کو جس کی بڑی قسمت ہے [۴۹]

وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَالسَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جو کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوک لگانے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا [۵۰]

۴۳۔ مومنین کیلئے فرشتوں کا نزول: یعنی دل سے اقرار کیا اور اس پر قائم رہے اسکی ربوبیت والوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ نہ اس یقین و اقرار سے مرتے دم تک ہٹے، نہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلا۔ جو کچھ زبان سے کہا تھا اس کے مقتضاء پر اعتقاداً اور عملاً جمے رہے۔ اللہ کی ربوبیت کاملہ کا حق پہچانا۔ جو عمل کیا خالص اسکی خوشنودی اور شکرگذاری کے لئے کیا، اپنے رب کے عائد کئے ہوئے حقوق و فرائض کو سمجھا اور ادا کیا۔ غرض ماسوا سے منہ موڑ کر سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی کے راستہ پر چلے ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اسکے بعد قبروں سے اٹھنے کے وقت اللہ کے فرشتے اترتے ہیں جو تسکین و تسلی دیتے اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں، کہتے ہیں کہ اب تم کو ڈرنے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ دنیائے فانی کے سب فکر و غم ختم ہوئے اور کسی آنے والی آفت کا اندیشہ بھی نہ نہیں رہا۔ اب ابدی طور پر ہر قسم کی جسمانی و روحانی خوشی اور عیش تمہارے لئے ہے۔ اور جنت کے جو وعدے انبیاء علیہم السلام کی زبانی کئے گئے تھے، وہ اب تم سے ایفاء کئے جانے والے ہیں۔ یہ وہ دولت ہے جس کے ملنے کا یقین حاصل ہونے پر کوئی فکر اور غم آدمی کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ (تنبیہ) بہت ممکن ہے کہ متقین و ابرار پر اس دنیوی زندگی میں بھی ایک قسم کا نزول فرشتوں کا ہوتا ہو جو اللہ کے حکم سے ان کے دینی و دنیوی امور میں بہتری کی باتیں الہام کرتے ہوں۔ جو ان کے شرح صدر اور تسکین و اطمینان کا موجب ہو جاتا ہے۔ جیسے ان کے بالمقابل ایک دو آیت پہلے گذر چکا ہے کہ کفار پر شیطان مسلط ہیں جو تزیین قبائح سے ان کے اغواء کا سامان کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ شیاطین کے حق میں بھی لفظ "تنزل" استعمال ہوا ہے۔ قال تعالیٰ تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ۔ یُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَ اَکۡثَرُہُمۡ کٰذِبُوۡنَ (شعراء۔ ۲۲۳،۲۲۲)۔ بہرحال بعض مفسرین کے نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور اس تقریر پر اگلی آیت نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔

۴۴۔ مومنین کیلئے فرشتوں کی تسلی: بعض نے اس کو اللہ کا کلام بتلایا ہے۔ یعنی فرشتوں کا کلام اس سے پہلے ختم ہو چکا اور اکثر کے نزدیک یہ بھی فرشتوں کا مقولہ ہے۔ گویا فرشتے یہ قول ان کے دلوں میں الہام کرتے ہیں اور انکی ہمت بندھاتے ہیں۔ ممکن ہے اس زندگی میں بعض بندوں سے مشافہۃً بھی اتنے الفاظ کہتے ہوں اور ممکن ہے موت کے قریب یا اس کے بعد کہا جاتا ہو۔ اس وقت نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے رفیق رہے ہیں کہ اللہ کے حکم سے باطنی طور پر تمہاری اعانت کرتے تھے، اور آخرت میں بھی رفیق رہیں گے کہ وہاں تمہاری شفاعت یا اعزاز و اکرام کا انتظام کریں گے۔

۴۵۔ جنت میں ہر خواہش پوری ہو گی: یعنی جس چیز کی خواہش و رغبت دل میں ہو گی یا جو زبان سے طلب کرو گے سب کچھ ملے گا۔ اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔

۴۶۔ یعنی سمجھ لو! وہ غفور رحیم اپنے مہمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا۔ اور یہ کتنی بڑی عزت و توقیر ہے کہ ایک بندہ ضعیف رب العزت کا مہمان ہو۔

۴۷۔ دعوت الی اللہ کی فضیلت: اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا الخ میں ان مخصوص بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔ یہاں انکے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے، اسی کی حکمبرداری کا اعلان کرے اسی کی پسندیدہ روش پر چلے۔ اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے۔ اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی

طرف کھینچنے میں موثر ہو، جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے اس کا طغرائے قومیت صرف مذہب اسلام ہو۔ اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ ورانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے جس کی دعوت دینے کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تھے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔

۴۸۔ **تبلیغ کے آداب کی تعلیم:** ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے۔ اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی خوب سمجھ لو نیکی، بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے، بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہذا ایک مومن قانت اور خصوصًا ایک داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو۔ برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب اور شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل کے نتیجہ میں تم دیکھ لوگے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اور گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی وعداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔ کما قال عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً (سورہ ممتحنہ۔ ۷) ہاں کسی شخص کی طبعیت کی افتاد ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ بہر حال دعوۃ الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر واستقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔

۴۹۔ **تبلیغ کے آداب کی تعلیم:** یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہئے کہ بری بات سہار کر بھلائی سے جواب دے۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے ہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے۔ (ربط) یہاں تک اس حریف اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرنا سکھلایا تھا جو حسن معاملہ اور خوش اخلاقی سے متاثر ہو سکتا ہو۔ لیکن ایک دشمن وہ ہے جو کسی حال اور کسی نہج سے دشمنی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کتنی ہی خوشامد یا نرمی برتو، اس کا نصب العین یہ ہے کہ تم کو ہر طرح نقصان پہنچائے ایسے پکے شیطانوں سے محفوظ رہنے کی تدبیر آگے تلقین فرمائی ہے۔

۵۰۔ **شیطانوں سے حفاظت کا طریقہ:** یعنی ایسے شیطان کے مقابلہ میں نرمی اور عفو ودرگذر سے کام نہیں چلتا۔ بس اس سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ خداوند قدوس کی پناہ میں آجاؤ۔ یہ وہ مضبوط قلعہ ہے جہاں شیطان کی رسائی نہیں اگر تم واقعی اخلاص وتضرع سے اللہ کو پکاروگے، وہ ضرور تم کو پناہ دے گا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ کس نے کتنے اخلاص وتضرع سے اسکو پکارا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس آیت کا پہلی آیت سے ربط ظاہر کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں۔ "یعنی کبھی بے اختیار غصہ چڑھ آئے تو یہ شیطان کا دخل ہے" وہ نہیں چاہتا کہ تم حسن اخلاق پر کاربند ہو کر دعوت الی اللہ کے مقصد میں کامیابی حاصل کرو۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور اسکی قدرت کے نمونے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند [۵۱] سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا اگر تم اسی کو پوجتے ہو [۵۲]

فَاِنِ اسۡتَكۡبَرُوۡا فَالَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوۡنَ
لَهٗ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَهُمۡ لَا يَسۡـَٔمُوۡنَ ۩ ۳۸

۳۸۔ پھر اگر غرور کریں تو جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں پاکی بولتے رہتے ہیں اسکی رات اور دن اور وہ نہیں تھکتے [۵۳]

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا
عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ ؕ اِنَّ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاهَا
لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۳۹

۳۹۔ اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری بیشک جس نے اس کو زندہ کیا وہ زندہ کرے گا مردوں کو وہ سب کچھ کر سکتا ہے [۵۴]

۵۱۔ زمین و آسمان میں دلائل توحید: دعوۃ الی اللہ کے ساتھ چند دلائل سماویہ وارضیہ بیان فرماتے ہیں جن سے داعی الی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت اور بعث بعد الموت وغیرہ اہم مسائل کے سمجھانے میں مدد ملے۔ اس ضمن میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ ایک طرف خدا کے مخصوص بندے اپنے قول و عمل سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف چاند سورج اور آسمان و زمین کا عظیم الشان نظم و نسق سوچنے والوں کو اُسی خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ وفی کل شیءٍ لہٗ اٰیَۃٌ تدل علیٰ اَنَّہٗ واحِدٌ انسان کو چاہئے کہ ان تکوینی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے جیسے بہت سی قومیں رہ گئی ہیں، بلکہ لازم ہے کہ اس لامحدود قدرت والے مالک کے سامنے سر جھکائے جس کی یہ نشانیاں ہیں۔ اور جس کے حکم سے ان کی ساری نمود ہے اور ممکن ہے اس پر بھی تنبیہ ہو کہ جس طرح رات اور دن اور ان دونوں کی نشانیاں چاند اور سورج ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں ردوبدل کرتا رہتا ہے اسی طرح اس کو قدرت ہے کہ دعوت الی اللہ کی روشنی اور داعی کی عُلوّ ہمت اور خوش اخلاقی کی بدولت مخاطبین کی کایا پلٹ کر دے اور تاریک فضا کو ایک روشن ماحول میں بدل دے۔

۵۲۔ سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی زبان سے یہ ہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے۔ مگر اللہ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے۔ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا خدائے واحد سے بغاوت کرنے کا مرادف ہے۔

۵۳۔ یعنی اگر غرور و تکبر حق کے قبول کرنے سے مانع ہے اور باوجود وضوح دلائل توحید کے خدائے واحد کی عبادت کی طرف آنا نہیں چاہتے تو نہ آئیں، اپنا ہی نقصان کریں گے۔ اللہ کو ان کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ بھلا جس کی عظمت و جبروت کا یہ عالم ہو کہ بیشمار ملائکہ مقربین شب و روز اس کی عبادت اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں، نہ کبھی تھکتے ہیں، نہ اکتاتے ہیں، اس کے سامنے یہ بیچارے کیا چیز ہیں اور ان کا غرور کیا چیز ہے۔ خوامخواہ کی جھوٹی شیخی کر کے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔

۵۴۔ زمین میں آخرت کی زندگی کے دلائل: یعنی زمین کو دیکھو بیچاری چپ چاپ، ذلیل و خوار بوجھ میں دبی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ خشکی کے وقت ہر طرف خاک اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا، پھر اس کی تروتازگی، رونق اور ابھار قابل دید ہو جاتا ہے۔ آخر یہ انقلاب کس کے دست قدرت کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ جس خدا نے اس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیا، کیا وہ مرے ہوئے انسانوں کے بدن میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتا؟ اور کیا وہ قادر مطلق مرے ہوئے دلوں کو دعوت الی اللہ کی تاثیر سے از سر نو حیات تازہ عطا نہیں کر سکتا؟ بیشک وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اسکی قدرت کے سامنے کوئی مانع و مزاحم نہیں۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخۡفَوۡنَ
عَلَيۡنَا ؕ اَفَمَنۡ يُّلۡقٰى فِى النَّارِ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ يَّاۡتِىۡۤ
اٰمِنًا يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّهٗ بِمَا
تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں وہ بہتر یا ایک جو آئے گا امن سے دن قیامت کے کئے جاؤ جو چاہو بیشک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے[۵۵]

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالذِّكۡرِ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّهٗ
لَـكِتٰبٌ عَزِيۡزٌ ۙ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے جب آئی ان کے پاس[۵۶] اور وہ کتاب ہے نادر

لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ
خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اُس پر جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے اور نہ پیچھے سے اتاری ہوئی ہے حکمتوں والے سب تعریفوں والے کی[۵۷]

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدۡ قِيۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِكَ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ وَّذُوۡ عِقَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ تجھے وہی کہتے ہیں جو کہہ چکے ہیں سب رسولوں سے تجھ سے پہلے تیرے رب کے یہاں معافی بھی ہے اور سزا بھی ہے دردناک[۵۸]

وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِيًّا لَّقَالُوۡا لَوۡلَا فُصِّلَتۡ
اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعۡجَمِىٌّ وَّعَرَبِىٌّ ؕ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ
وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ
مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۴۴﴾ ع

۴۴۔ اور اگر ہم اُسکو کرتے قرآن اوپری زبان کا تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب اور عربی لوگ[۵۹] تو کہہ یہ ایمان والوں کے لئے سوجھ ہے اور روگ کا دور کرنے والا[۶۰] اور جو یقین نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ قرآن انکے حق میں اندھاپا ہے[۶۱] انکو پکارتے ہیں دور کی جگہ سے[۶۲]

ع ۵ ۱۲ ۱۹

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِيۡهِ ‌ؕ وَلَوۡ
لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّهُمۡ
لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور ہم نے دی تھی موسٰی کو کتاب پھر اس میں اختلاف پڑا[۶۳] اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے نکل چکی تیرے رب کی طرف سے تو ان میں فیصلہ ہو جاتا[۶۴] اور وہ ایسے دھوکے میں ہیں اس قرآن سے جو چین نہیں لینے دیتا[۶۵]

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًـا فَلِنَفۡسِهٖ‌ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا
‌ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے اور جس نے کی برائی سو وہ بھی اسی پر اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے بندوں پر[۶۶]

۵۵۔ کفار کی کوئی چال پوشیدہ نہیں: یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی زبان سے آیات تنزیلیہ سن کر اور قرطاس دہر پر خدا کی آیات کونیہ کو دیکھ کر بھی جو لوگ کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی سیدھی باتوں کو واہی تباہی شہادت پیدا کر کے ٹیڑھی بناتے ہیں، یا خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر ان کا مطلب غلط لیتے ہیں، یا یوں ہی جھوٹ موٹ کے عذر اور بہانے تراش کر ان آیات کے ماننے میں ہیر پھیر کرتے ہیں۔ ایسے ٹیڑھی چال چلنے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ ممکن ہے وہ لوگ اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر مغرور ہوں مگر خدا سے ان کی کوئی چال پوشیدہ نہیں۔ جس وقت سامنے جائیں گے دیکھ لیں گے۔ فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ مجرم کو ایک دم نہیں پکڑتا۔ اسی لئے آگے فرما دیا۔ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ‌ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ یعنی اچھا جو تمہاری سمجھ میں آئے کئے جاؤ مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں ایک دن ان کا اکٹھا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اب خود سوچ لو کہ ایک شخص جو اپنی شرارتوں کی بدولت جلتی آگ میں گرے، اور ایک جو اپنی شرافت و سلامت روی کی بدولت ہمیشہ امن چین سے رہے۔ دونوں میں کون بہتر ہے؟

۵۶۔ یعنی وہ خواہ مخواہ اپنی کجروی سے نصیحت کی بات میں شبہات پیدا کرتے ہیں حالانکہ اس میں جھوٹ کی گنجائش کسی طرف نہیں۔ وہ نصیحت کیا ہے؟ ایک صاف، واضح اور مضبوط و محکم کتاب جس کا انکار ایک احمق یا شریر آدمی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

۵۷۔ یعنی اس کی اتاری ہوئی کتاب میں جھوٹ آئے تو کدھر سے آئے۔ اور جس کتاب کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہو، باطل کی کیا مجال ہے کہ اسکے پاس پھٹک سکے۔

۵۸۔ ہر زمانے کے منکرین کا یہی طریقہ رہا ہے: یعنی منکرین کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے، یہ ہی ہر زمانے کے منکرین کا پیغمبروں کے ساتھ رہا ہے۔ پیغمبروں نے ہمیشہ خیر خواہی کی ہے، انہوں نے اسکے جواب میں ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ پھر جس طرح پیغمبروں نے سختیوں پر صبر کیا، آپ بھی صبر کرتے رہیئے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ کچھ لوگ توبہ کر کے راہ راست پر آجائیں گے جن کے لئے خدا کے ہاں معافی ہے اور کچھ اپنی کجروی اور ضد پر قائم رہیں گے جو آخر کار دردناک سزا کے مستوجب ہوں گے۔

۵۹۔ قرآن کے عربی میں ہونے پر کفار کا اعتراض اور جواب: یعنی ایک بات کو نہ ماننا ہو تو آدمی ہزار حیلے بہانے نکال سکتا ہے۔ کفار مکہ نے اور کچھ نہیں تو یہ ہی کہنا شروع کر دیا کہ صاحب! عربی پیغمبر کا معجزہ تو ہم اس وقت سمجھتے جب قرآن عربی کے سوا کسی اور زبان میں آتا۔ لیکن فرض کیجئے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے کے لئے یوں کہنے لگتے کہ بھلا صاحب! کہیں ایسی بے جوڑ بات بھی دیکھی ہے کہ رسول عربی، اور اس کی قوم بھی جو اولین مخاطب ہے عرب، مگر کتاب بھیجی جائے ایسی زبان میں جس کا ایک حرف بھی عرب لوگ نہ سمجھ سکیں۔

۶۰۔ قرآن ہدایت اور شفاء ہے: یعنی لغو اور بیہودہ شبہات تو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ ہاں اس قدر تجربہ ہر ایک آدمی کر سکتا ہے کہ یہ کتاب مقدس اپنے اوپر ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو کیسی عجیب ہدایت و بصیرت اور سوجھ بوجھ عطا کرتی اور انکے قرنوں میں صدیوں کے روگ مٹا کر کس طرح بھلا چنگا کر دیتی ہے۔

۶۱۔ یعنی جس طرح خفّاش (شپرک) کی آنکھیں سورج کی روشنی میں چندھیا جاتی ہیں، ان منکروں کو بھی قرآن کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس میں قرآن کا کیا قصور ہے۔ منکروں کو چاہئے کہ اپنی نگاہ کا ضعف و قصور محسوس کر کے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔

۶۲۔ یعنی کسی کو دور سے آواز دو تو نہیں سنتا اور سنے تو اچھی طرح سمجھتا نہیں۔ اسی طرح منکرین قرآن بھی صداقت اور منبع صداقت سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ حق کی آواز ان کے دل کے کانوں تک نہیں پہنچتی اور کبھی پہنچتی ہے تو اس کا ٹھیک مطلب نہیں سمجھتے۔

۶۳۔ یعنی جیسے آج قرآن کے ماننے اور نہ ماننے والوں میں اختلاف پڑ رہا ہے۔ پہلے تورات کے متعلق بھی ایسا ہی اختلاف پڑ چکا ہے۔ پھر دیکھ لو وہاں کیا انجام ہوا تھا۔

۶۴۔ بات وہ ہی نکل چکی کہ فیصلہ آخرت میں ہے۔

۶۵۔ نیکی اور برائی اپنے نفس کیلئے ہے: یعنی مہمل شکوک و شبہات ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ہر وقت دل میں کھٹکتے رہتے ہیں۔

۶۶۔ یعنی خدا کے ہاں ظلم نہیں۔ ہر آدمی اپنے عمل کو دیکھ لے۔ جیسا کرے گا وہ ہی سامنے آئے گا۔ نہ کسی کی نیکی اس کے ہاں ضائع ہو گی نہ ایک کی بدی دوسرے پر ڈالی جائے گی۔ (ربط) چونکہ نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا، اور کفار اکثر سوال کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، اس لئے آگے اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ اِلَیۡہِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَۃِ الخ

اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ اَیۡنَ شُرَكَآءِیۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِیۡدٍ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اُسی کی طرف حوالہ ہے قیامت کی خبر کا[۶۷] اور نہیں نکلتے کوئی میوے اپنے غلاف سے اور نہیں رہتا حمل کسی مادہ کو اور نہ وہ جنے کہ جسکی اسکو خبر نہیں[۶۸] اور جس دن انکو پکارے گا کہاں ہیں میرے شریک[۶۹] بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا ہم میں کوئی اس کا اقرار نہیں کرتا[۷۰]

وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَ ظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور چوک گیا ان سے جو پکارتے تھے پہلے اور سمجھ گئے کہ انکو کہیں نہیں خلاصی[۷۱]

لَا یَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَیۡرِ ۫ وَ اِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ نہیں تھکتا آدمی مانگنے سے بھلائی اور اگر لگ جائے اس کو برائی تو آس توڑ بیٹھے ناامید ہو کر

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ
لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ
رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور اگر ہم چکھائیں اسکو کچھ اپنی مہربانی پیچھے ایک تکلیف کے جو اسکو پہنچی تھی تو کہنے لگے یہ ہے میرے لائق اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر میں پھر بھی گیا اپنے رب کی طرف بیشک میرے لئے ہے اسکے پاس خوبی[۷۲] سو ہم جتلا دیں گے منکروں کو جو انہوں نے کیا ہے اور چکھائیں گے انکو ایک گاڑھا عذاب[۷۳]

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ
وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور جب ہم نعمتیں بھیجیں انسان پر تو ٹلا جائے اور موڑ لے اپنی کروٹ اور جب لگے اسکو برائی تو دعائیں کرے چوڑی[۷۴]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ
بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ ہو اللہ کے پاس سے پھر تم نے اس کو نہ مانا پھر اس سے گمراہ زیادہ کون جو دور چلا جائے مخالف ہو کر[۷۵]

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى
يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اب ہم دکھلائیں گے انکو اپنے نمونے دنیا میں اور خود انکی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے[۷۶] کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے[۷۷]

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ
شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

۵۴۔ سنتا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے سنتا ہے وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو[۷۸]

ع ۶ / ۱

۶۷۔ یعنی اس کو خبر ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی اس کے وقت کی تعیین نہیں کر سکتا۔ جس سے دریافت کرو گے یہی کہے گا مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ السَّآئِلِ۔

۶۸۔ حق تعالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے: یعنی علم الٰہی ہر چیز کو محیط ہے۔ کوئی کھجور اپنے گابھے سے، اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوایا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جسکی خبر خدا کو نہ ہو۔ نیز کسی عورت یا کسی مادہ (جانور) کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہے اور جو چیز وہ جن رہی ہے سب کچھ اللہ کے علم سے ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کی موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی خدا ہی کو معلوم ہے کہ کب آئے گا۔ کوئی انسان یا فرشتہ اسکی خبر نہیں رکھتا۔ اور نہ اسکو خبر رکھنے کی ضرورت۔ ضرورت اس کی ہے کہ آدمی قیامت کی خبر پر اللہ کے فرمانے کے موافق یقین رکھے اور اس دن کی فکر کرے جب کوئی شریک کام نہ آئے گا اور کہیں مخلص نہ ملے گا۔

۶۹۔ یعنی جنکو میری خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اب بلاؤنا، وہ کہاں ہیں۔

۷۰۔ کفار کا شرک سے انکار: یعنی ہم تو آپ سے صاف عرض کر چکے کہ ہم میں کوئی اقبالی مجرم نہیں جو اس جرم (شرک) کا اعتراف کرنے کو تیار ہو۔ (گویا اس وقت نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کرنے لگیں گے)۔ اور بعض نے شہید کو بمعنی شاہد لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ اس وقت ہم میں سے کوئی ان شرکاء کو یہاں نہیں دیکھتا۔

۷۱۔ یعنی دنیا میں جنہیں خدا کا شریک بنا کر پکارتے تھے آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آتے۔ اور پرستاروں کے دلوں سے بھی وہ پکارنے کے خیالات اب غائب ہو گئے انہوں نے بھی سمجھ لیا کہ خدائی سزا سے بچنے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اور گلو خلاصی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ آخر آس توڑ کر بیٹھ رہے۔ اور جن کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑتے تھے آج ان سے قطعاً بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

۷۲۔ انسان کی حرص اور ناامیدی: یعنی انسان کی طبعیت عجیب طرح کی ہے۔ جب دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش آرام و تندرستی نصیب ہو، تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے۔ کسی حد پر پہنچ کر اسکی حرص کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت لے کر اپنے گھر میں ڈال لے۔ لیکن جہاں ذرا کوئی افتاد پڑنا شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی۔ اس وقت اس کا دل فوراً آس توڑ کر بیٹھ جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر صرف پیش آمدہ اسباب پر محدود ہوتی ہے۔ اس قادر مطلق مسبب الاسباب پر اعتماد نہیں رکھتا جو چاہے تو ایک آن میں سلسلہ اسباب کو الٹ پلٹ کر رکھدے۔ اس مایوسی کے بعد اگر فرض کیجئے اللہ نے تکلیف و مصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے عیش و راحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے۔ هٰذَا لِیْ یعنی میں نے فلاں تدبیر کی تھی، میری تدبیر اور لیاقت و فضیلت سے یوں ہی ہونا چاہئے تھا۔ اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی نہ اپنی وہ مایوسی کی کیفیت جو چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی۔ اب عیش و آرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا۔ سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا۔ اور اگر کبھی ان تاثرات کے دوران میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو خیال نہیں کرتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے۔ اور فرض کرو ایسی نوبت آہی گئی اور مجھ کو لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے کہ وہاں میرا انجام بہتر ہو گا۔ اگر میں خدا کے نزدیک برا اور لائق ہوتا تو دنیا میں مجھکو یہ عیش و بہار کے مزے کیونکر ملتے۔ لہذا وہاں بھی توقع ہے کہ یہ ہی معاملہ میرے ساتھ ہو گا۔

۷۳۔ منکرین کیلئے عذاب شدید: یعنی خوش ہو لو کہ اس کفر و غرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے؟ وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ اور کس طرح عمر بھی کی کرتوت سامنے آتی ہے۔

۷۴۔ انسان کی ناشکری اور بے صبری: یعنی اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے وقت تو منعم کی حق شناسی اور شکر گذاری سے اعراض کرتا ہے اور بالکل بے پرواہو کر اُدھر سے کروٹ بدل لیتا ہے۔ پھر جب کوئی تکلیف اور مصیبت پیش آتی ہے تو اسی خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ شرم نہیں آتی کہ اب اسے کس منہ سے پکارے۔ اور تماشا یہ ہے کہ بعض اوقات اسباب پر نظر کر کے دل اندر سے مایوس ہوتا ہے، اس حالت میں بھی بدحواس اور پریشان ہو کر دعا کے ہاتھ بے اختیار خدا کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ قلب میں ناامیدی بھی ہے

اور زبان پر یا اللہ بھی، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ سب بیان ہے انسان کے نقصان (وقصور) کا۔ نہ سختی میں صبر ہے نہ نرمی میں شکر"۔

۷۵۔ قرآن سے انکار بڑی گمراہی ہے: اوپر انسان کی طبعیت کا عجیب وغریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت موثر انداز میں توجہ دلائی تھی۔ اب تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں پر آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے، اگر خدا کے پاس سے آئی ہو (جیسا کہ واقع میں ہے) پھر تم نے اس کو نہ مانا، اور ایسی اعلیٰ اور بیش قیمت نصائح سے منکر رہ کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی، بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے، تو کیا اس سے بڑھ کر گمراہی اور نقصان وخسارہ کچھ اور ہو سکتا ہے۔

۷۶۔ آیات آفاقیہ وانفسیہ: یعنی قرآن کی حقانیت کے دوسرے دلائل براہین تو بجائے خود رہے۔ اب ہم ان منکروں کو خود ان کی جانوں میں اور ان کے چاروں طرف سارے عرب بلکہ ساری دنیا میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلائیں گے جن سے قرآن اور حامل قرآن کی صداقت بالکل روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے۔ وہ نمونے کیا ہیں؟ وہ ہی اسلام کی عظیم الشان اور محیر العقول فتوحات جو سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل بر خلاف قرآنی پیشینگوئیوں کے عین مطابق وقوع پذیر ہوئیں۔ چنانچہ معرکہ "بدر" میں کفار مکہ نے خود اپنی جانوں کے اندر اور "فتح مکہ" میں مرکز عرب کے اندر اور خلفائے راشدین کے عہد میں تمام جہان کے اندر یہ نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ "آیات" سے عام نشانہائے قدرت مراد ہوں جو غور کرنے والوں کو اپنے وجود میں اور اپنے وجود سے باہر تمام دنیا کی چیزوں میں نظر آتے ہیں جن سے حق تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ جب کہ وہ ان سنن الٰہیہ اور نوامیس فطریہ کے موافق ثابت ہوتے ہیں۔ جو اس عالم تکوین میں کارفرما ہیں۔ اس قسم کے تمام حقائق کونیہ اور آیات آفاقیہ وانفسیہ کا انکشاف چونکہ لوگوں کو دفعۃً نہیں ہوتا بلکہ وقتاً فوقتاً بتدریج ان کے چہرہ سے پردہ اٹھتا رہتا ہے۔ اس لئے سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا سے تعبیر فرمایا۔

۷۷۔ کیا اللہ کی گواہی ناکافی ہے: یعنی قرآن کی حقانیت کو فرض کرو کوئی نہ مانے، تو اکیلے خدا کی گواہی کیا تھوڑی ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے اور ہر چیز میں غور کرنے سے اسکی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔

۷۸۔ لقائے رب سے انکار: یعنی اس دھوکہ میں ہیں کہ کبھی خدا سے ملنا اور اس کے سامنے جانا نہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کسی وقت بھی اس کے قبضہ اور احاطہ سے نکل کر نہیں جاسکتے اگر مرنے کے بعد ان کے بدن کے ذرات مٹی میں مل جائیں یا پانی میں بہ جائیں یا ہوا میں منتشر ہو جائیں تب بھی ایک ایک ذرہ پر اللہ کا علم اور قدرت محیط ہے۔ ان کو جمع کر کے از سر نو زندہ کر دینا کچھ مشکل نہیں۔

تمت سورۃ حٰمٓ السجدۃ فلہ الحمد والمنۃ

اٰیاتہا ۵۳ ۴۲ سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی مَکِّیَّۃٌ ۶۲ رکوعاتہا ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾	۱۔ حٰم۔
عٓسٓقٓ ﴿۲﴾	۲۔ عسق۔
کَذٰلِکَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡکَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۙ اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳﴾	۳۔ اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف اور تجھ سے پہلوں کی طرف اللہ زبردست حکمتوں والا
لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ ہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۴﴾	۴۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا [۱]
تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِہِنَّ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵﴾	۵۔ قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اوپر سے [۲] اور فرشتے پاکی بولتے ہیں خوبیاں اپنے رب کی اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے [۳] سنتا ہے وہی ہے معاف کرنے والا مہربان [۴]
وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہُ حَفِیۡظٌ عَلَیۡہِمۡ ۫ۖ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿۶﴾	۶۔ اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس کے سوائے رفیق اللہ کو وہ سب یاد ہیں اور تجھ پر نہیں ان کا ذمہ [۵]
وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَ مَنۡ حَوۡلَہَا وَ تُنۡذِرَ یَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَیۡبَ	۷۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا کہ تو ڈر سنا دے بڑے گاؤں کو اور آس پاس والوں کو [۶] اور خبر سنا دے جمع ہونے کے دن کی اس میں دھوکا نہیں

فِيۡهِ‌ ؕ فَرِيۡقٌ فِى الۡجَـنَّةِ وَفَرِيۡقٌ فِى السَّعِيۡرِ‏ ﴿۷﴾

ایک فرقہ بہشت میں اور ایک فرقہ آگ میں[۷]

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَـعَلَهُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰـكِنۡ
يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ‌ ؕ وَالظّٰلِمُوۡنَ مَا
لَهُمۡ مِّنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ‏ ﴿۸﴾

۸۔ اور اگر چاہتا اللہ تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ و لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں اور گنہگار جو ہیں ان کا کوئی نہیں رفیق اور نہ مددگار[۸]

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ‌ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الۡوَلِىُّ وَ
هُوَ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏ ﴿۹﴾ ع ۱

۹۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اُس سے ورے کام بنانے والے سو اللہ جو ہے وہ ہی ہے کام بنانے والا اور وہی جِلاتا ہے مُردوں کو اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے[۹]

۱۔ انبیاء پر وحی کی سنت اللہ: یعنی جس طرح یہ سورت (جو نہایت اعلیٰ و اکمل مضامین پر مشتمل ہے) آپ کی طرف وحی کی جاری ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی عادت آپ کی طرف اور دوسرے انبیاء کی طرف وحی بھیجنے کی رہی ہے۔ جس سے اسکی شان حکمت و حکومت کا اظہار ہوتا ہے۔

۲۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے: یعنی آسمان پھٹ پڑیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے زور سے، یا بیشمار فرشتوں کے بوجھ سے، یا ان کے ذکر کی کثرت سے خاص تاثیر ہو اور پھٹ پڑے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سر بسجود نہ ہو۔ اور بعض نے آیت کا مطلب یہ لیا کہ جب مشرکین خدا تعالیٰ کے لئے شریک اور بیٹے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں تو خداوند قدوس کی جناب میں یہ ایسی گستاخی ہے جس سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان اوپر والی سطح تک پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ مریم تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا۔ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا (مریم۔۹۱،۹۰) مگر اللہ کی شان مغفرت و رحمت اور ملائکہ کی تسبیح و استغفار کی برکت سے یہ نظام تھما ہوا ہے۔

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کی خطاء ولغزش کو معاف فرمائے اور کفار کو دنیا میں ایک دم پکڑ کر بالکلیہ تباہ و برباد نہ کردے۔

۴۔ یعنی اپنی مہربانی سے فرشتوں کی دعا قبول کرکے مومنیں کی خطاؤں کو معاف کرتا اور کافروں کو ایک عرصہ کے لئے مہلت دیتا ہے ورنہ دنیا کا سارا کارخانہ چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔

۵۔ مشرکین کا انکار اللہ کے علم میں محفوظ ہے: یعنی دنیا میں مشرکین کو مہلت تو دیتا ہے لیکن یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔ ان کے سب اعمال و احوال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے۔ آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ مانتے کیوں نہیں۔ اور نہ ماننے کی صورت میں فوراً تباہ کیوں نہیں کر دیے جاتے۔ آپ ان باتوں کے ذمہ دار نہیں صرف پیغام حق پہنچا دینے کے ذمہ دار ہیں۔ آگے ہمارا کام ہے وقت آنے پر ہم ان کا سب حساب چکا دیں گے۔

۶۔ اُمّ القریٰ مکہ مکرمہ: اُمَّ الۡقُرٰى (بڑا گاؤں فرمایا) مکہ معظمہ کو کہ سارے عرب کا مجمع وہاں ہوتا ہے اور ساری دنیا میں اللہ کا گھر وہیں ہے۔ اور وہی گھر روئے زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ قرار پائی۔ بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو اسی

جگہ سے پھیلانا شروع کیا جہاں خانہ کعبہ واقع ہے۔ اور مکہ کے آس پاس سے اول ملک عرب اس کے بعد ساری دنیا مراد ہے۔

۷۔ حشر کا دن یقینی ہے: یعنی آگاہ کر دیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب تمام اگلے پچھلے خدا کی پیشی میں حساب کے لئے جمع ہوں گے۔ یہ ایک یقینی اور طے شدہ بات ہے جس میں کوئی دھوکا، فریب اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ چاہئے کہ اس دن کے لئے آدمی تیار ہو جائے اس وقت کل آدمی دو فرقوں میں تقسیم ہوں گے ایک فرقہ جنتی اور ایک دوزخی۔ سوچ لو کہ تم کو کس فرقہ میں شامل ہونا چاہئے اور اس میں شامل ہونے کے لئے کیا سامان کرنا چاہئے۔

۸۔ مذہب و ملت کا اختلاف اللہ کی حکمت ہے: یعنی بیشک اسکو قدرت تھی اگر چاہتا تو سب کو ایک طرح کا بنا دیتا اور ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا لیکن اسکی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ اپنی رحمت و غضب دونوں قسم کی صفات کا اظہار فرمائے۔ اس لئے بندوں کے احوال میں اختلاف و تفاوت رکھا۔ کسی کو اسکی فرمانبرداری کی وجہ سے اپنی رحمت کا مورد بنا دیا اور کسی کو اس کے ظلم و عصیان کی بناء پر رحمت سے دور پھینک دیا۔ جو لوگ رحمت سے دور ہو کر غضب کے مستحق ہوئے اور حکمت الٰہیہ ان پر سزا جاری کرنے کو مقتضی ہوئی ان کا ٹھکانہ کہیں نہیں۔ نہ کوئی رفیق اور مددگار انکو مل سکتا ہے جو اللہ کی سزا سے بچادے۔

۹۔ یعنی رفیق و مددگار بنانا ہے تو اللہ کو بناؤ جو سارے کام بنا سکتا ہے۔ حتّٰی کہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یہ بیچارے عاجز و مجبور رفیق تمہارا کیا ہاتھ بٹائیں گے۔

وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور جس بات میں جھگڑا کرتے ہو تم لوگ کوئی چیز ہو اس کا فیصلہ ہے اللہ کے حوالے [۱۰] وہ اللہ ہے رب میرا اسی پر ہے مجھکو بھروسہ اور اسی کی طرف میری رجوع ہے [۱۱]

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ بنا نکالنے والا آسمانوں کا اور زمین کا بنا دیے تمہارے واسطے تمہی میں سے جوڑے اور چوپایوں میں سے جوڑے [۱۲] بکھیرتا ہے تمکو اسی طرح [۱۳] نہیں ہے اس کی طرح کا سا کوئی [۱۴] اور وہی ہے سننے والا دیکھنے والا [۱۵]

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی پھیلا دیتا ہے روزی جسکے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے [۱۶]

۱۰۔ اللہ کا فیصلہ قطعی ہے: یعنی سب جھگڑوں کے فیصلے اسی کے سپرد ہونے چاہئیں۔ عقائد ہوں یا احکام۔ عبادات ہوں یا معاملات جس چیز میں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے وہ دلائل کونیہ کے ذریعہ سے یا اپنی کتاب میں یا اپنے رسولوں کی زبان پر صراحۃً یا

اشارۃً جس مسئلہ کا جو فیصلہ فرمادے بندہ کو حق نہیں کہ اس میں چون وچرا اں کرے۔ توحید جو اصل اصول ہے اللہ تعالیٰ جب قولاً وفعلاً برابر اس کا حکم دیتا رہا ہے پھر کیونکر جائز ہوگا کہ بندہ ایسے قطعی اور محکم فیصلہ میں جھگڑے ڈالے اور بیہودہ شبہات نکال کر اس کے فیصلہ سے سرتابی کرے۔

۱۱۔ یعنی میں اسی پر ہمیشہ سے بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع ہوتا رہتا ہوں۔

۱۲۔ یعنی چوپایوں میں سے انکے جوڑے نر اور مادہ بنادیے کہ وہ بھی تمہارے کام آتے ہیں۔

۱۳۔ انسانوں اور چوپایوں کے جوڑے: یعنی آدمیوں کے الگ اور جانوروں کے الگ جوڑے بنا کر ان کی کتنی نسلیں پھیلا دیں جو تمام روئے زمین پر اپنی روزی اور معیشت کی فکر میں جدوجہد کرتی ہیں۔

۱۴۔ کوئی اللہ کے مثل نہیں: یعنی نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں، نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے نہ اسکے دین کی طرح کوئی دین ہے، نہ اس کا کوئی جوڑا ہے نہ ہمسر نہ ہم جنس۔

۱۵۔ یعنی بیشک ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے، مگر اس کا دیکھنا سننا بھی مخلوق کی طرح نہیں۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں، پر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے۔ کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس ومنزہ ہے۔ پھر اسکی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ آئے۔

۱۶۔ اللہ تمام خزانوں کا مالک ہے: تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اسی کو قبضہ اور اختیار حاصل ہے کہ جس خزانہ میں سے جسکو جتنا چاہے مرحمت فرمائے۔ تمام جانداروں کو وہ ہی روزی دیتا ہے، لیکن کم وبیش کی تعیین اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کون چیز کتنی عطاء کی مستحق ہے اور اسکے حق میں کس قدر دینا مصلحت ہوگا۔ جو حال روزی کا ہے وہ ہی دوسری عطایا میں سمجھو۔

شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِىۡۤ
اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَ
عِيۡسٰۤى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ كَبُرَ
عَلَى الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ ؕ اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ
اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ راہ ڈالدی تمہارے لئے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو[۱۷] یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں[۱۸] بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جسکی طرف تو انکو بلاتا ہے اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جسکو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے[۱۹]

وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا
بَيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡرِثُوا

۱۴۔ اور جنہوں نے اختلاف ڈالا سو سمجھ آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکلی ہے تیرے رب سے ایک مقررہ وعدہ تک تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور جنکو ملی ہے کتاب ان کے پیچھے وہ البتہ اسکے دھوکے میں ہیں جو چین نہیں آنے دیتا[۲۰]

الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۴﴾
فَلِذٰلِكَ فَادۡعُ‌ ۚ وَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ‌ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ
اَهۡوَآءَهُمۡ‌ ۚ وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ‌ ۚ
وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ‌ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ‌ ؕ لَنَاۤ
اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ‌ ؕ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ‌ ؕ
اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا‌ ۚ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ سو تو اُسی طرف بلا اور قائم رہ جیسا کہ فرمادیا ہے تجھکو اور مت چل انکی خواہشوں پر اور کہہ میں یقین لایا ہر کتاب پر جو اتاری اللہ نے اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ میں اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا ہم کو ملیں گے ہمارے کام اور تمکو تمہارے کام کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں اللہ اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف پھر جانا ہے [۲۱]

۱۷۔ سب سے پہلے شارع حضرت نوح علیہ السلام: آدمؑ کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوحؑ ہیں۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ فی الحقیقت تشریع احکام کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا۔ اور آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر سلسلہ رسالت و نبوت منتہی ہوا۔ درمیان میں جو انبیاء ورسول آئے ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، یہ تین زیادہ مشہور ہوئے جن کے نام لیوا ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہا کئے ان پانچوں کو اولوالعزم کہتے ہیں۔ بہر حال اس جگہ حق تعالیٰ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ کیونکہ عقائد، اخلاق، اور اصول دیانات میں تمام متفق رہے ہیں۔ البتہ بعض فروع میں حسب مصلحت زمانہ کچھ تفاوت ہوا اور دین کے قائم کرنے کے طور و طریق ہر وقت میں اللہ نے جدا ٹھہرا دیے ہیں۔ جس کو دوسری جگہ فرما دیا۔ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا (المائدہ۔۴۸)۔

۱۸۔ یعنی سب انبیاء اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دین الٰہی کو اپنے قول و عمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کی تفریق و اختلاف کو روا نہ رکھیں۔

۱۹۔ مشرکین پر توحید بہت بھاری ہے: یعنی آپ جس دین توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، مشرکین پر وہ بہت بھاری ہے گویا آپ کوئی نئی اور انوکھی چیز پیش کر رہے ہیں جو کسی نے پہلے پیش نہیں کی تھی، بھلا توحید جیسی صاف، معقول اور متفق علیہ چیز بھی جب بھاری معلوم ہونے لگی اور اس میں بھی لوگ اختلاف ڈالے بدون نہ رہے، تو جہالت اور بدبختی کی حد ہو گئ۔ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت وغیرہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے وہ چاہے بندوں میں سے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور اپنی رحمت و موہبت سے مقام اقرب و اصطفاء پر فائز فرما دے۔ اور جو لوگ اپنی حسن استعداد سے اسکی طرف رجوع ہوتے اور محنتیں کرتے ہیں انکی محنت کو ٹھکانے لگانا اور دستگیری کر کے کامیاب فرمانا بھی اسی کا کام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَرَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخۡتَارُ‌ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ (القصص۔۶۸) وقال اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (حج۔۷۵) وقال وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا (عنکبوت۔۶۹) بہر حال حکمت الٰہی جس کی ہدایت کو مقتضی ہو وہ ہی ہدایت پا سکتا اور فائز المرام ہو سکتا ہے۔

۲۰۔ اختلاف عقائد کی تکوینی مصلحت: یعنی توحید اور اصول دین میں جنہوں نے اختلاف ڈالا اور کتب سماویہ میں تحریف کی وہ کچھ غلط فہمی یا

اشتباہ کی وجہ سے نہ تھی۔ ایسی صاف وصریح اور مجمع علیہ تعلیمات میں اشتباہ والتباس کیا ہو سکتا تھا۔ محض نفسانیت، ضد، عداوت اور طلب مال و جاہ وغیرہ اسباب ہیں جو فی الحقیقت اس تفریق و اختلاف مذموم کا باعث ہوئے ہیں۔ بعدہٗ جب اختلاف قائم ہو گئے اور مختلف مذاہب نے الگ الگ مورچے بنالئے تو پیچھے آنے والی نسلیں عجیب خبط اور دھوکہ میں پڑ گئیں اور ایسے شکوک وشبہات پیدا کر لئے گئے جو کسی حال ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بندوں کو ڈھیل دی۔ اگر وہ چاہتا تو سارے اختلافات کو ایک دم میں ختم کر دیتا لیکن ایسا کرنا تکوین کی غرض اصلی کے منافی تھا۔ اس کی حکمت بالغہ اسی کو مقتضی تھی کہ ان اختلافات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ ایک وقت معین پر زندگی کے دوسرے دور میں جائے۔ اگر یہ بات پہلے سے نہ نکل چکی ہوتی تو سب جھگڑے قصے فوراً ہاتھوں ہاتھ ختم کر دیے جاتے۔

۲۱۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت حق کا حکم:** یعنی جب دین حق کے متعلق تفریق و اختلافات کے طوفان چاروں طرف سے اٹھ رہے ہیں تو آپ کا فرض یہ ہے کہ غیر متزلزل عزم کے ساتھ اسی دین و آئین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں جسکی دعوت آدم ونوح اور انکے بعد تمام انبیاء دیتے چلے آئے ہیں۔ آپ اپنے پروردگار کے حکم سے ذرا اِدھر اُدھر نہ ہوں۔ قولاً وفعلاً اور علماً و حالاً اسی راستہ پر گامزن رہیں جس پر اب تک رہے ہیں۔ مکذبین ومعاندین کی خواہشات کی ذرا پروانہ کریں اور صاف اعلان کر دیں کہ میں اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر خواہ وہ تورات ہو یا انجیل یا قرآن یا کوئی صحیفہ جو کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوا ہو سچے دل سے یقین رکھتا ہوں میرا کام پہلی صداقتوں کو جھٹلانا نہیں بلکہ سب کو تسلیم کرنا اور باقی رکھنا ہے۔ اور مجھ کو حکم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ جو اختلافات تم نے ڈالے ہیں ان کا منصفانہ فیصلہ دوں۔ اور تبلیغ احکام وشرائع یا فصل خصومات میں عدل ومساوات کا اصول قائم رکھوں۔ ہر وہ سچائی جو کسی جگہ یا کسی مذہب میں ملے اسے بے تکلف تسلیم کروں۔ جس طرح تم کو خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کی طرف بلاؤں۔ تم سے پہلے میں خود احکام الٰہی کی پوری تعمیل کر کے اس کا کامل فرمانبردار بندہ ہونا ثابت کروں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے۔ اس لئے ہم سب کو اسی کی خوشنودی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہمارا تم سے کچھ تعلق نہیں۔ ہم دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر کے سبکدوش ہو چکے ہم میں سے کوئی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں۔ ہر ایک کا عمل اسکے ساتھ ہے۔ وہ ہی اس کے آگے آئے گا۔ چاہئے کہ اس کے نتائج برداشت کرنے کے لئے تیار رہے۔ آگے ہم کو تم سے جھگڑنے اور بحث وتکرار کی ضرورت نہیں۔ سب کو خدا کی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ وہاں جا کر ہر ایک کو پورا پتہ لگ جائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کچھ کما کر لایا ہے (تنبیہ) یہ آیات مکی ہیں۔ قتال کی آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔

وَ الَّذِيۡنَ يُحَآجُّوۡنَ فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِيۡبَ لَهٗ حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَ عَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کی بات میں جب لوگ اس کو مان چکے ان کا جھگڑا باطل ہے ان کے رب کے یہاں پر اور ان پر غصہ ہے اور انکو سخت عذاب ہے [۲۲]

اَللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ وَالۡمِيۡزَانَ ؕ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيۡبٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی [۲۳] اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید وہ گھڑی پاس ہو [۲۴]

يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا ۚ وَ
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ وَ يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهَا
الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُمَارُوۡنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىۡ
ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ جلدی کرتے ہیں اس گھڑی کی وہ لوگ کہ یقین نہیں رکھتے اس پر اور جو یقین رکھتے ہیں انکو اس کا ڈر ہے اور جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے سنتا ہے جو لوگ جھگڑتے ہیں اس گھڑی کے آنے میں وہ بہک کر دور جا پڑے [۲۵]

۲۲۔ یعنی اللہ کے دین، اس کی کتاب، اور اسکی باتوں کی سچائی جب علانیہ ظاہر ہو چکی، حتٰی کہ بہت سے سمجھدار لوگ اسکو قبول کر چکے اور بہتیرے قبول نہ کرنے کے باوجود ان کی سچائی کا اقرار کرنے لگے۔ اس قدر ظہور و وضوح حق کے بعد جو لوگ خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے یا ماننے والوں سے الجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخت عذاب کے مستوجب ہیں اور انکے سب جھگڑے جھوٹے اور سب بحثیں پادر ہوا اور باطل ہیں۔

۲۳۔ نزول میزان: اللہ نے مادی ترازو بھی اتاری جس میں اجسام تلتے ہیں اور علمی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفت عدل و انصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی ترازو دین حق ہے جو خالق و مخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے اور جس میں بات پوری تلتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔

۲۴۔ یعنی اپنے اعمال و احوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کی ترازو میں تول کر دیکھ لو، کہاں تک کھرے اور پورے اترتے ہیں۔ کیا معلوم ہے کہ قیامت کی گھڑی بالکل قریب ہی آ لگی ہو، پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔ جو فکر کرنا ہے اس کے آنے سے پہلے کر لو۔

۲۵۔ قیامت کے بارے میں منکرین کا استہزاء: یعنی جن کو قیامت پر یقین نہیں وہ ہنسی مذاق کے طور پر نہایت بے فکری سے کہتے ہیں کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ آخر دیر کیا ہے؟ جلدی کیوں نہیں آ جاتی؟ لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و یقین سے بہرہ ور کیا ہے، وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے لرزتے اور کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے، کسی کے ٹلائے ٹل نہیں سکتی۔ اسی لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ ان جھگڑنے والے منکرین کا حشر کیا ہونا ہے۔ جب ایک شخص کو قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں وہ تیاری کیا خاک کرے گا۔ ہاں جتنا اس حقیقت کا مذاق اڑائے گا گمراہی میں اور زیادہ ہوتا چلا جائے گا۔

اَللّٰهُ لَطِيۡفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ
الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ ﴿۱۹﴾ ع ۲

۱۹۔ اللہ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر [۲۶] روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور وہی ہے زور آور زبردست [۲۷]

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ۚ
وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا
لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی زیادہ کریں ہم اسکے واسطے اسکی کھیتی [۲۸] اور جو کوئی چاہتا ہو دنیا کی کھیتی اس کو دیویں ہم کچھ اس میں سے اور اسکے لئے نہیں آخرت میں کچھ حصہ [۲۹]

۲۶۔ یعنی باوجود تکذیب و انکار کے روزی کسی کی بند نہیں کرتا۔ بلکہ بندوں کے باریک سے باریک احوال کی رعایت کرتا اور نہایت نرمی اور تدبیر لطیف سے ان کی تربیت فرماتا ہے۔

۲۷۔ جس کو چاہے، جتنی چاہے دے۔

۲۸۔ نیکی کا دس سے سات سو گنا ثواب: ایک نیکی کا دس گنا ثواب دیں، بلکہ سات سو گنا، اور اس سے بھی زیادہ۔ اور دنیا میں ایمان و عمل صالح کی برکت سے جو فراخی و برکت ملے وہ الگ رہی۔

۲۹۔ دنیا کا اجر محنت کے مطابق ملتا ہے: دنیا کے واسطے جو محنت کرے موافق قسمت کے ملے، پھر اس محنت کا فائدہ آخرت میں کچھ نہیں۔ کما قال تعالیٰ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ (بنی اسرائیل۔۱۸)۔

اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ‌ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ کیا ان کے لئے اور شریک ہیں کہ راہ ڈالی ہے انہوں نے انکے واسطے دین کی کہ جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے [۳۰] اور اگر نہ مقرر ہو چکی ہوتی ایک بات فیصلہ کی تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور بیشک جو گنہگار ہیں انکو عذاب ہے دردناک [۳۱]

تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىۡ رَوۡضٰتِ الۡجَـنّٰتِ‌ ۚ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ تو دیکھے گا گنہگاروں کو کہ ڈرتے ہوں گے اپنی کمائی سے اور وہ پڑ کر رہے گا ان پر [۳۲] اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے باغوں میں ہیں جنت کے اور ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہی ہے بڑی بزرگی [۳۳]

ذٰلِكَ الَّذِىۡ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‌ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسۡـئَلُـكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى‌ ؕ وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ یہ ہے جو خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے ایماندار بندوں کو جو کرتے ہیں بھلے کام [۳۴] تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ بدلا مگر دوستی چاہئے قرابت میں [۳۵] اور جو کوئی کمائے گا نیکی ہم اسکو بڑھا دیں گے اس کی خوبی بیشک اللہ معاف کرنے والا حق ماننے والا ہے [۳۶]

۳۰۔ مشرکین کا باطل راستہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا اور دین حق کا راستہ بتلا دیا۔ کیا اسکے سوا کوئی اور ہستی ایسی ہے جسے کوئی

دوسرا راستہ مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرادے۔ پھر آخر ان مشرکین نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء علیہم السلام نے بتلائی تھی دوسری راہیں کہاں سے نکال لیں۔

۳۱۔ یعنی فیصلہ کا وعدہ ہے اپنے وقت پر۔

۳۲۔ یعنی اپنی کرتوت کے نتائج سے خواہ آج نہ ڈریں مگر اس دن ڈرتے ہوں گے اور یہ ڈر ان پر ضرور پڑ کر رہے گا۔ کوئی سبیل رہائی اور فرار کی نہ ہوگی۔

۳۳۔ جنت کی نعمتیں: یعنی جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی راحتیں اور اپنے رب کا قرب، یہ ہی بڑا فضل ہے۔ دنیا کے عیش اسکے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

۳۴۔ یعنی اللہ جو خوشخبری دے وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔

۳۵۔ میں اس دعوت پر کوئی اجر نہیں مانگتا: یعنی قرآن کریم جیسی دولت تمکو دے رہا ہوں اور ابدی نجات و فلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہوں۔ یہ سب محض لوجہ اللہ ہے۔ اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی و خاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو۔ آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے، بسا اوقات انکی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو۔ میرا کہنا یہ ہے کہ تم اگر میری بات نہیں مانتے، نہ مانو، میرا دین قبول نہیں کرتے یا میری تائید و حمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی۔ لیکن کم از کم قرابت و رحم کا خیال کر کے ظلم و اذیت رسانی سے باز رہو، اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچاتا رہوں۔ کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں (تنبیہ) آیت کے یہ معنی حضرت ابن عباس سے صحیحین میں منقول ہیں۔ بعض سلف نے اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی محبت کرو اور حق قرابت کو پہچانو۔ اور بعض نے "قربیٰ" سے اللہ کا قرب اور نزدیکی مراد لی ہے یعنی ان کاموں کی محبت جو خدا سے قریب کرنے والے ہوں مگر صحیح اور راجح تفسیر وہی ہے جو ہم نے اول نقل کی ہے بعض علماء نے "مودۃ فی القربیٰ" سے اہل بیت نبوی کی محبت مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا، بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو۔ کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت اور اقارب نبی کریم ﷺ کی محبت و تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم و واجب اور جزء ایمان ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور ﷺ کی محبت پر متفرع ہے لیکن آیت ہذا کی تفسیر اس طرح کرنا شان نزول اور روایت صحیحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ حضور ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۳۶۔ نیکی کو بڑھایا جاتا ہے: یعنی انسان بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کو بڑھاتا ہے، آخرت میں تو اجر و ثواب کے اعتبار سے اور دنیا میں نیک خوئی فرما کو اور ایسے آدمی کی لغزشوں کو بھی معاف فرماتا ہے۔ شاید یہاں اس مضمون کا ذکر اس لئے فرمایا کہ کم از کم قرابت کی محبت مطلوب ہے جس کا حاصل ایذاء اور ظلم سے روکنا تھا۔ لیکن جو اس سے زائد نیکی دکھلائے وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی، بلکہ بڑھتی رہتی ہے۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِکَ ؕ وَ یَمۡحُ اللّٰہُ الۡبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر اور مٹاتا ہے اللہ جھوٹ کو اور ثابت کرتا ہے سچ کو اپنی باتوں سے اُس کو معلوم ہے جو دلوں میں ہے [۳۷]

وَ هُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَ یَعۡفُوۡا
عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی اور معاف کرتا ہے برائیاں اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

وَ یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
یَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَ الۡكٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ
شَدِیۡدٌ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور دعا سنتا ہے ایمان والوں کی جو بھلے کام کرتے ہیں اور زیادہ دیتا ہے اُنکو اپنے فضل سے [۳۸] اور جو منکر ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے

۳۷۔ حق کو ثابت اور جھوٹ کو محو کیا جاتا ہے: یعنی بفرض محال اگر کوئی بات بھی خدا کی نسبت جھوٹ بنا کر کہدے تو اللہ کو قدرت ہے کہ تیرے دل پر مہر کر دے، پھر فرشتہ یہ کلام معجزلے کر تیرے قلب پر نہ اتر سکے اور سلسلہ وحی کا بند ہو جائے بلکہ پہلا دیا ہوا بھی سلب کر لیا جائے کما قال وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیۡنَا وَكِیۡلًا۔ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا (بنی اسرائیل۔۷ ۸۶،۸) مگر چونکہ واقع میں قطعًا کذب وافتراء کا شائبہ نہیں۔ اس لئے محض بدبختوں کی قدر ناشناسی اور طعن و تشنیع کی بناء پر یہ فیض منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بیشک اللہ اسکو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری کون ہے اور کس کے دل پر اللہ نے فی الواقع مہر لگادی ہے کہ خیر کے اترنے اور حق کے قبول کرنے کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔ رہا یہ سوال کہ اللہ کی وہ باتیں کیا ہیں جن سے جھوٹ ملیامیٹ ہو اور حق ثابت ہو جائے، تو میرے نزدیک وہ ہی دلائل و براہین ہیں جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت پر اس نے قائم کی ہیں۔ بالخصوص وہ آیات انفسیّہ و آفاقیہ جن کا ذکر سورہ "حم السجدہ۔۵۳" کے آخر پر سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ کے حاشیہ میں کیا گیا ہے۔ ان آیات کے ظاہر ہونے پر سب کھرے اور کھوٹے دلوں کا حال علانیہ واضح ہو جائے گا۔ (تنبیہ) آیت ہذا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں۔ بندہ کے نزدیک بے تکلف یہ ہی مطلب ہے جو اوپر عرض کیا۔ اس تفسیر پر وَ یَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ جملہ مستانفہ ہوا۔ جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور اکثر محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ البتہ مضارع کے معنی مترجم رحمہ اللہ نے حال کے لئے ہیں جو بالکل صحیح ہیں، مگر بندہ کے خیال میں یہاں استقبال لینا زیادہ چسپاں ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب قدّس سرّہٗ وَ یَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ کا عطف یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِكَ پر کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "یعنی اللہ اپنے اوپر کیوں جھوٹ بولنے دے۔ دل کو بند کر دے کہ مضمون ہی نہ آئے جسکو باندھ سکے اور چاہے تو کفر کو مٹادے بے پیغام بھیجے۔ مگر وہ اپنی باتوں سے دین کو ثابت کرتا ہے اس واسطے نبی پر اپنا کلام بھیجتا ہے"۔

۳۸۔ مومنین پر اللہ کے انعامات: یعنی نبی خدا کا پیغام پہنچاتا ہے، تم جھوٹ سمجھو یا سچ، اسکے بعد بندوں کا سارا معاملہ خدا سے ہے ہر ایک بندہ سے دنیا اور آخرت میں اسکے حال و استعداد کے موافق معاملہ ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور باوجود سب کچھ جاننے کے کتنی برائیوں سے درگذر کرتا ہے جو ایماندار اور نیک بندے اسکی بات سنتے ہیں وہ انکی دعائیں سنتا اور انکی طاعات کو شرف قبول بخشتا ہے اور جس قدر اجر و ثواب کے وہ عام ضابطہ سے مستحق ہوں اپنے فضل سے اس سے کہیں زائد مرحمت فرماتا ہے۔ رہ گئے منکر اور پکے کافر جنکو مرتے دم تک رجوع و توبہ کی توفیق میسر نہیں ہوئی انکا انجام اگے جملہ میں مذکور ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ
وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ
بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اگر پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو دھوم اٹھادیں ملک میں ولیکن اتارتا ہے ماپ کر جتنی چاہتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے دیکھتا ہے[۳۹]

وَهُوَ الَّذِیْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ
يَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور وہی ہے جو اتارتا ہے مینہ بعد اسکے کہ آس توڑ چکے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہی ہے کام بنانے والا سب تعریفوں کے لائق[۴۰]

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ
فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ
قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳/۴

۲۹۔ اور ایک اسکی نشانی ہے بنانا آسمانوں کا اور زمین کا[۴۱] اور جس قدر بکھیرے ہیں ان میں جانور[۴۲] اور وہ جب چاہے اُن سب کو اکٹھا کر سکتا ہے[۴۳]

وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلا ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ[۴۴]

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور تم تھکا دینے والے نہیں بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوائے کام بنانے والا اور نہ مددگار[۴۵]

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ؕ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور ایک اُسکی نشانی ہے کہ جہاز چلتے ہیں دریا میں جیسے پہاڑ[۴۶]

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى
ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۙ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اگر چاہے تو تھام دے ہوا کو پھر رہیں سارے دن ٹھہرے ہوئے اس کی پیٹھ پر[۴۷] مقرر اس بات میں پتے ہیں ہر قائم رہنے والے کو جو احسان مانے[۴۸]

اَوۡ یُوۡبِقۡهُنَّ بِمَا كَسَبُوۡا وَ یَعۡفُ عَنۡ كَثِیۡرٍ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ یا تباہ کر دے انکو بسبب اُنکی کمائی کے اور معاف بھی کرے بہتوں کو[۴۹]

وَّ یَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور تا کہ جان لیں وہ جو جھگڑتے ہیں ہماری قدرتوں میں کہ نہیں اُنکے لئے بھاگنے کی جگہ[۵۰]

۳۹۔ غنا کو عام نہ کرنے کی حکمت: خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر چاہے تو اپنے تمام بندوں کو غنی اور تونگر بنا دے۔ لیکن اسکی حکمت مقتضی نہیں کہ سب کو بے اندازہ روزی دیکر خوش عیش رکھا جائے۔ ایسا کیا جاتا تو عموماً لوگ طغیان و تمرد اختیار کر کے دنیا میں اودھم مچا دیتے۔ نہ خدا کے سامنے جھکتے نہ اسکی مخلوق کو خاطر میں لاتے، جو سامان دیا جاتا کوئی اس پر قناعت نہ کرتا حرص اور زیادہ بڑھ جاتی جیسا کہ ہم بحالت موجودہ بھی عموماً مرفّہ الحال لوگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ جتنا آجائے اس سے زیادہ کے طالب رہتے ہیں، کوشش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں ظاہر ہے کہ ان جذبات کے ماتحت غنا اور خوشحالی کی صورت میں کیسا عام اور زبردست تصادم ہوتا اور کسی کو کسی سے دبنے کی کوئی وجہ نہ رہتی۔ ہاں دنیا کے عام مذاق اور رجحان کے خلاف فرض کیجئے کسی وقت غیر معمولی طور پر کسی مصلح اعظم اور مامور من اللہ کی نگرانی میں عام خوشحالی اور فارغ البالی کے باوجود باہمی آویزش اور طغیان و سرکشی کی نوبت نہ آئے اور زمانہ کے انقلاب عظیم سے دنیا کی طبائع ہی میں انقلاب پیدا کر دیا جائے وہ اس عادی اور اکثری قاعدہ سے مستثنٰی ہو گا۔ بہر حال دنیا کو بحالت موجودہ جس نظام پر چلانا ہے اس کا مقتضی یہ ہی ہے کہ غنا عام نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کو اسکی استعداد و احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو جانچ تول کر دیا جائے۔ اور یہ خدا ہی کو خبر ہے کس کے حق میں کیا صورت اصلح ہے۔ کیونکہ سب کے اگلے اور پچھلے حالات اسی کے سامنے ہیں۔

۴۰۔ اللہ کی طرف سے باران رحمت: یعنی بہت مرتبہ ظاہری اسباب و حالت پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہو جاتے ہیں، اس وقت حق تعالٰی باران رحمت نازل فرماتا اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ تا بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جیسے وہ روزی ایک خاص اندازہ سے عطا کرتا ہے، بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں مرحمت فرماتا ہے۔ بات یہ ہے کہ سب کام اسی کے اختیار میں ہیں اور جو کچھ وہ کرے عین حکمت و صواب ہے کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اسکی ذات میں جمع ہیں اور ہر قسم کی کارسازی اور اعانت و امداد وہیں سے ہو سکتی ہے۔ (تنبیہ) اللہ کی رحمت و قدرت کی طرف سے مایوس ہو جانا کافروں کا شیوہ ہے لیکن ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیز ہو سکتا ہے جیسے فرمایا فَلَمَّا اسۡتَیۡـَٔسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِیًّا (یوسف۔۸۰) اور حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ (یوسف۔۱۱۱)۔

۴۱۔ ہر مخلوق اللہ کے قبضہ میں ہے: یعنی جس طرح رزق پہنچانا اور اسکے اسباب (بارش وغیرہ کا) مہیا کرنا اس کے قبضہ میں ہیں ان اسباب کے اسباب سماویہ و ارضیہ اور انکے آثار و نتائج بھی اسی کی مخلوق ہیں۔

۴۲۔ آسمان کی جانور مخلوق: آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔

۴۳۔ یعنی جس نے بکھیرے وہ ہی سب کو اکٹھا کر سکتا ہے۔ اور یہ قیامت کے دن ہو گا۔

۴۴۔ ہر مصیبت اعمال بد کا نتیجہ ہوتی ہے: یعنی جیسے نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں، مصائب کا نزول بھی خاص اسباب و ضوابط کے ماتحت ہوتا ہے۔ مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے

بعض اعمال و افعال ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا۔ بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض اوقات والدہ کی بدپرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے، یا کبھی کبھی ایک محلہ والے یا شہر والے کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ اور شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ ہی حال روحانی اور باطنی بدپرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لو۔ گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے۔ اور مستقبل میں انکے لئے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت گناہوں سے درگذر کرتی ہے اگر ہر ایک جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی باقی نہ رہتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ خطاب عاقل بالغ لوگوں کو ہے گنہگار ہوں یا نیک۔ مگر نبی اس میں داخل نہیں (اور چھوٹے بچے بھی شامل نہیں) ان کے واسطے اور کچھ ہو گا۔ اور سختی دنیا کی بھی آگئی اور قبر کی اور آخرت کی"۔

۴۵۔ یعنی محض اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے ورنہ جس جرم پر سزا دینا چاہے، مجرم بھاگ کر کہیں روپوش نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے سوا کوئی دوسرا حمایت و امداد کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے۔

۴۶۔ یعنی جیسے زمین کی سطح پر پہاڑ ابھرے ہوئے ہیں سمندر کی سطح پر بڑے بڑے جہاز ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۴۷۔ ہواؤں پر حکومت: یعنی ہوا بھی اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اگر ہوا ٹھہرا رکھے چلنے نہ دے تو تمام جہاز دریا کی پیٹھ پر جہاں کے تہاں کھڑے رہ جائیں۔ غرض پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔

۴۸۔ دریائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لئے بہت ضرورت ہے کہ انسان موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کو پہچانے۔

۴۹۔ مصائب اعمال کا نتیجہ ہیں: یعنی چاہے تو مسافروں کے بعض اعمال کی پاداش میں جہازوں کو تباہ کر ڈالے اور اس تباہی کے وقت بھی بعض کو معاف فرما دے۔

۵۰۔ یعنی تباہ اس لئے کئے جائیں کہ ان کے بعض اعمال کا بدلہ ہو اور بڑے بڑے جھگڑالو بھی دیکھ لیں کہ ہاں خدائی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو لوگ ہر چیز اپنی تدبیر سے سمجھتے ہیں اس وقت عاجز رہ جائیں گے"۔ کوئی تدبیر نہ بن پڑے گی۔

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚ﴿۳۶﴾

۳۶۔ سو جو کچھ ملا ہے تمکو کوئی چیز ہو سو وہ برت لینا ہے دنیا کی زندگانی میں اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے بہتر ہے اور باقی رہنے والا واسطے ایمان والوں کے جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں[۵۱]

وَ الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ۚ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور جو لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بیحیائی سے اور جب غصہ آوے تو وہ معاف کر دیتے ہیں[۵۲]

وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪

۳۸۔ اور جنہوں نے کہ حکم مانا اپنے رب کا اور قائم کیا نماز

وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ۖ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ
يُنۡفِقُوۡنَ ۚ﴿۳۸﴾

کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے [۵۳] اور ہمارا دیا
کچھ خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡىُ هُمۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور وہ لوگ کہ جب ان پر ہووے چڑھائی تو وہ بدلا
لیتے ہیں [۵۴]

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ
فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور برائی کا بدلا ہے برائی ویسی ہی [۵۵] پھر جو کوئی
معاف کرے اور صلح کرے سو اس کا ثواب ہے اللہ کے
ذمہ بیشک اللہ کو پسند نہیں آتے گنہگار [۵۶]

وَلَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيۡهِمۡ
مِّنۡ سَبِيۡلٍ ؕ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور جو کوئی بدلہ لے اپنے مظلوم ہونے کے بعد سو ان
پر بھی نہیں کچھ الزام [۵۷]

اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَ
يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ
عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ الزام تو ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر [۵۸]
اور دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں ناحق ان لوگوں کے لئے
ہے عذاب دردناک

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۳﴾ ع

۴۳۔ اور البتہ جس نے سہا اور معاف کیا بیشک یہ کام ہمت
کے ہیں [۵۹]

ع ۴/۵

۵۱۔ آخرت کی نعمتیں بہتر اور پائیدار ہیں: یعنی یہ تمام باتیں سننے کے بعد انسان کو چاہئے کہ اللہ کو راضی رکھنے کی فکر کرے۔ اس چند روزہ زندگانی اور عیش فانی پر مغرور نہ ہو۔ اور خوب سمجھ لے کہ ایمانداروں کو جو عیش و آرام اللہ کے ہاں ملے گا۔ وہ اس دنیا کے عیش و آرام سے بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ نہ اس میں کسی طرح کی کدورت ہوگی نہ فناء وزوال کا کھٹکا ہوگا۔

۵۲۔ مومنین کی بعض صفات: اس کا بیان سورہ "نساء" کی آیت اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰٓئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ (النساء۔۳۱) کے فوائد میں گذر چکا وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ شاید یہاں "کبائر الاثم" سے وہ بڑے گناہ مراد ہوں جو قوت نظریہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً عقائد بدعیہ اور "فواحش" وہ گناہ جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالی کو دخل ہو۔ آگے وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ يَغۡفِرُوۡنَ میں تو ظاہر ہے کہ قوت غضبیہ کی روک تھام کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۳۔ مشورہ کی اہمیت: مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے دین کا ہو یا دنیا کا۔ نبی کریم ﷺ مہمات امور میں برابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ

فرماتے تھے اور صحابہ آپس میں مشورہ کرتے تھے، حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل و احکام کی نسبت بھی۔ بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت ان کاموں میں ہے جو مہتم بالشان ہوں اور جو قرآن و سنت میں منصوص نہ ہوں۔ جو چیز منصوص ہو اس میں رائے و مشورہ کے کوئی معنی نہیں۔ اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ہوا کرے تو کوئی کام نہ ہو سکے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ ایسے شخص سے لیا جائے جو عاقل و عابد ہو۔ ورنہ اسکی بیوقوفی یا بددیانتی سے کام خراب ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔

۵۴۔ مومنین کا عفو و بدلہ: یعنی جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے۔ مثلاً ایک شخص کی حرکت پر غصہ آیا اور اس نے ندامت کے ساتھ اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر لیا، انہوں نے معاف کر دیا، یہ محمود ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو، مثلاً کوئی شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے اور ظلم و زور سے دبانے کی کوشش کرے، یا جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا ہماری شخصی حیثیت سے قطع نظر کر کے دین کی اہانت یا جماعت مسلمین کی تذلیل ہوتی ہے، ایسی حالت میں بدلہ لیتے ہیں، وہ بھی بقدر اس کی زیادتی کے۔ جرم سے زائد سزا نہیں دیتے۔

۵۵۔ بدلہ کے طور پر جو برائی کی جائے وہ حقیقۃً نہیں محض صورۃً برائی ہوتی ہے۔ "سَیِّئَہ" کا اطلاق اس پر مشاکلۃً کیا گیا۔

۵۶۔ عدل کے ساتھ انتقام کی اجازت: یعنی ظلم اور زیادتی تو اللہ کے ہاں کسی حالت میں پسند نہیں۔ بہترین خصلت یہ ہے کہ آدمی جتنا بدلہ لے سکتا ہے اس سے بھی درگذر کرے۔ بشرطیکہ درگذر کرنے میں بات سنورتی ہو۔

۵۷۔ یعنی مظلوم ظالم سے بدلہ لینا چاہے تو اس میں الزام اور گناہ کچھ نہیں۔ ہاں معاف کر دینا افضل و احسن ہے۔

۵۸۔ یعنی ابتداءً ظلم کرتے ہیں یا انتقام لینے میں حد استحقاق سے بڑھ جاتے ہیں۔

۵۹۔ معاف کر دینا ہمت کا کام ہے: یعنی غصہ کو پی جانا اور ایذائیں برداشت کر کے ظالم کو معاف کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس بندہ پر ظلم ہو اور وہ محض اللہ کے واسطے اس سے درگذر کرے تو ضرور ہے کہ اللہ اسکی عزت بڑھائے گا اور مدد کرے گا۔

وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ وَّلِیٍّ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ تَرَی الظّٰلِمِیۡنَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ یَقُوۡلُوۡنَ ہَلۡ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿ۚ۴۴﴾

۴۴۔ اور جسکو راہ نہ سجھائے اللہ تو کوئی نہیں اسکا کام بنانے والا اسکے سوا [۶۰] اور تو دیکھے گنہگاروں کو جس وقت دیکھیں گے عذاب کہیں گے کسی طرح پھر جانے کی بھی ہو گی کوئی راہ [۶۱]

وَ تَرٰىہُمۡ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا خٰشِعِیۡنَ مِنَ الذُّلِّ یَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِیٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَہۡلِیۡہِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابٍ مُّقِیۡمٍ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور تو دیکھے انکو کہ سامنے لائے جائیں آگ کے آنکھیں جھکائے ہوئے ذلت سے دیکھتے ہوں گے چھپی نگاہ سے [۶۲] اور کہیں وہ لوگ جو ایماندار تھے مقرر ٹوٹے والے وہی ہیں جنہوں نے گنوایا اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن [۶۳] سنتا ہے گنہگار پڑے ہیں سدا کے عذاب میں

وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور کوئی نہ ہوئے انکے حمایتی جو مدد کرتے انکی اللہ کے سوائے اور جسکو بھٹکائے اللہ اسکے لئے کہیں نہیں راہ[۲۴]

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ
لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمْ
مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ مانو اپنے رب کا حکم اُس سے پہلے کہ آئے وہ دن جسکو پھرنا نہیں اللہ کے یہاں سے[۲۵] نہیں ملے گا تمکو بچاؤ اُس دن اور نہیں تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا[۲۶]

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ
عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا
رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا
قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر نگہبان تیرا ذمہ تو بس یہی ہے پہنچا دینا[۲۷] اور ہم جب چکھاتے ہیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت اس پر پھولا نہیں سماتا اور اگر پہنچتی ہے انکو کچھ برائی بدلے میں اپنی کمائی کے تو انسان بڑا ناشکرا ہے[۲۸]

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ
يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ
الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ لا

۴۹۔ اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کرتا ہے جو چاہے بخشتا ہے جسکو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جسکو چاہے بیٹے۔

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ
عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ یا اُنکو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جسکو چاہے بانجھ وہ ہی سب کچھ جانتا کر سکتا[۲۹]

۶۰۔ یعنی اللہ کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی کو عدل و انصاف اور صبر و غفر کی اعلیٰ خصلتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہ ان بہترین اخلاق کی طرف راہ نہ دے تو کون ہے جو ہاتھ پکڑ کر اخلاقی پستی اور رسوائی کے گڑھے سے ہم کو نکال سکے۔

۶۱۔ ظالموں کا حال آخرت میں: یعنی کوئی ایسی سبیل بھی ہے کہ ہم دنیا کی طرف پھر واپس کر دیے جائیں اور اس مرتبہ وہاں سے خوب نیک بن

کر حاضر ہوں۔

۶۲۔ یعنی ایک سہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف اور ذلت کے مارے نیچی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ کسی سے پوری طرح آنکھ نہیں ملا سکیں گے۔

۶۳۔ کفار نے اپنے گھر والوں کو بھی تباہ کیا: یعنی بدبخت اپنے ساتھ اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی لے ڈوبے۔ سبھی کر تباہ و برباد کر کے چھوڑا۔

۶۴۔ یعنی نہ دنیا میں ہدایت کی، نہ آخرت میں نجات کی۔

۶۵۔ یعنی جیسے دنیا میں عذاب مؤخر ہوتا اور ٹلتا چلا جاتا ہے، اس دن نہیں ٹلے گا۔

۶۶۔ یعنی مکر جانے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اور ابن کثیرؒ نے یوں معنی کئے ہیں کہ کوئی موقع ایسا نہ ملے گا جو تم پہچانے نہ جاؤ۔

۶۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے صرف تبلیغ ہے: یعنی آپ ذمہ دار نہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا فرض پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ وہ آپ ادا کر رہے ہیں۔ یہ نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔

۶۸۔ انسان ناشکرا ہے: یعنی ان کے اعراض سے آپ غمگین نہ ہوں۔ انسان کی طبعیت ہی ایسی واقع ہوئی ہے اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ (النمل۔۸۷) کہ اللہ انعام و احسان فرمائے تو اکڑنے اور اترانے لگتا ہے۔ پھر جہاں اپنی کرتوت کی بدولت کوئی افتاد پڑ گئی، بس سب نعمتیں بھول جاتا ہے اور ایسا ناشکر بن جاتا ہے گویا کبھی اس پر اچھا وقت آیا ہی نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ فراخی اور عیش کی حالت ہو یا تنگی اور تکلیف کی۔ اپنی حد پر قائم نہیں رہتا۔ البتہ مومنین قانتین کا شیوہ یہ ہے کہ سختی پر صبر اور فراخی کی حالت میں منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی حال اسکے انعامات و احسانات کو فراموش نہیں کرتے۔

۶۹۔ اولاد دینے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت: یعنی سختی ہو یا نرمی سب احوال خدا کے بھیجے ہوئے ہیں آسمان و زمین میں سب جگہ اسی کی سلطنت اور اسی کا حکم چلتا ہے، جو چیز چاہے پیدا کرے اور جو چیز جسکو چاہے دے، جسکو چاہے نہ دے۔ دنیا کے رنگارنگ حالات کو دیکھ لو۔ کسی کو سرے سے اولاد نہیں ملتی، کسی کو ملتی ہے تو صرف بیٹیاں، کسی کو صرف بیٹے، کسی کو دونوں جڑواں یا الگ الگ۔ اس میں کسی کا کچھ دعویٰ نہیں۔ وہ مالک حقیقی ہی جانتا ہے کہ کس شخص کو کس حالت میں رکھنا مناسب ہے اور وہ ہی اپنے علم و حکمت کے موافق تدبیر کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ کو روک دے یا اس کی تخلیق و تقسیم پر حرف گیری کر سکے عاقل کا کام یہ ہے کہ ہر قسم کے نرم و گرم حالات میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ اپنی ناچیز حقیقت کو پیش نظر رکھ کر تکبر یا کفران نعمت سے باز رہے۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچا دے اسکے حکم سے جو وہ چاہے [۷۰] تحقیق وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا [۷۱]

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ

۵۲۔ اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طف ایک فرشتہ اپنے حکم سے [۷۲] تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان [۷۳] ولیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ

جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ‏ ﴿۵۲﴾

سجھا دیتے ہیں جسکو چاہیں اپنے بندوں میں[۷۴] اور بیشک تو سجھاتا ہے سیدھی راہ[۷۵]

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ راہ اللہ کی اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں[۷۶] سنتا ہے اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام[۷۷]

ع ۵

۷۰۔ کوئی بشر اللہ سے براہ راست بات نہیں کر سکتا: کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اسکے سامنے ہو کر مشافہۃً کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے۔ اسی لئے کسی بشر سے اس کے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

کلام الٰہی کی تین صورتیں:

الف۔ بلاواسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے، یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لطف اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار سے متمتع نہ ہو سکیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کو طور پر اور خاتم الانبیاء ﷺ کو لیلۃ الاسراء میں پیش آیا۔

ب۔ بواسطہ فرشتہ کے حق تعالیٰ کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے۔ بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے ادراک فرشتہ کا اور صوت کا ہوتا ہو۔ حواس ظاہر کو چنداں دخل نہ رہے میرے خیال میں یہ صوت ہے جس کو عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں یاتینی فِی مِثۡلِ صَلۡصَلَةِ الجرس سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور صحیح بخاری کے ابواب بدء الخلق میں وحی کی اس صورت میں بھی اتیان ملک کی تصریح موجود ہے۔ اسی کو حدیث میں وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَیَّ فرمایا۔ اور شاید وحی قرآنی بکثرت اسی صورت میں آتی ہو جیسا کہ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ۔ عَلٰى قَلۡبِكَ (الشعراء۔ ۱۹۴، ۱۹۳) اور فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (البقرۃ۔ ۹۷) میں لفظ قَلۡبِكَ سے اشارہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتا تھا، پیغمبر کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہ آتی تھی اور نہ اس طرح کلام ہوتا تھا جیسے ایک آدمی دوسرے سے بات کرتا ہو کہ پاس بیٹھنے والے سامعین بھی سمجھ لیں اس لئے اس قسم کو خصوصیت کے ساتھ آیت ہذا میں لفظ وَحۡيًا سے تعبیر کیا۔ کیونکہ لغت میں "وحی" کا لفظ اخفاء اور اشارہ سریعہ پر دلالت کرتا ہے۔

ج۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اسطرح خدا کا کلام و پیام پہنچا دے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے۔ چنانچہ جبریلؑ ایک دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ اور اکثر مرتبہ حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی تشریف لائے ہیں۔ اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان انکی آواز کو سنتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی بعض اوقات گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے۔ عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں جو دو قسمیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے یہ دوسری صورت ہے۔ اور میرے خیال میں اسی کو آیہ ہذا میں اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِىَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ باقی حجاب والی صورت چونکہ بالکل نادر بلکہ اندر تھی اس لئے عائشہؓ کی حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔

۷۱۔ یعنی اس کا علو مانع ہے کہ بے حجاب کلام کرے اور حکمت مقتضی ہے کہ بعض صورتیں ہمکلامی کی اختیار کی جائیں۔

۷۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر روح کا بھیجا جانا: مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اس جگہ روح سے مراد فرشتہ لیا ہے یعنی جبریل امین۔ اور یہ بعض مفسرین کی رائے ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں خود قرآن کریم کو روح سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ اس کی تاثیر سے مردہ قلوب زندہ

ہوتے ہیں اور انسان کو ابدی حیات نصیب ہوتی ہے۔ دیکھ لو جو قومیں کفر و ظلم اور بد اخلاقی کی موت مر چکی تھیں، کس طرح قرآن نے ان میں جان تازہ ڈال دی۔

۷۳۔ یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ وحی اب معلوم ہوئیں، پہلے سے کہاں معلوم تھیں گو نفس ایمان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف تھے۔

۷۴۔ یعنی قرآن کی روشنی میں جن بندوں کو ہم چاہیں سعادت و فلاح کے راستہ پر لے چلتے ہیں۔

۷۵۔ یعنی آپ تو سب بندوں کو قرآن کریم کے ذریعہ سے اللہ تک پہنچنے کی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔

۷۶۔ یعنی سیدھی راہ وہ ہے جس پر چل کر آدمی خدائے واحد تک پہنچتا ہے۔ جو اس راہ سے بھٹکا، خدا سے الگ ہوا۔

۷۷۔ "یعنی جب سب کاموں کا انجام اسی کی طرف ہے تو چاہئے کہ آدمی شروع سے انجام کو سوچ لے اور اپنے اختیار سے ایسے راستہ پر چلے جو سیدھا اسی کی بارگاہ تک پہنچنے والا ہو۔ اللھم اہدنا الصراط المستقیم وثبتنا علیہ۔

تم سورۃ الشوریٰ

ایاتها ۸۹ ۴۳ سُورَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ ۶۳ رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

۱۔ حم۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ﴿۲﴾

۲۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ﴿۳﴾

۳۔ ہم نے رکھا اسکو قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو[۱]

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۭ﴿۴﴾

۴۔ اور تحقیق یہ قرآن لوح محفوظ ہیں ہمارے پاس ہے برتر مستحکم[۲]

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾

۵۔ کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر اس سبب سے کہ تم ہو ایسے لوگ کہ حد پر نہیں رہتے[۳]

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶﴾

۶۔ اور بہت بھیجے ہیں ہم نے نبی پہلوں میں

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾

۷۔ اور نہیں آتا لوگوں کے پاس کوئی پیغام لانے والا جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے[۴]

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾

۸۔ پھر برباد کر ڈالے ہم نے اُن سے سخت زور والے اور چلی آئی ہے مثال پہلوں کی[۵]

۱۔ قرآن عربی زبان میں ہے: کیونکہ عربی تمہاری مادری زبان ہے اور تمہارے ذریعہ سے دنیا کی قومیں اس کتاب کو سیکھیں گی۔

۲۔ یعنی وجوہ اعجاز اور اسرار عظیمہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہایت بلند مرتبہ اور تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے۔ اس کے دلائل و براہین نہایت مضبوط اور اسکے احکام غیر منسوخ ہیں۔ کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اور تمام مضامین اصلاح معاش و معاد کی اعلیٰ ترین ہدایات پر مشتمل اور حکیمانہ خوبیوں سے مملو ہیں۔ اور قرآن کے ان تمام محاسن پر خود قرآن ہی شاہد ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ (تنبیہ) قرآن اور تمام کتب سماویہ نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی گئ ہیں۔

۳۔ تمہاری زیادتیوں کی وجہ سے وحی نہیں روکی جاسکتی: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس سبب سے کہ تم نہیں مانتے کیا ہم حکم کا بھیجنا موقوف کریں گے"۔ یعنی ایسی توقع مت رکھو، اللہ کی حکمت ورحمت اسی کو مقتضی ہے کہ باوجود تمہاری زیادتیوں اور شرارتوں کے کتاب الٰہی کا نزول اور دعوت ونصیحت کا سلسلہ بند نہ کیا جائے۔ کیونکہ بہت سی سعید روحیں اس سے مستفید ہوتی ہیں اور منکرین پر کامل طور پر اتمام حُجت ہوتا ہے۔

۴۔ یعنی پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا اور انکی تعلیمات کو جھٹلایا گیا۔ مگر اسکی وجہ سے پیغامبری کا سلسلہ مسدود نہیں ہوا۔

۵۔ پچھلی قوموں کے حالات سے عبرت: یعنی عبرت کے لئے ان مکذبین کی تباہی کی مثالیں پیش آچکیں اور پہلے مذکور ہو چکیں جو زور و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کاہے پر مغرور ہوتے ہو۔ آگے اللہ کی عظمت وقدرت اور کمال تصرف کا ذکر کرتے ہیں جو ایک حد تک ان کے نزدیک بھی مسلم تھا۔

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ
لَیَقُوۡلُنَّ خَلَقَہُنَّ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ۙ﴿۹﴾

۹۔ اور اگر تو ان سے پوچھے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں بنائے اس زبردست خبردار نے

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَہۡدًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ
فِیۡہَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿ۚ۱۰﴾

۱۰۔ وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور رکھ دیں تمہارے واسطے اُس میں راہیں تاکہ تم راہ پاؤ[۶]

وَ الَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنۡشَرۡنَا
بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ۚ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور جس نے اتارا آسمان سے پانی ماپ کر[۷] پھر ابھار کھڑا کیا ہم نے اس سے ایک دیس مردہ کو اسی طرح تمکو بھی نکالیں گے[۸]

وَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا وَ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ
الۡفُلۡکِ وَ الۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡکَبُوۡنَ ﴿ۙ۱۲﴾

۱۲۔ اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے[۹] اور بنا دیا تمہارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو جس پر تم سوار ہوتے ہو

لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُہُوۡرِہٖ ثُمَّ تَذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ رَبِّکُمۡ اِذَا
اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡہِ وَ تَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ
لَنَا ہٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ ﴿ۙ۱۳﴾

۱۳۔ تاکہ چڑھ بیٹھو تم اسکی پیٹھ پر[۱۰] پھر یاد کرو اپنے رب کا احسان جب بیٹھ چکو اُس پر اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں کر دیا ہمارے اسکو اور ہم نہ تھے اسکو قابو میں لا سکتے[۱۱]

وَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور ہمکو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے[۱۲]

وَ جَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ
لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿١٥﴾ؕ ١ ع ١٥ ٧

۱۵۔ اور ٹھہرائی ہے اُنہوں نے حق تعالیٰ کے واسطے اولاد اسکے بندوں میں سے تحقیق انسان بڑا ناشکر ہے صریح

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصۡفٰكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ ﴿١٦﴾

۱۶۔ کیا اس نے رکھ لیں اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تمکو دیدیئے چن کر بیٹے[۱۳]

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ
وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيۡمٌ ﴿١٧﴾

۱۷۔ اور جب اُن میں کسی کو خوشخبری ملے اس چیز کی جس کو رحمٰن کے نام لگایا تو سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور وہ دل میں گھٹ رہا ہے[۱۴]

اَوَ مَنۡ يُّنَشَّؤُا فِى الۡحِلۡيَةِ وَ هُوَ فِى الۡخِصَامِ غَيۡرُ
مُبِيۡنٍ ﴿١٨﴾

۱۸۔ کیا ایسا شخص کہ پرورش پاتا ہے زیور میں اور وہ جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے[۱۵]

وَ جَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ
اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَ
يُسۡـئَلُوۡنَ ﴿١٩﴾

۱۹۔ اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمٰن کے عورتیں[۱۶] کیا دیکھتے تھے ان کا بننا اب لکھ رکھیں گے اُنکی گواہی اور اُن سے پوچھ ہوگی[۱۷]

وَ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ
بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۗ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿٢٠﴾ؕ

۲۰۔ اور کہتے ہیں اگر چاہتا رحمٰن تو ہم نہ پوجتے انکو[۱۸] کچھ خبر نہیں انکو اس کی یہ سب اٹکلیں دوڑاتے ہیں[۱۹]

اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ
مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿٢١﴾

۲۱۔ کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے انکو اس سے پہلے سو انہوں نے اسکو مضبوط پکڑ رکھا ہے

بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ بلکہ کہتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم اُنہی کے قدموں پر ہیں راہ پائے ہوئے[۲۰]

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ
نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى
اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اسی طرح جس کسی کو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے ڈر سنانے والا کسی گاؤں میں سو کہنے لگے وہاں کے خوشحال لوگ ہم نے تو پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم اُنہی کے قدموں پر چلتے ہیں

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ
اٰبَآءَكُمْ ۗ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ وہ بولا اور جو میں لادوں تمکو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ جس پر تم نے پایا اپنے باپ دادوں کو [۲۱] تو یہی کہنے لگے ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانیں گے [۲۲]

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ۸

۲۵۔ پھر ہم نے اُن سے بدلا لیا سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

۶۔ یعنی جہاں تک انسان بستے ہیں، آپس میں مل سکیں، ایک دوسرے تک راہ پائیں اور چل پھر کر دنیوی و اُخروی مقاصد میں کامیابی کا راستہ معلوم کرلیں۔

۷۔ یعنی ایک خاص مقدار میں جو اس کی حکمت کے مناسب اور اس کے علم میں مقدر تھی۔

۸۔ دوسری زندگی پر دلائل: یعنی جس طرح مردہ زمین کو بذریعہ بارش کے زندہ اور آباد کر دیتا ہے، ایسے ہی تمہارے مردہ جسموں میں جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔

۹۔ یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متماثل یا متقابل انواع ہیں سب کو خدا ہی نے پیدا کیا۔

۱۰۔ یعنی خشکی میں بعض چوپایوں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتی پر سوار ہو۔

۱۱۔ سواری پر بیٹھنے کے آداب اور دعا: یعنی چوپایوں یا کشتی پر سوار ہوتے وقت اللہ کا احسان دل سے یاد کرو ہمکو اس نے اس قدر قوی اور ہنرمند بنا دیا کہ اپنی عقل و تدبیر وغیرہ سے ان چیزوں کو قابو میں لے آئے۔ یہ محض خدا کا فضل ہے ورنہ ہم میں اتنی طاقت اور قدرت کہاں تھی کہ ایسی ایسی چیزوں کو مسخر کر لیتے نیز دلی یاد کے ساتھ زبان سے سواری کے وقت یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔ سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ۔ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (زخرف۔ ۱۴،۱۳) اور بھی اذکار و ادعیہ احادیث میں آئی ہیں جو کتب حدیث و تفسیر میں مذکور ہیں۔

۱۲۔ آخرت کے سفر کو نہ بھولو: یعنی اس سفر سے آخرت کا سفر یاد کرو۔ آنحضرت ﷺ سوار ہوتے تو یہی تسبیح پڑھتے تھے۔

۱۳۔ انسان کی ناشکری اور گستاخی: یعنی چاہئے تھا اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر ادا کرے۔ یہ صریح ناشکری پر اتر آیا۔ اور اسکی جناب میں گستاخیاں کرنے لگا۔ اس سے بڑی گستاخی اور ناشکری کیا ہوگی کہ اس کے لئے اولاد تجویز کی جائے، وہ بھی بندوں میں سے اور وہ بھی بیٹیاں، اول تو اولاد باپ کے وجود کا ایک حصہ ہوتا ہے تو خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہے اور مرکب کا حادث ہونا ضروری۔ دوسرے ولد اور والد میں مجانست ہونی چاہئے، دونوں ایک جنس نہ ہوں تو ولد یا والد کے حق میں عیب ہے۔ یہاں مخلوق و

خالق میں مجانست کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ تیسرے لڑکی باعتبار قویٰ جسمیہ و عقلیہ کے عموماً لڑکے سے ناقص اور کمزور ہوتی ہے۔ گویا معاذ اللہ خدا نے اپنے لئے اولاد بھی رکھی تو گھٹیا اور ناقص۔ کیا تمکو شرم نہیں آتی کہ اپنے حصہ میں عمدہ اور بڑھیا چیز اور خدا کے حصہ میں ناقص اور گھٹیا چیز لگاتے ہو۔

۱۴۔ بیٹیوں کے ہونے پر کفار کا غم: یعنی جو اولاد اناث خدا کے لئے تجویز کر رہے ہیں وہ ان کے زعم میں ایسی عیب دار اور ذلیل و حقیر ہے کہ اگر خود انہیں اس کے ملنے کی خوشخبری سنائی جائے تو مارے رنج اور غصہ کے تیور بدل جائیں۔ اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہیں اسکی پوری تقریر سورہ "صافات" کے اخیر رکوع میں گذر چکی ہے۔

۱۵۔ عورتوں کی قوت فکریہ کا ضعف: یعنی کیا خدا نے اولاد بنانے کے لئے لڑکی کو پسند کیا ہے۔ جو عادۃً آرائش و زیبائش میں نشو و نما پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغفرق رہے جو دلیل ہے ضعف رائے و عقل کی، اور وہ بوجہ ضعف قوت فکریہ کے مباحثہ کے وقت قوت بیانیہ بھی نہ رکھے۔ چنانچہ عورتوں کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نہ اپنے دعوے کو کافی بیان سے ثابت کر سکیں، نہ دوسرے کے دعوے کو گرا سکیں، ہمیشہ ادھوری بات کہیں گی یا فضول باتیں اس میں ملا دیں گی جن کو مطلوب میں کچھ دخل نہ ہو کہ اس سے بھی تبیین مقصود پڑ جاتا ہے اور مباحثہ کی تخصیص اس حیثیت سے ہے کہ اس میں بوجہ بیان کی احتیاج زیادہ ہونے کے ان کا عجز زیادہ ہو جاتا ہے۔ پس ہر کلام طویل اسی کے حکم میں ہے۔ اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا مثلاً میں آئی تھی، وہ گئی تھی، قوت بیانیہ کی دلیل نہیں۔

۱۶۔ یعنی یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے کہ فرشتوں کو عورتوں کی صف میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہ عورت نہ مرد جنس ہی علیحدہ ہے۔

۱۷۔ کفار کے اقوال اور ان کا جواب: یعنی کوئی دلیل عقلی و نقلی تو انکے پاس اس دعوے پر نہیں۔ پھر کیا اللہ نے جب فرشتوں کو بنایا تو یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ مرد نہیں عورت بنایا ہے۔ بہت اچھا! انکی یہ گواہی دفتر اعمال میں لکھ لی جاتی ہے۔ خدائی عدالت میں جس وقت پیش ہوں گے تب اس کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کہا تھا۔ اور کہاں سے کہا تھا۔

۱۸۔ اور لیجئے اپنی ان مشرکانہ گستاخیوں کے جواز و استحسان پر ایک دلیل عقلی بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمکو اپنے سوا دوسری چیزوں کی پرستش سے روک دیتا۔ جب ہم برابر کرتے رہے اور نہ روکا تو ثابت ہوا کہ یہ کام بہتر ہیں اور اسکو پسند ہیں۔

۱۹۔ مشیّت اور رضا میں لزوم نہیں: یعنی یہ تو سچ ہے کہ بدون خدا کے چاہے کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس چیز کا ہمارے حق میں بہتر ہونا اس سے نہیں نکلتا۔ ایسا ہو تو دنیا میں کوئی کام اور کوئی چیز بری ہی نہ رہے۔ سارا عالم خیر محض ہو جائے۔ شر کا بیج ہی دستیاب نہ ہو۔ ہر ایک جھوٹا اور ظالم و خونخوار یہ ہی کہہ دے گا کہ خدا نہ چاہتا تو مجھے ایسا ظلم و ستم نہ کرنے دیتا۔ جب کرنے نہ دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کام سے خوش اور راضی ہے۔ بہر حال مشیت اور رضا میں لزوم ثابت کرنا کوئی علمی اصول نہیں محض اٹکل کے تیر ہیں۔ جس کا بیان آٹھویں پارہ کے نصف سے پہلے آیت سَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکۡنَا (انعام-۱۴۸) الخ کے حواشی میں گذر چکا۔

۲۰۔ عقلی دلیل کا حال تو سن چکے۔ اسے چھوڑ کر کیا کوئی نقلی دلیل اپنے دعوے پر رکھتے ہیں؟ یعنی خدا کی اتاری ہوئی کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں ہے؟ جس میں شرک کا پسندیدہ ہونا لکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی سند ان کے پاس نہیں۔ پھر آگے باپ دادا کی اندھی تقلید کے سوا کیا باقی رہ گیا۔ وہ ہی ان کی سب سے زیادہ زبردست دلیل ہے جسکو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے آئے ہیں۔ آگے اسی کا بیان ہے۔

۲۱۔ باپ دادا کی اندھی تقلید کی مذمت: یعنی پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے اچھی راہ تمکو بتلا دوں تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہو گے۔

۲۲۔ کفار کا جواب: یعنی کچھ بھی ہو، ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ اور پرانا آبائی طریقہ ترک نہیں کر سکتے۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِىۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ۲۶

۲۶۔ اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور اُس کی قوم کو میں الگ ہوں اُن چیزوں سے جنکو تم پوجتے ہو

اِلَّا الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ فَاِنَّهٗ سَيَهۡدِيۡنِ ۲۷

۲۷۔ مگر جس نے مجھ کو بنایا سو وہ مجھ کو راہ سجھائے گا[۲۳]

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۲۸

۲۸۔ اور یہی بات پیچھے چھوڑ گیا اپنی اولاد میں تا کہ وہ رجوع رہیں[۲۴]

بَلۡ مَتَّعۡتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ وَرَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ۲۹

۲۹۔ کوئی نہیں پر میں نے برتنے دیا انکو اور اُنکے باپ دادوں کو یہاں تک کہ پہنچا اُنکے پاس دین سچا اور رسول کھول کر سنا دینے والا[۲۵]

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ۳۰

۳۰۔ اور جب پہنچا اُنکے پاس سچا دین کہنے لگے یہ جادو ہے اور ہم اُسکو نہ مانیں گے[۲۶]

۲۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان توحید: یعنی صرف ایک خدا سے مجھے علاقہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہ ہی مجھے منزل مقصود کے راستہ پر آخر تک لے چلے گا۔ (تنبیہ) یہاں یہ قصہ اس پر بیان کیا کہ دیکھو تمہارے مُسلّم پیشوا نے باپ کی راہ غلط دیکھ کر چھوڑ دی تھی۔ تم بھی وہی کرو۔ اور اگر آباء واجداد کی تقلید ہی پر مرتے ہو تو اس باپ کی راہ پر چلو جس نے دنیا میں حق و صداقت کا جھنڈا گاڑ دیا تھا اور اپنی اولاد کو وصیت کر گیا تھا کہ میرے بعد ایک خدا کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ کما قال تعالٰی وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ (بقرہ۔ ۱۳۲)

۲۴۔ یعنی ایک دوسرے سے توحید کا بیان اور دلائل سن کر راہ حق کی طرف رجوع ہوتا رہے۔

۲۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت: یعنی افسوس ابراہیمؑ کی ارث حاصل نہ کی اور اسکی وصیت پر نہ چلے بلکہ اللہ نے جو دنیا کا سامان دیا تھا اسکے مزوں میں پڑ کر خداوند قدوس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے یہاں تک کہ انکو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے حق تعالٰی نے اپنا وہ پیغمبر بھیجا جسکی پیغمبری بالکل روشن اور واضح ہے۔ اس نے سچا دین پہنچایا، قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ کے احکام پر نہایت صفائی کے ساتھ مطلع کیا۔

۲۶۔ یعنی قرآن کو جادو بتلانے لگے۔ اور پیغمبر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ ۳۱

۳۱۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دونوں بستیوں میں کے[۲۷]

اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ
مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ رَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ
فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا
سُخۡرِيًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت کو[۲۸] ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی اُن کی دنیا کی زندگانی میں اور بلند کر دیے درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو خدمتگار[۲۹] اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں[۳۰]

۲۷۔ مکہ اور طائف کے سرداروں پر قرآن کیوں نہیں اترا: یعنی اگر قرآن اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار پر اترا ہوتا یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ بڑے بڑے دولتمند سرداروں کو چھوڑ کر خدا نے منصب رسالت کیلئے ایک ایسے شخص کو چن لیا ہو جو ریاست و دولت کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔

۲۸۔ یعنی نبوت و رسالت کے مناصب کی تقسیم کیا تمہارے ہاتھ میں دیدی گئی ہے جو انتخاب پر بحث کر رہے ہو۔

۲۹۔ روزی کی تقسیم: یعنی کسی کو غنی کسی کو فقیر کر دیا۔ ایک کو بے شمار دولت دے دی، ایک کو اس سے کم۔ کوئی تابع ہے کوئی متبوع۔

۳۰۔ یعنی نبوت و رسالت کا شرف تو ظاہری مال و جاہ اور دنیوی ساز و سامان سے کہیں اعلیٰ ہے۔ جب اللہ نے دنیا کی روزی ان کی تجویز پر نہیں بانٹی، پیغمبری انکی تجویز پر کیونکر دے آگے دنیا کے مال و دولت اور مادی سامان کا اللہ کے ہاں بے وقعت اور حقیر ہونا بیان کرتے ہیں۔

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا
لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ
مَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ۙ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہو جائیں ایک دین پر تو ہم دیتے ان لوگوں کو جو منکر ہیں رحمٰن سے اُنکے گھروں کے واسطے چھت چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں

وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ۙ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور اُن کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں

وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ
الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۵﴾ ع ۳ ۹

۳۵۔ اور سونے کے[۳۱] اور یہ سب کچھ نہیں ہے مگر برتنا دنیا کی زندگانی کا اور آخرت تیرے رب کے یہاں اُنہی کیلئے ہیں جو ڈرتے ہیں[۳۲]

۳۱۔ مال و دولت کی حقیقت اللہ کی نظر میں: یعنی اللہ کے ہاں اس دنیوی مال و دولت کی کوئی قدر نہیں۔ نہ اس کا دیا جانا کچھ قرب و وجاہت عنداللہ کی دلیل ہے۔ یہ تو ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے، چوکھٹ، قفل، اور تخت چوکیاں سب چاندی اور سونے کی بنا دیتا۔ مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کہ کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا

ہے، عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے۔ (الا ماشاء اللہ) اور یہ چیز مصلحت خداوندی کے خلاف ہو گی۔ اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے بازو کی برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ بھلا جو چیز خدا کے نزدیک اس قدر حقیر ہو اسے سیادت ووجاہت عند اللہ اور نبوت ورسالت کا معیار قرار دینا کہاں تک صحیح ہو گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا، کہیں تو اس کو آرام دے، آخرت میں تو دائمی عذاب ہے۔ کہیں تو آرام ملتا ہے۔ مگر ایسا ہو تو سب ہی وہ کفر کا راستہ پکڑ لیں۔

۳۲۔ یعنی دنیا کی بہار میں تو سب شریک ہیں مگر آخرت مع اپنی ابدی نعماؤ آلاء کے متقین کے لئے مخصوص ہے۔

وَ مَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جو کوئی آنکھیں چرائے رحمٰن کی یاد سے ہم اُس پر مقرر کر دیں ایک شیطان پھر وہ رہے اسکا ساتھی [۳۳]

وَ اِنَّہُمۡ لَیَصُدُّوۡنَہُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور وہ اُنکو روکتے رہتے ہیں راہ سے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں [۳۴]

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیۡتَ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَیۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِیۡنُ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ یہاں تک کہ جب آئے ہمارے پاس کہے کسی طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو مشرق مغرب کا سا کہ کیا برا ساتھی ہے [۳۵]

وَ لَنۡ یَّنۡفَعَکُمُ الۡیَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ فِی الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور کچھ فائدہ نہیں تمکو آج کے دن جبکہ تم ظالم ٹھہر چکے اس بات سے کہ تم عذاب میں شامل ہو [۳۶]

اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَہۡدِی الۡعُمۡیَ وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ سو کیا تو سنائے گا بہروں کو یا سمجھائے گا اندھوں کو اور صریح غلطی میں بھٹکتوں کو

فَاِمَّا نَذۡہَبَنَّ بِکَ فَاِنَّا مِنۡہُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ پھر اگر کبھی ہم تجھ کو یہاں سے لیجائیں تو ہمکو ان سے بدلا لینا ہے

اَوۡ نُرِیَنَّکَ الَّذِیۡ وَعَدۡنٰہُمۡ فَاِنَّا عَلَیۡہِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ یا تجھ کو دکھا دیں جو اُن سے وعدہ ٹھہرایا ہے تو یہ ہمارے بس میں ہیں

فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ سو تو مضبوط پکڑے رہ اسی کو جو تجھ کو حکم پہنچا تو ہے بیشک سیدھی راہ پر[۳۷]

وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ ۚ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور یہ مذکور رہے گا تیرا اور تیری قوم کا[۳۸] اور آگے تم سے پوچھ ہوگی[۳۹]

وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾ ع

۴۵۔ اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے کبھی ہم نے رکھے ہیں رحمٰن کے سوائے اور حاکم کہ پوجے جائیں[۴۰]

ع ۱۰ ۴

۳۳۔ ذکر الٰہی سے اعراض کی سزا: یعنی جو شخص سچی نصیحت اور یاد الٰہی سے اعراض کرتا رہتا ہے اس پر ایک شیطان خصوصی طور سے مسلط کر دیا جاتا ہے جو ہر وقت اغواء کرتا اور اسکے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ یہ شیطان دوزخ تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

۳۴۔ یعنی شیاطین انکو نیکی کی راہ سے روکتے رہتے ہیں، مگر ان کی علقیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ اسی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں۔ بدی اور نیکی کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی۔

۳۵۔ کفار کا شیطان پر غصہ: یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر کھلے گا کہ کیسے برے ساتھی تھے۔ اس وقت حسرت اور غصہ سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا، اور ایک لمحہ تیری صحبت میں نہ گزرتا۔ کم بخت! اب تو مجھ سے دور ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی دنیا میں شیطان کے مشورہ پر چلتا ہے اور وہاں اسکی صحبت سے پچتائے گا۔ اس طرح کا ساتھی شیطان کسی کو جن ملتا ہے کسی کو آدمی۔

۳۶۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس مصیبت میں عام طور پر چھوٹے بڑے سب شریک ہوں تو کچھ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ مشہور ہے۔ "مرگ انبوہ جشنے دارو" مگر دوزخ میں تمام شاطین الانس والجن اور تابعین و متبوعین کا عذاب میں شریک ہونا کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ اس طرح کی سطحی باتوں سے تسلی اور تخفیف نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کافر کہیں گے کہ انہوں نے ہمکو عذاب میں ڈلوایا، خوب ہوا یہ بھی نہ بچے، لیکن اگر دوسرا بھی پکڑا گیا تو اسکو کیا فائدہ"۔

۳۷۔ اندھوں بہروں کو ہدایت دینا آپکے اختیار میں نہیں: یعنی اندھوں کو راہ حق دکھلا دینا یا بہروں کو حق کی آواز سنا دینا اور جو صریح غلطی اور گمراہی میں پڑے بھٹک رہے ہوں اُنکو تاریکی سے نکال کر سچائی کی صاف سڑک پر چلا دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے آپ کی آواز میں تاثیر پیدا کر دے۔ بہر حال آپ اس غم میں نہ رہئے کہ یہ سب لوگ حق کو کیوں نہیں قبول کرتے، اور کیوں اپنا انجام خراب کر رہے ہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔ وہ ہی انکے اعمال کی سزا دے گا۔ اگر آپکی وفات کے بعد دی تب اور آپ کو دکھلا کر دی تب، بہر صورت نہ ہمارے قابو سے نکل کر جا سکتے ہیں اور نہ ہم انکو سزا دیے بدون چھوڑیں گے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جو وحی آئے اور جو حکم ملے اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں اور برابر اپنا فرض ادا کئے جائیں۔ کیونکہ دنیا کہیں اور کسی راستہ پر جائے، آپ اللہ کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں جس سے ایک قدم ادھر ادھر ہٹنے کی ضرورت نہیں نہ کسی ہوا پرست کی خواہش و آرزو کی طرف التفات کرنے کی حاجت ہے۔

۳۸۔ قرآن کریم نعمت عظمیٰ ہے: یعنی قرآن کریم تیرے اور تیری قوم کے لئے خاص فضل و شرف کا سبب ہے۔ اس سے بڑی عزت اور خوش نصیبی کیا ہوگی کہ اللہ کا کلام اور ساری دنیا کی نجات و فلاح کا ابدی دستور العمل اُنکی زبان میں اترا اور وہ اُسکے اولین مخاطب قرار پائے۔ اگر عقل

ہو تو یہ لوگ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کریں۔ اور قرآن جو ان سب کیلئے بیش بہا نصیحت نامہ ہے۔ اسکی ہدایات پر چل کر سب سے پہلے دنیوی و اخروی سعادتوں کے مستحق ہوں۔

۳۹۔ یعنی آگے چل کر پوچھ ہو گی کہ اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر کی تھی؟ اور اس فضل و شرف کا کیا شکر ادا کیا تھا؟

۴۰۔ کسی نبی نے شرک کی تعلیم نہیں دی: یعنی آپ کا راستہ وہی ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کا تھا۔ شرک کی تعلیم کسی نبی نے نہیں دی نہ اللہ تعالیٰ نے کسی دین میں اس بات کو جائز رکھا کہ اس کے سوا دوسرے کی پرستش کی جائے۔ اور یہ ارشاد کہ "پوچھ دیکھو" یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو (جیسے شب معراج میں ہوئی) یا اُنکے احوال کتابوں سے تحقیق کرو۔ بہر حال جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں اُنکو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور ہم نے بھیجا موسٰی کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس تو کہا میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے رب کا

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ پھر جب لایا انکے پاس ہماری نشانیاں وہ تو لگے ان پر ہنسنے [۴۱]

وَ مَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور جو دکھاتے گئے ہم انکو نشانی سو پہلی سے بڑی [۴۲] اور پکڑا ہم نے اُنکو تکلیف میں تاکہ وہ باز آئیں [۴۳]

وَ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور کہنے لگے اے جادوگر [۴۴] پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو جیسا سکھلا رکھا ہے تجھ کو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے [۴۵]

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ پھر جب اٹھالی ہم نے ان پر سے تکلیف تبھی وہ وعدہ توڑ ڈالتے [۴۶]

وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ؕ

۵۱۔ اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں بولا اے میری قوم بھلا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی اور یہ نہریں چل رہی ہیں میرے محل کے نیچے کیا تم نہیں دیکھتے [۴۷]

اَمۡ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ هُوَ مَهِيۡنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيۡنُ ﴿۵۲﴾	۵۲۔ بھلا میں ہوں بھی بہتر اس شخص سے جسکو کچھ عزت نہیں اور صاف نہیں بول سکتا[۴۸]
فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِىَ عَلَيۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ مُقۡتَرِنِيۡنَ ﴿۵۳﴾	۵۳۔ پھر کیوں نہ آپڑے اس پر کنگن سونے کے یا آتے اسکے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر[۴۹]
فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۴﴾	۵۴۔ پھر عقل کھو دی اپنی قوم کی پھر اسی کا کہنا مانا مقرر وہ تھے لوگ نافرمان[۵۰]
فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انْتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ ﴿۵۵﴾	۵۵۔ پھر جب ہم کو غصہ دلایا[۵۱] تو ہم نے اُن سے بدلا لیا پھر ڈبو دیا اُن سب کو
فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾ ع	۵۶۔ پھر کر ڈالا اُنکو گئے گذرے اور ایک نظیر پچھلوں کے واسطے[۵۲]

ع ۵ / ۱۱

۴۱۔ یعنی معجزات کا مذاق اڑانے لگے۔

۴۲۔ یعنی ایک سے ایک بڑھ کر نشان اپنی قدرت کا اور موسیٰؑ کی صداقت کا دکھلایا۔

۴۳۔ یعنی آخر وہ نشان بھیجے جو ایک طرح کے عذاب کا رنگ اپنے اندر رکھتے تھے۔ جیسا کہ سورہ "اعراف" میں گذرا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (اعراف۔۱۳۳) غرض یہ تھی کہ ڈر کر اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

۴۴۔ "ساحر" انکے محاورات میں عالم کو کہتے تھے۔ کیونکہ بڑا علم انکے نزدیک یہ ہی سحر تھا۔ شاید اس خوشامد اور لجاجت کی وقت حضرت موسیٰؑ کو بظاہر تعظیمی لقب سے پکارا ہو اور خبث باطن سے اشارہ اس طرف بھی کیا ہو کہ ہم تجھ کو نبی اب بھی نہیں سمجھتے۔ صرف ایک ماہر جادوگر سمجھتے ہیں۔

۴۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست: یعنی تیرے رب نے جو طریقہ دعا کا بتلایا ہے اور جو کچھ تجھ سے عہد کر رکھا ہے اس کے موافق ہمارے حق میں دعا کر کہ یہ عذاب ہم سے دفع ہو۔ اگر تیری دعا سے ایسا ہوگا تو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔ اور تیری بات مان لیں گے۔

۴۶۔ یعنی جہاں تکلیف رفع ہوئی اور مصیبت کی گھڑی ختم ہوئی، ایک دم اپنے قول و قرار سے پھر گئے، گویا کچھ وعدہ کیا ہی نہ تھا۔

۴۷۔ فرعون کا اپنی قوم سے خطاب: اُس گردو پیش کے ملکوں میں مصر کا حاکم بہت بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اور نہریں اسی نے بنائی تھی۔ دریائے نیل کا پانی کاٹ کر اپنے باغ میں لایا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ سامانوں کی موجودگی میں کیا ہماری حیثیت ایسی ہے کہ موسیٰؑ جیسے معمولی حیثیت والے آدمی کے سامنے گردن جھکا دیں۔

۴۸۔ یعنی موسٰی کے پاس نہ روپیہ نہ پیسہ، نہ حکومت نہ عزت، نہ کوئی ظاہری کمال، حتٰی کہ بات کرتے ہوئے بھی زبان پوری طرح صاف نہیں چلتی۔

۴۹۔ فرعون کے کنگن: کہتے ہیں کہ وہ خود جواہرات کے کنگن پہنتا تھا اور جس امیر وزیر پر مہربان ہوتا سونے کے کنگن پہناتا تھا۔ اور اسکے سامنے فوج پرا باندھ کر کھڑی ہوتی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کسی کو عزت دیتے ہیں تو ایسا کرتے ہیں۔ کیا خدا کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیجے تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کنگن اور جلو میں فرشتوں کی فوج بھی نہ ہو۔

۵۰۔ قوم فرعون کی حماقت: یعنی اپنی ابلہ فریب باتوں سے قوم کو الو بنایا وہ سب احمق اسی کی بات ماننے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی طبائع میں خدا کی نافرمانی پہلے سے رچی ہوئی تھے، او نگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا۔

۵۱۔ یعنی وہ کام کئے جن پر عادۃً خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔

۵۲۔ یعنی پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے ان کا قصہ ایک عبرتناک نظیر کے طور پر بیان ہوتا ہے۔

وَ لَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور جب مثال لائے مریم کے بیٹے کی تبھی قوم تیری اس سے چلانے لگتے ہیں

وَ قَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَيۡرٌ اَمۡ هُوَ ‌ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ‌ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور کہتے ہیں ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ [۵۳] یہ مثال جو ڈالتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو بلکہ یہ لوگ ہیں جھگڑالو

اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ وَ جَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ‏ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ وہ کیا ہے ایک بندہ ہے کہ ہم نے اس پر فضل کیا اور کھڑا کر دیا اسکو بنی اسرائیل کے واسطے [۵۴]

وَ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِى الۡاَرۡضِ يَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے رہیں زمین میں تمہاری جگہ [۵۵]

وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور وہ نشان ہے قیامت کا [۵۶] سو اس میں شک مت کرو اور میرا کہا مانو یہ ایک سیدھی راہ ہے

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ‌ ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ‏ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ ور نہ روک دے تم کو شیطان وہ تو تمہارا دشمن ہے صریح [۵۷]

وَ لَمَّا جَآءَ عِیۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ لِاُبَیِّنَ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡہِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ اور جب آیا عیسیٰ نشانیاں لے کر بولا میں لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں [۵۸] اور بتلانے کو بعضی وہ چیز جس میں تم جھگڑتے تھے [۵۹] سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ بیشک اللہ جو ہے وہی ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسی کی بندگی کرو یہ ایک سیدھی راہ ہے [۶۰]

فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِہِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ پھر پھٹ گئے کتنے فرقے انکے بیچ سے [۶۱] سو خرابی ہے گنہگاروں کو آفت سے دکھ والے دن کی

۵۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر کفار کا شور: حضرت مسیحؑ کا جب ذکر آتا تو عرب کے مشرکین خوب شور مچاتے اور قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی اِنَّکُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ (انبیاء۔۹۸) کہنے لگے نصاریٰ حضرت مسیحؑ کی عبادت کرتے ہیں۔ اب بتاؤ! تمہارے خیال میں ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیحؑ۔ ظاہر ہے تم مسیحؑ کو اچھا کہو گے جب وہ ہی (معاذ اللہ) آیت کے عموم میں داخل ہوئے تو ہمارے معبود بھی سہی۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا لَیۡسَ اَحَدٌ یُّعۡبَدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فِیۡہِ خَیۡرٌ۔ کہنے لگے کیا مسیحؑ میں بھی کوئی خیر اور بھلائی نہیں؟ ظاہر ہے کہ آیت کا اور حضور ﷺ کے ان الفاظ کا مطلب ان چیزوں سے متعلق تھا جن کی پرستش لوگ کرتے ہیں اور وہ انکو اس سے نہیں روکتے اور اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کرتے۔ مگر ان معترضین کا منشاء تو محض جھگڑے نکالنا اور کٹ حجتی کر کے رلانا تھا۔ اس لئے جان بوجھ کر ایسے معنی پیدا کرتے تھے جو مراد متکلم کے مخالف ہوں۔ کبھی کہتے تھے کہ بس معلوم ہو گیا آپ بھی اسی طرح ہم سے اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں جیسے نصاریٰ حضرت مسیحؑ کی کرتے ہیں۔ شاید کبھی یہ بھی کہتے ہوں گے کہ خود قرآن نے حضرت مسیح کی مثل یہ بیان کی ہے اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (اٰل عمران۔۵۹) اب دیکھ لو ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیح؟ انہیں کیوں بھلائی سے یاد کرتے ہو؟ اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ اور خدا جانے کیا کیا کچھ کہتے ہوں گے۔ ان سب باتوں کا جواب آگے دیا گیا ہے۔

۵۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے آئے تھے: یعنی کچھ اسی ایک مسئلہ میں نہیں ان کی طبعیت ہی جھگڑالو واقع ہوئی ہے سیدھی اور صاف بات کبھی ان کے دماغوں میں نہیں اترتی۔ یوں ہی مہمل بحثیں اور دور از کار جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔ بھلا کہاں وہ شیاطین جو لوگوں سے اپنی عبادت کراتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں یا وہ پتھر کی بے جان مورتیں جو کسی کو کفر و شرک سے روکنے پر اصلاً قدرت نہیں رکھتیں۔ اور کہاں وہ خدا کا مقبول بندہ جس پر اللہ نے خاص فضل فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے واسطے کھڑا کیا جس کو اپنے بندہ ہونے کا اقرار تھا اور جو اپنی امت کو اسی چیز کی طرف بلاتا تھا۔ کہ وَ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ (مریم۔۳۶) کیا اس مقبول

بندہ کو العیاذ باللہ حَصَبُ جَهَنَّمَ یا لَیْسَ فِیْهِ خَیْرٌ کہا جا سکتا ہے؟ یا یہ پتھر کی مورتیاں اس کی ہمسری کر سکتی ہیں۔ یاد رکھو! قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا۔ اس کا سارا اجہاد ہی اس مضمون کے خلاف ہے۔ ہاں یہ کبھی نہیں کر سکتا کہ محض احمقوں کے خدا بنا لینے سے ایک مقرب و مقبول بندہ کو پتھروں اور شریروں کے برابر کر دے۔

۵۵۔ یعنی عیسیٰؑ میں آثار فرشتوں کے سے تھے (جیسا کہ سورہ مائدہ، آل عمران اور کہف کے فوائد میں اشارہ کیا جا چکا ہے) اتنی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ اگر ہم چاہیں تو تمہاری نسل سے ایسے لوگ پیدا کریں یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں ہی کو لا کر زمین پر آباد کر دیں۔ ہم کو سب قدرت حاصل ہے۔

۵۶۔ **حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کا نشان ہیں:** یعنی حضرت مسیحؑ کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا کہ بدون باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب و غریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہو گا۔ ان کے نزول سے لوگ معلوم کر لیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آ لگی ہے۔

۵۷۔ یعنی قیامت کے آنے میں شک نہ کرو۔ اور جو سیدھی راہ ایمان و توحید کی بتلا رہا ہوں اس پر چلے آؤ۔ مبادا تمہارا ازلی دشمن شیطان تم کو اس راستہ سے روک دے۔

۵۸۔ یعنی پکی باتیں دانائی اور حکمت کی۔

۵۹۔ یعنی دینی باتیں۔ یا بعض وہ چیزیں جن کو شریعت موسویہ نے حرام ٹھہرایا تھا ان کا حلال ہونا بیان کرتا ہوں۔ کما قال وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ (آل عمران۔۵۰)

۶۰۔ **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم توحید:** یہ تعلیم تھی حضرت مسیحؑ کی۔ دیکھ لو کیسی صفائی سے خدائے واحد کی ربوبیت اور معبودیت کو بیان فرمایا ہے اور اسی توحید اور ارتقاء و اطاعت رسول کو صراط مستقیم قرار دیا ہے۔

۶۱۔ یعنی اختلاف پڑ گیا۔ یہود انکے منکر ہوئے اور نصاریٰ قائل ہوئے۔ پھر نصاریٰ آگے چل کر کئی فرقے بن گئے، کوئی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتلاتا ہے۔ کوئی انکو تین خداؤں میں کا ایک کہتا ہے، کوئی کچھ اور کہتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی اصلی تعلیم پر ایک بھی نہیں۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اب یہی ہے کہ راہ دیکھتے ہیں قیامت کی کہ آ کھڑی ہو ان پر اچانک اور انکو خبر بھی نہ ہو [۶۲]

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ ع

۶۷۔ جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر جو لوگ ہیں ڈر والے [۶۳]

ع ۶/۱۲

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ ج

۶۸۔ اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم غمگین ہو گے [۶۴]

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿٦٩﴾

٦٩۔ جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم بردار[٦٥]

اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اَنۡتُمۡ وَ اَزۡوَاجُكُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿٧٠﴾

٧٠۔ چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں کہ تمہاری عزت کریں

يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ وَّ اَكۡوَابٍ ۚ وَ
فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡيُنُ ۚ وَ
اَنۡتُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿٧١﴾

٧١۔ لئے پھریں گے انکے پاس رکابیاں سونے کی اور آبخورے[٦٦] اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پائیں[٦٧] اور تم ان میں ہمیشہ رہو گے

وَ تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِيۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿٧٢﴾

٧٢۔ اور وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے میں ان کاموں کے جو کرتے تھے[٦٨]

لَكُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ كَثِيۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿٧٣﴾

٧٣۔ تمہارے واسطے ان میں بہت میوے ہیں ان میں سے کھاتے رہو[٦٩]

اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِيۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿٧٤﴾

٧٤۔ البتہ جو لوگ گنہگار ہیں وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

لَا يُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَ هُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿٧٥﴾

٧٥۔ نہ ہلکا ہوتا ہے ان پر سے اور وہ اسی میں پڑے ہیں آس ٹوٹے[٧٠]

وَ مَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَ لٰكِنۡ كَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿٧٦﴾

٧٦۔ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن تھے وہی بے انصاف[٧١]

وَ نَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ
مّٰكِثُوۡنَ ﴿٧٧﴾

٧٧۔ اور پکاریں گے اے مالک کہیں ہم پر فیصل کر چکے تیرا رب[٧٢] وہ کہے گا تمکو ہمیشہ رہنا ہے[٧٣]

٦٢۔ کیا قیامت کے منتظر ہیں: ایسے ایسے کھلے بیانات اور واضح ہدایات کے باجود بھی لوگ نہیں مانتے آخر وہ کاہے کے منتظر ہیں۔ انکے احوال کو دیکھ کر یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ بس قیامت ایک دم انکے سر پر آ کھڑی ہو۔ تب مانیں گے۔ حالانکہ اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ دے گا۔

٦٣۔ قیامت کا حال: اس دن دوست دوست سے بھاگے گا کہ اس کے سبب سے کہیں میں نہ پکڑا جاؤں۔ دنیا کی سب دوستیاں اور محبتیں منقطع ہو جائیں گی۔ آدمی پچتائے گا کہ فلاں شریر آدمی سے دوستی کیوں کی تھی جو اس کے اکسانے سے آج گرفتار مصیبت ہونا پڑا۔ اس وقت بڑا گرمجوش

محب محبوب کی صورت دیکھنے سے بیزار ہوگا۔ البتہ جن کی محبت اور دوستی اللہ کے واسطے تھی اور اللہ کے خوف پر مبنی تھی وہ کام آئے گی۔

۶۴۔ یعنی نہ آگے کا ڈر، نہ پیچھے کا غم۔

۶۵۔ ایمان اور اسلام کا فرق: یعنی دل سے یقین کیا اور جوارح سے اس کے حکمبردار رہے۔ یہاں سے ایمان اور اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث جبریل میں اس کا مفصل بیان ہوا ہے۔

۶۶۔ جنت کی نعمتیں: یعنی غلمان لئے پھریں گے۔

۶۷۔ سب سے اعلیٰ چیز جس سے آنکھیں آرام پائیں گی وہ دیدار ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا (رزقنا اللہ بفضلہ ومنّہ)

۶۸۔ اعمال کا بدلہ جنت: یعنی تمہارے باپ آدم کی میراث واپس مل گئی، تمہارے اعمال کے سبب سے اور اللہ کے فضل سے۔

۶۹۔ یعنی چن چن کر۔

۷۰۔ اہل جہنم کا دائمی عذاب: یعنی عذاب نہ کسی وقت ملتوی ہوگا نہ ہلکا کیا جائے گا۔ دوزخی ناامید ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔

۷۱۔ جہنم کا یہ عذاب ظلم نہیں ہے: یعنی ہم نے دنیا میں بھلائی برائی کے سب پہلو سمجھا دیے تھے اور پیغمبروں کو بھیج کر حجت تمام کر دی تھی۔ کوئی معقول عذر انکے لئے باقی نہیں چھوڑا تھا۔ اس پر بھی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ ایسوں کو سزا دیجائے تو ظلم کون کہہ سکتا ہے۔

۷۲۔ داروغہ جہنم مالک: "مالک" نام ہے فرشتہ کا جو دوزخ کا داروغہ ہے۔ دوزخی اس کو پکاریں گے کہ ہم نہ مرتے ہی ہیں نہ چھوٹتے ہیں۔ اپنے رب سے کہہ کر ایک دفعہ عذاب دے کر ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ گویا نجات سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کریں گے۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾	۷۸۔ ہم لائے ہیں تمہارے پاس سچا دین پر تم بہت لوگ سچی بات سے برا مانتے ہو [۷۴]
اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾	۷۹۔ کیا انہوں نے ٹھہرائی ہے ایک بات تو ہم بھی کچھ ٹھہرائیں گے [۷۵]
اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾	۸۰۔ کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے ان کا بھید اور ان کا مشورہ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے انکے پاس لکھتے رہتے ہیں [۷۶]
قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾	۸۱۔ تو کہہ اگر ہو رحمٰن کے واسطے اولاد تو میں سب سے پہلے پوجوں [۷۷]
سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا	۸۲۔ پاک ذات ہے وہ رب آسمانوں کا اور زمین کا صاحب

يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾

عرش کا ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں[٧٨]

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ
الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾

٨٣۔ اب چھوڑ دے انکو بک بک کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ ملیں اپنے اس دن سے جس کا انکو وعدہ دیا ہے[٧٩]

وَ هُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِى الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ
الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾

٨٤۔ اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں اور اسکی بندگی ہے زمین میں اور وہی ہے حکمت والا سب سے خبر دار[٨٠]

وَ تَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا
بَيْنَهُمَا ۚ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾

٨٥۔ اور بڑی برکت ہے اسکی جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے اور اسی کے پاس ہے خبر قیامت کی[٨١] اور اسی تک پھر کر پہنچ جاؤ گے[٨٢]

وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ
اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

٨٦۔ اور اختیار نہیں رکھتے وہ لوگ جنکو یہ پکارتے ہیں سفارش کا مگر جس نے گواہی دی سچی اور انکو خبر تھی[٨٣]

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ ۙ

٨٧۔ اور اگر تو ان سے پوچھے کہ انکو کس نے بنایا تو کہیں گے اللہ نے پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں[٨٤]

وَ قِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ ۘ

٨٨۔ قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے رب یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے[٨٥]

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾ ع

٨٩۔ سو تو منہ پھیر لے انکی طرف سے اور کہہ سلام ہے[٨٦] اب آخر کو معلوم کر لیں گے[٨٧]

ع ٧ (١٢) ١٣

٧٧۔ مالک کا جواب: یعنی چلانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تمکو اسی حالت میں ہمیشہ رہنا ہے۔ کہتے ہیں دوزخی ہزار برس چلائیں گے تب وہ جواب دے گا۔

۷۴۔ یعنی وہ سزا اس جرم پر ملی کہ تم میں کے اکثر سچائی سے چڑتے تھے اور بہت سے اندھوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے تھے۔

۷۵۔ کفار کے منصوبے: کفار عرب پیغمبر کے مقابلہ میں طرح طرح کے منصوبے گانٹھتے اور تدبیریں کرتے تھے۔ مگر اللہ کی خفیہ تدبیر ان کے سب منصوبوں پر پانی پھیر دیتی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "کافروں نے ملکر مشورہ کیا کہ تمہارے تغافل سے اس نبی کی بات بڑھی آئندہ جو اس دین میں آئے اسی کے رشتہ دار اس کو مار مار کر الٹا پھیریں اور جو اجنبی شخص شہر میں آئے اسکو پہلے سنا دو کہ اس شخص کے پاس نہ بیٹھے"۔ یہ بات انہوں نے ٹھہرائی اور اللہ نے ٹھہرایا انکو ذلیل و رسوا کرنا اور اپنے دین اور پیغمبر کو عروج دینا۔ آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا۔

۷۶۔ یعنی انکے دلوں کے بھید ہم جانتے اور انکے خفیہ مشورے ہم سنتے ہیں۔ اور حکومت کے انتظامی ضابطہ کے موافق ہمارے فرشتے (کراماً کاتبین) انکے سب اعمال و افعال لکھتے جاتے ہیں۔ یہ ساری مِسل قیامت میں پیش ہو گی۔

۷۷۔ اگر اللہ کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلا عابد ہوتا: یعنی اس سے بڑا ظلم کیا ہو گا کہ اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی جائیں آپ کہہ دیجئے کہ اگر بفرض محال خدا کے اولاد ہو تو پہلا شخص میں ہوں جو اسکی اولاد کی پرستش کرے۔ کیونکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔ اور جسکو جس قدر علاقہ خدا کے ساتھ ہو گا اسی نسبت سے اس کی اولاد کے ساتھ ہونا چاہئے۔ پھر جب میں باوجود اول العابدین ہونے کے کسی ہستی کو اس کی اولاد نہیں مانتا تو تم کون سے اللہ کا حق ماننے والے ہو جو اس کی فرضی اولاد تک کے حقوق پہچانو گے۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ اگر تمہارے اعتقاد میں اللہ کی کوئی اولاد ہے تو یاد رکھو! کہ میں تمہارے مقابلہ میں اس اکیلے خدا کی عبادت کرنے والا ہوں جو اولاد و احفاد سے منزہ و مقدس ہے۔ بعض نے "عابد" کے معنی لغۃً جاحد (منکر) کے بتلائے ہیں۔ یعنی اس فاسد عقیدہ کا سب سے پہلا انکار کرنے اور رد کرنے والا میں ہوں۔ بعض کے نزدیک "اِنْ" نافیہ ہے۔ یعنی رحمان کے کوئی اولاد نہیں۔ مگر یہ کچھ زیادہ قوی نہیں۔ اور بھی احتمالات ہیں جنکے استیعاب کا یہاں موقع نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

۷۸۔ یعنی جن باتوں کی نسبت یہ لوگ اسکی طرف کرتے ہیں مثلاً اولاد وغیرہ، اس سے خدا تعالٰی کی ذات برتر اور منزہ ہے۔ اسکی ذات میں یہ امکان ہی نہیں کہ معاذ اللہ کسی کا باپ یا بیٹا بنے۔

۷۹۔ یعنی غفلت و حماقت کے نشہ میں جو کچھ بکتے ہیں بکنے دیجئے، یہ لوگ چند روز اور دنیا کے کھیل تماشے میں گذار لیں، آخر وہ موعود دن آنا ہے جس میں ایک ایک کر کے ان کی گستاخیوں اور شرارتوں کا مزہ چکھایا جائے گا۔

۸۰۔ زمین و آسمان میں اللہ ہی معبود ہے: نہ آسمان میں فرشتے اور شمس و قمر معبود بن سکتے ہیں نہ زمین میں اصنام و اوثان وغیرہ۔ سب زمین و آسمان والوں کا معبود اکیلا وہ ہی خدا ہے جو فرش سے عرش تک کا مالک اور تمام عالم کون میں اپنے علم و اختیار سے متصرف ہے۔

۸۱۔ یعنی قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اسی مالک کو ہے۔

۸۲۔ یعنی وہاں پہنچ کر سب کی نیکی بدی کا حساب ہو جائے گا۔

۸۳۔ اللہ کے آگے سفارش کا حق: یعنی اتنی سفارش کر سکتے ہیں کہ جس نے انکے علم کے موافق کلمہ اسلام کہا اس کی گواہی دیں۔ بغیر کلمہ اسلام کسی کے حق میں ایک حرف سفارش کا نہیں کہہ سکتے اور اتنی سفارش بھی صالحین کریں گے جو سچائی کو جانتے اور اسکو زبان و دل سے مانتے ہیں دوسروں کو اجازت نہیں۔

۸۴۔ انکا خالق کون ہے: یعنی جب بنانے والا ایک اللہ ہے تو بندگی کا مستحق کوئی دوسرا کیونکر ہو گیا۔ عبادت نام ہے انتہائی تذلل کا۔ وہ اسی کا حق ہونا چاہئے جو انتہائی عظمت رکھتا ہے۔ عجیب بات مقدمات کو تسلیم کرتے ہیں اور نتیجہ سے انکار۔

۸۵۔ رسول اللہ کے قول کی قسم: یعنی نبی کا یہ کہنا بھی اللہ کو معلوم ہے اور اسکی اس مخلصانہ التجاء اور درد بھری آواز کی اللہ قسم کھاتا ہے کہ وہ اسکی ضرور مدد کرے گا اور اپنی رحمت سے اسکو غالب و منصور کرے گا۔

۸۶۔ یعنی غم نہ کھا، اور زیادہ ان کے پیچھے نہ پڑ۔ فرض تبلیغ ادا کر کے ادھر سے منہ پھیر لے اور کہہ دے کہ اچھا نہیں مانتے تو ہمارا اسلام لو۔

۸۷۔ یعنی آخر کار انکو پتہ لگ جائے گا کہ کس غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں لگ گیا اور پوری تکمیل آخرت میں ہونے والی ہے۔

تم سورۃ الزخرف بعون اللہ و توفیقہ فللّٰہ الحمد والمنۃ

ایاتها ۵۹ ۴۴ سُوْرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ ۶۴ رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾	۱۔ حم۔
وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۙ ﴿۲﴾	۲۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی
اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ﴿۳﴾	۳۔ ہم نے اسکو اتارا ایک برکت کی رات میں [۱] ہم ہیں کہہ سنانے والے [۲]
فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۙ ﴿۴﴾	۴۔ اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا
اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۚ ﴿۵﴾	۵۔ حکم ہو کر ہمارے پاس سے [۳] ہم ہیں بھیجنے والے [۴]
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۙ ﴿۶﴾	۶۔ رحمت سے تیرے رب کی وہی ہے سننے جاننے والا [۵]
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ﴿۷﴾	۷۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے اگر تمکو یقین ہے [۶]
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸﴾	۸۔ کسی کی بندگی نہیں سوائے اسکے جلاتا ہے اور مارتا ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا [۷]
بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾	۹۔ کوئی نہیں وہ دھوکے میں ہیں کھیلتے [۸]

۱۔ شب قدر میں قرآن کا نزول: "برکت کی رات" شب قدر ہے۔ کما قال تعالیٰ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (القدر۔۱) جو رمضان میں واقع ہے لقولہ تعالیٰ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ۔۱۸۵) اس رات میں قرآن کریم لوح محفوظ سے سمائے دنیا پر اتارا گیا۔ پھر بتدریج تیئس سال میں پیغمبر پر اترا۔ نیز اسی شب میں پیغمبر پر اسکے نزول کی ابتداء ہوئی۔

۲۔ یعنی کہہ سنانا ہمیشہ ہمارا دستور رہا ہے۔ اسی کے موافق یہ قرآن اتارا۔

۳۔ قضاؤ قدر کے فیصلوں کی رات: یعنی سال بھر کے متعلق قضاء وقدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں "لوح محفوظ" سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعبان کی پندرہویں رات ہے جسے شب براۃ کہتے ہیں۔ ممکن ہے وہاں سے اس کام کی ابتداء اور شب قدر پر انتہا ہوتی ہو۔ واللہ اعلم۔

۴۔ یعنی فرشتوں کو ہر کام پر جو انکے مناسب ہو۔ چنانچہ جبریل کو قرآن دیکر محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔

۵۔ یعنی تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے اور انکی پکار سنتا ہے۔ اسی لئے عین ضرورت کے وقت خاتم النبیین ﷺ کو قرآن دے کر اور عالم کے لئے رحمت کبریٰ بنا کر بھیج دیا۔

۶۔ اللہ کی رُبُوبیت: یعنی اگر تم میں کسی چیز پر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلی چیز یقین رکھنے کے قابل اللہ کی رُبُوبیت عامّہ ہے۔ جس کے آثار ذرہ ذرہ میں روز روشن سے زیادہ ہویدا ہیں۔

۷۔ یعنی جس کے قبضہ میں مارنا جِلانا اور وجود وعدم کی باگ ہو۔ اور سب اولین و آخرین جس کے زیر تربیت ہوں۔ کیا اسکے سوا دوسرے کی بندگی جائز ہو سکتی ہے؟ یہ ایک ایسی صاف حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔

۸۔ کفار دھوکے میں ہیں: یعنی ان واضح نشانات اور دلائل کا اقتضاء تو یہ تھا کہ یہ لوگ مان لیتے، مگر پھر بھی نہیں مانتے، بلکہ وہ توحید وغیرہ عقائد حقّہ کی طرف سے شک میں پڑے ہیں۔ اور دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں۔ آخرت کی فکر نہیں جو حق کو طلب کریں اور اس میں غور وفکر سے کام لیں۔ یہ اس دھوکہ میں ہیں کہ ہمیشہ یوں ہی رہنا ہے، خدا کے سامنے کبھی پیشی نہیں ہوگی۔ اسی لئے نصیحت کی باتوں کو ہنسی کھیل میں اڑا دیتے ہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰﴾	۱۰۔ سو تو انتظار کر اس دن کا کہ لائے آسمان دھواں صریح
يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ جو گھیر لیوے لوگوں کو یہ ہے عذاب دردناک [۹]
رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ اے رب کھولدے ہم پر سے یہ عذاب ہم یقین لاتے ہیں [۱۰]
اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ کہاں ملے اُنکو سمجھنا اور آ چکا اُنکے پاس رسول کھول کر سنانے والا
ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہنے لگے سکھایا ہوا ہے باؤلا [۱۱]
اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ ہم کھولے دیتے ہیں یہ عذاب تھوڑی مدت تک تم پھر وہی کرو گے [۱۲]
يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾	۱۶۔ جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ تحقیق ہم بدلا لینے والے ہیں [۱۳]

۹۔ دُخانِ مُبین کیا ہے: "دھویں" سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں سلف کے دو قول ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا۔ جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا۔ نیک آدمی کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا جس سے زکام سا ہو جائے گا۔ اور کافر و منافق کے دماغ میں گھس کر بے ہوش کر دے گا۔ وہ ہی یہاں مراد ہے شاید یہ دھواں وہ ہی سماوات کا مادہ ہو جس کا ذکر ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ (حم السجدۃ۔ ۱۱) میں ہوا ہے۔ گویا آسمان تحلیل ہو کر اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرنے لگیں گے اور یہ اسکی ابتداء ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور ابن مسعودؓ زور شور کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ دھواں نہیں جو علامات قیامت میں سے ہے۔ بلکہ قریش کے تمرد وطغیان سے تنگ آکر نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ان پر بھی سات سال کا قحط مسلط کر دے جیسے یوسفؑ کے زمانہ میں مصریوں پر مسلط ہوا تھا۔ چنانچہ قحط پڑا جس میں مکہ والوں کو مردار اور چمڑے ہڈیاں کھانے کی نوبت آگئی غالبًا اسی دوران میں "یمامہ" کے رئیس ثمامہ ابن آثالؓ مشرف باسلام ہوئے اور وہاں سے غلہ کی جو بھرتی مکہ کو جاتی تھی بند کر دی۔ غرض اہل مکہ بھوکوں مرنے لگے اور قاعدہ ہے کہ شدت کی بھوک اور مسلسل خشک سالی کے زمانہ میں جو یعنی زمین و آسمان کے درمیان دھواں سا آنکھوں کے سامنے نظر آیا کرتا ہے اور ویسے بھی مدت دراز تک بارش بند رہنے سے گرد وغبار وغیرہ چڑھ کر آسمان پر دھواں سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اسکو یہاں دُخان سے تعبیر فرمایا۔ اس تقدیر پر یَّغۡشَی النَّاسَ میں لوگوں سے مراد مکہ والے ہوں گے۔ گویا یہ ایک پیشین گوئی تھی۔ کما یدل علیہ قولہ فَارۡتَقِبۡ جو پوری ہوئی۔

۱۰۔ عذاب کے وقت کفار کی توبہ: یعنی اس عذاب میں مبتلا ہو کر یوں کہیں گے کہ اب تو اس آفت سے نجات دیجئے آگے کو ہماری توبہ! ہم کو اب یقین آگیا پھر شرارت نہ کریں گے۔ پکے مسلمان بن کر رہیں گے۔ آگے اس کا جواب دیا ہے۔

۱۱۔ حق تعالیٰ کا کفار کو جواب: یعنی اب موقع سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا کہاں رہا۔ اس وقت تو مانا نہیں جب ہمارا پیغمبر کھلے کھلے نشان اور کھلی کھلی ہدایات لے کر آیا تھا۔ اس وقت کہتے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ کسی دوسرے سے سیکھ کر اس نے یہ کتاب تیار کر لی ہے۔ (ابن عباس کی تفسیر پر یہ مطلب ہوا) اور ابن مسعود کی تفسیر کے موافق یہ معنی ہوں گے کہ اہل مکہ نے قحط وغیرہ سے تنگ آکر درخواست کی کہ یہ آفت ہم سے دور کیجئے اگر ایسا ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ آپکی دعا سے بارش ہوئی اور ثمامہ نے جو غلہ روک دیا تھا وہ بھی آپ نے کھلوا دیا پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ اسی کو فرماتے ہیں اَنّٰی لَہُمُ الذِّکۡرٰی الخ یعنی یہ لوگ ان باتوں سے ماننے والے کہاں ہیں، اس قسم کی چیزوں میں تو ہزار تاویلیں گھڑلیں۔ جو چیز بالکل کھلی ہوئی آفتاب سے زیادہ روشن تھی یعنی آپ کی پیغمبری اسی کو نہ مانا۔ کوئی مجنون بتلانے لگا، کسی نے کہا صاحب! فلاں رومی غلام سے کچھ مضامین سیکھ آئے ہیں ان کو اپنی عبادت میں ادا کر دیتے ہیں۔ ایسے متعصب معاندین سے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۱۲۔ کفار کی ہٹ دھرمی: یعنی اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب ہٹالیں، پھر وہ ہی حرکتیں کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔ اور ابن مسعود کی تفسیر پر یہ مطلب ہو گا کہ لو! اچھا ہم تھوڑی مدت کے لئے یہ عذاب ہٹائے لیتے ہیں۔ پھر دیکھ لینا، وہ ہی کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔

۱۳۔ ابن عباس کے نزدیک بڑی پکڑ قیامت میں ہو گی۔ غرض یہ ہے کہ آخرت کا عذاب نہیں ٹلتا۔ اور ابن مسعود کے نزدیک "بڑی پکڑ" سے معرکہ "بدر" کا واقعہ مراد ہے۔ "بدر" کے دن ان لوگوں سے بدلہ لے لیا گیا۔

وَ لَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَہُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَ جَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور جانچ چکے ہیں ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو اور آیا ان کے پاس رسول عزت والا [۱۴]

اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ ؕ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿ۙ۱۸﴾	۱۸۔ کہ حوالے کرو میرے بندے خدا کے[۱۵] میں تمہارے پاس آیا ہوں بھیجا ہوا معتبر
وَّ اَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ ۚ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۚ۱۹﴾	۱۹۔ اور یہ کہ چڑھے نہ جاؤ اللہ کے مقابل میں لاتا ہوں تمہارے پاس سند کھلی ہوئی[۱۶]
وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿۫۲۰﴾	۲۰۔ اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو[۱۷]
وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾	۲۱۔ اور اگر تم نہیں یقین کرتے مجھ پر تو مجھ سے پرے ہو جاؤ[۱۸]
فَدَعَا رَبَّہٗۤ اَنَّ ہٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ الثلثة	۲۲۔ پھر دعا کی اپنے رب سے کہ یہ لوگ گنہگار ہیں
فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿ۙ۲۳﴾	۲۳۔ پھر لے نکل رات سے میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے[۱۹]
وَ اتۡرُکِ الۡبَحۡرَ رَہۡوًا ؕ اِنَّہُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۴﴾	۲۴۔ اور چھوڑ جا دریا کو تھما ہوا البتہ وہ لشکر ڈوبنے والے ہیں[۲۰]
کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿ۙ۲۵﴾	۲۵۔ بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے
وَّ زُرُوۡعٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿ۙ۲۶﴾	۲۶۔ اور کھیتیں اور گھر خاصے
وَّ نَعۡمَۃٍ کَانُوۡا فِیۡہَا فٰکِہِیۡنَ ﴿ۙ۲۷﴾	۲۷۔ اور آرام کا سامان جس میں باتیں بنایا کرتے تھے
کَذٰلِکَ ۟ وَ اَوۡرَثۡنٰہَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ یونہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا ہم نے ایک دوسری قوم کے[۲۱]
فَمَا بَکَتۡ عَلَیۡہِمُ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَا کَانُوۡا مُنۡظَرِیۡنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱ / ۲۹ / ۱۴	۲۹۔ پھر نہ رویا ان پر آسمان اور زمین[۲۲] اور نہ ملی انکو ڈھیل
وَ لَقَدۡ نَجَّیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ	۳۰۔ اور ہم نے بچا نکالا بنی اسرائیل کو ذلت کی مصیبت

الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ | سے
مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ | ۳۱۔ جو فرعون کی طرف سے تھی [۲۳] بیشک وہ تھا چڑھ رہا حد سے بڑھ جانے والا [۲۴]
وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ | ۳۲۔ اور اُنکو ہم نے پسند کیا جان بوجھ کر جہان کے لوگوں سے [۲۵]
وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾ | ۳۳۔ اور دیں ہم نے انکو نشانیاں جن میں تھی مدد صریح [۲۶]

۱۴۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ سے ان کا امتحان کیا گیا کہ اللہ کے پیغام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

۱۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون: یعنی خدا کے بندوں کو اپنا بندہ مت بناؤ۔ بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی دو اور میرے حوالہ کرو۔ میں جہاں چاہوں لے جاؤں۔

۱۶۔ کھلی سند "وہ معجزات تھے جو حضرت موسیٰؑ نے دکھائے۔ "عصا" اور "ید بیضا" وغیرہ۔

۱۷۔ یہ انکی دھمکیوں کا جواب دیا۔ یعنی میں تمہارے ظلم و ایذا سے خدا کی پناہ حاصل کر چکا ہوں وہ میری حمایت پر ہے اور اسی کی حفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔

۱۸۔ یعنی اگر میری بات نہیں مانتے تو کم از کم مجھے ایذاء دے کر اپنے جرم کو سنگین مت کرو۔ "مرا نجیر تو امید نیست بد مرساں"۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی اپنی قوم کو لیجاؤں تم راہ نہ روکو۔

۱۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: یعنی آخر مجبور ہو کر اللہ سے فریاد کی کہ یہ لوگ اپنے جرائم سے باز آنے والے نہیں اب آپ میرے اور انکے درمیان فیصلہ کر دیجئے، وہاں کیا دیر تھی۔ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ فرعونیوں کو اطلاع کئے بدون بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے چلے جاؤ۔ کیونکہ دن ہونے پر جب انہیں اطلاع ہو گی اس وقت تمہارا پیچھا کریں گے۔ لیکن یاد رہے راستہ میں سمندر پڑے گا۔ اس پر عصا مارنے سے پانی اِدھر اُدھر ہٹ جائے گا اور درمیان میں خشک و صاف راستہ نکل آئے گا اسی راستہ سے اپنی قوم کو لے کر گذر جاؤ۔

۲۰۔ یعنی اس کی فکر مت کر کہ دریا میں خدا کی قدرت سے جو راستہ بن گیا وہ باقی نہ رہے۔ اسکو اسی حالت میں چھوڑ دے۔ یہ راستہ دیکھ کر ہی تو فرعون کا لشکر اس میں گھسنے کی ہمت کریں گے۔ چنانچہ وہ سب خشک راستہ دیکھ کر اندر گھسے، اس کے بعد خدا کے حکم سے سمندر کا پانی چاروں طرف سے آکر مل گیا۔ سارا لشکر غرقاب ہوا۔

۲۱۔ مصر کے اموال بنی اسرائیل کو: یعنی بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں دیدیا۔ جیسا کہ سورہ شعراء میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کے غرق ہوئے بعد مصر میں بنی اسرائیل کا دخل ہوا اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ جس قسم کے سامان فرعونیوں نے چھوڑے تھے۔ اسی طرح کے ہم نے بنی اسرائیل کو دے دیے۔ واللہ اعلم۔

۲۲۔ مومن کی موت پر زمین و آسمان کا گریہ: روایات میں ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اسکی روزی اترتی تھی یا جس سے اس کا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا۔ اور زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس وہ سعادت ہم سے چھن گئی۔ کافر کے پاس عمل صالح کا بیج ہی نہیں۔ پھر اس پر آسمان یا زمین کیوں روئے بلکہ شاید خوش ہوں گے کہ چلو پاپ کٹا۔ "خس کم جہاں پاک"۔

۲۳۔ بلکہ فرعون کا وجود ایک مجسم مصیبت تھا۔

۲۴۔ یعنی بڑا متکبر اور سر کش تھا۔

۲۵۔ بنی اسرائیل کی فضیلت: یعنی اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں بھی ہمکو معلوم تھیں تاہم انکو ہم نے اس زمانہ کے تمام لوگوں سے فضیلت دی، اور بعض فضائل جزئیہ تو وہ ہیں جو آج تک کسی قوم کو میسر نہیں ہوئے مثلاً اتنے بیشمار انبیاء کا ان میں اٹھایا جانا۔

۲۶۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ سے مثلاً "من وسلویٰ" کا اتارنا، بادل کا سایہ کرنا وغیر ذٰلک۔

۲۷۔ مشرکین مکہ کی دہریت: درمیان میں حضرت موسیٰؑ کی قوم کا ذکر استطراداً آ گیا تھا۔ یہاں سے پھر حضور کی قوم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہماری آخری حالت بس یہ ہی ہے کہ موت آجائے موت کے بعد سب قصہ ختم۔ موجودہ زندگی کے سوا دوسری زندگی کوئی نہیں۔ کہاں کا حشر اور کیسا حساب کتاب۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ یہ لوگ کہتے ہیں

اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور کچھ نہیں ہمارا یہی مرنا ہے پہلا اور ہمکو پھر اٹھنا نہیں [۲۷]

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ بھلا لے تو آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو [۲۸]

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ بھلا یہ بہتر ہیں یا تُبّع کی قوم [۲۹] اور جو اُن سے پہلے تھے ہم نے اُنکو غارت کر دیا بیشک وہ تھے گنہگار [۳۰]

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین اور جو اُنکے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اُنکو تو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر بہت لوگ نہیں سمجھتے [۳۱]

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ تحقیق فیصلہ کا دن وعدہ ہے اُن سب کا [۳۲]

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ جس دن کام نہ آئے کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی اور نہ اُنکو مدد پہنچے [۳۳]

ع ۲ ۱۳ ۱۵

اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ مگر جس پر رحم کرے اللہ بیشک وہی ہے زبردست رحم والا[۳۴]

۲۸۔ یعنی پیغمبر اور مومنین سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے عقیدہ میں سچے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو ذرا زندہ کر کے دکھادو۔ تب ہم جانیں۔

۲۹۔ قوم تُبّع کی ہلاکت: "تُبّع" لقب تھا یمن کے بادشاہ کا۔ جس کی حکومت سبا اور حضر موت وغیرہ سب پر تھی۔ "تُبّع" بہت گذرے ہیں۔ اللہ جانے یہاں کونسا مراد ہے۔ بہر حال اتنا ظاہر ہوا کہ اس کی قوم بہت قوت و جبروت والی تھی۔ جو اپنی سرکشی کی بدولت تباہ کی گئی ابن کثیرؒ نے اس سے قوم سَبا مراد لی ہے جس کا ذکر سورہ سبا میں گذر چکا واللہ اعلم۔

۳۰۔ عاد و ثمود کی ہلاکت: مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔ ان سب کو اللہ نے انکے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر کے چھوڑا۔ کیا تم ان سے بہتر یا ان سے زیادہ طاقتور ہو کہ تم کو ہلاک نہ کرے گا یا نہ کر سکے گا؟

۳۱۔ یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشا نہیں۔ بلکہ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے جس کا نتیجہ ایک دن نکل کر رہے گا۔ وہ ہی نتیجہ آخرت ہے۔

۳۲۔ یعنی اس دن سب کا حساب بیک وقت ہو جائے گا۔

۳۳۔ یعنی نہ کسی اور طرف سے مدد پہنچ سکے گی۔

۳۴۔ یعنی بس جس پر اللہ کی رحمت ہو جائے وہ ہی بچے گا۔ کما ورد فی الحدیث اِلَّآ اَنۡ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحۡمَتِہٖ۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۙ﴿۴۳﴾

۴۳۔ مقرر درخت سینڈھ کا

طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ۖۛ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کھانا ہے گنہگار کا[۳۵]

كَالۡمُهۡلِ ۛۚ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ۙ﴿۴۵﴾

۴۵۔ جیسے پگھلا ہوا تانبا کھولتا ہے پیٹوں میں

كَغَلۡىِ الۡحَمِيۡمِ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ جیسے کھولتا ہوا پانی

خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰى سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ۖ﴿۴۷﴾

۴۷۔ پکڑو اسکو اور دھکیل کر لیجاؤ بیچوں بیچ دوزخ کے[۳۶]

ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِيۡمِ ؕ﴿۴۸﴾

۴۸۔ پھر ڈالو اُسکے سر پر جلتے پانی کا عذاب[۳۷]

ذُقۡ ۚۖ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ یہ چکھ تو ہی ہے بڑا عزت والا سردار[۳۸]

اِنَّ هٰذَا مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ یہ وہی ہے جس میں تم دھوکے میں پڑے تھے[۳۹]

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ مَقَامٍ اَمِيۡنٍ ۙ﴿۵۱﴾

۵۱۔ بیشک ڈرنے والے گھر میں ہیں چین کے[۴۰]

فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿ۚۙ۵۲﴾

۵۲۔ باغوں میں اور چشموں میں

یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿ۚۙ۵۳﴾

۵۳۔ پہنتے ہیں پوشاک ریشمی پتلی اور گاڑھی ایک دوسرے کے سامنے [۴۱]

کَذٰلِکَ ۟ وَ زَوَّجۡنٰہُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿ؕ۵۴﴾

۵۴۔ اسی طرح ہو گا اور بیاہ دیں گے ہم اُنکو حوریں بڑی آنکھوں والیاں [۴۲]

یَدۡعُوۡنَ فِیۡہَا بِکُلِّ فَاکِہَۃٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿ۙ۵۵﴾

۵۵۔ منگوائیں گے وہاں ہر میوہ دل جمعی سے [۴۳]

لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡہَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَۃَ الۡاُوۡلٰی ۚ وَ وَقٰہُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿ۙ۵۶﴾

۵۶۔ نہ چکھیں گے وہاں موت مگر جو پہلے آچکی [۴۴] اور بچایا انکو دوزخ کے عذاب سے

فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ فضل سے تیرے رب کے یہی ہے بڑی مراد ملنی [۴۵]

فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے اسکو تیری بولی میں تاکہ وہ یاد رکھیں [۴۶]

فَارۡتَقِبۡ اِنَّہُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ ع

۵۹۔ اب تو راہ دیکھ وہ بھی راہ تکتے ہیں [۴۷]

۳ ع ۱۷ ۱۶

۳۵۔ جہنم میں کفار کی عبرتناک سزائیں: کسی ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے اسکو "زقّوم" (سیہنڈ) کہا گیا ہے۔ ورنہ دوزخ کی سیہنڈ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے جیسے بعض نعمائے جنت اور نعمائے دنیوی میں اشتراک اسمی ہے اسی طرح جہنم کے متعلق سمجھ لو۔

۳۶۔ یہ حکم فرشتوں کو ہو گا جو تعذیب مجرمین پر مامور ہیں۔

۳۷۔ وہ پانی دماغ سے اتر کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل آئے گا (اعاذنا اللہ منہ)۔

۳۸۔ یعنی تو وہ ہی ہے جو دنیا میں بڑا معزز و مکرم سمجھا جاتا اور اپنے کو سردار ثابت کیا کرتا تھا۔ اب وہ عزت اور سرداری کہاں گئی

۳۹۔ یعنی تم کو کہاں یقین تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔ اسی دھوکہ میں تھے کہ بس یوں ہی کھیلتے کودتے گذر جائے گی۔ آخر مٹی میں ملکر مٹی ہو جائیں گے۔ آگے کچھ بھی نہیں اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سچی تھیں جو پیغمبروں نے بیان کی تھیں۔

۴۰۔ متقین کی حالت: یعنی جو اللہ سے ڈرتے ہیں وہاں امن چین سے ہوں گے کسی طرح کا خوف اور غم پاس نہ آئے گا۔

۴۱۔ اُنکے لباس: یعنی انکی پوشاک باریک اور دبیز ریشم کی ہو گی۔ اور ایک جنتی دوسرے سے اعراض نہ کرے گا بے تکلف دوستوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھیں گے۔

۴۲۔ یعنی ان سے جوڑے ملا دیں گے۔

۴۳۔ پھل اور میوے: یعنی جس میوے کو جی چاہے گا فوراً حاضر کر دیا جائے گا۔ کوئی فکر نہ ہو گی، پوری دلجمعی سے کھائیں پئیں گے۔

۴۴۔ **حیات ابدی:** یعنی جو موت پہلے آچکی وہ آچکی، اب آگے کبھی موت نہیں، دائمًا اسی عیش ونشاط میں رہنا ہے نہ انکو فنا، نہ انکے سامانوں کو۔

۴۵۔ اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے اور ابد الآباد کے لئے مورد الطاف و افضال بنے۔

۴۶۔ **قرآن آسان ہے:** یعنی اپنی مادری زبان میں آسانی سے سمجھ لیں اور یاد رکھیں۔

۴۷۔ یعنی اگر نہ سمجھیں تو آپ چندے انتظار کیجئے۔ ان کا بد انجام سامنے آجائے گا۔ یہ تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے لیکن آپ دیکھتے جائیے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔

تم سورۃ الدُّخان بفضل اللہ و رحمۃ فللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتھا ۳۷ ۴۵ سُوْرَةُ الْجَاثِیَةِ مَکِّیَّةٌ ۶۵ رکوعاتھا ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

۱۔ حم۔

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾

۲۔ اتارنا کتاب کا ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمتوں والا

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ﴿۳﴾

۳۔ بیشک آسمانوں میں اور زمین میں بہت نشانیاں ہیں ماننے والوں کے واسطے [۱]

وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

۴۔ اور تمہارے بنانے میں اور جس قدر پھیلا رکھے ہیں جانور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین رکھتے ہیں [۲]

وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾

۵۔ اور بدلنے میں رات دن کے اور وہ جو اتاری اللہ نے آسمان سے روزی [۳] پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد اور بدلنے میں ہواؤں کے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو سمجھ سے کام لیتے ہیں [۴]

تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾

۶۔ یہ باتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک پھر کونسی بات کو اللہ اور اسکی باتوں کو چھوڑ کر مانیں گے [۵]

وَیۡلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ ۙ﴿۷﴾

۷۔ خرابی ہے ہر جھوٹے گنہگار کے لئے

یَّسۡمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتۡلٰی عَلَیۡہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسۡتَکۡبِرًا کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡہَا ۚ فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۸﴾

۸۔ کہ سنتا ہے باتیں اللہ کی اسکے پاس پڑھی جاتی ہیں پھر ضد کرتا ہے غرور سے گویا سنا ہی نہیں [۶] سو خوشخبری سنا دے اسکو ایک عذاب دردناک کی

وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؕ﴿۹﴾

۹۔ اور جب خبر پائے ہماری باتوں میں سے کسی کی اسکو ٹھہرائے ٹھٹھا ایسوں کو ذلت کا عذاب ہے[۷]

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؕ﴿۱۰﴾

۱۰۔ پرے انکے دزوخ ہے اور کام نہ آئے گا انکے جو کمایا تھا ذرا بھی اور نہ وہ کہ جنکو پکڑا تھا اللہ کے سوائے رفیق[۸] اور اُنکے واسطے بڑا عذاب ہے

هٰذَا هُدًى ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ؑ﴿۱۱﴾

۱۱۔ یہ سجھا دیا اور جو منکر ہیں اپنے رب کی باتوں سے انکے لئے عذاب ہے ایک بلا کا دردناک[۹]

ع ۱ ۱۱ ۱۷

۱۔ زمین و آسمان میں مومنین کیلئے نشانیاں: یعنی آدمی ماننا چاہے تو اسی آسمان و زمین کی پیدائش اور انکے محکم نظام میں غور کر کے مان سکتا ہے کہ ضرور کوئی ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ہے۔ جس نے کمال حکمت و خوبی سے انکو بنایا اور لامحدود قدرت سے انکی حفاظت کی۔ البعرۃ تدل علی البعیر والاقدام تدل علی المسیر فکیف لا یدل ھٰذا النظام العجیب الغریب علی الصانع اللطیف الخبیر۔

۲۔ یعنی انسان خود اپنی بناوٹ اور دوسرے حیوانات کی ساخت میں غور کرے تو درجہ عرفان وایقان تک پہنچانے والی ہزارہا نشانیاں اسکو ملیں۔

۳۔ یعنی پانی آسمان کی طرف سے اتارا جو مادہ ہے روزی کا۔

۴۔ اہل عقل کیلئے یہ نشانیاں کافی ہیں: یعنی ذرا بھی سمجھ سے کام لیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ امور بجز اس زبردست قادر و حکیم کے اور کسی کے بس میں نہیں۔ جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی تقریر گزر چکی۔

۵۔ اہل عقل کیلئے یہ نشانیاں کافی ہیں: یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسرا کون ہے اور اسکی باتیں چھوڑ کر کس کی بات ماننے کے قابل ہے۔ جب اس بڑے مالک کی ایسی سچی اور صاف باتیں بھی کوئی بدبخت قبول نہ کرے تو آخر کس چیز کا منتظر ہے جسے قبول کرے گا۔

۶۔ جھوٹے اور مغرور کیلئے خرابی ہے: یعنی ضد اور غرور کی وجہ سے اللہ کی بات نہیں سنتا۔ اسکی شیخی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی جہالت سے ہٹے۔ حق کو سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا سنا ہی نہیں۔

۷۔ یعنی جس طرح وہ آیات اللہ کے ساتھ اہانت و استخفاف کا معاملہ کرتا ہے، سزا بھی سخت اہانت و ذلت کی ملے گی جو آگے آ رہی ہے۔

۸۔ آخرت میں کفار کی بے کسی: یعنی اموال و اولاد وغیرہ کوئی چیز اس وقت کام نہ آئے گی۔ نہ وہ کام آئیں گے جنکو اللہ کے سوا معبود یا رفیق و مددگار بنا رکھا تھا اور جن سے بہت کچھ اعانت و امداد کی توقعات تھیں۔

۹۔ قرآن ہدایت ہے: یعنی یہ قرآن عظیم الشان ہدایت ہے جو سب طرح کی برائی بھلائی انسان کو سجھانے کے لئے آئی ہے جو اس کو نہ مانیں وہ سخت غلیظ اور دردناک عذاب بھگتنے کے لئے تیار رہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡكُ
فِیۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ
تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا کو کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے[۱۰] اور تا کہ تلاش کرو اسکے فضل سے اور تا کہ تم حق مانو[۱۱]

وَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ
جَمِیۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ
یَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور کام میں لگا دیا تمہارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے[۱۲] اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو دھیان کرتے ہیں[۱۳]

قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَغۡفِرُوۡا لِلَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ
اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجۡزِیَ قَوۡمًۢا بِمَا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ کہہ دے ایمان والوں کو در گذر کریں ان سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی[۱۴] تا کہ وہ سزا دے ایک قوم کو بدلا اس کا جو کماتے تھے[۱۵]

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ اَسَآءَ
فَعَلَیۡهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ جس نے بھلا کام کیا تو اپنے واسطے اور جس نے برا کیا سو اپنے حق میں[۱۶] پھر اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے[۱۷]

۱۰۔ تسخیر بحر: یعنی سمندر جیسی مخلوق کو ایسا مسخر کر دیا کہ تم بے تکلف اپنی کشتیاں اور جہاز اس میں لئے پھرتے ہو۔ میلوں کی گہرائیوں کو پایاب کر رکھا ہے۔

۱۱۔ یعنی بحری تجارت کرو، یا شکار کھیلو، یا اسکی تہ میں سے موتی نکالو۔ اور یہ سب منافع و فوائد حاصل کرتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولو اس کا حق پہچانو، زبان و دل اور قلب و قالب سے شکر ادا کرو۔

۱۲۔ تسخیر ارض و سماء: یعنی اپنے حکم اور قدرت سے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا۔ یہ اسی کی مہربانی ہے کہ ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات انسان کی خدمت گذاری میں لگی ہوئی ہیں۔

۱۳۔ سوچنے والوں کیلئے نشانیاں: آدمی دھیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ چیز اسکے بس کی نہ تھی۔ محض اللہ کے فضل اور اسکی قدرت کاملہ سے یہ اشیاء ہمارے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ تو لا محالہ ہم کو بھی کسی کے کام میں لگنا چاہیئے۔ وہ کام یہ ہے کہ اس منعم حقیقی اور محسن علی الاطلاق کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری میں اپنی حیات مستعار کے لمحات صرف کر دیں تا کہ آئندہ چل کر ہمارا انجام درست ہو۔

۱۴۔ ایام اللہ: اَیَّامَ اللّٰهِ (اللہ کے دنوں) سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ اپنے دشمنوں کو کوئی خاص سزا دے، یا اپنے فرمانبرداروں کو کسی خصوصی انعام و اکرام سے سرفراز فرمائے۔ لہذا لِلَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰهِ سے وہ کفار مراد ہوئے جو اسکی رحمت سے ناامید اور اسکے عذاب

سے بے فکر ہیں۔

۱۵۔ کفار: یعنی آپ ان سے بدلہ لینے کی فکر نہ کریں اللہ پر چھوڑ دیں، وہ انکی شرارتوں پر کافی سزا، اور مومنین کے صبر و تحمل اور عفو و درگذر کا مناسب صلہ دے گا۔

۱۶۔ یعنی بھلے کام کا فائدہ کام کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اور بدی کرنے والا خود اپنے حق میں برا بیج بو رہا ہے۔ ایک کی برائی دوسرے پر نہیں پڑتی۔ غرض ہر شخص اپنے نفع نقصان کی فکر کر لے۔ اور جو عمل کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا سود و زیاں اسی کی ذات کو پہنچے گا۔

۱۷۔ یعنی وہاں پہنچ کر سب برائی بھلائی سامنے آجائے گی۔ اور ہر ایک اپنی کرتوت کا پھل چکھے گا۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ
النُّبُوَّۃَ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلَی
الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ۱۶﴾

۱۶۔ اور ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور پیغمبری اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں [۱۸] اور بزرگی دی انکو جہان پر [۱۹]

وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا
مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ
رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ
یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور دیں اُنکو کھلی باتیں دین کی [۲۰] پھر انہوں نے پھوٹ جو ڈالی تو سمجھ آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے بیشک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں وہ جھگڑتے تھے [۲۱]

ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡہَا وَ
لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر دین کے کام کے سو تو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر نادانوں کی [۲۲]

اِنَّہُمۡ لَنۡ یُّغۡنُوۡا عَنۡکَ مِنَ اللّٰہِ شَیۡـًٔا ؕ وَ اِنَّ
الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ۚ وَ اللّٰہُ وَلِیُّ
الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ وہ ہرگز کام نہ آئیں گے تیرے اللہ کے سامنے ذرا بھی [۲۳] اور بے انصاف ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اللہ رفیق ہے ڈرنے والوں کا [۲۴]

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ یہ سوجھ کی باتیں ہیں لوگوں کے واسطے اور راہ کی اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین لاتے ہیں[۲۵]

۱۸۔ بنی اسرائیل کی نعمتیں: یعنی تورات دی اور سلطنت یا قوت فیصلہ، یا دانائی کی باتیں یا دین کی سمجھ عطا کی، اور کس قدر کثرت سے پیغمبر ان میں سے اٹھائے۔ یہ تو روحانی غذا ہوئی، جسمانی غذا دیکھو تو وہ بھی بہت افراط سے دی گئ۔ حتّٰی کہ من و سلوٰی اتارا گیا۔

۱۹۔ یعنی اُس زمانہ میں سارے جہان پر ان کو فضیلت کلی حاصل تھی اور بعض فضائل جزئیہ کے اعتبار سے تو "اُس زمانہ" کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں۔

۲۰۔ یعنی نہایت واضح اور مفصل احکام، یا کھلے کھلے معجزات جو دین کے باب میں بطور حجت و برہان کے پیش کئے جاتے ہیں۔

۲۱۔ بنی اسرائیل میں فرقہ بندیاں: یعنی آپس کی ضد اور نفسانیت سے اصل کتاب کو چھوڑ کر بیشمار فرقے بن گئے۔ جن کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس وقت پتہ لگے گا کہ ان کا منشاء نفس پروری اور ہوا پرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔

۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و نصیحت: یعنی ان اختلافات اور فرقہ وارانہ کشمکش کی موجودگی میں ہم نے آپکو دین کے صحیح راستہ پر قائم کر دیا، تو آپکو اور آپکی امت کو چاہئے کہ اس راستہ پر برابر مستقیم رہے۔ کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں کی خواہشات پر نہ چلے۔ مثلاً انکی خواہش یہ ہے کہ آپ ان کے طعن و تشنیع اور ظلم و تعدی سے تنگ آکر دعوت و تبلیغ ترک کر دیں یا مسلمانوں میں بھی ویسا ہی اختلاف و تفریق پڑ جائے جس میں وہ لوگ خود مبتلا ہیں۔ اندریں صورت واجب ہے کہ ان کی خواہشات کو بالکل پامال کر دیا جائے۔

۲۳۔ یعنی انکی طرف جھکنا تم کو خدا کے ہاں کچھ کام نہ دے گا۔

۲۴۔ متقین کا ولی اللہ ہے: یعنی منصف اور راستی پسند مسلمان، ظالم اور بے راہ رو کافروں کے رفیق نہیں ہو سکتے۔ وہ تو اللہ کے مطیع بندے ہیں اور اللہ ہی ان کا رفیق و مددگار ہے۔ لازم ہے کہ اسی کی راہ چلیں، اسی پر بھروسہ رکھیں۔

۲۵۔ قرآن میں بصیرت و ہدایت: یعنی یہ قرآن بڑی بڑی بصیرت افروز حقائق پر مشتمل ہے۔ لوگوں کو کام کی باتیں اور کامیابی کی راہ سمجھاتا ہے۔ اور جو خوش قسمت اسکی ہدایات و نصائح پر یقین کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں انکے حق میں خصوصی طور پر یہ قرآن رحمت و برکت ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

۲۱۔ کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے انکو برابر ان لوگوں کی جو کہ یقین لائے اور کیے بھلے کام ایک سا ہے ان کا جینا اور مرنا برے دعوے ہیں جو کرتے ہیں[۲۶]

ع ۲ ۱۸

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور بنائے اللہ نے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں اور تا کہ بدلا پائے ہر کوئی اپنی کمائی کا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔[۲۷]

۲۶۔ کافر اور مومن برابر نہیں ہوسکتے: یعنی اللہ تعالیٰ کی شئون حکمت پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ ایک بد معاش آدمی، اور ایک مرد صالح کے ساتھ خداوند یکساں معاملہ کرے گا۔ اور دونوں کا انجام برابر کر دے گا؟ ہر گز نہیں نہ اس زندگی میں دونوں برابر ہوسکتے ہیں نہ مرنے کے بعد جو حیات طیبہ مومنین صالح کو یہاں نصیب ہوتی ہے اور جس نصرت اور عُلو و رفعت کے وعدے دنیا میں اس سے کئے گئے وہ ایک کافر بدکار کو کہاں میسر ہیں۔ اسکے لئے دنیا میں معیشت ضنک اور آخرت میں لعنت و خسران کے سوا کچھ نہیں۔ الغرض یہ دعویٰ بالکل غلط اور یہ خیال بالکل مہمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدوں کا مرنا اور جینا برابر کر دے گا۔ اسکی حکمت اسکو مقتضی نہیں۔ بلکہ ضرورت ہے کہ دونوں کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ ظاہر ہو کر رہے۔ اور ہر ایک کی نیکی یا بدی کے آثار فی الجملہ یہاں بھی مشاہد ہوں اور ان کا پوری طرح مکمل معائنہ موت کے بعد ہو۔

۲۷۔ تخلیق ارض و سما کی حکمت: یعنی زمین و آسمان کو یوں ہی بیکار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ نہایت حکمت سے کسی خاص مقصد کیلئے بنایا ہے۔ تا انکے احوال میں غور کر کے لوگ معلوم کر سکیں کہ بیشک جو چیز بنائی گئی ہے ٹھیک موقع سے بنائی اور تا اندازہ کر لیا جائے کہ ضرور ایک دن اس کارخانہ ہستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں جہاں ہر ایک کو اس کی کمائی کا پھل ملے گا اور جو بویا تھا وہی کاٹنا پڑے گا۔

گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافات عمل غافل مشو

اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰٮهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾	۲۳۔ بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو اور راہ سے بچلا دیا اسکو اللہ نے جانتا بوجھتا [۲۸] اور مہر لگا دی اسکے کان پر اور دل پر اور ڈالدی اسکی آنکھ پر اندھیری پھر کون راہ پر لائے اسکو اللہ کے سوائے سو کیا تم غور نہیں کرتے [۲۹]
وَ قَالُوۡا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡيَا وَ مَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَ مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾	۲۴۔ اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو زمانہ سے [۳۰] اور انکو کچھ خبر نہیں اسکی محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں [۳۱]
وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾	۲۵۔ اور جب سنائی جاتیں انکو ہماری آیتیں کھلی کھلی اور کچھ دلیل نہیں انکی مگر یہی کہتے ہیں لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو [۳۲]

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع

۲۶۔ تو کہہ کہ اللہ ہی جِلاتا ہے تمکو پھر مارے گا تمکو پھر اکٹھا کرے گا تمکو قیامت کے دن تک اس میں کچھ شک نہیں پر بہت لوگ نہیں سمجھتے[۳۳]

۳ ع ۵ ۱۹

۲۸۔ خواہش پرست کا عبرتناک انجام: یعنی اللہ جانتا تھا کہ اسکی استعداد خراب ہے اور اسی قابل ہے کہ سیدھی راہ سے اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بدبخت علم رکھنے کے باوجود اور سمجھنے بوجھنے کے بعد گمراہ ہوا۔

۲۹۔ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود ٹھہرا لے، جدھر اسکی خواہش لے چلے ادھر ہی چل پڑے اور حق و ناحق کے جانچنے کا معیار اسکے پاس یہ ہی خواہش نفس رہ جائے، نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے، نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے اللہ جسکو اس کی کرتوت کی بدولت ایسی حالت پر پہنچادے، کونسی طاقت ہے جو اسکے بعد اسے راہ پر لے آئے۔

۳۰۔ دہریت کا باطل عقیدہ: یعنی اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں بس یہ ہی ایک جہان ہے جس میں ہمارا مرنا اور جینا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر سبزہ زمین سے اگا، خشکی ہوئی تو سوکھ کر ختم ہو گیا۔ یہ ہی حال آدمی کا سمجھو، ایک وقت آتا ہے پیدا ہوتا ہے۔ پھر معین وقت تک زندہ رہتا ہے، آخر زمانہ کا چکر اسے ختم کر دیتا ہے یہ ہی سلسلہ موت و حیات کا دنیا میں چلتا رہتا ہے۔ آگے کچھ نہیں۔

۳۱۔ ان عقیدوں کی بنیاد محض اٹکل ہے: یعنی زمانہ نام ہے دہر کا۔ وہ کچھ کام کرنے والا نہیں کیونکہ نہ اس میں حِس ہے نہ شعور نہ ارادہ، لا محالہ وہ کسی اور چیز کو کہتے ہوں گے جو معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن دنیا میں اس کا تصرف چلتا ہے۔ پھر اللہ ہی کو کیوں نہ کہیں جس کا وجود اور متصرف علی الاطلاق ہونا دلائل فطریہ اور براہین عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور زمانہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔

زمانے کو برا نہ کہو: اس معنی سے حدیث میں بتلایا گیا کہ دہر اللہ ہے اس کو برا نہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ جب آدمی دہر کو برا کہتا ہے، اسی نیت سے کہتا ہے کہ حوادثِ دہر اسکی طرف منسوب ہیں حالانکہ تمام حوادث دہر اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہیں تو دہر کی برائی کرنے سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

۳۲۔ یعنی جب قرآن کی آیات یا بعث بعد الموت کی دلائل اسکو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ بس اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو۔ تب ہم تسلیم کریں گے کہ بیشک موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔

۳۳۔ یعنی جس نے ایک مرتبہ زندہ کیا پھر مارا، اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سب کو ایک جگہ اکٹھا کر دے۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اللہ ہی کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جس دن قائم ہو گی قیامت اس دن خراب ہوں گے جھوٹے[۳۴]

وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور تو دیکھے ہر فرقہ کو کہ بیٹھے ہیں گھٹنوں کے بل[۳۵] ہر فرقہ بلایا جائے اپنے اپنے دفتر کے پاس آج بدلا پاؤ گے جیسا تم کرتے تھے[۳۶]

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا
نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ یہ ہمارا دفتر ہے بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک[۳۷] ہم لکھواتے جاتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے[۳۸]

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ سو جو لوگ یقین لائے ہیں اور بھلے کام کیے سو انکو داخل کرے گا ان کا رب اپنی رحمت میں یہ جو ہے یہی ہے صریح مراد ملنی[۳۹]

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور جو منکر ہوئے کیا تمکو سنائی نہ جاتی تھی باتیں میری پھر تم نے غرور کیا اور ہو گئے تم لوگ گنہگار[۴۰]

وَ اِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيْبَ
فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا
ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور جب کہیے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں تم کہتے تھے ہم نہیں سمجھتے کیا ہے قیامت ہم کو آتا تو ہے ایک خیال سا اور ہم کو یقین نہیں ہوتا[۴۱]

وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور کھل جائیں ان پر برائیاں ان کاموں کی جو کئے تھے اور الٹ پڑے ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے[۴۲]

وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ
هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور حکم ہو گا کہ آج ہم تم کو بھلا دیں گے جیسے تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس دن کی ملاقات کو[۴۳] اور گھر تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَ لَا

۳۵۔ یہ تم پر اس واسطے کہ تم نے پکڑا اللہ کی باتوں کو ٹھٹھا اور بہکے رہے دنیا کی زندگانی پر[۴۴] سو آج نہ انکو نکالنا منظور ہے وہاں سے اور نہ ان سے مطلوب ہے توبہ[۴۵]

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾

۳۶۔ سو اللہ ہی کے واسطے ہے سب خوبی جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا رب سارے جہان کا

وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۪ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾ ع

۳۷۔ اور اُسی کیلئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا [۴۶]

۳۴۔ اس دن ذلیل وخوار ہو کر پتہ لگے گا کہ کس دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے۔

۳۵۔ آخرت کے احوال: یعنی خوف وہیبت سے۔

۳۶۔ اعمال نامے: یعنی اعمالنامہ کی طرف بلایا جائے گا کہ آؤ اسکے موافق حساب دو۔ آج ہر ایک کو اسی کا بدلہ ملے گا جو اس نے دنیا میں کمایا تھا۔

۳۷۔ یعنی جو کام کیے تھے یہ اعمالنامہ ٹھیک ٹھیک وہ ہی بتلاتا ہے۔ ذرہ بھر کمی بیشی نہیں۔

۳۸۔ ضبط اعمال: یعنی ہمارے علم میں تو ہر چیز ازل سے ہے مگر ضابطہ میں ہمارے فرشتے لکھنے پر مامور تھے انکی لکھی ہوئی مکمل رپورٹ آج تمہارے سامنے ہے۔

۳۹۔ یعنی جنت میں جہاں اعلیٰ درجہ کی رحمت اور ہر قسم کی مہربانیاں ہوں گی۔

۴۰۔ یعنی ہماری طرف سے نصیحت وفہمائش اور اتمام حجت کا کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھا گیا اس پر بھی تمہارے غرور کی گردن نیچی نہ ہوئی۔ آخر پکے مجرم بن کر رہے۔ یا وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ کا مطلب یہ لیا جائے کہ تم پہلے ہی سے جرائم پیشہ تھے۔

۴۱۔ قیامت کا انکار: یعنی ہم نہیں جانتے قیامت کیسی ہوتی ہے تم جو کچھ قیامت کے عجیب وغریب احوال بیان کرتے ہو ہم کو کسی طرح ان کا یقین نہیں ہوتا۔ یوں سنی سنائی باتوں سے کچھ ضعیف سا امکان اور دھندلا سا خیال کبھی آجائے وہ دوسری بات ہے۔

۴۲۔ یعنی جب قیامت آئے گی ان کی تمام بدکاریاں اور انکے نتائج سامنے آجائیں گے اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں کا جو مذاق اڑایا کرتے تھے وہ خود ان ہی پر الٹ پڑے گا۔

۴۳۔ منکرین کو یاد نہیں رکھا جائے گا: یعنی دنیا میں تم نے آج کے دن کو یاد نہیں رکھا تھا۔ آج ہم تمکو مہربانی سے یاد نہ کریں گے۔ ہمیشہ کے لئے اسی طرح عذاب میں پڑا چھوڑ دیں گے جیسے تم نے اپنے کو دنیا کے مزوں میں پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔

۴۴۔ یعنی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خیال ہی نہ کیا کہ یہاں سے کبھی جانا اور خدا کے سامنے پیش ہونا بھی ہے۔ اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یوں سمجھ کر دل کو تسلی کرلی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے مقابل ہیں، وہاں بھی ہمارا یہ ہی زور رہے گا۔

۴۵۔ دائمی عذاب: یعنی نہ انکو دوزخ سے نکالا جائے گا نہ یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اب خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

۴۶۔ کبریائی صرف اللہ کیلئے ہے: چاہئے آدمی اسی کی طرف متوجہ ہو۔ اسکے احسانات وانعامات کی قدر کرے اسکی ہدایات پر چلے، سب کو چھوڑ

کر اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر رکھے۔ اور اس کی بزرگی و عظمت کے سامنے ہمیشہ باختیار خود مطیع و منقاد رہے۔ کبھی سرکشی و تمرد کا خیال دل میں نہ لائے۔ حدیث قدسی میں ہے اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِی وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدً مِنْهُمَا قَذَفْتُهٗ فِی النَّارِ (کبریا میری چادر اور عظمت میرا تہ بند ہے۔ لہذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا۔ میں اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا) اَللّٰهُمَّ اجعلنا مطیعین لامرك وجنبنا غضبك وقنا عذاب النار۔ انك سمیع قریب مجیب الدعوات۔

تم سورۃ الجاثیہ بعونہ وصونہ

فللہ الحمد والمنہ وبہ التوفیق والعصمہ

اٰياتها ٣٥ | ٤٦ سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ ٦٦ | رکوعاتها ٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۚ﴿١﴾

١۔ حٰمٓ۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾

٢۔ اتارنا کتاب کا ہے اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾

٣۔ ہم نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو انکے بیچ میں ہے سو ٹھیک کام پر اور ایک ٹھہرے وعدہ پر[1] اور جو لوگ منکر ہیں وہ ڈر کو سن کر منہ پھیر لیتے ہیں[2]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾

٤۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو جنکو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا ان کا کچھ ساجھا ہے آسمانوں میں[3] لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی علم جو چلا آتا ہو اگر ہو تم سچے[4]

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾

٥۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون جو پکارے اللہ کے سوائے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور انکو خبر نہیں انکے پکارنے کی[5]

وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا

٦۔ اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے انکے دشمن اور

بِعِبَادَتِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴿۶﴾

ہوں گے انکے پوجنے سے منکر[۶]

۱۔ کائنات کی تخلیق کا مقصد: یعنی آسمان وزمین اور یہ سب کارخانہ اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں بنایا بلکہ کسی خاص غرض ومقصد کے لئے پیدا کیا ہے جو ایک معین میعاد اور ٹھہرے ہوئے وعدہ تک یوں ہی چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو اسی کو آخرت کہتے ہیں۔

۲۔ کفار کا اعتراض: یعنی برے انجام سے ڈرتے، اور آخرت کی تیاری نہیں کرتے۔ جب آخرت کی بات سنی ایک کان سنی دوسرے کان نکال دی۔

۳۔ ان معبودوں نے کیا پیدا کیا: یعنی خداوند قدوس نے آسمان وزمین اور کل مخلوقات بنائی۔ کیا سچے دل سے کہہ سکتے ہو کہ زمین کا ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا بنا سکتا ہے۔ پھر انکو خدا کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے۔

۴۔ اپنے شرک کی دلیل لاؤ: یعنی اگر اپنے دعوئے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو۔ جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو آخر اسے کیونکر تسلیم کیا جائے۔

۵۔ سب سے بڑی گمراہی شرک ہے: یعنی اس سے بڑی حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ خدا کو چھوڑ کر ایک ایسی بے جان یا بے اختیار مخلوق کو اپنی حاجت براری کے لئے پکارا جائے جو اپنے مستقل اختیار سے کسی کی پکار کو نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو پکارنے کی خبر بھی ہو۔ پتھر کی مورتوں کا تو کہنا ہی کیا، فرشتے اور پیغمبر بھی وہ ہی بات سن سکتے اور وہ ہی کام کرسکتے ہیں جس کی اجازت اور قدرت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔

۶۔ کفار کے معبودوں کی بیزاری: یعنی محشر میں جبکہ امداد واعانت کی زیادہ حاجت ہوگی یہ بیچارے معبود اپنے عابدین کی مدد تو کیا کرسکتے۔ ہاں دشمن بن کر ان کے مقابل کھڑے ہوں گے اور سخت بیزاری کا اظہار کریں گے بلکہ یہاں تک کہہ دیں گے کہ مَا كَانُوۡۤا اِيَّانَا يَعۡبُدُوۡنَ (قصص۔۶۳) یہ لوگ ہماری پرستش کرتے ہی نہ تھے اس وقت سوچو کیسی حسرت وندامت کا سامنا ہوگا۔

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ‏ ﴿۷﴾

۷۔ اور جب سنائی جائیں انکو ہماری باتیں کھلی کھلی کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب ان تک پہنچی یہ جادو ہے صریح[۷]

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَلَا تَمۡلِكُوۡنَ لِىۡ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًـا ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۸﴾

۸۔ کیا کہتے ہیں یہ بنا لایا ہے[۸] تو کہہ اگر میں یہ بنا لایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں کرسکتے اللہ کے سامنے ذرا بھی[۹] اس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں تم لگ رہے ہو وہ کافی ہے حق بتانے والا میرے اور تمہارے بیچ[۱۰] اور وہی ہے بخشنے والا مہربان[۱۱]

قُلۡ مَا كُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدۡرِىۡ مَا يُفۡعَلُ بِىۡ وَلَا بِكُمۡ ؕ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ وَ

۹۔ تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا[۱۲] اور مجھ کو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور تم سے میں اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام تو یہ ہے ڈر سنا دینا

مَآ اَنَا اِلَّا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۹﴾

کھول کر [۱۳]

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَكَفَرۡتُمۡ بِهٖ وَ
شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَلٰى مِثۡلِهٖ
فَاٰمَنَ وَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ
الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۰﴾ ع

۱۰۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ آیا ہو اللہ کے یہاں سے اور تم نے اس کو نہیں مانا اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا ایک اسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا اور تم نے غرور کیا بیشک اللہ راہ نہیں دیتا گنہگاروں کو [۱۴]

ع ۱ / ۱

۷۔ یعنی ان لوگوں کو فی الحال انجام کی کچھ فکر نہیں کسی نصیحت و فہمائش پر کان نہیں دھرتے بلکہ جب قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اسے جادو کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔

۸۔ **قرآن پاک کو اپنی طرف سے گھڑنے کا الزام:** یعنی جادو کہنے سے زیادہ قبیح و شنیع ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید آپ خود بنا لائے ہیں اور جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

۹۔ **الزام کا جواب:** یعنی خدا پر جھوٹ لگانا انتہائی جرم ہے۔ اگر بفرض محال میں ایسی جسارت کروں تو گویا جان بوجھ کر اپنے کو اللہ کے غضب اور اسکی سخت ترین سزا کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ بھلا خیال کرو جو شخص ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا ذرا سے معاملہ میں اللہ کے خوف سے کانپتا ہو، کیا وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایسی عظیم ترین آفت و مصیبت میں پھنسائے گا۔ جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔ اگر میں جھوٹ سچ بنا کر فرض کرو تمہیں اپنا تابع کر لوں تو کیا تم خدا کے غضب و قہر سے جو جھوٹے مدعیان نبوت پر ہوتا ہے، مجھ کو نجات دے سکو گے؟ اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا، تم میرا کچھ بھلا کر سکو گے؟ آخر میرے چہل سالہ حالات و سوانح سے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں اس قدر بے خوف اور بیباک نہیں ہوں اور نہ ایسا بے عقل ہوں کہ بعض انسانوں کو خوش کر کے خداوند قدوس کا غصہ مول لوں۔ بہر حال اگر میں معاذ اللہ کاذب و مفتری ہوں تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا۔

۱۰۔ یعنی جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے۔ لہٰذا لغو اور دوراز کار خیالات چھوڑ کر اپنے انجام کی فکر کرو۔ اگر خدا کے سچے رسول کو جھوٹا مفتری کہا تو سمجھ لو اس کا حشر کیا ہو گا۔ خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے علم صحیح و محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا۔ میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں وہ اپنے قول و فعل سے بتلا رہا ہے اور آئندہ بتلا دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے، افتراء کر رہا ہے۔

۱۱۔ یعنی اب بھی باز آؤ تو بخشے جاؤ۔ اور یہ بھی اس کی مہربانی اور بردباری سمجھو کہ باوجود جرائم پر مطلع ہونے اور کامل قدرت رکھنے کے تمکو فوراً ہلاک نہیں کر دیتا۔

۱۲۔ **میں نیا رسول نہیں ہوں:** یعنی میری باتوں سے اس قدر بدکتے کیوں ہو؟ میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری رہا ہے۔ وہ ہی میں کہتا ہوں کہ ان سب رسولوں کے بعد مجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جسکی خبر پہلے رسول دیتے چلے آئے ہیں۔ اس حیثیت سے بھی یہ کوئی نئی بات نہ رہی۔ بلکہ بہت پرانی بشارات کا مصداق آج سامنے آگیا۔ پھر اس کے ماننے میں

اشکال کیا ہے۔

۱۳۔ میرا کام خبردار کرنا ہے: یعنی مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے۔ میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔ نہ میں اس وقت پوری پوری تفاصیل اپنے اور تمہاے انجام کے متعلق بتلاسکتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی۔ ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر وعصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کردینا ہے۔ آگے چل کر دنیا یا آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اسکی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب۔ بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کرکے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

۱۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر موسٰی علیہ السلام کی شہادت: اس زمانہ میں عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل کے علم وفضل سے مرعوب تھے جب حضور ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس باب میں علمائے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا۔ غرض یہ تھی کہ وہ لوگ آپ کی تکذیب کردیں تو کہنے کو ایک بات ہاتھ آجائے کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی انکی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں۔ مگر اس مقصد میں مشرکین ہمیشہ ناکام رہے۔ خدا تعالیٰ نے انہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور ﷺ کی تصدیق و تائید کرائی۔ نہ صرف اتنی بات سے کہ وہ لوگ بھی قرآن کی طرح تورات کو آسمانی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی طرح حضرت موسٰیؑ کو پیغمبر کہتے تھے اور اس طرح حضور ﷺ کا دعوئے رسالت اور قرآن کی وحی کوئی انوکھی چیز نہیں رہتی بلکہ اس طرح کہ بعض علمائے یہود نے صریحًا اقرار کیا اور گواہی دی کہ بیشک ہمارے ہاں اس ملک (عرب) سے ایک عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ رسول وہ ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کتاب اسی طرح کی ہے۔ جس کی خبر دی گئی تھی۔

علمائے یہود کی پیشینگوئیاں: علمائے یہود کی یہ شہادتیں فی الحقیقت ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو باوجود ہزارہا تحریف و تبدل کے آج بھی تورات وغیرہ میں موجود چلی آتی ہیں۔ جن سے ہویدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا گواہ (حضرت موسٰیؑ) ہزاروں برس پہلے خود گواہی دے چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے اسی کی مثل ایک رسول آنے والا ہے اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا (المزمل۔۱۵) یہ ہی سبب تھا کہ بعض منصف و حق پرست احبار یہود مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی اسلام لے آئے اور بول اٹھے کہ اِنَّ هٰذَا الۡوَجۡهَ لَیۡسَ بِوَجۡهِ کَاذِبٍ (یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں) انہوں نے قرآن جیسی واضح الاعجاز کتاب کے حق ہونے کی گواہی دی پھر جب موسٰیؑ ایک چیز پر وقوع سے ہزاروں برس پہے ایمان رکھیں، علمائے یہود اسکے صدق کی گواہی دیں۔ بعض احبار یہود زبانی و قلبی شہادت دے کر مشرف باسلام ہو جائیں، اور ان سب شہادتوں کے باوجود تم اپنی شیخی اور غرور سے اسکو قبول نہ کرو تو سمجھ لو اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہو گا۔ اور ایسے ظالم اور گنہگار کی نجات و فلاح کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ کَانَ خَیۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ ؕ وَ اِذۡ لَمۡ یَهۡتَدُوۡا بِهٖ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ هٰذَاۤ اِفۡکٌ قَدِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اس پر ہم سے پہلے [۱۵] اور جب راہ پر نہیں آئے اسکے بتلانے سے تو یہ اب کہیں گے یہ جھوٹ ہے بہت پرانا [۱۶]

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا
كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور اس سے پہلے کتاب موسٰی کی تھی راہ ڈالنے والی اور رحمت اور یہ کتاب ہے اسکی تصدیق کرتی [۱۷] عربی زبان میں تا کہ ڈر سنائے گنہگاروں کو اور خوشخبری نیکی والوں کو

۱۵۔ یعنی کمزور ذلیل اور لونڈی غلام مسلمان ہوتے ہیں۔ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو بہتر لوگ اس کی طرف جھپٹتے۔ کیا یہ چیز اچھی ہوتی تو اس کے حاصل کرنے میں ہم جیسے عقلمند اور عزت و دولت والے ان لونڈی غلاموں سے پیچھے رہ جاتے۔

۱۶۔ یعنی ہمیشہ کچھ لوگ ایسی باتیں بناتے چلے آئے ہیں۔ شاید یہ جواب ہو گا وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اور مَاكُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کا۔

۱۷۔ کفار کے اعتراضات کا جواب: یعنی یہ پرانا جھوٹ نہیں، بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تورات نے بھی اصولی تعلیم یہ ہی دی تھی جسکی انبیاء و اولیاء اقتداء کرتے رہے۔ اور اس نے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تعلیمات وبشارات سے راستی وہدایت کی راہ ڈال دی اور رحمت کے دروازے کھول دیے اب قرآن اترا تو اسکو سچا ثابت کرتا ہوا۔ غرض دونوں کتابیں ایکدوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ ہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے [۱۸]

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ وہ لوگ ہیں بہشت والے سدا رہیں گے اس میں بدلا ہے ان کاموں کا جو کرتے تھے [۱۹]

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ
اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ
ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ
اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ
نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ

۱۵۔ اور ہم نے حکم کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا [۲۰] پیٹ میں رکھا اسکو اسکی ماں نے تکلیف سے اور جنا اسکو تکلیف سے [۲۱] اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے [۲۲] یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا چالیس برس کو [۲۳] کہنے لگا اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تو راضی ہو اور مجھ کو دے نیک اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں

اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰهُ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚؕ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡكَ وَ اِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۵﴾

ہوں حکم بردار[۲۴]

اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ نَتَجَاوَزُ عَنۡ سَیِّاٰتِهِمۡ فِیۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَنَّةِ ؕ وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِیۡ كَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے ہیں بہتر سے بہتر کام جو کئے ہیں اور معاف کرتے ہیں ہم برائیاں ان کی رہنے والے جنت کے لوگوں میں سچا وعدہ جو ان سے کیا جاتا تھا[۲۵]

وَ الَّذِیۡ قَالَ لِوَالِدَیۡهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیۡۤ اَنۡ اُخۡرَجَ وَ قَدۡ خَلَتِ الۡقُرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلِیۡ ۚ وَ هُمَا یَسۡتَغِیۡثٰنِ اللّٰهَ وَیۡلَكَ اٰمِنۡ ۖۗ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوۡلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور جس شخص نے کہا اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے[۲۶] کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے اور گزر چکی ہیں بہت جماعتیں مجھ سے پہلے[۲۷] اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ اے خرابی تیری تو ایمان لے آبیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے[۲۸] پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں پہلوں کی[۲۹]

اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ حَقَّ عَلَیۡهِمُ الۡقَوۡلُ فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ثابت ہوئی بات عذاب کی شامل اور فرقوں میں جو گذر چکے ہیں ان سے پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے[۳۰] بیشک وہ تھے ٹوٹے میں پڑے[۳۱]

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ۚ وَ لِیُوَفِّیَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور ہر فرقہ کے کئی درجے ہیں اپنے کئے کاموں کے موافق[۳۲] اور تاکہ پورے دے انکو کام انکے اور ان پر ظلم نہ ہوگا[۳۳]

وَ یَوۡمَ یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا عَلَی النَّارِ ؕ اَذۡهَبۡتُمۡ طَیِّبٰتِكُمۡ فِیۡ حَیَاتِكُمُ الدُّنۡیَا وَ اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا ۚ

۲۰۔ اور جس دن لائے جائیں گے منکر آگ کے کنارہ پر ضائع کئے تم نے اپنے مزے دنیا کی زندگانی میں اور انکو برت چکے[۳۴] اب آج سزا پاؤ گے ذلت کا عذاب بدلا اس

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

کا جو تم غرور کرتے تھے ملک میں ناحق اور اس کا جو تم نافرمانی کرتے تھے [۳۵]

ع ۲

۱۸۔ اسی طرح کی آیت "حم السّجدہ" چوبیسویں پارہ میں گذر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔

۱۹۔ یعنی اپنے نیک کاموں کے سبب حق تعالٰی کی رحمت سے ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔

۲۰۔ والدین کے حقوق: قرآن میں کئی جگہ اللہ تعالٰی نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کا حق بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ موجد حقیقی تو اللہ ہے لیکن عالم اسباب میں والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری اور حق تعالٰی کی شان رُبُوبیت کا مظہر خاص بنتے ہیں۔ یہاں بھی پہلے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا میں اللہ تعالٰی کے حقوق کا ذکر تھا۔ اب والدین کا حق بتلا دیا۔ یعنی انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، انکی تعظیم و محبت اور خدمت گذاری کو اپنی سعادت سمجھے۔ دوسری جگہ بتلایا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں تب بھی انکے ساتھ دنیا میں معاملہ اچھا رکھنا چاہئے۔ خصوصًا ماں کی خدمت گذاری کہ بعض وجوہ سے اس کا حق باپ سے بھی فائق ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں۔

۲۱۔ بچے کیلئے ماں کی صعوبتیں: یعنی حمل جب کئی مہینہ کا ہو جاتا ہے اس کا ثقل محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس حالت میں اور تولد کے وقت ماں کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کرتی ہے۔ پھر دودھ پلاتی اور برسوں تک اس کی ہر طرح نگہداشت رکھتی ہے۔ اپنی آسائش و راحت کو اس کی آسائش و راحت پر قربان کر دیتی ہے۔ باپ بھی بڑی حد تک ان تکلیفوں میں شریک رہتا اور سامان تربیت فراہم کرتا ہے۔ بیشک یہ سب کام فطرت کے تقاضا سے ہوتے ہیں مگر اسی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کی شفقت و محبت کو محسوس اور انکی محنت و ایثار کی قدر کرے۔ (تنبیہ) حدیث میں ماں کی خدمت گذاری کا تین مرتبہ حکم فرما کر باپ کی خدمت گذاری کا ایک مرتبہ حکم فرمایا ہے لطف یہ ہے کہ آیہ ہذا میں والد کا ذکر صرف ایک مرتبہ لفظ وَالِدَيْهِ میں ہوا۔ اور والدہ کا تین مرتبہ ذکر آیا لفظ وَالِدَيْهِ میں پھر حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ میں پھر وَضَعَتْهُ میں۔

۲۲۔ شاید یہ بطور عادت اکثریہ کہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ لڑکا اگر قوی ہو تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑتا ہے اور نو مہینے ہیں حمل کے یا یوں کہو کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے اور دو برس میں عمومًا بچوں کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس طرح کل مدت تیس مہینے ہوئے مدت رضاع کا اس سے زائد ہونا نہایت قلیل و نادر ہے۔

۲۳۔ چالیس برس کی عمر میں عمومًا انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت چالیس برس سے پہلے نہ ہوتی تھی۔

۲۴۔ ایک دعاء کی تعلیم: یعنی سعادت مند آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جو احسانات اللہ تعالٰی کے اس پر اور اسکے ماں باپ پر ہو چکے ان کا شکر ادا کرنے اور آئندہ نیک عمل کرنے کی توفیق خدا سے چاہے اور اپنی اولاد کے حق میں بھی نیکی کی دعا مانگے۔ جو کوتاہی حقوق اللہ یا حقوق العباد میں رہ گئی ہو، اس سے توبہ کرے اور ازراہ تواضع و بندگی اپنی مخلصانہ عبودیت و فرمانبرداری کا اعتراف کرے۔ حضرت ابو بکرؓ کی ایک خصوصیت: صحابہؓ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ خود انکو، انکے ماں باپ کو اور اولاد کو ایمان کے ساتھ صحبت نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا شرف میسر ہوا۔ صحابہ میں یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

۲۵۔ ایک دعاء کی تعلیم: یعنی ایسے بندوں کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں۔ اور ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے موافق جنت میں ہے۔

۲٦۔ نافرمان اولاد: سعادت مند اولاد کے مقابلہ میں یہ بے ادب، نافرمان اور نالائق اولاد کا ذکر فرمایا کہ ماں باپ اسکو ایمان کی بات سمجھاتے ہیں، وہ نہیں سمجھتا اور نہایت گستاخانہ خطاب کر کے ایذاء پہنچاتا ہے۔

۲۷۔ انکار بعث بعد الموت: یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ بھلا کتنی قومیں اور جماعتیں مجھ سے پہلے گذر چکی ہیں۔ کوئی شخص بھی ان میں سے اب تک دوبارہ زندہ ہو کر واپس آیا؟ لوگ ہمیشہ سے یوں ہی سنتے چلے آئے ہیں مگر آج تک اس خبر کا تحقق ہوا نہیں۔ پھر میں کیونکر اعتبار کر لوں۔

۲۸۔ یعنی اس کی گستاخیوں پر ایک طرف اللہ سے فریاد کرتے اور دعا مانگتے ہیں کہ اسے قبول حق کی توفیق ملے اور دوسری طرف اسکو سمجھاتے ہیں کہ کمبخت تیرا ستیاناس! اب بھی باز آجا! دیکھ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ بعث بعد الموت کی جو خبر اس نے دی ہے۔ ضرور اپنے وقت پر پوری ہو گی۔ اس وقت تیرا یہ انکار رنگ لائے گا۔

۲۹۔ یعنی ایسی کہانیاں بہت سنی ہیں۔ پرانے وقتوں کے قصے اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں۔ اور واقع میں ان کا مصداق کچھ نہیں ہوتا۔

۳۰۔ بد بختوں کیلئے جہنم یقینی ہے: "عذاب کی بات" وہ ہی ہے۔ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ (السجدہ۔۱۳) یعنی جس طرح بہت سی جماعتیں جنوں اور آدمیوں کی ان سے پہلے جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں، یہ بدبخت بھی ان ہی میں شامل ہیں۔

۳۱۔ اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت سے ہر آدمی کے دل میں فطری طور پر جو بیج ایمان و سعادت کا بکھیرا تھا وہ بھی ان بدبختوں نے ضائع کر دیا۔ اس سے زیادہ ٹوٹا اور خسارہ کیا ہو گا کہ کوئی شخص تجارت میں بجائے منافع حاصل کرنے کے رأس المال کو بھی اپنی غفلت و حماقت سے ضائع کر بیٹھے۔

۳۲۔ اہل جنت و دوزخ کے درجات: یعنی اعمال کے تفاوت کی وجہ سے اہل جنت کے کئی درجے ہیں اور اسی طرح اہل دوزخ کے بھی۔

۳۳۔ نہ کسی نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا نہ کسی جرم کی سزا حد مناسب سے زائد کی جائے گی۔

۳۴۔ کافروں کے نیک کام: کافر کے کسی نیک کام میں ایمان کی روح نہیں ہوتی۔ محض صورت اور ڈھانچہ نیکی کا ہوتا ہے۔ ایسی فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی ہے جو اسی زندگی میں مال، اولاد، حکومت، تندرستی، عزت و شہرت وغیرہ کی شکل میں مل جاتا ہے۔ اس کو فرمایا کہ تم اپنی صوری نیکیوں کے مزے دنیا میں لے چکے اور وہاں کی لذتوں سے تمتع کر چکے۔ جو عیش و آرام ایمان لانے کی تقدیر پر آخرت میں ملتا۔ گویا اس کی جگہ بھی دنیا میں مزے اڑا لئے۔ اب یہاں کے عیش میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جن لوگوں نے آخرت نہ چاہی فقط دنیا ہی چاہی ان کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں مل چکا"۔

۳۵۔ غرور اور نافرمانی کی سزا: یعنی آج تمہاری جھوٹی شیخی اور نافرمانیوں کی سزا میں ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا یہ ہی ایک چیز تمہارے لئے یہاں باقی ہے۔ آگے بعض زور آور اور متکبر قوموں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں انکا انجام کیا ہوا۔

وَاذۡكُرۡ اَخَا عَادٍ ؕ اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ بِالۡاَحۡقَافِ وَقَدۡ خَلَتِ النُّذُرُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖۤ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور یاد کر عاد کے بھائی کو [۳٦] جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں [۳۷] اور گذر چکے تھے ڈرانے والے اسکے آگے سے اور پیچھے سے کہ بندگی نہ کرو کسی کی اللہ کے سوائے میں ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک بڑے دن کی [۳۸]

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا
تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ بولے کیا تو آیا ہے ہمارے پاس کہ پھیر دے ہم کو ہمارے معبودوں سے سو لے آ ہم پر جو وعدہ کرتا ہے اگر ہے تو سچا[٣٩]

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ
بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو پہنچا دیتا ہوں جو کچھ بھیجدیا میرے ہاتھ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ نادانی کرتے ہو[٤٠]

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا
هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ
ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ﴿٢٤﴾

٢٤۔ پھر جب دیکھا اس کو ابر سامنے آیا انکے نالوں کے بولے یہ ابر ہے ہم پر برسے گا[٤١] کوئی نہیں یہ تو وہ چیز ہے جسکی تم جلدی کرتے تھے ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک[٤٢]

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا
مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ اکھاڑ پھینکے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پھر کل کو رہ گئ کہ کوئی نظر نہیں آتا تھا سوائے انکے گھروں کے یوں ہم سزا دیتے ہیں گنہگار لوگوں کو[٤٣]

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا
لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ
سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ
كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾ ع ٣ ٢

٢٦۔ اور ہم نے مقدور دیا تھا انکو ان چیزوں کا جن کا تم کو مقدور نہیں دیا[٤٤] اور ہم نے انکو دیے تھے کان اور آنکھیں اور دل پھر کام نہ آئے انکے کان انکے اور نہ آنکھیں انکی اور نہ دل انکے کسی چیز میں[٤٥] اس لئے کہ منکر ہوتے تھے اللہ کی باتوں سے اور الٹ پڑی ان پر جس بات سے کہ وہ ٹھٹھا کرتے تھے[٤٦]

٣٦۔ یعنی حضرت ہودؑ جو "عاد" کے قومی بھائی تھے۔

٣٧۔ احقاف کی بستیاں: مؤلف "ارض القرآن" "بلاد الاحقاف" کے تحت میں لکھتا ہے "یمامہ، عمان، بحرین، حضر موت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم "الدہنا" یا "ربع خالی" کے نام سے واقع ہے گو وہ آبادی کے قابل نہیں، لیکن اسکے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے

لائق تھوڑی تھوڑی زمین ہے خصوصًا اس حصہ میں جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضر موت اور نجران کے درمیان حصہ میں "عادِ ارم" کا مشہور قبیلہ آباد تھا جسکو خدا نے اسکی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا"۔

٣٨۔ حضرت ہود علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی دعوت توحید: یعنی ہودؑ سے پہلے اور پیچھے بہت ڈرانے والے آئے سب نے وہ ہی کہا جو حضرت ہودؑ نے کہا تھا یعنی ایک خدا کی بندگی کرو اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرو۔ ممکن ہے قوم عاد میں بھی حضرت ہودؑ کے علاوہ اور نذیر آئے ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

٣٩۔ کفار کی تکذیب: یعنی ہم اپنے آبائی طریقہ سے ہٹنے والے نہیں۔ اگر تو اپنی دھمکیوں میں سچا ہے تو دیر کیا ہے۔ جو زبان سے کہتا ہے کر کے دکھادے۔

٤٠۔ حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ: یعنی اس قسم کا مطالبہ کرنا تمہاری نادانی اور جہالت ہے۔ میں خدا کا پیغامبر ہوں جو پیام میرے ہاتھ بھیجا گیا وہ پہنچا رہا ہوں۔ اس سے زائد کا نہ مجھے علم ہے نہ اختیار۔ یہ علم خدا ہی کو ہے کہ مجرم قوم کس وقت دنیوی سزا کی مستوجب ہوتی ہے اور کس وقت تک اسے مہلت ملنی چاہئے۔

٤١۔ عذاب کا بادل: یعنی سامنے سے بادل اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ سمجھے کہ سب ندی نالے بھر جائیں گے کہنے لگے کہ بہت برساؤ گھٹا اٹھی ہے اب کام بن جائے گا۔ اس وقت طویل خشک سالی کی وجہ سے پانی کی بہت ضرورت تھی۔

٤٢۔ عذاب کی آندھی: یعنی یہ برساؤ بادل نہیں۔ بلکہ عذاب الٰہی کی آندھی ہے وہ ہی جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔

٤٣۔ آندھی کی تباہ کاریاں: سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا وہ غضبناک طوفان چلا جس کے سامنے درخت، آدمی اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی ہر چیز ہوا نے اکھاڑ پھینکی اور چاروں طرف تباہی نازل ہو گئی۔ آخر مکانوں کے کھنڈرات کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ دیکھ لیا! اللہ کے مجرموں کا حال یہ ہوتا ہے۔ چاہئے کہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آؤ۔ ورنہ تمہارا بھی یہ ہی حال ہو سکتا ہے۔

٤٤۔ یعنی مال، اولاد، جتھے، اور جسمانی طاقت جو انکو دی گئی تھی، تمکو نہیں دی گئی۔ مگر جب عذاب آیا، کوئی چیز کام نہ آئی۔ پھر تم کس بات پر مغرور ہو۔

٤٥۔ یعنی نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دیۓ گئے تھے پر وہ کسی قوت کو کام میں نہ لائے، اندھے، بہرے اور پاگل بن کر پیغمبروں کے مقابل ہو گئے۔ آخر انجام یہ ہوا کہ یہ قوتیں سب موجود رہیں اور عذاب الٰہی نے آگھیرا۔ کوئی اندرونی یا بیرونی قوت اس کو دفع نہ کر سکی۔

٤٦۔ انکا تمسخر ان پر لوٹ گیا: یعنی جس عذاب کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ ان پر واقع ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "انکو دل اور کان اور آنکھ دی تھی۔ یعنی دنیا کے کام میں عقلمند تھے۔ وہ عقل نہ آئی جس سے آخرت بھی درست ہو"۔

وَ لَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا مَا حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡقُرٰى وَ صَرَّفۡنَا الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ اور ہم غارت کر چکے ہیں جتنی تمہارے آس پاس ہیں بستیاں [٤٧] اور طرح طرح سے پھیر کر سنائیں انکو باتیں تا کہ وہ لوٹ آئیں [٤٨]

فَلَوۡ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

٢٨۔ پھر کیوں نہ مدد پہنچی انکو ان لوگوں کی طرف

قُرۡبَانًا اٰلِـهَةً ؕ بَلۡ ضَلُّوۡا عَنۡهُمۡ ۚ وَذٰلِكَ اِفۡكُهُمۡ وَ مَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۸﴾

سے جنکو پکڑا تھا اللہ سے ورے معبود بڑے درجے پانے کو[۴۹] کوئی نہیں گم ہو گئے ان سے [۵۰] اور یہ جھوٹ تھا ان کا اور جو اپنے جی سے باندھتے تھے[۵۱]

۴۷۔ یعنی "عاد" کے سوا "قوم ثمود" اور "قوم لوط" وغیرہ کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کی جا چکی ہیں۔ جو تمہارے آس پاس واقع تھیں یہ مکہ والوں کو فرمایا۔ کیونکہ سفروں میں ان کا گذر ان مقامات کی طرف ہوتا تھا۔

۴۸۔ مگر اتنا سمجھانے پر بھی وہ باز نہ آئے۔

۴۹۔ **اب باطل معبود کہاں گئے:** یعنی جن بتوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ہم انکی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دیں اور بڑے درجے دلائیں وہ اس آڑے وقت میں کیوں کام نہ آئے۔ اب ذرا انکو بلایا ہوتا۔

۵۰۔ یعنی آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ نہ عذاب کے وقت ان کو پکارا جاتا ہے۔ آخر وہ گئے کہاں جو ایسی مصیبت میں بھی کام نہیں آتے۔

۵۱۔ یعنی ظاہر ہوا کہ بتوں کو خدا بنانا اور ان سے امیدیں قائم کرنا محض جھوٹی اور من گھڑت باتیں تھیں۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے کیسے۔ (ربط) اوپر کی آیات میں انسانوں کے تمرد و سرکشی کی داستان تھی۔ آگے اس کے مقابل جنوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا حال سناتے ہیں تا معلوم ہو کہ جو قوم طبعی طور پر سخت متمرد اور سرکش واقع ہوئی ہے اس کے بعض افراد کس طرح اللہ کا کلام سن کر موم ہو جاتے ہیں۔

وَاِذۡ صَرَفۡنَاۤ اِلَيۡكَ نَفَرًا مِّنَ الۡجِنِّ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوۡهُ قَالُوۡۤا اَنۡصِتُوۡا ۚ فَلَمَّا قُضِىَ وَلَّوۡا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ مُّنۡذِرِيۡنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور جس وقت متوجہ کر دیے ہم نے تیری طرف کتنے اک لوگ جنوں میں سے سننے لگے قرآن پھر جب وہاں پہنچ گئے بولے چپ رہو پھر جب ختم ہوا الٹے پھرے اپنی قوم کو ڈر سناتے ہوئے[۵۲]

قَالُوۡا يٰقَوۡمَنَاۤ اِنَّا سَمِعۡنَا كِتٰبًا اُنۡزِلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ يَهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَقِّ وَاِلٰى طَرِيۡقٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ بولے اے قوم ہماری ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے موسٰی کے بعد [۵۳] سچا کرنے والی سب اگلی کتابوں کو[۵۴] سمجھاتی ہے سچا دین اور ایک راہ سیدھی[۵۵]

يٰقَوۡمَنَاۤ اَجِيۡبُوۡا دَاعِىَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوۡا بِهٖ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُجِرۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اے قوم ہماری مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ[۵۶] کہ بخشے تمکو کچھ تمہارے گناہ[۵۷] اور بچا دے تمکو ایک عذاب دردناک سے

وَ مَنۡ لَّا یُجِبۡ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَیۡسَ لَہٗ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اس کا اسکے سوائے مدد گار[۵۸] وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح

۵۲۔ جنات کا قرآن سننا اور ایمان لانا: بعثت محمدی سے قبل جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب حضور پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شُہب کی مار پڑنے لگی۔ جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر سخت پہرے بٹھلائے گئے ہیں۔ اسی کی جستجو کے لئے جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت "بطن نخلہ" کی طرف گذری۔ وہاں اتفاق سے اس وقت حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن سننے کے لئے ادھر پھیر دیا۔ قرآن کی آواز انہیں بہت عجیب اور موثر و دلکش معلوم ہوئی اور اس کی عظمت و ہیبت دلوں پر چھاگئی۔ آپس میں کہنے لگے کہ چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام پاک سنو۔ آخر قرآن کریم نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ہی نئی چیز ہے جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہر حال جب حضور قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے، یہ لوگ اپنے دلوں میں ایمان و ایقان لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی۔ انکی مفصل باتیں سورہ "جنّ" میں آئیں گی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو انکے آنے جانے اور سننے سنانے کا پتہ نہیں لگا۔ ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دی اور مفصل حال اس کے بعد وحی کے ذریعہ سے معلوم کرایا گیا کما قال تعالیٰ قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ الخ (جن۔۱) بعدہٗ بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کے لئے انکے وفود حاضر خدمت ہوئے۔ خفاجی نے روایت کی بناء پر دعویٰ کیا ہے کہ چھ مرتبہ آپ نے جنوں سے ملاقات کی۔ اس لئے روایات میں جو اختلاف انکے عدد یا دوسرے امور کے متعلق معلوم ہوتا ہے اسکو تعدد وقائع پر حمل کرنا چاہئے۔

۵۳۔ جنات کی قوم کو قرآن کے بارے میں اطلاع: کتب سابقہ میں حضرت موسیٰؑ کی کتاب (تورات) کی برابر کوئی کتاب احکام و شرائع کو حاوی نہیں تھی۔ اسی پر انبیائے بنی اسرائیل کا عمل رہا۔ حضرت مسیحؑ نے بھی یہ ہی فرمایا کہ میں تورات کو بدلنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ اس کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔ اور حضرت سلیمانؑ کے وقت سے جنوں میں تورات ہی مشہور چلی آتی تھی۔ اس لئے اس موقع پر انہوں نے اسی کی طرف اشارہ کیا۔ خود تورات میں جو پیشین گوئی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آئی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ "(اے موسیٰ) تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا"۔

۵۴۔ شاید اس وقت قرآن کا جو حصہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تلاوت فرمایا تھا اس میں ایسا مضمون آیا ہو گا۔ یا قرائن سے سمجھے ہوں گے۔

۵۵۔ یعنی سچے عقیدے اور عمل کا سیدھا راستہ۔

۶۱۔ دوزخ دیکھ کر کفار کا اقرار: یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دوزخ کا وجود اور اس کا عذاب کیا واقعی چیز نہیں؟ آخر سب ذلیل ہو کر اقرار کریں گے کہ بیشک واقعی ہے۔ (ہم غلطی پر تھے جو اس کا انکار کیا کرتے تھے)۔

۶۲۔ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ اچھا اب اس انکار و تکذیب کا مزہ چکھتے رہو۔

۵۶۔ جنات کو اسلام کی تبلیغ: یعنی اس کی بات مانو جو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اور اسکی رسالت پر یقین کرو۔

۵۷۔ یعنی جو گناہ حالت کفر میں کر چکے ہو، اسلام کی برکت سے سب معاف ہو جائیں گے۔ آئندہ سے نیا کھاتہ شروع ہو گا۔ لیکن یاد رہے کہ

یہاں ذنوب کا ذکر ہے۔ حقوق العباد کا معاف ہونا اس سے نہیں نکلتا۔

۵۸۔ یعنی نہ خود بھاگ کر خدا کی مار سے بچ سکے نہ کوئی دوسرا بچا سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ "فِی الارض" کی قید پر لکھتے ہیں کہ (شیاطین کو) اوپر سے فرشتے مارتے ہیں تو زمین ہی کو بھاگتے ہیں"۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ لَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۧ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور نہ تھکا انکے بنانے میں [۵۹] وہ قدرت رکھتا ہے کہ زندہ کرے مردوں کو کیوں نہیں وہ ہر چیز کر سکتا ہے [۶۰]

وَ یَوۡمَ یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیۡسَ ہٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور جس دن سامنے لائیں منکروں کو آگ کے کیا یہ ٹھیک نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی [۶۱] کہا تو چکھو عذاب بدلا اس کا جو تم منکر ہوتے تھے [۶۲]

فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّہُمۡ ؕ کَاَنَّہُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَ مَا یُوۡعَدُوۡنَ ۙ لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَۃً مِّنۡ نَّہَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَہَلۡ یُہۡلَکُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿٪۳۵﴾

۳۵۔ سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے رسول اور جلدی نہ کر انکے معاملہ میں [۶۳] یہ لوگ جس دن دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ ہے جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن کی [۶۴] یہ پہنچا دینا ہے اب وہی غارت ہوں گے جو لوگ نافرمان ہیں [۶۵]

ع ۴

۵۹۔ اللہ تھکتا نہیں ہے: اس لفظ میں "یہود" کے عقیدہ کا رد ہے جو کہتے تھے کہ چھ دن میں اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے ثُمَّ اسۡتَرَاحَ (پھر ساتویں دن آرام کرنے لگا) العیاذ باللہ۔

۶۰۔ یعنی بڑا عذاب مرنے کے بعد ہوگا اور اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ مر کر کہاں زندہ ہوتے ہیں۔ اللہ کو یہ کچھ مشکل نہیں جو آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے نہ تھکا، اس کو تمہارا دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

۶۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین: یعنی جب معلوم ہو چکا کہ منکرین کو سزا ملنی ضرور ہے۔ آخرت میں ملے یا دنیا میں بھی۔ تو آپ ﷺ ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ ایک معیاد معین تک صبر کرتے رہیں جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے۔ (تنبیہ) بعض سلف نے کہا کہ سب رسول اولوالعزم (ہمت والے) ہیں اور عرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ حضرت نوحؑ،

حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ۔

۶۴۔ دنیا کی زندگی ایک گھڑی کے برابر ہے: "ڈھیل نہ پائی تھی"۔ دنیا میں، یعنی اب تو دیر سمجھتے ہیں کہ عذاب جلد کیوں نہیں آتا اس دن جانیں گے کہ بہت شتاب آیا۔ دنیا میں ایک ہی گھڑی رہے۔ یا عالم قبر کا رہنا ایک گھڑی معلوم ہو گا۔ قاعدہ ہے کہ گذری ہوئی مدت تھوڑی معلوم ہوا کرتی ہے خصوصًا سختی اور مصیبت کے وقت عیش و آرام کا زمانہ بہت کم نظر آنے لگتا ہے۔

۶۵۔ یعنی ہم نے نصیحت کی بات پہنچادی، اور سب نیک و بد سمجھا دیا۔ اب جو نہ مانیں گے وہ ہی تباہ و برباد ہوں گے۔ ہماری طرف سے حجت تمام ہو چکی اور کسی کو بے قصور ہم نہیں پکڑتے اسی کو غارت کرتے ہیں جو غارت ہونے ہی پر کمر باندھ لے۔

تمت سورۃ الاحقاف بفضل اللہ و حسن توفیقہ۔ فللہ الحمد والمنۃ

ایاتھا ۳۸ ۴۷ سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ ۹۵ رکوعاتھا ۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ۞۱

۱۔ جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اوروں کو اللہ کی راہ سے [۱] کھو دیے اللہ نے انکے کئے کام [۲]

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ۙ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَاَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ۞۲

۲۔ اور جو یقین لائے اور کئے بھلے کام اور مانا اسکو جو اترا محمد پر اور وہی ہے سچا دین انکے رب کی طرف سے ان پر سے اتاریں انکی برائیاں اور سنوارا انکا حال [۳]

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَـقَّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَهُمۡ ۞۳

۳۔ یہ اس لئے کہ جو منکر ہیں وہ چلے جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے انہوں نے مانی سچی بات اپنے رب کی طرف سے یوں بتلاتا ہے اللہ لوگوں کو انکے احوال [۴]

۱۔ جیسا کہ رؤسائے کفار کی عادت تھی کہ جان اور مال اور ہر طرح سے اس میں کوشش کرتے تھے۔

۲۔ ایمان کے بغیر اعمال مقبول نہیں: یعنی جن اعمال کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں بوجہ عدم ایمان کے وہ مقبول نہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض کام اور الٹے موجب عتاب ہوتے ہیں۔ جیسے لوگوں کو اسلام سے روکنے میں پیسہ خرچ کرنا۔

۳۔ امت محمدیہ پر اللہ کا انعام: یعنی برائیوں کی عادت چھڑا کر اللہ تعالیٰ ان کا حال سنوار دیتا ہے کہ یومًا فیومًا نیکی میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اور آخرت میں ان کی کوتاہیوں سے درگذر فرما کر اچھے حال میں رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "پہلے زمانہ میں ساری مخلوق ایک شریعت کی مکلف نہ تھی۔ اس وقت سب جہان کو ایک حکم ہے، اب سچا دین یہی ہے۔ اور برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی، لیکن سچا دین ماننے کو یہ قبولیت ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف، اور نہ ماننے کی یہ سزا ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم"۔

۴۔ یعنی اس طرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو انکے بھلے برے احوال پر متنبہ کرتا ہے۔ تا باطل پرستی کی نحوست وشامت اور حق پرستی کی برکت انکے پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔

فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ
حَتّٰٓى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا
مَنًّاۢ بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الۡحَرۡبُ
اَوۡزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ
وَلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَا۟ بَعۡضَكُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَالَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا
فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ يُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۴﴾

۴۔ سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو انکو تو مضبوط باندھ لو قید پھر یا احسان کیجیو اور یا معاوضہ لیجیو[۵] جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار[۶] یہ سن چکے اور اگر چاہے اللہ تو بدلا لے ان سے پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو[۷] اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ ضائع کرے گا وہ انکے کئے کام

سَيَهۡدِيۡهِمۡ وَيُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ۚ﴿۵﴾

۵۔ انکو راہ دے گا اور سنوارے گا ان کا حال[۸]

وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَـنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ﴿۶﴾

۶۔ اور داخل کرے گا انکو بہشت میں جو معلوم کرا دی ہے انکو[۹]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَ
يُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ﴿۷﴾

۷۔ اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی[۱۰] تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے پاؤں[۱۱]

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ وَاَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۸﴾

۸۔ اور جو لوگ کہ منکر ہوئے وہ گرے منہ کے بل اور کھو دیے انکے کئے کام[۱۲]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ
اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۹﴾

۹۔ یہ اس لئے کہ انکو پسند نہ ہوا جو اتارا اللہ نے پھر اکارت کر دیے انکے کئے کام[۱۳]

اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ۫
وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡثَالُهَا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے تھے ہلاکی ڈالی اللہ نے ان پر اور منکروں کو ملتی رہی ہیں ایسی چیزیں[۱۴]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ یہ اس لئے کہ اللہ رفیق ہے ان کا جو یقین لائے اور یہ کہ جو منکر ہیں ان کا رفیق نہیں کوئی [۱۵]

ع ۵

۵۔ جہاد میں سختی کا حکم: یعنی حق اور باطل کا مقابلہ تو رہتا ہی ہے۔ جس وقت مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہئے۔ باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے شریر مارے جائیں اور انکے جتھے توڑ دیے جائیں۔ اس لئے ہنگامہ کارزار میں کسل، سستی، بزدلی اور توقف و تردد کو راہ نہ دو۔ اور دشمنان خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو۔ کافی خونریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے۔ قال تعالیٰ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ (انفال۔۶۸)۔

جہاد کے قیدی اور انکے احکام: یہ قید و بند ممکن ہے ان کے لئے تازیانہ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر انکو اپنی اور تمہاری حالت کے جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع بہم پہنچائے شدہ شدہ وہ لوگ حق و صداقت کا راستہ اختیار کر لیں۔ یا مصلحت سمجھو تو بدون کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے قید سے رہا کرو۔ اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے تمہارے احسان اور خوبی اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں۔ اور یہ بھی کر سکتے ہو کہ زر فدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دو اس میں کئی طرح کے فائدے ہیں۔ بہر حال اگر ان اسیر ان جنگ کو انکے وطن کی طرف واپس کرو تو دو ہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو صورت امام کے نزدیک اصلح ہو اختیار کر سکتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات موجود ہیں ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں۔ ذِمّی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنالینا، یا قتل کر دینا۔ احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہو سکتی تھی البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

۶۔ جہاد کی مشروعیت کی حکمت: یعنی یہ حرب و ضرب اور قید و بند کا سلسلہ برابر جاری رہے گا تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور جنگ موقوف ہو جائے۔

۷۔ یعنی خدا کو قدرت ہے کہ ان کافروں کو کوئی آسمانی عذاب بھیج کر "عاد" و "ثمود" وغیرہ کی طرح ہلاک کر ڈالے۔ لیکن جہاد و قتال شروع کر کے اسے بندوں کا امتحان کرنا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور کفار میں سے کتنے لوگ ان تنبیہی کارروائیوں سے بیدار ہوتے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ نے دے رکھی ہے کہ پہلی قوموں کی طرح ایک دم پکڑ کر استیصال نہیں کر دیتا۔

۸۔ شہیدوں کی حقیقی کامیابی: یعنی جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے بظاہر یہاں کامیاب نظر نہ آتے ہوں۔ لیکن حقیقۃً وہ کامیاب ہیں۔ اللہ انکے کام ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ انجام کار انکی محنت ٹھکانے لگائے گا۔ انکو جنت کی راہ دے گا اور آخرت کی تمام منازل و مواقف میں ان کا حال درست رکھے گا۔

۹۔ جنت میں اپنے ٹھکانوں کی پہچان: یعنی جس جنت کا حال انکو انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اپنے وجدان صحیح سے معلوم ہو چکا تھا اس میں داخل کئے جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ہر جنتی اپنے ٹھکانے کو خود بخود پہچان لے گا اسکے دل کی کشش ادھر ہی ہو گی جہاں اسکو رہنا ہے۔ (تنبیہ) ابن

عباسؓ نے عَرَّفَهَا لَهُمْ کے معنی طَيَّبَهَا لَهُمْ کے لئے ہیں۔ یعنی جنت انکے لئے خوشبوؤں سے مہکا دی گئی ہے۔

١٠۔ یعنی اللہ کے دین کی اور اسکے پیغمبر کی۔

١١۔ دین کی خدمت کرنے والوں کی فضیلت: یعنی جہاد میں اللہ کی مدد سے تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور اسلام وطاعت پر ثابت قدم رہو گے جس کے نتیجہ میں "صراط" پر ثابت قدمی نصیب ہو گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے۔ پر یہ بھی منظور نہیں۔ جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا"۔

١٢۔ منکرین کی بدحالی: یعنی جس طرح مومنین کے قدم جما دیے جاتے ہیں اس کے برعکس منکروں کو منہ کے بل گرا دیا جاتا ہے اور جیسے خدا کی طرف سے مومنین کی مدد کی جاتی ہے، اس کے خلاف کافروں کے کام برباد کر دیے جاتے ہیں۔

١٣۔ یعنی جب انہوں نے اللہ کی باتوں کو ناپسند کیا تو اللہ انکے کام کیوں پسند کرے گا اور جو چیز خدا کو ناپسند ہو وہ محض اکارت ہے۔

١٤۔ یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو منکروں کی کسی گت بنی اور کس طرح انکے منصوبے خاک میں ملا دیے گئے۔ کیا آج کل کے منکروں کو ایسی سزائیں نہیں مل سکتیں۔

١٥۔ اللہ مومنوں کا رفیق ہے: یعنی اللہ مومنین صالحین کا رفیق ہے جو وقت پر انکی مدد کرتا ہے۔ کافروں کا ایسا رفیق کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آسکے۔ "غزوہ احد" میں ابوسفیان نے پکارا تھا لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ۔ آپ نے فرمایا پکارو اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾

١٢۔ مقرر اللہ داخل کرے گا انکو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں اور جو لوگ منکر ہیں برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کہ کھائیں چوپائے اور آگ ہے گھر ان کا[١٦]

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

١٣۔ اور کتنی تھیں بستیاں جو زیادہ تھیں زور میں اس تیری بستی سے جس نے تجھ کو نکالا ہم نے انکو غارت کر دیا پھر کوئی نہیں ان کا مددگار[١٧]

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٤﴾

١٤۔ بھلا ایک جو چلتا ہے واضح رستہ پر اپنے رب کے برابر ہے اسکے جسکو بھلا دکھلایا اس کا برا کام اور چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر[١٨]

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ

١٥۔ احوال اس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا ہے ڈرنے والوں

مِّنۡ مَّآءٍ غَيۡرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ يَتَغَيَّرۡ
طَعۡمُهٗ ۚ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۚ وَاَنۡهٰرٌ
مِّنۡ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ
وَمَغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ؕ كَمَنۡ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ وَ
سُقُوۡا مَآءً حَمِيۡمًا فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَهُمۡ ﴿۱۵﴾

سے اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا[۱۹] اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا[۲۰] اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے[۲۱] اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اترا ہوا[۲۲] اور انکے لئے وہاں سب طرح کے میوے ہیں[۲۳] اور معافی ہے انکے رب سے[۲۴] یہ برابر ہے اسکے جو سدا رہے آگ میں اور پلایا جائے انکو کھولتا پانی تو کاٹ نکالے انکی آنتیں[۲۵]

۱۶۔ کفار چوپایوں کی طرح کھاتے ہیں: یعنی دنیا کا سامان برت رہے ہیں اور مارے حرص کے بہائم کی طرح اناپ شناپ کھاتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجہ کی خبر نہیں کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا۔ اچھا چند روز مزے اڑالیں انکے لئے آگ کا گھر تیار ہے۔

۱۷۔ اہل مکہ کو تنبیہ: یعنی دوسری قوموں کو جو زور و طاقت میں مکہ والوں سے کہیں بڑھ کر تھیں ہم نے تباہ کر چھوڑا اور کوئی انکی مدد کو نہ پہنچا۔ پھر یہ کس بات پر اتراتے ہیں۔ (تنبیہ) قَرۡيَتِكَ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَتۡكَ سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ وہاں کے لوگوں نے ایسی حرکات کیں کہ آپ کو وطن مالوف و محبوب چھوڑنا پڑا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے رخصت ہوتے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم تو تمام شہروں میں اللہ کے نزدیک اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اور اگر میری قوم مجھ کو تیرے اندر سے نہ نکالتی میں تجھ کو نہ چھوڑتا۔

۱۸۔ ہدایت یافتہ اور گمراہ برابر نہیں: یعنی ایک شخص نہایت شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف اور کشادہ سڑک پر بے کھٹکے چلا جا رہا ہے، اور دوسرا اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھاتا ہے، جس کو سیاہ و سفید یا نیک و بد کی کچھ تمیز نہیں۔ حتّٰی کہ اپنی بے تمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ حق تعالٰی کی شان حکمت و عدل کے منافی نہیں ہے۔

۱۹۔ جنت کی نہریں: یعنی طول مکث یا کسی چیز کے اختلاط سے اس کی بو نہیں بدلی۔ شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ کسی طرح کے تغیر کو اسکی طرف راہ نہیں۔

۲۰۔ دودھ کی نہریں: یعنی دنیا کے دودھ پر قیاس نہ کرو۔ اتنی مدت گذرنے پر بھی اسکے مزے میں فرق نہیں آیا۔

۲۱۔ شراب کی نہریں: یعنی وہاں کی شراب میں خالص لذت اور مزہ ہی ہے نہ نشہ ہے نہ شکستگی نہ تلخی نہ سرگرانی نہ کوئی اور عیب و نقصان۔

۲۲۔ شہد کی نہریں: یعنی صاف و شفاف شہد جس میں تکدر تو کہاں ہوتا جھاگ تک نہیں (تنبیہ) یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہوا جن میں پانی تو ایسی چیز ہے کہ انسان کی زندگی اس سے ہے اور دودھ غذائے لطیف کا کام دیتا ہے اور شراب سرور و نشاط کی چیز ہے۔ اور شہد کو شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ فرمایا گیا ہے۔

۲۳۔ مشروبات کے بعد یہ ماکولات کا ذکر فرما دیا۔

۲۴۔ یعنی سب خطائیں معاف کر کے جنت میں داخل کریں گے۔ وہاں پہنچ کر کبھی خطاؤں کا ذکر بھی نہ آئے گا جو انکی کلفت کا سبب بنے اور نہ

آئندہ کسی بات پر گرفت ہو گی۔

۲۵۔ جہنم میں کفار کی سزائیں: یعنی کھولتا ہوا پانی جب دوزخیوں کو پلائیں گے تو آنتیں کٹ کر باہر آ پڑیں گی۔ (اعاذنا اللہ منہ)۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ‌ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوۡا
مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ
اٰنِفًا‌ ۚ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَ
اتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور بعضے ان میں ہیں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں انکو جنکو علم ملا ہے کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی [۲۶] یہ وہی ہیں جنکے دلوں پر مہر لگا دی ہے اللہ نے اور چلے ہیں اپنی خواہشوں پر [۲۷]

وَالَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّاٰتٰٮهُمۡ تَقۡوٰٮهُمۡ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں انکو اور بڑھ گئی اس سے سوجھ اور انکو اس سے ملا بچ کر چلنا [۲۸]

فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً‌ ۚ
فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا‌ ۚ فَاَنّٰى لَهُمۡ اِذَا جَآءَتۡهُمۡ
ذِكۡرٰٮهُمۡ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اب یہی انتظار کرتے ہیں قیامت کا کہ آ کھڑی ہو ان پر اچانک سو آ چکی ہیں اسکی نشانیاں پھر کہاں نصیب ہو گا انکو جب وہ آ پہنچے ان پر سمجھ پکڑنا [۲۹]

۲۶۔ منافقین کا اعراض: اوپر مومنوں اور کافروں کا حال مذکور تھا۔ ایک قسم کافروں کی وہ ہے جسے منافق کہتے ہیں یعنی ظاہر میں اسلام کا دعوٰی اور باطن میں اس سے انحراف۔ اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔ یعنی یہ لوگ بظاہر پیغمبر کی بات سننے کے لئے کان رکھتے ہیں۔ مگر نہ دلی توجہ، نہ سمجھ، نہ یاد، جب مجلس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی پیغمبر علیہ السلام) نے ابھی کیا بیان کیا تھا۔ شاید اس دریافت کرنے سے مقصود ادھر تعریض کرنا ہو گا کہ ہم انکی بات کو لائق اعتناء نہیں سمجھتے نہ توجہ سے سنتے ہیں۔

۲۷۔ یعنی ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ انکے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ پھر نیکی کی توفیق قطعًا نہیں ہوتی۔ محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے۔

۲۸۔ یعنی سچائی کے راستہ پر چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی روز بروز ہدایت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اسکی سوجھ بوجھ اور پرہیزگاری بڑھتی جاتی ہے۔

۲۹۔ قیامت کی نشانیاں آچکی ہیں: یعنی قرآن کی نصیحتیں، گذشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور جنت و دوزخ کے وعدہ وعید سب سن چکے۔ اب ماننے کے لئے کس وقت کا انتظار ہے۔ یہ ہی کہ قیامت کی گھڑی انکے سر پر اچانک آ کھڑی ہو۔ سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں اور جب خود قیامت آ کھڑی ہو گی، اس وقت ان کے لئے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ یعنی وہ سمجھنا اور ماننا بیکار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "بڑی نشانی قیامت کی ہمارے نبی کا پیدا ہونا ہے۔ سب خاتم النبیین کی راہ دیکھتے تھے۔ جب وہ

آ چکے (مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا) اب قیامت ہی باقی ہے ''حدیث میں نبی کریم ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیۡنِ (میں اور قیامت اس طرح ہیں) گویا میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکلی ہوئی ہے۔ شرح صحیح مسلم میں ہم نے اس کی مفصل تقریر کی ہے۔ یہاں گنجائش نہیں۔

فَاعۡلَمۡ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مُتَقَلَّبَکُمۡ وَ مَثۡوٰىکُمۡ ﴿۱۹﴾ ع ۲

۱۹۔ سو تو جان لے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لئے [۳۰] اور اللہ کو معلوم ہے بازگشت تمہاری اور گھر تمہارا [۳۱]

۳۰۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسغفار کے حکم کی توضیح:** ہر ایک کا ذنب (گناہ) اس کے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہت اچھا پہلو چھوڑ کر کم اچھا پہلو اختیار کرنا گو وہ حدود جواز و استحسان میں ہو، بعض اوقات مقربین کے حق میں ذنب (گناہ) سمجھا جاتا ہے۔ حَسَنَاتُ الۡاَبۡرَارِ سَیِّئَاتُ الۡمُقَرَّبِیۡنَ کے یہ ہی معنی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دن میں سو بار استغفار فرماتے تھے (تنبیہ) فَاعۡلَمۡ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الخ کا خطاب ہر ایک مخاطب کو ہے۔ اور اگر خاص نبی کریم ﷺ مخاطب ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اس علم پر برابر جمے رہئے۔ اور استغفار کرتے رہے۔ اور فَاعۡلَمۡ کی تفریع ماقبل پر اس طرح ہے کہ قیامت آنے کے بعد کسی کو ایمان و توبہ وغیرہ نافع نہیں تو آدمی کو چاہئے کہ اس کے آنے سے قبل صحیح معرفت حاصل کرے۔ اور ایمان و استغفار کے طریق پر مستقیم رہے۔

۳۱۔ یعنی جتنے پردوں میں پھرو گے پھر بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے جو تمہارا اصلی گھر ہے۔

وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَتۡ سُوۡرَۃٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَۃٌ مُّحۡکَمَۃٌ وَّ ذُکِرَ فِیۡہَا الۡقِتَالُ ۙ رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ یَّنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ نَظَرَ الۡمَغۡشِیِّ عَلَیۡہِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ فَاَوۡلٰی لَہُمۡ ﴿ۚ۲۰﴾

۲۰۔ اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتری ایک سورت [۳۲] پھر جب اتری ایک سورت جانچی ہوئی [۳۳] اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے انکو جنکے دل میں روگ ہے تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بیہوش پڑا ہوا مرنے کے وقت سو خرابی ہے انکی [۳۴]

طَاعَۃٌ وَّ قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ ۟ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰہَ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ﴿ۚ۲۱﴾

۲۱۔ حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے تو ان کا بھلا ہے [۳۵]

فَہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی

۲۲۔ پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمکو حکومت مل

الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں [۳۶]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى
اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا انکو بہرا اور اندھی کر دیں اُنکی آنکھیں [۳۷]

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں انکے قفل [۳۸]

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى
لَهُمْ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ بیشک جو لوگ الٹے پھر گئے اپنی پیٹھ پر بعد اسکے کہ ظاہر ہو چکی ان پر سیدھی راہ شیطان نے بات بنائی انکے دل میں اور دیر کے وعدے کئے [۳۹]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ
سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ
اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں سے جو بیزار ہیں اللہ کی اتاری کتاب سے ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے کاموں میں اور اللہ جانتا ہے ان کا مشورہ کرنا [۴۰]

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ
وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر کیسا ہو گا حال جبکہ فرشتے جان نکالیں گے اُنکی مارتے جاتے ہوں انکے منہ پر اور پیٹھ پر [۴۱]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا
رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ؑ ﴿۲۸﴾ ۳ ع ۹ ۷

۲۸۔ یہ اس لئے کہ وہ چلے اس راہ جس سے اللہ بیزار ہے اور ناپسند کی اسکی خوشی پھر اس نے اکارت کر دیے انکے کیے کام [۴۲]

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ
يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ کیا خیال رکھتے ہیں وہ لوگ جنکے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ظاہر نہ کر دے گا اُنکے کینے [۴۳]

وَ لَوۡ نَشَآءُ لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ؕ وَ لَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ اَعۡمَالَكُمۡ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اگر ہم چاہیں تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ سو تو پہچان تو چکا ہے اُنکو اُنکے چہرہ سے اور آگے پہچان لے گا بات کے ڈھب سے [۴۴] اور اللہ کو معلوم ہیں تمہارے سب کام [۴۵]

وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَ الصّٰبِرِيۡنَ ۙ وَنَبۡلُوَا۟ اَخۡبَارَكُمۡ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور البتہ ہم تم کو جانچیں گے تا معلوم کر لیں جو تم میں لڑائی کرنے والے ہیں اور قائم رہنے والے [۴۶] اور تحقیق کر لیں تمہاری خبریں [۴۷]

۳۲۔ یعنی ایسی سورت جس میں جہاد کی اجازت ہو۔

۳۳۔ یعنی جچے تلے احکام پر مشتمل ہے جو غیر منسوخ ہیں اور ٹھیک اپنے وقت پر اترتے ہیں۔

۳۴۔ جہاد کے حکم پر منافقین کی دہشت: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "مسلمان سورت مانگتے تھے۔ یعنی کافروں کی ایذاء سے عاجز ہو کر آرزو کرتے تھے کہ اللہ جہاد کا حکم دے تو جو ہم سے ہو سکے کر گذریں۔ جب جہاد کا حکم آیا تو منافق اور کچے لوگوں پر بھاری ہوا۔ خوفزدہ اور بے رونق آنکھوں سے پیغمبر کی طرف دیکھنے لگے کہ کاش ہم کو اس حکم سے معاف رکھیں۔ بیحد خوف میں بھی آنکھ کی رونق نہیں رہتی۔ جیسے مرتے وقت آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے۔

۳۵۔ یعنی ظاہر میں یہ لوگ فرمانبرداری کا اظہار اور زبان سے اسلام و احکام اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ ہے کہ عملاً خدا اور سول کا حکم مانیں اور بات اچھی اور معقول کہیں پھر جب جہاد وغیرہ میں کام کی تاکید اور زور آ پڑے اس وقت اللہ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو یہ صورت انکی بہتری اور بھلائی کی ہو گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی حکم شرع کو نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ کا حکم ہر طرح ماننا ہی چاہئے۔ پھر رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو کیوں لڑوائے۔ ہاں جب بہت ہی تاکید آ پڑے اسی وقت لڑنا ضروری ہو گا۔ نہیں تو لڑنے والے بہت ہیں"۔

۳۶۔ اقتدار کی حالت میں فتنہ و فساد: یعنی حکومت و اقتدار کے نشہ میں لوگ عموماً اعتدال و انصاف پر قائم نہیں رہا کرتے۔ دنیا کی حرص اور زیادہ بڑھ جاتی ہے پھر جاہ و مال کی کشمکش اور غرض پرستی میں جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے عام فتنہ و فساد اور ایک دوسرے سے قطع تعلق۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی جان سے تنگ ہو کر جہاد کی آرزو کرتے ہو۔ اور اگر اللہ تم ہی کو غالب کر دے تو فساد نہ کرنا"۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے تَوَلَّيۡتُمۡ کا ترجمہ حکومت مل جانے سے کیا ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے۔ دوسرے علماء تَوَلّٰى کو بمعنی اعراض لے کر یوں مطلب لیتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے دنیا میں امن و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جب دنیا میں امن و انصاف نہ رہے گا تو ظاہر ہے فساد، بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہو گا۔ اور بعض نے اس طرح تفسیر کی ہے کہ اگر تم ایمان لانے سے اعراض کرو گے تو زمانہ جاہلیت کی کیفیت عود کر آئے گی جو خرابیاں اور فساد اس وقت تھے اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر رشتے ناتے قطع ہو جاتے تھے، وہ ہی سب نقشہ پھر قائم ہو جائے گا اور اگر آیت میں خاص منافقین سے خطاب مانا جائے تو ایک

مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جہاد سے اعراض کروگے تو تم سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤگے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابتیں ہیں انکی مطلق پروانہ کرتے ہوئے کھلے کافروں کے مددگار بنوگے۔

۳۷۔ ظالم حکومت پر لعنت: یعنی حکومت کے غرور میں اندھے بہرے ہو کر ظلم کرنے لگے۔ پھر کسی کا سمجھایا نہ سمجھے۔ خدا کی پھٹکار نے بالکل ہی سنگدل بنا دیا۔ اور یہ سب کچھ ان ہی کی سوء اختیار اور قصور استعداد سے ہوا۔

۳۸۔ قرآن میں غور نہیں کرتے: یعنی منافق قرآن میں غور نہیں کرتے یا انکی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا۔ اگر قرآن کے سمجھنے کی توفیق ملتی تو با آسانی سمجھ لیتے کہ جہاد میں کس قدر دنیوی و اخروی فوائد ہیں۔

۳۹۔ منافقین کو شیطان کا دھوکہ: یعنی منافقین اسلام کا اقرار کرنے اور اسکی سچائی ظاہر ہو چکنے کے بعد وقت آنے پر اپنے قول و قرار سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جہاد میں شرکت نہیں کرتے۔ شیطان نے انکو یہ بات سمجھادی ہے کہ لڑائی میں نہ جائیں گے تو دیر تک زندہ رہیں گے۔ خواہ مخواہ جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔ اور نہ معلوم کیا کچھ سمجھاتا اور دور دراز کے لمبے چوڑے وعدے دیتا ہے۔ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (النساء۔ ۱۲۰)۔

۴۰۔ منافقوں نے یہود وغیرہ سے کہا کہ گو ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہو کر تم سے نہ لڑیں گے۔ بلکہ موقع ملا تو تمکو مدد دیں گے اور اس قسم کے کاموں میں تمہای بات مانیں گے۔

۴۱۔ یعنی اس وقت موت سے کیونکر بچیں گے۔ بیشک اس وقت نفاق کا مزہ چکھیں گے۔

۴۲۔ یعنی اللہ کی خوشنودی کا راستہ پسند نہ کیا۔ اسی راہ پر چلے جس سے وہ ناراض ہوتا تھا۔ اس لئے موت کے وقت یہ بھیانک سماں دیکھنا پڑا۔ اور اللہ نے ان کے کفر و طغیان کی بدولت سب عمل بیکار کر دیے۔ کسی عمل نے انکو دوسری زندگی میں فائدہ نہ پہنچایا۔

۴۳۔ منافقین کی کینہ پروری ظاہر کی جائیگی: یعنی منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جو حاسدانہ عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں، کیا یہ خیال ہے کہ وہ دلوں میں پنہاں ہی رہیں گے؟ اللہ انکو طشت از بام نہ کرے گا؟ اور مسلمان انکے مکر و فریب پر مطلع نہ ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان کا خبث باطن ضرور ظاہر ہو کر رہے گا اور ایسے امتحان کی بھٹی میں ڈالے جائیں گے جہاں کھوٹا کھرا بالکل الگ ہو جائے گا۔

۴۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی پہچان: یعنی اللہ چاہے تو تمام منافقین کو باشخاصہم معین کر کے آپ کو دکھلا دے اور نام بنام مطلع کر دے کہ مجمع میں فلاں فلاں آدمی منافق ہیں۔ مگر اسکی حکمت بالفعل اس دوٹوک اظہار کو مقتضی نہیں۔ ویسے اللہ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کا نور فراست دیا ہے کہ ان کے چہرے بشرے سے آپ پہچان لیتے ہیں اور آگے چل کر ان لوگوں کے طرز گفتگو سے آپ کو مزید شناخت ہو جائے گی۔ کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے۔ جو زور، شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے، منافق کتنی ہی کوشش کرے اپنے کلام میں پیدا نہیں کر سکتا۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہٗ نے فَلَعَرَفْتَهُمْ کو لَوْ نَشَآءُ کے نیچے نہیں رکھا۔ عامّہ مفسرین اسکو لَوْ نَشَآءُ کے تحت میں رکھ کر لَاَرَیْنٰکَهُمْ پر متفرع کرتے ہیں یعنی اگر ہم چاہیں تو تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ، پھر تو انکو پہچان جائے صورت دیکھ کر۔ احقر کے خیال میں مترجم رحمہ اللہ کی تفسیر زیادہ لطیف ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا۔ ممکن ہے کہ وہ شناخت لَحْنِ الْقَوْلِ اور سِیما وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو۔ یا آیۂ ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپکو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل و تعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۴۵۔ یعنی بندوں سے کوئی بات چھپی رہے، ممکن ہے۔ مگر اللہ کے علم میں تمہارے سب کام ہیں خواہ کھل کر کرو یا چھپا کر۔

۴۶۔ جہاد امتحان کیلئے ہے: یعنی جہاد وغیرہ کے احکام سے آزمائش مقصود ہے۔ اسی سخت آزمائش میں کھلتا ہے کہ کون لوگ اللہ کے راستہ میں

لڑنے والے اور شدید ترین امتحانات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور کون ایسے نہیں۔

۴۷۔ یعنی ہر ایک کے ایمان اور اطاعت و انقیاد کا وزن معلوم ہو جائے اور سب کے اندرونی احوال کی خبریں عملاً محقق ہو جائیں (تنبیہ) حَتّٰی نَعۡلَمَ الخ سے جو شبہ حدوثِ علم کا ہوتا ہے اس کا مفصل جواب "پارہ سیقول" کے شروع میں اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ الخ کے حواشی میں ملاحظہ کیا جائے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ
شَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدٰی ۙ
لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَ سَیُحۡبِطُ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ جو لوگ منکر ہوئے اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ سے اور مخالف ہو گئے رسول سے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی ان پر سیدھی راہ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ اور وہ اکارت کر دے گا انکے سب کام[۴۸]

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا
الرَّسُوۡلَ وَ لَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اے ایمان والو حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے اور ضائع مت کرو اپنے کئے ہوئے کام[۴۹]

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ
مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ جو لوگ منکر ہوئے اور روکا لوگوں کو اللہ کی راہ سے پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے تو ہر گز نہ بخشے گا انکو اللہ[۵۰]

فَلَا تَہِنُوۡا وَ تَدۡعُوۡۤا اِلَی السَّلۡمِ ٭ۖ وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ ٭ۖ
وَ اللّٰہُ مَعَکُمۡ وَ لَنۡ یَّتِرَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ سو تم بودے نہ ہوئے جاؤ اور (کہ) لگو پکارنے صلح[۵۱] اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تمکو تمہارے کاموں میں[۵۲]

اِنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ ؕ وَ اِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ
تَتَّقُوۡا یُؤۡتِکُمۡ اُجُوۡرَکُمۡ وَ لَا یَسۡـَٔلۡکُمۡ اَمۡوَالَکُمۡ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تماشا اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے دے گا تمکو تمہارا بدلا اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے[۵۳]

اِنۡ یَّسۡـَٔلۡکُمُوۡہَا فَیُحۡفِکُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَ یُخۡرِجۡ
اَضۡغَانَکُمۡ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اگر مانگے تم سے وہ مال پھر تم کو تنگ کرے تو بخل کرنے لگو اور ظاہر کر دے تمہارے دل کی خفگیاں[۵۴]

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ
عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ
تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا
اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۴ / ۸

۳۸۔ سنتے ہو تم لوگ تمکو بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں[۵۵] پھر تم میں کوئی ایسا ہے کہ نہیں دیتا اور جو کوئی نہ دے گا سو نہ دے گا آپکو[۵۶] اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو[۵۷] اور اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہارے سوائے پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے[۵۸]

۴۸۔ یعنی اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کا کیا نقصان ہے۔ نہ اسکے دین اور پیغمبر کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ وہ قدرت والا انکے سارے منصوبے غلط اور تمام کام اکارت کر دے گا اور سب کوششیں خاک میں ملا دے گا۔

۴۹۔ اعمال کو ضائع نہ ہونے دو: یعنی جہاد، یا اللہ کی راہ میں اور کوئی محنت و ریاضت کرنا اس وقت مقبول ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے موافق ہو۔ محض اپنی طبیعت کے شوق یا نفس کی خواہش پر کام نہ کرو۔ ورنہ ایسا عمل یوں ہی بیکار ضائع ہو جائے گا۔ مسلمان کا کام نہیں کہ جو نیک کام کر چکا یا کر رہا ہے اسکو کسی صورت سے ضائع ہونے دے۔ نیک کام کو نہ بیچ میں چھوڑو، نہ ریاء و نمود اور اعجاب و غرور وغیرہ سے اسکو برباد کرو۔ بھلا ارتداد کا تو ذکر کیا ہے جو ایک دم تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۵۰۔ یعنی کسی کافر کی اللہ کے ہاں بخشش نہیں۔ خصوصًا ان کافروں کی جو دوسروں کو خدا کے راستہ سے روکنے میں لگے ہوئے ہیں۔

۵۱۔ جہاد کی تکلیف سے ڈر کر صلح نہ کرو: یعنی مسلمانوں کو چاہیئے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں۔ ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب و رسوا ہونا پڑے گا ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ آگے سورۂ "فتح" میں آتا ہے۔ بہر حال صلح کی بناء اپنی کم ہمتی اور نامردی پر نہ ہونی چاہیئے۔

۵۲۔ تم ہی غالب رہو گے: یعنی گھبرانے کی کچھ بات نہیں، اگر صبر و استقلال دکھاؤ گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا۔ اور کسی حالت میں بھی تم کو نقصان اور گھاٹے میں نہ رہنے دے گا۔

۵۳۔ ایمان و تقویٰ کے دنیاوی فوائد: یعنی آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت ایک کھیل تماشہ جیسی ہے۔ اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشہ سے ذرا بچ کر چلو گے۔ تو اللہ تمکو اس کا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا۔ اسے کیا حاجت ہے۔ وہ تو خود دینے والا ہے کمال قال مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (ذاریات۔۵۸،۵۷) اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہ ہی ہے تمام مال اسی کا ہے مگر اسکے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے فائدہ کو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے ملک فتح کرا دیے مسلمانوں کو تھوڑے ہی دن (اپنی گرہ سے) پیسہ خرچ کرنا پڑا۔ پھر جتنا خرچ کیا تھا۔ اس سے سو سو گناہ ہاتھ لگا۔ اس مطلب سے (قرآن کریم میں کئی جگہ) فرمایا ہے کہ اللہ کو قرض دو"۔

٥٤۔ یعنی اگر اللہ تعالٰی سختی کے ساتھ کل مال طلب کرنے لگے جو تم کو دے رکھا ہے تو کتنے مردان خدا ہیں جو کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم پر لبیک کہیں گے۔ اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور تنگدلی کا ثبوت دیں گے اور مال خرچ کرنے کے وقت انکے دل کی خفگی باہر ظاہر ہو جائے گی۔

٥٥۔ یعنی ایک حصہ خدا کے دئے ہوئے مال کا اسکے راستہ میں اپنے نفع کی خاطر۔

٥٦۔ مال خرچ کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے: یعنی تمہارا دینا خود اپنے فائدہ کے لئے ہے۔ نہ دو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے اللہ کو تمہارے دینے نہ دینے کی کیا پروا۔

٥٧۔ اللہ کو مال کی ضرورت نہیں: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی مال خرچ کرنے کی جو تاکید سنتے ہو یہ نہ سمجھو کہ اللہ یا اس کا رسول مانگتا ہے۔ نہیں۔ یہ تمہارے بھلے کو فرماتا ہے۔ پھر ایک کے ہزار ہزار پاؤ گے۔ ورنہ اللہ کو اور اسکے رسول کو کیا پرواہ ہے۔

٥٨۔ یعنی اللہ تعالٰی جس حکمت و مصلحت سے بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا حاصل ہونا کچھ تم پر منحصر نہیں۔ فرض کیجئے تم اگر بخل کرو اور اسکے حکم سے روگردانی کرو گے۔ وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے گا جو تمہاری طرح بخیل نہ ہو گی۔ بلکہ نہایت فراخدلی سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور اسکی راہ میں خرچ کرے گی۔ بہر کیف اللہ کی حکمت و مصلحت تو پوری ہو کر رہے گی۔ ہاں تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔

حدیث میں اہل فارس کی تعریف: حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ دوسری قوم کون ہے جسکی طرف اشارہ ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اسکی قوم" اور فرمایا "خدا کی قسم اگر ایمان ثریّا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اسکو اتار لائیں گے" الحمد للہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بے نظیر ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ انکی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی۔ تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور ایسی زبردست دینی خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بیشک حضور ﷺ کی پیشینگوئی کے موافق یہ ہی قوم تھی جو بوقت ضرورت عرب کی جگہ پر کر سکتی تھی۔

امام ابو حنیفہؒ پیشینگوئی کا مصداق ہیں: ہزارہا علماء و ائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابو حنیفہؒ کا وجود ہی اس پیشینگوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے۔ بلکہ اس بشارت عظمٰی کے کامل اور اولین مصداق امام صاحب ہی ہیں۔ رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ۔

تمّ سورۃ محمد ﷺ بتوفیقہ واعانتہ فلہ الحمد والمنۃ

اٰیاتھا ۲۹ ۴۸ سُوْرَۃُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۱ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۱

۱۔ [۱] ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا
تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيْمًا ۲

۲۔ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے [۲] اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان [۳] اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ [۴]

وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۳

۳۔ اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد [۵]

۱۔ سورہ فتح کے نزول کا پس منظر: اس سورۃ کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ بغرض سہولت فہم انکو مختصراً یہاں لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

الف۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلق وقصر کیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا۔ گو آپ نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی تھی، مگر شدت اشتیاق سے اکثروں کا خیال اس طرف گیا کہ امسال عمرہ میسر ہوگا۔ اور اتفاقاً آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا قصد بھی عمرہ کا ہو گیا۔

ب۔ آپ تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو ہمراہ لے کر بغرض عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور "ہدی" بھی آپکے ساتھ تھی۔ یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کر لیا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے۔ حالانکہ انکے ہاں حج وعمرہ سے دشمن کو بھی روکا نہیں جاتا تھا۔ بہرحال "حدیبیہ" پہنچ کر جو مکہ سے قریب ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ اور فرمایا کہ خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے میں منظور کروں گا۔ آخر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وہیں قیام فرمایا (اسی مقام کو آج کل "شمیسیّہ" کہتے ہیں)۔

ج۔ واقعہ حدیبیہ: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مکہ والوں کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، ہم کو آنے دو، عمرہ کر کے چلے جائیں گے۔ جب اس کا کچھ جواب نہ ملا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عثمانؓ کو وہ ہی پیام دے کر بھیجا اور بعض مسلمان مرد وعورت جو مکہ میں مغلوب ومظلوم تھے ان کو بشارت پہنچائی کہ اب عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہو جائے گا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش نے روک لیا۔ انکی واپسی میں جو دیر لگی یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دئے گئے۔ اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع ہو جائے سب صحابہ سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی ڈر گئے اور حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا۔

د۔ پھر مکہ کے چند رؤسا بغرض صلح آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلحنامہ لکھنا قرار پایا۔ اس سلسلہ میں بعض امور پر بحث و تکرار بھی ہوئی اور مسلمانوں کو غصہ اور جوش آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے لیکن آخر حضور ﷺ نے مکہ والوں کے اصرار کے موافق سب باتیں منظور فرمالیں اور مسلمانوں نے بھی بے انتہا ضبط و تحمل سے کام لیا اور صلحنامہ تیار ہو گیا۔ جس میں ایک شرط کفار کی طرف سے یہ تھی کہ آپ اس سال واپس چلے جائیے اور آئندہ سال غیر مسلح آکر عمرہ کر لیجئے۔ اور یہ کہ فریقین میں دس سال تک لڑائی نہ ہو گی۔ اس مدت میں جو مرد ہمارے ہاں سے تمہارے پاس جائے اسے آپ اپنے پاس نہ رکھیں۔ اور جو تمہارا آدمی ہمارے ہاں آئے گا ہم واپس نہ کریں گے۔ صلح کا تمام معاملہ طے ہو جانے پر آپ ﷺ نے "حُدیبیہ" ہی میں ہدی کا جانور ذبح کیا اور حلق و قصر کر کے احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہ۔ راستہ ہی میں یہ یہ سورۃ (الفتح) نازل ہوئی۔ اور یہ سب واقعہ اواخر ۰۶ ھجری میں پیش آیا۔

و۔ حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر اوائل ۰۷ ھجری میں آپ ﷺ نے خیبر فتح کیا جو مدینہ سے شمالی جانب چار منزل پر شام کی سمت یہود کا ایک شہر تھا۔ اس حملہ میں کوئی شخص ان صحابہ کے علاوہ شریک نہ تھا جو "حدیبیہ" میں آپکے ہمراہ تھے۔

ز۔ سال آئندہ یعنی ذیقعدہ ۰۷ ھجری میں آپ حسب معاہدہ عمرۃ القضأ کے لئے تشریف لے گئے اور امن و امان کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔

ح۔ عہد نامہ میں جو دس سال تک لڑائی بند رکھنے کی شرط تھی قریش نے نقض عہد کیا۔ آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور رمضان ۰۸ ھجری میں اسکو فتح کر لیا۔

۲۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ طرز عمل: "حُدیبیہ" کی صلح بظاہر ذلت و مغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے۔ اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہ ہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون و مضطرب تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سر فروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور انکے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے۔ کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ان احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا۔ آپ بے مثال استغناء اور توکل و تحمل کے ساتھ انکی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو "اللہ ورسولہ اعلم" کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔

صلح حدیبیہ فتح مبین ہے: تا آنکہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام "فتح مبین" رکھا۔ لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یارسول اللہ کیا یہ فتح ہے فرمایا ہاں بہت بڑی فتح۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو درگذر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر انکے بیہودہ مطالبات پر قطعًا برافروختہ نہ ہونا۔ یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد و رحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی و روحانی طاقت اور پیغمبر علیہ السلام کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھلا رہے تھے۔ گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی۔ لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام "فتح مبین" رکھ کر متنبہ کر دیا کہ یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری و باطنی کا دروازہ کھولتی ہے۔

صلح کے بہتر نتائج: اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا۔ کفار مسلمانوں کی زبان سے

اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال و اطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صلح "حدیبیہ" سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے حضرت خالد بن الولید اور عمرو بن العاص جیسے نامور صحابہ رضی اللہ عنہم اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے۔ یہ جسموں کو نہیں، دلوں کو فتح کر لینا اسی صلح حدیبیہ کی اعظم ترین برکت تھی۔ اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظمہ کو فتح کر کے ہمیشہ کے لئے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل سہل ہو گیا۔ "حُدیبیہ" میں حضور ﷺ کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانباز تھے۔ لیکن دو برس کے بعد مکہ معظمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپ کے ہمرکاب تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر، بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور اساس و بنیاد اور زریں دیباچہ کے تھی۔ اور اس تحمل و توکل اور تعظیم حُرُمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی۔ جن علوم و معارف قدسیہ اور باطنی مقامات و مراتب کا فتح باب ہوا ہو گا اس کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے۔ ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے۔ یعنی جیسے سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازتے ہیں۔

صلح کے صلہ میں آنحضرت ﷺ کو خصوصی انعامات: خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ ﷺ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا۔ جن میں پہلی چیز غفران ذنوب ہے۔ (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے اور کسی بندہ کے لئے نہیں فرمائی۔ مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا۔ صحابہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو آپ ﷺ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا۔ فرماتے اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا (تو کیا میں اس کا شکر گذار بندہ نہ بنوں) ظاہر ہے اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہو جائے بلکہ اور زیادہ خدا سے ڈرنے لگے۔ شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیحؑ کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جنکی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے تو وہ بھی عفو عام کے تحت میں پہلے ہی آ چکی ہے) بجز انکے اور کسی کا یہ کام نہیں۔

۳۔ **صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ طرز عمل:** یعنی صرف تقصیرات سے درگذر نہیں بلکہ جو کچھ ظاہری و باطنی اور مادی و روحی انعام و احسان اب تک ہو چکے ہیں انکی پوری تکمیل و تتمیم کی جائے گی۔

۴۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی استقامت:** یعنی تجھ کو ہدایت و استقامت کی سیدھی راہ پر ہمیشہ قائم رکھے گا۔ معرفت و شہود کے غیر محدود مراتب پر فائز ہونے اور ابدان و قلوب پر اسلام کی حکومت قائم کرنے کی راہ میں تیرے لئے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی۔ لوگ جوق در جوق تیری ہدایت سے اسلام کے سیدھے راستہ پر آئیں گے۔ اور اس طرح تیرے اجور و حسنات کے ذخیرہ میں بیشمار اضافہ ہو گا۔

۵۔ **فتح و نصرت کا وعدہ:** یعنی اللہ کی ایسی مدد آئے گی جسے کوئی نہ روک سکے گا نہ دبا سکے گا۔ اور اسی کی مدد سے فتح و ظفر تیرے قدموں کے ساتھ ساتھ ہو گی۔ سورۂ "نصر" میں فرمایا کہ جب خدا کی طرف سے مدد اور فتح آ جائے اور لوگ دین الٰہی میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں تو اللہ کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار کیجئے۔ ظاہر ہے کہ اس فتح مبین پر بھی آپ نے استغفار کیا ہو گا تو اسکے جواب میں لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الخ کا مضمون اور بھی زیادہ صاف ہو جاتا ہے۔ نَبَّہ علیہ ابن جریرؒ۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ
لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ ؕ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ﴿۴﴾

۴۔ وہی ہے جس نے اتارا اطمینان دل میں ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ جائے انکو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ [۶] اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار حکمت والا [۷]

لِّیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ
مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَ یُکَفِّرَ عَنۡہُمۡ
سَیِّاٰتِہِمۡ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عِنۡدَ اللّٰہِ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ۙ﴿۵﴾

۵۔ تاکہ پہنچادے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں انکے نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اور اتار دی اُن پر سے اُنکی برائیاں [۸] اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی [۹]

وَّ یُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ
الۡمُشۡرِکٰتِ الظَّآنِّیۡنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ عَلَیۡہِمۡ
دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ لَعَنَہُمۡ وَ
اَعَدَّ لَہُمۡ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۶﴾

۶۔ اور تاکہ عذاب کرے دغاباز مردوں کو اور دغاباز عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو اور اور شرک والی عورتوں کو [۱۰] جو اٹکلیں کرتے ہیں اللہ پر بری اٹکلیں [۱۱] انہی پر پڑے پھیر مصیبت کا [۱۲] اور غصہ ہوا اللہ اُن پر اور لعنت کی انکو اور تیار کی اُنکے واسطے دوزخ اور بری جگہ پہنچے

وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ
عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۷﴾

۷۔ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا [۱۳]

۶۔ صحابہ کرام کے ایمان میں زیادتی: اطمینان اتارا۔ یعنی باوجود خلاف طبع ہونے کے رسول کے حکم پر جمے رہے۔ ضدی کافروں کے ساتھ ضد نہیں کرنے لگے۔ اسکی برکت سے انکے ایمان کا درجہ بڑھا اور مراتب عرفان و ایقان میں ترقی ہوئی۔ انہوں نے اول بیعت جہاد کر کے ثابت کر دیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایمان کا ایک رنگ تھا اسکے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کے جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کر لی تو انکے ایمان کا دوسرا رنگ یہ تھا کہ اپنے پرجوش جذبات و عواطف کو زور سے دبا کر اللہ و رسول کے فیصلہ کے آگے گردن انقیاد خم کر دی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

۷۔ زمین و آسمان کے لشکر: یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ کس وقت قتال کا حکم دینا تمہارے لئے مصلحت ہے اور کس موقع پر قتال سے باز رکھنا اور صلح

کرنا حکمت ہے۔ تم کو اگر قتال کا حکم ہو تو کبھی کفار کی کثرت کا خیال کر کے پس و پیش نہ کرنا کیونکہ آسمان و زمین کے لشکروں کا مالک وہ ہی ہے جو تمہاری قلت کے باوجود اپنے غیبی لشکروں سے مدد کر سکتا ہے۔ جیسے "بدر" "احزاب" اور "حنین" وغیرہ میں کی۔ اور اگر صلح کرنے اور قتال سے رکنے کا حکم دے تو اُسی کی تعمیل کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ افسوس صلح ہو گئی اور کفار بچ نکلے انکو سزا نہ ملی اگر قتال کا حکم ہو جاتا تو ہم انکو ہلاک کر ڈالتے۔ کیونکہ ان کا ہلاک ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں۔ ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے ہلاک کر سکتے ہیں۔ بہر حال زمین و آسمان کے لشکروں کا مالک اگر صلح کا حکم دے گا تو ضرور اسی میں بہتری اور حکمت ہو گی۔

۸۔ حدیبیہ کے شرکاء کیلئے وعدہ جنت: جب حضور ﷺ نے اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا الخ پڑھ کر سنائی تو انہوں نے آپکی خدمت میں مبارکباد عرض کی اور کہا یارسول اللہ! یہ تو آپ کے لئے ہوا۔ ہمارے لئے کیا ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی اللہ نے اطمینان و سکینہ اتار کو مومنین کا ایمان بڑھایا۔ تا انہیں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل کرے اور انکی برائیوں اور کمزوریوں کو معاف فرما دے۔ حدیث میں ہے کہ جن اصحاب نے "حدیبیہ" میں بیعت کی ان میں سے ایک بھی دوزخ میں داخل نہ ہو گا۔ (تنبیہ) مومنات کا ذکر تعمیم کے لئے ہے۔ یعنی مرد ہو یا عورت کسی کی محنت اور ایمانداری ضائع نہیں جاتی۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اس سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھیں۔

۹۔ جنت ہی نور عظیم ہے: بعض نقال صوفی یا کوئی مغلوب الحال بزرگ کہدیا کرتے ہیں کہ جنت طلب کرنا ناقصوں کا کام ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں یہ ہی بڑا کمال ہے۔

۱۰۔ یعنی مومنین کے دلوں میں صلح کی طرف سے اطمینان پیدا کر کے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور اسلامی فتوحات و ترقیات کا دروازہ کھول دیا جو انجام کار سبب ہے کافروں اور منافقوں پر مصیبت ٹوٹنے اور انکو پوری طرح سزا ملنے کا۔

۱۱۔ کفار منافقین کے برے اندازے: "بُری اٹکلیں" یہ کہ مدینے سے چلتے وقت منافق (بجز ایک جدّ بن قیس کے) مسلمانوں کے ساتھ نہیں آئے، بہانے کر کے بیٹھ رہے۔ دل میں سوچا کہ مڈبھیڑ تو ضرور ہو کر رہے گی۔ یہ مسلمان لڑائی میں تباہ ہوں گے۔ ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا۔ کیونکہ وطن سے دور، فوج کم اور دشمن کا دیس ہو گا ہم کیوں انکے ساتھ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔ اور کفار مکہ نے یہ خیال کیا کہ مسلمان بظاہر "عمرے" کے نام سے آ رہے ہیں اور فریب و دغا سے چاہتے ہیں کہ مکہ معظمہ ہم سے چھین لیں۔

۱۲۔ یعنی زمانہ کی گردش اور مصیبت کے چکر میں آکر رہیں گے کہاں تک احتیاطیں اور پیش بندیاں کریں گے۔

۱۳۔ یعنی وہ سزا دینا چاہے تو کون بچا سکتا ہے۔ خدائی لشکر ایک لمحہ میں پیس کر رکھ دے۔ مگر وہ زبردست ہونے کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔ حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ فوراً ہاتھوں ہاتھ ان کا استیصال کیا جائے۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ﴿۸﴾

۸۔ ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا[۱۴]

لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ﴿۹﴾

۹۔ تاکہ تم لوگ یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اسکی مدد کرو اور اسکی عظمت رکھو[۱۵] اور اُسکی پاکی بولتے رہو صبح اور شام[۱۶]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع ۹

۱۰۔ تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اوپر اُنکے ہاتھ کے [۱۷] پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا [۱۸]

۱۴۔ یعنی آپ اللہ کے فرمانبرداروں کو خوشی اور نافرمانوں کو ڈر سناتے ہیں اور خود اپنے احوال بتلاتے ہیں جیسے اِنَّا فَتَحْنَا سے یہاں تک تینوں قسم کے مضمون آ چکے۔ اور آخرت میں بھی اپنی امت پر نیز انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دیں گے۔

۱۵۔ تُعَزِّرُوْهُ اور تُوَقِّرُوْهُ کی ضمیریں اگر اللہ کی طرف راجع ہوں تو اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اگر رسول کی طرف راجع ہوں تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

۱۶۔ یعنی اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو۔ خواہ نمازوں کے ضمن میں یا نمازوں سے باہر۔

۱۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر صحابہ کی بیعت کی فضیلت: لوگ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے۔ اس کو فرمایا کہ نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل و تاکید بیعت کے ذریعہ سے کراتا ہے۔ فہذا کما قال مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء۔۸۰) وکما قال وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال۔۱۷) جب بیعت نبوی کی حقیقت یہ ہوئی تو یقیناً خدا تعالیٰ کا دست شفقت و حمایت ان کے ہاتھوں کے اوپر ہو گا۔ (تنبیہ) حضور صحابہ سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے۔ صحیح مسلم میں "وعلی الخیر" کا لفظ آیا ہے۔ مشائخ طریقت کی بیعت اگر بطریق مشروع ہو تو اسی لفظ کے تحت میں مندرج ہو گی۔ "حدیبیہ" میں اس بات پر بیعت لی گئی کہ مرتے دم تک میدان جہاد سے نہیں بھاگیں گے۔

۱۸۔ بیعت کے عہد کو پورا کرنے کی فضیلت: یعنی بیعت کے وقت جو قول و قرار کیا ہے، اگر کوئی اسکو توڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ و رسول کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اسی کو عہد شکنی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے استقامت دکھلائی اور اپنے عہد و پیمان کو مضبوطی کے ساتھ پورا کیا تو اس کا بدلہ بھی بہت پورا ملے گا۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ

۱۱۔ اب کہیں گے تجھ سے پیچھے رہ جانے والے گنوار ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے اور گھر والوں کے سو ہمارا گناہ بخشوا [۱۹] وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے جو انکے دل میں نہیں [۲۰] تو کہہ کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے سب کاموں سے خبردار [۲۱]

نَفۡعًا ؕ بَلۡ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۱﴾

بَلۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ يَّنۡقَلِبَ الرَّسُوۡلُ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِلٰٓى اَهۡلِيۡهِمۡ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَ ظَنَنۡتُمۡ ظَنَّ السَّوۡءِ ۖۚ وَكُنۡتُمۡ قَوۡمًۢا بُوۡرًا ﴿۱۲﴾

۱۲۔ کوئی نہیں تم نے تو خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ آئے گا رسول اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور کھب گیا تمہارے دل میں یہ خیال اور اٹکل کی تم نے بری اٹکلیں اور تم لوگ تھے تباہ ہونے والے [۲۲]

وَ مَنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَعِيۡرًا ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ

وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اللہ کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جسکو چاہے اور عذاب میں ڈالے جسکو چاہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان [۲۳]

۱۹۔ منافقین کے حیلے بہانوں کی خبر: مدینہ سے روانہ ہوتے وقت آپ نے اپنی روانگی کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے ابھارا تھا۔ شاید قرائن سے آپ کو بھی لڑائی کا احتمال ہو۔ اس پر دیہاتی گنوار جنکے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا۔ جان چرا کر بیٹھ رہے اور آپس میں کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسی قوم کی طرف جائیں گے جو محمد ﷺ کے گھر (مدینہ) میں آکر انکے کتنے ساتھیوں کو قتل کر گئی۔ اب ہم اسکے گھر جا کر اس سے لڑیں گے؟ تم دیکھ لینا اب یہ اور انکے ساتھی اس سفر سے واپس آنے والے نہیں سب وہیں کھیت رہیں گے۔ ان آیات میں حق تعالٰی نے انکے نفاق کا پردہ فاش کیا ہے آپکو مدینہ پہنچنے سے قبل راستہ میں بتلا دیا کہ تمہارے صحیح و سالم واپس جانے پر وہ لوگ اپنی غیر حاضری کے جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کرتے ہوئے آئیں گے، اور کہیں گے کہ کیا کہئے ہم کو گھر بار کے دھندوں سے فرصت نہ ملی۔ کوئی ہمارے پیچھے مال اور اہل و عیال کی خبر لینے والا نہ تھا۔ بہر حال ہم سے کوتاہی ضرور ہوئی۔ اب اللہ سے ہمارا قصور معاف کرا دیجئے۔

۲۰۔ یعنی دل میں جانتے ہیں کہ یہ عذر بالکل غلط ہے اور استغفار کی درخواست کرنا بھی محض ظاہر داری کے لئے ہے، سچے دل سے نہیں۔ وہ دل میں اسکو گناہ سمجھتے ہیں نہ آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

۲۱۔ منافقین کو انکے بہانوں کا جواب: یعنی ہر طرح کا نفع و نقصان اللہ کے قبضہ میں ہے جسکی مشیت و ارادہ کے سامنے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا اسکو منظور نہیں تھا کہ تم کو اس سفر مبارک کی شرکت کے فوائد نصیب ہوں۔ نہ اب یہ منظور ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں اس نے تمہاری حیلہ تراشی سے قبل ہی ہم کو ان جھوٹے اعذار پر مطلع کر دیا تھا۔ بہر حال اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے اعمال و حرکات کی بدولت "غزوہ حدیبیہ" کی گونا گوں برکات و فوائد کی طرف سے تم کو نقصان اور گھاٹے میں رکھے۔ اور ہاں تم کہتے ہو کہ اپنے مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے سفر میں نہ جا سکے، تو کیا خدا اگر تمہارے مال و اولاد وغیرہ میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے، تم گھر میں رہ کر اسے روک دو

گے۔ یا فرض کرو۔ اللہ تم کو کچھ فائدہ مال وعیال میں پہنچانا چاہے اور تم سفر میں ہو، تو کیا اسے کوئی روک سکتا ہے۔ جب نفع ونقصان کو کوئی روک نہیں سکتا تو اللہ اور اسکے رسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پرواکرنا محض حماقت وضلالت ہے ان حیلوں بہانوں سے مت سمجھو کہ ہم اللہ کو خوش کرلیں گے۔ بلکہ یادرکھو اللہ تمہارے سب کھلے چھپے اعمال واحوال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

۲۲۔ منافقین کے پیچھے رہ جانے کی اصل وجہ: یعنی واقع میں تمہارے نہ جانے کا سبب یہ نہیں تھا جو بیان کر رہے ہو بلکہ تمہارا خیال یہ تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان اس سفر سے بچ کر واپس نہ آئیں گے۔ یہ ہی تمہاری دلی آرزو تھی اور یہ غلط اٹکل اور تخمینہ تمہارے دلوں میں خوب جم گیا تھا۔ اسی لئے اپنی حفاظت اور نفع کی صورت تم نے علیحدہ رہنے میں سمجھی۔ حالانکہ یہ صورت تمہارے خسران اور تباہی کی تھی اور اللہ جانتا تھا کہ یہ تباہ وبرباد ہونے والے ہیں۔

۲۳۔ یعنی جسکو وہ بخشنا چاہے، میں کیسے بخشواؤں ہاں اسکی مہربانی ہو تو تم کو توبہ کی توفیق مل جائے اور بخشش ہو جائے۔ اس کی رحمت بہر حال غضب پر سابق ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ
لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ
يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ
اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ
بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾

۱۵۔ اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو چھوڑو ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا تو کہہ دے تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے یونہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے [۲۴] پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے [۲۵] کوئی نہیں پر وہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا [۲٦]

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ
قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ
فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ
تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا
أَلِيمًا ﴿١٦﴾

١٦۔ کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر بڑے سخت لڑنے والے تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے پھر اگر حکم مانو گے دے گا تم کو اللہ بدلہ اچھا [۲۷] اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے پہلی بار دے گا تم کو ایک عذاب دردناک [۲۸]

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ

۱۷۔ اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ

وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۧ ﴿۱۷﴾ ع

بیمار پر تکلیف [۲۹] اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا اس کو داخل کرے گا باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں اور جو کوئی پلٹ جائے اسکو عذاب دے گا دردناک [۳۰]

۲۴۔ **خیبر کے جہاد میں ان منافقین کو ساتھ لینے کی ممانعت:** "حُدیبیہ" سے واپس ہو کر حضور ﷺ کو "خیبر" پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا۔ یہاں غدار یہود آباد تھے جو بدعہدی کر کے جنگ "احزاب" میں کافر قوموں کو مدینہ پر چڑھالائے تھے۔ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خبر دی کہ وہ گنوار جو "حُدیبیہ" میں نہیں گئے، اب خیبر کے معرکے میں تمہارے ساتھ چلنے کو کہیں گے۔ کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ آپ ان سے فرمادیں کہ تمہاری استدعاء سے پیشتر اللہ ہم کو کہہ چکا ہے کہ تم (اس سفر میں) ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے اندریں صورت کیا تم ہمارے ساتھ جاسکتے ہو۔ اگر جاؤ گے تو یہ معنے ہوں گے کہ گویا اللہ کا کہا بدل دیا گیا جو کسی طرح ممکن نہیں۔

۲۵۔ یعنی اللہ نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ محض یہ چاہتے ہو کہ ہمارا فائدہ نہ ہو۔ سب مال غنیمت بلاشرکت غیرے تمہارے ہی ہاتھ آجائے۔

۲۶۔ یعنی بہت تھوڑی سمجھ ہے۔ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے زہد وقناعت کا کیا حال ہے۔ کیا وہ مال کے حریص ہیں؟ جو تم پر حسد کریں گے؟ اور پیغمبر ازراہ حسد خدا پر جھوٹ بول دے گا؟ العیاذ باللہ۔

۲۷۔ **آئندہ ہونے والے معرکوں کی خبر:** یعنی ذرا صبر کرو۔ اس لڑائی میں تو نہیں جاسکتے، لیکن آگے بہت معرکے پیش آنے ہیں۔ بڑی سخت جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلے ہوں گے جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک کہ وہ قومیں مسلمان ہو کر یا جزیہ وغیرہ دیکر اسلام کی مطیع ہو جائیں۔ اگر واقعی تم کو شوق جہاد ہے تو اس وقت میں آ کر داد شجاعت دینا اس موقع پر خدا کا حکم مانو گے تو اللہ بہترین بدلہ دے گا۔ (تنبیہ) "ان جنگجو قوموں" سے "بنو حنیفہ" وغیرہ مراد ہیں جو "مسیلمہ کذاب" کی قوم تھی یا "ہوازن" و "ثقیف" وغیرہ جن سے "حُنین" میں مقابلہ ہوا۔ یا وہ مرتدین جن پر صدیق اکبرؓ نے فوج کشی کی۔ یا فارس وروم اور کُرد وغیرہ جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں بہت سے بے لڑے بھڑے مسلمان ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت آیا۔

۲۸۔ یعنی جیسے پہلے "حُدیبیہ" جانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے اگر آئندہ ان معرکوں سے پیچھے ہٹے تو اللہ سخت دردناک سزا دے گا شاید آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ملجائے۔

۲۹۔ یعنی جہاد ان معذور لوگوں پر فرض نہیں۔

۳۰۔ یعنی تمام امور اور معاملات میں عام ضابطہ یہ ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے [۳۱] پھر معلوم کیا جو اُنکے جی میں تھا [۳۲] پھر اتارا اُن پر اطمینان اور انعام دیا اُنکو ایک فتح نزدیک

وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور بہت غنیمتیں جنکو وہ لیں گے[۳۳] اور ہے اللہ زبردست حکمت والا[۳۴]

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ
لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ
اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ۙ

۲۰۔ وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا کہ تم اُن کو لوگے سو جلدی پہنچادی تمکو یہ غنیمت[۳۵] اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے[۳۶] اور تا کہ ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے[۳۷] اور چلائے تم کو سیدھی راہ[۳۸]

وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَ
كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی وہ اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر چیز کر سکتا ہے[۳۹]

۳۱۔ بیعت رضوان: وہ کیکر کا درخت تھا حدیبیہ میں۔ غالبًا لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ فرمانے کی وجہ سے اسی بیعت کو "بیعت الرضوان" کہتے ہیں۔ شروع سورت میں اس کا مفصل قصہ گذر چکا۔

۳۲۔ یعنی ظاہر کا اندیشہ اور دل کا توکل، حسن نیت، صدق و اخلاص اور حُب اسلام وغیرہ۔ عمومًا مفسرین نے مَافِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ سے یہ ہی مراد لیا ہے۔ مگر ابو حیان کہتے ہیں کہ صلح اور شرائط صلح کی طرف سے دلوں میں جو رنج و اضطراب تھا وہ مراد ہے اور آگے فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡھِمۡ اس پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۳۔ نزول سکینہ اور فتح خیبر: یعنی فتح خیبر جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد فورًا مل گئی اور مال غنیمت بہت آیا جس سے صحابہ آسودہ ہو گئے۔

۳۴۔ یعنی اپنے زور و حکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی۔ اور اسی طرح کا قصہ فتح مکہ اور حُنین میں ہوا۔

۳۵۔ یعنی آگے چل کر بیشمار غنیمتیں ملنے والی ہیں ان میں کا یہ ایک حصہ غزوہ خیبر میں دلوا دیا۔

۳۶۔ خیبر میں مسلمانوں کی حفاظت: یعنی عام لڑائی نہ ہونے دی۔ اور حدیبیہ یا خیبر میں کفار کے ہاتھوں سے تم کو کچھ ضرر نہ پہنچنے دیا اور تمہاری غیبت میں تمہارے اہل و عیال وغیرہ پر کوئی دست درازی نہ کر سکا۔

۳۷۔ یعنی مسلمان سمجھیں کہ اللہ کی قدرت کیسی ہے اور ان کا درجہ ان کے ہاں کیا ہے اور یہ کہ اسی طرح آئندہ کے وعدے بھی پورے ہو کر رہیں گے۔

۳۸۔ یعنی اللہ کے وعدوں پر وثوق اور اسکی لامحدود قدرت پر بھروسہ ہو گا تو اور زیادہ طاعت و فرمانبرداری کی ترغیب ہو گی۔ یہ ہی سیدھی راہ ہے۔

۳۹۔ فتح مکہ کا انعام: یعنی اس بیعت کے انعام میں فتح خیبر دی۔ اور مکہ کی فتح جو اس وقت ہاتھ نہ لگی وہ بھی مل ہی چکی ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کا وعدہ کر لیا اور فی الحقیقت عالم اسباب میں وہ نتیجہ اسی صلح حدیبیہ کا ہے۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا
يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾

٢٢۔ اور اگر لڑتے تم سے کافر تو پھیرتے پیٹھ پھر نہ پاتے کوئی حمایتی اور نہ مدد گار[٤٠]

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾

٢٣۔ رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے اور تو ہرگز نہ دیکھے گا اللہ کی رسم کو بدلتے[٤١]

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ
بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾

٢٤۔ اور ہی ہے جس نے روک رکھا اُنکے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے بیچ شہر مکہ کے بعد اسکے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا اُنکو[٤٢] اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا[٤٣]

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ
مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ
تَطَــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ
لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا
لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾

٢٥۔ یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو مسجد حرام سے اور نیاز کی قربانی کو بھی بند پڑی ہوئی اس بات سے کہ پہنچے اپنی جگہ تک[٤٤] اور اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں ایمان والیاں جو تم کو معلوم نہیں یہ خطرہ کہ تم انکو پیس ڈالتے پھر تم پر انکی وجہ سے خرابی پڑ جاتی بیخبری سے کہ اللہ کو داخل کرنا ہے اپنی رحمت میں جسکو چاہے[٤٥] اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو آفت ڈالتے ہم منکروں پر عذاب دردناک کی[٤٦]

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ
حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي
رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ

٢٦۔ جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں کد نادانی کی ضد پھر اتارا اللہ نے اپنی طرف کا اطمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر[٤٧] اور قائم رکھا انکو ادب کی بات پر اور وہی تھے اسکے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے خبردار[٤٨]

التَّقۡوٰی وَ کَانُوۡۤا اَحَقَّ بِہَا وَ اَہۡلَہَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ
بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۲۶﴾ ع

۳ ع ۹ ۱۱

۴۰۔ جنگ ہوتی تو تم غالب رہتے: یعنی لڑائی ہوتی تو تم ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے، کوئی مدد کر کے انکو آفت سے نہ بچا سکتا۔ مگر اللہ کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور اسکی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں۔

۴۱۔ اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی: یعنی جب اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن موقع پر مقابلہ ہو جائے تو آخر کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب و مقہور کئے جاتے ہیں۔ یہ ہی عادت اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے جس میں کوئی تبدیلی و تغیر نہیں ہاں یہ شرط ہے کہ اہل حق بحیات مجموعی پوری طرح حق پرستی پر قائم رہیں۔ اور بعض نے وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا کے معنی یوں کئے ہیں کہ اللہ کی عادت کوئی دوسرا نہیں بدل سکتا۔ یعنی کسی اور کو قدرت نہیں کہ وہ کام نہ ہونے دے جو سنت اللہ کے موافق ہونا چاہئے تھا۔

۴۲۔ مکہ میں مشرکین پر غلبہ: مشرکین کی کچھ ٹولیاں "حدیبیہ" پہنچی تھیں کہ موقع پا کر حضور ﷺ کو شہید کر دیں یا اکیلے دکیلے مسلمان کو ستائیں چنانچہ کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی بلکہ ایک مسلمان کو قتل بھی کر ڈالا اور اشتعال انگیز کلمات بکتے پھرے۔ آخر صحابہؓ نے انکو زندہ گرفتار کر کے نبی کریم ﷺ کے حضور میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے انکو معاف فرما دیا اور کچھ انتقام نہیں لیا۔ آیۂ ہٰذا میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور بِبَطۡنِ مَکَّۃَ (بیچ شہر مکہ کے) یعنی شہر کے قریب، گویا شہر کا بیچ ہی سمجھو۔

۴۳۔ یعنی انکی شرارتیں اور تمہارا عفو و تحمل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔

۴۴۔ کفار کا قربانی کے جانوروں کو روکنا: یعنی حرم کے اس حصہ تک قربانی کے جانور پہنچنے نہ دیے جہاں لیجا کر ذبح کرنے کا عام دستور اور معمول ہے۔ "حُدیبیہ" ہی میں رکے پڑے رہے۔

۴۵۔ حدیبیہ کے وقت جنگ ملتوی رکھنے کی مصلحت: یعنی کچھ مسلمان مرد و عورت جو مکہ میں مظلوم و مقہور تھے اور مسلمان انکو پوری طرح جانتے نہ تھے وہ لڑائی میں بے خبری سے پیس دیے جائیں گے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو فی الحال لڑائی کا حکم دیدیا جاتا۔ لیکن ایسا ہوتا تو تم خود اس قومی نقصان پر متاسف ہوتے۔ اور کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ دیکھو! مسلمان مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اس خرابی کے باعث لڑائی موقوف رکھی گئی تا وہ مسلمان محفوظ رہیں۔ اور تم پر اس بے مثال صبر و تحمل کی بدولت خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔ نیز کافروں میں سے جن لوگوں کا اسلام لانا مقدر ہے انکو بھی لڑائی کی خطرناک گڑبڑ سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس تمام قصے میں ساری ضد اور کعبہ کی بے ادبی ان ہی (مشرکین) سے ہوئی۔ تم باادب رہے۔ انہوں نے عمرہ والوں کو منع کیا اور قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچنے دی۔ بیشک وہ جگہ اس قابل تھی کہ اسی وقت تمہارے ہاتھ سے فتح کرائی جاتی، مگر بعض مسلمان مرد و زن مکہ میں چھپے ہوئے تھے اور بعض لوگ جن کا مسلمان ہونا اب مقدر تھا، اس وقت کی فتح مکہ میں وہ پیسے جاتے آخر دو برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے کو تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے تب اللہ نے مکہ فتح کرا دیا"۔

۴۶۔ مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی برکت: یعنی اگر کفار مسلمانوں سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو کیسی دردناک سزا دلواتے ہیں۔

۴۷۔ اہل مکہ کی نادانی کی ضد: نادانی کی ضد یہ ہی کہ امسال عمرہ نہ کرنے دیا اور یہ کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائے اسے پھر واپس بھیجدو۔

اگلے سال عمرہ کو آؤ تو تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہرو۔ اور ہتھیار کھلے نہ لاؤ صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھو اور بجائے محمد رسول اللہ کے صرف محمد بن عبداللہ تحریر کرو۔ حضرت نے یہ سب باتیں قبول کیں اور مسلمانوں نے سخت انقباض واضطراب کے باوجود پیغمبر کے ارشاد کے آگے سر تسلیم جھکا دیا اور بالآخر اسی فیصلہ پر انکے قلوب مطمئن ہو گئے۔

٤٨۔ **مسلمانوں کی اطاعت اور ادب:** یعنی اللہ سے ڈر کر نافرمانی کی راہ سے بچے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے قائم رہے۔ اور کیوں نہ رہتے۔ وہ دنیا میں خدائے واحد کے سچے پرستار اور کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے زبردست حامل تھے ایک پکا موحد اور پیغمبر کا مطیع و وفادار ہی اپنے جذبات ورجحانات کو عین جوش وخروش کے وقت اللہ کی خوشنودی اور اس کے شعائر کی تعظیم پر قربان کر سکتا ہے۔ حقیقی توحید یہ ہی ہے کہ آدمی اس اکیلے مالک کا حکم سن کر اپنی ذلت وعزت کے سب خیالات بالائے طاق رکھ دے شاید اسی لئے حدیث میں "کلمۃ التقوی" کی تفسیر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے کی گئی ہے۔ کیونکہ تمام تر تقوی وطہارت کی بنیاد یہ ہی کلمہ ہے۔ جس کے اٹھانے اور حق ادا کرنے کے لئے اللہ تعالٰی نے اصحاب رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو چن لیا تھا۔ اور بلاشبہ اللہ کے علم میں وہ ہی اسکے مستحق اور اہل تھے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾

٢٧۔ اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب تحقیقی کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے کھٹکے [٤٩] پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کر دی اس سے ورے ایک فتح نزدیک [٥٠]

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾

٢٨۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر [٥١] تاکہ اوپر رکھے اسکو ہر دین سے [٥٢] اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا [٥٣]

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي

٢٩۔ محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اسکے ساتھ ہیں زورآور ہیں کافروں پر [٥٤] نرم دل ہیں آپس میں [٥٥] تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اسکی خوشی [٥٦] نشانی اُنکی اُنکے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے [٥٧] یہ شان ہے انکی تورات میں اور مثال انکی انجیل میں [٥٨] جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اُسکی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر [٥٩] خوش لگتا ہے کھیتی

التَّوْرٰىةِ ۚۖۛ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ
شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ
یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً
وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۲۹ ع

والوں کو[۶۰] تا کہ جلائے ان سے جی کافروں کا[۶۱] وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام معافی کا اور بڑے ثواب کا[۶۲]

ع ۴ ۱۲

۴۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہوا: ابتدائے سورت میں ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں حضور ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈا کر اور بال کتروا کر حلال ہو رہے ہیں۔ ادھر اتفاق سے آپ کا قصد اسی سال عمرہ کا ہو گیا صحابہ نے عمومًا یہ خیال جما لیا کہ اسی سال ہم مکہ پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے۔ جس وقت صلح مکمل ہو کر حُدیبیہ سے واپسی ہوئی بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن و امان سے مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امسال ایسا ہو گا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو بیشک یوں ہی ہو کر رہے گا۔ تم امن و امان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر منڈوا کر کوئی بال کتروا کر احرام کھولے گا اور وہاں جانے کے بعد کسی طرح کا کھٹکا نہ ہو گا۔ چنانچہ حدیبیہ سے اگلے سال یوں ہی ہوا۔ آیۂ ہٰذا میں اسی کو فرمایا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا۔ باقی اِنْ شَآءَ اللّٰہُ فرمانا ابن کثیرؒ کے نزدیک با تحقیق و تو کید کے لئے ہے اور سیبویہ کے نزدیک اس قسم کے مواقع میں قطعی طور پر ایک چیز کا بتلانا کسی مصلحت سے مقصود نہیں ہوتا اور کرنا منظور ہوتا ہے وہاں یہ عنوان اختیار کرتے ہیں۔

۵۰۔ تعبیر خواب میں ایک سال کی تاخیر کی مصلحت: یعنی پھر اللہ نے اپنے علم محیط کے موافق واقعات کا سلسلہ قائم کیا۔ وہ جانتا تھا کہ خواب کی تعبیر ایک سال بعد ظاہر کرنے میں کس قدر مصالح ہیں جنکی تمہیں خبر نہیں۔ اس لئے خواب کا وقوع امسال نہ ہونے دیا اور اس کے وقوع سے قبل تم کو لگتے ہاتھ ایک اور فتح عنایت کر دی۔ یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ جسے صحابہ فتح مبین کہتے تھے جیسا کہ سورہ ہٰذا کے پہلے فائدہ میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

۵۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت اور دین حق کے رسول: یعنی اصول و فروع اور عقائد کے اعتبار سے یہ ہی دین سچا ہے اور یہ ہی راہ سیدھی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔

۵۲۔ تمام ادیان پر اسلام کا غلبہ: اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان و شکوہ سے حکومت کی۔ اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہو گی۔ باقی حجت و دلیل کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ ہی غالب رہا کیا اور رہے گا۔

۵۳۔ یعنی اللہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہ ہی اپنے فعل سے اس کو حق ثابت کرنے والا ہے۔

۵۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کفار پر سخت ہیں: یعنی کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی، جس سے کافروں پر رعب پڑتا

اور کفر سے نفرت وبیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً (توبہ۔١٢٣) وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (توبہ۔٧٣) وقال تعالیٰ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (المائدہ۔٥٤) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جو تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ" علماء نے لکھا ہے کہ کسی کافر کے ساتھ احسان اور سلوک سے پیش آنا اگر مصلحت شرعی ہو۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر دین کے معاملہ میں وہ تم کو ڈھیلانہ سمجھے۔

٥٥۔ آپس میں نرم دل ہیں: یعنی اپنے بھائیوں کے ہمدرد و مہربان، اُنکے سامنے نرمی سے جھکنے والے اور تواضع وانکسار سے پیش آنے والے "حدیبیہ" میں صحابہ کی یہ دونوں شانیں چمک رہی تھیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔

٥٦۔ صحابہ کرامؓ کے صفات حَسنہ: یعنی نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو رکوع و سجود میں پڑے ہوئے اللہ کے سامنے نہایت اخلاص کے ساتھ وظیفہ عبودیت ادا کر رہے ہیں۔ ریاء ونمود کا شائبہ نہیں۔ بس اللہ کے فضل اور اسکی خوشنودی کی تلاش ہے۔

٥٧۔ یعنی نمازوں کی پابندی خصوصًا تہجد کی نماز سے انکے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے۔ گویا خشیت وخشوع اور حسن نیت واخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں۔ حضرت کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔

٥٨۔ صحابہ کرامؓ کا پچھلی کتابوں میں تذکرہ: یعنی پہلی کتابوں میں خاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب انکے چہرے اور طور وطریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیحؑ کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔

٥٩۔ کھیتی کی مثال اور صحابہ کرامؓ: حضرت شاہ صاحبؒ کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھا پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی حضرت کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں" بعض علماء کہتے ہیں کہ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ میں عہد صدیقی فَاٰزَرَهٗ میں عہد فاروقی فَاسْتَغْلَظَ میں عہد عثمانی اور فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا کو علی الترتیب خلفائے اربعہ پر تقسیم کر دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام جماعت صحابہؓ کی بہیات مجموعی مدح ومنقبت پر مشتمل ہے۔ خصوصًا اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔"

٦٠۔ کھیتی کرنے والے چونکہ اس کام کے مبصر ہوتے ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا۔ جب ایک چیز کا مبصر اسکو پسند کرے دوسرے کیوں نہ کریں گے۔

٦١۔ صحابہؓ سے حسد رکھنے والے: یعنی اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق وبہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ وحسد سے جلتے ہیں۔ اس آیت سے بعض علماء نے یہ نکالا کہ صحابہ سے جلنے والا کافر ہے۔

٦٢۔ مومنین سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ: "حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں" یہ وعدہ دیا انکو جو ایمان والے ہیں اور بھلے کام کرتے ہیں۔ حضرت کے سب اصحاب ایسے ہی تھے۔ مگر خاتمہ کا اندیشہ رکھا۔ حق تعالیٰ بندوں کو ایسی صاف خوشخبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جائیں اس مالک سے اتنی شاباشی بھی غنیمت ہے"۔

تم سورۃ الفتح بفضل اللہ ورحمۃ فللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتها ۱۸ — ۴۹ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶ — رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱

۱۔ اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اسکے رسول سے[۱] اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ سنتا ہے جانتا ہے[۲]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا
تَشْعُرُوْنَ ۝۲

۲۔ اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو[۳]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳

۳۔ جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جنکے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے[۴] انکے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا[۵]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴

۴۔ جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

۵۔ اور اگر وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا اُنکی طرف تو اُنکے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۶]

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب وحقوق: یعنی جس معاملہ میں اللہ ورسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو۔ بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرأت نہ کرو۔ جو حکم ادھر سے ملے اس پر بے چون چرا ان اور بلا پس وپیش عامل بن جاؤ۔ اپنی اغراض اور اہواء و آراء کو انکے احکام پر مقدم نہ رکھو۔ بلکہ اپنی خواہشات و جذبات کو احکام سماوی کے تابع بناؤ۔ (تنبیہ) اس سورت میں مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کے آداب و حقوق اور اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے سکھلائے ہیں۔ اور یہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نظام کن اصول پر کاربند ہونے سے مضبوط و مستحکم رہ سکتا ہے اور اگر کبھی اس میں خرابی اور اختلال پیدا ہو تو اس کا علاج کیا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بیشتر نزاعات و مناقشات خود رائی اور غرض پرستی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ ورسول کے ارشادات سے بلند کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔ ایسا کرنے میں خواہ وقتی اور عارضی طور پر کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔

۲۔ بغیر تقویٰ کے اطاعت نہیں ہو سکتی: یعنی اللہ ورسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر ہو سکتی ہے جب خدا کا خوف دل میں ہو۔ اگر دل میں ڈر نہیں تو بظاہر دعوائے اسلام کو نباہنے کے لئے اللہ ورسول کا نام بار بار زبان پر لائے گا اور بظاہر انکے احکام کو آگے رکھے گا۔ لیکن فی الحقیقت انکو اپنی اندرونی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک حیلہ اور آلہ کار بنائے گا۔ سو یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ اسے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے۔ پھر اس کے سامنے یہ فریب کیسے چلے گا چاہئے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے آداب: یعنی حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو، حضور ﷺ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلاف ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے تعظیم واحترام کے لہجہ میں ادب وشائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکدر پیش آئے۔ تو حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔ (تنبیہ)

بزرگان دین کے آداب: حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہئے اور قبر شریف کے پاس حاضر ہو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔ نیز آپ کے خلفاء، علمائے ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہئے۔ تا جماعتی نظام قائم رہے۔ فرق مراتب نہ کرنے سے بہت مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

۴۔ ادب وتعظیم کے ثمرات: یعنی جو لوگ نبی کی مجلس میں تواضع اور ادب وتعظیم سے بولتے ہیں اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لئے پرکھ لیا ہے اور مانجھ کر خالص تقویٰ وطہارت کے واسطے تیار کر دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں۔ قرآن، پیغمبر، کعبہ، نماز۔ ان کی تعظیم وہ ہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالامال ہو وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج۔۳۲) یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام وارشادات سننے کے بعد انکے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہو گا۔

۵۔ یعنی اس اخلاص وحق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔

۶۔ بزرگوں سے ملاقات کے آداب: بنی تمیم ملنے کو آئے، حضور ﷺ حجرہ مبارک میں تشریف رکھتے تھے، وہ لوگ باہر سے آوازیں دینے

لگے کہ یا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَيْنَا (اے محمد باہر آیئے) یہ بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کو نہیں سمجھتے تھے۔ کیا معلوم ہے اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ یا کسی اور مہم کام میں مشغول ہوں۔ آپ کی ذات منبع البرکات تو مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور کا مرکز و ملجاء تھی۔ کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جائے اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آخر پیغمبر کا ادب و احترام بھی کوئی چیز ہے۔ چاہئے تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ کے باہر تشریف لانے تک صبر کرتے۔ جب آپ باہر تشریف لا کر انکی طرف متوجہ ہوتے اس وقت خطاب کرنا چاہئے تھا۔ ایسا کیا جاتا تو انکے حق میں بہتر اور قابل ستائش ہوتا۔ تاہم بے عقلی اور نادانستگی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اسکو اپنی مہربانی سے بخشنے والا ہے۔ چاہیئے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہو کر آئندہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور ﷺ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہ ہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾

۶۔ اے ایمان والو اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کئے پر لگو پچھتانے [۷]

۷۔ جھوٹی خبروں کی تحقیق کا حکم: اکثر نزاعات و مناقشات کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔ اس لئے اول اختلاف و تفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی۔ یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرو۔ فرض کیجئے ایک بے راہ رو اور تکلیف دہ آدمی نے اپنے کسی خیال اور جذبہ سے بے قابو ہو کر کسی قوم کی شکایت کی۔ تم محض اسکے بیان پر اعتماد کر کے اس قوم پر چڑھ دوڑے، بعدہٗ ظاہر ہوا کہ اس شخص نے غلط کہا تھا، تو خیال کرو۔ اس وقت کس قدر پچھتانا پڑے گا۔ اور اپنی جلد بازی پر کیا کچھ ندامت ہو گی اور اس کا نتیجہ جماعت اسلام کے حق میں کیسا خراب ہو گا۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾

۷۔ اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے، بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے [۸] پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا اسکو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾

۸۔ اللہ کے فضل سے اور احسان سے [۹] اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا ہے [۱۰]

۸۔ حق کو اپنی خواہشوں کا تابع نہ بناؤ: یعنی اگر رسول اللہ ﷺ تمہاری کسی خبر یا رائے پر عمل نہ کریں تو برا نہ مانو۔ حق لوگوں کی خواہشوں یا

رایوں کا تابع نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہو تو زمین و آسمان کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (المؤمنون۔۷۱) الغرض خبروں کی تحقیق کیا کرو اور حق کو اپنی خواہش اور رائے کے تابع نہ بناؤ بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تمہارا مشورہ قبول نہ ہو تو برا نہ مانو، رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر، اسی میں تمہارا بھلا ہے، اگر تمہاری بات مانا کرے تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے، پھر کس کس کی بات پر چلے"۔

۹۔ صحابہ کرام کی ایمان سے محبت اور کفر سے نفرت: یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری ہر بات مانا کریں تو بڑی مشکل ہوتی لیکن اللہ کا شکر کرو کہ اس نے اپنے فضل واحسان سے مومنین قانتین کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنادیا، اور کفر و معصیت کی نفرت ڈال دی جس سے وہ ایسی بیہودگی کے پاس بھی نہیں جاسکتے۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے و خواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے۔ آج گو حضور ﷺ ہمارے درمیان میں نہیں مگر حضور ﷺ کی تعلیم اور آپ کے وارث و نائب یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔

۱۰۔ یعنی وہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت سے وہ احوال و مقامات مرحمت فرماتا ہے جو اسکی استعداد کے مناسب ہوں۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾

۹۔ اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرادو پھر اگر چڑھا چلا جائے ایک ان میں سے دوسرے پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرادو ان میں برابر اور انصاف کرو بیشک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے [۱۱]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

۱۰۔ مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں سو ملاپ کرادو اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو [۱۲]

ع ۱ ۱۳

۱۱۔ مسلمانوں میں اختلاف کے وقت صحیح طرز عمل: یعنی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ اختلاف رفع ہو جائے اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو یکسو ہو کر نہ بیٹھ رہو، بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان ملکر اس سے لڑائی کریں۔ یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آئے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کر دے۔ اس وقت چاہئے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات و انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرادیں۔ کسی ایک کی طرفداری میں جادہ حق سے اِدھر اُدھر نہ جھکیں (تنبیہ) آیت کا نزول صحیحین کی روایات کے موافق "انصار" کے دو گروہوں اَوس اور خزرج کے ایک وقتی ہنگامے کے متعلق ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے انکے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرادی۔ جو لوگ خلیفہ کے مقابلہ میں بغاوت کریں وہ بھی عموم آیت میں داخل ہیں چنانچہ قدیم سے علمائے سلف

بغاوت کے مسئلہ میں اسی سے استدلال کرتے آئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات و مشاجرات کو شامل ہے۔ باقی باغیوں کے متعلق احکام شرعیہ کی تفصیل فقہ میں دیکھنا چاہیئے۔

۱۲۔ مسلمان آپس میں بھائی ہیں: یعنی صلح اور جنگ کی ہر ایک حالت میں یہ ملحوظ رہے کہ دو بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت ہے۔ دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے۔ جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یوں ہی انکے حال پر نہ چھوڑ دو۔ بلکہ اصلاح ذات البین کی پوری کوشش کرو۔ اور ایسی کوشش کرتے وقت خدا سے ڈرتے رہو کہ کسی کی بیجا طرفداری یا انتقامی جذبہ سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اے ایمان والو نہ ٹھٹھا کریں ایک لوگ دوسروں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے [۱۳] برا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے [۱۴] اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف [۱۵]

۱۳۔ مرد و عورت ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں: اول مسلمانوں میں نزاع و اختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی تھی۔ پھر بتلایا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو پر زور اور مؤثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے۔ لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش ہونی چاہیئے کہ کم از کم جذبات منافرت و مخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا۔ بس ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزاء کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اسکو بہتر سمجھتا ہوتا ہے۔ مگر ضد و نفسانیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے۔ اور قلوب میں اس قدر بُعد ہو جاتا ہے کہ صلح و ائتلاف کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ آیۂ ہذا میں خداوند قدوس نے اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ مسخراپن نہ کرے نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے، کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی اور فتنہ وفساد کی آگ اور تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی بیش بہا ہدایت ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔

۱۴۔ برے القاب سے نہ پکارو: یعنی کسی کو برا نام ڈالنے سے آدمی خود گنہگار ہوتا ہے۔ اُسے تو واقع میں عیب لگا یا نہ لگا لیکن اس کا نام بد تہذیب، فاسق گنہگار، مرد آزار پڑ گیا۔ خیال کرو۔ "مومن" کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک

شخص ایمان لا چکا اور مسلمان ہو گیا اسکو مسلمانی سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا مثلًا یہودی یا نصرانی وغیرہ کہہ کر پکارنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ اسی طرح جو شخص عیب میں مبتلا ہوا اور وہ اس کا اختیاری نہ ہو، یا ایک گناہ سے فرض کیجئے توبہ کر چکا ہے، چڑانے کے لئے اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

۱۵۔ توبہ کی سہولت: یعنی جو پہلے ہو چکا ہو چکا اب توبہ کر لو۔ اگر یہ احکام وہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم یہ ہی ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا يَغۡتَبْ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اے ایمان والو بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور برا نہ کہیو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو[۱۶] بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتا ہے تم کو اس سے[۱۷] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان[۱۸]

۱۶۔ بدگمانی اور غیبت کی ممانعت: اختلاف و تفریق باہمی کے بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق سے ایسا بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مخالف کی کوئی بات ہو اس کا محل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو۔ ہمیشہ اس کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی اور اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمتیں اور الزام لگانا شروع کر دے گا۔ پھر نہ صرف یہ ہی کہ ایک بات حسب اتفاق پہنچ گئی، بدگمانی سے اسکو غلط معنی پہنچا دیے گئے، نہیں، اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائیں۔ اور اسکی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں۔ ان تمام خرافات سے قرآن کریم منع کرتا ہے۔ اگر مسلمان اس پر عمل کریں تو جو اختلافات بدقسمتی سے پیش آ جاتے ہیں وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے۔ بلکہ چند روز میں نفسانی اختلافات کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "الزام لگانا اور بھید ٹٹولنا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا کسی جگہ بہتر نہیں۔ مگر جہاں اس میں کچھ دین کا فائدہ ہو اور نفسانیت کی غرض نہ ہو"۔ وہاں اجازت ہے جیسے رجال حدیث کی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کا معمول رہا ہے کیونکہ اس کے بدون دین کا محفوظ رکھنا محال تھا۔

۱۷۔ عمل غیبت کا گھناؤنا پن: یعنی مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ کیا اس کو کوئی انسان پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو غیبت اس سے بھی زیادہ شنیع حرکت ہے۔

۱۸۔ خاندانی اور نسبی اختلافات کی حقیقت: یعنی ان نصیحتوں پر کاربند وہ ہی ہو گا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو۔ یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ چاہئے کہ ایمان و اسلام کا دعوٰی رکھنے والے واقعی طور پر اس خداوند قہار کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوئی ہوں، اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اے آدمیو ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسکی کو بڑی جسکو ادب بڑا[۱۹] اللہ سب کچھ جانتا ہے خبردار[۲۰]

۱۹۔ اکثر غیبت، طعن و تشنیع اور عیب جوئی کا منشاء کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا۔

اسلام کی فضیلت کا معیار: بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہو اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ شیخ، سید، مغل، پٹھان اور صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری سب کا سلسلہ آدم و حوا پر منتہی ہوتا ہے۔ یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کئے ہیں۔ بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ و معزز گھرانے میں پیدا کر دے وہ ایک موہوب شرف ہے، جیسے کسی کو خوبصورت بنا دیا جائے، لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرالیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے ہاں شکر کرنا چاہئے کہ اس نے بلا اختیار و کسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ اخلاق اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال مجد د شرف اور فضیلت و عزت کا اصلی معیار نسب نہیں تقویٰ و طہارت ہے اور متقی آدمی دوسروں کو حقیر کب سمجھے گا؟

۲۰۔ یعنی تقویٰ اور ادب اصل میں دل سے ہے۔ اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی اور مؤدب نظر آتا ہے وہ واقع میں کیسا اور آئندہ کیسا رہے۔ انما العبرۃ للخواتیم۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں[۲۱] اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے اور اسکے رسول کے کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ اللہ بخشتا ہے مہربان ہے۔[۲۲]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے[۲۳]

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿١٦﴾

١٦۔ تو کہہ کیا تم جتلاے ہو اللہ کو اپنی دینداری اور اللہ کو تو خبر ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے[٢٤]

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ
اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ
لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾

١٧۔ تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے[٢٥] تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو راہ دی ایمان کی اگر سچ کہو[٢٦]

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ
بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ ع ٢/٨/١٤

١٨۔ اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو[٢٧]

٢١۔ ایمان اور اسلام کا فرق: یہاں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان ویقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جائے اور جڑ پکڑ لے اس وقت غیبت اور عیب جوئی وغیرہ کی خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں۔ جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈھنے اور آزار پہنچانے میں مبتلا ہو، سمجھ لو ابھی تک ایمان اسکے دل میں پوری طرح پیوست نہیں ہوا ایک حدیث میں ہے۔ یَامَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ الخ (ابن کثیر ٨۔ ٢٤) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک کہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یعنی دین مسلمانی ہم نے قبول کیا۔ اسکا مضائقہ نہیں۔ اور ایک کہتا ہے کہ ہم کو پورا یقین ہے جو یقین پورا ہے تو اس کے آثار کہاں؟ جسکو واقعی پورا یقین حاصل ہو وہ تو ایسے دعوے کرنے سے ڈرتا اور شرماتا ہے (تنبیہ) اس آیت سے ایمان و اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہ ہی بات حدیث جبریل وغیرہ سے ثابت ہوئی ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔

٢٢۔ یعنی اب بھی اگر فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرو گے تو پچھلی کمزوریوں کی وجہ سے تمہارے کسی عمل کے ثواب میں کمی نہ کرے گا۔

٢٣۔ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ ورسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور انکی راہ میں ہر طرح جان ومال سے حاضر رہے۔

٢٤۔ یعنی اگر واقع سچا دین اور پورا یقین تم کو حاصل ہے تو کہنے سے کیا ہو گا جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے۔

٢٥۔ اعراب کا احسان جتانا: بعض گنوار آکر کہتے تھے کہ دیکھئے ہم تو بدون لڑے بھڑے مسلمان ہو گئے، گویا احسان جتلاتے تھے، اس کا جواب آگے دیتے ہیں۔

٢٦۔ تمہارا ایمان اللہ کا احسان ہے: یعنی اگر واقعی تم دعوئے اسلام وایمان میں سچے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان

کی طرف آنے کا راستہ دیا اور دولت اسلام سے سرفراز کیا۔ اگر سچی بات کہو تو واقعہ اس طرح ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "نیکی اپنے ہاتھ سے ہو، اپنی تعریف نہیں، رب کی تعریف ہے جس نے وہ نیکی کروائی"۔ گویا خاتمہ سورت پر متنبہ کر دیا کہ اگر تم کو قرآنی ہدایات اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق ہو تو احسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ اللہ کے احسان و انعام کا شکر ادا کرو جس نے ایسی توفیق ارزانی فرمائی۔

۲۷۔ یعنی دلوں کے بھید اور ظاہر کا عمل سب کو خدا جانتا ہے۔ اسکے سامنے باتیں نہ بناؤ۔

تم سورة الحجرات بعون اللہ وحسن توفیقہ فلہ الحمد والمنہ

اٰیاتھا ۴۵ | ۵۰ سُوْرَۃُ قٓ مَکِّیَّۃٌ ۳۴ | رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۚ﴿۱﴾

۱۔ ق۔ قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۚ﴿۲﴾

۲۔ بلکہ انکو تعجب ہوا کہ آیا اُنکے پاس ڈر سنانے والا اُنہی میں کا تو کہنے لگے منکر یہ تعجب کی چیز ہے

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ﴿۳﴾

۳۔ کیا جب ہم مر چکیں اور ہو جائیں مٹی یہ پھر آنا بہت دور ہے[۱]

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا
كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ﴿۴﴾

۴۔ ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین اُن میں سے[۲] اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے[۳]

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ﴿۵﴾

۵۔ کوئی نہیں پر جھٹلاتے ہیں سچے دین کو جب اُن تک پہنچا سو وہ پڑ رہے ہیں الجھی ہوئی بات میں[۴]

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا
وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾

۶۔ کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اسکو بنایا اور رونق دی اور اس میں نہیں کوئی سوراخ[۵]

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ
اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِیْجٍ ۙ﴿۷﴾

۷۔ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے اس میں بوجھ اور اگائی اس میں ہر ہر قسم کی رونق کی چیز

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۸﴾

۸۔ سُجھانے کو اور یاد دلانے کو اُس بندہ کے لئے جو رجوع کرے[۶]

وَ نَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِہٖ
جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الۡحَصِیۡدِ ۙ﴿۹﴾

۹۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا پھر اگائے ہم نے اُس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے [۷]

وَ النَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّہَا طَلۡعٌ نَّضِیۡدٌ ﴿ۙ۱۰﴾

۱۰۔ اور کھجوریں لمبی اُن کا خوشہ ہے تہ بہ تہ [۸]

رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ وَ اَحۡیَیۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ؕ
کَذٰلِکَ الۡخُرُوۡجُ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ روزی دینے کو بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اُس سے ایک مردہ دیس کو یونہی ہو گا نکل کھڑے ہونا [۹]

کَذَّبَتۡ قَبۡلَہُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوۡدُ ﴿ۙ۱۲﴾

۱۲۔ جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم اور کنوے والے اور ثمود

وَ عَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ وَ اِخۡوَانُ لُوۡطٍ ﴿ۙ۱۳﴾

۱۳۔ اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی

وَّ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ وَ قَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ
فَحَقَّ وَعِیۡدِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم [۱۰] ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو پر ٹھیک پڑا میرا ڈرانا [۱۱]

اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ مِّنۡ
خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۱۵﴾ ع ١ ١٥ ١٥

۱۵۔ اب کیا ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر کوئی نہیں اُنکو دھوکا ہے ایک نئے بنانے میں [۱۲]

۱۔ قرآن کی بزرگی و عظمت اور انکار کا تعجب: یعنی قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا جس نے آکر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اسرار و معارف سے دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔ یہ ہی بزرگی والا قرآن بذات خود شاہد ہے کہ اسکے اندر کوئی نقص و عیب نہیں نہ کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ہے، لیکن منکرین پھر بھی اسکو قبول نہیں کرتے اس لئے نہیں کہ انکے پاس اسکے خلاف کوئی حجت و برہان ہے بلکہ محض اپنے جہل و حماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان اور نسل کا ایک آدمی انکی طرف رسول ہو کر آیا اور بڑا بن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے۔ بھلا جب ہم مر کر مٹی ہو گئے۔ کیا پھر زندگی کی طرف واپس کئے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور امکان و عادت سے بالکل بعید ہے۔

۲۔ بدن کے تمام اجزاء اللہ کے علم میں ہیں: یعنی ساری مٹی نہیں ہو جاتی جان سلامت رہت ہے اور بدن کے اجزاء تحلیل ہو کر جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں۔ اسکو قدرت ہے کہ ہر جگہ سے اجزائے اصلیہ کو جمع کر کے ڈھانچہ کھڑا کر دے اور دوبارہ اس میں جان ڈال دے۔

۳۔ لوح محفوظ: یعنی یہ نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتٰی کہ ان میں قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات ایک کتاب میں جو "لوح محفوظ" کہلاتی ہے لکھ دیے تھے اور ابتک ہمارے پاس وہ کتاب موجود چلی آتی ہے۔ پس اگر علم قدیم کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے وہ دفتر جس میں سب کچھ لکھا ہے حق تعالٰی کے سامنے حاضر ہے۔ یا اسکو پہلے جملہ کی تاکید سمجھو۔ کیونکہ جو چیز کسی کے علم میں ہو اور قلم بند بھی کرلیجائے وہ لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ مؤکد سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں مخاطبین کے محسوسات کے اعتبار سے متنبہ کر دیا کہ ہر چیز خدا کے علم میں ہے اور اس کے ہاں لکھی ہوئی ہے جس میں ذرا کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

۴۔ یعنی صرف تعجب نہیں بلکہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ حضرت کی نبوت، قرآن اور بعث بعد الموت، ہر چیز کو جھٹلاتے ہیں اور عجب الجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں۔ بیشک جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے اسی طرح شک واضطراب اور تردد و تحیر کی الجھنوں میں پڑ جایا کرتا ہے۔

۵۔ آسمان کی مضبوطی اور زینت: یعنی آسمان کو دیکھ لو، نہ بظاہر کوئی کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون اتنا بڑا عظیم الشان جسم کیسا مضبوط و مستحکم کھڑا ہے۔ اور رات کو جب اس پر ستاروں کی قندیل اور جھاڑ فانوس روشن ہوتے ہیں تو کس قدر پر رونق اور خوبصورت نظر آتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گذر گئے نہ اس چھت میں کہیں سوراخ ہوا، نہ کوئی کنگرہ گرا، نہ پلاسٹر ٹوٹا، نہ رنگ خراب ہوا، آخر کونسا ہاتھ ہے جس نے یہ مخلوق بنائی اور بنا کر اسکی ایسی حفاظت کی۔

٦۔ زمین اور اسکی نعمتوں میں غور کرو: یعنی جو آدمی خدا کی طرف رجوع ہو محض ان ہی محسوسات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے اس کے لئے آسمان و زمین کی تخلیق و تنظیم میں دانائی و بینائی کے کتنے سامان ہیں جن میں ادنٰی غور کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ اور بھولے ہوئے سبق اسکو یاد آسکتے ہیں۔ پھر خدا جانے ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں بھی یہ لوگ کیونکر حق کو جھٹلانے کی جرأت کرتے ہیں۔

۷۔ اناج وہ ہے جس کے ساتھ اس کا کھیت بھی کٹ جائے اور باغ پھل ٹوٹ کر قائم رہتا ہے۔

۸۔ یعنی بڑی کثرت اور افراط سے جن کا خوشہ دیکھنے میں بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ یعنی بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کر دیے جائیں گے۔

۱۰۔ ان اقوام کے قصے سورۂ حجر، فرقان، دخان وغیرہ میں گذر چکے ہیں۔

۱۱۔ یعنی تکذیب انبیاء پر جس انجام سے ڈرایا گیا تھا وہ ہی سامنے آکر رہا۔

۱۲۔ دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے: یعنی دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرنے میں انہیں فضول دھوکا لگ رہا ہے۔ جس نے پہلی بار پیدا کیا اسے دوسری مرتبہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟ کیا یہ گمان کرتے ہو کہ (معاذ اللہ) وہ پہلی دفعہ دنیا کو بنا کر تھک گیا ہو گا؟ اس قادر مطلق کی نسبت ایسے توہمات قائم کرنا سخت جہالت اور گستاخی ہے۔

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖۚ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ﴿۱۶﴾	۱٦۔ اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اُسکے جی میں [۱۳] اور ہم اُس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ [۱۴]
اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيۡدٌ ﴿۱۷﴾	۱۷۔ جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا اور بائیں بیٹھا [۱۵]

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾

۱۸۔ نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اُس کے پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار[۱۶]

وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ
مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾

۱۹۔ اور وہ آئی بیہوشی موت کی تحقیق[۱۷] یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا[۱۸]

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ اور پھونکا گیا صور یہ ہے دن ڈرانے کا[۱۹]

وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ﴿٢١﴾

۲۱۔ اور آیا ہر ایک جی اس کے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا ایک احوال بتانے والا[۲۰]

لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ
غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ تو بیخبر رہا اس دن سے اب کھول دی ہے ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری سو تیری نگاہ آج تیز ہے[۲۱]

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيْدٌ ؕ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ اور بولا فرشتہ اسکے ساتھ والا یہ ہے جو میرے پاس تھا حاضر[۲۲]

اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ ڈال دو تم دونوں دوزخ میں ہر ناشکر مخالف کو

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۨ ۙ ﴿٢٥﴾

۲۵۔ نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا شبہ ڈالنے والا[۲۳]

الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِى
الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور کو پوجنا سو ڈال دو اُسکو سخت عذاب میں[۲۴]

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِىْ
ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾

۲۷۔ بولا شیطان اُس کا ساتھی اے رب ہمارے میں نے اُسکو شرارت میں نہیں ڈالا پر یہ تھا راہ کو بھولا دور پڑا ہوا[۲۵]

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَىَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ
بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾

۲۸۔ فرمایا جھگڑا نہ کرو میرے پاس اور میں پہلے ہی ڈرا چکا تھا تم کو عذاب سے[۲۶]

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَ مَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾ ع ۲

۲۹۔ بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں ظلم نہیں کرتا بندوں پر[۲۷]

۱۳۔ اللہ کو دل کے وسوسوں کا بھی علم ہے: یعنی اسکے ہر قول و فعل سے ہم خبردار ہیں حتّٰی کہ جو وساوس و خطرات اسکے دل میں گذرتے ہیں ان کا بھی ہم کو علم ہے۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ ھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک۔ ۱۴)۔

۱۴۔ اللہ شہ رگ سے بھی قریب ہے: گردن کی رگ مراد ہے جسے "شہ رگ" کہتے ہیں اور جس کے کٹنے سے انسان مرجاتا ہے۔ شاید یہ کنایہ ہو جان اور روح سے مطلب یہ ہوا کہ ہم (باعتبار علم کے) اسکی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں۔ یعنی جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے۔ نیز علت اور منشاء کو معلول اور ناشی کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول اور ناشی کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا۔ اس کا کچھ مختصر بیان اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (احزاب۔ ٦) کے حواشی میں ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگ آخر باہر ہے جان سے"۔ ولنعم ماقیل۔

جاں نہاں در جسم و او در جاں نہاں   اے نہاں اندر نہاں اے جاں جاں

۱۵۔ کراماً کاتبین: یعنی دو فرشتے خدا کے حکم سے ہر وقت اُس کی تاک میں لگے رہتے ہیں جو لفظ اُس کے منہ سے نکلے وہ لکھ لیتے ہیں۔ نیکی داہنے والا اور بدی بائیں والا۔

۱۶۔ یعنی لکھنے کو تیار ہے (تنبیہ) دونوں فرشتے کہاں رہتے ہیں؟ اور علاوہ اقوال کے کیا کچھ لکھتے ہیں؟ اس کی تفصیل احادیث و آثار سے ملے گی۔

۱۷۔ سکرۃ الموت: یعنی لو! ادھر مسل تیار ہوئی، اُدھر موت کی گھڑی آپہنچی۔ اور مرنے والا نزع کی بیہوشیوں اور جان کنی کی سختیوں میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ اس وقت وہ سب سچی باتیں نظر آنا شروع ہو گئیں۔ جن کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی تھی۔ اور میت کی سعادت و شقاوت سے پردہ اٹھنے لگا۔ اور ایسا پیش آنا قطعی اور یقینی تھا۔ کیونکہ حکیم مطلق کی بہت سی حکمتیں اس سے متعلق تھیں۔

۱۸۔ یعنی آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا اور اس ناخوشگوار وقت سے بہت کچھ بھاگتا اور کتراتا رہا پر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی۔ آخر سر پر آ کھڑی ہوئی کوئی تدبیر اور حیلہ دفع الوقتی کا نہ چل سکا۔

۱۹۔ چھوٹی قیامت تو موت کے وقت ہی آچکی تھی۔ اُسکے بعد بڑی قیامت حاضر ہے۔ بس صور پھونکا گیا اور وہ ہولناک دن آموجود ہوا جس سے انبیاء و رسل برابر ڈراتے چلے آتے تھے۔

۲۰۔ محشر میں ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے: یعنی محشر میں اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے یدان کے طرف دھکیلتا ہو گا اور دوسرا اعمالنامہ لئے ہو گا جس میں اسکی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ شاید یہ وہ ہی دو فرشتے ہوں جو "کراماً کاتبین" کہلاتے ہیں اور جنکی نسبت فرمایا تھا اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ الخ اور ممکن ہے کوئی اور ہوں۔ واللہ اعلم۔

۲۰۔ یعنی محشر میں اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے یدان کے طرف دھکیلتا ہو گا اور دوسرا اعمالنامہ لئے ہو گا جس میں اسکی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ شاید یہ وہ ہی دو فرشتے ہوں جو "کراماً کاتبین" کہلاتے ہیں اور جنکی نسبت فرمایا تھا اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ الخ اور ممکن ہے کوئی اور ہوں۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ قیامت میں بینائی کی تیزی: یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بیخبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے

شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں۔ صحیح ہیں یا غلط۔

۲۲۔ یعنی فرشتہ اعمالنامہ حاضر کرے گا۔ اور بعض نے "قرین" سے مراد شیطان لیا ہے۔ یعنی شیطان کہے گا کہ یہ مجرم حاضر ہے جسکو میں نے اغواء کیا اور دوزخ کے لئے تیار کر کے لایا ہوں۔ مطلب یہ کہ اغواء تو میں نے کیا۔ مگر میرا ایسا زور و تسلط نہ تھا کہ زبردستی اس کو شرارت میں ڈال دیتا۔ یہ اپنے ارادے و اختیار سے گمراہ ہوا۔

۲۳۔ نیکی سے روکنے والے: بارگاہ ایزدی سے یہ حکم دو فرشتوں کو ہو گا کہ ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونک دو۔ اعاذنا اللہ منہا۔

۲۴۔ یعنی ایسے لوگ جہنم میں سخت ترین عذاب کے مستحق ہیں۔

۲۵۔ مشرک کا انجام: یعنی میری کچھ زبردستی اس پر نہ چلتی تھی۔ ذرا شہ دی تھی کہ یہ کمبخت خود گمراہ ہو کر نجات و فلاح کے راستہ سے دور جا پڑا۔ شیطان یہ کہہ کر اپنا جرم ہلکا کرنا چاہتا ہے۔

۲۶۔ حشر میں کفار کو جواب: یعنی بک بک مت کرو۔ دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اب ہر ایک کو اُس کے جرم کے موافق سزا ملے گی جو گمراہ ہوا اور جس نے اغواء کیا، سب اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے۔

۲۷۔ یعنی ہمارے یہاں ظلم نہیں۔ جو کچھ فیصلہ ہو گا عین حکمت اور انصاف سے ہو گا۔ "اور بات نہیں بدلتی" یعنی کافر بخشا نہیں جاتا بھلا شیطان اکفر کی بخشش تو کہاں۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ جس دن ہم کہیں دوزخ کو تو بھر بھی چکی اور وہ بولے کچھ اور بھی ہے [۲۸]
وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾	۳۱۔ اور نزدیک لائی جائے بہشت ڈرنے والوں کے واسطے دور نہیں [۲۹]
هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾	۳۲۔ یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا تم سے ہر ایک رجوع رہنے والے یاد رکھنے والے کے واسطے
مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾	۳۳۔ جو ڈرا رحمٰن سے بن دیکھے اور لایا دل رجوع ہونے والا
ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾	۳۴۔ چلے جاؤ اس میں سلامت [۳۰] یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا [۳۱]
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾	۳۵۔ اُنکے واسطے ہے وہاں جو چاہیں اور ہمارے پاس ہے کچھ زیادہ بھی [۳۲]

۲۸۔ جہنم کی وسعت اور پھیلاؤ: یعنی دوزخ کا پھیلاؤ اس قدر لوگوں سے نہ بھرے گا اور شدت غیظ سے اور زیادہ کافروں اور نافرمانوں کو طلب

کرے گی۔

۲۹۔ جنت متقین کے نزدیک ہے: یعنی جنت اُن سے دور نہ ہوگی، بہت قریب سے اُس کی تروتازگی اور بناؤ سنگار دیکھیں گے۔

۳۰۔ انابت اور خشیت کے بدلے جنت: یعنی جنہوں نے دنیا میں خدا کو یاد رکھا اور گناہوں سے محفوظ ہو کر اس کی طرف رجوع ہوئے، اور بے دیکھے اسکے قہر و جلال سے ڈرے اور ایک پاک و صاف رجوع ہونے والا دل لے کر حاضر ہوئے اس جنت کا وعدہ ایسے لوگوں سے کیا گیا تھا۔ وقت آگیا ہے کہ سلامت و عافیت کے ساتھ اُس میں داخل ہوں۔ فرشتے اُنکو سلام کریں اور اُنکے پروردگار کا سلام پہنچائیں۔

۳۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اُس دن جس کو جو کچھ ملا وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس سے پہلے ایک بات پر ٹھہراؤ نہ تھا۔

۳۲۔ جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی: یعنی جو چاہیں گے وہ ملے گا اور اس کے علاوہ وہ نعمتیں ملیں گی جو اُن کے خیال میں بھی نہیں۔ مثلاً دیدار الٰہی کی لذت بے قیاس اور ممکن ہے وَلَدَیۡنَا مَزِیۡدٌ سے یہ غرض ہو کہ ہمارے پاس بہت ہیں جنتی کتنا ہی مانگیں سب دیا جائے گا۔ اللہ کے ہاں اتنا دینے پر بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ نہ اسکے لئے کوئی رکاوٹ ہے۔ پس اتنی بے حساب و بے شمار عطایا کو مستبعد نہ سمجھو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا فَنَقَّبُوۡا فِى الۡبِلَادِ ؕ هَلۡ مِنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور کتنی تباہ کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں کہ انکی قوت زبردست تھی اُن سے پھر لگے کریدنے شہروں میں کہیں ہے بھاگ جانے کو ٹھکانہ [۳۳]

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِمَنۡ كَانَ لَهٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَى السَّمۡعَ وَهُوَ شَهِيۡدٌ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اس میں سوچنے کی جگہ ہے اُسکو جسکے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر [۳۴]

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے چھ دن میں [۳۵] اور ہم کو نہ ہوا کچھ تکان [۳۶]

فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ۚ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ سو تو سہتا رہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور پاکی بولتا رہ خوبیاں اپنے رب کی [۳۷] پہلے سورج نکلنے سے اور پہلے ڈوبنے سے

وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور کچھ رات میں بول اسکی پاکی [۳۸] اور پیچھے سجدہ کے [۳۹]

۳۳۔ کفار کو تنبیہ: پہلے کفار کی تعذیب اُخروی کا بیان تھا۔ درمیان میں اُن کے مقابلہ پر اہل جنت کے تنعم کا ذکر کیا تھا۔ اب پھر کفار کی سزا دہی کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ہم کتنی شریر و سرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں جو زور و قوت میں موجودہ اقوام کفار سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ اور جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے۔ پر جب عذاب الٰہی آیا تو بھاگ جانے کو روئے زمین پر کہیں ٹھکانا نہ ملا۔ یا یہ

مطلب ہے کہ عذاب کے وقت اپنی بستیوں میں کھوج لگانے لگے کہ کہیں پناہ ملے۔ مگر کوئی ٹھکانہ نہ پایا۔ وہذا ہوا الظاہر من الترجمہ والاول ماانختارہ جمہور المفسرین۔ واللہ اعلم۔

۳۴۔ سمجھنے اور سننے والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں: یعنی ان عبرتناک واقعات میں غور و فکر کر کے وہ ہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جنکے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ، یا کم از کم کسی سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں۔ کیونکہ یہ بھی ایک درجہ ہے کہ آدمی خود متنبہ نہ ہو تو دوسرے کے متنبہ کرنے پر ہشیار ہو جائے جو شخص نہ خود سمجھے نہ کسی کے کہنے پر توجہ کے ساتھ کان لگائے اس کا درجہ اینٹ پتھر سے زیادہ نہیں۔

۳۵۔ اس کا بیان پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے۔

۳۶۔ اللہ نہیں تھکتا: جب پہلی مرتبہ بنانے سے نہ تھکے تو دوسری مرتبہ کیوں تھکیں گے اور تباہ و برباد کر دینا تو بنانے سے کہیں آسان ہے۔

۳۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و شکر کا حکم: یعنی ایسی موٹی باتوں کو یہ لوگ نہ سمجھیں تو آپ غمگین نہ ہوں۔ بلکہ ان کی بیہودہ بکواس پر صبر کرتے رہیں۔ اور اپنے پروردگار کی یاد میں دل لگائے رکھیں جو تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کے بنانے اور بگاڑنے کی قدرت رکھتا ہے۔

۳۸۔ دعا اور نمازوں کے خاص اوقات: یہ وقت اللہ کی یاد کے ہیں ان میں دعاء اور عبادت بہت قبول ہوتی ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں آپ پر تین ہی نمازیں فرض تھی۔ فجر، عصر اور تہجد بہر حال اب بھی ان تین وقتوں کو خصوصی فضل و شرف حاصل ہے۔ نماز یا ذکر و دعاء وغیرہ سے ان اوقات کو معمور رکھنا چاہئے۔ حدیث میں ہے علیکم بالغدوۃ والروحۃ وَشَیْءٍ من الدُّلجۃ بعض نے کہا کہ قَبْلَ طُلُوْعِ سے نماز فجر اور قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے ظہر و عصر اور مِنَ الَّيْلِ سے مغرب و عشاء مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۹۔ یعنی نماز کے بعد کچھ تسبیح و تہلیل کرنا چاہئے۔ یا نوافل مراد ہوں جو فرائض کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾	۴۱۔ اور کان رکھ جس دن پکارے پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے [۴۰]
يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾	۴۲۔ جس دن سُنیں گے چنگھاڑ محقق وہ ہے دن نکل پڑنے کا [۴۱]
اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾	۴۳۔ ہم ہیں جِلاتے اور مارتے اور ہم تک ہے سب کو پہنچنا [۴۲]
يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾	۴۴۔ جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے یہ اکٹھا کرنا ہم کو آسان ہے [۴۳]
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ	۴۵۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو نہیں ہے

ع ٣ ١٦ ١٧

بِجَبَّارٍ ۟ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾

اُن پر زور کرنے والا سو تو سمجھا قرآن سے اُس کو جو ڈرے میرے ڈرانے سے [۴۴]

۴۰۔ صور قریب کے مقام سے پھونکا جائے گا: کہتے ہیں صور پھونکا جائے گا بیت المقدس کے پتھر پر۔ اس لئے نزدیک کہا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اُس کی آواز ہر جگہ نزدیک لگے گی اور سب کو یکساں سنائی دے گی۔ باقی صور پھونکنے کے سوا اور بھی ندائیں حق تعالٰی کی طرف سے اس روز ہوں گی بعض نے آیت سے وہ مراد لی ہیں۔ مگر ظاہر نفخ صور ہے واللہ اعلم۔

۴۱۔ صور قریب کے مقام سے پھونکا جائے گا: یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے۔

۴۲۔ یعنی بہر حال موت و حیات سب خدا کے ہاتھ میں ہے اور ہر پھر کر آخر کار اُسی کی طرف سب کو جانا ہے بچ کر کوئی نہیں نکل سکتا۔

۴۳۔ قیامت میں زمین کا پھٹنا: یعنی زمین پھٹے گی اور مردے اس سے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گیں۔ خدا تعالٰی سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر دے گا۔ اور ایسا کرنا اُس کو کچھ مشکل نہیں۔

۴۴۔ تبلیغ میں زبردستی نہیں: یعنی جو لوگ حشر کا انکار کرتے اور واہی تباہی کلمات بکتے ہیں بکنے دو۔ اور ان کا معاملہ ہمارے سپرد کرو۔ ہم کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ آپ کا یہ منصب نہیں کہ زور زبردستی سے ہر ایک کو یہ باتیں منوا کر چھوڑیں۔ ہاں قرآن سنا سنا کر بالخصوص اُنکو نصیحت اور فہمائش کرتے رہیئے۔ جو اللہ کے ڈرانے سے ڈرتے ہیں۔ ان معاندین کے پیچھے زیادہ نہ پڑیے۔

تمّ سورۃ قٓ والحمد للہ

اٰياتها ٦٠ ٥١ سُوۡرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ٦٧ ركوعاتها ٣

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرۡوًا ۙ‏ ﴿۱﴾
۱۔ قسم ہے اُن ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اڑا کر

فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۙ‏ ﴿۲﴾
۲۔ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو

فَالۡجٰرِيٰتِ يُسۡرًا ۙ‏ ﴿۳﴾
۳۔ پھر چلنے والیاں نرمی سے

فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۙ‏ ﴿۴﴾
۴۔ پھر بانٹنے والیاں حکم سے[۱]

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ۙ‏ ﴿۵﴾
۵۔ بیشک جو وعدہ کیا ہے تم سے سچ ہے

وَّاِنَّ الدِّيۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ‏ ﴿۶﴾
۶۔ اور بیشک انصاف ہونا ضرور ہے[۲]

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُكِ ۙ‏ ﴿۷﴾
۷۔ قسم ہے آسمان جالدار (جالیدار) کی[۳]

اِنَّكُمۡ لَفِىۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ ۙ‏ ﴿۸﴾
۸۔ تم پڑ رہے ہو ایک جھگڑے کی بات میں

يُّؤۡفَكُ عَنۡهُ مَنۡ اُفِكَ ؕ‏ ﴿۹﴾
۹۔ اُس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا[۴]

قُتِلَ الۡخَـرّٰصُوۡنَ ۙ‏ ﴿۱۰﴾
۱۰۔ مارے پڑے اٹکل دوڑانے والے[۵]

الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ غَمۡرَةٍ سَاهُوۡنَ ۙ‏ ﴿۱۱﴾
۱۱۔ وہ جو غفلت میں ہیں بھول رہے[۶]

يَسۡـئَلُوۡنَ اَيَّانَ يَوۡمُ الدِّيۡنِ ؕ‏ ﴿۱۲﴾
۱۲۔ پوچھتے ہیں کب ہے دن انصاف کا[۷]

يَوۡمَ هُمۡ عَلَى النَّارِ يُفۡتَنُوۡنَ ‏﴿۱۳﴾
۱۳۔ جس دن وہ آگ پر الٹے سیدھے پڑیں گے

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ چکھو مزا اپنی شرارت کا یہ ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے [۸]
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ﴿۱۵﴾	۱۵۔ البتہ ڈرنے والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں
اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ؕ﴿۱۶﴾	۱۶۔ لیتے ہیں جو دیا اُنکو اُنکے رب نے [۹] وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے [۱۰]
كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾	۱۷۔ وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے
وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾	۱۸۔ اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگنے والے [۱۱]
وَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ اور اُنکے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا [۱۲]
وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ﴿۲۰﴾	۲۰۔ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے واسطے
وَ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾	۲۱۔ اور خود تمہارے اندر سو کیا تم کو سوجھتا نہیں [۱۳]
وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾	۲۲۔ اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا [۱۴]
فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع ۱ ۲۳ ۱۸	۲۳۔ سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو [۱۵]

۱۔ ہواؤں کی قسم: یعنی اوّل زور کی ہوائیں اور آندھیاں چلتی ہیں جن سے غبار وغیرہ اڑتا ہے اور بادل بنتے ہیں، پھر ان میں پانی بنتا ہے۔ اس بوجھ کو اٹھائے پھرتی ہیں۔ پھر برسنے کے قریب نرم ہوا چلتی ہے پھر اللہ کے حکم کے موافق بارش میں جس جگہ کا جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کرتی ہیں۔ ان ہواؤں کی اللہ قسم کھاتا ہے۔ بعض علماء نے "ذاریات" سے ہوائیں "حاملات" سے بادل "جاریات" سے ستارے اور "مقسمات" سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ گویا مقسم بہ کی ترتیب نیچے اوپر کو ہوئی اور حضرت علیؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ "ذاریات" ہوائیں"، "حاملات" بادل،

"جاریات" کشتیاں اور "مقسمات" فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے رزق وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

۲۔ آخرت کا وعدہ سچا ہے: یعنی یہ ہواؤں اور بارش وغیرہ کا نظام شاہد ہے کہ آخرت کا وعدہ سچا، اور انصاف ہونا ضروری ہے۔ جب اس دنیا میں ہوا تک بے نتیجہ نہیں چلتی تو کیا اتنا بڑا کارخانہ یوں ہی بے نتیجہ چل رہا ہے؟ یقیناً اس کا کوئی عظیم الشان انجام ہو گا۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں۔

۳۔ جال دار آسمان: یعنی صاف وشفاف، خوبصورت، مضبوط اور پر رونق آسمان کی قسم جس پر ستاروں کا جال بچھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جس پر ستاروں کی اور فرشتوں کی راہیں پڑی ہوئی ہیں۔

۴۔ یعنی قیامت اور آخرت کی بات میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں۔ اس کو وہ ہی تسلیم کرے گا جسے بارگاہ ربوبیت سے کچھ تعلق ہو۔ جو شخص راندہ درگاہ ہے اور خیر وسعادت کے راستوں سے پھیر دیا گیا ہے وہ اس چیز کے تسلیم اور قبول کرنے سے ہمیشہ باز رہے گا۔ حالانکہ اگر صرف آسمان کے نظم ونسق میں غور کرے تو یقین ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا محض حماقت ہے۔

۵۔ اٹکل دوڑانے والے: یعنی دین کی باتوں میں اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور محض اپنے ظن وتخمین سے قطعیات کو رد کرتے ہیں۔

۶۔ یعنی دنیا کے مزوں نے آخرت سے اور خدا سے غافل کر رکھا ہے۔

۷۔ انصاف کے دن کا تمسخر: یعنی انکار اور ہنسی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ انصاف کا دن کب آئیگا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟

۸۔ حق تعالیٰ کا جواب: یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب دیا گیا۔ یعنی ذرا صبر کرو۔ وہ دن آیا چاہتا ہے۔ جب تم آگ میں الٹے سیدھے کئے جاوگے۔ اور خوب جلا تپا کر کہا جائے گا کہ لو! اب اپنی شرارت اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ جس دن کی جلدی مچا رہے تھے وہ آ گیا۔

۹۔ یعنی خوشی خوشی ان نعمتوں کو قبول کرتے ہیں جو ان کے پروردگار نے ارزانی فرمائی ہیں۔

۱۰۔ یعنی دنیا سے نیکیاں سمیٹ کر لائے تھے۔ آج ان کا نیک پھل مل رہا ہے۔ آگے ان نیکیوں کی قدرے تفصیل ہے۔

۱۱۔ محسنین اور متقین کی صفات: یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گذارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہو سکا۔ جو کوتاہی رہی اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔ کثرت عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی۔ بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خشیت وخوف بڑھتا جاتا تھا۔

۱۲۔ "ہارا ہوا" وہ جو محتاج ہے اور مانگتا نہیں پھرتا۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے (زکوٰۃ کے علاوہ) اپنے مال میں اپنی خوشی سے سائلوں اور محتاجوں کا حصہ مقرر کر رکھا تھا جو التزام کی وجہ سے گویا ایک حق لازم سمجھا گیا۔

۱۳۔ آفاقی اور انفس کی نشانیاں: یعنی یہ شب بیداری، استغفار اور محتاجوں پر خرچ کرنا اس یقین کی بناء پر ہونا چاہیئے کہ خدا موجود ہے اور اس کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی۔ اور یہ یقین وہ ہے جو آفاقی وانفسی آیات میں غور کرنے سے بسہولت حاصل ہو سکتا ہے۔ انسان اگر خود اپنے اندر یا روئے زمین کے حالات میں غور وفکر کرے تو بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ہر نیک وبد کی جزاء کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مل کر رہے گی۔ جلد یا بدیر۔

۱۴۔ سب کی روزی آسمان میں ہے: یعنی سائلوں اور محتاجوں پر خرچ کرنے سے اس لئے نہیں ڈرنا چاہیئے کہ خرچ کر کے ہم کہاں سے کھائیں گے۔ اور نہ خرچ کر کے ان مساکین پر احسان جتلائے کیونکہ تمہاری سب کی روزی اور اجر وثواب کے جو وعدے کئے گئے ہیں آسمان والے کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر ایک کی روزی پہنچ کر رہے گی کسی کے روکے نہیں رک سکتی۔ اور خرچ کرنے والوں کو ثواب بھی مل کر رہیگا۔ حضرت شاہ

صاحب ؒ لکھتے ہیں "آنیوالی جو بات ہے اس کا حکم آسمان ہی سے اترتا ہے"۔

۱۵۔ یہ سب باتیں حق ہیں: یعنی جیسے اپنے بولنے میں شبہ نہیں، ویسا ہی اس کلام میں شبہ نہیں۔ یقیناً روزی پہنچ کر رہیگی، قیامت قائم ہو گی۔ آخرت آکر رہیگی، اور خدا کے وعدے ضرور پورے ہونگے۔ آگے وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کی مناسبت سے حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کا قصہ سناتے ہیں جو تمہید ہے لوطؑ کے قصہ کی۔ دونوں قصوں سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دنیا میں محسنین کے ساتھ کیا ہے اور مکذبین کے ساتھ اس نے کیسا برتاؤ کیا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کیا پہنچی ہے تجھ کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے [۱۶]

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ جب اندر پہنچے اُسکے پاس تو بولے سلام وہ بولا سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے [۱۷]

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۙ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لے آیا ایک بچھڑا گھی میں تلا ہوا

فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر اُنکے سامنے رکھا کہا کیوں تم کھاتے نہیں [۱۸]

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پھر جی میں گھبرایا اُن کے ڈر سے بولے تو مت ڈر اور خوشخبری دی اُسکو ایک لڑکے ہوشیار کی [۱۹]

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ پھر سامنے سے آئی اسکی عورت بولتی ہوئی پھر پیٹا اپنا ماتھا اور کہنے لگی کہیں بڑھیا بانجھ [۲۰]

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ وہ بولے یوں ہی کہا تیرے رب نے وہ جو ہے وہی ہے حکمت والا خبردار [۲۱]

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾

۳۱۔ بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ[۲۲]

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ﴿٣٢﴾

۳۲۔ وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک گنہگار قوم پر

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ﴿٣٣﴾

۳۳۔ کہ چھوڑیں ہم اُن پر پتھر مٹی کے[۲۳]

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾

۳۴۔ نشان پڑے ہوئے تیرے رب کے یہاں سے حد سے نکل چلنے والوں کے لئے[۲۴]

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴿٣٥﴾

۳۵۔ پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ﴿٣٦﴾

۳۶۔ پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے[۲۵]

وَ تَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ
الْاَلِيْمَ ؕ﴿٣٧﴾

۳۷۔ اور باقی رکھا ہم نے اُس میں نشان اُن لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں عذاب دردناک سے[۲۶]

وَ فِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ
مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾

۳۸۔ اور نشانی ہے موسٰی کے حال میں جب بیجھا ہم نے اُسکو فرعون کے پاس دے کر کھلی سند[۲۷]

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾

۳۹۔ پھر اُس نے منہ موڑ لیا اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ[۲۸]

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَ هُوَ
مُلِيْمٌ ؕ﴿٤٠﴾

۴۰۔ پھر پکڑا ہم نے اُسکو اور اُسکے لشکروں کو پھر پھینک دیا اُنکو دریا میں اور اُس پر لگا الزام[۲۹]

وَ فِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۚ﴿٤١﴾

۴۱۔ اور نشانی ہے عاد میں جب بھیجی ہم نے اُن پر ہوا خیر سے خالی

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ
كَالرَّمِيْمِ ؕ﴿٤٢﴾

۴۲۔ نہیں چھوڑتی کسی چیز کو جس پر گذرے کہ نہ کر ڈالے اسکو جیسے چورا[۳۰]

وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا اُنکو برت لو ایک وقت تک [۳۱]

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا اُنکو کڑک نے اور وہ دیکھتے تھے

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پھر نہ ہو سکا اُن سے کہ اٹھیں اور نہ ہوئے کہ بدلا لیں [۳۲]

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾ ع

۴۶۔ اور ہلاک کیا نوح کی قوم کو اس سے پہلے تحقیق وہ تھے لوگ نافرمان [۳۳]

ع ۲ ۲۳ ۱

۱۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان: یعنی فرشتے تھے جن کو ابراہیمؑ اول انسان سمجھے ان کی بڑی عزت کی اور اللہ کے ہاں تو فرشتے معزز ومکرم ہیں ہی۔ کما قال بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء۔۲۶)۔

۱۷۔ یعنی سلام کا جواب سلام سے دیا اور دل میں یا آپس میں کہا کہ یہ لوگ کچھ اوپرے سے معلوم ہوتے ہیں۔

۱۸۔ یعنی نہایت اہتمام سے مہمانی شروع کر دی اور نہایت مہذب وشائستہ پیرایہ میں کہا کہ کیوں حضرات! تم کھانا نہیں کھاتے؟ وہ فرشتے تھے، کھاتے کس طرح۔ آخر ابراہیمؑ سمجھے کہ یہ آدمی نہیں ہیں۔

۱۹۔ یہ قصہ سورۃ "ہود" اور "حجر" میں گذر چکا ہے۔ وہاں تفصیل ملاحظہ کر لی جائے۔

۲۰۔ حضرت سارہ کا تعجب: حضرت سارہؓ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ایک طرف گوشہ میں کھڑی سن رہی تھیں۔ لڑکے کی بشارت سن کر چلاتی ہوئی دوسری طرف متوجہ ہوئیں اور تعجب سے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ (کیا خوب) ایک بڑھیا بانجھ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی۔ اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی؟

۲۱۔ یعنی ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ بلکہ تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینا چاہیئے۔ (پھر تم بیت نبوت سے ہو کر اس بشارت پر تعجب کیا کرتی ہو)۔ (تنبیہ) مجموعہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا حضرت اسحٰقؑ ہیں جن کی بشارت ماں اور باپ دونوں کو دی گئی۔

۲۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کی گفتگو: یعنی ابراہیمؑ نے فرشتوں سے پوچھا کہ آخر تم کس مہم کے لئے آئے ہو۔ اندازہ سے سمجھے ہونگے کہ ضرور کسی اور اہم مقصد کے لئے ان کا نزول ہوا ہے۔

۲۳۔ یعنی قوم لوط کی سزا دہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ تا کنکر کے پتھر برسا کر ان کو ہلاک کریں۔ مِّنْ طِیْنٍ کی قید سے معلوم ہو گیا کہ یہ اولوں کی بارش نہ تھی جس کو توسّعاً پتھر کہہ دیا جاتا ہے۔

۲۴۔ قوم لوط کیلئے نشان زدہ پتھر: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پتھروں پر نشان کر دیے گئے ہیں۔ یہ عذاب کے پتھر خاص ان ہی کو لگیں گے جو عقل، دین اور فطرت کی حد سے نکل چکے ہیں۔

۲۵۔ یعنی اس بستی میں صرف ایک حضرت لوطؑ کا گھرانا مسلمانی کا گھرانا تھا۔ اس کو ہم نے عذاب سے محفوظ رکھا اور صاف بچا نکالا۔ باقی سب تباہ کر دیے گئے۔

۲۶۔ آثار عذاب سے عبرت: یعنی اب تک وہاں تباہی کے نشان موجود ہیں اور ان کی غیر معمولی ہلاکت کے قصہ میں ڈرنے والوں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔

۲۷۔ یعنی معجزات وبراہین۔

۲۸۔ یعنی زور و قوت پر مغرور ہو کر حق کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور اپنی قوم اور ارکان سلطنت کو بھی ساتھ لے ڈوبا۔ کہنے لگا کہ موسٰی یا تو چالاک جادوگر ہے اور یا دیوانہ ہے۔ دو حال سے خالی نہیں۔

۲۹۔ یعنی ہم نے زیادتی نہیں کی۔ الزام اسی پر ہے کہ اس نے کفر اور سرکشی اختیار کی سمجھانے پر بھی باز نہ آیا۔ آخر جو بویا تھا وہ ہی کاٹا۔

۳۰۔ یعنی عذاب کی آندھی آئی جو خیر وبرکت سے یکسر خالی تھی۔ اس نے مجرموں کی جڑ کاٹ ڈالی اور جس چیز پر گذری اس کا چورا کر کے رکھدیا۔

۳۱۔ قوم صالح کو مہلت: یعنی حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور دنیا کے مزے اڑالو، اور یہاں کا سامان برت لو۔ آخر عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ گے۔

۳۲۔ یعنی ان کی شرارت روز بروز بڑھتی گئی۔ آخر عذاب الٰہی نے آلیا ایک کڑک ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور و طاقت اور متکبرانہ دعوے اور طنطنے خاک میں مل گئے کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا۔ بھلا بدلہ تو کیا لے سکتے تھے اور اپنی مدد پر کسے بلاتے۔

۳۳۔ یعنی ان اقوام سے پہلے نوحؑ کی قوم اپنی بغاوت اور سرکشی کی بدولت تباہ کی جا چکی ہے وہ لوگ بھی نافرمانی میں حد سے نکل گئے تھے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ﴿۴۷﴾	۴۷۔ اور بنایا ہم نے آسمان ہاتھ کے بل سے اور ہم کو سب مقدور ہے [۳۴]
وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ ﴿۴۸﴾	۴۸۔ اور زمین کو بچھایا ہم نے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم [۳۵]
وَمِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۴۹﴾	۴۹۔ اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تا کہ تم دھیان کرو [۳۶]
فَفِرُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۚ﴿۵۰﴾	۵۰۔ سو بھاگو اللہ کی طرف میں تم کو اُسکی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر
وَلَا تَجۡعَلُوۡا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۚ﴿۵۱﴾	۵۱۔ اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود میں تم کو اُسکی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر [۳۷]

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ۚ‏ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا اُس کو یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ [۳۸]

اَتَوَاصَوۡا بِهٖ ۚ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ۚ‏ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ کیا یہی وصیت کر مرے ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں [۳۹]

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ۖ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ سو تو لوٹ آ ان کی طرف سے اب تجھ پر نہیں ہے الزام

وَّذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو [۴۰]

۳۴۔ یعنی آسمان جیسی وسیع چیز اپنی قدرت سے پیدا کی اور اس سے بھی بڑی چیزیں پیدا کرے تو کیا مشکل ہے۔

۳۵۔ یعنی زمین و آسمان سب خدا کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کے قبضہ میں ہیں۔ پھر اس کا مجرم بھاگ کر کہاں پناہ لے سکتا ہے۔ نیز خالق کائنات کی عجیب و غریب کاریگری میں آدمی غور کرے تو اسی کا ہو رہے۔

۳۶۔ ہر نوع میں جوڑے پیدا کئے: یعنی نر اور مادہ جیسا کہ ابن زید نے کہا۔ اور آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے۔ اور یا "زوجین" سے متقابل و متضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین آسمان، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، صحت و مرض، کفر و ایمان، وغیر ذٰلک۔

۳۷۔ اللہ کی طرف دوڑو: یعنی جب زمین و آسمان اور تمام کائنات ایک اللہ کی پیدا کی ہوئی اور اسی کے زیر حکومت ہے تو بندہ کو چاہیئے ہر جانب سے ہٹ کر اسی کی طرف بھاگے۔ اگر اس کی طرف نہ بھاگا اور رجوع نہ ہوا تو یہ بہت ڈر کی چیز ہے۔ یا کسی اور ہستی کی طرف رجوع ہو گیا تو یہ بھی ڈر کی بات ہے۔ ان دونوں صورتوں کے خوفناک انجام سے میں تم کو صاف صاف ڈراتا ہوں۔

۳۸۔ ہر نبی کو جادوگر کہا گیا: یعنی ایسی صاف تنبیہ و انذار پر اگر یہ منکرین کان نہ دھریں تو غم نہ کیجئے۔ ان سے پہلے جن کافر قوموں کی طرف کوئی پیغمبر آیا، اسی طرح جادوگر یا دیوانہ کہہ کر اس کی نصیحتوں کو ہنسی میں اڑا دیا۔

۳۹۔ تکذیب انبیاء پر کفار کا اتفاق: یعنی ہر زمانہ کے کافر اس بات میں ایسے متفق اللفظ رہے کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں کہ جو رسول آئے اسے ساحر یا مجنون کہہ کر چھوڑ دینا۔ اور واقع میں وصیت تو کہاں کرتے، البتہ شرارت کے عنصر میں سب شریک ہیں۔ اور یہ ہی اشتراک پچھلے شریروں سے وہ الفاظ کہلواتا ہے جو اگلے شریروں نے کہے تھے۔

۴۰۔ یعنی آپ فرضِ دعوت و تبلیغ کماحقہٗ ادا کر چکے۔ اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ماننے کا جو کچھ الزام رہیگا ان ہی معاندین پر رہیگا۔ ہاں سمجھانا آپ کا کام ہے۔ سو یہ سلسلہ جاری رکھیے جس کی قسمت میں ایمان لانا ہو گا اس کو یہ سمجھانا کام دیگا، جو ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید نفع پہنچے گا، اور منکروں پر خدا کی حجت تمام ہو گی۔

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ‏ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو [۴۱]

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ میں نہیں چاہتا اُن سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط[۴۲]

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہے جیسے ڈول بھرا اُنکے ساتھیوں کا اب مجھ سے جلدی نہ کریں[۴۳]

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

۶۰۔ سو خرابی ہے منکروں کو اُنکے اس دن سے جس کا اُن سے وعدہ ہو چکا ہے[۴۴]

۳ ع ۲

۴۱۔ جنوں اور انسانوں کی تخلیق عبادت کیلئے ہے: یعنی ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے ان میں خلقۃ ایسی استعداد رکھی ہے کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں یوں ارادہ کونیّہ قدریّہ کے اعتبار سے تو ہر چیز اس کے حکم تکوینی کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ لیکن ایک وقت آئیگا جب سب بندے اپنے ارادہ سے تخلیق عالم کی اس غرض شرعی کو پورا کرینگے۔ بہر حال آپ سمجھاتے رہیئے کہ سمجھانے ہی سے یہ مطلوب شرعی حاصل ہو سکتا ہے۔

۴۲۔ بندگی بندوں ہی کے فائدے کیلئے ہے: یعنی ان کی بندگی سے میرا کچھ فائدہ نہیں، ان ہی کا نفع ہے۔ میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لئے کما کر لاؤ یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے۔ میں ان سے اپنے لئے روزی کیا طلب کرتا، خود ان کو اپنے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں بھلا مجھ جیسے زور آور اور قادر و توانا کو تمہاری خدمات کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ بندگی کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ تم میری شہنشاہی اور عظمت و کبریائی کا قولاً و فعلاً اعتراف کر کے میرے خصوصی الطاف و مراحم کے مورد و مستحق بنو۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

۴۳۔ یعنی اگر یہ ظالم بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھ لو کہ دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے۔ بس اب ڈوبا چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں۔ جیسے دوسرے کافروں کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا، ان کو بھی پہنچ کر رہیگا۔

۴۴۔ یعنی قیامت کا دن۔ یا اس سے پہلے ہی کوئی دن سزا کا آجائے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کو "بدر" میں خاصی سزا مل گئی۔

تم سورۃ الذاریات وللہ الحمد

ایاتھا ۴۹ ۵۲ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ۷۶ رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالطُّوۡرِۙ ﴿۱﴾
۱۔ قسم ہے طور کی [۱]

وَكِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍۙ ﴿۲﴾
۲۔ اور لکھی ہوئی کتاب کی

فِىۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍۙ ﴿۳﴾
۳۔ کشادہ ورق میں [۲]

وَّالۡبَيۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِۙ ﴿۴﴾
۴۔ اور آباد گھر کی [۳]

وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِۙ ﴿۵﴾
۵۔ اور اونچی چھت کی [۴]

وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِۙ ﴿۶﴾
۶۔ اور اُبلتے ہوئے دریا کی [۵]

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌۙ ﴿۷﴾
۷۔ بیشک عذاب تیرے رب کا ہو کر رہے گا

مَّا لَهٗ مِنۡ دَافِعٍۙ ﴿۸﴾
۸۔ اُسکو کوئی نہیں ہٹانے والا [۶]

يَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ مَوۡرًاۙ ﴿۹﴾
۹۔ جس دن لرزے آسمان کپکپا کر [۷]

وَّتَسِيۡرُ الۡجِبَالُ سَيۡرًاؕ ﴿۱۰﴾
۱۰۔ اور پھریں پہاڑ چل کر [۸]

فَوَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَۙ ﴿۱۱﴾
۱۱۔ سو خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کو

الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ خَوۡضٍ يَّلۡعَبُوۡنَۘ ﴿۱۲﴾
۱۲۔ جو باتیں بناتے ہیں کھیلتے ہوئے [۹]

يَوۡمَ يُدَعُّوۡنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّاؕ ﴿۱۳﴾
۱۳۔ جس دن کہ دھکیلے جائیں دوزخ کی طرف دھکیل کر

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ بِهَا تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

١٤۔ یہ ہے وہ آگ جسکو تم جھوٹ جانتے تھے [١٠]

اَفَسِحۡرٌ هٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۵﴾

١٥۔ اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا [١١]

اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ ؕ
اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

١٦۔ چلے جاؤ اسکے اندر پھر تم صبر کرو یا نہ صبر کرو تم کو برابر ہے وہی بدلا پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے [١٢]

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیۡمٍ ۙ﴿۱۷﴾

١٧۔ جو ڈرنے والے ہیں وہ باغوں میں ہے اور نعمت میں

فٰکِهِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمۡ رَبُّهُمۡ ۚ وَ وَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ عَذَابَ
الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۸﴾

١٨۔ میوے کھاتے ہوئے جو اُنکو دیے اُنکے رب نے اور بچایا اُنکے رب نے دوزخ کے عذاب سے [١٣]

کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا هَنِیۡٓـئًۢا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۙ﴿۱۹﴾

١٩۔ کھاؤ اور پیو رچتا ہوا بدلا اُن کاموں کا جو تم کرتے تھے

مُتَّکِـِٕیۡنَ عَلٰی سُرُرٍ مَّصۡفُوۡفَةٍ ۚ وَ زَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ
عِیۡنٍ ﴿۲۰﴾

٢٠۔ تکیہ لگائے بیٹھے تختوں پر برابر بچھے ہوئے قطار باندھ کر [١٤] اور بیاہ دیں ہم اُنکو حوریں بڑی آنکھوں والیاں

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ
اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَ مَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ
مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ کُلُّ امۡرِیًٴۢ بِمَا کَسَبَ رَهِیۡنٌ ﴿۲۱﴾

٢١۔ اور جو لوگ یقین لائے اور اُنکی راہ پر چلی اُنکی اولاد ایمان سے پہنچا دیا ہم نے اُن تک اُنکی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ہم نے اُن سے ان کا کیا ذرا بھی [١٥] ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے [١٦]

وَ اَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاکِهَةٍ وَّ لَحۡمٍ مِّمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ﴿۲۲﴾

٢٢۔ اور تار لگا دیا ہم نے اُن پر میووں کا اور گوشت کا جس چیز کو جی چاہے [١٧]

یَتَنَازَعُوۡنَ فِیۡهَا کَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِیۡهَا وَ لَا
تَاۡثِیۡمٌ ﴿۲۳﴾

٢٣۔ جھپٹتے ہیں وہاں پیالا نہ بکنا ہے اُس شراب میں اور نہ گناہ میں ڈالنا [١٨]

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع

۲۴۔ اور پھرتے ہیں اُنکے پاس چھوکرے اُنکے گویا وہ موتی ہیں اپنے غلاف کے اندر[۱۹]

۲۵۔ اور منہ کیا بعضوں نے دوسروں کی طرف آپس میں پوچھتے ہوئے

۲۶۔ بولے ہم بھی تھے اس سے پہلے اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے

۲۷۔ پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچا دیا ہم کو لُو کے عذاب سے

۲۸۔ ہم پہلے سے پکارتے تھے اُسکو بیشک وہی ہے نیک سلوک والا مہربان[۲۰]

۱۔ یعنی "کوہ طور" جس پر حضرت موسیٰؑ سے اللہ نے کلام کیا۔

۲۔ مخلوقات کی قسمیں: اس کتاب سے شاید لوح محفوظ مراد ہو یا لوگوں کا اعمالنامہ یا قرآن کریم یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتب سماویہ سب احتمالات ہیں۔

۳۔ بیت معمور: شاید کعبہ کو کہا یا ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کی ٹھیک محاذات میں فرشتوں کا کعبہ ہے اس کو "بیت معمور" کہتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

۴۔ یعنی آسمان کی قسم جو زمین کے اوپر ایک چھت کی طرح ہے اور یا "سقف مرفوع" عرش عظیم کو کہا جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت کی چھت ہے۔

۵۔ دنیا کے ابلتے ہوئے دریا مراد ہوں یا وہ عظیم الشان دریا مراد ہو جس کا وجود عرش عظیم کے نیچے اور آسمانوں کے اوپر روایات سے ثابت ہوا ہے۔

۶۔ قدرت الہیہ پر مخلوقات کی شہادت: یعنی یہ تمام چیزیں جن کی قسم کھائی شہادت دیتی ہیں کہ وہ خدا بہت بڑی قدرت و عظمت والا ہے۔ پھر اس کی نافرمانی کرنیوالوں پر عذاب کیوں نہیں آئیگا۔ اور کس کی طاقت ہے جو اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو الٹا واپس کر دے گا۔

۷۔ یعنی آسمان لرز کر اور کپکپا کر پھٹ پڑیگا۔

۸۔ یعنی پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔

۹۔ کفار کا انجام بد: یعنی جو آج کھیل کود میں مشغول ہو کر طرح طرح کی باتیں بناتے اور آخرت کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کے لئے اس روز سخت خرابی اور تباہی ہے۔

۱۰۔ یعنی فرشتے ان کو سخت ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور وہاں پہنچا کر کہاں جائیگا کہ یہ وہ آگ حاضر ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔

۱۱۔ یعنی تم دنیا میں انبیاء کو جادوگر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے۔ ذرا اب بتلاؤ کہ یہ دوزخ جس کی خبر انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جیسے دنیا میں تم کو کچھ سوجھتا نہ تھا، اب بھی نہیں سوجھتا۔

۱۲۔ یعنی دوزخ میں پڑ کر اگر گھبراؤ اور چلاؤ گے، تب کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ اور بفرضِ محال صبر کر کے چپ ہو رہو تب تم پر کوئی رحم کھانے والا نہیں۔ غرض دونوں حالتیں برابر ہیں۔ اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں۔ جو کرتوت دنیا میں کئے تھے ان کی سزا یہ ہی حبس دوام اور ابدی عذاب ہے۔

۱۳۔ متقین کیلئے جنت کی نعمتیں: یعنی جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے تھے۔ وہاں بالکل مامون اور بے فکر ہوں گے۔ ہر قسم کے عیش و آرام کے سامان ان کے لئے حاضر رہیں گے اور یہ ہی انعام کیا کم ہے کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔

۱۴۔ اہل جنت کی مجلس: یعنی جنتیوں کی مجلس اس طرح ہوگی کہ سب جنتی بادشاہوں کی طرح اپنے اپنے تخت پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ان کی ترتیب نہایت قرینہ سے ہوگی۔

۱۵۔ جنت میں نیک اولاد اپنے آباء کے ساتھ ہوگی: یعنی کاملوں کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں اور ان ہی کاملوں کی راہ چلیں۔ جو خدمات ان کے بزرگوں نے انجام دی تھیں یہ بھی ان کی تکمیل میں ساعی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جنت میں ان ہی کے ساتھ ملحق کر دے گا۔ گو ان کے اعمال و احوال ان کے اعمال و احوال سے کمًّا وکیفًا فروتر ہوں۔ تاہم ان بزرگوں کے اکرام اور عزت افزائی کے لئے ان تابعین کو ان متبوعین کے جوار میں رکھا جائے گا۔ اور ممکن ہے بعض کو بالکل ان ہی کے مقام اور درجہ پر پہنچا دیا جائے جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دیدیا جائے گا۔ نہیں، یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہوگا کہ قاصرین کو ذرا اٹھا کر اوپر کاملین کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ (تنبیہ) احقر نے وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ کا جو مطلب لیا ہے، صحیح بخاری کی یہ حدیث اس کے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ قَالَتِ الۡاَنۡصَارُ (یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ)! اِنَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ اَتۡبَاعًا وَاِنَّا قَدِ اتَّبَعۡنَاكَ فَادۡعُ اللّٰهَ اَنۡ یَّجۡعَلَ اَتۡبَاعَنَا مِنَّا۔ قَالَ النَّبِیُّ اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡ اَتۡبَاعَهُمۡ مِنۡهُمۡ۔

۱۶۔ اوپر فضل کا بیان تھا۔ یہاں عدل کا ضابطہ بتلا دیا۔ یعنی عدل کا مقتضاء یہ ہے کہ جس آدمی نے جو کچھ اچھا یا برا عمل کیا ہے، اسی کے موافق بدلہ پائے۔ آگے اللہ کا فضل ہے کہ وہ کسی کی تقصیر معاف فرمادے یا کسی کا درجہ بلند کر دے۔

۱۷۔ ہر قسم کا مرغوب گوشت اور میوے: یعنی جس قسم کا گوشت مرغوب ہو اور جس جس میوے کو دل چاہے بلا توقف لگاتار حاضر کئے جائیں گے۔

۱۸۔ یعنی شراب طہور کا دور جب چلے گا تو جنتی بطور خوش طبعی کے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے۔ لیکن اس شراب میں محض نشاط اور لذت ہوگی۔ نشہ، بکواس اور فتور عقل وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی۔

۱۹۔ جنت کے غلمان: یعنی جیسے موتی اپنے غلاف کے اندر بالکل صاف و شفاف رہتا ہے گرد و غبار کچھ نہیں پہنچتا۔ یہ ہی حال ان کی صفائی اور پاکیزگی کا ہوگا۔

۲۰۔ اہل جنت کا آپس میں اظہار اطمینان: یعنی جنتی اس وقت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے اور غایت مسرت و امتنان سے کہیں گے کہ بھائی ہم دنیا میں ڈرتے رہتے تھے کہ دیکھیے مرنے کے بعد کیا انجام ہو۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ اللہ کا احسان دیکھو کہ آج اس نے کیسا مامون و مطمئن کر دیا کہ دوزخ کی بھاپ بھی ہم کو نہیں لگی۔ ہم اپنے رب کو ڈر کر اور امید باندھ کر پکارا کرتے تھے۔ آج دیکھ لیا کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہماری پکار سنی اور ہمارے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّ لَا مَجْنُوْنٍ ؕ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اب تو سمجھا دے کہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ جنوں سے خبر لینے والا ہے اور نہ دیوانہ [۲۱]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اُس پر گردش زمانہ کے [۲۲]

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ؕ﴿۳۱﴾

۳۱۔ تو کہہ تم منتظر رہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں [۲۳]

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ﴿۳۲﴾

۳۲۔ کیا اُنکی عقلیں یہی سکھلاتی ہیں اُنکو یا یہ لوگ شرارت پر ہیں [۲۴]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۚ﴿۳۳﴾

۳۳۔ یا کہتے ہیں یہ قرآن خود بنالایا ہے کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ؕ﴿۳۴﴾

۳۴۔ پھر چاہئے کہ لے آئیں کوئی بات اسی طرح کی اگر وہ سچے ہیں [۲۵]

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؕ﴿۳۵﴾

۳۵۔ کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۳۶﴾

۳۶۔ یا انہوں نے بنایا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے [۲۶]

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَّيْطِرُوْنَ ؕ﴿۳۷﴾

۳۷۔ کیا اُنکے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی داروغہ ہیں [۲۷]

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ؕ﴿۳۸﴾

۳۸۔ کیا اُنکے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سُن آتے ہیں تو چاہیے کہ لے آئے جو سنتا ہے اُن میں ایک سند کھلی ہوئی [۲۸]

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ ؕ﴿۳۹﴾

۳۹۔ کیا اُسکے یہاں بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے [۲۹]

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ؕ﴿۴۰﴾

۴۰۔ کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ بدلا سو ان پر تاوان کا بوجھ ہے [۳۰]

اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ؕ﴿۴۱﴾

۴۱۔ کیا انکو خبر ہے بھید کی سو وہ لکھ رکھتے ہیں [۳۱]

اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ؕ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هُمُ
الۡمَكِيۡدُوۡنَ ؕ﴿۴۲﴾

۴۲۔ کیا چاہتے ہیں کہ کچھ داؤ کرنا سو جو منکر ہیں وہی آتے ہیں داؤ میں [۳۲]

اَمۡ لَهُمۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ کیا اُن کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوائے وہ اللہ پاک ہے اُنکے شریک بنانے سے [۳۳]

وَ اِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا
سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا [۳۴]

فَذَرۡهُمۡ حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ فِيۡهِ
يُصۡعَقُوۡنَ ۙ﴿۴۵﴾

۴۵۔ سو تو چھوڑ دے اُنکو یہاں تک کہ دیکھ لیں اپنے اُس دن کو جس میں اُن پر پڑے گی بجلی کی کڑک

يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا وَّ لَا هُمۡ
يُنۡصَرُوۡنَ ؕ﴿۴۶﴾

۴۶۔ جس دن کام نہ آئے گا اُنکو اُن کا داؤ ذرا بھی اور نہ اُنکو مدد پہنچے گی [۳۵]

وَ اِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِكَ وَلٰـكِنَّ
اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور ان گنہگاروں کے لئے ایک عذاب ہے اُس سے ورے پر بہت اُن میں کے نہیں جانتے [۳۶]

وَ اصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا وَ سَبِّحۡ
بِحَمۡدِ رَبِّكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ۙ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے [۳۷] اور پاکی بیان کر اپنے رب کی خوبیاں جس وقت تو اٹھتا ہے [۳۸]

ع ۲ ۲۱ ۴

وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ﴿۴۹﴾ ع

۴۹۔ اور کچھ رات میں بول اُسکی پاکی اور پیٹھ پھیرتے وقت تاروں کے [۳۹]

۲۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاہن اور مجنون نہیں ہیں: کفار حضور ﷺ کو کبھی دیوانہ کہتے، کبھی کاہن یعنی جنوں اور شیطانوں سے کچھ جھوٹی سچی خبریں لیکر چلتی کر دیتے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ آج تک کسی کاہن اور دیوانے نے ایسی اعلیٰ درجہ کی نصیحتیں اور حکیمانہ اصول، اس طرح کے صاف، شستہ اور شائستہ طرز میں بیان کئے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ آپ ان کو بھلا برا سمجھاتے رہیے اور پیغمبرانہ نصیحتیں کرتے رہیے۔ ان کی بکواس سے دلگیر نہ ہوں۔ جب اللہ کے فضل و رحمت سے نہ آپ کاہن ہیں نہ مجنون، بلکہ اس کے مقدس رسول ہیں تو نصیحت کرتے رہنا آپ کا فرض منصبی ہے۔

۲۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر بھی نہیں ہیں: یعنی پیغمبر جو اللہ کی باتیں سناتا اور نصیحت کرتا ہے، کیا یہ لوگ اس لئے قبول نہیں کرتے کہ آپ کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ جس طرح قدیم زمانہ کے بہت سے شعراء گردش زمانہ سے یونہی مر مرا کر ختم ہو گئے ہیں، یہ بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے ہاتھ میں نہیں۔ محض چند روز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔

۲۳۔ یعنی اچھا تم میرا انجام دیکھتے رہو۔ میں تمہارا دیکھتا ہوں۔ عنقریب کھل جائے گا کہ کون کامیاب ہے، کون خائب و خاسر۔

۲۴۔ منکرین کی بے عقلی: یعنی پیغمبر کو مجنون کہہ کر گویا اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کرتے ہیں کیا ان کی عقل و دانش نے یہ ہی سکھلایا ہے کہ ایک انتہائی صادق، امین، عاقل و فرزانہ اور سچے پیغمبر کو شاعر یا کاہن یا دیوانہ قرار دیکر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر شاعروں اور پیغمبروں کے کلام میں تمیز بھی نہیں کر سکتے تو کیسے عقلمند ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دل میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر محض شرارت اور کجروی سے باتیں بناتے ہیں۔

۲۵۔ منکرین قرآن کو چیلنج: یعنی کیا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سنا رہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لایا؟ اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا؟ سو نہ ماننے کے ہزار بہانے۔ جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کے بے سروپا احتمالات نکالا کرتا ہے ورنہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی قرآن کا مثل نہیں لا سکتے۔ اور جیسے خدا کی زمین جیسی زمین اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں، اس کے قرآن جیسا قرآن بنالانا بھی محال ہے۔

۲۶۔ کیا ان کفار کا کوئی خالق نہیں: یعنی پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے۔ کیا ان کے اوپر کوئی خدا نہیں جس کی بات ماننا ان کے ذمہ لازم ہو۔ کیا بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں؟ یا یہ خیال ہے کہ آسمان اور زمین ان کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں، کوئی ان کو روکنے ٹوکنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب خیالات باطل اور مہمل ہیں۔ وہ بھی دلوں میں جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے جس نے ان کو اور تمام زمین آسمان کو نیست سے ہست کیا۔ مگر اس علم کے باوجود جو ایمان و یقین شرعاً مطلوب ہے اس سے محروم اور بے بہرہ ہیں۔

۲۷۔ کیا اللہ کے خزانے انکے پاس ہیں: یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین و آسمان گو خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے؟ یا اس کے ملک اور خزانوں پر انہوں نے زور سے تسلط اور قبضہ حاصل کر لیا ہے پھر ایسے صاحب تصرّف و اقتدار ہو کر وہ کسی کے مطیع و منقاد کیوں بنیں۔

۲۸۔ یعنی کیا یہ دعویٰ ہے کہ وہ زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں۔ پھر جب ان کی رسائی براہ راست اس بارگاہ تک ہو تو کسی بشر کا اتباع کرنے کی کیا ضرورت رہی۔ جس کا یہ دعویٰ ہو تو بسم اللہ اپنی سند اور حجت پیش کرے۔

۲۹۔ اللہ کیلئے بیٹیاں اور اپنے لئے بیٹے: یعنی کیا (معاذاللہ) خدا کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ بیٹے اور بیٹیوں کی اس تقسیم سے مترشح ہوتا ہے

اور اس لئے اس کے احکام وہدایات کے سامنے سر تسلیم جھکانا اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

۳۰۔ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لئے نہیں مانتے کہ خدانہ کردہ آپ ان سے اس ارشاد و تبلیغ پر کوئی بھاری معاوضہ طلب کر رہے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں۔

۳۱۔ یعنی کیا خود ان پر اللہ اپنی وحی بھیجتا اور پیغمبروں کی طرح اپنے بھید پر مطلع کرتا ہے جسے یہ لوگ لکھ لیتے ہیں جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو آپ کی پیروی کی ضرورت نہیں۔

۳۲۔ کفار کے داؤ خود ان پر لوٹ جائیں گے: یعنی ان میں سے کوئی بات نہیں تو کیا پھر یہ ہی ارادہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں اور مکر و فریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر دیں۔ ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ داؤ پیچ سب ان ہی پر الٹنے والے ہیں عنقریب پتہ لگ جائیگا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔

۳۳۔ یعنی کیا خدا کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑے پر ان کی مدد کریں گے؟ اور جن کی پرستش نے خدا کی طرف سے ان کو بے نیاز کر رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و مثیل یا مقابل و مزاحم ہو۔

۳۴۔ کفار کی تکذیب محض ضد اور عناد ہے: یعنی حقیقت میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔ صرف ایک چیز ہے "ضد اور عناد" جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کے جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر ان کی فرمائش کے موافق فرض کیجئے آسمان سے ایک تختہ ان پر گرا دیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی تاویل کر دیں گے۔ مثلاً کہیں گے کہ یہ آسمان سے نہیں آیا۔ بادل کا ایک حصہ گاڑھا اور منجمد ہو کر گر پڑا ہے، جیسے بڑے بڑے اولے کبھی کبھی گرتے ہیں بھلا ایسے متعصب معاندوں سے ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۳۵۔ کفار کو مہلت دیجئے: یعنی ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چھوڑ دیجئے کہ چند روز اور کھیل لیں اور باتیں بنالیں۔ آخر وہ دن آنا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہیں گے۔ اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی، نہ کسی طرف سے مدد پہنچے گی (غالباً اس سے آخرت کا دن مراد ہے)۔

۳۶۔ یعنی ان میں سے اکثروں کو خبر نہیں کہ آخرت کے عذاب سے ورے دنیا میں بھی ان کے لئے ایک سزا ہے جو مل کر رہے گی۔ شاید یہ معرکہ "بدر" وغیرہ کی سزا ہو۔

۳۷۔ یعنی صبر واستقامت کے ساتھ اپنے رب کے حکم تکوینی و تشریعی کا انتظار کیجئے جو عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اور آپ کو مخالفین کی طرف سے کچھ بھی نقصان نہ پہنچے گا۔ کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیرِ حفاظت ہیں۔

۳۸۔ تسبیح وتحمید کی تاکید: یعنی صبر و تحمل اور سکون و اطمینان کے ساتھ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح و تحمید اور عبادت گذاری میں لگے رہیئے۔ خصوصاً جس وقت آپ سو کر اٹھیں یا نماز کے لئے کھڑے ہوں، یا مجلس سے اٹھ کر تشریف لیجائیں۔ ان حالات میں تسبیح وغیرہ کی مزید ترغیب و تاکید آئی ہے۔

۳۹۔ تہجد کے وقت تسبیح: "رات کے حصہ" سے مراد شاید تہجد کا وقت ہو، اور تاروں کے پیٹھ پھیرنے کا وقت صبح کا وقت ہے۔ کیونکہ صبح کا اجالا ہوتے ہی ستارے غائب ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

تم سورۃ الطور

اٰیاتھا ۶۲	۵۳ سُوۡرَۃُ النَّجۡمِ مَکِّیَّۃٌ ۲۳	رکوعاتھا ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَ النَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ۙ﴿۱﴾

۱۔ قسم ہے تارے کی جب گرے[۱]

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَ مَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾

۲۔ بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا[۲]

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾

۳۔ اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے

اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾

۴۔ یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا[۳]

عَلَّمَہٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ﴿۵﴾

۵۔ اُسکو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے زور آور نے[۴]

ذُوۡ مِرَّۃٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ﴿۶﴾

۶۔ پھر سیدھا بیٹھا

وَ ہُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ؕ﴿۷﴾

۷۔ اور وہ تھا اُونچے کنارے پر آسمان کے[۵]

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ﴿۸﴾

۸۔ پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا

فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ﴿۹﴾

۹۔ پھر رہ گیا فرق دو کمان کی برابر یا اس سے بھی نزدیک

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿ؕ۱۰﴾

۱۰۔ پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا[۶]

مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾

۱۱۔ جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا[۷]

اَفَتُمٰرُوۡنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اب کیا تم اُس سے جھگڑتے ہو اُس پر جو اُس نے دیکھا[۸]

وَ لَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی ﴿ۙ۱۳﴾

۱۳۔ اور اُسکو اُس نے دیکھا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور بھی

عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى ﴿۱۴﴾

۱۴۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس

عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اُس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی[۹]

اِذۡ يَغۡشَى السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰى ﴿۱۶﴾

۱۶۔ جب چھا رہا تھا اُس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا[۱۰]

مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾

۱۷۔ بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی[۱۱]

لَقَدۡ رَاٰى مِنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰى ﴿۱۸﴾

۱۸۔ بیشک دیکھے اُس نے اپنے رب کے بڑے نمونے[۱۲]

۱۔ یعنی غروب ہو۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راست روی: "رفیق" سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ یعنی نہ آپ غلط فہمی کی بناء پر راستہ سے بہکے، نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر بے راہ چلے، بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لیکر غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں۔ کبھی ادھر اُدھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔ آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر یا ادھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو ان کی بعثت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف بری کے بعد آفتاب محمدی (ﷺ) مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہیئے۔ جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وحی ہیں: یعنی کوئی کام تو کیا۔ ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں وحی متلوّ کو قرآن اور غیر متلوّ کو حدیث کہا جاتا ہے۔

۴۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت: یعنی وحی بھیجنے والا تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہے لیکن جس کے ذریعہ سے وہ وحی آپ تک پہنچتی ہے اور جو بظاہر آپ کو سکھلاتا ہے وہ بہت سخت قوتوں والا، بڑا زور آور حسین و وجیہ فرشتہ ہے جسے "جبریل امین" کہتے ہیں۔ چنانچہ "سورۃ التکویر" میں جبریل کی نسبت فرمایا اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ۔ ذِىۡ قُوَّةٍ۔ (التکویر۔ ۲۰،۱۹) الخ۔

۵۔ حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصل صورت میں: "اونچے کنارے" سے اکثروں نے اُفق شرقی مراد لیا ہے۔ جدھر سے صبح صادق نمودار ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ اپنی اصلی صورت میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرائے تو سورۃ "مدثر" اتری۔

۶۔ قوسین کا فاصلہ: یعنی جبریلؑ اپنے اصلی مستقر سے تعلق رکھنے کے باوجود نیچے اترے۔ اور آنحضرت ﷺ سے اس قدر نزدیک ہوگئے کہ

دونوں کے درمیان دو ہاتھ یا دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ (محمد رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) پر وحی بھیجی۔ غالباً اس سے مراد سورۃ "مدثر" کی یہ آیات ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر۔ ۱،۲) الخ۔ یا اور کچھ احکام ہونگے۔ (تنبیہ) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں محققین کے نزدیک اَوْ شک کے لئے نہیں۔ بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ زیادہ کی نفی کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی تعیین کرکے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ "قوسین" کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم، ہاں اتنا ظاہر کر دینا ہے کہ کسی حال اور کسی طرح اس سے زائد نہ تھا۔ وفیہ اقوال اخر ذکرہا المفسرون۔

۷۔ آنکھوں سے حضرت جبریل علیہ السلام کی رویت: یعنی جبریلؑ کو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے آنکھ سے دیکھا اور اندر سے دل نے کہا کہ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبریلؑ کو دیکھ رہی ہے، کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو اطمینان کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

۸۔ یعنی وحی بھیجنے والا اللہ، لانے والا فرشتہ جس کی صورت و سیرت نہایت پاکیزہ اور فہم و حفظ وغیرہ کی تمام قوتیں کامل، پھر اتنا قریب ہو کر وحی پہنچائے پیغمبر اس کو اپنی آنکھ سے دیکھے، اس کا صاف اور روشن دل اس کی تصدیق کرے، تو کیا ایسی دیکھی بھالی چیز میں تم کو حق ہے کہ اس سے فضول بحث و تکرار کرو اور جھگڑے نکالو۔ اِذَا لَمْ تَرَ الْهِلَالَ فَسَلِّمْ۔ لِنَاسٍ رَاَوْهُ بِالْاَبْصَارِ۔

۹۔ دوبارہ حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنا: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "دوسری بار جبریلؑ کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا۔ معراج کی رات میں، سات آسمان سے اوپر، جہاں درخت ہے بیری کا، وہ حد ہے نیچے اور اوپر کی، نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور اوپر کے نیچے نہیں اترتے، اس کے پاس بہشت کو دیکھا"۔ (تنبیہ) جس طرح جنت کے انگور، انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ محض اشتراک اسمی ہے۔ اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہ کیا جائے اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح کی ہوگی۔ بہر حال وہ درخت ادھر اُدھر کی سرحد پر واقع ہے جو اعمال وغیرہ ادھر سے چڑھتے ہیں اور جو احکام وغیرہ ادھر سے اترتے ہیں سب کا منتہٰی وہ ہی ہے۔ مجموعہ روایات سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور پھیلاؤ ساتویں آسمان میں ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ معراج میں سدرۃ المنتہٰی پر فرشتوں کا ہجوم: یعنی حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات اس درخت پر چھا رہے تھے۔ اور فرشتوں کی کثرت و ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ مَا يَغْشٰى سنہری پروانے تھے۔ یعنی نہایت خوش رنگ جنکے دیکھے سے دل کھنچا جائے۔ اس وقت درخت کی بہار اور رونق اور اس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کر سکے۔

معراج میں رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ: شاید ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے موافق معراج میں جو اللہ کا دیدار حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ہوا اس کا بیان اسی آیت کے ابہام میں منطوی و مندرج ہو۔ کیونکہ پہلی آیتوں کے متعلق تو عائشہ صدیقہؓ کی احادیث میں تصریح ہے کہ ان سے رؤیت رب مرد نہیں۔ محض رویت جبریل مراد ہے۔ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے جو ابن عباسؓ کے اخص اصحاب میں سے ہیں اسی آیت کے تحت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ كَانَ اَغْصَانُ السِّدْرَةِ لُؤْلُؤًا وَيَاقُوْتًا وَزَبَرْجَدًا فَرَاٰهَا مُحَمَّدٌ وَرَاٰى رَبَّهٗ بِقَلْبِهٖ۔ اور یہ رؤیت چونکہ صرف قلب سے نہ تھی بلکہ قلب اور بصر دونوں کو دیدار سے حصہ مل رہا تھا جیسا کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ سے ظاہر ہوتا ہے۔ شاید اسی لئے ابن عباسؓ نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا رَاٰهُ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِقَلْبِهٖ وَمَرَّةً بِبَصَرِهٖ یہاں دو مرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہو کہ ایک ہی وقت میں دو طرح دیکھا۔ کما قَالُوْا فِیْ حَدِيْثِ انْشَقَّ الْقَمَرُ بِمَكَّةَ مَرَّتَيْنِ ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی لیکن یاد رہے کہ یہ رؤیت وہ نہیں جس کی نفی لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (انعام۔ ۱۰۳) میں کی گئی ہے کیونکہ اس سے غرض احاطہ کی نفی کرنا ہے۔ یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

رؤیت باری تعالیٰ پر ایک اشکال کا جواب: علاوہ بریں ابن عباسؓ سے جب سوال کیا گیا کہ دعویٰ رؤیت آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے مخالف ہے تو فرمایا وَيْحَكَ ذَاكَ اِذَا تَجَلّٰى بِنُوْرِهِ الَّذِىْ هُوَ نُوْرُهٗ (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات وانوار متفاوت ہیں۔ بعض انوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں۔ اور رؤیت رب فی الجملہ دونوں درجوں پر صادق آتی ہے۔ اور اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ جس درجہ کی رؤیت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کردی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کرسکیں۔ وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ ہاں ایک خاص درجہ کی رؤیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو شبِ معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے موافق میسر ہوئی۔ اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ ﷺ کا شریک وسہیم نہیں۔ نیز ان ہی انوار و تجلیات کے تفاوت و تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کررہے ہوں۔ اور اسی طرح ابوذرؓ کی روایات رَاَيْتُ نُوْرًا اور نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱۔ یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا، پورے تمکن واتقان سے دیکھا۔ نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہوکر داہنے بائیں ہٹی نہ مبصر سے تجاوز کرکے آگے بڑھی، بس اسی چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اس کو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب ہیں۔ آپ ﷺ ان دونوں سے پاک تھے۔

۱۲۔ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ کے فائدہ میں جو بیان ہوچکا ہے اس کے علاوہ جو اور نمونے دیکھے ہوں گے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾

۱۹۔ بھلا دیکھو تو لات اور عزیٰ کو

وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور منات تیسرے پچھلے کو[۱۳]

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾

۲۱۔ کیا تم کو تو ملے بیٹے اور اُسکو بیٹیاں

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾

۲۲۔ یہ بانٹا تو بہت بھونڈا[۱۴]

اِنْ هِىَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾

۲۳۔ یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری اُنکی کوئی سند[۱۵] محض اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کی امنگ ہے اور پہنچی ہے اُنکو اُنکے رب سے راہ کی سوجھ[۱۶]

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾

٢٤۔ کہیں آدمی کو ملتا ہے جو کچھ چاہے

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ ع ۱ ۵ ۵

٢٥۔ سو اللہ کے ہاتھ ہے سب بھلائی پچھلی اور پہلی [١٧]

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ
شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
يَرْضٰى ﴿٢٦﴾

٢٦۔ اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کچھ کام نہیں آتی اُنکی سفارش مگر جب حکم دے اللہ جسکے واسطے چاہے اور پسند کرے [١٨]

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ
الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾

٢٧۔ جو لوگ یقین نہیں رکھتے آخرت کا وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے زنانے نام

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ
اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾ۚ

٢٨۔ اور اُنکو اُس کی کچھ خبر نہیں محض اٹکل پر چلتے ہیں اور اٹکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک بات میں [١٩]

١٣۔لات، عُزّٰی اور منات: یعنی اس لا محدود عظمت و جلال والے خدا کے مقابلہ میں ان حقیر و ذلیل چیزوں کا نام لینے سے شرم آنی چاہیئے۔ (تنبیہ) "لات"، "عزیٰ"، "مناۃ" ان کے بتوں اور دیویوں کے نام ہیں۔ ان میں "لات" طائف والوں کے ہاں بہت معظم تھا۔ "مناۃ" اوس و خزرج اور خزاعہ کے ہاں۔ اور "عزیٰ" کو قریش اور بنی کنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول "عزیٰ" جو مکہ کے قریب نخلہ میں تھا۔ پھر "لات" جو طائف میں تھا۔ پھر سب سے پیچھے تیسرے درجہ میں "مناۃ" جو مکہ سے بہت دور مدینہ کے نزدیک واقع تھا۔ علامہ یاقوت نے معجم البلدان میں یہ ترتیب نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے۔ وَاللّٰتِ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةِ الثَّالِثَةِ الْاُخْرٰى۔ هٰؤُلَاءِ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔

غرانیق العُلٰی کے واقعہ کی توجیہہ : کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا ہے جو جمہور محدثین کے اصول پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتا۔ اگر فی الواقع اس کی کوئی اصل ہے تو شاید یہ ہی ہوگی کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورۃ پڑھی۔ کفار کی عادت تھی کہ لوگوں کو قرآن سننے نہ دیں اور بیچ میں گڑبڑ مچادیں کما قال تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم السجدہ۔٢٦) جب یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ہی کے لب و لہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیئے ہونگے جو ان کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى الخ۔ آگے تعبیر و ادا میں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا۔ ورنہ ظاہر ہے نبی کی زبان پر شیطان کو ایسا تسلط کب حاصل ہو سکتا ہے اور جس چیز کا ابطال آگے کیا جا رہا ہے اس کی مدح سرائی کے کیا معنی۔

۱۴۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کفار ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ سو اول تو خدا لَمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ہے اور بالفرض اولاد کا نظریہ تسلیم کیا جائے تب بھی یہ تقسیم کس قدر بھونڈی اور مہمل ہے کہ تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور خدا کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو؟ العیاذ باللہ۔

۱۵۔ ان بتوں کی کوئی سند نہیں: یعنی پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کی خدائی کی کوئی سند نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ ان کو اپنے خیال میں خواہ بیٹیاں کہہ لو، یا بیٹے یا اور کچھ محض کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ نہیں۔

۱۶۔ یعنی باوجودیکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آچکی اور وہ سیدھی راہ دکھا چکا۔ مگر یہ احمق ان ہی اوہام و اہوا کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اٹکل پچو ذہن میں آگیا اور دل میں امنگ پیدا ہوئی کر گذرے۔ تحقیق و بصیرت کی راہ سے کچھ سروکار نہیں۔

۱۷۔ بتوں کی سفارش محض وہم ہے: یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے سفارشی بنیں گے۔ یہ خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ کیا انسان جو تمنا کرے وہ ہی مل جائے گا۔ یاد رہے دنیا اور آخرت کی سب بھلائی اللہ کے ہاتھ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بت پوجے سے کیا ملتا ہے، ملے وہ ہی جو اللہ دے"۔

۱۸۔ فرشتے بھی سفارش نہیں کر سکتے: یعنی ان بتوں کی تو حقیقت کیا ہے آسمان کے رہنے والے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی جس کے حق میں سفارش کرنے کا حکم دے اور اس سے راضی ہو تو وہاں سفارش بیشک کام دے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔

۱۹۔ فرشتوں کے متعلق باطل عقیدے: یعنی جن کو آخرت کا یقین نہیں وہ سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر ایسی گستاخیاں کرتے ہیں۔ مثلاً فرشتوں کو زنانہ قرار دیکر خدا کی بیٹیاں کہدیا۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ بھلا فرشتوں کو مرد اور عورت ہونے سے کیا واسطہ۔ اور خدا کے لئے اولاد کیسی۔ کیا سچی اور ٹھیک بات پر قائم ہونا ہو تو ایسی اٹکلوں اور پادر ہوا اوہام سے کام چل سکتا ہے۔ اور کیا تخمینے اور اٹکلیں حقائق ثابتہ کے قائم مقام ہو سکتی ہیں۔

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ لَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿ؕ۲۹﴾

۲۹۔ سو تو دھیان نہ کر اُس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا

ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اہۡتَدٰی ﴿۳۰﴾

۳۰۔ بس یہیں تک پہنچی اُنکی سمجھ [۲۰] تحقیق تیرا رب ہی خوب جانے اُسکو جو بہکا اُسکی راہ سے اور وہی خوب جانے اُسکو جو راہ پر آیا [۲۱]

وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۙ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَ یَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا بِالۡحُسۡنٰی ﴿ۚ۳۱﴾

۳۱۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں تا کہ وہ بدلا دے برائی والوں کو اُنکے کئے کا اور بدلا دے بھلائی والوں کو بھلائی سے [۲۲]

اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا
اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ
اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ
اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ
اتَّقٰی ﴿۳۲﴾ ع

۳۲۔ جو کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بیحیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی [۲۳] بیشک تیرے رب کی بخشش میں بڑی سمائی ہے [۲۴] وہ تم کو خوب جانتا ہے جب بنا نکالا تم کو زمین سے اور جب تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں سو مت بیان کر اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہے اُس کو جو بچ کر چلا [۲۵]

۲۰۔ کفار کی عقلیں محدود اور ناقص ہیں: یعنی جس کا اوڑھنا بچھونا یہ ہی دنیا کی چند روزہ زندگی ہو کہ اس میں منہمک ہو کر کبھی خدا کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے۔ آپ اس کی بکواس کو دھیان میں نہ لائیں۔ وہ خدا سے منہ موڑتا ہے۔ آپ اس کی شرارت اور کجروی کی طرف سے منہ پھرلیں۔ سمجھانا تھا سو سمجھا دیا۔ ایسے بد طینت اشخاص سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے فوری نفع نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرّہ ذرّہ کا حساب دینا ہے۔ انکی تمامتر علمی جدوجہد صرف بہائم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت فرو کرنے کے لئے ہے۔

۲۱۔ یعنی جو گمراہی میں پڑا رہا اور جو راہ پر آیا، ان سب کو اور انکی مخفی استعدادوں کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہو کر رہیگا۔ ہزار جتن کرو، اس کے علم کے خلاف ہرگز واقع نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا۔ لہٰذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔

۲۲۔ جزاو سزا کا اثبات: یعنی ہر شخص کا حال اس کو معلوم اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ۔ پھر نیک و بد کا بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے جہاں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔

۲۳۔ کبیرہ اور صغیرہ گناہ: گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق "سورۃ نساء" کے فوائد میں مفصل گذر چکا۔ لَمَم کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو خیالات وغیرہ گناہ کے دل میں آئیں مگر ان کو عمل میں نہ لائے وہ لَمَم ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لئے بعض نے کہا کہ جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اس کی عادت نہ ٹھہرائے یا جس گناہ سے توبہ کرلے وہ مراد ہے، ہمارے نزدیک بہترین تفسیر وہ ہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے سورۃ "نساء" کے فوائد میں اختیار کی ہے لیکن یہاں ترجمہ میں دوسرے معانی کی بھی گنجائش رکھی ہے۔

۲۴۔ اسی لئے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگذر فرماتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔ گنہگار کو مایوس نہیں ہونے دیتا۔ اگر ہر چھوٹی بڑی خطا پر پکڑنے لگے تو بندہ کا ٹھکانا کہاں۔

۲۵۔ خودستائی کی مذمت: یعنی اگر تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو۔ اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے۔ اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔

جس کی ابتداء مٹی سے تھی، پھر بطنِ مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد کتنی جسمانی و روحانی کمزوریوں سے دوچار ہوا۔ آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعوے کرنے کا استحقاق نہیں۔ جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعوٰی کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے۔ کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہو جاتی ہے۔ اِلّا مَنْ عصمہ اللہ۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿۳۳﴾	۳۳۔ بھلا تو نے دیکھا اُس کو جس نے منہ پھیر لیا[۲۶]
وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿۳۴﴾	۳۴۔ اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا[۲۷]
أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿۳۵﴾	۳۵۔ کیا اُسکے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ دیکھتا ہے[۲۸]
أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿۳۶﴾	۳۶۔ کیا اسکو خبر نہیں پہنچی اُسکی جو ہے ورقوں میں موسٰی کے
وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿۳۷﴾	۳۷۔ اور ابراہیم کے جس نے کہ اپنا قول پورا اتارا[۲۹]
أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿۳۸﴾	۳۸۔ کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا[۳۰]
وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿۳۹﴾	۳۹۔ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے کمایا[۳۱]
وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿۴۰﴾	۴۰۔ اور یہ کہ اُسکی کمائی اُسکو دکھلانی ضرور ہے
ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿۴۱﴾	۴۱۔ پھر اُسکو بدلا ملنا ہے اُس کا پورا بدلا[۳۲]
وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿۴۲﴾	۴۲۔ اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچنا ہے[۳۳]
وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿۴۳﴾	۴۳۔ اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رلاتا
وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾	۴۴۔ اور یہ کہ وہی ہے مارتا اور جلاتا
وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿۴۵﴾	۴۵۔ اور یہ کہ اُس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ[۳۴]

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾	۴۶۔ ایک بوند سے جب ٹپکائی جائے
وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾	۴۷۔ اور یہ کہ اُس کے ذمہ ہے دوسری دفعہ اٹھانا[۳۵]
وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾	۴۸۔ اور یہ کہ اُس نے دولت دی اور خزانہ[۳۶]
وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾	۴۹۔ اور یہ کہ وہی ہے رب شعریٰ کا[۳۷]
وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾	۵۰۔ اور یہ کہ اُس نے غارت کیا عاد پہلے کو[۳۸]
وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾	۵۱۔ اور ثمود کو پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا
وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ﴿۵۲﴾	۵۲۔ اور نوح کی قوم کو پہلے ان سے وہ تو تھے اور بھی ظالم اور شریر[۳۹]
وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾	۵۳۔ اور اُلٹی بستی کو پٹک دیا
فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾	۵۴۔ پھر آپڑا اس پر جو کچھ کہ آپڑا[۴۰]
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾	۵۵۔ اب تو کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائے گا[۴۱]
هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾	۵۶۔ یہ ایک ڈر سنانے والا ہے پہلے سنانے والوں میں کا[۴۲]
اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾	۵۷۔ آپہنچی آنے والی
لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾	۵۸۔ کوئی نہیں اُسکو اللہ کے سوائے کھول کر دکھانے والا[۴۳]
اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾	۵۹۔ کیا تمکو اس بات سے تعجب ہوا ہے

وَ تَضۡحَكُوۡنَ وَ لَا تَبۡكُوۡنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں

وَ اَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو[۴۴]

فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ وَ اعۡبُدُوۡا ﴿۶۲﴾ السجدۃ ع ۳ ۷

۶۲۔ سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی[۴۵]

۲۶۔ یعنی اپنی اصل کو بھول کر خالق و مالک حقیقی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

۲۷۔ ولید بن مغیرہ کا واقعہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تھوڑا سا ایمان لانے لگا پھر اس کا دل سخت ہو گیا"۔ مجاہدؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی۔ اور کفر کی سزا سے ڈر کر قریب تھا کہ مشرف باسلام ہو جائے۔ ایک کافر نے کہا کہ ایسا مت کر میں تیرے سب جرائم اپنے اوپر لئے لیتا ہوں۔ تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا بشرطیکہ اس قدر مال مجھ کو دیا جائے۔ اس نے وعدہ کر لیا اور مقرر رقم کی کچھ قسط ادا کر کے باقی سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ کچھ مال دیا، پھر ہاتھ کھینچ لیا۔

۲۸۔ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھ آیا ہے کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور دوسرے کو اپنی جگہ پیش کر کے چھوٹ جائے گا۔

۲۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایفائے عہد: یعنی ابراہیمؑ اپنے قول و قرار اور عہد و پیمان کی پابندی میں پورا اترا اور اللہ کے حقوق پوری طرح ادا کئے اور اس کے احکام کی تعمیل میں ذرّہ بھر تقصیر نہ کی۔

۳۰۔ یعنی موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا کہ خدا کے ہاں کوئی مجرم دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جوابدہی بذاتِ خود کرنا ہو گی۔

۳۱۔ ہر شخص اپنے اعمال کا جوابدہ ہے: یعنی آدمی جو کچھ کوشش کر کے کماتا ہے وہ ہی اس کا ہے۔ کسی دوسرے کی نیکیاں لے اڑے یہ نہیں ہو سکتا۔ باقی کوئی خود اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو ادا کر دے اور اللہ اس کو منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل حدیث وفقہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۳۲۔ یعنی ہر ایک کی سعی و کوشش اس کے سامنے رکھدی جائے گی اور اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

۳۳۔ یعنی تمام علوم و افکار اور سلسلہ وجود کی انتہاء اسی پر ہوتی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ وہیں سے ہر ایک کو نیکی بدی کا پھل ملے گا۔

۳۴۔ یعنی اس عالم میں تمام متضاد و متقابل احوال اسی نے پیدا کئے ہیں۔ خیر و شر کا خالق وہ ہی ہے خوشی یا غم کی کیفیات بھیجنا، ہنسانا رلانا، مارنا، جلانا اور کسی کو نر کسی کو مادہ بنانا اسی کا کام ہے۔

۳۵۔ یعنی جس نے ایک قطرہ آب سے نر و مادہ پیدا کر دیئے، دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے (یہ درمیان میں ایک پیدائش سے دوسری پیدائش پر متنبہ کر دیا)۔

۳۶۔ یعنی مال، خزانہ، جائدادیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں اور بعض نے اَقْنٰى کے معنی اَفْقَرَ کئے ہیں۔ یعنی اسی نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیر بنا دیا۔ یہ معنے پہلے سیاق کے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ متقابل چیزوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اور اگر پہلا مطلب لیا جائے تو اس کے مقابل

اہلاک کو رکھا جائے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ یعنی خزانے اور مال و دولت دے کر وہ ہی بڑھاتا ہے اور وہ ہی بڑی بڑی دولتمند اور طاقتور قوموں کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

۳۷۔ شعریٰ ستارے کا رب بھی اللہ ہی ہے: شِعۡرٰی ایک بہت بڑا ستارہ ہے جس کو بعض عرب پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ عالم کے احوال میں اس کی بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ شِعۡرٰی کا رب بھی اللہ ہے۔ دنیا کے تمام الٹ پھیر اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ شِعۡرٰی غریب بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح اس کا حکم بجالاتا ہے۔ اس میں مستقل تاثیر کچھ بھی نہیں۔

۳۸۔ یعنی حضرت ہودؑ کی قوم۔

۳۹۔ کہ سینکڑوں برس تک خدا کے پیغمبر نوحؑ کو سخت ترین ایذائیں پہنچاتے رہے۔ جن کو پڑھ کر کلیجہ پھٹتا ہے، اور آنے والوں کے لئے بری راہ ڈال گئے۔

۴۰۔ یعنی پتھروں کا مینہ (یہ قوم لوط کی بستیوں کا ذکر ہے)۔

۴۱۔ یعنی ایسے مفسد ظالموں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر بھی انسان اپنے رب کو جھٹلاتا ہی رہیگا۔

۴۲: یعنی حضرت محمد ﷺ مجرموں کو اسی طرح برے انجام سے ڈرانے والے ہیں جیسے ان سے پیشتر دوسرے نبی ڈرا چکے ہیں۔

۴۳۔ قیامت بہت قریب ہے: یعنی قیامت قریب ہی آلگی ہے جس کا ٹھیک وقت اللہ کے سوا کوئی کھول کر نہیں بتا سکتا۔ اور جب وقت معین آجائے تو کوئی طاقت اس کو دفع نہیں کر سکتی۔ اللہ ہی چاہے تو ہٹے، مگر وہ چاہے گا نہیں۔

۴۴۔ کفار کی ہنسی: یعنی قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر چاہیئے تھا خوف خدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے۔ مگر تم اس کے برخلاف تعجب کرتے اور ہنستے ہو۔ اور غافل و بے فکر ہو کر کھلاڑیاں کرتے ہو۔

۴۵۔ تمام مشرکین اور مسلمانوں کا سجدہ: یعنی عاقل کو زیبا نہیں کہ انجام سے غافل ہو کر نصیحت و فہمائش کی باتوں پر ہنسے اور مذاق اڑائے۔ بلکہ لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرے۔ اور مطیع و منقاد ہو کر جبین نیاز خداوند قہار کے سامنے جھکا دے۔ (تنبیہ) روایات میں ہے کہ سورۃ نجم پڑھ کر آپ نے سجدہ کیا اور تمام مسلمان اور مشرک جو حاضر تھے سجدہ میں گر پڑے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت سب کو ایک غاشیہ الٰہیّہ نے گھیر لیا تھا۔ گویا ایک غیبی اور قہری تصرف سے طوعًا و کرہًا سب کو سر بسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بدبخت جس کے دل پر سخت مہر تھی اس نے سجدہ نہ کیا مگر زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اس نے بھی پیشانی کو لگالی اور کہا کہ مجھے اس قدر کافی ہے۔

تم سورۃ النجم وللہ الحمد والمنۃ

آیاتھا ۵۵ | ۵۴ سُوْرَۃُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ۳۷ | رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾

۱۔ پاس آ لگی قیامت اور پھٹ گیا چاند [۱]

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾

۲۔ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا [۲]

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾

۳۔ اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر کام ٹھہر ا رکھا ہے وقت پر [۳]

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾

۴۔ اور پہنچ چکے ہیں اُنکے پاس احوال جن میں ڈانٹ ہو سکتی ہے [۴]

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾

۵۔ پوری عقل کی بات ہے پھر اُن میں کام نہیں کرتے ڈر سنانے والے

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ
نُّكُرٍ ﴿۶﴾

۶۔ سو تو ہٹ آ اُنکی طرف سے [۵] جس دن پکارے پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف [۶]

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ
جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿۷﴾

۷۔ آنکھیں جھکائے [۷] نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ
عَسِرٌ ﴿۸﴾

۸۔ دوڑتے جائیں اُس پکارنے والے کے پاس [۸] کہتے جائیں منکر یہ دن مشکل آیا [۹]

۱۔ شق القمر کا واقعہ: ہجرت سے پیشتر نبی کریم ﷺ "منٰی" میں تشریف فرما تھے کفار کا مجمع تھا، انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب کی اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔ بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا، دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ کفار کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے چاند

پریا ہم پر جادو کر دیا ہے اس معجزہ کو "شق القمر" کہتے ہیں۔ اور یہ ایک نمونہ اور نشانی تھی قیامت کی کہ آگے سب کچھ یوں ہی پھٹے گا۔ طحاویؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے اس واقعہ کے تواتر کا دعوٰی کیا ہے۔ اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جاسکا اور محض استبعاد کی بنا پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لئے لازم ہے۔ روز مرہ کے معمولی واقعات کو "معجزہ" کون کہے گا۔ (ملاحظہ ہو ہمارا مستقل مضمون جو معجزات و خوارق عادات کے متعلق "المحمود" میں شائع ہوا ہے) باقی یہ کہنا کہ

اس واقعے کی تاریخی حیثیت: "شق القمر" اگر واقع ہوا ہو تا تو تاریخوں میں اس کا وجود کیوں نہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ قصہ رات کا ہے۔ بعض ملکوں میں تو اختلاف مطالع کی وجہ سے اس وقت دن ہو گا اور بعض جگہ آدھی رات ہو گی، لوگ عموماً سوتے ہوں گے اور جہاں بیدار ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہونگے تو عادۃً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں، زمین پر جو چاندنی پھیلی ہو گی۔ بشرطیکہ مطلع صاف ہو، اس میں دو ٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے، لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور اس زمانہ میں آجکل کی طرح رصد وغیرہ کے اتنے وسیع و مکمل انتظامات اور تقاویم (جنتریوں) کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی، بہر حال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔ با ایں ہمہ "تاریخ فرشتہ" وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں مہاراجہ "مالیبار" کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں۔

۲۔ یعنی اس طرح کے جادو مدعیان نبوت نے پہلے بھی کیئے ہیں، پھر جس طرح وہ جاتے رہے یہ بھی جاتا رہیگا۔

۳۔ یعنی ان کا عذاب بھی اپنے وقت پر آئیگا۔ اور اللہ کے علم میں ان کی جو گمراہی اور ہلاکت ٹھہر چکی ہے وہ کسی صورت سے ٹلنے والی نہیں۔

۴۔ یعنی قرآن کے ذریعہ سے ہر قسم کے احوال اور تباہ شدہ قوموں کے واقعات معلوم کرائے جا چکے ہیں جن میں اگر غور کریں تو خداوند قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔

۵۔ قرآن حکمت بالغہ ہے: یعنی قرآن کریم پوری حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے۔ کوئی ذرا نیک نیتی سے توجہ کرے تو دل میں اترتی چلی جائیں، مگر افسوس اتنے سامان ہدایت کی موجودگی میں ان پر کچھ اثر نہیں۔ کوئی نصیحت و فہمائش وہاں کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ، پتھر پر جونک نہیں لگتی۔ لہٰذا ایسے سنگدل بدبختوں کو آپ بھی منہ نہ لگائیے۔ آپ فرض تبلیغ و دعوت باحسن اسلوب ادا کر چکے۔ اب زیادہ تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو ان کے ٹھکانے کی طرف چلنے دیں۔

۶۔ یعنی میدانِ حشر کی طرف حساب دینے کو۔

۷۔ یعنی اس وقت خوف و ہیبت کے مارے ذلت و ندامت کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہونگے۔

۸۔ قبروں سے انسانوں کا نکلنا: یعنی تمام اگلے پچھلے قبروں سے نکل کر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑینگے۔ اور خداوند قدوس کی عدالت میں حاضری دینے کے لئے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہونگے۔

۹۔ سختی کا دن: یعنی اس دن کے ہولناک احوال و شدائد اور اپنے جرائم کا تصور کر کے کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے۔ دیکھیئے آج کیا گذریگی۔ آگے بتلاتے ہیں کہ قیامت اور آخرت کا عذاب تو اپنے وقت پر آئیگا۔ بہت سے مکذبین کے لئے اس سے پہلے دنیا ہی میں ایک سخت دن آچکا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَ قَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩

۹۔ جھٹلا چکی ہے اُن سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا ہمارے بندے کو اور بولے دیوانہ ہے اور جھڑک لیا اُسکو [۱۰]

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ﴿۱۰﴾
فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡہَمِرٍ ﴿۱۱﴾
وَّ فَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُیُوۡنًا فَالۡتَقَی الۡمَآءُ عَلٰۤی اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ ﴿۱۲﴾
وَ حَمَلۡنٰہُ عَلٰی ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ﴿۱۳﴾
تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ کَانَ کُفِرَ ﴿۱۴﴾
وَ لَقَدۡ تَّرَکۡنٰہَاۤ اٰیَۃً فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۵﴾
فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ ﴿۱۶﴾
وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۷﴾

۱۰۔ پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں عاجز ہو گیا ہوں تو بدلا لے[۱۱]
۱۱۔ پھر ہم نے کھول دئے دہانے آسمان کے پانی ٹوٹ کر برسنے والے سے
۱۲۔ اور بہا دیے زمین پر چشمے پھر مل گیا سب پانی ایک کام پر جو ٹھہر چکا تھا[۱۲]
۱۳۔ اور ہم نے اُسکو سوار کر دیا ایک تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر
۱۴۔ بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے[۱۳] بدلا لینے کو اس کی طرف سے جسکی قدر نہ جانی تھی[۱۴]
۱۵۔ اور اُسکو ہم نے رہنے دیا نشانی کے لئے پھر کوئی ہے سوچنے والا[۱۵]
۱۶۔ پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا کھڑ کھڑانا[۱۶]
۱۷۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا[۱۷]

۱۰۔ کہنے لگے اے نوح! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو تم کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ گویا دھمکیوں ہی میں اس کی بات رلا دی۔ اور بعض نے وَّ ازۡدُجِرَ کے معنٰی یوں کئے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے آسیب زدہ۔ جن اس کی عقل لے اڑے ہیں۔ (العیاذ باللہ)۔

۱۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بد دعا: یعنی سینکڑوں برس سمجھانے پر بھی جب کوئی نہ پسیجا تو بد دعا کی، اور کہا اے پروردگار! میں ان سے عاجز آ چکا ہوں۔ ہدایت و فہمائش کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اب آپ اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیے۔

۱۲۔ زمین اور آسمان سے پانی: یعنی پانی اس قدر ٹوٹ کر برسا، گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور نیچے سے زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ اتنا پانی ابلا گویا ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ پھر اوپر اور نیچے کا یہ سب پانی مل کر اس کام کے لئے اکٹھا ہو گیا۔ جو پہلے سے اللہ کے ہاں ٹھہر چکا تھا یعنی قوم نوح کی ہلاکت اور غرقابی۔

۱۳۔ کشتی نوح علیہ السلام کے سوار: یعنی اس ہولناک طوفان کے وقت نوح کی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں نہایت امن چین سے چلی جا رہی تھی۔

۱۴۔ یعنی حضرت نوحؑ کی بے قدری کی اور اللہ کی باتوں کا انکار کیا، یہ اس کی سزا ملی۔

۱۵۔ کشتی نوح علیہ السلام سامان عبرت: یعنی سوچنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ آج کشتی کا وجود دنیا میں اس کشتی کے قصہ کو یاد دلانیوالا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے۔ اور بعض نے کہا کہ بعینہ وہی کشتی نوحؑ کے بعد مدت تک رہی۔

"جودی" پہاڑ پر نظر آتی تھی۔ اس امت کے لوگوں نے بھی دیکھی۔ واللہ اعلم۔

۱۶۔ یعنی دیکھ لیا۔ میرا عذاب کیسا ہولناک اور میرا ڈرانا کس قدر سچا ہے۔

۱۷۔ قرآن سے رہنمائی حاصل کرنا آسان ہے: "یعنی قرآن سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے کیونکہ جو مضامین ترغیب و ترہیب اور انذار و تبشیر سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف سہل اور مؤثر ہیں۔ پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ کرے تو سمجھے۔ (تنبیہ)

قرآن کے اسرار و عجائبات: آیت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے جس کے اندر کوئی دقائق و غوامض نہیں۔ اس علیم و خبیر کے کلام کی نسبت ایسا گمان کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ جب اللہ بندوں سے کلام کرتا ہے تو معاذاللہ اپنے غیر متناہی علوم سے کورا ہو جاتا ہے؟ یقیناً اس کے کلام میں وہ گہری حقائق اور باریکیاں ہونگی جن کا کسی دوسرے کلام میں تلاش کرنا بیکار ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے لَا تَنقَضِیْ عَجَائِبُهٗ (قرآن کے عجائب و اسرار کبھی ختم ہونیوالے نہیں) علمائے امت اور حکمائے ملت نے اس کتاب کے دقائق و اسرار کا پتہ لگانے اور ہزارہا احکام مستنبط کرنے میں عمریں صرف کر دیں، تب بھی اس کی آخری تہ تک نہیں پہنچ سکے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾
۱۸۔ جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑ کھڑانا

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾
۱۹۔ ہم نے بھیجی اُن پر ہوا تند ایک نحوست کے دن جو چلے گئی [۱۸]

تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾
۲۰۔ اکھاڑ مارا لوگوں کو گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی اکھڑی پڑی [۱۹]

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾
۲۱۔ پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میرا کھڑ کھڑانا

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع
۲۲۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾
۲۳۔ جھٹلایا ثمود نے ڈر سنانے والوں کو [۲۰]

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾
۲۴۔ پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا ہم اس کے کہے پر چلیں گے تو تو ہم غلطی میں پڑے اور سودا میں [۲۱]

ءَاُلْقِىَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾
۲۵۔ کیا اتری اُسی پر نصیحت ہم سب میں سے کوئی نہیں یہ جھوٹ ہے بڑائی مارتا ہے [۲۲]

ع ۱ ۲۲ ۸

سَيَعۡلَمُوۡنَ غَدًا مَّنِ الۡكَذَّابُ الۡاَشِرُ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اب جان لیں گے کل کو کون ہے جھوٹا بڑائی مارنے والا [۲۳]

اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ فَارۡتَقِبۡهُمۡ وَ اصۡطَبِرۡ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ ہم بھیجتے ہیں اونٹنی اُنکے جانچنے کے واسطے [۲۴] سو انتظار کر اُن کا اور سہتارہ [۲۵]

وَنَبِّئۡهُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌۢ بَيۡنَهُمۡ‌ۚ كُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور سنادے اُنکو کہ پانی کا بانٹا ہے اُن میں ہر باری پر پہنچنا چاہئے [۲۶]

فَنَادَوۡا صَاحِبَهُمۡ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ پھر پکارا انہوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا [۲۷]

فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوۡا كَهَشِيۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ ہم نے بھیجی اُن پر ایک چنگھاڑ پھر رہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑ کانٹوں کی [۲۸]

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا

كَذَّبَتۡ قَوۡمُ لُوۡطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ جھٹلایا لوط کی قوم نے ڈرسنانے والے کو [۲۹]

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ‌ؕ نَّجَّيۡنٰهُمۡ بِسَحَرٍۙ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ ہم نے بھیجی اُن پر آندھی پتھر برسانے والی سوائے لوط کے گھر کے انکو ہم نے بچادیا پچھلی رات سے

نِّعۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا‌ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ فضل سے اپنی طرف کے ہم یوں بدلا دیتے ہیں اسکو جو حق مانے [۳۰]

وَلَقَدۡ اَنۡذَرَهُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور وہ ڈرا چکا تھا اُنکو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈرانے کو [۳۱]

وَ لَقَدۡ رَاوَدُوۡهُ عَنۡ ضَيۡفِهٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡيُنَهُمۡ

فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَ نُذُرِ ﴿۳۷﴾

وَ لَقَدۡ صَبَّحَهُمۡ بُكۡرَةً عَذَابٌ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ ج

فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَ نُذُرِ ﴿۳۹﴾

وَ لَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ ع ۱۸ ۲ ۹

وَ لَقَدۡ جَآءَ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ ج

كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذۡنٰهُمۡ اَخۡذَ عَزِيۡزٍ

مُّقۡتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

۳۷۔ اور اُس سے لینے لگے اُسکے مہمانوں کو پس ہم نے مٹا دیں اُن کی آنکھیں اب چکھو میرا عذاب اور ڈرانا[۳۲]

۳۸۔ اور پڑا اُن پر صبح کو سویرے عذاب جو ٹھہر چکا تھا

۳۹۔ اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا[۳۳]

۴۰۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا

۴۱۔ اور پہنچے فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے[۳۴]

۴۲۔ جھٹلایا انہوں نے ہماری نشانیوں کو سب کو پھر پکڑا ہم نے انکو پکڑنا زبردست کا قابو میں لے کر[۳۵]

۱۸۔ قوم عاد پر نحوست کا دن: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی نحوست نہ اٹھی جب تک تمام نہ ہو چکے۔ اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا، یہ نہیں کہ ہمیشہ کو"۔ وہ دن منحوس سمجھ لئے جائیں۔ جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے۔ اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے منحوس بن گیا ہے تو مبارک دن کونسا رہیگا۔ قرآن کریم میں تصریح ہے کہ وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا۔ بتلایئے اب ہفتہ کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا۔

۱۹۔ "قوم عاد" کے لوگ بڑے تنومند اور قد آور تھے، لیکن ہوا کا جھکڑ ان کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پٹکتا تھا جیسے کھجور کا تنہ جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔

۲۰۔ قوم ثمود کی تکذیب: یعنی حضرت صالحؑ کو جھٹلایا۔ اور ایک نبی کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ اصول دین میں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

۲۱۔ یعنی کوئی آسمان کا فرشتہ نہیں، بلکہ ہم ہی جیسا ایک آدمی اور وہ بھی اکیلا جس کے ساتھ کوئی قوت اور جتھا نہیں، چاہتا ہے کہ ہمیں دبالے اور سب کو اپنا تابع بنالے۔ یہ کبھی نہ ہو گا۔ اگر ہم اس پھندے میں پھنس جائیں تو ہماری بڑی غلطی اور حماقت بلکہ جنون ہو گا۔ وہ تو ہم کو ڈراتا ہے کہ مجھے نہ مانو گے تو آگ میں گرو گے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم اس کے تابع ہو جائیں تو گویا خود اپنے کو آگ میں گرا رہے ہیں۔

۲۲۔ یعنی پیغمبری کے لئے بس یہی رہ گیا تھا؟ سب جھوٹ ہے۔ خواہ مخواہ بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے اپنا رسول بنا دیا۔ اور ساری قوم کو میری اطاعت کا حکم دیا ہے۔

۲۳۔ یعنی بہت جلد معلوم ہوا چاہتا ہے کہ دونوں فریق میں جھوٹا اور بڑائی مارنے والا کون ہے۔

۲۴۔ اونٹنی کے ذریعے قوم ثمود کی آزمائش: یعنی ان کی فرمائش کے موافق ہم پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں اس کے ذریعہ سے جانچا جائے گا کہ کون اللہ و رسول کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے۔

۲۵۔ یعنی دیکھتا رہ، کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

۲۶۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "وہ اونٹنی جس پانی پر جاتی سب جانور بھاگتے، تو اللہ نے باری ٹھہرا دی۔ ایک دن وہ جائے، اور ایک دن سب جانور"۔

۲۷۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "ایک بدکار عورت تھی اس کے مواشی بہت تھے اپنے ایک آشنا کو اکسادیا۔ اس نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔

۲۸۔ فرشتے کی چیخ: فرشتے نے ایک چیخ ماری، کلیجے پھٹ گئے۔ اور سب چورا ہو کر رہ گئے۔ جیسے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں، اور چند روز کے بعد پائمال ہو کر اس کا چورا ہو جاتا ہے۔

۲۹۔ یعنی حضرت لوطؑ کو جھٹلایا۔ اور ایک نبی کی تکذیب سب انبیاءؑ کی تکذیب ہے۔

۳۰۔ یعنی وہ پچھلی رات میں اپنے گھر والوں کو لے کر صاف نکل گئے۔ ان کو ہم نے عذاب کی ذرا بھی آنچ نہ لگنے دی۔ اور یہ ہی ہماری عادت ہے۔ حق شناس اور شکر گذار بندوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

۳۱۔ یعنی اس کی باتوں میں واہی تباہی شبہے اور جھگڑے کھڑے کر کے جھٹلانے لگے۔

۳۲۔ مہمان فرشتوں کے ساتھ بدسلوکی: یعنی فرشتے جو حسین لڑکوں کی شکل میں آئے تھے۔ ان کو آدمی سمجھ کر اپنی خوئے بد کی وجہ سے قبضانا چاہا۔ ہم نے ان کو اندھا کر دیا کہ ادھر اُدھر دھکے کھاتے پھرتے تھے۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور کہا لو! پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔

۳۳۔ یعنی اندھا کرنے کے بعد ان کی بستیاں الٹ دی گئیں۔ اور اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔

۳۴۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ اور ان کے ڈرانیوالے نشان۔

۳۵۔ آل فرعون کا انجام: یعنی خدا کی پکڑ بڑے زبردست کی پکڑ تھی جس کے قابو سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ دیکھ لو! تمام فرعونیوں کا بیڑہ کس طرح بحر قلزم میں غرق کیا کہ ایک بچ کر نہ نکل سکا۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اب تم میں جو منکر ہیں کیا یہ بہتر ہیں اُن سب سے یا تمہارے لئے فارغ خطی لکھدی گئی ورقوں میں

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کیا کہتے ہیں ہم سب کا مجمع ہے بدلا لینے والا [۳۶]

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اب شکست کھائے گا یہ مجمع اور بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر [۳۷]

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ بلکہ قیامت ہے اُنکے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی [۳۸]

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ جو لوگ گنہگار ہیں غلطی میں پڑے ہیں اور سودا میں

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا
مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اوندھے منہ چکھو مزا آگ کا[۳۹]

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر[۴۰]

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے جیسے لپک نگاہ کی[۴۱]

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور ہم برباد کر چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو پھر ہے کوئی سوچنے والا[۴۲]

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی ورقوں میں[۴۳]

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور ہر چھوٹا اور بڑا لکھا جا چکا[۴۴]

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ جو لوگ ڈرنے والے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع ۳ ۱۵ ۱۰

۵۵۔ بیٹھے سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے[۴۵]

۳۶۔ اپنے جتھوں پر غرور: گذشتہ اقوام کے واقعات سنا کر موجودہ لوگوں کو خطاب ہے یعنی تم میں کے کافر کیا ان پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں جو کفر و طغیان کی سزا میں تباہ نہیں کیے جائیں گے؟ یا اللہ کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ تم جو چاہو شرارت کرتے رہو، سزا نہیں ملے گی؟ یا یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارا مجمع اور جتھا بہت بڑا ہے۔ اور سب مل کر جب ایک دوسرے کی مدد پر آجائیں گے تو سب سے بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور کسی کو اپنے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

۳۷۔ یعنی عنقریب ان کو اپنے مجمع کی حقیقت کھل جائے گی جب مسلمانوں کے سامنے سے شکست کھا کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ چنانچہ "بدر" اور "احزاب" میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس وقت نبی ﷺ کی زبان پر یہ آیت جاری تھی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

۳۸۔ یعنی یہاں کیا شکست کھائیں گے، ان کی شکست کا اصلی وقت تو وہ ہوگا جب قیامت سر پر آ کھڑی ہو گی۔ وہ بہت سخت مصیبت کا وقت ہو گا۔

۳۹۔ یعنی اس وقت غفلت کے نشہ میں پاگل بن رہے ہیں۔ یہ سودا دماغ میں سے اس وقت نکلے گا جب اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو! اب ذرا اس کا مزہ چکھو۔

۴۰۔ یعنی ہر چیز جو پیش آنیوالی ہے اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بھی اس کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

۴۱۔ چشم زدن میں امر الٰہی کا وقوع: یعنی ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں ہم کو دیر نہیں لگتی نہ کچھ مشقت ہوتی ہے۔

۴۲۔ یعنی تمہاری قماش کے بہت سے کافروں کو پہلے تباہ کر چکے ہیں۔ پھر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں کہ انکے حال سے عبرت حاصل کر سکے۔

۴۳۔ اعمال نامے: یعنی ہر ایک نیکی بدی عمل کے بعد ان کے اعمالناموں میں لکھی گئ ہے۔ وقت پر ساری مسل سامنے کر دی جائیگی۔

۴۴۔ لوح محفوظ میں ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے: یعنی اس سے قبل ہر چھوٹی بڑی چیز کی تفصیل "لوح محفوظ" میں لکھی جاچکی۔ تمام دفاتر باقاعدہ مرتب ہیں کوئی چھوٹی موٹی چیز بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔

۴۵۔ متقین کیلئے قرب الٰہی: مجرمین کے بعد یہ متقین کا انجام بیان فرمادیا کہ وہ اپنی سچائی کی بدولت اللہ ورسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک پسندیدہ مقام میں ہونگے جہاں اس شہنشاہ مطلق کا قرب حاصل ہو گا۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ مَلِيْكٌ مُّقْتَدِرٌ۔ مَاتَشَاءُ مِنْ اَمْرٍ يَكُوْنُ فَاسْعِدْ نِيْ فِي الدَّارَيْنِ وَكُنْ لِيْ وَلَا تَكُنْ عَلَيَّ وَاٰتِنِيْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنِيْ عَذَابَ النَّارِ۔

تم سورۃ القمر وللہ الحمد والمنۃ

ایاتها ۷۸ ۵۵ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَكِّيَّةٌ ۹۷ رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱
۱۔ رحمٰن نے

عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲
۲۔ سکھلایا قرآن[۱]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳
۳۔ بنایا آدمی

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴
۴۔ پھر سکھلایا اُسکو بات کرنا[۲]

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵
۵۔ سورج اور چاند کیلئے ایک حساب ہے[۳]

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶
۶۔ اور جھاڑ اور درخت مشغول ہیں سجدہ میں[۴]

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷
۷۔ اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو

اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝۸
۸۔ کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹
۹۔ اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو[۵]

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝۱۰
۱۰۔ اور زمین کو بچھایا واسطے خلق کے[۶]

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱
۱۱۔ اس میں میوہ ہے اور کھجوریں جنکے میوہ پر غلاف

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲
۱۲۔ اور اُس میں اناج ہے جسکے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبودار[۷]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳
۱۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں[۸]

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ۝۱۴

۱۴۔ بنایا آدمی کو کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا

وَ خَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ۝۱۵

۱۵۔ اور بنایا جن کو آگ کی لپٹ سے [۹]

فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۶

۱۶۔ پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں [۱۰]

رَبُّ الۡمَشۡرِقَيۡنِ وَرَبُّ الۡمَغۡرِبَيۡنِ ۝۱۷

۱۷۔ مالک دو مشرق کا اور مالک دو مغرب کا [۱۱]

فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۸

۱۸۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

مَرَجَ الۡبَحۡرَيۡنِ يَلۡتَقِيٰنِ ۝۱۹

۱۹۔ دو دریا مل کر چلنے والے

بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخٌ لَّا يَبۡغِيٰنِ ۝۲۰

۲۰۔ اُن دونوں میں ہے ایک پر وہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے [۱۲]

فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۲۱

۲۱۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ ۝۲۲

۲۲۔ نکلتا ہے اُن دونوں سے موتی اور مونگا

فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۲۳

۲۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

وَلَهُ الۡجَوَارِ الۡمُنۡشَئٰتُ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ۝۲۴

۲۴۔ اور اُسی کے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ [۱۳]

ع ۲۵ ۱ ۱۱ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۲۵

۲۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۱۔ اللہ ہی قرآن کا اصل معلم ہے: جو اس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے، انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیدا کنار کو دیکھو، بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام۔ (تنبیہ) سورۃ "النجم" میں فرمایا تھا۔ عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰى (النجم۔۵) الخ۔ یہاں کھول دیا کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ ہے گو فرشتہ کے توسط سے ہو۔

۲۔ انسان میں علم بیان کی صفت: "ایجاد" (وجود عطا فرمانا) اللہ کی بڑی نعمت بلکہ نعمتوں کی جڑ ہے اس کی دو قومیں ہیں۔ ایجاد ذات، اور ایجاد صفت تو اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ذات کو پیدا کیا اور اس میں علم بیان کی صفت بھی رکھی یعنی قدرت دی کہ اپنے مافی الضمیر کو نہایت صفائی اور حسن

وخوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے ذریعہ سے وہ قرآن سیکھتا سکھاتا ہے۔ اور خیر و شر، ہدایت وضلالت، ایمان و کفر اور دنیا و آخرت کی باتوں کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔

۳۔ شمس و قمر کا حساب: یعنی دونوں کا طلوع و غروب، گھٹنا بڑھنا، یا ایک حالت پر قائم رہنا، پھر ان کے ذریعہ سے فصول و مواسم کا بدلنا اور سفلیات پر مختلف طرح سے اثر ڈالنا، یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ مجال نہیں کہ اس کے دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں۔ اور اپنے مالک وخالق کے دیئے ہوئے احکام سے روگردانی کر سکیں۔ اس نے اپنے بندوں کی جو خدمات ان دونوں کے سپرد کر دی ہیں۔ ان میں کوتاہی نہیں کرسکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔

۴۔ جھاڑیوں اور درختوں کا سجدہ: یعنی علویات کی طرح سفلیات بھی اپنے مالک کی مطیع و منقاد ہیں۔ چھوٹے جھاڑ، زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اونچے درخت سب اس کے حکم تکوینی کے سامنے سربسجود ہیں۔ بندے ان کو اپنے کام میں لائیں تو انکار نہیں کرسکتے۔

۵۔ آسمان اور میزان: اوپر سے دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوتے چلے آ رہے تھے۔ یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ آگے زمین کی پستی کا ذکر ہے۔ درمیان میں میزان (ترازو) کا ذکر شاید اس لئے ہو کہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان و زمین کے درمیان معلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ میزان سے مراد ظاہری اور حسی ترازو ہو۔ چونکہ اس کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی۔ اس لئے ہدایت فرمادی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو، نہ دیتے وقت کم، ترازو کے دونوں پلّے اور باٹ بٹی میں کمی بیشی نہ ہو۔ نہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے، بلکہ بدون کمی بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔ (تنبیہ) اکثر سلف نے وضع میزان سے اس جگہ عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے، یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و عدل کی بنیاد پر اعلٰی درجہ کے توازن و تناسب کے ساتھ قائم کیا ہے۔ اگر عدل و حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل و حق کے جادہ پر مستقیم رہیں۔ اور انصاف کی ترازو کو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں، نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

۶۔ کہ اس پر آرام سے چلیں پھریں اور کاروبار جاری رکھیں۔

۷۔ زمین کے مختلف میوے اور پھل: یعنی پھل میوے بھی زمین سے نکلتے ہیں اور غلّہ اناج بھی۔ پھر غلّہ میں دو چیزیں ہیں۔ دانہ، جو انسانوں کی غذا ہے اور بھوسہ جو جانوروں کے لئے ہے۔ اور بعض چیزیں زمین سے وہ پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام میں نہیں آتیں لیکن انکی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

۸۔ جنّ وانس اللہ کی نعمتوں کو نہیں جھٹلا سکتے: یعنی اے جنّ وانس! اوپر کی آیات میں تمہارے رب کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئیں تم ان میں سے کس کس کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے؟ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جا سکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بناء پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سنے تو جواب دے لَا بِشَیۡءٍ مِنۡ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الۡحَمۡدُ (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ سب حمد و ثناء تیرے ہی لئے ہے)۔ (تنبیہ) گو جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا۔ لیکن اَنَام میں وہ شامل ہیں۔ اور وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ میں دونوں کا عبادت کے لئے پیدا ہونا مذکور ہے۔ اور اس آیت کے بعد متصل ہی آدمی اور جن کی کیفیت تخلیق بتلائی گئی ہے، اور چند آیات کے بعد سَنَفۡرُغُ لَکُمۡ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ اور یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ میں صریحاً جن وانس کو مخاطب کیا گیا ہے، یہ قرائن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔

۹۔ جن وانس کی تخلیق مٹی اور آگ سے: یعنی سب آدمیوں کے باپ آدمؑ کو مٹی اور جنوں کے باپ کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔

۱۰۔ قرآن کریم میں تکرار کیوں ہے: اٰلَآءِ کا ترجمہ عموماً "نعمت" کیا گیا ہے لیکن ابن جریر نے بعض سلف سے "قدرت" کے معنی نقل کئے ہیں۔ اس لئے جس مقام پر جو معنی زیادہ چسپاں ہوں وہ اختیار کئے جائیں۔ یہاں اور اس سے پہلی آیت میں دونوں مطلب ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ انس وجن کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور جماد لایعقل سے عاقل بنا دینا اللہ کی بڑی نعمت ہے اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی بھی ہے۔ (تنبیہ) یہ جملہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اس سورۃ میں اکتیس مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ کسی خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا شئون عظمت وقدرت میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس قسم کی تکرار عرب وعجم کے کلاموں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ مدت ہوئی رسالہ "القاسم" میں بندہ نے ایک مضمون بعنوان "قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے" ۔ چھپوایا تھا اس میں چند نظائر شعرائے عرب کے کلاموں سے پیش کی گئی ہیں اور تکرار کے فلسفہ پر بحث کی ہے یہاں اس کے بسط کا موقع نہیں۔

۱۱۔ دو مشرق اور دو مغرب: جاڑے اور گرمی میں جس جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ دو مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دو مغرب ہوئیں۔ ان ہی مشرقین اور مغربین کے تغیر وتبدل سے موسم اور فصلیں بدلتی ہیں۔ اور طرح طرح کے انقلابات ہوتے ہیں۔ زمین والوں کے ہزارہا فوائد ومصالح ان تغیرات سے وابستہ ہیں۔ تو ان کا ادل بدل بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی قدرت عظیمہ کی نشانی ہوئی۔ (تنبیہ) آیت سے پہلے اور پیچھے دور تک دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوئے ہیں اس لئے یہاں مشرقین ومغربین کا ذکر نہایت ہی لطف دیتا ہے۔

۱۲۔ میٹھا اور کھاری پانی: یعنی ایسا نہیں کہ میٹھا اور کھاری پانی ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے اس کی خاصیت وغیرہ کو بالکلیہ زائل کر دے یا دونوں مل کر دنیا کو غرق کر ڈالیں۔ اس آیت کے مضمون کے متعلق کچھ تقریر سورۃ "فرقان" کے اواخر میں گذر چکی ہے۔ اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۳۔ یعنی کشتیاں اور جہاز گو بظاہر تمہارے بنائے ہوئے ہیں مگر خود تم کو اللہ نے بنایا اسی نے وہ قوتیں اور سامان عطا کئے جن سے جہاز تیار کرتے ہو۔ لہٰذا تم اور تمہاری مصنوعات سب کا مالک وخالق وہ ہی خدا ہوا۔ اور یہ سب اسی کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہوئیں۔ (تنبیہ) یہ جملہ پہلے جملہ یَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ الخ۔ کے مقابل ہے، یعنی دریا کے نیچے سے وہ نعمتیں نکلتی ہیں اور اوپر یہ نعمتیں موجود ہیں۔

كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ ۚۖ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے

وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ۚ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور باقی رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا [۱۴]

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

يَسۡـَٔلُهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ‌ؕ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ ۚ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اُس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ہر روز اُس کو ایک دھندا ہے [۱۵]

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾

٣١۔ ہم جلد فارغ ہونے والے ہیں تمہارے طرف اے دو بھاری قافلو

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾

٣٢۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ
تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ
لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾

٣٣۔ اور گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے کے بدون سند کے [١٦]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾

٣٤۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے [١٧]

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا
تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾

٣٥۔ چھوڑے جائیں تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے [١٨]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾

٣٦۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے [١٩]

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾

٣٧۔ پھر جب پھٹ جائے آسمان تو ہو جائے گلابی جیسے نری (تیل کی تلچھٹ) [٢٠]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾

٣٨۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾

٣٩۔ پھر اُس دن پوچھ نہیں اُس کے گناہ کی کسی آدمی سے اور نہ جن سے [٢١]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾

٤٠۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ
وَ الْاَقْدَامِ ﴿٤١﴾

٤١۔ پہچانے پڑیں گے گنہگار اپنے چہرے سے [٢٢] پھر پکڑا جائے گا پیشانی کے بال سے اور پاؤں سے [٢٣]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ یہ دوزخ ہے جسکو جھوٹ بتاتے تھے گنہگار [۲۴]

یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ پھریں گے بیچ اُس کے اور کھولتے پانی کے [۲۵]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

۱۴۔ ہر دن اللہ کی نئی شان ہے: یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق زبان حال و قال سے اپنی حاجات اسی خدا سے طلب کرتی ہے۔ کسی کو ایک لمحہ کے لئے اس سے استغناء نہیں۔ اور وہ بھی سب کی حاجت روائی اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے۔ ہر وقت اس کا الگ کام اور ہر روز اس کی نئی شان ہے۔ کسی کو مارنا، کسی کو جلانا، کسی کو بیمار کرنا، کسی کو تندرست کر دینا، کسی کو بڑھانا، کسی کو گھٹانا، کسی کو دینا کسی سے لینا اس کی شئون میں داخل ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔

۱۵۔ یعنی دنیا کے یہ کام اور دھندے عنقریب ختم ہونیوالے ہیں۔ اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کریں گے جب تم دونوں بھاری قافلوں (جن وانس) کا حساب کتاب ہو گا مجرموں کی پوری طرح خبر لی جائے گی۔ اور وفاداروں کو پورا صلہ دیا جائے گا۔

۱۶۔ اللہ کی حکومت سے فرار ممکن نہیں: یعنی اللہ کی حکومت سے کوئی چاہے کہ نکل بھاگے تو بدون قوت اور غلبہ کے کیسے بھاگ سکتا ہے کیا خدا سے زیادہ کوئی قوی اور زور آور ہے؟ پھر نکل کر جائے گا کہاں، دوسری قلمرو کونسی ہے جہاں پناہ لے گا۔ نیز دنیا کی معمولی حکومتیں بدون سند اور پروانہ راہداری کے اپنی قلمرو سے نکلنے نہیں دیتیں تو اللہ بدون سند کے کیوں نکلنے دیگا۔

۱۷۔ یعنی اس طرح کھول کھول کر سمجھانا اور تمام نشیب و فراز پر متنبہ کرنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ کیا اس نعمت کی تم قدر نہیں کرو گے اور اللہ کی ایسی عظیم الشان قدرت کو جھٹلاؤ گے۔

۱۸۔ جہنم کا دھواں اور شعلے: یعنی جس وقت مجرموں پر آگ کے صاف شعلے اور دھواں ملے ہوئے شرارے چھوڑے جائیں گے کوئی ان کو دفع نہ کر سکے گا۔ اور نہ وہ اس سزا کا کچھ بدلہ لے سکیں گے۔

۱۹۔ مجرموں کو سزا دینا بھی نعمت ہے: مجرموں کو سزا دینا بھی وفاداروں کے حق میں انعام ہے اور اس سزا کا بیان کرنا تا لوگ سن کر اس جرم سے باز رہیں، یہ مستقل انعام ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر آیت میں نعمت جتائی کوئی اب نعمت ہے اور کسی کی خبر دینا نعمت ہے، کہ اس سے بچیں"۔

۲۰۔ یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹے گا اور رنگ میں لال نری کی طرح ہو جائے گا۔

۲۱۔ یعنی کسی آدمی یا جن سے اس کے گناہوں کے متعلق معلوم کرنے کی غرض سے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ خدا کو پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ ہاں بطور الزام و توبیخ ضابطہ کا سوال کرینگے۔ کما قال فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ (حجر۔ ۹۲) یا یہ مطلب ہو کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال نہ ہو گا بعد میں ہونا اس کے منافی نہیں۔

۲۲۔ مجرموں کے چہروں سے پہچان: یعنی چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگونی سے مجرم خود بخود پہچانے جائیں گے۔ جیسے مؤمنین کی شناخت سجدہ اور وضو کے آثار و انوار سے ہو گی۔

۲۳۔ یعنی کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کو پاؤں سے ملا دینگے اور زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔

۲۴۔ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ ہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔

۲۵۔ کھولتے پانی کا عذاب: یعنی کبھی آگ کا اور کبھی کھولتے پانی کا عذاب ہو گا۔ (اعاذنا اللہ منہا و من سائر انواع العذاب)۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اُسکے لئے ہیں دو باغ[۲۶]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ جن میں بہت سی شاخیں[۲۷]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اُن دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں[۲۸]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اُن دونوں میں ہر میوہ قسم قسم کا ہو گا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ
جَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ تکیہ لگائے بیٹھے بچھونوں پر جن کے استر تافتے کے[۲۹] اور میوہ اُن باغوں کا جھک رہا[۳۰]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ
قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اُن میں عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں نہیں قربت کی اُن سے کسی آدمی نے اُن سے پہلے اور نہ کسی جن نے[۳۱]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾
٥٧۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾
٥٨۔ وہ کیسی جیسے کہ لعل اور مونگا[٣٢]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾
٥٩۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾
٦٠۔ اور کیا بدلا ہے نیکی کا مگر نیکی[٣٣]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾
٦١۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾
٦٢۔ اور اُن دو کے سوائے اور دو باغ ہیں[٣٤]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾
٦٣۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾
٦٤۔ گہرے سبز جیسے سیاہ[٣٥]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾
٦٥۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾
٦٦۔ اُن میں دو چشمے ہیں ابلتے ہوئے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾
٦٧۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾
٦٨۔ اُن میں میوے ہیں اور کھجوریں اور انار[٣٦]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾
٦٩۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾
٧٠۔ ان سب باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوبصورت[٣٧]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾
٧١۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾	۷۲۔ حوریں ہیں رکی رہنے والی خیموں میں [۳۸]
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾	۷۳۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے
لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾	۷۴۔ نہیں ہاتھ لگایا اُنکو کسی آدمی نے اُن سے پہلے اور نہ کسی جن نے
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾	۷۵۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے
مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾	۷۶۔ تکیہ لگئے بیٹھے سبز مسندوں پر اور قیمتی بچھونے نفیس پر
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾	۷۷۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے
تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾	۷۸۔ بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کے جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے [۳۹]

۲۶۔ اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے دو باغ: یعنی جس کو دنیا میں ڈر لگا رہا کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے۔ اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہا اور پوری طرح تقوٰی کے راستوں پر چلا اس کے لئے وہاں دو عالیشان باغ ہیں جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں۔

۲۷۔ یعنی مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں نہایت پر میوہ اور سایہ دار ہوں گی۔

۲۸۔ یعنی جو کسی وقت تھمتے نہیں۔ نہ خشک ہوتے ہیں۔

۲۹۔ اہل جنت کے بچھونے: جب ان کا استر دبیز ریشم کا ہوگا تو ابرے کو اسی سے قیاس کر لو۔ کیسا کچھ ہوگا۔

۳۰۔ جس کے چننے میں کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں بے تکلف متمتع ہو سکیں گے۔

۳۱۔ جنت کی عورتیں: یعنی ان کی عصمت کو کسی نے بھی چھوا، نہ انہوں نے اپنے ازواج کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

۳۲۔ یعنی ایسی خوش رنگ اور بیش بہا۔

۳۳۔ یعنی نیک بندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ان جنتیوں نے دنیا میں اللہ کی انتہائی عبادت کی تھی۔ گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اللہ نے ان کو انتہائی بدلہ دیا۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (سجدہ۔۱۷)۔ شاید اس میں دولت دیدار کی طرف بھی اشارہ ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۴۔ جنت کے دو باغ: شاید پہلے دو باغ مقربین کے لئے تھے اور یہ دونوں اصحاب یمین کیلئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۵۔ سبزی جب زیادہ گہری ہوتی ہے تو سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔

۳۶۔ جنت کے انار اور کھجور: مگر یہاں کے انار اور کھجوروں پر قیاس نہ کیا جائے۔ ان کی کیفیت اللہ ہی جانے۔

۳۷۔ یعنی اچھے اخلاق کی خوبصورت اور خوب سیرت۔

۳۸۔ گھروں میں رکنے والی حوریں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ذات کی خوبی گھر میں رکے رہنے ہی سے ہے۔

۳۹۔ اللہ کے نام کی برکت: یعنی جس نے اپنے وفاداروں پر ایسے احسان وانعام فرمائے اور غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصلی خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے۔ اور اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ پھر سمجھ لو جس کے اسم میں اس قدر برکت ہے مسمّٰی میں کیا کچھ ہو گی وَنِسَأَلُ اللّٰہَ الْکَرِیْمَ الْوَھَّابَ ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرامِ اَنْ یَجْعَلَنَا مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ الْاَوَّلِیْنَ۔ اٰمین۔

تم سورۃ الرحمٰن وللہ الحمد والمنہ

اٰیاتها ٩٦ ٥٦ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ٤٦ رکوعاتها ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿١﴾	١۔ جب ہو پڑے ہو پڑنے والی
لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾	٢۔ نہیں ہے اُسکے ہو پڑے میں کچھ جھوٹ [١]
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ﴿٣﴾	٣۔ پست کرنے والی ہے بلند کرنے والی [٢]
اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ﴿٤﴾	٤۔ جب لرزے زمین کپکپا کر
وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿٥﴾	٥۔ اور ریزہ ریزہ ہوں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر
فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴿٦﴾	٦۔ پھر ہو جائیں غبار اڑتا ہوا [٣]
وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ﴿٧﴾	٧۔ اور ہو جاؤ تین قسم پر [٤]
فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿٨﴾	٨۔ پھر داہنے والے کیا خوب ہیں داہنے والے [٥]
وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ؕ﴿٩﴾	٩۔ اور بائیں والے کیا برے لوگ ہیں بائیں والے [٦]
وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۚۙ﴿١٠﴾	١٠۔ اور اگاڑی والے تو اگاڑی والے
اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ﴿١١﴾	١١۔ وہ لوگ ہیں مقرب
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾	١٢۔ باغوں میں نعمت کے [٧]
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿١٣﴾	١٣۔ انبوہ ہے پہلوں میں سے

وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے [۸]
عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ بیٹھے ہیں جڑاؤ تختوں پر [۹]
مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾	۱۶۔ تکیہ لگائے اُن پر ایک دوسرے کے سامنے [۱۰]
يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾	۱۷۔ لئے پھرتے ہیں اُنکے پاس لڑکے سدا رہنے والے [۱۱]
بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾	۱۸۔ آبخورے اور کوزے اور پیالہ نتھری شراب کا
لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ جس سے نہ سر دکھے اور نہ بکواس لگے [۱۲]
وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾	۲۰۔ اور میوہ جونسا پسند کر لیں
وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾	۲۱۔ اور گوشت اڑتے جانوروں کا جس قسم کو جی چاہے [۱۳]
وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾	۲۲۔ اور عورتیں گوری بڑی آنکھوں والیاں
كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾	۲۳۔ جیسے موتی کے دانے اپنے غلاف کے اندر [۱۴]
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾	۲۴۔ بدلہ اُن کاموں کا جو کرتے تھے
لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾	۲۵۔ نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور گناہ کی بات
اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾	۲۶۔ مگر ایک بولنا سلام سلام [۱۵]
وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اور داہنے والے کیا کہنے داہنے والوں کے
فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ رہتے ہیں بیری کے درختوں میں جن میں کانٹا نہیں [۱۶]

وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ اور کیلے تہہ پر تہہ
وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اور سایہ لنبا[۱۷]
وَّ مَآءٍ مَّسۡكُوۡبٍ ﴿۳۱﴾	۳۱۔ اور پانی بہتا ہوا
وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ ﴿۳۲﴾	۳۲۔ اور میوہ بہت
لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَةٍ ﴿۳۳﴾	۳۳۔ نہ اُس میں سے ٹوٹا اور نہ روکا ہوا[۱۸]
وَّ فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ ﴿۳۴﴾	۳۴۔ اور بچھونے اونچے[۱۹]
اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ﴿۳۵﴾	۳۵۔ ہم نے اٹھایا اُن عورتوں کو ایک اچھے اٹھان پر
فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا ﴿۳۶﴾	۳۶۔ پھر کیا اُنکو کنواریاں
عُرُبًا اَتۡرَابًا ﴿۳۷﴾	۳۷۔ پیار دلانے والیاں ہم عمر
لِّاَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۳۸﴾ ع ۱ ۳۸ ۱۴	۳۸۔ واسطے داہنے والوں کے[۲۰]
ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۹﴾	۳۹۔ انبوہ ہے پہلوں میں سے
وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۴۰﴾	۴۰۔ اور انبوہ ہے پچھلوں میں سے[۲۱]
وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾	۴۱۔ اور بائیں والے کیسے بائیں والے
فِىۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِيۡمٍ ﴿۴۲﴾	۴۲۔ تیز بھاپ میں اور جلتے پانی میں
وَّ ظِلٍّ مِّنۡ يَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾	۴۳۔ اور سایہ میں دھوئیں کے

لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِيمٍ ﴿٤٤﴾	۴۴۔ نہ ٹھنڈا اور نہ عزت کا[۲۲]
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾	۴۵۔ وہ لوگ تھے اس سے پہلے خوشحال
وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾	۴۶۔ اور ضد کرتے تھے اُس بڑے گناہ پر[۲۳]
وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَئِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾	۴۷۔ اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر گئے اور ہو چکے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے
اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾	۴۸۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادے بھی[۲۴]
قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾	۴۹۔ تو کہہ دے کہ اگلے اور پچھلے
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾	۵۰۔ سب اکٹھے ہونے والے ہیں ایک دن مقرر کے وقت پر[۲۵]
ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾	۵۱۔ پھر تو جو ہو اے بہکے ہوؤ جھٹلانے والو
لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾	۵۲۔ البتہ کھاؤ گے ایک درخت سینڈ کے سے
فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾	۵۳۔ پھر بھرو گے اس سے پیٹ[۲۶]
فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾	۵۴۔ پھر پیو گے اُس پر ایک جلتا پانی
فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾	۵۵۔ پھر پیو گے جیسے پئیں اونٹ تونسے ہوئے[۲۷]
هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾	۵۶۔ یہ مہمانی ہے اُنکی انصاف کے دن[۲۸]

ا۔ وقوع قیامت میں کوئی شبہ نہیں: یعنی قیامت جب ہو پڑیگی اس وقت کھل جائے گا کہ یہ کوئی جھوٹی بات نہ تھی۔ نہ اسے کوئی ٹلا سکے گا۔ نہ واپس کر سکے گا اور لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ (النحل۔۳۸) وغیرہ کے جھوٹے دعوے سب ختم ہو جائیں۔ کوئی شخص جھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولناک سختیوں کو گھٹانا چاہے یہ بھی نہ ہو گا۔

۲۔ قیامت بلند اور پست کرنیوالی ہے: یعنی ایک گروہ کو نیچے لے جاتی ہے اور ایک گروہ کو اوپر اٹھاتی ہے۔ بڑے بڑے متکبروں کو جو دنیا میں بہت معزز اور سربلند سمجھے جاتے تھے اسفل السافلین کی طرف دھکیل کر دوزخ میں پہنچادے گی اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں پست اور حقیر نظر آتے تھے، ایمان و عمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کرے گی۔

۳۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے: یعنی زمین میں سخت زلزلہ آئیگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑتے پھرینگے۔

۴۔ قیامت میں انسانوں کی تین قسمیں: یعنی وقوع قیامت کے بعد کل آدمیوں کی تین قسمیں کر دی جائیں گی۔ دوزخی، عام جنتی، اور خواص مقربین جو جنت کے نہایت اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔ آگے تینوں کا مجملاً ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان کے احوال کی تفصیل بیان ہو گی۔

۵۔ دائیں اور بائیں والے: یعنی جو لوگ عرش عظیم کے داہنی طرف ہونگے جن کو اخذ میثاق کے وقت آدمؑ کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا۔ اور ان کا اعمالنامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی خوبی اور یمن و برکت کا کیا کہنا، شب معراج میں حضور ﷺ نے ان ہی کی نسبت دیکھا تھا کہ حضرت آدمؑ اپنی داہنی طرف نظر کر کے ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

۶۔ یہ لوگ آدمؑ کے بائیں پہلو سے نکالے گئے، عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے۔ اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے دائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے، ان کی نحوست اور بدبختی کا کیا ٹھکانا۔

۷۔ سابقین اوّلین: یعنی جو لوگ کمالات علمیّہ اور مراتب تقوٰی میں دوڑ کر اصحاب یمین سے آگے نکل گئے۔ وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب و وجاہت میں بھی سب سے آگے ہیں۔ وَهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ وَالصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ يَكُوْنُوْنَ بَيْنَ يَدَىْ رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ کما قال ابن کثیرؒ۔

۸۔ اوّلین اور آخرین کی تفسیر: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پہلے کہا، پہلی امتوں کو، اور پچھلی یہ امت (محمدیہ) یا پہلے پچھلے اسی امت کے (مراد ہوں) یعنی اعلیٰ درجہ کے لوگ پہلے بہت ہو چکے ہیں۔ پیچھے کم ہوتے ہیں"۔ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں یہ دونوں احتمال بیان کئے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی اور روح المعانی میں طبرانی وغیرہ سے ایک حدیث ابو بکرہ کی بسند حسن نقل کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے آیت کے متعلق فرمایا هُمَا جَمِيْعًا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔ واللہ اعلم۔ ابن کثیرؒ نے ایک تیسرا مطلب آیت کا بیان کیا ہے۔ احقر کو وہ پسند ہے۔ یعنی ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں، پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔ کما قال ﷺ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ہاں اگر ابو بکرہ کی حدیث صحیح ہو جیسا کہ روح المعانی میں ہے تو ظاہر ہے وہ ہی مطلب متعین ہو گا۔

۹۔ اہل جنت کے احوال: جو سونے کے تاروں سے بُنے گئے ہیں۔

۱۰۔ یعنی نشست ایسی ہو گی کہ کسی ایک کی پیٹھ دوسرے کی طرف نہ رہے گی۔

۱۱۔ یعنی خدمت کے لئے لڑکے ہونگے جو سدا ایک حالت پر رہیں گے۔

۱۲۔ جنت کی شراب: یعنی نتھری اور صاف شراب جس کے قدرتی چشمے جاری ہونگے اس کے پینے سے نہ سر گرانی ہو گی نہ بکواس لگے گی کیونکہ اس میں نشہ نہ ہو گا۔ خالص سرور اور لذت ہو گی۔

۱۳۔ یعنی جس وقت جو میوہ پسند ہو اور جس قسم کا گوشت مرغوب ہو بدون محنت و تعب کے پہنچے گا۔

۱۴۔ گوشت اور میوے: یعنی صاف موتی کی طرح جس پر گرد و غبار کا ذرا بھی اثر نہ آیا ہو۔

۱۵۔ یعنی لغو اور واہیات باتیں وہاں نہیں ہوں گی نہ کوئی جھوٹ بولے گا، نہ کسی پر جھوٹی تہمت رکھے گا۔ بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آئیں گی۔ یعنی جنتی ایک دوسرے کو اور فرشتے جنتیوں کو سلام کریں گے۔ اور رب کریم کا سلام پہنچے گا جو بہت ہی بڑے اعزاز و اکرام

کی صورت ہے اور سلام کی یہ کثرت اس کی طرف اشارہ ہے کہ اب یہاں پہنچ کر تم تمام آفات اور مصائب سے محفوظ اور صحیح وسالم رہو گے۔ نہ کسی طرح کا آزار پہنچے گا نہ موت آئی گی نہ فنا۔

۱۶۔ جو قسم قسم کے مزہ دار پھلوں سے لدے ہوں گے۔

۱۷۔ جنت کا موسم: یعنی نہ دھوپ ہوگی نہ گرمی سردی لگے گی۔ نہ اندھیرا ہوگا۔ صبح کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے جیسا درمیانی وقت ہوتا ہے ایسا معتدل سایہ سمجھو اور لنبا پھیلا ہوا اتنا کہ بہترین تیز رفتار گھوڑا سو برس تک متواتر چلتا رہے تو ختم نہ ہو۔

۱۸۔ جنت کے پھل: بہت قسم کا میوہ، نہ پہلے اس میں سے کسی نے توڑا نہ دنیا کے موسمی میووں کی طرح آئندہ ختم ہو نہ اس کے لینے میں کسی قسم کی روک ٹوک پیش آئے۔

۱۹۔ جنت کے فرش: یعنی بیحد دبیز اور اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی۔

۲۰۔ جنت کی عورتیں: یعنی حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں ملیں گی وہاں ان کی پیدائش اور اٹھان خدا کی قدرت سے ایسا ہو گا کہ ہمیشہ خوبصورت جوان بنی رہیں گی۔ جن کی باتوں اور طرز وانداز پر بیساختہ پیار آئے اور سب کو آپس میں ہم عمر کھا جائے گا اور ان کے ازواج کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔

۲۱۔ یعنی اصحاب یمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بھی ان کی بہت کثرت ہو گی۔

۲۲۔ دوزخ کے مختلف احوال: یعنی دوزخ کی آگ سے کالا دھواں اٹھیگا۔ اس کے سایہ میں رکھے جائیں گے۔ جس سے کوئی جسمانی یا روحانی آرام نہ ملے گا۔ نہ ٹھنڈک پہنچے گی۔ نہ وہ عزت کا سایہ ہو گا۔ ذلیل وخوار اس کی تپش میں بھنتے رہیں گے۔ یہ ان کی دنیوی خوشحالی کا جواب ہوا جس کے غرور میں اللہ اور رسول سے ضد باندھی تھی۔

۲۳۔ یعنی وہ بڑا گناہ کفر وشرک ہے اور تکذیب انبیاء یا جھوٹی قسمیں کھا کر یہ کہنا کہ مرنے کے بعد ہرگز کوئی زندگی نہیں۔ کما قال تعالیٰ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ (نحل۔۳۸)۔

۲۴۔ گناہ پر کفار کا اصرار: جو ہم سے بھی بہت پہلے مر چکے۔ یعنی یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

۲۵۔ یعنی قیامت کے دن جس کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے۔

۲۶۔ دوزخیوں کا کھانا: یعنی جب بھوک سے مضطر ہو گے تو یہ درخت کھانے کو ملے گا اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑیگا۔

۲۷۔ کھولتا ہوا پانی: یعنی گرمی میں تونسا ہوا اونٹ جیسے پیاس کی شدت سے ایک دم پانی چڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہ ہی حال دوزخیوں کا ہو گا لیکن وہ گرم پانی جب منہ کے قریب پہنچائیں گے تو منہ کو بھون ڈالے گا اور پیٹ میں پہنچے گا تو آنتیں کٹ کر باہر آپڑینگی (العیاذ باللہ)۔

۲۸۔ یعنی انصاف کا مقتضاء یہ ہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾	۵۷۔ ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے[۲۹]
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾	۵۸۔ بھلا دیکھو تو جو پانی تم ٹپکاتے ہو
ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾	۵۹۔ اب تم اُسکو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے[۳۰]

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾

٦٠۔ ہم ٹھہرا چکے تم میں مرنا[٣١] اور ہم عاجز نہیں

عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا

تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾

٦١۔ اس بات سے کہ بدلے میں لے آئیں تمہاری طرح کے لوگ اور اٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں جہاں تم نہیں جانتے[٣٢]

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

٦٢۔ اور تم جان چکے ہو پہلا اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے[٣٣]

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾

٦٣۔ بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾

٦٤۔ کیا تم اُسکو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے[٣٤]

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾

٦٥۔ اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اُسکو روندا ہوا گھانس پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

٦٦۔ ہم تو قرضدار رہ گئے

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے[٣٥]

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾

٦٨۔ بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾

٦٩۔ کیا تم نے اتارا اُسکو بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے[٣٦]

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

٧٠۔ اگر ہم چاہیں کر دیں اُسکو کھارا پھر کیوں نہیں احسان مانتے[٣٧]

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾

٧١۔ بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾

٧٢۔ کیا تم نے پیدا کیا اُس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے[٣٨]

نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَ ۚ﴿۷۳﴾

۷۳۔ ہم نے ہی تو بنایا وہ درخت یاد دلانے کو[۳۹] اور برتنے کو جنگل والوں کے[۴۰]

فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا[۴۱]

ع ۲ ۱۵

۲۹۔ یعنی اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ پہلے بھی اس نے پیدا کیا اور وہ ہی دوبارہ پیدا کر دے گا۔

۳۰۔ انسان کا خالق کون ہے: یعنی رحم مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے۔ وہاں تو تمہارا کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے۔

۳۱۔ یعنی جلانا مارنا سب ہمارے قبضے میں ہے۔ جب وجود و عدم کی باگ ہمارے ہاتھ میں ہوئی تو مرنے کے بعد اٹھا دینا کیا مشکل ہو گا۔

۳۲۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تم کو اور جہان میں لیجائیں، تمہاری جگہ یہاں اور خلقت بسا دیں"۔

۳۳۔ یعنی پہلی پیدائش کو یاد کر کے دوسری کو بھی سمجھ لو۔

۳۴۔ زمین سے تم اگاتے ہو یا ہم: یعنی بظاہر بیج زمین میں تم ڈالتے ہو لیکن زمین کے اندر اس کی پرورش کرنا پھر باہر نکال کر ایک لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے اس کے متعلق تو ظاہری اور سطحی دعوٰی بھی تم نہیں کر سکتے کہ ہماری تیار کی ہوئی ہے۔

۳۵۔ زمین سے تم اگاتے ہو یا ہم: یعنی کھیتی پیدا کرنے کے بعد اس کا محفوظ اور باقی رکھنا بھی ہمارا ہی کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے پھر تم سر پکڑا کر روؤ اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا بھاری نقصان ہو گیا۔ بلکہ سچ پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔

۳۶۔ بارش تم برساتے ہو یا ہم: یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے اور زمین کے خزانوں میں وہ پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں۔ تم کو کیا قدرت تھی کہ پانی بنا لیتے یا خوشامد اور زبردستی کر کے بادل سے چھین لیتے۔

۳۷۔ میٹھے پانی کی نعمت: یعنی ہم چاہیں تو میٹھے پانی کو بدل کر کھاری کڑوا بنا دیں جو نہ پی سکو نہ کھیتی کے کام آئے۔ پھر احسان نہیں مانتے کہ ہم نے میٹھے پانی کے کتنے خزانے تمہارے ہاتھ دے رکھے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ پانی پی کر فرماتے تھے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ سَقَانَاہُ عَذۡبًا فُرَاتًا بِرَحۡمَتِهٖ وَلَمۡ یَجۡعَلۡهُ مِلۡحًا اُجَاجًا بِذُنُوۡبِنَا (ابن کثیرؒ)۔

۳۸۔ عرب میں کئی درخت سبز ایسے ہیں جن کو رگڑنے سے آگ نکلتی ہے جیسے ہمارے ہاں بانس، پہلے سورۃ "یٰسٓ" میں اس کا بیان ہو چکا۔ یعنی ان درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے۔ تم نے یا ہم نے۔

۳۹۔ نصیحت پکڑو: یعنی یہ آگ دیکھ کر دوزخ کی آگ یاد کریں کہ یہ بھی اسی کا ایک حصہ اور ادنیٰ نمونہ ہے اور سوچنے والے کو یہ بات بھی یاد آسکتی ہے کہ جو خدا سبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہو گا۔

۴۰۔ جنگل والوں اور مسافروں کو آگ سے بہت کام پڑتا ہے۔ خصوصاً جاڑے کے موسم میں۔ اور یوں تو سب ہی کا کام اس سے چلتا ہے۔ (تنبیہ) بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب سمجھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کو تلاوت کرنے کے بعد کہے بَلۡ اَنۡتَ یَا رَبِّ۔

۴۱۔ ان نعمتوں کا شکر کرو: جس نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں اور خالص اپنے فضل و احسان سے ہم کو منتفع کیا اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور منکرین کی گھڑی ہوئی خرافات سے اس کی اور اس کے نام مبارک کی پاکی بیان کرنا چاہیئے۔ تعجب ہے کہ لوگ ایسی آیات باہرہ دیکھنے کے بعد بھی اس کی قدرت و وحدانیت کو کماحقہ نہیں سمجھتے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿٧٥﴾
٧٥۔ سو میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کی [٤٢]

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ ﴿٧٦﴾
٧٦۔ اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم

اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ﴿٧٧﴾
٧٧۔ بیشک یہ قرآن ہے عزت والا

فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ﴿٧٨﴾
٧٨۔ لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴿٧٩﴾
٧٩۔ اُس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں [٤٣]

تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٨٠﴾
٨٠۔ اتارا ہوا ہے اپنے پروردگار عالم کی طرف سے [٤٤]

اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ﴿٨١﴾
٨١۔ اب کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو

وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿٨٢﴾
٨٢۔ اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اُسکو جھٹلاتے ہو [٤٥]

فَلَوۡلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ ﴿٨٣﴾
٨٣۔ پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے حلق کو

وَاَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿٨٤﴾
٨٤۔ اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہو

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡكُمۡ وَلٰـكِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿٨٥﴾
٨٥۔ اور ہم اُسکے پاس ہیں تم سے زیادہ پر تم نہیں دیکھتے

فَلَوۡلَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ ﴿٨٦﴾
٨٦۔ پھر کیوں نہیں اگر تم نہیں ہو کسی کے حکم میں

تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿٨٧﴾
٨٧۔ تو کیوں نہیں پھیر لیتے اُس روح کو اگر ہو تم سچے [٤٦]

فَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿٨٨﴾
٨٨۔ سو جو اگر وہ مردہ ہوا مقرب لوگوں میں

فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿٨٩﴾
٨٩۔ تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾

۹۰۔ اور جو اگر وہ ہوا داہنے والوں میں

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾

۹۱۔ تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے[۴۷]

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾

۹۲۔ اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں بہکنے والوں میں سے

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾

۹۳۔ تو مہمانی ہے جلتا پانی

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾

۹۴۔ اور ڈالنا آگ میں[۴۸]

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾

۹۵۔ بیشک یہ بات یہی ہے لائق یقین کے[۴۹]

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ ع ٣ ٢٢ ١٦

۹۶۔ سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا ہے[۵۰]

۴۲۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موضح) یا آیات قرآن کے اترنے کی آسمان سے زمین پر، آہستہ آہستہ، تھوڑی تھوڑی۔

۴۳۔ **قرآن کو چھونے کے آداب:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی فرشتے اس کتاب کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ کتاب یہ ہی قرآن لکھا ہوا ہے فرشتوں کے ہاتھوں میں یا لوح محفوظ میں"۔ اور بعض نے لَا یَمَسُّہٗ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ، یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں۔ وہ ہی اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک رسائی پاسکتے ہیں۔ یا اس قرآن کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ یعنی بدون وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اس وقت لَا یَمَسُّہٗ کی نفی نہی کے لئے ہو گی۔

۴۴۔ **ربّ العٰلمین کا نازل کردہ کلام:** یعنی یہ کوئی جادو ٹوٹکا نہیں نہ کاہنوں کی زٹیل اور بے سروپا باتیں ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں بلکہ بڑی مقدس و معزز کتاب ہے، جو رب العالمین نے عالم کی ہدایت و تربیت کے لئے اتاری، جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام قائم کیا، یہ ستارے ایک اٹل قانون کے ماتحت اپنے روزانہ غروب سے اسی کی عظمت و وحدانیت اور قاہرانہ تصرف واقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں (کما احتج بہ ابراہیم علیٰ قومہ) اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ و برتر ہستی اور سلطہ غیبیہ کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہ ہی اکیلا زمین، بادل، پانی، آگ، ہوا، مٹی اور کائنات کے ذرے ذرے کا مالک وخالق ہو گا۔ کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو پہلے رکوع میں بیان ہوئے ہیں۔ اور کیا ایک عاقل اس عظیم الشان نظامِ فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھ سکتا کہ ایک دوسرا باطنی نظامِ شمسی بھی جو قرآن کریم اور اس کی آیات یا تمام کتب وصحف سماویہ سے عبارت ہے، اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت و رحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا۔ وہ ہی پاک خدا ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتابِ قرآن کو چمکایا۔ اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے۔ کس کی مجال ہے جو اس کو بدل سکے یا غائب کر دے۔ اس کے انوار اور شعاعیں ان ہی دلوں میں پوری طرح منعکس ہوتی ہیں جو مانجھ کر پاک وصاف کر لئے جائیں۔

۴۵۔ کفار کی تکذیب اور ناشکری: یعنی کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے منتفع ہونے میں تم سستی اور کاہلی کرو۔ اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو، جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آگیا تھا اس سے بارش ہو گئی۔ گویا خدا اسے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح اس بارانِ رحمت کی قدر نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں، سخت بد بختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک نعمت کی شکر گذاری یہ ہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔

۴۶۔ کیا تم کسی کے قابو میں نہیں ہو: یعنی ایسی بے فکری اور بے خوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو، گویا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار ہی میں نہیں، یا کبھی مرنا اور خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ اچھا جس وقت تمہارے کسی عزیز و محبوب کی جان نکلنے والی ہو، سانس حلق میں اٹک جائے، موت کی سختیاں گذر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور درماندگی کا تماشا دیکھتے ہو، اور دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے اگر تم کسی دوسرے کے قابو میں نہیں تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان کو اپنی طرف نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل ناخواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو دنیا کی طرف واپس لا کر اسے آنیوالی سزا سے کیوں بچا نہیں لیتے۔ اگر اپنے دعووں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ۔

۴۷۔ مقربین اور اصحاب یمین: یعنی تم ایک منٹ کے لئے نہیں روک سکتے۔ اس کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری ہے۔ اگر وہ مردہ مقربین میں سے ہو گا تو اعلیٰ درجہ کی روحانی و جسمانی راحت و عیش کے سامانوں میں پہنچ جائے گا۔ اور "اصحاب یمین" میں سے ہو تب بھی کچھ کھٹکا نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی خاطر جمع رکھ ان کی طرف سے" یا یہ مطلب ہے کہ اصحاب یمین کی طرف سے اس کو سلام پہنچے گا۔ یا اس کو کہا جائے گا کہ تیرے لئے آئندہ سلامتی ہی سلامتی ہے، اور تو "اصحاب یمین" میں شامل ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنیوالے کو یہ بشارتیں مل جاتی ہیں۔ اور اسی طرح مجرموں کو ان کی بدحالی کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔

۴۸۔ یعنی اس کا انجام یہ ہو گا اور مرنے سے پہلے اس کی خبر سنا دی جائے گی۔

۴۹۔ آخرت کی یہ تمام خبریں سچی ہیں: یعنی تمہاری تکذیب سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ اس سورت میں مؤمنین اور مجرمین کی خبر دی گئی ہے بالکل یقینی ہے، اسی طرح ہو کر رہے گا۔ خواہ مخواہ شبہے پیدا کر کے اپنے نفس کو دھوکا نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری کرو۔

۵۰۔ اللہ کی تسبیح میں مشغول رہو: یعنی تسبیح و تحمید میں مشغول رہو کہ یہ ہی وہاں کی بڑی تیاری ہے اس نیک مشغلہ میں لگ کر مکذبین کی دل آزار بیہودگیوں سے بھی یکسوئی رہتی ہے اور ان کے باطل خیالات کا رد بھی ہوتا ہے۔ یہاں سورت کے خاتمہ پر جی چاہتا ہے کہ وہ حدیث نقل کر دیجائے جس پر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

تم سورۃ الواقعہ وللہ الحمد والمنہ

آیاتها ٢٩ ٥٧ سُورَةُ الحَدِيدِ مَدَنِيَّةٌ ٩٤ رکوعاتها ٤

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝١

١۔ اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں[١] اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا

لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝٢

٢۔ اُسی کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا جِلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے[٢]

هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝٣

٣۔ وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا[٣] اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ جانتا ہے[٤]

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝٤

٤۔ وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر[٥] جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اُس سے نکلتا ہے[٦] اور جو کچھ اترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے[٧] اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اُسکو دیکھتا ہے[٨]

لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۝٥

٥۔ اُسی کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام[٩]

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

۶۔ داخل کرتا ہے رات کو دن مین اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں [۱۰] اور اُسکو خبر ہے جیوں کی بات کی [۱۱]

۱۔ ہر شے تسبیح کرتی ہے: یعنی زبانِ حال سے یا قال سے یا دونوں سے۔

۲۔ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے: یعنی آسمان وزمین میں سب جگہ اسی کا حکم اور اختیار چلتا ہے ایجاد و اعدام کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی طاقت اس کے تصرف تکوینی کو روک نہیں سکتی۔

۳۔ جب کوئی نہ تھا، وہ موجود تھا، اور کوئی نہ رہے وہ موجود رہے گا۔

۴۔ اللہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی: ہر چیز کا وجود و ظہور اس کے وجود سے ہے۔ لہذا اس کا وجود اگر ظاہر وباہر نہ ہو تو اور کس کا ہو گا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کی کُنہ ذات اور حقائق صفات تک عقل و ادراک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کر سکتا نہ اپنے قیاس ورائے سے اس کی کچھ کیفیت بیان کر سکتا ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ بہر حال وہ اندر بھی باہر بھی، ظاہر بھی باطن بھی، کھلے اور چھپے ہر قسم کے احوال کا جاننے والا ہے۔ ظاہر (بمعنی غالب) ایسا کہ اس سے اوپر کوئی قوت نہیں۔ باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقع نہیں جہاں اس کی آنکھ سے او جھل ہو کر پناہ مل سکے۔ ففی الحدیث وانت الظاھر فلیس فوقك شیءٌ وانت لباطن فلیس دونك شئ۔

۵۔ اس کا بیان سورۃ اعراف میں آٹھویں پارے کے ختم سے کچھ پہلے گذر چکا ہے۔

۶۔ مثلاً بارش کا پانی اور بیج زمین کے اندر جاتا ہے۔ اور کھیتی درخت وغیرہ اس سے باہر نکلتے ہیں۔ اس کا بیان سورۃ "سبا" میں گذر چکا۔

۷۔ آسمان کی طرف سے اترتے ہیں فرشتے، احکام، قضاء قدر کے فیصلے، اور بارش وغیرہ اور چڑھتے ہیں بندوں کے اعمال اور ملائکۃ اللہ۔

۸۔ ہر جگہ اللہ تمہارے ساتھ ہے: یعنی کسی وقت تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں ہو، وہ خوب جانتا ہے اور تمام کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔

۹۔ زمین و آسمان میں اللہ کی حکومت: یعنی اس کی قلمرو سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے۔ تمام آسمان وزمین میں اسی اکیلے کی حکومت ہے اور آخر کار سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہو گا۔

۱۰۔ اللہ کی قدرت اور علم: یعنی کبھی دن کو گھٹا کر رات بڑی کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس رات کو گھٹا کر دن بڑا کر دیتا ہے۔

۱۱۔ یعنی دلوں میں جو نیتیں اور ارادے پیدا ہوں یا خطرات ووساوس آئیں، وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷

۷۔ یقین لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور خرچ کرو اُس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کر کر [۱۲] سو جو لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اُنکو بڑا ثواب ہے [۱۳]

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ
لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾

٨۔ اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر ہو تم ماننے والے[١٤]

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ
لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ
بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩﴾

٩۔ وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا ہے مہربان[١٥]

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ
مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ
اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ
قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٠﴾ ع ١ ١٧

١٠۔ اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں[١٦] برابر نہیں تم میں جس نے کہ خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے[١٧] اور لڑائی کی اُن لوگوں کا درجہ بڑا ہے اُن سے جو کہ خرچ کریں اُسکے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا[١٨] اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو[١٩]

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١١﴾

١١۔ کون ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو اچھی طرح پھر وہ اُسکو دونا کر دے اُسکے واسطے اور اُسکو ملے ثواب عزت کا[٢٠]

١٦۔ تم مال کے مالک نہیں، بلکہ نائب ہو: یعنی جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے اس کا مالک اللہ ہے۔ تم صرف امین اور خزانچی ہو۔ لہذا جہاں وہ مالک بتلائے وہاں اس کے نائب کی حیثیت سے خرچ کرو۔ اور یہ بھی ملحوظ رکھو کہ پہلے یہ مال دوسروں کے ہاتھ میں تھا ان کے جانشین تم بنے۔ ظاہر ہے تمہارا جانشین کوئی اور بنایا جائے گا۔ پھر جب معلوم ہے کہ یہ چیز نہ پہلوں کے پاس رہی نہ تمہارے پاس رہے گی، تو ایسی زائل و فانی چیز سے

اتنا دل لگانا مناسب نہیں کہ ضروری اور مناسب مواقع میں بھی آدمی خرچ کرنے سے کترائے۔

۱۳۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفت وخصلت موجود نہیں، اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں اور ایمان کے مقتضٰی پر عمل رکھیں۔

۱۴۔ اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے: یعنی اللہ پر ایمان لانے یا یقین و معرفت کے راستوں پر چلتے رہنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ اور اس معاملہ میں سستی یا تقاعد کیوں ہو جبکہ خدا کا رسول تم کو کسی اجنبی اور غیر معقول چیز کی طرف نہیں، بلکہ تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا اعتقاد تمہاری اصل فطرت میں ودیعت کر دیا گیا اور جس کی ربوبیت کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ چنانچہ آج تک اس اقرار کا کچھ نہ کچھ اثر بھی قلوبِ بنی آدم میں پایا جاتا ہے۔ پھر دلائل و براہین اور ارسال و رسل کے ذریعہ سے اس ازلی عہد و پیمان کی یاد دہانی اور تجدید بھی کی گئی۔ اور انبیائے سابقین نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کا اتباع کرینگے۔ اور تم میں بہت سے وہ بھی ہیں جو خود نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر سمع و طاعت اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ امور ایمانیہ پر کاربند رہنے کا پکا عہد کر چکے ہیں۔ پس ان مبادی کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے۔

۱۵۔ قرآن کفر و جہل کے اندھیروں سے نکالنے کے لئے ہے: یعنی قرآن اتارا اور صداقت کے نشان دیئے تا ان کے ذریعہ سے تم کو کفر و جہل کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان و علم کے اجالے میں لے آئے۔ یہ اللہ کی بہت ہی بڑی شفقت اور مہربانی ہے، اگر سختی کرتا تو ان ہی اندھیروں میں پڑا چھوڑ کر تم کو ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا۔

۱۶۔ اللہ کی راہ میں کیوں خرچ نہیں کرتے: یعنی مالک فنا ہو جاتا ہے اور ملک اللہ کا بچ رہتا ہے اور ویسے تو ہمیشہ اسی کا مال تھا۔ پھر اس کے مال میں سے اس کے حکم کے موافق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہو؟ خوشی اور اختیار سے نہ دوگے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچ گا۔ بندگی کا اقتضاء یہ ہے کہ خوشدلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر و افلاس سے نہ ڈرے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہے۔ کیا اس کے راستہ میں خوشدلی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہیگا؟ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔

۱۷۔ فتح مکہ سے پہلے کے مسلمانوں کا درجہ: اور بعض نے فتح سے مراد صلح حدیبیہ لی ہے۔ اور بعض روایات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

۱۸۔ یعنی یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا یا آخرت میں دیگا، لیکن جن مقدور والوں نے "فتح مکہ" یا "حدیبیہ" سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ بڑے درجے لے اڑے، بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنیوالے اقل قلیل تھے۔ اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال و غنائم وغیرہ کی توقعات بہت کم۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان و مال لٹا دینا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔ فرضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ورزقنا اللہ اتباعہم وحبہم۔ اٰمین۔

۱۹۔ یعنی اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں اخلاص کا وزن کتنا ہے اپنے اسی علم کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

۲۰۔ کون ہے جو اللہ کو قرض دے: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "قرض کے معنی یہ کہ اس وقت جہاد میں خرچ کرو۔ پھر تم ہی دولتیں برتوگے (اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤگے)۔ یہ ہی معنی ہیں دونے کے۔ ورنہ مالک میں اور اور غلام میں سود بیاج نہیں۔ جو دیا سو اُس کا جو نہ دیا سو اُس کا"۔

يَوۡمَ تَرَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ
بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰٮكُمُ الۡيَوۡمَ جَنّٰتٌ
تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ‌ؕ ذٰلِكَ
هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۚ‏ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو دوڑتی ہوئی چلتی ہے اُنکی روشنی اُنکے آگے اور ان کے داہنے[۲۱] خوشخبری ہے تم کو آج کے دن باغ ہیں کہ نیچے بہتی ہیں جنکے نہریں سدا رہو اُن میں یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی[۲۲]

يَوۡمَ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا
انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِكُمۡ‌ۚ قِيۡلَ ارۡجِعُوۡا
وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ؕ فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ
بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ
الۡعَذَابُ ؕ‏ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ جس دن کہیں گے دغاباز مرد اور عورتیں ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری ہم بھی روشنی لے لیں تمہارے نور سے کہ کوئی کہے گا لوٹ جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈ لو روشنی پھر کھڑی کر دی جائے اُنکے بیچ میں ایک دیوار جس میں ہو گا دروازہ اُس کے اندر رحمت ہو گی اور باہر کی طرف عذاب[۲۳]

يُنَادُوۡنَهُمۡ اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰـكِنَّكُمۡ
فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ وَارۡتَبۡتُمۡ وَغَرَّتۡكُمُ
الۡاَمَانِىُّ حَتّٰى جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ‏ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ یہ اُن کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ[۲۴] کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے بچلا دیا اپنے آپ کو اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے اُس دغاباز نے[۲۵]

فَالۡيَوۡمَ لَا يُؤۡخَذُ مِنۡكُمۡ فِدۡيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا‌ ؕ مَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ‌ ؕ هِىَ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ ؕ وَبِئۡسَ
الۡمَصِيۡرُ‏ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ سو آج تم سے قبول نہ ہو گا فدیہ دینا اور نہ منکروں سے تم سب کا گھر دوزخ ہے وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جا پہنچے[۲۶]

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَ لَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں اُنکے دل اللہ کی یاد سے اور جو اترا ہے سچا دین[۲۷] اور نہ ہوں اُن جیسے جنکو کتاب ملی تھی اس سے پہلے پھر دراز گذری ان پر مدت پھر سخت ہو گئے اُنکے دل اور بہت اُن میں نافرمان ہیں[۲۸]

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اُسکے مرجانے کے بعد ہم نے کھول کر سنا دیے تم کو پتے اگر تم کو سمجھ ہے[۲۹]

اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقۡرَضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَہُمۡ وَ لَہُمۡ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد اور عورتیں اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح اُنکو ملتا ہے دونا اور اُنکو ثواب ہے عزت کا[۳۰]

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ٭ۖ وَ الشُّہَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ وَ نُوۡرُہُمۡ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۹﴾ ع

۱۹۔ اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اُسکے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور لوگوں کا احوال بتلانے والے اپنے رب کے پاس اُنکے واسطے ہے اُن کا ثواب اور اُنکی روشنی[۳۱] اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں کو وہ ہیں دوزخ کے لوگ[۳۲]

ع ۲ ۹ ۱۸

۲۱۔ **پل صراط پر ایمان و اعمال کی روشنی:** میدانِ حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے سخت اندھیرا ہو گا تب اپنے ایمان اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہو گی۔ شاید ایمان کی روشنی جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنے کیونکہ نیک عمل داہنی طرف جمع ہوتے ہیں۔ جس درجہ کا کسی کا ایمان و عمل ہو گا اسی درجہ کی روشنی ملے گی۔ اور غالباً اس امّت کی روشنی اپنے نبی کے طفیل دوسری امتوں کی روشنی سے زیادہ صاف اور تیز ہو گی۔ بعض روایات سے بائیں جانب بھی روشنی کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب شاید یہ ہو گا کہ روشنی کا اثر ہر طرف پہنچے گا۔ واللہ اعلم۔

۲۲۔ کیونکہ جنت اللہ کی خوشنودی کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔

۲۳۔ مومنین اور منافقین کے درمیان دیوار: یعنی مومنین اور منافقین کے بیچ میں دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہو گا۔ اس دروازہ سے مومن جنت کی طرف جا کر منافقوں کی نظر سے اوجھل ہو جائیں گے۔ دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہو گا اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الٰہی کا منظر دکھائی دے گا۔

۲۴۔ منافقوں کی مومنوں سے التجا: قصہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے کافر پُل صراط پر نہیں چلیں گے۔ بلکہ پہلے ہی دوزخ میں اس کے دروازوں سے دھکیل دیئے جائیں گے ہاں جو کسی نبی کی امت میں ہیں سچے یا کچے انہیں پل صراط سے گذرنے کا حکم ہو گا۔ اس پر چڑھنے سے پہلے ایک سخت اندھیری لوگوں کو گھیر لے گی۔ اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہو گی۔ منافق بھی ان کی روشنی میں پیچھے پیچھے چلنا چاہیں گے لیکن مومن جلد آگے بڑھ جائیں گے اس لئے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی۔ تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہرو، ہم کو اندھیرے میں پیچھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ تھوڑا انتظار کرو کہ ہم بھی تم سے مل جائیں اور تمہاری روشنی سے استفادہ کریں۔ آخر ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی بظاہر مسلمانوں میں ہوتا تھا اب اس مصیبت کے وقت ہم کو اندھیرے میں پڑا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا رفاقت کا حق یہ ہی ہے۔ جواب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو وہاں سے لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے اتنے میں دیوار دونوں فریق کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ یعنی روشنی دنیا میں کمائی جاتی ہے وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے، یا پیچھے سے وہ جگہ مراد ہو جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔

۲۵۔ منافقین کو مسلمانوں کا جواب: یعنی بیشک دنیا میں بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے اور زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ لذات و شہوات میں پڑ کر تم نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نفس کو دھوکا دے کر ہلاکت میں ڈالا۔ پھر توبہ نہ کی بلکہ راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور دین کے متعلق شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ یہ ہی دھوکا رہا کہ آگے ان منافقانہ چالوں کا کچھ خمیازہ بھگتنا نہیں۔ بلکہ یہ خیالات اور امیدیں پکالیں کہ چند روز میں اسلام اور مسلمانوں کا یہ سب قصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آخر ہم ہی غالب ہوں گے۔ رہا آخرت کا قصہ، سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔ ان ہی خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور موت نے آ دبایا اور اس بڑے دغاباز (شیطان) نے تم کو بہکا کر ایسا کھو دیا کہ اب سبیل رستگاری کی نہیں رہی۔

۲۶۔ آج کوئی فدیہ قبول نہیں ہو گا: یعنی بالفرض اگر آج تم (منافق) اور جو کھلے بندوں کافر تھے کچھ معاوضہ وغیرہ دیکر سزا سے بچنا چاہو تو اس کے منظور کئے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ بس تم سب کو اب اسی گھر میں رہنا ہے۔ یہ ہی دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے اور یہ ہی رفیق ہے کسی دوسرے سے رفاقت کی توقع مت رکھو۔

۲۷۔ دلوں کے گڑگڑانے کا وقت آگیا ہے: یعنی وقت آگیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں۔ اور نرم ہو کر گڑگڑانے لگیں۔

۲۸۔ اہل کتاب کی قساوتِ قلبی: یعنی ایمان وہ ہی ہے کہ دل نرم ہو۔ نصیحت اور خدا کی یاد کا اثر جلد قبول کرے۔ شروع میں اہل کتاب یہ باتیں پیغمبروں کی صحبت میں پاتے تھے۔ مدت کے بعد غفلت چھاتی گئی۔ دل سخت ہو گئے وہ بات نہ رہی۔ اکثروں نے سخت سرکشی اور نافرمانیاں شروع کر دیں۔ اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع لذکر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور اس مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچی تھی۔

۲۹۔ یعنی عرب لوگ جاہل اور گمراہ تھے جیسے مردہ زمین۔ اب اللہ نے ان کو ایمان اور علم کی روح سے زندہ کیا۔ اور ان میں سب کمال پیدا کر دیئے۔ غرض کسی مردہ سے مردہ انسان کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ سچی توبہ کر لے تو اللہ پھر اس کے قالب میں روح حیات پھونک دے گا۔

۳۰۔ اللہ کے لئے خرچ کرنے والوں کا اجر: یعنی جو اللہ کے راستہ میں خالص نیّت سے اس کی خوشنودی کی خاطر خرچ کریں اور غیر اللہ سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طلبگار نہ ہوں گویا وہ اللہ کو قرض دیتے ہیں۔ سو اطمینان رکھیں کہ ان کا دیا ہوا ضائع نہ ہو گا۔ بلکہ کئی گنا کر کے لوٹا یا جائے گا۔

۳۱۔ سچے ایمان والوں کی شہادت: مترجم محققؒ نے بظاہر "الشہداء" کا عطف "الصّدیقون" پر مانا ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر پوری طرح یقین لائے (اور اس یقین کا اثر ان کے اعمال و احوال میں ظاہر ہونا چاہیئے) تو سچے اور پکے ایماندار یہ ہی ہیں۔ اور اللہ کے ہاں یہ ہی حضرات بطور گواہ کے دوسرے لوگوں کا حال بتلائیں گے۔ کما قال وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا۔ (بقرۃ۔۱۴۳) آخرت میں ان سچے ایمان داروں کو اپنے اپنے عمل اور درجہ ایمان کے موافق ثواب اور روشنی عطا ہو گی (آیت کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے مگر رعایت اختصار ان کے نقل کی اجازت نہیں دیتی۔)

۳۲۔ یعنی دوزخ اصل میں ان ہی کے لئے بنی ہے۔

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَّزِيۡنَةٌ وَّ
تَفَاخُرٌۢ بَيۡنَكُمۡ وَتَكَاثُرٌ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ ؕ
كَمَثَلِ غَيۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ
فَتَرٰٮهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَكُوۡنُ حُطٰمًا ؕ وَفِى الۡاٰخِرَةِ
عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۙ وَّمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٌ ؕ وَ
مَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتایت ڈھونڈنی مال کی اور اولاد کی جیسے حالت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اُس کا سبزہ پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہو گیا پھر ہو جاتا ہے روندا ہوا گھاس اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کی زندگانی تو یہی ہے مال دغا کا [۳۳]

سَابِقُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا
كَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ
مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف کو اور بہشت کو [۳۴] جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا [۳۵] تیار رکھی ہے واسطے اُنکے جو یقین لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر یہ فضل اللہ کا ہے دے اُسکو جسکو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے [۳۶]

۳۳۔ حیات دنیوی کی مثال: آدمی کو اول عمر میں کھیل چاہئے، پھر تماشا، پھر بناؤ سنگار (اور فیشن) پھر ساکھ بڑھانا اور نام و نمود حاصل کرنا پھر موت کے دن قریب آئیں تو مال و اولاد کی فکر کہ پیچھے میرا گھر بار بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے۔ مگر یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی اور زائل

ہیں۔ جیسے کھیت کی رونق وبہار چند روزہ ہوتی ہے پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اسکو روند کر چورا کر دیتے ہیں۔ اس شادابی اور خوبصوری کا نام ونشان نہیں رہتا۔ یہ ہی حال دنیا کی زندگانی اور اسکے سازوسامان کو سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اسکی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں۔ وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا۔ یعنی ایمان اور عمل صالح۔ جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا، سمجھو بیڑا پار ہے۔ آخرت میں اسکے لئے مالک کی خوشنودی ورضامندی اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اسکے لئے سخت عذاب۔ اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اسکے لئے جلد یا بدیر دھکے مکے کھا کر معافی ہے۔ دنیا کا خلاصہ وہ تھا آخرت کا یہ ہوا۔

٣٤۔ بخشش اور جنت کی طرف دوڑو: یعنی موت سے پہلے وہ سامان کر لو جس سے کوتاہیاں معاف ہوں اور بہشت ملے۔ اس کام میں سستی اور دیر کرنا مناسب نہیں۔

٣٥۔ یعنی آسمان اور زمین دونوں کو اگر ملا کر رکھا جائے تو اسکے برابر جنت کا عرض ہو گا۔ طول کتنا ہو گا؟ یہ اللہ ہی جانے۔

٣٦۔ یعنی ایمان وعمل بیشک حصول جنت کے اسباب ہیں۔ لیکن حقیقت میں ملتی ہے اللہ کے فضل سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو سزا سے چھوٹنا ہی مشکل ہے۔ جنت ملنے کا تو ذکر کیا۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۚۖ ﴿۲۲﴾

٢٢۔ کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اُسکو دنیا میں [٣٧] بیشک یہ اللہ پر آسان ہے [٣٨]

لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ ﴿۲۳﴾

٢٣۔ تا کہ تم غم نہ کھایا کرو اُس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ شیخی کیا کرو اُس پر جو تم کو اُس نے دیا [٣٩] اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا

الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۴﴾

٢٤۔ وہ جو کہ آپ نہ دیں اور سکھلائیں لوگوں کو بھی نہ دینا [٤٠] اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پروا سب خوبیوں کے ساتھ موصوف [٤١]

٣٧۔ ہر شے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے: ملک میں جو عام آفت آئے مثلاً قحط، زلزلہ وغیرہ اور خود تم کو جو مصیبت لاحق ہو مثلاً مرض وغیرہ وہ سب اللہ کے علم میں قدیم سے طے شدہ ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اسی کے موافق دنیا میں ظہور ہو کر رہے گا ایک ذرہ بھر کم وبیش یا پس وپیش نہیں ہو سکتا۔

٣٨۔ یعنی اللہ کو ہر چیز کا علم ذاتی ہے کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا۔ پھر اپنے علم محیط کے موافق تمام واقعات وحوادث کو قبل از وقوع کتاب (لوح محفوظ) میں درج کر دینا اسکے لئے کیا مشکل ہے۔

۳۹۔ تنگی و فراخی میں مسلمان کا طرز عمل: یعنی اس حقیقت پر اس لئے مطلع کر دیا کہ تم خوب سمجھ لو کہ جو بھلائی تمہارے لئے مقدر ہے ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آسکتی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ٹھہر چکا ہے، ویسا ہی ہو کر رہے گا۔ لہذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین و مضطرب ہو کر پریشان نہ ہو اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اکڑو اور اتراؤ نہیں۔ بلکہ مصیبت و ناکامی کے وقت صبر و تسلیم اور راحت و کامیابی کے وقت شکر و تحمید سے کام لو۔ (تنبیہ) پہلے اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ الخ میں بتلایا تھا کہ دنیا کے سامان عیش و طرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ آیہ ہٰذا میں متنبہ فرما دیا کہ یہاں کی تکالیف و مصائب میں گھر کر چاہئے کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

۴۰۔ شیخی اور بڑائی اللہ کو پسند نہیں: اکثر متکبر مالداروں کی حالت یہ ہی ہوتی ہے کہ بڑائی اور شیخی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے نام پیسہ جیب سے نہ نکلے گا۔ کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہو گی اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی یہ ہی سبق پڑھائیں گے۔ موقع پر بڑھ کر خرچ کرنا متوکلوں اور ہمت والوں کا کام ہے جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے، اور جانتے ہیں کہ سختی اور نرمی سب اسی مالک علی الاطلاق کی طرف سے ہے۔

۴۱۔ بخل کی مذمت: یعنی تمہارے خرچ کرنے یا نہ کرنے سے اسکو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچتا وہ تو بے نیاز اور بے پرواذات ہے۔ تمام خوبیاں علٰی وجہ الکمال اسکی ذات میں جمع ہیں۔ تمہارے کسی فعل سے اسکی کسی خوبی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ جو کچھ نفع و نقصان ہے۔ خرچ کرو گے خود فائدہ اٹھاؤ گے نہ کرو گے گھاٹے میں رہو گے۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ وَ رُسُلَہٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۵﴾ ع ۳ ۱۹

۲۵۔ ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دیکر اور اتاری اُنکے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر [۴۲] اور ہم نے اتارا لوہا [۴۳] اُس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں [۴۴] اور تا کہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اُسکے رسولوں کی بن دیکھے [۴۵] بیشک اللہ زور آور ہے زبردست [۴۶]

۴۲۔ نزول کتاب و میزان: کتاب اور ترازو۔ شاید اسی تولنے کی ترازو کو کہا کہ اس کے ذریعہ سے بھی حقوق ادا کرنے اور لین دین میں انصاف ہوتا ہے۔ یعنی کتاب اللہ اسلئے اتاری کہ لوگ عقائد اور اخلاق و اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں، افراط و تفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں۔ اور ترازو اسلئے پیدا کی کہ بیع و شراء وغیرہ معاملات میں انصاف کا پلہ کسی طرف اٹھا، یا جھکا نہ رہے۔ اور ممکن ہے "ترازو" شریعت کو فرمایا ہو۔ جو تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ کے حسن و قبح کو ٹھیک جانچ تول کر بتلاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۳۔ ہم نے لوہا اتارا: یعنی اپنی قدرت سے پیدا کیا اور زمین میں اسکی کانیں رکھدیں۔

۴۴۔ یعنی لوہے سے لڑائی کے سامان (اسلحہ وغیرہ) تیار ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کے بہت سے کام چلتے ہیں۔

۴۵۔ یعنی جو آسمانی کتاب سے راہ راست پر نہ آئیں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں، ضرورت پڑے گی کہ انکی گوشمالی کیجائے اور

ظالم وکجرو معاندین پر اللہ ورسول کے احکام کا وقار واقتدار قائم رکھا جائے۔ اس وقت شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنا اور ایک خالص دینی جہاد میں اسی لوہے سے کام لینا ہوگا۔ اس وقت کھل جائے گا کہ کونسے وفادار بندے ہیں جو بن دیکھے خدا کی محبت میں آخرت کے غائبانہ اجر وثواب پر یقین کر کے اسکے دین اور اسکے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔

۴۶۔ یعنی جہاد کی تعلیم وترغیب اسلئے نہیں دی گئی کہ اللہ کچھ تمہاری امداد واعانت کا محتاج ہے۔ بھلا اس زور آور اور زبردست ہستی کو کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہوسکتی تھی۔ ہاں تمہاری وفاداری کا امتحان مقصود ہے۔ تاکہ جو بندے اس میں کامیاب ہوں انکو اعلیٰ مقامات پر پہنچایا جائے۔

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِہِمَا النُّبُوَّۃَ وَ الۡکِتٰبَ فَمِنۡہُمۡ مُّہۡتَدٍ ۚ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور ہم نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو اور ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب [۴۷] پھر کوئی اُن میں راہ پر ہے اور بہت اُن میں نافرمان ہیں [۴۸]

ثُمَّ قَفَّیۡنَا عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّیۡنَا بِعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡاِنۡجِیۡلَ ۬ۙ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ رَاۡفَۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ وَ رَہۡبَانِیَّۃَۨ ابۡتَدَعُوۡہَا مَا کَتَبۡنٰہَا عَلَیۡہِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰہِ فَمَا رَعَوۡہَا حَقَّ رِعَایَتِہَا ۚ فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡہُمۡ اَجۡرَہُمۡ ۚ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر پیچھے بھیجے اُنکے قدموں پر اپنے رسول [۴۹] اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسٰی مریم کے بیٹے کو اور اُسکو ہم نے دی انجیل [۵۰] اور رکھ دی اُس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی [۵۱] اور ایک ترک کرنا دنیا کا جو انہوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے نہیں لکھا تھا یہ اُن پر مگر کیا چاہنے کو اللہ کی رضامندی پھر نہ نباہا اُسکو جیسا چاہئے تھا نباہنا [۵۲] پھر دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو اُن میں ایماندار تھے اُنکا بدلا اور بہت اُن میں نافرمان ہیں [۵۳]

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِہٖ یُؤۡتِکُمۡ کِفۡلَیۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِہٖ وَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِہٖ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿ۚۙ۲۸﴾

۲۸۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اُسکے رسول پر دے گا تم کو دو حصے اپنی رحمت سے اور رکھ دے گا تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف کرے گا اور اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان [۵۴]

لِّئَلَّا يَعۡلَمَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ اَلَّا يَقۡدِرُوۡنَ عَلٰى شَىۡءٍ مِّنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۲۹﴾ ع

۲۹۔ تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے کوئی چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے جسکو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے [۵۵]

ع ۴ ۲۰

۴۷۔ نبوت اور حضرت نوح علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام کی ذریت: یعنی پیغمبری اور کتاب کیلئے ان دونوں کی نسل کو چن لیا کہ انکے بعد یہ دولت انکی ذریت سے باہر نہ جائے گی۔

۴۸۔ یعنی جن لوگوں کی طرف وہ بھیجے گئے تھے یایوں کہو کہ ان دونوں کی اولاد میں سے بعضے راہ پر رہے اور اکثر نافرمان ثابت ہوئے۔

۴۹۔ یعنی پچھلے رسول ان ہی پہلوں کے نقش قدم پر تھے۔ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی۔

۵۰۔ یعنی آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسٰیؑ کو انجیل دیکر بھیجا۔

۵۱۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ماننے والوں کی نرم دلی اور مہربانی: یعنی حضرت مسیحؑ کے ساتھ جو واقعی انکے طریقہ پر چلنے والے تھے انکے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی، وہ خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔

۵۲۔ رہبانیت کی بدعت: یعنی آگے چل کر حضرت مسیحؑ کے متبعین نے بے دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی، جس کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا۔ مگر نیت انکی یہ ہی تھی کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ پھر اسکو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ فقیری اور تارک الدنیا بننا، نصاریٰ نے رسم نکالی، جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھے۔ نہ جورو رکھتے نہ بیٹا، نہ کماتے نہ جوڑتے، محض عبادت میں لگے رہتے، خلق سے نہ ملتے، اللہ نے بندوں کو یہ حکم نہیں دیا (کہ اس طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھ رہیں) مگر جب اپنے اوپر ترک دنیا کا نام رکھا، پھر اس پردے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے"۔ شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ و تعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستہ میں نکلتا ہے۔ (تنبیہ) "بدعت" کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو۔ اور اسکو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔

۵۳۔ یعنی ان میں کے اکثر نافرمان ہیں۔ اسی لئے خاتم الانبیا ﷺ پر باوجود دل میں یقین رکھنے کے ایمان نہیں لاتے۔

۵۴۔ اتباع رسول کے ثمرات و انعامات: یعنی اس رسول کے تابع رہو کہ یہ نعمتیں پاؤ۔ گذشتہ خطاؤں کی معافی اور ہر عمل کا دونا ثواب، اور روشنی لئے پھرو۔ یعنی تمہارا وجود ایمان و تقوٰی سے نورانی ہو جائے۔ اور آخرت میں یہ ہی نور تمہارے آگے اور داہنی طرف چلے۔ (تنبیہ) احقر کے خیال میں یہ خطاب ان اہل کتاب کو ہے جو حضور ﷺ پر ایمان لا چکے تھے۔ اس تقریر پر وَاٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِهٖ سے ایمان پر ثابت و مستقیم رہنا مراد ہو گا۔ باقی اہل کتاب کو دونا ثواب ملنے کا کچھ بیان سورہ "قصص" میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۵۵۔ یعنی اہل کتاب پہلے پیغمبروں کے احوال سن کر پچھتاتے کہ افسوس ہم ان سے دور پڑ گئے۔ ہم کو وہ درجے ملنے محال ہیں جو نبیوں کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ سو یہ رسول، اللہ نے کھڑا کیا، اسکی صحبت میں پہلے سے دونا کمال اور بزرگی مل سکتی ہے۔ اور اللہ کا فضل بند نہیں ہو گیا۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ لیکن اکثر سلف سے یہ منقول ہے یہ یہاں لِئَلَّا يَعۡلَمَ بمعنی لِکَیۡ يَعۡلَمَ کے

ہے۔یعنی تا کہ جان لیں۔اہل کتاب (جو ایمان نہیں لائے) کہ وہ دسترس نہیں رکھتے اللہ کے فضل پر۔اور فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے جس پر چاہے کر دے۔چنانچہ اہل کتاب میں سے جو خاتم الانبیاء پر ایمان لائے ان پر یہ فضل کر دیا کہ انکو دگنا اجر ملتا ہے اور گذشتہ خطاؤں کی معافی اور روشنی مرحمت ہوتی ہے۔اور جو ایمان نہیں لائے وہ ان انعامات سے محروم ہیں۔

تم سورۃ الحدید فللّٰہ الحمد والمنۃ

اٰیاتھا ۲۲ ۵۸ سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵ رکوعاتھا ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ
تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ
اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۱﴾

۱۔ سن لی اللہ نے بات اُس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی تھی اللہ کے آگے [۱] اور اللہ سنتا تھا سوال و جواب تم دونوں کا بیشک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے [۲]

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ
اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ
لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ
لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۲﴾

۲۔ جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں اُنکی مائیں اُنکی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُنکو جنا اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹی [۳] اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے [۴]

وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا
قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ
تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۳﴾

۳۔ اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا چاہیں وہی کام جسکو کہا ہے تو آزاد کرنا چاہئے ایک بردہ پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں [۵] اس سے تم کو نصیحت ہو گی [۶] اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو [۷]

فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ
قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ
سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ

۴۔ پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار [۸] پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں پھر جو کوئی یہ نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کا [۹] یہ حکم اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اُسکے رسول کے [۱۰] اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی اور منکروں کے واسطے عذاب

وَ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۴﴾

ہے دردناک

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ كُبِتُوۡا كَمَا كُبِتَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿ۚ۵﴾

۵۔ جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اُسکے رسول کی وہ خوار ہوئے جیسے کہ خوار ہوئے ہیں وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے اور ہم نے اتاری ہیں آیتیں بہت صاف اور منکروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا[۱۱]

يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اَحۡصٰهُ اللّٰهُ وَ نَسُوۡهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۶﴾

۶۔ جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر جتلائے گا اُنکو اُنکے کئے کام[۱۲] اللہ نے وہ سب گن رکھی ہیں اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز[۱۳]

ع ۱

۱۔ خولہ ثعلبہ کا واقعہ: اسلام سے پہلے مرد اگر اپنی عورت کو کہتا کہ تو میری ماں ہے تو سمجھتے تھے کہ ساری عمر کے لئے اس پر حرام ہو گئی۔ پھر کوئی صورت ان کے ملنے کی نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ کے وقت میں ایک مسلمان (اوس بن الصامتؓ) اپنی عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کو یہ ہی کہہ بیٹھا۔ عورت حضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ابھی تک کوئی خاص حکم نہیں دیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی۔ اب تم دونوں کیونکر مل سکتے ہو۔ وہ شکوہ وزاری کرنے لگی کہ گھر ویران ہوتا ہے اولاد پریشان ہوتی ہے۔ کبھی حضور ﷺ سے جھگڑتی کہ یارسول اللہ ﷺ! اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ کبھی اللہ کے آگے رونے جھینکنے لگتی کہ اللہ! میں اپنی تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں، ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں گے، اس کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی (کسمپرسی میں) ضائع ہو جائیں گے۔ اے اللہ! تو اپنے نبی ﷺ کی زبان سے میری مشکل کو حل کر۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور "ظہار" کا حکم اترا۔ (تنبیہ) حنفیہ کے نزدیک ظہار یہ ہے کہ اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ (ماں بہن وغیرہ) کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا اس کو منع ہو۔ مثلاً کہے اَنْتِ علیّ کظھر اُمّی (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ) "ظہار" کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

۲۔ اللہ تمہاری گفتگو سنتا ہے: یعنی اللہ تو سب ہی کچھ سنتا دیکھتا ہے۔ جو گفتگو آپ ﷺ کے اور اس عورت کے درمیان ہوئی وہ کیوں نہ سنتا۔ بیشک وہ مصیبت رسیدہ عورت کی فریاد کو پہنچا۔ اور ہمیشہ کے لئے اس قوم کے حوادث سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ بتلادیا۔ جو آگے آتا ہے۔

۳۔ ظِہار کا حکم: یعنی بیوی (جس نے اس کو جنا نہیں) وہ اس کی واقعی ماں کیونکر بن سکتی ہے جو محض اتنے لفظ پر ہمیشہ کے لئے حقیقی ماں کی طرح حرام ہو جائے؟ ہاں آدمی جب اپنی بدتمیزی سے ایک جھوٹی نامعقول اور بیہودہ بات کہدے اس کا بدلہ یہ ہے کہ کفارہ دے، تب اس کے پاس جائے ورنہ نہ جائے۔ پر عورت اسی کی رہی، محض ظہار سے طلاق نہیں پڑ گئی۔

۴۔ یعنی جاہلیت میں جو ایسی حرکت کر چکے وہ معاف ہے۔ اب ہدایت آچکنے کے بعد ایسا مت کرو۔ اگر غلطی سے کر گذرے تو توبہ کر کے اللہ

سے معاف کراؤ۔ اور عورت کے پاس جانے سے پہلے کفارہ ادا کرو۔

۵۔ یعنی یہ لفظ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھرِ اُمّی کہا صحبت موقوف کرنے کو۔ پھر صحبت کرنا چاہیں تو پہلے ایک غلام آزاد کرلیں اس کے بعد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ (تنبیہ) حنفیہ کے ہاں کفارہ دینے سے پہلے جماع اور دواعی جماع دونوں ممنوع ہیں۔ بعض احادیث میں ہے اَمَرَہٗ اَنْ لا یَقْرُبَھَا حَتّٰی یُکَفِّرَ۔

۶۔ یعنی کفارہ کی مشروعیت تمہاری تنبیہ و نصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو۔ اور دوسرے بھی باز آئیں۔

۷۔ یعنی تمہارے احوال کے مناسب احکام بھیجتا ہے اور خبر رکھتا ہے کہ تم کس حد تک ان پر عمل کرتے ہو۔

۸۔ یعنی بیچ میں دم نہ لے۔

۹۔ کفّارہ میں سہولتیں: "بردہ" (غلام) آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو، تب روزے رکھ سکتا ہے۔ اور روزے رکھنے سے مجبور ہو تب کھانا دے سکتا ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

۱۰۔ یعنی جاہلیت کی باتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کے احکام پر چلو، جو مومن کامل کی شان ہے۔

۱۱۔ حدود سے آگے نہ بڑھو: یعنی مومنین کا کام نہیں کہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود سے تجاوز کریں۔ باقی رہے کافر جو حدود اللہ کی پرواہ نہیں کرتے اور خود اپنی رائے و خواہش سے حدیں مقرر کرتے ہیں۔ انہیں چھوڑیے کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ایسے لوگ پہلے زمانہ میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ اللہ کی روشن اور صاف صاف آیتیں سن لینے کے بعد انکار پر جمے رہنا اور خدائی احکام کا عزت و احترام نہ کرنا اپنے کو ذلت کے عذاب میں پھنسانے کا مرادف ہے۔

۱۲۔ یعنی جو کام کیے تھے ان سب کا نتیجہ سامنے آجائے گا کوئی ایک عمل بھی غائب نہ ہوگا۔

۱۳۔ یعنی ان کو اپنی عمر بھر کے بہت سے کام یاد بھی نہیں رہے، یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی۔ لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ سارا دفتر اس دن کھول کر سامنے رکھ دیا جائیگا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾

۷۔ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چوتھا اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چھٹا اور نہ اُس سے کم اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا اُنکے ساتھ جہاں کہیں ہوں [۱۴] پھر جتلا دے گا اُنکو جو کچھ انہوں نے کیا قیامت کے دن بیشک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ نُهُوۡا عَنِ النَّجۡوٰى ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ
لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَ يَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ
مَعۡصِيَتِ الرَّسُوۡلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوۡكَ حَيَّوۡكَ بِمَا لَمۡ
يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوۡلُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡ لَا
يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ ؕ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ
يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۸﴾

۸۔ تونے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جنکو منع ہوئی کانا پھوسی پھر بھی وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی [۱۵] اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو وہ دعا دیں جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اُس پر جو ہم کہتے ہیں کافی ہے اُنکو دوزخ داخل ہوں گے اس میں سو بری جگہ پہنچے [۱۶]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَنَاجَيۡتُمۡ فَلَا تَتَنَاجَوۡا
بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَمَعۡصِيَتِ الرَّسُوۡلِ وَتَنَاجَوۡا
بِالۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ
تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹﴾

۹۔ اے ایمان والو جب تم کان میں بات کرو تو مت کرو بات گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی اور بات کرو احسان کی اور پرہیز گاری کی [۱۷] اور ڈرتے رہو اللہ سے جسکے پاس تم کو جمع ہونا ہے [۱۸]

اِنَّمَا النَّجۡوٰى مِنَ الشَّيۡطٰنِ لِيَحۡزُنَ الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا وَلَيۡسَ بِضَآرِّهِمۡ شَيۡـًٔا اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ
عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ یہ جو ہے کانا پھوسی سو شیطان کا کام ہے تا کہ دلگیر کرے ایمان والوں کو اور وہ اُن کا کچھ نہ بگاڑے گا بدون اللہ کے حکم کے اور اللہ پر چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے [۱۹]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قِيۡلَ لَكُمۡ تَفَسَّحُوۡا فِى
الۡمَجٰلِسِ فَافۡسَحُوۡا يَفۡسَحِ اللّٰهُ لَكُمۡ ۚ وَ اِذَا
قِيۡلَ انۡشُزُوۡا فَانۡشُزُوۡا يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

۱۱۔ اے ایمان والو جب کوئی تم کو کہے کہ کھل کر بیٹھو [۲۰] مجلسوں میں تو کھل جاؤ اللہ کشادگی دے تم کو [۲۱] اور جب کوئی کہے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو [۲۲] اللہ بلند کرے گا اُنکے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم انکے درجے [۲۳] اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم

مِنۡكُمۡ ۙ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

کرتے ہو[۲۴]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَاجَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ
فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ
لَّكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ
رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اے ایمان والو جب تم کان میں بات کہنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور بہت ستھرا پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۲۵]

ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ
صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ
فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ
رَسُوۡلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ع ۲ ۲

۱۳۔ کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے معاف کر دیا تم کو تو اب قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو اللہ کے اور اُسکے رسول کے اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو[۲۶]

۱۴۔ **اللہ ہر مجلس میں موجود ہے:** یعنی صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے، اللہ کے علم میں تو آسمان و زمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ کوئی مجلس، کوئی سرگوشی اور کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہو جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا۔ اور پانچ کی کمیٹی خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ کہیں ہوں، کسی حالت میں ہوں، اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط سے ان کے ساتھ ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں۔ (تنبیہ)

طاق عدد کی حکمت: مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو بصورت اختلاف ترجیح دشوار ہوتی ہے۔ اسی لئے عموماً معاملات مہمہ میں طاق عدد رکھتے ہیں۔ اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین تھا پھر پانچ۔ شاید اس لئے ان دو کو اختیار فرمایا اور آگے وَلَاۤ اَدۡنٰى مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡثَرَ (المجادلۃ۔۷) سے تعمیم فرمادی۔ باقی حضرت عمرؓ کا شوریٰ خلافت کو چھ بزرگوں میں دائر کرنا (حالانکہ چھ کا عدد طاق نہیں) اس لئے ہوگا کہ اس وقت یہ ہی چھ خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے جن میں سے کسی کو چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ نیز خلیفہ کا انتخاب ان ہی چھ سے ہو رہا تھا تو ظاہر ہے جس کا نام آتا، اس کے سوائے رائے دینے والے تو پانچ ہی رہتے ہیں۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمرؓ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لئے عبداللہ بن عمرؓ کا نام لے دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں منافقوں کی سرگوشیاں: حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر منافق سرگوشیاں کرتے۔ مجلس والوں کا مذاق اڑاتے۔ ان پر عیب پکڑتے۔ ایک دوسرے کے کان میں اس طرح بات کہتا اور آنکھوں سے اشارے کرتا جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ اور حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بات سن کر کہتے "یہ مشکل کام ہم سے کہاں ہو سکے گا"۔ پہلے سورۃ "النساء" میں اس طرح کی سرگوشیوں سے منع کیا جا چکا تھا لیکن یہ موذی بے حیا پھر بھی اپنی حرکتوں اور زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔

۱۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہودیوں کی گستاخی: یعنی اللہ نے تو آپ کو دوسرے انبیاء کے ساتھ یہ دعائیں دی ہیں سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ (الصافات۔۱۸۱) اور وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (النمل۔۵۹) اور مومنین کی زبانوں سے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ مگر بعض یہود جب آپ کے پاس آتے تو بجائے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کے دبی زبان سے اَلسَّامُ عَلَيْكَ کہتے جس کے معنی ہیں "تجھے موت آئے" گویا اللہ نے جو سلامتی کی دعا آپ کو دی تھی، اس کے خلاف بد دعا دیتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ واقعی رسول ہے تو اس کہنے سے ہم پر فوراً عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا جواب دیا حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یعنی جلدی نہ کرو۔ ایسا کافی عذاب آئیگا جس کے سامنے دوسرے عذاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ (تنبیہ) احادیث میں "یہود" کے متعلق آیا ہے کہ "السّلام" کی جگہ "السّام" کہتے تھے۔ ممکن ہے بعض منافقین بھی ایسا کہتے ہونگے۔ کیونکہ منافق عموماً یہودی تھے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عادت تھی کہ جب کوئی یہودی یہ کہتا آپ جواب میں صرف "وعلیک" فرما دیتے۔ ایک مرتبہ عائشہ صدّیقہ نے "السّام علیک" کے جواب میں یہودی کو "علیک السام واللعنۃ" کہا تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کمال خلق سے یہ جواب پسند نہ آیا۔

۱۷۔ سرگوشی کے آداب: یعنی سچے مسلمانوں کو منافقین کی خو سے بچنا چاہیئے۔ ان کی سرگوشیاں اور مشورے ظلم و عدوان اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے لئے نہیں، بلکہ نیکی اور تقویٰ اور معقول باتوں کی اشاعت کیلئے ہونے چاہئیں جیسا کہ سورۃ "النساء" میں گذرا لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ (النساء۔۱۱۴)۔

۱۸۔ سرگوشی کے آداب: یعنی سب کو اللہ کے سامنے جمع ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اس سے کسی کا ظاہر و باطن پوشیدہ نہیں۔ لھٰذا اس سے ڈر کر نیکی اور پرہیزگاری کی بات کرو۔

۱۹۔ منافقین کی سرگوشیاں شیطان کی طرف سے ہیں: یعنی منافقین کی کانا پھوسی (سرگوشی) اسی غرض سے تھی کہ ذرا مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں کہ نہ معلوم یہ لوگ ہماری نسبت کیا منصوبے سوچ رہے ہوں گے۔ یہ کام شیطان ان سے کرا رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا چیز ہے۔ نفع نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو کتنے ہی مشورے کر لیں اور منصوبے گانٹھ لیں، تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔ لہٰذا تم کو غمگین و دلگیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ (تنبیہ) احادیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی کرنے لگیں۔ کیونکہ وہ تیسرا غمگین ہوگا۔ یہ مسئلہ بھی ایک طرح آیۃ ھٰذا کے تحت میں داخل ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں"۔

۲۰۔ مجلس میں بیٹھنے کے آداب: یعنی اس طرح بیٹھو کہ جگہ کھل جائے اور دوسروں کو بھی موقع بیٹھنے کا ملے۔

۲۱۔ یعنی اللہ تمہاری تنگیوں کو دور کریگا اور اپنی رحمت کے دروازے کشادہ کر دیگا۔

۲۲۔ یعنی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یہ آداب ہیں مجلس کے۔ کوئی آئے اور جگہ نہ پائے تو چاہیئے سب تھوڑا تھوڑا ہٹیں تا مکان حلقہ کشادہ ہو جائے۔ یا (اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں اور) پرے ہٹ کر حلقہ کر لیں۔ (یا بالکل چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جائیں) اتنی حرکت میں

غرور (یا بخل) نہ کریں۔ خوئے نیک پر اللہ مہربان ہے اور خوئے بد سے بیزار"۔ (تنبیہ) حضور ﷺ پر نور کی مجلس میں ہر شخص آپ ﷺ کا قرب چاہتا تھا جس سے کبھی مجلس میں تنگی پیش آتی تھی۔ حتّٰی کہ بعض مرتبہ اکابر صحابہؓ کو حضور ﷺ کے قریب جگہ نہ ملتی۔ اس لئے یہ احکام دیئے گئے۔ تا ہر ایک کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے، اور نظم وضبط قائم رہے۔ اب بھی اس قوم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیئے۔ اسلام ابتری اور بد نظمی نہیں سکھلاتا۔ بلکہ انتہائی نظم وشائستگی سکھلاتا ہے۔ اور جب عام مجالس میں یہ حکم ہے تو میدانِ جہاد اور صفوفِ جنگ میں تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

۲۳۔ یعنی سچّا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب و تہذیب سکھلاتا اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم و ایمان جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں، اسی قدر جھکتے اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کے درجے اور زیادہ بلند کرتا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ یہ متکبر بددین یا جاہل گنوار کا کام ہے کہ اتنی سی بات پر لڑے کہ مجھے یہاں سے کیوں اٹھادیا اور وہاں کیوں بٹھادیا۔ یا مجلس سے اٹھ کر جانے کو کیوں کہا۔ افسوس کہ آج بہت سے بزرگ اور عالم کہلانے والے اسی خیالی اعزاز کے سلسلہ میں غیر مختتم جنگ آزمائی اور مورچہ بندی شروع کر دیتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرۃ۔۱۵۶)۔

۲۴۔ یعنی ہر ایک کو اس کے کام اور لیاقت کے موافق درجے عطا کرتا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون واقعی ایماندار اور اہل علم ہیں۔

۲۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے وقت صدقہ کا حکم: یعنی منافق بے فائدہ باتیں حضرت ﷺ سے کان میں کرتے کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں اور بعض مسلمان غیر مبہم باتوں میں سرگوشی کرکے اتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضور ﷺ سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا، یا کسی وقت آپ ﷺ خلوت چاہتے تو اس میں بھی تنگی ہوتی تھی لیکن مروت و اخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے۔ اس وقت یہ حکم ہوا کہ جو مقدرت والا آدمی حضور ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہے وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کرکے آیا کرے۔ اس میں کئی فائدے ہیں۔ غریبوں کی خدمت، صدقہ کرنے والے کے نفس کا تزکیہ، مخلص و منافق کی تمیز، سرگوشی کرنیوالوں کی تقلیل، وغیر ذٰلک۔ ہاں جس کے پاس خیرات کرنے کو کچھ نہ ہو، اس سے یہ قید معاف ہے۔ جب یہ حکم اترا منافقین نے مارے بخل کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ کو پسند نہیں۔ اسی لئے یہ قید لگائی گئی ہے۔ آخر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ فرمادیا۔

۲۶۔ صدقہ کا حکم منسوخ: یعنی صدقہ کا حکم دینے سے جو مقصد تھا، حاصل ہوگیا۔ اب ہم نے یہ وقتی حکم اٹھالیا ہے چاہیئے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں۔ مثلاً نماز وزکوٰۃ وغیرہ اسی سے کافی تزکیہ نفس ہوجائے گا۔ (تنبیہ) فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ بعض روایات میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر امت میں سے صرف میں نے عمل کیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ کیا تو نے دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اُس قوم کے جن پر غصہ ہوا ہے اللہ کا[۲۷] نہ وہ تم میں ہیں اور نہ اُن میں ہیں[۲۸] اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور اُنکو خبر ہے[۲۹]

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا

۱۵۔ تیار رکھا ہے اللہ نے اُنکے لئے سخت عذاب[۳۰]

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾

بیشک وہ برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں [٣١]

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٦﴾

١٦۔ بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے تو اُنکو ذلت کا عذاب ہے

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾

١٧۔ کام نہ آئیں گے اُنکو اُنکے مال اور نہ اُنکی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی وہ لوگ ہیں دوزخ کے وہ اُسی میں پڑے رہیں گے [٣٢]

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا
يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ
اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٨﴾

١٨۔ جس دن جمع کرے گا اللہ اُن سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اُسکے آگے جیسے کھاتے ہیں تمہارے آگے اور خیال کرتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں [٣٣] سنتا ہے وہی ہیں اصل جھوٹے [٣٤]

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٩﴾

١٩۔ قابو کر لیا ہے اُن پر شیطان نے پھر بھلا دی اُنکو اللہ کی یاد [٣٥] وہ لوگ ہیں گروہ شیطان کا سنتا ہے جو گروہ ہے شیطان کا وہی خراب ہوتے ہیں [٣٦]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي
الْاَذَلِّيْنَ ﴿٢٠﴾

٢٠۔ جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا اور اُسکے رسول کا وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ
عَزِيْزٌ ﴿٢١﴾

٢١۔ اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول بیشک اللہ زور آور ہے زبردست [٣٧]

لَا تَجِدُ قَوۡمًا يُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ
يُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ
اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِيۡرَتَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ
كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ وَاَيَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ وَ
يُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ
اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ
الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿٢٢﴾ ع ٣ ٣

٢٢۔ تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اُسکے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے اُنکے دلوں میں اللہ نے لکھ دیا ہے ایمان [٣٨] اور اُنکی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے [٣٩] اور داخل کرے گا اُنکو باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے اُن میں اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی [٤٠] وہ لوگ ہیں گروہ اللہ کا سنتا ہے جو گروہ ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے [٤١]

٢٧۔ یہ لوگ منافق ہیں اور وہ قوم یہود ہے

٢٨۔ منافقین کی حالت: یعنی منافق نہ پوری طرح تم مسلمانوں میں شامل کیونکہ دل سے کافر ہیں، اور نہ پوری طرح ان میں شریک کیونکہ بظاہر زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تھے مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (النساء۔١٤٣)۔

٢٩۔ یعنی بے خبری اور غفلت سے نہیں، جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ مسلمان سے کہتے ہیں اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ (التوبہ۔٥٦) کہ وہ تم میں سے ہیں اور تمہاری طرح سچے ایماندار ہیں۔ حالانکہ ایمان سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں۔

٣٠۔ جس کو دوسری جگہ فرمایا اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ (نساء۔١٤٥)۔

٣١۔ نفاق کا انجام برا ہے: یعنی خواہ ابھی ان کو نظر نہ آئے لیکن نفاق کے کام کر کے وہ اپنے حق میں بہت برا بیج بو رہے ہیں۔

٣٢۔ آخرت میں منافقین کی قسمیں: یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال کو بچاتے ہیں اور اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے دوستی کے پیرایہ میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پاسکتے۔ سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہو کر رہینگے اور جب سزا کا وقت آئے گا، اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، جنکی حفاظت کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں۔

٣٣۔ آخرت میں منافقین کی قسمیں: یعنی یہاں کی عادت پڑی ہوئی وہاں بھی نہ جائیگی۔ جس طرح تمہارے سامنے جھوٹ بول کر بچ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں اور بڑی اچھی چال چل رہے ہیں، اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے کو تیار ہو جائیں گے کہ پروردگار!

ہم تو ایسے نہ تھے، ویسے تھے۔ شاید وہاں بھی خیال ہو کہ اتنا کہہ دینے سے رہائی ہو جائیگی۔

۳۴۔ بیشک اصل اور ڈبل جھوٹا وہ ہی ہے جو خدا کے سامنے بھی جھوٹ کہنے سے نہ شرمائے۔

۳۵۔ ان پر شیطان کا قبضہ ہے: شیطان جس پر پوری طرح قابو کر لے اس کا دل و دماغ اسی طرح مسخ ہو جاتا ہے اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے۔ بھلا اللہ کی عظمت اور بزرگی و مرتبہ کو وہ کیا سمجھے۔ شاید محشر میں بھی جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بیحیائی اور حماقت کا اعلان کرنا ہو کہ اس ممسوخ کو اتنی سمجھ نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ کیا چلے گا۔

۳۶۔ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے۔ نہ دنیا میں ان کے منصوبے آخری کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں نہ آخرت میں عذاب شدید سے نجات پانے کی کوئی سبیل ہے۔

۳۷۔ غلبہ اللہ اور اس کے رسولوں کا ہی ہو گا: یعنی اللہ و رسول کا مقابلہ کرنے والے جو حق و صداقت کے خلاف جنگ کرتے ہیں سخت ناکام اور ذلیل ہیں۔ اللہ لکھ چکا ہے کہ آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہیگا۔ اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔ اس کی تقریر پہلے کئی جگہ گذر چکی ہے۔

۳۸۔ یعنی ایمان ان کے دلوں میں جما دیا اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا۔

۳۹۔ مؤمنین کی اللہ کی طرف سے مدد: یعنی غیبی نور عطا فرمادیا جس سے قلب کو ایک خاص قسم کی معنوی حیات ملتی ہے یا روح القدس (جبریلؑ) سے ان کی مدد فرمائی۔

۴۰۔ اللہ کی رضا: یعنی یہ لوگ اللہ کے واسطے سب سے ناراض ہوئے تو اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر جس سے اللہ راضی ہو اسے اور کیا چاہیئے۔

۴۱۔ اللہ کا گروہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے ہوں وہ ہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کو یہ درجے ملتے ہیں"۔ صحابہؓ کی شان یہ ہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی، اسی سلسلہ میں ابو عبیدہؓ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ جنگ "احد" میں ابو بکر صدیقؓ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہو گئے، مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، عمرؓ بن الخطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، علیؓ بن ابی طالب، حمزہ، عبیدۃ بن الحارث نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے جو مخلص مسلمان تھے عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں۔ آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ ورزقنا اللہ حبہم واتباعہم واماتنا علیہ۔ آمین۔

تم سورۃ المجادلۃ فللّٰہ الحمد والمنۃ

اٰیاتہا ۲۴ ۵۹ سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۱ رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱

۱۔ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا[۱]

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ
يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَ
قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ
بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي
الْاَبْصَارِ ۝۲

۲۔ وہی ہے جس نے نکال دیا اُنکو جو منکر ہیں کتاب والوں میں اُنکے گھروں سے[۲] پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے[۳] تم نہ اٹکل کرتے تھے کہ نکلیں گے اور وہ خیال کرتے تھے کہ اُنکو بچا لیں گے اُنکے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا اُن پر اللہ جہاں سے اُنکو خیال نہ تھا اور ڈال دی اُنکے دلوں میں دھاک[۴] اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں[۵] سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو[۶]

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي
الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳

۳۔ اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے اُن پر جلاوطن ہونا تو اُنکو عذاب دیتا دنیا میں اور آخرت میں ہے اُنکے لئے آگ کا عذاب[۷]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ
اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴

۴۔ یہ اس لئے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اُسکے رسول سے اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کا عذاب سخت ہے[۸]

مَا قَطَعۡتُمۡ مِّنۡ لِّیۡنَۃٍ اَوۡ تَرَکۡتُمُوۡهَا قَآئِمَۃً عَلٰۤی اُصُوۡلِهَا فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَ لِیُخۡزِیَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۵﴾

۵۔ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے [۹] اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو [۱۰]

۱۔ چنانچہ اس کے زبردست غلبہ اور حکمت کے آثار میں سے ایک واقعہ آگے بیان کیا جاتا ہے۔

۲۔ بنو نضیر کا اخراج: مدینہ سے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر ایک قوم یہود بستی تھی جس کو "بنی نضیر" کہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے، اپنے مضبوط قلعوں پر ان کو ناز تھا۔ حضور ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو شروع میں انہوں نے آپ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کر لیا، کہ ہم آپ کے مقابلہ پر کسی کی مدد نہ کریں گے۔ پھر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگے۔ حتّٰی کہ ان کے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا۔ آخر چند روز بعد اللہ و رسول کے حکم سے محمد بن مسلمہ نے اس غدار کا کام تمام کر دیا۔ پھر بھی "بنی نضیر" کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی دغابازی سے حضور ﷺ کو چند رفیقوں کے ساتھ بلا کر اچانک قتل کرنا چاہا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ جہاں بیٹھے تھے اوپر سے بھاری چکی کا پاٹ ڈال دیا، اگر لگے تو آدمی مر جائے۔ مگر سب مواقع پر اللہ کے فضل نے حفاظت فرمائی۔ آخر حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا۔ ارادہ یہ کہ ان سے لڑیں۔ جب مسلمانوں نے نہایت سرعت و مستعدی سے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ مرعوب و خوفزدہ ہو گئے۔ عام لڑائی کو نوبت نہ آئی۔ انہوں نے گھبرا کر صلح کی التجا کی۔ آخر یہ قرار پایا کہ وہ مدینہ خالی کر دیں۔ ان کی جانوں سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ اور جو مال اسباب اٹھا کر لے جاسکتے ہیں، لے جائیں۔ باقی مکان زمین، باغ وغیرہ پر مسلمان قابض ہوئے۔ حق تعالیٰ نے وہ زمین مالِ غنیمت کی طرح تقسیم نہ کرائی۔ صرف حضرت کے اختیار پر رکھی۔ حضرت ﷺ نے اکثر اراضی مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ اس طرح انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور مہاجرین و انصار دونوں کو فائدہ پہنچا۔ نیز حضرت ﷺ اپنے گھر کا اور وارد و صادر کا سالانہ خرچ بھی اسی سے لیتے تھے اور جو بچ رہتا اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے۔ اس سورت میں یہ ہی قصہ مذکور ہے۔"

۳۔ یہود کا پہلا حشر: یعنی ایک ہی ہلّہ میں گھبرا گئے اور پہلی ہی مڈبھیڑ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر نکل بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے۔ کچھ بھی ثابت قدمی نہ دکھلائی۔ (تنبیہ) "اوّل الحشر" سے بعض مفسرین کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اس قوم کے لئے اس طرح ترکِ وطن کرنے کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ قبل ازیں ایسا واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ یا "اوّل الحشر" میں اس طرف اشارہ ہو کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہے کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیبر وغیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہو گا جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا۔ یعنی دوسرے یہود و نصارٰی کی معیت میں یہ لوگ بھی خیبر سے ملک شام کی طرف نکالے گئے جہاں آخری حشر بھی ہونا ہے۔ اسی لئے "شام" کو "ارض المحشر" بھی کہتے ہیں۔

۴۔ یہود کے دلوں پر اللہ نے رعب ڈال دیا: یعنی ان کے سازوسامن مضبوط قلعے اور جنگجویانہ اطوار دیکھ کر نہ تم کو اندازہ تھا کہ اس قدر جلد اتنی آسانی سے وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور نہ ان کو خیال تھا کہ مٹھی بھر بے سروسامان لوگ اس طرح قافیہ تنگ کر دیں گے۔ وہ اسی خواب خرگوش میں تھے کہ مسلمان (جن کے سروں پر اللہ کا ہاتھ ہے) ہمارے قلعوں تک پہنچنے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے۔ اور اس طرح گویا اللہ کے ہاتھ سے بچ نکلیں گے۔ مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت اللہ کے حکم کو نہ روک سکی۔ ان کے اوپر اللہ کا حکم وہاں سے پہنچا جہاں سے ان کو خیال و گمان بھی نہ تھا۔ یعنی دل کے اندر سے خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور بے سروسامان مسلمانوں کی دھاک بٹھلا دی۔ ایک تو پہلے ہی اپنے سردار کعب بن اشرف کے ناگہانی قتل سے مرعوب و خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اب مسلمانوں کے اچانک حملہ نے رہے سہے حواس بھی کھو دیئے۔

۵۔ بنو نضیر کا اپنے گھروں کا اجاڑنا: یعنی حرص اور غیظ و غضب کے جوش میں مکانوں کے کڑی، تختے کو اڑ اکھاڑنے لگے تا کوئی چیز جو ساتھ لے جاسکتے ہیں رہ نہ جائے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگے۔ اس کام میں مسلمانوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ ایک طرف سے وہ خود گراتے تھے دوسری طرف سے مسلمان۔ اور غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ہاتھوں جو تباہی و ویرانی عمل میں آئی وہ بھی ان ہی بد بختوں کی بد عہدیوں اور شرارتوں کا نتیجہ تھی۔

۶۔ بنو نضیر کا واقعہ عبرت کا سبق ہے: یعنی اہل بصیرت کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ کفر، ظلم، شرارت اور بد عہدی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اور یہ کہ محض ظاہری اسباب پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غافل ہو جانا عقلمند کا کام نہیں۔

۷۔ ان کی قسمت میں جلاوطنی لکھی تھی: یعنی ان کی قسمت میں جلاوطنی کی سزا لکھی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی۔ مثلاً بنی قریظہ کی طرح مارے جاتے۔ غرض سزا سے بچ نہیں سکتے۔ یہ خدا کی حکمت ہے کہ قتل کے بجائے محض جلاوطنی پر اکتفا کیا گیا۔ لیکن یہ تخفیف صرف دنیوی سزا میں ہے آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جب یہ قوم ملک شام سے بھاگ کر یہاں آئی تھی تو ان کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تم کو یہاں سے ویران ہو کر شام میں جانا پڑیگا۔ چنانچہ اس وقت اجڑ کر (بعض شام میں چلے گئے اور بعض) خیبر میں رہے۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وہاں سے اجڑ کر شام میں گئے"۔

۸۔ یعنی ایسے مخالفوں کو ایسی سخت سزا ملتی ہے۔

۹۔ مسلمانوں کا درختوں کا کاٹنا: یعنی جب وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے تو حضرت ﷺ نے اجازت دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں تا اس کے درد سے باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی ہوئی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے کہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں گے۔ کافروں نے طعن کرنا شروع کیا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں، کیا درختوں کا کاٹنا اور جلانا فساد نہیں؟ اس پر یہ آیت اتری یعنی یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل کو فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حکم کے بعض مصالح اوپر بیان ہو چکیں۔

۱۰۔ یہود کی رسوائی: یعنی تا کہ مسلمانوں کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے۔ چنانچہ جو درخت چھوڑ دیئے گئے اس میں مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمان اس کو برتیں گے اور نفع اٹھائیں گے۔ اور جو کاٹے یا جلائے گئے اس میں مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی ظہور آثار غلبہ اور کفار کو غیظ و غضب میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں۔ لہٰذا دونوں امر جائز اور حکمت پر مشتمل ہیں۔

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾

۶۔ اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر اُن سے سو تم نے نہیں دوڑائے اُس پر گھوڑے اور نہ اونٹ و لیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے [۱۱]

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ
وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ
ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ
مِنْكُمْ ؕ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا
نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٧

۷۔ جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے [۱۲] اور قرابت والے کے [۱۳] اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے تا کہ نہ آئے لینے دینے میں دولتمندوں کے تم میں سے [۱۴] اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو [۱۵] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے [۱۶]

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ
رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الصّٰدِقُوْنَ ۚ ۝٨

۸۔ واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آتے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اُسکی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اسکے رسول کی وہ لوگ وہی ہیں سچے [۱۷]

وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ
يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِیْ
صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕۛ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ
نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ ۝٩

۹۔ اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے [۱۸] وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے انکے پاس [۱۹] اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں اُنکو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ [۲۰] اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہ لوگ ہیں مراد پانے والے [۲۱]

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ
لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا
تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰ ع ۱/۴

۱۰۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے اُنکے بعد [۲۲] کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان [۲۳]

۱۱۔ مالِ غنیمت اور فیٔ کا فرق: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ ہی فرق رکھا ہے "غنیمت" میں اور "فیٔ" میں۔ جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز (جس کی تفصیل دسویں پارہ کے شروع میں گذر چکی) اور چار حصے لشکر کو تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اور جو بغیر جنگ کے ہاتھ آیا وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے (ان کی مصالح عامہ میں) اور جو کام ضروری ہو اس پر خرچ ہو"۔ (تنبیہ) اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کر طرف مسارعت کریں اور مسلمان قبول کرلیں۔ اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہونگے وہ بھی حکم "فیٔ" میں داخل ہیں۔

اموال فیٔ رسول اللہ کیلئے ہیں: نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اموال "فیٔ" خالص حضور ﷺ کے اختیار و تصرف میں ہوتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ نہ ہو جو صرف آپ کے لئے مخصوص تھا۔ جیسا کہ آیات حاضرہ میں عَلٰی رَسُوْلِهٖ کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے۔ اور احتمال ہے کہ محض حاکمانہ ہو بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان اموال کے متعلق آپ کو اگلی آیت میں ہدایت فرمادی کہ وجوبًا یا ندبًا فلاں فلاں مصارف میں صرف کئے جائیں۔ آپ ﷺ کے بعد یہ اموال امام کے اختیار و تصرف میں چلے جاتے ہیں لیکن اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا، محض حاکمانہ ہوتا ہے۔ وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کی عام ضروریات و مصالح میں خرچ کرے گا۔ باقی اموالِ غنیمت کا حکم اس سے جداگانہ ہے۔ وہ خمس نکالے جانے کے بعد خالص لشکر کا حق ہوتا ہے۔ کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (انفال۔۴۱) الخ لشکری اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو وہ علیحدہ بات رہی۔ البتہ شیخ ابو بکر رازی حنفیؒ نے "احکام القرآن" میں نقل کیا ہے کہ یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کردے اور مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامّہ کے لئے رہنے دے۔ جیسا کہ سوادِ عراق میں حضرت عمرؓ نے بعض جلیل القدر صحابہؓ کے مشورہ سے یہ ہی عملدرآمد رکھا۔ اسی مسلک کے موافق شیخ ابو بکر رازیؒ نے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ الخ کو اموال منقولہ پر اور سورۃ "حشر" کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا ہے۔ اس طرح کہ پہلی آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ حکم "فیٔ" پر اور دوسری آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی حکم "غنیمت" پر محمول ہے۔ اور لغۃً "غنیمت" کو لفظ "فیٔ" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۲۔ اموالِ فیٔ کے مصارف: "پہلی آیت میں صرف اموال "بنی نضیر" کا ذکر تھا۔ اب اموال "فیٔ" کے متعلق عام ضابطہ بتلاتے ہیں۔ یعنی "فیٔ" پر قبضہ رسول کا اور رسول کے بعد امام کا کہ اسی پر یہ خرچ پڑتے ہیں۔ باقی اللہ کا ذکر تبرکًا ہوا۔ وہ تو سب ہی کا مالک ہے۔ ہاں کعبہ کا خرچ اور مسجدوں کا بھی جو اللہ کے نامزد ہیں ممکن ہے اس میں درج ہو۔

۱۳۔ ان اموال میں اہلِ بیت کا حصہ: یعنی حضرت ﷺ کے قربت والوں کے۔ چنانچہ حضور ﷺ اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی

دیتے تھے۔ اور ان میں فقیر کی بھی قید نہیں تھی۔ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو دولتمند تھے آپ ﷺ نے حصہ عطا فرمایا۔ اب آپ ﷺ کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے قرابتدار جو صاحب حاجت ہوں امام کو چاہیئے کہ انہیں دوسرے محتاجوں سے مقدم رکھے۔

۱۴۔ دولت کی گردش: یعنی یہ مصارف اس لئے بتلائے کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پاسکیں۔ یہ اموال محض دولتمندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں۔

۱۵۔ یعنی مال و جائداد وغیرہ جس طرح پیغمبر اللہ کے حکم سے تقسیم کرے اسے بخوشی و رغبت قبول کرو، جو ملے لے لو۔ جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح اس کے تمام احکام اور اوامر و نواہی کی پابندی رکھو۔

۱۶۔ یعنی رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ ڈرتے رہو کہیں رسول کی نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کوئی سخت عذاب مسلّط نہ کردے۔

۱۷۔ مہاجرین کا حق مقدم ہے: یعنی یوں تو اس مال سے عام مسلمانوں کی ضروریات و حوائج متعلق ہیں لیکن خصوصی طور پر ان ایثار پیشہ جاں نثاروں اور سچے مسلمانوں کا حق مقدم ہے جنہوں نے محض اللہ کی خوشنودی اور رسول کی محبت و اطاعت میں اپنے گھر بار اور مال و دولت سب کو خیر باد کہا اور بالکل خالی ہاتھ ہو کر وطن سے نکل آئے تا اللہ و رسول کے کاموں میں آزادانہ مدد کرسکیں۔

۱۸۔ انصار مدینہ کے فضائل: اس گھر سے مراد ہے مدینہ طیبہ۔ اور یہ لوگ انصار مدینہ ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اور ایمان و عرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے ساتھ مستقیم ہو چکے تھے۔

۱۹۔ یعنی محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں حتّٰی کہ اپنے اموال وغیرہ میں ان کو برابر کا شریک بنانے کے لئے تیار ہیں۔

۲۰۔ انصار کا جذبہ ایثار و خلوص: یعنی مہاجرین کو اللہ تعالیٰ جو فضل و شرف عطا فرمائے یا اموال فیٔ وغیرہ میں سے حضور ﷺ جو کچھ عنایت کریں، اسے دیکھ کر انصار کے دل تنگ نہیں ہوتے نہ حسد کرتے ہیں۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں اور ہر اچھی چیز میں ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خود سختیاں اور فاقے اٹھا کر بھی اگر ان کو بھلائی پہنچاسکیں تو دریغ نہیں کرتے۔ ایسا بیمثال ایثار آج تک دنیا کی کس قوم نے کس قوم کے لئے دکھلایا۔

۲۱۔ بخل سے نجات فلاح ہے: یعنی بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ کی توفیق و دستگیری نے ان کے دل کے لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔ لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لئے کہاں ایثار کرسکتا ہے اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کب خوش ہوتا ہے؟

۲۲۔ یعنی ان مہاجرین و انصار کے بعد عالمِ وجود میں آئے، یا ان کے بعد حلقہ اسلام میں آئے یا مہاجرین سابقین کے بعد ہجرت کرکے مدینہ آئے۔ والظاہر ہو الاوّل۔

۲۳۔ مسلمانوں کو ایک جامع دعا کی تعلیم: یعنی سابقین کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دل میں بیر اور بغض نہیں رکھتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ آیت سب مسلمانوں کے واسطے ہے جو اگلوں کا حق مانیں اور انہی کے پیچھے چلیں اور ان سے بیر نہ رکھیں"۔ امام مالکؒ نے یہیں سے فرمایا کہ جو شخص صحابہؓ سے بغض رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کے لئے مال فیٔ میں کچھ حصہ نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ

۱۱۔ کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغاباز ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو کافر ہیں اہل کتاب میں سے اگر تم کو کوئی نکال دے گا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے معاملہ میں کبھی اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے [۲۴] اور اللہ گواہی

وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿١١﴾

دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں[٢٥]

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ قُوْتِلُوْا
لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫
ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢﴾

١٢۔ اگر وہ نکالے جائیں یہ نہ نکلیں گے اُنکے ساتھ اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی یہ نہ مدد کریں گے اُنکی[٢٦] اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر پھر کہیں نہ مدد پائیں گے[٢٧]

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٣﴾

١٣۔ البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے اُنکے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اسلئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے[٢٨]

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ
مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ
تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٤﴾

١٤۔ لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ میں یا دیواروں کی اوٹ میں[٢٩] اُنکی لڑائی آپس میں سخت ہے[٣٠] تو سمجھے وہ اکٹھے ہیں اور اُنکے دل جدا جدا ہو رہے ہیں یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے[٣١]

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ
اَمْرِهِمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٥﴾

١٥۔ جیسے قصہ اُن لوگوں کا جو ہو چکے ہیں اُن سے پہلے قریب ہی چکھی اُنہوں نے سزا اپنے کام کی اور اُنکے لئے عذاب دردناک ہے[٣٢]

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا
كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾

١٦۔ جیسے قصہ شیطان کا جب کہے انسان کو تو منکر ہو پھر جب وہ منکر ہو گیا کہے میں الگ ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب ہے سارے جہان کا

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع

۱۷۔ پھر انجام دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں ہمیشہ رہیں اُسی میں اور یہی ہے سزا گنہگاروں کی[۳۳]

ع ۲ / ۵

۲۴۔ منافقین کا یہود سے خفیہ ساز باز: عبد اللہ بن ابیّ وغیرہ منافقین نے یہود "بنی نضیر" کو خفیہ پیام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا مت سمجھنا۔ اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا۔ ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کریں گے۔ یہ ہمارا بالکل اٹل اور قطعی فیصلہ ہے۔ اس کے خلاف تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات ماننے والے اور پروا کرنے والے نہیں۔

۲۵۔ منافقین جھوٹے ہیں: یعنی دل سے نہیں کہہ رہے۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں۔ اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہر گز اس پر عمل نہیں کریں گے۔

۲۶۔ منافقین کا جھوٹ ثابت ہوگیا: چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور "بنی نضیر" محصور ہو گئے۔ ایسی نازک صورت حال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا اور آخر کار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔

۲۷۔ یعنی اگر بفرض محال منافق ان کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ کیا ہو گا۔ بجز اس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد تو کیا کر سکتے، خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ پہنچے گا۔

۲۸۔ منافقین کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب: یعنی اللہ کی عظمت کو سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا، تو کفر و نفاق کیوں اختیار کرتے۔ ہاں مسلمانوں کی شجاعت و بسالت سے ڈرتے ہیں۔ اسی لئے ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے نہ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔

۲۹۔ منافقین کے بزدلانہ طریقے: یعنی چونکہ ان لوگوں کے دل مسلمانوں سے مرعوب اور خوفزدہ ہیں، اس لئے کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے۔ ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ نشین ہو کر یا دیواروں اور درختوں کی آڑ میں چھپ کر لڑ سکتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے، کہ یورپ نے مسلمانوں کی تلوار سے عاجز ہو کر قسم قسم کے آتشبار اسلحہ اور طریق جنگ ایجاد کئے ہیں۔ تاہم اب بھی اگر کسی وقت دست بدست جنگ کی نوبت آجاتی ہے تو چند ہی منٹ میں دنیا لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ باقی اس قوم کا تو کہنا ہی کیا جس کے نزدیک چھتوں پر چڑھ کر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پچکاریاں چلانا ہی سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔

۳۰۔ آپس کی لڑائی میں سخت ہیں: یعنی آپس کی لڑائی میں بڑے تیز اور سخت ہیں جیسا کہ اسلام سے پہلے "اوس" و "خزرج" کی جنگ میں تجربہ ہو چکا، مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی ساری بہادری اور شیخی کرکری ہو جاتی ہے۔

۳۱۔ کفار کا اتحاد دھوکہ ہے: یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے ظاہری اتفاق و اتحاد سے دھوکہ مت کھاؤ۔ ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، ہر ایک اپنی غرض و خواہش کا بندہ، اور خیالات میں ایک دوسرے سے جدا ہے پھر حقیقی یکجہتی کہاں میّسر آسکتی ہے۔ اگر عقل ہو تو سمجھیں کہ یہ نمائشی اتحاد کس کام کا۔ اتحاد اسے کہتے ہیں جو مومنین قانتین میں پایا جاتا ہے کہ تمام اغراض و خواہشات سے یکسو ہو کر سب نے ایک اللہ کی رسی کو تھام رکھا ہے، اور ان سب کا مرنا جینا اسی خدائے واحد کے لئے ہے۔

۳۲۔ پچھلے کفّار کے حال سے سبق لو: یعنی ابھی قریب زمانہ میں یہود "بنی قینقاع" اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ جب انہوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر لڑائی کے بعد نکال باہر کیا۔ اور اس سے پیشتر ماضی قریب میں مکہ والے "بدر" کے دن سزا پا چکے ہیں، وہی انجام "بنی نضیر" کا دیکھ لو کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا مل چکی اور آخرت کا دردناک عذاب جوں کا توں رہا۔

۳۳۔ شیطان اور منافقین میں مناسبت: یعنی شیطان اوّل انسان کو کفر و معصیت پر ابھارتا ہے۔ جب انسان دامِ اغواء میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے (یہ کہنا بھی ریاء اور مکاری سے ہوگا) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی دوزخ کا کندہ بنا اور اسے بھی بنایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "شیطان آخرت میں یہ بات کہے گا اور "بدر" کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لوگوں کو لڑواتا تھا۔ جب فرشتے نظر آئے تو بھاگا۔ جس کا ذکر سورۃ "انفال" میں گذر چکا ہے۔ یہی مثال منافقوں کی ہے"۔ وہ "بنی نضیر" کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دلا دلا کر بھرّے پر چڑھاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے، آپ الگ ہو بیٹھے لیکن کیا وہ اس طرح اللہ کے عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ دونوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے [۳۴] اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو [۳۵]

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور مت ہو اُن جیسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پر اللہ نے بھلا دیے اُنکو اُن کے جی وہ لوگ وہی ہیں نافرمان [۳۶]

لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ برابر نہیں دوزخ والے اور بہشت والے بہشت والے جو ہیں وہی ہیں مراد پانے والے [۳۷]

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تُو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے [۳۸] اور یہ مثالیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں [۳۹]

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی جانتا ہے جو پوشیدہ ہے اور جو ظاہر ہے وہ ہے بڑا مہربان رحم والا

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ
السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ
الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ
هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾ ع ۳

۲۳۔ وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم[۴۰] امان دینے والا[۴۱] پناہ میں لینے والا زبردست دباؤ والا صاحب عظمت پاک ہے اللہ اُنکے شریک بتلانے سے[۴۲]

۲۴۔ وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا[۴۳] صورت کھینچنے والا[۴۴] اُسی کے ہیں سب نام خاصے (عمدہ)[۴۵] پاکی بول رہا ہے اُسکی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں[۴۶] اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا[۴۷]

۳۴۔ تقویٰ اور عمل صالح کا حکم: یعنی اللہ سے ڈر کر طاعات اور نیکیوں کا ذخیرہ فراہم کرو اور سوچو کہ کل کے لئے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد وہاں پہنچ کر تمہارے کام آئے۔

۳۵۔ یعنی تمہارا کوئی کام اللہ سے پوشیدہ نہیں لہٰذا اس سے ڈر کر تقویٰ کا راستہ اختیار کرو اور معاصی سے پرہیز رکھو۔

۳۶۔ بھولنے والوں کی طرح مت ہو: یعنی جنہوں نے اللہ کے حقوق بھلا دیئے، اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی۔ اللہ نے خود ان کی جانوں سے ان کو غافل اور بے خبر کر دیا۔ کہ آنیوالی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر نہ کی۔ اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارے اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔

۳۷۔ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ برابر نہیں ہیں: یعنی چاہیئے کہ آدمی اپنے کو بہشت کا مستحق ثابت کرے جس کا راستہ قرآن کریم کی ہدایات کے سامنے جھکنے کے سوا کچھ نہیں۔

۳۸۔ قرآن کی عظمت سے پہاڑ پھٹ جاتے: یعنی مقام حسرت وافسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو، حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔ میرے والد مرحوم نے ایک طویل نظم کے ضمن میں یہ تین شعر لکھے تھے۔

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو — کان بہرے ہوگئے دل بدمزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی — پارہ جسکے لحن سے طورِ ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اسکی تیرے دل پر کچھ نہ ہو — کوہ جس سے خشعًا متصدعًا ہونے کو ہے

۳۹۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یعنی کافروں کے دل بڑے سخت ہیں کہ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اگر پہاڑ سمجھے تو وہ بھی دب جائے" (تنبیہ) یہ تو کلام کی عظمت کا ذکر تھا۔ آگے متکلم کی عظمت و رفعت کا بیان ہے۔

۴۰۔ صفات الٰہیہ کا بیان: یعنی سب نقائص اور کمزوریوں سے پاک، اور سب عیوب و آفات سے سالم، نہ کوئی برائی اس کی بارگاہ تک پہنچی نہ پہنچے۔

۴۱۔ "مومن" کا ترجمہ "امان دینے والا" کیا ہے۔ اور بعض مفسّرین کے نزدیک "مصدق" کے معنی ہیں یعنی اپنی اور اپنے پیغمبروں کی قولًا وفعلًا

تصدیق کرنے والا۔ یا مومنین کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا۔

۴۲۔ یعنی اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

۴۳۔ "خالق" و "باری" کے فرق کی طرف ہم نے سورۃ "بنی اسرائیل" کی آیت وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ (بنی اسرائیل۔۸۵) الخ کے فوائد میں کچھ اشارہ کیا ہے۔

۴۴۔ یعنی جیسا کہ نطفہ پر انسان کی تصویر کھینچ دی۔

۴۵۔ یعنی وہ نام جو اعلیٰ درجہ کی خوبیوں اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۶۔ اسماء الٰہی: یعنی زبانِ حال سے یا قال سے بھی جس کو ہم نہیں سمجھتے۔

۴۷۔ تمام کمالات وصفاتِ الٰہیہ کا مرجع ان دو صفتوں "عزیز" اور "حکیم" کی طرف ہے۔ کیونکہ "عزیز" کمال قدرت پر اور "حکیم" کمال علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور جتنے کمالات ہیں علم اور قدرت سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں۔ روایات میں سورۃ "حشر" کی ان تین آیتوں (ھو اللہ الذی لاآلہ الاّھو سے آخر تک) کی بہت فضیلت آئی ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ صبح وشام ان آیات کی تلاوت پر مواظبت رکھے۔

تم سورۃ الحشر وللہ الحمد والمنہ

اٰیاتها ١٣ — ٦٠ سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ٩١ — رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ
عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ
كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ
وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ
تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ
اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝١

١۔ [١] اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست تم اُنکو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے [٢] اور وہ منکر ہوئے ہیں اُس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین [٣] نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم مانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا [٤] اگر تم نکلے ہو لڑنے کو میری راہ میں اور طلب کرنے کو میری رضامندی [٥] تم اُنکو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے پیغام اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے [٦] اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے تو وہ بھول گیا سیدھی راہ [٧]

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ يَبْسُطُوْۤا
اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ
تَكْفُرُوْنَ ؕ ۝٢

٢۔ اگر تم اُنکے ہاتھ آ جاؤ ہو جائیں تمہارے دشمن اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ اور چاہیں کہ کسی طرح تم بھی منکر ہو جاؤ [٨]

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚۛ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚۛ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

٣۔ ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن وہ فیصلہ کرے گا تم میں اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے [٩]

بَصِيْرٌ ﴿۳﴾

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ
مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا
بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى
تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ
لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ
اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾

۴۔ تم کو چال چلنی چاہئیے اچھی ابراہیم کی اور جو اُسکے ساتھ تھے جب انہوں نے کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے اور اُن سے کہ جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے[۱۰] ہم منکر ہوئے تم سے[۱۱] اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ اللہ اکیلے پر[۱۲] مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو کہ میں مانگوں گا معافی تیرے لئے اور مالک نہیں میں تیرے نفع کا اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا[۱۳] اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف ہے سب کو پھر آنا[۱۴]

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا
رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۵﴾

۵۔ اے رب ہمارے مت جانچ ہم پر کافروں کو[۱۵] اور ہم کو معاف کر اے رب ہمارے[۱٦] تو ہی ہے زبردست حکمت والا[۱۷]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ
يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦﴾ ع ۱

٦۔ البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہئے اُنکی جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ کی اور پچھلے دن کی اور جو کوئی منہ پھیرے تو اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا[۱۸]

ا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط: یعنی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صلح مکہ والوں سے ہوئی تھی جس کا ذکر اِنَّا فَتَحْنَا (فتح۔۱) میں آچکا۔ دو برس یہ صلح قائم رہی، پھر کافروں کی طرف سے ٹوٹی۔ تب حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خاموشی کے ساتھ فوج جمع کر کے مکہ فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ خبروں کی بندش

کر دی گئی۔ مبادا کفار مکہ آپ ﷺ کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع کر دیں۔ اور اس طرح حرم شریف میں جنگ کرنا ناگزیر ہو جائے۔ ایک مسلمان حاطب بن ابی بلتعہؓ نے (جو مہاجرین بدریین میں سے تھے) مکہ والوں کو خط بھیجا کہ محمد ﷺ کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ حضرت ﷺ کو وحی سے معلوم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ وغیرہ چند صحابہؓ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے، وہ حاصل کر کے لاؤ۔ یہ لوگ تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا۔ اس نے بہت لیت و لیل اور ردّ و کد کے بعد خط ان کے حوالے کیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے حاطبؓ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ بولے یارسول اللہ ﷺ نہ میں نے کفر اختیار کیا ہے نہ اسلام سے پھرا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔ وہاں ان کی حمایت کرنیوالا کوئی نہیں۔ میں نے کافروں پر ایک احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ لوگ اس کے معاوضہ میں میرے اہل و عیال کی خبر لیتے رہیں اور ان سے اچھا سلوک کریں (میں نے سمجھا کہ اس سے میرا کچھ فائدہ ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا) فتح و نصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ ﷺ سے کئے ہیں وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتے۔ (چنانچہ نفس خط میں بھی یہ مضمون تھا کہ "خدا کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ان کی مدد کریگا اور جو وعدے ان سے کئے ہیں پورے کر کے چھوڑیگا" بلاشبہ حاطبؓ سے بہت بڑی خطا ہوئی لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا لاتقولوا لہ الا خیرا بھلائی کے سوا اس کو کچھ مت کہو۔ اور فرمایا حاطبؓ بدریین میں سے ہے تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ نے بدریین کی خطائیں معاف فرمادیں۔ سورۃ ہذا کا بڑا حصہ اسی قصہ میں نازل ہوا۔

۲۔ کفّار سے دوستی کی ممانعت: یعنی کفار مکہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے بھی۔ ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا اور دوستانہ پیغام ان کی طرف بھیجنا ایمان والوں کو زیبا نہیں۔

۳۔ اس لئے اللہ کے دشمن ہوئے۔

۴۔ دوستی نہ کرنے کی وجہ: یعنی پیغمبر کو اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترک وطن پر مجبور کیا۔ محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا رب ہے، کیوں مانتے ہو۔ اس سے بڑی دشمنی اور ظلم کیا ہو گا۔ تعجب ہے کہ ایسوں کی طرف تم دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو۔

۵۔ یعنی تمہارا گھر سے نکلنا اگر میری خوشنودی اور میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے واسطے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہی دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب، کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ العیاذ باللہ۔

۶۔ اللہ سے کوئی چیز خفیہ نہیں: یعنی آدمی ایک کام تمام دنیا سے چھپا کر کرنا چاہے تو کیا اسکو اللہ سے چھپالیگا؟ دیکھو! حاطبؓ نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو۔ مگر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مطلع فرمادیا۔ اور راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔

۷۔ یعنی مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس کے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤنگا سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔

۸۔ کفار مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے: یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے۔ وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگذر نہ کریں۔ زبان سے ہاتھ سے ہر طرح سے ایذا پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں، کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں۔ کیا ایسے شریر و بدباطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

۹۔ آخرت میں اولاد اور خاندان کام نہیں آئیں گے: یعنی حاطبؓ نے وہ خط اپنے اہل و عیال کی خاطر لکھا تھا۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ اولاد اور رشتہ

دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے اللہ تعالیٰ سب کارتی رتی عمل دیکھتا ہے۔ اسی کے موافق فیصلہ فرمائے گا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا، اور عزیز و قریب ہٹا نہیں سکے گا۔ پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اہل و عیال کی خاطر اللہ کو ناراض کر لے۔ یاد رکھو! ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضامندی ہے۔ وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔

۱۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ حسنہ: یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر ابراہیمؑ کے ساتھ ہوتے گئے اپنے اپنے وقت پر سب نے قولاً یا فعلاً اسی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کیا۔

۱۱۔ یعنی تم اللہ سے منکر ہو۔ اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے۔ ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں۔ اور ذرّہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے۔

۱۲۔ یعنی یہ دشمنی اور بیر اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں۔

۱۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے دعا کا وعدہ: یعنی صرف دعا ہی کر سکتا ہوں کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ خدا جو کچھ پہنچانا چاہے۔ اسے میں نہیں روک سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ابراہیمؑ نے ہجرت کی پھر اپنی قوم کی طرف منہ نہیں کیا۔ تم بھی وہی کرو۔ ایک ابراہیمؑ نے دعا چاہی تھی، باپ کے واسطے۔ جب تک معلوم نہ تھا۔ تم کو معلوم ہو چکا۔ لہٰذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو"۔ (تنبیہ) باپ کے حق میں ابراہیمؑ کے استغفار کا قصہ سورۃ "براءۃ" میں گزر چکا۔ آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ (توبہ۔۱۱۴) الخ کے فوائد میں دیکھ لیا جائے۔

۱۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: یعنی سب کو چھوڑ کر تجھ پر بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر تیری طرف رجوع ہوئے اور خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر کر تیری ہی طرف آنا ہے۔

۱۵۔ یعنی ہم کو کافروں کے واسطے محل آزمائش اور تختہ مشق نہ بنا۔ اور ایسے حال میں مت رکھ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں، اسلام اور مسلمانوں پر آوازے کسیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔

۱۶۔ یعنی ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور تقصیرات سے درگذر کر۔

۱۷۔ تیری زبردست قوت اور حکمت سے یہی توقع ہے کہ اپنی وفاداروں کو دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب و مقہور نہ ہونے دیگا۔

۱۸۔ اسوہ ابراہیمی اختیار کرو: یعنی تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں، ابراہیمؑ اور اس کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیئے۔ دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور سنگدل کہے، تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو جو دنیا کے موحّد اعظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا۔ مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے خلاف چلو گے۔ اور خدا کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پرواہ ہے وہ تو بذاتِ خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾

۷۔ امید ہے کہ کر دے اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے اُن میں دوستی اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [۱۹]

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي
الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ
وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸

۸۔ اللہ تم کو منع نہیں کرتا اُن لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو[۲۰]

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي
الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي
اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

۹۔ اللہ تو منع کرتا ہے تم کو اُن سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے نکالنے میں کہ اُن سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار[۲۱]

۱۹۔ ترک موالات کے بارے میں مسلمانوں کی تسلّی: یعنی اللہ کی قدرت و رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں کل انہیں مسلمان کر دے اور اس طرح تمہارے اور ان کے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ میں ایسا ہی ہوا تقریباً سب مکہ والے مسلمان ہو گئے اور جو لوگ ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ مکہ والوں کے مقابلہ میں یہ ترک موالات کا جہاد صرف چند روز کے لئے ہے۔ پھر اس کی ضرورت نہیں رہیگی۔ چاہیئے کہ بحالت موجودہ تم مضبوطی سے ترکِ موالات پر قائم رہو۔ اور جس کسی سے کوئی بے اعتدالی ہوگئی ہو اللہ سے اپنی خطا معاف کرائے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۰۔ نرم خُو کفار سے حسنِ سلوک: یعنی مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہ ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی، نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسرِپیکار ہے، تو تمام کافروں کو بلا تمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنا حکمت و انصاف کے خلاف ہوگا۔ ضروری ہے کہ عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جوان اور معاند و مسالم میں ان کے حالات کے اعتبار سے فرق کیا جائے جس کی قدرے تفصیل سورۃ "مائدہ" اور "آل عمران" کے فوائد میں گذر چکی۔

۲۱۔ یعنی ایسے ظالموں سے دوستانہ برتاؤ کرنا بیشک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے۔ (ربط) یہاں تک کفار کے دو فریق (معاند اور مسالم) کے ساتھ معاملہ کرنے کا ذکر تھا۔ آگے بتلاتے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیئے جو "دارالحرب" سے "دارالاسلام" میں آئیں یا "دارالحرب" میں مقیم رہیں۔ قصہ یہ ہے کہ "صلح حدیبیہ" میں مکہ والوں نے یہ قرار دیا کہ ہمارا جو آدمی تمہارے پاس جائے اس کو واپس بھیجنا

ہو گا۔ حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس کو قبول فرمالیا تھا۔ چنانچہ کئی مرد آئے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کو واپس کر دیا۔ پھر کئی عورتیں آئیں۔ ان کو واپس کرتے تو کافر مرد کے گھر مسلمان عورتیں حرام میں پڑتیں۔ اس پر یہ اگلی آیتیں اتریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد عورتوں کی واپسی پر کفار نے اصرار نہیں کیا ورنہ صلح قائم نہ رہتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ
مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى
الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ
اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ
تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا
تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ
وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اے ایمان والو جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو اللہ خوب جانتا ہے انکے ایمان کو [۲۲] پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو اُنکو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں اُن کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو اور دیدو اُن کافروں کو جو ان کا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر لو اُن عورتوں سے جب اُنکو دو انکے مہر [۲۳] اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے اور تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہ اللہ کا فیصلہ ہے تم میں فیصلہ کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے [۲۴]

وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ
فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ
اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں کافروں کی طرف پھر تم ہاتھ مارو تو دیدو اُنکو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو یقین ہے [۲۵]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ
عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا

۱۲۔ اے نبی جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد

يَزۡنِيۡنَ وَ لَا يَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ وَ لَا يَاۡتِيۡنَ
بِبُهۡتَانٍ يَّفۡتَرِيۡنَهٗ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِنَّ وَ اَرۡجُلِهِنَّ وَ لَا
يَعۡصِيۡنَكَ فِيۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَايِعۡهُنَّ وَ اسۡتَغۡفِرۡ
لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾

کو نہ مار ڈالیں [٢٦] اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں [٢٧] اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں تو اُنکو بیعت کر لے [٢٨] اور معافی مانگ اُنکے واسطے اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [٢٩]

٢٢۔ مکہ کی مسلمان عورتوں کا امتحان: یعنی دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ لیکن ظاہری طور سے ان عورتوں کی جانچ کر لیا کرو۔ آیا واقعی وہ مسلمان ہیں اور محض اسلام کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیوی یا نفسانی غرض تو ہجرت کا سبب نہیں ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ ان کا امتحان کرتے تھے۔ اور حضور ﷺ کی طرف سے ان سے بیعت لیتے تھے۔ اور کبھی حضور ﷺ خود بہ نفسِ نفیس بیعت لیا کرتے تھے جو آگے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ الخ میں مذکور ہے۔

٢٣۔ ان عورتوں سے نکاح کی شرائط: یہ حکم ہوا کہ زوجین میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اختلاف دارین کے بعد تعلق نکاح قائم نہیں رہتا۔ پس اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر "دارالاسلام" میں آ جائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے۔ اور اب عورت کا جو مہر قرار پائے وہ جدا اپنے ذمہ رکھے تب نکاح میں لا سکتا ہے۔

٢٤۔ مسلمانوں کی کافر بیویوں کا مسئلہ: پہلے حکم کے مقابل دوسری طرف یہ حکم ہوا کہ جس مسلمان کی عورت کافر رہ گئی ہے وہ اس کو چھوڑ دے۔ پھر جو کافر اس سے نکاح کرے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے۔ اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں۔ جب یہ حکم اترا تو مسلمان تیار ہوئے دینے کو بھی اور لینے کو بھی لیکن کافروں نے دینا قبول نہ کیا۔ تب اگلی آیت نازل ہوئی۔

٢٥۔ اسلام کی عادلانہ تعلیم: یعنی جس مسلمان کی عورت گئی اور کافر اس کا خرچ کیا ہوا نہیں پھیرتے تو جس کافر کی عورت مسلمانوں کے ہاں آئے اس کا جو خرچ دینا تھا اس کافر کو نہ دیں۔ بلکہ اسی مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے، اس مسلمان کا حق دیکر جو بچ رہے وہ واپس کر دیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کا خرچ کیا ہوا واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال سے دیا جائے۔ اللہ اکبر! کس قدر عدل و انصاف کی تعلیم ہے۔ لیکن اس پر کاربند وہ ہی ہو گا جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور اس پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتا ہو۔ (تنبیہ) فَعَاقَبْتُمْ کے دو ترجمے مترجم محققؒ نے کئے۔ "پھر تم ہاتھ مارو" اور "پھر تمہاری باری آئے" ہم نے دوسرے ترجمے کے لحاظ سے مطلب کی تقریر کی ہے پہلے ترجمہ کے موافق بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مالِ غنیمت کا حاصل ہونا ہے۔ یعنی مال غنیمت میں سے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا نبٹا یا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

٢٦۔ عورتوں کو بیعت کرنے کی شرائط: جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا کہ رسمی ننگ و عار کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

٢٧۔ طوفان باندھنا ہاتھ پاؤں میں، یہ کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کریں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسم کھائیں، اور ایک معنی یہ کہ بیٹا جنا ہو کسی اور سے اور منسوب کر دیں خاوند کی طرف، یا کسی دوسری عورت کی اولاد لے کر مکر و فریب سے اپنی طرف نسبت کر لیں۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی ایک کا بیٹا دوسرے کی طرف لگائے جنت اس پر حرام ہے۔

۲۸۔ عورتوں کی بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ: پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان عورتوں کی (جو ہجرت کر کے آئیں) جانچ کی جائے۔ یہاں بتلا دیا کہ ان کا جانچنا یہی ہے کہ جو احکام اس آیت میں ہیں وہ قبول کرلیں تو ان کا ایمان ثابت رکھو۔ یہ آیت بیعت کہلاتی ہے۔ حضرت ﷺ کے پاس عورتیں بیعت کرتی تھیں تو یہی اقرار لیتے تھے لیکن بیعت کے وقت کبھی عورت کے ہاتھ نے آپ ﷺ کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔

۲۹۔ عورتوں کے لئے استغفار کا حکم: یعنی ان امور میں جو کوتاہیاں پہلے ہو چکیں یا امتثال احکام میں آئندہ کچھ تقصیر رہ جائے اس کے لئے آپ انکے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔ اللہ آپ کی برکت سے ان کی تقصیر معاف فرمائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

۱۳۔ اے ایمان والو مت دوستی کرو اُن لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ اُن پر[۳۰] وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے آس توڑی منکروں نے قبر والوں سے[۳۱]

ع ۲ / ۸

۳۰۔ اللہ کے دشمنوں سے دوستی کی ممانعت: شروع سورت میں جو مضمون تھا، خاتمہ پر پھر یاد دلا دیا یعنی مؤمن کی شان نہیں کہ جس پر خدا ناراض ہو اس سے دوستی اور رفاقت کا معاملہ کرے۔ جس پر خدا کا غصہ ہو، خدا کے دوستوں کا بھی غصہ ہونا چاہیئے۔

۳۱۔ کفار کی مایوسی: یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھیگا اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں۔ (تنبیہ) بعض مفسرین کے نزدیک مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح کافر جو قبر میں پہنچ چکے وہاں کا حال دیکھ کر اللہ کی مہربانی اور خوشنودی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں اسی طرح یہ کافر بھی آخرت کی طرف سے مایوس ہیں۔

تم سورۃ الممتحنۃ

اٰیاتھا ۱۴ ٦١ سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۹ رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝١

۱۔ اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝٢

۲۔ اے ایمان والو کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے

كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝٣

۳۔ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ۝٤

۴۔ اللہ چاہتا ہے اُن لوگوں کو جو لڑتے ہیں اُسکی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی[۱]

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِىۡ وَقَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ‌ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝٥

۵۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم میری کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا بھیجا آیا ہوں تمہارے پاس[۲] پھر جب وہ پھر گئے تو پھیر دیے اللہ نے انکے دل اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو[۳]

وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ‌ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ قَالُوۡا هٰذَا

۶۔ اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنے والا اُس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت[۴] اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اُس کا نام ہے احمد[۵] پھر جب آیا انکے پاس کھلی نشانیاں لیکر کہنے لگے یہ جادو ہے صریح[۶]

سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۶﴾

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ھُوَ
یُدۡعٰۤی اِلَی الۡاِسۡلَامِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ
الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۷﴾

۷۔ اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اُسکو بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو[۷] اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو[۸]

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاھِھِمۡ وَ اللّٰہُ
مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾

۸۔ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر[۹]

ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ
لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۹﴾ ع ۱

۹۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے[۱۰]

۱۔ زبانی دعووں کی مذمت: بندہ کو لاف زنی اور دعوے کی بات سے ڈرنا چاہیئے کہ پیچھے مشکل پڑتی ہے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے، لیکن اس کا نباہنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے جو زبان سے کہے بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔ روایات میں ہے کہ ایک جگہ مسلمان جمع تھے، کہنے لگے ہم کو اگر معلوم ہو جائے کہ کونسا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو وہی اختیار کریں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یعنی دیکھو! سنبھل کر کہو، لو ہم بتلائے دیتے ہیں۔

جہاد میں دیوار کی طرح ڈٹنے والے: کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر ایک آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پگھلا دیا گیا ہے، اور جس میں کسی جگہ کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ اب اس معیار پر اپنے کو پرکھ لو۔ بیشک تم میں بہت ایسے ہیں جو اس معیار پر کامل و اکمل اتر چکے ہیں مگر بعض مواقع ایسے بھی نکلیں گے جہاں بعضوں کے زبانی دعووں کی انکے عمل نے تکذیب کی ہے آخر جنگ احد میں وہ بُنیان مرصوص کہاں قائم رہی۔ اور جس وقت حکم قتال اترا تو یقیناً بعض نے یہ بھی کہا رَبَّنَا لِمَ کَتَبۡتَ عَلَیۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ الخ (نساء ۔۷۷) بہر حال زبان سے زیادہ دعوے مت کرو۔ بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو جس سے اعلیٰ کامیابی نصیب ہو۔ موسیٰ کی قوم کو نہیں دیکھتے کہ زبان سے تعلی و تفاخر کی باتیں بہت بڑھ چڑھ کر بناتے تھے لیکن عمل کے میدان میں صفر تھے۔ جہاں کوئی موقع کام کا آیا فوراً پھسل گئے اور نہایت تکلیف دہ باتیں کرنے لگے۔ نتیجہ جو کچھ ہوا اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم سے شکایت: یعنی روشن دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر تم دل میں یقین رکھتے ہو کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں۔ پھر سخت نازیبا اور رنجیدہ حرکتیں کر کے مجھے کیوں ستاتے ہو۔ یہ معاملہ تو کسی معمولی ناصح اور خیر خواہ کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہیئے۔

چہ جائیکہ ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو۔ کیا میرے دل کو تمہاری ان گستاخانہ حرکات سے دکھ نہیں پہنچتا کہ کبھی بے جان بچھڑا بنا کر پوجنے لگے اور اس کو اپنا اور موسیٰؑ کا خدا بتلانے لگے۔ کبھی "عماقہ" پر جہاد کرنے کا حکم ہوا تو کہنے لگے ہم تو کبھی نہیں جائیں گے۔ تم اور تمہارا خدا جاکر لڑلو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ وغیرہ ذلک من الخرافات۔ چنانچہ اسی سے تنگ ہو کر حضرت موسیٰ نے فرمایا رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ (المائدہ۔۲۵)۔

۳۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے: بدی کرتے کرتے قاعدہ ہے کہ دل سخت اور سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتّٰی کہ نیکی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ ہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول سے ضد ہی کرتے رہے اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے، تو آخر مردود ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا کہ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ کی یہ ہی عادت ہے۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تورات کی تصدیق کرنا: یعنی اصل تورات کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے احکام واخبار پر یقین رکھتا ہوں اور جو کچھ میری تعلیم ہے فی الحقیقت ان ہی اصولوں کے ماتحت ہے جو تورات میں بتلائے گئے تھے۔ (تنبیہ) ابن کثیرؒ وغیرہ نے مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ الخ کا مطلب یہ لیا ہے کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ کیونکہ میں ان چیزوں کا مصداق بنکر آیا ہوں جن کی خبر تورات شریف میں دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔

۵۔ انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی سے اسم احمد (صلی اللہ علیہ وسلم): یعنی پچھلے کی تصدیق کرتا ہوں اور اگلے کی بشارت سناتا ہوں۔ یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں۔ لیکن جس صراحت ووضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیحؑ نے آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں۔ شاید قرب عہد کی بناء پر یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہوگی۔ کیونکہ ان کے بعد نبی آخر الزماں کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہود ونصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور اور معاندانہ دستبرد نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات وانجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیاء سابقین خصوصاً حضرت مسیح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاتم الانبیاء ﷺ کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دی تھی۔ اور اسی لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے صاف وصریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے۔ تاہم یہ بھی خاتم الانبیاء ﷺ کا معجزہ سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے محرفین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اس کے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشینگوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں کہ ان کا کچھ نشان باقی نہ رہے۔ موجودہ بائبل میں بھی بیسیوں مواضع ہیں جہاں آنحضرت ﷺ کا ذکر قریب تصریح کے موجود ہے اور عقل وانصاف والوں کے لئے اس میں تاویل وانکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔

فارقلیط کے معنٰی: اور انجیل یوحنّا میں تو فارقلیط (یا پیرکلوطوس) والی بشارت اتنی صاف ہے کہ اس کا بے تکلف مطلب بجز احمد (بمعنی محمود وستودہ) کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ بعض علماء اہل کتاب کو بھی ناگزیر اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس پیشین گوئی کا انطباق پوری طرح نہ روح القدس پر اور نہ بجز سرور عالم ﷺ کسی اور پر ہو سکتا ہے۔ علماء اسلام نے بحمد اللہ بشارات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور تفسیر حقانی کے مؤلف فاضل نے "فارقلیط" والی بشارت اور تحریف بائبل پر سورۃ "صف" کی تفسیر میں نہایت مشبع بحث کی ہے۔ اللہ جزاء خیر دے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر ان کی تکذیب: یعنی حضرت مسیحؑ کھلی نشانیاں لے کر آئے یا جنکی بشارت دی تھی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفٰے ﷺ وہ کھلے نشان لے کر آئے تو لوگ اسے جادو بتلانے لگے۔

۷۔ یعنی جب مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق کو چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر حضور ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ خدا کو بشریا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو ایک طرف رہا، کتب سماویہ میں تحریف کر کے جو چیزیں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں تھیں ان کو

درج کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا۔

۸۔ ظالموں کو ہدایت نہیں: یعنی ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے لَا یَھْدِیْ میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور تحریف وتاویل کریں، خدا ان کو کامیابی کی راہ نہ دے گا۔ گویا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے متعلق جن خبروں کو وہ چھپانا یا مٹانا چاہتے ہیں، چھپ یا مٹ نہ سکیں گی چنانچہ باوجود ہزاروں طرح کی قطع وبرید کے آج بھی نبی آخر الزماں کی نسبت بشارات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔

۹۔ دین حق کا غلبہ ضرور ہو گا: یعنی منکر پڑے برا مانا کریں اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہیگا۔ مشیت الٰہی کے خلاف کوئی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے کوئی احمق نور آفتاب کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے۔ یہ ہی حال حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے مخالفوں کا اور ان کی کوششوں کا ہے۔ (تنبیہ) شاید بِاَفْوَاھِھِمْ کے لفظ سے یہاں اس طرف بھی اشارہ کرنا ہو کہ بشارات کے انکار واخفاء کے لئے جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں وہ کامیاب ہونیوالی نہیں۔ ہزار کوشش کریں کہ "فارقلیط" آپ نہیں ہیں، لیکن اللہ منوا کر چھوڑیگا کہ اس کا مصداق آپ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

۱۰۔ اس آیت پر سورۃ "براۃ" کے فوائد میں کلام ہو چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اے ایمان والو میں بتلاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب دردناک سے

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ۙ

۱۱۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی جان سے یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو

یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ۙ

۱۲۔ بخشے گا وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں [۱۱] اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر [۱۲] یہ ہے بڑی مراد ملنی

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور ایک اور چیز دے جس کو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے اور فتح جلدی [۱۳] اور خوشی سنا دے ایمان والوں کو [۱۴]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى
اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ
طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ
فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا
ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

۱۴۔ اے ایمان والو تم ہو جاؤ مددگار اللہ کے [۱۵] جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اپنے یاروں کو کون ہے کہ مدد کرے میری اللہ کی راہ میں بولے یار ہم ہیں مددگار اللہ کے [۱۶] پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل سے اور منکر ہوا ایک فرقہ پھر قوت دی ہم نے اُنکو جو ایمان لائے تھے اُنکے دشمنوں پر پھر ہو رہے غالب [۱۷]

۲ ع ۵ ۱۰

۱۱۔ وہ تجارت جس میں خسارہ نہیں: یعنی اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے۔ لیکن تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اس کے راستہ میں جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ وہ سوداگری ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں، دنیا میں لوگ سینکڑوں طرح کے بیوپار اور تجارتیں کرتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ اس میں لگا دیتے ہیں محض اس امید پر کہ اس سے منافع حاصل ہونگے اور اس طرح رأس المال گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائے گا۔ پھر وہ بذاتِ خود اور اس کے اہل و عیال تنگدستی و افلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن مؤمنین اپنے جان و مال کا سرمایہ اس اعلیٰ تجارت میں لگائیں گے تو صرف چند روزہ افلاس سے نہیں، بلکہ آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارہ سے مامون ہو جائیں گے اگر مسلمان سمجھے تو یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا۔ جس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔

۱۲۔ جنّت کے مکانات: یعنی وہ ستھرے مکانات ان باغوں کے اندر ہوں گے جن میں مؤمنین کو آباد ہونا ہے۔ یہ تو آخرت کی کامیابی رہی۔ آگے دنیا کی اعلیٰ اور انتہائی کامیابی کا ذکر ہے۔

۱۳۔ آخرت کے علاوہ دنیا میں فتح کی خوشخبری: یعنی اصلی اور بڑی کامیابی تو وہ ہی ہے جو آخرت میں ملے گی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت کوئی چیز نہیں لیکن دنیا میں بھی ایک چیز جسے تم طبعًا محبوب رکھتے ہو، دی جائے گی وہ کیا ہے نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ (اللہ کی طرف سے ایک مخصوص امداد اور جلد حاصل ہونیوالی فتح و ظفر، جن میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا تعلق رکھتی ہے) دنیا نے دیکھ لیا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیسی صفائی سے پورا ہوا اور آج بھی مسلم قوم اگر سچے معنی میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم ہو جائے تو یہ ہی کامیابی ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہے۔

۱۴۔ کیونکہ یہ خوشخبری سنانا ایک مستقل انعام ہے۔

۱۵۔ اللہ کے مددگار بن جاؤ: یعنی اس کے دین اور اس کے پیغمبر کے مددگار بن جاؤ۔ اس حکم کی تعمیل خدا کے فضل و توفیق سے مسلمانوں نے ایسی کی کہ ان میں سے ایک جماعت کا تو نام ہی "انصار" پڑ گیا۔

۱۶۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریین: "حواریین" (یاران مسیحؑ) تھوڑے سے تو گنے چنے آدمی تھے جو اپنے نسب و حسب کے اعتبار سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو قبول کیا اور ان کی دعوت کو بڑی قربانیاں کر کے دیار و امصار میں پھیلایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "حضرت عیسٰیؑ کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کی ہیں تب ان کا دین نشر ہوا۔ ہمارے حضرت ﷺ کے پیچھے بھی خلفاءؓ نے اس سے زیادہ کیا"۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

۱۷۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مؤمنین کی مدد: یعنی "بنی اسرائیل" میں دو فرقے ہو گئے۔ ایک ایمان پر قائم ہوا۔ دوسرے نے انکار کیا۔ پھر حضرت مسیحؑ کے بعد آپس میں دست و گریبان رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس بحث و مناظرہ اور خانہ جنگیوں میں مؤمنین کو منکرین پر غالب کیا۔ حضرت مسیحؑ کے نام لیوا (نصاریٰ) یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ میں سے ان کی عام گمراہی کے بعد جو بچے کھچے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کے ذریعہ سے دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ حجت و برہان کے اعتبار سے بھی اور قوت و سلطنت کے حیثیت سے بھی۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

تم سورۃ الصف وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتها ١١ ٦٢ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ١١٠ رکوعاتها ٢

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ الۡمَلِكِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱﴾	۱۔ اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں بادشاہ پاک ذات زبردست حکمتوں والا
هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۗ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍۙ ﴿۲﴾	۲۔ وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے اُنکو اُسکی آیتیں اور انکو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے اُنکو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں[۱]
وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳﴾	۳۔ اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں[۲] اور وہی ہے زبردست حکمت والا[۳]
ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۴﴾	۴۔ یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے جسکو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے[۴]
مَثَلُ الَّذِيۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا	۵۔ مثال ان لوگوں کی جن پر لادی توریت پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے مثال گدھے کی کہ پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں[۵] بری مثال ہے اُن لوگوں کی[۶] جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو[۷] اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو[۸]

يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵﴾

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۶﴾

٦۔ تو کہہ اے یہودی ہونے والو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوائے تو مناؤ اپنے مرنے کو اگر تم سچے ہو

وَلَا يَتَمَنَّوۡنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۷﴾

٧۔ اور وہ کبھی نہ منائیں گے اپنا مرنا اُن کاموں کی وجہ سے جنکو آگے بھیج چکے ہیں اُنکے ہاتھ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں سب گنہگار [۹]

قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِىۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيۡكُمۡ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾ ع

٨۔ تو کہہ موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے ضرور ملنے والی ہے پھر تم پھیرے جاؤ گے اس سے چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس پھر جتلا دے گا تم کو جو تم کرتے تھے [۱۰]

ع ۱ / ۸ / ۱۱

۱۔ اُمّیّین کون ہیں: اُمِّیّٖنَ (ان پڑھ) عرب کو کہا۔ جن میں علم و ہنر کچھ نہ تھا نہ کوئی آسمانی کتاب تھی۔ معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے۔ ان کی جہالت و وحشت ضرب المثل تھی خدا کو بالکل بھولے ہوئے تھے، بت پرستی، اوہام پرستی، اور فسق و فجور کا نام "ملّتِ ابراہیمی" رکھ چھوڑا تھا اور تقریباً ساری قوم صریح گمراہی میں پڑی بھٹک رہی تھی۔

نبی اُمّی کی تعلیمات اور فرائض: ناگہاں اللہ تعالیٰ نے اسی قوم میں سے ایک رسول اٹھایا جس کا امتیازی لقب "نبی امی" ہے۔ لیکن باوجود امی ہونے کے اپنی قوم کو اللہ کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب پڑھ کر سناتا اور عجیب و غریب علوم و معارف اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھلا کر ایسا حکیم و شائستہ بناتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکیم و دانا اور عالم و عارف اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں۔ (تنبیہ) اس طرح کی آیت سورۃ "بقرہ" اور "آل عمران" میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۲۔ اہل عجم کے بھی رسول ہیں: یعنی یہ ہی رسول دوسرے آنیوالے لوگوں کے واسطے بھی ہے جن کو مبدأ و معاد اور شرائع سماویہ کا پورا اور صحیح علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پڑھ ہی کہنا چاہیئے۔ مثلاً فارس، روم، چین اور ہندوستان وغیرہ کی قومیں جو بعد کو امّیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان ہی میں سے ہو گئیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے اوّل عرب پیدا کئے اس دین کے تھامنے والے، پیچھے عجم میں ایسے کامل لوگ اٹھے"۔ حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ سے وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ کی نسبت سوال کیا گیا تو سلمان فارسیؓ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر علم یا دین ثریّا پر جا پہنچے گا تو (اسکی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئیگا) شیخ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ نے

تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ النعمانؒ ہیں۔

۳۔ اہل عجم کے بھی رسول ہیں: جس کی زبردست قوت و حکمت نے اس جلیل القدر پیغمبر کے ذریعہ قیامت تک کے لئے عرب و عجم کی تعلیم و تزکیہ کا انتظام فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۔ اس اُمّت پر اللہ کا فضل: یعنی رسول کو یہ بڑائی دی اور اس مّت کو اتنے بڑے مرتبہ والا رسول دیا۔ فلہ الحمد والمنۃ علیٰ ما انعم۔ چاہیئے کہ مسلمان اس انعام و اکرام کی قدر پہچانیں، اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شان تعلیم و تزکیہ سے مستفید و منتفع ہونے میں کوتاہی نہ کریں۔ آگے عبرت کے لئے یہود کی مثال بیان فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اور پیغمبر سے استفادہ کرنے میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی۔

۵۔ تورات پر عمل نہ کرنے والے گدھے کی مثل ہیں: یعنی یہود پر "تورات" کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے، لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات و ہدایات کی کچھ پروانہ کی، نہ اس کو محفوظ رکھا، نہ دل میں جگہ دی، نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے فضل و انعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے۔ حکمت و ہدایت کا ایک ربّانی خزینہ تھا، مگر جب اس سے منتفع نہ ہوئے تو وہ ہی مثال ہوگئی۔

نہ محقق شدی نہ دانشمند　　　　چارپائے برو کتابے چند

ایک گدھے پر علم و حکمت کی پچاسوں کتابیں لاد دو۔ اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔ اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف و سنگریزے۔ اگر محض اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو! میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں۔ تو یہ اور زیادہ گدھاپن ہوگا۔

۶۔ یعنی بری قوم ہے وہ جس کی مثال یہ ہے۔ اللہ ہم کو پناہ میں رکھے۔

۷۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تورات وغیرہ میں جو بشارات نبی آخر الزماں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دی تھیں اور جو دلائل براہین آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت پر قائم کیں، ان کو جھٹلانا آیات اللہ کو جھٹلانا ہے۔

۸۔ یعنی ایسے معاند، ہٹ دھرم، بے انصاف لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

۹۔ یہود کی ولایت کا جھوٹا دعویٰ: یعنی اس گدھے پن اور جہل و حماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے کہ بلا شرکت غیرے ہم ہی اللہ کے دوست اور ولی اور تنہا جنت کے حقدار ہیں بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے۔ لیکن اگر واقعی دل میں یہ ہی یقین ہے اور اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ضرور تھا کہ دنیا کے مکدر عیش سے دل برداشتہ ہر کر محبوب حقیقی کے اشتیاق اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے۔ جس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ میرا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور کوئی خطرہ نہیں۔ وہ بیشک مرنے سے خوش ہوگا اور موت کو ایک پُل سمجھے گا۔ جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے اس کی زبان پر تو یہ الفاظ ہوں گے غدًا نَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَّ حِزْبَہٗ اور یاحَبَّذَا الجنّۃُ واقترابھا، طیبۃ وبارد شرابھا اور حبیبٌ جاء علیٰ فاقۃٍ اور یابنیّ لایُبَالی ابوك سقط علی الموت امر سقط علیہ الموت وغیر ذٰلک۔

اولیاء اللہ اور موت کا اشتیاق: یہ ان اولیاء اللہ کے کلمات ہیں جو دنیا کی کسی سختی یا مصیبت سے گھبرا کر نہیں، خالص لقاء اللہ اور جنت کے اشتیاق میں موت کی تمنا رکھتے تھے، اور ان کے افعال و حرکات خود شہادت دیتے تھے کہ موت ان کو دنیا کی تمام لذائذ سے زیادہ لذیذ ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لودوت انی اُقْتَلُ فی سبیل اللہِ ثم اُحْیٰی ثم اُقْتَلُ اس کے بالمقابل ان جھوٹے مدعیوں کے افعال و حرکات پر نظر ڈالو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں۔ وہ مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں، اس لئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ محض اس لئے کہ دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت کئے ہیں،

یہاں سے چھوٹتے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ غرض ان کے تمامی افعال و اطوار سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے موت کی آرزو نہیں کر سکتے۔ اور ممکن تھا کہ اس زمانہ کے یہود قرآن کے اس دعوے کو جھٹلانے کے لئے جھوٹ موٹ زبان سے موت کی تمنّا کرنے لگتے، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت بھی ان کو نہ دی۔ روایات میں ہے کہ اگر (ان میں سے) کوئی یہودی موت کی تمنا کر گزرتا تو اسی وقت گلے میں اچھو لگ کر ہلاک ہو جاتا (تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورۃ "بقرہ" میں گذر چکی ہے، اس کے فوائد دیکھ لئے جائیں بعض سلف کے نزدیک "تمنی موت" کا مطلب مباہلہ تھا۔ یعنی معاند یہود سے کہا گیا کہ اگر وہ واقعی اپنے اولیاء ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو باطل پر سمجھتے ہیں تو تمنا کریں کہ فریقین میں جو جھوٹا ہو، مر جائے لیکن وہ کبھی ایسا نہ کریں گے کیونکہ ان کو اپنے کذب و ظلم کا یقین حاصل ہے۔ ابن کثیرؒ اور ابن قیمؒ وغیرہ نے یہ ہی توجیہہ اختیار کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ موت سے فرار ممکن نہیں: یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہو۔ ہزار کوشش کرو، مضبوط قلعوں میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہو، وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں۔ اور موت کے بعد پھر وہ ہی اللہ کی عدالت ہے اور تم ہو (ربط) یہود کی بڑی خرابی یہ تھی کہ کتابیں پیٹھ پر لدی ہوئی ہیں، لیکن ان سے متنفع نہیں ہوتے دین کی بہت سی باتیں سمجھتے بوجھتے، پر دنیا کے واسطے چھوڑ بیٹھتے۔ دنیا کے دھندوں میں منہمک ہو کر اللہ کی یاد اور آخرت کے تصور کو فراموش کر دیتے، ایسی روش سے ہم کو منع کیا گیا۔ جمعہ کا تقید بھی ایسا ہی ہے کہ اس وقت دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو۔ حدیث میں ہے کہ "جو کوئی خطبہ کے وقت بات کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں"۔ یعنی اس کی مثال یہود کی سی ہوئی۔ العیاذ باللہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَيۡعَ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹﴾

۹۔ اے ایمان والو جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت [۱۱] یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے [۱۲]

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تا کہ تمہارا بھلا ہو [۱۳]

وَاِذَا رَاَوۡا تِجَارَةً اَوۡ لَهۡوَا۟ ۨانْفَضُّوۡۤا اِلَيۡهَا وَتَرَكُوۡكَ قَآئِمًا‌ ؕ قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ مِّنَ اللَّهۡوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ‌ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۱۱﴾ ع ۲/۱۲

۱۱۔ اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا متفرق ہو جائیں اُسکی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سوداگری سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا [۱۴]

۱۱۔ اذان جمعہ کی اہمیت اور احکام: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہر اذان کا یہ حکم نہیں، کیونکہ جماعت پھر بھی ملیگی۔ اور جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا پھر کہاں ملیگا"۔ اور اللہ کی یاد سے مراد خطبہ ہے اور نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی ایسے وقت جائے کہ خطبہ سنے۔ اس وقت خرید و فروخت حرام ہے۔ اور "دوڑنے" سے مراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے۔ بھاگنا مراد نہیں۔ (تنبیہ) نُوۡدِیَ سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلی اذان بعد کو حضرت عثمانؓ کے عہد میں صحابہؓ کے اجماع سے مقرر ہوئی ہے۔ لکین حرمت بیع میں اس اذان کا حکم بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے۔ البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص و قطعی ہوگا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ اور ظنی رہیگا۔ اس تقریر سے تمام علمی اشکالات مرتفع ہوگئے۔ نیز واضح رہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا یہاں "عام مخصوص منہ البعض" ہے، کیونکہ بالاجماع بعض مسلمانوں (مثلاً مسافر و مریض وغیرہ) پر جمعہ فرض نہیں۔

۱۲۔ ظاہر ہے کہ منافع آخرت کے سامنے دنیوی فوائد کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

۱۳۔ جمعہ کے بعد روزی کی تلاش: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہود کے ہاں عبادت کا دن ہفتہ تھا۔ سارا دن سودا منع تھا اس لئے فرمادیا کہ تم نماز کے بعد روزی تلاش کرو، اور روزی کی تلاش میں بھی اللہ کی یاد نہ بھولو"

۱۴۔ لہو و تجارت پر مسلمانوں کو تنبیہ: ایک مرتبہ جمعہ میں حضرت ﷺ خطبہ فرمارہے تھے، اسی وقت تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آپہنچا۔ اس کے ساتھ اعلان کی غرض سے نقارہ بجتا تھا۔ پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی۔ لوگ دوڑے کہ اس کو ٹھہرائیں (خیال کیا ہوگا کہ خطبہ کا حکم عام وعظوں کی طرح ہے جس میں سے ضرورت کے لئے اٹھ سکتے ہیں۔ نماز پھر آکر پڑھ لینگے۔ یا نماز ہو چکی ہوگی جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت نماز جمعہ خطبہ سے پہلے ہوتی تھی۔ بہر حال خطبہ کا حکم معلوم نہ تھا) اکثر لوگ چلے گئے حضرت ﷺ کے ساتھ بارہ آدمی (جن میں خلفاء راشدین بھی تھے) باقی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت اتری یعنی سوداگری اور دنیا کا کھیل تماشا کیا چیز ہے، وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اور جو پیغمبر کی صحبت اور مجالس ذکر و عبادت میں ملتی ہے۔ باقی قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بناء پر اٹھ کر چلے گئے، سو یاد رکھو روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے۔ اس مالک کے غلام کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس تنبیہ و تادیب کے بعد صحابہؓ کی شان وہ تھی جو سورۃ "نور" میں ہے رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ (النور۔ ۳۷)۔ (تنبیہ) "لہو" کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو اللہ کی یاد سے مشغول کردے جیسے کھیل تماشہ۔ شاید اس نقارہ کی آواز کو "لہو" سے تعبیر فرمایا ہو۔

تم سورۃ الجمعۃ

اٰیاتھا ١١ | ٦٣ سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ ١٠٤ | رکوعاتھا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ
اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ﴿١﴾

١۔ جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا[١] اور اللہ جانتا ہے کہ تو اُس کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں[٢]

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢﴾

٢۔ انہوں نے رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر[٣] پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے یہ لوگ برے کام ہیں جو کر رہے ہیں[٤]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٣﴾

٣۔ یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر مہر لگ گئی اُنکے دل پر سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے[٥]

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا
تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ
يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ
فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٤﴾

٤۔ اور جب تو دیکھے اُنکو تو اچھے لگیں تجھ کو انکے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو اُنکی بات[٦] کیسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگا دی دیوار سے[٧] جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی[٨] وہی ہیں دشمن اُن سے بچتا رہ[٩] گردن مارے انکی اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں[١٠]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ

٥۔ اور جب کہیے اُنکو آؤ معاف کرا دے تم کو رسول اللہ کا مٹکاتے ہیں اپنے سر اور تو دیکھے کہ وہ رکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں[١١]

مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۵﴾

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ
لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى
الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۶﴾

٦۔ برابر ہے اُن پر تو معافی چاہے اُنکی یا نہ معافی چاہے ہر گز نہ معاف کرے گا اُنکو اللہ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو[۱۲]

هُمُ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰى مَنۡ عِنۡدَ
رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنۡفَضُّوۡا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۷﴾

۷۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں[۱۳] اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے و لیکن منافق نہیں سمجھتے[۱۴]

يَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ
الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَ
لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾ ع ١/٨ ١٣

۸۔ کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو اور زور تو اللہ کا ہے اور اُسکے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں جانتے[۱۵]

۱۔ یعنی ہم دل سے اعتقاد رکھتے ہیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رسول ہونے پر۔

۲۔ منافقین کے کذب پر اللہ کی گواہی: یعنی جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کو دل سے اعتقاد ہے۔ واقع میں وہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت کے قائل نہیں محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ پھر اسی ایک بات پر کیا منحصر ہے، جھوٹ بولنا ان کی امتیازی خصلت اور شعار بن چکا ہے۔ بات بات میں کذب و دروغ سے کام لیتے ہیں چنانچہ اسی سورۃ میں ایک واقعہ کا ذکر آیا چاہتا ہے جس میں انہوں نے صریح جھوٹ بولا، اور اللہ نے آسمان سے ان کی تکذیب کی۔

۳۔ منافقین کی جھوٹی قسمیں: یعنی جھوٹی قسمیں کھالیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے ان ہی قسموں کی آڑ پکڑتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا خوف ہوا۔ فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہو گئے۔

۴۔ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں: یعنی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت طعن و تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور لوگ ان کو بظاہر مسلمان دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں، تو ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر فساد ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ دوسروں تک

متعدی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر برا کام اور کیا ہو گا (لیکن ایک شخص جب تک بظاہر ضروریات دین کا اقرار کرتا ہے خواہ جھوٹ اور فریب ہی سے کیوں نہ ہو، اسلام اس کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔

۵۔ منافقین کے قلوب پر مہر: یعنی زبان سے ایمان لائے، دل سے منکر رہے اور مدعی ایمان ہو کر کافروں جیسے کام کئے اس بے ایمانی اور انتہائی فریب و دغا کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئ۔ جن میں ایمان و خیر اور حق و صداقت کے سرائت کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ اب اس حالت پر پہنچ کر ان سے سمجھنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں سے بالکل مسخ ہو جائے پھر نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت کہاں باقی رہیگی۔

۶۔ منافقین کا ظاہر و باطن: یعنی دل تو مسخ ہو چکے ہیں لیکن جسم دیکھو تو بہت ڈیل ڈول کے، چکنے چپڑے، بات کریں تو بہت فصاحت اور چرب زبانی سے، نہایت لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا ادھر متوجہ ہو۔ اور کلام کی ظاہری سطح دیکھ کر قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

از بروں چوں گور کافر پر خلل — واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید — واز درونت ننگ میدارد یزید

۷۔ دیوار سے لگی خشک لکڑی کی مثال: خشک اور بیکار لکڑی جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے محض بیجان اور لایعقل، دیکھنے میں کتنی موٹی، مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کے کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آسکتی ہے۔ یہ ہی حال ان لوگوں کا ہے۔ ان کے موٹے فربہ جسم، اور تن و توش سب ظاہری خول ہیں، اندر سے خالی اور بیجان، محض دوزخ کا ایندھن بننے کے لائق۔

۸۔ منافقین کی بزدلی: یعنی بزدل، نامرد ڈرپوک، ذرا کہیں شور و غل ہو تو دل دہل جائے۔ سمجھیں کہ ہم ہی پر کوئی بلا آئی۔ سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہر وقت ان کے دل میں دغدغہ لگا رہتا ہے کہ دیکھیے کہیں ہماری دغابازیوں کا پردہ تو چاک نہیں ہو گیا۔ یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔

۹۔ یعنی بڑے خطرناک دشمن یہ ہی ہیں ان کی چالوں سے ہشیار رہو۔

۱۰۔ یعنی ایمان کا اظہار کر کے یہ بے ایمانی، اور حق و صداقت کی روشنی آچکنے کے بعد یہ ظلمت پسندی کس قدر عجیب ہے۔

۱۱۔ توبہ سے اعراض اور تکبر: بعض دفعہ جب ان منافقوں کی کوئی شرارت صاف طور پر کھل جاتی اور کذب و خیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ (اب بھی وقت نہیں گیا، آؤ! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے اپنا قصور معاف کرا لو۔ حضور ﷺ کے استغفار کی برکت سے حق تعالیٰ تمہاری خطا معاف فرما دیگا، تو غرور و تکبر سے اس پر آمادہ نہ ہوتے اور بے پروائی سے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے۔ بلکہ بعض بدبخت صاف کہہ دیتے کہ ہم کو رسول اللہ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔

۱۲۔ ان منافقین کے لئے معافی نہیں: یعنی ممکن ہے آپ غایت رحمت و شفقت سے ان کے لئے بحالتِ موجودہ معافی طلب کریں۔ مگر اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کرنیوالا نہیں، اور نہ ایسے نافرمانوں کو اس کے ہاں سے ہدایت کی توفیق ملتی ہے۔ اس طرح کی ایک آیت سورۃ "براءۃ" میں آچکی ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔

۱۳۔ عبداللہ بن اُبّی کی شرارت: ایک سفر میں دو شخص لڑ پڑے ایک مہاجرین میں کا اور ایک انصار کا۔ دونوں نے اپنی حمایت کے لئے اپنی جماعت کو پکارا جس پر خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ یہ خبر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابیؓ کو پہنچی کہنے لگا اگر ہم ان مہاجرین، کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو ہم سے مقابلہ کیوں کرتے تم ہی خبر گیری کرتے ہو تو یہ لوگ رسول کے ساتھ جمع رہتے ہیں، خبر گیری چھوڑ دو، ابھی خرچ سے تنگ آکر متفرق

ہو جائیں، اور سب مجمع بچھڑ جائے۔ یہ بھی کہا کہ اس سفر سے واپس ہو کر ہم مدینہ پہنچیں تو جس کا اس شہر میں زور و اقتدار ہے چاہیئے ذلیل بے قدروں کو نکال دے (یعنی ہم جو معزز لوگ ہیں ذلیل مسلمانوں کو نکال دینگے) ایک صحابی زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سن کر حضرت ﷺ کے پاس نقل کر دیں۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن اُبّی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقمؓ نے ہماری دشمنی سے جھوٹ کہہ دیا ہے۔ لوگ زیدؓ پر آوازے کسنے لگے وہ بیچارے سخت محجوب اور نادم تھے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں حضور ﷺ نے زیدؓ کو فرمایا کہ اللہ نے تجھے سچا کیا۔

۱۴۔ زمین کے سارے خزانوں کا مالک اللہ ہے: یعنی احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان و زمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے کیا جو لوگ خالص اس کی رضا جوئی کے لئے اس کے پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں وہ ان کو بھوکوں مار دیگا، اور لوگ اگر ان کی امداد بند کر لینگے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے بند کر لیگا؟ سچ تو یہ ہے کہ جو بندے ان اللہ والوں پر خرچ کر رہے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہو تو نیک کام میں کوئی ایک پیسہ خرچ نہ کر سکے۔

۱۵۔ عزت اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کے لئے ہے: یعنی منافق یہ نہیں جانتے کہ زور آور اور عزت والا کون ہے۔ یاد رکھو اصلی اور ذاتی عزّت اللہ کی ہے۔ اس کے بعد اسی سے تعلق رکھنے کی بدولت درجہ بدرجہ رسول کی اور ایمان والوں کی۔ روایات میں ہے کہ عبداللہ بن اُبّی کے وہ الفاظ (کہ عزّت والا ذلیل کو نکال دے گا) جب اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ کو پہنچے (جو مخلص مسلمان تھے) تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ بولے جب تک اقرار نہ کریگا کہ رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے۔ زندہ نہ چھوڑونگا اور نہ مدینہ میں گھسنے دونگا۔ آخر اقرار کرا کر چھوڑا۔ رضی اللہ عنہ۔ منافقین کی توبیخ و تقبیح کے بعد آگے مؤمنین کو چند ہدایات کی گئی ہیں یعنی تم دنیا میں پھنس کر اللہ کی اطاعت اور آخرت کی یاد سے غافل نہ ہو جانا جس طرح یہ لوگ ہو گئے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾

۹۔ اے ایمان والو غافل نہ کر دیں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں[۱۶]

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ہوا اُس سے پہلے کہ آ پہنچے تم میں کسی کو موت تب کہے اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سے مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں

وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

۱۱۔ اور ہر گز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی جی کو جب آ پہنچا اُس کا وعدہ[۱۷] اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو[۱۸]

ع ۲ ۱۴

۱۶۔ مال و اولاد کی وجہ سے غفلت میں نہ پڑو: یعنی آدمی کے لئے بڑے خسارے اور ٹوٹے کی بات ہے کہ باقی کو چھوڑ کر فانی میں مشغول ہو اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنیٰ میں پھنس جائے مال و اولاد وہ ہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ کرے۔ اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں قلبی سکون و اطمینان نصیب نہ ہوا۔ وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا وَّ نَحۡشُرُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اَعۡمٰی (طٰہٰ۔ ۱۲۴)۔

۱۷۔ موت سے پہلے انفاق کر لو: یہ شاید منافقوں کے قول لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ الخ کا جواب ہوا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا بھلا ہے جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو، ورنہ موت سر پر آ پہنچی تو پچھتاؤ گے کہ ہم نے کیوں خدا کے راستہ میں خرچ نہ کیا۔ اس وقت (موت کے قریب) بخیل تمنا کریگا کہ اے پروردگار! چند روز اور میری موت کو ملتوی کر دیتے کہ میں خوب صدقہ خیرات کر کے اور نیک بن کر حاضر ہوتا۔ لیکن وہاں التوا کیسا؟ جس شخص کی جس قدر عمر لکھدی اور جو میعاد مقرر کر دی ہے، اسکے پورا ہو جانے پر ایک لمحہ کی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ) ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ اس تمنا کو قیامت کے دن پر حمل کرتے ہیں یعنی محشر میں یہ آرزو کریگا کہ کاش مجھے پھر دنیا کی طرف تھوڑی مدت کے لئے لوٹا دیا جائے تو خوب صدقہ کر کے اور نیک بن کر آؤں۔

۱۸۔ اس کو یہ بھی خبر ہے کہ اگر بالفرض تمہاری موت ملتوی کر دی جائے یا محشر سے پھر دنیا کی طرف واپس کریں تب تم کیسے عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے اور سب کے ظاہری و باطنی اعمال سے پوری طرح خبر دار ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔

تم سورۃ المنٰفقون

اٰیاتھا ۱۸ ۶۴ سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۸ رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾

۱۔ پاکی بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اُسی کا راج ہے اور اُسی کی تعریف ہے [۱] اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے

ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲﴾

۲۔ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایماندار [۲] اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾

۳۔ بنایا آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری پھر اچھی بنائی تمہاری صورت [۳] اور اُسی کی طرف سب کو پھر جانا ہے

یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ یَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴﴾

۴۔ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے جیوں کی بات

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۵﴾

۵۔ کیا پہنچی نہیں تم کو خبر اُن لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں پہلے پھر اُنہوں نے چکھی سزا اپنے کام کی اور اُن کو عذاب دردناک ہے [۴]

ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا وَّ اسۡتَغۡنَی اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۶﴾

۶۔ یہ اس لئے کہ لاتے تھے اُنکے پاس اُن کے سول نسانیاں پھر کتے کیا آدمی ہم کر راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا [۵] اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا [۶]

زَعَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ يُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰى وَ
رَبِّىۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۷﴾

۷۔ دعوٰی کرتے ہیں منکر کہ ہر گز اُنکو کوئی نہ اٹھائے گا[۷] تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بیشک اٹھانا ہے پھر تم کو جتلانا ہے جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے[۸]

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلۡنَا ؕ وَ
اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۸﴾

۸۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اُس نور پر جو ہم نے اتارا[۹] اور اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے[۱۰]

يَوۡمَ يَجۡمَعُكُمۡ لِيَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِكَ يَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ
وَ مَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ وَ يَعۡمَلۡ صَالِحًا يُّكَفِّرۡ عَنۡهُ
سَيِّاٰتِهٖ وَيُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۹﴾

۹۔ جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہار جیت کا[۱۱] اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا اتار دے گا اس پر سے اُسکی برائیاں[۱۲] اور داخل کرے گا اُسکو باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں ندیاں رہا کریں اُن میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی[۱۳]

وَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ
النَّارِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۰﴾ ع ۱ ۱۵

۱۰۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیتیں وہ لوگ ہیں دوزخ والے رہا کریں اُسی میں اور بری جگہ جا پہنچے

۱۔ اسی کا راج اور اسی کی تعریف: یعنی اور جس کسی کا راج دنیا میں دکھائی دیتا ہے وہ اسی کا دیا ہوا اور جس کسی کی تعریف کی جاتی ہے وہ حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔

۲۔ مسئلہ تقدیر اور اللہ کا علم و ارادہ: یعنی اسی نے سب آدمیوں کو بنایا۔ چاہیئے تھا کہ سب اس پر ایمان لاتے اور اس منعم حقیقی کی اطاعت کرتے۔ مگر ہوا یہ کہ بعض منکر بن گئے اور بعض ایماندار۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمی میں دونوں طرف جانے کی استعداد اور قوت رکھی تھی۔ مگر اوّلاً سب کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا تھا پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی اور ان دونوں کا علم اللہ کو ہمیشہ سے تھا کہ کون اپنے ارادہ اور اختیار سے کس طرف جائے گا۔ اور پھر اسی کے موافق سزا یا انعام و اکرام کا مستحق ہو گا۔ یہ ہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہو گا۔ اللہ کا علم محیط اس کو مستلزم نہیں کہ دنیا میں ارادہ و اختیار کی قوت باقی نہ رہے۔ یہ مسئلہ دقیق ہے اور ہم اس پر ایک مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

۳۔ انسان کی صورت سب سے بہتر: سب جانوروں سے انسان کی خلقت اچھی ہے۔ دیکھنے میں بھی خوبصورت، اور ملکات و قویٰ میں بھی تمام عالم سے ممتاز، بلکہ سب کا مجموعہ اور خلاصہ، اسی لئے صوفیہ اسے "عالم صغیر" کہتے ہیں۔

۴۔ یعنی تم سے پہلے بہت قومیں "عاد" و "ثمود" وغیرہ ہلاک کی گئیں اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ یہ خطاب اہل مکّہ کو ہے۔

۵۔ بشریت اور رسالت: یعنی کیا ہم ہی جیسے آدمی ہادی بنا کر بھیجے گئے۔ بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتے گویا ان کے نزدیک بشریت اور رسالت میں منافات تھی۔ اسی لئے انہوں نے کفر اختیار کیا اور رسولوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ (تنبیہ) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل و الحاد ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہدے کہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم کے بشر ہونے کا انکار کریں، تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہو گا۔

۶۔ یعنی اللہ کو کیا پرواہ تھی۔ انہوں نے منہ موڑ لیا تو اللہ نے ادھر سے نظر رحمت اٹھالی۔

۷۔ رسالت کی طرح بعث بعد الموت کا بھی انکار ہے۔

۸۔ دوبارہ زندہ کرنا اللہ کو آسان ہے: یعنی دوبارہ اٹھانا اور سب کا حساب کر دینا اللہ کو کیا مشکل ہے پوری طرح یقین رکھو کہ یہ ضرور ہو کر رہیگا۔ کسی کے انکار کرنے سے وہ آنے والی گھڑی ٹل نہیں سکتی۔ لہٰذا مناسب ہے کہ انکار چھوڑ کر اس وقت کی فکر کرو۔

۹۔ یعنی قرآن کریم پر۔

۱۰۔ یعنی ایمان کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیئے۔

۱۱۔ یعنی اس دن دوزخی ہارینگے اور جنتی جیتیں گے۔ ہارنا یہ ہی کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے رأس المال بھی کھو بیٹھے اور جیتنا یہ کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے آگے اسی کی کچھ تفصیل ہے۔

۱۲۔ یعنی جو تقصیرات ہوئی ہیں ایمان اور نیک کاموں کی برکت سے معاف کر دی جائیں گی۔

۱۳۔ جو جنت میں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔ اللہ کی رضا اور دیدار کا مقام بھی وہ ہی ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ نہیں پہنچتی کوئی تکلیف بدون حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر وہ راہ بتلائے اسکے دل کو[۱۴] اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے[۱۵]

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا کھول کر[۱۶]

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اللہ اُسکے سوائے کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہئے بھروسہ کریں ایمان والے[۱۷]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ
عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ
تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اے ایمان والو تمہاری بعض جورویں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے [۱۸] سو اُن سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگزرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان [۱۹]

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جانچنے کو اور اللہ جو ہے اُسکے پاس ہے ثواب بڑا [۲۰]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ
اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو [۲۱] اور خرچ کرو اپنے بھلے کو [۲۲] اور جسکو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے [۲۳]

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ
يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا وہ دونا کر دے تم کو اور تم کو بخشے [۲۴] اور اللہ قدردان ہے تحمل والا [۲۵]

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع ۲ / ۸ / ۱۶

۱۸۔ جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست حکمت والا [۲۶]

۱۴۔ کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی: دنیا میں کوئی مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں پہنچتی۔ مومن کو جب اس بات کا یقین ہے تو اس پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بہر صورت مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیئے اور یوں کہنا چاہیئے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اس طرح اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو صبر و تسلیم کی راہ بتلا دیتا ہے جس کے بعد عرفان و ایقان کی عجیب و غریب راہیں کھلتی ہیں۔ اور باطنی ترقیات اور قلبی کیفیات کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔"

۱۵۔ یعنی جو تکلیف و مصیبت اس نے بھیجی عین علم و حکمت سے بھیجی۔ اور وہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کی راہ پر چلا۔ اور کس کا دل کن احوال و کیفیات کا مورد بننے کے قابل ہے۔

۱۶۔ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو: یعنی نرمی و سختی اور تکلیف و راحت، غرض ہر حالت میں اللہ و رسول کا حکم مانو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خود

تمہارا ہی نقصان ہے۔ رسول سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر چکا۔ اللہ کو تمہاری طاعت و معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

۱۷۔ یعنی معبود اور مستعان تنہا اسی کی ذات ہے۔ نہ کسی اور کی بندگی نہ کوئی دوسرا بھروسہ کے لائق۔

۱۸۔ بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں: بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضاجوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتی۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو اہل و عیال اتنے بڑے خسارے اور نقصان کا سبب بنیں۔ وہ حقیقۃً اس کے دوست نہیں کہلا سکتے بلکہ بدترین دشمن ہیں۔ جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ ان کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہے۔ بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں، اور کتنی ہی سعادتمند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے باقیات صالحات بنتی ہے۔ جعلنا اللہ منھم بفضلہ ومنہ۔

۱۹۔ عفو درگذر کی تعلیم: یعنی اگر انہوں نے تمہارے ساتھ دشمنی کی اور تم کو دینی یا دنیوی نقصان پہنچ گیا تو اس کا اثر یہ نہ ہونا چاہیئے کہ تم انتقام کے درپے ہو جاؤ۔ اور ان پر نامناسب سختی شروع کر دو۔ ایسا کرنے سے دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جہاں تک عقلاً و شرعاً گنجائش ہو ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں کو معاف کرو اور عفو درگذر سے کام لو۔ ان مکارم اخلاق پر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔

۲۰۔ مال و اولاد امتحان ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ مال و اولاد دے کر تم کو جانچتا ہے کہ کون ان فانی و زائل چیزوں میں پھنس کر آخرت کی باقی و دائم نعمتوں کو فراموش کرتا ہے اور کس نے ان سامانوں کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اور وہاں کے اجر عظیم کو یہاں کے حظوظ و مالوفات پر ترجیح دی ہے۔

۲۱۔ امتحان میں کامیابی پر اجرِ عظیم: یعنی اللہ سے ڈر کر جہاں تک ہو سکے اس جانچ میں ثابت قدم رہو اور اس کی بات سنو اور مانو۔

۲۲۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہو گا۔

۲۳۔ یعنی مراد کو وہ ہی شخص پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لالچ سے بچا دے اور حرص و بخل سے محفوظ رکھے۔

۲۴۔ اللہ کو قرض حسنہ: یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے طیب مال خرچ کرو تو اللہ اس سے کہیں زیادہ دیگا اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا۔ اس طرح کا مضمون پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے۔ وہیں ہم نے پوری تقریر کی ہے۔

۲۵۔ تھوڑے عمل پر دوگنا ثواب: قدردانی کی بات یہ ہے کہ تھوڑے عمل پر بہت سا ثواب دیتا ہے، اور تحمل یہ کہ گناہ دیکھ کر فوراً عذاب نہیں بھیجتا۔ پھر بہت سے مجرموں کو بالکل معاف اور بہتیروں کی سزا میں تخفیف کرتا ہے۔

۲۶۔ یعنی اسی کو ظاہری اعمال اور باطنی نیتوں کی خبر ہے اپنی زبردست قوت اور حکمت سے اس کے مناسب بدلہ دیگا۔

تم سورۃ التغابن وللہ الحمد والمنہ

اٰیاتها ۱۲ ۶۵ سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ۹۹ رکوعاتها ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ
لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمۡ ۚ لَا
تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِهِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ
یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَ
مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ لَا
تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا ﴿۱﴾

۱۔ اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو انکو طلاق دو اُنکی عدت پر [۱] اور گنتے رہو عدت کو [۲] اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا مت نکالو اُنکو اُنکے گھروں سے [۳] اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی [۴] اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے تو اُس نے برا کیا اپنا [۵] اُسکو خبر نہیں [۶] شاید اللہ پیدا کر دے اُس طلاق کے بعد نئی صورت [۷]

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ
فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ
مِّنۡكُمۡ وَ اَقِیۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ یُوۡعَظُ بِهٖ
مَنۡ كَانَ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۬ؕ وَ مَنۡ
یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ﴿۲﴾ۙ

۲۔ پھر جب پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو اُنکو دستور کے موافق یا چھوڑ دو اُنکو دستور کے موافق [۸] اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے [۹] اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے [۱۰] یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائے گا جو کوئی یقین رکھتا ہو گا اللہ پر اور پچھلے دن پر [۱۱] اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اُس کا گذارہ [۱۲]

وَّ یَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَكَّلۡ
عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ

۳۔ اور روزی دے اُسکو جہاں سے اُسکو خیال بھی نہ ہو [۱۳] اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اُسکو کافی ہے تحقیق اللہ پورا کر لیتا ہے اپنا کام اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا

جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾

اندازہ[١٤]

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ
ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ
وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ
مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴿٤﴾

٤۔ اور جو عورتیں ناامید ہو گئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو اُنکی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا[١٥] اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے اُنکی عدت یہ کہ جن لیں پیٹ کا بچہ[١٦] اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے کر دے وہ اُس کے کام میں آسانی

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ
يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ﴿٥﴾

٥۔ یہ حکم ہے اللہ کا جو اتارا تمہاری طرف اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے اتار دے اس پر سے اسکی برائیاں اور بڑا دے اُسکو ثواب[١٧]

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا
تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ
حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ
فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا
بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ
اُخْرٰى ؕ ﴿٦﴾

٦۔ اُنکو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق[١٨] اور ایذا دینا نہ چاہو اُنکو تا کہ تنگ پکڑو اُنکو[١٩] اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ تو اُن پر خرچ کرو جب تک جنیں پیٹ کا بچہ[٢٠] پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو دو اُنکو اُن کا بدلا اور سکھاؤ آپس میں نیکی[٢١] اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اُسکی خاطر اور کوئی عورت[٢٢]

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ
رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ
نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ

٧۔ چاہیے خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق اور جسکو نپی تلی ملتی ہے اُسکی روزی تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اُسکو اللہ نے اللہ کسی پر تکلیف نہیں رکھتا مگر اُسی قدر جو اُسکو دیا اب کر دے گا اللہ سختی کے پیچھے کچھ آسانی[٢٣]

ع ۱۷

يُّسْرًا ﴿٧﴾

۱۔ طلاق دینے کا صحیح طریقہ: نبی کو مخاطب بنا کر یہ ساری امت سے خطاب ہے یعنی جب کوئی شخص (کسی ضرورت اور مجبوری سے) اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو چاہیئے کہ عدت پر طلاق دے۔ سورہ "بقرہ" میں آ چکا کہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں (کما ہو مذہب الحنفیہ) لہٰذا حیض سے پہلے حالت طہر میں طلاق دینا چاہیئے تا سارا حیض گنتی میں آئے اگر فرض کیجئے حالت حیض میں طلاق دیگا تو دو حال سے خالی نہیں۔ جس حیض میں طلاق دی ہے اس کو عدت میں شمار کریں گے یا نہ کریں گے۔ پہلی صورت میں ایقاع طلاق سے پہلے جس قدر وقت حیض کا گذر چکا وہ عدت میں سے کم ہو جائے گا۔ اور پورے تین حیض عدت کے باقی رہیں گے۔ اور دوسری صورت میں جب موجودہ حیض کے علاوہ تین حیض لیں گے تو یہ حیض تین سے زائد ہوگا۔ طُہر میں طلاق دو: اس لئے مشروع طریقہ یہ ہے کہ طُہر میں طلاق دی جائے۔ اور حدیث سے یہ قید بھی ثابت ہے کہ اُس طہر میں صحبت نہ کی ہو۔

۲۔ عدّت کو نہ بھولو: یعنی مرد عورت دونوں کو چاہیئے کہ عدت کو یاد رکھیں۔ کہیں غفلت و سہو کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی اور گڑ بڑ نہ ہو جائے۔ نیز طلاق ایسی طرح دیں کہ ایام عدت کی گنتی میں کمی بیشی لازم نہ آئے۔ جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں بتلایا جا چکا ہے۔

۳۔ مطلقہ کو گھر سے نہ نکالو: یعنی اللہ سے ڈر کر احکام شریعت کی پابندی رکھنی چاہیئے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے اور تین طلاقیں ایک دم نہ ڈالی جائیں اور مطلقہ عورت کو اس کے رہنے کے گھر سے نہ نکالا جائے۔ وغیر ذٰلک۔

۴۔ بے وجہ گھر سے نہ نکلیں: یعنی عورتیں خود بھی اپنی مرضی سے نہ نکلیں۔ کیونکہ یہ سکنٰی محض حق العبد نہیں کہ اس کی رضاء سے ساقط ہو جائے بلکہ حق الشرع ہے، ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں یا بقول بعض علماء زبان درازی کریں اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو نکالنا جائز ہے اور اگر بے وجہ نکلیں گی تو یہ خود صریح بے حیائی کا کام ہوگا۔

۵۔ ان حدود سے تجاوز نہ کرو: یعنی گنہگار ہو کر اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ہوا۔

۶۔ یعنی لَا تَدْرِیْ کا ترجمہ "اس کو خبر نہیں" بصیغہ غائب کیا ہے۔ تا معلوم ہو جائے کہ خطاب اسی طلاق دینے والے کو ہے۔ نبی کریم ﷺ کو نہیں۔

۷۔ یعنی شاید پھر دونوں میں صلح ہو جائے اور طلاق پر ندامت ہو۔

۸۔ عدّت ختم ہونے کے بعد کا طریقہ: یعنی طلاق رجعی میں جب عدت ختم ہونے کو آئے تو تم کو دو باتوں میں ایک کا اختیار ہے۔ یا عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دستور کے موافق رجعت کر کے اپنے نکاح میں رہنے دو یا عدت منقضی ہونے پر معقول طریقہ سے اس کو جدا کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ رکھنا ہو تب اور الگ کرنا ہو تب، ہر حالت میں آدمیت اور شرافت کا برتاؤ کرو۔ یہ بات مت کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو اور خواہ مخواہ بطویل عدت کے لئے رجعت کر لیا کرو۔ یا رکھنے کی صورت میں اسے ایذا پہنچاؤ اور طعن و تشنیع کرو۔

۹۔ رجوع کے وقت دو گواہ: یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے اگر نکاح میں رکھنا چاہے تو رجعت پر دو گواہ کرے تا لوگوں میں متہم نہ ہو۔

۱۰۔ یعنی یہ گواہوں کی ہدایت ہے کہ شہادت کے وقت ٹیڑھی ترچھی بات نہ کریں، سچی اور سیدھی بات کہنی چاہیئے۔

۱۱۔ نکاح و طلاق کے جامع اصول: زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر بہت ظلم ہوتا تھا۔ ان کو گائے بھینس یا نہایت ذلیل و مجبور قیدیوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بعض لوگ عورت کو سو سو مرتبہ طلاق دیتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔ قرآن نے جابجا ان وحشیانہ مظالم اور بے رحمیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اور نکاح کے حقوق و حدود پر نہایت صاف روشنی ڈالی۔ بالخصوص اس سورت میں منجملہ دوسری حکیمانہ

ہدایات و نصائح کے ایک نہایت ہی جامع مانع اور ہمہ گیر اصول فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کو رکھو تو معقول طریقہ سے رکھو۔ اور چھوڑو تب بھی معقول طریقہ سے چھوڑو لیکن ان زریں نصیحتوں سے منتفع وہ ہی شخص ہو سکتا ہے جس کو خدا اور یوم آخرت پر یقین ہو۔ کیونکہ یہ ہی یقین انسان کے دل میں اللہ کا ڈر پیدا کرتا ہے۔ اور اس ڈر سے آدمی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جس طرح ایک کمزور عورت بخت و اتفاق سے ہمارے قبضہ و اقتدار میں آگئی ہے، ہم سب بھی کسی قہار ہستی کے قبضہ و اقتدار میں ہیں۔ یہ ہی ایک خیال ہے جو آدمی کو ہر حالت میں ظلم و تعدی سے روک سکتا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ابھارتا ہے۔ اسی لئے سورۃ ہذا میں خصوصی طور پر اتقاء (پرہیز گاری اور خدا کے خوف) پر بہت زور دیا گیا ہے۔

۱۲۔ یعنی اللہ سے ڈر کر اس کے احکام کی بہر حال تعمیل کرو۔ خواہ کتنی ہی مشکلات و شدائد کا سامنا کرنا پڑے۔ حق تعالیٰ تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیگا۔ اور سختیوں میں بھی گزارہ کا سامان کر دے گا۔

۱۳۔ **اللہ کا ڈر تمام خزانوں کی کنجی ہے:** اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، بے قیاس و گمان روزی ملتی ہے گناہ معاف ہوتے ہیں، جنت ہاتھ آتی ہے اجر بڑھتا ہے اور ایک عجیب قلبی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی سختی، سختی نہیں رہتی، اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کافور ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اگر تمام دنیا کے لوگ اس آیت کو پکڑ لیں تو ان کو کافی ہو جائے۔

۱۴۔ یعنی اللہ پر بھروسہ رکھو، محض اسباب پر تکیہ مت کرو۔ اللہ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں۔ جو کام اسے کرنا ہو، وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اسباب بھی اسی کی مشیت کے تابع ہیں۔ ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ ہے۔ اسی کے موافق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر ہو تو متوکل کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔

۱۵۔ **بوڑھی عورتوں کی عدّت:** یعنی مطلقہ کی عدت قرآن نے تین حیض بتلائی (کمافی سورۃ البقرۃ) اگر شبہ رہا ہو کہ جس کو حیض نہیں آیا یا بڑی عمر کے سبب موقوف ہوا، اس کی عدت کیا ہوگی تو بتلا دی کہ تین مہینے ہیں۔

۱۶۔ **حاملہ کی عدّت:** جمہور کے نزدیک حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے خواہ ایک منٹ کے بعد ہو جائے یا کتنی ہی طویل مدت کے بعد ہو۔ اس میں مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا دونوں کا ایک حکم ہے۔ کما ہو مصرح فی الاحادیث۔

۱۷۔ جملہ جملہ کے بعد اتقاء اور اللہ کے ڈر کا مضمون مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تا پڑھنے والا بار بار متنبہ ہو کہ عورتوں کے معاملات میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

۱۸۔ **مرد کے ذمے سکنٰی و نفقہ:** مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے (اس کو سکنٰی کہتے ہیں) اور جب سکنٰی واجب ہے تو نفقہ بھی اس کے ذمہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اسی کی وجہ سے مکان میں مقید و محبوس رہے گی۔ قرآن کریم کے الفاظ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ اس کو اپنے مقدور اور حیثیت کے موافق اپنے گھر میں رکھو۔ ظاہر ہے کہ مقدور کے موافق رکھنا اس کو بھی متضمن ہے کہ اس کے کھانے کپڑے کا مناسب بندوبست کرے۔ چنانچہ مصحف ابن مسعودؓ میں یہ آیت اس طرح تھی اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ مِنْ وُّجْدِكُمْ حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سکنٰی اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے۔ رجعیہ کی قید نہیں کیونکہ پہلے سے جو بیان چلا آتا ہے مثلاً آئسہ۔ صغیرہ اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پھر اس میں بلاوجہ کیوں تخصیص کی جائے۔ رہی فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھے سکنٰی اور نفقہ نہیں دلایا۔ اوّل تو اس حدیث میں فاروق اعظمؓ، عائشہ صدیقہؓ اور

دوسرے صحابہؓ و تابعین نے انکار فرمایا۔ بلکہ فاروق اعظمؓ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا، معلوم ہوا کہ فاروق اعظمؓ کتاب اللہ سے یہ ہی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ و سکنٰی واجب ہے اور اس کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت بھی ان کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ طحاوی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں۔ جن میں حضرت عمرؓ نے تصریحًا بیان کیا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا۔ اور دار قطنی میں جابرؓ کی ایک حدیث بھی اس بارہ میں صریح ہے۔ گو اُس کے بعد بعض رواۃ میں اور رفع و وقف میں کلام کیا گیا ہے۔

فاطمہ بنتِ قیس کا واقعہ: دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کے لئے سکنٰی اس لئے تجویز نہ کیا ہو کہ یہ اپنے سسرال والوں سے زبان درازی اور سخت کلامی کرتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے حکم دیدیا کہ ان کے گھر سے چلی جائے۔ پھر جب سکنٰی نہ رہا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا۔ جیسے ناشزہ کا (جو شوہر کی نافرمانی کر کے گھر سے نکل جائے) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، تاوقتیکہ گھر واپس نہ آئے (نبّہ علیہ ابو بکر الرازیؒ فی احکام القرآن) نیز جامع ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو کھانے پینے کے لئے غلہ دیا گیا تھا اس نے اس مقدار سے زائد کا مطالبہ کیا جو منظور نہ ہوا۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ حضور ﷺ نے اس سے زائد نفقہ تجویز نہیں فرمایا جو مرد کی طرف سے دیا جارہا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہاں یہ یاد رہے کہ نسائی، طبرانی، اور مسند احمدؒ کی بعض روایات میں فاطمہ بنت قیس نے حضور ﷺ کا صریح ارشاد نقل کیا ہے کہ سکنٰی اور نفقہ صرف اس مطلقہ کے لئے ہے جس سے رجعت کا امکان ہو۔ ان روایات کی سندیں زیادہ قوی نہیں۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس پر بحث کی ہے فلیراجع۔

۱۹۔ مرد کے ذمے سکنٰی و نفقہ: یعنی ستاؤ نہیں۔ کہ وہ تنگ آکر نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔

۲۰۔ حاملہ کا نفقہ: حمل کی مدت کبھی بہت طویل ہو جاتی ہے اس کو خصوصیت سے بتلا دیا کہ خواہ کتنی ہی طویل ہو وضع حمل تک اس کو نفقہ دینا ہو گا یہ نہیں کہ مثلاً تین مہینے نفقہ دے کر بند کر لو۔

۲۱۔ مطلقہ کو رضاعت کی اجرت: یعنی وضع حمل کے بعد اگر عورت تمہاری خاطر بچہ کو دودھ پلائے تو جو اجرت کسی دوسری انّا کو دیتے وہ اس کو دیجائے۔ اور معقول طریقہ سے دستور کے موافق باہم مشورہ کر کے قرارداد کر لیں خواہ مخواہ ضد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کا برتاؤ رکھیں نہ عورت دودھ پلانے سے انکار کرے نہ مرد اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے پلوائے۔

۲۲۔ یعنی اگر آپس کی ضد اور تکرار سے عورت دودھ پلانے پر راضی نہ ہو تو کچھ اس پر موقوف نہیں کوئی دوسری عورت دودھ پلانیوالی مل جائیگی۔ اس کو اتنا گھمنڈ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر مرد خواہ مخواہ بچہ کو اس کی ماں سے دودھ پلوانا نہیں چاہتا تو بہر حال کوئی دوسری عورت دودھ پلانے کو آئے گی آخر اس کو بھی کچھ دینا پڑیگا۔ پھر وہ بچہ کی ماں ہی کو کیوں نہ دے۔

۲۳۔ بچہ کی تربیت و تعلیم کا خرچ باپ کے ذمے: یعنی بچہ کی تربیت کا خرچ باپ پر ہے۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے مناسب خرچ کرنا چاہیئے۔ اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو محض نپی تلی روزی اللہ نے دی ہو، وہ اسی میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کیا کرے۔ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب تنگی کی حالت میں اس کے حکم کے موافق خرچ کرو گے، وہ تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دیگا۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا

۸۔ اور کتنی بستیاں کہ نکل چلیں حکم سے اپنے رب کے اور اُسکے رسولوں کے پھر ہم نے حساب میں پکڑا اُنکو سخت حساب میں اور آفت ڈالی اُن پر بن دیکھی آفت[۲۴]

نُكْرًا ﴿٨﴾

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا
خُسْرًا ﴿٩﴾

٩۔ پھر چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور آخر کو اُنکے کام میں ٹوٹا آگیا[٢٥]

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي
الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ
ذِكْرًا ۙ﴿١٠﴾

١٠۔ تیار رکھا ہے اللہ نے واسطے اُنکے سخت عذاب[٢٦] سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو جنکو یقین ہے[٢٧] بیشک اللہ نے اتاری ہے تم پر نصیحت[٢٨]

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ
اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿١١﴾

١١۔ رسول ہے جو پڑھ کر سناتا ہے تم کو اللہ کی آیتیں کھول کر سنانے والی[٢٩] تا کہ نکالے اُن لوگوں کو جو کہ یقین لائے اور کئے بھلے کام اندھیروں سے اجالے میں[٣٠] اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کچھ بھلائی اُسکو داخل کرے باغوں میں نیچے بہتی ہیں جنکے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ البتہ خوب دی اللہ نے اُسکو روزی[٣١]

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ
مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ۬ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾ ع ٢ ٥ ١٨

١٢۔ اللہ وہی ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی[٣٢] اترتا ہے اُس کا حکم اُنکے اندر[٣٣] تا کہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سمائی ہے ہر چیز کی[٣٤]

۲۴۔ عورتوں کے حقوق کی اہمیت: یعنی احکام شریعت کی (خصوصاً عورتوں کے بارے میں) پوری پابندی رکھو۔ اگر نافرمانی کرو گے تو یاد رہے کہ کتنی ہی بستیاں اللہ ورسول کی نافرمانی کی پاداش میں تباہ کی جاچکی ہیں جس وقت وہ لوگ تکبر کر کے حد سے نکل گئے ہم نے ان کا جائزہ لیا اور سختی سے لیا کہ ایک عمل کو بھی معاف نہیں کیا۔ پھر ان کو ایسی نرالی آفت میں پھنسایا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

۲۵۔ یعنی عمر بھر جو سودا کیا تھا آخر اس میں سخت خسارہ اٹھایا اور جو پونجی تھی سب کھو کر رہے۔

۲۶۔ پہلے دنیوی عذاب کا ذکر تھا۔ یہ اخروی عذاب بیان ہوا۔

۲۷۔ یعنی یہ عبرتناک واقعات سن کر ایمانداروں کو ڈرتے رہنا چاہیئے کہیں ہم سے ایسی بے اعتدالی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آجائیں۔ العیاذ باللہ۔

۲۸۔ یعنی قرآن، یا "ذکر" بمعنی "ذاکر" ہو تو خود رسول مراد ہونگے۔

۲۹۔ یعنی صاف آیتیں جن میں اللہ کے احکام کھول کھول کر سنائے گئے ہیں۔

۳۰۔ یعنی کفر و جہل کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور علم و عمل کے اجالے میں لے آئے۔

۳۱۔ جنت سے زیادہ بہتر روزی کہاں ملے گی۔

۳۲۔ سات زمینوں کی تخلیق: یعنی زمینیں بھی سات پیدا کیں، جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی احادیث میں ہے۔ ان میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں، اور احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں۔ مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ مریخ وغیرہ کی نسبت آج کل حکماء یورپ کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ دریا اور آبادیاں ہیں۔ باقی حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے وہ شاید باعتبار بعض حالات کے ہو۔ اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے فوق ہو جاتی ہوں۔ رہا ابن عباسؓ کا وہ اثر جس میں ادمهم کادمکم وغیرہ آیا ہے، اس کی شرح کا یہ موقع نہیں۔ "روح المعانی" میں اس پر بقدر کفایت کلام کیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے بعض رسائل میں اس کے بعض اطراف وجوانب کو بہت خوبی سے صاف کر دیا گیا ہے۔

۳۳۔ یعنی عالم کے انتظام و تدبیر کے لئے اللہ کے احکام تکوینیہ و تشریعیہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر اترتے رہتے ہیں۔

۳۴۔ اللہ کی صفات علم و قدرت: یعنی آسمان و زمین کے پیدا کرنے اور ان میں انتظامی احکام جاری کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات علم و قدرت کا اظہار ہو (نبّہ علیہ ابن قیم فی بدائع الفوائد) بقیہ صفات ان ہی دو صفتوں سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھتی ہیں۔ صوفیہ کے ہاں جو ایک حدیث نقل کرتے ہیں کُنْتُ کنزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ گو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ مگر اس کا مضمون شاید اس آیت کے مضمون سے ماخوذ و مستفاد ہو۔ واللہ اعلم۔

تم سورۃ الطلاق وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتها ١٢ ٦٦ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ ١٠٧ رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ
مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١﴾

١۔ [١] اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی [٢] اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان [٣]

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ
مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾

٢۔ مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا اور اللہ مالک ہے تمہارا اور وہی ہے سب کچھ جانتا حکمت والا [٤]

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا
نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ
اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ
اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٣﴾

٣۔ اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات پھر جب اُس نے خبر کر دی اُسکی اور اللہ نے جتلا دی نبی کو وہ بات تو جتلائی نبی نے اُس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ پھر جب وہ جتلائی عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتلا دی یہ کہا مجھ کو بتایا اُس خبر والے واقف نے [٥]

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ
تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿٤﴾

٤۔ اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے [٦] اور اگر تم دونوں چڑھائی کرو گی اُس پر تو اللہ ہے اُس کا رفیق اور جبرئیل اور نیک بخت ایمان والے اور فرشتے اسکے پیچھے مددگار ہیں [٧]

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا
مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ

٥۔ اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو ابھی اُس کا رب بدلے میں دیدے اُسکو عورتیں تم سے بہتر حکم بردار یقین رکھنے والیاں نماز میں کھڑی ہونے والیاں توبہ کرنے والیاں

عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝۵

بندگی بجا لانے والیاں روزہ رکھنے والیاں بیاہیاں اور کنواریاں[8]

۱۔ ازواجِ مطہرات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کا واقعہ: سورۃ "احزاب" کے فوائد میں گزر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات عنایت فرمائیں اور لوگ آسودہ ہو گئے تو ازواج مطہرات کو بھی خیال آیا کہ ہم کیوں آسودہ نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مل کو حضور ﷺ سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ شروع کیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے وَهُنَّ حَوْلِيْ يَطْلُبْنَنِي النَّفَقَةَ اور بخاری کے ابواب المناقب میں ہے وحولہ نسوۃ یکلمنہ ویستکثرنہ اس پر ابو بکرؓ نے عائشہؓ کو اور عمرؓ نے حفصہؓ کو ڈانٹ بتلائی۔ آخر ازواج نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم آپ ﷺ سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ ﷺ کے پاس نہیں ہے۔ پھر بھی رفتار واقعات کی ایسی رہی جس سے آپ ﷺ کو ایک ماہ کے لئے ازواج سے "ایلا" کرنا پڑا۔ تا آنکہ آیۂ تخییر نے جو "احزاب" میں ہے نازل ہو کر اس قصہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس درمیان میں کچھ واقعات اور بھی پیش آئے۔ جس سے حضور ﷺ کی طبع مبارک پر گرانی ہوئی۔ اصل یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو جو محبت اور تعلق حضور ﷺ کے ساتھ تھا اس نے قدرتی طور پر آپس میں ایک طرح کی کشمکش پیدا کر دی تھی۔ ہر ایک زوجہ کی تمنا اور کوشش تھی کہ وہ زائد از زائد حضور ﷺ کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات و فیوض سے متمتع ہو۔ مرد کے لئے یہ موقع تحمل و تدبر اور خوش اخلاقی کے امتحان کا نازک ترین موقع ہوتا ہے۔ مگر اس نازک موقع پر بھی حضور ﷺ کی ثابت قدمی ویسی ہی غیر متزلزل ثابت ہوئی جس کی توقع سید الانبیاء ﷺ کی پاک سیرت سے ہو سکتی تھی۔ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کیلئے تشریف لے جاتے۔ ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا تھا اس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا پھر کئی روز یہ معمول رہا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کو تدبیر کی کہ آپ ﷺ وہاں شہد پینا چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینبؓ کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ پھر نہیں پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینبؓ کو اس کی اطلاع ہو گی تو خواہ مخواہ دلگیر ہو نگی۔ حفّصہ کو منع کر دیا کہ اسکی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ اسی طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہؓ کے متعلق (جو آپ ﷺ کے حرم سے تھی جن کے بطن سے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے) پیش آیا، اس میں آپ ﷺ نے ازواج کی خاطر قسم کھالی کہ ماریہؓ کے پاس نہ جاؤنگا۔ یہ بات آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے کہی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ دوسروں کے سامنے اظہار نہ ہو۔ حضرت حفصہؓ نے ان واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہؓ کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا۔ آپ ﷺ نے حفصہؓ کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہؓ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا تھا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا۔ شاید عائشہؓ کی طرف خیال گیا ہو گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ یعنی حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی۔ ان ہی واقعات کے سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

۲۔ اے رسول حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرو: حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدۃً حلال و مباح سمجھتے ہوئے عہد کر لیا تھا کہ آئندہ اس کو استعمال نہ کرونگا۔ ایسا کرنا اگر کسی مصلحت صحیحہ کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے۔ مگر حضور ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کے لئے اس طرح کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ امت کے حق میں تنگی کا موجب ہو۔ اس لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ازواج کے ساتھ بیشک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے۔ مگر اس حد تک ضرورت نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اٹھائیں۔

۳۔ کہ گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ اور آپ ﷺ سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا۔ محض اپنے درجہ میں ایک خلف اولیٰ بات ہوئی۔

۴۔ قسموں کا کفارہ: یعنی اس مالک نے اپنے علم و حکمت سے تمہارے لئے مناسب احکام و ہدایات بھیجے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نامناسب چیز پر قسم کھالے تو کفارہ دیکر (جس کا ذکر سورۃ مائدہ میں آچکا) اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اب جو کوئی اپنے مال کو کہے یہ مجھ پر حرام ہے تو قسم ہو گئی۔ کفارہ دے، تو اس کو کام میں لائے، کھانا ہو یا کپڑا یا لونڈی" (وہذا ما علیہ الحنفیہ)۔

۵۔ حضرت حفصہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا افشاء: شروع سورت میں ہم شہد کا اور ماریہ قبطیہؓ کا قصہ لکھ چکے ہیں۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ بندے ایک بات کو چھپانے کی کتنی ہی کوشش کریں، اللہ جب ظاہر کرنا چاہے تو ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی۔ نیز نبی کریم ﷺ کے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ آپ خلاف طبع کارروائیوں پر کس قدر تساہل اور اغماض برتتے اور کس طرح از راہ عفو و کرم بعض باتوں کو ٹلا جاتے تھے۔ گویا شکایت کے موقع پر بھی پورا الزام نہ دیتے تھے۔ "موضح القرآن" میں ہے کہ بعض کہتے ہیں "اس حرم (ماریہ قبطیہؓ) کا موقوف کرنا آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے کہا اور کسی کو خبر کرنے سے منع کیا۔ اور اس کے ساتھ کچھ اور بات بھی کہی تھی انہوں نے حضرت عائشہؓ کو سب خبر کر دی۔ کیونکہ دونوں باتوں میں دونوں کا مطلب تھا۔ پھر وحی سے معلوم کر کے حضرت ﷺ نے بی بی حفصہؓ کو حرم کی بات کا الزام دیا اور دوسری بات ذکر میں نہ لائے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ شاید یہ تھی کہ تیرا باپ عائشہؓ کے باپ کے بعد خلیفہ ہو گا۔ الغیب عند اللہ۔ جو بات اللہ اور رسول نے ٹلا دی ہم کیا جانیں۔ اسی واسطے ٹلا دی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہو۔ تا اور لوگ برا نہ مانیں"۔ یہ مضمون خلافت کا بعض ضعیف روایات میں آیا ہے جسے بعض علماء شیعہ نے بھی تسلیم کیا۔

۶۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو توبہ کی تاکید: یہ عائشہؓ و حفصہؓ کو خطاب ہے کہ اگر تم توبہ کرتی ہو تو بیشک توبہ کا موقع ہے کیونکہ تمہارے دل جادہ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کو جھک گئے ہیں۔ لہٰذا آئندہ ایسی بے اعتدالیوں سے پرہیز رکھا جائے۔

۷۔ ان دونوں ازواج کو تنبیہ: زوجین کے خانگی معاملات بعض اوقات ابتداءً بہت معمولی اور حقیر نظر آتے ہیں لیکن اگر ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی اور خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرما دیا کہ دیکھو اگر تم دونوں اسی طرح کی کاروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو یاد رکھو ان سے پیغمبر ﷺ کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی ہاں تم کو نقصان پہنچ جانے کا امکان ہے۔ (تنبیہ) بعض سلف نے صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ کی تفسیر میں ابو بکرؓ و عمرؓ کا نام لیا ہے۔ شاید یہ عائشہؓ اور حفصہؓ کی مناسبت سے ہو گا۔ واللہ اعلم۔

۸۔ یعنی یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لئے ناگزیر ہماری سب باتیں سہی جائیں گی۔ یاد رکھو! اللہ چاہے تو تم سے بھی بہتر بیبیاں اپنے نبی ﷺ کے لئے پیدا کر دے۔ اس کے ہاں کس چیز کی کمی ہے۔ (تنبیہ) ثَيِّبٰتٍ (بیوائیں) کا ذکر شاید اس لئے کیا کہ بعض حیثیات سے آدمی ان کو ابکار پر ترجیح دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾

۶۔ اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے جسکی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر [۹] اُس پر مقرر ہیں فرشتے تند خو زبردست [۱۰] نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے اُنکو اور وہی کام کرتے ہیں جو اُنکو حکم ہو [۱۱]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَعۡتَذِرُوا الۡيَوۡمَ ؕ اِنَّمَا
تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷﴾ ع ۱۹

۷۔ اے منکر ہونے والو مت بہانے بتلاؤ آج کے دن وہی بدلا پاؤ گے جو تم کرتے تھے [۱۲]

۹۔ اپنے گھر والوں کو حق کی تعلیم و تبلیغ: ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی دین کی راہ پر لائے سمجھا کر، ڈرا کر، پیار سے، مار سے، جس طرح ہو سکے دیندار بنانے کی کوشش کرے۔ اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کمبختی، یہ بے قصور ہے وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ کی تفسیر پارہ "الم" کے شروع میں گذر چکی۔

۱۰۔ یعنی مجرموں کو نہ رحم کھا کر چھوڑیں نہ ان کی زبردست گرفت سے کوئی چھوٹ کر بھاگ سکے۔

۱۱۔ یعنی نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اسکے احکام بجالانے میں سستی اور دیر ہوتی ہے نہ امتثال حکم سے عاجز ہیں۔

۱۲۔ آخرت میں کوئی حیلہ بہانہ نہیں چلے گا: یعنی قیامت کے دن جب جہنم کا عذاب سامنے ہو گا، اس وقت منکروں سے کہا جائے گا کہ حیلے بہانے مت بتلاؤ۔ آج کوئی بہانہ چلنے والا نہیں بلکہ جو کچھ کرتے تھے اس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے۔ ہماری طرف سے کوئی ظلم زیادتی نہیں۔ تمہارے ہی اعمال ہیں جو عذاب کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ
عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّكَفِّرَ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَ
يُدۡخِلَكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ يَوۡمَ
لَا يُخۡزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۚ
نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ
رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ
شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۸﴾

۸۔ اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ [۱۳] امید ہے تمہارا رب اتار دے تم پر سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اُسکے ساتھ [۱۴] اُنکی روشنی دوڑتی ہے اُنکے آگے اور اُنکے داہنے [۱۵] کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے [۱۶]

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ
عَلَيۡهِمۡ ؕ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۹﴾

۹۔ اے نبی لڑائی کر منکروں سے اور دغابازوں سے اور سختی کر اُن پر [۱۷] اور اُن کا گھر دوزخ ہے اور بری جگہ جا پہنچے [۱۸]

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ
امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا
صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اللہ نے بتلائی ایک مثل منکروں کے واسطے عورت نوح کی اور عورت لوط کی گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے ہمارے نیک بندوں میں سے پھر اُنہوں نے اُن سے چوری کی پھر وہ کام نہ آئے اُنکے اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ
فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي
الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور اللہ نے بتلائی ایک مثل ایمان والوں کے لئے عورت فرعون کی [۱۹] جب بولی اے رب بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں [۲۰] اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اُسکے کام سے اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے [۲۱]

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا
فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ
رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع

۱۲۔ اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو [۲۲] پھر ہم نے پھونک دی اُس میں ایک اپنی طرف سے جان [۲۳] اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اُسکی کتابوں کو [۲۴] اور وہ تھی بندگی کرنے والوں میں [۲۵]

ع ٢ ٥ ٢٠

۱۳۔ توبۃ النصوح کی تعریف: صاف دل کی توبہ یہ کہ دل میں پھر گناہ کا خیال نہ رہے۔ اگر توبہ کے بعد ان ہی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی ہے۔ اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی رزقنا اللہ منہا حظا وافرا بفضلہ وعونہ وھو علیٰ کل شئ قدیر۔

۱۴۔ یعنی نبی ﷺ کا کہنا کیا۔ اس کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہ کریگا۔ بلکہ نہایت اعزاز واکرام سے فضل و شرف کے بلند مناصب پر سرفراز فرمائے گا۔

۱۵۔ اس کا بیان سورۃ "حدید" میں ہو چکا۔

۱۶۔ یعنی ہماری روشنی آخر تک قائم رکھیے، بجھنے نہ دیجئے۔ جیسے منافقین کی نسبت سورۃ "حدید" میں بیان ہو چکا کہ روشنی بجھ جائیگی اور اندھیرے میں کھڑے رہ جائیں گے۔ مفسرین نے عموماً یہ ہی لکھا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "روشنی ایمان کی دل میں ہے، دل سے بڑھے تو سارے بدن میں، پھر گوشت پوست میں" (سرایت کرے)۔

١٧۔ کفار پر سختی کی تاکید: حضرت ﷺ کا خلق اور نرم خوئی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اوروں کو فرماتا ہے تحمل کرو۔ اور آپ ﷺ کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔

١٨۔ پہلے مؤمنین کا ٹھکانا بتلایا تھا۔ یہاں ان کے بالمقابل کفار و منافقین کا گھر بتلا دیا۔

١٩۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا انجام: یعنی حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کیسے نیک بندے، مگر دونوں کے گھر میں ان کی بیویاں منافق تھیں۔ بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا، لیکن دل سے کافروں کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا؟ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا۔ ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہؑ بنت مزاحم، پکی ایماندار، ولی کامل، اور اس کا شوہر خدا کا سب سے بڑا باغی۔ وہ نیک بیوی میاں کو خدا کے عذاب سے نہ چھڑا سکی۔ نہ میاں کی شرارت وبغاوت کے جرم میں بیوی کو کچھ آنچ پہنچی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اپنا ایمان درست کرو۔ نہ خاوند بچا سکے نہ جورو۔ یہ (قانون عام طور پر) سب کو سنا دیا ہے۔ یہ وہم نہ کیا جائے کہ (معاذاللہ) حضرت ﷺ کی بیبیوں پر کہا۔ ان کے لئے تو وہ کہا ہے (جو سورۃ "نور" میں ہے) الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ (النور۔٢٦) اور اگر بفرض محال ایسا وہم کیا جائے تو امراۃ فرعون کی مثال کس پر چسپاں کرو گے"۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

٢٠۔ یعنی اپنا قرب عنایت فرما۔ اور بہشت میں میرے لئے مکان تیار کر۔

٢١۔ فرعون کی بیوی کی فضیلت: یعنی فرعون کے پنجے سے چھڑا اور اس کے ظلم سے نجات دے۔ حضرت موسیٰؑ کو انہوں نے پرورش کیا تھا اور ان کی مددگار تھیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون کو جب حال کھلا تو ان کو چومیخا کرکے طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا۔ اس حالت میں اللہ کی طرف سے جنت کا محل ان کو دکھلایا جاتا۔ جس سے سب سختیاں آسان ہو جاتی تھیں۔ آخر فرعون نے ان کو سیاسۃً قتل کر دیا۔ اور جام شہادت نوش کر کے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئیں۔ حدیث صحیح میں نبی کریم ﷺ نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ اور حضرت مریمؑ کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں اس پاک روح پر۔

٢٢۔ حضرت مریم علیہ السلام: یعنی حلال و حرام سب سے محفوظ رکھا۔

٢٣۔ یعنی فرشتہ کے ذریعہ سے ایک روح پھونک دی۔ حضرت جبریلؑ نے گریبان میں پھونک ماری جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا، اور حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے۔ (تنبیہ)

نفخ روح: نفخ کی نسبت اپنی طرف اس لئے کی کہ فاعل حقیقی اور مؤثر علی الاطلاق وہی ہے۔ آخر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے۔ بعض محققین نے یہاں "فرج" کے معنی چاک گریبان کے لئے ہیں۔ اس وقت اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کے معنی یہ ہونگے کہ کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک نہیں پہنچنے دیا۔ اور یہ نہایت بلیغ کنایہ ان کی عصمت وعفت سے ہوگا۔ جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت بہت پاکدامن ہے اور عرب میں کہا جاتا ہے "نقی الحبیب طاہر الذیل" اس سے عفیف النفس ہونا مراد ہوتا ہے۔ کپڑے کا دامن مراد نہیں ہوتا۔ اس تقدیر پر فَنَفَخْنَا فِيْهِ میں ضمیر لفظ "فرج" کے لغوی معنی کے اعتبار سے راجع ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

٢٤۔ حضرت مریم علیہ السلام: یعنی رب کی باتیں وہ ہوں گی جو فرشتوں کی زبانی سورۃ آل عمران میں بیان ہوئی ہیں۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ (آل عمران۔٤٢) الخ۔ اور کتابوں سے عام کتب وسماویہ مراد لی جائیں۔ تخصیص کی ضرورت نہیں۔

٢٥۔ یعنی کامل مردوں کی طرح بندگی وطاعت پر ثابت قدم تھی۔ یا یوں کہو کہ قانتین کے خاندان سے تھی۔

تم سورہ التحریم وللہ الحمد والمنۃ وبہ التوفیق والعصمۃ

اٰیاتھا ٣٠ ٦٧ سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ ٦٧ رکوعاتھا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ﴿١﴾

١۔ بڑی برکت ہے اُسکی جس کے ہاتھ میں ہے راج اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے [١]

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ﴿٢﴾

٢۔ جس نے بنایا مرنا اور جینا تا کہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام [٢] اور وہ زبردست ہے بخشنے والا [٣]

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿٣﴾

٣۔ جس نے بنائے سات آسمان تہہ پر تہہ [۴] کیا دیکھتا ہے تو رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق [۵] پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ [٦]

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾

۴۔ پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دو بار لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر [٧]

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾

۵۔ اور ہم نے رونق دی سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے [٨] اور اُن سے کر رکھی ہے ہم نے پھینک مار شیطانوں کے واسطے [٩] اور رکھا ہے اُنکے واسطے عذاب دہکتی آگ کا [١٠]

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ

٦۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اپنے رب سے اُنکے واسطے ہے

الْمَصِيْرُ ۝٦

عذاب دردناک اور بری جگہ جا پہنچے [١١]

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝٧

٧۔ جب اُس میں ڈالے جائیں گے سنیں گے اُس کا دہاڑنا اور وہ اچھل رہی ہو گی

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ
سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝٨

٨۔ ایسا لگتا ہے کہ پھٹ پڑے گی جوش سے [١٢] جس وقت پڑے اُس میں ایک گروہ پوچھیں اُن سے دوزخ کے داروغہ کیا نہ پہنچا تھا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا [١٣]

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا
مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ
كَبِيْرٍ ۝٩

٩۔ وہ بولیں کیوں نہیں ہمارے پاس پہنچا تھا ڈر سنانے والا پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا نہیں اتاری اللہ نے کوئی چیز تم تو پڑے ہوئے ہو بڑے بہکاوے میں [١٤]

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ ۝١٠

١٠۔ اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے یا سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں [١٥]

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١١

١١۔ سو قائل ہو گئے اپنے گناہ کے اب دفع ہو جائیں دوزخ والے [١٦]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ
اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝١٢

١٢۔ جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے [١٧] اُنکے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ۝١٣

١٣۔ اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ خوب جانتا ہے جیوں کے بھید [١٨]

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝١٤ ع ١

١٤۔ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبر دار [١٩]

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ
مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿١٥﴾

١٥۔ وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب چلو پھرو اُسکے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ اُسکی دی ہوئی روزی اور اُسی کی طرف جی اٹھنا ہے[٢٠]

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ
الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿١٦﴾

١٦۔ کیا تم نڈر ہو گئے اُس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسادے تم کو زمین میں پھر تبھی وہ لرزنے لگے[٢١]

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ
حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿١٧﴾

١٧۔ یا نڈر ہو گئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ برسادے تم پر مینہ پتھروں کا[٢٢] سو جان لوگے کیسا ہے میرا ڈرانا[٢٣]

وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ
نَكِیْرِ ﴿١٨﴾

١٨۔ اور جھٹلا چکے ہیں جو اُن سے پہلے تھے پھر کیسا ہوا میرا انکار[٢٤]

اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ
وَّ یَقْبِضْنَ ؕۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ
بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿١٩﴾

١٩۔ اور کیا نہیں دیکھتے ہو اڑتے جانوروں کو اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور پر جھپکتے ہوئے اُن کو کوئی نہیں تھام رہا رحمان کے سوائے اُسکی نگاہ میں ہے ہر چیز[٢٥]

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ
دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۚ ﴿٢٠﴾

٢٠۔ بھلا وہ کون ہے جو فوج ہے تمہاری مدد کرے تمہاری رحمٰن کے سوائے منکر پڑے ہیں برے بہکائے میں[٢٦]

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ
لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿٢١﴾

٢١۔ بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی[٢٧] کوئی نہیں پر اڑ رہے ہیں شرارت اور بدکنے پر[٢٨]

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾	۲۲۔ بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ پائے یا وہ شخص جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر [۲۹]
قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾	۲۳۔ تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنا دیے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو [۳۰]
قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾	۲۴۔ تو کہہ وہی ہے جس نے کھنڈا دیا تم کو زمین میں اور اُسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے [۳۱]
وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾	۲۵۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو [۳۲]
قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾	۲۶۔ تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس اور میرا کام تو یہی ڈر سنا دینا ہے کھول کر [۳۳]
فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آ لگا تو بگڑ جائیں گے منہ منکروں کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے [۳۴]
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے پھر وہ کون ہے جو بچائے منکروں کو عذاب دردناک سے [۳۵]
قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ تو کہہ وہی رحمٰن ہے ہم نے اُسکو مانا اور اُسی پر بھروسہ کیا [۳۶] سو اب تم جان لو گے کون پڑا ہے صریح بہکاوے میں [۳۷]

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ
یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی نتھرا [۳۸]

ع ۲ ٦

۱۔ یعنی سب ملک اس کا ہے اور تنہا اسی کا اختیار ساری سلطنت میں چلتا ہے۔

۲۔ موت وحیات جانچنے کے لئے ہیں: یعنی مرنے جینے کا سلسلہ اسی نے قائم کیا، ہم پہلے کچھ نہ تھے (اسے موت ہی سمجھو) پھر پیدا کیا، اس کے بعد موت بھیجی، پھر مرے پیچھے زندہ کر دیا۔ کما قال وَکُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ۚ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ (البقرہ۔۲۸) موت وحیات کا یہ سارا سلسلہ اس لئے ہے کہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے کون اچھے، اور کون اچھے سے اچھے پہلے زندگی میں یہ امتحان ہوا اور دوسری زندگی میں اس کا مکمل نتیجہ دکھلا دیا گیا۔ فرض کرو اگر پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون کرتا، اور موت نہ آتی تو لوگ مبداء و منتہٰی سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔

۳۔ یعنی زبردست ہے جس کی پکڑ سے کوئی نہیں نکل سکتا اور بخشنے والا بھی بہت بڑا ہے۔

۴۔ اُوپر نیچے سات آسمان: حدیث میں آیا کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا آسمان، دوسرے پر تیسرا اسی طرح سات آسمان اوپر نیچے ہیں۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے تک پانسو برس کی مسافت ہے۔ نصوص میں یہ تصریح نہیں کی گی کہ اوپر جو نیلگونی چیز ہم کو نظر آتی ہے وہی آسمان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگونی چیز آسمان کی چھت گیری کا کام دیتی ہو۔

۵۔ اللہ کی تخلیق میں حکمت و بصیرت: یعنی قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، اجرام علویّہ سبع سماوات اور نیّرات تک کیسی کاریگری دکھلائی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے اور بعض کو یونہی کیف ما اتفق، بے تکا یا بیکار و فضول بنا دیا ہو (العیاذ باللہ) اور جہاں کسی کو ایسا وہم گذرے سمجھو اس کی عقل و نظر کا قصور ہے۔

٦۔ نظام کائنات میں کوئی کمزوری نہیں: یعنی ساری کائنات نیچے سے اُوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے، کہیں درز یا دراڑ نہیں۔ نہ کسی صنعت میں کسی طرح کا اختلال پایا جاتا ہے۔ ہر چیز ویسی ہے جیسا اسے ہونا چاہئے۔ اور اگر یہ آیتیں صرف آسمان سے متعلق ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ اے مخاطب! اُوپر آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا درز اور شگاف نہیں پائیگا۔ بلکہ ایک صاف ہموار، متصل، مربوط اور منتظم چیز نظر آئیگی جس میں باوجود مرورِ دُہور اور تطاولِ ازمان کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔

۷۔ تمہاری نگاہیں تھک جائیں گی: یعنی ممکن ہے ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے، اس لئے پوری کوشش سے بار بار دیکھ، کہیں کوئی رخنہ دکھائی نہیں دیتا خوب غور و فکر اور نظر کر کہ قدرت کے انتظام میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں۔ یاد رکھ! تیری نگاہ تھک جائیگی اور ذلیل و درماندہ ہو کر واپس آ جائیگی۔ لیکن خدائی مصنوعات و انتظامات میں کوئی عیب و قصور نہ نکال سکے گی۔

۸۔ یعنی آسمان کی طرف دیکھو! رات کے وقت ستاروں کی جگمگاہٹ سے کیسی رونق و شان معلوم ہوتی ہے۔ یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں۔

۹۔ یہ مضمون سورۃ "حجر" وغیرہ میں کئی جگہ بہت تفصیل سے گذر چکا ہے۔

۱۰۔ یعنی دنیا میں شہاب پھینکے جاتے ہیں اور آخرت میں اُن کے لئے دوزخ کی آگ تیار ہے۔

۱۱۔ یعنی کافروں کا ٹھکانا بھی شیاطین کے ساتھ اسی دوزخ میں ہے۔

۱۲۔ دوزخ کی سخت آواز: یعنی اس وقت دوزخ کی آواز سخت کریہہ اور خوفناک ہو گی اور بے انتہا جوش و اشتعال سے ایسا معلوم ہو گا گویا غصّہ میں آکر پھٹی پڑتی ہے (اعاذنا اللہ منہا بلطفہ وکرمہ)۔

۱۳۔ دوزخ کے فرشتوں کا سوال: یعنی یہ پوچھنا زیادہ ذلیل و محجوب کرنے کے لئے ہو گا یعنی تم جو اس مصیبت میں آکر پھنسے ہو، کیا کسی نے تم کو متنبہ نہ کیا تھا؟ اور ڈرایا نہ تھا کہ اس راستے سے مت چلو ورنہ سیدھے دوزخ میں گرو گے جہاں ایسے ایسے عذاب ہونگے۔

۱۴۔ اہل جہنم کا جواب: یعنی کھسیانے ہو کر حسرت و ندامت سے جواب دینگے کہ بیشک ڈرانیوالے آئے تھے مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی۔ برابر جھٹلایا کئے کہ تم سب غلط کہتے ہو۔ نہ اللہ نے تم کو بھیجا نہ تم پر وحی اتاری بلکہ تم عقل و فہم کے راستہ سے بہک کر بڑی سخت گمراہی میں جا پڑے ہو۔

۱۵۔ کفار کی حسرت و ندامت: یعنی کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانیوالے ہی سچے نکلیں گے۔ اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سنتے یا عقل سے کام لیکر معاملہ کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقع کیوں ملتا۔

۱۶۔ اب اقرار گناہ کے کوئی فائدہ نہیں: یعنی خود اقرار کر لیا کہ بیشک ہم مجرم ہیں یوں ہی بے قصور ہم کو دوزخ میں نہیں ڈالا جا رہا لیکن اس ناوقت کے اقرار و اعتراف سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ ارشاد ہو گا فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ (اب دفع ہو جائیں دوزخ والے) ان کے لئے جوار رحمت میں کہیں ٹھکانا نہیں۔

۱۷۔ اللہ سے ڈرنے والے: یعنی اللہ کو دیکھا نہیں، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی عظمت و جلال کے تصوّر سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے تھر تھراتے ہیں۔ یا "بالغیب" کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع سے الگ ہو کر خلوت و عزلت میں اپنے رب کو یاد کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

۱۸۔ یعنی گو تم اس کو نہیں دیکھتے مگر وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات خلوت میں ہو یا جلوت میں سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات گذرتے ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے، غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں۔

۱۹۔ اللہ لطیف و خبیر: یعنی تمہارا اور تمہارے افعال و اقوال ہر چیز کا خالق و مختار وہ ہے، اور خالق و مختار جس چیز کو پیدا کرے ضروری ہے کہ اس کا پورا علم اسے حاصل ہو، ورنہ پیدا کرنا ممکن نہیں، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نے بنایا وہ ہی نہ جانے۔

۲۰۔ یعنی زمین کو تمہارے سامنے کیسا پست و ذلیل اور مسخّر و منقاد کر دیا کہ جو چاہو اس میں تصرّف کرو تو چاہئے کہ اس پر اور اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو اور روزی کماؤ، مگر اتنا یاد رکھو کہ جس نے روزی دی ہے اسی کی طرف پھر لوٹ کر جانا ہے۔

۲۱۔ اللہ کی ڈھیل سے مغرور مت ہو: پہلے انعامات یاد دلائے تھے۔ اب شان قہر و انتقام یاد دلا کر ڈرانا مقصود ہے یعنی زمین بیشک تمہارے لئے مسخّر کر دی گئی۔ مگر یاد رہے اس پر حکومت اسی آسمان والے کی ہے وہ اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے، اس وقت زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور تم اس کے اندر اترتے چلے جاؤ لٰہذا آدمی کو جائز نہیں کہ اس مالک مختار سے نڈر ہو کر شرارتیں شروع کر دے اور اس کے ڈھیل دینے پر مغرور ہو جائے۔

۲۲۔ اللہ کا عذاب کسی وقت بھی آسکتا ہے: یعنی بیشک زمین پر چلو پھرو اور روزی کماؤ، لیکن خدا کو نہ بھولو ورنہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھیجدے یا پتھروں کا مینہ برسادے پھر تم کیا کرو گے ساری دوڑ دھوپ یوں ہی رکھی رہ جائیگی۔

۲۳۔ اللہ کا عذاب کسی وقت بھی آسکتا ہے۔ یعنی جس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا وہ کیسا تباہ کن اور ہولناک ہے۔

۲۴: پچھلے لوگوں سے عبرت حاصل کرو: یعنی "عاد" و "ثمود" وغیرہ کے ساتھ جو معاملہ ہو چکا ہے اس سے عبرت پکڑو۔ دیکھ لو! ان کی حرکات پر ہم نے انکار کیا تھا تو وہ انکار کیسے عذاب کی صورت میں ظاہر ہو کر رہا۔

۲۵۔ رحمٰن پرندوں کو ہوا میں تھامتا ہے: پہلے آسمان وزمین کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں درمیانی چیز کا ذکر ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو پرندے زمین و آسمان کے درمیان کبھی پر کھول کر اور کبھی بازو سمیٹے ہوئے کس طرح اُڑتے رہتے ہیں۔ اور باوجود جسم ثقیل مائل الی المرکز ہونے کے نیچے نہیں گر پڑتے نہ زمین کی قوت جاذبہ اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بتلاؤ رحمٰن کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضا میں تھام رکھا ہے۔ بیشک رحمٰن نے اپنی رحمت وحکمت سے ان کی ساخت ایسی بنائی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔ وہ ہی ہر چیز کی استعداد کو جانتا اور تمام مخلوق کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے۔ شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر و شرارت سے اسکے مستحق بھی ہیں۔ لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے، عذاب بھی اسی کی رحمت سے رُکا ہوا ہے۔

۲۶۔ رحمٰن کے سوا منکروں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا: یعنی منکر سخت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے باطل معبودوں اور فرضی دیوتاؤں کی فوج ان کو اللہ کے عذاب اور آنیوالی آفت سے بچالیگی؟ خوب سمجھ لو! رحمٰن سے الگ ہو کر کوئی مدد کو نہ پہنچے گا۔

۲۷۔ یعنی اللہ اگر روزی کے سامان بند کر لے تو کس کی طاقت ہے جو تم پر روزی کا دروازہ کھول دے؟

۲۸۔ یعنی دل میں یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سے الگ ہو کر نہ کوئی نقصان کو روک سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ مگر محض شرارت اور سرکشی ہے کہ توحید و اسلام کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں۔

۲۹۔ موحد اور مشرک کی مثال: یعنی ظاہری کامیابی کی راہ طے کر کے وہی مقصد اصلی تک پہنچے گا جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا ہو کر چلے۔ جو شخص ناہموار راستہ پر اوندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ یہ مثال ایک موحد اور ایک مشرک کی ہوئی۔ محشر میں بھی دونوں کی چال میں ایسا ہی فرق ہو گا۔

۳۰۔ یعنی اللہ نے سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھیں، اور سمجھنے کے لئے دل دیئے تھے کہ اس کا حق مان کر ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے، اور اس کی طاعت و فرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکر گذار بندے بہت کم ہیں۔ کافروں کو دیکھ لو کہ ان نعمتوں کا کیسا حق ادا کیا؟ اس کی دی ہوئی قوتیں اسی کے مقابلہ میں استعمال کیں۔

۳۱۔ یعنی ابتداء بھی اُس سے ہوئی انتہاء بھی اسی پر ہو گی، جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے۔ چاہئے تھا کہ اس سے ایک دم غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اسکی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر ایسے بندے بہت تھوڑے ہیں۔

۳۲۔ یعنی اکٹھے کب کئے جائینگے؟ اور قیامت کب آئیگی اسے جلدی بُلالو۔

۳۳۔ قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے: یعنی وقت کا تعیین میں نہیں کر سکتا۔ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ البتہ جو چیز یقیناً آنیوالی ہے اس سے آگاہ کر دینا اور خوفناک مستقبل سے ڈرا دینا میرا فرض تھا۔ وہ میں ادا کر چکا۔

۳۴۔ یعنی اب جلدی مچا رہے ہیں لیکن جس وقت وہ وعدہ قریب آلگے گا، بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائینگے اور چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں گی۔

۳۵۔ کفار تمنا کرتے تھے کہ کہیں جلد مر مرا کر ان کا قصّہ ختم ہو جائے (العیاذ باللہ) اسکا جواب دیا کہ فرض کرو تمہارے زعم کے موافق میں اور میرے ساتھی دنیا میں سب ہلاک کر دیئے جائیں یا ہمارے عقیدے کے موافق مجھ کو اور میرے رفقاء کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیاب و بامراد کرے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، مگر تم کو اس سے کیا فائدہ ہے۔ ہمارا انجام دنیا میں جو کچھ ہو، بہر حال آخرت میں بہتری ہے کہ اس کے راستہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی پر جو دردناک عذاب آنا یقینی ہے۔ اس سے کون بچائیگا۔ ہمارا اندیشہ چھوڑ دو، اپنی فکر کرو، کیونکہ کافر کسی طرح بھی خدائی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔

۳٦۔ رحمٰن پر ایمان اور بھروسہ: یعنی جب ہمارا ایمان اس پر ہے تو ایمان کی بدولت نجات یقینی ہے اور جب ہم صحیح معنی میں اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں تو مقاصد میں کامیابی یقینی ہے وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ (الطلاق۔۳) تم میں دونوں چیزیں نہیں، نہ ایمان، نہ توکل، پھر تم کیسے بے فکر ہو؟

۳۷۔ یعنی ہم جیسا کہ تمہارا گمان ہے یا تم جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے۔

۳۸۔ اللہ کے سوا پانی کون لا سکتا ہے: یعنی زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو جس سے ہر چیز کی زندگی ہے، اگر فرض کرو! چشموں اور کنوؤں کا پانی خشک ہو کر زمین کے اندر اُتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آجاتا ہے تو کس کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر مقدار میں مہیا کر دے جو تمہاری زندگی اور بقاء کے لئے کافی ہو۔ لہذا ایک مؤمن متوکل کو اُسی خالق الکل مالک علی الاطلاق پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے، اس وقت ہدایت و معرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد ﷺ کی صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہو سکتا ہے جس نے اپنے فضل و انعام سے تمام جانداروں کی ظاہری و باطنی زندگی کے سامان پیدا کئے ہیں۔ اگر بفرض محال یہ چشمہ خشک ہو جائے، جیسا کہ اشقیاء کی تمنا ہے، تو کون ہے جو مخلوق کے لئے ایسا پاک وصاف ستھرا پانی مہیا کر سکے۔

تم سورۃ الملک وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتها ٥٢ — ٦٨ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ٢ — رکوعاتها ٢

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

نٓ وَ الۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَ ۝١

١۔ نٓ۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں

مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝٢

٢۔ تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ [١]

وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۝٣

٣۔ اور تیرے واسطے بدلا ہے بے انتہا [٢]

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ۝٤

٤۔ اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر [٣]

فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُوۡنَ ۝٥

٥۔ سو اب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے

بِاَيِّيكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ۝٦

٦۔ کہ کون ہے تم میں جو بچل رہا ہے [٤]

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۖ وَهُوَ
اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝٧

٧۔ بیشک تیرا رب وہی خوب جانے اُسکو جو بہکا اُسکی راہ سے اور وہی جانتا ہے راہ پانے والوں کو [٥]

فَلَا تُطِعِ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝٨

٨۔ سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا

وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ ۝٩

٩۔ وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں [٦] ہوں

وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ ۝١٠

١٠۔ اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا [٧]

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيۡمٍ ۝١١

١١۔ طعنے دے چغلی کھاتا پھرے

مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ۝١٢

١٢۔ بھلے کام سے روکے حد سے بڑھے بڑا گنہگار

عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اُجڈ ان سب کے پیچھے بدنام [۸]

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے [۹]

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ جب سنائے اُس کو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی [۱۰]

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اب داغ دیں گے ہم اُسکو سونڈ پر [۱۱]

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا
لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۷﴾

۱۷۔ ہم نے اُن کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا باغ والوں کو [۱۲] جب اُن سب نے قسم کھائی کہ اُس کا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور ان شاء اللہ نہ کہا [۱۳]

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ پھر پھیرا کر گیا اُس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ سوتے ہی رہے

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ﴿۲۰﴾

۲۰۔ پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا [۱۴]

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۲۱﴾

۲۱۔ پھر آپس میں بولے صبح ہوتے

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تمکو توڑنا ہے

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾

۲۳۔ پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے

اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کہ اندر نہ آنے پائے اُس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور سویرے چلے لپکتے ہوئے زور کے ساتھ [۱۵]

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر جب اُسکو دیکھا بولے ہم تو راہ بھول آئے

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی[١٦]

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾

٢٨۔ بولا بچلا اُن کا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی[١٧]

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

٢٩۔ بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیروار تھے

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

٣٠۔ پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی طرف لگے اُلاہنا دینے[١٨]

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾

٣١۔ بولے ہائے خرابی ہماری ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾

٣٢۔ شاید ہمارا رب بدل دے ہمکو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں[١٩]

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ
كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؑ ﴿٣٣﴾ ع ٣٣ ١ ٢

٣٣۔ یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے اگر اُنکو سمجھ ہوتی[٢٠]

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾

٣٤۔ البتہ ڈرنے والوں کو اُنکے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے[٢١]

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۭ ﴿٣٥﴾

٣٥۔ کیا ہم کر دیں گے حکم برداروں کو برابر گنہگاروں کے

مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۚ ﴿٣٦﴾

٣٦۔ کیا ہو گیا تمکو کیسے ٹھہرا رہے ہو بات[٢٢]

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۙ ﴿٣٧﴾

٣٧۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۚ ﴿٣٨﴾

٣٨۔ اُس میں ملتا ہے تمکو جو تم پسند کر لو

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ
لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۚ ﴿٣٩﴾

٣٩۔ کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے

سَلۡهُمۡ اَيُّهُمۡ بِذٰلِكَ زَعِيۡمٌ ۚ﴿۴۰﴾	۴۰۔ پوچھ اُن سے کونسا اُن میں اس کا ذمہ لیتا ہے[۲۳]
اَمۡ لَهُمۡ شُرَكَآءُ ۚ فَلۡيَاۡتُوۡا بِشُرَكَآئِهِمۡ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۱﴾	۴۱۔ کیا انکے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہیئے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ سچے ہیں[۲۴]
يَوۡمَ يُكۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّ يُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ۙ﴿۴۲﴾	۴۲۔ جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو پھر نہ کر سکیں[۲۵]
خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدۡ كَانُوۡا يُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ وَهُمۡ سٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾	۴۳۔ جھکی پڑتی ہوں گی اُنکی آنکھیں[۲۶] چڑھی آتی ہو گی اُن پر ذلت اور پہلے اُنکو بلاتے رہے سجدہ کرنے کو اور وہ تھے اچھے خاصے[۲۷]
فَذَرۡنِىۡ وَ مَنۡ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴۴﴾	۴۴۔ اب چھوڑ دے مجھ کو اور اُنکو جو کہ جھٹلائیں اس بات کو اب ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے اُنکو جہاں سے اُنکو پتہ بھی نہیں[۲۸]
وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ﴿۴۵﴾	۴۵۔ اور انکو ڈھیل دیے جاتا ہوں بیشک میرا داؤ پکا ہے[۲۹]
اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ۚ﴿۴۶﴾	۴۶۔ کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ حق سو اُن پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے
اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۴۷﴾	۴۷۔ کیا اُنکے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ لکھ لاتے ہیں[۳۰]
فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنۡ كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰى وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ ؕ﴿۴۸﴾	۴۸۔ اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا[۳۱] جب پکارا اُس نے اور وہ غصہ میں بھرا تھا[۳۲]
لَوۡلَاۤ اَنۡ تَدٰرَكَهٗ نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَهُوَ مَذۡمُوۡمٌ ﴿۴۹﴾	۴۹۔ اگر نہ سنبھالتا اُسکو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر[۳۳]

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ پھر نوازا اُسکو اسکے رب نے پھر کر دیا اُسکو نیکوں میں[۳۴]

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ
لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں کہ پھسلا دیں تجھ کو اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن اور کہتے ہیں وہ تو باؤلا ہے[۳۵]

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع

۵۲۔ اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سارے جہان والوں کو[۳۶]

ع ۱۹ ۲ ۴

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جنون کے الزام کا ردّ: مشرکینِ مکہ حضور کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا، حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ کی تسلی فرمادی۔ یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل و انعام ہوں جنکو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے۔ مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت و دانائی کی باتیں۔ مخالف و موافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر، اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گذرے ہیں جن کو ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے۔ مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ ببانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں، اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ آج آپکو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے۔ لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء و دوام کی مہر ثبت کی، اور ان مجنون کہنے والوں کا نام و نشان باقی نہ چھوڑا۔ قریب ہے کہ قلم اور اسکے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ کے ذکر خیر اور آپ کے بیمثال کارناموں اور علوم و معارف کو ہمیشہ کے لئے روشن رکھیں گی۔ اور آپ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہیگا۔ ایک وقت آئیگا جب ساری دنیا آپکی حکمت و دانائی کی داد دیگی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجماعی عقیدہ کے تسلیم کریگی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت و برتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون و مفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پرلے درجہ کا مجنون یا جاہل ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے انتہا اجر: یعنی آپ غمگین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہا اجر و ثواب آپ کو یقیناً ملنے والا ہے کیا دیوانوں اور پاگلوں کا مستقبل ایسا پائدار اور شاندار کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنون کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے سنی ہے؟ پھر جس کا رتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہئے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان اخلاق و ملکات کا تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ ایک دیوانے کے اقوال و افعال میں قطعاً نظم و ترتیب نہیں ہوتی، نہ اس کا کلام اسکے کاموں پر منطبق ہوتا ہے، برخلاف اس کے آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال و اخلاق قرآن کی خاموش تفسیر۔ قرآن جس نیکی، جس خوبی، اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرۃً موجود، اور جس بدی و زشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپکی ساخت اور

تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب و اعتدال سے ایک انچ ادھر اُدھر ہٹنے نہیں پائی۔ آپ کا حسن اخلاق اجازت نہ دیتا تھا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن و تشنیع پر کان دھریں جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمح نظر اتنا بلند ہو، بھلا وہ کسی مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کریگا۔ آپ تو اپنے دیوانہ کہنے والوں کی نیک خواہی اور دردمندی میں اپنے کو گھلائے ڈالتے تھے جس کی بدولت فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (الکھف۔٦) کا خطاب سننے کی نوبت آتی تھی۔ فی الحقیقت اخلاق کی عظمت کا سب سے زیادہ عمیق پہلو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان حقیر ہستیوں سے معاملہ کرتے وقت خداوند قدوس کی عظیم ہستی سے غافل و ذاہل نہ ہو۔ جب تک یہ چیز قلب میں موجود رہیگی تمام معاملات عدل و اخلاق کی میزان میں پورے اُترینگے۔ کیا خوب فرمایا شیخ جنید بغدادیؒ نے سمی خلقه عظیما اذلم تکن له همة سوی الله تعالیٰ عاشر الخلق بخلقه وذاهلهم بقلبه فكان ظاهره مع الخلق وباطنه مع الحق وفی وصية بعض الحكما عليك بالخلق مع الخلق وبالصدق مع الحق۔

۴۔ مفتون کون ہے: یعنی دل میں تو پہلے سے سمجھتے ہیں، لیکن عنقریب فریقین کو آنکھوں سے نظر آجائیگا کہ دونوں میں سے کون ہشیار اور عاقبت اندیش تھا اور کس کی عقل ماری گئی تھی جس کی وجہ سے پاگلوں کی طرح بہکی بہکی باتیں کرتا تھا۔

۵۔ یعنی پوری طرح علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ پر آنیوالے ہیں اور کون بھٹکنے والے لیکن نتائج جب سامنے آئینگے تو سب کو نظر آجائیگا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی رہزنی کی بدولت ناکام و نامراد رہا۔

٦۔ کفّار کے لئے ڈھیل مت دکھاؤ: یعنی راہ پر آنیوالے اور نہ آنیوالے سب اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں۔ لہٰذا دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں کچھ ردو رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو راہ پر آنا ہو گا آرہے گا اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی لحاظ و مروّت سے ماننے والا نہیں۔ کفّار مکہ حضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ بُت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کر دیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں، ہم بھی آپ کے خدا کی تعظیم کرینگے اور آپ کے طور و طریق اور مسلک و مشرب سے متعرض نہ ہونگے۔ ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو "خلق عظیم" پر پیدا کیا گیا ہے۔ نیک نیتی سے یہ خیال آجائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چندے نرم روش اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ اُس پر حق تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ آپ ان مکذبین کا کہنا نہ مانیے۔ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کرنا ہے۔ ایمان لانا اور صداقت کو قبول کرنا نہیں۔ آپ کی بعثت کی اصلی غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ آپ تو ہر طرف سے قطع نظر کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہیئے۔ کسی کو منوا دینے اور راہ پر لے آنے کے آپ ذمہ دار نہیں۔ (تنبیہ) "مداہنت" اور "مدارات" میں بہت باریک فرق ہے۔ اوّل الذکر مذموم ہے اور آخر الذکر محمود۔ فلا تغفل۔

۷۔ یعنی جس کے دل میں خدا کے نام کی عظمت نہیں، جھوٹی قسم کھا لینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور چونکہ لوگ اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ اس لئے یقین دلانے کے لئے بار بار قسمیں کھا کر بے قدر اور ذلیل ہوتا ہے۔

۸۔ کافر کے اوصاف: یعنی ان خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے عالم بھی ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کہ یہ سب کافر کے وصف ہیں آدمی اپنے اندر دیکھے اور یہ خصلتیں چھوڑے" (تنبیہ) زَنِيْمٍ کے معنی بعض سلف کے نزدیک ولد الزنا اور حرامزادے کے ہیں۔ جس کافر کی نسبت یہ آیتیں نازل ہوئیں وہ ایسا ہی تھا۔

۹۔ مال و دولت شرافت کا معیار نہیں: یعنی ایک شخص اگر دنیا میں طالع مند اور خوش قسمت نظر آتا ہے، مثلاً مال و اولاد وغیرہ رکھتا ہے تو محض اتنی بات سے اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے اخلاق و عادات ہیں۔ جس شخص میں شرافت اور خوش اخلاقی نہیں، اللہ والوں کا کام نہیں کہ اسکی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔

۱۰۔ یعنی اللہ کی باتوں کو یہ کہہ کر جھٹلاتا ہے۔

۱۱۔ ولید بن مغیرہ کی رسوائی: کہتے ہیں قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا اس میں یہ سب اوصاف مجتمع تھے اور ناک پر داغ دینے سے مراد اس کی رسوائی اور رُوسیاہی ہے، شاید دنیا میں حسّی طور پر بھی کوئی داغ پڑا ہو۔ یا آخرت میں پڑیگا۔

۱۲۔ یعنی مال و اولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں، نہ اللہ کے ہاں اسکی کچھ قدر و قیمت ہے لہٰذا کفّار مکّہ اس چیز پر مغرور نہ ہوں یہ تو اللہ کی طرف سے انکی آزمائش اور جانچ ہے جیسے پہلے بعض لوگوں کی جانچ کی گئی۔

۱۳۔ تین بھائیوں کی ہوس کا انجام: کئی بھائی جن کے باپ نے ترکہ میں میوے کا ایک باغ چھوڑا تھا، اس میں کھیتی بھی ہوتی ہو گی۔ سارا گھر اسکی پیداوار سے آسودہ تھا، باپ کے زمانہ میں عادت تھی کہ جس دن میوہ توڑا جاتا یا کھیتی کٹتی۔ تو شہر کے سب فقیر محتاج جمع ہو جاتے یہ سب کو تھوڑا بہت دے دیتا اسی سے برکت تھی، اس کے انتقال کے بعد بیٹوں کو خیال ہوا کہ فقیر جو اتنا مال لے جاتے ہیں، وہ اپنے ہی کام آئے تو خوب ہو۔ کیوں ہم ایسی تدبیر نہ کریں کہ کچھ دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار گھر میں آجائے۔ پھر آپس میں مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ صبح سویرے ہی توڑ کر گھر لے آئیں۔ فقیر جائینگے تو وہاں کچھ نہ پائینگے۔ اور اپنی اس تدبیر پر ایسا یقین جمایا کہ "ان شاء اللہ" بھی نہ کہا۔

۱۴۔ یعنی رات کو بگولا اٹھا آگ لگی یا اور کوئی آفت پڑی، سب کھیت اور باغ صاف ہو رہا۔

۱۵۔ یعنی یہ یقین کرتے ہوئے کہ اب جا کر سب پیداوار اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔

۱۶۔ وہ زمین کھیتی اور درختوں سے ایسی صاف ہو چکی تھی کہ وہاں پہنچ کر پہچان نہ سکے سمجھے کہ ہم راہ بھول کر کہیں اور نکل آئے۔ پھر جب غور کیا تو سمجھے کہ نہیں، جگہ تو وہی ہے۔ مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور حق تعالیٰ کی درگاہ سے ہم محروم کئے گئے۔

۱۷۔ منجھلا بھائی اُن میں زیادہ ہشیار تھا۔ اس نے مشورہ کے وقت متنبہ کیا ہو گا کہ اللہ کو مت بھولو۔ یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور فقیر محتاج کی خدمت سے دریغ نہ کرو۔ جب کسی نے اس کی بات پر کان نہ دھرا، چپ ہو رہا اور ان ہی کا شریک حال ہو گیا۔ اب یہ تباہی دیکھ کر اس نے وہ پہلی بات یاد دلائی۔

۱۸۔ اپنی غلطی کا اعتراف: اب اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے رب کی طرف رجوع ہوئے اور جیسا کہ عام مصیبت کے وقت قاعدہ ہے ایک دوسرے کو الزام دینے لگے، ہر ایک دوسرے کو اس مصیبت اور تباہی کا سبب گرادنتا تھا۔

۱۹۔ آخر میں سب مل کر کہنے لگے کہ واقعی ہماری سب کی زیادتی تھی کہ ہم نے فقیروں محتاجوں کا حق مارنا چاہا اور حرص و طمع میں آکر اصل بھی کھو بیٹھے، یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصوروار ہیں، مگر اب بھی ہم اپنے رب سے ناامید نہیں کیا عجب ہے وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بہتر باغ ہم کو عطا کر دے۔

۲۰۔ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے: یعنی یہ دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسے کوئی ٹال نہ سکا۔ بھلا آخرت کی اس بڑی آفت کو تو کون ٹال سکتا ہے۔ سمجھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔

۲۱۔ جنّت نعیم: یعنی دنیا کے باغ و بہار کو کیا لئے پھرتے ہو جنّت کے باغ ان سے کہیں بہتر ہیں جن میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں۔ وہ خاص متقین کے لئے ہیں۔

۲۲۔ کفّار کی خوش فہمی اور اس کا جواب: کفّار مکّہ نے غرور و تکبر سے اپنے دل میں یہ ٹھہرا رکھا تھا کہ اگر قیامت کے دن مسلمانوں پر عنایت و بخشش ہو گی تو ہم پر ان سے بہتر اور بڑھ کر ہو گی۔ اور جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش و رفاہیت میں رکھا ہے وہاں بھی یہ ہی معاملہ رہیگا۔ اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر ایسا ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ ایک وفادار غلام جو ہمیشہ اپنے آقا کی حکمبرداری کے لئے تیار رہتا ہے، اور ایک جرائم پیشہ باغی دونوں کا انجام یکساں ہو جائے، بلکہ مجرم اور باغی، وفاداروں سے اچھے رہیں یہ وہ بات ہے جس کو عقل سلیم اور فطرت صحیحہ رَد کرتی ہے۔

۲۳۔ کفّار کے پاس کوئی سند نہیں: یعنی یہ بات کہ مسلم اور مجرم دونوں برابر کر دیئے جائیں ظاہر ہے عقل وفطرت کے خلاف ہے۔ پھر کیا کوئی نقلی دلیل اس کی تائید میں تمہارے پاس ہے؟ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ جو تم اپنے لئے پسند کر لو گے وہ ہی ملے گا؟ اور تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائینگی۔ یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے کوئی قسم کھالی ہے کہ تم جو کچھ اپنے دل سے ٹھہرالو گے وہ ہی دیا جائے گا؟ اور جس طرح آج عیش ورفاہیت میں ہو۔ قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے؟ جو شخص ان میں سے ایسا دعویٰ اور اس کے ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے، لاؤ، اسے سامنے کرو۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے۔

۲۴۔ یعنی اگر عقلی ونقلی دلیل کوئی نہیں، محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کئے جارہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کر دیں گے اور یوں مرتبے دلادینگے، کیونکہ وہ خود خدائی کے شریک اور حصّہ دار ہیں تو اس دعوے میں ان کا سچّا ہونا اسی وقت ثابت ہو گا جب وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ پر بلا لائیں اور اپنی من مانی کارروائی کرا دیں۔ لیکن یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں۔ وہ تمہاری کیا مدد کرینگے، خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

۲۵۔ کشف ساق: اس کا قصّہ حدیث شیخین میں مرفوعًا اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ میدان قیامت میں اپنے ساق ظاہر فرمائے گا "ساق" (پنڈلی) کو کہتے ہیں اور یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات وحقائق الٰہیہ میں سے جس کو کسی خاص مناسبت سے "ساق" فرمایا۔ جیسے قرآن میں "ید" (ہاتھ) "وجہ" (چہرہ) کا لفظ آیا ہے۔ یہ مفہومات متشابہات میں سے کہلاتے ہیں۔ ان پر اسی طرح بلا کیف ایمان رکھنا چاہئے جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات اور سمع وبصر وغیرہ صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔

اہل ریاء ونفاق سجدہ نہیں کر سکیں گے: اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلّی کو دیکھ کر تمام مؤمنین ومؤمنات سجدہ میں گر پڑینگے۔ مگر جو شخص ریاء سے سجدہ کرتا تھا، اسکی کمر نہیں مڑیگی۔ تختہ سی ہو کر رہ جائیگی، اور جب اہل ریاء ونفاق سجدہ پر قادر نہ ہونگے تو کفار کا اُس پر قادر نہ ہونا بطریق اولیٰ معلوم ہو گیا۔ یہ سب کچھ محشر میں اس لئے کیا جائے گا کہ مومن وکافر اور مخلص ومنافق صاف طور پر کھل جائیں اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسّی طور پر مشاہد ہو جائے (تنبیہ) "متشابہات" پر پہلے کلام کیا جاچکا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس آیت "کشف ساق" کی تفسیر میں نہایت عالی اور عجیب تبصرہ متشابہات پر کیا ہے۔ فلیراجع۔

۲۶۔ یعنی ندامت اور شرمندگی کے مارے آنکھ اُوپر نہ اُٹھ سکے گی۔

۲۷۔ سجدہ سے محرومی کی وجہ: یعنی دنیا میں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا جس وقت اچھے خاصے تندرست تھے اور با اختیار خود سجدہ کر سکتے تھے وہاں کبھی اخلاص سے سجدہ نہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ استعداد ہی باطل ہو گئی اب چاہیں بھی تو سجدہ نہیں کر سکتے۔

۲۸۔ یعنی ان کو عذاب ہونا تو یقینی ہے لیکن چندے عذاب کے توقف سے رنج نہ کیجئے اور انکا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ میں خود ان سے نبٹ لوں گا اور اس طرح بتدریج آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر مگن رہینگے اور اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جائینگی۔

۲۹۔ یعنی میری لطیف اور خفیہ تدبیر ایسی پکی ہے، جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔

۳۰۔ یعنی افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ یہ لوگ اس طرح تباہی کی طرف چلے جارہے ہیں لیکن آپ کی بات نہیں مانتے۔ آخر نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ (تنخواہ یا کمیشن وغیرہ) طلب کرتے ہیں؟ جس کے بوجھ میں وہ دبے جارہے ہیں۔ یا خود ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے؟ جسے وہ حفاظت کے لئے قرآن کی طرح لکھ لیتے ہیں۔ اسلئے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ آخر کچھ سبب تو ہونا چاہئے۔ جب ان پر کچھ بار بھی ڈالا نہیں جاتا اور اس چیز سے استغناء بھی نہیں تو نہ ماننے کا سبب بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

۳۱۔ حضرت یونس علیہ السلام کا غصّہ: یعنی مچھلی کے پیٹ میں جانیوالے پیغمبر (حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرح مکذبین کے معاملہ میں تنگدلی اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کیجئے۔ انکا قصّہ پہلے کئی جگہ تھوڑا تھوڑا گذر چکا ہے۔

۳۲۔ یعنی قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے جھنجھلا کر شتابی عذاب کی دعا بلکہ پیشین گوئی کر بیٹھے (تنبیہ) مَكْظُوْمٌ کے معنی بعض مفسرین نے یہ کئے ہیں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے اور یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا۔ ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک بلا اذن صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا، ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس رہنے کا۔ اس وقت اللہ کو پکارا اور یہ دعا کی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء۔۸۷) اس پر اللہ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔

۳۳۔ یعنی اگر قبول توبہ کے بعد اللہ کا مزید فضل و احسان دستگیری نہ کرتا تو اسی چٹیل میدان میں جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے الزام کھائے ہوئے پڑے رہتے اور وہ کمالات و کرامات باقی نہ رہنے دیئے جاتے جو محض خدا کی مہربانی سے اس ابتلاء کے وقت بھی باقی رہے۔

۳۴۔ یعنی پھر ان کا اور زیادہ رتبہ بڑھایا۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک و شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔ حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

۳۵۔ قرآن سن کر کفّار کا غیظ و غضب: یعنی قرآن سن کر غیظ و غضب میں بھر جاتے ہیں اور اس قدر تیز نظروں سے تیری طرف گھورتے ہیں، جانے تجھ کو اپنی جگہ سے ہٹا دینگے۔ زبان سے بھی آوازے کستے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہو گیا ہے۔ اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اسطرح آپ کو گھبرا کر مقام صبر و استقلال سے ڈگمگا دیں۔ مگر آپ برابر اپنے مسلک پر جمے رہیئے۔ اور تنگدل ہو کر کسی معاملہ میں گھبراہٹ یا جلدی یا مداہنت اختیار نہ کیجئیے۔ (تنبیہ)

نظر لگنا: بعض نے لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ سے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ کو نظر لگائیں۔ چنانچہ جس وقت حضور ﷺ قرآن تلاوت فرما رہے تھے، ان میں سے ایک آیا اور پوری ہمت سے نظر لگانے کی کوشش کی۔ آپ نے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھا اور وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ باقی نظر لگنے یا لگانے کے مسئلہ پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ اور آج کل جبکہ "مسمریزم" ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے، اس میں مزید ردوکد کرنا بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔

۳۶۔ یعنی قرآن میں جنون اور باؤلے پن کی بات کونسی ہے۔ جس کو تم جنون کہہ رہے ہو وہ تو تمام عالم کے لئے اعلیٰ ترین پند و نصیحت کا ذخیرہ ہے۔ اسی سے بنی نوع انسان کی اصلاح اور دنیا کی کایاپلٹ ہو گی۔ اور وہ ہی لوگ دیوانے قرار پائینگے جو اس کلام کے دیوانے نہیں ہیں۔

تم سورۃ القلم وللہ الحمد والمنہ

اٰیاتها ۵۲ | ۶۹ سُوْرَةُ الْحَآقَّـةِ مَكِّيَّةٌ ۷۸ | رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَآقَّةُ ۝۱

۱۔ وہ ثابت ہو چکنے والی

مَا الْحَآقَّةُ ۝۲

۲۔ کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی[۱]

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳

۳۔ اور تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی[۲]

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴

۴۔ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اُس کوٹ ڈالنے والی کو[۳]

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵

۵۔ سو وہ جو ثمود تھے سو غارت کر دیے گئے اچھال کر[۴]

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶

۶۔ اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے نکلی جائے ہاتھوں سے[۵]

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ
حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ
اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷

۷۔ مقرر کر دیا اُسکو اُن پر سات رات اور آٹھ دن تک لگاتار پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اُس میں بچھڑ گئے گویا وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے کھوکھلے[۶]

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸

۸۔ پھر تو دیکھتا ہے کوئی اُن میں کا بچا[۷]

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ
بِالْخَاطِئَةِ ۝۹

۹۔ اور آیا فرعون اور جو اُس سے پہلے تھے اور اُلٹ جانے والی بستیاں خطائیں کرتے ہوئے

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰

۱۰۔ پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا پھر پکڑا اُنکو پکڑنا سخت[۸]

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ۙ﴿۱۱﴾

۱۱۔ ہم نے جس وقت پانی اُبلا دلیا تم کو چلتی کشتی میں

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ تاکہ رکھیں اُسکو تمہاری یادگاری کے واسطے اور سینت کر رکھے اُسکو کان سینت کر رکھنے والا[۹]

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾

۱۳۔ پھر جب پھونکا جائے صور میں ایک بار پھونکنا

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً
وَّاحِدَةً ۙ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اٹھائی جائے زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیے جائیں ایک بار

فَیَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱۵﴾

۱۵۔ پھر اُس دن ہو پڑے وہ ہو پڑنے والی[۱۰]

وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَىِٕذٍ وَّاهِیَةٌ ۙ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور پھٹ جائے آسمان پھر وہ اُس دن بکھر رہا ہے

وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤی اَرْجَآىِٕهَا ؕ وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ
فَوْقَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِیَةٌ ؕ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور فرشتے ہوں گے اُسکے کناروں پر[۱۱] اور اٹھائیں گے تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اُس دن آٹھ شخص[۱۲]

یَوْمَىِٕذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْكُمْ خَافِیَةٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اُس دن سامنے کئے جاؤ گے چھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی چھپی بات[۱۳]

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ
اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۚ﴿۱۹﴾

۱۹۔ سو جس کو ملا اُس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیو میرا لکھا[۱۴]

اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۚ﴿۲۰﴾

۲۰۔ میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب[۱۵]

فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۙ﴿۲۱﴾

۲۱۔ سو وہ ہیں من مانتے گزران میں

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اونچے باغ میں

قُطُوۡفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾	۲۳۔ جسکے میوے جھکے پڑے ہیں[۱۶]
كُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًا ۢ بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِى الۡاَيَّامِ الۡخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾	۲۴۔ کھاؤ اور پیو رچ کر بدلا اُس کا جو آگے بھیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں[۱۷]
وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُوۡتَ كِتٰبِيَهۡ ﴿۲۵﴾	۲۵۔ اور جس کو ملا اُس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اچھا ہوتا جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا
وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِيَهۡ ﴿۲۶﴾	۲۶۔ اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا
يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی
مَاۤ اَغۡنٰى عَنِّىۡ مَالِيَهۡ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال
هَلَكَ عَنِّىۡ سُلۡطٰنِيَهۡ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری[۱۸]
خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اُسکو پکڑو پھر طوق ڈالو
ثُمَّ الۡجَحِيۡمَ صَلُّوۡهُ ﴿۳۱﴾	۳۱۔ پھر آگ کے ڈھیر میں اسکو ڈالو
ثُمَّ فِىۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ﴿۳۲﴾	۳۲۔ پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اُسکو جکڑ دو[۱۹]
اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۳۳﴾	۳۳۔ وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر جو سب سے بڑا
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ﴿۳۴﴾	۳۴۔ اور تاکید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر[۲۰]

فَلَيۡسَ لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ﴿٣٥﴾ لا

٣٥۔ سو کوئی نہیں آج اُس کا یہاں دوستدار[٢١]

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ﴿٣٦﴾ لا

٣٦۔ اور نہ کچھ ملے کھانا مگر زخموں کا دھوون

لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخَاطِـُٔوۡنَ ﴿٣٧﴾ ع ١ ٣٧ ٥

٣٧۔ کوئی نہ کھائے اُسکو مگر وہی گنہگار[٢٢]

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿٣٨﴾ لا

٣٨۔ سو قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی جو دیکھتے ہو

وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿٣٩﴾ لا

٣٩۔ اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے

اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ﴿٤٠﴾ ج

٤٠۔ کہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا[٢٣]

وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ط قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿٤١﴾ لا

٤١۔ اور نہیں ہے یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو[٢٤]

وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ ط قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿٤٢﴾ ط

٤٢۔ اور نہیں ہے کہا پریوں والے کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو[٢٥]

تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٤٣﴾

٤٣۔ یہ اتارا ہوا ہے جہان کے رب کا[٢٦]

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ﴿٤٤﴾ لا

٤٤۔ اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات

لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ﴿٤٥﴾ لا

٤٥۔ تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ

ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ﴿٤٦﴾ صلے ز

٤٦۔ پھر کاٹ ڈالتے اُسکی گردن

فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ ﴿٤٧﴾

٤٧۔ پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اُس سے بچالے[٢٧]

وَاِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿٤٨﴾

٤٨۔ اور یہ نصیحت ہے ڈرنے والوں کو

وَاِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ ﴿٤٩﴾

٤٩۔ اور ہمکو معلوم ہے کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں

وَ اِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۵۰

۵۰۔ اور وہ جو ہے پچھتاوا ہے منکروں پر[۲۸]

وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ ۝۵۱

۵۱۔ اور وہ جو ہے یقین کرنے کے قابل ہے

فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ۝۵۲ ع

۵۲۔ اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا[۲۹]

ع ۲/۵ ۲

۱۔ قیامت کی گھڑی کیا ہے: یعنی وہ قیامت کی گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الٰہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے۔ جبکہ حق باطل سے بالکل واشگاف طور پر بدون کسی طرح کے اشتباہ و التباس کے جدا ہو جائیگا اور تمام حقائق اپنے پورے کمال و سبوغ کے ساتھ نمایاں ہونگے۔ اور اس کے وجود میں جھگڑا کرنے والے سب اس وقت مغلوب و مقہور ہو کر رہینگے۔ جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال و کیفیات اپنے اندر رکھتی ہے۔

۲۔ معذب قوموں کی ہلاکت میں کچھ نمونہ ہے: یعنی کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کتنا ہی سوچے اور فکر کرے اس دن کے زہر گدز اور ہولناک مناظر کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا ہاں تقریب الی الفہم کے لئے بطور تمثیل و تنظیر چند واقعات آگے بیان کئے جاتے ہیں جو دنیا میں اس قیامت کبریٰ کا نشان دینے میں بالکل ہی حقیر اور ناتمام نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ گویا ان چھوٹے "حاقوں" کا ذکر اس بڑے "حاقۃ" کے بیان کے لئے توطیہ و تمہید ہے۔

۳۔ یعنی قوم "ثمود" و "عاد" نے اس آنیوالی گھڑی کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین، آسمان، چاند سورج، پہاڑوں اور انسانوں کا کوٹ کر رکھ دیگی۔ اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کر ڈالیگی۔ پھر دیکھ لو! دونوں کا انجام کیا ہوا۔

۴۔ بھونچال: یعنی سخت بھونچال سے۔ جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا، سب تہ بالا کر دیئے گئے۔

۵۔ آندھی: یعنی وہ ہوا اس قدر تیز و تند تھی جس پر کسی مخلوق کا قابو نہ چلتا تھا حتّٰی کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں انکے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔

۶۔ قوت کا دعویٰ کرنے والوں کا انجام: یعنی جو قوم لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں یہ کہتی ہوئی اتری تھی مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدۃ۔۱۵) (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے) وہ ہماری ہوا کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپڑوں سے اسطرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بیجان تنے ہیں جن کا سرا اوپر سے کٹ گیا ہو۔

۷۔ یعنی ان قوموں کا بیج بھی باقی رہا؟ اس طرح صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں۔

۸۔ فرعون کے تکبّر کا انجام: یعنی "عاد" و "ثمود" کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہوا آیا اور اس سے پہلے اور کئی قومیں گناہ سمیٹتی ہوئی آئیں (مثلاً قوم نوح، قوم شعیب، اور قوم لوط جن کی بستیاں اُلٹ دی گئی تھیں) ان سبھوں نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی، اور خدا سے مقابلے باندھے۔ آخر سب کو خدا نے بڑی سخت پکڑ سے پکڑا، اس کے آگے کسی کی کچھ بھی پیش نہ چلی۔

۹۔ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں پر اللہ کا فضل: یعنی نوحؑ کے زمانہ میں جب پانی کا طوفان آیا تو بظاہر اسباب تم انسانوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکتا تھا یہ ہماری قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکروں کو غرق کر کے نوحؑ کو مع انکے ساتھیوں کے بچا لیا۔ بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ لیکن ہم نے اپنی قدرت و حکمت کا کرشمہ دکھلایا۔ تا لوگ رہتی دنیا

تک اس واقعہ کو یاد رکھیں اور جو کان کوئی معقول بات سن کر سمجھتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر ایک زمانہ میں یہ احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح دنیا کے ہنگامہ دار و گیر میں فرمانبرداروں کو نافرمان مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے، یہ ہی حال قیامت کے ہولناک حاقّہ میں ہو گا۔ آگے اسی کی طرف کلام منتقل کرتے ہیں۔

۱۰۔ نفخِ صُور: یعنی صُور پھنکنے کے ساتھ زمین اور پہاڑ اپنے حیّز کو چھوڑ دینگے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا۔ بس وہ ہی وقت ہے قیامت کے ہو پڑنے کا۔

۱۱۔ آسمان پھٹ جائیگا: یعنی آج آسمان اس قدر مضبوط و محکم ہے کہ لاکھوں سال گذرنے پر بھی کہیں ذرا سا شگاف نہیں پڑا اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ اور جس وقت درمیان سے پھٹنا شروع ہو گا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائینگے۔

۱۲۔ حاملینِ عرش: اب عرش عظیم کو چار فرشتے اُٹھا رہے ہیں جن کی بزرگی اور کلانی کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اس دن ان چار کے ساتھ چار اور لگیں گے۔ تفسیر عزیزی میں اس عدد کی حکمتوں اور ان فرشتوں کے حقائق پر بہت دقیق و بسیط بحث کی ہے۔ جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

۱۳۔ اللہ کی عدالت میں پیشی: یعنی اس دن اللہ کی عدالت میں حاضر کیے جاؤ گے اور کسی کی کوئی نیکی یا بدی مخفی نہ رہیگی، سب منظر عام پر آجائینگی۔

۱۴۔ اعمال نامے: یعنی اس دن جس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا جو ناجی و مقبول ہونے کی علامت ہے وہ خوشی کے مارے ہر کسی کو دکھاتا پھرتا ہے کہ لو آؤ! یہ میرا اعمالنامہ پڑھو۔

۱۵۔ ایمان کا انعام: یعنی میں نے دنیا میں خیال رکھا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہونا ہے اس خیال سے میں ڈرتا رہا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا آج اس کا دل خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ خدا کے فضل سے میرا حساب بالکل صاف ہے۔

۱۶۔ جو کھڑے بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں نہایت سہولت سے چُنے جاسکتے ہیں۔

۱۷۔ اہل جنّت کے عیش و آرام: یعنی دنیا میں تم نے اللہ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اٹھائی تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوب رچ پچ کر کھاؤ پیو، نہ طبیعت منغّص ہو گی نہ بدہضمی نہ بیماری نہ زوال کا کھٹکا۔

۱۸۔ کفّار کے اعمال نامے اور ان کی حسرت: یعنی پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں جس کا اعمالنامہ دیا جائیگا، سمجھ لیگا کہ کمبختی آئی، اس وقت نہایت حسرت سے تمنا کریگا کہ کاش میرے ہاتھ میں اعمالنامہ نہ دیا جاتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی کہ حساب کتاب کیا چیز ہے کاش موت میرا قصہ ہمیشہ کے لئے تمام کر دیتی۔ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا۔ یا اٹھا تھا تو اب موت آکر میرا القمہ کر لیتی۔ افسوس وہ مال و دولت اور جاہ و حکومت کچھ کام نہ آئی۔ آج ان میں سے کسی چیز کا پتہ نہیں۔ نہ میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے نہ معذرت کی گنجائش ہے۔

۱۹۔ کافر کے لئے فرشتوں کو حکم: فرشتوں کو حکم ہو گا اسے پکڑو، طوق گلے میں ڈالو، پھر دوزخ کی آگ میں غوطہ دو اور اُس زنجیر میں جس کا طول ستّر گز ہے اس کو جکڑ دو، تا جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے، کہ ادھر اُدھر حرکت کرنے سے بھی جلنے والا قدرے تخفیف محسوس کیا کرتا ہے، (تنبیہ) گز سے وہاں کا گز مراد ہے جس کی مقدار اللہ ہی جانے۔

۲۰۔ کافر کی اس سزا کی وجہ: یعنی اس نے دنیا میں رہ کر نہ اللہ کو جانا نہ بندوں کے حقوق پہچانے، فقیر محتاج کی خود تو کیا خدمت کرتا دوسروں کو بھی ادھر ترغیب نہ دی۔ پھر جب اللہ پر جس طرح چاہیئے ایمان نہ لایا تو نجات کہاں؟ اور جب کوئی بھلائی کا چھوٹا بڑا کام بن نہ پڑا تو عذاب میں تخفیف کی بھی کوئی صورت نہیں۔

۲۱۔ یعنی جب اللہ کو دوست نہ بنایا تو آج اس کا دوست کون بن سکتا ہے جو حمایت کر کے عذاب سے بچا دے یا مصیبت کے وقت کچھ تسلّی کی بات کرے۔

۲۲۔ دوزخ میں کافر کا کھانا: کھانے سے بھی انسان کو قوت پہنچتی ہے مگر دوزخیوں کو کوئی ایسا مرغوب کھانا نہ ملیگا جو راحت و قوت کا سبب ہو۔ ہاں دوزخیوں کے زخموں کی پیپ دی جائے گی جسے ان گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا اور وہ بھی بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلیگا۔ بعد کو ظاہر ہو گا کہ اس کا کھانا بھوک کے عذاب سے بڑا عذاب ہے (اعاذنا اللہ من سائر انواع العذاب فی الدنیا والاٰخرۃ)۔

۲۳۔ یہ بیان سچّا اور حق ہے: یعنی جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا، یہ کوئی شاعری نہیں نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام، جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لیکر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا۔ جو آسمان سے لایا وہ، اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا، دونوں رسول کریم ہیں ایک کا کریم ہونا تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور دوسرے کی کرامت و بزرگی پہلے کریم کے بیان سے ثابت ہے۔ (تنبیہ)

علم وحی کی فضیلت: عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جنکو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، عقل وغیرہ کے ذریعہ سے ان کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئیگی لیکن حکماء کے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر ہم اپنی آنکھ غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کے یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے حواس کی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں وہاں عقل کام دیتی ہے، ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لئے یہاں بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ وَمَالَا تُبۡصِرُوۡنَ کی قسم کھائی۔ یعنی جو حقائق جنت و دوزخ وغیرہ کی پہلی آیات میں بیان ہوئی ہیں، اگر دائرہ محسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات و غیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات و غیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی دائرۃ حس و عقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے۔ جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے۔

۲۴۔ قرآن شاعری نہیں ہے: یعنی قرآن کے کلام اللہ ہونے کی نسبت کبھی کبھی یقین کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آتی ہے، مگر بہت کم جو نجات کے لئے کافی نہیں۔ آخر اس کو شاعری وغیرہ کہہ کر اُڑا دیتے ہو۔ کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہو سکتا ہے اور شعر کی قسم سے ہے۔ شعر میں وزن و بحر وغیرہ ہونا لازم ہے۔ قرآن میں اس کا پتہ نہیں۔ شاعروں کا کلام اکثر بے اصل ہوتا ہے اور اس کے اکثر مضامین محض وہمی اور خیالی ہوتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم میں تمام تر حقائق ثابتہ اور اصول محکمہ کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۲۵۔ یہ کاہن کا کلام بھی نہیں ہے: یعنی پوری طرح دھیان کرو تو معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں۔ کاہن عرب میں وہ لوگ تھے جو بھوت پریت، جنّوں اور چڑیلوں سے تعلق یا مناسبت رکھتے تھے۔ وہ ان کو غیب کی بعض جزئی باتیں ایک مقفّٰی و مسجع کلام کے ذریعہ سے بتلاتے تھے۔ لیکن جنوں کا کلام معجزہ نہیں ہوتا کہ ویسا دوسرا نہ کر سکے، بلکہ ایک جن کسی کاہن کو جو ایک بات سکھلاتا ہے دوسرا جن بھی ویسی بات دوسرے کاہن کو سکھلا سکتا ہے اور یہ کلام یعنی قرآن کریم ایسا معجزہ ہے کہ سب جن و انس مل کر بھی اس کے مشابہ کلام نہیں بنا سکتے۔ دوسرے کاہنوں کے کلام میں محض قافیہ اور سجع کی رعایت کے لئے بہت الفاظ بھرتی کے بالکل بیکار اور بے فائدہ ہوتے ہیں، اور اس کلام معجز نظام میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں چند مبہم جزئی اور معمولی خبروں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ لیکن علوم و

حقائق پر مطلع ہونا اور ادیان و شرائع کے اصول و قوانین اور معاش و معاد کے دستور و آئین کا معلوم کر لینا اور فرشتوں کے اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں پر سے آگاہی پانا ان سے نہیں ہو سکتا۔ بخلاف قرآن کریم کے وہ ان ہی مضامین سے پر ہے۔

۲۶۔ اسی لئے سارے جہان کی تربیت کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔

۲۷۔ نبی اللہ کے کلام میں خیانت نہیں کر سکتا: حضرت شاہ عبد القادرؒ لکھتے ہیں "یعنی اگر جھوٹ بناتا اللہ پر تو اوّل اس کا دشمن اللہ ہوتا اور ہاتھ پکڑ تا یہ دستور ہے گردن مارنے کا کہ جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھتا ہے تا سر ک نہ جائے۔ حضرت شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ تَقَوَّلَ کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر رسول بالفرض کوئی حرف اللہ کی طرف منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے جو اللہ نے نہ کہا ہو تو اسی وقت اس پر عذاب کیا جائے (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کی تصدیق اور سچائی آیات بیّنات اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے ظاہر کی جا چکی ہے۔ اب اگر اس قسم کی بات پر فوراً عذاب اور سزا نہ کی جائے تو وحی الٰہی سے امن اُٹھ جائیگا اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جائے گا جس کی اصلاح ناممکن ہو جائیگی۔ جو حکمت تشریع کے منافی ہے۔

نبوّت کے جھوٹے دعوے کو اللہ چلنے نہیں دیتا: بخلاف اس شخص کے جس کا رسول ہونا آیات و براہین سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ کھلے ہوئے قرائن و دلائل علانیہ اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بھی بیہودہ اور خرافات ہے کوئی عاقل اس کو در خور اعتناء نہ سمجھے گا اور نہ بحمد اللہ دین الٰہی میں کوئی التباس و اشتباہ واقع ہو گا۔ ہاں ایسے شخص کی معجزات وغیرہ سے تصدیق ہونا محال ہے۔ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور رسوا کرنے کے لئے ایسے امور بر روئے کار لائے جو اس کے دعوئے رسالت کے مخالف ہوں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح بادشاہ ایک شخص کو کسی منصب پر مامور کر کے اور سند و فرمان وغیرہ دے کر کسی طرف روانہ کرتے ہیں۔ اب اگر اس شخص سے اس خدمت میں کچھ خیانت ہوئی یا بادشاہ پر کچھ جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہوا تو اسی وقت بلا توقف اس کا تدارک کرتے ہیں۔ لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ گورنمنٹ کا میرے لئے یہ فرمان ہے یا میرے ذریعہ سے یہ احکام دیئے گئے ہیں تو کون اس کی بات پر کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعووں سے تعرض کرتا ہے۔ بہر حال آیت ھٰذا میں حضور ﷺ کی نبوّت پر استدلال نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم خالص اللہ کا کلام ہے جس میں ایک حرف یا ایک شوشہ نبی کریم ﷺ بھی اپنی طرف سے شامل نہیں کر سکتے۔ اور نہ باوجود پیغمبر ہونے کے آپ کی یہ شان ہے کہ کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں جو اس نے نہ کہی ہو۔ تورات سفر استثناء کے اٹھارویں باب میں بیسواں فقرہ یہ ہے "لیکن وہ نبی ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو نبی ہو گا اس سے ایسا ممکن نہیں فنظیر ہذہ الآیہ قولہ تعالیٰ فی البقرۃ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ (البقرۃ۔۱۲۰)۔

۲۸۔ یعنی خدا سے ڈرنیوالے اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کرینگے اور جنکے دل میں ڈر نہیں وہ جھٹلائیں گے لیکن ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ ہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت و پشیمانی کا موجب ہو گا۔ اس وقت پچتائیں گے کہ افسوس کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی۔

۲۹۔ یعنی یہ کتاب تو ایسی چیز ہے جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین سر تا پا سچ اور ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ لازم ہے کہ آدمی اس پر ایمان لا کر اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو۔

تم سورۃ الحاقہ وللہ الحمد

اٰیاتها ۴۴ ۷۰ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۹ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾

۱۔ مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا

لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾

۲۔ منکروں کے واسطے کوئی نہیں اُسکو ہٹانے والا[۱]

مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾

۳۔ آئے اللہ کی طرف سے جو چڑھتے درجوں والا ہے[۲]

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ
مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾

۴۔ چڑھیں گے اُسکی طرف فرشتے اور روح[۳] اُس دن میں جس کا لنباؤ پچاس ہزار برس ہے[۴]

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾

۵۔ سو تو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا[۵]

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾

۶۔ وہ دیکھتے ہیں اُسکو دور

وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ﴿۷﴾

۷۔ اور ہم دیکھتے ہیں اُسکو نزدیک[۶]

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾

۸۔ جس دن ہو گا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا[۷]

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾

۹۔ اور ہوں گے پہاڑ جیسے اون رنگی ہوئی[۸]

وَ لَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚۖ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور نہ پوچھے گا دوستدار دوستدار کو

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِیْ مِنْ
عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾

۱۱۔ سب نظر آجائیں گے اُنکو[۹] چاہے گا گنہگار کسی طرح چھڑوائی میں دے کر اُس دن کے عذاب سے اپنے بیٹے کو

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور اپنی ساتھ والی کو اور اپنے بھائی کو

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور اپنے گھرانے کو جس میں رہتا تھا

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور جتنے زمین پر ہیں سب کو پھر اپنے آپ کو بچالے

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾

۱۵۔ ہرگز نہیں[۱۰] وہ تپتی ہوئی آگ ہے

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾

۱۶۔ کھینچ لینے والی کلیجہ[۱۱]

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پکارتی ہے اُسکو جس نے پیٹھ پھیر لی

وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور پھر کر چلا گیا اور جوڑا اور سینت کر رکھا[۱۲]

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ بیشک آدمی بنا ہے جی کا کچا

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ جب پہنچے اُسکو برائی تو بے صبرا

وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور جب پہنچے اُسکو بھلائی تو بے توفیقا[۱۳]

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ مگر وہ نمازی

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ جو اپنی نماز پر قائم ہیں[۱۴]

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور جنکے مال میں حصہ مقرر ہے

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا[۱۵]

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور جو یقین کرتے ہیں انصاف کے دن پر[۱۶]

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۚ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور جو لوگ کہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں[۱۷]

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ بیشک اُنکے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہیئے[۱۸]

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں

اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ مگر اپنی جوروں سے یا اپنے ہاتھ کے مال سے سو ان پر نہیں کچھ اُلاہنا

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اسکے سوائے سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے[۱۹]

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں اور اپنے قول کو نباہتے ہیں[۲۰]

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۙ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں[۲۱]

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ؕ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں[۲۲]

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ؕ ﴿۳۵﴾ ع ۱ ۳۵ ۷

۳۵۔ وہی لوگ ہیں باغوں میں عزت سے[۲۳]

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر کیا ہوا ہے منکروں کو تیری طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ داہنے سے اور بائیں سے غول کے غول

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۙ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ کیا طمع رکھتا ہے ہر ایک شخص اُن میں کہ داخل ہو جائے نعمت کے باغ میں

كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ ہر گز نہیں[۲۴] ہم نے اُنکو بنایا ہے جس سے وہ بھی جانتے ہیں[۲۵]

فَلَآ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَ الۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ ۝۴۰	۴۰۔ سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی[۲۶] تحقیق ہم کر سکتے ہیں
عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ ۙ وَ مَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ۝۴۱	۴۱۔ کہ بدل کر لے آئیں اُن سے بہتر اور ہمارے قابو سے نکل نہ جائیں گے[۲۷]
فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ۝۴۲	۴۲۔ سو چھوڑ دے اُنکو کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ مل جائیں اپنے اُس دن سے جس کا اُن سے وعدہ ہے[۲۸]
یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ ۝۴۳	۴۳۔ جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر دوڑتے جاتے ہیں[۲۹]
خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الۡیَوۡمُ الَّذِیۡ کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ ۝۴۴	۴۴۔ جھکی ہوں گی اُنکی آنکھیں چڑھی آتی ہوگی اُن پر ذلت یہ ہے وہ دن جس کا اُن سے وعدہ تھا[۳۰]

ع ۲ ۹ ۸

۱۔ کفّار پر آنے والا عذاب ضرور آئیگا: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی پیغمبر نے تم پر عذاب مانگا ہے وہ کسی سے نہ ہٹایا جائیگا"۔ یا عذاب مانگنے والے کفار ہوں جو کہا کرتے تھے کہ آخر جس عذاب کا وعدہ ہے وہ جلدی کیوں نہیں آتا، اے اللہ! اگر محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کا کہنا سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے۔ یہ باتیں انکار و تمسخر کی راہ سے کہتے تھے اس پر فرمایا کہ عذاب مانگنے والے ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے کسی کے روکے رک نہیں سکتی۔ کفار کی انتہائی حماقت یا شوخ چشمی ہے جو ایسی چیز کا اپنی طرف سے مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ فرشتوں اور روحوں کے درجات: یعنی فرشتے اور مومنین کی روحیں تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کر کے اس کی بارگاہ قرب تک چڑھتی ہیں، یا اسکے بندے اسکے حکموں کی تابعداری میں جان و دل سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر قرب و وصول کے روحانی مرتبوں اور درجوں سے ترقی کرتے ہوئے اسکی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجے مسافت کی دوری اور نزدیکی میں مختلف اور متفاوت ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک پلک مارنے میں انکے سبب سے ترقی ہو سکتی ہے جیسے اسلام کا کلمہ زبان سے کہنا، اور بعض ایسے ہیں کہ ایک ساعت میں ان سے ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے نماز ادا کرنا اور بعض سے پورے ایک دن میں، جیسے روزہ، یا ایک مہینہ میں، جیسے پورے رمضان کے روزے، یا ایک سال میں جیسے حج ادا کرنا وعلیٰ ہذا القیاس اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج جو کسی کام پر مقرر ہیں اس کام سے فراغت پانے کے بعد مختلف ومتفاوت ہے اور اس خداوند قدوس کی تدبیر وانتظام کا اتار چڑھاؤ بیشمار درجے رکھتا ہے۔

۳۔ یعنی فرشتے اور لوگوں کی روحیں پیشی کے لئے حاضر ہوں گی۔

۴۔ پچاس ہزار سال کا دن: پچاس ہزار برس کا دن قیامت کا ہے۔ یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے وقت سے لے کر بہشتیوں کے بہشت میں، اور دوزخیوں کے دوزخ میں قرار پکڑنے تک پچاس ہزار برس کی مدت ہوگی اور کل فرشتے اور تمام قسم کی مخلوقات کی روحیں اس تدبیر میں بطور خدمتگار کے شریک ہونگی۔ پھر اس بڑے کام کے سرانجام کی مدت گذرنے پر انکو عروج ہوگا۔ (تنبیہ) حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا "خدا کی قسم ایماندار آدمی کو وہ (اتنا لمبا) دن ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک نماز فرض ادا کرلیتا ہے"۔

۵۔ یعنی یہ کافر اگر ازراہ انکار و تمسخر عذاب کے لئے جلدی مچائیں، تب بھی آپ جلدی نہ کریں۔ بلکہ صبر واستقلال سے رہیں، نہ تنگدل ہوں، نہ حرف شکایت زبان پر آئے آپ کا صبر اور ان کا تمسخر ضرور رنگ لائیگا۔

۶۔ یعنی انکے خیال میں قیامت کا آنا بعید از امکان اور دور از عقل ہے۔ اور ہم کو اس قدر قریب نظر آرہی ہے گویا آئی رکھی ہے۔

۷۔ قیامت کے مختلف احوال: بعض نے "مُہل" کا ترجمہ تیل کی تلچھٹ سے کیا ہے۔

۸۔ اُون مختلف رنگ کی ہوتی ہے اور پہاڑوں کی رنگتیں بھی مختلف ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَ غَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ (فاطر۔۲۷) دوسری جگہ فرمایا كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ (القارعہ۔۵) یعنی پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھرینگے۔

۹۔ دوستوں کی دوستی کام نہ آئیگی: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "سب نظر آجائینگے یعنی دوستی ان کی نکمی تھی"۔ ایک دوسرے کا حال دیکھے گا۔ مگر کچھ مدد وحمایت نہ کرسکے گا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔

۱۰۔ یعنی چاہیگا کہ بس چلے تو سارے کنبہ بلکہ ساری دنیا کو فدیہ میں دیکر اپنی جان بچالے۔ مگر یہ ممکن نہ ہوگا۔

۱۱۔ یعنی وہ آگ مجرم کو کہاں چھوڑتی ہے۔ وہ تو کھال اُتار کر اندر سے کلیجہ نکال لیتی ہے۔

۱۲۔ یعنی دوزخ کی طرف سے ایک کشش اور پکار ہوگی۔ بس جتنے لوگ دنیا میں حق کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چلدیے تھے اور عمل صالح کی طرف سے اعراض کرتے اور مال سمیٹنے اور سینت کر رکھنے میں مشغول رہے تھے۔ وہ سب دوزخ کی طرف کھنچے چلے آئینگے۔ بعض آثار میں ہے کہ دوزخ اوّل زبان قال سے پکاریگی اِلَیَّ یا کافر، اِلَیَّ یا منافق، اِلَیَّ یا جامعُ المال (یعنی او کافر! او منافق! او مال سمیٹ کر رکھنے والے! اِدھر آ) لوگ اِدھر اُدھر بھاگیں گے۔ اسکے بعد ایک بہت لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چُن چُن کر اس طرح اٹھالیگی جیسے جانور زمین سے دانہ اٹھالیتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

۱۳۔ انسان کی کم ہمتی: یعنی کسی طرف پختگی اور ہمت نہیں دکھلاتا۔ فقر فاقہ، بیماری اور سختی آئے تو بے صبر ہو کر گھبرا اٹھے، بلکہ مایوس ہو جائے گویا اب کوئی سبیل مصیبت سے نکلنے کی باقی نہیں رہی اور مال و دولت تندرستی اور فراخی ملے تو نیکی کیلئے ہاتھ نہ اٹھے، اور مالک کے راستہ میں خرچ کرنے کو توفیق نہ ہو۔ ہاں وہ لوگ مستثنٰی ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

۱۴۔ مومنین کے آٹھ اوصاف: یعنی گنڈے دار نہیں بلکہ مداومت والتزام سے نماز پڑھتے ہیں اور نماز کی حالت میں نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

۱۵۔ سورۃ "المومنون" میں اس کی تفسیر گذر چکی۔

۱۶۔ یعنی اس یقین کی بناء پر اچھے کام کرتے ہیں جو اس دن کام آئیں۔

۱۷۔ یعنی اس سے ڈر کر برائیوں کو چھوڑتے ہیں۔

۱۸۔ یعنی اللہ کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس کی طرف سے مامون اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔

۱۹۔ یعنی بیوی اور باندی کے سوا جو اور کوئی جگہ قضائے شہوت کے لئے ڈھونڈے وہ حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالتا ہے۔

۲۰۔ اللہ اور بندوں کے حقوق: اس میں اللہ کے اور بندوں کے سب حقوق آگئے۔ کیونکہ آدمی کے پاس جس قدر قوتیں ہیں سب اللہ کی امانت

ہیں۔ انکو اسی کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہیئے۔ اور جو قول و قرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہیئے۔

۲۱۔ یعنی ضرورت پڑے تو بلا کم وکاست اور بے رو رعایت گواہی دیتے ہیں۔ حق پوشی نہیں کرتے۔

۲۲۔ یعنی نمازوں کے اوقات اور شروط و آداب کی خبر رکھتے ہیں اور اسکی صورت و حقیقت کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔

۲۳۔ نماز کی اہمیّت: جنتیوں کی یہ آٹھ صفتیں ہوئیں جنکو نماز سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا ہے۔ تا معلوم ہو کہ نماز اللہ کے ہاں کس قدر مہتم بالشان عبادت ہے جس میں یہ صفات ہونگی وہ "ہلوع" (کچے دل کا) نہ ہوگا بلکہ عزم وہمت والا ہوگا۔

۲۴۔ کفّار کا استہزاء اور جنت سے محرومی: یعنی قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر کفار ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر تیری طرف اڈے چلے آتے ہیں۔ پھر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں، کیا اس کے باوجود یہ بھی طمع رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کئے جائینگے؟ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم کو لوٹ کر خدا کی طرف جانا ہوا تو وہاں بھی ہمارے لئے بہتری ہی بہتری ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس خداوند عادل وحکیم کے ہاں! ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ) ابن کثیر نے ان آیات کا مطلب یہ لیا ہے کہ تیری طرف کے ان منکروں کو کیا ہوا کہ تیزی کے ساتھ دوڑے چلے جاتے ہیں داہنے اور بائیں، غول کے غول، یعنی قرآن سن کر ایسے کیوں بدکتے اور بھاگتے ہیں۔ پھر کیا اس وحشت و نفرت کے باوجود یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ ان میں ہر شخص بے کھٹکے جنت میں جا گھسے گا؟ ہرگز نہیں۔ وھذا کما قال تعالیٰ فَمَا لَهُمۡ عَنِ التَّذۡكِرَةِ مُعۡرِضِيۡنَ۔ كَاَنَّهُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَةٌ۔ فَرَّتۡ مِنۡ قَسۡوَرَةٍ (مدثر۔ ۵۱،۵۰،۴۹)۔

۲۵۔ انسان کی حقیقت: یعنی مٹی جیسی حقیر یا منی جیسی گھناؤنی چیز سے پیدا ہوا وہ کہاں لائق ہے بہشت کے۔ مگر ہاں جب ایمان کی بدولت پاک وصاف اور معظم ومکرم ہو۔ اور ممکن ہے اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّمَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۔ سے اشارہ ہو اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا کی طرف جو چند آیات پہلے اسی سورت میں آ چکا ہے یعنی وہ پیدا تو ہوا ہے ان صفات پر اور اِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَ۔ الَّذِيۡنَ هُمۡ الخ کے استثناء میں اپنے کو شامل نہ کیا۔ پھر بہشت کا مستحق کیسے ہو۔ اس تقریر پر مِمَّا يَعۡلَمُوۡنَ کی ترکیب خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ (انبیاء۔۳۷) کے قبیل سے ہوگی۔

۲۶۔ مشارق ومغارب کی توجیہہ: آفتاب ہر روز ایک نئے نقطہ سے طلوع ہوتا اور نئے نقطہ پر غروب ہوتا ہے۔ ان کو "مشارق" و "مغارب" کہا۔

۲۷۔ ہم تم سے بہتر قوم لا سکتے ہیں: یعنی جب انکی جگہ اس سے بہتر لا سکتے ہیں تو خود ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل کر کہیں جا سکتے ہیں؟ یا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ سے مراد ان ہی کا دوبارہ پیدا کرنا ہو۔ کیونکہ عذاب ہو یا ثواب، دوسری زندگی اس زندگی سے بہر حال اکمل ہوگی۔ یا یہ مطلب ہو کہ ان کفار مکہ کو ہنسی ٹھٹھا کرنے دیجئے، ہم خدمتِ اسلام کے لئے اس سے بہتر قوم لے آئینگے چنانچہ "قریش" کی جگہ اس نے "انصار مدینہ" کو کھڑا کر دیا۔ اور مکہ والے پھر بھی اس کے قابو سے نکل کر کہیں نہ جا سکے۔ آخر اپنی شرارتوں کے مزے چکھنے پڑے۔ (تنبیہ) مشارق ومغارب کی قسم شاید اس لئے کھائی کہ خدا ہر روز مشرق ومغرب کو بدلتا رہتا ہے اس کو تمہارا تبدیل کرنا کیا مشکل ہے۔

۲۸۔ یعنی تھوڑے دن کی ڈھیل ہے۔ پھر سزا ہونی یقینی ہے۔

۲۹۔ قبروں سے نکل کر دوڑنا: یعنی کسی خاص نشان اور علامت کی طرف جیسے تیزی سے دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا "نصب" سے بت مراد ہوں جو کعبہ کے گرد کھڑے کئے ہوئے تھے۔ ان کی طرف بھی بہت عقیدت اور شوق کے ساتھ لپکتے ہوئے جاتے تھے۔

۳۰۔ یعنی قیامت کا دن۔

تم سورۃ المعارج وللہ الحمد والمنہ

اٰیاتھا ۲۸ ۷۱ سُوۡرَۃُ نُوۡحٍ مَکِّیَّۃٌ ۷۱ رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ
قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾

۱۔ ہم نے بھیجا نوح کو اُسکی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے اُن پر عذاب دردناک[۱]

قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۙ﴿۲﴾

۲۔ بولا اے قوم میری میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر

اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۙ﴿۳﴾

۳۔ کہ بندگی کرو اللہ کی اور اُس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو[۲]

یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ
مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ
کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾

۴۔ تا کہ بخشے وہ تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک مقرر وعدہ تک[۳] وہ وعدہ جو کیا ہے اللہ نے جب آ پہنچے گا اُسکو ڈھیل نہ ہو گی[۴] اگر تمکو سمجھ ہے[۵]

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ﴿۵﴾

۵۔ بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن

فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

۶۔ پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے[۶]

وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ
فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ
اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ﴿۷﴾

۷۔ اور میں نے جب کبھی اُنکو بلایا تا کہ تو اُنکو بخشے ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں[۷] اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے[۸] اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور[۹]

ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ۙ﴿۸﴾

۸۔ پھر میں نے اُنکو بلایا برملا[۱۰]

ثُمَّ اِنِّيْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾

۹۔ پھر میں نے اُنکو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے [۱۱]

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾

۱۰۔ تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا [۱۲]

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾

۱۱۔ چھوڑ دے گا آسمان کی تم پر دھاریں

وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ
وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور بڑھادے گا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنادے گا تمہارے واسطے باغ اور بنادے گا تمہارے لئے نہریں [۱۳]

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۳﴾

۱۳۔ کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی [۱۴]

وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اُسی نے بنایا تمکو طرح طرح سے [۱۵]

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
طِبَاقًا ۙ﴿۱۵﴾

۱۵۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہہ پر تہہ [۱۶]

وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ
سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور رکھا چاند کو اُن میں اجالا اور رکھا سورج کو چراغ جلتا ہوا [۱۷]

وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور اللہ نے اگایا تمکو زمین سے جما کر [۱۸]

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ پھر مکرر ڈالے گا تم کو اس میں اور نکالے گا تم کو باہر [۱۹]

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور اللہ نے بنادیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا

لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۧ﴿۲۰﴾ ع ۱ ۹

۲۰۔ تاکہ چلو اُس میں کشادہ رستے [۲۰]

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ

۲۱۔ کہا نوح نے اے رب میرے انہوں نے میرا کہا

مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾

نہ مانا اور مانا ایسے کا جسکو اُسکے مال اور اولاد سے اور زیادہ ہو ٹوٹا[٢١]

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾

٢٢۔ اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ[٢٢]

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا
سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾

٢٣۔ اور بولے ہر گز نہ چھوڑیو اپنے معبودوں کو[٢٣] اور نہ چھوڑیو ودّ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق اور نسر کو[٢٤]

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا
ضَلٰلًا ﴿٢٤﴾

٢٤۔ اور بہکا دیا بہتوں کو اور تو نہ زیادہ کرنا (کریو) بے انصافوں کو مگر بھٹکنا[٢٥]

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ
يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿٢٥﴾

٢٥۔ کچھ وہ اپنے گناہوں سے دبائے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں[٢٦] پھر نہ پائے اپنے واسطے انہوں نے اللہ کے سوائے کوئی مدد گار[٢٧]

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾

٢٦۔ اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑیو زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا
فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾

٢٧۔ مقرر اگر تو چھوڑ دے گا انکو بہکائیں گے تیرے بندوں کو اور جو جنیں گے سو ڈھیٹھ حق کا منکر[٢٨]

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا
وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا
تَبَارًا ﴿٢٨﴾ ع ٢ ١٠

٢٨۔ اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں ایماندار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو[٢٩] اور گنہگاروں پر بڑھتا رکھ یہی برباد ہونا

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ: یعنی اس سے پہلے کہ کفر و شرارت کی بدولت دنیا میں طوفان کے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہو۔

۲۔ قوم کو تبلیغ: یعنی اللہ سے ڈر کر کفر و معصیت چھوڑو اور طاعت و عبادت کا راستہ اختیار کرو۔

۳۔ یعنی ایمان لے آؤ گے تو اس سے پہلے اللہ کے جو حقوق تلف کئے ہیں وہ معاف کر دیگا، اور کفر و شرارت پر جو عذاب آنا مقدر ہے ایمان لانے کی صورت میں وہ نہ آئیگا۔ بلکہ ڈھیل دیجائیگی کہ عمر طبعی تک زندہ رہو۔ حتّٰی کہ جانداروں کی موت و حیات کے عام قانون کے موافق اپنے مقرر وقت پر موت آئے۔ کیونکہ اس سے تو بہر حال کسی نیک و بد کو چارہ نہیں۔

۴۔ عذاب کی وعید: یعنی ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آکھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا نہ ایک منٹ کی ڈھیل دی جائیگی۔ یا یہ مطلب ہو کہ موت کا وقت معین پر آنا ضروری ہے اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ والظاہر ہو الاول۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان آیات کی تقریر ایک اور طرح کرتے ہیں۔ "یعنی بندگی کرو کہ نوع انسان دنیا میں قیامت تک رہے۔ اور قیامت کو تو دیر نہ لگے گی اور جو سب مل کر بندگی چھوڑ دو تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ"۔ طوفان آیا تھا ایسا ہی کہ ایک آدمی نہ بچے۔ حضرت نوحؑ کی بندگی سے انکا بچاؤ ہو گیا۔

۵۔ یعنی اگر تم کو سمجھ ہے تو یہ باتیں سمجھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔

۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اللہ سے قوم کی شکایت: یعنی نوحؑ ساڑھے نو سو برس تک ان کو سمجھاتے رہے۔ جب اُمید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہو کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ بار خدایا میں نے اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ رات کی تاریکی میں اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں تیری طرف آنے کو کہا گیا یہ بدبخت اور زیادہ اِدھر سے منہ پھیر کر بھاگے اور جس قدر میری طرف سے شفقت و دلسوزی کا اظہار ہوا، ان کی جانب سے نفرت اور بیزاری بڑھتی گئی۔

۷۔ کیونکہ میری بات سننا ان کو گوارا نہیں۔ چاہتے ہیں کہ یہ آواز کان میں نہ پڑے۔

۸۔ حضرت نوح کی بات سننے سے اعراض: تا وہ میری اور میں انکی صورت نہ دیکھوں۔ نیز انگلیاں اگر کسی وقت کانوں میں ڈھیلی پڑ جائیں تو کچھ کپڑوں کی روک رہے غرض کوئی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے۔

۹۔ یعنی کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور اجازت نہیں دیتا کہ میری بات کی طرف ذرا بھی کان دھریں۔

۱۰۔ یعنی ان کے مجمعوں میں خطاب کیا اور مجلسوں میں جا کر سمجھایا۔

۱۱۔ حضرت نوح کی بات سننے سے اعراض: یعنی مجمع کے سوا ان سے علیحدگی میں بات کی، صاف کھول کر بھی اور اشاروں میں بھی، زور سے بھی اور آہستہ بھی، غرض نصیحت کا کوئی عنوان اور کوئی رنگ نہیں چھوڑا۔

۱۲۔ اللہ سے اپنے گناہ بخشواؤ: یعنی باوجود سینکڑوں برس سمجھانے کے اب بھی اگر میری بات مان کر اپنے مالک کی طرف جھکو گے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کراؤ گے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے، پچھلے سب قصور یک قلم معاف کر دیگا۔

۱۳۔ اللہ کی نعمتیں برسیں گی: یعنی ایمان و استغفار کی برکت سے قحط و خشک سالی (جس میں وہ برسوں سے مبتلا تھے) دور ہو جائیگی اور اللہ تعالیٰ دھواں دھار برسنے والا بادل بھیج دیگا جس سے کھیت اور باغ خوب سیر اب ہونگے۔ غلّے، پھل، میوہ کی افراط ہو گی، مواشی وغیرہ فربہ ہو جائیں گے، دودھ گھی بڑھ جائے گا اور عورتیں جو کفر و معصیت کی شامت سے بانجھ ہو رہی ہیں اولاد ذکور جننے لگیں گی۔ غرض آخرت کے ساتھ دنیا کے عیش و بہار سے بھی وافر حصہ دیا جائے گا۔ (تنبیہ)

استسقاء کی اصل رُوح: امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ استسقاء کی اصل حقیقت اور روح استغفار و انابت ہے اور نماز اس کی کامل ترین صورت ہے، جو سنت صحیحہ سے ثابت ہوئی۔

۱۴۔ یعنی اللہ کی بڑائی سے امید رکھنا چاہئیے کہ تم اس کی فرمانبرداری کروگے تو تم کو بزرگی اور عزّت و وقار عنایت فرمائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت و جلال سے ڈرتے کیوں نہیں۔

۱۵۔ تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا: یعنی ماں کے پیٹ میں تم نے طرح طرح کے رنگ بدلے۔ اور اصلی مادہ سے لیکر موت تک آدمی کتنی پلٹیاں کھاتا ہے اور کتنے اطوار و ادوار اور اتار و چڑھاؤ ہیں جن سے گذرتا ہے۔

۱۶۔ یعنی ایک کے اُوپر ایک۔

۱۷۔ آسمان اور چاند سورج پیدا کئے: سورج کا نور تیز اور گرم ہوتا ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔ شاید اس لئے اس کو جلتے چراغ سے تشبیہ دی۔ اور چاند کے نور کو اسی چراغ کی روشنی کا پھیلاؤ سمجھنا چاہئیے جو جرم قمر کے توسط سے ٹھنڈی ٹھنڈی اور دھیمی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۸۔ یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جماؤ کے ساتھ پیدا کیا اوّل ہمارے باپ آدم مٹی سے پیدا ہوئے، پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔

۱۹۔ یعنی مرے پیچھے مٹی میں مل جاتے ہیں پھر قیامت کے دن اسی سے نکالے جائیں گے۔

۲۰۔ یعنی اُس پر لیٹو، بیٹھو، چلو، پھرو ہر طرف کشادہ راستے نکال دیئے ہیں۔ ایک شخص چاہے اور وسائل ہوں تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے۔ راستہ کی کوئی رکاوٹ نہیں۔

۲۱۔ انہوں نے میرا کہا نہیں مانا: یعنی اپنے رئیسوں اور مالداروں کا کہا مانا جن کے مال و اولاد میں کچھ خوبی اور بہتری نہیں بلکہ وہ ان پر ٹوٹا ہے ان ہی کے سبب دین سے محروم رہے اور غایت تمرد و تجبر سے اوروں کو بھی محروم رکھا۔

۲۲۔ یعنی سب کو سمجھا دیا کہ اس کی بات نہ مانو اور طرح طرح کی ایذاء رسانی کے درپے رہے۔

۲۳۔ دوسروں کو بات نہ ماننے کی وصیت: یعنی اپنے معبودوں کی حمایت پر جمے رہنا، نوح کے بہکائے میں نہ آنا، کہتے ہیں کہ سینکڑوں برس تک ہر ایک اپنی اولاد اور اولاد در اولاد کو وصیت کر جاتا تھا کہ کوئی اس بڈھے "نوحؑ" کے فریب میں نہ آئے اور اپنی آبائی دین سے قدم نہ ہٹائے۔

۲۴۔ قوم نوح علیہ السلام کے بُت: یہ انکے بُتوں کے نام ہیں۔ ہر مطلب کا ایک الگ بُت بنا رکھا تھا۔ وہ ہی بُت پھر عرب میں آئے۔ اور ہندوستان میں بھی۔ اسی قسم کے بُت یشنو، برہما، اندر، شِو اور ہنومان وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ اس کی مفصل تحقیق حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر عزیزی میں کی۔ بعض روایات میں ہے کہ پہلے زمانہ میں کچھ بزرگ لوگ تھے ان کی وفات کے بعد شیطان کے اغواء سے قوم نے ان کی تصویریں بطور یادگار بنا کر کھڑی کرلیں۔ پھر ان کی تعظیم ہونے لگی۔ شدہ شدہ پرستش کرنے لگے۔ (العیاذ باللہ)۔

۲۵۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کی وجہہ: حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "یعنی (بھٹکتے رہیں) کوئی تدبیر (سیدھی) بن نہ پڑے"۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ "استدراج کے طور پر بھی انکو اپنی معرفت سے آشنا نہ کر"۔ اور عامہ مفسّرین نے ظاہری معنی لئے ہیں۔ یعنی اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے۔ تا جلد شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو کر عذاب الٰہی کے مورد بنیں مفسّرین لکھتے ہیں کہ یہ بددُعا انکی ہدایت سے بکلی مایوس ہو کر کی۔ خواہ مایوسی ہزار سالہ تجربہ کی بنا پر ہو یا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سن چکے ہونگے۔ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ھود-۳۶) بہر حال ایسی مایوسی کی حالت میں تنگدل اور غضبناک ہو کر یہ دعا کرنا کچھ مستبعد نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص یا جماعت کے راہ راست پر آنے کی طرف سے قطعًا مایوسی ہو جائے اور نبی ان کی استعداد کو پوری طرح جانچ کر سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلق گنجائش نہیں۔ بلکہ انکا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے جو یقینًا باقی جسم کو بھی فاسد اور مسموم کر ڈالیگا۔ تو اس

وقت انکے کاٹ ڈالنے اور صفحہ ہستی سے محو کر دینے کے سوادوسرا کیاعلاج ہے۔اگر قتال کا حکم ہو تو قتال کے ذریعہ سے ان کو فنا کیا جائے یا قوت توڑ کر ان کے اثر بد کو متعدی نہ ہونے دیا جائے۔ ورنہ آخری صورت یہ ہے کہ اللہ سے دعاء کی جائے کہ وہ ان کے وجود سے دنیا کو پاک کرے اور ان کے زہریلے جراثیم سے دوسروں کو محفوظ رکھے۔ کما قال اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ بہر حال نوحؑ کی دعا اور اسی طرح موسیٰ علیہما السّلام کی دعا جو سورۃ "یونس" میں گذری اسی قبیل سے تھی۔ واللہ اعلم۔

۲۶۔ قوم کا انجام: یعنی طوفان آیا اور بظاہر پانی میں ڈبوئے گئے۔ لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔

۲۷۔ یعنی وہ بت (ودّ، سواع، یغوث وغیرہ) اس آڑے وقت میں کچھ بھی مدد نہ کر سکے یوں ہی کسمپرسی کی حالت میں مر کھپ گئے۔

۲۸۔ کفّار کی ہلاکت کی بددُعا: یعنی ایک کافر کو زندہ نہ چھوڑیے۔ ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ باقی رکھا جائے جو کوئی رہیگا۔ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اس کے نطفہ سے بھی بے حیا، ڈھیٹھ، منکرِ حق اور ناشکرے پیدا ہونگے اور جب تک ان میں سے کوئی موجود رہیگا خود تو راہ راست پر کیا آتا دوسرے ایمانداروں کو بھی گمراہ کریگا۔

۲۹۔ مومنین کے لئے دعا: یعنی میرے مرتبہ کے موافق مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو، اپنے فضل سے معاف کیجیے۔ اور میرے والدین اور جو میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں مومن ہو کر آئے ان سب کی خطاؤں سے در گزر فرمائیے۔ بلکہ قیامت تک جس قدر مرد اور عورتیں مؤمن ہوں سب کی مغفرت کیجیے۔ اے اللہ! نوح علیہ السّلام کی دعا کی برکت سے اس بندہ عاصی وخاطی کو بھی اپنی رحمت وکرم سے مغفور کر کے بدون تعذیب دنیوی واُخروی اپنی رضا وکرامت کے محل میں پہنچائیے۔ انك سمیع قریب مجیب الدعوات۔

تم سورۃ نوح وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتها ۲۸ — ۷۲ سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۴۰ — رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا
اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾

۱۔ تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے[1] پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب

یَّهْدِیْۤ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ
اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

۲۔ کہ سمجھاتا ہے نیک راہ سو ہم بھی اُس پر یقین لائے اور ہرگز نہ شریک بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو[2]

وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا
وَلَدًا ۙ﴿۳﴾

۳۔ اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں رکھی اُس نے جورو نہ بیٹا[3]

وَّاَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾

۴۔ اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا[4]

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَی
اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾

۵۔ اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے آدمی اور جن اللہ پر جھوٹ[5]

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ
مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾

۶۔ اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں میں کے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں کے پھر تو وہ اور زیادہ سر چڑھنے لگے[6]

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ
اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

۷۔ اور یہ کہ اُنکو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ اٹھائے گا اللہ کسی کو[7]

وَّ اَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰهَا مُلِئَتۡ حَرَسًا
شَدِيۡدًا وَّ شُهُبًا ۸

۸۔ اور یہ کہ ہم نے ٹٹول کر دیکھا آسمان کو پھر پایا اُسکو بھر رہے ہیں اُس میں چوکیدار سخت اور انگارے

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ
يَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ يَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۹

۹۔ اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر جو کوئی اب سننا چاہے وہ پائے اپنے واسطے ایک انگارا گھات میں[۸]

وَّ اَنَّا لَا نَدۡرِىۡۤ اَشَرٌّ اُرِيۡدَ بِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ
بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا ۱۰

۱۰۔ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ برا ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ہے اُنکے حق میں اُنکے رب نے راہ پر لانا[۹]

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَ مِنَّا دُوۡنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا
طَرَآئِقَ قِدَدًا ۱۱

۱۱۔ اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک ہیں اور کوئی اسکے سوائے ہم تھے کئی راہ پر پھٹے ہوئے[۱۰]

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِى الۡاَرۡضِ وَ لَنۡ
نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ۱۲

۱۲۔ اور یہ کہ ہمارے خیال میں آگیا کہ ہم چھپ نہ جائیں گے اللہ سے زمین میں اور نہ تھکا دیں گے اُسکو بھاگ کر[۱۱]

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ
بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَهَقًا ۱۳

۱۳۔ اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اُسکو مان لیا[۱۲] پھر جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو وہ نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے[۱۳]

وَّ اَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَ مِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ
اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ۱۴

۱۴۔ اور یہ کہ کچھ ہم میں حکم بردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف سو جو لوگ حکم میں آگئے سو انہوں نے اٹکل کر لیا نیک راہ کو

وَ اَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَكَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۱۵

۱۵۔ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن[۱۴]

وَّ اَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا عَلَی الطَّرِیۡقَةِ لَاَسۡقَیۡنٰهُمۡ
مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے اُنکو پانی بھر کر

لِّنَفۡتِنَهُمۡ فِیۡهِ ؕ وَ مَنۡ یُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّهٖ
یَسۡلُکۡهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾

۱۷۔ تاکہ اُنکو جانچیں اس میں [۱۵] اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دے گا اُسکو چڑھتے عذاب میں [۱۶]

وَّ اَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو [۱۷]

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ یَدۡعُوۡهُ کَادُوۡا یَکُوۡنُوۡنَ
عَلَیۡهِ لِبَدًا ؕ﴿۱۹﴾ ع ۱۹ ۱ ۱۱

۱۹۔ اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ [۱۸] کہ اُسکو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اُس پر ٹھٹھ [۱۹]

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ وَ لَاۤ اُشۡرِکُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ تو کہہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اُس کا کسی کو [۲۰]

قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ لَکُمۡ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا [۲۱]

قُلۡ اِنِّیۡ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۬ۙ وَّ لَنۡ اَجِدَ
مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ۙ﴿۲۲﴾

۲۲۔ تو کہہ مجھ کو نہ بچائے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اُسکے سوائے کہیں سرک رہنے کو جگہ [۲۲]

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ وَ
رَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ﴿۲۳﴾

۲۳۔ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اُسکے پیغام لانے [۲۳] اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اُسکے رسول کا سو اُسکے لئے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اُس میں ہمیشہ [۲۴]

حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ
اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو کچھ اُن سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں تھوڑے [۲۵]

قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ
لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

۲۵۔ تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہوا ہے یا کر دے اسکو میرا رب ایک مدت کے بعد [۲۶]

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ
بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے اُسکے آگے اور پیچھے چوکیدار [۲۷]

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا
لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ تا کہ جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے [۲۸] اور قابو میں رکھا ہے جو اُنکے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی [۲۹]

ع ۲ / ۹ / ۱۲

۱: جنوں کا وجود: جنوں کے وجود اور حقیقت پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سورۃ ہذا کی تفسیر میں نہایت مبسوط و مفصل بحث کی ہے۔ اور عربی میں "آکام المرجان فی احکام الجان" اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے جس کو شوق ہو مطالعہ کرے۔ یہاں گنجائش نہیں کہ اس قسم کے مباحث درج کئے جائیں۔

۲۔ جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا: سورۃ "احقاف" میں گذر چکا کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے کئی جنّ ادھر کو گذرے اور قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر سچے دل سے ایمان لے آئے۔ پھر اپنی قوم سے جا کر سب ماجرا بیان کیا۔ کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے جو (اپنی فصاحت و بلاغت، حسن اسلوب، قوت تاثیر، شیریں بیانی، طرز موعظت اور علوم و مضامین کے اعتبار سے) عجیب و غریب ہے، معرفت ربّانی اور رُشد و فلاح کی طرف رہبری کرتا ہے۔ اور طالبِ خیر کا ہاتھ پکڑ کر نیکی اور تقویٰ کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اس لئے ہم سنتے ہی بلا توقف اس پر یقین لائے اور ہم کو کچھ شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم اس کی تعلیم و ہدایت کے موافق عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ انکے اس تمام بیان کی آخر تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی فرمائی۔ اس کے بعد بہت مرتبہ جن حضور ﷺ سے آ کر ملے ایمان لائے اور قرآن سیکھا۔

۳۔ جنوں کی گمراہی: یعنی جورو، بیٹا رکھنا اس کی عظمت شان کے منافی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جو گمراہیاں آدمیوں میں پھیلی ہوئی تھیں وہ جنّوں میں بھی تھیں (عیسائیوں کی طرح) اللہ کے جورو بیٹا بتاتے تھے"۔

۴۔ یعنی ہم میں جو بیوقوف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسی لغو باتیں اپنی طرف سے بڑھا کر کہتے تھے اور ان میں سب سے بڑا بیوقوف ابلیس ہے شاید خاص وہی اس جگہ لفظ "سفیہ" سے مراد ہو۔

۵۔ یعنی ہم کو یہ خیال تھا کہ اس قدر کثیر التعداد جن اور آدمی مل کر جن میں بڑے بڑے عاقل اور دانا بھی ہیں اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹی بات کہنے کی جرأت نہ کرینگے۔ یہی خیال کر کے ہم بھی بہک گئے اب قرآن سنکر قلعی کھلی اور اپنے پیشروؤں کی اندھی تقلید سے نجات ملی۔

۶۔ اکثر عرب جنّوں کے معتقد تھے: عرب میں یہ جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی۔ جنّوں سے غیب کی خبریں پوچھتے، ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے چڑھاوے چڑھاتے۔ اور جب کسی قافلہ کا گزر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تاکہ وہ اپنے ماتحت جنوں سے ہماری حفاظت کرے۔ ان باتوں سے جن اور زیادہ مغرور ہو گئے اور سر چڑھنے لگے۔ دوسری طرف اس طرح کی شرکیات سے آدمیوں کے عصیان و طغیان میں بھی اضافہ ہوا جب انہوں نے خود اپنے اوپر جنوں کو مسلط کر لیا تو وہ ان کے اغوا میں کیا کمی کرتے۔ آخر قرآن نے آکر ان خرابیوں کی جڑ کاٹی۔

۷۔ مسلمان جنّوں کا اپنی قوم سے خطاب: یعنی مسلمان جن یہ سب گفتگو اپنی قوم سے کر رہے ہیں۔ یعنی جیسا تمہارا خیال ہے، بہت آدمیوں کا بھی یہی خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو ہرگز قبروں سے نہ اٹھائیگا۔ یا آئندہ کوئی پیغمبر مبعوث نہ کریگا۔ جو رسول پہلے ہو چکے سو ہو چکے۔ اب قرآن سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو لوگوں کو بتلاتا ہے کہ تم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور رتی رتی کا حساب دینا ہو گا۔

۸۔ آسمان پر جنّوں کے لئے پہرے اور انگارے: یعنی ہم اڑ کر آسمان کے قریب تک پہنچے تو دیکھا کہ آج کل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی شیطان کو غیب کی خبر سننے نہیں دیتے اور جو شیطان ایسا ارادہ کرتا ہے اس پر انگارے برستے ہیں۔ اس سے پیشتر اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی۔ جن اور شیاطین آسمان کے قریب گھات میں بیٹھ کر ادھر کی کچھ خبر سن آیا کرتے تھے۔ مگر اب اس قدر سخت ناکہ بندی اور انتظام ہے کہ جو سننے کا ارادہ کرے فوراً شہاب ثاقب کے آتشیں گولے سے اس کا تعاقب کیا جاتا ہے۔ اس کی بحث پہلے سورۃ "حجر" وغیرہ میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔

۹۔ یعنی یہ جدید انتظامات اور سخت ناکہ بندیاں خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں۔ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ قرآن کریم کا نزول اور پیغمبر عربی کی بعثت اس کا سبب ہوا لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہ پر آئیں گے اور اللہ ان پر الطاف خصوصی مبذول فرمائیگا؟ یا یہی ارادہ ٹھہر چکا ہے کہ لوگ قرآنی ہدایات سے اعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کئے جائیں؟ اس کا علم اسی علّام الغیوب کو ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

۱۰۔ جنّوں کے مختلف فرقے: یعنی نزول قرآن سے پہلے بھی سب جن ایک راہ پر نہ تھے، کچھ نیک اور شائستہ تھے، اور بہت سے بدکار و ناہنجار، ان میں بھی فرقے اور جماعتیں ہوں گی۔ کوئی مشرک، کوئی عیسائی، کوئی یہودی وغیر ذٰلک۔ اور عملی طور پر ہر ایک کی راہ عمل جدا ہو گی۔ اب قرآن آیا جو اختلافات اور تفرقوں کو مٹانا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ ایسے کہاں ہیں کہ سب کے سب حق کو قبول کر کے ایک راستہ پر چلنے لگیں۔ لا محالہ اب بھی اختلاف رہیگا۔

۱۱۔ یعنی اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر، نہ ادھر اُدھر بھاگ کر، یا ہوا میں اُڑ کر۔

۱۲۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے جنّ: یعنی ہمارے لئے فخر کا موقع ہے کہ جنّوں میں سب سے پہلے ہم نے قرآن سن کر بلا توقف قبول کیا اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی۔

۱۳۔ یعنی سچے ایماندار کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائگاں چلی جائے۔ نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سر تھوپ دیئے جائیں، غرض وہ نقصان تکلیف اور ذلّت و رسوائی سب سے مامون و محفوظ ہے۔

۱۴۔ یعنی نزول قرآن کے بعد ہم میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے اللہ کا پیغام سن کر قبول کیا اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دی یہی ہیں جو تلاش حق میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنی تحقیق و تفحص سے نیکی کے راستہ پر پہنچ گئے۔ دوسرا گروہ بے انصافوں کا ہے جو کجروی

و بے انصافی کی راہ سے اپنے پروردگار کے احکام کو جھٹلاتا اور اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو جہنم کا کندا اور دوزخ کا ایندھن کہنا چاہئے (تنبیہ) یہاں تک مسلمان جنوں کا کلام نقل فرمایا جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا۔ آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے چند نصیحت کی باتیں ارشاد فرماتے ہیں گویا وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا الخ کا عطف اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ پر ہوا۔ مترجم محققؒ نے ترجمہ میں اور یہ "حکم آیا" کے الفاظ بڑھا کر بتلا دیا کہ یہاں سے اخیر تک قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ کے تحت میں داخل ہے۔

۱۵۔ ایمان کے دنیوی منافع: یعنی اگر جن و انس حق کی سیدھی راہ پر چلتے تو ہم ان کو ایمان طاعت کی بدولت ظاہری و باطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہوتی کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر بجا لاتے اور طاعت میں مزید ترقی کرتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت مکہ والوں کے ظلم و شرارت کی سزا میں حضور ﷺ کی دعا سے کئی سال کا قحط پڑا تھا۔ لوگ خشک سالی سے پریشان ہو رہے تھے۔ اس لئے متنبہ فرما دیا کہ اگر سب لوگ ظلم و شرارت سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چلیں جیسے مسلمان جنوں نے طریقہ اختیار کیا ہے تو قحط دور ہو اور بارانِ رحمت سے ملک سرسبز و شاداب کر دیا جائے۔

۱۶۔ یعنی اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہی چڑھتا چلا آتا ہے۔

۱۷۔ مساجد صرف اللہ کے لئے ہیں: یعنی یوں تو خدا کی ساری زمین اس امّت کے لئے مسجد بنا دی گئی ہے۔ لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الٰہی کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خالص خدائے واحد کی طرف آؤ اور اس کا شریک کر کے کسی کو کہیں بھی مت پکارو خصوصاً مساجد میں جو اللہ کے نام پر تنہا اسی کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں۔ بعض مفسّرین نے "مساجد" سے مراد وہ اعضاء لئے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں۔ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ یہ خدا کے دیئے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے اعضاء ہیں۔ جائز نہیں کہ ان کو اس مالک و خالق کے سوا کسی دوسرے کے سامنے جھکاؤ۔

۱۸۔ یعنی بندہ کامل محمد رسول ﷺ۔

۱۹۔ قرآن پڑھنے کے وقت آنحضرت کے گرد ہجوم: یعنی آپ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگ ٹھٹھ کے ٹھٹھ آپ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ مؤمنین تو شوق و رغبت سے قرآن سننے کی خاطر اور کفار عداوت و عناد سے آپ پر ہجوم کرنے کے لئے۔

۲۰۔ کفّار سے آنحضرت کی دوٹوک گفتگو: یعنی کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو، کونسی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات تو نہیں کہتا۔ صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا۔ تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کون سی بات ہے اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کے شرک سے پاک اور بے نیاز ہے۔

۲۱۔ یعنی میرے اختیار میں نہیں کہ تم کو بھی راہ پر لے آؤں۔ اور نہ آؤ تو کچھ نقصان پہنچا دوں سب بھلائی برائی اور سود و زیاں اسی خدائے واحد کے قبضہ میں ہے۔

۲۲۔ نفع و ضرر میرے قبضے میں نہیں ہے: یعنی تم کو نفع نقصان پہنچانا تو کجا، اپنا نفع و ضرر میرے قبضہ میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں جو مجھ کو اللہ کے ہاتھ سے بچا لے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کر سکوں۔

۲۳۔ یعنی اللہ کی طرف سے پیغام لانا اور اس کے بندوں کو پہنچا دینا، یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔

۲۴۔ یعنی تمہارے نفع نقصان کا مالک میں نہیں۔ لیکن اللہ کی اور میری نافرمانی کرنے سے نقصان پہنچنا ضروری ہے۔

۲۵۔ یعنی تم جتھے باندھ کر ہم پر ہجوم کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ محمد (ﷺ) اور اسکے ساتھی تھوڑے سے آدمی ہیں وہ بھی کمزور۔ تو جب وعدہ کا وقت آئے گا اس وقت پتہ لگے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور گنتی میں تھوڑے تھے۔

۲۶۔ **قیامت کا علم انبیاء کو بھی نہیں:** یعنی اس کا علم مجھے نہیں دیا گیا کہ وعدہ جلد آنیوالا ہے، یا ایک مدت کے بعد۔ کیونکہ قیامت کا وقت معین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ ان غیوب میں سے ہے جو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۲۷۔ **پیغمبروں کا علم غلطی سے پاک ہے:** یعنی اپنے بھید کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا۔ ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان و منصب کے لائق ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے۔ اس وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں کہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل کرنے نہ پائے۔ اور رسول کا اپنا نفس بھی غلط نہ سمجھے۔ یہی معنی ہیں اس بات کے کہ پیغمبروں کو (اپنے علوم و اخبار میں) عصمت حاصل ہے، اوروں کو نہیں۔ انبیاء کی معلومات میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسروں کی معلومات میں کئی طرح کے احتمال ہیں۔ اسی لئے محققین صوفیہؒ نے فرمایا ہے کہ ولی اپنے کشف کو قرآن و سنت پر عرض کر کے دیکھے اگر ان کے مخالف نہ ہو تو غنیمت سمجھے۔ ورنہ بے تکلف رد کر دے۔ (تنبیہ) اس آیت کی نظیر آلِ عمران میں ہے۔ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران۔۱۷۹) اور کئی سورتوں میں علم غیب کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہیں ہم فوائد میں اس پر مفصل کلام کر چکے ہیں۔ فلیراجع۔

۲۸۔ یعنی یہ زبردست انتظامات اس غرض سے کئے جاتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں کو یا پیغمبروں نے دوسرے بندوں کو اس کے پیغامات ٹھیک بلا کم و کاست پہنچا دیئے ہیں۔

۲۹۔ **وحی الٰہی میں کوئی تغیّر نہیں کر سکتا:** یعنی ہر چیز اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وحی الٰہی میں تغیر و تبدل یا قطع و برید کر سکے۔ اور یہ پہرے چوکیاں بھی شان حکومت کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کے لئے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ورنہ جس کا علم اور قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں۔

تم سورۃ الجن وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتها ۲۰ ۷۳ سُوۡرَۃُ الۡمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ ۳ رکوعاتها ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾

۱۔ اے کپڑے میں لپٹنے والے [۱]

قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۲﴾

۲۔ کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات [۲]

نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ﴿۳﴾

۳۔ آدھی رات یا اُس میں سے کم کر دے تھوڑا سا

اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ﴿۴﴾

۴۔ یا زیادہ کر اُس پر [۳] اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف [۴]

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ﴿۵﴾

۵۔ ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات وزن دار [۵]

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلًا ﴿۶﴾

۶۔ البتہ اٹھنا رات کو سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات [۶]

اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ﴿۷﴾

۷۔ البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا [۷]

وَ اذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا ﴿۸﴾

۸۔ اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر آ اسکی طرف سب سے الگ ہو کر [۸]

رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ
وَکِیۡلًا ﴿۹﴾

۹۔ مالک مشرق اور مغرب کا [۹] اُسکے سوا کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ لے اُسکو کام بنانے والا [۱۰]

وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا
جَمِیۡلًا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور سہتا رہ جو کچھ کہتے رہیں [۱۱] اور چھوڑ دے اُنکو بھلی طرح کا چھوڑنا [۱۲]

وَ ذَرۡنِیۡ وَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَ مَهِّلۡهُمۡ

۱۱۔ اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں

قَلِيۡلًا ﴿۱۱﴾

رہے ہیں اور ڈھیل دے اُنکو تھوڑی سے [۱۳]

إِنَّ لَدَيۡنَآ أَنۡكَالًا وَّجَحِيۡمًا ﴿۱۲﴾

۱۲۔ البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا أَلِيۡمًا ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک [۱۴]

يَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ وَكَانَتِ الۡجِبَالُ
كَثِيۡبًا مَّهِيۡلًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ جس دن کہ کانپے گی زمین اور پہاڑ اور ہو جائیں گے پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے [۱۵]

إِنَّآ أَرۡسَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيۡكُمۡ كَمَآ
أَرۡسَلۡنَآ إِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾

۱۵۔ ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا [۱۶] جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول [۱۷]

فَعَصٰى فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَأَخَذۡنٰهُ أَخۡذًا وَّبِيۡلًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پھر کہنا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اُسکو وبال کی پکڑ [۱۸]

فَكَيۡفَ تَتَّقُوۡنَ إِنۡ كَفَرۡتُمۡ يَوۡمًا يَّجۡعَلُ
الۡوِلۡدَانَ شِيۡبًا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اُس دن سے جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا [۱۹]

السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعۡدُهٗ مَفۡعُوۡلًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ آسمان پھٹ جائے گا اُس دن میں اُس کا وعدہ ہونے والا ہے [۲۰]

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ
سَبِيۡلًا ﴿۱۹﴾ ع ۱ ۱۹ ۱۳

۱۹۔ یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے بنالے اپنے رب کی طرف راہ [۲۱]

إِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ أَنَّكَ تَقُوۡمُ أَدۡنٰى مِنۡ ثُلُثَيِ الَّيۡلِ
وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ ؕ وَ
اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ أَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ

۲۰۔ بیشک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے [۲۲] اور اللہ ماپتا ہے رات کو اور دن کو اُس نے جانا کہ تم اُس کو پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی بھیجدی اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے [۲۳] جانا

فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ
عَلِمَ اَنۡ سَيَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ مَّرۡضٰى ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ
يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ۙ وَ
اٰخَرُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا
تَيَسَّرَ مِنۡهُ ۙ وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ
اَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا
لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرًا وَّ
اَعۡظَمَ اَجۡرًا ؕ وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ
رَّحِيۡمٌ ﴿٢٠﴾ ع ٢ ١١ ١٤

کہ کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے اور لوگ پھریں گے ملک میں ڈھونڈھتے اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں سو پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو اُس میں سے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ [٢٤] اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا [٢٥] اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اُسکو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ [٢٦] اور معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [٢٧]

ا۔ اس سورت کے نزول کا پس منظر: یعنی یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ شروع میں جب وحی کی دہشت اور ثقل سے آپ ﷺ کا بدن کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے گھر والوں سے فرمایا زمّلونی زمّلونی (مجھے کپڑا اڑھاؤ، کپڑا اڑھاؤ) چنانچہ کپڑا اڑھا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اور اس سے اگلی سورت میں آپ ﷺ کو وہی نام لے کر پکارا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے "دارالندہ" میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ ﷺ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیئے۔ کسی نے "کاہن" کہا کسی نے "جادوگر" کسی نے "مجنون" مگر اتفاق رائے کسی چیز پر نہ ہوا۔ اخیر میں "ساحر" کی طرف رجحان تھا۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے۔ جیسا کہ اکثر سوچ اور غم میں مغموم آدمی اس طرح کر لیتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے تانیس و ملاطفت کے لئے اس عنوان سے خطاب فرمایا جیسے آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک مرتبہ "قم ابا تراب" فرمایا تھا جبکہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ "اس سورت میں خرقہ پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئی ہیں"۔ گویا یہ سورت اس شخص کی سورت ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ لغت عرب میں "مزّمل" اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ اور آنحضرت ﷺ کا معمول ایسا تھا کہ جب نماز تہجّد اور قرآن شریف کی تلاوت کے لئے رات کو اٹھتے تھے تو ایک کمبل دراز اوڑھ لیتے تھے۔ تا سردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو و نماز کی حرکات میں کسی طرح کا حرج واقع نہ ہو۔ نیز اس عنوان کے اختیار کرنے میں ان لوگوں کو ہشیار کرنا ہے جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے رات کو آرام کر رہے ہوں کہ رات کا ایک معتد بہ حصہ اللہ کی عبادت میں گذاریں۔

۲۔ قیام لیل کا حکم: یعنی کسی رات اتفاق سے نہ ہو سکے تو معاف ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک اِلَّا قَلِیۡلًا کا مطلب یہ ہے کہ رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا اگر آرام کرو، تو مضائقہ نہیں۔ غالبًا تھوڑے سے مراد یہاں نصف ہو گا۔ کیونکہ رات جو آرام کے لئے تھی جب آدھی عبادت میں گذار دی تو اس کے اعتبار سے باقی نصف کو "تھوڑا" ہی کہنا موزوں تھا۔

۳۔ یعنی آدھی رات سے کچھ کم جو تہائی تک پہنچ سکتی ہے یا آدھی سے زیادہ جو دو تہائی تک ہو۔ بقرینہ قولہ تعالیٰ فیما بعد اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَنِصۡفَہٗ وَثُلُثَہٗ الخ۔

۴۔ تلاوت میں ترتیل کا حکم: یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آجائے۔ اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبّر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور ذوق و شوق بڑھتا ہے۔

۵۔ قولِ ثقیل: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ریاضت کر تو بھاری بوجھ آسان ہو"۔ اور وہ بوجھ ایسا ہے کہ جس کے سامنے شب بیداری کو سہل سمجھنا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد پے بہ پے قرآن تم پر نازل کرینگے جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات و لوازم کے اعتبار سے بہت بھاری اور گراں بار ہے۔

نزول قرآن کے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت: احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپ ﷺ پر بہت گرانی اور سختی گزرتی تھی۔ جاڑے کے موسم میں آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری تحمل نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی فخذ مبارک زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران بوجھ سے پھٹ جائیگی۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں قرآن کی دعوت و تبلیغ اور اس کے حقوق کو پوری طرح ادا کرنا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بھی سخت مشکل اور بھاری کام تھا۔ اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ ﷺ پر بھاری تھا دوسری حیثیت سے کافروں اور منکروں پر شاق تھا۔ غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن اتر چکا ہے۔ اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔

۶۔ رات کو اُٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت: یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں۔ بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے۔ زبان اور دل موافق ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے شور و غل اور چیخ پکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون و قرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔

۷۔ یعنی دن میں لوگوں کو سمجھانا اور دوسرے کئی طرح کے مشاغل رہتے ہیں۔ گو وہ بھی آپ ﷺ کے حق میں بالواسطہ عبادت ہیں۔ تاہم بلاواسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لئے رات کا وقت مخصوص رکھنا چاہیئے۔ اگر عبادت میں مشغول ہو کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کچھ پروا نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے۔

۸۔ ہمہ وقت ذکر اللہ کرتے رہو: یعنی علاوہ قیام لیل کے دن میں بھی (گو بظاہر ہر مخلوق سے معاملات و علائق رکھنے پڑتے ہیں لیکن) دل سے اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھیے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اسی کی یاد میں مشغول رہیئے۔ غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لئے اُدھر سے توجہ کو ہٹنے نہ دے بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے یا یوں کہہ لو کہ سب تعلقات اسی ایک تعلق میں مدغم ہو جائیں جسے صوفیہ کے ہاں "بے ہمہ و باہمہ" یا "خلوت در انجمن" سے تعبیر کرتے ہیں۔

۹۔ مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے گویا اشارہ کر دیا کہ دن اور رات دونوں کو اسی مالک مشرق و مغرب کی یاد اور رضا جوئی میں لگانا

چاہیئے۔

۱۰۔ اللہ کو وکیل بناؤ: یعنی بندگی بھی اسی کی اور توکّل بھی اسی پر ہونا چاہیئے۔ جب وہ وکیل و کارساز ہو تو دوسروں سے کٹ جانے اور الگ ہونے کی کیا پرواہ ہے۔

۱۱۔ یعنی کفار آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ساحر، کاہن اور مجنون و مسحور وغیرہ کہتے ہیں۔ ان باتوں کو صبر و استقلال سے سہتے رہیئے۔

۱۲۔ بھلی طرح کا چھوڑنا یہ کہ ظاہر میں ان کی صحبت ترک کرو اور باطن میں ان کے حال سے خبردار رہو کہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں اور مجھ کو کس طور سے یاد کرتے ہیں، دوسرے ان کی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے نہ کرو، نہ انتقام لینے کے درپے ہو، نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار کرو۔ تیسرے یہ کہ باوجود جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں قصور نہ کیجئے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت و رہنمائی میں سعی کرتے رہیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی خلق سے کنارہ کر لیکن لڑ بھڑ کر نہیں، سلوک سے"، مگر یاد رہے کہ یہ آیت مکّی ہے اور آیات قتال کا نزول مدینہ میں ہوا ہے۔

۱۳۔ یعنی حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش و آرام کر رہے ہیں ان کا معاملہ میرے سپرد کیجئے میں خود ان سے نبٹ لونگا۔ مگر تھوڑی سی ڈھیل ہے۔

۱۴۔ عذاب دردناک سانپوں اور بچھوؤں کا اور خدا جانے کس کس قسم کا (العیاذ باللہ)۔

۱۵۔ قیامت میں زمین کانپے گی: یعنی اس عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہو گی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائینگی اور وہ کانپ کر گر پڑینگے اور ریزہ ریزہ ہو کر ایسے ہو جائیں گے جیسے ریت کے تودے جن پر قدم جم نہ سکے۔

۱۶۔ یعنی یہ پیغمبر اللہ کے ہاں گواہی دیگا کہ کس نے اس کا کہنا مانا اور کس نے نہیں مانا تھا۔

۱۷۔ تورات کی پیشگوئی: یعنی حضرت موسٰیؑ کی طرح تم کو مستقل دین اور عظیم الشان کتاب دیکر بھیجا۔ شاید یہ اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو تورات سفر استثناء میں ہے کہ "میں ان کے لئے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا"۔

۱۸۔ جب موسٰیؑ کے منکر کو ایسا سخت پکڑا تو محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے منکرین کو کیوں نہ پکڑیگا۔ جو تمام انبیاء سے افضل اور برتر ہیں۔

۱۹۔ بچوں کو بوڑھا کر دینے والا دن: یعنی دنیا میں اگر بچ گئے تو اس دن کیونکر بچو گے جس دن کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہو گی، خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں لیکن اس روز کی سختی اور لمبائی کا اقتضاء یہی ہو گا۔

۲۰۔ یعنی اللہ کا وعدہ اٹل ہے ضرور ہو کر رہیگا۔ خواہ تم اس کو کتنا ہی بعید از امکان سمجھو۔

۲۱۔ یعنی نصیحت کر دی گئی اب جو اپنا فائدہ چاہے اس نصیت پر عمل کر کے اپنے رب سے مل جائے۔ راستہ کھلا پڑا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ خدا کا کچھ فائدہ ہے۔ سمجھو تو سیدھے چلے آؤ۔ (تنبیہ) رات کے جاگنے کا حکم جو شروع سورت میں تھا تقریباً ایک سال تک رہا۔ پھر اگلی آیت سے منسوخ ہوا۔

۲۲۔ قیامِ لیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی محنت: یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس کے حکم کی پوری تعمیل کی۔ کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب اللہ کی عبادت میں گذاری۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہؓ کے پاؤں راتوں کو کھڑے کھڑے سوج جاتے اور پھٹنے لگتے تھے۔ بلکہ بعض تو اپنے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ نیند آئے تو جھٹکا لگ کر تکلیف سے آنکھ کھل جائے۔

۲۳۔ قیامِ لیل کے حکم میں تخفیف: یعنی رات اور دن کی پوری پیمائش تو اللہ کو معلوم ہے وہی ایک خاص اندازہ سے کبھی رات کو دن سے گھٹاتا

کبھی بڑھاتا اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ بندوں کو اس نیند اور غفلت کے وقت روزانہ آدھی، تہائی، اور تہائی رات کی پوری حفاظت کرنا خصوصاً جبکہ گھڑی گھنٹوں کا سامان نہ ہو، سہل کام نہیں تھا اسی لئے بعض صحابہؓ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند میں ایک تہائی رات بھی جاگنا نصیب نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معافی بھیجدی اور فرمادیا کہ تم اس کو ہمیشہ پوری طرح نباہ نہ سکوگے۔ اس لئے اب جس کو اٹھنے کو توفیق ہو، وہ جتنی نماز، اور اس میں جتنا قرآن چاہے پڑھ لے۔ اب امّت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض ہے نہ وقت کی یا مقدار تلاوت کی کوئی قید ہے۔

۲۴۔ حکم میں تخفیف کی حکمت و مصلحت: یعنی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ تم میں بیمار بھی ہونگے اور مسافر بھی جو ملک میں روزی یا علم وغیرہ کی تلاش کرتے پھرینگے اور وہ مرد مجاہد بھی ہونگے۔ جو اللہ کی راہ میں جنگ کرینگے ان حالات میں شب بیداری کے احکام پر عمل کرنا سخت دشوار ہو گا۔ اس لئے تم پر تخفیف کر دی کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں نہایت اہتمام سے باقاعدہ پڑھتے رہو اور زکوۃ دیتے رہو، اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہو۔ کہ ان ہی باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد اور ترقیات حاصل ہو سکتی ہیں۔ (تنبیہ)

قیامِ لیل کے حکم کی مصلحت: اوّلین صحابہؓ سے ایک سال تک بہت تاکید و تحتم کے ساتھ یہ ریاضت شاقہ شاید اس لئے کرائی کہ وہ لوگ آئندہ تمام امت کے ہادی و معلم بننے والے تھے۔ ضرورت تھی کہ وہ اس قدر منجھ جائیں اور روحانیت کے رنگ میں ایسے رنگے جائیں کہ تمام دنیا ان کے آئینہ میں کمالات محمدی (ﷺ) کا نظارہ کر سکے اور یہ نفوس قدسیہ ساری امت کی اصلاح کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

۲۵۔ اللہ کو قرض دینا: یعنی پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں اس کے احکام کے موافق خرچ کرنا یہی اس کو اچھی طرح قرض دینا ہے۔ بندوں کو اگر قرض حسن دیا جائے وہ بھی اس کے عموم میں داخل سمجھو۔ کما ثبت فضلہ فی الحدیث۔

۲۶۔ ہر نیکی اللہ کے پاس بہتر صورت میں موجود ہو گی: یعنی جو نیکی یہاں کروگے۔ اللہ کے ہاں اس کو نہایت بہتر صورت میں پاؤگے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا تو یہ مت سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ نہیں، وہ سب سامان تم سے آگے اللہ کے ہاں پہنچ رہا ہے جو عین حاجت کے وقت تمہارے کام آئے گا۔

۲۷۔ یعنی تمام احکام بجالا کر پھر اللہ سے معافی مانگو۔ کیونکہ کتنا ہی محتاط شخص ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کر دیا بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو اسی قدر اپنے کو تقصیروار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔ اے غفور رحیم تو اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما۔

تم سورۃ المزمل وللہ الحمد والمنہ

آیاتھا ۵۶ ۷۴ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ۴ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱	۱۔ اے لحاف میں لپٹنے والے [۱]
قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲	۲۔ کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے [۲]
وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳	۳۔ اور اپنے رب کی بڑائی بول [۳]
وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴	۴۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھ
وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵	۵۔ اور گندگی سے دور رہ [۴]
وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶	۶۔ اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلا بہت چاہے
وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷	۷۔ اور اپنے رب سے امید رکھ [۵]
فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸	۸۔ پھر جب بجنے لگے وہ کھوکھری چیز [۶]
فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹	۹۔ پھر وہ اس دن مشکل دن ہے [۷]
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝۱۰	۱۰۔ منکروں پر نہیں آسان [۸]
ذَرْنِيْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝۱۱	۱۱۔ چھوڑ دے مجھ کو اور اُس کو جسکو میں نے بنایا اکیلا [۹]
وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝۱۲	۱۲۔ اور دیا میں نے اُسکو مال پھیلا کر
وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝۱۳	۱۳۔ اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے [۱۰]

وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔اور تیاری کر دی اُسکے لئے خوب تیاری[۱۱]

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں[۱۲]

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ہر گز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف[۱۳]

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾

۱۷۔اب اُسی سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی[۱۴]

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔اُس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرا لیا

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا[۱۵]

ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔پھر نگاہ کی

ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا

ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا

فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾

۲۴۔پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا[۱۶]

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔اب اُسکو ڈالوں گا آگ میں[۱۷]

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾

۲۷۔اور تو کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ

لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾

۲۸۔نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے[۱۸]

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ جلا دینے والی ہے آدمیوں کو[۱۹]

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اُس پر مقرر ہیں انیس فرشتے[۲۰]

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا
عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ
لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ
لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ
اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ
وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ
وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع ۱ ۴۱ ۱۵

۳۱۔ اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر داروغہ وہ فرشتے ہی ہیں [۲۱] اور اُنکی جو گنتی رکھی ہے سو جانچنے کو منکروں کے [۲۲] تا کہ یقین کر لیں وہ لوگ جنکو ملی ہے کتاب اور بڑھے ایمانداروں کا ایمان اور دھوکا نہ کھائیں جنکو ملی ہے کتاب اور مسلمان [۲۳] اور تا کہ کہیں وہ لوگ کہ جنکے دل میں روگ ہے اور منکر [۲۴] کیا غرض تھی اللہ کو اس مثل سے [۲۵] یوں بچلاتا ہے اللہ جسکو چاہے اور راہ دیتا ہے جسکو چاہے [۲۶] اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر خود ہی [۲۷] اور وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کے واسطے [۲۸]

كَلَّا وَ الْقَمَرِ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ سچ کہتا ہوں اور قسم ہے چاند کی

وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور رات کی جب پیٹھ پھیرے

وَ الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور صبح کی جب روشن ہووے

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی[۲۹]

نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ ڈرانے والی ہے لوگوں کو

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾

٣٧۔ جو کوئی چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے[٣٠]

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾

٣٨۔ ہر ایک جی اپنے کئے کاموں میں پھنسا ہوا ہے

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾

٣٩۔ مگر داہنی طرف والے

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾

٤٠۔ باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾

٤١۔ گنہگاروں کا حال[٣١]

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾

٤٢۔ تم کا ہے سے جا پڑے دوزخ میں[٣٢]

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾

٤٣۔ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾

٤٤۔ اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾

٤٥۔ اور ہم تھے باتوں میں دھنستے دھنسنے والوں کے ساتھ

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾

٤٦۔ اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو

حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾

٤٧۔ یہاں تک یہ آپہنچی ہم پر وہ یقینی بات[٣٣]

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾

٤٨۔ پھر کام نہ آئے گی اُنکے سفارش سفارش کرنے والوں کی[٣٤]

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾

٤٩۔ پھر کیا ہوا ہے انکو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں[٣٥]

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾

٥٠۔ گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾

٥١۔ بھاگے ہیں غل مچانے سے[٣٦]

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾

۵۲۔ بلکہ چاہتا ہے ہر ایک مرد اُن میں کا کہ ملیں اُسکو ورق کھلے ہوئے [۳۷]

كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ؕ

۵۳۔ ہر گز نہیں [۳۸] پر وہ ڈرتے نہیں آخرت سے [۳۹]

كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ۚ

۵۴۔ کوئی نہیں یہ تو نصیحت ہے [۴۰]

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ؕ

۵۵۔ پھر جو کوئی چاہے اُسکو یاد کرے [۴۱]

وَ مَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ع

۵۶۔ اور وہ یاد جبھی کریں کہ چاہے اللہ [۴۲] وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشنے کے لائق [۴۳]

ع ۲ ۲۵ ۱۶

۱۔ اس کے لئے سورۃ "مزمل" کا پہلا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۲۔ **انذار کا حکم:** یعنی وحی کے ثقل اور فرشتہ کی ہیبت سے آپ ﷺ کو گھبرانا اور ڈرنا نہیں چاہیئے۔ آپ ﷺ کا کام تو یہ ہے کہ سب آرام و چین چھوڑ کر دوسروں کو خدا کا خوف دلائیں۔ اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرائیں۔

۳۔ کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیئے۔ بہر حال اس کے کمالات و انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار و اعلان کرنا تمہارا کام ہے۔

۴۔ **کپڑوں کی ظاہری اور باطنی طہارت:** اس سورت کے نازل ہونے پر حکم ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں۔ پھر نماز وغیرہ کا حکم ہوا۔ نماز کے لئے شرط ہے کہ کپڑے پاک ہوں اور گندگی سے احتراز کیا جائے۔ ان چیزوں کو یہاں بیان فرما دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کپڑوں کا حسّی و معنوی نجاستوں سے پاک رکھنا ضروری ہے تو بدن کی پاکی بطریق اولیٰ ضروری ہو گی۔ اس لئے اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بعض علماء نے کپڑوں کے پاک رکھنے سے نفس کا برے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے۔ اور گندگی سے دور رہنے کے معنی یہ لئے کہ بتوں کی گندگی سے دور رہیئے۔ جیسے اب تک دور ہیں۔ بہر حال آیۃ ہذا میں طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے۔ کیونکہ بدون اس کے رب کی بڑائی کماحقہ دلنشین نہیں ہو سکتی۔

۵۔ **احسان کا بدلہ مت چاہو:** یہ ہمت اور اولوالعزمی سکھلائی کہ جو کسی کو دے (روپیہ پیسہ یا علم وہدایت وغیرہ) اس سے بدلہ نہ چاہے۔ محض اپنے رب کے دیئے پر شاکر و صابر رہ اور جو شدائد دعوت و تبلیغ کے راستہ میں پیش آئیں ان کو اللہ کے واسطے صبر و تحمل سے برداشت کر اور اسی کے حکم کی راہ دیکھ کہ یہ عظیم الشان کام بدون اعلیٰ درجہ کی حوصلہ مندی اور صبر و استقلال کے انجام نہیں پائیگا۔ ان آیتوں کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے لیکن احقر کے خیال میں یہی بے تکلّف ہے۔

۶۔ یعنی صور پھونکا جائے۔

۷۔ مشکل دن: یعنی اس دن کے واقعات میں سے صور کا پھونکا جانا گویا ایک مستقل دن ہے جو سر تا پا مشکلات اور سختیوں سے بھرا ہو گا۔

۸۔ یعنی منکروں پر کسی طرح کی آسانی نہ ہو گی، بلکہ اس دن کی سختی دم بدم ان پر بڑھتی جائیگی۔ بخلاف مومنین کے کہ اگر سختی بھی دیکھیں گے تو کچھ مدت کے بعد پھر آسانی کر دی جائے گی۔

۹۔ ولید بن مغیرہ: ہر انسان ماں کے پیٹ سے اکیلا اور جریدہ آتا ہے۔ مال، اولاد، فوج، لشکر، سامان وغیرہ کچھ نہیں لاتا یا "وحید" سے مراد خاص ولید بن مغیرہ ہو جس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیوی ثروت ولیاقت کے اعتبار سے عرب میں فرد اور یکتا سمجھا جاتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے منکروں کے معاملہ میں جلدی نہ کیجئے، نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگدل ہوں۔ بلکہ ان کا قصہ میرے سپرد کرو۔ میں سب کا بھگتان کر دونگا۔ آپ کو غمگین و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

۱۰۔ حاضر باش بیٹوں کی نعمت: یعنی مال و اولاد کا پھیلاوا بہت ہوا۔ دسوں بیٹے ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رہتے اور محفلوں میں باپ کی توقیر بڑھاتے اور دھاک بٹھلاتے تھے۔ تجارتی کاروبار اور دوسرے کام کاج کے لئے نوکر چاکر بہت تھے۔ ضرورت نہیں تھی کہ بیٹے باپ کی نظر سے غائب ہوں۔

۱۱۔ یعنی دنیا میں خوب عزت جمادی اور مسند حکومت و ریاست اچھی طرح تیار کر دی۔ چنانچہ تمام قریش ہر مشکل کام میں اسی کی طرف رجوع کرتے اور اس کو اپنا حاکم جانتے تھے۔

۱۲۔ ولید کی حرص مال اور ناشکری: یعنی باوجود کثرت نعمت و ثروت کے کبھی حرفِ شکر زبان سے نہ نکلا۔ بلکہ ہمیشہ بت پرستی اور زیادہ مال جمع کرنے کی حرص میں منہمک رہتا اور اگر رسول کریم ﷺ کبھی اس کے سامنے بہشت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو کہتا تھا کہ اگر یہ شخص اپنے بیان میں سچا ہے تو یقین کامل ہے کہ وہاں کی نعمتیں بھی مجھے ہی ملیں گی۔ اس کو فرماتے ہیں کہ باوجود اس قدر ناشکری اور حق ناشناسی کے یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی نعمتیں اور زیادہ دے گا۔

۱۳۔ ولید کا زوال: یعنی جب وہ منعم حقیقی کی آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی توقع باندھے اور خیالی پلاؤ پکائے۔ کہتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد پے بہ پے اس کے مال و اسباب میں نقصان ہونا شروع ہوا۔ آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مر گیا۔

۱۴۔ یعنی ابھی اس کو بہت بڑی چڑھائی اور سخت ترین مصائب میں گرفتار ہونا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ "صعود" دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس پر کافر کو ہمیشہ چڑھائیں گے اور گرائیں گے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ (تنبیہ) ولید ایک بار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے قرآن پڑھ کر سنایا۔ جس سے کسی قدر متاثر ہوا۔ مگر ابوجہل نے اس کو ورغلایا اور قریش میں چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی ہو گی۔ غرض سب جمع ہوئے اور آپ ﷺ کے بارے میں گفتگو ہوئی کسی نے کہا شاعر ہیں کسی نے کاہن بتلایا، ولید بولا کہ میں شعر میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سب سنی ہیں، قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر تیری کیا رائے ہے کہنے لگا ذرا سوچ لوں۔ آخر تیوری بدل کر اور منہ بنا کر کہا کچھ نہیں جادو ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ حالانکہ پیشتر قرآن سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں نہ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض برادری کو خوش کرنے کے لئے اب یہ بات بنا دی۔ آگے اسی گفتگو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۵۔ ولید کا قرآن کو جادو کہنا اور تکبر: یعنی بدبخت نے دل میں سوچ کر ایک بات تجویز کی کہ قرآن جادو ہے۔ خدا غارت کرے کیسی مہمل تجویز کی پھر خدا غارت کرے کہ اپنی قوم کے جذبات کے لحاظ سے کیسی برمحل تجویز نکالی جس کو سن کر سب خوش ہو جائیں۔

۱۶۔ ولید کے غرور و تکبّر کے افعال: یعنی مجمع پر نگاہ ڈالی پھر خوب منہ بنایا۔ تا دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت اور انقباض ہے پھر پیٹھ پھیرلی۔ گویا بہت ہی قابل نفرت چیز کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے حالانکہ اس سے قبل اس کی حقانیت کا اقرار کرچکا تھا۔ اب برادری کی خوشنودی کے لئے اس سے پھر گیا۔ آخر نہایت غرور و تکبر کے انداز میں کہنے لگا۔ بس اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ اور یقیناً یہ آدمی کا کلام ہے جو جادو بن کر باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے، اور دوست کو دوست سے جدا کر دیتا ہے۔

۱۷۔ یعنی عنقریب اس کو آگ میں ڈال کر عناد و تکبر کا مزہ چکھاؤنگا۔

۱۸۔ اہل جہنم کے جسم کی حالت: یعنی دوزخیوں کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دیگی جو جلنے سے بچ جائے۔ پھر جلانے کے بعد اس حالت پر بھی نہ چھوڑیگی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹائے جائیں گے اور جلیں گے۔ یہی سلسلہ ہمیشہ جاری رہیگا۔ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) اکثر سلف سے یہی معنٰی منقول ہیں۔ بعض مفسرین نے دوسری طرح توجیہ کی ہے۔

۱۹۔ کھال کی حالت: یعنی بدن کی کھال جھلس کر حیثیت بگاڑ دیگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جیسے دہکتا لوہا سرخ نظر آتا ہے آدمی کی پنڈلی پر وہ سرخی نظر آئے گی"۔

۲۰۔ دوزخ کے انیس (۱۹) داروغہ: یعنی دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہو گا اس کے افسر انیس فرشتے ہونگے۔ جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام "مالک" ہے (تنبیہ) حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے نہایت تفصیل سے انیس کے عدد کی حکمتیں بیان کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کو عذاب دینے کے لئے انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سر کردگی میں ہوگی۔ کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی مل کر نہیں کرسکتے۔ لیکن یاد رہے کہ ہر فرشتہ کی یہ قوت اسی دائرہ میں محدود ہے جس میں کام کرنے کے لئے وہ مامور ہوا ہے۔ مثلاً ملک الموت لاکھوں آدمیوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے۔ مگر عورت کے پیٹ میں بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبریلؑ چشم زدن میں وحی لاسکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں۔ جس طرح کان دیکھ نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی۔ اگرچہ اپنی قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کر سکتے ہیں۔ مثلاً کان ہو سکتا ہے کہ ہزاروں آوازیں سن لے اور نہ تھکے، آنکھ ہزاروں رنگ دیکھ لے اور عاجز نہ ہو۔ اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا اس سے ایک ہی قسم کا عذاب دوزخیوں پر ہو سکتا تھا۔ دوسری قسم کا عذاب جو اس کے دائرہ استعداد سے باہر ہے ممکن نہ تھا اس لئے انیس قسم کے عذابوں کے لئے (جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں ہے) انیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء نے اس عدد کے حکمتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر احقر کے نزدیک حضرت شاہ صاحبؒ کا کلام بہت عمیق و لطیف ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ انیس کے عدد پر کفّار کا استہزاء اور اس کا جواب: انیس کا عدد سن کر مشرکین ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں۔ انیس ہمارا کیا کرلیں گے۔ بہت ہوا ہم میں سے دس دس ان کے ایک ایک کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں گے۔ ایک پہلوان بولا کہ سترہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں، دو کا تم مل کر تیا پانچا کرلینا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی وہ انیس تو ہیں مگر آدمی نہیں فرشتہ ہیں۔ جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک فرشتہ نے قوم لُوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔

۲۲۔ اس عدد میں حکمت ہے: یعنی کافروں کو عذاب دینے کے لئے انیس کی گنتی خاص حکمت سے رکھی ہے جس کی طرف عَلَیۡہَا تِسۡعَۃَ عَشَرَ کے فائدہ میں اشارہ کیا جاچکا ہے اور اس گنتی کے بیان کرنے میں منکروں کی جانچ ہے۔ دیکھتے ہیں کہ کون اس کو سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی مذاق اڑاتا ہے۔

۲۳۔ استیقانِ اہل کتاب: اہل کتاب کو پہلے سے یہ عدد معلوم ہو گا جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے یا کم از کم کتب سماویہ کے ذریعہ اتنا تو

جانتے تھے کہ فرشتوں میں کس قدر طاقت ہے۔ انیس بھی تھوڑے نہیں۔ اور یہ کہ انواعِ تعذیب کے اعتبار سے مختلف فرشتے دوزخ پر مامور ہونے چاہئیں یہ کام تنہا ایک کا نہیں بہرحال اس بیان سے اہل کتاب کے دلوں میں قرآن کی حقیت کا یقین پیدا ہوگا۔ اور یہ دیکھ کر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو قرآن کے بیان میں کوئی شک و تردد نہیں رہیگا۔ نہ مشرکین کے استہزاء و تمسخر سے وہ کچھ دھوکا کھائیں گے۔

۲۴۔ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے منافقین یا ضعیف الایمان مراد ہیں اور الْكٰفِرُوْنَ سے کھلے ہوئے منکر۔

۲۵۔ یعنی انیس کے بیان سے کیا غرض تھی۔ بھلا ایسی بے تکی اور غیر موزوں بات کو کون مان سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

۲۶۔ یعنی ایک ہی چیز سے بد استعداد آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور سلیم الطبع راہ پالیتا ہے جسے ماننا مقصود نہ ہو وہ کام کی بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتا ہے اور جس کے دل میں خوف خدا اور نور توفیق ہو اس کے ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے۔

۲۷۔ اللہ کے لشکر: یعنی اللہ کے بیشمار لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے۔ انیس تو صرف کارکنان جہنم کے افسر بتلائے ہیں۔

۲۸۔ یعنی دوزخ کا ذکر صرف عبرت و نصیحت کے لئے ہے کہ اس کا حال سن کر لوگ غضب الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں۔

۲۹۔ یعنی جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونیوالی ہیں دوزخ ان میں کی ایک چیز ہے۔

۳۰۔ آگے بڑھے نیکی یا بہشت کی طرف اور پیچھے رہے بدی میں پھنسا ہوا یا دوزخ میں پڑا ہوا۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ دوزخ سب مکلفین کے حق میں بڑے ڈراوے کی چیز ہے اور چونکہ اس ڈرانے کے عواقب و نتائج قیامت میں ظاہر ہونگے۔ اس لئے قسم ایسی چیزوں کی کھائی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہے چنانچہ چاند کا اوّل بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ ہے اس عالم کے نشو و نما اور اضمحلال و فنا کا اسی طرح اس عالم دنیا کو عالم آخرت کے ساتھ حقائق کے اختفاء و انکشاف میں ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ گویا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گذر جانے اور اس عالم کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۔ داہنے ہاتھ والے: یعنی جو لوگ میثاق کے دن حضرت آدمؑ کی پشت سے داہنی طرف سے نکلے تھے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور موقف میں بھی عرش کے داہنی طرف جدھر بہشت ہے کھڑے ہوئے اور اسی طرف روانہ ہوئے اور ان کے نامہ اعمال بھی داہنے ہاتھ میں آئے وہ لوگ البتہ قید میں پھنسے ہوئے نہیں بلکہ جنت کے باغوں میں آزاد ہیں اور نہایت بے فکر اور فارغ البال ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گہنگاروں کا حال پوچھتے ہیں کہ وہ لوگ کہاں گئے جو نظر نہیں پڑتے۔

۳۲۔ اہل جنّت کا اہلِ دوزخ سے سوال: یعنی جب سنیں گے کہ گنہگاروں کو دوزخ میں داخل کیا گیا ہے، تب ان گنہگاروں کی طرف متوجہ ہو کر یہ سوال کرینگے کہ باوجود عقل و دانائی کے تم اس دوزخ کی آگ میں کیسے آپڑے۔

۳۳۔ اہلِ جہنم کا جواب: یعنی نہ اللہ کا حق پہچانا نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بد صحبتوں میں رہ کر شکوک و شبہات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم کو یقین نہ ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنیوالا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کیے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی اور آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین حاصل ہوا جن کی تکذیب کیا کرتے تھے۔

۳۴۔ کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کریگا اور کریگا تو قبول نہ ہوگی۔

۳۵۔ یعنی یہ مصیبتیں سامنے ہیں۔ مگر نصیحت سنکر ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ سننا بھی نہیں چاہتے۔

۳۶۔ کفّار جنگلی گدھوں کی طرح ہیں: یعنی حق کا شور و غل اور شیران خدا کی آوازیں سن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں۔

۳۷۔ یعنی پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان میں ہر شخص کی آرزو یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے کھلے ہوئے صحیفے اتریں اور پیغمبر بنایا جائے حتّٰی

نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ (انعام۔۱۲۴) یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس براہ راست ایک نوشتہ خدا کی طرف سے آئے جس میں محمد ﷺ کے اتباع کا حکم دیا گیا ہو حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (بنی اسرائیل۔۹۳)۔

۳۸۔ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔

۳۹۔ کفار کی بیہودہ درخواستیں: یعنی یہ بیہودہ درخواستیں بھی کچھ اس لئے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو واقعی مان جائیں گے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اس لئے حق کی طلب نہیں، اور یہ درخواستیں محض تعنّت سے ہیں۔ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری کر دی جائیں تب بھی اتباع نہ کریں۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (انعام۔۷)

۴۰۔ یعنی ہر ایک کو الگ الگ کتاب دی جائے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک کتاب (قرآن کریم) ہی نصیحت کے لئے کافی ہے۔

۴۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی (یہ کتاب) ایک پر اتری تو کیا ہوا، کام تو سب کے آتی ہے"۔

۴۲۔ اور اللہ کا چاہنا نہ چاہنا سب حکمتوں پر مبنی ہے۔ جن کا احاطہ کوئی بشر نہیں کر سکتا۔ وہی ہر شخص کی استعداد و لیاقت کو کماحقہ جانتا ہے۔ اور اس کے موافق معاملہ کرتا ہے۔

۴۳: تقویٰ مغفرت کا سبب ہے: یعنی آدمی کتنا ہی گناہ کرے۔ لیکن پھر جب تقویٰ کی راہ چلے گا اور اس سے ڈرے گا، وہ اس کے سب گناہ بخش دے گا، اور اس کی توبہ کو قبول کریگا۔ انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس مقام پر بطور حاشیہ منہیہ کے، ایک عبارت اس آیت کی تلاوت کے بعد نقل فرمائی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں قال ربکم عزّوجلّ انا اهلٌ ان اتّقٰی فلا یشرك بی شیٌ فاذا اتقانی العبد فانا اهل ان اغفرله یعنی میں اس کے لائق ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک نہ کرے، پھر جب بندہ مجھ سے ڈرا (اور شرک سے پاک ہوا) تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں"۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہم کو توحید و ایمان پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اور اپنی مہربانی سے ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ آمین۔

تم سورۃ المدثر وللہ الحمد والمنہ

ایاتھا ۴۰ ۷۵ سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۱ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱
۱۔ قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی [۱]

وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲
۲۔ اور قسم کھاتا ہوں جی کی کہ جو ملامت کرے برائی پر [۲]

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳
۳۔ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اُسکی ہڈیاں [۳]

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴
۴۔ کیوں نہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اُسکی پوریاں [۴]

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵
۵۔ بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ ڈھٹائی کرے اُسکے سامنے

يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶
۶۔ پوچھتا ہے کب ہو گا دن قیامت کا [۵]

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷
۷۔ پھر جب چندھیانے لگے آنکھ [۶]

وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸
۸۔ اور گہہ جائے چاند [۷]

وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝۹
۹۔ اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند [۸]

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰
۱۰۔ کہے گا آدمی اُس دن کہاں چلا جاؤں بھاگ کر

كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱
۱۱۔ کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲
۱۲۔ تیرے رب تک ہے اُس دن جا ٹھہرنا [۹]

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۝۱۳
۱۳۔ جتلا دیں گے انسان کو اُس دن جو اُس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا [۱۰]

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ ﴿١٤﴾

١٤۔ بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے

وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ؕ ﴿١٥﴾

١٥۔ اور پڑا لا ڈالے اپنے بہانے [١١]

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ ﴿١٦﴾

١٦۔ نہ چلا تو اُسکے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اُسکو سیکھ لے

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚۖ ﴿١٧﴾

١٧۔ وہ تو ہمارا ذمہ ہے اُسکو جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ﴿١٨﴾

١٨۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اُسکے پڑھنے کے

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ ﴿١٩﴾

١٩۔ پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اُسکو کھول کر بتلانا [١٢]

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ ﴿٢٠﴾

٢٠۔ کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد آئے

وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ ﴿٢١﴾

٢١۔ اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے [١٣]

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ کتنے منہ اس دن تازہ ہیں

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے [١٤]

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۙ ﴿٢٤﴾

٢٤۔ اور کتنے منہ اُس دن اداس ہیں [١٥]

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ؕ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ خیال کرتے ہیں کہ اُن پر وہ آئے جس سے ٹوٹے کمر [١٦]

كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ ﴿٢٦﴾

٢٦۔ ہرگز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک [١٧]

وَ قِيْلَ مَنْ ٚ سکتہ رَاقٍ ۙ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا [١٨]

وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ ﴿٢٨﴾

٢٨۔ اور وہ سمجھا کہ اب آیا وقت جدائی کا [١٩]

وَ الۡتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾	٢٩۔ اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی [٢٠]
اِلٰی رَبِّکَ یَوۡمَئِذِ ۣالۡمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع ١/١٧	٣٠۔ تیرے رب کی طرف ہے اُس دن کھینچ کر چلا جانا [٢١]
فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی ﴿۳۱﴾	٣١۔ پھر نہ یقین لایا اور نہ نماز پڑھی
وَ لٰکِنۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۳۲﴾	٣٢۔ پھر جھٹلایا اور منہ موڑا
ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ یَتَمَطّٰی ﴿۳۳﴾	٣٣۔ پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ہوا [٢٢]
اَوۡلٰی لَکَ فَاَوۡلٰی ﴿۳۴﴾	٣٤۔ خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری
ثُمَّ اَوۡلٰی لَکَ فَاَوۡلٰی ﴿۳۵﴾	٣٥۔ پھر خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری [٢٣]
اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ﴿۳۶﴾	٣٦۔ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید [٢٤]
اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ﴿۳۷﴾	٣٧۔ بھلا نہ تھا وہ ایک بوند منی کی جو ٹپکی [٢٥]
ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۳۸﴾	٣٨۔ پھر تھا لہو جما ہوا پھر اُس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا
فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰی ﴿۳۹﴾	٣٩۔ پھر کیا اُس میں جوڑا نر اور مادہ
اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ﴿۴۰﴾ ع ٢/١٨	٤٠۔ کیا یہ خدا زندہ نہیں کر سکتا مردوں کو [٢٦]

ا۔ قیامت کے دن کی قسم: یعنی قیامت کا دن جس کا ممکن ہونا عقل سے اور متیقن الوقوع ہونا ایسے مخبر صادق کی خبر سے ثابت ہو چکا ہے س کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تم یقینًا مرے پیچھے اٹھائے جاؤ گے اور ضرور بھلے برے کا حساب ہو گا۔ (تنبیہ) واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی قسم لوگ کھاتے ہیں، اپنے معبود کی، کسی معظم و محترم ہستی کی، کسی مہتم بالشان چیز کی، کسی محبوب یا نادر شئے کی اس کی خوبی یا ندرت جتانے کے لئے، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کی قسمت کی قسم کھایئے۔ پھر بُلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ کے لئے شاہد ہی گردانا جائے۔ جیسے ذوق نے کہا ہے "اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندہ احساں۔ سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا" یہاں اپنے سر کے نہ اٹھ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے۔

شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لئے حرام کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے۔ وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا وقیع مہتم بالشان ہوں، یا مقسم علیہ کے لئے بطور شاہد و حجت کے کام دے سکیں یہاں یوم قیامت کی قسم اس کے نہایت وقیع و مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے کیونکہ بعث و مجازات کا ظرف ہی یوم قیامت ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ نفسِ لوّامہ اور نفس کی دوسری اقسام: محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اس نفس کو "مطمئنہ" کہتے ہیں۔ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر۔ ۲۸،۲۷) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو "نفس امّارہ" کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ(یوسف۔ ۵۳) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اس کو "نفس لوّامہ" کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "آدمی کا جی اوّل کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو "امّارہ بالسّوء" کہتے ہیں۔ پھر ہوش پکڑا نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کئے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا۔ ایسا نفس (جی) "لوّامہ" کہلاتا ہے۔ پھر جب پورا سنور گیا، دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بیہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصوّر سے تکلیف پہنچنے لگی وہ نفس "مطمئنہ" ہو گیا"۔ اھ بتغییر یسیر۔ یہاں نفس لوّامہ کی قسم کھا کر اشارہ فرما دیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ و اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔

۳۔ ہڈیاں جمع کر دی جائینگی: یعنی یہ خیال ہے کہ ہڈیوں تک کا چورا ہو گیا اور ان کے ریزے مٹی وغیرہ کے ذرات میں جا ملے۔ بھلا اب کس طرح اکٹھے کر کے جوڑ دیئے جائینگے؟ یہ چیز تو محال معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ انگلی کی پوریاں: یعنی ہم تو انگلیوں کی پوریاں بھی درست کر سکتے ہیں اور پوریوں کی تخصیص شاید اس لئے کی کہ یہ اطراف بدن ہیں اور ہر چیز کے بننے کی تکمیل اس کے اطراف پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ میرے پور پور میں درد ہے۔ اس سے مراد تمام بدن ہوتا ہے۔ دوسرے پوریوں میں باوجود چھوٹی ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ اور عادۃً یہ زیادہ دشوار اور باریک کام ہے۔ لھذا جو اس پر قادر ہو گا وہ آسان پر بطریق اولیٰ قادر ہو گا۔

۵۔ قیامت سے انکار کی اصل وجہ: یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے اور دوبارہ زندہ کیے جانے کو محال جانتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کے دلائل و نشانات غیر واضح ہیں۔ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے اپنی اگلی عمر میں جو باقی رہ گئی ہے بالکل بیباک ہو کر فسق و فجور کرتا رہے اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق و فجور میں اس قدر بیباکی اور ڈھٹائی اس سے نہ ہو سکے گی۔ اس لئے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا جس سے عیش منغص ہو اور لذت میں خلل پڑے بلکہ استہزاء تعنّت اور سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب وہ آپ کی قیامت کب آئیگی۔ اگر واقعی آنیوالی ہے تو بقید سنہ وماہ اس کی تاریخ تو بتلایئے۔

۶۔ قیامت کے نشانات: یعنی حق تعالیٰ کی تجلی قہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور سورج بھی سر کے قریب آجائے گا۔

۷۔ چاند کا گہن: یعنی بے نور ہو جائے۔ چاند کو شاید الگ اس لئے ذکر کیا کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے کے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام تھا۔

۸۔ جمع شمس و قمر: یعنی بے نور ہونے میں دونوں شریک ہونگے۔

۹۔ قیامت کے دن کوئی مفر نہیں: یعنی اب تو کہتا ہے کہ وہ دن کہاں ہے۔ اور اس وقت بدحواس ہو کر کہے گا کہ آج کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں۔ ارشاد ہو گا کہ آج نہ بھاگنے کا موقع ہے نہ سوال کرنے کا۔ آج کوئی طاقت تیرا بچاؤ نہیں کر سکتی، نہ پناہ دے سکتی ہے۔ آج کے دن سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اسی کی پیشی میں ٹھہرنا ہے پھر وہ جس کے حق میں جو کچھ فیصلہ کرے۔

۱۰۔ اعمال کا جتلایا جانا: یعنی سب اگلے پچھلے اعمال نیک ہوں یا بد، اس کو جتلا دیئے جائیں گے۔

۱۱۔ انسان خود اپنے آپ پر مطلع ہو گا: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں" یعنی اپنے احوال میں غور کرے تو رب کی وحدانیت جانے (اور یہ کہ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اور جو کہے میری سمجھ میں نہیں آتا، یہ سب بہانے ہیں" لیکن اکثر مفسّرین نے اس کا تعلق یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ الخ سے رکھا ہے یعنی جتلانے پر بھی موقوف نہیں۔ انسان اپنی حالت پر خود مطلع ہو گا گو باقتضائے طبیعت وہاں بھی بہانے بنائے اور حیلے حوالے پیش لائے جیسے کفار کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ (انعام۔۲۳) بلکہ یہاں دنیا میں بھی وہ انسان جس کا ضمیر بالکل مسخ نہ ہو گیا ہو اپنی حالت کو خوب سمجھتا ہے۔ گو دوسروں کے سامنے حیلے بہانے بنا کر اسکے خلاف ثابت کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔

۱۲۔ قرآن کریم کے الفاظ و معانی کا یاد کرا دینا ہمارے ذمّہ ہے: شروع میں جس وقت حضرت جبرئیلؑ اللہ کی طرف سے قرآن لاتے، ان کے پڑھنے کے ساتھ حضرت ﷺ بھی دل میں پڑھتے جاتے تھے۔ تا کہ جلد اسے یاد کر لیں اور سیکھ لیں۔ مبادا جبرئیلؑ چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہو سکے۔ مگر اس صورت میں آپ کو سخت مشقت ہوتی تھی۔ جب تک پہلا لفظ کہیں اگلا سننے میں نہ آتا۔ اور سمجھنے میں بھی ظاہر ہے دقت پیش آتی ہو گی اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت پڑھنے اور زبان ہلانے کی حاجت نہیں ہمہ تن متوجہ ہو کر سننا ہی چاہیئے۔ یہ فکر مت کرو کہ یاد نہیں رہیگا۔ پھر کیسے پڑھونگا۔ اور لوگوں کو کس طرح سناؤنگا۔ اس کا تمہارے سینے میں حرف بحرف جمع کر دینا اور تمہاری زبان سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ جبرئیلؑ جس وقت ہماری طرف سے پڑھیں آپ تو خاموشی سے سنتے رہیئے۔ آگے اس کا یاد کرانا اور اس کے علوم و معارف کا تمہارے اوپر کھولنا اور تمہاری زبان سے دوسروں تک پہنچانا، ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے جبرئیلؑ کے ساتھ ساتھ پڑھنا ترک کر دیا۔ یہ بھی ایک معجزہ ہوا، کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک لفظ نہ دھرایا۔ لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بہ لفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدون ایک زبر زیر کی تبدیلی کے فر فر سنادی اور سمجھادی، یہ اس دنیا میں ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ کا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فروگذاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کر دے، کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے اور پچھلے اعمال جن میں سے بعض کو کرنیوالا بھی بھول گیا ہو گا سب جمع کر کے ایک وقت میں سامنے کر دے اور ان کو خوب طرح یاد دلا دے۔ اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کر کے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرمادے۔ بیشک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ پر قادر ہے۔

۱۳۔ دنیا میں انہماک: یعنی تمہارا قیامت وغیرہ سے انکار کرنا ہرگز کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں، بلکہ دنیا میں انہماک اس کا سبب ہے۔ دنیا چونکہ نقد اور جلد ملنے والی چیز ہے اسی کو تم چاہتے ہو اور آخرت کو ادھار سمجھ کر چھوڑتے ہو کہ اس کے ملنے میں ابھی دیر ہے۔ انسان کی طبیعت میں جلد

بازی داخل ہے خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ (انبیاء۔۳۷) فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ پسندیدہ چیزوں کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں جس کی ایک مثال ابھی لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ میں گزری اور بدتمیز آدمی اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آجائے خواہ آخر کار اس کا نتیجہ ہلاکت ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ مومنین کے چہرے تروتازہ ہوں گے: یہ آخرت کا بیان ہوا یعنی مومنین کے چہرے اس روز تروتازہ اور ہشاش بشاش ہونگے۔ اور ان کی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدار مبارک سے روشن ہونگی۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہوچکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔ اللّٰھم لا تحرمنا من ھذہ النعمۃ التی لیس فوقھا نعمۃ۔

۱۵۔ یعنی پریشان اور بے رونق ہونگے۔

۱۶۔ یعنی یقین رکھتے ہیں کہ اب وہ معاملہ ہونیوالا ہے اور وہ عذاب بھگتنا ہے جو بالکل ہی کمر توڑ دیگا۔

۱۷۔ موت کے وقت جب روح ہنسلی میں آجائے گی: یعنی آخرت کو ہرگز دور مت سمجھو۔ اس سفر آخرت کی پہلی منزل تو موت ہے جو بالکل قریب ہے یہیں سے باقی منزلیں طے کرتے ہوئے آخری ٹھکانے پر جا پہنچو گے۔ گویا ہر آدمی کی موت اس کے حق میں بڑی قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ جہاں مریض کی روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچی اور سانس حلق میں رکنے لگی سمجھو کہ سفر آخرت شروع ہوگیا۔

۱۸۔ کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا: ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی جب لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی سوجھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ میاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کرکے اس کو مرنے سے بچالے اور بعض سلف نے کہا کہ مَنۡ رَاقٍ فرشتوں کا کلام ہے جو ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ کون اس مردے کی روح کو لے جائیگا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اس تقریر پر "راقی" سے مشتق ہوگا جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ "رقیہ" سے نہ ہوگا۔ جو افسوں کے معنی میں ہے۔

۱۹۔ مرنے والے کو جدائی کا احساس: یعنی مرنیوالا سمجھ چکا کہ تمام عزیز و اقارب اور محبوب و مالوف چیزوں سے اب اسکو جدا ہونا ہے یا یہ مطلب کہ روح بدن سے جدا ہونے والی ہے۔

۲۰۔ مرنے والے پر دو سختیاں: یعنی بعض اوقات سکرات موت کی سختی سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ نیز نیچے کے بدن سے روح کا تعلق منقطع ہونے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اس لئے ایک پنڈلی دوسری پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ عرب کے محاورات میں "ساق" کنایہ ہے سخت مصیبت سے۔ تو آیت کا ترجمہ یوں کیا جائے گا کہ "ملی ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ" کیونکہ مرنے والے کو اس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں۔ پہلی سختی تو یہی دنیا سے جانا، مال و اسباب، اہل و عیال، جاہ و حشم، سب کو چھوڑنا دشمنوں کی خوشی و طعنہ زنی، اور دوستوں کے رنج و غم کا خیال آنا، اور دوسری اس سے بڑی قبر اور آخرت کے احوال کی ہے۔ جس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔

۲۱۔ رب کی طرف کھنچ کر جانا: یعنی سفر آخرت کی ابتداء یہاں سے ہے۔ گویا اب بندہ اپنے رب کی طرف کھنچنا شروع ہوا۔ مگر افسوس اپنی غفلت و حماقت سے کوئی سامان سفر کا پہلے سے درست نہ کیا نہ اتنے بڑے سفر کے لئے کوئی توشہ ساتھ لیا۔

۲۲۔ یعنی بجائے سچا سمجھنے اور یقین لانے کے پیغمبروں کو جھوٹا بتلاتا رہا، اور بجائے نماز پڑھنے اور مالک کی طرف متوجہ ہونے کے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑ کر چلا۔ نہ صرف یہی بلکہ اپنی اس سرکشی اور بدبختی پر اتراتا اور اکڑتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا۔ گویا کوئی بہت بڑی بہادری اور

ہنر مندی کا کام کر کے آرہا ہے۔

۲۳۔ یعنی او بد بخت اب تیری کمبختی آئی، ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ اب تیرے لئے خرابی اور تباہی پر تباہی ہے۔ تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا مستحق اور کون ہو گا۔ (تنبیہ) شاید اوّل خرابی یقین نہ لانے اور نماز نہ پڑھنے پر، دوسری اس سے بڑھ کر جھٹلانے اور منہ موڑنے پر، تیسری اور چوتھی ان دونوں امور میں سے ہر ایک کو قابل فخر سمجھنے پر ہو۔ جس کی طرف ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۴۔ یعنی کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ اور امر و نہی کی کوئی قید اس پر نہ ہو گی؟ یا مرے پیچھے اٹھایا نہ جائے گا؟ اور سب نیک و بد کا حساب نہ لیں گے؟

۲۵۔ یعنی عورت کے رحم میں۔

۲۶۔ **انسان کی اصل حقیقت اور انجام:** یعنی نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں آیا۔ پھر اللہ نے اس کی پیدائش کے سب مراتب پورے کر کے انسان بنا دیا اور تمام ظاہری اعضاء اور باطنی قوتیں ٹھیک کر دیں۔ ایک نطفہ بیجان سے انسان عاقل بن گیا۔ پھر اسی نطفہ سے عورت اور مرد دو قسم کے آدمی پیدا کئے۔ جن میں سے ہر ایک قسم کی ظاہری و باطنی خصوصیات جداگانہ ہیں۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے اولاً سب کو ایسی حکمت و قدرت سے بنایا، اس پر قادر نہیں کہ دوبارہ زندہ کر دے؟ سبحٰنک اللّٰھم فبلٰی۔ پاک ہے تیری ذات اے خدا! کیوں نہیں، تو بیشک قادر ہے۔

تم سورۃ القیٰمۃ وللہ الحمد والمنۃ

ایاتھا ۳۱ | ۷۶ سُوۡرَةُ الدَّهۡرِ مَدَنِيَّةٌ ۹۸ | رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔا مَّذۡكُوۡرًا ۝١

۱۔ کبھی گذرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی [۱]

اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ۝٢

۲۔ ہم نے بنایا آدمی کو ایک دو رنگی بوند سے [۲] ہم پلٹتے رہے اُسکو پھر کر دیا اُسکو ہم نے سننے والا دیکھنے والا [۳]

اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا ۝٣

۳۔ ہم نے اُسکو سجھائی راہ یا حق ماننا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے [۴]

اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِيۡرًا ۝٤

۴۔ ہم نے تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور آگ دہکتی [۵]

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ يَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ كَاۡسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوۡرًا ۚ ۝٥

۵۔ البتہ نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ جس کی ملونی ہے کافور

عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوۡنَهَا تَفۡجِيۡرًا ۝٦

۶۔ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے [۶] چلاتے ہیں وہ اُسکی نالیاں [۷]

يُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَ يَخَافُوۡنَ يَوۡمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسۡتَطِيۡرًا ۝٧

۷۔ پورا کرتے ہیں منت کو [۸] اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اُسکی برائی پھیل پڑے گی [۹]

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا
وَّ اَسِيْرًا ﴿٨﴾

٨۔ اور کھلاتے ہیں کھانا اُسکی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو[١٠]

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ
لَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾

٩۔ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو نہ تم سے ہم چاہیں گے بدلا اور نہ چاہیں گے شکر گذاری[١١]

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾

١٠۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اداسی والے کی سختی سے[١٢]

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ
سُرُوْرًا ﴿١١﴾

١١۔ پھر بچا لیا اُنکو اللہ نے برائی سے اس دن کی اور ملا دی اُنکو تازگی اور خوشی وقتی[١٣]

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿١٢﴾

١٢۔ اور بدلا دیا اُنکو اُنکے صبر پر باغ اور پوشاک ریشمی[١٤]

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا
شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾

١٣۔ تکیہ لگائے بیٹھیں اُس میں تختوں کے اوپر[١٥] نہیں دیکھتے وہاں دھوپ اور نہ ٹھر[١٦]

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا
تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾

١٤۔ اور جھک رہیں اُن پر اسکی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں اُسکے گچھے لٹکا کر[١٧]

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ
قَوَارِيْرَا۠ ﴿١٥﴾

١٥۔ اور لوگ لئے پھرتے ہیں اُنکے پاس برتن چاندی کے اور آبخورے جو ہو رہے ہیں شیشے کے

قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾

١٦۔ شیشے ہیں چاندی کے[١٨] ماپ رکھا ہے اُن کا ماپ[١٩]

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ۚ ﴿١٧﴾

۱۷۔ اور اُنکو وہاں پلاتے ہیں پیالے جس کی ملونی ہے سونٹھ[۲۰]

عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾

۱۸۔ ایک چشمہ ہے اُس میں اُس کا نام کہتے ہیں سلسبیل[۲۱]

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا ﴿١٩﴾

۱۹۔ اور پھرتے ہیں اُنکے پاس لڑکے سدا رہنے والے[۲۲] جب تو اُنکو دیکھے خیال کرے کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے[۲۳]

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾

۲۰۔ اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی[۲۴]

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوٓا
أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾

۲۱۔ اوپر کی پوشاک انکی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے[۲۵] اور انکو پہنائے جائیں گے کنگن چاندی کے[۲۶] اور پلائے اُنکو اُنکا رب شراب جو پاک کرے دل کو[۲۷]

إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ
مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾

۲۲۔ یہ ہے تمہارا بدلا اور کمائی تمہاری ٹھکانے لگی[۲۸]

ع ۲۲ ۱۹

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيلًا ۚ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سہج سہج اتارنا

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا
أَوْ كَفُورًا ۚ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ سو تو انتظار کر اپنے رب کے حکم کا[۲۹] اور کہنا مت مان اُن میں سے کسی گنہگار یا ناشکر کا[۳۰]

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ﴿٢٥﴾

۲۵۔ اور لیتا رہ نام اپنے رب کا صبح اور شام[۳۱]

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾

۲۶۔ اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اُسکو[۳۲] اور پاکی بول اُسکی بڑی رات تک[۳۳]

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَآءَهُمْ
يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾

۲۷۔ یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو[۳۴]

نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ وَ شَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ ۚ وَ اِذَا شِئۡنَا
بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ ہم نے اُنکو بنایا اور مضبوط کیا اُنکی جوڑ بندی کو اور جب ہم چاہیں بدل لائیں اُن جیسے لوگ بدل کر [۳۵]

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ
سَبِيۡلًا ﴿۲۹﴾

۲۹۔ یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ [۳۶]

وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۖ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا [۳۷]

يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ
لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۳۱﴾ ع

۳۱۔ داخل کر لے جسکو چاہے اپنی رحمت میں [۳۸] اور جو گنہگار ہیں تیار ہے اُنکے واسطے عذاب دردناک

ع ۲ / ۹ / ۲۰

۱۔ انسان عدم محض تھا: بے شک انسان پر ایک وقت گزر چکا ہے۔ جب اس کا کچھ نام و نشان نہ تھا۔ پھر کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا۔ وہ حالت بھی اس کی موجودہ شرافت و کرامت کو دیکھتے ہوئے اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔

۲۔ مخلوط پانی سے انسان کی تخلیق: یعنی مرد اور عورت کے دو رنگے پانی سے پیدا کیا۔ (تنبیہ) اَمۡشَاجٍ کے معنی مخلوط کے ہیں۔ نطفہ جن عذاؤں کا خلاصہ ہے وہ مختلف چیزوں سے مرکب ہوتی ہیں اس لئے عورت کے پانی سے قطع نظر کر کے بھی اُس کا اَمۡشَاجٍ کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ الٹ پھیر کے بعد دیکھنے سننے والا بنا دیا: یعنی نطفہ سے جما ہوا خون، پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ اسی طرح کئی طرح کے الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا اور سب اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں (تنبیہ) نَّبۡتَلِيۡهِ کے معنی اکثر مفسرین نے امتحان و آزمائش کے لئے ہیں۔

یعنی آدمی کا بنانا اس غرض سے تھا کہ اس کو احکام کا مکلف اور امر و نہی کا مخاطب بنا کر امتحان لیا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کے احکام کی تعمیل میں وفاداری دکھلاتا ہے۔ اسی لئے اس کو سننے، دیکھنے، اور سمجھنے کی وہ قوتیں دی گئیں جن پر تکلیف شرعی کا مدار ہے۔

۴۔ ہدایت کے باوجود دو فرقے ہو گئے: یعنی اولاً اصل فطرت اور پیدائشی عقل و فہم سے پھر دلائل عقلیہ و نقلیہ سے نیکی کی راہ سجھائی جس کا مقتضٰی یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ چلتے لیکن گرد و پیش کے حالات اور خارجی عوارض سے متاثر ہو کر سب ایک راہ پر نہ رہے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا، اور بعض نے ناشکری اور ناحق کوشی پر کمر باندھ لی۔ آگے دونوں کا انجام مذکور ہے۔

۵۔ منکروں کے لئے طوق اور زنجیریں: یعنی جو لوگ رسم و رواج اور اوہام و ظنون کی زنجیروں میں جکڑے رہے اور غیر اللہ کی حکومت و اقتدار کے طوق اپنے گلوں سے نہ نکال سکے۔ بلکہ حق و حاملین حق کے خلاق دشمنی اور لڑائی کی آگ بھڑکانے میں عمریں گذار دیں، کبھی بھول کر اللہ

کی نعمتوں کو یاد نہ کیا۔ نہ اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دوزخ کے طوق و سلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

۶۔ ابرار کے لئے چشمہ کافور کی شراب: یعنی جام شراب پیئیں گے جس میں تھوڑا سا کافور ملایا جائیگا۔ یہ کافور دنیا کا نہیں بلکہ جنت کا ایک خاص چشمہ ہے جو خاص طور پر اللہ کے مقرب و مخصوص بندوں کو ملے گا۔ شاید اس کو ٹھنڈا، خوشبودار، مفرح اور سفید رنگ ہونے کی وجہ سے کافور کہتے ہونگے۔

۷۔ چشمہ کا بہنا عباد اللہ کے اختیار میں: یعنی وہ چشمہ ان بندوں کے اختیار میں ہوگا جدھر اشارہ کریں گے اسی طرف کو اس کی نالی بہنے لگے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا اصل منبع حضور پر نور محمد رسول ﷺ کے قصر میں ہوگا۔ وہاں سے سب انبیاء و مؤمنین کے مکانوں تک اس کی نالیاں پہنچائی جائیں گی۔ واللہ اعلم۔ آگے ابرار کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔

۸۔ منّت کو پورا کرنے والے: یعنی جو منت مانی ہو اسے پورا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب خود اپنی لازم کی ہوئی چیز کو پورا کرینگے تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

۹۔ یعنی اس دن کی سختی اور برائی درجہ بدرجہ سب کو عام ہوگی۔ کوئی شخص بالکلیہ محفوظ نہ رہیگا۔ الا من شاء اللہ۔

۱۰۔ قیدیوں سے حسنِ سلوک کرنے والے: یعنی اللہ کی محبت کے جوش میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں۔ (تنبیہ) قیدی عام ہے مسلم ہو یا کافر۔ حدیث میں ہے کہ "بدر" کے قیدیوں کے متعلق حضور ﷺ نے حکم دیا کہ جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی رہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ چنانچہ صحابہؓ اس حکم کی تعمیل میں قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے حالانکہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بھائی کا حق تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ اور اگر لفظ اَسِیۡرًا میں ذرا توسّع کر لیا جائے تب تو یہ آیت غلام اور مدیون کو بھی شامل ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ایک طرح سے قید میں ہیں۔

۱۱۔ یہ کھلانے والے زبانِ حال سے کہتے ہیں اور کہیں مصلحت ہو تو زبان قال سے بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۲۔ اخلاص سے کھانا کھلانے والے: یعنی کیوں نہ کھلائیں اور کھلانے کے بعد کیونکہ بدلہ یا شکر کے امیدوار رہیں جب کہ ہم کو اپنے پروردگار کا اور اس دن کا خوف لگا ہوا ہے جو بہت سخت اداس اور غصہ سے چیں بہ چیں ہوگا۔ ہم تو اخلاص کے ساتھ کھلانے پلانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں۔ مبادا اخلاص وغیرہ میں کمی رہ گئی ہو اور الٹا منہ پر مارا جائے۔

۱۳۔ یعنی جس چیز سے وہ ڈرتے تھے۔ اللہ نے اس سے محفوظ و مامون رکھا۔ اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا کیا۔

۱۴۔ یعنی از بسکہ یہ لوگ دنیا کی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے معاصی سے رکے اور طاعت پر جمے رہے تھے۔ اس لئے اللہ نے ان کو عیش کرنے کے لئے جنت کے باغ اور لباس ہائے فاخرہ مرحمت فرمائے۔

۱۵۔ بادشاہوں کی طرح۔

۱۶۔ جنّت کا موسم: یعنی جنت کا موسم نہایت معتدل ہوگا نہ گرمی کی تکلیف نہ سردی کی۔

۱۷۔ جنّت کے پھلوں کے گچھے: یعنی درختوں کی شاخیں مع اپنے پھول پھل وغیرہ کے ان پر جھکی پڑتی ہونگی اور پھلوں کے خوشے ایسی طرح لٹکے ہوں گے اور ان کے قبضہ میں کر دیئے جائیں گے کہ جنتی جس حالت میں چاہے کھڑے بیٹھے، لیٹے بے تکلف چن سکے (تنبیہ) شاید درختوں کی شاخوں کو یہاں ظلال سے تعبیر فرمایا ہے یا واقعی سایہ ہو۔ کیونکہ آفتاب کی دھوپ نہ سہی، کوئی دوسری قسم کا نور تو وہاں ضرور ہوگا۔ اس کے سایہ میں بہشتی تفنّن و تفریح کی غرض سے کبھی بیٹھنا چاہیں گے۔ واللہ اعلم۔

۱۸۔ جنّت کے برتن: یعنی آبخورے اصل میں چاندی کے بنے ہونگے نہایت سفید، بے داغ اور فرحت بخش، لیکن صاف وشفاف اور چمکدار ہونے میں شیشے کی طرح معلوم ہونگے۔ ان کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئیگی۔

۱۹۔ اندازے پر بھرے ہوئے: یعنی جنتی کو جس قدر پینے کی خواہش ہو گی ٹھیک اس کے اندازے کے موافق بھرے ہوں گے کہ نہ کمی رہے نہ بچے۔ یا بہشتیوں نے اپنے دل سے جیسا اندازہ کر لیا ہو گا بلا کم و کاست اسی کے موافق آئینگے۔

۲۰۔ سونٹھ ملے ہوئے مشروب: یعنی ایک جام شراب وہ تھا جس کی ملونی کافور ہے۔ دوسرا وہ ہو گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہو گی۔ مگر یہ دنیا کی سونٹھ نہ سمجھئے وہ ایک چشمہ ہے جنت میں جس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ سونٹھ کی تاثیر گرم ہے اور وہ حرارت عزیزیہ میں انتعاش پیدا کرتی ہے۔ عرب کے لوگ اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ بہرحال کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ کو زنجبیل کا چشمہ کہتے ہیں۔ ابرار کے پیالہ میں اس کی تھوڑی سے آمیزش کی جائیگی۔ اصل میں وہ چشمہ بڑے عالی لوگ مقام مقربین کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ جنّت کا چشمہ سلسبیل: اس نام کے معنی ہیں پانی صاف بہتا ہوا۔ کذا فی الموضح۔

۲۲۔ یعنی ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں سے کبھی چھینے نہ جائیں گے۔

۲۳۔ بکھرے موتیوں کی طرح خوبصورت لڑکے: یعنی اپنے حسن و جمال صفائی اور آب و تاب میں اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے ایسے خوش منظر معلوم ہونگے گویا بہت سے چمکدار خوبصورت موتی زمین پر بکھیر دیئے گئے۔

۲۴۔ جنّت کی عظیم حکومت: یعنی جنت کا حال کیا کہا جائے، کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ کیسی عظیم الشان نعمت اور کتنی بھاری بادشاہت ہے جو ادنیٰ ترین جنتی کو نصیب ہو گی۔ رزقنا اللہ منہا بمنہ وفضلہ۔

۲۵۔ جنّت کے لباس: یعنی باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم کے لباس جنتیوں کو ملیں گے۔

۲۶۔ چاندی کے کنگن: اس سورت میں تین جگہ چاندی کے برتنوں اور زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ دوسری جگہ سونے کے بیان کئے گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی ہوں اور وہ بھی، کسی کو یہ ملیں، کسی کو وہ۔ یا کبھی یہ کبھی وہ۔

۲۷۔ پروردگار کی طرف سے شراب طہور: یعنی سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا ایک جام محبوب حقیقی کی طرف سے ملے گا، جس میں نہ نجاست ہو گی نہ کدورت، نہ سرگرانی، نہ بدبو، اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہوں گے، پینے کے بعد بدن سے پسینہ نکلے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح مہکنے والی ہو گی۔

۲۸۔ یعنی مزید اعزاز و اکرام اور تطییب قلوب کے لئے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ تمہاری کوشش مقبول ہوئی۔ اور محنت ٹھکانے لگی۔ اس کو سن کر جنتی اور زیادہ خوش ہونگے۔

۲۹۔ کفّار پر صبر کیجئے: تاکہ آپ ﷺ کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں۔ اور معلوم کر لیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے۔ اگر اس طرح سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد و عناد ہی پر قائم رہیں تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جمے رہئے۔ اور آخری فیصلہ کا انتظار کیجئے۔

۳۰۔ قریش کے سرداروں کی بات نہ مانئے: عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش آپ ﷺ کو دنیوی لالچ دے کر اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر چاہتے تھے کہ فرض تبلیغ و دعوت سے باز رکھیں۔ اللہ نے متنبہ فرما دیا۔ کہ آپ ان میں سے کسی کی بات نہ مانیں۔ کیونکہ کسی گنہگار فاسق یا ناشکر کافر کا کہا ماننے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شریروں اور بدبختوں کی بات پر کان دھرنا نہیں چاہیئے۔

۳۱۔ صبح و شام ذکر اللہ کی تاکید: یعنی ہمہ وقت اس کو یاد رکھو خصوصًا ان دو وقتوں میں سب خرخشوں کا علاج یہی ذکر خدا ہے۔

۳۲۔ رات کی نماز: یعنی نماز پڑھ، شاید مغرب وعشاء مراد ہو یا تہجد۔

۳۳۔ تہجّد کی نماز: اگر وَمِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ سے تہجّد مراد لیا جائے تو یہاں تسبیح سے اس کے معنی متبادر مراد لینگے۔ یعنی شب کو تہجد کے علاوہ بہت زیادہ تسبیح وتہلیل میں مشغول رہیئے اور اگر پہلے مغرب وعشاء مراد تھی تو یہاں تسبیح سے تہجد مراد لے سکتے ہیں۔

۳۴۔ حُبّ دنیا کفر کی وجہ ہے: یعنی یہ لوگ جو آپ ﷺ کی نصیحت وہدایت قبول نہیں کرتے اس کا سبب حب دنیا ہے۔ دنیا چونکہ جلد ہاتھ آنیوالی چیز ہے اسی کو یہ چاہتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن سے غفلت میں ہیں۔ اس کی کچھ فکر نہیں۔ بلکہ اس کے آنے کا یقین بھی نہیں سمجھتے ہیں کہ مر کر جب گل سڑ گئے پھر کون دوبارہ ہم کو ایسا ہی بنا کر کھڑا کر دیگا؟ آگے اس کا جواب دیا ہے۔

۳۵۔ یعنی اوّل پیدا ہم نے کیا اور سب جوڑ بند درست کئے۔ آج ہماری وہ قدرت سلب نہیں ہو گئی۔ ہم جب چاہیں ان کی موجودہ ہستی کو ختم کر کے دوبارہ ایسی ہی ہستی بنا کر کھڑی کر دیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ نہ مانیں گے تو ہم قادر ہیں کہ جب چاہیں ان کی جگہ دوسرے ایسے ہی آدمی لے آئیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہونگے۔

۳۶۔ اس نصیحت کو جو چاہے قبول کرے: یعنی جبر وزور سے منوا دینا آپ کا کام نہیں، قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دیجئے۔ آگے ہر ایک کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی خوشنودی تک پہنچنے کا راستہ بنا رکھے۔

۳۷۔ تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہنے سے ہے: یعنی تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہے بدون نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بندہ کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے وہ جانتا ہے کہ کس کی استعداد وقابلیت کس قسم کی ہے اسی کے موافق اس کی مشیت کام کرتی ہے۔ پھر وہ جس کو اپنی مشیت سے راہ راست پر لائے، اور جس کو گمراہی میں پڑا چھوڑ دے عین صواب وحکمت ہے۔

۳۸۔ "یعنی جن کی استعداد اچھی ہو گی ان کو نیکی پر چلنے کی توفیق دیگا۔ اور اپنی رحمت وفضل کا مستوجب بنائیگا۔

تم سورۃ الدھر وللہ الحمد والمنۃ

اٰیاتھا ۵۰ ۷۷ سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ۳۳ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی
فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾	۲۔ پھر جھونکا دینے والیوں کی زور سے[۱]
وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾	۳۔ پھر ابھارنے والیوں کی اٹھا کر
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ﴿۴﴾	۴۔ پھر پھاڑنے والیوں کی بانٹ کر[۲]
فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾	۵۔ پھر فرشتوں کی جو اتار کر لائیں وحی[۳]
عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾	۶۔ الزام اتارنے کو یا ڈر سنانے کو[۴]
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۭ﴿۷﴾	۷۔ مقرر جو تم سے وعدہ ہوا وہ ضرور ہونا ہے[۵]
فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ﴿۸﴾	۸۔ پھر جب تارے مٹائے جائیں
وَاِذَا السَّمَاۗءُ فُرِجَتْ ۙ﴿۹﴾	۹۔ اور جب آسمان میں جھروکے پڑ جائیں[۶]
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴿۱۰﴾	۱۰۔ اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں[۷]
وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۭ﴿۱۱﴾	۱۱۔ اور جب رسولوں کا وقت مقرر ہو جائے[۸]
لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۭ﴿۱۲﴾	۱۲۔ کس دن کے واسطے ان چیزوں میں دیر ہے
لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۚ﴿۱۳﴾	۱۳۔ اس فیصلے کے دن کے واسطے[۹]

وَ مَآ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ اور تونے کیا بوجھا کیا ہے فیصلے کا دن
وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی[۱۰]
اَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۶﴾	۱۶۔ کیا ہم نے نہیں مار کھپایا پہلوں کو
ثُمَّ نُتۡبِعُهُمُ الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۱۷﴾	۱۷۔ پھر اُنکے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلوں کو
كَذٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۸﴾	۱۸۔ ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں گنہگاروں کے ساتھ[۱۱]
وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی[۱۲]
اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ﴿۲۰﴾	۲۰۔ کیا ہم نے نہیں بنایا تمکو ایک بے قدر پانی سے
فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ﴿۲۱﴾	۲۱۔ پھر رکھا اُسکو ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں[۱۳]
اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۲﴾	۲۲۔ ایک وعدہ مقرر تک[۱۴]
فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴿۲۳﴾	۲۳۔ پھر ہم اُسکو پورا کر سکے سو ہم کیا خوب سکت والے ہیں[۱۵]
وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۴﴾	۲۴۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی[۱۶]
اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾	۲۵۔ کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی
اَحۡيَآءً وَّ اَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾	۲۶۔ زندوں کو اور مردوں کو[۱۷]
وَّ جَعَلۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اور رکھے ہم نے زمین میں بوجھ کے لئے پہاڑ اونچے اور پلایا ہم نے تمکو پانی میٹھا پیاس بجھانے والا[۱۸]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی[۱۹]

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ج ﴿۲۹﴾

۲۹۔ چل کر دیکھو جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے[۲۰]

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لا ﴿۳۰﴾

۳۰۔ چلو ایک چھاؤں میں جسکی تین پھانکیں ہیں[۲۱]

لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ط ﴿۳۱﴾

۳۱۔ نہ گہری چھاؤں اور نہ کچھ کام آئے تپش میں[۲۲]

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ج ﴿۳۲﴾

۳۲۔ وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل[۲۳]

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ط ﴿۳۳﴾

۳۳۔ گویا وہ اونٹ ہیں زرد[۲۴]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی[۲۵]

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ لا ﴿۳۵﴾

۳۵۔ یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے[۲۶]

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور نہ اُنکو حکم ہو کہ توبہ کریں[۲۷]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی[۲۸]

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ج جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ یہ ہے دن فیصلے کا جمع کیا ہم نے تمکو اور اگلوں کو[۲۹]

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا تو چلا لو مجھ پر[۳۰]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ع ﴿۴۰﴾ ع ۱ ۲۱

۴۰۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی[۳۱]

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ لا ﴿۴۱﴾

۴۱۔ البتہ جو ڈرنے والے ہیں وہ سایہ میں ہیں[۳۲] اور نہروں میں

وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ط ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور میوے جس قسم کے وہ چاہیں

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾
۴۳۔ کھاؤ اور پیو مزے سے بدلا اُن کاموں کا جو تم نے کئے تھے [۴۳]

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾
۴۴۔ ہم یونہی دیتے ہیں بدلا نیکی والوں کو

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾
۴۵۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۴۴]

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
۴۶۔ کھالو اور برت لو تھوڑے دنوں بیشک تم گنہگار ہو [۴۵]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾
۴۷۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۴۶]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾
۴۸۔ اور جب کہیے اُن کو کہ جھک جاؤ نہیں جھکتے [۴۷]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾
۴۹۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی [۴۸]

فَبِاَىِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع
۵۰۔ اب کس بات پر اُسکے بعد یقین لائیں گے [۴۹]

ع ۲ / ۲۲

۱۔ چلتی ہواؤں کی قسم: یعنی اوّل ہوا نرم اور خوشگوار چلتی ہے، جس سے مخلوق کی بہت سی توقعات اور منافع وابستہ ہوتے ہیں۔ پھر کچھ دیر بعد وہی ہوا ایک تند آندھی اور طوفانی جھکّڑ کی شکل اختیار کر کے وہ خرابی اور غضب ڈھاتی ہے کہ لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ یہی مثال دنیا و آخرت کی سمجھو کتنے ہی کام ہیں جن کو لوگ فی الحال مفید اور نافع تصوّر کرتے ہیں اور ان پر بڑی بڑی امیدیں باندھتے ہیں۔ لیکن وہی کام جب قیامت کے دن اپنی اصلی اور سخت ترین خوفناک صورت میں ظاہر ہونگے تو لوگ پناہ مانگنے لگیں گے۔

۲۔ ناشرات اور فارقات ہوائیں: یعنی ان ہواؤں کی قسم جو بخارات وغیرہ کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں اور ابر کو ابھار کر جوّ میں پھیلا دیتی ہیں پھر جہاں جہاں پہنچانا ہے اللہ کے حکم سے اس کے حصے کر کے بانٹتی ہیں اور بارش کے بعد بادلوں کو پھاڑ کر ادھر اُدھر متفرق کرتی ہیں اور کچھ ابر کے ساتھ مخصوص نہیں، ہوا کی عام خاصیت یہ ہے کہ اشیاء کی کیفیات مثلاً خوشبو، بدبو وغیرہ کو پھیلائے ان کے لطیف اجزا کو جدا کر کے لے اڑے اور ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز سے جا ملائے۔ غرض یہ جمع و تفرق جو ہوا کا خاصہ ہے ایک نمونہ ہے آخرت کا، جہاں حشر و نشر کے بعد لوگ جدا کئے جائیں گے اور ایک جگہ جمع ہونے کے بعد الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچا دیئے جائیں گے۔ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ (مرسلات۔۳۸)۔

۳۔ ان الفاظ کی دوسری تفسیر: حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا سے بھی ہوائیں مراد لی ہیں کیونکہ وحی کی آواز کا لوگوں کے کانوں تک پہنچانا بھی ہوا کے ذریعہ سے ہے۔ (تنبیہ) اَلْمُرْسَلٰتِ اَلْعٰصِفٰتِ اَلنّٰشِرٰتِ اَلْفٰرِقٰتِ اَلْمُلْقِيٰتِ پانچوں کا مصداق کسی نے ہواؤں کو ٹھہرایا ہے، کسی نے فرشتوں کو، کسی نے پیغمبروں کو، اور بعض مفسرّین نے پہلی چار سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے، جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور بھی اقوال ہیں جن سب کی تفصیل روح المعانی میں ملے گی۔

۴۔ وحی کفار کے لئے حجت اور مومنین کے لئے انذار ہے: حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "کہ (وحی سے) کافروں کا الزام اتارنا منظور ہے کہ (سزا کے وقت) نہ کہیں ہم کو خبر نہ تھی اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈر سنانا تا ایمان لائیں" اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جو کلام الٰہی امر و نہی اور عقائد و احکام پر مشتمل ہے۔ وہ عذر کرنے کے واسطے ہے، تا اعمال کی بازپرس کے وقت اس شخص کے لئے عذر اور دستاویز ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم کے بموجب کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے ترک کیا۔ اور جو کلام الٰہی قصص و اخبار وغیرہ پر مشتمل ہو وہ عموماً منکرین کو ڈرانے اور خوف دلانے کے لئے ہے اور اس سورت میں روئے سخن بیشتر مکذبین و منکرین کی طرف تھا۔ اس لئے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوائیں شاہد ہیں کہ ایک وقت ضرور آنا چاہیئے جب مجرموں کو ان کی حرکات پر ملزم کیا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکلیہ مامون و بے فکر کر دیا جائے۔

۵۔ یعنی قیامت کا اور آخرت کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا وعدہ۔

۶۔ قیامت کے احوال: یعنی تارے بے نور ہو جائیں، آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹنے کی وجہ سے ان میں دریچیاں اور جھروکے سے نظر آنے لگیں۔

۷۔ یعنی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں۔

۸۔ آخرت میں رسولوں کا مقرر وقت: تا آگے پیچھے وقت مقرر کے موافق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ رب العزت کی سب سے بڑی پیشی میں حاضر ہوں۔

۹۔ فیصلہ کے دن ہی سب فیصلے ہوں گے: یعنی جانتے ہو؟ ان امور کو کس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے؟ اس دن کے لئے جس میں ہر بات کا بالکل آخری اور دوٹوک فیصلہ ہو گا۔ بیشک اللہ چاہتا تو ابھی ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتا۔ لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسا کیا جائے۔

۱۰۔ مکذبین کے لئے خرابی ہے: یعنی کچھ مت پوچھو، فیصلہ کا دن کیا چیز ہے۔ بس یہ سمجھ لو، کہ جھٹلانے والوں کو اس روز سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہو گا۔ کیونکہ جس چیز کی انہیں امید نہ تھی جب وہ یکایک اپنی ہولناک صورت میں آن پہنچے گی تو ہوش پرّاں ہو جائیں گے، اور حیرت و ندامت سے حواس باختہ ہونگے۔

۱۱۔ قوموں سے پچھلی دنیا کی ہلاکت پر استدلال: منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ بڑی دنیا کہاں ختم ہوتی ہے؟ بھلا کون باور کریگا کہ سب آدمی بیک وقت مر جائیں گے اور نسل انسانی بالکل نابود ہو جائے گی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور بناوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا جواب دیا کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جب ہماری قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ دور حاضر کے کفار کو بھی ہم ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کر دیں گے۔ جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کر سکتی ہے، وہ اس پر کیوں قادر نہ ہو گی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کر دے۔ اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔

۱۲۔ یعنی جو قیامت کی آمد کو اس لئے جھٹلاتے تھے کہ سب انسان ایک دم کیسے فنا کر دیئے جائیں گے اور کس طرح سب مجرموں کو بیک وقت گرفتار کر کے سزا دیں گے۔

۱۳۔ قرار مکین: یعنی ایک ٹھہراؤ کی جگہ میں محفوظ رکھا۔ مراد اس سے رحم مادر ہے جسے ہمارے محاورات میں بچہ دان کہتے ہیں۔

۱۴۔ اکثر وہاں ٹھہرنے کی مدت نو مہینے ہوتی ہے۔

۱۵۔ انسان کی تخلیق میں قدرت کی نشانیاں: یعنی اس پانی کی بوند کو بتدریج پورا کر کے انسان عاقل بنا دیا۔ اس سے ہماری قدرت اور سکت کو سمجھ لو۔ تو اسی انسان کو مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے؟ (تنبیہ) بعض نے "قدرنا" کے معنی اندازہ کرنے کے لئے ہیں۔ یعنی "اندازہ کیا

ہم نے "اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں کہ اتنی مدت میں کوئی ضروری چیز رہ نہیں جاتی اور کوئی زائد و بیکار چیز پیدا نہیں ہوتی۔

۱۶۔ جو یوں کہا کرتے تھے کہ مٹی میں مل کر جب ہماری ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، پھر کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس وقت اپنے ان لچر پوچ شبہات پر شرمائیں گے۔ اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔

۱۷۔ زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی زمین: یعنی زندہ مخلوق اسی زمین پر بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانا ہوا۔ تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہو گا۔

۱۸۔ پہاڑ اور میٹھا پانی: یعنی اسی زمین میں پہاڑ جیسی وزنی اور سخت چیز پیدا کر دی جو اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہیں کھاتے اور اسی زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے جو نرم و سیّال ہونے کی وجہ سے برابر بہتے رہتے ہیں، اور بڑی سہولت سے پینے والے کو سیراب کرتے ہیں۔ پس جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ کیا وہ میدانِ حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔ نیز جس کے قبضہ میں پیدا کرنا، ہلاک کرنا، اور حیات و بقاء کے سامان فراہم کرنا یہ سب کام ہوئے اس کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیونکر جائز ہو گا۔

۱۹۔ یعنی جو سمجھتے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں تمام اولین و آخرین کی اثابت و تعذیب کے اس قدر مختلف اور متضاد کام کیونکر سرانجام پائیں گے۔

۲۰۔ یعنی قیامت کے دن یوں کہا جائیگا۔

۲۱۔ کفار کے لئے تین شاخوں والا سایہ: قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ کافروں کے سایہ کے لئے ایک دھواں دوزخ سے اٹھیگا، جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جائے گا کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو تین طرف سے گھیرے گا۔ ایک ٹکڑا سر کے اوپر سائبان کی طرح ٹھہریگا۔ دوسرا ٹکڑا داہنے اور تیسرا بائیں ہو جائے گا۔ حساب سے فارغ ہونے تک وہ لوگ اسی سایہ کے نیچے رہینگے۔ اور ایمان دار نیک کردار عرش اعظم کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہوں گے۔

۲۲۔ یعنی محض برائے نام سایہ ہو گا، گہری چھاؤں نہیں ہو گی۔ جس سے آفتاب کی گرمی یا آگ کی تپش سے نجات ملے یا اندر کی گرمی اور پیاس میں کمی ہو۔

۲۳۔ اس سائے سے عظیم انگارے گریں گے: یعنی اونچی ہوتی ہیں، چنگاریاں بڑے اونچے محل کے برابر یا اس کے انگارے کلانی میں محل کے برابر ہوں گے۔

۲۴۔ زرد اُونٹ کے برابر چنگاریاں: یعنی اگر قصر کے ساتھ تشبیہ بلندی میں تھی تو اونٹ کے ساتھ کلانی میں ہو گی۔ اور اگر وہ تشبیہ کلانی میں ہو تو كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ کا مطلب یہ ہو گا کہ ابتداءً چنگاریاں محل کے برابر ہوں گی، پھر ٹوٹ کر اور چھوٹی ہو کر اونٹ کے برابر ہو جائیں گی۔ یا اونٹ کے ساتھ رنگت میں تشبیہ ہو، لیکن اس صورت میں جِمٰلَتٌ صُفْرٌ کا ترجمہ جنہوں نے "کالے اونٹوں" سے کیا ہے وہ زیادہ چسپاں ہو گا۔ کیونکہ روایات سے جہنم کی آگ کا سیاہ و تاریک ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اور عرب کالے اونٹ کو صفر اس لئے کہتے ہیں کہ عموماً وہ زردی مائل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۵۔ جو سمجھتے تھے کہ قیامت آنے والی نہیں اور اگر آئی تو ہم وہاں بھی آرام سے رہینگے۔

۲۶۔ کفار بول نہیں سکیں گے: یعنی محشر کے بعض مواطن میں بالکل بول نہ سکیں گے اور جن مواطن میں بولیں گے وہ نافع نہ ہو گا۔ اس لحاظ سے بولنا نہ بولنا برابر ہوا۔

۲۷۔ کیونکہ معذرت اور توبہ کے قبول ہونے کا وقت گزر گیا۔

۲۸۔ یعنی جنہوں نے دنیا کی عدالتوں پر قیاس کر کے سمجھ رکھا ہو گا کہ اگر ایسا موقع پیش آ گیا وہاں بھی زبان چلا کر اور کچھ عذر معذرت کر کے چھوٹ جائیں گے۔

۲۹۔ تا سب کو اکٹھا کر کے پھر الگ الگ کر دیں اور آخری فیصلہ سنائیں۔

۳۰۔ لو! سب کو ہم نے یہاں جمع کر دیا آپس میں مل کر اور مشورے کر کے جو داؤ تدبیر ہماری گرفت سے نکلنے کی کر سکتے ہو کر دیکھو! دنیا میں حق کو دبانے کی بہت تدبیریں کی تھیں۔ آج ان میں سے کوئی یاد کرو۔

۳۱۔ جو دوسروں پر بھروسہ کئے ہوئے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہم کو چھڑا لیں گے اور بعض گستاخ تو دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس سن کر یہاں تک کہہ گذرتے تھے کہ ان میں سے سترہ کو میں اکیلا کافی ہوں۔

۳۲۔ یعنی اوّل عرش کے پھر جنت کے سایوں میں۔

۳۳۔ متقین کا حال: مکذبین کے مقابل یہ متقین کا حال بیان فرما دیا کہ الاشیاء تعرف باضدادھا۔

۳۴۔ جو دنیا میں مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے تو وہاں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے۔ اب ان کو عیش میں اور اپنے کو تکلیف میں دیکھ کر اور زیادہ جلیں گے اور ذلیل و رسوا ہوں گے۔

۳۵۔ کچھ روز اور عیش کر لو: یہ خطاب مکذبین کو ہے کہ چند روز اور مزے اڑا لو۔ آخر یہ کھایا پیا بہت بری طرح نکلے گا۔ کیونکہ تم اللہ کے مجرم ہو جس کی سزا حبس دوام اور عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ گویا كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا فرمانا ایسا ہوا جیسے ایک مجرم کو جس کے لئے پھانسی کا حکم ہو چکا ہو، پھانسی دینے سے قبل کہہ دیتے ہیں کہ کوئی خواہش ہو تو ظاہر کرو تا اس کے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۶۔ جو دنیا کے عیش و بہار اور لذتوں پر ریجھ رہے تھے، یہ خبر نہ تھی کہ جس چیز کو پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈال رہے ہیں وہ کالا ناگ ہے۔

۳۷۔ یعنی نماز میں یا اللہ کے عام احکام کے سامنے۔

۳۸۔ جھکنے سے انکار کرتے ہیں: اس دن پچھتائیں گے کہ دنیا میں احکام الٰہی کے سامنے کیوں نہ جھکے۔ وہاں سر جھکاتے تو آج یہاں سربلند ہوتے۔

۳۹۔ قرآن کے بعد یقین کے لئے کس چیز کا انتظار ہے: یعنی قرآن سے بڑھ کر کامل اور مؤثر بیان کس کا ہو گا۔ اگر یہ مکذبین اس پر یقین نہیں لاتے تو اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟ کیا قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے منتظر ہیں جو آسمان سے اترے گی؟

تم سورۃ المرسلات وللہ الحمد والمنہ وبہ التوفیق والعصمۃ

اٰیاتھا ۴۰	۷۸ سُوۡرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ ۸۰	رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوۡنَ‌ۚ ﴿۱﴾
۱۔ کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں [۱]

عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِيۡمِۙ ﴿۲﴾
۲۔ پوچھتے ہیں اُس بڑی خبر سے

الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ مُخۡتَلِفُوۡنَؕ ﴿۳﴾
۳۔ جس میں وہ مختلف ہیں [۲]

كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَۙ ﴿۴﴾
۴۔ ہرگز نہیں اب جان لیں گے

ثُمَّ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾
۵۔ پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے [۳]

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًاۙ ﴿۶﴾
۶۔ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا [۴]

وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًاۖ ﴿۷﴾
۷۔ اور پہاڑوں کو میخیں [۵]

وَّخَلَقۡنٰكُمۡ اَزۡوَاجًاۙ ﴿۸﴾
۸۔ اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے [۶]

وَّجَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًاۙ ﴿۹﴾
۹۔ اور بنایا نیند کو تمہاری تکان دفع کرنے کے لئے [۷]

وَّجَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاسًاۙ ﴿۱۰﴾
۱۰۔ اور بنایا رات کو اوڑھنا [۸]

وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًاۖ ﴿۱۱﴾
۱۱۔ اور بنایا دن کمائی کرنے کو [۹]

وَّبَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًاۙ ﴿۱۲﴾
۱۲۔ اور چنی ہم نے تم سے اوپر سات چنائی مضبوط [۱۰]

وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًاۖ ﴿۱۳﴾
۱۳۔ اور بنایا ایک چراغ چمکتا ہوا [۱۱]

وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اتارا نچڑنے والی بدلیوں سے پانی کا ریلا [۱۲]

لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ﴿۱۵﴾

۱۵۔ تا کہ ہم نکالیں اس سے اناج اور سبزہ

وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ﴿ؕ۱۶﴾

۱۶۔ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے [۱۳]

اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ۙ﴿۱۷﴾

۱۷۔ بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہرا ہوا [۱۴]

يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۱۸﴾

۱۸۔ جس دن پھونکی جائے صور پھر تم چلے آؤ جٹ کے جٹ [۱۵]

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا ۙ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور کھولا جائے آسمان تو ہو جائیں اس میں دروازے [۱۶]

وَّ سُيِّرَتِ الۡجِبَالُ فَكَانَتۡ سَرَابًا ﴿ؕ۲۰﴾

۲۰۔ اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتا ریتا [۱۷]

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتۡ مِرۡصَادًا ﴿۪ۙ۲۱﴾

۲۱۔ بیشک دوزخ ہے تاک میں

لِّلطّٰغِيۡنَ مَاٰبًا ۙ﴿۲۲﴾

۲۲۔ شریروں کا ٹھکانا [۱۸]

لّٰبِثِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَحۡقَابًا ﴿ۚ۲۳﴾

۲۳۔ رہا کریں اُس میں قرنوں [۱۹]

لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا بَرۡدًا وَّ لَا شَرَابًا ۙ﴿۲۴﴾

۲۴۔ نہ چکھیں وہاں کچھ مزا ٹھنڈک کا اور نہ پینا ملے کچھ

اِلَّا حَمِيۡمًا وَّ غَسَّاقًا ۙ﴿۲۵﴾

۲۵۔ مگر گرم پانی اور بہتی پیپ [۲۰]

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿ؕ۲۶﴾

۲۶۔ بدلا ہے پورا

اِنَّهُمۡ كَانُوۡا لَا يَرۡجُوۡنَ حِسَابًا ۙ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اُنکو توقع نہ تھی حساب کی

وَّ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿ؕ۲۸﴾

۲۸۔ اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو مکرا کر [۲۱]

وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾

٢٩۔ اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر[٢٢]

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ ع ٢

٣٠۔ اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب[٢٣]

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾

٣١۔ بیشک ڈر والوں کو اُنکی مراد ملنی ہے

حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿٣٢﴾

٣٢۔ باغ ہیں اور انگور

وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾

٣٣۔ اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی سب[٢٤]

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾

٣٤۔ اور پیالے چھلکتے ہوئے[٢٥]

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾

٣٥۔ نہ سنیں گے وہاں بک بک اور نہ مکرانا[٢٦]

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

٣٦۔ بدلا ہے تیرے رب کا دیا ہوا حساب سے[٢٧]

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا
يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾

٣٧۔ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے بڑی رحمت والا[٢٨] قدرت نہیں کہ کوئی اُس سے بات کرے[٢٩]

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا
مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾

٣٨۔ جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار باندھ کر[٣٠] کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے اور بولا بات ٹھیک[٣١]

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ
مَاٰبًا ﴿٣٩﴾

٣٩۔ وہ دن ہے برحق پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا[٣٢]

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ
مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

٤٠۔ ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک آنے والی کی جس دن دیکھ لے گا آدمی جو آگے بھیجا اُسکے ہاتھوں نے[٣٣] اور کہے گا کافر کسی طرح میں مٹی ہوتا[٣٤]

ع ۲ ۲

تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

۱۔ یعنی لوگ کس بات کا کھوج لگانے اور کس چیز کی تحقیق و تفتیش میں مشغول ہیں۔ کیا ان میں ایسی استعداد ہے کہ بہت پوچھ پاچھ کرنے سے وہ چیز ان کی سمجھ میں آجائیگی؟ ہرگز نہیں۔ یا مطلب ہے کہ کفار جو ازراہ انکار و استہزاء آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر اور مومنین سے سوال کرتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ قیامت کب آئیگی؟ اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ ابھی کیوں نہیں آجاتی؟ جانتے ہو یہ کس چیز کی نسبت سوال کر رہے ہیں؟ وہ بہت عظیم الشان چیز ہے جس کا علم ان کو عنقریب ہو جائیگا، جب اپنی آنکھ سے اُس کے ہولناک مناظر دیکھیں گے۔

۲۔ قیامت پر سوال اور اختلافات: یعنی قیامت کی خبر جس میں لوگوں کا اختلاف ہے، کوئی اُس کے آنے پر یقین رکھتا ہے، کوئی منکر ہے کوئی شک میں پڑا ہے کوئی کہتا ہے بدن اُٹھیگا، کوئی کہتا ہے کہ سب عذاب وثواب رُوح پر گزرے گا بدن سے کچھ تعلق نہیں الی غیر ذٰلک من الاختلافات۔

۳۔ قیامت کو عنقریب جان لینگے: یعنی پیغمبروں نے ابتداء دنیا سے آج تک بہت کچھ سمجھایا، مگر لوگ اپنے اختلافات اور پوچھ پاچھ سے ہرگز ہرگز باز آنیوالے نہیں۔ اب قریب ہے کہ وہ ہولناک منظر ان کے سامنے آجائے اُس وقت جان لیں گے کہ قیامت کیا چیز ہے اور اُن کے سوالات واختلافات کی حیثیت کیا تھی۔

۴۔ زمین کا بچھونا: جس پر سکون واطمینان سے آرام کرتے اور کروٹیں بدلتے ہیں۔

۵۔ پہاڑوں کی میخیں: جیسا کسی چیز میں میخ لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی۔ ایسے ہی ابتداء میں زمین جو کانپتی اور لرزتی تھی اللہ نے پہاڑ پیدا کر کے اُس کے اُس کے اضطراب اور کپکپی کو دور کیا۔ گویا زمین کو ایک طرح کا سکون پہاڑوں سے حاصل ہوا۔

۶۔ مرد وعورت کے جوڑے: یعنی مرد کے سکون وراحت کے لئے عورت کو اس کا جوڑا بنایا وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا (روم۔۲۱)۔ یا ازواج سے مراد طرح طرح کی اشکال والوان وغیرہ۔

۷۔ سکون دینے والی نیند: یعنی دن بھر کی دوڑ دھوپ سے تھک کر جب آدمی نیند لیتا ہے تو سب تعب اور تھکان دور ہو جاتا ہے۔ گویا نیند نام ہی سکون واستراحت کا ہے، آگے نیند کی مناسبت سے رات کا ذکر کرتے ہیں۔

۸۔ رات کا لباس: جیسے آدمی کپڑا اوڑھ کر اپنے بدن کو چھپالیتا ہے۔ اسی طرح رات کی تاریکی مخلوق کی پردہ داری کرتی ہے اور جو کام چھپانے کے لائق ہوں عموماً رات کے اندھیرے میں کیے جاتے ہیں اور حسّی طور پر بھی شب کو کپڑا اوڑھنے کی ضرورت دن سے زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ نسبۃً وہ وقت خنکی اور ٹھنڈک کا ہوتا ہے۔

۹۔ معاش کے لئے دن: یعنی عموماً کاروبار اور کمائی کے دھندے دن میں کیے جاتے ہیں جن کا مقصد یہ ہی ہے کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی حوائج کی طرف سے دل کو سکون واطمینان نصیب ہو۔ آگے رات دن کی مناسبت سے آسمانوں اور سورج کا ذکر فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ زمین کے مقابل آسمان کا بیان ہے۔

۱۰۔ یعنی سات آسمان بہت مضبوط بنائے جن میں آج تک اس قدر مدت گزرنے کے باوجود کوئی رخنہ نہیں پڑا۔

۱۱۔ یعنی آفتاب جس میں روشنی اور گرمی دونوں وصف موجود ہیں۔

۱۲۔ لبریز بادل: نچڑنے والی بدلیاں یا نچوڑنے والی ہوائیں۔

۱۳۔ گھنے باغات: یعنی نہایت گنجان اور گھنے باغ، یا یہ مراد ہو کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کیے (تنبیہ) قدرت کی

عظیم نشانیاں بیان فرما کر بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت والا ہے کیا اسے تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب و کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ کو یوں ہی غلط ملط بے نتیجہ پڑا چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہیئے اسی کو ہم "آخرت" کہتے ہیں۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے، ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔"

۱۴۔ فیصلے کا دن مقرر ہے: ("فیصلے کا دن وہ ہوگا جس میں نیک کو بد سے بالکلیہ الگ کر دیا جائے کہ کسی قسم کا اشتراک و اجتماع باقی نہ رہے۔ ہر نیکی اپنے معدن میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز وافتراق اس دنیا میں نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین، آسمان، چاند، سورج، رات، دن، سونا جاگنا، بارش بادل، باغ کھیت، اور بیوی بچے تمام نیکوں اور بدوں میں مشترک ہیں ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں منتفع ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ "یوم الفصل" ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کئے جانے کے بعد ہو۔ اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔

۱۵۔ یعنی کثرت سے الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بن کر جن کی تقسیم ان کے ممتاز عقائد و اعمال کی بناء پر ہوگی۔

۱۶۔ آسمان کا کھلنا اور دروازے پیدا ہونا: یعنی آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائیگا گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔ شاید اس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا يَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓـئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا (فرقان۔ ۲۵)۔

۱۷۔ پہاڑ سراب بن جائینگے: جیسے چمکتی ریت پر دور سے پانی کا گمان ہو جاتا ہے، ایسے ہی ان پر پہاڑوں کا گمان ہوگا حالانکہ واقع میں وہ پہاڑ نہیں رہینگے، محض ریت کے تودے رہ جائیں گے۔

۱۸۔ دوزخ شریروں کی تاک میں ہے: یعنی دوزخ شریروں کی تاک میں ہے اور ان ہی کا ٹھکانا ہے۔

۱۹۔ جن کا کوئی شمار نہیں۔ قرن پہ قرن گزرتے چلے جائینگے اور ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔

۲۰۔ دوزخ میں پینے کے لئے پیپ: یعنی نہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے نہ کوئی خوشگوار چیز پینے کو ملیگی۔ ہاں گرم پانی ملیگا جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ پڑینگی اور دوسری چیز پیپ ملیگی جو دوزخیوں کے زخموں سے نکل کر بہے گی۔ اعاذنا اللہ منہا ومن سائر انواع العذاب فی الدنیا والآخرۃ۔

۲۱۔ کفّار کو فیصلے کی اُمید نہ تھی: یعنی جس چیز کی امید ان کو نہ تھی وہ ہی سامنے آئی۔ اور جس بات کو جھٹلاتے تھے آنکھوں سے دیکھ لی اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکرتے ہیں۔

۲۲۔ ہر چیز گنی ہوئی ہے: یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی علم محیط کے موافق دفاتر میں باقاعدہ مندرج ہے کوئی نیک و بد عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ رتی رتی کا بھگتان کیا جائیگا۔

۲۳۔ اب عذاب کے سوا کچھ نہ بڑھے گا: یعنی جیسے تم تکذیب و انکار میں برابر بڑھتے چلے گئے اور اگر بے اختیار موت نہ آجاتی تو ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے۔ اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو، ہم بھی عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے، جس میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔

۲۴۔ متّقین پر مختلف انعامات: یعنی نوخاستہ عورتیں جن کی جوانی پورے اُبھار پر ہوگی اور سب ایک ہی سن و سال کی ہونگی۔

۲۵۔ یعنی شراب طہور کے لبریز جام۔

۲۶۔ جنّت میں جھوٹ اور لغو نہیں ہوگا: یعنی جنّت میں بیہودہ بکواس یا جھوٹ فریب کچھ نہ ہوگا۔ نہ کوئی کسی سے جھگڑیگا کہ جھوٹ بولنے اور مکرنے کی ضرورت پیش آئے۔

۲۷۔ یعنی رتی رتی کا حساب ہو کر بدلہ ملیگا اور بہت کافی بدلہ ملیگا۔

۲۸۔ یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت سے ہے ورنہ ظاہر ہے اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں۔ آدمی اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچ جائے یہ ہی مشکل ہے۔ رہی جنت، وہ تو خالص اس کے فضل ورحمت سے ملتی ہے اس کو ہمارے عمل کا بدلہ قرار دینا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔

۲۹۔ اللہ کی عظمت وجلال: یعنی باوجود اس قدر لطف ورحمت کے عظمت وجلال ایسا ہے کہ کوئی اسکے سامنے لب نہیں ہلا سکتا۔

۳۰۔ رُوح اور فرشتوں کی قطار: روح فرمایا جانداروں کو یا "رُوح القدس" (جبریل) مراد ہوں اور بعض مفسرین کے نزدیک وہ رُوح اعظم مراد ہے جس سے بیشمار روحوں کا انشعاب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۔ یعنی اس کے دربار میں جو بولے گا اس کے حکم سے بولے گا اور بات بھی وہ ہے کہے گا جو ٹھیک اور معقول ہو مثلاً کسی غیر مستحق کی سفارش نہ کرے گا۔ مستحق سفارش کے وہ ہی ہیں جنہوں نے دنیا میں سب باتوں سے زیادہ سچّی اور ٹھیک بات کہی تھی یعنی لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

۳۲۔ یعنی وہ دن آنا توضروری ہے۔ اب جو کوئی اپنی بہتری چاہے اس وقت کی تیاری کر رکھے۔

۳۳۔ یعنی سب اچھے برے۔ اگلے پچھلے اعمال سامنے ہونگے۔

۳۴۔ کافر کہے گا میں مٹی ہوتا: یعنی مٹی ہی رہتا، آدمی نہ بنتا، کہ آدمی بن کر ہی اس حساب وکتاب کی مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا۔

تم سورۃ النباء

اٰیاتھا ۴۶ ۷۹ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾

۱۔ قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی غوطہ لگا کر [۱]

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾

۲۔ اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر [۲]

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾

۳۔ اور تیرنے والوں کی تیزی سے

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾

۴۔ پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر [۳]

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾

۵۔ پھر کام بنانے والوں کی حکم سے [۴]

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾

۶۔ جس دن کانپے کانپنے والی [۵]

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾

۷۔ اُسکے پیچھے آئے دوسری [۶]

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾

۸۔ کتنے دل اُس دن دھڑکتے ہیں

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾

۹۔ اُنکی آنکھیں جھک رہی ہیں [۷]

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾

۱۰۔ لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھر آئیں گے الٹے پاؤں

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾

۱۱۔ کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں کھوکھری

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾

۱۲۔ بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا [۸]

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾

۱۳۔ سو وہ تو صرف ایک جھڑکی ہے

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ ۝١٤

١٤۔ پھر تبھی وہ آ رہیں میدان میں [٩]

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝١٥

١٥۔ کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی [١٠]

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ ۝١٦

١٦۔ جب پکارا اُس کو اُسکے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ ہے [١١]

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ ۝١٧

١٧۔ جا فرعون کے پاس اُس نے سر اٹھایا

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۙ ۝١٨

١٨۔ پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے

وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۚ ۝١٩

١٩۔ اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو [١٢]

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۖ ۝٢٠

٢٠۔ پھر دکھلائی اسکو وہ بڑی نشانی [١٣]

فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ۖ ۝٢١

٢١۔ پھر جھٹلایا اُس نے اور نہ مانا

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۖ ۝٢٢

٢٢۔ پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا [١٤]

فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ ۝٢٣

٢٣۔ پھر سبکو جمع کیا پھر پکارا

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۖ ۝٢٤

٢٤۔ تو کہا میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر [١٥]

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ؕ ۝٢٥

٢٥۔ پھر پکڑا اسکو اللہ نے سزا میں آخرت کی اور دنیا کی [١٦]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝٢٦ ع

٢٦۔ بیشک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے [١٧]

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۝٢٧

٢٧۔ کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا [١٨] اُس نے اُسکو بنالیا

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۙ ۝٢٨

٢٨۔ اونچا کیا اس کا ابھار پھر اُسکو برابر کیا

وَ اَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰهَا ۪ۖ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور اندھیری کی رات اُسکی اور کھول نکالی اُسکی دھوپ [۱۹]

وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؕ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور زمین کو اُسکے پیچھے صاف بچھا دیا [۲۰]

اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَ مَرۡعٰىهَا ۪ۖ﴿۳۱﴾

۳۱۔ باہر نکالا زمین سے اُس کا پانی اور چارا [۲۱]

وَ الۡجِبَالَ اَرۡسٰىهَا ۙ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور پہاڑوں کو قائم کر دیا [۲۲]

مَتَاعًا لَّكُمۡ وَ لِاَنۡعَامِكُمۡ ؕ﴿۳۳﴾

۳۳۔ کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے [۲۳]

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰى ۪ۖ﴿۳۴﴾

۳۴۔ پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ

يَوۡمَ يَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰى ۙ﴿۳۵﴾

۳۵۔ جس دن کہ یاد کرے گا آدمی جو اُس نے کمایا

وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِمَنۡ يَّرٰى ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور نکال ظاہر کر دیں دوزخ کو جو چاہے دیکھے [۲۴]

فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى ۙ﴿۳۷﴾

۳۷۔ سو جس نے کی ہو شرارت

وَ اٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۙ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا [۲۵]

فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ؕ﴿۳۹﴾

۳۹۔ سو دوزخ ہی ہے اُس کا ٹھکانہ

وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفۡسَ عَنِ
الۡهَوٰى ۙ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اُس نے جی کو خواہش سے

فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ؕ﴿۴۱﴾

۴۱۔ سو بہشت ہے اُس کا ٹھکانہ [۲۶]

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰهَا ؕ﴿۴۲﴾

۴۲۔ تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہو گا قیام اُس کا [۲۷]

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ تجھ کو کیا کام اُسکے ذکر سے

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اُسکی [۲۸]

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ تو تو ڈر سنانے کے واسطے ہے اس کو جو اُس سے ڈرتا ہے [۲۹]

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اُسکو کہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر ایک شام یا صبح اُسکی [۳۰]

ع ۲ ۴

۱۔ رُوح گھسیٹنے والے فرشتے: یعنی ان فرشتوں کی قسم جو کافر کی رگوں میں گھس کر اس کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالیں۔

۲۔ نیکوں کی رُوح کا بند کھولنے والے: یعنی جو فرشتے مؤمن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیں، پھر وہ اپنی خوشی سے عالم پاک کی طرف دوڑے جیسے کسی کے بند کھول دیے جائیں تو آزاد ہو کر بھاگتا ہے۔ مگر یاد رہے یہ ذکر روح کا ہے بدن کا نہیں، نیک خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے، بد بھاگتا ہے، پھر گھسیٹا جاتا ہے۔

۳۔ خلاؤں میں تیرنے والے فرشتے: یعنی جو فرشتے روحوں کو لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس سرعت و سہولت سے چلتے ہیں گویا بے روک ٹوک پانی پر تیر رہے ہیں۔ پھر ان ارواح کے باب میں جو خدا کا حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لئے تیزی کے ساتھ دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

۴۔ کاموں کی تدبیر کرنے والے فرشتے: یعنی اس کے بعد ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا دونوں امروں میں سے ہر امر کی تدبیر وانتظام کرتے ہیں یا مطلقًا وہ فرشتے مراد ہوں جو عالم تکوین کی تدبیر و انتظام پر مسلط ہیں۔ والظاہر ہو الاول النّٰزِعٰتِ وَّالنّٰشِطٰتِ وغیرہ کی تعیین میں بہت اقوال ہیں۔ ہم نے مترجمؒ مذاق پر تقریر کر دی۔

۵۔ یعنی زمین میں بھونچال آئے پہلی دفعہ صور پھونکنے سے۔

۶۔ قیامت کے بھونچال: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی لگاتار یکے بعد دیگرے، بھونچال چلے آئیں اور اکثر مفسرین نے "رادفۃ" سے صور کا دوسرا نفخہ مراد لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۔ دھڑکنے والے دل اور جھکی آنکھیں: یعنی اضطراب اور گھبراہٹ سے دل دھڑکتے ہونگے اور ذلت و ندامت کے مارے آنکھیں جھک رہی ہونگی۔

۸۔ دوسری زندگی پر کفّار کا استہزاء: یعنی قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم الٹے پاؤں زندگی کی طرف واپس کیے جائیں گے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ کھوکھری ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائیگی۔ ایسا ہوا تو یہ صورت ہمارے لئے بڑے ٹوٹے اور خسارہ کی ہوگی۔ کیونکہ ہم نے اس زندگی کے لئے کوئی سامان نہیں کیا" یہ تمسخر سے کہتے تھے یعنی مسلمان ہماری نسبت ایسا سمجھتے ہیں حالانکہ وہاں مرنے کے بعد سرے سے دوسری زندگی ہی نہیں نقصان اور خسارہ کا کیا ذکر۔

۹۔ معمولی جھڑکی سے سب جمع ہو جائیں گے: یعنی یہ لوگ اسے بہت مشکل کام سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے ہاں یہ سب کام دم بھر میں ہو جائینگے جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا اسی وقت بلا توقف سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دینگے۔ آگے اُس کی ایک مختصر

سی جھڑکی اور معمولی سی ڈانٹ کا ذکر کیا جاتا ہے جو دنیا میں ایک بڑے متکبر کو دی گئی تھی۔ یایوں کہیے کہ ان منکرین کو سنایا جارہا ہے کہ تم سے پہلے بڑے زبردست منکروں کا کیا حشر ہوا۔

۱۰۔ یہ قصّہ کئی جگہ مفصل گزرچکا۔

۱۱۔ یعنی کوہ طور کے پاس۔

۱۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا پکارنا اور فرعون کی اصلاح کا حکم: یعنی اگر تجھے سنورنے کی خواہش ہو تو میں اللہ کے حکم سے سنوار سکتا ہوں اور ایسی راہ بتا سکتا ہوں جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی کامل معرفت جم جائے کیونکہ خوف کا ہونا بدون کمال معرفت کے متصور نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کی بعثت کا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی۔ محض بنی اسرائیل کو قید سے چھڑانا ہی نہ تھا۔

۱۳۔ فرعون کو تبلیغ: یعنی وہاں پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس پر حجت تمام کرنے کے لئے وہ سب سے بڑا معجزہ عصا کے اژدہا بننے کا دکھلایا۔

۱۴۔ فرعون کی تکذیب اور ساحروں کی تلاش: یعنی وہ ملعون ماننے والا کہاں تھا۔ اس فکر میں چلا کہ لوگوں کو جمع کرے اور جادوگروں کو تلاش کرکے بلوائے کہ وہ موسیٰؑ کے معجزات کا مقابلہ کریں۔

۱۵۔ خدائی کا دعویٰ: یعنی سب سے بڑا رب تو میں ہوں۔ یہ موسیٰؑ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے۔

۱۶۔ یعنی یہاں پانی میں ڈوبا، وہاں آگ میں جلے گا۔

۱۷۔ اس قصّہ میں عبرت: یعنی اس قصّہ میں بہت سی باتیں سوچنے اور عبرت پکڑنے کی ہیں بشرطیکہ آدمی کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو۔ (ربط) موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ درمیان میں استطراداً آگیا تھا۔ آگے پھر اسی مضمون قیامت کی طرف عود کرتے ہیں۔

۱۸۔ دوسری زندگی پر شبہ کیوں ہے: یعنی تمہارا پیدا کرنا (اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں۔ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں کا خالق اس کو مانتے ہو، پھر اپنی دوبارہ پیدائش میں کیوں تردد ہے۔

۱۹۔ آسمان کو دیکھو: یعنی آسمان کو خیال کرو، کس قدر اونچا، کتنا مضبوط، کیسا صاف، ہموار اور کس درجہ مرتب و منظّم ہے کس قدر زبردست انتظام اور باقاعدگی کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ رات کی اندھیرے میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں ایک دوسری ہی شان نظر آتی ہے۔

۲۰۔ آسمان کے بعد زمین: آسمان اور زمین میں پہلے کون پیدا کیا گیا؟ اس کے متعلق ہم پیشتر کسی جگہ کلام کر چکے ہیں غالباً سورۃ "فصلت" میں (تنبیہ) "دحیٰ" کے معنی راغبؒ نے کسی چیز کو اس کے مقّر (جائے قرار) سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں۔ تو شاید اس لفظ میں اُدھر اشارہ ہو جو آج کل کی تحقیق ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے جرم سماوی کا ایک حصّہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ یعنی دریا اور چشمے جاری کیے۔ پھر پانی سے سبزہ پیدا کیا۔

۲۲۔ پہاڑوں کا قیام: یعنی جو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے اور زمین کو بھی بعض خاص قسم کے اضطرابات سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔

۲۳۔ انسانوں اور جانوروں کے لئے منافع: یعنی یہ انتظام نہ ہو تو تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے۔ ان تمام اشیاء کا پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے ہے۔ چاہئے کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے رہو۔ اور سمجھو کہ جس قادر مطلق اور حکیم برحق نے ایسے زبردست انتظامات کیے ہیں کیا وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں روح نہیں پھونک سکتا۔ لازم ہے کہ آدمی اس کی قدرت کا اقرار کرے اور اس کی نعمتوں کی شکر گزاری میں لگے۔ ورنہ جب وہ بڑا ہنگامہ قیامت کا آئیگا اور سب کیا کرایا سامنے ہو گا۔ سخت پچھتانا پڑیگا۔

۲۴۔ دوزخ منظرِ عام پر: یعنی دوزخ کو اس طرح منظر عام پر لائیں گے کہ ہر دیکھنے والا دیکھ سکیگا۔ کوئی آڑ پہاڑ درمیان میں حائل نہ رہیگا۔

۲۵۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے: یعنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اسے بہتر سمجھ کر اختیار کیا اور اسے بھلا دیا۔

۲۶۔ جنّت کن لوگوں کا ٹھکانہ ہے: یعنی جو اس بات کا خیال کر کے ڈرا کہ مجھے ایک روز اللہ کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے اور اسی ڈر سے اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلا۔ بلکہ اسے روک کر اپنے قابو میں رکھا اور احکام الٰہی کے تابع بنایا تو اس کا ٹھکانا بہشت کے سوا کہیں نہیں۔

۲۷۔ یعنی آخر وہ گھڑی کب آئیگی اور قیامت کب قائم ہوگی۔

۲۸۔ یعنی اس کا وقت ٹھیک متعین کر کے بتلانا آپ کا کام نہیں کتنے ہی سوال جواب کرو۔ آخر کار اس کا علم خدا ہی پر حوالہ کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پوچھتے پوچھتے اسی تک پہنچنا ہے پیچھے سب بے خبر ہیں"۔

۲۹۔ تمہارا کام ڈر سنانا ہے: یعنی آپ کا کام قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرا دینا ہے۔ اب جس کے دل میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ خوف ہوگا یا خوف آخرت کی استعداد ہوگی وہ سن کر ڈریگا اور ڈر کر تیاری کریگا۔ گویا آپ کا ڈرانا نتیجہ کے اعتبار سے صرف اُن ہی لوگوں کے حق میں ہوا جو اس سے منتفع ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں ورنہ نااہل لوگ تو انجام سے غافل ہو کر ان ہی فضول بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں کہ قیامت کس تاریخ کس دن کس سنہ میں آئیگی؟

۳۰۔ دنیا کی زندگی ایک صبح یا ایک شام کے برابر معلوم ہوگی: یعنی اب تو شور مچا رہے ہیں کہ قیامت کے آنے میں دیر کیوں ہے جلد کیوں نہیں آجاتی۔ مگر اس وقت معلوم ہوگا کہ بہت جلد آئی بیچ میں دیر کچھ نہیں لگی۔

تم سورۃ النّٰزعٰت

اٰیاتھا ۴۲ — ۸۰ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۴ — رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۙ﴿۱﴾

۱۔[۱] تیوری چڑھائی اور منہ موڑھا

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾

۲۔اس بات سے کہ آیا اُسکے پاس اندھا[۲]

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ﴿۳﴾

۳۔اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿۴﴾

۴۔یا سوچتا تو کام آتا اُسکے سمجھانا[۳]

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾

۵۔وہ جو پروا نہیں کرتا

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾

۶۔سو تو اُسکی فکر میں ہے

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾

۷۔اور تجھ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ نہیں درست ہوتا[۴]

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿۸﴾

۸۔اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا

وَهُوَ يَخْشٰى ۙ﴿۹﴾

۹۔اور ہو ڈرتا ہے[۵]

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾

۱۰۔سو تو اُس سے تغافل کرتا ہے[۶]

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾

۱۱۔یوں نہیں یہ تو نصیحت ہے

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ﴿۱۲﴾

۱۲۔پھر جو کوئی چاہے اسکو پڑھے[۷]

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿۱۳﴾

۱۳۔لکھا ہے عزت کے ورقوں میں

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اونچے رکھے ہوئے نہایت ستھرے [۸]

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾

۱۵۔ ہاتھوں میں لکھنے والوں کے

كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ؕ﴿۱۶﴾

۱۶۔ جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں [۹]

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ؕ﴿۱۷﴾

۱۷۔ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکرا ہے [۱۰]

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ؕ﴿۱۸﴾

۱۸۔ کس چیز سے بنایا اُسکو

مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ﴿۱۹﴾

۱۹۔ ایک بوند سے [۱۱] بنایا اسکو پھر اندازہ پر رکھا اُسکو [۱۲]

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۙ﴿۲۰﴾

۲۰۔ پھر راہ آسان کر دی اُسکو [۱۳]

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۙ﴿۲۱﴾

۲۱۔ پھر اُسکو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا اُسکو [۱۴]

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ؕ﴿۲۲﴾

۲۲۔ پھر جب چاہا اٹھا نکالا اُسکو [۱۵]

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ؕ﴿۲۳﴾

۲۳۔ ہرگز نہیں پورا نہ کیا جو اُسکو فرمایا [۱۶]

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۙ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اب دیکھ لے آدمی اپنے کھانے کو [۱۷]

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ﴿۲۵﴾

۲۵۔ کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا ہوا

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر [۱۸]

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر اگایا اُس میں اناج

وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۙ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور انگور اور ترکاری

وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۙ﴿۲۹﴾	۲۹۔ اور زیتون اور کھجوریں
وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اور گھن کے باغ
وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ﴿۳۱﴾	۳۱۔ اور میوہ اور گھاس
مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ؕ﴿۳۲﴾	۳۲۔ کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے [۱۹]
فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۫﴿۳۳﴾	۳۳۔ پھر جب آئے وہ کان پھوڑنے والی [۲۰]
يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ﴿۳۴﴾	۳۴۔ جس دن کے بھاگے مرد اپنے بھائی سے
وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ۙ﴿۳۵﴾	۳۵۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے
وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ؕ﴿۳۶﴾	۳۶۔ اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے بیٹوں سے
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ؕ﴿۳۷﴾	۳۷۔ ہر مرد کو اُن میں سے اُس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اُسکے لئے کافی ہے [۲۱]
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ﴿۳۸﴾	۳۸۔ کتنے منہ اُس دن روشن ہیں
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ﴿۳۹﴾	۳۹۔ ہنستے خوشیاں کرتے [۲۲]
وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ﴿۴۰﴾	۴۰۔ اور کتنے منہ اُس دن اُن پر گرد پڑی ہے
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ﴿۴۱﴾	۴۱۔ چڑھی آتی ہے اُن پر سیاہی [۲۳]
ع ۱ ۴۲ ۵ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۠﴿۴۲﴾	۴۲۔ یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ [۲۴]

۱۔ سورۃ عبس کے نزول کا واقعہ: آنحضرت ﷺ بعض سردارانِ قریش کو مذہب اسلام کے متعلق کچھ سمجھا رہے تھے۔ اتنے میں ایک نابینا مسلمان (جن کو ابن اُم مکتومؓ کہتے ہیں) حاضر خدمت ہوئے اور اپنی طرف متوجہ کرنے لگے کہ فلاں آیت کیونکر ہے یارسول اللہ مجھے اُس میں سے کچھ سکھایئے جو اللہ نے آپ کو سکھلایا ہے۔ حضرت کو ان کا بے وقت کا پوچھنا گراں گزرا۔ آپ کو خیال ہوا ہو گا کہ میں ایک بڑے اہم کام

میں مشغول ہوں قریش کے یہ بڑے بڑے سردار اگر ٹھیک سمجھ کر اسلام لے آئیں تو بہت لوگوں کے مسلمان ہونے کی توقع ہے۔

حضرت ابن اُم مکتومؓ: ابن اُم مکتومؓ بہر حال مسلمان ہے اس کو سمجھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے ہزار مواقع حاصل ہیں، اس کو دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس ایسے بااثر اور بارسوخ لوگ بیٹھے ہیں جن کو اگر ہدایت ہو جائے تو ہزاروں اشخاص ہدایت پر آسکتے ہیں، میں ان کو سمجھا رہا ہوں، یہ اپنی کہتا چلا جاتا ہے۔ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اگر ان لوگوں کی طرف سے ہٹ کر گوشہ التفات اس کی طرف کروں گا تو ان لوگوں پر کس قدر شاق ہوگا۔ شاید پھر وہ میری بات سننا بھی پسند نہ کریں۔ غرض آپ منقبض ہوئے اور انقباض کے آثار چہرے پر ظاہر ہونے لگے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ نابینا آپ کی خدمت میں آتے، آپ بہت تعظیم و تکریم سے پیش آتے اور فرماتے مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِي فِيهِ رَبِّي۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صیغہ غائب میں عتاب: یعنی پیغمبر ﷺ نے ایک اندھے کے آنے پر چیں بجبیں ہو کر منہ پھیر لیا۔ حالانکہ اس کو اندھے کی معذوری، شکستہ حالی، اور طلب صادق کا لحاظ زیادہ کرنا چاہیئے تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ کلام گویا اوروں کے سامنے گلہ ہے رسول کا (اسی لئے بصیغہ غائب ذکر کیا) آگے خود رسول کو خطاب فرمایا ہے"۔ اور محققین کہتے ہیں کہ یہ غایت تکرّم و استحیاء متکلم کا، اور غایت کرامت مخاطب کی ہے کہ عتاب کے وقت بھی رُودررُو اُس امر کی نسبت آپ کی طرف نہیں فرمائی اور آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لئے اختیار کیا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو۔ نیز وہ مضمون پہلے مضمون سے ہلکا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ حضرت ابن اُم مکتومؓ کا ذکر خیر: یعنی وہ اندھا طالب صادق تھا۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا اور اس کا نفس مزکّٰی ہو جاتا۔ یا تمہاری کوئی بات کان میں پڑتی، اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا اور آخر وہ بات کسی وقت اسکے کام آجاتی۔

۴۔ کسی کے ایمان نہ لانے کے آپ ذمّہ دار نہیں: یعنی جو لوگ اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ و رسول کے سامنے جھکیں۔ آپ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ تاکہ ان کے اسلام کا اثر دوسروں پر پڑے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے۔ آپ کا فرض دعوت و تبلیغ کا تھا، وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں۔ آگے ان لاپروا متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں۔ یا معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب ﷺ کی توجہ امیروں اور تونگروں کی طرف زیادہ ہے۔ شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں۔ اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو ضرر دعوت اسلام کے کام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے جس کی ان چند متکبرین کے مسلمان ہونے سے توقع کی جاسکتی ہے۔

۵۔ حضرت ابن اُم مکتومؓ کا شوق علم اور خشیت: یعنی اللہ سے ڈرتا ہے یا ڈر لگا ہے کہ آپ کی ملاقات میسر ہو یا نہ ہو، پھر اندھا ہے کوئی پکڑنے والا نہیں۔ اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی چیز سے ٹکرا جائے یا یہ سمجھ کر کہ آپ کے پاس جا رہا ہے دشمن ستانے لگیں۔

۶۔ جنگ قادسیہ میں ان صحابیؓ کی شہادت: حالانکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ ہدایت سے منتفع ہونگے اور اسلام کے کام آئیں گے، کہتے ہیں کہ یہ ہی نابینا بزرگ زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لئے جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۷۔ جو چاہے اس نصیحت کو پڑھے: یعنی متکبر اغنیاء اگر قرآن کو نہ پڑھیں اور اس نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی برا کریں گے۔ قرآن کو ان کی کچھ پروا نہیں۔ نہ آپ کو اس درجہ ان کے درپے ہونے کی ضرورت ہے ایک عام نصیحت تھی سو کر دی گئی جو اپنا فائدہ چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے۔

۸۔ قرآن کی عزّت و وقعت: یعنی کیا ان مغرور سرپھروں کے ماننے سے قرآن کی عزت و وقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و

احترام اور تقدیس و تطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔

۹۔ یعنی وہاں فرشتے اس کو لکھتے ہیں اسی کے موافق وحی اترتی ہے اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے اور جمع کرنیوالے دنیا کے بزرگ ترین پاکباز نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے اس کو پاک رکھا ہے۔

۱۰۔ انسان کیسا ناشکرا ہے: یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ کا حق کچھ نہ پہچانا۔

۱۱۔ انسان کا اصل عروج اور زوال: یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ وہ پیدا کس چیز سے ہوا ہے؟ ایک ناچیز اور بے قدر قطرہ آب سے جس میں حس و شعور، حسن و جمال اور عقل و ادراک کچھ نہ تھا۔ سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا جس کی حقیقت کُل اتنی ہو کیا اسے یہ طمطراق زیبا ہے کہ خالق و منعم حقیقی ایسی عظیم الشان نصیحت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پروا نہ کرے۔ او احسان فراموش کچھ تو شرمایا ہوتا۔

۱۲۔ یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء و قویٰ ایک خاص اسلوب اور اندازے سے رکھے۔ کوئی چیز یونہی بے تکی اور بے ڈھنگی خلاف حکمت نہیں رکھ دی۔

۱۳۔ انسان کی راہ آسان کر دی: یعنی ایمان و کفر اور بھلے برے کی سمجھ دی یا ماں کے پیٹ میں سے نکالا آسانی سے۔

۱۴۔ یعنی مرنے کے بعد اس کی لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت کر دی۔ تاکہ زندوں کے سامنے یونہی بے حرمت نہ ہو۔

۱۵۔ دوبارہ زندگی: یعنی جس نے ایک مرتبہ جلایا اور مارا۔ اسی کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے۔ کیونکہ اس کی قدرت اب کسی نے سلب نہیں کر لی (العیاذ باللہ) بہر حال پیدا کر کے دنیا میں لانا، پھر مار کر برزخ میں لیجانا، پھر زندہ کر کے میدانِ حشر میں کھڑا کر دینا، یہ امور جس کے قبضہ میں ہوئے کیا اس کی نصیحت سے اعراض و انکار اور اس کی نعمتوں کا استحقار کسی آدمی کے لئے زیبا ہے۔

۱۶۔ انسان نے مالک کا حق نہیں پہچانا: یعنی انسان نے ہر گز اپنے مالک کا حق نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا (تنبیہ) ابن کثیرؒ نے كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ کو ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ سے متعلق رکھا ہے۔ یعنی جب چاہیگا، زندہ کر کے اٹھائیگا۔ ابھی ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو حکم کونی و قدری ہے وہ ابھی تک اس نے ختم نہیں کیا۔

۱۷۔ انسان کی زندگی کے اسباب و سامان: پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔ اب اُس زندگی اور بقاء کے سامان یاد دلاتے ہیں۔

۱۸۔ زمین کو پھاڑ کر کونپل کا نکلنا: یعنی ایک گھاس کے تنکے کی کیا طاقت تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا یہ قدرت کا ہاتھ ہے جو زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلّے، پھل اور سبزے، ترکاریاں وغیرہ باہر نکالتا ہے۔

۱۹۔ یعنی بعض چیزیں تمہارے کام آتی ہیں اور بعض تمہارے جانوروں کے۔

۲۰۔ صور کی کان پھاڑنے والی آواز: یعنی ایسی سخت آواز جس سے کان بہرے ہو جائیں۔ اُس سے مراد نفخ صور کی آواز ہے۔

۲۱۔ اس دن ہر شخص اپنی ہی فکر میں ہوگا: یعنی اُس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہو گی، احباب و اقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میری نیکیوں میں سے نہ مانگنے لگے یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے ایک دوسرے سے بھاگے گا۔

۲۲۔ مؤمنین کے چہروں پر روشنی اور خوشی: یعنی مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور غایت مسرت سے خنداں و فرحاں ہونگے۔

۲۳۔ کافروں کے چہروں پر سیاہی اور کدورت: یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہو گی اور اوپر سے فسق و فجور کی ظلمت اور زیادہ تیرہ و تاریک کر دیگی۔

۲۴۔ یعنی کافر بے حیا کو کتنا ہی سمجھاؤ ذرا نہ پسیجیں۔ نہ خدا سے ڈریں، نہ مخلوق سے شرمائیں۔

تم سورة عبس

رکوعها ۱	۸۱ سُوۡرَةُ التَّكۡوِيۡرِ مَكِّيَّةٌ ۷	اٰیاتها ۲۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۪ۙ ﴿۱﴾	۱۔ جب سورج کی دھوپ تہہ ہو جائے[۱]
وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ ۪ۙ ﴿۲﴾	۲۔ اور جب تارے میلے ہو جائیں[۲]
وَاِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ ۪ۙ ﴿۳﴾	۳۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں[۳]
وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۪ۙ ﴿۴﴾	۴۔ اور جب بیاتی اونٹنیاں چھٹی پھریں[۴]
وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۪ۙ ﴿۵﴾	۵۔ اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے[۵]
وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۪ۙ ﴿۶﴾	۶۔ اور جب دریا جھونکے جائیں[۶]
وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۪ۙ ﴿۷﴾	۷۔ اور جب جیوں کے جوڑے باندھے جائیں[۷]
وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۪ۙ ﴿۸﴾	۸۔ اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی گئی کو پوچھیں
بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ ﴿۹﴾	۹۔ کہ کس گناہ پر وہ ماری گئی[۸]
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۪ۙ ﴿۱۰﴾	۱۰۔ اور جب اعمالنامے کھولے جائیں
وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ ۪ۙ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ اور جب آسمان کا پوست اتار لیں[۹]
وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ ۪ۙ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ اور جب دوزخ دہکائی جائے
وَاِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ۪ۙ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ اور جب بہشت پاس لائی جائے[۱۰]

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ؕ﴿۱۴﴾

۱۴۔ جان لے گا ہر ایک جی جو لے کر آیا[۱۱]

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۙ﴿۱۵﴾

۱۵۔ سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والوں

الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ۙ﴿۱۶﴾

۱۶۔ سیدھے چلنے دبک جانے والوں کی[۱۲]

وَالَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ۙ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور رات کی جب پھیل جائے[۱۳]

وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور صبح کی جب دم بھرے[۱۴]

اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِیۡمٍ ۙ﴿۱۹﴾

۱۹۔ مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا

ذِیۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَكِیۡنٍ ۙ﴿۲۰﴾

۲۰۔ قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ؕ﴿۲۱﴾

۲۱۔ سب کا مانا ہوا وہاں کا معتبر[۱۵]

وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں[۱۶]

وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ۚ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اس نے دیکھا ہے اُس فرشتہ کو آسمان کے کھلے کنارہ کے پاس[۱۷]

وَمَا هُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ۚ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں[۱۸]

وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ۙ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور یہ کہا ہوا نہیں کسی شیطان مردود کا[۱۹]

فَاَیۡنَ تَذۡهَبُوۡنَ ؕ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو[۲۰]

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۲۷﴾

۲۷۔ یہ تو ایک نصیحت ہے جہان بھر کے واسطے[۲۱]

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ؕ﴿۲۸﴾

۲۸۔ جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے[۲۲]

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ۲۹۔ اور تم جبھی چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہان کا مالک[۲۳]

ع ۱ / ۲۹ / ۶

۱۔ سورج کی روشنی تہہ ہو جائیگی: گویا اس کی لمبی شعاعیں جن سے دھوپ پھیلتی ہے لپیٹ کر رکھدی جائیں اور آفتاب بے نور ہو کر نیر کی چمکتی کی مانند رہ جائے یا بالکل نہ رہے۔

۲۔ ستارے ٹوٹ جائیں گے: یعنی تارے ٹوٹ کر گر پڑیں اور ان کا نور زائل ہو جائے۔

۳۔ یعنی ہوا میں اُڑتے پھریں۔

۴۔ قیمتی اُونٹنیاں لاوارث پھرینگی: یعنی اونٹ عرب کا بہترین مال ہے اور دس مہینے کی گابھن اونٹنی جو بیانے کے قریب ہو، دودھ اور بچّہ کی توقع پر بہت زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ لیکن قیامت کے ہولناک زلازل کے وقت ایسے نفیس و عزیز مال کو کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہو گا کہ ایسے بڑھیا مال کی خبر گیری کرے باقی یہ کہنا کہ ریل نکل جانے کی وجہ سے اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی، محض ظرافت ہے۔

۵۔ جانور رَل مِل جائیں گے: یعنی جنگل کے وحشی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھاگتے ہیں مضطرب ہو کر شہر میں آگھسیں اور پالتو جانوروں میں ملجائیں جیسا کہ اکثر خوف کے وقت دیکھا گیا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جارہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ وغیرہ بھی لپٹ رہے ہیں ایک دوسرے سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ نفسی نفسی پڑی ہوئی ہے بلکہ زیادہ سردی کے زمانہ میں بعض درندے جنگل سے شہر میں گھس آتے ہیں۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے حُشِرَتْ کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۶۔ سمندر آگ کی طرح جھونکے جائینگے: یعنی سمندروں کا پانی گرم ہو کر دھواں اور آگ بن جائے جو نہایت گرم ہو کر محشر میں کافروں کو دُکھ پہنچائے اور تنور کی طرح جھونکنے سے اُبلے۔

۷۔ انسانوں کے مختلف جوڑے اور جماعتیں: یعنی کافر کافر کے اور مسلم مسلم کے ساتھ۔ پھر ہر قسم کا نیک یا بد عمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنے والوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور عقائد، اعمال، اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے الگ جماعتیں بنا دی جائیں یا یہ مطلب ہے کہ روحوں کو جسموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔

۸۔ بیٹیوں پر ظلم کا سوال ہو گا: عرب میں رسم تھی کہ باپ اپنی بیٹی کو نہایت سنگدلی اور بے رحمی سے زندہ زمین میں گاڑ دیتا تھا، بعض تو تنگدستی اور شادی بیاہ کے اخراجات کے خوف سے یہ کام کرتے تھے اور بعض کو یہ عار تھی کہ ہم اپنی بیٹی کسی کو دیں گے وہ ہمارا داماد کہلائے گا۔ قرآن نے آگاہ کیا کہ ان مظلوم بچیوں کی نسبت بھی سوال ہو گا کہ کس گناہ پر ان کو قتل کیا تھا۔ یہ مت سمجھنا کہ ہماری اولاد ہے اس میں ہم جو چاہیں تصرف کریں۔ بلکہ اولاد ہونے کی وجہ سے جرم اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔

۹۔ آسمان کا پوست اُتارا جائیگا: جیسے جانور کا بعد ذبح کے پوست اتار لیتے ہیں اس سے تمام اعضاء اور رگ ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اوپر کی چیزیں نظر آئیں گی اور غمام کا نزول ہو گا۔ جس کا ذکر انیسویں پارہ میں آیت يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ (فرقان۔ ۲۵) الخ سے ہوا ہے۔

۱۰۔ دوزخ دہکائی جائیگی۔ اور جنّت قریب لائی جائیگی: یعنی دوزخ بڑے زور شور کے ساتھ دہکائی جائے اور بہشت متقیوں کے نزدیک کر دی جائے جس کی رونق و بہار دیکھنے سے عجیب مسرت و فرحت حاصل ہو۔

۱۱۔ ہر آدمی اپنا عمل جان لیگا: یعنی ہر ایک کو پتہ لگ جائے گا کہ نیکی یا بدی کا کیا سرمایہ لیکر حاضر ہوا ہے۔

۱۲۔ سیّاروں کی چال کی قسم: کئی سیّاروں (مثلاً زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد) کی چال اس ڈھب سے ہے کہ کبھی مغرب سے مشرق کو چلیں، یہ سیدھی راہ ہوئی کبھی ٹھٹک کر اُلٹے پھریں اور کبھی سورج کے پاس آکر کتنے دنوں تک غائب رہیں۔

۱۳۔ یا جب جانے لگے۔ اس لفظ کے دونوں معنی آتے ہیں۔

۱۴۔ صبح کے وقت سانس لینے کی قسم: حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں گویا آفتاب کو دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے منتشر ہونے کو دم ماہی سے نسبت کی جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گزرتی ہے اور اُس کے سانس لینے سے پانی اڑتا اور منتشر ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع اور قبل روشنی پھیلنے کے ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دم صبح کہنا یہ ہے نسیم سے جو طلوع صبح کے قریب موسم بہار میں چلتی ہے۔ (تنبیہ)

ان قسموں کی مناسبت: ان قسموں کی مناسبت آئندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اسکے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی۔ اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے۔ اس کے بعد صبح صادق کا دم بھرنا حضور ﷺ کا اس جہان میں تشریف لانا اور قرآن کا اُترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے دن کی مانند روشن کر دیا۔ گویا اگلے انبیاء کا نور ستاروں کی طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہئے۔

ولنعم ما قیل فانہ شمس فضلٍ ھم کواکبھا — یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

حتّٰی اذا اطلعت فی الکون عمّ ھداھا — للعالمین واحییت سائر الامم

اور بعض علماء نے فرمایا کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا، قرآن کے سبب ظلمت کفر دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح ظاہر ہو جانے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر کے موافق مقسم بہ کی مناسبت مقسم علیہ سے زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی چند صفات: یہ حضرت جبریلؑ کی صفات بیان ہوئیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک وحی لانے والا فرشتہ (جبریلؑ) اور دوسرا پیغمبر عربی ﷺ دونوں کی صفات وہ ہیں جنکے معلوم ہونے کے بعد کسی طرح کا شک و شبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا۔ کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو۔ جس سے روایت کرے اس کے پاس عزت و حرمت کے ساتھ رہتا ہو بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت وغیرہ پر اعتماد کلی رکھتے ہوں۔ اور اسی لئے اس کی بات بے چون و چرا مانتے ہوں۔ یہ تمام صفات حضرت جبریلؑ میں موجود ہیں وہ کریم (عزت والے) ہیں جن کے لئے اعلیٰ نہایت متقی اور پاکباز ہونا لازم ہے۔ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ (الحجرات۔ ۱۳) وفی الحدیث الکرم التقوی بڑی قوت والے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ حفظ وضبط اور بیان کی قوت بھی کامل ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ ربوبیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے امین اور متعبر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ یہ تو رسول ملکی کا حال تھا۔ آگے رسول بشری کا حال سُن لیجیے۔

۱۶۔ تمہارے رفیق علیہ السلام پر جنون کا الزام غلط ہے: یعنی بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور تم اس کے ساتھ رہے۔ اتنی طویل مدّت تک اس کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجربہ کیا۔ کبھی ایک مرتبہ اس کا جھوٹ یا فریب یا دیوانہ پن کی بات نہ دیکھی۔ ہمیشہ اس کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ اب بلاوجہ اسے جھوٹا یا دیوانہ کیونکر کہہ سکتے ہو۔ کیا یہ وہ ہی تمہارا رفیق نہیں ہے جس کے رتی رتی

احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو۔ اب اس کو دیوانہ کہنا بجز دیوانگی کے کچھ نہیں۔

۱۷۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھنا: یعنی مشرقی کنارہ کے پاس اس کی اصلی صورت میں صاف صاف دیکھا اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ و التباس ہو گیا ہو گا۔ جس کو فرشتہ سمجھ لیا وہ واقع میں فرشتہ نہ ہو گا۔ سورۃ "نجم" میں پہلے آ چکا فَاسْتَوٰی۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی (النجم۔۷،۶)۔

۱۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی خبر دینے میں بخیل نہیں: یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔ یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا نہ اُجرت مانگتا ہے۔ نہ نذرانہ، نہ بخشش، پھر کاہن کا لقب اُس پر کیسے چسپاں ہو سکتا ہے، کاہن محض ایک جزئی اور نامکمل بات غیب کی سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے اور اُس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخیل ہے کہ بدون مٹھائی یا نذرانہ وغیرہ وصول کیے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا۔ پیغمبروں کی سیرت سے کاہنوں کی پوزیشن کو کیا نسبت۔

۱۹۔ یہ شیطان کا قول نہیں: بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیز گاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگا جس میں سراسر بنی آدم کا فائدہ اور خود اس ملعون کی تقبیح و مذمت ہو۔

۲۰۔ یعنی جب جھوٹ، دیوانگی، بخل و توہم اور کہانت وغیرہ کے سب احتمالات مرفوع ہوئے تو بجز صدق و حق کے اور کیا باقی رہا۔ پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔

۲۱۔ قرآن کی نسبت جو احتمالات تم پیدا کرتے ہو، سب غلط ہیں۔ اگر اس کے مضامین و ہدایات میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہان کے لئے ایک سچّا نصیحت نامہ اور مکمل دستور العمل ہے جس سے ان کی دارین کی فلاح وابستہ ہے۔

۲۲۔ یعنی بالخصوص ان کے لئے نصیحت ہے جو سیدھا چلنا چاہیں۔ عناد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ کیونکہ ایسے ہی لوگ اس نصیحت سے منتفع ہونگے۔

۲۳۔ یعنی فی نفسہ قرآن نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے ان کے سوء استعداد کی بناء پر متعلق نہیں ہوتی۔

تم سورۃ التکویر

اٰیاتها ١٩ ٨٢ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ٨٢ رکوعها ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ‏ ﴿۱﴾
١۔ جب آسمان چر جائے

وَاِذَا الۡكَوَاكِبُ انْتَثَرَتۡ ۙ‏ ﴿۲﴾
٢۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں

وَاِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ‏ ﴿۳﴾
٣۔ اور جب دریا ابل نکلیں[١]

وَاِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ ۙ‏ ﴿۴﴾
٤۔ اور جب قبریں زیروزبر کر دی جائیں[٢]

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَاَخَّرَتۡ ؕ‏ ﴿۵﴾
٥۔ جان لے ہر ایک جی جو کچھ کہ آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا[٣]

يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡـكَرِيۡمِۙ‏ ﴿۶﴾
٦۔ اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر[٤]

الَّذِىۡ خَلَقَكَ فَسَوّٰٮكَ فَعَدَلَـكَۙ‏ ﴿۷﴾
٧۔ جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا[٥]

فِىۡۤ اَىِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ‏ ﴿۸﴾
٨۔ جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا[٦]

كَلَّا بَلۡ تُكَذِّبُوۡنَ بِالدِّيۡنِۙ‏ ﴿۹﴾
٩۔ ہرگز نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف کا ہونا[٧]

وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰـفِظِيۡنَۙ‏ ﴿۱۰﴾
١٠۔ اور تم پر نگہبان مقرر ہیں

كِرَامًا كَاتِبِيۡنَۙ‏ ﴿۱۱﴾
١١۔ عزت والے عمل لکھنے والے

يَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ‏ ﴿۱۲﴾
١٢۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو[٨]

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِىۡ نَعِيۡمٍ ۚ‏ ﴿۱۳﴾
١٣۔ بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں[٩]

وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں

یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ ڈالے جائیں گے اُس میں انصاف کے دن

وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىِٕبِیْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور نہ ہوں گے اُس سے جدا ہونے والے [۱۰]

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا

ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ جس دن کہ بھلا نہ کر سکے کوئی جی کسی جی کا کچھ بھی [۱۱] اور حکم اُس دن اللہ ہی کا ہے [۱۲]

۱۔ قیامت کی ہولناکیاں: یعنی سمندر کا پانی زمین پر زور کرے۔ آخر میٹھے اور کھاری سب پانی مل جائیں۔

۲۔ قبریں الٹ پلٹ ہو جائیں گی: یعنی جو چیز زمین کی تہ میں تھی اُوپر آجائے اور مردے قبروں سے نکالے جائیں۔

۳۔ یعنی جو بھلے برے کام کیے یا نہیں کیے شروع عمر میں کیے یا اخیر میں، ان کا اثر اپنے پیچھے چھوڑا یا نہیں چھوڑا، سب اس وقت سامنے آجائینگے۔

۴۔ اے انسان! ربّ کریم پر کیوں بہک گیا: یعنی وہ رب کریم کیا اس کا حقدار تھا کہ تو اپنے جہل و حماقت سے اس کے حلم پر مغرور ہو کر نافرمانیاں کرتا رہے؟ اور اُس کے لطف و کرم کا جواب کفران وطغیان سے دے؟ اس کا کرم دیکھ کر تو اور زیادہ شرمانا اور حلیم کے غصہ سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے تھا۔ بیشک وہ کریم ہے لیکن منتقم اور حکیم بھی ہے۔ پھر یہ غرور اور دھوکا نہیں تو اور کیا ہو گا کہ اس کی ایک صفت کو لے کر دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔

۵۔ تجھے پیدا کیا اور ٹھیک کیا: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ٹھیک کیا بدن میں برابر کیا خصلت میں" یا یہ مطلب ہے کہ تیرے اعضاء کے جوڑ بند درست کیے اور حکمت کے موافق اُن میں تناسب رکھا۔ پھر مزاج و اخلاط میں اعتدال پیدا کیا۔

۶۔ تیری صورت کی ترکیب کی: یعنی سب کی صورتوں میں تھوڑا بہت تفاوت رکھا۔ ہر ایک کو الگ صورت شکل اور رنگ روپ عنایت کیا اور بحیثیت مجموعی انسان کی صورت کو تمام جانداروں کی صورت سے بہتر بنایا۔ بعض سلف اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ چاہتا تو تجھے گدھے، کتے، خنزیر کی شکل وصورت میں ڈال دیتا۔ باوجود اس قدرت کے محض اپنے فضل اور مشیت سے انسانی صورت میں رکھا۔ بہر حال جس خدا کی یہ قدرت ہو اور ایسے انعامات ہوں، کیا اس کے ساتھ آدمی کو یہ ہی معاملہ کرنا چاہیے۔

۷۔ تمہیں انصاف کے دن کا یقین نہیں: یعنی بہکنے اور دھوکا کھانے کی اور کوئی وجہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ تم انصاف کے دن پر یقین نہیں رکھتے ہو کہ جو چاہیں کرتے رہیں، آگے کوئی حساب اور باز پرس نہیں۔ یہاں جو کچھ عمل ہم کرتے ہیں کون ان کو لکھتا اور محفوظ کرتا ہو گا۔ بس مر گئے سب قصہ ختم ہوا۔

٨۔ کراماً کاتبین: جو نہ خیانت کرتے ہیں نہ کوئی عمل لکھے بغیر چھوڑتے ہیں نہ اُن سے تمہارے اعمال پوشیدہ ہیں جب سب عمل ایک ایک کر کے اس اہتمام سے لکھے جارہے ہیں تو کیا یہ سب دفتریوں ہی بیکار چھوڑ دیا جائیگا؟ ہر گز نہیں۔ یقیناً ہر شخص کے اعمال اس کے آگے آئیں گے اور اس کا اچھا یا برا پھل چکھنا پڑیگا۔ جس کی تفصیل آگے بیان کی۔

۹۔ جہاں ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی نعمتوں اور راحتوں میں رہنا ہو گا اگر نکلنے کا کھٹکا لگا رہتا تو راحت ہی کیا ہوتی۔

۱۰۔ یعنی نہ بھاگ کر اس سے الگ رہ سکتے ہیں نہ داخل ہونے کے بعد کبھی نکل کر جاسکتے ہیں۔ ہمیشہ وہیں رہنا ہے۔

۱۱۔ فیصلہ کا دن کیا ہے: یعنی کتنا ہی سوچو اور غور کرو، پھر بھی اس ہولناک دن کی پوری کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی بس مختصراً اتنا سمجھ لو کہ اس دن جتنے رشتے ناتے خویشی اور آشنائی کے ہیں سب نیست و نابود ہو جائیں گے سب نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ کوئی شخص بدون حکم مالک الملک کے کسی کی سفارش نہ کر سکے گا۔ عاجزی چاپلوسی، اور صبر واستقلال کچھ کام نہ دیگا۔ الا من رحم اللہ۔

۱۲۔ اس دن صرف اسی کا حکم چلے گا: یعنی دنیا میں جس طرح بادشاہ کا حکم رعیت پر، ماں باپ کا اولاد پر، اور آقا کا نوکر پر جاری ہوتا ہے اس دن یہ سب حکم ختم ہو جائیں گے اور اُس شہنشاہ مطلق کے سوا کسی کو دم مارنے کی قدرت نہ ہو گی، تنہا بلا شرکت غیرے ظاہراً و باطناً اُسی کا حکم چلے گا۔ اور سارے کام حسًّا و معنًا اکیلے اُسی کے قبضہ میں ہونگے۔

تم سورۃ الانفطار

اٰیاتها ٣٦ — ٨٣ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ ٨٦ — رکوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١

١۔ خرابی ہے گھٹانے والوں کی

الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢

٢۔ وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝٣

٣۔ اور جب ماپ کر دیں اُنکو یا تول کر تو گھٹا کر دیں[١]

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝٤

٤۔ کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ اُنکو اٹھنا ہے

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝٥

٥۔ اُس بڑے دن کے واسطے[٢]

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦

٦۔ جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے مالک کی[٣]

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧

٧۔ ہرگز نہیں[٤] بیشک اعمالنامہ گنہگاروں کا سجین میں ہے

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨

٨۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے سجین

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩

٩۔ ایک دفتر ہے لکھا ہوا[٥]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠

١٠۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١

١١۔ جو جھوٹ جانتے ہیں انصاف کے دن کو

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢

١٢۔ اور اسکو جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ نکلنے والا گنہگار ہے[٦]

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣

١٣۔ جب سنائے اسکو ہماری آیتیں کہے نقلیں ہیں پہلوں کی[٧]

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾

١٤۔ کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ہے اُنکے دلوں پر جو وہ کماتے تھے [٨]

كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ؕ ﴿١٥﴾

١٥۔ کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اُس دن روک دیے جائیں گے [٩]

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ؕ ﴿١٦﴾

١٦۔ پھر مقرر وہ گرنے والے ہیں دوزخ میں

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ؕ ﴿١٧﴾

١٧۔ پھر کہا جائے گا یہ وہی ہے جسکو تم جھوٹ جانتے تھے

كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ؕ ﴿١٨﴾

١٨۔ ہرگز نہیں [١٠] بیشک اعمالنامہ نیکوں کا علیین میں ہے

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ؕ ﴿١٩﴾

١٩۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾

٢٠۔ ایک دفتر ہے لکھا ہوا [١١]

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ ﴿٢١﴾

٢١۔ اُسکو دیکھتے ہیں نزدیک والے یعنی فرشتے [١٢]

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے [١٣]

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾

٢٤۔ پہچان لے تو اُنکے منہ پر تازگی آرام کی [١٤]

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ انکو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی [١٥]

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
الْمُتَنَافِسُوْنَ ؕ ﴿٢٦﴾

٢٦۔ جسکی مہر جمتی ہے مشک پر [١٦] اور اُس پر چاہیے کہ ڈھکیں ڈھکنے والے [١٧]

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ اور اُسکی ملونی ہے تسنیم سے

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ ﴿٢٨﴾

٢٨۔ وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے [١٨]

اِنَّ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا كَانُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَضۡحَكُوۡنَ ۖ﴿۲۹﴾

٢٩۔ وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے ہنسا کرتے[١٩]

وَاِذَا مَرُّوۡا بِهِمۡ يَتَغَامَزُوۡنَ ۖ﴿۳۰﴾

٣٠۔ اور جب ہو کر نکلتے انکے پاس کو تو آپس میں آنکھ مارتے[٢٠]

وَاِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰٓى اَهۡلِهِمُ انۡقَلَبُوۡا فَكِهِيۡنَ ۖ﴿۳۱﴾

٣١۔ اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے باتیں بناتے[٢١]

وَاِذَا رَاَوۡهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ لَضَآلُّوۡنَ ۙ﴿۳۲﴾

٣٢۔ اور جب اُنکو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں[٢٢]

وَ مَاۤ اُرۡسِلُوۡا عَلَيۡهِمۡ حٰفِظِيۡنَ ؕ﴿۳۳﴾

٣٣۔ اور اُنکو بھیجا نہیں اُن پر نگہبان بنا کر[٢٣]

فَالۡيَوۡمَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنَ الۡكُفَّارِ يَضۡحَكُوۡنَ ۙ﴿۳۴﴾

٣٤۔ سو آج ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں[٢٤]

عَلَى الۡاَرَآئِكِ ۙ يَنۡظُرُوۡنَ ؕ﴿۳۵﴾

٣٥۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں[٢٥]

هَلۡ ثُوِّبَ الۡكُفَّارُ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ ع ٦ ٣٦ ٨

٣٦۔ اب بدلا پایا ہے منکروں نے جیسا کہ کچھ کرتے تھے[٢٦]

١۔ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والے: گو لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں۔ مگر یہاں اُس کے لانے سے مقصود خود اس بات پر مذمت کرنا نہیں بلکہ کم دینے کی مذمت کو مؤکد کرنا ہے۔ یعنی کم دینا اگرچہ فی نفسہ مذموم ہے۔ لیکن اُس کے ساتھ اگر لیتے وقت دوسروں کی بالکل رعایت نہ کی جائے تو اور زیادہ مذموم ہے۔ بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اگر اُس میں ایک عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے فتلک بتلک۔ لہذا پہلے شخص کا عیب زیادہ شدید ہوا اور چونکہ اصل مقصود مذمت ہے کم دینے کی، اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا جائے تا خوب تصریح ہو جائے کہ ناپنے میں بھی کم ناپتے ہیں اور تولنے میں بھی کم تولتے ہیں اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ مذموم نہیں اس لئے وہاں صرف ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا پھر تخصیص ناپ کی شاید اس لئے ہو کہ عرب میں اور خصوصًا مدینہ میں زیادہ رواج کیل کا تھا۔ اس کے سوا اور بھی وجوہ تخصیص کی ہو سکتی ہیں۔

٢۔ اُنہیں جواب دہی کا یقین نہیں: یعنی اگر انہیں خیال ہوتا کہ مرنے کے بعد ایک دن پھر اٹھنا اور اللہ کے سامنے تمام حقوق و فرائض کا حساب دینا ہے تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے۔

٣۔ کہ کب تجلّی فرماتا اور کب حساب کتاب کر کے ہمارے حق میں کوئی فیصلہ سناتا ہے۔

٤۔ یوم حساب ضرور آئیگا: یعنی ہرگز گمان نہ کیا جائے کہ ایسا دن نہیں آئیگا۔ وہ ضرور آنا ہے اور اُس کے لئے سب نیکوں اور بدوں کے اعمالنامے اپنے اپنے دفتر میں مرتب کیے رکھے ہیں۔

۵۔ سجّین کا دفتر: یعنی سجّین ایک دفتر ہے جس میں نام ہر ایک دوزخی کا درج ہے۔ اور "بندوں کے عمل لکھنے والے فرشتے" جن کا ذکر اس سے پہلی سورت میں آچکا، ان بدکاروں کے مرنے اور عمل منقطع ہونے کے بعد ہر شخص کے عمل علیحدہ علیحدہ فردوں میں لکھ کر اُس دفتر میں داخل کرتے ہیں اور اس فرد پر یا ہر ایک دوزخی کے نام پر ایک علامت بنا دیتے ہیں جس کے دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ شخص دوزخی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفّار کی ارواح بھی اسی مقام میں رکھی جاتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ان کے نام وہاں داخل ہوتے ہیں مر کر وہیں پہنچیں گے" بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۔ جو شخص روز جزا کا منکر ہے فی الحقیقت اللہ کی ربوبیت، اس کی قدرت اور اس کے عدل و حکمت سب کا منکر ہے اور جو ان چیزوں کا منکر ہو وہ جس قدر گناہوں پر دلیر ہو تھوڑا ہے۔

۷۔ یعنی قرآن اور نصیحت کی باتیں سن کر کہتا ہے کہ ایسی باتیں لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں وہ ہی پُرانی کہانیاں اور فرسودہ افسانے اُنہوں نے نقل کر دیے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور کہانیوں سے ڈرنے والے کہاں ہیں۔

۸۔ کفّار کے قلوب کا زنگ: یعنی ہماری آیتوں میں کچھ شک و شبہ کا موقع نہیں۔ اصل یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت و مزاولت سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گئے ہیں۔ اس لیے حقائق صحیحہ کا انعکاس ان میں نہیں ہوتا۔ حدیث میں فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے۔ ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کر لی تو مٹ گیا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائیگا وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا رہے گا۔ تا آنکہ قلب بالکل کالا سیاہ ہو جائے کہ حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے۔ یہ ہی حال ان مکذبین کا سمجھو کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے آیات اللہ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

۹۔ دیدار الٰہی سے کفّار کی محرومی: یعنی اس انکار و تکذیب کے انجام سے بے فکر نہ ہوں۔ وہ وقت ضرور آنے والا ہے جب مومنین حق سبحانہ و تعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوں گے اور یہ بدبخت محروم رکھے جائیں گے۔

۱۰۔ دفتر علیّین: یعنی ان بدمعاشوں کا اور نیکوں کا ایک انجام ہر گز نہیں ہو سکتا۔

۱۱۔ علیّین کہاں ہے: یعنی جہاں جنتیوں کے نام درج ہیں اور ان کے اعمال کی مسلیں مرتب کر کے رکھی جاتی ہیں اور ان کی ارواح کو اوّل وہاں لیجا کر پھر اپنے ٹھکانے پر پہنچایا جاتا ہے اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ مقام ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور مقربین کی ارواح اُسی جگہ مقیم رہتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۲۔ مقرب فرشتے یا اللہ کے مقرب بندے خوش ہو کر مومنین کے اعمالنامے دیکھتے ہیں اور اس مقام پر حاضر رہتے ہیں۔

۱۳۔ اہل جنّت کی مسہریاں: یعنی مسہریوں میں بیٹھے جنت کی سیر کرتے ہونگے اور دیدار الٰہی سے آنکھیں شاد کریں گے۔

۱۴۔ اہل جنّت کے چہروں کی رونق اور تازگی: یعنی جنت کے عیش و آرام سے ان کے چہرے ایسے پر رونق اور تر و تازہ ہونگے کہ ہر ایک دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان جائے کہ یہ لوگ نہایت عیش و تنعم میں ہیں۔

۱۵۔ مُہر لگی ہوئی شراب: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "شراب کی نہریں ہیں ہر کسی کے گھر میں لیکن یہ شراب نادر ہے جو بہ سر بہ مہر رہتی ہے"۔

۱۶۔ مُشک کی مُہر: جیسے دنیا میں مہر لاکھ یا مٹی پر جمائی جاتی ہے وہاں کی مٹی مشک ہے اسی پر جمائی جائیگی شیشہ ہاتھ میں لیتے ہی دماغ معطر ہو جائیگا۔ اور اخیر تک خوشبو مہکتی رہے گی۔

۱۷۔ ٹوٹ پڑنے والے اس شراب پر ٹوٹ پڑیں: یعنی دنیا کی ناپاک شراب اس لائق نہیں کہ بھلے آدمی اس کی طرف رغبت کریں۔ ہاں یہ شراب طہور ہے جس کے لئے لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہیئے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونی چاہیئے۔

۱۸۔ چشمہ تسنیم کی ملونی: یعنی مقرب لوگ اس چشمہ کی شراب کو خالص پیتے ہیں اور ابرار کو اس شراب کی ملونی دیجاتی ہے جو بطور گلاب وغیرہ کہ انکی شراب میں ملاتے ہیں۔

۱۹۔ کہ ان بیوقوفوں کو کیا خیال فاسد دامن گیر ہوا ہے کہ محسوس و موجود لذتوں کو جنت کی خیالی لذتوں کی توقع پر چھوڑتے ہیں۔

۲۰۔ کفّار مومنین کی تضحیک کرتے تھے: کہ دیکھو یہ ہی بے عقل اور احمق لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو جنت کے اُدھار پر دنیا کے نقد سے محروم کرر کھا ہے۔

۲۱۔ یعنی خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھپبتیاں کستے تھے اور اپنے عیش و آرام پر مفتون و مغرور ہو کر سمجھتے کہ ہمارے ہی عقیدے اور خیالات درست ہیں ورنہ یہ نعمتیں ہم کو کیوں ملتیں۔

۲۲۔ مومنین کے مجاہدے کا مذاق: کہ خواہ مخواہ زہد وریاضت کر کے اپنی جانیں کھپاتے اور موہوم لذتوں کو موجودہ لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں اور لاحاصل مشقتوں کا کمالات حقیقی نام رکھا ہے کیا کھلی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھربار اور عیش و آرام چھوڑ کر ایک شخص کے پیچھے ہو لیے اور اپنے آبائی دین کو بھی ترک کر بیٹھے۔

۲۳۔ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں کو ان مسلمانوں پر کچھ نگہبان نہیں بنایا گیا کہ احمق اپنی تباہ کاریوں سے آنکھیں بند کر کے ان کی حرکات کی نگرانی کیا کریں۔ اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو۔ اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ اور احمق بنائیں۔

۲۴۔ آخرت میں مومنین کفّار پر ہنسیں گے: یعنی قیامت کے دن مسلمان ان کافروں پر ہنستے ہیں کہ یہ لوگ کیسے کوتاہ اندیش اور احمق تھے جو خسیس اور فانی چیز کو نفیس اور باقی نعمتوں پر ترجیح دی۔ آخر آج دوزخ میں کس طرح عذاب دائم کا مزہ چکھ رہے ہیں۔

۲۵۔ یعنی اپنی خوشحالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کر رہے ہیں۔

۲۶۔ آج منکروں کو ان کے اعمال کا بدلہ مل گیا: یعنی جو دنیا میں مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے، آج ان کا حال قابل مضحکہ ہو رہا ہے، اور مسلمان ان کی گذشتہ حماقتوں کا خیال کر کے ہنستے ہیں۔

تم سورۃ المطففین

اٰیاتها ۲۵ ۸۴ سُوْرَةُ الاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۳ رکوعها ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾

۱۔ جب آسمان پھٹ جائے

وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾

۲۔ اور سن لے حکم اپنے رب کا وہ آسمان اسی لائق ہے[۱]

وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾

۳۔ اور جب زمین پھیلا دی جائے[۲]

وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾

۴۔ اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جائے[۳]

وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ ؕ﴿۵﴾

۵۔ اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ زمین اسی لائق ہے[۴]

يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدۡحًا
فَمُلٰقِيۡهِ ۚ﴿۶﴾

۶۔ اے آدمی تجھ کو تکلیف اٹھانی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں سہہ سہہ کر اس سے ملنا ہے[۵]

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ ۙ﴿۷﴾

۷۔ سو جس کو ملا اعمالنامہ اس کا داہنے ہاتھ میں

فَسَوۡفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيۡرًا ۙ﴿۸﴾

۸۔ تو اس سے حساب لیں گے آسان حساب[۶]

وَّيَنۡقَلِبُ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾

۹۔ اور پھر کر آئے گا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر[۷]

وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور جس کو ملا اس کا اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے سے[۸]

فَسَوۡفَ يَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ۙ﴿۱۱﴾

۱۱۔ سو وہ پکارے گا موت موت[۹]

وَّيَصۡلٰى سَعِيۡرًا ؕ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور پڑے گا آگ میں

إِنَّهُۥ كَانَ فِىٓ أَهْلِهِۦ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾

١٣۔ وہ رہا تھا اپنے گھر میں بے غم[١٠]

إِنَّهُۥ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴿١٤﴾

١٤۔ اُس نے خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ جائے گا[١١]

بَلَىٰٓ ۚ إِنَّ رَبَّهُۥ كَانَ بِهِۦ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

١٥۔ کیوں نہیں اُس کا رب اُسکو دیکھتا تھا[١٢]

فَلَآ أُقْسِمُ بِٱلشَّفَقِ ﴿١٦﴾

١٦۔ سو قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی

وَٱلَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾

١٧۔ اور رات کی اور جو چیزیں اُس میں سمٹ آتی ہیں[١٣]

وَٱلْقَمَرِ إِذَا ٱتَّسَقَ ﴿١٨﴾

١٨۔ اور چاند کی جب پورا ابھر جائے[١٤]

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ﴿١٩﴾

١٩۔ کہ تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی[١٥]

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

٢٠۔ پھر کیا ہوا ہے اُنکو جو یقین نہیں لاتے[١٦]

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ ٱلْقُرْءَانُ لَا يَسْجُدُونَ ۩ ﴿٢١﴾ السجدۃ

٢١۔ اور جب پڑھیے انکے پاس قرآن مجید وہ سجدہ نہیں کرتے[١٧]

بَلِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾

٢٢۔ اوپر سے اور یہ کہ منکر جھٹلاتے ہیں

وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾

٢٣۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں[١٨]

فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾

٢٤۔ سو خوشی سنا دے اُنکو عذاب دردناک کی[١٩]

إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَهُمْ أَجْرٌ
غَيْرُ مَمْنُونٍۭ ﴿٢٥﴾ ع ٢٥ ٩

٢٥۔ مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کام کئے بھلے اُنکے لئے ثواب ہے بے انتہا[٢٠]

ا۔ آسمان کو پھٹنے کا حکم ہو گا: یعنی اللہ کی طرف سے جب پھٹنے کا حکم تکوینی ہو گا۔ آسمان اُسکی تعمیل کرے گا اور وہ مقدور و مقہور ہونے کے لحاظ سے اسی لائق ہے کہ بایں عظمت و رفعت اپنے مالک و خالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چون و چرا نہ کرے۔

۲۔ زمین پھیلا دی جائیگی: محشر کے لئے یہ زمین ربڑ کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جائیگی اور عمارتیں پہاڑ وغیرہ سب برابر کر دیے جائیں گے تا کہ ایک سطح مستوی پر سب اوّلین و آخرین بیک وقت کھڑے ہو سکیں اور کوئی حجاب وحائل باقی نہ رہے۔

۳۔ زمین اپنے خزانے اُگل دے گی: یعنی زمین اس دن اپنے خزانے اور مردوں کے اجزا اُگل ڈالیگی اور ان تمام چیزوں سے خالی ہو جائیگی جن کا تعلق اعمال عباد کے مجازات سے ہے۔

۴۔ زمین و آسمان جس کے حکم تکوینی کے تابع و منقاد ہوں، آدمی کو کیا حق ہے کہ اس کے حکم تشریعی سے سر تابی کرے۔

۵۔ رب تک پہنچنے میں انسان کی محنت: یعنی رب تک پہنچنے سے پہلے ہر آدمی اپنی استعداد کے موافق مختلف قسم کی جدوجہد کرتا ہے۔ کوئی اس کی طاعت میں محنت و مشقت اُٹھاتا ہے، کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے۔ پھر خیر کی جانب میں ہو یا شر کی، طرح طرح کی تکلیفیں سہہ سہہ کر آخر پروردگار سے ملتا اور اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہوتا ہے۔

۶۔ مومنین کا حساب آسان ہو گا: آسان حساب یہ ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہو گی، محض کاغذات پیش ہو جائیں گے اور بدوں بحث و مناقشہ کے سستے چھوڑ دیے جائیں گے۔

۷۔ نہ سزا کا خوف رہیگا نہ غصہ کا ڈر، نہایت امن و اطمینان سے اپنے احباب و اقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئیگا۔

۸۔ پیٹھ کے پیچھے سے اعمال نامہ کا ملنا: یعنی پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑا یا جائیگا۔ فرشتے سامنے سے اس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔ گویا غایت کراہیت کا اظہار کیا جائیگا۔ اور ممکن ہے پیچھے کو مشکیں بندھی ہوں اس لئے اعمالنامہ پشت کی طرف سے دینے کی نوبت آئے۔

۹۔ یعنی عذاب کے ڈر سے موت مانگے گا۔

۱۰۔ کافر دنیا میں مسرور تھا: یعنی دنیا میں آخرت سے بے فکر تھا۔ اس کا بدلہ یہ ہے کہ آج سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی فکر میں گھلے جاتے تھے، ان کو آج بالکل بے فکری اور امن چین ہے۔ کافر یہاں مسرور تھا، مومن وہاں مسرور ہے۔

۱۱۔ اُسے کہاں خیال تھا کہ ایک روز خدا کی طرف واپس ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔

۱۲۔ اللہ اس کو دیکھتا تھا: یعنی پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا تھا کہ اس کی روح کہاں سے آئی۔ بدن کس کس چیز سے بنا۔ پھر کیا اعتقاد رکھا، کیا عمل کیا، دل میں کیا بات تھی۔ زبان سے کیا نکلا۔ ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا، اور موت کے بعد اس کی روح کہاں گئی اور بدن کے اجزاء بکھر کر کہاں کہاں پہنچے وغیر ذالک۔ جو خدا آدمی کے احوال سے اس قدر واقف ہو اور ہر جزئی و کلی حالت کو نگاہ میں رکھتا ہو، کیا گمان کر سکتے ہو کہ وہ اس کو یوں ہی مہمل اور معطل چھوڑ دیگا؟ ضرور ہے کہ اس کے اعمال پر ثمرات و نتائج مرتب کرے۔

۱۳۔ شام کی سرخی کی قسم: یعنی آدمی اور جانور جو دن میں تلاش معاش کے لئے مکانوں سے نکل کر ادھر اُدھر منتشر ہوتے ہیں رات کے وقت سب طرف سے سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔

۱۴۔ چودھویں کے چاند کی قسم: یعنی چودھویں رات کا چاند جو اپنی حد کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

۱۵۔ تم کو طبقہ طبقہ چڑھنا ہے: یعنی دنیا کی زندگی میں مختلف دور سے بتدریج گزر کر اخیر میں موت کی سیڑھی ہے، پھر عالم برزخ کی، پھر قیامت کی، پھر قیامت میں خدا جانے کتنے احوال و مراتب درجہ بدرجہ طے کرنے ہیں۔ جیسے رات کے شروع میں شفق کے باقی رہنے تک ایک قسم کی روشنی رہتی ہے جو فی الحقیقت بقیہ ہے آفتاب کے اثرات کا پھر شفق غائب ہونے پر دوسرا دور تاریکی کا شروع ہوتا ہے جو سب چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ اس میں چاند بھی نکلتا ہے اور درجہ بدرجہ اس کی روشنی بڑھتی ہے۔ آخر چودھویں شب کو ماہ کامل کا نور اس تاریک فضاء میں ساری رات اُجالا رکھتا ہے۔ گویا انسانی احوال کے طبقات رات کی مختلف کیفیات سے مشابہ ہوئے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۔ کہ ہم کو موت کے بعد بھی کسی طرف رجوع ہونا ہے اور ایک بڑا بھاری سفر در پیش ہے جس کے لئے کافی توشہ ساتھ ہونا چاہیئے۔

۱۷۔ یعنی اگر ان کی عقل خود بخود ان حالات کو دریافت نہیں کر سکتی تھی تو لازم تھا کہ قرآن کے بیان سے فائدہ اُٹھاتے۔ لیکن اس کے بر خلاف ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان کو سُن کر بھی ذرا عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے۔ حتّٰی کہ جب مسلمان خدا کی آیات سن کر سجدہ کرتے ہیں، ان کو سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

۱۸۔ یعنی فقط اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی آیات سُن کر انقیاد و تذلل کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کو زبان سے جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو تکذیب وانکار، بغض عناد، اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

۱۹۔ کفّار کو عذاب الیم کی خوشخبری: یعنی خوشخبری سُنا دیجیے کہ جو کچھ ہو کما رہے ہیں اس کا پھل ضرور ملیگا۔ ان کی یہ کوششیں ہر گز خالی نہیں جائیں گی۔

۲۰۔ جو کبھی ختم نہ ہو گا۔

تم سورۃ الانشقاق

ايٰاتها ٢٢ ٨٥ سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ٢٧ ركوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں[۱]
وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے[۲]
وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ؕ﴿۳﴾	۳۔ اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اُسکی کہ جسکے پاس حاضر ہوتے ہیں[۳]
قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾	۴۔ مارے گئے کھائیاں کھودنے والے
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿۵﴾	۵۔ آگ ہے بہت ایندھن والی[۴]
اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾	۶۔ جب وہ اس پر بیٹھے
وَّ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿۷﴾	۷۔ اور جو کچھ وہ کرتے مسلمانوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے[۵]
وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۸﴾	۸۔ اور اُن سے بدلا نہ لیتے تھے مگر اسی بات کہ وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ﴿۹﴾	۹۔ جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز[۶]
اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ	۱۰۔ تحقیق جو دین سے بچلائے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو اُنکے لئے عذاب ہے دوزخ کا اور اُنکے لئے عذاب ہے آگ لگے کا[۷]

الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ بیشک جولوگ یقین لائے اور کیں انہوں نے بھلائیاں انکے لئے باغ ہیں جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں یہ ہے بڑی مراد ملنی[۸]

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ بیشک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے[۹]

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ بیشک وہی کرتا ہے پہلی مرتبہ اور دوسری[۱۰]

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا[۱۱]

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ مالک عرش کا بڑی شان والا

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ کرڈالنے والا جو چاہے[۱۲]

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ کیا پہنچی تجھ کو بات اُن لشکروں کی

فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ فرعون اور ثمود کے[۱۳]

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ کوئی نہیں بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں[۱۴]

وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور اللہ نے اُنکو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے[۱۵]

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا[۱۶]

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ع

۲۲۔ لکھا ہوا لوح محفوظ میں[۱۷]

۱۔ آسمان کے بُروج: بُرجوں سے مراد یا تو وہ بارہ برج ہیں جن کو آفتاب ایک سال کی مدت میں تمام کرتا ہے یا آسمانی قلعہ کے وہ حصّے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں یا بڑے بڑے ستارے جو دیکھنے میں آسمان پر معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۔ یعنی قیامت کا دن۔

۳۔ شاہد اور مشہود کی قسم: سب شہروں میں حاضر ہوتا ہے جمعہ کا دن، اور سب ایک جگہ حاضر ہوتے ہیں عرفہ کے دن حج کے لئے اسی لئے روایات میں آیا کہ "شاہد" جمعہ کا دن ہے اور "مشہود" عرفہ کا دن، اس کے علاوہ "شاہد" و "مشہود" کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں۔ لیکن اوفق بالروایات یہ ہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) قرآنی قسموں کے متعلق ہم سورۃ "قیامہ" کے شروع میں جو لکھ چکے ہیں، اس کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیئے۔ اور ان قسموں کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کا مالک امکنہ وازمنہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ایسے مالک الکل کی مخالفت کرنے والے کا مستحق لعن و عقوبت ہونا ظاہر ہے۔

۴۔ اصحاب الاخدود کون ہیں ایک عجیب واقعہ: یعنی ملعون و مغضوب ہوئے وہ لوگ جنہوں نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھریں اور بہت سا ایندھن ڈال کر ان کو دھونکایا۔ ان "اصحاب الاخدود" سے کون مُراد ہیں؟ مفسرین نے کئی واقعات نقل کیے ہیں لیکن صحیح مسلم، جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں جو قصہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا۔ اس کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا۔ جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا۔ اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں۔ تا میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا۔ جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا، اور اس کے فیض صحبت سے ولایت و کرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچّا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہو گیا۔ لوگوں میں شور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سُن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کر دو۔ لڑکے نے کہا کہ اچھی کرنے والا میں نہیں۔ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لائے تو میں دعا کروں۔ اُمید ہے وہ تجھ کو بینا کر دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں۔ اس نے برہم ہو کر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے طلب کر لیا اور کچھ بحث و گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اونچے پہاڑ پر سے گرا دیا جائے۔ مگر خدا کی قدرت جو لوگ اس کو لے گئے تھے، سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہ ہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔ آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں۔ آپ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں۔ ان کے سامنے مجھ کو سولی پر لٹکائیں اور یہ لفظ کہہ کر میرے تیر ماریں "بسم اللہ رب الغلام" (اس اللہ کے نام پر جو رب ہے اس لڑکے کا) چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یکلخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا کہ "آمنا برب الغلام" (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجیے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہ ہی پیش آئی۔ پہلے تو کوئی اکّا دُکّا مسلمان ہوتا تھا اب خلق کثیر نے اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آ کر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائیگا۔ آخر لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا۔ شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی۔ مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی "اُمّاہ اصبری فانکِ علی الحق" (اماں جان! صبر کر) کہ تو حق پر ہے۔

۵۔ ایمان لانے والوں کے لئے خندقیں اور آگ: یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر مشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا۔

۶۔ مومنین کا قصور صرف انکا ایمان تھا: یعنی ان مسلمانوں کا قصور اُس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے۔ جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں۔ اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے۔ جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں، آگ میں جلایا جائے تو کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ایسا ظلم وستم یوں ہی خالی چلا جائیگا اور وہ خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جب اللہ کا غضب آیا وہی آگ پھیل پڑی۔ بادشاہ اور امیروں کے گھر سارے پھونک دیے" مگر روایات صحیحہ میں اس کا ذکر نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷۔ ایمان سے روکنے والوں کے لئے دوزخ کا عذاب: یعنی کچھ اصحاب الاخدود پر منحصر نہیں۔ جو لوگ ایمانداروں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے (جیسے کفار مکہ کر رہے تھے) پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہ ہونگے ان سب کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے جس میں بیشمار قسم کی تکلیفیں ہونگی اور بڑی تکلیف آگ لگنے کی ہوگی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہوگا۔

۸۔ ایمان اور عمل صالح کا ثمرہ: یعنی یہاں کی تکلیفوں اور ایذاؤں سے نہ گھبرائیں۔ بڑی اور آخری کامیابی ان ہی کے لئے ہے جس کے مقابلہ میں یہاں کا عیش یا تکلیف سب ہیچ ہے۔

۹۔ اسی لئے ظالموں اور مجرموں کو پکڑ کر سخت ترین سزا دیتا ہے۔

۱۰۔ حق تعالیٰ کی بعض صفات: یعنی پہلی مرتبہ دنیا کا عذاب اور دوسری مرتبہ آخرت کا (کذافی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ اوّل مرتبہ آدمی کو وہی پیدا کرتا ہے اور دوسری مرتبہ موت کے بعد بھی وہی پیدا کریگا پس مجرم اس دھوکہ میں نہ رہے کہ موت جب ہمارا نام ونشان مٹا دیگی پھر ہم کس طرح ہاتھ آئیں گے۔

۱۱۔ یعنی باوجود اس صفت قہاری وسخت گیری کے اُس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں وہ اپنے فرمانبردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا، ان کے عیب چھپاتا اور طرح طرح کے لطف وکرم اور عنایت وشفقت سے نوازتا ہے۔

۱۲۔ اللہ اپنے ارادوں میں فعال ہے: یعنی اپنے علم وحکمت کے موافق جو کرنا چاہے کچھ دیر نہیں لگتی نہ کوئی روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے بہرحال نہ اسکے انعام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہئے نہ انتقام سے بے خوف بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جلال وجمال دونوں پر نظر رکھے اور خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کو دل سے زائل نہ ہونے دے۔

۱۳۔ کہ ایک مدّت تک انعام کا دروازہ ان پر کھلا رکھا تھا۔ اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں ان کو پہنچتی تھیں پھر ان کے کفر وطغیان کی بدولت کیسا سخت انتقام لیا گیا۔

۱۴۔ یعنی کفّار ان قصوں سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عذاب الٰہی سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بلکہ ان قصوں کے اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۵۔ اللہ نے انہیں گھیرا ہوا ہے: یعنی جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں اس تکذیب کی سزا بھگتنا ضروری ہے اللہ کے قبضہ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتے۔ نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

۱۶۔ قرآن کی بزرگی اور شان: یعنی ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے۔ قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو۔ یا چند احمقوں کے جھٹلانے سے اس کی شان اور بزرگی کم ہو جائے۔

۱۷۔ لَوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے: جہاں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا، پھر وہاں سے نہایت حفاظت واہتمام کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچایا جاتا ہے۔ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (الجن۔۲۷) اور یہاں بھی قدرت کی طرف سے اس کی حفاظت کا ایسا سامان ہے جس میں کوئی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی۔

تم سورۃ البروج

اٰیاتھا ۱۷ ۸۶ سُوْرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ ۳۶ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾

۱۔ قسم ہے آسمان کی اور اندھیری میں آنے والے کی

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾

۲۔ اور تو نے کیا سمجھا کیا ہے اندھیرے میں آنے والا

النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾

۳۔ وہ تارا چمکتا ہوا

اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾

۴۔ کوئی جی نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان

فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾

۵۔ اب دیکھ لے آدمی کہ کاہے سے بنا ہے[۱]

خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾

۶۔ بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے[۲]

یَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ وَ التَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾

۷۔ جو نکلتا ہے پیٹھ کے بیچ سے اور چھاتی کے بیچ سے[۳]

اِنَّہٗ عَلٰی رَجۡعِہٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾

۸۔ بیشک وہ اُسکو پھیر لا سکتا ہے[۴]

یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾

۹۔ جس دن جانچے جائیں بھید[۵]

فَمَا لَہٗ مِنۡ قُوَّۃٍ وَّ لَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾

۱۰۔ تو کچھ نہ ہو گا اُسکو زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا[۶]

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ﴿۱۱﴾

۱۱۔ قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی[۷]

وَ الۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿ۙ۱۲﴾

۱۲۔ اور زمین پھوٹ نکلنے والی کی[۸]

اِنَّہٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿ۙ۱۳﴾

۱۳۔ بیشک یہ بات ہے دو ٹوک

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾

١٤۔ اور نہیں یہ بات ہنسی کی[٩]

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿١٥﴾

١٥۔ البتہ وہ لگے ہوئے ہیں ایک داؤ کرنے میں

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾

١٦۔ اور میں لگا ہوا ہوں ایک داؤ کرنے میں

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾ ع

١٧۔ سو ڈھیل دے منکروں کو ڈھیل دے اُنکو تھوڑے دنوں[١٠]

١۔ انسان کے نگہبان فرشتے: یعنی فرشتے رہتے ہیں آدمی کے ساتھ۔ بلاؤں سے بچاتے ہیں یا اس کے عمل لکھتے ہیں (موضح القرآن) اور قسم میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جس نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے ایسے سامان کیے ہیں، اس کو زمین پر تمہاری یا تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کیا دشوار ہے۔ نیز جس طرح آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں مگر ان کا ظہور خاص شب میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی سب اعمال نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں، مگر ظہور ان کا خاص قیامت میں ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو انسان کو قیامت کی فکر چاہیے۔ اور اگر اس کو مستبعد سمجھتا ہے تو اس کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

٢۔ اُچھلتے پانی سے انسان کی تخلیق: یعنی منی سے جو اُچھل کر نکلتی ہے۔

٣۔ پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلنے والا پانی: کہتے ہیں مرد کی منی کا انصباب پیٹھ سے ہوتا ہے اور عورت کا سینہ سے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ پیٹھ اور سینہ تمام بدن سے کنایہ ہے۔ یعنی منی مرد کی ہو یا عورت کی تمام بدن میں پیدا ہو کر پھر جدا ہوتی ہے اور اس کنایہ میں تخصیص صلب و ترائب کی شائد اس لئے ہو کہ حصول مادہ منوّیہ میں اعضاء رئیسہ (قلب، دماغ، کبد) کو خاص دخل ہے۔ جن میں سے قلب کبد کا تعلق و تلبس ترائب سے اور دماغ کا تعلق بواسطہ نخاع (حرام مغز) کے صلب سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

٤۔ یعنی اللہ پھر لا ئیگا مرنے کے بعد (موضح القرآن) حاصل یہ کہ نطفہ سے انسان بنا دینا بہ نسبت دوبارہ بنانے کے زیادہ عجیب ہے۔ جب یہ امر عجیب اُس کی قدرت سے واقع ہو رہا ہے تو جائز نہیں کہ اس سے کم عجیب چیز کے وقوع کا خواہ مخواہ انکار کیا جائے۔

٥۔ جس دن بھید کُھل جائینگے: یعنی سب کی قلعی کھل جائیگی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں یا چھپ کر کی ہوں ظاہر ہو جائیں گی اور کسی جرم کا اخفاء ممکن نہ ہوگا۔

٦۔ اس وقت مجرم نہ اپنے زور و قوت سے مدافعت کر سکے گا نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے سزا سے بچا لے۔

٧۔ یا بارش لانے والے کی۔

٨۔ یعنی اس میں سے پھوٹ نکلتے ہیں کھیتی اور درخت۔

٩۔ قرآن دوٹوک کلام ہے: یعنی قرآن اور جو کچھ ہو معاد کے متعلق بیان کرتا ہے، کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔ بلکہ حق و باطل اور صدق و کذب کا دوٹوک فیصلہ ہے۔ اور لاریب وہ سچا کلام اور ایک طے شدہ معاملہ کی خبر والا ہے جو یقیناً پیش آکر رہیگا۔ (تنبیہ) قسم کو اس مضمون سے یہ مناسبت ہوئی کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قابلیت ہو مالامال کر دیتا ہے۔ جیسے بارش آسمان کی طرف سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے۔ قیامت میں ایک غیبی بارش ہوگی جس سے مُردے زندہ ہو جائیں گے جس طرح یہاں بارش کا پانی گرنے سے مردہ اور بیجان

زمین سر سبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔

۱۰۔ منکرین کے داؤ پیچ اور اللہ کی تدبیر: یعنی منکرین داؤ پیچ کرتے رہتے ہیں کہ شکوک و شبہات ڈال کر یا اور کسی تدبیر سے حق کو ابھرنے اور پھیلنے نہ دیں۔ اور میری تدبیر لطیف بھی (جس کا انہیں احساس نہیں) اندر اندر کام کر رہی ہے کہ ان کے تمامی مکر و کید کا جال توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جائے اور ان کے سب داؤ پیچ ان ہی کی طرف واپس کیے جائیں۔ اب خود سوچ لو کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں کسی کی چالا کی اور مکاری کیا کام دے سکتی ہے، لا محالہ یہ لوگ ناکام اور خائب و خاسر ہو کر رہیں گے۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ ان کی سزا دہی میں جلدی نہ کریں اور ان کی حرکات شنیعہ سے گھبرا کر بد دعاء نہ فرمائیں۔ بلکہ تھوڑے دن ڈھیل دیں پھر دیکھیں نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

تم سورۃ الطارق

٨٧ سُوۡرَةُ الۡاَعۡلٰی مَكِّيَّةٌ ٨

اٰیاتھا ١٩ رکوعھا ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ‏ ﴿۱﴾

١۔ پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر[١]

الَّذِىۡ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ‏ ﴿۲﴾

٢۔ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا[٢]

وَالَّذِىۡ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ‏ ﴿۳﴾

٣۔ اور جس نے ٹھہرا دیا پھر راہ بتلائی[٣]

وَالَّذِىۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰى ۙ‏ ﴿۴﴾

٤۔ اور جس نے نکالا چارا

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰى ؕ‏ ﴿۵﴾

٥۔ پھر کر ڈالا اُسکو کُوڑا سیاہ[٤]

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى ۙ‏ ﴿۶﴾

٦۔ البتہ ہم پڑھائیں گے تجھ کو پھر تو نہ بھولے گا

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا يَخۡفٰى ؕ‏ ﴿۷﴾

٧۔ مگر جو چاہے اللہ[٥] وہ جانتا ہے پکارنے کو اور جو چھپا ہوا ہے[٦]

وَنُيَسِّرُكَ لِلۡيُسۡرٰى ۖ‏ ﴿۸﴾

٨۔ اور سہج سہج پہنچائیں گے ہم تجھ کو آسانی تک[٧]

فَذَكِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّكۡرٰى ؕ‏ ﴿۹﴾

٩۔ سو تو سمجھا دے اگر فائدہ کرے سمجھانا[٨]

سَيَذَّكَّرُ مَنۡ يَّخۡشٰى ۙ‏ ﴿۱۰﴾

١٠۔ سمجھ جائے گا جس کو ڈر ہو گا[٩]

وَيَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَى ۙ‏ ﴿۱۱﴾

١١۔ اور یکسو رہے گا اُس سے بڑا بد قسمت

الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ الۡكُبۡرٰى ۚ‏ ﴿۱۲﴾

١٢۔ وہ جو داخل ہو گا بڑی آگ میں[١٠]

ثُمَّ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ﴿۱۳﴾ ۱۳۔ پھر نہ مرے گا اُس میں اور نہ جئے گا[۱۱]

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰىۙ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ بیشک بھلا ہوا اُس کا جو سنورا[۱۲]

وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىؕ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ اور لیا اُس نے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی[۱۳]

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۖ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ کوئی نہیں تم بڑھاتے ہو دنیا کے جینے کو

وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰىؕ ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا[۱۴]

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰىۙ ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ یہ لکھا ہوا ہے پہلے ورقوں میں

صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى ﴿۱۹﴾ ع ۱۹۔ صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے[۱۵]

۱۔ سُبحان ربی الاعلیٰ کی اصل: حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی آپ نے فرمایا اِجْعَلُوْهَا فِی سُجُوْدِكُمْ (اس کو اپنے سجود میں رکھو) اسی لئے سجدہ کی حالت میں سُبحان ربی الاعلیٰ کہا جاتا ہے۔

۲۔ ہر چیز میں حکمت ہے: یعنی جو چیز بنائی عین حکمت کے موافق بہت ٹھیک بنائی اور باعتبار خواص و صفات اور ان فائدوں کے جو اس چیز سے مقصود ہیں اس کی پیدائش کو درجہ کمال تک پہنچایا اور ایسا معتدل مزاج عطا کیا جس سے وہ منافع و فوائد اس پر مرتب ہو سکیں۔

۳۔ مختلف مظاہر قدرت: حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "یعنی اوّل تقدیر لکھی پھر اسی کے موافق دنیا میں لایا" گویا دنیا میں آنے کی راہ بتادی۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے لئے ایک کمال کا اندازہ ٹھہرایا۔ پھر اس کو وہ کمال حاصل کرنے کی راہ بتلادی۔ وفیہ اقوال اخر لانطول بذکرہا۔

۴۔ یعنی اوّل نہایت سبز و خوشنما گھاس چارا زمین سے پیدا کیا پھر آہستہ آہستہ اس کو خشک و سیاہ کرڈالا تاخشک ہو کر ایک مدت تک جانوروں کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے۔ اور خشک کھیتی کٹ کر کام میں آئے۔

۵۔ ہم تمہیں قرآن پڑھوائینگے: یعنی جس طرح ہم نے تربیت سے ہر چیز کو بتدریج اس کے کمال مطلوب تک پہنچایا ہے تم کو بھی آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھادینگے اور ایسا یاد کرادیں گے کہ اس کا کوئی حصّہ بھولنے نہ پاؤ گے بجزان آیتوں کا جن کا بالکل بھلادینا ہی مقصود ہو گا کہ وہ بھی ایک قسم نسخ کی ہے۔

۶۔ وہ ہر ظاہر اور چھپی بات جانتا ہے: یعنی وہ تمہاری مخفی استعداد اور ظاہر اعمال و احوال کو جانتا ہے اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جو آیات ایک مرتبہ نازل کردی گئیں، پھر ان کو منسوخ کرنے اور بھلادینے کے کیا معنی۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کرنا اسی کی شان ہے جو تمام کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کونسی چیز ہمیشہ باقی رہنی چاہئے اور کس کو ایک مخصوص مدت کے بعد اُٹھا لینا چاہئیے کیونکہ اب اس کا باقی رہنا ضروری نہیں ہے۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سہولت کا وعدہ: یعنی وحی کو یادرکھنا آسان ہو جائیگا اور اللہ کی معرفت وعبادت اور ملک وملت کی سیاست کے طریقے سب سہل کر دیے جائینگے اور کامیابی کے راستہ سے تمام مشکلات ہٹادی جائینگی۔

۸۔ تذکیر اور تبلیغ کا فرق: یعنی اللہ نے جب آپ پر ایسے انعام فرمائے، آپ دوسروں کو فیض پہنچائیے اور اپنے کمال سے دوسروں کی تکمیل کیجئے۔ (تنبیہ) اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّکۡرٰی کی شرط اس لئے لگائی کہ تذکیر ووعظ اس وقت لازم ہے جب مخاطب کی طرف سے اس کا قبول کرنا مظنون ہو۔ اور منصب آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کا وعظ و تذکیر ہر شخص کے لئے نہیں۔ ہاں تبلیغ وانذار (یعنی حکم الٰہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا) تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو اور عذر جہل ونادانی کا نہ رہے، اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور ہے اس کو عرف میں تذکیر ووعظ نہیں کہتے دعوت و تبلیغ کہتے ہیں۔ شاید اسی لئے بعض مفسرین نے زیادہ واضح الفاظ میں آیت کے معنی یوں کیے ہیں کہ بار بار نصیحت کر (اگر ایک بار کی نصیحت نے نفع نہ کیا ہو) اور ہو سکتا ہے کہ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّکۡرٰی کی شرط محض تذکیر کی تاکید کے لئے ہو یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تجھ کو تذکیر کرنا چاہئے اور یقینی بات ہے کہ تذکیر عالم میں کسی نہ کسی کو ضرور نفع دیگی گو ہر کسی کو نہ دے۔ کما قال تعالیٰ وَّ ذَکِّرۡ فَاِنَّ الذِّکۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (الذاریات۔۵۵) پس ایک امر کا ایسی چیز پر معلق کرنا جس کا وقوع ضروری ہے اس امر کی تاکید کا موجب ہوا۔

۹۔ سمجھانے سے وہ ہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہ ہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خدا کا ڈر اور اپنے انجام کی فکر ہو۔

۱۰۔ متّقی لوگوں کا انجام: یعنی جس بد قسمت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے وہ کہاں سمجھتا ہے۔ اسے خدا کا اور اپنے انجام کا ڈر ہی نہیں جو نصیحت کی طرف متوجہ ہو اور ٹھیک بات سمجھنے کی کوشش کرے۔

۱۱۔ دوزخ میں نہ موت ہے نہ زندگی: یعنی نہ موت ہی آئیگی کہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دے اور نہ آرام کی زندگی ہی نصیب ہو گی۔ ہاں ایسی زندگی ہو گی جس کے مقابلہ میں موت کی تمنا کرے گا۔ العیاذ باللہ۔

۱۲۔ تزکیہ کرنے والوں کا انعام: یعنی ظاہری و باطنی، حسّی و معنوی نجاستوں سے پاک ہوا اور اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیحہ، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا۔

۱۳۔ تکبیر تحریمہ کا حکم: یعنی پاک وصاف ہو کر تکبیر تحریمہ میں اپنے رب کا نام لیا۔ پھر نماز پڑھی۔ اور بعض سلف نے کہا کہ تَزَکّٰی "زکوٰۃ" سے ہے جس سے مراد یہاں "صدقۃ الفطر" ہے اور ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ سے تکبیرات عید مراد ہیں۔ اور فَصَلّٰی میں نماز عید کا ذکر ہے یعنی عید کے دن اوّل "صدقۃ الفطر" پھر تکبیریں، پھر نماز۔ والظاہر ہو الاول (تنبیہ) حنفیہ نے پہلی تفسیر کے موافق اس آیت سے دو مسئلے نکالے ہیں۔ اوّل یہ کہ تحریمہ میں خاص لفظ "اللہ اکبر" کہنا فرض نہیں، مطلق ذکر اسم رب کافی ہے جو مشعر تعظیم ہو اور اپنی غرض و حاجت پر مشتمل نہ ہو۔ ہاں "اللہ اکبر" کہنا احادیث صحیحہ کی بناء پر سنت یا واجب قرار پائیگا۔ دوسرے تکبیر تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے رکن نہیں کیونکہ فَصَلّٰی کا ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ پر عطف کرنا معطوف علیہ کی مغائرت پر دال ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۔ دُنیا کو ترجیح دینے کی مذمّت: یعنی یہ بھلائی تم کو کیسے حاصل ہو جبکہ آخرت کی فکر ہی نہیں۔ بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں کے عیش و آرام کو اعتقادًا یا عملًا آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا حقیر وفانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائدار ہے پھر تعجب ہے کہ جو چیز کمًا و کیفًا ہر طرح افضل ہو اسے چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا جائے۔

۱۵۔ یہ تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں موجود ہے: یعنی یہ مضمون (قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی سے یہاں تک) اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے جو کسی وقت منسوخ نہیں ہوا، نہ بدلا گیا۔ اس اعتبار سے اور زیادہ مؤکد ہو گیا۔ (تنبیہ) بعض روایات ضعیفہ میں ہے کہ ابراہیمؑ پر دس صحیفے اور موسیٰؑ پر "توراۃ" کے علاوہ دس صحیفے نازل ہوئے تھے خدا جانے کہاں تک صحیح ہے۔ تم سورۃ الاعلیٰ

اٰیاتها ٢٦ | ٨٨ سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ٦٨ | رکوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١
١۔ کچھ پہنچی تجھ کو بات اُس چھپا لینے والی کی[١]

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢
٢۔ کتنے منہ اُس دن ذلیل ہونے والے ہیں

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣
٣۔ محنت کرنے والے تھکے ہوئے[٢]

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤
٤۔ گریں گے دہکتی ہوئی آگ میں

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝٥
٥۔ پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے ہوئے کا[٣]

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝٦
٦۔ نہیں اُنکے پاس کھانا مگر جھاڑ کانٹوں والا[٤]

لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝٧
٧۔ نہ موٹا کرے اور نہ کام آئے بھوک میں[٥]

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨
٨۔ کتنے منہ اُس دن ترو تازہ ہیں

لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝٩
٩۔ اپنی کمائی سے راضی[٦]

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠
١٠۔ اونچے باغ میں

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١
١١۔ نہیں سنتے اُس میں بکواس[٧]

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢
١٢۔ اُس میں ایک چشمہ ہے بہتا[٨]

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣
١٣۔ اُس میں تخت ہیں اونچے بچھے ہوئے

وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾	۱۴۔ اور آبخورے سامنے چنے ہوئے[۹]
وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾	۱۵۔ اور غالیچے برابر بچھے ہوئے[۱۰]
وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾	۱۶۔ اور مخمل کے نہالچے جگہ جگہ پھیلے ہوئے[۱۱]
اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾	۱۷۔ بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے ہیں[۱۲]
وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾	۱۸۔ اور آسمان پر کہ کیسا اُس کو بلند کیا ہے[۱۳]
وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾	۱۹۔ اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کر دیے ہیں[۱۴]
وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾	۲۰۔ اور زمین پر کہ کیسی صاف بچھائی ہے[۱۵]
فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾	۲۱۔ سو تو سمجھائے جا تیرا کام تو یہی سمجھانا ہے
لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾	۲۲۔ تو نہیں اُن پر داروغہ[۱۶]
اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿٢٣﴾	۲۳۔ مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہو گیا
فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾	۲۴۔ تو عذاب کرے گا اُس پر اللہ وہ بڑا عذاب
اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾	۲۵۔ بیشک ہمارے پاس ہے اُنکو پھر آنا
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾ ع ۲۶/۱۳	۲۶۔ پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے اُن سے حساب لینا[۱۷]

۱۔ قیامت کی بات: یعنی وہ بات سننے کے لائق ہے (تنبیہ) "غاشیہ" (چھپا لینے والی) سے مراد قیامت ہے جو تمام مخلوق پر چھا جائیگی اور جس کا اثر سارے عالم پر محیط ہو گا۔

۲۔ بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے: یعنی آخرت میں مصیبتیں جھیلنے والے اور مصیبت جھیلنے کی وجہ سے خستہ و درماندہ، اور بعض نے کہا کہ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ سے دنیا کا حال مراد ہے۔ یعنی کتنے لوگ ہیں جو دنیا میں محنتیں کرتے کرتے تھک جاتے ہیں مگر ان کی سب محنتیں طریق حق پر نہ ہونے کی وجہ سے سب اکارت ہیں یہاں بھی تکلیفیں اٹھائیں اور وہاں بھی مصیبت میں رہے خسر الدنیا والآخرۃ اسی کو کہتے ہیں۔ حضرت

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کافر (لوگ) جو دنیا میں (بڑی بڑی) ریاضت کرتے ہیں (اللہ کے ہاں) کچھ قبول نہیں ہوتی۔

۳۔ دوزخیوں کے لئے کھولتے چشمے کا پانی: یعنی جب دوزخ کی گرمی ان کے باطن میں سخت تشنگی پیدا کریگی، بے اختیار پیاس پیاس پکاریں گے کہ شاید پانی پینے سے یہ تشنگی دور ہو۔ اس وقت ایک گرم کھولتے ہوئے چشمہ کا پانی دیا جائیگا جس کے پیتے ہی ہونٹ کباب ہو جائیں گے، اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی۔ پھر فوراً درست کی جائیں گی، اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ العیاذ باللہ۔

۴۔ اہل دوزخ کا کھانا "ضریع": یعنی ضَرِیْع ایک خاردار درخت ہے دوزخ میں جو تلخی میں ایلوے سے زیادہ اور بدبو میں مردار سے بدتر اور گرمی میں آگ سے بڑھ کر ہے۔ جب دوزخی بھوک کے عذاب سے چلائیں گے تو یہ چیز کھانے کو دیجائیگی۔

۵۔ یہ کھانا بھوک نہیں مٹائیگا: یعنی کھانے سے مقصود یا محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے، یا بدن کو فربہ کرنا، یا بھوک کو دفع کرنا "ضریع" کے کھانے سے کوئی بات حاصل نہ ہو گی۔ لذت و مزہ کی نفی تو اس کے نام سے ظاہر ہے، باقی دو فائدے ان کی نفی اس آیت میں تصریحاً کر دی۔ غرض کوئی لذیذ و مرغوب کھانا ان کو میسر نہ ہو گا۔ یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا۔ آگے ان کے بالمقابل جنتیوں کا ذکر ہے۔

۶۔ یعنی خوش ہوں گے کہ اپنی کوشش ٹھکانے لگی اور محنت کا پھل بہت خوب ملا۔

۷۔ جنت میں کوئی لغو بات نہیں ہو گی: یعنی کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے چہ جائیکہ گالی گفتار اور ذلت کی بات ہو۔

۸۔ جنت کے چشمے: یعنی ایک عجیب طرح کا چشمہ اور بعض نے اس کو جنس پر حمل کیا ہے یعنی بہت سے چشمے بہہ رہے ہیں۔

۹۔ اونچے تختوں پر گلاس چنے ہوئے: کہ جب پینے کو جی چاہے دیر نہ لگے۔

۱۰۔ جنت کے قالین: یعنی نہایت قرینے اور ترتیب سے بچھے ہوئے اور گاؤ تکیے لگے ہوئے۔

۱۱۔ مخملی فرش: تاکہ جس وقت جہاں چاہیں آرام کریں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی کلفت نہ اٹھائیں۔

۱۲۔ اونٹ کی تخلیق پر غور کرو: کہ ہیأۃ اور خاصیت دونوں اور جانوروں کی نسبت اس میں عجیب ہیں جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں دیکھنے کے قابل ہے۔

۱۳۔ بدون ظاہری ستون اور کھمبے کے۔

۱۴۔ کہ ذرا اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے۔

۱۵۔ زمین کی سطح: کہ اپنی کلانی کے سبب باوجود کروی الشکل ہونے کے مسطح معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اس پر رہنا سہنا آسان ہو گیا۔ یہ سب دلائل قدرت بیان ہوئے۔ یعنی تعجب ہے ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے جس سے بعث بعد الموت پر اس کا قادر ہونا اور عالم آخرت کے عجیب و غریب انتظامات کا ممکن ہونا سمجھ میں آجاتا اور تخصیص ان چیزوں کی بقول ابن کثیرؒ اس لئے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے تھے۔ اس وقت ان کے سامنے بیشتر یہی چار چیزیں ہوتی تھیں۔ سواری میں اونٹ اوپر آسمان نیچے زمین، ارد گرد پہاڑ، اس لئے انہی علامات میں غور کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔

۱۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر داروغہ نہیں: یعنی جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل واضحہ غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے۔ کیونکہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ نہیں سمجھتے تو کوئی آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کئے گئے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں، اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں، یہ کام مقلب القلوب ہی کا ہے۔

۱۷۔ منکرین کا حساب ہمارے ذمّے ہے: یعنی جس نے اللہ کی طاعت سے روگردانی کی اور اس کی آیتوں کا انکار کیا، وہ آخرت کے بڑے عذاب اور اللہ کی سخت ترین سزا سے بچ نہیں سکتا۔ یقیناً ان کو ایک روز ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور ہم کو ان سے رتی رتی کا حساب لینا ہے۔ غرض آپ اپنا فرض ادا کیے جائیے اور ان کا مستقبل ہمارے سپرد کیجئے۔

تم سورۃ الغاشیۃ

آیاتها ۳۰ ۸۹ سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَ الْفَجْرِ ۝۱	۱۔ قسم ہے فجر کی
وَ لَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲	۲۔ اور دس راتوں کی
وَّ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ ۝۳	۳۔ اور جفت اور طاق کی
وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴	۴۔ اور اس رات کی جب رات کو چلے[۱]
هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵	۵۔ ہے اُن چیزوں کی قسم پوری عقلمندوں کے واسطے[۲]
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶	۶۔ تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ
اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷	۷۔ وہ جو ارم میں تھے[۳] بڑے ستونوں والے[۴]
الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝۸	۸۔ کہ بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں[۵]
وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹	۹۔ اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں[۶]
وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝۱۰	۱۰۔ اور فرعون کے ساتھ وہ میخوں والا[۷]
الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱	۱۱۔ یہ سب تھے جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں
فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲	۱۲۔ پھر بہت ڈالی اُن میں خرابی
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳	۱۳۔ پھر پھینکا اُن پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا[۸]

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ﴿١٤﴾

١٤۔ بیشک تیرا رب لگا ہے گھات میں[٩]

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَ
نَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ﴿١٥﴾

١٥۔ سو آدمی جو ہے جب جانچے اُسکو رب اُس کا پھر اُس کو عزت دے اور اُسکو نعمت دے تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی[١٠]

وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ
فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾

١٦۔ اور وہ جس وقت اُسکو جانچے پھر کھینچ کرے اُس پر روزی کی تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا[١١]

كَلَّا بَلۡ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ﴿١٧﴾

١٧۔ کوئی نہیں پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو[١٢]

وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ﴿١٨﴾

١٨۔ اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی[١٣]

وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾

١٩۔ اور کھا جاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا[١٤]

وَّ تُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

٢٠۔ اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر[١٥]

كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾

٢١۔ کوئی نہیں جب پست کر دی جائے زمین کوٹ کوٹ کر[١٦]

وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

٢٢۔ اور آئے تیرا رب[١٧] اور فرشتے آئیں قطار قطار[١٨]

وَ جِایْٓءَ يَوۡمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوۡمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ
الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكۡرٰى ﴿٢٣﴾

٢٣۔ اور لائی جائے اُس دن دوزخ[١٩] اُس دن سوچے گا آدمی اور کہاں ملے اُسکو سوچنا[٢٠]

يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ قَدَّمۡتُ لِحَيَاتِىۡ ﴿٢٤﴾

٢٤۔ کہے کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیجتا اپنی زندگی میں[٢١]

فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ پھر اُس دن عذاب نہ دے اُس کا سا کوئی

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾	۲۶۔ اور نہ باندھ کر رکھے اُس کا سا باندھنا کوئی [۲۲]
يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا
ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾	۲۸۔ پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ پھر شامل ہو میرے بندوں میں
وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اور داخل ہو میری بہشت میں [۲۳]

۱۔ ایّام اور اوقات کی قسمیں: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "عید قرباں کی فجر بڑا حج ادا ہوتا ہے اور دس رات اُس سے پہلے۔ اور جفت اور طاق رمضان کی آخری (عشرہ) دہائی میں ہے۔ اور جب رات کو چلے یعنی پیغمبر معراج کو"۔ یہ سب اوقات متبرک تھے اس لئے ان کی قسم کھائی۔ (تنبیہ) وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ کے معنی عموماً مفسرین نے "رات کے گزرنے" یا "اس کی تاریکی پھیلنے" کے لئے ہیں۔ گویا صبح کی قسم کے مقابلے میں رات کے جانے یا آنے کی قسم کھائی۔ جیسا کہ جفت کے مقابل طاق کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور لَيَالٍ عَشْرٍ سے بھی ممکن ہے مطلق دس راتیں مراد ہوں کیونکہ اس کے افراد و مصادیق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے۔ مہینہ کے شروع کی دس راتیں اوّل روشن ہوتی ہیں پھر تاریک اور اخیر کی دس راتیں ابتداء میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہوتی ہیں اور درمیانی دس راتوں کا حال ان دونوں سے جداگانہ ہے۔ گویا اس اختلاف و تقابل سے اشارہ فرمادیا کہ آدمی کو عیش و آرام یا مصیبت اور تنگی یا فراخی کی جو حالت پیش آئے مطمئن نہ ہو جائے اور یوں نہ سمجھے کہ اب اس کے خلاف دوسری حالت پیش نہ آئیگی اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ خالق اضداد ہے جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے۔ ایسے ہی تمہارے حالات و کوائف کو بھی اپنی حکمت و مصلحت کے موافق ادل بدل کرتا رہتا ہے چنانچہ آگے جو واقعات و مضامین مذکور ہیں ان میں اسی اصول پر متنبہ فرمایا ہے۔ (تنبیہ دوم) اس آیت کی تفسیر میں دو حدیثیں مرفوع آئی ہیں جابرؓ کی اور عمران بن حصینؓ کی، حافظ ابن کثیرؒ پہلی کی نسبت لکھتے ہیں وھٰذا اسنادٌ رجاله لاباس بهم وعندی ان المتن فی رفعه نکارۃ اور دوسری کی نسبت فرماتے ہیں وعندی ان وقفه علی عمران بن حصین اشبه واللہ اعلم۔

۲۔ یہ قسمیں اہل عقل کے لئے ہیں: یعنی یہ قسمیں معمولی نہیں، نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں اور عقلمند لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ تاکید کلام کے لئے ان میں ایک خاص عظمت و وقعت پائی جاتی ہے۔

۳۔ عاد اور اِرم: "عاد" ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف یہ قوم منسوب ہوئی، ان کے اجداد میں سے ایک شخص "ارم" نامی تھا۔ اس کی طرف نسبت کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ یہاں "عاد" سے "عاد اولیٰ" مراد ہے۔ "عاد ثانیہ" نہیں، اور بعض نے کہا کہ "قوم عاد" میں جو شاہی خاندان تھا اس "ارم" کہتے تھے۔ واللہ اعلم۔

۴۔ اونچے ستونوں والے: یعنی ستون کھڑے کر کے بڑی بڑی اونچی عمارتیں بناتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانتے تھے اور بعض کے نزدیک ذَاتِ الْعِمَادِ کہہ کر ان کے اونچے قد و قامت اور ڈیل ڈول کو ستونوں سے تشبیہ دی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۔ یعنی اس وقت دنیا میں اس قوم جیسی کوئی مضبوط و طاقتور نہ تھی، یا ان کی عمارتیں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔

۶۔ وادئ القریٰ: " وادئ القریٰ" ان کے مقام کا نام ہے جہاں پہاڑ کے پتھروں کو تراش کر نہایت محفوظ و مضبوط مکان بناتے تھے۔

۷۔ یعنی بڑے لاؤلشکر والا جس کو فوجی ضروریات کے لئے بہت کثیر مقدار میں میخیں رکھنا پڑتی تھیں یا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کو چومیخا کر کے سزا دیتا تھا۔

۸۔ ان سب نے فساد برپا کیا اور ہلاک ہوئے: یعنی ان قوموں نے عیش و دولت اور زور و قوت کے نشے میں مست ہو کر مُلکوں میں خوب اودھم مچایا۔ بڑی بڑی شرارتیں کیں، اور ایسا سر اٹھایا، گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں؟ ہمیشہ اسی حال میں رہنا ہے! کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا؟ آخر جب انکے کفر و تکبر اور جور و ستم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مہلت و درگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ دفعۃً خداوند قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ ان کی سب قوت اور بڑائی خاک میں مل گئی، اور وہ ساز و سامان کچھ کام نہ آیا۔

۹۔ اللہ ان کی گھات میں ہے: یعنی جیسے کوئی شخص گھات میں پوشیدہ رہ کر آنے جانے والوں کی خبر رکھتا ہے کہ فلاں کیونکر گزرا اور کیا کرتا ہوا گیا، اور فلاں کیا لایا اور کیا لے گیا، پھر وقت آنے پر ان معلومات کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر سب بندوں کے ذرہ ذرہ احوال و اعمال دیکھتا ہے، کوئی حرکت و سکون اس سے مخفی نہیں، ہاں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، غافل بندے سمجھتے ہیں کہ بس کوئی دیکھنے اور پوچھنے والا نہیں۔ جو چاہو بے دھڑک کیے جاؤ۔ حالانکہ وقت آنے پر ان کا سارا کچا چٹھا کھول دیتا ہے اور ہر ایک سے انہی اعمال کے موافق معاملہ کرتا ہے جو شروع سے اس کے زیر نظر تھے اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی اور بندوں کا امتحان تھا کہ دیکھیں کن حالات میں کیا کچھ کرتے ہیں اور ایک عارضی حالت پر نظر کر کے آخری انجام کو تو نہیں بھولتے۔

۱۰۔ نعمت کے وقت انسان کی خود پسندی: یعنی میں اسی لائق تھا اس لئے عزت دی۔

۱۱۔ تنگی کے وقت شکوہ: یعنی میری قدر نہ کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی زندگی اور حالت حاضرہ پر ہے۔ بس دنیا کی موجودہ راحت و تکلیف ہی کو عزت و ذلت کا معیار سمجھتا ہے۔ نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہے۔ نعمت دے کر اس کی شکر گزاری اور سختی بھیج کر اس کے صبر و رضا کو جانچا جا رہا ہے۔ نہ یہاں کا عارضی عیش و آرام اللہ کے ہاں مقبول و معزز ہونے کی دلیل ہے۔ نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ مگر انسان اپنے افعال و اعمال پر نظر نہیں کرتا۔ اپنی بے عقلی یا بے حیائی سے رب پر الزام رکھتا ہے۔

۱۲۔ یتیموں کی عزّت نہ کرنے کا انجام: یعنی خدا کے ہاں تمہاری عزت کیوں ہو، جب تم بے کس یتیموں کی عزت اور خاطر مدارات نہیں کرتے۔

۱۳۔ یعنی خود اپنے مال سے مسکینوں کی خبر گیری کرنا تو کجا، دوسروں کو بھی اس طرف نہیں ابھارتے کہ بھوکے محتاجوں کی خبر لے لیا کریں۔

۱۴۔ میراث لینے میں بے فکری: یعنی مردے کی میراث لینے میں حلال حرام اور حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں، جو قابو چڑھا ہضم کیا یتیموں اور مسکینوں کے حقوق تلف ہوں، ہونے دو۔

۱۵۔ تمہارے دل حبِ مال سے پُر ہیں: یعنی جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل مال کی حرص اور محبت سے بھرا ہوا ہے۔ بس کسی طرح مال ہاتھ آئے اور ایک پیسہ کسی نیک کام میں ہاتھ سے نہ نکلے خواہ آگے چل کر نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مال کی اس قدر محبت اور پرستش کہ آدمی اسی کو کعبہ مقصود ٹھہرا لے، صرف کافر کا شیوہ ہو سکتا ہے۔

۱۶۔ یعنی سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیے جائیں اور زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے۔

۱۷۔ ڈرو جب زمین کوٹی جائے گی: یعنی اپنی قہری تجلّی کے ساتھ جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

۱۸۔ یعنی میدان محشر میں آئیں گے وہاں انتظامات کے لئے۔

۱۹۔ یعنی لاکھوں فرشتے اُس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لائیں گے۔

۲۰۔ اس وقت انسان پچھتائے گا: یعنی اس وقت سمجھے گا کہ میں سخت غلطی اور غفلت میں تھا۔ مگر اس وقت کا سمجھنا کس کام کا سوچنے سمجھنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ دار العمل میں جو کام کرنا چاہیے تھا وہ دار الجزاء میں نہیں ہو سکتا۔

۲۱۔ اس وقت انسان کی حسرت کا حال: یعنی افسوس دنیا کی زندگی میں کچھ نیکی کر کے آگے نہ بھیجی۔ جو آج اس زندگی میں کام آتی۔ یونہی خالی ہاتھ چلا آیا۔ کاش حسنات کا کوئی ذخیرہ آگے روانہ کر دیتا۔ جو یہاں کے لئے توشہ بنتا۔

۲۲۔ مجرموں کو اللہ کا خاص عذاب: یعنی اللہ تعالیٰ اس دن مجرموں کو ایسی سخت سزا دیگا اور ایسی سخت قید میں رکھے گا کہ کسی دوسرے کی طرف سے اس طرح کی سختی کسی مجرم کے حق میں متصور نہیں۔ اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ لکھتے ہیں کہ "اس روز نہ مارے گا اس کا سا مارنا کوئی۔ نہ آگ نہ دوزخ کے مؤکل نہ سانپ بچھو، جو دوزخ میں ہونگے، کیونکہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے، اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہو گا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دیگا جو عذاب روحانی ہے۔ اور ظاہر ہے عذاب روحانی کو عذاب جسمانی سے کیا نسبت، نیز نہ باندھے گا اس کا سا باندھنا کوئی۔ کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈالیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اوپر سے سرپوش رکھ دیں گے، لیکن ان کی عقل اور خیال کو بند نہ کر سکیں گے اور عقل و خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں دوسری باتوں کے لئے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اس شخص کے کہ اللہ تعالیٰ عقل و خیال کو ادھر ادھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ درد ہی کی طرف متوجہ رکھے۔ تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجے سخت ہے۔ اسی لئے مجنوں سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت تنگی اور گھبراہٹ وہم و خیال کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔

۲۳۔ نفسِ مطمئنہ کو رضائے حق کی طرف دعوت: یعنی پہلے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا تھا، اب اس کے مقابل ان لوگوں کا انجام بتلاتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر اور اس کی طاعت سے چین اور آرام ملتا ہے ان سے محشر میں کہا جائیگا کہ اے نفس آرمیدہ بحق! جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہوئے تھا، اب ہر قسم کے جھگڑوں اور خرخشوں سے یکسو ہو کر راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اس کی عالیشان جنت میں قیام کر۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔ بلکہ عارفین کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارات کا کافی الجملہ حظ اٹھاتے ہیں۔ اللّٰھم انی اسالك نفسًا بك مطمئنةً تومن بلقائك وترضٰی بقضائك و تقنع بعطائك (تنبیہ) نفس مطمئنہ، نفس امّارہ اور نفس لوّامہ کی تحقیق سورۃ "قیامہ" کے شروع میں دیکھ لی جائے۔

تم سورۃ الفجر

٩٠ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ٣٥

اٰیاتھا ٢٠ رکوعھا ١

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾	١۔ قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی[١]
وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾	٢۔ اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں[٢]
وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾	٣۔ اور قسم ہے جنتے کی اور جو اس نے جنا[٣]
لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾	٤۔ تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں[٤]
اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾	٥۔ کیا خیال رکھتا ہے وہ کہ اُس پر بس نہ چلے گا کسی کا[٥]
یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾	٦۔ کہتا ہے میں نے خرچ کر ڈالا مال ڈھیروں[٦]
اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾	٧۔ کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اسکو کسی نے[٧]
اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾	٨۔ بھلا ہم نے نہیں دیں اُسکو دو آنکھیں[٨]
وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾	٩۔ اور زبان اور دو ہونٹ[٩]
وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ﴿ۚ۱۰﴾	١٠۔ اور دکھلا دیں اُسکو دو گھاٹیاں[١٠]
فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَۃَ ﴿۫ۖ۱۱﴾	١١۔ سو نہ دھمک سکا گھاٹی پر[١١]
وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡعَقَبَۃُ ﴿ؕ۱۲﴾	١٢۔ اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھاٹی
فَکُّ رَقَبَۃٍ ﴿ۙ۱۳﴾	١٣۔ چھڑانا گردن کا[١٢]

اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍ ﴿ۙ۱۴﴾
۱۴۔ یا کھلانا بھوک کے دن میں[۱۳]

یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ ﴿ۙ۱۵﴾
۱۵۔ یتیم کو جو قرابت والا ہے[۱۴]

اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ ﴿ؕ۱۶﴾
۱۶۔ یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہے[۱۵]

ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ ﴿ؕ۱۷﴾
۱۷۔ پھر ہووے ایمان والوں میں[۱۶] جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی[۱۷]

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ﴿ؕ۱۸﴾
۱۸۔ وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے[۱۸]

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ﴿ؕ۱۹﴾
۱۹۔ اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے وہ ہیں کمبختی والے[۱۹]

عَلَیۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَۃٌ ﴿٪۲۰﴾ ۱ ع ۲۰ ۱۵
۲۰۔ اُنہی کو آگ میں موند دیا ہے[۲۰]

۱۔ شہر مکّہ کی قسم: یعنی مکّہ معظمہ کی۔

۲۔ حرم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی رعایت: یعنی مکہ میں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے مگر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے لئے فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی تھی جو کوئی آپ سے لڑا اس کو مارا۔ اور بعض سنگین مجرموں کو خاص کعبہ کی دیوار کے پاس قتل کیا گیا پھر اس دن کے بعد سے وہی ممانعت قیامت تک کے لئے قائم ہو گئی۔ چونکہ اس آیت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدائد اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان اسی شہر مکہ میں دشمنوں کی طرف سے زہرہ گداز سختیاں جھیل رہا تھا۔ اس لئے درمیان میں بطور جملہ معرضہ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ فرما کر تسلی کر دی کہ اگرچہ آج آپ کا احترام اس شہر کے جاہلوں میں نہیں ہے۔ لیکن ایک وقت آیا چاہتا ہے جب آپ کا اسی شہر میں فاتحانہ داخلہ ہو گا۔ اور اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر و تقدیس کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی بھی آپ کو اجازت ہو گی، یہ پیشین گوئی ۸ھ میں خدا کے فضل سے پوری ہوئی (تنبیہ) بعض نے وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ کے معنی وانت نازل کے لئے ہیں۔ یعنی میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں بحالیکہ آپ اس شہر میں پیدا کیے گئے اور قیام پذیر ہوئے۔

۳۔ یعنی آدم اور بنی آدم۔ وقیل غیر ذٰلک۔

۴۔ آدمی کو محنت میں پیدا کیا گیا: یعنی آدمی ابتداء سے انتہا تک مشقت اور رنج میں گرفتار ہے اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتا رہتا ہے کبھی مرض میں مبتلا ہے کبھی رنج میں کبھی فکر میں شاید عمر بھر میں کوئی لمحہ ایسا آتا ہو جب کوئی انسان تمام قسم کے خرخشوں اور محنت و تکلیف سے آزاد ہو کر بالکل بے فکری کی زندگی بسر کرے۔ حقیقت میں انسان کی پیدائشی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان سختیوں اور بکھیڑوں سے نجات نہیں پا سکتا۔ آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ خود اس کی واضح دلیل ہے۔ اور مکہ جیسے سنگلاخ ملک کی زندگی خصوصاً اُس وقت جبکہ وہاں فضل

الخلائق محمد رسول ﷺ سخت ترین جور وجفا اور ظلم و ستم کے ہدف بنے ہوئے تھے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ کی نمایاں شہادت ہے۔

۵۔ کیا انسان پر کسی کا قابو نہیں ہے: یعنی انسان جن سختیوں اور محنت و مشقت کی راہوں سے گزرتا ہے اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ اس میں عجز و درماندگی پیدا ہوتی اور اپنے کو بستہ حکم و قضا سمجھ کر مطیع امر و تابع رضا ہوتا اور ہر وقت اپنی احتیاج و افتقار کو پیش نظر رکھتا۔ لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہے۔ تو کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی نہیں جو اس پر قابو پاسکے اور اس کی سرکشی کی سزا دے سکے۔

۶۔ کفّار کا مال خرچ کرنا: یعنی رسول کی عداوت، اسلام کی مخالفت، اور معصیت کے مواقع میں یونہی بے تکے پن سے مال خرچ کرنے کو ہنر سمجھتا ہے پھر اسے بڑھا چڑھا کر فخر سے کہتا ہے کہ میں اتنا کثیر مال خرچ کر چکا ہوں۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی میرے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن آگے چل کر پتہ لگے گا کہ یہ سب خرچ کیا ہوا مال یونہی برباد گیا۔ بلکہ الٹا وبال جان ہوا۔

۷۔ یعنی اللہ سب دیکھ رہا ہے۔ جتنا مال جس جگہ جس نیت سے خرچ کیا ہے۔ جھوٹی شیخی بگھارنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

۸۔ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں: یعنی جس نے دیکھنے کو آنکھیں دیں، کیا وہ خود دیکھتا نہ ہوگا؟ یقیناً جو سب کو بینائی دے وہ سب سے بڑھ کر بینا ہونا چاہیئے۔

۹۔ کیا زبان اور ہونٹ نہیں بنائے: جن سے بات کرنے اور کھانے پینے میں مدد لیتا ہے۔

۱۰۔ اچھی اور بری دونوں راہیں بتا دیں: یعنی خیر اور شر دونوں کی راہیں بتلا دیں۔ تاکہ برے راستہ سے بچے اور اچھے راستہ پر چلے اور یہ بتلانا اجمالی طور پر عقل و فطرت سے ہوا اور تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبان سے (تنبیہ) بعض نے "نجدین" سے مراد عورت کے پستان لئے ہیں۔ یعنی بچے کو دودھ پینے اور غذا حاصل کرنے کا راستہ بتلا دیا۔

۱۱۔ دین کی گھاٹی: یعنی اس قدر انعامات کی بارش اور اسباب ہدایت کی موجودگی میں بھی اسے توفیق نہ ہوئی کہ دین کی گھاٹی پر آ دھمکتا اور مکارم اخلاق کے راستوں کو طے کرتا ہوا فوز و فلاح کے بلند مقامات پر پہنچ جاتا (تنبیہ) دین کے کاموں کو گھاٹی اس لئے کہا کہ مخالفت ہوا کی وجہ سے ان کا انجام دینا نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے۔

۱۲۔ یعنی غلام آزاد کرنا۔ یا قرضدار کی گردن قرض سے چھڑوانا۔

۱۳۔ بھوک کے دن میں کھانا کھلانا: یعنی قحط کے دنوں میں بھوکوں کی خبر لینا۔

۱۴۔ یتیم کی خدمت کرنا ثواب اور قرابتداروں کے ساتھ سلوک کرنا بھی ثواب، جہاں دونوں جمع ہو جائیں تو دہرا ثواب ہوگا۔

۱۵۔ یعنی فقر و فاقہ اور تنگدستی سے خاک میں مل رہا ہو، یہ مواقع ہیں مال خرچ کرنے کے نہ یہ کہ شادی غمی کی فضول رسموں اور خدا کی نافرمانیوں میں روپیہ برباد کر کے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا وبال سر لیا جائے۔

۱۶۔ یعنی پھر ان سب اعمال کے مقبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے۔ اگر یہ چیز نہیں تو سب کیا کرایا اکارت ہے۔

۱۷۔ رحم اور صبر کی ایک دوسرے کو تاکید: یعنی ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ حقوق و فرائض کے ادا کرنے میں ہر قسم کی سختیوں کا تحمل کرو اور خدا کی مخلوق پر رحم کھاؤ، تا آسمان والا تم پر رحم کھائے۔

۱۸۔ اصحاب المیمنۃ: یعنی یہ لوگ بڑے خوش نصیب اور میمون و مبارک ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور ان کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا۔

۱۹۔ اصحاب المشئمۃ: یعنی بد نصیب، منحوس، شامت زدہ جن کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اور عرش کے بائیں طرف کھڑے کیے جائیں گے۔

۲۰۔ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے: یعنی دوزخ میں ڈال کر سب دروازے نکلنے کے بند کر دیے جائیں گے۔ اعاذنا اللہ منہا۔ تم سورۃ البلد

آیاتها ۱۵ — ۹۱ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱
۱۔ قسم سورج اور اُسکے دھوپ چڑھنے کی

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲
۲۔ اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے [۱]

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳
۳۔ اور دن کی جب اُسکو روشن کر لے [۲]

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴
۴۔ اور رات کی جب اسکو ڈھانک لیوے [۳]

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵
۵۔ اور آسمان کی اور جیسا کہ اُسکو بنایا [۴]

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶
۶۔ اور زمین کی اور جیسا کہ اُسکو پھیلایا [۵]

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷
۷۔ اور جی کی اور جیسا کہ اُسکو ٹھیک بنایا [۶]

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸
۸۔ پھر سمجھ دی اُسکو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی [۷]

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝۹
۹۔ تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اُسکو سنوار لیا [۸]

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۰
۱۰۔ اور نامراد ہوا جس نے اُسکو خاک میں ملا چھوڑا [۹]

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ ۝۱۱
۱۱۔ جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے [۱۰]

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا ۝۱۲
۱۲۔ جب اٹھ کھڑا ہوا اُن میں کا بڑا بدبخت [۱۱]

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝۱۳
۱۳۔ پھر کہاں اُنکو اللہ کے رسول نے خبردار ہو اللہ کی اونٹنی سے اور اُسکی پانی پینے کی باری سے [۱۲]

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۠ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۠ۙ﴿۱۴﴾
وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع

۱۴۔ پھر انہوں نے اُسکو جھٹلایا پھر پاؤں کاٹ ڈالے اُسکے پھر الٹ مارا اُن پر اُنکے رب نے بسبب اُنکے گناہوں کے پھر برابر کر دیا سب کو[۱۳]

۱۵۔ اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے[۱۴]

۱۔ مخلوقات کی قسمیں: یعنی سورج غروب ہونے کے بعد جب اس کی چاندنی پھیلے۔

۲۔ مخلوقات کی قسمیں: یعنی جب دن میں سورج پوری روشنی اور صفائی کے ساتھ جلوہ گر ہو۔

۳۔ یعنی جب رات کی تاریکی خوب چھاجائے اور سورج کی روشنی کا کچھ نشان دکھائی نہ دے۔

۴۔ یعنی جس شان وعظمت کا اس کو بنایا۔ اور بعض کے نزدیک مَابَنٰهَا سے مراد اس کا بنانے والا ہے۔

۵۔ یعنی جس حکمت سے اس کو پھیلا کر مخلوق کی بود وباش کے قابل کیا۔ یہاں بھی بعض نے مَاطَحٰهَا سے اس کا پھیلانے والا مراد لیا ہے۔

۶۔ کہ اعتدال مزاج کا اور حواس ظاہری وباطنی اور قوائے طبیعیہ حیوانیہ اور نفسانیہ سب اس کو دیے اور نیکی بدی کے راستوں پر چلنے کی استعداد رکھی۔

۷۔ آدمی کو فجور اور تقویٰ کی سمجھ دی گئی ہے: یعنی اوّل تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے بھلائی برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی۔ پھر تفصیلی طور پر انبیاء ورسل کی زبانی خوب کھول کھول کر بتلادیا کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ پرہیز گاری کا ہے۔ اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو، ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ گو القاء اوّل میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے۔ اور ثانی میں شیطان پھر وہ رجحان ومیلان کبھی بندہ کے قصد اختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہے اسی کسب خیر وشر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسبیب قائم ہے۔ وہذہ المسئلۃ من معضلات المسائل۔ وتفصیلہا یطلب من مظانہا۔ ونرید ان نفرد لہا جزءً ان ساعدنا التوفیق واللہ الموٴفق والمعین۔

۸۔ تزکیہ نفس ہی کامیابی ہے: یعنی نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیّہ کو عقل کے تابع کریں اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابعدار بنائے تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منوّر ہوجائیں۔

۹۔ نفس کی اطاعت نامرادی: یعنی خاک میں ملا چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ یکسر شہوت وغضب کے ہاتھ میں دیدے۔ عقل و شرع سے کچھ سروکار نہ رکھے۔ گویا خواہش اور ہویٰ کا بندہ بن جائے۔ ایسا آدمی جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہے (تنبیہ) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا جواب قسم ہے اور اس کو مناسبت قسموں سے یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی دن کا اجالا اور رات کا اندھیرا، آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا اور نفس انسانی میں خیر وشر کی متقابل قوتیں رکھیں اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔ اسی طرح متضاد ومختلف اعمال پر مختلف ثمرات ونتائج مرتب کرنا بھی اسی حکیم مطلق کا کام ہے خیر وشر اور ان دونوں کے مختلف آثار ونتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں ومناسب ہے جیسے اندھیرے اور اجالے کا وجود۔

۱۰۔ جیسے ثمود نے جھٹلایا: یعنی حضرت صالحؑ کو جھٹلایا۔ یہ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا کی ایک مثال عبرت کے لئے بیان فرمادی سورۃ اعراف وغیرہ میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے۔

۱۱۔ یہ بدبخت قذار بن سالف تھا۔

۱۲۔ حضرت صالح علیہ السلام کی تنبیہ: "یعنی خبردار اس کو قتل نہ کرنا اور نہ اس کا پانی بند کرنا۔ پانی کا ذکر اس لئے فرمایا کہ بظاہر اسی سبب سے وہ اس کے قتل پر آمادہ ہوئے تھے۔ اور "اللہ کی اونٹنی" اس اعتبار سے کہا کہ اللہ نے اس کو حضرت صالحؑ کی نبوّت کا ایک نشان بنایا تھا۔ اور اس کا احترام واجب کیا تھا۔ یہ قصہ پہلے اعراف وغیرہ میں گزر چکا۔"

۱۳۔ اُونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے: حضرت صالحؑ نے فرمایا تھا وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اعراف۔۷۳) (اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ سخت دردناک عذاب میں پھنس جاؤ گے) ان لوگوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا، پیغمبر کی تکذیب کی اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ آخر وہی ہوا جو حضرت صالحؑ نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو مٹا کر برابر کر دیا۔

۱۴۔ پھر اللہ نے ان کو الٹ مارا: یعنی جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کی سزا دہی کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے یا انتظام ملکی میں خلل نہ پڑے اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ ایسی کونسی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کے لئے اس کا پیچھا کریگی؟ العیاذ باللہ۔

تم سورۃ الشمس

اٰیاتها ٢١ ٩٢ سُوْرَةُ الَّیْلِ مَکِّیَّةٌ ٩ رکوعها ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾

١۔ قسم رات کی جب چھا جائے

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾

٢۔ اور دن کی جب روشن ہو

وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾

٣۔ اور اُسکی جو اُس نے پیدا کئے نر اور مادہ

اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾

٤۔ تمہاری کمائی طرح طرح پر ہے [١]

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۙ﴿۵﴾

٥۔ سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا

وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾

٦۔ اور سچ جانا بھلی بات کو

فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿۷﴾

٧۔ تو اُسکو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں [٢]

وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۸﴾

٨۔ اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا

وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۹﴾

٩۔ اور جھوٹ جانا بھلی بات کو

فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰی ؕ﴿۱۰﴾

١٠۔ سو اُسکو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں [٣]

وَمَا یُغۡنِیۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ؕ﴿۱۱﴾

١١۔ اور کام نہ آئے گا اُسکے مال اُس کا جب گڑھے میں گرے گا [٤]

اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡهُدٰی ۫ۖ﴿۱۲﴾

١٢۔ ہمارا ذمہ ہے راہ سجھا دینا

وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَةَ وَالۡاُوۡلٰی ﴿۱۳﴾

١٣۔ اور ہمارے ہاتھ میں ہے آخرت اور دنیا [٥]

فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾

۱۴۔ سو میں نے سنادی تم کو خبر ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی[۶]

لَا يَصۡلٰٮهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَى ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اُس میں وہی گرے گا جو بڑا بدبخت ہے

الَّذِىۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾

۱۶۔ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا[۷]

وَسَيُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَى ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور بچادیں گے اُس سے بڑے ڈرنے والے کو[۸]

الَّذِىۡ يُؤۡتِىۡ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾

۱۸۔ جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو[۹]

وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓى ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا بدلا دے

اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰى ﴿۲۰﴾

۲۰۔ مگر واسطے چاہنے مرضی اپنے رب کی جو سب سے برتر ہے

وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى ﴿۲۱﴾ ع ۲۱ ۱۷

۲۱۔ اور آگے وہ راضی ہو گا[۱۰]

۱۔ دن رات اور نر اور مادہ کی قسم: یعنی جس طرح دنیا میں رات اور دن، نر اور مادہ، مختلف و متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں، تمہارے اعمال اور کوششیں بھی مختلف و متضاد ہیں۔ پھر ان مختلف اعمال و مساعی پر ظاہر ہے ثمرات و نتائج بھی مختلف ہی مرتب ہوں گے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

۲۔ متّقی اور نیکوکار کے لئے آسانی: یعنی جو شخص نیک راستہ میں مال خرچ کرتا اور دل میں خدا سے ڈرتا ہے اور اسلام کی بھلی باتوں کو سچ جانتا اور بشارات ربّانی کو صحیح سمجھتا ہے، اس کے لئے ہم اپنی عادت کے موافق نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچادیں گے جس کا نام جنت ہے۔

۳۔ اچھائی کو جھٹلانے والے کا انجام: یعنی جس نے خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا، اس کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروانہ کی اور اسلام کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانا، اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائیگا۔ نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائے گی اور آخر کار آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی انتہائی سختی میں پہنچ جائیگا۔ یہی اللہ کی عادت ہے کہ سعداء جب نیک عمل اختیار کرتے ہیں اور اشقیاء جب بد عمل کی طرف چلتے ہیں تو دونوں کے لئے وہی راستہ آسان کر دیا جاتا ہے جو انہوں نے تقدیر الٰہی کے موافق اپنے ارادہ اور اختیار سے پسند کر لیا ہے كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا (بنی اسرائیل۔۲۰)۔

۴۔ مال اس کو تباہی سے نہ بچاسکے گا: یعنی جس مال و دولت پر گھمنڈ کر کے یہ آخرت کی طرف سے بے پرواہو رہا تھا، وہ ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچاسکے گا۔

۵۔ دنیا اور آخرت ہمارے ہاتھ میں ہے: یعنی ہماری حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ کسی آدمی کو زبردستی نیک یا بد بننے پر مجبور کر دیں ہاں یہ ہم نے

اپنے ذمّہ لیا ہے کہ سب کو نیکی بدی کی راہ سمجھا دیں۔ اور بھلائی برائی کو خوب کھول کر بیان کر دیں۔ پھر جو شخص جو راہ اختیار کر لے دنیا اور آخرت میں اسی کے موافق اس سے برتاؤ کریں گے۔

۶۔ بھڑکتی ہوئی آگ کی خبر: اس ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے شاید دوزخ کا وہ طبقہ مراد ہو گا جو بڑے بھاری مجرموں اور بدبختوں کے لئے مخصوص ہے۔

۷۔ یعنی ہمیشہ کے لئے وہی گرے گا کہ پھر کبھی نکلنا نصیب نہ ہو گا۔ کما تدل علیہ النصوص۔

۸۔ اتقیٰ اس آگ سے بچا لیا جائیگا: یعنی ایسے لوگوں کو اس کی ہوا تک بھی نہیں لگے گی۔ صاف بچا دیے جائیں گے۔

۹۔ اتقیٰ کون ہے: یعنی نفس کو رذیلہ بخل و طمع وغیرہ سے پاک کرنا مقصود ہے۔ کسی طرح کا ریاء اور نمود و نمائش یا دنیوی اغراض پیش نظر نہیں۔

۱۰۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت و برتری: یعنی خرچ کرنے سے کسی مخلوق کے احسان کا بدلہ اتارنا مقصود نہیں۔ بلکہ خالص رضاء مولیٰ کی طلب اور دیدار الٰہی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا ہے۔ تو وہ اطمینان رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائیگا اور اس کی یہ تمنا ضرور پوری ہو کر رہیگی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (توبہ۔۱۲۰)۔ (تنبیہ) اگرچہ مضمون آیات کا عام ہے۔ لیکن روایات کثیرہ شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں ہوا۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ان کی فضیلت و برتری کی ہے زہے نصیب اس بندے کے جس کے اتقیٰ ہونے کی تصدیق آسمان سے ہو۔ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ (الحجرات۔۱۳) اور خود حضرت حق سے اس کو وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى کی بشارت سنائی جائے۔ فی الحقیقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى کی بشارت ایک انعکاس ہے اس بشارت عظمیٰ کا جو آگے نبی کریم ﷺ کے حق میں آرہی ہے وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى۔

تم سورة الیل

اٰیاتها ١١ ٩٣ سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ ١١ رکوعها ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالضُّحٰىۙ ﴿۱﴾

١۔ قسم دھوپ چڑھتے وقت کی

وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰىۙ ﴿۲﴾

٢۔ اور رات کی جب چھا جائے

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ ﴿۳﴾

٣۔ نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا[١]

وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰىؕ ﴿۴﴾

٤۔ اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے[٢]

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰىؕ ﴿۵﴾

٥۔ اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہو گا[٣]

اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰىۖ ﴿۶﴾

٦۔ بھلا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی[٤]

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰىۖ ﴿۷﴾

٧۔ اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی[٥]

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰىؕ ﴿۸﴾

٨۔ اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پروا کر دیا[٦]

فَاَمَّا الۡيَتِيۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡؕ ﴿۹﴾

٩۔ سو جو یتیم ہو اُس کو مت دبا[٧]

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡؕ ﴿۱۰﴾

١٠۔ اور جو مانگتا ہو اُسکو مت جھڑک[٨]

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾ ع ١١/١٨

١١۔ اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر[٩]

١۔ فترت وحی اور کفّار کے طعنے: یعنی روایات صحیحہ میں ہے کہ جبریلؑ دیر تک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس نہ آئے (یعنی وحی قرآنی بند رہی) مشرکین کہنے لگے کہ (لیجئے) محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو اس کے رب نے رخصت کر دیا۔ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ میرا گمان یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یہ زمانہ فترۃ الوحی کا ہے جب سورۃ "اقراء" کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رکی رہی تھی اور

حضور ﷺ خود اس فترت کے زمانہ میں سخت مغموم و مضطرب رہتے تھے، تا آنکہ فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ (مدثر۔۱) کا خطاب سنایا! اغلب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ میگوئیاں کی ہوں۔ چنانچہ ابن کثیرؒ نے محمد بن اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ اسی احتمال کی تاکید کرتے ہیں۔ ممکن ہے اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے، تو ایک (خبیث) عورت کہنے لگی۔ اے محمد! (ﷺ) معلوم ہوتا ہے، تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے (العیاذ باللہ) غرض ان سب خرافات کا جواب سورۃ "والضحیٰ" میں دیا گیا ہے۔

اللہ آپ سے ناراض نہیں ہے: پہلے قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی۔ پھر فرمایا کہ (دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں) نہ تیرا رب تجھ سے ناراض اور بیزار ہوا نہ تجھ کو رخصت کیا۔ بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت و حکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا، اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے، یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں۔ اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ تو چند روز نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آج کل خدا اپنے منتخب کیے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے۔ گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا؟ العیاذ باللہ۔

۲۔ یعنی آپ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے نزول و انحطاط کا سبب نہیں، بلکہ بیش از بیش عروج و ارتقا کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان و شکوہ کا، جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز و اکرام سے بے شمار درجہ بڑھ کر ہے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر دینے کا وعدہ: یعنی ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا کیسا، ابھی تو تیرا رب تجھ کو (دنیا و آخرت میں) اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائیگا کہ تو پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جائے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے (ﷺ)۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یتیمی: حضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپ کے والد وفات پاچکے تھے چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ نے رحلت کی۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا (عبد المطلب) کی کفالت میں رہے۔ آخر اس در یتیم اور نادرۂ روزگار کی ظاہری تربیت و پرورش کی سعادت آپ کے بیحد شفیق چچا ابو طالب کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے زندگی بھر آپ کی نصرت و حمایت اور تکریم و تجلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ چند روز بعد یہ امانت الٰہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی۔ "اوس" اور "خزرج" کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ اور انہوں نے اس کی حفاظت اس طرح کی جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ایواء کے تحت میں داخل ہیں۔ کما اشار الیہ ابن کثیرؒ۔

۵: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایتِ کاملہ عطاء کی: جب حضرت جوان ہوئے قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و راہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اندر ہی اندر جوش مارتا تھا، لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جاکر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے "غار حراء" میں فرشتہ کو وحی دیکر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں۔

یعنی دین حق نازل فرمایا۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا الخ (شوریٰ۔۵۲)۔ (تنبیہ) یہاں ضَآلًّا کے معنی کرتے وقت سورۃ "یوسف" کی آیت قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (یوسف۔۹۵) کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۶۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی کر دیا: یعنی اس طرح کہ حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں آپ ﷺ مضارب ہو گئے۔ اس میں نفع ملا پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غنا تھا۔ باقی آپ ﷺ کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ غنی عن العالمین ہی جانتا ہے۔ کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ابتداء سے موردِ انعامات رہے ہیں آئندہ بھی رہیں گے۔ جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت فرمائی۔ کیا وہ خفا ہو کر آپ کو یونہی درمیان میں چھوڑ دیگا۔ استغفر اللہ۔

۷۔ یتیموں کی دل جوئی کرو: بلکہ اس کی خبر گیری اور دلجوئی کر۔ جس طرح تم کو یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا۔ تم دوسرے یتیموں کو ٹھکانا دو۔ اسی طرح کے مکارم اخلاق اختیار کرنے سے بندہ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا انا و کافل الیتیم کھاتین واشار الی السبابۃ والوسطیٰ۔

۸۔ یعنی تم نادار تھے، اللہ تعالیٰ نے غنا عطا فرمایا۔ اب شکر گذار بندے کا حوصلہ یہی ہونا چاہیئے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہو اور حاجتمندوں کے سوال سے گھبرا کر جھڑکنے ڈانٹنے کا شیوہ اختیار نہ کرے۔ بلکہ فراخدلی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ احادیث میں سائلین کے مقابلہ پر آپکی وسعت اخلاق کے جو قصے منقول ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالف کو آپ کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیتے ہیں (تنبیہ) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سائل کے زجر کی ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے۔ ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے اس وقت زجر جائز ہے۔

۹۔ اللہ کے احسانات کی تذکیر کیجیے: محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گزاری (نہ بقصد فخر ومباہات) چرچا کرنا شرعاً محمود ہے۔ لہٰذا جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمائے ان کو بیان کیجیے۔ خصوصًا وہ نعمت ہدایت جس کا ذکر وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں ہوا۔ اس کا لوگوں میں پھیلانا اور کھول کھول کر بیان کرنا تو آپ کا فرض منصبی ہے۔ شاید آپ کے ارشادات وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے۔ وہ اسی لفظ فَحَدِّثْ سے لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

تم سورۃ الضحیٰ

اٰیاتھا ۸ ۹۴ سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ۱۲ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱	۱۔ کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ [۱]
وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲	۲۔ اور اتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا
الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳	۳۔ جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری [۲]
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴	۴۔ اور بلند کیا ہم نے مذکور تیرا [۳]
فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۵	۵۔ سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے
اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶	۶۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے [۴]
فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷	۷۔ پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر
وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸ ع ۱۹	۸۔ اور اپنے رب کی طرف دل لگا [۵]

۱۔ علوم و معارف کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کھول دیا: کہ اُس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بیشمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں (تنبیہ) احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے متعدد مرتبہ آپ کا سینہ چاک کیا۔ لیکن مدلول آیت کا بظاہر وہ معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ اتار دیا: وحی کا اترنا اوّل سخت مشکل تھا۔ پھر آسان ہو گیا۔ یا منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے خاطر شریف پر گرانی گزرتی ہو گی۔ وہ رفع کر دی گئی۔ یا "وزر" سے وہ امور مباحہ مراد ہوں جو گاہ بگاہ آپ قرین حکمت و صواب سمجھ کر کر لیتے تھے اور بعد میں ان کا خلاف حکمت یا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہوتا تھا اور آپ ﷺ بوجہ علوّ شان اور غایت قرب کے اس سے ایسے ہی مغموم ہوتے تھے جس طرح کوئی گناہ سے مغموم ہوتا ہے۔ تو اس آیت میں ان پر مواخذہ نہ ہونے کی بشارت ہوئی۔ کذا روی عن بعض السلف۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی۔ قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا ہو گا۔ اللہ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا وہ دشواریاں جاتی

رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلندی دی: یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ ﷺ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھدار انسان نہایت عزت و وقعت سے آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان، اقامت خطبہ، کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام لیا جاتا ہے اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ ﷺ کی فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔

۴۔ مشکل کے بعد آسانی ہے: یعنی اللہ کی رضاجوئی میں جو سختیاں آپ ﷺ نے برداشت کیں اور رنج و تعب کھینچے۔ ان میں سے ہر ایک سختی کے ساتھ کئی کئی آسانیاں ہیں۔ مثلاً حوصلہ فراخ کر دینا جس سے ان مشکلات کا اٹھانا سہل ہو گیا۔ اور ذکر کا بلند کرنا، جس کا تصور بڑی بڑی مصیبتوں کے تحمل کو آسان کر دیتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ہم نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت رفع کر دی جیسا کہ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ الخ سے معلوم ہوا تو اس سے دنیوی راحت و محنت میں بھی ہمارے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بیشک موجودہ مشکلات کے بعد آسانی ہونے والی ہے اور تاکید مزید کے لئے پھر کہتے ہیں کہ ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہو کر رہے گی۔ چنانچہ احادیث و سیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب مشکلات ایک ایک کر کے دور کر دی گئیں۔ اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی کئی آسانیاں لے کر آئی۔ اب بھی عادۃ اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے، امتداد زمانہ سے گھبرا کر آس نہ توڑ بیٹھے ضرور اللہ اس کے حق میں آسانی کرے گا۔ ایک طرح کی نہیں، کئی طرح کی وافی الحدیث لن یغلب عسرٌ یسرین وفیہ ایضًا لوجاء العسر فدخل ھٰذا الجحر لجاء الیسر حتّٰی یدخل علیہ فیخرجہ۔

۵۔ تنہائی میں توجہ الی اللہ کی ترغیب: یعنی جب خلق کے سمجھانے سے فراغت پائے تو خلوت میں بیٹھ کر محنت کر، تا مزید یسر کا سبب بنے۔ اور اپنے رب کی طرف (بلاواسطہ) متوجہ ہو (تنبیہ) خلق کو سمجھانا اور نصیحت کرنا آپ ﷺ کی اعلیٰ ترین عبادت تھی لیکن اس میں فی الجملہ مخلوق کا توسط ہوتا تھا۔ مطلوب یہ ہے کہ ادھر سے ہٹ کر بلاواسطہ بھی متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کی تفسیر اور کئی طرح کی گئی ہے مگر اقرب یہی معلوم ہوتی ہے۔

تم سورۃ الم نشرح

اٰیاتھا ۸ ۹۵ سُوْرَةُ التِّیْنِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم انجیر کی اور زیتون کی[۱]
وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾	۲۔ اور طور سینین کی
وَهٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ﴿۳﴾	۳۔ اور اُس شہر امن والے کی[۲]
لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫﴿۴﴾	۴۔ ہم نے بنایا آدمی خوب سے اندازے پر[۳]
ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۙ﴿۵﴾	۵۔ پھر پھینک دیا اُسکو نیچوں سے نیچے[۴]
اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ؕ﴿۶﴾	۶۔ مگر جو یقین لائے اور عمل کئے اچھے سو اُنکے لئے ثواب ہے بے انتہا[۵]
فَمَا یُکَذِّبُكَ بَعۡدُ بِالدِّیۡنِ ؕ﴿۷﴾	۷۔ پھر تو اُسکے پیچھے کیوں جھٹلائے بدلا ملنے کو[۶]
اَلَیۡسَ اللّٰهُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۸﴾ ع	۸۔ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم[۷]

۱۔ انجیر اور زیتون کی قسم: انجیر اور زیتون دونوں چیزیں نہایت کثیر المنافع اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ کے ساتھ خصوصی مشابہت رکھتی ہیں۔ اسی لئے لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کے مضمون کو ان دونوں قسم سے شروع کیا۔ اور بعض محققین کہتے ہیں کہ یہاں التِّیۡنِ اور الزَّیۡتُوۡنِ سے دو پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے جن کے قریب "بیت المقدس" واقع ہے۔ گویا ان درختوں کی قسم مقصود نہیں۔ بلکہ اُس مقام مقدس کی قسم کھائی ہے جہاں یہ درخت بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہی مولد و مبعث حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ہے۔

۲۔ طور سیناء: طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ یا "طور سینا" وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے شرف ہمکلامی بخشا۔ اور "امن والا شہر" مکہ معظمہ ہے جہاں سارے عالم کے سردار حضرت محمد رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مبعوث ہوئے اور اللہ کی سب سے بڑی اور آخری امانت (قرآن کریم) اوّل اسی شہر

میں اتاری گئی۔ تورات کے آخر میں ہے "اللہ طور سیناء سے آیا اور ساعیر سے چمکا (جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے) اور فاران سے بلند ہو کر پھیلا"۔ (فاران مکہ کے پہاڑ ہیں)۔"

۳۔ انسان تخلیق میں سب سے بہتر: یعنی یہ سب مقامات متبرکہ جہاں سے ایسے ایسے اولوالعزم پیغمبر اٹھے گواہ ہیں کہ ہم نے انسان کو کیسے اچھے سانچے میں ڈھالا، اور کیسی کچھ قوتیں اور ظاہری و باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے گوئے سبقت لے جائے بلکہ مسجود ملائکہ بنے۔

۴۔ جانوروں سے بدتر: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس کو لائق بنایا فرشتوں کے مقام کا۔ پھر جب منکر ہوا تو جانوروں سے بدتر ہے۔

۵۔ جو کبھی کم یا ختم نہ ہو گا۔

۶۔ ایمان اور عمل صالح پر بے انتہا اجر: یعنی او آدمی! ان دلائل کے بعد کیا سبب ہے جس کی بناء پر سلسلہ جزاء و سزا کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ یا یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہو گا۔ یعنی ایسے صاف بیانات کے بعد کیا چیز ہے جو منکرین کو جزاء کے معاملہ میں تمہاری تکذیب پر آمادہ کرتی ہے۔ خیال کرو! انسان کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔ اس کا قوام ایسی ترکیب سے بنایا کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے کوئی مخلوق اس کی ہمسری نہ کر سکے، چنانچہ اس کے کامل نمونے دنیا نے شام، بیت المقدس، کوہ طور اور مکہ معظمہ میں اپنے اپنے وقت پر دیکھ لئے جن کے نقش قدم پر اگر آدمی چلیں تو انسانی کمالات اور دارین کے کامیابی کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچ جائیں۔ لیکن انسان خود اپنی بد تمیزی اور بد عملی سے ذلت و ہلاکت کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو گنوا دیتا ہے۔ کسی ایماندار اور نیکوکار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا۔ بلکہ اس کے تھوڑے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔ کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزاء و سزا کے ایسے معقول قاعدوں کو جھٹلا سکے؟ ہاں ایک ہی صورت تکذیب و انکار کی ہو سکتی ہے کہ دنیا کو یونہی ایک بے سرا کارخانہ فرض کر لیا جائے جس پر نہ کسی کی حکومت ہو نہ یہاں کوئی آئین و قانون جاری ہو، نہ کسی بھلے برے پر کوئی گرفت کر سکے، اس کا جواب آگے دیتے ہیں۔ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ۔

۷۔ کیا اللہ حاکموں کا حاکم نہیں: یعنی اس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں۔ جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے وفاداروں کو انعام، اور مجرموں کو سزا دیتی ہیں تو اس احکم الحاکمین کی سرکار سے یہ توقع کیوں نہ رکھی جائے۔

تم سورۃ التین

اٰیاتها ۱۹ ۹۶ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱
۱۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے[۱] جو سب کا بنانے والا ہے[۲]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲
۲۔ بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے[۳]

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳
۳۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے[۴]

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴
۴۔ جس نے علم سکھایا قلم سے[۵]

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵
۵۔ سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا[۶]

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝۶
۶۔ کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝۷
۷۔ کہ دیکھے اپنے آپکو بے پروا[۷]

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝۸
۸۔ بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے[۸]

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝۹
۹۔ تو نے دیکھا اُسکو جو منع کرتا ہے

عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝۱۰
۱۰۔ ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے[۹]

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝۱۱
۱۱۔ بھلا دیکھ تو اگر ہو تا نیک راہ پر

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝۱۲
۱۲۔ یا سکھلاتا ڈر کے کام

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۳
۱۳۔ بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا[۱۰]

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾

۱۴۔ یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے[۱۱]

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر[۱۲]

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ کیسی چوٹی جھوٹی گنہگار[۱۳]

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اب بلالیوے اپنے مجلس والوں کو

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو[۱۴]

كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ السجدۃ ع

۱۹۔ کوئی نہیں مت مان اُسکا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو[۱۵]

ع ۱۹/۲۱

۱۔ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیات: یہ پانچ آیتیں (اِقْرَاْ سے مَالَمْ يَعْلَمْ تک) قرآن کی سب آیتوں اور سورتوں سے پہلے اتریں۔ آپ ﷺ "غار حراء" میں خدائے واحد کی عبادت کر رہے تھے کہ اچانک حضرت جبریلؑ وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ کو کہا اِقْرَاْ (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا مانا بقارئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں) جبریلؑ نے کئی بار آپ ﷺ کو زور زور سے دبایا، اور بار بار وہی لفظ اِقْرَاْ کہا۔ آپ ﷺ وہی مانا بقارئٍ جواب دیتے رہے۔ تیسری مرتبہ جبریلؑ نے زور سے دبا کر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ یعنی اپنے رب کے نام کی برکت اور مدد سے پڑھیے۔ مطلب یہ ہے کہ جس رب نے ولادت سے اس وقت تک آپ ﷺ کی ایک عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی جو پتہ دیتی ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی بڑا کام لیا جانیوالا ہے کیا وہ آپ ﷺ کو ادھر میں چھوڑ دے گا؟ ہر گز نہیں۔ اسی کے نام پر آپ ﷺ کی تعلیم ہو گی جس کی مہربانی سے تربیت ہوئی ہے۔

۲۔ یعنی جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا، کیا وہ تم میں صفت قرأۃ پیدا نہیں کر سکتا۔

۳۔ جمے ہوئے خون سے انسان کی پیدائش: جمے ہوئے خون میں نہ حس ہے نہ شعور، نہ علم نہ ادراک، محض جماد لایعقل ہے، پھر جو خدا جماد لایعقل کو انسان عاقل بناتا ہے، وہ ایک عاقل کو کامل اور ایک اُمّی کو قاری و عالم نہیں بنا سکتا۔ یہاں تک قرأت کا امکان ثابت کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں کہ تم کو باوجود اُمّی ہونے کے قاری بنا دے، آگے اس کی فعلیت اور وقوع پر متنبہ فرماتے ہیں۔

۴۔ یعنی آپ ﷺ کی تربیت جس شان سے کی گئی، اس سے آپ ﷺ کی کامل استعداد اور لیاقت نمایاں ہے جب ادھر سے استعداد میں قصور نہیں اور اُدھر سے مبداء فیاض میں بخل نہیں۔ بلکہ وہ تمام کریموں سے بڑھ کر کریم ہے۔ پھر وصول فیض میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے ضرور ہے کہ یونہی ہو کر رہے۔

۵۔ قلم کے ذریعے علم سکھایا: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا، فرمایا کہ قلم سے بھی علم وہی دیتا ہے یوں بھی وہی دیگا"۔ اور ممکن ہے ادھر بھی اشارہ ہو کہ جس طرح مفیض و مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے، اللہ اور محمد ﷺ کے درمیان جبریلؑ محض ایک واسطہ ہیں۔ جس طرح قلم کا توسط اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو جائے۔ ایسے ہی یہاں حقیقت جبریلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم آتا۔

۶۔ انسان کو جہل سے نجات دی: یعنی انسان کا بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے بس وہی رب قدیر جو انسان کو جاہل سے عالم بناتا ہے، اپنے ایک اُمّی کو عارف کامل بلکہ تمام عارفوں کا سردار بنادے گا۔

۷۔ آدمی کی حقیقت اور اس کا غرور: یعنی آدمی کی اصل تو اتنی ہے کہ جمے ہوئے خون سے بنا اور جاہل محض تھا، خدا نے علم دیا، مگر وہ اپنی اصل حقیقت کو ذرا یاد نہیں رکھتا۔ دنیا کے مال و دولت پر مغرور ہو کر سرکشی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

۸۔ لوٹ کر تو اللہ ہی کے پاس جانا ہے: یعنی اوّل بھی اس نے پیدا کیا اور آخر بھی اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلیگی۔

۹۔ ابوجہل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا: یعنی اس کی سرکشی اور تمرد کو دیکھو کہ خود تو اپنے رب کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں، دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے، اسے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ان آیات میں اشارہ ابوجہل ملعون کی طرف ہے۔ جب وہ حضرت کو نماز پڑھتے دیکھتا تو چڑاتا اور دھمکاتا تھا اور طرح طرح سے ایذائیں پہنچانے کی سعی کرتا تھا۔

۱۰۔ یعنی نیک راہ پر ہوتا بھلے کام سکھاتا تو کیا اچھا آدمی ہوتا۔ اب جو منہ موڑا تو ہمارا کیا بگاڑا۔ کذا فی موضح القرآن۔ وللمفسرین اقوال فی تفسیرہا من شاء الاطلاع علیہا فلیراجع روح المعانی۔

۱۱۔ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے: یعنی اس ملعون کی شرارتوں کو اور اس نیک بندے کے خشوع و خضوع کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

۱۲۔ اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے: یعنی رہنے دو! یہ سب کچھ جانتا ہے۔ پر اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔

۱۳۔ یعنی جس سر پر یہ چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ گویا اس کا دروغ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔

۱۴۔ ابوجہل کے تکبر کا جواب: ابوجہل نے ایک مرتبہ حضرت ﷺ کو نماز سے روکنا چاہا۔ آپ ﷺ نے سختی سے جواب دیا۔ کہنے لگا کیا جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے۔ اس پر فرماتے ہیں کہ اب وہ اپنی مجلس والے ساتھیوں کو بلالے۔ ہم بھی اس کی گوشمالی کے لئے اپنے سپاہی بلاتے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے۔ چند روز بعد "بدر" کے میدان میں دیکھ لیا کہ اسلام کے سپاہیوں نے اسے کس طرح گھسیٹ کر "قلیب بدر" میں پھینک دیا۔ باقی اصل وقت گھسیٹے جانے کا آخرت ہے جب دوزخ کے فرشتے اس کو نہایت ذلّت کے ساتھ جہنم رسید کرینگے۔

آنحضرت ﷺ کو نماز سے روکنے کا واقعہ: روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل حضرت ﷺ کو نماز میں دیکھ کر چلا کہ بے ادبی کرے وہاں پہنچا نہ تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ مجھے اپنے اور محمد کے درمیان ایک آگ کی خندق نظر آئی جس میں کچھ پر رکھنے والی مخلوق تھی۔ میں گھبرا کر واپس آگیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ (ملعون) ذرا آگے بڑھتا فرشتے اس کی بوٹی بوٹی جدا کر دیتے۔ گویا آخرت سے پہلے ہی دنیا میں اس کو سَنَدۡعُ الزَّبَانِیَةَ کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھلا دیا۔ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے "زبانیة" سے دوزخ کے فرشتے مراد لئے ہیں۔

۱۵۔ سجدہ اور قرب الٰہی: یعنی آپ ﷺ اس کی ہرگز پروانہ کیجیے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریے۔ جہاں چاہو شوق سے اللہ کی عبادت کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش قرب حاصل کرتے رہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ "بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے۔

تم سورۃ العلق

اٰیاتها ۵ ۹۷ سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ رکوعها ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿ۖ۱﴾	۱۔ ہم نے اُسکو اتارا شب قدر میں [۱]
وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ؕ﴿۲﴾	۲۔ اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر
لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ؕ﴿ؐ۳﴾	۳۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے [۲]
تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۙ﴿ۛ۴﴾	۴۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے [۳] ہر کام پر [۴]
سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ٪﴿۵﴾ ع ۱ ۵ ۲۲	۵۔ امان ہے [۵] وہ رات صبح کے نکلنے تک [۶]

۱۔ شب قدر میں قرآن کریم کا نزول: یعنی قرآن مجید "لوح محفوظ" سے سماء دنیا پر "شب قدر" میں اتارا گیا اور شاید اسی شب میں سماء دنیا سے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اترنا شروع ہوا۔ اس کے متعلق کچھ مضمون سورۃ "دخان" میں گذر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

۲۔ شبِ قدر میں نیکی کا ہزار گنا سے زائد ثواب: یعنی اس رات میں نیکی کرنا ایسا ہے گویا ہزار مہینے تک نیکی کرتا رہا۔ بلکہ اس سے بھی زائد۔

۳۔ شبِ قدر میں حضرت جبریل علیہ السلام اور فرشتوں کا نزول: "یعنی اللہ کے حکم سے روح القدس (حضرت جبریلؑ) بیشمار فرشتوں کے ہجوم میں نیچے اترتے ہیں۔ تاکہ عظیم الشان خیر و برکت سے زمین والوں کو مستفیض کریں۔ اور ممکن ہے "روح" سے مراد فرشتوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو۔ بہر حال اس مبارک شب میں باطنی حیات اور روحانی خیر و برکت کا ایک خاص نزول ہوتا ہے۔

۴۔ یعنی انتظام عالم کے متعلق جو کام اس سال میں مقدر ہیں ان کے نفاذ کی تعیین کے لئے فرشتے آتے ہیں۔ کما مرّ فی سورۃ الدخان۔ یا مِّنۡ کُلِّ اَمۡرٍ سے امر خیر مراد ہو۔ یعنی ہر قسم کے امور خیر لے کر آسمان سے اترتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۔ امن و سلام کی رات: یعنی وہ رات امن و چین اور دلجمعی کی رات ہے۔ اس میں اللہ والے لوگ عجیب و غریب طمانیت اور لذت و حلاوت اپنی عبادت کے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ اثر ہوتا ہے نزول رحمت و برکت کا جو روح و ملائکہ کے توسط سے ظہور میں آتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس رات جبریلؑ اور فرشتے عابدین و ذاکرین پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔ یعنی ان کے حق میں رحمت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

۶۔ شبِ قدر فجر تک رہتی ہے: یعنی شام سے صبح تک ساری رات یہی سلسلہ رہتا ہے اس طرح وہ پوری رات مبارک ہے (تنبیہ) قرآن سے

معلوم ہوا کہ وہ رات رمضان شریف میں ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ-۱۸۵) اور حدیث صحیح نے بتلایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں خصوصًا عشرہ کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرنا چاہیئے، پھر طاق راتوں میں بھی ستائیسویں شب پر گمان غالب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ "شب قدر" ہمیشہ کے لئے کسی ایک رات میں متعین نہیں ممکن ہے ایک رمضان میں کوئی رات ہو، دوسرے میں دوسری۔

تم سورة القدر

اٰیاتھا ۸ ۹۸ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ ۱۰۰ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱

۱۔ نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں اہل کتاب اور مشرک [۱] باز آنے والے یہاں تک کہ پہنچے اُنکے پاس کھلی بات

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲

۲۔ ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہو ورق پاک [۲]

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳

۳۔ اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط [۳]

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴

۴۔ اور وہ جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں سو جب کہ آچکی اُنکے پاس کھلی بات [۴]

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

۵۔ اور انکو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے اُسکے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر [۵] اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی [۶]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶

۶۔ اور جو منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک ہونگے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اُس میں [۷] وہ لوگ ہیں سب خلق سے بدتر [۸]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ

۷۔ وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ ہیں

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧

سب خلق سے بہتر [۹]

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝٨

٨۔ بدلا اُن کا اُنکے رب کے یہاں باغ ہیں ہمیشہ رہنے کو نیچے بہتی ہیں اُنکے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی [۱۰] یہ ملتا ہے اسکو جو ڈرا اپنے رب سے [۱۱]

ع ١ ٨ ٢٣

۱۔ اہل کتاب اور مشرکین: "اہل کتاب "یہود و نصاریٰ ہوئے اور "مشرکین" وہ قومیں جو بت پرستی یا آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا تھیں اور کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ نہ تھی۔

۲۔ کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم): آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے سب دین والے بگڑ چکے تھے۔ اور ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور تھا اب چاہیئے کسی حکیم یا ولی یا بادشاہ عادل کے سمجھانے سے راہ پر آجائیں تو یہ ممکن نہ تھا۔ جب تک ایک ایسا عظیم القدر رسول نہ آئے جس کے ساتھ اللہ کی پاک کتاب اس کی قوی مدد ہو کہ چند سال میں ایک ایک ملک کو ایمان کی روشنی سے بھر دے اور اپنی زبردست تعلیم اور ہمت وعزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ کر دے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ کی کتاب پڑھتا ہوا آیا جو پاک ورقوں میں لکھی ہوئی ہے۔

۳۔ ہر سورت مستقل ایک کتاب ہے: یعنی قرآن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ جو عمدہ کتابیں پہلے آچکی ہیں ان سب کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج کر دیے گئے ہیں یا کُتُبٌ قَيِّمَةٌ سے علوم و مضامین مراد ہیں۔ یعنی اس کے علوم بالکل صحیح و راست اور مضامین نہایت مضبوط و معتدل ہیں۔

۴۔ اہل کتاب کا تفرقہ: یعنی اس رسول اور اس کتاب کے آئے پیچھے شبہ نہیں رہا۔ پھر اب اہل کتاب ضد سے مخالف ہیں۔ شبہ سے نہیں اسی لئے ان میں دو فریق ہوگئے۔ جس نے ضد کی منکر رہا۔ جس نے انصاف کیا ایمان لے آیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جس پیغمبر آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے آنے پر اپنے تمام اختلافات کو ختم کر کے سب ایک راستہ پر پڑ لیتے مگر انہوں نے اپنی بد بختی اور عناد سے سبب وحدت و اجتماع کو خلاف و شقاق کا ذریعہ بنالیا۔ جب اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکوں کا تو پوچھنا کیا۔

بیّنہ کی تفسیر: حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے یہاں اَلْبَيِّنَةُ کا مصداق حضرت مسیحؑ کو ٹھہرایا ہے۔ یعنی جب حضرت مسیحؑ کھلے کھلے نشان لے کر آئے یہود دشمن ہوگئے۔ اور نصاریٰ نے بھی دنیوی اغراض میں پھنس کر اپنی جماعتیں اور پارٹیاں بنالیں۔ مدعا یہ ہے کہ پیغمبر کا آنا اور کتاب کا نازل ہونا بھی بغیر حضرت حق کی توفیق کے کفایت نہیں کرتا۔ کتنے ہی سامانِ ہدایت جمع ہو جائیں جن کو توفیق نہیں ملتی وہ اسی طرح خسارے میں پڑے رہتے ہیں۔

۵۔ عبادت میں اخلاص کا حکم: یعنی ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور ابراہیم حنیف کی طرح سب طرف سے ٹوٹ کر اسی ایک مالک کے غلام بن جائیں۔ تشریع و تکوین کے کسی شعبہ میں کسی دوسرے کو خود مختار نہ سمجھیں۔

۶۔ یعنی یہ چیزیں ہر دین میں پسندیدہ رہی ہیں، انہی کی تفصیل یہ پیغمبر کرتا ہے۔ پھر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔

۷۔ یعنی علم کا دعویٰ رکھنے والے اہل کتاب ہوں، یا جاہل مشرک، حق کا انکار کرنے پر سب کا انجام ایک ہے وہی دوزخ جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔

٨۔ کفّار خلائق میں بدترین ہیں: یعنی بہائم سے بھی زیادہ ذلیل اور بدتر کما قال فی سورۃ الفرقان اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا (الفرقان۔۴۴)۔

٩۔ صالح مومنین مخلوق میں سب سے بہتر ہیں: یعنی جو لوگ سب رسولوں اور کتابوں پر یقین لائے اور بھلے کاموں میں لگے رہے وہی بہترین خلائق ہیں حتّٰی کہ ان میں کے بعض افراد بعض فرشتوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔

١٠۔ اللہ کی رضا جنّت سے بھی بڑی نعمت ہے: یعنی جنّت کے باغوں اور نہروں سے بڑھ کر رضا مولٰی کی دولت ہے۔ بلکہ جنت کی تمام نعمتوں کی اصلی روح یہی ہے۔

١١۔ یہ نعمت اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے ہے: یعنی یہ مقام بلند ہر ایک کو نہیں ملتا۔ صرف ان بندوں کا حصّہ ہے جو اپنے رب کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں، اور اس کی نافرمانی کے پاس نہیں جاتے۔

تم سورۃ البینۃ

اٰیاتھا ۸ ۹۹ سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾	۱۔ جب ہلا ڈالے زمین کو اُسکے بھونچال سے [۱]
وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾	۲۔ اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ [۲]
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾	۳۔ اور کہے آدمی اُس کو کیا ہو گیا [۳]
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾	۴۔ اُس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں
بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾	۵۔ اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اُسکو [۴]
يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾	۶۔ اُس دن ہو پڑیں گے لوگ طرح طرح پر [۵] کہ اُنکو دکھا دیے جائیں اُنکے عمل [۶]
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾	۷۔ سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اُسے
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ ع ۱/۸ ۲۴	۸۔ اور جس نے کی ذرہ بھر برائی دیکھ لے گا اُسے [۷]

۱۔ جب زمین زلزلہ سے ہلا دی جائے: یعنی حق تعالیٰ ساری زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس کے صدمہ سے کوئی عمارت اور کوئی پہاڑ یا درخت زمین پر قائم نہ رہیگا سب نشیب و فراز برابر ہو جائیں گے۔ تا کہ میدانِ حشر بالکل ہموار اور صاف ہو جائے اور یہ معاملہ قیامت میں نفخ ثانی کے وقت ہو گا۔

۲۔ زمین اپنے بوجھ نکال دے گی: یعنی اس وقت زمین جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے مثلاً مردے یا سونا چاندی وغیرہ سب باہر اگل ڈالے گی۔ لیکن مال کا کوئی لینے والا نہ ہو گا۔ سب دیکھ لیں گے کہ آج یہ چیز جس پر ہمیشہ لڑا کرتے تھے کس قدر بیکار ہے۔

۳۔ انسان کی حیرت: یعنی آدمی زندہ ہونے اور اس زلزلہ کے آثار دیکھنے کے بعد یا ان کی روحیں عین زلزلہ کے وقت حیرت زدہ ہو کر کہیں گی

کہ اس زمین کو کیا ہو گیا جو اس قدر زور سے ہلنے لگی اور اپنی اندر کی تمام چیزیں ایک دم باہر نکال پھینکیں۔

۴۔ زمین ساری خبریں دے گی: یعنی بنی آدم نے جو برے بھلے کام اس کے اوپر کئے تھے سب ظاہر کر دے گی۔ مثلاً کہے گی۔ فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی، فلاں نے چوری کی تھی۔ فلاں نے خونِ ناحق کیا تھا، وغیرہ ذٰلک۔ گویا آج کل کی زبان میں یوں سمجھو کہ جس قدر اعمال زمین پر کیے جاتے ہیں زمین میں ان سب کے ریکارڈ موجود رہتے ہیں۔ قیامت میں وہ پروردگار کے حکم سے کھول دیے جائیں گے۔

۵۔ لوگوں کی مختلف جماعتیں: یعنی اس روز آدمی اپنی قبروں سے میدانِ حشر میں طرح طرح کی جماعتیں بن کر حاضر ہونگے۔ ایک گروہ شرابیوں کا ہو گا، ایک زانیوں کا ایک ظالموں کا، ایک چوروں کا۔ وعلی ہذا القیاس۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوگ حساب سے فارغ ہو کر لوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ دوزخی ہو کر جنت اور دوزخ کی طرف چلی جائیں گی۔

۶۔ لوگوں کو ان کے اعمال دکھائے جائینگے: یعنی میدان حشر میں ان کے عمل دکھلا دیے جائیں گے، تا بدکاروں کو ایک طرح کی رسوائی اور نیکو کاروں کو ایک قسم کی سرخروئی حاصل ہو یا ممکن ہے اعمال کے دکھلانے سے ان کے ثمرات ونتائج کا دکھلانا مراد ہو۔

۷۔ ذرّہ برابر عمل بھی دکھا دیا جائیگا: یعنی ہر ایک ذرہ ذرہ عمل بھلا ہو یا برا اس کے سامنے ہو گا اور حق تعالیٰ جو کچھ معاملہ ہر ایک عمل کے متعلق فرمائیں گے وہ بھی آنکھوں سے نظر آ جائیگا۔

تم سورۃ الزلزال

اٰیاتھا ۱۱ ۱۰۰ سُوۡرَةُ الۡعٰدِیٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱۴ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ | ۱۔ قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر

فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ | ۲۔ پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر [۱]

فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ | ۳۔ پھر غارت کر ڈالنے والے صبح کو [۲]

فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ | ۴۔ پھر اٹھانے والے اُس میں گرد [۳]

فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ | ۵۔ پھر گھس جانے والے اُس وقت فوج میں [۴]

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ | ۶۔ بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے [۵]

وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ | ۷۔ اور وہ آدمی اس کام کو سامنے دیکھتا ہے [۶]

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ﴿۸﴾ | ۸۔ اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے [۷]

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ | ۹۔ کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کریدا جائے جو کچھ قبروں میں ہے

وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾ | ۱۰۔ اور تحقیق ہووے جو کچھ کہ جیوں میں ہے [۸]

اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ ع | ۱۱۔ بیشک اُنکے رب کو اُنکی اُس دن سب خبر ہے [۹]

ع ۱ ۱۱ ۲۵

۱۔ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم: یعنی جو پتھر یا پتھریلی زمین پر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔

۲۔ عرب میں اکثر عادت صبح کے وقت تاخت کرنے کی تھی۔ تاکہ رات کے وقت جانے میں دشمن کو خبر نہ ہو صبح کو دفعتہً جا پڑیں اور رات کو حملہ نہ کرنے میں اظہار شجاعت سمجھتے تھے۔

۳۔ یعنی ایسی تیزی اور قوت سے دوڑنے والے کہ صبح کے وقت جبکہ رات کی سردی اور شبنم کی رطوبت سے عموماً غبار دبا رہتا ہے، ان کی ٹاپوں سے اس وقت بھی بہت گرد وغبار اٹھتا ہے۔

۴۔ یعنی اس وقت بے خوف وخطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ (تنبیہ)

ان قسموں کی توضیح: ممکن ہے کہ قسم کھانا گھوڑوں کی مقصود ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ممکن ہے مجاہدین کے رسالہ کی قسم ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ جہاد والے سواروں کی قسم ہے۔ اس سے بڑا کون عمل ہو گا کہ اللہ کے کام پر اپنی جان دینے کو حاضر ہے۔

۵۔ انسان کی ناشکری: یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ کی راہ میں سرفروشی وجاں بازی بتلاتی ہے کہ وفادار و شکر گزار بندے ایسے ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستے میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکر اور نالائق ہے۔ بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال سے شہادت دے رہا ہے۔ کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بیشمار نعمتوں سے شب و روز تمتع کرتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل وحقیر ہیں ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے۔ وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا اور غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا۔ بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے، جس کے وفاداری میں اسے جان ومال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ بیشک انسان بڑا ناشکر اور نالائق ہے۔ اگر ایک گھوڑے بلکہ کتّے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔

۶۔ خود انسان اسکا گواہ ہے: یعنی سرفروش مجاہدین کی اور ان کے گھوڑوں کی وفاشعاری اور شکر گزاری اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر بھی بے حیا ٹس سے مس نہیں ہوتا (تنبیہ) ترجمہ کی رعایت سے ہم نے یہ مطلب لکھا ہے۔ ورنہ اکثر مفسرین اس جملہ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ انسان خود اپنی ناشکری پر زبانِ حال سے گواہ ہے۔ ذرا اپنی ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ ہو تو سن لے کہ اندر سے خود اس کا دل کہہ رہا ہے کہ تو بڑا ناشکرا ہے۔ بعض سلف نے اِنَّہٗ کی ضمیر رب کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی اس کا رب اس کی ناسپاسی اور کفران نعمت کو دیکھ رہا ہے۔

۷۔ انسان میں مال کی محبت شدید ہے: یعنی حرص وطمع اور بخل وامساک نے اس کو اندھا بنا رکھا ہے۔ دنیا کے زر ومال کی محبت میں اس قدر غرق ہے کہ منعم حقیقی کو بھی فراموش کر بیٹھا، نہیں سمجھتا کہ آگے چل کر اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

۸۔ دلوں کے چھپے بھید کھل جائیں گے: یعنی وہ وقت بھی آنے والا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کیے جائیں گے اور دلوں میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی۔ اُس وقت دیکھیں یہ مال کہاں تک کام دیگا اور نالائق ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر جائیں گے۔ اگر یہ بے حیا اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہو کر ایسی حرکتیں نہ کرتے۔

۹۔ اللہ کا علم محیط واضح ہو جائے گا: یعنی ہر چند کہ اللہ کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر وباطن پر محیط ہے لیکن اس روز اس کا علم ہر شخص پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور کسی کو گنجائش انکار کی نہ رہے گی۔

تم سورۃ العٰدیٰت

اٰیاتها ١١ ١٠١ سُوۡرَةُ الۡقَارِعَةِ مَکِّیَّةٌ ٣٠ رکوعها ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلۡقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾	١۔ وہ کھڑ کھڑا اڈالنے والی
مَا الۡقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾	٢۔ کیا ہے وہ کھڑ کھڑا اڈالنے والی
وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾	٣۔ اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ کھڑ کھڑا اڈالنے والی[1]
یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾	٤۔ جس دن ہوویں لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوئے[2]
وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾	٥۔ اور ہوویں پہاڑ جیسے رنگی ہوئی اون دُھنی ہوئی[3]
فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۙ﴿۶﴾	٦۔ سو جسکی بھاری ہوئیں تولیں
فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ ؕ﴿۷﴾	٧۔ تو وہ رہے گا من مانتے گذران میں[4]
وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۙ﴿۸﴾	٨۔ اور جسکی ہلکی ہوئیں تولیں
فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ؕ﴿۹﴾	٩۔ تو اُس کا ٹھکانہ گڑھا ہے
وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِیَهۡ ؕ﴿۱۰﴾	١٠۔ اور تو کیا سمجھا وہ کیا ہے
نَارٌ حَامِیَةٌ ﴿۱۱﴾ ع ١ ٢٦	١١۔ آگ ہے دہکتی ہوئی[5]

١۔ کھڑ کھڑا دینے والی قیامت: یعنی مراد قیامت ہے جو قلوب کو سخت فزع اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو صور شدید سے کھڑ کھڑا ڈالیگی۔ مطلب یہ ہے کہ حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو۔ بس اس کے بعض آثار آگے بیان کر دیے جاتے ہیں۔ جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ انسان بکھرے پتنگوں کی طرح ہونگے: کہ ہر ایک ایک طرف کو بے تابانہ چلا جاتا ہے۔ گویا پروانوں کے ساتھ تشبیہ ضعف، کثرت بے تابی اور حرکت کی بے انتظامی میں ہوئی۔

۳۔ پہاڑ دھنی ہوئی روئی کیطرح ہو جائیں گے: یعنی جیسے دُھنیا اون یا روئی کو دھنک کر ایک ایک پھاہا کر کے اڑا دیتا ہے۔ اسی طرح پہاڑ متفرق ہو کر اڑ جائیں گے۔ اور رنگین اون سے شاید اس لئے تشبیہ دی کہ بہت کمزور اور ہلکی ہوتی ہے۔ نیز قرآن میں دوسری جگہ پہاڑوں کے رنگ بھی کئی قسموں کے بیان فرمائے ہیں وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ (فاطر۔۲۷)۔

۴۔ بھاری وزن والے عیش میں ہونگے: یعنی جس کے اعمال وزنی ہونگے وہ اس روز خاطر خواہ عیش و آرام میں رہیگا اور اعمال کا وزن اخلاص و ایمان کی نسبت سے ہو گا۔ دیکھنے میں کتنا ہی بڑا عمل ہو مگر اخلاص کی روح نہ ہو، وہ اللہ کے ہاں کچھ وزن نہیں رکھتا فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکہف۔۱۰۵)۔

۵۔ ہلکے وزن والے دہکتی آگ کے گڑھے میں: یعنی جو عذاب اس طبقہ میں ہے کچھ آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ بس اتنا سمجھ لو کہ ایک آگ ہے نہایت گرم دہکتی ہوئی جس کے مقابلہ میں گویا دوسری آگ کو گرم کہنا نہ چاہیئے۔ اعاذنا اللہ منہا و من سائر وجوہ العذاب بفضلہ و منّہ۔

تم سورۃ القارعۃ

اٰیاتھا ۸ ۱۰۲ سُوۡرَۃُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۶ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾

۱۔ غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے

حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾

۲۔ یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں [۱]

کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾

۳۔ کوئی نہیں آگے جان لوگے

ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾

۴۔ پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لوگے [۲]

کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ؕ﴿۵﴾

۵۔ کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے [۳]

لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ۙ﴿۶﴾

۶۔ بیشک تم کو دیکھنا ہے دوزخ

ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ۙ﴿۷﴾

۷۔ پھر دیکھنا ہے اُسکو یقین کی آنکھ سے [۴]

ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ٪﴿۸﴾ ع ۸ / ۲۷

۸۔ پھر پوچھیں گے تم سے اُس دن آرام کی حقیقت [۵]

۱۔ کثرتِ مال کی ہوس: یعنی مال و اولاد کی کثرت اور دنیا کے سازوسامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے۔ نہ مالک کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر۔ بس شب و روز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو، اور میرا کنبہ اور جتھا سب کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے۔ یہ پردہ غفلت کا نہیں اٹھتا۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے۔ محض چند روز کی چہل پہل تھی۔ موت کے بعد وہ سب سامان ہیچ بلکہ وبال جان ہیں (تنبیہ) بعض روایات میں آیا ہے (اللہ اعلم بصحتہا) کہ ایک مرتبہ دو قبیلے اپنے اپنے جتھے کی کثرت پر فخر کر رہے تھے۔ جب مقابلہ کے وقت ایک کے آدمی دوسرے سے کم رہے تو اس نے کہا کہ ہمارے اتنے آدمی لڑائی میں مارے جاچکے ہیں چل کر قبریں شمار کرلو۔ وہاں پتہ لگے گا کہ ہمارا جتھا تم سے کتنا زیادہ ہے۔ اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزر چکے ہیں۔ یہ کہہ کر قبریں شمار کرنے لگے۔ اس جہالت و غفلت پر متنبہ کرنے کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔ ترجمہ میں دونوں مطلبوں کی گنجائش ہے۔

۲۔ کثرتِ مال فخر کی چیز نہیں: یعنی دیکھو بار بار بتاکید کہا جاتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح نہیں کہ مال و اولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے۔ عنقریب تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل وفانی چیز ہر گز فخر و مباہات کے لائق نہ تھی۔ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر تم کو بہت جلد کھل جائے گا کہ اصل زندگی اور عیش آخرت کا ہے اور دنیا اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے۔ لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری کھل جائیگی۔

۳۔ یعنی تمہارا خیال ہر گز صحیح نہیں اگر تم یقینی طور پر دلائل صحیحہ سے اس بات کو جان لیتے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں تو ہر گز اس غفلت میں پڑے نہ رہتے۔

۴۔ اس غفلت کا انجام دوزخ ہے: یعنی اس غفلت و انکار کا نتیجہ دوزخ ہے، وہ تم کو دیکھنا پڑے گا۔ اوّل تو اس کا کچھ اثر برزخ میں نظر آجائیگا۔ پھر آخرت میں پوری طرح دیکھ کر عین الیقین حاصل ہو جائیگا۔

۵۔ تم سے نعمت کے بارے میں پوچھا جائیگا: یعنی اس وقت کہیں گے۔ اب بتلاؤ! دنیا کے عیش و آرام کی کیا حقیقت تھی۔ یا اس وقت سوال کیا جائے گا کہ جو نعمتیں (ظاہری و باطنی، آفاقی و انفسی، جسمانی و روحانی) دنیا میں عطا کی گئی تھیں ان کا حق تم نے کیا ادا کیا۔ اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی سعی کی۔

تم سورۃ التکاثر

اٰیاتھا ۳ ۱۰۳ سُوْرَۃُ الْعَصْرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۳ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَ الْعَصْرِ ﴿۱﴾

۱۔ قسم ہے عصر کی[۱]

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾

۲۔ مقرر انسان ٹوٹے میں ہے[۲]

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ع ۲۸

۳۔ مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کئے بھلے کام اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی[۳]

۱۔ زمانے یا عصر کی قسم: "عصر" زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے جسے تحصیل کمالات و سعادات کے لئے ایک متاع گراں مایہ سمجھنا چاہیے۔ یا قسم ہے نماز عصر کے وقت کی جو کاروباری دنیا میں خاص مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے (حتّٰی کہ حضور ﷺ نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس کی نماز عصر فوت ہو گئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانہ مبارک کی جس میں رسالت عظمٰی اور خلافت کبریٰ کا نور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔

۲۔ انسان گھاٹے میں ہے: اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہو گا کہ برف بیچنے والے دوکاندار کی طرح اس کی تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں، دم بدم کم ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اس رواروی میں کوئی ایسا کام نہ کر لیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے، بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کار آمد بن جائے تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں۔ زمانہ کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنٰی غور و فکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پروا ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ برباد ہو کر رہے۔

زندگی کی قدر و قیمت: آدمی کو چاہیئے کہ وقت کی قدر پہچانے اور عمر عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت و شرارت یا لہو و لہب میں نہ گنوائے جو اوقات تحصیل شرف و مجد اور اکتساب فضل و کمال کی گرم بازاری کے ہیں، خصوصًا وہ گراں مایہ اوقات جن میں آفتاب رسالت اپنی انتہائی نور افشانی سے دنیا کو روشن کر رہا ہے، اگر غفلت و نسیان میں گزار دیے گئے تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ بس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمر فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کار آمد بنانے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسب سعادت اور تحصیل کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں کیا گیا ہے۔

۳۔ اس نقصان سے بچنے کے چار طریقے: یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل خدا اور رسول پر ایمان لائے اور

ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے۔ دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو، اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو۔ تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملّت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت و وصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلافِ طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں، ہرگز قدم نیکی کے راستہ سے ڈگمگانے نہ پائے۔ خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہونگے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر پر زندہ جاوید رہیگا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔

سورۃ عصر کی فضیلت: فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے۔ امام شافعیؒ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) ہدایت کے لئے کافی تھی۔ بزرگان سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے، جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

تم سورۃ العصر

ایاتھا ۹ ۱۰۴ سُوْرَۃُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿۱﴾

۱۔ خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی[۱]

الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ﴿۲﴾

جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا[۲]

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾

۲۔ خیال رکھتا ہے کہ اُس کا مال سدا کو رہے گا اُسکے ساتھ[۳]

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾

۳۔ کوئی نہیں وہ پھینکا جائے گا اُس روندنے والی میں[۴]

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾

۴۔ اور تو کیا سمجھا کون ہے وہ روندنے والی

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾

۵۔ ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی

الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾

۶۔ وہ جھانک لیتی ہے دل کو[۵]

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾

۷۔ اُنکو اُس میں موند دیا ہے[۶]

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ ع ۱ ۲۹

۸۔ لنبے لنبے ستونوں میں[۷]

۱۔ عیب جوئی اور طعنہ زنی: یعنی اپنی خبر نہیں لیتا دوسروں کو حقیر سمجھ کر طعنے دیتا ہے اور انکے واقعی یا غیر واقعی عیب چنتا رہتا ہے۔

۲۔ جمع مال کی مذمت: یعنی طعنہ زنی اور عیب جوئی کا منشاء تکبر اور تکبر کا سبب مال ہے جس کو مارے حرص کے ہر طرف سے سمیٹتا اور مارے بخل کے گن گن کر رکھتا ہے کہ کوئی پیسہ کہیں خرچ نہ ہو جائے یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ اکثر بخیل مالداروں کو دیکھا ہو گا کہ وہ بار بار روپیہ شمار کرتے اور حساب لگاتے رہتے ہیں۔ اسی میں ان کو مزہ آتا ہے۔

۳۔ مال سدا نہیں رہتا: یعنی اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ مال کبھی اس سے جدا نہ ہو گا۔ بلکہ ہمیشہ اس کو آفات ارضی و سماوی سے بچاتا رہیگا۔

۴۔ یعنی یہ خیال محض غلط ہے۔ مال تو قبر تک بھی ساتھ نہ جائے گا۔ آگے تو کیا کام آتا۔ سب دولت یونہی پڑی رہ جائیگی۔ اور اس بدبخت کو اٹھا

کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔

۵۔ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ: یعنی یاد رہے یہ آگ بندوں کی نہیں۔ اللہ کی سلگائی ہوئی ہے۔ اس کی کیفیت کچھ نہ پوچھو، بڑی سمجھدار ہے، دلوں کو جھانک لیتی ہے، جس دل میں ایمان ہو نہ جلائے، جس میں کفر ہو جلاڈالے، اس کی سوزش بدن کو لگتے ہی فوراً دلوں تک نفوذ کر جائے گی۔ بلکہ ایک طرح دل سے شروع ہو کر جسموں میں سرایت کرے گی۔ اور باوجودیکہ قلوب و ارواح جسموں کی طرح جلیں گے، اس پر بھی مجرم مرنے نہ پائیں گے۔ دوزخی تمنا کریگا کہ کاش موت آکر اس عذاب کا خاتمہ کر دے لیکن یہ آرزو پوری نہ ہو گی۔ اعاذنا اللہ منہا و من سائر وجوہ العذاب۔

۶۔ یعنی کفار کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہیگا۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے۔

۷۔ یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی مانند بلند ہونگے۔ یا یہ کہ دوزخیوں کو لمبے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائے گا کہ جلتے وقت ذرا حرکت نہ کر سکیں۔ کیونکہ ادھر اُدھر حرکت کرنے سے بھی عذاب میں کچھ برائے نام تخفیف ہو سکتی تھی۔ اور بعض نے کہا کہ دوزخ کے منہ کو لمبے لمبے ستون ڈال کر اوپر سے پاٹ دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

سورۃ الھمزۃ

اٰیاتھا ۵ | ۱۰۵ سُوْرَةُ الْفِیْلِ مَكِّیَّةٌ ۱۹ | رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ﴿۱﴾
۱۔ کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ [۱]

اَلَمْ یَجْعَلْ كَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ﴿۲﴾
۲۔ کیا نہیں کر دیا اُن کا داؤ غلط [۲]

وَّ اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ﴿۳﴾
۳۔ اور بھیجے اُن پر اڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں

تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۴﴾
۴۔ پھینکتے تھے اُن پر پتھریاں کنکر کی [۳]

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾ ع ۳۰/۵
۵۔ پھر کر ڈالا اُنکو جیسے بھس کھایا ہوا [۴]

۱۔ ہاتھی والوں کا انجام: یعنی ہاتھی والوں کے ساتھ تیرے رب نے جو معاملہ کیا وہ تم کو ضرور معلوم ہو گا۔ کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے چند روز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اسی قرب عہد اور تواتر کی بناء پر اس کے علم کو رویت سے تعبیر فرمادیا۔

۲۔ انکا داؤ غلط کر دیا گیا: یعنی وہ لوگ چاہتے تھے کہ اللہ کا کعبہ اجاڑ کر اپنا مصنوعی کعبہ آباد کریں۔ یہ نہ ہو سکا۔ اللہ نے ان کے سب داؤ پیچ غلط اور کل تدبیریں بے اثر کر دیں۔ کعبہ کی تباہی کی فکر میں وہ خود ہی تباہ و برباد ہو گئے۔

۳۔ اصحابِ فیل کا واقعہ: "اصحاب فیل" کا قصہ مختصر یہ ہے کہ بادشاہ "حبشہ کی طرف سے "یمن" میں ایک حاکم "ابرہہ" نامی تھا اس نے دیکھا کہ سارے عرب کعبہ کا حج کرنے جاتے ہیں، چاہا کہ ہمارے پاس جمع ہوا کریں۔ اس کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے مذہب عیسائی کے نام پر ایک عالیشان گرجا بنایا جائے جس میں ہر طرح کے تکلفات اور راحت و دل کشی کے سامان ہوں۔ اس طرح لوگ اصلی اور سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مکلّف و مرصّع کعبہ کی طرف آنے لگیں گے۔ اور مکہ کا حج چھوٹ جائے گا۔ چنانچہ "صنعاء" میں جو یمن کا بڑا شہر ہے، اپنے مصنوعی کعبہ کی بنیاد رکھی اور خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ اس پر بھی لوگ ادھر متوجہ نہ ہوئے۔ عرب کو خصوصاً قریش کو جب اس کی اطلاع ہوئی، سخت خشمگیں ہوئے کسی نے غصہ میں آ کر وہاں پائخانہ بھر دیا، اور بعض کہتے ہیں کہ بعض عرب نے آگ جلائی تھی، ہوا سے اڑ کر اس عمارت میں لگ گئی "ابرہہ" نے جھنجھلا کر کعبہ شریف پر فوج کشی کر دی بہت سا لشکر اور ہاتھی لے کر اس ارادہ سے چلا کہ کعبہ کو منہدم کر دے۔ درمیان میں عرب کے جس قبیلہ نے مزاحمت کی اسے مارا اور مغلوب کیا۔ حضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب اس وقت قریش کے سردار اور کعبہ کے متولی اعظم تھے۔ ان کو خبر ہوئی تو فرمایا لوگو! اپنا بچاؤ کر لو، کعبہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کو بچالیگا۔" ابرہہ" نے راستہ صاف دیکھ کر یقین کر لیا کہ اب

کعبہ کا منہدم کر دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ کیونکہ ادھر سے کوئی مقابلہ کرنیوالا نہ تھا۔

عجیب و غریب پرندے: جب "وادی محسّر" (جو مکہ کے قریب جگہ ہے) پہنچا تو سمندر کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانوروں کی ٹکڑیاں نظر آئیں۔ ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ ان عجیب و غریب پرندوں کے غول کے کنکریاں لشکر پر برسانے لگے۔ خدا کی قدرت سے وہ کنکر کی پتھریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام کرتی تھیں۔ جس کے لگتی، ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی، اور ایک عجیب طرح کا سمّی مادہ چھوڑ جاتی تھی۔ بہت سے وہیں ہلاک ہو گئے۔ جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے۔

اس واقعہ کا سال: یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت شریف سے پچاس روز پہلے ہوا۔ بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خاص اسی روز آپ ﷺ کی ولادت باکرامت ہوئی۔ گویا یہ ایک آسمانی نشان آپ ﷺ کی آمد آمد کا تھا۔ اور ایک غیبی اشارہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی فوق العادۃ حفاظت فرمائی ہے۔ اس گھر کے سب سے مقدس متولی اور سب سے بزرگ پیغمبر کی حفاظت بھی اسی طرح کرے گا۔ اور عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کو یہ موقع نہ دے گا کہ وہ کعبہ اور کعبہ کے سچے خادموں کا استیصال کر سکیں۔"

۴۔ جو بیل، گائے وغیرہ کھا کر آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پراگندہ، منتشر، مبتذل، بدصورت، نکمّا اور چورا چورا۔

تم سورۃ الفیل

رکوعاتھا ۱ ۱۰۶ سُوۡرَةُ قُرَيۡشٍ مَكِّيَّةٌ ۲۹ اٰیاتھا ۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍۙ‏ ﴿۱﴾

۱۔ اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو

اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ‌ۚ‏ ﴿۲﴾

۲۔ مانوس رکھنا اُنکو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے

فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِۙ‏ ﴿۳﴾

۳۔ تو چاہیے کہ بندگی کریں اس گھر کے رب کی

الَّذِىۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ‌ۚ‏ ﴿۴﴾ ع ۱ ۳۱

۴۔ جس نے اُنکو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں [۱]

۱۔ اہل مکّہ پر بیت اللہ کی برکات: مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا، اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے۔ اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب ملک ہے۔ لوگ ان کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے۔ ان کی خدمت کرتے اور ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ اس طرح ان کو خاطر خواہ نفع ہوتا۔ پھر امن و چین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا تھا۔ لیکن کعبہ کے ادب سے کوئی چور، ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا۔ اسی انعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور امن چین دیا۔ "اصحاب فیل" کی زد سے محفوظ رکھا، پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے۔ اور اس کے رسول ﷺ کو کیوں ستاتے ہو کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں۔ اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا کیا مشکل ہے۔

تم سورۃ قریش

آیاتہا ۷ ۱۰۷ سُورَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۷ رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ۝۱
۱۔ تونے دیکھا اُسکو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو[۱]

فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ۝۲
۲۔ سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو[۲]

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۝۳
۳۔ اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر[۳]

فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ۝۴
۴۔ پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی

الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۝۵
۵۔ جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں[۴]

الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ۝۶
۶۔ وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں[۵]

وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ۝۷ ع ۳۲
۷۔ اور مانگے نہ دیویں برتنے کی چیز[۶]

۱۔ فیصلہ کے دن کی تکذیب: یعنی سمجھتا ہے کہ انصاف نہ ہو گا اور اللہ کی طرف سے نیک و بد کا کبھی بدلہ نہ ملے گا۔ اور بعض نے "دین" کے معنی "ملت" کے لئے ہیں۔ یعنی ملتِ اسلام اور مذہب حق کو جھٹلاتا ہے۔ گویا مذہب و ملت اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔

۲۔ یتیم سے بد سلوکی: یعنی یتیم کی ہمدردی اور غمخواری تو درکنار، اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔

۳۔ مساکین کو کھانا نہ کھلانے والا: یعنی غریب محتاج کی نہ خود خبر لے نہ دوسروں کو ترغیب دے۔ ظاہر ہے کہ یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو، سمجھو کہ آدمی نہیں جانور ہے۔ بھلا ایسے کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا لگاؤ ہو گا۔

۴۔ نماز میں غفلت کرنے والے: یعنی نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود اس سے کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے۔ یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، وقت، بے وقت کھڑے ہو گئے، باتوں میں اور دنیا کے دھندوں میں جان بوجھ کر وقت تنگ کر دیا، پھر پڑھی بھی تو چار ٹکریں لگالیں، کچھ خبر نہیں کس کے روبرو کھڑے ہیں، اور احکم الحاکمین کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں۔ کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے بیٹھنے، جھک جانے اور سیدھے ہونے کو دیکھتا ہے؟ ہمارے دلوں پر نظر نہیں رکھتا؟ کہ ان میں کہاں تک اخلاص اور

خشوع کا رنگ موجود ہے۔ یاد رکھو! یہ سب صورتیں عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ میں درجہ بدرجہ داخل ہیں۔ کما صرح بہ بعض السلف۔

۵۔ دکھاوا کرنے والے: یعنی ایک نماز کیا، ان کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری اور نمود و نمائش سے خالی نہیں گویا ان کا مقصد خالق سے قطع نظر کر کے صرف مخلوق کو خوش کرنا ہے۔

٦۔ استعمالی چیزیں نہ دینے والے: یعنی زکوۃ و صدقات وغیرہ تو کیا ادا کرتے، معمولی برتنے کی چیزیں بھی مثلاً ڈول، رسی، ہنڈیا، دیگچی، کلہاڑی، سوئی دھاگہ وغیرہ، کسی کو مانگے نہیں دیتے جنکے دینے کا دنیا میں عام رواج ہے۔ بخل اور خست کا جب یہ حال ہو تو ریاکاری کی نماز سے ہی کیا فائدہ ہو گا۔ اگر ایک آدمی اپنے کو مسلمان نمازی کہتا اور کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا، اس کا اسلام لفظ بے معنی، اور اس کی نماز حقیقت سے بہت دور ہے۔ یہ ریاکاری اور بداخلاقی تو ان بدبختوں کا شیوہ ہونا چاہیئے جو اللہ کے دین اور روزِ جزاء پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتے۔

تم سورۃ الماعون

اٰیاتھا ۳ ۱۰۸ سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ — ۱۔ بیشک ہم نے دی تجھ کو کوثر [۱]

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ — ۲۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر [۲]

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳ — ۳۔ بیشک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا [۳]

۱۔ کوثر کے معنی اور مفاہیم: "کوثر" کے معنی "خیر کثیر" کے ہیں۔ یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری۔ یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے؟ "البحر المحیط" میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کیے ہیں اور اخیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور حسّی و معنوی نعمتیں داخل ہیں۔ جو آپ کو یا آپ کے طفیل میں امّت مرحومہ کو ملنے والی تھیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ "حوض کوثر" بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور جس کے پانی سے آپ ﷺ اپنی امت کو محشر میں سیر اب فرمائیں گے (اے ارحم الراحمین! تو اس خطاکار روسیاہ کو بھی اس سے سیر اب کیجیے)۔ (تنبیہ)

حوضِ کوثر: "حوضِ کوثر" کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک حد تواتر تک پہنچ چکا ہے ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ احادیث میں اس کی عجیب و غریب خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔ بعض روایات سے اس کا محشر میں ہونا اور اکثر سے جنت میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہوگی اور اسی کا پانی میدانِ حشر میں لا کر کسی حوض میں جمع کر دیا جائیگا۔ دونوں کو "کوثر" ہی کہتے ہونگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ نماز اور قربانی کی تاکید: یعنی اتنے بڑے انعام و احسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیئے۔ تو چاہیئے کہ آپ اپنی روح، بدن اور مال سے برابر اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں، بدنی و روحی عبادات میں سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ اور مالی عبادات میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ قربانی کی اصل حقیقت جان کا قربان کرنا تھا۔ جانور کی قربانی کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے قصہ سے ظاہر ہے اسی لئے قرآن میں دوسری جگہ بھی نماز اور قربانی کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (انعام۔۱۶۳،۱۶۲) (تنبیہ) بعض روایات میں "وانحر" کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے آئے ہیں۔ مگر ابن کثیرؒ نے ان روایات میں کلام کیا ہے۔ اور ترجیح اس قول کو دی ہے کہ "نحر" کے معنی قربان کرنے کے ہیں۔ گویا اس میں مشرکین پر تعریض ہوئی کہ وہ نماز اور قربانی بتوں کے لئے کرتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ کام خالص خدائے واحد کے لئے کرنے چاہئیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہی ابتر ہے: بعض کفار حضور ﷺ کی شان میں کہتے تھے کہ اس شخص کے کوئی بیٹا نہیں۔ بس زندگی تک

اس کا نام ہے پیچھے کون نام لیگا۔ ایسے شخص کو ان کے محاورات میں "ابتر" کہتے تھے۔ "ابتر" اصل میں دم کٹے جانور کو کہتے ہیں۔ جس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہ رہے۔ گویا اس کی دم کٹ گئی۔ قرآن نے بتلایا کہ جس شخص کو اللہ خیر کثیر عنایت فرمائے اور ابد الآباد تک نام روشن کرے اسے "ابتر" کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ حقیقت میں "ابتر" وہ ہے جو ایسی مقدس و مقبول ہستی سے بغض وعناد اور عداوت رکھے اور اپنے پیچھے کوئی ذکرِ خیر اور اثر نیک نہ چھوڑے۔ آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد ماشاء اللہ حضور ﷺ کی روحانی اولاد سے دنیا پٹی پڑی ہے اور جسمانی دختری اولاد بھی بکثرت ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کا دین، آپ ﷺ کے آثار صالحہ، عالم میں چمک رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی یاد نیک نامی اور محبت وعقیدت کے ساتھ کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرما رہی ہے۔ دوست دشمن سب آپ ﷺ کے اصلاحی کارناموں کا صدق دل سے اعتراف کر رہے ہیں۔ پھر دنیا سے گزر کر آخرت میں جس مقام محمود پر آپ ﷺ کھڑے ہونگے اور جو مقبولیت و متبوعیت عامہ آپ ﷺ کو علی رؤس الاشہاد حاصل ہو گی وہ الگ رہی۔ کیا ایسی دائم البرکتہ ہستی کو (العیاذ باللہ) "ابتر" کہا جا سکتا ہے؟ اس کے مقابل اس گستاخ کو خیال کرو جس نے یہ کلمہ زبان سے نکالا تھا۔ اس کا نام ونشان کہیں باقی نہیں، نہ آج بھلائی کے ساتھ اسے کوئی یاد کرنے والا ہے۔ یہ ہی حال ان تمام گستاخوں کا ہوا، جنہوں نے کسی زمانہ میں آپ ﷺ کے بغض وعداوت پر کمر باندھی اور آپ ﷺ کی شان مبارک میں گستاخی کی اور اسی طرح آئندہ ہوتا رہیگا۔

تم سورۃ الکوثر

اٰیاتھا ٦ ۱۰۹ سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۱۸ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾
۱۔ تو کہہ اے منکرو[۱]

لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾
۲۔ میں نہیں پوجتا جسکو تم پوجتے ہو

وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾
۳۔ اور نہ تم پوجو جسکو میں پوجوں[۲]

وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾
۴۔ اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اُس کا جسکو تم نے پوجا

وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾
۵۔ اور نہ تم کو پوجنا ہے اُس کا جس کو میں پوجوں[۳]

لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ٪﴿٦﴾ ع ۳۴
٦۔ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ[۴]

۱۔ کفار قریش کی ایک پیشکش اور اس کا جواب: چند روساء قریش نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آؤ ہم تم صلح کر لیں کہ ایک سال تک آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں، پھر دوسرے سال ہم آپ کے معبود کو پوجیں۔ اس طرح دونوں فریق کو ہر ایک کے دین سے کچھ کچھ حصہ مل جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی پناہ! کہ میں اس کے ساتھ (ایک لمحہ کے لئے بھی) کسی کو شریک ٹھہراؤں۔ کہنے لگے اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو مان لو۔ (ان کی مذمت نہ کرو) ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور تمہارے معبود کو پوجیں گے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مجمع میں پڑھ کر سنائی۔ جس کا خلاصہ مشرکین کے طور وطریق سے کلی بیزاری کا اظہار اور انقطاع تعلقات کا اعلان کرتا ہے۔ بھلا انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا کام شرک کی جڑیں کاٹنا ہے، ایسی ناپاک اور گندی صلح پر کب راضی ہو سکتے ہیں۔ فی الحقیقت اللہ کے معبود ہونے میں تو کسی مذہب والے کو اختلاف ہی نہیں۔ خود مشرکین اس کا قرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بتوں کی پرستش بھی اسی لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دینگے مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (زمر۔۳) اختلاف جو کچھ ہے غیر اللہ کی پرستش میں ہے لہٰذا صلح کی جو صورت قریش نے پیش کی تھی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ تو برابر اپنی روش پر قائم رہیں یعنی اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کیا کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مسلک توحید سے دستبردار ہو جائیں۔ اس گفتگوئے مصالحت کو ختم کرنے کے لئے یہ سورت اتاری گئی۔

۲۔ میں تمہارے خداؤں کو نہیں پوجتا: یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد وصمد خدا کو بلا شرکت غیرے پوجتے ہو۔ جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

۳۔ "یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیے جاسکتے، نہ اب نہ آئندہ اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہی۔ (تنبیہ)

اس آیت میں تکرار کی توضیح: بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال واستقبال کی نفی اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے کما صرح بہ الزمخشری۔ اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے۔ کما یظہر من الترجمہ۔ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں "ما" کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں "ما" کو مصدریہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں تم بتوں کو پوجتے ہو، وہ میرے معبود نہیں، میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان وصفت میں کوئی شریک نہ ہوسکے، ایسا خدا تمہارا معبود نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو، مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گرد ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے، میں اس طرح کی عبادت کرنے والا نہیں اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجالاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں۔ لہٰذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے۔ اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حال و استقبال کی نفی کے لئے رکھا جائے۔ یعنی میں اب یا آئندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کرسکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اور وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہؒ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو، میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں۔ حتّٰی کہ گزشتہ زمانہ میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے، میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی۔ پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی اور بینات وہدیٰ وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شرکیات میں تمہارا ہمنوا ہو جاؤں۔ شاید اسی لئے یہاں وَلَآ اَنَا عَابِدٌ میں جملہ اسمیہ اور مَّا عَبَدْتُّمْ میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا۔ رہا کفار کا حال اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو۔ حتّٰی کہ عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو۔ اور ایک جگہ مَا تَعْبُدُوْنَ بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ مَّا عَبَدْتُّمْ بصیغہ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنالیا۔ اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا اور ہر کام کا جدا معبود ہے، ایک سفر کا، ایک حضر کا، کوئی روٹی دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، وقس علیٰ ہذا۔ حافظ شمس الدین ابن قیمؒ نے بدائع الفوائد میں اس سورت کے لطائف ومزایا پر بہت نفیس کلام کیا ہے جس کو معارف قرآنی کا شوق ہو۔ اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

۴۔ **تمہارا اور میرا دین الگ الگ ہے:** حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تم نے جو ضد باندھی اب سمجھانا کیا فائدہ کرے گا جب تک اللہ فیصلہ کرے"۔ اب ہم تم سے بکلی بیزار ہو کر اسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جو دین قویم اللہ نے ہم کو مرحمت فرمایا ہے اس پر نہایت خوش ہیں تم نے اپنے لئے بدبختی سے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر ایک فریق کو اس کی راہ روش کا نتیجہ مل رہے گا۔

تم سورۃ الکٰفرون

۱۱۰ سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۴

اٰیاتھا ۳ — رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝۱

وَ رَاَیْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

تَوَّابًا ۝۳ ع

۱۔ جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ [۱]

۲۔ اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں غول کے غول

۳۔ تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں [۲] اور گناہ بخشوا اس سے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے [۳]

ع ۱ ۳۵

۱۔ فتح مکّہ کا وعدہ: بڑی فیصلہ کن چیز یہ تھی کہ مکہ معظمہ (جو گویا زمین پر اللہ کا دارالسلطنت ہے) فتح ہو جائے۔ اسی پر اکثر قبائل عرب کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق داخل ہونے لگے۔ حتّٰی کہ سارا جزیرہ عرب اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا۔ اور جو مقصد نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بعثت سے تھا پورا ہوا۔

۲۔ غلبہ دین کا وعدہ اور تسبیح و تحمید کی تاکید: یعنی سمجھ لیجیے کہ مقصود بعثت کا اور دنیا میں رہنے کا (جو تکمیل دین و تمہید خلافت کبریٰ ہے) پورا ہوا، اب سفر آخرت قریب ہے۔ لہٰذا ادھر سے فارغ ہو کر ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیے۔ اور پہلے سے بھی زیادہ کثرت سے اللہ کی تسبیح و تحمید اور ان فتوحات اور کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کیجیے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم: یعنی اپنے لئے اور امت کے لئے استغفار کیجیے۔ (تنبیہ) نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا اپنے لئے استغفار کرنا پہلے کئی جگہ بیان ہو چکا ہے، وہیں دیکھ لیا جائے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی قرآن میں ہر جگہ وعدہ ہے فیصلہ کا، اور کافر شتابی کرتے تھے۔ حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی آخر عمر میں مکہ فتح ہو چکا، قبائل عرب دَل کے دَل مسلمان ہونے لگے۔ وعدہ سچا ہوا اب امت کے گناہ بخشوایا کر کہ درجہ شفاعت کا بھی ملے۔ یہ سورت اتری آخر عمر میں، حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جانا کہ میرا جو کام تھا دنیا میں کر چکا اب سفر ہے آخرت کا۔

تم سورۃ النصر

اٰیاتھا ۵ ١١١ سُوۡرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ٦ رکوعھا ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ‏ ﴿۱﴾

۱۔ ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ [۱]

مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ‏ ﴿۲﴾

۲۔ کام نہ آیا اُسکو مال اُسکا اور نہ جو اُس نے کمایا [۲]

سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۖ ۚ‏ ﴿۳﴾

۳۔ ڈیگ مارتی آگ میں [۳]

وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ‌ ۚ‏ ﴿۴﴾

۴۔ اور اُسکی جورو جو سر پر لئے پھرتی ہے ایندھن [۴]

فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ع ﴿۵﴾ ع ۳۶

۵۔ اُسکی گردن میں رسی ہے مونجھ کی [۵]

۱۔ ابو لہب کی بد بختی: " ابو لہب " (جس کا نام عبد العزی بن عبد المطلب ہے آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، لیکن اپنے کفر و شقاوت کی وجہ سے حضور ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ جب آپ ﷺ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بد بخت پتھر پھینکتا حتّٰی کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! اس کی بات مت سنو، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے۔ کبھی کہتا کہ محمد ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی۔ ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا تبا لکما ما اری فیکما شیًا مما یقول محمد (ﷺ) تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد (ﷺ) بیان کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کوہ "صفا" پر چڑھ کر سب کو پکارا۔ آپ ﷺ کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی۔

ابو لہب کی گستاخیاں: ابو لہب بھی موجود تھا (بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ جھٹک کر) کہنے لگا تبًّا لك سائر الیوم الهٰذا اجمعتنا یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لئے جمع کیا تھا) اور "روح المعانی" میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ ﷺ کی طرف پھینکے۔ غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی، اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہونے والی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے۔ ان سب کو فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤنگا۔

ابو لہب کی بیوی: اس کی بیوی ام جمیل کو بھی پیغمبر ﷺ سے بہت ضد تھی۔ جو دشمنی کی آگ ابو لہب بھڑکاتا تھا، یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور زیادہ تیز کرتی تھی۔ سورۃ ہذا میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت، اپنا ہو یا بیگانہ، بڑا ہو یا چھوٹا، جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہیگا۔ پیغمبر کی قربت قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی۔ یہ ابو لہب کیا ہاتھ جھٹک باتیں

بناتا اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس و معصوم رسول ﷺ کی طرف دست درازی کرتا ہے سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے۔ اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں۔ اس کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ گئی۔ اس کے اعمال اکارت ہوئے، اس کا زور ٹوٹ گیا، اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا۔ یہ سورت مکی ہے کہتے ہیں کہ غزوہ "بدر" سے سات روز بعد اس کے زہریلی قسم کا ایک دانہ نکلا۔ اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا، وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی۔ کسی نے نہ اٹھائی، جب سڑنے لگی، اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دبوائی۔ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھلکا دیا اوپر سے پتھر بھر دیے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (الزمر۔۲۶)۔

۲۔ اس کا مال اس کے کام نہیں آیا: یعنی مال، اولاد، عزت، وجاہت کوئی چیز اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔

۳۔ ابو لہب کا لقب: یعنی مرنے کے بعد سخت شعلہ زن آگ میں پہنچنے والا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے قرآن نے اس کی کنیت "ابو لہب" قائم رکھی۔ دنیا تو اس کو "ابو لہب" اس لئے کہتی تھی کہ اس کے رخسارے آگ کے شعلے کی طرح چمکتے تھے۔ مگر قرآن نے بتلا دیا کہ وہ اپنے آخری انجام کے اعتبار سے بھی "ابو لہب" کہلانے کا مستحق ہے۔

۴۔ ابو لہب کی بیوی کا انجام: ابو لہب کی عورت ام جمیل باوجود مالدار ہونے کے سخت بخل اور خست کی بناء پر خود جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی، اور کانٹے حضرت ﷺ کی راہ میں ڈال دیتی، تا حضور ﷺ کو اور آنے جانے والوں کو تکلیف پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ وہ جس طرح یہاں حق کی دشمنی اور پیغمبر خدا کی ایذا رسانی میں اپنے شوہر کی مدد گار ہے۔ دوزخ میں بھی اسی ہیئت سے اس کے ہمراہ رہے گی۔ شاید وہاں زقوم اور ضریع کی (جو جہنم کے خار دار درخت ہیں) لکڑیاں اٹھائے پھرے۔ اور ان کے ذریعہ سے اپنے شوہر پر عذاب الٰہی کی آگ کو تیز کرتی رہے۔ کما قال ابن اثیر۔ (تنبیہ) بعض نے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کے معنی چغلخور کے لئے ہیں۔ اور محاورات عرب میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے فارسی میں بھی ایسے شخص کو "ہیزم کش" کہتے ہیں۔

۵۔ یعنی بہت مضبوط بٹی ہوئی چبھنے والی، اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوزخ کے طوق و سلاسل ہیں اور یہ تشبیہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کی مناسبت سے دی گئی ہے۔ کیونکہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے میں رسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس عورت کے گلے میں ایک ہار بہت قیمتی تھا۔ کہا کرتی تھی کہ لات وعُزی کی قسم، اس کو محمد (ﷺ) کی عداوت پر خرچ کر ڈالوں گی۔ ضرور تھا کہ دوزخ میں بھی اس کی گردن ہار سے خالی نہ رہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بدبخت کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی، لکڑیوں کے گٹھے کی رسی گلے میں آپڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔

تم سورۃ اللھب

اٰیاتھا ۴ ۱۱۲ سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصِ مَکِّیَّۃٌ ۲۲ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ — ۱۔ تو کہہ وہ اللہ ایک ہے [۱]

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ — ۲۔ اللہ بے نیاز ہے [۲]

لَمْ یَلِدْ ۙ۬ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ — ۳۔ نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا [۳]

وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ﴿۴﴾ ع — ۴۔ اور نہیں اُس کے جوڑ کا کوئی [۴]

۱۔ کہہ دو اللہ ایک ہے: یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے، ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے۔ جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں۔ نہ اسکا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہو گیا۔ جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں۔ خیر کا خالق "یزداں" اور شر کا "ہرمن" نیز ہنود کی تردید ہوئی جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔

۲۔ صمد کے معنٰی: "صمد" کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے۔ طبرانی ان سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں وکلّ ھٰذہٖ صحیحة وھی صفات ربنا عزوجل ھوالّذی یصمد الیہ فی الحوائج وھوالذی قد انتھٰی سؤددہٗ وھو الصمد الذی لاجوف لہ ولا یاکل ولایشرب وھوالباقی بعد خلقه (ابن کثیرؒ) (یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور وہ ہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اور وہ ہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے۔ اور وہ ہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے) اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں نیز آریوں کے عقیدہ مادہ و روح کی تردید بھی ہوئی۔ کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں (العیاذ باللہ)۔

۳۔ اللہ کی نہ اولاد ہے نہ والد: یعنی نہ کوئی اس کی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد، اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو حضرت مسیحؑ کو یا حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیحؑ کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید لَمْ یُوْلَدْ میں کر دی گئی۔ یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنا نہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیحؑ ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہو سکتے ہیں۔

۴۔ خدا کے جوڑ کا کوئی نہیں: جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ حتٰی کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوبؑ سے ہو رہی ہے اور یعقوبؑ خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (کہف۔۵)۔ اِنّی اسالك یا اللّٰہ لواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد ان تغفرلی ذنوبی انك انت الغفورالرحیم۔

تم سورۃ الاخلاص

اٰیاتھا ۵ ۱۱۳ سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِۙ ﴿۱﴾
۱۔ تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی[۱]

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَۙ ﴿۲﴾
۲۔ ہر چیز کی بدی سے جو اُس نے بنائی[۲]

وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَۙ ﴿۳﴾
۳۔ اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آئے[۳]

وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الۡعُقَدِۙ ﴿۴﴾
۴۔ اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں[۴]

وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع
۵۔ اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ٹوک لگانے[۵]

ع ۱ ۵ ۳۸

۱۔ صبح کے رب کی پناہ: یعنی جو رات کی ظلمت پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتا ہے۔

۲۔ یعنی ہر ایسی مخلوق جس میں کوئی بدی ہو اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں۔ آگے بمناسبت مقام چند مخصوص چیزوں کا نام لیا ہے۔

۳۔ تاریکیوں سے اللہ کی پناہ: یعنی رات کا اندھیرا کہ اس میں اکثر شرور خصوصًا سحر وغیرہ بکثرت واقع ہوتے ہیں، یا چاند کا گہن یا آفتاب کا غروب مراد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس میں سب تاریکیاں آگئیں ظاہر اور باطن کی۔ اور تنگدستی اور پریشانی اور گمراہی کی۔

۴۔ گرہوں میں پھونک مارنے والی عورتیں: نَفّٰثٰتِ فِى الۡعُقَدِ سے وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفوس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانت یا رسی یا بال وغیرہ میں کچھ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ پر جو سحر لبید بن اعصم نے کیا تھا، لکھا ہے کہ بعض لڑکیاں بھی اس میں شریک تھیں۔ واللہ اعلم۔

۵۔ حاسد کے حسد سے پناہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اُس وقت اُس کی ٹوک لگ جاتی ہے۔ بیشک ٹوک یا نظر لگ جانا ایک امر واقع ہے لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے، اس کی بدی سے پناہ مانگنا چاہیئے۔ اگر ایک شخص کے دل میں بے اختیار حسد پیدا ہو مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر محسود کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرے۔ وہ اس سے خارج ہے۔ نیز یاد رکھنا چاہیئے کہ حسد کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے سے اللہ کی دی ہوئی نعمت کے زوال کا متمنی ہو۔ باقی یہ آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو۔ جو فلاں کو عطا ہوئی ہے حسد میں داخل نہیں۔ اس کو "غبطہ" کہتے ہیں۔ بخاری کی حدیث لاحسد الا فی اثنتین الخ میں لفظ "حسد" سے یہی غبطہ مراد ہے۔

تم سورۃ الفلق

ایاتھا ٦ ۱۱۴ سُوۡرَةُ النَّاسِ مَکِّیَّةٌ ۲۱ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱
۱۔ تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی

مَلِكِ النَّاسِ ۝۲
۲۔ لوگوں کے بادشاہ کی

اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳
۳۔ لوگوں کے معبود کی[۱]

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ الۡخَنَّاسِ ۝۴
۴۔ بدی سے اُسکی جو پھسلائے اور چھپ جائے[۲]

الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۝۵
۵۔ وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں

مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝۶ ع ۳۹
٦۔ جنوں میں اور آدمیوں میں[۳]

۱۔ انسانوں کا رب اور بادشاہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت اور بادشاہت وغیرہ تمام مخلوقات کو شامل ہے، لیکن ان صفات کا جیسا کامل ظہور انسانوں میں ہوا، کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا۔ اس لئے "رب" اور "ملک" وغیرہ کی اضافت ان ہی کی طرف کی گئی۔ نیز وسواس میں مبتلا ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوق کی شان بھی نہیں۔

۲۔ شیطان کے وسوسہ سے پناہ: شیطان نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا پھسلاتا ہے۔ جب تک آدمی غفلت میں رہا اس کا تسلط بڑھتا رہا۔ جہاں بیدار ہو کر اللہ کو یاد کیا یہ فوراً پیچھے کو کھسکا۔

۳۔ جنّوں اور آدمیوں کے شیطان: شیطان جنوں میں بھی ہیں اور آدمیوں میں بھی وَکَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ یُوۡحِیۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا (انعام۔۱۱۲) اللہ تعالیٰ دونوں سے پناہ میں رکھے (تکملہ) ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں علماء و حکماء نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ، امام رازیؒ، ابن سیناؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے بیانات درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں صرف استاذالاستاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں تا فوائد قرآن کے حسن خاتمہ کے لئے ایک فال نیک ثابت ہو:۔

ان دونوں سورتوں کی تفسیر قاسمی: یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودا زمین کو شق کرتا ہوا تخم سے باہر نکل آتا ہے تو باغبان (یامالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی و سماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد

کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے اب غور کرنا چاہیئے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جن کے انسداد کے لئے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے (اوّل) ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان و دہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ وغیرہ کا کھانا داخل ہے (دوسرے) کنویں یا نہر یا بارش کا پانی اور ہوا اور حرارت آفتاب (غرضیکہ تمام اسباب زندگی و ترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو۔ (تیسرے) اوپر سے برف اولہ وغیرہ جو اس کی حرارت عزیزیہ کے احتقان کا باعث ہو، اس پر گرنے نہ پائے۔ کیونکہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشو ونما کو روکنے والی ہے۔ (چوتھے) مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے۔ یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے۔ اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیئے کہ وہ پودا بڑا ہو گا، پھولے پھلے گا، اور مخلوق اس کی پر میوہ شاخوں سے استفادہ کریگی۔ ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض و سماء سے (جو رب الفلق اور فالق الحب والنویٰ اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک و مربی ہے اپنے شجر وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنا چاہیئے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ پس معلوم کرنا چاہیئے کہ جس طرح اوّل قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر رسانی محض ان کی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی۔

شرّ ما خلق: اسی طرح "شر" کی اضافت "ماخلق" کی طرف بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اُس مخلوق میں من حیث ہو مخلوق کے واسطے ثابت ہے اور اس کے صدور میں بجز ان کی طبیعت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع و بہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است مقتضائے طبیعتش این است

غاسق اذا وقب کی تفسیر: اس کے بعد دوسرے درجہ میں غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو، یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے، یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے۔ ان میں سے کوئی معنی لو۔ اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقوب (کسی چیز کے نیچے چھپ جانے) پر مبنی ہے۔ اور ظاہر ہے وقوب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے، اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں۔ لیکن جب یہ ہے تو یہ تمثیل اسباب و مسببات سے زیادہ اور کسی چیز پر چسپاں نہیں ہوتی، کیونکہ مسبب کا وجود اسباب و معدات کے وجود پر موقوف ہوتا ہے اور جب تک اسباب کو علاقہ مسببات کے ساتھ قائم نہ ہو، ہرگز کوئی مسبب اپنی ہستی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم نے آفت کی دوسری قسم میں یہ کہہ کر بیان کیا تھا کہ پانی، ہوا اور حرارت آفتاب (غرض کل اسباب زندگی و ترقی) کا اگر خاطر خواہ انتظام نہ ہوا تو وہ پودا کملا کر خشک ہو جائے گا۔

سحر اور اس کا اثر: اب اس کے بعد تیسرا تعوذ نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ سے کیا گیا۔ جس سے میں کہہ چکا ہوں کہ ساحرانہ اعمال مراد ہیں۔ جو لوگ سحر کا وجود تسلیم کرتے ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر دب جائیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت ہی مشابہ ہوئی جو پودے پر برف وغیرہ گرنے اور حرارت عزیزیہ کے محتقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کی نشو ونما رک جاتی تھا۔ لبید بن اعصم کے قصہ میں جو الفاظ آئے ہیں فَقَامَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کَاَنَّمَا اُنْشِطَ مِنْ عِقَالٍ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو جبریلؑ کے تعوذ سے باذن اللہ دفع

ہو گئ۔ اب ان آفات میں سے جن سے تحرز کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے۔ یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بربناء عداوت و حسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے یا اس کی شاخ و برگ کاٹ ڈالے "شر" کے اس مرتبہ کو مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا، بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن میں سے وہ خاص جوہر چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب" یا "سویدائے تخم" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھل ہو جاتا ہے اور قابل نشوونما نہیں رہتا۔

وسواس اندرونی خطرات ہیں: شاید اسی سرسری کمی کی تلافی کے لئے دوسری سورت میں الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی۔ کیونکہ "وسواس" ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں، بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اور جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں۔ لیکن جب وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفع وسواس کے واسطے انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی و مناشی گنے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔ اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد و تسلیم) کا نشوونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایات ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شہنشاہِ مطلق بھی ہے۔ کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی و روحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں اور یہ کام بجز ایسی ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اقتدار سے خارج نہ ہو سکے۔

مالک الملک : ایسی ہی ذات کو ہم "مالک الملک" اور "شہنشاہ مطلق" کہہ سکتے ہیں۔ اور لاریب اسی کی یہ شان ہونی چاہیئے لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ؕ لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ (مومن۔۱۶) گویا "مالکیت" یا "ملکیت" ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ "ربوبیت" سے موسوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ربوبیت کا کل خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا یہ ملک علی الاطلاق کا منصب ہے۔ پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الٰہیت) کا سراغ ملتا ہے کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاً پروانہ کی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد و بندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معبودیت و الٰہیۃ کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لاشریک لہ کے لئے ثابت ہوگئی۔ پڑھو اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَكُمۡ ضَرًّا (المائدہ۔۷۶) غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد صفت ملکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص اپنے ایمان کو وسواس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چارہ جوئی کریگا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا۔ جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس، ملک الناس، الہ الناس) کو سورۃ "الناس" میں بیان فرما دیا ہے۔

ایک لطیف نکتہ: اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذبہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر داؤ عطف اور بغیر اعادہ باء جارہ کے مذکور ہیں یا مستعاذبہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت کر کے بیان کی گئی ہیں اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو صفت الوہیت کے مقابلہ میں رکھو، کیونکہ جس طرح مستعاذبہ حقیقی "الٰہ الناس" ہے اور "ملک" و "رب" اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیے گئے ہیں، اسی طرح مستعاذبہ کی حقیقت یہ ہی وسواس ہے جس کی صفت آگے "خناس" بیان فرمائی ہے۔ "خناس" سے مراد یہ ہے کہ شیطان

بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے، اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے۔ ایسے چوروں اور بد معاشوں کا بندوبست اور ان کے دست تعدی سے رعایا کو مصئون ومامون بنانا بادشاہانِ وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل مَلِكَ النَّاسِ کو رکھا جائے۔ اور الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ۔ جو "خناس" کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اس کو "رب الناس" کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق "ملک الناس" کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے۔ پھر دیکھیے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذ بہ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کلامہ۔ (تنبیہ)

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم پر سحر کا اثر منصب رسالت کے منافی نہیں: کئی صحابہؓ (مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابن عباسؓ، زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم پر بعض یہود نے سحر کیا۔ جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم ایک دنیوی کام کر چکے ہیں، مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا۔ یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی۔ اور اس طرح کی کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔ جیسے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کبھی کبھی بیمار ہوئے۔ بعض اوقات غشی طاری ہو گئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا، اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنۡسٰی کَمَا تَنۡسَوۡنَ فَاِذَا نَسِیۡتُ فَذَکِّرُوۡنِیۡ (میں بھی ایک بشر ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں، میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو) کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو ونسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں ممکن ہے ان میں بھی سہو ونسیان اور بھول چوک ہو گئی ہو۔ اگر وہاں سہو ونسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگیں، تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔ یاد رکھیئے سہو ونسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواص بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں تو ان خواص کا پایا جانا ان کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرّہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے، تو ماننا پڑیگا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ ان کے فرائض دعوت وتبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو، یا شیطان، مرض ہو، یا جادو، کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی، جو مقصد بعثت سے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو "مسحور" کہتے تھے، چونکہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی، گویا "مسحور" کے معنی "مجنوں" کے لیتے تھے اور وحی الٰہی کو جوش جنوں قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ) اس لئے قرآن میں ان کی تکذیب وتردید ضروری ہوئی یہ دعوٰی کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء علیہم السّلام لوازم بشریت سے مستثنٰی ہیں۔ اور کسی وقت ایک آن کے لئے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلا خلل انداز نہ ہو، نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ دوم)

دونوں سورتیں قرآن کا حصہ ہیں: معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا۔ وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے۔ مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا۔ معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لئے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے، خلاف احتیاط ہے۔ روح البیان میں ہے۔ اِنَّہٗ کان لَایَعُدُّ الۡمُعَوَّذَتَیۡنِ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ وَکَانَ لایکتبھما فی مصحفه یقول انهما

منزّلتان مِنَ السّمآءِ وهما من کلام رب العٰلمین ولکن النّبی علیه الصلوٰة والسلام کان یرقی ویعوذبهما فاشتبه علیه انّهُمَا من القراٰن اولیسا منه فلم یکتبهما فی المصحف (صفحہ ۲۲۳ جلد ۴) قاضی ابوبکر باقلّانی لکھتے ہیں لم ینکر ابن مسعود کونهما من القراٰن وانما انکر اثباتهما فی المصحف فانه کان یری ان لایکتب فی المصحف شیئًا الّا ان کان النبی صلی الله علیه وسلم اذن فی کتابتهٖ فیه وکانه لم یبلغه الاذن (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۸) حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں لم یکن اختلاف ابن مسعود مع غیرہ فی قراٰنیتهما وانما کان فی صفة من صفاتهما فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۵) بہر حال انکی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی اور جیسا کہ بزار نے تصریح کی ہے۔ کسی ایک صحابیؓ نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور بہت ممکن ہے کہ جب تواتر سے ان کو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو تواتر قرآنی کے مقابلہ میں قابلِ سماعت نہیں ہو سکتی۔ شرح مواقف میں ہے ان اختلف الصحابه فی بعض سور القراٰن مروی بالاٰحاد المفیدة للظن و مجموع القراٰن منقول بالتواتر المفید للیقین الذی یضمحل الظن فی مقابله فتلك الا حادممّا لایلتفت الیه ثم ان سلمنا اختلافهم فیما ذکر قلنا انّهم لم یختلفوا فی نزوله علی النبی صلی الله علیه وسلم ولا فی بلوغه فی البلاغة حدالا عجازبل فی مجرد کونه من القراٰن و ذٰلك لایضر فیما نحن بصدده اھه حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں واجیب باحتمال انه کان متواترًا فی عصر ابن مسعود لکن لم یتواتر عند ابن مسعود فانحلت العقدة بعون الله تعالیٰ الخ اور صاحب المعانی کہتے ہیں، ولعل ابن مسعود رجع عن ذالك۔ آھه۔

تم سورة الناس

اس رب کریم کا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ جسکی خالص توفیق وتیسیر سے آج یہ مہتم بالشان کام انجام کو پہنچا۔ الٰہی! آج عرفہ کے مبارک دن اور وقوف بعرفات کے وقت میں تیرے کلام پاک کی ایک مختصر خدمت جو محض تیرے فضل و اعانت سے اختتام پذیر ہوئی تیری بارگاہ قدس میں بصد عجز و نیاز پیش کرتا ہوں۔ تو اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرما اور مقبول بنا، الٰہی! میں معترف ہوں کہ اس خدمت کی انجام دہی میں حق اخلاص ادا نہیں ہو سکا۔ لیکن تیری رحمت و رافت جب سیئات کو حسنات سے بدل ڈالتی ہے اس کے لئے ایک صورت حسنہ کو حقیقت حسنہ بنا دینا کیا بڑی بات ہے۔ میرا گمان تیرے ساتھ یہی ہے کہ تو اپنی نکتہ نوازی سے اس ناچیز عمل کو زندہ جاوید بنائے گا، اور اس کے نیک ثمرات سے دارین میں مجھ کو متمتع فرمائے گا۔ اے اللہ! تو اپنے قرآن پاک کی برکت سے میری، میرے والدین کی، میرے شیوخ و اساتذہ کی، میرے اقارب و احباب کی، اور ان کی جو اس کار خیر کے محرک و داعی بنے، یا جنھوں نے اس عظیم الشان کام میں رفاقت و اعانت کی سب کی مغفرت فرمائیے اور سب کو دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مامون و مصئون رکھیے اور حضرت مترجم قدس سرہ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع کیجیے ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم، اللهم انس وحشتی فی قبری اللهم ارحمنی بالقراٰن العظیم و اجعله لی امامًا و

نورًا و هدًی ورحمۃ اللھم ذکرنی منہ ما نسیت وعلمنی منہ ماجھلت وارزقنی تلاوتہ اٰناء اللیل و اٰناء النہار واجعلہ حجۃ لی یا رب العالمین۔

ولنعم ما قیل: اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سین یعنی اندر دو جہاں رہبر ما قرآن بس

۹۔ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

دیوبند

العبد الفقر

فضل اللہ المدعو بہ شبیر احمد ابن مولانا فضل الرحمٰن العثمانی

قد کان ابیؒ سمّانی بفضل اللہ وکان نیشد۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ ولو کرہ الاعداء من کلا حاسد